دکن کی خانقاہیں
اور اِن کی
علمی و سماجی خدمات

ترتیب و تدوین

پروفیسر سید علیم اشرف جائسی

ڈاکٹر محمد عبدالعلیم نظامی

دی قرآن فاؤنڈیشن حیدرآباد

دکن کی خانقاہیں اور ان کی علمی و سماجی خدمات

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد میں بتاریخ 8 -9/ دسمبر 2025ء کو منعقدہ
دوروزہ قومی سیمینار میں پیش کیے گئے علمی مقالات کا مجموعہ

ترتیب و تدوین
ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی
صدر شعبۂ عربی و ڈین بہبودیٔ طلبہ
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر محمد عبد العلیم
اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

دی قرآن فاؤنڈیشن، حیدرآباد

"مرتبین اور مجلسِ ادارت کا اس مجموعے میں شامل مقالات کے جملہ مندرجات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔"

نام کتاب	:	دکن کی خانقاہیں اور ان کی علمی و سماجی خدمات
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی، و ڈاکٹر محمد عبدالعلیم
		مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد، تلنگانہ
طبع اول	:	دسمبر 2025ء
تعداد	:	500
صفحات	:	1056
قیمت	:	1250/-
ناشر	:	پروفیسر سید علیم اشرف
طابع	:	ابوالوفا افغانی پرنٹنگ پریس، حیدرآباد



ISBN : 978-93-559388-93

مجلسِ ادارت

مجلسِ انتظامیہ

انتساب

چشتی صوفی علمی روایت کے امین

خواجۂ دکن

شہبازِ بلند پرواز، بندہ نواز، گیسو دراز

کے نامِ نامی اسم گرامی

گر یار کند میل، ہلالیؔ، عجبے نیست
شاہان چہ عجب گر بنوازند گدا را

گدائے صاحبدلاں
سید علیم اشرف جائسی

اظہار تشکر

دی قرآن فاؤنڈیشن، اور سیمینار انتظامیہ کمیٹی

اظہر بیگ صاحب، محمود علی صاحب اور تمام معاونین کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

جزاھم اللّٰہ جمیعا

مشمولات

عرض مرتب

ہندوستان کی جغرافیائی اکائیوں میں دکن کا خطہ ایک ممتاز اور منفرد تہذیبی شناخت رکھتا ہے۔ یہاں مختلف ثقافتیں اور زبانیں صدیوں تک باہمی احترام اور ہم آہنگی کے ساتھ پروان چڑھتی رہیں، اور اسی لسانی و ثقافتی تنوع نے دکن کو ہندوستان کی فکری و تہذیبی تاریخ میں ایک مرکزی اور نمایاں مقام عطا کیا۔ اس وسیع تہذیبی و ثقافتی پس منظر میں وہ روحانی مراکز اور خانقاہیں بھی داخل ہیں جنہوں نے دکن کی فکری و تہذیبی تشکیل میں تاریخ ساز کردار ادا کیا، اور اپنی گہری جڑوں، قدیم روایات اور وسیع سماجی روابط کے ساتھ صدیوں سے اس خطے کے علمی وفکری، ثقافتی و تہذیبی اور سماجی واجتماعی منظر نامے کی تشکیل کی، جو بعد میں ''دکنی تہذیب'' سے موسوم ہوا۔

دکن میں اسلام کی باضابطہ آمد چونکہ صوفیا کے ذریعے ہوئی، اس لیے یہاں روحانی مراکز کا قائم ہونا ایک فطری امر تھا۔ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں عرب تاجروں اور صوفیا کے ذریعے جس اخلاص و عمل کی داغ بیل پڑی تھی، آگے چل کر وہ خانقاہوں کی صورت میں، صدیوں سے ظلم وجبر کی چکیوں میں پستے ،اور ناانصافی اور عدمِ مساوات کی دھوپ میں جھلستے ہوئے بے بس اور لاچار انسانوں کے لیے شجرہائے سایہ دار اور مضبوط پناہ گاہ ثابت ہوئیں، جہاں سے صوفیائے کرام نے انہیں جورِ ادیان سے رہائی دلا کر اسلام کے نظامِ عدل واحسان کی روشنی میں ان کے صحیح مقام سے روشناس کرایا اور اپنے کردار و عمل سے ان بندگانِ خدا کو ان کے رب سے جوڑنے کا کام کیا، ان کے حسنِ اخلاق و تعامل سے متاثر ہو کر دکن کے حکمرانوں نے انہیں نہ صرف اعلی اخلاقی اقدار اور خیر واحسان کا داعی سمجھا، بلکہ ان کی خانقاہوں کو سماجی ورفاہی مراکز کی حیثیت سے بھی تسلیم کیا اور سماجی رفاہِ عام کے بہت سے کام ان کے مشورے اور رائے کے مطابق انجام دیے۔ کیونکہ یہ خانقاہیں محض مذہبی مراکز نہیں تھیں بلکہ علمی درسگاہیں، معاشرتی تربیت گاہیں، علوم وفنون کے مراکز، زبان وادب کے فروغ کی آماجگاہیں، تصوف وسلوک کی تربیت گاہیں اور انسانی مساوات وسماجی ہم آہنگی کا خوبصورت گہوارہ تھیں جس کے شاہد اس مجموعے میں شامل مقالات ہیں۔

دکن کی خانقاہوں کے اس ہمہ جہت کردار پر منظم تحقیقی کام کی ضرورت بہت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ جس کا شدید احساس استادِ محترم پروفیسر سید علیم اشرف جائسی کو بھی تھا، جو وقتا فوقتا ہم سب کی توجہ بھی اس اہم علمی کام کی جانب مبذول کروایا کرتے تھے۔ استادِ گرامی کو قریب سے جاننے والے تصوف کے احیا و تجدید کے لیے آپ کی لگن اور اس کاز کے لیے آپ کی علمی وفکری کاوشوں سے بخوبی واقف ہیں۔ تصوف وصوفیہ پر درجنوں تحریروں اور سینکڑوں خطابات کے علاوہ، آپ نے 26-27/اپریل 2025 کو لکھنؤ میں ایک قومی سطح کے سیمینار بعنوان: ''اودھ کی خانقاہیں اور ان کی علمی وسماجی خدمات'' کا انعقاد کیا، اور اس میں پیش کردہ مقالات کے مجموعہ کو کتابی شکل میں شائع کیا۔ الحمد للہ اس مجموعہ کو اہلِ علم ومحبانِ تصوف کی طرف سے جو پذیرائی ملی، اس کے بعد اس خیال کو مزید پختگی ملی کہ دکن کی

خانقاہوں پر بھی اسی نوعیت کا ایک جامع سیمینار منعقد کیا جانا چاہیے اور اس کا مجموعۂ مقالات دستاویزی شکل میں شائع ہونا چاہیے۔ اسی مقصد سے آپ نے دکن کے صوفیائے کرام کی علمی و سماجی خدمات پر سیمینار کا خاکہ بنایا اور اس کا اعلامیہ شائع کیا۔ اعلامیہ کے منظر عام پر آتے ہی اہلِ دکن نے جس گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اس کا اندازہ اس مجموعے میں شامل مقالات کی تعداد سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ یہ سیمینار دراصل استادِ گرامی کے اُس وسیع علمی و فکری مشن کا حصہ ہے، جس کا مقصد خانقاہی روایت اور روحانی نظام کو محض جذباتی وابستگی یا روایتی احترام کی حد تک محدود رکھنا نہیں، بلکہ اسے تحقیقی، تنقیدی، تاریخی اور فکری بنیادوں پر سمجھنا، سمجھانا، سماج و معاشرے پر اس کے ہمہ گیر اثرات کا جائزہ لینا، دوسروں کو اس سے روشناس کرانا، اور اس پاکیزہ اور نفع بخش نظام کے احیا اور بازیافت کے لیے کوشش کرنا ہے۔

اس دستاویزی اور تاریخی نوعیت کے کام اور مقالات کے جمع و ترتیب اور تصحیح و تنقیح کی ذمہ داری استادِ گرامی نے جس محبت، اعتماد اور شفقت کے ساتھ اس خاکسار کے سپرد فرمائی، وہ آپ کی بے شمار عنایتوں میں سے ایک عظیم نوازش ہے۔ ان کی رہنمائی نے اس منصوبے کو فکری بصیرت، تحقیقی سمت اور عملی ڈگر عطا کی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود جس طرح انہوں نے مقالات کی ایڈیٹنگ کے کام کی نہ صرف نگرانی فرمائی، بلکہ کئی ہفتوں تک مسلسل ان پر نظر ثانی اور تنقیح کا کام جس انہماک اور توجہ سے کیا ہے، وہ نہ صرف لائقِ صد تحسین و آفرین ہے، بلکہ ہم جیسے طالب علموں کے لیے باعثِ تحریک اور نمونۂ تقلید بھی ہے۔

اس سیمینار کے کلیدی خطبے کے لیے دکن کے ایک مشہور محقق و دانشور پروفیسر حافظ سید بدیع الدین صابری صاحب (عثمانیہ یونیورسٹی) کو دعوت دی گئی، پروفیسر صاحب نے نہایت خندہ پیشانی سے ہماری دعوت کو قبول کیا، اور اپنے جامع اور وقیع تحقیقی مقالے سے اس سیمینار کی علمی قدر و قیمت میں اضافہ کیا۔ حضرت نے دکن کے مختلف علاقوں اور وہاں رائج سلاسلِ تصوف، خانقاہوں اور کم و بیش ڈیڑھ سو صوفیا کا تذکرہ اور ان کی خدمات کا احاطہ جس جامعیت، اختصار اور منظم انداز میں کیا ہے، وہ اس کلیدی خطبے کو ایک علمی و تاریخی ماخذ بنا دیتا ہے۔

اس مجموعۂ مقالات میں دکن کی مرکزی اور تاریخی خانقاہوں کے علاوہ دکن کے مختلف علاقوں کے مشہور روحانی سلسلوں اور ان سے وابستہ علمی و ادبی شخصیات پر بھی مقالات شامل ہیں۔ یہ مجموعہ اردو، انگریزی اور ہندی کے مجموعی طور پر کل 103 مقالات پر مشتمل ہے، جن میں اردو کے نواسی (89)، انگریزی کے تیرہ (13) اور ہندی کا ایک مقالہ شامل ہے۔ اردو مقالات کو موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے درج ذیل چھ زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(1) تصوف-کلیدی خطبہ-مصادر

(2) دکن کی خانقاہیں

(3) دکن کے مشائخِ سلاسل

(4) دکن کے صوفی خانوادے

(5) دکن کے صوفیائے کرام

(6) صوفی شخصیات، تصانیف، مطالعات

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کتاب کی تصحیح و تنقیح کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے، تاہم انسانی فہم و عمل کی حد بندیوں کے سبب سہو و خطا کے امکان سے کسی کو مجالِ انکار نہیں۔ ٹائپنگ اور کمپیوزنگ کی غلطیاں اس پر مستزاد ہیں، جن کے تدارک کی کوشش ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں کی جائے گی۔

اس موقع پر راقم السطور تمام مقالہ نگاران، خانقاہوں کے ذمہ داران، اہلِ قلم اور ان علم دوست حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے، جنہوں نے اپنے تحقیقی مقالات یا کسی بھی طریقے سے اس کام کی تکمیل میں تعاون کیا ہے۔ اسی طرح ایڈیٹوریل ٹیم کے تمام ممبران کا بھی شکریہ جنہوں نے نہایت عرق ریزی اور ہفتوں کی شبانہ روز محنت و جانفشانی کے ساتھ مقالات کی تصحیح و تنقیح کا کام انجام دیا اور اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں تعاون کیا۔ سیمینار کی انتظامیہ کمیٹی کا بھی بے حد شکریہ جس نے تنظیمی اور انتظامی امور میں قابلِ ستائش خدمات انجام دیں۔ ان تمام احباب کے تعاون کے بغیر یہ کام ہرگز ممکن نہیں تھا۔ خصوصیت کے ساتھ پروفیسر محمد عبد السمیع صدیقی صاحب کا شکریہ جن کے تعاون، تکنیکی رہنمائی، تنظیمی صلاحیت نے اس منصوبے کی تکمیل میں غیر معمولی آسانیاں فراہم کیں۔ آپ نے نہ صرف انتظامی امور کی باگ ڈور سنبھالی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس مجموعے کے انگریزی حصے کی ایڈیٹنگ اور تصحیح و تنقیح کا کام بھی انجام دیا۔

اخیر میں دی قرآن فاؤنڈیشن The Quran Foundation (TQF) حیدرآباد، اور اس کے روح رواں جناب سید منور صاحب اور ان کی پوری ٹیم کا بے حد شکریہ، جو اس مجموعہ کی اشاعت اور سیمینار کے انعقاد میں پیش پیش رہے۔ ان دونوں علمی منصوبوں کا روبہ عمل آنا TQF کے مالی تعاون سے ہی ممکن ہو سکا۔ اسی طرح مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے مرکزِ مطالعاتِ اردو ثقافت اور شعبۂ عربی کے تمام اساتذہ و اراکین کا بھی شکریہ جنہوں نے اس کام میں بھرپور تعاون کیا۔

امید ہے کہ یہ مجموعۂ مقالات دکن کے صوفی ادب میں ایک اہم اور معنی خیز اضافہ ثابت ہوگا، جو نہ صرف صوفی روایت کی بہتر تفہیم میں معاون اور صوفیانہ وراثت کی تحقیق و پیش کش میں آگے بڑھنے کا سبب بنے گا، بلکہ اس میدان میں غور و فکر، بحث و نظر اور تحقیقی مطالعات کے نئے امکانات بھی روشن کرے گا۔

ڈاکٹر محمد عبد العلیم

01/12/2025

تصوف: ماہیت، منبع، منہج اور مقامات

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی*

شریعت مطہرہ نے انسان کی صلاح وفلاح اور دنیاوآخرت میں اس کی کامیابی وکامرانی کے لیے اسے دو قسم کے احکام دیے ہیں: ان احکام کی ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق انسان کے جسم اور قالب سے ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق انسان کے روح وقلب سے ہے۔ پھر قلب وقالب دونوں سے متعلق احکام مزید دو دو قسموں میں منقسم ہیں: اوامر اور نواہی۔ جسم سے متعلق اوامر ہیں: نماز، زکاۃ، روزہ اور حج وغیرہ؛ نواہی ہیں: چوری، شراب نوشی اور زنا وغیرہ۔ اسی طرح قلب سے متعلق اوامر میں اللہ تعالیٰ فرشتوں، رسولوں، آسمانی کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا وغیرہ شامل ہے۔ صدق وتوکل رضا اور شکر وغیرہ بھی اوامر قلبیہ کا حصہ ہیں۔ جبکہ قلب سے متعلق نواہی میں کفر، نفاق، کبر، بغض، ریا، حسد اور خود پسندی وغیرہ داخل ہیں۔ نجات کے لیے قلب وقالب دونوں کی اصلاح ضروری ہے، اور شرعا دونوں سے متعلق احکام کی بجا آوری مطلوب ہے۔ لیکن احکام قلبیہ - اوامر ہوں یا نواہی۔ اس حیثیت سے زیادہ اہم ہیں کہ انھیں پر جسم کے اعمال کی صحت وقبولیت کا دارومدار ہوتا ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"إنَّ في الجَسَدِ مُضْغَةً، إذا صَلَحَتْ، صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وإذا فَسَدَتْ، فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ، ألا وهي القَلْبُ." (1)

(بلا شبہ جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر یہ درست ہے تو پورا جسم درست ہے اور اگر یہ فاسد ہے تو پورا جسم فاسد ہے، ہشیار رہو یہ ٹکڑا دل ہے۔) جسم میں یہی وہ ٹکڑا ہے جو رب تعالیٰ کا محل نظر ہے، ارشاد نبوی ہے:

"إِنَّ الله لا يَنْظُرُ إِلى أَجْسامِكُم، وَلا إِلى صُوَرِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وأعْمَالِكُمْ"۔ (2)

(اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں دیکھتا ہے، لیکن وہ تمہارے دل اور اعمال کو دیکھتا ہے۔)

لہٰذا دنیا میں اعمال کی صحت اور آخرت میں نجات دونوں کا دارمدار دل کی اصلاح پر ہے۔ اس سے قلب اور اس سے متعلق احکام دونوں کی غیر معمولی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں قلب سے متعلق احکام کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جسم کے برخلاف دل کے امراض وعیوب بہت خفیہ اور باریک ہوتے ہیں، جن کا علم وادراک بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات ہم اپنے دل کے عیب کو ہنر اور نقص کو کمال سمجھ لیتے ہیں۔ مثلا کوئی اپنے ٹوٹے ہوئے پیر کو موچ نہیں سمجھتا، نہ ہی بخار اور سر درد کے شعور میں کبھی کوئی غلطی کرتا ہے لیکن بے شمار لوگ ایسے ہیں جو تکبر کو عزتِ نفس، تملق کو احترامِ غیر، غیبت کو حق گوئی، اہانتِ ذات کو تواضع، بزدلی کو حزم واحتیاط، جلد بازی ونادانی کو شجاعت اور بخل کو معاشی سوجھ بوجھ سمجھتے ہیں۔ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ اخلاق کے ذریعے دل کے تمام عیوب وامراض حتی کہ وساوس وخطرات کو بھی دور کیا جاسکتا ہے۔ اور دل سے متعلق احکام کی اچھی طرح سے بجا آوری کی جاسکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ

* پروفیسر وصدر شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

زَكّٰهَا" (الشمس:9)یعنی کامیاب وہ ہوا جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔ تصوف اسی تزکیۂ نفس اور تصفیۂ اخلاق کا نام ہے، جس کے ذریعے انسان اپنے ظاہر و باطن کی تعمیر کر سکتا ہے، تاکہ وہ ابدی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکے۔ قاضی زکریا انصاری متوفی 929ھ تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"التصوف: علمٌ تُعرفُ به أحوالُ تزكيةِ النُّفوسِ وتَصفيةِ الأخلاقِ وتعميرِ الظّاهرِ والباطِنِ لِنَيلِ السّعادةِ الأبديّةِ." (3)

(تصوف ایسا علم جس کے ذریعے نفوس کے تزکیہ، اخلاق کی صفائی اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال کو جانا جاتا ہے، تاکہ ابدی خوش بختی حاصل ہو سکے۔) مختصر یہ کہ اعمال کا دارومدار قلب پر ہے، اور وہی رب تعالی کا محل نظر ہے، پھر قلب کی صلاح و فلاح تزکیہ پر موقوف ہے اور تزکیہ کے قواعد ووسائل کی معرفت تصوف سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ان واضح اور یقینی مقدمات سے ہم اس واضح اور یقینی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ: تصوف کی ضرورت واہمیت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

منبعِ تصوف:

دین کے تمام شعبوں کی طرح تصوف و تزکیہ کا منبع بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے، بلکہ قرآن کریم تو تزکیہ کو ان کی بعثت کا مقصد قرار دے رہا ہے: "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" (آل عمران:164۔ بے شک اللہ تعالی نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت فرماتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔) تزکیہ ہی کی طرح تصوف کے جملہ اصول و فروع کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں۔ تصوف اور علمِ تصوف میں تمیز نہ کرنے والے حضرات زبردست غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں اور اکثر یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ یہ عہدِ صحابہ میں کیوں نہ تھا؟ اگر ان کی مراد علمِ تصوف ہے، تو بلاشبہ یہ قرونِ اولی میں نہیں تھا، نہ اس وقت اس کی ضرورت تھی، بلکہ علمِ تفسیر اور دیگر علومِ قرآن، علمِ حدیث، علمِ توحید و کلام اور علمِ فقہ واصول وغیرہ کوئی بھی علم اس مبارک و مسعود دعہد میں نہیں تھا، اور نہ ان کی ضرورت تھی۔ اور اگر مراد تصوف ہے تو بلا شک وشبہ یہ اس عہد میں موجود تھا۔ خود مرشدِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کا تزکیہ فرماتے تھے، اور انھیں مجاہدۂ نفس یا "جہاد اکبر" کی تربیت دیتے تھے۔ شیخ محمد صدیق محدث غماری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أمّا أوّلُ مَن أسّسَ الطريقةَ فَلتَعلَمَ أنّ الطريقةَ أسّسَها الوحيُ السّماويُّ في جملةِ ما أسّسَ مِن الدّينِ المحمديِّ، إذ هي بلا شكّ مقامُ الإحسانِ الذي هو أحدُ أركانِ الدّينِ الثّلاثةِ التي جَعلَها النّبيُّ صلّى اللهُ عليه وآله وسلّم ، بعدَ ما بَيَّنَها واحدًا واحدًا دينًا بقوله: "هذا جبريلُ عليه السّلامُ أتاكُم يُعلِّمَكُم دينَكُم، وهو الإسلامُ والإيمانُ والإحسانُ"، فالإسلامُ طاعةٌ وعبادةٌ، والإيمانُ نورٌ وعقيدةٌ، والإحسانُ مقامُ مراقبةٍ و مشاهدةٍ"۔ (4) (رہا یہ کہ تصوف کی بنیاد کس نے ڈالی تو جان لو کہ اس کی بنیاد وحی آسمانی نے ڈالی ہے جس طرح کہ دین محمدی میں ہر چیز کی بنیاد وحی آسمانی نے ڈالی ہے۔ بلاشبہ تصوف وہی ہے جسے (حدیث شریف میں) احسان کہا گیا ہے۔ احسان دین کے تین ارکان میں سے ایک رکن ہے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ایک ایک کر کے بیان کیا اور انھیں دین قرار دیا، اپنے اس ارشاد مبارک میں کہ: "یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے"۔ یہ تینوں ارکان: اسلام، ایمان اور احسان ہیں۔ اسلام: اطاعت وعبادت ہے، ایمان: نور وعقیدہ کا نام ہے، اور احسان: مقام مراقبہ ومشاہدہ ہے۔)

حدیثِ جبریل:

شیخ غماری نے جس حدیث شریف کی طرف اشارہ کیا ہے اور جسے انھوں نے تصوف کی بنیاد قرار دیا ہے، اصطلاح میں یہ حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے، یہ حدیث نہ صرف تصوف بلکہ شریعتِ مطہرہ کی ایک اہم اصل ہے۔ یہ ایک صحیح ومشہور حدیث ہے۔ بے شمار اصحابِ صحاح وسنن وآثار ومصنفات ومسانید نے اس کی روایت کی ہے۔ چونکہ یہ حدیث اہلِ تصوف کا بنیادی ماخذ ہے اور بقول صاحبِ فتح الباری یہ بغية السالكين، كنز العارفين اور عمدة الصديقين ہے، لہٰذا اسے قدرے تفصیل سے ذکر کیا جارہا ہے۔ امام مسلم اپنی الجامع الصحیح میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"بينما نحن عند رسولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلم ذاتَ يومٍ إذ طلع علينا رجلٌ شديدُ بياضِ الثيابِ شديدُ سوادِ الشعرِ، لا نرَى عليه أثرَ السفرِ ولا نعرفُه، حتَّى جلس إلى رسولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلم، فأسند ركبتَه إلى ركبتِه، ووضع كفَّيهِ على فخِذَيه، وقال: يا محمدُ! أخبِرْني عن الإسلامِ؟ فقال رسول الله: الإسلامُ أنْ تشهدَ أنْ لا إلهَ إلَّا اللهَ وأنَّ محمدًا رسولُ اللهِ، وتُقيمَ الصلاةَ، وتؤتيَ الزكاةَ، وتصومَ رمضانَ، وتحُجَّ البيتَ إنِ استطعتَ إليه سبيلًا. قال: صدقتَ: قال عمرُ: فعجِبنا له يسألُهُ ويصدِّقُه. فقال: أخبرني عن الإيمانِ ما الإيمانُ؟ قال: الإيمانُ أنْ تؤمنَ باللهِ وملائكتِه وكتبِه ورسلِه واليومِ الآخرِ والقدرِ خيرِه وشرِّه. قال: صدقتَ. قال: فأخبرني عن الإحسانِ ما الإحسانُ؟ قال: أنْ تعبُدَ اللهَ كأنك تراهُ، فإن لم تكنْ تراهُ فإنه يراكَ. قال: فأخبِرْني عن الساعةِ؟ قال: ما المسئولُ عنها بأعلمَ من السائلِ. قال: فأخبرني عن أماراتِها. قال: أنْ تلدَ الأمةُ ربَّتَها، وأنْ ترَى الحفاةَ العراةَ العالةَ رعاءَ الشَّاءِ يتطاولونَ في البنيانِ، قال: ثمَّ انطلقَ الرجلُ، فلبثتُ مليًا ثمَّ قال: يا عمرُ! أتدري من السائلُ؟ قلتُ: اللهُ ورسولُه أعلمُ. قال: فإنه جبريلُ أتاكم يعلِّمَكم دينَكم."(٥)

(ایک دن ہم لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں تھے کہ ہمارے درمیان ایک شخص آیا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال خوب کالے تھے، نہ تو اس پر سفر کا کوئی اثر تھا، نہ ہم میں سے کوئی اس سے واقف تھا۔ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (اتنے قریب) بیٹھا کہ اس نے اپنے گھٹنوں کو حضور کے گھٹنوں سے ملا دیا، اور اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھ لیا۔ اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے؟ آپ نے فرمایا کہ: "اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکاۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو حج کرو۔ اس شخص نے کہا: آپ نے سچ فرمایا: راوی (حضرت عمر) کہتے ہیں کہ ہمیں اس شخص پر بہت تعجب ہوا کہ خود سوال کر رہا ہے اور خود ہی تصدیق کر رہا ہے، پھر اس شخص نے پوچھا مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے؟ فرمایا: "کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اس

کے رسولوں پر، یوم آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر۔ اس شخص نے کہا: آپ نے صحیح فرمایا، اور کہا کہ: مجھے احسان کے بارے میں بتائیے؟ فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہ دیکھ سکو (تو یہ یقین رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس شخص نے کہا: مجھے قیامت کے بارے خبر دیجیے؟ فرمایا: جس سے پوچھا جارہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ اس شخص نے عرض کیا: اچھا تو پھر اس کی نشانیوں کے بارے میں مطلع کیجیے؟ فرمایا: کہ باندی اپنی مالکن کو پیدا کرے گی، اور تم دیکھو گے کہ برہنہ پا و برہنہ بدن، دوسروں پر گزارا کرنے والے، بکریاں چرانے والے، کوٹھیوں میں اترائیں گے۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا گیا، میں کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا، پھر مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ و رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: "یہ جبریل (علیہ السلام) تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔)

یہ حدیث حضرت عبد اللہ ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمارہ ابن قعقاع اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر روایتوں میں ان تعبد اللہ ہی آیا ہے البتہ بعض روایتوں میں: أنْ تَعملَ لله (6) (اللہ کے لیے یوں عمل کرد...) اور بعض دوسری روایتوں میں: أن تخشى الله (7) (اللہ سے ایسا ڈرو...) وارد ہوا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں علماء و محدثین نے بڑے ایمانی و عرفانی نکات بیان کیے ہیں۔ ان سب سے قطعِ نظر یہاں صرف ایک بات عرض کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے ایک نہایت مہتم بالشان امر کا بیان کروا رہا ہے، ارکانِ دینِ متین کی وضاحت کروا رہا ہے، لہٰذا اس مہتم بالشان امر کے شایانِ شان اہتمام بھی کیا جارہا ہے، حضرت جبریل کو سائل بنا کر بھیجا جارہا ہے تاکہ حدیثِ شریف میں بیان کردہ امور کی قدر و شان کا اندازہ ہو سکے۔ اس حدیث میں حضرت جبریل نے تین سوالات کیے: اسلام کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ اور احسان کیاہ؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سوالوں کے جواب مرحمت فرمائے اور پھر فرمایا کہ: "یہ جبریل تھے جو تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے"۔ اس طرح یہ حقیقت آفتاب نیم روز کی طرح واضح، اور اس امر میں ظاہر بلکہ نص ہے کہ ایمان، اسلام اور احسان دین محمدی کے تین ارکان ہیں جن میں سے کسی ایک کے بغیر دین مکمل نہیں ہے۔ اور کسی ایک کا بھی انکار دین کا انکار ہے۔

احسان و تصوف:

حدیث جبریل میں جسے احسان کہا گیا ہے بعد میں اسی کا نام تصوف ہو گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: احسان یہ ہے کہ: " أنْ تعبُدَ اللهَ كأنك تراهُ، فإن لم تكنْ تراهُ فإنه يراكَ "، یعنی خدا کی بندگی یوں کرو گو یا تم اسے دیکھ رہے ہو، اس کا مشاہدہ کر رہے ہو، اور اگر تمہیں یہ مقام و مرتبہ حاصل نہ ہو، تو کم از کم یوں اس کی بندگی کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پہلا مرحلہ مرحلہ مشاہدہ ہے جو اعلی درجے کا ہے، یہی تصوف کی منزل ہے، یہی سالکین طریقت کی منہائے آرزو ہے۔ اور دوسرا مرحلہ مراقبہ کا مرحلہ ہے یعنی اس تصور کے ساتھ عبادت کرو کہ تمہاری نگرانی ہو رہی ہے۔ اور مراقبے کا یہ مسلسل تصور کبھی بھی اخلاص کو ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ تصوف انھیں دونوں مرحلوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے کہ تصوف نام ہے سلوک اور وصول کا، صوفی یا تو سالک ہوتا ہے یا پھر واصل ہوتا ہے۔ سلوک: راستہ (طریقت) و مراقبہ ہے، اور وصول: منزل و مشاہدہ ہے۔ شارح مسلم امام نووی، ابو زکریا یحی بن

شرف متوفی 676ھ، فرماتے ہیں کہ:

قوله ﷺ: (الإحسان أنْ تعبُدَ اللهَ كأنك تراهُ، فإنْ لم تكنْ تراهُ فإنّه يراكَ) هذا مِن جوامِع الكلمِ التى أوتيها ﷺ، لأنّا لو قدّرنا أنّ أحدَنا قامَ فِي العبادةِ وهو يُعايِنُ ربَّه سبحانَه تعالى لَم يترُكْ شيئاً ممّا يقدرُ عليه مِن الخضوعِ والخشوعِ و حسنِ الصّمتِ"۔ (8)

(اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کہ: " احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر اسے نہ دیکھ سکو، تو یوں کرو گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ ان جوامع الکلم میں سے ہے جو آپ اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے گئے ہیں۔ اس لیے کہ اگر ہم اندازہ کریں کہ ہم سے کوئی اس حال میں عبادت کے لیے کھڑا ہوا ہے کہ وہ اپنے رب سبحانہ تعالی کا مشاہدہ کر رہا ہو، تو وہ خضوع و خشوع اور جمال سکینہ ووقار میں سے حسب مقدور کوئی چیز ترک نہیں کر سکتا ہے۔)

اس حدیث کی اہمیت اور جامعیت کا اندازہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے جسے امام نووی نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"وهذا الحديثُ قد اشتملَ على شرحِ جميعِ وظائفِ العباداتِ الظاهرةِ والباطنةِ مِن عُقودِ الإيمانِ وأعمالِ الجوارِحِ وإخلاصِ السّرائرِ، والتّحفُّظِ مِن آفاتِ الأعمالِ حتّى أنّ علومَ الشريعةِ كلَّها راجعةٌ إليه، و متشعّبةٌ منه، قال: وعلى هذا الحديث وأقسامِه الثلاثةِ ألّفْنا كتابَنا الذي سمَّيناه بالمقاصدِ الحِسانِ فيما يلزمُ الإنسانَ؛ إذْ لا يَشذّ بشيءٍ مِن الواجباتِ والسُّننِ والرّغائبِ والمحظوراتِ و المكروهاتِ عن أقسامِه الثلاثةِ، واللهُ أعلمُ" - (9)

(یہ حدیث شریف ایمان کے ارکان، اعضاء کے اعمال، باطن کے اخلاص اور عمل کی آفتوں سے حفاظت غرض یہ کہ جملہ اعمال ظاہر و باطن کے شرح و بیان پر مشتمل ہے۔ یہ تمام شرعی علوم کی اصل ہے اور سارے علوم اس کی شاخیں ہیں۔ ہم نے اس حدیث میں مذکور تینوں ارکان دین پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام 'المقاصد الحسان فیما یلزم الانسان' رکھا ہے، کیونکہ واجبات، سنن، مستحبات، ممنوعات اور مکروہات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ان تینوں قسموں سے باہر ہو۔)

امام ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ، حدیث جبریل میں مذکور احسان اور اس کی تعریف کو دین کا رکن رکین اور تصوف کی اصل متین قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

"وهذا القدرُ من الحديث الشريف أصلٌ عظيمٌ مِن أصولِ الدينِ، وقاعدةٌ مهمّةٌ مِن قواعدِ المسلمين، وهو عُمدةُ الصدّيقين، وبُغيةُ السالكين، وكنزُ العارفين، ودأبُ الصالحين. وهو مِن جوامعِ الكلمِ التي أوتيها رسولُ اللهِ صلّى اللهُ عليه وسلّم "- (10)

(حدیث شریف کا یہ حصہ (أن تعبد الله كأنك...) دین کے اصول میں سے ایک عظیم اصل ہے اور مسلمانوں کے قاعدوں میں سے ایک اہم قاعدہ ہے۔ یہ صدیقین کا معتمد علیہ، سالکین طریقت کا ہدف و مقصد، عارفین باللہ کا خزانہ اور صالحین کا طریقہ ہے۔ یہ ان جوامع الکلم میں سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیے گئے ہیں۔)

امام نووی و عسقلانی رحمہما اللہ کی طرح تمام علمائے حق کا اجماع ہے کہ حدیث جبریل میں مذکور احسان - جو دین کے تین رکنوں میں سے ایک

رکن ہے۔ تصوف ہی ہے۔ اور مرتبۂ احسان کا حصول علمِ تصوف کے ذریعے ہی ہوتا ہے، کیونکہ جیسے دین کے رکنِ اول ایمان کی تفسیر علمِ کلام نے کی ہے، رکنِ ثانی کی تفصیل وبیان کا کام فقہ نے کیا ہے، ویسے ہی رکنِ اخیر یعنی احسان کی شرح وبسط اور اس کی عقدہ کشائی کا عمل علمِ تصوف نے انجام دیا ہے۔ اور ان تینوں کا مصدر ومنبع رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات وستودہ صفات ہے، ان کی لائی ہوئی کتاب ہے، ان کی سنت وسیرت ہے، اور ان کی تعلیم وہدایت ہے۔

دینِ اسلام کا تین ارکان پر مشتمل ہونا ایک بڑی حکمت پر مبنی ہے۔ کیوں کہ یہ دین جس کی ہدایت واصلاح کے لیے بھیجا گیا ہے یعنی انسان کا وجود بھی تین اجزا پر مشتمل ہے: جسم عقل اور روح، اور یہ تینوں اپنی اپنی طبیعت میں مختلف ہیں کوئی ایک چیز ان تینوں کی اصلاح کا کام نہیں کرسکتی ہے۔ لہٰذا تین مختلف الطبائع اجزا سے مرکب انسان کی اصلاح کے لیے اللہ عزوجل نے ایسا دین بھیجا جو تین ارکان پر مشتمل ہے، تاکہ انسانی وجود کے ہر جز کی اصلاح ہو سکے۔ ان ارکانِ دین میں سے اسلام جسم کی اصلاح کے لیے، ایمان عقل کی اصلاح کے لیے اور احسان روح کی اصلاح کے لیے ہے۔

ذیل میں تصوف کے عملی منہج کے اہم اور ضروری عناصر کے ساتھ ساتھ سلوک الی اللہ کے چند احوال ومقامات کا کتاب وسنت سے ثبوت پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ تصوف پر عجمیت کا بہتان لگانے والی یا اسے عیسائیت، بدھ ازم یا ہندومت سے ماخوذ قرار دینے والی نام نہاد دانشوری کو مجالِ سخن نہ رہے۔ واضح رہے کہ یہ ایک محدود دوسرسری جائزہ ہے، جس میں نہ پورے نظامِ تصوف کا احاطہ ممکن ہے، اور نہ سارے احوال ومقامات کے ذکر کی گنجائش ہے۔ یہاں تو صرف اس بات کا اثبات مطلوب ہے کہ جس طرح اصلِ تصوف یعنی احسان کا مصدر سنتِ نبویہ ہے، اسی طرح اس کے تمام اہم فروع اور سلوک الی اللہ کے تمام مراحل اور احوال ومقامات کا منبع بھی کتاب وسنت ہے۔ لہٰذا مقالے میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ نہ منطقی دلائل پیش کیے جائیں نہ عقلی حجتوں سے تعرض کیا جائے، نہ فقہی، کلامی، تفسیری اور تاریخی روایتوں پر اعتماد کیا جائے اور نہ صوفی یا غیر صوفی کسی بھی غیر معصوم کے قول کو سند بنایا جائے، بلکہ صرف اور صرف حجتِ معصومہ پر اکتفاء کیا جائے۔ محض اللہ عزوجل کی کتاب اور سنتِ صحیحہ ثابتہ کو ہی دلیل بنایا جائے۔ تاکہ یہ ایک طرف اہلِ تصوف کے لیے حجت ہو اور دوسری طرف معارضینِ تصوف کے لیے عبرت ونصیحت ہو۔

منہجِ تصوف

1۔ صحبت

صالحین کی صحبت سالکینِ طریقت کی پہلی منزل ہوتی ہے، حکمِ ربانی ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ" (التوبۃ: 119) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔) صحبت کی اہمیت وضرورت کا بیان، سورۃ الاحزاب: 23، الکہف: 28،66، 67، لقمان: 15، الفرقان: 27، 28، 29، 59، اور الزخرف: 67، میں بھی ہوا ہے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحبت کے اثرات کو لازمی قرار دیتے ہوئے بے حد دلکش اور یقین افروز مثال پیش فرماتے ہیں:

"إِنّما مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ، وجَلِيسِ السُّوءِ، كَحامِلِ المِسْكِ، ونافِخِ الكِيرِ، فَحامِلُ المِسْكِ، إِمَّا أنْ يَحْذِيَكَ، وإِمَّا أنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وإِمَّا أنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، ونافِخُ الكِيرِ، إِمَّا أنْ يَحْرِقَ ثِيابَكَ، وإِمَّا أنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً". (11)
(اچھے اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک رکھنے والا، اور لوہار کی دھونکنی دھونکنے والا، مشک رکھنے والا یا تو تمھیں ہدیہ دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا اس سے اچھی خوشبو پاؤ گے، اور دھونکنی والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے بری بدبو پاؤ گے۔)
یعنی صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے چنانچہ اچھوں کی صحبت سے فائدہ ضرور ہوتا ہے کم ہو یا زیادہ، اسی طرح بروں کی صحبت سے نقصان ضرور ہوتا ہے کم ہو یا زیادہ۔ بلکہ ایک دوسری حدیث میں تو آپ نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ لوگ اپنے دوستوں کے عقیدہ و مذہب پر ہوتے ہیں، چنانچہ امام ترمذی متوفی 279ھ، اور امام ابو داود متوفی 5 27ھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الرجلُ على دِينِ خليلِه، فلينظر أحدُكم من يُخالِلْ" (12) (ہر شخص اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے لہذا تم سے ہر ایک غور کرے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔)

2۔ بیعت

سالک وصوفی ابتدائے سلوک میں شیخ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھام کر نیکیوں کے التزام اور گناہوں کے اجتناب کا عہد کرتا ہے۔ اسی عہد کا نام بیعت ہے، تصوف میں اس کی بے حد اہمیت ہے۔ اس بیعت کی ضرورت اور اس کا مقصد وطریقہ سب کچھ کتاب و سنت سے ماخوذ ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:" إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ، فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ، وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا. (الفتح: ١٠)
(جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں در حقیقت وہ اللہ کی بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، تو جس نے بیعت کو توڑا اس کا وبال اسی پر ہو گا اور جس نے اللہ سے کیے گئے عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالی اسے جلد ہی بڑا اجر دے گا۔)
سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں اخذ بیعت اور حصولِ عہد کی متعدد صورتیں ملتی ہیں، جیسے مردوں کی بیعت، عورتوں کی بیعت، فردِ واحد کی بیعت، پوری جماعت کی بیعت وغیرہ، یہاں تک کی نابالغ بچوں کی بیعت بھی سنتِ صحیحہ میں ملتی ہے۔ امام بخاری علیہ رحمۃ الباری متوفی256 ھ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کرتے ہیں کہ، ارشاد نبوی ہے:
"بَايِعُونِي علَى أنْ لا تُشْرِكُوا باللَّهِ شيئًا، ولَا تَسْرِقُوا، ولَا تَزْنُوا، ولَا تَقْتُلُوا أوْلَادَكُمْ، ولَا تَأْتُوا ببُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بيْنَ أيْدِيكُمْ وأَرْجُلِكُمْ، ولَا تَعْصُونِي في مَعروفٍ، فمَن وفَى مِنكُم فأجْرُهُ علَى اللَّهِ، ومَن أصَابَ مِن ذلكَ شيئًا فَعُوقِبَ به في الدُّنْيَا فَهو له كَفَّارَةٌ، ومَن أصَابَ مِن ذلكَ شيئًا فَسَتَرَهُ اللَّهُ فأمْرُهُ إلى اللَّهِ، إنْ شَاءَ عَاقَبَهُ، وإنْ شَاءَ عَفَا عنْه، فَبَايَعْنا علَى ذلكَ" (13)
(اس شرط پر میری بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل

نہیں کروگے، بہتان کے ذریعے کھلی افتراء پردازی نہیں کروگے، بھلائی میں نافرمانی نہیں کروگے۔ پس تم میں سے جو بھی عہد کو پورا کرے گا اس کی جزاء اللہ کے ذمہ ہے، اور جس سے ان میں سے کوئی چیز سرزد ہوگئی پھر دنیا میں اسے سزا مل گئی تو وہ سزا اس کے لیے کفارہ ہوگی، اور جس سے ان میں سے کوئی گناہ سرزد ہوا پھر اللہ نے اسے پوشیدہ رکھا، تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے گا تو معاف کر فرمادے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔ پھر ہم نے اسی پر آپ کی بیعت کی۔)

3۔ مجاہدہ

جہاد کی طرح مجاہدہ بھی فعل: "جاھد / یجاھد" کا مصدر ہے: جیسے عاقب یعاقب / معاقبۃ وعقابا، البتہ عام استعمال میں مجاہدہ: جہاد بالنفس کے لیے، اور جہاد: ظاہری دشمن سے مجاہدہ بالسلاح کے لیے بڑی حد تک مخصوص ہوگیا ہے۔ لیکن اصل معنی کی رعایت میں دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی خوب استعمال ہوتے ہیں۔ مجاہدے کی تین قسمیں ہیں: 1۔ ظاہری دشمن سے مجاہدہ، 2- شیطان سے مجاہدہ، اور 3۔ نفس سے مجاہدہ، اور مجاہدے کی یہ تینوں قسمیں شرعاً مطلوب ہیں؛ لیکن آخر الذکر یعنی مجاہدۂ نفس کو بقیہ دونوں قسموں پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ جو لوگ مجاہدۂ نفس کی منزل سے گزر چکے ہوتے ہیں وہی صحیح معنوں میں ظاہری دشمن سے مجاہدے (جہاد) کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اسی لیے مجاہدۂ نفس کو 'جہاد اکبر' کہا گیا ہے۔ آج امتِ اسلامیہ غیر مزکی نفوس کے جہاد سے جس قدر آزردہ اور جس طرح اقوامِ عالم کے سامنے مہتم ہے اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اگر گزشتہ 20/25 سالوں میں ان نام نہاد مجاہدوں کی پروگریس رپورٹ دیکھیں تو ان کے ہاتھوں سے مرنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں کی تعداد سے ہزاروں گناہ زیادہ ہے، صرف ایک الجزائر میں لاکھوں مسلمانوں اس "جہادی جنون" کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان مظلوموں کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ ائمہ کی تقلید کرتے تھے اور تصوف کی تائید کرتے تھے۔ مجاہدۂ نفس بھی کتاب و سنت سے ماخوذ ہے، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ " وجاهِدُوا فِي اللهِ حقَّ جِهادِه "(الحج:78) یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حکم ہے۔ اور آیت کریمہ:"وجاهِدُوا بأموالِكم وأنفُسِكم في سبيلِ اللهِ " (التوبہ: 41) یعنی اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ ان آیتوں میں ظاہری دشمن، شیطان، اور نفس تینوں سے جہاد شامل ہے۔ یعنی یہ آیتیں جہاد کی تینوں قسموں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب جہاد کی تین قسمیں ہیں تو کتاب وسنت میں جہاں جہاں جہاد کا حکم ہوگا اس میں یہ تینوں قسمیں داخل ہوں گی ہاں اگر کسی آیت یا حدیث میں ایسا کوئی قرینہ ہو جو اسے ایک ہی قسم میں محدود کر دے، تو وہاں قرینے کے مطابق جہاد کی وہی مخصوص قسم مراد ہوگی۔ مثلاً اگر قتال کے شروع ہونے سے قبل اور جہاد بالسیف کا حکم آنے سے پہلے کسی آیت میں جہاد کا حکم ہے، تو یہ ایک قرینہ ہے کہ یہاں جہاد سے مراد مجاہدۂ نفس ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"وَالَّذِينَ جَاهِدُوا فِينَا لَنَهْدِ يَنْهُمْ سُبُلَنَا "(العنکبوت:29) (جنھوں نے ہماری رضا کی طلب میں مجاہدہ کیا ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔)

یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور قتال کا حکم مدینے میں فرض ہوا، لہذا یہ بات طے ہے کہ آیت میں مجاہدے سے مراد مجاہدۂ نفس یا مجاہدۂ شیطان ہے۔ مفسرینِ کرام نے بھی اس کی تائید کی ہے، امام قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد متوفی 671ھ فرماتے ہیں: "قال السّدّيُّ وغيرُه إنّ هذه الآيةَ نَزَلَتْ قبلَ فرضِ القِتالِ" (14) (امام سدی اور دوسرے ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت جہاد کی فرضیت سے قبل نازل ہوئی۔)

ابن عطیہ شیخ ابو محمد عبد الحق اندلسی متوفی 546 ھ، اپنی کتاب 'المحرر الوجیز فی تفسیر کتاب اللہ العزیز' میں فرماتے ہیں کہ آیت میں جہاد و مجاہدہ سے مراد ہے: "مجاهدةُ النّفسِ في طاعةِ اللهِ عزّ وجلّ، وهو الجهادُ الأكبرُ" (15) (یعنی اللہ کی اطاعت میں نفس سے مجاہدہ کرنا ہے، اور وہی جہاد اکبر ہے۔) امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ، فرماتے ہیں: " أي مَن جاهَدَ بالطّاعةِ هَداهُ سُبلَ الجنّةِ" (16) (جس نے اطاعت وبندگی کے ساتھ مجاہدۂ نفس کیا تو اللہ نے جنت کے راستوں کی جانب اس کی ہدایت کی۔) علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی متوفی 1270ھ، لکھتے ہیں کہ: قال ابن عطاء أي الذين جاهَدُوا في رضانا لَنهدِيَنّهم إلى محلِّ رضانا" (17) (ابن عطاء فرماتے ہیں کہ اس آیت کا معنی ہے کہ جن لوگوں نے ہماری رضا کے حصول کے لیے مجاہدۂ نفس کیا، ہم انھیں مقامِ رضا تک ضرور پہنچائیں گے۔)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مجاہدۂ نفس کو جہاد کی تینوں قسموں میں سب سے افضل قرار دیا ہے، اور اپنی امت کو اس کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: "المُجاهِدُ مَنْ جاهَدَ نفسَه فِي اللهِ" (حقیقی مجاہد وہ ہے جو راہِ خدا میں مجاہدۂ نفس کرے۔) امام ترمذی نے کتاب فضائل الجہاد میں اس کی تخریج کی ہے اور فرمایا ہے: "حديث حسن صحيح "۔ (18) بعض روایتوں میں 'للہ' یعنی 'اللہ تعالی کے لیے مجاہدۂ نفس کرے' بھی آیا ہے۔ (19)

4۔ ذکر

قرآنِ کریم میں یہ لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے کبھی یہ کتاب اللہ کے معنی میں آیا ہے: "إنّا نحنُ نزّلْنا الذِّكْرَ "(الحجر:9) کبھی نماز جمعہ کے لیے استعمال ہوا ہے: "فاسْعَوْا إلى ذِكرِ اللهِ" (الجمعۃ: 9) تو کبھی علم کے معنی میں استعمال ہوا ہے: "فاسْألُوا أهلَ الذِّكرِ" (النحل:43)؛ لیکن بایں ہمہ کتاب اللہ میں اس لفظ کا غالب استعمال اُسی معنی میں ہوا ہے جس معنی میں اہلِ تصوف کے یہاں یہ لفظ رائج ہے۔ یعنی تسبیح و تہلیل و تکبیر و حمد وثنا اور درود و سلام وغیرہ ، ارشاد ربانی ہے: "يا أيُّها الذين آمنُوا اُذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كثيرًا وسبِّحُوهُ بُكْرةً وأصيلًا" (الاحزاب:42،41) (اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کیا کرو) اس کے علاوہ بے شمار آیات میں ذکرِ الٰہی کی اہمیت، فضیلت اور ثمرات کا ذکر ملتا ہے، مثلاً: البقرہ:152، آل عمران: 41، 191، الاحزاب 35:، الرعد:28، البقرہ:114، النور،36، 37، اور المنافقون:9، وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہم سنتِ نبوی کی طرف دیکھیں تو اس میں تصوف کا ذکر (یاد کرنا) بھی ملتا ہے "تذکیر (یاد کرانا) بھی موجود ہے، مذاکرہ (شیخ پر احوالِ

قلب کو پیش کرنا) بھی ملتا ہے اور حلقہ ہائے ذکر کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

- **ذکر**

مذکرِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:" مثلُ الذي يَذكُرُ ربَّه والذي لا يَذكُرُ ربَّه مثلُ الحيّ و الميّتِ"۔ (20) (اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور اپنے رب کا ذکر نہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ)یعنی ذکر کرنے والا ہی حقیقت میں زندہ ہے، اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے، شاید اسی لیے تصوف میں ذکرِ الٰہی کو روح کی غذا کہتے ہیں جس کے بغیر روح زندہ نہیں رہتی ہے۔

- **تذکیر**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وذَكِّرْ فإنّ الذِّكرى تَنفعُ المُؤمنين" (الذاریات:55) (یاد کرایئے اس لیے کہ یاد کرانا مومنین کو نفع پہنچاتا ہے۔)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی متعدد مقام پر تذکیر کی اہمیت پر زور دیا ہے اور اس کا شوق دلایا ہے۔ حدیث قدسی:"أنا عندَ ظنِّ عبديْ بيْ" (میں اپنے بندے سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے) میں اللہ رب العزت جل جلالہ فرماتا ہے:"وإنْ ذَكَرَني في ملأٍ ذكرتُه في ملأٍ خيرٍ مِنه" (اگر میرا بندہ ایک گروہ میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر گروہ میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔) اور مجمعے میں ذکرِ الٰہی کرنا یا لوگوں کو ذکر سنانا اور انھیں ذکر کرانا یہ سب تذکیر ہے۔

- **مذاکرہ**

اہلِ ذکر سے سوال و استفسار مذاکرہ کہلاتا ہے، آیت:"فَاسأَلُوا أهلَ الذّكرِ إنْ كُنتُم لا تَعلَمُون"(الفرقان:59) (اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھو)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان:"المستشارُ مؤتمنٌ " (22) یعنی مشورہ کرنے والا امامون رہتا ہے، مذاکرے کو بھی شامل ہیں۔ مذاکرہ سالک کا اپنے شیخ سے مشورہ ہی ہوتا ہے۔ امام مسلم بن حجاج نیشاپوری متوفی 261 ھ، اپنی الجامع الصحیح، کتاب التوبہ میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

"ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے ملے تو پوچھا کہ: اے حنظلہ کیسے ہو؟ میں نے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا، کہا: سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ جب ہم رسول اللہ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی تذکیر (یاد) کراتے ہیں، تو ایسا لگتا ہے کہ ہم انھیں سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں؛ لیکن جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے نکلتے ہیں تو ہم بیوی بچوں اور روزی میں لگ جاتے ہیں، اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم مجھے بھی اس طرح پیش آتا ہے۔ تو ہم دونوں چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور میں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ خظلہ تو منافق ہو گیا، فرمایا کہ: وہ کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد کراتے ہیں تو لگتا ہے کہ ہم انھیں سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو گھر والوں اور کاروبار میں لگ جاتے ہیں، اور بیشتر باتیں فراموش کر دیتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر تم لوگ جس حالت میں میرے پاس اور ذکر کے وقت

ہوتے ہو اس پر ہمیشہ باقی رہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں؛ لیکن اے حنظلہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔(یہ تین بار فرمایا)" (23)

الحمد للہ کہ اس حدیث شریف میں ذکر، تذکیز اور مذاکرہ تینوں کا ثبوت موجود ہے۔ حضرت حنظلہ نے اپنے دل کے خیالات کو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں جس طرح جواب مرحمت فرمایا۔ اس کو تصوف میں مذاکرہ کہتے ہیں۔

- **حلقہ ذکر**

حلقہ ذکر کا انعقاد صوفیاء کے معمولات کا اہم حصہ ہے۔ اس کا مرجع بھی نبوی تعلیمات ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمایا:"إذا مَرَرْتُمْ بِرياضِ الجنّةِ فَارْتَعُوا " ، قالوا: وما رِياضُ الجنّةِ ؟ قال:حِلَقُ الذِّكرِ" (24) (جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو چر لیا کرو یعنی استفادہ کر لیا کرو، عرض کیا یا رسول اللہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا حلقہ ہائے ذکر۔)

امام ترمذی رحمہ اللہ کی تخریج کردہ یہ حدیث جسے انھوں نے حسن کہا ہے، نہ صرف حلقۂ ذکر کی غیر معمولی اہمیت کی دلیل ہے، بلکہ اس میں حلقۂ ذکر میں شرکت کرنے کی زبردست ترغیب بھی ہے۔ اسی طرح ذکرِ الٰہی کی تمام دوسری قسمیں جیسے سری و جہری، لسانی و قلبی، حرکی وسکونی، فردی واجتماعی وغیرہ تمام معمولاتِ صوفیا کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔

5۔ خلوت

تصوف میں خلوت کی بڑی اہمیت ہے۔ ظاہر میں لوگ اسے صوفیاء کی بدعت سمجھتے ہیں لیکن صوفیائے کرام اس کا التزام اپنے رب کی اطاعت اور اس کے حکم کی بجا آوری میں کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:"وَاذْكُرْ اسْمُ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلا "(المزمل:8) (اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے اور پوری طرح سب سے علاحدہ ہو کر اسی کے ہو جایئے۔)

اس آیت میں خطاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے؛ لیکن اس میں موجود خلوت کا حکم سبھی کے لیے عام ہے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی حکم دیا جائے؛ لیکن آپ کے ساتھ اس کے مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو تو پوری امت سے اس حکم کی بجا آوری مطلوب ہوتی ہے۔ حکمِ ربانی کی پیروی کے ساتھ ساتھ صوفیاء کی خلوت نشینی رحمت عالم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی سنت کے اتباع میں ہوتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:"جاوَرْتُ بِحراءَ شهرًا" (25) یعنی میں نے ایک ماہ غار حرا میں خلوت نشینی کی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا سوتے وقت رویائے صالحہ سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ دن کی مانند واضح طور پر پیش آتا تھا۔ مزید فرماتی ہیں کہ: "ثُمّ حُبِّبَ إليْهِ الخَلاءُ ويَخلُو بِغارِ حِراءَ، فَيَتَحَنَّثُ فيه -وهو

التّعبُدُ- اللَّيالِيَ ذواتِ العَددِ" (26) (پھر آپ کو خلوت نشینی محبوب کر دی گئی، اور آپ کئی کئی رات غار حراء میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔)

مقاماتِ تصوف

1۔توبہ

شرعاً قابلِ مذمت سے لائق ستائش کی طرف رجوع کرنے اور لوٹنے کا نام توبہ ہے۔ارشاد ربانی ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُو إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا" (التحریم:8) (اے ایمان والو! اللہ تعالی سے سچی اور کھری توبہ کرو۔) توبہ استغفار کا ذکر قرآن میں جابجا ملتا ہے۔تصوف میں توبہ کی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ صحیح توبہ پر ہی سلوک کی اگلی منزلوں کا دارو مدار ہوتا ہے۔اسے فاتحِ باب سلوک مانا جاتا ہے۔خود ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔"يا أيُّها النّاسُ تُوبُوا إلى اللهِ، فإنّي أتوبُ في اليومِ إليه مائةَ مرّةٍ" (27) (اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، میں بھی ہر روز اس سے سو بار توبہ کرتا ہوں۔)

2۔محاسبہ

نفس کا احتساب اور اس کی نگرانی کرنے کو محاسبہ کہتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:" ثمّ لتسألُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (التکاثر:8) (پھر اس دن تم سے ضرور ضرور نعمتوں کا حساب لیا جائے گا۔) چنانچہ صوفیاء آخرت کے حساب سے پہلے ہی ہمہ وقت نفس کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں ،تا کہ آخرت میں شرمندگی نہ ہو، اور یہی سچی دانائی ہے۔رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:"الكيّسُ مَن دانَ نفسَه، وعَمِلَ لِما بعدَ الموتِ" (28) (عقمند و دانا وہ ہے جو اپنے نفس کا اچھی طرح محاسبہ کرے، اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کرے۔)

3۔خوف

مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز کی توقع کی وجہ سے جو قلبی تکلیف ہوتی ہے اسے خوف کہتے ہیں۔تصوف میں خوف کا درجہ بہت بلند ہے، کیوں کہ یہ عرفانِ خداوندی کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" (فاطر:28) (بے شک اللہ سے خوف کرنے والے اس کے عالم بندے ہی ہیں۔) خوفِ خداوندی ایمان کی نشانی ہے:"وَخَافُونِ إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ"(آل عمران:175) (اگر ایمان والے ہو تو مجھ سے ڈرو۔) خوف کا یہ مقام ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے والوں کے لیے دو دو جنتیں ہیں: دنیا میں جنتِ معارف، اور عقبی میں جنتِ زخارف، ارشاد الٰہی ہے:" وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ" (الرحمان:46)

مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں:" من خاف أدلجَ ومَن أدلج بلغ المنزلَ ألا إن سلعةَ اللهِ غاليةٌ ألا إن سلعةَ اللهِ الجنةُ" (29) (جس نے خوف کیا وہ اندھیرے منھ چل پڑا، اور جو اندھیرے منھ چل پڑا وہ منزل پر پہنچ گیا۔یاد رکھو! متاع الٰہی بہت گراں ہے میاد رکھو! متاع الٰہی جنت ہے۔)

4-رجاء (امید)

یہ مقام مقام خوف کی تکمیل کرنے والا ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ:"الإيمان بين الخوف والرجاء" یعنی ایمان امید و بیم کے درمیان ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔"قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إن اللهَ يَغْفِرُ الذُّنوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمِ"(الرمز:53) (کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے خود پر ظلم کیا ہے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے، وہ بڑی مغفرت اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔)

امام بیہقی نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر مریض ہوئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، اور پوچھا: اے عمر خود کو کیسا پا رہے ہو؟ عرض کیا: امید بھی رکھتا ہوں اور ڈرتا بھی ہوں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:"مَا اجْتَمَعَ الرَّجَاءُ وَالْخَوْفُ فِي قَلْبِ مُؤْمِنٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ الرَّجَاءَ وَآمَنَهُ الْخَوْفَ" (30) (جب بھی کسی مومن کے دل میں امید اور خوف اکٹھا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مومن کی امید پور فرماتا ہے اور اسے اس خوف سے امن رہتا ہے۔)

5۔صدق

صدق سیر الی اللہ کا ایک اہم مقام اور احوالِ قلب میں سے ایک بلند مرتبت حالت ہے۔ صوفیاء کے نزدیک صدق کا تعلق عوام کی طرح صرف زبان سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ دل، اعمال اور احوال سے بھی ہے۔ تصوف میں صدق کی فضیلت واہمیت کتاب وسنت کا ہی اثر ہے۔ اللہ کی کتاب میں صدیقین کا درجہ انبیاء کے فوراً بعد آیا ہے (النساء:69) ، اور مومنین کو صادقین کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (التوبہ:119) شیخین رحمہما اللہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ " إنَّ الصِّدقَ يَهدي إلى البِرِّ وإنَّ البِرَّ يَهدي إلى الجنَّةِ " (31) (بیشک صدق نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لیجاتی ہے۔)

6۔اخلاص

اخلاص خدا اور بندے کے درمیان ایسا راز ہے جس پر کوئی مطلع نہیں ہوتا ہے۔ تصوف میں اخلاص کا بلند مقام، کتاب وسنت میں اس کے بلند مقام کا ہی پرتو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ "(الزمر:11) (کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کروں خالص اسی کا ہو کر۔)

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اجر وثواب کے ساتھ ساتھ ناموری کے لیے بھی جہاد کرے تو اسے کیا ملے گا، آپ نے فرمایا کچھ نہیں، دوسری بار پوچھنے پر یہی جواب دیا، تیسری بار آپ نے فرمایا: "إنّ اللهَ لا يقبلُ من العملِ إلّا ما كان لهُ خالصًا" (32) (اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لیے ہو۔) مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث ہے کہ:" إنّ اللهَ لاينظُرُ إلى أجسامِكم ولا إلى صُورِكُم ولكنْ يَنظُرُ إلى قُلوبِكم " (33) (اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے، وہ بس تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔) اخلاص، عمل کی روح ہے، جس طرح کوئی جسم، روح کے بغیر زندہ نہیں رہتا، اسی طرح کوئی عمل اخلاص کے بغیر قبول نہیں ہوتا ہے۔

7۔ صبر

اللہ کے سوا کسی سے بھی تکلیف و مصیبت کی شکایت نہ کرنا صبر کہلاتا ہے، صبر وہ کسوٹی ہے جو سالکینِ طریقت کو کندن بناتی ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں صبر کی فضیلت کا بیان ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ صبر سے مدد مانگنے کا حکم دے رہا ہے، تو کہیں صابرین کے ساتھ اپنی معیت کا ذکر کر رہا ہے (البقرہ:153)، کہیں صابروں کو بشارت دینے کا حکم دے رہا ہے (البقرہ: 156)، تو کہیں صابروں سے اپنی محبت کا تذکرہ فرما رہا ہے (آل عمران:145)، کہیں صابروں کے بے حساب اجر دینے کا وعدہ کر رہا ہے (الزمر:9)، تو کہیں انھیں سچا اور متقی ہونے کا تمغہ عطا کر رہا ہے۔(البقرہ:176) حضرت ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا: ”ما أُعْطِيَ أحدٌ عَطَاءً خَيْرًا وأوسعَ مِنَ الصَّبْرِ" (34) (صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع عطیہ کسی کو بھی نہیں دیا گیا۔)

8۔ ورع

حرام میں مبتلا ہونے سے خوف سے شبہات سے بھی بچنے کا نام ورع ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس کے بغیر بندہ متقی نہیں ہو سکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:”لا يَبْلُغُ العبدُ أنْ يكونَ من المتقينَ حتى يَدَعَ ما لا بَأسَ بِهِ، حَذَرًا مِمَّا به بَأسٌ“ (35) (بندہ اس وقت تک متقیوں میں شامل نہیں ہو سکتا ہے جب تک وہ حرج والی چیزوں کے خوف سے غیر حرج والی چیزوں کو نہ چھوڑ دے۔)

صوفیاء کے لیے اس سے بڑی کوئی سند اور مقامِ ورع کے لیے اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی کہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے بلند مرتبہ عبادت قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ :”يا أبا هريرة! كُنْ وَرِعًا تَكُنْ أَعْبَدَ الناسِ“(36)(اے ابو ہریرہ ورع اختیار کرو تو سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔) حضور کی انھیں تعلیمات کا اثر ہے کہ صوفیاء کی کتابوں اور ان کے اعمال دونوں میں ورع کو بے حد نمایاں اور امتیازی مقام حاصل ہے۔

9۔ زہد

دل کو دنیا کی خواہش و محبت سے خالی کر کے اسے اللہ کی محبت و معرفت سے آباد کرنے کا نام زہد ہے۔ زہد کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو نا قابلِ اعتناء سمجھے۔ کچھ لوگوں نے صوفیاء کے اس رویے کو غیر اسلامی قرار دیا ہے، اور اس کا رشتہ عیسائی رہبانیت اور عجمی تقشف سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ساری تگ و دو کتاب و سنت سے بے خبری کی دلیل ہے۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیتوں میں دنیا کی تحقیر اور بے ثباتی کا ذکر ہے۔ کئی مقام پر دنیا کے مال و متاع کو دھوکہ، فتنہ اور لہو و لعب قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے: سورۃ: الروم: 60، العنکبوت:64، الکہف:47، وغیرہ۔

دوسری طرف شارع علیہ السلام کی تعلیمات میں نظری طور پر، اور ان کی حیاتِ طیبہ میں عملی طور پر دنیا و متاعِ دنیا کی تحقیر و ندمت ملتی ہے۔ دراصل صوفیاء کا زہد نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عطا کردہ انھیں نظری و عملی نمونوں سے ماخوذ ہے۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے صحابہ سے فرماتے ہیں:”فَاتّقُوا الدُّنيا “ (37) یعنی دنیا سے ڈرو، تو کبھی آپ حضرت ابن عمر کو دنیا میں اس طرح جینے کی تلقین کرتے ہیں جیسے مسافر ہوتا ہے:"كُنْ في الدّنيا كأنّك غريبٌ أو عابرُ سبيلٍ“ (38) کہیں دنیا کی بے وقعتی کا اظہار ان الفاظ میں

فرماتے ہیں: " لو كانتِ الدُنيا تَعدِلُ عندَ اللهِ جَناحَ بعوضةٍ ما سَقى كافرًا مِنها شرْبةَ ماءٍ" (39) یعنی اگر دنیااللہ کی نظر میں مچھر کے پر کے بھی برابر ہوتی تو کسی کافر کو اس سے ایک گھونٹ بھی پانی نہ ملتا، کبھی ننگی چٹائی پر لیٹنے سے جسم مبارک پر اثر ظاہر ہو جاتے تھے جب صحابہ عرض کرتے کہ: اے اللہ کے رسول آپ اس پر کوئی گدا وغیرہ کیوں نہیں ڈال لیتے؟ تو مالکِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں یہ جواب دیتے:" ما لي وما للدُّنيا، ما أنا في الدُّنيا إلَّا كراكبٍ استَظلَّ تحتَ شجرةٍ ثمَّ راحَ وترَكَها" (40) (مجھے دنیا سے کیا لینا دینا، میں تو دنیامیں اس مسافر کی طرح ہوں جو کسی درخت کے نیچے سایہ لینے کو رکتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔)

10۔رضا

تقدیر و قضا کی سختی پر دل کے سکون واطمینان کا نام رضا ہے۔ یہ مقام مقامِ صبر سے بلند ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، یہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عطا ہے ۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ " (التوبۃ:72) یعنی مالک جنت کی رضا جنت سے افضل ہے۔ اور رضائے الٰہی پانے کے لیے پہلے اس کی قضا سے راضی ہونا پڑتا ہے۔"رضيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ" (البینۃ:8) رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رضا کی اعلیٰ ترین مثال پیش کی ہے۔ اہلِ طائف نے جب آپ کو پتھروں سے لہولہان کر دیا، تو آپ نے اپنے رب کو مخاطب کر کے انتہائی گریہ وزاری سے عرض کیا: "إنْ لم تكنْ ساخِطًا عليّ فلا أُبالي"(41) (اے رب اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے ۔) ارشاد نبوی ہے: "وارْضَ بما قسمَ اللهُ لك تكُنْ أغنى النّاسِ" (42) (جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس سے راضی ہو جاؤ تو سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔) نبوی تعلیم کے مطابق: "مِن سعادةِ ابنِ آدمَ رضاهُ بِما قَضَى اللهُ لهُ" (43)(ابن آدم کی خوش بختی اس میں ہے کہ وہ اپنے لیے اللہ کی بنائی تقدیر سے راضی رہے۔)

واضح رہے کہ تصوف میں رضا کا مطلب ترکِ اعتراض ہے، ترکِ کوشش نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں شام میں طاعون پھیلا تو آپ نے اسلامی فوجوں کو شام میں داخل ہونے سے منع کر دیا اس پر حضرت ابوعبیدہ نے کہا: "أ فِرارًا مِن قدرِ اللهِ" کیا آپ قضاو قدر سے بھاگ رہے ہیں؟ تو حضرت عمر نے کہا: اے ابوعبیدہ کاش کہ یہ بات آپ کے علاوہ کسی اور نے کہی ہوتی: "نحنُ نفِرُّ مِن قدرِ اللهِ إلى قَدرِهِ" یعنی ہم تو اللہ کی تقدیر سے اس کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔(44)

11۔توکل

توکل سیر الی اللہ کا ایک اعلیٰ مقام اور طریقت و تصوف کی بلند مرتبت منزل ہے، اور کیوں نہ ہو جب کہ یہ رحمان کے نزدیک شرطِ ایمان ہے: "وَعَلَى اللهِ فَتَوَ كَلُوا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ" (المائدہ:23) (اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو)، اللہ تعالیٰ متوکلین سے محبت کرتا ہے(آل عمران:159)، اور اس نے متوکلین کی کفالت کا وعدہ کیا ہے (الطلاق:23)۔

ارشاد نبوی ہے: "لو أنّكم كنتُم توَكلونَ علَى اللهِ حقَّ توَكلِه لرزقتُم كما يرزقُ الطَّيرُ تغدو خماصًا وتروحُ بطانًا" (45) (اگر

تم لوگ اللہ پر کماحقہ توکل کرتے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسے کہ پرندوں کو رزق دیتا ہے، جو صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔)امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرطوں پر صحیح ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔(46)

واضح رہے کہ صوفیا کے یہاں توکل کا یہ معنی نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے کیوں کہ سعی و عمل اور جد وجہد توکل کے منافی نہیں ہے۔ صوفیائے کرام کا توکل یہ ہے کہ ان کے لیے جو اللہ کے پاس ہے اس پر بھروسہ ہو اور جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہو اس سے پوری طرح سے بے نیازی ہو۔ تصوف میں ترکِ اسباب اور کوشش کو توکل نہیں بلکہ اسے ''تواکل'' کہتے ہیں، جو اسلام کے منافی اور ایک مذموم صفت ہے۔ اگر کسی نے تصوف کے نام پر تواکل کو اپنایا ہے، تو تصوف اس سے بری ہے۔

امام قشیری فرماتے ہیں: "التوكُّلُ مَحلُّه القلبُ، والحركةُ بالظّاهرِ لا تُنافي التّوكُّلَ بالقلبِ "(47) (توکل کا محل قلب ہے یعنی توکل دل سے ہوتا ہے، اعضائے ظاہرہ کی حرکت و کوشش توکل کے منافی نہیں ہے۔ بلاشبہ توکل کا یہ مفہوم حدیثِ نبوی: " اعقِلْها وتوكّلْ" (48) یعنی اونٹ کو باندھ کر اللہ پر توکل کرو سے ماخوذ ہے۔

12-شکر

دل سے منعم کی محبت، اعضائے بدن سے اس کی اطاعت، اور زبان سے اس کی ثناء و مدحت کا نام شکر ہے۔ اور شکر کی یہ تینوں قسمیں تصوف نے کتاب و سنت سے پائی ہیں۔

أ. **شکر لسان:** ارشاد ربانی ہے: ''وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ:11) یعنی اور اپنے رب کی نعمت، تو اسے بیان کیجیے، اور ارشادِ نبوی ہے:" التحدُّثُ بِنِعمةِ اللهِ شكرٌ '' (49) یعنی ذکرِ نعمت شکر نعمت ہے۔

ب. **شکر ارکان:** اعضائے بدن سے اطاعت کر کے شکر ادا کیا جاتا ہے، ارشاد ربانی ہے:''اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا '' (سبا:13) یعنی اے آل داوٗد بطورِ شکر عمل کرو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رات میں اس قدر طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ ایک دن میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ یہ سب کیوں کرتے ہیں، آپ تو مغفرت یافتہ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:"أفلا أكونُ عبدًا شَكُورًا" (50) یعنی کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

ج. **شکر جنان:** دل کا شکر یہ ہے کہ رویتِ نعمت، رویتِ منعم کے لیے حجاب نہ بننے پائے، یعنی دل، نعمت کے سبب منعم سے غافل نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے: "وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ'' (النحل:53) تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے، وہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ ارشاد نبوی ہے: " اللَّهُم مَا أَصْبَحَ بِي مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لا شَرِيكَ لَكَ'' (51) (اے اللہ جو نعمت مجھے یا تیری کسی مخلوق کو ملی وہ سب تنہا اور بلاشرکت غیرے تیری ہی ہے۔)

یہ سرسری اور اجمالی مطالعہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ صوفیا اپنے تمام افکار و معمولات میں کتاب و سنت کے پیرو ہیں۔ تصوف کا منہج عملی

اور سلوک کے تمام منازل، منبع تصوف مرشدِ اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات سے ہی ماخوذ ہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی طبقہ کتاب وسنت سے اس قدر قریب اور اس کی روح سے اتنا ہم آہنگ نہیں ہے جتنا کہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ بقولِ امام غزالی:

"إنّ الصّوفيّةَ هم السّالِكُونَ لِطريقِ اللهِ تعالى خاصّةً، وأنّ سِيرتَهم أحسنُ السِّيَرِ، وطريقَهم أصوبُ الطُّرُقِ، وأخلاقَهم أزكى الأخلاقِ ... فإنّ جميعَ حركاتِهم وسكناتِهم، في ظاهرِهم وباطنِهم، مقتبسةٌ مِن (نورِ) مِشكاةِ النُّبوّةِ؛ وليس وَراءَ نورِ النُّبوّةِ على وجهِ الأرضِ نورٌ يُستضاءُ به." (52)

یعنی بے شک صوفیا ہی صحیح معنوں میں اللہ کی راہ پر چلنے والے ہیں، ان کی سیرت سب سے بہترین سیرت ہے، ان کا راستہ سب سے صحیح راستہ ہے، اور ان کا اخلاق سب سے بہتر اخلاق ہے، کیوں کہ ان کے ظاہر و باطن کی تمام حرکات وسکنات مشکاۃِ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں، اور نورِ نبوت کے سوا دنیا میں کوئی ایسا نور نہیں ہے جس سے روشنی حاصل کی جا سکے۔

*****

حوالہ جات:

1۔ صحیح البخاری، بار سوم؛ بیروت: دارابن کثیر، 1987ء، 1: 28؛ صحیح مسلم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، غیر مورخ (تحقیق محمد فواد عبد الباقی)، 3: 1219۔

2۔ صحیح مسلم، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ 4: 1986۔

3۔ شرح الرسالۃ القشیریہ، مصر: مصطفی بابی حلبی، غیر مورخ، ص: 7۔

4۔ الانتصار لطریق الصوفیہ، مصر: مطبع دار التالیف، غیر مورخ، ص/6۔

5۔ صحیح مسلم، 1: 37؛ وصحیح البخاری، 1: 27، 4: 1793؛ وسنن الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی متوفی 279ھ، بیروت: داراحیاء التراث العربی، غیر مورخ (تحقیق: احمد محمد شاکر وغیرہ) 5:6؛ وسنن ابن ماجہ محمد بن یزید قزوینی متوفی 275، بیروت: دارالفکر، غیر مورخ، 1:24، 1:25؛ ومسند ابو داؤد طیالیسی بصری متوفی 204ھ، بیروت: دارالمعرفہ، غیر مورخ، 1:5؛ وسنن النسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب متوفی 303 ھ، بار دوم؛ حلب: مطبوعات اسلامیہ، 1986ء (تحقیق: عبد الفتاح ابو غدہ) 8:102؛ وصحیح ابن حبان، محمد بن حبان تمیمی بستی متوفی 354 ھ، باردوم؛ بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، 1993ء 1: 375؛ وصحیح ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق متوفی 311ھ، بیروت: المکتب الاسلامی، 1970ء، 4: 5؛ ومصنف ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد متوفی 235ھ، باراول؛ ریاض: مکتبۃ الرشید، 1409ھ، 6: 157؛ ومسند احمد بن حنبل شیبانی متوفی 241ھ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، غیر مورخ، 1:51، 1:319، 2:426، 4:129، 161؛ ومسند البزار، ابو بکر احمد بن عمرو متوفی 292ھ، بیروت: موسسہ علوم القرآن، 1409ھ، 9: 419؛ والسنن الصغری للبیہقی، ابو بکر احمد بن حسین متوفی 458ھ، مدینہ منورہ: مکتبۃ الدار، 1989ء، 1: 24؛ وموارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، للہیثمی، علی بن ابی بکر متوفی 807ھ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، غیر مورخ 1:35؛ ومجمع الزوائد للہیثمی، قاہرہ: دارالریان للتراث، 1407ھ، 1: 38؛ ومسند ابی

حنیفہ للاصبہانی، ابو نعیم، باراول؛ ریاض: مکتبۃ الکوثر، 1415ھ، 1:152۔

6۔ مسند ابی حنیفہ، 1:152۔

7۔ السنن الکبری للنسائی، باراول؛ بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1991ء 3:446؛ ومسند ابی داوٗد طیالسی، 1:5۔

8۔ شرح النووی، ابوزکریا یحیی بن شرف متوفی 676 ھ، بارسوم؛ بیروت: داراحیاء التراث العربی، 1392ھ، 1: 157۔

9۔ شرح النووی، 1: 158۔

10۔ فتح الباری، بیروت: دارالمعرفہ، 1379ھ (تحقیق: فواد عبدالباقی وغیرہ)، 1: 120۔

11۔ صحیح البخاری، کتاب الذبائح، 5: 2104؛ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، 4: 2026: عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ۔

12۔ سنن الترمذی، کتاب الزھد، 4: 589، وسنن ابی داوٗد، سلیمان بن الاشعث سجستانی متوفی 275ھ، کتاب الادب، بیروت: دارالفکر، غیر مؤرخ، (تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید) 4: 259۔

13۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، 1: 15۔

14۔ تفسیر قرطبی، باردوم، قاہرہ: دارالشعب، 1372ھ، 13: 364۔

15۔ الأندلسي، ابن العطیۃ، المحرر الوجیز فی تفسیر کتاب اللہ العزیز بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1993ء، (تحقیق: عبدالسلام عبدالشافی)، 4: 26 3۔

16۔ التفسیر الکبیر، باراول؛ بیروت: دارالکتب العلمیہ، 25: 83۔

17۔ روح المعانی، بیروت: داراحیاء التراث، غیر مورخ، 21: 16۔

18۔ 4: 165۔

19۔ صحیح ابن حبان، 10: 4 48۔

20۔ صحیح البخاری، کتاب الدعوات عن ابی موسی الاشعری، 5: 2353۔

21۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر، 4: 61 20؛ وصحیح البخاری، کتاب التوحید، 6 : 2694؛ وسنن الترمذی، کتاب الدعوات، 5 : 581 –

22۔ سنن الترمذی 40: 583۔

23۔ 4: 2106۔

24۔ سنن الترمذی، 5: 532

25۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، 1: 144۔

26۔ صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی، 1: 4۔

27۔ صحیح مسلم، 4: 2075۔

28۔ سنن الترمذی، عن شداد بن اوس 4 : 638۔

29۔ سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامہ، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ 4:633۔

30۔ بیہقی، شعب الایمان، باراول، بیروت: دارالکتب العلمیہ 1410ھ، 5:2 ۔

31۔ صحیح البخاری، کتاب الادب 5:2261 (واللفظ لہ) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، 4: 2013 ۔

32۔ سنن النسائی، 6 : 25۔

33۔ صحیح مسلم، 4:1986۔

34۔ 2: 729۔

35۔ سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، 4:634؛ وسنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، 2: 1409۔

36۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 2: 1410۔

37۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر 4: 2098۔

38۔ صحیح البخاری، کتاب الرقاق، 5: 2358 –

39۔ سنن الترمذی، کتاب الزہد 4 : 560 –

40۔ سنن الترمذی، کتاب الزہد، عن ابن مسعود، 4 : 588۔

41۔ الاحادیث المختارہ، ابو محمد عبدالواحد مقدسی، متوفی 643ھ، باراول؛ مکہ المکرمہ: مکتبۃ العضۃ الحدیثۃ، 9:181۔

42۔ سنن الترمذی، کتاب الزہد، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، 4:451۔

43۔ سنن الترندی، کتاب الزہد عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، 4:455۔

44۔ صحیح البخاری، کتاب الطب، 5 : 2163؛ وصحیح مسلم، کتاب السلام، 4: 1740۔

45۔ سنن الترمذی، کتاب الزہد، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، 4:573۔

46۔ ابوعبداللہ محمد نیشاپوری متوفی 405ھ، المستدرک علی الصحیحین، باراول؛ بیروت: دارالکتاب العلمیہ، 1990ء، 4:354۔

47۔ الرسالہ القشیریہ، قاہرہ، مصطفی بابی حلبی، 1330ھ، ص : 76 ۔

48۔ سنن الترمذی، عن انس ابن مالک رضی اللہ عنہ 4: 668۔

49۔ مسند احمد، عن النعمان بن بشیر، 4: 278۔

50۔ صحیح مسلم، کتاب صفقۃ المنافقین 4:2172؛ صحیح البخاری، 5: 2375؛ وسنن الترندی 2 : 268۔

51۔ سنن ابی داؤد، عن عبداللہ بن غنام، 3: 318۔

52۔ المنقذ من الضلال، مصر: مطبعۃ صبیح واولادہ، 1371ھ، 132۔

دکن کی خانقاہیں اور ان کی علمی وسماجی خدمات

پروفیسر حافظ سید بدیع الدین صابری *

نحمده ونصلى على رسوله الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين أمابعد!

خانقاہ کی تعریف:

"خانقاہ" یہ فارسی کا لفظ ہے، اُس کے معنی میں اختلاف پایا جاتا ہے، "فرہنگ تعبیراتِ عرفانی" میں استاذ جلال الدین ہمائی کا یہ قول نقل ہے: خانقاہ یہ "خانگاہ" کا معرّب ہے، جس کا معنی "محلّ خوردن" (کھانے کی جگہ) ہے۔[1]

یہ معنی خانقاہ کی بنیاد اور اس کے مقاصد کے خلاف ہے، اس میں شک نہیں کہ اکثر خانقاہوں میں زیرِ تربیت افراد اور ضرورت مندوں کے لیے لنگر کا عموماً انتظام کیا جاتا تھا تو اس صورت میں یہ معنی ثانوی ہوگا۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے اس کا حقیقی معنی یہ بیان کیا: "یہ لفظ خان اور قاہ سے مرکّب ہے، خان بمعنی خانہ، قاہ بمعنی عبادت یا دعاء، یعنی عبادت کا گھر"۔[2]

اور یہی معنی اس کے مقصد کے موافق ہے جیسا کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں خانقاہ نشینوں کی فضیلت کی ابتداء اس آیت سے کی ہے: ﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾۔ (النور: 36)

ان گھروں میں اللہ نے حکم دیا ہے۔ ان کو بلند کیا جائے، اور اُن میں اس کا نام لیا جائے، اُن میں وہ لوگ صبح و شام اس کی پاکی بیان کرتے ہیں)۔ "بیوت" کی ایک تفسیر مسجدوں کے علاوہ خانقاہ سے بھی کی گئی ہے۔[3]

خانقاہ کے مترادف عربی کلمات "رِباط" (جمع رُبُط) اور زاویہ (جمع زوایا) اور ترکی کلمہ تكيَّة (جمع تکایا) ہیں۔[4]

جیسا کہ عوارف المعارف میں اہلِ خانقاہ کا ذکر "سكان الرُّبُط" سے کیا گیا ہے اور "رباط" بمعنی خانقاہ کا ثبوت اس آیت سے لیا گیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا﴾ (آلعمران: 200)

(اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدم رہو اور مقابلے کے لیے (مورچوں پر) جمے رہو) رباط اور مرابطہ کے معنی فوج کا سرحد پر دشمن سے مقابلے کے لیے تیار رہنا، اور خانقاہ کو "رِباط" اس لیے کہا گیا کہ اس میں قیام کرنے والے اپنے سب سے بڑے دشمن نفس اور شیطان کے مقابلے میں تیار رہتے ہیں، جیسا کہ عوارف میں ہے "فالرّباط لجهادالنفس، والمقيم في الرّباط مرابط مجاهدٌ نفسَه"۔[5] اس میں گوشہ نشینی کے معنی بھی پائے جاتے ہیں، اس لیے خانقاہ کا نام زاویہ بھی رکھا گیا۔

تفسیر حدیث اور فقہ کی اصطلاحات دوسری صدی میں وجود میں آنے کے باوجود اُن کی اصل عہدِ نبوت میں پائی جاتی تھی، اِسی طرح خانقاہ کی

* سابق صدر شعبۂ عربی، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد۔

اصطلاح کی اصل صوفیہ کرام نے مسجدِ نبوی کے صفّہ کو قرار دیا" عوارف میں (14)واں باب مستقل طور پر اس طرح قائم کیا گیا" :في مشابهة أهل الرباط بأهل الصفة" (یعنی خانقاہ نشینوں کی اصحاب صفّہ سے مشابہت) اصحابِ صفّہ سے مشابہت کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ پیش کی گئی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب کوئی شخص مدینہ منورہ میں باہر سے آتا اور اُس کا کوئی شناسا ہوتا تو وہ اس کے پاس قیام کرتا، اور اگر کوئی جان پہچان نہ ہوتو وہ صفّہ پر آجاتا، اور میں بھی ان لوگوں میں ہوں جنھوں نے اہلِ صفّہ کے ساتھ قیام کیا تھا"۔[6]صوفیہ کرام کی خانقاہیں بھی مریدین کی تربیت کے علاوہ حاجت مندوں کا ملجاوماوی بھی تھیں۔

خانقاہوں کی ضرورت اور مقاصد:

کتاب وسنّت پر کامل واکمل طریقے سے عمل آوری کے لیے خانقاہوں کی ضرورت ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾(المزمل: 8) (اور آپ نے اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو جاؤ) اور یہ ارشاد: ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾(السجدة: 16) (اُن کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں، اپنے رب کو خوف واُمید سے پکارتے ہوئے) اور یہ فرمان: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾(التوبة : 119) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) پر مکمل عمل، اور حدیث "اِحسان" کے مطابق ہمیشہ حالتِ مراقبہ میں رہنے کی صورت اختیار کرنے کے لیے صوفیہ کرام نے خانقاہی نظام کا طریقہ رائج کیا۔

کتاب وسنّت میں وارد قلبی وباطنی بیماریوں کی فہرست طویل ہے جو ظاہری گناہوں سے خطرناک ہیں، جن کو چھوڑنے کے لیے کسی شیخ و مُرشِد کی تربیت وصحبت ضروری ہے، اور یہ تربیت کسی شیخ کی نگرانی میں خانقاہوں کے اصول وضوابط پر عمل کرنے میں مضمر ہے، کیوں کہ ہر شخص اپنے علم وفہم کی روشنی میں اپنا تزکیہ نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر (129) میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک رسول کے بعثت کی دعا کی تھی کہ وہ اِن اوصاف کا حامل ہو: ﴿يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (وہ لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور وہ اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے) تو اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعے اس دعاء کی قبولیت کا اعلان قرآنِ حکیم میں تین مقامات پر اس طرح فرمایا: سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر (151) میں فرمایا: ﴿يُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (یہ رسول تمہارا تزکیہ کرتے ہیں اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں) اور سورۃ آل عمران کی آیت نمبر (164) او رسورۃ الجمعۃ کی آیت نمبر (2) میں ارشاد فرمایا: "﴿يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء میں تعلیم کتاب وحکمت کا ذکر تزکیہ نفوس سے پہلے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تینوں مقامات میں تزکیہ کو تعلیم پر مقدّم کر کے اس کی اہمیت کو بتایا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم ذریعہ ہے اور تزکیہ مقصد ہے، اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں کبھی ایک چیز کی اور کبھی دو یا چار چیزوں کی قسم ارشاد فرمایا، قرآن مجید میں سب سے طویل قسم سورۃ الشمس میں ہے جس میں سات چیزوں اور اُن کے

متعلقات ملا کر جملہ (11) صیغے قسم کے ارشاد فرمائے گئے، جیسے ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا﴾ (سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی قسم) اتنی طویل قسم جس بات پر ذکر کی گئی وہ یہ ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا، وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾ (الشمس: 10,9) (کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کا تزکیہ یعنی پاک کیا اور ناکام ہو گیا وہ شخص جس نے اُس کو (گناہوں سے) خاک آلود کیا)۔

مذکورہ حقائق سے خانقاہ کی ضرورت اور اہمیت کا پتہ چلتا ہے جو تزکیہ نفوس کا سب سے بڑا مرکز ہے، تعلیم کتاب وحکمت کے مرکز کو مدرسہ کہا جاتا ہے، اور تزکیہ کی عملی تربیت کے مرکز کو خانقاہ کہا جاتا ہے۔

بزرگوں کی خانقاہیں صرف روحانی تربیت کے مراکز نہیں تھے بلکہ اُن مراکز سے علمی، سماجی و معاشی اور معاشرتی ترقی کے مفادات بھی وابستہ تھے، جہاں ضرورت مندوں کے لیے رفاہی و فلاحی کام، مفت تعلیم اور قیام گاہ، بھوکوں اور مسافروں کے لیے لنگر خانے کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا، کیوں کہ کتاب و سنت میں خدمتِ خلق کی ترغیب اور فضیلت کثرت سے آئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ، لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ (المعارج: 24,25) (اور اُن (فرماں برداروں) کے اموال میں ایک معین حق ہے مانگنے والے کے لیے اور محروم نہ مانگنے والے کے لیے)

خدمتِ خلق جو خانقاہوں کا نمایاں وصف ہے اس کی فضیلت میں طبرانی کی ایک جامع حدیث شریف کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے پاس سب سے زیادہ پسندیدہ شخص وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس محبوب ترین عمل تمہارا کسی مسلمان کو خوش کرنا یا اس کی تکلیف کو دور کرنا یا اس کا قرضہ ادا کرنا یا اس کی بھوک مٹانا ہے، اور کسی (اسلامی) بھائی کی حاجت روائی کے لیے میرا اس کے ساتھ جانا مجھے اس مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں ایک مہینہ اعتکاف کرنے سے زیادہ پسند ہے"۔ الخ[7]

خانقاہوں میں لنگر کا نظام اسی حدیث شریف پر عمل آوری کا ایک حصہ ہے۔ صوفیہ کرام کے کمالات و کرامات کو دیکھ کر ہر دور میں سلاطین بھی اُن سے عقیدت رکھتے تھے بلکہ بعض سلاطین، امراء اور وزراء اُن کے مریدوں میں سے تھے، سلاطین ہند کے مذہبی خیالات اور جذبات کے نشوونما میں اُن بزرگوں کے فیوض وبرکات کا بڑا دخل رہا۔

دکن کی خانقاہوں کے علمی وسماجی خدمات کے ذکر سے پہلے دکن کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

دکن کے علاقے:

یہ لفظ سنسکرت سے مشتق ہے، جس کا معنی "جنوب" ہے۔ دکن کی سب سے پہلی مسلم مملکت بہمنی سلطنت ہے جس کی بنیاد علاء الدین حسن بہمنی شاہ نے 1344ء میں رکھی، بہمنیوں نے پہلا پایہ تخت احسن آباد (گلبرگہ) کو بنایا، پھر سلطان احمد شاہ بہمنی نے 1425ء میں پایہ تخت بیدر منتقل کیا۔ بہمنی سلطنت چار صوبوں میں منقسم تھی اور ہر ایک علاقہ ایک صوبیدار یعنی گورنر کے ماتحت تھا، ان چار صوبوں کے مراکز گلبرگہ، بیدر، دولت آباد اور برار تھے۔[8] بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر اور سولہویں صدی کے

شروع میں بہمنی صوبوں کے گورنروں نے خود مختاری کا اعلان کیا، جس کے نتیجے میں دکن پانچ ریاستوں میں منقسم ہوگیا: احمد نگر (نظام شاہی)، بیجاپور (عادل شاہی)، بَرار (عماد شاہی)، بیدر (برید شاہی) اور گولکنڈہ (قطب شاہی)۔[9]
سلطان محمود شاہ بہمنی نے 1495ء میں قلی قطب الملک کو تلنگانہ کا حاکم بنایا تھا، سلطان کے انتقال کے بعد اس نے خود مختاری کا اعلان کر کے گولکنڈہ کو اپنا پایہ تخت بنایا، اور اپنا لقب قطب شاہ اختیار کیا، یہیں سے قطب شاہی سلطنت کی ابتدا ہوئی۔[10]
قطب شاہی سلطنت کے پانچویں سلطان محمد قلی قطب شاہ نے گولکنڈہ کی ہوا متعفّن خراب ہونے کی وجہ سے 8 میل دور ایک نہایت شاندار شہر بسایا، جس کی شہرت "حیدرآباد" سے ہوئی کتاب: سلطان محمد قلی قطب شاہ کے مطابق حیدرآباد کی بنا 988ھ /1580ء ہے[11]، اور اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ میں 997ھ /1589ء مذکور ہے۔
برار اور بیدر خود مختاری کے کچھ ہی عرصے بعد احمد نگر میں شامل ہوگئے پھر احمد نگر شاہجہاں کے دورِ حکومت میں سلطنت دہلی کا حصہ بن گیا۔
سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے بیجاپور 1097ھ /1686ء میں اور گولکنڈہ 1098ھ /1687ء میں اپنی وسیع سلطنت میں شامل کر لیا۔
مراہٹوں کے مسلسل حملوں کی وجہ سے حکومت گولکنڈہ عدم استحکام کا شکار ہوگئی، نظام الملک میر قمر الدین آصف جاہ اول نے دکن میں ایک مستحکم حکومت کے خاطر مُبارز خان کو شکر کھیڑہ میں شکست دے کر 1136ھ /1724ء میں پورے دکن کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا، آصف جاہی حکومت نے اورنگ آباد اور پھر حیدرآباد سے دکن پر بڑے موئثر طریقے سے حکومت کی۔[12]لیکن میر عثمان علی خان آصف جاہ سابع کے عہد میں 1948ء میں حکومتِ ہند نے حیدرآباد کو بھارت میں ضم کر لیا۔
دکن کی ہر ریاست کثرت سے اولیاء کرام کے فیضان سے منور تھی۔ جن کی حقیقی تعداد کا احصاء مشکل ہے۔ اس مقالے میں صرف مشاہیر اولیاء اور وہ صوفیہ جن کے خانقاہ کا ثبوت ملتا ہے اُنہی کا ذکر کیا گیا ہے اور تقریباً اولیاء صاحبِ کشف و کرامات و کمالات تھے یہاں اُن کی علمی اور سماجی خدمات ہی کو پیش کیا گیا ہے، سب سے پہلے اولیاء گلبرگہ کی خانقاہی خدمات کو اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ وہ دکن کی پہلی اسلامی سلطنت بہمنی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔

گلبرگہ شریف میں پہلی خانقاہِ قادریہ کی تاسیس:

حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے خانوادے کے وہ شہزادگان جو سب سے پہلے دکن کی دھرتی پر رونق افروز ہوئے وہ سات شاہزادگان ہیں جن کو سبعہ قادریہ کہا جاتا ہے۔ اُن کے سب سے پہلے پیشوا حضرت حاجی الحرمین حافظ سید یوسف بغدادی ہے جو بغداد کے حماۃ شہر سے گلبرگہ شریف میں جلوہ افروز ہو کر سب سے پہلی خانقاہ قادریہ کی بنیاد رکھی۔[13] آپ اپنے والد کے خلیفہ تھے جن کا اسم گرامی سید احسن الدین نجفی ہے جو حافظ حدیث اور مفتی نجف اشرف تھے، حضرت یوسف بغدادی کا نسبی سلسلہ پانچ واسطوں سے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔
آپ اپنے تین فرزندان اور ایک سو فقراء کی جماعت کے ساتھ گلبرگہ میں مقیم ہوئے، حضرت یوسف بغدادی کا لقب رکن الدین تولہ

تھا۔[14] بعض سیرت نگاروں نے حضرت خواجہ بندہ نواز کی حضرت رکن الدین تولہ سے ملاقات کا ذکر کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔[15] کیوں کہ آپ کی آمد گلبرگہ میں حضرت بندہ نواز سے کم از کم (50) سال پہلے ہوئی کیوں کہ آپ کی وفات اکثر سیرت نگاروں کے مطابق گلبرگہ میں 750ھ میں ہوئی اور ایک روایت میں 705 بھی آیا ہے۔[16]

اس عظیم بزرگ کے دستِ اقدس پر بے شمار لوگ کفر سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، جس وقت آپ گلبرگہ آئے، کلے چندراجہ کی حکومت تھی۔ آپ کی تبلیغ وکرامت سے متاثر ہو کر راجہ مع فوج ایمان لایا، اور اپنے قلعے کی عبادت گاہ کو آپ کی نذر کیا، آپ نے اُسے خانقاہ بنا کر اپنے بڑے فرزند یونس شرف جہاں کو اس میں تعلیم دینے کے لیے مقرر کر کے اس ٹیلے پر جہاں وہ پہلے مقیم تھے عبادت وریاضت میں مشغول ہو گئے۔ جب اس کی اطلاع دیوگڑھ کے راجہ کو ہوئی تو اس نے گلبرگہ پر حملہ کیا، تو آپ نے اپنے مریدین کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا، آخر کار آپ شہید ہو گئے۔[17] آپ کے فرزندوں نے دہلی میں علاء الدین خلجی سے مدد کی درخواست کی تو علاء الدین خلجی کے دکن کو فتح کرنے کا یہی سبب بنا۔[18]

آپ کی خانقاہ کا علمی و روحانی فیضان دکن کی مختلف ریاستوں میں خوب پھیلا، آپ کے تین پُشت حضرت سید شاہ یونس شرف جہاں (ت 765ھ) پھر ان کے فرزند سید شاہ عبد الرحمن اشرف جہانگیر (ت 790ھ) پھر ان کے فرزند سید شاہ یونس ثانی (ت 820ھ) یہ تمام گلبرگہ ہی میں مدفون ہوئے، پھر اُس کے بعد حضرت شاہ یونس ثانی کے تین پُشت بیدر میں جن کا ذکر آگے آرہا ہے پھر مزید آپ کی اولاد بیجاپور کے مشاہیر اولیاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

گلبرگہ کے ایک مشہور بزرگ جن کی مزار سے حضرت بندہ نواز فیض باطنی حاصل کیا کرتے تھے، ان کا اسم گرامی حضرت میراں سید حسام الدین تیغ بَرہنہ (وفات 680ھ) ہے۔[19] آپ کے فرزند و خلیفہ حضرت سید اعزالدین حسینی (ت 699ھ) صاحب کشف و کرامات تھے، تاریخ، محبوب ذی المنن، میں ہے: آپ کے مریدین اکثر باکمال وصاحب دل تھے، آپ فقراء و غربا سے حُسن سلوک فرماتے، آپ کی خانقاہ میں دس تا بیس مسافرین سکونت پذیر رہتے تھے، آپ اُن کے اکل و شرب کا انتظام کرتے تھے۔[20]

وہ دو عظیم صوفیہ کرام جن کی خانقاہوں نے گلبرگہ میں علمی و روحانی انقلاب پیدا کیا اور سماجی برائیوں کو دور کیا، ان کو حضرت سراج الدین جنیدی شیخ دکن، اور حضرت خواجہ بندہ نواز علیہما الرحمہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت بندہ نواز حضرت شیخ دکن سے (22) برس بعد تشریف لائے۔

حضرت رکن الدین محمد المعروف سراج الدین جنیدی شیخ دکن علیہ الرحمہ:

آپ نسباً جنیدی ہے، آپ دولت آباد میں حضرت سید علاء الدین جیوری کی خدمت میں 22 سال رہ کر خلافت سے مشرف ہوئے۔ آپ سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی (1347-1358م) کے عہد میں گلبرگہ آئے۔ سلطان آپ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر آپ کا مرید ہوا۔[21] جب بھی بہمنی سلاطین کو کوئی مہم در پیش ہوتی تو آپ سے دعا کے طالب ہو کر کامیاب ہوتے۔ جب سلطان علاء الدین بلم پٹن

جنگ میں کامیاب ہوا تو کثیر مال وزر آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے تمام مال و دولت کو مساکین اور مریدین میں تقسیم کر دیا۔[22] آپ 11 سال تک گلبرگہ میں اپنے فیضان کو عام کرتے ہوئے 781ھ میں وصال فرمایا، آپ کی مزارِ مبارک شیخ کے روضے سے مشہور ہے۔

حضرت ابوالفتح صدرالدین سید محمد محمد الحسینی ملقب بہ خواجہ بندہ نواز گیسودراز:

آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے محبوب ترین خلیفہ تھے۔ آپ کے والد سید یوسف حسینی معروف بہ راجو قتال دولت آباد میں آرام فرما ہیں۔ حضرت بندہ نواز 721ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ امیر تیمور کے دلی پر حملے سے قبل 801ھ میں متعلقین اور متوسلین کے ساتھ دکن کا قصد فرمایا اور 803ھ میں اپنے وجود سے گلبرگہ کو منور کیا، بہمنی امراء آپ کے بے حد معتقد تھے، خصوصاً سلطان احمد شاہ بہمنی آپ کی دعاء سے تخت و تاج کا مالک بنا، آپ کے وجود کی برکت سے شریعت کا پابند ہو کر سلطنت میں احکام شریعت کی ترویج پر زور دیا۔[23]

صاحب گلزارِ ابرار لکھتے ہیں: ”سلطان احمد شاہ آپ کی بہت تعظیم کرتا تھا، اس نے متعدد مواضعات، اور باغ آپ کی خانقاہ کے نام سے وقف کیے، چنانچہ مسافر و مقیم اور تونگر و درویش ملا کر ہزار آدمی صبح و شام آپ کے خوان (دستر خوان) سے کھایا کرتے تھے۔[24]

آپ کا سالِ وصال 825ھ / 1422ء ہے، آپ نے 22 سال دکن میں جو علمی و روحانی اور سماجی کارہائے نمایاں انجام دیئے آج تک اس کے اثرات اور آثار دکن میں موجود ہیں، کرناٹک کے مختلف علاقے، بلگام اور پونا میں کئی لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے۔[25]

آپ علم و عرفان کے آفتاب تھے، اور سلسلہ چشتیہ کی وہ پہلی ہستی ہے جس نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی، آپ کے علمی اور عرفانی تصانیف کی تعداد آپ کی عمر کے مطابق 105 اور بعض روایات کے مطابق 125 ہے۔[26] آپ ہی کے مرید شاہ محمد علی سامانی (ت 831ھ) نے کتاب سیر محمدی میں 31 کتب کا تعارف پیش کیا ہے۔[27] ان میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر کتابیں حسب ذیل ہیں :

سلسلہ نمبر	نام کتاب		
1	تفسیر الملتقط		یہ قرآن مجید کی صوفیانہ تفسیر ہے، جس کی تین جلدیں دائرۃ المعارف عثمانیہ میں چھپ چکی ہیں، مسلسل ایڈیٹنگ جاری ہے
2	معارف شرح عوارف المعارف (عربی)	3	شرح تعرّف
4	شرح آداب المریدین	5	خاتمہ (مطالب سلوک میں)
6	ترجمہ رسالہ قشیریہ	7	حواشی کشاف
7	سمر الاسمار		یہ تصوف کے رموز و معارف میں اعلیٰ کتاب ہے، جس پر بندہ نواز بطورِ تحدیث نعمت فخر کرتے تھے
8	جوامع الکلم		آپ کے ملفوظات جن کو آپ کے فرزند اکبر نے جمع کیا ہے
9	معراج العاشقین		قدیم اردو یعنی دکنی زبان کی پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔[28]

آپ کے دو فرزند تھے: سید اکبر حسینی و سید اصغر حسینی، اُن میں سے بڑے فرزند حضرت اکبر حسینی کی وفات حضرت بندہ نواز کی زندگی ہی میں 812ھ میں ہوئی، آپ اپنے فرزند کے تبحّر اور معارف و حقائق میں کامل ہونے کے قائل تھے، صاحب تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند لکھتے ہیں: حضرت سید اکبر حسینی نے علم تصوف پر بلند پایہ کتب تالیف کی تھیں، ان کی دس کتابوں کی فہرست ذکر کرکے رقمطراز ہے کہ صرف تین کتابوں کے علاوہ باقی ناپید ہیں وہ یہ ہیں: شرح سوانح امام غزالی و کتاب العقائد و تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ۔[29] حضرت بندہ نواز کے خلفاء کی بڑی تعداد ہے، آپ کے دونوں فرزندوں کے علاوہ ان خلفاء میں سر فہرست حضرت شیخ علاء الدین انصاری المعروف لاڈلے مشائخ کا نام ہے۔

قطب دکن حضرت شیخ علاء الدین انصاری معرف بہ لاڈلے مشائخ وملک المشائخ (718-845ھ)

آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے آخر عمر میں مرید ہونے کی وجہ سے آپ کی تربیت حضرت خواجہ بندہ نواز کے سپرد کی گئی، حضرت بندہ نواز دہلی سے گلبرگہ کے راستے میں گوالیار میں ٹھہر کر اپنے فرزندوں سے پہلے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔[30]

گوالیار کی تولیت، عہدۂ قضاء اور فتوی نویسی آپ کے ذمہ تھی، آپ متعدد علوم و فنون کے ماہر تھے، ابتداء میں سلطان محمد کے معلم تھے، جب حضرت بندہ نواز سے تعلق قائم ہوا، وجہ معاش اور تمام عہدے چھوڑ کر درویشی اختیار کرلی۔[31]

آپ نے گلبرگہ سے 25 میل کے فاصلے پر "النَد" کو تعلیم وارشاد کا مرکز بنایا، الند کے اطراف واکناف کُفر کی تاریکی کو ایمان کی روشنی میں تبدیل کردیا، الند شریف میں آپ کی خانقاہ سے مستفید ہونے والے طلبہ کے ساتھ امرائے سلطنت بھی تھے، بعد نماز فجر علماء و امراء کو درس قرآن دیتے تھے، اس کے بعد بیماروں اور حاجت مندوں کی خبر گیری کرتے، اور خانقاہ میں لنگر کا اہتمام بھی ہوتا جس میں جوار کی دو روٹیاں اور دال ہر فرد کو دی جاتی اور بعد نماز عصر جَو کی آش تقسیم کی جاتی۔[32]

آپ 22 سال الند میں گزار کر 845ھ میں رحلت فرمائے، جب بادشاہ اورنگ زیب نے حضرت بندہ نواز کے مزار پر حاضر ہوکر یہ کہا:

نیست کعبہ در دکن جز درگہ گیسو دراز بادشاہ دین و دنیا تا ابد بندہ نواز

تو اس نے حضرت علاء الدین انصاری سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: زایں درِ دکن بوئے مدینہ می آید (اس دکن کے در سے مدینہ کی بو آتی ہے)

سلطان ابراہیم عادل شاہ اسی معنی میں دونوں بزرگوں کے بارے میں کہا:

"درگاں بندہ نواز کی مکّہ تو روضۂ مشائخ کا مدینہ سوں" [33]

حضرت شاہ اسماعیل قادری نیلوری:

آپ قادری النّسب، سبعہ قادریہ میں سے ایک ہیں، 937ھ میں بغداد سے بیجاپور ہوتے ہوئے گلبرگہ سے 40 کیلو میٹر دور موضع نیلور میں سکونت اختیار کی۔[34] آپ کے مریدوں نے آپ کے حکم سے وہاں کے ظالم حاکم کو نکال دیا جو بیجاپور فرار ہوا تو سلطان محمود شاہ بہمنی آپ

کی بزرگی سے متاثر ہو کر ایک سند انعام موضع نیلور آپ کے پاس بھیجا، آپ نے اس کو قبول نہیں کیا، پھر بادشاہ خود آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔[35] آپ نے ایک حجرہ اپنے لیے اور فقراء کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کی جو کوئی نذر اور تحفہ آپ کو دیا جاتا وہ سارے حاضرین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔[36] آپ کا وصال بمقام نیلور (نزد گلبرگہ) 1018ھ میں ہوا۔ آپ کے فرزند و خلیفہ شاہ اسلام الدین صاحب کشف و کرامات تھے اور ایک عالم کو فیوضِ قادریہ سے بہرہ مند کیا۔

بیدر کی خانقاہیں:

سلطان احمد شاہ بہمنی نے 1425ء میں دارالحکومت بیدر منتقل کرنے کی وجہ سے بیدر علم و فن کا مرکز بن گیا، جہاں ریاست دکن کے اہم صوفیہ آرام فرما ہیں۔ بیدر کی علمی اور روحانی ترقی میں دو خانوادوں کی خانقاہوں کا بڑا حصہ ہے: ایک خانوادہ حضرت شیخ ابراہیم بن فتح اللہ اور دوسرا خانوادہ حضرت حاجی الحرمین سید یوسف بغدادی کا ہے۔

حضرت شیخ بن فتح اللہ ملتانی:

آپ اپنے والد کے ساتھ سلطان علاء الدین احمد ثانی بہمنی (840-863ھ) کے عہد سلطنت میں ملتان سے بیدر منتقل ہوئے، آپ ایک متبحر عالم تھے، آپ نے ایک کتاب چودہ علوم پر مشتمل تصنیف کر کے بادشاہ کے نام پر اس کا نام "علائی" رکھا، اور سلطان کی خدمت میں تحفہ دیا، سلطان آپ کی صلاحیت کا معترف اور مداح ہوا، اور چار دیہات آپ کو انعام دیا، آپ کی وفات بمقام بیدر 868ھ میں ہوئی۔[37] آپ کے ایک صاحبزادے جو جامع شریعت و طریقت تھے، جس نے اپنے علمی و روحانی کمالات سے بیدر کی تقدیر بدل دیا، ان کا نام ابوالفتح محمد شمس الدین ملتانی ہے۔

حضرت شیخ محمد شمس الدین ملتانی:

آپ کی ولادت 862ھ شہر بیدر میں ہوئی، آپ عارف کامل اور تاجدارِ ولایت تھے، آپ پر حضور غوث اعظمؓ کی خصوصی روحانی عنایت تھی، اور آپ حضرت شیخ بہاء الدین دولت آبادی کے خلیفہ خاص تھے۔ صاحبِ گلزار ابرار رقم طراز ہے: "شیخ محمد کی بزرگی اور خداشناسی کا شہرہ مشرق، خراسان اور نواحی قندھار تک پہنچا، وہاں کے باشندے آپ کے آستانے پر آئے، اور فیض صحبت سے تحقیق کے بلند مرتبہ کو پہنچے۔[38]

حضرت مخدوم شیخ محمد نے ایک ایرانی عالم مُلّا خاناں جس نے حضرت خواجہ بندہ نواز کی کتاب اَسمارالأسرار پر اعتراضات کیے تھے اس کے جواب میں ایک مکمل رسالہ تالیف کیا تھا۔[39] آپ کی خانقاہ تعلیم و تربیت کا عظیم سرچشمہ تھی، انھوں نے تقریباً نصف صدی تلقین و ارشاد میں گزار کر 935ھ / 1526ء میں بیدر میں وفات پائی۔[40] آپ کے چار صاحبزادے شیخ محمد ابراہیم المعروف مخدوم جی اور حضرت شیخ اسماعیل اور حضرت شیخ اسحاق اور قطب زماں شیخ بدرالدین علیہم الرحمۃ اولیاء کاملین میں سے تھے۔[41]

سبعہ قادریہ کے پہلے بزرگ حضرت یوسف بغدادی جنھوں نے گلبرگہ میں پہلی خانقاہ قادریہ کی بنیاد رکھی اور اُن کی تین پُشتوں نے گلبرگہ میں خانقاہی تعلیم کو عام کیا، اسی طرح اس کے بعد اُن کی تین پُشت کے بزرگوں نے بیدر میں خانقاہی نظام کو رائج کیا ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

1. حضرت شمس بہاء الدین قادری:

آپ حضرت یوسف بغدادی کے پڑپوتے حضرت یونس ثانی کے فرزند و خلیفہ ہیں جب گلبرگہ میں غیر ملکی سادات کا قتل ہونے لگا تو آپ بڑی جماعت کے ساتھ بیدر منتقل ہوئے۔[42] ، آپ اپنے وقت کے قطب زمان اور عارف باللہ تھے، حضرت شمس بہاء الدین نے بیدر میں خانقاہ قادریہ کی بنیاد رکھی، طالبانِ حق کو اپنے فیض سے مالامال کرتے ہوئے 901ھ میں بیدر میں وصال فرمایا۔

2. حضرت سید عبد القادر یوسف ثانی:

آپ شمس بہاء الدین کے فرزند و خلیفہ ہیں، حضرت یوسف ثانی نے اپنی والدہ کے نانا خواجہ عماد الدین محمود گاواں بیدر کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی، آپ اپنے وقت کے فقیہ اور واقف اسرارِ حقیقت تھے، آپ کی خانقاہ نے کئی راہِ حق کے طالبوں کی تکمیل کی۔ [43]، آپ کی وفات بمقام بیدر 910ھ میں ہوئی۔ آپ کے دوسرے فرزند حضرت سید شرف الدین شرف عالم (ت 1071ھ) کا مزار بیدر میں جوڑ گنبد سے مشہور ہے۔

3. حضرت سید بدر الدین بدر عالم حبیب اللہ قادری:

آپ حضرت یوسف ثانی کے بڑے فرزند و جانشین ہے، آپ ایک متبحر عالم و عارف تھے، پروفیسر محمد یوسف الدین صاحب کا بیان ہے :

> ”حضرت سید شاہ بدر الدین بدر عالم نے بیدر میں ایک بہت بڑی خانقاہ اور ایک دینی درسگاہ قائم فرمائی تھی... آپ کی درسگاہ میں بیرونِ ہند کے طلبہ شریک رہتے تھے جس سے تاریخ بھی اتفاق کرتی ہے“۔[44]

آپ کی وفات بمقام بیدر 980ھ میں ہوئی، حضور غوث اعظم کی نسبت سے آپ کی گنبد بڑے پیر کی درگاہ سے مشہور ہے۔ بیجاپور کے عظیم صوفیہ میں آپ کے تین صاحبزادوں کا شمار ہوتا ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

بیجاپور کی خانقاہیں:

بیجاپور جو بہمنی سلطنت کا ایک اہم صوبہ تھا، وہ عادل شاہی حکومت (1490-1686ء) میں سلطنت کا مرکز بن گیا، جہاں خانقاہی نظام کی ترقی کے زیادہ اسباب پائے جاتے تھے، خصوصاً سلطان محمد عادل شاہ (1627-1656ء) نے آثارِ اسلامیہ کی نگہداشت پر خصوصی توجہ دی تھی، ”تاریخ دکن سلسلہ آصفیہ“ میں مذکور ہے: ”مساجد اور خانقاہوں اور مزاراتِ اولیاء کرام کی نگہداشت کے واسطے ایک خاص محکمہ تھا، اور شاہی خزانے سے تمام ممالک محروسہ میں اس کی نمو و پرداخت ہوتی تھی... مساجد اور مزارات میں لنگر جاری رہا کرتے تھے... مزارات اولیاء کے عرس بڑے دھوم دھام سے ہوتے“۔[45] کتاب روضۃ الاولیاء اس بات کی شاہد ہے کہ بیجاپور اولیاء کا عظیم مرکز تھا، یہاں صرف

چند مشاہیر اولیاء کی خانقاہوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عین الدین گنج العلم :

آپ عادل شاہی حکومت سے قبل دہلی سے گجرات پھر دولت آباد آئے اور حضرت میر علاء الدین جیوری سے مرید ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہو کر 773ھ میں بیجاپور آئے، اور 22 سال تک درس و تدریس اور ارشاد و تبلیغ میں منہمک رہے، اور بمقام بیجاپور 795ھ میں وفات پائے۔ اولیاء کبار نے آپ سے فیض پایا، روضۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ کے حضرت خواجہ بندہ نواز کے استاذ ہونے کی روایت حدِّ تواتر کے قریب پہنچی ہے، آپ کی تصنیفات کی تعداد 131 بتائی گئی ہے جن میں مشہور یہ ہیں: الملحقات فی التاریخ۔ طور الأبرار۔ کتاب فی الانساب۔ و تاریخ الأولیاء من اہل الہند[46] انہی خصوصیات کی وجہ سے آپ گنج العلم کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت شاہ حمزہ حسینی بن حافظ حسینی:

آپ کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ بندہ نواز سے ملتاہے، آپ حضرت شاہ عبد اللطیف لا ابالی کے خسر ہیں۔ آپ ہمیشہ خلق کی رہنمائی اور طالبانِ حق کی تلقین میں مصروف رہتے تھے۔ تاریخ محبوب ذی المنن میں ہے، آپ طلبہ اور غربا کے ساتھ ہمدردی فرماتے تھے اور ان کی تربیت و تعلیم میں مصروف رہتے تھے جو کچھ آمدنی ہوتی فقراء و غربا کو نذر کردیتے تھے او رتھوڑا سا حصہ عیال و اطفال کو دیتے تھے۔[47]، آپ کی وفات بمقام بیجاپور 957ھ میں ہوئی۔

شاہ حبیب اللہ کرمانی:

آپ شاہ خلیل اللہ بت شکن کے فرزند ہیں، سلطان احمد شاہ بہمنی کی خواہش پر حضرت نعمت اللہ ولی کرمانی نے اپنے اکلوتے بیٹے کو بیدر روانہ کیا، اور حضرت شاہ حبیب اللہ کو اپنا داماد بھی بنایا، آپ ہمایوں شاہ سے ایک نزاع کے نتیجے میں بیجاپور منتقل ہوئے اور ایک واقعہ میں 864ھ میں شہید ہوئے۔[48] بہمنیہ سلاطین نے ضلع بیڑ میں آپ کو جاگیرات عنایت کی تھی آپ نے بیڑ میں ایک خانقاہ بنائی تھی، اور اس میں واردین و صادرین دور دراز ممالک سے آتے تھے اور خانقاہ میں ایک لنگر بھی تھا، غربا و فقراء کو وہاں صبح و شام کھانا کھلایا جاتا تھا۔[49]

حضرت شمس الدین شیرازی:

آپ شیراز سے گوالیار آئے، حضرت محمد غوث گوالیاری کی صحبت و ارادت سے خوب فیض اٹھا کر آپ کی اجازت سے اہلِ دکن کی رہنمائی کے لیے بیجاپور میں سکونت اختیار کرلی، آپ کے علمی خدمات میں تفسیر بیضاوی کا حاشیہ ہے، آپ کی وفات 986ھ میں ہوئی۔[50]

حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق:

آپ اور آپ کے فرزند اور پوتے بیجاپور کے مشاہیر مشائخ میں سے ہیں، آپ بارہ سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی اشارے پر علی عادل شاہ کے زمانے میں بیجاپور کے شہر پناہ کے باہر سکونت اختیار کی، اور حضرت شاہ خواجہ کمال

الدین بیابانی سے خرقہ خلافت پایا، طالبانِ حق نے آپ کے خانوادے سے خوب فیض حاصل کیا، آپ 970ھ میں بیجاپور کے باہر شاہ پور میں مدفون ہوئے۔

حضرت برہان الدین جانم:

آپ شمس العشاق کے فرزند و جانشین تھے، آپ عارف باللہ اور صاحب کشف و کرامات تھے، علم طریقت میں رسالے اور تصنیفات مشہور ہیں اور طالبانِ حق کے لیے توحید کے رموز اور اسرار بہت مفید ہیں۔950ھ میں والد کے پاس مدفون ہوئے۔(51)

خواجہ امین الدین اعلی (وفات 1086ھ) اپنے والد حضرت برہان الدین جانم کی وفات کے بعد پیدا ہوئے، حضرت خواجہ عطاء اللہ سے ارادت و خلافت حاصل ہے، آپ پر جذب غالب تھا، اس کے باوجود چند رسالے مرتب کیے، مدراس اور حیدرآباد میں آپ کے خلفاء نے خانقاہی تعلیمات کو بہت عام کیا۔(52)

حضرت ابو بکر بافقیہ:

آپ سلطان محمد عادل شاہ کے زمانے میں بہت سے مریدوں کے ہمراہ حضر موت سے بیجاپور تشریف لائے، آپ عالم و عارف صاحب کرامات تھے، آپ کی خانقاہ سے بیجاپور کے مشائخ نے خوب فیض اٹھایا، آپ کی خانقاہ محلہ دریبہ میں واقع تھی، بہت سے عرب خانقاہ میں رہتے تھے، آپ کے مرید حضرت عبدالرحیم کے درس و تدریس کی بیجاپور میں شہرت تھی، آپ علی عادل شاہ کے زمانے میں 988ھ میں اپنی خانقاہ میں مدفون ہوئے۔(53)

حضرت شاہ لطف اللہ قادری:

آپ حضرت شیخ حمید قادری کے خلیفہ تھے جو حضرت ابراہیم مخدوم جی بن شیخ محمد ملتانی کے خلیفہ تھے، حضرت شیخ لطف اللہ کا بیجاپور کے مشاہیر اولیاء میں شمار ہوتا ہے، روضۃ الاولیاء میں مذکور ہے ”آپ کی خانقاہ طالبوں کی ترتیب و تکمیل میں مشہور تھی، اور بہت بزرگان دین اس خانقاہ میں باطنی کمال کو پہنچے، حضرت شاہ عبدالرزاق قادری ابتداء میں بارہ سال تک اس خانقاہ میں ساکن رہے۔(54) آپ کی وفات 1021ھ میں ہوئی اور حضرت شیخ حمید کی خانقاہ میں آرام فرماہیں۔

شاہ حیدر ولی اللہ بن سید حسین الجیلی:

آپ قادری النسب ہے، بغداد سے تین سو خلفاء کے ساتھ سلطان ابراہیم عادل شاہ کے زمانے میں بیجاپور میں سکونت اختیار کی، آپ صاحب تصرّفات ظاہری و باطنی تھے، سلطان مع وزراء آپ کے مرید و معتقد ہوئے۔ آپ کی بیجاپور کے قصبہ نیلنگا میں 1033ھ میں تدفین عمل میں آئی۔(55)

میراں شاہ عبدالرزاق قادری:

آپ اپنے والد سید شرف الدین کے خلیفہ اور قادری النسب تھے۔ حضرت شاہ عبدالرزاق قطبِ وقت اور وحید العصر تھے، صاحب برکات الاولیاء رقمطراز ہے :

""مشہور ہے کہ آپ کی خانقاہ میں دور دراز ملکوں سے لوگ آتے اور ارشاد و تلقین پاتے تھے، شاہ قاسم قادری، شیخ عبدالصمد کنعانی وغیرہ آپ کے خلفاء کاملین سے ہیں"۔[56] آپ نے بمقام بیجاپور 1051ھ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا سید صبغۃ اللہ بن روح اللہ حسینی بھڑوچی:

آپ بھڑوچ سے احمد آباد جاکر مشہور زمانہ صوفی شیخ وجیہ الدین علوی سے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کے بعد سلسلہ شطاریہ میں خلافت سے سرفراز ہوئے، بھڑوچ میں صدہا لوگ دولتِ اسلام سے بہرور ہوئے، آپ نے 1000ھ میں بیجاپور میں سکونت اختیار کیا، سلطان ابراہیم عادل شاہ نہایت اعزاز کے ساتھ آپ کا استقبال کیا، آپ نے پانچ سال تک وہاں قیام کیا اور طالبانِ حق کو روحانی فیوض سے مالامال کیا، پھر 1005ھ میں مدینہ منورہ میں مقیم ہوگئے، وہاں دس سال تک سلسلہ شطاریہ کی ترویج میں سعی بلیغ کی، اسی مقدس شہر میں خانقاہ کی بنیاد رکھی، حرمین شریفین میں لاتعداد اصحاب ان کے حلقے میں شامل تھے۔(57) آپ 1015ھ میں جنت البقیع میں دفن ہوئے، آپ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقّب تھے۔ آپ کئی کتابوں کے مؤلف تھے جن میں سے بعض کا ذکر ملتا ہے۔1۔حاشیہ تفسیر بیضاوی(یہ حاشیہ بلاد روم میں مشہور تھا)2۔تعریب جواہر الخمسۃ تالیف شاہ محمد غوث گوالیاری 3۔کتاب الوحدۃ4۔ارادۃ الدقائق5۔ مالایسمع المرید(58)

آپ کے بھتیجے محمد بن عبدالرحمن بیجاپور میں تیس(30) سال تک تدریس میں مشغول رہے اور وہ آپ کے خلیفہ عبدالعظیم مکی کے خلیفہ تھے، سال وفات 1084ھ ہے۔[59]

حضرت سید صبغۃ اللہ کے مشہور خلیفہ حضرت مولانا حبیب اللہ بن احمد ہے جو بیجاپور میں پانچ سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔ آپ بڑی جامع الکمال شخصیت تھے، نزھۃ الخواطر کے مطابق کئی رسائل کے مصنف اور متعدد کتب پر حواشی تحریر فرمائے، اور عربی کے شاعر تھے، آپ نے خواب میں اور بیداری میں کئی مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے، سال وفات 1041ھ ہے۔[60] آپ کے فرزند شیخ صبغۃ اللہ (ت1070ھ) اپنے مرشد کے ہم نام فقیہ وقت اور عالم ربانی اور بڑی مقبولیت کے حامل تھے۔[61]

حضرت سید ہاشم حسینی علوی:

آپ مشہورِ زمانہ حضرت شاہ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے تھے، آپ اپنے والد حضرت برہان الدین اور چچا کے مرید تھے، جب آپ چودہ سال کے تھے حضرت وجیہ الدین علوی کا انتقال ہوگیا، چنانچہ آپ ان کے فرزند حضرت شاہ عبداللہ علوی کے خلیفہ تھے۔ حضرت سید ہاشم عارفوں کے پیشوا اور قطب عالم کے درجے پر فائز تھے۔[62] سلطان ابراہیم عادل شاہ کے زمانے میں بیجاپور میں سکونت اختیار کی، دنیا او

راہل دنیا سے بے نیاز تھے، آپ فرماتے ہیں کہ جس وقت فقیر کی عمر 16 سال تھی، یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ اگر لاکھوں پیسے بھی آئے تو عشاء کے بعد باقی نہ رہے، ہزار ہا لوگ آپ کی خانقاہ میں رہتے، آپ کی بزرگی و عظمت کا شہرہ بہت دور تک پہنچ چکا تھا، بیجاپور محلہ بادشاہ پور میں 1056ھ میں تدفین عمل میں آئی۔[63] آپ کے تمام بیٹے نیک تھے خصوصاً آپ کے پوتے شیخ برہان الدین بن مرتضیٰ علوی (ت1084ھ) آسمانِ ہدایت کے روشن چراغ تھے۔[64]

حضرت سید شاہ محمد مدرس بن سید عبد الرحمن:

آپ حضرت شاہ صبغۃ اللہ کے بھتیجے جو آپ کی وفات کے دن پیدا ہوئے، حضرت شیخ عبد العظیم مکی خلیفہ حضرت صبغۃ اللہ سے خرقہ خلافت پایا، حضرت شاہ محمد مدرس کی خانقاہ سے آپ کی درس و تدریس اور ارشاد و تلقین کے ذریعہ بڑا فیض جاری ہوا، بیجاپور کے علما اور اولیا میں آپ کی بڑی شان تھا، آپ کی وفات مدینہ منورہ میں 1084ھ میں ہوئی اور اپنے چچا حضرت شاہ صبغۃ اللہ کے متصل دفن ہوئے۔[65] آپ کے فرزند حضرت سید زین الدین (ت1124ھ) مشاہیر علما بیجاپور میں تھے، آپ حضرت سید شاہ موسیٰ قاری بن حضرت شاہ لاابالی (کرنول) کے داماد تھے، حج سے واپسی کے دوران یمن کے ساحل پر وفات ہوئی۔ حج سے پہلے آپ نے تمام مال فقرا میں تقسیم کر دیا تھا، اور آپ کی خانقاہ میں کثرت سے فقراء رہا کرتے تھے۔[66]

سبعہ قادریہ کے خانوادے کے عظیم بزرگ حضرت شاہ بدرالدین بدر عالم کے تین فرزند جو بیجاپور منتقل ہو گئے تھے اُن کی خانقاہوں نے بیجا پور اور اس کے قصبوں (کرناٹک) میں علمی و روحانی فضا کو پیدا کیا، وہ تین شاہزادگان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1. **حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری:** آپ اپنے والد بدر عالم کے بڑے فرزند و جانشین تھے، لوگ آپ کی عظمت کی وجہ سے جگت گرو (یعنی رہنمائے عالم) کے لقب سے پکارتے تھے۔ آپ اپنے دونوں بھائیوں شاہ مصطفی قادری اور شاہ قاسم قادری کے ساتھ بیدر سے بیجاپور منتقل ہوئے کیوں کہ آپ نے ایک شب خواب دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے یہ ارشاد فرمایا: اے ابوالحسن! بیجاپور جاؤ، وہاں کی رعایا بے چین ہے، اور بادشاہِ وقت کی اصلاح کی بھی سخت ضرورت ہے۔ (67) یہ اس وقت کی بات ہے جب سلطان ابراہیم عادل شاہ بیجاپور میں ایک جوگی کا معتقد ہو چکا تھا، آپ نے اپنے روحانی تصرف سے بادشاہ کو راہ راست پر لایا۔[68] آپ بیجاپور کے ظاہری و باطنی دونوں بیماروں کے ملجاو ماوی تھے۔ آپ کی وفات بمقام بیجاپور 1045ھ میں ہوئی۔

آپ ایک بڑے ادیب اور اچھے شاعر تھے جن کی مثنوی "سُکھ انجن" کے نام سے مشہور ہے جس میں تصوف کے مسائل کھیل کود کے پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ آپ کے چار صاحبزادے اصحاب ولایت تھے، خصوصا آپ کے پوتے حضرت سید شاہ ابوالحسن کنکالی بن شاہ عبد القادر "بہت عظیم عالم و عارف و صاحب تصانیف" تھے، اُن کی ایک کتاب " مخازن سلسلہ قادریہ " بہت مشہور ہے۔ آپ نے بیجاپور میں خانقاہ قادریہ کی تعمیر کروائی، جہاں سینکڑوں طلبہ اور ہزاروں عوام استفادہ کرتے تھے، یہ سلطان سکندر عادل شاہ کا زمانہ تھا۔ عادل شاہی حکومت کی طرف سے آپ کو جاگیرات دی گئی تو آپ نے موضع کنکال میں بھی ایک بڑی خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔[69] آپ کا وصال بمقام کنکال

ضلع بیجاپور میں 1132ھ میں ہوا۔

2. **حضرت سید شاہ مصطفی قادری:** آپ حضرت بدر عالم کے دوسرے فرزند و خلیفہ تھے، آپ بڑے عابد، صاحب کرامات قطبِ وقت تھے، آپ کے اکثر مریدین وخلفا درجہ ولایت پر فائز تھے۔[70] آپ کا لقب معشوق الٰہی تھا، کتاب تذکرہ معشوق الٰہی میں ہے: آپ کی خانقاہ میں ہر روز ہزاروں آدمی کھانا کھاتے تھے، ہر روز خانقاہ میں مسافروں اور لوگوں کے لیے پانچ بکرے اور دو بڑے جانور ذبح کیے جاتے تھے۔[71] آپ کی وفات بمقام بیجاپور 1069ھ میں ہوئی۔

آپ کے پوترے شاہ شمس الدین بن شاہ عبد القادر ابدال قادری، بیجاپور سے گومرسی تعلقہ سندھنور ضلع رائچور منتقل ہو گئے تھے، آپ کا شمار مشاہیر اولیا میں ہوتا ہے۔ آپ کی خانقاہ فقرا اور غربا کے لیے بڑی نعمت تھی، سلطان محمد عادل آپ کی خانقاہ کے کثیر اخراجات کی طرف نظر کر کے ایک سو چالیس مواضعات ، انعام کی سند آپ کی خانقاہ کے نام لکھ کر بھیجا تو آپ نے قبول نہیں کیا، آپ کی وفات گومرسی میں 1182ھ میں ہوئی۔[72]

3. **حضرت فضل اللہ المعروف شاہ قاسم قادری:** آپ اپنے دونوں بھائیوں کی طرح اپنے والد حضرت شاہ بدر عالم کے خلیفہ ہیں، آپ بیجاپور کے مشائخ عظام میں سے تھے۔ اور معارف و حقائق اور قرب و کشف کے اعلیٰ منصب پر تھے۔[73] آپ کا وصال 1032ھ میں بیجاپور میں ہوا۔

حضرت شاہ موسیٰ قادری:

آپ سبعہ قادریہ میں سے ایک مشہور بزرگ حضرت شاہ عبد اللطیف لا ابالی کے دوسرے فرزند ہیں، آپ کے بیجاپور منتقل ہونے سے پہلے حضرت شاہ محمد مدرس قلعے کے اطراف پھرتے ہوئے فرماتے جاتے، مجھے حضور غوث اعظم کی بُو آ رہی ہے۔[74] اور آپ نے حضرت شاہ محمد مدرس سے طریقہ شطاریہ سے خلافت حاصل کی۔ حضرت شاہ موسیٰ قادری اور آپ کے فرزند سید شاہ عبد اللطیف ثانی المعروف بڑے پیر صاحب سے اہلِ بیجاپور نے خوب فیض اٹھایا، حضرت شاہ عبد اللطیف ثانی کے مریدین کی تعداد ایک لاکھ تھی۔[75] آپ 1124ھ میں اپنے والد کے روضے میں دفن ہوئے۔

کرناٹک کے اولیا:

کرناٹک عادل شاہی بیجاپور کی سلطنت کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے چند اولیا کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

حضرت سید شاہ طاہر قادری:

آپ اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبد اللطیف لا ابالی کی خدمت میں بیس سال رہ کر ادھونی منتقل ہوئے۔ آپ کو حضور غوث الثقلین سے خصوصی نسبتِ اویسیہ حاصل تھی۔ آپ صاحب کرامات و کمالات تھے، شانِ استغنا کا یہ عالم تھا کہ جب عالمگیر بادشاہ نے شاہی فرمان سے بارہ

مواضعات بطور انعام بھیجے تو آپ نے ان کاغذات کو جلادیا،[76] آپ کی ایک کتاب فقہ میں "کنزالنفائس" اور دوسری کتاب فارسی حل لغات سے متعلق ''خوانِ یغما'' ہے اور عربی، فارسی، دکنی اور ترکی زبانوں میں آپ کا منظوم کلام اور مکتوبات پائے جاتے ہیں، کتاب مشکوٰۃ النبوت میں کافی رباعیات کے نمونے ہیں، جیسا کہ آپ نے فرمایا۔[77]

طاہر کم بگوشنو یسیار کہ ترایک زباں و دو گوش است

بہ کہ خاموشی اختیار کند ایں سخن آنکہ صاحب ہوش است

آپ کی وفات 1115ھ میں ہوئی اور مزار شریف ادہونی (کرناٹک) میں ہے۔

حضرت سید چندا حسینی (ت 858ھ) : آپ گوگی شریف میں آرام فرماہیں، آپ کا شمار کبارِ اولیامیں ہوتا ہے، بیجاپور کا سلطان عادل شاہ آپ کا مرید تھا۔[78]

قطب دکن حضرت سید شاہ خلیفۃ الرحمن قادری (1209-1305ھ): آپ کا آستانہ ملکھیڑ (ضلع گلبرگہ) میں ہے جن کی خانقاہ کو بڑی شہرت حاصل ہے، اُن کے تفصیلی حالات حضرت پیر سید شاہ نعمت اللہ قادری الجیلی نے ''تذکرہ قطب دکن حضرت سید شاہ خلیفۃ الرحمن قادری'' نامی کتاب میں جمع کیا ہے۔

کرناٹک کے وہ علاقے جو دکن میں تھے ان میں کئی ایسے اولیاء اللہ ہیں جن کی خانقاہی خدمات کی تفصیل کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہو سکتا، کرناٹک کے مشاہیر اولیامیں سے مزید تین بزرگوں کی تفصیل ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب نے اپنی کتاب ''ہندوستان میں سلسلہ قادریہ: آغاز وارتقا" میں دیکھی جاسکتی ہے، وہ اصحاب یہ ہیں :

1- حضرت سید فتح اللہ شاہ قادری (ت 1020ھ) مزار شریف شہر انکولہ

2- حضرت قادر بادشاہ قادری (ت 1209ھ) مزار شریف کیسر مٹرو (کرناٹک)

3- حضرت سید شہاب الدین قادری (ت 1323ھ) مزار شریف میسور

رائچور کے مشاہیر اولیا کا ذکر روضۃ الاولیا کے ضمیمے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

کرنول کی خانقاہیں:

اگرچہ کہ کرنول آندھرا پردیش کا ضلع ہے لیکن ان میں موجود مشاہیر اولیا کی خانقاہیں عادل شاہی حکومت میں بلکہ بعض اس سے پہلے ہی قائم ہو چکی تھیں، اس لیے چند اولیا کی خدمات کا تذکرہ حسب ذیل کیا جارہا ہے:

حضرت شاہ سید نورالدین اسحاق قادری المعروف حضرت میاں صاحب: آپ قادری النسب ہے، سلطان ابراہیم عادل شاہ 1031ھ کے زمانے میں کرنول کے قلعے کو فتح کرنے سے پہلے راجہ گوپال کے عہد میں بغداد سے قمر نگر (کرنول کا قدیم نام) میں رونق افروز ہوئے، اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، آپ کی تبلیغ سے شہر کرنول اور اس اطراف واکناف کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے

لگے، آپ کا وصال بمقام کرنول 911ھ میں ہوا۔[79]

حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف لا ابالی: آپ سبعہ قادریہ حضور غوث اعظم کے خاندان کے ایک عظیم صوفی ہیں، آپ کا لقب سید الابدال تھا۔ آپ عالم شباب میں حماۃ (بغداد) سے راجہ گوپال کے عہد میں شہر کرنول رونق افروز ہوئے، راجہ کی لڑکی سانپ کاٹنے کی وجہ سے مرگئی تھی، آپ کی کرامت سے زندہ ہونے پر راجہ گوپال اپنی راعایا کی بڑی جماعت کے ساتھ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔[80] جو کوئی آپ کی خانقاہ میں آتا تو آپ بلا لحاظ مذہب و ملّت اس کی مدد کرتے، مخلوق کے ساتھ آپ کے الطافِ کریمانہ کے کئی واقعات ہیں، اگر کوئی بوڑھا بار بردار جنگل سے آتا ہوا نظر آتا، اور اس کا پاؤں لڑکھڑانے لگتا تو آپ اس کی پیٹھ کا بوجھ اپنی پُشت پر رکھ کر اس کے مقام تک پہنچا دیتے۔[81]

انسان تو کُجا آپ سے جانور کی تکلیف بھی نہ دیکھی جاتی تھی، ایک مرتبہ ایک لکڑی فروش یہودی نے اپنی گاڑی کھینچنے والی گائے کو کوڑا مارا، تو آپ نے ایک، آہ کھینچی اور چہرہ متغیر ہو گیا، جب حاضرین نے وجہ دریافت کی تو آپ نے اپنی چادر نکال کر بتایا تو اس کوڑے کے نشان آپ کی پُشت پر نمایاں تھے جو اس نے بیل کو مارا تھا تو وہ یہ منظر دیکھ کر اسلام سے مشرف ہو گیا۔[82] آپ کا سال وصال 1047ھ اور ایک روایت میں 1059ھ ہے، آپ کرنول میں آرام فرما رہے۔، حضرت شاہ لا ابالی کے دو بیویوں سے پانچ صاحبزادے تھے وہ سب اصحابِ ولایت تھے۔

1. حضرت شاہ عبد اللہ قادری: آپ سب سے بڑے فرزند تھے، ایک راجا کے اذان اور نماز سے منع کرنے کی وجہ سے دو گروپوں میں سخت لڑائی کے نتیجے میں 1082ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔
2. حضرت شاہ موسیٰ قادری، دوسرے فرزند، اولیا بیجاپور میں جن کا ذکر آچکا ہے۔
3. حضرت شاہ محی الدین ثانی تیسرے فرزند، حیدرآباد کے اولیا میں ذکر آئے گا۔
4. حضرت شاہ طاہر قادری چوتھے صاحبزادے کرناٹک کے اولیا میں ذکر آچکا ہے۔
5. حضرتشاہ عیسیٰ قادری، پانچویں صاحبزادے 18 سال کی عمر میں 1072ھ میں شہید ہو گئے، کرنول میں تدفین عمل میں آئی۔

کرنول کے اولیا کی خانقاہی کوششوں سے اس شہر میں نہ صرف مسلمانوں کی کثرت ہوئی بلکہ کرنول اور اس کے اطراف و اکناف میں اولیا بھی اس کثرت سے ہوئے کہ اسے 52 اولیا کا دیس کہا جانے لگا۔[83]

اورنگ آباد، دولت آباد اور خلد آباد کی خانقاہیں:

اورنگ آباد، دولت آباد اور خلد آباد، دکن کی یہ تینوں بستیاں (موجودہ مہاراشٹرا)، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی اعتبار سے آپس میں گہرا تعلق رکھتی ہیں، جب سلطان محمد بن تغلق نے اپنے عہد حکومت (1325-1351ء) میں اپنا پایۂ تخت دہلی سے دیوگیر (دولت آباد) منتقل کیا، تو سلطنت کے ساتھ ساتھ روحانیت کا سرچشمہ بھی دولت آباد منتقل ہو گیا، کیوں کہ کئی اولیاء اللہ نقل مقام کر کے دہلی سے چلے آئے، اورنگ

آباد کی ترقی دولت آباد کی ترقی کے زوال کے بعد ہوئی جب کہ ملک عنبر نے پہلی مرتبہ اُسے دارالحکومت بنایا، خلد آباد دولت آباد سے 12 کیلو میٹر پر واقع ہے۔

ان تینوں مقامات میں بے شمار اولیا کرام مدفون ہیں، خانقاہی نظام کے احیا اور سلسلہ چشتیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ان مقامات کو منتخب کیا گیا، حضرت شاہ نظام الدین محبوب الٰہی کے حکم سے آپ کے مریدین کی بڑی جماعت نے خانقاہی نظام کو علمی، روحانی اور اخلاقی بنیادوں پر مستحکم کیا۔ 1309ھ میں دولت آباد کی سرزمین پر سب سے پہلے قدم رکھنے والے عظیم صوفی حضرت منتجب الدین زرزری بخش ہے۔[84]، پھر مرکزی حیثیت حضرت برہان الدین غریب کو حاصل ہوئی، اور حضرت نظام الدین مقبول الٰہی نے اورنگ آباد کی سرزمین پر ایسی شاندار خانقاہ قائم کی کہ امیر و غریب، جاہل و عالم سب ہی پروانوں کی طرح ان کے گرد جمع ہو گئے۔[85] آپ ہی کی دعا سے نظام الملک آصف جاہ اول نے دکن کو فتح کیا، اور آصف جاہی سلطنت کا دور شروع ہوا (اس کی تفصیل آگے آئے گی)۔

حضرت منتجب الدین و حضرت برہان الدین علیہما الرحمہ دونوں حضرت جمال الدین ہانسوی کے بھائی محمود ہانسوی کے فرزندان اور حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ ہیں، "تحفۃ الابرار" اور "شاہان بے تاج" کی روایت کے مطابق حضرت زرزری بخش چھوٹے بھائی ہیں اور بعض نے ان کو بڑا بھائی قرار دیا ہے۔

حضرت محبوب الٰہی نے حضرت منتجب الدین (675-709ھ) کو حکم دیا کہ تم سات سو پالکیاں یعنی سات سو مریدین کو لے کر دکن جائو، آپ ان کے خرچ کے بارے میں متفکر ہوئے تو پیر و مرشد نے فرمایا فکر نہ کرو غیب سے انتظام ہو جائے گا، چنانچہ روزانہ بعد نماز تہجد ایک دُرج زرین (سونے کی ڈبیاں) اور ایک روایت کے مطابق دو سنہری خلعتیں غیب سے عطا ہوتی تھیں، آپ ان کو فروخت کر کے تمام رفقا پر خرچ کرتے تھے اس لیے آپ کا لقب زرزری بخش ہوا۔[86]

آپ کے دستِ اقدس پر اہلِ دکن کی بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا، آپ کی وفات بمقام دولت آباد 709ھ کو ہوئی۔[87]

حضرت برہان الدین غریب: حضرت زرزری بخش کی وفات کے بعد حضرت محبوب الٰہی کے حکم سے آپ چار سو درویشوں کی جماعت کو لے کر دولت آباد میں مقیم ہوئے۔ آپ کی خانقاہ نے دولت آباد اور خلد آباد کی زمین کو اولیا کی زمین میں تبدیل کر دیا، کتاب شاہانِ بے تاج میں آپ کی صحبت میں رہنے والے 129 اولیا کی فہرست مع تعیین مزارات نقل کی گئی۔[88] آپ کے تین ملفوظات کے مجموعے ہیں جن کو آپ کے خلفا نے مرتب کیا ہے، جو طالبانِ حق کے لیے شمع ہدایت ہے وہ یہ ہیں :

1. احسن الاقوال. 2. شمائل الاتقیاء. 3. نفائس الانفاس اور دو کتابیں غرائب الکرامات و عجائب المکاشفات اور بقیۃ الغرائب آپ کے مناقب و ملفوظات میں خلیفہ مجد الدین کاشانی نے لکھی ہے۔[89] آپ کی وفات دولت آباد میں 741ھ کو ہوئی۔ آپ کے دس خلفا میں حضرت زین الدین شیرازی، آپ کے جانشین ہے۔ حضرت زین الدین شیرازی دہلوی حضرت نصیر الدین چراغ کے بھانجے ہیں، آپ کے ملفوظات "ہدایت القلوب" کو حضرت سید میر حسن نے مرتب کیا ہے، آپ کی ولادت 701ھ اور وفات 771ھ ہے، خلد آباد میں آرام فرما ہے۔[90] آپ ہی کے احاطے میں سلطان اورنگ زیب کا مزار ہے۔ اسی خلد آباد کی زمین میں ایک مشہور بزرگ فیض کے دریا بہانے

والے حضرت جلال الدین گنج رواں (وفات 644ھ) ہے۔[91]

حضرت شیخ علی بن محمد جیوری شکرریز: آپ لوگوں میں علاء الدین شکرریز سے مشہور ہیں، آپ شیخ قوام الدین محمود دہلوی کے مرید اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بلاواسطہ استفادہ کرنے والے تھے، آپ جامع شریعت وطریقت تھے۔ آپ کی خانقاہ کے فیضان کا یہ عالم ہے کہ آپ کے خلفا میں مشاہیر اولیا جیسے حضرت شیخ عین الدین گنج العلم، حضرت شیخ سراج الدین جنیدی (روضہ شیخ) وحضرت شیخ نظام الدین بہرایچی اور حضرت شیخ شمس الدین خواجگی علیہم الرحمۃ ہیں۔[92] آپ کا سالِ وفات 734ھ اور مزار دولت آباد میں ہے۔

حضرت شیخ بہاء الدین دولت آبادی (821-921ھ): آپ حضرت سید احمد جیلانی کے سلسلہ قادریہ شطاریہ میں خلیفہ ہے، اس سلسلے کو دکن میں عام کرنے میں آپ کا نمایاں نام ہے، سالکانِ طریقت کے لیے آپ کا "رسالہ شطاریہ" ایک نعمت عظمیٰ ہے، جس کی تفصیل مع اقتباسات اخبار الاخیار میں مذکور ہے، مزاراقدس دولت آباد میں مرجعِ انام ہے۔[93]

حضرت نظام الدین اورنگ آبادی: آپ نسباً صدیقی اور حضرت کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کے محبوب خلیفہ ہیں، پیرومرشد کی اجازت سے آپ نے اورنگ آباد میں سلسلہ نظامیہ کی شاندار خانقاہ قائم کی۔ یہ خانقاہ حضرت خواجہ بندہ نواز کی خانقاہ کے بعد بارہویں صدی ہجری میں دکن کی بڑی خانقاہ تھی، آپ جامع کمالات وکرامات تھے، آپ کی مریدین کی تعداد ایک لاکھ تھی، ڈاکٹر خلیق احمد نظامی نے ملفوظات شاہ محمد سلیمان تونسوی کے حوالے سے لکھا ہے: حضرت اورنگ آبادی کی خانقاہ کے دس دروازے تھے، ہر دروازے پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا، اور جو حاجت مند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا، اس پر حضرت کی مُہر لگادی جاتی تھی، جس کا سجع یہ تھا:

"ذکر مولی از ہمہ اولیٰ۔ دررعایت دِلہا بکوش۔ نظام! دین بدنیا مفروش"

حاجت مند پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا، وہ اس کی حاجت براری کو اپنے لیے سعادت وارین سمجھتا تھا، خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے ہوئے تھے۔[94] آپ آدھی رات کو اُٹھ کر اپنے مریدین کی دیکھ بھال کے لیے گشت کیا کرتے تھے اور جو غافل سو رہا ہے اس کو عبادت کے لیے جگادیتے۔ آپ کی تعلیم کے اثر سے آپ کی وفات کے بعد اورنگ آباد کی مسجدیں چھوٹی چھوٹی خانقاہیں بن گئی تھیں جہاں غریب طلبہ کو کھانے کے ساتھ رہائش کا بندوبست تھا۔[95] آپ کی تصنیف "نظام القلوب" سلوک میں خصوصاً ذکر کے طریقوں میں ایک عمدہ کتاب ہے۔

نظام الملک آصف جاہ اول (1671-1748ھ) آپ کے مرید اور انتہائی عقیدت مند تھے، بلکہ وہ آپ کی دعا سے نظام الملک آصف جاہ بنے۔ ان کا نام قمر الدین علی خان تھا۔ مغلیہ فوج میں صوبیدار تھے۔ ان کے ذریعے دکن کی فتح کا تذکرہ کتاب انوارِ اصفیاء میں یوں ہے:

قمر الدین علی خان کو 1124ھ میں دکن کی تسخیر کا خیال آیا، حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی سے روحانی مدد چاہی، آپ نے فرمایا دکن میں تم نظام الدین سے ملو، قمر الدین نے عرض کیا کوئی سفارش عطا فرمائیں، آپ نے ایک ٹھیکری پر یہ خفیہ عبارت لکھ دی: (کتّا آرہا ہے ہڈی ڈال دو) تو جب وہ ٹھیکری لے کر آپ کے خلیفہ کے پاس حاضر ہوئے اور شیخ کلیم اللہ کی ٹھیکری پیش کر دی، اپنے مرشد کی ٹھیکری کو چوما، اس وقت آپ دسترخوان پر تھے سات روٹیوں پر ایک ہڈی رکھ کر ان کو کھانے کے لیے دیا وہ بزرگوں کے اسرار سے خوب واقف تھے، وہ

ساری روٹیاں کھالی، یہ سات روٹیاں آصف جاہی سلطنت کے سات سلاطین کی طرف اشارہ تھے، آپ نے قریب بلایا اور اپنی چادر سے ایک زرد حصہ پھاڑ کر اُن کے سر پر باندھا اور فرمایا: آج سے تو "نظام" ہے قمر الدین وہاں سے رخصت ہو کر مبارز خان کی فوج کو شکست دے کر دکن کو فتح کر لیا۔

آصف جاہ اول فتح کے بعد حضرت نظام الدین کی خدمت میں آپ کے لیے ایک محل تعمیر کرنے کی پیش کش کی تو آپ نے پوچھا، کتنا عرصہ اور کتنا مال لگے گا، تو جواب دیا "دو سال" تو آپ نے حکم دیا کہ خانقاہ کے چبوترے پر وہ سارا روپیہ ڈال دو، جب سارا روپیہ جمع ہو گیا، تو آپ نے اورنگ آباد کے فقرا و مساکین کو جمع کر کے تھوڑی دیر میں وہ مال اُن میں تقسیم کر دیا، پھر اس کے بعد آصف جاہ اول سے فرمایا کہ تم نے دو سال میں جس محل کو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا ہم نے ایک ساعت میں کئی محل تعمیر کر لیے (حضرت کی مراد جنت کے محل تھے)، آصف جاہ اس سخاوت سے بہت متاثر ہوئے۔[96]

آپ کے حالات میں نظام الملک آصف جاہ اول نے ایک کتاب "رشک گلستان اِرم" اور آپ کے خلیفہ خواجہ کامگار نے "احسن المسائل" تصنیف کیا۔ آپ کے اٹھارہ خلفا میں آپ کے فرزند شاہ فخر الدین دہلوی جو ایک عرصے کے بعد اورنگ آباد سے دہلی منتقل ہو گئے جن کے خلفا میں عظیم صوفی حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ہے۔ حضرت نظام الدین کے القاب میں مشہور لقب "مقبول الٰہی" ہے آپ کی وفات 1142ھ اور مزار شریف اورنگ آباد میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت شاہ نور محمد حموی: خلیفہ حضرت شرف الدین قطب حموی آپ کا شمار مشاہیر اولیا اورنگ آباد میں ہوتا ہے، ہمیشہ تیس تا چالیس فقرا آپ کی خانقاہ میں کھانے پینے کے انتظام کے ساتھ سکونت پذیر رہتے تھے۔[97] آپ کی وفات اورنگ آباد میں 1104ھ میں ہوئی۔ آپ کے خلیفہ و سجادہ سید شہاب الدین (ت 1119ھ) نے اورنگآباد میں ایک مسجد و خانقاہ کے ساتھ ایک مدرسہ بھی بنایا تھا۔ تمام شہر میں اس کی نظیر نہیں تھی، آپ لوگوں کی اعانت سے دو سو طلبہ کی خوراک و پوشاک کا انتظام فرماتے تھے۔[98]

حضرت محمد عاشور المعروف مسافر شاہ: آپ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت سعید پلنگ پوش کے خلیفہ تھے جو مجذوب صفت تھے، حضرت مسافر شاہ کی ذات اورنگ آباد والوں کے لیے ایک نعمت غیر مرقبہ تھی، آپ کے زہد و تقوی اور غربا پروری کی وجہ سے کافی مریدین و متعقدین تھے، جو بھی نذر پیش کی جاتی، محتاجوں اور درویشوں میں تقسیم کر دیتے، بارش کے ایام میں بیواؤں کو چھپّر خرید کر دیتے اور اگر ان کے گھر کی دیواریں بوسیدہ ہوں تو ان کی بھی مرمت کروا دیتے۔[99] آپ اور آپ کے جانشینوں نے خانقاہ کے علاوہ ایک کتب خانہ بنوایا تھا، جہاں عربی فارسی کے نایاب قلمی نسخے اور تصوف کی بے شمار کتابیں تھیں، جو مرورِ زمانہ کے بعد اوقاف کے دفاتر میں تبدیل ہو گئے۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (ت:1200ھ) کا قیام اس خانقاہ میں زیادہ تر اسی کتب خانے کی وجہ سے تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کتب خانے کی ساری کتابیں جو ہزاروں کی تعداد میں تھیں مولانا کی نظر سے گزری ہیں۔[100] آپ کا سال وفات 1126ھ ہے، آپ کی مزار تکیہ بابا مسافر شاہ بعد میں "پن چکی" سے موسوم ہوا۔

حضرت شاہ شیخن (ت:1151ھ) خلیفہ حضرت سید احمد گجراتی، مشائخ اورنگ آباد میں فرید العصر صوفی سمجھے جاتے تھے، آپ مثنوی

شریف کا درس علما و فضلا کو دیتے تھے۔[101]

حضرت شاہ علی نہری (ت 1176ھ) جو مشاہیر اورنگ آباد میں ہے آپ نے ایک مسجد و خانقاہ اور ایک نہر اپنے خرچ سے شہر میں بنوائی تھی۔

مولانا سید قمر الدین بن سید منیب اللہ بالاپوری : آپ نے برار سے اورنگ آباد منتقل ہو کر ایک مدرسہ قائم کیا تھا، آپ کے حلقۂ درس میں مختلف شہروں اور قصبات کے طلبہ شریک ہوتے، تصوف اور مسئلہ وحدت الوجود میں آپ کی تین کتابیں: مظہر النور و نور الکریمتین اور نور الظہور مشہور ہیں[102]، آپ کی وفات بمقام اورنگ آباد 1193ھ میں ہوئی۔

صوبہ برار (ایلچپور) کی خانقاہیں:

اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب آصف جاہ اول نے 1724ء میں مغلوں سے آزادی کا اعلان کیا تو برار ریاست حیدر آباد دکن کا ایک صوبہ بن گیا، ریاست برار کے ایک اہم دفاعی قلعہ و علاقہ کو بالاپور کہا جاتا ہے۔ اس برار و بالاپور دکن میں خانوادہ شاہ عنایت اللہ کا خانقاہی نظام کو مستحکم کرنے میں بڑا حصہ رہا، حضرت شاہ عنایت اللہ بن "ظہیر الدین بالاپوری" ملک خُجَند (Khujand) سے ہجرت کر کے بالاپور میں سکونت اختیار کی، آپ سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم صوفی اور جامع شریعت و طریقت تھے، برار کے اکثر امراء اور وٴسا آپ کے مرید تھے، بادشاہ عالمگیر نے کافی مال و دولت بطور معاش آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے یہ کہتے ہوئے قبول کرنے سے انکار کیا کہ بادشاہ بیت المال کا امین ہے مالک نہیں، اُسے صرف فقرا اور مستحقین میں خرچ کرنا چاہیے۔[103]

آپ کی مدتِ اقامت برار میں 58 سال رہی اور آپ کی وفات 1117ھ میں ہوئی، آپ کے تین صاحبزادے جو مشاہیر علما و مشائخ میں سے تھے، خانقاہی نظام کو مزید مستحکم کیا، ان کے اسما حسب ذیل ہیں۔[104]

1. مولانا محب اللہ بن عنایت اللہ (ت:1119ھ)، آپ کے تین فرزندان اصحابِ علم میں شمار کیے جاتے ہیں: سید ظہیر الدین (ت 1105ھ) و سید امام الدین 1165ھ و سید معصوم 1108ھ علیہم الرحمہ۔

2. مولانا سید منیب اللہ (ت 1161ھ) آپ کے تین صاحبزادے اہل علم میں سے تھے: مولوی مجیب اللہ (ت 1156ھ) و مولوی سید شمس الدین (ت 1172ھ) و مولانا قمر الدین اورنگ آبادی، آپ کو کافی شہرت ملی جن کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ آپ کے فرزند سید نور العلیٰ کے ذریعے حیدر آباد میں آپ کا فیض عام ہوا، جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

3. مولانا سید مبین اللہ (ت 1150ھ) آپ کے تینوں صاحبزادے بھی اصحاب علم و فضل میں شمار کیے جاتے ہیں۔(105)، ان سب کے تذکرے "محبوب ذی المنن" اور "نزهة الخواطر" میں پائے جاتے ہیں۔

آندھرا اور تلنگانہ کی بعض مشہور خانقاہیں:

حضرت سید جلال الدین جمال البحر معشوق ربانی (896-999ھ): آپ قادری النسب سبعہ قادریہ میں سے ایک عظیم بزرگ جامع شریعت و طریقت تھے، آپ بغداد سے حج کا سفر کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ پر اس طرح سلام پیش کیا:" السلام علیک

یاجدّي"توجواب آیا:"وعليك السلام يا ولدي" اور بارگاہ نبوی سے معشوق ربانی کا خطاب پایا۔[106] اور ایک غیبی اشارے پر دکن کا رُخ کرتے ہوئے عُرس جاگیر ورنگل میں قیام فرمایا۔ حضرت معشوق ربانی کے دستِ حق پرست پر لوگ دور دور سے آکر اسلام قبول کیے، آپ کا سال وصال 999ھ ہے مزار ورنگل میں مرجع خلائق ہے۔

ورنگل سے چند میل کے فاصلے پر قاضی پیٹ میں ایک عظیم بزرگ حضرت قاضی سید شاہ افضل بیابانی (ت 1273ھ) ہے، جن کی خانقاہ کے فیضان سے اطراف واکناف کے قصبے منور ہوگئے۔ تفصیلی حالات کتاب "لمعات بیابانی" میں دیکھے جاسکتے ہیں۔[107]

حضرت خواجہ رحمت اللہ المعروف نائب رسول اللہ ﷺ:

آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد بیجاپور سے کرنول پھر ضلع نیلور کے اناساگر کی ایک پہاڑی پر سکونت اختیار کی اور اطراف و اکناف کی زمین خرید کرکے اُسے آباد کیا، اور رحمت آباد نام رکھا، وہاں ایک مسجد اور اس کے قریب ایک مدرسہ اور خانقاہ کی تعمیر کرائی۔[108] لوگوں میں کتاب وسنت کی تعلیم کو عام کیا، آپ حرم پاک میں حضرت سید اشرف مکی کے مرید ہوئے اور آپ سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور رفاعیہ میں حضرت سید علی بروم بیجاپوری کے خلیفہ ہیں، آپ کثیر کرامات والے بزرگ ہیں جن کی کرامتوں کا سلسلہ بعد وفات بھی جاری ہے، آپ کا وصال 1195ھ میں ہوا۔ آپ کی مزار رحمت آباد میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے احوال میں کتاب "بحر رحمت" بہت مشہور ہے۔[109]

آپ کے عظیم خلیفہ حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری (ت 1241ھ) ہے۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ ہے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:
آداب طریقہ رفاعیہ۔ سلوک چشتیہ۔ رسالہ در سلوک قادریہ، رسالہ سلوک نقشبندیہ۔ ثمرات المکیۃ في طریق القادریہ وغیرہ (110)

حضرت سید شاہ خواجہ قطب الدین احمد ہاشمی معروف بہ شاہ قطب العرفان:

آپ حضرت شاہ محمد حسن صابری رامپوری صاحبِ "حقیقت گلزار صابری" کے فرزند حضرت شاہ عارف حسن کے خلیفہ ہیں، آپ حیدرآباد کے متوطن ہے عبادت وریاضت، تعلیم وارشاد کے لیے میدک کے ایک ویران جگہ میں خانقاہ کی بنیاد رکھی، جس کا نام عارف نگر رکھا گیا، آپ کا فیض نظام آباد، کاماریڈی اور چنور میں خوب عام ہوا، دور دراز کے مریدوں کی اپنے خطوط کے ذریعے اصلاح فرمائی، ان خطوط نے کئی لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا، اس کی افادیت کو دیکھتے ہوئے آصف جاہ سابع کے عہد میں "سررشتہ تعلیمات" نے 1355ھ میں "مکتوبات ہاشمی" کے نام سے طبع کرایا اور یہ مکتوبات آزادی سے پہلے داخل نصاب مدارس دینیہ رہے۔[111] جس کے دو حصے حضرت قطب العرفان کی حیات میں طبع ہوئے اور تیسرا حصہ آپ کے محبوب خلیفہ حضرت سید شاہ خواجہ معین الدین صابری ہاشمی (کاغذ نگر) نے مرتب کرکے طبع کروایا۔

ان مکتوبات کی تاثیر نواب بہادر یار جنگ کی اس تقریظ سے ظاہر ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں: میں سوچتا تھا کہ لفظ مرشد تمام معانی کے ساتھ جن کا حامل ہے ہمارے زمانے کے دعویداران ارشاد وہدایت سے بھی متعلق ہوگا یا نہیں؟ لیکن اس کتاب کے مطالعے نے مایوسی کو اُمید میں بدل دیا... الخ[112] آپ کا سال وفات 1374ھ ہے، عارف نگر ضلع میدک میں مزار مرجع خلائق ہے۔

شہر حیدرآباد کی خانقاہیں:

سرزمین حیدرآباد میں ایمان و اسلام کی بہاریں اور اس کی سرسبزی و شادابی اولیائے کرام کی خانقاہوں کی رہینِ منت ہے، خصوصاً قدیم شہر حیدرآباد میں کوئی محلہ اولیا کے آستانوں سے خالی نہیں، جناب سید مراد علی طالع نے اپنی کتاب "تذکرہ اولیائے حیدرآباد" کے چار حصوں میں جملہ 210 اولیائے کرام کا تذکرہ کیا ہے۔ قطب شاہی سلطنت (906-1098ھ) کی بنیاد سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل ساتویں صدی ہجری سے اولیا کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، حیدرآباد کی بنا سے پہلے اس سرزمین پر رونق افروز ہونے والے بزرگ کو باباشرف الدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت باباشرف الدین سہروردی:

آپ کی پیدائش 586ھ میں عراق میں ہوئی آپ اپنے پیر و مرشد حضرت شہاب الدین سہروردی کے حکم سے 70 افراد کے ساتھ مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے 640ھ میں حیدرآباد سے سات میل دور ایک پہاڑ کی چوٹی پر چلہ کش ہوئے، آپ کی کرامات و تبلیغ سے کئی لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے، لوگ آج بھی پہاڑی شریف کے 312 سیڑھیاں پار کر کے آپ کے مزار کی زیارت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔[113] شہر حیدرآباد کے اور ایک مشہور بزرگ حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ سید احمد بادِ پا حضرت شیخ برہان الدین غریب کے ہمراہ 709ھ میں دہلی سے دکن آئے، قطب شاہی حکومت سے پہلے آصف نگر کی ایک پہاڑی پر سکونت اختیار کر کے اسلام کی شمع کو روشن کیا۔[114]

حضرت سید شاہ رفیع الدین احمد قادری المعروف غریب نواز:

آپ سبعہ قادریہ میں سے ایک شاہزادۂ غوث اعظم جو بغداد سے 60 مریدین کے ہمراہ دکن کا رُخ کر کے شیخ پیٹ گولکنڈہ میں مقیم ہوئے، سلطان عبداللہ قطب شاہ (1626-1672ء) مذہب امامیہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ملنا نہیں چاہتا تھا، جب آپ کی عظمت و شہرت سنی تو اپنی ایک لنگڑی اور نابینا لڑکی کی خاطر ملاقات کیا وہ لڑکی آپ کے دم کردہ پانی کو پی کر صحیح و سالم ہو گئی، بادشاہ آپ کا معتقد ہو گیا، اور اپنی لڑکی کا نکاح آپ کے صاحبزادے عبدالرزاق سے کروادیا، آپ کے فیضان قادریت سے کئی لوگ راہِ ہدایت پر آ گئے، آپ کی وفات بمقام شیخ پیٹ گولکنڈہ 1019ھ میں ہوئی۔[115]

حضرت میراں حسین قادری بغدادی معروف بہ شاہ ابدال:

آپ سبعہ قادریہ میں وہ دوسری ہستی ہے جو بغداد سے ایک سو مریدین کے ساتھ لنگر حوض حیدرآباد میں رونق افروز ہوئے، آپ قطب وقت صاحب کشف و کرامات تھے، سلطان ابراہیم قطب شاہ (957-988) کمالِ عقیدت سے اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں دیا، آپ کا وصال 1049ھ میں ہوا۔ آپ کی خانقاہ لنگر حوض سے بے شمار لوگ رشد و ہدایت پائے اور رحلت کے بعد بھی کثیر لوگ آپ کے توسل

سے بامراد ہوتے ہیں۔[116]

حضرت میراں حسینؒ کی دوسری زوجہ کے فرزند سجادہ نشین حضرت عبدالقادر کے داماد حضرت سید شاہ محی الدین بن شاہ عبداللطیف لاابالی ہے جو مادرزادولی اور واقفِ اسرار توحید و معرفت تھے جن کے احوال و اسرارِ طریقت کو صاحب ''مشکوٰۃ النبوت'' نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔[117] آپ 24 سال سے زیادہ عرصہ حیدرآباد میں سلسلہ قادریہ کی تعلیمات کو عام کرتے ہوئے 1103ھ میں مسجد ملک عنبر (پرانا پُل) کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت حسین شاہ ولی:

آپ حیدرآباد کے مشاہیر اولیا میں سے ہے جو چھٹی پُشت میں حضرت خواجہ بندہ نواز کی اولاد سے ہے، ابراہیم قطب شاہ نے آپ کو دس ہزار سواروں کا افسر اور تعمیرات کا معتمد بنایا، حیدرآباد اور سکندرآباد کے درمیان ''حسین ساگر'' کی تعمیر آپ کی نگرانی میں ہوئی اور آپ ہی کے نام سے تالاب موسوم ہوا، سلطان نے اپنی لڑکی کا آپ سے نکاح کیا۔ آپ کی وفات 1068ھ میں ہوئی، آپ کی جائے مزار کی مناسبت سے گولکنڈہ میں وہ مقام حسین شاہ ولی سے مشہور ہے۔[118]

حضرت امین الدین اعلیٰ بیجاپوری کے مشہور خلیفہ جن کی تربیت سے کثیر لوگ فائز المرام ہوئے وہ حضرت میراں جی حسین ملقب بہ خدانما ہے۔ جو مرشد کی اجازت سے حیدرآباد میں مقیم ہوئے، آپ کی تین کتابیں دکنی زبان میں ہے، رسالہ وجودیہ و رسالہ قربیہ و عرفان منظوم معروف بہ چکی نامہ، آپ کا وصال 1070ھ میں ہوا۔ مزار شریف مستعدد پورہ میں ہے۔[119]

حضرت یوسف محمد معروف بہ راجو قتال حسینی :

آپ کا نسب نامہ حضرت خواجہ بندہ نواز سے ملتا ہے، آپ اپنے چچا حضرت سید اکبر حسینی کے خلیفہ تھے، سلطان عبداللہ شاہ اور اس کے بعد تاناشاہ آپ کے بڑے معتقد تھے، تاناشاہ آپ کا مرید تھا اور اپنی لڑکی کو آپ کے صاحبزادے کے نکاح میں دیا، آپ نے ایک مرتبہ انار کا ایک ٹکڑا دے کر اس کے دانے دریافت کیے تو وہ چودہ نکلے تو آپ نے فرمایا تیری حکومت چودہ برس رہے گی۔(120) آپ کا وجود خلائق کے لیے باعث برکت اور چشمۂ فیض تھا، ''محبوب ذی المنن'' میں ہے: آپ کی خانقاہ میں درویشوں و مریدوں کا کثیر مجمع رہتا تھا، حضرت سب کی خبر گیری و خدمت کرتے رہتے تھے۔[121] تصوف میں آپ کی ایک کتاب ''زادالمومنین'' اور ایک منظوم کلام کا مجموعہ ہے، آپ کا وصال 1092ھ اور بقول بعض 1096ھ میں ہوا، مصری گنج کی ایک عالی شان گنبد میں آرام فرما ہیں۔

حضرت عمادالدین معروف بہ میر محمود اولیا:

آپ نجف اشرف سے 50 مریدین کے ہمراہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں میر عالم تالاب کے متصل ایک پہاڑی پر اپنے وجود سے مخلوق کو راہِ حق بتاتے ہوئے سکونت اختیار کی۔ آپ نے اپنی زندگی میں گنبد اور ایک خانقاہ کی تعمیر کرائی، آپ مزدوروں کو دُگنی اجرت دیتے اور حاملہ عورتوں کو ان کے پیٹ کے بچے کی بھی اجرت دیتے تھے، اور یہ تاناشاہ کے مزدور تھے جو رات میں کام کرتے تو اس نے حکم دیا کہ

کوئی تیلی آپ کو تیل نہ بیچے تو مزدور آپ کی کرامت سے آپ کے کنویں کے پانی سے چراغ روشن کرتے، اور آپ نے فرمایا ہماری خانقاہ تیار ہو جائے گی اور تاناشاہ کا محل ناتمام رہے گا۔(122)

آخر عمر تک اسی پہاڑی پر 1100ھ میں وفات پائے، آپ کے فرزند حضرت شمس الدین عرف شمس مولی (ت 1161ھ) صاحب شریعت و طریقت و صاحب کرامات تھے، عمر کا بڑا حصہ اسی خانقاہ میں گزارا تھا اور آپ کے فرزند سید رضا مولیٰ (ت 1215ھ) مجذوب تھے۔ آپ کی دعا سے آصف جاہ ثانی نے پونے کے قلعے کو فتح کیا۔(123)

حضرت یوسف الدین و شریف الدین علیہما الرحمۃ:

ان دونوں اولیا میں حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر اتحاد تھا جو ملک شام سے ہندوستان آئے، اور دہلی میں حضرت کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کی خلافت سے مشرف ہوئے اور بہادر شاہ بن عالمگیر کی فوج میں 1120ھ میں حیدرآباد آئے، ایک مرتبہ لشکر میں سخت آندھی چلی، اُن کے چراغ کے سوا سب چراغ بجھ گئے، آپ دونوں کی کرامت دیکھ کر سلطان اور تمام لوگ معتقد ہو گئے اور ان کی دعا سے قلعہ گولکنڈہ فتح ہوا، اس کرامت کے ظہور کے بعد ملازمت چھوڑ کر محلہ نامپلی میں گوشہ نشین ہو گئے، ان کے زہد و تقوی کا یہ عالم تھا کہ ان کے گھوڑے وہی گھانس کھاتے جو پیسے دے کر خریدی گئی، حضرت یوسف و حضرت شریف کی وفات 1121ھ ایک ہی دن ہوئی، درگاہ یوسفین میں آج تک ان کا روحانی تصرف جاری ہے۔(124)

حضرت سید حبیب اللہ بن سید پیر محمد قادری:

آپ سولہویں پُشت میں حضور غوث اعظم کی اولاد میں سے تھے، آصف جاہ اول کے عہد میں ٹپہ چبوترہ حیدرآباد میں سکونت اختیار کی، حیدرآباد کے مشاہیر صوفیہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ کا سال وصال 1144ھ ہے آپ کی درگاہ "تخت نشین" سے مشہور ہے۔ آپ کے صاحبزادوں میں حضرت شاہ ولی اللہ قادری اپنے علم و فضل سے مشائخ حیدرآباد میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، آپ کے رسائل میں حضرت شیخ محمود چشتی خلیفہ برہان الدین جانم کی فارسی کتاب کا ترجمہ "معرفت السلوک" بہت مشہور ہے، یہ عہد آصفی کی اردو نثر میں پہلی کتاب ہے۔(125)

حضرت سید شاہ موسیٰ قادری:

آپ اپنے والد حضرت سید شاہ محی الدین قادری کے خلیفہ تھے، آپ کا نسب 21ویں پُشت میں حضور غوث اعظم سے ملتا ہے، آصف جاہ ثانی کو آپ سے بڑی عقیدت تھی، ریاست کے مشہور امرا آپ کے معتقد اور مرید تھے، علما و مشائخ میں آپ کی بڑی شہرت تھی، صاحب کمالات و کرامات تھے، آپ اہلِ دکن کے لیے سرچشمہ ہدایت تھے، امرا کی جانب سے جو کچھ نذر اور تحفہ آتا تو نصف متعلقین کے لیے اور نصف حصہ فقرا میں تقسیم کر دیتے تھے، اگر کوئی سائل مکرر سہ کرّر آتا تو اس کو بھی مایوس نہ کرتے، آپ کے تصانیف میں دیوان موسوی فارسی

اور رقعات عربی اور چند رسائل تصوف ہیں، وحدت الوجود کے مسائل کو اس خوبی سے بیان کرتے کہ سامعین اور علما تعجب کرتے تھے، آپ کا سال وصال 1215ھ ہے مزار شریف حسینی عالم کے آگے احاطہ موسیٰ قادری سے مشہور ہے۔ [126]

آپ کے بڑے فرزند حضرت غلام علی شاہ موسوی جو آپ کے جانشین تھے وہ بھی بڑے سخی تھے، بڑے ہمدرد اور غربا پرور تھے، آپ کی خانقاہ مسافرین اور صادرین وواردین کی ملجا تھی۔ [127] آپ کثیر التصانیف خصوصاً تھے، آپ کی آٹھ جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب ''مشکوٰۃ النبوت'' جس میں عالم کے تمام مشاہیر صوفیہ کرام کے حالات ہیں، ایک لاجواب کتاب ہے، آپ کے احوال اور مزید تصانیف کی تفاصیل حضرت سید شاہ وحید القادری عارف کے مرتب کردہ رسالہ میں ہے جو مشکوٰۃ النبوت کی آخری جلد میں بطور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے۔ آپ کی وفات 1258ھ میں ہوئی اور احاطہ موسیٰ قادری میں تدفین ہوئی۔

بارہویں صدی ہجری میں حضرت سید قطب عالم قادری (ت 1163ھ) خلیفہ حضرت سید شاہ میراں بخاری کو تاناشاہ نے مفتی شہر حیدر آباد کا منصب دیا تھا۔ اورنگ زیب نے بھی اس عہدے کو برقرار رکھا، خورشید جاہ دیوڑھی کے قریب آپ کے مدرسے سے سینکڑوں طلبہ فارغ ہوئے۔ (128)، جیسا کہ ڈاکٹر یوسف حسین نے تاریخ دکن میں لکھا ہے: ''حیدرآباد میں مولوی قطب عالم کا مدرسہ اور مولوی نورالعلی کا مدرسہ شہرت رکھتے تھے، مدرسہ نورالعلی کی حیدرآباد کے طبقۂ امرا میں خاص مقبولیت حاصل تھی، گلزار آصفیہ کے مصنف غلام حسین بھی اسی درسگاہ کے فارغ التحصیل تھے''۔ (129) مولانا نورالعلی بن قمر الدین اورنگ آبادی (ت 1234ھ) حضرت شاہ عنایت اللہ بالاپوری کے پوترے ہیں، حیدرآباد کے مشہور اہلِ علم اور امرا آپ کے مریدوں میں تھے، آپ کے تین صاحبزادے علمائے شریعت وطریقت تھے۔ حضرت نورالاصفیا (ت 1255ھ) صاحب تصنیف ''نورالشہداء'' اور ''تذکرہ کرب وبلا'' قدیم عید گاہ واحد کالونی میں جن کی گنبد مشہور ہے اور حضرت نورالعلی بھی اس میں آرام فرما ہے۔ (130)

دوسرے اور تیسرے صاحبزادے نورالانبیا (ت 1239ھ) اور نورالاولیا (1239ھ) مسجد الماس یاقوت پورہ میں مدفون ہیں، ان سب کے تذکرے گلزار آصفیہ میں موجود ہیں۔

حضرت شاہ رضا (ت 1184ھ) اور ان کے فرزند حضرت سید امر اللہ شاہ (ت 1209ھ) مشاہیر اولیا حیدرآباد میں تھے۔ غربا پرور امرا سے متنفّر اور فقرا سے مانوس تھے۔ [131] مغلپورہ میں جن کی مزار درگاہ امر اللہ شاہ سے مشہور ہے۔

حضرت علامہ میر شجاع الدین حسین:

آپ اپنے وقت کے قطبِ دکن اور حضرت شاہ محمد رفیع الدین قندہاری کے خلیفہ تھے، چارمینار کے دامن میں جامع مسجد شجاعیہ کو آپ نے علم شریعت وطریقت کا مرکز بنایا تھا، حیدرآباد میں آپ نے سب سے پہلے باضابطہ حفظ وقرات کے مدرسے کی بنیاد رکھی، حضرت مرزا سردار بیگ جیسی عظیم ہستیاں اسی مدرسے کے فارغ ہیں۔ [132] مسجد کے مشرقی حصے میں ایک خانقاہ قائم فرمائی جہاں مریدین کی تربیت کے ساتھ ان کے قیام وطعام کا نظم بھی تھا، گلزار آصفیہ میں ہے کہ ہر روز دو سو لوگ دو وقت آپ کے لنگر کے کھانے سے بغیر محنت فیض یاب ہوا

کرتے تھے۔[133]

کئی ذی وجاہت ہندو آپ کے دست اقدس پر اسلام لائے چناں چہ غلام رسول صاحب جن کا پہلا نام "راجہ سنبھو پرشاد" تھا مع متعلقین مشرف بہ اسلام ہوئے، اسی طرح غلام مرتضیٰ جن کا پہلا نام "متّیا" تھا جو راجہ چندولال کے دو ہزار باقاعدہ فوج کے کمندان تھے، آپ کے دستِ اقدس پر 300 ہمراہیوں کے ساتھ اسلام لائے، اور صاحب حسین جن کا پہلا نام "صاحبو" تھا جو ایک ہزار فوج کے افسر تھے اپنے دو سو آدمیوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔[134] آپ عربی، فارسی اور اردو کے قادرالکلام شاعر اور تینوں زبانوں میں آپ کی جملہ 16 تصانیف ہیں جیسے جواہر النظام، جبر و قدر، رسالہ سماع، خطبات عربی، اور کشف الخلاصہ وغیرہ۔[135] آپ کا سال وصال 1265 ہے، عیدی بازار میں آپ کی گنبد مشہور ہے۔

حضرت میر شجاع الدین حسین کا خانقاہی فیضان :

حضرت شاہ شجاع الدین آفتاب دکن کے فیضان سے حیدرآباد کی چار خانقاہوں کی شمع روشن ہوئی، حضرت قطب دکن کے خلیفہ خاص حضرت سید محمد بادشاہ حسینی (قاضی پورہ، حیدرآباد) کے ذریعے آپ کا فیضان خوب عام ہوا۔ حضرت سید بادشاہ حسینی (پرورش علی) (ت1286ھ) کے چار صاحبزادے سب ولایت کے درجے پر فائز تھے:

1-حضرت سیدی خواجہ محبوب اللہ (ت 1313ھ) صاحب کتاب زاد آخرت ، جن کے دوسرے صاحبزادے حضرت یحییٰ پاشاہ (ت1373ھ) اپنے وقت کے قطب دکن تھے۔

2-حضرت سید احمد علی شاہ 1331ھ اپنے برادر معظم حضرت خواجہ محبوب اللہ کے خلیفہ تھے، اولیاباغ، عیدی بازار میں آرام فرما ہے۔

3-حضرت شمس المنصرین علامہ سید عمر قادری (ت1330ھ) صاحبِ تفسیر قادری، اور آپ کے فرزند حضرت سید محمد بادشاہ حسینی لئیق، آپ نے تفسیر قاری کے بقیہ حصہ کی تکمیل فرمائی، قادری چمن میں آرام فرماہیں۔

4-حضرت سید شاہ محمود مکی میاں قادری (ت1338ھ) کشن باغ کے قریب، آپ ہی کے نام سے موسوم کوچہ مکّی میاں میں آرام فرما ہے۔

حضرت علامہ محمد عبدالقدیر حسرت صدیقی (ت1381ھ) نواسے حضرت سید بادشاہ حسینی، جامع کمالات ظاہری و باطنی اور کثیر التصانیف تھے جیسے: تفسیر صدیقی، شرح فصوص الحکم، المعارف، الحکمۃ الاسلامیہ، رسالہ سماع وغیرہ اور جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات کے صدر او رپروفیسر تھے۔ ان تمام بزرگوں کے حالات کے لیے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے، مزید حالات کتاب "حالات شاہ" میں دیکھے جاسکتے ہیں۔[136]

حضرت شاہ شجاع الدین کے معاصرین میں حضرت شیخ جی حالی، مزار اردو شریف (ت1255ھ) ہے جن کے ہزاروں مریدین میں علماوزرا ئے سلطنت بھی تھے۔

حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی:

متوطن پنجاب، خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی، آپ حج کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ کے غیبی اشارے سے دکن آئے اور محلہ اردو شریف میں باغ کا ایک حصہ خرید کر 1249ھ میں ایک مسجد اور خانقاہ بنائی، جس میں ہر روز ڈیڑھ سو طالبانِ حق موجود رہتے، آپ اُن کے دو وقت کے کھانے اور لباس کا انتظام فرماتے۔[137]، آپ کا سالِ وصال 1270ھ ہے۔ آپ کی خانقاہ کی تربیت نے عظیم صوفیہ کو پیدا کیا۔ آپ کے مشاہیر خلفا میں حضرت میر اشرف علی نقشبندی، و حضرت سید محمد عثمان نقشبندی اور حضرت مسکین شاہ نقشبندی (ت 1314ھ) صاحب ملفوظات لذّاتِ مسکین علیہم الرحمۃ ہیں۔

حضرت سعد اللہ کے عظیم خلیفہ حضرت سید بادشاہ بخاری (ت 1328ھ) ہے، نواب سالار جنگ نے خزانے صرفِ خاص سے آپ کے لیے ایک خانقاہ پھر ایک مسجد کی تعمیر کرائی، سعید آباد کی مسجد بخاری گلشن بہت مشہور ہے۔[138] اس بزرگ کی تربیت نے ایک ایسا عظیم خلیفہ عطا کیا جس نے شہر حیدرآباد میں علمی و روحانی انقلاب پیدا کیا، جن کا اسم گرامی حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی (1292-1384ھ) ہے۔ آپ کے ایک درجن سے زیادہ تصانیف ہیں جیسے: علاج السالکین، گلزار اولیا، کتاب المحبۃ اور سلوک مجدّدیہ اور تفسیر سورہ یوسف اور آپ کی شاہکار تالیف ''زجاجۃ المصابیح (پانچ جلدیں) ہے جن میں وہ احادیثِ کریمہ کو جمع کیا گیا ہے جن کا تعلق فقہ حنفی سے ہے، عالم اسلام کے علمائے احناف نے اس کی کافی مدح بیان فرمائی ہے، جس کے بارے میں اہلِ علم نے کہا: ایک ہزار برس سے حنفیوں کے ذمہ جو قرض تھا، اس قرض کو حیدرآبادی فاضل نے ان سے سبکدوش کیا۔[139]

آپ کی تصنیفات شریعت و طریقت کا حسین سنگم ہے، آپ کا سال وصال 1384ھ ہے، مصری گنج نقشبندی چمن میں آرام فرما ہے۔ حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی کے معاصرین میں حضرت شاہ خاموش ہے۔

حضرت سید معین الدین معروف بہ شاہ خاموش صابری:

آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت حافظ موسی مانکپوری کے خلیفہ تھے، آپ نظام الملک آصف جاہ چہارم کے زمانے میں بیدر سے حیدرآباد میں مکہ مسجد کے پیچھے خانقاہ میں سکونت پذیر ہوئے، آپ دائم الصوم، قائم اللیل اور صاحبِ کشف و کرامات تھے، آپ غربا پرور تھے جو بھی روپیہ ہاتھ میں آتا فقرا میں تقسیم فرما دیتے، جو کوئی شہر میں غریب الوطن آتا آپ کی خانقاہ میں اتر تا تھا۔[140]

خانقاہ میں مقیم افراد کی تعداد 300 سے زائد تھی، سلطنت کے کئی امرا آپ کے مرید تھے، ایک مرتبہ نواب افضل الدولہ نے عرض کیا: اگر اجازت ہو تو میں اس خانقاہ کو منہدم کر کے بلند و بالا دو منزلہ خانقاہ بنوادوں، حضرت شاہ خاموش نے دریافت کیا: کتنا روپیہ صرف کروگے؟ نواب صاحب نے کہا: ایک یا دو لاکھ، آپ نے فرمایا: ایک لاکھ روپیہ بھیج دو، ہم خود بنوالیں گے، جب وہ پیسہ آ گیا تو آپ نے حافظ منصب علی صاحب کو حکم دیا کہ مکہ مسجد کے اندر اور باہر کا فرش پرانا ہو کر اُکھڑ گیا ہے اس پیسے سے از سر نو فرش بنوادو، نیا فرش بنوایا گیا جو آج تک موجود ہے۔[141]

علم و عرفان سے بھرا ہوا آپ کا ایک دیوان (شعری مجموعہ) بھی ہے، آپ 1288ھ میں رحلت فرمائے، مزار مبارک درگاہِ یوسفین کے قریب ہے۔ آپ کے بھتیجے حضرت سید ہاشم حسینی جو آپ کے خلیفہ و جانشین تھے ان کے فرزند سید محمد اکبر حسینی (ت 1343ھ) نے ایک

بڑی جائداد افضل گنج میں خرید کر اس کی مکمل آمدنی مدینہ منورہ کے ضرورت مندوں کے لیے وقف کیا، اور وہاں مہاجرین کے لیے ایک لنگر خانہ بھی جاری کیا۔[142]

حضرت شیخ الاسلام عارف باللہ حافظ محمد انوار اللہ فاروقی:

آپ کا اسم گرامی محمد انوار اللہ، خان بہادر اور فضیلت جنگ شاہی لقب اور نسباً فاروقی ہے، آپ 1281ھ میں اپنے والد شاہ شجاع الدین کے ساتھ حیدر آباد منتقل ہوئے، سلاسل اربعہ میں اپنے والد کے خلیفہ پھر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ ہوئے، 1295ھ میں نواب میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس پھر نواب میر عثمان علی خان آصف جاہ سابع کے معلم مقرر کیے گئے۔[143]، 1292ھ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی۔

آپ کی ذات لقب فضیلت جنگ کے مطابق کئی فضائل کی جامع ہے، آپ وقت واحد میں مفسر بھی ہے، محدّث بھی، فقیہ بھی ہے اور صوفی بھی، ادیب بھی ہے شاعر بھی، طلبہ پر رحیم بھی اور اپنی قوم کے شفیق اور مصلح بھی، معلم شریعت بھی اور معلم طریقت بھی، تقریباً چالیس کتابوں کے مصنف بھی۔ آپ علما کو فتوحات مکیہ کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کی کتاب 'انوار التمجید' کی تقریظ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بیان فرماتے ہیں: "طالبانِ شریعت وطریقت دونوں کے لیے انوار اللہ کافی ہے جو کوئی ان انوار کی روشنی میں سلوک طے کرے گا تائید الٰہی سے منزل مقصود کو پہنچ جائے گا"۔[144]

آپ دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ کے قیام کے داعی اور محرک ہے۔ آپ کے شاگردوں میں دو سلاطینِ وقت، علما و اولیا و ادبا و اصحابِ قلم و ارباب فکر و دانش کی بڑی تعداد ہے ان سب کی فہرست کتاب مُرقع انوار میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کے چار خلفا تھے: حضرت مولانا مفتی محمد رکن الدین صاحب کتاب مطلع انوار و حضرت مولانا مفتی محمد رحیم الدین قادری و حضرت مفتی سید محمود قادری، کان اللہ لہ، خطیب مکہ مسجد، اور حضرت سید غلام قادر زعم (والد ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور) علیہم الرحمۃ۔[145] یہ علم کا آفتاب 1336ھ میں جامعہ نظامیہ کے صحن ہی میں غروب ہوا۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

وہ صوفیا جو حضرت شیخ الاسلام کے معاصرین میں سے تھے ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے :

حضرت شاہ شرفی 1317ھ صاحب کتاب "شرف الانساب" محلہ سبزی منڈی میں آرام فرما ہے، آپ کے نام سے موسوم زاویہ "شرفی چمن" کہلاتا ہے۔ حضرت آغا محمد داؤد ابوالعلائی (ت1324ھ) مزار آغا پورہ میں ہے۔ حضرت افتخار علی شاہ وطن (ت1326ھ) صاحب تصانیف: سفر در وطن، ارشادات وطن اور دیوان وطن، اور صبح وطن (غیر مطبوعہ)، آپ کی جائے مزار چشتی چمن سے مشہور ہے۔[146]

خطہ صالحین (ناپلی) کی وہ عظیم ہستیاں جن کی خانقاہوں نے حیدرآباد میں ایک روحانی فضا پیدا کی جیسے: حضرت سید عبدالرحمن بغدادی

المعروف بڑے بغدادی، وسید محمد بغدادی المعروف منجھلے بغدادی و حضرت حبیب عیدروس علیہم الرحمۃ۔ [147]
حضرت حافظ محمد علی خیر آبادی کے تین خلفا جو حیدرآباد کے مشاہیر صوفیہ میں سے تھے (1) حضرت مرزا سردار بیگ (1318ھ) جائے مزار بھوئی گوڑہ کمان، آغاپورہ (2) حضرت حبیب علی شاہ (ت 1323ھ) جائے مزار کٹل منڈی (نزد چراغ علی گلی) (3) حضرت مولانا حسن الزمان علیہم الرحمۃ (ت 1330ھ) جن کا نفیس مکتبہ رین بازار میں "روضۃ الحدیث" سے مشہور ہے اور جائے مزار اسی مقام پر ہے۔ ان کی کتابوں کی تفصیل کتاب "علماء العربية ومساهماتهم في الأدب العربي" میں دیکھی جاسکتی ہے۔ [148]
حضرت شیخ الاسلام بانی نظامیہ کے چند تلامیذ کا ذکر حسب ذیل ہے :
حضرت سید الصوفیہ سید شاہ احمد علی صوفی (ت 1368ھ) فرزند و جانشین صوفی اعظم قطب دکن، حضرت شیخ الاسلام کے درسِ فتوحات مکیہ کے قاری، و مدیر مجلہ صوفی اعظم و بانی دار التصنیف صوفیہ جس سے 230 کتابیں شائع ہوئیں۔ [149]
حضرت مولانا سید ابراہیم رضوی ادیب (ت 1377) خلیفہ حضرت سید شاہ جمال الدین قادری (عنبر پیٹ)، آپ عربی زبان کے ایک عظیم ادیب اور شاعر کے علاوہ خانقاہی تعلیمات کو اپنے تصنیفات سے عام کرنے والے تھے، علم و عرفان کے موضوع پر آپ کے کئی رسائل ہیں جیسے: عرفانِ عوالم، کلمہ توحید، نظام الوجود فی وحدۃ الوجود، مطلق الوجود، و شجرۃ النور، مطالع النور وغیرہ۔ [150]
حضرت سید شاہ محمد ابوالقاسم شطاری :(ت 1376ھ) حضرت بانی جامعہ نظامیہ فتوحات مکیہ کے درس میں شریک ہونے والے اس عظیم شاگرد کو جو جامعہ کے صدر المدرسین بھی تھے، یہ حکم دیا کہ تمام مشائخ و سجادگان کی تعلیم کے لیے سوال و جواب کے طرز پر ایک کتاب تالیف کریں، چنانچہ آپ نے "ہدایات الشیوخ" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی، جس طرح جامعہ نظامیہ میں خطیب و قاضی کے لیے "اہل خدمات شرعیہ" کے نصاب کے تحت امتحانات ہوتے تھے، جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، اسی طرح سجادگی کے امتحان کے لیے اس کتاب کو بطور نصاب مقرر کیا گیا تھا، اس لیے اس کتاب کی ابتدا کا عنوان یہ ہے، سوالات مع جوابات متعلقہ امتحان سجادگی۔ [151]
چودھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں حضرت کمال اللہ شاہ المعروف مچھلی والے شاہ صاحب (1351ھ) اوران کے خلیفہ حضرت غوثی شاہ صاحب (1373ھ) صاحب تصانیف: نورالنور، کلمہ طیبہ، مقصد بیعت، طیبات غوثی، معیت اللہ، فلاح مسلم اور کنز مکتوم، اور ان کے خلیفہ حضرت صحوی شاہ اور ان کے متوسلین نے اپنی خانقاہوں سے علم و عرفان کے درس کو عام کیا۔ [152]
یہ مختصر مقالہ تمام صوفیہ کے خانقاہی خدمات کا جائزہ لینے سے قاصر ہے :

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

*****

مصادر و مراجع:

1۔ سجادی، ڈاکٹر سید جعفر، فرہنگ اصطلاحات و تعبیرات عرفانی (فارسی)، تہران، کتابخانہ ملی ایران، ص339
2۔ چراغ دہلوی، حضرت خواجہ نصیر الدین محمود، خیر المجالس (ملفوظات)، مرتب: حمید شاعر قلندر، کراچی، واحد بک ڈپو، ص248

3۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، معارف القرآن، کراچی، مکتبہ المعارف، ج6/429

4۔ العجم، الدکتور رفیق، موسوعۃ مصطلحات التصوف الاسلامی، مکتبۃ لبنان، ص318

5۔ السہروردی، الامام شہاب الدین ابوحفص عمر، عوارف المعارف، تقدیم: الدکتور محمد یاسر القضمانی، دمشق الشام، دارالتقوی، ص351

6۔ مرجع سابق، ص356

7۔ الطبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد اللخمی، المعجم الکبیر، موصل، العراق، مکتبۃ العلوم والحکم، 12/453، رقم:13646

8۔ ادارۂ تحریر، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، دانش گاہ پنجاب، ج1/397، 151/5

9۔ مرجع سابق، 9/380

10۔ مرجع سابق، 17/579

11۔ اسلم پرویز، سلطان محمد قلی قطب شاہ، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو، سن اشاعت: 2005، ص32

12۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 9/380

13۔ صبغۃ الٰہی، صوفی محمد اسماعیل قادری، سبع قادریہ دکن، حیدرآباد، انڈیا، ناشر: سید شاہ کاظم محمد محمد الحسینی، ص35

14۔ مرجع سابق، ص20

15۔ میراں احمد الدین سید شاہ مرتضی قادری، تذکرہ معشوق الٰہی حضرت میراں سید مصطفی قادری، بار اول، 1973، بیجاپور، گچی محل، ص34

16۔ سبع قادریہ دکن، ص21-23

17۔ میراں احمد الدین سید شاہ مرتضی حسنی قادری، تاریخ شمس دکن، بیجاپور، گچی محل، ص45، وسبع قادریہ دکن، ص46-47

18۔ تفصیل دیکھئے: سبع قادریہ دکن، ص47-48

19۔ گلشن آبادی، سید امام الدین احمد نقوی، برکات الاولیا، ناسک رفاعی مشن، اشاعت 2015، ص64

20۔ ملکاپوری، مولوی محمد عبدالجبار، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیاد کن (محبوب التواریخ)، حیدرآباد، اسٹوڈنٹس بک ہاؤس، چارمینار، ج1/48

21۔ محبوب ذی المنن، ج1/538

22۔ مرجع سابق، 1/392

23۔ کرنالوی، پیرجی سید مشتاق علی، تذکرۂ اولیائے سادات، کتب خانہ گوجرانوالہ، ناشر: پیرجی عبدالمتین، ص435

24۔ مانڈوی، محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار، اردو ترجمہ: فضل احمد جیوری، لاہور، اولمپیا آرٹ پریس، ص139

25۔ اکرام، شیخ محمد، آب کوثر، لاہور، نقوش پریس، ناشر: ڈاکٹر رشید احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص373

26۔ مجدّدی، پروفیسر محمد اقبال، علماو مشائخ پاکستان وہند، لاہور، ازاد پرنٹرز، پروگریسو بکس، ج1/323

27۔ سامانی، شاہ محمد علی، سیر محمدی، الہ آباد، یونانی دواخانہ پریس، ص102-103

28۔ آب کوثر، ص372

29۔ تذکرہ علماو مشائخ پاکستان وہند، ص1/330

30۔ سیر محمدی، ص29

31۔ مرجع سابق، ص132

32۔ شاغل ادیب، ایم اے (حیدرآباد) مضمون: حضرت مخدوم علاء الدین انصاری، ھدی اسلامی ڈائجسٹ، مدیر احمد مصطفی صدیقی راہی، دہلی، لیبل آرٹ پریس، اگست 1997، ص200

33۔ انصاری، محمد کلیم الدین وملک زادہ محمد طیب، قطب دکن، تذکرہ حضرت شیخ علاءالدین انصاری، اشاعت: گلبرگہ، محلہ انصاریان الند شریف، ص77

34۔ سبعہ قادریہ دکن، ص82

35۔ گلشن آبادی، مولاناسید امام الدین، تذکرہ الانساب، ناسک، رفاعی مشن، ترتیب وتقدیم، محمد افروز قادری چریاکوٹی، ص106

36۔ قادری، سید شاہ غلام علی، مشکٰوۃالنبوت، حیدرآباد، اعجاز پرنٹنگ پریس، 1984، ج6/147، ص148

37۔ مشکٰوۃالنبوت، 6/41-50

38۔ گلزار ابرار، ص129

39۔ تذکرہ علماومشائخ، ج1/493

40۔ مرجع سابق، 1/494

41۔ انجم، ڈاکٹر غلام یحییٰ، ہندوستان میں سلسلہ قادریہ: آغاز وارتقا، دہلی، کریٹیو اسٹار پبلی کیشنز، ص469

42۔ تفصیل دیکھئے: سبع قادریہ دکن، ص54-55

43۔ شمس دکن، ص76

44۔ قادری الجیلی، حضرت مولاناسید شاہ نعمت اللہ، تذکرہ قطب دکن حضرت سید شاہ خلیفۃ الرحمن قادری، ملکھیڑ(گلبرگہ)، مجلس فلاح انسانی، پیش لفظ: محمد یوسف الدین، پروفیسر جامعہ عثمانیہ، ص10

45۔ سررشتہ علوم وفنون سرکارنظام، سلسلہ آصفیہ، تاریخ دکن، آگرہ، مطبع مفید عام، 1903، جلد ہفتم، حصہ سوم، ص536

46۔ بیجاپوری، محمد ابراہیم، روضۃ الاولیا، رائچور، مطبع صبغۃ الٰہی، 1314ھ، اردوترجمہ: شاہ سیف اللہ قادری، ص27-32

47۔ محبوب ذی المنن، 1/269

48۔ مرجع سابق، 1/270

49۔ مرجع سابق، 1/305

50۔ سید عبدالحیٔ الحسنی، نزھۃ الخواطر، بیروت۔ لبنان، دارابن حزم، الطبعۃ الاولی، 1999، ص349، گلزار ابرار، ص385

51۔ محبوب ذی المنن، 1/206

52۔ تذکرہ الانساب، ص151

53۔ روضۃ الأولیاء، ص136 ومحبوب ذی المنن ج1 ص136

54۔ روضۃ الاولیاء، ص41-43

55۔ تذکرۃ الانساب، ص142

56۔ برکات الاولیاء، ص192

57۔ تذکرہ علماومشائخ، 1/74

58۔ برکات الاولیا، ص175، وتذکرہ الانساب، ص211

59۔ نزھۃالخواطر، ص618

60۔ روضۃ الاولیا، 63، ونزھۃالخواطر، ص520

61۔ نزھۃالخواطر، ص542

62۔ روضۃ الاولیا، ص94

63۔ برکات الاولیاء، ص194

64۔ نزھۃالخواطر، ص504

65۔ برکات الاولیاء، ص212

66۔ محبوب ذی المنن، 1/369

67۔ تذکرہ قطب دکن شاہ خلیفۃ الرحمن، ص78

68۔ مشکوٰۃ النبوت، 6/156

69۔ تذکرہ قطب دکن خلیفۃ الرحمن، ص89

70۔ مرجع سابق، ص81

71۔ تذکرہ معشوق الٰہی، ص53

72۔ تاریخ شمس دکن، ص105

73۔ تذکرہ معشوق الٰہی، ص215

74۔ مشکوٰۃ النبوت، 6/194

75۔ مرجع سابق، 7/8

76۔ سبع قادریہ دکن، ص130

77۔ مشکوٰۃ النبوت، 6/221

78۔ تذکرہ الانساب، ص160

79۔ سبع قادریہ دکن، ص41

80۔ محبوب ذی المنن، 1/572

81۔ قادری، سید شاہ غلام علی، لطائف اللطیف، حیدرآباد، اسپیڈ پرنٹس، سعید آباد، اردو ترجمہ، ابوالفضل سید محمود قادری، ص40

82۔ مشکوٰۃ النبوت، 6/124

83۔ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ، ص510

84۔ وحیدہ نسیم، شاہانِ بے تاج، کراچی، مکتبہ آصفیہ، ص24

85۔ نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، لاہور، مشتاق بک کارنر، ص419

86۔ فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، پاکستان، المیزان لاہور، ترجمہ عبدالحئی خواجہ، ج4/776۔ و محمد شفیع الدین خان، مشاہیر مشائخ ہند، دہلی، درویش پریس، ص42-43

87۔ نزہۃالخواطر، ص214
88۔ شاہان بے تاج، ص164-175
89۔ تفصیل دیکھئے: علماو مشائخ پاکستان وہند، 1/316، ص317
90۔ مرزابیگ، محمد نواب، تحفۃ الابرار، دہلی، مطبع رضوی، اہتمام: میر حسن رضوی، قادری، جدول ثانی، ص 84
91۔ شاہان بے تاج، ص41-42
92۔ نزہۃالخواطر، ص179-180
93۔ محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، اخبار الاخیار، لاہور، اکبر بک سیلرز، اردو ترجمہ: سبحان محمود و محمد فاضل، ص 412-416
94۔ تاریخ مشائخ چشت، ص428
95۔ شاہانِ بے تاج، ص205
96۔ ادارہ تصنیف و تالیف (لاہور) انوارِ اصفیاء، لاہور، غلام علی پرنٹرز، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص490، وتذکرہ الانساب، 130
97۔ محبوب ذی المنن، 2/1102
98۔ مرجع سابق، 2/1109
99۔ شاہانِ بے تاج، ص242
100۔ مرجع سابق، ص221-226
101۔ محبوب ذی المنن، ج1/417
102۔ نفس مصدر، 2/698-699
103۔ نفس مصدر، 1/613-624
104۔ بیگ، مرزا بسم اللہ، تذکرہ قاریان ہند، کراچی، میر محمد کتب خانہ، ص183
105۔ محبوب ذی المنن، 2/931-935
106۔ سبع قادریہ دکن، ص69
107۔ بیابانی، سید خواجہ سعادت حسین، لمعات بیابانی، ورنگل، شمس پریس منڈی بازار، مرتب: سید خواجہ محبوب حسین
108۔ محبوب ذی المنن، 1/363-364
109۔ نقشبندی، حضرت سید ابو سعید والا، بحر رحمت، حیدرآباد، لکشمی آفسیٹ پرنٹنگ پریس، اہتمام: ڈاکٹر شیخ محمد عبدالغفور، اردو ترجمہ: پروفیسر یعقوب عمر (عثمانیہ یونیورسٹی)
110۔ تذکرہ علماو مشائخ، 2/1130-1141
111۔ کاشف پاشاہ، سید شاہ کلیم اللہ الحسینی، مضمون: دکن میں مشائخ صابریہ کی علمی خدمات، سہ ماہی مجلہ شیخ العالم (ردولوی شریف)، ایڈیٹر: شاہ آفاق احمد احمدی، جلد3، شمارہ7، ص195
112۔ مکتوبات ہاشمی، مرتب: شیخ امام الدین صابری، بارِ ثانی 1992، اہتمام: حضرت سید شاہ خواجہ معین الدین صابری ہاشمی، ص1/41
113۔ محبوب ذی المنن، ج1/163-175

114۔ ہادی، حضرت سید محی الدین قادری، مختصر احوال علمائے واولیائے حیدرآباد، پرنٹوپرنٹرس، اہتمام:الحاج محمد مکرم خان، ص24
115۔ مشکوٰۃ النبوت،131/6
116۔ سبع قادریہ دکن، ص101-102
117۔ مشکوٰۃ النبوت،6/163-188
118۔ احوال علماءواولیائے حیدرآباد، ص37
119۔ محبوب ذی المنن،957/2
120۔ مرجع سابق،341/1
121۔ مرجع سابق،1/337-338
122۔ مرجع سابق،2/767-770
123۔ احوال علماءواولیائے حیدرآباد، ص72
124۔ محبوب ذی المنن،1124/2
125۔ طالع، سید مراد علی، تذکرہ اولیائے حیدرآباد، بینار بک ڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد، ج2/84،83،56
126۔ محبوب ذی المنن،2/972-973
127۔ مرجع سابق،639/2
128۔ مختصر احوال علماواولیائے حیدرآباد، ص62
129۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان (رکن شعبہ، تاریخ جامعہ عثمانیہ) تاریخ دکن (عہد حالیہ)، حیدرآباد، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، ص 257
130۔ تذکرہ اولیائے حیدرآباد،50,96/3
131۔ محبوب ذی المنن،360/1
132۔ قادری، سید محی الدین، گلدستۂ تجلیات، حیدرآباد، اعظم اسٹیم پریس، دیباچہ: حضرت عبدالقدیر حسرت صدیقی، ص10
133۔ خواجہ غلام حسین خان، گلزار آصفیہ (فارسی) حیدرآباد، مطبع محمدی، ص414
134۔ فاروقی، قاضی امیر اللہ، مناقب شجاعیہ، انجمن خادمین، شجاعیہ حیدرآباد، اہتمام: سید شاہ عبید اللہ آصف پاشاہ، ص132-137
135۔ احوال علماءواولیائے حیدرآباد، ص86
136۔ محی قادری، حضرت سید محی الدین، مختصر حالات شاہ (حضرت سید محمد بادشاہ حسینی) حیدرآباد، اسپیشل پرنٹنگس، ریاض مدینہ پبلی کیشنز
137۔ نقشبندی، ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ، گلزار اولیا، طبع ششم، بینار بک ڈپو، چار کمان، حیدرآباد، ص53- 57
138۔ مرجع سابق، ص60
139۔ نقشبندی، مولانا محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبہ عربی عثمانیہ، لاہور، الممتاز پبلی کیشنز، ص157
140۔ محبوب ذی المنن،312/1
141۔ ہدیٰ ڈائجسٹ،1998، اپریل، مضمون محمد علی خان، ص182
142۔ تذکرہ اولیائے حیدرآباد،81/4

143۔ علامہ مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، حیدرآباد، مطبع ابوالوفاالافغانی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، بار چہارم، ص24,29

144۔ فضیلت جنگ، شیخ الاسلام، حضرت محمد انوار اللہ فاروقی، انوار التمجید فی ادلۃ التوحید، تقریظ: حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی، ص140

145۔ نظامی، شاہ محمد فصیح الدین، مُرقّع انوار، حیدرآباد، مطبع ایس کے گرافکس، طبع اول، 2008، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، ص477-479

146۔ تذکرہ اولیائے دکن، 55/4

147۔ نفس مصدر، 84/4

148۔ پروفیسر محمد سلطان محی الدین (سابق صدر شعبہ عربی، جامعہ عثمانیہ) علماء العربية و مساهماتهم فی الأدب العربی فی العهدالآ صفجاہی، حیدرآباد، مطبعة أبی الوفا، جامعه نظاميه، الطبعة الاولیٰ، 2005، ص122-124

149۔ مرقع انوار، ص496-500

150۔ تفصیل دیکھیے: علماء العربية و مساهماتهم فی الأدب العربی، ص402

151۔ شطاری، حضرت شاہ محمد ابوالقاسم (صدر المدرسین، جامعہ نظامیہ)، ہدایات الشیوخ (رسالہ نصاب سجادگان)، 1337ھ، بحکم بانی جامعہ نظامیہ، ناشر: سید محمد حسینی گیسودراز، ریسرچ اکیڈمی، گلبرگہ، ص3

152۔ تذکرہ اولیائے حیدرآباد، 127/4

تذکرہ صوفیائے دکن کے مآخذ و مصادر

شاہ محمد فصیح الدین نظامی*

تذکرہ نویسی برصغیر کے علمی و ادبی ورثے کا ایک اہم حصہ رہی ہے، خصوصاً دکن کی صوفیانہ روایت میں اس کی ایک نمایاں حیثیت ہے۔ دکن کے سلاطین اور اہلِ علم نے نہ صرف تصوف کی بنیادوں کو مستحکم کیا بلکہ صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی، افکار، روحانی سلوک اور خدمات کو قلمبند کرنے کا بھی خاص اہتمام کیا۔ چنانچہ مختلف ادوار میں متعدد تذکرے تصنیف ہوئے جنہوں نے دکن کی صوفیانہ فضا، خانقاہی نظام اور روحانی روابط کو محفوظ کیا۔ تذکرہ صوفیائے دکن کے مآخذ و مصادر کا تعین اس لیے ضروری ہے کہ انہی کی مدد سے ہم ان تذکرہ نگاروں کے اندازِ تحریر، تاریخی حقائق کی صحت اور صوفیائے دکن کے فکری پس منظر کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تحقیق نہ صرف دکنی تصوف کی علمی بنیادوں کو واضح کرتی ہے بلکہ برصغیر کے صوفیانہ ادب کے ارتقائی تسلسل کا سراغ بھی فراہم کرتی ہے۔

تذکرہ صوفیائے دکن کے ماخذ و مصادر پر گفتگو کرتے ہوئے یہ امر بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ دکن کی صوفیانہ تاریخ صرف روحانی خانقاہوں تک محدود نہیں رہی بلکہ سیاسی، تہذیبی اور علمی تبدیلیوں نے بھی اس روایت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ آصف جاہی سلطنت کا قیام اور اورنگ آباد سے حیدرآباد کی منتقلی دراصل دکن کی تہذیبی شناخت کے ایک نئے باب کا آغاز تھا۔ اسی دور میں صوفیہ کی خانقاہیں علمی مراکز کے طور پر ابھریں اور تذکرہ نگاری کو ایک منظم روایت کی صورت ملی۔ اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھ کر جب ہم صوفیائے دکن کے تذکرہ نگاروں اور ان کے ماخذ و مصادر کا مطالعہ کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ محض روحانی عقیدت کا اظہار نہیں بلکہ ایک باقاعدہ علمی شعور اور تہذیبی شعور کی آئینہ داری بھی ہے۔

اب اسی تاریخی تناظر میں درج ذیل تفصیل کے ذریعے تذکرہ صوفیائے دکن کے ماخذ و مصادر پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

1724ء میں آصف جاہ اوّل میر قمرالدین علی خاں کی باضابطہ حکومت قائم ہوئی اور اورنگ آباد دکن اس کا پایہ تخت قرار پایا۔ 1762ء میں سیاسی مصلحتوں کی بناپر آصف جاہ دوم نظام علی خاں نے پایہ تخت کو اورنگ آباد سے حیدرآباد منتقل کیا تو آصف جاہی سلطنت پوری طرح دکنی بن گئی جو 82،698 مربع میل کے رقبہ اور 16 اضلاع پر مشتمل ریاست تھی۔

وحیدہ نسیم (1927ء1996ء) جامعہ عثمانیہ نے اورنگ آباد دکن کے بارے میں بہت خوب کہاہے:

یہ پن چکی جمال بندگی ہے دردمندوں کا   یہاں پانی پہ نقش جاوداں ہے نقش بندوں کا[1]

دکن کی علمی، ادبی سماجی و صوفیہ کی مفصل تاریخ کا سلسلہ جناب عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری نے آصف جاہ ششم کے عہد میں ''محبوب

*مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ (سابق)، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

[1] حیدرآباد ماضی کے جھروکوں میں، صفحہ 479، وحیدہ نسیم، مرتب، خواجہ معین الدین عزمی، عائش آفسیٹ پریس، حیدرآباد، مطبوعہ 1426ھ 2005ء

التواریخ" کے نام سے شروع کیا تھا۔ اس کتاب میں مجلدات کی پیشانی پر یہ شعر درج ہے:

دکن زندہ کردم بایں آرزو کہ نامم بماند دریں چار سو

(ترجمہ: میں نے اس تصنیف کے ذریعہ اس تمنا میں دکن کو زندہ کیا ہے تاکہ دکن اور اس کے اطراف واکناف میں میرا نام زندہ رہ جائے)

یہ ویسی ہی بات ہے جیسی فردوسی نے "شاہنامہ" لکھ کر کہی تھی:

بسے رنج بردم درین سال سی عجم زندہ کردم بدین پارسی

(ترجمہ: شاہنامہ کی تصنیف میں، میں نے تیس سال لگاتار محنت کی اور فارسی نظم کے ذریعہ عجم کو زندہ کر دیا ہے)

عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری نے "محبوب التواریخ" کے سلسلہ کی پہلی کتاب (1) محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن کے تین حصوں میں بہمنی، قطب شاہی، عادل شاہی، نظام شاہی، عماد شاہی، برید شاہی، آصف جاہی کی تاریخ لکھی ہے۔ (2) دوسری کتاب محبوب انجمن تذکرہ امرائے دکن میں سلطنت بہمنیہ سے لے کر مؤلف کے عہد تک کے امرا اور وزرا کے احوال ہیں۔ (3) تیسری کتاب "محبوب زمن تذکرہ شعرائے دکن" میں سلطنت بہمنیہ سے لے کر مولف کے عہد تک کے مشہور شعرا کا تذکرہ۔ (4) چوتھی کتاب "محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن" کی دو جلدوں میں 1148 صفحات پر 490 صوفیائے کرام کے تذکرے درج ہیں۔ (5) پانچویں کتاب محبوب نو دکن تذکرۂ آثار دکن، دکن کی جدید وقدیم عمارات، قلعوں، مقابر، خانقاہوں، منادر ومساجد کا ذکر ہے۔ اس طرح محبوب التواریخ کی گیارہ 11 جلدیں ہیں۔

حیدرآباد دکن کی مشہور ومعروف ترین خانقاہوں کی علمی، ادبی اور سماجی خدمات کے موضوع پر مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی سے ایک تحقیقی مقالہ ڈاکٹر سید شاہ عبدالرحمن حسن قادری نے ڈاکٹر سیدہ عصمت جہاں، صدر شعبۂ فارسی کی نگرانی میں تحریر کیا ہے جو 364 صفحات اور 9 ابواب پر مشتمل ہے، جو خانقاہی نظام کی اہمیت وافادیت، خانقاہ شاہ راجو حسینی (تولد 1200 ہجری)، خانقاہ سید موسیٰ قادری (1152 ہجری / 1215 ہجری)، خانقاہ شجاعیہ، حضرت میر شجاع الدین حسین المتخلص بہ فقیرؔ (م 1265 ہجری)، خانقاہ صابریہ حضرت شاہ خاموشؔ (1204 ہجری۔ 1288 ہجری)، خانقاہ سید محمود، حضرت ابوالفضل سید محمود اوّل (و1257 ہجری م1306 ہجری)، خانقاہ حسرتؔ صدیقی، بحرالعلوم حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی (و1288 ہجری م 1381 ہجری)، خانقاہ کامل شطاری حضرت سید شیخین احمد شطاری (و1323 ہجری م1396 ہجری) اور اختتامیہ کے تحت خانقاہ شاہ محمد حسن محو ابوالعلائی (و1780 عیسوی م1286 ہجری)، خانقاہ وطن، حضرت سید محمد افتخار علی شاہ المتخلص بہ وطن (و1249 ہجری م1324 ہجری)، خانقاہ حبیب علی شاہ حبیبؔ (و1250 ہجری م1323 ہجری)، خانقاہ میر امداد علی چشتی مرزائی علوی (و1255 ہجری م1319 ہجری)، خانقاہ شائقؔ، حضرت مولانا مفتی سید اعظم علی المتخلص بہ شائقؔ (1294 ہجری م1328 ہجری)، خانقاہ غوثی، حضرت پیر غوثی شاہ (و1310 ہجری م1373 ہجری)، خانقاہ صوفی صفیؔ، حضرت علامہ مفتی سید احمد علی صوفی صفیؔ قادری (و1312 ہجری م1368 ہجری)، خانقاہ خواجہ محبوب اللہ، حضرت سید خواجہ صدیق محبوب اللہ خلقؔ قادری (و1263 ہجری م1313 ہجری)، خانقاہ سوداگرؔ، حضرت شاہ محمد صدیقی المتخلص بہ سوداگر چشتی مرزائی (1276 ہجری م1366 ہجری)، خانقاہ قادری چمن، حضرت سید محمد عمر حسینی المتخلص بہ خلیقؔ (1286 ہجری م1330 ہجری) حضرت سید محمد بادشاہ حسینی لئیقؔ (و

1371 ہجری م 1384 ہجری)، خانقاہِ نجفیہ و خانقاہ رحیمیہ الگیلانیہ، حضرت سید امام علی شاہ قادری بالاپور، خانقاہ جمالیہ، حضرت سید شاہ جمال الدین حسنی حسینی عنبر پیٹ اور آپ کے خلفا حضرت علامہ سید ابراہیم ادیب رضوی (و 1295 ہجری م 1377 ہجری)، صدر الشیوخ علامہ سید طاہر رضوی القادری (و 1930ء م 2008 عیسوی) کی علمی و سماجی خدمات (60) ساٹھ مطبوعات و مخطوطات، مراجع و مصادر کے حوالہ سے مذکورہ خانقاہوں کی فارسی ادب میں نثری و شعری اور سماجی خدمات کا جامع تعارف اور مجلّیٰ آئینہ ہے۔

اس کے علاوہ صوفیہ دکن کی اُردو ادبی و شعری و سماجی خدمات کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ دستیاب ہے جو "مشائخ حیدرآباد کی اُردو خدمات، آزادی کے بعد" (1947ء) کا احاطہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر عطاء اللہ خاں، عثمانیہ یونیورسٹی کی نگرانی میں ڈاکٹر عاصم ریشماں، ایم اے اُردو عربی، پی ایچ ڈی اُردو عثمانیہ یونیورسٹی نے تحریر کیا ہے۔ 336 صفحات پر محیط اس مقالہ کو صابر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی رجسٹرڈ، حیدرآباد، تلنگانہ نے اردو اکیڈمی تلنگانہ اسٹیٹ حیدرآباد کی جزوی مالی اعانت سے 2017ء میں شائع کیا ہے۔

اس مختصر تمہیدی گفتگو کے بعد تذکرہ صوفیائے دکن کے مآخذ و مصادر اختصار سے تحریر کیے جاتے ہیں۔

محبت نامہ (825 ہجری):

بہمنی سلاطین کے اقتدار کا سورج گلبرگہ میں طلوع بھی ہوا اور غروب بھی لیکن یہاں دکن کے ممتاز صوفیہ کی خانقاہیں آج بھی زندہ اور پائندہ ہیں۔ ان ہی میں سے ایک حضرت سید محمد خواجہ بندہ نواز (م 825 ہجری) کی خانقاہ ہے جہاں سے اعلی پیمانہ پر قابل تقلید علمی و سماجی خدمات کا سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔ 803 ہجری سے 825 ہجری تک حضرت سید شاہ ید اللہ حسینی المعروف خواجہ گنج بخش نے حضرت بندہ نواز کے بحرِ معرفت سے جو رموز و اسرار حاصل کیے "محبت نامہ" اس کا آئینہ خانہ اور تذکرہ بندہ نوازی کا گنجینہ ہے۔ فارسی زبان میں لکھا گیا "محبت نامہ" معاصر ادب کا ترجمان، چشتی فکر اور بندہ نوازی مشن کا نقیب اور وسیع المشربی کا نادر نمونہ ہے۔ یہ دراصل حضرت خواجہ بندہ نواز کے ملفوظات ہیں جو مشاہدۂ جمال دوست کا مصفیٰ آئینہ ہے۔ محبت نامہ صرف مسموعات، مدلولات، اشارات یا کنایات کا نہیں بلکہ راست مشاہدات، مدرکات، محسوسات کا ایسا نگارخانہ ہے جس میں حضرت بندہ نواز کی حیات کے اہم گوشے اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ 84 مجالس، 300 سے زائد صفحات پر تمیز خیر و شر، ذوق طلب، شوق کسب، نگاہوں کی کیمیا گری، شب بیداری، آہ سحر گاہی، دلنوازی، بندہ نوازی ہر پہلو سے حضرت بندہ نواز کی سیرت و حالات کا ایک ماخذ ہے جس موضوع پر خانقاہ معلّیٰ گلبرگہ میں 598 سالہ عرس (2003ء) کے موقع پر راقم نے مقالہ پیش کیا۔[1]

پنج گنج (1190 ہجری):

دکنی صوفیا کے تذکرے اور خدمات کا ایک قدیم ماخذ "پنج گنج" ہے۔ یہ کتاب شعبان 1190 ہجری میں مکمل ہوئی۔[2]

---

[1] مقالہ محبت نامہ (ملفوظ) حضرت خواجہ گنج بخش، بموقع سمینار بضمن 598 سالہ عرس بمقام سماع خانہ خانقاہ معلّیٰ گلبرگہ 23 جنوری 2003

[2] پنج گنج، صفحہ 270، مولف حضرت سید شاہ فاضل بیابانی، 1190 ہجری

اس کتاب کے مصنف بیابانی سلسلہ کے صوفی بزرگ حضرت سید شاہ فاضل بیابانی ہیں۔ ''پنج گنج'' کے بارے میں مصنف بیان کرتے ہیں:

''یہ فقیر حقیر سراپا تقصیر خاک پائے عرفائے کامل جس کا نام سید محمد فاضل ولد سید امین ولد سید فاضل الحسینی البیابانی الرفاعی ہے غیبی امداد سے و نیز بلاشبہ استخارہ کرکے اس رسالے کے جمع کرنے میں کمر باندھی اور اس کا نام ''پنج گنج'' رکھا''۔[1]

''پنج گنج'' پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ ''پنج گنج'' فارسی زبان میں تصنیف کی گئی ہے۔ اس کے دو اُردو ترجمے ہوئے، پہلا اُردو ترجمہ سید خواجہ احمد اللہ حسینی نے کیا جس کا سنہ درج نہیں ہے۔ دوسرا جدید اُردو ترجمہ ڈاکٹر محمد خان بیابانی رفاعی القادری کامل الحدیث جامعہ نظامیہ و پی ایچ ڈی، شعبہ فارسی، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی حیدرآباد نے کیا ہے جو 2017ء میں تنویر پبلشرس حیدرآباد سے بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، درگاہ قاضی پیٹ ورنگل ریاست تلنگانہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ کتاب ''پنج گنج'' کو اس کی قدامت کا لحاظ کرتے ہوئے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دکنی صوفیا پر تحقیقی کام انجام دینے والے اسکالرس کے لیے یہ مضبوط و محکم حوالہ ہے۔

سوانح دکن (مخطوطہ 1197 ہجری):

مختلف موٴرخین نے دکن کی تاریخ عربی، فارسی اور اُردو زبان میں تحریر کی ہے۔ ان میں دکن کے علما و صوفیہ اور مشائخ کے تذکرے بھی شامل ہوگئے ہیں۔ ''سوانح دکن'' ایک ایسا ہی ماخذ ہے جس میں دکن کی تاریخ کے ساتھ ساتھ صوفیہ کرام کے احوال بھی درج ہیں۔ ''سوانح دکن'' ایک اہم مخطوطہ ہے جو 1196 ہجری کا ہے، لیکن مطبوعہ فہرست میں 1297 ہجری لکھا ہے۔ اصل مخطوطہ میں سال اعداد میں درج ہے جس کی فارسی عبارت اِس طرح لکھی ہے:

''یک ہزار یک صد و نو دو ہفت ہجری بہ زمانہ حکومت نظام الملک، نظام الدولہ میر نظام علی خان بہادر فتح جنگ تازمان مذکور واقع شدہ نوشتہ[2] ''

اصل مخطوطہ کی عبارت کے مطابق 1197 ہجری ہی صحیح ہے۔ ''تاریخ دکن'' میں مصنف نے خاتمہ کے تحت دکن کے بعض مشاہیر علما و مشائخین کے حالات کو قلمبند کیا ہے اس بنا پر اس مخطوطہ کو صوفیہ دکن کے تذکروں کا ایک اہم ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ ''تاریخ دکن'' کا اندراج نمبر مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں 406 ہے جو فن تاریخ کے تحت درج ہے۔ ''تاریخ دکن'' میں جملہ 161 اوراق ہیں اور ہر صفحہ پر

---

[1] پنج گنج، صفحہ 6، مصنف حضرت سید شاہ فاضل بیابانی، طبع دوّم، ناشر بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، درگاہ قاضی پیٹ، ورنگل، تلنگانہ، تنویر پبلشرس، حیدرآباد 2017

[2] فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ، حصہ دوم، مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی، صفحہ 211، ناشر، کتب خانہ و ادارہ تحقیق مخطوطات مشرقی حکومت آندھرا پردیش، حیدرآباد، اشاعت دوم 2012ء

13 تیرہ سطریں ہیں۔ جب کہ ''تاریخ دکن'' کا ایک مطبوعہ نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔[1]

لطائف اللطیف (مخطوطہ 1203 ہجری):

صوفیائے دکن کے تذکروں میں ایک اہم ماخذ ''لطائف اللطیف'' ہے جو 1203 ہجری میں لکھا گیا۔ یہ مخطوطہ انتہائی عمدہ حالت اور بہترین خط میں ہے۔ حضرت سید علی موسوی حیدری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ کتاب کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

''کتاب مستطاب، مشتمل بر احوال جگر گوشہ حضور غوث الثقلین حضرت سید الابدال سید شاہ عبد اللطیف قادری الحموی لاابالی قدس سرہٗ وصاحبزادگان وخلیفہ حضرت ممدوح رحمہم اللہ تعالیٰ''۔

''لطائف اللطیف'' چھ 6 لطائف اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ لطیفۂ اوّل (یعنی باب) سید الابدال عالی ذوالعز والشرف حضرت سید شاہ عبد اللطیف لاابالی الحموی (وصال 1049ھ یا 1059 ہجری) پر مشتمل ہے۔ (صفحہ 55) لطیفۂ دوم خلف الصدق و جانشین حضرت سید شاہ عبد اللہ قادری کے مناقب وحالات پر مشتمل ہے۔ (وصال / 11 ربیع الثانی 1227 ہجری) (صفحہ 56) لطیفۂ سوم، مظہر آیات حق حضرت سید موسیٰ قادری کے مناقب واحوال پر مشتمل ہے۔ آپ بیجاپور کے مشہور صوفی حضرت امین الدین علی اعلیٰ کے معاصر تھے۔ مادہ تاریخ وفات (1083 ہجری) فارسی شعر میں ہے۔

سال وفاتش بگفت ہاتفے بے ریب وظن — موسیٰ عالی نسب کرد بجنت وطن

1083ھ

لطیفۂ چہارم: حضرت سید شاہ محی الدین ثانی الملقب من اللہ (وصال 1101ھ یا 1103 ہجری) کے مناقب واحوال پر مشتمل ہے۔ ایک مورخ نے تاریخ وفات کہی ہے۔

دریں عالم بلاشک غوث مطلق — محی الدین ثانی قطب حق (صفحہ 115)

1103ھ

لطیفۂ پنجم، افضل مظاہر ربانی حضرت سید شاہ طاہر قادری کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ آپ مصنف اور شاعر بھی تھے۔ عربی، فارسی، ترکی، دکنی میں طبع آزمائی کی۔ غزل، رباعی، قصیدہ، قطعات میں کلام موجود ہے۔ آپ کا وصال 22 ذی قعدہ 1115 ہجری کو ہوا۔ کسی شاعر نے سن رحلت فارسی میں نظم کیا ہے۔

ایں ندا از غیب آمد اے خدا — باخدا پیوستہ شد (شیر خدا) (صفحہ 152)

1115ھ

لطیفۂ ششم میں مقتول راہِ خدا حضرت شاہ عیسیٰ کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں۔ 17 رمضان المبارک 1072 ہجری آپ شہید ہوئے۔

---

[1] فہرست کتب فارسی، برٹش میوزیم، صفحہ 322، بحوالہ، فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ، حصہ دوم صفحہ 211۔ مطبوعہ 212

تاریخ شہادت کا قطعہ یہ ہے۔

گفت سال شہادتش ہاتف　　　قدم عیسیٰ طے بجنت شد　(صفحہ 154)

1072ھ

''لطائف اللطیف'' کے خاتمہ پر حضرت شیخ علی صاحب کے حالات درج ہیں۔ 22 ربیع الاول 1070 ہجری آپ کی تاریخ وصال حسب ذیل مصرع سے بھی بر آمد ہوتی ہے۔

شیخ علی قادری چو از جہاں رفت　　　تاریخ وفاتش ''فرض'' داں

1080ھ

''لطائف اللطیف'' کے مخطوطہ کو مقالہ نگار نے بچشم خود دیکھا ہے جو حضرت سید شاہ فضل اللہ قادری الموسوی سجادہ نشین و متولی خانقاہ صوفیہ موسویہ پل کہنہ حیدر آباد کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

مشکوٰۃ النبوۃ (مخطوطہ 1219 ہجری):

صوفیائے دکن کے دکنی تذکروں میں کتاب ''مشکوٰۃ النبوۃ'' کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نام سے ہی اس کی تاریخ تصنیف 1219 ہجری بر آمد ہوتی ہے۔ 100 سے زائد مراجع اور مصادر نثر و نظم کا مرقع ہے جس میں بلالحاظ ملک و علاقہ وخطہ بشمول 600 سے زائد صوفیائے کرام کے تذکرے درج ہیں۔

''مشکوٰۃ النبوۃ'' ایک مقدمہ، 33 مشکوٰۃ یعنی ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ و کتب خانہ ادارہ تحقیق مخطوطات مشرقی (O.M.L) ریاست تلنگانہ میں رکھا ہوا ہے۔ جس کا اندراج نمبر 41 اور 42 ہے اور فن تذکرہ کے تحت درج ہے۔ ''مشکوٰۃ النبوت'' فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ ترقیمہ یہ ہے جو مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

''تحریر کتاب ''مشکاۃ نبوت'' باتمام رسید بتاریخ دوم شہر شریف ذی قعدہ سنہ ایک ہزار دو صد و نوزدہ (1219ھ) ہجری بدست مؤلف عاصی المعاصی الراجی الی رحمۃ اللہ القوی الباری فقیر سید علی قادری المعروف علی پیران غفر اللہ تعالیٰ ذنوبہ و عیوبہ بمنّہ و کرمہ''[2]

''مشکوٰۃ النبوت'' کا ایک اور قلمی نسخہ مولانا سید شاہ فضل اللہ قادری الموسوی سجادہ نشین خانقاہ موسویہ پل کہنہ حیدر آباد کے پاس عمدہ حالت میں موجود ہے۔ راقم مقالہ ہذا نے اس کو بچشم خود مشاہدہ کیا ہے۔

---

[1] ترجمہ لطائف اللطیف، صفحہ 159،154

[2] فہرست شروح یعنی کتب نقیبہ قلمیہ، حصہ دوم، صفحہ 301-300، بخط مؤلف اشاعت دوم، 2012ء، ناشر، ناظم کتب خانہ و ادارہ تحقیق مخطوطات مشرقی عثمانیہ یونیورسٹی کیمپس، حیدر آباد

بحر رحمت المعروف بہ اخبار اہل عرفان(1241ھ):

دکنی صوفیا کے تذکرے کا ایک ماخذ بحرِ رحمت المعروف بہ (اخبار اہل عرفان 1241ھ) ہے یہ اس کتاب کا تاریخی نام ہے۔ یہ حضرت سید ابو سعید نقشبندی المتخلص بہ والاؔ کی تالیف ہے۔ بحرِ رحمت کا ایک قلمی نسخہ رحمت آباد میں واقع درگاہ حضرت رحمت اللہ کے امام مسجد مولانا عبد اللہ پاشاہ نظامی کے پاس محفوظ ہے جسے ان کے والد مولانا محمد غوث محی الدین المعروف بہ جان صاحب نے ایک اور قدیم تاریخی نسخہ سے نقل کیا تھا۔ 5 پنجم جمادی الاخریٰ 1362 ہجری روز چہار شنبہ اس کی کتابت مکمل ہوئی۔ بحرِ رحمت کا سال تصنیف 1240 ہجری ہے۔ جب کہ مولف والا کی ولادت 1190 ہجری میں ہوئی۔ بحر رحمت فارسی معلی میں لکھی گئی ہے۔ (بحر رحمت صفحہ 8) بحر رحمت میں ظہوری کا رنگ اور سعدیؔ کا طرز اختیار کیا گیا ہے۔ (بحر رحمت صفحہ 8) ابو سعید والاؔ کی دیگر تصانیف میں بحر غم، آئینہ رحمت اور دیوان والاؔ ہے۔ مولوی ارتضاء علی خاں بہادر نے ''بحر رحمت'' کی تکمیل پر قطعہ تاریخ کہا ہے۔

با نثر پر لطافت تالیف بحر رحمت — فرمود و کرد شایع انوار اہل عرفان
بودم بفکر سال تاریخ اختتامش — الہام شد زہاتف اخبار اہل عرفان

1241ھ

بحر رحمت ''باب'' کے بجائے ''موج'' کے تحت لکھی گئی ہے۔ کتاب میں چار امواج ہیں۔ ''موج اوّل'' کے تحت 36 'سیلابہ'' یعنی فصلیں ہیں جس میں حضرت خواجہ رحمت اللہ، رحمۃ اللہ علیہ کے مرشدین طریقت کے احوال، شجرے اور خواجگان نقشبند کے حالات لکھے ہیں۔ موجِ دوم کے تحت حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول، آباو اجداد، طریقہ تعلیم، معمولات، مکارم اخلاق، حج و زیارت، وفات وغیرہ تحریر کیے گئے ہیں جو 56 سیلابہ پر مشتمل ہے۔ موجِ سوم کے تحت خرق عادات، کشف و کرامات، اہتمام نماز جمعہ، استغنا، اور بعض خصوصیات 15 سیلابہ پر مشتمل ہیں۔ ''موج چہارم'' کے تحت حضرت خواجہ رحمت اللہ کے خلفا کے حالات و خصوصیات درج ہیں۔ خلیفہ حضرت شاہ رفیع الدین قندہاری کا تذکرہ و خدمات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ کتاب کے اختتام پر قطعہ تاریخ درج ہے۔

یافت چون این نسخہ رنگ اختتام — خواستم سالش برائے معرفت
ناگہاں خوشنود والاؔ چوں سروش — گفت تاریخش کہ زادالآخرت

''زادالآخرت'' سے 1244ھ بر آمد ہوتے ہیں۔ بحر رحمت (فارسی) کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر یعقوب عمر، لکچرار نظام کالج حیدرآباد نے کیا ہے۔ ڈاکٹر شیخ عبد الغفور نظامی کی کاوش سے یہ 1422ھ میں لکشمی پرنٹنگ پریس حیدرآباد سے شائع ہوا۔

تاریخ گلزار آصفیہ (1260ہجری):

دکن کے صوفی تذکروں کے جو مآخذ ہیں ان میں بعض تاریخ کی کتابیں بھی شامل ہیں جیسے ''تاریخ گلزار آصفیہ'' جسے ایک دُرِّ نایاب، لولوئے خوش آب اور جوہر بیش بہا سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس تاریخی تصنیف میں سلاطین آصفیہ نظامیہ کے احوال کے ساتھ کئی دکنی صوفیا کے

تذکرے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ تین سال کی محنت کے بعد یہ کتاب 1260 ہجری میں مکمل ہوئی۔ مصنف خواجہ غلام حسین خاں المخاطب بہ "خان زمان" کے فارسی قلمی نسخہ کے آخر میں یہ عبارت درج ہے:

"آج کہ روز پنج شنبہ /4 جمادی الثانی 1260 ھ ہے۔ اس تاریخ پر "گلزار آصفیہ" تصنیف بخط عاصی اختتام و انصرام پہنچی"۔[1]

"گلزار آصفیہ" مقدمہ، چار ابواب اور خاتمہ کی دو فصلوں پر مشتمل ہے۔

باب اوّل میں سلاطین قطب شاہیہ، عمارات شاہی، حیدرآباد کے آثار شریف، احوال عرس بزرگان شامل ہیں۔ باب دوم میں آصف جاہ شہید ناصر جنگ، غازی الدین فیروز جنگ، صلابت جنگ، میر نظام الدین بہادر آصف جاہ ثانی، بسالت جنگ، چین قلیچ خاں ہمایوں جاہ، نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ ششم 1258 ہجری تک کے احوال درج ہیں۔ باب سوم میں سلطنت آصف جاہیہ دکن کے وزیران، امیران، سرداران، منصب داران، فقرا، صوفیہ، علما، مفتیان، شریعت پناہان، کمندان وجملہ ملازمان سرکار کا بیان ہے۔ باب چہارم میں دکن کے اُس وقت کے چھ صوبہ جات مع احوال بزرگان صوفیہ، و عرس ہائے دیگر بزرگان کا ذکر ہے۔ خاتمہ کی فصل اوّل میں ابتدائے ورود، وکلائے انگریز، تعلق داران واحوال حضرت میر مومن اور فصل دوم میں تجاران، پارسیان، مسلمانان وہندوان، گجراتیان، سرائے و کیفیت، دسہرہ، دیوالی وبسنت وہولی کا بیان ہے۔

گلزار آصفیہ کا خاکہ آصف جاہ چہارم میر فرخندہ علی خاں ناصر الدولہ کے عہد میں بنایا گیا اور آصف جاہ ششم اعلیٰ حضرت نواب میر محبوب علی خان بہادر کے دور میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ طباعت کا قطعہ تاریخ اس طرح درج ہے:

طبع چوں شد ایں کتاب آمدد کردگار   گشتہ برآں اہل عقل و الہ و شیدا تمام
ازپئے تاریخ طبع ، طبع سخن گوئی من   گفت بہ ہمین فقرہ باغ و بہار کلام
(1308ھ)

تذکرۃ الشاہد (مخطوطہ 1269 ہجری):

دکن کے علاقہ میں صوفیائے دکن کے تذکرہ پر مشتمل مطبوعات کے علاوہ مخطوطات کا بھی ایک قابل ذکر اثاثہ موجود ہے۔ "تذکرۃ الشاہد" اسی کا ایک حصہ ہے جو 1269 ہجری کا تحریر کردہ ہے۔ یہ ایک منظوم مثنوی ہے جو دکن کے 200 سالہ قدیم صوفی حضرت پیر شاہد اللہ قادری ٹیکمالی (متوفی 1249 ہجری) کے احوال پر مشتمل انہی کے مرید منولعل المتخلص بہ خاکپاؔ کی قلمی کاوش ہے۔

ابتدا میں مختصر حمد ونعت اور عقیدۂ توحید کی بزرگان دین کے احوال سے شرح کی گئی ہے۔

آرزو تھی دل میں میرے سرمدی   جو لکھوں حال جناب شاہدی

[1] ترجمہ: گلزار آصفیہ، صفحہ 319، خواجہ غلام حسین خاں زمانی، مطبع محمدی، 1308 ہجری

وقت فرصت میں لکھوں گا کل حال آج کل کہتے گذر گئے بست سال
از لسان الغیب ایں اخبار ہے نام سے شاہد کے بیڑا پار ہے

کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کتاب نمبر 775 جدید کے تحت درج خط نستعلیق میں لکھے ہوئے اس مخطوطہ کے 146 صفحات میں ہر صفحہ پر 11 سطریں ہیں۔ ترقیمہ اس طرح ہے۔

"بتاریخ چہار دہم شہر رمضان المبارک 1279 روز پنجشنبہ بوقت سہ پہر بخط بے ربط کمترین گناہ گار چھوٹم لعل بانصرام رسید[1]"

تاریخ خورشید جاہی (مخطوطہ 1284ھ):

"تاریخ خورشید جاہی" کو صوفیہ دکن کے ایک اہم ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ آصف جاہ پنجم افضل الدولہ میر تہنیت علی خاں بہادر کی تخت نشینی کے وقت 1284 ہجری دکن کے نواب خورشید جاہ خورشید الملک خورشید الدولہ محمد محی الدین خاں کے حسب ارشاد یہ کتاب تصنیف کی گئی اس لیے یہ "تاریخ خورشید جاہی" سے موسوم ہوئی۔

مولوی غلام امام خان کے قلم سے رواں اور شستہ اُردو میں لکھی گئی اس کتاب میں ایک مقدمہ چہار چاند (ماہ) یعنی باب اور ایک خاتمہ ہے۔ "تاریخ خورشید جاہی" کے مقدمہ میں علم تواریخ کے فائدے بتائے گئے ہیں۔ چاند یعنی ماہ اوّل اور شعاعوں کے تحت، ہندوستان، اور دکن کے صوبوں کی تفصیلات ہیں۔ ماہ دوم میں حضرات صوفیہ کے چودہ خانوادوں کا تذکرہ ہے۔ اور ایک ضوء دو نیر ہیں۔

نیر اول میں ہند و دکن کا بیان ہے اس میں بھی دو نیر ہیں۔ نیر اوّل میں اولیائے ہند اور نیر دوم میں اولیائے دکن کا تذکرہ ہے اور چھ قطب ہیں۔ قطب اوّل در بیان اولیائے بیجاپور، قطب دوم در بیان اولیائے خجستہ بنیاد اورنگ آباد، قطب سوم میں اولیائے صوبہ برار، قطب چہارم میں اولیائے خاندیس، قطب پنجم میں اولیائے صوبۂ بیدر، قطب ششم میں اولیائے حیدرآباد دکن کا تذکرہ ہے۔ ماہ سیوم میں امیر تیمور کے اسلاف کا تذکرہ تا حضرت آدم علیہ السلام ہے اور اس میں 53 ہلال ہیں۔ ماہ چہارم میں خاندان آصف جاہ والئ دکن و کیفیت شہر و باغات و عمارات، جملہ نیازات و اخراجات کی تفصیلات درج ہیں۔ "تاریخ خورشید جاہی" کے خاتمہ پر 1857ء غدر کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

کتب خانہ آصفیہ Oriental Manuscripts Library and Research Institute حیدرآباد میں تاریخ خورشید جاہی کے تین نسخے موجود ہیں، جس میں بعض تعلقیات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔[2]

مختصر حالات شاہ (1386ھ وصال):

---

[1] اُردو مخطوطات، جلد دوم، صفحہ 344-343، از: نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ حال، اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد آندھرا پردیش 1961ء

[2] تفصیلات کے لیے دیکھئے، فہرست شروح بعض کتب نفیسہ، قلمیہ، حصہ دوم، صفحہ نمبر 255-254، اشاعت اوّل 1357ھ 1347 فصلی اشاعت دوم 2012ء عثمانیہ یونیورسٹی کیمپس، حیدرآباد

دکنی صوفیوں کے تذکروں کی تین اقسام ہیں۔ ایک کبیر الحجم دوسرے متوسط الحجم تیسرے صغیر الحجم۔ جو تذکرے کثیر الصفحات ہیں ان کی تفصیلات میں بہت سی جزئیات بھی شامل ہیں اور اوسط الاوراق میں تفصیلات سے اعراض کیا گیا اور جو دیکھنے میں مختصر نظر آتی ہیں وہ دریا بکوزہ ہیں اور ان میں مدح خوانی، القاب کی کثرت، زیب داستان جیسے پہلوؤں سے اجتناب کیا گیا ہے۔ صوفیہ کا ایک ایسا ہی مختصر مگر جامع ماخذ ''حالات شاہ'' نامی کتاب ہے جو دکن کے معروف صوفی حضرت سید پرورش علی المعروف پادشاہ میاں صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز کی رحلت (سنہ 1286 صدی ہجری) کے کامل سو سال بعد یعنی 1386 صدی ہجری میں مرتب اور شائع کی گئی۔ حضرت سید محی الدین قادری مرتب کتاب کے بموجب حالات شاہ میں:

''بعض تاریخی کتب سے جو مواد مل سکا اس کو یکجا کرکے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ خورشید جاہی و رشید الدین خانی، مآثر الکرام، فرہنگ عثمانیہ اور رسالہ النور مرتبہ حضرت عم محترم مولانا سید شاہ محمد اقر حسینی صاحب قبلہ مد ظلہ العالی سے جس میں حضرت کے حالات شائع ہوئے ہیں مدد لی۔ اس تذکرہ میں حضرت کے حالات کے ساتھ ہم نے آپ کی اولاد و آل کے تعارف کے خیال سے بالاختصار تذکرہ کیا ہے........ البتہ حضرت سیدی خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کی تعلیمات کے پہلو پر قدرے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے''۔ [1]

تاریخ دکن (مخطوطہ 1296 ہجری):

تذکرہ صوفیائے دکن کا ایک ماخذ ''تاریخ دکن'' بھی ہے۔ اس کتاب کے مصنف عبد العلیم نصر اللہ خان خیشگی احمدی خورجوی ہیں۔ اس میں حیدرآباد دکن کے حالات کے علاوہ امرا، صلحا، فقرا، شعرا کے حالات بھی درج ہیں۔ یہ کتاب چار ابواب کے تحت 50 فصلوں پر مشتمل ہے۔ چوتھے باب کی 23 ویں فصل کے تحت 29 صوفیائے دکن کے تذکرے درج ہیں۔ اس کتاب کے اردو مخطوطہ کی نقل راقم المقالہ کے پاس موجود ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد عقیل احمد فاروقی جونپوری نے محمد امداد احمد خان زبیری کی درخواست پر 1948 عیسوی میں کیا تھا جو 350 صفحات پر مشتمل ہے۔

تذکرہ علمائے ہند مصنفہ مولوی رحمان علی مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری کے مطابق نصر اللہ خان خیشگی خورجوی 1226ھ / 1811 عیسوی میں پیدا ہوئے اور 1299 ہجری / 1881-82 عیسوی میں انتقال ہوا۔ قطعہ تاریخ طبع ''تاریخ دکن'' منشی مدن موہن لال نے لکھا ہے۔

چاپہ دکن تاریخ گلزار زہے نسخہ چنیں ایں طبع ز خرم جہاں
چاپہ[2] دکن بتاریخ سرشار بگو خواہی مجی ایں طبع تاریخ اگر

1296 ھ

---

[1] حالات شاہ، پیش گفتار، بقلم حضرت سید محی الدین قادری، 24 ربیع الاول شریف 1386ھ، قاضی پورہ، حیدرآباد، بہ اہتمام اراکین مجلس استقبالیہ جشن صد سالہ

[2] تاریخ دکن، اردو ترجمہ، صفحہ 305

محامد حمادیہ (1298ہجری):

"محامد حمادیہ" حضرت سید شاہ غلام محمد قادری عباسی الہاشمی المخاطب من عند رسول اللہ "بحماد ثانی" حیدرآبادی دکن کے حالات و کرامات پر ایک معتبر اور مستند کتاب اور دکنی صوفیائے کرام کے احوال میں ایک بنیادی ماخذ ہے۔ مصنف رقم طراز ہیں:

"ایں کتاب شریف بہ "محامد حمادیہ" نام نہادہ گردید و مرتب بہ یک مقدمہ و دو باب و یک خاتمہ گشت"۔(صفحہ 2) مقدمہ در بیان نسب و احوال شریف حضرت قدس سرہٗ باب اوّل در بیان کرامات حضرت قدس سرہٗ مشتمل بر دو فصل، فصل اول در کرامات حضرت قدس سرہٗ کہ در حالت حیات بظہور آمدند فصل دو در بیان کرامات کہ بعد وصال شریف بوقوع رسیدند، باب دوم در بیان احوال و کرامات صاحبزادگان و اہل قرابت حضرت قدس سرہٗ العزیز مشتمل بر دو فصل، فصل اول در بیان احوال و کرامات، صاحبزادگان فصل دوم در احوال و کرامات اہل قرابت حضرت قدس سرہٗ، وخاتمہ در بیان ما یتعلق بالکتاب و مناجات وغیر آن (صفحہ 3-2)

محامد حمادیہ کے مصنف مولانا سید محمد برہان الدین خان بہادر ہیں جو دکن میں کئی اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ تذکرہ مخطوطات، جلد دوّم، صفحہ 198 میں محامد حمادیہ کا سن تالیف 1298ھ واضح الفاظ میں درج ہے۔

"محامد حمادیہ" دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا جو خطی نسخہ (جلد دوم) کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد دکن میں ہے صفحہ 585 سے 1015 پر مشتمل ہے ظاہر ہے اس کی جلد اوّل 584 صفحات پر مشتمل ہوگی۔ یہ مخطوطہ مولف کا خود نوشت نسخہ ہے۔[1]

مطبع بشیر دکن حیدرآباد دکن سے 1308 ہجری کو "محامد حمادیہ" کی جلد اول 348 صفحات پر شائع ہوئی۔ "محامد حمادیہ" کی جلد دوم صفحہ نمبر 349 سے شروع ہو کر صفحہ نمبر 601 پر ختم ہوتی ہے۔ اس کتاب کی مطبوعہ دو جلدیں راقم مقالہ کے پاس موجود ہیں۔

ثمرۂ حیات سلطان الحکماء (1305 ہجری):

"ثمرۂ حیات سلطان الحکماء" اعلیٰ حضرت نواب میر محبوب علی خان بہادر، آصف جاہ ششم حیدرآباد دکن کے عہد کی یادگار کتاب ہے۔ سرورق پر کتاب کے نام کے نیچے ہی سن تصنیف 1305ھ درج کر دیا گیا ہے۔ گویا یہ تاریخی نام ہے۔ اس کتاب کے مصنف سلطان الحکما محمد وزیر علی خان بہادر حکیم و مُہتمم دواخانہ دولت خانہ عالیہ حضرت بندگان عالی متعالی تھے۔ 1299ھ میں اس کتاب کے لکھنے کا آغاز کیا گیا جو 1305 ہجری میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ، چار ابواب اور ایک خاتمہ ہے۔ کبیر الحجم اس کتاب میں جملہ 492 صفحات ہیں۔ صحت نامہ کے 8 صفحات علیحدہ ہیں۔ ثمرۂ حیات سلطان الحکما کی اشاعت مطبع گلزار دکن عمل میں آئی۔ اس کتاب میں حیدرآباد دکن کے مشہور صوفی حضرت سید شاہ نورالدین قمیصی القادری کا تذکرہ اور آپ کی طویل سماجی خدمات کی تفصیلات صفحہ 294 تا 384 درج کی گئی ہیں۔ مصنف نے اپنے خانوادے کے حالات بھی شرح و بسط سے تحریر کیے ہیں۔ اس کتاب کی نقل بھی راقم مقالہ کے ہاں موجود ہے۔ یہ

[1] تذکرہ علماو مشائخ پاکستان وہند، جلد اوّل صفحہ 208، مولفہ، محمد اقبال مجددی، پروگریسیو بکس، غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور، مطبوعہ 2012ء

صوفیائے دکن کے تذکروں میں ایک اہم ماخذ و مصدر رہے۔[1]

روضۃ الاولیاء (مخطوطہ 1310 ہجری):

روضۃ الاولیاء، دکن کے شہر بیجاپور کے اولیاو مشائخین کا تذکرہ ہی نہیں بلکہ ایک اہم ماخذ ہے۔ گرچہ یہ کتاب فارسی سے اُردو ترجمہ ہو کر شائع ہوئی مگر کم یاب ہے۔ روضۃ الاولیاء کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں فن تذکرہ نمبر 169 پر موجود ہے۔ ڈاکٹر احمد علی نے 1310 ہجری میں اس کی کتابت کرائی تھی۔ روضۃ الاولیاء کا یہ قلمی نسخہ یکصد و نوزدہ 119 صفحات پر مشتمل ہے جس کے ہر صفحہ پر 19 انیس سطریں ہیں۔ مصنف کا نام محمد ابراہیم بیجاپوری ہے۔[2]

"روضۃ الاولیاء" کے نام سے ایک اور کتاب پائی جاتی ہے جو میر غلام علی آزاد بلگرامی متوفی (1196ھ) کی تصنیف ہے جس میں خلد آباد کے صوفیہ کے حالات درج ہیں جو کتب خانہ آصفیہ میں فن تذکرہ فارسی سلسلہ نمبر 148 پر درج ہے اور 1177 ہجری کا مکتوبہ ہے۔

تزکِ محبوبیہ جلد اوّل (1319ھ):

صوفیائے دکن کے تذکروں میں "تزک محبوبیہ" ایک اہم ماخذ ہے۔ اس تذکرہ میں سلطنت آصفیہ کے چھٹویں نظام اعلیٰ نواب میر محبوب علی خاں بہادر کے عہد کے ملکی، علمی، ادبی، انتظامی، خاندانی، معاشی اور مذہبی اُمور کے احوال کے علاوہ عہد محبوبی کے مشہور و معروف معاصر صوفیائے کرام کے حالات و علمی خدمات کے لیے ایک علیحدہ جلد کا انتخاب کیا گیا ہے۔ تزک محبوبیہ 1319ھ میں لکھی گئی، اس کے مصنف ادیب، مورخ، شاعر غلام صمدانی گوہرؔ ہیں، اس کتاب نے عہد محبوبی کی علمی ادبی خانقاہی اقدار کو اعتبار بخشا ہے۔ تزک محبوبیہ جلد اوّل کے تحت دفتر اوّل میں جملہ سات ابواب ہیں۔ دفتر اوّل 376 صفحات پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل کا دفتر دوم 132 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور جملہ 508 صفحات ہیں۔

تزک محبوبیہ (جلد دوّم 1319ھ):

جلد دوّم میں جملہ 7 ابواب کے تحت تاریخی، معاشی، مالی، تعلیمی، تنظیمی حالات بتائے گئے ہیں۔ تزک محبوبیہ کی جلد دوم کا دفتر سوم دکن کے صوفیہ و مشائخین کبار کے لیے مخصوص ہے۔ یہ جلد خاتمہ کو ملا کر بڑے سائز کے جملہ 60 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں حسب ذیل صوفیہ دکن کے حالات تحریر کیے گئے ہیں۔

(1) حضرت آغا محمد داؤد ابوالعلائی (2) حضرت منشی میر امداد علی علوی (3) حضرت سید شاہ ناصر الدین عرف سید صاحب (4) حضرت شاہ محمد حسن ابوالعلائی (5) حضرت مرزا سردار بیگ صاحب چشتی (6) حضرت شیخن صاحب شطاری (7) حضرت سید ملک محمود شاہ

---

[1] ثمرۂ حیات، سلطان الحکماء، از: حکیم محمد وزیر علی خاں، 1305 ہجری

[2] فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ، حصہ دوم، صفحہ 288، مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی، دارالطبع سرکار عالی، اشاعت اوّل 1357 ہجری 1347 فصلی

قادری(8) حضرت سید عبدالرحمن صاحب بغدادی(9) حضرت محمد حبیب علی صاحب(10) حضرت مسکین شاہ صاحب نقشبندی(11) حضرت سید شاہ عبدالرحیم صاحب قمیصی القادری(12) حضرت محمد شاہ صاحب(13) حضرت افتخار علی شاہ صاحب(14) حضرت سید شاہ سراج الدین حسن روشن قادری(15) حضرت سید احمد بادشاہ قادری(16) حضرت مولانا شاہ خضر صاحب(17) حضرت شمس الحق سجاد علی میکش چشتی نظامی۔[1]

صوفیائے دکن کے تذکرے دکن کی تاریخ کے ضمن میں لکھی جانے والی کتابوں میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جیسا کہ "تاریخ قندہار دکن" نامی کتاب جو 1315 ہجری میں تیار ہو چکی تھی، بعد میں اس میں مزید کتب سے قندہار کی علمی، ادبی، سماجی صوفیانہ تاریخ کے گوشے قندہار کی مختلف قلمی کتابوں، بیاضوں، قدیم کاغذات و اسناد تصدیق شدہ سرکاری محکمہ مال، دیوانی، بندوبست، مقدم پٹواری، محکمہ مالگزاری، قدیم سفر نامے اور کئی بزرگان دین کے تذکرے شامل کیے گئے۔ 1321 ہجری مطابق اکتوبر 1903 عیسوی اس کی تکمیل ہوئی۔ محکمہ نظامت ٹپہ خانجات سرکار عالی میں نائب سررشتہ دار کے منصب پر فائز مصنف و قلم کار و شاعر حضرت منشی محمد امیر حمزہ قندہاری نے تحریر کیا ہے کہ قندہار دکن میں حضرت سید محمد گیسودراز گلبرگوی کی رونق افروزی ہوئی تھی۔ بہمنی اور آصفی دور کے بزرگ حضرت سراج الدین جنیدی، حضرت سید شاہ اعزالحق محمد اکبر حسینی، سید شاہ صاحب پیراں سجادہ نشین، شاہ رحمت اللہ حسینی، شاہ برہان اللہ حسینی، شاہ اسد اللہ حسینی، شاہ محمد حسینی، شاہ سراج الدین سید شاہ بندگی، حضرت شیخ شاہ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان، شاہ منجھلے چلہ دار، حاجی خواجہ قیام الدین شاہ، حضرت پیر جلال، حاجی مکی، حاجی پیر پالکی، پیر شمس الدین، پیر شاہ سلیمان ٹیکری، پیر بہاء الدین، حضرت یتیم شاہ مجذوب، حضرت پیر منیب، حضرت خواجہ کلاں و خورد، حضرت شاہ اسمٰعیل طبقاتی، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین قندہاری، شاہ قیام الحق، شاہ علیم الدین، شاہ محمد امین الدین کثرتؔ ان کا فارسی کلام، سلاطین بہمنیہ اور قندہار کے قلعوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ "تاریخ قندہار دکن" پر مولانا شبلی نعمانی، مولانا عبدالحلیم شررؔ نے اپنی تقریظ اُردو زبان میں تحریر کی ہے (ملاحظہ ہو صفحہ 263) شاہ محمد انوار اللہ الفاروقی القندہاری بانی جامعہ نظامیہ نے بھی اپنے تاثرات رقم فرمائے ہیں (صفحہ 264)۔ عبدالرحمن وکیل مفیدؔ نے تاریخ طباعت کا مصرع یوں کہا:

از سر بہجت مسیحی سن کہیں — مرحبا تاریخ قندہار دکن (1903)

مولانا عبدالوہاب عندلیبؔ نے بھی مادہ تاریخ کا استخراج کیا ہے۔

بگو در سال طبعش عندلیباؔ — جہاں مطبوع گشت احوال قندہار (1312فصل)

آصف جاہ ششم نواب میر محبوب علی خاں بہادر کے عہد میمنت اور مہاراجہ کشن پرشاد کے دور وزارت میں یہ کتاب امانت پریس حیدرآباد دکن سے 1321 ہجری میں طبع ہوئی۔

[1] تزک محبوبیہ، جلد دوّم، دفتر سوم، صفحہ 3-2-1، غلام صمدانی خان گوہرؔ حیدرآباد، مطبوعہ 1319ھ حیدرآباد دکن)، تاریخ قندھار دکن 1321 ہجری

حیات قاسمی(1330ھ/1912ء):

دکن کے بزرگ حضرت شاہ محمد قاسم المعروف شیخ جی حالیؔ ابوالعلائی اور ان کے خلفائے کرام کے تذکرے پر مشتمل پر کتاب پہلی مرتبہ 1330 صدی ہجری مطابق 1912 عیسوی حلیہ طباعت سے آراستہ ہوئی اور دوسری مرتبہ 1443 ہجری مطابق 2021 عیسوی شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مصنف قدرت اللہ خاں جاگیر دار ہیں۔ یہ کتاب دکن کے آخری فرماں روانواب میر عثمان علی خاں بہادر آصف جاہ سابع مملکت آصفیہ کے عہد میں لکھی اور شائع کی گئی۔

"حیات قاسمی" میں مصنف محمد قدرت اللہ خان جاگیر دار کے قلم سے تعارف کے بعد بابِ اوّل میں حضرت پیر شاہ محمد قاسم عرف شیخ جی حالی(1238ھ 1822ء) کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں۔ بابِ دوم میں حضرت سید عمر علی شاہ ابوالعلائی(1292ھ 1887ء) کا تذکرہ ہے جو حضرت شیخ جی حالی کے ہمشیر زادہ فرزند آغوشی اور خلیفۂ اوّل تھے۔ بابِ سوم میں حضرت سید فرزند علی شاہ (1322 ہجری 1904 عیسوی) کے احوال درج ہیں۔ بابِ چہارم حضرت محمد کریم الدین حسین ابوالعلائی (و1303 ہجری) کی سوانح کے علاوہ مصنف نے اپنے بھی حالات درج کیے ہیں۔ بابِ پنجم میں حضرت صوفی شاہ محمد صابر علی ابوالعلائی سجادہ نشین (و1347 ہجری) کا ذکر جمیل ہے۔ چھٹویں بابِ میں مولانا صوفی شاہ محمد مظفر علی چشتی ابوالعلائی کے مختصر حالات درج ہیں جو 1396 ہجری 1976 عیسوی اپنے والد گرامی حضرت صوفی شاہ محمد صابر علی ابوالعلائی کے جانشین نامزد ہوئے۔ آخر میں شجرات طریقت قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ کے علاوہ باب اوّل میں حضرت سید عزت اللہ شاہ عرف میاں صاحب مرشد حضرت شیخ جی حالی کے مختصر حالات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

مخزن العرفان(1331 ہجری/1913 عیسوی):

"مخزن العرفان" میں سادات حسینی اور سلسلہ قادریہ چشتیہ کے ایک بزرگ جامیؔ دکن، عارف زمن حضرت سید شاہ کمال الدین حسینی چشتی قادری کے حالات، ان کی صوفیانہ تعلیمات سے سماجی خدمات اور ان کی تصنیف "مخزن العرفان" کو مع فرہنگ پیش کیا گیا ہے جو اُردوئے قدیم دکن کا ایک عظیم خزینہ اور دنیائے علم وادب وتصوف کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ 1331 ہجری سے پہلے یہ مخطوطہ تھا۔ 1913ء، 2010 عیسوی میں دومرتبہ اس کتاب کی اشاعت بزم شہہ میر، تلوپولہ، ضلع اننت پور، آندھراپردیش عمل میں آئی۔ مولانا سید شاہ شہمیر قادری، مولانا شاہ توفیق احمد الکمالیہ نے مع فرہنگ اس کو ترتیب دیا۔

حضرت شاہ کمال قادری چشتی (و 1140 ۔ م 1224 ہجری) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا عبدالعلی فرنگی محلی، شاہ موسیٰ قادری حیدرآباد، سیدنا خواجہ رحمت اللہ نائب رسول، مولانا باقر آگاہؔ ویلوری کے ہمعصر تھے۔ آپ کی تصانیف اور مخطوطات میں کلمات کمالیہ، کمال المعرفت، مخزن العرفان، کلام کمال، کمال کلام، اذکار، آداب المریدین، دیوان کمال، چہل حدیث منظوم، معدن محاسن، رحیا، نصاب، حسن السوال، حسن الجواب، معراج نامہ، ضیافت نامہ ہیں۔ حضرت شاہ کمال سلطان ٹیپو شہید (1213ھ) کے پیر طریقت تھے۔[1]

[1] صفحہ 14 مخزن العرفان مطبوعہ 1913ء

محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن (1332ہجری):

مورخ دکن ابوتراب مولانا عبدالجبار خان ملکاپوری نے "محبوب التواریخ" کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ بقول مصنف:

"اس کی کئی جلدیں ہیں اور اس کی ہر جلد بذاتہ ایک تاریخ ہے اور ہر ایک کے مضامین جداگانہ ہیں۔ بنا میں نے ہر ایک جلد کو علیحدہ علیحدہ نام سے مسمیٰ کیا ہے۔ چنانچہ یہ تذکرہ حضرات اولیائے دکن قدس سرہم کے بیان میں ہے اس کا نام "محبوب الزمن تذکرۂ اولیائے دکن" رکھا۔[1]"

"محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن" دو حصوں پر مشتمل اور صفحات مسلسل ہیں۔ فہرست چھوڑ کر (1148) صفحات کی یہ کتاب تقریباً (490) اولیاء اللہ کے تذکرے کا احاطہ کرتی ہے۔

"محبوب الزمن تذکرہ اولیائے دکن" میں کئی بزرگوں کے ناموں میں حروف تہجی کی ترتیب سے سہولت ضرور ہو گئی ہے لیکن ایسا کرنے سے ترتیب زمانی ملحوظ نہیں رہی۔ پہلا نام شیخ ابو جیو تمیمی برہان پوری کا ہے جن کی تاریخ وفات 992ہجری بتائی گئی ہے۔ آخری نام شیخ یوسف چشتی کا ہے جن کی تاریخ وفات 950ہجری بتائی گئی ہے۔

"محبوب الزمن تذکرہ صوفیائے دکن" کے مصنف عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری برار کے ضلع بلڈانہ کے علاقہ ملکاپور کے رہنے والے تھے جو بعد میں حیدرآبادی ہو گئے۔ 1283ھ م 1866ء دکن میں ان کی آمد ہوئی۔[2]

"محبوب الزمن تذکرہ اولیائے دکن" کی دوسری جلد 1332ھ حسن پریس حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی۔[3]

انوارالعاشقین (1332ہجری):

تذکرہ صوفیائے دکن کا ایک اہم ماخذ "انوارالعاشقین" ہے۔ اس کتاب کے مصنف مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی ہیں۔ یہ کتاب اُردو زبان میں تحریر کی گئی ہے۔ شان تصنیف، خود مصنف بیان کرتے ہیں:

"عاجز گنہ گار مسکین خطا شعار مشتاق احمد حنفی چشتی انبیٹھوی عرض کرتا ہے کہ حضرت مقدام الفضلا فخر العلماء حقائق آگاہ معارف دست گاہ شیخ الاسلام مولانا محمد انوار اللہ شاہ چشتی قادری حیدرآبادی متع اللہ المسلمین بطول حیاتہم خلیفۂ خاص شیخ المشائخ قطب زمان خود حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی نوراللہ مضجعہ، نے وقت ملاقات 1331ھ میں بمقام دارالخیر اجمیر صانہٗ اللہ من الفتن والقصیر یہ ارشاد فرمایا کہ خاندان عالیہ چشتیہ چشتیہ صابریہ کے مشائخ کے حالات ایک کتاب میں طور پر جمع کرنے چاہئیں کیوں کہ اس سلسلہ کے متاخرین مشائخ اول اولیا کا ذکر

---

[1] محبوب الزمن تذکرہ اولیاء دکن، صفحہ 2، عبدالجبار خان ملکاپوری، براری حیدرآبادی، مطبع رحمانی، حیدرآباد دکن

[2] پیش لفظ طبع جدید، محبوب الزمن تذکرہ اولیائے دکن، صفی اللہ قدیری، اسٹوڈنٹس بک ہاؤس چارمینار، حیدرآباد، ستمبر 2001ء

[3] جلد دوم۔ صفحہ 1148

خیر جیسا کہ چاہئے اب تک قلم بند نہیں ہوا الہذا یہ عاجز کہ اس سلسلۂ شریفہ کے بزرگوں کا نام لیوا اور کفش بردار ہے۔ حسب ارشاد فیض بنیاد مولانا ممدوح اپنے معلومات کے مطابق معتبر کتابوں سے حضرت موصوفین کے حالات جمع کرتا ہے"۔[1]

نادر و نایاب تحقیقی کتب کی طباعت کا ادارہ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن کے زیر اہتمام اس کی پہلی اشاعت 1332ھ عثمان پریس حیدرآباد سے عمل میں آئی تھی۔ دوسری بار مکتبہ دارالسلام، بھاٹی دروازہ، لاہور، ذوالقعدہ 1439ھ / اگست 2018ء سے شائع ہوئی۔ انوارالعاشقین میں دکن کے دو مشہور بزرگوں حضرت سید معین الدین حسینی المعروف بہ شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الشاہ محمد انواراللہ الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ کا تذکرہ ہے۔

اس کتاب کے ماٰخذ فقط کتب سیر و ملفوظات ہی نہیں ذاتی تعلقات اور مشاہدات بھی ہیں، جو اس کو بذات خود ایک قابل حوالہ ماخذ کا درجہ دے دیتے ہیں۔[2]

شرف الانساب(1332ھ):

دکنی صوفیا کے تذکروں میں ایک اہم کتاب "شرف الانساب" ہے۔ اس میں 363 تین سو ترسٹھ خانوادوں کے شجرے جمع کیے گئے ہیں۔ دکن کے تقریباً 160 خانوادوں کا نسب اس کتاب میں درج ہے۔ "شرف الانساب" کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے مؤلف کہتے ہیں:

"حمد و صلوٰۃ کے بعد بندۂ بارگاہ رب العلمین سید غوث محی الدین رضوی القادری بن سید شرف الدین رضوی القادری جمیع طالبان حق کی خدمت میں مدعا طراز ہے کہ میرے پیر و مرشد والد ارشد مرحوم نے 1315ھ میں اپنے آبا و اجداد پدری و مادری و دیگر سادات اہل بیت کے انساب نہایت تحقیق سے جمع فرمائے تھے اور ابھی مجموعہ قالب طبع میں آنے کے پیشتر حضرت مرحوم کا وصال ہو چکا۔ لہذا یہ فقیر اپنے والد مغفور کے جمع کردہ انساب کا دوسرے مشائخین کے سلاسل انساب سے مقابلہ کر کے اور چند کتب معتبرہ مشکوٰۃ النبوۃ، کنزالانساب، تذکرۃ الانساب کلاں، خزینۃ الاصفیاء، مظاہر رحمانی وغیرہا سے بعض مشاہیر سادات کے انساب منتخب کر کے ایک مختصر مفید مجموعہ (1331ھ) مرتب کیا اور اس کا نام "شرف الانساب" رکھا۔ ناظرین سے توقع ہے کہ اگر کہیں خطا واقع ہو تو بنظر عطا اصلاح فرمادیں"۔ وماتوفیقی الا باللہ[3]

"شرف الانساب" میں "ذکر اولاد" کے تحت ہر خانوادہ کے بزرگ کے نام سے شجرہ کا آغاز کیا گیا ہے۔ "شرف الانساب" میں شجروں کی

---

[1] انوارالعاشقین، صفحہ 11، مولانا مشتیق احمد انبیٹھوی، مطبوعہ دارالسلام، لاہور، پاکستان، ذوالقعدہ 1439ھ / اگست 2018ء

[2] انوارالعاشقین، صفحہ 234 / 235، مشمولہ مضمون، مشائخ چشتیہ صابریہ کے اہم تذکروں کا اجمالی جائزہ بقلم سید عثمان وجاہت صابری

[3] شرف الانساب، صفحہ نمبر 2-1، سید شرف الدین رضوی القادری

ابتداذکر شریف اولاد حضرت سیدنا رسول خدا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کی گئی ہے۔
(شرف الانساب صفحہ نمبر 3، سید شرف الدین رضوی القادری، مطبوعہ 1332، شمس الاسلام پریس، حیدرآباد دکن)
سب سے آخری شجرۂ نسب ذکر اولاد حضرت سید محمود بخاری المعروف مولانا مسکین شاہ قادری کرنولی قدس سرہٗ کے تحت درج کیا گیا ہے۔ "شرف الانساب" 1332 ہجری شمس الاسلام پریس میں طبع ہوئی۔[1]

عقیدت الطالبین (1341ھ):

دکن کے مشہور و معروف نقشبندیہ سلسلہ کے صوفیہ میں حضرت خواجہ رحمت اللہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور نام ہے۔ آپ کے حالات و سماجی خدمات پر اب تک دو کتابوں کا علم ہوا۔ پہلی کتاب "عقیدت الطالبین" اور دوسری "بحر رحمت" ہے۔ اتفاق سے یہ دونوں کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔

عقیدت الطالبین، شاہ محمد نظام الدین قادری خلیفہ حضرت رحمت اللہ نائب رسول اللہ کی ہے جو حضرت خواجہ رحمت اللہ کی حیات میں ہی لکھی گئی جس کا ہجری سنہ تصنیف 1181 - 1182ھ ہے۔ پہلی مرتبہ 1907ء عیسوی 1325ھ میں مطبع یوسفی حیدرآباد دکن سے حسب فرمائش حضرت شاہ محمد انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ، شائع ہوئی۔ قطعۂ تاریخ طبع رسالہ حضرت رحمت اللہ نائب رسول اللہ، جناب مظفر الدین معلی نے کہا ہے۔

چھپ گیا جب عام رحمت کے لیے یہ تذکرہ　　رحمت اللہ نائب حضرت رسول اللہ کا
سال طبع اس کا معلّٰی سے سروشِ غیب ہے　　یہ کہا (طُرفہ رسالہ رحمت اللّٰہی چھپا)

1325ھ 1907ء

"عقیدت الطالبین" میں شخصیتوں، کتابوں اور مقامات کے ناموں کا اشاریہ اور آخر میں انگریزی زبان میں 11 صفحات پر Rahmatabad Guide مع اسکیچ رحمت آباد شریف بطور ملحق شامل کی گئی ہے۔ "عقیدت الطالبین" کی پہلی طباعت کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"فی المطبع الیوسفی الواقع فی حیدرآباد دکن صانھا اللہ عن طوارق الفتن والمحن 1335 ہجری"۔[2]

تاریخ واقعات مملکت بیجاپور (1915 عیسوی):

1073 ہجری / 1724 عیسوی میں بیجاپور، سلطنت دکن کا حصہ بن گیا جب نظام الملک میر قمر الدین علی خاں آصف جاہ اوّل نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ "تاریخ واقعات مملکت بیجاپور" کا انتساب مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر عثمان علی خاں بہادر فتح جنگ آصف

[1] شرف الانساب، صفحہ 96، مرتب، سید غوث محی الدین رضوی القادری

[2] صفحہ 2 ترجمہ "عقیدت الطالبین" خواجہ صفی اللہ قدیری، ربیع الاول 1424ھ مئی 2003ء ناشر، محمد عبداللہ بادشاہ، خطیب و امام مدینہ مسجد رحمت آباد شریف

جاہ سابع جی سی ایس آئی دکن کے نام 1915 عیسوی میں اس شعر کے ساتھ کیا گیا۔

غبار راہ گشتم، سرمہ گشتم، توتیا گشتم　　　　به چندیں رنگ گشتم تابہ حشمت آشنا گشتم

''تاریخ واقعات مملکت بیجاپور'' صوفیائے دکن کے تذکرے کے ایک اہم ماخذ کی حیثیت سے آج بھی باقی ہے۔ تاریخ واقعات مملکت بیجاپور تین ضخیم حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل جملہ 9 ابواب پر مشتمل ہے جس میں 9 تصاویر اور جملہ 398 صفحات ہیں۔ جس میں بیجاپور کے صوفیائے کرام سید شاہ حبیب اللہ حسینی، شاہ صبغۃ اللہ صاحب کا تذکرہ ہے۔ جلد سوم 1915 عیسوی میں شائع ہوئی جس میں کل صفحات کی تعداد 737 ہے۔ مقالہ نگار کو باوجود تلاش بسیار جلد دوّم دستیاب نہ ہوسکی۔ حصہ سوم میں بجائے ابواب کے 32 ضمیمے ہیں۔ سولہویں ضمیمے کے تحت سلطان علی عادل شاہ کے فرامین، فرمان عالمگیری 1068 ہجری، 1656 عیسوی، دوسرا فرمان عالمگیری، 1104 ہجری / 1694 عیسوی، تیسرا فرمان عالمگیری 1104ھ / 1694 عیسوی اور کئی اسناد شاہی کی نقلیں بھی شامل کی گئی ہیں۔

''تاریخ واقعات مملکت بیجاپور'' کے مصنف محمد بشیر الدین، تعلق دار اول ہیں، یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ میں طبع ہوئی ہے۔

اس کتاب پر علامہ مفتی سید مخدوم حسینی مفتی جامعہ نظامیہ حیدرآباد نے بزبان عربی نثر اور نظم میں تواریخ طبع تحریر کی ہے۔ کرناٹک اُردو اکیڈمی نے اس کا جدید ایڈیشن شائع کیا۔ مولوی سید فضل ستار امروہوی لاابالی نے اس کتاب کا قطعہ تاریخ اس طرح لکھا ہے:

بشیر الدین احمد چوں بنوشتہ حال شاہاں را　　　　پئے تاریخ بیجاپور سال عیسوی جُستم

برآمد لاابالیؔ یک ہزار و نہ صد و دہ چار　　　　چو ''ذکر اردو شاہان عادل شاہیہ'' گفتم

(تاریخ مملکت بیجاپور، صفحہ 712)

مشاہیر قندہار دکن (1355 ہجری):

''مشاہیر قندہار دکن'' سلطنت دکن کے مشہور و معروف اور مردم خیز خطہ قندہار شریف کے باکمالوں، عالموں اور صوفیا کا تذکرہ ہے جو سرزمین دکن میں صدیوں سے تصوف و عرفان، علم و فضل اور شعر و سخن کے علمبردار رہے۔

''مشاہیر قندہار دکن'' نو 9 فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں قندہار کی سیاسی اجمالی تاریخ، فصل دوّم، سوّم اور چہارم قندہار کے تین برگزیدہ صوفیہ حضرت حاجی سیاح سرور سید سعید الدین رفاعی، حضرت سید شاہ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان اور مولانا شاہ رفیع الدین فاروقی اور ان کے خاندانوں کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ پانچویں اور چھٹی فصل میں قندہار کے قاضیوں، خطیبوں اور ساتویں فصل میں محتسبوں کے حالات اور آٹھویں و نویں فصلوں میں ان خاندانوں کے اعزہ و اقارب کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب مصنف کی مسلسل دو سال کی محنتوں اور 14 مطبوعہ اور قلمی کتابوں سے اخذ و استفادہ کا نتیجہ ہے۔ 24 شجروں کے علاوہ 850 ہجری کے قبل سے 1355 ہجری تک قندہاری صوفیہ و علما کی (70) مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں کی سال بہ سال فہرست بھی دی گئی ہے۔

پروفیسر اکبر الدین صدیقی کی اس تصنیف پر پروفیسر عبدالمجید صدیقی ایم اے، ایل ایل بی، سابق پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ نے مقدمہ میں

تحریر کیاہے کہ:

''قندہار کے مشاہیر اور صوفیہ کا ایک ایسا مرقع ہے جو نہ صرف تاریخ کے ساتھ متلاشیوں کے لیے مفید ہو گا بلکہ آئندہ کے لیے اچھی مثال کا کام دے گا''۔ [1]

تذکرہ سادات (1363 ہجری):

تذکرہ صوفیائے دکن کا ایک اہم ماخذ، ''تذکرہ سادات'' نامی کتاب ہے جو 1363 ہجری میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ ناصر الدین علی قادری عثمانیہ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں۔ آصف جاہ ہفتم اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خان بہادر کے عہد میں لکھی گئی یہ کتاب اپنی ترتیب و تہذیب، صفائی زبان، روانی، دلپذیر اظہار کے سبب ایک مفید کتاب ہے۔ مصنف نے اس کتاب کی ترتیب میں شجرات قلمی کتابچوں، خاندانی وثائق کے علاوہ تزک محبوبیہ، تاریخ بیجاپور، اردو شہ پارے، عروس عرفان اور تاریخ خورشید جاہی سے بھرپور استفادہ کیاہے۔ دکن کے 30 صوفیہ کے اختصار پر مبنی حالات کے علاوہ دکن کی بعض درگاہوں کے قلمی نقشے بھی دیئے ہیں۔ ضمیمہ کے تحت بھی 12 بزرگوں کے حالات درج ہیں لیکن ابتدائی فہرست میں ان کے اسمائے گرامی شامل نہیں ہیں۔ مطبع کا نام درج نہیں ہے البتہ ملنے کا پتہ مکان حضرت سید صاحب قبلہ الاوہ بی بی بلدہ حیدرآباد دکن دیا گیاہے۔ اس کتاب میں صوفیہ دکن کے نام مکتوبات بھی ہیں جو پائیگاہ دکن کے امیر کبیر نے تحریر کیے تھے اس وجہ سے بھی یہ کتاب ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

حالات پیر طریقت (1371 ہجری):

صوفیائے دکن کے تذکروں میں ''حالات پیر طریقت'' ایک اہم ماخذ ہے جو سید الشیوخ حضرت سید عمر شہ قادری حنبلی المتخلص خلیقؔ (و 1282 ہجری م 1330 ہجری) کے تذکرہ پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں تقریباً 100 ذیلی عناوین کے تحت شخصیت خانوادہ و خلفا کی علمی، ادبی و سماجی خدمات پر بھی سیر حاصل معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں نگار خانہ اوراق پر بکھرے ہوئے خاکے جمال فطرت کے وہ دل آویز نقش و نگار ہیں جن کو تحسین کائنات میں حسن تازہ کا مرقع کہا جاسکتاہے۔ ''افتخار الاولیاء'' سے حضرت سید عمر شہ قادری کی تاریخ وصال (1330 ہجری) اور 1371 ہجری سے کتاب کے پہلے سنہ طباعت کا استخراج کیا گیاہے۔ حضرت سید الشیوخ کے خلیفہ شاہ حکیم رکن الدین قادری حنبلی المتخلص بہ شفاؔ کے صاحبزادہ حکیم محمد فضل اللہ نے اس کتاب کو مرتب کیا اور شیخ الاسلام لئیقؔ اکیڈیمی، قادری چمن حیدرآباد نے 1430 ہجری مطابق 2009 عیسوی میں دوسری مرتبہ شائع کیاہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے حضرت سید شہ عمر قادری کے وصال پر 11 اشعار پر مشتمل عربی زبان میں جو مرثیہ لکھا تھا وہ بھی کتاب میں شامل ہے۔ جس کے دو اشعار یہ ہیں:

---

[1] مشاہیر قندھار دکن، صفحہ 16، از: پروفیسر اکبر الدین صدیقی، اقامت خانہ ب، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن 1355 ہجری

عبدالغوث البرایا سید سند بالغوث مغترف بالغیب مدرار
قال الرضا اسفا فی عام فرقتہ محمد عمر الفاروق شطّار
(1330ھ)[1]

تذکرہ اولیائے حیدرآباد(900ہجری تا1300ہجری):

دکن میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہاں 1400 سو پالکیاں آئیں یعنی چودہ سو صوفی یہاں آکر بس گئے اس لیے دکن کا کوئی خطہ اولیا سے خالی نہیں ہے جہاں ان صوفیہ کے مزارات اور خانقاہیں نہ ہوں۔ مورخ دکن سید مراد علی طالعؔ نے چار جلدوں میں ''تذکرہ اولیائے حیدرآباد'' تصنیف کی ہے۔ پروفیسر اکبرالدین صدیقی عثمانیہ یونیورسٹی کے بقول مصنف نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

تذکرہ اولیائے حیدرآباد کا حصہ اوّل نویں اور دسویں ہجری دکن کے قطب شاہی عہد کے صوفیا اور ان کے کارناموں پر مشتمل ہے۔ مصنف نے 44 مآخذ و مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے دکن کے 27 صوفیہ کا تذکرہ لکھا ہے۔ حصہ دوم میں 1098 ہجری تا 1136 ہجری مطابق 1687 عیسوی تا1723 عیسوی 55 صوفیائے کرام کے حالات اور ان کے مزار کا محل وقوع تفصیل سے لکھا ہے۔ حصہ سوم، میں دکن کے عہد وسطی سلاطین آصف جاہی از 1201 ہجری تا1300 ہجری مطابق 1786ء تا 1883 عیسوی 74 صوفیہ دکن کے تذکرے، مع مزار، کتبے، اعراس کی تواریخ قلمبند کیے ہیں۔ حصہ چہارم میں سلاطین آصف جاہی کے آخری عہد یعنی 1301 ہجری تا 1384 ہجری مطابق 1884 عیسوی تا1964 عیسوی کے صوفیائے کرام کے احوال تفصیل سے درج ہیں۔

اس کتاب پر پروفیسر عبدالمجید صدیقی، سابق صدر شعبۂ تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی، جناب مالک رام دہلی، پروفیسر سید محمد جامعہ عثمانیہ، خواجہ حمیدالدین شاہد، سابق لکچرر عثمانیہ یونیورسٹی، پنڈت راگھویندرارؤ جذبؔ عالمپوری نے نثر اور نظم میں اپنے زرین تاثرات رقم کیے ہیں۔[2]

سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات و کارنامے(1973ء):

صوفیائے دکن میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے بعد اگر کسی نے دل و دماغ کو متاثر کیا تو وہ حضرت امین الدین علی اعلیٰ بیجاپوری تھے جن کی شخصیت اپنی علمی، ادبی، روحانی اور سماجی خدمات کے باعث بڑی (DYNAMIC) تھی۔ ''حضرت امین الدین علی اعلیٰ حیات و خدمات'' اس موضوع پر ایک مستند و معتبر ماخذ ہے جس میں محقق و مصنف ڈاکٹر حسینی شاہد نے سات ابواب کے تحت نہایت مدلل اور بسیط گفتگو کی ہے۔

بابِ اوّل کے تحت حضرت امین الدین علی اعلیٰ کے عہد کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی پس منظر کو بیان کیا ہے جو صفحہ 21 سے شروع ہو کر صفحہ 34 پر ختم ہوتا ہے۔ بابِ دوم کے تحت حضرت امین الدین علی اعلیٰ بیجاپوری کے حالات اور خاندان سے بحث کی گئی ہے جو صفحہ 35 سے

---

[1] حالات پیر طریقت، صفحہ نمبر130-131، مرتب: حکیم فضل اللہ قادری، بموقع صد سال، عرس حضرت سیدالشیوخ، سنہ اشاعت1337ہجری

[2] تذکرہ اولیائے دکن، سید مراد علی طالعؔ، 1982عیسوی

شروع ہو کر صفحہ 159 پر ختم ہوتی ہے۔ بابِ سوم میں حضرت امین الدین علی اعلیٰ کے اس صوفیانہ مخصوص اجتہادی نظریہ کا بھی جائزہ لیا گیا ہے جو "پانچ عناصر پچیس گن" کا تصوف کہلاتا ہے اور صفحہ 160 سے 222 صفحہ تک پھیلا ہوا ہے۔ بابِ چہارم میں حضرت امین الدین علی اعلیٰ کی منظومات پر تحقیقی مباحث ہیں جس میں نقد و نظر کو بھی آزمایا گیا ہے جو صفحہ 223 سے لے کر 328 تک محیط ہے۔ بابِ پنجم میں حضرت امین الدین علی اعلیٰ کی تصانیف کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ یہ باب صفحہ 329 سے شروع ہو کر 476 صفحہ تک احاطہ کرتا ہے۔ بابِ ششم "مطالعۂ زبان" سے متعلق ہے۔ جو صفحہ 477 پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد کتابیات ہے۔ اس کتاب کا خصوصی امتیاز شجرے ہیں جنہیں مصنف نے بڑی محنت سے تلاش کر کے شامل کتاب کیا ہے۔[1]

600 سے زائد صفحات پر مشتمل اس کتاب سے دکن کے صوفیا پر تحقیق کرنے والے محققین بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

مقدس ٹیکمال(1985ء):

دکنی صوفیہ کے تذکرہ، علمی و سماجی خدمات کا ایک ماخذ "مقدس ٹیکمال" نامی کتاب ہے۔ "ٹیکمال" کا علاقہ دکن کی ریاست آندھرا پردیش کے ضلع میدک میں شامل تھا۔ ڈھائی سو سال پہلے صوفیہ کے قادری خانوادہ نے اس علاقہ کو اپنی اقامت گاہ کے طور پر اپنایا اور علمی و سماجی خدمات سے ایک انقلاب برپا کر دیا۔ یہاں کی مرکزی شخصیت حضرت سید صاحب حسینی قادری کی ولادت 1219 ہجری مطابق 1805 عیسوی اسی ٹیکمال میں ہوئی۔ آپ کے مرشد محترم حضرت شاہد اللہ قادری نے 1245ھ مطابق 1831 عیسوی آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ آپ مدرسہ حسینیہ کے بانی تھے۔ وزیر باتدبیر مختارالملک سر سالار جنگ مدارالمہام اوّل نے مدرسہ حسینیہ کی علمی خدمات سے متاثر ہو کر اپنے ایک فارسی مکتوب میں حضرت صاحب حسینی قادری کا نام لکھا تھا جس کی یہ عبارت بڑی اہم ہے۔

"دریں قحط الرجال، ایں قدر مردم باکمال از یک قصبۂ ٹیکمال بہم رسید موجب خوشنودی کمال است"[2]

آپ کے علم و فضل اور تجربہ کا اندازہ آپ کی تصنیفات (1) مثنوی شاہد اذکار (حضرت خواجہ بندہ نواز کی کتاب خاتمہ کی منظوم شرح) (2) شاہد الوجود (تنزلات، تعرجات، اذکار، اشغال) (3) شواہد حسینی (عقائد، فقہ، مسائل صوفیہ، عبادات، خانوادہ ہائے طریقت) (4) نکات شاہد (شرح ارشاد شاہدی، حقیقت احدی و احمدی، سوالات و جوابات متعلقہ تصوف) (5) فرہنگ حسینی (ابجد و فارسی زبان، معیاری نصاب، فارسی (6) مکتوب حسینی وغیرہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

"مقدس ٹیکمال" مولانا سید شاہ اعظم علی صوفی قادری کی تاریخ پر مستند اور معتبر مآخذ و مصادر پر مشتمل یہ کتاب 12 ابواب پر مشتمل ہے۔ (1) ٹیکمال کا محل وقوع (2) خانوادہ غوث اعظم کی دو قریبی شاخیں (3) حضرت سید صاحب حسینی قادری (4) حضرت پیر شاہد اللہ قادری (5) حضرت سید صاحب حسینی کے کمالاتِ روحانی (6) سجادگان درگاہ شریف (7) حضرت سید صاحب حسینی قادری کی اولاد امجاد (8)

---

[1] امین الدین علی اعلیٰ حیات و خدمات، صفحہ 11-10، محقق ڈاکٹر حسینی شاہد، تاج پریس، ناشر، انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش حیدرآباد 1973ء

[2] مقدس ٹیکمال، صفحہ 119، مولفہ، مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری، ناشر درگاہ ٹیکمال ڈیولپمنٹ کمیٹی، عباد پریس حیدرآباد 1985ء

حضرت سید صاحب حسینی قادری کے دیگر خاندانی رشتہ دار، علماو پیرانِ طریقت (9) مقدس ٹیکمال کے مختلف ادوار (10) حیات نوٹیکمال (11) تعمیر و توسیع مساجد (12) عظمت اولیائے کرام۔ مؤلف نے قطعہ تاریخ اشاعت کا بھی استخراج کیا ہے۔

آیا جب تاریخ تالیف و طباعت کا خیال عیسوی ہجری کہا اعظمؔ نے ہر مصرع سال

بہ مکرم ذکر پاکیزہ "مقدس ٹیکمال" اولیاء اللہ کے فیضان کا ہے بحر کمال

1985ء　　　　1405ھ

تذکرہ محدث دکن (1413ھ):

محدث دکن ابوالحسنات حضرت سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری مجددی فرزند حضرت سید مظفر حسین شاہ (1292 ہجری 1876ء - 1384 ہجری 1964ء) کے مبارک احوال پر لکھی گئی ہے۔ 44 واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ محدث دکن سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم صوفی، علم و فضل میں یکتائے روزگار اور اپنی علمی و قلمی خدمات خصوصاً پچاس ہزار کے قریب احادیث نبوی پر مایہ ناز کتاب "زجاجۃ المصابیح (عربی) (پانچ جلد) کی بنیاد پر "محدث دکن" سے مشہور اور معروف ہیں۔ زجاجۃ المصابیح کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے:

"ایک ہزار سال سے حنفیوں کے کندھوں پر جو قرض تھا اُس کو اِس حیدرآبادی فاضل نے اُتارا ہے"۔[1]

"تذکرہ محدث دکن" کے بارے میں پروفیسر عبدالستار خاں داودزی (صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ یافتہ) تحریر کرتے ہیں:

660 چھ سو ساٹھ صفحات اور دو جلدوں پر محیط یہ تذکرہ نہ صرف حیدرآباد ہندوستان بلکہ عالم اسلامی کے ایک نامور عالم، فقیہ، محدث اور شیخ طریقت کا تذکرہ ہے۔ اس تذکرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ معاصرین میں عالم عرب کے نامور علما اور مؤلف تذکرہ کے اساتذہ کے بھی حالات درج ہیں۔ یہ تذکرہ چودھویں صدی ہجری کی علمی اور دینی تاریخ ہے"۔[2]

"تذکرہ محدث دکن" کو مصنف نے لسان الغیب حافظ شیرازی ایرانی کے ایک شعر پر ختم کیا ہے۔

از صد سخن پیرم یک نکتہ مرا یاد است　　　　عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

اُردو زبان میں لکھی گئی یہ کتاب دو مرتبہ شائع ہوئی۔ (اشاعت اول 1998ء اشاعت دوم 1999ء) ابتدائیہ مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی دہلوی نے اور پیش گفتار پروفیسر نثار احمد فاروقی، دہلی یونیورسٹی نے تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ یعقوب عمر، پروفیسر شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ نے تذکرہ محدث دکن کا قطعہ تاریخ فارسی کہا ہے۔

---

[1] تذکرہ محدث دکن، صفحہ 7، پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خان نقشبندی، داودزی، اسپیڈ پرنٹرس حیدرآباد، محرم 1419ھ 1998ء

[2] تذکرہ محدث دکن۔ از، پروفیسر عبدالستار خان داؤدزی، 1413ھ اسپیڈ پرنٹس سعید آباد، حیدرآباد۔ ہند، 2004 صفحہ 22

بر مرشد باکمال کردہ تحریر	مبسوط کتاب خاص برجستہ
ایں "تذکرہ محدث دکن" ای ہمدم	لاریب صحیفۂ بزرگ واعلیٰ
آمد ز دلم صدا بگو تاریخش	تالیف زرنگ وبے مثال وزیبا[1]

1413ھ

"عبداللہ" یہ کتاب دکن کے قادری سلسلہ کے عالم وصوفی حضرت مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ قادری کے تذکرے اور علمی وسماجی خدمات پر تحریر کی گئی ہے جو تصاویر کے ساتھ جملہ 660 صفحات پر ایک عظیم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف مولانا ابوالفیض محمد انوارالدین صدیقی بھی بلند پایہ عالم دین وصوفی ہیں۔ مصنف کے بیان کے مطابق:

"اس میں حضرت کی سیرت پیش کی گئی ہے۔ حضرت ہی کی سیرت ہے سیرت نگار انوارالدین کی سیرت نہیں"۔[2]

"حضرت علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ کو تصوف کے سلسلوں میں بیعت حاصل تھی جیسے طریقہ عالیہ قادریہ، چشتیہ نظامیہ، نقشبندیہ، اویسیہ ہرمیہ، جنیدیہ شاذلیہ، رفاعیہ، غزالیہ، قلندریہ، مجددیہ، اکبریہ، شاہ مداریہ، شطاریہ"۔[3]

حضرت بحرالعلوم کے خاندانی شجرے 20 صفحات پر تفصیل سے دیئے گئے ہیں۔ حضرت بحرالعلوم علامہ عبدالقدیر صدیقی، عالم، شاعر، مصنف، صوفی، ماہر تعلیم اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں شعبۂ دینیات کے صدر تھے۔ سبکدوش ہونے کے بعد جامعہ نظامیہ کے ناظم اعلیٰ بنائے گئے۔ کئی تصانیف آپ کی بار بار چھپ کر مقبول خاص وعام ہوچکی ہیں۔ عربی، فارسی، اُردو پر یکساں قدرت اور عبور رکھتے تھے۔ یہ عربی واُردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ "عبداللہ" صوفیہ دکن کے سلسلہ کا ایک قابل قدر اور لائق مطالعہ ماخذ ہے۔

معجم دکنیات (2020ء):

"معجم دکنیات" دو ضخیم جلدوں اور 800 سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے جس میں دکن کے صوفیا، ادبا، شعرا کے تذکرے کے ساتھ ان کی ادبی اور شعری تخلیقات اور مخطوطات کا بھی تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

معجم دکنیات میں جن صوفیہ کے حالات اور تصنیفات کا تحقیقی احاطہ کیا گیا ہے ان میں شاہ برہان الدین جانمؔ، شاہ ابوالحسن قربیؔ، باقر آگاہؔ، امین الدین علی اعلیٰؔ، حضرت بندہ نواز گیسودراز، باباشرف الدین سہروردی (585۔ 687 ہجری)، باباشہاب الدین، بابا فخرالدین، حضرت شاہ چراغ، حضرت سید نورالہدیٰ، حضرت میر مومن، حضرت سید حسین شاہ، شاہ زین الدین شبلی، حضرت سید بہبود علی شاہ، شاہ عبدالرزاق ثانی،

---

[1] تذکرہ محدث دکن، صفحہ 2

[2] مقدمہ، عبداللہ، صفحہ 6، محمد انوارالدین صدیقی، مطبوعہ ایمرالڈ پرنٹرس، ملے پلی، حیدرآباد۔ 2004

[3] عبداللہ، صفحہ 619، محمد انوارالدین صدیقی، مطبع ایمرالڈ پرنٹرس، ملے پلی، حیدرآباد 2004ء

صوفی سرمد کے مرید و خلیفہ حضرت سید خواجہ حسن برہنہ شاہ، حضرت شاہ راجو حسینی، شیخ محمد ابراہیم مخدوم جی، شیخ بدرالدین، مولانا اسد اللہ وجہی چشتی، میراں جی حسن خدانما، میراں یعقوب، حضرت نواب الدین عابدؔ شاہ اور ان صوفیہ کی نثری و شعری تصانیف اور مخطوطات کا تذکرہ کیا ہے۔

''معجم دکنیات'' کے مصنف پروفیسر محمد علی اثرؔ ہیں جو دکن، دکنیات کی نقد و تحقیق، مخطوطہ شناسی، شعر گوئی کا ایک معتبر، مستند حوالہ اور ماخذ کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد علی اثرؔ 67 علمی، ادبی، شعری تحقیقی و قلمی کتابوں کے محقق و مصنف ہیں ان کی شخصیت و تحقیقی خدمات پر 14 کتابیں 1974ء تا 2013ء کے عرصہ میں لکھی گئیں۔ ''معجم دکنیات'' کو ڈاکٹر راحت سلطانہ نے مرتب اور شائع کیا ہے۔[1]

عہد آصف جاہی کے علما کی عربی خدمات (1426ہجری):

تذکرہ صوفیائے دکن کے مآخذ فارسی اُردو زبان کے علاوہ عربی زبان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ انہی مآخذ میں ایک کتاب ''علماء العربیۃ و مساهماتهم في الأدب العربي فالعهد الآصفجاهي'' ہے۔ جو ''مملکۃ النظام حیدرآباد۔ الھند سنۃ 1164 ، 1367ھ سے 1838 عیسوی عہد 1948 عیسوی کے علما و صوفیہ کی علمی و سماجی خدمات کا احاطہ کرتی ہے۔

کتاب کے نام سے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کتاب میں صرف دکن کے علما کی خدمات درج کی گئی ہیں لیکن کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں درج ذیل صوفیائے دکن کے تفصیلی حالات اور ان کی علمی و سماجی اور علمی خدمات بھی شامل کی گئی ہیں:

(1) الشیخ میر پرورش علی المعروف سید محمد بادشاہ حسینی (2) الشیخ ابوالرجاء محمد زمان خان شہید (3) الشیخ المفتی ابوالفضل سید محمود (4) الشیخ محمد صدیق الحسینی محبوب اللہ الحنفی ثم الحنبلی (5) مولانا عبدالقادر البکری الصدیقی (6) فضیلۃ الشیخ سید محمد عمر حسینی القادری (7) مولانا حسن الزماں الفاطمی (8) مولانا مظفر الدین المعلیٰ قادری (9) شیخ الاسلام العلامہ محمد انواراللہ الفاروقی القادری الچشتی (10) مولانا سید شاہ ندیم اللہ البختیاری (11) الشیخ المفتی سید مخدوم الحسنی الحسینی (12) مولانا عبدالمقتدر الصدیقی (13) الشیخ سید شاہ محمد الشطاری (14) مولانا شیخ سید شاہ وحید القادری الموسوی (15) محدث دکن الشیخ الکبیر ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ القادری النقشبندی (16) مولانا السید محمد بادشاہ الحسینی القادری (17) مولانا مفتی محمد رحیم الدین النظامی القادری (18) مولانا عبدالخالق الہندی الافغانی (19) العلامہ الاجل المحدث الکبیر مولانا ابوالوفاء الافغانی النظامی (20) الشیخ حبیب عبداللہ بن احمد المدیحج الحضرمی النظامی (21) شیخ الحکیم سید شاہ حیدر الحسینی (22) العلامہ الشیخ سید ابراہیم رضوی القادری (23) مولانا محمود عبدالصبور الصدیقی۔[2]

---

[1] معجم دکنیات' از: ڈاکٹر محمد علی اثرؔ، زیر اہتمام: الانصار پبلیکیشنز، حیدرآباد۔ 2020ء

[2] علماء العربيه ومساهماتهم في الأدب العربي في العهد الآصفجاهي، الباب الثاني: حياة العلماء ومساهماتهم، ص 533,534، بروفيسور الدكتور محمد سلطان محي الدين النظامي أستاذ و رئيس القسم العربي بالجامعة العثمانية السابق، مطبوعة أبو الوفاء الأفغاني، جامعة نظامية حيدرآباد 1426ھ۔ 2005ء

استقبال تجلیات(1438ہجری):

"استقبال تجلیات" نامی تحقیقی کتاب میں خانوادہ حضرت محبوب اللہ خُلقؔ (1263ھ تا1313ھ) کے تحت 18 صوفیہ کے تذکرے اور ان کی علمی و سماجی خدمات کا ایک جامع اور تاریخی مجموعہ ہے۔مصنف نے جو خود بھی اسی خانودہ کے چشم وچراغ ہیں اور تذکرہ نویسی، شعر و شاعری، تاریخ گوئی کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔"استقبال تجلیات" کو سات ابواب اور550 صفحات میں قلمبند کیا ہے۔

پہلےؔ باب میں حضرت خواجہ محبوب اللہ خلقؔ(1263ھ 1313ھ) کی علمی، شعری و سماجی خدمات، دوسرےؔ باب میں حضرت خواجہ محبوب اللہ کے تاریخی، سیاسی، سماجی، ادبی پس منظر، تیسرے باب میں حضرت خواجہ محبوب اللہ خلقؔ کی شخصیت، انفرادی پہلوؤں اور کارناموں اور اُردو شاعری کا تفصیلی احاطہ، چوتھےؔ باب کے تحت حضرت کے برادران حضرت سید محمد احمد علی حسینی لائقؔ(1271ھ 1331ھ) کی تصنیف "راہِ عقبیٰ"، حضرت سید محمود حسینی ہنرؔ(1280ھ 1338ھ) پر تاثیر (مجموعہ کلام)، حضرت سید محمد عمر علی حسینی خلیقؔ(1282ھ 1330ھ) کی تصانیف، رہبر طریقت، تفسیر قادری، تصریف قادری، تحفہ فاروقیہ، رسالہ در علم منطق، رسالہ وجیزہ (مخطوطہ)، فرائض قادری، انتخاب کلام خلیقؔ، آداب ذکر، کلمہ ذکر، صحیفہ معرفت، مصطلحات تصوف، لمعات معرفت، پانچویںؔ باب میں حضرت خواجہ محبوب اللہ کے تین صاحبزادوں، چھٹویںؔ باب میں حضرت خواجہ محبوب اللہ کے دو بھانجوں، ساتویںؔ اور آخری باب میں حضرت سید خواجہ محبوب اللہ خلقؔ کے خانوادے کی علمی، تحقیقی اور سماجی خدمات کا ذکر ہے اوران کا موضوع واری عمومی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مصنف ڈاکٹر سید غوث علی سعید احمد حنبلی نے کتاب اور متعلقات کتاب پر کئی تاریخی مادوں کا استخراج کیا ہے۔ محی اکیڈمی حیدرآباد کے زیر اہتمام اس کتاب کی نشر و اشاعت ریاض مدینہ پبلی کیشنز، قاضی پورہ، مطبع انوار گرافکس عمل میں آئی۔

*****

کتابیات:

1۔ اُردو مخطوطات، اسٹیٹ سنٹرل لائبریری، (کتب خانہ آصفیہ)، مرتب: نصیر الدین ہاشمی۔ حیدرآباد، آندھراپردیش۔1961ء

2۔ استقبال تجلیات۔ڈاکٹر سید غوث علی سعید احمد حنبلی، ریاض مدینہ پبلی کیشنز، مطبع انوار گرافکس، حیدرآباد۔1438ہجری2017ء

3۔ حضرت امین الدین علی اعلیٰ حیات وخدمات۔ڈاکٹر حسینی شاہد، ناشر انجمن ترقی اُردو آندھراپردیش، 1973ء

4۔ انوار العاشقین۔مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی، مجلس اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد، 1331ہجری

5۔ بحر رحمت۔(مخطوطہ)از: ابوسعید والاؔ، مخزونہ مولانا عبداللہ پاشاہ نظامی رحمت آباد، 1241ہجری

6۔ پنج گنج۔ا، حضرت سید شاہ فاضل بیابانی، طبع اوّل، درگاہ قاضی پیٹ، ورنگل، تلنگانہ، 1190ہجری

7۔ تاریخ خورشید جاہی(مخطوطہ)، مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، مشروح حصہ دوم، 1284ہجری

8۔ تاریخ دکن۔عبدالعلیم نصراللہ خان خیشگی، سنہ اشاعت 1296ہجری، تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی، مشہور آفسیٹ پریس کراچی، 1961ء

9۔ تاریخ قندہار دکن۔از، منشی محمد امیر حمزہ قندہاری، امانت پریس حیدرآباد دکن۔1321ہجری

10۔ تاریخ گلزار آصفیہ۔از، خواجہ غلام حسین خان، مطبوعہ، مطبع محمدی، مدراس، 1308ہجری

11۔ تاریخ واقعات مملکت بیجاپور۔از، محمد بشیر الدین، طبع اوّل، مطبع مفید عام، آگرہ، 1915 عیسوی

12۔ تذکرہ اولیائے دکن، از، سید مراد علی طالعؔ، مینار بک ڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد۔1972 عیسوی

13۔ تذکرہ سادات، از، حضرت سید شاہ ناصر الدین علی قادری، 1363 ہجری

14۔ تذکر الشاہد (مخطوطہ)، از، منوہر علی خاکپاؔ، مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، کتاب نمبر 775 جدید۔1279 ہجری

15۔ تذکرہ محدث دکن۔از: ڈاکٹر محمد عبدالستار خان داؤدزی، اسپیڈ پرنٹس حیدرآباد 1419ھ 1998ء

16۔ ثمرہ حیات سلطان الحکماء۔از: حکیم محمد وزیر علی خان۔ مطبع گلزار دکن، 1305 ہجری

17۔ حالات پیر طریقت، از، حکیم فضل اللہ قادری، شیخ الاسلام لئیق اکیڈمی، قادری چمن، 1371 ہجری

18۔ حیات قاسمی۔از: محمد قدرت اللہ خان جاگیر دار۔ طبع اول، کل ہند مرکزی مجلس چشتیہ حیدرآباد، 1330 ہجری/1912ء

19۔ حیدرآبادی خانقاہوں میں فارسی کی ترویج۔از، ڈاکٹر سید شاہ عبدالرحمن قادری، مقالہ ایم فل شعبۂ فارسی، مانو حیدرآباد،

20۔ حیدرآباد ماضی کے جھروکوں میں۔از: خواجہ معین الدین عزمی، عائش آفسیٹ پرنٹرس، 1426 ہجری۔

21۔ سوانح دکن (مخطوطہ) از، منعم خاں ہمدانی، نسخہ کتب خانہ آصفیہ اندراج نمبر 604 فن تاریخ، 1197ھ

22۔ شرف الانساب، از مولانا سید غوث محی الدین رضوی القادری، مطبوعہ شمس الاسلام پریس حیدرآباد 1332ھ

23۔ عبداللہ۔ محمد انوارالدین صدیقی، ایمبر الڈ پرنٹرس، ملے پلی حیدرآباد۔2004ء

24۔ عقیدۃ الطالبین، ڈاز، شاہ محمد نظام الدین قادری، مطبع یوسفی حیدرآباد دکن، 1181 ہجری

25۔ علماء العربیہ ومساہماتہم فی الادب العربی فی العہد الآصفجاہیہ۔پروفیسر محمد سلطان محی الدین نظامی۔ مطبع ابوالوفاء افغانی جامعہ نظامیہ، 2005ء

26۔ فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ۔مرتب: سید تصدق حسین کنتوری، دارالطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن۔1357ھ

27۔ لطائف اللطیف۔از: مولانا سید غلام علی قادری الموسوی۔اسپیڈ پرنٹس سعید آباد۔ معارف اسلامیہ ٹرسٹ۔1921ء

28۔ محبت نامہ۔ملفوظ از: حضرت گنج بخش، 825 ہجری

29۔ محدث دکن کے اہل سلسلہ اور اُن کے معاصرین کی ادبی خدمات۔ڈاکٹر سید فاروق محی الدین، مقالہ ڈاکٹریٹ، 2014 عیسوی

30۔ محامد حمادیہ (حالات سید شاہ غلام محمد شاہ قادری عباسی ہاشمی)، از، سید محمد برہان الدین خاں بہادر، 1298 ہجری

31۔ مختصر حالات شاہ۔ حضرت سید محی الدین قادری، قاضی پورہ، باہتمام اراکین مجلس استقبالیہ جشن صد سالہ 1376ھ

32۔ مخزن العرفان۔ حضرت شاہ کمال چشتی۔ طبع اوّل، بزم شہ میر تلوپور، ضلع اننت پور۔1331 ہجری

33۔ مشکوٰۃ النبوۃ۔غلام علی قادری الموسوی۔ مخزونہ کتب خانہ مولانا سید شاہ فضل اللہ قادری الموسوی سجادہ نشین 1219 ہجری

34۔ مشاہیر قندہار دکن۔از: پروفیسر اکبر الدین صدیقی۔جامعہ عثمانیہ، 1355 ہجری

35۔ مشائخ حیدرآباد کی اُردو خدمات آزادی کے بعد۔ڈاکٹر عاصم ریشماں، زوم پرنٹرس، حیدرآباد۔2017ء

36۔ معجم دکنیات۔از: پروفیسر محمد علی اثرؔ۔زیر اہتمام، الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر حیدرآباد۔2020ء

37۔ مقدس ٹیکمال۔ مولانا قاضی سید اعظم علی صوفی۔ عماد پریس، چھتہ بازار حیدرآباد۔1985ء

خانقاہِ شجاعیہ کی دینی، علمی اور فلاحی خدمات

سید شاہ ابراہیم قادری*

دکن کے علاقہ میں مسلمانوں کی آمد 1294ء میں ہوئی لیکن باقاعدہ مستقل قیام محمد تغلق شاہ کے عہد 725 ہجری مطابق 1322ء میں ہوا۔ حسن بہمنی کے خاندان نے تقریباً دو سو برس تک حکومت کی۔ پندرہویں صدی عیسوی کے آخری بہمنی حکومت کا سورج غروب ہو گیا اور قطب شاہی سلاطین نے گولکنڈہ کے تاریخی مقام سے اپنی حکومت 1687 عیسوی تک نازک حالات میں بھی باقی رکھا۔ 1098 ہجری 1687 عیسوی میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے گولکنڈہ کو مسخر کیا اور ابوالحسن تاناشاہ کو مقید کر لیا۔ مغلیہ دور کے آخری دور میں نواب میر قمر الدین علی خاں نے دکن میں خود مختاری کا اعلان کیا اور آصف جاہ اول کہلائے۔ آصف جاہ دوم سے آصف جاہ ششم تک دکن مختلف نشیب و فراز سے گذرا لیکن آصف جاہ ہفتم نواب میر عثمان علی خاں بہادر نے حیدرآباد دکن کو رشک بغداد بنا دیا۔ بقول ڈاکٹر فاروق شکیلؔ حیدرآباد دکن نے:

اپنے بانی کی دعا سے وہ ثمر پایا ہے   شہر دہلی کو بھی اس شہر پہ رشک آیا ہے[1]

دکن کی ایسی ہی زندہ فعال اور تاریخ ساز خانقاہوں میں ''خانقاہ شجاعیہ'' کا شمار ہوتا ہے جو گذشتہ 250 سال سے علم و فن کے فروغ اور عوامی و سماجی خدمات کا طویل ریکارڈ رکھتی ہے۔ خانقاہ شجاعیہ کی مرکزی شخصیت قطب الہند حافظ حضرت میر شجاع الدین حسین ہیں جن کے پاس انفاس اور یاد حق و یافت حق کی روحانی تحریک ان کے جانشینوں اور نائبین کی عشق کی انگیٹھی کو حرارت بخشتی رہتی ہے۔ قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کی با مقصد حیات اور پُر فیض خدمات کے شواہد نے دکن کی تاریخوں اور تذکروں کو زینت بخشی ہے، متعدد مورخین نے اپنی تصانیف و تالیفات میں آپ کے تذکرۂ جمیل سے اپنے اوراق کو وقار بخشا ہے اور تاریخی حقیقت کے ساتھ اپنی عقیدت کے چراغ بھی روشن کیے ہیں۔

حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کی ولادت باب دکن کہلانے والے شہر برہان پور ریاست مدھیہ پردیش 1191 ہجری میں ہوئی۔ کسی ملک علاقہ شہر کی تاریخ اور کسی بلند پایہ شخصیت کے تذکرے اور خدمات کے پس منظر روایات واقعات یا مشاہدات کے ضمن میں درج معلومات کے تجزیہ کے ساتھ شعور و ادراک کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کی حیات خدمات کے مطالعہ میں تاریخی حقائق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

''تاریخ گلزار آصفیہ'' کے بیان کے مطابق:

---

* سجادہ نشین حضرت شہید الاسلام، خانقاہ شجاعیہ، رتھ خانہ، چارمینار، حیدرآباد

[1] عزمی، خواجہ معین الدین (مرتب)۔ *حیدرآباد ماضی کے جھروکوں میں*۔ صفحہ 472۔ عائش پریس، حیدرآباد، 1426ھ / 2005ء

"حضرت (میر شجاع الدین حسین) سادات علوی حسینی سے ہیں حضرت خواجہ احمد یسوی قدس اللہ سرہ العزیز کی اولاد سے ہیں اور حضرت میر جلال الدین علیہ الرحمہ آپ کے جد اعلیٰ ہیں۔ میر جلال الدین جنت آشیانی جلال الدین محمد اکبر شاہ کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور وہاں کے قاضی مقرر ہوئے آپ کی پانچویں پشت کے پوتے سید محمد دائم 14 سال کی عمر میں قاضی مقرر ہوئے۔" [1]

تذکرہ قاریان ہند کے مصنف لکھتے ہیں:

"میر شجاع الدین حسین کریم اللہ کی ولادت برہان پور میں 1191 ہجری میں ہوئی آپ کی والدہ خواجہ صدیق المعروف بہمیر غلام محی الدین کی دختر تھیں۔ والد کا انتقال 1192 ہجری میں ہوا جبکہ آپ کی عمر ایک سال تھی نانا نے پرورش کی انہی کی سرپرستی میں ابتدائی تعلیم ہوئی۔ مگر ان کا انتقال بھی 1206 ہجری میں ہو گیا۔ والدہ نے تعلیم جاری رکھی 17۔18 سال کی عمر میں حج کے لیے روانہ ہوئے مگر زاد راہ کچھ نہ تھا بڑی مشکل سے سفر کیا کئی سال عرب میں گذارے حفظ کی تکمیل کیساتھ قرأت سبعہ سکھیں۔ 1215 ہجری میں برہان پور واپس ہوئے۔ 1216 ہجری میں حیدرآباد تشریف لائے نواب فتح اللہ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ انہوں نے نواب محمد فخر الدین خاں شمس الامراء سے حضرت کا تذکرہ کیا۔ ملاقات کے بعد پچاس روپے منصب مقرر ہوئے۔ حضرت نے حیدرآباد میں نواب عزت یار خاں المعروف بہ محی الدین سے حدیث کی سند لی۔ میر شجاع الدین حسین صاحب نے جامع جامع مسجد قدیم حیدرآباد میں درس کا سلسلہ شروع کیا، آپ قراءت سبعہ کے ایسے جید عالم تھے جس روایت میں سے شروع کرتے اسی پر ختم کر دیتے۔ حیدرآباد کا پہلا حفظ کا مدرسہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے ہی جاری کیا۔ [2]

محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن 1004 ہجری کے مطابق حضرت میر شجاع الدین حسین ابتدائے شعور میں نانا کی توجہ سے حفظ قرآن و مختصر نحو و صرف مسائل دینیات سے فارغ ہو چکے تو علمائے برہان پور کی خدمت میں تحصیل علوم کرنے لگے۔

مولوی عبد الجبار خاں صوفی ملکاپوری کی تحریر کے مطابق:" علم تجوید بے نظیر، ہفت قرأت کے اصول و فروع سے واقف تھے قرآن شریف عمدہ لہجے میں قرأت سے پڑھتے تھے آپ کی توجہ سے اکثر لوگ حافظ قرآن ہوئے۔" [3]

قاری کرنل بسم اللہ بیگ نے اپنی مستند کتاب' تذکرہ قاریان ہند' میں ہندوستان بھر کے قاریوں کے کمالات اور خدمات کا تفصیلی تذکرہ سنہ وار پیش کیا ہے اور تجوید و قرأت کے فروغ میں دکن کے علاقہ کی خدمات کا تجزیہ کرتے ہوئے تجوید و قرأت کے 1210

---

[1] خاں، غلام حسین۔ تاریخ گلزارِ آصفیہ۔ صفحہ 20۔ طبع اول، سندِ طباعت، 1308ھ

[2] بیگ، قاری بسم اللہ۔ تذکرۂ قاریانِ ہند۔ صفحات 202–203۔ مطبع آرام باغ، کراچی، 1970ء۔

[3] صوفی ملکاپوری، عبد الجبار خاں۔ محبوبِ ذی المنن: تذکرۂ اولیائے دکن، جلدِ دوم۔ صفحہ 1005۔ مطبوعہ 2001ء

ہجری تا 1300 ہجری دور دوازدہم کو شجاعیہ سے موسوم کرتے ہوئے حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری اور حضرت شاہ شجاع الدین برہانپوری ثم حیدرآبادی کو مرکزی شخصیتیں قرار دیا ہے۔ [1]

حضرت میر شجاع الدین حسین قادری نے شوق تحصیل علم باطن میں قندہار (دکن) کا قصد فرمایا اور پیر روشن ضمیر حضرت مولانا شاہ رفیع الدین قندہاری کی خدمت میں چھ مہینے تک اکتساب سلوک و ریاضات وغیرہ میں مشغول رہے اور خرقہ خلافت حاصل ہونے کے بعد حیدرآباد واپس ہوئے۔[2]

حضرت میر شجاع الدین حسین قادری نے عبادات کی ادائیگی وظائف کی تکمیل اور روحانیت کے فروغ کے علاوہ حیدرآباد دکن کی قدیم جامع مسجد کو اپنا مرکز علمی و عوامی قرار دیا۔ قاضی امیر اللہ فاروقی کے تحریری حاشیہ کے مطابق: "سلطان محمد قطب شاہ بن ابو المظفر ابراہیم قطب شاہ کے وقت جامع مسجد چارمینار، پل کٹہ دار الشفاء حمائم چہار کمان اور بہت سے عمارات کی بنا شروع ہوگئی۔" [3]

جامع مسجد چارمینار (جو اب مسجد شجاعیہ سے معروف ہے) کے تقدس اور مقصد تعمیر کو بحال کرتے ہوئے اولین مدرسہ دینیہ کی بنیادوں کو مستحکم کیا اور نواب منیر الملک نے حضرت کی منظوری سے مدرسہ کے حجرے تعمیر کرادیئے، ان حجروں کی تعمیر سے جہاں ایک طرف طلبہ کو سہولت فراہم ہوگئی وہیں آپ کے مریدین کو بھی نہایت آرام ہوگیا۔ حضرت میر شجاع الدین حسین کے والد بزرگوار کے خواب میں مسجد برہان پور کے روشن چراغ کی بشارت اصل میں جامع مسجد بلدہ حیدرآباد سے متعلق تھی کہ آپ نے اس زمانہ تک یعنی 1258ھ تک اس جامع مسجد سے شاہراہ طریقت کے ہزاروں چراغ منور کیے۔[4]

واضح رہے کہ کتاب" تاریخ گلزار آصفیہ (فارسی) کا مخطوطہ 1260 ہجری میں مصنف خواجہ غلام حسین خاں کے ہاتھوں اختتام کو پہنچا، میر احمد علی موسوم نے اس نسخہ کی تصحیح تنصیح کے ساتھ اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔ یہ کتاب حضرت میر شجاع الدین حسین کے تذکرے اور خدمات کا ایک اہم ماخذ ہے۔

حضرت میر شجاع الدین حسین قادری رفاعی نے جن جلیل القدر اور جید شیوخ واساتذہ ذیشان کی خدمت وصحبت میں گذاری تھی اس نے ایسے اثرات اور قابلیت کا مظہر بنادیا جس کا ذکر تاریخ برہان پور، تاریخ گلزار آصفیہ، تذکرہ اولیائے دکن کاماثر دکن مناقب شجاعیہ میں درج ہے۔ حضرت کیفی نے دکن میں اس وقت علم دوستی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

جب محمد نے بسایا حیدرآباد دکن   در سنین حفظ از روئے جمل کروحساب

---

[1]تذکرہ قاریان ہند، صفحہ 202

[2]فاروقی، مولانا قاضی محمد امیر اللہ۔ مناقبِ شجاعیہ۔ صفحہ 72۔ اشاعتِ اوّل: 1307ھ؛ اشاعتِ دوم: 1434ھ۔ بہ اہتمام سید شاہ عبید اللہ قادری آصف پاشاہ، خانقاہ شجاعیہ، حیدرآباد۔

[3]مناقب شجاعیہ صفحہ 74، از تاریخ طفرہ، مطبوعہ 1307 ہجری اشاعت اول

[4]تاریخ گلزار آصفیہ، صفحہ 210

کیسے کیسے تھے دکن میں قدردان علم و فن | لوگ کیا کیا جمع ہوتے تھے فضیلت انتساب
مُلّا فتح الدین شیرازی، حبیب اللہ شاہ | شفیع علم اور محدث، جن کا علامہ خطاب
اور علامہ محمد امین ابن خاتون یا فقیہ | مولوی عبد الکریم اک ایک فرد لاجواب
مولوی حافظ شجاع الدین صاحب قادری | درسگاہیں ان سبھوں کی تھیں نہایت کا میاب[1]

حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کو عربی زبان پر کامل عبور تھا۔ نظم ونثر بے تکلف لکھتے تھے۔ آپ کے متعدد خطبے عربی ہی میں ہیں جن سے آپ کی عربی ادبیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ ہر جمعہ کے لیے ایک مستقل خطبہ تحریر فرماتے جو فصیح و بلیغ اور پند ونصائح پر مشتمل ہوتا تھا۔ بہت سارے خطبات مرورزمانہ کی نذر ہوگئے۔ جو خطبے محفوظ رہ گئے وہ قلمی نسخوں کی شکل میں سجادہ نشین بارگاہ شجاعیہ کے پاس موجود تھے وہ صحت اعراب اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ محمد اقبال مجددی رقم طراز ہیں۔

"شیخ قندھار (شاہ رفیع الدین قندھاری) کے مریدین میں سے حافظ میر شجاع الدین حسین (1191۔1265ھ / 1777۔1848ء) قابل ذکر ہیں۔ حیدرآباد میں چارمینار کے قریب جامع مسجد انہیں کی آباد کی ہوئی ہے۔ ان کی عربی و فارسی اور اردو کی 15 تالیفات کے نام کا سراغ ملاہے۔ ان کے اکثر مرید بھی صاحب تصنیف گذرے ہیں ان میں سے فقیر اللہ شاہ حیدر نے اردو ادب میں اہم کتابیں یادگار چھوڑیں ہیں۔ (بحوالہ: حیدرآباد کی علمی و ادبی میراث 110۔112) دوسری شخصیت بدر الدین خاں رفعت جنگ تمیز صاحب دیوان مشاعرہ اور کئی کتابوں کے مولف تھے ان کی قابل ذکر کتاب 'وقائع معظمیہ' ہے جو آصف جاہی عہد کی تاریخ ہے۔ (الف 121۔123)"[2]

'مناقب شجاعیہ' میں قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کی حسب ذیل تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے۔

(1) جواہیر النظام (عربی) | (2) کشف الخلاصہ (اردو)
(3) رسالہ علم قرأت (اردو) | (4) رسالہ رؤیت (فارسی)
(5) رسالہ فوائد جماعت (فارسی) | (6) رسالہ جبر وقدر (فارسی)
(7) رسالہ سماع (فارسی) | (8) رسالہ احتلام (فارسی)
(9) سلوک قادریہ ونقشبندیہ (فارسی) | (10) مناجات ختم قرآن (منظوم عربی)
(11) خطبات جمعہ (عربی منظوم وغیر منظوم) | (12) غزلیات (فارسی)

---

[1] تذکرہ قاریان ہند، صفحہ 207

[2] مجددی، پروفیسر محمد اقبال۔ تذکرۂ علماء ومشائخ پاکستان وہند، جلدِ دوم۔ صفحہ 1139۔ پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور، 2013ء۔

(13)معماتِ فارسی (14)مکتوبات و قصائد (فارسی عربی)[1]

"سیرت شجاعیہ" کے مصنف نے حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کی مزید دو اردو تصانیف کا اضافہ ذکر کیا ہے۔

(1)شہادت نامہ (اردو) (2)ہدایت نامہ (اردو)[2]

قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کے سات رسائل حضرات قادریہ، رسالہ حضرات نقشبندیہ، رسالہ رویت، رسالہ فوائد جماعت، رسالہ جبر واختیار، رسالہ سماع، رسالہ خواب کو موجودہ سجادہ نشین بارگاہ شجاعیہ نے مع ترجمہ اردو طباعت سے آراستہ کیا۔[3] حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کی مناجات ختم قرآن مجید کی بھی طبع ثالث 1437 ہجری مطابق 2016ء عمل میں آئی۔ اس منظوم کتاب کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد سمیع اللہ خان نظامی سابق صدر مصحح دائرۃ المعارف العثمانیہ نے کیا۔

فارسی رسائل کا مطالعہ:

قبل ازیں بتایا گیا کہ قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری المتخلص فقیرؔ کے سات رسائل فارسی زبان میں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک رسالہ کا مختصر تعارف و مطالعہ پیش خدمت ہے۔

سلسلہ نشان	نام رسالہ	تفصیلات
1	رسالہ رؤیت	اس رسالہ میں حضرت نے رؤیت الٰہی کو جو روز محشر ہو گی کئی دلائل سے ثابت فرمایا ہے
2	رسالہ فوائد جماعت	اس رسالہ میں جماعت سے نماز ادا کرنے کے فوائد و فضائل عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیے گئے ہیں اس
3	رسالہ جبر و قدر	اسلامی عقائد میں ایک اہم عقیدہ مسئلہ جبر و قدر کا ہے اس نازک مسئلہ پر حضرت مصنف نے تسلیم و رضا کے حوالہ سے نہایت عمیق مطالب اور مفاہیم قاری کتاب کے ذہن نشین فرما دیئے ہیں۔
4	رسالہ سماع	اس رسالے میں حضرت مصنف نے شرعی شرائط کے ساتھ سماع کی ایسی توضیح فرمائی ہے جو حکمت و بصیرت سے معمور ہے۔ اس میں سماع کی ضرورت، اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔
5	رسالہ احتلام	اس رسالے کی تصنیف کا محرک وہ سوال بنا جو حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کے ایک مرید

[1] مناقب شجاعیہ، صفحہ 77 تا 118

[2] شجاع الدین ثانی، مولانا سید شاہ۔ سیرتِ شجاعیہ۔ صفحہ 104۔ لمعان پرنٹرس، چھتہ بازار، حیدرآباد، 1443ھ / 2022ء۔

[3] قادری، میر شجاع الدین حسین۔ مجموعۂ رسائل۔ صفحہ 4۔ جامع و مرتب: سید شاہ عبید اللہ قادری آصف پاشاہ۔ مطبع لمعان پرنٹرس، چھتہ بازار، حیدرآباد، 2022ء۔

		نے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ خواب میں محسوس کی جانے والی خوشی، غم، تکلیف یا راحت کے آثار بیداری میں ظاہر کیوں نہیں ہوتے، جبکہ احتلام کی حالت میں اس کا اثر بیداری میں بھی قائم رہتا ہے اور غسل واجب ہوتا ہے۔ حضرت نے اسی نکتہ پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔
6	رسالہ سلوک قادریہ	فارسی زبان میں سلسلہ قادریہ کے طریقہ ہائے ذکر میں تصنیف کیا گیا ہے اس میں حضرت نے اپنے مخدوم و مطاع حضرت سیدنا شاہ محمد رفیع الدین قندھاری قدس سرہ کے طریقہ ذکر کو بیان کیا ہے۔
7	سلوک نقشبندیہ	یہ رسالہ طریقہ سلوک حضرات نقشبندیہ کے اذکار و اشغال میں ہے۔ اس رسالہ میں ذکر قلبی کا طریقہ، لطیفہ روحی، لطیفہ نفسی، لطیفہ سری، لطیفہ خفی لطیفہ اخفی وغیرہ لطائف کی خصوصیات کو سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیمات کے حوالہ سے واضح فرمایا ہے۔ نیز ولایت عامہ، ولایت خواص، ولایت خواص الخواص، ولایت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی وجہ تسمیہ اور ان کی کیفیات کو بھی بیان کیا ہے۔ اس رسالہ کا اردو ترجمہ بھی سیرت شجاعیہ کے مولف نے شامل کتاب کیا ہے۔ 1
8	کشف الخلاصہ	اس تصنیف نے عالمی شہرت حاصل کی۔ یہ حضرت کی وہ مایہ ناز منظوم تصنیف ہے جو فقہ حنفی کے مسائل میں نظم کی گئی ہے۔ اور اپنی مقبولیت کی بنیاد پر متعدد مرتبہ زیور طباعت سے مرصع اور مزین ہو چکی ہے۔
9	رسالہ علم قرأت	آپ کو قرآنی علوم کے حصول و فروغ کا والہانہ شغف تھا آپ علم تجوید کے جید عالم تھے۔ اس رسالہ کی آپ نے قدیم طریقہ کے مطابق منظوم تصنیف فرمایا جس میں تجوید کے قواعد کو آپ نے بیان فرمایا ہے۔
10	مناجات ختم قرآن مجید	آپ کی وہ مناجات ہے جو آپ نے ختم قرآن مجید کے ضمن میں تصنیف فرمائی ہے۔ عربی زبان میں لکھی گئی یہ قرآن مجید کی 114 سورتوں کے اسماء مبارکہ کو 151 اشعار میں منظوم کیا گیا ہے۔ 1437 ہجری مطابق 2016ء اس کی طبع ثالث کا اہتمام سید شاہ عبید اللہ قادری سجادہ نشین بارگاہ شجاعیہ وخانقاہ شجاعیہ حیدرآباد نے ترجمہ کے ساتھ کیا ہے۔
11	مکتوبات و قصائد	یہ ایک عربی کا قصیدہ ہے جسے نظم فرما کر اپنے معاصر صوفی و عالم حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی خدمت میں ہمراہ مکتوب ملفوف فرمایا۔ سیرت شجاعیہ کے مولف کے بقول حضرت محدث دہلوی

[1] سیرت شجاعیہ، صفحہ 84

		نے اس قصیدہ کی بے حد مدح و ثناء کی ہے۔ 16 اشعار پر مبنی عربی قصیدہ کی منظوم تحسین حضرت محدث دہلوی نے اس اشعار پر نظر فرمائی ہے۔ رأیتہ حسب حالي في ندامتہ مِنَ اِلتيِ ذُنُوبًا کوَضُوَی أوکعَسُقَلان لعلَّ صاحبَہ بالکشفِ فاہَ بِہِ حتی أتی بأمورٍ طابَقَتُ شَانِي[1] مزید بر آں، آپ نے مولانا حکیم غلام حسین صاحب شیخُ الھند اور نواب غلام رسول خاں، والیِ کرنول، کے نام متعدد پند و نصائح پر مشتمل خطوط صادر ہوئے۔ یہ خطوط نہ صرف آپ کے فارسی زبان و ادب پر گہرے رسوخ کا مظہر ہیں بلکہ آپ کے فکری وقار اور علمی بصیرت کے بھی آئینہ دار ہیں
12	فارسی غزلیات	حضرت والا کو جس طرح فارسی نثر پر قدرت کاملہ حاصل تھی اسی طرح آپ کو فارسی نظم پر بھی عبور حاصل تھا آپ کا فارسی کلام لسانی صناعت، فنی نزاکت، جمالیاتی حسن اور روحانی گہرائی کے امتزاج کا بہترین نمونہ ہے جس کے بنظر غائر مطالعہ سے آپ کی بلند خیالی لطیف بیانی گنج معانی محبت ربانی محسوسات ایقانی سبھی کھل کر سامنے آتے ہیں۔ آپ کے فارسی کلام سے منتخب غزلیات کے اشعار یہاں نظر قارئین ہیں: فارسی غزل حال دل ہر کہ بود واقف دل میداند کیف کہ دل بہ دل از حال دل آگاھاند گرچہ از راز چمن وصل تو بس گریانم درنَما باغ مراد تو خدا خنداند صوفیانہ غزل بہ کسے نیست التجا مارا بس بود در دل دوا مارا بخیالات خویش مشغولیم ہست تا خویش مشغلہا مارا

[1] سیرت شجاعیہ، صفحہ 104

کوچہ گردیم و گرد کوچہ شدیم تا بکویت برد ھوا مارا بچہ ارزد جہان بچشم فقیرؔ دولت فقر شد عطا مارا[1] عارفانہ کلام بدل ہو اے تو دامِ بسر ہوائے تو بس ز نعمت دو جہانم بجان ولائے تو بس بسینہ داغ وفایت جو لالہ دائیماد بکمل دید نہ غم دیدہاکپائے تو بس دلم زمسجد و میخانہ ہے رخ تو گرفت بسجدہ گاہ من ابروی دلکشائے تو بس زہجر و وصل بگویم سخن کہ بے ادبیست چو عہد عشق تو بستم مرا رضائے تو بس منم فقیرؔ ندارم ہوائے حشمت و جاہ جز آنکہ از کرمت خوانیم گدائے تو بس[2]		

قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کے دور سے لے کر آج تک بھی خانقاہ شجاعیہ گنگا جمنی تہذیب کا گہوارہ ہے۔ اور مسلموں اور غیر مسلموں کیلیے اپنے دروازے کھلے رکھتی ہے۔ جس سے دین اسلام کا تعارف اور غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کے لیے ہمدردی کا جذبہ اور مشرف بہ اسلام ہونے کا ذریعہ رہا۔ اس کی مثال راجہ سنبوپرشاد (وزیر خزانہ سلطنت آصفیہ) راجہ چندولعل ممتیا کمندان اور صاحبو کمندان کا دین اسلام میں داخل ہونا شامل ہے۔ مناقب شجاعیہ میں مولانا محمد امیر اللہ فاروقی نے لکھا ہے:

"تیسری برکت یوں ہوئی کہ صاحبو کمندان جو کہ ایک ہزار فوج کا افسر تھا اور چند روز بعد 200 آدمیوں کے ساتھ حضرت قدس سرہ کے ہاتھ پر اسلام لایا ان کا نام صاحب حسین رکھا۔ جب یہ تین بڑے بڑے ذی مرتبہ مسلمان ہوئے تو کئی اشخاصبھی مسلمان ہونے لگے۔ جس سے بلدہ میں اسلامی یہ پہلی ترقی کا باعث ہوا"[3]

قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری جو دکن میں حفظ قرآن کے مدرسہ و میلاد خوانی کے بانی ہیں نے مدرسہ شجاعیہ کے ذریعہ تعلیمی بیداری تحریک آج سے 200 سال قبل بپا کی تھی اس کے دیرپا و دوررس اثرات کے نتیجہ میں دکن کی خانقاہوں اور نسل در نسل اس فیضیابی کا سلسلہ باقی و جاری و ساری ہے۔

---

[1] ایضاً، صفحہ 101

[2] قادری، سید عبد الرحمن حسن۔ حیدرآبادی خانقاہوں میں فارسی کی ترویج۔ صفحہ *191* ۔ شعبۂ فارسی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد، 2014ء۔

[3] مناقب شجاعیہ صفحہ 137

قطبُ الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کے صاحبزادۂ گرامی، حضرت حافظ میر عبد اللہ قادری شہید (متوفی 1250ھ)، علم و فضل اور تقویٰ وطہارت میں اپنے والد کے حقیقی جانشین تھے۔ آپ کے دو نبیر گان، حضرت حافظ میر محمد دائم اور حضرت میر محمد قائم، نیز ایک نبیری حضرت عوض بیگم صاحبہ سب کے سب حافظِ قرآن تھے اور تجوید و قراءت کے علوم سے آراستہ و مزین تھے۔

حضرت میر شجاع الدین کی نبیری کا نکاح آپ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا میر پرورش علی حسینی (المعروف سید بادشاہ حسینی، وفات: 1286ھ / 1869ء) سے ہوا۔ انہی بزرگ کے توسط سے حیدرآباد دکن میں علومِ قرآنی کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔

خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ ساتھ آپ کی نبیری کے چار صاحبزاد گان اور ایک صاحبزادی نے بھی علم و عرفان کے فیضان کو عام کیا۔

ان عہد ساز، علم دوست اور روحانی بزرگان نے تاریخِ دکن کی جبین پر اپنے گہرے علمی و روحانی نقوش ثبت کیے۔

چار فرزندان اور ایک دختر یہ ہیں:

1- حضرت حافظ سید محمد صدیق حسینی المعروف خواجہ محبوب اللہ (وفات: 1313ھ / 1896ء)

2- حضرت حافظ سید احمد علی شاہ (وفات: 1331ھ)

3- حضرت حافظ سید محمود مکی (وفات: 1338ھ)

4- حضرت حافظ سید عمر حسینی (وفات: 1330ھ)

5- حضرت انور بیگم صاحبہ (اہلیہ محمد عبد القادر صدیقی، وفات: 1329ھ)—جو بحرُ العلوم حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ (وفات: 1381ھ) کی والدۂ ماجدہ تھیں۔

قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کا علمی و روحانی فیض دکن کی متعدد خانقاہوں، جیسے خانقاہِ قاضی پورہ، خانقاہِ قادری چمن، خانقاہِ صدیق گلشن اور خانقاہِ مرقدِ عشاق تک پھیلا۔ اسی فیضان کا نتیجہ تفسیرِ کشف القلوب (تفسیرِ قادری) ہے جو حضرت سید عمر حسینی قادری اور سید محمد بادشاہ حسینی کی علمی کاوشوں کا مظہر ہے، جبکہ تفسیرِ صدیقی، جو خانقاہِ صدیق گلشن سے منسوب ہے، قرآنی اذکار اور روحانی معارف کا آئینہ دار ہے۔

قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کی علمی خدمات میں آپ کے نبیرہ حضرت میر محمد دائم کے فرزند حضرت شجاع الدین ثانی کے نواسہ تاج القراء حضرت قاری شاہ محمد تاج الدین فاروقی (م 1406 ہجری) کا تذکرہ بھی ہو جاتا ہے جو اپنی قرآنی خدمات کے حوالہ سے خانقاہ شجاعیہ کا علمی نشان ہیں۔ جنھوں نے علم تجوید و قرأت پر ایک ایسی کتاب تصنیف کی جسے پڑھ کر ہزارہا افراد فیضیاب ہوئے اس کتاب کا تاریخی نام "اتالیق تجوید القرآن" ہے۔ اس کتاب کے نام سے اس کا سنہ تصنیف 1347 ہجری بر آمد ہوتا ہے۔

حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کے خانوادہ کی قلمی خدمات آپ کی صاحبزادی منسوب بہ حضرت سید عبد الکریم بدخشانی کی اولاد امجاد سے بھی ہوا۔ خاندان شطاریہ کے عالمانہ و صوفیانہ فرد فرید حضرت سید شیخن احمد شطاری اورنگ آبادی سے ہوا جن کے دو

فرزندوں حضرت حافظ سید غلام غوث شطاری (1381 ہجری) والد گرامی قدر حضرت کامل شطاری متوفی 1396 ہجری) حضرت سید محمد علی شطاری شامل ہیں۔

قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کے بارے میں تاریخ دکن کے مصنف مولانا نصر اللہ خان خیشگی بیان کرتے ہیں۔

"میں نے معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ آپ (حضرت میر شجاع الدین حسین قادری) یہاں (حیدرآباد دکن) کے اوتاد میں سے تھے۔ باطنی طور پر یہاں کے صاحب خدمت تھے۔ 1265 ہجری میں آپ کی وفات ہوئی اور مادہ تاریخ وصال گنبد کے مغربی دروازہ پر کندہ ہے یہ ہے"۔

فارسی: شجاع الدین مرشد قطب عالم

1265ھ[1]

قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کی حیات، واقعات، کرامات، علمی سماجی خدمات پر دو تصانیف دستیاب ہیں۔

پہلی کتاب "مناقب شجاعیہ" ہے، جو 1107 ہجری میں لکھی گئی۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے جس میں حضرتکے پیران طریقت کا تذکرہ، مناقب واحوال واقعات و کرامات تصانیف و تالیفات کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ یہ کتاب دو مرتبہ شائع ہوئی پہلی مرتبہ 1107 ہجری، دوسری مرتبہ 1434 ہجری میں۔ اس کتاب کے ساتھ ایک رسالہ بھی ملحق ہے جس کا نام فوائد مفید ہے یہ بھی مولانا قاضی محمد امیر اللہ فاروقی کی تالیف ہے جس میں 41 روحانی عالمی صوفیہ کے سلسلوں کی تاریخ سال بہ سال بیان کی گئی ہے اور یہاں سلسلہ کی مختصر سوانح حیات بھی درج ہے۔

دوسری کتاب "سیرت شجاعیہ" کے نام سے ہے جو 152 صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب کو دکن قدیم تاریخی کتابوں جیسے گلزار آصفیہ، تاریخ برہان پور، تاریخ خورشید جاہی اور تذکرہ محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن سے استفادہ کرتے ہوئے مرتب کی گئی ہے۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کے شجرہ نسب، سلاسل قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، رفاعیہ۔ باب دوم میں آپ کی تصانیف، غزلیات و قصائد اور تیسرے باب میں کرامات و خرق عادات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ حضرت مولانا سید شجاع الدین ثانی قادری کی تالیف لطیف ہے جو خانقاہ شجاعیہ کے سجادہ نشین خامس ہیں۔

"خانقاہ شجاعیہ" چار مینار حیدرآباد کی تقریباً 250 سالہ تاریخی علمی سماجی خدمات کا پس منظر تواتر و تسلسل کا حامل ہے، جس کا مورخین نے بھی اعتراف کیا ہے قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قادری سے منسوب و موسوم اسی خانقاہ کے جانشینوں نے حضرت کی علمی و سماجی کو یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم سے جاری و ساری رکھا ہے۔

سجادگان خانقاہ شجاعیہ اس خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں بالترتیب حضرت مولانا سید شاہ دائم قادری، حضرت مولانا سید شاہ عبد اللہ

[1] خشیگی، نصر اللہ خاں۔ تاریخ دکن۔ سنہ طباعتِ اوّل (فارسی)، 1286ھ۔ مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ہند۔ اردو ترجمہ (مخطوطہ): صفحہ 296۔ از قلم مولانا محمد عقیل فاروقی جونپوری، بحوالہ حضرت سید نورالدین شاہ قمیصی، نامپلی، حیدرآباد۔

قادری ثانی، حضرت مولانا سید شاہ یٰسین شاہ صاحب قادری، حضرت مولانا سید شاہ غلام صمدانی صاحب قادری، حضرت مولانا سید شاہ شجاع الدین صاحب قادری۔ موجودہ سجادہ نشین سید شاہ عبید اللہ قادری المعروف بہ آصف پاشاہ۔ معمولات خانقاہ ذکر، حلقہ درس، دار العلوم شجاعیہ اور مواعظ حسنہ کے زائد از دو صدی قدیم افکار و اقدار کو حرز جان بنائے رکھا ہے۔ اور حضرت میر شجاع الدین حسین قادری کی نادر و نایاب تصانیف کی اشاعت و طباعت کے ساتھ ساتھ تصانیف، رسالہ فضائل رمضان، دل کی بیماریاں اور ان کا علاج، راحت القلوب، دینی تعلیمی نصاب، ہدایۃ السالکین، خصوصی کتاب بموقع 175 سالہ عرس کی تصنیف و ترتیب کا شرف حاصل کیا ہے۔ نیز راقم الحروف نے عقائد فضائل و اعمال اہل سنت و جماعت کو چالیس احادیث مبارکہ سے مدلل و مبرہن کیا ہے اس کتاب کا نام اربعین ہے۔ عصر حاضر کے جدید تقاضوں سے بھی خانقاہ عالیہ شجاعیہ کو آراستہ کیا گیا ہے۔

خانقاہِ شجاعیہ کی خدمات کا تعارف:

خانقاہِ شجاعیہ نہ صرف روحانیت و تصوف کا مرکز ہے بلکہ علمی، تعلیمی، سماجی اور فلاحی میدانوں میں بھی اپنی گراں قدر خدمات کے باعث ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ اس خانقاہ سے وابستہ متعدد ادارے اور تنظیمیں مختلف شعبۂ حیات میں خدمتِ خلق، تعلیم و تربیت اور شعورِ انسانیکی بیداری کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کی نمایاں خدمات حسبِ ذیل ہیں:

1۔ شجاعیہ ایجوکیشنل اینڈ میموریل سوسائٹی(Shujaiya Educational and Memorial Society) یہ ادارہ تعلیمی، فلاحی اور سماجی میدان میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ مختلف تعلیمی سرگرمیوں اور یادگاری پروگراموں کے انعقاد میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مقام: شجاعیہ کمپلیکس، چارمینار۔

2۔ شجاعیہ لائبریری (Shujaiya Library) علم و مطالعہ کے فروغ کے لیے قائم کردہ یہ لائبریری مختلف علمی، دینی و تاریخی کتب کا ذخیرہ رکھتی ہے۔ مقام: کوچہ شجاعیہ، چارمینار۔

3۔ شجاعیہ اسلامک ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر (Shujaiya Islamic Education and Research Centre) اسلامی تعلیمات اور تحقیقی سرگرمیوں کا مرکز ہے، جہاں دینی علوم کی تربیت دی جاتی ہے۔ مقام: شجاعیہ کمپلیکس، چارمینار۔

4۔ دارالعلوم شجاعیہ باہم تعاون اویسٹر اسکول (Darul Uloom Shujaiya Collaboration with OysterSchool) دینی و عصری تعلیم کو یکجا کرنے کی ایک کامیاب کوشش، جہاں خانقاہ شجاعیہ اور اویسٹر اسکول مل کر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مقام: خانقاہ شجاعیہ، چارمینار۔

5۔ انجمنِ خادمین شجاعیہ(Anjuman-e-Qadimeen-e-Shujaiya) یہ تنظیم خانقاہِ شجاعیہ سے وابستہ قدیم وابستگان اور خدمت گزاروں پر مشتمل ہے جو ادارے کے انتظامی و سماجی امور میں سرگرم ہیں۔

6۔ تعلیمِ بالغاں (Taleem-e-Balighan) بالغوں کے لیے تعلیمی پروگرام جس میں دینی و دنیاوی تعلیم کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ مقام: جامع مسجد شجاعیہ، چارمینار۔

7۔ طبی خدمات (Medical Awareness Camp) صحت عامہ کے شعور کو بیدار کرنے کے لیے مفت طبی کیمپ کا انعقاد۔ مقام: شجاعیہ ٹائمز بلڈنگ، چار مینار۔

8۔ قانونی امداد اور مشورہ (Legal Aid and Counselling Centre) قانونی رہنمائی اور نفسیاتی مشوروں کے لیے قائم کردہ ادارہ جو مفت خدمات مہیا کرتا ہے۔ مقام: شجاعیہ ٹائمز بلڈنگ، چار مینار۔

9۔ مدرسہ شجاعیہ برائے حفظِ قرآن (Madarsa-e-Shujaiya for Hifz Quran) قرآن مجید حفظ کرنے کے خواہشمند طلباء کے لیے مخصوص مدرسہ۔ مقام: عیدی بازار۔

10۔ ہفتہ وار اسلامی عملی تربیتی کیمپ (مرد حضرات کے لیے (Weekly Islamic Practical Camp for Gents) مرد حضرات کی دینی و اخلاقی تربیت کے لیے ہفتہ وار عملی تربیتی سیشن۔ مقام: خانقاہ شجاعیہ، چار مینار۔

11۔ ہفتہ وار اسلامی کیمپ (خواتین کے لیے(Weekly Islamic Camp for Ladies)

12۔ خواتین کے لیے دینی، اخلاقی اور سماجی شعور بیدار کرنے کی غرض سے منعقدہ ہفتہ وار تربیتی کیمپ۔ مقام: خانقاہ شجاعیہ، چار مینار۔

13۔ تعلیمی و سماجی خدمات اور برقی ذرائع www.shujaiya.com سے بھی افادہ و استفادہ کو عالمی سطح پر متعارف کیا جارہا ہے۔

14۔ دینی سمر کیپ ہر سال ماہ گرما میں منعقد ہوتا ہے۔ جس میں تمام عمر کے طلباء و طالبات کیلیے مفت ضروری دینی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کے ختم پر طباء و طالبات کی ہمت افزائی کیلیے انعامات و تحائف تقسیم کیے جاتے ہیں۔

15۔ ہفتہ واری انگریزی اخبار شجاعیہ ٹائیمس اور ماہانہ صدائے شجاعیہشائع ہوتا ہے۔ انگریزی دینی معلومات پر مبنی انگریزی اخبار شجاعیہ ٹائیمز اور صدائے شجاعیہ اردو ماہنامہ پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ جس میں علمی روحانی و سماجی مضامین لوگوں کی رہنمائی کیلیے ہوتے ہیں۔

*****

مصادر و مراجع

1۔ قادری، سید شاہ ابراہیم۔ اربعین فضائلِ اعمال اہلِ سنت و جماعت۔ خانقاہ حضرت سید عبد اللہ شہید، عیدی بازار، حیدرآباد، 2019۔

2۔ خیشگی، نصر اللہ خاں۔ تاریخ دکن۔ مطبع مسی نول کشور، لکھنؤ، 1286ھ۔

3۔ خاں، غلام حسین۔ تاریخ گلزارِ آصفیہ۔ تخلیق کار پبلیشر، 2018۔

4۔ مجددی، پروفیسر محمد اقبال۔ تذکرۂ علماء و مشائخ پاکستان و ہند، جلد دوم۔ پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور، 2013۔

5۔ بیگ، کرنل قاری بسم اللہ۔ تذکرۂ قاریانِ ہند۔ مطبع آرام باغ، کراچی، 1970۔

6۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ جبر و قدر۔ بحوالہ سیرتِ شجاعیہ، مولف مولانا سید شاہ شجاع الدین ثانی۔ انجمن خادمینِ شجاعیہ، حیدرآباد، 2022۔

7۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ جوہر النظام۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2022۔

8۔ عزمی، خواجہ معین الدین۔ حیدرآباد ماضی کے جھروکوں سے۔ عائش پریس، حیدرآباد، 1426ھ / 2005۔
9۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ خطباتِ جمعہ۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2008۔
10۔ قادری آصف پاشاہ، سید شاہ عبید اللہ۔ دل کی بیماریاں اور ان کا علاج۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2021۔
11۔ قادری آصف پاشاہ، سید شاہ عبید اللہ۔ دینی تعلیمی نصاب۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2019–2024۔
12۔ قادری آصف پاشاہ، سید شاہ عبید اللہ۔ راحت القلوب۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2014۔
13۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ رسالۂ احتلام (رسالۂ خواب (۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2022۔
14۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ رسالۂ رُویت۔ انجمن خادمینِ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2012۔
15۔ قادری آصف پاشاہ، سید شاہ عبید اللہ۔ رسالۂ فضائلِ رمضان۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2018۔
16۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ رسالۂ فوائدِ جماعت۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2022۔
17۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ رسالۂ سلوکِ قادریہ۔ شعبۂ نشر و اشاعت، انجمن خادمینِ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2022۔
18۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ رسالۂ سماع۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2022۔
19۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ رسالۂ سلوکِ نقشبندیہ۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 2022۔
20۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ رسالۂ علمِ قراءت۔ بحوالہ سیرتِ شجاعیہ، مولف مولانا سید شاہ شجاع الدین ثانی۔ لمعان پرنٹرس، حیدرآباد، 2022۔
21۔ قادری آصف پاشاہ، سید شاہ عبید اللہ، مرتب۔ سوینئیر (خصوصی شمارہ) بموقع 175 سالہ عرس حضرت میر شجاع الدین حسین قادری۔ خانقاہ شجاعیہ، حیدرآباد، 2019۔
22۔ شجاع الدین ثانی، مولانا سید۔ سیرتِ شجاعیہ۔ لمعان پرنٹرس، چھتہ بازار، حیدرآباد، 2022۔
23۔ قادری، سید شجاع الدین حسین۔ غزلیاتِ فارسی۔ بحوالہ مناقبِ شجاعیہ، مولف مولانا قاضی محمد امیر اللہ فاروقی۔ خانقاہ شجاعیہ، حیدرآباد، طبع اول 1307ھ۔
24۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ کشف الخلاصہ۔ بحوالہ مناقبِ شجاعیہ، مولف مولانا قاضی محمد امیر اللہ فاروقی۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، طبع اول 1307ھ۔
25۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ مکتوبات و قصائد۔ بحوالہ مناقبِ شجاعیہ، مولف مولانا قاضی محمد امیر اللہ فاروقی۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، 1307ھ۔
26۔ صوفی ملکاپوری، عبدالجبار خاں۔ محبوب ذی المنن: تذکرۂ اولیائے دکن، جلد دوم۔ 2001۔
27۔ قادری آصف پاشاہ، سید شاہ عبید اللہ، مرتب۔ مجموعۂ رسائل حضرت میر شجاع الدین حسین قادری۔ لمعان پرنٹرس، چھتہ بازار، حیدرآباد، 2022۔
28۔ قادری، میر شجاع الدین حسین۔ مناجاتِ ختمِ قرآن۔ اردو ترجمہ و اشاعت: سید شاہ عبید اللہ قادری آصف پاشاہ۔ خانقاہ شجاعیہ، حیدرآباد، طبع ثالث 1437ھ / 2016۔
29۔ فاروقی، مولانا قاضی محمد امیر اللہ۔ مناقبِ شجاعیہ۔ خانقاہ شجاعیہ، مطبع لمعان پرنٹرس، حیدرآباد، طبع دوم 1434ھ۔
30۔ قادری آصف پاشاہ، سید شاہ عبید اللہ۔ ہدایۃ السالکین۔ خانقاہ شجاعیہ، چار مینار، حیدرآباد، مطبع لمعان پرنٹرس، چھتہ بازار، 2014۔

خانقاہِ قادری چمن: ایک علمی، روحانی وفلاحی مرکز

ڈاکٹر سید علی حسینی قادری حنبلی علی پاشاہ*

خانقاہِ قادری چمن فلک نما حیدر آباد کے بانی حضرت سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری (1282ھ) ہیں۔ اس خانقاہ کی خدمت اُن کے فرزند حضرت شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق نے جاری رکھی۔ بعد میں خانوادۂ قادری چمن کے بزرگ بھی اسی مشن کے امین بنے۔ آج یہ خانقاہ علم وروحانیت کا ایک باوقار مرکز ہے۔ یہاں تعلیم وتربیت، اخلاق وتزکیہ اور خدمتِ خلق کے شعبے مسلسل فعال ہیں۔ عوام و خواص دونوں اس کے فیوض وبرکات سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ یہ مقالہ خانقاہِ قادری چمن کے سلف و خلف کیہی علمی، روحانی اور فلاحی خدمات کا مختصر تعارف پیش کرتا ہے۔

خانقاہِ قادری چمن: تعارف، محلِ وقوع اور سوانحی پس منظر

دکن میں سلسلۂ قادریہ کی تاریخ نہایت قدیم اور تابناک ہے۔ یہاں کے علمی وروحانی ماحول کو متعدد قادری بزرگوں نے اپنے قدومِ میمنت سے شرف بخشا اور اس خطے کو فیضانِ قادریت سے منور کیا۔ دکن کی اکثر خانقاہیں کسی نہ کسی درجے میں سلسلۂ قادریہ کے فیوض وبرکات سے مستفید رہیں۔ تاہم جن خانقاہوں نے خالص قادری رنگ میں اپنی شناخت قائم کی، ان میں خانقاہِ قادری چمن کا مقام نمایاں اور ممتاز ہے۔

چارمینار سے تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلے پر، فلک نما پیالیس کے بالمقابل واقع یہ خانقاہ دکن میں قادریت کا ایک عظیم مرکز ہے۔ یہ علمی، روحانی، دعوتی اور فلاحی سرگرمیوں کا منبع ہے، جہاں سے امیر وغریب، عالم وصوفی، مسلم وغیر مسلم سبھی نے یکساں فیض پایا۔ اس خانقاہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے علم کی شمعیں بھی روشن کیں، روحانیت کی روشنی بھی پھیلائی اور خدمتِ خلق میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ذیل میں اس خانقاہ کے بزرگوں اور ان کی علمی وسماجی خدمات پیش کی جارہی ہیں۔

1- شمس المفسرین سید الشیوخ حضرت سید محمد عمر حسینی قادری

حضرت سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری رحمۃُ اللہِ علیہ، خانقاہِ قادری چمن کے بانی اور دکن میں سلسلۂ قادریہ کے عظیم روحانی وعلمی پیشوا تھے۔ آپ کی ذات علم وعمل، زہد وتقویٰ، اخلاق اور خدمت خلق کا حسین امتزاج تھی۔ بچپن ہی سے آپ میں دینی ذوق اور روحانی شغف نمایاں تھا۔

علومِ ظاہری میں پختگی کے بعد آپ نے اہلِ اللہ کی پیروی کرتے ہوئے تصوف وسلوک کی راہ اختیار کی، اور یوں علومِ باطنی کے بحرِ ذخّار سے بھی فیض پایا۔ دراصل یہی ترتیبِ تربیت قادری سلسلے کا امتیاز ہے ـــ پہلے ظاہری علم کی تکمیل، پھر باطنی کمال کا سفر۔ علامہ ابنِ حجر مکی متوفی 974ھ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

---

*منتخب سجادہ نشین بارگاہِ قادری چمن، واعظ مکہ مسجد، حیدرآباد

"إن اللهَ تعالى يُفيضُ على أوليائه الذين أتْقَنُوْا الأحكامَ الظاهرةَ والأعمالَ الخالصةَ من مواقعِ الإلهامِ والتوفيقِ والأحوالِ والتحقيقِ ما يفوقُونَ به على مَنْ عَداهُمْ؛ فمَنْ ثبتَتْ له الولايةُ ثبتت له تلك العلومُ والمعارفُ، فما اتخذ اللهُ وليًّا جاهِلًابذلك، ولو فُرِضَ أنه اتخذهأي أَهَّله إلى أن يصير من أوليائه لَعَلّمَه .أي لَألهمه من المعارف"[1]

(اللہ تعالیٰ اپنے اُن اولیاء کو جو احکامِ ظاہری کے ماہر اور اعمالِ خالصہ کے پابند ہوتے ہیں، الہام، توفیق اور معرفتِ باطن کے انوار سے نوازتا ہے، جس سے کہ وہ لوگوں سے نمایاں اور ممتاز ہو جاتے ہیں، کیونکہ اللہ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا؛ اگر کسی کو اپناولی بناناچاہتاہے توپہلے اسے علم کی دولت سے نوازتا ہے۔)

حضرت سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری رحمۃُ اللہِ علیہ کی ذات ایسی پر نور اور بافیض تھی کہ جہاں آپ نے قدم رکھا، وہاں کی فضا بدل گئی۔ آپ کے فیضانِ نظر، اخلاص اور روحانی تاثیر نے ایک سنسان و ویران خطے کو ایسا مرکزِ سکون و رحمت بنا دیا جہاں لوگ پہلے دن میں جانے سے بھی ہچکچاتے تھے لیکن آپ کی مخلصانہ کاوشوں اور ربانی توجہ سے وہی مقام آج قلوب کی تسکین اور ارواح کی جِلا کا گہوارہ بن گیا۔ اسی حقیقت کو حضرت نے اپنے شعر میں نہایت خوبصورت پیرائے میں بیان فرمایا:

جس جا تھے خار مجمع اخیار ہو گیا　　　ہم "قادری،، چمن بھی ہمارا ہے قادری

مولانا اسماعیل ہزاری، مدرس جامعہ نظامیہ جو حضرت امام احمد بن حنبل کی نسل سے ایک متقی عالم تھے، جب پہلی مرتبہ قادری چمن تشریف لائے تو اسے دیکھ کر بے اختیار رونے لگے اور بار بار کہنے لگے کہ "یہ وہی جگہ ہے۔" انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے خواب میں رسولِ خدا ﷺ کو اسی مقام پر چہل قدمی فرماتے ہوئے دیکھا تھا، اور اسی مشاہدے کی بنا پر یہ آرزو رکھتے تھے کہ انہیں اسی سرزمین میں دفن کیا جائے۔ حضرت قبلہ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔[2]

حضرت سید الشیوخ رحمہ اللہ ایک ولی کامل، واعظ و خطیب، مرشد و مربی، مصنف و شاعر ہونے کے ساتھ ایک ماہرِ علومِ ظاہری و جید عالم دین رہے ہیں۔

ولادت اور ابتدائی نشو نما:

حضرت کی ولادت باسعادت شہر حیدر آباد کن کے محلہ قاضی پورہ میں بتاریخ 7 ربیع الثانی شریف 1282 ہجری میں ہوئی۔ حضرت کا نام نامی سید محمد عمر حسینی ہے۔ آپ سادات حسینی سے ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

سید عمر حسینی المعروف بہ " سید الشیوخ،، ابن سید محمد بادشاہ حسینی الملقب بہ رفعت پناہ ابن سید حیدر حسینی "سیادت پناہ،، ابن سید شاہ اولیاء

[1] الهيتمي، ابن حجر، الفتاوى الحديثية، بيروت: دار الفكر، ص 93

[2] قادری، حکیم محمد فضل اللہ۔ حالاتِ پیرِ طریقت۔ شیخ الاسلام لئیق اکیڈمی، حیدرآباد، صفحہ 92۔

الحسینی بن سید معین الدین الحسینی ابن سید محی الدین حسینی۔[1] یہاں سے سلسلہ نسب میں 20 واسطوں سے سید الشہداء سیدنا امام حسین علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ حضرت سید الشیوخ کے مورث اعلیٰ حضرت سید محی الدین حسینی رحمہ اللہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے آخر عہد میں بغداد شریف سے دیارِ ہند کا رخ فرمایا۔

حضرت سید الشیوخ چار سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ سایۂ پدری سر سے اُٹھالیا گیا۔ چار سال کی عمر میں ہی حج بیت اللہ وزیارت شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت حاصل ہوئی۔ واپسی کے بعد ابتدائی تعلیم گھر پر ہی والدہ محترمہ کے آغوش شفقت میں ہوتی ہے۔ بعد ازاں مدرسہ محبوبیہ میں شریک کرائے جاتے ہیں جہاں مولانا امیر احمد صاحب کوہاٹی سے صرف ونحو، ادب ومنطق وحدیث شریف وغیرہ پڑھا۔ آپ ابھی بارہ سال کی عمر کو بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ سایۂ مادری بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ پھر آپ کی تعلیم تربیت آپ کے برادر معظم حضرت خواجہ دکن سید شاہ محمد صدیق حسینی المعروف حضرت خواجہ محبوب اللہ کی زیر نگرانی ہوئی۔ اور حضرت ہی سے مختلف طریقوں اور سلسلوں میں بیعت وخلافت حاصل ہوئی۔ آپ خود کتاب ”رہبر طریقت،، میں ارشاد فرماتے ہیں ”: مجھے علومِ ظاہری میں اس خضر کی بدولت راہ ملی اور علوم باطنی میں بھی ان ہی کے ہاتھوں خلافت کی کلاہ ملی۔[2]

تعلیم وتدریس:

حضرت کے علمی اثرات اور تعلیمی خدمات کے بارے میں مولفِ "حالاتِ پیرِ طریقت" نے لکھا ہے کہ آپ روزانہ فجر کی نماز مسجد یسین صاحب اندرون دروازہ علی آباد میں ادا فرماتے۔ حلقہ ذکر ہوتا۔ ایک جماعت کو عربی کی تعلیم دی جاتی، ماہوار وہفتہ وار امتحان ہوتے۔ بعض دفعہ حضرت مولانا عبد القدیر صاحب صدیقی مد ظلہ بھی ممتحن رہتے۔ قرات وتجویدی کی تعلیم کے لیے بھی ایک جماعت تھی۔ آپ نے شاطبیہ کا ترجمہ اردو میں نظم فرمایا۔ تفسیر قرآن کریم کے دروس بھی ایک خاص ترتیب واہتمام سے دئے جاتے۔ آپ صحاح ستہ اور دیگر مستند کتب حدیث اور فن رجال واصول حدیث کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ علم فقہ میں فقہ حنفی وحنبلی وشافعی کی تعلیم کے لیے علحدہ جماعتیں تھیں۔[3]

آپ کی علمی جلالت کا اثر دکن میں ہی نہیں بلکہ ہند کے دوسرے علاقوں میں بھی تھا۔ امام احمد رضا خان فاضل بریلی نے آپکی علمی وروحانی شان کے سبب اپنے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں آپ کو بہت اصرار کے ساتھ مدعو فرمایا، حضرت نے عدیم الفرصتی کے عذر سے معافی چاہی اور جواب لکھ دیا۔ آخر میں فاضل بریلی نے دوبارہ اصرار سے لکھا کہ اس فقیر کو حضرت سے ملنے کی بہت آرزو ہے، یہ ایک دینی جلسہ ہے، براہ کرام زحمت گوارا فرما کر فقیر کو ممنون فرمایا جائے۔ امید کہ فقیر کے عریضے کا جواب بلحاظ کرم ہائے غوثیہ کبھی نفی میں نہ آئے گا۔ اس خط کے ملاحظہ کے بعد حضرت نے تھوڑی دیر آنکھیں بند فرمائیں اور مراقب ہوگئے۔ اس کے بعد مسکراتے ہوئے اپنے بعض خادموں سے

---

[1] طالع، سید مراد علی۔ تذکرۂ اولیائے حیدرآباد، حصہ چہارم، باب ششم، صفحہ 62۔

[2] حسینی لئیق، حضرت سید شاہ عمر۔ رہبر طریقت۔ شیخ الاسلام لئیق اکیڈمی، حیدرآباد، صفحہ: 11، 12۔

[3] حالات پیر طریقت، ص 81

جو وہاں حاضر تھے فرمایا کہ شاہ صاحب نے صرف ہم کو ہی نہیں لکھا بلکہ دربار غوثیہ سے بھی ہماری طلبی کی اجازت حاصل کرلی ہے۔ اس لیے اب شرکت ضروری ہے۔

بریلی پہنچنے پر مولانا شاہ حامد رضاخان صاحب نے معہ احباب اسٹیشن پر نہایت محبت و گرمجوشی سے پرتپاک استقبال کیا، اپنے ہمراہ مکان لے آئے۔ حضرت مولانا احمد رضاخاں صاحب نے نہایت خندہ پیشانی سے معانقہ فرمایا اور حضرت کا دست مبارک اپنے قلب پر رکھ لیا۔[1]

حضرت سید محمد عمر حسینی قادری کی تدریسی خدمات

حضرت قراءات و تجوید، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور دیگر اسلامی علوم وفنون کے ایک ماہر استاذ تھے۔ حضرت کے حلقۂ درس میں قراءتِ سبعہ کی تعلیم باقاعدہ دی جاتی تھی، اور طلبہ پورا قرآن کریم حضرت سیدنا امام عاصم کوفی، سیدنا شعبہ اور سیدنا حفص سمیت دیگر رواۃ کی قراءات کے مطابق سماعت و قراءات کی مشق کیا کرتے تھے۔ حضرت سید الشیوخ رحمۃُ اللہِ علیہ کے زیرِ تربیت قراءات و تجوید کے فن میں متعدد ممتاز علما و قراء نے تعلیم حاصل کی۔ ان میں بالخصوص مولانا سید عثمان حسینی قادری فائق، حضرت مولانا سید بندگی میاں قادری، حضرت مولانا حکیم سید محمد باقر حسینی قادری، حضرت مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی (صدر شعبۂ دینیات، جامعہ عثمانیہ) اور مولوی محمد عبدالقادر خاں قادری کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

اسی طرح حضرت ممدوح تفسیر قرآن کریم کے دروس کا بھی ایک خاص اہتمام فرماتے تھے۔ فن تفسیر میں جن مشاہیر نے آپ سے استفادہ کیا ان میں قابل ذکر مولانا قاری شیخ احمد صاحب استاذ جامعہ نظامیہ، مولانا شیخ محمد عبادی استاذ جامعہ نظامیہ ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ مکہ مسجد میں ایک رکوع تلاوت فرما کر اس کی تفسیر بھی بیان فرماتے تھے۔

آپ سے حدیث شریف کی تعلیم پانے والوں کی بھی ایک بڑی جماعت تھی جن کو صحاح ستہ اور دیگر مسانید کتب احادیث کی تعلیم کے علاوہ فن رجال، جرح و تعدیل، واُصول و درایت کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان میں قابل ذکر الحاج ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب قادری چشتی، مولوی محبوب بن سالمین صاحب قادری (جمعدار رسالہ جمعدار رسالہ حبوش) مولوی محمد بن سالم صاحب قادری، مولوی سید محمد عبد الجبار حسینی صاحب قادری اور حضرت کے بڑے صاحب زادے صاحب قبلہ ہیں۔

آپ نے تصوف کی تعلیم کے لیے "تاج العروس الحاوي لتهذيب النفوس" کو "رہبر طریقت" کے نام سے مسجع ومقفی عبارت میں بزبان اردو ترجمہ فرمایا تھا۔ اسی طرح "بہجۃ الاسرار" کا بھی اردو میں ترجمہ فرمایا تھا ان دونوں کتابوں کی تعلیم آپ دیا کرتے اور بعض اصحاب کو استعداد کے موافق "قوت القلوب"، "احیاء علوم الدین"، "فصوص الحکم" وغیرہ کی تعلیم بھی دیتے تھے۔[2]

آپ کو فقہ وافتا میں بھی مہارت حاصل تھی، اور آپ فقہ حنفی، فقہ حنبلی و شافعی کا درس دیا کرتے تھے جس میں طالبان علوم کی ایک جماعت شریک ہوا کرتی تھی۔ جن میں قابل ذکر مولانا میر اعظم علی صاحب مفتی بلدہ شائق، مولانا قاری شیخ احمد صاحب شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ، مولانا

---

[1] ایضاً ص 112-113

[2] حالات پیر طریقت ص:81-83

شیخ محمد عبادی صاحب شیخ فقہ شافعیہ، جامعہ نظامیہ اور مولانا حبیب محمد صاحب عید روس (صوبہ دار جمعیت نظام محبوب) شامل ہیں۔ علم الفرائض و تقسیم ترکہ جیسے اہم مسائل کے لیے ایک نہایت عام فہم سلیس و منظوم رسالہ "فرائض قادری،، کے نام سے تالیف فرمایا۔ یہ رسالہ عوام میں بھی بیحد مقبول ہوا۔ متعدد مرتبہ طبع واشاعت کی ضرورت داعی ہوئی۔ فقہ حنبلی پر بھی یک رسالہ تالیف فرمایا اور حنابلہ کو اسی سے تعلیم دی جاتی تھی، اُصول فقہ پر بھی خاص توجہ فرمائی جاتی تھی۔

درس و تدریس کے علاوہ آپ لوگوں کے خطوط، معروضے، تعبیر خواب کے جوابات کے علاوہ ملک کے طول و عرض سے آئے ہوئے استفتاء کے جوابات نہایت بروقت فرماتے۔ اضلاع کے برادرانِ طریقت کے استفتاء اور استفسارات کے جوابات ایک مستقل کام تھا۔ رسالہ تحفہ حنفیہ پٹنہ میں حضرت کے چند فتاوی بھی شائع ہوئے۔ رمضان 316اھ کے شمارے میں حدیث قدسی: "لولاک لما خلقت الأفلاک" کی صحت کے بارے میں سوال کا مدلل اور شافی جواب دیا۔ ذیقعدہ 316اھ کے شمارے میں وحدت الوجود، وحدت الشہود اور اہل قبلہ کو کافر کہنے والے کی بابت کیے گئے فارسی سوالات کا فارسی میں جواب دیا۔[1]

حضرت سید محمد عمر حسینی قادری کی تصنیفی خدمات

حضرت سید محمد عمر حسینی قادری نے علم و تحقیق کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ نے مختلف موضوعات پر بیش بہا کتب تحریر فرمائی جسکی تفصیل یہ ہے:

سلسلہ نمبر	نام کتاب	تفصیلات
1	تفسیرِ قادری	یہ معرکۃ الآرا تفسیر ہے جسکا تاریخی نام "تفسیر کشف القلوب" ہے، اسکا مطالعہ دل کی بند کھڑکیوں کو کھولنے والا ہے۔ حضرت سید الشیوخ رحمہ اللہ ہر جمعہ کو مکہ مسجد میں بعد نماز جمعہ تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ جس میں ہزاروں افراد شریک ہوتے اور مستفید ہوتے تھے۔ تفسیر کا یہ سلسلہ چودہ پاروں تک پہنچنے کے بعد شائقین کے مطالبات شروع ہوئے کہ اس تفسیر کو تحریر میں لایا جائے، چنانچہ سورہ بنی اسرائیل پندرھویں پارے سے باضابطہ تفسیر کی طباعت واشاعت کا کام 1319ھ میں شروع کیا گیا۔ اس تفسیر کا نام آپ نے تفسیرِ قادری رکھا جب کہ اس کا تاریخی نام "تفسیر کشف القلوب،، رکھا گیا۔ تفسیر کا یہ سلسلہ حضرت کے وصال یعنی 20صفر 1330ھ تک جاری رہا۔ اس وقت تک سورہ بنی اسرائیل تا سورہ فتح 2011 صفحات پر مشتمل تفسیر شائع ہو چکی تھی۔ ان کے وصال کے بعد تفسیر کے باقی کام کا بیڑہ آپ کے صاحبزادے حضرت سید محمد بادشاہ حسینی نے اٹھایا۔ اس تفسیر کے حصے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے

1 سعید، ڈاکٹر سید علی۔ *استقبالِ تجلیات*، ص238

		رہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1409ھ مطابق 1989ء میں حضرت سید الشیوخ سید عمر حسینی کے نبیرہ حضرت حبیب محمد عمر حسینی کی نگرانی میں شائع کیا گیا۔ جب کہ تیسرا ایڈیشن شیخ الاسلام لئیق اکیڈیمی قادری چمن نے صفر 1423ھ مطابق 2002ء میں کمپیوٹر کتابت کے ساتھ بعد تصحیح و تنقیح شائع کیا گیا۔
2	رہبر طریقت	حضرت تاج الدین ابن عطاء اللہ اسکندری المتوفی 707ھ کی مشہور کتاب "تاج العروس الحاوي لتھذیب النفوس" کا ترجمہ اُردو زبان میں سلیس و با محاورہ مسجع و مقفع عبارت میں فرمایا۔ یہ کتاب حیدر آباد کن میں اور دہلی کے مطبع مجتبائی میں بارہا طبع ہو کر شائع ہوئی ہے۔[1]
3	رسالۂ وجیزہ	یہ رسالہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مناقب پر مشتمل ہے، جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اور شیخ الاسلام اکیڈمی قادری چمن حیدرآباد میں مخطوطے کی شکل میں موجود ہے۔ اس میں حضرت عمر حسینی نے پہلے تو اختصاراً اہل بیت کے مناقب بیان کیے۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نواسوں کے مشترکہ فضائل بیان کیے اور آخر میں بطور خاص امام حسین کی فضیلتوں کا احاطہ کیا۔
4	تصریفِ قادری	یہ کتاب عربی کے قواعدِ صرف پر مشتمل ہے۔ اس کی تالیف کا مقصد اہل اردو کو عربی زبان سیکھنے کے دوران در پیش دشواریوں کو دور کرنا تھا۔ یہ کتاب اردو سے عربی سیکھنے والوں کے لیے نہایت کارآمد اور سہل الفہم ہے۔
5	فرائض القادری	علم المیراث پر ایک مثنوی بحر رمل (مسدس) میں مدون فرمائی، علم المیراث پر یہ ایک عام فہم اردو کتاب ہے۔ اس میں ترکہ سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں
6	تحفۂ فاروقیہ	حضرت کا ترتیب کردہ ایک رسالہ ہے جو ضلع بریلی شریف میں طبع ہوا ہے
7	رسالہ در علم منطق	حضرت عمر حسینی نے علم منطق میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے۔ طرز بیان شستہ اور آسان ہے۔
8	انتخابِ کلام خلیق	یہ حضرت خلیق کا مختصر مجموعہ کلام ہے۔ کتاب میں موجود تعارف اس طرح ہے
9	حضرت خلیق کے تراجم	حضرت خلیق کو ترجمہ نگاری پر بھی مہارت تھی۔ بیشتر عربی و فارسی رسالوں اور مضامین کا آپ نے اردو ترجمہ کیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے مضمون آدابِ ذکر اور حضرت شیخ عبدالکریم الجیلی کے مضمون کلمہ ذکر کا اردو ترجمہ کیا ہے
10	صحیفہ معرفت	اس کی ابتدا میں چند اشعار اور پھر وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مضمون ہے۔ اس کتاب کو آپ کے ایک مرید مرزا مظفر بیگ قادری نے شمس المطابع عثمان گنج حیدرآباد سے شائع کیا ہے۔

[1] حالات پیر طریقت: ص85

11	مصطلحات تصوف	حضرت خلیق کی یہ کتاب تصوف وصوفیہ کے پاس مروجہ اصطلاحات کے بیان میں ہے۔یہ کتاب ماہنامہ تحفہ حنفیہ پٹنہ میں قسط وار شائع ہو چکی ہے۔
12	لمعاتِ معرفت	یہ حضرت کے خطوط کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں آپ نے مختلف لوگوں کو لکھے تھے۔ آپ کے ایک مرید وخلیفہ جناب مولوی حاجی محمد عبد العزیز قادری نے 1331 میں اس کی اشاعت کا اہتمام کیا تھا، چنانچہ لمعاتِ معرفت اسکا تاریخی نام ہے جس سے 1331 بر آمد ہوتا ہے۔ فصلی تاریخ کے حساب سے اس کا تاریخی نام "مقالاتِ طریقت،، رکھا گیا۔ جس سے 1322ھ بر آمد ہوتا ہے [1]

حضرت سید محمد عمر حسینی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے فلاحی خدمات

حضرت سید الشیوخ کی سیرت کا نمایاں پہلو مخلوقِ خدا سے بے لوث محبت اور ان کی خدمت ہے۔ آپ نے اس نبوی تعلیم کو عملی رنگ دیا کہ "الخلق عیالُ اللہ، وأحبُّھم إلی اللہ أنفعھم لعیالہٖ"۔ اُس دور میں مسلمانوں کی معاشی حالت نہایت خستہ تھی، خصوصاً متوسط طبقہ سود کے جال میں پھنسا ہوا تھا۔ لوگ نیک ہونے کے باوجود سودی قرضوں کی وجہ سے شدید پریشانی میں مبتلا تھے؛ جائیدادیں بکتی تھیں، گھروں کے سامان اور زیورات تک ہراج ہو جاتے، اور کسی طرح نجات کی سبیل نظر نہ آتی تھی۔ اس سنگین صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے آپ نے ذی الحجہ 1310ھ میں "موئید الاخوان" یا "مجلسِ قرضہ حسنہ" کے نام سے ایک انجمن قائم فرمائی، جو تقریباً بیس برس تک آپ کی سرپرستی میں جاری رہی۔ ہزاروں افراد نے اس سے فائدہ اٹھایا۔[2] اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

قادری چمن کی زمین کی خریداری:

حضرت نے محسوس فرمایا کہ مسلمانوں کو مرنے کے بعد بھی چین سے دفن ہونا نصیب نہیں ہوتا۔ "تکیہ دار" زمین کے لیے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں اور طرح طرح سے پریشان کرتے ہیں۔ اس ضرورت کے پیش نظر آپ نے ایک اراضی قریب فلک نما موازی تقریباً بارہ ایکر پٹے پر لے کر اس کو قادری چمن کے نام سے موسوم فرمایا اور اس کے ایک حصہ کو برادرانِ طریقت کے لیے بلا معاوضہ دفن کے لے مخصوص فرمادیا۔

طغیانی رودِ موسی بابتہ 1908ء:

28 ستمبر 1908ء کو حیدرآباد میں خوفناک سیلاب آیا جس نے موسی ندی کے کنارے آباد محلّوں کو تباہ کر دیا۔ سینکڑوں مکانات منہدم ہوئے، ہزاروں افراد ہلاک و بے گھر ہو گئے اور کئی بچے یتیم اور خواتین بیوہ ہو کر بے سہارگی کا شکار ہوئے۔ اس شدید آفت کے وقت حضرت نے اپنے گھر کے دروازے ہر مذہب وملت کے لیے کھول دیے۔ مواصلات بند ہونے اور غلہ ناپید ہونے پر آپ نے پناہ گزینوں کے

[1] ایضاً، ص 225-228

[2] حالات پیر طریقت، ص 90

لیے رہائش، روزانہ بڑے پیمانے پر کھانے کا انتظام، بستر اور کپڑوں کی تقسیم سمیت ہر طرح کی مدد فراہم کی۔ رمضان کی موسلا دھار بارش میں روزے کے عالم میں خود طوفان زدہ علاقوں کا دورہ کرتے، زخمیوں کو بچاتے اور میتوں کو ملبے سے نکال کر تجہیز و تکفین کا انتظام کرتے۔ اسی دوران مولوی صبغت اللہ صاحب—جن کے سترہ اہلِ خانہ سیلاب میں جاں بحق ہوئے—کو آپ نے نہ صرف سہارا دیا بلکہ ان کی خواہش پر شوال ہی میں سفر مدینہ کا مکمل انتظام کر کے انہیں روضۂ نبوی ﷺ پہنچایا، جہاں وہ چند برس خدمتِ حرم کے بعد جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔[1]

امداد بزمانۂ طاعون:

بیسویں صدی کے اوائل میں حیدرآباد میں شدید طاعون پھیلا جس سے روزانہ سینکڑوں اموات ہو رہی تھیں۔ لوگ بیماری سے ناواقف ہونے کے باعث خوف میں مبتلا تھے، مریضوں اور میتوں کو چھوڑ کر بھاگ رہے تھے، غسال و گورکن میسر نہ تھے، نعشیں سڑنے لگتی تھیں اور مریض بے دوا و غذا مر رہے تھے۔ اس ہولناک صورتِ حال میں آپ نے بے مثال خدمتِ خلق کا مظاہرہ کیا: مریضوں کی خبر ملتے ہی خود پہنچتے، طبی امداد، غذا اور دلجوئی کا انتظام کرتے، ضرورت مندوں کی مالی مدد فرماتے۔ میت کی اطلاع ملتی تو بلا خوف غسل، کفن اور تدفین اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے؛ کاندھے سوج جاتے مگر خدمت جاری رہتی۔ متعدد مساجد میں تجہیز و تکفین کے مستقل انتظامات کیے، خدام اور تنخواہ یافتہ کارکن مقرر کیے، غریبوں کے لیے کفن دفن بلا معاوضہ کیا، حتیٰ کہ قادری چمن میں قبریں پہلے سے کھدوا کر رکھوائیں۔ برادرانِ طریق کو بھی خدمت کی خصوصی ہدایات تھیں، اور سب اپنی استطاعت کے مطابق مصروف تھے۔ آپ بارگاہِ الٰہی میں عاجزی سے دعا کرتے کہ یہ بلا ٹل جائے اور اپنی جان اللہ کے سپرد کرتے۔ آخر کار یہی پیش کش قبول ہوئی اور آپ مختصر علالت کے بعد وفات پا گئے۔[2]

حضرت سید محمد عمر حسینی قادری کی روحانی حیات

علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت سید محمد عمر حسینی قادری رحمۃُ اللہِ علیہ نے علمِ باطن اور سلوک و معرفت کی راہ اختیار کی۔ آپ کو اپنے برادرِ بزرگوار حضرت خواجۂ دکن سید شاہ محمد صدیق حسینی المعروف بہ خواجہ محبوبُ اللہ سے مختلف سلاسلِ طریقت میں بیعت و خلافت حاصل ہوئی، اور انہی کی زیرِ تربیت آپ نے منازلِ سلوک طے کر کے کمالاتِ روحانی میں بلند مقام حاصل کیا۔ آپ کا شجرہ طریقت عالیہ قادریہ (26) واسطوں سے حضور پیرانِ پیر تک پہنچتا ہے۔

آپ کی شخصیت بمصداقِ ارشادِ خداوندی: ﴿إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾۔ (الأنفال:34) (اللہ کے اولیا تو متقی ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے۔) تقویٰ و پاکیزگی کا پیکر تھی، آپ کی پابندی شریعت کے متعلق ہے کہ:

> آپ پابندی شریعت و اتباع سنت نبوی کا بہت خاص طور پر اہتمام فرماتے۔ کوئی بات خلاف شریعت اور خلاف سنت ہو تو آپ اس سے اجتناب فرماتے تھے، مجالسِ سماع میں بھی اگر قوال کوئی شعر خلاف شریعت گاتے تو

---

[1] ایضا، ص 93-94

[2] حالات پیر طریقت، ص 94-95

آپ یاتو ان کی فوری اصلاح فرمادیتے یا گانے سے ہی روک دیتے۔ آپ اپنے روزمرہ کاروبار، کھانے پینے، چلنے پھرنے، غرض ہر کام میں احکام خدا اور رسول پیش نظر رکھتے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف کا بکثرت ورد رہتا۔ اس لیے آپ پر احادیث کے فیوض کا غیر معمولی اثر تھا۔ کھانے میں نہایت حزم احتیاط فرماتے۔ اگر کسی کے ہاں دعوت ہو یا حصہ آئے اور معلوم ہوا کہ آمدنی مشتبہ ہے تو تناول سے اجتناب فرماتے۔[1]

حضرت سید الشیوخ رحمہ اللہ کے مجاہدات وریاضات:

حضرت کی پوری زندگی مجاہدہ وریاضت کا نمونہ تھی۔ اکثر طویل خلوت اختیار فرماتے، صوم وصال رکھتے اور کسی کو خلوت گاہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوتی۔ شب بیداری، تہجد، کثرتِ صوم و نوافل اور ذکر کی مداومت آپ کے معمولات تھے۔ صوم و جوع کے وہ مسلسل مجاہدات فرماتے جو عام انسانی طاقت سے بالا نظر آتے۔ قادری چمن کے کسی کمرے میں چالیس چالیس دن خلوت گزارتے اور کبھی صرف کھجور اور پانی سے افطار فرماتے۔ خلوت سے باہر آتے تو ضعف کے بجائے چہرے پر غیر معمولی نورانیت نمایاں ہوتی۔

آپ نے بابا شرف الدین صاحب کی پہاڑی اور گنبد شریف کی مسجد میں بھی چلے کیے، جن میں نہ ملاقات کا رواج تھا نہ گفتگو کا۔ خدام — مولانا علی رکن الدین احمد صاحب، مولانا سید عبد الجبار صاحب وغیرہ — صرف تحریری پرچیاں اندر بھجوا کر ضروری بات عرض کرتے اور جواب بھی اسی پر ملتا۔ ایک بار کھانا پیش کرنے کی اجازت کے اصرار پر صرف چپاتی، نمک لاہوری اور چٹنی لانے کی اجازت ملی، لیکن چالیس روز بعد تمام چپاتیاں جوں کی توں پڑی ملیں، کہ آپ نے کچھ تناول ہی نہ فرمایا۔[2]

حضرت مولانا سید محمود صفی اللہ حسینی وقار پاشاہ صاحب نے حضرت سید الشیوخ کے حیات و اعمال کے عنوان پر اپنے ایم فل کے مقالہ میں تحریر فرمایا:

> هٰذا الأمر واضح كوضوح النهارِ بأن العكوف على العبادات والرياضات الشاقة تفتقر إلى الحصول فى النفس المطمئنة، وذلك نرى فى حياة السيد عمر القادرى لأن حياته كلها عبارة عن الرياضات الشاقة وذلك مثلاً أنه كان معتادا بسهر الليالي والمجاهدة في كما اختار لنفسه شعارا بالتزهد وعدم الرغبة في الحياة الدنيا، وربما أنه أحيا الليل كله بإقامة صلاة التسبيح حتى صار مصداقابقائم الليل وصائم النهار ـ[3]

مراتب علمی وفیوضِ روحانی سے فائز المرام ہونے کے بعد آپ نے رشد وہدایت کا سلسلہ شروع فرمایا: چنانچہ کتاب " حالات پیر طریقت،، صفحہ 70 میں ہے:

حضرت کا طریقِ تعلیم وتربیت نہایت سادہ، دل نشیں اور اثر انگیز تھا۔ جو شخص ایک بار مجلس میں شریک ہوتا، آپ کا گرویدہ ہو جاتا، بلکہ

---

[1] ایضا، ص 70

[2] ایضاص 67-68

[3] باشا، د. سيد صفى الله وقار۔ *مولانا سيد عمر الحسينى القادرى وحياتُه*، ص 155

مذاق یا ایذا رسانی کی نیت سے آنے والے بھی متاثر ہو کر مرید بن جاتے۔ روزانہ مغرب کے بعد قاضی پورہ میں آپ کے گھر پر سلسلہ کے افراد جمع ہوتے، ذکرِ بالجہر اور مراقبہ ہوتا اور آپ ہر ایک کی کیفیت سن کر اس کی اصلاح فرماتے۔ خوابوں کی تعبیر میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی، اور مجلس عشاء کے بعد ختم ہوتی۔ یہ سلسلہ تقریباً سترہ برس جاری رہا۔

جمعہ کے دن مکہ مسجد میں وعظ کے بعد سامنے والی مسجد میں حلقۂ ذکر ہوتا جہاں نعت خوانی اور وجد آفریں کیفیت پیدا ہو جاتی۔ توجہ، اذکار اور مراقبہ کے اثر سے سالکین کی نفسانی خواہشات دب جاتیں اور ان میں احکامِ الٰہی پر استقامت پیدا ہوتی۔

حضرت سید الشیوخ کا حضور پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ سے راست ہدایات و توجہات کا رابطہ:

سفر عراق سفر حجاز سے واپسی کے بعد ربیع الاول 1321ھ میں آپ نے عراق کا قصد فرمایا۔ ایک روز حلقۂ ذکر کے بعد آنکھیں بند کر کے تھوڑی دیر خاموش تشریف فرما رہے اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ آج دربار غوثی سے یاد فرمائی ہوئی ہے اور آپ کی زبان مبارک پر یہ مصرعہ تھا۔

سوئے بغداد میرے شاہ بلاتے ہیں مجھے

اس طرح پر ایک مشاعرہ بمقام قادری چمن منعقد ہوا۔ حضرت کی غزل کے تین شعر بنظرِ اختصار درج ذیل ہیں۔

غیریت کچھ بھی نہیں صرف سمجھ کا ہے پھیر ۔۔۔ جب خودی مٹ گئی پھر خود نظر آتے ہیں مجھے

تجھ میں اس طرح فنا ہوں میرے رہبر مولا ۔۔۔ لوگ جب ڈھونڈتے ہیں تجھ کو تو پاتے ہیں مجھے

بھائیو آپ سے خادم نہ ہوتا کبھی دور ۔۔۔ سوئے بغداد میرے شاہ بلاتے ہیں مجھے[1]

اس مشاعرہ کے بعد ارشاد ہوا کہ جو جو اصحاب ساتھ چلنا چاہیں اپنا نام درج کروائیں تا کہ انتظامات میں سہولت ہو۔

جب حضرت معہ رفقا بغداد شریف حاضر ہوئے ہیں تو حضرت سید پیر ابراہیم صاحب قبلہ جیلانی قادری مدظلہ العالی نے اپنے ہاں مہمان رکھا اور حضرت نقیب الاشراف پیر سید عبد الرحمن صاحب قبلہ سجادہ نشین حضور غوث پاک نے اپنے ہاں مہمان رہنے پر اصرار فرمایا۔ آخر میں آپ نے اس طرح ہر دو حضرات کو راضی فرما لیا کہ کچھ رفقا حضرت نقیب صاحب قبلہ کے ہاں اور کچھ حضرت سید پیر ابراہیم صاحب قبلہ صاحب کے ہاں رہیں۔ ایک روز آپ ان ہر دو حضرات سے اجازت لے کر مواجہ عالی میں چلہ کش ہو گئے۔ مگر حضرت نقیب صاحب قبلہ کے اصرار کی بنا پر ایک ہفتہ میں چلہ کو ختم کرنا پڑا اور حضرت موصوف کے ہاں دعوت میں تشریف لے گئے۔ حضرت کو دیکھتے ہی حضرت نقیب صاحب قبلہ نے اپنے سینہ سے لپٹا لیا اور فرمانے لگے کہ "کتنا شدید تعلق خاطر حضرت غوث پاک کو آپ سے ہے"۔ اس سے پہلے مجھے اس کی خبر نہ تھی، بہت دیر تک اپنے مکاشفات بیان فرماتے رہے۔[2]

---

[1] حالات پیر طریقت، ص 100

[2] حالات پیر طریقت، صفحہ 102

حضرت سید الشیوخ رحمہ اللہ اور دعوت و تبلیغ دین

حضرت سید الشیوخ امت کے خیر خواہ واعظ و خطیب تھے۔ آپ کا وعظ علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق تھا:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　　پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

آپ کا وعظ ایک رسمی اور روایتی بیان نہ ہوتا بلکہ با مقصد اور پر کیف ہوتا۔ حسبِ مناسبت فضائل و مناقب کے بیان کے ساتھ اکثر آپ کا وعظ ترغیب و ترہیب، اطاعتِ خدا و اتباعِ سنت مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ، پابندیٔ صوم وصلوٰۃ،، ادائی حقوق اللہ و حقوق العباد ، اصلاحِ رسوم ورواج پر ہوتا۔

حضرت مولانا سید محمود صفی اللہ حسینی و قار پاشاہ صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

أن وعظہ یکون ساذجاوراسخافي أذھان المستمعین ومشتملا علی قولِ اللہ عزوجل و قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بألفاظ أخری إنہ قد وھب حیاتہ کلّھا للہ ورسولہ إذ أنہ لا یزال یُلْقِيُ خطاباتِہ الدینیۃَ بین الأمّۃ المسلمۃ التي تُرغّب في تقوی اللہ کمایدل علی ذلک انطباعات الناس عنہ۔[1]

آپ مختلف مناسبات سے جو مواعظ ارشاد فرماتے تھے ان کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے:

مواعظ مکہ مسجد:

مکہ مسجد میں بعد نماز جمعہ قرآن شریف کا ایک رکوع تلاوت فرما کر اس کی تفسیر بیان فرماتے تھے۔ حضرت کے وصال سے ایک ہفتہ قبل تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ ان مجالس میں تفسیر قرآن پاک کے ایسے لطائف و حقائق، نکات ودقائق بیان فرماتے کہ لوگ جوش سرشاری سے بے خود ہو جاتے۔ آپ چودہ (14) پاروں تک تفسیر بیان فرما چکے تھے کہ چوطرف سے اصرار شروع ہو گیا کہ جو کچھ ہر جمعہ وعظ ہوتا ہے اس کو ایک رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ مواعظ تفسیر قادری کے نام سے ایک ماہوار سالہ کی شکل میں 1319ھ سے شائع ہونے لگے۔ اس تفسیر قادری کا تاریخی نام کشف القلوب تجویز ہوا۔

مواعظ ربیع المنور:

پہلی سے بارہویں ربیع المنور تک روزانہ بعد نماز عصر تا مغرب اپنے دولت خانہ واقع محلہ قاضی پور میں وعظ فرماتے۔ اوائل دنوں میں سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حالات پاک واسوۂ حسنہ بیان فرماتے۔ اس کے بعد غزوات اور آخری روز میلاد شریف کا بیان ہوتا۔

مجلس میلاد شریف مکہ مسجد:

ربیع الاول شریف کی بارہویں شب مکہ مسجد میں ایک جلسہ منعقد فرما کر میلاد شریف کا بیان فرماتے۔ اس مجلس میلاد شریف کی بنیاد مکہ مسجد میں آپ ہی نے ڈالی جن کا سلسلہ آج تک بفضلہ تعالی جاری ہے۔

---

[1] مولانا سید عمر الحسيني حياته وخدماته، ص 73

مواعظِ ربیع الثانی:

پہلی ربیع الثانی سے گیارہ ربیع الثانی شریف تک اپنے دولت کدہ واقع محلہ قاضی پورہ میں بعد نماز عصر تا مغرب وعظ فرماتے۔ ان مجالس میں حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات، اقوال، ارشادات و مناقب، کرامات بیان فرماتے۔

مجالسِ عاشورہ شریف:

پہلی محرم سے نو محرم تک چاشت سے بارہ بجے تک اور دسویں محرم کو گیارہ بجے سے تقریبا 1 بجے تک ڈیوڑھی عبد اللہ صاحب بخشی واقع مغلپورہ میں واقعات کربلاو شہادت حضرت سیدنا امام ہمام علیہ السلام نہایت سوز و گداز اور رقت انگیز طریقہ سے بیان فرماتے۔[1]

حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے اصلاحی کارنامے

ولادت ووفات کے رسوم کی اصلاح، مجلس قرضہ حسنہ، انسداد لہو ولعب اور وقت نماز جمعہ بازار بند کرنے کی تحریکات آپ کی کوششوں کا حصہ ہیں۔

شادی بیاہ کے رسوم کی اصلاح:

شادی بیاہ کے رسوم جو زیادہ تر غیر اقوام کے میل ملاپ کا نتیجہ تھے۔ جس کی وجہ مسلمانوں کی اقتصادی و معاشی واخلاقی پستی روزافزوں ہورہی تھی۔ آپ نے شدت سے ایسے امور کی ممانعت فرمائی۔ اور عملا ایسی شادیوں میں شرکت سے انکار فرماتے۔

ولادت کے رسوم:

ولادت کے بعد چھٹی، چلہ، بوٹ چناؤں، دودھ چھڑائی، ختنہ، تسمیہ خوانی، روزہ کشائی کی تقریبیں اکثر بڑے پیمانہ پر نام ونمود کی خاطر سودی قرض لے کر منائی جاتی تھیں اور بے دریغ روپیہ ضائع کیا جاتا تھا۔ اگر کسی بات میں تساہل برتا جاتا وہ عقیقہ ہوتا۔ آپ نے اپنے حلقہ اثر میں ان غیر ضروری رسوم کے نہ کرنے کی شدت سے تاکید فرمائی اور عقیقہ مسنون کی تقریب پر زور دیا۔ چنانچہ بڑی حد تک ان رسوم کی اصلاح ہوگئی۔ اسی طرح لڑکوں اور مردوں کو سونے چاندی کے زیور اور ریشمی کپڑوں کے استعمال سے منع فرماتے۔ ٹخنوں سے نیچے پاجامے اور چوڑی دار پاجامہ بھی آپ کو ناپسند تھے۔ اپنے حلقہ اثر میں چاندی سونے کے برتنوں کے استعمال کو سختی سے روک دیا۔ اس زمانہ میں چاندی سونے کے پاندان، اگالدان، گلاس، کٹورے، پان کی ڈبیاں وغیرہ کا عام رواج تھا۔ گویا کہ یہ لوازمہ تہذیب اور اپنی شان و شوکت کے اظہار کے لیے ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ آپ کے منع فرمانے کی بدولت ہزاروں افراد نے ان کا استعمال ترک کردیا۔

میت کے رسوم:

اسی طرح موت پر بھی تجہیز و تکفین میں غیر اسلامی بہت مراسم انجام دیئے جاتے تھے۔ ان کی آپ نے اصلاح فرمائی۔[2]

---

[1] حالات پیر طریقت، ص 72-74

[2] ایضاً ص 88-89

الغرض، حضرت کی زندگی کے ہر گوشے میں علم کی روشنی، تصوف کی لطافت، اور خدمتِ خلق کی حرارت یکجا نظر آتی ہے۔ آپ کی شخصیت ایک بحرِ بے کراں تھی جس کے فیوض و معارف کا احاطہ ممکن نہیں۔ شاعر نے شاید ایسے ہی کامل انسان کے لیے کہا ہے:

لیس من اللہ بمُستنکرٍ أن یَجمعَ العالَمَ فِي واحدٍ

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

حضرت سید الشیوخ کا وصال:

آپ رحمہ اللہ نے وصال سے دو ہفتے قبل مکہ مسجد میں وعظ کے دوران صاف لفظوں میں پیشنگوئی کر دی تھی، انسان کی موت و حیات کا کوئی بھروسہ نہیں۔ گو اس وقت میں تندرست و توانا ہوں، ممکن ہے کہ اس کے بعد آپ کے سامنے بیان نہ کر سکوں۔ چنانچہ 15 صفر 1330ھ مطابق 1912ء روز دوشنبہ علالت شروع ہوگئی۔ 18 صفر کو بخار شدت اختیار کر گیا۔ اس وقت آپ نے تَرکہ کے متعلق کچھ ہدایتوں او رجانشینی وغیرہ جیسے اہم امور پر مشتمل وصیت لکھوا کر دستخط فرمایا۔

19 صفر بروز جمعہ فجر کی اذاں تک اللہ اللہ کہتے رہے اور اسی حالت میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ آپ کے انتقال پر جہاں ملک کی اکابر شخصیتوں نے تعزیتیں پیش کیں وہیں مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی نے بھی اپنی دستخط اور مہر کے ساتھ عربی زبان میں ایک تعزیتی قصیدہ (11) اشعار پر مشتمل روانہ فرمایا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

أَلا سقی اللہُ قبرا صوب غادیۃ وجاریا الجود جودا وھو ھَمّارُ

قبرا ثوی بثواب اللہ فیہ عمر معمور نور الھدی للدین عمارُ

بقدرۃ اللہ تمت قادریتہ فزادھا القدر والمقدار أقدارُ

قال الرضا آسفا في عام فرقتہ محمد عمر الفاروق شطارُ

(اللہ سبحانہ اس قبر کو صباحی بااِن رحمت سے سیراب فرمائے اور خوب کھل کر برسے کہ سیلاب بن جائے، وہ قبر جس میں عمر ہیں ثواب اللہ کی منزل ہے، عمر وہ ہیں جو نور ہدایت سے معمور اور دین کے معمار، اللہ کی قدرت کہ قادریت ان پر ختم تھی جس سے ان کی قدر اور شان تقدیروں سے اور بڑھی، رضا نے تاسف کے ساتھ ان کی تاریخ وصال یوں کہی (سید) عمر، فاروقِ زماں، قربِ الٰہی میں سبقت لے جانے والے ہیں)[1]

2- شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق رحمہ اللہ

حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کے بعد خانقاہِ قادری چمن کے علمی، روحانی، دعوتی فلاحی خدمات کا یہ سلسلہ رب کائنات نے حضرت کے فرزند کلاں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق رحمہ اللہ کے ذریعہ جاری وساری فرمایا۔ نعم البدل بہت

[1] حالات پیر طریقت، ص 130

کم ہوتے ہیں لیکن رب ذوالجلال نے حضرت شیخ الاسلام کو حضرت سید الشیوخ کا نعم البدل بنایا۔ حضرت شیخ الاسلام حضرت سید الشیوخ کا عکسِ جمیل اور پر تو و خلَفِ صادق تھے۔

حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ جامعہ نظامیہ کے فاضل، مکہ مسجد کے واعظ، مجلس علمائے دکن کے روح و رواں، علمی مسائل میں مسلمان دکن کے رہبر و پیشوا، شریعت کے ہادی، طریقت کے رہبر، علم و فضل میں جہاں اپنی نظیر آپ تھے ہیں، ذوق شعر و سخن میں بے نظیر تھے۔ لئیق تخلص فرماتے تھے، آپ کا کلام عشقِ رسول ﷺ، محبتِ اہل بیت اطہار، تعظیمِ صحابہ کرام وعقیدتِ پیران پیر غوث اعظم سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

مشکوٰۃِ نبوت کی ضیاء دیکھ رہا ہوں صدیقؓ میں، فاروقؓ میں عثمانؓ میں علیؓ میں
دیوانے ہیں جو کل سے جدا کرتے ہیں جز کو جو بات نبی(ﷺ) میں ہے وہی آلِ نبی(ﷺ) میں
ہر آن اضافہ ہے عنایاتِ نبی(ﷺ) میں بے فکر کیا جس نے لئیق اس کے میں قربان[1]

حضرت شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق حسینی سادات سے ہے۔ آپ حضرت مولانا سید الشیوخ خلیق قدس سرہ العزیز کے فرزند اکبر ہیں۔ آپ 17 ذوالقعدہ 1317ھ کو اپنے آبائی مکان واقع قاضی پورہ میں تولد ہوئے۔ مادہ تاریخ "متواضع"، ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق کا علمی سفر

ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل فرمائی، اپنے عمر کے تیرھویں سال میں علوم اسلامیہ کی اعلی تعلیم کے لیے جامعہ نظامیہ میں شریک ہو کر فاضل وجید علما سے درس نظامی کی تعلیم حاصل فرمائی۔ اور مولوی فاضل کا امتحان امتیازی درجہ سے کامیاب فرمایا۔ آپ کے قابل ذکر اساتذہ کرام جن سے آپ نے ایک عرصہ تک علم حاصل کیا حسب ذیل ہیں :

عارف باللہ مولانا حافظ محمد انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمہ، مولانا عبد الکریم افغانی صدر مدرس نظامیہ، مولانا محمد یعقوب صاحب شیخ الحدیث، مولانا مفتی محمود صاحب خطیب مکہ مسجد و شیخ الجامعہ، مولانا سید محمد شطاری صاحب، علامہ سید شاہ ابراہیم ادیب پروفیسر عربی جامعہ عثمانیہ اور مفتی رحیم الدین صاحب رحمہم اللہ ہیں۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے برادرِ مکرم حضرت بحر العلوم مولانا محمد عبد القدیر صدیقی قادری حسرت رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ سے علومِ ظاہری و باطنی میں تقریبا 20 سال استفادہ فرمایا۔ رمضان المبارک 1340ھ بروز جمعہ الوداع بمقام مکہ مسجد اپنے والدِ محترم کی جگہ علما و مشائخین کے علاوہ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، نواب صدر یار جنگ صدر الصدور، میر مجلس جامعہ نظامیہ کی موجودگی میں مولانا محمد عبد القدیر صدیقی قادری حسرت علیہ الرحمہ نے دستارِ فضیلت باندھا۔

آپ کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں (1) آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حبیب محمد عمر حسینی صاحب قادری (2)

---

[1] کلام حضرت لئیق، ص 16

مولاناسید احمد حسینی صاحب قادری(3) مولاناسید قاسم حسینی صاحب قادری۔[1]

آپ اپنے والد ماجد حضرت سید الشیوخ کی طرح حنبلی مسلک پر کاربند رہے۔ لیکن آپ اپنے مریدین کو اس کا پابند نہ فرماتے بلکہ وقتِ ضرورت وضاحتفرماتے۔ آپ اہل سنت والجماعت کے پیرو تھے، اور ساری عمر اشاعتِ سنیت، تردید عقائدِ باطلہ میں وقف کر دی اور ایسے دور میں جب کے عقیدہ اہل سنت کو خطرے لاحق تھے ہر انداز میں تقویت بخشی۔[2]

حضرت شیخ الاسلام کو رب تعالی نے علم وادب، معرفت و حکمت کا مینارۂ نور بنایا تھا۔ آپ مشفق استاذ، مختلف کتب کے مصنف، بہترین شاعر، پراثر واعظ اور پیر کامل تھے۔ حضرت سید الشیوخ رحمہ اللہ نے جس تدریسی سلسلہ کی بنا رکھی تھی آپ نے اسکو جاری رکھا۔

ہر جمعہ مکہ مسجد میں درس تفسیر دیا کرتے، جو سلسلہ آپ کے والدبزرگوار حضرت سید اشیوخ قدس سرہ العزیز کے دور سے چلا آرہا ہے، آپ نے اپنے دور میں چودہ پاروں کی تفسیر فرمائی، سید الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد کے اس سلسلہ درس کو اپنی ساری عمر جاری رکھا۔

ہر اتوار حلقۂ ذکر کے بعد حدیث شریف کا درس دیتے، آپ کے درس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے، آپ حدیث مبارکہ کو پڑھ کر اس کی تشریح فرماتے۔ جہاں ضرورت ہوتی وہاں فقہی اختلاف اور مسائل کا بھی ذکر فرماتے، اس کے علاوہ روزمرہ پیش آنے والے مسائل کا بھی اس حلقۂ درس میں ذکر فرماتے۔ درس حدیث شریف کے بعد درسِ تصوف میں فصوص الحکم کا درس دیتے۔

حضرت قبلہ اکثر فرمایا کرتے کہ جن لوگوں کو کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی ہو تو وہ قادری چمن کے چبوترے سے اترنے سے پہلے ہی سب کچھ بھول جائے اپنے ساتھ نہ لے جائے، جس سے آپکی مراد یہ تھی کہ نہ خود غلط بات ذہن میں رکھے نہ دوسروں تک غلط معنی پہنچائے۔

آپ تمام آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے درس دیتے اور معتقدین اور درس میں شامل لوگوں کو ادب سے بیٹھنے کا حکم دیتے۔ دوران درس اگر کوئی نیا شخص آجاتا اور السلام علیکم کے ساتھ مخاطب ہوتا تو اسکو سمجھاتے کہ ایسا کرنا ادب کے خلاف ہے، لوگ درس و تدریس میں مصروف ہیں اور مصروف پر سلام نہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولاناسید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق رحمہ اللہ کے تنظیمی وادارتی کارنامے

شیخ الاسلام بحیثیتِ بانی و معتمد صدر مجلس علمائے دکن:

سقوط حیدرآباد کے بعد ملت کی خستہ حالی کے پیش نظر حضرت شیخ الاسلام نے دکن کے سرکردہ مشائخ وعلما کو اپنی سرپرستی میں ایک پلیٹ فارم پر جمع فرمایاجو ملت کی مذہبی، ملی وسماجی تمام کمیوں کو پورا کرے۔ جس کا نام "صدر مجلس علمائے دکن"، رکھا گیاجسکے آپ بانی و معتمد رہے۔

---

[1] ایضاً، 2،1

[2] مومناتی، مقتیہ حافظہ فرحت فاطمہ۔ شیخ الاسلام مولاناسید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق: حیات وخدمات (مقالہ)، ص 150

اس مجلس کے تحت ریاست و دکن کے اسکولس میں با قاعدہ ضرورت المسلمین یعنی دینیات کا شعبہ قائم تھا جس میں ایک طالب علم فارغ ہونے تک اسلامی بنیادی ضروری معلومات حاصل کر لیتا۔

سلطنت آصفیہ کے زوال کے بعد سب سے پہلی ضرورت مسلمانان دکن کو دینی تعلیم کی فراہمی تھی جس کے پیش نظر شیخ الاسلام نے جامع مسجد افضل گنج میں صدر مجلس علما دکن کا اجلاس طلب فرمایا اور دکن کی مساجد میں صباحیہ و مسائیہ مدارس کے قیام کا اعلان فرمایا جس کا سلسلہ آج بھی حیدر آباد دکن کی اکثر مساجد میں جاری ہے۔[1]

حضرت شیخ الاسلام صدر مجلس علمائے دکن کے قیام اور اس کی معتمدی کا اہم فریضہ انجام دیتے ہوئے امورِ شرعیہ میں مسلمانوں کی مسلسل رہبری فرماتے رہے اور آپ نے ساری عمر خدمت خلق میں گزاری اور آپ بحیثیتِ معتمد مجلس علمائے دکن چالیس سال دکن کے فرزندانِ اسلام کی رہنمائی فرماتے رہے، کئی علما کے لیے اپنے صرفہ سے اور محکمہ امورِ مذہبی کی جانب سے وظائف مقرر فرمائے تا کہ وہ فارغ البالی کے ساتھ دین کی خدمت کر سکیں۔

مدرسہ نظامیہ سے جامعہ نظامیہ:

حضرت شیخ الاسلام کی ہی کوشش کا نتیجہ رہا ہے کہ مدرسہ نظامیہ کو جامعہ کا درجہ دیا گیا۔ چنانچہ ابو الخیر کنج نشین فاضل نظامیہ لکھتے ہیں:[2]

> "مولوی سید محمد بادشاہ حسینی معتمد صدر مجلس علمائے دکن نے اس اجلاس میں ایک قرار داد اس مضمون کی پیش کی کہ اس مدرسہ کو جامعہ کا درجہ دیا جائے، اور سارے علوم مشرقیہ بھی علوم دینیہ کے ساتھ پڑھائے جائیں۔"

شیخ الاسلام بحیثیتِ میر شعبہ جامعہ عثمانیہ:

ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ بہادر کی مدت اختتام پر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ کے میر شعبہ (ڈین آف دی فیکلٹی) حضرت شیخ الاسلام منتخب ہوئے۔ اس وقت تک حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات تھے۔ میر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ کی حیثیت سے آپ جو گرانقدر کام کیا ہے وہ نا قابل فراموش ہے۔[3]

شیخ الاسلام بحیثیتِ صدر مجلس اتحاد المسلمین:

سنہ 1337ھ کو مولوی محمود نواز خان کے مکان واقع چوک میں مسلمانوں کا ایک بڑا جلسہ منعقد کیا گیا اور جلسہ میں "مجلس اتحاد بین المسلمین،، کے نام سے ایک ادارہ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، ایک سال بعد سن 1338ھ میں لفظ "بین،، کو حذف کر دیا گیا اور اس ادارہ کا نام "مجلس اتحاد المسلمین،، رکھا گیا۔ اس کے پہلے صدر حضرت شیخ الاسلام حضرت بادشاہ حسینی رحمہ اللہ تھے۔ آپ کئی سال تک بحیثیت صدر

---

[1] ایضاً، ص 367

[2] ابو الخیر کنج نشین۔ "سالنامہ نظامیہ"، فاضل نظامیہ، سالنامہ نظامیہ، ص 23۔

[3] شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق: حیات و خدمات، ص349

خدمات انجام دیتے رہے اس کے بعد نواب بہادر یار جنگ اس کے صدر بنے۔[1]

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق رحمہ اللہ کی تصنیفی خدمات

تفسیرِ قادری (از سورۂ حجرات)

حضرت سید الشیوخ کے زمانہ میں سورہ بنی اسرائیل تا سورہ فتح 2011 صفحات پر مشتمل تفسیر قادری شائع ہو چکی تھی۔ آپ کے وصال کے بعد تفسیر کے باقی کام کا بیڑہ آپ کے صاحبزادے شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی نے اٹھایا۔ آپ نے سورہ حجرات سے پارہ 30 کی تکمیل کی اور سورہ فاتحہ سے سورہ بقرہ کی 36 آیات کی تفسیر مکمل فرمائی۔ سورہ فاتحہ سے پہلے علم تفسیر سے متعلق گرانقدر مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔ سورہ بقرہ کے ابتدائی چار رکوع کی تفسیر کر پائے تھے کہ انتقال فرما گئے۔ آپ نے چوں کہ تفسیر کی تکمیل کی نیت سے کام شروع کیا تھا اس لیے تفسیر کا انداز بھی بالکل اپنے والد کی طرح اختیار کیا۔ اسلوب بیان بھی وہی اور طرزِ استدلال بھی اسی نوعیت کا، لہذا پڑھنے والا اس بات کی بالکل تمیز ہی نہیں کر سکتا کہ کتنی تفسیر کس نے کی ہے۔[2]

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ حضرت مولانا محمد خواجہ شریف صاحب فرماتے ہیں:

> جن لوگوں نے اس تفسیر کو دیکھا ہے انہیں اندازہ ہوگا کہ یہ تفسیر اردو زبان میں آسان اور دل نشین پیرائے میں علم کا وہ خزانہ جسکی جتنی قدر کی جائے کم ہے۔[3]

چہلِ حدیث شاہ ولی اللہ محدث دہلوی:

جس کی سندِ مسلسل روایۃ حضرت قبلہ کو حضرت عبد القدیر صدیقی رحمہ اللہ سے پہنچتی ہیں شائع فرمایا۔ اس چہل حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے سارے روات اہل بیت اطہار ہیں۔

ادعیہ ماثورہ:

یہ مجموعہ چالیس مستند دعاؤں پر مشتمل مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں حضرت شیخ الاسلامنے چند ایسی دعاؤں کو جمع کیا ہے جو احادیث مبارکہ سے ثابت شدہ ہیں، ان میں بعض دعائے ایسی ہیں جو بزرگانِ دین کی مجرب و آزمودہ ہیں اور عجیب فیض وبرکات کی جامع ہیں، آپ کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے اہل سلسلہ ان دعاؤں کو پڑھ رہے اور تمام حضرات اس سے مستفید بھی ہو رہے ہیں۔ یہ کتاب (47) صفحات پر مشمل ہے۔ یہ کتاب شیخ الاسلام لئیق اکیڈمی سے شائع کی گئی ہے۔

تصریفِ قادری:

---

[1] ایضاً،ص:395

[2] استقبال تجلیات، ص 492

[3] شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق: حیات و خدمات، ص349

حضرت شیخ الاسلام نے علمِ صرف میں تصریف قادری کے نام سے کتاب تصنیف فرمائے جو کہ فارسی افعال کی گردان ہے جس طرح آمدن سی لفظی میں بلحاظ ترتیبِ حروف ابجد تالیف کی گئی ہے، اسی نہج پر یہ رسالہ تالیف فرمایا، اس رسالہ میں صرف صغیر اور صرف کبیر دونوں کو آسان انداز میں جمع فرمایا گیا ہے۔

شعری سرمایہ:

حضرت سید بادشاہ حسینی کو شاعری سے شغف تھا۔ پر گو شاعر نہ تھے لئیق تخلص کرتے تھے۔ آپ کا مجموعہ کلام بنام "کلام حضرت لئیق" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ جملہ ایک حمد ایک مستزاد، 13 نعت شریف، 28 منقبتیں ہیں۔ ان میں بعض غزل کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔ کلام میں سلاست غضب کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کلام کو موزون کرنے کے لیے کسی قسم کے تکلف کو گوارا نہیں کیا بلکہ جتنی آمد ہوئی اتنا کہہ لیا۔[1]

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق رحمہ اللہ کی روحانی و تربیتی خدمات:

ہفتہ واری حلقۂ ذکر جو حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے زمانے سے شروع ہوا تھا آپ نے اس کو باقی رکھا۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا معمول رہا ہے کہ آپ ہر اتوار کے دن حلقہ ذکر کا اہتمام فرماتے، آپ کے ذکر کی ابتداء کلمہ طیبہ سے ہوتی اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: " أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَ أَفْضَلُ الدُّعَاءِ الحَمْدُ لِلّٰهِ[2]" بہترین ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور بہترین دعا الحمد للہ کہنا ہے)۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین و معتقدین کی روحانی تربیت پر خاص توجہ فرما کر انہیں رجوع الی اللہ والی الرسول فرماتے۔ اس بات کی تلقین کرتے کہ ذکر و استغفار کو اپنے اوپر واجب سمجھو۔

سفر بغداد:

1370ھ میں آپ جب بغداد شریف کو پہنچے تو حضرت پیر سید احمد عاصم قبلہ نقیب الاشراف مدظلہ آپ کو دیکھتے ہی فرماتے ہیں "میں آج پچاس سال بعد اخی العزیز سید عمر کو دیکھ رہا ہوں"، بیٹا باپ کے جیسا ہوتا ہے مگر اتنا اشبہ کہ "کَأَنَّهُ هُوَ"!

نقیب الاشراف حضرت پیر حسام الدین صاحب قبلہ کے صاحبزادوں میں سے ایک نوجوان صاحبزادے پیر سید طاہر علاء الدین صاحب پہلی ملاقات میں حضرت مدظلہ کا نام، والد ماجد کا اسم گرامی وغیرہ دریافت فرماتے ہیں۔ دوران گفتگو میں تفسیرِ قادری کا ذکر آجاتا ہے اس پر چونک جاتے ہیں اور دریافت فرماتے ہیں کہ کیا آپ حضرت سید عمر القادری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہیں؟ میں ابھی آتا ہوں کہہ کر اندر جاتے ہیں اور ایک خط لاتے ہیں۔ دستخط بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہچانو کہ یہ دستخط کس کی ہے؟۔ حضرت مدظلہ عرض کرتے ہیں کہ یہ میرے پیر و مرشد والد محترم کا نام مبارک ہے اور حضرت ہی کی دستخط مبارک ہے، یہ تو ارشاد فرمائیے کہ یہ خط آپ کے پاس پچاس سال سے

---

[1] استقبال تجلیات، ص 492

[2] الترمذي، سنن الترمذي، مصر: مطبعة مصطفى البابي الحلبي، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة" حديث نمبر: 3383

اب تک کیسے محفوظ ہے کہ آپ تشریف لے گئے اور فوراً لے کر آئے۔ فرمانے لگے کہ یہ خط ہمارے والد محترم کے خاص کاغذات میں محفوظ تھا جو بحفاظت رکھا گیا۔[1]

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق رحمہ اللہ کی فلاحی خدمات

1- مجلس مؤید الاخوان و کھاتہ امانتی:

حضرت سید الشیوخ رحمہ اللہ کا امت مسلمہ کے لیے قرضہ حسنہ کی فراہمی کے لیے کا قائم کردہ ادارہ "مجلس مؤید الاخوان"، کو آپ نے مزید مضبوط بنایا۔ اور ایک ادارہ "کھاتہ امانتی"، کھولا گیا جس میں رقم جمع کرنے والوں کو ہر وقت قرضِ حسنہ مل سکتا تھا۔

امداد برائے مدارس و طلبہ:

حضرت شیخ الاسلام نے بے سہارا طلبا کی خاص امداد فرماتے اپنے ذاتی صرفہ اور سعی کے ذریعہ آپ نے ہزاروں طلبہ کے لیے وظائف جاری فرماتے۔ آپ مذہبی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور قوم وملت کی خاطر مشکلات و مصائب کو برداشت کرتے۔ حیدرآباد کے مختلف ادارے آپ کے مرہونِ منت ہیں۔

الغرض "الولد سر لأبیہ"، کے مصداق آپ نے حضرت سید الشیوخ کے باقیات صالحات کو بھی قائم رکھا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق خانقاہِ قادری چمن کی علمی، روحانی و فلاحی خدمات میں اضافہ فرمایا۔

آپ نے 17 ربیع الثانی 1384ھ اس کو اس دنیائے فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک قادری چمن فلک نما میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ رحلت سے چند دن قبل آپ نے فرمایا:

دنیا کے کاروبار سے مطلب نہیں لئیق اب قادری چمن میں ہے بستر فقیر کا[2]

3- جانشین شیخ الاسلام حضرت حبیب محمد عمر حسینی قادری رحمہ اللہ

حضرت شیخ الاسلام رحمۃُ اللہِ علیہ کے وصال کے بعد خانقاہِ قادری چمن کے علمی، روحانی اور فلاحی سفر کو جس بلند پایہ شخصیت نے نہ صرف جاری رکھا بلکہ اسے نئی جہتوں سے روشناس کرایا، وہ آپ کے فرزندِ ارجمند اور جانشینِ حضرت حبیب محمد عمر حسینی قادری رحمہُ اللہ تھے۔

حضرت حبیب محمد عمر حسینی قادری رحمہ اللہ بلند پایہ مفکر، نامور واعظ، اور مصلح تھے۔ دکن کی سرزمین کو فرقہ پرستی سے بچانا، اور معاشرہ کو صالح نظامِ حیات دینا آپ کا منفرد مزاج تھا۔ جس محفل میں بیٹھتے اس محفل کو اپنا گرویدہ بنالیتے، زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جو حل نہ کرسکے۔ وہ دوسروں کی زندگی کے معمار تھے، مرض کی تکلیف کا اظہار کبھی نہ کرتے، تنفس کی تکلیف کے باوجود بندگانِ خدا کی داستان برابر سنتے، ہر آدمی کسی ایک میدان میں کامل ہوتا ہے مگر بحمد اللہ وہ ہر میدان میں مہارت رکھتے تھے

[1] حالات پیر طریقت، ص 109-110

[2] کلام لئیق، ص 2

،ایلوپیتھک، ہومیوپیتھک، ایورویدک اور یونانی، ان سب میں وہ اچھا خاصہ تجربہ رکھتے تھے۔[1]

مسجد مولٰی علی علیہ السلام، مسجد سیدہ فاطمہ علیہا السلام، رحمت آباد شریف واطراف واکناف میں دینی مدارس کا قیام، حسینی بلڈنگ کامپلکس وغیرہ آپ کے ناقابل فراموش کارنامے ہیں۔ نسبتوں کا بڑا پاس ولحاظ رکھتے، ان سے ملنے والا نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ واپس ہوتا۔ سینکڑوں خاندان آپ کے زیر پرورش تھے۔ سخاوت کا یہ عالم تھا جو بھی نذرانہ ملتا اسکو ایک لفافہ میں رکھتے اور اس پر تحریر فرماتے ”عطائے کریم،، جو بھی آتا، عرض کرتا اس لفافے میں سے اس کی حاجت پوری کرتے اور دوسروں کو بھی فرماتے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ آپ کے حلقۂ ذکر میں شرکت سے زنگ آلود دلوں کو جلا پیدا ہو جاتی۔ المختصر آپ کی شخصیت اپنی ذات میں ایک انجمن تھی۔

26رمضان 1417ھ بروز چہار شنبہ کو طبیعت ناساز ہوئی اور آپ ذکر الٰہی میں مصروف ہوگئے بالآخر شام کے وقت واصل بحق ہوئے۔[2]

4-جانشین شیخ الاسلام لئیق حضرت سید محمد قاسم حسینی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے ابتدائی تعلیم اس وقت کے دینی وعصری تعلیم کا مرکز دار العلوم میں حاصل کی اور علوم دینیہ کی اعلی تعلیم کے لیے جامعہ نظامیہ میں داخلہ لیا اور اپنے وقت کے جید علما سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ نہایت سادگی پسند، شریعت کے پابند، طریقت کے رہبر تھے۔

ہر مرید کو نماز کی پابندی کا حکم فرماتے۔ آپ اپنے والد محترم حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے برادر اکبر حضرت حبیب محمد عمر حسینی قادری کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قادری چمن کی دینی ورفاہی خدمات کے سلسلہ کو آگے بڑھایا اور محافل عاشورہ، محافل میلاد شریف ویاز دہم شریف، درگاہ شریف قادری چمن میں انعقاد فرما کر وعظ فرماتے۔

پنجتن پاک کے عاشق نے اپنے مولا کے عشق میں اپنی زندگی گذاری اور انہیں کی محبت میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور 13ربیع الثانی 1429ء کو اس دنیا سے پردہ فرمائے اور درگاہ شریف قادری چمن میں اپنے بڑے برادر مکرم کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ آپ کا عرس شریف ہر سال 16ربیع الثانی کو شیخ الاسلام کے عرس مبارک کے ساتھ منعقد کیا جاتا ہے۔[3]

آپ نے اپنے پیچھے اپنے فرزندانِ سعادت اطوار کی صورت میں امت مسلمہ کے لیے عموماً اور متوسلین قادری چمن کے لیے خصوصاً بہترین سرمایہ چھوڑا ہے۔

جانشینِ شیخ الاسلام، حضرت سید حسن ابراہیم حسینی سجاد پاشاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ، بارگاہِ قادری چمن کے موجودہ سجادہ نشین اور ان کے برادر گرامی مولانا سید محمد اولیاء حسینی مرتضی پاشاہ صاحب حفظہ اللہ کی قیادت میں اس خانقاہ قادری چمن دینی اصلاحی دعوتی کاموں کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ اطال اللہ بقائہما وادام فیوضہما۔

* * * * *

---

[1] سوانح حضرت حبیب محمد عمر حسینی ص1 تا2

[2] ایضاً

[3] شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق: حیات وخدمات، ص215

حوالہ جات

1۔ قرآنِ مجید

2۔ بخاری، محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ دار طوق النجاۃ۔

3۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم۔ دار إحیاء التراث العربي، بیروت۔

4۔ ترمذی، محمد بن عیسی۔ سنن الترمذی۔ مطبعہ مصطفی البابي الحلبي، مصر۔

5۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی۔ سنن ابن ماجہ۔ دار إحیاء الکتب العربیۃ۔

6۔ الحاکم، ابو عبد اللہ۔ المستدرک علی الصحیحین۔ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

7۔ البزار، ابو بکر احمد بن عمرو العتکی۔ مسند البزار۔ مکتبۃ العلوم والحکم، المدینہ المنورہ۔

8۔ العدوی، علی بن احمد بن مکرم۔ حاشیۃ العلامۃ علی العدوی علی شرح الإمام الزرقانی علی متن العزیزي فی الفقہ المالکی۔ دار ابن حزم۔

9۔ القاری، ملا علی۔ شرح عین العلم وزین الحلم۔ مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ۔

10۔ ابن حجر المکی الہیتمی۔ الفتاوی الحدیثیۃ۔ دار الفکر، بیروت۔

11۔ ابن حجر العسقلانی، شہاب الدین ابو الفضل محمد۔ غبطۃ الناظر فی ترجمۃ الشیخ عبد القادر۔ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

12۔ طالع، سید مراد علی۔ تذکرہ اولیائے حیدرآباد۔ حصہ چہارم، باب ششم۔

13۔ قادری، حکیم محمد فضل اللہ۔ حالاتِ پیرِ طریقت۔ شیخ الاسلام لئیق اکیڈمی۔

14۔ نظامی، شاہ محمد فصیح الدین۔ مرقع انوار۔ مجلس اشاعۃ العلوم، جامعہ نظامیہ۔

15۔ لئیق، سید محمد بادشاہ حسینی قادری۔ کلام لئیق۔ شیخ الاسلام لئیق اکیڈمی۔

16۔ حسینی، سید حبیب محمد عمر۔ سوانح حیاتِ حضرت حبیب محمد عمر حسینی۔

17۔ لئیق، سید شاہ عمر حسینی۔ رہبر طریقت۔ شیخ الاسلام لئیق اکیڈمی، حیدرآباد۔

18۔ حسینی، سید صفی اللہ وقار پاشاہ۔ "مولانا سید عمر الحسینی القادری: حیاتہ وخدماتہ۔" مقالہ۔

19۔ مومناتی، مقتنیہ فرحت فاطمہ۔ "شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری لئیق: حیات وخدمات۔" مقالہ۔

20۔ سعید احمد حنبلی، سید غوث علی (مرتب)۔ استقبالِ تجلیات۔ ریاضِ مدینہ پبلیکیشنز، قاضی پورہ، حیدرآباد۔

21۔ ابو الخیر کنج نشین۔ سالنامہ نظامیہ۔ فاضل نظامیہ، 1360ھ۔

خانقاہ قادریہ موسویہ: مرکز علم وعرفان

سید آلِ مصطفی قادری الموسوی الجیلانی علی پاشاہ*

دکن میں سلسلہ قادریہ کی نشر واشاعت

بر صغیر میں سلسلہ قادریہ کا آغاز بعض کتبِ تاریخ کے مطابق خواجہ اجمیری کے دور میں ہی ہو چکا تھا، جبکہ بعض نے لکھا ہے کہ ایک ہی عہد میں دونوں سلسلے بر صغیر میں آچکے تھے۔ البتہ زیادہ تر مورخین نے نویں صدی ہجری کو ہندوستان میں قادریت کی ابتدا قرار دیا ہے۔ تاریخِ مشائخ چشت میں مذکور ہے کہ پندرہویں صدی کے وسط میں قادریہ اور شطاریہ کے سلسلہ ہندوستان میں قائم ہوئے۔

سرزمین دکن میں بھی سلسلہ قادریہ کے مشائخ نے علمی وروحانی خدمات کے ایسے نقوش چھوڑے ہیں جو رہتی دنیا تک متلاشیانِ راہِ حق کے لیے سنگ میل کا کردار ادا کرتے رہیں گے۔ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں جن قادری خانقاہوں نے دکن میں قادری سلسلے کی تعلیمات کی اشاعت وفروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ان میں سرِ فہرست سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کے وہ سات شہزادگان ہیں جنہیں سبعہ قادریہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ النبوۃ)

حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری الحموی لاابالی قدس سرہ العزیز (المتوفی 1050ھ) کا شمار دکن کی طرف ہجرت کرنے والے سلسلہ قادریہ کے اولین مشائخ میں ہوتا ہے، جو حماۃ بلاد الشام سے ہجرت فرما کر سرزمینِ ہندوستان پر وارد ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب پندرہویں پشت میں حضور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی سے ملتا ہے۔

آپ کے اجداد میں حماۃ کی طرف ہجرت کرنے والے سب سے پہلے حضرت سید سیف الدین یحیٰ الحموی ہیں جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے نبیرہ تھے اور نہایت ذی وجاہت اور صاحبِ علم وعرفان تھے، جن کے علم وفضل سے بلاد الشام کے اکثر علماء وصوفیاء نے استفادہ کیا۔ انہوں نے حماۃ کو اپنا وطن بنالیا تھا اور بالآخر وہیں 734ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (تحفۃ الابرار)

حضرت سید سیف الدین یحیٰ الحموی کی اولاد امجاد حماۃ میں مقیم رہی، اور آپ کی نسل میں کئی فروعات ہوئیں جن میں سے بعض نے بر صغیر ملک ہندوستان کی طرف ہجرت فرمائی۔ شمالی ہند میں اس حموی قادری خانوادہ کی ایک اہم کڑی حضرت سید عبد الرزاق نور العین قدس سرہ العزیز بھی ہیں جو کہ جہانگیر سمنان حضرت سیدنا مخدوم اشرف کچھوچھوی کے بھانجہ اور جانشین تھے۔

شہر حیدرآباد میں سید شاہ محی الدین ثانی قادری کی آمد اور سلسلہ قادریہ لطیفیہ کا ارتقاء

قدوۃ المحققین زبدۃ الموحدینِ ربانی، کاشف رموزِ عرفانی سید شاہ محی الدین ثانی قادری المعروف بہ پیر شاہ، لطائف قادریہ مشکوٰۃ النبوۃ میں

---

*سجادہ نشین خانقاہ قادریہ موسویہ، حیدرآباد

درج ہے کہ آپ کا لقب پیر شاہ مشہورآفاق ہے اور آپ محی الدین ثانی سے بھی مشہور ہیں۔ آپ شکل وشباہت میں اپنے جد کریم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؓ کی ہو بہو شبیہ تھے ،اس وجہ سے بھی اہل خاندان آپ سے بے پناہ محبت کرتے ۔ ایام طفلی سے ہی آثارِ ولایت ہویدا ہوگئے تھے،سید الابدال کے ارشاد کے باوجود بھی آپ سے غیر شعوری طور پر اکثر خوارق عادات کا ظہور ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ والد بزرگوار جنابِ عالی حضرت لاابالی نے بلوا بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ اے میرے فرزند دلبند تم اس کم سنی ہی سے خرقِ عادات کا اظہار کر رہے ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اب زیادہ اپنے والد کے ساتھ قمر نگر میں نہیں رہوگے اور عنقریب تم کو کسی منصب عظیمہ پر فائز کیا جائیگا۔ چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا، آپ نے پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد بلدہ دکن حیدرآباد کی طرف سن 1051ھ میں ہجرت فرمائی اور اس شہر عقیدت و محبت کو اپنے وجود عظیم اور حسن اخلاق وتعلیمات کے ذریعہ علم وعمل کا گہوارہ بنادیا۔

اکتساب علم واجازت وخلافت: صاحب لطائف قادریہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت محی الدین ثانی نے ایک مختصر عرصہ میں علوم کی تکمیل فرمائی اور اپنے جمیع معاصرین پر فائق ہوگئے ۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد اپنے والد بزرگوار سے براہِ راست علوم باطنی حاصل فرمائے۔ رسالہ لطائف الطیف میں سند کے ساتھ منقول ہے کہ حضرت محی الدین ثانی ابتداء شعور ہی سے کسب علوم ظاہری و باطنی، اشتغال باطنی، ریاضت شاقہ اور مجاہدات کی جانب راغب رہتے تھے۔ اکثر جذب حال میں ہوتے بعد از افاقہ بسااوقات مشاہدات باطنی کا مریدین سے ذکر بھی فرماتے۔

علم وعمل میں یکتا، زہد و تقوی میں ممتاز اور حسن اخلاق و خدمت خلق میں آپ کی کوئی نظیر نہیں تھی ۔ اکثر اوقات مراقبہ میں مشغول ہوتے ، بسااوقات غلبہ حال کی وجہ سے ایک ایک ہفتہ مکمل طور پر ایک ہی نشست میں گزار دیتے۔ اوراد واذکار کے پابند تھے۔ آپ امراو سلاطین وقت سے ملاقات نہیں کیا کرتے تھے ، اکثر غلبہ حال میں شہر کے اطراف بیابانوں اور جنگلوں میں مہینوں معتکف رہتے اور جب لوٹ کر شہر آتے تو علم و حکمت سے بھرے پیمانوں سے تشنگان علم وعرفان کو سیراب کرتے۔ مذکور ہے کہ سلطان ابوالحسن کے عہد سلطنت میں رستم دل خان ناظم بلدہ حیدرآباد تھا۔ اکثر شرف ملاقات کے لیے حاضر بارگاہ ہوا کرتا، سلطان ابوالحسن کو آپ سے کمال عقیدت تھی لیکن آپ نے کبھی بھی اذن ملاقات نہیں دیا، اکثر وہ حضرت سے ملاقات کے اشتیاق میں دور دراز علاقوں کا سفر کرتا تاکہ حضرت جہاں کہیں ہوں وہیں دیدار کرلے ، مگر ہر بار حضرت اس کے آنے سے قبل وہاں سے چلے جاتے۔ ناظم بلدہ کے استفسار و اسرار پر حضرت محی الدین ثانی نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے باشاہ کو ہمارے ایک بھائی سے ارادت ہے اگر فقیر سے ملاقات کریگا تو خلل واقع ہوگا۔ اسی طرح کا ایک اور واقع سلطان عالم گیر اورنگ زیب سے بھی منسوب ہے، اس کو بھی حضرت والانے بارہا ملاقات سے منع فرمادیا تھا، وجہ وہی جو اوپر مذکور ہوئی۔ یہ کیسی شان بے نیازی تھی کہ ایک شہنشاہ کو تک منع فرمانے سے گریز نہیں کرتی، یقیناً یہ ان ہی کو زیب دیتی ہے جن کے متعلق خالق کل نے قرآن مجید میں ارشا فرمایا " اِن الارض یرثھاعبادی الصالحون "

اس واقعہ سے اس بات کا بھی خوب اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو اپنے ہم منصب وہم مشرب مشائخ کبار کا کس قدر پاس ولحاظ تھا۔ ایک صوفی باصفا کے علاوہ ایسے اوصاف کا حامل ہونا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ صاحب مشکوٰۃ النبوۃ نے آپ کی وفات حسرت آیات کا

یوں ذکر فرمایا ہے کہ وصال سے چند دن قبل آپ علیل ہوئے اور پل قدیم سے متصل مسجد عنبر میں فروکش ہوگئے۔ کم و بیش سات روز علیل رہے، اس اثناء لوگوں نے دیکھا کہ آپ نے ایک بھی نماز باوجود اس کے مزاج سخت علیل تھی ناغہ نہیں کی، بالآخر پانچ رجب المرجب 1105ھ داعی اجل کو لبیک کہا، آپ کے وصال پر شہر میں کہرام مچ گیا، اکثر امراء و مشائخ کو آپ سے بے انتہاء عقیدت تھی، ہر آنکھ اشکبار تھی، کیا عوام کیا بادشاہ سب کے سب حاضر خانقاہ ہوگئے، اسی اثناء شہنشاہ عالمگیر جو ایک مدت سے آپ کے چہرہ اقدس کے دیدار کا مشتاق تھا، سر نیاز خم کیے یہ کہتا ہوا حاضر ہوا کہ آج میری دلی تمناء پوری ہوگی، میں سرکار بغداد کے صحیح النسب شہزادہ کے رخ انور کا شرف دیدار حاصل کرونگا، چنانچہ عالم گیر اورنگ زیب نے رستم دل خان ناظم بلدہ دکن کے ہمراہ شہنشاہ اورنگ زیب حاضر ہوئے اور حکم شاہی صادر کیا کہ حضرت والا کو بادشاہی عاشور خانہ سے متصل وسیع میدان کے احاطہ میں دفن کیا جائے، حسب ارشاد شاہی تین مرتبہ قبر کے لیے زمین کھودی گئی، مگر ہر مرتبہ چٹان بر آمد ہوگئی، صاحبزادہ حضرت ممدوح حضرت سید عبد اللطیف ثانی نے شہنشاہ کو کہلا بھیجا کہ قبلہ گاہی کا ارادہ اسی خاک میں آسودہ ہونا ہے جہاں رحلت فرمائی، چنانچہ اسی احاطہ میں حضرت محی الدین ثانی کے جسد مبارک کو سپردِ خاک کیا گیا۔ درداد ہاتف ایں ندا" پیوست ہادی باخدا"

آپ قدس سرہ العزیز نے حضرت سیدنا میراں حسین بغدادی قادری الحموی کی نبیری حضرت سیدنا عبد القادر ملکاپوری کی صاحبزادی سے نکاح فرمایا تھا، کتب تاریخ میں درج ہے کہ آپ کو ان کے بطن مبارک سے تین صاحزادگان اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں۔ ان میں حضرت سید شاہ عبد المحی الدین قادری قدس سرہ العزیز بڑے صاحبزادہ تھے، جن کا وصال حضرت محی الدین ثانی کی حین حیات ہی ہوگیا تھا، انکا مدفن بارگاہ حضرت میراں حسین بغدادی کے احاطہ میں ہوا، آستانہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔ دوسرے صاحبزادہ حضرت سید شاہ عبد اللطیف ثانی قادری قدس سرہ ہوئے، جن کو اپنے والد گرامی سے اجازت و خلافت حاصل ہوئی اور بعد وصال پدر بزرگوار آپ ہی جانشین مسند ارشاد ہوئے۔ حضرت محی الدین ثانی کے تیسرے صاحبزادہ مجذوب گزرے۔ رحمہ اللہ علیہم۔

حضرت سید شاہ درویش محی الدین قادری قدس سرہ العزیز حیات و خدمات

حضرت سیدنا محی الدین ثانی کو اپنے نبیرہ حضرت سید شاہ درویش محی الدین قادری سے کمال محبت تھی، صاحبزادہ کے وصال کے بعد آپ نے انکو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا تھا، ولایت کے آثار بچپن ہی سے ظاہر ہونے لگے تھے، سچ ہے "الصحبۃ یؤثر ولو بساعۃ" آپ نے اپنے برادر زادہ پر اپنی تمام تر محبتیں و شفقتیں لٹادیں۔ حضرت سید درویش محی الدین قادری سے شہریان حیدرآباد بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ مزاج میں کمال کا استغناء تھا، کبھی کسی امیر کبیر سے تحفہ تحائف و مالی نذرانہ قبول نہ کیا، فرمایا کرتے درویش کو زیب نہیں کہ امراء سے اپنی ذات کے لیے نذرانہ قبول کرے۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے جو متعدد کتب تاریخ میں درج ہے کہ والئی دکن آصف جاہ کے وزیر قاضی میر خلیل اللہ خان کو آپ سے ارادت و عقیدت تھی، از راہ محبت انہوں نے آصف جاہ کی مہر خاص اور منظوری کے ساتھ بلدہ حیدرآباد کی ایک بہت بڑی جاگیر عطاپور تمام زمینی اسنادات کے ساتھ بطور تحفہ آپ کی خدمت عالیہ میں روانہ کی، مذکور ہے کہ اس دور میں اس جاگیر کا محاصل بارہ ہزار سکہ رائج الوقت تھا۔ جوں ہی حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے اپنے صاحبزادہ کو طلب کیا اور ارشاد فرمایا بابا محی الدین لکھو۔"

فقیر شمارا از مخلصانِ خود تصوری کرد، الحال از مفسدانِ خود داند" کہ فقیر اب تک تم کو اپنے مخلصین میں شمار کرتا تھا، مگر آج کے بعد نہیں کریگا۔ اس لیے کہ تم نے دوست ہو کر دشمنوں کا کام کیا ہے۔ اول تو اتنی بڑی جاگیر اور اسکا اس قدر بڑا محصول ہماری درویشی اور توکل میں مانع ہو گا، دوم ہمارے بعد ہماری اولاد کے لیے باعث آزمائش ہو گا۔ لھذا ہم اسے قبول نہیں کرینگے، اگر ہمارے محبین میں شامل رہنا چاہتے ہو تو آئیندہ ایسی حماقت نہ کرنا، یہ کہہ کر سند مذکورہ کے ٹکڑے کر دئے، ایک لفافہ میں مع خط روانہ کر دیا۔ اس واقعہ کی اطلاع جب حاکم وقت کو ہوئی تو وہ از خود خانقاہ شریف میں حاضر ہوا اور معافی کا طالب ہوا، ندامت پر حضرت والا نے معاف فرمایا۔ قلب شہر علاقہ کاروانِ ساہو میں خانقاہ شریف 24 ایکڑ اراضی پر قائم تھی، ہزاروں مسافرین و راہگزاروں نیز مسکینوں اور ناداروں کے لیے اطعام طعام و قیام کا اہتمام رہتا۔ افسوس سقوط حیدرآباد کے بعد تمام تر جائیداد اغیار کے قبضہ میں چلی گئی، صاحب مشکوٰۃ النبوۃ رقم تراز ہیں کہ شہر کے اکثر امراء حضرت کے حلقہ ارادت میں شامل تھے بشمول خانِ عالم کلاں، امین خان احتشام جنگ جن کو وزارت عظمی حاصل تھی۔ شعر و سخن سے بھی آپ کو دلچسپی تھی، بطورِ نمونہ اشعارِ ذیل پیش ہیں۔

ذاتِ او را از صفاتِ او حجابے ہست نیست　　کائنات از مہر غیبش ہمچو تابے ہست نیست
جملۂ عالم توئی وبس حجابے کیستم　　مطلع حسنش ہویدا شد نقابے کیستم
ذاتِ حق چوں موجزن گشتہ بہ دریائے محیط　　بر سرِ امواجِ کثرت ایں حبابے کیستم

صاحبِ مشکوٰۃ النبوۃ نے تاریخ وصال 1150ھ تحریر فرمائی ہے۔

حضرت سیدنا درویش محی الدین قادری کے دوسرے صاحبزادہ حضرت سید شاہ محی الدین محمد عرف قادر پاشاہ قادری فخر دودمانِ موسوی حضرت سید شاہ موسیٰ قادری قدس سرہ کے پدرِ بزرگوار ہیں۔ آپ بھی اپنے اسلاف کی طرح مادرزاد ولی تھے۔ ہمیشہ دائم الوضوء رہتے، اکثر نماز عشاء کے وضوء سے نماز صبح ادا فرماتے۔ اشراق تک اوراد و اذکار مین مشغول و محو رہتے، مابعد ضرورت مندوں اور حاجت مندوں سے ملاقات فرماتے، حسبِ استطاعت انکی ضرورتوں کو پورا فرماتے۔ اگر کبھی کسی سائل کو پیش کرنے مال و اسباب مہیانہ ہوتے تو اس کو نصیحت عطا فرماتے جس پر عمل کے ذریعہ اس کی حاجت پوری ہو جاتی۔ کبھی کبھی فکرِ سخن بھی فرماتے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

در جہاں ہر طرف بہار خوش است　　فکر ہر کس بہ کاروبار خوش است
بہرِ تسخیرِ عالم دلہا　　دعوتِ عجز و انکسار خوش است
بہ رہِ فقر گو تواں رفتن　　قدمِ صبر و استوار خوش است

مسکین تخلص فرماتے تھے۔ ایک اور طویل کلام کا مطلع ومقطع پیش کیے دیتا ہوں۔

خودی از خود بروں کن تا خدا پیدا شود آرے　　یقیں ہر ظرف خالی را صدا پیدا شود آرے
دمے دریاب نقد دیں دریں بازار اے مسکیںؔ　　متاع نیک را نیکو بہا پیدا شود آرے

وصال سے دو سال قبل اپنے صاحبزادہ والاشان سید شاہ موسیٰ قادری کو 14 سال کی عمر میں بیعت سے سر فراز فرمایا اور وصال سے ایک روز قبل خلافت واجازت سے سر فراز کیا۔ تاریخ وصال 1171ھ مر قوم ہے۔ قطعہ تاریخ رحلت حسب ذیل ہے۔

حضرت سید شاہ موسیٰ قادری قدس سرہ العزیز

خانوادہ قادریہ کے عظیم المرتبت صوفی باصفا، راہنمائے اتقیا، پیشوائے اولیا، سیدنا موسی قادری قدس سرہ العزیز کے ذکر منیف کے بغیر اولیا دکن کا تذکرہ ادھورا ہے، آپ حضور پیران پیرؒ کے ایکیسویں پشت میں وہ عظیم الشان شہزادہ ہیں جن کی علمی، روحانی، فلاحی وسماجی خدمات رہتی دنیاتک نہ صرف یادرکھی جائیگی بلکہ قابل تقلید بھی رہینگی۔

سرزمین ہند بالخصوص دکن میں آپ علیہ الرحمہ کے آباءواجداد اور پیرانِ سلسلہ کی خدمات بے مثل ولاجواب ہیں، عوام وخواص میں یکساں مشہور ومقبول اور علماء ومشائخ میں بیک وقت قابل احترام آپ ہی کی ذاتِ والا صفات گزری ہے۔ شہر حیدرآباد اپنے قیام ہی سے ہندوستان میں علم وادب، فضل وکمال کا گہوارہ رہا، سلاطین قطب شاہی اور آصف جاہی نے اپنے اپنے عہد حکومت میں اپنی علم دوستی کی بنیاد پر اس شہر کو علم وفضل کے افق تک پہنچایا۔

صاحب مشکوۃ النبوۃ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ پر فضل ایزدی اس طرح سایہ فگن تھا کہ اکثر علماءاور فضلائے وقت مثلاََ مولوی عزت اللہ صاحب جو صدر بلدہ دکن تھے، مفتئ شہر حافظ مولوی عبد القوی خان وغیرہم آپ کی حاضر جوابی، دقیق علمی مسائل پر فیصلہ کن کلام اور تصوف کے اسرار ورموز پر دسترس نیز آپکی خاندانی شرافت کی وجہ سے آپ سے کمال عقیدت رکھتے تھے، اکثر علماء علمی تشفی کے لیے پیچیدہ مسائل تصوف آپ کی خدمت میں پیش کرتے، تاکہ شکوک وشبہات کا ازالہ ہوسکے۔ آپ کبھی عربی اشعار بھی کہا کرتے اور اکثر اپنے مریدین کو عربی میں مکتوبات لکھا کرتے۔ جس سے علی الترتیب "دیوانَ موسوی" اور "مکتوباتِ قادری" مراد ہیں۔

مذکور ہے کہ آپ پر بعض اوقات ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ آپ کے دہن مبارک سے کف جاری ہوجاتا، سماع سے بھی آپ کو رغبت تھی کبھی کبھی سن لیاکرتے۔ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رات دیر گئے آپ دیوان حافظ شیرازی کا مطالعہ کررہے تھے، اچانک غلبۂ حال نے زور پکڑا، آتش عشق کی لو تیز ہوئی، آپ نے ایک ایک ورق نکال کر نذر شمع کردیا۔ جب حالتِ مذکورہ سے افاقہ ہواتو دیوانِ موسوی کی ترتیب میں مشغول ہوگئے، کامل چھ مہینوں میں دیوان موسوی مرتب کردیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپ نے دیوان موسوی کو مرتب فرمانے کے بعد نظر ثانی تک نہیں فرمائی، بلکہ فرماتے کہ فقیر عاصی رندِ مشرب صوفیاء ہے اور دیوانۂ وضع بھی، جی چاہتا ہے کہ دیوان موسوی کا ایک ایک ورق دریائے موسی کی نظر کردوں، کیونکہ کبھی کسی قاری کو مغالطہ نہ ہوجائے۔ فرماتے مشرب صوفیاء میں احتیاط ضروری ہے۔ دیوان موسوی سے چند کلام کے نمونہ پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اہل علم ودانش کو حضرت موسیٰ قادری کے تبحر علمی کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

الغیاث اے ماہِ تاباں الغیاث الغیاث اے شمسِ رخشاں الغیاث
حالِ من با تو ہویدا شد ہمہ اے علیم ِ رازِ پنہاں الغیاث

شد دلِ من تشنہ دیدار تو در لبانت آبِ حیواں الغیاث
من غلامانِ ویم موسیٰ لقب بے کساں را اوست درماں الغیاث

خوفِ طوالت کے باعث مزید چند غزلوں کے صرف مقطعے پیش ہیں۔

موسیٰؔ مابین عاشق و معشوق تو حجابی دگر حجاب چہ ہست
موسیٰؔ مدد مخواہ زِ فرعون نفس بد ہستی تو واقف ِ از ایں رسمِ طریقت
شکر اللہ کہ رسید است بگوشم ا ز خود خرم آ ں روز کہ موسیٰؔ رہِ بغداد کند
موسیٰؔ شو لا تخف ولا تحزن حاکم ِ کل کہ یارِ ما باشد

دیوانِ موسوی سے ایک اور مختصر مگر وجد آفریں غزل پیش کیے دیتا ہوں تا کہ صاحبانِ علم و عرفاں کے لیے باعث تسکین ہو۔

شکر اللہ کہ بس نوید آمد نامہ از دوست نصفِ دید آمد
دلِ من بستہ است چوں غنچہ یادِ یاری تو خوش و زید آمد
دردِ جاں ایں ہمہ کنم از دل موسیٰؔ عبدِ تو زر خرید آمد

اہل بیت اطہار سے ان کی محبت مثالی تھی، ایک مقام پر ٹوٹ کر اس نسبت غلامی کا ذکر کرتے ہیں، گویا مریدین کو صبح قیامت تک درس دے رہے ہیں کہ '' یک در گیر محکم گیر'' فرماتے ہیں کہ:

یا رب مرا تو طالب ایں سیم و زر مکن بہرِ تلاش نان مرا در بدر مکن
دارم جنابِ موسیٰؔ شاہِ علی رضا لوحِ نصیب صاف مرا بد کہر مکن

اس کے علاوہ مکتوباتِ موسوی جو بزبانِ عربی تحریر کیے گئے تھے، خود حضرتِ والا نے اپنے مرید خاص عالمِ جلیل مولوی عبد اللہ بیگ صاحب داروغہ عدالتِ عالیہ آصفیہ کے حوالہ کیے تھے تا کہ طبع کروائی جائے۔

1184ھ کا قحط۔ دعائے استسقاء اور طغیانی کا انوکھا واقعہ

کتب تاریخ مین درج ہے کہ نظام الملک آصف جاہ ثانی نے مشائخ شہر سے نماز استسقاء کا عریضہ کیا، حضرت موسیٰ قادری نے ہر چند انکار فرمادیا مگر مریدین و اہل خاندان کے اسرار پر شاہی عریضہ کو قبول فرمایا۔ الغرض آپ اپنے مریدین و صاحبزاد گان کے ہمراہ مقررہ مقام و وقت پر جب وارد ہوتے تو شاہِ وقت نے آپکو پہلی صف میں یاد کیا، آپ نے فرمایا فقیر یہیں رہیگا، ویسے بھی دوران نماز قریب و بعید یکساں ہیں ،شاہ نے کہلا بھیجا کہ مجھے آپ سے ملاقات کا اشتیاق ہے، آپ تشریف لے گئے، شاہِ مذکور نے اپنا مصلی آپ کو پیش کیا اور بعد نماز آپ سے خصوصی دعا کا ملتجی ہوا، شاہِ موسیٰ کی رقعت انگیز دعا کا اثر ہوا کہ چند ہی دن میں بادِ باراں تیز ہوگئی۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا، چند روز گزرے تھے کہ دریائے موسیٰ میں طغیانی برپا ہوگئی، نصف شہر پانی میں ڈوب گیا۔ نظام الدولہ نے خصوصی ہاتھی کی سواری روانہ کر کے

حضرت موسیٰ قادری اور ان کے اہل وعیال کو محفوظ مقام پر منتقل کیا۔ قدرت کا کرشمہ دیکھیں کہ اگلے سال پھر موسم برسات میں طغیانی کا خطرہ منڈلانے لگا، نظام الملک نے التماس کی کہ حضرت والا امسال طغیانی سے شہر کو بحکم الٰہی بچالیں، شہر حیدرآباد دوسری طغیانی برداشت کرنے کا اہل نہیں رہا۔ شاہ موسیٰ چند فقراء کے ساتھ خانقاہ سے متصل دریا کے کنارہ پر پہنچے اور اپنا عصائے موسوی یہ کہکر دریا کے سینے میں پیوست فرمایا۔" میں موسیٰ اور تو موسیٰ، خبر دار اس عصا کے اوپر سے نہ گزرنا" چنانچہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ رودِ موسیٰ کا پانی مقررہ نشان سے گھٹنے لگا۔ حضرتِ سیدنا موسیٰ قادری قدس سرہ سے بے شمار خوارق عادات و کرامات کا ظہور ہوا، جس کی تفصیل مشکوٰۃ النبوۃ و دیگر کتب تاریخ اولیاء دکن میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔(1)

آپ کے مزاج میں حد سے زیادہ تواضع اور انکساری تھی، استغناء کے اعلی درجہ پر فائز تھے، اکثر فقراء کی ضرورت پوری فرماتے، جب کبھی کسی ضرورت مند کی حاجت پوری فرماتے تو معاً ارشاد کرتے کہ فقیر قادری کو اس خدمت کے عوض نہ دنیا میں اجر مطلوب ہے نہ ہی آخرت میں جزاء کا طلبگار ہے۔

رحلت کا واقعہ بھی عجیب ہے، کئی روز مسلسل علیل رہے، بالآخر قوت ارادی سے از خود اٹھے اور وضوء فرمایا، پھر بستر پر دراز ہو کر فرمایا کہ فقیر نے کلمہ توحید پڑھ لیا ہے، گواہ رہنا، الغرض خاندانِ قادریت کا یہ عظیم چراغ جس کی لو نے ہزاروں چراغوں کو روشن کیا بالآخر 21 ذی قعدہ 1215ھ کو برضائے الٰہی گل ہو گیا۔ نماز جنازہ تاریخی مکہ مسجد میں ادا کی گئی، ایک روایت کے مطابق تین میل تک سروں کا سمندر تھا۔ آپ کے دست حق پرست پر چالیس ہزار سے زائد افراد نے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی۔ یاد رہے کہ آپ کے جانشین صاحب مشکوٰۃ النبوۃ نے آپ کی مزارِ پر انوار پر ایک خوبصورت گنبد تعمیر فرمایا جو فن تعمیر کا ایک شہکار ہے، گنبد کے اطراف و اندرون آیاتِ قرانی اور قطعات دیکھنے کے قابل ہیں۔ گنبد شریف کی تکمیل پر جانشین ممدوح نے مختلف قطعات تاریخ سنگ اسود میں نقش کروائے۔ سلسلہ قادریہ لطیفیہ بعد میں سلسلہ قادریہ موسویہ کے نام سے بلاد دکن میں سیدنا موسیٰ قادری کی شہرت عامہ کی وجہ سے مشہور و معروف ہوا۔

آفتابِ خانوادہ موسویہ صاحب تصانیفِ کثیرہ عارف باللہ سیدنا سید شاہ علی قادری الموسوی المعروف بہ غلام علی شاہ قدس سرہ العزیز:

سلسلۃ الذہب کی وہ انمول کڑی ہیں جن کے کوائف و کمالات حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں، فنِ تراجم میں آپ کی مایہ ناز تصنیف "مشکوۃ النبوۃ" خزینۃ العلوم (ENCYLOPEDIA) کی حیثیت رکھتی ہے۔ سینکڑوں اکابرین و صلحائے امت کی سوانح حیات اور ان کے گراں قدر ارشادات پر مشتمل یہ کتاب آپ کا ایسا عظیم کارنامہ ہے جس کی نظیر ممکن نہیں۔ دکن کے اکثر تذکرہ نگاروں نے مشکوٰۃ النبوۃ کو اپنی تالیفات کا مآخذ بنایا ہے۔

حضرت سید محمد علی قادری عاشقؔ اپنی تصنیف "ریاض المعانی فی معرفۃ اولاد شیخ عبد القادر جیلانی" میں رقم طراز ہیں کہ "حضرت غلام علی شاہ قادری نے اپنی ذات بابرکات سے مسند مشیخیت کو زیبائش عطا فرمائی نیز مسند پیری کو ایک نئی رونق عطا کی، ملک دکن میں تمام معاصر مشائخ

(1) مولانا غلام علی شاہ قادری، مترجم: ابوالحسن السید وحید القادری عارفؔ، مشکوٰۃ النبوۃ، 8: 8۔

میں معزز و مکرم اور خاص عام کی نگاہوں میں عزیز و محترم ہوگئے۔ اکثر اس شہر و دیار کے امراء و علماء آپ کے آستانہ فیض گنجور کو بوسہ دینے حاضر ہوتے، کبھی آپ بغرض وعظ و نصیحت بادشاہ وقت کے محل جاتے تو حاکم وقت آپ کو اپنی مسند پر بٹھا کر دست بستہ سامنے ٹھہر جاتا"۔ تاریخ گلزارِ آصفیہ اور تاریخ محبوب ذی المنن میں مذکور ہے کہ نظام کی اکثر محلات و اولاد آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھیں۔

اکتسابِ فیض:

حضرت سید غلام علی شاہ قادری الموسوی نے علوم ظاہری و باطنی میں بیک وقت کمال حاصل کیا، جن اکابر اہل علم و عرفان سے آپ نے اکتساب علم کیا ان میں سرِ فہرست آپ کے والد بزرگوار سید موسیٰ قادری ہیں۔ اس کے علاوہ آپکے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے۔ ایک مشہور صوفی و عالم، جن کی مشہور تصانیف کنزِ مخفی، وعظ المجانین، فتاوی عشاق اور توحید نامہ وغیرہ آپ کی علمی جلالت پر دال ہیں، سیدنا غلام علی شاہ نے مسلسل پانچ سال آپ سے اکتساب علم کیا، مختلف علوم و فنون کو محنت شاقہ کے ذریعہ حاصل فرمایا۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت شاہ اسد اللہ بھی قابل ذکر ہیں جو حضرت بہاء الدین باجن کی اولاد امجاد سے تھے۔ حضرت غلامِ علی شاہ اپنے استاذ گرامی کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت اسد اللہ کی قوت بیانی اور طریقہ تدریس اس نوعیت کا حامل تھا کہ آپ کے روبرو زانو ادب تہ کرنے والوں کو پھر کسی اور سے اکتساب علم کی احتیاج نہ رہی۔ '' سروج ثانی '' اور حواشی کافی '' آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ حضرت غلام علی شاہ نے آپ سے بارہ سال تک اکتساب علم فرمایا۔

دیگر اساتذہ میں حضرت شاہ یوسف، حضرت شاہ صادق علی، حضرت شاہ قاسم اور حضرت شاہ انوار اللہ شامل ہیں۔ ان اساتذہ میں حضرت شاہ یوسف ساداتِ عریضی سے تھے۔ جنہوں نے جذبہ عشق میں حرمین شریفین کے علاوہ عرب و عجم کے مختلف ممالک کا سفر فرمایا اور ان مقامات کے متعدد اکابر علماء و شیوخ سے علمی استفادہ کیا۔ فصوص الحکم اور حدیث و فقہ کے کتب مجاولہ کا بوجہ احسن درس دیا کرتے۔ حضرت غلام علی شاہ قبلہ نے کتاب "فیض الحق" بھی آپ کی خدمت میں تمام فرمائی اور سندِ لطائف بھی حاصل کی۔ مذکور ہے کہ حضرت صادق علی شاہ سے آپ نے سند مصافحہ بھی حاصل فرمایا، حضرت شاہ قاسم بھی عالم کبیر تھے۔ آپ کی منظوم تصنیف '' کنز الحائق '' اور نثر میں '' مجمع النکات '' علمی دنیا میں بہت مشہور ہیں۔ آپ نے حضرت غلام علی شاہ قادری کو اذکار واثق کی تلقین فرمائی اور ذکرِ سکوت کی بھی اجازت مرحمت کی۔ اس کے علاوہ حضرت سید شاہ انوار اللہ سے '' رسالہ جامِ جہاں آراء '' کی تکمیل کی، نیز سید محی الدین قادری سے بھی اکتساب کیا۔

حضرت غلام علی شاہ قادری کی تصانیف

حضرت غلام علی شاہ قادری کو علم اپنے جد کریم باب العلمؓ سے میراث میں ملا تھا، اپنے داداو آقا سرکارِ غوثیت مآب کے نقش قدم پر عمل پیرا ہو کر آپ نے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ اپنے علمی سفر کو بام عروج تک پہنچایا اور مختلف علوم کے گوہر اپنے بحر بے کنار سے چن چن کر لٹائے۔ آپ کے عہد پر فتوح میں کتابت و طباعت کی سہولیات نہ کے برابر تھیں، اسی لیے آپ کی اکثر کتابیں مخطوطات کی شکل میں دستیاب ہوئیں، ان کے منجملہ بعض کو بعد میں طباعتی مراحل سے گزارا گیا، ہنوز چند مخطوطات زیور طباعت سے آراستہ ہونی باقی ہیں۔ متعدد کتابیں دست بردِ زمانہ کا شکار ہوئیں، جو یقیناً ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ البتہ خود حضرت نے اپنے دست اقدس سے چند اہم تصانیف کی حفاظت

کا انتظام فرمادیا۔ آپ نے اپنی اہم تصانیف کو ایک مجلہ کی شکل میں محفوظ فرمایا تھا جو بفضل اللہ تعالیٰ تلف ہونے سے بچ گئیں۔

مسائل صوفیہ: اس رسالہ میں آپ نے پہلا باب وضوء اور اس کے ضروریات کے متعلق باندھا ہے، ائمہ اربعہ کے باہم اختلافات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی نیز اہل تشیع کے مختلف اعتراضات کا بھی تقابلی جائزہ پیش فرماکر شکوک و شبہات کو زائل فرمادیا۔ دوسرا موضوع نماز اوراس کے تقاضوں پر رقم کیا دلائل وبراہین پر مشتمل سیر حاصل ابحاث فرمائے۔ صوم یعنی روزہ کے حوالے سے بھی کئی صفحات پر بحث کی نیز روزہ کے وجوب، اقسام کے علاوہ اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین نزعی اختلافات پر کتب کتاب و سنت سے بہترین دلائل کے ذریعہ تشفی بخش جواب دیا۔ بعد ازآں حج بیت اللہ کے مسائل زیر بحث لائے اور عازمین حج کے لیے کتاب و سنت سے ماخوذ مواد فراہم کیا۔

اگلا مسئلہ ذکوۃ پر مشتمل ہے، اس سلسلہ میں زکوۃ عام اور زکوۃ صوفیہ کے فرق کو بوجہ احسن بیان فرمایا۔ اقرار کلمہ شرعیہ پر مجلا روشنی فراہم کی۔ اس کے علاہ اس رسالہ میں "کفر حقیقی در نظر صوفیہ" اور "توبہ شرعی، توبہ صوفیہ، عبادت صوفیہ، بیعت صوفیہ، خلافتِ رسول، ولایت، جبر وقدر، وحدت الوجود اور کئی اہم مسائل پر سیر حاصل بحث کی۔ یہ رسالہ 1229ھ کو تکمیل پایا۔[1]

رسالہ اوہامیہ: یہ بھی ایک عظیم رسالہ ہے جس میں اولا آپ نے مدرکئہ انسانی کی تین اہم اقسام، وہم، فہم اور علم کی بغایت وسیط شرح فرمائی۔ فصل دوم و سوم میں سالک اوسط اور سالک منتہی کا ذکر فرمایا۔ اس رسالہ میں بھی آپ کے علم بے انتہاء کا اظہار ہے، ان فصلوں میں آپ نے نفس، روح اور شکل کے متعلق بحث فرمائی اور اس ضمن میں روحِ محمدی، روحِ نورِ محمدی، روحِ نفسِ محمدی، روحِ انسانی، روحِ حیوانی، روحِ نفسانی وغیرہ کے موضوع پر علم و عرفان کے خزانے لٹادئے۔[2]

مسالک صوفیہ: مسالک صوفیہ حضرت غلام علی شاہ قادری کی ایک ایسی عظیم المرتب تصنیف ہے کہ جس کو دیکھنے اور پڑھنے کے بعد قاری حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ ایسے دقیق مسائل جن پر گفتگو تو درکنار لوگوں کو وقفیت تک نہ تھی، حضرت نے علم کے وہ دریا بہادئے کہ معاصر علماء تک انگشت بدندن رہ گئے۔ اس کتاب کی پہلی فصل "مسلک اول در فضائل سلوک و شمائل سالکان" پر مبنی ہے۔ آپ نے اس کتاب کی ابتداء سالک کے اقسام، علما و صوفیائے سلوک کے معنی، مجاھدات، قطع مراحل اور منازلِ جانانہ کی جانب مسافت طئے کرنے اور اس کے مراحل کے حوالے سے فرمائی۔ دراصل اس کتاب میں قبلہ گاہی نے 21 مسالک کا ذکر فرمایا ہے جس کی تفصیلات ایک مقالہ میں ممکن نہیں، لھذا صرف فہرست مسالک پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ مابقی ابحاث در مسالک حسب ذیل ہیں۔ 2(فضائل آداب و شمائل ادیبان 3)فضائل ارادت و شمائل مریدان 4) فضائل تصوف و شمائل صوفیان 5) فضائل فقر وشمائل مسکینان 6) فضائل علم و شمائل عالمان 7)فضائل تجرید وشمائل مجردان 8)فضائل جمیع وشمائل تفرقہ 9)فضائل فناوشمائل بقا10)فضائل موت وشمائل حیات 11)فضائل توحید و شمائل موحدان 12)فضائل عشق و شمائل عاشقان 13)فضائل قبض و شمائل بسط 14)فضائل نفس و شمائل روح 15)فضائل سماء و شمائل وجد 16)فضائل جلال وشمائل حال 17)فضائل جلاو شمائل تجلی ذات 18)فضائل کمالِ ذاتی وشمائل کمالِ اسمائی 19)فضائل قضاء وشمائل قدر

---

(2) مسائل صوفیہ، مشکوٰۃ النبوۃ، مترجم، حیدرآباد: اعجاز پرنٹنگ پریس' 1985ء 21۔

(3) رسالہ اوہامیہ بحوالہ ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، مرتبہ سید شاہ وحید الحسینی، حیدرآباد: اعجاز پرنٹنگ پریس، 1985ء 23۔

20)فضائل سحو و شمائل سکر 21)فضائل سلوک و شمائل جذب 22)فضائل سیر و شمائل ظہر 23)فضائل سفر و شمائل اقامت 24)فضائل نفی و شمائل اثبات 25)فضائل عالم و شمائل عالم خلق 26)فضائل مکاشفہ و شمائل معائنہ 27)فضائل خرقہ و شمائل مخرقان 28)فضائل خلق و شمائل خلقان۔ (1)

مسائل وجودیہ: یقیناسالکان راہ تصوف کے لیے یہ ایک انمول اور نایاب کتاب ہے جو متلاشیان راہ حق کی قدم قدم پر رہبری اور رہنمائی انجام دیتی ہے۔اس رسالہ میں حضرت غلام علی شاہ قادری نے مراتب عند اللہ پر سیر حاصل بحث فرمائی، آپ نے مراتب کی تین اقسام فرمائی ہیں اولاً احدیث مطلقہ، مراتب الٰہیہ میں پہلا مرتبہ ہے جہاں ذات موجود ہونے کے باوجود فہم و ادراک سے بالا ہے۔اس مرتبہ میں علم و معرفت کا گذرنا ممکن ہے، اسی لیے اسے۔"منقطع الارشادات—"اور مجہول اللغات کہا گیا۔ ثانیاًوحدتِ طرفہ کا مقام ہے، فرماتے ہیں کہ یہ مقام تعین اول اور قابلیت محض کا ہے جس کو عشق حقیقی اور حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے۔واحدیت جامعہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ مقام استمداد اسماء الٰہی ہے، اس مرتبہ کو مرتبہ الوہیت بھی کہا گیا ہے جو مظہر امہات صفات ہے۔یہ صفات علم، حیات، ارادہ، سمع، بصر اور کلام ہیں۔اس کتاب کو سطر بہ سطر، حرف بہ حرف اور لحظہ بہ لحظہ پڑھنے سے معرفت اور وجود ذات کا عرفان ہوتا ہے۔اس سے مراد آپ نے مسائل وجودیہ لیے ہیں، اس کتاب کا ایک اور نام دائرۃ الخمس بھی آیا ہے، یقینایہ کتاب حضرتِ مصنف کی علوِّ شان اور عرفان کا پتہ دیتی ہے۔ (2)

فوائدِ صوفیہ: حضرتِ غلام علی شاہ قادری کی یہ تصنیف بھی سالکانِ راہ طریقت اور صوفیانِ اہل فا کے لیے رہنمائے راہِ طریقت کی حیثیت رکھتی ہے۔دراصل یہ کتاب علمی حقائق و سلوک پر مبنی ہے۔ایک مقدمہ، چار مقام اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔مقدمہ میں آپ نے اپنے علمی استدلال سے ان کلمات پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے جو اہلِ سلوک کے لیے شمع ہدایت کا فریضہ انجام دیتاہے۔مقام اول میں طریقہ قادریہ کے سلوک اور اس کے کلمات فیض آیات کا مجلاً بیان کیاہے۔مقام دوم مراتب تعینات اور حضرات خمس کے متعلق ہے۔سوم مراتب مکیہ اصطلاحات صوفیہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔مقام چہارم بعض متعلقہ آیات قرانیہ کی تفسیر اور احادیث شریفہ کی شرح فرمائی ہے۔ خاتمہ میں بعض مراتب کشفیہ کو بیان فرمایاہے۔ان سب ابواب پر ایک مختصر مقالہ میں گفتگو محال ہے۔ (3)

الزامیہ: یہ رسالہ گروہِ امامیہ اور مقلدین مشائخین سنیہ کے درمیان ردو قدح پر مبنی ہے۔اس میں الزام اول جو زیرِ بحث لایا گیاوہ اہل تشعی کا طریقہ بیعت ہے، جس پر اہل سنت کا اعتراض ہے۔اس رسالہ میں آپ نے اہل تشعی کے باطل اور من گھڑت عقائد کا رد بلیغ فرمایاہے، بیعت صوفیاء خلافتِ راشدہ۔ائمہ اہل بیت اطہار کے فضائل کے علاوہ اس رسالہ میں ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ فرمایا جو فی الواقع عقیدہ

---

(4) ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، مرتبہ سید شاہ وحید الحسینی، حیدرآباد: اعجاز پرنٹنگ پریس، 1985ء 24-25۔

(5) مسائل وجودیہ ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، مرتبہ سید شاہ وحید الحسینی، حیدرآباد: اعجاز پرنٹنگ پریس، 1985ء 25۔

(6) ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، مرتبہ سید شاہ وحید الحسینی، حیدرآباد: اعجاز پرنٹنگ پریس، 1985ء 27-28۔

اہل سنت کے مغائر ہیں نیز اہل سنت پر لگائے گئے الزامات و اعتراضات کا کتاب و سنت اقوال سلف کی روشنی میں جواب دیا۔[1]

خوارق غوثیہ: یہ کتاب حضور پیران پیر سیدنا شیخ عبد دالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات بالخصوص کرامات پر مشتمل ہے، اس کتاب کے تین طویل البحث ابواب ہیں، پہلا باب ان کرامات پر مشتمل ہے جو ولادت سے مسندِ مشیخیت پر جلوہ افروزی تک ہیں، دوسرا باب ان کرامات کا احاطہ کرتا ہے جو مسندِ شیخیت پر متمکن ہونے سے وفات حسرت آیات تک عالم ظہور میں آئیں اور تیسرا باب ان کرامات کے متعلق ہے جو شیخ الکلؒ کی وفات کے بعد ظاہر ہوئیں۔ اس کے علاوہ ایک خاتمہ اور مدارج ولایت کے متعلق گیارہ احادیث نبوی کی شرح پر محیط ہے۔[2]

اورادِ قادریہ: اس کتاب میں حضور شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے منسوب اوراد و وظائف کا اجمالی ذکر اور ترتیب مستند کتب تاریخ کے حوالے پیش فرمائی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے چند معتبر کتب اورادِ قادریہ، سیر الاولیاء، اورادِ چشتیہ، مناھج العباد وغیرہ کے حوالے پیش کیے جس سے مصنف علیہ الرحمہ کے وسیع مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کو تین مخازن میں منقسم فرمایا، پہلا مخزن فریضہ صلوٰۃ وغیرہ، دوسرا صوم کے متعلق اور تیسرا مخزن سلوک اور اس کے لوازمات پر مشتمل ہے۔

مواعظِ غوثیہ: اس کتاب میں سیدنا غلام علی شاہ قادری نے اپنے جد کریم حضور شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے ایک سو اکیس 121 مواعظ مستند کتب سے جمع فرمائے ہیں، یہ کتاب یقیناً ایک علمی شہکار ہے۔ اس کتاب میں آپ نے مواعظ، غوثیہ پر گفتگو بھی فرمائی اور مختلف مقامات پر حسب ضرورت شرح بھی کی ہے۔ اس کتاب کا خاتمہ منظوم فرمایا ہے جو مصنف علیہ الرحمہ کی جلالت علمی اور قادر الکلامی کا مظہر ہے۔[3]

عقائدِ غوثیہ: اس کتاب میں حضرت علیہ الرحمہ نے عقیدہ اسلامیہ پر مجلا بحث فرمائی ہے۔ اس کتاب کے 30 ابواب باندھے ہیں جب کہ ہر باب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

الفصل الاول فیما یجب علی من یرید الدخول فی الدین، فصل الثانی فی معرفۃ اللہ تعالیٰ، الفصل الثالث فیما لا یجوز الطاقۃ علی البادی، الفصل الرابع فی صفت النبی ﷺ، الفصل الخامس فی فضل الصحابۃ والتابعین

اس کتاب میں باب دوم اور سوم پانچ پانچ فصلوں پر محیط ہے ۔کتاب مذکور حضور پیران پیر کے ارشادات کی روشنی میں نہ صرف دین، ضروریاتِ دین، فرائض، مستحاب، سنن اور مباحات پر جامعیت کی حامل بلکہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی صفات نیز آپ کے اصحاب و تابعین کی فضیلت پر بھی مستند حیثیت کی حامل ہے۔[4]

مشکوٰۃ النبوۃ: حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ اکثر مئورخین نے اس سے خوشہ چینی کی ہے۔ اس کتاب کی

---

(7) ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ،19۔

(8) ایضا 1985ء32۔

(9) ایضا، 33۔

(10) ایضا ،35-

خصوصیت یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اسے علاقائی حدود تک محدود نہیں رکھا بلکہ بر صغیر کے علاوہ بلاد العرب و العجم کے تمام اکابر صوفیاء نیز تمام مشارب کے مقتدا شیوخِ طریقت کے تذکار سے آراستہ فرمایا۔ فی الحقیقت یہ ایک ایسی مایہ ناز تصنیف ہے جس کے سمندر میں سینکڑوں بیش قیمتی اور انمول جواہر کے ذخائر موجود ہیں۔ دراصل یہ کتابِ نایاب 33 مشکوٰہ پر مشتمل ہے، دیباچہ میں حضور اکرم ﷺ کی مختصر مگر جامع سیرت طیبہ مرقوم ہے۔ اس کے علاوہ خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، اصحابِ صفہ وغیرھم کے احوال و مناقب درج ہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اولین مشکوٰۃ میں اول من اسلم امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ذکر و مناقب سے آغاز فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حضرتِ مصنف نے اس کتاب کو تینتیس مشکوٰۃ میں منقسم کیا ہے۔ ہر مشکوٰۃ میں سلسلہ نسب کا لحاظ رکھا گیا ہے جو حضرت غلام علی شاہ قادری کے 33 واسطوں سے اجداد پدری ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا انوکھا انداز تھا۔ پوری کتاب چھ سو سے زائد اولیاء کبار، مشائخ عظام اور صوفیاء کرام کے حالات، ارشادات اور خصوصیات پر مشتمل ہے۔ اس کی کتاب کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس کو تاریخ الملوک کے نام سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے کیونکہ جن صوفیاء کرام کا ذکر کیا گیا، ساتھ ہی ان کے عہد کے حکمرانوں کا بھی تذکرہ شامل کر دیا گیا، کم از کم اسمائے سلاطین وقت درج فرمائے گئے ہیں۔ پیش لفظ میں اس تصنیف منیف کی تدوین میں تصوف کی تمام اہم کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ کم و بیش 64 سے زائد کتابوں کے حوالہ جات دئے ہیں، یقیناً اس سے آپ کی تبحر علمی اور وسیع مطالعہ کا صرف اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بقول " سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لیے "

اس تذکرہ کا ایک اور خصوصی وصف یہ ہے کہ تقریباً چھ سو سے زائد صوفیاء کرام کو حضرت غلام علی شاہ قادری نے کئی سطور پر مشتمل القابات سے یاد فرمایا ہے۔ اس سے آپ کی جلالت علمی اور وسعت قلبی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب نایاب نے بے شمار سلاسل طریقت کے شجرہ ہائے نسبی و طریقت کی حفاظت میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے، دو سے زائد صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی یہ کتاب آج بھی اکثر سلاسل طریقت کے نزدیک ایک سند مستند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ اسی خانوادہ کے نبیرہ حضرت ابو الفضل سید محمود قادری سابق سیشن جج نے افرادِ خانوادہ کے اسرار پر فرمایا تھا، جو یقیناً ایک عظیم علمی خدمت ہے۔[1]

دُرالدارین فی مناقب غوث الثقلین: حضور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے احوال مبارکہ پر پچھلی دو صدیوں میں اس قدر جامع اور مفصل کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ، دو مقصد اور ایک خاتمہ ہے۔ مقدمۃ الکتاب پانچ وادی پر مشتمل ہے۔ وادی اول در بیانِ ولادت باسعادت حضور شیخ عبد القادر جیلانیؓ وادی ثانی در بیانِ صحتِ سیادت آنحضرتؓ، وادی ثالث در بیانِ بیعت و مھاجرتِ پیرانِ پیرؓ، وادی رابع در بیانِ شدت مجاھدہ و ریاضت اور پانچویں وادی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے مشہور قول۔ "قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ" کے متعلق ہے۔ کتاب کا مقصد اول مناقب غوثیہ و مناقب اولیاء پر مشتمل ہے جس میں ایک سو مناقب بیان کیے گئے ہیں اور تین رشحات پر مبنی ہے۔ رشحۂ اول میں پیرانِ پیر سے قبل کے اولیاء کبار کے مناقب، دوم میں معاصر اولیاء کے حالات اور سوم میں

---

(11) ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، ص 37۔

متاخرین کا ذکر۔اس کتاب کے مقصد ثانی میں اولیاء کبار کی مستند روایات سے حضور شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے کرامات نقل کیے ہیں، جن کی تعداد 248 ہے۔اس کتاب سے جمیع سلاسل طریقت کے پیروکاروں نے استفادہ کیا ہے، کیونکہ اس میں حضرت محبوبِ سبحانیؒ کے متقدمین، معاصرین اور متاخرین اولیاء کے احوال درج ہیں۔ گویا یہ کتاب ایک ایسا بحر کرم ہے جس نے بلا تفریق مشرب سب کو سیر اب کیا۔حیدرآباد کے ایک عظیم المرتبت صوفی حضرت سید زرد علی شاہ صاحب قبلہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد برہان الدین خان صاحب نے در الدارین فی مناقب غوث الثقلین کی شرح "محی الکونین فی شرح در الدارین" لکھی ہے۔[1]

مفتاح الفرائض: کتاب مذکور نماز پنجگانہ اور دیگر فرائض کے متعلق اہم ابواب پر مشتمل ہے، نیز اس میں اہم شرعی احکام کا اجمالی ذکر موجود ہے۔ مسائل فقہ و شریعت کے احکام کی اہمیت برائے سالکانِ طریقت پر ابحاث ہیں۔ مقدمہ کتاب فرض، سنن، واجبات، مستحبات کے متعلق ہے جبکہ باب اول احکام صلوٰۃ پر مبنی ہے۔ فصل دوم قیام، صوم، نماز میں قرائت، چہارم رکوع، پنجم سجدہ، ششم قعدہ، ہفتم سلام کے بارے میں تفصیلات پر مبنی ہے۔ اس کے دیگر ابواب میں مکروہاتِ نماز، تیمم، غسل، وضوء وغیرہ ہیں۔ باب دوم میں روزہ اسکا بیان، احکام زکوٰۃ، مناسک حج بیت اللہ تفصیلاََ ، موجود ہے، کہا جاتا ہے کہ کتاب مشکوٰۃ النبوۃ کے بعد حضرت غلام علی شاہ قادری کی یہ دوسری سب سے ضخیم کتاب ہے، بخوف طوالت جس کے صرف چند ابواب پیش کیے گئے۔[2]

چمنستانِ وحدت: مسائل وحدت یعنی توحید کے حوالے سے یہ ایک مایہ ناز تصنیف ہے، اس کے مقدمہ میں حضرت غلام علی شاہ خود فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ بحکم " خیر الناس من ینفع الناس" لکھا گیا ہے۔ اس سے اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے باب کے بجائے ابواب کے لیے لفظ چمن کا انتخاب فرمایا ہے۔ اس کے کل 27 چمن یعنی ابواب ہیں۔ ایک اور کتابِ ضخیم اور موحدین کے لیے انعام عظیم ہے۔[3]

خمسہ طیبہ: خمسہ طیبہ میں آپ نے اہل سنت پر اہل تشیع کے الزامات نیز تبرات کا مدلل جواب دیا ہے، اس کے علاوہ ان کے باطل عقائد و نظریات کا بھی رد بلیغ فرمایا ہے۔ باغ فدک، حدیث ثقلین، تمسک فریقین اور اس جیسے مختلف حساس عنوانات کو زیر بحث لا کر تشفی بخش اور فیصلہ کن مواد فراہم فرمایا ہے۔ اہل سنت کے لیے یقیناً یہ ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

لطائف اللطیف: سید الابدال سلطان الفقراء حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری الحموی ان کے پانچ صاحبزادگان اور خلیفہ مجاز کے حالات و کمالات پر مشتمل یہ کتاب بھی اپنی نوعیت کا ایک علمی شہکار ہے۔ بالخصوص اہل سلسلہ و متوسلین لے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ حضرت سیدنا غلام علی شاہ قادری کی دیگر تصانیف: یوں تو حضرت والا شان کی تمام کتابوں کی تعداد ہنوز نامعلوم ہے۔ لیکن مذکورہ کتابوں کے علاوہ چند اور تصانیف ہیں جن کا ذکر نہ کیا جانا قرین انصاف کے خلاف ہو گا۔

---

(12) ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، 42

(13) ایضا، 39

(14) ایضا 40

کشف المثنوی، شرح مثنوی مولائے روم جو 6 ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی ،اہل خاندان نے اس سے استفادہ کیا ،مقطوطہ تقریبا زائل ہو گیا،ہنوز دیگر مقطوطات کی تلاش جاری ہے۔انتخاب المورخین ، کتاب مذکور حضرت غلام علی شاہ قادری فن تاریخ گوئی پر ایک اور عظیم کارنامہ ہے۔لوامع فی شرح لوائح، خمسہ قادریہ ،مشاغل قادریہ ، کفائت الفضائل، رسالہ علم تجوید، خلاصہ در علم فقہ ،دیوان ہندی، دیوان فارسی۔مندرجہ بالا تصانیف کے مجملہ بقول مترجم مشکوٰۃ النبوہ مولانا ابو الفضل سید محمود قادری صرف رسالہ علم تجوید بزبان فراسی اور خلاصہ در علم الفقہ بزبان اردو محفوظ رہے۔بقیہ کتابوں کی تلاش کے لیے علم دوست افراد پر مجلس تشکیل دی گئی ہے، خدا کے فضل سے امید ہے کہ کامیابی میسر ہو گی۔

مختصر تذکرہ فیض یافتگان آفتابِ موسوی

حضرت سیدنا غلام علی شاہ قادری الموسوی کے فیض رساں افراد کی ایک فہرست طویل ہے ،چند اک نام پیش کیے جاتے ہیں تا کہ آپ کے مقام و مرتبہ کا سے خاطر خواہ وقفیت حاصل ہو سکے۔

حضرت سیدنا غلام علی شاہ قادری سرزمین دکن پر اپنے معاصرین میں تمام علماء و مشائخ پر نہ صرف اپنی خاندانی شرافت بلکہ علوئے مرتبت علمی کی بنیاد پر سبقت لے گئے ۔علماء و مشائخ یکساں آپ کے معتقد تھے ،حضرت سید برہان الدین قندھاری بھی ہیں جو حضرت کے حلقہ ارادت میں شامل تھے، پایہ کے عالم و صوفی گزرے ،انہی کی استدعا پر حضرت نے در الدارین فی مناقب غوث الثقلین تحریر فرمائی تھی ،چنانچہ انہی سے حضرت اقدس نے اس کتاب کا دیباچہ لکھنے کی خواہش کی تھی، جو انکی علمی لیاقت کا شہکار ہوا۔ حضرت سیدنا جمال البحر قادری الحموی معشوق ربانی یک از سبعہ قادریہ کے نبیرہ حضرت سید محی الدین عرف قادر پاشاہ بھی آپ کے ارادت مندوں مین شامل تھے۔ تبحر علمی میں یکتا و فرید تھے، کئی اک کتابوں کے مصنف گزرے ہیں۔ حضرت غلام علی شاہ قادری الموسوی کی مدحت میں انکا ایک فارسی کلام ملاحظہ ہو:

اے فردِ بیاضِ مصطفائی بیتِ دل تو بصد صفائی حقا کہ زِ دیوانِ موسوی ہم تو اول مصرعہ رباعی
بیگانہ مرا از خویش شمار من جلدتم تو جان آئی مقصودِ محی الدین تو ہستی در دیدۂ من تو روشنائی

دبستان دہلی کے صفِ اول کے شاعر حضرت داغ دہلوی بھی آپ کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔شاہ محمد مائلؔ کے شاگرد تھے، سنگلاخ زمینوں مین شاعری کرتے ، حضرت سے کمال عقیدت رکھتے تھے۔گلزارِ آصفیہ اور تذکرہ شعرائے دکن میں حالات درج ہیں ۔بالآخر خانوادہ قادریہ موسویہ کا یہ آفتاب 27 جمادی الاول 1258ھ رشد و ہدایت، علم و عرفان سے خطہ ارضی کو منور و درخشاں کرنے کے بعد مختصر سی علالت کے بعد غروب ہو گیا۔" تصوف برفت" مادہ تاریخ وصال ہے۔مزارِ مبارک بارگاہ موسویہ میں ایک خوبصورت چوکھنڈی میں مرجع خلائق ہے آستانہ پر فیض میں حضرت کی اپنے جد کریم مولا علی علیہ السلام کی مدحت میں لکھی ہوئی منقبت کنداں ہے جسے پیش کیے بغیر چارہ نہیں۔

بلند تراست زِ عرشِ علامقامِ علیؑ مثالِ نص و حدیث است ہر کلامِ علیؑ

نبی مدینۃ علم و علیؓ بود با بابش | بہ شہر کس نہ درآید بجز سلامِ علیؓ
حدیث لحمک لحمی بشانِ وے آمد | علی وصیٔ نبی و نبی امامِ علی
بقول مصرعہ کس وِرد عارفؔ است ہمیں | علیؓ امامِ من است و منم غلامِ علی

حضرت سید موسیٰ قادری کے کل چار صاحبزادگان تھے، ان کے منجملہ راقم مقالہ کے جد کریم حضرت سیدنا سید شاہ غلام حسین قادری الموسوی المعروف حسینی پاشاہ کے علاوہ کسی کو اولادِ نرینہ نہیں ہوئی، چنانچہ مذکور ہے کہ حضرت غلام علی شاہ قادری نے اپنی واحد صاحبزادی کا نکاح اپنے برادرزادہ سے فرمایا جن کا نام حضرت سید پیراں پاشاہ قادری الموسوی تھا ان کے دوسرے صاحبزادہ افتخار الاکابر والاکارم حضرت سیدنا شاہ مرتضی قادری الموسوی تھے جنہوں نے اپنے مرحوم بھائی حضرت سید احمد قادری الموسوی کے فرزند حضرت سید فضل اللہ قادری الموسوی کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا تھا، بعداً ان کو سجادگی تفویض فرماکر مدینۃ المنورہ کو ہجرت فرمائی، کتاب ”الاستعانت“ مطبوعہ 1980 میں درج ہے کہ مسجد نبوی میں درس حدیث دیا کرتے، سلطان عبدالحمید خلیفہ سلطنت عثمانیہ نے آپکی نسبی شرافت اور علمی مقام سے متاثر ہوکر ” شیخ المشائخ افتخار الاکابر والاکارم“ کا خطاب پیش کیا، جس کی سند بزبان ترکیہ مع تمغہ طلائی تھی، جو حضرت ابوالفضل محمود قادری نبسہ خانوادہ موسویہ کے بعد ہنوز ان کی اولاد کی تحویل میں ہے۔ آپ کے نبیرہ گان میں حضرت وحید العصر سید وحید القادری الموسوی عارفؔ اور حضرت لطیف العصر سید لطیف محی الدین قادری الموسوی معاصر مشائخ و علماء میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے۔ حضرت وحید العصر ایک ایک عظیم المرتبت صوفی اور عالم دین تھے، معاصر مشائخ دکن آپ کا بے حد ادب فرماتے، دقیق مسائل پر گہری نظر تھی، اکثر علماء شہر حساس اور پیچیدہ مسائل میں آپ سے رجوع کرتے۔ زبردست شاعر تھے، فن تاریخ گوئی میں بے مثل تھے، اکثر اہم مواقع پر آصف جاہ سادسؔ مختلف تعمیرات شاہی کے تکملہ پر مادہ تاریخ آپ سے حاصل کرتے۔ حضرت سید لطیف محی الدین قادری الموسوی کے صاحبزادہ حضرت پروفیسر سید عبدالرزاق قادری الموسوی جعفرؔ پاشاہ (متوفی 1979ء) ایک بلندپایہ صوفی، عظیم المرتبت عالم دین اور مصلح قوم وملت گزرے۔ حیدرآباد کے مشہور سٹی کالج سے ابتدائی تعلیم کے بعد جامعہ عثمانیہ سے ایم۔ اے کیا بعد یونیورسٹی میں ہاسٹل کے وارڈن مقرر ہوئے، آپ نے عثمانیہ یونورسٹی میں شعبہ عربی میں ریڈر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ آپ کا ایک عظیم کارنامہ ریاست کے اولین اورینٹل عربی کالج کا سن 1952ء میں قیام تھا، لطیفیہ عربی کالج کو اپنی انتھک محنتوں کے ذریعہ ترقی کی منزلوں سے ہمکنار فرمایا، جہاں سے ہزاروں کی تعداد میں امت مسلمہ کے نونہالوں نے بی۔ اے کی ڈگریاں حاصل کی اور دنیا کے مختلف مقامات پر برسر روزگار ہوئے۔ صدر مجلس علماء دکن و مرکزی روئت ہلا کمیٹی کے معتمد کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔

فخر خانوادہ موسویہ خطیب دکن علامہ سید شاہ کاظم پاشاہ قادری الموسوی الجیلانی فاضل بریلی وسجادہ نشین خانقاہ قادریہ موسویہ

شہزادہ حضور غوث اعظم خطیب دکن علامہ سید شاہ کاظم پاشاہ قادری الموسوی الجیلانی ابن حضرت سید شاہ موسیٰ ثانی قادری الموسوی حضرت سیدنا سید شاہ موسیٰ قادری قدس سرہ کے ساتویں پشت میں نبیرہ تھے۔ آپ کی ولادت 17 ڈسمبر 1948ء مطابق 16 صفر المظفر 1368 ھ کو

ہوئی۔ ابتدائی تعلیم حیدرآباد کے مدرسہ عالیہ سے حاصل کی، بعدہ حصول علم دین کے لیے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اتر پردیش میں داخلہ لیا، منظر الاسلام بریلی سے سن 1975ء میں سند فراغت حاصل فرمائی۔ مفتی اعظم ہند حضرت مصطفی رضا خان قادری نے حضرت خطیب دکن کی خواہش پر جلسہ دستار بندی میں شرکت کی اور خلعت سے سرفراز فرمایا(رسالہ امجدیہ)۔ بریلی شریف کے اکابر علماء سے اکتساب علم فرمایا۔ آپ کے علمی شغف کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کامل سات برس تک اپنا علمی سفر جاری رکھا اور ایک مرتبہ بھی وطن مالوف واپس نہیں آئے۔ شہر حیدرآباد کو واپس تشریف لانے کے بعد اپنے عم بزرگوار پروفیسر سید عبدالرزاق قادری الموسوی سے اکتساب فیضان خاندان موسوی کیا اور سلسلہ عالیہ قادریہ موسویہ کی خلافت و اجازت حاصل فرمائی۔ عقائد اہل سنت کی ترویج و اشاعت میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ اہل سنت کے معمولات اور عقائد پر اعتراضات کا اپنے خطابات کے ذریعہ مدلل جواب دیا۔ خانقاہی نظام کے فروغ و استحکام میں آپکی خدمات مثالی تھی، وطن عزیز ہندوستان کی تقریباً تمام مقتدا خانقاہوں کے نمائندہ حضرات سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ علماء و مشائخ میں یکساں مقبول اور خاص وعام میں یکساں قابل احترام تھے۔ تصلب فی الدین میں یکتائے زمانہ تھے۔ تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ کسی بھی دقیق سے دقیق علمی مسئلہ کو بڑی آسانی کے ساتھ حل فرمادیا کرتے۔ ہفت وار خطیب دکن کا سن 1980ء میں قیام عمل میں لایا، عوام اہل سنت میں بہت مقبول ہوا، چناچہ آپ خود خطیب دکن کے لقب سے پورے ملک میں متعارف ہوئے۔ ہزاروں کی تعداد میں ہفت وار کی کاپیاں طبع ہوتیں اور کشمیر سے کنیا کماری تک پڑھا جاتا۔ اہل سنت کے علماء کو آپ نے اس ہفت روزہ کے ذریعہ ایک زبردست علمی پلیٹ فارم فراہم فرمایا تھا۔ فروغ عقیدہ اہل سنت نیز اصلاح معاشرہ میں اس ہفت وار نے دلچسپ اور علمی مضامین کے ذریعہ شہرت تامہ حاصل کی۔ جنوبی ہند میں بے شمار دینی مدرسوں کا قیام عمل میں لایا اور انکی سرپرستی فرمائی۔ خانقاہ قادریہ موسویہ کی مسند ارشاد و سجادگی پر تقریباً نصف صدی تک جلوہ گر رہے اور تصوف کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کے دست حق پرست پر لاکھوں افراد نے سلسلہ قادریہ موسویہ میں بیعت کی، الغرض ایک عالم نے آپ سے علمی و روحانی استفادہ کیا۔ بالآخر خانوادہ قادریہ موسویہ کا یہ آفتاب 15 اگسٹ 2025ء کو سینکڑوں قلوب کو جلا عطا کرنے کے بعد غروب ہو گیا۔

*****

مصادر و مراجع:

1۔ محمد بن احمد الحسنی الفاسی، العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین، بیروت: دار الکتب العلمیہ 1998م۔

2۔ مشکوٰۃ النبوۃ۔ مولانا غلام علی شاہ قادری، مترجم: ابوالحسن السید وحید القادری عارفؔ، حیدرآباد: اعجاز پرنٹنگ پریس' 1985

3۔ طائف اللطیف، مولانا غلام علی شاہ قادری، لطائف اللطیف، حیدرآباد: اسپیڈ پرنٹس، اردو ترجمہ: ابوالفضل سید محمود قادری۔

4۔ تاریخ صوفیہ کرام و سلاطین دکن سلطنتِ آصفجاہ جلد دوم، صوفی محمد اسمٰعیل قادری ملتانی فردوسی چشتی صابری بندہ نوازی، اسٹوڈنٹ بک ہاوس، حیدرآباد۔ 2013۔

5۔ تذکرۂ اولیائے حیدرآباد، ، سید مراد علی طالع، مینار بک ڈپو، حیدرآباد، 1972ء۔

6۔ تاریخ گلزارِ آصفیہ، خواجہ غلام غوث خان، تخلیق کار پبلیشرز، 2008۔

7۔ لطائف قادریہ،
8۔ آصف جاہ بہادر، تاریخ خورشید جاہی، حیدرآباد؛ آرٹس کالج
9۔ تاریخ ذوالمن تذکرہ اولیاء دکن، محمد عبدالجبار، حیدرآباد: اسٹوڈنٹس بک ہاؤس،
10۔ بیاض حضرت عارفؔ،
11۔ کلام عارفؔ وغیرہ

حضرت خواجہ بندہ نوازاوران کے جانشینوں کی علمی وسماجی خدمات

سید محمد ید اللہ حسینی عرف نظام بابا*

حضرت خواجہ گیسودراز سلسلہ چشتیہ کی وہ مایہ ناز شخصیت ہیں جنھیں حضرت خواجہ پیر نصیر الدین چراغ دہلی نے 16 برس کی عمر سے تقریباً40 برس کی عمر تک اس طرح تراشا و نکھارا کہ وہ اگلے 40 برس تک اپنے پیرو مرشد کی گدی پر آپ کے حقیقی جانشین بن کر خانقاہی خدمات انجام دیتے رہے اور عوام وخواص کو سیر اب کرتے رہے۔

حضرت خواجہ گیسو دراز اپنے وقت کے عظیم رہنمائے ملت، جلیل القدر عارف وصوفی گذرے ہیں۔ آپ کی ذات مبارک شریعت وطریقت کا خزانہ تھی، اسرار ورموز اور کائنات کے تمام گوشے آپ پر عیاں تھے۔ آپ اولیائے کبار میں ممتاز حیثیت کے حامل اور علوم وفنون میں کامل دسترس رکھنے والی شخصیت کے مالک تھے۔ عربی، فارسی، تفسیر وحدیث، فقہ واصول فقہ، کلام وبلاغت اور علوم حکمت میں امام ومجتہد تھے۔ آپ سنسکرت اور ہندی کے بھی ماہر تھے۔ آپ ریشیوں، سنیاسوں اور ہندو دھرم کے متعلق وسیع معلومات رکھتے تھے۔

حضرت خواجہ گیسودراز کی ریاضت کے تعلق سے عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ جب ان کو ذکر وفکر میں زیادہ لذت ملنے لگی تو خطیر شیر خاں جہاں پناہ میں مراقبہ کرنے لگے اور یہاں دس برس تک ریاضت کی۔ حضرت گیسودراز قاضی عبد المقتدر کندی و دیگر علماء کرام سے تعلیم حاصل کرتے اور پیرو مرشد کی پابوسی کے لیے خانقاہ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ علوم باطن کے حاصل کرنے میں علوم ظاہری کی تحصیل پر دلبرزگشتہ رہنے لگے۔ اس لیے مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علوم ظاہری کی تعلیم چھوڑ کر علوم باطن کے حصول میں مشغول ہو جاؤں، لیکن پیرو مرشد نے ارشاد فرمایا کہ ابھی تعلیم کو جاری رکھو تم سے ایک عظیم خدمت لینا ہے۔[1] حضرت گیسودراز پیرو مرشد کے حکم میں علوم ظاہری کو جاری رکھا مگر علوم باطن میں بھی مزید محنت کرنے لگے جس کی وجہ سے آپ کے پیرو مرشد آپ سے بہت متاثر ہوئے اور ایک موقع پر فرمایا کہ :

"70 برس کے بعد ایک لڑکے نے مجھ میں شرودگی پیدا کر دی ہے اور پہلے زمانے کے واقعات مجھے یاد دلا دیئے ہیں"۔[2]

شب بیداری خانقاہی نظام کا ایک اہم پہلو ہے کہ حضرت پیر نصیر الدین چراغ دہلی کی خانقاہ میں حضرت گیسودراز خود راوی ہیں اور سیر محمدی میں بھی یہ روایت مذکور ہے کہ حضرت گیسودراز نصف شب کو بیدار ہو کر پہلے خود وضو فرماتے پھر پیرو مرشد کو وضو کراتے اور جب پیرو مرشد حجرے میں داخل ہو کر حق کی یاد میں مشغول ہو جاتے تو آپ خود بھی نماز تہجد ادا کرتے اور حجرے کے باہر دروازے سے پشت

---

* جانشین سجادہ نشین روضہ منورہ خرد، گلبرگہ شریف، کرناٹک

[1] سیر محمدی، ص14

[2] سیر محمدی، ص14

لگا کر ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے اس وقت بھی پانی کا آفتابہ وغیرہ ساتھ ہی رکھتے کہ جب مرشد صبح کی نماز کے لیے حجرے سے باہر آئیں گے تو اس وقت وضو کے لیے سامان تیار رہے۔

حضرت پیر نصیر الدین چراغ دہلی اور حضرت گیسودراز میں ایک ایسا والہانہ عشق و محبت تھا کہ وفات سے ایک سال قبل حضرت چراغ دہلی کو باسوبادی کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ تو آپ نے اس مرض میں حضرت گیسودراز ہی سے اپنی صحت و سلامتی کے لیے دعا کرائی، آپ کی دعاؤں کی برکت سے آپ کے پیر و مرشد کو شفا بھی نصیب ہوئی۔[1]

حضرت گیسودراز کی جانشینی و سجادگی کل خواجگان چشت کے موضوع پر یہ واقعہ مثبت ہیں کہ جب حضرت گیسودراز کی عمر شریف 37 برس کی ہوئی تو آپ "خلا" کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے آپ کے گھر والے بہت پریشان تھے۔ جب آپ کے مرشد کو آپ کے مرض کی اطلاع ہوئی تو گھبرائے اور طبیب و تیمار دار کو آپ کی تیمارداری کے لیے بھیجا تا کہ آپ کی خیریت دریافت فرمائے۔ وہ لوگ آپ کے پاس حاضر ہوئے آپ کی خیریت دریافت کی اور پیر و مرشد کے بھیجے ہوئے دوا کو آپ کو استعمال کرنے کا حکم فرمایا۔ چند دنوں کے بعد جب آپ کو شفا ہوئی تو اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے، جیسے ہی پیر و مرشد کی نظر محبت آپ پر پڑی وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کا فضل ہے کہ شفا ہوئی ورنہ مرض خطرناک تھا۔

حضرت گیسودراز نے اپنی بیماری کی آخری دنوں میں جو واقعات پیش آئے تھے اپنے پیر و مرشد سے بیان فرمانے لگے کہ آپ کی روح مبارک کو کس طرح سے عرش کی سیر کروائی گئی، پھر مختلف خرقے آپ کو پہنائے گئے، اس پورے واقعہ کو صاحب سیر محمدی نے باب اول میں اس طرح سے بیان فرمایا ہے کہ:

> "حضرت گیسودراز فرماتے ہیں کہ میں نے اس بیماری میں دیکھا کہ میرے سامنے ایک جامہ یعنی جبہ لایا گیا اور کہا گیا کہ اسے پہنو، یہ جامہ ولایت ہے۔ پھر کہا کہ اتار ڈالو، میں نے اتار دیا، پھر دوسرا لباس لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ جامہ نبوت ہے اسے پہنو۔ پھر کہا گیا کہ اتار ڈالو، میں نے اسے اتار دیا، تو پھر تیسرا جامہ لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ جامہ رسالت ہے۔ اس طرح چوتھی بار ایک جامہ لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ جامہ اتحاد ہے، اسے پہنو اور اتار ڈالو۔ پھر دوسرے کپڑے لائے گئے اور کہا گیا کہ یہ جامہ ربوبیت، وحیت اور ہویت کے ہیں، میں نے ان کو پہن لیا۔ حضرت گیسودراز فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے پیر و مرشد کو یہ عظیم واقعہ سنا رہا تھا اس درمیان میں دیکھتا تھا کہ حضرت شیخ کا چہرہ خوشی کے مارے چمکتا جاتا اور فرماتے کہ ہاں پھر ہاں پھر میں عرض کرتا پھر تمام اشیاء مختلف کے جو صورت مختلف ہیں ان سب کو حقیقت پر لوٹی ہوئی میں نے دیکھا۔[2]

حضرت گیسودراز کے واقعہ سے آپ کے پیر و مرشد بہت خوش ہوئے، اپنا کمبل اُٹھا کر اپنے محبوب مرید کو عنایت فرمایا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر

---

[1] سیر محمدی، ص 13 و سیر العارفین، ص 92

[2] سیر محمدی ص 16، باب اول

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے لیے محنت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا! اے سید محمد اس کام کو میری طرف سے قبول کرو یعنی لوگوں سے بیعت لیا کرو۔ حضرت گیسو دراز نے سرنیچا کر لیا اور خاموش رہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے اسے قبول کیا تو حضرت گیسو دراز نے حکم کی اطاعت فرماتے ہوئے فرمایا کہ ہاں میں نے قبول کیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے قبول کیا تو آپ نے جواب دیا ہاں میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں ارشاد فرمائیں: ایک تو یہ کہ اپنے ظاہری اوراد کو ترک نہ کرنا اور دوسرا یہ کہ میرے متعلقین کے ساتھ رعایت کرنا۔ اسی دوران مولانا زین الدین صاحب تشریف لے آئے تو حضرت چراغ دہلی نے مولانا سے فرمایا کہ آپ جائیں اور کندوری لے کر آئیں۔ جب مولانا حجرہ سے باہر تشریف لے گئے تو حضرت چراغ دہلی نے حضرت گیسو دراز کو اپنا نہالچہ عطا فرمایا اور کہا کہ:

"سید اس نہالچے کے غلاف کو کھینچو اور لے لو، اس کو آستین میں رکھ لو اور چلے جاؤ[1]"

مسند سجادگی: حضرت پیر نصیر الدین چراغ دہلی کی طبیعت جب زیادہ ناساز رہنے لگی تو مریدین کو تشویش لاحق ہوئی کہ حضرت نے ابھی تک کسی کو اپنا جانشین منتخب نہیں فرمایا ہے۔ اگر کچھ حادثہ ہو گیا تو پھر کیا ہو گا اس لیے ان سے استغاثہ کرنا چاہیے تاکہ کسی کو اپنا جانشین منتخب فرمادیں۔ چنانچہ چند مریدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خواجگان چشت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین منتخب فرمادیا کرتے ہیں، آپ کی طبیعت ناساز چل رہی ہے اگر آپ بھی اپنا جانشین منتخب فرمادیں تو نوازش ہوگی۔ حضرت چراغ دہلی مریدین کی باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے رضامندی ظاہر فرمائی اور مولانا زین الدین کو حکم فرمایا کہ فہرست پیش کی جائے۔

مولانا زین الدین تمام مریدین سے مشورہ کے بعد ایک فہرست تیار کی اور اسے حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پیش کیا۔ اس فہرست میں حضرت گیسو دراز کا نام شامل نہیں تھا۔ حضرت چراغ دہلی فہرست پر نظر ڈالنے کے بعد فرمایا کہ: "کتنے کلوخ کے ڈھیلے پتھر باندھ کر لائے ہو۔ ان سب سے کہہ دو کہ اپنے ایمان کی حفاظت فرمائیں۔" پھر آپ نے اس فہرست کو واپس کر دیا۔ دوبارہ فہرست پیش کی گئی تو حضرت چراغ دہلی نے فرمایا کہ "پڑھو پڑھو" پوری فہرست پڑھنے کے بعد حضرت چراغ دہلی نے فرمایا کہ: "سید محمد کا نام اس فہرست میں کیوں نہیں ہے؟" یہ سننا تھا کہ مولانا زین الدین پر ہیبت طاری ہو گئی۔ پھر تیسری فہرست تیار کی گئی جس میں حضرت مخدوم کا نام شامل کیا گیا اور اسے حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اس فہرست کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے محبوب مرید حضرت سید محمد حسینی کے نام پر صاد کر دیا"۔

اس پورے واقعہ میں ان کا رد ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت چراغ دہلی کا کوئی جانشین ہوا ہی نہیں اور اگر ہوا بھی تو وہ حضرت کمال تھے نہ کہ بندہ نواز۔ میں پورے وثوق و اعتماد سے کہتا ہوں کہ حضرت چراغ دہلی کے جانشین حضرت گیسو دراز ہی تھے اور آپ ہی حضرت پیر و مرشد کے وصال کے بعد مسند سجادگی پر جلوہ افروز رہے اور آپ کی تعلیمات کو عوام و خواص میں عام کرنے میں ہمہ وقت مشغول رہے۔[2]

---

[1] سیر محمدی، ص17، باب اول

[2] سیر محمدی، ص25-24

حضرت پیر نصیر الدین چراغ دہلی جب وصال فرما گئے تو وصیت کے مطابق آپ نے اپنے ہاتھ سے غسل فرمایا اور جس پلنگ پر غسل دیا اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈال لی کہ یہ میرا خرقہ ہے۔[1]

روانگی دکن: حضرت گیسودراز مسند سجادگی پر 40 سال جلوہ افروز رہنے کے بعد یہ پیشن گوئی فرمائی کہ دہلی پر امیر تیمور حملہ کرنے والا ہے، جس کی وجہ سے یہاں کی حالت بگڑ جائے گی اور ہر طرف افراتفری کا عالم ہوگا اس لیے آپ تمام لوگوں سے درخواست ہے کہ کسی مناسب جگہ پر تشریف لے جائیں یا پھر میرے ساتھ ہولیں کیوں کہ میں بھی دہلی سے دکن کی طرف کوچ کرنے والا ہوں۔

ہوا یوں کہ آپ اپنے پیشن گوئی کے مطابق 801ھ میں دہلی سے دولت آباد دکن کے لیے رخت سفر باندھا اور اپنے متعلقین و متوسلین کے ہمراہ دہلی سے نکل پڑے۔ آپ مختلف مقامات خاص طور پر کھمبایت، گوالیر، بڑودہ وغیرہ ہوتے ہوئے دولت آباد تشریف لائے۔ درمیان سفر آپ نے سینکڑوں طالبان حق کو رشد وہدایت کی تعلیم دیتے رہے اور اپنے علمی و تحقیقی کام کو بھی جاری وساری رکھا۔ بہت سی کتابیں بھی تالیف و تصنیف کیں جس کا تذکرہ آپ کی علمی خدمات میں مذکور ہے۔

حضرت بندہ نواز گیسودراز قدس سرہٗ کی پوری مبارک زندگی تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف، تزکیہ و تربیت، ارشاد و ہدایت میں گذری، جس کی مختصر مثال بقول پروفیسر نثار احمد فاروقی ملاحظہ فرمائیں۔

> "مجھے سخت حیرت ہوتی ہے اور میں یہ بات کئی بار لکھ چکا ہوں کیونکہ اس کی دوسری نظیر مجھے ابھی تک نہیں ملی ہے، کہ حضرت بندہ نواز کی تدفین کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت سید اصغر حسینی مسند درس پر آکر بیٹھ گئے تھے اور کتاب پڑھانی شروع کر دی تھی۔ صرف اس چھوٹی سی بات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ خانقاہی نظام میں اور حضرت بندہ نواز کے طریق سلوک میں تعلیم کو کتنی اہمیت حاصل تھی کہ اسے ایسے دن بھی ملتوی نہیں کیا گیا۔[2]"

گیسودراز کی علمی خدمات: حضرت گیسودراز کی زندگی کے دورخ نظر آتے ہیں، ایک تو روحانی زندگی ہے جس کے ذریعہ آپ نے قوم وملت کی باطنی یعنی روحانی رہنمائی فرمائی۔ دوسری تصنیف و تالیف کی زندگی ہے۔ آپ نے مختلف موضوعات جیسے تصوف وسلوک، فقہ، سیرت، تفسیر اور فلسفہ اسلام پر تحریری خدمات انجام دیے۔ آپ نے اپنی تحریروں میں عموماً طویل جملوں سے پرہیز کیا ہے اور اختصار کا دامن اختیار کیا ہے۔ آپ چشتیہ سلسلہ کے ایک ایسے عظیم صوفی و بزرگ تھے جنھوں نے تصنیف و تالیف کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی اور سلسلہ چشتیہ کے سب سے بڑے مصنف و مولف کی حیثیت سے منظر عام پر ظاہر ہوئے۔ بعض کی روایت یہ ہے کہ آپ نے 105 کتابیں تحریر فرمائیں اور بعض اکابرین کی رائے کے مطابق صرف 45 کتابیں آپ کی طرف سے تحریر کی گئیں بقیہ کتابیں آپ کے مریدین و معتقدین حضرات از راہ عقیدت و محبت آپ کے نام سے تبرک کے لیے منسوب کر دی جو آپ کے نام سے موسوم ہو گئیں۔

بہر کیف آپ کی تصانیف کی تعداد جو بھی ہو، لیکن آپ کثیر التصانیف مصنف تھے اور آپ نے جس جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا

---

[1] سیر العارفین، ص97

[2] شہباز، 1993ء، ص5، پروفیسر نثار احمد فاروقی، خانقاہی نظام کی اہمیت

کر دیا۔ کوئی بھی کتاب آپ کی ایسی نہیں جس میں آپ نے قرآن وحدیث سے استدلال نہ کیا ہو۔ آپ کی زیادہ تر تصانیف فارسی وعربی زبان میں ہیں لیکن دکن تشریف لانے کے بعد آپ نے عوام کی سہولت کی خاطر بعض رسالے دکنی زبان میں بھی تحریر فرمائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو دکنی زبان پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ کی مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں:

1۔ **تفسیر الملتقط:** یہ تفسیر عربی زبان میں تصوفی رنگ میں تصنیف کی گئی ہے۔ یہ ایک عرصہ دراز تک پردہ خفا میں تھی، لیکن غفران مآب حضرت سید شاہ گیسودراز خسرو حسینی کی انتھک کوشش کی وجہ سے عربی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ ہو کر 2017ء میں اس کی پہلی جلد آل انڈیا سید محمد گیسودراز ریسرچ اکیڈمی، درگاہ بندہ نواز، گلبرگہ شریف سے شائع ہوئی، یہ جلد سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پر مشتمل ہے جس کی ضخامت 380 صفحات ہے۔ اس تفسیر کے تعلق سے ڈاکٹر سید خسرو حسینی قبلہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے جس قدر اس تفسیر کا مطالعہ کیا، علمی اور ادبی اعتبار سے لاجواب پایا۔ حضرت خواجہ گیسودراز کا انداز بیان حاکمانہ ہے جیسا کہ آپ جو بھی فرمارہے ہیں اس کے آگے اور کچھ نہیں۔ آپ کا کلام آخری۔ آٹھویں صدی ہجری میں خواجہ صاحب نے اس عربی تفسیر کو دہلی میں تحریر فرمایا۔ اپنے شاگردوں و مریدوں کو اس کا سبق دیا کرتے تھے"۔[1]

2۔ **شرح رسالہ قشیریہ:** یہ کتاب ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کی علم تصوف پر ایک معتبر کتاب ہے جس کی شرح حضرت بندہ نواز نے فارسی زبان میں کی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے اولاً صوفی کے عقائد کو بیان کیا ہے، اس کے بعد 83 معروف مشائخین عظام کے حالات مختصراً بیان کیے ہیں اس کے بعد "مصلطحات صوفی" کی بھی تشریح کی ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور 13 ابواب پر مشتمل ہے۔

3۔ **معارف العوارف:** یہ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی کی معروف کتاب "عوارف المعارف" کی شرح ہے۔ جو تصوف اور احکام و آداب، شریعت کی تعلیمات کے لیے بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ کتاب کی اہمیت وافادیت کی غرض سے حضرت بندہ نواز نے عربی وفارسی دو نوں زبان میں اس کی شرح فرمائی ہے۔ تصوف کی یہ جامع کتاب ہے جو 63 ابواب پر مشتمل ہے۔ ان ابواب میں علم تصوف کا نشوونما، صوفیوں کے مختلف فرقے، صوفیہ کے اخلاق، عبادات ومعاملات، آداب صحبت، اخوت، نظام خانقاہی وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

4۔ **شرح فصوص الحکم:** یہ کتاب حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اندلسی کی "فصوص الحکم" کی عربی زبان میں ایک عظیم شرح ہے۔ اس کتاب سے حضرت بندہ نواز کو خاص انسیت و محبت تھی، اس لیے کہ اس میں ابن عربی نے تمام انبیاء کرام کے خصائص و فضائل بیان کیے ہیں۔

5۔ حظائر القدس: حضرت بندہ نواز نے ایک اہم کتاب "حظائر القدس المعروف بہ رسالہ عشق حقیقی" عشق الٰہی میں تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں بندہ نواز نے اطوار و منازل، عشق الٰہی اور اسرار و رموز حقیقت محمدی کو اپنے طرز خاص میں اس طرح بیان کیا ہے کہ کسی دوسری تصنیف میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اگر تصوف کا کوئی طالب علم "حظائر القدس" کا مطالعہ کرے گا تو اسے محسوس ہوگا کہ حضرت بندہ نواز کو

---

[1] حرف اول، ص الف، ب، ترجمہ تفسیر الملتقط

عشق الٰہی میں کیسا مقام حاصل تھا، اس میں جابجا قران سے استدلال کیا گیا ہے جو آپ کے علمی مرتبے کا غماز ہے۔

6۔ شرح تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی: شیخ ابو المعالی عبد اللہ بن ابو بکر محمد بن علی میانجی ہمدانی جو عرف عام میں ''عین القضاۃ ہمدانی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے اپنی معروف کتاب ''زبدۃ الحقائق یعنی تمہیدات'' عربی زبان میں تصنیف فرمائی، اس کتاب میں ہمدانی نے مختلف روحانی اور فلسفیانہ مسائل پر بحث کی ہے۔ حضرت بندہ نواز نے اس کی شرح فارسی زبان میں فرمائی، اور مختلف مقامات پر قاضی ہمدان کے افکار وخیالات سے اختلاف بھی کیا لیکن ادب کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔

7۔ جوامع الکلم: یہ حضرت گیسو دراز کے ملفوظات وارشادات کا ایک عظیم تحفہ ہے، اس کتاب کی ترتیب آپ کے فرزند اکبر حضرت سید شاہ محمد اکبر حسینی نے کی ہے۔ یہ حضرت گیسو دراز کے افکار و خیالات، معمولات و عقائد و نظریات کا مکمل آئینہ ہے۔ حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی علیہ الرحمہ (معروف بہ حضرت خواجہ پاشاصاحب) جوامع الکلم کی اہمیت وافادیت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ :

''یہ مجموعہ ملفوظات'، تعلیمات بندہ نواز'' کا ایک بے نظیر خزانہ ہے، سینکڑوں مسائل اس میں زیر بحث آئے ہیں، اس کا مطالعہ انسان کی روحانی اور اخلاقی ارتقا کے لیے نہایت کار آمد اور مفید ہے''۔[1]

یہ جوامع الکلم صرف نوماہ کے ملفوظات کا ذخیرہ ہے۔ اگر حضرت بندہ نواز کی پوری زندگی کے ملفوظات جمع کیے جاتے تو علم کا ایک بحر ذخار جمع ہو جاتا۔

8۔ ترجمہ آداب المریدین: یہ کتاب حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبد القاہر سہروردی کی علم تصوف پر معروف کتاب کا ترجمہ و شرح ہے۔ حضرت بندہ نواز مریدین کی تربیت و تلقین کے لیے تصوف کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے، ان ہی میں سے ایک کتاب ''آداب المریدین'' جب آپ کے مطالعہ میں آئی تو آپ نے اسے بہت پسند کیا اور محسوس کیا کہ یہ صوفیائے کرام کے اعتقادات اور سلوک کے آداب کے تعلق سے بڑی مفید کتاب ہے۔ تو آپ نے اس کے ترجمہ و تشریح کی کوشش کی اور الحمد للہ اس کو تکمیل تک پہنچایا۔ شیخ ضیاء الدین سہروردی نے یہ کتاب اپنے مریدوں و معتقدوں کے لیے لکھی تھی۔ تو بندہ نواز نے بھی اسی غرض سے اس کتاب کا فارسی زبان میں ترجمہ کرکے اسکو عام فہم اور اہم بنادیا تاکہ آپ کے مریدین و متوسلین اس کتاب سے کماحقہ استفادہ کر سکیں۔

9۔ اسمار الاسرار: یہ حضرت گیسو دراز کی فن تصوف پر ایک شاہکار تصنیف ہے۔ جس میں آپ نے سلوک و معرفت کے حوالہ سے تفصیلی گفتگو کی ہے، اس کتاب کے تعلق سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں: ''حقائق و معارف بزبان برمز وایما والفاظ و اشارات بیان کردہ۔''[2] (ترجمہ: حقائق و معارف کو رمز وایما والفاظ واشارات کی زبان میں بیان کیا ہے۔)

یہ کتاب قرآن مجید کی (114) سورتوں کی طرح (114) اسمار پر مشتمل ہے۔ اور حضرت بندہ نواز نے ہر سمر کو کسی خاص آیت قرآنی کی تفسیر وسلوک کے رنگ میں بیان کیا ہے۔

---

[1] جوامع الکلم، مترجم: سید رحم الدین حسینی، ص پیش لفظ

[2] اخبار الاخیار، ص136

10۔مکتوبات بندہ نواز: حضرت گیسودراز کے مکتوبات کی اکابر صوفیائے عظام کے نزدیک بڑی اہمیت ہے۔ آپ کے مکتوبات فارسی زبان میں ہیں جن میں تزکیہ نفس وتربیت کے معرکۃ الآراء مسائل کا خاص طور پر ذکر ہے، اس کے ساتھ ہی معرفت و سلوک کے مہمات کا بھی بیان ہے۔ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی مکتوبات بندہ نواز کی افادیت پر تحریر فرماتے ہیں:

"مشائخ چشت اور دیگر مشائخ نے مکتوبات کے ذریعہ مریدین ومعتقدین میں نہ صرف اسلامی روح پھونک دی بلکہ دنیا کی بھلائی اورآخرت میں نجات کا ذریعہ بھی بتلایا ہے۔ مکتوبات قرآن وحدیث کی روشنی، سلف صالحین کے اقوال کے علاوہ واقعات کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے جو ایک معتبر اور اہم کتاب کی شکل میں موجود ہے"۔[1]

11۔خاتمہ شریف: حضرت گیسودراز نے اس کتاب میں مریدین ومعتقدین کے یومیہ مشاغل کو مکمل طور پر پیش کیا ہے کہ اگر جو حضرات ارادت میں شامل ہونے کے بعد اس کتاب کے مطابق عمل کریں گے تو ممکن ہے کہ وہ کامیاب بھی ہوں گے اور دونوں جہاں میں سرخرو بھی ہوں گے۔ حضرت گیسودراز نے "خاتمہ شریف" کو فقروں کے حساب سے تالیف کیا ہے اور اسے 344 فقروں میں بیان کیا ہے۔ ہر فقرہ میں مریدین کے لیے دو تین ہدایتیں پیش کی ہیں۔ حضرت بندہ نواز "خاتمہ" میں پیر کی اتباع کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"پیر کی امور بشری میں اتباع میں اہتمام نہ کرو۔ اسی حد تک اتباع کرو کہ تجھ کو نقصان دہ نہ ہو، مثلاً پیر بہت بیویاں والا تھا اور بہت قریب کرنے والا تھا اس اتباع کی ہوس نہ کر جب تک کہ یہ قوت محسوس نہ کرے"۔[2]

12۔انیس العشاق: حضرت گیسودراز علیہ الرحمہ نے نثری کے ساتھ شعری میدان میں بھی نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ آپ ذوقیہ شاعری فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے زیادہ تر غزل اور رباعیاں نظم کیں، ایک مثنوی بھی آپ کی ہے جو اس دیوان میں موجود ہے۔ اس دیوان میں آپ کی 327 غزلیں، 9 رباعیاں ہیں اور 66 اشعار پر مشتمل ایک طویل مثنوی بھی ہے، جو دیوان کے آخر میں شامل ہے

13۔معراج العاشقین: یہ دکنی زبان میں تصوف کے موضوع پر ایک معتبر کتاب ہے، اس میں وہ تمام اصول وضوابط بنائے گئے ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے سالک مقام ذات تک پہنچ جاتا ہے۔ اور یہ اردو نثر کی اولین تصنیف میں سے ایک تصنیف ہے۔ اس رسالہ میں وجود اور اس کی مختلف اقسام سے بحث کی گئی ہے اور حضرت بندہ نواز نے وجود کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ واجب الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود، عارف الوجود اور واحد الوجود، ان میں سے ہر ایک وجود کے پانچ پانچ خصائص بیان کیے ہیں۔

حضرت گیسودراز کی مختصر علمی خدمات کے بعد ان کے سفر کے روداد کو جاری رکھتے ہوئے اپنی تحریر کو جنبش دے رہے ہیں کہ حضرت گیسودراز جب گجرات تشریف فرما تھے کہ ایک روز آپ نے مجلس عرس معہ اہتمام طعام منعقد فرمائی، جب کھانا تقسیم ہونے لگا تو حضرت گیسودراز اپنے سجادہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت مخدوم زادہ خرد سید اصغر حسینی کو اپنی جگہ بٹھایا اور تمام حاضرین مجلس سے فرمایا:

"میں نے محمد اصغر کو اپنی جگہ بٹھایا ہے۔ ہر کوئی محمد اصغر کے سامنے نذر پیش کرے"۔ چنانچہ تمام ارادت مندوں

---

[1] فوائد از مکتوبات، تصحیح، خسرو حسینی، ص، ج۔7

[2] اختصار از خاتمہ شریف، ص11

نے حضرت کی موجودگی میں ایسا ہی کیا اور آپ ایک چبوترے پر جس کے سامنے اجلاس کی جگہ تھی تشریف فرماہوئے اور ارشاد فرمایا کہ "سماع شروع کرو" سماع بہت ہی اچھا ہوا۔ حاضرین مجلس پر کیفیت طاری رہی، حضرت مخدوم نہایت مسرور ہوئے۔[1]

سفر گلبرگہ: حضرت گیسودراز دولت آباد تشریف لانے کے بعد اپنے والد ماجد حضرت سید یوسف حسینی المعروف شاہ راجو قتال کے روضہ مبارک کی زیارت فرمائی۔ یہاں آپ عوام وخواص کی رشد وہدایت میں مشغول رہتے تھے اسی دوران سلطنت بہمنیہ کی طرف سے حضرت بندگی مخدوم کی خدمت میں عضد الملک جو اس مقام کا حاکم تھا آپ کی خدمت میں نذر لے کر حاضر ہوا اور گلبرگہ تشریف لانے کی دعوت پیش کی، وہیں سے آپ نے دارالسلطنت احسن آباد (گلبرگہ) کا قصد فرمایا۔

جب آپ گلبرگہ کے قریب پہنچے تو سلطان فیروز شاہ بہمنی اپنے خاندان افراد و دربار کے علماء اور شاہی لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر حضرت مخدوم کا شایان شان استقبال فرمایا اور حضرت مخدوم کی خدمت میں بااصرار عرض کیا کہ آپ گلبرگہ ہی میں مستقل قیام فرماکر قوم وملت کی خدمت انجام دیں تو بہتر ہو گا۔ اس پر حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ:۔

"اے بادشاہ میں جہاں سے دیکھ رہا ہوں کہ تیری عمر اختتام کو پہنچ چکی ہے، میں آؤں گا اور تو ہی نہ رہے گا تو میرے آنے کا فائدہ کیا ہو گا۔ سلطان فیروز شاہ بھی ایک باکمال بادشاہ تھا اس نے فوراً حضرت مخدوم کی خدمت میں عرض کیا آپ میری درازی عمر کے لیے دعا فرمایئے۔ حضرت بندگی مخدوم نے جواب دیا کہ کل آنا ان شاء اللہ آج رات تمہارے لیے دعا کروں گا۔ اگلے روز جب بادشاہ وقت حاضر خدمت ہوا تو حضرت بندگی مخدوم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کل رات تمہاری درازی عمر کے لیے دعا فرمائی اور الحمد اللہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے تمہارے حق میں دعا قبول فرمائی کہ جب تک میں زندہ رہوں گا اس وقت تک تم بھی زندہ رہو گے"۔[2]

سلطان فیروز شاہ نے حضرت بندگی مخدوم کے لیے اپنے قلعہ کے قریب ایک خانقاہ تعمیر کروائی تھی، جہاں حضرت بندگی مخدوم قیام پذیر رہ کر درس وتدریس اور طالبان حق کو رشد وہدایت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ کے بعد بھی موجودہ وقت تک یہ خانقاہ الحمد للہ اسی مقام پر موجود ہے جہاں سے ہر سال آپ کے پوتے وجانشین حضرت سید شاہ قبول اللہ حسینی عرف حضرت گنج بخش علیہ الرحمہ والرضوان کا صندل شریف بڑے تزک واحتشام کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ چند اکابرین کا خیال ہے کہ حضرت گیسودراز فیروز شاہ بہمنی کی تعمیر کردہ خانقاہ میں کچھ ہی عرصہ مقیم رہے اور پھر بادشاہ سے کسی رنجش کی وجہ سے اس جگہ سے منتقل ہوگئے جہاں پر آپ کا گنبد مبارک ہے۔ میری تحقیق ومطالعہ سے یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے کہ کیوں کہ حضرت گیسودراز اپنے فرزند اکبر حضرت سید محمد اکبر حسینی جن کی وفات آپ کی حین حیات میں

---

[1] سیر محمدی باب ہشتم وسفرنامہ بندہ نواز

[2] سیر محمدی باب اول، ص23-24

ہو گئی تھی، ان کی زیارت کے لیے ہر چہار شنبہ کو تشریف لے جایا کرتے، لنگر فرماتے، مراقبہ واذکار کے بعد واپس ہو جاتے۔
اس کے علاوہ سیر محمدی میں ایک واقعہ ابولفتاح گوالیری کے رخصت کا مذکور ہے کہ جو 15 / شعبان 818ھ کا ہے، جہاں پر خواجہ گیسودراز اور مولانا ابوالفتاح گوالیری کو رخصت کرنے کے لیے خانقاہ سے باہر تشریف لائے اور ان کے لیے نئے کپڑے (لباس)، نمک دان اور اپنا نہالچہ عنایت فرمائے اور اپنے خادم شیخ زادہ جلال الدین تھانیسری کو حکم دیا کہ جاؤ اور بادشاہ صاحب کے وزیر سے چار ہزار تنکے ان کے سفر خرچ کے لیے لے آؤ۔[1]
اس واقعہ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ آخری شعبان 818ہجری تک فیروز شاہ بہمنی اور حضرت گیسودراز کے تعلقات میں کوئی رنجش نہ تھی اگر ہوتی تو حضرت اپنے مخالف بادشاہ کے وزیر سے نقد رقم کیوں منگواتے وہ بھی آپ جیسی عظیم الشان شخصیت جن کی مقبولیت و محبوبیت اپنی مثال آپ تھی اور اس کی دلیل وہ مشہور واقعہ ہے جس میں ایک دکنی شخص سے آپ کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ اس واقعے کی شہرت اس کی صحت کی دلیل تو نہیں لیکن آپ کی مقبولیت کی زبردست دلیل ضرور ہے۔[2]
ہاں یہ بات سچ ہے کہ فیروز شاہ اور حضرت گیسودراز کے درمیان ان کے بیٹے حسن خان کی جانشینی کو لے کر کچھ اختلاف ضرور ہوئے تھے مگر پروفیسر سلیمان صدیقی کی تحقیق اور ان کے کتاب کے مطابق یہ 818ہجری کا واقعہ ہے۔ اس سے قبل کوئی اختلاف نہیں تھے۔
سیر محمدی باب ہشتم اور تاریخ حبیبی میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت بندگی مخدوم دہلی سے حسن آباد گلبرگہ تشریف لارہے تھے تو بمقام گجرات کی عرس کے موقع پر ملیدے کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو حضرت اعظم المشائخ یعنی اپنے چھوٹے صاحبزادے سید اصغر حسینی صاحب کو سجادہ پر بٹھائے اور تمام حاضرین کو حکم دیا کہ میں محمد اصغر کو اپنی جگہ بٹھایا ہوں تمام حضرات محمد اصغر کے سامنے تعظیماً سر رکھ دیں، سب نے ایسا ہی کیا، پھر حضرت بندگی مخدوم چبوترے جو اس محل کے روبرو تھا تشریف رکھے اور حکم سماع دیا، سماع بہت بہتر ہوا جس کی وجہ سے حضرت بندگی مخدوم بہت محظوظ ہوئے۔
اس روایت سے یہ سوال قائم ہوتا ہے کہ جب آپ کے فرزند اکبر سید محمد اکبر حسینی حیات سے تھے تو پھر فرزند اصغر سید اصغر حسینی کو سجادے پر بٹھا کر کیوں سب سے تعظیم کروایا اور سماع کا حکم دیا۔ تو اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت بندگی مخدوم پر حال، ماضی اور مستقبل عیاں تھا اس لیے آپ کو اس بات کا علم ہو گیا کہ حضرت سید اکبر حسینی اپنے والد بزرگوار کے روبرو انتقال فرمانے والے ہیں اور حضرت سید اصغر حسینی ہی سجادہ ہوں گے اس لیے آپ نے سبھوں سے فرزند اصغر کی تعظیم کا حکم فرمایا ورنہ ظاہر ہے کہ فرزند اکبر کی موجودگی میں کس طرح فرزند اصغر کو سجادہ پر بٹھاتے اور فرزند اکبر بھی ایسا جو زہد و تقوی اور فضل و کمال میں اپنی نظیر آپ ہوں۔
حضرت بندگی مخدوم کے فرزند اصغر کو صحبت خلق سے بہت نفور تھا۔ وہ بیعت کے لیے کسی کو اپنا ہاتھ نہیں دیا کرتے تھے۔ اس چیز کو حضرت بندگی مخدوم نے بھی محسوس کیا تھا، جس کا ذکر آپ نے اپنی خلافت نامے میں فرمایا تھا کہ "ان پر سہو طاری رہتا ہے جس کو لوگ

---

[1] سیر محمدی ص۔90

[2] تذکرہ مخدوم زادہ خرد

جنون کہتے ہیں۔" اور یہاں ضرورت اس بات کی تھی کہ حضرت گیسودراز کی خانقاہ میں جو بھی طالبان حق آئیں انھیں دست بیعت دیا جائے تاکہ چشتیہ عالیہ کا سلسلہ جاری وساری رہے۔ اسے حضرت نے وصیت نامہ مبارک میں ارشاد فرمایا کہ:

"محمد اصغر مہمان است ہمہ ازآں تست" اور خود حضرت اصغر حسینی فرماتے تھے کہ:" شاہ یداللہ رابیابہ نشین کہ حضرت مخدوم ترادادہ است"۔[1]

چنانچہ حضرت بندگی مخدوم نے تمام حالات پر حکیمانہ غور فرماتے ہوئے اپنے پوتے سید شاہ قبول اللہ حسینی کو اپنی جگہ فائز فرمایا جیسا کہ صاحب سیر محمدی باب ہشتم میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب سید اکبر حسینی کا انتقال ہوااور حضرت اصغر حسینی کی یہ کیفیت تھی کہ غلبہ جذبات کی وجہ سے خود کو مخلوق کی مجالس اور صحبتوں سے علیحدہ رکھا کرتے تھے۔ باغوں، جنگلوں میں اکثر رہا کرتے تھے۔ جذبات کے غلبہ کی وجہ سے روتے اور نعرے لگایا کرتے۔ اس لیے حضرت گیسودراز نے سماع کو موقوف فرمایا، انہی دنوں میں حضرت سید یداللہ حسینی سن شعور کو پہنچ چکے تھے اور حضرت بندگی مخدوم کے ارشاد میں داخل ہو چکے تھے اور فیض تصوف آپ کے چہرے سے عیاں ہو رہے تھے اس لیے حضرت بندگی مخدوم نے حضرت سید یداللہ حسینی کو اپنی جگہ بٹھائے جس طرح دونوں صاحبزادوں کو بٹھایا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے سماع کی مجلس پھر سے شروع کی۔[2]

حضرت گیسودراز گلبرگہ تشریف لانے کے بعد اپنے چہیتے پوتے سید یداللہ حسینی کی تسمیہ خوانی خود فرمائی، آپ کی بہت ہی عمدہ طریقہ سے تربیت شروع ہوئی۔ یہی وجہ کہ آپ نے بہت ہی کم عمری میں حفظ قرآن مکمل کیا۔ تعلیم کے ساتھ اپنے دادا کی خدمت میں بھی حاضر رہنے لگے۔ اپنے ملفوظات "محبت نامہ" میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ: حضرت بندہ نواز نے فرمایا کہ تم (حضرت ید اللہ حسینی) بارگاہ رب العزت میں قبول گئے گئے۔

صاحب سیر محمدی لکھتے ہیں کہ حضرت گیسودراز میاں یداللہ کو خلوت میں اذکار ومراقبات کی تلقین فرمایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ اس کو کسی سے نہ بتانا۔ میاں یداللہ نے گذارش کی کہ مولانا ابوالفتح سے کہوں یا نہ کہوں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ان سے کہہ دینا کیوں کہ تمہارے باپ اور محمد اکبر اور ان کے باپ مولانا علاؤالدین گوالیری سے بہت محبت کرتے تھے اور ان سے کچھ بھی نہیں چھپاتے تھے تم بھی ان سے نہ چھپانا۔

حضرت گیسودراز کا گلبرگہ کے عوام کے ساتھ امراوملک زادوں پر اتنا زیادہ اثر تھا کہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ احمد شاہ بہمنی حضرت گیسودراز کا مرید ہو گیا جبکہ اس سے قبل تمام بہمنی حکمران حضرت شیخ سراج الدین جنیدی علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔

اسی طرح سے یہ بات بھی قابل تحریر ہے کہ جب پائے تخت گلبرگہ کا فیروز شاہ سے احمد شاہ کی جانب منتقل ہوا تو اس میں خانقاہ بندہ نواز کا بھی اہم رول رہا ہے۔ اس بات کی تصدیق پروفیسر ڈاکٹر عبدالرزاق فاروقی کی تحریر سے ہوتی ہے۔ وہ اپنی کتاب "چراغ کا سفر" میں ایک جگہ

---

[1] تذکرہ مخدوم زادہ خرد، ص14

[2] سیر محمدی، باب ہشتم، ص82

تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت خواجہ بندہ نواز کے نوجوان جانشین اپنے دادا کے منشا اور فرض کی تکمیل کے لیے دونوں فوجوں کے سربراہوں کو تلقین کرنے میں مصروف ہیں، آپ کے ساتھ اور بھی مشائخ عظام ضرور تھے لیکن فیروز شاہ اور احمد شاہ دونوں آستانہ بندہ نواز سے وابستہ رہے تھے اس لیے جانشین بندہ نواز کی جنگ کو روک دینے کی سرگرمیاں اپنا رنگ لائیں اور خون خرابہ سے قوم محفوظ رہی۔"

حضرت گنج بخش اس وقت ایک خوبرو نوجوان تھے، آپ اپنے دادا کے تربیت یافتہ تھے۔ قدرت نے آپ کو اپنے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے روحانی چراغ کی حفاظت کا کام سپرد کیا تھا جسے آپ یعنی گنج بخش بخوبی انجام دے رہے تھے۔

نیز پروفیسر عبدالرزاق فاروقی اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 12 پر رقم کرتے ہیں کہ:

"اس سے قبل ایک سیاسی واقعہ صلح کا تاریخی کارنامہ ساعت فرما چکے ہیں، اس کے چند برسوں بعد گلبرگہ کے مقدر بدل گئے اور پھر آج تک یہ دل نواز بابرکت شہر حسن گنگو بہمنی اور محمد فیروز شاہ بہمنی کے دور کی شان کو دوبارہ حاصل نہ کر سکا۔ احمد خان نے احمد شاہ کا لقب اختیار کر لیا اور گلبرگہ سے پائے تخت بیدر منتقل کر دیا۔ آوارہ وطنی کی آندھی چلنے لگی۔ ہزاروں لوگ نئے دارالخلافہ بیدر کو منتقل ہو گئے۔ خود حضرت بندہ نواز کے ایک پوتے یعنی خواجہ گنج بخش کے بھائی حضرت ابوالفیض حضرت من اللہ حسینی بیدر منتقل ہو گئے لیکن جانشین بندہ نواز نے اپنی ذمہ داریوں سے ذرہ برابر بھی غفلت نہیں برتی، سیاست کی دھوپ چھاؤں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ پائے تخت تبدیل کا اثر آپ پر ذرہ برابر بھی نہیں ہوا۔"

حضرت خواجہ بندہ نواز کے سجادہ کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آج میں پورے اعتماد ویقین سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت خواجہ بندہ نواز کی برکتیں اور روحانی سرفرازیاں حضرت سید شاہ قبول اللہ حسینی عرف خواجہ گنج بخش کے پاس محفوظ ہے اور یہ روحانی سلسلہ اور تعلیمی فیضان اس سلسلے میں آج بھی موجود ہے۔[1]

یہاں ایک بات میں مماثلت نظر آتی ہے جس کا ذکر ضروری ہے کہ جس طرح حضرت پیر نصیر الدین چراغ دہلی نے اپنے جانشین حضرت بندہ نواز کو تمام علوم ظاہری سے فراغت کے بعد ہی علوم باطنی کی طرف رجوع کا حکم فرمایا ٹھیک اسی طرح حضرت بندہ نواز نے اپنے جانشین سید یداللہ حسینی خواجہ گنج بخش کو تسمیہ خوانی کے بعد قاضی بہاؤ الدین کی مکتب میں بٹھایا۔ حفظ قرآن کریم کے بعد مولانا تاج الدین اور قاضی سراج الدین کے پاس خوش نویسی سکھائی۔ پھر علوم ظاہری کی تکمیل کروانے کے بعد ہی اپنے جانشین سید یداللہ حسینی کو اپنی مجلسوں میں حاضر رہنے کا حکم صادر فرمایا، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت بندہ نواز "آداب المریدین" کا درس دیا کرتے تو اس وقت

---

1 چراغ کا سفر

اسے لکھنے کا حکم صرف آپ (شاہ یداللہ حسینی) کو ہی سونپا گیا تھا۔[1]

جانشین بندہ نواز کی خدمات: اس خانقاہ بندہ نواز سے جو کرنیں پھوٹیں جو آج بھی چھ صدیوں سے ملک کے کئی علاقوں میں اپنی شمع سے کئی خاندانوں اور خانقاہوں کو روشن کیے ہوئے ہیں۔ نیز ان خلفائے کرام کے اسم گرامی و تعارف جنھوں نے حضرت بندہ نواز اور آپ کے جانشین سے ارادت حاصل کیں آج بھی وہ خانقاہیں خدمت خلق کی تعلیم و تربیت میں مشغول و منہمک ہیں۔

1۔ حضرت مولانا علاؤالدین گوالیری جو ابتداء میں سلطان محمد تغلق کو پڑھایا کرتے تھے، گوالیر میں فتوی نویس کے عہدہ پر فائز تھے، آپ حضرت بندہ نواز کے پہلے خلیفہ تھے، آپ آخر عمر میں کالپی تشریف لے آئے تھے اور یہیں رحلت فرمائی۔ آپ کا آستانہ کالپی میں مرجع خلائق ہے۔ 2۔ شیخ صدر الدین خوندمیر، ان کے والد بزرگوار اور دادا محترم ایرچہ کے شیخ الاسلام تھے۔ 3۔ قاضی اسحاق محمد جو چھترہ کے مفتی تھے۔4۔ قاضی محمد سلیمان اور قاضی علیم الدین بن شرف، ان کا مزار مبارک پٹن (گجرات) میں ہے۔ 5۔ حضرت سید شاہ محمد اکبر حسینی جو حضرت بندہ نواز کے فرزند اکبر تھے، اور ولی کامل تھے، انہی کے نسل سے خانوادہ روضہ منورہ بزرگ، گلبرگہ کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ 6۔ حضرت ابوالاعلی بن سید احمد، جو حضرت بندہ نواز کے سالے اور خادم تھے۔ خواجہ احمد دبیر جو بادشاہ وقت فیروز شاہ بہمنی کے دبیر تھے۔ 7۔ مولانا ابوالفتح بن مولانا علاؤ الدین گوالیری، یہ صاحب تصنیف تھے، ان کی چند کتابوں کے نام اس طرح ہیں: عوارف المعارف، تکملہ در نحو و مشاہدہ در تصوف وغیرہ۔ 8۔ حضرت سید اصغر حسینی جو حضرت بندہ نواز کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ انہی کی نسل سے خانوادہ روضہ منورہ خرد، گلبرگہ کا سلسلہ جاری ہے۔ 9۔ حضرت سید یداللہ حسینی جو حضرت بندہ نواز کے پوتے و جانشین تھے۔ 10۔ قاضی راجہ جو گلبرگہ کے صدر جہاں تھے۔ حضرت سید سفیر اللہ حسینی بن سید محمد اکبر حسینی بن حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز۔ 11۔ شیخ زادہ شہاب الدین اور مولانا بہاؤ الدین دہلوی جو حضرت بندہ نواز کی نمازوں کی امامت فرمایا کرتے تھے۔ 12۔ ملک زادہ عزیز الدین اور ملک شہاب الدین وغیرہم کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں، تمام مذکورہ خلفاء کے اسماء سیر محمدی کے باب ہفتم میں درج ہیں۔

مذکورہ تمام خلفائے عظام میں حضرت سید یداللہ حسینی خواجہ گنج بخش سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ آپ کو جس دن حضرت بندہ نواز نے اپنی ارادت و معیت میں شامل فرمایا اسی دن آپ کو اپنا نہالچہ عطا فرمایا اور آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "یہی میرے کام کو میرے بعد جاری رکھے گا۔"[2]

آپ کا حکم سچ ثابت ہوا کہ آپ کے روحانی مشن کو خواجہ گنج بخش نے جاری کیا وہ اب تک الحمدللہ جاری و ساری ہے۔ اسی طرح جب آپ مکتوبات حضرت بندہ نواز ملاحظہ فرمائیں گے تو اس میں ایک مکتوب مولانا قاضی سراج الدین بنام مولانا ابوالفتاح گوالیری موجود ہے جس میں یہ عبارت مرقوم ہے کہ:

"حضرت قطبی قدس اللہ روحہ میاں یداللہ راخود در مقام خود بجائے خود نصب کردن ایشان ہم در خانقاہ بجائے

---

[1] تاریخ حبیبی، ص

[2] تاریخ محمدی۔ ص، 66

مخدوم می باشند دست بیعت مید ہند"

بادشاہ وقت احمد شاہ بہمنی نے جب دارالخلافہ بیدر منتقل کیا تو آپ کو بھی بیدر آنے کے لیے بہت اصرار کیا لیکن آپ اپنے دادا بزرگ کو چھوڑ کر جانے کے لیے ہر گز راضی نہیں ہوئے اور خاموشی اختیار کی، لیکن جب بادشاہ کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا تو آپ اپنے چھوٹے بھائی سید من اللہ حسینی ابوالفیض کے ہاتھوں بادشاہ کے نام ایک خط لکھا اس میں یہ اشعار درج تھے۔

دنیا اگر دہند جنبم زِنہ جائے خیش   من بست ام سنائی توکل بہ پائے خیش

یہ شعر کے پڑھتے ہی بادشاہ سمجھ گئے کہ وہ گلبرگہ چھوڑ کر آنے والی شخصیت نہیں ہے، چنانچہ تاحیات آپ گلبرگہ ہی میں مقیم رہ کر اپنے دادا کی خانقاہ میں طالبان حق کو بیعت کرتے رہے اور تعلیم وارشاد کو جاری وساری رکھا۔

جانشین خواجہ گنج بخش: حضرت بندہ نواز کی طرح آپ کے پوتے و جانشین خواجہ گنج بخش نے بھی اپنی حیات مبارکہ میں صرف 15 یا 16 اشخاص کو خلافت سے نوازا، یہ خلفا ملک کے مختلف علاقوں و قصبوں میں پھیلے ہوئے تھے آج بھی ان کی خانقاہیں سلسلہ بندہ نوازیہ کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں اور ہزاروں عقیدت مندان سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ ان کے نام درج ذیل ہیں۔

1۔ حضرت محمود فضل اللہ حسینی 2۔ حضرت ابوالفیض سید من اللہ حسینی، آپ کا روضہ بیدر میں ہے، اور خواجہ بیدر کے نام سے موسوم ہے۔ 3۔ حضرت سید شاہ محمد اصغر ثانی مشہور شاہ ننھے عرف احمد حسینی خواجہ گنج بخش کے صاحب زادہ تھے۔ 4۔ حضرت سید ستے۔ 5۔ شیخ پیادہ 6۔ حضرت شیخ عبید یمنی۔ 7۔ حضرت مولانا خدو 8۔ حضرت سید یحییٰ۔ 9۔ حضرت میر ا یعقوب سندھی 10۔ حضرت میرا سکندر 11۔ حضرت مولانا شہاب الدین 12۔ حضرت مولانا یوسف 13 حضرت شیخ دانیال 14۔ حضرت سید کمال الدین بہروچی، آپ گجرات کے شہر بھروچ میں رہتے اور وہیں آپ کا آستانہ مبارک ہے۔ 15۔ حضرت سید ذکریا 16۔ حضرت مولانا بہاؤالدین لنگوٹ بند، گلبرگہ میں آپ کا آستانہ موجود ہے۔

حضرت گنج بخش جو اپنے وقت کے ولی کامل تھے، جن کی تعلیمات وارشادات سے متعلقین ومعتقدین فیضیاب ہو رہے ہیں، ان کے تعلق سے ایک عجیب واقعہ جو کہ سمجھ سے پرے ہے، حضرت عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی معروف کتاب "اخبار الاخیار" میں "مرآۃ الاسرار" سے نقل کیا ہے، واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ:۔

"آپ کا وصال شب عروسی میں ہوا، آپ کو اور آپ کی دوسری اہلیہ کو ایک ہی مزار میں دفن کیا گیا۔[1]"

میری تحقیق کے مطابق "مرآۃ الاسرار" میں یہ من گھڑت روایت ہے جس کی تردید لازمی ہے، کیوں کہ یہ بات درست ہے کہ آپ کی دو شادیاں ہوئیں مگر شب عروسی میں آپ کا وصال ہونا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ آپ کی اولاد دونوں ازواج سے موجود ہیں۔ آپ کی پہلی اہلیہ حضرت بی بی تر تاترت صاحبہ بنت بی بی بتول بنت خواجہ بندہ نواز جن سے سید ندیم اللہ حسینی مشہور حضرت غالب کرامات ہیں اور دختر

[1] اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، تحقیق: علیم اشرف خاں، بار اول؛ تہران: انجمن آثار ومفاخر فرہنگی، 1383، 343۔ (اڈیٹر)

حضرت بی بی بندگی منت اللہ جو حضرت محمود فضل اللہ حسینی سے منسوب ہیں۔ یہ خواجہ گنج بخش کے مرید و خلیفہ تھے۔
دوسری اہلیہ بی بی تنزیل بنت سوداگر محمود سے سید محمد اصغر ثانی مشہور بہ شاہ ننھے، سید شاہ علی مرتضی حسینی، سید شاہ منجھلے حسینی (جو حضرت اسماعیل قادری گھڑواڑی شریف کے استاد ہیں) سید شاہ ندیم اللہ حسینی ثانی، حضرت بی بی ام الدین۔ اس طرح سے دونوں ازواج سے اولاد کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جو بات " مرآۃ الاسرار" میں درج ہے وہ بے بنیاد اور غیر واقعی ہے۔
اب میں اپنے مقالے کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے چند خانقاہوں اور بارگاہوں کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہوئے اپنے مقالہ کو قلم بند کروں گا۔ یہ وہ خانقاہیں ہیں جو حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز اور آپ کے جانشین حضرت سید ید اللہ حسینی خواجہ گنج بخش سے لے کر آج تک خانوادے سے جڑی رہی اور راہ سلوک میں سینکڑوں مسالکوں کی رہنمائی و دیگر خدمات انجام دے رہی ہیں۔
1۔ خانوادہ مخدوم زادہ بزرگ: یہ حضرت بندہ نواز کا روحانی فیض ہے کہ ان کے صحیح وارث حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی (خواجہ پاشا) کی توجہ خاص تعلیمی اداروں کے قیام کی طرف رہی۔ انھوں نے خواجہ ایجوکیشن سوسائٹی 1958ء میں قائم کی، اس کے تحت بہت سے ادارے قائم ہوئے اور آج خواجہ بندہ نواز یونیورسٹی کی صورت میں پورے ہندوستان کی خانقاہوں کے لیے ایک قابل تقلید مثال ہے۔
2۔ خانوادہ مخدوم زادہ خرد: یہ خانوادہ چھ صدیوں سے اپنی خانقاہی خدمات الحمدللہ آج بھی جاری رکھے ہوئے ہے۔
3۔ خانقاہ خواجہ ابوالفیض بیدر: اس خانقاہ کو حضرت خواجہ گنج بخش سے نسبت ہے، آپ خواجہ گنج بخش کے نہ صرف چھوٹے بھائی ہیں بلکہ خلیفہ بھی ہیں۔ الحمدللہ بیدر، کرناٹک میں آج بھی یہ خانقاہ اپنی شمع روشن کیے ہوئے ہے اور سینکڑوں عقیدت مند اس سے جڑے ہوئے ہیں۔
4۔ بارگاہ مخدوم الٰہی کڑپہ: بحوالہ تذکرہ حضرت مخدوم الٰہی کے پہلے سجادہ نشین کو روضہ منورہ خرد سے خلافت حاصل تھی اور اب جو موجودہ سجادہ نشین صاحب ہیں انھیں بھی روضہ منورہ خرد سے خلافت حاصل ہے۔
5۔ بارگاہ اسد اللہ حسینی مسجد البرق چندیپا: اس بارگاہ کے خانوادے کو بھی بحوالہ شجرہ مبارک روضہ منورہ خرد سے خلافت و اجازت حاصل ہے۔
6۔ خانقاہ شاہ کورا عرف شاہ گورہ: یہ خانقاہ بمقام لاٹھی نزد امریلی ضلع گجرات میں واقع ہے۔ اس خانقاہ کے خانوادے کو بھی روضہ منورہ خرد سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔ یہ گجرات میں سلسلہ چشتیہ کے شمع کو روشن کیے ہوئے ہیں۔
7۔ خانقاہ منعمیہ، متین گھاٹ، پٹنہ، بہار: یہ بہار کی ایک عظیم خانقاہ ہے جہاں ارشاد و تعلیمات کے ساتھ مختلف ادارے بھی علمی خدمات میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت شاہ محمد شمیم الدین منعمی صاحب کے بقول آپ کے خانوادے میں سلسلہ چشتیہ کی اجازت و خلافت نبیرہ و جانشین بندہ نواز حضرت سید شاہ ید اللہ حسینی خواجہ گنج بخش سے حاصل ہے۔
8۔ خانقاہ مودودی، نوادہ، بہار: اس خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین صاحب نے جو شجرہ مبارک فراہم کرایا ہے اس کے مطابق اس خانقاہ کے خانوادے کو بھی حضرت خواجہ گنج بخش سے سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ کی اجازت حاصل ہے۔

9۔ بار گاہ حضرت نائب رسول، رحمت آباد، آندھرا پردیش: مولوی حاجی قاضی احمد نصیر الدین صاحب کی معروف کتاب "مجمع سلاسل" کے صفحہ نمبر10 کی روایت کے مطابق آپ کو بھی سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ میں اجازت حاصل تھی۔

10۔ مخدوم ملاواں، خانقاہ شیخ مصباح العاشقین: اس خانقاہ کے گدی نشین صاحب کی جانب سے فراہم کردہ شجرہ مبارک کے مطابق حضرت مخدوم ملاواں کو حضرت خواجہ گنج بخش کے خلیفہ شیخ محمد پیارے سے سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ میں اجازت حاصل ہے۔

11۔ حضرت شیخ جلال گجراتی: آپ سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ کی ایک اہم کڑی وستون ہیں، جن سے سینکڑوں اکابر خانقاہ کو اجازت حاصل ہے۔ آپ شیخ پیارہ کے خلیفہ ہیں جو حضرت خواجہ گنج بخش کے خلیفہ ہیں۔

12۔ حضرت شیخ عبدالرحمن شاہ چشتی، امبیٹھا، گجرات: اس خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین صاحب کی طرف سے فراہم کردہ شجرہ مبارک کی روشنی میں آپ کو سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ سے اجازت حاصل ہوئی ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز کے خلیفہ حضرت جمال الدین مغربی سے سلسلہ چلتے ہوئے حضرت امین الدین علی اعلیٰ، شیر خدا بیجاپور سے ہوتا ہوا سلسلہ موجودہ سجادہ نشین تک پہنچا۔

13۔ حضرت کمال الدین علامہ چشتی کے پوتے حضرت شیخ میراں کو سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ سے ہی اجازت حاصل ہے۔(بحوالہ جواہر نصیری)۔

15۔ حضرت محمود راجن چشتی جو حضرت علامہ کمال کے پوتے ہیں ان کو مولانا ابوالفتح خلیفہ خواجہ بندہ نواز سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔

16۔ قطب کھیری حضرت سید وجیہ الدین چشتی، لکھیم پور، اتر پردیش: یہ حضرت مخدوم ملاواں کے خلیفہ ہیں اور سلسلہ چشتیہ میں حضرت خواجہ گنج بخش سے شجرہ ملتا ہے، یعنی اس خانوادہ کو بھی سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ سے بیعت و اجازت حاصل ہے۔

17۔ حضرت صاحب پیر حسینی، آندھرا پردیش: یہ خانقاہ آندھرا پردیش کے ضلع نیلور میں واقع ہے۔ روایت کے مطابق حضرت صاحب پیر حسینی حضرت خواجہ بندہ نواز کی اولاد سے ہیں جو خانقاہی خدمات بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

18۔ خانوادہ محدثین: یہ ہندوستان کا مشہور علمی خانوادہ ہے جن میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے دادا بزرگوار بھی حضرت مخدوم ملاواں کے خلیفہ ہیں جو شیخ جلال گجراتی کے خلیفہ ہیں وہ شیخ پیارہ کے خلیفہ ہیں اور یہ۔ نبیرہ بندہ نواز حضرت خواجہ گنج بخش کے خلیفہ ہیں۔

19۔ حضرت شاہ راجو قتال حسینی مصری گنج، حیدرآباد: اس خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین کو سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ کی خلافت و اجازت روضہ منورہ خرد، گلبرگہ شریف سے حاصل ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی خانقاہیں و درگاہیں جو سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ سے متعلق ہوں گی لیکن میری رسائی ان تک نہیں ہو سکی۔ اور وقت کی کمی کی وجہ سے میں زیادہ تحقیق نہ کر سکا۔ ان شاءاللہ آئندہ پوری تحقیق سے ان تمام درگاہوں وخانقاہوں کو اپنی تحریر میں لانے کی حتی الامکان کوشش کروں گا۔

600 سو سال سے حضرت خواجہ بندہ نواز اور آپ کے ورثا کی خدمات لائق تحسین ہیں۔ اس خانقاہ سے ہر شخص کو ارادت میں شامل کر کے اجازت و خلافت سے نوازا جاتا ہے۔ وہ لوگ ارادت میں شامل ہونے کے بعد سلسلہ چشتیہ کو فروغ کو اپنا عین فریضہ سمجھتے ہیں۔ اس کی شمع کو

روشن کرنے کے درپے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ملک بھر میں سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ کے بیشتر ارادت مند خانقاہوں میں پائے جاتے ہیں۔

اسی کے ساتھ یہ تحریر بھی کرتا چلوں کہ الحمدللہ روضہ منورہ خرد گلبرگہ شریف کے موجودہ سجادہ نشین حضرت ابوالفتح سید شاہ حسن شبیر محمد محمد الحسینی صاحب قبلہ عرف عقیل بابانے بھی اپنے اسلاف کی اتباع کرتے ہوئے تقریباً 15 مستحقین میں ہی خلافت سلسلہ چشتیہ بندہ نوازیہ عطا فرمائے ہیں جن سے کئی ایک خانقاہیں وابستہ ہیں اور اپنی خدمات میں مستغرق ہیں۔ آخر میں اس شعر کے ساتھ اپنے مقالہ کو ختم کرتا ہوں۔

ہم ہیں وابستگان گیسودراز دور تک سلسلہ ہمارا ہے

*****

کتابیات:

1۔ ترجمہ تفسیر الملتقط : سید محمد حسینی، مترجم: حافظ سید بدیع الدین صابری، آل انڈیا سید محمد گیسودراز ریسرچ اکیڈمی، گلبرگہ، 2107ء

2۔ سیری محمدی : محمد علی سامانی، کتب خانہ روضتین، گلبرگہ شریف

3۔ سیر العارفین : حامد فضل اللہ جمالی، مترجم: محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ، لاہور۔

4۔ سفر نامہ : سید عظمت اللہ حسینی، بزم معراج العاشقین، گلبرگہ، 1403ھ۔

5۔ تذکرہ مخدوم زادہ خرد : سید شاہ ولی اللہ حسینی بندہ نواز، بزم معراج العاشقین، گلبرگہ۔

6۔ تاریخ حبیبی : محمود فضل اللہ حسینی، کل ہند سید محمد گیسودراز ریسرچ اکیڈمی، گلبرگہ

7۔ تاریخ محمدی : جہاں نما علی شاہ، حیدرآباد۔

8۔ مختصر حالات خانوادۂ روضہ منورہ خرد : ابوالفتح سید شاہ لاڈلے محمد محمد الحسینی، ادارہ خانقاہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز گلبرگہ شریف۔

9۔ تصوف اور صوفیا کی تاریخ : ڈاکٹر محمد حفیظ الرحمن، شاکر پبلی کیشنز، لاہور۔

10۔ رسالہ شہباز: خانقاہی نظام کی اہمیت : پروفیسر نثار احمد فاروقی 1993ء

خانقاہ جنیدیہ کی دینی، روحانی، علمی، سماجی اور رفاہی خدمات

حافظ و قاری شاہ محمد فخر الدین مانیال*

گزشتہ سات صدیوں سے حضرت شیخ دکن کا خانوادہ بلا تفریقِ مذہب و ملت خدمتِ خلق، رشد و ہدایت، اصلاح و تربیت اور رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ بارگاہِ حضرت میں سال بھر ذکر و اذکار، تعلیم و تربیت، تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلوب کا مضبوط نظام جاری ہے، اور ملت اسلامیہ طویل عرصہ سے اس خانقاہی فیضان سے مستفید ہو رہی ہے۔ دینی علوم اور عقائدِ اہلِ سنت کی ترویج کے لیے 35 سال قبل مدرسہ سراج العلوم قائم کیا گیا، جبکہ درسِ کشف المحجوب اور مثنوی مولانا روم کا سلسلہ بھی مسلسل جاری ہے۔ بیت المال، سالانہ فری ہیلتھ کیمپ اور خواتین کے لیے ٹیلرنگ، کمپیوٹر، زبانوں اور تجوید کے مفت کورسز کے ساتھ سال بھر لنگرِ عام کے ذریعے خدمتِ خلق جاری ہے۔ عشقِ رسول کے فروغ کے لیے "حجرۂ صلوٰۃ علی النبی ﷺ" کے نام سے ہندوستان کا اولین مرکزِ درود خوانی قائم ہے جہاں بلاوقفہ درود خوانی ہوتی ہے۔ عرسِ مبارک کے موقع پر تین روزہ محافلِ ذکر، تعلیم و تربیت، وعظ و نصیحت اور عظیم الشان سیمینار منعقد ہوتے ہیں جن میں ممتاز علماء و مشائخ ملت دینی، شرعی و ملی مسائل کا حل پیش کرتے ہیں، اور ملت بھرپور استفادہ کرتی ہے۔

ذیل میں شیخ دکن حضرت شیخ محمد سراج الدین جنیدی اور ان کے خانوادے کا تعارف و خدمات پیش ہے:

حیات و خدمات حضرت شیخ محمد سراج الدین جنیدی:

علاقہ دکن میں جن عظیم المرتبت بزرگانِ دین نے تبلیغ دین و اشاعت اسلام کا عظیم ترین فریضہ انجام دیا ان میں مرکزی و بنیادی کردار قطب الاقطاب غوث الاسلام شیخ دکن حضرت شیخ محمد سراج الدین جنیدی بغدادی کا ہے جنھوں ارضِ دکن کے خطے کو نور اسلام سے منور فرما کر گہوارہ امن بنا دیا۔

شیخ دکن حضرت شیخ محمد سراج الدین جنیدی کی ولادتِ باسعادت 670ھ میں شہر پشاور میں ہوئی۔ آپ کا نسبی تعلق 11 واسطوں سے حضرت جنید بغدادی اور 22 واسطوں سے مسلم بن عبد مناف جد محترم حضرت رسول کریم ﷺ سے جاملتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: حضرت مخدوم رکن الدین جنیدی معروف بہ حضرت شیخ سراج الدین جنیدی[1] بن ابولمظفر شیخ محمد سراج الدین بن شیخ شرف الدین ملک داد بن شیخ حمید الدین بن شیخ سعید الدین بن شیخ منار الدین بن شیخ عبد الرحمن سلّمی بن ابو سعید بن شیخ اسماعیل بن شیخ ابو عمر بن شعار الدین نجید

*معلم مدرسہ سراج العلوم و امام و خطیب مسجد بارگاہ حضرت شیخ دکن، شیخ روضہ گلبرگہ

1. حضرت مخدوم رکن الدین جنیدی معروف بہ حضرت شیخ سراج الدین جنیدی بن ابولمظفر شیخ محمد سراج الدین کو خواب میں سرور کائنات ﷺ نے ان کے والد سراج الدین کے نام سے مخاطب کیا اور یہ اپنے والد کے نام سے مشہور ہوئے۔

بن خواجہ جنید بغدادی۔[1]

حضرت شیخ دکن کے پدر بزرگوار ابوالمظفر حضرت شیخ محمد سراج الدین جنیدی اپنے وطن بغداد سے تبلیغ اسلام کی غرض سے ہجرت فرماکر پشاور کو اپنے قدومِ میمونت لزوم سے رونق بخشی، وہاں آپ کا عقد مسنون سلطان عبداللہ پشاوری کی شہزادی سعادت شعار حضرت بی بی مسطورہ سے انجام پایا۔ اللہ پاک نے آپ کو اُن خاتون مطہرہ سے چار فرزندانِ سعادت اطوار عطا فرمائے۔ حضرت شیخ رکن الدین معروف بہ شیخ محمد سراج الدین جیندی کے برادران ذوالاحتشام کے اسمائے گرامی بالترتیب اس طرح ہیں۔ حضرت شیخ سالار عثمان، حضرت شیخ احمد صلاح الدین، حضرت شیخ تاج الدین، چوتھے خود حضرت شیخ رکن الدین شیخ دکن ہیں۔ آپ کمسن ہی تھے کہ والد گرامی نے عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ حضرت شیخ دکن اور ان کے برادرانِ گرامی قدر کی تربیت و پرورش سلطان فشوری نے اپنے نگرانی و قصر شاہی میں نہایت عمدہ و احسن طریقے سے فرمائی۔ حضرت شیخ رکن الدین جنیدی نے صرف 9 سال کی عمر شریف میں حفظِ قرآن مجید کی سعادت حاصل کی اور اٹھارہ سال کی عمر شریف تک علوم دینیہ و عصریہ سے آراستہ ہوگئے۔ سلطان فشوری اپنے ہمشیر زادوں سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اور انہیں بوقتِ دربار شاہی تخت شاہی پر اپنے دائیں بائیں بٹھاتے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک شخص بہت سے ملکوں کی سیر کرتا ہوا دربار فشوری میں حاضر ہوا اور سلطان فشوری کی تعظیم و توقیر بجالانے کے بعد عرض گذار ہوا کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے آباو اجداد کے طریقہ کار پر گامزن رہے تاکہ خاندان کی حرمت بحال رہے۔ اس جملے نے حضرت شیخ دکن کی زندگی میں ایک عظیم اور صالح انقلاب پیدا کر دیا اور دل کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ دکن نے قصر شاہی کو ترک کرکے راہ درویشی اختیار فرمائی اور اپنی والدہ مخدومہ اور برادران عزیز کے ہمراہ مرشد کامل کی تلاش میں نکل پڑے۔ طویل مسافت طے کرنے کے بعد دولت آباد پہنچے اور۔ جہاں مجتہد الوقت سید السادت سید علاء الدین جیوری کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے اور شب و روز عبادت و ریاضت، ذکر و اذکار، مراقبہ و مشاہدہ میں ہمہ تن مصروف و مشغول ہوگئے۔ صرف ڈھائی تین سال کی قلیل مدت میں مرشد گرامی کی نگرانی میں منازلِ سلوک کو طے فرماکر نعمت خلافت سے سرفرازی حاصل فرمائی۔[2]

آپ مرشد گرامی کی اجازت پر دہلی تشریف لے گئے اور سلطان غیاث الدین تغلق کی درخواست پر دہلی میں کچھ عرصہ قیام فرماکر اپنے فیضان کرم سے سلطان دہلی اور رعایا کو سرفراز فرمایا۔ سلطان غیاث الدین تغلق آپ سے بے حد عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ امور سلطنت کو حضرت شیخ کے ارشاد اور رائے کے مطابق ہی انجام دیتا اور ہر امر میں حضرت شیخ کی رائے کو مقدم رکھتا تھا۔ قیامِ دہلی کے زمانے میں سلطان غیاث الدین تغلق کی درخواست پر شہزادہ محمد تغلق کے ہمراہ لشکر اسلامی کی روحانی نصرت و مدد کیلیے وارنگل روانہ ہوئے۔ طرفین میں جنگ شروع ہوئی، راجہ ورنگل پرتاب رودرا کی اسلحہ سے لیس کثیر فوج کے مقابل لشکر اسلامی پسپا ہوکر شکست کے قریب تھا۔ عین ایسے عالم میں حضرت شیخ بہ نفس نفیس میدان جنگ میں تشریف لاکر داد شجاعت دی اور اپنے تصرف روحانی کے ذریعہ میدان جنگ کی کایاپلٹ کر رکھ

---

[1]. سیر گلبرگہ، ص135

[2]. سیر گلبرگہ، ص(631،731،831

دی۔ لشکر اسلامی کو فتح و نصرت اور پر تاب رودرا کو شکست فاش ہوئی۔ پر تاب رودرا حضرت شیخ کے تصرف روحانی سے متاثر ہو کر آپ کے دست ولایت پر اسلام قبول کیا۔ جس کے بعد اس کی سلطنت اسے لوٹا دی گئی۔[1] اس مہم سے فارغ ہو کر آپ دہلی لوٹ گئے اور دہلی میں چند دن قیام کے بعد پھر دوبارہ دولت آباد کا قصد فرمایا۔ اثنائے سفر آپ کے برادر بزرگ شیخ سالار عثمان 17 / رمضان المبارک 723ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور انہیں لکھنو میں سپر لحد کیا گیا۔ برادر دوم شیخ احمد صلاح الدین وہاں سے بنگال تشریف لے گئے، جہاں انھوں نے چھ سال تبلیغ دین اور رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیا اور 29 رجب المرجب 729ھ کو رحلت فرمائی۔ حضرت شیخ دکن اپنی والدہ مخدومہ اور برادر سوم کے ہمراہ دولت آباد تشریف لائے اور وہیں قیام پذیر ہوئے۔ قیام دولت آباد کے زمانے کا واقعہ ہے کہ عالم رویاء میں ایک شب سرور کائنات ﷺ کی زیارت اقدس سے مشرف ہوئے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے شیخ سراج الدین دکن میں ہنوز اسلام نہیں پھیلا ہے۔ دکن جاکر اسلام پھیلاؤ تمہارے ہاتھوں ولایت دکن مذہب اسلام سے منور ہو گی۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک اور خواب میں دیکھا کہ خالص چاندی کا گنبد جس کا کلس خالص سونے کا ہے، جنبش کر رہا ہے۔ حضرت شیخ نے اپنا دستِ ولایت جیسے ہی اس گنبد مذکور پر رکھتے ہیں وہ اسی لمحہ ساکت ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں خواب مرشد گرامی سے عرض کرنے پر مرشد گرامی آپ کو تبلیغ اسلام کے لیے دکن روانہ ہونے اور وہاں موضع کڑچی (Kudachi) موجودہ ضلع بلگام، کرناٹک میں دریائے کرشنا کے کنارے قیام کا حکم فرماتے ہیں، جس کے بعد حضرت شیخ دکن کی طرف نکل پڑے۔ اثنائے سفر جب آپ بیجاپور پہنچے تو وہاں آپ کی والدہ مخدومہ سخت علیل ہوئیں۔ 12 / شعبان 730ھ کو انتقال فرمایا انہیں ابوالحسن وزیر کے مکان میں سپر لحد کیا گیا۔ حضرت شیخ ایک عظیم صدمے سے دوچار ہوئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد حضرت شیخ دکن نے سر زمین کڑچی (Kudachi) کو اپنے قدوم کرامت لزوم سے زینت بخشی۔ اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار، کشف و کرامات، رشد وہدایات کے ذریعہ بے شمار بندگان خدا کو دولت ایمان و اسلام سے مشرف فرمایا۔ آپ کے دستِ ولایت پر کئی بڑے بڑے جادو گروں اور سوامیوں نے اسلام قبول کیا۔

حضرت شیخ دکن کی آمد مبارک کے بعد علاقہ دکن میں تبلیغ اسلام کا فریضہ بڑی تیزی و کامیابی کے ساتھ بحسن وخوبی انجام پانے لگا۔ آپ کی سادگی و خوش خلقی ہمدردی و ملنساری سے بندگان خدا متاثر ہو کر آپ کے دستِ ولایت پر اسلام قبول کرنے لگے۔ آپ کی سادہ پاکیزہ اور پر کشش شخصیت کو جو بھی دیکھتا، متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، کافر و مشرک ایمان لے آتا اور رہزن رہنما بنتا، فاسق تائب ہو کر لوٹتا، غرض یہ کہ حضرت شیخ دکن کی ذات پر انوار ہر ایک کے لیے مینارۂ نور تھی جس کی روشنی ہر ایک کو منور کرتی تھی۔[2]

حضرت شیخ دکن نے کڑچی میں تقریباً چالیس سال قیام فرمایا اور اپنے تصرف روحانی کے ذریعہ علاقہ دکن میں موجود باطل قوتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ صاحب ارمغانِ سلطانی معروف بہ سیر گلبرگہ نے قدیم ترین اور مستند تاریخی کتب تذکرۃ الملوک، سیر مخدومی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت شیخ دکن کے قیام کڑچی کے زمانے میں سیدہ اشرف جہاں ماں صاحبہ والدہ ماجدہ سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی اپنے

---

1. سیر گلبرگہ، ص139-142

2. سیر گلبرگہ، ص143,144

دختران، بہوؤوں اور بیٹوں کے ہمراہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ ارادت میں داخل ہوئیں اور شب و روز خدمت و اطاعت مرشد میں مشغول ہو گئیں۔ علاء الدین حسن بھی ہمہ وقت خدمت شیخ میں مصروف رہتا۔ موضع کڑچی میں قحط سالی کی وجہ سے وہاں کا سرپنچ گانگو پنڈت دیگر لوگوں کو ہمراہ لیکر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر بارانِ رحمت کے لیے دعا فرمانے کی درخواست کی۔ جس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ مولانا قاصان اور لاغری کے قیام کے لیے مکان نہیں ہے اگر بارش ہوئی تو انہیں تکلیف ہو گی اور مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کے لیے مسجد بھی موجود نہیں ہے۔ تم لوگ پہلے ان دونوں کے لیے مکان اور مسلمانوں کے لیے مسجد کی تعمیر کرو پھر میں باران رحمت کے لیے ضرور دعا کروں گا۔ باشندگان کڑچی نے فوراً مکان تعمیر کیا اور حضرت شیخ نے باران رحمت کی دعا کی خوب باران رحمت برسی اور سارا علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا۔ بعد میں مسجد کی تعمیر میں سارے لوگ مصروف ہو گئے۔ حضرت شیخ کے حکم پر علاء الدین حسن نے بھی تعمیر مسجد میں سخت محنت و مشقت کی۔

ایک دفعہ حضرت شیخ تعمیری کام کا معائنہ فرمانے کے لیے بہ نفسِ نفیس تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ علاء الدین حسن کام کر کے تھک کر سویا ہوا ہے۔ حضرت شیخ دکن نے اپنی زبان ولایت سے تقدیر علاء الدین حسن کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ بادشاہ دکن کیسا بے خبر سویا ہوا ہے۔ اس کے سر پر یہ میلی کچیلی ٹوپی نہیں، بلکہ دکن کا تاج شاہی زیب دے گا۔ علاء الدین حسن حضرت شیخ دکن سے اکثر اپنی عسرت و تنگی کا ذکر کیا کرتا تھا، بالآخر وہ وقت سعید آپہنچا جب حضرت شیخ دکن نے اس کو بلا کر چند لوگوں کے ہمراہ موضع کڑچی کے قریب نلگنڈہ جانے کا حکم فرمایا اور ساتھ میں اُس مقام کی نشان دہی بھی فرمائی جہاں ایک بہت بڑا دفینہ موجود تھا۔ علاء الدین حسن چند آدمیوں کے ہمراہ مقامِ مذکور پر پہنچ کر وہ خزانہ حاصل کر کے حاضرِ خدمتِ شیخ ہوا۔ حضرتِ شیخ نے حکم دیا کہ اس کی مدد سے فوج اور اسلحہ تیار کر کے قلعہ میرج پر حملہ کرو، یقیناً تجھے فتح مبین حاصل ہو گی۔ علاء الدین حسن حضرتِ شیخ کے حکم پر قلعہ میرج پر حملہ کیا اور حضرت شیخ کی دعاؤں اور روحانی تصرف کی برکت سے اسے فتح حاصل ہوئی، اس کے بعد اطراف واکناف کے کئی قلعے فتح کیا۔ پھر حضرت شیخ نے اسے گلبرگہ پر حملے کا حکم دیا اور اُسے فتح مبین کی بشارت سے بھی سرفراز فرمایا۔ علاء الدین حسن نے گلبرگہ پر حملہ کر کے راجہ رائے بھیرن کو قتل کر کے قلعہ گلبرگہ پر قبضہ کر لیا۔[1]

24 ربیع الثانی 748ھ / 3 اگست 1347ء بروز جمعہ، قلعہ دولت آباد میں قطب الدین مبارک شاہ خلجی کی مسجد میں سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی کی دکن کے پہلے سلطان کی حیثیت سے تخت نشینی عظیم الشان اجتماع میں انجام پائی۔ اس موقع پر علماو مشائخ اور اربابِ سیف و قلم موجود تھے۔ حضرت شیخ سراج الدین جنیدی نے سلطان کے سر پر تاج رکھا، کمر میں شمشیر آویزاں کی، تختِ شاہی پر متمکن فرمایا اور دعاے خیر و فاتحہ پڑھ کر بادشاہ کو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کی وصیت فرمائی۔[2]

علاء الدین حسن نے گیارہ سال دو ماہ سات دن علاقہ دکن پر حکومت کی، اس قلیل عرصے میں اُس نے اپنی انتظامی قوت اور اعلیٰ ترین تدابیر

---

1. سیر گلبرگہ، ص 153-157

2. محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن، ص 46، 71

اور طاقت و تلوار کے زور اور حضرت شیخ دکن کی مستجاب دعاؤں اور روحانی تصرف کی بدولت دکن کے تمام علاقوں پر فتح حاصل کرلی اور وہ تمام علاقے جو محمد تغلق کے آخری زمانے میں تغلق امراء کے قبضے میں تھے سب پر اپنا قبضہ و تصرف کرلیا۔ علاء الدین حسن تمام تر شاہانہ مکارمِ اخلاق سے متصف تھا یہی وجہ تھی کہ اُس نے اُمورِ سلطنت کو نہایت کامیابی اور حُسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا اور نہایت قلیل عرصے میں اپنی سلطنت کو خوب وسعت دی۔

صاحب تاریخ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن نے لکھا ہے کے حسن گنگو بہمنی، محمد شاہ بہمنی، داؤد شاہ بہمنی، محمود شاہ بہمنی ان تمام سلاطین کو جب کوئی سخت مہم درپیش ہوتی یا معرکہ عظیم سرانجام دینا ہوتا تو سب سے پہلے یہ سلاطین حضرت شیخ دکن کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور خصوصی دُعاؤں اور روحانی نصرت کے لیے درخواست کرتے جب فتح و نصرت حاصل ہوتی تو سب سے پہلے حضرت شیخ دکن کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فتح و نصرت کو حضرت کی دُعاؤں اور روحانی نصرت کا نتیجہ قرار دیتے۔ آپ کے خصوصی فیضان کرم کی وجہ سے سلطنت بہمنیہ علاقہ دکن میں تہذیب و تمدن علم و ادب کی امین ثابت ہوئی اور علاقہ دکن امن و امان کا گہوارہ بن گیا۔

علاقہ دکن میں آپ کے ہی تصرفِ روحانی سے علاقۂ دکن کی سب سے پہلی اسلامی اور وسیع و خود مختار سلطنت قائم ہوئی اور مسلمانوں کو مجموعی طور پر علاقہ دکن میں 600 سالہ طویل عرصہ (1347 تا 1947) سلطنت و اقتدار حاصل ہوا۔ حضرت شیخ دکن کے فیضانِ کرم سے بانی سلطنتِ بہمنی علاء الدین حسن گنگو بہمنی سے لیکر شاہ کلیم اللہ بہمنی تک 18 سلاطین بہمنیہ نے 180 سالہ طویل عرصہ حکمرانی کی بہمنیوں کا تخت و تاج سلطنت و اقتدار حضرت شیخ دکن کے دم قدم اور فیضان کرم سے قائم تھا اور حضرت شیخ دکن نے بہمنیوں کی سلطنت کو اپنے تصرف روحانی کے ذریعے استحکام بخشا تھا۔ پانچ سلاطین بہمنیہ حسن گنگو بہمنی، محمد شاہ بہمنی، مجاہد شاہ بہمنی، داؤد شاہ بہمنی اور محمود شاہ بہمنی کی تاج پوشی حضرت شیخ دکن کے دستِ ولایت ہی سے عمل میں آئی۔[1]

حضرت شیخ دکن علیہ الرحمۃ نے علاقہ دکن میں تقریباً 51 سالہ طویل عرصہ تبلیغ دین و فریضۂ رشد و ہدایت انجام دینے میں گذارا جس کی بدولت بے شمار بندگان خدا دولت ایمان و اسلام سے مشرف ہوئے یہ آفتاب ولایت مہتاب رشد و ہدایت ایک سو گیارہ (111) سال کی عمر مبارک پاکر 16 شوال المکرم 781ھ بروز چہارشنبہ اشراق و چاشت کے درمیانی وقت میں افق عالم سے ہمیشہ کے لیے روپوش ہوا۔ نماز جنازہ ان کے نبیرہ و سجادہ نشین حضرت شیخ ابوالفضل جنیدی علیہ الرحمۃ نے پڑھائی۔ بے شمار بندگان نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔

صاحبِ سیر مخدومی نے آپ کی زوجۂ محترمہ کا مبارک نام بی بی ملکہ بنتِ ظہور لکھا ہے۔ آپ سے تین فرزندان اور تین دختران تولد ہوئیں اُن میں سے ایک مخدوم زادہ کا انتقال بچپن ہی میں ہوا۔ بڑے صاحب زادہ حضرت شیخ علاء الدین جنیدی رحمۃ اللہ علیہ کو کڑپی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اُنھیں وہیں چھوڑ آئے۔ آپ کی اولادِ امجاد آج بھی کڑپی میں موجود ہے۔ فرزندِ اصغر حضرت شیخ قطب الدین جنیدی کو اپنے ہمراہ حسن آباد گلبرگہ لے آئے۔ اور اُن کے صاحب زادے شیخ ابوالفضل جنیدی کو روضۂ شیخ کی سجادگی کے لیے نامزد فرمایا۔ حضرت شیخ

---

[1]. محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن، ص 48,220,252,256,70,71,377,391,392

ابو الفضل جنیدی کی اولادِ امجاد شیخ روضۂ گلبرگہ میں موجود ہیں اور اُن ہی کی اولاد پاک میں آج بھی سجادگی و تولیت جاری و ساری ہے۔
ذیل میں حضرت شیخ دکن کے خانوادے کے مشہور مشائخ کا تذکرہ ہے:

حضرت شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی:

حضرت شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی کی عرفیت تاج پاشاہ تھی۔ آپ کے والد شاہ محمد قطب الدین جنیدی بن شاہ محمد شمس الدین جنیدی تھے۔ آپ شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ کے شاگرد رشید تھے اور باضابطہ جامعہ نظامیہ کے فارغ التحصیل تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت کے سارے مراحل بانی جامعہ کی خاص نگرانی میں طے پائی۔ آپ کی شخصیت علوم شریعت و طریقت کی جامع تھی۔
آپ تاحیات بارگاہ حضرت شیخ دکن کی منصب تولیت و سجادگی پر فائز رہے اور فریضہ رشد و ہدایت اور خدمت خلق بہ حسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ آپ کی نمازِ جنازہ و تدفین بارگاہ حضرت شیخ دکن میں عمل میں آئی۔ آپ کا مزار مبارک حضرت شیخ کی گنبد مبارک کے مشرقی حصہ میں چند فٹ کے فاصلے پر موجود ہے۔
حضرت شاہ محمد تاج الدین جنیدی تاج پاشاہ کا نکاح حضرت سید شاہ افضل بیابانی کے حقیقی نبیرہ خرد حضرت سید محی الدین پاشاہ بیابانی کی دختر سیدہ سلطانی بیگم سے انجام پایا۔ سیدہ سلطانی بیگم کا سلسلہ نسب والد گرامی کی طرف سے تیسری پشت میں حضرت شاہ افضل بیابانی سے اور 23 ویں پشت میں سید احمد کبیر رفاعی سے ملتا ہے۔ حضرت تاج پاشاہ کو دو لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ حضرت شیخ شاہ محمد علاء الدین جنیدی آپ کے فرزند اکبر اور غوث محی الدین جنیدی فرزند اصغر تھے۔ حضرت شاہ محمد تاج الدین جنیدی درگاہ حضرت شیخ محمد سراج الدین جنیدی و درگاہ حضرت شیخ اویس خوند میر جنیدی کے تاحیات مستقل سجادہ نشین رہے۔
حضرت تاج پاشاہ کے صاحبزادے شیخ شاہ محمد علاء الدین جنیدی المعروف سردار پاشاہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، جب کہ اعلیٰ تعلیم جامعہ نظامیہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے مکمل کی۔ آپ نے جامعہ نظامیہ سے مولوی فاضل اور علی گڑھ سے منشی فاضل کی اسناد حاصل کیں اور باضابطہ درسِ نظامی کے فارغ التحصیل تھے۔ علومِ عقلیہ و نقلیہ پر گہری دسترس رکھتے تھے اور اپنے عہد کے ممتاز فقیہ، محدث، مفسر اور ادیب شمار ہوتے تھے۔ علمی و روحانی شخصیت کے اعتبار سے آپ ملک کی مقتدر شخصیات میں شمار کیے جاتے تھے اور معتبر علما و مشائخ آپ کی علمی حیثیت کے معترف تھے۔
علاقۂ دکن میں علمی و روحانی حلقے، سیاسی قائدین اور سرکاری اعلیٰ عہدیداران آپ کا خاص احترام کرتے تھے۔ شہر کے معروف صحافی و شاعر حامد اکمل کے مطابق آپ کی علمی و روحانی شخصیت سے مولانا ابوالکلام آزاد بھی متاثر تھے، اور دہلی آمد پر آپ کی ان سے باقاعدہ ملاقات رہتی تھی، نیز وقتاً فوقتاً پنڈت جواہر لال نہرو سے بھی ملاقات ہوتی تھی۔ نواب میر برکت علی خان سمیت متعدد سیاسی و سرکاری شخصیات آپ سے عقیدت رکھتی تھیں، جب کہ آپ کے مریدین میں ممتاز علما، ادبا اور اعلیٰ منصب دار شامل تھے۔
حضرت سردار پاشاہ تاریخ، تحقیق اور تصوف میں خاص مقام رکھتے تھے۔ فقہ، حدیث، تفسیر اور تاریخِ اسلام کے ساتھ تاریخِ تصوف کی متعدد کتب کے وسیع و عمیق مطالعہ کے حامل تھے۔ آپ کی شخصیت علم و روحانیت کا ایسا مرکز تھی جس سے بے شمار قلوب و اذہان نے

استفادہ کیا، جب کہ آپ نے شہرت اور ظاہری جاہ و حشمت سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کیے رکھی۔
راقم کے مطابق آپ کی علمی و روحانی خدمات سے متعدد اہلِ علم نے استفادہ کیا، جن میں ایک نمایاں نام پروفیسر سلیمان صدیقی (سابق وائس چانسلر، عثمانیہ یونیورسٹی) کا ہے۔ انہوں نے ''بہمنی صوفیز'' پر اپنا تحقیقی مقالہ حضرت سردار پاشاہ کی رہنمائی میں مکمل کیا، اور متعدد مقامات پر اس بات کا اعتراف کیا کہ ان کا مقالہ آپ کی علمی سرپرستی کا مرہونِ منت ہے۔ پروفیسر سلیمان صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے کی تیاری کے لیے پانچ برس تک حضرت شیخ شاہ محمد علاء الدین جنیدی کی صحبت سے استفادہ کیا۔ حضرت نے موضوعِ تحقیق سے متعلق مکمل مواد فراہم کیا اور کئی کئی دن ان کی علمی مجالس میں تاریخِ تصوف، بہمنی صوفیہ اور متعلّقہ مباحث پر تفصیلی گفتگو فرماتے رہے۔ دورانِ گفتگو آپ مختلف کتب و مراجع کے حوالے، دلائل اور تاریخی نکات صفحہ نمبروں سمیت یوں بیان کرتے کہ گویا تمام ذخیرۂ علم ان کے سامنے موجود ہو۔ عربی و فارسی زبان و ادب، قدیم مخطوطات کے فہم و ترجمہ اور حلِ لغات پر آپ کو غیر معمولی عبور حاصل تھا۔
فنِ حدیث و تفسیر میں بھی آپ بلند مقام رکھتے تھے۔ صدیقی صاحب کے بیان کے مطابق حضرت نے تحقیق کے پورے دورانیے میں رہنمائی فراہم کرنے کے بعد فرمایا کہ ''میرا اصل میدان حدیث ہے''۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخِ تصوف پر وسیع مطالعہ رکھنے کے باوجود فنونِ حدیث، رجال اور علومِ حدیث میں آپ کا علمی مرتبہ کس قدر بلند تھا۔ تفسیر میں بھی آپ کی مہارت مسلم تھی۔ مولانا سید فہیم بابا حسینی کے مطابق انہوں نے آپ سے تین دن مسلسل سورۂ فاتحہ کی محض پہلی آیت کی تفسیر سماعت کی۔ آپ کی مجالس سے مستفید ہونے والے متعدد علما و ادبا کا اتفاق ہے کہ حضرت ہر علمی موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرماتے اور آپ سے رہنمائی حاصل کرنے والے کو کسی دوسری علمی شخصیت کی طرف رجوع کی حاجت نہ رہتی تھی۔
حضرت کم و بیش 30/ سالہ طویل عرصہ بارگاہ حضرت شیخ دکن کے منصب تولیت و سجادگی پر مامور رہ کر مراسم عرس شریف اور بارگاہ کے تمام تر انتظامی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ خانقاہی نظام کو نہایت کامیابی اور حسن و خوبی کے ساتھ چلاتے رہے۔ بلالحاظ مذہب و ملت لاکھوں بندگان خدا آپ کی علمیت و روحانیت سے فیضیاب ہوئے ہزاروں مریض آپ کی مستجاب دعاؤں اور نگاہ کرم سے شفایاب ہوئے۔ 9/ رمضان المبارک 5041ھ مطابق 30/ مئی 1985ء بروز جمعرات 69 سال کی عمر میں یہ آفتاب علم و عرفان اُفق عالم سے ہمیشہ کے لیے روپوش ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ و تدفین بارگاہِ حضرت شیخ دکن میں عمل میں آئی۔ آپ کا مزار گنبد مبارک حضرت شیخ دکن کے جنوبی دروازے کے قریب گنبد مبارک سے صرف دو تین فٹ کے فاصلہ پر موجود ہے۔ ہر سال 9 رمضان المبارک کو آپ کا سالانہ عرس شریف نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ منایا جاتا ہے، بعد نمازِ عصر بدست مبارک حضرت سجادہ نشین بارگاہ حضرت شیخ دکن مراسم صندل مالی انجام پاتے ہیں۔ فاتحہ خوانی و گذرانی نیاز شریف کا اہتمام ہوتا ہے، ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے عرس شریف میں شرکت کرتے ہیں۔ حاضرین کے لیے افطاری اور تناول طعام کا اہتمام کیا جاتا ہے۔
آپ کو چار صاحب زادے اور چار صاحبزادیاں ہوئیں۔ حضرت شاہ محمد تاج الدین جنیدی آپ کے فرزند اکبر ہیں۔ بارگاہِ حضرت شیخ دکن کے سجادہ نشین و متولی رہے فرزند دوم حضرت شیخ شاہ محمد علیم الدین جنیدی رفیع بابا صاحب قبلہ فرزند سوم ڈاکٹر محمد شفیع الدین جنیدی بابا

صاحب اور فرزند چہارم حضرت شاہ محمد نعیم الدین جنیدی نعیم بابا صاحب ہیں۔

تاج المشائخ حضرت شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی ولادت باسعادت اور خاندانی حالات:

حضرت الحاج شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی پیر و سجادہ نشین بارگاہ حضرت شیخ رکن الدین شیخ محمد سراج الدین جنیدی کی ولادت باسعادت 16/ جمادی الثانی 1360ھ مطابق 11/ جولائی 1941ء بروز جمعہ حیدرآباد میں ہوئی۔ آپ بچپن ہی سے تقویٰ و طہارت، صداقت و متانت، فہم و فراست، فکر و بصیرت، عقل و دانائی، خوف خداوندی اور خشیت ربانی، عشقِ محمدی، محبتِ الٰہی کے آثار بدرجہ کمال موجود تھے۔ دراصل یہ سارے اوصاف آپ کو اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملے تھے۔ بچپن ہی سے آپ کی ذات گرامی میں ایثار و سخاوت، صبر و استقامت، توکل و قناعت جیسے اوصاف حمیدہ بدرجہ اتم موجود تھے، والدین یا دیگر افراد خانوادہ کوئی شئی آپ کو عطا فرماتے تو خود استعمال کرنے کی بجائے بھائی بہنوں یا دیگر ہم عمر بچوں کو دے دیتے اپنی حاجت پر اوروں کی حاجت کو ترجیح دیتے اور اپنے آرام سے زیادہ دوسروں کے آرام کا خیال رکھتے۔ اگر کوئی شخص آپ کے پاس موجود کسی شئی کا سوال کرتا وہ اُسے فوری عنایت فرماتے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ والدین آپ کو گھر کا سودا سلف یا سبزی وغیرہ لانے کے لیے روپئے دیتے اور اثنائے راہ اگر کوئی غریب یا حاجت مند سوال کرتا تو فوری وہ روپئے اُسے دے دیتے تھے۔ آپ بھوکوں، حاجت مندوں، غریبوں، پریشان حالوں کی حاجت پورا کرنے میں بے حد ایثار و سخاوت فرماتے۔

تعلیم و تربیت:

مخدومِ گرامی خلد مکانی نبیرہ حضرت جنید بغدادی شاہ محمد تاج الدین جنیدی بچپن ہی سے علم و ادب کے شیدائی رہے۔ آپ کی ذات گرامی میں حصول علم کا جذبہ صادق من جانب اللہ ودیعت فرمایا گیا تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ حصول علم و ادب کے لیے ہر وقت نہایت کوشاں رہتے۔ آپ کے تعلیمی دور کا مشاہدہ کرنے والے اعزا و اقربا، رفقا و احباء نے راقم الحروف کو بتایا کہ حضرت قبلہ کی ذاتِ اقدس میں طلب علم کی تڑپ بدرجہ کمال موجود تھی، آپ نے اسکول کے دور سے گریجویشن کی تکمیل تک نہایت ہی محنت و شوق اور سچی لگن کے ساتھ تعلیمی مراحل کو طے فرمایا۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ المشائخ شیخ شاہ محمد علاء الدین جنیدی سے دینی علوم تفسیر و حدیث، فقہ و تجوید کی بنیادی تعلیم حاصل فرمائی۔ آپ کی ابتدائی عصری تعلیم شہر حیدرآباد کے مشہور و معروف اسکول سینٹ جوزف میں ہوئی۔

آپ کے والدین گرامی جب مستقل طور پر گلبرگہ شریف منتقل ہوئے تو آپ نے ہائی اسکول کی تعلیم شہر گلبرگہ کے شہرہ آفاق اسکول ایم پی ایچ ایس سے حاصل کی۔ 1963ء میں آپ نے امتیازی نشانات کے ساتھ جماعت دہم کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ 1963ء میں انٹر کی تعلیم کے لیے آپ نے گورنمنٹ آرٹس اینڈ سائنس کالج میں داخلہ لیا اور 1964ء میں انٹر کے امتحان میں بھی آپ امتیازی نشانات کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ 1967ء میں آپ نے گورنمنٹ ڈگری کالج گلبرگہ سے گریجویشن کی تکمیل فرمائی اور اس کے بعد آپ نے 1970ء میں گورنمنٹ بی ایڈ کالج گلبرگہ سے اعلیٰ نشانات کے ساتھ بی ایڈ کا کورس بھی مکمل کیا۔

تعلیمی دور سے ہی آپ صوم و صلوٰۃ، ذکر و اذکار کے نہ صرف پابند رہے بلکہ مجاہدہ و ریاضت، سلوک و طریقت، مراقبہ و مشاہدہ کو اپنا معمول بنالیا، پورے عالم شباب کو کڑے مجاہدے و ریاضت، شب بیداری اور نفس کشی میں گذارا اور والد بزرگوار کی نگرانی خاص میں منازل سلوک

وطریقت کو طے فرمایا۔

حضرت قبلہ کی پوری زندگی اسوۂ حسنہ اور سیرت رسول اللہ ﷺ کا عملی نمونہ تھی۔ آپ کے اخلاق و کردار، عبادات و معاملات، نشست و برخاست، جلوت وخلوت اور افرادِ خانوادہ اعزہ واقرباء سے حسن معاشرت، مرید و معتقدین کے ساتھ شفقت ومہربانی خلقِ خدا کے ساتھ سچی ہمدردی، بندگان خدا کی ہدایت تربیت ورہنمائی کو ملاحظہ کریں تو ان تمام امور میں سیرتِ مصطفی ﷺ وسنت رسول اللہ ﷺ کے بے حجاب جلوے پوری آب وتاب کے ساتھ نمایاں نظر آتے تھے۔ بلاشبہ آقا کریم ﷺ سے آپ اپنے نفس وجان اور دنیاومافیھا سے بڑھ کر محبت فرماتے اور کمالِ محبت کے ساتھ ظاہری و باطنی طور پر آقاعلیہ السلام کی کامل اتباع فرماتے تھے اور آقاعلیہ السلام کے نبوت ورسالت کے فیضانِ کرم سے آپ مردہ دلوں کی زمینوں کو سیراب فرماتے تھے اور سخت دلوں میں عشق رسول ﷺ کی شمع روشن فرماکر تزکیۂ نفوس، تصفیہ قلوب، تطہیر اعمال واخلاق، تعلیم کتاب وسنت کو عام فرماتے تھے۔

خدمتِ خلق:

چوں کہ جنیدی صوفیہ کے یہاں خدمت خلق کو غیر معمولی اہمیت و عظمت حاصل ہے اسی لیے مخدوم گرامی حضرت شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی کی ذات گرامی بھی اپنی ساری زندگی خدمت خلق کے مقدس فریضے کو انجام دینے میں گذار دی اور اپنی آمدنی کا نصف سے زائد حصہ پریشان حالوں، محتاجوں، بیماروں، مسکینوں اور غریبوں کی حاجت روائی پر خرچ کرتے رہے اور آپ نے خدمت خلق کا کوئی شعبہ خالی نہیں چھوڑا، چنانچہ بارگاہ حضرت شیخ دکن میں لنگرعام کا نظم، سالانہ غریب لڑکیوں کی اجتماعی شادیوں کا اہتمام، بیماروں کے لیے دواؤں کا انتظام، مقروضوں کے قرض کی ادائیگی کا انتظام، مسافروں، محتاجوں اور سائلوں کی حاجت روائی کا اہتمام کرنا زندگی بھر آپ کا معمول رہاجسے آپ اپنافرض منصبی سمجھتے تھے۔

تبلیغ اسلام:

تاج المشائخ حضرت شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی کو آقائے دوجہاں ﷺ کی اتباع کامل کا شرف عظیم نصیب ہوا جس کی بدولت آپ کی ذات گرامی سے تبلیغ اسلام کا مبارک فریضہ عظیم الشان پیمانے پر انجام پایا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد پانچ ہزار سے زائد ہے۔ آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنے والوں میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے ساتھ اس ملک کی اعلیٰ کہلوانے والی قوموں سے تعلق رکھتے تھے اور آج وہ تمام افراد پوری استقامت کے ساتھ دین اسلام پر قائم ہیں اور احکام شریعت کے مطابق زندگی بسر کررہے ہیں۔ اور ان کے اہل و عیال بھی دین اسلام پر قائم ہیں۔

آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ریاست کرناٹک، آندھراپردیش، تلنگانہ، مہاراشٹرا اور کیرلا میں موجود ہے۔ ان تمام افراد نے آپ کی عظیم المرتبت روحانی شخصیت سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ محض ان پر فضل الٰہی اور حضرت تاج المشائخ کی خصوصی نظر کرم کا فیضانِ عظیم ہے۔

تاج المشائخ حضرت شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی کے دورِ سجادگی کے کارنامے

آپ نے اپنے دور سجادگی میں بے شمار تاریخی کارنامے انجام دیئے۔ آپ کے دورِ سجادگی کا سب سے عظیم اور تاریخی کارنامہ بارگاہ حضرت شیخ دکن میں حجرہ صلوٰۃ کا قیام ہے۔ جس کو آب زر سے لکھا جائے تب بھی کم ہی ہوگا یہ حجرہ صلوٰۃ ہندوستان کا وہ اولین حجرہ ہے جہاں سال کے بارہ مہینے اوقات نماز کے علاوہ چوبیسوں گھنٹے پورے تسلسل کے ساتھ درود خوانی کا اہتمام جاری ہے۔ آپ کی سرپرستی میں حجرہ صلوٰۃ میں دو سال دس مہینے درود پڑھا گیا۔

حضرت تاج بابا نے اپنی زندگی کو بارگاہ حضرت شیخ دکن کی ہمہ جہت ترقی کے لیے اپنی ذات گرامی قدر کو مکمل طور پر وقف کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ نے بے شمار دینی و خانقاہی، ملی و مذہبی خدمات انجام دیں۔ آپ کے دور سجادگی میں بارگاہ حضرت شیخ دکن میں قابل تعریف تعمیری کام انجام پائے ہیں۔ آپ کے کارناموں میں علوم دینیہ و اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے مدرسئہ دینیہ سراج العلوم کا قیام اور مدرسہ کے لیے جدید طرز پر عظیم الشان پیمانے پر عمارت کی تعمیر، علوم عصریہ سے ملت اسلامیہ کو آراستہ کروانے کی غرض سے GENIUS انگلش میڈیم اسکول کا قیام، جشن شیخ دکن کے موقع پر ہر سال غریب لڑکیوں کی اجتماعی شادیوں کا اہتمام، زائرین و مسافرین کے قیام کے لیے جدید طرز پر گیسٹ ہاوس کی تعمیر، لنگر خانہ کا نظم، دروس تصوف کشف المحجوب و مثنویٔ مولانا روم اور احیائے علوم دین کا اہتمام، ہفتہ واری اور ماہانہ محافل ذکر کا اہتمام، گنبد مبارک حضرت شیخ دکن کی استر کاری کے علاوہ اندرون گنبد نہایت عمدگی و خوبصورتی کے ساتھ گلاس کا کام اور گنبد مبارک حضرت شیخ محمد اویس خوندمیر جنیدی کی استر کاری کے کام کے علاوہ بارگاہ حضرت شیخ دکن میں نہایت کشادہ وسیع و عریض سماع خانہ کی تعمیر اور مسجد کی مرمت اور جدید طرز پر توسیع کا کام، وغیرہ شامل ہیں۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مدرسہ دینیہ سراج العلوم کا قیام:

مدرسہ سراج العلوم قادریہ چشتیہ جنیدیہؒ (شیخ روضہ، گلبرگہ شریف، کرناٹک) جنوبی ہند کی ایک قدیم دینی واقامتی درسگاہ ہے جو جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے ملحق ہے اور اسی کے نصاب کے مطابق تمام شعبہ جات میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کا قیام 19 شوال 1410ھ / 15 مئی 1990ء کو تقدس مآب شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی سجادہ نشین بارگاہِ حضرت شیخ دکن کے دستِ مبارک سے عمل میں آیا۔ عصری تقاضوں کے پیش نظر مدرسہ میں ریاستی نصاب کے مطابق اول تا دہم جماعت تک عصری تعلیم کا نظم بھی قائم ہے تاکہ فارغین دینی و عصری دونوں علوم سے آراستہ ہو کر امت کی بہتر خدمت کر سکیں۔ طلباء کے لیے مفت قیام و طعام، علاج، درسی کتب اور دیگر ضروری سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔

مدرسہ میں درج ذیل اہم شعبہ جات قائم ہیں:

شعبۂ ابتدائیہ و ناظرہ: اس شعبہ میں تجوید، ناظرہ قرآن، یسرنا القرآن، دینیات، اردو خواندگی، اذکار، مسنون دعائیں اور احادیث کی بنیادی تعلیم دی جاتی ہے۔ سینکڑوں طلباء اس سے فارغ ہو چکے ہیں۔

شعبۂ حفظ: حفظِ قرآن کے ساتھ قرأت اور تجوید کی تعلیم دی جاتی ہے۔ فارغین ریاست بھر میں امامت، خطابت، تدریس اور رمضان میں

تراویح کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شعبۂ عربیہ: درسِ نظامی کے مطابق ابتدا سے مولوی سالِ دوم تک تعلیم دی جاتی ہے۔ متعدد طلباء یہاں سے فراغت کے بعد جامعہ نظامیہ اور جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے ہیں، اور تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔

شعبۂ اہل خدماتِ شرعیہ: اس شعبہ میں امامت، خطابت، قضا، نیابت اور اذان وغیرہ کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔ فارغین جامعہ نظامیہ کے امتحانات میں شریک ہو کر امامت و خطابت اور قضائت و نیابت کے اسناد حاصل کرتے ہیں۔ بڑی تعداد اب تک اس شعبہ سے مستفید ہو چکی ہے۔

مدرسہ کی دیگر شاخیں:

مدرسہ ہذا کی دیگر دو شاخیں بھی موجود ہیں جس میں دخترانِ اسلام کی کثیر تعداد زیر تعلیم ہے۔ ایک شاخ دیوڑھی، سجادہ نشین روضہ شیخ میں چل رہی ہے جب کہ دوسری شاخ جناب شیخ شاہ محمد علیم الدین جنیدی رفیع باباصاحب قبلہ برادر سجادہ نشین شیخ روضہ کے مکان میں چل رہی ہے۔ ان دونوں شاخوں میں حفظ و عالمیت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

مدرسہ سراج العلوم کا موجودہ تعلیمی نظام اور مستقبل:

حضرت قبلہ ہی کی سرپرستی میں یکم جون 2022ء کو مدرسہ سراج العلوم قادریہ، چشتیہ، جنیدیہ کے تعلیمی نظام العمل میں عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر زبردست تبدیلی لائی گئی ہے۔ فی الحال مدرسہ ہذا میں زیر تعلیم طلباء کو دینی تعلیم کے ساتھ ریاستی نصاب کے مطابق جماعت دہم تک کی عصری تعلیم بھی دی جارہی ہے۔ طلباء کو عصری تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے باضابطہ ماہر و تجربہ کار ٹیچرس کا تقرر عمل میں لایا گیا ہے اور الحمدللہ اساتذہ کرام، طلباء کو عصری تعلیم سے آراستہ کر رہے ہیں اور طلبائے مدرسہ ہذا دینی و عصری تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ کرناٹکا سکینڈری ایجوکیشن ایگزامنیشن بورڈ کی جانب سے منعقدہ امتحانات میں شرکت کے ذریعہ طلباءKSEEB سے جماعت دہم کی سند بھی حاصل کر رہے ہیں۔

جانشین تاج المشائخ حضرت شیخ شاہ محمد افضل الدین جنیدی معروف بہ سراج باباصاحب قبلہ سجادہ نشین بارگاہِ حضرت شیخ دکن انشاء اللہ مستقبل قریب میں مدرسہ ہذا کے تعلیمی نظام میں اور وسعت پیدا کرنے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔ مدرسہ ہذا میں فی الحال شعبہ ناظرہ، قرآن مجید، تجوید، شعبہ حفظ قرآن مجید، شعبہ اہل خدمات شرعیہ کے علاوہ شعبہ عربیہ (از ابتدائی مولوی سال دوم قائم ہے) مستقبل قریب میں شعبہ عربیہ کو ترقی دے کر شعبہ عالمیت بھی قائم کیا جائے گا۔ اسی طرح مدرسہ ہذا کے تحت عصری تعلیم کے شعبہ کو ترقی دے کر پی یو سی اور گریجویشن تک کی تعلیم سے طلباء کو آراستہ کرنے کا نظم قائم کیا جائے گا تاکہ طلباء بیک وقت دینی و عصری تعلیم سے آراستہ ہو کر قوم و ملت کی خدمت انجام دے سکیں۔

ادارہ شرعیہ و دارالافتاء حضرت شیخ دکن:

ملت اسلامیہ کی دینی و شرعی رہنمائی اور عائلی مسائل کی یکسوئی کیلیے مدرسہ ہذا کے زیر اہتمام ادارہ شرعیہ و دارالافتاء کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے جس سے مختلف اضلاع کیتعلیم مکمل کر کے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کیلیے از ہر ہند جامعہ نظامیہ حیدرآباد اور جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں

شریک ہو کر وہاں سے سند و خلعتِ فضیلت حاصل کیے ہیں۔ اور تا حال یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ الحمد للہ اب تک اس شعبہ سے سینکڑوں طلباء استفادہ کر چکے ہیں۔

شعبہ اہل خدمات شرعیہ:

اس شعبہ میں امامت، خطابت، قضاءت، نیابت، ملا، موذنی کی با ضابطہ تعلیم دی جاتی ہے۔ نماز کے مکمل احکام و مسائل، امامت کے مسائل، جماعت کے مسائل وغیرہ سے تفصیلی طور پر واقفیت کروائی جاتی ہے۔ اس شعبہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء امتحانات جامعہ میں شرکت کر کے امامت و خطابت، قضائت و نیابت کی سند جامعہ نظامیہ سے حاصل کرتے ہیں۔ الحمد للہ اب تک سینکڑں طلباء اس شعبہ سے بھی استفادہ کرتے ہوئے جامعہ نظامیہ کے اسناد حاصل کیے ہیں۔

مدرسہ کی دیگر شاخیں:

مدرسہ ہذا کی دیگر دو شاخیں بھی موجود ہیں جس میں دختران اسلام کی کثیر تعداد زیر تعلیم ہے۔ ایک شاخ دیوڑھی، سجادہ نشین روضہ شیخ میں چل رہی ہے جبکہ دوسری شاخ جناب شیخ شاہ محمد علیم الدین جنیدی رفیع بابا صاحب قبلہ برادر سجادہ نشین شیخ روضہ کے مکان میں چل رہی ہے۔ ان دونوں شاخوں میں حفظ و عالمیت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

مدرسہ سراج العلوم کا موجودہ تعلیمی نظام اور مستقبل :

حضرت قبلہ گاہی کی سرپرستی میں یکم جون 2022ء کو مدرسہ سراج العلوم قادریہ، چشتیہ، جنیدیہ کے تعلیمی نظام العمل میں عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر زبردست تبدیلی لائی گئی ہے۔ فی الحال مدرسہ ہذا میں زیر تعلیم طلباء کو دینی تعلیم کے ساتھ ریاستی نصاب کے مطابق جماعت دہم تک کی عصری تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔ طلباء کو عصری تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے باضابطہ ماہر و تجربہ کار ٹیچرس کا تقرر عمل میں لایا گیا ہے اور الحمد للہ اساتذہ کرام، طلباء کو عصری تعلیم سے آراستہ کر رہے ہیں اور طلبائے مدرسہ ہذا دینی و عصری تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ کرناٹک سکینڈری ایجوکیشن ایگزامنیشن بورڈ کی جانب سے منعقدہ امتحانات (پرائیوٹ) میں شرکت کے ذریعہ طلباء KSEEB سے جماعت دہم کی سند بھی حاصل کر رہے ہیں۔

ادارۂ شرعیہ و دارالافتاء حضرت شیخ دکن:

ملت اسلامیہ کی دینی و شرعی رہنمائی اور عائلی مسائل کی یکسوئی کے لیے مدرسہ ہذا کے زیر اہتمام ادارہ شرعیہ و دارالافتاء کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے جس سے مختلف اضلاع کے ضرورت مند احباب استفادہ کرتے آرہے ہیں۔ اب تک ادارۂ شرعیہ سے کئی افراد کی دینی و شرعی مسائل میں رہنمائی اور عائلی مسائل کی یکسوئی کی گئی ہے۔

حضرت شیخ دکن بیت المال:

اس بیت المال کے تحت خواتین اسلام دختران ملت کے علاوہ بلالحاظ مذہب و ملت خواتین کے لیے ٹیلرنگ سنٹر، کمپیوٹر ٹرینگ، مہندی ڈیزائنگ، کنڑا اُردو انگلش اسپوکن کلاسیس، تجوید کورس، پری میریج کونسلنگ سنٹر چلائے جارہے ہیں۔ سینکڑوں خواتین اسلام اور دختران

ملت کے علاوہ غیر مسلم خواتین بھی استفادہ کرتے آرہے ہیں۔ ہر سال تاج بابا میگا فری ہیلتھ اور میڈیسین کیمپ بھی رکھا جاتا ہے۔ جس سے ہزاروں کی تعداد میں عوام الناس استفادہ کرتے آرہے ہیں اس کے علاوہ ہر سال جشنِ شیخ دکن کے موقع پر غریب لڑکیوں کی اجتماع شادیوں کا نظم بھی رکھا جاتا ہے۔ اب تک بڑی تعداد میں غریب لڑکیوں کی شادیاں انجام پاچکی ہیں۔ ہر سال رمضان مبارک کے مہینے میں غربہ میں راشن کٹ تقسیم کی جاتی ہے۔

لنگر خانہ جنیدیہ کا نظم:

اس لنگر خانہ میں سال کے 365 دن بلاناغہ لنگرِ طعام کا نظام جاری وساری ہے اور بلالحاظ مذہب وملت بندگانِ خدا لنگر خانہ جنیدیہ سے استفادہ کررہے ہیں۔

اجتماعی شادیوں کا نظم:

ہر سال جشنِ شیخ دکن کے پر مسرت موقع پر غریب لڑکیوں کی اجتمائی شادیاں انجام پاتی ہیں۔ عاقدین کے لیے جوڑے جہیز (ضروریات زندگی کا ضروری سامان) پلنگ الماری وغیرہ فراہم کیا جاتا ہے، عاقدین کے متعلقین ومہمانان کے لیے ضیافت کا معقول اہتمام کیا جاتا ہے۔ الحمد للہ گزشتہ 51 / سالوں سے ملت کا مستحق طبقہ اجتماعی شادیوں کے نظم سے بھرپور استفادہ کرتا آرہا ہے۔

گیارہ روزہ عظیم الشان مجالس عظمت غوث اعظم واولیاء کرام

بارگاہ حضرت شیخ دکن کے زیر اہتمام ماہِ ربیع الثانی میں گیارہ روزہ عظیم الشان مجالس عظمت غوث اعظم واولیاء کرام کا انعقاد ہوتا ہے۔

قیام حجرۃ صلوۃ علی النبی الکریم ﷺ :

امتِ مسلمہ کی اصل قوت رسول کریم ﷺ کی محبت واتباع میں ہے۔ اسی محبت کو دلوں میں راسخ کرنے کے لیے ہندوستان میں پہلی بار مرکزِ درود خوانی "حجرۃ صلوٰۃ علی النبی الکریم ﷺ" قائم کیا گیا، جہاں مسلسل درود وسلام کی محافل جاری ہیں۔ یہ فیضان حضرت شیخ دکن اور ان کی اولادِ امجاد کے صدیوں پر محیط مشن کا تسلسل ہے، جسے موجودہ سجادہ نشین حضرت ڈاکٹر سراج بابا صاحب قبلہ نے مضبوط کیا۔ درود پاک قربِ الٰہی ونبوی ﷺ کا بہترین وسیلہ ہے، اور حجرۂ صلوٰۃ کا قیام اسی دائمی فیضان کو قیامت تک جاری رکھنے کے لیے ہے۔ حجرۂ صلوٰۃ کے قیام کا ایک بڑا مقصد ملت کو کثرتِ درود کے فیوض وبرکات سے بہرہ مند کرنا ہے، جن کا اثر قاری کی کئی نسلوں تک پہنچتا ہے۔ دوسرا عظیم مقصد یہ ہے کہ مسلسل درود خوانی کے ذریعے اہلِ ایمان کو شفاعتِ مصطفی ﷺ کا امیدوار بنایا جائے، کیونکہ احادیث کے مطابق بکثرت درود پڑھنے والوں کے لیے شفاعت قطعی بشارت ہے۔ یہ مرکز درود خوانی وہ مقام ہے جہاں عاشقانِ رسول ﷺ اخلاص سے درود وسلام پڑھ کر مغفرت وشفاعت کے مستحق بنتے ہیں، اور قیامت تک بے شمار افراد کے لیے یہ حجرہ سببِ رحمت وبخشش بنا رہے گا۔ بلاشبہ حجرہ صلوٰۃ میں آٹھوں پہر صل علی محمد ﷺ کی صدائیں گونج رہی ہیں اور رحمتیں کا نزول ہورہا ہے۔

حضرت سراج بابا قبلہ نے قیام حجرہ صلوٰۃ کے لیے اپنے والد گرامی تقدس مآب حضرت الحاج شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی صاحب سجادہ نشین روضہ شیخ سے اجازت حاصل فرمائی اور ان ہی کی سرپرستی میں قیام حجرہ صلوٰۃ کا بیڑا اٹھایا۔ علماء ومشائخ اور عمائدین شہر اور وابستگان سلسلہ کی

موجودگی میں 11 ربیع الثانی 1440ھ مطابق 19 دسمبر 2018ء بروز چہارشنبہ بارگاہ حضرت شیخ دکن کے شمالی سمت میں حضرت شیخ دکن کے سرہانے قیام حجرۂ صلوٰۃ علی النبی الکریم ﷺ کے لیے تقدس مآب حضرت شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی صاحب قبلہ کے دست مبارک سے تنصیب عمل میں آئی۔ صرف گیارہ ماہ کے قلیل عرصے میں حجرۂ صلوٰۃ کی عظیم عمارت تیار ہوگئی۔ حجرہ صلوٰۃ کی تعمیر پورے آداب و اخلاق کے ساتھ کی گئی ہے اس قبلہ سمت کی دیوار کی بنیاد میں آبِ زم زم شریف، جنت البقیع کی خاک پاک اور بغداد معلی کی خاک شریف شامل کی گئی ہے اور قبلہ سمت کی دیوار میں استعمال ہونے والی تمام اینٹوں پر ﷺ مہر کیا گیا ہے۔ حجرۂ صلوٰۃ میں اہتمام درود خوانی کے لیے 1625 اسکوائر فٹ پر مشتمل 25*25 وسیع ترین ہال ہے جس میں وقت واحد میں 100 سو قارئین درود پاک پوری کشادگی کے ساتھ بیٹھ کر درود خوانی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ اس ہال کی تعمیر بہت ہی عمدگی و خوبی کے ساتھ کی گئی ہے، اندرونی دیواروں پر عمدہ قسم کی لکڑی چڑھائی گئی ہے۔ اور چاروں دیواروں پر رسول کریم ﷺ کے اسمائے گرامی عمدہ قسم کی لکڑی پر کندہ کیے گئے ہیں اور ہال پر ایک خوبصورت گنبد تعمیر کیا گیا ہے اور گنبد کی گولائی میں نہایت خوش خطی کے ساتھ صلاۃ وسلام کے پانچ صیغے تحریر کے گئے ہیں اور ایک خوبصورت جھومر بھی لگایا گیا ہے۔ اور حجرۂ صلوٰۃ کو مزید بابرکت بنانے کے لیے آقا کریم ﷺ کے موئے مبارک حضرت پیران پیر کے موئے مبارک حضرت جنید بغدادی و حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رضوان اللہ علیہم اجمعین کے موئے مبارک رکھے گئے ہیں۔ تاکہ قارئین درود پاک کو ان کے فیوض وبرکات بھی حاصل ہوتے رہیں۔ حجرۂ صلوٰۃ میں قارئین درود پاک کے لیے قیام وطعام اور دیگر ضروریات کی تکمیل کی ساری سہولیات مہیا کرائی گئی ہیں۔ حجرۂ صلوٰۃ سے متصل شمالی سمت میں ایک کشادہ ہال ہے جس کا رقبہ 465 فٹ ہے اس ہال کی چوڑائی 15 اور لمبائی 31 فٹ ہے جس میں وقت واحد میں 50 لوگ قیام کر سکتے ہیں۔ اسی ہال میں قارئین درود پاک کے قیام و طعام کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اسی ہال سے متصل جدید طرز کا ایک مطبخ تعمیر کیا گیا ہے جہاں قارئین درود کے لیے پکوان کیا جاتا ہے اور اسی کے نیچے حمام خانہ اور بیت الخلا بنایا گیا ہے اور حجرہ صلوٰۃ کے سیڑھیوں سے متصل وضو خانہ بنایا گیا ہے اس طرح قارئین درود کے لیے تمام تر سہولیات مہیا کرائی گئی ہیں۔ 12 ربیع الاول 1441ھ بوقت بعد نمازِ مغرب فاتحہ خوانی کے بعد محفل درود پاک کا آغاز ہوا لیکن اس کا باضابطہ افتتاح شہر حیدرآباد کے علاوہ ریاست کرناٹک تمام مشائخ عظام سجادگان ذوی الاحترام علماء کرام اور ہزاروں کی تعداد میں عشاقان رسول ﷺ کی موجودگی میں 15 ربیع الاول 1441ھ کو تقدس مآب حضرت الحاج شیخ شاہ محمد تاج الدین جنیدی صاحب قبلہ کے دست مبارک سے فاتحہ خوانی و دعائے خیر کے ذریعہ افتتاح عمل میں آیا۔ افتتاحی جلسے میں مشائخ وعلماء نے خطاب فرمایا۔ اس تاریخ ساز افتتاحی جلسہ میں حجرۂ صلوٰۃ اور پوری بارگاہ حضرت شیخ دکن پر خصوصی رحمت وانوار کی بارش ہو رہی تھی ہر طرف نور ہی نور پھیلا ہوا تھا۔

خانقاہ قادریہ حضرت میراں سید شاہ حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری نلنگہ شریف: تعارف و خدمات

(خانقاہ کے اہم علمی روحانی شخصیات کا تذکرہ)

محمد نذیر احمد قادری تسکینی *

تکثیری معاشرے میں دعوت حق کے فروغ کا مظاہر میں ایک نمایاں روحانی مرکز دکن کی عظیم و قدیم معروف و مقبول خانقاہ، خانقاہ قادریہ رزاقیہ حیدریہ ہے، جس کے بانی حضرت میراں سید شاہ حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری قدس اللہ سرہ المتوفی 1033 ھجری ہیں۔ زیر بظر مقالے میں آپ اور آپ کے خانوادے کے چند مشاہیر اعلام کی حیات و خدمات کو سپرد قرطاس کیا جارہا ہے۔ حضرت حیدر ولی اللہ قادری کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں سیدنا عبد القادر جیلانیؒ سے ملتا ہے۔

آپ کے والد بزرگوار علوم ظاہریہ و باطنیہ کے جامع، ریاضت و مجاہدات کی کثرت کے خوگر، اتباع سنت کے پیکر، احوال صادقہ واطوار پاکیزہ کے حامل، ایک خدارسیدہ بزرگ تھے۔ علوم و معارف میں آپ کے مقام بلند کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت سید سیف اللہ قادری علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

> "سید السادات منبع السعادات۔ شمع ایوان وحدت، ماہ آسمان قربت، قائل مسائل راز، شاغل مشاغل نیاز، جلائے آئینہ شہود، پردہ کشائی چہرہ مقصود، کنز العشق والعرفان، معدن الشوق و الوجد ان والی کونین، زبدۃ العارفین، قدوۃ المحققین میراں شاہ حسین قادری قدس اللہ سرہ العزیز"[1]

مزید براں آپ علیہ الرحمہ اپنے آباء و اجداد کے علوم و معارف، احوال و کوائف کے حقیقی وارث ہونے کے باعث اس دور میں بارگاہ غوثیہ بغداد معلیٰ کی مسند سجاد گی پر فائز و متمکن رہے ہیں چنانچہ حضرت ملاّ ابراہیم علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

> القصۃ بطنا بعد بطن خلافت و سجّادہ نشینی بغداد مغفرت اباد علی حسب التوریث بمخزن ولایت ارباب ملک کرامت مفخر کونین رہبر گمرہان دارین حضرت میراں شاہ حسین قدس اللہ روحہ رسیدہ و تاالی الآن ہیچ یکے از اخوان واقران ایشاں در خلافت سجادہ نشینی آنجا متصرف نشدہ۔[(2)]

(حاصل الکلام نسلا بعد نسل، بغداد مغفرت آباد کی خلافت و سجادہ نشینی وراثتاً کونین کا فخر رہبر گمراہان دارین حضرت میراں شاہ حسین قدس اللہ روحہ کو حاصل ہوئی اور اب تک آپ کے بھائیوں اور رشتہ داروں میں سے کوئی بھی وہاں کی خلافت

---

* کامل الفقہ جامعہ نظامیہ خطیب وامام مسجد یوسفیہ کپل بانی وناظم مدرسہ انوار صالحات کپل۔

[1] شاہ سیف اللہ قادری۔ نسب نامہ شاہ حضرت قادری (قلمی فارسی) ص.3

[2] ملاابراھیم قادری. خوارق حیدریہ. مترجم. ص.2

وسجادہ نشینی میں آپ سے منحرف نہیں ہوا۔)

حضرت میراں شاہ حسین جیلی مکی کی حیات طیبہ کا ایک نمایاں وصف شان بے نیازی واستغناء تھا کیونکہ بے نیازی واستغناء اولیاء اللہ کی زندگی کا جزءلاینفک ہے۔ ارشاد نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام ہے: "لیس الغنی عن کثرۃ العرض ولکن الغنی غنی النفس."[1] غنی وبے نیاز ہونا کچھ مال پر موقوف نہیں بلکہ اصل تونگری تو دل کا بے نیاز ہونا ہے؛ لہٰذا حضرت شاہ حسین جیلی کو بعض احباب کی جانب سے آرزوئے سجادگی کی خبر پہنچی تو اپنے بعد بغداد کے مسند سجادگی پر جلوہ گر اپنے فرزند حضرت میراں شاہ حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری کو طلب فرما کر ان جامع الفاظ میں نصیحت فرمائی:

> اے فرزند حیدر سعادت مند اللہ تمہاری عمر دراز کرے! ان تمام چاندی اور سونے کے سکّوں کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ چلو اور اپنے آپ کو اہم کاموں کی جانب متوجہ کرو اے فرزند سعادت مند! دائمی سعادت مندی کا ذریعہ یہ ہے کہ گھر دنیاوی سازوسامان سونا چاندی مویشی گھوڑے اور قیمتی کپڑے اور اسباب جن کا کسی بادشاہ کے خزانے سے بھی پانا مشکل ہے ان سے غنا اختیار کرو اور ان میں سے صرف موئے مبارک ودیگر تبرکات کو لے لو کیونکہ یہ درحقیقت حضور سید انام معشوق خالق دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ باقی تمام کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ چلو راحت حضر پر مشقت سفر اختیار کرو۔[2]

مکہ شریف میں قیام کے دوران ہی آپ علیہ الرحمہ کا وصال ہوا، حرم شریف میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں رؤسا مکہ، صلحا وعلما، خلق خدا کا کثیر مجمع شریک ہوا پھر جنت المعلی میں حضرت ام المومنین سیدتنا خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا کے قدموں میں سپرد خاک کیا گیا[3]

حضرت میراں سید شاہ حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری بغدادی نلنگہ شریف۔

آپ علیہ الرحمہ کا اسم گرامی حیدر ولی اللہ ہے، پیر دستگیر، دادا پیر، سید السادات، زبدۃ العارفین، حیدر ثانی، وغیرہ آپکے مشہور القاب ہیں۔ آپکی ولادت سن 885ہجری میں سرزمین بغداد میں ہوئی۔[4]

نسب مبارک

حضرت سید شاہ حیدر ولی اللہ گیلانی، بن سید حسین الجیلی گیلانی، بن سید محمد گیلانی، بن سید نصیر الدین گیلانی بن سید ابراہیم بغدادی گیلانی بن

---

[1] البخاری.محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دمشق: دار ابن کثیر.1423ھ-2002م.ص. 1606. کتاب الرقاق.باب الغنی غنی النفس.حدیث نمبر:6446

[2] ملاابراھیم.خوارق حیدریہ۔ص۔7

[3] نفس مصدر:ص۔12 /۔صوفی محمد اسماعیل قادری۔تاریخ صوفیہ کرام وسلاطین دکن۔ج۔1.ص۔291

[4] خوارق حیدریہ۔ص.3 / سید عبدالرحمن سقاف.حدیقہ رحمانی۔ص۔507 / سید شاہ اعظم قادری۔ شجرہ قادریہ حیدریہ قلمی / سید شاہ سیف اللہ قادری۔ نسب نامہ شاہ حضرت قادری قلمی ص۔3 / صوفی محمد اسماعیل قادری۔تاریخ صوفیہ کرام وسلاطین دکن۔ج۔1.ص۔291

سید ابو موسیٰ یحیی گیلانی بن قاضی القضاۃ سید عماد الدین ابو صالح عبد اللہ نصر گیلانی بن سید تاج الدین ابو بکر عبد الرزاق گیلانی بن حضرت سید محی الدین ابو محمد عبد القادر گیلانی الحسنی و الحسینی رحمہم اللہ جمیعا۔[1]

ازواج و اولاد

آپ کے دو زوجہ تھیں جن میں سے مشہور سیدہ ہمایوں ماں صاحبہ ہیں۔[2]

آپ علیہ الرحمہ کی اولاد میں چھ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی شامل تھے۔ ان کے اسمائے گرامی اور تفصیلات ایک قدیم خاندانی فارسی قلمی وثیقہ میں محفوظ ہیں، جو حسبِ ذیل ہیں۔

(1) سید شاہ نوراللہ قادری (مدفن بیجاپور (2) سید شاہ کریم اللہ قادری (مدفن کرنول (3) سید شاہ وجہ اللہ (مدفن گولکنڈہ (4) سید شاہ وجہ اللہ ثانی (مدفن احمد نگر (5) سید شاہ عین اللہ. (6) سید شاہ محی الدین (7) دختر سیدہ بدیع الجمال علیہم الرحمہ۔[3]

بیعت و خلافت

آپکی بیعت طریقت اپنے والد حضرت شاہ حسین جیلی بغدادی کی سجادہ بغداد معلی سے تھی مقامات سلوک طے کر کے خرقہ خلافت حاصل فرما کر مسند سجادگی آستانہ غوثیہ بغداد شریف پر رونق افروز ہوئے۔[4]

خلفائے عظام

نقابت الاشراف وغیرہ میں مرقوم ہے کہ جب آپ علیہ الرحمہ بغداد شریف سے دکن وارد ہوئے تو آپ کے ہمراہ 300 کامل خلفاء تھے[5] جن میں سے چند کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

(1) حضرت سید شاہ نوراللہ قادری بیجاپوری آپ علیہ الرحمہ کے بڑے فرزند خلیفہ و سجّادہ ہیں (2) حضرت سید شاہ کریم اللہ قادری کرنول جو آپ علیہ الرحمہ کے دوسرے فرزند ہیں (3) حضرت سید سلیمان قادری قطب گوا (4) حضرت ابوالحسن قادری (5) حضرت سید مرتضی قادری۔[6]

---

[1] پیر سید علی عباس گیلانی۔ حدیقۃ الزہراء. ص.39/ 43

[2] خوارق حیدریہ، ص 85

[3] تاریخہائے وفاتفار سیقلمی

[4] خوارق حیدریہ۔ ص. 13 / سید عبد الرحمن سقاف. حدیقہ رحمانی۔ ص۔ 507 / سید شاہ سیف اللہ قادری۔ نسب نامہ شاہ حضرت قادری قلمی ص۔ 3 / سالنامہ "اللطیف" ویلور۔ ص۔ 13

[5] نقابتالاشرافپاکستانص. 14

[6] تاریخہائے وفات فارسی قلمی

خلق خدا کی خدمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من اَحسن اِلی عیالہ [1] مخلوق اللہ کا کنبہ ہے یعنی زیر کفالت ہے اور مخلوق میں سے وہ شخص اللہ کو زیادہ پسند ہے جو اس کے عیال سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ اسی وجہ سے خدمت خلق صوفیہ کرام کی زندگی کا لازمی حصہ رہی ہے چنانچہ خوارق حیدریہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ کبھی آپ علیہ الرحمہ کی خدمت میں ایک ہزار یا گیارہ سو افراد زیر تربیت ہوتے اور کبھی کم از کم تین سو ہوتے، اتنے ہی لوگ آتے اور جاتے تھے اور آپ علیہ الرحمۃ ان پر ظاہری و باطنی طور پر شفقت و مہربانی فرماتے تھے اور ان کی ہمدردی اور دلجوئی میں خود اپنی ذات کو متوجہ فرماتے تھے اور ہر ایک کو حکم دیا تھا کہ تم میں سے کسی کو کوئی ضرورت پیش آئے تو ہرگز کسی دنیاوی آدمی کے پاس اپنے ہاتھ دراز نہ کرے بلکہ جو بھی ضرورت ہو ہمارے سامنے پیش کرے تاکہ ہم خود اپنی پوری کوششوں سے اس کام کو انجام دیں۔ [2]

سیر وسیاحت

آپ علیہ الرحمۃ اثناء سیر ایک مقام میں یاد الٰہی میں مشغول قدرت الٰہی کے مشاہدہ میں مستغرق تھے اچانک ایک روز مجلس محمدی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں باریابی نصیب ہوئی، آپ نے دیکھا ایک مرصع رنگین فرش بچھایا ہوا ہے جس پر خواجہ عالم خاتم الرسل علیہ الصلاۃ والسلام جلوہ افروز ہیں اور آپ کے چار یار حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت مولا علی رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطراف و اکناف بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ ان کے پہلو میں تشریف فرماہیں حضرت حیدر ولی اللہ بارگاہ رسالت علیہ الصلاۃ والسلام میں انتہائی تعظیم وادب سے سلام و قدم بوسی کا شرف حاصل فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ایک جگہ بیٹھ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اے قوی النسل ہر چیز اپنی اصل کی جانب لوٹتی ہے جس کو سن کر شیر خدا رضی اللہ تعالی عنہ کے لب مبارک پر مسکراہٹ کھلنے لگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حیدر ولی اللہ سے کہا اے حیدر ہم چاہتے ہیں کہ تم کچھ بولو تو آپ نے بڑے عاجزی سے عرض کیا میری آرزو یہ ہے کہ آپ کے چہرے باکمال و جمال سے بالمشافہ دیدار کرتا رہوں اوراس مجلس شریف میں باریاب ہوتا رہوں تو صاحب قاب و قوسین کی بارگاہ سے یہ مژدہ جانفزا املا کہ تم ہماری نگاہوں کے سامنے رہو گے اور عنقریب حجابات اٹھادئے جائیں گے۔ [3]

بارگاہ غوثیت میں حاضری

آپ علیہ الرحمۃ مشاہدات و مکاشفات کی وادی سے باہر نکلے تو دل فرحت وانبساط سے بھر گیا غلبہ شوق میں سوئے بغداد کشاں کشاں چل

---

[1] التبريزي.الخطيب ولى الدين.مشكاة المصابيح.المحقق ناصر الدين الالبانى.الطبعة الثالثة.بيروت.المكتب الإسلامي.1985م.ج3/ 1392.حديث نمبر :4998

[2] خوارقحیدریہ، ص 47

[3] ماخوذاز:خوارق حیدریہ ص18ملخصا

پڑے اور بارگاہ غوثیت میں حاضر ہو کر چالیس روز مراقب رہے چالیس ویں روز مظہر شان نبوت مصدر ولایت حضرت غوث صمدانی رضی اللہ تعالی عنہ کا عالم بیداری میں دیدار نصیب ہوا پھر مرکز دائرہ قطبیت سے آپ کو برکات محمدیہ وفیوضات علویہ اور اپنی خصوصی نسبت سرمدی کے فیض سے مشرف کیا گیا بعد ازاں اقامت دین ونصرت شرع متین کے لیے ہندوستان جانے کا حکم دیا گیا۔[1]

تصرفات وکرامات

آپ علیہ الرحمۃ کے تصرفات وکرامات، خوارق وعادات بے شمار ہیں جن میں طئی زمانی ومکانی، کشف کونی، شان تکوینی، باطنی فراست، کشف قبور، مجلس محمدی میں حضوری، سیف لسانی، باب اجابت، تقلب احوال سے آگہی، کشف عالم مثال، غیبی رزق کا حصول، بعد وصال تصرفات کا ظہور وغیرہ شامل ہیں۔

آپ کی دعوتی سرگرمیاں اور روحانی تربیت

سیر وسیاحت کے دوران آپ علیہ الرحمۃ ایک جزیرے پر پہنچے جہاں خواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کو اپنے دست مبارک سے مکتوب صحائف قرآنی کی طرف رہنمائی فرمائی۔ جب خواب سے بیدار ہو کر آپ علیہ الرحمۃ جزیرہ میں موجود ایک جبل اسود نامی پہاڑ کے پاس پہنچے تو وہاں سے آپکو صحائف قرآنی میں سے دو جلد عطا ہوئیں، ان میں سے ایک صحیفہ پارہ عم چمڑے کی جلد میں کوفی خط سے لکھا ہوا آج بھی خاندانی تبرکات میں صاحب سجادہ حضرت نلنگہ شریف کے پاس محفوظ ہے دوسرا صحیفہ آپ نے شاہ اسمٰعیل ثانی کو مرحمت فرمایا وہ آپ کا بڑا معتقد اور آپکی نہایت درجہ تعظیم وتکریم کرنے والوں میں سے ایک تھا، لہذا اس کے اصرار پر آپ علیہ الرحمہ چند روز اس کے پاس قیام فرما کر اپنی صحبت بابرکت سے مستفید کرنے کے بعد سفر پر روانہ ہوئے۔

پونہ شہر میں آپ کی فیض رسانی

دسویں صدی ہجری کے آخری کا زمانہ ہندوستان میں اسلام اور حامیان اسلام کے لیے انتہائی نازک شمار کیا جاتا ہے کیونکہ دین الٰہی کا فتنہ شاہی سرپرستی میں بڑی تیزی کے ساتھ قلوب واذہان کو مسموم کر رہا تھا ایسے نازک دور میں آپ علیہ الرحمہ ہندوستان میں وارد ہوئے، جس خطہ ارضی سے گزرے وہاں اشاعت اسلام اقامت دین، نصرت شریعت کا فریضہ انجام دیا چنانچہ جب آپ علیہ الرحمہ پونہ کے علاقے میں تشریف لائے تو وہاں قطبِ عالم حضرت عبد القدوس گنگوہی کے خلیفہ، بھٹکل کے مفسر ومحدث وفقیہ، مخدوم اسماعیل سکری شافعی کے شیخِ طریقت حضرت احمد شاہ قادری چشتی کی خانقاہ میں قیام فرمایا، اسی قیام کے دوران آپ نے خلقِ خدا کی روحانی تربیت، اصلاحِ باطن اور دعوتِ

---

[1] ایضا، ص29۔

شاہ اسماعیل ثانی (949ھ-م985ھ) صفوی حکومت کا تیسرا بادشاہ اور آپ علیہ الرحمۃ کا معاصر ہے اس کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل مصادر سے رجوع کریں۔ (دیکھیے: الطھرانی. الشیخ آقا بزرگ. الذریعة. دار الاضواء. بیروت. ج5/ 285، القمی. عباس. تتمة المنتھی في وقائع الخلفاء. ج 3/459، آفندی. المیرزا عبداللہ. ریاض العلماء. ج2/72 34). الخوانساری. المیرزا محمد باقر. روضات الجنات. ج2/ 322، الشافعی. عبدالعزیز بن صالح المحمود. عودة الصفویین. ط. 1. مکتبة الامام البخاری. 2007م. ص. 38)

حق کے فرائض انجام دیے۔ حضرت احمد شاہ چشتی علیہ الرحمہ آپ کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔لہذا سید حسن محب اللہ حسنی حسینی لکھتے ہیں پانچ شوال کو آپ علیہ الرحمہ حضرت حیدر ولی اللہ علیہ الرحمہ اور آپ کے خلیفہ حضرت شیخ اسماعیل سکری اور مریدین کے ساتھ شیخ صلاح الدین علیہ الرحمہ کی زیارت کی اس کے بعد تنہائی میں حضرت حیدر ولی اللہ قادری علیہ الرحمہ کو وصیت فرمائی کہ آپ کچھ دن مزید یہاں قیام فرمائیں کیونکہ ہماری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ اولاد غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ میں سے ہو ہم عنقریب اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں اور آپ ہی کو ہماری نماز جنازہ پڑھانی ہے پھر 12 شوال 910 ہجری بروز جمعہ حضرت احمد شاہ علیہ الرحمہ کا وصال ہوا حسب وصیت حضرت حیدر ولی اللہ قادری علیہ الرحمہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔[1]

سند مصافحہ کی اجازت

دورانِ سفر آپ کی ملاقات شطاری سلسلہ کے صوفی بزرگ سید محمد غوث گوالیاری سے ہوئی اور آپ نے حیدر ولی اللہ قادری کو بیعت مصافحہ کی اجازت عطا فرمائی[2].

بیجاپور میں آپ علیہ الرحمۃ کی آمد

دفتر نقابت الاشراف پاکستان میں مسطور ہے ؛ آپ سلطان ابراہیم عادل شاہ کے عہد حکومت میں شہر بغداد شریف ملک عراق سے دکن ہندوستان تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ 300 خلفاء بھی تھے۔ کچھ عرصہ دکن میں سکونت پذیر رہنے کے بعد بیجاپور تشریف لے گئے۔[3]

نلنگہ (Nilanga) میں آپ کے دینی و سماجی خدمات

بیجاپور سے آپ روانہ ہو کر جد امجد علیہ الرحمہ کے حکم کے مطابق نلنگہ ضلع لاتور مہاراشٹرا کو اپنی آخری آرام گاہ کے لیے منتخب فرمایا اور نلنگہ کو آپ کے ورود کے بعد بغداد ثانی کہا جانے لگا۔

آپ کے وجود سے اہل نلنگہ کو بے شمار دینی و دنیوی برکات حاصل ہوئیں اور ہو رہی ہیں، صاحب خوارق لکھتے ہیں ایک مرتبہ نلنگہ میں ایسی آگ بھڑک اٹھی کہ مکانات کے مکانات اس کے نذر ہو گئے جب آپ نے یہ حالت دیکھی تو بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائی جس کے سبب لوگوں کو اس بلائے ناگہانی سے نجات ملی۔ حضرت حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری ساری زندگی لوگوں کی ظاہری و باطنی ضرورتوں کو پورا کرنے اور مصیبت زدہ انسانیت کی نصرت و خدمت کرنے میں وقف کر دی۔

وصال مبارک:

بالاخر آسمان ولایت کا یہ نیر تاباں علم و عرفان، رشد و ہدایت کی آپنی جلوہ سامانی بکھیر کر پنجشنبہ بوقت ظہر ماہ جمادی الثانی سن 1033 ہجری برزخ کی بدلیوں میں روپوش ہو گیا اور مادہ تاریخ وصال "حیدر آخری" ہے۔ آپ کا مرقد فیض آثار نلنگہ میں لاکھوں دلوں کو چین اور

---

[1] الحسنی والحسینی. سید حسن محب اللہ. بابا فرید کا لال سید احمد شاہ۔ ہندی ص 102

[2] اثر. محمد علی. دکنی غزل کی نشو و نما۔ ص 181

[3] دفتر نقابت الاشراف پاکستان۔ ص۔ 13. 14

آنکھوں کو ٹھنڈک بخش رہا ہے فیوضات روحانی کی بارش روز افزوں ترقی پزیر ہے۔ مشہور ہے کہ عظیم صوفی بزرگ حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ گھنٹوں آپ کے آستانہ عالیہ میں مراقب رہتے تھے۔اسی طرح نلنگہ کے مشہور بزرگ سید نور الدین اسحاق قادری المعروف پیر پاشاہ قادری جب آپ کے درگاہ پر پہنچے تو ادب میں پنجوں پر کھڑے رہے۔جب وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا عرش معلی سے نور کی بارش ہو رہی ہے [1]

سقوط حیدرآباد کے وقت یہ خانقاہ خانمابرباد مسلمانوں کا ملجأ و مأوی تھی، بے شمار مسلمانوں نے خانقاہ کے وسیع و عریض احاطے میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔

خانقاہ قادریہ حیدریہ سے نکلنے والی علمی، روحانی اور ادبی شخصیات

خانقاہِ قادریہ حیدریہ نلنگہ شریف برِّ صغیر کے اُن روحانی و علمی مراکز میں سے ہے جہاں سے مختلف ادوار میں ایسی جلیل القدر شخصیات منصۂ شہود پر آئیں جنہوں نے دین، علم، تصوف اور ادب کے میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ذیل میں ان ممتاز اہلِ علم و ارشاد کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

1-قطب الابرار سید السادات حضرت میراں سید شاہ نور اللہ نبیرہ قادری قدس اللہ سرہ العزیز

آپ حضرت حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری علیہ الرحمہ کے بڑے فرزند ہیں۔ والد ہی سے شرف ارادت و خلافت رکھتے تھے حضرت قاضی سید محمد علی قاضی القضاۃ بیجاپور سے بھی استفادہ کیا ہے حضرت حیدر ولی اللہ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد آپ ہی سجادہ نشین ہوئے۔ آپ عالم علوم ظاہری و باطنی تھے. سن 1067ھ میں سرائے فانی سے حریم وصال ذوالجلال کو روانہ ہوئے .

مادہ تاریخ رحلت فی قبرہ نور من نور اللہ (ان کی قبر میں اللہ کا نور ہے) اور غنی ابد (ہمیشہ بے نیاز) ہے۔بیرون شہر پناہ زہرہ پور حضرت مولانا حبیب اللہ صبغۃ اللہی کے قریب جنوب کی طرف چبوترے پر آپ کا مزار پر انوار واقع ہے یزار و یتبرک بہ۔[2]

آپ کی صوفیانہ شاعری

علم تصوف و حقیقت میں آپ کا مقام بڑا بلند تھا چنانچہ نسب نامہ میں حضرت سید سیف اللہ قادری لکھتے ہیں:

> "اختر آسمان طریقت گوہر عرفان حقیقت، مفسر دلائل ذوق وحال، مبین مسائل عشق وصال، سالک مسالک تجرید و تفرید ناسک مناسک توحید و تحمید، شاہ ذیجاہ مقبول الہ قدوۃ العارفین، زبدۃُ الواصلین میراں شاہ نوراللہ نبیرہ قادری قدس سرہ العزیز۔[3]

---

[1] الجیلانی. سید افضل پاشاہ۔ سوانحِ بزرگانِ دین سلسلہ قادریہ عالیہ۔ ص -27

[2] بیجاپوری۔ محمد ابراہیم. روضۃ الاولیاء بیجاپور. سید شاہ سیف اللہ۔ ص۔129.:سید عبد الرحمن سقاف. حدیقہ رحمانی۔ ص508.:ملکاپوری۔ محمد عبد الجبار خان۔ محبوب ذوالمنن. ج2/ 1073

[3] سید شاہ سیف اللہ قادری۔ نسب نامہ شاہ حضرت قادری قلمی ص۔ 2

دوسری طرف تصوف اور اس کے معاملات شاعری کے اہم ترین موضوعات میں سے رہے ہیں شاعری کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ ایک عطیہ فطرت ہے، اسی طرح صوفی اپنے جذبہ عشق کو بھی اکتسابی نہیں بلکہ فطری جانتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ جب تک کہ صوفی کو شاعر کا آہنگ اور تخیل اور شاعر کو صوفی کا عشق نہ ملے نہ تو شاعر مکمل نہ تو صوفی۔ مصحفی لکھتے ہیں "شاعری اور درویشی دوش بدوش راہ می رود" چنانچہ عربی، فارسی، اردو، ہندی، اور پنجابی زبانوں میں بڑے بڑے صوفیاواولیانے اپنے عارفانہ شاعری کے ذریعہ اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ جن میں حضرت میراں سید شاہ نور اللہ قادری علیہ الرحمہ کا اسم گرامی بھی شامل ہے لہٰذا آپ کا عارفانہ فارسی کلام کا ایک قلمی مخطوطہ خانقاہ میں محفوظ ہے۔[1] ان میں سے کچھ اشعار درج ذیل ہیں:

اول کہ نور آمد در روح جسم آدم شب روز بود ذکرش سبحان من یرانی

کفت است نوراللہ تنزیل نوراحمد چون آمدہ بایں حد سبحان من یرانی

تاج الواصلین میراں سید شاہ کریم اللہ نبیرہ قادری علیہ الرحمہ

آپ حضرت حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری علیہ الرحمہ کے دوسرے صاحبزادے اور مرید و خلیفہ ہیں۔ اولاً والد ہی سے صوری و معنوی استفادہ کیا۔ بعد ازاں اپنے بڑے بھائی حضرت میراں سید نور اللہ قادری بیجاپوری علیہ الرحمہ سے بھی استفادہ فرمایا۔ آپ کو علم ظاہر اور علم باطن دونوں میں کمال حاصل تھا۔ خوارق حیدریہ کے مصنف نے آپ کے کئی کرامات و تصرفات کا ذکر کیا ہے۔ شب و روز عبادت و ریاضت میں بسر کیا کرتے تھے۔ نلنگہ میں کثیر خلائق آپ سے مستفید ہوئی۔ پھر جب بیجاپور سلطنت کے گورنر عبدالوہاب خان نے کرنول کا قلعہ فتح کیا اور سلطان نے عبدالوہاب خان کو کرنول کا نواب مقرر کیا تو نواب عبدالوہاب کے اصرار پر آپ نے کرنول میں سکونت اختیار کی۔ دراصل نواب عبدالوہاب خان آپ کے مرید و معتقد تھے بلکہ شہر کے اکثر امرا، بزرگ، جوان سب ہی آپ سے حسن اعتقاد رکھتے تھے. آپ نہایت خوش اخلاق و فرشتہ سیرت، خلق محمدی کے پیکر جمیل تھے۔ درویشانہ اخلاق و کمالات بچپن ہی سے آپ میں نمایاں تھے۔ ایک مرتبہ ایک نیم جنونی شخص نے آپ کے بازو کو تلوار سے زخمی کر دیا جس پر خدام نے اس کو زدوکوب کیا جب آپکو اس بات کا پتہ چلا تو آپ خدام پر بہت خفا ہوئے۔ اس مجرم کو نہ صرف معاف فرمایا بلکہ حاکم کو اس کے خلاف کسی بھی قسم کی کاروائی کرنے سے سختی سے منع کر دیا۔ آپ کا وصال 1647ء میں ہوا اور کرنول میں مدفون ہوئے۔[2]

حضرت میراں سید شاہ نور اللہ قادری کے خلفاء کی خدمات

آپ علیہ الرحمہ کے خلفا میں سید شاہ عبد اللطیف قادری بیجاپوری اور سید شاہ درویش قادری کرنولی بڑے معروف ہیں۔

قدوۃ العارفین میراں سید شاہ عبد اللطیف نبیرہ قادری علیہ الرحمہ

---

1 قلمی فارسی مخطوطہ "قادری محل بیجاپور"

2 خوارق حیدریہ، ص:119 تا114 ملخصا

آپ حضرت میراں سید شاہ نور اللہ قادری علیہ الرحمہ کے فرزند و مرید اور خلیفہ اول و سجّادہ ہیں۔ آپ اہل کشف صاحب تصرف اور بزرگ عصر تھے۔ آپ سے بکثرت کرامات ظاہر ہوئے۔ حضرت میراں سید شاہ سیف اللہ قادری علیہ الرحمہ نے جو آپ کے القاب ذکر کیے ہیں وہ آپ کے روحانی کمالات و علمی مقامات کا پتہ دیتے ہیں مثلاً "عارف باللہ قابل اسرار لی مع اللہ قدوۃ العارفی، زبدۃُ السالکین وغیرہ[1]

سلطان محمد عادل شاہ کے عہد میں نلنگہ ضلع بیدر سے بیجاپور تشریف لاکر سکونت اختیار کی، اور والد ماجد کے وصال کے بعد مسند رشد و ہدایت پر متمکن ہو کر ہزاروں مریدین معتقدین کو ہدایت و تلقین فرمائی۔ اکثر طالبان حق آپ کی ہدایت سے درجہ کمال کو پہنچ کر عارف کامل ہوئے، اکثر امرا و فقرا آپ سے حسن اعتقاد و ارادت رکھتے تھے لیکن آپ بڑے ہی مستغنی المزاج اور تارک الدنیا ومافیہا تھے، بالاخر 1082ھ میں رحلت فرماکر والد ماجد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ مادہ تاریخ "خلوت گزیدہ" ہے۔[2]

میر محمد صادق بیجاپوری حضرت میراں سید شاہ عبد اللطیف قادری کے مریدوں میں بیجاپور کے نامور شاعر گذرے ہیں۔ میر محمد صادق کا ذکر معروف انگریزی مؤرخ رچلڈ میکسویل ایٹن نے اپنی کتاب صوفی آف بیجاپور میں کیاہے میر محمد صادق بیجاپور کے نامور شاعر واہل قلم تھ۔ ان کی اخلاق و تصوف پر مشتمل ایک علمی کاوش بنام "شمس الحقائق دکنی" سالارجنگ میوزیم حیدرآباد کے مخطوطات میں محفوظ ہے۔[3]

قطب الاقطاب فرد الاحباب حضرت میراں سید شاہ درویش محی الدین نبیرہ قادری کرنولی علیہ الرحمہ

آپ کرنول کے مشاہیر اولیاء میں سے ایک ہیں۔ 15 ویں پشت میں آپ کا نسب حضرت غوث صمدانی عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ سے ملتاہے. آپ حضرت میراں سید شاہ کریم اللہ قادری کے فرزند ہیں۔ آپ کو بیعت و خلافت آپ کے تایا حضرت میراں سید شاہ نور اللہ قادری بیجاپوری سے تھی، علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار تھے۔ دور دور سے طالبان ہدایت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فائز المرام ہوتے تھے۔ اہل خاندان میں مشہور ہے کہ آپ مادرزاد ولی تھے، سنت نبوی و عقائد اہل سنت پر بڑی سختی سے کاربند تھے۔ آج بھی آپ کا روضہ کرنول میں مرجع خلائق ہے۔[4]

آپ کے خلفاء میں سے چند یہ ہیں: میراں سید شاہ کریم اللہ قادری ثانی جو آپ کے فرزند و جانشین ہیں، حضرت ملاّ ابراہیم قادری اور حضرت سید شاہ اعظم قادری۔

حضرت درویش قادری اور آپ کے خلفا کی علمی خدمات

حضرت سید شاہ درویش قادری علیہ الرحمہ اور ان کے خلفا نے علم و معرفت، تصنیف و تالیف اور روحانی تعلیم و تربیت کے میدان میں نمایاں

---

[1]سید شاہ سیف اللہ قادری۔ نسب نامہ شاہ حضرت قادری قلمی ص۔ 2

[2]بیجاپوری۔ محمد ابراہیم. روضۃ الاولیاء بیجاپور. سید شاہ سیف اللہ۔ ص۔ 129.: سید عبد الرحمن سقاف. حدیقہ رحمانی۔ ص۔ 529: ملکاپوری۔ محمد عبد الجبار خان ۔ محبوب ذوالمنن. ج1/ 508. 509

[3]Richard Maxwell Eaton, Sufis of Bijapur, page no.254

[4]Fatima Zahra Bilgrami, History of Qadri Order in India, page no.41

خدمات انجام دیں۔ان کے علمی فیضان کا تسلسل آج بھی خانقاہ قادریہ حیدریہ کے علمی ورثے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ان کی علمی کاوشوں میں متعدد قلمی مخطوطات محفوظ ہیں، جن میں سب سے اہم "خوارقِ حیدریہ "ہے۔

یہ کتاب حضرت سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری اور ان کی اولاد کے احوال و مقامات، علمی و روحانی اسفار، کشوف و کرامات اور اولادِ طیبہ کے خوارق و آثار پر مشتمل ہے۔یہ تصنیف حضرت حیدر ولی اللہ قادری کے قریبی زمانے میں تحریر کی گئی اور اُن کے حالاتِ زندگی کے بنیادی مآخذ میں شمار ہوتی ہے۔اس کی زبان خالص فارسی نثر ہے اور اس کے مصنف ملا ابراہیم قادری حضرت سید شاہ درویش قادری علیہ الرحمہ کے مریدِ خاص اور فیض یافتہ شاگرد تھے۔

ابتدائی طور پر اس کے مضامین نظم کی صورت میں تھے، بعد ازاں مصنف نے انہیں حضرت درویش قادری علیہ الرحمہ کے حکم سے 7 ذوالحجہ 1081ھ (تقریباً 400 سال قبل) فارسی نثر میں قلم بند کیا۔"خوارقِ حیدریہ" کے تین قدیم قلمی نسخے آج بھی مختلف خانوادوں کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں: ایک نسخہ بیجاپور میں صاحبِ سجادہ درگاہ نلنگہ شریف حضرت سید حیدر ولی اللہ قادری المعروف *حیدر صاحب قادری محل بیجاپور* کے پاس۔دوسرا کتب خانہ لطیفہ حضرت قطب ویلور کے مکان ویلور میں، اور تیسرا نسخہ کرنول میں سجادہ نشین حضرت سید شاہ کریم اللہ قادری علیہ الرحمہ کے ہاں موجود ہے۔

اس کتاب کے بعض مضامین کا مفہومی ترجمہ ماضی میں *سالنامہ اللطیف* میں شائع ہوا، جو مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری کی نگرانی میں افضل العلماء مولوی محمد ابو بکر قمری (استاد دارالعلوم لطیفیہ، ویلور) نے تیار کیا تھا۔اسی خانوادے میں تصنیفی روایت کا تسلسل جاری رہا، چنانچہ صوفیانہ افکار، علمِ کلام، علمِ حدیث اور سلوکیات پر مشتمل کئی قلمی آثار اب بھی محفوظ ہیں۔ان میں " شجرہ قادریہ حیدریہ " بطور خاص قابلِ ذکر ہے، جسے حضرت سید شاہ اعظم قادری علیہ الرحمہ خلیفہ حضرت درویش قادری، کرنولی نے تقریباً 317 سال قبل تصنیف فرمایا۔

ملک الشعراء ملاّ ابو محمد عبد اللطیف غواصی قادری الملقب بفصاحت آثار

ملاّ غواصی دبستان دکن میں قطب شاہی دور کے ایک ایسے بلند پایہ قادرالکلام اور نامور شاعر ہیں جنہوں نے غزل گوئی، قصیدہ نگاری، رباعی گوئی اور مثنوی نگاری کے میدان میں لازوال کارنامے انجام دیئے۔ان کا نام عبد اللطیف کنیت ابو محمد تخلص غواصی اور لقب فصاحت آثار ہے اور غواصی کے نام کے ساتھ ملاّ کا استعمال علوم اسلامیہ میں ان کی مہارت و کمال کی طرف اشارہ ہے۔

غواصی بیدر کے متوطن تھے بعد کو گولکنڈہ چلے آئے۔آوائل عمر میں نلنگہ پہنچ کر سلطان الاولیا حضرت میراں سید شاہ حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری علیہ الرحمہ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور کافی مدت تک مرشد کامل کی صحبت سے مستفیض ہو کر بیعت مصافحہ سے سرفراز ہوئے۔اس روحانی تعلق کی تاریخی و سندی اہمیت کے پیش نظر ماہر غواصیات پروفیسر محمد علی اثر مرحوم نے ملا غواصی کا شجرہ طریقت اور

بیعت مصافحہ کی سند خاندان قادریہ حیدریہ کے افراد سے لیکر اپنی دو تحقیقی تصانیف میں شائع کیا ہے۔[1] غواصی کا اپنے پیر سے محبت و وارفتگی کا تعلق ہم کو حضرت محبوب الٰہی کے خسرو علیہ الرحمہ کی یاد تازہ کراتا ہے. پیر کا احترام اور عقیدت و محبت کے گہرے جذبات غواصی کی شاعری، فن اور شخصیت میں نمایاں ہیں۔اور ان کی شاعری میں اسلامیات و صوفیانہ افکار و طرز تخیل اسی محبت کا غماز ہے۔درج ذیل شعر میں اپنے قادری ہونے پر کس قدر نازاں ہے ملاحظہ کریں!

ہر سند قادری ہوں غواصی — یا بھلا یا برا جکچھ ہوں میں

ایک دوسرے مقام پر یوں زمزمہ سنج ہیں

حیدر جو میرا پیر ہے کر سرفرازی کی نظر — ہو آپ تیزی سار ج غواصی کو تیزی کیا

کوئی کچھ کہے تو کیا ہوتا غواصی دو خدا جانے — چتر پیو شاہ حیدر بن منجے دسرا سنگاتی نہیں

ایک مستقل نظم غواصی نے مدح پیر حیدر پاشاہ کے عنوان سے کہی ہے مطلع اور مقطع ملاحظہ ہو

اے پیر دستگیر جو حیدر ترا ہے نانوں — منج کوں کہاں وہ جیب تیوں تجے سرانوں

شکر خدا جو منج غواصی کے سیس پر — چھتر کے سارعین ترے لطف کا ہے چھانوں[2]

دکنی اردو کی اپنی شاہکار مثنوی "میناستونتی" کے آخر میں

نظریات اہل سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے حمد و نعت اور منقبت کے جو اشعار کہیں ہیں وہ قابل دید و شنید ہے بطور مثال ذیل میں چند مرقوم ہیں:

کہوں حمد میں پاک رحمان کا — کہ او حمد زیور ہے ایمان کا

ہزاروں ہمن (ہماری) پشت کے نیک نام — محمد پو صدقہ ہیں سارے تمام

امام ہیں ابو بکر ایمان کے — خلیفہ نبی بعد انسان کے

عمر کے عدل کا رھیا ہے نشاں — خجل جس انگے عدل نو شیرواں

منور مکمل تھے عثمان ذات — حیا کے اتھے گو نہراں جس کے ہات

---

[1] پروفیسر محمد علی اثر. دکنی شاعری تحقیق و تنقید.1988ء. ص44: ایضاً. دکنی غزل کی نشوونما.الیاس ٹریڈرس حیدر آباد.1986ء.ص180.181

[2] پروفیسر محمد علی اثر. غواصی شخصیت و فن.1977ء. ص.51. 53.: ایضا. دکنی غزل کی نشوونما.الیاس ٹریڈرس حیدر آباد.1986ء.ص180

سو شیراں میں ہے شیر حضرت علی | انو کی شجاعت کی ہے کھلبلی
شہیداں میں سرور حسین و حسن | حسین بعد ازاں میر میراں رتن
محی الدین معشوق جس کا ہے ناوں | ولیاں جس قدم کا لے کر کو چھاوں
نوازے ہیں بند یاں کوں بندے نواز | اوصاحب جہاں کے ہیں گیسودراز[1]

ملا غواصی کے ادبی خدمات

غزلوں، قصیدوں، رباعیوں، نظموں اور مرثیوں پر مشتمل کلیات کے علاوہ انہوں نے چار مثنویاں بھی تصنیف کی ہے، جن کے نام (1) مینا ستو نتی (2) سیف الملوک وبدیع الجمال (3) طوطی نامہ (4) مثنوی طریقت ہیں۔

مملکت گولکنڈہ کے قطب شاہی سلطان عبداللہ قطب شاہ نے غواصی کو اپنے دربار کا ملک الشعرا مقرر کر کے فصاحت آثار کے خطاب سے نوازا ایک قصیدہ میں غواصی خود اس کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

ہزار شکر کہ خوش ہوکے یو شہ عارف | خطاب مج کو دیا ہے فصاحت آثاری[2]

محمد علی اثر مرحوم جنہیں غواصی پر ریسرچ و تحقیق کے سبب گولڈ میڈل ملا ہے لکھتے ہیں!

غواصی دکنی غزل کے ایک نئے اسکول کا بانی ہے جس کے بعد کے بلند پایہ شاعروں خصوصا ولی نے پیروی کی ہے۔[3]

ان کی شہرت دکن سے نکل کر شمالی ہند پہنچی۔ پروفیسر معین الدین درانی لکھتے ہیں: غواصی شاہ جہانگیر کے عہد میں دہلی بھی آیا تھا لیکن کچھ روز رہ کر واپس لوٹ گیا[4] اور قیام دہلی کے دوران ادبی دنیا میں کچھ ایسا اثر چھوڑا کہ. میر تقی میر، میر حسن اور قائم وغیرہ نے اپنے تذکروں میں غواصی کا ذکر کیا ہے۔[5] بلکہ قدیم دکنی شعراء میں غواصی ہی وہ خوش قسمت شاعر ہے جس کا ذکر شمالی ہند کے تقریبا سبھی اہم تذکروں میں ملتا ہے جبکہ اس دور کے دوسرے عظیم المرتبت شعرا ان تذکروں میں جگہ نہ پا سکے۔[6] عبداللہ قطب شاہ کی سلطنت میں غواصی ایک با اعتماد مشیر کا مقام حاصل کر چکے تھے۔ بنابریں جب قطب شاہی سفیر بنا کر بیجاپور بھیجے گئے تو وہاں ان کی خوب پذیرائی ہوئی اور انہوں نے

---

[1] ڈاکٹر محمد انصار اللہ. قدیم متن. شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی .ص.48. 49

[2] پروفیسر محمد علی اثر. بصارت سے بصیرت تک. 2012ء. ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاوس دہلی. ص64. 65. 66: اَیضاً دکنی غزل کی نشوونما. الیاس ٹریڈرس حیدر آباد .1986ء. ص178

[3] ایضا. تحقیقات و تاثرات. نشاط پبلیشر حیدر آباد. 2008ء. ص.35

[4] پروفیسر محمد معین الدین دردائی یم اے علیگ. تحقیقی مقالے. ص111

[5] پروفیسر محمد علی اثر. بصارت سے بصیرت تک. 2012ء. ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاوس دہلی. ص64

[6] ایضا. تحقیقات و تاثرات. نشاط پبلیشر حیدر آباد. 2008ء. ص.33

وہاں اپنے غیر معمولی فن اور کمال قابلیت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ وہاں کے ملک الشعرا نصرتی اور مقیمی نے اپنے کلام میں غواصی کا ذکر بڑے عزت واحترام کے ساتھ کیا ہے۔[1] غواصی جب اپنی طویل مثنوی "طوطی نامہ" تصنیف کی تو اس وقت انہوں نے دنیوی عروج وترقی کے وہ مدارج طے کر لیے تھے جس کا موقع بہت کم کو نصیب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس مثنوی کے آخر میں وہ اپنے آپ پر ملامت کرتے ہیں کہ کب تک نفس کے کہے میں آکر نام ونمود کے پیچھے پھرتا رہے گا۔ دنیوی امور سے کنارہ کش ہو کر باقی عمر عشق الٰہی و عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزارے اور اپنے پیر ورہنما شاہ حیدر ولی اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جائے۔ غالباً اُسی زمانے میں غواصی نے تصوف کے موضوع پر ایک اور طویل نظم "مثنوی طریقت" لکھی جس کا واحد نسخہ قومی اردو عجائب گھر کراچی میں محفوظ ہے۔ بالاخر غواصی اپنے ہی شعر "چتر پیو شاہ حیدر بن منجے دسرا سنگاتی نہیں" کے مصداق اپنے پیر حضرت حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری کے مزار کے پائیں سنگ سیاہ سے بنی ہوئی ایک قبر میں آسودہ خاک ہیں۔[2] مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدر آباد نے یم اے اردو سال اول دوسرا پرچہ مثنوی، مرثیہ اور نظم کے ضمن میں غواصی اور اُن کے پیر کے ذکر کو نصاب کے اندر شامل کر دیا ہے۔

بحر المعانی والحقائق میراں سید ابوالحسن شاہ حضرت نبیرہ قادری علیہ الرحمہ اور آپ کی علمی وسماجی خدمات

آپ حضرت میراں سید عبد اللطیف نبیرہ قادری کے فرزند ومرید اور خلیفہ اور جانشین ہیں 11 ویں پشت میں آپ کا نسب حضرت پیران پیر سے ملتا ہے، اپنے عہد کے مشاہیر وقت واکابر عصر میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پریشان حال انسانیت کے لیے اخلاقی وروحانی بالیدگی کا سامان مہیا کیا۔ جب بیجاپور کے عادل شاہی سلطنت میں طرح طرح کے علمی فکری اعتقادی اور سیاسی فتنوں نے سر اٹھایا تو مسلمانوں کو سنبھالا دینے کیلے آپ کی شخصیت ہمیں کہیں مسند وعظ وتدریس پر جلوہ فگن اور کہیں مسند فقر ودرویشی پر متمکن دکھائی دیتی ہے۔ اور عربی مشہور مثل ہے النَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِھِم لوگ بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں، یعنی بادشاہ جس مزاج کا ہو گا لوگوں میں وہی مزاج پیدا ہو گا لہٰذا قاسم بن مخیمرۃ تابعی کوفہ کے ثقہ محدث کہتے ہیں: انمازمانکم سلطانکم فاذا صلح سلطانکم صلح زمانکم واذافسد سلطانکم فسد زمانکم[3] تمہارا زمانہ تمہارا بادشاہ ہی ہے، اگر بادشاہ درست ہوا تو زمانہ درست ہو گا اور اگر بادشاہ بگڑ گیا تو زمانہ بگڑ جائے گا اسی لیے سلاطین وامراء کی رشد وہدایت کو تبلیغ دین کا ایک اہم فریضہ شمار کیا گیا ہے اور اس بات میں خانقاہوں کے بوریہ نشینوں کا کردار اس قدر روشن اور عظیم تر ہے کہ ان کے تذکرے کے بغیر تاریخ ادھوری رہتی ہے چنانچہ میراں سید شاہ حضرت نبیرہ قادری نے اپنے روحانی اثر ورسوخ اور اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ شاہان وقت اور امراء سلطنت کو عوام کی خوشحال زندگی کے لیے نہ صرف عدل وانصاف، رحم دلی ورعایا پروری کی ترغیب دی بلکہ سلطنت کے مشکل وقت میں علی عادل شاہ دوم، سکندر عادل شاہ اور ان کے امرا آپکی حکیمانہ تدبیر اور صائب رائے پر کامل اعتماد واعتبار رکھتے تھے۔ لہٰذا "قادری محل بیجاپور" میں موجود چند قلمی فرامین و "واقعات مملکت بیجاپور" میں شائع شاہی فرامین سے معلوم

---

[1] بصارت سے بصیرت تک، ص66

[2] بصارت سے بصیرت تک، ص68

[3] البیهقی.الحافظ ابوبکر احمد بن حسین.الجامع لشعب الایمان.مکتبة الرشد الریاض.ج9/ 520. حدیث نمبر:7043

ہوتا ہے کہ جب مغل اور شیواجی مراٹھا مملکت بیجاپور پر بار بار حملہ آور تھے اندرون سلطنت امرا کی آپسی ناچاقیاں سلطنت کی بنیادوں کو ہلا رہی تھی عادل شاہی سلطنت کے دونوں بہی خواہ امیر سید الیاس المخاطب بہ شرزہ خان اور ادونی کی قلعدار سدّی مسعود خان کی ان بن ہو گئی تھی تو سلطان و اراکین سلطنت نے ان کی ان بن ختم کرنے اور حکومت کی بقاو تحفظ کے لیے دانش مندانہ اقدامات کی رہنمائی کرنے کی آپ سے استدعا کی۔[1] دوسری طرف آپ کی خانقاہ رشد و ہدایت کا ایسا اہم مرکز تھی جہاں دور دور سے تشنگان علم و معرفت آکر اپنی پیاس بجھاتے تھے ان کے قیام و کھانے اور دیگر ضروریات کا خصوصی خیال رکھا جاتا اسی لیے اس کو خانقاہ خلائق کہا جانے لگا دیگر مناسبتوں میں عموما اور مجالس میلاد و عرس قطب الاقطاب حضرت محبوب سبحانی میں خصوصاً شہر اور دیہات سے ہزاروں مریدین و معتقدین جمع ہو کر خاندانی تبرکات بشمول آثار مبارک، زلف مبارک، موئے شریف، خط کوفی میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا لکھا ہوا پارہ عم، والم کے دیدار سے مشرف ہوتے، بنابریں علی عادل شاہ دوم نے 1073 ہجری مطابق 1663ء میں اناہسور، نندی ہال، بسونڈ ونہ، مرگھٹنال، اور چترنال بطور جاگیر عطا کی۔ سند عطا میں آپ علیہ الرحمہ کو جن القاب سے مخاطب کیا گیا ہے وہ اراکین سلطنت کی نگاہ میں آپ کی بلند مقامی و علو منزلت کی واضح دلیل ہے، ان میں سے چند القاب یہ ہیں " سمن چمن شرافت و سیادت شمع انجمن نقابت و ہدایت. ہبط انوار، محرم اسرار، حارث پیشہ وحدت در دریائے حقیقت، شمع شبستان فیض و ہدی، گل گلبن ہدایت و تقی، بدر سیما ارشاد، ثمرہ شجرہ خیر العباد، نہنگ بحر اشواق الہی، محمل تفضل کائنات نامتناہی، دستگیر خلائق، بحر المعانی والحقائق، مرکز دائرہ سعادت و نیک اختری مظہر انوار ہدایت، و فیض گستری شاہ ذیجاہ شاہ حضرت نبیرہ قادری[2] سلطان اورنگزیب عالمگیر علیہ الرحمہ جب 1686ء میں بیجاپور سلطنت کو فتح کر لیا اور میراں شاہ حضرت نبیرہ قادری سے ملاقات ہوئی تو وہ آپ کے وفور علمی و تدین سے بے حد متاثر ہوئے۔ اسی سبب وہ آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کرتے تھے اور سلطنت کے امور میں آپ سے مشورہ لیتے تھے۔آپ کے اسی خدمات کے سبب سلطان عالمگیر نے آپ کے لیے بڑی معاش و کثیر مواضعات عطا کی جو اب تک آپ کی اولاد و امجاد پر جاری ہے، ماہ محرم کی 17 ویں تاریخ سن 1130 ہجری میں آپ دار فنا سے قرب مولا میں سدھارے اور مرقد شریف بیجاپور کے شہر پناہ کے اندر آپ ہی کی حویلی میں جامع مسجد کے متصل مغربی سمت واقع ہے۔

حضرت میراں سید عبد اللطیف شاہ سیف اللہ نبیرہ قادری علیہ الرحمہ

حضرت میراں شاہ سیف اللہ قادری کا شمار اپنے عہد کے اکابر اہل علم صوفیاء میں ہوتا ہے، آپ کے علمی و تصنیفی خدمات خانقاہ قادریہ حیدریہ کی تاریخ کا اٹوٹ حصہ ہیں۔

ولادت و نسب

آپ علیہ الرحمہ کی ولادت 1097 ہجری میں ہوئی آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے " حضرت میراں سید عبد اللطیف شاہ سیف اللہ نبیرہ قادری بن میراں سید ابو الحسن شاہ حضرت نبیرہ قادری بن میراں سید شاہ عبد اللطیف نبیرہ قادری بن میراں سید شاہ نور اللہ نبیرہ قادری بن

---

[1] دہلوی۔ بشیر الدین احمد. واقعات مملکتِ بیجاپور. 1915ء. ج3/ 438. 439

[2] ایضا، ص 434

میر اں سید شاہ حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری گیلانی بغدادی سجادہ بغداد و نلنگہ۔

بیعت و خلافت

آپ کی تعلیم و تربیت میں جن جلیل القدر اساتذہ کا بھرپور حصہ ہے ان میں آپ کے والد شاہ حضرت قادری کا اسم گرامی سر فہرست ہے آپ والد ماجد ہی سے بیعت و خلافت سے مشرف ہو کر بارگاہ قادریہ نلنگہ شریف کی سجادگی پر فائز ہوئے بنابریں تمام جاگیرات کے صاحب منتخبات مقرر ہوئے. آپ کا وصال ماہ ذی الحجہ 1180 ھجری میں ہوا اور اپنے جد اعلی حضرت میراں حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری کے پہلو میں نلنگہ میں مدفون ہیں۔[1]

علمی و قلمی خدمات

سید شاہ سیف اللہ قادری بیجاپوری جو بادشاہ عالمگیر کے آخری دور کے بزرگ ہیں آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف میں انتہائی دسترس اور عربی و فارسی زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا اسی وجہ سے آپ نے اخلاف کیلیے جو علمی و قلمی سرمایہ چھوڑا ہے ان میں سورہ یاسین کی تفسیر اشاری۔ نسب نامہ شاہ حضرت قادری، مجموعہ احادیث، فارسی، اور خاندانی اذکار و وظائف کی قلمی بیاض وغیرہ شامل ہیں

1- تفسیر صوفی جس کو تفسیر اشاری، تفسیر فیضی بھی کہتے ہیں. اس سے مراد قرآنی آیات کی اس نوعیت سے تفسیر کرنا جس میں صوفی اشارہ یا روحانی رمز مفہوم ہو اس کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: لِكُلِّ آيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَّ بَطْنٌ[2] (اس میں سے ہر آیات کا ظاہر اور باطن ہے ہے، چنانچہ شاہ سیف اللہ قادری متقدم عرفاء و صوفیاء کی تشریحات کی روشنی میں سورہ یاسین کی عربی زبان میں تفسیر اشاری فرمائی ہے تفسیر مختصر ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر جامع ہے .

2- نسب نامہ شاہ حضرت قادری: یہ ایک شجرہ طریقت ہے جو فارسی زبان میں مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے اس کے مرتب شاہ سیف اللہ قادری ہیں جنہوں نے اس شجرہ میں تمام شیوخ سلسلہ کے روحانی مقامات کی نشاندہی القاب کے ذریعہ کی ہے۔

میر اں ابو الحسن سید شاہ محمد نبیرہ قادری علیہ الرحمہ

خاندان قادریہ حیدریہ کے ان ممتاز اہل علم میں سید شاہ محمد نبیرہ قادری کا نام نامی آتا ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ آپ علم ظاہر و باطن کا حسین امتزاج تھے، 21 ویں پشت میں آپ کا نسب حضرت غوث صمدانی رضی اللہ تعالی عنہ سے ملتا ہے، اور میراں سید حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری کی 13 ویں سجادہ ہے آپ نے اپنے بڑے فرزند و جانشین سید حیدر ولی اللہ المعروف سید حیدر پاشاہ اور اپنے برادر خرد سید شاہ عبد الرزاق نبیرہ قادری کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا، حضرت سید شاہ محمد نبیرہ قادری سلف کی یادگار، اسلامی مزاج اور مذاق کے جیتی جاگتی تصویر تھے، دینی تصلب، سلامتی فکر، . رسوخ فی العلم، اعتدال، تواضع، و بے نفسی، اصول پسندی و بے باکی اور حق گوئی ان کی زندگی

---

[1] ڈاکٹر سید عماد الدین قادری. خانقاہ قادریہ حیدریہ کے اعلام. قلمی

[2] التبريزي.الخطيب ولى الدين.مشكاة المصابيح.المحقق ناصر الدين الالبانى.الطبعة الثالثة.بيروت.المكتب الإسلامي.1985م.كتاب العلم.ج1/ 80 . حدیث نمبر:238.

کے امتیازات ہیں۔ آپ صاحب دل صوفی بھی تھے ان کا سینہ اللہ کی محبت سے سرشار اور اسی کے خوشنودی کا تمنائی تھا۔ ان کا جنوں صاحب عقل اور ان کی عقل صاحب جنوں ہوتی تھی۔ ان کی دیوانگی سجدہ گاہ دانش و بینش تھی، آپ حسن معاشرت اور حسن معاملات میں اپنی مثال آپ تھے۔ نماز باجماعت تلاوت قرآن اور اذکار کے ورد میں بڑے باقاعدہ تھے۔ طبیعت میں نظافت اور ستھرائی غالب تھی. ریا. تفاخر. اور شہرت سے بُہت دور تھے۔

آپ کا ذوق علم وشوق مطالعہ

آپ کا شوق مطالعہ اور ذوق کتب بینی عشق کی حد کو پہنچا ہوا تھا جس کے سبب آپ اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ کتب بینی و مطالعہ میں گزارا انتہا تو یہ ہے کہ وصال سے قبل فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت کی اسلامی فتوحات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ حافظہ اس بلا کا تھا کہ مثنوی مولانا روم. حجۃ اللہ البالغہ جیسی کتابیں ازبر تھی، عربی. فارسی. اور اردو زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔

علمی ادبی اور سماجی خدمات

آپ کا حلقہ ارادت وعقیدت کافی وسیع تھا۔ کرناٹک، مہاراشٹرا، آندھرا پردیش، تلنگانہ وغیرہ سے ہزارہا تشنگان علم ومعرفت اس چشمہ فیض سے سیراب ہوئے ہیں، علمی و روحانی مشکل سے مشکل مسائل کو نہایت عمدگی و حسن خوبی سے حل فرما دیا کرتے تھے۔ بہت سے اہل علم و مشیخت آپ کے ہاں آتے اور دولت علم و عرفان سے مالا مال ہوتے تھے۔ مے توحید آپ کے رگ وپے میں سمائی ہوئی تھی۔ مریدین و معتقدین اوراہل خاندان کو ہمیشہ عقیدہ توحید پر ثابت رہنے کی بڑی تاکید فرماتے۔ حتیٰ کہ مرض وصال میں دواخانہ منتقل ہونے سے پہلے اپنے لائق فرزندوں وگھر کے مستورات کو جو آخری وصیت فرمائی وہ یہی تھی کہ "توحید ہی تمام امور کی اصل ہے اس میں ذرہ برابر کوئی نقص نہ آنے پائے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتب سے آپ کو گہرا لگاؤ تھا اکثر حجۃ اللہ البالغہ کا درس اور اس کی عمدہ شرح فرمایا کرتے تھے، اس پر کچھ تحریری مواد بھی "قادری محل بیجاپور" میں موجود زیور طبع سے آراستہ ہونے کا منتظر ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے گہری محبت عقیدت اور سچے قلبی تعلق کے سبب سیرت النبی ﷺ اور سیرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پڑھنے پڑھانے کا بڑا شوق تھا۔ لھذا اکثر راتوں میں سونے سے قبل گھر کے دیگر افراد کے ساتھ سیرت ابن ہشام. زاد المعاد، اُسد الغابہ وغیرہ کتابوں کے درس کا معمول تھا مزید براں مولانا ابوالحسن علی ندوی کے خلیفہ۔ مشہور اردو اَدیب، شاعر اور مصنف پروفیسر رشید کوثر فاروقی بیجاپور میں قیام کے دوران آپ سے مل کر بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے اپنی سیرت پر لکھی کتاب میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ میں نے یہ کتاب اناہسور کے صاحب سید محمد قادری کے تشویق اور ترغیب پر لکھی ہے "آپ اقبالیات کے بھی بڑے ماہر تھے اقبالیات کے طلبا گھنٹوں آپ کی تشریحات سن کر سرشاری سے سر دھنتے تھے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ جہاں آپ اوہام پرستی اور غیر شرعی رسوم کے سخت مخالف تھے وہیں حقیقی تصوف کے بڑے شیدائی تھے. حقیقی تصوف کی آبیاری کے لیے اکثر اپنے احباب کو الفتح الربانی، فتوح الغیب، کشف المحجوب اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کتب پڑھنے کی تاکید کرتے تھے. اللہ تعالی نے آپ میں تقریر و

خطابت کی اعلی صلاحیت ودیعت فرمائی تھی جس کو آپ نے استعمال کرتے ہوئے اشاعت دین اور تبلیغ اسلام میں اس سے بھرپور کام لیا جس کی تاثیر واثر انگیزی سے لاکھوں بے راہ انسانوں کو رشد وہدایت نصیب ہوئی نلنگہ. وبیجاپور کے کئی غیر مسلم خاندان آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے .

خدمت خلق

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں .

بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست تصوف بجز خدمت خلق نیست

میر اں سید محمد نبیرہ قادری کو بھی یہ پاکیزہ جذبہ اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملا تھا۔ لہذا ان کا سینہ انسانیت کے درد سے معمور تھا۔ خلق خدا کے آلام اور گردو پیش کے مصائب سے بحدّ رقت دلگیر ہوتے لیکن حالات کا عموما شگفتہ جبینی سے مقابلہ کرتے ۔ چنانچہ ضلع لاتور کے کلاری گاؤں میں 30 ستمبر 1993ء کو ایک نہایت بھیانک زلزلے نے اس گاؤں کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا تھا. آسمانی آفت نے چشم زدن میں ہزاروں افراد کو اپنی آغوش میں لے لیا اس خونی سانحہ سے بچنے والوں کو آپ نے نہ صرف سہارا دیا بلکہ سینکڑوں بے گھروں کو اپنی زمینوں میں آباد کیا جن کے خاندان آج بھی آپ کے اور آپ کے خاندان کے لیے دعا کرتے ہیں .

مدرسہ کا قیام

اسلامی تہذیب وثقافت کو زندہ کرنے اور نسل نو میں ایمانی شعور بیدار کرنے کے لیے آستانہ عالیہ قادریہ نلنگہ شریف میں ناظرہ وحفظ کا ایک دینی مدرسہ قائم فرمایا جو تاحال مصروف عمل ہے۔ علم وعمل کا یہ پیکر مجسم ماہ شعبان یوم جمعہ کی برکتیں سمیٹتا ہوا جمعہ کے دن 11 شعبان 1427 ہجری داعی اجل کو لبیک کہا۔ درگاہ کے احاطہ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا .

آپ کی اولاد

آپ کو چار فرزند ایک دختر ہیں جن کے نام یہ ہے۔

(1) سید حیدر ولی اللہ قادری عرف سید حیدر پاشاہ (2) سید نوراللہ قادری عرف سید سمیر قادری (3) سید کریم اللہ قادری عرف سید ظہیر قادری (4) ڈاکٹر سید عماد الدین قادری عرف سید عماد اللہ قادری یہ پیشہ سے ڈاکٹر ہیں لیکن اردو فارسی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ منکسر المزاج، خوش اخلاق، وسیع العلم، کثیر المعلومات شخصیت ہے بالخصوص خاندان قادریہ حیدریہ کے تعارف و خدمات میں جو کچھ معلومات قلمبند کیے گئے ہیں ان میں اکثر آپ کی محنتوں کا نتیجہ ہے مصادر کی رسائی سے لے کر مخطوطات سے واقفیت تک میری بھرپور مساعدت فرمائی۔ اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے آمین (5) اور ایک دختر ڈاکٹر سیدہ امۃ فاطمہ قادری۔

حضرت سید محمد نبیرہ قادری علیہ الرحمہ کے جانشین ان کے بڑے فرزند حضرت سید حیدر ولی عرف حیدر پاشاہ حفظہ اللہ ہیں آپ نلنگہ کے 14 ویں سجادہ وصاحب منتخب ہیں

عصر حاضر میں خانقاہ قادریہ حیدریہ کے ذیلی شاخیں

حضرت سید حیدر ولی اللہ نبیرہ قادری علیہ الرحمہ کی مرکزی خانقاہ نلنگہ شریف میں ہے. اس کے علاوہ لاتور، اودگیر، ناندیڑ، حیدرآباد، ممبئی، ستارا، میرج، اناہسور، رائچور، سالگندہ. کرنول. تانڈور. گنگاوتی. کپل. پونہ. ہاسپیٹ. بلہاری. ہبلی. بیلگام. وغیرہ میں اس سلسلہ کی خانقاہیں خلق خدا کی متنوع خدمات میں مصروف عمل ہیں۔ اللہ تعالی خانقاہ قادریہ حیدریہ نلنگہ شریف کے بزرگوں کا مشن وفیض تا صبح قیامت جاری و ساری رکھے۔

بجاه حَبِيْبِهٖ سيدنا مُحَمّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصحْابِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلَّمْ

*****

کتابیات

عربی وفارسی مصادر:

1- البخاري، محمد بن إسماعيل .الجامع الصحيح .دمشق: دار ابن كثير، 1423ھ/2002م.
2- التبريزي، الخطيب ولي الدين .مشكاة المصابيح .تحقيق ناصر الدين الألباني. الطبعة الثالثة. بيروت: المكتب الإسلامي، 1985م.
3- البيهقي، أبو بكر أحمد بن حسين .الجامع لشعب الإيمان .الرياض: مكتبة الرشد.
4- الهيثمي، أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر .مجمع الزوائد .تحقيق حسام الدين القدسي. القاهرة: مكتبة القدس، 1414ھ/1994م.
5- الطهراني، الشيخ آقا بزرگ .الذريعة إلى تصانيف الشيعة .بيروت: دار الأضواء.
6- القمي، عباس .تتمة المنتهى في وقائع الخلفاء.
7- الآفندي، الميرزا عبد الله .رياض العلماء.
8- الخوانساري، الميرزا محمد باقر .روضات الجنات .
9- الشافعي، عبد العزيز بن صالح المحمود .عودة الصفويين .ط 1. مكتبة الإمام البخاري.
10- شاہ سیف اللہ قادری، سید. نسب نامۂ شاہ حضرت قادری (قلمی فارسی)

اردو مصادر:

1- ملا ابراھیم قادری .خوارقِ حیدریہ .مترجم.
2- صوفی محمد اسماعیل قادری . تاریخ صوفیہ کرام وسلاطین دکن.
3- ملا ابراہیم بیجاپوری .روضۃ الأولیاء بیجاپور .مترجم سید شاہ سیف اللہ قادری.
4- سید عبد الرحمن سقاف .حدیقۂ رحمانی.
5- سید شاہ اعظم قادری . شجرۂ قادریہ حیدریہ (قلمی)
6- پیر سید علی عباس گیلانی .حدیقۃ الزہراء .
7- تاریخہائے وفات (قلمی فارسی نسخہ)

8۔ نقابت الاشراف پاکستان ۔ دفتر نقابت الاشراف پاکستان ۔

9۔ سید افضل پاشاہ جیلانی ۔ سوانحِ بزرگانِ دین سلسلۂ قادریہ عالیہ۔

10۔ الحسنی، الحسینی، سید حسن محب اللہ ۔ بابا فرید کالال سید احمد شاہ (ہندی)

11۔ قریشی، شاہ محمد عبدالغفور ۔ احادیثِ تصوف ۔ خانقاہ چشتیہ صابریہ، حیدرآباد دکن۔

12۔ دہلوی، بشیر الدین احمد ۔ واقعاتِ مملکتِ بیجاپور 1915ء ۔

13۔ ملکاپوری، محمد عبدالجبار خان ۔ محبوبِ ذوالمنن ۔

14۔ ڈاکٹر سید عماد الدین قادری ۔ خانقاہِ قادریہ حیدریہ کے اعلام (قلمی)

15۔ پروفیسر محمد علی اثر ۔ دکنی غزل کی نشوونما ۔ حیدرآباد: الیاس ٹریڈرز، 1986ء

16۔ بصارت سے بصیرت تک ۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔

17۔ تحقیقات و تاثرات ۔ نشاط پبلیشرز، حیدرآباد، 2008ء۔

18۔ ۔ دکنی شاعری: تحقیق و تنقید 1988ء۔

19۔ غواصی: شخصیت و فن 1977ء۔

20۔ ڈاکٹر محمد انصار اللہ ۔ قدیم متن ۔ شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

21۔ پروفیسر محمد معین الدین دردائی ۔ تحقیقی مقالے۔

انگریزی مصادر:

1. Eaton, Richard Maxwell. Sufis of Bijapur, 1300–1700: Social Roles of Sufis in Medieval India. Princeton: Princeton University Press, 1978.
2. Bilgrami, Fatima Zahra. History of the Qadri Order in India. Hyderabad: Osmania University Press, n.d.

خانقاہ لااُبالی کرنول کی علمی و ادبی خدمات

سیدہ بلقیس صبیحہ *

سید الابدال حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری لااُبالی، پیرانِ پیر کی پندرہویں پشت میں ہیں۔ آپ شہر حماہ شریف، ملکِ شام سے گولکنڈہ تشریف لے آئے۔ دراصل پیرانِ پیر غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں جن بزرگانِ دین نے جنوبی ہند کی طرف ہجرت فرمائی، اُن میں وہ سات صاحبزادے بھی شامل ہیں جنھوں نے اشاعت دین کی غرض سے عراق اور شام سے دکن کو ہجرت اختیار کی۔ اور حضرت پیرانِ پیر کے جن سات صاحبزادوں کو تاریخِ صوفیہ ہند میں "سبعہ سیارہ" کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان ہی "سبعہ سیارہ" میں حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری لااُبالی اور حضرت میراں حسین بغدادی بھی تھے۔ آپ بزرگوں کے ہمراہ چالیس فقراء تھے۔ آپ حضرات نے بغداد سے گولکنڈہ تشریف لانے کے بعد لنگر حوض کی ایک مسجد میں سکونت اختیار فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد ابراہیم قطب شاہ نے ان حضرات کی خدمت میں تحفے تحایف روانہ کیے۔ لیکن ان بزرگوں نے ان تحایف کو لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت میراں حسین بغدادی نے لنگر حوض کی اسی مسجد میں اقامت اختیار فرمائی۔ حضرت کا وصال بھی اسی جگہ پر ہوا۔ آج بھی حضرت کا فیض و کرم جاری و ساری ہے۔ حیدرآباد کے عوام آج آپ کے دائمی مقام کو لنگر حوض کی درگاہ کے نام سے جانتے ہیں۔ کچھ عرصہ گولکنڈہ کی مسجد میں قیام فرمانے کے بعد حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری لااُبالی، کرنول روانہ ہوئے۔ ابتداء میں کرنول سے قریب عالم پور میں قیام فرمایا۔ کرنول آنے کے بعد آپ سے ایک کرامت کا ظہور ہوا جس کی بناء پر راجہ گوپال صوبہ دار مملکت وجیانگر کی مردہ لڑکی زندہ ہو گئی اور راجہ گوپال نے مع اپنے خاندان کے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ رعایا کی بھی ایک کثیر تعداد داخلِ اسلام ہوئی اس طرح اس سرزمین میں اسلام کا بول بالا ہوا۔ کرنول میں اقامت اختیار کرنے کے بیس برس بعد آپ نے ایک ساتھ دو نکاح فرمائے۔ جن سے آپ کو پانچ صاحبزادے ہوئے۔ حضرت سید شاہ عبد اللہ ابدال قادری، حضرت سید شاہ موسیٰ قادری، حضرت سید پیر شاہ محی الدین ثانی قادری، حضرت سید شاہ طاہر قادری اور حضرت سید شاہ عیسیٰ قادری۔

ان پانچ صاحبزادوں میں حضرت سید شاہ عبد اللہ ابدال قادری اور حضرت شاہ عیسیٰ قادری، حضرت بی بی فاطمہ زوج اول سے تھے اور خدا کی شان کے آپ کے ان دونوں صاحبزادوں نے اسلام کے لیے جہاد کیا اور شہادت کے رتبہ پر فائز ہوئے۔ حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری لااُبالی کے وصال کے بعد سید شاہ عبد اللہ ابدال قادری جانشین قرار پائے اور آپ ہی سے کرنول میں خانوادہ آگے بڑھا ہے۔

حضرت سید الابدال کے وصال کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت سید شاہ موسیٰ قادری لااُبالی نے بیجاپور ہجرت فرمائی۔ خانوادہ لااُبالی بیجاپور آپ ہی کی ذات والا صفات کی بناء پر شروع ہوتا ہے۔ آپ کے جانشین حضرت سید عبد اللطیف ثانی کی فارسی و اُردو تخلیقات کا

---

* لکچرر، عثمانیہ ڈگری کالج فار ویمن، کرنول

ذکر ملتا ہے۔ حضرت عبدللطیف ثانی کے ایک مرید شاہ صادق بیجاپوری ثم اورنگ آبادی ہیں۔ جنہیں اکبرالدین صدیقی نے آپ کا خلیفہ بتایا ہے۔ محمد اکبر الدین صدیقی کو شاہ صادق کے دیوان کا مخطوطہ دستیاب ہوا تھا جس کا تعارف انہوں نے اپنے ایک مضمون "شاہ صادق کا ایک نایاب دیوان" کے عنوان سے لکھا جو ان کے مضامین کے مجموعہ "بجھتے چراغ" میں شامل ہے۔

حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری لااُبالی کے تیسرے فرزند حضرت سید پیر شاہ محی الدین ثانی قادری نے حیدرآباد کا رُخ کیا۔ آپ کی شادی حضرت میراں حسین بغدادی کی نبیری سے انجام پائی تھی۔ اس طرح خانوادہ لااُبالی کا ایک سلسلہ حیدرآباد میں بھی ملتا ہے۔ اس خانوادہ کے گلِ سر سبد حضرت سید شاہ موسیٰ قادری (م: 1215ھ) ہیں۔ جن کے صاحبزادے حضرت سید شاہ غلام علی قادری (م: 1258ھ) ہیں جنھوں نے صوفیاء کی تاریخ فارسی میں "مشکوۃ النبوۃ" کے نام ایک کتاب تصنیف کی جو اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت سید غلام علی شاہ قادری کے مرید شاہ نصیر دہلوی تھے جن کا مزار آپ ہی کی درگاہ کے احاطہ میں موجود ہے۔ اس خانوادہ میں سب سے زیادہ اہلِ قلم، شاعر اور خطیب ہوئے ہیں جن میں حضرت سید وحید پاشاہ قادری الموسوی عارف، حضرت سید شاہ عبدالرزاق قادری الموسوی جعفر، خطیبِ دکن حضرت سید کاظم پاشاہ قادری الموسوی، حضرت سید شاہ غوث محی الدین قادری الموسوی اعظم، مولانا سید شاہ آلِ مصطفیٰ قادری الموسوی کاظمی اور مولانا سید شاہ سلطان محی الدین قادری الموسوی سلطان وغیرہ شامل ہیں۔ اور اس خاندان کے نبسگان میں حضرت ابوالفضل سید محمود قادری، حضرت سید شاہ یحیٰ عالم قادری سردار، حضرت سید ابراہیم علی فایق اور حضرت سید وحید القادری عارف (جدہ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن کی علمی و شعری خدمات بہت نمایاں ہیں۔

سرکار لااُبالی کے چوتھے فرزند حضرت سید شاہ طاہر قادری (م: 1115ھ) نے ادونی کو تبلیغ کے لیے منتخب فرمایا تھا اور وہیں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ فارسی کے جید عالم تھے۔ چنانچہ آپ نے فارسی میں ایک لغت "خوان یغما" ترتیب دی جس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ سالار جنگ کی زینت بنا ہوا ہے۔ آپ کی ایک اور فارسی تصنیف "کنز النفایس" فقہ سے متعلق ملتی ہے۔ آپ کے خانوادہ میں حضرت سید شاہ قطب الدین احمد قادری، حضرت سید عارف اللہ قادری تماپوری عارفؔ نعمانی اور حضرت سید محی الدین قادری ہادیؔ جیسے ادیب و شعراء نے اُردو ادب کی خدمات انجام دی ہیں۔ اس طرح خانوادہ لااُبالی کے کرنول، بیجاپور، حیدرآباد اور ادونی کے کئی اہلِ علم و قلم حضرات، علمی و ادبی خدمات انجام دینے والوں میں شامل ہیں۔

خانوادہ لااُبالی کی علمی و ادبی خدمات، اُردو میں یقیناً اُسی مقام و مرتبہ کی حامل ہیں جو کہ خانوادہ شمس العشاق یا خانوادہ شاہ ابوالحسن قادری کی اُردو خدمات ہیں۔ خانوادہ لااُبالی کے بزرگوں کی بیشتر تخلیقات آج بھی قلمی نسخوں میں نجی کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تمام قلمی نسخوں کو شایع کر کے محفوظ کر لیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر خانوادہ لااُبالی کے ان تمام قلمی نسخوں کو شائع کر دیا جائے تو یقیناً خانوادہ لااُبالی کی علمی و ادبی خدمات کو مستقبل کا مورخ اُردو ادب کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھے گا۔

اس خانوادے کی علمی و ادبی خدمات کرنول کی سرزمین میں مختلف اسباب کی بناء پر اسلام کے فروغ کے ساتھ ساتھ اُردو زبان و ادب کی ترقی کے سلسلہ میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضرت سید الابدال سید شاہ عبدالطیف لااُبالی حموی اللہ کے اُن برگزیدہ اور محبوب بندوں میں

رہے جنھوں نے جنوبی ہند کے اس علاقے کو اپنی خدمات سے سر فراز فرمایا۔ آپ کے خانوادے کے بیشتر بزرگوں نے اپنی تخلیقات علمی یاد گار کے طور پر چھوڑی ہیں۔ حضرت سید شاہ عبد اللہ قادری نے بارہ برس کی عمر میں اولاً علم فقہ، تفسیر و حدیث کی سند حاصل کی اور "حافظِ حدیث" ہوئے آپ کی علمی فضیلت کا زمانہ معترف تھا آپ کی پیدائش پر سید الابدال نے فرمایا تھا کہ "میرا فرزند سید عبد اللہ، اپنے زمانے میں عالمِ علومِ الٰہیٰ اور "وعلم اٰدم الاسماء کلھا" کا مصداق ہو گا۔ پیشن گوئی صد فیصد سچ ثابت ہوئی۔ آپ عالمِ بے بدل تھے۔ آپ نے قصبہ چیتل درگ میں جہاد کرتے ہوئے 15، ذی قعدہ 1081ھ کو شہادت پائی۔

حضرت عبد اللہ ابدال قادری، بار گاہِ لااُبالی کے پہلے سجادہ نشین ہوئے۔ موجودہ سجادہ نشین اس بار گاہ کے دسویں سجادہ نشین ہیں۔ اس بار گاہ کے سجادہ نشینوں کے بارے میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت سید الابدال سے لے کر آج تک سجادہ نشینی کا یہ منصب والد کے بعد فرزند ہی کو حاصل ہوا یعنی سب کے سب صاحب اولاد ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو اولادِ نرینہ کی نعمت سے نوازا۔ ان دس سجادگانِ بار گاہِ لااُبالی کے اسمائے گرامی بالترتیب حسب ذیل ہیں:

1۔ حضرت سید شاہ عبد اللہ ابدال قادری قدس اللہ سرہ (م: 1081ھ)، 2۔ حضرت سید شاہ عبد اللطیف ثانی قادری قدس اللہ سرہ (م: 1122ھ)، 3۔ حضرت سید شاہ احمد محی الدین قادری قدس اللہ سرہ (سنہ وصال معلوم نہ ہو سکا)، 4۔ حضرت سید شاہ علی اسد اللہ قادری قدس اللہ سرہ (م : 1227ھ)، 5۔ حضرت سید شاہ عبد اللطیف ثالث قادری قدس اللہ سرہ (سنہ وصال معلوم نہ ہو سکا)، 6۔ حضرت سید شاہ عبد اللہ حسین بادشاہ قادری حسینی پیر اول قدس اللہ سرہ (م:1282ھ)، 7۔ حضرت سید شاہ دستگیر بادشاہ قادری قدس اللہ سرہ (م: 1305ھ)، 8۔ حضرت سید شاہ عبد اللہ حسین بادشاہ قادری حسینی پیر ثانی قدس اللہ سرہ (م:1349ھ)، 9۔ حضرت سید شاہ لطیف بادشاہ قادری قدس اللہ سرہ (م:1412ھ)، 10 حضرت سید شاہ عبد اللہ حسین بادشاہ قادری حسینی پیر ثالث دامت برکاتہ (ولادت:1374ھ، 1955ء)

حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری حموی لااُبالی سے حضرت سید شاہ عبد اللہ حسین بادشاہ قادری حسینی پیر اول (م:1282ھ) کے عہد تک، کرنول میں خانوادہ لااُبالی کی روحانی حکومت کے تقریباً دو سو برس مکمل ہوتے ہیں۔ اس عرصہ میں ان بزرگوں نے عوام الناس کے افادے کے لیے یقیناً اپنی ہدایات اُردو میں تخلیق کیے ہوں گے لیکن امتداد زمانہ کے ہاتھوں یہ تمام تخلیقات پردہء خفا میں ہیں یا پھر ضائع ہو چکی ہیں۔ حضرت سید شاہ عبد اللہ حسین بادشاہ قادری اولیٰ کا وصال 6، رجب، 1282ھ کو ہوا اور آپ کے بعد سجادگی کی خدمت پر آپ کے فرزند حضرت سید شاہ دستگیر بادشاہ قادری متمکن ہوئے۔ آپ کی اُردو تخلیقات اہل تصوف اور ادب کے لیے سرمایہء حیات بنی ہوئی ہیں۔ آپ کے اور آپ کے بعد کے اہلِ علم و قلم حضرات کی علمی ادبی و شعری خدمات کا ایک تعارف یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

(1) حضرت سید شاہ دستگیر بادشاہ قادری قدس سرہ (م:1305ھ):۔

سید شاہ دستگیر بادشاہ قادری لااُبالی کرنول کے پہلے صوفی ہیں جن کا کلام دستیاب ہوتا ہے آپ حضرت سید شاہ عبد اللہ حسین بادشاہ قادری حسینی پیر اول کے صاحبزادے اور خلیفہ ہیں۔ آپ کے کلام کو شاہ جہہ اللہ بادشاہ قادری خلیفہ لااُبالی نے مرتب و شائع کیا ہے جس کو تین

ناموں سے منسوب کیا گیا ہے۔

1۔ گنج منقبت دستگیری　　　2۔ مجموعہ غزل دلسوزانی　　　3۔ انتخاب قادری

تینوں نام تاریخی مادے ہیں جن سے 1369ھ بر آمد ہوتا ہے۔ یہ سنہ در اصل اس مجموعہ کلام کی اشاعت کا سنہ ہے۔ "گنج منقبت دستگیری" کے عنوان کے تحت سید شاہ دستگیر بادشاہ قادری کی چودہ منقبتیں درج کی گئی ہیں۔ " مجموعہ غزل دلسوزانی" کے عنوان کے تحت اٹھائیس غزلیں جمع کی گئی ہیں اور اس کے بعد ایک نظم درج ہے۔ غزلوں سے قبل تین تین مصرعوں کے بندوں پر مشتمل دو نظمیں ہیں جن کو " پنڈ ارم" کے عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے اس کے بعد شاہ وجہ اللہ بادشاہ قادری اور دوسرے قادری صوفیاء کا کلام شامل کیا گیا ہے۔

"گنج منقبت دستگیری" کے عنوان سے جو منقبتیں درج کی گئی ہیں وہ تمام کی تمام مسدس کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔ ان منقبتوں میں بندوں کی تعداد مختلف ہے۔ ایک منقبت سات بندوں پر مشتمل ہے اور ایک دوسری منقبت چھ بندوں پر محیط ہے۔ آخری منقبت کا صرف ایک ہی بند دستیاب ہوا ہے اسی لیے صرف ایک بند مرتب نے درج کیا ہے۔ باقی تمام مناقب پانچ بندوں پر مشتمل ہیں۔ پہلی دو منقبتوں کو ترجیع بند کی طرح لکھا ہے کہ بند کا شعر ٹیپ کا شعر قرار دیا گیا ہے اور ہر بند کے بعد اسی شعر کو دہرایا گیا ہے۔

سید شاہ دستگیر بادشاہ قادری کی کہی ہوئی ان منقبتوں کے موضوعات متنوع ہیں۔ پہلی منقبت عشق و ذکر کے بیان میں ہے۔ دوسری اور تیسری منقبت اپنے پیر یعنی حسینی پیر اول کی مدح و منقبت میں کہی ہے۔ چوتھی منقبت میں شریعت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ باقی تمام منقبتیں "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کی تفسیر پیش کرتی ہیں۔

حضرت دستگیر بادشاہ نے اپنی غزلوں میں بھی اسی موضوع کو باندھا ہے۔" انتخاب قادری" میں شائع شدہ پانچویں غزل کا یہ شعر دیکھئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا پنڈارم کے مضمون کو دو مصرعوں میں بیان کر دیا ہے:

محمد کے سوا جانو پڑا پردہ کفر دستا یہ دنیا دین ہے او سکے، اوسی کے ہم بھی اور تم ہے

(دستا دکھنی لفظ ہے جس کا معنی " دکھائی دینا" ہیں)

حضرت دستگیر پاشاہ کی غزلیں وحدت الوجود اور من عرف نفسہ کی ترجمانی کرتی ہیں۔ تصوف کے ان مضامین کو آپ نے طرح طرح سے باندھا ہے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر کا کلام ہے یعنی آپ حالیؔ اور آزادؔ کے ہم عصر تھے دین کی شراب کے خم کے خم لنڈھائے ہوئے تھے، لیکن دنیا کی آرائش و زیبائش سے لاعلم تھے۔ اسی لیے زبان قدیم دکنی پیرائے کی استعمال کی ہے۔ آپ کے چند منتخب اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

کلمہ پڑھایا دیں کا ، کہا ایک ہے خدا　　　معلوم ہم نے کرلیا، دوسرا خدا نہیں
اے دستگیر توڑ دے پردے حجاب کے　　　دونوں جہاں میں ایک کوئی دوسرا نہیں

دستگیر پاشاہ کے کلام میں صنائع بدائع کا استعمال بھی ملتا ہے، رعایتِ لفظی، صنعت تضاد و طباق کے ساتھ ساتھ تلمیح کی مثالیں بھی کثرت سے

مل جاتی ہیں۔

2) حضرت سید شاہ حسینی پیر ثانی قدس سرہ (م : 1349 ھ)

حضرت سید شاہ دستگیر بادشاہ قادری کے صاحبزادے حضرت سید عبداللہ حسین بادشاہ قادری عرف حسینی پیر ثانی ہیں جنھیں آپ نے خرقہ خلافت عطا کرتے ہوئے اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ حضرت حسینی پیر ثانی سالک مجذوب تھے، ہمیشہ آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہوا کرتی تھی لیکن یہ کیفیت عموماً اُس وقت طاری ہوتی جب آپ کرنول سے باہر ہوا کرتے۔ جب تک کرنول میں تشریف فرما ہوتے بالکل باہوش و حواس رہتے تھے۔ آپ کا مزاج بالکل لااُبالی تھا۔ توکل انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ ساری زندگی مریدوں کی تعلیم و تربیت میں گذاردی۔

حضرت حسینی پیر ثانی قبلہ نے ایک کے بعد دیگر دو شادیاں کیں۔ لیکن اولاد سے محروم رہے۔ آپ نے تیسری شادی آرکاٹ کے ایک سادات خاندان کی لڑکی سے فرمائی۔ جو شریف النفس اور سیدھی سادی طبعیت کی حامل خاتون تھیں۔ خدا نے آپ سے اولاد کی نعمت عطا فرمائی۔ حضرت حسینی پیر ثانی کو آپ سے ایک دختر تولد ہوئیں جنہیں سیدہ خیر النساءبی بی کے نام نامی سے موسوم کیا گیا۔ بعد ازاں آپ کو دو لڑکے اللہ نے عطا کیے۔ لیکن دونوں ہی صاحبزادے کم عمری ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ایک عرصہ کے بعد اللہ نے حضرت حسینی پیر ثانی قبلہ کو ایک اور فرزند عطا کیا جنہیں سید شاہ لطیف بادشاہ قادری کے نام نامی سے موسوم کیا گیا۔

حضرت سید شاہ حسینی پیر ثانی قادری قدس سرہ کی دو کتابیں شائع ہوئی ہیں جو در حقیقت حضرت کے ملفوظات ہیں جن کو آپ کے اہلِ ارادت نے جمع کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں کا تعارف مولانا سید شاہ عبدالرحمٰن حسن قادری کامل التفسیر جامعہ نظامیہ نے اپنے مضمون "سجادگان بارگاہ لااُبالی کی خدمات کا ایک تعارف" میں اس طرح پیش کیا ہے:

بارگاہ لااُبال ی کے سجادگان میں حضرت سید دستگیر بادشاہ قادری کے بعد بھی رشد و ہدایت، اسرار و معارف اور افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری رہا اور حضرت سید شاہ عبداللہ حسین بادشاہ قادری حسینی پیر ثانی نے اپنے نورانی ارشادات کے ذریعہ تشنگانِ علم و معرفت کی پیاس بجھائی اور اپنی نگاہ فیض سے سلوک کے منازل طے کروائے۔ آپ کے ارشاداتِ عالیہ کو آپ کے مرید شیخ عمر قریشی کو ہیری الملقب بہ شاہ عمر لطیفی قادری نے جمع کیا۔ یہ ملفوظات " آدم نامہ " کے نام سے شائع ہوئے۔ آدم نامہ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا موضوع تصوف ہے آدم نامہ کا موضوع اور غرض و غایت کے بارے میں خود مئولف نے جو اظہار خیال کیا ہے ملاحظہ ہو۔

"اس مختصر رسالہ کا نام " آدم نامہ " یعنی حقیقت برزخ محمدی رکھا ہے جو راہ عرفانِ الہیٰ کے کٹھن منزلوں میں خضرِ طریق بنے گا اور سالکانِ راہ طریقت کے لیے شمع ہدایت کا کام دے گا اور اس کے ملاحظہ سے طالبانِ حق کا سینہ اسرارِ حق کا گنجینہ ہو گا۔"

آدم نامہ کے ابتدائی صفحات پر حضرت آدم علیہ السلام کے خمیر کی تیاری اور مسجود ملائکہ ہونے اور معلم الملائکہ کے لعین ہونے کا بیان ملتا ہے اس مضمون کو مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کیا گیا ہے:

آدم کو ملک کہتے تھے کیا خاک بنے گا — سمجھا نہ کہ سرتا قدم ادراک بنے گا
تھی خاک سمجھ ان کی کسی نے یہ نہ سمجھا — یہ خاک نشیں حاکمِ افلاک بنے گا

اولاد سے ہو ویگا اسی کے وہ پیمبر جو صلِ علیٰ صاحبِ لولاک بنے گا

آدم نامہ کے پہلے مرتب شیخ عمر قریشی کوہیری نے آج سے تقریباً ایک صدی قبل اس کو ترتیب دیا تھا اس کے بعد 2011 ء میں ڈاکٹر حافظ میر مرتضیٰ علی شاہ قادری لطیفی نے دوبارہ مرتب کیا جو سجادہ نشین نہم حضرت سید شاہ لطیف بادشاہ قادری کے دستِ اقدس پر شرفِ بیعت رکھتے ہیں۔

لطیف الاسرار حضرت حسینی پیر ثانی کی دوسری تصنیف ہے جس کو پہلی مرتبہ حضرت حسینی پیر قبلہ کے عہد ہی میں حضرت سید شاہ ہاشم دستگیر نے شائع کیا۔ ڈاکٹر حافظ میر مرتضیٰ علی شاہ قادری لطیفی نے 2013 ء میں اس کتاب کو جدید تحقیقات کے ساتھ دوبارہ شائع کیا اور مرتب ثانی نے لطیف الاسرار کے مقدمہ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ لطیف الاسرار کو آدم نامہ کی شرح سمجھا جاتا ہے۔ آدم نامہ پانچ عناصر اور پچیس گن کے فلسفہ پر مبنی ہے اور لطیف الاسرار میں صرف چار عناصر ہی کا ذکر ملتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں حروفِ تہجی کی ترتیب پر تصوف کے مختلف مسائل کو سمجھایا گیا ہے اس پس منظر میں ہمیں یہ ماننا ہو گا کہ لطیف الاسرار آدم نامہ سے مختلف ہے اور حضرت حسینی پیر کی تصنیفِ ثانی ہے۔

3) حضرت وجہ اللہ شاہ قادری قدس سرہ

حضرت وجہ اللہ شاہ قادری نے حیدرآباد میں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ حق کی تلاش میں کرنول آئے تھے اور نعمت لااُبالی سے سرفراز ہوئے۔ شیخ علی صوفی کے بعد آپ کو یہ اعزاز نصیب ہوا کہ خانوادہ لااُبالی کے فرزند کی تربیت و امانت کے امین قرار پائے۔ آپ کو اُردو فارسی پر عبور حاصل تھا۔ فطری شاعر تھے عروض پر اچھی دسترس رکھتے تھے۔ تاریخ گوئی سے بھی دلچسپی تھی۔ حضرت سید شاہ دستگیر بادشاہ قادری کے کلام کو جو کہ چیدہ چیدہ اوراق پر بکھرا پڑا تھا آپ ہی نے "گنجِ منقبت دست گیری" کے نام سے مرتب کیا۔ وجہ اللہ شاہ قادری نے جملہ اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ نے غزل، رباعی، مثنوی کے علاوہ قطعات تاریخ بھی کہے ہیں۔ وجہ اللہ شاہ قادری کا بیشتر کلام ابھی تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا ہے اور غیر مطبوعہ کلام حضرت سید شاہ عبداللہ حسین بادشاہ قادری المعروف بہ سید حسینی پیر موجودہ سجادہ نشین بارگاہ لااُبالی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ وجہ اللہ شاہ قادری نے قطعاتِ تاریخ کہتے ہوئے خانوادہ لااُبالی کے بزرگوں سے تعلق رکھنے والی اہم تواریخ کو محفوظ کرنے کا اہم فرض انجام دیا ہے۔ یہ تمام تاریخی قطعات فارسی میں ہیں۔

شاہ وجہ اللہ قادری، حضرت سید دستگیر باشاہ قادری کے فرزند و جانشین حضرت سید شاہ حسینی پیر قادری لااُبالی کے مرید و خلیفہ تھے۔ شاہ وجہ اللہ نے جہاں کہیں اپنے پیر و مرشد کا ذکر کیا ہے ان کا قلم خلوص و عقیدت کے جواہر رقم کرتا جاتا ہے۔ حضرت وجہ اللہ شاہ قادری کی شخصیت اور شاعری پر شعبہ اُردو، حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی کے اسکالر ایم۔ معین الدین نے ایک تحقیقی مقالہ پروفیسر حبیب نثار کی نگرانی میں لکھا جس کی تکمیل پر حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی نے انہیں 2008 ء میں ایم۔فل کی ڈگری کا مستحق قرار دیا۔ ان کا یہ تحقیقی مقالہ 2015 ء میں لااُبالی اکیڈیمی کرنول کی جانب سے "شاہ وجہ اللہ قادری۔ فن اور فنکار" کے نام سے کتاب کی شکل میں شائع ہوا جو (140) صفحات پر مشتمل ہے۔ آپ کا نمونہ کلام حسب ذیل ہے :

نظارہ اس طرح عشاق کرتے ہیں دو عالم میں
انا من نور ومن نوری کا بس سارا اجالا ہے
حقیقت کھل گئی ہے اینا کی پیر کے صدقہ
قسم ہے شان وجہ اللہ کا ہر سو اجالا ہے
دل میں وجہ اللہ عیاں اور دل اُسی کے ہاتھ میں
جیسے آئینہ میں میں، آئینہ میرے ہاتھ میں
کسے معلوم پہونچا ہے کہاں سوز نہاں اپنا
کہ ہر تارِ نفس ہے آج کل شعلہ فشاں اپنا
وہیں کعبہ بنایا ہم نے جی چاہا جہاں اپنا
جبین شوق اپنی، سجدے اپنے، آستاں اپنا

4)حضرت سید شاہ لطیف بادشاہ قادری قدس سرہ (1929ء تا 1992ء):

خانوادہ لااُبالی کے شعراء میں ایک اہم نام حضرت سید شاہ لطیف بادشاہ قادری عرف لااُبالی پاشاہ متخلص بہ لطیف کا ہے۔ آپ حضرت سید عبداللہ حسین بادشاہ قادری المعروف بہ حسینی پیر ثانی کے فرزند ہیں۔1929 ء میں کرنول میں تولد ہوئے۔ ابھی شیر خوار ہی تھے کہ والدِ بزرگوار کا وصال ہو گیا۔ اپنے وصال سے قبل حضرت سید عبداللہ حسین بادشاہ قادری حسینی پیر ثانی نے اپنے شیر خوار فرزند کو اپنی نعمت اس طرح منتقل فرمائی کہ ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی خود نوش فرمایا اور باقی پانی ننھے لطیف پاشاہ کو پلا دیا۔ آپ نے اپنے مرید خاص و خلیفہ شاہ وجہ اللہ قادری کو حضرت لطیف پاشاہ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری تفویض فرمائی تھی اور ارشاد فرمایا تھا کہ "میری اولاد تمہاری اور تمہاری اولاد میری" خلیفہ محترم نے بھی حقِ پیر اس طرح ادا کیا کہ ننھے لطیف پاشاہ کی تعلیم و تربیت کا فرض جی جان سے ادا کیا اور اپنے انتقال سے قبل حضرت لطیف کو ان کے والد بزرگوار کی امانت سپرد کر دی۔

حضرت لطیف کا زمانہ جو 1929 ء سے 1992ء تک کا ہے شہر کرنول کی علمی ادبی اور شعری فضا کا ایک شاندار دور رہا ہے جس میں مشاعروں کا انعقاد، ادبی محفلوں کی رونقیں، مقامی اور بیرونی شعراء و ادباء کی آمد اور بدلتے ہوئے شعری رجحانات وغیرہ کو دیکھا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی کی اولین تصنیف " عرفانِ لطیف" حضرت لطیف کرنولی کی حیات و شاعری پر لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے جس میں انہوں نے حضرت لطیف کے مجموعہ کلام "اثاثہ عرفان" کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ یہ دراصل ایم۔فل کا مقالہ ہے جس کی تکمیل پر مقالہ نگار کو شعبہ اُردو یونیورسٹی آف حیدرآباد نے 1998 ء میں ایم۔فل کی ڈگری تفویض کی۔ یہ مقالہ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید کی نگرانی میں لکھا گیا۔ اس مقالہ کو 1999 ء میں لااُبالی اکیڈیمی کرنول نے کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس کتاب کی دوسری اشاعت 2016 ء میں اا لانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد کے زیر اہتمام عمل میں آئی۔

اثاثہ عرفان حضرت لطیف کے مجموعہ کلام کا تاریخی نام ہے جس سے 1407 ھ بر آمد ہوتا ہے۔ اثاثہ عرفان لگ بھگ سو صفحات پر مشتمل ہے جس میں حمد، نعتیں اور غزلیں بالترتیب شامل ہیں۔ اثاثہ عرفان کو مطالعہ کی غرض سے دو حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ ایک حمد، نعتوں اور منقبتوں پر مبنی حصہ اور دوسرا حصہ وہ جو غزلوں پر مشتمل ہے۔ خاندانی نسبت اور فطری لگاؤ نے حضرت لطیف سے زیادہ تر نعتیں اور منقبتیں ہی کہلوائیں۔ حضرت لطیف کی نعتیں اور منقبتیں ان کے جذب و عقیدت کے خوبصورت نمونے ہیں۔ فکری اعتبار سے نعتوں میں کہیں کہیں حقیقت محمدیہ اور تصوف کے پہلو نمایاں ہیں۔ حضرت لطیف بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی غزل روایت سے گہرا رشتہ

رکھتی ہے۔ اور یہ روایت صوری و معنوی دونوں لحاظ سے ان کی غزل کا رنگ و روغن ہے۔ حضرت لطیف کے یہاں عشق حقیقی کا تصور واضح، صاف اور نمایاں ہے۔ جس کو ہم ان کے توارث اور ماحول کی دین سمجھتے ہیں۔ حضرت لطیف کے عشقِ حقیقی کا یہ رجحان ان کے کلام کی جان ہے۔ ان کا کلام رموز و اسرار کا آئینہ دار ہے جس میں ان کے مشاہدات، ذاتی و صفاتی تجلیات اور قلبی واردات کو صاف ستھرے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

اس آستا ں پہ دیکھئے خلقت خدا کی ہے — ان عاشقوں کے حال پہ رحمت خدا کی ہے
جو مانگنا ہے مانگ لے مل جائے گا تجھے — یہ ساری کائنات میرے مصطفیٰ کی ہے
آپ کا جلوہ تھا جس میں مل گیا وہ دل مجھے — ساری دنیا کی مسرت ہوگئی حاصل مجھے
ہوش میں سارا جہاں ہے اور میں مدہوش ہوں — جانے کس کس کی نظر نے کردیا گھائل مجھے
پھر وہی شام ہے ، غم ہے ، وہی تنہائی ہے — دل کو بہلانے تیری یاد چلی آئی ہے
رات دن دیکھنا تجھ کو ہےعبادت میری — بس تیری یاد ہے ، میں ہوں، میری تنہائی ہے
رازِ دل ، راز ہی رہ جائے تو بہتر ہے لطیف — منکشف راز کا ہو جانا ہی رسوائی ہے

5) حضرت سید شاہ عبد اللہ حسینی بادشاہ قادری حسینی پیر ثالث دامت برکاتہ (ولادت:1374ھ، 1955ء):

سید شاہ لطیف بادشاہ قادری لااُبالی لطیف کرنولی نے 1977 ء میں حج کو روانگی سے قبل اپنے بڑے فرزند سید شاہ عبد اللہ حسینی بادشاہ قادری المعروف بہ حسینی پیر کو خرقہ خلافت سے سرفراز کیا اور اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس طرح آپ بارگارہ سرکار لااُبالی کے دسویں سجادہ نشین قرار پائے۔

سید شاہ عبد اللہ حسینی بادشاہ قادری عرف حسینی پیر ثالث، یکم مارچ، 1955ء کو کرنول میں پیدا ہوئے۔ مذہبی تعلیم گھر پر اپنے والد بزرگوار سے حاصل فرمائی۔ دنیاوی تعلیم کی تکمیل بھی بحسن وخوبی انجام دی اور سری وینکٹیشورا یونیورسٹی ،تروپتی سے تاریخ میں ایم۔اے، امتیاز سے کامیاب کیا۔ اسلامیہ عربی ڈگری کالج کرنول میں ایک عرصہ دراز تک تاریخِ اسلام اور تاریخِ ہند کا درس دیتے رہے۔ باالآخر پرنسپل کے عہدے سے 2012 ءمیں وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ آپ عوام کے لیے اخلاقی اور تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بارگاہ سرکار لااُبالی کے دسویں سجادہ نشین کی حیثیت سے بارگارہ عالیہ کے جملہ امور کے نگران و سرپرست ہیں۔ اور سلسلہ قادریہ عالیہ کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ آپ کو تاریخ سے خاص طور پر دلچسپی ہے اور آپ کے کئی ایک مضامین رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے استاذِ محترم پروفیسر عبد الرزاق فاروقی کے مکتوبات کو " مشورے" کے عنوان سے 1993 ء میں مرتب کرکے شائع کیا ہے۔ قابل مرتب نے انتخاب خطوط میں اس بات کا خاص طور پر لحاظ ملحوظ رکھا ہے کہ صرف وہی خطوط اس مجموعہ کے لیے منتخب کیے جائیں جو کہ مکتوب نگار نے اپنے ریسرچ اسکالرس کو تحقیق کے سلسلے میں رہنمائی کرنے کے لیے لکھے ہیں۔ آپ روایت کے پاسدار ہیں۔ آپ کے خانوادے کے اکثر بزرگوں نے اپنی شعری تخلیقات چھوڑی ہیں۔ چنانچہ حضرت حسینی پیر قبلہ نے بھی غزل میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔ آپ

کے دو شعر قارئین کی نذر کیے جاتے ہیں۔

میں جن کو ڈھونڈتا پھر تا تھا ہر گھڑی ہر پل ملے وہ مجھ کو میرے دل کی دھڑکنوں کے قریب
جو بچ نکلتے ہیں طوفاں سے ان کو کیا معلوم کہ ڈوبتے ہیں سفینے بھی ساحلوں کے قریب

بارگاہ سرکار لااُبالی کے موجودہ سجادہ نشین اور ان کے فرزند اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بارگاہ لااُبالی کے دسویں اور موجودہ سجادہ نشین حضرت سید شاہ حسینی پیر قادری ثالث دامت برکاتہ نے بارگاہ عالیہ میں مدرسہ فیضان لطیف کے نام سے ایک ہمہ وقتی مدرسہ 2000ء میں قائم فرمایا ہے جو پچیس سال سے چل رہا ہے۔ اس مدرسے میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ناظرہ، حفظِ قرآنِ مجید اور قرات و تجوید کے علاوہ دینی و عصری علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ آپ نے 1999ء میں "لااُبالی اکیڈیمی" کے نام سے ایک اکیڈیمی بھی قائم کی ہے جس کے زیرِ اہتمام اُردو، انگریزی، ہندی اور تلگو میں اب تک تقریباً پچیس کتابیں شائع ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

حضرت سجادہ نشین کے فرزندِ کلاں ڈاکٹر سید شاہ ہاشم عارف بادشاہ قادری "قادریہ آرگنائزیشن۔ انڈیا" کے ڈائریکٹر ہیں۔ اس آرگنائزیشن کے تحت ان کے ماہانہ و ہفتہ واری آن لائن و آف لائن لیکچرس ہوتے ہیں۔ دینی مجلس اور محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ مختلف موضوعات پر ان کے خطابات اور درس ہوتے رہتے ہیں۔ بطورِ خاص ان کے دروس "درس الفتح الربانی"۔ "درس فتوح الغیب"۔ "درس سر الاسرار" اور " درس قرآن" وقفے وقفے سے یوٹیوب چینل "قادریہ آرگنائزیشن" پر نشر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لیکچرس مذکورہ یوٹیوب چینل پر محفوظ ہیں اور قابل استفادہ ہیں۔ آپ نے سترہ سال تک کرنول کی مختلف کالجوں میں عربی زبان وادب کی تدریس کی ہے۔ بارہ سال، عثمانیہ کالج کرنول میں بحیثیت عربی لکچرر خدمت انجام دی ہے۔ سلسلہ قادریہ عالیہ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ وعظ و خطابت کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہے۔ عوام کی رہنمائی کے لیے یوٹیوب پر آپ کے مختلف عنوانات پر درس نشر ہوتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر سید عارف پاشاہ قادری حیدری اچھے شاعر ہیں تخلص عارفؔ اختیار کیا ہے۔ سید ہاشم عارفؔ لااُبالی نے اپنے جد امجد سید الابدال سلطان الفقراء حضرت سید شاہ عبد اللطیف لااُبالی کی ایک کرامت کو مثنوی کی ہئیت میں بیان کیا ہے جس کا عنوان "دینِ حق کا بول بالا ہو گیا" ہے۔ یہ ایک مختصر مثنوی ہے جو کہ صرف ساٹھ اشعار پر محیط ہے۔ آپ کا مجموعہ کلام یار گارہ بغداد، لااُبالی اکیڈیمی کرنول سے 2014ء میں شائع ہو چکا ہے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے :

حقیقت بن گیا نقش خیالی، یا رسول اللہ ﷺ نگاہوں میں ہے اب روضے کی جالی، یا رسول اللہ ﷺ
سخی کوئی نہیں ہے آپ کے جیسا زمانے میں سخاوت آپ کی ہے بے مثالی، یا رسول اللہ ﷺ
قسم اُس کی ہے جس نے آپ کو قاسم بنا یا ہے نہیں لوٹا کوئی طیبہ سے خالی ، یا رسول اللہ ﷺ
میں غلام ہوں میرے پیر کا، مجھے دو جہاں سے غرض نہیں میرے سامنے میرا یار ہے، کون و مکاں سے غرض نہیں
عارف کے سر کو مل گئی چوکھٹ شہِ بغداد کی کسی در سے کام نہیں رہا ، کسی آستاں سے غرض نہیں

شاعری کے علاوہ نثر نگاری کی بھی آپ اچھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اب تک آپ کی حسب ذیل کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں:

1۔ نسبِ مصطفیٰ ﷺ (ط:2006) 2۔ تذکرۂ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (ط: 2007)

3۔ تذکرہ سرکارِ لااُبالی قدس سرہٗ (ط: 2008، 2011، و2018)، 4۔ یادگارِ بغداد (مجموعۂ کلام) (ط: 2014، 2018)

حضرت سجادہ نشین کے دوسرے فرزند حافظ سید معز پاشاہ قادری مدرسہ فیضان لطیف کے انتظامات اور اس کی نگرانی میں اپنے والدِ محترم اور اپنے برادرِ بزرگ کے شانہ بشانہ شریک رہتے ہیں۔ حضرت سجادہ نشین کے تیسرے فرزند ڈاکٹر سید رضوان پاشاہ قادری، سلسلہ قادریہ عالیہ کی اشاعت میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ "دی قرآن اکیڈیمی حیدرآباد" کے بانی و صدر ہیں۔ اس اکیڈیمی کے تحت ان کے مختلف موقعوں پر پروگرام اور ان کے لیکچرس ہوتے رہتے ہیں۔ وہ حیدرآباد میں ناظرہ و حفظِ قرآن مجید کا ایک مدرسہ قائم کیے ہوئے ہیں۔ حیدرآباد کے علاوہ مختلف مقامات پر ان کے خطابات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ شعر گوئی کا بھی اچھا ذوق رکھتے ہیں۔

*****

کتابیات

1۔ سید شاہ غلام علی قادری ۔ "مشکوٰۃ النبوۃ" جلد ہشتم، مترجم اُردو : ابوالفضل سید محمود قادری

2۔ سید شاہ غلام علی قادری۔ "لطائف اللطیف"۔ مترجم اُردو : ابوالفضل سید محمود قادری۔ 1996ء

3۔ حضرت سید شاہ دستگیر بادشاہ قادری لااُبالی ۔ "انتخابِ قادریہ" ۔ مرتب: حضرت وجہ اللہ شاہ قادری ۔ 1369ھ

4۔ سید شاہ عبداللطیف قادری لااُبالی لطیف کرنولی ۔ "اثاثہ عرفان"۔ 1988ء

5۔ ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی۔ "عرفان لطیف"۔ 1999ء 2016ء

6۔ سید ہاشم عارف بادشاہ قادری حیدری عارفؔ۔ "تذکرہ سرکار لااُبالی"۔ 2018ء

7۔ سیدہ بلقیس صبیحہ۔ "خانوادہ لاابالی سے وابستہ ادیب و شعراء" ۔ 2009ء

8۔ شیخ عمر قریشی کوہیری الملقب بہ شاہ عمر لطیفی قادری۔ "آدم نامہ" (ملفوظات: حضرت سید شاہ حسینی پیر ثانی قادری)

9۔ شیخ عمر قریشی کوہیری الملقب بہ شاہ عمر لطیفی قادری ۔ "آدم نامہ (ملفوظات: حضرت سید شاہ حسینی پیر ثانی قادری)۔ تحقیق و تخریج: ڈاکٹر حافظ میر مرتضیٰ علی شاہ قادری لطیفی ۔ اشاعت دوم: 2011ء

10۔ حضرت سید شاہ ہاشم دستگیر قادری۔ "لطیف الاسرار" (ملفوظات: حضرت سید شاہ حسینی پیر ثانی قادری)۔ اشاعت اول : 1345ھ

11۔ حضرت سید شاہ ہاشم دستگیر قادری۔ "لطیف الاسرار" (ملفوظات: حضرت سید شاہ حسینی پیر ثانی قادری)۔ تحقیق و تخریج : ڈاکٹر حافظ میر مرتضیٰ علی شاہ قادری لطیفی ۔ اشاعت دوم: 2013ء

12۔ حضرت سید شاہ عبداللہ حسین بادشاہ قادری حسینی پیر ثالث۔ "مشورے" (مجموعہ مکتوبات : پروفیسر عبدالرزاق فاروقی)۔ 1993ء

13۔ ایم۔ معین الدین۔ "شاہ وجہ اللہ قادری۔ فن اور فنکار"۔ 2015ء

14۔ ڈاکٹر حافظ میر مرتضیٰ علی شاہ قادری لطیفی۔ "خانوادہ لطیف لااُبالی کرنول کے علمی و ادبی خدمات" (سیمنار میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ)۔ 2015

15۔ ڈاکٹر سید عارف پاشاہ قادری۔ "یادگارِ بغداد" (مجموعہ کلام)۔ 2018ء

خانقاہ بیابانیہ کی علمی، ادبی و سماجی خدمات

حافظ ڈاکٹر محمد خان بیابانی رفاعی القادری *

خانقاہِ بیابانیہ دکن کی ایک قدیم و عظیم خانقاہ ہے جسے چھ سو سال سے زائد عرصہ قبل حضرت سید شاہ مخدوم ضیاء الدین بیابانی نے انبڑ ضلع جالنہ میں قائم کیا۔ آپ کے وارثین و جانشین نے اس سلسلہ کو راجمنڈری، حیدرآباد، وارنگل کے مختلف علاقوں تک پہنچاتے ہوئے لوگوں کو نہ صرف اسلام، ایمان واحسان کی نبوی تعلیمات سے روشناس کروایا بلکہ علمی، ادبی و سماجی خدمات بھی انجام دیتے رہے جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

خانقاہِ بیابانیہ کا قیام:

حضرت مخدوم سید شاہ ضیاء الدین بیابانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ حضرت مشکل آسان رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد 856ھ میں خانقاہِ بیابانیہ کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام فقر آباد رکھا۔[1]

مختصر تذکرہ بانیٔ خانقاہِ بیابانیہ:

بانی سلسلہ و خانقاہِ بیابانیہ حضرت مخدوم سید شاہ ضیاء الدین بیابانی رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب 9 درمیانی واسطوں سے حضرت سلطان العارفین ابو العباس سیدنا امام احمد کبیر الرفاعی رحمۃ اللہ علیہ تک اور 28 درمیانی واسطوں سے مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ 811ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ عقائد، تفسیر، حدیث و فقہ کی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ بعد فراغت علم ریاضت شاقہ و مجاہدات فرمائے۔ آپ کا ذکر فرماتے ہوئے صاحب مشکوٰۃ النبوۃ لکھتے ہیں۔

> "عارف ربانی واقف رمز نہانی حضرت مخدوم سید شاہ ضیاء الدین بیابانی مقامات عالیہ کے حامل تھے، صاحب کشف و کرامات تھے، صحراو بیابان میں ریاضت شاقہ اور مجاہدات کر چکے تھے۔[2]

آپ نے مجاہدات و تکمیل سلوک کے بعد اپنے والد ماجد اور چار چچاؤں کے ساتھ سفر اختیار کیا۔ 842ھ میں بعمر 31 سال قندھار آکر قیام کیا اور حضرت سید شاہ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ ایک دن حضرت مشکل آسان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مخدوم سید شاہ ضیاء الدین بیابانی رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "رفاعی طریق کا شرف تو آپ کو اپنے آباواجداد

---

* رکن بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، قاضی پیٹ

[1] سید ومیاں، میر منور علی، ضیائے بیابانی، بار دوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 54

[2] سید غلام علی قادری، مشکوٰۃ النبوۃ، ابو الفضل سید محمود قادری، بار اول، حیدرآباد اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، 1984ء، جلد: 5، بست وکیم مشکوٰۃ، 180

سے حاصل ہے تاہم آپ کے تبحر علمی، زہد و تقویٰ اور ذوق الٰہی کے پیش نظر میں بھی آپ کو پانچوں طریق (قادریہ، رفاعیہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) میں خلافتیں دیتا ہوں، کیونکہ منشاء الٰہی یہی ہے۔[1]

حضرت مشکل آسان آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی بہن کو آپ کے عقد میں دیا اور آپ ہی کو اپنی خلافتوں کا امین بنایا۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے سید احمد شاہ منجلے چلہ دار رحمۃ اللہ علیہ کو بھی آپ ہی سے خلافتیں حاصل کرنے کا حکم فرمایا اور آپ نے اپنے والد کے حکم سے حضرت مخدوم ضیاء الدین الحسینی رفاعی بیابانی سے بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔[2]

خانقاہِ بیابانیہ کی علمی، ادبی و سماجی خدمات:

خانقاہِ بیابانیہ در اصل ایک رفاعی خانقاہ ہے، جہاں سالکین راہ طریقت کو پانچوں سلاسل (قادریہ، رفاعیہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) کے فیضان سے سرفراز کیا جاتا ہے اور ان کی ان سلاسل کی تعلیمات کی روشنی میں تربیت بھی کی جاتی ہے۔ اس خانقاہ میں روحانی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ علمی، ادبی و سماجی خدمات کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ یہاں پر ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے چند بزرگوں کا تعارف اور ان کی علمی، ادبی و سماجی خدمات مختصراً پیش کی جارہی ہے۔

حضرت مخدوم سید شاہ ضیاء الدین بیابانی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ اپنی خانقاہ میں آنے والے سالکین کی نہ صرف روحانی تربیت کرتے تھے بلکہ درس و تدریس کے ذریعہ ان کو زیور علم سے آراستہ بھی کرتے تھے۔ علاوہ ازیں بعد میں آنے والوں کو اپنے علمی فیضان سے سرفراز کرنے کے لیے کتابیں بھی لکھتے تھے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن میں (1) مطلوب الطالبین (2) بحر الانساب بہت مشہور ہیں۔[3]

(1) مطلوب الطالبین: تصوف کے اہم عنوانات پر قرآن، حدیث و اقوال بزرگان کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ایک عظیم علمی سرمایہ ہے۔ فارسی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب زمانۂ دراز سے مفقود تھی لیکن بحمد اللہ تعالیٰ کچھ عرصہ قبل محی الدین قادری زور صاحب کے کتب خانہ سے مخطوطہ کی شکل میں دستیاب ہوئی ہے جس کا اردو ترجمہ کیا جاچکا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز بہت جلد اشاعت کے مرحلہ سے گذر کر منظر عام پر آئے گی۔ جس وقت آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی، تاریخی اعتبار سے وہ زمانہ عہد بہمنیہ میں فارسی روابط اور فارسی علوم کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا[4] اس اعتبار سے یہ کتاب ایک علمی سرمایہ کے ساتھ ساتھ عہد بہمنیہ کی فارسی زبان وادب سے واقف ہونے کا اہم ذریعہ بھی ہے۔

(2) بحر الانساب: یہ کتاب ابھی تک مفقود ہے لیکن اس کے نام سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ انساب پر لکھی گئی یہ ایک اہم تصنیف ہے۔ اگر یہ

---

[1] سید و میاں، میر منور علی، ضیائے بیابانی، بار دوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 47

[2] سید شاہ فاضل بیابانی، پنج گنج، سید خواجہ احمد اللہ حسینی، بار سوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 183

[3] حضرت فاروق پاشاہ، سید شاہ غلام سرور بیابانی، فیضان افضل، بار دوم، ورنگل، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017، 73

[4] ہارون خان شیروانی، دکن کے بہمنی سلاطین، رحم علی الہاشمی، بار سوم، نئی دہلی، ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 1998، 324۔

کتاب دستیاب ہو جاتی ہے تو یقیناً اس سے نسب ناموں سے واقفیت کا فائدہ بھی ہو گا اور ساتھ ہی مختلف ادوار میں زبان و ادب کی ارتقائی کیفیات سے آگہی بھی ہو گی، اس اعتبار سے یہ کتاب بھی علمی و ادبی سرمایہ ثابت ہو گی۔

جہاں تک آپ کی سماجی خدمت کی بات ہے تو آپ کے پاس آنے والے تمام مسافروں اور فقیروں کے کھانے پینے کا انتظام آپ کے ہی دولت خانہ سے ہوا کرتا تھا۔ لوگ کئی کئی دن آپ کے پاس قیام کرتے اور بسا اوقات تو ان کی تعداد پچیس پچیس تیس تیس تک بھی پہنچ جاتی تو بھی روزآنہ ان کے لیے دو وقت کے کھانے کا انتظام آپ کی جانب سے ہوا کرتا تھا۔ آپ متوکل تھے اور کوئی ذریعہ معاش بھی نہ تھا لیکن ان مسافرین اور فقراء کے لیے انتظام برابر ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ تمام نذورات و فتوحات ان مہمانوں پر ہی صرف ہو جایا کرتی تھیں۔ آپ نے 10/ جمادی الاول 909ھ کو وصال فرمایا۔ آپ کی مزار فقیر آباد، انبڑ ضلع جالنہ، مہاراشٹرا میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت مخدوم سید شاہ اشرف بیابانی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ 2/ ذیقعدہ 864ھ فقیر آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد ماجد حضرت مخدوم سید شاہ ضیاء الدین بیابانی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب علوم کیا اور حقائق و معارف کی تعلیم بھی حضرت ہی سے پائی۔ آپ حضرت مشکل آسان رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور داماد تھے۔ آپ کا ذکر کرتے ہوئے صاحب مشکوٰۃ النبوۃ لکھتے ہیں:

آں مخدوم عرفانی آن مخزن راز سبحانی سالار وقت حضرت مخدوم شاہ اشرف بیابانی است رحمۃ اللہ علیہ حضرت ایشاں فرزند کلاں مخدوم ضیاء الدین بیابانی بودند او خواہر زادہ و داماد حضرت سانگڑے سلطان مشکل آسان بودند۔[1]

آپ ظاہر و باطن عالم تھے، صوم و صلوٰۃ، تقویٰ و طہارت کے بڑے پابند تھے، عابد و زاہد، متقی و پرہیز گار تھے۔ آپ نے والد ماجد کے ہاتھ پر ہی بیعت کر کے سلوک کی تکمیل کی اور بعد تکمیل سلوک کے حضرت نے 895ھ میں آپ کو اور آپ کے ساتھ آپ کے چاروں بھائیوں کو خلافتیں عطا فرمائیں اور آپ والد ماجد کی وفات کے بعد صاحب سجادہ ہوئے۔[2]

آپ خانقاہ میں طالبان علم کے لیے درس و تدریس کا اہتمام فرماتے تھے، مریدین و معتقدین کی اصلاح کے لیے وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور ان کو متبع شریعت رہنے کی تلقین بھی فرماتے تھے۔ آپ شریعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ شریعت کے بغیر طریقت نصیب نہیں ہو سکتی اور طریقت کے بغیر حقیقت کو پا نہیں سکتے اور حقیقت کے بغیر معرفت قسمت میں نہیں، شریعت انسانی فطرت کے بالکل مطابق ہے۔ مگر اس پر غور نہیں کرتے، اگر یہ معلوم ہو جائے تو کوئی شخص ایسا نہیں ہو گا جو شریعت سے منحرف ہو جائے اور عمل ترک کر دے۔ اس پر غور کرنا چاہتے ہو اور اس کو سمجھنا چاہتے ہو تو پہلے اپنی فطرت پر غور کر لو۔ اس کے بعد شریعت کا خیال کیا جائے تو شریعت اور انسانی فطرت میں مطابقت ثابت ہو گی اور دونوں ایک نظر آئیں گے۔ شریعت ہی ایک ایسی نعمت ہے، جو نعمت حقیقی و ابدی تک پہنچاتی ہے۔ آج تک جتنے بھی اولیاء گزرے ہیں وہ تمام شریعت کے پابند و عامل ہونے سے ہی اولیاء بنے ہیں اور ان میں سے بعض کو کاملین بھی کہتے

---

[1] سید غلام علی قادری، مشکوٰۃ النبوۃ، ابو الفضل سید محمود قادری، بار اول، حیدرآباد اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد، 1984ء، جلد:5، بست و یکم مشکوٰۃ، 181

[2] سید و میاں، میر منور علی، ضیائے بیابانی، بار دوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 70

ہیں۔ سالک پابند شریعت رہ کر عروج پر رہتا ہے وقت رخصت جب سالک کو نزول ہو تو سالک عامل، حامل و حامئ شریعت ہوتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شریعت اول بھی ہے اور آخر بھی۔ اس لیے شریعت کا خاص طور پر احترام کرتے ہوئے دل پر توجہ ہو تا کہ مراتب کو پہنچیں۔[1]

آپ نے کتابیں بھی تصنیف کیں۔ صاحب پنج گنج لکھتے ہیں کہ " حضرت مخدوم نے زبان ہندی میں نو سرہار و قصہ آخر الزماں وغیرہ تصنیف کی ہے "۔[2] آپ کے الفاظ وغیرہ سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ آپ کی اور بھی تصانیف رہی ہوں گی جیسا کہ افسر صدیقی "مثنوی نو سرہار" میں لکھتے ہیں:

> خدا جانے وغیرہ میں کون کون سی کتابیں شامل ہیں ہمیں اس سلسلے میں ڈاکٹر زور قادری کی تحقیق کے مطابقصرف ایک کتاب کا نشان اور ملتا ہے یعنی "واحد باری"۔[3]

نو سرہار:

قدیم اردو میں واقعات کربلا کے موضوع پر لکھا جانے والا پہلا شہادت نامہ ہے، جو مثنوی کی ہئیت میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت اشرف بیابانی نے اس مثنوی کو 909ھ میں مکمل کیا، جو اردو ادب کی وہ پہلی تصنیف ہے جو مکمل طور پر حاصل ہوتی ہے۔ جمیل جالبی نے فخر دین نظامی کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کو اردو زبان کی پہلی تصنیف قرار دیا ہے۔[4] لیکن ڈاکٹر سیدہ جعفر اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

> "مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے سنہ تصنیف کا بھی قطعیت کے ساتھ تعین نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ مرتب نے مقدمہ میں لکھا ہے۔ زمانی اعتبار سے اس نامکمل مثنوی کے بعد اردو دنیا جس ادبی کارنامے سے روشناس ہوئی وہ اشرف بیابانی کی "نو سرہار" ہے۔ یہ اردو ادب کی پہلی کاوش ہے جو مکمل حالت میں ہم تک پہنچی۔"[5]

یہ مثنوی اردو ادب میں دستیاب ہونے والی اولین مکمل تصنیف ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کتاب میں جذبات نگاری، واقعات کی پیشکشی اور بیانیہ و توضیحی شاعری کے اچھے نمونے بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی ادبی قدر و قیمت پر کلام کرتے ہوئے ڈاکٹر سیدہ جعفر لکھتی ہیں کہ اشرف ایک ایسے عہد کا باصلاحیت شاعر ہے جب زبان اپنے ارتقائی مراحل اور تشکیلی دور سے گزر رہی تھی۔ اظہار کے پیکروں اور ابلاغ کے سانچوں میں تنوع کی کمی کے باوجود "نو سرہار" میں اشرف نے اپنے مصورانہ سلیقے، جذئیات نگاری اور تمثیلی صلاحیت کی مدد سے واقعات کی پر اثر اور واضح مصوری کی ہے۔ آگے ایک اور مقام پر کہتی ہیں کہ ان کے اشعار میں روانی، سادگی، بے تکلفی اور بے ساختگی موجود ہے جس سے قاری متاثر ہوتا ہے۔ اشرف سیدھے سادے لفظوں میں بڑی سہولت کے ساتھ اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے

---

[1] سید و میاں، میر منور علی، ضیائے بیابانی، بار دوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 73

[2] سید شاہ فاضل بیابانی، پنج گنج، سید خواجہ احمد اللہ حسینی، بار سوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 185

[3] افسر صدیقی امروہی، مثنوی نو سرہار، بار اول، کراچی، پاکستان، انجمن ترقی اردو پاکستان، 1983ء، مقدمہ (ح)

[4] فخر دین نظامی، مثنوی کدم راؤ پدم راؤ، ڈاکٹر جمیل جالبی، بار دوم، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 8

[5] سیدہ جعفر، نو سرہار،، بار اول، دہلی، ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پر قادر ہیں۔[1]

آپ کی اسی تصنیف پر حیدرآباد کی مشہور پروفیسر ڈاکٹر زینت ساجدہ صاحبہ نے تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔

آپ نہ صرف مریدین و معتقدین کو زیور علم سے آراستہ فرماتے، ان کی روحانی تربیت فرماتے بلکہ زمانے کے ستائے ہوئے لوگوں کی مدد و دستگیری بھی کرتے تھے، خانقاہی نظام کے مطابق خانقاہ میں آئے لوگوں کے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کی یہ خدمت ضرب المثل بن گئی۔

بھوکے کو بھوجن پیاسے کو پانی شاہ اشرف بیابانی

آپ نے بعمر 71 سال 935ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کی مزار فقیر آباد میں ہی مرجع خلائق ہے اور اس پر ایک شاندار گنبد بناہوا ہے جس کے بارے میں صاحب پنج گنج لکھتے ہیں کہ آپ کا روضۂ مبارک دل کشا ہے اور آپ کے گنبد کی صفت یہ ہے کہ دیکھتے ہی دلوں میں سرور پیدا ہوتا ہے اور جنت کا قلعہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے گنبد کی کاریگری دکن میں بے نظیر ہے۔ کسی نے ہندی زبان میں اس کی تعریف یوں کی ہے:

دیکھوں تا دریں گنبد کرے گفتار آسمان سوں　　　که پانچوں کلس کے اوپر چندر آسمان سوں[2]

حضرت سید شاہ افضل بیابانی اولیٰ رحمۃ اللہ علیہ:

قبلۂ دین و دنیا کعبۂ صورت و معنیٰ عارف اکمل شاہ افضل، آپ صاحب تصرف باطن اور دل کے مالک تھے، آپ سے اکثر لوگ فیضیاب ہوئے ہیں اور بہت سے خرق عادات آپ سے ظاہر ہوئے ہیں۔[3] آپ 1066ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت سید شاہ امین بیابانی رحمۃ اللہ علیہ سے پائی اور حدیث و فقہ کی تعلیم اورنگ آباد میں حضرت حاجی حسام الدین صاحب سے حاصل کی۔ آپ اولیاء کاملین میں سے تھے۔ آپ صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ فواید و فضلیہ، شرح مرآۃ العارفین، رسالہ بدان بشنو، معدن الجواہر منظوم در مناقب حضرت دوازدہ امام رضی اللہ عنہم، رسالۂ وجودیہ، شرح نام حق، واقعات شاہی، تحفۃ الصالحین الی المشتاقین اور شرح فقہ اکبر آپ کی تصانیف ہیں اور آپ اکثر مثنوی، فصوص الحکم اور لوائحہ و لمعات کا درس دیا کرتے تھے۔[4] آپ کی خانقاہ میں بلا تفریق مذہب و ملت ہر مذہب کے ماننے والے آتے اور کئی کئی دن تک آپ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ان کے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا آپ کی جانب سے انتظام ہوتا۔ صاحب پنج گنج لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ بیراگی آپ کے پاس آئے اور آپ کی محبت میں تین ماہ تک راجمنڈری کے تکیہ میں جو گنگا کے کنارے تھا ٹھہرے رہے، ایک دن قاضی محمد رفیع الدین صاحب آئے ہوئے تھے، مغرب کا وقت تھا اسی وقت ان بیراگیوں نے ناقوس اور منجیرہ بجانا

---

[1] سیدہ جعفر، نو سرہار، بار اول، دہلی، ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2011، 31

[2] سید شاہ فاضل بیابانی، پنج گنج، سید خواجہ احمد اللہ حسینی، بار سوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 184

[3] سید شاہ فاضل بیابانی، پنج گنج، سید خواجہ احمد اللہ حسینی، بار سوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 187

[4] ملکاپوری، عبد الجبار خان، محبوب ذوالمنن تذکرۂ اولیائے دکن، بار اول، حیدرآباد، مطبع رحمانی حیدرآباد، حصہ اول، جلد سوم، 97

شروع کر دیا قاضی صاحب نے آپ سے کہا کہ آپ ان بیروگیوں کو منع فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ فقراء کا مکان ہے اور وہ اپنی زبان و دل سے خدا کی یاد کر رہے ہیں منع کرنا ضروری نہیں ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا

تو برائے وصل کردن آمدی   نئے برائے فصل کردن آمدی

یعنی تم ملانے کے لیے آئے ہو نہ کہ جدا کرنے کے لیے، یہ سن کر قاضی صاحب بھی آبدیدہ ہوگئے اور ان بیراگیوں کے دلوں پر بھی اس کا گہرا اثر ہوا۔[1]

حضرت سید شاہ فاضل بیابانی:

آپ 1114ھ فقیر آباد، انبڑ ضلع جالنہ میں پیدا ہوئے، آپ نے ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت سید شاہ امین بیابانی سے حاصل کی پھر اورنگ آباد میں متعدد اساتذہ بالخصوص محمد خضر صاحب سے استفادہ کیا۔ والد ماجد کے وصال کے بعد حیدرآباد منتقل ہوئے اور یہاں حضرت قطب عالم بخاری کے ہاں قیام کیا اور حضرت سے استفادہ کیا، حقائق و معارف کی تعلیم اپنے برادر بزرگ حضرت سید شاہ افضل بیابانی اولیٰ سے پائی، سید عسکر اللہ حسینی صاحب سے دیوان حافظ پڑھا اور حضرت سید سعد اللہ قادری سے قصیدۂ غوثیہ کی اجازت لی۔[2]

حیدرآباد میں قیام کے دوران حضرت قطب عالم بخاری نے آپ کی خاندانی شرافت اور علمی لیاقت کے پیش نظر اپنی پوتری کو آپ سے منسوب کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے اپنے بڑے بھائی سے اجازت لے کر عقد کیا۔ حضرت سید قطب عالم نے آپ کو اپنے گھر رکھ لیا کیونکہ آپ کی اہلیہ حضرت کی اکلوتی پوتری تھی اور آپ خود فرماتے ہیں کہ چند دنوں بعد مفتیٔ بلدہ نے قضاءت ورنگل مع چار قصبے جاگیر مشروط الخذمت اجراء کرواکر مجھے ورنگل روانہ کیا۔[3]

بانیٔ قاضی پیٹ: حضرت سید شاہ فاضل بیابانی نے بحیثیت قاضی ورنگل اپنی جاگیر کے ایک گاؤں میں قیام کیا جو قاضی پیٹھ کے نام سے مشہور ہوا۔ قاضی پیٹ اس کا نام اس لیے ہوا کہ قاضی صاحب اس گاؤں میں رہتے تھے۔ اسی گاؤں کے مغرب میں ایک پہاڑ بوڑہ گٹہ کے قریب ریلوے اسٹیشن قائم ہوا تو اس کا نام بھی قاضی صاحب کی وجہ سے قاضی پیٹ ریلوے اسٹیشن رکھا گیا، جو پورے ملک میں بہت مشہور ہے۔[4]

آپ کی تصانیف:

آپ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ تذکروں میں "پنج گنج" اور "راز عشق" کے نام سے آپ کی دو کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ موخر الذکر کتاب تو مفقود ہے لیکن اول الذکر کتاب بڑی ہی مشہور و معروف ہے۔

پنج گنج: یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ کتاب کا نام پنج گنج ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب کتاب

---

[1] سید شاہ فاضل بیابانی، پنج گنج، سید خواجہ احمد اللہ حسینی، بار سوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 188

[2] سید و میاں، میر منور علی، ضیائے بیابانی، بار دوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 118

[3] سید شاہ فاضل بیابانی، پنج گنج، سید خواجہ احمد اللہ حسینی، بار سوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 191

[4] حضرت فاروق پاشاہ، سید شاہ غلام سرور بیابانی، فیضان افضل، بار دوم، ورنگل، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017، 78

ضیائے بیابانی لکھتے ہیں کہ ''حضرت صاحب پنج گنج کے اجداد میں پانچ بھائی ملتان سے قندھار اور انبڑ آئے تھے۔ ان پانچ بھائیوں کا مدفن انبڑ میں ہے اور یہ مقام پنچ پیر کہلاتا ہے۔ ممکن ہے اسی کی یاد میں کتاب کا نام پنج گنج اور کتاب کے پانچ ابواب اور ہر باب کی پانچ پانچ فصلیں رکھی گئی ہوں''۔[1] اس کتاب کے ابواب کے عنوانات اس طرح ہیں:

باب اول: در حقیقت دنیا

باب دوم: در معاملۂ عافیت ونتائج آن

باب سوم: در توصیف حضرات صحابہ واہل بیت وفضائل سادات

باب چہارم: در ذکر اولیاء ومشائخان ومقالات وخرق عادات ایشاں

باب پنجم: در بیان توحید وذکر واشغال

طوالت کے خوف سے فصلوں کی فہرست درج نہیں کی گئی ہے جبکہ ابواب کی فہرست سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب کتنی اہم اور کس قدر جامع کتاب ہے۔ مختصراً ہم یہاں اس کتاب کی قدر ومنزلت کے حوالے سے ایک بات ذکر کرتے ہیں، وہ یہ کہ اس کتاب کے مطالعہ سے قاری کو نام کی طرح پانچ بڑے فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں: (1) دنیا کی حقیقت سے واقفیت ہوتی ہے (2) رسول کریم، صحابہ کرام واہل بیت اطہار، اولیاء ومشائخین کی مبارک زندگیوں سے آگہی ہوتی ہے۔ (3) اخروی زندگی میں کامیابی کے لیے ضروری اعمال کا پتہ چلتا ہے۔ (4) توحید وتصوف اور ذکر واشغال کی تعلیمات حاصل ہوتی ہیں (5) قدیم فارسی زبان وادب کا پتہ چلتا ہے۔

آپ کے پاس دور دراز سے طالبان علم وسالکان راہ طریقت آیا کرتے اور آپ کی خانقاہ میں قیام کرتے ان کے کھانے پینے رہنے وغیرہ کا تمام انتظام آپ ہی کے ذمہ ہوتا ساتھ ہی آپ ان کی تعلیم وتربیت اور سالکین کی رہنمائی بھی فرماتے۔ آپ ہی نے اپنے اجداد کی قائم کردہ خانقاہ بیابانیہ کا قاضی پیٹ میں احیاء فرمایا۔ آپ نے 1211ھ میں قاضی پیٹ میں وصال فرمایا۔

حضرت سید شاہ افضل بیابانی:

حضرت سید شاہ افضل بیابانی کی ولادت 1210ھ قاضی پیٹ میں ہوئی۔ آپ کے والد اور والدہ دونوں کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا امام احمد کبیر رفاعی سے جاملتا ہے۔ اس اعتبار سے آپ نجیب الطرفین رفاعی بزرگ ہیں۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت سید شاہ غلام محی الدین بیابانی سے حاصل کی اور بارہ سال کی عمر میں ہی حافظ قرآن ہوگئے۔ آپ کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے صاحب عرفان افضل لکھتے ہیں قرآن مجید حفظ فرمالینے کے بعد مبادیات دین، فقہ وفرائض اور علم مجلس کی ضروری تعلیم وتربیت والد محترم ہی سے حاصل فرمائی اور بقدر ضرورت علم صرف ونحو، شعر وادب سے بھی شغف رکھا۔ آپ کے ذوق زبان دانی وشوقِ تحصیل علم وغیر معمولی ذہانت سے ہر کوئی متاثر تھا والد ماجد چاہتے تھے کہ آپ علوم دین میں ماہرانہ کمال سے فائز المرام ہوں، کیونکہ قضاءت وافتاء کی مصروفیت، زرعی امور کی نگرانی اور

---

[1] سید ومیاں، میر منور علی، ضیائے بیابانی، بار دوم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017ء، 133

متوسلین ومریدین کی تعلیم وتربیت اس بات کی متقاضی تھی۔[1]

زبانوں سے دلچسپی:

آپ عربی، فارسی، اردو اور تلگو زبانوں سے واقف تھے۔عام طور پر اردو میں مخاطب ہوتے لیکن گاؤں والوں کے ساتھ تلگو زبان میں بات کرنا پسند کرتے تاکہ ان کو اجنبیت کا احساس نہ ہو۔اگر کوئی فارسی داں مل جاتا تو اس سے فارسی میں گفتگو فرماتے اور قضاءت کے فیصلے بھی فارسی میں دیا کرتے اور کبھی عربی داں سے ملاقات ہوتی تو اس سے عربی میں کلام فرماتے۔فارسی واردو میں خط وکتابت فرماتے۔[2]

شاعری:

آپ مثنوی اور دیوان حافظ کا درس دیا کرتے تھے۔خود بھی فارسی، اردو اور کبھی تلگو میں شاعری بھی کرتے تھے۔ہم یہاں کتاب افضل الکرامات سے ان اشعار کو پیش کرتے ہیں۔

کیا وصف اس مکان کا کروں ہے یہ لامکاں باندھے ہے اپنی جائے پہ سرور میاں مکاں
دنیا و دیں میں شاد رکھے سرخرو بہ حشر حضرت خدا دراز کرے عمر چوں خضر

دو شعر تلگو کے بھی ہم تک پہنچے ہیں ملاحظہ ہو۔

ائے خدا تو نے مجھ پر کرم کیا	Na meeda daya chesiti bhagawan
ہر مشکل میں تیرا ہی سہارا ہے	Aa padalo dikku bhagawan
تیرا نشان کف پا میرے دل میں ہے	Ni charana lingaw na manasulo
یہ نشان میرے دل میں طلوع ہوا تھا جب میں پیدا ہوا	Wela sina puttina hey bhagawa

زمانے کی ستم ظریفی کی وجہ سے نہ آپ کے فتاویٰ محفوظ رہے اور نہ ہی آپ کے خطوط وشاعری بقول صاحب افضل الکرامات آپ کے فتاویٰ اور فیصلے دفتر محافظی ضلع ورنگل میں داخل کیے جاتے تھے۔ممکن ہے کہ بعد میں وہ آرکائیوڈپارٹمنٹ میں منتقل کیے گئے ہوں کوشش جاری ہے اگر وہ دستیاب ہوتے ہیں تو بہت جلد ان کو منظر عام پر لایا جائے گا۔ آپ لوگوں پر بڑی شفقت فرماتے معمولی معمولی باتوں پر بھی دریائے کرم جوش میں آجاتا ایک مرتبہ آپ کھیتوں کا معائنہ فرمارہے تھے۔وہ زمین تر تھی تو آپ نے اپنی چپلیں اتاردیں ایک گاؤں والے نے آپ کی چپلوں کو اٹھالیا اور بعد معائنہ کے آپ کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپ نے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ اس نے تمام وقت چپلیں اٹھار کھی تھیں تو وہ تمام زمین جس کا آپ معائنہ کرنے کے لیے آئے تھے۔اس آدمی کو عطا فرمادیا چونکہ یہ زمین چپلیں اٹھانے کی خدمت پر عطا ہوئی تھی اسی وجہ سے اس زمین کا نام ہی پاپوش پولم ہوگیا[3] اولیاء کرام کی تمام صفات آپ میں جمع تھیں۔ آپ عیب پوش، شفیق، حق

---

[1] پیکاں، ڈاکٹر سراج الحسن، عرفان افضل، بار اول، حیدرآباد، نیو عرا پبلکیشنز، 2001،56

[2] حضرت فاروق پاشاہ، سید شاہ غلام سرور بیابانی، فیضان افضل، بار دوم، ورنگل، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017،87

[3] حضرت فاروق پاشاہ، سید شاہ غلام سرور بیابانی، فیضان افضل، بار دوم، ورنگل، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017،87

پسند، رحم دل غریب پرور، اور عاجز و انکسار تھے، منجملہ ان صفات کے حافظ قرآن، عالم دین، شب بیدار، صاحب ہمت و شجاعت تھے علم و عرفان، ایقان و ایمان، تزکیہ نفس و تہذیب باطن اور ریاضت و مجاہدہ میں بے نظیر تھے۔[1] آپ نے 27/ صفر 1273ھ کو وصال فرمایا۔

حضرت سید شاہ غلام افضل بیابانی

آپ حضرت سید شاہ غلام سرور بیابانی کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ آپ کی ولادت 1282ھ کو اپنے نانیالی مکان بمقام ہنمکنڈہ میں ہوئی آپ کے والد ماجد نے آپ کی تعلیم پر خاص توجہ فرماتے ہوئے خصوصی انتظامات فرمائے جس کے متعلق آپ خود فرماتے ہیں کہ میری ابتدائی تعلیم حضرت شاہ علی صاحب قبلہ سے ہوئی اور یہ بابا (حضرت سید شاہ غلام سرور بیابانی) کے بھی استاد رہے ہیں اور دادا حضرت قبلہ (حضرت سید شاہ افضل بیابانی) کے شاگرد تھے۔ تعلیم سے متعلق آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ علی صاحب قبلہ و مولوی مبارک علی شاہ صاحب کے علاوہ کئی اور جلیل القدر اساتذہ کے پاس بمقام حیدرآباد میری تعلیم ہوئی۔[2]

علم و فضل:

آپ کو عربی و فارسی کے تمام علوم میں بدرجہ اتم کمال حاصل تھا۔ آپ ادیب کامل اور بلیغ شاعر تھے افضل تخلص فرمایا کرتے تھے۔ بہترین خوشنویس بھی تھے۔ آپ کے علم و فضل کے سبھی معترف تھے صاحب لمعات بیابانی بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ مولوی حبیب الرحمٰن شیر وانی صدر الصدور امور مذہبی سے مل کر واپس ہوئے اس وقت جو آپ کے ساتھ تھے ان سے معلوم ہوا کہ اثناء گفتگو میں مولانا شیر وانی صاحب نے آپ سے کہا کہ مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسے صاحب علم و فضل بلدہ حیدرآباد میں ہوتے ہوئے سرکار عالی نے مجھے ہندوستان سے کیوں بلوایا ہو گا؟[3] حضور شیخ الاسلام شاہ محمد انوار اللہ فاروقی بھی جب تک مشیر امور مذہبی رہے اکثر کاروائیوں، مسائل و فتاویٰ میں آپ سے مشورہ فرماتے اور اسی طرح مہاراجہ سرکشن پرشاد عرصہ تک روزآنہ پانچ بجے حاضر ہوتے اور آپ کے ارشادات سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔[4]

شاعری:

آپ کے کلام میں شعراء قدیم مثل حافظ شیرازی و جامی علیہا الرحمۃ والرضوان کا رنگ پایا جاتا ہے۔ حضرت اقدس لالہ میاں اکثر فرماتے تھے کہ میں ایک مقام پر گیا تھا۔ وہاں مجلس سماع ہوئی جس میں قوال نے آپ کا ایک کلام سنایا اور آخر میں افضل تخلص پڑھا تو وہاں موجود تمام صوفیاء کرام، علماء و مشائخین نے حیرت کا اظہار کیا اور بے ساختہ کہہ اٹھے کہ کون افضل ہیں کہ کلام میں بالکل حافظ شیرازی کا سا رنگ

---

[1] حضرت فاروق پاشاہ، سید شاہ غلام سرور بیابانی، فیضان افضل، بار دوم، ورنگل، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017، 89

[2] سید خواجہ سعادت حسین، لمعات بیابانی، بار اول، قاضی پیٹ، ورنگل، بزم شاہ افضل بیابانی قاضی پیٹ ورنگل، 2012، 31

[3] سید خواجہ سعادت حسین، لمعات بیابانی، بار اول، قاضی پیٹ، ورنگل، بزم شاہ افضل بیابانی قاضی پیٹ ورنگل، 2012، 31

[4] سید خواجہ سعادت حسین، لمعات بیابانی، بار اول، قاضی پیٹ، ورنگل، بزم شاہ افضل بیابانی قاضی پیٹ ورنگل، 2012، 31۔

ہے پھر میں نے ان حضرات کو آپ سے واقف کروایا۔[1] ہم یہاں بطور نمونہ دو کلام پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

فدائے مقدمش دل بود شب جائے کہ من بودم — عجب ماہے بمنزل بود شب جائے کہ من بودم
ہزاراں رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم — تعالی اللہ بہ تیغ ناز کردہ گرم بازاری
در آنہا شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم — بخوبان جہاں یارا چہ باشد از مہ کامل
حیا در راہ حائل بود شب جائے کہ من بودم — ببوسیدم کف پایش بخواب ناز او بودہ
بہا در دست قاتل بود شب جائے کہ من بودم — سرم از تن جدا کردہ ندادہ خوں بہائے آں
عجب سرّے مقابل بود شب جائے کہ من بودم — نشد انجام یکسوئی ناز او نیاز من
دو دست من حمائل بود شب جائے کہ من بودم — کشیدم تا سحر او را با آغوشم ودر گردن
دلم بر شرح مائل بود شب جائے کہ من بودم — رقیب روسیہ فرصت نداد از عرض حال افضل

دیگر

زحال خستہ جان ما خبر کن — صبا بر منزل جاناں گزر کن
زروئے مکرمت بروئے نظر کن — بگو بہر خدا رحمے بفرما
بآمال دل من بارور کن — شہنشاہ دو عالم کن نگاہے
خدارا از کرم کار دگر کن — صبا گر نے توانی کرد ایں کار
زلطف خویش بروئے یک نظر کن[2] — بگو افضل رسیدہ بر در توؐ

وصال: آپ نے 9/ ذی الحجہ 1362ھ کو بعمر 81 سال اس دار فانی سے کوچ فرمایا۔

حضرت سید شاہ غلام سرور بیابانی فاروق پاشاہ:

آپ حضرت سید شاہ افضل بیابانی رفاعی القادری کے پڑپوتے ہوتے ہیں آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ سید غلام سرور بیابانی فاروق پاشاہ بن سید غلام افضل بیابانی مرشد میاں بن سید غلام سرور بیابانی بن سید شاہ افضل بیابانی۔ آپ 22/ ربیع الثانی 1358ھ م 16/ جون 1939ء کو بھونگیر ضلع نلگنڈہ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے پائی اور آپ ہی کی نگرانی میں جلیل القدر علماء کرام سے استفادہ کیا اور علوم تفسیر، حدیث، فقہ

---

[1] سید خواجہ سعادت حسین، لمعات بیابانی، بار اول، قاضی پیٹ، ورنگل، بزم شاہ افضل بیابانی قاضی پیٹ ورنگل، 2012، 33

[2] افضل۔ سید غلام افضل بیابانی، کلام افضل، بار چہارم، حیدرآباد، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2017، 18، 36

،اسلامی آداب و تاریخ میں مہارت پیدا کرلی۔ حقائق و معارف، علم و حکمت اور رموز و اسرار کی تربیت والد صاحب قبلہ نے فرمائی اور سلوک کی تکمیل پر خاندانی تمام خلافتوں اور نعمتوں سے سرفراز فرماتے ہوئے اپنا جانشین مقرر فرمایا۔[1]

علمی وادبی خدمات:

آپ دوران تعلیم انوار العلوم کالج کی میگزین کے اردو حصہ کے مدیر اور طلباء کی تنظیم کے رہنما رہے۔ آپ کو دینی کتب کے مطالعہ کا بڑا شغف تھا جس کا بین ثبوت آپ کا اپنا دیوان خانہ تھا جو اصل میں ہر قسم کی کتب کا دار المطالعہ تھا جس میں تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول و شروحات حدیث، فقہ، اصول فقہ، اسلامی تاریخ، سیر و ملفوظات اولیاء اللہ، تصوف، شعری مجموعے اور ادبی کتابوں کا ذخیرہ تھا علاوہ اس کے مجلّہ، جریدے، سیمینار اور کانفرنس کے پیپرز اور مختلف ڈکشنریاں بھی تھیں۔ آپ نے احاطہ درگاہ شریف میں شاہ افضل ایجوکیشن سنٹر کا قیام عمل میں لایا جس کے ذریعہ عوام الناس بالخصوص مریدین ووابستگان سلسلہ کی تربیت کے لیے درگاہ شریف قاضی پیٹ میں اور حیدرآباد میں تقریباً20 سال تک ماہانہ مجلس وعظ و نصیحت منعقد فرماتے رہے جس میں قرآن، حدیث و اقوال بزرگان کی روشنی میں مسائل تصوف اور اسلامی آداب بیان فرماتے۔ احکام شرع بالخصوص نمازوں کی تاکید فرماتے بلکہ یہاں تک فرماتے کہ اگر کوئی میرا مرید نماز نہیں پڑھتا تو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہوگا اور میں روز قیامت اس کو نہیں پہچانوں گا۔ اس کے علاوہ راماگنڈم، کریم نگر، پونے، بمبئی، رائچور کے علاوہ آندھرا پردیش کے مختلف شہروں میں دینی اجتماعات میں شرکت فرماتے اور نصائح سے سرفراز فرماتے۔ آپ نے درگاہ شریف کے احاطہ میں ایک مدرسہ بنام مدرسہ افضلیہ کا قیام عمل میں لایا جس میں طلباء کے لیے قیام و طعام کے ساتھ مفت تعلیم کا نظم ہے۔ آپ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج ورنگل کے معتمد بھی رہے۔

سماجی خدمات:

آپ بحیثیت صدر قاضی ورنگل فقہ اسلامی کی روشنی میں نہ صرف فیصلے فرماتے بلکہ طلاق و خلع کے ارادے سے آئے ہوئے جوڑوں کو افہام و تفہیم، روحانی تصرف اور نیک ہدایت کے ذریعہ ان کو اس کام سے باز رکھتے اور وہ لوگ آپ کی نصیحت کے بعد خوشگوار و پر سکون زندگی گزارتے۔ آپ غریب طلباء، یتیموں، مساکین، بیواؤں اور مسافروں کی ضروری مدد فرماتے اور غریب بچیوں کی شادیاں کرواتے۔ علاقہ میں امن و امان اور قومی یکجہتی برقرار رکھنے کے لیے تمام مذاہب کے سیاسی و سماجی قائدین، تاجرین، دانشوران، پروفیسرس اور منسٹرس کو مدعو کرتے ایک ہی پلیٹ فارم سے امن وامان کا پیغام دیتے ہوئے کہتے کہ امن و امان ہی میں ملک کی ترقی اور سماجی بھلائی پوشیدہ ہے۔ آپ کی ذات اس مقدس خاندان سے تعلق رکھتی ہے جو بے غرض سماجی اور دینی خدمات کے لیے کافی شہرت رکھتا ہے چنانچہ آپ نے بھی پوری توجہ اور تمام تر قوت سے سماجی اور دینی خدمات انجام دیں اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور صوفی تعلیمات کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا۔ آپ نے عامۃ المسلمین اور خصوصاً مریدین کی تعلیم و تربیت کے لیے فیضان افضل نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی جس میں سلسلہ کے 16 عظیم

---

[1] سید شجاعت اللہ حسینی، سرور القلب، بار اول، قاضی پیٹ، بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر، 2025، 363

بزرگوں کی سوانح حیات، کرامت اور تعلیمات کو یکجا فرمایا یہ کتاب عاشقان اولیاء اللہ بالخصوص وابستگان سلسلہ عالیہ بیابانیہ کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔ امت مسلمہ کو دینی، علمی، روحانی و سماجی روشنی دینے والا یہ آفتاب 3/ محرم الحرام 1430ھ یکم جنوری 2009ء اس عالم سے غروب ہوکر رحمت حق میں جا پہنچا۔

حضرت سید شاہ غلام افضل بیابانی خسرو پاشاہ صاحب (موجودہ سجادہ نشین):

آپ 1971ء بمقام قاضی پیٹ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت سید شاہ غلام سرور بیابانی فاروق پاشاہ سے پائی اور جامعہ نظامیہ سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ علامہ رشید پاشاہ صاحب ،علامہ طاہر رضوی صاحب اور موجودہ امیر جامعہ حضرت مفتی خلیل احمد صاحب کے بشمول اپنے وقت کے جلیل القدر علماء کرام کرام سے اکتساب علم کیا۔ حقائق و معارف کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے پائی اور بعد تکمیل سلوک خرقۂ خلافت پایا اور جانشین مقرر ہوئے۔

علمی و ادبی خدمات:

آپ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خانقاہی نظام کے مطابق درگاہ شریف میں ماہانہ مجلس وعظ و نصیحت منعقد کرتے ہیں، شاہ افضل ایجوکیشنل سوسائٹی کے ماتحت مدرسہ شاہ افضلیہ ، درگاہ قاضی پیٹ کے علاوہ تلنگانہ و مہاراشٹرا کے مختلف شہروں میں 11 مدارس کی سرپرستی فرماتے ہیں جہاں حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا بھی نظم ہے۔ آپ نے 2017ء میں تحقیقی و تصنیفی خدمات کو فروغ دینے کے لیے ایک تحقیقی ادارہ بنام "بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر" قائم فرمایا جہاں سے اس مختصر سے وقت میں 20 سے زائد کتابیں، مجلہ اور تحقیقی مقالات شائع ہوچکے ہیں علاوہ ازیں آپ نے کتب خانہ افضلیہ کے نام سے ایک عظیم لائبریری بھی قائم فرمائی جس میں اپنے اکابرین کی قدیم و نادر کتابوں کے علاوہ تفسیر، حدیث، فقہ اسلامی، تصوف، تاریخ اسلام، تذکرے وغیرہ پر مشتمل ذخیرہ جمع فرمایا ہے۔ ماہانہ مجلس وعظ و نصیحت منعقد کرتے ہیں۔ نہ صرف تلنگانہ بلکہ آندھرا، کرناٹک، مہاراشٹرا، گجرات وغیرہ میں تبلیغ اسلام و فروغ تعلیات صوفیہ کی غرض سے اسفار فرماتے ہیں بلکہ عرب ممالک میں رہنے والے مریدین و وابستگان سلسلہ کی رشد و ہدایت کے لیے آن لائن محافل بھی منعقد کرتے ہیں۔

سماجی خدمات:

آپ ہر سال عرس بیابانی کے موقع پر بین المذاہب قومی یکجہتی کانفرنس منعقد فرماتے ہیں۔ آپ نے ملت رابطہ کمیٹی کے نام سے بین المسالک ایک پلیٹ فارم قائم کرتے ہوئے مسلکی اختلافات کو ختم فرمایا اور ساتھ ہی دو سال قبل تلنگانہ ڈسٹرکٹس درگاہ اسوسیشن کے نام سے ایک اسوسیشن قائم فرمایا جس کے ذریعہ تلنگانہ ڈسٹرکٹس کی درگاہوں اور خانقاہوں کو درپیش مسائل کو حل بھی کیا جاتا ہے بلکہ خانقاہی نظام کے فروغ کیلیے پیغام صوفیا کے نام سے جلسوں اور کانفرنسوں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ آپ نے 2010ء سے 2013ء تک آندھرا پردیش وقف بورڈ کے چیرمین بھی رہ چکے ہیں اس دوران آپ نے اوقافی تولیت کے بہت سارے مسائل کو حل فرمایا اور اب تلنگانہ اسٹیٹ حج کمیٹی کے چیرمین کی حیثیت سے حجاج کرام کی خدمت کے فریضہ کو انجام دے رہے ہیں۔ غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافرین کی مدد فرمایا کرتے

ہیں اور درگاہ شریف کو آنے والے زائرین کے لیے آپ کی جانب سے روزآنہ بعد نمازعشاء لنگر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بہت سارے علمی، ادبی ،ملی و سماجی خدمات آپ انجام دے رہے ہیں جس سے نہ صرف اہلیان دکن بلکہ میڈیا کی وساطت سے ہند و بیرون ہند کی عوام بھی اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم یہاں بخوف طوالت اس پر اکتفاء کرتے ہیں۔

*****

کتابیات:

1۔ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی .مشکوٰۃ المصابیح .مکتبہ اسلامیہ پرنٹرز،2013.

2۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی .مرآۃ الاسرار .ضیاء القرآن پبلشنز،1414ھ.

3۔ سید شاہ فاضل بیابانی .پنج گنج .بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر،2017.

4۔ سید غلام علی قادری .مشکوٰۃ النبوت .اعجاز پرنٹنگ پریس،1984.

5۔ سید درویش محی الدین قادری .افضل الکرامات .بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر،2017.

6۔ میر منور علی سید و میاں .ضیائے بیابانی .بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر،2017.

7۔ سید خواجہ سعادت حسین بیابانی .لمعات بیابانی .بزم شاہ افضل بیابانی،2012.

8۔ ہارون خان شیروانی .دکن کے بہمنی سلاطین .ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی،1998.

9۔ سید غلام سرور بیابانی .فیضان افضل .بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر،2017.

10۔ سراج الحسن پیکاں .عرفان افضل .نیو عرا پبلکیشنز،2001.

11۔ سید شجاعت اللہ حسینی بیابانی .سرور القلب .بیابانی اسلامک ریسرچ اینڈ نالج سنٹر،2025.

12۔ عبدالجبار خان ملکاپوری .محبوب ذوالمنن .مطبع رحمانی، حیدرآباد،n.d.

13۔ فخر الدین نظامی .مثنوی کدم راؤ پدم راؤ .دہلی ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،1979.

14۔ افسر صدیقی امروہی .مثنوی نوسرہار .انجمن ترقی اردو پاکستان،1983.

15۔ سیدہ جعفر .نوسرہار .ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی،2011.

16۔ محمد غیاث الدین .غیاث اللغات .رزاقی پریس،1323ھ.

خانقاہ حضرت سید شاہ راجو حسینی کی علمی و سماجی خدمات

سید شاہ ندیم اللہ حسینی *

صوفی کی خانقاہیں بر صغیر کی مذہبی، فکری اور سماجی زندگی میں ہمیشہ مرکزِ فیض رہی ہیں۔ یہ خانقاہیں صرف عبادت و ریاضت کے مقامات نہیں بلکہ ایسے روحانی و تعلیمی ادارے تھیں جنہوں نے ایک طرف حکمران طبقے اور اہلِ علم و دانش کے ذہن و کردار کی تشکیل میں کردار ادا کیا، تو دوسری طرف عوام کے مذہبی ذوق و مزاج کو سنوارنے اور اُن میں رواداری، اخوت اور بقائے باہم کا جذبہ پیدا کرنے میں بھی نمایاں حصہ لیا۔

دکن، بالخصوص گولکنڈہ، میں قطب شاہی دور (1518ء تا1687ء) میں تصوف کا یہ رنگ اپنی بلندیوں کو پہنچا۔ اس عہد کے صوفیائے کرام نے اپنی روحانی بصیرت اور اخلاقی کردار سے مذہبی ہم آہنگی اور انسانی اخوت کی ایسی فضا قائم کی جس کے اثرات آج تک محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ان بزرگوں نے فارسی اور دکنی زبان کے ذریعے ایک عظیم علمی و ادبی سرمایہ چھوڑا، جو آج بھی اس خطے کی علمی روایت اور اردو زبان کی تہذیبی بنیادوں میں نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔

قطب شاہی سلطنت کے آخری فرماں روا، سلطان ابوالحسن تاناشاہ(1672ء–1687ء)، کو اپنے عہد کے جلیل القدر صوفی، حضرت سید شاہ راجو حسینی قتال کی طویل رفاقت نصیب ہوئی۔ یہی قربت تاناشاہ کے مزاج میں روحانیت کا سبب بنی۔ مؤرخین کے مطابق تاناشاہ کی زندگی کے مختلف ادوار — بچپن، تحصیلِ علم، حضرت شاہ راجو کی خدمت، سلطنت اور قید؛ ہر ایک تقریباً چودہ چودہ سال پر محیط تھے۔ ابوالحسن تاناشاہ کے بادشاہ بننے کے بعد حضرت شاہ راجو نے ایک انار بھیجا۔ ابوالحسن نے 14 دانے کھایا باقی واپس کردیا۔ حضرت شاہ راجو نے افسوس سے فرمایا کہ اس کی قسمت میں چودہ سال ہی بادشاہت ہے۔[1] تاناشاہ کا انتقال راجح رائے کے مطابق 25 ربیع الثانی 1111ھ یا1112 ہجری میں ہوا اور متصل قلعہ روضہ خلد آباد نزدیک مرقد سید راجو قتال اول میں دفن ہوا۔[2]

دکنی اور دکنیات کے نامور محقق ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ نے اپنی تصنیف ''سیر گولکنڈہ'' صفحہ 58 پر دکن کے مشہور صوفیہ اور مشائخ کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں چند نام قابل ذکر ہیں۔ حضرت شاہ چراغ 950ھ 1543ء، حضرت شاہ نورالہدیٰ 1000ھ 1572ء، حضرت شاہ نوراللہ حسینی چشتی 1019ھ 1602ء، حضرت حسین شاہ ولی 1060ھ 1657ء، حضرت شاہ میراں جی حسینی چشتی خدانما 1070ھ

* سجادہ نشین و متولی، آستانہ عالیہ حضرت سید شاہ راجو حسینی، حیدرآباد

[1] صدیقی، پروفیسر سلیمان۔ ''صوفیائے گولکنڈہ۔'' *ماہنامہ سب رس*، جون 1972ء، ص 21۔

[2] مانک راؤ وٹھل راؤ۔ *بستانِ آصفیہ*، مطبع انوارالاسلام، حیدرآباد دکن، 1337ھ

1659ء، حضرت امین الدین ثانی چشتی 1074ھ 1662ء، حضرت شاہ راجو حسینی 1052ھ 1682ء۔[1]

مذکورہ بالا صوفیہ کرام میں حضرت میراں جی خدا نما اور حضرت سید شاہ راجو قتال بن نصر اللہ حسینی نے بالخصوص فارسی اور دکنی زبانوں میں نظم و نثر کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت میراں جی خدا نما کی تصانیف میں *شرح تمہیدات عین القضات*، *رسالہ وجودیہ*، اور *شرح مرغوب القلوب* خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں اُن کی کئی مثنویاں اور رسائل اردو نثر کے اولین نمونوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔[2] اسی طرح حضرت سید شاہ راجو قتال بن نصر اللہ حسینی نے بھی نظم و نثر کے میدان میں گراں قدر تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، جن میں اُن کے ارشادات، ملفوظات، مواعظ اور نصائح کا مجموعہ شامل ہے۔ اُن کا فارسی اور دکنی کلام بھی پایا جاتا ہے، جو اُن کی ادبی و روحانی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔[3]

ولادت اور ابتدائی احوال

حضرت سید شاہ یوسف الحسینی المعروف سید شاہ راجو حسینی 1002 ہجری مملکت بیجاپور میں تولد ہوئے اور وہیں سن شعور کو پہنچے۔ آج سے کم و بیش چار سو سال پہلے عبد اللہ قطب شاہ کے عہد (1035ھ تا 1083ھ) میں اپنے عم محترم حضرت سید شاہ اکبر محمد محمد الحسینی کے ہمراہ حیدرآباد تشریف لائے۔ حضرت کے جد اعلیٰ کا اسم گرامی بھی اتفاقاً سید یوسف حسینی المعروف سید شاہ راجو قتال حسینی ہے جو حضرت سید شاہ محمد الحسینی المعروف بہ حضرت سید نا بندہ نواز گیسو دراز کے پدر معظم ہیں۔ حضرت شاہ راجو حسینی علوم دینی و دنیاوی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کی خانقاہ میں پابندی سے درس قرآن، حدیث، فقہ و تصوف ہوا کرتا تھا۔ علوم شریعت و طریقت اور عوامی خدمات کا سلسلہ 50 سال تک جاری و ساری رہا۔

شاہ راجو اکیڈمی

آستانہ عالیہ حضرت سید شاہ راجو حسینی سے آپ کی منشور اور منظوم تصانیف، ملفوظات کے علاوہ آپ کے مریدین، وابستگان و جانشینوں نے جو علمی، ادبی و سماجی خدمات انجام دی ہیں ان کو باضابطگی اور جہت مسلسل عطا کرنے کے لیے "شاہ راجو اکیڈمی" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس اکیڈمی کے سرپرست حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی صاحب، سجادہ نشین روضہ بزرگ گلبرگہ شریف، حضرت سید شاہ قبول اللہ محمد محمد الحسینی صاحب، سجادہ نشین روضہ خورد گلبرگہ شریف رہے اور اراکین کی حیثیت سے سرزمین دکن کی معروف و مشہور علمی شخصیات مولانا حبیب حسین بالفقیہ، مولانا سید شاہ معین الدین محمد محمد الحسینی صاحب فیض، پروفیسر سید محمد' عثمانیہ یونیورسٹی، میر عابد علی خاں' ایڈیٹر روزنامہ سیاست حیدرآباد، پروفیسر محمد اکبر الدین صدیقی' عثمانیہ یونیورسٹی، نواب میر سراج الدین علی خاں، جناب ضیاء الدین احمد شکیبؔ، جناب نذیر الدین احمد، صدر بہادر یار جنگ اکیڈمی کا انتخاب عمل میں آیا جن کی خصوصی توجہات سے شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج حیدرآباد کا

---

[1] *ماہنامہ سب رس*، جون 1972ء، ص 22

[2] قتیل، ڈاکٹر حفیظ۔ *میراں جی خدا نما*، ص 182، بحوالہ *ماہنامہ سب رس*، جون 1972ء۔

[3] *ماہنامہ سب رس*، جون 1972ء، ص 22

علمی، ادبی کاروان مسلسل آگے بڑھتا گیا اور دکن میں اس کی ایک منفرد شناخت قائم ہوگئی۔ حضرت سید شاہ راجو حسینی اور آپ کے خلفاء و مریدین وابستگان اور جانشینوں کی جانب سے جو تصانیف، تالیفات، تراجم شائع ہوئیں ان کا ایک علمی و تاریخی جائزہ پیش خدمت ہے۔

1-رسالہ سوال وجواب

حضرت سید شاہ راجو حسینی کی تصانیف میں تصوف اور روحانیت کے مسائل کی چشم اور بصیرت افروز تشریحات و توضیحات پائی جاتی ہیں۔ آپ نے حقائق کی اپنی جانب سے وضاحتیں فرمائی ہیں اور بعض نکات کی اپنے مسترشدین اور حاضر باش مریدان باصفاکے سوالات کے جواب کی شکل میں عقدہ کشائی کی ہے۔ ''رسالہ سوال وجواب'' ایک ایسی ہی تصنیف ہے جو فارسی زبان میں ہے اور یہ سوالات حضرت کے مرید باصفا حضرت ابوالحسن بن حسن صاحب چشتی کی جانب سے آپ کی خدمت عالیہ میں پیش خدمت کیے گئے تھے جیسا کہ اس رسالہ کے آغاز میں بتایا گیا ہے۔

> ''سوالات منجانب جناب ابوالحسن ابن حسن صاحب، جوابات ارشاد فرمودند مرشد مرشداں ربانی، ابو ابولایت الثانی، یوسف روحانی حضرت سید شاہ راجو محمد محمد الحسینی رحمۃ اللہ علیہم''۔[1]

''رسالہ سوال وجواب'' اختصار کا بہترین نمونہ ہے جنہیں ''دریا بحباب، اندر'' کہنا زیادہ مناسب ہے۔ سوال فارسی زبان میں کیا گیا ہے اور جواب بھی فارسی زبان میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ چند سوالات اور ان کے جوابات یہاں بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔

سوال: عالم کیست؟	جواب: عالم اوست کہ بغیر از خدا کس راند اند۔
سوال: عامل کیست؟	جواب: عامل اوست کہ یک ذرہ از خدا اور سول تجاوز نہ کند۔
سوال: عاقل کیست؟	جواب: عاقل اوست کہ دل بر دنیا نہ نہد۔
سوال: طالب کیست؟	جواب: طالب اوست کہ از ماسوااللہ اعراض کند۔
سوال: زاہد کیست؟	جواب: زاہد اوست کہ از خود پرہیز کند۔
سوال: محقق کیست؟	جواب: محقق اوست کہ جز حق کسے در نظر او نباشد۔
سوال: موحد کیست؟	جواب: موحد اوست کہ بغیر از وجود واجب کسے راموجود نہ داند۔ سوال: عارف کیست؟ جواب: عارف اوست کہ ہمہ را از حق شناسد و باحق باشد۔
سوال: محب کیست؟	جواب: محب اوست کہ ہمہ کارہائے اُو باختیار محبوب باشد۔[2]

حضرت سید شاہ راجو حسینی کے ارشادات' ملفوظات اور عارفانہ کلام جو فارسی اور دکنی زبان میں پایا جاتا ہے۔ حضرت سے بیعت و ارادت کی نسبت رکھنے والوں نے اور اس عہد کے مورخین نے بھی جمع اور محفوظ کیا ہے۔ حضرت شاہ راجو حسینی نے مرد حضرات کی اصلاح حال و قال

---

[1] حسینی، سید شاہ راجو۔ *رسالہ سوال وجواب*، اردو ترجمہ، ص 17، مرتب: ابوالحسن بن حسن، مطبوعہ قومی پریس، حیدرآباد، 1973ء۔

[2] ایضا: ص 18-19

کے لیے ملفوظات اور عارفانہ کلام کا ذخیرہ چھوڑا ہے وہیں آپ نے خواتین کی اصلاح کے لیے بھی قلم اٹھایا اور ''سہاگن نامہ'' کے نام سے ایک طویل نظم تحریر فرمائی۔[1] صوفیائے دکن نے عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کتابیں لکھیں تاکہ ان کی سمجھ بہتر ہو سکے، پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی کا بیان ہے:

''صوفیائے دکن نے میرے اپنے مطالعے کے مطابق 90 کتابیں عورتوں کی تعلیم اور اصلاح کے لیے لکھیں جس میں چرخہ نامہ، چکی نامہ، تحفۃ النسواں، تحفۃ النساء، احکام النساء، تعلیم النساء، شریعت نامہ، اطایق نسواں، حقوق نسواں، طب نسواں، تربیت اطفال، تشریح اعضائے نسواں، گنج الاسرار، (سیکسولوجی) یہ تمام کتابیں عورت کی پوری زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہیں''۔[2]

2-طریق الموحدین:

''طریق الموحدین'' نامی یہ کتاب حضرت شاہ راجو حسینی کے فارسی زبان میں ملفوظات کا معرکہ آرا خزینہ ہے۔ اس کا موضوع توحید الٰہی ہے۔ ارباب علم و فن سے یہ بات مخفی نہیں کہ ذات وصفات الٰہی سے جیسی آگہی صوفیائے کرام کو حاصل رہی وہ عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ حضرت شاہ راجو حسینی نے ایک بحر زخار کو گویا کوزے میں سمو دیا ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ توحید باری تعالیٰ کی نہایت اختصار مگر واضح انداز میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی کی روشنی میں تفہیم و تشریح کی گئی ہے اس لیے یہ کتاب صحیفہ زریں سے کم نہیں۔ پروفیسر سید محمد، عثمانیہ یونیورسٹی اس کتاب اور اس کے اردو قالب پر اپنے تاثرات میں اس طرح رقم طراز ہیں۔

''رسالہ سوال وجواب کی طرح یہ رسالہ فارسی میں ہے۔ اس کو مولوی سید شاہ معین الدین محمد محمد الحسینی فیض نے بہت صاف اور ستھری اردو زبان میں منتقل فرمایا ہے۔ آپ بندہ نوازی سلسلے کی ایک اہم شاخ ''برقیہ'' کے صاحب علم و فضل سجادہ نشین ہیں۔ مولوی عالم اور ''آنرز ان پرشین'' کے امتحانات کامیاب ہیں۔ آپ نے ایسا شستہ ترجمہ کیا ہے کہ ترجمے کا حق ادا کر دیا ہے اور ترجمہ کی بدولت کم استعداد لوگ بھی اس اہم رسالے سے مستفید ہو سکتے ہیں''۔[3]

حضرت سید شاہ راجو حسینی اہل تشبیہ، اہل تعطیل، اہل صبر، اہل قدر کے خدا سے متعلق ان کے تصورات کے بارے میں فرماتے ہیں، ان دیکھے محبوب کے تصور کی حکایت زبانوں پر آگئی تو زبانیں حد سے گذر گئیں۔ ان گمراہ فرقوں کے اعتقادات و نظریات کے برخلاف اہل

---

[1] حسینی ثانی، مولانا سید شاہ راجو۔ ''مقدمہ۔ ''رسالہ سوال وجواب، ص10، ناشر شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 1973ء۔

[2] حسین ہمدانی، سید عزیز الدین۔ ''صوفیائے دکن اور آصف جاہی حکمرانوں کا عورتوں کی تعلیم کے فروغ میں کارنامہ۔ ''ماہنامہ سب رس، اگست 2025ء، ص27، حیدرآباد۔

[3] قادری، سید شاہ عبد الرحمن حسن۔'' حیدرآبادی خانقاہوں میں فارسی کی ترویج'' ، ص116، نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر سیدہ عصمت جہاں، پروفیسر شعبۂ فارسی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد، الہند، 2014ء۔

تحقیق کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت شاہ راجو فرماتے ہیں۔

"مگر یک فرقہ کہ اہل تحقیق اند بکشف و عیان و تجلی ذات وصفات شدہ است بر ایشان ورسیدہ اند از علم الیقین بعین الیقین و از عین الیقین بحق الیقین و از شریعت بطریقت و از طریقت، بحقیقت و از حقیقت بمعرفت و از معرفت بوحدت"۔[1]

حضرت شاہ راجو حسینی "طریق الموحدین" کا اختتام حضرت رسالت پناہ، افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کے ارشاد پر فرماتے ہیں۔

"حسنات نیکوکاران طاعت است و طاعت نزد مقربان گناہست بغیر تقرب، و تقرب نزد عارفان گناہ است بغیر معرفت و معرفت نزد عاشقان گناہ است بغیر عشق و محبت و عشق و صحبت نزد واصلان گناہست بغیر وصلت و وصلت نزد موحدان گناہست بغیر وحدت"۔[2]

3-کیمیائے ذات

کیمیائے ذات، حضرت سید شاہ راجو حسینی کی منظوم تصنیف ہے۔ جس میں علمی و عملی تصوف کے رموز و اسرار نہایت عالمانہ شان سے نظم کیے گئے ہیں۔ آپ نے مومن کو حقیقی مومن بنانے، بندگان خدا کو خدا سے ملانے کے لیے نزدیک ترین اور آسان راستہ کی جانب نشاندہی کی ہے۔ توحید ورسالت، ایمان، نفی لا فلسفہ نفی، رموز نفی جیسے نکات کی نہایت تفصیل سے شرح فرما کر تلقین کا حق ادا کر دیا ہے۔

"کیمیائے ذات" کے ابتدائی اشعار میں حضرت سید شاہ راجو حسینی نے اس جانب اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے اہل بیت کو وجہ نجات قرار دیا ہے اور وہ فرماتے ہیں اہل بیت کی محبت کے بغیر وصل الٰہی ناممکن ہے کیوں کہ یہ ایسے طبیب ہیں جن کا علم و حکمت میں کوئی ثانی نہیں۔ آپ نے ان کی خاک راہ بننے ہی میں نجات کو پوشیدہ بتلایا ہے۔

بغیر از حبّ آلش رہ نبا شد — کسے ہر گز بحق آگاہ نباشد
وگر بادا تحیات فراواں — بر اصحاب رسول و دوستداراں[3]

حضرت شاہ راجو حسینی پیر طریقت کو راہبر، کیمیا گر اور اس کی نظر کو کیمیاء قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں یہ لوگ مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں عجز و انکساری کو اپناتے ہیں۔ ان میں بعض محنت مزدوری کرتے ہیں۔ لوگوں کی نظر میں ان کی ظاہری حیثیت حقیر و کمتر جیسی ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ مراتب میں اللہ کے خلیل کے مانند ہوتے ہیں۔ انہیں دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا وہ بالکل مستغنی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا بآسانی پہچاننا مشکل ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ راجو حسینی فرماتے ہیں۔

---

[1] طریق الموحدین، اردو ترجمہ صفحہ 3۔ از قلم، حضرت شاہ راجو حسینی، ناشر، شاہ راجو اکیڈمی، خانقاہ واقع مصری گنج، فتح دروازہ، حیدرآباد 1975ء

[2] ایضا: ص 41

[3] حسینی، شاہ راجو۔ *کیمیائے ذات*، ص 12، ناشر: شاہ راجو اکیڈمی، خانقاہ واقع مصری گنج، حیدرآباد، مطبوعہ قومی پریس، 1990ء۔

نماید او گدا خودرا بصورت غنی باشد بمعنی بالضرورت

غنی تو صرف خدا کی ذات ہے لیکن اولیاء اللہ کی استغنائی کیفیت پر تو استغنا الٰہی ہے۔[1]

نفی اور اثبات کی گفتگو میں حضرت سید شاہ راجو حسینی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی نفی کرکے اپنی ذات کا اثبات کیا ہے۔ چنانچہ صوفیائے کرام اس پر متفق ہیں کہ مخلوق کو چاہئے کہ اپنی نفی لا کے ذریعہ کرکے اثبات باری کریں۔ حضرت شاہ راجو حسینی فرماتے ہیں "بجز نعمت نباشد ہر گز ایمان" تیری اپنی نفی کے بغیر ایماں ہر گز مکمل نہ ہو گا۔[2]

"کیمیائے ذات"، حضرت شاہ راجو حسینی کی اس نصیحت کے بعد ختم ہوتی ہے۔

اگر طاعت کئی خود را مبین تو خدا بین باش می مرد خدا جو

گدائے در گہ شاہ ولایت شدہ خود شاہ راجوؔ در نہایت

چو ایں را کیمیائے ذات تمام شد بتوفیق خدا آمد باتمام[3]

4-زادالموحدین:

حضرت شاہ راجو حسینی کی تصانیف میں "زاد الموحدین" نامی کتاب کو ایک انفرادی مقام حاصل ہے۔ یہ دراصل آپ کے نثری ملفوظات، شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے مشکل مسائل کی تشریح ہے جو آپ کے مرید خاص حضرت حسین بن حسن نے 124 مجالس میں جمع فرمائے ہیں۔ پہلی مجلس کا انعقاد 19ر شعبانالمعظم 1056 ہجری بروز پنجشنبہ ہوا تھا۔[4]

"زاد الموحدین" کے قلمی مخطوطے، ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد ۔(230 صفحات)، سالارجنگ میوزیم لائبریری، حیدرآباد، آندھراپردیش اورینٹل مینواسکرپٹ لائبریری نزد عثمانیہ یونیورسٹی، کتب خانہ روضتین حضرت خواجہ بندہ نواز، گلبرگہ شریف میں موجود ہیں۔ اورینٹل مینواسکرپٹ لائبریری کا نسخہ جمادی الاول 1214 ہجری اور سالارجنگ میوزیم لائبریری' حیدرآباد کا نسخہ 1217 ہجری کا ہے۔[5]

"زادالموحدین" کے مترجم مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی کے مطابق جابجا قرآنی آیات، ارشادات مصطفیؐ، متعدد صوفیائے کرام کے اقوال، اصطلاحات تصوف کے الفاظ کے ترکیبی حروف سے صوفیانہ توضیحات کا ایک ایک حرف اپنی جگہ مرادی معانی و مفاہیم کا ایک ایسا

---

[1] ایضا:ص8

[2] خدانمائی، ڈاکٹر سید محمد تنویرالدین۔ "پیش لفظ۔ کیمیائے ذات، ص10، شاہ راجو اکیڈمی، خانقاہ مصری گنج، حیدرآباد، قومی پریس، 1990ء۔

3

[4] حسینی، شاہ راجو۔ زادالموحدین، ص ک، ناشر: شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 1425ھ / 2004ء۔

[5] صوفی، مولانا قاضی اعظم علی۔ شانِ مقربین (ترجمہ زادالموحدین (ص ل، شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 2004ء۔

خزینہ ہے جس کے اندر معرفت کے بے شمار ہیرے اور جواہرات پوشیدہ ہیں۔ وقتاً فوقتاً محاورے اور ضرب الامثال ہی نہیں اشعار، رباعیات اور مثنویات نے تو حسن بیان کو دوبالا اور نور علی نور بنادیا ہے۔[1]

حضرت بندہ نواز گیسو دراز (825ھ) دکن کے سالار گیسو درازاں اردو زبان کے پہلے نثر نگار اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ "زادالموحدین "آپ کے جگر گوشہ ونبیرہ حضرت سید شاہ راجو محمد محمد الحسینی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کا نادر صحیفہ ہے۔[2]

5-"سر نگارامنجاری" قدیم سنسکرت مخطوطہ۔ دیوناگری اور تلگو اسکرپٹ

خانقاہ حضرت شاہ راجو حسینی، حیدرآباد کے تذکرہ میں آپ کے بڑے صاحبزادہ حضرت سید شاہ اکبر حسینی کا ذکر بھی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ عربی، فارسی، تلنگی، دکنی کے علاوہ سنسکرت زبان پر بھی آپ کو عبور تھا۔ "عشق" کے موضوع پر آپ نے ایک کتاب سر نگارامنجاری، قدیم سنسکرت (دیوناگری، تلگو اسکرپٹ) میں تحریر کیا۔ پروفیسر راگھون نے آپ کے دیوناگری تلگو اسکرپٹ پر مبنی سنسکرت مخطوطہ کو شر نگاریا منجری کے نام سے ایڈیٹ کی جس کو حکومت حیدرآباد کے محکمہ آرکیالوجی نے انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا۔ ڈاکٹر وی راگھون نے اس کتاب کو قومی یکجہتی کا شاہکار اور ہندوستانی تہذیب کا قابل فخر سرمایہ قرار دیا۔

خواجہ محمد احمد ڈائرکٹر آرکیالوجی ڈپارٹمنٹ، حیدرآباد گورنمنٹ کے اہتمام سے 1951ء میں یہ کتاب مدراس لا جرنل پریس، میلاپور، مدراس۔4 سے شائع ہوئی۔ حضرت شاہ راجو حسینی، حضرت سید اکبر حسینی کی تصاویر اور مقبرہ و گنبد کی تصاویر بھی اس میں شامل ہیں۔ خانقاہ شاہ راجو میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہے۔[3]

6-مثنوی شاہ راجو

مولانا سید شاہ راجو حسینی ثانی سجادہ نشین، رقم طراز ہیں۔

> "ملاوجہی کی سب رس (1045ھ) کے آخر میں حضرت معز (شاہ راجو حسینی) کی ایک مثنوی نقل کی گئی ہے لیکن کچھ اس طرح لکھی گئی ہے کہ نثر معلوم ہوتی ہے۔ اس مخطوطہ کا ابتدائی حصہ خوشخط، خط ثلث میں لکھا گیا ہے اور آخری حصہ نستعلیق میں کسی دوسرے کاتب کا معلوم ہوتا ہے"[4]

7-غزلیات راجو قتال:

حضرت سید شاہ راجو حسینی کے فارسی کلام کا منظوم مخطوطہ عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہے، جس کا درج فہرست نمبر بر قف 891ء5143 (ر۔غ) ہے۔ مخطوطہ کے اندرونی صفحہ پر شاہ راجو قتال، سید محمد یوسف حسینی لکھا ہوا ہے۔ اس مخطوطہ کی ایک نقل مرکز جمعہ

---

[1] ایضاً

[2] حسینی صابری، مولانا سید شاہ علی اکبر نظام الدین۔ تاثرات بر کتاب زاد الموحدین، جلد دوم، شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، فروری 2006ء۔

[3] انصاری، ڈاکٹر محمد طیب۔ سوانح مبارک مع ارشادات حضرت شاہ راجو محمد الحسینی، ص 27، شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 1421ھ / 2000ء۔

[4] حسینی ثانی، مولانا سید شاہ راجو۔ "مقدمہ۔ "رسالہ سوال وجواب، از حضرت شاہ راجو حسینی، ص 9، شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 1973ء۔

الماجد للثقافۃ والتراث، دبئی، متحدہ عرب امارات، قسم المخطوطات میں بھی موجود ہے۔ حضرت سید شاہ راجو حسینی کی ان غزلیات کا رنگ صوفیانہ ہے جو بظاہر مجاز سے باطن حقیقت پر مبنی ہے۔ سوانح نگاروں کی توجہ اس مجموعہ کلام کی طرف نہ ہو سکی۔ راقم الحروف کے پاس مجموعہ کلام کی نقل موجود ہے جو عثمانیہ یونیورسٹی سے باضابطہ حاصل کی گئی ہے۔ [1]

8-فرمودہ شاہ راجو حسینی

رسالہ سوال و جواب کے اختتام پر فرمودہ حضرت سید یوسف حسینی المعروف راجو قتال حسینی پدر بزرگوار حصرت سید محمد الحسینی ابوالفتح المعروف بہ خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمہم اللہ تعالیٰ "دربیان تونگری" کے تحت 14 فارسی اشعار اور اس کا اردو ترجمہ نیز "دربیان اسباب بینوائی و مدبری" کے عنوان سے 19 فارسی اشعار اور ان کا ترجمہ بھی ملحق ہے۔ مولانا حکیم غلام مرتضیٰ نظامی مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن نے نہایت فصیح و بلیغ اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ جس کا تذکرہ آخر کتاب میں بھی کیا گیا ہے۔ [2]

حضرت شاہ راجو حسینی کے مریدین کی ادبی خدمات

ابوالحسن تاناشاہ

ابوالحسن تاناشاہ اپنے پیش روسلاطین قطب شاہیہ کی طرح ذی علم، شاعر، اہل علم کا قدر دان تھا۔ گارساں دتاس نے لکھا ہے کہ شاہ ابوالحسن ہندوستان کا شاعر ہی نہیں تھا بلکہ ہندوستانی ادب کا سرپرست بھی تھا۔ اگرچہ اس کا کوئی دیوان یادگار نہیں لیکن ڈاکٹر محمد جمال شریف نے اس کے کلام کا سراغ لگایا ہے۔ [3]

حضرت طبعی چشتی:

حضرت شاہ راجو حسینی کی علمی میراث کو آگے بڑھانے میں ان کے مریدین نے بڑی جانفشانی سے کام لیا۔ چنانچہ ان میں ایک نمایاں اور مشہور نام طبعیؔ (تخلص) کا بھی ہے۔ یہ گولکنڈہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے نام اور حالات کا علم نہیں ہوا لیکن ان کی مثنوی "قصہ بہرام و گل اندام" سے علم ہوتا ہے کہ وہ حضرت سید شاہ راجو قتال حسینی کے مرید اور گولکنڈہ کے آخری تاجدار ابوالحسن تاناشاہ کے برادر طریقت تھے۔ "قصہ بہرام و گل اندام" کو ڈاکٹر نور السعید اخترؔ نے مرتب کیا۔ جسے ترقی اردو بیورو نئی دہلی نے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ ڈاکٹر محمد جمال شریف کو طبعی چشتی کی ایک غزل دستیاب ہوئی، اسی طرح نصیر الدین ہاشمی نے "دکن میں اردو" میں طبعیؔ کی ایک غزل شامل کی ہے۔ جو دکن دیس کی پیشر و غزلیں صفحہ 46 پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد علی اثرؔ ماہر دکنیات کی تحریر کے مطابق ٹیپو سلطان شہید کے ذخیرہ مخطوطات میں دکنی ادب سے متعلق بعض نادر و نایاب قلمی نسخے

---

[1] حسینی، سید شاہ راجو۔ *غزلیاتِ راجو قتال*، (مخطوطہ)، شعبہ مخطوطات، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، تلنگانہ۔

[2] حسینی، سید شاہ راجو۔ *رسالہ سوال وجواب*، اردو ترجمہ: مولانا حکیم غلام مرتضیٰ نظامی، ص 33–40، شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 1973ء۔

[3] مرزا، اسلم۔ *دکن دیس کی پیشرو غزلیں*، ص 86، مطبع ایس کے گرافکس، ناشر الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد، اکتوبر 2016ء۔

موجود تھے جن میں طبعیؔ کی مثنوی "بہرام و گل اندام" بھی شامل ہے۔[1]

ڈاکٹر محمد علی اثر کی تحقیق کے مطابق

"طبعیؔ چشتی کی ایک خوبصورت غزل اور ایک مرثیہ پروفیسر آغا حیدر حسن کے ذخیرہ مخطوطات حیدر آباد کی زینت ہے۔"

ذیل میں پہلے غزل اور پھر مرثیہ کا پہلا اور آخری شعر درج کیا جاتا ہے۔

مشہور ہے عالم سے کرتا نہیں کربات چاند — تعریف تیرے حسن کی منج سوں کیا کل رات چاند

جا باغ میں پھل تھے لدی ڈال پکڑتوں بات میں — طبعی کے انکھیاں میں دیئے ڈالیات یہ بات پات چاند

محرم چاند ماتم کا فلک ہے پر خم ہو آیا ہے — ہزاروں داغ دے کا ہر الم غم کا اچایا ہے

جب غم سوں طبعیؔ کے درونے کی پٹی اوپر — کہ یوں ماتم شہنشاہ کا لئی سمایا ہے[2]

حضرت عابدؔ شاہ چشتی

حضرت شاہ راجو حسینی کے مرید صادق عابدؔ شاہ نے اپنے مرشد کی شان میں ایک منقبت لکھی ہے جو "گلزار السالکین" نامی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ عابدؔ شاہ تحریر فرماتے ہیں۔

مرا پیر مجھ تن کو بتلادیا — اسی تن میں احمد کوں دکھلا دیا

اسی نور کوں لے پھرا تن منے — یوں پایا خدا تن کے گلشن منے

الٰہی بحق شفیع الامم — توں رکھ شاہ راجو یوں اپنا کام کر

الٰہی مرے پیر کون دے امان — اتابات کرتا ہوں مطلب پوں آن[3]

جناب طبعیؔ چشتی، مرید حضرت شاہ راجو حسینی کی مدح میں جو کلام لکھا ہے اس کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

ولی تو بڑا ہے مگر شاہ راجو — چل آیا ہے شہ تیرے گھر شاہ راجو

خبر تیری معلوم نیں بے خبر کوں — خبردار جانے خبر شاہ راجو

---

[1] ثنائی، قاضی اسد۔ "دکنی ادب کی تحقیق و تدوین کے اولین کارنامے۔" *ماہنامہ الانصار*، جلد 4، کتاب 4، ص 193، ادارہ الانصار، حیدر آباد، 2006ء۔

[2] ایضا

[3] اثرؔ، ڈاکٹر محمد علی۔ *انکشافات*، ص 103، الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدر آباد، دسمبر 2009ء۔

خدا پاس اچا ہات کرتا ہے طبعیؔ دعا تجھ کوں شام و سحر شاہ راجو

انوار الانوار (حصہ اول)

انوار الانوار (حصہ اول)، خانقاہ حضرت شاہ راجو حسینی، حیدرآباد کی اشاعتی خدمات کا نشان ہے۔ یہ کتاب صدر الصدور دکن شیخ الاسلام حضرت شاہ محمد انوار اللہ الفاروقی، بانی جامعہ نظامیہ کے تذکرہ پر 1384ھ میں لکھی گئی تھی۔ جو مولانا قطب معین الدین انصاری کی 50 سالہ تحقیق کا نچوڑ ہے۔

انوار الانوار، حصہ اول میں شاہ انوار اللہ الفاروقی کا تعارف، سراپا سلسلہ نسب، آبائی حالات، والدہ ماجد، بچپن، تعلیم و تربیت، ملازمت، بنیاد جامعہ نظامیہ، تقرر تعلیم آصف جاہ سابع، تنظیم صدارت العالیہ، تعلیم سجادگان، دکن میں علوم کی اشاعت، مقاصد و اصول قیام جامعہ نظامیہ جیسے نکات پر بحث کی گئی ہے۔ علامہ مفتی خلیل احمد نظامی، علامہ مفتی محمد عظیم الدین نظامی، علامہ سید محمد قبول بادشاہ شطاری، حضرت سید شاہ علی اکبر نظام الدین صابری، شاہ محمد فصیح الدین نظامی نے تقاریظ و تاثرات تحریر کیے ہیں۔ 135 صفحات کی یہ کتاب شاہ راجو اکیڈمی حیدرآباد نے شائع کی ہے۔[2]

انوار الانوار (حصہ دوم)

انوار الانوار حصہ دوم میں مولف کتاب مولانا قطب معین الدین انصاری نے علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل، لکل زمان واحد یقتدیٰ بہ۔ وھذا زمان لاشک واحد سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا ہے۔ حضرت شاہ انوار اللہ الفاروقی کی خانگی زندگی، لوازمات، نظام الاوقات، ازدواج، فیاض و فراخدلی، حسن سلوک، ایثار، مزاج، سرکاری زندگی، مذہبی زندگی، بیعت، خلافت شاہ رفیع الدین قندھاری، خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ، حافظ محمد علی خیر آبادی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، 1261ھ تا 1350ھ کے ملکی حالات، حیدرآباد کی معاشرت انتظام مملکت محروسہ سرکار عالی جیسے عنوانات پر گفتگو کی ہے جو 128 صفحات پر مشتمل اس کتاب پر مولانا سید شاہ راجو حسینی ثانی، سجادہ نشین نے عرض حال تحریر فرمایا ہے۔ نیز مولف کتاب کے حالات بھی ابتدائی صفحات پر شامل کر دئے گئے ہیں۔[3]

انوار شاہ راجو

''انوار شاہ راجو'' نامی کتاب حضرت شاہ راجو حسینی کے 342 ویں عرس کے موقع پر منعقدہ قومی سمینار میں پڑھے گئے مقالات پر مشتمل ہے۔[4]

*****

---

[1] نصاری، ڈاکٹر طیب۔ سوانح مبارک حضرت سید شاہ راجو حسینی قبلہ، ص 31، شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، مئی 2000ء۔

[2] مثنوی بہرام و گل اندام، بحوالہ سوانح مبارک حضرت سید شاہ راجو حسینی قبلہ، مولف ڈاکٹر طیب انصاری، صفحہ 32، ناشر: شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد۔ مئی 2000ء

[3] انوار الانوار، حصہ دوم، بقلم، مولانا قطب معین الدین انصاری، ناشر، شاہ راجو اکیڈمی حیدرآباد 2015ء

[4] ناشر: شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد نے نومبر 2013ء حیدرآباد، تلنگانہ

ماخذومصادر:

1۔ اثرؔ، پروفیسر محمد علی۔ انکشافات۔ ایس کے گرافکس، طباعت منجانب الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد، تلنگانہ، 1دسمبر 2009ء۔
2۔ انصاری، مولانا محمد قطب الدین۔ انوار الانوار (جلد اول)، شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد۔
3۔ انصاری، مولانا محمد قطب الدین۔ انوار الانوار (جلد دوم)، شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد۔
4۔ مانک راؤ وٹھل راؤ۔ بستانِ آصفیہ۔ مطبع انوار الاسلام، حیدرآباد دکن، 1337ھ۔
5۔ خیشگی، نصر اللہ خاں۔ تاریخِ دکن (مخطوطہ)، اردو ترجمہ: مولانا محمد عقیل فاروقی جونپوری۔ مخزونہ: خانقاہ حضرت سید نورالدین شاہ قمیصی، ناملی، حیدرآباد، 1948ء۔
6۔ حسینی، حضرت سید شاہ راجو۔ دربیان اسبابِ تونگری (اشعارِ فارسی)، مترجم: حکیم غلام مرتضیٰ نظامی۔ شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 1973ء۔
7۔ دربیانِ تونگری (اشعارِ فارسی)، مترجم: حکیم غلام مرتضیٰ نظامی۔ شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 1973ء۔
8۔ مرزا، اسلم۔ دکن دیس کی پیشرو غزلیں۔ تحقیق و تالیف، ایس کے گرافکس، ناشر: الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد، تلنگانہ، 2016ء۔
9۔ قتیل، ڈاکٹر حفیظ۔ میراں جی خدا نما۔ ماہنامہ سب رس، جون 1972ء۔
10۔ حسینی، حضرت سید شاہ راجو۔ رسالہ سوال وجواب۔ شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 1973ء۔
11۔ زاد الموحدین (ملفوظات)۔ شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 2004ء۔
12۔ حسینی، سید اکبر۔ سرنگامنجاری۔ ناشر: آرکیالوجی ڈپارٹمنٹ، حیدرآباد۔ تحقیق: ڈاکٹر وی راگھون۔ مدراس، جرنل پریس، 1951ء۔
13۔ انصاری، ملک زادہ ڈاکٹر محمد طیب۔ سوانح مبارک حضرت سید شاہ راجو حسینی۔ شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 2000ء۔
14۔ صوفی، مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی۔ شانِ مقربین) ترجمہ زاد الموحدین (۔ شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 2004ء۔
15۔ حسینی، سید شاہ راجو۔ طریق الموحدین۔ شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 1975ء۔
16۔ کیمیائے ذات۔ شاہ راجو اکیڈمی، مصری گنج، حیدرآباد، 1990ء۔
17۔ ماہنامہ سب رس۔ حیدرآباد، جون 1972ء۔
18۔ قادری، سید عبد الرحمن حسن۔ حیدرآباد کی خانقاہوں میں فارسی کی ترویج) مقالہ ایم فل)، شعبہ فارسی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد، 2014ء۔
19۔ اثرؔ، پروفیسر محمد علی۔ ”دکنی ادب کی تحقیق وتدوین کے اولین کارنامے۔“ ماہنامہ الانصار، مدیر: قاضی اسد ثنائی، جلد 4، کتاب 2006، 4ء۔
20۔ ہمدانی، پروفیسر سید عزیز الدین حسین۔ ”صوفیائے دکن اور آصف جاہی حکمرانوں کا عورتوں کی تعلیم کے فروغ میں کارنامہ۔“ ماہنامہ سب رس، اگست 2025ء۔
21۔ صدیقی، پروفیسر محمد سلیمان۔ ”صوفیائے گولکنڈہ۔“ ماہنامہ سب رس، جون 1972ء۔

خانقاہ حضرت خواجہ قطب ثانی بیدر کی دینی وروحانی سرگرمیاں

سید شاہ نصر اللہ حسینی *

شہر بیدر کی شناخت یہاں کے بزرگان دین اور صوفیہ سے ہے، جنہوں نے اس شہر کو گنگا جمنی تہذیب کا خوبصورت مظہر بنادیا، انہوں نے نہ صرف اہلِ بیدر کے دلوں کو اسلام وایمان کی روشنی سے منور کیا، بلکہ اپنے پاکیزہ کرداراور حسنِ اخلاق سے خلقِ خدا کو اخوت ومحبت اورامن ورواداری کا درس دیا، اوراس شہر کو امن وسکون کا گہوارہ اور اسلامی تعلیمات کا روشن مینارہ بنادیا۔

شہر بیدر کی تاریخی حیثیت:

بیدر جنوبی ہند کا ایک قدیم ترین تاریخی شہر ہے، جو کئی دکنی سلطنتوں کا دار السلطنت رہاہے۔"بیدر"کنڑی زبان میں "نے"(یعنی بانس) کی لکڑی کو کہتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح یہاں بانس کا جنگل تھا، ہندو راجاؤں نے بانس کٹوا کر اس شہر کی بنیاد ڈالی، اس لیے اس شہر کو بیدر کہا جاتا ہے۔

مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ ہند کے ایک راجا کا نام بیدر تھا، اس نے اپنے نام سے اس شہر کو آباد کیا اور اس کا نام بیدر رکھا۔ راجا بھیم سین جو دکن کے راجاؤں میں عدل وانصاف، شجاعت وسخاوت میں سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا بیدر ہی کا فرمانروا تھا۔(1)

بیدر میں صوفیائے کرام کی آمد:

بیدر میں صوفیائے کرام کی آمد کا سلسلہ دکن میں ان کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا، لیکن پندرہویں صدی عیسوی میں جب بہمنی سلطنت(1347ء تا1527ء) نے اپنا پایۂ تخت گلبرگہ سے بدل کر بیدر کو بنایا، تو یہ شہر علماء وصلحاء اور صوفیہ وداعیانِ اسلام کا مرکز بن گیا، اور ان کے ذریعے یہاں اسلامی تعلیمات اور تصوف کو فروغ حاصل ہوا، اور صوفیاء کی ایک بڑی تعداد یہاں آئی جنہوں نے اس شہر کو اپنی دعوتی واصلاحی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ بہمنی سلاطین وامراء صوفیائے کرام سے گہری عقیدت رکھتے تھے، انہوں نے علماء، فضلاء اور صوفیائے کرام کو بیدر آنے کی دعوت دی اور ان کے لیے خانقاہیں وجاگیریں وقف کیں۔ جس کی وجہ سے مختلف سلسلوں کے بزرگ یہاں تشریف لائے، اور اس شہر کو علم ومعرفت اور عرفان وتصوف کا مرکز بنادیا۔ حضرت سید شاہ قادری حسینی المعروف حضرت شاہ کلندر، حضرت میراں جی شمس العاشقین، حضرت سید شاہ محمد حسینی چشتی کا شمار بیدر میں آنے والے اولین صوفیہ میں ہوتا ہے۔

حضرت سید شاہ علی محمد محمد الحسینی المعروف حضرت خواجہ قطب ثانی:

بیدر میں تصوف وعرفان کی روشنی پھیلانے والے صوفیائے کرام میں سے ایک عظیم شخصیت حضرت سید شاہ علی محمد محمد الحسینی المعروف

* سجادہ نشین ومتولی بارگاہ حضرت قطب ثانی، بیدر

(1) تذکرہ ابو الفیض، ص:19، بحوالہ تاریخ فرشتہ، 2/873۔

حضرت خواجہ قطب ثانی کی ہے، جو حضور خواجہ بندہ نواز کی چھٹی نسل میں آتے ہیں۔ آپ کی ولادت 4/ربیع الاول 892ہجری کو بیدر میں ہوئی۔ والدِ ماجد حضرت سید من اللہ حسینی سے علومِ شریعت وطریقت کی تکمیل کی اور خرقۂ خلافت وارادت سے سرفراز ہوئے اور خدمتِ خلق کو اپنا شیوہ بنایا۔ مخلوقِ خدا بکثرت آپ کی طرف رجوع ہوتی رہی نہ صرف عوام بلکہ شاہانِ وقت بھی آپ کو اپنا پیشوا مانتے تھے اور آپ کے معتقد تھے۔

حضرت شاہ علی قطب ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت سید من اللہ حسینی کے تین فرزندان اور ایک دختر تھیں: پہلے فرزند حضرت سید عبد القادر حسینی، آپ بارگاہِ حضرت ابو الفیض بیدر کے سجادہ نشین تھے۔ دوسرے فرزند سید شاہ علی قطب ثانی اور تیسرے فرزند حضرت سید شاہ کلیم اللہ حسینی تھے، جن کا مزار مبارک احاطہ بارگاہ حضرت ابوالفیض بیدر میں ہے۔ اور دختر کا نام حضرت سیدہ بی بی خونزا ابو بو تھا جو حضرت سید شاہ اسد اللہ ثانی سجادہ نشین[1] روضہ منورہ بزرگ گلبرگہ شریف کی محل تھیں۔

حضرت سید شاہ علی قطب ثانی نے ساری زندگی خلقِ خدا کی خدمت ان کی تعلیم وتربیت میں صرف فرمائی، اور 15/رمضان المبارک 992ہجری کو اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا۔ آپ کی دو اولاد تھیں: ایک فرزند سید شاہ امین الدین ابو الحسن اور ایک صاحبزادی تھی۔ آپ کا آستانہ حضرت خواجہ ابو الفیض قدس سرہ العزیز کے مغربی جانب ایک علیحدہ حصے میں مرجعِ خلائق ہے۔ آپ کا روضہ "روضہ خرد" سے معروف ہے۔ آپ کے ایک عقیدت مند ابراہیم برید (متوفی:994ھ) نے آپ کے مزار پر ایک عالیشان گنبد تعمیر کروایا جس کا تاریخی نام "گنبد فردوس بریں شد" سے موسوم کیا گیا۔ جیسا کہ گنبد مبارک میں آویزاں کتبہ کے مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے:

حبذا گنبد عالی آسودہ ورد　　　شاہ فردوس مکاں شاہ علی رہبر دیں

سال تاریخ بائش زحز و جشم وگفت　　　ہاتف از غیب کہ شد گنبد فردوس برد

حضرت سید شاہ ابو الحسن حسینی حیدر ثانی بیدر:

آپ حضرت سید شاہ علی قطب ثانی کے نبیرہ اور حضرت سید شاہ امین الدین ابو الحسن کے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت بیدر ہی میں ہوئی۔ آپ صاحبِ علم وفضل بزرگ تھے، اور کشف وکرامت سے مشہور زمانہ تھے۔ خلقِ خدا کی خدمت، غربا ومساکین پروری اور احباب واقارب کی حاجت روائی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ مریدین ومعتقدین کی اصلاح وتربیت کے لیے دور دراز کا سفر بھی کیا کرتے تھے، جس میں حیدرآباد کا سفر زیادہ ہوتا تھا۔

حضرت حیدر ثانی کثیر العیال تھے۔ آپ کے 18 فرزندان اور 16 دختران تھیں۔ آپ کی اولاد نے دکن کے مختلف علاقوں میں تبلیغ دین واشاعت کا کام کیا، اور آج بھی دکن کے مختلف علاقوں میں ان کے مزارات فیض پہنچارہے ہیں۔ خطۂ دکن کے علاوہ، دہنش کوڑی (تملناڈو) ترچھی (تملناڈو) کا بھی ان حضرات نے تبلیغ واشاعتِ دین کے لیے سفر کیا، اور ان کے مزارات بھی وہاں موجود ہیں۔

([1]) کیفیت خاندانِ محمد المعروف تاریخ محمدیہ 1318ھ،از: جہاں نما علی شاہ چشتی ،101۔

16/ربیع الثانی1089ھ کو حضرت حیدر ثانی کا وصال ہوا اور حضرت شاہ علی حسینی قطب ثانی قدس سرہٗ کے آستانہ عالیہ کے سامنے آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے مزار پر بھی عالیشان گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ قطعہ تاریخ وصال اس طرح ہے:

ابوالحسن شاہ دیں و عارف حق   کہ ولی نبی شرشت آمد
حبذا گنبد ے مرکز او   گوئی نوراست گز بہشت آمد
ہاتف از غیب گفت تاربخش   خاتم خواجگان چشت آمد

کرامت:

اولیاء کرام صاحبِ تصرف اور صاحبِ کشف و کرامات ہوتے ہیں، ان کی نظر میں دنیا اور دنیاوی مال و دولت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارک پر عمل کرتے ہوئے سادہ اور بے نیازی و فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے ہیں۔ حضرت قطب ثانی سے کئی کرامت کا ظہور ہوا، ان میں سے ایک بہت مشہور و معروف کرامت یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک بادشاہ حاضر ہوا اس وقت آپ ایک اینٹ پر سر رکھ کر آرام فرمارہے تھے، بادشاہ نے آپ کی خدمت میں نذر و نیاز پیش کرنا چاہا۔ حضرت قطب ثانی نے شانِ بے نیازی سے سرہانے رکھی اینٹ کو پھینک دیا، تو وہ سونا بن گئی، یہ منظر دیکھ کر بادشاہ حیران ہوا اور معذرت خواہی کی۔ اس طرح کی کئی کرامات آپ سے ظاہر ہوئیں۔

عرس مبارک:

رمضان المبارک کی 15، 16، 17 تاریخوں میں حضرت قطب ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس منایا جاتا ہے۔ اور عرس شریف کے ضمن میں محافلِ واعظ، محفلِ سماع کے علاوہ درود سلام کا اہتمام ہوتا ہے، جس میں کثیر تعداد میں معتقدین بلا تفریق مذہب و ملت حاضر ہوکر فیضاب ہوتے ہیں۔ چونکہ عرس شریف رمضان المبارک میں ہوتا ہے اس لیے زائرین کے لیے تین دنوں تک افطار و کھانے کا بھی مکمل انتظام ہوتا ہے۔

حضرت قطب ثانی کی خانقاہ اور سجادگان:

حضرت قطب ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے صاحبزادگان کی دو عظیم خانقاہیں تھیں: ایک بیدر میں اور دوسری کوہیر (تعلقہ ظہیر آباد، تلنگانہ) میں۔ بیدر کی خانقاہ محلہ نورخان تعلیم، گاؤں چوک، رحمت لائن، بیدر میں موجود ہے۔ یہیں پر حضرت قطب ثانی مصروفِ یادِ الٰہی رہا کرتے تھے، اور اسی جگہ طالبانِ حق کو سلوک کے منازل طے کرواتے تھے۔ یہ وہی خانقاہ ہے جس کی تعمیر و افتتاح آپ کے دادا حضرت ابو الفیض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا اور اسی خانقاہ میں مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔

دوسری خانقاہ جو کوہیر میں تھی اور خانقاہِ "کلاں حسینی" عرف "کالے پیراں" سے معروف تھی۔ کلاں حسینی حضرت قطب ثانی کے پرپوتے تھے، آپ بھی اس خانقاہ میں ذکرِ الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور اس خانقاہ کے تحت روزانہ لنگر عام کا اہتمام رہتا تھا، اور خانقاہ میں آنے والوں کے لیے روحانی و جسمانی دونوں غذاؤں کا انتظام ہوا کرتا تھا۔

حضرت کلاں حسینی کے بعد سلسلہ بہ سلسلہ افراد خانوادہ مسندِ رشد وہدایت پر متمکن ہوتے رہے۔ اور حضرت علی قطب ثانی کے روحانی فیض کو عام کرتے رہتے۔ حضرت کلاں حسینی کے بعد اس روحانی مشن کو عام کرنے والے حضرت سید شاہ ید اللہ محمد محمد الحسینی، سجادہ نشین بارگاہ حضرت قطب ثانی بیدر رہیں۔ آپ نہ صرف بیدر بلکہ بارگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز حسینی کے بھی (کارگر) سجادہ نشین رہے۔ آپ کا وصال گلبرگہ شریف میں ہوا اور تدفین احاطہ درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز میں عمل میں آئی۔

حضرت سید شاہ ید اللہ محمد محمد الحسینی کے وصال کے بعد خانقاہِ بیدر اور کوہیر کے مسندِ رشد وہدایت پر حضرت سید گیسودراز حسینی فائز ہوئے۔ آپ بیدر شریف کی بارگاہ حضرت خواجہ علی قطب ثانی کے سجادہ نشین بھی تھے اور خانقاہ قطب ثانی کوہیر و بیدر کے مسند نشین بھی۔ آپ ایک جید عالم دین، ایک باکمال شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے عامل بھی تھے جن کے روحانی وظائف سے ہزاروں لوگ فیض یاب ہوئے ہیں۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ خانقاہ میں ہر پیر کو بعد نمازِ مغرب درس دیا کرتے، جس میں اسلام کی بنیادی باتیں بیان کی جاتیں اور پھر رات میں سالکین کو طریقت کا درس دیا کرتے تھے اور انہیں عملی سلوک کے مراحل سے گذارا کرتے تھے۔

حضرت سید شاہ گیسودراز حسینی کا وصال کوہیر میں ہوا، اور آپ کا مزار مبارک اس علاقہ کی مشہور بارگاہ حضرت سید شاہ معروف حسینی رحمۃ اللہ علیہ کوہیر کے احاطہ میں مرجعِ خلائق ہے۔ آج بھی لوگوں میں آپ کی عقیدت موجود ہے۔ کوہیر اور اطراف کے لوگ بیماری کے وقت آپ کی قبر کی مٹی سے برکت حاصل کرتے ہیں، اور اسے خاک شفا سمجھتے ہیں۔

حضرت سید شاہ عثمان حسینی سجادہ نشین بارگاہ حضرت قطب ثانی ابن حضرت سید شاہ گیسودراز حسینی کوہیر و بیدر کے مسند نشین ہوئے اور پھر اپنے اسلاف کے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔ پھر جب تلنگانہ اور کرناٹک دو علیحدہ ریاستوں میں تقسیم ہوگئے، تو آپ نے اس خانقاہ کو مدرسہ میں تبدیل کر دیا اور کوہیر سے بیدر منتقل ہوگئے اور وہیں سکونت اختیار فرمالی۔ تب سے کوہیر کی خانقاہ دینی مدرسہ میں تبدیلی ہوگئی۔ جو اس علاقے کا ایک متحرک اور فعال مدرسہ ہے جس میں آج بھی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔

حضرت سید شاہ عثمان حسینی، سجادہ نشین بارگاہ قطب ثانی کے بعد آپ کے بڑے فرزند سید شاہ ید اللہ حسینی مسند رشد وہدایت پر فائز ہوئے۔ پھر ان کے حضرت سید شاہ چندا حسینی اس مسند کے امین بنے، آپ نے اپنی ساری زندگی سلسلہ عالیہ چشتیہ کی تعلیمات کو عام کرنے اور ان کے مطابق مریدین و متوسلین کی تعلیم و تربیت میں گزاری۔ آپ نے شہر بیدر میں خانقاہی نظام کا احیا فرمایا، اور بندگانِ خدا کو آداب بندگی سکھانے کے لیے ہر ماہ چاند کی 15 تاریخ کو بعد نمازِ مغرب وعظ و نصیحت اور ذکر و اذکار کی محفل منعقد کیا کرتے تھے، اور اس کے بعد لنگر کا اہتمام ہوتا تھا، جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

ہر سال ماہ ربیع الاول شریف میں خانقاہ حضرت قطب ثانی بیدر میں 13 آثار مقدسہ کی زیارت کروائی جاتی ہے۔ یہ آثار مبارکہ خانقاہ میں حضرت سیدنا خواجہ قطب ثانی رحمۃ اللہ علیہ بیدر سے سلسلہ بہ سلسلہ سجادہ نشینوں کے پاس محفوظ رہے ہیں۔ ان آثار مبارکہ میں غلافِ خانہ کعبہ، حضور پاک ﷺ کے موئے مبارک، خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چادر مبارک (جس پر مکمل قرآن مجید لکھا ہوا ہے) جبہ مبارک، کمر بند، کنگورہ ٹوپی مبارک امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا امام حسن و سیدنا امام حسین، اور

حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فارق رضی اللہ عنہم کے موہائے مبارک، حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے خلافت کا جبہ مبارک، حضرت خواجہ ابوالفیض بیدر اور حضرت خواجہ قطب ثانی کی کی ٹوپیوں کے علاوہ وہ مقام جہاں پر حضرت خواجہ ابوالفیض بیدر ذکر فرمایا کرتے تھے اس کا بھی دیدار کروایا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ قطب ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں کافی کتابیں موجود تھیں جن میں سے زیادہ تر حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گئیں، کچھ کتابیں آج بھی محفوظ ہیں جن کی تعداکم و بیش 50 ہے، جن میں کئی مخطوطات کی شکل میں ہیں۔ اہل خانقاہ کا ارادہ ہے کہ حضرت قطب ثانی کے تمام مخطوطات، کتابوں اور ملفوظات کا اردو اور دیگر مقامی زبانوں میں ترجمہ کرواکر شائع کرے، تاکہ آپ کی تعلیمات سے علم و معرفت کے طالبین فیض یاب ہو سکیں۔

حضرت قطب ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء و سجادگان کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ کی خانقاہ کی سرگرمیوں اور خدمات کا دائرہ دکن سے لے کر تمل ناڈو تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ اور آپ کے سجادہ نشینوں نے چشتی سلسلے کی روایات کے مطابق محبتِ رسول ﷺ اور خدمتِ خلق پر زور دیا۔ چشتی تعلیمات کے فروغ، روحانیت و معرفت کی ترویج اور دین کی اشاعت کے کام کیے۔ خانقاہ میں مراقبہ اور ذکر و فکر کے حلقے منعقد ہوتے تھے، جن کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ دینی و مذہبی خدمات کے علاوہ تعلیمی میدان، فلاحی اور سماجی کاموں میں بھی اس خانقاہ نے متحرک کردار ادا کیا ہے، مدارس کا قیام، غریبوں کی مدد، یتیموں کی کفالت، اور طبی امداد جیسے فلاحی کاموں کا سلسلہ جاری ہے، اور یہ خانقاہ عوام کے روحانی مسائل حل کرنے کا مرکز ہے، جہاں پریشاں حال لوگ اپنی پریشانیوں اور مسائل کے حل کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

*****

کتابیات و حوالہ جات:

1۔ تاریخ فرشتہ، ج،2، ص:873

2۔ سیر محمدی، از: مولانا شاہ محمد سامانی (ترجمہ: نذیر احمد قادری)

3۔ تبصرۃ الخوارقات، حضرت سید من اللہ حسینی بن سید علی اللہ حسینی (ترجمہ مبارز الدین رفعت)

4۔ بیدر کے آثار قدیمہ، مورخ عبدالصمد بھارتی

5۔ کیفیت خاندانِ محمد المعروف تاریخ محمدیہ 1318ھ، از: جہاں نما علی شاہ چشتی، 101

6۔ تاریخ محمدیہ باب دوم، فصل سوم شجرہ دوم شاخ چہارم، صفحہ نمبر 164

7۔ تذکرہ ابوالفیض، سوانح عمری حضرت خواجہ بیدر سید من اللہ محمد محمد الحسینی قدس سرہٗ، مولف: سید شاہ متین الدین حسینی (صادق حسینی) 2016 صفحہ نمبر 70

8۔ تذکرہ اولیاء دکن اور ان کی درگاہیں (گلبرگہ، بیدر، بیجاپور) از: عبدالعزیز راجپوت چشتی، صفحہ نمبر 101 تا 105

خانقاہ حضرت شاہ خاموش: علمی، ادبی و سماجی خدمات کا تاریخی پس منظر

حافظ سید شاہ مدثر حسینی صابری*

حیدرآباد فرخندہ بنیاد ہر زمانے میں اہل اللہ صلحاء، عرفاء، صوفیاء اور سلسلہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے شیوخ کا مرکز رہا ہے۔ انہوں نے شریعت و طریقت کی جو شمعیں روشن کیں ان سے لہو و لعب، نغمہ و طرب اور جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا حیدرآباد دکن منور و مجلی ہو گیا۔ انہیں میں ایک عظیم روحانی شخصیت حضرت سید شاہ معین الدین حسینی چشتی صابری الملقب بہ شاہ خاموش صاحب قبلہ ہیں جن سے خانقاہ حضرت شاہ خاموش موسوم ہے۔ ذیل میں صاحب خانقاہ کی مختصر حیات و خدمات پیش ہے:

پیدائش و تعلیم تربیت:

حضرت شاہ خاموش کی ولادت باسعادت 1204ھ شہر محمد آباد بمقام بیدر کرناٹک میں ہوئی، آپ کے والد بزرگوار سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے پیر اور صاحب طریق مشائخ حضرت خواجہ سید شاہ میراں مخدوم حسینی المعروف پیر حسینی پیراں ہے۔[1] حضرت شاہ خاموش کا سلسلہ نسب والد ماجد کی جانب سے انتالیس 39 واسطوں سے امیر المؤمنین حضرت سیدنا علیؓ بن ابی طالب کرّم اللہ وجہہ الکریم سے جاملتا ہے۔[2]

حضرت شاہ خاموش پاپیادہ تلاش معرفت میں بیدر سے اجمیر شریف حضرت سید معین الدین چشتی اجمیری کے روضۂ مبارک پر حاضری دی، اور کئی سال بارگاہ سے منسلک رہے، حضرت خواجہ اجمیری نے پنجاب کی طرف روانگی کا حکم دیا اور ارشاد مبارک ہوا کہ مانک پور میں حضرت حافظ موسی صاحب کے پاس تمہاری قسمت کا فیض ہے جا کر حاصل کرو، چنانچہ حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ نے پاپیادہ راہ سفر اختیار فرمایا اور پنجاب پہونچ گئے، وہاں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کو ہزاروں مریدین و معتقدین گھیرے ہوئے تھے انہوں نے حضرت کو دیکھتے ہی قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ آپ حضرت حافظ موسی مانک پوری کی طرف بھیجے گئے ہیں اور آپ کے پیر صاحب قبلہ مجھ سے زیادہ بہتر ہیں، پھر آپ کو راہ بتلادی، سارے مریدین پریشان ہو کر پوچھے کہ یہ کون صاحبزادہ ہیں؟ وہ بزرگ نے جواب دیا کہ سادات دکن سے ہیں، حضرت غریب نواز کے روانہ کردہ ہیں اور اپنے مقصد کی تلاش میں نکلے ہیں، یہ صاحبزادہ پیدائش ہی سے حامل ولایت ہے تکمیل ظاہری و حقائق باطنی کے لیے بھیجے گئے ہیں۔[3]

جب آپ کی تعلیم و تربیت مکمل ہو گئی تو آپ کے شیخ طریقت حافظ موسیٰ صاحب قبلہ نے آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس

---

* نبیرہ حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ جانشین اول حضرت شاہ خاموش، استاد جامعہ نظامیہ۔ حیدرآباد

[1]- مولانا سید شاہ اکبر نظام الدین حسینی صابری، دیوان حضرت قبلہ شاہ خاموش، ص26، /، انوار العاشقین

[2]- دیوان حضرت قبلہ شاہ خاموش، ص25، گلزار آصفیہ

[3]- دیوان حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ / ص29

پر نور منظر سید امانت علی شاہ صاحب امر وہی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہم دونوں حضور حافظ موسیٰ صاحب قبلہ کے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ اہل سلسلہ بکثرت موجود ہیں کہ حضور حافظ صاحب قبلہ نے صاحبزادہ سید معین الدین حسینی کے سر پر دستار خلافت باندھی اور دکن کی قطبیت وولایت سے سر فراز فرما کر تاکید فرمائی کہ ہماری حیات تک امر وہہ میں رہ کر ہر دوسرے تیسرے ماہ آیا کریں ہمارے بعد دکن میں مقیم رہنا اور فرمایا کہ حضور غریب نواز نے تمہیں قطبیت دکن عطا فرمائی ہے اور حضور حافظ صاحب قبلہ نے حضرت شاہ خاموش کے سینہ کو علم ظاہر وباطن سے بھر دیا اور حقائق منکشف فرمائے۔[1]

مولوی سید امانت علی صاحب خلیفہ حضرت حافظ قبلہ نے اپنے پیر ومرشد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صاحبزادہ حضرت شاہ خاموش میرے سلسلہ کے فیوضیات میں ثانی حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رہیں گے اور صاحبزادہ نہایت سخی ہوں گے۔ ہند ودکن ان کے فیوضیات ظاہری وباطنی سے معمور وفیضیاب رہے گا۔[2]

دکن میں آمد:

حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ مانک پور پنجاب سے حج بیت اللہ ومدینہ منورہ کی زیارات مقدسہ سے ہوتے ہوئے 1250 میں حیدرآباد دکن کے لیے پیر کامل اور رشد وہدایت کا سرچشمہ بن کر محلہ مستعد پورہ کی مسجد میں تشریف لائے اور وہیں قیام فرمایا۔[3] اور آصفجاہی خاندان کے دو حکمرانوں نواب ناصر الدولہ اور نواب افضل الدولہ کے دور میں دین وایمان کے استحکام اور خانقاہی نظام کے فروغ میں اہم حصہ ادا کیا۔

شاہان آصفیہ نے حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ کی خدمت کرنی چاہی ‘نذرانے پیش کیے جاگیریں دینی چاہی’ لیکن آپ نے زرودولت اور تحفے وتحائف کو مسترد کرتے ہوئے تاریخی مکہ مسجد کے عقب میں ایک کچے مکان کو ترجیح دی جو آج خانقاہ شاہ خاموش کے نام سے موسوم ہے، جہاں تقریباً ایک صدی سے زائد سے رشد وہدایت کا پیام جاری وساری ہے۔[4]

خانقاہ حضرت شاہ خاموش کی دینی خدمات:

خانقاہ حضرت شاہ خاموش میں محافل ذکر، مجالس قوالی، علمی مجالس وذکرِ جلی اور تصنیف وتالیف کا اشتغال اکثر اوقات رہتا تھا، ہر طرف انوار کی روشنی اور انبیائے کرام کی سیرت، ان کے اوصاف، صحابہ کرامؓ کے حالات، خلفائے راشدین کے کارنامے اور اکابر صوفیہ کی تعلیمات سے مریدین ومحبین اپنے سینہ ودل کو منور کرتے تھے، انبیاء اور اولیاء کی سیرت وکردار کو آئینہ بنا کر اپنی زندگیوں میں ڈھالتے تھے۔ جب حلقہ ذکر منعقد ہوتا تو خانقاہ میں مقیم مریدین ومتوسلین وفقراء کی تعداد تین سو سے زائد ہوا کرتی پورے شہر میں دھوم مچی رہتی تھی۔ پیر بغدادی

---

[1]- دیوان شاہ خاموش ص/29

[2]- سوانح عمری ودیوان شاہ خاموش/ص7

[3]- مرقع سخن/ص89

[4]- تذکرہ اولیاء دکن/ص313

صاحب، حضرت سید محمد رحمۃ اللہ علیہ بارہا فرمایا کرتے کہ مکہ مسجد کے حلقہ ذکر کی آواز ہم روزانہ سرور نگر میں سالہا سال سے سنتے آرہے ہیں۔

حضرت سید شاہ معین الدین حسینی المعروف شاہ خاموش قبلہ نے دکن میں دین و ایمان کے استحکام اور خانقاہی نظام کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ حضرت کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ حضرت شاہ خاموش اپنے وقت کے ایک عظیم صوفی بزرگ اور قطب تھے جنہوں نے اپنی تمام زندگی ظاہر اور باطن کے علوم کی تعلیم اور تبلیغ میں صرف کی۔ آپ نے دکن (خاص طور پر حیدرآباد) اور شمالی ہند میں خانقاہوں کا ایک مضبوط نظام قائم کیا، جو روحانی تربیت اور رہنمائی کا مرکز بنا۔ آپ نے دکن میں کئی مسجدیں اور خانقاہیں تعمیر کروائیں، جن میں آپ کے حکم پر مختلف شہروں میں مساجد تعمیر کروائی گئیں جن کی تعداد 9 ہیں 1)مانک پور شریف ضلع انبالہ تحصیل کھڑکی مسجد وخانقاہ(2)امروہہ کی مسجد وخانقاہ(3)مرادآباد کی مسجد(4)بیجاپور کی عالیشان مسجد جو حضرت قبلہ کی موسومہ موجود ہے(5)پہاڑی شریف حضرت باباشرف الدین کے بارگاہ کے نیچے کی بڑی مسجد(6)حضرت شاہ خاموش کی درگاہ کی مسجد(8)کوہیر میں ایک مسجد جس کا چھت غیر مکمل رہ گیا تھا(9)مسجد واقع محبوب گنج جو درگاہ حضرت امیر علی شاہ صاحب کے احاطہ میں موجود ہے[1]۔ یہ جگہیں لوگوں کی دینی تعلیم اور عبادت کا مرکز بنیں۔

آپ نے ہمیشہ مختلف طبقات کے درمیان رواداری، محبت اور اخوت کو فروغ دیا، اور آپ کی خانقاہ نے بھی دکن میں اسی سماجی ذمہ داری کو نبھاتا رہاہے۔ آپ کے وقت کے حکمرانوں (جیسے نواب ناصر الدولہ اور نواب افضل الدولہ) کے ساتھ قریبی مراسم رہے، جس سے یہ ظاہر ہوتاہے کہ خانقاہ حضرت شاہ خاموش نے سماجی وسیاسی سطح پر بھی ایک اخلاقی اثرورسوخ قائم رکھا۔

آپ نے عالم تجردی میں عمر گزاردی، ہمہ تن آپ کے چہرہ مبارک پر چادر کا نقاب رہتا تھا، آپ آنکھ پھیر کر کسی کو نہ دیکھتے اور کسی کی آنکھ میں آنکھ نہ ملاتے، جس زمانے میں آپ بالکل خاموشی اختیار فرمائی تھی ایک بار اپنے پیر بھائی حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ جن کا مزار پنجاب کے دریامارکنڈے میں واقع ہے، بغرض ملاقات تشریف لے گئے وہ مست قلندر رہتے تھے نماز ظاہری کے پابند نہ تھے، انہوں نے حضرت قبلہ سے پوچھا آپ بات کیوں نہیں کرتے؟ حضرت قبلہ نے اشارہ سے فرمایا آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے کہا اگر آپ بات کریں تو میں نماز بھی پڑھوں گا، حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا آپ نماز پڑھا کیجئے میں بات کیا کرونگا۔ اسی وقت سے شاہ صاحب قبلہ نے وضو کے لیے پانی لیااور حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ کی معیت میں نماز پڑھی، اسی وقت سے حسب معاہدہ حضرت نے بات چیت شروع کی لیکن تیس سال تک مسلسل بات نہیں کی تھی اور اشارہ کے عادی ہوگئے تھے آخری عمر تک ارشاد نبوی پر عمل کرتے ہوئے کم بات فرماتے تھے۔

آپ کو شاعری سے بڑا شغف تھا اور آپ نے اسے عشق رسول اور معارف حقائق کے اظہار کے لیے استعمال کیا۔ آپ کے کلام میں تصوف اور روحانی تعلیمات ملتی ہیں۔

حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ کے خرق عادات وکرامات ہزارہا مشہور ہیں لیکن حضرت قبلہ ان کے اظہار سے ناخوش ہوا کرتے تھے۔

---

[1]- دیوان حضرت شاہ خاموش / ص34

یہاں پر ان کی صرف ایک کرامت نقل کی جارہی ہے:

نواب افضل الدولہ بہادر شاہ دکن نے از راہ عقیدت نامپلی کا نبی باغ حضرت کی خدمت میں نذر کیا، حضرت شاہ خاموش قبلہ نے حضرات یوسفین و شریفین کی قربت کے لحاظ سے اسے قبول فرمایا، اس باغ میں روز اپنے کئی سو مریدین کے ساتھ سیر فرمارہے تھے ہر طرف کی آراستگی و صفائی دیکھیں لیکن ایک مقام غیر صاف حالت میں پڑا ہوا تھا، باغ کے مالی سے دریافت پر اس نے عرض کیا کہ اس جگہ ایک بڑا اژدہا ہے، اس کے ڈر سے وہاں جاکر صاف کرنے کی مجال نہیں رکھتا ہے، حضرت شاہ خاموش مسجد کی طرف تشریف لے گئے اور پانچ مریدین کو حکم دیا کہ تم جاکر اس اژدہے سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ اب یہاں ہمارے رہنے کا قصد ہے تم دوسری طرف چلے جاؤ جیسے ہی ان مریدین نے حضرت کا حکم سنایا وہ اژدہا اپنے پٹھے سے نکلا اور مسجد کے سامنے سے حضرات یوسفین و شریفین کی درگاہ کی جانب دروازہ سے ہوتا ہوا قبرستان کی طرف چلا گیا، اس کے پیچھے سینکڑوں تماشائی بھی دیکھ رہے تھے، پھر اسی مقام پر حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ کا مزار مبارک اور گنبد شریف بنایا گیا۔

خانقاہ حضرت شاہ خاموش کے سجادگان کی خدمات:

پہلے سجادہ: سید محمد شاہ صاحب قبلہ جانشین اول حضرت شاہ خاموش دکن کی ایک مایہ ناز و معروف شخصیت ہیں جن کے روحانی فیضان سے سارا دکن فیض یاب ہوا ہے۔ اس ذات گرامی کا اسم گرامی سید محمد شاہ ہاشم حسینی المعروف حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ ہے، آپ کی ولادت باسعادت 1245ھ بمقام بیدر شریف میں ہوئی، حضرت محمد شاہ صاحب حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ کے جانشین و برادر زادہ ہیں، آپ کے والد بزرگوار حضرت سید پیراں حسینی چشتی، بڑے صاحب قال وحال پیر طریقت اور معزز خاندان و مشائخ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ [1]

حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حضرت سید پیراں حسینی چشتی سے حاصل فرمائی۔ آپ کے پھوپھا حضرت امیر علی شاہ صاحب صدر جمعدار سندھی فوج' نے آپ کو اپنے آغوش فرزندی میں لے کر متبنی بنالیا اور اپنے ساتھ حیدرآباد لے آئے۔ حضرت جمعدار صاحب کے انتقال کے بعد حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ سندھی فوج میں صدر جمعدار مقرر ہوئے۔

حضرت محمد شاہ صاحب پر حضرت شاہ خاموش صاحب کی بڑی عنایات و نظر کرم تھی۔ حضرت قبلہ نے اپنے وصال سے چند ہفتے قبل حضرت محمد شاہ صاحب کو مکہ مسجد کے عقب میں واقع اپنی خانقاہ شاہ خاموش شریف میں طلب فرمایا، چنانچہ جب حضرت محمد شاہ صاحب خانقاہ شریف پہنچے، تو حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ نے لباس سپاہ گری کو جسم سے علیحدہ کیا اور لباس فقیرانہ (بیعت وخلافت وجانشینی) عطا فرمائی، اور اسی وقت یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ درگاہ حضرت یوسف صاحب و شریف صاحب کی زیارت کریں۔ جس وقت حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ نے حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ کو اپنی جانشینی عطا فرمائیں اس وقت آپ کی عمر 34 سال تھی، چنانچہ جانشینی کے بعد آپ کے مزاج میں استغنا اور ترک دنیا غالب آگیا اور آپ نے پر تعیش حیات اور آرام دہ راحت کدہ کو خیر باد کہہ دیا اور اور اپنے قیام

---

[1]- تذکرہ مشائخ عظام / ص / سری کرشن پرشاد / جذبات شاد، ص 44

کے لیے خانقاہ ہی کو پسند کیا اور محنت و جانفشانی سے کمائی ہوئی ساری دولت راہ خدا میں فراخدلی کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے تقسیم فرمادیا۔ جب کبھی سائل، حاجت مند درِ خانقاہ شاہ خاموش پر حاضر ہوتا تو حضرت قبلہ بغیر کسی تعین اور مقدار کے خیرات فرماتے اور مٹھی بھر بھر کر عطا فرماتے اور یہ بھی فرماتے کہ جب تک یہ دھن دولت پاس رہے گی مجھے دنیا اپنی طرف راغب کرتی رہے گی۔ حضرت قبلہ تقریبا پچاس سال مسند خلافت و سجادگی پر متمکن رہے، اس طویل عرصہ میں آپ نے حضرت قطب الاقطاب کے روحانی مشن کو ذکر و شغل اور اوراد و وظائف، تعلیم و تربیت، درس و نصیحت و نیز مجالس سماع کے ذریعہ جاری و ساری رکھا اور فیض پہنچاتے رہے۔

آپ کی پر عقیدت کاوشوں اور مسلسل انتھک محنتوں کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ آپ نے پاک پٹن سے جنتی دروازہ حاصل کر کے اپنی خانقاہ میں نصب کروایا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ شیخ المشائخ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر کے وصال کے بعد آپ کے مزار شریف کے حجرے کی تعمیر اس طرح کی گئی کہ تمام خلفاء نے ایک ایک پتھر پر قرآن شریف تلاوت کر کے دم کیا اور انہیں پتھروں سے دیواریں تعمیر کی گئیں، جب اس حجرہ کی تعمیر تکمیل کو پہنچی تو حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الہی نے بشارہ میں ملاحظہ کیا کہ حضور نبی کریم رؤوف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اس حجرہ کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "نظام الدین اس دروازے میں جو بھی داخل ہو گا وہ جنتی ہو گا" حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے حضور پاک ﷺ کی آمد اور آپ کی بشارت کا تذکرہ حضرت احمد علی الدین صابر سے فوری فرمایا اور حضرت کا اس بشارت کو سننا ہی تھا کہ آپ فورا دروازے میں داخل ہو گئے چنانچہ اسی وقت اور اسی تاریخ سے اس دروازے کو بہشتی دروازے سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہی دروازہ ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد بوسیدہ ہو گیا تھا اور اس وقت کے سجادہ نشین صاحب نے اس قدیم دروازے کو نکال کر اس کی جگہ جدید دروازہ نصب کیا۔ اس بات کی اطلاع حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ کو ہو گئی چنانچہ آپ پاکپٹن شریف اس دروازے کے حاصل کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے اور سجادہ نشین صاحب سے ملاقات کے بعد یہ اپنی دلی ارادے کو ظاہر فرمایا اور خواہش کی کہ اہل دکن انتہائی دوری اور فاصلہ سے حاضری کی سعادت اور بہشتی دروازے میں داخلے کی عزت سے محروم ہیں لہذا علیحدہ کیا ہوا دروازہ اگر عنایت ہو تو یہاں درگاہ شریف میں نصب کیا جائے گا جس سے یہاں کے عشاق بھی اس بشارت سے سرفراز ہوں گے، دیوان صاحب نے یہ کہہ کر چونکہ یہ جمیع سلسلہ چشتیہ کا تبرک ہے لہذا تمام چشتی خانقاہوں میں اس کے حصے کی تقسیم ضروری ہے، دروازہ دینے سے انکار کر دیا، لیکن حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ کے عشق کی وارفتگی نے جذبہ حصول کو ہر سال گرم سفر رکھا، چنانچہ آپ نے اپنے اسلاف کے آثار سے محبت میں استقامت کا تاریخ ساز ثبوت دیتے ہوئے مسلسل بارہ سال تک پاکپٹن شریف کا طویل سفر فرمایا اور راستہ کی کلفتوں اور تکالیف کو برداشت کیا، اس سلسلے کا آخری سفر آپ نے 1307ھ میں فرمایا اور حسب معمول دیوان صاحب سے اپنی دیرینہ خواہش کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ ہماری آخری حاضری ہے، اب ہم پھر حاضر ہونے والے نہیں۔ دیوان صاحب نے بھی حسب معمول وہی منفی جواب عنایت فرمایا۔ حضرت قبلہ واپسی کے ارادے سے ریلوے اسٹیشن تشریف لائے پہنچے تو معلوم ہوا کے ریل جاچکی ہے، چنانچہ آپ نے وہیں پر قیام فرمایا، ادھر حضرت قبلہ اس کیفیت سے دوچار ہیں اور ادھر یہ معاملہ ہوا کہ اسی رات حضرت دیوان صاحب نے خواب میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کو دیکھا کہ حضرت یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ "دکن سے محمد شاہ آئے ہوئے ہیں

ان کو دروازہ دے دو" چنانچہ صبح اٹھتے ہی دیوان صاحب نے اپنے مریدین کو اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ اگر شاہ صاحب دہلی تک بھی تشریف لے گئے ہیں تو فوراواپس بلالاؤ کیونکہ انہیں دروازہ دینے کا حکم ہوا ہے۔ جب وہ مریدین دہلی روانگی کے لیے اسٹیشن پر پہنچے تو کیا دیکھا کہ حضرت قبلہ وہیں پر تشریف فرما ہیں، حضرت قبلہ کو دیوان صاحب کا پیام پہنچایا گیا تو آپ بہت ہی مسرت سے پاکپٹن تشریف لے گئے اور بہشتی دروازے کو حاصل فرمایا۔ جب یہ مسرت خیز اطلاع اہل دکن حیدرآباد کو ملی کہ حضرت قبلہ جنتی دروازہ کے ہمراہ تشریف لارہے ہیں تو اہل سلسلہ میں ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی اور تمام امراء و جاگیر دار اور اہل سلسلہ نے والہانہ استقبال کیا اور ذکر جہری کے ساتھ جلوس کی شکل میں دروازہ کو درگاہ شریف پہنچایا اور اس طرح حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ کی کامیاب جدوجہد سے یہ بہشتی دروازہ بجانب شمال درگاہ شریف نصب کیا گیا ہے، اور آج بھی بارگاہ حضرت شاہ خاموش میں اس جنتی دروازہ کی زیارت کروائی جاتی ہے۔

حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ پچاس سال تک مسند سجادگی پر فائز رہے اور رشد وہدایت، وعظ، و نصیحت فرماتے رہے ملک کے مختلف علاقوں، اطراف بلدہ پنجاب وغیرہ میں آپ کے ہزاروں مریدین و خلفاء تھے، حضرت قبلہ اپنے منجھلے صاحبزادے حضرت مولاناسید محمد شاہ اصغر حسینی صابری کو اپنا جانشین و سجادہ نشین مقرر فرمایا اور 84 سال کی عمر میں اس دار فانی سے دار بقا کی طرف سفر فرمایا اور 24 محرم الحرام 1339 ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

دوسرے سجادہ: حضرت شاہ خاموش کے دوسرے سجادہ حضرت سید محمد شاہ اصغر حسینی صابری صاحب قبلہ ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت 1274ھ میں ہوئی۔ آپ حضرت شاہ خاموش کے پہلے سجادہ حضرت سید محمد شاہ ہاشم حسینی صابری کے جگر گوشہ اور خلف اوسط ہیں۔

آپ نے جلیل القدر اساتذہ سے ظاہری علوم کی تحصیل فرمائی، 12 سال کی عمر میں اپنے جد مکرم حضرت شاہ خاموش صاحب سے بیعت کا شرف حاصل کیا، حضرت قبلہ نے علوم باطنی کا سرمایہ اپنے والد گرامی حضرت محمد شاہ صاحب قبلہ سے حاصل فرمایا اور سلوک کے اعلی منازل کی تکمیل فرمائی، جب سید اصغر حسینی صاحب قبلہ ہر دو علوم میں کامل ہو گئے تو جمیع سلاسل کی عظیم نعمت و خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت قبلہ جہاں علوم باطنی میں اپنے اسلاف کے حقیقی ورثہ کے حامل تھے وہیں پر علم ظاہری سے بھی آپ پوری طرح سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ قدرت نے آپ کو وہ اعجاز بخشا تھا کہ بڑے بڑے مسائل آپ بہ سہولت حل فرمادیتے تھے۔

حضرت سید محمد شاہ اصغر حسینی نے بھی اپنے دلی جذبات واردات قلبی کے لیے اشعار کو وسیلہ اظہار بنایا۔ شاعری میں آپ نے اصغر کو بطور تخلص اختیار فرمایا۔ آپ کے کلام دیوان اصغر میں حسن الفاظ، حسن معانی، تمثیلات، تلمیحات کی کہکشاں پائی جاتی ہے اور توحید، تفرید، عظمت رسالت، وجود و عدم، رضا و رغبت، تسلیم وغنا، شہود و حضور، عبادت و ریاضت اور توکل علی اللہ جیسے اعلیٰ مضامین پائے جاتے ہیں۔ آپ تصوف و عرفان کے معرکہ آرامسائل کو آسان اسلوب میں دل نشین فرمایا ہے

حضرت اصغر حسینی صابری صاحب قبلہ 1339 ہجری میں مسند سجادگی پر فائز ہوئے۔ آپ دور سجادگی میں اعراس شریف کا بڑا اہتمام فرماتے اور ہر ایک کو طعام و تبرک سے مستفید فرماتے۔

آپ کے فیضان ظاہری و باطنی سے بندگان خدا نے اکتساب فیض کیا اور ہر کسی نے اپنے دل کی مراد پائی اور دامن مقصود کو گوہر مراد سے بھر لیا، حضرت قبلہ کا ایسا فیضان کہ سلطنت آصفیہ کے آخری تاجدار اعلی حضرت نواب میر عثمان علی خان بھی یہاں عقیدت و محبت کے موتی لٹایا کرتے اور اپنی گہری وابستگی کا ثبوت دیتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ شاہی محلات کی اکثر خواتین حضرت قبلہ کے حلقہ ارادت میں شامل اور مرید تھیں، نواب معین الدولہ بہادر جیسی امیر کبیر شخصیت بھی آپ کے گرہِ عقیدت میں بندھے ہوئے تھے۔ [1]

آپ نے درگاہ حضرت شاہ خاموش کی عالی شان گنبد، وسیع سماع خانہ، نقار خانے، ابدار خانے، جو آج بھی عظمت و شوکت کا احساس دلاتے ہیں اور درگاہ درگاہ شریف سے متصل دو حجرے تعمیر کروائے جن میں دوران اعراس آپ قیام فرماتے، درگاہ شریف پیرانی کلیئر میں 1295ھ میں لنگر خانہ اور حجرات بھی حضرت قبلہ ہی کے ذوق تعمیر کے شاہکار ہیں جو آپ نے کامل توجہ اور پوری دلچسپی کے ساتھ تعمیر فرمائے۔

حضرت قبلہ 1339ھ سے 1348ھ تک 9 نو سال مسند سجادگی پر فائز ررہ کر 27 ذی الحجہ 1348 ہجری کو 74 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ تاریخی مکہ مسجد میں حضرت قبلہ کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں ہزارہا بندگان خدا شریک رہے، حضرت شاہ خاموش کی گنبد میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالی نے حضرت قبلہ کو دو صاحبزادے عطا فرمائے، وصال سے قبل آپ نے اپنے چھوٹے صاحبزادے حضرت سید محمد صابر حسینی صابری صاحب کو با قاعدہ اپنا جانشین اور سجادہ نشین نامزد فرمایا۔

تیسرے سجادہ: حضرت شاہ خاموش کے تیسرے سجادہ حضرت مولانا سید شاہ صابر حسینی صابری ہیں۔ حضرت قبلہ کی ولادت با سعادت ماہ ذوالقعدہ 4131ھ میں ہوئی، حضرت قبلہ ہ کی والدہ ماجدہ حافظ قران تھی جو بحر العلوم حضرت مولانا عبد القدیر صدیقی کی بڑی ہمشیرہ تھیں۔

حضرت قبلہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت والدین کے علاوہ سید محمد شاہ صاحب قبلہ کی نگرانی میں ہوئی، حضرت قبلہ نے اعلی تعلیمی منازل طے فرمائے اور دکن کی قدیم ترین درسگاہ دارالعلوم میں باضابطہ شریک ہو کر مولوی فاضل کی سند حاصل فرمائی۔ حضرت قبلہ کے نامور اساتذہ میں علامہ سید ابراہیم رضوی اور مولانا عبد القدیر صدیقی حسرت شامل ہیں۔ حضرت قبلہ نے ظاہری تعلیم کے ساتھ باطنی تعلیم کی طرف بھی توجہ فرمائی اوراپنے والد حضرت سید محمد شاہ اصغر حسینی سے باطنی تعلیم و سلوک کی منازل طے کیے۔ حضرت قبلہ کو بیعت و خلافت اپنے جد محترم سے حاصل تھی، اس عظیم امانت کے تقاضے اور اس کے حسن تکمیل کے سامان بھی آپ کو یہیں سے عطا ہوئے تھے۔

حضرت سید محمد صابر حسینی 1348 ہجری میں مسند سجادگی پر فائز ہوئے اور خانقاہی تعلیمات کے فروغ و استحکام میں سعی پیہم کرتے رہے۔ حضرت نے خانقاہ شریف میں ہی سکونت اختیار فرمائی۔ آپ نے خانقاہی نظام کے فروغ میں محبت اور خلوص کا مظاہرہ کیا اور ذکر و اشغال، اوراد و وظائف، شجرہ خوانی، تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کے علاوہ میلاد خوانی، مجالس سماع، لنگر برائے فقراء کو اپنے اسلاف کی طرح جاری و ساری رکھنے میں بھرپور سعی فرمائی۔ مزید بر آں آپ نے خانقاہ کو درس و تدریس کے مرکز کی حیثیت سے بھی فروغ دیا، چنانچہ آپ

[1]- خواجہ غلام حسینی شاہ صابری، تذکرۃ العارفین حیات مظہریہ، طبع سوم 2021ء، ناشر عثمان وجاہت

اپنی خانقاہ شریف میں باضابطہ درس تفسیر اور درس فقہ اور درس مثنوی دیا کرتے تھے جس سے اہل خانقاہ واصحاب سلسلہ استفادہ کرتے تھے۔ اسی طرح آپ نے "صدر مجلس علمائے دکن" کے نام سے ایک جماعت بنائی جو شرعی مسائل میں ملت کی آواز ہے جس کے فیصلے سرکاری سطح پر اپنا وقار اور وزن رکھتے ہیں، حضرت قبلہ کو اس مجلس کے بانیوں میں ضرور بالضرور یاد رکھا جائے گا اور مورخ کا قلم اپنا خراج ان کی بارگاہ میں پیش کرتا رہے گا۔

چوتھے سجادہ: حضرت شاہ خاموش کے چوتھے سجادہ نشین حضرت علامہ سید شاہ قطب الدین حسینی صابری ہیں۔ آپ کی ولادت 7 رمضان المبارک 1231 ہجری کو بمقام دیوڑھی کونچہ فتح اللہ بیگ ہوئی۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت سید شاہ محمد صابر حسینی، حضرت سید احمد حسین امجد حیدرآبادی، بحر العلوم مولانا عبد القدیر صدیقی حسرت، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا سید نبی حیدرآبادی، مولانا سید ابراہیم ادیب رضوی، مولانا مفتی سید مخدوم حسینی، مولانا قطب الدین صاحب فرنگی محلی لکھنوی، جیسے ائمہ علم وادب سے اکتساب فیض وشرف تلمذ حاصل فرمایا۔

جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اسلامیات میں ایم اے میں داخلہ لیا اور موضوع فن حدیث کو منتخب فرمایا اور بعنوان "امام طحاوی بحیثیت محدث" پانچ سو صفحات پر مشتمل مقالہ تحریر فرمایا، حضرت قبلہ کے مقالہ کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے علم وتحقیق کے جواہر پاروں کو بڑے محققانہ وعالمانہ نہج پر نگارش فرمایا ہے۔ حضرت قبلہ کی شخصیت جامع الکمالات تھی اور آپ علوم شرقیہ اور علوم مغربیہ ہر دو میں کمال دسترس رکھتے تھے۔

نظام آف حیدرآباد دکن نے دعوت کے موقع پر حضرت مولانا سید صابر حسینی صابری کو حضرت قبلہ کے صاحبزادے کے لیے ملازمت کی پیش کش کی، والد گرامی نے حضرت قبلہ سے دریافت کیا کہ ملازمت کرنے کا ارادہ ہے؟ حضرت قبلہ نے بغرض اجازت والد محترم کی طرف نظر التفات کیا، اس کے بعد حضرت نے اجازت مرحمت فرمائی کہ جو ظل اللہ مناسب تصور فرمائیں، اس کے بعد بفرمان خسروی راست بعہدہ مددگار ناظم محکمہ صدارت العالیہ آپ کا تقرر عمل میں آیا اور اپنی جد وجہد و حسن کارکردگی کے نقوش بنائے۔ 1948ء میں جب پولیس ایکشن ہوا اور ریاست حیدرآباد کا انڈین یونین میں انضمام عمل میں آیا تو محکمہ صدارت العالیہ محکمہ مال میں ضم کردیا گیا اور بحیثیت ڈپٹی کلکٹر آپ کا تبادلہ پربھنی 'سیلو' ہنگولی کردیا گیا اور وہاں آپ نے بحسن وخوبی خدمات انجام دیں۔ 1952ء میں آپ نے ملازمت ترک کردی اور حیدرآباد تشریف لاکر بارگاہ حضرت شاہ خاموش میں سکونت اختیار کی اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔[1]

آپ نے ترک ملازمت کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا اور تشنگان علم وفن کو سیراب کرنے لگے چنانچہ درگاہ شریف میں بعد نماز فجر وعصر باقاعدہ درس کا اہتمام ہوا کرتا جس میں تفسیر حدیث اور تصوف کے درس کو خصوصیت حاصل تھی، حیدرآباد دکن کے علماء ومشائخ آپ کے درس میں شامل رہتے، اسی طرح پروفیسر انا میری شمیل (جامعہ ہارورڈ) بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب واستفادہ

---

[1]- زاد سفر ودیوان حضرات سجادگان حضرت شاہ خاموش / ص156 155

کرتیں اور اپنے ہمراہ ایک ٹیپ ریکارڈر رکھتیں جس میں حضرت قبلہ کی گفتگو کو محفوظ کرلیتیں، پروفیسر عالم خوندمیری (جامعہ عثمانیہ) نے چار سال کے طویل عرصہ تک حضرت قبلہ سے شرف تلمذ حاصل کیا' اس رشتہ تلمذ پر وہ فخر وناز کیا کرتے تھے۔[1]

آپ دکن کی عبقری وجامع الکمالات شخصیت ہونے کے ساتھ علماء ومشائخ سلف کی یادگار اور حیدرآبادی تہذیب وثقافت کے سچے علمبردار تھے' آپ کی ذات اپنے آپ میں ایک انجمن تھی' ایک جلوہ کے ہزار رنگ تھے ایک طرف ایوان علم وادب کو زینت بخشی تو دوسری جانب تصوف وطریقت وخانقاہی تعلیمات ونظام کے فروغ واصلاح میں اہم تاریخی رول ادا کیا۔

حضرت قبلہ عربی' اردو' فارسی' انگریزی پر مہارت تامہ رکھتے تھے، آپ نے قرآن کی تفسیر نہایت منفرد انداز میں مرتب فرمائی جس کو 250 عنوانات کے تحت تقسیم کرتے ہوئے ہر عنوان کے سیاق وسباق سے متعلق عالمانہ تفسیری مواد فراہم کیا۔ مزید حضرت قبلہ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر فرمائی، اور سیرت نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں پر آپ نے مضامین سپرد قرطاس فرمائے، جس میں حضور ﷺ کی امیّت اور تعدد ازدواج کے موضوع پر معاندین اسلام کے اعتراضات اور سوالات کا عمدہ اور علمی ومنطقی جواب تحریر فرمایاہے۔ آپ نے ''فلسفہ شہادت سیدنا امام حسینؓ'' پر بھی اپنے افکار عالیہ سے مربوط مزین مقالہ تحریر فرمایا۔ آپ نے حق وراثت سے محروم ہونے والے ورثاء کے متعلق ''محروم الورث'' کے موضوع پر معلوماتی مقالہ تحریر فرمایا جس میں آپ نے اسلامی نظام وراثت کی باریکیوں پر گفتگو فرماتے ہوئے محروم الورث کے وجوہات قلمبند فرمایاہے۔ اسی طرح آپ نے تفہیم القران' جدید سائنس اور اسلام' اسلام اور حقوق زوجین جیسے اہم موضوعات پر اپنے رواں قلم اور سہل طرز تفہیم سے اسلامی تعلیمات کو روز روشن کی طرح واضح کردیا۔

آپ نے حضرت گیسودراز کے عرس کے موقع پر منعقدہ سمینار میں بارہا علمی مقالہ پیش کیا، جن میں آپ کی تحقیقی لیاقت کے نمایاں رنگ اور اسلام کی حقانیت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ آپ کو ''وحدت انسانی'' کے موضوع پر کیلی فورنیا میں 1977ء میں منعقدہ عالمی کانفرس میں مدعو کیا گیا لیکن ناسازی صحت کی بناء شرکت کرنے سے قاصر رہے، اس کانفرنس کے لیے انگریزی زبان میں آپ کا تحریر کردہ مقالہ بعنوان ''The Unity of Mankind'' کیلی فورنیا سے شائع ہوچکاہے۔

حضرت قبلہ نے تصوف کے تعارف پر انتہائی معلوماتی ومدلل مقالہ تحریر فرمایا، جو دیوان حضرت شاہ خاموش کے ابتداء میں شامل کیا گیا۔ آپ نے حضور غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی کی حیات مبارکہ پر مقالہ تحریر فرمایاہے اور آپ نے حیات حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز پر نہایت معلوماتی مقالہ تحریر فرمایا۔

آپ کو اپنے اسلاف کی طرح سماع کا بے حد ذوق تھا اسی طرح آپ اپنے پیران عظام سے بے انتہاء محبت رکھتے اور ان کی تعلیمات کو فروغ دینے میں ہمہ تن مصروف رہا کرتے۔ خانقاہی نظام کے تحت آپ نے اپنی سجادگی کے عہد میں خانقاہ شریف کے لنگر کے نظم کو تسلسل سے برقرار رکھتے ہوئے زائرین کے لیے کثیر مقدار میں طعام وتبرکات کا انتظام فرماتے جس سے سینکڑوں زائرین لنگر سے استفادہ فرماتے۔

---

[1]-زاد سفر ودیوان حضرات سجادگان حضرت شاہ خاموش / ص16

حضرت قبلہ کے دست مبارک پر سینکڑوں اصحاب نے اسلام قبول کیا اور آج وہ ایمانی زندگی سے سرشار ہیں۔

آپ نے اپنے علم و فن کے ذریعہ جہاں خانقاہی نظام کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے اسے استحکام بخشا' وہیں پر آپ نے ملت کی خدمت کرتے ہوئے ایک تاریخ رقم فرمائی، حیدرآباد دکن میں واقع بین الاقوامی شہرت یافتہ ادارہ تحقیق واشاعت "دائرۃ المعارف" کے بحیثیت ایک اہم اور فعال رکن کے اس ادارہ کی بقاوترقی کی ہر ممکنہ کوشش میں حصہ لیا۔ اسی طرح آپ نے نبی پاک ﷺ کے اشارہ منامی پر قائم کردہ ملت اسلامیہ ہند کا دینی ادارہ "جامعہ نظامیہ" کے اعلی اور کلیدی عہدہ جلیلہ "امیر جامعہ نظامیہ" کی حیثیت سے تقریبا دس سال 1972ء سے 1982ء خدمت انجام دی اور اس دینی تعلیمی ادارے کے مالیاتی نظام کو استحکام دینے میں بھرپور سعی فرمائی۔ آپ نے اپنے عہد امارت میں جامعہ نظامیہ میں ایک اہم شعبہ بنام "شعبہ تحقیقات" قائم فرمایا جہاں طلبا شیوخ جامعہ کی نگرانی میں بحث و تحقیق اور ریسرچ کرتے ہیں' نیز حضرت قبلہ کی ہی تحریک پر جامعہ نظامیہ کے دار الافتاء کو ہمہ وقتی بنایا گیا تاکہ مستفتی حضرات کے مسائل کی فی الفور رہنمائی ہوسکے اور باضابطہ فتوی حاصل کرنے کی سہولت رہے۔[1] اسی طرح مسلمانوں کی ملی زندگی سے متعلق مسائل اور ان کی رہنمائی اور قانونی امداد کے لیے بنام "مرکزی دار القضاء" قائم کیا گیا جس ادارہ کے بانیوں میں آپ بھی ہیں۔

آپ نے 27 ذو القعدہ 1402ھ / م / 16 ستمبر 1982ء طویل علالت کے بعد شام 6 بجے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کے انتقال کی اطلاع ملتے ہی علماء و مشائخ' مریدین اعزہ واقرباء، احباب اور ارباب علم و دانش درگاہ شریف پہونچ کر دیدار کرنے لگے اور قرآن خوانی کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی رات آپ کے جسد مبارک کو خانقاہ صابریہ عقب مکہ مسجد منتقل کردیا گیا۔ غسل خانقاہ ہی میں دیا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ 17 ستمبر 1982ء کو بعد نماز جمعہ حیدرآباد دکن کی تاریخی مکہ مسجد میں مولانا سید محمد محمد الحسینی صاحب قبلہ سجادہ نشین روضہ منورہ بزرگ گلبرگہ شریف نے پڑھائی، جس میں ہزارہا افراد نے شرکت کی۔ بعد نماز جنازہ حضرت قبلہ کے جنازہ کو درگاہ شریف حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ لایا گیا اور حضرت قبلہ قطب الاقطاب کی گنبد کے زیر سایہ پائنتی کی جانب سپرد لحد کیا گیا۔[2]

پانچویں سجادہ: حضرت شاہ خاموش کے چوتھے سجادہ نشین حضرت علامہ سید شاہ قطب الدین حسینی صابری نے 1965ء بموقع سالانہ عرس شریف حضرت شاہ خاموش صاحب قبلہ اپنے فرزند اکبر حضرت مولانا سید شاہ علی اکبر نظام الدین حسینی صابری صاحب کو بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کے وصال کے بعد مولانا سید شاہ علی اکبر نظام الدین حسینی صابری صاحب قبلہ 27 ذی القعدہ 1404ھ / مطابق 1982ء مسند سجادگی و خانقاہ حضرت شاہ خاموش پر فائز ہوئے۔[3]

سید شاہ علی اکبر نظام الدین حسینی کی ولادت باسعادت حیدرآباد دکن میں 27 ذی القعدہ 1376ھ / مطابق 26 جون 1957ء ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، بعد ازاں سینٹ جارج اسکول میں زیر تعلیم رہے، انوار العلوم کالج سے کامرس میں گریجویشن مکمل کیا

---

[1]- زاد سفر / ص169

[2]-زاد سفر و دیوان حضرات سجادگان حضرت شاہ خاموش / ص178

[3]- خواجہ غلام حسین شاہ صابری، تذکرۃ العارفین حیات مظہریہ، طبع سوم 2021ء، ناشر عثمان وجاہت / ص113

اور مزید علوم اسلامیہ حضرت صدر الشیوخ علامہ سید طاہر رضوی صاحب سے حاصل کیا۔
حضرت مولانا سید شاہ اکبر نظام الدین حسینی صابری صاحب قبلہ کی شخصیت دکن میں خانقاہی، علمی اور ملی قیادت کا ایک روشن مینار ہے۔ آپ نہ صرف ایک عظیم روحانی خانوادے کے پانچویں سجادہ نشین ہیں بلکہ مختلف اہم اداروں کے ذریعے ملت کی ہمہ جہت خدمت میں مصروف ہیں۔ آپ نے سلسلہ صابریہ، چشتیہ کی روحانی تعلیمات کو زندہ رکھا اور اس کی ترویج واشاعت کی۔ آپ نے خانقاہ کو اخلاقی وروحانی اصلاح کا مرکز بنائے رکھا۔ آپ کی مجالس اور توجہ سے وابستگان سلسلہ میں تزکیہ نفس، حبّ رسولؐ، اور تعلق باللہ میں مضبوطی اور استحکام پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے خانقاہی نظام کے تحت ذکر وفکر کے ساتھ ہی سماجی خدمت، غریب پروری اور بین المذاہب ہم آہنگی کو بھی فروغ دیا۔
آپ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد کے 1984ء میں رکن انتظامی، 1985ء میں معتمد اور 1986ء میں امیر جامعہ نظامیہ (چانسلر) کے عہدہ فائز ہوئے اور بحسن وخوبی اپنی خدمات انجام دیں۔
آپ کے دور امارت میں جامعہ نظامیہ کی متعدد جائیدادوں سے ناجائز قبضہ کو ختم کیا گیا، زرخرید جائیدادوں میں اضافہ ہوا، جامعہ نظامیہ کے قرب وجوار کی جائیدادوں کو خریدا گیا۔ گن فاؤنڈری کی جائداد پر کمرشیل کامپلکس تعمیر ہوا جس سے جامعہ کے مالیہ میں خاطر خواہ استحکام آیا۔ آج چرم قربانی کے اہم ذریعہ آمدنی کے ختم ہونے کے باوجود جامعہ کا مالیہ مستحکم ہے۔ حضرت قبلہ کے شخصی سیاسی وسماجی اثرورسوخ کے ذریعہ جامعہ نظامیہ کے اسنادات کی مسلمہ حیثیت عثمانیہ یونیورسٹی سے بحال ہوگئی۔ آپ کے دور امارت کا سب سے نمایاں کارنامہ 125 سالہ جشن تاسیس کا کامیاب انصرام ہے، علاوہ ازیں حکومت تلنگانہ کے 14 کروڑ کی امداد سے آڈیوٹیوریم کی تعمیر حضرت قبلہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، پس حضرت قبلہ کے دور امارت فرزندان جامعہ کے لیے مجموعی طور پر رحمت کا باعث بنا، اللہ تعالی حضرت قبلہ کی گراں قدر خدمات کو قبول فرمائے۔
آپ کی خدمات کا دائرہ روحانی اور تعلیمی اداروں تک محدود نہیں ہے بلکہ وسیع ملی اور سماجی میدانوں تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے تلنگانہ اسٹیٹ وقف بورڈ کے رکن کی حیثیت سے اہم خدمات انجام دیں اور اوقافی جائیدادوں کے تحفظ اور ان کے انتظام میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں، آپ نے وقف قوانین اور ان میں ہونے والی مجوزہ تبدیلیوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی کی، یہ موقف اختیار کرتے ہوئے کہ یہ قوانین مسلمانوں کے بنیادی حقوق اور اداروں کی مذہبی خودمختاری کو متاثر کرتے ہیں۔
آپ دارالسلام کوآپریٹو بینک کے چیرمین اور ڈیکن کالج آف میڈیکل سائنسز اینڈ انجینئرنگ ٹیکنالوجی کے سکریٹری / خزانچی جیسے کلیدی عہدوں پر فائز ہیں، جو ملی سطح پر تعلیمی اور مالی استحکام فراہم کرنے میں اہم ہیں۔

مجلس اشاعت العلوم صابریہ کا قیام:

مجلس اشاعت العلوم صابریہ، ایک عظیم علمی ودینی ادارہ ہے جسے حضرت مولانا سید شاہ علی اکبر نظام الدین حسینی صابری نے قائم فرمایا، اس مجلس کا بنیادی مقصد دینی علوم کی اشاعت، اسلامی ورثے کی حفاظت، مشائخِ کرام کی تعلیمات کی ترویج اور علمی ذوق رکھنے والے افراد تک صحیح ومستند اسلامی ذخیرہ پہنچانا ہے۔ الحمد للہ اس ادارے نے اپنے قیام کے بعد سے اب تک کئی علمی وتحقیقی اور اصلاحی وروحانی کتب شائع کی

ہیں، جو اہلِ علم و فن کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔ مجلس اشاعت العلوم صابریہ کی شائع کردہ کتب حسب ذیل ہیں:
تفسیر قطبی، تحقیقی مقالہ امام طحاوی، تعددِ ازدواج اور تفسیر سورہ فاتحہ از سید شاہ قطب الدین حسینی صابری، دیوانِ شاہ خاموش (ہندی) از حضرت سید شاہ اکبر نظام الدین حسینی صابری، تذکرہ فریدیہ، از مفتی مشتاق احمد انبیٹھوی، انوار العاشقین، از مفتی مشتاق احمد انبیٹھوی، زاد سفر و دیوان حضرات سجادگان حضرت شاہ خاموش، از مولانا سید شاہ علی اکبر نظام الدین حسینی صابری، دیوان حضرت شاہ خاموش، سوانح و دیوان حضرت شاہ خاموش، سوانح حضرت حافظ موسیٰ مانک پوری، عقود اللآلی، حکایات حضرت شاہ ابو المعالی انبیٹھوی صابری، مرآۃ التوحید
یہ تمام کتب، اس بات کا روشن ثبوت ہیں کہ مجلس اشاعت العلوم صابریہ صرف خانقاہی روایت کے تسلسل کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا علمی و تحقیقی مرکز ہے جو دینِ اسلام کی خدمت، علومِ اسلامیہ کی ترویج اور صوفیائے کرام کے پیغام کو عام کرنے میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔
اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس مجلس کے فیوض و برکات کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور اسے دین و ملت کی سربلندی کا ذریعہ بنائے آمین۔
حضرت مولانا سید شاہ اکبر نظام الدین حسینی صابری صاحب جدید و قدیم تعلیم دینی و عصری (جامعہ نظامیہ)، مالی استحکام (بینک)، اور سماجی خدمات (وقف بورڈ، طبی و دیگر ادارے) کو ایک ساتھ لے کر چلتے ہیں، جو موجودہ دور میں ملت کے مجموعی ارتقاء کے لیے ناگزیر ہے۔ آپ ایک سجادہ نشین اور کئی اداروں کے سرپرست کی حیثیت سے نہ یہ کہ صرف روحانی رہنمائی فراہم کرتے ہیں بلکہ قوم و ملت اور خانقاہوں کے سجادگان کو درپیش عملی اور قانونی چیلنجز میں بھی فعال قیادت کرتے ہیں۔
خانقاہ حضرت شاہ خاموش نے اپنے قیام سے لے کر آج تک علمی، ادبی اور سماجی اعتبار سے بے مثال خدمات انجام دیں۔ یہ خانقاہ ایک ایسی روایت کی نمائندگی کرتی ہے جو امن، محبت اور علم کی روشنی کو عام کرتی رہی۔ آج کے دور میں ان تعلیمات کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے تاکہ معاشرے میں بھائی چارہ اور انسانی ہمدردی کو فروغ دیا جاسکے۔ اس خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین مولانا سید شاہ اکبر نظام الدین حسینی صابری صاحب کی شخصیت جنوبی ہند کی ملی اور مذہبی قیادت میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے، جو ایک طرف روحانی فیض کی تقسیم میں مشغول ہے تو دوسری طرف تعلیمی، اوقافی اور سماجی میدانوں میں ملت کی ترقی اور تحفظ کے لیے کوشاں ہیں۔

*****

حوالہ جات:

1۔ مشکوۃ النبوۃ۔1256ھ۔ حضرت سید شاہ غلام علی قادری
2۔ تاریخ دکن 1996ھ۔ عبد العلیم نصر اللہ خان خشگی
3۔ تزک محبوب 1319ھ غلام صمدانی خان گوہر حیدرابادی
4۔ انوار العاشقین 1332ھ مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی
5۔ تذکرہ اولیاء حیدراباد 900ھ تا 1300ھ۔ سید مراد علی طالع
6۔ تذکرہ سادات 1363ھ سید شاہ ناصر الدین علی قادری

7۔ تذکرہ اولیاء محمد عبد الجبار خان ملکاپوری
8۔ گلزار اصفیہ خواجہ غلام حسین خان
9۔ تذکرہ مشائخ عظام سید شاہ فرید الدین حسینی صابری
10۔ سوانح عمری و دیوان شاہ خاموش
11۔ سید محمد حسنین صابری (مطبع مراد باد)
12۔ دیوان شاہ خاموش۔1887ء منشی محمد مشتاق، دار الطبع
13۔ تذکرۃ العارفین المعروف بہ حیات مظہریہ 1386ھ غلام حسین شاہ صابری
14۔ مرقع سخن ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
15۔ دیوان حضرت شاہ خاموش۔1374 انتخاب پریس
16۔ تذکرہ مخطوطات جلد سوم
17۔ تاریخ صوفیا کرام و سلاطین دکن صوفی محمد اسماعیل قادری ملتانی چشتی صابری
18۔ زاد سفر و دیوان حضرات سجادگان حضرت شاہ خاموش 2003ء مولوی حیدر حسین

خانقاہ قتالیہ کولم پلی کا گنگا جمنا تہذیب کے فروغ میں کردار

ڈاکٹر سید احمد حسینی اشرفی جلالی*
ڈاکٹر تبریز حسین#

بر صغیر میں صوفی بزرگان دین کے آستانے، علم وادب بھائی چارہ یکجہتی، امن امان کے فروغ کے مراکز کے طور پر نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں ۔اس مطالعہ کا مقصد یہ تحقیق کرنا رہا کہ آستانہ قتالیہ کولم پلی کی جانب سے روحانی فیوض وبرکات کے علاوہ جو خدمات انجام دی جارہی ہیں۔وہ خدمات علم وادب کے فروغ اور گنگا جمنی تہذیب کے تحفظ میں کسی طرح کار آمد ثابت ہو رہی ہیں۔ اس مطالعہ کا مقصد آستانے سے وابستہ تعلیمی اداروں، کتب خانہ، ادبی سرگرمیوں، بین المذاہب کانفرنسوں کی اہمیت وافادیت کی عصر حاضر میں ضرورت کو اُجاگر کرنا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کی سرزمین ہمیشہ سے مذہبی اور روحانی عظمت کی حامل رہی ہے۔ یہاں مختلف مذاہب کے رشی منی اور صوفی سنتوں نے تصوف اور بھگتی کی تعلیمات کو عام کرنے میں اہم اور کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ہندو دھرم کے رشی منی اور سنت عبادت وریاضت کے علاوہ نفس کشی میں سرگرم عمل رہے۔بدھ دھرم اور سکھ مذہب کی اشاعت اور تعلیمات بھی ہندوستان ہی سے شروع ہوئیں۔ مسلمان صوفی اور بزرگان دین نے بھی اسی دیارِ ہند کو اپنی رشد وہدایت، اخلاص ومحبت کی تعلیم وترویج کے لیے پسند کیا۔یہی وجہ ہے کہ بر صغیر میں صوفی بزرگان دین کے آستانے، علم وادب، بھائی چارہ، یکجہتی، امن امان کے فروغ کے مراکز کے طور پر پہچانے گئے۔ ملک میں اِن آستانوں کی ایک طویل فہرست ہے جو ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔اِن ہی میں تلنگانہ ریاست کے نارائین پیٹ ضلع کے موضع کولم پلی میں حضرت مخدوم خواجہ سید شاہ احمد قتال حسینی زیدی اشرفی کا آستانہ بھی ایک ہے۔ جو550 برسوں سے یہاں اُخوت بھائی چارہ اور علم وادب کے فروغ کی شمع روشن کیے ہوئے ہے۔

کولم پلی میں مدفن حضرت سید شاہ احمد قتال حسینی اشرفی کا تعلق خانوادے جلالیہ سے ہے۔ آپ حضرت سید شاہ نور عالم حسینی اشرفی کے فرزند پنجم اور حضرت سید شاہ چندا حسینی کے نبیرہ (پوتے) ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب جو بیس ویں پشت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور سلسلہ خلافت دو واسطوں سے حضرت سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی سے جاملتا ہے۔ ویسے آپ کا نام سید احمد حسینی اشرفی ہے۔ قتال کی اضافت اس لیے ہے کہ آپ نے اپنے نفس کو قتل کیا تھا۔ بریں بناء سید شاہ احمد قتال حسینی اشرفی کے نام سے مشہور ہوئے۔

خانوادہ قتالیہ کے بزرگوں میں حضرت سید شاہ محمد جلال لدین حسینی المعروف چندا حسینی ہیں آپ کا تعلق کرناٹک کے گوگی سے رہا ہے۔۔

---

* جانشین سجادہ کولم پلی
فیکلٹی، شعبہ تعلیم نسواں، مانو حیدر آباد

بیجاپور کے عادل شاہی دور کی تاریخ گوگی کے ذکر کے بغیر ادھوری ہے۔ کیونکہ گوگی میں مدفن صوفیوں نے علم وادب اور گنگا جمنی تہذیب کے فروغ میں جو خدمات انجام دی ہیں اس کا ذکر کئی ایک مورخین واسکالرس کی تصانیف میں موجود ہے۔ سال 1608ء میں رفیع الدین شیرازی نے سلاطین بیجاپور کی اہم تاریخ تذکرۃ الملوک تحریر کیا اُس میں گوگی کا ذکر موجود ہے جبکہ ابراہیم عادل شاہ کے حکم سے محمد قاسم فرشتہ نے سنہ 1600ء میں ممالک ہند کی ایک شاندار تاریخ رقم کی ہے۔ جس کو دنیا تاریخ فرشتہ کے نام سے جانتی ہے۔ بلکہ تاریخ کی اس کتاب کو ایک مستند کتاب ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اس تاریخ فرشتہ میں بھی گوگی کے صوفیوں کا ذکر اور تعلیمات نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔

دکنی ادب کے مورخین میں سید قادر محی الدین زور کا نام سنہرے لفظوں سے لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے دکنی ادب پر گراں قدر کام انجام دیا ہے۔ سید قادر محی الدین زور کی 1960 میں شائع کتاب 'دکنی ادب کی تاریخ' میں بھی گوگی کا ذکر موجود ہے۔

عہد بہمنی کے حوالے سے لکھا ہے کہ

"ان یادگاروں میں سب اہم اردو زبان اور ادب ہے۔ جو انہی کی سرپرستی میں پورے دکن میں رائج ہو گیا۔ اسی وسیع ملک میں جگہ جگہ اس کے مراکز قائم ہو گئے۔ جن میں گلبرگہ، بیدر، قندھار، گوگی، احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈہ، کرنول، کڑپہ، ویلور، مدراس، بودھن، اورنگ آباد وغیرہ تاریخ ادب اردو میں اب تک یاد کیے جاتے ہیں۔"[1]

حضرت سید جلال حسینی المعروف چندا حسینی نے بھی ترسٹھ (63) سال تک اس دار فانی میں فیوض وبرکات کے دریا بہا کر نور یزدانی کی شعاؤں سے عالم کو منور کر کے ماہ شعبان کی دس تاریخ کو 858 ہجری میں اس دار ناپائیدار سے دار البقاء کی طرف کوچ فرمایا۔

ہوئی عمر ترسٹھ جو عمر رسول چلاوہ حسینی گلستان کا پھول

حضرت سید چندا حسینی کا مدفن گوگی شریف میں زیارت گاہ عام وخاص ہے۔ آپ کا سالانہ عرس بتاریخ دس / شعبان کو منایا جاتا ہے۔ اور معتقدین کی کثرت ہوتی ہے۔ اس موقع پر نعتیہ ومنقبتی طرحی مشاعرہ بھی منعقد ہوتا ہے۔ دور دراز سے شعرائے کرام کو مدعو کیا جاتا ہے۔ سلاطین عادل شاہیہ نے ازراہ عقیدت بہ صرف کثیر آپ کے مرقد مبارک پر نہایت خوش نما چوکھنڈی تعمیر کروائی ہے۔ اور خود سلاطین بھی احاطہ درگاہ میں مدفون ہیں۔ حضرت چندا کے پہلو میں سلاطین عادل شاہی کا مدفن ہونا ان سے عشق ومحبت کا اٹوٹ ثبوت ہے۔

صوفی بزرگوں کے آستانے اور خانقاہیں مختلف مذاہب اور مختلف زبان بولنے والوں کے آماجگاہ ہوا کرتی تھی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

یہ سب چیزیں ہمیں صوفیوں کے آستانوں میں واضح نظر آتی ہیں جس کی زندہ مثال خانقاہ قتالیہ کولم پلی ہے۔ 550 برس بیت جانے کے بعد بھی فیوض وبرکات پانے کے لیے بلالحاظ مذہب عقیدت مند امڑ پڑتے ہیں۔ یہاں ماہانہ تصوف کی محفل حلقہ ذکر کا انعقاد پابندی سے ہوتا

[1] دکنی ادب کی تاریخ، ص10،

ہے جہاں بڑی تعداد میں شریک عقیدت مند ذکر الٰہی میں مشغول ہو کر سکونِ قلب حاصل کرتے ہیں۔ حکمت وروشن خیالی کے عدسہ سے اگر دیکھیں تو صوفیوں کے یہاں آستانوں میں ہر دھرم کو ماننے والے ملتے ہیں۔

اس مذہبی رواداری کی روایت کو خانقاہ کے ارباب مجاز یعنی موجودہ سجادہ نشین سید شاہ جلال حسینی اشرفی نے بھی جاری رکھا ہے۔ ہر سال بین المذاہب کانفرنس کا انعقاد اس کی بہترین مثال ہے۔ اس بین المذاہب کانفرنس میں رشی منیوں، سادھوں سنتوں، کے بشمول تمام مذاہب کے اسکالرس کو مدعو کیا جاتا ہے۔ اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں میں ملک کی کئی اہم شخصیات شامل ہیں۔ جنہوں نے موجودہ حالات میں بین المذاہب کانفرنس کے انعقاد کو وقت کی اشد ضرورت سے تعبیر کیا ہے۔ اس بین المذاہب کانفرنس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں تمام سیاسی جماعتوں کے سرکردہ قائدین بھی بلا تفریق اور سیاسی وابستگی سے ہٹ ایک عام شہری اور گنگا جمنی تہذیب کے فروغ کے عہد کے تحت شرکت کرتے ہیں۔ کولم پلی میں سالانہ منعقد ہونے والی یہ کانفرنس جو پچھلے پچیس برسوں سے ہر سال انعقاد کی جارہی ہے جو مقامی اور قومی سطح پر ایک منفرد اور بہترین مثال ہے۔

سماع کے ذریعہ دلوں کو جوڑنے کی پہل: اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے کہ ہندوستان میں چشتیہ صوفیوں نے موسیقی کو اپناتے ہوئے اس میں خدائے واحد کی تبلیغ کا کام کیا۔ اگر ہم یہاں اسلامی نقطہ نظر سے موسیقی (سماع) کی بات کریں تو بعض عالم دین اور مشائخ نے اس کے موافق میں لکھا ہے تو بعض اس کے ممانعت میں لکھا ہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اِسے صحیح ٹھہرایا ہے اُن ہی میں معروف اسلامک اسکالر و خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ پٹنہ سٹی کے سجادہ نشین پروفیسر سید شمیم الدین منعمی ہیں۔ جنہوں نے ڈاکٹر التفات امجد کے مرتب کردہ ('روح سماع منتخب عربی وفارسی') جلد اول کے بارے میں کیے گئے ایک تبصرے میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ:

"حسن صورت اچھی آواز خوش گلوئی بھی معجزات انبیاء میں سے ایک ہے، اور یہ رغبت، انابت اور رقّت کا سب سے معتبر ذریعہ ہے۔ خوش الحانی کے نتیجے میں جہاں ایک طرف ہمہ تن گوشی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ وہیں دوسری طرف روح کو سیرابی اور تسکین حاصل ہوتی ہے۔ روتا بچہ سو جاتا ہے۔ اور غافل راغب ہو جاتا ہے۔ خوش گلوئی میں اگر سنگت اور جگت بھی مل جائے تو، کیا کہنے یعنی اکیلے کلام پڑھنے والے کو اگر ہمنوا بھی مل جائیں تو سماع کیلیے سماع بندھ جاتا ہے۔ چنانچہ داؤدؑ کی ہم نوائی کیلیے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم باری تعالیٰ ہوا:

یاجبال اوّبی معه والطیر پھر تو وہ مجلس سماع برپا ہوئی کہ کائنات کا ذرہ ذرہ جھوم اُٹھا الا ماشاء اللہ۔ یوں معجزہ فضل و فعلِ الٰہی ہے۔ لیکن حضرت داؤدؑ کے سنگت اور جگت میں پہاڑوں اور پرندوں کو ایک سر تال میں تسبیح کے حسن بے مثال کو پروردگار نے وکنا فٰعلین فرما کر بطور خاص اپنا کارنامہ بتایا۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ خوش گلوئی کے ساتھ ساتھ زبور بھی چاہئے عمدہ کلام اور پاکیزہ لحن روح کی غذا ہے۔"[1]

ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم و مجاہد آزاد امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد موسیقی کو شریعت کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مفتیان کرام نے اس معاملے میں جو رویہ اختیار کیا ہے وہ انتہاء پسندانہ رویہ ہے۔ بلکہ

---

[1] روح سماع' پر تبصرہ، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ امجدیہ، سیوان بہار،

اسلام حقیقت میں فنون لطیفہ کے خلاف نہیں ہے۔اس بات کی عام شہرت ہو گئی ہے کہ اسلام کا دینی مزاج، فنون لطیفہ کے خلاف ہے اور موسیقی محرمات شرعیہ میں داخل ہے، حالانکہ فقہانے اس معاملے میں تشدد کیا۔[1]

مولانا نے اپنے ہفتہ روزہ الہلال میں بھی اس تعلق سے یوں تحریر کی ہے کہ :

"میں یہ کہنے میں نہیں شرماتا کہ موسیقی کو نہایت محبوب رکھتا ہوں، اس لیے اس شئے سے قطع تعلق نہیں کر سکتا، جس کا تعلق دل کے ساتھ جسم وروح کا تعلق ہے"[2]

خانقاہ قتالیہ میں بھی سماع کی اس روایت کو برقرار رکھا گیا ہے۔یہاں سالانہ عرس کے علاوہ ماہانہ محافل اور دیگر خاص موقعوں پر سماع کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ سماع میں لوگوں کی کثیر تعداد ہوتی ہے یہاں کہ سماع کی خاص بات یہ ہے کہ یہ اردو زبان کے علاوہ مقامی تلگو زبان میں بھی قوالیاں گائی جاتی ہیں تاکہ پیغام اسلام مقامی لوگ بھی اپنی زبان میں سمجھ سکیں اور گنگا جمنی تہذیب پروان چڑھ سکے۔ موسیقی کا یہ رواج اتنا عام ہوا ہے کہ گاؤں میں گشت کرنے والے ہندو مسلم فقیر بھی اس کا سہارا لیتے ہیں اور تلگو قوالیوں کو گاتے ہوئے چلتے ہیں۔ تلگو میں جس کے کچھ بول یوں ہیں کہ :

"سروا ما تالا سارنشم واکٹے دیوڑوں واکٹے دیوڑوں واکٹے
مانوا سیوا مادھوا سیوا کتال حسینی نی سندیشم"

(تلگو قوالی)

ترجمہ: تمام مذاہب کا نچوڑا ایک ہی ہے، خدا ایک ہے خدا ایک ہے، خدمت خلق ہی خدمت رب ہے، یہی پیام قتال حسینی۔

گنگا جمنا تہذیب کے فروغ میں صنفی مساوات ضروری ہیں یہی وجہ ہے کہ دکن کے صوفیوں میں خواتین بزرگان (پیرانی ماں) کا کردار بھی نمایاں ہے۔ ایسی ہی نظائر ہمیں خانقاہ قتالیہ میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ حضرت سید قتال حسینی کے کے بائیں جانب آپ کی ہمشیرہ سیدہ عائشہ بی بی کا مزار ہے۔ خواتین عقیدت مندوں کی بڑی تعداد یہاں خاص کر آیا کرتی ہیں۔ اسی طرح اس خانقاہ سے جڑی کئی خواتین نے اپنے اپنے حلقہ میں تبلیغ اسلام اور پیام انسانیت کو عام کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ان ہی میں ایک، خانقاہ قتالیہ سے وابستہ عارفہ کاملہ سیدہ رقیہ المعروف بی جانی بی صاحبہ بیجاں کا ہے۔ پیرانی ماں سیدہ رقیہ کا تعلق دکن کے مشہور صوفی بزرگ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے گھرانے سے ہے۔ آپ اس آستانہ کے سجادہ نشین سید شاہ ید اللہ حسینی کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا بیاہ درگاہ سید قتال حسینی کے سجادہ سید احمد حسینی سے ہوا۔ تب سے آپ نے خانقاہ قتالیہ میں اپنے منفرد انداز میں علم وادب کے ساتھ دین کا کام بھی انجام دیا۔ آپ کے یہاں روزانہ خواتین عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد آیا کرتی تھیں جنہیں آپ تعلیمات کے ساتھ آداب زندگی کے اسلوب سکھایا کرتی تھیں۔ آپ نے ایک

---

[1](غبار خاطر صفحہ 271)

[2]الہلال، شمارہ: 1913

طویل عرصہ تک نارائین پیٹ مستقر پر قیام کیا۔ وہیں آپ کی خانقاہ ہوا کرتی تھی۔ خواتین اپنے دکھ درد آپ کے ساتھ بانٹی تھیں وہ نہایت سادہ لب ولہجے میں پیام انسانیت سمجھاتی اور بڑے سے بڑے مسائل کو سلجھا دیتی تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کا شمار ضلع محبوب نگر کے اعلی مقام شعراء میں ہوتا ہے۔ حمد نعت ومنقبت پر مبنی دکنی لب ولہجہ میں شاعری کرتی تھیں۔ انجمن آرٹس، سائنس کامرس کالج بیجاپور (کرناٹک) کے صدر شعبہ عربی سید یوسف حسینی نے سیدہ رقیہ المعروف بی جانی بی صاحبہ کے کلام کو ترتیب دیتے ہوئے ایک دیوان بنام "عرفانِ بیجاں" کے نام سے شائع کیا۔ مقالہ نگار اول سید احمد نے حسینی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "اردو شعر ادب کے فروغ میں محبوب نگر کا حصہ" بیجاں کے کلام کے بارے میں کچھ اس طرح رقمطراز ہے کہ

بیجاں کے کلام میں اردو زبان کا دکنی لہجہ ملتا ہے۔ تصوفانہ انداز میں انہوں نے اردو شاعری کو فروغ دینے کی سعی کی، 'کیسے جاؤں پیا کے گھر کو' کے عنوان سے جو کلام تحریر فرمایا جس سے ان کے اندر موجود وسیع العلم کی کیفیت عیاں ہوتی ہے۔ بوجھ سر پہ گناہوں کا بھاری جی۔۔۔ کیسے جاؤں پیا کے در کو، گناہوں کے دکھ ہیں طاری جی۔۔۔ کیسے جاؤں پیا کے در کو

پیرانی ماں سیدہ رقیہ بیجان کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں وہ خواتین کے لیے ایک مکمل انجمن تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پیرانی ماں کی دکنی روایتی تہذیب کو برقرار رکھا بلکہ زندگی کی آخری سانس تک اپنے شب وروز اسی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کی وفات ایک سو سات سال کی عمر میں کولم پلی میں ہوئی۔

خانقاہ میں اردو ادب کے فروغ کے لیے مشاعروں کا انعقاد: آستانہ حضرت سید شاہ احمد قتال حسینی اشرفی کے عرس مبارک کے موقع پر کل ہند سطح کا نعتیہ ومنقبتی مشاعروں کا انعقاد کرتے ہوئے اردو ادب کے فروغ کیلیے ایک مثالی اقدام کیا ہے۔ چھوٹے سے گاؤں میں کل ہند سطح کے عظیم الشان پیمانے پر مسلسل مشاعروں کا انعقاد ایک بہترین کوشش ہے۔ جو تشنہ گان اردو ادب کی پیاس بجھانے میں کافی مددگار ثابت ہوئی ہے۔ آج سے لگ بھگ 46 برس قبل یعنی سال 1976 میں پہلا مشاعرہ جو غیر طرحی نعتیہ تھا منعقد کیا گیا۔ مشاعروں کے انعقاد کا سلسلہ 25 برس تک بلا خلل جاری وساری رہا۔ کئی طرحی مشاعرے بھی اِن میں شامل ہیں۔ جن شعرا نے یہاں اپنا کلام سنایا ہے اُن میں قابل ذکر جمیل الدین شرفی، خواجہ شوق، مسرور عابدی، سردار سلیم، برق کڑپوئی، ثاقب بنارسی، گوتم سروپ، نور آفاقی، ظہیر ناصری، حلیم بابر، سلیم عابدی، جلال عارف، نصرت فاروقی، منان رہبر، وحید اسیر، چچاپالموری، روشن خانزادے، آعظم اثر، اختر حسین اختر احمد آبادی، محسین جلگانوی، تبریز حسین تبریز، روف حسام، غلام محمود تاج، قاری احمد حسین جمیل، دوویش شولاپوری، بے ہوش محبوب نگری، جلیل رضا، غوث پاشاہ اتم، شمس جالنوی، محب کوثر تاج الدین تاج ودیگر شامل ہیں۔

ہر سال پابندی سے منعقد کیے جانے والے اِن محافلوں میں نعت کیلیے ایک سال مصرعہ دیا گیا تھا "نور وحدت کا سراپا ہیں محمد مصطفی" اِس مصرعے میں سراپا قافیہ تھا جبکہ ردیف ہیں محمد مصطفی تھا۔ اِس مصرعے پر مشاعرے میں شریک شعراء عمدہ کلام پیش کیا۔ حیدرآباد سے تشریف لانے والے مشہور ومعروف شاعر گوتم سروپ نے اِس مصرعے پر بہترین نعت پیش کرتے ہوئے سامعین کے دلوں میں منفرد مقام حاصل کرلیا تھا۔ جن کے کلام کا ایک شعر جو یو تھا:

پارہ پارہ ہوگئیں ٹکراکے باطل طاقتیں عزم وہمت کا ہمالہ ہیں محمد مصطفی

مقالہ نگار دوم ڈاکٹر تبریز تاج اُس وقت ایک ابھرتے شاعر کے طور پر اس مشاعرے میں حصہ لیکر اپنا کلام پیش کیا تھا"

سارے نبیوں کے شہنشاہ ہیں محمد مصطفی زینت عرشِ معلی ہیں محمد مصطفی

خانہ دل آپ کا تبریز روشن ہوگیا آسمانِ دل کا تارا ہیں محمد مصطفی

اِس کے لیے علاوہ ایک اور طرحی مصرعہ ”شاہ قتال کے روضہ کی ہوا آتی ہے۔۔ یہاں ہوا قافیہ تھا اور آتی ہے ردیف۔۔اِس مصرے پر بھی شعرانے کافی عمدہ کلام پیش کیا تھا۔چند شعرا کا نمونہ کلام پیش ہے جو اس طرح تھا۔اِس مشاعرے میں شاداب بے دھڑک مدراسی نے اپنے نعتیہ طرحی کلام سے کافی داد حاصل کی تھی۔جنکے شعر کے اس مصرعے کو بار بار سنا گیا تھا ”ٹوٹتے قلب سے آواز خدا آتی ہے“۔سید جلال حسینی اشرفی بھی ایک اچھے شاعر ہیں وہ نعت اور منقبت لکھتے ہیں۔انہوں نے اِس مصرعے پر ایک منقبت پیش کی جس کے چند اشعار کچھ اس طرح ہیں۔

یاد جس لمحہ مدینے کی فضا آتی ہے شاہ قتال کے روضہ کی ہوا آتی ہے

جیسے ہی اِس علاقہ اور اس کے آس پاس کولم پلی کے عرس شریف کا تذکرہ ہوتا ہے۔فوری طور پر لوگوں کے ذہنوں میں مشاعرے اور ادبی محفلوں کا تصور اُبھر کر آتا ہے۔اردو ادب کے فروغ میں یہ ایک انتہائی مثبت اقدام ہے۔مشاعروں کے انعقاد سے سامعین وقیتہ طور پر محظوظ تو ہوتے ہیں ساتھ ہی ساتھ اِن میں ادبی ذوق بھی پروان چڑھتا ہے۔سامعین کے اندر بھی سوچ وفکر پروان چڑھتی ہے۔منقبتی کلام سے صوفی نظریات کو سادہ الفاظ میں عام فہم انداز سے سمجھانے کیلیے شعراء کا کلام مددگار ثابت ہوتا ہے۔کیونکہ آج کے دور میں ہم آہنگی قومی یکجہتی اور بھائی چارہ کو برقرار رکھنے میں اِن مشاعروں کا بھی اہم رول رہا ہے۔شعراء نے اپنے منقبتی کلام سے امن اور آشتی کی شمع روشن کی ہیں۔جس کا اجالا سماج میں پھیلے نفرتوں کے اندھیروں کو دور کر رہا ہے۔جیسے خود سید جلال حسینی اشرفی کا یہ شعر اس کی ایک عمدہ مثال ہے:

ہر شئے میں دید ہوگی خدا کے وجود کی دل میں تو اپنے پیر کا نقشہ جما کے دیکھ

اس کے علاوہ اُن ہی کا ایک اور شعر بھی ہے جو اِن مشاعروں میں سنایا گیا ہے۔جو یکجہتی کو پروان چڑھانے کی ایک کامیاب سعی ہے۔

ہندو ہوکہ مسلم ہوکہ سکھ ہوکہ وہ عیسائی ہر ایک کا دعویٰ ہے قتال ہمارا ہے

اِس طرح کے اشعار سے جو ماحول بنتا ہے وہ بھائی چارے کا،امن کا،اخوت کا اور کثرت میں وحدت والے سماج کا کیونکہ ہندوستان کی شناخت کثرت میں وحدت والے مثالی سماج کی ہے۔اِن مشاعروں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے علمی وادبی خدمات کے ساتھ ساتھ شہریوں کے سماجی ذمہ داریاں بھی پوری ہورہی ہیں۔بلکہ حقیقت میں بھی اگر دیکھیں تو آج بھی صوفیوں کے آستانوں پر تمام مذاہب،ذاتوں اور نسل کے افراد بلا تفریق شرکت کرتے ہوئے اپنی اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔بلکہ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی آج اِن صوفیوں کے مزاروں پر

ہزاروں عقید تمند صدق دل سے حاضر ہو کر اِن قدموں میں گلاب و عنبر پیش کرتے ہیں۔یہی گنگا جمنی تہذیب کی حقیقی عکاسی ہے۔ غیر مسلموں کے ہزاروں خاندان حضرت قتال حسینی کے پیام محبت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کے عقید تمند ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی بارگاہ پر آج بھی سینکڑوں غیر مسلم زائرین حاضری دیتے ہیں۔ اور اپنی نذر و نیاز پیش کر کے دلی مرادیں حاصل کرتے ہیں۔ جس کی وجہ آج بھی بلالحاظ مذہب وملت ہمیشہ عقیدت مندوں کا تانتا بندھا ہوتا ہے۔

علمی فلاحی خدمات: خانقاہ قتالیہ سے وابستہ ایک ایجوکیشنل سوسائٹی بنام اشرفیہ ایجوکیشنل سوسائٹی ہے۔ جس کے تحت کئی تعلیمی و سماجی بہبود کے کام انجام دیئے جاتے ہیں۔ جس کے تحت دینی درسگاہ دارالعلوم اشرفیہ جلالیہ چلایا جاتا ہے جو سن 1991 میں قائم کیا گیا۔ جہاں سینکڑوں بچوں کو اقامتی طرز پر دینی و دنیاوی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں زیر تعلیم طلباء میں مفت یونیفارمس تقسیم کیے جاتے ہیں۔ وہیں سوسائٹی کی جانب سے کولم پلی کے بشمول دیگر مقامات پر مفت طبی کیمپس منعقد کیے جاتے ہیں۔ان طبی کیمپس میں بلالحاظ مذہب ہر تمام افراد کی تشخیص کی جاتی ہے جو یہاں علاج کے لیے آتے ہیں۔ قانونی شعور بیداری کے کیمپس بھی منعقد کیے جاتے ہیں۔

مذکورہ تحقیق سے یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ نارائین پیٹ ضلع کے موضع کولم پلی میں واقع خانقاہ قتالیہ کی خدمات سے علاقہ میں گنگا جمنی تہذیب کو فروغ مل رہا ہے۔ لوگ یہاں کی خدمات ایک جانب روحانی فیض پارہے ہیں تو وہیں دوسری جانب دنیاوی معاملات میں باشعور ہورہے ہیں۔ جو ایک بہترین اور صحت مند معاشرے کی علامت ہے۔

*****

مصادر و مراجع

1۔ اردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب: مرتبہ ڈاکٹر کامل قریشی، ص:216-17

2۔ دکنی ادب کی تاریخ، ص10

3۔ گلشنِ جلالیہ،(تعلیماتِ تصوف مع مختصر سوانح عمری بزرگان سلسلہ چشتیہ جلالیہ) صفحہ نمبر 23

4۔ اسلامی تصوف از سید احمد عروج قادری

5۔ تصنیف 'روح سماع' پر تبصرہ، اس کتاب کے ناشر دارالاشاعت خانقاہ امجدیہ، سیوان بہار

6۔ غبار خاطر صفحہ 271

7۔ الہلال کا 13 نومبر 1913 کا شمارہ

8۔ تلگو قوالی _ غفور نیازی محبوب نگر

9۔ عرفانِ بیجاں، مرتب سید یوسف حسینی

10۔ اردو شعر ادب کے فروغ میں محبوب نگر کا حصہ۔ پی ایچ ڈی مقالہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

11۔ خانقاہ سے شائع مختلف کتب (چند اکا جال، گلشن جلالیہ، حسینی زیدی سعادات کا سفر کربلا سے کولم پلی تک اخذ کیا گیا ہے

خانقاہِ قادریہ حبیبیہ، حیدرآباد کی روحانی وراثت اور علمی وسماجی خدمات

عبدالرحمن پاشا*

حیدراباد کے برگزیدہ خانوادوں میں سے ایک ممتاز اور قدیم خانوادہ حمومی خاندان ہے، جس کی دینی و روحانی خدمات کا سلسلہ ایک صدی سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ آج حیدرآباد میں اس خانوادے کی تین نسلیں اپنی دینی، علمی اور روحانی خدمات پیش کر چکی ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کا ذکر مکتوبات اور کتب میں بہت کم ملتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس خاندان کے بزرگانِ دین نے شہرت سے ہمیشہ گریز کیا۔

حمومی خاندان کے جد اعلی کا نام معلم حسن بن سعید الحمومی تھا، جن کا تعلق یمن کے شہر "حضرموت" سے ہے۔ آپ نے عرب کی علمی و روحانی فضا میں پرورش پائی اور کم عمری ہی سے دینی علوم میں مہارت حاصل کی۔ معلم حسن بن سعید الحمومی نے بغرض تجارت "حضرموت" سے ہندوستان کا سفر کیا اور گجرات کے علاقہ "کاٹھیاواڑ" میں سکونت اختیار کی۔ حضرت والا کو قرأت اور تعلیم القرآن میں انتہا درجہ کی مہارت حاصل تھی۔ ان کے حسن قرات کے چرچے عام تھے قرآنِ مجید کی تلاوت میں آپ کے دل نشین انداز اور روح پرور آواز نے اس دور کے گجرات کے بادشاہ کو اس قدر متاثر کیا کہ اس نے آپ کو اپنے علاقے کا معلم مقرر کیا۔ اسی نسبت سے آپ کو "معلم" کے لقب سے شہرت حاصل ہوئی۔ بعد ازاں آپ نے حیدرآباد دکن کا رخ کیا اور یہاں نور خان بازار کے علاقے میں مستقل قیام فرمایا۔

معلم حسن بن سعید تفسیر، حدیث میں ید طولی رکھتے تھے۔ جب آپ حیدرآباد پہنچے تو اس وقت شہر میں مختلف عقائد اور طبقات کے لوگ آباد تھے، لیکن آپ نے اپنے اخلاق، حلم اور حکمت کے ساتھ سب کو محبت، صبر اور رواداری کا پیغام دیا۔ حیدرآباد میں جس شخصیت نے اس خاندان کی دینی خدمات کے سلسلے کو آگے بڑھایا ان کا نام نامی مولانا محفوظ بن عبد اللہ الحمومی القادری المعرف عاشق الہی ہے، آپ انتہائی صوفی منش انسان تھے۔ آپ اس خاندان کے وہ پہلے شخص تھے؛ جنھوں نے اپنی روحانی نسبت حضرت قطب ویلور سے وابستہ کی۔ مولانا محفوظ بن عبد اللہ الحمومی القادری کا قلب ذکرِ الٰہی سے معمور اور زبان ہر دم تسبیح و تحمید میں مصروف رہتی تھی۔ آپ نے اپنی پوری زندگی عشقِ رسول ﷺ اور خدمتِ خلق کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والا ہر شخص سکون اور اطمینان محسوس کرتا تھا۔ آپ نے تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کے لیے بے شمار لوگوں کی رہنمائی فرمائی۔ حضرت محفوظ الحمومی کا اندازِ گفتگو نرم، دلنشین اور دلوں کو مسخر کرنے والا تھا۔ آپ کی محافل میں ذکر و درود کی ایسی فضا قائم ہوتی تھی؛ جو دلوں کو منور کر دیتی تھی۔ دینِ اسلام کی روحانی قدروں کو عام کرنے میں حضرت محفوظ بن عبد اللہ الحمومی نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کی زندگی زہد، تقویٰ اور اخلاص کا پیکر تھی جس سے ہر مخلص سالک کو رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

---

* ایم اے، ایم سی جے، مانو- ملٹی میڈیا جرنلسٹ

حضرت قطب ویلور کا مختصر پس منظر:

جنوبی ہند میں تجدیدِ دین، احیاءِ ایمان اور دعوتِ اسلام کی روشن علامت حضرت قطبِ ویلور سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری (1207ھ/1792ء– 1289ھ/1872ء، مدینہ منورہ) کی ذات گرامی ہے، جنہوں نے اپنے علم، روحانیت اور غیر معمولی دعوتی بصیرت کے ذریعے اسلام کی اشاعت اور اصلاحِ امت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ چونکہ خانقاہ قادریہ حبیبیہ لطیفیہ کو براہِ راست حضرت خانوادۂ قطبِ ویلور سے خلافت و نسبت حاصل ہے، اس لیے یہاں ان کی شخصیت اور خدمات کا تعارفی تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت قطبِ ویلور سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری جنوبی ہند کی تجدیدی و دعوتی تحریک کے ممتاز رہنما، بلند پایہ عالم، صوفی اور مصلحِ وقت تھے۔ آپ نے برطانوی دورِ غلامی میں محاذ آرائی کے بجائے دعوت و اصلاح کا پرامن اور مؤثر طریقہ اختیار کیا، مختلف زبانوں میں دعوتی رسائل شائع کروا کر ہندو راجاؤں اور حتیٰکہ ملکہ وکٹوریہ تک کو اسلام کی دعوت دی۔ آپ کے لاکھوں مریدین اور خلفا نے درس و تدریس، وعظ و تربیت، اور تصنیف و تالیف کے ذریعے پورے جنوبی ہند میں ایمان، اور علم و عرفان کی شمعیں روشن کیں۔ خانوادہ قطبِ ویلور نے آپ کی قائم کردہ روحانی و علمی روایت کو نسل در نسل جاری رکھا، جس کے اثرات آج بھی جاری و ساری ہیں۔

ڈاکٹر ابو نعمان بشیر الحق قریشی ادھونی نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے حضرت قطبِ ویلور کی شخصیت و خدمات پر تحقیق کی، جسے بعد میں کتابی صورت میں "حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفاء کے علمی و ادبی کارنامے" عنوان سے شائع کیا، مذکورہ کتاب کے مقدمہ میں مرحوم ڈاکٹر افضل الدین اقبال، سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد رقم طراز ہیں:

> "حضرت قطب ویلور 1207ھ، 1792ء کو پیدا ہوئے اور 1289ھ 1872 میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت قطب ویلور نے جس وقت میدانِ عمل میں قدم رکھا اس وقت ہندوستان پر سامراجی انگریزوں کا قبضہ تھا۔ شمالی ہند میں آپ کے ہم عصر عالم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دے دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں جہاد کا غلغلہ بلند تھا۔ ہر طرف ہنگامے اور شورشیں برپا تھیں انگریز سامراج پوری قوت سے ان شورشوں کو ختم کرنے میں لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے شمالی ہند میں قید و بند اور کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ وہیں دوسری طرف حکومت اور عیسائی مشنری دونوں عیسائیت کے فروغ اور توسیع کے لیے سرگرم تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہندوستان سے اسلام کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ ایسے وقت جنوبی ہند میں حضرت قطب ویلور کی ذات گرامی نے اسلام کے احیاء کی تحریک شروع کی۔ وہ خود اپنے خلفاء و تلامدہ کے ساتھ انگریزی حکومت اور انگریز سامراج سے محاذ آرائی کے بجائے خاموشی سے دعوت اسلام کی تحریک میں لگ گئے۔ قطب ویلور نے انگریزوں کو اسلام کی جانب مائل کرنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مختلف راجاؤں اور غیر مسلم طبقوں کو بھی

اسلام کی دعوت دی۔"[1]

ڈاکٹر افضل الدین اقبال مذکورہ کتاب میں آگے لکھتے ہیں:

"حضرت قطب ویلور کے آٹھ لاکھ مرید تھے؛ ان میں سے آپ نے صرف چار سو اشخاص کو خرقہ خلافت اور اجازت دعوت سے نوازا تھا۔۔۔ اردو زبان وادب کی نشو نما اور ترقی میں حضرت قطب ویلور نے اپنی تصانیف اپنے مکتوبات اور اپنے وعظ و بیان کے ذریعہ جو حصہ دیا ہے اور پھر آپ کے خلفاء و تلامدہ نے جو گراں قدر علمی، ادبی اور مذہبی خدمات انجام دی ہیں اسے تاریخ ادب نظر انداز نہیں کر سکتی"۔[2]

عوام میں یہ تصور عام ہے کہ اہلِ تصوف کا دائرۂ عمل محدود ہوتا ہے اور ان کا عوام الناس سے براہِ راست تعلق کم رہتا ہے، نیز وہ اختلافی مسائل میں عموماً خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ لیکن حضرت قطبِ ویلور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے فروعی اختلافات میں امت کے درمیان پائے جانے والے افراط و تفریط کو ختم کرنے اور انہیں راہِ اعتدال پر لانے کی بھرپور کوشش کی۔ اسی حقیقت کو ممتاز محقق ڈاکٹر راہی فدائی نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

"حضرت قطب ویلور کا مزاج و منہاج اپنے آباء و اجداد کی گرنقدر تعلیمات خاندانی، صالح ترین روایات اور اس دور کے جید علماء و فضلاء کی تربیت کی وجہ سے سراسر داعیانہ اور انتہائی حکیمانہ و مصلحانہ ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ نے قبل ازیں شریعت کے بعض فروعی مسائل کے تعلق سے پائے جانے والے افراط و تفریط سے عامۃ المسلمین کو محفوظ رکھنے اور انہیں راہ اعتدال سے آگاہ کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب 'فصل الخطاب بین الخطأ والصواب' (1277ھ) تصنیف فرمائی جس سے عوام و خواص دونوں طبقوں کو فائدہ پہنچا؛ یہاں تک کہ بہت سے اہل علم نے اس کتاب کو اپنی محسن کتابوں میں شمار کیا۔"[3]

حضرت قطب ویلور کا شجرۂ نسب:

جناب حافظ ڈاکٹر ابو نعمان بشیر الحق قریشی ادھونی، جو کتاب "حضرت قطبِ ویلور اور ان کے خلفاء کے علمی و ادبی کارنامے" کے مصنف ہیں، نے اپنی اس کتاب میں حضرت قطبِ ویلور سید شاہ محی الدین عبد اللطیف قادری کا مفصل شجرۂ نسب اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں۔

"آپ کا سلسلہ مادری بتیس واسطوں سے امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے اور اسی سلسلہ میں بیسواں

---

[1] بشیر الحق، حافظ ڈاکٹر ابو نعمان بشیر الحق قریشی ادھونی، حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفاء کے علمی و ادبی کارنامے، پہلا ایڈیشن؛ ویلور: اسلامک ریسرچ فاونڈیشن، سنہ اشاعت: 2004، جلد 1 صفحہ نمبر: 10

[2] حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفا کے علمی و ادبی کارنامے، صفحہ نمبر: 12

[3] راہی فدائی، ڈاکٹر راہی فدائی، جنوب کے اصحاب کمال، پہلا ایڈیشن؛ حیدرآباد: الانصار پبلی کیشنز، سنہ اشاعت: 2019 جلد اول صفحہ نمبر: 377، 378

واسطہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر تہی ہوتا ہے اور آپ کا سلسلہ پدری امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت قطب ویلور کو سادات حسنی اور حسینی ہونے کا شرف حاصل ہے۔"[1]

اس کے بعد بشیر الحق صاحب نے حضرت قطبِ ویلور کا تفصیلی شجرۂ نسب پیش کیا ہے، تاہم طوالت کے باعث یہاں صرف مذکورہ بالا اقتباس ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

خانقاۂ قطب ویلور کا خانقاہی نظام، درس و تدریس اور اصلاح و تزکیہ:

حضرت قطبِ ویلور سید شاہ محی الدین عبد اللطیف قادری نے مسندِ سجاد گی سنبھالنے کے بعد اپنی تمام تر توانائیاں تعلیم و تربیت، اصلاح و تزکیہ اور دعوت و ارشاد کے کاموں میں وقف کر دیں۔ آپ نے خانقاہ کو روحانی و علمی تربیت کا مرکز بنا دیا جہاں ہزاروں طالبانِ علم و سلوک نے علمِ دین، تفسیر، حدیث، فقہ اور اخلاقِ تصوف کی روشنی حاصل کی۔

کتاب مجد دِ جنوبی ہند حضرت قطبِ ویلور میں حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی لکھتے ہیں کہ آپ کی شخصیت میں شریعت و طریقت کا حسین امتزاج تھا، جیسا کہ امام مالک کے قول "من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق..." کا عملی نمونہ آپ کی ذات تھی۔[2] حضرت عبد الغفار مسکین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی انتہائی منظم اور عبادت و خدمت خلق سے بھرپور تھی — رات کے پچھلے پہر بیداری، نماز و ذکر، تدریس حدیث و تفسیر، تصنیف و فتویٰ نویسی، اور عصر کے بعد عوامی وعظ و نصیحت آپ کے معمولات میں شامل تھے۔

حضرت مولانا عبد الرحیم ضیاء حیدر آبادی کے مطابق، آپ کی تربیتِ باطنی کا طریقہ افراط و تفریط سے پاک، صحابہ و تابعین کے انداز پر مبنی اور مؤثر حد تک جامع تھا۔ آپ کے مواعظ و ارشادات نے عوام و خواص دونوں کے دلوں میں انقلاب برپا کیا۔[3]

خانقاہ عالیہ قادریہ حبیبیہ لطیفیہ، حیدر آباد:

خانقاہِ عالیہ قادریہ حبیبیہ لطیفیہ، حیدر آباد کے اُن روحانی مراکز میں سے ایک ہے جہاں عشقِ الٰہی، اتباعِ سنت اور خدمتِ خلق کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ خانقاہ حضرت قطبِ ویلور اور حضرت مولانا محفوظ بن عبد اللہ الحمومی القادری کے روحانی فیضان کا مظہر ہے، جنہوں نے سلسلۂ عالیہ قادریہ لطیفیہ کے پیغام کو حیدر آباد کی سرزمین تک پہنچایا۔ اس خانقاہ کی بنیاد محبت، اخلاص اور تزکیۂ نفس کی تعلیمات پر رکھی گئی۔ ابتدائی دور میں اس خانقاہ کی روحانی و علمی سرگرمیاں حیدر آباد کے قدیم علاقے نور خان بازار میں منعقد ہوتی تھیں، جہاں علم و عرفان کی محفلیں، ذکر و فکر کی مجالس اور میلاد و درود کی روح پرور محافل کا سلسلہ مسلسل جاری رہتا تھا۔ لیکن جب آپ کے فرزند مولانا المقری عبد الرحمان بن محفوظ الحمومی کا تقرر شاہی مسجد باغ عام میں ہوا تو یہ سرگرمیاں آہستہ آہستہ باغ عام میں منتقل ہو گئیں۔

---

[1] حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفاء کے علمی و ادبی کارنامے، صفحہ نمبر:46

[2] مصنف مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری ادھونی، مجد دِ جنوبی ہند حضرت قطب ویلور، صفحہ نمبر:22-25

[3] ایضاً

حضرت مولانا المقری عبد الرحمن بن محفوظ الحمومی القادری اولین خطیب شاہی مسجد باغ عام:

حضرت مولانا محفوظ بن عبد اللہ الحمومی القادری نے جس خانقاہی نظام کی بنیاد حیدرآباد میں رکھی، اسی سلسلے کو اُن کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا المقری ابو محمد عبد الرحمن بن محفوظ الحمومی القادری نے نہایت اخلاص اور روحانیت کے ساتھ آگے بڑھایا۔ وہ باکمال عالمِ دین، ولی صفت اور مجذوب المشرب بزرگ تھے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا الحافظ المقری عبد الرحمن بن محفوظ الحمومی القادری شاہی مسجد باغِ عامہ کے پہلے خطیب اور جنوبی ہند کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ، کے شیخ القراء و شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ آپ نے اپنی علمی گہرائی، زہد و تقویٰ اور خدمتِ دین کے ذریعے طلبہ اور اہل علم کے درمیان ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں دکن کے متعدد جلیل القدر علما شامل ہیں جنھوں نے آپ سے علم حدیث، تجوید اور قراءت میں فیض پایا۔

حضرت عبد الرحمن بن محفوظ الحمومی القادری کی علمی و روحانی کاوشوں سے جامعہ نظامیہ میں فنونِ قراءت کو نئی جہت ملی، اور آپ کے درسِ حدیث سے ہزاروں طالبانِ علم نے استفادہ کیا۔ آپ نہ صرف جید محدث اور ماہرِ قراءت تھے بلکہ زہد، اخلاق اور روحانیت کے اعتبار سے بھی ایک روشن مثال تھے۔ اپنی پوری زندگی آپ نے قرآن و سنت کی خدمت میں بسر کی، اور آپ کا علمی و روحانی ورثہ آج بھی اہلِ علم و ارادت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

حضرت عبد الرحمن بن محفوظ الحمومی القادری، ممتاز فقیہ و محدث حضرت العلامہ حافظ و قاری سید محمود شاہ ابو الوفا الافغانی (پیدائش: 10 ذی الحجہ 1310ھ، قندہار–وفات: 30 ربیع الثانی 1348ھ) کے خاص تلامذہ میں تھے اور صحبت یافتہ تھے۔ آپ علامہ ابو الوفا کے قائم کردہ علمی ادارے مجلس احیاء المعارف النعمانیہ، حیدرآباد کے تاسیسی اراکین میں شامل تھے، جس کے ممتاز اراکین میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مفتی حبیب اللہ المدیحجی، اور پروفیسر مولانا عبد الستار خان بھی شامل تھے۔ اس ادارے کا مقصد ائمۂ احناف خصوصاً امام اعظم ابو حنیفہ اور اُن کے تلامذہ کی نایاب فقہی و حدیثی تصانیف کو معیاری تحقیق، مقدمات اور حواشی کے ساتھ دوبارہ شائع کرنا تھا۔[1]

شاہی مسجد باغ عام حیدرآباد میں امامت و خطابت کی ذمہ داری:

حضرت مولانا المقری عبد الرحمن بن محفوظ الحمومی القادری کا شاہی مسجد باغ عامہ میں پہلے خطیب کے طور پر کیسے انتخاب ہوا؟ یہ بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔ حضرت کے نبیرہ ڈاکٹر احسن بن محمد الحمومی (موجودہ امام و خطیب شاہی مسجد باغ عام) بیان کرتے ہیں:

> "خود حضرت مولانا المقری عبد الرحمن بن محفوظ الحمومی القادری کے زبانی یہ بیان ہے کہ جب میں حضور نظام کی طلبی پر شاہی مسجد باغ عام پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس وقت کے بڑے بڑے اصحاب علم و فضل شاہی مسجد میں امامت و خطابت کے لیے اپنی قسمت آزمائی کر رہے ہیں۔ جب میری باری آئی تو میں سادہ لباس میں تھا اور میں نے عربی

[1] ڈاکٹر محمد فضل اللہ شریف، "مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کی علمی خدمات"، دکن میں اسلامی علوم کی خدمات، مرتبین: محمد فہیم اختر ندوی / ذیشان سارہ، نئی دہلی، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، 2023، صفحہ نمبر 277

لحن میں خطبہ پڑھا تو اعلیٰ حضرت حضور نظام نے اسے بہت پسند کیا۔ مجھے جامعہ نظامیہ سے بطور خاص طلب کرنے کی وجہ مکہ مسجد کا جلسہ تکمیل حفظ قرآن بنا؛ جہاں حضور نظام نے راست مجھے اپنے دست مبارک سے سند عطا کیا تھا اور بہت ممکن ہے کہ میرے اندازِ قرأت نے ان کے دل میں جگہ بنالی تھی۔ حضور نظام میر عثمان علی خان نے شاہی مسجد میں امامت و خطابت کے لیے مجھے منتخب کرلیا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے تو روزانہ جامعہ نظامیہ سے آکر نماز پڑھانا مشکل ہو گا، تو اس پر حضور نظام میر عثمان علی خان نے دادا محترم کو فوری مسجد کے بائیں طرف کی جگہ پر ایک حجرہ تیار کرکے دیا اور کہا کہ آپ یہاں قیام کریں۔ اس طرح میرے دادا حضرت مولانا المقری عبدالرحمٰن بن محفوظ الحمومی القادری کا شاہی مسجد باغ عامہ میں پہلے خطیب کے بطور انتخاب عمل میں آیا"۔

حضرت مولانا المقری عبدالرحمن بن محفوظ الحمومی القادری نہایت رقیق القلب، صاحبِ وجدان اور عشقِ رسول ﷺ سے سرشار بزرگ تھے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ یا رسولِ اکرم ﷺ کا ذکر آتا، آپ پر گہری رقت اور جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ دکن کے معروف محقق اور دائرۃ المعارف العثمانیہ کے سابق صدر مولانا ابوبکر محمد الہاشمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن محفوظ الحمومی القادری کو جامعہ نظامیہ میں تدریسِ حدیث، خصوصاً مشکوٰۃ المصابیح کی تعلیم کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔ دورانِ درس جب آپ حدیث نقل کرتے ہوئے الفاظِ مبارکہ "قال رسول اللہ ﷺ" تک پہنچتے، تو عشق و استحضار کی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ آپ دیر تک خود پر قابو نہ رکھ پاتے۔ آپ کی اس والہانہ کیفیت کو دیکھ کر طلبہ نے انتظامیہ سے گزارش کی کہ حضرت کو حدیثِ شریف کی تدریس سے معذور رکھا جائے، چنانچہ احتراماً یہ درخواست منظور کرلی گئی۔

حیدرآباد کی علمی و روحانی روایت میں استاد اور شاگرد کا رشتہ ہمیشہ نہایت گہرا، بابرکت اور مثالی رہا ہے۔ استاد کی صحبت نہ صرف علم عطا کرتی ہے بلکہ شاگرد کے باطن کو بھی منور کرتی ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے استاد کے اخلاق، طرزِ فکر اور مسلکِ فکری و روحانی کو بھی اختیار کرلیتا ہے۔ حضرت مولانا المقری عبدالرحمن بن محفوظ الحمومی القادری کی زندگی اس حقیقت کی روشن مثال ہے۔ آپ کو علم و فیض حاصل کرنے کا شرف علامہ ابوالوفا الافغانی جیسے جلیل القدر فقیہ اور محدثِ دکن حضرت سید عبداللہ شاہ نقشبندی جیسے عظیم روحانی پیشوا کی صحبت میں حاصل ہوا۔ اگرچہ عربی پس منظر کے باعث آپ شافعی المسلک تھے، لیکن ان بزرگوں کی علمی گہرائی، روحانی تاثیر، اور صحبتِ صادقہ نے آپ کے قلب و ذہن پر ایسا اثر ڈالا کہ آپ نے نہ صرف فقہی طور پر مسلکِ حنفی کو اختیار کیا بلکہ سلسلۂ نقشبندیہ قادریہ میں انہی مشائخ سے روحانی رہنمائی حاصل کی۔

آپ کی تدفین احاطہ درگاہ محدث دکن حضرت عبداللہ شاہ صاحب میں ہوئی۔ حضرت مولانا المقری عبدالرحمن بن محفوظ الحمومی القادری کو سات دختران اور پانچ فرزندان تھے۔ ان کے بیٹوں میں سوائے حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبدالرحمٰن الحمومی القادری سب بچپن ہی میں وفات پاگئے۔

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبد الرحمن الحمومی القادری:

خاندانِ حمومیہ، حیدرآباد کی تیسری نمایاں شخصیت حضرت مولانا المقری عبد الرحمن بن محفوظ الحمومی القادری المعروف حبیب پاشاہ کی ہے۔ آپ اپنے والدِ گرامی کے عہدِ حیات ہی میں اُن کے جانشین مقرر ہوئے اور شاہی مسجد باغِ عامہ کے دوسرے خطیب کی حیثیت سے خدمت انجام دی۔ آپ دینی و عصری علوم میں یکساں مہارت رکھنے والے، باکمال عالم اور ہمہ جہت شخصیت تھے۔ آپ نے فنِ طب کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا اور خدمتِ خلق کو اپنی زندگی کا شعار قرار دیا۔

آپ کا شمار حیدرآباد دکن کے چنندہ اور نہایت بااعتماد حکماء میں ہوتا تھا۔ جامعہ نظامیہ کے شیخ الشیوخ حضرت مولانا مفتی ولی اللہ قادری (رشتہ میں بڑے بہنوئی) کے یہاں سبقاً سبقاً درس نظامی کی باضابطہ دس سال میں تکمیل کی۔ پہلے پہل منگل ہاٹ میں آپ کا مطب تھا۔ آپ شروعاتی طور پر شاہی مسجد باغ عام میں فجر، ظہر اور نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ اس کے چند عرصے بعد باضابطہ طور پر شاہی مسجد کے خطیب مقرر ہوئے۔ آپ منبر و محراب کے مثالی پاسبان تھے، جنہوں نے چھ دہائیوں تک قوم و ملت کی بے لوث آبیاری کی۔ جامعہ نظامیہ کے سابق نائب مفتی محمد قاسم صدیقی تسخیر رقم طراز ہیں کہ:

> ”جب آپ سولہ برس کے ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت ابو الحسنات محدث دکن کی غلامی میں دیا اور عین جوانی میں ریاضت اور مجاہدہ شاقہ کی تربیت کی اور بذات خود اپنے فرزند کو باغ عامہ سے حسینی علم فجر کی نماز میں حضرت محدث دکن اور کبھی حضرت ابو الوفا الافغانی کے پیچھے ادا کرنے کے لیے لے جاتے۔ اس تربیت کا اثر یہ ہوا کہ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے عین جوانی میں چالیس دن حضرت محدث دکن کے پیچھے نماز فجر ادا کرتے تو دوسرا چلہ حضرت ابو الوفاء الافغانی کے پیچھے ادا کرتے۔ اس طرح آپ نے متعدد چلے مکمل کیے۔ حضرت ابو الوفا الافغانی ہر اتوار کو زجاجۃ المصابیح کا درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مرحوم کی استقامت کا یہ عالم تھا کہ بیس سال تک مسلسل درس میں شریک ہوئے اور ناغہ کا سوال ہی نہ تھا“۔[1]

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبد الرحمن الحمومی القادری کا تعلق قرآنِ کریم سے نہایت گہرا اور مثالی تھا۔ آپ حقیقتاً فنا فی القرآن تھے۔ سفر ہو یا حضر، آپ کی زبان ہمیشہ تلاوتِ قرآن سے تر رہتی۔ قرآن سے آپ کی وابستگی اس قدر عمیق تھی کہ جب بھی کوئی خاص موقع یا واقعہ پیش آتا، آپ اپنے فرزندان کو فوراً اس سے متعلقہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت کا حکم دیتے، اور بعد ازاں اُن آیات کی روشنی میں نہایت حکیمانہ اور سبق آموز ارشادات فرماتے۔

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبد الرحمن الحمومی القادری نے شاہی مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض سنبھالنے سے قبل دس برس تک جامع مسجد معظم پورہ، ملے پلی میں امامت و خطابت انجام دی۔ بعد ازاں، جب آپ کے والدِ گرامی کی طبیعت ناساز رہنے لگی تو آپ

[1] مفتی محمد قاسم صدیقی تسخیر۔ ”کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جگا کر چل دیئے: حضرت مولانا حافظ و قاری محمد بن عبد الرحمن الیمنی“۔ *منبر و محراب کا مثالی پاسبان! الوداع*، مرتبین: ڈاکٹر محمد مصطفی علی سروری اور حافظ عبد الواسع، حیدرآباد، روزنامہ سیاست، 2023۔، صفحہ نمبر: 5

نے اُن کی نیابت میں شاہی مسجد باغِ عامہ میں جمعہ اور فجر کی امامت شروع کی، دیگر نمازوں کی امامت کا سلسلہ جامع مسجد معظم پورہ میں جاری رہا۔ آپ نے قرآنِ کریم کی تعلیم کا بھی اہتمام فرمایا اور وہیں ایک جز وقتی مکتبِ حفظ قائم کیا، جہاں بالخصوص عصری علوم سے وابستہ طلبہ کے لیے قرآنِ مجید سیکھنے کا نظام رکھا گیا۔ آپ کی خاصیت یہ تھی کہ آپ عصری تعلیم یافتہ نوجوانوں کو نہایت محبت اور حکمت کے ساتھ قرآن کی تعلیم کی طرف راغب کرتے، ان کے دلوں میں قرآن سے ایسی محبت اور شوق پیدا کرتے کہ وہ اپنی تعلیمی، دفتری یا کاروباری مصروفیت کے باوجود حفظِ قرآن مکمل کر لیتے۔

آپ کی توجہ، شفقت اور روحانی حوصلہ افزائی کے نتیجے میں بے شمار ڈاکٹروں، انجینئروں، اکاؤنٹنٹس اور مختلف پیشوں سے وابستہ افراد نے قرآنِ مجید حفظ کیا، حتیٰ کہ ان میں سے کئی افراد نے بعد میں نمازِ تراویح میں قرآن سنانے کا شرف بھی حاصل کیا۔ آپ کے ایک شاگرد عبدالواسع صاحب کا بیان ملاحظہ ہو:

"شعبہ حفظ ملے پلی (جز وقتی) مدرسہ ہے جو عصری علوم حاصل کرنے والے طلباء کو قرآن کے حفظ کا موقع فراہم کرتا۔ یہ منہج کے بانی حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبدالرحمن الحمومی صاحب ہی تھے جو 1966ء میں قائم کیے۔ اور یہ مدرسہ پورے ہمہ وقتی مدارس کے لیے باعث حیرت اور چیلنج تھا۔ ڈاکٹرس، MBA، CA، انجینئرس L.LB ہر پروفیشنل اشخاص مدرسہ سے حفظ کرتے رہے۔ استاذ محترم کا مزاج صوفیانہ، درویشانہ، مشفقانہ، تعلق مع اللہ، مع الرسول، مع القرآن، رہن سہن میں سادگی، بول چال میں سنجیدگی، تقریر میں متانت، تقوی، سادگی اور قناعت میں سلف کی مثال لگتے ہیں۔ علامہ اقبال نے مرد مومن کی تعریف کی ہے کہ اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل، اس کی ادا دلفریب اور اس کی نگاہ دلنواز ہوتی ہے استاذ محترم اسی کا مکمل نمونہ تھے"۔[1]

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبدالرحمن الحمومی القادری کا علم طب اور تصوف پر گہرا مطالعہ تھا۔ یہی ان کا زندگی کا شغف بھی تھا۔ آپ کو حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی بیشتر کتب ازبر تھی۔ آپ اپنے طلبہ اور سالکین سے مختصر مگر جامع گفتگو فرماتے، جس میں آپ کی زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہوتا۔ اپنے حاصل مطالعہ کو چھوٹے چھوٹے اوراق پر نقل کرتے اور اسے اپنے طلبہ و مریدین کے سامنے موقع محل کے حساب سے پیش کرتے۔ اس طرح ہر کوئی ان کے علم اور تبحر سے فیض یاب ہوتا۔ موصوف کے ملفوظات کو آپ کے چھوٹے فرزند مولانا حافظ ڈاکٹر احسن بن محمد الحمومی نے کتابی شکل بعنوان "بکھرے موتی" میں منظر عام پر لایا ہے۔ جو کہ 248 صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا حافظ ڈاکٹر احسن بن محمد الحمومی کے مطابق:

"مطالعہ کا شوق بابا جان کو کس قدر محبوب تھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کثیر العیال ہونے اور محدود آمدنی کے ذرائع کی وجہ سے نئی کتابوں اور دینی معلوماتی و تفاسیر خریدنے کیلیے زر کثیر خرچ کرنا ممکن نہ

---

[1] حافظ عبدالواسع، "حق نے بخشے ہیں انھیں اوصافِ میر کارواں"، منبر و محراب کا مثالی پاسبان! الوداع، مرتبین: ڈاکٹر محمد مصطفی علی سروری / حافظ عبدالواسع، حیدرآباد، روزنامہ سیاست، 2023، صفحہ نمبر: 18

تھا لیکن مطالعہ اور علم میں آضافہ کی خاطر کس قدر مشتاق تھے کہ شہر حیدرآباد کے قدیم کتب فروشوں سے باضابطہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ حسب ضرورت کتابیں خریدتے اور قیمت اقساط میں چکاتے تھے"۔[1]

سلسلہ عالیہ قادریہ لطیفیہ کا حیدرآباد میں تسلسل:

حضرت محدث دکن اور حضرت ابوالوفاء الافغانی کے ساتھ ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ لطیفیہ، ویلور شریف سے بھی حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبدالرحمن الحمومی القادری کا خاص تعلق تھا۔ حضرت حافظ شاہ محمد سولہ سال کی عمر میں حضرت محدث دکن کے ہاتھ پر بیعت ہو چکے تھے۔ حضرت محدث دکن کے انتقال کے بعد خاندان کے دیگر بزرگوں کی طرف سے رائے مشورہ سے آپ سلسلہ عالیہ قادریہ لطیفیہ یعنی سلسلۂ حضرت قطب ویلور سے بھی رجوع ہوئے اور وہاں سے حضرت کو خلافت عطا کی گئی۔ مولانا حافظ ڈاکٹر احسن بن محمد الحمومی کے بیان کے مطابق، سلسلۂ عالیہ قادریہ لطیفیہ (حیدرآباد) کی تجدید و استحکام کے مقصد سے حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبدالرحمن الحمومی القادری ایک وفد کے ہمراہ ویلور شریف تشریف لے گئے، تاکہ وہاں سے روحانی فیض کے ساتھ خلافت و اجازت حاصل کی جائے۔

اس روحانی وفد میں حضرت بابا جان کے ساتھ یہ مشائخِ کرام بھی شامل تھے: حضرت مولانا حافظ عبداللہ المرشد، حضرت مولانا حافظ عبداللطیف مشتاق حفظہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالکریم عابری وغیرہ۔

تاہم، خانقاہِ عالیہ قادریہ لطیفیہ، ویلور شریف سے اس وفد میں صرف حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبدالرحمن الحمومی القادری کو خلافت و اجازت سے نوازا گیا۔ بعد ازاں، شاہی مسجد باغِ عام، حیدرآباد میں ایک پُر وقار روحانی اجتماع منعقد ہوا، جس میں شہر کے تمام مشائخ، علما اور سجادہ نشین حضرات کی موجودگی میں سلسلۂ قادریہ لطیفیہ، حضرت قطبِ ویلور کی خلافت کا باضابطہ اعلان کیا گیا۔

سلسلۂ عالیہ قادریہ حبیبیہ لطیفیہ کا نظام تعلیم وتربیت اور روحانی خدمات:

سلسلۂ عالیہ قادریہ لطیفیہ حبیبیہ حیدرآباد ایک منظم، باوقار اور متوازن تربیت گاہ ہے۔ جو حضرت قطبِ ویلور کی نسبت سے لطیفی اور حضرت محدّثِ دکن کی نسبت سے نقشبندیہ فیضان یافتہ ہے۔ یہ خانقاہ اپنی روحانی و علمی فضا کے ساتھ ایک مکمل نظام تعلیم و تربیت کا حصہ ہے، جہاں گزشتہ ایک صدی سے سینکڑوں وابستگان نے علمی، اخلاقی اور روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ یہ مقام امت کے ہر طبقے کے لیے رشد و ہدایت، اصلاح و تربیت اور عمل کے توازن کا مرکز ہے۔ سلسلہ قادریہ لطیفیہ نے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق تعلیم و تربیت کے جدید ذرائع کو بھی اپنا کر ایک جامع نظام تشکیل دیا ہے۔ یہ ادارہ نوجوان نسل کے لیے روحانی رہنمائی، فکری استحکام، اور عملی اصلاح کا ایک روشن مینار ہے۔

خانقاہ اور اس سے متعلقہ سرگرمیاں

1-شاہی مسجد میں خطباتِ جمعہ:

---

[1] حمومی، ڈاکٹر احسن بن محمد، "پیش لفظ"، بکھرے موتی، مرتب: مولانا حافظ ڈاکٹر احسن بن محمد الحمومی، حیدرآباد، مدرسۃ الحمومی لتحفیظ القرآن الکریم، شاہی مسجد، باغ عام، 2023، صفحہ نمبر: 9

شاہی مسجد باغ عام، حیدرآباد نہ صرف عبادت کا مرکز ہے بلکہ دینی و اخلاقی تربیت کا گہوارہ بھی ہے۔ یہاں کے اردو بیانات اپنے مؤثر اندازِ بیان اور علمی مواد کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ شاہی مسجد میں زمانے کے تقاضوں کے مطابق خطباتِ جمعہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شاہی مسجد کے خطباتِ جمعہ کی اسی اہمیت کی وجہ سے حیدرآباد کے تمام اردو اخبارات خلاصہ بیان کو اہتمام ساتھ اگلے دن شائع کرتے ہیں اور یہاں کے بیانات راست طور پر دنیا کے مختلف ممالک میں رہنے والے اردو داں طبقہ میں ذوق و شوق سے فیس بک (لنک: خطیب شاہی مسجد(https://www.facebook.com/share/1XEtFNwSQn/ کے ذریعہ سماعت کیے جاتے ہیں۔

2- محفل درسِ قرآن :

شاہی مسجد باغ عام میں ہر اتوار کی صبح سلسلۂ عالیہ قادریہ لطیفیہ کے زیرِ اہتمام قدیم درسِ قرآن کی محفل منعقد ہوتی ہے۔ یہ درس سلسلہ وار آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں تدبر و عمل کی دعوت دیتا ہے۔ حیدرآباد کے مختلف علاقوں سے مرد و خواتین کی بڑی تعداد درس قرآن میں شریک ہوتی ہے۔

3-حلقۂ ذکر و مجلس تصوف

کسی بھی خانقاہ اور اس کے سلسلے کی انفرادیت اس کے منظم خانقاہی نظام سے پہچانی جاتی ہے، جو نہ صرف اس کا امتیاز ہوتا ہے بلکہ اسی کے ذریعے مریدین اور سالکینِ راہِ تصوف کی تربیت و تزکیہ انجام پاتا ہے۔

سلسلۂ قادریہ لطیفیہ حبیبیہ کے تحت ہر اتوار نمازِ مغرب کے بعد حلقۂ ذکر و تصوف منعقد ہوتا ہے، جو پورے خانقاہی نظام کی روح اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس محفل میں ذکرِ جلی، ذکرِ خفی، مراقبہ اور محاسبۂ نفس کا مربوط نظام قائم ہے۔ ہر مرید اور سالک کے لیے ایک خاص تربیتی دستور العمل مقرر ہے، جس میں روزانہ کے معمولات —عبادات، نوافل، اذکار، تلاوت اور فرائض —کا اندراج ایک روزنامچے میں کیا جاتا ہے، جسے ہفتہ وار مجلس میں جانچا جاتا ہے تاکہ سالک اپنی روحانی ترقی کا جائزہ لے سکے۔

اس خانقاہی نظام میں پیر کے دن اور ایامِ بیض کے روزوں کی پابندی، دلائل الخیرات کی تلاوت، اور ماہِ صفر میں حزب البحر کی زکوۃ کے لیے نفل اعتکاف کا اہتمام بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ ہر ماہ شب بیداری، ذکر، مناجات اور مراقبۂ محبتِ الٰہی کی محفل لازمی قرار دی گئی ہے، جو اس خانقاہ کی روحانی فضا اور سلوکِ قادری لطیفی کی عملی تعبیر ہے۔

4- مدارس و دینی تعلیم کا نظام:

خانقاہِ حبیبیہ کے تحت علمی و تربیتی میدان میں بھی متعدد ادارے سرگرمِ عمل ہیں، جن کی تفصیلات یہ ہیں:

مدرسۃ الحموی لتحفیظ القرآن: یہ مدرسہ شاہی مسجد میں قائم ہے، جہاں طلبہ کے لیے ہمہ وقتی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ جسمانی اور ذہنی نشو و نما کا منظم اور جامع نظام موجود ہے۔

خانقاہِ قادریہ حبیبیہ کے زیرِ اہتمام قائم یہ ادارہ خواتین و طالبات کی دینی و اخلاقی تربیت کے لیے مخصوص ہے۔ یہاں اخلاق، سیرت، فقہ، اور

تعلیمِ قرآن پر مشتمل جامع نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ مدرسے کا مقصد خواتین میں دینی شعور بیدار کرنا، اُن کی عملی زندگی کو قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالنا، اور آئندہ نسلوں کی بہتر تربیت کے لیے انہیں تیار کرنا ہے۔ یہاں درج ذیل سرگرمیاں انجام دی جاتی ہیں:

1- نکاح ورکشاپ (پری میرج ٹریننگ) 2 ۔حج تربیتی کیمپ 3۔ رمضان میں فہم قرآن ورکشاپس برائے خواتین

اس کے علاوہ خانقاہ کی بیشتر گرمیوں میں خواتین کے لیے علاحدہ انتظام ہوتا ہے۔

مدرسۃ الحمومی للدراسات الاسلامیہ والعربیہ: اس مدرسہ کے تحت فی الحال ایک جز وقتی عالم کورس جاری ہے، جو کہ خاص طور عصری علوم سے وابستہ طلبہ وطالبات کے لیے ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دینی و عصری علوم میں توازن برقرار رہے اور ایسے علما قوم میں پیدا ہوں؛ جو علوم اسلامیہ کے ساتھ عصری علوم کے بھی ماہر ہوں۔

الجامعۃ الفاروقیہ، پہاڑی شریف: یہ ایک ہمہ گیر تعلیمی و تربیتی مرکز ہے، جہاں طلبا کو شریعت وطریقت دونوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ ادارہ کردار سازی، روحانی بالیدگی اور علمی توازن کا عملی مظہر ہے۔ جہاں طلباعلوم اسلامیہ کے ساتھ عصری علوم' روحانی ماحول میں حاصل کرتے ہیں۔ یہاں زیر تعلیم طلبا کو نوعمری ہی سے نفل روزے، روزانہ تہجد، ذکر و تعلق مع اللہ کا پابند بنایا جاتا ہے۔

5- ہفتہ واری لیگل سیل خانقاہِ قادریہ حبیبیہ میں وابستگانِ سلسلہ اور عام عوام کے باہمی تنازعات کے حل کے لیے ہر ہفتہ نمازِ ظہر سے عصر تک "مرکزِ ثالثی و اصلاحِ ذات البین" باقاعدگی سے کام کرتا ہے۔ یہ مرکز دراصل ایک شرعی و سماجی لیگل سیل ہے، جو عدالتی نظام کے بوجھ سے ہٹ کر اخلاقی، عائلی اور سماجی ہم آہنگی کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ یہ ادارہ لوگوں کو طویل عدالتی کارروائی اور غیر ضروری اخراجات سے بچاتے ہوئے مفت ثالثی خدمات فراہم کرتا ہے۔ مولانا ڈاکٹر حافظ احسن بن محمد الحمومی (موجودہ خطیب شاہی مسجد باغ عام) کے مطابق، اب تک اس مرکز کے ذریعے تقریباً ساڑھے تین ہزار خاندانی، ازدواجی، تجارتی اور دیگر نوعیت کے تنازعات کو خوش اسلوبی سے حل کیا جاچکا ہے

6- سالانہ تربیتی اجتماعات: خانقاہِ قادریہ حبیبیہ کے زیرِ اہتمام سال بھر میں متعدد تربیتی و روحانی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے: عوام الناس اور خاص کر مریدین کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسنون تربیتی اعتکاف مع تربیت، ماہِ ربیع الاول میں خطباتِ سیرت (12 روزہ سلسلہ، مقصد: تعلق بالرسول ﷺ کی تجدید) رواں سال 2025 میں ان خطبات سیرت کی 17 ویں سیریز مکمل ہوئی ہے۔ ان خطبات کے تحت ہر سال سیرت کے مختلف گوشوں پر تفصیلی روشنی ڈالی جاتی ہے، اور ربیع الثانی میں مجالسِ قادریہ (6 روزہ پروگرام — پیرانِ پیر کے فیضان و تعلیمات پر مبنی)

7- خدمتِ خلق ورفاہی منصوبے:

دکن میں سلسلۂ قادریہ لطیفیہ کی پہچان خدمتِ خلق کے عنوان سے نمایاں ہے۔ خانقاۂ قادریہ حبیبیہ کے تحت بلڈ ڈونیشن کیمپس کا ہر سال انعقاد عمل میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ غرباء کی امداد، تعلیمی وظائف اور رفاہِ عامہ کے بیسیوں منصوبے جاری ہیں۔ یہ تمام خدمات خانقاہی

تربیت کے عملی مظاہر ہیں۔ خانقاہ کی رفاہی سرگرمیوں میں یہ قابل ذکر کام بھی انجام دیئے جاتے ہیں:

1- قیدیوں کی رہائی 2- شجر کاری مہم 3- غیر مسلم برادران وطن میں دعوتی سرگرمیاں 4- ملک کے دستور و آئین سے متعلق علمی ورکشاپس 5- بچوں کے لیے سیرت کا پروگرام -- سیرت فارکڈز

نسبتِ قادریہ و فیضانِ پیرانِ پیر:

خانقاہِ قادریہ حبیبیہ کا نظام حضرت پیرانِ پیر شیخ سید عبد القادر جیلانی کے خانقاہی نظامِ تربیت سے روحانی نسبت رکھتا ہے۔ یہ نسبت دراصل اس مشربِ اعتدال کی آئینہ دار ہے جس میں شریعت و طریقت کا امتزاج، علم و عمل کا توازن اور ظاہر و باطن کی یکجائی نمایاں ہے۔ حضرتِ پیرانِ پیر کا مدرسہ قادریہ جہاں علم و تقویٰ کے انوار پھیلاتا تھا، وہیں خانقاہِ قادریہ حبیبیہ اسی فیضانِ قادری کی خوشبو کو اپنے ماحول میں تازہ رکھے ہوئے ہے۔ یہ سلسلہ پوری تواضع و انکساری کے ساتھ اس کوشش میں مصروف ہے کہ اسی فیضان کے سائے میں نئی نسل کو دینی و روحانی رہنمائی فراہم کرے۔

جامع نسبت و توازن:

خانقاہِ قادریہ حبیبیہ کے بزرگوں نے ہمیشہ دینی و عصری علوم کے درمیان توازن قائم رکھا۔ ہمارا مرکز علومِ اسلامیہ کے لیے جامعہ نظامیہ سے وابستہ ہے، جبکہ باطنی علوم میں حضرت قطبِ ویلور اور حضرت محدّثِ دکن کے مشرب کے خوشہ چیں ہیں۔

سلسلہ عالیہ قادریہ لطیفیہ کے موجودہ جانشین اور ان کا تعارف:

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبد الرحمن الحمومی القادری (وفات: 12 فروری 2021) کی چھ دختران اور تین فرزندان ہیں۔ خاندان الحمومی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس نسل میں گذشتہ سات پشتوں سے حفاظ اور ماہرین علوم قرآن کو پیدا کیا ہے۔ حضرت ممدوح کے بڑے فرزند مولانا حافظ حسن بن محمد الحمومی ہیں۔ دوسرے فرزند مولانا حافظ محسن بن محمد الحمومی ہیں، اور تیسرے فرزند مولانا ڈاکٹر حافظ احسن بن محمد الحمومی القادری ہیں۔ جو حضرت مولانا حافظ شاہ محمد بن عبد الرحمن الحمومی القادری کے جانشین اور شاہی مسجد باغ عام، حیدرآباد کے تیسرے امام و خطیب ہیں۔

خانقاہِ قادریہ حبیبیہ اور شاہی مسجد کی تمام تر سرگرمیاں جامع حکمتِ عملی اور بہترین منصوبہ بندی کا تقاضہ کرتی ہیں۔ شاہی مسجد باغ عام اس وقت شہر حیدرآباد کا ایک اہم دینی مرکز بن چکا ہے۔ مولانا حافظ احسن الحمومی کی نگرانی میں شاہی مسجد اور خانقاہِ قادریہ حبیبیہ کی تمام تر مذکورہ بالا سرگرمیاں انجام پارہی ہیں۔ موصوف علامہ اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر ہیں:

نگاہ بلند، جان پرسوز ، سخن دلنواز   یہی ہے رختِ سفر میر کاروان کے لیے

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ سلسلہ عالیہ قادریہ / خانقاہ قادریہ حبیبیہ، حیدرآباد کی خدمات کو قبول فرمائے اور اس سے حیدرآباد میں رشد و ہدایت اور علم و عرفان کی فضاؤں کو عام کرے۔ آمین

*****

مصادر و مراجع:

1۔ بشیر الحق۔ حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفاء کے علمی و ادبی کارنامے۔ پہلا ایڈیشن، جلد اوّل، ویلور، اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، 2004، ص10۔

2۔ محمد زکریا۔ مختصر تعارف خانوادہ اقطاب ویلور۔ دوسرا ایڈیشن، حیدرآباد، الانصار پبلی کیشنز، 2014، ص8–9۔

3۔ راہی فدائی، ڈاکٹر۔ جنوب کے اصحابِ کمال۔ پہلا ایڈیشن، جلد اوّل، حیدرآباد، الانصار پبلی کیشنز، 2019، ص377–378۔

4۔ بشیر الحق۔ حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفاء کے علمی و ادبی کارنامے۔ پہلا ایڈیشن، جلد اوّل، ویلور، اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، 2004، ص46۔

5۔ مراد علی، سید مراد علی طالع۔ تذکرۂ اولیائے حیدرآباد (عہدِ آخر سلاطینِ آصف جاہی)۔ پہلا ایڈیشن، جلد چہارم، حیدرآباد، مینار بک ڈپو، 1975، ص 156–157۔

6۔ شریف، ڈاکٹر محمد فضل اللہ۔ ''مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کی علمی خدمات''۔ دکن میں اسلامی علوم کی خدمات، مرتبین: محمد فہیم اختر ندوی و ذیشان سارہ، نئی دہلی، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، 2023، ص25۔

7۔ تسخیر مفتی محمد قاسم صدیقی۔ ''کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جگا کر چل دیئے: حضرت مولانا حافظ و قاری محمد بن عبدالرحمن الیمنی''۔ منبر و محراب کا مثالی پاسبان! الوداع، مرتبین: ڈاکٹر محمد مصطفی علی سروری و حافظ عبدالواسع، حیدرآباد، روزنامہ سیاست، 2023، ص5۔

8۔ حافظ عبدالواسع۔ ''حق نے بخشے ہیں انھیں اوصافِ میر کارواں''۔ منبر و محراب کا مثالی پاسبان! الوداع، مرتبین: ڈاکٹر محمد مصطفی علی سروری و حافظ عبدالواسع، حیدرآباد، روزنامہ سیاست، 2023، ص18۔

9۔ حمومی، ڈاکٹر احسن بن محمد۔ ''پیش لفظ''۔ بکھرے موتی، مرتب: مولانا حافظ ڈاکٹر احسن بن محمد الحمومی، حیدرآباد، مدرسۃ الحمومی لتحفیظ القرآن الکریم، شاہی مسجد باغِ عام، 2023، ص9۔

10۔ الحمومی، محسن بن محمد۔ ''تاج الحفاظ حضرت قبلہ''۔ بکھرے موتی، مرتب: مولانا حافظ ڈاکٹر احسن بن محمد الحمومی، حیدرآباد، مدرسۃ الحمومی لتحفیظ القرآن الکریم، شاہی مسجد باغِ عام، 2023، ص پشتِ سرورق۔

خانقاہ لطیفیہ ویلور کی علمی، دینی واصلاحی خدمات

ڈاکٹر سید سجاد حسین*

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بارھویں صدی ہجری بڑی مبارک اور آفاق گیر شہرتوں کی مالک ہے۔ اس صدی میں جن تین عظیم المرتبت خانوادوں نے اپنے علمی، دینی اور اصلاحی کارناموں اور فکر اسلامی سے شمال اور جنوب کو منبع نور بنایا اور انسانی تہذیب و تمدن کی کثیف فضا کو اخلاقیات کے پاکیزہ ماحول سے ہم کنار کیا ان میں حضرت ملا نظام الدین فرنگی محل کا خاندان دوم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا خاندان اور سوم حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری کا خاندان عہد ساز روشن میناروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شمال کے دونوں خانوادے اب غیر تقریباً غیر موثر ہو چکے ہیں جبکہ جنوب میں حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری کا خانوادہ آج بھی بڑی خاموشی سے علم دین کی خدمت انجام دیتا آرہا ہے۔

خانقاہ لطیفیہ ویلور ریاست تمل ناڈو کی ایک قدیم درس گاہ، سلوک و معرفت کا مرکز، فقہی مسائل کے لیے دارالافتاء اور دعوت و تبلیغ کی آماج گاہ ہے۔ یہ خانقاہ مدراس اور بنگلور کی شاہ راہ پر واقع ہے۔ سلطنت بیجاپور کا شیرازہ بکھرنے کے بعد 1138 ہجری میں حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپور سے ہجرت کر کے ویلور دارالسرور تشریف لائے۔ آپ کی ذات گرامی سے یہاں ایک خانوادہ وجود میں آیا جو آج بھی قلعہ ویلور کے قریب آباد ہے اور یہ علاقہ حضرت موصوف کی نسبت سے حضرت مکان کہلاتا ہے۔ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری کی ویلور میں آمد اور مستقل رہائش کے بعد یہاں دھیرے دھیرے مسلمان آباد ہونے لگے۔ اس طرح یہاں دعوت و تبلیغ اور سلوک و معرفت کی روایت کا جو سلسلہ تین سو سال پہلے شروع ہوا تھا وہ آج بھی جاری و ساری ہے۔

حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری کے دودمان عالی شان کا آغاز ہندوستان میں حضرت برہان الدین سے ہوا جو اصفہان سے گجرات تشریف لائے اور آپ کے ساتھ آپ کے فرزند ارجمند حضرت سید اسماعیل اصفہانی بھی تھے جن سے یہاں اولاد کا سلسلہ چل پڑا۔ اس خاندان کی جو چار پشتیں گجرات میں سکونت پذیر ہوئیں ان میں حضرت سید عبدالفتاح، حضرت سید قطب الدین، حضرت سید عبدالحق اور حضرت سید شاہ محمد علیہم الرحمہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جبکہ حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری ثم ویلوری کی سات پشتیں جو ویلور میں سکونت اختیار کیں ان میں حضرت قربی، حضرت ذوقی، حضرت محوی، حضرت قطب ویلور، حضرت رکن الدین، حضرت عبداللطیف مکی، حضرت ابوالفتح سید عبدالقادر اور ان کے تین حقیقی برادران اعلی حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین، حضرت سید شاہ محمد باقر قادری اور مولانا ابوالحسن صدر الدین محمد طاہر قادری علیہم الرحمہ کے اسمائے گرامی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ صاحب "انوار اقطاب ویلور" مولانا طیب الدین اشرفی لکھتے ہیں:

"حضرت سید شاہ عبداللطیف جب بیجاپور سے ویلور پہنچے تو قلعے کے جنوب میں ایک وسیع میدان میں اپنے اہل و

---

*سابق پروفیسر و صدر شعبہ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونیورسٹی، چنئی

عیال کے ساتھ اقامت گزیں ہوئے۔ اسی شب آپ کے خواب میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایااے نور العین اسی جگہ قیام کرنااور یہیں خانقاہ مدرسہ اور مسجد تعمیر کرانا تمہاری اولاد امجاد سے ہمیشہ اہل عالم کو فیض پہنچے گا۔ جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو ظاہر میں بھی اسی خواب کے آثار کامشاہدہ کیا۔ 1149 ہجری میں حضرت سید شاہ عبد اللطیف کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت سید ابو الحسن قربی (1118 ہجری -1182 ہجری) ویلور میں تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ اور تصوف و تزکیہ کا کام وسیع پیمانے پر شروع کیااور سنہ 1779 میں قلعہ ویلور کے شمالی حصے میں ایک خانقاہ تعمیر کی جس کی عمارت کے در و دیوار سے آج بھی آثار شوق وحسرت نمایاں ہیں۔"

حضرت ابو الحسن قربی ویلوری خانقاہ لطیفیہ کے اولین معمار ہیں۔ ان کے خلفاء میں حضرت ذوقی، حضرت محوی، حضرت قطب ویلور کے علاوہ حضرت مولانا باقر آگاہ ویلوری کے اسمائے گرامی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ جن کی علمی دینی و اسلامی خدمات سے امت مسلمہ ایک مدت سے فیض یاب ہوتی آ رہی ہے۔

حضرت ابو الحسن قربی ویلوری کا اسم گرامی ابو الحسن ہے۔ آپ کی ولادت 1118 ہجری مطابق 1706 عیسوی کو بیجاپور میں ہوئی۔ اپنے والد ماجد سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا محمد حسین بیجاپوری سے شرف تلمذ اختیار کیا پھر حضرت فخر الدین مہکری بے خود ویلوری جیسے عارف باللہ سے دینی علوم وفنون سیکھے۔ چونکہ بچپن ہی سے ذہین وفطین واقع ہوئے تھے اس لیے کم مدت میں عربی زبان پر اس قدر عبور حاصل کر لیا کہ فتوحات مکیہ، فصوص الحکم ،الانسان الکامل، فتوح الغیب کے علاوہ عربی ادب کی اونچی اونچی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے اس میدان میں اپنے ہم عصر علماء سے کہیں آگے نکل گئے۔ حضرت قربی ویلوری کی عربی دانی سے متاثر ہو کر حاکم وقت نواب غلام غوث خان اعظم "تذکرہ گلزار اعظم "میں فرماتے ہیں کہ

"حضرت قربی عربی نثر بڑی فصیح وبلیغ لکھتے تھے اور انہیں اس پر کامل عبور حاصل تھا۔"

حتی کہ اس دور کے تذکرہ نگاروں نے بھی حضرت قربی ویلوری کی عربی دانی اور ان کی تحریر و انشاء کا اعتراف کیاہے۔ حضرت قربی ویلوری علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تکمیل کے بعد مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور لوگوں کی اصلاح وتربیت، تزکیہ و تطہیر اور درس و تدریس کا کام وسیع پیمانے پر شروع کیا۔ حضرت قربی نے سنہ 1179 ہجری میں شہر ویلور کے شمالی حصے میں ایک خانقاہ تعمیر کی جس پر حضرت باقر آگاہ اور حضرت ذوقی نے تاریخی قطعے تحریر کیے۔

حضرت باقر آگاہ کا قطعہ ہے

اے خانقاہ نو کہ دہد شرح صدور — دل تازہ کند برنگ کعبہ ز سرور

گفتند ملک بہ چرخ کاین قبۂ نور — والطور وسنین لبیت المعمور

حضرت ذوقی کا شعر ہے

بجستم ز دل سال تاریخ آن را　　　　به گفتاز ہی خانقاہ نشین

حضرت قربی کی یہ خانقاہ محض سلوک و معرفت کی تربیت گاہ نہ تھی بلکہ اس دور کے مزاج اور ماحول کی مناسبت سے قرآن وحدیث کی درس گاہ، علوم وفنون کا دارالعلوم، مصالح عوام اور فقہی مسائل کے لیے دارالافتاء، دعوت و تبلیغ کے لیے افراد سازی کا قلعہ، زبان وادب کی مجلس اور شعر و سخن کی ایک بے مثال بزم تھی۔ ویلور اور اس کے گرد و نواح میں جتنے بھی حضرات فارسی زبان کے فاضل ہوئے وہ سب کے سب حضرت قربی کے بلاواسطہ یا بالواسطہ شاگرد تھے۔

حضرت قربی شاعری اور سخن شناسی میں یگانہ روز گار تھے۔ آپ ادیبوں، شاعروں اور مصنفوں کی سرپرستی اور رہنمائی فرماتے تھے اور ان کے کلام کی اصلاح پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ فرماتے تھے۔ حضرت باقر آگاہ جب تک ویلور میں رہے اپنی شاعری کی اصلاح انہی سے لیتے رہے۔ حضرت قربی کی علمی ادبی صلاحیت اور فنی مہارت وبصیرت کا یہ عالم تھا کہ صرف آپ کے تلامذہ ہی نہیں بلکہ آپ کے اساتذہ بھی ایک مرتبہ اپنا کلام آپ کی نظر سے گزارنے کو پسند کرتے تھے۔ پروفسر یوسف کوکن عمری لکھتے ہیں۔

"شیخ فرید الدین (استاذ قربی) جب بھی کوئی غزل یا رباعی کہتے تو حضرت قربی کو دکھانے کے بعد ہی اس کو اپنی بیاض میں داخل کرتے اگر حضرت قربی کی طرف سے کسی لفظ یا محاورے پر اعتراض ہوتا اور وہ اس کی جگہ پر کسی دوسرے لفظ یا محاورے کو تجویز کرتے تو شیخ فرید الدین بہ خوشی اس اصلاح کو قبول کر لیا کرتے تھے۔"

حضرت قربی کے فیض تربیت سے ویلور اور اس کے قرب وجوار میں بے شمار شعراء اور ادبا بہرور ہوئے۔ آپ کی شاعری کے فیضان سے متعلق پروفیسر سید فضل اللہ دیوان قربی کے مقدمے میں اس طرح رقم طراز ہیں۔

"جس طرح ولی کے دیوان سے شمالی ہندوستان میں اردو شاعری کی تحریک ہوئی اسی طرح علاقہ مدراس میں قربی کے دیوان سے اردو شاعری کا آغاز ہوا اور ان کی اس تحریک سے کئی دکنی شعرا ضلع آرکاٹ، ویلور، ترچنا پلی، ترنامل، تنجاور، رام ناڈ، سیلم وغیرہ میں پیدا ہوئے اور اسی ذوق و شاعری کی بدولت جنوبی ہند میں اردو کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ کیا یہ تعجب کا مقام نہیں ہے کہ ویلور اور آرکاٹ جہاں بیشتر تامل زبان بولی جاتی ہے وہاں کی ایک قابل لحاظ آبادی ایک سو سال کے اندر نہ صرف اردو بولنے لگی بلکہ اردو کے شعرا اور اہل قلم بھی پیدا ہوئے"۔

حضرت قربی ایک صاحب کشف بزرگ، عارف باللہ، بلند مرتبت صوفی اور صاحب طرز ادیب وشاعر تھے۔ آپ کی علمی اور روحانی شخصیت سے متاثر ہو کر سینکڑوں بلکہ ہزاروں عقیدت مند آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ اس حقیقت کا اعتراف ڈاکٹر افضل الدین اقبال نے بھی اپنی تصنیف "مدراس میں اردو ادب کی نشوونما" میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حضرت قربی کے ہاتھ پر بے شمار لوگوں نے بیعت کی۔ آپ کثرت سے مسلمانوں کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کرتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ مرید بنانے سے لوگوں کے قلب وضمیر پر ایک طرح کی گرہ اور پابندی

لگ جاتی ہے اور وہ کم از کم غیر شرعی افعال اور بدعتی اعمال کے ارتکاب اور ان پر مداومت سے باز آجاتے ہیں اور بے حیائی، ریش تراشی، ترک نماز اور دیگر چھوٹے بڑے گناہوں سے پرہیز کرنے لگتے ہیں۔"

اسی لیے حضرت قربی کے مریدوں اور خلفاء کی فہرست بڑی طویل رہی ہے۔ آپ کے خلفاء میں دو تین صاحب دانش، علم وادب کی دنیا میں آفتاب و مہتاب بن کر چمکے ہیں۔ ایک آپ کے صاحبزادے حضرت ذوقی دوسرے آپ کے خلیفہ باقر آگاہ اور اور تیسرے شاہ تراب چشتی ہیں۔ حضرت قربی کے علم و فضل اخلاق و عادات اور سیرت و شخصیت سے متعلق حضرت باقر آگاہ نے اپنی تصنیف "تحفہ احسن" میں بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے. وہ لکھتے ہیں:

"حضرت قربی کی سخاوت اور داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی سائل آپ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں لوٹتا تھا۔ آپ حلیم الطبع اور سلیم الفطرت واقع ہوئے تھے۔ کبھی کسی شخص پر سوائے امور شریعت کی خلاف ورزی کے خشم آلود نہیں ہوئے۔ مزاج میں حد درجہ تواضع اور انکساری تھی۔ لوگ آپ سے ملنے آتے تو ان کے لیے تواضع میں کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کی دل جوئی کی خاطر نشاط انگیز گفتگو فرماتے۔ اگر کسی شخص سے غلطی سرزد ہوتی تو چشم پوشی فرماتے اور اسے نظر انداز کر دیتے تھے۔ خلوت ہو یا جلوت کبھی کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔ آپ کے اندر ظاہری نمائش اور نام و نمود کا ہلکا سا شائبہ بھی نہ تھا۔ طبیعت میں بڑی خودداری تھی اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی امیر و دولت مند کے دروازے پر حاضر نہیں ہوئے اور نہ ہی کسی شخص سے کسی چیز کے طالب اور امیدوار رہے۔ ہر حال میں اللہ کی ذات پر توکل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حاکم وقت نواب والا جاہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خطیر رقم بطور عقیدت پیش کرنی چاہی تو آپ نے شکریہ کے ساتھ رقم واپس کرتے ہوئے فرمایا:

شاہی و ملک شاہی قربی جوئے نسجد   در ملک فقر دستے با لاست بوریا"

امر بالمعروف و نہی عن المنکر، حق گوئی و بے باکی، عدل و انصاف اور رعایا پروری یہ تمام صفات آپ کی ذات اقدس میں داخل تھیں۔ آپ کی مجلس میں عموماً علم شریعت اور اسرار و معرفت کا ذکر رہتا۔ اگر کوئی شخص دنیوی گفتگو شروع کرتا تو اس کی دلبستگی کے خاطر سن لیتے پھر بڑی عمدگی سے بات کا رخ موڑ دیتے تھے۔ صاحب ترتیب تھے۔ مرض الموت کے ایام میں بھی اشاروں سے نماز ادا فرماتے تھے۔ مختصر یہ کہ حضرت قربی خلق نبوی کا پیکر اور عکس جمیل تھے۔ حضرت قربی کا انتقال 20 رمضان 1182 کو ویلور میں ہوا اور حضرت مکان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے مزار پر آپ کے پڑپوتے حضرت سید عبد اللطیف المعروف بہ قطب ویلور نے ایک عالی شان گنبد تعمیر فرمائی۔ اس گنبد پر حضرت باقر آگاہ کا یہ تاریخ قطعہ درج ہے۔

رکن الدین شاہ ابو الحسن قربی   پیشوائے مقربان الہی

چوں کہ دریافت قرب حق سالش غاب قطب البلاد و گفت آگاہ

حضرت قربی نے مختلف علوم وفنون پر عربی فارسی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی بیشتر تصانیف فارسی زبان میں ہیں اور ان میں اکثر کتابوں کا موضوع تصوف ہے۔ آپ کی تصانیف سے کماحقہ استفادے کے لیے علوم شریعہ اور فارسی ادب سے واقف ہونے کے علاوہ فن تصوف کی اصطلاحات سے جانکاری بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ آپ کی کوئی بھی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں آپ نے علم تصوف کے رموز و نکات اور اصطلاحات کا استعمال نہ کیا ہو۔ حتیٰ کہ آپ کی منظوم تصانیف بھی اسی مزاج و منہاج سے ہم آہنگ ہیں۔ آپ کی تصانیف کے قلمی مخطوطات حیدرآباد کے مختلف کتب خانوں مثلاً کتب خانہ آصفیہ، کتب خانہ شرقیہ، سالار جنگ اسٹیٹ لائبریری وغیرہ میں موجود ہیں۔ یہاں حضرت قربی کی اہم کتابوں کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

1-میزان العقائد

یہ کتاب 1274 ہجری میں شائع ہوئی۔ اس تصنیف کے ذریعے مسلمانوں کو صحیح اور غلط عقائد کے درمیان فرق و امتیاز اور دین کے اہم اور بنیادی مسائل سے واقف کرایا گیا ہے اور کامل اور ناقص مرشد کے درمیان فرق و امتیاز کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کتاب میں اسلام مخالف فرقوں مثلاً دہریہ، مجوسیہ، معتزلہ، شیعہ، حلولیہ، ثنویہ اور فسطائیہ وغیرہ کے گمراہ کن عقائد کو بھی طشت از بام کیا گیا ہے۔ پھر مختلف دلائل اور براہین کے ذریعے ان کا ابطال بھی کیا گیا ہے۔ ان تمام باطل فرقوں پر ضرب کاری لگاتے ہوئے اہل سنت و جماعت کے عقائد کی حقانیت اور صحت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

2-خلاصۃ العرفان

اس کتاب میں عرفان الٰہی کے حصول کے لیے صحیح راہوں سے روشناس کرایا گیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ قضا و قدر کے نظام پر ایمان رکھنے کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ کوئی بھی تمہارے نام اور تمہارے مقدر کی چیز کو چھین نہیں سکتا اور نہ ہی دوسرے کی چیز تمہیں پہنچا سکتا ہے۔ ہر چیز کی کامیابی اس کے وقت کے ساتھ ہی مربوط ہوتی ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو خود بخود فائز المرام ہو جاؤ گے اور ہر ایک شخص کو اس کا حصہ پہنچنا ہی ہے۔ اگرچہ وہ پہاڑ کے دامن ہی میں کیوں نہ رہتا ہو۔ دنیا میں لوگ رنج و غم اور فکر و پریشانی میں مبتلا رہنے کی وجہ بس یہی ہے کہ وہ ہر چیز وقت سے پہلے چاہتے ہیں اور اپنے حصے اور مقسوم سے زیادہ چاہتے ہیں۔

3-لب السلوک

اس رسالے کا ماحصل اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

> "مرید کو چاہیے کہ بقدر ضرورت عقائد اور فقہ کا علم سیکھے اور قول و عمل اور عقیدہ و اخلاق میں شریعت مطہرہ کے تابع رہے اور عقل کی پیروی نہ کرے۔ کیونکہ اکثر فرقوں کی گمرہی و ذلالت کا سبب قرآن و حدیث کے بجائے عقل کی پیروی اور اتباع ہے۔ مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کرے اور بزرگوں کی صحبت اختیار کرے کیونکہ صحبت

وہم نشینی آدمی کی طبیعت پر بہت جلد اثر کرتی ہے۔ اولیاء اللہ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرے فقرا و مساکین اور اہل اللہ و عوام کی خدمت خلوص دل کے ساتھ کرے اور ہمیشہ حق بات کی پیروی کرے اور ہمیشہ اپنی نظر اپنے عیبوں پر رکھے اور اپنی ذات کو دوسروں سے بہتر نہ سمجھے اور اپنی طاقت کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام انجام دیتا رہے۔"

حضرت قربی نے مریدین کے لیے جو نصیحت نامہ مرتب کیا ہے وہ ساری امت اسلامیہ اور سماج کے لوگوں کے لیے بھی بہت مفید ہے۔

4-کیمیائے سعادت

اس رسالے میں سالک و طالب کے لیے چند انمول ہدایات بیان کی گئی ہیں جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ حضرت قربی فرماتے ہیں:

"انسان کی تخلیق اور پیدائش اس لیے ہوئی ہے کہ وہ اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے اور معرفت حاصل کرنے کی جگہ یہی دنیا ہے۔ اور جو شخص معرفت خداوندی سے ناآشنا رہا وہ دنیا میں اندھا اور آخرت میں بھی اندھا ہے۔ اللہ تعالی کی معرفت حاصل کرنے کے لیے ریاضت شاقہ کی مصیبت جھیلنا اور کھانے پینے سونے اور بیوی بچوں سے کنارہ کش ہونا اور کسب معاش سے دست کش ہونا اور سامان عیش و آرام کو ترک کرنا ضروری نہیں ہے۔"

5-رسالہ وجدان

اس رسالے میں آپ نے وجدان کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ:

" اللہ تعالی ذی استعداد لوگوں کو اولیاء اور صلحا کے ذریعے ظاہری نعمتیں اور باطنی اسرار و معارف پہنچاتا ہے اور ہر ولی اپنے دور میں اس زمانے کی مصلحت کے مطابق ان نعمتوں کو پہنچانے میں مصروف عمل ہوتا ہے اور اسرار کا عرفان اور حقیقت سے وجدان کا حصول توفیق الٰہی اور مرشد کامل کی توجہ پر مبنی ہے۔"

6-رسالہ تحفۃ الذاکرین

اس رسالے میں آپ نے مختلف اذکار و اشغال مثلاً ذکر جلی، ذکر خفی، ذکر قلبی، ذکر روحی، ذکر سری، ذکر سلطان الاذکار، شغل نماز، شغل روح وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ذکر کے یہ تمام طریقے مرشد کی صحبت میں سیکھیں۔

7-رسالہ جمع الجمع

اس رسالے میں آپ نے مسئلہ عینیت اور غیریت کو قرآن اور حدیث اور صوفیا کے اقوال کی روشنی میں سمجھایا ہے اور لکھا ہے کہ عبد اور معبود کے درمیان عینیت کس معنی میں ہے اور غیریت کس معنی میں ہے اور مسائل تصوف کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لیے ان حضرات کی جانب رجوع ہونا چاہیے جو اس علم کی اصطلاحات سے پوری طرح واقف ہیں۔

8-رسالہ تجدد امثال

اس رسالے میں کتاب و سنت کی روشنی میں مسئلہ تجدد امثال پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تجدد امثال کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور اقسام پر بحث کرتے ہوئے مختلف صوفیا کے اقوال کو پیش کیا گیا ہے اور آخر میں مصنف نے اپنا موقف بھی بیان کیا ہے۔

9-رسالہ دلیل محکم

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں بندہ مومن جب اپنی صفات کو فنا کر کے حق کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے تو اس مقام اور منزل کو منزل لاہوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس میں فنا فی اللہ اور بقاباللہ کے مقام سے بحث کرتے ہوئے مصنف نے یہ صراحت کی ہے کہ فنا اور بقا سے مراد گمان اور جہل کا دور کرنا اور علم معرفت کا حاصل کرنا ہے۔

10-رسالہ مظہر کل

اس کتاب میں حضرت قربی مظہر سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"ہر مظہر ایک آئینہ ہے جس میں رب تعالی کی تجلیات کا عکس نمایاں ہوتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مظہر حق ہیں اور ساری مخلوق حضور اکرم کے واسطے سے حق تعالی کی مظہر ہے۔

حضرت قربی کی نثری تصانیف کے علاوہ ان کی شاعری پر مشتمل ایک اردو دیوان بھی دستیاب ہوا ہے جسے پروفیسر سید فضل اللہ نے ایک مبسوط اور جامع مقدمے کے 1964 میں حیدرآباد سے شائع کیا تھا۔

اس دیوان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے اس میں حقائق و معارف کا ایک جہاں آباد ہے۔ حضرت قربی کا یہ کلام آج سے تین سو سال قبل کی زبان اور ادب کا محافظ ہے۔ جو قدیم دکنی الفاظ، محاوروں اور صرف و نحو کی ترکیبوں کا ایسا غیر معمولی سرمایہ ہے جس کے مطالعے کی اہمیت اور افادیت سے کوئی بھی قاری انکار نہی کر سکتا۔ یہاں بطور نمونہ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

خدا نما جو ہوا میں تو کچھ نہیں ہے عجب — کہ ہر ذرہ ہے جہاں میں خدا نما اے دوست
نہیں ہے غیر حق موجود جگ میں — تجلی اس کی ہر جا انجمن ہے
ظہور دوست ہے کیا خار و کیا گل — وہی ہے کیا چمن ہے کیا دمن ہے

حضرت قربی ویلوری کو ذات باری تعالی سے جو غیر معمولی اور والہانہ عشق تھا اس کا اظہار انھوں نے لطیف جذبات واحساسات کے ذریعے اس طرح کیا ہے۔

صورت لفظ و عبارات و معانی اندر — جلوہ گر توچھ ہوا ہے مرے دیوان میں آ
سخت پردہ ہے گمان دیدہ دل پر قربی — دیکھ دیکھ یار کا ہر جا رہِ ایقان میں آ

حضرت قربی کے اس دیوان کے علاوہ ان کی چار اردو مثنویاں بھی ملتی ہیں جن میں "معراج نامہ، بدعت نامہ، ہدایت نامہ اور نمک نامہ" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت قربی کی شاعری دیگر شعراء کی طرح حسن و عشق، قلبی واردات اور فلسفیانہ خیالات کے اظہار کا وسیلہ نہیں بنی بلکہ انہوں نے اپنے عہد کے سماجی حالات کے تحت اپنی شاعری سے دعوت و تبلیغ، رشد وہدایت اور اصلاح خلق کا کام لیا۔ آپ کے عہد میں جب بھی بدعات و خرافات کا بازار گرم ہوتا اور مسلم معاشرہ کتاب و سنت سے دوری اختیار کرتا تو آپ اپنی شاعری کے ذریعے تجدید واحیاء سنت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اس مقصد کے تحت ان کی دو معرکتہ آلارا مثنویاں وجود میں آئیں ایک "بدعت نامہ" جو تین سو چونسٹھ اشعار پر مشتمل ہے اور دوسری "ہدایت نامہ" جو اکاسی اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں مثنویاں شائع ہو چکی ہیں اور ان کا ایک ایک نسخہ کتب خانہ دارالعلوم لطیفیہ میں موجود ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ علوم وفنون اور سلوک و تصوف کی دنیا میں آپ کی جلیل القدر خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ آپ کی ذات گرامی سے ہزاروں انسان تزکیہ نفس و تطہیر قلب کی نعمت سے بہرور ہوئے۔ شرک وبدعت کی بیخ کنی ہوئی اور احیائے سنت کے دشوار ترین محاذ پر آپ کا قابل تقلید کارنامہ یہ رہا کہ آپ نے علمی و دینی اور اصلاحی جدوجہد کو دوام اور استمرار بخشنے کے لیے افراد واشخاص کی تربیت فرمائی جس کی وجہ سے تمل ناڑو میں ایک مکتب فکر وجود میں آیا جسے بعد میں آپ کی اولاد اور خلفاء نے سارے جنوب میں پھیلایا۔ 1 ہجری میں حضرت قربی نے وفات پائی اور حضرت مکان کے احاطے میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے مزار پر آپ کے پڑپوتے حضرت سید شاہ عبد اللطیف المعروف بہ قطب ویلور نے ایک دیدہ زیب وعالی شان گنبد تعمیر کر کے ان سے اپنی والہانہ عقیدت کا ثبوت فراہم کیا۔

حضرت قربی کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت ذوقی (1151 - 1194 ہجری) نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔ حضرت ذوقی اپنے والد ماجد کی طرح ممتاز عالم و فاضل، عارف و صوفی، مصلح و مبلغ، مصنف و مولف اور شاعر و ادیب تھے۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، تصوف، منطق، عروض، بیان، معنی اور لغت جیسے فنون میں متعدد کتابیں اور رسالے لکھے اور شاعری میں اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت فرمائی جس سے اہل علم کا ایک کارواں تیار ہوا۔ اردو میں آپ نے تین کتابیں عقائد ذوقی، مثنوی غوث نامہ اور ایک قصیدہ دربیان فضائل و مناقب حضرت قربی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کتابوں سے حضرت ذوقی کی قادر الکلامی، مضمون آفرینی، جدت طبع اور تخیل کی بلند پروازی کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت ذوقی کی وفات 1194 ہجری میں ہوئی اور انہیں اپنے والد کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت ذوقی کے بعد آپ کے فرزند سید شاہ ابو الحسن محوی (1186 - 1243 ہجری) نے خانقاہ اور درس گاہ کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ حضرت محوی نے درس و تدریس تصنیف و تالیف اور مدرسہ و خانقاہ کی تعمیرات کے ذریعے تاریخ ساز خدمات انجام دیں۔ ۵ ہجری مطابق 1819 عیسوی میں دارالعلوم لطیفیہ کی موجودہ عمارت کے جنوب میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر فرمائی۔ آپ عقائد، فقہ، تفسیر، حدیث، سیرت اور حقائق وسلوک میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

آپ کے قلم سے بہت سی کتابیں منصہ شہود پر آئیں۔ ان سب کا موضوع تصوف ہے۔ فارسی میں دو کتابیں ہیں۔ ایک شرح حقیقت محمدی جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ دوسری تصنیف بیعت غائب و حاضر ہے۔ جس کا اردو ترجمہ مولانا محمد طبیب الدین اشرفی نے کیا تھا۔ دکنی زبان میں حضرت محوی کی کتابیں رسالہ تفصیل المراتب فی اطوار المراتب، رسالہ ذکر وجود و مراتب وجود، رسالہ ذکر واذکار، رسالہ معرفت، رسالہ

عالم ارواح، رسالہ اسماء ابواب الٰہی، رسالہ عالم مثال بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان رسالوں میں صوفیانہ مضامین کو آسان و عام فہم زبان میں بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ حضرت محوی 1243 ہجری مطابق 1837 عیسوی میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور آپ کے دادا حضرت قربی کے پہلو میں سپرد خاک کیے گئے۔

حضرت محوی کے بعد آپ کے فرزند بلند سعادت حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کی ذات گرامی سے تدریس، تزکیہ، تبلیغ اور تصنیف و تالیف کا کام وسیع اور ہمہ گیر پیمانے پر انجام پایا۔ آپ کے ایک مرید صادق عبد الغفار مسکین کے اس بیان سے حضرت قطب ویلور کے روزانہ معمولات کا اندازہ ہوتا ہے۔

"حضرت قطب ویلور نماز فجر کے بعد مسافروں، مریدوں کا حال دریافت فرماتے اور طلبہ کے لیے خورد و نوش کا سامان مہیا فرما کر مدرسے میں آتے اور تفسیر و حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ نماز فجر کے بعد مریدوں کی تعلیم و تفہیم میں مصروف رہا کرتے۔ ہفتے میں دو مرتبہ مدرسے کے اندر وعظ فرمایا کرتے تھے."

حضرت قطب ویلور کے شاگردوں، مریدوں اور خلفاء کا بہت بڑا حلقہ تھا اس تعلق سے مولانا سید محمد قادری ضمیمہ جواہر السلوک میں لکھتے ہیں۔

"حضرت قطب ویلور کے دست مبارک پر برصغیر ہند کے علاوہ عرب و عجم کے سات لاکھ لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور چار سو سے زائد ارباب علم و فضل نے خرقہ خلافت زیب تن فرمایا."

حضرت قطب ویلور کا ایک اہم کارنامہ ان کی دعوت تبلیغ ہے۔ آپ نے ملکہ انگلستان اور ان کے وزراء و حکام اور عیسائیوں کے علاوہ برصغیر کے راجاؤں اور غیر مسلم باشندوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ 1285 ہجری میں اس مقصد کے تحت کاسر گوڈ، تروندرم، کوچین اور ملابار کے راجاؤں کی خدمات میں اپنے خلیفہ مولانا سید حفیظ الدین اور مولانا سید علی کے ذریعے اسلام کا پیغام بھیجا. بقول ڈاکٹر راہی فدائی:

"حکام وقت اور امراء و سلاطین کی خدمات میں داعیانہ مراسلات روانہ کرنے کی سنت نبوی جو دو صدیوں سے موقوف تھی حضرت قطب ویلور نے اسے جاری فرما کر تمام علماء و فضلا کی طرف سے گویا فرض کفایہ ادا کیا۔"

حضرت قطب ویلور کی نہایت وقیع کتابیں جو عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں لکھی گئیں ان میں فصل الخطاب، جواہر سلوک، مکتوبات لطیفی اور خلاصۃ العلوم کافی مقبول ہوئیں۔ علم و عرفان کا حامل یہ در نایاب 1289 ہجری کو مدینہ منورہ میں انتقال کیا اور انہیں جنت البقیع میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت قطب ویلور کے بعد آپ کے فرزند سعید شمس العلماء حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری سجادہ نشیں ہوئے۔ آپ کا میدان عمل اپنے پیش رو سجادہ گان سے قدرے مختلف اور جداگانہ رہا۔ آپ کی تمام تر توجہ ملت اسلامیہ کی دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کی طرف بھی رہی۔ آپ کے دور میں ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی و قومی معاشی و اقتصادی اور ملی و دینی زندگی میں ایک زبردست انقلاب کے آثار و علامات نظر آنے لگے۔ ہندوستان پر سامراجی و برطانوی اقتدار کے باعث مسلم اور غیر مسلم ریاستیں نیم مردہ بلکہ مردہ ہی ہو چکی

تھیں۔ مغربی علوم و فنون کا ارتقا ہونے لگا تھا۔ مغربی تہذیب و تمدن سر اٹھا رہے تھے۔ عیسائیت کی تبلیغ زوروں پر تھی اور فارسی کی جگہ انگریزی سرکاری زبان بن چکی تھی۔ ان حالات میں مسلمانانِ ہند کے لیے مختلف اور متعدد مسائل پیدا ہو چکے تھے۔ نئے آئین امید و خوف کے ساتھ سامنے آ رہے تھے۔ علامہ اقبال کی زبان میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

ان حالات میں مولانا رکن الدین کا تاریخ ساز کارنامہ یہ رہا کہ انہوں نے 1302 ہجری میں اپنے آبا و اجداد کی قدیم خانقاہ اور درس گاہ کی تشکیل جدید کا بیڑا اٹھایا اور اسے ایک نئی پہچان "دارالعلوم لطیفیہ" کے نام سے دی۔

حضرت رکن الدین نے مسلمانوں کے حق میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری و جدید تعلیم کو ضروری سمجھا اور اسلام کی تبلیغ میں انگریزی زبان کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے ایک عظیم علمی و فنی دانش گاہ کا خاکہ اور منشور پیش کیا۔ مدرسہ لطیفیہ کی جدید عمارت کی بنائے تعمیر کے جلسے منعقدہ 1311 ہجری مطابق 1871 عیسوی میں جو یادگار تقریر انہوں نے کی تھی اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے جن کے مطالعے سے یہ حقیقت نمایاں ہو جائے گی کہ آج ملک میں ایسی دینی درس گاہوں کی ضرورت ہے۔

> "اس مقام میں مدرسے کے لیے ایک وسیع عمارت کی نہایت ضرورت ہے۔ طالب علموں کا ایک ہی مقام پر ٹھہرنے اور پڑھنے سے ان کے اندر علم کا شوق بڑھے گا۔ جن طلباء کا خیال علم دین کے علاوہ انگریزی پڑھنے کا ہے ان کے لیے ایک صیغہ انگریزی اس مدرسے سے متعلق کیا جائے گا۔۔۔ طلبہ کے لیے ایک دارالفنون قائم کریں تا کہ اس سے ہمارے مسلم بھائیوں کی اولاد رزق حلال کا ذریعہ پیدا کر لے اور علم کے ساتھ ہنر سے بھی بہرہ ور ہو جائیں۔۔۔ مدرسے میں ایک حکیم بھی ہونا چاہیے جس کو یونانی اور انگریزی دونوں سے واقفیت ہو تا کہ وہ طلباء کو طبابت کی تعلیم اور پریکٹس کرا سکے۔ مدرسے میں ایک بڑا کتب خانہ بھی نہایت ضروری ہے جس میں دینی علوم و فنون کے ساتھ عصری و جدید علوم کی کتابیں موجود ہوں۔ "

بر صغیر ہندوستان میں دینی مدارس کو عصری و جدید علوم سے جوڑنے کی کوشش پہلی بار خانقاہ لطیفیہ ویلور میں ہوئی۔ حضرت رکن الدین علیہ الرحمہ سجادہ نشین خانقاہ لطیفیہ ویلور اس تحریک کے روح رواں تھے۔ انہوں نے اپنی حیات میں اس خواب کو شرمندہ تعبیر ہوتے ہوئے دیکھا اور الحمدللہ آپ کے بعد بھی آپ کی اولاد امجاد اور وارثین میں یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

*****

مراجع و مصادر:

1۔ انوار اقطاب ویلور - مولانا طبیب الدین مونگری مطبوعہ 1963
2۔ دیوان قربی - مرتبہ پروفیسر سید فضل اللہ مطبوعہ 1964
3۔ مسئلہ بیعت غائب و حاضر مترجم مولانا طبیب الدین مطبوعہ 1964

4۔ میزان العقائد مترجم مولانا طبیب الدین اشرفی مطبوعہ 1965

5۔ انشائے عقائد ذوقی مترجم سید حمید اشرف مطبوعہ 1969

6۔ عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک-مولانا محمد یوسف کوکن مطبوعہ 1974

7۔ سالنامہ عبداللطیف دارالعلوم لطیفیہ مطبوعہ 1977

8۔ شراب اور اس کا اسلامی موقف-ڈاکٹر بشیر الحق مطبوعہ 1978

9۔ مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما-ڈاکٹر افضل الدین اقبال مطبوعہ 1979

10۔ دکنی ادب کی تاریخ-سید محی الدین قادری زور مطبوعہ 1989

11۔ مجدد جنوبی ہند حضرت قطب ویلور-ڈاکٹر بشیر الحق مطبوعہ 1989

خانقاہ حضرت موسیٰ قادری کی علمی وسماجی خدمات

سید شاہ تنویر عالم قادری الموسوی*

دکن میں حضور پیرانِ پیر غوثِ اعظم دستگیرؓ کی اولادِ امجاد میں سے سات بزرگ تشریف لائے ہیں جن میں سے ایک سید السادات شاہ عبدالطیف لاأُبالی قادری الحموی (کرنول شریف) ہیں۔ آپ کے تیسرے صاحبزادے سید پیر شاہ محی الدین ثانی (1023-1103ھ) ہیں جن کے خطوط ملفوظات وتعلیمات کو غلام علی شاہ قادری موسوی نے ''لطائف اللطیف'' میں جمع کیا ہے۔ شاہ محی الدین ثانی کے دو صاحبزادے ہوئے: سید شاہ عبد محی الدین قادری (وصال 1085ھ) اور سید شاہ عبد اللطیف قادری۔ سید عبد محی الدین قادری کے صاحبزادے سید شاہ درویش محی الدین ثانی قادری (وصال 1150ھ) اپنے چچا سید شاہ عبد اللطیف قادری کے خلیفہ وجانشیں ہوئے۔ سید درویش محی الدین کے فارسی کلام کے نمونے ''کلام عارفؔ'' میں موجود ہیں۔

سید درویش محی الدین کے تین فرزند سید محی الدین محمد، سید محی الدین احمد، سید عبداللطیف ثانی تھے ان سید محی الدین محمد قادری اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ ابوالفضل سید محمد قادری آپ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ آپ کے مزاج میں کمال حلم وتواضع وحجاب تھا، کسی نے کبھی آپ کا سینہ عریاں نہ دیکھا، آپ کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے۔ آپ کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:

در جہاں ہر طرف بہار خوش است — فکر ہرکسے بہ کاروبار خوش است
بہر تسخیر عالم دلہا — دعوت عجز و انکسار خوش است
بہ رہ فقر گو تواں رفتن — قدم صبر و استوار خوش است
گرچہ نزدیک عارفاں ہمہ اوست — لیک کثرت باعتبار خوش است
ہمدریں عمر جانِ عاشق را — عیش و راحت بہ ذکریار خوش است[1]

سید شاہ محی الدین قادری عرف قادر پاشاہ کے دو فرزند ہوئے، سید موسیٰ قادری، سید غلام محی الدین قادری عرف دستگیر۔ قادر پاشاہ 11، جمادی الثانی 1181ھ وصال کر گئے۔

حضرت سید موسیٰ قادری 1152 ہجری حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ آپ 19 سال سے 63 سال کی عمر تک ریاضات ومجاہدات میں مشغول رہے اور ظاہری وباطنی فیوض وبرکات سے ایک عالم کو سیراب کیا۔ آپ کو خانوادے کی روایات وتعلیمات سے گہرا شغف تھا چنانچہ آپ اپنے مریدین کو اکثر عربی میں خط لکھتے تھے، اسی طرح آپ کسی سائل کو خالی ہاتھ لوٹنے نہ دیتے تھے۔ اگر کبھی دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو کم از کم پانی کا پیالہ پیش کر دیتے۔ کچھ نقد رقم حاصل ہوتی تو آدھا خالصاً لوجہ اللہ وقف کر دیتے اور آدھا حصہ متعلقین اور اہل خانہ کو دیتے۔ سماج

*شیخ الحلقہ، خانقاہ صوفیہ الموسویہ، درگاہ حضرت موسیٰ قادری، حیدرآباد

کے دکھی افراد کا خاص خیال فرماتے اور کسی نہ کسی صورت سے ان کی مدد فرماتے۔

آپ کے کشف و کرامت کو مولانا غلام علی شاہ قادری نے اوراد میں قلمبند کیا ہے۔[2] چنانچہ 1184ھ مطابق 1739ء میں جب دریائے موسی میں طغیانی آئی تھی تو رئیس الوقت نواب نظام الدولہ نے شمشیر الملک کے ذریعے طغیانی تھمنے کے لیے دعا کی درخواست کی تھی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''تو موسے ہے اور میں موسیٰ ہوں۔'' آپ کے اس فرمان کی برکت سے طغیانی ختم ہوگئی۔ حضرت سید شاہ موسیٰ قادری صاحب حال صوفی ہونے کے ساتھ ہی عالم وقت اور شاعر بھی تھے، اور اپنی واردات قلبی کا اظہار فارسی و عربی اشعار میں کرتے تھے۔ داروغہ عدالت عبداللہ بیگ خان نے عربی زبان میں آپ سے موصول ہونے والی تعلیمات و مضامین کو فارسی میں ترجمہ کیا جو ''مکتوبات موسوی'' سے موسوم ہے۔[3]

حضرت سید موسیٰ قادری کا کلام 'قال' کی طرح ہی 'حال' کا بھی ترجمان ہے، جو خود آپ کے بقول ''دیوانگی کا حامل ہے، نہ اس میں قافیہ ہے نہ ردیف'' اور بقول حضرت سید شاہ غلام علی قادری ''دوستان حق کے کلام سے مضمون شعر مطلوب ہوتا ہے نہ کہ الفاظ اور عبارت آرائی مراد ہوتی ہے''۔[4]

دیوان موسوی (فارسی) حضرت سید شاہ موسیٰ قادری ایک مرتبہ نصف رات گذرنے کے بعد، حافظؔ شیرازی کے دیوان کا مطالعہ فرمارہے تھے کہ آپ پر حال کا غلبہ ہوا۔ اسی کیفیت میں آپ نے دیوان حافظؔ کا ایک ورق نکالا اور نذر آتش کیا یہاں تک کہ سارا دیوان سوزاں ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے ''دیوان موسوی'' ترتیب دینے کا ارادہ کیا اور بطور ہدیہ دیوان حافظؔ طلب کرکے عفو قصور کی نیت سے دیوان کھولا تو جو غزل برآمد ہوئی اس کے اشعار حسب ذیل تھے:

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند | گل آدم بسر شتند و بر پیمانہ زدند
ساکنان حرم سر عفاف ملکوت | بامن راہ نشین بادۂ مستانہ زدند
آسماں بار امانت نتوانست کشید | قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند
شکرایزد کہ میان من واو صلح فتاد | حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ

حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کے بقول ''فقیر کو اس سے یقین ہوگیا کہ حضرت لسان الغیب اس ہیچ مدان کے احوال کی جانب متوجہ ہیں اور چھ ماہ کامل ''دیوان موسوی'' مرتب ہوگیا۔''[5]

حضرت سید شاہ موسیٰ قادری 21 روز تک گردہ کے درد میں مبتلا رہے اور بالآخر 21 ذی القعدہ 1215 ہجری روز دوشنبہ وصال فرمایا۔ کسی شاعر نے قطعہ تاریخ وصال یوں نظم کیا ہے:

بود موسیٰؔ قادری عالی نسب والا حسب جوش احمد مادرش زہرا وشیر حق ابی
گفت ہاتف سال نقلش اثر دردو فراق جان حیدر چشم زہرا ابن حسنین نبی

1215ھ

حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کا روضہ ان کے والد ماجد کے روضہ سے بالکل متصل بنایا گیا۔ یہ بالکل نئے طرز کا ہے۔ تعمیر گنبد کی تاریخ 1219 ہجری ہے۔[6] حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کا سالانہ عرس 20, 21, 22 ذی قعدہ ادب و احترام سے منعقد ہوتا ہے۔ تمام مجالس مولانا سید شاہ فضل اللہ قادری الموسوی القمیصی سجادہ نشین کے زیر نگرانی انجام پاتے ہیں۔

حضرت سید موسیٰ قادری کے چار صاحبزادے، سید شاہ غلام علی قادری موسوی، سید شاہ غلام محمد قادری موسوی، سید شاہ حسینی پاشاہ قادری موسوی، سید حسین قادری موسوی اور ایک صاحبزادی ہوئیں۔

حضرت سید شاہ غلام علی قادری کی ولادت 1178 ہجری شہر حیدرآباد میں ہوئی، یہ اپنے والد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے۔ 37 سال کی عمر میں مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔[7] حضرت سید شاہ غلام علی قادری، دینی دنیوی علوم و فنون میں ماہر، شعر و سخن کے دلدادہ، منشی بے بدل، گوشہ نشین اور تصنیف و تالیف میں خانقاہ موسوی کے ترجمان، والد بزرگوار سید شاہ موسیٰ قادری اور حضرت رمز الٰہی سے ایسے فیضیاب ہوئے کہ دونوں حضرات کے رسوخ باہمی کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ کی فیاض طبیعت اور نباض شخصیت کے اثر سے دکن کے امراء، وزراء، محلات شاہی کی خواتین حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔

حضرت سید شاہ غلام علی قادری نے اپنے زمانہ کے ماہر علم و فن، جید الاستعداد علماءِ و فضلاء سے خوب خوب اکتساب فیض کیا اور بعد میں تلامذہ، مریدین و معتقدین کو 'ایصال فیض' کیا۔ انہیں دو نکتوں کے درمیان آپ کی حیات و تعلیمات مرکوز ہیں۔ آپ کے فیض یافتگان میں شاہ نصیر دہلوی کے والد شاہ غریب دہلوی بھی ہیں۔[8] حضرت سید غلام علی قادری الموسوی صاحب قلم شیخ تھے[9]، ذیل میں آپ کی کچھ تصانیف کا تعارف پیش ہے:

مسائل صوفیہ: اس کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے۔ "کوئی علم عقائد شرعیہ اور دقائق معلومات صوفیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے شریف تر نہیں۔ کاملین اور فقہائے عاملین اس وقت تک کسی مسئلہ پر گفتگو نہیں کرتے جب تک کہ شریعت سے صاف اور صریح طور پر رہبری نہ ہو۔ لہٰذا شریعت نبوت کا پایۂ اول اور طریقت کا زیور عروس ہے اور یہ بات مسلمہ ہے کہ چہرہ محبوب آرائش و زینت سے اور حسین نظر آتا ہے۔"[10]

مصنف نے اس میں وضو کے مسئلہ پر ائمہ اربعہ کے درمیان اختلافات کے ساتھ اہل سنن اور اہل تشیع کے درمیان مابہ الافتراق کی بھی نہایت حکمت علمی سے ذکر کیا ہے اور روزہ کے مسئلہ میں أتموا الصيام إلى الليل آیت قرآنی پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، إلیٰ نحو کے قاعدہ کے لحاظ سے انتہائے غایت کے ہیں، آپ فرماتے ہیں عقائد سنیہ میں إلی بمعنی انتہائے غایتھے۔ افطار میں ادخال شب مقصود نہیں"۔[11] اس کے علاوہ مسئلہ زکوٰۃ، کفر حقیقی در نظر صوفیہ، توبہ شرعی، توبہ صوفیہ، عبادت صوفیہ، بیعت صوفیہ، خلافت رسول، ولایت، سجدہ شرعی، جبر و قدر شرعی، مسلک صوفیہ، اتحاد و اصول شرعی، وحدت الوجود شرعی و صوفیہ، نفس شرعی و صوفی، روح شرعی و صوفی اور دیگر کئی مسائل پر نہایت عالمانہ و فاضلانہ بحث سپرد قلم کی ہے۔ "مسائل صوفیہ" 16 شوال المکرم 1229 ہجری تکمیل کو پہنچی۔[12]

رسالہ اوہامیہ: اس کتاب میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”مدرسہ انسانی تین قسم پر منقسم ہے۔ اول وہم، دوم فہم، سوم علم۔ وہم ادراکات جسم سے ہے۔ قسم دوم فہم ہے جس کا تعلق ادراکات قلبی سے ہے۔ قسم سوم علم ہے جو ادراکات روح سے تعلق رکھتی ہے“۔ (13)

مسالک صوفیہ: مصنف نے اس میں صوفیہ کرام کے متعدد مسالک کو بیان کیا ہے، مصنف نے اس کتاب کو منظوم ختم کیا ہے۔ (14)

مسائل وجودیہ: اس کتاب کا دوسرا نام ”دائرہ الخمس“ ہے۔ اس میں مصنف رقم طراز ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے پاس ہر شئے کے لیے مراتب ہیں۔ مختصراً ان مراتب کو تین اقسام میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ مراتب الہیہ میں پہلا مرتبہ احدیت مطلقہ کا ہے۔ جہاں پر ذات موجود ہونے کے باوجود وہ فہم و ادراک سے بالا ہو۔ دوسرا مقام وحدت طرفہ ہے۔ یہ مقام تعین اول اور قابلیت محض کا ہے جس کو عشق حقیقی اور حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے۔“ (15)

فوائد صوفیہ: یہ کتاب علمی حقائق و سلوک پر مبنی ہے اور سالکان راہ طریقت کے لیے رہنما ہے۔ اس میں ایک مقدمہ چار مقام اور ایک خاتمہ ہے۔ مقام اول میں طریقہ قادریہ کے سلوک اور اس کے کمالات فیض کا اجمالی بیان ہے، مقام دوم میں مراتب تعینات اور حضرت خمس پر بحث ہے، مقام سوم میں مراتب مکیہ اصطلاحات صوفیہ، اصول مسائل تصوف مثلاً اعیان علمیہ سے نفی کا بیان ہے، مقام چہارم میں محض مقامات پر آیات کریمہ کی تفسیر اور احادیث مبارکہ تشریح اور تشریح کمالات صوفیہ جدید نہج پر ہے۔ تصور شیخ کا نکتہ بھی اس بحث میں شامل ہے۔ (16)

الزامیہ: یہ کتاب گروہ امامیہ اور مقلدین مشائخین سنیہ کے درمیان ردو قدح پر مبنی ہے۔ اس میں الزام اول جو زیر بحث لایا گیا ہے وہ اہل تشیع کا طریقہ بیعت ہے جس پر سنی مشائخین اعتراض کرتے ہیں، طریقت بیعت مشائخین اہل سنت و جماعت کا طریقہ ہے نہ کہ جماعت امامیہ کا۔ اسی طرح دیگر الزامات و اعتراضات کے بھی جوابات آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔ (17)

خوارق غوثیہ: مصنف اس کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں: ”وعظ و ذکر مناقب حضرت سلطان الاولیاء کے لیے کئی کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا جن میں اوراد قادریہ، بہجتہ الاسرار وغیرہ“ شامل ہے۔ یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول ان کرامات پر مشتمل ہے جو ولادت سے مسند مشیخت پر فائز ہونے تک حضرت غوث الاعظم سے ظاہر ہوئیں۔ باب دوم ان کرامات کا احاطہ کرتا ہے جو مسند مشیخت پر متمکن ہونے کے بعد سے وفات تک عالم ظہور میں آئیں۔ باب سوم ان کرامات پر مبنی ہیں جو آپ کی وفات کے بعد وقوع پذیر ہوئیں۔ اس کا خاتمہ منظوم ہے۔ (18)

اوراد قادریہ:

اس کتاب میں حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ' نماز پنج گانہ اور دیگر نماز اربعہ کے بعد جو اوراد وغیرہ پڑھا کرتے اور طریقہ سلوک میں آپ کے جو معمولات تھے ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں تین مخازن ہیں، مخزن اول، فریضہ صلوٰۃ وغیرہ، مخزن دوم صوم وغیرہ، مخزن سوم سلوک اور اس کے لوازمات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مستند کتابوں مثلاً مخازن قادریہ، اوراد قادریہ، غنیۃ الطالبین، بہجتہ

الاسرار، سیر الاولیاء، اوراد چشتیہ، مناہج العباد وغیرہ کے حوالوں سے مزین ہے۔ یہ کتاب بھی آپ کی وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کی دلیل ہے۔ اس کتاب کا اختتام بھی منظوم ہے۔[19]

مواعظ غوثیہ اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی نے حضرت سیدنا غوث الاعظم کے مواعظ جمع کیے ہیں، بہجتہ الاسرار، جلاء الخاطر، اوراد قادریہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضور قطب الاقطاب غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے اتمام سلوک کے بعد 521 ہجری میں خیر البلاد بغداد میں حضرت شیخ ابوسعید مخزومی کی خدمت میں مجاہدہ کے دوران وعظ کا آغاز فرمایا۔ اس کتاب میں حضرت غلام علی شاہ قادری الموسوی نے کم و بیش 125 مواعظ مستند کتابوں سے نقل کیے ہیں۔ اس کتاب کا خاتمہ بھی منظوم ہے۔[20]

عقائد غوثیہ: یہ کتاب قادریوں کے عقائد اسلام پر ہے۔ اس میں 30 ابواب ہیں ہر باب 5 فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصل اول فیما یحب علی من یرید الدخول في الدین، فصل ثانی في معرفه الله تعالیٰ، فصل ثالث فیما لا یجوز الطلاقة علی الباري، فصل رابع في صفة النبي ﷺ، فصل خاص في فضل الصحابة والتابعین۔ باب دوم کی پانچ فصلیں۔ فصل اول فیما یجب علی المومنین، فصل ثانی في مقالة الفرق الضالة، فصل ثالث في الواجبات، فصل رابع في السنن والإرشاد۔ فصل خامس في المستحبات والمباح والبدع۔ باب سوم میں پانچ فصلیں ہیں۔ فصل اول في الطهارة، فصل ثانی في الصلوٰة، فصل ثالث في الصوم، فصل رابع في الزکوٰة، فصل خامس في الحج۔ اس کے علاوہ ایک خاتمہ ہے جو زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے منظوم خاتمہ کی روسے اس کا سن اہتمام 1224 ہجری ظاہر ہوتا ہے۔[21]

مشکوٰۃ النبوۃ (1256ھ) تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں تصنیف کیے جانے والے تذکرہ صوفیائے دکن میں "مشکوٰۃ النبوۃ" کو کئی لحاظ سے اہمیت و مقبولیت اور مرجعیت کا درجہ حاصل ہے۔ مصنف نے اپنی اس کتاب کو سلسلہ قادریہ، احراریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، رفاعیہ، سہروردیہ کے احوال و ارشادات سے مزین کیا ہے۔ اس میں دکن کے علاوہ ایران، عراق، پاکستان، کردستان کے صوفیہ کے حالات بھی کہیں اجمالی کہیں تفصیل سے درج ہیں۔ اس کتاب کے ابواب کو "مشکوٰۃ" سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس میں جملہ 33 مشکوٰۃ ہیں۔ ہر مشکوٰۃ میں ترتیب سلسلہ نسب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کا ہر مشکوۃ مصنف کے اجداد کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اذکار اور ان کے معاصرین سے شروع ہوتی ہے۔ پوری کتاب میں بشمول صوفیائے دکن چھ سو سے زائد اولیائے کبار، مشائخین عظام اور صوفیائے کرام کے حالات زندگی اور ان کے مسالک و ارشادات تحریر کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کو تاریخ صوفیہ، تاریخ ملوک بھی کہا جاسکتا ہے کیوں کہ اس میں جب کسی بزرگ کا ذکر کیا گیا تو یہ بھی بتادیا گیا کہ ان کے زمانے میں کس بادشاہ کی حکومت تھی۔ مولانا ابوالفضل سید محمود قادری نے حصہ اول تا پنجم کا اردو ترجمہ کیا اور ابوالحسن سید شاہ وحید القادری عارف نے حصہ ششم، ہفتم، ہشتم کا ترجمہ کیا۔ یہ کتاب فن تذکرہ میں نہ صرف خزینۃ العلم کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ حضرت کی وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کا بھی ثبوت ہے۔[22] صوفیائے دکن کے تذکروں میں "مشکوٰۃ النبوۃ" کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں جن کتابوں سے مدد لی گئی یا حوالہ دیا گیا ہے ان کی مجموعی تعداد 64 ہیں۔[23]

مفتاح الفرائض: اس کتاب میں فرائض پنج گانہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ متعدد ابواب کے تحت چند فصول اور ایک وصل ہے۔ جو اس

فرض کے باب میں مذکور ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے اس فرض مذکور کے ارکان شریعت رقم کیے ہیں جس کا جاننا ہر مومن کے لیے واجب ہے اور وصل میں اس فرض کے بارے میں ارکان طریقت میں سے ایک رکن تحریر کیا ہے جس کا جاننا ہر مومن عارف کے لیے فرض ہے۔ مشکوٰۃ النبوۃ کے بعد سب سے ضخیم کتاب "مفتاح الفرائض" ہے جس سے مصنف کے عارفانہ خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ [24]

چمنستان وحدت: اس کتاب میں آپ نے بجائے باب کے "چمن" کا لفظ استعمال کیا ہے جن کی کل تعداد 27 ستائیس ہیں۔ بعض اصحاب کے اصرار پر آپ نے اسے تصنیف فرمایا۔ یہ مسائل وحدت پر بسیط تصنیف ہے جو عالم انسانیت کے لیے فائدہ مند ہے۔ [25]

خمسہ طیبہ اس کتاب میں بارہ ابواب ہیں۔ باب اول تشیع اور اثنا عشری عقائد، باب دوم مکائد اور طرق اضلال باب سوم اسلاف تشیع کی معتبر کتب، باب چہارم حدیث ثقلین اور تمسک فریقین، باب پنجم تخالف و مشاجرات، باب ششم فدک، باب ہفتم اختلافات الہیات اہل تسنن و تشیع، باب ہشتم نبوت اور ایمان انبیاء فریقین، باب نہم امامت و خلافت، باب دہم نفی عقائد امامت و خلافت تشیع، باب یازدہم احکام فقہ کی تفصیل، باب دوازدہم زین الاصحاب، عشرہ مبشرہ، خلفاء، فدک اور حدیث قرطاس وغیرہ پر مباحث ہیں۔

درالدارین فی مناقب غوث الثقلین یہ کتاب 1235 ہجری میں لکھی گئی لیکن اس کی طباعت 1309 ہجری میں ہوئی۔ یہ آپ کی پہلی تصنیف ہے جو طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ دو مقصد اور ایک خاتمہ ہے۔ حضرت سید غلام علی قادری کے خلیفہ مولانا محمد برہان الدین خان نے اس کی شرح محی الکونین فی شرح درالدارین کے نام سے کی ہے۔ [26]

خانقاہ سید شاہ موسیٰ قادری کی علمی و سماجی خدمات کا سلسلہ گذشتہ تین صدیوں سے جاری ہے۔ خانوادۂ موسویہ میں حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی کے بعد جس شخصیت نے اپنی قلمی و عوامی خدمات سے شہرت پائی وہ حضرت سید شاہ وحید القادری الموسوی المتخلص بہ عارفؔ ہیں۔ آپ حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کے پڑپوتے اور حضرت سید مرتضیٰ قادری کے نبیرہ ہیں۔ آپ کی ولادت 14 شعبان 1302 ہجری کو ہوئی۔ آپ کے دادا نے "وحید" نام رکھا اور عرف "عارفؔ" تجویز کی۔ آپ اسم بامسمیٰ ہوئے اور آگے چل کر "وحید العصر" ہوئے۔

حضرت سید شاہ وحید القادری نے اپنے خانوادہ کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے خانقاہی نظام کی پاسداری کی اور علم و ادب، شعر و سخن کی محفل بھی چراغاں کیا اور اپنی مادری زبان اردو کے علاوہ فارسی زبان میں بھی طبع آزمائی کی۔ آپ کے اردو اور فارسی کلام کو آپ کے بھانجے اور داماد ابوالفضل سید محمود قادری نے 1947ء میں "کلام عارفؔ" کے نام سے مرتب اور شائع کیا۔ [27]

*****

حوالہ جات

1۔ کلام عارفؔ صفحہ 32۔33۔ مرتب سید ابوالفضل محمود قادری' مارچ 1967 عیسوی، حیدرآباد۔

2۔ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 8، مشکوٰۃ سی و سیوم، جلد ہشتم، مولف مولانا غلام علی شاہ قادری، مترجم: ابوالحسن السید وحید القادری عارفؔ

3۔ مقالہ، حیدرآبادی خانقاہوں میں فارسی کی ترویج، صفحہ 148، سید عبدالرحمن حسن قادری، شعبہ فارسی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی 2014ء

4۔ مقالہ، حیدرآبادی خانقاہوں میں فارسی کی ترویج، صفحہ 149۔

5۔ مشکوٰۃ النبوۃ، جلد ہشتم صفحہ چھ، مترجم اردو' مولانا سید وحید القادری عارفؔ، مطبوعہ ' اعجاز پرنٹنگ پریس' چھتہ بازار، حیدرآباد، سنہ اشاعت

1985ء

6۔ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 45،۔

7۔ مقالہ ' احاطہ حضرت موسیٰ قادری میں مدفون و متعلقین صالحین ' باب دوم، صفحہ 256، مقالہ نگار، سید تنویر عالم قادری الموسوی، شعبان 1441ہجری اپریل2020ء

8۔ مقالہ ' حیدرآبادی خانقاہوں میں فارسی کی ترویج، صفحہ 158۔

9۔ قلمی بیاض، حضرت سید وحید پاشاہ قادری الموسوی، مخزونہ خانوادہ آنحضرت

10۔ مسائل صوفیہ، بحوالہ ضمیمہ اردو مشکوٰۃ النبوہ، صفحہ 20۔

11۔ مسائل صوفیہ، ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ مترجم 21۔

12۔ مسائل صوفیہ، ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، مترجم صفحہ 22۔

13۔ رسالہ اوہامیہ ' بحوالہ ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 23۔

14۔ رسالہ اوہامیہ، بحوالہ، ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 23۔

15۔ ضمیمہ ' مشکوٰۃ النبوۃ' صفحہ نمبر25-24 ۔

16۔ مسائل وجودیہ، بحوالہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 25۔

17۔ الزامیہ ' بحوالہ ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 19۔

18۔ خوارق غوثیہ بحوالہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 32۔

19۔ اوراد قادریہ بحوالہ ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 33،۔

20۔ مواعظ غوثیہ، بحوالہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 33۔

21۔ عقائد غوثیہ، بحوالہ ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 35۔

22۔ ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 37۔

23۔ ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 37۔

24۔ ضمیمہ، مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 39۔

25۔ ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ، صفحہ 40۔ ضمیمہ مشکوۃ النبوۃ صفحہ 42۔

خانقاہِ میراں جی کی علمی وادبی خدمات

ساجد حسین ندوی*

ہندوستان ابتدا ہی سے صوفیائے کرام کی آماجگاہ رہا ہے۔ جن کے توسط سے برصغیر ہندوپاک میں اولیاء کرام اور صوفیائے عظام نے دین اسلام کی بے پناہ خدمات انجام دیں اور اشاعت اسلام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس مبارک جماعت نے عوام کی اصلاح اور اللہ سے ان کا رشتہ استوار کرنے کے لیے خانقاہی نظام کی بنیاد ڈالی۔ جس کا بنیادی مقصد دنیاوی زندگی سے کنارہ کشی، یاد الٰہی پر مشتمل زندگی گزارنے، اور روحانی تزکیہ کے ذریعے خدا تک پہنچنے کی تربیت دینا تھا۔ اس خانقاہی مرکز میں کسی شیخ کامل کی زیر نگرانی عبادت و ریاضت، ذکر و اذکار، تزکیہ نفس، علم و معرفت اور روحانی تعلیم دی جاتی ہے۔

برصغیر کی اسلامی تاریخ میں خانقاہیں نہ صرف روحانی تربیت کے مراکز رہی ہیں بلکہ وہ علمی، تعلیمی اور تہذیبی مراکز کے طور پر بھی نمایاں رہی ہیں۔ خانقاہیں اپنے قیام کے روز اول سے ہی بلا تفریقِ مذہب وملت لوگوں کی خدمت کرتی آرہی ہیں اور لوگ بڑی تعداد میں ان خانقاہوں سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ صوفیاء کرام کی اسی بے لوث خدمات کی وجہ سے سبھی مذاہب کے لوگ ان کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ضرورت مندوں اور بے سہارا لوگوں کا ایک کارواں خانقاہوں، درگاہوں اور صوفیوں کی دہلیز پر حاضر ہو کر اپنی مرادیں پوری کرتا ہے۔ دور حاضر کی خانقاہیں اور درگاہیں اس کی ایک بڑی مثال ہیں جہاں بلا تفریق مذہب وملت بڑی تعداد میں لوگ حاضری دیتے ہیں اور اپنی عقیدت ومحبت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں خانقاہی نظام کے ذریعہ علم وادب کی خوب خدمت ہوئی ہے خاص طور پر دکنی ادب صوفیائے کرام کی خدمات سے مالامال ہوا ہے۔

دکن میں صوفیائے کرام کا ورود مسعود اس وقت ہوا جب شمالی ہند میں سیاسی انتشار ہو چکا تھا اور بہت سے علما وصوفیا نے شمالی ہند سے ہجرت کرکے دکن کا رخ کیا اور اپنے علمی، ادبی اور روحانی ترتیب سے خلق خدا کو سیراب کیا۔ ان ہی صوفیائے کرام میں اردو کے اولین نثر نگار خواجہ بند نواز گیسودراز کا نام سر فہرست ہے۔ جن کی ولادت 721 ہجری میں بمقام دہلی ہوئی۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ خاص حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے باطنی علوم حاصل کیے اور قطب الاقطاب کے مقام رفیع پر فائز ہو کر ان کے مقرب اور منظور نظر مرید وخلیفہ بن گئے۔ 801 ہجری میں جب امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا تو آپ وہاں سے ہجرت کرکے گجرات اور دولت آباد کے راستے سے گلبرگہ پہنچے اور اپنی بے مثال دینی، علمی، روحانی، دعوتی اور تصنیفی خدمات سے پورے عہد کو متاثر کیا۔

خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے سلسلہ سے وابستہ ایک اہم نام میراں جی شمس العشاق کا ہے جو دو واسطوں سے حضرت گیسودراز کے خلیفہ تھے۔ شاہ میراں جی شمس العشاق اپنے عہد کے عظیم صوفی بزرگ ہی نہیں تھے بلکہ دکن میں اردو کی نشوونما میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیو کالج، چنئی

بقول ڈاکٹر عبد الحق:

"میر اں جی بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ انہوں نے بیجاپور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی جس میں ان کے جانشیں یکے بعد دیگرے بڑے صاحب علم اور صاحب ذوق ہوئے اور انہوں نے اسی کو اپنی زبان سمجھا اور اسی زبان میں سلوک و معرفت پر متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں۔ اسی خاندان کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشدوں کی پیروی میں اسی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا۔ یہ اسی خاندان کا اثر تھا کہ بیجاپور میں زبان کو اس قدر فروغ حاصل ہوا اور وہاں ایسے خوش بیاں اور بلند خیال شاعر پیدا ہوئے جن کی نظیر اردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے۔"

میر اں جی شمس العشاق کی مقام ولادت اور تاریخ پیدائش کے سلسلے میں محققین، مؤرخین اور تذکرہ نویسوں کے بیان میں کافی تضاد پایا جاتا ہے۔ "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیاء کرام کا کام" میں ان کی جائے ولادت مکہ معظمہ قرار دی گئی ہے۔ بعض محققین نے ان کی جائے پیدائش کا تذکرہ بھی نہیں کیا ہے جیسے ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے اپنی کتاب "دکنی ادب کی تاریخ" میں تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے، لیکن ان کی جائے پیدائش کی وضاحت نہیں کی ہے۔ سید شمس اللہ قادری نے بھی "اردوئے قدیم" میں میر اں جی کے مقام ولادت کا ذکر واضح طور پر نہیں کیا ہے۔ یہی انداز مولوی نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب "دکن میں اردو" میں اختیار کیا ہے۔

حامد حسن قادری نے داستان تاریخ اردو میں لکھا ہے:

"حضرت شاہ میر اں جی شمس العشاق مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔"

ایک مخطوطہ بیاض العلماء میں میر اں جی کی جائے پیدائش دہلی بتائی گئی ہے جو قرین قیاس ہے۔ کیونکہ میر اں جی شمس العشاق کے والد بزرگوار حاجی دوام الدین محبوب الٰہی کے مریدین میں سے تھے۔ جس کی وجہ سے میر اں جی کا دہلی میں پیدا ہونا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

حضرت میر اں جی شمس العشاق 810ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہاں سے آپ طلب حق کے لیے زیارت حرمین شریفین گئے اور چند دنوں تک روضہ رسول اکرم ﷺ میں معتکف رہے۔

"حدیقہ رحمانی" میں لکھا ہے کہ بیجاپور میں آپ کی آمد رسول اکرم ﷺ کے اشارہ پر ہوئی۔

"شیخ الحرم کے خواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک علم صلح خانہ سے ہمارے میر اں جی کو دو، آپ کو بھی فرمایا کہ شیخ الحرم سے یہ علم لے کر دکن جاؤ۔ تمہارے مقسوم میں نعمت ہے اور جس جگہ یہ علم گڑھا دے، وہ تمہاری سکونت کی جائے اور دفن بھی اسی جگہ ہوں گے۔ علی الصبح آپ شیخ الحرم سے علم لے کر راہی دکن ہوئے۔"

اس کے بعد آپ علم لے دکن کے بیجاپور میں سکونت اختیار کی۔ شجرۃ الاتقیا میں معظم دکن کے بجائے بیجاپور کا لفظ استعمال کیا ہے۔

نبی نے کہے اب توپایا شرف   بولے جا تا تو بیجاپور طرف

آپ نے بیجاپور کو اپنی روحانی اقامت گاہ بنایا اور یہاں ایک ایسی خانقاہ کی بنیاد رکھی جو نہ صرف روحانیت کا مرکز بنی بلکہ علم و حکمت کا سرچشمہ بھی ثابت ہوئی۔ اور علومِ ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے اس مرکز کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ آپ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کو ذکر و فکر، درس و تدریس، اور خدمتِ خلق کے لیے وقف کر دیا۔ آپ نے اپنے علم، حلم، تقویٰ اور روحانی بصیرت سے بیجاپور ہی نہیں بلکہ پورے دکن کو سیراب کیا۔ نیز آپ کا روحانی مرکز ہر طبقہ خاص و عام کے لیے کھلا تھا۔ اہلِ سیاست، اہلِ علم، غربا، مساکین، سب یہاں آکر روحانی سکون اور عملی رہنمائی پاتے۔ گویا اس مرکز نے نہ صرف دلوں کو جوڑنے کا کام کیا بلکہ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں توازن، حلم، صبر اور خدا سے تعلق کی تعلیم دی۔ یہاں کا ماحول ذکر و فکر، الفت و محبت اور خدمت کا گہوارہ تھا۔

میراں جی شمس العشاق کی یہ خانقاہ بیجاپور دکن کی علمی و روحانی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اس نے صدیوں تک انسانیت کو علم، محبت، اور امن کا پیغام دیا۔ آج اس کے نقوش ہمیں دعوت دیتے ہیں کہ ہم پھر سے خانقاہی نظام کی علمی روح کو زندہ کریں اور اسے معاشرے کی اصلاح و فلاح کا ذریعہ بنائیں۔

25 شوال 902ھ کو میراں جی اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ اس تاریخ کو آج بھی بیجاپور میں ان کا عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے جس کی زیارت کے لیے دور دراز سے عقیدت مند بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔

میراں جی شمس العشاق نے جس طرح اپنی خانقاہ کے ذریعہ لوگوں کو اللہ سے جوڑنے کا کام کیا اسی طرح انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ اللہ کی طرف رجوع ہو کر سکون پانے کا طریقہ بتایا۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں زیادہ تر تصوف اور اخلاقی تعلیمات پر زور دیا ہے۔ اردو میں ان کی چار کتابیں ملتی ہیں۔ (1) خوش نامہ (2) خوش نغز (3) شہادت التحقیق (4) مرغوب القلوب۔

خوش نامہ:

ایک سو ستر اشعار پر مشتمل نظم ہے۔ جس میں ایک نیک سیرت لڑکی "خوش" کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بہترین اخلاق و صفات کی وجہ سے سارے لوگ اس سے محبت کرتے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ لیکن وہ صرف سترہ سال کی ہی تھی کہ وہ اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اس کی موت سے میراں جی نے اصلاحی نتائج اخذ کیے ہیں اور روحانی مسائل کی تشریح کی ہے۔ اس کی عمر کا تذکرہ ان اشعار میں کیا گیا ہے۔

برس پانچ اور بارا کی ایک ماس نودیں — اس کی عمر لیکھتیں سب لکھا ہوا اس کہیں
تھان کیا شاہ پور انہیں وہ تو پیارا تھا — پیروں کیرا قول ہوا کہ تجھ سوں ہمیں تمام

وہ ایک بھولی بھالی لڑکی تھی اور اسے بناؤ سنگار سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ جب لوگ اس کی بے پروائی کا طعنہ دیتے ہیں تو وہ ان الفاظ میں ان کو جواب دیتی۔

کہیں بیٹا اے شوخ دیدہ سن جی نیکی بندہ — بھوک بلاس کر سوکھ نہیں چھوڑیں بعضے چندہ
کہے یہ سب حکم خدا کا جی تم آکھیں یوں — ہم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھاوے توں

خوش نغز:

میراں جی کی ایک اور تصنیف "خوش نغز" ہے جس میں 72 اشعار ہیں جو مختصر سوال وجواب کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس نظم کا مرکزی کردار "خوش" ہے جو میراں جی سے روحانی مسائل کے بارے سوال کرتی ہے اور میراں جی اس کا جواب دیتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہو:

جے ہماری ارادت کی ان کا یہ احکام نماز، تسبیح ، نیتان، ذکر اللہ یک نام

اس پر جیتا رہے صدق سن اوتا اچھے لاب دین، دنیا، دیدار، بہشتیاں پاویں بے حساب

شہادت التحقیق:

میراں جی کی تیسری تصنیف شہادت التحقیق ہے۔ یہ ایک طویل نظم ہے جس میں 563 اشعار ہیں۔ اس میں شریعت وطریقت کے مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

مغز مرغوب:

شمس العشاق کی ایک مختصر نظم ہے مغز موغوب ہے۔ اس میں فلسفیانہ اور صوفیانہ مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ نظم 23 اشعار پر مشتمل ہے، جس کا ذکر خود اس نظم کے تیسرے شعر میں موجود ہے۔

بیس نظم اور تین زیادت اس کا سب حساب پرچھان کرے رہے تو ہر نغمہ کالاب

اس میں میراں جی نے اپنے پیر ومرشد حضرت کمال الدین بیابانی کا ذکر کرتے ہوئے ان کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ع

شاہ کمال کے پانوں لاگوں اس پرچو میں رہیں

شاہ برہان الدین جانم

میراں شمس العشاق کی روحانی اور اصلاحی کام کو آگے بڑھانے میں ان کے فرزند اور خلیفہ نے اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ انہوں نے علوم ظاہری وباطنی کا اکتساب اپنے والد سے کیا تھا۔ اپنے دور کے بڑے عارف اور صوفی تھے۔ ان کی پیدائش بیجاپور میں ہوئی اور اپنے والد سے تعلیم وتربیت حاصل کی۔ پندرہ سال کی عمر میں شوق الٰہی کا غلبہ ہوا تو والد کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں کے حکم پر اہل حق تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتے رہے۔ تین سال تک سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے مردان کامل سے فیض یاب ہوتے رہے آخر کار شہر ویران کی خاک چھاننے کے بعد اپنے والد کے پاس آئے۔ والد نے ان تمام نعمتوں میں سرفراز کیا جو ان کے سینے میں امانت بطور امانت تھی۔ خلافت عطا کی اور اپنا جانشیں مقرر کیا۔

ہوا شاہ کے گھر یہ روشن چراغ کیا چشت کے خانوادے کو باغ

رکھے نام برہان تب شاہ کا تجلا دسامکہ اوپر ماہ کا

وہی چاند کوئی دن کو کامل ہوا او کامل ہوا اور فاضل ہوا

شاہ برہان اپنے عہد بہت بڑے صوفی اور پیر طریقت تھے۔ وہ نہ صرف بیجاپور میں مرجع خلائق تھے بلکہ دور دور تک ان کی شہرت پھیل چکی

تھی اور ہر طرف ان کی تعلیمات کا چرچا تھا۔ ہزاروں لوگ ان سے فیضیاب ہوئے۔ ان کے خلفاء کی تعداد بے شمار تھی جس سے ان کے حلقہ اثر کی مقبولیت اور ان کی تعلیمات کی ہر دلعزیزی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بقول شاہ معظم صاحب شجرۃ الاتقیا

مریداں تھے شاہ کے بے شمار فقیراں تھے شاہ کے کئی ہزار

انہوں نے دکنی زبان میں تصوف اور سلوک کے موضوع پر متعدد رسالے تحریر فرمائے۔ ان رسالوں کے ذریعہ انہوں نے طریقت اور معرفت کی تعلیمات کو ان مریدوں اور معتقدوں تک پہونچانے کی کوشش کی جو عربی فارسی سے ناواقف تھے۔ دکنی ادب کی تاریخ میں جانم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ برہان الدین جانم نے اپنی تصانیف کے ذریعہ عوام کو طریقت و معرفت کی تعلیم دی۔ جن میں سے مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

وصیت الہادی، بشارت الذکر، سکھ سہیلا، منفعت الایمان، نسیم الکلام، حجت البقا وغیرہ ہیں۔ ان کتب ورسائل میں انہوں نے معرفت اور طریقت کے ساتھ ذکر جلی، ذکر خفی، ذکر قلبی، ذکر سری اور تصوف کے دیگر مسائل کا ذکر کیا ہے۔

خواجہ امین الدین اعلیٰ:

یہ حضرت برہان الدین کے فرزند اور میراں جی شمس العشاق کے پوتے تھے۔ سید شاہ امین الدین اعلیٰ اپنے زمانے کے شیخ کامل کے ساتھ ساتھ سلوک وطریقت کے میدان میں بھی عہد آفریں شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنے خانوادے کی تعلیمات اور اپنے والد شاہ جانم کے اجتہاد کو مقبول بنانے کی نہ صرف کوشش کی بلکہ علم طریقت کو ایک نیا رنگ و آہنگ بخشا اور راہ سلوک کو نئی سمتیں عطا کیں، جس کی وجہ سے ذہن و دماغ کی تعمیر اور عصری تقاضوں کی تکمیل ممکن ہوسکی۔ نیز آپ دنیا اور اہل دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ رئیسوں اور باشاہوں سے ہمیشہ احتراز کرتے اور ان سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ گوشہ نشینی اور فقر وفاقہ انہیں عزیز تھا اور آٹھوں پہر یاد الہی میں محو رہتے تھے۔

یوں تو خاندان میراں جی شمس العشاق نے دکنی زبان وادب پر بڑا احسان کیا ہے۔ خاص طور پر امین الدین اعلیٰ کی شخصیت نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کی مثال کوئی اور پیش نہیں کرسکتا ہے۔ صوفیاء دکن میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے بعد اگر کسی کی شخصیت اہل دکن کے دل ودماغ پر چھائی ہوئی تھی تو وہ امین الدین اعلیٰ کی شخصیت تھی۔ صاحب انوارالاخیار نے ان کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہے۔ ان کے خلفاء اور اور سلسلے کے بزرگوں کی خانقاہیں مہاراشٹر، آندھرا پردیش، کرناٹک اور تمل ناڈو کے دور دراز علاقوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت امین الدین اعلیٰ کے خلفاء نے نہ صرف خانقاہی نظام کو آگے بڑھایا بلکہ ان میں ہر ایک نے دکنی زبان میں تصنیف وتالیف کا فریضہ بھی انجام دیا، جس کی وجہ سے اردو زبان وادب میں بے شمار منظوم ومنثور رسائل منظر عام پر آئے۔ اگر دکنی زبان وادب میں صوفیانہ ادب کا جائزہ لیا جائے تو بیشتر حصہ میں خانوادۂ شمس العشاق کے خوشہ چین نظر آئیں گے۔

شاہ امین الدین اعلیٰ نے اپنے خاندانی روایت کو زندہ رکھتے ہوئے تصوف وسلوک کے مسائل کو منظوم انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی کئی تصانیف منظر عام پر آئی ہیں، لیکن ان میں سے چند معروف تصانیف کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جواہر الاسرار: اس رسالہ میں ان کے مریدین اور خلفاء نے ان کے اشعار کو جمع کیا۔ان کی منظومات کا تعارف حکیم شمس اللہ قادری نے "اردوئے قدیم" میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "آپ پر شب وروز محویت واستغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی اور جب کبھی اس کیفیت میں غلبہ ہوتا تو آپ نظم میں عرفان کے حقائق واسرار ارشاد فرماتے تھے۔ آپ کے مریدوں نے ان ارشادات کو جمع کیا ہے اور اس مجموعہ کا نام "جواہر الاسرار" رکھا ہے۔ میں نے اس کا ایک نسخہ دارالعلوم لطیفیہ ویلور دیکھا ہے، جس کا حجم پانچ سو صفحات سے زیادہ ہے اور اس میں کثرت سے چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں اور ان کے بعد تھوڑا سا متفرق کلام ہے۔"

رموز السالکین:

یہ شاہ امین کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں انہوں نے تصوف کے بعض مسائل، مشاہدے اور مراقبے کے تمام مدارج اور ان کی کیفیات پر روشنی ڈالی ہے۔

قربیہ:

یہ بھی شاہ امین کی ایک مثنوی ہے جس میں وحدت کثرت، معرفت نفس، حقیقت محمدی، مشاہدہ حق اور سفلی اوصاف سے پرہیز کی اہمیت وغیرہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

محب نامہ:

ایک مختصر نظم ہے جس میں شاہ امین الدین نے ابتدا میں محبوب مجازی کا سراپا بیان کیا ہے اس کے بعد نور محمدی کی تعریف کی ہے۔اس کے علاوہ مدح شاہ برہان، وجودیہ، گفتار امین اعلیٰ وغیرہ تصانیف بھی شاہ امین الدین اعلیٰ کی ہیں جن کے عمومی موضوعات تصوف واخلاق ہیں۔

الغرض بیجاپور میں علم ادب کی خدمات میں نام روشن کرنے والے اس خانوادے کے تین اہم بزرگان دین اور صوفیاء کے مزارات ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ میراں جی کا مزار حصار شہر کے باہر شاہ پور کے اسی ٹیلہ پر ہے جہاں بیجاپور پہنچنے کے بعد انہوں نے اقامت اختیار کی تھی۔ مزار کے اوپر ایک گنبد تعمیر ہے۔ ان کے مقبرے میں ان کی اہلیہ رابعہ صاحبہ، مسالی خوش بی ماں صاحبہ اور صاحب زادے شاہ برہان الدین جانم بھی دفن ہیں۔ یہ چھوٹا گنبد کہلاتا ہے۔ بڑا گنبد حضرت امین الدین اعلیٰ کے روضے کو کہتے ہیں جو اسی احاطہ میں واقع ہے۔ احاطہ درگاہ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کے صحن میں ایک قبر ہے۔ موجودہ سجادہ نشیں پیر عطاء اللہ حسینی کا بیان ہے کہ یہ محمود خوش دہاں کا مزار ہے۔ علاقہ درگاہ میں سوائے اہل خاندان کے کسی اور کو دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اصول حضرت امین الدین اعلیٰ کے زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ اگر کوئی مرید، خادم یا فقیر کا احاطہ درگاہ میں موت ہو جاتی ہے تو اسے باہر کے قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے۔

یہی وہ احاطہ ہے جہاں حضرت میراں جی شمس العشاق اور ان کے خانوادے کی خانقاہیں اور درگاہیں ہیں جن سے تقریباً تین سو سال تک اہل دکن تک اپنے روحانی، باطنی، ظاہری، مذہبی اور اصلاحی طور پر فیضیات ہوتے رہے۔ آج بھی یہ خانقاہیں مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔

*****

مصادر ومراجع:

1۔ اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیا کرام کا حصہ، مولوی عبدالحق مطبوعہ 1988

2۔ دکنی ادب کی تاریخ، محی الدین قادر زور مطبوعہ 1958

3۔ اردوئے قدیم، حکیم سید شمس اللہ قادری مطبوعہ 1967

4۔ داستان تاریخ اردو، حامد حسن قادری مطبوعہ 2007

5۔ دکن میں اردو، مولوی نصیر الدین مطبوعہ 2002

6۔ مغزمرغوب وچہار شہادت، مرتب محمد ہاشم علی مطبوعہ 1966

7۔ شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات وکارنامے، ڈاکٹر حسین شاہد مطبوعہ 1973

8۔ حدیقہ، ابن سقاف (قلمی نسخہ) بحوالہ مغزمرغوب

9۔ شجرۃ الاتقیا، شاہ معظم (مخطوطہ) بحوالہ شاہ امین الدین اعلیٰ حیات وخدمات

خانقاہ حضرت صوفی سرمست کا دکن میں فروغ اسلام میں کردار

ایڈوکیٹ سید محمد مجیب الدین سرمست *

سگر شریف (Sagar) اور خُلد آباد شریف، دکن کے وہ دو عظیم مراکز ہیں جنہوں نے صدیوں تک اسلام کی تعلیم، تصوف، روحانیت اور دعوت و ارشاد کے چراغ روشن کیے۔ دونوں مقامات کے درمیان روحانی رشتہ نہایت مضبوط رہا ہے۔ اولیائے کاملین کی آمد و رفت، قیام و اعتکاف اور باہمی ارتباط کی ایک مسلسل تاریخ یہاں محفوظ ہے۔ اہلِ دکن میں قدیم زمانے سے نسل در نسل یہ روایت متواتر چلی آرہی ہے—جسے مورخین نے بھی تحریر کیا ہے—کہ شمالی ہند سے پالکیوں کے قافلے دکن میں آتے رہے، جن میں اولیا، مشائخ اور اہلِ طریقت تشریف لایا کرتے تھے۔ ان میں سب سے پہلا عظیم قافلہ حضرت صوفی سرمست اسد الاولیاءؒ کی قیادت وامامت میں سرزمینِ دکن میں وارد ہوا۔ آپ اور آپ کے ہمراہ آنے والے اولیائے کاملین نے سگر کی نوربار سرزمین میں قیام فرمایا۔ سِگر شریف دکن کا ایک عظیم علمی و روحانی مرکز رہا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ بارگاہِ اسد الاولیاء کے سجادہ نشین کی دیوڑھی پر نصب اُس قدیم کتبے سے بھی ہوتا ہے، جس کا ذکر متعدد مورخین نے اپنی تحریروں میں کیا ہے۔ غلام یزدانی، ڈائریکٹر آف آرکیالوجی (Government of Nizam, Hyderabad)، نے 1929–30ء میں شائع ہونے والی Epigraphia Indo-Moslemica میں اس کتبے کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے سِگر کی روحانی تاریخ اور اس کے علمی مرکز ہونے پر روشنی ڈالی ہے اور لکھا ہے۔

"سجادہ صاحب سگر کے دروازے پر دو کتبے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ”أنا مدينة العلم وعلي بابها“
اس کتبے کا ذکر بشیر احمد ہلوی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ”واقعات مملکت بیجاپور“ میں بھی کیا ہے۔

ابتدائی حالات:

دریائے دجلہ کے دوسرے جانب بغداد کی سمت ریاست سامراء (Samarra) واقع تھی جس کا صدر مقام شہر سامراء تھا اسی ریاست کے بادشاہ شہزادہ فاروق اعظم حضرت السید الشیخ شاہ جہاں محمد مطہریؒ تھے جو ایک ولی کامل بھی تھے۔ اسی باشرع سلطان کے گھر ایک لڑکا تولد ہوا جس کا نام محمد محمود رکھا گیا جن کو اہل دکن صوفی سرمست اسد الاولیاء کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ 9 رجب المرجب 559ھ کو ریاست سامراء عراق میں تولد ہوئے آپؒ کا مادہ تاریخ پیدائش ”تولد حسن“ نکالا گیا ہے۔ آپ کا نسب پدری 16 واسطوں سے حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اور نسب مادری حضرت سیدنا علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے[1]

جلالِ فاروقی بھی ہے جمالِ مرتضائی بھی　　　ہے دونوں فیض کا یکجا سراپا میرے صوفی کا

---

* سجادہ نشین بارگاہ صوفی سرمستؒ، صدر چوکھنڈی کربلائے ثانی سگر شریف

[1] تذکرۃ الانساب، ص 24، انوار سرمست ص 4

چونکہ آپ شاہی خاندان کے فرزند اکبر تھے اس لیے آپ نے نہایت ناز و نعم میں پرورش پائی آپ کی تعلیم و تربیت کے لیے قت کے ممتاز علما اور جنگی علوم کے لیے وقت کے ماہر استاد مقرر تھے۔ تمام دینی و دنیاوی علوم کی تکمیل کے بعد آپ کے والد نے آپ کا نکاح بلخ کی شہزادی بی بی دردانہ بانو سے کیا والد بزرگوار کی وفات کے بعد تخت سامراء پر جلوہ افروز ہوئے اور نہات ہی شان و شوکت اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔ ایک دن حسب عادت شاہی آپ صبح سویرے چند ساتھیوں کے ہمراہ محل سے نکل کر شکار کے لیے جنگل کی طرف روانہ ہوئے گرمیوں کا موسم تھا شدت پیاس سے ہر کوئی بدحواس تھا پانی کی تلاش میں راستہ بھٹک گئے ایک دوسرے سے جدا ہوگئے آپ ادھر اُدھر گھوڑا دوڑا رہے تھے۔ شدت پیاس اور گرمی سے گھوڑا بھی حواس باختہ نظر آرہا تھا۔ دور اچانک ایک پہاڑی نما ٹیلہ پر کچھ امید نظر آئی تو آپ نے اپنے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا اور پہاڑ پر چڑھے جب آپ ایک غار میں پہنچے تو ایک بزرگ وہاں پر عبادت الٰہی میں مصروف تھے انہوں نے جب آپ کی طرف دیکھا تو ایک پانی سے پھرا پیالہ آپ کی طرف بڑھایا مارے پیاس کے آپ پانی نوش فرما ہی رہے تھے کہ اچانک آپ کو پیاسی گھوڑے کا خیال آیا تو آپ گھوڑے کے پاس آئے گھوڑے کو بھی پانی پلایا اور واپس ان بزرگ کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے آپ کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا کہ اے محمود اگر تو گھوڑے کا خیال نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تیرے لیے مخصوص کر رکھی تھیں وہ ضائع ہو جاتیں۔ حضرت صوفی سرمستؒ کچھ دن ان بزرگ کی صحبت میں رہے پھر آپ نے محل شاہی کا رخ کیا اور حکمومت کو دوسروں کے حوالہ کر کے اپنے اہل و عیال کے ہمراہ راہ حق کی تلاش میں نکلے۔

ہندوستان میں آمد

حضرت صوفی سرمستؒ نے سامرّاء سے بغداد کا سفر کیا اور خانقاہ سہروردیہ میں حضرت سیدنا الشیخ شہاب الدین عمر سہرورد یؒ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور خانقاہ سہروردیہ میں قیام پذیر رہے۔ ان دنوں خانقاہ سہروردیہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا ذکر اکثر آیا کرتا تھا۔ اور ہندوستان میں آپ کی شہرت عروج پر تھی، حضرت صوفی سرمستؒ نے اپنے اہل و عیال و اصحاب کے ہمراہ ہندوستان کا رخ کیا جب آپ ہندوستان پہنچے تو خواجہ غریب نوازؒ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ آپ نے شہر غیاث پور گوگھر میں قیام فرمایا اور اسی دوران آپ نے بارگاہ غریب نوازؒ اجمیر شریف میں حاضری دی اور چلہ کشی فرمائی اور وہاں سے پاک پٹن تشریف لے گئے۔[1]

سلسلہ عالیہ چشتیہ میں بیعت و خلافت:

پاک پٹن شریف میں آپ نے خانقاہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ میں قیام فرمایا اور حضرت سیدنا بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے حلقہ اردات میں داخل ہوئے۔ اور فیض باطنی کا حصول فرمایا آپ پر نظر التفات فرماتے ہوئے حضرت گنج شکرؒ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ بعض مورخین نے یہ روایت لکھی ہے کہ آپؒ بابا فریدین گنج شکر کے مرید ہیں اور بابا صاحبؒ کے حکم پر آپ کے وصال کے بعد سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے آپ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ میں خلافت سے سرفراز فرمایا۔[2]

---

[1] انوارِ سرمست قلمی، ص5

[2] ایضاً، واقعات مملکت بیجاپور: حصہ دوم، ص362

صوفی سرمست واسد الاولیا کا لقب:

حضرت صوفی سرمستؒ اکثر مراقبہ میں بیٹھا کرتے تھے اورآپ کی یہ کیفیت سرمستی کو دیکھتے ہوئے حضرت گنج شکرؒ نے آپ کو "صوفی سرمست" کے لقب سے نوازا۔ مزید حضرت محبوب الہٰی نے بوقت روانگی دکن آپ کو 1400 اولیائے کرام کا امیر منتخب کرکے "اسد الاولیاء" کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ آج تک آپ حضرت صوفی سرمست، اسد الاولیاء کے نام سے اہل دکن میں مشہور و معروف ہیں۔

پالکیوں کی آمد اور دکن میں فروغ اسلام:

حضرت صوفی سرمستؒ حضرت نظام الدین محبوب الہیٰؒ کے حکم پر 1400 اولیائے کرام کے قافلے کے ساتھ دکن تشریف لائے اور مقام سگر میں قیام فرمایا؛ اس طرح سگر اشاعت اسلام کا دکن میں مرکز بنایا۔ اس قافلے میں کچھ اولیائے کاملین پالکی نشین تھے۔ دکن میں یہ روایت عام ہے کہ شمالی ہند سے دکن میں زمانہ قدیم پالکیوں کی آمد ہوئی جن میں اولیائے کاملین اس علاقے میں تشریف لائے۔ یہاں یہ بات اہم ہے کہ دکن میں دو مرتبہ شمالی ہند سے جنوبی ہند کو پالکیوں کی آمد ہوئی جن میں اولیائے کرام بغرضِ اشاعت اسلام دکن تشریف لائے۔ پہلی آمد حضرت صوفی سرمست اسد الاولیاءؒ کے ہمراہ ہوئی، اس قافلے میں حضرت صوفی سرمستؒ کے اہل وعیال، مریدین، خلفا، حضرت بابا صاحبؒ کے خلفا، مریدین، حضرت محبوب الہیٰؒ کے خلفا، مریدین کے علاوہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے خلفا و مریدین بھی شامل تھے۔ اسی قافلے میں خلد آباد شریف کے عظیم بزرگ حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زر بخشؒ بھی موجود تھے۔ یہ قافلہ 660ہجری کے آس پاس دکن میں وارد ہوا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے یا بعد، آپ کے حکم پر حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کی سرپرستی میں ایک دوسرا قافلہ دکن آیا، جس کے متعدد اولیائے کرام پالکی نشین تھے۔ یہ قافلہ خلد آباد شریف میں قیام پذیر ہوا اور پورے دکن میں دینِ اسلام کی اشاعت کا سبب بنا۔ حضرت صوفی سرمستؒ کی آمد سے قبل دکن کے لوگ اسلام سے ناواقف تھے اور خطے میں ظلم و ستم عام تھا۔ دہلی کے حکمران بھی دشوار گزار پہاڑی راستوں کے باعث اس علاقے کو فتح نہ کرسکے۔ اسی دوران چند بزرگانِ دین تبلیغ کے لیے دکن آئے، مگر مقامی راجہ نے ان سے بدسلوکی کی۔ ان میں سے ایک بزرگ نے دہلی کے بادشاہ سے اور پھر حضرت صوفی سرمستؒ سے فریاد کی، جو اس وقت متھرا میں حالتِ جذب میں مقیم تھے۔ آپ نے وجد میں فرمایا" *جا، اسلام کی فتح ہے"* ۔ اسی حکمِ پیر اور الہامی بشارت کے تحت آپ دکن تشریف لائے اور سگر شریف کو مرکز بنایا۔[1]

آپ نے مقامی راجہ راجا کمارارام کو اسلام کی دعوت دی، مگر اُس نے قبول نہ کیا۔ سگر سے دو میل کے فاصلے پر دریاپور نامی ایک بستی تھی جہاں راجا کمارارام نے دیوی کی پوجا کے لیے ایک ریوڑِ سانڈ وقف کررکھا تھا۔ ان میں سے ایک بڑا بیل فقیر لوگوں کے ہاتھ لگ گیا، جنھوں نے اسے جنگلی سمجھ کر ذبح کیا اور سیر ہو کر کھایا۔ راجہ نے یہ سنتے ہی حضرت سے شکایت کی کے فقرا نے ایسا کیا میرا بیل زندہ دلوائے۔

[1] تذکرہ اولیاء دکن حصہ دوم، ص460

حضرت کے ساتھیوں میں پریشانی کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت صوفی سرمستؒ نے حکم دیا کے تمام ہڈیاں اور چمڑا ایک جگہ لا کر جمع کر دیا جائے حضرت کے حکم پر ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت نے ایک چھڑی پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور اس سے ہڈیوں کی طرف اشارہ کیا اور بیل زندہ ہو گیا۔ اور جب یہ کرامت ظاہر ہوئی تو راجا اور اہلِ بستی پر گہرا اثر ہوا۔ بہت سے لوگ آپ کے فیضان سے متاثر ہو کر اسلام کے اخلاق و تعلیمات کی جانب مائل ہوئے۔ اسی زمانے میں دہلی کے بادشاہ کی طرف سے لکی خان افغان اور نعمت خان وزیر بھی آپ کی مدد و نصرت کے لیے آئے۔ یوں آپ کی بابرکت کوششوں سے دکن کی سرزمین میں اسلام کی دعوت مضبوطی سے پھیلنے لگی۔ [1]

جشن یوم الفتح (پہلی جمعرات)

حضرت صوفی سرمستؒ اس عظیم قافلہ کے ساتھ جس دن سگر شریف میں رونق افروز ہوئے وہ دن ربیع الاول کی پہلی جمعرات کا دن تھا۔ کئی دشواریوں سے گذرتے ہوئے باطل کی طرف سے مسلط کیے ہوئے معرکہ میں جس دن آپ کو فتح حاصل ہوئی وہ دن 4/ربیع الثانی جمعرات کا دن تھا۔ زمانہ قدیم سے ہر سال ربیع الاول کی پہلی جمعرات کو آستانہ عالیہ پر جشن یوم الفتح منایا جاتا ہے۔

آپ کے اہل و عیال :

حضرت صوفی سرمستؒ کا نکاح بلخ کی شہزادی بی بی دردانہ بانو عرف گوہر بی بی سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس بی بی کے بطن مبارک سے آپ کو چار شہزادے اور تین شہزادیاں عطا فرمائی۔

1-حضرت فرید الدین سرمست:

آپؒ حضرت صوفی سرمستؒ کے سب سے بڑے فرزند ہیں حضرت کے ساتھ معرکہ کربلائے ثانی میں شریک تھے بعد از فتح دکن حضرت صوفی سرمستؒ نے نعمت خلافت سے سرفراز فرماتے ہوئے آپ کو ملک اودھ (ایودھیا) میں تبلیغ اسلام کے روانہ فرمایا۔ آپ سے اولاد ہونے کا کئی ذکر موجود نہیں ہے۔

2-حضرت نظام الدین سرمست :

آپ حضرت اسد الاولیاء کے دوسرے فرزند ہیں آپ کو بیعت و خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی تھی روایت ہے کہ ایک دن حضرت صوفی سرمستؒ کی خانقاہ میں ایسا ہوا کہ حضرت صوفی سرمستؒ کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا باورچی غیر حاضر تھا۔ آپؒ خود کھانا نکالنے کے لیے باورچی خانے میں تشریف لے گئے۔ باورچی خانے میں کفگیر غائب تھی، بہت تلاش کے باوجود نہ ملی کھانے میں تاخیر ہو رہی تھی۔ آپ نے کفگیر مزید تلاش کرنا مناسب نہ سمجھا اور یہ آیت پڑھی ﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴾ اور اپنے ہاتھ سے گرم گرم کھانا نکال کر والد بزرگوار نے آپؒ کی طرف دیکھا۔ تبسم فرمایا اور دعا دی میاں! تمہاری ابراہیمی ولایت کی برکت سے مخلوق خدا کو فیض

[1] تاریخ مملکت بیجاپور، حصہ سوم ص363

پہنچے۔[1] آپ معرکہ کربلائے ثانی کے بعد اجودھنی (پاک پٹن) تشریف لے گئے آپ وہی مدفون ہے۔

3- حضرت شہاب الدین سرمستؒ:

آپ حضرت صوفی سرمستؒ کے تیسرے شہزادے آپ کو بیعت وخلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل تھی آپ اپنے والد کے ہمراہ معرکہ کربلائے ثانی میں شریک تھے اور بعد فتح دکن حضرت صوفی سرمستؒ کے ساتھ کئی مقامات کا سفر بھی کیا۔ آپ بغرض اشاعت اسلام گلبرگہ کی طرف تشریف لائے اور موضع مانیال جو فرحت آباد سے نزدواقع ہے۔ آپ کی بلند بارگاہ مرجع خلائق بنی ہوئی ہے جہاں پر بلالحاظ مذہب لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کو کوئی اولاد نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صوفی سرمستؒ نے آپ کو ہدایت فرماتے ہوئے کھجوروں کے بیج اور ایک لوٹا عطا فرمایا تھا اور یہ ہدایت بھی فرمائی تھی کہ جس جگہ رات کو قیام کریں وہاں یہ کھجوروں کے بیج بوئیں اور لوٹے سے ان بیجوں پر وضو کریں جہاں بیج اگ آئیں وہیں قیام کریں۔ چنانچہ آپؒ والد بزرگ وار کی ہدایت کے مطابق جہاں بھی رات کو قیام فرماتے کھجوروں کے بیج بو دیتے اور لوٹے سے ان پر وضو کرتے اس طرح سے آپؒ سفر کرتے کرتے موضع جال ہلی (جسے اب مانیال کہا جاتا ہے) پہنچے، یہاں پہنچ کر بھی آپ نے والد بزرگوار کی ہدایت پر عمل کیا اور صبح کو جب دیکھا تو بیج اگ آئے تھے آپؒ سمجھ گئے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں آپؒ کو قیام کرنا ہے چنانچہ آپؒ نے یہیں قیام فرمایا اور مسند رشد وہدایت پر فائز رہے اور اسی مقام پر وصال فرمایا۔[2]

4- حضرت تاج الدین سرمست المعروف منور بادشاہؒ:

آپ حضرت صوفی سرمستؒ کے سب سے چھوٹے شہزادے آپ کا لقب منور بادشاہ ہے۔ بیعت وخلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی تھی آپ بھی معرکہ کربلائے ثانی میں شریک تھے بعد از فتح حضرت صوفی سرمستؒ نے آپ کو فتح کے پیغام کے ساتھ دہلی روانہ فرمایا تھا۔ آپؒ نے بارگاہ محبوب الٰہیؒ میں پیغام فتح پیش کیا تو حضرت محبوب الٰہی نے آپ کو منور بادشاہ کے لقب سے سرفراز فرمایا بعد از واپسی حضرت صوفی سرمستؒ نے آپ کو ہمپی کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا اور آپ نے اس علاقہ میں پرچم اسلام کو بلند کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمپی میں حال تک بھی آپ کا چھلہ مبارک موجود تھا۔ حضرت صوفی سرمستؒ نے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور بعد از وصال صوفی سرمست آپ 20 سال تک اسد الاولیاء کے مسند سجادگی پر فائز رہے۔ اور سن 19 ربیع الثانی 700 ہجری میں آپ شہید ہوئے آپ کی بلند بارگاہ سگر شریف میں اندرون آبادی موجود ہے۔ آپ کے پائین میں بارگاہ اسد الاولیاء کے اولین سجادہ گان کے مزارات مبارک واقع ہیں۔ جس میں ایک مزار آپؒ کے اکلوتے فرزند وجانشین حضرت سید شاہ جہاں سرمستؒ کی مزار مبارک ہے جو آپؒ کے وصال کے بعد بارگاہ اسد الاولیاء کے سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت شاہ جہاں سرمستؒ اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی گذرے ہیں آپ سے منسوب ایک کہاوت بہت مشہور ہوئی۔ ''شاہ جہاں کچڑی پکی گھی کہاں'' ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ مہمان آئے لوگوں کی دعوت کی گئی گاؤں میں گھی کہیں دستیاب نہ ہو آپ کے مریدوں نے آپ سے اس کا ذکر فریا۔ آپ نے لوٹا طلب فرمایا اور کمرے کا دروازہ بند فرمادیا کچھ ہی دیر بعد گھی کا بھرا ہوا لوٹا

---

[1] شاہ گنج شہیداں، ص24

[2] ایضا، ص25

مریدوں کے ہاتھ میں دے دیا آپ کے مریدوں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا دہلی جا کے لے آیا ہوں۔ اس کے بعد سے ہی یہ مثل مشہور ہوئی۔[1] آپ کے تین فرزندان فرزند اکبر میاں صاحب سرمست المعروف وقت میاں صاحب آپ کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے آپ کالقب وقت میاں مشہور رہے۔ آپ کی مزار مبارک بھی بارگاہ منور بادشاہ سرمست میں موجود ہے۔ آپ مجرد تھے اس لیے آپ نے اپنے بھتیجے سید سلطان الدین سرمست کو اپنا جانشین بنایا۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت سلطان الدین سرمست بارگاہ اسد الاولیاء کے سجادہ نشین ہوئے جن سے آج تک حضرت صوفی سرمست اسد الاولیاء کا سلسلہ نسب وخلافت وسجادہ نشینی جاری ہے۔

5-سیدہ بی بی نظام خاتون:

آپ حضرت صوفی سرمستؒ کی پہلی صاحبزادی ہیں۔ آپ کا نکاح حضرت سیدنا الشیخ کاکوؒ سے ہوا۔ حضرت شیخ کاکوؒ کی شخصیت بڑی اہمیت کی حامل ہے اسی لیے ذیل میں ان کا تذکرہ بھی کیا جارہا ہے۔

حضرت شیخ کاکوؒ (داماد حضرت صوفی سرمستؒ):

آپ حضرت صوفی سرمستؒ کے خلیفہ وداماد ہر وقت اپنے پیرومرشد کے ساتھ رہے معرکہ کربلائے ثانی میں بھی شریک تھی روایت ہے کہ جب حضرت صوفی سرمستؒ نے وصال فرمایا تو شیخ کا کو آپ کے پاس موجود تھے اس وقت حضرت منور بادشاہ سرمست ہمپی، کو کمپلی کی مہم پر تھے۔ اسی وجہہ سے حضرت منور بادشاہ وہاں موجود نہیں تھے حضرت صوفی سرمست نے اپنی حیات میں حضرت منور بادشاہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ حضرت صوفی سرمستؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ کا کو نے مسند اسد اولیاء کو سنبھالا۔ جب حضرت منور بادشاہ سرمست واپس ہوئے تو اس امانت کو آپ کے حوالہ کردیا۔ حضرت شیخ کا کو کو حضرت نظام خاتون سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے تولد ہوئے آپ کی پہلی صاجزادی حضرت بی بی مخدوم جہاں حضرت سید جلال الدین حسینی المعروف بہ حضرت چندا حسینیؒ کے نکاح میں دی گئیں جن کا آستانہ گوگی شریف میں سرچشمہ فیض ہے۔ دوسری صاحبزادی حضرت بی بی خورشید جہاں حضرت سید اسحق کے نکاح میں دی گئی، تیسری صاجزادی بی بی عین الحیات حضرت سید محمد حسینی ابدال کو دی گئی جن کا آستانہ رائچور میں مرجع خلائق ہے۔ حضرت شیخ کاکوؒ کا مزار مبارک آستانہ اسد الاولیاء میں پائین میں واقع ہے آپ کے سیدھے جانب آپ کی زوجہ بی بی نظام خاتون کا مزار واقع ہے جس کے اطراف خانوادگان صوفی سرمست کے مزارات موجود ہیں۔

6-حضرت بی بی رابعہ خاتون

حضرت صوفی سرمست کی دوسری صاجزادی آپ کا نکاح حضرت سید شاہ رجبی حسینیؒ سے ہوا۔ جن کا آستانہ رائے گیری نزد گلگ ضلع رائچور میں واقع ہے۔

7- بی بی محبوب عرف ترکش بی بی:

[1] انوار حق: کربلا سے کربلائے ثانی تک ص129

آپ حضرت صوفی سرمستؒ کی تیسری چہیتی صاجزادی تھیں۔ آپ کا مزار مبارک حضرت اسد الاولیاءؒ کے پائین زینہ کے سیدھی جانب واقع ہے۔

حضرت صوفی سرمستؒ کے خلفا اور دکن میں فروغ اسلام :

جب صوفی سرمستؒ کو معرکہ کربلائے ثانی میں فتح نصیب ہوئی تو آپ نے اپنے خلفاء—چشتیہ و سہروردیہ—کے پیر بھائیوں اور اولیائے کاملین کے قافلے دکن کے مختلف علاقوں کی جانب روانہ فرمائے۔ ان بزرگوں کی برکت سے خطۂ دکن کے گوشے گوشے میں اسلام کی روشنی پھیلی اور ہر طرف نورِ ہدایت کی کرنیں بکھر گئیں۔ یہاں اُن اولیائے کرام کا ذکر پیش کیا جارہا ہے جن کے حالات کتبِ تاریخ میں محفوظ و مذکور ہیں۔

1۔ حضرت شاہ علی پہلوانؒ الم پور ضلع کرنول:

آپ کا اسم مبارک سید علی عباس حسینی ہے آپ شاہ علی پہلوان کے نام سے مشہور ہے۔ آپ حضرت صوفی سرمستؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ بعد معرکہ کربلائے ثانی آپ علاقہ کرنول (عالم پور) تشریف لے گئے آپ کے ساتھ اولیائے کاملین کا ایک قافلہ بھی تھا ان بزرگوں نے اس سرزمین پر پرچم اسلام کو بلند کیا۔ روایت ہے اس علاقہ میں ایک جادوگر حکمران تھا جس کے ظلم و ستم سے غیر مسلم رعایا بھی پریشان تھی جب اس کو آپ کی اطلاع پہنچی تو اس نے ان بزرگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے۔ کئی اولیاءئے کرام کو شہید کیا آخر میں حضرت شاہ علی پہلوان کو جب شہید کیا گیا تو کہا جاتا ہے کہ جس مقام پر آپ کا سر مبارک تن سے جدا کیا گیا تو آپ کا جلال عروج پر آیا اور آپ کا جسد مبارک بنا سر کے ہی اس جادوگر کے قلعہ میں داخل ہوئے۔ آخر میں جس مقام پر آپ کا جسد مبارک اپنی آخر آرام گاہ کو پہنچا تو وہیں پر مزار مبارک بنائی گئی۔ اور سر مبارک کی مزار کچھ میل فاصلہ پر واقع ہے۔ اور عالم پور میں گنج شہیداں کے مزارات بھی موجود ہیں۔[1]

2۔ حضرات پنج شہید المعروف شیخ شہیدؒ تالیکوٹ:

آپ حضرت صوفی سرمستؒ کے مرید و خلیفہ ہیں بعد از معرکہ کربلائے ثانی اسد الاولیاء نے آپ کو اور چار بزرگوں کے ہمراہ تالیکوٹ علاقہ بیجاپور میں اشاعت دین اسلام کے لیے روانہ فرمایا ان بزرگوں نے اس علاقہ میں پرچم اسلام کو بلند کیا اور کئی لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ باطل پرستوں نے ان بزرگوں کو بھی شہید کیا آج بھی آپ کا مقبرہ تالیکوٹ میں گنج شہیداں کے نام سے مشہور ہے آپ کی شہادت کا واقعہ 671ھ کا ہے۔[2]

3۔ حضرات ہفت شہید رحمہم اللہ ہبلی:

یہ اصحاب صوفی سرمستؒ کے خلفائے کرام بعد از معرکہ کربلائے ثانی حضرت پیر و مرشد کے حکم پر علاقہ کلادگی نزد شہر ہبلی تبلیغ دین محمد

---

[1] تاریخ اولیاء دکن ، ص501

[2] تاریخ ہندوستان آب کوثر، 361

ی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لیے تشریف لے گئے اور پرچم اسلام بلند کیا اور جام شہادت نوش کیا۔ جن کی بلند بارگاہ آج بھی مرجع خلائق ہیں۔[1]

4۔ رائچور میں تبلیغ دین:

حضرت صوفی سرمستؒ نے حضرت شیخ سالار امام الاولیاء حضرت شیخ یونس بخشی اولیاء حضرت شیخ احمد علمبردار، اور کچھ اولیائے کرام کو سرزمین سگر سے سرزمین رائچور پر تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ اور ان نفوس قدسیہ نے اس خطہ کو نور اسلام سے منور فرمایا۔ ان حضرات کے دست اقدس پر اسلام کی کرنیں پھیلیں اور انہی کی ذات بابرکت سے دین اسلام کی ترویج واشاعت عمل میں آئی۔ آج بھی ان نفوس قدسیہ کی بارگاہ عقیدت مندوں کے لیے فیض کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔[2]

5۔ ضلع بیجاپور میں تبلیغ اسلام:

ضلع بیجاپور میں حضرت اسد الاولیاء کے ہم عصر اولیاء کاملین کے آستانہ موجود ہیں غالب گمان ہے کہ یہ نفوس قدسیہ بھی اسی قافلے کے ساتھ دکن میں تشریف لائے چونکہ کوئی مستند حوالہ نظر سے نہیں گذرا اسی لیے جن بزرگوں کے حالات دستیاب ہیں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ حضرت صوفی سرمستؒ نے اپنے سات خلفا کو دیورہپر گی (بیجاپور) مقام پر روانہ فرمایا جنہوں نے وہاں تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیے۔ آلمیل تعلقہ سندگی میں بھی حضرت صوفی سرمستؒ کے بھیجے ہوئے حضرت غالب شہیدؒ کی بلند بارگاہ مرجع خلائق ہے۔[3]

6۔ حضرت سالار مسعود غازیؒ شاہ پور ضلع یادگیر

مشہور روایت ہے کہ حضرت سید سالار مسعود غازیؒ حضرت صوفی سرمستؒ کے ساتھ دکن تشریف لائے اور معرکہ کربلائے ثانی میں شریک رہے اور غازی کہلائے۔ آپ کل سات بھائی تھے جن کے مزارات مبارکہ علاقہ شاہ پور کے مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ عرف عام میں آپ کو سرمست کے غازی اور سرمست کے سالار کہا جاتا ہے۔ یوم الفتح کے موقع پر جہاں پر عوام الناس بارگاہ اسد اولیاء پر فتح کا جشن مناتے ہیں وہیں بارگاہ سالار مسعود غازی میں بھی عوام الناس یوم الفتح کے موقع پر حاضر ہوتی ہے۔

7۔ حضرت سات پیر صاحب

آپ بھی حضرت صوفی سرمستؒ کے رفیق سفر اور معرکہ میں موجود تھے کہا جاتا ہے کہ آپ کے اندر سات پیروں کی وقت موجود تھی، اسی لیے آپ کو سات پیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کا مزار مبارک سگر شری کی جنوب مشرق جانب رستہ پور کے راستے پر ایک چھوٹے سے جبوترے پر واقع ہے سالانہ عرس مبارک منعقد ہوتا ہے اور عقیدت مندان فیض پاتے ہیں۔

---

[1] انوار سرمست قلمی، ص13

[2] ترجمہ روضۃ الاولیاء بیجاپور 1314 ہجری، ص253

[3] قلمی بیاض حالاتِ صوفی سرمست، ص41،39،37

8۔ حضرت شابالے صاحب

آپ کا بھی حضرت صوفی سر مستؒ رفیق سفر معرکہ کربلائے ثانی میں شہید ہوئے آپ کا مزار مبارک گوگی شریف کے جانب جنوب ایک میل فاصلہ پر سگر کے راستے پر واقع ہے۔[1]

9۔ حضرت عبدالباد شاہ ابراہیم پور

مشہور روایت ہے کہ جب حضرت صوفی سر مستؒ تبلیغ دین کے لیے اطراف واکناف دورہ کرتے تھے اسی دوران آپ ابراہیم پور میں چھلہ کشی فرمائی اسی دوان وہاں کا ایک ''سر کش جن ''جو مخلوق خدا کو پریشان کیا کرتا تھا آپ نے اس سے مقابلہ کیا تو وہ نادم ہو کر آپ کا تابع ہو گیا۔ حضرت نے اس کو قریب ہی تالاب میں قید فرمادیا۔ جس کو آج بھی لوگ عبد الباشاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اورابراہیم پور میں حضرت صوفی سر مستؒ کا چھلہ مبارک موجود ہے۔ آج بھی ہزاروں کی تعداد میں لوگ بالخصوص برادران وطن نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔

شاہان وقت بار گاہ اسد اولیاء حضرت صوفی سر مستؒ میں

سگر شریف نہ صرف صوفیائے کرام کے لیے مرکز رہابلکہ ہر دور میں مسلم حکمرانوں نے اس مقام پر بڑی اہمیت دی اور یہاں پر حاضر ہوتے رہے سلطان تغلق سے لیکر اورنگ زیب عالمگیر تک تمام حکمرانوں نے حاضری دی۔ دکن کا پہلا گورنر سلطان ناصر الدین محمود کو حضرت صوفی سر مستؒ سے بڑی عقیدت تھی اس کا مزار مبارک بھی آستانہ صوفی سر مست میں ایک شاہی گنبد میں واقع ہے۔ سلطنت بہمنیہ کا پہلا بادشاہ سلطان حسن گنگو بہمنی نے یہاں پر کئی دنوں تک قیام کیا دوران قیام ان سے یہاں پر موجود صوفیاء کرام سے ملاقات بھی کی سلطان فیروز شاہ بہمنی نے بھی بار گاہ اسد الاولیاء میں حاضری دی اور سگر شریف میں شاہی باب الداخلہ بنوایا جس کا تذکرہ کئی مشہور امریکی اسکالر س نے کیا اسی فیروز شاہ بہمنی نے سگر شریف کا نام تبدیل کرکے '' نصرت آباد'' رکھا (CITY OF VICTORY) ،شاہان عادل شاہی بیجاپور کے فرماں رواں، یوسف عادل شاہ، اسماعیل عادل شاہ بھی یہاں حاضر ہوئے اسماعیل عادل شاہ نے ہی حضرت کی مزار مبارک پر گنبد بنانے کا ارادہ کیا مگر حضرت سے اجازت نہ ملی۔ اسماعیل عادل شاہ نے سگر شریف میں ایک شاہی جامع مسجد تعمیر کروائی جو شاہ طرز پر ہے ۔کچھ مورخین کا یہ بھی ماننا ہے کہ اسماعیل عادل شاہ کا انتقال سگر ہی میں ہوا پھر میت کو گوگی شریف منتقل کیا گیا۔ سلطنت مغلیہ کے مشہور حکمراں بھی بار گاہ اسد الاولیاء میں حاضر ہوئے خصوصاً اورنگ زیب عالمگیر نے بار گاہِ اسد الالیاءؒ میں حاضری دی اور اپنی یاد گار ''مسجد عالمگیر'' درگاہ حضرت صوفی سر مستؒ میں تعمیر کروائی جس کے کتبے کا ذکر بشیر احمد دہلوی نے اپنی مشہور و معروف کتاب تاریخ مملکت بیجاپور میں کیاہے۔

مجلی مسجدے مقبول درگاہ زرائے بال چند گشتہ منور
رقمت القول فی ترتیب المسجد موذن حی وقل اللہ اکبر

[1] انوار جلالی، ص53

عالمگیر بادشاہ نے اپنے قیام سگری شریف کے دوران دکن کے مشہور صوفی شاعر حضرت محمود بحریؒ سے ملاقات بھی فرمائی۔(ترجمہ عروس العرفان)مغلیہ دور میں سگر شریف کو (MINT TOWN) کہا جاتا تھا۔ یہاں پر مغلیہ دور میں سونے اور چاندی کے سکہ تیار ہوتے تھے۔ سگر شریف کو ہر دور میں روحانیت کے ساتھ سیاسی اہمیت حاصل تھی اسی لیے مشہور تاریخی کتاب ''مآثر عالمگیری'' میں کچھ یوں کہا ہے۔

در دہر در قلعہ در رہم مشکل تر ایک قلعہ گولکنڈہ و دیگر سگر

وصال مبارک وسالانہ عرس شریف:

حضرت محمود صوفی سرمست رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مبارک 16/ صفر المظفر 680ہجری کو ہوا۔ جس کا مادہ تاریخ ''بحر عشق'' ہے۔ مگر دکن میں آپ کی آمد اور پرچم اسلام کو بلند کرنے کی تاریخ کے لحاظ سے آپ کا عرس مبارک ہر سال 4,5,6ربیع الثانی کو بصد عقیدت واحترام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مندان بلالحاظ مذہب وملت حاضر بارگاہ ہوتے ہوئے فیضیاب ہوتے ہیں۔[1]

حضرت صوفی سرمستؒ کا مزار مبارک ایک وسیع چبوترے پر واقع ہے آپ کے پائین میں آپ کی شریک حیات گوہر بی بی صاحبہؒ مزار مبارک واقع ہے حضرت کے چبوترے کی سیڑھیوں سے متصل آپ کی شہزادی حضرت ترکش بی بی کا مزار واقع ہے۔ چبوترے کے جنوب مشرق جانب آپ کی بہو محل مبارک حضرت منور بادشاہ سرمستؒ کا مزار مبارک واقع ہے آستانہ مبارک میں ایک عظیم الشان مسجد اور ایک ایک باؤلی موجود ہے اس باؤلی میں ایک دروازہ بناہوا ہے کہا جاتا ہے کہ اس باؤلی میں حضرت وضو کے لیے تشریف لاتے ہیں عقیدت مندان اس باؤلی کے پانی کو بڑی ہی عقیدت کے ساتھ پیتے ہیں اور امراض سے شفا پاتے ہیں ۔ حضرت صوفی سرمستؒ کے پائین میں شہدائے کربلائے ثانی کے مزارات موجود ہیں مگر حضرت صوفی سرمستؒ کے سراہانے یا آپ کی مزار مبارک کے آگے کوئی مزار نہیں۔ آستانہ مبارک کا یہ منظر دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج بھی حضرت امامت فرمارہے ہیں اور شہدائے کرام مقتدی ہیں۔

یہ نقشہ آستانہ کا عجب منظر دیکھاتا ہے کہ شہداء مقتدی ہیں اور امامت میری صوفی کی

سید شفیع الدین سرمست شفیعؔ

وادی گنج شہیداں :

حضرت صوفی سرمستؒ کا آستانہ مبارک 70 ایکر اراضی پر موجود ہے جو پورے دکن میں اپنی وسعت کے اعتبار سے سب سے بڑا اور قدیم آستانہ ہے۔ جس میں شہداء اکرام واولیاء کاملین وعلماء اسلام کے مزارات موجود ہیں۔ اسی لیے آپ کے آستانہ کو ''وادی گنج شہیداں''، کربلائے ثانی، بھی کہا جاتا ہے۔

چوں دیدہ شان اسلامی مقام کربلا ثانی دکن مشہور عالم شد بنام صوفی سرمست

از قلم: حضرت سید شاہ حسین الحسینی سجادہ نشین بارگاہ قطب رائچور متوفی 1230ہجری

---

[1] عرس جاترا اس اینڈ میلاز، گورنمنٹ آف نظام حیدرآباد دکن، ص167

حضرت صوفی سرمستؒ کی خدمت کی نتیجے میں سگر شریف دکن میں اسلام کا ایک مضبوط مرکز بن گیا یہاں پر وقت کے بڑے بڑے صوفیائے کرام علمائے کرام، موجود تھے۔ کئی ایک صوفیائے کرام نے آپ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ اور اسلاف نے اس مقام کو صدر چوکھنڈی تسلیم کیا مشہور تاریخ داں ایس۔ کے۔ ارونی ڈایرکٹر ہسٹارکل ریسرچ بنگلور نے سگر شریف پر مقالہ لکھتے ہوئے (ٹائیٹل) دیا

SAGAR PROVINCIAL HEAD QUATER OF ISLAMC DECCAN

حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ متوفی 761ھ مدفون سگر شریف

آپ کا مزار مبارک بارگاہ اسد الاولیاءؒ میں حضرت صوفی سرمستؒ کے پائین تغلقی طرز تعمیر کی ایک خوبصورت گنبد میں موجود ہے۔ آپ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور اہل قلم بزرگ ہیں

سگر شریف میں آمد:

آپ کی آمد سگر شریف میں 738ھ کے بعد ہوئی جب خواجہ برہان الدین غریبؒ کا وصال ہوا یہ وہ دور تھا جب اکثر اولیائے کاملین کا آمد ورفت سگر شریف اور خلد آباد شریف کے درمیان رہی خواجہ حماد الدین کاشانیؒ جب سگر شریف تشریف لائے تو اس وقت جید علماء کرام موجود تھے۔ حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ خانقاہ حضرت صوفی سرمستؒ میں لنگر خانقاہ کے مہتمم رہے اور آپ ہی کے زیر نگرانی تمام لنگر کے انتظامات ہوتے رہے۔ اور آج بھی یہ روایت باقی ہے کہ درگاہ شریف میں دوران عرس حضرت صوفی سرمستؒ لنگر آپ ہی کی بارگاہ کے قریب تیار ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ عرس شریف کا بھنڈار جو خانوادہ حضرت صوفی سرمستؒ میں تقسیم ہوتا تھا وہ آپ ہی کی گنبد میں ہوتا ہے۔ اور عرف عام میں اس گنبد کو سجادہ نشین کی گنبد کہا جاتا ہے۔

اسم مبارک اور ابتدائی حالات:

آپ کا اسم مبارک حماد الدین آپ کے والد بزرگوار کا نام عماد الدین آپ ملک کاشان میں پیدا ہوئے جو ایران کا ایک علاقہ ہے آپ کا بچپن وہیں گذرا آپ کے والد بزرگوار نے مع اہل وعیال بود وباش کے لیے ملک کاشان سے ہندوستان کا رخ کیا اور دہلی میں مقیم رہے۔ سلطان محمد بن تغلق نے 1327ھ میں جب آپنا پایہ تخت دہلی سے دولت آباد منتقل کیا تو اکثر اولیائے کاملین جو دہلی میں مقیم تھے دہلی سے دولت آباد تشریف لائے جن میں خواجہ عماد الدین کاشانی کا خاندان بھی موجود تھا آپ اپنے چاروں فرزندان اور اہلیہ کے ساتھ دولت آباد تشریف لائے۔

بیعت وخلافت:

دوران قیام دولت آباد کاشانی برادران اور آپ کی والدہ محترمہ نے خلیفہ محبوب الٰہی سلطان العارفین حضرت خواجہ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر سلسلہ چشتیہ میں 1332ھ میں بیعت کی اور خواجہ برہان الدین غریبؒ کی خدمت میں تادم حیات رہے۔ خواجہ برہان الدین غریبؒ ان چاروں برادران کو بہت عزیز رکھتے تھے اور آپ کے روحانی فیض سے یہ چاروں مرتبہ ولایت پر پہنچے۔ احسن الاقوال کی مترجم ڈاکٹر فرحین بیگ حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کے حالات میں لکھتی ہیں کہ برہان الدین اولیاء نے حماد الدین کاشانیؒ کے حق میں فرمایا تھا کہ ''حماد تو زندہ ولی ہوگا اور جو نعمت یہ فقیر رکھتا ہے اس سے تو حصہ پائیگا'' اس سے خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کی محبوبیت کا

اندازہ بارگاہ برہان الدین اولیاءؒ میں ہوتا ہے۔ حضرت برہان الدین اولیاءؒ نے کاشانی برادران کو سلسلہ چشتیہ میں خلافت سے سرفراز فرمایا۔ صاحب " روضۃ الاقطاب" رونق علی صاحب نے جو خواجہ برہان الدین اولیاءؒ کے خلفاء کی فہرست اپنی کتاب میں پیش کی ہے اس میں خواجہ حماد الدین کاشانیؒ اور آپ کے برادران کا نام بھی شامل ہے۔[1]

حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ اور ملفوظات خواجہ برہان الدین غریب:

حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات کو جمع کیا صاحب "انوار سرمست" نے حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کے تین کتب کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ خواجہ حماد الدین کاشانی کی کتابیں رسالہ الحصول الاصول، اسرار طریقت، نافع المسلمین ہیں۔ اور ایک کتاب "مرآۃ المحققین" کا بھی ذکر ملتا ہے جو حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کی طرف منسوب ہے جس کا ذکر ڈاکٹر فرحین بیگ نے اپنی کتاب "انوار خلد" میں کیا ہے۔ جس کا ایک ترجمہ خانقاہ قلندریہ کاکور سے شائع کیا تھا جو اب ناپید ہے۔ اور آپ کی مشہور زمانہ کتاب "احسن الاقوال" ہے۔ جس کی مقبولیت دنیائے تصوف میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کی تصانیف: (1)احسن الاقوال (2)حصول الوصول

(3)منافع المسلمین (4)اسرار طریقت

ایک اور کتاب مرآۃ المحققین بھی آپ ہی کی تصنیف کردہ ہے۔ آپ کے ان تصانیف کا تفصیلی ذکر آگے پیش کیا جائے گا۔

حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کی اولین اور اہم تصانیف میں "احسن الاقوال "کو خاص مقام حاصل ہے۔ یہ کتاب آپ نے خلد آباد میں اپنے پیر کی حیات میں مرتب کی، جس میں حضرت غریبؒ کے ارشادات، چشتیہ کے وظائف اور پیرانِ چشت کے اقوال درج ہیں۔ "نثار احمد فاروقی" کے مطابق *نقدِ ملفوظات* میں یہ کتاب خواجہ نظام الدین اولیاء اور بابا فرید گنج شکرؒ کے ملفوظات کے معتبر ماخذوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے قلمی نسخے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، سالار جنگ میوزیم حیدرآباد اور خلد آباد شریف میں موجود ہیں، اور اس کا فارسی سے اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے — جس کا پہلا ترجمہ 1342ھ میں عبدالمجید صاحب نے کیا۔ راقم کے کتب خانے "کتب خانہ اسد الاولیاء" میں بھی اس کے اردو و فارسی نسخے موجود ہیں اور اس کا ایک نیا ترجمہ صوفی سرمست اسلامک ہسٹوریکل اکیڈمی سے شائع کرنے کی کوشش جاری ہے۔

احسن الاقوال کی تاریخی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری سے لے کر بعد کے تمام ادوار کی تصنیفات — تاریخ، تصوف اور احوالِ چشت — میں متعدد حوالہ جات اسی کتاب سے لیے گئے ہیں۔ اس میں کل پچیس ابواب ہیں جو برہان الدینؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہیں۔ کتاب کی تکمیل سن 738ھ میں ہوئی، جس کا "قطعۂ تاریخ" حضرت کاشانیؒ نے خود تحریر کیا۔

حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کی دیگر اہم تصانیف میں "نافع المسلمین "شامل ہے جو فقہی مباحث پر مشتمل اور اب نایاب ہے۔ اسی طرح "حصول الاصول "اور "اسرارِ طریقت "بھی آپ کی گراں قدر تصنیفات میں سے ہیں، جن میں اصولِ طریقت کی توضیحات ملتی ہیں۔ قدیم

[1] روضۃ الاقطاب، ص157

ومستند کتاب ”معارج الولایت “کے مصنف نے بھی ان دونوں کتب سے استفادہ کیا ہے۔

ان ہی کی طرف منسوب ایک اور اہم رسالہ ”مراۃ المحققین “ہے، جس کا ترجمہ شبیب انور کاکوری نے کیا۔ یہ رسالہ سات ابواب پر مشتمل ہے جن میں نفس کی اقسام، عقل و ادراک، وجود و عدم، تخلیقِ کائنات کی حکمت، مبدأ و معاد اور آفاق و انفس کے طبقات جیسے بنیادی مباحث صوفیانہ اسلوب میں بیان کیے گئے ہیں۔ مصنف کے مطابق یہ رسالہ معرفتِ الٰہی اور خود شناسی کی راہ دکھانے کے لیے ”آئینۂ محققین“ کے طور پر مرتب کیا گیا—یعنی من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے مصداق، انسان جب اپنی حقیقت پہچانے گا تو معرفتِ رب تک رسائی حاصل کرے گا۔

حضرت خواجہ حماد الدین کاشیؒ دکن کے اولین اہل قلم چشتی بزرگ:

سرزمین دکن میں بڑے بڑے اہل قلم اولیائے کاملین گذرے ہیں جنہوں نے تصیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی اور ہمارے لیے بیش بہار قیمتی سرمایہ چھوڑا، اگر ہم دکن کے اولین چشتی بزرگ کی بات کریں جنہوں نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی وہ ذات اقدس منظور الاولیاء حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کی ذات بابرکت ہے جنہوں نے 732ھ میں ہی سرزمین خلد آباد (دکن) میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ برہان الدین اولیاؒ کے ملفوظات قلمبند کیے جس میں خواجگان چشت کے مستند حالات، وظائف و سلسلہ چشتیہ کی تعلیمات موجود ہیں جس کا ذکر نثار احمد فاروقی نے اپنی کتاب ”نقد ملفوظات“ میں یوں کیا کہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ و حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے حالات پر ”احسن الاقوال“ اہم ماخذ ہے۔ اس کے علاوہ خواجہ حماد الدین کاشانیؒ نے کئی اور کتب تصنیف فرمائے جس کا ذکر اُوپر گذر چکا ہے۔ آپ کے بھائی خواجہ رکن الدین کاشانیؒ نے بھی حضرت غریبؒ کے ملفوظات ”نفائس الانفاس“ کے نام سے قلمبند کیے مگر چونکہ یہ دونوں کتابیں احسن الاقوال و نفائس الانفاس ایک ہی ساتھ لکھی گئی ہیں اور اختتام بھی حضرت خواجہ غریبؒ کی وفات کے ساتھ ہوا یہ کہنا مشکل ہے کہ کونسی کتاب پہلی ہے۔ اختتام کتب کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ حماد الدین کاشانیؒ دکن کے پہلے اہل قلم چشتی بزرگ ہیں۔

اس کے علاوہ ایک کتاب ” فوائد الفواد“ حضرت خواجہ حسن علا سنجریؒ کی جو نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات ہیں مگر یہ کتاب دہلی میں لکھی گی ہے جس کے مصنف کا مزار مبارک خلد آباد شریف میں موجود ہے۔ اس طرح بھی حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ ہی دکن میں اہل قلم چشتی بزرگ مانے جائیں گے جنہوں نے دکن میں ہی ملفوظات کو قلمبند کیا۔

حضرت عین الدین گنج العلوم اہل قلم بزرگ گذرے ہیں آپ کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اپنی تصانیف دوران قیام سگر شریف قلمبند فرمائی اور آپ کا سگر شریف تشریف لانا 737ھ کے بعد کا ہے اور آپ سلسلہ جنیدیہ کے شیخ ہیں اس طرح بھی حضرت خواجہ حماد الدین کاشانی ہی دکن کے اولین اہل قلم چشتی بزرگ مانے جائیں گے۔

اس کے علاوہ ایک رسالہ ”رسالہ زر بخش“ کا پتہ چلتا ہے جو حضرت خواجہ زرزری زر بخشؒ کے زمانے کا ہے اس کے مصنف کون تھے اور یہ کب اور کہاں لکھا گیا ہے اس کا پتہ نہیں ملتا۔ اور نہ رسالہ اب دستیاب ہے۔ ایک ملفوظ حضرت خواجہ غریبؒ کا اخبار الاخیار جس کو حضرت

حمید قلندر نے قلمبند کیا لیکن یہ بعد کا ہے جو دہلی میں لکھا گیا اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کو پیش کیا گیا۔

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ دکن کے مشہور و معروف اہل قلم چشتی بزرگ جن کو "سلطان القلم" بھی کہا جاتا ہے آپ نے کم و بیش 105 کتابیں تصنیف فرمائی آپ کا زمانہ بھی خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کے بعد کا زمانہ ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خواجہ حماد الدین کاشانیؒ نے سن 732 ہجری تا 738 ہجری میں کتب تصنیف فرمائی اور آپ ہی دکن کے پہلے اہل قلم چشتی بزرگ ہیں اور ہمارے لیے یہ بات باعث افتخار واعزاز ہے کہ یہ ذات بابرکت سگر شریف میں وادئ گنج شہیداں میں اسد الالیاء شاہ گنج شہیداں امام کربلائے ثانی خلیفہ سلطان المشائخ حضرت صوفی سرمستؒ کے آستانہ میں آپ کے پائین زیر گنبد آرام فرماں ہیں۔

سگر شریف سے خلد آباد کا سفر:

اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت حماد الدین کاشانیؒ کی آمد سگر شریف حضرت برہان الدین غریبؒ کے وصال کے بعد ہوئی تو آپ کا عرصہ قیام 20 سال کے قریب ہوتا ہے۔ مترجم "روضۃ الالیاء خلد آباد" عبد المجید صاحب خلد آبادی لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ بحکم پیر و مرشد بعد وفات پیر و مرشد سگر شریف تشریف لے گئے مولانا عبد المجید بقیۃ الغرئب کے حوالہ سے لکھتے ہیں سگر شریف سے روضہ شریف (خلد آباد شریف) کو حضرت برھان الدین غریبؒ کی زیارت کا ارادہ کیا تو خواجہ مجدد الدین کاشانیؒ نے آپ کے ہمراہ ایک غلاف روانہ کی جب خواجہ حماد الدین کاشانیؒ روضہ شریف پہنچے اور زیارت کے لیے اندر تشریف لے گئے تو غلاف مبارک سامان میں بھول گئے روضہ مبارک سے آواز آئی جو غلاف لائے تھے پیش کرو فوراً غلاف لے کر حاضر ہوئے اور پھر آواز آئی جو جو مطالب ہوں لکھ کر لاؤ تو آپ فرماتے ہیں کہ کل آٹھ مطالبات پیش کیے جو سب تھوڑی دیر بعد پورے ہوئے۔

وصال مبارک:

عبد المجید صاحب اپنے ترجمہ (روضۃ الاولیاء خلد آباد) میں لکھتے ہیں حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ نے بارہ 12 / جمادی الاولی 761ھ کو وفات پائی مزید آپ نے لکھتے ہیں کہ وہ خود سگر شریف کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں آپ کی آمد شاید 1920ء کے قریب کی ہے۔

حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کی وفات دوران محفل سماع میں اس شعر پر :

اے اجل آن قدر صبر کن امروز کہ من   لذتے گیرم از آن زخم کہ برجانم زد

(ترجمہ: اے موت اس قدر صبر (کر رک جا) کہ آج میں لذت لیتا ہوں اس زخم سے جو میری جان (محبوب) نے دیے ہیں)

اس پر آپ رات بھر حالت جذب میں رہے اور صبح کی اولین ساعتوں میں اس دنیا سے رخصت ہوئے بعد وفات آپ کے برادر خواجہ مجدد الدین کاشانیؒ دیکھا کہ آپ تبسم فرمارہے ہیں یہ دیکھ کر مجدد الدین کاشانیؒ چیخ ماری اور کہا کہ خواجہ حماد زندہ ہوگئے۔ وہاں پر موجود خواجہ قوام الدینؒ نے فرمایا مولانا مردان خدا زندہ ہی رہتے ہیں۔ اور جب آپ کا جنازہ تدفین کے لیے لے جایا جارہا تھا تو وہاں پر موجود تمام سادات کرام مشائخین علماء اور عوام کا ایک کثیر مجمع تھا اور ہر فرد آپ کو کاندھا دینا چاہتا تھا تو آپ کا جنازہ معلق ہوا میں چلتا یہ دیکھ کر کئی کفار نے اسلام قبول کیا۔

حضرت عین الدین گنج العلوم رحمۃ اللہ علیہ کا سگر شریف میں قیام:

آپ حضرت سید علی ہجویریؒ کے مرید و خلیفہ ہیں اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی عالم گذرے ہیں مورخین لکھتے ہیں کہ آپ نے 132 جامع کتب علم تفسیر، حدیث، فقہ، علم نحو، انساب، طب، لغت، وغیرہ پر تحریر فرمائی۔ آپ 737ھ کو حصول علم دین کے لیے دولت آباد سے سگر شریف تشریف لائے اور یہاں پر موجود علمائے کرام بالخصوص حضرت زین الدین خرسائیؒ حضرت جھجو جوہریؒ جن کی عمر ایک سو انتیس 129 سال تھی کی صحبت میں رہے آپ نے قریب 35 سال سگر شریف میں قیام فرمایا اسی دوران آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائی سلیمان صدیقی اپنی کتاب " JUNIDI ORDER IN DECCAN" میں لکھتے ہیں کہ آپ کے فرزند حضرت علاؤالدین علی حسن ابوالحسن جنیدی زوجہ محترمہ بی بی ناز سگر شریف میں وادی گنج شہیداں میں مدفون ہوئے۔ آپ سن 773ھ کو بیجاپور تشریف لے گئے اور 795ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ بارگاہ اسد الاولیاء میں حاضری

اہل دکن میں مشہور روایت ہے کہ جانشین خواجگان چشت قطب دکن سلطان القلم حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ نے جب سرزمین دکن میں تشریف لائے اور حسن آباد گلبرگہ شریف کو منتخب فرمایا کر خانقاہ بندہ نواز یہ سے فیضان چشتیہ کو دکن کے کونے کونے تک پہنچایا تب حضرت گیسو درازؒ حضرت حضرت صوفی سرمستؒ کی زیارت کو اپنے ساتھ سات بنڈی پھول لیکر سگر شریف تشریف لائے اور بارگاہ اسد الاولیاء میں حاضری دی۔ حضرت بندہ نواز نے جس مقام پر کھڑے ہو کر اسد الاولیاء کی زیارت فرمائی تھی اس مقام پر ایک مصلی بنایا گیا ہے جو آج بھی مزار مبارک کی مشرق کی جانب واقع ہے۔ حضرت بندہ نواز وادی گنج شہیداں میں ہر ایک مزار پر کچھ پھول پیش کرتے اور زیارت فرماتے تھے ایک مزار مبارک پر پھول کم پڑ گئے تو بندہ نوازؒ نے اس مزار مبارک پر کچھ کنکریاں چڑھائی اور زیارت فرمائی وہ مزار مبارک حضرت صوفی سرمستؒ کے خلیفہ اور قافلہ اسد الاولیاء کے قاضی حضرت عبد اللہ ظہیر الدینؒ کی مزار مبارک تھی جو بعد میں کنکر پیر کے نام سے مشہور ہوئے۔[1]

دور حاضر میں خانوادۂ صوفی سرمستؒ کی علمی وروحانی خدمات:

الحمد للہ ہر زمانہ خانوادہ اسد الالیاءؒ اپنے جد امجد حضرت صوفی سرمستؒ کے مشن کو اپنی اپنی صلاحتیوں کے مطابق عام کرنے میں مصروف ہیں۔ الحمد للہ اس دور میں بھی خانوادگان اسد الاولیاء کی خانقاہیں مختلف مقامات پر قائم ہیں جن میں سگر شریف، شاہ پور، گلبرگہ، حیدرآباد، کوتال، رائچور، گنگاوتی وغیرہ شامل ہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ محمودیہ و تعلیمات اسلام کی اشاعت میں مصروف ہیں۔

بارگاہ صوفی سرمستؒ ہر ماہ محفل ذکر وعظ منعقد ہوتی ہے جس میں مریدین ومعتقدین کے علاوہ برادران وطن بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور لنگر عام کا اہتمام ہوتا ہے۔ بارگاہ عالیہ سے تاریخ کتب بالخصوص ملفوظات مشائخ چشت کی اشاعت کا کام ہوتا ہے۔ و نیز شہر شاہ پور

[1] رسالہ انوارِ سرمست قلمی ص14

میں بھی خانقاہ حضرت صوفی سرمستؒ میں ہر ماہ چاند کی دو تاریخ کو محفل نعت شریف ودرس تصوف منعقد ہوتی ہے جس میں مریدین ومعتقدین کی تربیت کا نظم ہوتا ہے ۔ اس خانقاہ کے تحت ضلع یادگیر کے ایس ایس ایل و پی یو سی میں امتیازی کامیاب طلباء کو ایوارڈ بنام ''حضرت صوفی سرمست ایجوکیشنل ایوارڈ'' دیا جاتا ہے۔ ہر سال ماہ محرم الحرام میں محفل امام عالی مقام کا انعقاد عمل میں آتا ہے۔ یہ خانقاہ سال بھر ملی وسماجی خدمات کا مرکز بنی ہوتی ہے۔ اس خانقاہ وبارگاہ اسد الاولیاء سگر شریف کی تمام علمی، روحانی، ملی وسماجی خدمات کی سرپرستی تقدس مآب والد بزرگوار، پیر و مرشد حضرت سید شاہ نجم الھدیٰ سرمست صاحب قبلہ فرماتے ہیں۔

شہر گلبرگہ میں بھی خانقاہِ صوفی سرمست عظمیہؒ پائین شریف روضتین میں ماہانہ مجالس وعظ وحلقہ ذکر کا انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے۔ اس خانقاہ کے مسند نشین غفرآن مآب نبیرۂ صوفی سرمستؒ حضرت سید شاہ شمیم الدین سرمست قبلہ اپنے وقت کی علمی وروحانی شخصیت گذری ہے۔ آپ نے اس خانقاہ میں ایک عظیم کتب خانہ قائم فرمایا جس میں کم وبیش ہزاروں کی تعداد میں کتب تاریخ، حدیث، تفسیر، علمی طب، علم عملیات، علم الانساب پر بیش قیمتی کتابیں موجود ہیں۔ سالانہ اس خانقاہِ عالیہ کے تحت بارہ ربیع النور شریف کو زیارت آثار مبارکہ کروائی جاتی ہے۔ خانقاہ کے موجود مسند نشین میرے حقیقی بہنوائی حضرت سید شاہ محمود محی الدین سرمست صاحب قبلہ اپنے بزرگوں کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

مزید شہر گلبرگہ میں نبیرہ فاروق اعظم نواسہ غوث اعظم شہزادہ صوفی سرمست حضرت سید شاہ فیض الدین سرمست صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے اُس دور میں اہل سنت والجماعت کی قیادت کرتے ہوئے فروغ سنیت میں کوشاں رہے جب اہل سنت پر مختلف طرح سے سوالات اُٹھائے جا رہے تھے تو حضرت نے اپنی کوششوں سے دنداں شکن جواب دیا اور گلبرگہ میں اہلیان گلبرگہ پر آپ کا یہ احسان رہا کہ آپ نے سرکار دو عالم ﷺ کے نام نامی سے ایک ایسا ادارہ قائم فرمایا جس سے آج تک سینکڑوں تشنگان علم فیضیاب ہو رہے ہیں۔ جس کو ''دار العلوم رضائے مصطفیٰ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

* * * * *

کتابیات:

1۔ قلمی شجرہ نسب وخلافت خاندان صوفی سرمست اسد الاولیاءؒ محفوظ از سجادہ نشین بارگاہ سگر شریف

2۔ قلمی بیاض حالات صوفی سرمستؒ، محفوظ از سجادہ نشین بارگاہ سگر شریف

3۔ واقعات مملکت بیجاپور، بشیر احمد ہلوی

4۔ تذکرہ اولیاء دکن، عبد الجبار خان ملکاپوری

5۔ تذکرۃ الانساب از: امام الدین گلشن آبادی

6۔ برکاتِ اولیاء از: امام الدین گلشن آبادی

7۔ مجموع الانساب، سید محی الدین قادری گچی محل بیجاپور

8۔ حدیقۂ رحمانی، رحمان ثقاف، درگاہ بغدادی شاہ لنگر حوض حیدرآباد

9۔ سیر مخدومی، غلام محمد خوند میری1326ھ

10۔ تاریخ ہندوستان آب کوثر، شیخ محمد اکرم1957ء

11۔ ترجمہ عروس العرفان از: محمود بحریؒ مدفون گوگی شریف

12۔ ترجمہ من لگن از: محمود بحریؒ مدفون گوگی شریف

13۔ رسالہ انوار سرمست قلمی

14۔ شاہِ گنج شہیداں، عزیز اللہ سرمست

15۔ انوارِ جلالی، سید محمد حسینی گوگی شریف

16۔ ترجمہ روضۃ الاولیاء بیجاپور، مترجم سید سیف اللہ قادری، 1314ھ

17۔ روضۃ الاقطاب خلد آباد، رونق علی صاحب خلد آباد1362ھ

18۔ ترجمہ روضۃ الاولیاء خلد آباد، مترجم عبد المجید خلد آبادی

19۔ ترجمہ احسن الاقوال، ڈاکٹر فرحین بیگ

20۔ انوار خلد، ڈاکٹر فرحین بیگ

21۔ ششماہی تصفیہ، خصوصی شمارہ چشتی ملفوظات

22۔ نقدِ ملفوظات از: ڈاکٹر نثار احمد فاروقی

1. sufi's of Bijapur by Richard Maxwell Eaton
2. The Bahmani Sufi's by Mohammed suleman siddiqi
3. Junaidi order in the Deccan by Mohammed suleman siddiqi
4. Eternal Gardan by carl.w.Ernst
5. Article "Sagar the provicial head quater of islamic Deccan" by S.k Aruni
6. EPIGRAPHIA INDO-MOSLEMICA 1929-30 By Gulam Yazdani
7. List of urs Melas and jatra in HH Nizam's Dominian,By Mazhar Hussain

خانقاہ قبول مصطفوی کی دینی، علمی، روحانی وفلاحی خدمات

سید محمد ابراہیم قادری فاروق پاشاہ زرین کلاہ*

دکن کی مشہور خانقاہ قبول مصطفوی کے بانی حضرت سید محمد قبول بادشاہ حسنی الحسینی قادری الچشتی قدس سرہ ہیں۔ ان کے آباء واجداد مانک پور راجستھان میں آباد تھے۔ بانی خانقاہ قبول مصطفوی کی علمی، روحانی وفلاحی خدمات سے قبل ان کے اجداد کا تعارف ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سید شاہ الحمید قادری ولی گنج سوائی قادری شطاری قدس سرہ:

انہیں بندگانِ خداوندی قدوس میں نبیرہ حضور سیدنا غوث الاعظمؓ، سلطان الفقراء، تاجدار ناگور حضرت سید شاہ الحمید قادر ولی گنج سوائی قادری شطاری قدس سرہ العزیز کی ذاتِ گرامی قدر رہے۔ حضرت کا اصلی نام عبد القادر تھا۔ شاہ الحمید کے لقب سے مشہور ہوئے، مخلوقِ خدا' آپ کو قادر ولی گنج سوائی کے نام سے یاد کیا کرتی ہے۔ آپ نسباً حسنی و حسینی ہیں، راجستھان کے ایک مشہور گاؤں مانکپور میں 10/ جمادی الآخر 910ھ۔م 1517ء بروز جمعہ تولد ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی حضرت ابویوسف سید حسن القدسی (مانکپور) اور والدہ ماجدہ کا اسم مبارک سیدہ فاطمہ تھا۔ حضرت سید شاہ الحمید قادر ولی کا سلسلہ پدری نسب دس واسطوں سے اور سلسلہ مادری 16 واسطوں سے حضور سیدنا غوث الثقلین میر اں محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی سے جاملتا ہے۔ حضرت والا آٹھ برس کی عمر شریف میں تکمیل حفظ قرآن مجید فرمانے کے بعد علمائے کرام سے علوم متداولہ، صرف ونحو، فقہ وتفسیر، حدیث وعقائد اور فتاویٰ کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت شیخ قادر ولی جب کسی شرعی و دینی مسئلہ پر گفتگو فرماتے تو لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سماعت کیا کرتے اور آپ کے ملفوظات سے فیض یاب ہوا کرتے، ادق سے ادق مسئلہ آپ اپنی علمی شان کے موافق باآسانی حل فرمادیا کرتے تھے۔ کلمواالناس علی قدر عقولھم کی عملی تفسیر رہے۔ جب آپ 18 سال کی عمر کو پہنچے تو والدین سے اجازت لے کر شیخ صادق کی تلاش میں نکل پڑے۔ دورانِ تلاش آپ کی ملاقات شیخ معین الدین بلخی سے ہوئی جو بعد میں آپ کے خلیفہ ہوئے اور وہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری شطاری سے ملاقات اور اکتساب فیض کی غرض سے تشریف لے جارہے تھے۔ جب اس بات کا حضرت قادر ولی کو علم ہوا تو آپ بہت خوش ہوئے اور شیخ معین الدین بلخی کے ہمراہ گوالیار روانہ ہوئے۔ گوالیار کے قریب ایک میدان میں آپ نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ اس شہر گوالیار کے بزرگ شخصیتوں میں سے کسی ایسے شخص کی طرف میری رہنمائی فرما جس کی خدمت میں رہ کر ان کی صحبتوں سے فائدہ اُٹھاؤں۔ ابھی دُعا پوری نہیں ہوئی کہ غیب سے آواز آئی اے عبد القادر شیخ محمد غوث کی بارگاہ کا قصد کرو۔ چنانچہ آپ نے حضرت شاہ غوث کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دست مبارک پر بیعت حاصل فرمالی۔ حضرت کی ہمیشہ آپ پر خصوصی توجہ و نظر عنایت رہا کرتی تھی۔ کئی سالوں تک آپ نے اپنے شیخ کی خدمت کی اور تصوف وسلوک کی تعلیم حاصل فرمائی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ جب آپ ستائیس سال کے ہوئے تو اپنے شیخ سے حج کی اجازت طلب کی۔

---

*سجادہ نشین تاج العارفین حضرت قبول پاشاہ قادری زرین کلاہ، حیدرآباد

928ھ میں جب آپ کے والدِ ماجد حضرت سید حسن القدسی سخت علیل تھے تب آپ اپنے فقرا کے ساتھ مانکپور روانہ ہوئے۔ 15/ جمادی الاوّل 928ھ جمعہ کی شب والد ماجد رحلت فرما گئے۔ حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے تجہیز و تکفین اور جنازے کی نماز پڑھائی۔ جامع مسجد کے قریب حضرت قادر ولی اور ان کے برادر حضرت سید وہاج الدین محمد قادری اور شہر کے علما کی موجودگی میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ نے تدفین و تعزیت سے فراغت کے بعد لوگوں سے خطاب فرمایا، پھر اپنے بھائی سے بیعت لی اور ان کو خرقہ پہنا کر اپنے والد کے مسند پر بیٹھایا۔

امام محقق اور علامہ شیخ محمود الطیبی نے اپنی کتاب الثاقب الحمید میں لکھا ہے کہ شیخ الحمید نویں صدی کے قطب تھے۔ حرمین شریفین کے لوگوں نے آپ کی قطبیت کا اعتراف کیا ہے اولیائے کاشفین اور علمائے محققین نے بھی اس بات کا اقرار کیا کہ شیخ شاہ الحمید لوگوں کو ہدایت دیتے تھے اور حقائق کو بیان کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اپنے بندوں میں اپنا حکم جاری کیا اور تمام شہر کے لوگ ان ہی سے استفادہ کرتے تھے۔

حضرت سید ابوالحسن قادری (ارکاٹ):

یہ حضرت جدی سید محمد قبول پاشاہ حسنی الحسینی قادری زرین کلاہ گوشہ نشین خانقاہ قبول مصطفوی، نور خاں بازار کے دادا اور حضرت سید محی الدین پاشاہ حسنی والحسینی القادری چشتی (آستانہ قادریہ زرین کلاہ دبیر پورہ احاطہ حضرت سعد وبنے قبلہ) کے والد اور حضرت سید شاہ وہاج الدین محمد قادری کے (9) ویں پوتے ہیں۔

حضرت سید ابوالحسن قادری ارکاٹ میں لوگوں کی حاجت روائی اور اصلاح کا کام کیا کرتے تھے فرط عقیدت میں آرکاٹ کے نواب نے آپ کو جاگیرات سے نوازا۔ اور پھر آپ کے تین صاحبزادگان حضرت سید علی حسنی الحسینی قادری حضرت سید فرید حسنی الحسینی قادری و حضرت سید محی الدین پاشاہ حسنی والحسینی قادری کو بھی جاگیریں عطا ہوئی۔ مگر حضرت سید محی الدین پاشاہ حسنی والحسینی قادری حیدرآباد (دکن) منتقل ہو گئے۔

حضرت سید محی الدین پاشاہ حسنی الحسینی قادری قدس سرہ:

حضرت سید محی الدین پاشاہ قادری اپنے والد حضرت سید ابوالحسن قادری (ارکاٹ) سے بیعت و خلافت کے بعد سجادہ نشین مقرر کیے گئے۔ یہ بہ زمانہ سکندر جاہ مرحوم حیدرآباد تشریف لائے۔ مشاغل خاندانی، تعلیم و تربیتِ مریدین و معتقدین کی وجہ سے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات کے باعث ہر جا آپ کا شہرہ ہونے لگا۔ شاہِ وقت نواب میر فرخندہ علی خان ناصر الدولہ مغفور نے حضرت کے مکان پر حاضر ہو کر منصب و جاگیر ہدیۂ پیش کیا، آپ نے اسے قبول نہ فرمایا تو شاہ نے عقیدتاً اپنا شاہی تاج اُتار کر بطور نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے اس کو اپنے سر مبارک پر رکھا اور اُتار کر واپس فرمادیا اور دُعادی کہ خدا تمھیں یہ مبارک کرے۔ اس وقت بادشاہ سلامت نے آپ کو کلاہ پوش زرین کا خطاب دیا اور جب شاہی سواری آپ کی دیوڑھی سے واپس ہوئی تو بادشاہِ وقت نے کشتی میں پانچ زرین کلاہ بطور نذرانہ ایک حضرت کے لیے اور چار آپ کے صاحبزادوں کے لیے روانہ فرمایا۔ اسی تاریخی لقب 'زرین کلاہ' سے آج تک آپ کا خاندان موسوم و مشہور ہے۔

حضرت سید محی الدین پاشاہ قادری نے 1253ھ میں ایک مسجد قادریہ نواب علی یاور الدولہ اوّل مرحوم کی عطیہ زمین پر تعمیر کروائی جو آج بھی مسجد حضرت سید محی الدین پاشاہ زرین کلاہ کے نام سے نور خاں بازار میں موجود ہے۔

قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ اکبر محمد محمد الحسینی حضرت سید شاہ معین الدین محمد محمد الحسینی (المعروف صاحب حسینی) کے خلف و جانشین زبدۃ العارفین حضرت شاہ قبول اللہ محمد محمد الحسینی مسجود البرق (نبیرہ حضرت بندہ نواز) کے سجادہ نشین تھے۔ حضرت سید شاہ اکبر محمد محمد الحسینی کی بڑی صاحبزادی حضرت سجادہ بی بی صاحبہ حضرت سید محی الدین بادشاہ زرین کلاہ سے بیاہی گئی تھی۔

آپ کے پاس ہر وقت لوگ اپنی حاجتیں لے کر آتے اور مرادیں پاتے۔ قدرت نے آپ کو فیض رسائی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ آپ شب و روز لوگوں کی حاجت روائی میں مصروف رہتے، کئی کئی روز ترک غذا کرتے، یہ طریقہ ساری عمر جاری رہا۔ آپ 16/ جمادی الثانی 1290ھ بروز دوشنبہ واصل حق ہوئے اور اندرون احاطہ حضرت سعد و بنے شطاری روبرو مسجد یٰسین جنگ دبیر پورہ تدفین عمل میں آئی۔

حضرت سید محمد قبول بادشاہ حسنی الحسینی قادری الچشتی قدس سرہ:

قدوۃ الواصلین حضرت سید محی الدین پاشاہ قادری زرین کلاہ کے فرزند تاج العارفین جگر گوشۂ محبوب سبحانی حضرت سید محمد قبول بادشاہ حسنی الحسینی قادری الچشتی البرقی زرین کلاہ گوشہ نشین 4/ رمضان المبارک 1272ھ بروز جمعہ بعد نماز فجر اپنے آبائی مکان بازار نورالامراء حیدرآباد میں تولد ہوئے۔ آپ کا پدری سلسلہ حضرت شاہ الحمید قادر اولیاء ناگور شریف کے حقیقی برادر حضرت سید شاہ وہاج الدین محمود قادری مانکپور، راجستھان کی نسبت سے کل (20) واسطوں سے حضور غوث الثقلینؓ سے جاملتا ہے، آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مسجود البرق سید قبول اللہ محمد محمد الحسینی (چندریہ، شنکرپلی) کی نبیرہ زادی ہیں جن کا سلسلہ نسبی خواجہ دکن حضرت سید محمد یوسف حسینی بندہ نواز گیسو دراز سے جاملتا ہے، اس طرح آپ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی جانب سے حسینی ہیں۔ اپنے نسب کے متعلق آپ نے اس طرح ارشاد فرمایا:

خاندان غوثیہ آبائی شد مادری بندہ نواز بالیقین

ہے قادری نسب یہیں حسن قبول ہے عالی حسب حسنی ہو چشتی حصول ہے

ہے فخر خاندان مجھے ہر دو کا بس قوی فیضان فیض مجھ کو یہ آل رسول ہے

حضرت سید قبول پاشاہ زرین کلاہ نے اپنے والد و مرشد کے علاوہ اپنے بڑے چچا حضرت سید شاہ علی حسینی قادری جو ایک متبحر عالم دین وصوفی باصفا تھے، کی زیر سرپرستی علوم دینیہ حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے ماموحضرت سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی البرقی بندہ نوازی اور مقامی علمائے کرام سے اکتساب فیض فرمایا۔ آپ کو والد ماجد نے اپنے حین حیات ہر چہار سلاسل طریقت میں اپنا خلیفہ، نائب و جانشین مقرر فرمایا۔ آپ کے چچا حضرت سید شاہ علی حسین قادری نے آپ کو راہ سلوک کے مراحل طے ہونے کے بعد آپ کی صلاحیت اور زہد تقویٰ کے دیکھتے ہوئے، حضرت سید محی الدین پاشاہ زرین کلاہ کی فاتحہ اربعین 26/ رجب 1290ھ (شب معراج) کے موقع پر آپ کو سلسلہ قادریہ ملتانیہ کی بھی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح آپ کے ماموحضرت سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی البرقی نے آپ کو سلسلہ

چشتیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی تھی۔

صبر و توکل، زہد ورع، تسلیم ورضا، جود وسخا کے ساتھ عبادت وریاضت اور رشد وہدایت آپ کی حیاتِ مبارکہ کا حصہ رہے، آپ مستجاب الدعوات تھے، آپ بچپن ہی سے نیک کردار اور ذکر الٰہی میں مصروف شریعت پر سختی سے کاربند اور طریقت میں سلسلہ قادریہ چشتیہ کے پابند تھے۔ آپ علوم ظاہر میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ علم باطن میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کا ایک فارسی قلمی روزنامچہ واردات باطن (Oriental Manuscript Library Tarnaka) میں فارسی مخطوطات کی فہرست میں (2001) نمبر پر آج بھی موجود ہے جس میں آپ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شاہ وجیہ الدین گجراتی رونق افروز ہیں اور فرمارہے ہیں کہ عاملوں کے عمل میں زیادہ اثر ہے یا دُعا میں؟ میں نے جواب دیا کہ دُعا کا اثر زیادہ ہے۔ جب سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ عامل کے لیے تقویٰ، طہارت، احتیاط اور ترک حیوانات وخواہشات نفسانی ضروری ہے اس کے باوجود وہ مخلوق ارواح مقیدہ سے کام لینے کا محتاج ہے۔ لطیفہ رغبت کے موافق بلحاظ فن قائم ہوتا ہے تو اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور اثر ظاہر ہونے کے لیے موثر حقیقی کی عطا شرط ہے ورنہ عامل کا عمل بے کار۔ اس طرح کے فضول کام نہیں کرتا، بلکہ اپنے پروردگار سے عبدیت کا تعلق رکھتا ہوں، میں جو کچھ ہوں اس کو بخوبی سمجھتا ہوں۔ اس جواب پر حضرت شاہ وجیہ الدین گجراتی نے فرمایا کہ حق دُعا تمہارے ذمہ ہے۔ اس وقت حاکم دکن کے لیے دُعا کرو تا کہ تمہاری دُعا کا اثر ظاہر ہو۔ میں نے اسی وقت دعا کی کہ حاکمِ دکن کو صحت وتندرستی کے ساتھ خوش وخرم رکھ، بحرمة سید الأبرار وآلہ الأطھار وأصحابہ الکبار صلوات اللہ علیھم آمین ثم آمین یارب العالمین۔ میں نے جب یہ دُعا کی تو حضرت شاہ گجراتی نے بہ آواز بلند آمین کہی۔ اس اثناء میں حضرت بندہ نواز تشریف لائے اور صد آفرین کہا۔ اس روزنامچہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو آپ کے پاس اپنے مقاصد دینی ودنیوی لیے آتے تھے اور آپ سے روحانی امداد کے طالب ہوتے اور کامیاب وکامران ہوتے۔ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور فیوض وبرکات سے استفادہ کرنے والوں میں قابل ذکر مہاراجہ کشن پرشاد، داغ دہلوی، سیف الحق دہلوی، سید سراج الحسن لکھنوی، صفدر جنگ دہلی، محمد سلطان خطیب رنجور، میر عثمان خاں مددگار صدر محاسب محبوب بیگم زوجہ قدیر جنگ محبوب یار جنگ محمد حبیب اللہ مدراس کریم الدین منتظم فوج جہانگیر جنگ وغیرہ شامل ہیں۔

شعر وادب:

حضرت سید قبول پاشاہ زرین کلاہ فارسی اور اُردو کے قادرالکلام شاعر وادیب تھے۔ چنانچہ آپ کا عارفانہ کلام کا مجموعہ بنام 'تحفہ قبول فی مدارج رسول' 1328ھ میں پہلی بار آپ کے مرید خاص محمد مخدوم شریف نے شائع کیا۔ اس مجموعہ میں آپ کی مناجات، قصائد، نعت ومنقبت اور رباعیات اور مریدین کے سوالات وجوابات نظم کی شکل میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ فارسی میں آپ کے تحریر کردہ قصائد ورباعیات، ارشاداتِ قبول کو جناب مرزا نتھو بیگ نے 1323ھ میں شائع کیا۔ اس کتاب کا ترجمہ برادرم ڈاکٹر حافظ و قاری الحاج سید عبدالمھیمن قادری لاابالی نے کیا جو 2016ء میں شائع ہوئی۔ اس کا اصل نسخہ ہادیٔ دکن کتب خانہ میں موجود ہے۔

'تحفہ قبول فی مدارج رسول' کہ بموجب آپ گیارہ تاریخ ماہ شعبان المعظم 1304ھ میں بالہام الٰہی گوشہ نشین ہوئے۔ گوشہ

نشینی کے باوجود آپ مخلوق خدا کی حاجت روائی اور ان کی دستگیری فرماتے رہے، دُعا کے لیے عوام کا جم کثیر صبح ومساء آپ کی خانقاہ شریف کے باہر جمع ہوا کرتا۔ آپ مخلوق سے کنارہ کش نہ تھے بلکہ آپ کو باہر جانے سے منع کیا گیا تھا۔

"واردات باطن" (قلمی روزنامچہ 1308ھ تا1326ھ) جو کہ فارسی زبان میں ہے جس کا اُردو ترجمہ 1430ھ م2009ء میں شائع ہوا، اس میں موسیٰ ندی کی طغیانی کے متعلق ایک روایت درج ہے جس میں حضرت سید قبول پاشاہ زرین کلاہ نے حضرت غوث اعظم اور حضرت خضر ارشاد ورہنمائی کے مطابق اس طغیانی میں دادرسی کی۔ اسی روزنامچہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ خانقاہ شریف میں بروز دوشنبہ دیکھتا ہوں کہ حضرت غوث پاک قدس سرہ رونق افروز ہو کر فرما رہے ہیں کہ اس کی ذمہ داری تم کو دی گئی۔ عالم قیامت میں بھی تمہارا مرتبہ یہی رہے گا۔ تم اپنے آپ کو نہیں سمجھتے۔ اپنے آپ کو حق کے سپرد کر کے مقام عبدیت میں ہوش مند ہو۔ اس پر میں نے الحمد للہ کہا، آپ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے فرزند تمہارا عقیدہ اور روش بہت خوب ہے اور ارشاد فرمایا کہ حق پسندوں کو حق مرغوب ہوتا ہے اور وہی حق شناس ہوتے ہیں، ذَالِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ ھُدَیً لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُوْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ بالکل سچ ہے۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت باباشرف الدین قبلہ قدس سرہ فرما رہے ہیں کہ اجی گوشہ نشین اگر تم روز ضرب کلمۂ طیبہ ایسا نہ کرتے تو کل مخلوق کی جان تلف ہوتی۔ ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تعلیم حضرت غوث پاکؓ کی ہے شکریہ ان کا ادا کرنا چاہئے۔ باباصاحب نے کہا اس عالم میں تم ہو تمہارا شکریہ ہم پر ہے۔ کیا خوب ہمت تمہاری ہے۔ سبحان اللہ جزاک اللہ ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ السلام علیکم شکریہ۔

آپ حضرت سید قبول پاشاہ زرین کلاہ جو کچھ نذرانہ وغیرہ پیش ہوتا اسے غریبوں، یتیموں، بیواؤں کی مدد میں صرف کر دیتے۔ اس تعلق سے آپ فرماتے ہیں کہ فقیر کی بسر اوقات کا یہ طریقہ ہے کہ عطیہ الٰہی سے جو کچھ ملتا ہے اس کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ حق خمس آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وبنی عم مستحقین کو دیا جاتا ہے کہ فقیر کا داخلہ ادائی خمس سے امت مرحومہ میں ثابت رہے اور باقی چار حصہ میں نصف فی سبیل اللہ عام طور پر مساکین غربا وفقرا ومسافرین وغیرہ کے لیے صرف کیا جاتا ہے اور تتمہ نصف دو حصہ میں ایک حصہ تعلیم دینی کی نشر و اشاعت کے لیے خرچ کیا جاتا ہے، باقی ماندہ ایک حصہ اپنے اور اپنی عیال واطفال ومتعلقین کے استعمال ہوا کرتا ہے۔ آپ غرباء کی نہ صرف امداد فرمایا کرتے بلکہ آپ کے آبائی مکان میں ہر وقت 40 تا 50 بیوائیں وبے سہارا لوگ مقیم رہا کرتے جن کے مکمل سکن وطعام کا نظم رہا کرتا۔ مزید آپ کی خانقاہ میں ایک لکڑی کا صندوق تھا جس میں جو بھی وصول ہوتا تھا ڈال دیا جاتا تھا اور رات میں جب تک وہ صندوق خالی نہ ہوتا آپ کی خانقاہ کا باب الداخلہ بند نہ ہوتا تھا۔ اگر آپ کے پاس مقیم کسی غریب یا مسکین کا انتقال ہو جاتا تو آپ اس کی تدفین کے لیے اپنے صرفِ خاص سے مقبرہ کے لیے زمین خرید کر وقف کر دیا تھا جو آج بھی گوشۂ قبول نزد مسجد چیونٹی شاہ عثمان پورہ میں واقع ہے۔

حضرت گوشہ نشین زرین کلاہ کا وصال29/ ذی الحجہ 1330ھ 58 سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کا مزار مبارک خانقاہ قبول مصطفوی نور خاں بازار میں آج بھی مرجع عام وخاص ہے۔ آپ کی دُعاؤں سے سینکڑوں لوگوں کی حاجت روائی ہوئی۔ آپ نے 1299ھ میں "مسجد قادریہ" موجودہ "مسجد حضرت محی الدین پاشاہ" کی توسیع اور 1314ھ میں سنگ بستہ "خانقاہ قبول مصطفوی" کی تعمیر اور 1317ھ میں "مدرسہ قبول مرتضوی" تعمیر کروائی۔ آپ کی دینی علمی روحانی وفلاحی خدمات نہ صرف ناقابل فراموش ہے بلکہ دوسروں کے لیئے مشعل راہ ہے۔

حضرت سید مہدی پاشاہ حسنی الحسینی قادری زرین کلاہ قدس سرہ:

حضرت سید مہدی پاشاہ حسنی الحسینی قادری زرین کلاہ، حضرت سید محی الدین پاشاہ قادری زرین کلاہ کے فرزند اور حضرت سید محمد قبول پاشاہ قادری زرین کلاہ کے برادر تھے۔ آپ حسنی حسینی سادات تھے۔1278ھ میں ولادت ہوئی والد بزرگوار کے انتقال تک انہی کے زیر تعلیم رہے۔19 سال کی عمر میں آپ کے برادر معظم حضرت سید قبول پاشاہ قادری زرین کلاہ نے آپ کو سلسلہ قادریہ چشتیہ میں اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ اظہارِ حق وصداقت، جرأت وبے باکی آپ کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ آپ ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے حتیٰ کہ راتوں میں ہر تھوڑی دیر کے وقفہ سے گرجدار آواز میں باآوازِ بلند اِلا اللہ۔ معبود اللہ۔ مقصود اللہ- موجود اللہ کے نعرے لگاتے رہتے تھے،گھر والے اور ہمسایہ سب ان نعروں کے عادی تھے۔ شہر حیدرآباد کے علاوہ بیرون شہر کے علما اکثر آپ سے علمی استفادہ کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔23/ محرم 1373ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔24/ محرم کو گوشہ قبول عقب مسجد چیونٹی شاہ واقع کٹل گوڑہ حیدرآباد میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت سید خواجہ محی الدین محمد مصطفی پاشاہ حسنی الحسینی قادری زرین کلاہ قدس سرہ:

حضرت سید خواجہ محی الدین محمد مصطفی پاشاہ حسنی الحسینی قادری زرین کلاہ المعروف بہ صاحب اللہ صاحب تاج العارفین حضرت سید قبول پاشاہ قادری زرین کلاہ گوشہ نشین کے خلف اکبر جانشین تھے۔ آپ کی ولادت بتاریخ2/ رجب المرجب1320ھ مطابق1900ء بروز دو شنبہ اپنے آبائی مکان نور خاں بازار میں ہوئی۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مدراس کے ولاجاہی خاندان کے ایک ذی علم رکن کے ذمے رہی جو حیدرآباد میں مقیم تھے۔ اساتذہ کرام میں حضرت والد صاحب قبلہ کے علاوہ فارسی کی تعلیم اپنے چچا حضرت سید محبوب پاشاہ قادری زرین کلاہ اور عربی کی مشق و تعلیم مولانا سید محمد قادری شطاری (خانقاہ جیلانیہ) مولانا ملتانی پاشاہ قادری (بیدر۔ مقیم حیدرآباد) مولانا عوض بن صالح بن نبہان (استاذ جامعہ نظامیہ) مولانا مفتی مخدوم حسینی قادری وغیرہ سے حاصل کی۔

آپ نے ساری عمر شریعت وطریقت کی تعلیم کو عام کرنے میں صرف کی۔ آپ طبعیتاً سادگی پسند، میانہ روی، کونہ نشینی، عالم بہ عمل، حلیم الطبع، سلیم الفطرت، بذلہ سنج طبیعت کے حامل تھے۔ چھوٹوں سے محبت و شفقت کا انوکھا انداز رہا کرتا تھا۔ آپ کی عبادتیں وریاضتیں ایسی تھیں کہ جس سے دوسروں کو ترغیب و تشویق حاصل ہو۔ آپ نہ صرف فرض عبادات باجماعت ادا کرنے کی مداومت فرماتے بلکہ سنن وواجبات، نوافل، تہجد، اشراق، چاشت وصلوٰۃ الاوابین پر بھی مواظبت فرمایا کرتے تھے۔ قرآن کی تلاوت کی کثرت آپ کی زندگی کا نچوڑ و محور تھا۔ آپ درس و تدریس اور رشد وہدایت میں مصروف رہتے تھے اور یہ سلسلہ صبح 11 بجے سے نماز ظہر تک اور بسا اوقات نماز عصر تک جاری رہتا۔

23/ سال کی عمر میں 1343ھ خاندان حضرت شاہ خاموش میں حضرت سید معین الدین حسنی کی دختر سے آپ کا نکاح ہوا۔ آپ کو اپنے والد سے سلسلہ قادریہ چشتیہ میں بیعت و خلافت کے علاوہ حضرت سید شاہ اصغر حسینی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ خاموش سے 1345ھ میں

سلسلہ چشتیہ صابریہ میں اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔

آپ کے سینکڑوں مریدین ہیں۔ آپ اضلاع و دیگر ریاستوں کے مریدین کی روحانی تعلیم وتربیت کے لیے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھتے اور ہر روز تقریباً دس تا بارہ خطوط کے سوالات کے جوابات ڈاک کے ذریعہ روانہ فرماتے تھے۔ آپ نے "وابستگان سلسلۂ قبول مصطفوی کے لیے ہدایات" نامی ایک کتابچہ تیار فرمایا۔ آپ نے اس کے علاوہ " نماز کے تعلق سے بیان"، "نشان راہ تصوف"، "آپ کے فرمودات" اور "گہرپارے" جیسے اہم تصانیف کو شائع فرما کر انہیں تقسیم فرمایا۔ حضرت نے معرفت خداوندی قدوس اور اس تک رسائی کا راستہ پانے کے لیے جو نشانِ راہ چھوڑے ہیں اس پر گامزن ہو کر مریدین و طالبان حق منزل مقصود کو پاسکتے ہیں۔ آپ نے 92 سال کی عمر میں 18/ جمادی الثانی 1412ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس طرح آپ کے والد حضرت قبول پاشاہ زرین کلاہ کی دُعا جو انہوں نے آپ کے 92 سال کی عمر کے لیے کی تھی وہ پوری ہوئی۔ (ولادت 1320ھ وفات 1412ھ)۔ تدفین خانقاہِ قبول مصطفوی میں عمل میں آئی۔

حضرت سید خواجہ معین الدین مرتضی بادشاہ حسنی الحسینی قادری حبیبؔ زرین کلاہ:

حضرت سید خواجہ معین الدین مرتضی بادشاہ حسنی الحسینی قادری حبیبؔ زرین کلاہ پیرولی کامل حضرت سید قبول پاشاہ قادری زرین کلاہ کے چھوٹے فرزند ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ خواجہ دکن حضرت بندہ نواز کی پوتی تھیں۔ آپ کی ولادت 2/ ربیع الاوّل 1328ھ کو اپنے آبائی مکان نور خاں بازار میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالشفاء میں ہوئی اور مزید تعلیم وتربیت عم محترم حضرت سید مہدی پاشاہ قادری زرین کلاہ نے کی اور پھر سلسلہ قادریہ چشتیہ میں آپ کو خلافت عطا فرما کر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ آپ نے 19 سال کی عمر میں خطابت کا آغاز کیا۔ آپ شعلہ بیان مقرر تھے اور آپ کے مدلل و محقق خطابات عامۃ المسلمین کے علاوہ اہل علم و فضل بھی پسند کرتے تھے۔ شہر و بیرون حیدرآباد کے عظیم جلسوں اور میلادالنبیؐ وسیرت غوث الاعظمؓ کے عظیم الشان جلسوں میں خطابت کے ذریعہ عوام الناس کے قلوب کو منور کیا کرتے تھے۔ نماز جمعہ سے قبل مختلف دینی عنوانات پر اپنی آبائی مسجد محی الدین پاشاہ زرین کلاہ نور خاں بازار میں تقریباً پچاس سال بہ پابندی وعظ فرماتے رہے۔ 1984ء میں صدر مجلس سالار ملت سلطان صلاح الدین اویسی مرحوم کی خواہش وایما پر حضرت سلطان الواعظین نے ریاستی حج کمیٹی کی رکنیت قبول فرمائی۔ آپ کا وصال 6/ رمضان المبارک 1404ھ م 1984ء بروز پنجشنبہ ہوا۔ بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سلطان الوعظین زرین کلاہ کی دینی، روحانی، تربیتی خدمات ناقابل فراموش ہے۔

حضرت سید مظہر الحق قادری زرین کلاہ:

حیدرآباد میں پولیس ایکشن کے نتیجہ میں ہوئی مسلمانوں کی تباہی وبربادی ایک عظیم المیہ تھا جس نے اہل دکن کی ہمتوں کو پست کر دیا تھا اور اس پر آشوب دور میں ملت کی سربلندی کے لیے جن جیالوں نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیام کو عام کرنے اور آنے والی نسلوں میں نئی روح پھونکنے اور پھر سے انہیں اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کیا اس میں حیدرآباد کی خانقاہ قبول مصطفوی کے خاندان سلسلہ قادریہ زرین کلاہیہ کے نور نظر والد محترم حضرت سید مظہر الحق قادری زرین کلاہ کا نام نامی اسم گرامی بھی شامل ہے۔ آپ حضرت خواجہ محی الدین سید مصطفی پاشاہ قادری کے فرزند کلاں تھے۔ تاریخ پیدائش 7/

اکتوبر1930ء۔والد کی طرف سے حسنی(22 واسطوں سے حضور غوث پاک) اور والدہ ماجدہ جو دختر حضرت سید معین الدین حسینی الخاموشی)جو حضرت سید شاہ خاموش کی پوتی تھیں، کی طرف سے حسینی ہیں۔

تعلیم: تحتانی و وسطانی تعلیم انوارالعلوم اسکول، فوقانی تعلیم دارالشفاء ہائی اسکول، انٹر میڈیٹ چادر گھاٹ کالج، گریجویشن جامعہ عثمانیہ سے ہوئی۔ دینی تعلیم و ذہنی تربیت والد حضرت سید مصطفی پاشاہ قادری زرین کلاہ، مولانا سید عبد القدوس ہاشمی و حضرت ابوالحسنات عبداللہ شاہ نقشبندی سے حاصل کی۔ آپ کی شادی26/ جولائی1957ء دختر حضرت سلطان الواعظین سے ہوئی۔ بیعت و خلافت سے والد محترم حضرت صاحب اللہ صاحب نے بہ گواہان ممتاز مشائخ و علماء29/ شوال1384ھ کو سرفراز فرمایا۔

حضرت مولانا سید مظہر الحق قادری زرین کلاہ حیدرآباد دکن کی مذہبی دینی سماجی تعلیمی معاشی اداروں اور کئی انجمنوں کے بانی و روح رواں تھے۔ آپ اسکول سے لے کر آخری سانس تک قوم و ملت کی خدمت کرتے رہے۔ نور الحسن مطالعہ گھر (دارالشفاء ہائی اسکول) سے لے کر بزم احباب کا قیام جو بعد میں تعمیر ملت ہوئی اور اس کی ترقی، اشتیاق منزل (موجودہ گلشن خلیل) کا بمشقت کمال حاصل کرنا۔ جلسہ رحمۃ للعالمین کی ابتداء، وصولی چرم قربانی، قرآن سیرت سوسائٹی کا قیام، مکرم جاہ اسٹوڈنٹس ہاسٹل کا قیام، انوسٹمنٹ گائیڈنس بیورو کا قیام، اقبال صدی تقاریب کے تاریخی اجلاس، سلطان العلوم صدی تقاریب کا کامیاب انعقاد، عثمانیہ یونیورسٹی میں 'وزن آف عثمانیہ' کی منظوری، آپ کی خدمات کے روشن ابواب کے چند گوشے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیس، معتمد حامد علی ٹرسٹ، معتمد کلیہ وقف، آرگنائزنگ سکریٹری مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی، رکن دارالعرفان، رکن دارالقضاۃ، نائب صدر انڈین کونسل آف سوشیل ویلفیر، معتمد منان آمنہ ٹرسٹ، معتمد قادر پاشاہ ٹرسٹ کے علاوہ طور بیت المال کے رکن بھی رہے۔ آپ نے ڈیولپمنٹ آفیسر لائف انشورنس کارپوریشن کی حیثیت سے بھی خدمت انجام دی۔ یہ تمام اداروں کی تفصیلات و تصویریں "محسن ملت سید مظہر الحق قادری" مظہر قادری فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام 25 ویں برسی کے موقع پر2012ء میں شائع کتاب میں موجود ہیں۔ آپ کا انتقال 57 سال کی عمر میں 22/ دسمبر1987ء کو مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کی کل ہند کانفرنس میں شرکت کے دوران مدراس(چینائی) میں قلب پر حملہ کے باعث ہوا۔ آبائی قبرستان گوشۂ قبول نزد مسجد چیونٹی شاہ میں تدفین عمل میں آئی۔ اس طرح آپ اپنی ساری زندگی ملت کی سربلندی کے لیے پیش کردی۔ اس خانوادہ کے نام سے ایک ادارہ مظہر قادری فاؤنڈیشن کا1996ء میں قیام عمل میں آیا۔ جس میں اب تک ایک ہزار سے زائد عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبا و طالبات کو تعلیمی وظائف و انعامات سے نوازا گیا۔ مختلف عنوانات پر خطابات کا اہتمام اور فلاحی ادارہ جات کو ان کی خدمات پر تہنیت پیش کیا گیا۔

حضرت سید محمد قبول پاشاہ قادری زرین کلاہ شطاری ادیب:

حضرت سید محمد قبول پاشاہ قادری زرین کلاہ شطاری ادیبؔ عرف صاحب ماں صاحب سلطان الواعظین حضرت مولانا سید مرتضیٰ بادشاہ حسنی الحسینی قادری زرین کلاہ کے فرزند اکبر و جگر گوشۂ حضور غوث الثقلینؓ حضرت سید قبول پاشاہ قادری زرین کلاہ کے نبیرہ تھے۔ آپ اپنے آبائی مکان بیت القبول بتاریخ20/ محرم الحرام1362ھ م15/ اکتوبر1942ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ تحتانیہ اوّل تا

چہارم جماعت حسینی محلہ میں اس کے بعد پنجم تا دہم مدرسہ عزہ ملک پیٹ پی یو سی چادر گھاٹ کالج، اس کے بعد آرٹس کالج عثمانیہ یونیورسٹی سے 1966ء میں بی اے پاس کیا اور اسی یونیورسٹی سے ایم اے عربی کی ڈگری حاصل کی۔ ابتداء سے دینی تعلیم والد بزرگوار اور اپنے ماموں حضرت علامہ سید شاہ شیخن احمد حسینی قادری شطاری کامل سے حاصل کی اور دارالعرفان لال ٹیکری سے دینیات کی سند حاصل کی۔ رئیس القراء حضرت ڈاکٹر سید کلیم اللہ حسینی صاحب سے قرأت سبعہ کی تکمیل کی۔ آپ کو والد حضرت سلطان الواعظین سے بیعت وخلافت (1954ء) کے علاوہ حضرت کامل شطاری سے بیعت وخلافت وجانشینی 1965ء میں ملی۔

آپ کو قوم کی خدمت سے بڑی دلچسپی رہی۔ چنانچہ آپ نے بارہ سال کی عمر میں اپنے محلہ کی ابتدائی مجلس اتحاد المسلمین کے صدر اور مجلس تعمیر ملت کے معتمد کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیا۔ آپ کئی دینی ملی اداروں سے منسلک رہے۔ ان میں تقریباً 40 سال رویت ہلال کمیٹی اور صدر مجلس علمائے دکن کے معزز رکن پھر معتمد صدر مجلس علمائے دکن بہ اتفاق آراء منتخب ہوئے اور کئی برس اس عہدہ پر فائز رہ کر ہر ماہ رویت ہلال کے اعلان کے ساتھ ساتھ دیگر دینی مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی وخدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کے دیگر خدمات میں انجمن سجادہ گان ومتولیان وخدمت گزاران وقف کے معتمد امارات شرعیہ اے پی کے نائب امیر شریعت، 22 سال تک معزز رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور جامعہ نظامیہ حیدرآباد کی انتظامی کمیٹی کے معزز رکن، الگیلانی عالمی سوسائٹی، انجمن معاون الملت مرکزی دارالقضاء کے معزز رکن شریعت وطریقت کانفرنس اے پی اور کامل اکیڈیمی کے سرپرست رہے۔ الحاصل آپ شروع ہی سے ملی عوامی دینی وسماجی خدمات خاموشی کے ساتھ انجام دیتے رہے اور اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خدمت خلق کو اپنا شعار بنایا۔ آپ کو کئی اداروں نے ایوارڈس، توصیف نامے اور اعزازات سے نوازا۔

آپ نے مسجد آستانہ شطاریہ میں تقریباً 50 سال خطبات جمعہ کا سلسلہ جاری رکھا، آپ کی انہی خدمات پر آپ کو 'ضیاء المشائخ' سے ملقب کیا گیا تھا۔ آپ نے بتاریخ 25/ رمضان 1444ھ م 17/ اپریل 2023ء داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولا سید احمد پاشاہ قادری زرین کلاہ:

مولانا سید احمد پاشاہ قادری زرین کلاہ حضرت سلطان الوعظین زرین کلاہ کے تیسرے فرزند ہیں۔ آپ 15/ ستمبر 1954ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ عزاء ملک پیٹ میں ہوئی، دینی تعلیم گھر پر حضرت والد محترم سے حاصل کی۔ 17 سال کی عمر میں مجلس اتحاد المسلمین سے وابستہ ہوئے۔ فخر ملت مولوی عبد الواحد اویسی، سالار ملت الحاج سلطان صلاح الدین اویسی اور اب نقیب ملت بیرسٹر اسد الدین اویسی اور حبیب ملت جناب اکبر الدین اویسی کے قریبی سمجھے جاتے ہیں۔ خطابت ورثہ میں سلطان الواعظین حضرت والد صاحب قبلہ سے ملی۔ مذہبی جلسوں سے لے کر سیاسی خطابات میں آپ نے اپنا لوہا منوایا۔ آپ کی تقریب نکاح 27/ جنوری 1983ء میں حضرت سید خواجہ معین الدین حسینی کی دختر سے دارالسلام میں انجام پائی۔

سب سے پہلے 1973ء میں مسجد سولہ ستون (بیدر) کی کشادگی کے لیے سالار ملت کی ہدایت پر بیدر جاکر احتجاج کیا، پولیس نے انہیں گرفتار کرکے دو مہینے جیل میں بند کیا۔ 1973ء میں جناب سید احمد پاشاہ قادری زرین کلاہ کو ٹھیلہ بنڈی یونین کا معتمد منتخب کیا گیا اور

پھر 1991۔1981 تک آپ نے رکن بلدیہ حلقہ دبیر پورہ کی نمائندگی کی۔ 1991۔1988 تک بلدی پارٹی کے فلور لیڈر بھی رہے۔
اہلیانِ حیدرآباد آپ کو عموماً 'پاشاہ قادری' کے نام سے یاد کرتی ہے جو 2004ء۔2009ء۔2014ء میں حلقہ اسمبلی چارمینار سے اور پھر 2018ء میں حلقہ اسمبلی یاقوت پورہ سے رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔ 2006ء میں معتمد کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے عہدہ پر فائز ہوئے جو آج تک برقرار رہے۔ آپ کی خدمات اور نمائندگی اور مسائل حل کروانے پر عوام نے بھرپور محبت اور دُعاؤں سے نوازا۔ اسی لیے آپ کو مقبول ملت سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس طرح آپ نے بندگانِ خدا کی خدمت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

خانقاہِ قبول مصطفوی کی دینی و خانقاہی خدمات:

اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پچھلے 133 سال سے آج بھی خانقاہ قبول مصطفوی میں دینی، روحانی، رفاہی و فلاحی خدمات، سالانہ اعراس و ماہانہ محافل جاری و ساری ہیں۔ قبول مصطفوی اکیڈیمی کے تحت خانقاہ شریف میں ملتِ اسلامیہ کی دینی تعلیم و تربیت کی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے دینی مدرسہ قادریہ زرین کلاہیہ کا نظم ہے جس میں دینی و عصری مدارس کے طلبہ کی دینی تعلیم کا خصوصی نظم ہے۔ اس کے علاوہ ہفتہ واری درس تصوف و حلقہ ذکر (اب تک بغیر کسی وقفہ و ناغہ کے اس روحانی مجلس کے 1060 اتوار مکمل ہو چکے ہیں)، جلسہ قرأت کلام پاک، عوام و خواص کی تعلیمی ضرورت و مطالعہ کا شوق بیدار رکھنے کیلیے کتب خانہ حضرت مظہر قادری میں خصوصی نظم، سالانہ 12 روزہ محافل میلاد شریف جس میں مختلف علمائے کرام و مشائخ عظام کے خصوصی خطابات، 11 روزہ محافل یازدہم شریف، آثار شریف و تبرکات کی زیارت کے موقع سے ہر سال ایک غریب و نادار لڑکی کی شادی کا انتظام (اس طرح اب تک 28 شادیاں ہو چکی ہیں)، خواتین کی اصلاح اور دینی شعور بیدار کرنے کے لیے شہر کے مختلف مقامات پر خواتین کے لیے اصلاح معاشرہ کے خصوصی جلسوں کا انتظام، ماہِ رمضان المبارک میں غریب و نادار حضرات میں راشن کٹس کی تقسیم، خاندانی اختلافات خصوصاً ازدواجی اختلافات کو بات چیت کے ذریعہ حل کرنا اور اس کے لیے خصوصی کونسلنگ، اولیائے کرام خصوصاً خانوادہ قادریہ زرین کلاہیہ کے بزرگوں کے تصانیف و تذکرہ کی نشر و اشاعت اور غریب و نادار حضرات کے لیے مفت کفن کا انتظام کرنا بھی خانقاہ کی خدمات میں شامل ہیں۔
خلاصہ یہ کہ اس خانقاہ اور اس خانوادے کے چمکتے ستاروں کے ذریعہ گھروں میں ہی نہیں بلکہ دلوں میں بھی ایمان کی روشنی پیدا ہوئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس میں برکت و ترقی عطا فرمائے۔ آمین

*****

حوالہ جات

1۔ تذکرہ آفتاب ناگور، 1993ء، واردات باطن۔ قلمی نسخہ مکتوبہ، 1328ھ، اُردو ترجمہ، 2009ء
2۔ تحفۂ قبول، بار اوّل، 1328ھ
3۔ تذکرہ خاندان مسجود البرق، 1960ء
4۔ ارشادات قبول۔ فارسی، اُردو ترجمہ، 1437ھ م 2004ء

5۔ دکن کے روشن چراغ، 1425ھ م2004

6۔ محسن ملت سید مظہر الحق قادری، 1425ھ م2004ء

7۔ ساونیر صد سالہ عرس شریف

8۔ حضرت حافظ سید غلام غوث شطاری، 1431 ھ م2010

* * *

خانقاہ حضرت سید شاہ شیخ علی سانگڑے سلطان: احوال وخدمات

سید شاہ علی حسینی رفاعی القادری*

اسم گرامی وولادت: حضرت کا نام سید شاہ شیخ علی ہے۔ آپ کے القاب سانگڑے سلطان، مشکل آسان ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں 770ھ تا 780ھ میں بمقام قندھار شریف ضلع ناندیڑ (دکن) میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب چودھویں پشت میں حضرت سید احمد کبیر رفاعی معشوق اللہ سے ملتا ہے۔ حضرت سید احمد کبیر رفاعی معشوق اللہ کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظمؒ تک اور وہاں سے حضرت امام اولیاء سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک جاملتا ہے۔ آپ کا سنہ پیدائش دستیاب نہیں ہے۔ آپ کا سنہ وصال تاریخی مادہ کے لحاظ سے ''مشکل کشائے دین ودنیا'' 846ھ ہے۔ آپ کی عمر کے اعتبار سے آپ کا سنہ پیدائش 770ھ قرار پاتا ہے۔

حضرت احمد کبیر رفاعی کی اولاد میں ایک دوسری بزرگ ہستی حضرت حاجی سیاح سرور مخدوم سید سعید الدین رفاعی بھی قندھار شریف (دکن) میں آرام فرماہیں۔ پرورد گار کا احسان عظیم ہے کہ ایک دادا کے دو پوتے، سلسلۂ رفاعیہ کے دو بڑے بزرگ دکن کے تعلقہ قندھار شریف ضلع ناندیڑ میں آرام فرماہیں۔ حضرت سرور مخدوم کی بارگاہ کو بڑی درگاہ (روضۂ بزرگ) اور حضرت مشکل آسان کی درگاہ چھوٹی درگاہ (روضہ خرد) کہا جاتا ہے۔ دونوں بارگاہوں کے فیضان سے عوام الناس بلالحاظ مذہب وملت فائدہ حاصل کررہے ہیں۔

دکن شریف آوری: حضرت سرور مخدوم اور حضرت سید ابراہیم سپہ سالار دہلی کے بادشاہ محمد تغلق کی فوج کے ساتھ دکن تشریف لائے۔ حضرت سید ابراہیم سپہ سالار حضرت نظام الدین اولیاء سے بہ کمال شفقت 'شیخ' کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ اس لیے آپ کے پڑپوتے مشکل آسان نے بھی اپنے نام کے ساتھ (شیخ) کو مربوط ومنسلک رکھا۔ حضرت سرورِ مخدوم کی محبت کی وجہ سے دونوں بزرگ قندھار شریف میں مقیم ہوئے۔ حضرت ابراہیم سپہ سالار کی وفات: حضرت ابراہیم سپہ سالار کی وفات کلیانی جاگیر ضلع گلبرگہ شریف میں ہوئی۔ وہیں آپ کی درگاہ ہے۔ عوام زیارت اور فیض سے مستفیض ہوتے ہیں۔ آپ حضرت مشکل آسان کے پڑدادا ہیں۔

حضرت سید محمد زکریا: حضرت ابراہیم سپہ سالار کے فرزند حضرت سید محمد زکریا بچپن ہی سے ذاکر تھے۔ ان کے تقویٰ کی وجہ سے حضرت مخدوم انھیں بہت دوست رکھتے تھے۔ اورانھیں '' شیخ زکریا'' کے نام سے یاد فرماتے۔ حضرت شیخ احمد زکریا حضرت سید محمد زکریا کے فرزند سید شیخ احمد زکریا ہیں۔ یہی وہ بزرگ ہیں جو حضرت مشکل آسان کے والد بزرگوار ہیں۔ حضرت سرور مخدوم ان کو بھی ''شیخ ذکریا'' کے لقب سے یاد فرماتے۔

القاب کی مقبولیت: ''شیخ'' کا لقب حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا عطا کردہ اور '' زکریا'' کا لقب حضرت سرور مخدوم کا عطا کردہ ہے۔ یہ دونوں القاب اتنے مقبول ہوئے کہ حضرت مشکل آسان اور ان کے اجداد کے ناموں کے ساتھ شامل ہوگئے۔

---

* سجادہ ومتولی وگدّی نشین، قندھار (ناندیڑ)

حضرت سید محمد اور سید احمد نے قندرھار شریف میں ہی وصال فرمایا، اور درگاہ شریف کے قریب ہی آپ کے مزارات ہیں۔

سانگڑے سلطان کہلانے کی روایات: پہلی روایت یہ ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی سرحد پر "سانگڑ" نامی قبیلہ تھا۔ اس قبیلے نے آپ کو طریقت میں اپنار ہنما مانا اور " سانگڑے سلطان" کہہ کر مخاطب کیا۔ دوسری روایت کے مطابق "سانگڑ" نام کا ایک ہتھیار ہوا کرتا تھا جس کے استعمال میں آپ ماہر تھے۔ تیسری روایت کا تعلق قلعہ دولت آباد سے ہے۔ یہاں پر ایک شخص تھا جس کا نام " سنگڑ" تھا۔ اس نے سفلی عملیات سے اسلامی عقائد میں خرابی پیدا کی تھی۔ آپ سے متاثر ہو کر وہ آپ کا فرمانبردار ہو گیا۔ اس لیے آپ "سانگڑے سلطان" کہلائے۔ کہیں آپ کو شیخ الاسلام اور کہیں عاشق بے ریا کے نام سے یاد کیا گیا۔

حضرت مشکل آسان کی علمیت: آپ کو شعر گوئی اور نثر نگاری پر بڑی دسترس رہی۔ آپ کی قادرالکلامی بھی قاری کو متاثر کرتی ہے۔ آپ اپنے دور کے بڑے عالم، فاضل، مجاہد اور بزرگ ہیں۔ آپ نے بہت سی عربی اور فارسی کتابیں لکھی ہیں۔ جن سے آپ کی علمی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کے مکتوبات کو آپ کے بھانجے اور خلیفہ سید شاہ ضیاالدین عبدالکریم بیابانی نے "مطلوب الطالبین" میں جمع کیا ہے۔ حضرت شاہ مولانا رفیع الدین قندھاری نے اپنی کتاب "انوارالقندھار" میں حضرت مشکل آسان کی کتاب "عین الجمال" کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

حضرت مشکل آسان کے ملفوظات:

الف) "متوکل کو کیا چاہئے؟" اس عنوان کے تحت آپ نے فرمایا کہ: متوکل کو چاہئے کہ فراغت وکشادہ دلی سے شاد نہ ہو اور نہ تنگی میں غمگین ہو۔ ہمت بلند رکھے۔ کبھی سست نہ رہے۔ اور نہ دل پر ملال لائے۔ جو کچھ، آمدنی بغیر مانگے وصول ہو، اس کو قبول کرے۔ اور واپس نہ کرے۔ جو غیب سے ملے اس کو رد نہ کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ خود اس کو خدا مردود قرار دے۔ کیونکہ آمدنی خدا ہی بھیجتا ہے۔ اور اگر کچھ ملے تو زیادہ کی خواہش نہ کرے۔ سکہ کو پائوں کے نیچے نہ آنے دے۔ کبھی سکہ کو نہ کھندلے، ہر جگہ اور ہر مقام وہی (اللہ تعالیٰ) ہے، اس کا خیال رکھے۔ تاکہ خدائے تعالیٰ کی نظر میں ہمیشہ عزیز رہے۔ جو کچھ غیب سے آمدنی ہو اس کو خدا کا خزانہ سمجھے۔ لیکن بھیجنے والے کے حقوق و احسان کو فراموش نہ کرے۔ پرانے زمانے میں لوگ درگاہوں کے صحن میں چاندی اور تانبے کے سکے فرش میں گاڑ دیا کرتے تھے۔ حضرت نے اوپر کے ارشاد میں اس عمل کو منع فرمایا۔

ب) غریبوں کی امداد کے لیے ایک دفعہ فرمایا: تم کو چاہئے کہ حسن خلق سے رہو اور ہر ایک کی تعظیم کا خیال رکھو۔ خاص طور سے ان لوگوں کا جو ننگے سر اور ننگے پیر پھرتے ہیں۔ مخلوق کی نظر میں وہ خوار ترین ہیں۔ لیکن خدا کی نظر میں وہ عزیز ترین ہیں۔ حدیث شریف ہے کہ فقر بندوں کے نزدیک عیب اور خدا کے نزدیک خوبی ہے۔ تمھیں چاہیے کہ ان کو ڈھونڈیں اور اچھے اخلاق سے ان کے دلوں کو متاثر کریں۔ اگر روٹی نہ کھلا سکیں تو انسانیت اور اخلاق سے تو پیش آئیں۔

حضرت مشکل آسان کا وصال: حضرت مشکل آسان کا وصال 8/ صفر 846ھ میں ہوا۔ بعض لوگ 856ھ مانتے ہیں۔

اعراس شریفہ: ہر سال 8/ اور 9/ صفر کو بڑے اہتمام سے آپ کا عرس شریف منایا جاتا ہے۔ عرس شریف میں ہر سال زائرین کی شرکت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ 10/ صفر المظفر کو حضرت مشکل آسان کے دو فرزندان حضرت عظیم الدین (شاہ دھڑک) اور حضرت معین الدین

(شاہ کڑک) کا عرس عقیدت سے منایا جاتا ہے۔

ایک تاجر کی عقیدت: یہ بات مشہور ہے کہ محمد ابراہیم نامی تاجر حضرت مشکل آسان کا مرید خاص تھا۔ اُس کا تعلق سندھ یا پنجاب سے اور قوم سانگڑ سے تھا۔ وہ سمندری جہاز سے سفر کر رہا تھا۔ اس کا جہاز، جس میں وہ اور اس کا مال تھا، طوفان میں آ گیا تھا۔ اُس نے حضرت مشکل آسان سے مدد چاہی۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے حضرت کو کشف سے اس کی کیفیت معلوم ہوئی۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ مال کے ساتھ منزل تک پہنچنے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن اس وقت تک آپ کا وصال ہو چکا تھا۔ اُس نے ہی مسجد، گنبد اور خانقاہ کی تعمیر کروائی۔ اس تاجر کی قبر بھی آپ کی بارگاہ کے شمالی جانب تالاب کے کنارے موجود ہے۔

حضرت مشکل آسان کی اولاد: حضرت مشکل آسان کی دو بیویاں تھیں۔ جمال بی بی صاحبہ اور تارابی بی صاحبہ۔ جمال بی بی صاحبہ سے تین فرزند ہوئے۔ سید عظیم الدین، سید احمد منجھلے چلّہ دار اور سید معین الدین۔

شاہ کڑک، شاہ دھڑک: حضرت کے بڑے فرزند حضرت سید عظیم الدین کو حکومت میں وزارت ملی تھی۔ آپ شان اور شوکت کے ساتھ جب اپنے والد سے ملنے کے لیے آئے تو حضرت کو یہ شان و شوکت پسند نہیں آئی۔ آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وزارت چھوڑ کر وہ یادِالٰہی میں مشغول ہو گئے۔ ذکرِ الٰہی کی کثرت سے ان کا دل اکثر دھڑکتا تھا۔ اس لیے آپ "شاہ دھڑک" کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت معین الدین کی طبیعت جلالی تھی۔ اس لیے آپ "شاہ کڑک" کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی یہ کرامت مشہور ہے کہ آپ کے حکم سے دیوار نے جاندار کی طرح حرکت کی تھی۔ ان دونوں حضرات کی مزارات قندھار شریف میں مغرب کی جانب واقع ہیں۔

حضرت سید احمد منجھلے چلّہ دار: حضرت کے منجھلے فرزند سید احمد چلّہ دار اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ ظاہری و باطنی علوم میں آپ کامل تھے۔ آپ کا مزار اپنے والد کے مزار کے مقابل درگاہ شریف کے احاطے میں ہے۔ درگاہ حضرت مشکل آسان کے موجودہ سجادہ و متولی سید شاہ انوار اللہ حسینی رفاعی القادری دامت برکاتہم ہیں۔ ان سے پہلے ان کے والد بزرگوار حضرت سید شاہ نور اللہ حسینی رفاعی القادری سجادہ تھے۔ اُن سے پہلے اُن کے والد حضرت سید شاہ رحمت اللہ حسینی رفاعی القادری سجادہ تھے، جو شہید ہوئے۔

حضرت نور اللہ حسینی صاحب کی دیرینہ آرزو تھی کہ جد امجد حضرت سید شاہ برہان اللہ حسینی صاحب کا شعری مجموعہ شائع ہو۔ اور ان کا کلام محفوظ ہو جائے موجودہ سجادہ صاحب سید انوار اللہ حسینی رفاعی القادری مدظلہ العالی نے 1990ء میں اس کا اہتمام فرمایا۔

حضرت برہان اللہ حسینی عُلاؔ صاحب کے چند اشعار بطور تبرک یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ نعت شریف کا ایک شعر:

طفیل شافع محشر بھروسہ ہے یہی حق سے　　　بھلا ہوگا ہمارے حق میں جو کچھ فیصلہ ہوگا

سرور مخدوم کی شان میں لکھی ہوئی منقبت کا مقطع:

نوازش کیوں نہ ہو اس کمترین پر　　　عُلاؔ ہے خادمِ سرکارِ مخدوم

حضرت مشکل آسان کے جلوس صندل سے متعلق لکھی ہوئی منقبت سے ایک شعر:

آخر اس کو گلشن و خوشبو سے ہے وابستگی　　　　ہے ثناخواں دیکھ کر رضوان صندل کا جلوس

حضرت مشکل آسان کی درگاہ کے موجودہ سجادہ ومتولی حضرت انوار اللہ حسینی رفاعی القادری دامت برکاتہم کا خاندانی وروحانی پس منظر: آپ کے نانا حضرت مولانا سید شاہ ندیم اللہ قادری فرید پاشاہ کے اوصاف: ان اوصاف کا ذکر سجادہ انوار اللہ صاحب حسینی رفاعی القادری کے والد گرامی حضرت نوراللہ حسینی رفاعی القادری نے اپنی ایک تحریر میں کیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں": حضرت سید شاہ ندیم اللہ قادری فرید پاشاہ (موجودہ سجادہ صاحب کے نانا) حضرت نوراللہ حسینی رفاعی القادری کے دینیات کے استاد تھے۔ آگے چل کر خسر محترم بنے۔ آپ کلاس میں جب قرآن مجید کی سورتوں کے معنی و مطالب بیان فرماتے، ہر طالب علم توجہ سے سنتا۔ ہمیشہ سلام میں پہل فرماتے، آپ کی دعائوں سے سینکڑوں لوگ فائدہ اُٹھاتے۔"

سختی کے ساتھ پابندیٔ وقت کرنا آپ کا خاصہ تھا۔ بڑا دردمند دل رکھتے تھے۔ بیماروں کی مزاج پرسی کے لیے اکثر تشریف لے جاتے اوراپنی دعائوں سے نوازتے۔ ان کے کمرہ میں ایک طرف کتابوں کے انبار لگے رہتے اور دوسری طرف دعوت نامے ہوتے۔ حضرت نوراللہ حسینی کا 35 سال سے زیادہ کا تجربہ ہے کہ انہوں نے اپنے خسر صاحب (حضرت فرید پاشاہ صاحب) کو رات میں 3 بجے کے بعد کبھی سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مسجد کے ایک گوشے میں پابندی سے ذکر فرماتے۔ فجر کی نماز کے بعد وظائف کا سلسلہ ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ دیر تک چلتا۔ کسی کا بھی دکھ دیکھ کر تڑپ جاتے اور بڑی رقت سے سجدہ میں گڑگڑا کر پروردگار سے دعائیں مانگتے۔

حضرت سید حبیب اللہ قادری رشید پاشاہ اور حضرت سید ولی اللہ قادری حبیب پاشاہ: یہ دونوں بزرگ حضرت فرید باشاہ صاحب کے بھائی تھے۔ یعنی موجودہ سجادہ صاحب انوار اللہ صاحب حسینی رفاعی القادری مدظلہ العالی کے نانا صاحبان تھے۔ اپنے وقت کے جید عالم حضرت مولانا سید حبیب اللہ قادری رشید پاشاہ قبلہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے امیر تھے۔ غیر معمولی دینی قابلیت کی وجہ سے آپ کو "جلالۃ العلم" کہا جاتا تھا۔ میلادالنبی ﷺ پر آپ کی کتاب سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت سید ولی اللہ قادری حبیب پاشاہ کی کتاب "آئینۂ قرآن" داخل نصاب جامعہ نظامیہ ہے۔

حضرت نوراللہ حسینی رفاعی القادری: موجودہ سجادہ صاحب حضرت انوار اللہ حسینی رفاعی القادری دامت برکاتہم کے والد حضرت نوراللہ حسینی رفاعی القادری انتہائی سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے اپنے فرزند موجودہ سجادہ صاحب کا جو سجادگی نامہ تحریر کیا ہے وہ ادب کا ایک شہ پارہ ہے۔ عربی کا استعمال، فارسی اشعار سے استفادہ اور منصب سجادگی کو سنبھالنے کے لیے انتہائی ضروری ہدایات ان سارے محاسن کا گلدستہ سجادگی نامہ ہے۔

موجودہ سجادہ بچپن سے حضرت انوار اللہ شاہ صاحب حسینی رفاعی القادری مدظلہ العالی اپنے نانا حضرات کے قریب رہے۔ ان کے ساتھ حیدرآباد کے مشہور مشائخین سے ملاقاتیں رہیں۔ اس طرح آپ کی تربیت فاضل، کامل، متقی شخصیات کے ذریعہ ہوئی۔

حضرت فرید پاشاہ صاحب نظام ہشتم پرنس مکرم جاہ بہادر کے استاد رہے۔ اُن کو "فضیلت مآب" کا خطاب دیا گیا۔ جب حضرت فضیلت مآب بادشاہ وقت میر عثمان علی خاں مرحوم کے پاس یا نظام ہشتم کے پاس جاتے ان کے ساتھ حضرت سید شاہ انوار اللہ حسینی رفاعی القادری بھی

رہتے۔ حضرت فرید پاشاہ (حضرت ندیم اللہ حسینی) کو "مشیر اُمور مذہبی" مقرر کیا گیا تھا۔ اس سارے ماحول میں انواراللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی شخص سنورتی رہی۔ آپ نے کاروبار اور سیاحت کے ضمن میں تقریباً 30 مختلف ملکوں میں سفر کرنے کا تجربہ انھیں حاصل رہا۔

حالیہ دور میں خانقاہ مشکل آسان قندھار (ضلع ناندیڑ) کی خدمات: سید شاہ انواراللہ حسینی رفاعی القادری سجادہ و متولی درگاہ حضرت مشکل آسان قندھار (ضلع ناندیڑ) کی شخصیت میں دینی تربیت اور عصری تعلیم کا امتزاج ہے۔ اس لیے آپ کو اپنے معتقدین، مریدین کی اصلاح کی ہمیشہ فکر رہتی ہے۔ عرس کے موقع پر جب آپ قندھار تشریف لاتے ہیں تب روازانہ آپ کے بیانات رہتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسائل سمجھاتے ہیں۔ اصلاحی پیغامات دیتے ہیں۔ سب کے لیے تڑپ کر رقت کے ساتھ دعا فرماتے ہیں۔ پچھلے کئی سالوں سے قندھار کے سالانہ عرس کے موقع پر جامعہ نظامیہ کے صدر مفتی سید ضیاالدین نقشبندی مدظلہ العالی کو مدعو کر کے تفصیلی بیان رکھا جارہا ہے۔

اس کے علاوہ سال بھر Online حضرت سجادہ صاحب کے بیانات جاری ہیں۔ رمضان شریف میں روز کلام مجید کی چند آیتوں کا خلاصہ سنایا جاتا ہے۔ محرم میں تذکرۂ شہدائے کربلا، ربیع الثانی میں حضرت غوث اعظم اور دیگر بزرگوں کے تذکرے کیے جاتے ہیں۔ مشکلات کا ذکر کرنے والوں کے لیے قرآنی دعائیں اور مختلف درود شریف بتائے جاتے ہیں۔ ہر سال عرس شریف کے موقع پر درود شریف کے پرچے عربی، ہندی اور اردو میں بھی تقسیم کیے جاتے ہیں۔

حضرت معزؔ کی دعا: حیدرآباد میں حضرت معزالدین قادری ملتانی نام کے ایک بزرگ تھے۔ جو مفسر قرآن ہونے کے علاوہ نعت شریف کے استاد شاعر تھے۔ 1982ء میں حضرت سید شاہ انواراللہ حسینی قادری رفاعی مدظلہ العالی کی تقریب سجادگی کے موقع پر انھوں نے تہنیتی اشعار کہے تھے۔ اُس کے مقطع میں دعائیہ شعر تھا؎

الٰہی دورِ پوشیدہ کا ان کو مشکل آساں کر
معزؔ کی یہ دُعا مقبول ہو بس اتنا احساں کر

*****

کتابیات

1۔ سوانح حضرت مشکل آسان قندھاری۔ محمد احمد محی الدین سعید السروری

2۔ مشاہیر قندھار۔ مؤلفہ محمد اکبرالدین صدیقی

3۔ تاریخ قندھار دکن۔ منشی امیر حمزہ

4۔ سجادگی نامہ برائے فرزند۔ تحریر کردہ سید شاہ نوراللہ حسینی رفاعی القادری

5۔ ارمغان عُلاؔ (شعری مجموعہ) حضرت برہان اللہ حسینی صاحب عُلا، سجادہ نشین درگاہ قندھار

6۔ حضرت فرید پاشاہ صاحب سے متعلق تحریر، چند یادیں چند باتیں، سید شاہ نوراللہ حسینی رفاعی القادری۔

7۔ مسدس تہنیت سجادہ نشینی پُر انوار۔ پیش کردہ: معزالدین قادری ملتانی (معزؔ) حیدرآباد۔

خانقاہ شاہ محمد رفیع الدین قندھاری کی علمی، سماجی وتربیتی خدمات

قاری شاہ محمد رفیع الدین قادری رفاعی*

آپ کا اسم گرامی غلام رفاعی عرف محمد رفیع الدین ابن محمد شمس الدین ابن محمد تاج الدین ہے۔ سلسلۂ نسب چھتیسویں واسطے سے امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے اس طرح آپ فاروقی النسب ہیں۔

تاریخ انوار القندھار میں آپ نے اپنے حسب ونسب سے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منسوب تھیں، جن کی اولاد میں سے ہم ہیں، اسی طرح ہم حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد اور حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی آل سے ہیں۔

آپ کا تعلق ایک معزز علمی گھرانے سے تھا، چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ ایک صالحہ اور عابدہ خاتون تھیں اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت تھیں۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت محمد شمس الدین ابن حضرت محمد تاج الدین دھانورہ کے جاگیردار اور بنولہ کے قاضی تھے، اور سلسلہ عالیہ رفاعیہ میں بیعت تھے، اور حضرت سیدنا حاجی سیاح سرور مخدوم قدس سرہ کے نہایت معتقد تھے۔ آپ کے جدّ حضرت قاضی محمدؒ تاج الدین کلاں ایک بلند پایہ عالم تھے، شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر نے ذریعہ فرمان صادر 14 محرم 1148ھ کو آپ کو قندھار شریف، ناندیڑ، کے عہدہ قضا پر مامور کیا۔

ولادت وتعلیم:

آپ کے والدین ایک عرصہ تک اولاد کی نعمت سے محروم تھے، اس لیے آپ کے والد گرامی بہ نیتِ فرزند حضرت سیدنا حاجی سیاح سرور مخدوم قدس سرہ کے روضہ مبارکہ کی مسجد میں معتکف تھے کہ حضرت سرور مخدوم قدس سرہ نے عالمِ رویا میں آپ کو بشارت دی کہ تجھے ایک فرزند باکمال وصاحبِ باطن تولد ہوگا، اور اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا، چنانچہ بشارت کے مطابق آپ کی ولادت قصبہ قندھار میں بتاریخ 19/ جمادی الثانی 1164ھ پنجشنبہ کی صبح نماز فجر کے بعد ہوئی، اور بموجب حکم حضرت سرور مخدوم آپ کا اسم گرامی غلام رفاعی عرف محمد رفیع الدین رکھا گیا۔

بچپن میں ہی بزرگی کی علامت چہرہ مبارکہ سے ظاہر تھی اور ابتداء ہی سے آپ کی نسبت اویسیہ حضرت سیدنا حاجی سیاح سرور مخدوم قدس سرہ سے قائم تھی، چنانچہ آپ حضرت مخدوم کی مزار سے فیض بار عہد طفلی سے تھے۔ وقتاً فوقتاً ضروری اشارات اور احکام آپ کو حضرت مخدوم سرور قدس سرہ کی بارگاہ سے ملتے رہے۔ ایک مرتبہ جب آپ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ حضرت مخدوم قدس سرہ کی درگاہ شریف پہنچے تو مزار مبارک سے آواز آئی کہ یہ تمہاری کھیلنے کی عمر نہیں، علم

* نائب سجّادہ نشیں درگاہ حضرت مولوی صاحب، بسمت نگر، ہنگولی، مہاراشٹرا

حاصل کرنے کے لیے اورنگ آباد جاؤ، چنانچہ تحصیلِ علم کے لیے حضرت مخدوم قدس سرہ کے حکم پر آپ اور نگ آباد تشریف لے گئے۔

ابتدائی تعلیم والد بزرگوار اور دیگر مقامی علماء سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے اورنگ آباد تشریف لے گئے اور حضرت سید قمر الدین اورنگ آبادی علیہ الرحمۃ اور دیگر علماءِ اورنگ آباد سے9سال تک استفادہ کیا اور حاشیہ بیضاوی وغیرہ جیسی منتہی کتابوں کا درس لیا۔

اورنگ آباد میں دوران طالب علمی کسی بھی قسم کے خلل سے بچنے کے لیے آپ ایک الگ تھلگ حجرے میں رہا کرتے تھے، جو حجرۃ الرفیع کے نام سے موسوم رہا۔ روایت ہے کہ بزمانہ طالب علمی اورنگ آباد میں اکثر آپ راتوں میں تنہا روضۂ بیگم جا کر اللہ کی یاد میں اشک بار ہوا کرتے۔ بسلسلہ تحصیلِ علم اورنگ آباد کا یہ طویل قیام آپ کی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ حضرت مولانا سید قمرالدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی فیض صحبت میں آپ کے طویل قیام کی وجہ سے حضرت موصوف سے آپ کو انتہائی انس وعقیدت ہوگئی تھی۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے حضرت مولانا قمر الدین اورنگ آبادی علیہ الرحمہ اور حضرت شاہ محمد عظیم الدین بلخی علیہ الرحمۃ سے آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں نعمت پائی اور ذکر واشغال کے طریقے سیکھے اور اجازتیں حاصل کیں۔ ان کے علاوہ آپ نے حضرت قاضی شیخ الاسلام خاں سے عربی ودیگر علوم کی تحصیل وتکمیل فرمائی اور یہاں آپ کو مولانا کا لقب ملا۔

آپ نے مولانا قمر الدین نقشبندی کے حضور حفظِ قرآن اور قراءت قرآن مکمل کرنے کے بعد، دورانِ قیامِ مدینہ منورہ پہلی مرتبہ 1178ھ میں حضرت عبداللہ مغربی سے تجوید کی سند حاصل کی۔ بعد ازاں، حضرت حافظ محمد حیات بن طالب علی خان قادری حنبلی دہلوی سے 1198 ھ میں حضرت سیدنا حفص بن سیدنا عاصم الکوفی کے طریقے کے مطابق اجازتِ قراءت حاصل فرمائی۔ ہندوستان لوٹنے کے بعد آپ نے درس وتدریس کے ذریعے دکن کے مختلف علاقوں میں علمی خدمات انجام دیں اور علم تجوید کو پھیلایا۔ اس دوران آپ کے خلیفہ وفرزند حضرت مولانا قیام الدین قادری فاروقی اور آپ کے خلیفہ حضرت میر شجاع الدین حسین قادری نے اس علمی روایت کو آگے بڑھایا، جن کے شاگردوں نے تجوید کے علم کو جاری رکھا۔ آپ کی یہ علمی خدمات ہندوستان بھر میں مشہور ہوئیں۔[1]

مرشدِ کامل کی طلب:

اورنگ آباد میں علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد حسبِ خواہش والدِ بزرگوار آپ وطنِ قندھار شریف تشریف لے آئے۔ کچھ مدت قندھار میں قیام کے بعد، بموجبِ استخارہ واشارہ حضرت سیدنا حاجی سیاح سرور مخدوم قدس سرہ، آپ مرشدِ کامل کی جستجو میں رحمت آباد شریف گئے اور حضرت شیخ المشائخ، وحید العصر، قطبِ دہر، سیدنا خواجہ رحمت اللہ نائبِ رسول اللہ صلی

[1] اس کا تفصیلی ذکر تذکرہ قاریاں ہند، حصہ اوّل، صفحہ 202 میں موجود ہے۔

اللہ علیہ وسلم قدس سرہ کے آستانۂ عرش آشیانہ پر حاضر ہوئے۔حضرتِ ممدوح سے نیاز حاصل ہونے کے دوسرے ہی روز، حضرت نے آپ سے فرمایا:

" تمہارے بارے میں محمد علی خاں بہادر والا جاہ کو لکھ دیتا ہوں، یہ خط لے کر ان کے پاس جاؤ، وہ ہر طرح تمہارے ساتھ معقول سلوک کریں گے۔" یہ سن کر آپ کو سخت رنج ہوا اور عرض کیا:" غلام کے بزرگوں نے جو معاش پیدا کر رکھی ہے، وہ بندہ کی احتیاج سے زیادہ ہے، لیکن میں اسے اپنے حق میں حرام سمجھتا ہوں۔ بندہ محض تربیتِ باطن کی امید پر، حسبِ اشارہ حضرت مخدوم حاجی سیاح قدس سرہ، آپ کے آستانۂ عرش آشیانہ پر حاضر ہوا ہے۔" یہ سن کر حضرتِ خواجہ علیہ الرحمۃ بے اختیار رونے لگے اور ارشاد فرمایا:" بارک اللہ !آج کل لوگ مختلف اغراض کے ساتھ آتے ہیں، بعض سفارش کے لیے، بعض تسخیر کے عمل کی اجازت لینے کے لیے، اور بعض نسخۂ کیمیا کی طلب میں بیعت کرتے ہیں۔ فقیر نے بھی یہی خیال کیا تھا۔"اس کے بعد حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے آپ کو اجازتِ دوگانہ رویتِ رسول اللہ ﷺ مرحمت فرمائی اور فرمایا:" رات میں یہ عمل بجا لاؤ، حقیقتِ واقعہ فراموش نہ کرنا، اور صبح میں تفصیل کے ساتھ بیان کرنا۔"چنانچہ اس عمل کے بعد، جیسا کہ خود آپ نے تحریر فرمایا، آپ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور سلسلۂ طریقت میں داخل فرما دیے گئے۔

بیعت وخلافت:

حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ، سلسلہ عالیہ قادریہ، سلسلہ عالیہ چشتیہ، سلسلہ عالیہ رفاعیہ اور دیگر جملہ چودہ سلاسل میں بیعت کی سعادت حاصل کی۔ رحمت آباد میں ایک سال تک حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی خدمتِ اقدس میں قیام فرمایا اور اس دوران تمام منازلِ سلوک طے کیے۔اور طریقہ عالیہ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، رفاعیہ، سہروردیہ، شطاریہ، مداریہ اور دیگر سلاسل میں آپ کو اصول وفروع کے ساتھ خلافت واجازتِ عامہ معہ مصافحہ عطا ہوئی۔ ان تمام طرق کے اشغال واعمال میں آپ کو مکمل تلقین اور خصوصی توجہ نصیب ہوئی۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی اجازتِ خاص کے بعد آپ اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔یوں جس طرح علمِ ظاہر میں آپ کو غیر معمولی کمال حاصل تھا، اسی طرح علمِ باطن میں بھی آپ کامل نصیب ہوئے اور فیوضِ روحانی کے حامل بنے۔

سفر وقیام حیدرآباد:

آپ دو مرتبہ حیدرآباد میں رونق افروز ہوئے۔ پہلی مرتبہ، جب آپ مکہ مسجد تشریف لائے، شہر میں آپ کی باکمال شخصیت اور بزرگی وتقدس کی شہرت عام ہوئی۔ لاکھوں افراد نے آپ سے بیعت کا شرف حاصل کیا، یہاں تک کہ فرداً فرداً بیعت کے لیے حاضر ہونا محال تھا۔ چنانچہ آپ نے عمامہ کا ایک سرا اپنے دستِ مبارک میں تھام رکھا، اور لوگ جوق در جوق اس عمامہ کو چھو کر داخلِ سلسلہ ہو رہے تھے۔ آپ کی شخصیت کی یہ شہرت امراء اور نوابوں تک پہنچی، تو انہوں نے آپ کو اپنی خدمت میں آنے کی دعوت دی۔ تاہم آپ نے انکار کر دیا اور

فرمایا: ”میں جس علم کا خدمت گزار ہوں، اس کا اقتضاء یہ نہیں کہ سلاطین وامراء کے دروازوں پر جبیں سائی کروں۔“
اس جواب سے اعلیٰ صاحبِ منصب جاہ مکدر ہوئے اور بادشاہ وقت نواب سکندر جاہ کو عرض کیا کہ قندھار سے آئے شاہ صاحب نے رعایا کو اتنا گرویدہ بنالیا ہے کہ اگر چند روز قیام رہے تو سیاستِ ملکی میں خلل واقع ہو سکتا ہے۔ اس بنیاد پر فرمانِ شاہی صادر ہوا کہ مولوی صاحب اپنے وطن قندھار تشریف لے جائیں۔
آپ نمازِ ظہر کے بعد مکہ مسجد میں حاضر تھے، جب یہ فرمان سنایا گیا۔ آپ نے رومال کندھے پر ڈال کر فرمایا: ”ملک خدا تنگ نیست، پای گدالنگ نیست“، اور تشریف لے گئے۔ ہزارہا افراد آپ کے ساتھ ہو گئے، جو اس واقعے سے متاثر اور رنجیدہ تھے۔ لوگ چاہتے تھے کہ آپ کا قیام ہمیشہ حیدرآباد میں ہو تاکہ یہاں کے لوگ آپ کے فیوض وبرکات سے مستفید رہیں۔ چنانچہ آپ پرانے پل کے دروازے سے باہر تشریف لے گئے، لیکن پولیس نے لوگوں کے جوش وعقیدت کو روکنے کے لیے دروازہ بند کر دیا۔ لوگ فصیل پر چڑھ کر آپ کے ساتھ ہو گئے، اور آپ نے انہیں سمجھایا اور واپس کیا۔ حیدرآباد میں حضرت حسین شاہ ولی علیہ الرحمہ کی درگاہ شریف میں چند دن قیام کے بعد آپ قندھار شریف تشریف لے گئے۔
دوسری مرتبہ آپ نواب شمس الامراء بہادر، امیر کبیر نواب فخر الدین خان کی درخواست اور اصرار پر حیدرآباد دکن رونق افروز ہوئے۔ اس وقت آپ ضعیف العمر اور بصارت میں بھی کچھ فرق محسوس کر رہے تھے۔ آپ مقبرۂ جان علی خان کے باغ میں قیام فرما رہے تھے، جہاں مؤلف گلزار آصفیہ، خان زمان خان صاحب حکیم عافیت طلب خان، آپ کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے، جس کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب گلزارِ آصفیہ میں کیا ہے۔
چونکہ آپ لوگوں کے اجتماع وازدحام کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس سفر میں صرف خاص افراد آپ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ نواب شمس الامراء بہادر نے آپ کو شمس آباد میں ٹھہرایا، اور تمام خاندانِ پایگاہ آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کے لیے حاضر ہوا۔ اس دورے کی غرض وغایت بھی یہی تھی۔ بعد ازاں، نواب شمس الامراء بہادر نے شمس آباد کی جاگیر بطورِ نذر پیش کی، جس پر آپ نے فرمایا کہ یہ لالچ ہے، اور اسے قبول نہ کیا۔ نواب محمد فخر الدین خان شمس الامراء بہادر آپ کے بہت متقی، صوم وتہجد کے پابند تھے۔ ان کے فرزند بھی آپ سے فیض یاب ہوئے اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے نواب شمس الامراء کو تسبیح مرحمت فرمائی، جو ہمیشہ ان کے ہاتھ میں رہتی۔
دوسرے سفر کی دعوت پر آپ نے فرمایا کہ عمر اور صحت کے اعتبار سے طویل سفر کی مشقت مناسب نہیں، لیکن نواب کی درخواست پر تقریباً ایک ماہ حیدرآباد میں قیام فرمایا۔ نواب بدرالدین خان تمیز کے اشعار خاندانِ پایگاہ کی آپ کے لیے والہانہ عقیدت کا بیان ہیں:

جب سے بدرالدیں ہوا بندہ رفیع الدین کا — تب سے اس کے اور بھی رتبہ ہوا آمین کا
ہے تصور دل کو اس کی چشمِ فیض عالمین کا — اک نگاہِ لطف سے جس کے ہے عالم فیضیاب
منہ سے نکلا اُس کے ایسا حرف اک تسکین کا — دو جہاں کی بادشاہی ہم کو حاصل ہو گئی
حامی روزِ جزا ہے کون اس مسکین کا — دین ودنیا کے ہیں مالک پیر ومرشد اے تمیز

اخلاق واطوار، عادات ومعمولات:

آپ کی طبیعت میں غیر معمولی سنجیدگی اور بردباری تھی۔ فضول گوئی سے پرہیز فرماتے اور مبالغہ آمیز گفتگو کبھی نہ کرتے۔ مریدین ومعتقدین کی کثرت کے باعث آپ کی مصروفیات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ کا معمول یہ تھا کہ نصف شب کو بیدار ہو کر مسجد تشریف لے جاتے، نمازِ تہجد ادا فرما کر فجر تک مراقبے میں مشغول رہتے۔ نمازِ فجر کے بعد اشراق تک بھی مسجد ہی میں ذکر ومراقبہ فرماتے اور ماسوی اللہ سے بالکل بے تعلق رہتے۔

نمازِ اشراق کے بعد دولت کدے پر تشریف لے جا کر نصف النہار تک بزرگوں کے حالات وحکایات بیان فرماتے اور حاضرین کی ضروری تربیت کرتے۔ اس کے بعد ان کے ساتھ کچھ تناول فرماتے اور پھر قیلولہ فرماتے۔ نمازِ ظہر کے اول وقت بیدار ہو کر مسجد جاتے اور نمازِ عشا تک مسجد سے باہر نہ نکلتے۔ نمازِ عشا کے بعد گھر جا کر حاضرین کے ساتھ کچھ تناول فرماتے۔

ہمیشہ باوضو رہنااور وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو ادا کرنا معمول تھا۔ چوبیس گھنٹے غیر حق سے آنکھ بند رکھتے اور دوامِ مراقبہ کی کیفیت طاری رہتی۔آپ کے مناقب میں آیا ہے کہ اگر سو(100)آدمی بھی آپ کی مجلس میں حاضر رہتے تو سب کو اپنی توجہ کے فیض سے رجوع بہ حق فرما دیتے اور ان کی نگاہیں ماسوی اللہ کے مشاہدے سے محفوظ ہو جاتیں۔

حضرت مولانا ابو سعید والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب بحرِ رحمت میں لکھا ہے کہ دوامِ مراقبہ کی کیفیت جو خواجگانِ چشت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ہم نے سنی ہے، وہی کیفیت حضرت کی ذاتِ بابرکت میں دیکھی۔ اسی وجہ سے آپ کا چہرۂ مبارک نورانیت سے آفتاب کی مانند چمکتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:"میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ حضرت کے روئے مبارک پر نظر جما سکوں مگر خود میں وہ تاب و طاقت نہ پائی۔ دیگر اشخاص بھی اس تجربے کا تذکرہ کرتے تھے۔"

مؤلف تاریخ گلزارِ آصفیہ لکھتے ہیں کہ جب وہ حکیم عافیت طلب خان کے ہمراہ حضرت کی قدم بوسی کے شرف سے مشرف ہوئے تو آپ کا جمال ایسا دیکھا جو اس سے قبل کبھی نظر سے نہ گزرا تھا۔

آپ خدمتِ خلق کو افضل ترین عبادت سمجھتے تھے۔ انتہائی خوش اخلاق، با مروت اور منکسر المزاج تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کی تعظیم کے لیے از خود کھڑے ہو جاتے۔ بحر رحمت کے مصنف کے مطابق، گفتگو میں آپ مخاطب کے مرتبے سے کہیں زیادہ احترام ملحوظ رکھتے۔

آپ ٹوٹے دلوں کی پاسداری کو تمام عبادات پر مقدم خیال فرماتے تھے۔ مولانا ابو سعید والا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپ نے کبھی کسی ادنیٰ یا اعلیٰ کا دل نہیں دکھایا۔ شہرت ونمود سے بالکل بے نیاز رہے۔آپ کا معمول تھا کہ کسی کو توجہ فرما کر اس کی تربیت کرتے، مگر آخری زمانے میں مقامِ تمکین پر فائز ہونے کے باعث رسمِ توجہ ترک کر دی تھی۔ اگر کوئی اصرار کرتا تو آپ اسے اپنے خلیفہ حضرت شیخ مدار رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرماتے، تاہم آخری دور میں آپ کا فیضِ صحبت

پہلے سے کہیں زیادہ عام ہوگیا تھا۔ کثرتِ عبادت وشدتِ ریاضت کے باوجود درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا اور تصنیف وتالیف کا کام بھی۔ آپ کی انگشتری مبارک پر یہ عبارت کندہ تھی:

"الموت خیر الواعظ یا رفیع"

تصنیفات:

عبادت وریاضت اور تعلیم وتربیت میں غیر معمولی مصروفیت کے باوجود آپ نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ تاریخ اور دستاویزی شواہد کے مطابق آپ کی مندرجہ ذیل تالیفات ملتی ہیں:

الثمرات المکیه: یہ آپ کی نہایت اہم تالیف ہے، جسے آپ نے 15 محرم الحرام بروز جمعرات 1198ھ، مدرسۂ شیخ عبد الکریم قطبی (شباکی میں)، جو بیت اللہ شریف کے مقابل واقع تھا، مکمل فرمایا۔ سببِ تالیف آپ نے مقدمہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے: آپ شبِ جمعہ حطیم کعبہ میں حاضر تھے کہ دیوارِ کعبہ شریف سے ایک کتاب اور قلمدان برآمد ہوا، جنہیں آپ نے خوشی وشادمانی سے حاصل کیا۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ یہ عنایت جنابِ رسالت مآب ﷺ کی طرف سے ہے۔ اسی بشارت کی روشنی میں آپ نے اس کتاب کی تصنیف کا آغاز فرمایا اور اسے 'الثمرات المکیہ' نام دیا۔

اس کتاب میں مقدمہ، تین ابواب اور خاتمہ شامل ہیں: مقدمہ میں بیعت اور اس کے لوازم کا بیان ہے، باب اول فروعِ طرق عالیہ پر مشتمل ہے، باب دوم اصولِ طرق عالیہ پر، اور باب سوم سلوکِ طرق سے متعلق ہے۔ یہ کتاب دو نسخوں میں موجود ہے:

(أ) الثمرات المکیه (نسخۂ کلاں) جس میں تصوف، معرفت وحقیقت کے نازک مسائل قرآن وحدیث اور اقوالِ اکابرین کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

(ب) الثمرات المکیه (نسخۂ خورد) تمام سلاسلِ طریقت کے سلوک اور شجرۂ طریقت بھی اس میں شامل ہیں، تاکہ سالکینِ راہِ طریقت تقدیم وتاخیر سے محفوظ رہیں۔ اکثر کتب خانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں، اور صوفیاء وعلماء نے اپنی تالیفات میں اس کے حوالے دیے ہیں۔

انوار القندھار: اس میں قندھار شریف کے بزرگوں کے حالات اور خود آپ کا تذکرہ درج ہے۔ آپ نے کشف کے ذریعہ ان کے حالات معلوم کیے۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ آصفیہ میں موجود ہے۔

تذکرہ نوبہار: اس کتاب میں شعراء کا تذکرہ ہے، جس میں آپ نے 121 فارسی شعراء کا تذکرہ اور نمونہ کلام تحریر کیا، جن میں صوفیانہ مجاز پایا جاتا ہے۔ ایک نسخہ ذخیرۂ آذر، لائبریری مرکزی پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں موجود ہے۔

راحت الانفاس: یہ 1195ھ میں تصنیف ہوئی، بعض کتب تواریخ میں اس کا نام غلطی سے انفاس العاشقین درج ہے۔

رسائل اجازت نامہ جات: اس میں سلاسلِ قادریہ، نقشبندیہ، رفاعیہ، چشتیہ، سہروردیہ، شطاریہ، مداریہ کے شجرے، اجازت نامے، صحاح ستہ کی سندیں اور مختلف اعمال ووظائف درج ہیں۔

رسالۂ چشتیہ: اس میں طریقۂ عالیۂ چشتیہ کے اذکار واشغال اور سلوک قلمبند ہیں۔ ایک نسخہ خیرپور، سندھ میں محفوظ ہے۔

رسالۂ نقشبندیہ: اس میں طریقۂ عالیۂ نقشبندیہ کے ذکر و شغل اور سلوک شامل ہیں۔

تحفۃ البدیع: یہ رسالہ سلوک مداریہ کے طریقۂ سلوک کے بارے میں ہے جو 1329ھ میں قندھار میں مولوی محمد قائم شاہ صاحب کے پاس تالیف ہوا۔

وظائف الصالحین: اس رسالہ میں مختلف اوراد، اشغال و وظائف جمع کیے گئے ہیں۔

آداب طریقت رفاعیہ: اس میں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل شدہ فیوض و اشغال درج ہیں۔

فارسی شاعری:

آپ کو شعر و شاعری سے لگاؤ تھا، اور فنِ عروض میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ نوجوانی میں مشقِ سخن فرماتے تھے۔ اور تخلص نطقؔ تھا۔ آپ کی شاعری میں تصوف، روحانیت اور عشقِ حقیقی کی جھلکیاں نمایاں ہیں۔ آپ کے اشعار جو مختلف کتبِ تواریخ میں درج ہیں ان میں سے چند یہاں بطورِ نمونہ قارئین کرام کی نذر کیے جاتے ہیں:

بیا بیا کہ شہید تو بے دن باقیست   برنگ شمع فانوس در کفن باقیست
زروئے لطف بکس بوسہ دادۂ شاید   کہ ہچو شبنم گل نقش بر دین باقیست
سپند ارز سوز تو نالہ با کردیم   سخن تمام شدو آخریں سخن باقیست

یار در بردارم ومشتاق دیدارم ہنوز   میدہی اے دل چرا از وصل آزارم ہنوز
خواندہ ام برلوح دل حرف تجلی کسے   مخواز خودگشتہ ام محتاجِ تکرارم ہنوز

الٰہی باز بنماروئے آں ابر وہلالی را   منور کن چوروز عیدایں غمگیں لیالی را
زپا مال خلائق از گراں خوابی نمیخیزد   فتادہ سایہ بر یخیم مگر تصویر قالی را

یہ اشعار آپ کے بلند شعری ذوق کی دلیل ہیں، اور اس حقیقت کو بھی آشکار کرتے ہیں کہ آپ کو علومِ دینیہ کے ساتھ ساتھ فنونِ لطیفہ خصوصاً شاعری میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔

ازواج: آپ کی تین ازواج تھیں:

1۔ حضرت انور بی بی صاحبہ جو آپ کے چچا حضرت غیاث الدین قاضی قصبہ نرسی کی دختر تھیں۔
2۔ حضرت قادر بی بی صاحبہ جو قصبہ کوٹگیر کے ایک معزز ومعروف خانوادۂ قضاءت سے تعلق رکھتی تھیں، آپ کے پہلے چار صاحبزادگان ان ہی کے بطن سے تھے۔
3۔ حضرت پیرانی ماں مدنی صاحبہ، جن سے آپ نے قیامِ مدینہ منورہ کے دوران نکاح فرمایا تھا۔

اولاد: آپ کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

حضرت مولانا شاہ محمد نجم الدین قبلہ

آپ ایک جید عالم اور علومِ ظاہروباطن کے جامع تھے۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار کی صحبت میں رہ کر تعلیم وتربیت حاصل کی، اور ان ہی سے بیعت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ آپ کی دو شادیاں ہوئیں لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ کی وفات والد گرامی کی حیات ہی میں 1238ھ میں ہوئی۔ تدفین آپ کے والد گرامی کے روضہ مبارک کے سامنے محلہ قاضی کی مسجد کے صحن میں ہوئی۔

حضرت مولانا شاہ محمد زین العابدین قبلہ

آپ دوسرے فرزند ہیں اور والد ماجد کے وصال کے بعد جانشین مقرر ہوئے۔ آپ کو والد گرامی سے خلافت عطا ہوئی اور حیدرآباد میں مقیم رہے۔ 14 شعبان 1271ھ کو وصال فرمایا۔ آپ کی تدفین حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین کے گنبد کے صحن میں ہوئی۔

آپ کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں: بڑے فرزند مولوی شاہ محمد تاج الدین، جو بعد میں حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کے سجادہ نشین ہوئے۔ دوسرے فرزند مولوی شاہ محمد ولی اللہ، جو بے اولاد فوت ہوئے، اور تیسرے فرزند مولوی شاہ غلام انبیاء صاحب تھے۔

حضرت مولانا شاہ قیام الدین قبلہ

آپ کو والد ماجد سے خلافت ونعمتِ باطنی عطا ہوئی۔ حیدرآباد میں سکونت پذیر رہے۔ اور بہت شہرت حاصل کی۔ آپ کے معتقدین میں اعلیٰ خاندانوں کی خواتین بھی شامل تھیں۔ پیرانی ماں قادر بی بی صاحبہ آپ کے ساتھ ہی رہا کرتی تھیں۔ 11 ربیع الثانی 1289ھ کو وصال فرمایا۔ نواب امیر کبیر نے آپ کو باغ عنایت کیا، اور وہیں آپ کا مقبرہ بنایا گیا۔ آپ کے تین فرزند اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

حضرت مولانا شاہ علیم الدین قبلہ

والد محترم سے بیعت تھے، اور حضرت حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی (خلیفۂ حضرت شاہ سلمان تمسوی) سے سلسلۂ چشتیہ میں خلافت پائی۔ آپ حیدرآباد میں مقیم رہے اور اکثر والد بزرگوار کے عرس کے موقع پر قندھار تشریف لے جاتے۔ 27 ذی الحجہ 1316ھ کو حیدرآباد میں وصال فرمایا۔ آپ کی دو ازواج تھیں۔ پہلی زوجہ سے چار صاحبزادیاں ہوئیں اور دوسری سے دو فرزند: حضرت شاہ غلام جیلانی صاحب اور حضرت شاہ حافظ الدین صاحب۔

حضرت بحرالعلوم مولانا مولوی شاہ محمد غلام نقشبند المعروف مولوی صاحب قبلہ

آپ تیسری زوجہ حضرت پیرانی ماں مدنی قبلہ کے بطن سے تھے۔ والد ماجد سے بیعت تھے اور اپنے بھائی حضرت شاہ محمد زین

العابدین قبلہ سے خلافت واجازت پائی۔ آپ نے اپنی علمی عظمت اور نیک نفسی سے شہرت پائی۔ بسمت نگر،ہنگولی، مہاراشٹر میں قیام پذیر رہے، جہاں آپ نے مسجد تعمیر فرمائی جو آج بھی" مسجد مولوی صاحب"کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے گوشہ نشینی کی زندگی بسر فرمائی۔ 28/ شعبان 1317ھ مطابق 1/ جنوری 1900ءکو وصال فرمایا، اور اسی مسجد کے صحن میں مدفون ہوئے۔ آپ کا کتب خانہ نایاب کتابوں پر مشتمل تھا۔

آپ کے تین فرزند ہوئے:

1)حضرت مولانا شاہ محمد شریف الدین صاحب قبلہ،جوایک مجذوب صفت بزرگ تھےاور بہت سادہ زندگی بسر کی۔اور بڑے مشائخ صاحب کے نام سے مشہور ہوئے۔ تعلقہ بسمت نگر میں انتقال ہوا۔ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں جانب مغرب دفن ہوئے۔

2)حضرت مولانا شاہ محمد عصفیہ صاحب قبلہ،ملازمتِ سرشتہ تعلیمات میں زندگی گزاری۔ ہنگولی مھاراشٹرا میں وظیفہ یاب ہوکر اپنی خدمت انجام دیتے ہوئے3/ رمضان کو ہنگولی، مہاراشٹرا میں وصال ہوا۔

3)حضرت مولانا شاہ محمد غلام دستگیر المعروف فصیح الدین صاحب،اپنےوالد گرامی کے وصال کے بعد مسجد میں امامت وتدریس پر مامور رہے اور سیاحی میں عمر بسر کی۔ انہیں محکمہ نظامت حاکم مذہبی امور سے سند وعظ گوئی ملی تھی۔ 1331ھ میں انتقال ہوا، نماز جمعہ کے بعد نمازِ جنازہ اوروالد گرامی کے پہلو میں جانب مشرق میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے تین فرزند تھے۔

صاحبزادیاں:

حضرت محمد رفیع الدین قندھاری کی چار صاحبزادیاں تھیں:پہلی صاحبزادی قاضی آصف الدین قاضی نظام آباد سے بیاہی گئیں جن سے ایک صاحبزادے مولوی معین الدین صاحب تھے۔دوسری صاحبزادی مولوی برہان اللہ حسینی صاحب اولاد حضرت سنگڑے سلطان مشکل آسان علیہ الرحمہ کے اولاد سے تھے۔تیسری صاحبزادی مولوی سراج الدین صاحب قاضی قندھار شریف سے بیاہی گئیں جن کے دو فرزند مولوی غلام علی صاحب قاضی تھے ان کے دو فرزند غلام محمد صاحب تھے جن کے فرزند غلام احمد صاحب جو لاولد انتقال ہوے۔ اور قاضی مولوی حافظ ابو محمد شجاع الدین فاروقی صاحب کے خاندان میں منتقل ہو گئیں۔ مولوی حافظ شجاع الدین صاحب کے دو فرزند تھے: حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی خان بہادر بانی جامع نظامیہ رحمۃ اللہ علیہ تھے، اور دوسرے فرزند حضرت مولانا مولوی شاہ محمد امیر اللہ خان فاروقی تھے۔چوتھی صاحبزادی زینب بی بی صاحبہ قبلہ رحمت اللہ علیہ مولوی سید امجد علی صاحب قاضی دیگلور سے بیاہی گئیں۔ جن سے کئی فرزند ہوئےجن کی اولاد آج بھی دیگلور میں موجود ہیں۔

خلفاء: آپ کے جملہ انیس خلفاءتھےجن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

1۔ حضرت مولانا شاہ محمد نجم الدین: آپ حضرت قبلہ کے بڑے فرزند تھے۔

2۔ حضرت مولانا شاہ محمد زین العابدین: آپ حضرت قبلہ کے دوسرے فرزند اور جانشین تھے۔

3۔ حضرت مولانا شاہ محمد قیام الدین: آپ حضرت قبلہ کے تیسرے فرزند تھے۔

4۔ حضرت مولانا شاہ محمد عبداللہ صاحب مکی: آپ مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔

5۔ حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین: آپ کا عالیشان گنبد حیدرآباد میں یاقوت پورہ میں عیدی بازار میں بڑی گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ آپ سے حیدرآباد میں یہ سلسلہ پھیلا ہے۔ اور آپ ہی کے ذریعے یہ سلسلہ قادری چمن حضرت حبیب عمر الحسینی قاضی پورہ شریف، حضرت محمد صدیق محبوب اللہ، صدیق گلشن میں حضرت عبدالقدیر صدیقی تک پھیلا۔

1۔ حضرت مولانا شیخ مدار

2۔ حضرت مولانا میر محمد اویس شہید

3۔ حضرت مولانا مولوی سید شریف الدین ولانڈی

4۔ حضرت مولانا مولوی غلام جیلانی ابن مولوی غلام محی الدین

5۔ حضرت نواب محمد فخر الدین خان امیر کبیر شمس الامراء بہادر

6۔ حضرت مولانا بخاری شاہ صاحب اورنگ آبادی

7۔ حضرت مولوی حافظ عبدالکریم

8۔ حضرت مولوی سید کبیر

9۔ حضرت مولوی محمد شہاب الدین

10۔ حضرت مولوی جلال شاہ کرنولی

11۔ حضرت مولوی حافظ محمد شجاع الدین فاروقی: آپ حضرت شاہ رفیع الدین کے نواسے بھی تھے۔

12۔ حضرت مولانا محمد امین الدین کثرت: آپ قندھار شریف میں رہا کرتے تھے آپ کا وصال 22/ربیع الاول 1222ھ میں ہوا۔ قندھار شریف میں روضہ مولانا رفیع الدین قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کے روبرو قاضی مسجد میں آپ کا مزار ہے۔

13۔ حضرت ابو سعید والا: آپ نے حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس سرہ کی سوانح حیات بحر رحمت نام سے لکھی ہے، جس میں حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری قبلہ کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

14۔ حضرت مولانا غلام نقشبند قبلہ: آپ حضرت حبیب النساء صاحبہ قبلہ کے بھائی کے فرزند تھے۔ حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس سرہ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا۔ حضرت پیرانی ماں قبلہ نے حضرت شاہ رفیع الدین

قندھاری کو نامزد فرمایا؛ لیکن آپ نے حضرت کے خاندان سے ہی سجادگی کو پسند فرمایا، تب حضرت مولانا غلام نقشبند قبلہ کو بیعت اور خلافت عطاکر کے قندھار شریف کا رخ فرمایا تھا۔

تعمیر خانقاہ اور سلسلہ درس:

حرمین شریفین سے واپسی پر حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری نے ایک خانقاہ بنام حضرت سیدنا امام حسین، حضرت سیدنا غوث الثقلین قدس سرہ اور حضرت سید نا شاہ نقشبند قدس سرہ تعمیر کروائی۔ جس میں فقراء مساکین، مریدین وطلباء کی تعلیم وتربیت فرماتے ۔جس میں ذکر وشغل، درس وتدریس کے ساتھ ساتھ طلباءوسالکین کے قیام وطعام کی سہولت مہیا تھی ۔

تاریخی روایات کے بموجب آپ کے مریدین ومعتقدین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ لیکن پھر بھی آپ کے تدریسی مشاغل جاری رہے۔ اور آپ کی خانقاہ شریف سے اکابر علماء اور صوفیاء نکلے۔جس نے بھی آپ کی صحبت پائی، وہ درجہ کمال کو پہنچا۔ ہم عصر بزرگوں نے آپ کو شیخ وقت اور افضل المتاخرین لکھا۔

سجادگانِ خانقاہ حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری:

حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کے وصال کے بعد آپ کے دوسرے فرزند حضرت مولانا شاہ محمد زین العابدین قبلہ رحمتہ اللہ علیہ پہلے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے وخلیفہ حضرت مولانا شاہ محمد تاج الدین قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مسندِ سجادگی پر فائز ہوئے۔حضرت شاہ محمد تاج الدین قبلہ کی کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے آپ نے حضرت مولانا شاہ محمد بہاؤالدین المعروف اللہ والے صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو مسند سجادگی عطا فرمائی۔

حضرت شاہ محمد بہاؤالدین المعروف اللہ والے صاحب کے وصال کے بعد آپ کے برادرِ خورد حضرت شاہ محمد سعید الدین المعروف شاہ من اللہ رحمتہ اللہ علیہ صاحب سجادہ ہوئے، اور آپ نے اپنے فرزند وخلیفہ حضرت مولانا شاہ محمد تاج الدین المعروف تاج القراء رحمتہ اللہ علیہ کو اپنا خلیفہ وجانشین مقرر فرمایا۔ حضرت تاج القراء فنِ تجوید میں یگانۂ روزگار تھے اورآپ نے مدرسہ موید القراء کے ذریعے دینی خدمات کو وسعت دی۔ کثیر تعداد میں مریدین آپ سے وابستہ ہوئے۔ آپ کا وصال 20/ ربیع الثانی1406ھ، مطابق 1/ جنوری1986ء بروز چہار شنبہ ہوا۔آپ نے حضرت مولانا شاہ محمد شجاع الدین فاروقی رحمتہ اللہ علیہ کواپناجانشین مقرر فرمایا۔ جن کا وصال23/ ربیع الاول1432ھ، مطابق 26 /فروری 2011ء بروز ہفتہ ہوا۔

ان تمام سجادگان نے حضرت شاہ رفیع الدین کی قائم کردہ علمی وروحانی روایات اور سماجی وفلاحی خدمات کونہ صرف قائم رکھابلکہ اپنے اپنے وقت میں خانقاہ کی خدمات کے دائرے کووسیع کیا،یوں حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ مسلسل 250 سالوں سے علمی، روحانی اور فلاحی خدمات کو پوری سرگرمی کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہے۔

* * * * *

مراجع ومصادر

1۔ انوار القندھار۔ تصنیف :حضرت مولانا مولوی شاہ رفیع الدین قندھاری۔ 1310 ھ

2۔ تاریخ قندھار دکن ۔ مولف:منشی محمد امیر حمزہ فاروقی۔1903 ھ۔ صفحہ نمبر:225

3۔ مشاہیر قندھار۔مولف :محمد اکبر الدین صدیقی ۔ 1355 ھ۔ صفحہ نمبر:73

4۔ انوار الرفیع۔ مولف :قاری شاہ محمد شجاع الدین فاروقی قادری۔1396 ھ

5۔ عقیدت الطالبین۔ مولف:حضرت شاہ محمد نظام الدین قادری ۔ مرتبہ: خواجہ صفی اللہ قدیری۔ناشر :محمد عبد اللہ بادشاہ خطیب امام مدینہ مسجد رحمت آباد۔ 1442 ھ

خانقاہِ حضرت محدثِ دکن کی علمی وروحانی خدمات

محمد احمد نقشبندی*

زیر نظر مقالہ حضرت محدث دکن اور ان کی خانقاہ کی خدمات پر روشنی ڈالنے کی ایک متواضع کوشش ہے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام حضرت سیدنا خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمہ "طبقات الصوفیاء" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: دوسری صدی ہجری میں حضرت سیدنا سفیان ثوری قدس سرہ کے معاصر حضرت شیخ ابوہاشم علیہ الرحمہ کے لیے ذکر و شغل، تعلیم وتزکیہ کے لیے باقاعدہ طور "خانقاہ" کے نام سے بنیاد رکھی گئی۔ خانقاہی نظام کا سلسلہ برصغیر میں خوب پروان چڑھا، عرب اسے زوایہ کے نام سے جانتے ہیں، ہر سلسلہ طریقت کے بزرگانِ دین نے مخلوق خدا کی فریادرسی کیلیے اپنی خانقاہوں کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے اور یہ سلسلہ صبح قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ انہی سلاسل طریقت میں ایک عظیم سلسلہ، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ ہے۔

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ:

اسی سلسلے کی ایک کڑی حضرت علامہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری محدث دکن ہے، ان کی ولادت باسعادت دس ذوالحجہ 1292ھ 1876ء بروز جمعہ حیدرآباد دکن میں ہوئی، اسی سال حیدرآباد دکن کے مشہور و معروف دینی درسگاہ از ہر ہند جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب چوالیس واسطوں سے امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ سرکار دو عالم ﷺ کے ایماء پر حجاز سے مقدس بیجاپور، ہندوستان تشریف لائے، عادل شاہی دور میں شاہی فرمان کے مطابق تعلقہ نلدرگ، ضلع عثمان آباد مہاراشٹرا میں قیام پذیر رہے، آپ کے والد ماجد حضرت علامہ حافظ سید مظفر حسین نقشبندی (1353ھ) اپنے وقت کے عالم، محدث، فقیہ صوفی رہے۔

یوں تو اس وقت حیدرآباد دکئی اسلامی علوم ومعارف کا مرکز تھا، ہر شہر اور گاؤں میں اولیاء کرام، علماء فقہاء اور شعراء موجود تھے۔ حضرت محدثِ دکن علیہ الرحمہ کا خانوادہ بھی علمی، دینی اور روحانی اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ آپ کے والد ماجد نہ صرف عالم وفاضل تھے بلکہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مسکین شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1314ھ) کے مرید اور خلیفہ تھے، آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت شہزادہ قادری المعروف ہونٹ کٹے شاہ کی صاحبزادی اور عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔

حضرت محدثِ دکن کی تعلیم وتربیت کا آغاز بڑے اہتمام سے ہوا، عالم ربانی محب رسول مقبول حضرت عاقبت شاہ علیہ الرحمہ نے تسمیہ خوانی پڑھائی حیدرآباد کے مشہور فضلاء سے علوم دینیہ کی تحصیل کی، آپ کے چند اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

---

* امیر تحریک صدائے اسلام، حیدرآباد

1۔ شیخ الاسلام، فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ خاں فاروقی، بانی جامعہ نظامیہ، حید آباد دکن

2۔ مولانا منصور علی خاں

3۔ مولانا حبیب الرحمن بیدل سہارنپوری

4۔ مولانا محمد یٰسین

5۔ مولانا حکیم عبد الرحمن سہارنپوری

آخر الذکر بزرگ کے واسطے سے آپ کی سند حدیث شاہ محمد اسحاق دہلوی تک پہنچتی ہے۔ حضرت سید عبد اللہ شاہ علیہ الرحمہ حضرت پیر سید محمد باد شاہ بخاری علیہ الرحمہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور شرف خلافت سے مشرف ہوئے۔ آپ کے پیر و مرشد نقشبندِ دکن حضرت سید شاہ سعد اللہ نقشبندی علیہ الرحمہ رہے، حضور سید عالم ﷺ نے آخر الذکر کو دکن روانہ فرمایا تھا۔ شریعت و طریقت کی منزلیں طے کرنے کے بعد حضرت ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نے تمام زندگی مسجد علی آقا حسینی علم، حیدر آباد میں مخلوقِ خدا کی رہنمائی اور علوم دینیہ کی خدمت میں گزار دی۔

حضرت محدثِ دکن، صحیح معنوں میں یاد گار اسلاف تھے، اتباع سنت میں راسخ قدم تھے، پانچوں وقت کی نماز کی خود امامت فرماتے، نماز فجر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ حلقۂ ذکر قائم کرتے، اس کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے، حزب اعظم کی دعاؤں کا ورد کرتے، نماز اشراق ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لے جاتے، ناشتہ کے بعد ظہر تک خواتین کو تلقین کرتے، بعض خواتین حلقہ ارادت میں داخل ہوتیں، نماز ظہر کے لیے مسجد میں آتے تو رات بارہ بجے کے بعد واپس گھر تشریف لے جاتے، اس دوران عقیدت مند حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے۔ رمضان المبارک میں خاص اہتمام فرماتے، پیرانہ سالی کے باوجود باقاعدہ روزہ رکھتے، تراویح ادا کرتے، نماز تہجد میں ختم قرآن پاک کا اہتمام کرتے اور آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھتے۔ اللہ تعالیٰ نے عبادت و ریاضت کے ذوق کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ عربی، فارسی اور اردو پر یکساں قدرت رکھتے تھے، تحریر اتنی سلیس اور شگفتہ تھی کہ معمولی پڑھا ہوا آدمی بھی ان کے بیان کردہ مطالب کو سمجھ لیتا ہے، آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

1- زجاجۃ المصابیح (عربی) پانچ جلدوں میں ہندوستان اور پاکستان سے چھپ چکی ہے۔ 2- سلوک مجددیہ۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے سلوک پر اہم کتاب ہے۔ 3- یوسف نامہ (گلدستہ طریقت) تفسیر سورۂ یوسف علیہ السلام 4- گلزار اولیاء۔ تذکرۂ اولیاء نقشبندیہ 5- فضائل نماز 6- علاج السالکین 7- کتاب المحبۃ 8- میلاد نامہ 9- معراج نامہ 10- شہادت نامہ 11- مواعظ حسنہ۔ دو جلدیں

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں عطا فرمائیں، بڑے صاحبزادے مولانا ابو البرکات سید خلیل اللہ شاہ نقشبندی قادری علیہ الرحمہ، حضرت کے جانشین تھے 1992ء کے آخر میں وصال فرما گئے، آپ کے جنازہ میں تقریباً دو لاکھ افراد نے شرکت کی، دوسرے صاحبزادے میاں سید احمد صاحب مہاراشٹر ا(انڈیا) میں مقیم ہیں، تیسرے صاحبزادے میاں سید حبیب اللہ قادری رحمہ اللہ تھے، چوتھے صاحبزادے میاں سید شاہ رحمت اللہ قادری ایم۔ اے عثمانیہ، حیدر آباد دکن میں مقیم ہیں۔

شیخ طریقت محدث دکن نے درج ذیل حضرات کو خلافت واجازت سے سر فراز فرمایا:

1۔ مولانا ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ (فرزند اکبر)

2۔ مولانا سید رحمت اللہ شاہ (فرزند اصغر)

3۔ مولانا سید عبد الرؤف رحمہ اللہ (خواہر زادہ اور داماد)

4۔ حضرت سید غلام جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (مدفون اورنگ آباد، احاطہ حضرت شاہ سراج رحمۃ اللہ علیہ)

5۔ حضرت حافظ صدیق حسین رحمہ اللہ تعالیٰ

6۔ حضرت پروفیسر محمد عبد الستار خان نقشبندی علیہ الرحمہ

7۔ جناب عبد الرزاق امام وخطیب مسجد شہامت جنگ، موسیٰ باؤلی حیدر آباد

8۔ جناب صاحبزادہ میر لطف علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ

محدث دکن حضرت علامہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال 18 ربیع الثانی 1384ھ 27/اگست 1964ء بروز جمعرات بوقت اشراق ہوا، آخری آرامگاہ مصری گنج، حیدر آباد دکن نقشبندی چمن میں ہے۔

خانوادۂ محدثِ دکن کی خانقاہی خدمات:

اس عظیم علمی ودینی وروحانی خانقاہ کے اکابرین کرام کی خانقاہی خدمات کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اولاً: علمی، حدیثی وفقہی خدمات۔ ثانیاً: روحانی خدمات۔ ثالثاً: دینی خدمات۔ رابعاً: سماجی وفلاحی خدمات۔ خامساً: عوامی تربیتی خدمات

حضرت محدثِ دکن علیہ الرحمہ:

حضرت محدث دکن کی شخصیت صرف ایک ذات کا نام نہیں بلکہ اپنی ذات میں آپ ایک انجمن تھے اور چلتے پھرتی خانقاہ تھے۔ آپ عوام سے رابطہ اور انکی عملی تربیت کرنے کیلیے ہر وقت ان کیلیے دستیاب رہا کرتے، بزرگانِ دین کیلیے یہ سب سے اہم بات ہوا کرتی ہے۔ جب آپ اپنے مریدین ومتوسلین کیلیے بآسانی دستیاب نہ ہو تو پھر وہ آپ سے دینی وعلمی وروحانی تربیت کب حاصل کرے گا۔ اسی لیے آپ مسجد علی آقا حسینی علم میں پانچوں نمازوں کی امامت فرماتے تھے۔ البتہ کوئی حافظ قرآن جیسے قاری عبد الرحیم صاحب علیہ الرحمہ امام اور صدر مدرس مدرسہ حفاظ مکہ مسجد یا مولوی حافظ محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ آجاتے تو ان کو امامت کا حکم ارشاد فرماتے۔ ہر روز بعد نماز فجر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ذکر خفی کی محفل ہوتی اور اس مبارک محفل میں بکثرت مریدین توجہ کے لیے حاضر رہتے۔ جب محفل اختتام کو پہونچتی تو آپ بآواز بلند "فاتحہ" کے الفاظ ارشاد فرماتے پھر دعا پر یہ توجہ کا مبارک حلقہ برخاست ہوتا اس کے بعد تلاوت قرآن مجید بالجہر بآواز متوسط ہوا کرتی اور تلاوت کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الحزب الاعظم" کا سلسلہ وار ورد ہوتا۔ اس بات کا اہتمام نہ ہوتا کہ اس دعاؤں کی کتاب کا ہر حزب اسی دن ختم ہو بلکہ ہر دعاء میں تکرار ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ ایک غلام اپنے آقائے کریم اور رب العالمین سے اپنی ساری ضرورتوں کے لیے التجا پر التجا کر رہا ہے۔ طلب پر طلب ہے اور مانگ پر مانگ ہے، حضرت محدث دکن قدس سرہ کو جس نے اس حالت

میں دیکھا ہے وہ بتا سکتا ہے کہ نورانی اور روحانی ایسی گھڑیاں ہوا کرتی تھیں جب حضرت اپنی دعاؤں میں مشغول ہوں اور یہ دعائیں بھی بالجہر ہوا کرتی تھیں۔

اسی طرح نماز فجر کے لیے مسجد کے حوض پر وضو فرماتے تو وضوء کے بعد کی جو دعائیں مسنون ہیں ان کو بھی تکرار سے پڑھتے یہ دعائیں آپ مسجد کے جنوبی گوشہ میں جہاں آپ ہمیشہ تشریف رکھا کرتے تھے کھڑے ہو کر جالی کو تھامے ہوئے دیر تک تکرار کے ساتھ پڑھا کرتے یہ بھی عجیب برکتوں کی گھڑیاں اور پر نور ساعتیں ہوا کرتی تھیں۔

حضرت محدث دکن کا مسجد علی آقا حسینی علم میں دن رات میں تقریباً چودہ پندرہ گھنٹے گذارنے کو دیکھکر، ''سر تاج نقشبندیہ'' خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ارشاد یاد آجاتا ہے۔ علیکم بالمساجد (تم مسجدوں کو پکڑ لو)۔ در حقیقت مسجد مسلمان کی زندگی کا عظیم مرکز ہے۔ حضرت قدس سرہ بعد نماز تہجد صبح صادق سے پہلے مسجد تشریف لاتے اور پھر تازہ وضو فرماتے، سخت سردیوں میں بھی حوض کے پانی سے ہی وضوء فرماتے۔ اور وضوء کے بعد جیسے اوپر عرض کیا گیا ہے دیر تک وضوء کے بعد کی دعاء بتکرار فرمایا کرتے پھر فجر کی سنتوں کو ادا فرما کر اقامت پڑھنے پر محراب میں تشریف لا کر فجر کے فرض طویل تلاوت یعنی طوال مفصل کے سورتوں کے مماثل قراءت سے ادا فرماتے، تلاوت کلام پاک کافی بلند آواز سے ہوا کرتی اور ایسے دلچسپ اور دلگیر انداز سے کہ پوری مسجد نورانیت سے بھر جاتی تھی، فرض ادا ہونے کے بعد جنوب کی جانب رخ کر کے بیٹھ جاتے اور سات مرتبہ اللھم اجرنا من النار (الٰہی! ہم کو دوزخ سے بچا) پڑھتے اور اسی دعاء کو مغرب کی نماز فرض کے بعد بھی پڑھتے۔

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی صباحی نشست فجر کی نماز کے بعد تقریباً ڈھائی تین گھنٹہ کی ہوا کرتی تھی۔ اس دوران میں اگر کوئی حاجتمند کسی وظیفہ یا تعویذ کی درخواست کرتا تو آپ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ سائل کی اس درخواست کو منظور فرماتے۔ مسجد علی آقا حسینی علم میں ان صباحی معمولات کے بعد حضرت محدث دکن نواب عبد الباسط خان کے گھر ناشتہ پر تشریف لے جاتے جہاں روزانہ تیس چالیس اصحاب ناشتہ پر رہا کرتے تھے۔ نواب صاحب موصوف باوجود یہ کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے ناشتہ کی دعوت کو مستقلاً قبول فرمالیا تھا مگر ہر روز اپنے خادم کو حضرت کی خدمت میں روانہ کرتے کہ نواب صاحب ناشتہ پر آپ کے منتظر ہیں، حیدرآباد کے رؤساء کا یہ معمول تھا کہ ان کے پاس ہر روز صبح وشام اہل علم اور احباب ناشتہ اور عشائیہ پر جمع ہوا کرتے تھے اور ان حضرات کا دستر خوان بڑا وسیع ہوا کرتا تھا۔ چوں کہ حیدرآباد آصفی سلطنت کا پایہ تخت تھا اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اہل علم اور اہل فضل روزگار کی تلاش میں حیدرآباد منتقل ہو جاتے تو وہ ملازمت اور خدمت کے حصول تک ان رؤسا اور نوابوں کے ہاں مہمان رہتے۔ حضرت محدث دکن ناشتہ کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور تھوڑی دیر آرام فرماتے یہاں تک کہ خواتین کثیر تعداد میں حاضر ہوتیں اور اپنے مسائل عرض کرتیں اور حضرت علیہ الرحمۃ خواتین کے حالات سن کر مشورے دیتے، وظائف بتاتے اور درخواست پر تعویذ بھی عنایت فرماتے یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آجاتا۔

حضرت محدث دکن ظہر، عصر اور عشاء کی نمازیں کچھ تاخیر کے ساتھ مگر مستحب اوقات میں ادا فرماتے۔ ظہر کی نماز کے بعد مرد حضرات سے ملاقات کا وقت مسجد ہی میں ہوتا اور حاضرین میں ہر شخص اپنی حاجت عرض کرتا اور حضرت قدس سرہ اس کو مشورہ دیتے یا وظیفہ بتاتے۔

ذرا آپ غور فرمائیں جب کوئی پیر و مرشد اپنے مریدین کیلیے اس طرح کا نمونہ و اسوہ پیش کر رہا ہے تو پھر مریدین کی تربیت کا عالم کیا ہو گا۔ آپ نے کوئی خاص مقام کو خانقاہ کا نام نہیں دیا بلکہ جب کبھی اور جہاں کہیں موقع ملا چاہے وہ اپنا دولت کدہ ہو یا پھر مسجد یا پھر کوئی اور مقام اپنی دینی وروحانی خدمات کو جاری و ساری رکھا۔

علمی خدمات:

آپ تصنیفی و تالیفی، علمی و قلمی خدمات کا ذخیرہ چھوڑ کر گئے ہیں۔ ان تمام کتب و تالیفات میں زجاجۃ المصابیح و نور المصابیح ایک نمایاں نام ہے۔ یہ کتاب دراصل فقہ حنفی پر ایک انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں آپ نے فقہ حنفی کے احادیثی استدلالات کو جمع فرمایا۔ زجاجۃ المصابیح جب شائع ہو گئی تو آپ نے اردو داں طبقہ کی ضرورت کیلیے اس کے اردو ترجمہ کی طرف توجہ فرمائی اور حضرت مولانا محمد منیر الدین خطیب، شیخ الادب جامعہ نظامیہ اور حضرت مولانا محمد عبد الستار خان نقشبندی، سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ کو اس کی ذمہ داری دی۔ بعد میں یہ کام حضرت مولانا خواجہ شریف، سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ کی نگرانی میں علمائے جامعہ نظامیہ نے مکمل کیا۔

اس کے علاوہ آپ نے سلوک مجددیہ، گلدستہ طریقت، گلزارِ اولیاء، فضائل رمضان، کتاب المحبت، شہادت نامہ و میلاد نامہ وغیرہ کتب کے ذریعہ عوام الناس کی نہ صرف روحانی تربیت فرمائی بلکہ ان کے سلوک کی تکمیل میں آسانیاں فراہم کی۔

درسِ مشکواۃ المصابیح:

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی ایک اہم مشغولیت مشکاۃ المصابیح کا درس ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ درس شروع ہوتا۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کے بعض ارادت مند اور شاگرد اصحاب نے درخواست کی کہ ہم آپ سے عربی زبان سیکھنا اور پھر مشکاۃ شریف کا درس لینا چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ عربی زبان سیکھے بغیر مشکاۃ شریف کا درس کیونکر ہوتا۔ اس لیے پہلے ان حضرات نے حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے صرف ونحو اور عربی زبان وادب کی کتابیں پڑھیں پھر مشکاۃ کا درس شروع ہوا اور الحمدللہ پوری کتاب درساً درساً ختم ہوئی۔ اس درس کے معروف اور پابند اصحاب میں جناب حکیم محمود خان صاحب، ساکن نام پلی، استاذی مولوی غوث الدین صاحب، مددگار مدرس مدرسہ تحتانیہ لال دروازہ، قاری حافظ مولوی عبد الرحیم صاحب، امام استاذ مدرسہ حفاظ مکہ مسجد اور حضرت غلام جیلانی صاحب سر رشتہ دار عدالت تھے، دیگر شاگرد اصحاب کے علاوہ مصلیان مسجد علی آقا حسینی علم اور سامعین بھی ہوا کرتے تھے اور یہ درس عشاء کی نماز کے بعد شروع ہو کر رات کے بارہ بجے تک جاری رہتا۔[1]

خانقاہی نظام کا اصل مقصد بندگانِ خدا کی تعلیم و تربیت ہوا کرتا ہے، اس کی ایک مثال ذرا غور فرمائیں کہ کیسے آپ علیہ الرحمہ مریدین و متوسلین کی تربیت فرمایا کرتے۔ تذکرہ محدثِ دکن ص:272 پر مرقوم ہے کہ "ہمارے حضرت کی عادت تھی کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے، کھانے سے قبل ہاتھ دھو کر نہ پونچھتے۔ اس مبارک سنت کی حکمت ایک دوست نے سمجھائی۔ فرمایا کہ ایک سرجن ہاتھ

---

[1] (تذکرۂ حضرت محدثِ دکن:ص:165)

دھو کر سیدھے آپریشن تھیٹر میں تشریف لے گئے جب ان سے پوچھا کہ ہاتھ دھو کر کیوں نہ پونچھتے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہر چیز پر جراثیم موجود رہتے ہیں تولیے پر بھی جراثیم موجود رہتے ہیں، اگر پونچھ لیتا تو بالکل ممکن تھا کہ جراثیم منتقل ہو کر میرے ہاتھ پر آتے اور پھر مریض کے جسم میں منتقل ہو جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ فائدہ میں وہی رہے جنہوں نے سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنتوں پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا، جنہوں نے آنکھیں کھولیں اور عقل کو کام میں لگایا نقصان میں رہے۔ جو بات عقل والوں کو چودہ سو برس بعد سمجھ میں آئی وہی بات دل کو اس وقت سمجھ میں آگئی تھی۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کیسی دل لگتی بات کہہ دی کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 'انسانی کوششوں کو بہت ہی مختصر کر دیا'' یعنی جو بات صدیوں میں سمجھ میں آسکتی تھی، منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں سمجھادی۔ اسی لیے ہمارے بزرگ کہتے ہیں شرعی معاملات میں عقل کو کام میں نہ لاؤ، دل کو کام میں لاؤ اور دیوانہ وار کام کرو۔''

شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

آپ دریا دل، سخاوت کے علمبردار تھے، کوئی مانگنے والا آتا تو اس کو لوٹایا نہیں کرتے، طلبۂ دین و دنیا کی ضرورتوں کو پورا فرمایا کرتے، کئی طلبہ کے مدارس و اسکولس کی فیس بذاتِ خود ادا فرماتے اور کئی طلبہ کے امتحانات کی فیس عطا فرمایا کرتے۔

اولیاء اللہ کی خانقاہوں کے دروازے ہر کسی کیلیے کھلا رکھتے تھے۔ حضرت محدثِ دکن کے دربار کا بھی یہی حال تھا، حالانکہ آپ ظاہری طور پر کوئی امیر و کبیر نہیں تھے، نہ آپ نے کوئی ظاہر کسبِ معاش کا ذریعہ اختیار فرمایا تھا مگر آپ کا دستر خوان ہر کسی کیلیے وسیع رہا کرتا، دن رات مہمان آتے اور جاتے رہتے تھے کبھی کسی کو بغیر کھانا کھلائے واپس جانے نہیں دیا۔ آپ کی اپنی خوراک نہایت سادہ اور مختصر ہوتی تھی مگر مہمانوں کے لیے لذیذ کھانے تیار کرواتے جاتے اور ان کی خوب ضیافت فرمایا کرتے۔ حضرت کے وطن مالوف نلدرگ (عثمان آباد، مہاراشٹرا) سے عزیز و قریب، چھوٹے بڑے جو بھی آتے وہ ہمارے حضرت ہی کے مہمان رہتے، دنوں بلکہ مہینوں رہتے، نہ تو ہمارے حضرت پر اور نہ حضرت کے اہل بیت پر کسی قسم کا بوجھ ہوتا کہ یہ اتنے زیادہ عرصہ سے یہاں فروکش ہیں۔

خواتین اکثر و بیشتر علم سے دور اور اکھڑ کرتی تھیں مگر حضرت قدس سرہ کے فیض اور توجہ سے سینکڑوں، ہزاروں عورتیں بے حد نیک اور پارسا بن گئیں آپ عورتوں کو نماز روزہ کے مسائل بتاتے، اذکار اور وظائف بھی سکھاتے، عورتوں کے خاص مسائل سے ان کو واقف کرتے، خانگی ذمہ داریاں، خاوند کے حقوق اور خاندان میں صلہ رحمی کے احکام تفصیل سے ان کو بتاتے اور ان پر کاربند رہنے کی سخت تاکید کرتے، پردے کا حکم تاکیدی طور پر دیتے اگر کوئی عورت حکم شرعی کے مطابق لباس پہنے ہوئے نہ ہوتی تو اسے آپ متنبہ فرماتے، اور اولاد کی صحیح تربیت کی انہیں تلقین فرمایا کرتے۔

حضرت مولانا ابو البرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی و قادری علیہ الرحمہ (المتوفی: 1413ھ 1992م)

آپ حضرت محدثِ دکن علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر و جانشین اعظم رہے، آپ علوم اسلامیہ از ہر ہند جامعہ نظامیہ سے اور علوم شرقیہ پنجاب یونیورسٹی سے حاصل فرمائے تھے، حضرت محدّث دکن نے اپنے چاروں صاحبزادوں کو دینی اور دنیوی علوم کی تحصیل کے بعد کسبِ حلال کے لیے ملازمت سرکاری میں مشغول فرمایا چنانچہ حضرت ابو البرکات اپنے والدِ ماجد کے وصال تک سلسلہء ملازمت سے وابستہ رہے۔ البتہ

حضرت کی 1964ء میں جب وفات ہوئی تو ارشاد و ہدایتِ خلق کی ذمہ داریوں سے عہدہ بر آہونا تھا اس لیے (52) سال کی عمر میں رخصتِ مستحقہ کے بعد وظیفہ حسن خدمت حاصل فرمایا اور (28) سال یعنی اپنی عمر کا بقیہ حصہ نشینِ حضرت محدّث دکن کی حیثیت سے گذار دیا۔ حضرت کی مسجد میں جو نظم اور اہتمام، نماز پنجگانہ کی امامت وغیرہ معمولات جاری تھے باحسن الوجوہ انجام دیئے۔ حضرت بڑے متواضع اور حلیم الطبع بزرگ تھے ہر ایک سے شفقت اور نرمی سے پیش آتے۔ طبیعت میں بڑی سادگی تھی جس کا اظہار لباس اور غذاء وغیرہ میں ہوتا تھا۔ آپ نہایت سادہ کھانا تناول فرماتے تھے اور یوں بھی جو سامنے لایا جاتا بے تامل تناول فرماتے۔ آپ کبھی غصہ نہیں فرماتے۔ آپ الحمدللہ مجذوب سالک تھے لیکن جذب غالب رہا کرتا تھا جس کی وجہ سے چہرۂ مبارک پر دبدبہ اور متانت ہوا کرتی تھی۔ ''رفتار میں کردار میں اللہ کی برہان'' کے مجسم پیکر تھے۔ زہد اور قناعت تو آپ کی خمیر میں تھے۔

خانقاہیں خدمات:

حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ کی مانند حضرت ابوالبرکات نے بھی اپنی تمام تر زندگی بندگانِ خدا کی ظاہری و باطنی ضرورتوں کو پورا کرنے میں صَرف کی، آپ بڑے سخی اور جواد تھے۔ پریشان حال اصحاب کی خاص طور پر خبر گیری فرماتے تھے اور نقد و جنس کی تمام ضرورتیں ان کے لیے فراہم کرتے تھے اور اس طرح سے کہ عام طور پر دوسروں کو خبر بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ ہر ضرورتمند کو ضروری اذکار مناسب وظائف اور تعویذات وغیرہ سے ان کی مدد فرماتے۔ حضرت ابوالبرکات طبعی فیاض اور سیر چشمی کے ساتھ حزم واحتیاط، معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی صفات عالیہ سے آراستہ تھے، لوگ اپنی مشکلات اور معاملات میں مشورہ اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے آپ بڑی بردباری اور دانشمندی سے ان اصحاب کو اپنے مشوروں سے سرفراز فرماتے اور ان کی اعانت فرماتے۔

آپ کی ان مبارک صفاتِ عالیہ و اخلاق کریمانہ کے باعث عوام الناس کی ایک کثیر تعداد آپ کے اطراف جمع ہونے لگ جاتی، جس محفل میں آپ تشریف لیجاتے مرکزِ عقیدت و روحانیت آپ کی ذاتِ قدسی صفات ہوا کرتی، ہزارہا بندگانِ خدا آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرکے اپنے خالقِ حقیقی سے جڑ گئے اور انہیں اپنے علوم وفیوض وبرکات اسرارِ باطنی سے ایسے سیراب کرتے کہ وہ خود اپنے وقت کے ولی کامل بن جایا کرتے۔

حلقۂ ذکر:

جس حلقۂ ذکر کو حضرت محدثِ دکن نے جاری فرمایا تھا، آپ نے بھی اپنی آخری عمر تک اس کو جاری رکھا، ہر اتوار بعد نمازِ ظہر حلقہ کا آغاز ہوتا، اس حلقہ کی نورانی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھا کرتی، اس میں شریک ہونے کیلیے لوگ دور دراز علاقوں سے جوق در جوق شرکت کیا کرتے اور فیضاب ہوتے۔ ذکر کے وقت خاموشی کا ایسا سماں ہوتا کہ لوگ بالکل ساکت ذکرِ قلبی میں ایسے محو رہتے کہ اگر کوئی پرندہ بھی آکر سر پر بیٹھ جائے تو خبر نہ ہو۔ آپ بندگانِ خدا کے دلوں کے میل کو دور فرماتے اور توجہ سے انہیں واصل الی اللہ کیا کرتے۔

آپ کی بندگانِ خدا کیلیے رحم دلی و خدا ترسی غور فرمائیں۔ کتاب تذکرۂ ابوالبرکات ص: 11-12 پر مذکور ہے کہ ایک مرتبہ نمازِ ظہر کے بعد حلقہ ذکر شروع ہونے والا ہی تھا کہ ایک جنازہ آگیا۔ مریدین نے کہا کہ حلقہ کے بعد نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔ جب آپ کو میت کے لانے کا

علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میت کو کیوں روکتے ہو ہم کچھ دیر بعد بھی حلقہ کا آغاز کر سکتے ہیں۔ پہلے کثیر جماعت کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا فرمائے اور بہت دیر تک دعائے مغفرت فرمائی اور میت کو لے جانے کا حکم دیا۔ حالانکہ یہ جنازہ کسی مرید و معتقد کا نہیں تھا بلکہ ایک عام مومن کا جنازہ تھا، آپ نے یہ واضح کیا کہ نفل عبادتوں میں تقدیم و تاخیر ممکن ہے مگر خدمتِ خلق خدا کی کوئی قضا نہیں ہو سکتی۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بتسبیح و سجادہ و دَلق نیست

ایک اور واقعہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ آپ کو مخلوقِ خدا سے کس قدر رافت و الفت تھی کہ ایک مرتبہ اتوار کے دن حلقۂ ذکر شروع ہونے سے مسجد کے سیڑھیوں پر مانگنے والیاں بیٹھی ہوئی تھیں ان میں دو عورتیں لڑ رہی تھیں۔ ایک صاحب نے زور دار آواز میں کہا تم لوگ ہمیشہ لڑتے رہتے ہو، یہاں سے چلی جاؤ۔ پھر کبھی یہاں پر نہیں آنا۔ یہ آواز سن کر حضرت صحن مسجد میں تشریف لائے اور یافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ تو کسی نے کہا یہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ وہ صاحب جو مانگنے والیوں کو وہاں سے بڑھا رہے تھے حضرت ابو البرکات ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ان بیچاریوں کو کیوں بڑھا رہے ہو، یہ بھی کچھ آس لگا کر آئے ہیں بلکہ ان سے کہو کہ آپس میں مت لڑو، یہ دھوپ میں بیٹھی ہیں ان سے کہو کہ دھوپ سے ہٹ کر چھاؤں میں خاموش بیٹھی رہو یہ سن کر وہ لوگ دھوپ سے ہٹ کر مسجد کے بازو چھاؤں میں خاموش بیٹھ گئی اور حضرت کو دعائیں دینے لگی۔ آپ کے اس خاکدانِ عالم سے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے جانشین حضرت العلامہ ابو الخیرات سید انوار اللہ شاہ نقشبندی علیہ الرحمہ نے اپنے اسلاف کی نہ صرف ان خانقاہی خدمات کو جاری و ساری رکھا بلکہ اس میں چار چاند لگا دیئے۔ ''نقشبندی چمن'' جہاں حضرت محدّث دکن، حضرت کے متعلقین، معتقدین اور برادرانِ طریقت آرام فرما ہیں اس کو حقیقی معنوں میں نقشبندی چمن بنایا۔ الحمد للہ حضرت محدث دکن قدس سرہ اور مولانا ابو البرکات علیہ الرحمہ کی جانشینی کے فرائض بخوبی انجام دئے۔ آپ نے نقشبندی چمن جو اب تک علمی، دینی، فقہی، حدیثی، روحانی کا مرکز و محور رہا اس میں آپ نے عصری و دنیاوی علوم کو بھی شامل فرمایا۔ آپ نے جب یہ دیکھا کہ ملتِ اسلامیہ کا تنزل و انحطاط کی بڑی وجہ تعلیم سے دوری ہے تو آپ نے احاطہ نقشبندی چمن میں ایک ماڈل اسکول Model School بنام محدثِ دکن ہائی اسکول قائم فرمایا۔ جو آج تک اپنا علمی فیضان جاری و ساری رکھا ہوا، یہ اسکول سے کئی غریب و نادار طلبہ نے تعلیمی میدان میں اپنا لوہا منوایا ہے جس میں طلبہ کیلیے کتابیں، ڈریس اور غریب و مستحق طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے ''دائرۃ المعارف الحسنات'' کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا جس کے تحت آپ نے حضرت محدثِ دکن کی تصانیف و تالیف کی اشاعت عمل میں لائی، زجاجۃ المصابیح جس کا ترجمہ بنام نور المصابیح کی 8 جلدیں شائع ہو چکی تھیں اور یہ کام رک گیا تھا اس کی 9 ویں جلد سے آخری جلد کا کام مکمل فرمایا۔ اور قدیم کتب کو دوبارہ ٹائپ کروا کر شائع کروایا۔

آپ ایک نباضِ وقت تھے، جب آپ نے یہ مشاہدہ کیا کہ ہماری خواتین اپنے شوہر کے ظلم و ستم و طلاق کے بعد مالی مشکلات کا سامنا کر رہی ہیں اور غیروں کے ہاں کام کرنے پر مجبور ہیں تو آپ نے ایک روزگار اسکیم کے تحت ان خواتین کو ٹیلرنگ اور سیونگ اور ایمبراڈری کی تربیت کا آغاز فرمایا جس کیلیے آپ نے اپنے ذاتی صرفہ سے ایک ٹرسٹ بنام ''محدثِ دکن چیریٹبل اینڈ ریلیجیس ٹرسٹ'' -Muhaddis

e-Deccan Charitable & Religious Trust کو قائم فرمایا جس کے تحت "آمنہ بیگم زک زاک سنٹر" قائم فرمایا، اس کی تربیت مکمل ہونے کے بعد انہیں روز گار کے مواقع فراہم کیے جاتے رہے۔ آپ نے اپنی ادارت میں ایک ماہ نامہ بنام "ضیاء الخلیل" کچھ عرصہ تک جاری رہا، کچھ عرصہ بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔[1]

شہر حیدرآباد ایک بڑے عرصہ تک ہندو مسلم فسادات کی نذر رہا، جس میں مسلمانوں کی معیشت اور ان کی دکانوں کو جان بوجھ کر نشانہ بنایا گیا، حضرت ابوالخیرات نے مسلم متحدہ محاذ کے بیانر تلے فساد کے متاثرین کی مالی امداد کا بیڑا اٹھایا، اس متحدہ محاذ کے زیر اہتمام کئی سماجی، رفاہی و علمی کارنامے کے علاوہ مسلمانوں کی موثر رہنمائی و نمائندگی انجام دیئے۔

اس کے علاوہ شعبۂ صحت میں مخلوقِ خدا کی خدمت کے جذبہ سے آپ نے ایک پولی کلینک اپنی والدہ محترمہ کے نام "آمنہ بیگم کلینک و ہاسپٹل" قائم فرمایا، جس کے ذریعہ وقتاً فوقتاً فری میڈیکل کیمپس کا انعقاد عمل میں لایا جاتا۔

حضرت ابوالخیرات سید انوار اللہ شاہ نقشبندی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد حضرت ابوالخیر سید شاہ رحمت اللہ شاہ نقشبندی علیہ الرحمہ نے مسندِ جانشینی پر متمکن ہوئے اور آپ نے حضرات خواجگانِ نقشبندی چمن کے نقوشِ روشن پر گامزن رہے، حضرت قدس سرہ نے آپ کو بھی اجازت اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اذکار اور اوراد کے پابند رہے اور صاحب ذوق اصحاب کی ایک کثیر تعداد الحمدللہ بیعت سے مشرف ہوئے۔ ہر اتوار حلقہ ذکر و توجہ و فکر میں پابندی سے شرکت فرمایا کرتے اور آپ کے وعظ میں وہی سوز و گداز رہا کرتا جو حضرت محدثِ دکن قدس سرہ العزیز کے کلام اور بیان میں ہوا کرتا، خود بھی روتے اور حاضرین کو بھی یادِ مولیٰ میں رلایا کرتے۔

حضرت سیدنا محدثِ دکن قدس سرہ اور آپ کے خانوادہ کی دینی و خانقاہی خدمات کا خلاصہ اگر کوئی جمع کرنا چاہے تو وہ مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہو گی۔(1) استحکام شریعت (2) کامل اتباع سنت (3) اجتناب بدعات (4) قربت الٰھی و عشق رسول ﷺ (5) تزکیہ نفس (6) تہذیب نفس (7) اضمحلال نفس (8) ازالہ خصائل رذیلہ (9) نجاست معنوی (10) تصفیہ قلب (11) توجہ الی اللہ (13) ذکر و اشغال (13) ریاضت و مجاہدات (14) مراقبہ (15) حصول مقامات عشرہ (16) فناء وبقاء (17) حضور جمعیت (18) معیت ذات الٰھی (19) تعلیم وحدت الشھود (20) عین الیقین و حق الیقین (21) مرتبہ لاتعین و حصول کمالات نبوت وغیرہ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نقشبندی چمن اور اس کے بزرگانانِ دین نے انسانوں کو انسانوں سے جوڑنے اور دلوں سے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کا آغاز جو سیدی محدثِ دکن قدس سرہ العزیز نے آغاز فرمایا ہے اسی بنیادوں آج بھی اسی سمت سفر جاری و ساری ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔ والحمد للہ رب العالمین

*****

---

[1] گلزارِ نقشبند، حصہ دوم: ص:130

مراجع ومصادر

1۔ تذکرہ حضرت محدثِ دکن، حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد الستار خان نقشبندی، ابو الفداء اسلامک ریسرچ سنٹر، حیدر آباد، 2017ء۔

2۔ مرقعِ حسنات، سید عبد الرؤف مسافر نقشبندی، ناشر و تاریخ اشاعت: غیر موجود

3۔ گلزارِ نقشبندِ دکن، حصہ اول و حصہ دوم، سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی، دائرۃ المعارف النقشبندیہ المجددیہ، 2010ء۔

4۔ قصرِ عارفاں تذکرہء اولیائے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ و قادریہ، سید شاہ حسین شہید اللہ بشیر بخاری نقشبندی، ابو الفداء اسلامک ریسرچ سنٹر، شکر گنج، حیدر آباد، 2016۔

5۔ تذکرۂ مبارک۔ حضرت ابو البرکات سید خلیل اللہ شاہ علیہ الرحمہ، محمد علی خان مجددی القادری نقشبندی، گوند کی باولی، گھانسی بازار، حیدر آباد، 1414ھ۔

6۔ تجلیاتِ ابو البرکات قدس سرہ۔ عرفان اللہ شاہ نوری، اللجنۃ النوریہ، مسجد حسنین، حسن نگر، حیدر آباد۔ 2000ء

خانقاہ عالیہ رضویہ حیدرآباد : علمی و سماجی خدمات کے تناظر میں

سید شاہ لیاقت حسین رضوی المدنی*

قلزم کائنات میں جب انسانی حیات کی کشتی مد و جزر خیر و شر سے دوچار ہو جاتی ہے تو اسے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جو اسے اس بھنور سے نکال کر ساحل زیست پر پہنچائے اور اسے فرش و عرش دونوں مقامات پر کامیاب و کامران بنائے۔ صفائی قلب، صفائی قالب، صفائی علم، صفائی عمل، صفائی افکار اور صفائی اقدار سے ہمکنار، گہرے تجربات، بہتر طرز عمل اور اعلیٰ روایات کی جانب راغب کرے۔ تصوف، انسانی اقدار اور معاشرتی اصلاح کا تصرفاتی عمل ہے۔ دین نجات یعنی اسلام میں انسانی اقدار کی پاسداری کو امن، خوشحالی اور سماجی توازن کا ضامن قرار دیا گیا ہے۔ انسانی اقدار میں امن، صداقت، عدل و انصاف، مساوات اور بردباری شامل ہے۔

مشرق، مغرب، شمال اور جنوب کے ارضیاتی اور فاصلاتی بعد سے ہٹ کر ہر علاقہ کے صاف دل و صاف گو صوفیہ نے اپنی مثالی زندگی کے ذریعہ مذہب، سماج اور قانون کے پسندیدہ طرز حیات کے وہ نقوش چھوڑے ہیں جس نے زندگی پر پڑے پردوں کو ہٹایا اور انسانی موجودگی کی حقیقی تصویر کو اُجاگر کیا۔ جس کے نتیجہ میں بلا تخصیص ملک یمن، کوہکن یا ارض دکن ہر جگہ اپنے دیرپا دوررس اثرات کا ظہور ہوا۔

چنانچہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ لاہوری (1877ء-1938ء) نے 1910ء اور 1929ء جب حیدرآباد دکن میں قدم رکھا تو وہ بھی اس ''بوستان غیرت فردوس'' سے متاثر ہوئے بغیر نہ سکے اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔

کیا کہوں اس بوستانِ غیرت فردوس کی
جس کے پھولوں میں ہوا اے ہم نوا میرا گزار
جس کے ذرّے مہر عالم تاب کو سامان نور
جس کے طور افروزیوں پر دیدۂ موسیٰ نثار
خطۂ جنت فضا جس کی ہے دامن گیر دل
عظمت دیرینہ ہندوستاں کی یادگار
نور کے ذرّوں سے قدرت نے بنائی یہ زمین
آئینہ بن کے دکن کی خاک اگر پائے فشار[1]

---

* سجادہ نشین ہشتم و متولی، خانقاہ رضویہ، درگاہ عالیہ حضرت امر اللہ شاہؒ، حیدرآباد دکن

[1] حیدرآباد ماضی کے جھروکوں میں، صفحہ 424-423، مولف، خواجہ معین الدین عزمی، عائش پرنٹس، حیدرآباد۔ 2005ء

حیدرآباد دکن جسے بھاگیہ نگر بھی کہا گیا ہے اس کے ''بھاگیہ'' جن قدموں سے جاگے وہ ''قدم درویش رَدِّبلا'' کے مصداق تھے۔ انہی درویشان خیر اندیش میں حضرت سید شاہ رضا علی رضوی المدنیبھی تھے جنہیں صاحب ''مشکوٰۃ النبوۃ'' نے ''قدوۃ الھدیٰ صاحب صدق وصفا'' جیسے عالی قدر القاب سے یاد کیا ہے۔ ''خانقاہِ رضویہ'' اس مقام پر ہے جہاں اس صوفی باصفا نے اپنے شیخ و مخدوم و مطاع حضرت شاہ اسرار اللہ اکبرآبادی کی ہدایت پر اپنی سکونت گاہ اور آخری آرام گاہ کے طور پر منتخب کیا۔ یہی مقام آج تک ''خانقاہ رضویہ'' سے موسوم اور لاکھوں بندگان خدا کا بلا لحاظ مذہب و ملت، ذات پات زخمی دلوں کا مرہم ثابت ہوا۔ ''تاریخ دکن'' کے مصنف کے مطابق حضرت سید شاہ رضاؒ:

> ''سادات رضوی (منسوب بہ خانوادہ سیدنا امام رضا علیہ السلام) میں ہیں۔ میر بندہ علی خاں منصب دار شاہی نواب ثابت خاں مرحوم مغفور جاگیر دار جالیسر کے فرزند تھے۔ جالیسر ضلع کول (علی گڑھ) کے جنوب میں بیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اب یہ ضلع متھرا میں شامل ہوگیا ہے۔ جب بندہ علی خاں نواب صاحب مرحوم کے ساتھ قلعہ کی لڑائی میں شہید ہوگئے تو آپ (شاہ رضاؒ) نے دنیا سے مستغنی ہوکر فقیری قبول کرلی اور دنیا کی سیر کے لئے چل کھڑے ہوئے''۔[2]

حضرت سید شاہ رضا علی رضوی کی ولادت شاہجہاں دارالحکومت دہلی میں ہوئی۔ والد بزرگوار کی شہادت کے بعد مختلف مقامات پر جن میں تبت، تاتار، کابل، قندہار وغیرہ شامل ہیں ریاضت و مجاہدات کے بعد دہلی واپس ہونے کا تذکرہ بھی ملتا ہے اس کے بعد حضرت شاہ رضا تین دن بارگاہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں معتکف رہے۔ یہیں پر صوفی زمن حضرت شاہ اسرار اللہسے شرف نیاز حاصل ہوا، بشارت پائی اور بیعت و خلافت کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔[3]

دہلی میں بیعت و خلافت سے سرفرازی کے بعد اپنے مخدوم و مطاع کے ہمراہ حضرت سید شاہ رضا علی رضویریاست گجرات تشریف لے گئے وہاں ایک راہب سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس بات کا تذکرہ ''محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن'' حصہ اول۔ جلد سوم کے مصنف عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری ثم حیدرآبادی نے بھی 358 تا 363 تفصیل سے درج کیا ہے۔

> ''مشکوٰۃ النبوۃ'' کے مصنف حضرت غلام علی قادری الموسوی نے صفحہ 70 تا 74 پر تذکرہ حضرت شاہ رضا کے ضمن میں لکھا ہے کہ شاہ اسرار اللہ اور شاہ نجم الدین مبارک دونوں یک جا تھے اور شاہ رضا ان کی خدمت میں تھے۔ اتفاقاً یہ دونوں سیر کناں گجرات کی جانب گئے''[4]

---

2 تاریخ دکن، صفحہ 265، از، نصر اللہ خاں خیشگی، اردو ترجمہ، مولانا محمد عقیل فاروقی جونپوری، حسب فرمائش، محمد امداداللہ خاں زبیری پی اے علیگ، 10 مارچ 1948ء مخطوطہ، مخزونہ خانقاہ سید شاہ نورالدین قمیصی، نام پلی حیدرآباد۔ تلنگانہ

3 تذکرہ حضرت شاہ رضا و جانشینان حضرت معز، صفحہ 10، مولف شاہ محمد فصیح الدین نظامی، اوایس پرنٹرس، حیدرآباد، 2005ء

4 بحوالہ، تاریخ آستانہ عالیہ رضویہ حیدرآباد، موئلف، شاہ محمد فصیح الدین نظامی، صفحہ 215، قلمی، مخزونہ خانقاہِ رضویہ، مغل پورہ حیدرآباد 2023ء

اور "تاریخ گلزار آصفیہ" مولفہ، غلام حسین خاں کے صفحہ 363 تا365 پر فارسی زبان میں لکھا ہے:

"پس شاہ اسرار اللہ شاہ مبارک نجم الدین ایشاں رابطرف گجرات پروندو باز در دکن تشریف آوردند"۔[5]

حضرت شاہ رضا علی رضوی نے فقراء اور غرباء کو اپنی صوفیانہ زندگی میں اپنے حسن سلوک سے جگہ دی۔ آپ سماج کے نظرانداز کردہ افراد سے دلی محبت اور خیر خواہی کا معاملہ فرماتے تھے۔ چنانچہ:

"ایک روز رکن الدولہ مدارالمہام (دکن) آپ کے گھر حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ بہت سے چوبدار خدمت گار بھی تھے۔ خدمت گاروں نے غریبوں کی آمد پر پابندی لگادی جب حضرت کو اطلاع ملی تو آپ رونے لگے اور غصہ سے فرمایا۔ اے امیر میرے محبوب کو تیرے آنے سے تکلیف ہوگی، اگر آئندہ آنا ہے تو عوام الناس کی طرح آورنہ فقیر کے پاس بالکل نہ آنا"[6]

حضرت شاہ رضا نے سماع کو دین حق کی تبلیغ اور رواداری و یکجہتی کا ذریعہ بنایا۔1308 ہجری میں شائع شدہ فارسی کتاب "محامد حمادیہ" میں اس مجلس سماع میں اولیائے عصر کی شرکت کے اشارے ملتے ہیں۔

"اکثر تشریف فرمائی حضرت علیہ الرحمہ والرضوان (شاہ حماد ثانی) مجلس سماع بمکان شاہ رضا صاحب والدامر اللہ شاہ میگردید"۔[7]

حضرت سید شاہ رضا علی رضوی 20 سال رشد و ہدایت اور سماجی و روحانی خدمات کی مسند پر متمکن رہے۔ 27 ربیع الثانی 1184 ہجری آپ نے وصال فرمایا۔ دکن کے ممتاز شاعر شاہ محمد معزالدین ملتانی القادری معزؔ نے قطعہ تاریخ وصال کہا ہے۔

نور مدنی سر کشائے کبریا

1184ھ

اہل خلد و قبلہ اہل صفا[8]

1184ھ

[5] "تاریخ گلزار آصفیہ" مولفہ، غلام حسین خاں کے صفحہ 363 تا365، مطبوعہ، مطبع محمدی، مدراس 1308 ہجری

[6] شب خانہ رضویہ، صفحہ آٹھ 8، حسب فرمائش حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی، بحوالہ، تاریخ عالیہ رضویہ، صفحہ 275، مولف شاہ محمد فصیح الدین نظامی مخزونہ خانقاہ رضویہ، مغل پورہ، حیدرآباد 2023ء

[7] محامد حمّادیہ، صفحہ 407-406، مؤلف، محمد برہان الدین خان بہادر، اُردو ترجمہ کا خلاصہ، 1308 ہجری، مطبع بشیر دکن، حیدرآباد

[8] تاریخ آستانہ عالیہ رضوی، صفحہ 288، مولفہ، شاہ محمد فصیح الدین نظامی، مخزونہ خانقاہ رضویہ، مغل پورہ حیدرآباد۔2023ء

نواب وقارالدولہ نے آپ کے مزار شریف پر گنبد تعمیر کرایا تھا۔1414 ہجری خانقاہ رضویہ کے ساتویں سجادہ نشین و متولی حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی کے عہد میں جدید گنبد کی تعمیر کی تکمیل ہوئی۔ جدید گنبد کی تاریخ تعمیر مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی اعظمؒ نے کہی:

حبذا قدسی مکاں ہے دیدہ زیب و دلکشا

1414ھ

گنبد سید رضا کیا شایاں بن گیا

1993ء

خانقاہ عالیہ رضویہ کے دروازے بلالحاظ مذہب و ملت سب کے لیے ایسے ہی کھلے ہیں جیسے حضرت سید شاہ رضا علی رضوی کے عہد میں کشادہ رہتے تھے۔ آپ کے بعد عہد بہ عہد آپ کے جانشینوں میں جو اکثر و بیشتر آپ کے خانوادہ سے ہی ہوئے ہیں اس سلسلہ خدمات کو جاری رکھا ہے چنانچہ آپ کے جانشین اوّل و فرزند اکبر حضرت سیدنا امر اللہ شاہ اوّل نے اپنے والد ماجد کے وصال 24 جمادی الثانی 1184 ہجری کے بعد 1206 ہجری تک مسند رشد و ہدایت پر فائز رہتے ہوئے سماجی و علمی خدمات کو نئی طاقت اور توانائی عطا کی۔ تالیف کتب کے مواقع نہ آسکے البتہ "تالیف قلوب" کا کام پوری توجہ اور انہماک سے انجام دیتے ہوئے 1209 ہجری واصل الی اللہ ہوئے۔

حضرت سید شاہ اسرار اللہ شاہ رضوی المدنینبیرہ حضرت شاہ رضا سجادہ نشین دوم کی حیثیت سے خانقاہ رضویہ کی روحانی و سماجی روایات کے وارث و امین ہوئے۔

"شب خانہ رضوی" کے صفحہ 17 کے بموجب آپ کے وصال کے بعد حضرت سید شاہ غلام پنجتن رضوی المدنی" معاشرتی و سماجی سطح پر پیش آنے والے مسائل کے حل میں بندگان خدا کی رہنمائی اور حاجت روائی فرماتے رہے۔ آپ کا تعلق بھی "تصنیف الرجال" سے رہا۔

سجادہ نشین سوم کے داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کے بعد خانوادہ رضویہ مدنیہ کے ہی ایک قابل و لائق شخصیت حضرت سید شاہ غلام ابوتراب رضوی المدنی المخاطب بہ "معتضد جنگ" سجادہ نشین چہارم منتخب ہو کر مسند آرائے خانقاہ رضویہ ہوئے۔ "آپ کی ولادت 1257 ہجری ہوئی۔ بعد فراغ درس و تدریس 1301 ہجری تعلقہ دار ضلع کی خدمت سے سلطنت آصفیہ میں سرفراز ہوئے۔1310 ہجری میں جوائنٹ سکریٹری سرکار آصفیہ ہوئے۔ آپ فارسی، عربی، ہندی اور تلگو زبانوں سے واقف ایک تجربہ کار شخصیت کے حامل تھے۔ سرکار آصفیہ سے آپ کو خطابات "خانی و بہادری" ، "معتضد جنگ" منصب دو ہزاری و یک ہزار سوار و علم عطا ہوا۔ آپ کے دو صاحبزادے سید ولایت حسین، سید صفدر حسین ہر دو انگریزی و فارسی میں لائق و ہوشیار ہیں۔ مؤلف کو آپ کی خدمت میں ایک عرصہ دراز سے نیاز حاصل ہے۔" 1323 ہجری راہیٔ ملک بقا ہوئے۔[9]

---

9 تزک محبوبیہ، صفحہ 391، دفتر اوّل، ردیف میم، مؤلف غلام صمدانی خاں گوہر حیدرآبادی 1309 ہجری، حیدرآباد

حضرت سید شاہ ولایت حسین رضوی المدنیسجادہ نشین پنجم کی حیثیت سے منتخب اور نامزد ہو چکے تھے۔ آپ آصف سابع نواب میر عثمان علی خاں کی افواج باقاعدہ میں بر گیڈیر تھے۔ حکمران وقت نے آپ کو "ولایت جنگ" کا خطاب بھی دیا تھا۔ 1370 ہجری آپ کا وصال ہوا۔[10]
حضرت سید شاہ تجمل حسین رضوی المدنی منجھلے صاحبزادہ حضرت سید شاہ ولایت جنگ، سجادہ نشین ششم مقرر ہوئے۔ آپ کی ولادت 1321 ہجری مطابق 1911ء میں ہوئی۔ آپ کو علامہ سید ابراہیم ادیب رضویصدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی سے تلمذ رہا۔ آپ فوج عثمانی کے کیپٹن ہوئے۔ 1967ء میں سبکدوش ہوئے۔ خانقاہ رضویہ میں علمی ادبی اجلاس آپ منعقد کرواتے تھے اور مشاعروں کی طرح بھی آپ نے ڈالی۔ 1985ء میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی فرزند اکبر سجادہ نشین ہفتم منتخب ہوئے۔ جس طرح حیدرآباد دکن کے ساتویں سلطان میر عثمان علی خان نے اپنی غیر معمولی خدمات سے حیدرآباد دکن کو بام عروج پر پہنچایا حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوینے بھی اپنے عہد سجادگی میں اس تاریخی کردار کا مظاہرہ فرمایا۔
آپ عثمانیہ یونیورسٹی کے سائنس گریجویٹ، دینی مذہبی سے آراستہ اور تصنیف و تالیف و شعر و سخن سے بے حد دلچسپی اور شغف رکھتے تھے۔ آپ نے خانقاہ رضویہ کی علمی و ادبی خدمات کو بے پناہ فروغ دیا اور خانقاہ رضویہ کی جدید صورت گری میں اہم کردار ادا کیا۔
حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنیکی ولادت 1943 عیسوی میں ہوئی۔ 1968ء میں اپنے والد ماجد سے بیعت و خلافت پائی۔ 1985ء میں والد بزرگوار کے جانشین ہوئے۔ مولانا معزالدین ملتانی معزؔ نے جانشینی کے موقع پر تہنیت پیش کی تھی جس کے دو شعر اس طرح ہیں:

کس قدر دشوار تھا شاہ تجمل کا جواب
گر نہ ہوتے باعمل صالح جواں یہ نور عین
تہنیت بھی معزؔ کی مصرعۂ تاریخ میں
ہو مبارک جانشینی جید اسرار حسین[11]

1405ھ

حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنیکے دور سجادہ نشینی میں علمی ادبی مجالس کا کثرت سے انعقاد ہونے لگا۔ ان محافل میں مصر، ایران، افغانستان، امریکہ اور پولینڈ کے علماء و مشائخ اور اسکالرس نے شرکت کی۔ حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنینے خانقاہ رضویہ سے "مجلہ رضویہ" کا اجراء فرمایا۔ وہ اس مجلہ کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے 32 سال ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے اور کئی خاص نمبر بھی شائع فرمائے۔ خانقاہ رضویہ میں واقع "مدرسہ ابرارالعلوم" بھی ان کی نگرانی میں ترقی کے مدارج طے کرتا رہا۔ طلبہ و طالبات کی ایک بڑی

10 شب خانہ رضویہ، حسب فرمائش حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی، مرتب سید علی حسین چشتی القادری، حیدرآباد 1978ء
11 تاریخ آستانہ عالیہ رضوی، صفحہ 345، موکف، شاہ محمد فصیح الدین نظامی، مخزونہ، خانقاہ رضویہ، مغل پورہ، حیدرآباد 2023ء

تعداد نے اس مدرسہ سے فائدہ اُٹھایا۔ حضرت شاہ رضا ایجوکیشن سوسائٹیکے بھی آپ صدر رہے۔ حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی کو شعر گوئی کا اعلیٰ ذوق تھا۔ ''حامدؔ'' تخلص فرماتے تھے۔ آپ نے تقدیسی شاعری میں حمد، نعت، منقبت اور سلام میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔

حضرت حامدؔ کی شاعری میں تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ کے اشعار اپنا فطری حسن لیے ہوئے ہیں۔ استعارہ کے شعر دیکھیے:

میں ڈر رہا تھا دھوپ کی قیامت سے
نبی نے دامن رحمت اُڑھادیا ہے مجھے

علم بدیع یعنی صنائع لفظی کی مثال دیکھیے :

حامد و محمود وہی ہیں حامدؔ
جو گنہ گاروں کو کملی میں چھپانے آئے

اشتقاق کی مثال دیکھیے :

میرے ذوق طلب نے یوں مجھے رہ رہ کر تڑپایا
تڑپ اتنی بڑھی میری میرے آقا نے بلایا
میری حالت عصیاں سے ، تباہی کا ہے اندیشہ
کرم ہو رحمت عالم یہ عاصی ہے کم مایہ

تجنیس مکرر کا نمونہ ملاحظہ ہو:

دنیا میں کہیں جائے اماں ہی نہیں حامدؔ
آقا سے جو وابستہ ہے بس اس کو اماں ہے
جب خیالوں میں نبی کا رُخ زیبا آیا
گوشے گوشے میں دل و جاں کے اُجالا آیا

''صنعتِ تضاد'' کے اشعار:

کفر کی رات کٹی حق کا سویرا آیا
فرش پر عرش کے وہ نور سراپا آیا

نعت کی صبح و مسا زمزمہ پیرائی ہے
میری تنہائی عیب انجمن آرائی ہے

رعایت لفظی ملاحظہ ہو:

ہجر شہ لولاک لما آفت جاں ہے
جینا تو بڑی چیز ہے ہر سانس گراں ہے
رحمت کے گلابوں سے مہکتی ہیں فضائیں
محتاج بہاراں نہیں گلزار رضا کا

صنعت تلمیح ملاحظہ ہو:

کیسے دیوانے نے دیوانے شہہ طیبہ کے
مال کیا چیز ہے جان اپنی لٹانے آئے
رہ گئے ایک نظر میں وہ فدائی بن کر
جو بھی سرکار پہ تلوار اُٹھانے آئے[12]

11 نومبر 2020ء حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی کا انتقال ہوا۔ آپ کے صاحبزادے کلاں سید شاہ لیاقت حسین رضوی المدنی کی 1996ء میں عطا کردہ جانشینی کا 14 نومبر 2020ء بروز فاتحہ سیوم گدی نشینی کا اعلان ہوا۔

حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی سجادہ نشین کی نگرانی میں خانقاہ رضویہ حیدرآباد سے جو علمی ادبی تصانیف شائع ہوئیں اس کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ شب خانہ رضوی: کتاب کا نام ہے۔ اس میں حضرت سید شاہ رضا علی رضوی المدنیاور آپ کے فرزند اکبر و خلیفہ و جانشین حضرت سید امر اللہ شاہ رضوی المدنیکے حالات و سماجی خدمات کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب خانقاہ رضویہ سے 1978ء میں شائع ہوئی۔ 1983ء میں اس کی اشاعت دوّم عمل میں آئی۔

12 سمینار منعقدہ 5 مئی 2013ء بروز اتوار، خانقاہ رضویہ حیدرآباد، مقالہ نگار، ڈاکٹر محمد عبدالحمید اکبر، گلبرگہ، صدر شعبہ اُردو فارسی، گلبرگہ یونیورسٹی

2۔ مسئلہ سماع: ''مسئلہ سماع'' پر یہ کتاب ایک فیصلہ کن کوشش ہے جس میں قرآن و حدیث، اقوال ائمہ اسلام کے علاوہ عرس، دست بوسی، قدم بوسی جیسے مسائل پر سیر حاصل گفتگو موجود ہے۔ اس کے مصنف مولانا محمد جلال الدین حسامیہیں۔ یہ کتاب 1989ء میں خانقاہ رضویہ مغل پورہ حیدرآباد کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔

3۔ تصرفات بعد وصال: تصرفات اولیاء اللہ کے موضوع پر ایک تحقیقی و معلوماتی کتاب ہے جس میں دکن کے ممتاز علماء و محققین علامہ جلال الدین حسامیؒ، ڈاکٹر سید محمد حمید الدین شرفی، ڈاکٹر میر کمال الدین علی خاں کے مدلل مقالات ہیں۔ خانقاہ رضویہ کے شعبہ نشر و اشاعت کے تحت 1990ء میں شائع ہوئی۔

4۔ کشاف سماع: صوفیہ کے سماع پر ایک چشم کشا مدلل کتاب ہے جس کا انداز بیان بالکل انوکھا ہے۔ یہ کتاب علامہ محمد جلال الدین حسامی مولوی فاضل جامعہ نظامیہ کی چالیس سالہ تحقیق کا نچوڑ اور ادبی و شعری لطافت کا حسین امتزاج ہے۔ 1993ء میں خانقاہ رضویہ مغل پورہ حیدرآباد نے اہتمام سے شائع کیا۔

5۔ جاء الحق و زہق الباطل: یہ کتاب کا نام ہے جس میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے عقائد و افکار و معمولات پر دلائل و براہین کی روشنی میں، تحقیقی مقالہ لکھا گیا ہے۔ دکن کے ممتاز عالم و صوفی حضرت قاضی سید شاہ اعظم علی صوفیکے ادبی قلم کا نقش جمیل ہے۔ 1994ء میں خانقاہ رضویہ نے شائع کیا۔

6۔ مجموعہ تجلیات: یہ کتاب خانقاہ رضویہ میں 1996ء میں منعقدہ سمینار کے مقالات تحقیقی پر مشتمل ہے۔ علم لدنی، کرامات کی حقیقت، عشق رسول پر بالترتیب مولانا سید محمد قبول بادشاہ شطاری، ڈاکٹر سید عبدالقادر حسینی، لکچرار سٹی کالج، میر کمال الدین علی خاں، مولانا سید محمود پاشاہ قادری زرین کلاہ کی تحریروں پر مبنی ہے۔

7۔ پیام تصوف: یہ خانقاہ رضویہ مغل پورہ میں منعقدہ سمینار کے مقالات کا مجموعہ ہے جس میں ڈاکٹر سید حفیظ حسین عقیلؔ ہاشمی، صدر شعبہ اُردو عثمانیہ یونیورسٹی، مولانا سید محمد قبول پاشاہ شطاری ادیب، شاہ محمد فصیح الدین نظامی اشرفی کے مقالات کو یکجا کر کے 1999ء میں شائع کیا گیا۔

8۔ آئینہ تصوف: اس کتاب میں مولانا حکیم سید ندیم اللہ حسنی الحسینی مشائخ بالاپور، ڈاکٹر محمد مصطفی شریف، صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی، پروفیسر سید بدیع الدین صابری نظامی، ڈاکٹر کے عبدالحمید اکبر، صدر شعبہ اردو گلبرگہ یونیورسٹی، سید شاہ لیاقت حسین رضوی کے مقالات زیب قرطاس ہیں۔ 2001ء میں خانقاہ رضویہ مغل پورہ حیدرآباد نے زیور اشاعت سے آراستہ کیا۔

9۔ اسلام، سائنس اور تصوف: فکر انگیز، روح پرور، علمی مقالات پر مبنی یہ خصوصی کتاب حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنیکی نگرانی میں 2002ء میں شائع کی گئی جس میں وائس چانسلر ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی پروفیسر افضل محمد (میعاد یکم مارچ 1997ء تا 25 اکٹوبر 2001ء)، ڈاکٹر سید اسلام الدین مجاہد، شاہ محمد فصیح الدین نظامی کے مقالات اور دکن کے منتخب شعراء کا طرحی نعتیہ و منقبتی کلام شامل ہے۔

10۔ افکار تصوف: کیا دین تصوف اور طریقت میں کوئی فرق ہے؟ خانقاہی نظام کی ضرورت اور اہمیت، غنیۃ الطالبین تصوف کا اہم ماخذ، اقبال اور تصوف پر مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی اعظمؒ ڈاکٹر عبدالحمید اکبر، شاہ محمد فصیح الدین نظامی 2003ء میں یہ شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔

11۔ مجلہ رضویہ: خانقاہ رضویہ مغل پورہ حیدرآباد سے جو علمی تحقیقی مطبوعات و تصانیف پیش کی گئیں "مجلہ رضویہ" بھی اسی سلسلہ طباعت کی ایک زرین کڑی ہے۔ مولانا ڈاکٹر عبدالحمید اکبر، صدر شعبہ اردو گلبرگہ یونیورسٹی، شاہ محمد فصیح الدین نظامی کے علمی مقالات بالترتیب "اقبال کا تصور مرد مومن"، مشائخ حیدرآباد کی ادبی خدمات اور مختلف شعراء کے نعتیہ و منقبتی طرح کلام پر مشتمل ہے۔ 2005ء میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔

12۔ تذکرہ حضرت شاہ رضا: یہ کتاب بانی خانقاہ رضویہ حضرت سید شاہ رضا علی رضوی المدنیاور آپ کے خانوادہ کے سجادہ نشین حضرات کی علمی، ادبی، سماجی خدمات کا مجلیٰ آئینہ ہے۔ حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی سجادہ نشین ہفتم کی نگرانی میں شاہ محمد فصیح الدین نظامی، سابق مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ نے اس کو مرتب کیا۔ 2005ء میں اوایس گرافکس حیدرآباد سے شائع ہوئی۔

13۔ مجلہ رضویہ: اس مجلہ میں جو خانقاہ رضویہ کا سالانہ ترجمان بھی ہے تحقیقی مقالات کے علاوہ دکن کے ممتاز شعراء کا طرحی نعتیہ و منقبتی کلام شامل ہے۔ مدیر اعلیٰ حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی کی ادارت میں 2006ء شائع ہوا۔ 14 تا 30 سلسلہ نمبر مجلہ رضویہ میں سالانہ سمینار کے فکر انگیز مقالات اور نعت و مناقب پر مختلف شعراء کا طرحی کلام شامل ہے۔

14۔ میں حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنیکے وصال کے بعد سجادہ نشین ہشتم سید شاہ لیاقت حسین رضوی راقم المقالہ کی ادارت میں مجلہ رضویہ شائع ہو رہا ہے جس میں باضابطہ طرحی مشاعرہ نعتیہ و منقبتی کلام کو شامل کیا جاتا ہے۔ 2021ء میں بھی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا۔

15۔ مجلہ رضویہ، 2021ء کا شمارہ راقم الحروف کی نگرانی میں شائع ہوا۔ جس میں جامعہ نظامیہ، جامعہ عثمانیہ، گلبرگہ یونیورسٹی کے دانشور مقالہ نگاروں کے مقالات شامل ہیں۔ مدیر کے فرائض شاہ محمد فصیح الدین نظامی رضوی نے انجام دیئے۔

16۔ مجلہ رضویہ کا یہ شمارہ اپنی سابقہ روایات کی پاسداری میں علمی و تحقیقی مقالات سے آراستہ تھا۔ اس کے علاوہ اعراس حضرت سید شاہ رضا علی رضویو حضرت سید امر اللہ شاہ رضوی المدنیکے موقع پر منعقدہ طرحی نعتیہ و منقبتی مشاعرہ کا کلام بھی شامل مجلہ تھا۔ مدیر شاہ محمد فصیح الدین نظامی ہیں۔

17۔ حضرت سراج المشائخ کی خانقاہی، علمی و ادبی خدمات: یہ کتاب خانقاہ رضویہ کے ساتویں سجادہ نشین حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی کے 25 سالہ جشن جانشینی پر نذر عقیدت کے طور پر شائع کی گئی تھی جس میں حضرت کی سوانح حیات اور علمی و سماجی خدمات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ مجلس استقبالیہ جشن جانشینی نے اس کی اشاعت کا اہتمام 2010ء میں کیا تھا۔

18۔ تذکرہ مبارک اقطاب دکن: یہ کتاب بانی خانقاہ رضویہ حضرت سید شاہ رضا علی رضوی المدنیاور آپ کے فرزند اکبر و جانشین اوّل حضرت سید امر اللہ شاہ رضوی المدنیکے تذکرے پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ فارسی زبان میں ہے جس کی مرتبہ ڈاکٹر سیدہ عصمت جہاں، دانشیار گروہ زبان فارسی، دانش گاہ ملّی مولانا آزاد گچی باؤلی اور دوسرا حصہ انگریزی زبان پر مشتمل ہے۔ اس کے مرتب نزاہت علی صدیقی ہیں۔ انگریزی حصہ میں خانوادہ رضویہ کے شجرے بھی شامل ہیں۔ سید شاہ لیاقت حسین، راقم مقالہ ہذا کی سعی سے حضرت شاہ رضا اکیڈمی مغل پورہ حیدرآباد نے سنہ 2017ء میں زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

19۔ عرس و زیارت، توسل و استعانت: معمولات اہل سنت و خانقاہی نظام کی روایات کے تسلسل میں عرس و زیارت کی حقیقت اور توسل و استعانت کے اہم موضوع پر یہ فتویٰ علامہ مفتی محمد عظیم الدین نظامی جامعہ نظامیہ نے تحریر فرمایا تھا جسے خانقاہ رضویہ نے 5000 پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کیا تھا۔ سجادہ نشین ہفتم حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی کی نگرانی میں شاہ محمد فصیح الدین نظامی نے اس کو مرتب کیا تھا۔

20۔ حضرت سراج المشائخ حیات و خدمات باقیات الصالحات: یہ کتاب حضرت سراج المشائخکے پہلے عرس کی مناسبت سے شائع کی گئی جس میں حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی کی حیات و خدمات اسفار مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، نجف اشرف، کربلائے معلّی روضہ سلطان الاولیاء حضرت غوث الاعظمؒ و دیگر مقامات مقدسہ کی دلنشین تفصیلات زیب قرطاس ہیں۔ اس کی اشاعت کا سنہ 2021ء1443 ہجری ہے۔

یہ خانقاہ رضویہ مغل پورہ حیدرآباد تلنگانہ کی علمی و سماجی خدمات کا مختصر تذکرہ ہے۔ تفصیلات کے لیے تاریخ آستانہ عالیہ رضویہ، مولفہ، شاہ محمد فصیح الدین نظامی 2023، مخزونہ خانقاہ رضویہ ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

مسلم اقتدار سے قبل دکن میں سہروردی صوفیائے کرام کی خانقاہیں

پروفیسر مجید بیدار*

ہندوستان کے نقشہ میں وہ علاقہ جو سطح مرتفع کہلاتا ہے' اس علاقے کو دکن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سنسکرت زبان میں موجود ''دکھشناپت'' اپنے عہد قدیم سے آج تک تراش خراش کے بعد موجودہ دور میں دکن کہلاتا ہے۔ اس دکن کے علاقے کی بیشتر آبادی دراوڑی نسلوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ہندوستان کے موجودہ نقشے کے درمیان سے ایک خط کھینچ دیا جائے تو اوپری حصہ شمالی ہند اور نچلا حصہ جنوبی ہند کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہے۔ ویدک دور کی آریائی تحریروں کے مطالعہ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ دکن سے مراد وہ علاقہ قرار دیا جاتا ہے جو قدیم دور سے پانچ مختلف دریاؤں کے بہنے سے سیراب ہوتا رہا ہے۔ ان علاقوں میں موجود انسانی آبادیوں کے بارے میں بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے بندھیاچل سے لے کر راس کماری تک کا علاقہ دکن کی حیثیت سے شناخت کا حامل ہے۔ اس دکن کی شناخت لسانی اعتبار سے چار اہم دراوڑی زبانوں سے مقبول ہے۔ جن میں کنڑی، تامل، تلگو اور ملیالم زبانوں کو عروج حاصل ہوا۔ دکن کے بیشتر علاقوں میں دو آریائی زبانیں جیسے مراٹھی اور گجراتی کا چلن بھی عام رہا ہے۔ طویل عرصہ تک مالوہ کے علاوہ گجرات اور مہاشٹرا کے کئی علاقے دکن میں شامل تھے۔ اس دکن کی تعریف کرتے ہوئے مختلف قدیم کتابوں میں تاریخی شہادتیں موجود ہیں۔ ان شہادتوں کا جائزہ لیتے ہوئے دکنی ادب کے ماہرین اور مؤرخین نے ثابت کیا ہے کہ سنسکرت لفظ سے وجود میں آنے والا دکھشن اب دکن کہلاتا ہے۔ اس خصوص میں عبدالمجید صدیقی کے اقتباس سے اس صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔

> "دکن جو سنسکرت لفظ دکشن کی بگڑی ہوئی شکل ہے' اس سطح مرتفع کا نام ہے جو جنوبی ہند میں دریائے تاپتی کے جنوب سے شروع ہو کر دریائے تنگبھدرا تک پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ دکن یا دکشن کے لغوی معنی جنوب کے ہوتے ہیں اور اس سے مراد تمام جنوبی ہندوستان ہونا چاہئے اور قدیم مفہوم یہی تھا' کیوں کہ جب آریا ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ہندوستان کی تمام جنوبی سرزمین کو جو بندھیاچل کے پہاڑوں اور راس کماری تک پھیلی ہوئی ہے دکشن کے نام سے موسوم کر دیا، تو ظاہر ہے کہ اس اصطلاح میں کوہِ بندھیاچل یا دریائے نربدا سے لے کر راس کماری تک کا تمام علاقہ جنوبی ہندوستان میں داخل تھا۔ قدیم زمانے میں دکشن سے یہی مفہوم لیا جاتا تھا۔ یعنی اس میں نہ صرف وہ سطح مرتفع داخل تھا' جو دریائے تنگبھدرا تک واقع ہے بلکہ جنوبی تنگبھدرا کے کیرالا اور تامل علاقے بھی شامل تھے۔ چنانچہ سلطنت چالوکیہ کے مشہور راجہ پلکیسن دوم نے کہا تھا کہ میں تمام دکشناپتھ کا حکمران ہوں اور اس سے مراد دکن کی سطح مرتفع کے علاوہ راس کماری تک تمام تامل علاقے بھی تھے' کیوں کہ جنوب کی پانڈیا چولا اور کیرالا

*سابق صدر، شعبہ اردو، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد

والی تمام طاقتیں اس کی باجگزار تھیں۔"[1]

اس اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں جنوبی ہندوستان کی حیثیت سے شہرت رکھنے والا علاقہ بندھیاچل سے لے کر نربدا تک سیراب ہونے والی سرزمین کو قدیم زمانہ سے دکھشن کہا جاتا رہا۔ یہ علاقہ سطح مرتفع دکن کے نام سے بھی شہرت رکھتا ہے۔ اس علاقہ کے راجاؤوں میں چالوکیہ خاندان کے پلاکشن دوم کو تاریخی اعتبار کا درجہ حاصل رہا ہے۔ اس علاقے میں بہنے والی دریاؤں میں دریائے تاپتی، دریائے کرشنا، دریائے گوداوری، دریائے تنگبھدرا اور دریائے نربدا کا شمار ہوتا ہے۔ قبل مسیح کے دور سے اس علاقے کی تاریخ شہرت کی حامل رہی ہے۔ تاریخ فرشتہ کے علاوہ مغل دور کی تاریخوں سے بھی یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ دکن کی سرزمین اُسی علاقے کو کہا جاتا رہا ہے' جو دریائے تاپتی کے جنوب یعنی بالا گھاٹ سے شروع ہو کر دریائے تنگبھدرا تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سرزمین کو قلعہ اسیر گڑھ کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ اسی علاقہ سے دکن کی شاہراہ شروع ہو جاتی ہے۔ بالا گھاٹ کے شمال میں پین گنگا، وردھا اور گوداوری جیسی دریائیں بہتی ہیں' جبکہ جنوب میں کرشنا اور تنگبھدرا جیسی دریاؤں کی شناخت موجود ہے۔ دکن کے مشرق اور مغرب میں پہاڑوں کا طویل سلسلہ ہے۔ ان پہاڑی سلسلوں کو مشرقی گھاٹ اور مغربی گھاٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دکن کا سب سے پرانا علاقہ موجودہ دور کی ریاست کرناٹک میں شامل ہے۔ پرانی روایت کے مطابق دریائے کاویری میں کنڑی زبان اور راس کماری کے جنوبی علاقے میں تامل اور ملیالم زبانیں بولی جاتی ہیں۔

"تاریخ جنوبی ہند" کے مؤلف نے دکن کے جغرافیائی حالات کا جائزہ اس طرح لیا ہے:

جغرافی حالت:

ماہرین ارضیات نے جہاں تک پتہ لگایا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند براعظم ایشیا کا کوئی حصہ نہیں بلکہ ایک اور براعظم کا حصہ ہے جس کا نام لیموریا تھا۔ جس کی وسعت موجودہ جنوبی افریقہ سے لے کر موجودہ آسٹریلیا تک تھی۔ اس کے ثبوت میں وہ جنوبی افریقہ، ملایا اور جزائر بحر الکاہل اور جنوبی ہندوستان کی آب وہوا اور پیداوار میں یکسانیت کو پیش کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شمالی ہند سے جنوبی ہند کی آب وہوا اور پیداوار وغیرہ بالکل مختلف ہے' رفتہ رفتہ کرۂ ارض کے تغیر و تبدل نے براعظم لیموریا کو سمندروں میں چھپا دیا اور صرف جنوبی ہند کا خطہ باقی رہ گیا۔

حدودِ اربعہ:

جزیرہ نمائے ہند کا یہ حصہ جس کو جنوبی ہند کہا جاتا ہے' تین طرف سمندروں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے مشرق میں خلیج بنگال اور جنوب میں بحر ہند اور مغرب میں بحیرہ عرب موجیں مار رہا ہے۔ اب صرف شمالی سمت ایسی ہے جو کسی قدر وضاحت کی محتاج ہے۔

اگلے زمانے میں اس تمام ملک کو جو بندھیاچل کے پہاڑ سے نیچے ہے دکن یعنی جنوبی ملک کہا جاتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانے میں دکن ملک کے اس حصے کا نام رہ گیا ہے جس کا بڑا حصہ ریاست حیدرآباد میں شامل ہے۔ اور جنوب میں دریائے کرشنا اس کی حد بندی کرتا ہے اس لیے

[1] مقدمہ تاریخ دکن از عبدالمجید صدیقی' ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد۔ 1940ء صفحہ 7

مورخین اور اہل جغرافیہ نے دریائے کرشنا کو اس ملک کی صحیح شمالی حد قرار دیا ہے۔ اس نظریہ کو تسلیم کرتے ہوئے جنوبی ہند صحیح طور پر وہ ملک ہے جو شمال میں دریائے کرشنا سے شروع ہو کر راس کماری پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

قدیم تاریخ:

ملک کے اس حصے کی قدیم تاریخ بھی اسی طرح قعر گمنامی میں پڑی ہوئی ہے' جس طرح شمال کی ہے۔ ہاں! کہیں کہیں چند آثار قدیمہ مل گئے ہیں' جن سے کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن صحیح طور پر یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں کونسی قومیں آباد تھیں۔ ان کا طرز حکمرانی، ان کی معاشرت اور زبان کیا تھی۔ کس کس خاندان نے کس کس مدت تک حکومت کی۔

یہ تو صحیح ہے کہ ایک زمانے سے یہاں ڈریویڈین (دراوڑی) قوم کی نسل آباد ہے لیکن تاریخ پتہ دیتی ہے کہ جس طرح آرین قوم کے ظلم و ستم سے تنگ آکر ڈریویڈین قوم شمال سے جلاوطن ہو کر جنوب میں پناہ لینے کے لیے مجبور ہوگئی تھی۔ اسی طرح ڈریویڈین قوم نے بھی اس ملک میں آکر ان قوموں کو جلاوطن کر دیا۔ جن کی نسلیں آج بھی پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لے کر زندگی بسر کر رہی ہیں۔ مدورا، تناولی اور نیلگری کے پہاڑوں میں جو جنگلی قومیں پائی جاتی ہیں وہ انہیں قوموں کی یادگار ہیں۔ انا ملے پہاڑیوں پر پلیار قوم پائی جاتی ہے جو جنگلی نباتات' چوہوں اور چھوٹے چھوٹے جانوروں سے پیٹ بھرتی ہے۔ منڈورا قوم بھی ابھی تک پہاڑیوں میں خانہ بدوش ہے۔ یہ اپنے مویشی کے ساتھ پہاڑوں کے دروں اور گھنے جنگلوں میں رہتی ہے۔ موٹے ہونٹوں والی کدار قوم بھی' جو آج صرف شکار پر زندگی بسر کرتی ہے کبھی اس ملک پر حکمران تھی۔ نیلگری کی ٹوڈا قوم بھی کسی اگلی قوم ہی کی یادگار ہے۔

سر ولیم ہنٹر نے اپنی تاریخ جنوبی ہند کے مختلف علاقوں اور قبیلوں کے علاوہ ان کے رسم ورواج اور ان کے اقتدار کے بارے میں واضح ثبوت فراہم کیا ہے۔ بطور خاص جنگلوں اور پہاڑوں میں بسنے والی قوموں اور ان کی تاریخی حقیقت کو بھی واضح کیا ہے۔ ولیم ہنٹر کے مشاہدے اور تاریخی شہادتوں کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

> ''ساحل ملیبار پر نائر قوم بھی کسی اگلی قوم کی نشانی ہے' اور ان میں شادی بیاہ کا وہی رواج ابھی تک جاری ہے۔ جو ہزارہا سال پیشتر تھا۔ ایک ایک عورت کئی کئی مرد کر سکتی ہے۔ لیکن مرد کو اجازت نہیں ہے کہ وہ ایک عورت کے سوا دوسری سے شادی کر سکے۔ ان کی جائیداد اپنے بچوں کو نہیں' بلکہ بہن کے بچوں کو ملتی ہے۔ یہ رسم ورواج ہمالیہ اور ہمالیہ کے شمال میں ملک تبت کے قبیلوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جس سے گمان ہوتا ہے کہ اس قوم کے آباء و اجداد کبھی ہمالیہ کو عبور کر کے یہاں آئے ہوں گے''۔

ماہرین علم الانسان نے نتیجہ نکالا ہے کہ جنوبی ہندوستان کی یہ قدیم قومیں یا تو یہاں اس زمانے سے آباد ہیں' جب سے دنیا آباد ہوئی۔ یا اس زمانے میں جب لیموریا، آفریقہ اور ایشیا مل کر ایک ہی براعظم تھا' جو افریقہ سے نقل مکان کر کے یہاں آئی تھیں۔ جنگلی اقوام کے گھونگریالے چھوٹے بال، ان کا بونا قد اور سیاہ رنگ اس کی دلیل ہے کہ یہ اقوام افریقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

یہ پتہ لگانا مشکل ہے کہ ان قدیم اقوام کا مذہب اور تمدن کیسا تھا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ مدراس اور چلکل پیٹ کے قریب پتھر کے بنے ہوئے

برتن اور ہتھیار ملے ہیں' تو انہیں قوموں کی یادگار ہیں (مدراس کے عجائب خانہ میں ان کے بہت سے نمونے رکھے ہوئے ہیں) اس لیے مؤرخوں نے اس زمانے کو "پتھر کا زمانہ" لکھا ہے کہ دوسرا زمانہ "لوہے کا زمانہ" ہے ممکن ہے کہ کوئی اور قوم یہاں آئی ہو' جو لوہے کا علم رکھتی تھی۔ اس نے لوہے کے برتن اور ہتھیار بنانے کا ہنر سیکھ رہا ہو (ٹماد نکور، نیلگری، بنگلور، اننت پور، بلاری اور کرنول میں بہت سے لوہے کے برتن اور ہتھیار دستیاب ہوئے ہیں' جو بنگلور اور مدراس کے عجائب خانوں میں موجود ہیں)۔ ان برتنوں پر جو نقوش کندہ ہیں' ان نقوش سے ان کے تمدن کا کچھ کچھ پتا چلتا ہے۔ اکثر برتنوں پر بھینس اور بکروں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں اور ان کے گلوں میں گھنٹیاں بندھی ہوئی ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بھینس کے سینگ سنوارنے کا خاص شوق تھا۔ ان نقوش کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی یہی بھینس، گائے، بکری، گھوڑے، اونٹ، ہاتھی اور سور گھریلو جانور تھے۔ جنگلی جانوروں میں صرف چیتے اور ہرن کی تصویریں ملی ہیں۔ لیکن دوسرے جنگلی جانور جیسے شیر، ریچھ، بندر اور سانپ وغیرہ کی تصاویر ابھی تک نہیں ملیں۔ اس سے نتیجہ نکالا گیا ہے کہ یہ لوگ ان جانوروں سے بہت خوف کرتے تھے یا انہیں اپنے لیے شگون بد خیال کیا جاتا تھا۔ ہندو مذہب کی تصویروں میں عقاب، شکرہ، باز، ہنس، طوطا اور مچھلی کو نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ لیکن ان اگلی قوموں کی بنائی ہوئی تصویروں میں ان کا بھی بالکل پتا نہیں ہے۔[2]

جنوبی ہند کی سب سے پرانی قوم اور ان کے مذہبی عقائد ہی نہیں' بلکہ ان کے قدیم رسم و رواج کی تفصیلات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ قوم اپنی شناخت کے اعتبار سے دراوڑی نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ تاریخی پس منظر میں کتاب کے مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں اس علاقہ پر عرب کی سرزمین سے مال و اسباب حاصل کرنے کے لیے افراد کو بھیجا گیا تھا۔ غرض! یہ تصور کرلینا مناسب نہیں کہ ہندوستان کا جنوبی ہند کا علاقہ صرف آریاؤں اور دراوڑیوں کا مرکز رہا ہے۔ اس علاقہ میں بھی مذہب کی پرستش کے دونوں طریقے رائج تھے۔ شمالی ہند میں جس طرح ایک خدا کی پرستش کا چلن تھا اُسی طرح جنوبی ہند میں بھی وہی طریقے رائج تھے جو اسلام کی آمد سے قبل عرب کی سرزمین کے طریقے قرار دیئے جاتے ہیں۔ شمالی ہند میں جس طرح ایک خدا کی پرستش کا ماحول تھا' لیکن خدا کے پیغمبروں کے تصور سے اسلام کی تاریخ وابستہ ہے۔ اُسی طرح ہندوستان کے مذہب میں اوتاروں کا تصور تھا' جنوبی ہند کے علاقے میں سب سے پہلے اوتار کی حیثیت سے دراوڑی نسل کے فرد تامل زبان کے ماہر "اگستیہ" کا ثبوت ملتا ہے۔ جس کے بارے میں یہ تصور عام ہے کہ وہ تامل زبان کا بانی اور قواعد کا بانی تھا۔ جس کے احوال کی تصدیق ویدوں میں موجود ہے۔ بعض حوالے یہ بتاتے ہیں کہ اگستیہ کا ذکر "رامائن اور مہابھارت" میں بھی موجود ہے۔ شمالی ہند کی چاروں ویدوں میں بھی اگستیہ اور اس کے کارناموں کا ذکر ملتا ہے۔ ان حوالوں سے آگستیہ کو وشنو بھگوان کا اوتار بتایا گیا ہے۔ تاریخی حقیقت یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں دکن کے علاقے کو عرب کی سرزمین سے تعلقات ہموار کرنے کا موقع ملا۔ جنوبی ہند کی تاریخ کی شہادتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کے کارناموں کے دوران تجارتی تعلقات اور دکن کی برآمدات کا ثبوت ملتا ہے۔

---

[2] تاریخ جنوبی ہند از محمود خاں محمود بنگلوری مطبوعہ پبلشر زیونائیٹڈ بک ڈپو، لاہور۔ 1947ء صفحہ 17-21

ڈریویڈین قوم:

قدیم اقوام کے ذکر کے بعد تاریخ میں ڈریویڈین قوم کا ذکر آتا ہے۔ یہی وہ قوم ہے جو جنوبی ہند میں ہر جگہ آباد نظر آتی ہے۔ ڈریویڈین قوم کے متعلق مؤرخین نے پتہ لگایا ہے کہ یہ دراصل تورمانی النسل ہے جو اپنے وطن کو چھوڑ کر ہندوستان کے شمال مغربی دروں کے راستے سے ہندوستان میں آکر آباد ہوئی اور بعد میں جب آرین اقوام نے اس کو شمالی ہند سے بے دخل کیا تو جنوب میں آکر پناہ گزین ہوگئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح شمال میں آرین قوم نے ڈریویڈین قوم پر ظلم و ستم کیا تھا' اسی طرح ڈریویڈین قوم نے جنوب کے قدیم باشندوں پر ظلم کر کے ان کو جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ ڈریویڈین قوم نے جنوبی ہند میں بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں اور اس زمانے کا لحاظ کرتے ہوئے تمدن کے انتہائی معراج پر پہنچی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ عہد عتیق کی کتابوں میں اس کا ذکر آیا ہے:

> ''حضرت سلیمان علیہ السلام نے دو بحری مہمیں بھیجی تھیں ان کا مقصد یہ تھا کہ بندرگاہ ترسیس اور اوفیر سے سونا، چاندی، ہاتھی دانت بندر، صندل اور مور لائیں''۔

جغرافیہ داں اس بات پر متفق ہیں کہ ترسیس جنوبی ہند کا ایک بندرگاہ تھا' جو اب ناپید ہو گیا ہے۔ صندل اور مور جنوبی ہند کی سوغاتیں ہیں۔ یونانی کتابوں میں چاول کا ذکر آیا ہے۔ جو ہند سے یونان بھیجے جاتے تھے اور وہاں غذا کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ ''آرین رول اِن اِنڈیا'' کا مصنف لکھتا ہے:

> ''ٹامل زبان کے قدیم کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند سے سونا، موتی، ہاتھی دانت، چاول، گرم مصالحہ، مور اور بندر ڈریویڈین جہازوں میں بھر کر یوروپ، بابل، نینوں، یونان، رومہ، مصر، چین اور دوسرے ممالک کو بھیجے جاتے تھے۔ ارض نینو اور بابل کے کھنڈرات میں ساگوان کی لکڑی دستیاب ہوتی ہے۔ اس کے متعلق ماہرین کا خیال ہے کہ کسی زمانے میں جنوبی ہند سے لائی گئی ہوگی''۔

اس قدر زمانہ بعد اس کا تصور بھی آج نہیں کیا جاسکتا کہ ڈریویڈی قوم کا تمدن اس وقت کس قدر شاندار تھا۔ اس قوم نے جنوب میں آکر قدرت کی فیاضیوں سے پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ سونا اور جواہرات کے استعمال کو جانتی تھی۔ سونا، ہیرے اور دوسرے قیمتی پتھروں کی کانیں ڈریویڈین قوم نے ہی دریافت کیں۔ اس کا ثبوت ان کتبوں سے ملتا ہے جو ان کانوں کے قریب دستیاب ہوئے ہیں۔ جنوبی ہند کے اکثر و بیشتر منادر ڈریویڈین قوم کے تعمیر کیے ہوئے ہیں۔ اس قوم نے فن تعمیر کو اس درجہ پر پہنچایا کہ ایک خاص قسم کا طرزِ تعمیر اس قوم کے نام سے ہی منسوب ہو گیا ہے جن کو انگریزی میں ''ڈریویڈین سٹائل'' یا ''ڈراوڑی طرزِ تعمیر'' کہا جاتا ہے۔ اس طرزِ تعمیر کی عمارتوں کا بہترین نمونہ کنجی ورم اور مدورا کے مندروں میں ملتا ہے جنوب کی پانچ زبانیں بھی اسی قوم کی یادگار ہیں اور ابھی تک مروج ہیں۔[3]

جنوبی ہند کی قدیم تاریخ میں اس علاقہ کی پیداوار اور قدرتی پیداوار کو دوسرے ممالک میں منتقلی کا ثبوت بھی موجود ہے۔ لازمی ہے کہ جنوبی

---

[3] تاریخ جنوبی ہند از محمود خاں محمود بنگلوری مطبوعہ پبلشر زیونائیٹڈ بک ڈپو، لاہور۔ 1947ء صفحہ 21-22

ہند کے جنگلات اور اس میں پیدا ہونے والی چیزوں کے ساتھ ساتھ اس علاقہ کی ہیرے کی کانوں کے علاوہ کوئلے کی کانوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ چوں کہ تاریخ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کا حوالہ دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے علاقہ کی تعمیر اور محل کی آرائش کے لیے جن اشیاء کا استعمال کیا تھا ان کے بارے میں ہاتھی دانت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کو تاریخی تحقیق کے پس منظر میں پیش کیا گیا ہے جو عرب و ہند کے تجارتی تعلقات کا سراغ دیتا ہے۔[4]

دکن کی قدیم اور وسطیٰ تاریخ اور اس کی ثقافت کے علاوہ اس کے مختلف علاقے حکمرانوں اور پہلے مسلم تاجر کی آمد کی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ نویں صدی عیسوی کے دوران ہی دکن کے اکثر علاقے اسلامی تجارت اور ثقافت کا مرکز بن چکے تھے۔ اس سے قبل مالابار کے سواحل پر پیغمبر اسلام حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے عہد میں مسلمان تاجروں کی آمد اور اس علاقے میں اعلان نبوت کے بعد مسجد کا ثبوت موجود ہے۔ اس علاقے میں حضور کے صحابہ کرام کے مزارات کی موجودگی کے نتیجہ میں اسلامی تعلیمات کے مرکز کی حیثیت سے دکن کی سرزمین کو شمالی ہند سے قبل اولیت حاصل ہو چکی تھی۔ جس کی شہادت کی غرض سے علامہ اقبال کا یہ شعر بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے   میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

علامہ اقبال نے سارے ہندوستان کی آب و ہوا سے پیغمبر اسلام کی انتہائی انسیت کو شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ چنانچہ میر عرب کو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسی سرزمین سے حاصل ہونے کو واضح کیا گیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسلم طبقہ کے تاجروں کی تجارت اور اسلام کی دعوت کے نظارے' سابق کے مالابار اور موجودہ کیرالا جبکہ مسلمانوں کی آمد کے بعد اس علاقہ کو معبر کے نام سے تعبیر کیا گیا جس کی تفصیلات شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب "آبِ کوثر" کے صفحات میں تحقیقی شہادتوں کے ساتھ پیش کی ہے۔ اس مقالہ کا موضوع چوں کہ دکن کی سرزمین سے وابستہ ہے اس لیے دکن کی موجودہ پانچ ریاستوں کے علاقوں میں مسلمانوں کی ابتدائی آمد اور صوفیائے کرام کے کارناموں اور ان کی خانقاہوں کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ ان پانچ ریاستوں میں جہاں سب سے اہم ریاست کرناٹک کی قدامت برقرار ہے۔ جس کے بعد ریاست تلنگانہ اور آندھرا پردیش کے علاوہ ریاست مدراس اور موجودہ ریاست مہاراشٹرا کے علاقے "مرہٹواڑہ" کو بھی دکن کے حدود میں شامل کیا جاتا ہے۔ خانقاہی نظام کے پس منظر کے تحت عالمی سطح پر خانقاہوں کے آغاز اور اس کے تاریخی وجود کے بارے میں تحقیقی گفتگو لازمی ہے۔ اس حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لیے خانقاہ کی تعریف اور اس کے آغاز کے بارے میں تاریخی شہادتیں پیش کی جارہی ہیں۔ اسلامی تاریخ میں خانقاہی نظام اور اس سے قبل عیسائی راہبوں کی جانب سے قائم کی جانے والی خانقاہوں کو بطور ثبوت پیش کیا جارہا ہے۔

خانقاہی نظام کی تاریخ:

جس طرح انسان اپنی رہائش کے لیے گھر یا دکان یا پھر مسکن اور رہائش گاہ کی تعمیر کردہ ہے' اسی طرح عبادت کے لیے ہر فرقے، مذہب اور

---

[4] جامع اردو انسائیکلوپیڈیا (2) قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی۔ 2013ء صفحہ 231

ذات کے افراد عبادت گاہ بنائے ہیں اور اس عبادت کو مندر، مسجد، گردوارہ اور گرجا کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی طرح خود کو اللہ کی یاد میں مصروف رکھنے والے بندوں نے دنیا کی مصروفیات سے وقت نکال کر خود کو خدا کی بارگاہ میں پیش کرنے کے طریقے اپنانے کے لیے جس مقام کو پسند کیا۔ اسے خانقاہ کا نام دیا جاتا ہے۔ دنیا میں قائم ہونے والی خانقاہوں کی ابتدا اور اس کی تفصیل تاریخی شہادتوں کے ساتھ پیش کی جارہی ہے۔

خانقاہیں (Monasteries) رہبانیت کی ایک قسم تھی، مذہبی زندگی تھی۔ اس کے اپنے ایک اصول ہوتے ہیں۔ زندگی تجرد، غربت اور توکل کے ساتھ گزارنی ہوتی ہے۔ اس کی ابتدا مصر سے ہوئی۔ جہاں راہبوں نے یہ زندگی بسر کرنی شروع کی۔ 346ء میں سینٹ پکومیش (Pochomius) نے اس کو باقاعدہ شکل دی۔ یہ راہب الگ تھلگ اور اکیلے رہتے تھے لیکن انہوں نے اپنے لیے کلیسا اور آرام گاہیں بنالی تھیں۔ اس قسم کی رہبانیت یوروپ میں جنوبی فرانس کے راستے پہنچی اور وہاں سے آئرلینڈ تک پہنچ گئی۔

راہبوں کی خانقاہوں کی عمارتیں چھٹی صدی عیسوی سے بننے لگیں۔ اولین دور کی ایک خانقاہ سوئزرلینڈ میں موجود ہے۔ اس میں کلیسا ہے۔ پادریوں کے رہنے کی جگہیں ہیں۔ اس کے علاوہ مہمان خانہ، باورچی خانہ، شراب تیار کرنے کا کمرہ، لوہار کی دکان، آٹے کی چکی، اصطبل، گائیں اور سور رکھنے کے باڑے وغیرہ ہیں۔ عمارتوں کے اس مجموعے میں کوئی خاص تناسب یا فنی خوبی نہیں ہے۔ البتہ یہ عہد وسطیٰ کے قلعوں سے کہیں بہتر نظر آتی ہیں۔[5]

عرب کی سرزمین میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی آمد اور تبلیغ کے بارے میں یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت 570ء میں اور وصال 8/جون 632ء میں ہوا۔ جس سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ عیسائی راہبوں نے جس دور میں خانقاہیں تعمیر کی تھیں' وہ دور پیغمبر اسلام کی بعثت سے قبل کا قرار دیا جائے گا۔ تاریخی شہادتوں سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی عیسائی خانقاہ 346ء میں تعمیر کی گئی۔ اس اعتبار سے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے 224 سال قبل عیسائی مذہب کے راہبوں نے مصر کی سرزمین میں خانقاہی نظام کا آغاز کیا تھا۔ اگرچہ وہ اپنی خانقاہوں میں خدا کی یاد میں مصروف رہتے ہوئے اپنے پیغمبر کی طرح مجرد زندگی گزارنے کا طریقہ اپناتے رہے۔ لیکن قیام وطعام کی تمام سہولتیں ان کی خانقاہوں میں شامل ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ عیسائی خانقاہوں سے جداگانہ انداز اسلامی خانقاہی نظام میں موجود ہے۔ چنانچہ دنیا میں سب سے پہلے عیسائی خانقاہوں کی موجودگی کے بعد اسلامی خانقاہوں کی تاریخ کے بارے میں بھی مصدقہ حقائق کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ اسلامی خانقاہی نظام کے طرز اور اس کے ذریعہ بطور خاص تربیت کے علاوہ تعلیم وتدریس کے طریقوں کی وضاحت کی جارہی ہے۔

اسلامی خانقاہ: روحانیت کے فروغ اور تصوفانہ طریقے جیسے شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی تربیت کے لیے اسلامی تعلیمات کے محرک انداز کو عام کرنے کے لیے خدا کے برگزیدہ بندوں نے جہاں تبلیغ کے مراکز قائم کیے' ان علاقوں میں عبادت کے لیے مساجد اور

[5] جامع اردو انسائیکلوپیڈیا (8) قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان' نئی دہلی۔ 2003ء۔ صفحہ 209

تربیت کے لیے ایک کمرہ یا مکان کا التزام رکھا۔ جسے خانقاہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ جہاں اسلامی احکامات پر کاربند ہونے کی عملی تربیت دی جاتی تھی۔ اس دور میں خانقاہوں کو اسلامی تعلیمات کی عملی تربیت گاہ کا درجہ حاصل تھا۔ اسلامی خانقاہ کے قیام کی تاریخ اس طرح واضح کی گئی ہے۔

> وہ مکان جو درویشوں اور صوفیوں کے رہنے اوران کے ذکر و شغل کے لیے تعمیر کیا جاتا ہے۔ اس کا تصور غالباً مسجد نبوی کے صفہ سے پیدا ہوا ہوگا' جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جو دنیاوی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر خدا کی یاد میں لگے رہتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے تربیت حاصل کرتے تھے۔ حافظ ابن تیمیہ نے معمر بن زیاد کی "اخبار الصوفیہ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ پہلی خانقاہ بصرہ میں تعمیر ہوئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں ایک عیسائی امیر نے شام کے مقام رملہ میں خانقاہ تعمیر کی تھی اور جب تصوف اور صوفیہ کے طریقوں کی باقاعدہ تدوین ہوئی تو تیسری صدی ہجری کے آخر میں متعدد خانقاہیں وجود میں آئیں۔ جن میں فقر و تصوف کا درس دیا جاتا تھا۔ خانقاہ میں جو لوگ تربیت حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں بعض ہمیشہ وہیں قیام پذیر رہتے ہیں اور باقی مسافر ہوتے ہیں' ان سب کے جملہ اخراجات خانقاہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کی حیثیت مسلمانوں کے ایک ادارہ کی ہوگئی ہے۔ خانقاہ کا صدر سجادہ نشیں کہلاتا ہے یہ مذہبی اصول اور اعمال زندگی کا معلم، ادارہ کا منتظم اور اس کی آمد کا مہتمم ہوتا ہے اور عام طور سے خانقاہ کی بچی ہوئی آمدنی کا وہی مستحق سمجھا جاتا ہے۔ بعض خانقاہوں میں اس کے علاوہ واقف کے اہل خاندان اور متولی بھی نذر و نیاز کی آمدنی کی بچت کے مستحق ہوتے ہیں۔[6]

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عالمی سطح پر سب سے پہلے مصر کی سرزمین میں عیسائی خانقاہی نظام کو فروغ حاصل ہوا۔ جس کے بعد بصرہ کی سرزمین پر اسلامی خانقاہوں کے نظام کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ تاریخی شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ عیسائی راہبوں نے 346ء میں خانقاہی نظام کو جاری کیا۔ جبکہ اسلام کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اہل صفہ کی یادگار کے طور پر خانقاہیں قائم کی گئیں۔ ان خانقاہوں میں "دارالارقم" کی طرح تعلیم و تدریس اور تربیت دی جاتی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی اہل صفہ کی تربیت کے طریقوں سے استفادہ کا عمل اختیار کیا جاتا تھا۔ عیسائی خانقاہوں میں رہبانیت یعنی ترک دنیا کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے باوجود عیش پرستی کی تمام سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں۔ جبکہ اسلامی خانقاہ میں تربیت کا نظام اہمیت رکھتا تھا۔ پھر بھی خانقاہوں میں قیام حاصل کرنے والوں کی رہائش اور طعام کی تمام ذمہ داری خانقاہ کے سجادہ نشین کے سپرد ہوتی تھی۔ کھانے پینے اور غذائی سہولتوں کی فراہمی کے سلسلے میں عیسائی خانقاہوں کی طرح اسلامی خانقاہوں میں جانوروں کے رکھنے اور ان کے توسط سے قیام وطعام کا شاہانہ اہتمام مسلم خانقانوں میں موجود

[6] جامع اردو انسائیکلوپیڈیا(3) قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان' نئی دہلی۔ 2002ء۔ صفحہ 259-260

نہیں تھا، بلکہ سجادہ نشین کی مرضی سے جس قسم کا پکوان موجود ہوتا وہی تربیت یافتہ افراد کو پیش کیا جاتا تھا۔ اُس دور میں خانقاہی نظام کے ساتھ ''لنگر'' بھی قائم ہوتے تھے، جو طعام کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ اسلامی خانقاہیں شروع ہونے سے پہلے دنیامیں قائم کردہ عیسائی خانقاہوں کے طریقے اور انتظامات جداگانہ حیثیت کے حامل تھے، جہاں صرف تربیت اور انسان کی روحانی طاقت کو فروغ دینے کے عملی طریقے سکھائے جاتے تھے۔ اسلامی خانقاہ کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ جائز خواہشات کو حدود میں رکھ کر خدا کی عبادت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جستجو کی جائے۔ یہی مقصد اسلامی خانقاہوں کا قرار دیا جاتا رہا۔ خانقاہ سے استفادہ کرنے والے افراد کو سجادہ نشین کی رہنمائی میں طعام اور رہائش کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔

اسلام کی تبلیغ کے لیے فعال سلاسل

عرب کی سرزمین سے جب اسلام کی حقانیت کو ساری دنیا میں وسعت دینے کی تدبیر کا سلسلہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے جاری رہا۔ فقہی مسائل اور شرعی خصوصیات کو اپنی زندگی میں داخل کرتے ہوئے اسلام کی تبلیغ کو عام کرنے کے سلسلے میں کئی سلاسل کی جستجو جاری رہی، چناں چہ ساری دنیامیں قادری، نقشبندی، سہروردی، چشتی، شطاری اور دیگر سلسلوں کے صوفیانہ کارنامے نمایاں ہوئے۔ ان سلاسل میں سہروردی سلسلہ کے بزرگان دین کی خدمات اہم ہیں۔ اس سلسلہ کے بانی حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ قرار دیے گئے۔ جن کے ذریعہ ساری دنیامیں اسلامی شرعی نظام کو توسیع دی گئی۔ جیسے تصوف کو روبہ عمل لاتے ہوئے اہل سنت الجماعت کے طریقوں کی تبلیغ میں اہم مقام حاصل ہے۔ دکن کی تاریخ میں سب سے پہلے اسلام کی رحمتوں اور نعمتوں کو فروغ دینے والے بزرگوں میں سہروردی سلسلہ کے صوفیا کو اولیت حاصل ہے۔ سرزمین دکن میں اسلام کی شناخت کے لیے جن علاقوں کے انتخاب پر توجہ دی گئی، وہ علاقے موجودہ دور میں ریاست مہاراشٹر ااور تلنگانہ کے علاقے قرار دیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے ریاست مہاراشٹر اکے موجودہ مرہٹواڑہ اور سابق کے دیوگری نام سے مشہور موجودہ دولت آباد کے علاقے کو حقانیت اور روحانیت سے فیضیاب ہونے کے لیے سہروردی خانقاہوں کا نظام عام ہوا، جس کے بعد سابق میں چچلم نام سے مشہور اور موجودہ حیدرآباد کے علاقے میں جو ریاست تلنگانہ کا صدر مقام ہے، اس علاقے میں بہمنی اقتدار 1340ء سے قبل صوفیائے کرام کی ابتدائی آمد اور خانقاہی نظام کے فروغ کا ثبوت ملتا ہے۔ اس طرح دکن کے علاقے میں مسلمان اقتدار کے قیام سے پہلے صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کی آمد کے ساتھ خانقاہی نظام کو فروغ دینے کی تاریخی شہادتیں موجود ہیں۔ جنوبی ہند کی سرزمین پر صوفیائے کرام اور بزرگان دین کی آمد سے بہت عرصہ قبل مسلمان تاجر ''سلیمان التاجر'' کو اس علاقے میں سفارت کے ساتھ تجارت کا موقع حاصل ہوا۔ جس نے 950 کے قریب دکن کے علاقے کی سیاحت کا فریضہ انجام دیا۔ موجودہ دور میں اس کی سیاحت علاقہ ریاست کرناٹک میں شامل ہے۔ تاریخی شہادت ثبوت فراہم کرتی ہے کہ مالابار کے ساحل پر سب سے پہلے مسلمانوں کی آمد پیغمبر اسلام سیدنا حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کا اہم واقعہ ہے۔ جہاں زیموران نامی بادشاہ حکمران تھا۔[7]

---

[7] دیکھیے: شیخ محمد اکرام کی کتاب ''آبِ کوثر''

دکن کی تاریخ میں مسلمان تاجر کی حیثیت سے سفارت کرنے والے عرب کے باشندے کا نام "سلیمان تاجر" بتایا گیا ہے۔ جس بارے میں یہ قیاس ہے کہ وہ نویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے سفر کی تکمیل کے بعد چین جیسے ملک کا سفر بھی انجام دیا۔ اس کے سوانحی حالات دستیاب نہیں ہیں' تاہم اس کا سفر نامہ انگریزی زبان میں "Ancient Accounts of India and China" لندن کی سر زمین سے 1900ء میں شائع ہو چکا ہے۔ سلیمان تاجر اور اس کے دوسرے مددگار نے اپنے سفارتی تجربات کو عربی زبان میں "سلسلۃ التواریخ" کے نام سے پیش کیا تھا۔ دکن کے اولین مسلمان سفیر "سلیمان تاجر" کے بارے میں چند حقائق پیش کیے جا رہے ہیں۔

سلیمان تاجر سیرافی: تیسری صدی ہجری کا ایک تاجر' جس کا وطن سیراف تھا۔ وہ 237ھ مطابق 851ء بندرگاہ سیراف (خلیج فارس) سے روانہ ہو کر ہندوستان کے ساحل ملیبار پر پہنچا۔ وہاں سے ساحل کے ساتھ ساتھ راس کماری کا چکر لگاتا ہوا آبنائے پاک (بھارت اور سری لنکا کے مابین) سے گزر کر جزائر نکونار کے کسی مقام پر پہنچا۔ جس کا نام اس نے "لانگابالوس" بتایا ہے مگر اس نام کا کوئی مقام نہیں ملتا۔ پھر وہ آبنائے ملکا میں سے گزر کر سیگون اور وہاں سے کانٹن گیا، جسے وہ خالفو بتاتا ہے۔ اس سفر کے حالات ابوزید، حسن سیرافی نے 304ھ مطابق 916ء میں مرتب کر دیئے تھے۔ جن حصوں میں سلیمان نے سفر کیا' ان کے جغرافیائی، تمدنی اور تجارتی حالات کے متعلق یہ کتاب بیش بہا معلومات کا ذخیرہ ہے' اس کا ایک قلمی نسخہ پیرس کے کتاب خانہ ملی میں موجود ہے اور اس کا فرانسیسی ترجمہ دو مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔[8]

دکن کے علاقے میں سلیمان التاجر کی آمد اور اس کی مصروفیات کے بارے میں انگریزی کتب اور دیگر حوالے جات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے ایک ایسے وقت دکن کا سفر کیا جبکہ اس تمام تر علاقے میں دراوڑی قوم کے راجہ حکمران تھے۔ اور ان کا مذہب اسلام سے جداگانہ تھا۔ تاہم جنوبی ہند میں بسنے والے راجاؤں اور مقامی آبادیوں سے اس کے تعلقات کو انگریزی کتب میں جس انداز سے پیش کیا گیا ہے اُس کا اردو ترجمہ بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سلیمان التاجر کا جنوبی ہند کے دربار میں جانا ان کے سفر کا ایک دلچسپ پہلو ہے۔ اگرچہ اس کے دورے کے بارے میں حقیقی تفصیلات محدود ہیں، مؤرخین کا خیال ہے کہ اس نے پلاو خاندان یا پانڈیا بادشاہی کے درباروں کا دورہ کیا ہوگا، جو 9ویں صدی کے دوران جنوبی ہندوستان میں نمایاں بادشاہ قرار دیئے گئے۔ سلیمان التاجر کا جنوبی ہندوستان کا دورہ نویں صدی عیسوی کے دوران خطے کی تاریخ اور ثقافت پر بلاشبہ منفرد ماخذ کا درجہ قرار پاتا ہے۔

تاریخی حقائق یہ بتاتے ہیں کہ دکن کے علاقے میں جب 1163ء سے 1323ء تک ورنگل کو پایہ تخت بنا کر جس خاندان نے اقتدار سنبھالا تھا' اُس خاندان کو کاکتیہ راجاؤں کے نام سے شہرت حاصل ہے۔ اسی کاکتیہ راجاؤں کے دور میں سب سے پہلے صوفی بزرگ حضرت بابا شرف الدین عراقی سہروردی کی موجودہ ریاست تلنگانہ کے علاقہ میں آمد کا ثبوت موجود ہے۔ آپ کا مزار ایک پہاڑی پر ہے، جسے پہاڑی شریف کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوگئی ہے کیوں کہ حضرت نے دکن میں قدم رکھنے کے بعد اسی اونچی پہاڑی کو اپنا مسکن بنایا تھا اور

---

[8] اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول، مدیر مولانا حامد علی خاں مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور' صفحہ نمبر 776-777

رحلت کے بعد اُسی مقام پر پیوند خاک ہوئے۔ غرض اس دور کے سہروردی بزرگوں کی آمد اور تعلیمات کا دور 800 سال قدامت سے وابستہ دکن میں سہروردی صوفیاء کی آمد اور خانقاہی نظام کو فروغ حاصل ہونے کا احاطہ کیا جارہا ہے۔

(1) حضرت سید مومن عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ (دولت آبادی)

جس طرح دکن کے مشہور علاقے تلنگانہ میں سہروردی سلسلے کے دو بزرگانِ دین نے سابق کے گولکنڈہ اور اس نام سے قبل چچلم کے علاقے میں خانقاہ قائم کر کے اسلام کی ترویج و اشاعت پر خصوصی توجہ دی' اُسی طرح یادو خاندان کے دور میں دیوگری یا دیوگڑھ کا علاقہ مسلمانوں کے اقتدار کے بعد جو دولت آباد کی حیثیت سے شہرت کا حامل ہوا' اِس سرزمین پر بھی دو بزرگانِ دین کی آمد کی تاریخی شہادتیں دستیاب ہیں۔ جن میں سب سے قدیم بزرگ حضرت مومن عارف باللہ کا نام اولین صوفی بزرگوں میں شامل ہے۔ موجودہ دولت آباد قلعہ کے سامنے والے راستے سے پہاڑی علاقہ تک جانے والی سڑک کے اختتام پر حضرت کا مزارِ شریف، مسجد اور خانقاہ کے علاوہ یادو خاندان کی ہندو شہزادی کا مزار بھی درگاہ کی گنبد کے باہر آج بھی مرجع خلائق ہے۔ حضرت سید مومن عارف باللہ کے احوال کو سب سے پہلے فارسی زبان میں سترہویں صدی عیسوی کے ادیب میر غلام علی آزاد بلگرامی نے تحریر کیا۔ جس کے بعد خلد آباد کے مدرسہ کے استاد مولوی رونق علی نے ان کے احوال کو اردو میں پیش کیا۔ غرض! مختلف تذکروں کے حوالوں اور بطور خاص 1911ء میں تحریر کردہ تذکرہ ''محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن'' کے حوالے سے حضرت کے احوال کی نمائندگی پر توجہ دی جارہی ہے۔

''آج سے کئی سو سال قبل دیوگیر کا علاقہ بعض باکمال مسلمان بزرگوں کے روحانی اثر اور بے نفس تبلیغ کے ذریعہ اسلامی نور سے منور ہوا۔ سب ہی جانتے ہیں کہ مسلسل ہزاروں سال تک ہندوستان کی تاریخ اور اس کے شمال مغربی گوشوں سے سر نکالتی گنگا جمنا کی وادیوں میں سیراب ہوتی اور تمام ہند پر چھاتی رہی۔ لیکن اس کا کوئی ''دانائے راز'' ہے کہ کیوں؟ صدیوں پہلے دکن کی سرزمین منتخب ہوئی اور وہاں سے اسلام کو روشناس کرنے والے سینکڑوں صوفیائے اور اولیاء اللہ نے اپنے دریائے فیض، ہر طالب کی تشنگی علم کے لیے انہوں نے چشمۂ آب حیات تمام کے لیے جاری کیے۔ اسلامی تصوف کی قوت کا راز اسی بات میں پوشیدہ ہے کہ انسانی فطرت کے مطابق ہے' اور یہی وجہ تھی کہ یہ فطرت ہی انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کرتی ہے۔

مصنف کتاب ''واقعات مملکت بیجاپور'' رقمطراز ہیں کہ دیوگیر کے علاقہ میں امراء اور دولتمندوں کے علاوہ ہر قسم کے صناع اور اہل حرفہ اور اہل علم بھی موجود تھے اور ظاہری و دنیاوی باکمال اشخاص ہی کی حد تک وہاں کا مجمع محدود نہیں تھا بلکہ ان میں اہل باطن بھی موجود تھے۔ چنانچہ اہل اسلام میں جنہوں نے اس نواح میں سب سے پہلے قدم رکھا وہ حضرت مومن عارف باللہ ہیں۔ دولت آباد کے قریب مشرقی پہاڑوں کے دامن میں تشریف رکھتے تھے۔ [9]

دولت آباد کی آب وہوا کو امراء وسلاطین و شعراء نے نہایت خوش گوار اور زندگی بخش بتلایا ہے۔ یہاں میوہ جات کے باغ کثرت سے تھے۔

[9] واقعات مملکت بیجاپور صفحہ 297

آج بھی فصیل قلعہ کے باہر بعض دلفریب اور قدرتی خوشنما مناظر آبشار تالاب جھیلیں اور دل کش مناظر نظر آتے ہیں۔ سلطان محمد بن تغلق کے دربار کے مشہور تین شاعر اور ملک الشعراء بدر چاچ جنہیں بادشاہ نے فخر الزماں کا خطاب بھی عطا کیا تھا' بادشاہ کے ساتھ دولت آباد میں مقیم تھا۔ دولت آباد کی تعریف میں اپنے قصیدے میں جو 147 اشعار پر مشتمل ہے' وہ کہتا ہے:

تودیوگیر مخوانش کے دولت آباد است　　که چار طاق دراوست ہشت باب جناں

شاعر صامی اس علاقہ کی سرسبزی اور زرخیزی کے بارے میں لکھتا ہے:

سوادش چو بستان شد اوگشت　　خطاب نوش دولت آباد گشت

عہد شاہجہاں کا مشہور نامور شاعر حاجی محمد جان قدسی دولت آباد سے متاثر ہو کر کہتا ہے کہ دولت آباد بلاشبہ نمونہ جنت نظر آتا ہے اس کی تعریف میں لکھتا ہے:

درایام خورداد اردی بہشت　　زند دولت آباد از دم بہشت

کتاب ''عشق ربانی'' میں ہے کہ آپ کا اسم گرامی سید محمد عارف ہے اور باللہ کے لقب سے نامزد ہیں۔ بعد ازاں حضرت مومن عارف باللہ کے نام سے متعارف ہوئے۔ آپ اپنے زمانے میں شرافت و نجابت کی زندہ تصویر، محاسن و اخلاق کے مجسمہ تنویر تھے۔ محبت، مروت، ثروت و سخاوت آپ کے اوصاف حمیدہ سے ہیں۔ آپ علم و فضل، زہد و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔ صاحب باطن اور نسبت قوی رکھنے والے بزرگ تھے۔ یہاں کی تہذیب و تمدن کی تعمیر میں حضرت مومن عارف باللہ جیسے بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کا پورا پورا حصہ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مومن عارف باللہ کے زمانہ قیام میں اطراف و اکناف کے لوگ آپ کے ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے اور کثیر تعداد میں لوگ حلقہ بگوش ہوئے۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جن سے اسلام کی آبیاری ہوئی اور دین متین کی وہ بے نظیر خدمات ادا کی گئیں جن کی مثال آج تک ملنی ناممکن ہے۔

ان بزرگان دین اور صوفیائے کرام نے جو پیغام اخوت و مساوات، محبت، خلوص، انسانیت اور رضا جوئی کے علاوہ مختلف طبقات میں ہم آہنگی "رواداری" صبر و توکل کا دیا' وہ سب کے لیے عام تھا۔ حضرت مومن عارف باللہ دیوگیر کب آئے کون سے راستے سے آئے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ سلاطین اسلام اور تیموری سلاطین دہلی سے پہلے ہندوستان کی اسلامی تاریخ بہت زیادہ بے اعتنائی کا شکار رہی۔ اصلی ماخذ ناکافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگان کے صحیح حالات مرتب کرنے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کا اندازہ تاریخی حالات کی عدم فراہمی سے ہوتا ہے۔ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ باوجود ان کی جلالت اور شان کے اس دور کے تمام تذکروں اور تاریخوں میں بہت کم حالات ملتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ اہل ہنود کے برسر اقتدار اور ان کی حکومت ہونے کا سبب ہو۔ کتاب ''عشق ربانی'' میں آپ کی تاریخ وفات 507ھ مطابق 1113ء درج ہے۔ یہ زمانہ ہندوستانی راجاؤں کا ہے جو دہلی کے تخت پر حکمران تھے۔ اس وقت پورے ہندوستان میں اہل ہنود کا غلبہ تھا۔ ہر

طرف ظلمتوں کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایسے کٹھن دور میں حضرت مومن عارف باللہ نے دکن میں اسلام کی شمع کو منور کیا۔[10]"

تاریخی حقیقت سے ثابت ہوتا ہے کہ 1113ء میں رحلت فرمانے والے حضرت مومن عارف باللہ کی دکن میں آمد ایسے وقت قرار دی جاتی ہے جبکہ دیوگیری پر سب سے پہلے دہلی اقتدار کے سربراہ علاء الدین خلجی نے 1294ء میں کامیاب حملہ کے ذریعہ قلعہ فتح کرکے یادوخاندان کو شکست دی تھی۔ اس پس منظر کے توسط سے ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ حضرت مومن عارف باللہ نے خلجی اقتدار کی دولت آباد میں کامیابی سے تقریباً 81 سال قبل اس علاقہ کو اسلامی تعلیمات سے روشن کر دیا تھا۔ اس طرح دکن کے علاقہ میں کاکتیہ اقتدار کی حکمرانی دور سے قبل دیوگری کے علاقہ میں بزرگانِ دین کی مراجعت اور ان کی خانقاہوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت مومن عارف باللہ کے مزار پر گنبد کے بجائے جس قسم کا حصہ بنا ہوا ہے وہ مسلمان عمارتوں کے انداز کا ثبوت نہیں دیتا۔ اس کے قریب ہی مسجد بھی موجود ہے لیکن خانقاہ کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ عرس شریف کے موقع پر جہاں پکوان ہوتا ہے اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس درگاہ کے اسی احاطہ میں خانقاہ بھی موجود تھی' جہاں لنگر جاری رہتا تھا۔ دکن کے علاقہ میں مسلمانوں کے اقتدار کی شروعات زائد از 81 سال قبل حضرت سید محمد مومن عارف باللہ کی آمد اور وصال سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ دکن میں آنے والے صوفیائے کرام اور بزرگان دین میں دیوگری میں تشریف لانے اس صوفی کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ چنانچہ موجودہ حیدرآباد میں حضرت بابا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ اور بابا شہاب الدین سہروردی عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے قبل مہاراشٹرا کے علاقہ مرہٹواڑہ کے اورنگ آباد سے بارہ کلومیٹر دوری پر سب سے پہلے صوفی کی دکن میں آمد کا ثبوت ملتا ہے۔

(2) حضرت شاہ جلال ملقب بہ گنج رواں رحمۃ اللہ علیہ

سہروردی سلسلہ کے ایک اہم بزرگ اور ان کی دکن میں آمد کے واقعات اور کرامتوں کی تفصیل بیشتر فارسی کتابوں میں درج ہے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نے عراق کی سرزمین سے ہندوستان کا سفر کیا اور اسلام کی تبلیغ اور باضابطہ حقانیت کو فروغ دینے کے لیے ہندوستان کے جنوب کے علاقہ کو پسند فرمایا۔ موجودہ دور میں شہر اورنگ آباد سے 12 کلومیٹر کے فاصلے پر دولت آباد کا قلعہ موجود ہے۔ اور اس سے 12 کلومیٹر پہاڑی حصہ پر سفر کرنے کے بعد جو علاقہ شروع ہوتا ہے اس علاقہ کو قدیم دور سے دیوناس نگری کے نام سے شہرت حاصل تھی۔ موجودہ دور میں یہ علاقہ اورنگ زیب عالمگیر کی تدفین کی وجہ سے 1707ء میں خلد آباد کے نام سے مشہور ہوا۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا لقب خلد مکانی تھا۔ خلد آباد کے فصیل بند شہر اور اس کے بیرونی دروازے کے روبرو ایسی سڑک جو ایلورہ کے غاروں کی طرف روانہ ہونے کا راستہ بتاتی ہے' اس سے دو کلومیٹر اندر کے فاصلے پر تالاب کے احاطہ میں نہ صرف حضرت کا مزار شریف موجود ہے بلکہ حضرت کا قائم کردہ مصلی اور آپ کی مسواک کا جھاڑ آج بھی موجود ہے' جو 800 سال سے آج تک پھل دے رہا ہے' اس کے استعمال سے لاولد خواتین کو اولاد کی خوشخبری حاصل ہوتی ہے۔ حضرت کے احوال اور دکن کے اس پہاڑی علاقہ میں آمد کے بارے میں تفصیلات

---

[10] گلستانِ خلد آباد از محمد عبدالحئی مطبوعہ سویرا آفسیٹ پریس، اورنگ آباد۔ 2001ء صفحہ 96 تا 98

اس طرح درج ہیں:

صوفیوں کے جن سلسلوں نے نہ صرف دکن بلکہ ہندوستان میں ترویج اسلام کا کام کیا ان میں سلسلہ سہروردیہ اور چشتیہ ممتاز ہیں۔ تصوف کے ہندوستانی سلسلوں میں سب سے زیادہ شہرت چشتیہ سلسلے کو ہے' لیکن سہروردیہ سلسلہ بھی چشتیہ سے بھاری ہے۔ کشمیر کے علاقے میں اسلام کی روشنی امیر کبیر سید علی ہمدانی اور ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی جیسے بزرگوں نے پھیلائی' جو سہروردیوں کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ بنگال کے پہلے کامیاب مبلغ شیخ جلال الدین تبریزی تھے۔ جو شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ اعظم تھے۔ اس وقت مشرقی بنگال کی سب سے بڑی زیارت سلہٹ میں موجود ہے' جس کے ایک سہروردی بزرگ شاہ جلال یمنی کا مزار ہے اور دیوگیر دکن میں اس سلسلہ کے پہلے بزرگ شاہ جلال گنج رواں تشریف لائے۔ گجرات کے قدیمی دارالخلافہ یعنی شہر احمد آباد کی سب سے بڑی زیارتیں یعنی قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کے سربہ فلک روضے سہروردی یادگاریں ہیں۔ مشہور کتاب ''سیر العارفین'' کے صفحہ 115 سے واضح ہوتا ہے کہ پاک پٹن سے مغرب کے علاقے یعنی سندھ' جو مغربی پنجاب اور بلوچستان کے علاقوں کو توبابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا تصرف کہاجاتاہے' بھی بہاءالدین زکریاسہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت کے قائل تھے۔

چشتیوں اور سہروردیوں میں بہت سی چیزیں مشترکہ تھیں اوراس امر کا بھی عام رواج تھا کہ ایک شخص دونوں سلسلوں کے بزرگوں سے فیضیاب ہوسکتاہے، لیکن اگر ان بزرگوں کے حالات زندگی اور کارناموں کو بہ نگہہ غائر دیکھیں تو ان کا امتیازی رنگ صاف نظر آتاہے۔ سہروردی بزرگانِ دین امور شرعی میں ان سے زیادہ محتاط تھے۔ ان کے یہاں سماع بہت کم تھا۔ خلاف شرع امور پر وہ فوراًنا پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ تبلیغ کا جوش ان میں زیادہ تھا۔ سیر و سفر کا شوق بھی انہیں چشتیوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھا۔ بالعموم چشتیوں کا رنگ ''جمالی'' تھااور سہروردیوں کا 'جلالی'' ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا اطراف ملک میں انہوں نے اسلام کاڈنکاخوب بجایااور اسلام کی بڑی پرجوش طریقے سے اشاعت کی۔ افسوس ہے کہ سہروردیوں کی مکمل تاریخ مرتب نہیں ہوئی۔ اور آج تو اس کے لیے مواد نہیں ملتا۔ سہروردیوں کے کام زیادہ تر اسلامی ہندوستان کے سیاست اور ثقافتی مرکزوں سے دور قرار پاتاہے۔[11]

دکن کے علاقہ میں سہروردی سلسلہ کے ایک اہم بزرگ کی آمد اور آپ کی خصوصیات کے بارے میں مختلف موٴرخین کے تفصیلی احوال کا پتا چلتاہے۔ موٴرخین نے اپنی کتابوں میں حضرت جلال الدین کا نام شاہ جلال الدین تحریر کیاہے اور آپ گنج رواں کے لقب سے متصل ہوئے۔ فارسی تذکرے ''روضۃالاولیاء'' میں غلام علی آزاد بلگرامی نے آپ کا مقام پیدائش ''خرقان'' قرار دیاہے۔ اس فارسی کتاب کا ترجمہ عبدالمجید خلد آبادی نے پیش کیاہے' جبکہ محمد عبدالحئی نے حضرت کی پیدائش اپنی کتاب ''گلستانِ خلد آباد'' میں بخارا کے مقام کا نام پیش کیا ہے۔ دیوگیر کے علاقے میں آپ کی آمد چھٹی ہجری یعنی سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں قرار دی جاتی ہے۔ اردو میں سب سے پہلے خلد آباد کے بزرگانِ دین کی تصنیف پیش کرنے والے مولوی رونق علی نے ''روضۃ الاقطاب'' میں یہ تحریر کیاہے کہ شیخ عبدالحق محدث

[11]گلستانِ خلد آباد از محمد عبدالحئی مطبوعہ سویرا آفسیٹ پریس، اورنگ آباد۔ 2001ء صفحہ 101 تا 102

دہلوی نے اپنی کتاب ''اخبارالاخیار'' کے توسط سے شیخ جلال الدین تبریزی کا روضہ بنگال میں ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ جبکہ شیخ غوثی حسن نے ''گلزارِ ابرار'' کے ذریعہ اورابوالفضل نے اپنی کتاب ''اکبر نامہ'' کے ذریعہ جلال الدین تبریزی کو ایک الگ بزرگ اور ان کا مزار بندر دیو محل بنگالہ میں موجود ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے۔ غرض! غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب کے ذریعہ بتایا ہے کہ دیوگیر کے علاقے میں تشریف لانے کے بعد حضرت نے ملفوظات تحریر کیے۔ جو حوادث زمانہ سے ضائع ہو چکے ہیں۔ حضرت کی تاریخ پیدائش اور وقت سفر کسی کتاب میں درج نہیں۔ آغاز مرزابیگ نے اپنی کتاب ''تاریخ دولت آباد اور دیوگڑھ'' میں حضرت کے مزار کے قریب پھلوں کے درخت کا ذکر کیا ہے۔ جس کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ آپ نے اس علاقہ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد اپنی مسواک کو زمین میں دفن کر دیا اس سے بر آمد ہونے والا درخت آج بھی 800 سال سے موجود ہے۔ جس کے بارے میں یہ ثبوت دیا جاتا ہے کہ اس درخت کا پھل کھانے سے بے اولاد خواتین کو اولاد کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ آج بھی ہزارہا لوگ اس علاقہ میں تشریف لاتے اور منت مان کر پھل لے جاتے ہیں اور صاحب اولاد ہونے کی خوشیاں مناتے ہیں۔ آپ کا مزارِ مبارک حضرت شاہ خاکسار رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے مشرق اور جنوب میں خلد آباد سے دو میل کے فاصلے پر پہاڑی کے درمیان موجود ہے۔ پہاڑی کا پانی جمع ہونے کی وجہ سے اس علاقہ کو ''پریوں کا تالاب'' کہا جاتا ہے۔ جس کے بارے میں مشہور ہے کہ ہر جمعرات کو جادوٹونے کی تکلیف میں مبتلا خواتین اس تالاب کے پانی سے چار جمعرات غسل کرلیں تو وہ صحت یاب ہو جاتی ہیں۔ حضرت کے مزار کے قریب ایک قدیم مصلی اور ایک حجرہ موجود ہے جسے خانقاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ حضرت کے وصال کی تاریخ شیخ ابو محمد نے ''گلستانِ اولیاء'' کے ذریعہ یہ واضح کیا ہے کہ 26/ ذیقعدہ 626ھ مطابق 1246ء کے دوران آپ نے اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ آپ کی تاریخ وفات ''متقدمین'' سے بر آمد کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے دیوگیری پر علاء الدین خلجی کے حملے سے قریب 38 سال پہلے آپ نے وصال فرمایا۔ آج بھی آپ کا مزار اور خانقاہ کا احاطہ کے علاوہ مسجد اور قریب قبرستان میں موجود قبریں اس دور میں گزرے ہوئے حالات کی یاد دلاتی ہیں۔ قدیم کتابوں میں آپ کے مقام قیام کو دیوناس نگری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پریوں کے تالاب کے قریب موجود یہ درگاہ خلد آباد سے دو کلو میٹر کے فاصلے پر موجود ہے۔ حضرت جلال الدین گنج رواں رحمۃ اللہ علیہ کا زندہ کرشمہ آج بھی موجود ہے' جس کے ذریعہ بے اولاد خواتین کو پھل کے ذریعہ صاحب اولاد بنانے اور سحر زدہ خواتین کو حضرت کے مزار کے قریب موجود پانی نہانے سے صحت یابی حاصل ہوتی ہے' جس کا سلسلہ 800 سال سے اس علاقہ میں جاری و ساری ہے۔ ہر مذہب اور فرقہ کے افراد اور دور دراز سے سفر کر کے خواتین یہاں کا پھل کھانے اور سحر زدگی سے محفوظ رہنے کے لیے بارگاہ پر حاضری دیتے ہیں۔ عام واقعات کے ذریعہ حضرت کی درگاہ کے قریب ایک مزار کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ تیسری صنف کا ایک مرد وہاں پہنچ کر پھل سے استفادہ کیا۔ زنخہ ہونے کے باوجود حمل قرار پایا۔ پیٹ چاک کر کے اس کی زچگی کی گئی۔ تاہم اس خواجہ سرا اور اس کی اولاد کو زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ مجاور اس مزار اور اس کے قریب بچے کی مزار کو دکھاتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت کی بارگاہ کے قریب موجود درخت کے پھل کے استعمال سے وہ صاحب اولاد ہو گیا۔ پھل کے استعمال کا طریقہ بھی خالص سائنسی انداز کے استعمال کا پتا دیتا ہے۔ پھل عام طور پر خواتین کو ماہواری کے بعد پہلی جمعرات کھلایا جاتا ہے' جس کے بعد ہمبستری کا عمل لازمی ہوتا ہے۔ غرض موجودہ مرہٹواڑہ اور

ریاست مہاراشٹرا کے علاقے میں دو اہم صوفیائے کرام نے خلیج عرب سے سفر کر کے دکن کی طرف رخ کیا اور اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے خانقاہ تعمیر کی۔ اس طرح دکن کے علاقے میں مسلم اقتدار سے قبل صوفیائے کرام کی آمد اور ان کے خانقاہی نظام کی وجہ سے دکن کا تمام تر علاقہ ان بزرگان دین کی بندگی اور انسانیت دوستی کے ساتھ ساتھ کرامات کی وجہ سے شہرت کا حامل ہو گیا۔

تاریخی حقائق گواہ ہیں کہ دکن کے علاقہ میں علاء الدین خلجی کے حملے 1294ء سے قبل کا دور ایسا تھا کہ سارے دکن میں مقامی دراوڑی نسلوں کے باشندے آباد تھے۔ آریائی نسل اور دراوڑی راجاؤں کی حکمرانی تھی، اُسی عہد میں ان بزرگانِ دین کی آمد اور اسلام کو دکن میں فروغ دینے کے حالات سے پتا چلتا ہے کہ سب سے پہلے دکن کا رخ کرنے والے ان چار بزرگوں کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ انہوں نے دکن کے علاقے پر مسلمانوں کی حکمرانی سے قبل اس علاقہ کو اسلام کے مرکز کا درجہ دینے میں کامیابی حاصل کی۔ چنانچہ آج بھی سابق کا دیوگیر کا علاقہ دولت آباد کے نام سے بزرگانِ دین کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ جبکہ دولت آباد اور خلد آباد کے درمیان کا علاقہ "کاغذی پورہ" کہلاتا ہے۔ جہاں محمد تغلق کے عہد میں دہلی سے ترک وطن کر کے تشریف لانے والے 1400 پالکیوں کے امام حضرت شاہ نظام الدین چہاردہ صد اولیاء کا مزار موجود ہے۔ جو پہاڑی کی اونچائی پر اُسی دور سے دستی کاغذ بنانے کے کارخانے سے شہرت رکھتا ہے جس کے بعد دولت آباد کا تیسرا مشہور شہر خلد آباد ہے جس میں حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی کے خلفاء حضرت منتجب الدین زرزری زر بخش، حضرت برہان الدین غریب اور خواجہ زین الدین سراجی کے علاوہ حضرت نصیر الدین پون پیک ہی نہیں بلکہ دہلی کے مشہور شاعر اور اردو کے علاقہ موسیقی کو فروغ دینے والے حضرت امیر خسرو کے پیر بھائی حضرت میر حسن اعلیٰ سجزی جنہوں نے حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے ملفوظات مرتب کیے۔ غرض حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز کے والد محترم حضرت شاہ راجو قتال کا مزار بھی خلد آباد میں موجود ہے۔

دولت آباد، کاغذی پورہ اور خلد آباد کو دکن کی اولین اسلامی درسگاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے واضح ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام کی سرپرستی کی وجہ سے اس علاقہ میں اسلامی تصوف کے ساتھ ساتھ درویشی اور خانقاہی نظام کا آغاز ہوا۔ اور اسی کے ساتھ دکنی ادب کی ابتدا بھی اسی علاقے سے وابستہ ہے۔ حضرت سید یوسف شاہ راجو قتال حسینی والد بزرگوار حضرت سید بندہ نواز کی دکنی مثنوی "سہاگن نامہ" اور حضرت زین الدین داؤد شیرازی کی مثنوی "نرلک نامہ" کے عہد کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ 1331ء اور 1369ء میں اس کی تدوین عمل میں آئی۔ جس کی وجہ سے تصوف اور خانقاہی نظام کے ساتھ ساتھ بزرگانِ دین کی مقامی باشندوں سے میل ملاپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نئی زبان وجود میں آئی۔ اس طرح دکن کی سرزمین میں دکنی ادب کی بنیاد بھی اسی علاقہ سے ہونے کا مکمل ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(3) باباشرف الدین سہروردی عراقی رحمۃ اللہ علیہ

شمالی ہند کے مقابلہ میں جنوبی ہند کے علاقوں میں خانقاہی نظام کے کثرت سے اہتمام اور بے شمار بزرگوں کے آستانہ کے قریب خانقاہوں کی موجودگی سے بذات خود تربیت گاہوں کا عملی ثبوت ہے۔ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی دہلی میں آمد سے قبل کے تاریخی جائزے سے ثبوت ملتا ہے کہ ہندوستان میں خانقاہی نظام لاہور سے اجمیر اور پھر پاک پٹن سے ہوتے ہوئے دہلی تک پہنچ گیا۔ خانقاہی نظام کے وسیلے تاریخی روایت کے مطابق حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کی وجہ سے دکن میں ترقی کے مدارج طے کرتا رہے۔ اس

کے علاوہ یہ جواز بھی موجود ہے کہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے مریدین اور خلفاء کی دکن میں آمد سے برسہابرس قبل خانقاہی نظام اور بزرگان دین کی آمد کی وجہ سے دکن میں اسلامی طریقے رائج ہو چکے تھے۔ دکن کے علاقہ میں عراق کی سرزمین سے سفر کرتے ہوئے دیوگری اور دولت آباد کے علاوہ سابق کے پچلم اور موجودہ حیدرآباد کو خانقاہی نظام کے مرکز کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ تاریخی شہادت کے مطابق دکن کی ریاست حیدرآباد میں ورنگل کے راجاؤں کے دور کے دوران کاکتیہ سلطنت کے تحت گولکنڈہ کی حکمرانی جاری تھی۔ اسی علاقے میں عراق کی سرزمین سے ترک وطن کرکے سہروردی سلسلہ کے صوفی بزرگ حضرت باباشرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی آمد اور سکونت کو اس علاقے کے لیے نعمت غیر مترقبہ قرار دیا جائے گا۔ حضرت کے حالات اور کارناموں کا احاطہ عہد وسطیٰ کے بزرگانِ دین کے تذکروں میں موجود ہے۔ محمد علی خاں مجددی نے حضرت والا کے احوال کے بارے میں لکھا ہے:

نام و نسب: سرزمین ہند کے خطہ دکن پر حسب ارشاد و ہدایت حضرت سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اشاعت اسلام و تبلیغ دین جیسے اہم فریضے کی ادائی کے لیے سب سے پہلے رونق افروز ہونے والی اس مبارک و مقدس ہستی کا اسم گرامی حضرت سید شرف الدین اور لقب مبارک "بابا" ہے' رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نام اور لقب یعنی حضرت باباشرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اہل دکن اور معتقدین آپ کو حضرت باباصاحب قبلہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ آپ سلسلہ سہروردی ہے' آپ کا وطن عراق ہے۔ اسی لیے تذکرہ نویسوں نے آپ کو سہروردی عراقی لکھا ہے۔ آپ خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ ہیں۔ یعنی آپ کا تعلق سادات حسینی سے ہے' تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کا سلسلہ تیرہ واسطوں سے جگر گوشۂ رسول فرزند بتول امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام شہید دشت کربلا تک پہنچتا ہے۔[12]

عراق کی سرزمین سے پیدل سفر کرتے ہوئے ہندوستان کے جنوبی ہند میں اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے قدم رنجہ فرمانے والے اس صوفی بزرگ کو دکن کے ابتدائی بزرگانِ دین میں شمار کیا جاتا ہے۔ جن کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے ورنگل کی کاکتیہ سلطنت کے اقتدار کے دوران اُس علاقہ کا رخ کیا۔ ابتداء میں ایک پہاڑی سے وابستہ یہ علاقہ بعد میں پچلم کے نام سے مشہور ہوا۔ البتہ کاکتیہ راجاؤں نے اس علاقہ پر اقتدار کی برقراری کے لیے گولکنڈہ قلعہ تعمیر کیا تھا۔ جس پر قطب شاہی بادشاہوں نے اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس سلطنت کی ایک علاقہ حیدرآباد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' بلکہ حیدر محل کینام پر اس علاقہ کو حیدرآباد کا نام دیا گیا جس کی تاریخی شہرت چار مینار کی عمارت سے ہوتی ہے۔ تاریخی پس منظر میں حیدرآباد کے اولین بزرگ حضرت باباشرف الدین سہروردی کی دکن میں آمد اور آپ کے سلسلہ نسب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے محمد علی مجددی نے واضح کیا ہے کہ آپ کا سلسلہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ مبارک سے تیرہ واسطوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اُس دور میں عراق کی سرزمین کو صرف اقتدار کی وجہ سے نہیں' بلکہ علم و ادب اور مذہبیات کی ترقی و ترویج کی وجہ سے شہرت حاصل تھی۔ اُس علاقہ میں اپنے بزرگانِ دین سے فیض حاصل کرنے والے خدا کے

---

[12] سوانح مبارک حضرت باباشرف الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سہروردی عراقی معہ کرامات' تصنیف محمد علی خاں مجددی نقشبندی، ناشر کمرشیل بک ڈپو چار مینار حیدرآباد دکن۔ 1384ھ۔ صفحہ 3

بندوں کو یہ تربیت دی جاتی تھی کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دنیا کے مختلف خطوں میں سکونت اختیار کر کے دین واسلام کی تعلیم کو عام کرنے میں مصروف ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت بابا شرف الدین نے بھی پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہجرت کا کارنامہ انجام دیا۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے اسلام کے ماننے والوں کو سنت کے طور پر ہجرت کا تحفہ دیا تھا۔ عربی زبان میں مقولہ مشہور ہے جس کو فارسی کے ماننے والوں نے "سفر باعث ظفر" قرار دیا ہے۔ اس طرح عراق کی سرزمین سے سفر کرتے ہوئے اُس دور کے گھنے جنگلات اور خونخوار جانوروں سے مقابلہ کر کے اپنی جان کو حفاظت کے ساتھ حضرت والا نے اپنی ذات کو اُس سرزمین کی طرف متوجہ کیا' جو آج کے دور میں حیدرآباد کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ موجودہ دور میں قائم شدہ حیدرآباد کے ایرپورٹ کے قریبی علاقے میں آپ کا مزار اونچی پہاڑی پر موجود ہے جہاں ہر روز بے شمار مرجع خلائق کے علاوہ بندگانِ خدا کو آپ کی بارگاہ سے فیضیابی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ حضرت کی سوانح بہت کم کتابوں میں دستیاب ہے۔ دستیاب شدہ مواد سے حقائق پیش کیے جارہے ہیں۔

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت باسعادت مورخہ 16 شعبان 586ھ مطابق 19/ستمبر 1190ء وقت صبح ملک عراق میں ہوئی[13]

سولہویں شعبان کی تھی بے گماں   تھا نزول فضل رب انس و جاں
خیر دنیا شرفِ دیں پیدا ہوا   صاحب ومقبول حق نجم و زماں

586ھ

تعلیم وتربیت: یہ ہادیٔ اعظم، مخلوق خدا کا رہنما، انسانیت کا دوست، اسلام کا مبلغ حصول علم دین کے لیے سب سے پہلے اپنے پدر بزرگوار کے سامنے زانوئے ادب طے فرمایا۔ ابتدائی تعلیم یعنی حفظ قرآن اور چند دینی کتب کی تعلیم کے بعد شہر بغداد شریف میں تشریف لاکر علوم شرعی، تفسیر و حدیث شریف' فقہ و نحو کی تکمیلی تعلیم شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر حاصل فرمائی۔ آپ ایک مدت تک شیخ کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل فرمانے کے بعد دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اور اس روحانی پیشوا کی تربیت کا اثر یہ ہوا کہ آپ کے اخلاق وعادات اور اوقات عبادات بعینہٖ اپنے پیر کے قدم بقدم تھے۔

بیعت و خلافت: آپ جب اپنے ہادیٔ اعظم، پیر و مرشد، شیخ الشیوخ' حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم ظاہری و باطنی سے تربیت یافتہ ہو چکے تو آپ کی حق شناس طبیعت معرفت الٰہی کی طرف مائل ہوئی۔ تب آپ نے اپنے استاد حضرت شیخ شہاب الدین سروردی کے دست مبارک پر بیعت فرما کر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ پھر کیا تھا کہ آپ عبادت وریاضت الٰہی میں رات دن مشغول رہنے لگے اور تبلیغ دین واشاعت اسلام آپ کا مقصد عظیم تھا۔

---

[13] ملاحظہ ہو مادہ تاریخ ولادت

سلسلہ مواعظ: آپ نے خرقہ ٔخلافت سے سرفراز ہونے کے بعد مواعظ کا سلسلہ شروع فرمایا۔ آپ کا وعظ مبالغہ باتوں سے پاک وصاف ہوا کرتا تھا' ایسے حقائق و معارف بیان فرماتے کہ سننے والے حیران و ششدر ہو جاتے۔ آپ کے وعظ مبارک کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہزاروں فاسق و فاجر اپنی بدکرداری سے دائمی توبہ کرکے اعلیٰ درجہ کے پرہیز گار بن گئے۔[14]

عراق کی سرزمین کو اسلام کے مرکز کا درجہ حاصل تھا۔ اسی سرزمین سے شہادت اسلام کی گواہی دینے والے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد مبارک کا سلسلہ جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مسالک کے ماننے والوں کے مرکز کی حیثیت سے عراق کو اہم مقام حاصل ہے۔ طویل عرصہ سے بزرگانِ دین کی سرزمین اور اس علاقہ میں ان کی خدمات کا نتیجہ یہ رہا کہ اسلامی شعار حاصل کرنے اور تعلیمات سے فیضیاب ہونے کے لیے لوگ جوق در جوق عراق کی سرزمین کا رخ کیا کرتے تھے جو صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے تصرفات کا اہم مرکز تھا۔ اسی سرزمین سے حضرت کی ولادت کی شہادت دی گئی ہے۔ اُس دور کی اہم کتاب ''سفرنامہ ٔقطبی'' کے توسط سے حاصل ہونے والے احوال کو حضرت کے کارناموں کی حیثیت سے نمائندگی دی جارہی ہے۔

اخلاق وعادات: آپ ابتداء سے ہی نہایت خلیق شیریں زبان' بردبار' سادہ مزاج' ایثار پسند' غریب نواز' شب بیدار اور تہجد گذار تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ آپ کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ رات رات بھر ذکر و نوافل میں گزار دیتے تھے۔ طلوع آفتاب سے چار گھنٹے قبل آب سرد سے وضو فرما کر نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ نماز تہجد ادا فرماتے اس کے بعد ذکر و شغل میں مشغول ہو جاتے۔ سحر کے آثار نمودار ہونے پر فریضہ فجر سے فارغ ہو کر اپنے رہنمائے دین و دنیا پیر و مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی معیت میں غریبوں کی خدمت اور بیماروں کی عیادت کو تشریف لے جاتے' ان کاموں سے فراغت پا کر اپنی معاش یعنی وجہ حلال کی روزی کے لیے جدوجہد فرماتے جو بھی میسر آتا کچھ اپنے لیے خرچ فرماتے بقیہ غرباء میں تقسیم فرمادیتے تھے۔ غرض آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خدا اور رسول کی فرمانبرداری میں گزرتا تھا۔ مریدین اور متعقدین کی ہدایت تعلیم وتربیت آپ کے اوقات کا خاص شغل تھا۔

خوش خلقی: خوش خلقی میں آپ احکام قرآنی کا نمونہ تھے۔ آپ نہایت خوش خلق بامروت، سادہ مزاج تھے۔ آپ کو اپنے نفس پر بے انتہا قابو حاصل تھے۔ آپ کی مبارک ہستی سرچشمہ خیر وبرکات تھی آپ کو ظاہری شان و شوکت سے نفرت تھی۔ غریبوں میں رہتے اور ہمیشہ ان کی مدد امداد میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔

ایثار پسندی: آپ بے انتہا غریب نواز اور ایثار پسند تھے۔ لوگوں کو بھی ایثار کی ترغیب دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ خود بھوکے رہتے اور غریبوں کو کھلا دیتے تھے۔ جب کسی دوست یا مرید کے پاس سے تحفہ آتا تو غریب طلباء کو بھیج دیتے تھے۔ اور جب کھانا کھانے کے لیے بیٹھتے تو غریب ہمسایوں کا حال ضرور دریافت فرماتے۔ اگر کوئی بھوکا ہوتا تو اپنا کھانا اس کے گھر بھیج دیتے۔ غرض! آپ اُن تمام خوبیوں کے حامل تھے جو آپ کے پیر و مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ میں موجود تھیں۔

---

[14] سوانح مبارک حضرت باباشرف الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سہروردی عراقی معہ کرامات' تصنیف محمد علی خاں مجددی نقشبندی، ناشر کمرشیل بک ڈپو چارمینار حیدرآباد دکن۔1384ھ م1964ء۔ صفحہ 4-7

طالب علموں کے ساتھ خصوصی ہمدردی: چوں کہ آپ نے خود کافی محنت ومشقت کے بعد علم دین حاصل فرمایا تھا اور آپ یہ بھی جانتے تھے کہ یہی نونہال علم دین حاصل کر کے خدمت اسلام کے قابل ہو سکتے تھے اس لیے آپ طالب علموں کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہو گا "آپ علم نواز تھے"۔

مبارک رات: ایک رات آپ کو خواب میں حضور پُر نور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال باکمال نظر آیا اور آپ کے لیے حکم صادر ہوا کہ برائے تبلیغ دین واشاعت اسلام کے لیے ہندوستان کے جنوبی علاقہ کی طرف روانہ ہو جاؤ خواب سے بیدار ہو کر آپ نے سفر کا بندوبست فرمایا اور راہی دکن ہوئے۔[15]

ہند میں تشریف آوری: حضرت بابا شرف الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تبلیغ دین وشاعت اسلام جیسے اہم فریضے سے بے پناہ عشق تھا۔ جہاں آپ کی مبارک زندگی کا مقصد فاسق وفاجر لوگوں کو راہِ راست پر لانا تھا وہاں تبلیغی فریضہ بھی آپ کا جزء زندگی تھا۔ اسی مبارک مقصد کی تکمیل کے لیے آپ ہزاروں زحمتیں برداشت فرما کر ملک عراق سے بہ عہد سلطان شمس الدین التمش 631ھ مطابق 1234ء ہند میں رونق افروز ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 45 سال تھی۔

ہند میں نو سال: آپ مسلسل نو سال تک ہندوستان کے مختلف مقامات میں تبلیغی خدمت انجام دیتے ہوئے 640ھ مطابق 1243ء میں سرزمین دکن کو اپنے قدم مبارک سے افتخار بخشا۔

دکن میں رونق افروزی: اس وقت تک آپ اپنی زندگی کے 54 سال گزار چکے تھے۔ یہ ہماری خوش بختی سمجھئے کہ آپ دکن میں تشریف لاتے ہی (حیدرآباد دکن جو ابھی اس نام سے موسوم نہیں ہوا تھا) موجودہ حیدرآباد سے چند میل جنوب مغرب کی طرف ایک غیر مانوس خطہ کی بلند پہاڑی پر قدم رنجہ فرمایا جس جگہ آپ کا مزار پُر انوار ہے وہ پہاڑی آج تک آپ ہی کے مبارک نام سے موسوم ہے اور اندازہ لگایئے کہ آج سے سات سو سال قبل اس مقام کا کیا حال ہو گا' کوسوں درندوں کے مسکن کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے' اس لق ودق جنگل میں درندوں کا مسکن تھا تو آبادی میں درندہ صفت انسان بستے تھے۔

چلہ کشی: آپ پہاڑی پر قدم رنجہ فرمانے کے بعد ایک غار میں چلہ کش ہوئے سوائے عبادت وذکر کے اور کچھ کام نہ تھا' مسلسل 9 سال تک ریاضت شاقہ کی ادائی کے بعد 63 سال کی عمر میں غار سے بر آمد ہوئے (وہ غار پہاڑی شریف میں آج تک موجود ہے اور حضرت بابا صاحب کے چلہ کے نام سے مشہور ہے۔ زائرین یہاں بھی حاضری دیتے ہیں)۔ اس وقت تک لوگوں کو آپ کی آمد کی خبر ہو چکی تھی آپ کا آستانہ قبلۂ حاجات بن چکا تھا۔ آپ کی خانقاہ ہمیشہ آپ کے مشاقوں سے بھری رہتی تھی۔[16]

---

[15] سوانح مبارک حضرت بابا شرف الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سہروردی عراقی معہ کرامات' تصنیف محمد علی خاں مجددی نقشبندی، ناشر کمرشیل بک ڈپو چارمینار حیدرآباد دکن۔ 1384ھ م 1964ء۔ صفحہ 7-8

[16] سوانح مبارک حضرت بابا شرف الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سہروردی عراقی معہ کرامات' تصنیف محمد علی خاں مجددی نقشبندی، ناشر کمرشیل بک ڈپو چارمینار حیدرآباد دکن۔ 1384ھ م 1964ء۔ صفحہ 8-9

تبلیغ دین اسلام: آپ کو جس مقصد کے لیے دکن میں تشریف لے جانے کا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تھا وہ دین اسلام کی تبلیغ تھی، اس لیے آپ ہمہ تن اس طرف متوجہ ہوئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔ تمام رات مالک حقیقی کی عبادت فرماتے تو تمام دن مریدین و معتقدین کو پند و نصائح سے سرفراز فرماتے۔ محاسن اسلام کا ذکر اسلام کی وسعت اور اسلام کی رواداری و مساوات وغیرہ پر موثر وعظ فرماتے نتیجتاً لوگ اسلام کی عظمت و سچائی کے قائل ہونے لگے اکثر تو آپ کے اخلاق و حسن سلوک سے متاثر ہو کر حضرت کے دست حق پر مشرف بہ اسلام ہو جاتے تھے۔ ان میں سے لائق اور تربیت یافتہ مردوں اور خلفاء کو اطراف و جوانب میں تبلیغ کے لیے روانہ فرماتے تھے۔ پیرزادہ سید محمد دستگیر پاشاہ صاحب سلطان العارفین میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں بزگوں سے سنا ہوں کہ ملک دکن میں دور دور گاؤں و قصبات میں جہاں جہاں گھنے جنگلوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر بزرگانِ دین کے جو مزارات ہیں' وہ بالعموم اولیائے سہروردی کے ہیں جو حضرت باباشرف الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے ہدایت پاکر تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے بھیجے گئے تھے۔ یہ بزرگان دین سہروردی دکن کے اطراف و اکناف میں تالیف قلوب حسن سلوک کمال اخلاق و روحانی تصرفات سے ہزاروں لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کیے۔

آپ کی تعلیمات: آپ کی تعلیمات تھی کہ ذات پات کی تمیز بیکار رنگ و نسل کے جھگڑے بے معنی زبانوں کا بندھن بے موقع چھوت چھات کا امتیاز غیر ضروری ہے۔ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انسانوں کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کی ہمدردی کریں باہمی رنج و راحت میں شریک رہیں۔ چنانچہ صدیوں سے یہ اثر دیکھا جارہاہے کہ حیدرآباد کے باشندے سب بلافرق مذہب و ملت ایک دوسرے کے دوست رہے ہیں۔ ہر غمی و خوشی میں آج بھی ایک دوسرے کے برابر شریک ہیں اس تعلیم سے آپ نے اسلامی اخوت کا وہ سبق دیا کہ قیامت تک اہل دکن کے دلوں پر نقش رہے گا۔ تمام بنی آمد کو ایک ہی مانے میں پرو کر ظاہر فرمادیا کہ سب ایک ہی خدا کے بندے ہیں جس کی بندگی سب کے لیے یکساں و ضروری ہے۔ آپ کے مریدین و معتقدین میں ہر ایک کے چہرے سے ایمان کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ یہی اسلام کی وہ شان ہے جو اس کی سچائی کی دلیل ہے۔ آپ کی بدولت دکن کی سرزمین پر تکبیر و تہلیل کی آواز سے باشندگان دکن کے کان آشنا ہونے لگے بلاواسطہ خدا کو ماننے لگے اور سرزمین دکن پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔[17]

دکن کی سرزمین میں حضرت کی آمد کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ حضرت کے احوال اور کارناموں کا اختصار سے جائزہ لینے کے بعد آپ کی آمد اور دکن میں اسلام کی تبلیغ کے طریقوں کو پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ آپ کے دور کا تعین کر کے حقائق کی روشنی میں تاریخی ثبوت فراہم کیے جائیں۔ چنانچہ مختلف کتابوں سے احوال جمع کرنے کے بعد دکن کے علاقے میں آپ کی رحلت کی تفصیلات درج کی جارہی ہیں۔ یہ دور وہی ہے جبکہ دکن کا سارا علاقہ اسلام اور اس کی تعلیمات سے بے بہرہ تھا۔ کیوں کہ کوئی پیر یا کوئی صوفی اور اسلامی بزرگ کا گزر اس علاقہ میں نہیں ہوا تھا۔ جبکہ حضرت باباشرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اس علاقے میں آمد کو ہی دکن کے علاقے تلنگانہ کی اسلامی خصوصیات کا علمبردار قرار دیتے ہوئے حضرت کے وصال کی تفصیلات درج کی جارہی ہیں۔

---

[17] سوانح مبارک حضرت باباشرف الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سہروردی عراقی معہ کرامات' تصنیف محمد علی خاں مجددی نقشبندی، ناشر کمرشیل بک ڈپو چارمینار حیدرآباد دکن۔ 1384ھ م1964ء۔ صفحہ 9-11

وصال: تمام مورخین و محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ کا وصال مورخہ 19 شعبان المعظم 687ھ مطابق 17/ستمبر 1288ء بروز جمعہ رات میں ہوا اور 20 شعبان المعظم 687ھ م 18/ستمبر 1288ء میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر 101 سال کی تھی۔

مادۂ تاریخ ''آہ باباشرف الدین'' ہے۔

687ھ[18]

حضرت باباشرف الدین صاحب جیسے نیک بزرگ کی رحلت اور ان کی مادۂ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ 20 شعبان 687ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ جس کی سنہ عیسوی بر آمد کی گئی تو پتہ چلا کہ 17 ستمبر 1288ء کو آپ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اس دور کی تاریخ سے حقائق واضح ہوتے ہیں کہ شمالی ہند میں خاندان غلامان کی حکمرانی تھی اور جنوبی ہند میں تاریخی شہادتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں کاکتیہ راجاؤوں کی حکمرانی تھی۔ حضرت کے عہد اور اس دور کی تاریخی شہادتوں کے پس منظر میں موجودہ دور میں حقائق کی بازیافت سے نتائج اخذ کیے جارہے ہیں۔ چنانچہ دکن کے علاقے میں تلنگانہ کے ورنگل کو اہم مقام حاصل تھا اور اس مقام کے راجاؤوں کے اقتدار اور اس کی تفصیلات کو تاریخی حقائق کی روشنی میں واضح کیا گیا تاکہ حضرت کے دور کا تعین کرنے میں سہولت فراہم ہو جائے۔

دکن کے تلنگانہ میں موجودہ حیدرآباد کی سرزمین میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے والے دوسرے بزرگ کی حیثیت سے حضرت باباشہاب الدین سہروردی کی خدمات کو بطور خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ آج کے دور کی پہاڑی شریف کو آباد کرتے ہوئے برادر حقیقی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے ذریعہ بطور خاص شریعت کا درس اور روحانیت کے توسط سے دوسرے اہم بزرگ کو خانقاہی نظام کے پروردہ قرار دیا جاتا ہے۔

(4) حضرت باباشہاب الدین سہروردی عراقی رحمۃ اللہ علیہ

جس عہد میں دکن کے علاقے کو روحانیت اور اسلامی حقانیت سے آراستہ کرنے کے لیے بزرگانِ دین نے عراق کی سرزمین سے سفر کرکے دہلی اور پھر دکن کا رخ کیا اُس دور کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ حضرت باباشرف الدین سہروردی عراقی کے ہمراہ دہلی میں پہنچنے پر اِن بزرگانِ دین کو زبان کا مسئلہ درپیش نہیں ہوا۔ کیوں کہ بیشتر دہلی کے باشندے اور خود بادشاہانِ دہلی میں ''خاندان غلاماں'' کے دور تک عربی اور فارسی کو شمالی ہند کی اہم زبان کی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ ان بزرگوں کو دہلی میں قیام کے دوران ترسیل کا مسئلہ درپیش نہیں ہوا۔ جبکہ اِن بزرگوں نے دکن کا رخ کیا تو دکن کے سارے علاقے کی زبان دراوڑی زبانوں سے وابستہ تھی۔ جس علاقے میں حضرت بابا شرف الدین سہروردی اور ان کے برادر حضرت باباشہاب الدین سہروردی نے قیام فرمایا اُس علاقے کو دراوڑی زبان تلگو کا علاقہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس سرزمین کے باشندے تلگو زبان کے استعمال کے عادی تھے، جبکہ عراق سے دکن میں آنے والے بزرگوں کی مادری زبان عربی تھی۔ لازمی طور پر مقامی باشندوں سے رابطہ کے لیے اِن بزرگوں کو درپیش مسائل کا دورِ حاضر میں حد درجہ دشوار ہے۔ تاہم ان بزرگوں کی

---

[18] سوانح مبارک حضرت باباشرف الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سہروردی عراقی معہ کرامات، تصنیف محمد علی خاں مجددی نقشبندی، ناشر کمرشیل بک ڈپو چارمینار حیدرآباد دکن۔ 1384ھ م 1964ء۔ صفحہ 21-22

خدا پرستی اور خدا سے حاصل کردہ مدد کا نتیجہ یہ رہا کہ دو زبانوں کے درمیان موجود فرق کے باوجود بھی دکن میں عراق کے عربی داں بزرگوں اور دکن کے تلگو داں طبقوں میں صوفیائے کرام کی تعلیمات کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اِن بزرگانِ دین کی خدمات کو آج سے 800 سال بعد بھی اہمیت کا درجہ دیا جاتا ہے۔ دکن میں بطور خاص اس دور کے مشہور علاقے چچلم میں داخل ہو کر حضرت بابا شرف الدین اور ان کے بھائی بابا شہاب الدین نے جس علاقے کو پسند فرمایا' وہ علاقہ آج بھی بابا صاحب کی پہاڑی کی نام سے شہرت رکھتا ہے۔ کسی زمانہ میں یہ علاقہ غیر آباد تھا' لیکن آج اس علاقہ میں نئے ایرپورٹ کی تعمیر اور آبادیوں کے بڑھنے کی وجہ سے صرف پہاڑی شریف کے علاوہ اس مقام کے قریب کے علاقے کو حیدرآباد کی سب سے بڑی آبادی والا علاقہ اور شناخت کے اعتبار سے ''شاہین نگر'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ 800 سال قبل اس غیر آباد سرزمین کو جن بزرگوں نے اپنے تصرفات کی بنیاد رکھی تھی' آج 800 سال کے بعد وہاں نئ آبادی موجود ہے جو شہر حیدرآباد کی رونق میں اضافہ کرنے اور حیدرآباد میونسپلٹی کی جانب سے کیے جانے والے انتظامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس تمام علاقہ کی حد درجہ جدید انداز سے درجہ بندی کی گئی ہے۔ پہاڑی شریف پر آرام فرما دوسرے اہم بزرگ کے حالات کی تفصیلات ملاحظہ ہوں:

''بستان الاولیاء'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ آپ (حضرت بابا شہاب الدین سہروردی) بابا شرف الدین سرہ کے برادر ہیں۔ اور حضرت شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ سلاطین خلجیہ کے زمانہ میں شمالی ہند میں تشریف لانے پھر وہاں سے حقیقی بھائی کی رفاقت میں واردِ دکن ہوئے۔ چند روز بھائی کے پاس گزر بسر کرنے کے بعد اُس مقام میں رونق افروز ہوئے' جہاں آج آپ کا مزار شریف موجود ہے۔ نواب امیر کبیر فخر الدین خان شمس الامراء بہادر نے اس مقام میں مکانات و بازار وغیرہ تعمیر کرواتے ہوئے اس کا نام شمس آباد رکھا۔ آپ تابہ حیات اُسی مقام میں سکونت پذیر رہے۔ چنانچہ رحلت کے بعد مقام قیام پر ہی دفن کیے گئے۔ آپ صاحب کشف و کرامت تھے۔ اہل اصنام آپ کے خرق عادات کی وجہ سے حدرر درجہ مانوس ہونے لگے۔ چنانچہ صبح و شام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ آپ حد درجہ لطف و ملائمت سے ان کی دلجوئی و دل دہی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے پاس مقامی باشندوں کے بیماروں کو لاتے تھے' جن کے علاج سے مایوس ہو جاتے تھے۔ آپ بیماروں پر دُعا دَم کیا کرتے تھے۔ آپ کی دعا مسیحائی دم کا کام کرتی تھی۔ فی الفور بیمار تندرست ہو جاتا تھا۔ پس ہنود بغرض دعا اور دوا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے' جس سے اسلام و ایمان کی طرف رغبت ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ آپ کی ہدایت و تالیف قلوب سے موحدین کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اکثر موحدین نے راجاؤں اور قوم کے خوف سے ایمان و اسلام کے اظہار سے پرہیز کرتے تھے۔ جب موحدین کی تعداد بڑھ گئی' تب حضرت کی خدمت میں ظاہراً مسلمان ہو گئے۔ راجاؤں و قوم نے ان سے باز پرس نہیں کی۔ اور حکام وقت بھی آپ کے طرف رجوع ہونے لگے۔ عبدالجبار ملکاپوری کے مطابق:

ایک بت خانے کا پجاری مہنت آپ کے اوصاف سن کے آیا اور آپ سے سوال کیا۔ حضرت خدا ایک ہے یا متعدد ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک ہے۔ اس کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے وہ فرد فرید ہے۔ نہ اس کو ولد ہے نہ زوجہ' نہ وہ زوج ہے۔ ایکتا ہے ایکتائی کو پسند کرتا ہے۔ دیکھو اس کی فردیت پر نباتات و اشجار مثلاً نیم، املی، پلاس وغیرہ کے پتے اگر آپ شمار کریں گے تو طاق و فرد پائیں گے، زوج نہ پائیں گے۔ مہنت کے چیلے

دوڑے درختوں مذکورہ کی شاخیں لائے اور پتوں کو شمار کیے۔ ہر ایک کے آخر میں ایک فرد نکلا مہنت اور اس کے چیلے آپ کی تقریر و ہدایت سے بہت خوش ہوئے۔ حضرت کا فرمانا بموجب اللہ وتریحب الوتر یعنی خدا طاق و فرد ہے۔ طاق و فرد کو دوست رکھتا ہے اور بمصداق شعر سعدی علیہ الرحمہ ہے:

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ہر ورقی دفتریست معرفتِ کردگار

آپ اور آپ کے برادر بزرگ حضرت باباشرف الدین قدس سرہٗ سے دکن کے علاقے تلنگانہ میں اسلام وایمان کا چراغ روشن ہوا۔ اکثر ہنود ان بزرگوں کے کارناموں سے ایمان واسلام سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ اہل اصنام کے قلوب سے کفر کا زنگ دور ہو گیا۔ اور بتوں کی عظمت وبزرگی ان کے دلوں میں باقی نہیں رہی۔ اہل اسلام کے اصول وفروع کو پسند کرنے لگے۔ اور اہل اسلام کی ہمدردی و مواخات سے نہایت ہی خوشی منانے لگے۔ حضرت سے کہتے تھے کہ اسلام کے قواعد وضوابط درست و صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ واقع میں آپ اور ہم سب بنی آدم باہم برادر ہیں۔ سلاسل کے دراز ہونے سے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ آپ مقبول الدعا تھے۔ اور عملیات میں بھی کامل قدرت رکھتے تھے۔ جامع الفضل والکمال تھے۔ صاحب مکارم اخلاق فضل و خلق کے ذریعہ سے خلائق کے قلوب کو مسخر فرماتے تھے۔ آخر آپ نے اس دار ناپائیدار سے عالم بقا کی طرف بتاریخ 21/ محرم شریف 691ھ مطابق 1291ء میں رحلت فرمائی' اناللہ وانا الیہ راجعون۔ سکونت گاہ میں دفن کیے گئے۔ سالانہ آپ کا عرس ہوتا ہے۔ مشائخ وفقرا جمع ہوتے ہیں۔[19]

حضرت باباشرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے تین سال بعد حضرت بابا شہاب الدین کی رحلت کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دکن کے تلنگانہ علاقے پر علاء الدین خلجی کے حملے 1294ء سے صرف تین سال قبل حضرت شہاب الدین سہروردی کا وصال ہو چکا تھا۔ دکن میں خلجی خاندان کے حملے اور دیوگری پر یادو خاندان کے حکمرانی کے خاتمے سے قبل ہی ان دو بزرگوں نے حیدرآباد کی سرزمین کو نہ صرف اسلامی تعلیمات سے آراستہ فرمایا بلکہ پہاڑی شریف کے علاقے میں موجود خانقاہ کے نظام کو وسعت دی' اور اس کے ذریعہ مقامی باشندوں کی تربیت کا اہتمام کیا تھا۔ آج بھی درگاہ شریف کے احاطہ میں اُسی عہد کی تعمیر کردہ خانقاہ اور حضرات گرامی کے مراقبے کے پتھروں کے درمیان بنے ہوئے کمروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسی علاقہ میں رہائش گاہ اور خانقاہی نظام کو جاری رکھ کر علاء الدین خلجی کی آمد سے پہلے اِن بزرگوں نے دکن کی سرزمین کو اسلامی تعلیمات سے آراستہ کرنے اور انسان کو خدا کا فرمانبردار بنا کر بندوں کی غلامی سے آزاد کرانے کا طریقہ روبہ عمل لایا تھا۔

*****

ماخذ

1۔ روضۃ الاولیاء از غلام علی آزاد بلگرامی

[19] محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن حصہ اول جلد سوم (محبوب التواریخ) مؤلف مولوی ابوتراب محمد عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری براری' حسن پریس حیدرآباد (سن ندارد)۔ صفحہ 172-175

2۔ گلستانِ خلد آباد از محمد عبد الحئی

3۔ تاریخ اولیائے خلد آباد از جاوید امان

4۔ گلستان اولیاء از ابو محمد بن خواجہ محمد

5۔ روضۃ الاقطاب از مولوی رونق علی

6۔ تذکرہ اولیائے خلد آباد از محمد علی خاں مجددی

7۔ آبِ کوثر از شیخ محمد اکرام

8۔ بزم صوفیاء از سید صباح الدین

9۔ تذکرۂ اولیائے دکن از صوفی عبد الجبار خاں ملکاپوری

10۔ احسن الاقوال از حماد الدین کاشانی

11۔ شاہانِ بے تاج از ڈاکٹر وحیدہ نسیم

12۔ فوائد الفواد از امیر حسن اعلیٰ سجزی

13۔ صوفی سمپر دائے (دھارمک و سماجک) از ڈاکٹر اعجاز شیخ

14۔ احسن الشمائل از خواجہ کامگار خاں حسینی

15۔ پیرانِ طریقت از قاضی میر لطف عارف ابو العلائی

16۔ انوارِ خلد از ڈاکٹر بیگ فرحین

17۔ جامع اردو انسائیکلوپیڈیا از قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول، مدیر مولانا حامد علی خاں مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور' صفحہ نمبر776-777

دکن میں فیضانِ مشائخ چشت

حافظ سید شاہ کلیم اللہ محمد محمد الحسینی کاشف پاشاہ*

اگر وطن عزیز ہندوستان کی زمین کے بارے یہ کہنا درست ہے کہ اس کو غزنوی اور غوری بادشاہوں نے فتح کیا ہے تو یہ کہنا بھی درست ہو گا کہ اس کی روح کو خانوادۂ چشتیہ کے روحانی سلاطین نے فتح کیا ہے۔ (تاریخ خواجہ خواجگان) یہ حقیقت اظہر من الشمس کی طرح ہے کہ بر صغیر وہ مبارک خطہ ہے جس میں تمام سلاسل کے اولیاء تشریف لائے، انکی بے شمار خدمات اور ان کے فیضان سے پھیلی ہوئی روشنی سے یہ علاقہ روشن ہے، ان کے سلسلے اور آستانے آج بھی شعائر اللہ بن کر چمک رہے ہیں لیکن یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ بر صغیر میں تمام سلاسل مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر کوئی سلسلہ میزبان کی حیثیت رکھتا ہے تو وہ فقط سلسلہ عالیہ چشتیہ ہے اس خطہ پر آٹھ صدیوں سے خاندان چشتیہ کے خواجگان کی حکومت ہے، اور بر صغیر میں اللہ نے جس ذات کو اس سرزمین کی بادشاہت کیلیے منتخب فرمایا اور جس ذات کو ان روحانی سلاطین کا پیشوا اور امام بنایا ہے وہ خواجہ ءخواجگان سلطان الھند عطائے رسول سیدنا خواجہ معین الدین چشتی حسن سنجری ثم اجمیری غریب نواز ہیں، اللہ نے اہلِ ہند کے دلوں میں آپ کے لیے ایسی محبت اور قبولیت عطا فرمائی کہ دوست اور دشمن سب اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ جس نبیٔ کریم ﷺ کے سرِ مبارک پر "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ" کا تاج رکھا گیا، اسی نبی نے حضرت غریب نواز کے سر پر **ہندوستان کی روحانی بادشاہت** کا تاج رکھا، اور انہیں قیامت تک اس خطے کا روحانی رہنما اور امانتدار بنایا۔

حضرت سیدنا خواجہ اجمیری قدس سرہ کا روحانی فیضان:

حضور خواجہ ءخواجگان نے اپنے اجداد و خواجگان کے روحانی فیضان کو اپنے خلفاء اور اہل سلسلہ کے ذریعہ اس شان سے جاری فرمایا کہ بر صغیر کا ہر خطہ صدیوں سے آپکی غلامی پر ناز کرتا ہے اور تمام بر صغیر آپکے اور آپکے سلسلہ کے بزرگوں کا مرہون منت ہے، آج اس دور میں جب دنیا فیضان کو ظاہری صورت ہی میں دیکھنے کی عادی اور خواہش مند ہو چکی ہے تو معترضین یہ اعتراض کرتے نظر آرہے ہیں کہ سرکار غریب نواز نے کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی جبکہ حقیقت ہے کہ سرزمین ہند پر سرکار غریب نواز نے وہ عظیم کتاب تحریر فرمائی ہے جسکا ایک صفحہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی تو دوسرا صفحہ بابا فرید الدین گنج شکر ہیں اور ایک صفحہ محبوب الٰہی تو ایک صابر پیا کلیری کہلاتا ہے وہ عظیم مصنف سرکار غریب نواز ہی ہیں جنکے قلم کی روشنائی سے مہرولی پاک پٹن دہلی کلیر گلبرگہ خلد آباد پانی پت ردولی روشن ہیں اور ان سے روشنی لیکر عالم جگمگا رہا ہے، اور جہاں تک بات سرزمین دکن کی ہے تو یہ علاقہ اور یہاں کے اولیاء سرکار غریب نواز کے فیضان سے بالواسطہ بھی فیضیاب ہیں اور بلاواسطہ بھی ہر زمانے میں سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں نے اس علاقہ کا رخ کیا ہے جب تغلق نے پایہ تخت دہلی سے منتقل کیا اور

---

* جانشین سجادہ نشین بارگاہ سرکار برہنہ شمشیر، ویچرانی شریف، تلنگانہ

دولت آباد کو پایہ تخت بنایا تو سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے اپنے سینکڑوں مریدین اور خلفاء کو سرزمین دکن کی جانب روانہ فرمایا۔

دکن میں فیضانِ چشت:

جب سرکار محبوب الٰہی قدس سرہ کے خلفاء نے اس علاقہ کا رخ کیا تو اس کی صورت ہی بدل گئی علاقہ در علاقہ لوگ اسلام میں بھی داخل ہو تے رہے اور خواجگان چشت کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہوتے رہے اور ان بزرگوں کی اکثریت نے اپنے قیام کیلیے دولت آباد کے علاوہ اس سے کافی قریب مقام خلد آباد شریف کو منتخب فرمایا، اور آج بھی خلد آباد شریف مسکن اولیاء بنا ہوا ہے جہاں حضرت خواجہ منتجب الدین دولھا زر زری بخش کے علاوہ حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ خاص حضرت خواجہ برہان الدین غریب کا آستانہ بھی موجود ہے یہ وہ برہان الدین غریب ہیں جنہیں سرکار محبوب الٰہی نے جس وقت دکن کی جانب ہجرت کا حکم فرمایا تھا تو آپ نے عرض کیا تھا سرکار آپکی نعلین چھوڑ کر کہاں جاؤں تو آپ نے جواب دیا ہماری نعلین ساتھ لیکر جاؤ پھر آپ نے عرض کیا آپکی محفل چھوڑ کر کہاں جاؤں تو سرکار محبوب الٰہی نے فرمایا تو ہماری محفل بھی اپنے ساتھ لیکر جاؤ، مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس وقت محفل میں چودہ سو افراد موجود تھے، اور تمام نے سرکار محبوب الٰہی کے حکم پر دکن کی جانب ہجرت فرمائی اور ان خواجگان کا یہ عظیم قافلہ جب دکن میں خلد آباد شریف کے سرزمین پر پہونچا تو پہلے ہی دن ایک ہزار آدمی کلمہ پڑھکر خواجہ برہان الدین غریب کے دست مبارک پر داخل اسلام ہو گئے۔ (گلستان خلد آباد)۔ (معارج الولایت)

اور کیوں نہ ہو کہ ایک مرتبہ سرکار محبوب الٰہی کی محفل میں حضرت بایزید بسطامی کا ذکر ہو رہا تھا تب مجمع سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت بایزید بسطامی کے بعد بھی کوئی ان جیسا ہو گا تو حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا تھا کہ برہان الدین میرے سلسلہ کا بایزید ہے، اور آپکے سامنے حضرت خواجہ سید زین الدین شیر ازی کا آستانہ موجود ہے جن کے سرہانے نبی کریم ﷺ کا وہ پیرہن شریف بھی موجود ہے جو شب معراج میں آپ ﷺ نے زیب تن فرمایا تھا اور اپنے دست مبارک سے مولائے کائنات حیدر کرار سیدنا علی المرتضی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمایا تھا اور مولی علی نے حضرت خواجہ حسن بصری کو اور ان سے یکے بعد دیگرے بزرگان دین میں منتقل ہوتا ہوا خانوادہ چشتیہ کے خواجگان کے پاس آیا اور آخر میں حضرت خواجہ برہان الدین غریب نے حضرت خواجہ زین الدین شیر ازی کو عطا فرمایا جو بائیسویں خواجہ بھی کہلاتے ہیں، اس تفصیل کے عرض کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اس جبہ مبارک کا وہاں موجود ہونا اس بات کا اعلان بھی کرتا ہے کہ خاندان چشتیہ کے خواجگان اہلبیت اطہار علیہم السلام کی ظاہری وارثتوں کے بھی وارث ہیں، اورانہیں حضرت زین الدین شیر ازی کے پائیتی میں اورنگ زیب عالمگیر بھی مدفون ہیں آپ کے دست مبارک پر بھی بے شمار افراد اسلام قبول کرتے ہوے سلسلہ ء چشتیہ میں داخل ہوئے، اسی سرزمین میں حضرت شیخ بابو جلال بھی ہیں جو حضرت محبوب الٰہی کے مرید خاص صاحب حال بزرگ تھے جن کے کشف وکرامات بھی اس علاقہ میں سلسلہ ء چشتیہ کی ترویج واشاعت میں بہت مدد گار ثابت ہوئے آپکے علاوہ حضرت خواجہ سید یوسف راجو قتال حسینی چشتی کا آستانہ بھی اسی خلد آباد شریف کی سرزمین پر موجود ہے اورآپ نے اپنے فرزند اصغر خواجہ گیسو دراز بندہ نواز کی جو تعلیم وتربیت فرمائی تھی ان تمام کو اشعار کی صورت میں جمع فرمایا اور آج بھی وہ "مجموعہ تحفۃ النصائح" کے نام سے موجود ہے اور لوگ اس سے

فیضیاب ہو رہے ہیں جس میں خواجگان چشت کے عقائد و معمولات موجود ہیں، اور آپ کے بعد آپ کے فرزند اصغر حضرت خواجہ سید محمد حسینی گیسودراز بندہ نواز کی ذات بابرکت ہے اور یہ بلامبالغہ حقیقت ہے کہ سلسلہ چشتیہ اگرچہ کہ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی سے شروع ہوا لیکن پورے برصغیر میں اس کے فروغ میں سرکار غریب نواز کا فیضان ہے، اسی طرح سرزمین دکن پر اگرچہ کہ سلسلہ چشتیہ موجود تھا لیکن اس کے فروغ میں سرکار بندہ نواز گیسو دراز کا فیضان ہے، دکن کے امراءوسلاطین، اولیاء اور عوام نے آپ کو خواجہ دکن مانا ہے آپ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلی کے بعد بحیثیت جانشین مسند رشد وہدایت پر فائز ہوئے اور آپ نے نہ صرف وعظ ونصیحت اور بیعت کے ذریعہ بلکہ تصانیف کے ذریعہ خدمت دین متین، وسلسلہءعالیہ چشتیہ کی ترویج واشاعت کا وہ عظیم کارنامہ انجام دیا کہ آپ کی یہ خدمات صبح قیامت تک کے تشنگان شراب حقیقت ومعرفت کیلیے بحر بے کراں ہے، آپ نے نہ صرف تصوف پر کتب تحریر فرمائی ہے بلکہ متقدمین کے کتب کی شروحات وتراجم کے علاوہ آپکی تفسیر "الملتقط" کے نام سے موجود ہے جو لطائف سے بھرپور تفسیر کلام مجید ہے، آپکی آمد کے بعد سلسلہءچشتیہ دکن کے تمام گوشوں میں متعارف ہوگیا، آپ نے اپنی اولاد نبیر گان وخلفاء کو دکن کے تمام گوشوں کی جانب خدمت دین واشاعت سلسلہءچشتیہ کی غرِض سے روانہ فرمایا یہاں تک کہ دکن کے تقریباعلاقوں کے ارباب اقتدار بھی خواجگان چشت کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہوگئے، آپ نے تقریباایک سو پانچ کتب تصنیف فرمائی اور ان کتب میں سلسلہءچشتیہ کے خواجگان کی تعلیمات وعقائد کو اس کثرت کے ساتھ تحریر فرمایا جس نے آپ کو اس میدان میں ممتاز کردیا آپ کے بعد چونکہ آپکے خانوادہ میں نسل درنسل سلسلہ ولایت جاری رہا آپ کے نبیرہ گان نے دکن کے کئی علاقوں بشمول حیدرآباد میں سلسلہءچشتیہ کا علم نصب فرمایا یہاں تک کہ جو علاقہ اس زمانہ میں ٹامل ناڈو کیرلا وغیرہ کہلاتا ہے وہاں بھی تقریباڈیڑھ سو سال کے اندر آپکے خلفاء اور نبیرہ گان کے ذریعہ سلسلہءچشتیہ پہونچ چکا تھا، آپ کی اولاد میں سینکڑوں شہزادگان ایسے ہیں جنہوں نے خدمت دین اور ترویج سلسلہءچشتیہ کے لیے ہجرت فرمائی اور اپنی زندگیوں کو اس سلسلہ کی خدمت کیلیے وقف کردیا، نہ صرف دکن بلکہ جنوب ہند کے ہر گوشہ میں ان کے آستانے آج بھی سلسلہءچشتیہ کی عظمت کا نشان بنے ہوئے ہیں، ایک جانب جہاں خانوادہ سرکار بندہ نواز سرزمین دکن پر چشتیت کے علمبردار کی حیثیت سے ظاہر ہوا جن میں آپ کے دونوں صاحبزادگان کے علاوہ حضرت خواجہ سید یداللہ المعروف خواجہ قبول اللہ حسینی گنج بخش حضرت خواجہ ابوالفیض سید من اللہ حسینی حضرت خواجہ حسین شاہ ولی حضرت خواجہ سید بندگی مخدوم حسینی برہنہ شمشیر حضرت خواجہ راجو قتال حسینی جیسے اسمائے گرامی موجود ہیں جنہوں نے اپنے دور میں علاقہ درعلاقہ سلسلہءچشتیہ کو نہ صرف پھیلایا بلکہ سرزمین دکن کو جنوبی ہند میں چشتیت کا عظیم مرکز بنادیا، تو دوسری جانب سلسلہ چشتیہ نظامیہ بندہ نواز یہ کے وہ عظیم خلفاء جنہوں نے جنوبی ہند میں سلسلہءچشتیہ کی وہ عظیم خدمات انجام دی ہیں کہ صبح قیامت تک انکی خدمات کو بھلایانہیں جاسکتا جس میں بالخصوص حضرت خواجہ میراں جی شمس العشاق اورآپ کے صاحبزادہ حضرات خواجہ برھان الدین جانم، اور آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ سید امین الدین علی اعلی چشتی، یہ وہ عظیم ہستی ہیں کہ آپ کے ذریعہ سلسلہءچشتیہ بیجاپور میسور وغیرہ سے لیکر ہندوستان کی جنوبی سرحدوں تک پہونچاہے اور اس خاندان کے تمام افراد اصحاب قلم ہوئے ہیں، اپنی تصانیف اور روحانیت کے ذریعہ ان حضرات نے وہ عظیم خدمات سلسلہءعالیہ چشتیہ کے حوالہ سے انجام دی ہیں کہ ان کی خدمات

اپنے خواجگان کی خدمات کی یاد گار بن گئیں۔ (روضۃ الاولیاء بیجاپور)و(معارج الولایت)
حضرت ٹیپو سلطان شہید کو بھی سلسلہ چشتیہ اسی خاندان کی وساطت سے پہونچاہے، دکن میں سلسلہ بندہ نوازیہ کے علاوہ سرکار بندہ نواز کے تقریباً تین سو برس بعد حضرت حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ حضرت خواجہ کمال الدین چشتی، حضرت خواجہ شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں بادی چشتی کے خلفاء نے سرزمین دکن کارخ کیا، اورنگ آباد میں حضرت خواجہ نظام الدین چشتی کلیمی اورنگ آبادی کے نام سے چشتیت کا ایک عظیم آفتاب طلوع ہوا، اور سرزمین دکن کو آپ کے نام مبارک کی نسبت سے نظام اسٹیٹ کہا جانے لگا، آپ ہی کے نام کی نسبت سے خاندان آصف جاہی کے تمام حکمران اپنے زمانے کے نظام کہلاتے ہیں کیونکہ نظام اول آپ کے مرید تھے اور آپ نے انہیں روٹی عطا فرمائی تھی نظام اول نے ساڑھے چھ روٹیاں تناول کی تو آپ نے ارشاد فرمایا تمہاری اولاد میں ساڑھے چھے نسل تک بادشاہت جاری رہیگی، اور جس حقیقت کو ساری دنیا نے دیکھا بھی ہے۔ (فخریۃ النظام)و(تاریخ مشائخ چشت)
آپ کے سلسلہ کے عظیم شیخ حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی پیر پٹھان فرماتے ہیں کہ تقریباً دس لاکھ افراد آپ کے دست مبارک پر بیعت کے ذریعہ داخل سلسلہ ء چشتیہ ہوئے ہیں، اسی سلسلہ کے ایک اور بزرگ حضرت خواجہ ضیاء الدین جۓ پوری شاہ ولایت جۓ پور نے آپ کے مریدین کی تعداد تین لاکھ ذکر فرمائی ہے، اس زمانہ میں لاکھوں لوگوں کا بیعت کرنا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے حوالہ سے آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں اس کی مثال مشکل ہے، آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا فخر الدین چشتی دہلوی نے دہلی کی جانب ہجرت فرمائی جن کے خدمات سے ایک عالم فیضیاب ہوا اور آج بھی سلسلہ ء نیازیہ تونسویہ وغیرہ کی صورت میں ہو رہا ہے پھر آپکے سلسلہ کے ایک اور عظیم بزرگ نے سرزمین دکن کی طرف ہجرت فرمائی اور شہر حیدرآباد کو اپنا مسکن بنایا جنہیں دنیا خلیفہ ' حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی حضرت خواجہ حافظ سید محمد علی خیر آبادی کے نام سے جانتی ہے جن کا آستانہ خیر آباد شریف میں واقع ہے لیکن آپکی خانقاہ ،افراد خانوادہ اور آپ کا وسیع سلسلہ چشتیہ سلسلہ کی ایک عظیم شاخ کی صورت میں دکن موجود ہے۔
آپ کے خلفاء نے اس سرزمین پر پچھلی صدی میں چشتیہ سلسلہ کی ایسی خدمت انجام دی ہیں کہ آج بھی شہر حیدرآباد کے اطراف واکناف سے لیکر مہاراشٹرا اور کرناٹک کے کئی علاقوں میں لاکھوں لوگ اس سلسلہ سے منسلک ہیں جن میں حضرت مرزا سردار بیگ چشتی حافظی ،حضرت خواجہ حبیب علی شاہ چشتی حافظی کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں، ان کے علاوہ حضرت خواجہ شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں بادی کے دو عظیم المرتبت خلفاء حضرت سید یوسف الدین چشتی اور حضرت سید شریف الدین چشتی ہیں جن کی کرامت سے اورنگ زیب عالمگیر نے قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد فتح کیا تھا لیکن آج بھی حقیقت یوں ظاہر ہے کہ حیدرآباد کی زمین تو اورنگ زیب نے ان حضرات کی کرامت سے فتح کی لیکن اس کے قلوب کو ان بزرگوں کی روحانیت نے فتح کر لیا تھا اور آج بھی ہزاروں کی تعداد میں عوام الناس بلالحاظ مذہب و ملت ان حضرات کے آستانہ بارگاہ یوسفین نامپلی میں حاضر ہوتے ہیں اور خواجگان چشت کے فیضان سے فیضیاب ہوتے ہیں بلکہ بلا مبالغہ بارگاہ یوسفین شہر حیدرآباد میں سلسلہ ء چشتیہ کا عظیم مرکز ہے، پچھلی صدی میں شہر حیدرآباد کی جانب جن بزرگوں نے ہجرت فرمائی اور سلسلہ چشتیہ کی خدمت کو انجام دیا، ان شخصیتوں میں ایک نمایاں نام جو سلسلہ چشتیہ صابری کی نمائندگی کیا کرتے ہیں، جن کی خدمات سے نہ

صرف اہل دکن بلکہ اہل ہند اور بیرونِ ہند بھی لاکھوں کی تعداد میں امت فیضیاب ہوئی اور ابھی تک ہو رہی ہے، وہ ذاتِ بابرکت حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی چشتی صابری فضیلت جنگ جو جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن کے بانی ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی چشتی صابری

خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی چشتی صابری فضیلت جنگ ہیں، جو حیدرآباد دکن کی عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعہ نظامیہ کے بانی ہیں۔ سرزمین دکن ہمیشہ اس بات پر فخر کرے گی کہ اس کے پہلو میں اسلام کے ایسے بطل جلیل آرام فرما ہیں جن کی علمی کاوشوں سے عالم منور ہوتا رہے گا۔ بالخصوص شیخ الاسلام سرزمین دکن پر اپنے اجداد اور پیران عظام کی علمی وراثتوں کے وارث اور امانتوں کے امین ہیں جن کی شخصیت کسی ایک مضمون یا رسالہ میں ہرگز بیان نہیں کی جاسکتی۔ جس جہت سے دیکھا جائے آپ امام امت بن کر سامنے آتے ہیں عظیم مصنف، ادیب بے بدل، استاذ، معلم، فقیہ، صوفی، شیخ طریقت، اہلسنت کے عظیم المرتبت امام محافظ عائد اہلسنت بے مثال اخلاق وکردار کا پیکر جن کے کارناموں نے اسلاف کے کارناموں کی یاد کو تازہ اور ان کی افکار کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے آپ نہ صرف عوام بلکہ بادشاہوں اور بادشاہ زادوں کے بھی استاذ رہے۔ عوام وخواص نے یکساں آپ سے اکتساب فیض کیا، حکومت کے عظیم عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود آپ نے اپنی خدمات میں کوئی خلل پیدا ہونے نہیں دیا کیوں کہ قرآن وحدیث سے آپ کا تعلق اس قدر گہرا اور مضبوط تھا کہ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ شادی کے بعد مجھے ایک عرصہ تک کوئی اولاد نہیں ہوئی میں نے ایک مجذوب بنام شمس الدین عرف یتیم شاہ ولی کی خدمت میں کچھ میوہ وغیرہ بھیج کر دریافت کیا کہ آیا مجھے کوئی اولاد ہوگی یا نہیں تو اس مجذوب بزرگ نے فرمایا کہ لڑکا ہوگا جو عالم فاضل حافظ قرآن اور محافظ علوم فرقان ہوگا۔ اس کے بعد جب حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو خواب میں حضور رحمت العالمین ﷺ کو قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہوئے دیکھا۔ علم حدیث کے حوالہ سے آپ کی خدمات انفرادیت کی حامل ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کو اللہ تعالیٰ نے علم حدیث اور اس کے متعلقہ علوم میں مہارت تامہ عطا فرمائی تھی جو آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والے تمام اہل علم پر ظاہر ہے۔ موضوع احادیث کے موضوع پر تحریر کی گئی آپ کی تالیف "الکلام المرفوع فی ما یتعلق بالحدیث الموضوع" اس سلسلہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے جس میں آپ نے تبحر علمی سے احادیث موضوعہ اور وضع کے اسباب کے متعلق انتہائی محققانہ بحث فرمائی ہے۔ فروغ علم حدیث میں آپ کی خدمات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ قیام مدینہ منورہ کے دوران کتب حدیث کنز العمال، الجوھر النقی، الجواھر المکللہ کو نقل کروا کر دکن لے آئے، یہ کتب آپ ہی کی وساطت سے اہل ہندوستان تک پہنچی ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں عظیم محدث حضرت ابوالحسنات سید عبد اللہ شاہ صاحب قبلہ نقشبندی قادری مجددی محدث دکن جیسی شخصیات شامل ہیں۔ آج جہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ لوگ امت کو علم کے نام پر گمراہ کر رہے ہیں تقلید کو شرک تک کہا جارہا ہے، شیخ الاسلام کے زمانے میں اگرچہ یہ فکر موجودہ دور کی طرح پروان نہیں چڑھی تھی لیکن اس مرد باصفا کی دور اندیش نگاہوں نے آئندہ کے حالات کا اندازہ فرمالیا تھا اور آپ نے حقیقۃ الفقہ دو جلدوں میں تحریر فرمائی تقریباً 700 صفحات پر مشتمل یہ علمی ذخیرہ تحقیق واستدلال کا شاہکار ہے۔ جو لوگ فقہ حنفی کو خلاف کی سنت قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں شیخ الاسلام نے اس زمانہ میں ان کے نظریات کا کافی و شافی رد فرمایا، اصول حدیث، اصول فقہ

بالخصوص فقہائے احناف کی فقہ کا آپ نے تفصیل سے ذکر فرمایا۔ آپ کی شخصیت نے اپنے زمانہ میں ہر میدان میں اپنالوہامنوایاہے اور آج بھی ایک عالم آپ کی علمی خدمات کا معترف ہے اور آپ کے علمی فیضان سے عقائد و نظریات کی حفاظت کر رہاہے۔ تمام امت کے لیے حضور سید عالم کی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے متعلق عقائد میں ایک عقیدہ بہت اہم ہے جس پر تمام امت متفق ہے اور جو اس عقیدہ سے منحرف ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور وہ عقیدہ ختم نبوت ہے لیکن مسلمہ کذاب سے لے کر آج تک اس عقیدہ پر حملہ کیا جارہاہے۔ خود تاجدار کائنات صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: ”میری امت میں تیس جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو نبوت کا دعوی کریں گے اور میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“ جہاں جھوٹے دجال اس عقیدہ کے خلاف کھڑے ہوئے وہیں عشاق رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ہر زمانہ میں ان کے خلاف میدان میں آئے اور ان سے مقابلہ کے ذریعہ امت کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت فرمائی چنانچہ غیر منقسم ہندوستان میں جب فتنہ قادیانیت نے سر اٹھایا اور تحریک قادیانیت نے امت کے ایمان پر ڈاکاڈالا تو جن اکابرین نے اس فتنہ کی سرکوبی میں حصہ لیا اور اپنے آقا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے اپنی اٹوٹ وابستگی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کا قلع قمع کیا ان میں حضرت شیخ الاسلام کا نام نامی ممتاز ہے جب مرزا قادیانی نے عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ازالۃ الاوھام کے ذریعہ قادیانیت کی اشاعت کی کوشش کی تو شیخ الاسلام نے اس کے جواب میں ”افادۃ الافھام فی ازالۃ الاوھام" کے نام سے تقریباً 800 صفحات پر اس کا ایسارد فرمایا کہ آج تک دنیائے قادیانیت اس کا جواب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران ایک بہت عظیم کتاب سیرت النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بنام "انوار احمدی" لکھی جس کے ہر مضمون بلکہ ہر حرف سے عشق رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ظاہر ہوتا ہے جس میں متعدد مقامات پر ذات رسالت مآب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے متعلق عقائد اہل سنت کو بے حد خوش اسلوبی سے آپ نے بیان فرمایاہے۔ اس کتاب کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس پر تقریظ خود آپ کے پیر و مرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے لکھی ہے، جب کبھی شیخ الاسلام کو اپنے مشغلہ علمی میں کوئی خاص خیال پیدا ہوتا تو آپ اس کو ایک مضمون کی شکل میں لایا کرتے اور عوام کے فائدہ کے لیے ان مضامین کی اشاعت کی جاتی جس کے لیے آپ نے دس جلدوں میں بنام مقاصد الاسلام جاری فرمایا جن کی اشاعت کوئی موقتی چیز نہیں تھی بلکہ جب کچھ مضامین تیار ہو جاتے ان کو مقاصد الاسلام کے نام سے شائع کر دیا جاتا۔ مسئلہ تقدیر کی تحقیق وحدۃ الوجود معجزات رسالت مآب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے علاوہ بعض تاریخی واقعات بھی اس میں موجود ہیں اس کے علاوہ بھی کئی کتب اور متعدد رسالہ جات میں جو آپ کے ذریعہ امت کو پہنچنے والا عظیم خزانہ ہے۔ عوام وخواص نے یکساں آپ سے اکتساب فیض کیا ہے لہذا خاندان آصف جاہی کی تین پشتوں نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا جس میں آصف جاہ سادس نواب میر محبوب علی خان اور آصف جاہ سابع اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خان بہادر شامل ہیں۔ (مطلع الانوار)

حضرت شاہ رفیع الدین فاروقی کے ایک خلیفہ اولاد بابا فرید الدین گنج شکر حضرت ابو الفتح خان بہادر چشتی فریدی ہیں جن کا خانوادہ دکن میں پائیگاہ کے نام سے معروف ہے، ان کے علاوہ سلسلہ صابریہ کے عظیم بزرگ حضرت سید شاہ معین الدین حسینی چشتی صابری المعروف شاہ خاموش ہیں جنہیں خود خواجہ خواجگان سرکار غریب نواز نے مانک پور حضرت حافظ موسیٰ مانک پوری صابری کی خدمت میں حاضری کا حکم دیا اور حضرت حافظ مانک پوری کے وصال کے بعد حج بیت اللہ وزیارت بارگاہ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم میں حاضری و نجف اشرف، کربلا شریف و دیگر

ممالک کا سفر فرماتے ہوئے شہر حیدرآباد تشریف لائے، عوام الناس کے علاوہ نظام دکن کے خانوادہ کے افراد و خواتین آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہوئے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں شامل ہوے ان کے علاوہ سلسلہ چشتیہ ابو العلائیہ کے شیخ حضرت شاہ محمد قاسم شیخ جی حالی ابو العلائی ہیں آپ کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت شاہ محمد حسن صاحب قبلہ چشتی ابو العلائی کے ذریعہ سلسلہ چشتیہ ابو العلائیہ سرزمین دکن میں پھیلا، ارباب اقتدار کے خاندان بکثرت آپ سے بیعت ہوئے اور آج بھی انکی اولاد اس بارگاہ کے وسیلہ سے سلسلہ چشتیہ ابو العلائیہ کا حصہ ہیں، ان کے علاوہ پچھلی صدی کے عظیم بزرگ حضرت سید افتخار علی شاہ وطن ہیں جنہیں خود خواجہ خواجگان نے اشاعت سلسلہ چشتیہ کیلیے حیدرآباد روانہ فرمایا تھا آپ کا سلسلہ افتخاریہ آج بھی دکن کے تمام گوشوں کے علاوہ بیرون ملک بھی بڑی تعداد میں موجود ہے آپ کا آستانہ چشتی چمن شہر حیدرآباد میں مرجع خاص وعام ہے اس طریقہ سے سرزمین دکن فیضان خواجگان چشت اہل بہشت سے منور ہے اور ان شاءاللہ یہ فیضان چشت صبح قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

* * * * *

مراجع ومصادر

1۔ تاریخ خواجہ خواجگان، پروفیسر سید ضیاءالدین شمسی طہرانی علیگ۔

2۔ گلستان خلد آباد، مولانا محمد عبدالحی صاحب خلد آبادی۔

3۔ معارج الولایت، حضرت عبداللہ خویشگی قصوری۔

4۔ سالانہ مجلہ شیخ العالم ردولی شریف یوپی۔

5۔ روضۃ الاولیاء بیجاپور، شاہ سیف الدین قادری شطاری۔

6۔ فخریۃ النظام، نواب غازی الدین خان نظام الملک۔

7۔ تاریخ مشائخ چشت، پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

8۔ مطلع الانوار، حضرت علامہ مفتی محمد رکن الدین۔

دکن میں نقشبندی مشائخ کی علمی خدمات: ایک اجمالی جائزہ

ڈاکٹر سید جمیل الدین نظامی *

دکن میں سلسلہ نقشبندی کی جڑیں تقریباً سوا چار سو سال پرانی ہیں۔ اس عرصے میں ہزاروں نقشبندی صوفیاء کرام نے اس سرزمین پر متنوع خدمات انجام دی ہیں۔ ان تمام علمی خدمات کا احاطہ کرنا ایک مکمل دفتر کا متقاضی ہے۔ تاہم اختصار کے ساتھ اس مضمون میں دکن میں پیدا ہونے والے یا دکن کی جانب ہجرت کرنے والے نقشبندی صوفیہ وعلماء کرام کی علمی کاوشوں کا تعارف پیش کرنے، اور مختلف علوم وفنون میں ان کی علمی وادبی خدمات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دکن کا محل وقوع اور جغرافیہ:

دکن کے لغوی معنی "جنوب" کے ہیں، عبد المجید صدیقی اپنی کتاب "مقدمہ تاریخ دکن" میں رقم طراز ہیں:

> "دکن جو سنسکرت لفظ دکشن کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس سطح مرتفع کا نام ہے جو جنوبی ہند میں دریائے تاپتی کے جنوب سے شروع ہو کر دریائے تنگ بھدرا تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ دکن یا دکشن کے لغوی معنی جنوب کے ہیں اور اس سے مراد تمام جنوبی ہندوستان ہونا چاہیے اور قدیم مفہوم یہی تھا۔"[20]

دکن کے رقبہ اور محلِ وقوع پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر غلام یزدانی اپنی کتاب "دکن کی قدیم تاریخ" میں تحریر فرماتے ہیں:

> "دکن سے مراد جزیرہ نما ہند کی وہ تاریخی سرزمین ہے جو سہیادری پربت یعنی ست مالا، چندور، اجنتہ یا اندیادری اور مہندر گیری کو جوڑنے والے پہاڑی اور پٹھار کے پھیلاؤ سے شروع ہوتی ہے اور شمال میں مہاندی اور گوداوری کے پانی کو علیحدہ کرتی ہوئی جنوب میں کرشنا اور تنگ بھدرا تک مغرب میں بحر عرب سے مشرق میں خلیج بنگال تک پھیلی ہوئی ہے۔"[21]

دکن میں مسلم حکومتیں:

دکن میں کئی مسلم حکومتیں قائم ہوئیں اور تاریخ کا حصہ بن گئیں، ان میں سے چند اہم اور مشہور سلطنتوں کے نام اور مدتِ حکومت حسب ذیل ہے:

---

* نائب مدیر دار الحدیث جامعہ نظامیہ حیدرآباد

([20]) صدیقی، عبد المجید، مقدمہ تاریخ دکن، بار اول؛ خیرت آباد، حیدرآباد، ادارہ ادبیات اردو، 1940ء، ص7۔

([21]) یزدانی، پروفیسر غلام یزدانی، دکن کی قدیم تاریخ، مترجم: فخر الاسلام اعظمی، بار اول؛ نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، 1984ء، ص9۔

1۔ **بہمنی سلطنت:** اس سلطنت کا بانی ظفر خان علاء الدین حسن گنگو بہمن شاہ ہے جو سلطان محمد بن تغلق کی طرف سے جنوبی ہند کا صوبہ دار تھا۔اس نے 1347ء مرکز سے علاحدگی کا اعلان کر کے دولت آباد میں بہمنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس کا دار الحکومت 1425ء تک گلبرگہ اور اس کے بعد بیدر رہا۔ یہ سلطنت وجئے نگر کی ہندو مملکت سے اکثر برسرپیکار رہتی تھی۔ بہمنی سلاطین نے دکن میں زراعت تعلیم اور عمارات پر بڑی توجہ دی۔ اس عہد میں دکن میں اردو زبان نے بھی نشو و نما پائی اور اسلام بھی خوب پھیلا۔ 1490ء کے قریب بہمنی سلطنت کو زوال آنا شروع ہوا۔ 1527ء تک اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس سے ٹوٹ کر پانچ چھوٹی سلطنتوں: نظام شاہی سلطنت، عماد شاہی سلطنت، برید شاہی سلطنت، عادل شاہی سلطنت اور قطب شاہی سلطنت وجود میں آئیں، انہیں "سلطنت دکن" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

2۔ **سلطنت احمد نگر:** 1490ء سے 1638ء تک اسے نظام شاہی سلطنت بھی کہا جاتا ہے، اس کے بانی بہمنی سلطنت کے گورنر ملک احمد نظام شاہ اول تھے۔ اس کا دار الحکومت پہلے جنار تھا، لیکن 1494ء میں احمد نگر شہر قائم ہونے کے بعد اسے وہاں منتقل کر دیا گیا۔ اور 1636ء میں اورنگزیب عالمگیر نے اس سلطنت کو فتح کر کے مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا۔

3۔ **سلطنت برار:** اس سلطنت کے بانی شاہ فتح اللہ عماد الملک تھے، اس کو "عماد شاہی سلطنت" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا آغاز 1490ء میں ہوا اور 1574ء میں یہ سلطنت ختم ہو گئی۔

4۔ **سلطنت بیدر:** اس سلطنت کو "برید شاہی سلطنت" بھی کہا جاتا ہے۔ اس سلطنت کا قیام 1492ء میں قاسم برید شاہ کے ہاتھوں ہوا ہے اور 1619ء میں عادل شاہیوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔

5۔ **سلطنت بیجاپور:** اس کی بنیاد 1490ء میں یوسف عادل شاہ کے ہاتھوں پڑی، اور 1686ء اس کے آخری بادشاہ سکندر علی شاہ کی وفات تک یہ سلطنت قائم رہی، اس کو "عادل شاہی سلطنت" بھی کہا جاتا ہے۔

6۔ **سلطنت گولکنڈہ:** اس کی بنیاد سلطان قلی قطب شاہ نے 1518 میں ڈالی، اس کو "سلطنت قطب شاہی" بھی کہا جاتا ہے، اس کا خاتمہ 1687ء میں ہوا۔[22]

7۔ **مملکت آصف جاہی:** مغلیہ سلطنت کی جانب سے دکن کے صوبہ دار چن قلیچ خان قمر الدین آصف جاہ نظام الملک نے اپنی خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے 1724ء میں سلطنت آصفیہ کی بنیاد رکھی جو 1948ء میں سقوطِ حیدر آباد کے بعد ختم ہو گئی۔

سلسلہ نقشبندیہ کا تعارف:

سلسلہ نقشبندیہ کے بانی حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندی (717 - 790ھ) ہیں۔ آپ کے خلفاء میں سے ایک اہم بزرگ حضرت علاء الدین

---

(22) جمیل اختر جلیلی، "عادل شاہی دور میں اسلامی علوم کی مختلف خدمات"، دکن میں اسلامی علوم کی خدمات، مرتب: محمد فہیم اختر ندوی، نئی دہلی، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، 2023ء، ص360۔

عطار (متوفی 802ھ) ہیں جن سے یہ سلسلہ آگے بڑھا، حضرت عبید اللہ احرار (متوفی 895ھ)، حضرت عبد الرحمن جامی (متوفی 898ھ)، حضرت محمد زاہد وخشی (متوفی 936ھ)، حضرت خواجہ درویش محمد (970ھ)، حضرت خواجہ محمد امکنگی (متوفی 1008ھ) نے عالم اسلام میں اس سلسلہ کی نشر واشاعت میں خوب حصہ لیا۔

ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت خواجہ باقی باللہ (متوفی 1603ء) کے توسط سے پہنچا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (متوفی 1034ھ)، حضرت شیخ محمد معصوم سرہندی (متوفی 1076ھ)، حضرت شیخ محمد ہاشم کشمی برہانپوری (متوفی 1045ھ)، حضرت سید آدم بنوری (متوفی 1053ھ)، حضرت سید نور محمد بدایونی (متوفی 1135ھ)، حضرت شیخ محمد یحییٰ (متوفی 1131ھ)، حضرت شاہ عبد الرحیم فاروقی (متوفی 1131ھ)، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی 1174ھ)، حضرت مرزا مظہر جان جاناں (متوفی 1195ھ)، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (متوفی 1225ھ)، حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی (متوفی 1239ھ)، حضرت شاہ عبد اللہ معروف بہ شاہ غلام علی دہلوی (متوفی 1240ھ)، اس سلسلے کے معروف بزرگ گزرے ہیں۔

دکن میں حضرت حاجی رحمت اللہ نقشبندی نائب رسول (متوفی 1195ھ)، حضرت رفیع الدین قندھاری (متوفی 1241ھ)، حضرت شاہ شجاع الدین نقشبندی (متوفی 1265ھ)، نقشبند دکن حضرت سعد اللہ (متوفی 1270ھ)، حضرت قاضی ابو محمد شجاع الدین فاروقی نقشبندی (متوفی 1288ھ)، حضرت مسکین شاہ (متوفی 1314ھ)، حضرت پیر بخاری شاہ (متوفی 1328ھ) اور محدث دکن حضرت سید شاہ عبد اللہ نقشبندی (متوفی 1384ھ) نے سلسلہ کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔

حضرت شیخ خالد رومی نقشبندی کے ذریعہ عالم عرب اور ترکی میں یہ سلسلہ مقبول ہوا حتی کہ "مکتوبات امام ربانی" کے ترکی، عربی اور اردو میں متعدد مکمل تراجم اور انگریزی میں جزوی ترجمے بھی ہوئے۔ شیخ مجدد الف ثانی کے پوتے شیخ سیف الدین (متوفی 1686ء) کے دست حق پرست پر اورنگ زیب عالم گیر نے بھی بیعت کی تھی۔[23]

مملکت آصفیہ کے حکمرانوں کا علم وادب سے لگاؤ اور دلچسپی بہت مشہور ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ صوفیاء ومشائخ سے بھی عقیدت رکھتے تھے خاص طور سے سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ سے ان کی گہری عقیدت اور وابستگی کا ذکر ہمیں تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں ملتا ہے، چنانچہ سلطنتِ آصفیہ کے بانی میر قمر الدین خان کے جدِ امجد کے بارے میں مؤلف محبوب ذوالمنن نے لکھا ہے کہ:

> " آپ کے تمام بزرگانِ سلف نقشبندیہ طریقہ کے پیرو تھے۔ آپ بھی اسلاف کے قدم بقدم تھے، آپ کو اگرچہ دیگر طریقوں میں مرید کرنے کی اجازت تھی، لیکن آپ اکثر نقشبندیہ طریق میں مرید کرتے تھے۔"[24]

نظام دکن نواب میر محبوب علی خان آصف جاہ ششم (متوفی 1329ھ) نے 1893ء میں حیدر آباد میں حضرت مسکین شاہ نقشبندی

---

[23] تفصیل کیلیے دیکھیں: تصوف وصوفیاء کی تاریخ، محمد حفیظ الرحمن، شاکر پبلی کیشنز، لاہور، ص50-51

[24] ملکاپوری، محمد عبد الجبار خان، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیاء دکن، بار دوم؛ حیدر آباد، اسٹوڈنٹس بک ہاؤس، 2001ء، 1/17۔

سے بیعت ہونے کے بعد یہ مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے، جو مرشد سے ان کی گہری عقیدت کو ظاہر کرتے ہیں:

مرشد میرے جناب ہیں مسکین شاہ ولی　　　　لاکھوں میں انتخاب ہیں مسکین شاہ ولی

دینِ مبیں کی رونق و تعظیم جس نے کی　　　　واللہ وہ جناب ہیں مسکین شاہ ولی[25]

نقشبندی سلسلہ کے لیے یہ بات بھی باعث افتخار ہے کہ بعض اہل علم نے "لَوْ كانَ الدِّينُ عِنْدَ الثُّرَيّا، لَذَهَبَ به رَجُلٌ مِن فارِسَ، أوْ قالَ، مِن أبْناءِ فارِسَ حتَّى يَتَناوَلَهُ "سے اکابر نقشبندیہ کو مراد لیا ہے، چنانچہ شیخ ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں تحریر فرمایا ہے: "ولعلّ المرادَ لِقولِہ - صلی اللہ علیہ وسلم - "رجالٌ من هؤلاء أبناء فارس" أكابرُ النقشبندية، فإنّهم من آل بخارا وسمرقند ونحو ذلك، وهم منتسبون فى الطريقة إلى سلمان الفارسي، فإنّهم ينتسبون إلى جعفر الصادق عن القاسم بن محمد عن سلمان عن أبى بكر الصديق عن رسول الله - ﷺ".[26]

خواجہ خواجگان خواجہ عبید اللہ نقشبندی، شیخ عبد الرحمن جامی نقشبندی اور دکن:

سلسلہ نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ شیخ خواجہ عبید اللہ احرار (895ھ) طبقہ مشائخ میں ایک نادر مثال ہیں، وسطی ایشیا اور قرب وجوار کے علاقوں میں سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج واشاعت میں آپ کا اہم کردار رہا، انہوں نے حضرت بہاء الدین نقشبندی کے خلیفہ حضرت یعقوب چرخی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ نقشبندیہ کی تربیت حاصل کی۔[27] آپ کے فیض یافتگان میں ایک اہم نام فارسی کے معروف شاعر عبد الرحمن جامی کا ہے، آپ کی ولادت 817ھ کو خراسان کے علاقہ جام میں ہوئی، جامی ایک صوفی صافی اور اپنے دور کے جید عالم تھے، آپ کا نام صوفیانہ شاعری اور نعت پاک میں بہت بلند ہے۔[28]

ان دو بزرگوں کا دکن سے خصوصی تعلق رہا، اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ دکن کی علمی روحانی شخصیت عماد الملک محمود گاواں (متوفی 1481ء) نے ان کی جانب متعدد خطوط ارسال کیے تھے کیوں کہ وہ نہ صرف بہمنی سلطنت کے ایک زیرک و مدبر وزیر تھے بلکہ ان کے قلب وباطن میں علم کی تڑپ، روحانیت کی روشنی اور اہلِ دل سے محبت کا چراغ فروزاں تھا۔ محمود گاواں وہ مردِ حق تھے جنہوں نے دکن کی سرزمین پر مدرسہ محمودیہ کے نام سے ایک ایسا مرکزِ علم وفن قائم کیا، جو اپنے زمانے میں مشرق کی ایک عظیم یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ 876 ہجری (مطابق 1472 عیسوی) میں تکمیل کو پہنچنے والا یہ ادارہ نہ صرف تعلیم کا گہوارہ بنا، بلکہ علم وعرفان اور فکری بالیدگی کا ایک روشن مینار بھی ثابت ہوا۔ گاواں نے علم وحکمت کے متلاشیوں کو اکٹھا کرنے کے لیے دور دراز کے علما، صوفیا اور اہلِ دل سے مراسلت کا

([25]) نقشبندی، سید شاہ محمد خضر، گلزار نقشبند دکن، باراول؛ حیدرآباد دکن، ناشر ندارد، 2008ء، ص75۔

([26]) سورۃ الجمعۃ 62، آیت: 5؛ پانی پتی، ثناء اللہ، تفسیر مظہری، مکتبۃ الرشیدیۃ، 9/ 276۔

([27]) تفصیل کیے لیے دیکھیں: خواجہ احرار، عارف نوشاہی، پورب اکادمی، اسلام آباد، طبع اول؛ ص13-15

([28]) تفصیل کے لیے دیکھیں: جامی، مؤلف علی اصغر حکمت، ترجمہ اردو: سید عارف نوشاہی، مطبع المکتبۃ العلمیۃ، لاہور، ص8۔

آغاز کیا۔ ان کے خطوط کا مجموعہ "ریاض الانشاء" آج بھی ان کی وسعتِ قلبی، علم دوستی اور روحانی ذوق کا آئینہ دار ہے۔ انہی خطوط میں دو خط حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی کے نام بھی شامل ہیں، ان خطوط میں محمود گاواں نے خود کو خواجہ صاحب کا مرید و معتقد قرار دیا۔ ان کا اندازِ نگارش سادہ نہیں، بلکہ عقیدت کی خوشبو سے لبریز ہے۔ انہوں نے لکھا:

"اس سرزمین میں کوئی ایسا مردِ کامل موجود نہیں جو ظاہری و باطنی علوم میں آپ جیسا ہو۔ آپ کی باطنی شعاعوں سے دلوں کا اندھیرا دور ہو جائے گا۔ ہم بے قراری سے آپ کے دیدار کے منتظر ہیں۔"

یہ محض ایک رسمی خط نہ تھا، بلکہ دل سے نکلی وہ پکار تھی جو روحانی تعلق کی مٹھاس سے لبریز تھی۔ خط کے اختتام پر وہ خواجہ صاحب کی درازیِ عمر کی دعا کرتے ہیں اور ان کی دکن میں آمد کے بارے میں بہت پر امید نظر آتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:

"آپ کی دکن آمد دلوں کے بند دریچے کھول دے گی، اور ہمارے سینے نور سے منور ہو جائیں گے۔"[29]

محمود گاواں کی علمی و روحانی پیاس انہیں مولانا عبد الرحمن جامی کی دہلیز پر بھی لے کر گئی۔ جامی نہ صرف فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے بلکہ نقشبندی سلسلے کے جلیل القدر صوفی بھی تھے۔ گاواں نے انہیں سات خطوط ارسال کیے، جن میں نہایت محبت اور ادب وانکساری کے ساتھ انہیں دکن آنے کی دعوت دی، اور خود کو ان کا شاگرد ظاہر کیا۔ ان خطوط میں محمود گاواں کی زبان، ایک طالبِ علم کی طلب، ایک عقیدت مند کی محبت بھری عاجزی سے پر نظر آتی ہے۔ حضرت مولانا جامی نے بھی ان خطوط کا جواب محبت سے دیا، اور گاواں کی علمی کاوشوں کو نہایت عزت و تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور سراہا۔[30]

دکن میں سلسلۂ نقشبندیہ کے مشاہیر کی فہرست:

نقشبندی علماء، مشائخ، مصنفین، واعظین، اور سیاست دانوں کی ایک فہرست یہاں دی جارہی ہے، تاکہ اس سلسلہ کے مشاہیر کا ایک خاکہ سامنے آجائے[31]:

- حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری (متوفی 1045ھ) مزار برہان پور
- حضرت حاجی رحمت اللہ نقشبندی نائب رسول رحمت آباد (ولادت: 1105ھ بمقام بلگام کرناٹک، وفات: 1195ھ) مزار رحمت آباد
- حضرت شیخ شاہ رفیع الدین قندھاری (1164ھ - 1241ھ) ولادت، وفات و مزار قندھار
- حضرت سید علوی بروم (پیر و مرشد حضرت خواجہ نائب رسول) مزار بیجاپور

([29]) گاواں، خواجہ عماد الدین محمود، ریاض الانشاء، تحقیق: شیخ چاند بن حسین، بار اول؛ حیدر آباد دکن، دار الطبع سرکار عالی، 1948ء، ص27۔

([30]) دیکھیے: مصدر سابق، ص19-23۔

([31]) اس فہرست کے لیے ہم نے مشکاۃ النبوۃ، محبوب ذوالمنن، انوار خلد، حضرات القدس، گلزار اولیاء، تذکرہ محدث دکن، بحر رحمت اور انوار الرفیع وغیرہ کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

- مولاناظہیر الدین بن محب اللہ عنایت اللہی نقشبندی بالاپوری (متوفی 1141ھ)، مزار بالاپور
- حضرت مولانا سید عنایت اللہ بالاپوری نقشبندی (متوفی 1117ھ)، مزار بالاپور برار
- مولانا قمر الدین بن مولانا منیب اللہ بالاپوری (1123ھ-1193ھ) مزار اورنگ آباد
- مولانا مجد الدین شاہ محمد معصوم نقشبندی (متوفی 1198ھ) مزار بالاپور
- حضرت سید ابوالحسن قربی نقشبندی (ولادت: 1117ھ بمقام بیجاپور، وفات 1182ھ) مزار قلعہ ویلور
- حضرت حبیب عیدروس بن حسین العیدروس (متوفی 1346ھ) مزار خطہ صالحین نام پلی حیدرآباد
- مولانا نور الہدی بن مولانا قمر الدین اورنگ آبادی (1153ھ-1203ھ) مزار اورنگ آباد
- حضرت نقشبند دکن شاہ سعد اللہ رحمہ اللہ (متوفی 1270ھ) مزار محلہ اردو شریف حیدرآباد
- حضرت شاہ شجاع الدین خلیفہ حضرت رفیع الدین قندھاری (متوفی 1265ھ) مزار عیدی بازار حیدرآباد
- حضرت سید محمد پادشاہ المعروف ب پیر بخاری شاہ (متوفی 1328) مزار سعید آباد حیدرآباد
- حضرت قاضی ابو محمد شجاع الدین فاروقی نقشبندی (والد شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ) متوفی 1288ھ، مزار عیدی بازار حیدرآباد
- حضرت باباشاہ محمد عاشور المعروف بہ باباشاہ مسافر، (متوفی 1126ھ) مزار درگاہ پن چکی اورنگ آباد
- حضرت مجاہد الدین بن معصوم البالابوری (متوفی 1235ھ) مزار بالاپور
- حضرت مولانا محمد نعیم المعروف بہ حضرت مسکین شاہ صاحب، (متوفی 1314ھ) مزار علی آباد حیدرآباد
- حضرت شاہ یوسف بیجاپوری (متوفی 1219ھ) مزار بیرون حیدرآباد فتح دروازہ
- سید شاہ قاسم بن سید محمد بن سید مرتضی گجراتی (متوفی 1316ھ)، مزار رنمست پورہ حیدرآباد
- مولانا مفتی محمد سعید بن بدر الدولہ النائطی المدراسی ثم الحیدرآبادی، بانی مکتبہ سعیدیہ (1247ھ-1312ھ) مزار مقبرہ مسجد الماس چادر گھاٹ حیدرآباد
- عبد القادر البکری نقشبندی (1251ھ-1329ھ) مزار مقبرہ شاہ خاموش قدس اللہ سرہ ناملی حیدرآباد
- حضرت ابوالحسنات محدث دکن سید شاہ عبد اللہ نقشبندی (متوفی 1964ء) مزار مصری گنج حیدرآباد
- حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین نقشبندی والد حضرت محدث دکن (متوفی 1353ھ) مزار بارگاہ حضرت شاہ راجو قتال حسینی مصری گنج حیدرآباد
- الشیخ الفاضل عین القضاۃ بن محمد وزیر بن محمد جعفر الحسینی، النقشبندی، الحیدر آبادی، ثم اللکنوی (ولادت 1274 بمقام حیدرآباد دکن-وفات 1347 بمقام لکھنؤیوپی)
- حضرت مولانا سید محمد حسین نقشبندی قادری شاگرد شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ (ولادت 1896ء بمقام الہ آباد، وفات 1966ء

بمقام حیدرآباد)مزار دریچہ بواھیر حمد و میان حیدرآباد

- مولانا حکیم محمد حسین نقشبندی شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ (ولادت 1312ھ بمقام وقارآباد-وفات 1407ھ)مزار مقبرہ متصل مسجد یسین سید علی چبوترہ حیدرآباد
- مولانا مفتی محمد عبد الحمید شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ (ولادت 1323ھ بمقام مغل پورہ-وفات 1379ھ)مزار مقبرہ مسجد فتح لنگر حوض حیدرآباد
- عالمی محقق حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآبادی نقشبندی (متوفی 2002ء)مزار فلوریڈاامریکہ
- حضرت مولانا شاہ محمد عبد الکریم نقشبندی (ولادت سنہ 1233ھ بمقام تاڑبن حیدرآباد-وفات 1317ھ بمقام جبل پور)
- حضرت علامہ نذر محمد خان صاحب نقشبندی شاگرد شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ (متوفی 1383ھ)مزار مقبرہ بندہ نواز گلبرگہ شریف
- حضرت مولانا عبد الغفور خان نامی نقشبندی (ولادت:1288ھ-وفات 1358ھ) مزار مسجد قطب شاہی، قطبی گوڑہ، کاچیگوڑہ، حیدرآباد
- حضرت مولانا ابو بکر ہاشمی صاحب نقشبندی صدر المصححین دائرۃ المعارف العثمانیہ (2008ء)مزار نقشبندی چمن مصری گنج
- حضرت مولانا مفتی محمد عظیم الدین صدر مفتی جامعہ نظامیہ و صدر المصححین دائرۃ المعارف العثمانیہ (متوفی 2021ء)مزار مقبرہ شجاعیہ عیدی بازار حیدرآباد
- حضرت مولانا مفتی ابراہیم خلیل ہاشمی، شیخ الفقہ و سابق صدر مفتی جامعہ نظامیہ (متوفی 2010ء)مزار نقشبندی چمن مصری گنج حیدرآباد
- حضرت مولانا ابو البرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی خلیفہ حضرت محدث دکن (متوفی 1992ء) مزار نقشبندی چمن مصری گنج حیدرآباد
- حضرت ابوالخیر مولانا سید رحمت اللہ شاہ صاحب نقشبندی خلیفہ حضرت محدث دکن (متوفی 2011ء)مزار نقشبندی چمن مصری گنج حیدرآباد
- حضرت ابوالخیرات سید انوار اللہ شاہ نقشبندی مجددی جانشین حضرت محدث دکن (متوفی 2005ء) مزار نقشبندی چمن مصری گنج حیدرآباد
- معروف شاعر مرزا شکور بیگ نقشبندی رکن مقننہ حکومت آندھرا پردیش (متوفی 2009ء)وخلیفہ حضرت محدث دکن
- ابوالفداء ڈاکٹر مولانا محمد عبد الستار خان نقشبندی، صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ خلیفہ حضرت محدث دکن (1924ء-2012ء)
- مولانا محمد علی نقشبندی صاحب، استاذ شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ
- حضرت مولانا عزیز بیگ نظامی نقشبندی مصحح دائرۃ المعارف العثمانیہ
- حضرت مولانا قاضی محمد عطاء اللہ نقشبندی (ولادت 1930ء بمقام اپو گوڑہ-وفات 1992ء)مزار نقشبندی چمن مصری گنج حیدرآباد

- حضرت مولانا سید شاہ عزیز اللہ قادری نقشبندی سابق شیخ المعقولات جامعہ نظامیہ (معاصر)
- حضرت مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی نائب شیخ الجامعہ وصدر مفتی جامعہ نظامیہ (پ 1975م، معاصر)
- حضرت مولانا عمر فاروق ہاشمی صاحب سابق صدر المصححین دائرۃ المعارف العثمانیہ (معاصر)
- حضرت مولانا مفتی سید صغیر احمد نقشبندی شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ (پ 1971ء معاصر)
- حضرت مولانا مفتی سید صادق محی الدین فہیم نقشبندی سابق نائب مفتی جامعہ نظامیہ (پ 1948ء معاصر)
- مولانا مفتی محمد قاسم صدیقی تسخیر سابق نائب مفتی جامعہ نظامیہ (پ 1978ء، معاصر)
- حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفی شریف نقشبندی سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ (پ 1957ء، معاصر)
- مولانا مفتی سید واحد علی شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ (پ 1983ء معاصر)
- مولانا خالد علی ازہری شیخ الادب جامعہ نظامیہ (معاصر)

مذکورہ بالا فہرست کے جائزے سے دو اہم باتیں سامنے آتی ہیں:

(1) سلسلہ نقشبندیہ کا فیضان تقریباً پانچ صدیوں سے دکن میں جاری وساری ہے۔

(2) ماضی قریب اور عصرِ حاضر میں نقشبندی مشائخ کی ایک طویل فہرست ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں دکن کے اندر سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے اس سلسلے کی طرف عوام کا میلان بھی بڑھتا جارہا ہے، اور ہمیں موجودہ وقت میں دکن کے اندر متعدد سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں اس سلسلہ سے تعلق ونسبت رکھنے والی متعدد شخصیات اعلی عہدوں پر فائز نظر آتی ہیں، اور دکن کے بیشتر شہروں میں نقشبندی علماء ومشائخ کے مدارس، مکاتب اور خانقاہیں آباد ہیں۔

مشائخ نقشبندیہ کی علمی خدمات:

دکن میں نقشبندی علماء کرام اور صوفیہ عظام نے علوم اسلامیہ: تفسیر وحدیث، فقہ وکلام، اخلاق وتصوف وادبیہ کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ سماجی وادبی علوم مثلاً تاریخ وتذکرہ نویسی اور شعر وادب میں بھی گہرے نقوش چھوڑے ہیں، ذیل میں ہم مختلف علوم وفنون میں ان کی تصنیفات اور علمی کاموں کا اجمالی تعارف پیش کریں گے۔

تفسیر وعلوم تفسیر:

- **نظم الدرر في تناسب الآيات والسور:** یہ کتاب برہان الدین ابو الحسن ابراہیم البقاعی (متوفی 885ھ) کی تصنیف ہے، اس میں آیات کے آپسی ربط کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی سورتوں کے آغاز واختتام کے درمیان مناسبت پر تفصیلی گفتگو کی ہے، جس کی وجہ سے تفسیر کی کتابوں میں اسے نہایت اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب قلمی تھی، جامعہ نظامیہ کے سابق شیخ الجامعہ مفتی محمد عبد الحمید

نقشبندی نے اس کی تحقیق کی، اور دائرۃ المعارف العثمانیہ نے اس کو پہلی بار 1969ء میں شائع کیا ہے۔[32]

- **تفسیر سورہ یوسف:** سورہ یوسف کو احسن القصص کہا گیا، حضرت محدث دکن سید شاہ عبد اللہ نقشبندی (1292ھ-1384ھ) نے سالکینِ راہِ طریقت کے لیے یہ تفسیر تحریر فرمائی، آپ نے اردو زبان میں 380 صفحات پر مشتمل اس تفسیر میں تصوف کے نہایت دقیق مسائل کو آسان اسلوب میں تحریر فرمایا، اس کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر ڈاکٹر جلال الدین حیدرآبادی سابق لکچرر لطیفیہ کالج (متوفی 2005ء) نے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔
- **قرآن فہمی کا آسان راستہ:** قرآن مجید کے الفاظ وکلمات کی تفسیر وتشریح کے لیے لغت کے طور پر یہ کتاب تالیف کی گئی ہے۔ اس میں اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی قرآنی الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے مصنف ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شریف صاحب صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ ہیں۔ 300 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 1993ء بمطابق 1413ھ میں پہلی مرتبہ چھپی ہے۔

حدیث وعلوم حدیث:

حدیث اور علومِ حدیث کے میدان میں دکن کے نقشبندی علماء کرام کی خدمات کا تعارف کرانے سے پہلے مناسب ہے کہ اس خطہ میں حدیث وعلومِ حدیث کی کیا تاریخ رہی ہے۔ دکن کی ثقافتی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ متعدد محدثین نے ترکِ وطن کرکے دکن کا رخ کیا، اور یہاں پر حدیث کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کیا، ان میں ایک اہم نام محدث بدر الدین دمامینی (827ھ) کا ہے جو اسکندریہ میں پیدا ہوئے، گجرات سے ہوتے ہوئے دکن کے علاقہ گلبرگہ میں تادم وفات سکونت پذیر رہے، چنانچہ آپ کی باقیات میں ایک اہم کتاب 'مصابیح الجامع' بخاری شریف کی عربی شرح ہے، جو متعدد بار بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ نویں صدی ہجری میں عالمِ اسلام میں جو مکاتبِ حدیث مرکزی طور پر خدمات انجام دے رہے تھے، ان میں ممتاز محدث عبد الرحمن السخاوی (831ھ-903ھ) اور عظیم محدث زین الدین زکریا الانصاری (826ھ-925ھ) کے مکاتب شامل ہیں، ان میں سے سخاوی نے حرمین کو اور انصاری نے قاہرہ کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، ان کے مکاتب دکن میں علمِ حدیث کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنے۔ چنانچہ امام سخاوی کے جو تلامذہ دکن آئے تھے ان میں سے شیخ عبد العزیز بن محمود طوسی شافعی (910ھ) ہے، جنہوں نے امام سخاوی سے مکہ میں احادیث کی سماعت کی تھی، آپ محمود گاواں کے دور میں دکن آگئے تھے، امام سخاوی کے اور ایک شاگرد حسین بن عبد اللہ کرمانی (932ھ) کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے سخاوی سے اجازت حدیث لے کر بیجاپور کا رخت سفر باندھا تھا۔[33]

اس مختصر سی تمہید کے بعد ذیل میں علم حدیث میں نقشبندی علماء ومشائخ کی تصنیفی خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے:

([32]) ندوی، عظمت اللہ، زکریا الغوری، الفہرس الوصفی لمطبوعات دائرۃ المعارف العثمانیہ، بار اول؛ حیدرآباد، دائرۃ المعارف الثعمانیہ، 2013ء، ص 10۔

([33]) تفصیل کیلیئے دیکھیں: علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ، ڈاکٹر محمد اسحاق، ترجمہ: شاہد حسین رزاقی، بار سوم؛ لاہور، مکتبہ جدید پریس، 2013ء، ص:105-117۔

- **ترجمہ مشکاۃ المصابیح:** حدیث کی مقبول کتاب مشکاۃ المصابیح کا فارسی زبان میں ترجمہ حضرت مولانا ظہیر الدین نقشبندی متوفی 1141ھ نے کیا ہے۔[34]
- **رسالہ اجازت نامہ:** یہ مختصر سا قلمی نسخہ حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کا ہے، اس میں آپ نے اپنی صحاحِ ستہ کی تمام اسانید، سند قرأت، شجرۂ سلاسلِ اربعہ اور اجازت نامہ حزب البحر تحریر فرمایا ہے۔ واضح ہو کہ حضرت رفیع الدین قندھاری علمِ باطن کے ساتھ علمِ ظاہر کے بھی بڑے غواص تھے، عالم عرب کے علماء نے بھی آپ سے سندِ حدیث لی ہے، بیسویں صدی کے مشہور عالم دین علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی (متوفی 1932ء) نے بھی آپ سے سند حدیث لی ہے۔ اسی سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ انوار الرفیع نامی کتاب کے مصنف نے تحریر کیا ہے، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ:

> "مدینہ طیبہ میں نہ صرف آپ کے علم ظاہر کے سلسلے جاری ہوئے بلکہ علمِ باطن کے سلسلے بھی پھیلے، واقعہ مشہور ہے کہ مولانا انوار اللہ خان فاروقی بانیٔ جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن جو آپ کے حقیقی نواسہ حضرت شجاع الدین علیہ الرحمۃ کے صاحبزادہ تھے، جب حج و زیارت کے لیے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ حاضر ہوئے، تو وہاں دورانِ قیام کسی ضیافت کے موقع پر شجرۂ طریقت سننے کا اتفاق ہوا، اور کچھ شیوخ کے اسماء گرامی کے بعد آپ کا اسم گرامی عن شیخ رفیع الدین القندھاری الدکنی پڑھا گیا جس پر مولانا انوار اللہ خان کو تعجب ہوا، اور تقریب کے اختتام پر مولانا انوار اللہ خان نے میزبان شیخ سے دریافت کیا کہ یہ سلسلہ حضرت رفیع الدین قندھاری الدکنی قدس سرہ کا یہاں کیسے پہنچا؟ میزبان شیخ نے فرمایا "ھو شیخ العرب والعجم" کہ آپ عرب و عجم کے شیخ ہیں، پھر تفصیل بتلائی کہ جب حج و زیارت کے لیے آکر آپ نے یہاں قیام فرمایا تھا اس وقت آپ کے سلسلے یہاں پھیلے۔"[35]

- **تشييد المباني في تخريج أحاديث مكتوبات الإمام الرباني:** یہ گراں قدر تصنیف حضرتِ مفتی محمد سعید نقشبندی (1247ھ–1312ھ) کی علمی یادگار ہے۔ جس میں آپ نے *مکتوباتِ امام ربانی* میں وارد احادیثِ نبویہ کی تخریج و تحقیق فرمائی ہے۔ یوں یہ کتاب علمِ حدیث اور تصوفِ کا سنگم ہے، جو طالبِ علم کو تحقیق کے نور سے منور اور عاشقِ حقیقت کو سنتِ مصطفوی کی خوشبو سے معطر کرتی ہے۔[36]
- **تخريج أحاديث الأطراف:** یہ کتاب بھي حضرت مفتی محمد سعید نقشبندی کی ہے، جس میں انہوں نے اطراف حدیث کی

([34]) ملکاپوری، محمد عبد الجبار خان، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیاء دکن، مرجع سابق، ص:1/481۔

([35]) فاروقی، شاہ محمد شجاع الدین القادری ناطق، انوار الرفیع، باراول؛1976ء، مطبع ندارد، ص:14-15۔

([36]) محی الدین، پروفیسر سلطان محی الدین، علماء العربية ومساهماتهم الادبية في العهد الآصفجاهي، باراول، حیدرآباد، مطبع ابوالوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ، 2005ء، ص93۔

تخریج کی ہے۔[37]

- **زجاجۃ المصابیح:** فقہ حنفی کے مستدلات کا حدیثی موسوعہ ہے، جس کو عظیم محدث مولانا سید شاہ عبد اللہ نقشبندی نے تالیف فرمایا ہے، مشکاۃ المصابیح کی طرز پر یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ یہ کتاب پانچ جلدوں میں کل 2484 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں 6634 حدیثیں ہیں، مؤلف گرامی قدر نے احادیث پر نہایت علمی حاشیہ بھی قلم بند فرمایا ہے، جس میں مذاہبِ اربعہ کے مواقف اور تفصیلی دلائل اور احناف کے مزید دلائل کا ذکر کیا گیا ہے جس سے فقہ حنفی کو تقویت ملتی ہے۔
- **غریب الحدیث:** یہ کتاب فن حدیث کا ایک نادر علمی شاہکار ہے، جو شیخ ابو عبید القاسم بن سلام الھروی (متوفی 224ھ) کی تصنیف ہے، یہ کتاب احادیثِ نبویہ اور آثارِ صحابہ میں وارد ہونے والے غریب کلمات کی وضاحت اور مشکل الفاظ کی تشریح پر مبنی ہے۔ اس کی تالیف میں چالیس سال کا طویل عرصہ لگا، اپنی انفرادیت اور افادیت کی وجہ سے یہ کتاب علومِ حدیث کے طالب علم کے لیے ایک بنیادی حوالہ بن گئی ہے۔ اس کی تحقیق کا کام حضرت مفتی محمد عظیم الدین نقشبندی سابق صدر مفتی جامعہ نظامیہ نے کیا ہے۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، پہلے حصے میں 372 صفحات، دوسرے میں 310 صفحات، تیسرے میں 488 صفحات اور چوتھے میں 503 صفحات ہیں۔ اور اس کا پہلا ایڈیشن 1384ھ سے 1387 ہجری تک دائرۃ المعارف عثمانیہ سے شائع ہوا ہے۔
- **مسند ابی عوانہ:** یہ کتاب حافظ ابو عوانہ یعقوب الاسفرائینی (متوفی 316ھ) کی ہے، مصنف نے فقہی ترتیب پر مختلف اسانید سے احادیث شریفہ کو ذکر کیا ہے، اس کے قلمی نسخہ کی تحقیق و تصحیح کا کام مفتی محمد عبد الحمید نقشبندی شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ نے دائرہ کے رفقاء کے ساتھ کے مکمل کیا ہے، اس کی دو جلدیں دائرۃ المعارف نے 1385ھ میں شائع کی ہے۔[38]
- **کنز العمال:** علی متقی ہندی (متوفی 975ھ) نے حدیث کا انسائیکلوپیڈیا فقہی ترتیب پر جمع کیا ہے، دائرۃ المعارف العثمانیہ سے اس کی طباعت ثانی کے موقع پر دو نقشبندی حضرات شیخ ابو بکر الہاشمی نقشبندی اور مولانا عزیز بیگ نظامی نقشبندی نے اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ مل کر تصحیح اور تعلیق کا کام کیا ہے، اس کو دائرہ نے 22 جلدوں میں 1369ھ اور 1421ھ کے درمیان شائع کیا ہے۔[39]
- **کتاب الثقات:** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد البستی (متوفی 354ھ) نے ثقہ راویوں کا تذکرہ لکھا ہے، دائرۃ المعارف العثمانیہ نے اس کو تحقیق کے ساتھ نو جلدوں میں 1403ھ میں شائع کیا ہے، تصحیح و تعلیق کا کام نقشبندی عالم مولانا عزیز بیگ نقشبندی نے رفقاء کے ساتھ مل کر کیا ہے۔[40]
- **كتاب وسيلة المتعبدين إلى متابعة سيد المرسلين ﷺ:** ملا موصلی ابو حفص عمر بن محمد (متوفی 570) کی تصنیف لطیف

[37] مصدر سابق ص:94

[38] ندوی، عظمت اللہ، زکریا الغوری، الفہرس الوصفی لمطبوعات دائرۃ المعارف العثمانیہ، مصدر سابق، ص39۔

[39] مصدر سابق ص:35۔

[40] مصدر سابق، ص:64

ہے، جس میں آپ نے سیرت کی تمام گوشوں کا احاطہ کرکے تفصیلی کلام کیا ہے، اس کے مخطوطہ پر مولانا عزیز بیگ نقشبندی اور مولانا عمر ہاشمی نقشبندی نے تصحیح اور تعلیق کی کا کام کیا ہے۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ سے 1391ھ سے 1404ھ کے درمیان چھ جلدوں میں چھپی ہے۔[41]

- **المصباح المضيئ في كتاب النبي ﷺ:** اس کتاب میں مصنف امام ابو عبد اللہ محمد بن علی انصاری (متوفی 783ھ) نے ان خطوط اور رسائل کو جمع کیا جنہیں حضور علیہ السلام نے مختلف امراء اور حکام کی طرف اسلام کی دعوت کی غرض سے ارسال فرمائے تھے، مفتی محمد عظیم الدین نقشبندی نے اس کے قلمی نسخہ کی تحقیق و تصحیح کی اور دائرۃ المعارف نے 1414ھ میں دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔[42]
- **ضعیف احادیث پر غیر مقلدین کا عمل:** اس کتاب کے مصنف استاذ گرامی قدر مفتی سید واحد علی صاحب شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ ہیں، ابو الحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر حید آباد سے پہلی مرتبہ 2015ء میں شائع ہوئی ہے، اس میں آپ نے ان احادیثِ ضعیفہ کو جمع کیا ہے جن پر اہلِ حدیث کا عمل ہے۔

فقہ:

- **جوہر النظام:** یہ حضرت شجاع الدین نقشبندی قادری (متوفی 1265ھ) کی کتاب ہے، اس کتاب میں آپ نے فقہی احکام و مسائل عربی نظم میں پیش کیا ہے۔[43]
- **کشف الخلاصہ:** یہ کتاب بھی حضرت شجاع الدین نقشبندی قادری ہے کی تصنیف ہے، اس میں بھی منظوم فقہی احکام و مسائل ہیں۔[44]
- **هداية الشفاة إلى نصاب الزكاة:** یہ کتاب حضرت مفتی محمد سعید نقشبندی، بانی کتب خانہ سعیدیہ (1247ھ-1312ھ) کی ہے۔[45]
- **نور الكريمتين في رفع اليدين بين الخطبتين:** یہ کتاب بھی مفتی محمد سعید کی ہے۔[46]

---

(41) ندوی، عظمت اللہ، زکریا الغوری، الفہرس الوصفی لمطبوعات دائرۃ المعارف العثمانیہ، مصدر سابق، ص:76

(42) ندوی، عظمت اللہ، زکریا الغوری، الفہرس الوصفی لمطبوعات دائرۃ المعارف العثمانیہ، مصدر سابق، ص77۔

(43) محی الدین، پروفیسر سلطان محی الدین، علماء العربية ومساهماتهم الأدبية في العهدالآصفجاهي، مصدر سابق، ص6۔

(44) مصدر سابق، ص6۔

(45) مصدر سابق، ص93۔

(46) مصدر سابق، ص93۔

- **تبليغ الأحكام في آداب الطعام:** یہ کتاب مولانا عبد القادر البکری نقشبندی کی تالیف ہے، جس میں انہوں نے کھانے کے آداب واحکام پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔مؤلف نقشبندِ دکن حضرت سعداللہ نقشبندی کے مرید اور حضرت محمد زماں خان شہید(متوفی1292ھ)کے شاگرد ہیں۔(47)
- **منتخب فتاوی محدث دکن:** حضرت محدث دکن سید شاہ عبد اللہ نقشبندی(متوفی1964م)کے فتاوی کا مجموعہ ہے، آپ علمِ حدیث میں مہارت اور خدمات کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں، لیکن یہ مجموعہ فتاوی آپ کے فقہی تبحر کا بین ثبوت ہے۔ شعبہ فقہ اکیڈمی جامعہ نظامیہ کے فاضل محققین کی تحقیق وتخریج کے ساتھ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ سے 2024ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا ہے۔
- **عناية الواصلين في الأدعية والنوافل:** بالاپور کے مشہور بزرگ حضرت مولانا سید عنایت اللہ بالاپوری نقشبندی متوفی1117ھ کی تصنیف لطیف ہے۔ آپ حضرت خواجہ معصوم بن مجدد الف ثانی کے خلیفہ حضرت شیخ ابوالمظفر صوفی کے مرید وخلیفہ تھے۔(48)
- **DNAٹسٹ کی شرعی حیثیت:** یہ کتاب عصر حاضر کے ممتاز فقیہ حضرت مولانا مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی نائب شیخ الجامعہ وصدر مفتی جامعہ نظامیہ کی تصنیف ہے، مصنف گرامی قدر فقہی میدان اپنی ایک خصوصی شناخت اور تحقیق وتصنیف میں بلند مقام رکھتے ہیں۔2001ء میں حضرت مفتی محمد عظیم الدین کے سفرحج کے موقع پر بحیثیت مفتی دارالافتاء میں خدمت کا موقع ملا، اور حضرت مفتی محمد عظیم الدین کے انتقال کے بعد سے آپ جامعہ نظامیہ کے صدر مفتی کے عہدہ پر فائز ہیں۔

آپ نہایت متحرک اور فعال اسکالر ہیں، ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر کا قیام عمل میں لایا جو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق دینی، دعوتی، اصلاحی، علمی اور اشاعتی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ملک وبیرون ملک عربی اور اردو میں آپ کے خطابات مدلل ومسلسل سواد اعظم کے نشان وترجمان ہیں۔ بارہا حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوچکے ہیں۔ تقریر کا لہجہ اور تحریر کا اُسلوب منفرد پایا ہے۔ فقہ کے قدیم وجدید اور عصری موضوعات پر درجنوں کتابیں تالیف کرچکے ہیں۔ بعض کتابیں انگریزی، تلگو اور ہندی میں ترجمہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔ کئی قومی وبین الاقوامی کانفرنسوں اور سمینارز میں شرکت کرکے مقالات پیش کرچکے ہیں۔ آپ حضرت ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ نقشبندی قادری مجددی سے شرف بیعت رکھتے ہیں۔(49)

- **انوارِ حج وزیارت:** مفتی سید صادق محی الدین فہیم کی تالیف ہے، جو حجاج کرام کے لیے نہایت مفید ہے۔ ریاستی حج کمیٹی تلنگانہ نے بہت اہتمام سے ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا ہے۔

---

(47) محی الدین، پروفیسر سلطان، علماء العربية ومساهماتهم الأدبية في العهدالآصفجاهي، مصدر سابق، ص112۔

(48) ملکاپوری، محمد عبد الجبار خان، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیاء دکن، مصدر سابق، 1/613۔

(49) نظامی، شاہ محمد فصیح الدین، تاریخ جامعہ نظامیہ، بار اول، حیدرآباد، الانصار فاؤنڈیشن، 2002ء، 3/183۔

تصوف واخلاق:

- **مکتوباتِ امام ربانی:** مکتوبات مجدد الف ثانی کا تیسرا دفتر دکن کے ایک نقشبندی بزرگ خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری نے جمع کیا ہے، جیسا کہ مکتوبات امام ربانی کے مقدمہ میں درج ہے کہ ''تیسرا دفتر 'معرفۃ الحقائق' کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے جامع خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری رحمہ اللہ مرید حضرت امام ربانی قدس سرہ ہیں، انہوں نے اس دفتر کو حضرت امام ربانی کی خدمت میں رہ کر مدون کیا، اس کے دیپاچہ میں لکھا ہے کہ مطابق عدد سور قرآنی 114 مکتوبات ہیں، سال اتمام جلد ثالث لفظ ''ثالث (1031)'' سے بر آمد کیا ہے۔ ''[50]
- **مظہر النور:** یہ کتاب مولانا قمر الدین بن مولانا منیب اللہ بالاپوری (1164ھ) تصنیف کی ہے جس میں مصنف نے مسئلہ وحدت الوجود کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مولانا قمر الدین بن مولانا منیب اللہ بالاپوری سلسلۂ نقشبندیہ کی ایک عظیم علمی شخصیت ہیں، آپ کی خدمات اور افکارِ تصوف پر غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحہ المرجان فی آثار ہندوستان میں تفصیل سے لکھا ہے، نورا لکریمتین اور نور الظهور کا بھی ذکر آپ کی تالیفات میں ملتا ہے۔[51]
- **ثمرات مکیہ:** یہ حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کی تصوف پر ایک اہم تالیف ہے، جس پر تاریخ تالیف 15/ محرم الحرام 1198ھ، مقام مدرسہ شیخ عبد الکریم قطبی جو بیت اللہ شریف کے مقابل تھا درج ہے۔ یہ ایک مقدمہ تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔[52]
- **بوارق النور حاشیہ شرح مظہر النور:** یہ مولانا نور الہدی بن مولانا قمر الدین اورنگ آبادی (1153ھ-1203ھ) کی تصنیف ہے۔ کتب تذکرہ و تاریخ میں آپ کی متعدد تصانیف کا ذکر ملتا ہے جن میں قابل ذکر ''شرح نور الکریمتین''، رسالہ اعتراض بر قاضی عضد ورسالہ قاضی زاہد وغیرہ، محبوب ذوالمنن کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ کتابیں بالاپور برار کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔[53]
- **رسالہ فیض الحق:** حضرت شاہ یوسف بیجاپوری (متوفی 1219ھ) کی تصنیف لطیف ہے۔ مصنف حضرت رحمت اللہ نقشبندی نائب رسول رحمت آباد کے مرید وخلیفہ ہیں۔[54]
- **ملفوظاتِ نقشبندیہ:** حضرت شیخ محمد عاشور المعروف بہ بابا شاہ مسافر کے ملفوظات ہیں، اور اس میں آپ کے مرشد اور خلفاء کے

---

[50] سرہندی، شیخ احمد فاروقی، مکتوبات امام ربانی، ترجمہ: محمد سعید احمد، بار اول، نئی دہلی، اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، 1996ء، 3/25۔

[51] ملکاپوری، محمد عبد الجبار خان، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیاء دکن، مرجع سابق، 2/691۔

[52] اس کتاب اور حضرت رفیع الدین قندھاری کی دیگر تصانیف کی تفصیل کے لیے دیکھیے: انوار الرفیع، مصدر سابق، ص 25۔

[53] دیکھیے: ملکاپوری، محمد عبد الجبار خان، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیاء دکن، مصدر سابق، 2/692۔

[54] ملکاپوری، محمد عبد الجبار خان، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیاء دکن، مصدر سابق، 2/1227۔

حالات بھی درج ہیں، آپ کے مرید شاہ محمود نے ان ملفوظات کو ضبط تحریر کیا ہے، محمد محب اللہ فاروقی نے سنہ 1965ء میں اس کا فارسی سے اردو ترجمہ کیا تھا۔ آپ کے داماد ڈاکٹر سید اشرف الدین نے یہ اردو ترجمہ 2000ء میں شائع کروایا۔[55]

- **لذات مسکین:** یہ حضرت مسکین شاہ صاحب (1314ھ) کی کتاب ہے، اس میں آپ نے تصوف کے اہم مباحث پر کلام کیا ہے، اس کتاب میں مختلف رسائل شامل ہیں جیسے رسائل المراقبات، رمز محبوب، رسالہ ارشادیہ، قال صحیح، نسبت محمدی، زیر و بم وغیرہ۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع مفید دکن حیدرآباد سے 1311ھ میں شائع ہوئی۔ اردو میں ترجمہ ڈاکٹر عارف الدین فاروقی نے کیا ہے، دوسری مرتبہ ادارہ اشاعت تعلیمات مسکینیہ علی آباد حیدرآباد سے 2014ء میں شائع ہوئی۔
- **اوائل الخیرات:** یہ امام محمد بن سلمان جزولی شاذلی (1404-1464ء) کی مقبول انام کتاب "دلائل الخیرات" کی طرز پر درود شریفہ کا مجموعہ ہے، جو ہفتہ کے ساتھ دن یعنی ہر روز کے ایک حزب پر مشتمل ہے۔ اور دلائل الخیرات کی طرح اوائل الخیرات کو بھی کافی پذیرائی ملی اور برصغیر میں اس کے متعدد ایڈیشنز آچکے ہیں۔ اس کے مرتب مولانا سید عبد الغفور خان نقشبندی (متوفی 1358ھ) ہیں۔ تحقیق کار کے سامنے جو نسخہ ہے وہ مولانا عبد الستار خان نقشبندی کے اردو ترجمہ کے ساتھ اور ینٹل پبلیکیشنز، لاہور سے 2014ء میں شائع ہوا ہے۔

عربی زبان وادب:

- **مستقصی في الأمثال:** یہ کتاب اپنے فن میں ایک منفرد اور عظیم کتاب ہے، عربی زبان کے "امثال" کے موضوع پر لکھی جانے والی بنیاد گزار کتابوں میں سے ایک ہے، جو ابو القاسم جاراللہ محمود بن عمر زمخشری (متوفی 538ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں مصنف نے عربی زبان کی کہاوتیں، حکمت، لسانی لطیفوں کے قصے، خوبصورت کہانیوں اور تاریخی کارناموں کو حروف تہجی کے مطابق ترتیب دیا ہے، اس کتاب پر تحقیقی کام حضرت مفتی محمد عظیم الدین نقشبندی صدر المصححین دائرۃ المعارف نے کیا ہے۔ اس میں عربی زبان کی (3461) امثال ہیں جن میں سے (1917) پہلے حصے میں، اور دوسرے حصے میں (1544) میں ہیں، اور دونوں حصوں میں کتاب کے کل صفحات کی تعداد 893 ہیں، اور اشاعت کا سال 1381ھ مطابق 1962 عیسوی درج ہے، دائرۃ المعارف العثمانیہ سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔[56]

تاریخ وتذکرہ نویسی:

تاریخ ایک ایسا فن ہے جس میں ماضی کے واقعات، حوادث اور اس کے محرکات واسباب سے گفتگو ہوتی ہے، قاری اس کے ذریعہ گزشتہ

---

[55] جہاں، ڈاکٹر فرحین، انوار خلد، بار اول، اورنگ آباد، سوداگر پبلیکشن اورنگ آباد، 2014، ص:230۔

[56] جہاں، ڈاکٹر فرحین، انوار خلد، مصدر سابق، ص:162۔

اقوام کے حالات، انقلاباتِ زمانہ اور تہذیبوں کے عروج وزوال سے واقفیت حاصل کرتا ہے، اسی وجہ سے ہر دور میں تاریخ نگاری پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ اور دکن میں اسلامی تاریخ نویسی کے فروغ میں نقشبندی سلسلے سے وابستہ علماء اور اسکالرز نے نمایاں رول ادا کیا ہے، ذیل میں اس میدان میں ان کی چند اہم کتابوں کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

- **زبدۃ المقامات:** یہ کتاب خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری تصنیف ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانی کے حالات، تعلیمات، خوارق اور خصوصی مراتب کا ذکر کیا گیا ہے۔ انڈیا آفس لائبریری لندن میں اس کا قلمی نسخہ محفوظ ہے۔ ڈاکٹر غلا مصطفی خان نے اردو میں ترجمہ کر کے مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ سیالکوٹ سے 1407ھ میں شائع کیا ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی حضرت مجدد الف ثانی کے خاص مرید وخلیفہ تھے، اور آپ ہی کے حکم پر برہان پور میں قیام پذیر ہوئے۔ اس میں مختلف اصنافِ سخن اور معاصرین کے متعلق قطعات تاریخ ہیں، حضرت مجدد الف ثانی کے وصال پر نظم کیے گیے بہت سے اشعار بھی درج ہیں۔[57]
- **انوار القندھار:** یہ کتاب حضرت رفیع الدین قندھاری کی تصنیف ہے، جس میں آپ نے قندھار کے بزرگوں کے حالات تحریر فرمائے ہیں، جس میں تاریخی مصادر کے ساتھ ساتھ بہت سے واقعات وحالات کے بیان میں مصنف نے کشف کا حوالہ دیا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا قلمی نسخہ ہے۔[58]
- **بحرِ رحمت:** یہ فارسی زبان میں حضرت سید خواجہ رحمت اللہ نائب رسول رحمت آباد ضلع نیلور کی سوانح حیات پر یہ ایک جامع کتاب ہے۔ اس کے مصنف سید ابو سعید نقشبندی (متوفی 1264ھ) ہیں جو حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کے خلیفہ تھے، کتاب کا سن تصنیف 1240 ہجری ہے، مصنف نے کتاب کو چار ابواب میں حضرت کے خانوادہ، شخصی زندگی، کرامات، فیض یافتگان کا تذکرہ اور روحانی مقام ومرتبہ پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ حضرت مولانا شیخ عبد الغفور رحمت آبادی سابق شیخ التجوید جامعہ نظامیہ نے اس کو اردو ترجمہ کے ساتھ 2001ء میں شائع کیا ہے۔
- **کتاب الفتوح:** یہ کتاب اسلامی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے، اور اسے ابتدائی اسلامی دور کی تایخ کا ایک اہم ماخذ سمجھا جاتا ہے، جس کو مشہور مورخ شیخ ابو محمد احمد بن عثم الکوفی (متوفی 314ھ) نے کی تالیف ہے۔ اس میں اہم تاریخی حوادث، اسلامی فرقوں، جماعتوں، خلفاءراشدین اور ان کی فتوحات، سپہ سالاروں اور غزوات کے نتائج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مصنف نے کتاب میں خلفائے راشدین کے دور کی تاریخ سے لے کر عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے دور تک کے حالات وواقعات بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں تقریبا دوہزار سات سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی تحقیق و تصحیح کا کام مفتی محمد عظیم الدین نقشبندی سابق صدر مفتی جامعہ نظامیہ نے کیا ہے۔

---

[57] سرہندی، بدرالدین، حضرات القدس، ترجمہ: محمد اشرف نقشبندی، باردوم، لاہور، مکتبہ حنفیہ، 2010ء، حاشیہ 2/416۔

[58] انوار الرفیع، مصدر سابق، ص26۔

- **المحمدون من الشعراء:** یہ در اصل علامہ ابوالحسن علی بن یوسف القفطی (متوفی:641ھ) کی تصنیف ہے، جس میں مصنف نے صدر اسلام سے ساتویں صدی ہجری تک کے ان تمام شعراء کے تذکرے کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جن کے نام "محمد" سے شروع ہوتے ہیں۔ 328 شعراء کے تذکرے پر مشتمل اس مجموعہ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نہ صرف عرب بلکہ دنیا میں جہاں کہیں "محمد" نامی عربی شاعر پایا گیا اس کو شامل کر لیا گیا۔ حیدرآباد کے معروف نقشبندی اسکالر ڈاکٹر محمد عبد الستار خان، صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ نے جامعہ عثمانیہ میں پی ایچ ڈی کے دوران اس کے قلمی نسخے کی تحقیق و تصحیح و تعلیق کا کام کیا۔ چنانچہ 135 صفحات پر مشتمل مخطوطہ تحقیق و تعلیق کے بعد 622 صفحات تک پہنچ گیا۔ دو جلدوں پر مشتمل یہ تذکرہ دائرۃ المعارف العثمانیہ سے 1966ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔
- **تذکرہ محدث دکن:** دکن کے عظیم محدث اور صوفی حضرت سید شاہ عبد اللہ نقشبندی (متوفی 1964ء) کی سوانح حیات پر لکھی گئی کتابوں میں یہ کتاب بہت اہم ہے اور اولین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ یہ آپ کے خلیفہ ڈاکٹر محمد عبد الستار خان نقشبندی، صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ کی تالیف ہے۔ یہ کتاب ہندوستان اور پاکستان سے متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔
- **عقیدت الطالبین:** یہ کتاب حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول کی سوانحِ حیات پر مشتمل ہے، اور آپ کے سوانحی مآخذ میں اس کتاب کو اولین مصدر کا درجہ حاصل ہے۔ مصنف کا نام حضرت شاہ نظام الدین ہے جو کہ نائب رسول کے مرید ہیں۔ اس کتاب کو بانی جامعہ نظامیہ شیخ الاسلام حضرت انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ نے جامعہ نظامیہ کی مجلس اشاعت العلوم سے طبع کروایا تھا۔[59]
- **گلزار اولیاء:** یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو محدث دکن سید شاہ عبد اللہ نقشبندی کی تصنیف لطیف ہے، اس میں نقشبندی سلسلے کے تمام بزرگوں کے سلسلہ وار حالات درج کیے گئے ہیں، اور ان کی تعلیمات، ارشادات، اور اذکار و نصائح کا بھی بیان ہے۔ ان حالات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سالک اپنے اسلاف کی مجاہدات اور ترقی مدارج سے واقف ہو اور ان کی اتباع کرتے ہوئے صلاح و فلاح تک پہنچ سکے۔
- **الدرر الکامنة:** یہ کتاب امام ابن حجر العسقلانی کی تصنیف ہے، جس میں آٹھویں صدی ہجری کے علماء، امراء، ادباء، شعراء اور دیگر اہم شخصیات کا تذکرہ ہے۔ اس کی طبع ثانی میں تصحیح و تعلیق کا کام مولانا عزیز بیگ نقشبندی نے کیا ہے۔ اور 1396ھ میں چھ جلدوں میں دائرۃ المعارف العثمانیہ سے شائع ہوئی ہے۔
- **تذکرہ نوبہار:** یہ حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کی تالیف ہے، اس میں آپ نے 57 فارسی شعراء کا تذکرہ مع نمونہ کلام قلمبند کیا ہے۔[60]

([59]) نقشبندی، سید ابو سعید، بحر رحمت، ترجمہ: ڈاکٹر محمد عبد الغفور رحمت آبادی، بار اول؛ ناشر: عبد اللہ بادشاہ مدینہ مسجد رحمت آباد، 2001ء، ص15۔

([60]) انوار الرفیع، مصدر سابق، ص18۔

- **شعراء الدولة الآصفية:** یہ کتاب دکن کے تین قادر الکلام مشہور زمانہ عربی شعراء کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔وہ تین شعراء یہ ہیں: حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی(متوفی1200ھ)، حکیم وحید الدین عالی(متوفی1344ھ) اور صاحب لامیۃ الدکن ابراہیم ادیب رضوی(1378ھ)۔ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر محمد عبد الستار خان نقشبندی، صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ ہیں۔ آپ نے مذکورہ شعراء کی سوانح حیات، شعری خصوصیات، تشبیہات واستعارات اور صنائع بدائع پر تفصیلی کام کیا ہے۔ یہ کتاب 1975م میں مطبع عزیزیہ شاہ علی بنڈہ، حیدرآباد سے زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئی، اور سابق شیخ الازہر امام عبدالحلیم محمود کے دستِ مبارک سے اس کی رسم اجراء عمل میں آئی۔
- **حياة وأعمال الإمام الرباني الشيخ أحمد الفاروقي النقشبندي المعروف بـ مجدد الألف الثاني:** مولانا حسن محمد نقشبندی مہتمم کتب خانہ جامعہ عثمانیہ نے 1998ء میں ڈاکٹر عبد المجید صاحب کی نگرانی میں اس تحقیقی کام کو جامعہ عثمانیہ میں پی ایچ ڈی کے لیے داخل کیا تھا، اس میں فاضل مقالہ نگار نے حضرت ممدوح کی حیات کے تمام گوشوں پر تفصیلی روشنی ڈالی، دائرۃ المعارف العثمانیہ نے اس مقالہ کو 2016ء میں شائع کیا ہے۔

عصری جامعات میں پیش کردہ تحقیقی مقالہ جات

نقشبندی سلسلے سے وابستہ متعدد علماء کرام اور اسکالرز نے سرکاری جامعات سے اعلی تعلیم حاصل کرتے ہوئے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہیں۔ یہاں پر صرف عربی زبان میں لکھے جانے والے غیر مطبوعہ علمی مقالہ جات کی بنیادی تفصیلات پیش کی جارہی ہیں:

- **الميزات البلاغية في أحاديث الزجاجة دراسة تحليلية:** یہ مقالہ مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی نائب شیخ الجامعہ وصدر مفتی جامعہ نظامیہ کی پی ایچ ڈی کانہایت ضخیم رسالہ ہے۔-راقم الحروف کی معلومات کے مطابق-حدیث شریف کی کسی مکمل کتاب پر بلاغت کے نقطۂ نظر سے دکن میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقالہ ہے، جس میں فاضل اسکالر نے حضرت محدث دکن ابوالحسنات سید عبد اللہ شاہ کی مایہ ناز تالیف زجاجۃ المصابیح کی سات ہزار سے زائد احادیث شریفہ میں پنہاں مختلف بلاغی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ حدیث شریف نہ صرف شرعی احکام کا مصدر رہے بلکہ شریعت کے ساتھ ساتھ وہ بلاغت وادب کا بھی خزانہ ہے۔ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے جواہر پارے ادب وزبان میں بھی سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے اس مقالہ میں معانی، بیان، بدیع کے تمام گوشوں کا احاطہ کیا، احادیث مبارکہ میں تشبیہات و استعارات، مجازات وکنایات کی نشاندہی اور وضاحت کی ہے، خبر وانشاء، وصل وفصل، قصر وحذف، ایجاز واطناب کے اسالیب کا تعین اور توضیح، محسنات لفظی ومعنوی کے فوائد کا تجزیہ کیا ہے۔ جامعہ عثمانیہ میں 2022ء کو یہ مقالہ داخل کیا گیا جس پر یونیورسٹی نے دکتوراہ کی سند سے نوازا ہے۔
- **"الملخص من شرح الشواہد" (من بداية المخطوط الى نهاية حرف الطاء) دراسة تحليلية:** حضرت علامہ سید

ابراہیم ادیب رضوی قادری نجفی کے قلمی نسخہ "الملخص من شرح الشواہد (من بدایۃ المخطوط الی نہایۃ حرف الطاء)" کی تحقیق کرتے ہوئے ممتاز محقق ڈاکٹر مفتی سید واحد علی شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ نے اپنا علمی وادبی تحقیقی مقالہ قلمبند کیا۔ سید ابراہیم ادیب رضوی قادری نجفی کا یہ وقیع مخطوطہ علمِ تفسیر و میدانِ ادب میں غیر معمولی اہمیت کا حامل رہا ہے، مقدمۂ تحقیق میں محقق نے علامہ ادیب کی حیات کے کچھ ایسے گوشوں کو واشگاف کیا گیا جو ہنوز پردۂ خفا میں تھے۔ اس مقالہ میں 423 شعری شواہد مذکور ہیں، جو متعلقہ آیات قرآنیہ کے ساتھ مربوط ہیں، ان شعری شواہد کا محلِ استشہاد متعین کرنے کے ساتھ وجہِ استشہاد کو بھی بیان کیا گیا، مقالہ پڑھنے سے علامہ ادیب کا علمی کمال وادبی مرتبہ مزید اجاگر ہوتا ہے۔ جامعہ عثمانیہ میں 2025ء کو یہ مقالہ داخل کیا گیا جس پر یونیورسٹی نے فاضل مقالہ نگار کو دکتوراہ کی سند سے نوازا۔

- **قواعد التطبيق والترجيح بين الأحاديث المتعارضة عند الفقهاء والمحدّثين:** مولانا مفتی قاسم صدیقی تسخیر صاحب نے حضرت مفکر اسلام مفتی خلیل احمد، شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ کی نگرانی میں یہ تحقیقی کام انجام دیا ہے۔ اس میں مفتی قاسم صدیقی تسخیر صاحب نے موضوع کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے وہ اصول اور ضابطے تحریر کیے جن کے متعارض احادیث میں تطبیق دی جاتی ہے۔ جامعہ نظامیہ کی جانب سے فاضل مقالہ نگار کو 2021ء میں پی ایچ ڈی کی سند دی گئی۔
- **أكمل الوسائل لرجال الشمائل:** حافظ سید احمد غوری نقشبندی نائب شیخ المعقولات جامعہ نظامیہ نے فن رجال کے موضوع پر عبد الواحد مدراسی کی کتاب "اکمل الوسائل لرجال الشمائل" کے قلمی نسخے کی تحقیق ومطالعہ کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی تکمیل کر کے جامعہ عثمانیہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یہ مخطوطہ تقریباً 200 سال پہلے لکھا گیا تھا اور ہندوستانی علماء کی جانب سے امام ترمذی کے رجال (راویان حدیث) پر لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے، جس میں امام ترمذی سے لے کر صحابہ کرام تک 735 راویوں کے حالات جمع کیے گئے ہیں، یہ کتاب اختصار وجامعیت کا اعلی نمونہ ہے۔ ریسرچ اسکالر نے فن رجال کی باریکیوں کا جائزہ لیا، جرح وتعدیل کی اصطلاحات کی تشریح، روایات اور آثار واقوال کی تخریج کی، اس تحقیق کا نمایاں اور ایک قابل قدر پہلو یہ ہے کہ محقق نے "شمائل ترمذی" کی اسناد میں موجود راویوں کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے یہ نشاندہی کی ہے کہ یہ راوی کتبِ صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داود، نسائی، ابن ماجہ) کی اسناد میں کہاں کہاں وارد ہوئے ہیں۔ اس زاویہ نگاہ سے تحقیق کرنے پر نہ صرف شمائل ترمذی کی روایات کے مستند ہونے کو مزید تقویت ملتی ہے بلکہ اس کی اور صحاح ستہ کی روایات کے درمیان ایک اہم ربط اور تسلسل بھی واضح ہوتا ہے۔
- **دور المؤلفات العربية للشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي في إثراء اللغة العربية:** مولانا سید شاہ خلیل اللہ بشیر نقشبندی صاحب نے ڈاکٹر محمد مصطفی شریف صاحب کی نگرانی میں یہ مقالہ تحریر کر کے جامعہ عثمانیہ میں 2021ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے پیش کیا، اس میں فاضل محقق نے حضرت عبد الحق محدث دہلوی کی عربی تصنیفات کا احاطہ اور ہندوستان میں عربی زبان کی نشر واشاعت اور فروغ میں ان کے کردار کا جائزہ لیا ہے۔

- **لامية العرب والعجم والهند والدكن: دراسة وصفية نقدية مقارنة:** عربی ادب میں قصائد کی اہمیت کسی اہل علم وادب سے مخفی نہیں، اور ان قصائد ودواوین میں سے مولوی ڈاکٹر شیخ محمود محی الدین وکیع نقشبندی مدیر دار الحدیث جامعہ نظامیہ نے لامیۃ العرب، لامیۃ العجم، لامیۃ الهند اور لامیۃ الدکن کا انتخاب کیا اور ان کے بلاغی خصوصیات کو اپنے مقالہ میں ذکر کیا اور ان پر بالتفصیل روشنی ڈالی، جس سے ان کی فنی، ادبی اور بلاغی حیثیت اور مزید اجاگر ہوتی ہے، اس کے محتویات اور مشمولات میں بلاغت کے جملہ اقسام علم بیان، علم معانی، اور علم بدیع ونیز ان علوم کے جمیع اقسام کو ان قصائد کے اشعار میں تلاش کرتے ہوئے ان پر تفصیل سے کلام کیا گیا اس کے بعد ان چاروں قصائد کا اسلوب، معنی، بلاغت کے اعتبار سے موازنہ ومقارنہ کیا گیا، ونیز شاعروں کی سوانح اور ان کے ادبی وشعری خدمات کو زیر بحث لایا گیا، اس طرح سے ان لامیات پر مختلف جہات سے مواد کو پیش کیا گیا اور اصل موضوع کو مرکز ومحور بناتے ہوئے اس پر تحقیقی انداز واسلوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقالہ تحریر کرکے مولانا آزاد یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں 2023ء کو داخل کیا گیا۔
- **شعر وحيد الدين العالي دراسة نقدية تحليلية:** وحید الدین عالی حیدرآباد کے مشہور عربی شاعر ہیں، آپ کی قادر الاکلامی کا ایک زمانہ معترف ہے، ڈاکٹر محمد صدیق نقشبندی مدیر شعبہ تحقیقات جامعہ نظامیہ نے مذکورہ بالا عنوان پر تحقیقی مقالہ لکھ کر عثمانیہ یونیورسٹی 2023ء میں پی ایچ ڈی کے لیے جمع کیا، یہ تحقیقی مقالہ چار ابواب میں وحید الدین عالی کی سوانح، شعری خصوصیات، موضوعات، بلاغی عناصر اور اسلوب پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔
- **يعقوب يوسف الغنيم شاعرا وكاتبا:** یعقوب یوسف غنیم کا شمار عرب کے ممتاز شعراء، ادباء اور مایہ ناز مصنفین میں ہوتا ہے۔ آپ کی ادبی خدمات اور علمی سرگرمیاں مثالی ہیں۔ آپ ایک عرصہ تک کویت کے وزیر تعلیم وتربیت رہے ہیں۔ موصوف کی عربی شاعری اور ادبی خدمات پر ڈاکٹر حافظ محمد سعید الدین نقشبندی، مدیر فقہ اکیڈمی جامعہ نظامیہ نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد سے 2023ء میں پی ایچ ڈی کی ہے۔ یہ مقالہ چار ابواب، مقدمہ اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ تحقیقی کام کی نگرانی ڈاکٹر طلحہ فرحان اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ عربی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد نے کی ہے۔
- **"فيوضات المدينة" للشيخ رفيع الدين القندهاري -دراسة تحليلية:** ڈاکٹر حافظ شیخ احمد محی الدین رفیع نقشبندی نے حضرت شاہ محمد رفیع الدین قندھاری علیہ الرحمۃ کے عربی مخطوطہ بنام "فیوضات المدینۃ" کی تحقیق کا کام ڈاکٹر حافظ محمد عماد الدین نقشبندی، اسسٹنٹ پروفیسر اے کے ایم کالج و سابق چیرمین بورڈ آف اسٹڈیز عثمانیہ یونیورسٹی کی نگرانی میں مکمل کیا ہے، جس پر انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری کا اہل قرار دیا گیا۔ حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری نے اس کتاب کو مدینہ منورہ میں قیام کے دوران تصنیف فرمایا، جو مجموعی طور پر ایک مقدمہ، تین مقالات اور خاتمہ پر مشتمل ہے، جس میں سلوکِ نقشبندیہ کے بنیادی گیارہ اصول بیان کیے گئے ہیں۔
- **تطور التفسير الإشاري في الهند:** یہ پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ ہے جس کو ڈاکٹر محمد عطاء اللہ نقشبندی صاحب نے تحریر کیا ہے،

اس میں موصوف نے ہندوستان بھر میں تفسیر اشاری پر ہونے والے تصنیفی کاموں کا تحلیلی و تنقیدی جائزہ لیا ہے، اور پروفیسر سید بدیع الدین صابری کی نگرانی میں جامعہ عثمانیہ میں 2024ء میں پیش کیا۔

- **لامية الدكن المسماة صمصامة الزمن لسيد إبراهيم – دراسة تحليلة:** علامہ ابراہیم ادیب کا مشہور زمانہ قصیدہ لامیہ کے فنی اور بلاغی پہلوؤں پر ڈاکٹر حافظ محمد سراج نقشبندی نے اپنا تحقیقی مقالہ ڈاکٹر محمد فضل اللہ شریف صاحب کی نگرانی میں تحریر کر کے عثمانیہ یونیورسٹی میں 2024ء میں داخل کیا ہے۔ جس پر یونیورسٹی نے انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری ایوارڈ کی ہے۔
- **الخصائص البلاغية في قصائد العلامة فضل حق الخيرآبادي: درسة تحليلية نقدية:** علامہ فضل حق خیر آبادی کے قصائد فتنۃ الہند کے بلاغی خصائص پر راقم الحروف سید جمیل الدین نقشبندی نے ڈاکٹر طلحہ فرحان اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ عربی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے زیرِ نگرانی تحقیقی مقالہ لکھا، جس پر یونیورسٹی نے راقم کو 27 مارچ 2025 کو پی ایچ ڈی کی ڈگری سے نوازا۔

مذکورہ بالا علمی و ادبی کاموں کے اجمالی جائزے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نقشبندی مشائخ اور علماء نے دکن میں مختلف النوع علمی و ادبی کارنامے انجام دیے ہیں، اور اسلامی و عربی علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، اور متعدد علمی و ادبی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، جو اہل علم کے یہاں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی علمی و فکری کاوشات کو منظم اور منضبط کر کے سامنے لایا جائے تاکہ استفادہ آسان اور نفع عام ہو سکے۔ اور ان کے علمی کارناموں کا تحقیقی و تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ کیا جائے تاکہ دکن کی ثقافتی تاریخ میں نقشبندی مشائخ کے اثرات اور ان کے کے مقام کا صحیح تعین ہو سکے۔

*****

مصادر و مراجع

1۔ جہاں، ڈاکٹر فرحین، انوار خلد، بار اول؛ اورنگ آباد، سوداگر پبلیکشن اورنگ آباد، 2014ء۔
2۔ سرہندی، بدرالدین، حضرات القدس، ترجمہ: محمد اشرف نقشبندی، بار دوم؛ لاہور، مکتبہ حنفیہ، 2010ء۔
3۔ صدیقی، عبد المجید، مقدمہ تاریخ دکن، بار اول؛ خیرت آباد، حیدرآباد، ادارہ ادبیات اردو، 1940ء۔
4۔ فاروقی، شاہ محمد شجاع الدین القادری ناطق، انوار الرفیع، بار اول؛ مطبع ندارد، 1976ء۔
5۔ گاواں، عماد الدین محمود، ریاض الانشاء، تحقیق: شیخ چاند بن حسین، بار اول؛ حیدرآباد، دار الطبع سرکار عالی، 1948ء۔
6۔ محمد اسحاق، علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ، ترجمہ: شاہد حسین رزاقی، بار سوم؛ لاہور، مکتبہ جدید پریس، 2013ء۔
7۔ محی الدین، پروفیسر سلطان، علماء العربیہ ومساھماتھم الادبیہ فی العھد الآصفجاھی، بار اول؛ حیدرآباد، مطبع ابو الوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ، 2005ء۔
8۔ ملکاپوری، محمد عبد الجبار خان، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیاء دکن، بار دوم؛ حیدرآباد، اسٹوڈنٹس بک ہاؤس، 2001ء۔
9۔ ندوی، عظمت اللہ، زکریا الغوری، الفہرس الوصفی لمطبوعات دائرۃ المعارف العثمانیہ، بار اول؛ حیدرآباد، دائرۃ المعارف العثمانیہ، 2013ء۔
10۔ ندوی، فہیم اختر، دکن میں اسلامی علوم کی خدمات، نئی دہلی، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، 2023ء۔

11۔ نظامی، شاہ محمد فصیح الدین، تاریخ جامعہ نظامیہ، بار اول؛حیدرآباد، الانصار فاؤنڈیشن،2002ء۔
12۔ نظامی، محمد فصیح الدین، مرقع انوار، باراول، حیدرآباد، مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ،2008ء۔
13۔ نقشبندی، سید شاہ محمد خضر، گلزار نقشبند دکن، باراول؛حیدرآباد، ناشر ندارد،2008ء۔
14۔ نقشبندی، مولوی محمد حسن، مشائخ نقشبندیہ، قادری رضوی کتب خانہ، لاہور،2003ء۔
15۔ یزدانی، پروفیسر غلام یزدانی، دکن کی قدیم تاریخ، مترجم: فخر الاسلام اعظمی، باراول؛ نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، سن اشاعت جنوری تامارچ،1984ء۔

مشائخ سلسلۂ باعلویہ کی علمی خدمات: ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

حبیب سہیل بن سعید العیدروس*

سلسلۂ باعلویہ کا آغاز

سلسلۂ باعلویہ کا آغاز امام احمد بن عیسیٰ المہاجر (متوفی 345ھ) سے ہوتا ہے۔ آپ ساداتِ جعفریہ سے ہیں، اور امام علی العریضی کے پڑپوتے ہیں، جنھوں نے بصرہ، عراق سے مدینہ منورہ اور پھر اشارۂ جدِّ کریم، رسول اللہ ﷺ پاکر وہاں سے حضرموت کی جانب ہجرت کی۔ آپ کے پوتے امام علوی بن عبید اللہ کی اولاد و نسل میں اللہ تعالی نے دوسروں کی بہ نسبت عددی کثرت کے ساتھ علم و فضل اور روحانی تصرف و کمالات بھی منفرد عطا فرمائے اور انہی کے نام کی نسبت یہ سادات "آل باعلوی" (علوی کی اولاد) کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس نسل میں علم، عمل، زہد اور خدمتِ امت کا امتزاج ہمیشہ شامل رہا۔ اسی نسل و ذریت سے اگلی نسلوں میں فقیہ المقدم امام محمد بن علی (متوفی 653ھ) پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے آبائی طریقت کے اصول وضوابط مرتب کیے اور انہی سے اس سلسلہ کا نام "باعلوی" ہوا۔ آپ سے قبل سلسلہ باقاعدہ خانقاہ کی شکل نہ رکھتا تھا؛ کیونکہ یہ سلسلہ آپ سے معروف ہوا لہذا آپ ہی اس سلسلہ کے بانی کے طور پر مشہور ہوئے 1۔ بعد ازاں آپ کے علمی و روحانی وارثین نے "آل باعلوی" کے نام سے شہرت حاصل کی۔ ساداتِ باعلویہ نے علمِ شریعت، تزکیۂ نفس، اور اصلاحِ باطن 2 کو یکجا کر کے ایک ایسی فکری روایت قائم کی جس نے بعد میں صوفیانہ تربیت کے عالمی نظام کو متاثر کیا۔ ان کے مدارس، رباط، اور حلقہ ہائے ذکر نے ہزاروں علماء اور مصلحین تیار کیے۔

باعلوی مشائخ کی عالمی ہجرت

اس خانوادے نے علم، عمل، تقویٰ اور اخلاق کے امتزاج سے ایک ایسا نظامِ تربیت قائم کیا جس نے صدیوں تک عالمِ اسلام کی فکری قیادت کی۔ اور تبلیغِ دین میں ایسے ممتاز تھے کہ ان کی علمی ہجرتوں کے اثرات نہ صرف حضرموت بلکہ انڈونیشیا، مشرقی افریقہ، وسطی و جنوبی ایشیا اور برِصغیر بشمول ہندوستان تک پھیلے۔ جہاں کہیں بھی یہ پہنچے، وہاں علم، عدل، محبت، اور روحانیت کے مراکز قائم ہوئے۔

دکن کا علمی و روحانی پس منظر

دکن، اسلامی حکومتوں کے عہد میں علم و تصوف کا گہوارہ رہا۔ نظام شاہی، قطب شاہی اور آصف جاہی ادوار میں یہاں دینی تعلیم و تدریس کے

* بانی و مدیر– مدرسہ دار المجتبی ﷺ للدراسات الإسلامية، حیدرآباد

1 المشهور، الداعية أبي بكر العدني بن علي، الأستاذ الأعظم، صفحہ: 78۔

2 المشهور، الداعية أبي بكر العدني بن علي، الأستاذ الأعظم، صفحہ: 82۔

بے شمار مراکز قائم ہوئے۔ جامعہ نظامیہ، دائرۃ المعارف العثمانیہ، اور دیگر ادارے اسی روایت کا تسلسل تھے۔ اس علمی فضا میں جب باعلوی مشائخ پہنچے، تو انہیں یہاں ایسی روحانی زمین میسر آئی جہاں علم اور سلوک دونوں پروان چڑھ سکے۔ یہاں تک کہ ان اداروں کے قیام میں باعلوی مشائخ کے اثرات اور مشاورت کے نقوش واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

دکن میں مشائخِ سلسلۂ باعلویہ کی علمی خدمات

تدریس وتربیت

مشائخِ باعلویہ نے درس و تدریس کے ذریعے علمِ دین کی ترویج کی۔ ان کے دروس میں قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، اور اخلاقیات کے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ یہ تدریس ان کے قائم کردہ مدارس میں تو کہیں خانقاہوں سے فراہم کی جاتی تھی۔ ان کے شاگردوں نے بعد میں دکن اور دیگر علاقوں میں علم وروحانیت کے چراغ روشن رکھے۔

تصنیف وتالیف

مشائخِ باعلویہ نے علمی وروحانی موضوعات پر کئی اہم تصانیف لکھیں، جو کہ آج بھی علم و تحقیق کے معتبر مصادر میں شمار ہوتی ہیں۔ جن میں سے اہم اور چنندہ نام درجِ ذیل ہیں:

السلسلة القدوسية المتصلة بالخرقة العيدروسية، از حبیب شیخ بن عبد اللہ العیدروس (متوفی 1041ھ) اس کتاب کا ذکر کئی معتبر مآخذوں میں ہوا ہے، جیسے کہ المحبي، البغدادي، سارجنٹ، اور الحبشي، تاہم ان سب نے اس کے عنوان میں معمولی اختلاف کیا ہے۔3

اس کتاب کی تین جلدوں پر مشتمل ایک عمدہ نسخہ مکتبۃ الأحقاف (حضرموت) میں موجود ہے (نمبرات: 1695 تا 1697، شعبہ تصوف، مجموعہ "الحزم")، جو سنہ 1319ھ / 1901ء میں تحریر کیا گیا، ایک اور مکمل نسخہ (نمبر 1698، شعبہ تصوف) مجموعہ ابن سہل میں محفوظ ہے، ایک مصور نسخہ بھی تین حصوں میں دستیاب ہے، جس کا پہلا حصہ جمادی الاولیٰ 1359ھ / 1940ء میں نقل کیا گیا۔4

---

[3] المحبي، محمد أمين، خلاصة الأثر، جلد 2، صفحه 235؛البغدادي، إسماعيل باشا، إيضاح المكنون، جلد 2، صفحه 22؛ الحبشي، عيدروس بن عمر، عقد اليواقيت، جلد 2، صفحه 1031؛ سارجنٹ، آر. بی.، حول مصادر التاريخ الحضرمي، صفحه 59؛ الحبشي، عبد الله محمد، مصادر الفكر الإسلامي في اليمن، صفحه 327۔ اور البغدادی نے اس کتاب کا نام "السلسلة المنيفة في الخرقة الشريفة" لکھا ہے، جبکہ سارجنٹ نے اسے "السلسلة في مناقب آل العیدروس" کہا ہے، لیکن درست وہی ہے جو محقق نے ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: البغدادی، اِسماعیل باشا، ماخذِ سابق، جلد 2، صفحہ 22؛ سارجنٹ، آر. بی.، ماخذِ سابق، صفحہ 58۔

[4] اس نسخے کو ہمارے شیخ، علامہ سید عبد اللہ بن حامد البار (وفات 1418ھ / 1998ء) نے استنساخ کیا۔ ان کے لیے یہ نسخہ تریم میں سید محمد عبد المولی بن طاہر (وفات 1364ھ / 1944ء) نے تین جلدوں میں نقل کیا تھا۔ اسی نسخے سے بعد میں جدہ اور دیگر شہروں میں رائج تمام کاپیاں تیار کی گئیں اور انہی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ یہ بیان تحقیق کرنے والے کی بذاتِ خود مشاہدہ اور معائنہ پر مبنی ہے۔

کتاب المنتقیٰ ۔۔یہ ایک مختصر فقہی تصنیف ہے جو امام شافعی کے فقہی مسلک پر مرتب کی گئی، مصنف نے اس کی تکمیل سَن 1079ھ / 1668ء میں کی، جیسا کہ کتاب کے آخر میں درج ہے، ایک نسخہ شہر شبام، حضر موت کی ایک نجی لائبریری میں موجود ہے، 34 ورق پر مشتمل، 13 جمادی الآخر، 1284ھ / 1867ء کو عوض بن عبد اللہ صلعان کے قلم سے نقل کیا گیا، دوسرا نسخہ مکتبۃ الأحقاف، تریم میں، نمبر 2/2827 مجموعہ کے تحت موجود ہے، 45 صفحات پر مشتمل، 1260ھ / 1843ء کو نقل کیا گیا، تیسرا نسخہ بھی مکتبۃ الأحقاف ہی میں محفوظ ہے، جو 26 صفحات پر مشتمل ہے، مگر ناقص ہے، اس کا نمبر 2987 مجموعہ ہے۔5

النفع الدائم للمصلي والصائم في اختلاف المواسم، از حبیب محسن بن علوی بن الشیخ أبي بکر (1312ھ) میں بقیدِ حیات تھے، سنِ وفات نامعلوم ہے، اس کتاب کا ذکر الحبشی اور احمد خان نے کیا ہے۔6 اس کے دو نسخے مکتبہ احمد بن حسن العطاس، حریضہ میں موجود ہیں، ہر ایک 24 ورق پر مشتمل۔ ایک تیسرا نسخہ مکتبہ محمد بن علی العیدروس، حضر موت میں ہے، جو 22 جمادی الاولیٰ 1366ھ / 1946ء کو تحریر کیا گیا۔7

یہ کتاب مطبعۃ عزیز، حیدرآباد، دکن میں شعبان 1312ھ / 1894ء میں ناصر محمد بن الشیخ محمد صاحب الدکنی کی نگرانی میں، مصنف کی اجازت واجازت نامہ کے ساتھ، 39 صفحات پر مطبوع ہوئی۔8

"ہداية الأنام إلى شرح بعض معاني أركان الإسلام على الطريق العام"، حبیب محمد بن طاہر الحداد متوفی 1316ھ، اسلام کے بنیادی ارکان وواجبات پر ایک مختصر مگر عالمانہ رسالہ، جو آپ نے حیدرآباد میں 1312ھ / 1894ء میں تصنیف فرمایا، یہ رسالہ کتاب "قرۃ الناظر" میں مطبوعہ صورت میں شامل ہے۔9

القول الرائق في نصح أهل الطرائق، از حبیب محمد بن طاہر الحداد متوفی 1316ھ؛ یہ کتاب بھی حیدرآباد میں 1312ھ / 1894ء میں تصنیف کی گئی، جس میں آپ نے صوفی سلاسل کے پیروکاروں کو اصلاحی نصیحتیں اور اعتدال کی دعوت دی، یہ بھی "قرۃ الناظر" میں مطبوعہ

---

[5] باذیب، د. محمد بن أبي بکر، إسهامات علماء حضرموت، صفحہ: 152۔

[6] الحبشي، عبد اللہ محمد، فهرس مخطوطات بعض المكتبات الخاصة في اليمن: صفحہ 153؛ خان، احمد، معجم المطبوعات العربية في شبه القارة الهندية: صفحہ 136۔ ڈاکٹر احمد خان نے اس کتاب کو غلطی سے حسین بن محسن الأنصاري اليماني، نزیل بھوپال، متوفی 1327ھ / 1908ء کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ درست یہ ہے کہ یہ تذکرہ کے صاحب کی تصنیف ہے۔ اشتباہ کی وجہ صرف اسماء میں مشابہت ہے۔

[7] باذیب، د. محمد بن أبي بكر، إسهامات علماء حضرموت، صفحہ 157۔

[8] باذیب، د. محمد بن أبي بكر، إسهامات علماء حضرموت، صفحہ 157۔

[9] الحداد، عبدالله بن طاهر، قرة الناظر: جلد 2، صفحہ 134۔

موجود ہے۔10

علامہ حبیب ابو بکر بن شہاب الدین (متوفی 1341ھ) کی چند کتابوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

"إسعاف الطلاب ببيان مساحة السطوح وما تتوقف عليها من الحساب" یہ کتاب سن 1309ھ / 891ء، طباعتِ حجری، Lithographic print، بمبئی سے طبع ہوئی۔11

"إقامة الحجة على التقي ابن حجة" بمبئی میں محمد رشید بن داود السعدي کی نگرانی اور سلطان بن محمد المناعي التميمي کے خرچ پر طبع ہوئی مطبعۃ نخبۃ الأخبار، بمبئی، سے سن 1305ھ / 1888م۔12

"تحفة المحقق بشرح نظام المنطقاس "مطبعۃ المنار، قاہرہ سے سن 1330ھ / 1910م میں طبع ہوئی۔

"الترياق النافع بإيضاح وتكميل جمع الجوامع" اس کا ایک نسخہ المكتبة الأزهرية، نمبر: [402]1113413 میں موجود ہے، اور مطبعۃ مجلس دائرة المعارف النظامية، حیدرآباد، سے جلد اول سن 1317ھ / 1899م میں طبع ہوئی اور جلد دوم سن 1318ھ / 1900م میں طبع ہوئی۔14

"دیوان شعر" لحبیب ابو بکر بن شہاب الدین، بو قور (انڈونیشیا)، سے سن 1344ھ / 1925ء، 279 طبع ہوئی۔15 و"ذريعة الناهض إلى تعلم أحكام الفرائض" یہ منظومہ 205 اشعار اور 15 ابواب پر مشتمل ہے، قاہرہ سے سن 1400ھ / 1980م میں کتاب "فتوحات الباعث" کے ساتھ طبع ہوا۔16 و"رشفة الصادي من بحر فضائل بني النبي الهادي"17 و"رفع الخبط عن مسألة الضغط"18 و"الشهاب الثاقب على السبّاب الكاذب"19 یہ رسالہ "مفسّق معاويه من الفرقة الغاوية" (مصنف: المولوی فقیر اللہ

---

[10] الحداد، عبدالله بن طاهر، قرة الناظر: جلد2، صفحہ 140

[11] الحبشي، عبد اللہ محمد، وہی ماخذ: صفحہ 576؛ خان، احمد، وہی ماخذ: صفحہ 234۔

[12] الحبشي، عبد اللہ محمد، وہی ماخذ: صفحہ 404؛ خان، احمد، وہی ماخذ: صفحہ 234۔

[13] الحبشي، عبد اللہ محمد، وہی ماخذ: صفحہ 191۔

[14] وہی مولف، وہی ماخذ: صفحہ 191؛ خان، احمد، وہی ماخذ: صفحہ 234۔

[15] بروکلمان، کارل، وہی ماخذ: جلد10، صفحہ 252؛ خان، احمد، وہی ماخذ: صفحہ 234۔

[16] سرکیس، یوسف إلیان، وہی ماخذ: جلد2، صفحہ 1266؛ بروکلمان، کارل، وہی ماخذ: جلد10، صفحہ 252؛ الحبشي، عبد اللہ محمد، وہی ماخذ: صفحہ 318؛ نیز محقق کا مشاہدہ۔

[17] سرکیس، یوسف إلیان، معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ: جلد2، صفحہ 1352۔ وہی مولف، وہی ماخذ: جلد2، صفحہ 1352۔

[18] وہی مولف، وہی ماخذ: صفحہ 574؛ نیز محقق کا مشاہدہ۔

[19] شیخ فقیر اللہ کی پیدائش پنجاب کے علاقے شاہپور کے قصبے کرمسرال میں سنہ 1280ھ / 1863ء میں ہوئی۔ انہوں نے عبد المنان الوزیر آبادی، عبد الجبار الغزنوي، نذیر حسین، بشیر السهسواني، اور حسين بن محسن الأنصاري اليماني سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے مدرسہ نصرۃ الإسلام، بنگلور میں تدریس کی اور متعدد تصانیف لکھیں۔ ان کا انتقال 1334ھ / 1915ء میں ہوا۔ انہوں نے اپنی کتاب مفسق معاویۃ ایک مناظرے کے بعد لکھی جو ان کے اور ابن شہاب کے درمیان

الکھنوی) کے رد میں تحریر کیا گیا۔20و"العقود اللؤلؤية في الأسانيد العلوية"21و"منظومة في الحجاب"22و"نوافح الورد الجوري بشرح عقيدة الباجوري"23و"وجوب الحمية عن مضارّ الرقي" 24و"الورد القطيف من فضائل الورد اللطيف" 25و"الكواكب الدرية واليواقيت اللؤلؤية جامع بعض مناقب ومفاخر ومآثر وصايا مشاهير الأئمة العلوية" از سیدنا حبیب عیدروس بن حسین العیدروس (متوفی 1346ھ) یہ کتاب ساداتِ باعلویہ کے مآثر، مناقب اور وصایا و اخلاق پر مشتمل ایک جامع علمی و روحانی تصنیف ہے26 ونفحة الملك القدوس لسالك طريقة سيدنا عبد الله العيدروس از سیدنا حبیب عیدروس بن حسین العیدروس (متوفی 1346ھ)

دعوت و تبلیغ

سلسلۂ باعلویہ کے مشائخ نے دکن میں اسلام کی حقیقی روح، محبتِ رسول ﷺ اور تزکیۂ نفس کی تعلیمات پھیلائیں۔ ان مشائخ نے وعظ و نصیحت اور اخلاقی تربیت کے ذریعے اصلاحِ معاشرہ کا کام کیا۔ وہ علمی مجالس کے ساتھ ساتھ عوامی اجتماعات میں بھی دینی تعلیمات کو عام کرتے تھے۔

سید احمد باشعبان بافضل (متوفی 1100ھ):

آپ امام الحداد کے منظورِ نظر تلامذہ میں سے تھے اور ہجرت کے بعد بھی آپ امام الحداد سے خط و کتابت جاری رکھتے اور اُن کے علم و معرفت سے فیضیاب ہوتے رہتے، آپ نے ہند کا رخ کیا، اور بلگام میں سکونت اختیار کی، جہاں علم و عرفان کی روشنی پھیلانے اور اصلاحِ باطن و

ان کے مشترکہ دوست عبد الحق الأعظمي البغدادي (1290ھ / 1873ء– 1325ھ / 1908ء) کی لائبریری میں ہوا۔ عبد الحق کی پیدائش بغداد میں 1290ھ / 1873ء میں ہوئی۔ وہ کچھ عرصہ حیدرآباد میں مقیم رہے، پھر 1325ھ / 1908ء میں علیگڑھ منتقل ہوئے، وہاں تدریس کی، اور بعد میں بغداد واپس جا کر وہیں وفات پائی۔

دیکھیے: الحسني، عبد الحي بن فخر الدين، نزہۃ الخواطر: جلد 8، صفحہ 1328۔

[20] الحبشي، مصادر الفكر الإسلامي في اليمن: صفحہ 170؛ خان، احمد، معجم المطبوعات العربية في شبه القارة الهندية: صفحہ 234؛ نیز محقق کا مشاہدہ۔

[21] الحبشي، عبد اللہ محمد، وہی ماخذ: صفحہ 92۔

[22] مبنی بر مشاہدۂ محقق

[23] الحبشي، عبد اللہ محمد، وہی ماخذ: صفحہ 170؛ خان، احمد، وہی ماخذ: صفحہ 234۔

[24] الحبشي، عبد اللہ محمد، وہی ماخذ: صفحہ 170۔

[25] بازیب، د. محمد بن أبي بكر، إسهامات علماء حضرموت، صفحہ: 166۔

[26] بازیب، د. محمد بن أبي بكر، إسهامات علماء حضرموت، صفحہ: 168۔

دعوتِ دین میں مصروف رہے۔ اور شہر بلگام اور اس کے اکناف میں رشد وہدایت کی بے مثال خدمات انجام دیں۔27

الحبیب محمد بن طاہر الحداد (متوفی 1316ھ):

آپ نے ہندوستان کے متعدد شہروں کا سفر کیا اور 1312ھ / 1894ء میں اپنی آخری علمی و تبلیغی سفر کا آغاز کیا۔ اس دوران حیدرآباد میں ایک سال قیام فرمایا، اور اپنے سفر کے دوران بلیغ و پُر اثر خطابت وزورِ قلم سے دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا۔ آپ نے "القول الرائق في نصح أهل الطرائق" نامی کتاب بھی حیدرآباد میں 1312ھ / 1894ء میں تصنیف کی، جس میں آپ نے صوفی سلاسل کے پیروکاروں کو اصلاحی نصیحتیں اور اعتدال کی دعوت دی، جو کہ آپ کی دعوت و تبلیغ، اصلاحِ فکر و عمل اور سماجی وروحانی خدمات پر پختہ دلیل ہیں۔28

حبیب أبو بکر بن شہاب الدین (متوفی 1341ھ)

آپ ایک بلند پایہ عالم اور یکتائے زمانہ شخصیت تھے۔ آپ کی دعوت و تبلیغ نے گہرے نقوش چھوڑے۔ جہاں آپ ایک ممتاز مدرس و محقق تھے وہیں دعوت و اصلاح میں بھی منفرد کمال رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے دور میں امنڈتے ہوئے فتنوں کا اپنی زبان و قلم سے سدِّباب فرمایا اور مدلل اور جامع کتب ان موضوعات پر تحریر فرما کر قوم وملت کی رہنمائی کے لیے گراں قدر علمی خزانہ فراہم کیا۔29

حبیب عیدروس بن حسین العیدروس (متوفی 1346ھ)

آپ نے حیدرآباد، گجرات، کلکتا، ناندیڑ، گلبرگہ، نظام آباد وغیرہ جیسے ہندوستان اور دکن کے مختلف شہروں اور قصبوں میں بہت مضبوط اور اہتمام کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا۔ اللہ تعالی نے آپ کو قبولیتِ خاص و عام عطا فرمائی، آپ نے اصلاحِ احوال اور تزکیۂ نفس و روحانیت کے میدانوں میں گہرا اثر چھوڑا ہے۔30

باعلوی مشائخ کی سماجی وروحانی خدمات

1. اصلاحِ اخلاق ومعاشرہ

مشائخ باعلویہ نے دین کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں دونوں پر زور دیا۔ ان کی تعلیمات میں اعتدال، عدل، اور محبت کا پیغام نمایاں ہے۔ ان

---

27 بافضل، محمد بن عوض، صلة الأهل في مناقب بني فضل (علي ابنِ مؤلف کے زیرِ اہتمام خاص اشاعت، 1420ھ / 2000ء میں کی گئی)، صفحہ 244۔

28 ترجمے کے مصادر: بافقیہ، عمر بن احمد، صلة الأخيار: صفحہ 71؛ السقاف، عبد الرحمن بن عبید اللہ، إدام القوت أو معجم بلدان حضرموت: صفحہ 390۔ ان کے تلمیذ سید عبد اللہ بن طاہر الحداد (متوفی 1367ھ) نے ان کی سوانح پر ایک مفصل کتاب تصنیف کی، جس کا نام قرة الناظر رکھا۔ یہ تین جلدوں میں طبع ہوئی، اور اس کا ایک مختصر خلاصہ بھی لکھا جسے "باكورة الثمر في مناقب محمد بن طاهر بن عمر" کا نام دیا۔ یہ خلاصہ "قرة الناظر" کے مقدمہ میں شائع ہوا۔

29 ترجمے کے مصادر: السقاف، عبد الرحمن بن عبید اللہ، إدام القوت: صفحہ 858؛ الكتاني، عبد الحي بن عبد الكبير، فهرس الفهارس: جلد اول، صفحہ 102؛ الحداد، عبد اللہ بن طاهر، وہی ماخذ: جلد اول، صفحہ 254؛ السقاف، عبد اللہ بن محمد، تاریخ الشعراء الحضرميين: جلد 4، صفحہ 183؛ الزركلي، خير الدين، الأعلام: جلد 2، صفحہ 65؛ الشاطري، محمد بن أحمد، أدوار التاريخ الحضرمي: جلد 2، صفحہ 241۔

30 صدیقی، محمد عبد القیوم، تذکرة أولیائی سلسلہ عیدروسیہ: صفحہ 38۔

مشائخ کی اصلاح وتربیت میں صرف عوام الناس ہی نہیں بلکہ حکام و بادشاہانِ وقت بھی شامل رہے اور ان کی اصلاحِ عقائد و اعمال بھی انجام پاتی رہی۔

حبیب شیخ بن عبداللہ العیدروس (متوفی 1041ھ):

آپ سنہ 1034ھ سے 1035ھ کے درمیان بیجاپور تشریف لے گئے، جہاں کے بادشاہ ابراہیم عادل شاہ نے آپ کا پر تپاک استقبال کیا اور آپ پر انعامات نچھاور کیے۔ چنانچہ آپ کی صحبت اور تعلیم کے اثر سے بادشاہ کی دینی وفکری اصلاح ہوئی۔ 31
اسی طرح بہت سارے اعمالِ غیر شرعیہ کو آپ نے خواص وعوام کے طرزِ حیات سے خارج کرواکر ان کے اخلاق وعادات پر اپنے جدِّ کریم سیدنا رسول اللہ ﷺ کے اخلاق وکردار کا رنگ چڑھایا۔

2. مذہبی رواداری

دکن میں بسنے والے غیر مسلمون کے ساتھ مشائخ باعلویہ نے حسنِ سلوک اور عدل کی بنیاد پر تعلقات قائم کیے۔ یہ طرزِ عمل تصوف کی اصل روح یعنی انسان دوستی کی عکاسی کرتا ہے۔ اس مذہبی رواداری کا نمونہ منجملہ تمام مشائخ باعلویہ کی سیرت میں ملتا ہے کہ جن دستِ حق پرست پر کئی غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو کہیں بہت سے غیر مسلمان بغیر قبولِ اسلام بھی ذکر فکر کے حلقات اور روحانی تصرفات سے استفادہ کرتے رہے۔

3. فلاحی وتعلیمی خدمات

ان مشائخ نے تعلیم وفلاحِ عامہ کے کئی ادارے قائم کیے۔ غربا ومساکین کی امداد، یتیموں کی پرورش، اور طلبہ کی تعلیمی کفالت ان کے نمایاں کارنامے ہیں۔

سید عمر بن عبداللہ باشیبان (متوفی 1066ھ):

مختلف شہروں کے سفر اور اقامتوں کے بعد بالآخر شہر بلگام منتقل ہوئے، اور وہاں مدرسہ وخانقاہ تعمیر کی اور دعوت وارشاد، تعلیم وتربیت اور تدریسِ علوم دینیہ میں مصروف رہے۔ آپ نہایت خوش اخلاق، سخی اور اہلِ علم وطلبہ کے کفیل تھے، ان کی تعلیم، لباس اور اخراجات کا انتظام اپنے ذاتی وسائل سے کرتے۔32 آپ کے تسلسلِ فیضان کی ایک مضبوط اور یگانہ روزگار کڑی سید منیر بن محمد باشیبان (متوفی 1440ھ) تھے جنہوں نے شہر بلگام واکناف کے خطے میں تجدیدِ دین وخدماتِ رفاہِ عامہ کے کارنامے سرانجام دیے۔ جن کی صحبتوں سے

---

[31] ماخذِ ترجمہ: الشلي، عقد الجواهر والدرر، ص217؛ المحبي، محمد أمين، خلاصة الأثر، ج2، ص235؛ الحبشي، عيدروس بن عمر، عقد اليواقيت، ج2، ص1029؛ الحسني، نزهة الخواطر، ج3، ص540؛ الكاف، عمر بن علوي، الفرائد الجواهرية، ج2، ص556، ترجمہ نمبر 885۔

[32] الشلی، محمد بن ابی بکر، المشرع الروی، جلد2، صفحات 531–532۔

استفادہ پاکر آپ کی محنتوں کا اس مقالہ کا فقیر محقق خود شاہد ہے۔

• **الحبیب أحمد بن عبد اللہ العیدروس (متوفی 1073ھ):**

آپ نے گجرات، حیدرآباد اور دہلی میں باعلوی طریقت کے مدارس قائم کیے اور علماء و عوام میں تعلیمی و دعوتی حلقے منعقد کیے۔ آپ عربی زبان وادب، فقہ اور حدیث کے مستند عالم و مدرس تھے۔33

• **الحبیب محمد بن عمر بافقیہ (متوفی 1090ھ):**

آپ نے علمی مکاتیب، درس و تدریس کے ذریعے دکن کے مختلف شہروں میں دعوتِ دین کو وسعت دی۔ علمِ تفسیر، علم حدیث و فقہ اور علمِ اصول کے ماہر استاد تھے۔34

• حبیب محسن بن علوی بن الشیخ أبي بکر (1312ھ میں بقیدِ حیات تھے اصل تاریخِ وفات نامعلوم ہے)

آپ نے علمِ فلکیات (Astronomy) کے ماہر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ اسی علم میں آپ کے فرزند حسین نے بھی آپ سے استفادہ کیا اور آپ کی تصنیف "النفع الدائم" انہی سے حاصل کردہ علم کی بنیاد پر لکھی۔35

حبیب أبو بکر بن شہاب الدین (متوفی 1341ھ)

یہاں آپ الجامعہ النظامیہ اور الجامعہ العثمانیۃ کے استاد اور دائرۃ المعارف العثمانیۃ کے محقق رہے۔36

حبیب عیدروس بن حسین العیدروس (متوفی 1346ھ)

آپ نے فروغِ علم کے لیے متعدد مدارس کا قیام عمل میں لایا جس میں مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ ناندیڑ کے نقوش و آثار باقی ہیں جہاں سے حفظِ

---

[33] الشلی، محمد بن ابی بکر، المشرع الروي، ج2، ص146؛ الحبشي، أحمد بن زین، شرح العینیۃ، ص283–284؛ الحبشي، عیدروس بن عمر، عقد الیواقیت، ج2، ص1025؛ الکاف، عمر بن علوي، الفرائد الجوھریۃ، ج2، ص551، ترجمہ نمبر 873۔

[34] الشلی، محمد بن ابی بکر، المشرع الروي، ج2، ص36؛ الحبشي، عیدروس بن عمر، عقد الیواقیت، ج2، ص894، 896، 906، 1024؛ الکاف، عمر بن علوي، الفرائد الجوھریۃ، ج3، ص830، ترجمہ نمبر 1458۔

[35] ترجمے کے مصادر: ابن الشیخ أبو بکر، محسن بن علوی، النفع الدائم للمصلي والصائم في اختلاف المواسم، (ہند، حیدرآباد، مطبع عزیز الدکن، 1312ھ /1894ء): صفحہ 3،38۔

[36] ترجمے کے مصادر: السقاف، عبد الرحمن بن عبید اللہ، إدام القوت: صفحہ 858؛ الکتاني، عبد الحي بن عبد الکبیر، فھرس الفھارس: جلد اول، صفحہ 102؛ الحداد، عبد اللہ بن طاھر، وہی ماخذ: جلد اول، صفحہ 254؛ السقاف، عبد اللہ بن محمد، تاریخ الشعراء الحضرمیین: جلد 4، صفحہ 183؛ الزرکلي، خیر الدین، الأعلام: جلد 2، صفحہ 65؛ الشاطري، محمد بن أحمد، أدوار التاریخ الحضرمي: جلد 2، صفحہ 241۔

قرآن و بنیادی اسلامی تعلیم کا دور بڑے تزک و احتشام سے چلا اور بلند پائے کے حفاظ یہاں سے فارغ ہوئے۔37 بعد ازاں کئی مشاکل ادوار سے گزرنے کے بعد بھی زیرِ سرپرستی حضرت حبیب مجتبیٰ بن جعفر العیدروس دامت برکاتہ، یہ مدرسہ خاندانِ مفتی تراب الدین صدیقی مریدِ مخلص سیدنا حبیب عیدروس کی زیرِ نگرانی اور مفتی شمس الدین صدیقی صاحب کی زیرِ قیادت مولوی عالم تک کی تعلیم فراہم کر رہا ہے۔
اس کے علاوہ آپ کی جملہ خانقاہوں علمی مذاکرے ومباحث کا انعقاد ہوتا اور خانقاہِ عیدروسیہ فتح دروازہ میں اکابر علماء ومشائخ کے ساتھ روزانہ بعد نمازِ عصر حلقاتِ علمیہ کا انعقاد عمل میں آتا رہا۔

حبیب حسن بن عیدروس العیدروس (متوفی 1334ھ)

آپ اپنے والد بزرگوار حبیب عیدروس کے حکم پر حیدرآباد سے ناندیڑ تشریف لائے اور یہاں اپنی علمی وروحانی سرگرمیوں اور سماجی خدمات کا آغاز فرمایا۔ آپ مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ میں بہ حیثیتِ مدرس علومِ قرآن و تفسیر اور حدیث و فقہ کی تعلیم فراہم کرتے۔ اور خانقاہی خدمات میں حلقہ وذکر کی مجالس کو اپنے آبائی طرز پر قائم فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں قوم وملت کی روحانی وسماجی خدمت فرمایا کرتے تھے۔38

باعلوی مشائخِ دکن — نمایاں شخصیات وخدمات

1۔ حبیب شیخ بن عبداللہ العیدروس (وفات: 1041ھ / 1631ء)39:

آپ کا پورا نام شیخ بن عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ العیدروس ہے۔ آپ باعلوی حسینی النسب تھے۔ آپ کی ولادت تریم (حضرموت) میں 973ھ / 1565ء40 میں ہوئی۔ آپ کو شیخ الأصغر اور صاحبُ السلسلۃ کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد حبیب عبداللہ بن شیخ سے حاصل کی۔ بعد ازاں حبیب ابو بکر بن شھاب الدین، محمد بن عبدالرحمن سراج الدین باجمال، اور سید زین بن حسین بافضل جیسے اکابر علما سے کسبِ علم کیا۔ تہامۃ الیمن میں آپ نے فقیہ احمد الحشیبری سے ملاقات کی (سنہ 1016ھ / 1607ء) اور اُن سے اپنے چچا عبدالقادر کی تصنیف "الزھر الباسم من روض الشیخ حاتم" کا درس لیا۔ پھر آپ نے المخا میں موسیٰ بن جعفر الکشمیری سے، اور مکہ مکرمہ میں عمر البصری واحمد بن علان الصدیقی سے استفادہ کیا۔
سنہ 1025ھ / 1615ء میں آپ ہندوستان تشریف لائے اور اپنے بھائی حبیب محمد بن شیخ العیدروس سے سورت میں ملاقات کی۔ آپ نے ان سے اور اپنے چچا حبیب عبدالقادر بن شیخ سے علم حاصل کیا، جنہوں نے آپ کو 1032ھ / 1622ء میں ایک باضابطہ اجازت نامہ

---

[37] صدیقی، محمد عبدالقیوم، تذکرۃ أولیائی سلسلہ عیدروسیہ: صفحہ 38۔
[38] صدیقی، محمد عبدالقیوم، تذکرۃ أولیائی سلسلہ عیدروسیہ: صفحہ 56۔
[39] مآخذِ ترجمہ: الشلي، عقد الجواهر والدرر، ص217؛ المحبي، محمد أمين، خلاصة الأثر، ج2، ص235؛ الحبشي، عيدروس بن عمر، عقد اليواقيت، ج2، ص1029؛ الحسني، نزهة الخواطر، ج3، ص540؛ الكاف، عمر بن علوي، الفرائد الجواهرية، ج2، ص556، ترجمہ نمبر 885۔
[40] آپ کے جدِّ امجد شیخ الأوسط ہیں، جو العقد کے مصنف اور احمد آباد میں مدفون ہیں۔

مرحمت فرمایا۔ بعد ازاں آپ احمد نگر تشریف لے گئے جہاں آپ کا حسنِ سلوک اور علم دیکھ کر الملک عنبر نے آپ کی بہت عزت و تکریم کی۔ تاہم بعض سازشوں کے باعث آپ وہاں سے رخصت ہو کر بیجاپور تشریف لے گئے، جہاں کے بادشاہ ابراہیم عادل شاہ نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا اور آپ کو انعامات سے نوازا۔ آپ کی صحبت اور تعلیم سے اس کے فکر و عمل کی اصلاح ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و مال، عزت و جاہ اور بے پناہ قبولِ عام عطا فرمایا۔ بادشاہِ ابراہیم کی وفات (1036ھ / 1626ء) کے بعد آپ بیجاپور سے دولت آباد منتقل ہوگئے، جہاں آپ فتح خان بن ملک عنبر کی سرپرستی میں مقیم رہے۔ آخرکار 1041ھ / 1631ء میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں آپ مدفون ہوئے۔

2۔ سید عمر بن عبد اللہ باشیبان (وفات: 1066ھ / 1655ء)41:

یہ ہیں عمر بن عبد اللہ42 بن عبد الرحمٰن بن عمر43 بن محمد بن احمد بن ابی بکر باشیبان، باعلوی حسینی، حضر موتی النسب، اور ہند میں پیدا ہونے والے اور وہیں وفات پانے والے بزرگ۔ ابتدائی دینی تعلیم ہند میں حاصل کی۔ پھر اپنے آبائی وطن تریم گئے، اور وہاں حبیب عبد اللہ بن شیخ العیدروس، اُن کے صاحبزادے حبیب زین العابدین العیدروس، اور حبیب عبد الرحمٰن و ابو بکر بن شہاب الدین سے اکتسابِ علم کیا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ گئے، کچھ عرصہ وہاں مجاور رہے اور عمر بن عبد الرحیم البصری اور احمد بن ابراہیم علان سے استفادہ کیا۔ پھر واپس تریم آئے، تعلیم و تدریس میں مشغول ہوئے۔ پھر دوبارہ ہند کا سفر کیا، اور سورت پہنچے، جہاں حبیب محمد بن عبد اللہ العیدروس سے فیض حاصل کیا اور کچھ مدت اُن کی خدمت میں رہے۔ بعد ازاں احمد نگر گئے اور وہاں کے حاکم ملِک عنبر کے پاس بطور مہمان مقیم رہے، جہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ اُن سے علم حاصل کرنے والوں میں مشہور مؤرخ حبیب احمد بن ابی بکر الشلی اور حبیب عبد اللہ بن زین بافقیہ شامل ہیں۔ جب ملِک عنبر کا انتقال ہوا تو سید عمر باشیبان بیجاپور منتقل ہوئے۔ وہاں کے بادشاہ ابراہیم عادل شاہ (وفات: 1036ھ / 1625ء) اور

---

[41] اس کے تراجم کے مصادر:
الشلّي، محمد بن أبي بکر، المشرع الروي، جلد 2، صفحات 531–532؛ المحبّي، محمد أمین، خلاصة الأثر، جلد 3، صفحات 214–215؛ الحبشي، عیدروس بن عمر، عقد الیواقیت، جلد 2، صفحات 924 اور 936؛ الحسني، عبد الحي بن فخر الدین، نزهة الخواطر، جلد 2، صفحہ 593؛ الکاف، عمر بن علوی، الفرائد الجوهریة، جلد 3، صفحہ 680، تذکرہ نمبر 1153۔

[42] سید عبد اللہ (والدِ مترجَم) جزیرۂ جاوا (انڈونیشیا) کے شہر آشی (Ashi) میں وفات پائے۔
(ملاحظہ ہو: الکاف، عمر بن علوی، الفرائد الجوهریة، جلد 3، صفحات 678–379۔)

[43] عمر بن محمد باشیبان (وفات: 944ھ / 1537ء):
یہ اپنے زمانے کے نامور حضرمی علما میں سے تھے، جنہیں علمِ تراجم و انساب میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔
ان کی معروف تصنیف "الترياق الشافي في مناقب الأشراف" ہے، جو ایک نہایت نادر کتاب ہے۔ اس کا واحد خطی نسخہ British Museum Library, London میں محفوظ ہے۔
(مزید ملاحظہ ہو: الکاف، عمر بن علوی، الفرائد الجوهریة، جلد 3، صفحات 678–379۔)

اُن کے فرزند الغازي محمد شاہ (وفات:1067ھ /1656ء) نے اُنہیں عزت واکرام سے نوازا۔
ان بادشاہوں نے اُنہیں ایک بستی گرام (Garaam) کا محصول بطورِ وظیفہ عطا کیا، جو بلگام کے قریب واقع تھی۔ چنانچہ وہ بیجاپور سے بلگام منتقل ہوئے، اور وہاں دعوت وارشاد، تعلیم وتربیت اور تدریسِ علومِ دینیہ میں مصروف رہے۔ آپ نہایت خوش اخلاق، سخی اور اہلِ علم و طلبہ کے کفیل تھے، ان کی تعلیم، لباس اور اخراجات کا انتظام اپنے ذاتی وسائل سے کرتے۔ آخر کار آپ کا وصال بلگام ہی میں سَن 1066ھ / 1655ء میں ہوا۔

3۔ سید احمد باشعبان بافضل (وفات تقریباً 1100ھ / 1688ء)44:

آپ احمد بن ابی بکر بن عبد الہادی باشعبان بافضل، تریمی الحضرموتی المولد اور بلگامی الہندی المہجر والوفاۃ ہیں۔ آپ کی ولادت تریم میں ہوئی، وہیں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں قطب ومجدد، امام حبیب عبد اللہ بن علوی الحداد شامل ہیں، جنہوں نے اپنی مکتوبات میں آپ کو ''الشیخ الأجل، الفقیہ الصوفی، العارف اللطیف، المحب المحبوب فی اللہ'' کے القاب سے یاد کیا ہے۔ ہجرت کے بعد بھی آپ امام الحداد سے خط وکتابت جاری رکھتے اور اُن کے علم ومعرفت سے فیضیاب رہتے۔ آپ نے ہند کا رخ کیا، اور بلگام میں سکونت اختیار کی، جہاں علم وعرفان کی روشنی پھیلانے اور اصلاحِ باطن ودعوتِ دین میں مصروف رہے۔ بالآخر وہیں تقریباً سَن 1100ھ / 1688ء میں وفات پائی۔

4۔ حبیب أبو بکر بن حسین بلفقیہ (متوفی 1074ھ / 1663ء)45:

یہ أبو بکر بن حسین بن عبد الرحمن بلفقیہ، نسباً باعلوی حسنی، پیدائشی تریمی حضرمی، ہندی مہاجراً، اور وفات کے اعتبار سے بیجاپوری ہیں۔ انہوں نے تریم میں ولادت پائی، قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے بھائی حبیب أحمد بن حسین بلفقیہ، حبیب عبد اللہ بن شیخ العیدروس، زین ال-عابدین، اور حبیب عبد الرحمن بن شہاب الدین سے تعلیم حاصل کی۔ حج کے سفر میں السید عبد اللہ بن علي (نزیل الوَھط) سے اکتسابِ علم کیا۔ پھر جوانی میں ہند کا سفر کیا اور حبیب محمد بن عبد اللہ العیدروس سے سورت میں علم حاصل کیا اور ان کے وصال (1030ھ / 1620ء) کے بعد أحمد نگر میں ملِک عنبر کے پاس پہنچے۔46
وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد بیجاپور گئے جہاں سلطان محمود عادل شاہ (متوفی 1067ھ / 1656ء) کے مقرب بنے۔ وہ فیاض، خوش اخلاق اور وسیع العلم تھے۔ بیجاپور میں ہی 1074ھ / 1663ء میں وفات پائی اور وہیں مقبرہ السادۃ الحضارمۃ میں مدفون ہوئے۔

---

[44] اس کے تراجم کے مصادر:
بافضل، محمد بن عوض، صلۃ الأھل في مناقب بني فضل، خصوصی اشاعت علی بن محمد بن عوض بافضل کے صرفہ سے، سنہ 1420ھ / 2000ء، صفحہ 244۔
[45] الشلي، محمد بن أبو بکر، عقد الجواھر، ص 312؛ الحسني، عبد الحي بن فخر الدین، نزھۃ الخواطر، ج 2، ص 465۔
[46] الحسني، عبد الحي بن فخر الدین، الھند في العھد الإسلامي، ص 100، 262۔

5۔ حبیب عمر بن علي باعمر (متوفی 1063ھ / 1652ء) 47:

یہ عمر بن علي بن عبد اللہ بن علي باعمر، باعلوی حسنی، اصلاً حضرمی اور مولداً ظفاری تھے۔ انہوں نے 1062ھ / 1651ء میں ہند کا سفر کیا اور بیجاپور پہنچے، جہاں حبیب أبو بکر بن حسین بلفقیہ سے ملاقات کی۔ انہیں زہد و تقویٰ کے سبب شہرت حاصل ہوئی اور وہیں شعبان 1063ھ / 1652ء میں انتقال فرمایا۔ ان کا مزار بھی مقبرہ السادۃ میں ہے۔

6۔ حبیب عبد اللہ بن زین بافقیہ (وفات تقریباً 1065ھ / 1654ء) 48:

یہ عبد اللہ بن زین بن عبد الرحمن بافقیہ، باعلوی حسنی، تریمی حضرمی المولد اور بیجاپوری المدفن تھے۔ انہوں نے تریم میں قرآن، الجزریہ، الأربعین النوویۃ، الملحۃ، القطر، الإرشاد حفظ کیے۔ فقہ کی تعلیم أحمد بن حسین بلفقیہ، أبو بکر بن عبد الرحمن شہاب الدین اور عبد الرحمن بن علوي بافقیہ سے حاصل کی۔ الشلي کے مطابق وہ "فروع و اصول میں علامتِ کمال" تھے اور اپنے تلامذہ میں محمد بن أبو بکر الشلي شامل تھے۔ 49 وہ بلگام گئے جہاں عمر بن عبد اللہ باشیبان سے علمی و روحانی تبادلہ ہوا۔ 50 بعد ازاں وہ بیجاپور واپس گئے اور أبو بکر بن حسین بلفقیہ کے قرب میں رہتے ہوئے انتقال فرمایا۔

7۔ عبد الرحمن بن أبو بکر العیدروس (متوفی 1126ھ / 1713ء) 51:

یہ عبد الرحمن بن أبو بکر بن عبد اللہ بن أحمد العیدروس، باعلوی حسنی، حضرمی المولد، وفات کے اعتبار سے بیجاپوری تھے۔ انہوں نے اپنے والد أبو بکر العیدروس (متوفی 1055ھ / 1645ء) سے علم حاصل کیا، پھر ہند کی طرف ہجرت کی اور دعوت و ارشاد کا کام کیا۔ ان کے شاگردوں میں حبیب زین العابدین بن مصطفی العیدروس (متوفی 1136ھ / 1723ء) نمایاں ہیں۔ انہوں نے طویل عمر پائی اور 1126ھ / 1713ء میں بیجاپور میں وصال فرمایا۔ 52

---

47 الشلي، محمد بن أبو بکر، عقد الجواھر، ص 28؛ المحبي، محمد أمین، خلاصة الأثر، ج 3، ص 219؛ الحسني، نزھة الخواطر، ج 5، ص 593۔

48 الشلي، محمد بن أبو بکر، المشرع الروي، ج 2، ص 374؛ المحبي، محمد أمین، المصدر السابق، ج 2، ص 140؛ الحبشي، عیدروس بن عمر، عقد الیاقوت، ج 2، ص 935؛ الحسني، المصدر السابق، ج 5، ص 576؛ الکاف، عمر بن علوي، الفرائد الجوھریة، ج 3، ص 826، ترجمہ 1452۔

49 الشلي، محمد بن أبو بکر، المشرع الروي، ج 2، ص 374۔

50 ایضاً، ج 2، ص 375؛ الحبشي، عیدروس بن عمر، عقد الیاقوت، ج 2، ص 936۔

51 الحبشي، عیدروس بن عمر، المصدر السابق، ج 2، ص 1017؛ الکاف، عمر بن علوي، الفرائد الجوھریة، ج 2، ص 534، ترجمہ 829۔

52 الکاف، عمر بن علوي، الفرائد الجوھریة، ج 2، ص 534۔

8۔الحبیب احمد بن عبد اللہ العیدروس (متوفی 1073ھ/1662ء)53:

ان کا پورا نام احمد بن عبد اللہ بن احمد بن احمد بن الحسین (الصُلیبیہ) بن عبد اللہ بن شیخ العیدروس ہے۔ وہ باعلوی حسینی تھے، تریم میں پیدا ہوئے، حیدرآباد کی طرف ہجرت کی، اور دہلی میں وفات پائی۔ انہوں نے عبد اللہ بن عمر باغریب سے قرآنِ مجید پڑھا، اور حدیث، فقہ و تصوف اپنے والد عبد اللہ، اور مشائخ ابو بکر بن شھاب الدین، زین بن محمد باحسن الحدیلی، اور محمد بن احمد الشاطری سے حاصل کیے۔

بعد ازاں وہ ہند کی طرف ہجرت کر گئے، اور دکن کے علاقے حیدرآباد میں بعض امراء کے اصرار پر ان کے پاس مہمان ہوئے، جنہوں نے ان کا بھرپور اکرام کیا۔ اپنے قیام کے دوران انہوں نے علمِ ادب، فقہ اور حدیث کی تعلیم و تدریس کا کام انجام دیا۔ پھر وہ وہاں سے سورت (گجرات) منتقل ہوئے جہاں ان کے خالہ زاد بھائی حبیب جعفر الصادق العیدروس (اول) سکونت پذیر تھے۔ وہ ان سے علمی استفادہ کرتے رہے اور تدریس و تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ وہ ادب، فقہ اور حدیث میں نہایت ماہر، کریم النفس اور فیاض تھے۔ ان سے علم حاصل کرنے والوں میں ان کے بھائی السید علی بن عبد اللہ العیدروس نمایاں ہیں، جبکہ ان کے قریبی احباب میں مشہور مؤرخ حبیب محمد بن ابی بکر الشلی شامل تھے۔

ان کی وفات 1073ھ / 1662ء میں ہوئی اور انہیں مسجد قوت الاسلام (دہلی) کے صحن میں دفن کیا گیا، جو سلطنتِ مغلیہ کی مشہور و معروف مساجد میں سے ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے علم و تقویٰ کی بنا پر سلطانِ دہلی نے ان کا نہایت احترام کیا، کیونکہ اس مسجد میں صرف امراء اور شاہی خاندان کے معزز افراد ہی دفن کیے جاتے تھے، اور یہ واقعہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر (وفات 1075ھ / 1664ء) کے عہد میں پیش آیا۔54

9۔الحبیب محمد بن عمر بافقیہ (وفات تقریباً 1090ھ/1679ء)55:

یہ السید محمد بن عمر بن محمد بن علی بافقیہ ہیں، نسبی اعتبار سے باعلوی حسینی، پیدائش کے لحاظ سے تریمی، اور وفات کے اعتبار سے حیدرآبادی ہیں۔ آپ تریم میں پیدا ہوئے، اور جوانی میں ہند ہجرت کی۔ ان کے والد کا انتقال بھی اسی سرزمین پر ہوا تھا۔ وہ پہلے دولت آباد (دکن) گئے، جہاں شیخ العیدروس سے علم حاصل کیا اور ان کی مشہور تصنیف السلسلۃ العیدروسیۃ، ان سے روایت کی۔ بعد ازاں وہ کنور کی طرف روانہ

---

53 الشلی، محمد بن ابی بکر، المشرع الروي، ج2، ص146؛ الحبشي، أحمد بن زین، شرح العینیۃ، ص283–284؛ الحبشي، عیدروس بن عمر، عقد الیواقیت، ج2، ص1025؛ الکاف، عمر بن علوي، الفرائد الجوھریۃ، ج2، ص551، ترجمہ نمبر873؛ الحسني، عبد الحي، نزھۃ الخواطر، ج2، ص486؛ السقاف، عبد اللہ بن محمد، تاریخ الشعراء الحضرمیین، ج2، ص21؛ المشھور، عبد الرحمن بن محمد، شمس الظھیرۃ، ج1، ص117۔

54 مسجد قُوَّۃُ الِاسلام، یا قُبَّۃُ الِاسلام، دہلی کے فاتح سلطان قطب الدین ایبک نے 589ھ/1192ء میں تعمیر کی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الدھلوي، سر سید احمد خان بہادر، آثار الصنادید، (دہلی: سنٹرل بک ڈپو اردو، بازارِ جامع، 1385ھ/1965ء)، صفحات 158 تا 175۔

55 الشلی، محمد بن ابی بکر، المشرع الروي، ج2، ص36؛ الحبشي، عیدروس بن عمر، عقد الیواقیت، ج2، ص894، 896، 906، 1024؛ الکاف، عمر بن علوي، الفرائد الجوھریۃ، ج3، ص830، ترجمہ نمبر1458۔

ہوئے جہاں کے امیر نے ان کا خیر مقدم کیا اور اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کیا۔ وہاں وہ تدریس و ارشاد میں مشغول رہے۔
ان کے شاگردوں میں السید علی بن عبد اللہ العیدروس شامل تھے، جنہوں نے ان سے تفسیر البیضاوی، الورقات (امام الحرمین) اور السلسلۃ العیدروسیۃ کا درس لیا۔ اسی طرح علامہ حبیب عبد اللہ بن احمد بلفقیہ بھی ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ بعد میں، امیر کنور اور اس کے بیٹے کے انتقال کے بعد حالات بدل گئے اور وزراء نے ان سے بے رُخی اختیار کر لی۔ اس وجہ سے وہ وہاں سے حیدرآباد آ گئے اور حیدرآباد ہی میں 1090ھ / 1679ء کے قریب وفات پائی۔

10۔ حبیب طالب بن عبد القادر الحداد (وفات 1262ھ / 1845ء)56:

یہ السید طالب بن عبد القادر بن علوی بن احمد بن حسن بن الإمام عبد اللہ الحداد ہیں۔ وہ نسبی حوالے سے باعلوی حسینی اور تریم میں پیدا ہوئے۔ آپ علم و فضل کے پیکر تھے۔ انہوں نے تریم، حضرموت سے حیدرآباد ہجرت کی، جہاں وہ دعوت و ارشاد اور معاشی جدوجہد میں مصروف رہے۔ آپ کا خاندان تریم کے مشہور علمی و روحانی خانوادوں میں سے تھا۔ آپ کے جد حبیب علوی بن احمد الحداد اپنے وقت کے مشہور علماء اور کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ کی وفات حیدرآباد میں 1262ھ / 1845ء میں ہوئی، اور آپ کے انتقال کے ساتھ آپ کے آباء کی نسل منقطع ہو گئی۔

11۔ حبیب محسن بن علوی بن الشیخ أبي بکر (حیات سنہ 1312ھ / 1894ء)57:

یہ محسن بن علوی بن عبد اللہ بن عیدروس ہیں، جو آلِ الشیخ أبي بکر بن سالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نسبی اعتبار سے باعلوی حسینی اور پیدائشی حضرمی تھے، مگر وفات حیدرآباد میں ہوئی۔ آپ کی ولادت حضرموت کے قصبے عینات میں تقریباً سنہ 1250ھ / 1834ء میں ہوئی۔ بعد ازاں آپ حیدرآباد (دکن) کی طرف ہجرت فرما گئے، جہاں علمِ فلکیات (Astronomy) کے ماہر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ اسی علم میں آپ کے فرزند حسین نے بھی آپ سے استفادہ کیا اور آپ کی تصنیف "النفع الدائم" انہی سے حاصل کردہ علم کی بنیاد پر لکھی۔ وفات کا سال متعین نہیں، تاہم چونکہ آپ کی کتاب کی طباعت سنہ 1312ھ / 1894ء میں ہوئی، اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت آپ بقیدِ حیات تھے۔

---

[56] الکاف، عمر بن علوي، مصدر سابق، ج3، ص866، ترجمہ نمبر 1536، الھامش:1۔

[57] ترجمے کے مصادر: ابن الشیخ أبو بکر، محسن بن علوی، النفع الدائم للمصلي والصائم في اختلاف المواسم، (ہند، حیدرآباد، مطبع عزیز الدکن، 1312ھ / 1894ء): صفحہ 38، 3۔

12۔ حبیب محمد بن طاہر الحداد (وفات: 1316ھ / 1898ء)[58]:

محمد بن طاہر بن عمر الحداد، باعلوی حسینی، مولداً قیدون کے رہنے والے اور جاوا میں وفات پانے والے تھے۔ آپ کی ولادت 1273ھ / 1856ء میں ہوئی۔ علم و تربیت اپنے والد اور بلد کے مشائخ سے حاصل کی۔ علم و عرفان میں اس قدر ممتاز ہوئے کہ علویینِ حضرموت نے آپ کو اپنی نقابت کے لیے منتخب کیا۔ آپ نہایت ذہین، باوقار، علم دوست اور صاحبِ ہمت شخصیت تھے۔

آپ نے ہندوستان کے متعدد شہروں کا سفر کیا اور 1312ھ / 1894ء میں اپنی آخری علمی و تبلیغی سفر کا آغاز کیا۔ اس دوران حیدرآباد میں ایک سال قیام فرمایا، پھر جاوا روانہ ہوئے، جہاں تَقَّل نامی قصبے میں 1316ھ / 1898ء میں وفات پائی۔ عمر اس وقت صرف 42 سال تھی۔

13۔ حبیب أبو بکر بن شهاب الدین (وفات: 1341ھ / 1922ء)[59]:

ابو بکر بن عبدالرحمن بن محمد بن علی بن شهاب الدین، باعلوی حسینی، تریم، حضرموت کے رہنے والے، مگر وفات حیدرآباد دکن میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش حصن آل فلّوقة (قریب تریم) میں 1262ھ / 1845ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد، برادر عمر، اور علمائے حضرموت سے حاصل کی، جن میں محمد بن عبداللہ باسودان، محمد بن ابراہیم بلفقیہ، حسن بن حسین الحداد شامل ہیں۔

حضرموت میں آپ کی علمی و فکری عظمت مسلم تھی۔ ابن عبید اللہ السقاف نے فرمایا:

"حضرموت نے ابو بکر بن شهاب جیسا عالم پیدا نہیں کیا؛ اصول، منطق، عربیت اور ادب میں آپ بے مثال تھے۔"

آپ نے 1286ھ / 1869ء میں حج و عمرہ ادا کیا، دو سال مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا، پھر عدن اور وہاں سے سورابایا (انڈونیشیا) تشریف لے گئے، جہاں چار سال تجارت میں مشغول رہے۔ بعد ازاں واپس تریم آئے اور تدریس و افتاء کا کام سنبھالا، مگر حسد و مخالفت کی بنا پر 1302ھ / 1884ء میں ہجرت کرنی پڑی۔ آپ نے مصر، شام، القدس، اور استنبول کا سفر کیا۔ استنبول میں آپ نے خلیفہ عبدالحمید عثمانی کی مدح میں قصیدہ لکھا، جس پر خلیفہ نے آپ کو نشانِ مجیدی اور سیفِ مرصع عطا کیا۔ پھر آپ ہندوستان تشریف لائے اور حیدرآباد میں قیام فرمایا۔ یہاں آپ الجامعة النظامیة، الجامعة العثمانیة کے استاد اور دائرة المعارف العثمانیة کے محقق رہے۔ سنہ 1331ھ / 1912ء میں آپ نے 30 سال بعد حضرموت کا سفر کیا اور تین سال بعد واپس حیدرآباد آئے، جہاں 10 جمادی الاول 1341ھ / 29 دسمبر 1922ء کی شب جمعہ

---

[58] ترجمے کے مصادر: بافقیہ، عمر بن احمد، صلة الأخیار: صفحہ 71؛ السقاف، عبدالرحمن بن عبید اللہ، إدام القوت أو معجم بلدان حضرموت: صفحہ 390۔
ان کے تلمیذ سید عبداللہ بن طاہر الحداد (متوفی 1367ھ) نے ان کی سوانح پر ایک مفصل کتاب تصنیف کی، جس کا نام "قرة الناظر" رکھا۔ یہ تین جلدوں میں طبع ہوئی، اور اس کا ایک مختصر خلاصہ بھی لکھا جسے "باکورة الثمر في مناقب محمد بن طاهر بن عمر" کا نام دیا۔ یہ خلاصہ "قرة الناظر" کے مقدمہ میں شائع ہوا۔

[59] ترجمے کے مصادر: السقاف، عبدالرحمن بن عبیدالله، إدام القوت: صفحه 858؛ الكتاني، عبدالحي بن عبدالكبير، فهرس الفهارس: جلد اول، صفحه 102؛ الحداد، عبدالله بن طاهر، وہی ماخذ: جلد اول، صفحه 254؛ السقاف، عبدالله بن محمد، تاريخ الشعراء الحضرميين: جلد 4، صفحه 183؛ الزركلي، خير الدين، الأعلام: جلد 2، صفحه 65؛ الشاطري، محمد بن أحمد، أدوار التاريخ الحضرمي: جلد 2، صفحه 241۔

وفات پائی۔

14۔سید القطب الحبیب عیدروس بن حسین العیدروس(وفات:1346ھ/1927ء)60:

السید عیدروس بن حسین بن احمد بن عمر العیدروس، باعلوی حسنی و حسینی، آپ کی ولادت حضر موت میں 1257ھ/1841ء میں ہوئی۔61 ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، پھر حضر موت کے جلیل القدر علماء سے فیض اٹھایا، جن میں شیخ محمد بن عوض باصہی، عبد اللہ بن ابی بکر بایوسف، عبد اللہ بن حسین بن طاہر، اور عیدروس بن عمر الحبشی شامل ہیں۔ نیز آپ نے بلادِ ملایو میں قیام کے دوران اپنے اہلِ خاندان کے بعض بزرگوں سے بھی استفادہ کیا۔

آپ علم و زہد، جاہ و شرف اور مکارمِ اخلاق میں ممتاز تھے ـــ بلند ہمت، صاحبِ عزت و مروّت، سخاوت و کرم میں معروف اور اپنے وقت کے بزرگ ترین مناصب باعلویہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے حیدرآباد کی طرف ہجرت کی، اس وقت جب آپ نے لوگوں کے مابین صلح و اصلاح کے معاملات میں مداخلت کی بنا پر کچھ مالی ذمہ داریاں قبول کیں۔ یہاں پہنچ کر آپ نے دعوت و ارشاد کا کام سنبھالا۔ حیدرآباد کے نظام نے آپ کو خاص احترام و تکریم سے نوازا، اور شہر کے علمی و روحانی حلقوں میں آپ کو ایک بلند مقام حاصل ہوا۔ آپ کا وصال 13 ربیع الآخر 1346ھ/1927ء کو حیدرآباد دکن میں ہوا۔ آپ کی نمازِ جنازہ خود بادشاہِ وقت (نظامِ دکن) نے ادا کی، اور آپ کو مقبرہ خطۂ صالحین میں دفن کیا گیا۔

---

60 ان کی سوانح کے مصادر: العطّار، احمد ابو الخیر، النفح المسكی معجم شیوخ احمد المكی، (المدینه المنوّره، الجامعة الإسلامية، اصل نسخه كا عكس جو المكتبة الآصفية، حیدرآباد میں محفوظ ہے): لوحه 135، رخ ب تا لوحه 145، رخ ا؛ بافقیه، عمر بن احمد، صلة الأخیار: صفحه 105؛ السقاف، عبدالرحمن بن عبیدالله، إدام القوت: صفحه 547؛ السقاف، عبدالله محمد، تاریخ الشعراء: جلد 2، صفحه 65، حاشیه 2، اور صفحه 99؛الحداد، علوی بن محمد بن طاهر، بهجة الخاطر وسرور الفؤاد فی جمع مآثر السید علوی بن محمد الحداد، (یمن، تریم، دار التراث، 1432ھ / 2011ء): جلد الف، صفحه 354؛ابن الشیخ ابی بكر، سالم بن حفیظ، منحة الإله فی الاتصال ببعض أولیائه، تحقیق محمد ابوبكر باذیب، (تریم، دار المقاصد، 1428ھ / 2007ء): صفحه 483؛
الجنید، عبد القادر بن عبد الرحمن، تهذیب النفس بما ورد من الآداب والوصایا فی الإجازات الخمس، تحقیق محمد ابو بکر باذیب، (اردن، دار الفتح للدراسات والنشر، 1426ھ/2005ء): صفحہ 162 تا 163۔

61 یہی قول تاریخِ ولادت کے بارے میں درست ہے، اور یہ الشجرة العلویة میں درج روایت کے مطابق ہے، نیز یہی بات ان کے شاگرد ابو الخیر العطار نے بھی لکھی ہے، جنہوں نے اسے 17 ربیع الآخر کو متعین کیا ہے۔ جہاں تک شیخ محمد بن عوض بافضل کی اس بات کا تعلق ہے کہ وہ سنہ 1342ھ/1923ء میں سو سال کی عمر میں فوت ہوئے، تو وہ درست نہیں۔ اسی بنا پر منحۃ الإلہ کے حواشی میں درج عبارت کی بھی تصحیح کی جاتی ہے۔ دیکھیے:
الجنید، عبد القادر بن عبد الرحمن، تهذیب النفس بما ورد من الآداب والوصایا فی الإجازات الخمس: صفحہ 163؛
ابن الشیخ ابی بکر، سالم بن حفیظ، منحۃ الإلہ فی الاتصال ببعض أولیائہ: صفحہ 483۔

15۔ حبیب علی قدیری ابن شیخ ابی بکر بن سالم (ت 1399ھ / 1979ء)[62]:

وہ علی بن ابی بکر، آل شیخ ابی بکر بن سالم، باعلوی حسینی، حضرمی اصلاً، حیدرآبادی مولداً ووفاتاً تھے۔ وہ عبد القدیر الصدیقی (ت 1382ھ / 1962ء) کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے تھے، اور ان کے ساتھ طویل صحبت کی وجہ سے علی قدیری کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے نظامی فوج میں بطور فوجی خدمات انجام دیں، کرنل کا عہدہ حاصل کیا، مگر یہ عہدہ انہیں علم سے دور نہ کر سکا۔ وہ حضرموت، وطنِ اجداد، کا سفر بھی کر چکے تھے، اور زندگی کے آخری ایام میں تصنیف پر توجہ دی۔ وفات 1399ھ / 1979ء میں ہوئی۔

16۔ سید عبد اللہ بن احمد المدیحج (ت 1407ھ / 1987ء)[63]:

عبد اللہ بن احمد بن محمد المدیحج، باعلوی حسینی، حضرمی مولداً، حیدرآبادی وفات و دفن۔ ولادت 1311ھ / 1893ء، ریدہ العلَیب بحضرموت میں ہوئی، جو ریدہ المعارّہ اور ریدہ الجُوہیّین کے درمیان ہے۔ 1323ھ / 1905ء میں غیل باوزیر میں تعلیم حاصل کی، محمد بن عمر بن سالم (ت 1329ھ / 1910ء) اور شاگرد عبد اللہبن محمد بن طاہر باوزیر سے علمی استفادہ کیا، اور الزبد، الألفیۃ، لامیۃ الأفعال حفظ کیں۔ بعد میں رباط تریم میں چند ماہ، پھر مکلا میں سعید الأحمدی الیافعي سے تعلیم حاصل کی، اور حیدرآباد میں شیخ الاسلام محمد انوار اللہ الفاروقی کی رہنمائی میں جامعہ نظامیہ میں داخل ہوئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہاں مدرس فقہ شافعی مقرر ہوئے۔

انہوں نے مجلس احیاء المعارف النعمانی اور مجلس علماء الدکن کی رکنیت حاصل کی، اور تقریباً 40 سال عثمانی دائرۃ المعارف میں مصحح رہے۔ 1396ھ / 1976ء میں ریاست کے صدر نے انہیں عربی میں Certificate Of Honor سے نوازا اور مالی امداد فراہم کی۔ ان کا مجلس بعد المغرب مسجد السوق (چوک) میں منعقد ہوتا، جہاں وہ اور مفتي محمد رحیم الدین استفتاء کنندگان کے سوالات کے جوابات دیتے۔ شاگردوں میں محمد خواجہ شریف، سلطان محیي الدین اور مرزا عزیز بیگ شامل تھے۔ آپ نے وفات، 29 صفر 1407ھ / 4 نومبر 1986ء، کو حیدرآباد میں وفات پائی اور مقبرہ شاہ شجاع الدین میں، مفتي محمد رحیم الدین کے قریب تدفین عمل میں آئی۔

*****

---

[62] ابن الشیخ ابی بکر، علی قدیری، المذہب الموثق، (ہند، حیدرآباد، المطبعۃ العزیزیہ، ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء): ص ۳–۴۵۔

[63] محیي الدین، پروفیسر سلطان، علماء العربیۃ ومساھماتھم، ص ۳۲۰–۳۲۶؛

اسی مؤلف کا ایک اور مضمون: الشیخ الحبیب عبد اللہ المدیحج الحضرمي، (رسالہ التنویر میں شائع شدہ، جو ایک ادبی وثقافتی مجلہ ہے اور سالانہ طور پر جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد کی کلیۃ الآداب والعلوم الاجتماعیۃ کے عربی شعبہ سے شائع ہوتا ہے، شمارہ سنہ ۲۰۰۰ء): ص ۵۵–۶۵؛ المشہور، عبد الرحمن بن محمد، شمس الظهیرۃ، ج ۳، ص ۷۰۳۔

[تنبیہ]:

سید محمد ضیاء شہاب، محقق شمس الظهیرۃ، نے غلطی سے ان کا نام "عبد اللہ بن علوي مدیحج" لکھا اور یہ بھی غلط کہا کہ وہ مکتبہ آصفیہ کے مدیر تھے۔ درست بات یہ ہے کہ ان کا نام "عبد اللہ بن أحمد" تھا، اور وہ مکتبہ آصفیہ کے مدیر نہیں بلکہ دائرۃ المعارف العثمانیۃ میں مصحح (Proofreader) کے طور پر کام کرتے تھے۔

سلسلۂ عیدروسیہ اور حضرت حبیب عیدروس بن حسین العیدروس

محمد کمال الدین صدیقی ساجد*

پاکیزہ ذات وستودہ صفات بندگانِ خدا جب اپنی ہستی اور خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے فنا کر دیتے ہیں اور خود کو عبادتِ الٰہی وآرام خلق کے لیے باقی اور اپنی ذات کے لیے فانی سمجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری اور اس کی نعمتوں کی بڑی ناقدری ہوگی اگر ہم خاصانِ خدا کو محبوب نہ رکھیں اور ان کے اقوال واحوال کو اور ان کے اقوال واحوال کو اپنے لیے رہبر کامل ووسیلۂ نجات نہ بنائیں۔ (حبیب جعفر بن احمد العیدروس علیہ الرحمۃ والرضوان)

راقم الحروف اس مضمون میں اان ہی بندگانِ خدا کا تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے تاکہ طالبانِ حقیقت اور سالکان راہِ طریقت ان کے زندگی، احوال واقوال اور تعلیمات سے روشناس ہو کر انھیں اپنے لیے نمونۂ عمل اور مشعلِ راہ بنائیں۔

مختصر تعارف سلسلۂ عیدروسیہ:

سِلسلہ عیدروسیہ کی ابتدا سے متعلق مصطفی خان شیفتہ صاحب مرحوم کی کتاب ''سُلوک السالکین'' میں درج ہے کہ قدیم زمانہ میں ملک عرب میں ایک بزرگ مرتبۂ قطبیت پر فائز تھے، اُن کا کوئی فرزند نہ تھا۔ وہ کسی صاحبِ باطن کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے صوفیاء ومشائخ کو ایک مجلس میں دعوت کے لیے مدعو کیا۔ ایک بزرگ نما شخص مسند پر بیٹھ گیا۔ باہر سے ایک کم عمر لڑکا بغل میں جوتیاں دبائے آگیا اور مسند پر بیٹھے ہوئے شخص کو جوتوں سے بہت مارا، مار کھاتا ہوا وہ بزرگ نما مجسمہ مسند سے غائب ہوگیا۔ داعیِ مجلس اس واقعہ پر مسکراتے رہے۔ حاضرین نے جب داعیِ مجلس سے معاملہ دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ لڑکے سے ہی پوچھ لیا جائے۔ لڑکے سے دریافت کرنے پر لڑکے نے جواب دیا: بزرگوں کی محفل میں شیطان کو مسند پر دیکھ کر غصہ آیا۔ اوراس کو بے ادبی کی سزا دی گئی۔ داعیِ مجلس قطب صاحب نے حاضرین سے کہا کہ میں نے اپنے جانشین کے انتخاب کے سلسلہ میں آپ کو زحمت دی تھی۔ خدا کے فضل سے میرا جانشین مجھے مل گیا۔ یہ کم عمر صاحبزادے عفیف الدین شیخ عبداللہ بن ابو بکر تھے جو بانیِ سلسلہ عیدروسیہ ہیں۔ ان کو ہی شیخ الکبیر اور عیدروسِ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ عربی میں عیدروس شیر کو کہتے ہیں بہادری اور شیر دلی کی وجہ سے آپ کو عیدروس کا لقب دیا گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھاہے کہ انھیں سلسلۂ عیدروسیہ میں بھی بیعت حاصل تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب '' الانتباہ فی سلاسل اولیاءاللہ ''صفحہ 126 / پر بھی ان کی سلسلہ عیدروسیہ میں بیعت کا تذکرہ موجود ہے۔

---

* سابق ڈائریکٹر کے۔ٹی۔ صدیقی انسٹیٹیوٹ آف انگلش، ناندیڑ

ذیل میں ہم ہندوستان میں سلسلۂ عیدروسیہ کے مشائخ کا مختصر تذکرہ نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔

مختصر سوانح حیات سیدنا الامام حبیب عیدروس بن حسین العیدروس العلوی الحسینی

آپ کا اسم گرامی حبیب عیدروس تھا اور سلسلۂ نسب یوں ہے: حبیب عیدروس بن حسین بن احمد بن عمر بن احمد بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن حسین بن شیخ عبد اللہ العیدروس الاکبر بن ابو بکر السکران بن عبد الرحمن السقاف بن محمد مولی الدویلۃ بن علی بن علوی الغیور بن فقیہ المقدم محمد بن علی بن محمد صاحب مرباط بن علی خالع قسم بن علوی بن محمد صاحب الصومعہ بن علوی صاحب السہل بن عبید اللہ صاحب العرض بن المہاجر احمد بن عیسیٰ الرومی بن محمد النقیب بن علی العریضی بن الامام جعفر الصادق بن الامام محمد باقر بن الامام علی زین العابدین بن الامام الشہید حسین بن الامام علی بن ابی طالب، ووالدتہ سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء بنت سیدنا وحبیبنا وشفیعنا خاتم الانبیاء والمرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ولادت وبچپن:

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد حبیب حسین کو بیداری وخواب دونوں میں بشارتیں ہونے لگیں کہ اللہ رب العزت انھیں ایک صالح لڑکا عطا فرمانے والا ہے۔ اور اس کا نام عیدروس ہوگا۔ یہی بشارتیں یمن کے دیگر اولیاء واصفیاء کو بھی ہوئیں۔ بالآخر بشارتیں حقیقت میں تبدیل ہوئیں اور یمن کی بابرکت سرزمین پر آپ کی ولادت ہوئی۔ ولادت کے ساتویں روز سنّت کے مطابق عقیقہ ہوا۔ اور اس تقریب میں اعزاء اور اقرباء، مشائخ وعلماء کی موجودگی میں بشارتوں کے بموجب آپ کا اسم گرامی عیدروس رکھا گیا۔

دورانِ رضاعت ہی سے حبیب عیدروس کی بزرگی کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے، چنانچہ آپ زمانۂ شیر خوارگی میں ہی اکثر ذکرِ الٰہی: بسم اللہ، باللہ، من اللہ، اِلی اللہ، علی اللہ کا ورد کرتے نظر آتے۔ جسے سن کر لوگ متحیر ہو جایا کرتے تھے۔ آپ کی نشو ونما دیگر بچوں سے جداگانہ تھی، ایک سال نوماہ میں آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور اسی اثناء میں چلنا پھرنا اور دوڑنا بھی شروع کر چکے تھے۔ اور کمسنی میں آپ بھائیوں اور خدام کے ساتھ علامہ محمد بن عوض کے مکتب میں آنے جانے لگے اور خداداد قوتِ حافظہ اور ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ اتنی کم عمری میں ہی آپ مکتب میں لڑکوں کو پڑھتے ہوئے سن کر ہی یاد کر لیا کرتے تھے۔[1]

عمر مبارک پانچ برس کو پہنچی تو والد بزرگوار نے علامہ محمد بن عوض باصبحی کے مکتب میں بروز پنجشنبہ سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز فرمایا اور انتہائی کم وقت میں قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حبیب احمد بن عمر بن سمیط کی فتح الرحمانی جیسی کتاب بھی حفظ کر لی۔ اس واقعہ نے سب کو متحیر کر دیا تھا۔ اس کمسنی میں بھی آپ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ کم از کم قرآن مجید کا ایک پارہ تلاوت کرتے، اس کے بعد مکتب کے اسباق کا اعادہ فرماتے۔ آخرِ شب والدِ ماجد کے ساتھ نماز تہجد اور اذکار ومناجات میں مصروف رہتے۔ فجر سے قبل ہی والد محترم کے

---

(1) حبیب مجتبیٰ بن جعفر بن احمد العیدروس، سوانح حضرت حبیب عیدروس، حیدرآباد، عمر پریس، ص 11

ساتھ مسجد جا کر باجماعت نماز ادا کر کے اذکار میں مصروف رہتے اور اشراق پڑھ کر واپس ہوتے۔ یہ تمام مشاغل ایسی کمسنی میں انجام پا رہے تھے جس میں عام بچے ٹھیک سے سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔

تعلیم وتربیت:

چار سال مکتب میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ کا یہ حال تھا کہ صرف ونحو، ادب ودینیات کی تقریباً ہر درسی کتاب حفظ ہو چکی تھی اور والد محترم حبیب حسن بن احمد العیدروس نے ایک تقریب کا انعقاد فرمایا، جس میں یمن کے اکابر علماء ومشائخ جمع تھے۔ جس کی صدارت قطبِ وقت حبیب ابو بکر بن عبد اللہ العطاس نے فرمائی۔ اور حبیب عیدروس کے لیے علم وفن اور ترقیِ مدارج کی دعا فرمائی۔ اور تمام صوفیاء واولیاء کرام نے بالخصوص غوث الوقت حسن بن صالح اور علامہ عمر بن زین بن سمیط نے اپنے خاص اوراد اور طریقوں کی اجازت عطا فرمائی۔ اور تمام کی موجودگی ہی میں جد امجد قطب الزماں محی النفوس حبیب عبد اللہ العیدروس صاحب سلسلۂ عیدروسیہ کا خرقۂ مبارکہ حبیب عیدروس کو پہنایا گیا۔

ملک شام میں علامہ شیخ ابو بکر بایوسف سے المختصر اللطیف، الآجرومیہ، المختصر الکبیر فی الفقہ، الزبد لابن الرسلان وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ پھر لبنان میں شیخ محمد بن عبد اللہ باسودان کے پاس زیر تعلیم رہے۔ اس کے علاوہ اپنے رشتے کے چچا حبیب عیدروس بن علی سے استفادہ کیا۔ اور شیخ حبیب محمد بن علی بن علوی السقاف سے بخاری، مُسلم، سنن ابو داود، سنن بیہقی، ابن حجر کی " التحفہ "، مسند امام شافعی وغیرہ کتبِ حدیث کا درس لیا۔

آپ کے والد گرامی نے آپ کی روحانی تعلیم وتربیت میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی اور امام غزالی کتابوں کے علاوہ بنحبۃ الاحیاء، تعریف الاحیاء، فی فضائل الاحیاء، قوت القلوب، الجواہر الشفاف، کتاب المشرع الروی، ایضاح اسرار علوم المقربین جیسی کتبِ تصوف کی تعلیم خود آپ کے والدِ گرامی نے دی۔ ان کے علاوہ یمن کے اکابر اصفیاء نے بھی آپ کو علومِ صدر سے نوازا، چنانچہ آپ نے حبیب عمر بن محمد بن سمیط کے پاس امام الحدّاد کے رسالۃ المعاونۃ اور حبیب احمد بن حسین العیدروس کی کتاب ارشاد المریدین کے دروس بھی لیے۔

والدِ گرامی نے مزید تعلیم کے لیے آپ کو بلادِ شام، عراق، مکّہ المکرمہ، مدینہ المنورہ جیسے مراکزِ علم روانہ کیا، اور ہر جگہ دو دو سال آپ زیرِ تعلیم رہے۔ اور جب روانگی کی بات آئی تو آپ کے والد محترم نے خط کے ذریعہ تمام اساتذہ سے آپ کے علم وہنر کی کیفیت دریافت فرمائی، تو تمام ہی اساتذہ نے آپ کے علمی مقام کی شہادت دی، اور حبیب عیدروس کو اساتذہ نے علمی اجازت مرحمت فرما کر روانہ کر دیا۔ اور آپ اپنے وطن عالم کامل کی حیثیت سے واپس آئے۔ اور اپنے والد کی صحبت میں رہ کر دن رات علم کی اتنی مشق فرمائی کہ آپ اپنے دور کے فقہاء پر سبقت لے گئے، اور یمن میں بحیثیتِ فقیہ خدمات انجام دیں۔

آپ دن بھر لوگوں کے مسائل سنتے، ان کا حل عنایت فرماتے، ساتھ ہی تدریس وافتاء کی ذمہ داریاں نبھاتے اور رات کو مکان سے دور وادیوں میں تشریف لے جاتے، اور آہ بکاء ویادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ رات کا ایک حصہ مریدین ومتعلقین کو امام غزالی کی کتب

خصوصاً" احیاء العلوم" کا درس دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دلائل الخیرات، راتب العیدروس، راتب الحدّاد، العطاس، حبیب ابو بکر العدنی، حبیب شیخ بن عبد اللہ، شیخ احمد بن علوان، شیخ ابو بکر بن سلم، شیخ حسین بن ابو بکر اور حبیب حسین بن طاہر کے اذکار و احزاب کا ورد کیا کرتے تھے۔

جب والد ماجد نے محسوس کیا کہ آپ ہر طرح سے کامل ہو چکے ہیں تب آپ کو تمام اجداد کے مزارات پر حاضری اور ان کے اسرار و انوار کی آخری مہر لگانے کے لیے لے گئے۔ سلسلۂ زیارت کے دوران جب حبیب العیدروس کے مزار پر پہونچے تو والدِ محترم پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور حالتِ وجد میں حبیب العیدروس کے مزار سے متصل بٹھا کر بار بار کہتے کہ سیدی وجدی یہ آپ ہی کی اولاد ہے اور آپ ہی کی ودیعت ہے، اسے قبول فرمایئے۔ اسی حال میں کافی دیر گذر چکی۔ اچانک مزار مبارک سے انوار یوں پھوٹنے لگے کہ حاضرین کہتے ہیں کہ انھوں نے حبیب عبد اللہ العیدروس کو دیکھا ہے کہ وہ خود مزار سے باہر تشریف فرما ہوئے اور حبیب عیدروس کو سینے سے لگا کر ان کی قبولیت اور اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ جب انوار آہستہ آہستہ کم ہوئے تب جا کر والدِ محترم کو افاقہ ہوا اور حبیب عیدروس کے ساتھ فوراً نماز شکرانہ ادا فرمائی۔

دکن میں آمد:

حضرت حبیب عیدروس اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک یمن میں مقیم رہے پھر دین متین کی خدمت و تبلیغ کی غرض سے ہندوستان تشریف لائے، اور کئی شہروں کا سفر کرتے ہوئے 15/ شعبان 1281 ھ کو پہلی مرتبہ حیدرآباد تشریف لائے۔ اس وقت دکن کے مشہور بزرگ حضرت سعد اللہ نقشبندی جن کی درگاہ گھانسی بازار حیدرآباد میں ہے، بقیدِ حیات تھے۔ انھیں خواب میں نبی کریم ﷺ نے آپ کے آنے کی خبر اور ان کا خیال رکھنے کی ہدایت دی تھی۔ جب آپ کی ملاقات حضرت سعد اللہ نقشبندی سے ہوئی، تو انھوں نے آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ کی خلافت و اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے آپ کی آمد کی خبر عالمِ رویا میں حضور اکرم ﷺ نے دی۔ اور فرمایا: " میرا بیٹا حیدرآباد آرہا ہے، اس کا خیال رکھنا۔"

نظام دکن میر عثمان علی خان کی درخواست پر آپ نے حیدرآباد میں سکونت اختیار فرمائی، ابتدا میں مقام مغل پورہ میں سکونت پذیر ہوئے؛ لیکن پھر جلد ہی آپ نے اقبال الدولہ مرحوم کی ڈیوڑھی کے قریب ایک مکان خرید لیا تھا جو آج تک موجود ہے۔ جہاں ہر جمعرات کو حبیب عیدروس کے جانشین حبیب صاحبان حلقۂ ذکر منعقد کیا کرتے ہیں۔

حضرت عیدروس نے خاندانِ آصفیہ کے چار بادشاہوں کا زمانہ دیکھا: (1) ناصر الدولہ، نظام چہارم، (2) افضل الدولہ، نظام پنجم، (3) محبوب علی خان، نظام ششم، (4) عثمان علی خان، نظام ہفتم، یہ چاروں بادشاہ آپ کے معتقد تھے اور آپ کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔

حضرت حبیب عیدروس اور حضرت برہنہ شاہ صاحب ناندیڑ کی ملاقات

حضرت حبیب عیدروس تلاشِ اوتاد میں حیدرآباد کے چھٹے سفر کے موقع پر ناندیڑ آئے۔ حضرت حسین شاہ صاحب مجذوب ناندیڑ کیفیتِ جذب کی وجہ سے کپڑے نہیں پہنتے تھے، اسی وجہ سے لوگ انھیں برہنہ شاہ صاحب کہتے تھے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حبیب عیدروس کی آمد سے پہلے انھوں نے کپڑے اور چادر وغیرہ استعمال کرنا شروع کیا، اور کبھی فرمایا کہ شریعت آرہی ہے، کبھی فرمایا عربوں کا سید آرہا ہے۔ جب حبیب عیدروس آپ کے پاس آئے تو آپ چادر اوڑھے ہوئے ملگی میں بیٹھے تھے۔ حضرت حبیب صاحب قبلہ نے عربی میں خیریت پوچھی۔ مجذوب صاحب نے انھیں اردو میں جواب دیا۔ پھر مجذوب صاحب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اسمائے حسنیٰ کا ورد شروع کر دیا۔ حبیب صاحب مسکرانے لگے۔ اسمائے حسنیٰ کا ورد ہونے کے بعد حضرت حبیب عیدروس نے کہا۔ مجھے اس کی اجازت دیجیے۔ مجذوب صاحب نے کہا اجازت ہے۔ پھر حبیب صاحب نے کہا دعا فرمایئے تو مجذوب صاحب نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر بلند آواز سے عربی میں ایک طویل دعا پڑھی۔ آخر میں قدیم اردو کی ایک مناجات پڑھی اس کا ایک شعر حضرت فخری صاحب سے ہم تک پہنچا:

تیرا نام ستار وغفار ہے میرا نام عاجز گنہ گار ہے

حبیب عیدروس نے حضرت برہنہ شاہ سے ملاقات کے بعد ملگی سے باہر چبوترے پر کھڑے ہو کر عربی میں تقریر فرمائی اور اردو ترجمہ ایک عرب صاحب سے کروایا۔ جس میں آپ نے اولیاء کرام کے طبقات بتائے جیسے سالک، مجذوب، ولی، قطب، ابدال، اوتاد، غوث وغیرہ۔ پھر کہا اوتاد چار ہوتے ہیں۔ ناندیڑ والے خوش قسمت ہیں کہ ایک اوتاد وقت یعنی حضرت برہنہ شاہ یہاں موجود ہیں۔ آپ لوگ ان کی قدر کریں اوران سے فیضان حاصل کریں۔ مجھے خاندانی بزرگوں سے اسمائے حسنیٰ کی اجازت پہلے سے حاصل تھی؛ لیکن میری یہ خواہش تھی کہ اوتادِ وقت سے اس کی اجازت حاصل کروں، اس لیے میں نے ایشیا کا طویل پیدل سفر کیا ہے۔

مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ اور خانقاہِ عیدروسیہ کا قیام:

حضرت حبیب عیدروس قدس سرہٗ العزیز نے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لیے ناندیڑ مہاراشٹر میں 1308ھ-م1896ء میں مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ قائم فرمایا۔ اُس وقت ناندیڑ میں کوئی مستند دینی درسگاہ نہ تھی۔ اس مدرسہ میں عربی قاعدہ، ناظرہ قرآن، دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ حفظ کلام مجید کا انتظام بھی فرمایا۔ جس کے نتیجہ میں متعدد حفاظ کرام فارغ الحفظ ہوئے۔ ساتویں نظام میر عثمان علی خان مرحوم کے زمانہ میں جب حبیب عیدروس نے سفر عرب کا ارادہ فرمایا تو بادشاہ وقت نے آپ کو روکنے کے لیے کچھ تحفہ پیش کرنا چاہا۔ آپ نے ناندیڑ کے مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ کا ذکر فرمایا۔ اس پر 1339ھ - 1920ء میں میر عثمان علی خان نے دو سو روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا، اور باقی اخراجات حضرت حبیب عیدروس اور ان کے جانشین حضرات یکے بعد دیگرے ذاتی طور پر برداشت کرتے رہے۔

مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ کے ساتھ ساتھ آپ نے حیدرآباد اور ناندیڑ میں مُریدین کی روحانی تربیت، ہفتہ واری حلقۂ ذکر، تزکیۂ نفس اور فیض رسانی کے لیے خانقاہیں قائم فرمائیں۔ جن میں ظاہری و باطنی علوم اور سلسلۂ عیدروسیہ کے فیضان سے آج بھی عوام کی کثیر تعداد مستفیض ہو رہی ہے۔

وصال پر ملال:

حبیب عیدروس نے طویل عمر پائی، اخیر عمر میں آپ کا جسم بہت کمزر ہو چکا تھا، اور معمولی سے نزلہ و زکام کے سبب بخار آنے لگا۔ آپ کے مزاج کو قرار نہ تھا، کبھی آثار صحت نمایاں ہوتے تو کبھی مرض کی شدت ہو جاتی اور تقریباً ایک ماہ یہی حال رہا۔ ایک دن صحت کے آثار نمایاں ہوئے مگر اسی روز شام ڈھلتے ڈھلتے حالت متغیر ہونے لگی، جس سے آپ کے صاحبزادے حبیب احمد غمگین ہوئے تو آپ نے فرمایا: بیٹے غم نہ کرو، جد امجد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام اجداد میرے استقبال کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ دوشنبہ 13/ ربیع الثانی 1346ھ فجر کے وقت آپ نے تازہ وضو فرمایا اور نماز ادا کی، بعد نماز ہاتھ میں تسبیح، زبان پر کلمۂ طیبہ کا ورد اور سر مبارک اپنے فرزند حبیب احمد کی آغوش میں تھا کہ روح مقدسہ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، اور علم واحسان کا یہ مہتابِ عالم تاب اس عالمِ فانی کے افق سے ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

نظامِ دکن میر عثمان علی خان مرحوم کے فرمان کے مطابق درگاہ خطۂ صالحین ناملی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کا مزار مبارک آج تک مرجع خلائق ہے۔

تصنیفات و تالیفات:

حبیب عیدروس تصنیف و تالیف کا بہت عمدہ ذوق رکھتے تھے، آپ کی تصنیفات میں چند ائمہ حدیث کی کتب کی مختصر شروحات، اوراد واذکار پر مشتمل کتب، مشائخ سلسلۂ عیدروسیہ کے احوال و مناقب، ان کے اقوال و تعلیمات، سیرت و شمائل و فضائلِ مصطفی ﷺ اور دیگر مختلف مضامین پر مشتمل ہیں۔ ان کے علاوہ سیدنا ہود علیہ السلام کے مزارِ مبارک کی تحقیق پر کتاب "بذل المجهود في خدمة ضريح سيدنا نبي الله هود عليه السلام" تصنیف فرمائی۔ اور مزید (17) جامع تالیفات ہیں جو نہایت مفید ہیں۔ جیسے:

1۔ الكواكب الدرية والمواقيت اللؤلوية۔ حضرت حبیب عیدروس کی اس تصنیف میں سلسلۂ عیدروسیہ کے اکابر کے مختصر حالات و مناقب، ان کے وصایا اور تعلیمات جمع ہیں۔

2۔ ترياق النفوس: اور اس جیسے مفید جو رسائل اور ادو اذکار پر مشتمل۔

3۔ دورانِ سفر، آپ نے حالات سفر تحریر فرمائے تا کہ لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

4۔ غرر الفوائد اللولويہ، النجنجہ، تاج الرؤس، النفحات القدوسیہ (گیارہ جلدیں)، المجالس السنیہ (چھ حصّے) جیسی قدیم اور نایاب کتابوں کی تحقیق و تصحیح کر کے شائع کیں۔

حبیب عیدروس کی وصیت:

آپ نے ایک بار عرب جانے سے پہلے اپنے ہندوستانی مریدین ومعتقدین کے لیے ایک وصیت نامہ مرتب فرمایا تھا، ذیل میں ہم آپ کی وصیت کے چند جملوں کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

"بھائیو! رات اور دن کے کسی حصہ میں قرآن کی تلاوت اور اس کی آیتوں میں غور وفکر کیا کرو، دیکھو قرآن اس طرح نہ پڑھنا کہ اندھے گونگے بن کر اس پر گر پڑو کیونکہ اس سے تو کوئی فائدہ نہیں۔ بھائیو! رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی جستجو کرتے رہو۔ نئی نئی باتیں بری اور ناپسندیدہ بدعتوں سے بچتے رہو۔"

مزید فرماتے ہیں:

"بھائیو! دنیا کو اپنا بڑا غم نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر جمے رہو۔ اپنے تمام معاملات کو اسی کے ہاتھ سونپ دو، اسی پر بھروسہ کرو؛ کیونکہ دنیا کی زندگی تو ایک فریب کا سرمایہ ہے۔ بھائیو! تمہاری ہر چیز حلال ہونی چاہیے۔ اپنی نمازوں کی محافظت کرو۔ محبوب چیزوں سے صدقہ دو، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ روزے کو اپنی نفسانی خواہشات کے لیے لگام اور جہنم کی آگ کے لیے ڈھال بناؤ۔ بھائیو! مسلمان خواہ عوام ہوں یا خواص ان کے ساتھ اپنی نیتیں پاک رکھو۔ سب کے ساتھ سچائی کا برتاؤ کرو، دیکھو حسد نہ کرنا، کینہ، عیب جوئی اور کسی کی برائیوں کی ٹوہ میں نہ رہنا۔ جہاں تک ممکن ہو نیک گمان سے کام لو، بُرے القاب سے کسی کو نہ پکارو، تم میں سے بعض بعض کی گردنیں نہ مارے۔ خدا کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، صلہ رحمی کرو۔ بھائیو! بہترین اور شریفانہ اخلاق وسیرت اختیار کرو۔ جس کی تکمیل کے لیے ایسے پیغمبر ﷺ مبعوث ہوئے جن کی شان میں خلق عظیم فرمایا گیا ہے۔ بھائیو! لذتوں کو برباد کرنیوالی (موت) کو اکثر یاد کرتے رہو اور ان باتوں کو سوچتے رہو کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا۔"

قارئین کرام غور فرمائیں کہ آپ کے اقوال میں فرد کی صلاح وفلاح اور سماجی اصلاح اور صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے کتنے مفید اور رہنما نکات ہیں۔

حضرت حبیب احمد بن حبیب عیدروس:

آپ حبیب عیدروس کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ کے بڑے بھائی حبیب محمد بن عیدروس اپنے وطن حوطتہ الحزم (حضرموت) میں آبائی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ حضرت حبیب عیدروس کے انتقال کے کچھ سال بعد آپ حیدرآباد تشریف لائے۔ یہاں آپ کی طبیعت خراب ہوئی اور آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار حضرت حبیب عیدروس کے قدموں کی جانب خطۂ صالحین ناملی میں ہے۔

حبیب عیدروس کے ایک فرزند جن کانام شریف الدین حسن تھا، ان کا انتقال ناندیڑ میں ہوا۔ حبیب عیدروس کی موجودگی میں ان کی تدفین بڑی درگارہ، گاڑی پورہ ناندیڑ میں عمل میں آئی۔

حبیب عیدروس کے ایک اور فرزند حضرت حبیب مرتضیٰ کا انتقال کمسنی میں بمقام مکھیڑ ضلع ناندیڑ ہوا، ان کی تدفین بھی وہیں عمل میں آئی۔ ان کا مزار مشہد کے نام سے مشہور ہے۔ مکھیڑ کے باشندوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ مکھیڑ میں حضرت حبیب مرتضیٰ بن حبیب عیدروس کی تدفین کے بعد وہاں کے لوگ وبائی بیماریوں سے محفوظ رہے۔

حبیب عیدروس کی وصیت کے مطابق حبیب عیدروس کے انتقال کے بعد 15/ ربیع الثانی 1346ھ کو حبیب احمد کی رسم سجادہ نشینی انجام پائی۔ آپ کے فرزند حضرت حبیب جعفر حضرموت سے حیدرآباد تشریف لائے۔ 1351ھ میں حضرت حبیب احمد نے حضرت حبیب جعفر کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور حج وزیارت کے لیے روانہ ہوئے۔

حج وزیارت سے فارغ ہو کر آپ حیدرآباد تشریف لائے اور تا دم حیات سلسلہ رشد وہدایت جاری رہا۔ زیارت حرمین شریفین سے آپ کی واپسی کے موقع پر راقم الحروف کے دادا مفتی محمد عبد الرحمن صدیقی فخری، والدِ گرامی محمد تراب الدین صدیقی، تایا حضرت عبدالقدیر صدیقی صاحب (شہید پولیس ایکشن 1948ء) نے تہنیتی اشعار لکھے تھے جو خاندان میں محفوظ ہیں، ان میں سے چند بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

مناسک جملہ حج کے آپ کو یک یک مبارک ہوں مبارک اس سفر کی ہر ریاضت یا حبیب احمد

(مفتی محمد عبد الرحمن صدیقی فخریؔ)

حرم کا داخلہ تم کو مبارک یا حبیب احمد حرم کے غسل کی شرکت مبارک یا حبیب احمد

مبارک حالتِ احرام میں عرفات کا جانا سعادت حجِ اکبر کی مبارک یا حبیب احمد

(عبدالقدیر صدیقی تصورؔ)

بڑی تقدیر والے امتی ہیں وہ محمد ﷺ کے جو دیکھیں جاکے روضہ اور حاصل اُن کو رؤیت ہو

(محمد تراب الدین صدیقی صاحب)

حبیب احمد کا انتقال 75/ سال کی عمر میں حیدرآباد میں 11/ شعبان 1354ھ میں ہوا۔ تدفین خطۂ صالحین، نامپلی حیدرآباد میں حبیب عیدروس کے پائیتانے بھائی حبیب محمد صاحب کے بازو میں عمل میں آئی۔ حبیب احمد کے انتقال پر فخری صاحب کے کہے گئے مرثیے کہا کا ایک شعر پیش ہے:

تھی گیارہ شعبان چوّن ہجری جمعہ کادن سہ پہر تھی گذری ہمیں جدائی کا داغ دے کر سدھارے جنت حبیب احمد

علومِ دینیہ پر آپ کی دسترس اور روحانی ترقی مسلم ہے، اس کے باوجود آپ نہایت متواضع اور حلیم وبردبار شخصیت کے مالک تھے۔

راقم کے والد کا بیان ہے کہ حبیب احمد صاحب قبلہ ناندیڑ میں تھے، اور ایک بد عقیدہ شخص ان کے سامنے بے ادبی کی باتیں کہہ رہا تھا۔ میرے دادا محمد عبد الرحمن صدیقی فخری صاحب وہاں موجود تھے، اُنھوں نے اس شخص کو بہت ڈانٹا۔ حبیب احمد بن عیدروس نے فخری صاحب کو خاموش کیا۔ اس سے آپ کے صبر و تحمل کا پتہ چلتا ہے اور اپنے مخالفین کے ساتھ بھی نرمی کے سلوک کا درس ملتا ہے۔
حضرت حبیب احمد کا ناندیڑ سے خاص تعلق رہا۔ اپنے بھائی حبیب حسن کے عرس کے موقع پر اور مریدین و معتقدین سے ملنے کے لیے آپ ناندیڑ آتے رہتے تھے۔ دریائے گوداوری کے کنارے جو عید گاہ واقع ہے 1933ء میں اس کا سنگ بنیاد آپ ہی نے رکھا تھا۔ اس وقت حکومت کے ذمہ دار صدر موجود تھے۔ اس زمانے میں ناندیڑ کے کلکٹر نواب رحمت یار جنگ بہادر تھے۔ مدینہ مسجد کو "کچھیوں کی مسجد" بھی کہا جاتا ہے، اس وسیع اور خوبصورت مسجد کا افتتاح 1932ء حبیب احمد کے دست مبارک سے ہوا تھا۔
حضرت حبیب احمد کے فرزند حضرت اسمٰعیل حضر موت میں سجادہ نشین تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ حیدرآباد میں آپ کے دوسرے فرزند حبیب جعفر سجادہ نشین رہے۔ آپ کے دور میں سلسلہ عیدروسیہ کو بہت شہرت نصیب ہوئی، ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے۔

حبیب جعفر صاحب قبلہ:

آپ حبیب احمد کے فرزند اور حضرت حبیب عیدروس کے پوتے ہیں۔ پیدائش 1325ھ میں آپ کے آبائی وطن حوطتہ الحزم (حضر موت) میں ہوئی۔ آپ کی پیشانی پر ہرے حروف (Green Letters) میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ غسل کے بعد اذان کے لیے جب آپ کو حبیب عیدروس کی خدمت میں لایا گیا، تو دادا حضرت نے اپنی آنکھوں سے قدرت کا یہ کرشمہ دیکھا اور پوتے کی پیشانی پر اپنا ہاتھ پھیر دیا جس سے کلمہ طیبہ کے حروف غائب ہوگئے۔ حبیب جعفر کے پیدائشی ولی ہونے کی یہ نشانی تھی۔ اس راز سے صرف خاندان والے ہی واقف تھے۔ ہمارے تایا محمد عبد القدیر صدیقی تصورؔ ابنِ محمد عبد الرحمن صدیقی فخریؔ جو محکمۂ تعلیمات میں صدر مدرس تھے، اور حبیب جعفر کے معتقد تھے، انہیں یہ بات خود حضرت حبیب جعفر نے بتائی تھی۔
حضرت حبیب جعفر بچپن سے ہی بہت ذہین تھے۔ ان کے والد حضرت حبیب احمد نے ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا، اور کم عمری میں ہی آپ نے دینی و عربی علوم میں مہارت حاصل کرلی۔ آپ کا چہرہ پر نور تھا۔ نوجوانی میں ہی آپ ظاہری و باطنی طور پر اپنے دادا حضرت حبیب عیدروس کے جیسے معلوم ہوتے تھے۔
آپ کے پر نور چہرے سے آپ کے دادا حضرت عیدروس کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ آپ کے دور کے مشائخ و بزرگانِ دین جو عمر میں آپ سے بڑے تھے اور آپ کے دادا حضرت عیدروس کو دیکھ چکے تھے، وہ آپ سے بہت خلوص اور احترام سے ملتے۔ جس کسی محفل میں آپ شریک ہوتے، اس محفل میں آپ کو ہی صدر بنایا جاتا۔ شہر حیدرآباد کے عوام و خواص میں آپ بہت مقبول تھے۔ ریاست حیدرآباد کے ساتویں نظام عثمان علی خان جو حضرت عیدروس کے بڑے معتقد تھے، اُن کے پوتے حضرت حبیب جعفر سے بے حد

خلوص اوراحترام سے ملتے، اور اپنی خاص محفلوں میں بطور خاص آپ کو مدعو کرتے۔ حبیب صاحب قبلہ سے میر عثمان علی خان کو جو گہری عقیدت تھی، اس کی وجہ سے انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ حضرت حبیب جعفر ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ چنانچہ وصیت کے مطابق آپ ہی نہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

عنفوان شباب میں آپ حج وزیارت کے لیے حضرموت سے حرمین شریفین گئے اور وہاں سے حیدرآباد تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی عمر 26 سال تھی اور والد گرامی حضرت حبیب احمد باحیات تھے۔ اور انہیں حج وزیارت کے لیے حرمین شریفین جانا تھا اس لیے آپ کو اپنا جانشین بناکر 1351ھ میں حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے، ان کی واپسی تک آپ نے جانشینی کے فرائض بحسن وخوبی نبھائے جس سے والدِ گرامی بہت خوش ہوئے۔ حضرت حبیب احمد صاحب کی بیماری کے دنوں میں حضرت حبیب جعفر صاحب نے اپنے والد کی بہت خدمت کی اور دعائیں حاصل کیں۔

حضرت حبیب جعفر بہت منکسر المزاج اور خوش اخلاق تھے۔ کبھی کبھی آپ کی ناندیڑ تشریف آوری پر مدرسہ عیدروسیہ میں محفل میلاد رکھی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ اس کے اختتام میں کچھ دیر ہوگئی، تو آپ نے حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا: معاف کرنا آج دیر ہوگئی ہے۔ اختتامی ذکر اللہ کریں یا دعا کردیں؟ سب نے ذکر کی خواہش کی اس لیے ذکر کیا اور دعا بھی فرمائی۔ یہ آپ کی بے مثال انکساری کا ایک واقعہ ہے جس میں مریدین کے لیے تربیت بھی ہے، اس طرح کے سینکڑوں واقعات آپ کی زندگی میں ملتے ہیں۔

حبیب جعفر بڑے صاحب علم اور وسیع المطالعہ تھے، راقم الحروف کی یادداشت کے مطابق آپ کسی صاحب سے کتب خانہ آصفیہ (State Library) کی کسی کتاب کے بارے میں گفتگو فرمارہے تھے، یعنی وہاں کے علمی ذخیرہ کا اُنھیں علم تھا۔ ہمارے بزرگوں نے یہ بھی بتایا کہ حیدرآباد کے کسی صاحب نے سہروردی سلسلہ سے متعلق کوئی کتاب لکھی تھی، جس کے دیباچہ میں مصنف نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ اس کتاب کے لیے انھوں نے حبیب جعفر صاحب سے رہنمائی حاصل کی تھی۔

حضرت حبیب جعفر کی کتاب " تزکیۃالنفوس" جو حضرت حبیب مجتبیٰ صاحب قبلہ کے حکم سے اردو اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہے، وہ مریدین کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ اسی طرح حبیب جعفر کی کتاب " فضائل رمضان" اور " سوانح حضرت حبیب عیدروس" کو حضرت حبیب مجتبی بن جعفر العیدروس نے دوبارہ شائع کرکے مریدین ومعتقدین میں تقسیم فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ آپ نے اپنے دادا حبیب عیدروس اور اپنے والد حبیب احمد کی تعلیمات کا خلاصہ: " غذاء النفوس" نامی کتابچہ میں جمع کرکے اپنے مریدین میں تقسیم فرمایا۔

ذیل میں آپ کی کتاب "تزکیۃالنفوس" کے ایک اقتباس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، جس سے قارئین کرام کو اصلاحِ احوال میں آپ کی فکر کا اندازہ ہوسکے، آپ اپنے مریدین کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فرض نمازوں کو کبھی ترک نہ کرو اور سنتوں کو پابندی کے ساتھ اداکرو خصوصاً سنت موکدہ اور وتر، اور ہر جمعرات کو حضرہ (حلقۂ ذکر اللہ) میں شریک ہوا کرو، اور بزرگ راتوں میں قیام کرو جیسے دونوں عیدوں کی رات،

شب معراج، شب برأت اور شب قدر اور شبِ جمعہ میں، اور رمضان کے روزے پورے رکھو، اور قرآن کی تلاوت کرو اور تراویح کی نمازیں پڑھو، اور تم پر صالحین کی محبت لازم ہے؛ کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو ان سے محبت رکھے وہ شقی (محروم) نہیں ہوتا، جو ان سے کامل دوستی کرتا ہے تو وہ ان کو اپنی توجہ سے (نیک) بناتے ہیں۔ جو ان سے محبت کرتا ہے تو وہ بھی ان سے محبت کرتے ہیں۔ اور اپنی انفاس سے ان کی اصلاح کرتے ہیں۔ اور اپنی برکتوں میں انھیں شامل کرتے ہیں۔"[1]

16/جمادی الاول 1395ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک بھی خطۂ صالحین ناmپلی حیدرآباد میں ہی ہے۔

حضرت حبیب جعفر بڑے بافیض اور صاحب کرامت بزرگ تھے، آپ کی دعا سے بے اولادوں کو اولاد ہوئی۔ بہت سے مریضوں، جادو سے متاثر اور آسیب زدہ لوگوں کو شفا ہوئی۔ آپ کی سجادہ نشینی کے پہلے سال حبیب عیدروس کے عرس کے موقع پر جلوسِ صندل گھر سے نکلنے سے پہلے دستور کے مطابق عرب لوگ مکان کے سامنے دف وغیرہ بجاکر شرح کر رہے تھے۔ اس میں کچھ سدی بھی شریک تھے۔ ایک سدّی نے اپنے جسم پر خنجر کے وار کیے، دیکھنے والے حیران تھے کہ اس کے جسم سے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلا؛ لیکن وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ لوگوں نے اسے بیہوشی کی حالت میں حضرت جعفر کے روبرو پیش کیا، آپ نے دعا پڑھ کر اس پر دم کیا، جس کے بعد وہ ہوش میں آگیا اور حضرت کی قدم بوسی کی۔ اس کرامت کے ظہور کے وقت میرے دادا عبد الرحمن صدیقی فخریؔ صاحب مرحوم موجود تھے۔

آپ کے مریدین اور معتقدین کی تعداد حضرت عیدروس کی طرح بہت زیادہ تھی۔ شہر حیدرآباد کے ساتھ ناندیڑ، پربھنی، بیڑ، اورنگ آباد جیسے مہاراشٹر کے شہروں کے علاوہ تلنگانہ، آندھرپردیش، کرناٹک، تمل ناڈو اور ہندوستان سے باہر بھی آپ کے مریدین کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ حبیب جعفر اپنے مریدوں سے بڑی محبت فرماتے تھے، مریدین کے خطوط کے پابندی سے جوابات عنایت فرماتے، قرآنی آیتیں ودعائیں بتاتے، نصیحتیں کرتے، مناسب مشورے دیتے اور نسخے بھی تحریر فرماتے تھے۔ ناندیڑ کے انبیاء خان صاحب مرحوم حبیب عیدروس کے مرید خاص اور خادم خاص تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو تعزیت کا پہلا ٹیلی گرام حضرت حبیب جعفر ہی کا آیا تھا۔ "تاریخ ناندیڑ دکن" کے مولف مرزا احمد علی بیگ چغتائی نے اس بات کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح راقم الحروف کے دادا مفتی عبد الرحمن صاحب صدیقی فخریؔ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ ناندیڑ کی علالت کی اطلاع سن کر آپ ناندیڑ تشریف لائے۔ بوقت انتقال تلقین فرمائی۔ نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد فاتحہ اور دعا بھی فرمائی۔

حیدرآباد کے علاوہ ناندیڑ میں حبیب عیدروس کی قائم کردہ خانقاہ عیدروسیہ کو حبیب جعفر نے متحرک وفعال رکھا، اور اس خانقاہ میں

([1]) الحبیب جعفر بن احمد بن عیدروس، تزکیۃ النفوس بمخصوص مریدی العیدروس، حیدرآباد، حبیب مجتبیٰ بن جعفر بن احمد العیدروس حفظہ اللہ، مطبعۃ و مکتبۃ الاسلامیہ العیدروسیہ، 1439ھ، ص: 5تا9

آج بھی ہفتہ واری مجلس حلقۂ ذکر جمعرات کو صبح 8 بجے منعقد کی جاتی ہے۔ اسی طرح حبیب عیدروس کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ ناندیڑ کو حبیب جعفر نے پولیس ایکشن 1948ء کے بعد کے مشکل ترین حالات میں بھی جاری رکھا۔ آپ پابندی سے مدرسہ کا معائنہ فرماتے، بعد معائنہ طلباء میں مٹھائی تقسیم کرواتے اور غریب طلباء کو کپڑے اور دیگر ضرورت کی چیزیں مہیا فرماتے۔

مدرسہ کی طویل کارکردگی کے عرصہ میں اپنے اپنے وقت کے مختلف ناظمِ امور مذہبی، صدر المہام صاحبان اور صدور اعظم بہادر اور دیگر عہدیداران محکمۂ تعلیمات نے مدرسہ اسلامیہ کا معائنہ کرکے مسرت کا اظہار کیا۔ دینی تعلیم کی خصوصیات کے علاوہ محکمہ تعلیمات کے منظورہ نصاب کی تعلیم تحتانی درجات اوّل تا چہارم تک دی جاتی رہی۔ حبیب جعفر صاحب کی موجودگی میں مرزایاور جنگ وزیر امورِ مذہبی ریاست حیدرآباد نے بھی مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ ناندیڑ کا معائنہ کیا۔ اس موقعہ پر علی اصغر بلگرامی صاحب کمشنر اورنگ آباد، عبدالمجید خان صاحب کلکٹر ناندیڑ، عبدالقیوم خاں صاحب وزیر موصوف کے P.A سمیت تمام عہدیداران موجود تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میر عثمان علی خاں نظام دکن ایک خصوصی ٹرین کے ذریعے رات کے ایک بجے ناندیڑ پہنچے۔ اُن کے لیے شاہی کھانا پکوایا گیا تھا۔ وہ رات کے کھانے سے نظام آباد میں فارغ ہو چکے تھے، اس لیے انھوں نے ناندیڑ کے کلکٹر کو حکم دیا کہ وہ کھانا مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ کے طلباء کے لیے استعمال کیا جائے۔ اسی طرح میر عثمان علی کے پوتے میر برکت علی خاں (پرنس مکرم جاہ بہادر) 29/ستمبر 1964ء کو ناندیڑ آئے تھے۔ انھوں نے بھی مدرسہ کا معائنہ کیا تھا، اور مدرسہ کی کارکردگی پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اس موقع پر حبیب جعفر کے فرزند حبیب عبدالرحمن عرف حبیب حضرت موجود تھے۔

حبیب مجتبیٰ بن جعفر العیدروس:

حبیب مجتبیٰ بن جعفر العیدروس دامت فیوضہم حیدرآباد کے فتح دروازہ (پرانا شہر) کے علاقہ میں منزل الرحمۃ میں حضرت حبیب عیدروس کے مسند نشین ہیں۔ آپ اپنے والد گرامی حضرت حبیب جعفر العیدروس کے وصال کے بعد 1975ء میں جانشین و مسند نشین ہوئے۔ آپ ایک نہایت متحرک وفعال صوفی وعالم تھے، ہندوستان کے مختلف شہروں کے علاوہ عرب اور مغربی ممالک کے بھی دعوتی و تبلیغی دورے فرمائے۔ آپ کے ہزاروں مریدین ہندوستان، کینڈا اور امریکہ وغیرہ میں موجود ہیں۔

ابھی حال ہی میں پچھلے مہینے 28/اکتوبر 2025ء بروز سہ شنبہ مختصر سی علالت کے بعد حضرت حبیب مجتبیٰ بن جعفر بن احمد العیدروس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سے دنیا بھر میں آپ کے مریدین ومعتقدین ومتوسلین میں غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی، اور آپ کے جسدِ خاکی کے آخری دیدار کے لیے آپ کے مکان ”منزل الرحمۃ“ پر مریدین، معتقدین ومتوسلین کا تانتا بندھ گیا۔

آپ کی نماز جنازہ بعد نماز عشاء حیدرآبا کی تاریخی مکہ مسجد میں ادا کی گئی، اور تدفین خطۂ صالحین، ناملی حیدرآباد میں عمل میں آئی۔ جس میں مریدین ومتوسلین کے علاوہ کثیر تعداد میں علماء ومشائخ اور شہر کی سرکردہ شخصیات نے شرکت کی۔ مولا تعالی آپ کی مساعیِ جمیلہ

کو قبول فرمائے اور آپ کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ اپنے آباء واجداد کے علمی وروحانی فیضان کے سچے وارث وامین تھے اور نصف صدی سے زیادہ عرصے تک سلسلۂ عیدروسیہ کی تعلیمات کو عام کیا۔ اور خانقاہ عیدروسیہ اور مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ آپ کی سرپرستی میں قوم وملت کے بچوں، نوجوانوں اور بزرگوں کی تعلیم وتربیت کا عظیم فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ کے یہاں ہر جمعرات کو پابندی کے ساتھ حلقۂ ذکر ہوتا، جس میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو، عیسائی اور سکھ بھائی بھی شریک ہوتے، اور آپ کی دعاؤں سے فائدہ اُٹھاتے۔ آپ کے مکان پر ہونے والی مجالس اور خطۂ صالحین کی مجالس آج بھی فیضانِ اولیاء اللہ اور قومی یکجہتی کا منظر پیش کرتی ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت حبیب عیدروس بن حسین اور آپ کے سجادگان نے سرزمینِ دکن کو سلسلۂ عیدروسیہ کے روحانی فیضان کا مرکز بنادیا، اور اہل دکن کو اخوت ومحبت اور بندگانِ خدا کے ساتھ اخلاص کا معاملہ اور حسنِ سلوک کی تعلیم دی۔ آپ کی تصانیف طالبانِ حق کے لیے مشعلِ راہ ہیں جن میں احکام شرع کی پابندی، قرآنِ مجید کی تلاوت اور تدبر، صدقہ کرنے، حسد وکینہ، عیب جوئی اور بدعات سے اجتناب، نیز حسنِ اخلاق اور سیرتِ نبوی ﷺ کی پیروی کی تاکید کی گئی ہے۔ آپ کے سجادگان نے آپ کے مشنِ رشد وہدایت کو آگے بڑھایا۔ آپ کی خانقاہ آج بھی مرکزِ رشد وہدایت بنی ہوئی ہے۔

خانوادہ حضرت خواجہ محبوب اللہ علمی وروحانی انقلاب کا نقیب

ڈاکٹر سید محمد محمود صفی اللہ حسینی وقار قادری*

آپ کا اسم مبارک سید محمد صدیق علی حسینی المعروف بہ خواجہ میاں متخلص بہ خلق۔ مخاطب من اللہ محبوب اللہ۔ آپ 29 شعبان المعظم 1263ھ کو حضرت حافظ سید پرورش علی حسینی الملقلب بہ "رفعت پناہ" کے گھر پیدا ہوئے۔ "چراغ ہند" سے سنِ ولادت یعنی 1263ھ نکلتا ہے۔ اور آپ کی وفات کا سنہ 1313ھ ہے یہ بھی "چراغِ مدینہ" سے ماخوذ ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب 20 واسطوں سے حضرت سیدنا امام تقی ابن حضرت سیدنا امام علی رضا تک پہنچتا ہے۔ اس طرح آپ سادات حسینی سے تعلق رکھتے ہیں۔

آپ کے جدّ اعلیٰ حضرت سید محی الدین حسینی قدس سرہٗ اورنگ زیب کے عہد میں بغداد سے ہندوستان تشریف لائے اور ریاست مدھیہ پردیش کے شہر برہان پور میں قیام پذیر ہوئے۔ وہیں آپ کی دو نسلیں آباد رہیں۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت سید معین الدین حسینی اور ان کے خلف حضرت سید اولیا حسینی قدس سرہٗ کے مزارات آپ ہی کے پہلو میں ہیں۔

حضرت اولیا حسینی کے صاحبزادہ حضرت سید حیدر علی حسینی الملقلب بہ سیادت پناہ نواب میر نظام علی خان بہادر آصف جاہ دوم کے دور میں بادشاہِ وقت ہی کی خواہش پر حیدرآباد وارد ہوئے کیونکہ سلطنت آصفیہ کے استحکام اور اطراف واکناف کے جنگ وجدال کا تقاضہ یہ تھا کہ فوج میں نامور اور بہادر افراد کو حکومت کی بقا کے لیے اعلی عہدے اور کدوکاوش کی ذمہ داری سونپی جائے، چنانچہ نواب میر نظام علی خان جو کہ بہت ہی فریس اور دوراندیش بادشاہ تھے حالات کی نبض کو پڑھتے ہوئے حضرت سید حیدر علی حسینی کو سرزمین دکن تشریف لانے کی دعوت دی جو اپنی شجاعت، جواں مردی اور علم وفضل و تقوی کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ اپنے ساتھ چار نامور ماہرینِ فنِ سپہ گری، جن کی شجاعت اور خدارسیدگی کا زمانہ قائل تھا، کو ہم رکاب کرلیا اور یہ (پنچ بھیہ) کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی خدمات سے فتح وظفرمندی حاصل ہوئی اور دکن کی سرحدوں پر امن وامان قائم ہوا۔ نظام علی خان بہادر نے ان کی قدر دانی کی اور ان میں مناسب خطابات، جاگیرات، سلح داریاں اور القاب پیش کیے۔ ان میں حضرت سید حیدر علی حسینی نہ صرف اپنے کردار، علم وفضل اور تقویٰ کی وجہ سے ممتاز تھے بلکہ بادشاہِ وقت کو آپ سے ایک خصوصی تعلق ہوگیا تھا۔ اسی بنیاد پر آپ کو "میری" اور "خانی" کے ساتھ ساتھ "سیادت پناہ" کا لقب دیا گیا اور بادشاہِ وقت نے اپنے ایوان میں آپ کی تعظیم و تکریم کی اور آپ کی خدمات کا سرِعام اعتراف کیا اور ازراہ محبت و تعلق خاطر آپ کو میر حیدر علی خان سیادت پناہ سے یاد کیا۔

حضرت سید حیدر علی حسینی قابلِ قدر خدمات انجام دینے کے بعد 20 جمادی الثانی 1258ھ کو واصل بہ حق ہوئے۔ آپ کا مزار حضرت عبد اللہ شہید (جو قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قبلہ کے صاحبزادے تھے) کے مقبرہ عیدی بازار میں واقع ہے۔

* خانقاہ حضرت محبوب اللہ، حیدرآباد

حضرت حیدر علی حسینی کے صاحبزادے حضرت حافظ مولانا سید پرورش علی حسینی المعروف سید محمد بادشاہ حسینی الملقب بہ رفعت پناہ نہ صرف ایک صوفی باصفا جید عالم بلکہ عربی اور فارسی کے بلند پایہ انشا پرداز اور مایہ ناز نعت گو شاعر تھے جنہوں نے اردو، عربی اور فارسی میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔ ان کے قابل ذکر تحریری کارناموں میں دیوانِ شاہ (مجموعہ کلام)، عقائد شاہ ہیں۔ عقائد شاہ کو انہوں نے قیام مدینہ منورہ کے دوران تصنیف کیا۔ یہ مختلف فیہ مسائل پر ایک مختصر مگر مدلل رسالہ ہے جس میں مفتیانِ حرمین شریفین، علمائے افریقہ وعرب کی اثباتی آرا ان کے نام اور دستخطوں کے ساتھ مندرج ہیں۔

حضرت سید رورش علی حسینی افضل الدولہ بہادر (آصف جاہ) کے اتالیق رہے۔ آپ نے علوم ظاہری و باطنی کے اکتساب میں قطب الہند حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین قبلہ کے پاس زانوئے ادب طے کیا اور حضرت ہی سے بیعت و خلافت بھی حاصل کی۔ آپ ایک جید عالم، صاحب کشف و کرامات بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین واعظ بھی تھے۔ آپ کے پاس ربیعین شریفین اور ماہِ محرم الحرام میں محافلِ وعظ منعقد کیے جاتے تھے جس میں کثرت سے لوگ شرکت کرتے تھے۔ آپ نے 13 یا 16 حج ادا فرمائے اور ایک عرصہ تک حجاز مقدس میں مقیم بھی رہے۔ آپ بلا تکلف عربی میں گفتگو اور وعظ بھی فرماتے تھے۔

آپ کا عقد آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا میر شجاع الدین صاحب قبلہ کی نبیری اور شہید الاسلام حضرت عبد اللہ شہید کی صاحبزادی حضرت عوض بیگم صاحبہ سے ہوا۔ چونکہ آپ جید عالم، واعظ اور مسند رشد و ہدایت پر متمکن صاحب حال شخصیت کے مالک تھے اور آپ کا حلقۂ ارادت بھی کافی وسیع تھا اور صدر جمیعت العروب عبد اللہ بن علی بھی آپ ہی کے حلقۂ ارادت کے ایک فرد تھے اس لیے آپ نے درس و تدریس تعلیم و تعلم اور ذکر و تذکیر کی غرض سے ایک خانقاہ شریف کی بنیاد رکھی، جہاں ہر روز سینکڑوں لوگ آتے اور آپ ان کی دستگیری فرماتے اور حسب ضرورت روحانی معالجات بھی فرماتے۔ اس طرح خانقاہِ قاضی پورہ شریف (قادری خانقاہ) کے آپ بانی مبانی ہیں اور اسی سے شہر میں 7 خانقاہیں وجود میں آئیں۔ جہاں بندگانِ حق کی علمی، روحانی پیاس زائد از ڈیڑھ صدی بجھائی جا رہی ہے اور درس و تدریس، تعلیم و تعلم، تزکیہ و تطہیر کا مشن الحمد للہ آج بھی ان خانقاہوں سے جاری ہے۔

حضرت کے متعلق پیشین گوئیاں

حضرت کی ولادت سے قبل دورانِ حمل آپ کی والدۂ ماجدہ نے خواب دیکھا کہ جھولے میں ایک لڑکا ہے اور جھولے کی ڈوری سیدۃ النساء العالمین علیہا السلام کے دستِ مبارک میں ہے اور آپ ڈوری ہلا رہی ہیں۔ پھر حضرت سیدہ نے آپ کی والدہ کو طلب فرمایا اور ڈوری یہ کہتے ہوئے ہاتھ میں دے دی کہ ''یہ ہمارا بچہ ہے، اس کی چند روز خدمت کر کے ہمارے پاس چلے آؤ۔'' آپ نے بیدار ہونے کے بعد اپنے شوہر حضرت سید محمد بادشاہ حسینی قدس سرہٗ سے خواب عرض کیا تو حضرت نے تعبیر دی کہ ''ہم کو ایک لڑکا ہوگا جو بڑی شان والا ہوگا''۔ حضرت کی ولادت کے وقت آپ کے نانا جان قطب الہند حضرت شجاع الدین قبلہ اپنی پوتی کے گھر تشریف فرما تھے، ولادت کے بعد آپ نے اپنے اس لختِ جگر کو گود لے کر دونوں آنکھوں کو بوسہ دیا اور ارشاد فرمایا ''یہ بچہ بڑی شان والا ہوگا۔''

جمیعت عروب کے صدر عبد اللہ بن علی جن کے قرب میں بہت بڑی دیوڑھی تھی، وہ اکثر حضرت کے والد گرامی کے پاس آیا کرتے تھے اور حضرت سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ ایک روز حضرت نے ان سے ایک خواب بیان کیا کہ ان کی دیوڑھی کے مشرقی جانب حضرت کے مکان کے قرب میں زمین سے آسمان تک نور ہی نور مثلِ ستون موجود ہے۔ آپ نے اس خواب کی تعبیر یوں بیان فرمائی کہ ان شاءاللہ ہماری اولاد کا نور شہرہ آفاق ہو گا لیکن عبد اللہ بن علی نے اپنے طور پر اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ وہاں مسجد تعمیر کروانا چاہئے اور اس کو مسجد نور سے موسوم کرنا چاہئے۔ یہی نام آج بھی مسجد کے اندرونی حصہ میں کتبہ پر کندہ ہے۔

حضرت کا علم و فضل

حضرت محبوب اللہ عربی، فارسی ادب، منطق، فلسفہ، علم ہیئت میں ماہر تھے اور تفسیر، حدیث، فقہ کے علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی اور حضرت مولانا شاہ علی شاہ، حضرت مولانا شمس الدین فیض سے حاصل کی۔ پھر حضرت مولانا نیاز محمد صاحب، حضرت مولانا محمد زمان خان شہید کے پاس شرعی علوم کی تکمیل فرمائی۔ یہ دونوں ہی بڑے ہی معتبر عالم تھے اور یگانۂ روزگار علما میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ حضرت پہلے حنفی المذہب تھے لیکن بعد میں بر بنائے حکم حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی غوث الاعظم آپ نے حنبلی مذہب اختیار کیا۔ اور آپ کے تینوں برادران (حضرت مولانا حافظ سید احمد علی شاہ حسینی قدس سرہٗ جن کا مزار اولیا باغ نزد آستانۂ قطب الہند حضرت میر شجاع الدین حسین قبلہ عیدی بازار میں واقع ہے۔ دوسرے برادر حضرت مولانا حافظ سید محمود علی شاہ مکی میاں صاحب قبلہ قدرس سرہٗ جن کا مزار حسینی ٹیکری کشن باغ میں واقع ہے اور تیسرے برادر حضرت مولانا سید عمر علی حسینی قدس سرہٗ جن کا مزار قادری چمن نزد فلک نما میں واقع ہے) نے بھی آپ کی اتباع میں حنبلی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

علم تصوف

حضرت کو علمِ تصوف سے نہ صرف خاصی دلچسپی تھی بلکہ اس کے اقسام و تفہیم میں ملکہ رکھتے تھے چنانچہ حضرت بحر العلوم علامہ عبد القدیر صدیقی حسرت قدس سرہٗ جو کہ حضرت کے ہم شیر زادہ ہیں اور آپ ہی سے بیعت و خلافت بھی رکھتے تھے، فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے پاس حاضر ہوتا تو اکثر علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی، آپ تصوف کے مضامین کے متعلق استفسار کرتے ہوئے فرماتے کہ فلاں کتاب میں کیا لکھا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟ میں اپنی معلومات کے متعلق عرض کرتا کہ اس طرح لکھا ہے۔ حضرت اس کی ایسی نادر تشریح فرماتے کہ ہم ششدر رہ جاتے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں کہ حضرت کی تفہیمات کا یہ اثر ہے کہ آج ہم بڑی سے بڑی کتاب دیکھتے ہیں اور جس مسئلے پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نئی بات ہی نہیں ہے یہ تو ہمارے حضرت نے پہلے ہی ہمیں سمجھا دیا تھا۔

فنِ طب

آپ فن طب کے بھی ماہر تھے چنانچہ آپ نے ایک کتاب اپنی ترتیب کردہ نسخہ جات پر تحریر فرمائی ہے جو غیر مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ ان نسخہ جات سے استفادہ کرتے ہوئے بعض اطبا نے نہ صرف کامیاب معالجات کیے بلکہ ان کے تجربہ کے مطابق یہ نسخے انتہائی زود اثر اور مجرب ثابت ہوئے۔

حضرت خواجہ محبوب اللہ بہ نفسِ نفیس عرصہ دراز تک ضرورت مندوں کے علاج و معالجہ کی خدمت انجام دی۔ اس فن میں آپ کو طبیب شاہ حضرت حکیم رضا علی صاحب سے خاص تلمذ حاصل تھا۔ لیکن کتابی علم کے سوا آپ کو باطناً اس فن میں جو رہبری حاصل ہوتی تھی وہ آپ کے نسخوں اور معالجات کا خاصہ و امتیاز رہا ہے چنانچہ آپ بعض نسخوں سے متعلق اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ (فرمودہ) حضرت سرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم اور کہیں فرمودۂ حضرت مشکل کشا اور کہیں فرمودۂ حضرت پیرانِ پیر۔ حضرت کے تیار کردہ نسخہ جات پر اس دور کے بعض ممتاز اور ماہر اطبا تجربے بھی کیے۔ چنانچہ حکیم عبد الجبار صاحب جو افسر الاطباء حکیم عبد الوہاب صاحب نابینا کے خاص تلمیذ تھے۔ حضرت کے ایک نسخہ کو آزمایا اور استفسار کیا کہ یہ نسخہ کس کا تجویز کردہ ہے؟ جب حضرت محبوب اللہ کا نام لیا گیا تو بڑے استعجاب کا اظہار کیا کہ یہ بہت ہی سودمند نسخہ ثابت ہوا ہے۔ ایسے ہی حکیم سرفراز حسین خان صاحب جو نہ صرف ایک خاندانی طبیب تھے بلکہ نامور اطبا میں تھے انہوں نے بھی حضرت کے ایک نسخہ کو آزمایا اور جس کو بے حد مفید پایا۔ آپ کے برادران حضرت سید عمر قادری قدس سرہٗ اور حضرت مکی میاں صاحب قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ آپ نے امراضِ چشم اور جسم کی عام کمزوری کے لیے جو نسخہ جات تحریر فرمائے ان کو بھی بعض اطبا نے استعمال کیا اور بے حد فائدہ مند پایا۔ حضرت کے ہمشیر زادہ حضرت علامہ عبد المقتدر صدیقی نے بیان فرمایا ہے کہ بخار کے لیے حضرت نے ان کو ایک دفعہ نارنگی کھانے کو فرمایا جس کے استعمال پر بخار فوری دفع ہو گیا۔ اسی طرح بخار کے لیے آپ نے جڑی بوٹیوں پر مشتمل ایک جوشاندہ استعمال کروایا ہے جو کہ اپنی تاثیر میں بہت ہی منفرد ثابت ہوا۔

روحانی معالجات

آپ نے باطنی حکم پر روحانی معالجات کا سلسلہ شروع فرمایا لیکن خواہ علاج ادویات سے کیا ہو یا روحانی طریقے سے کبھی بھی علاج کے لیے کوئی معاوضہ قبول نہیں فرمایا۔ بلکہ صرف خدمتِ خلق آپ کے پیشِ نظر رہی۔ حضرت کے روحانی طریقۂ علاج سے جسمانی و روحانی مریض نہ صرف فوری شفایاب ہو جاتے بلکہ بعض معالجات محیر العقول اور نا قابلِ قیاس ہوا کرتے۔ چنانچہ کبھی تعویذ اور طشتری کے ذریعہ علاج فرمایا تو کبھی زبان سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ بعض کہنہ مریض جو علاج سے مایوس ہو گئے تھے حضرت کے صرف زبان سے حکم فرمانے پر مرض سے نجات پا گئے۔

دیگر فنون

فن خوش نویسی (خطاطی) میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی چنانچہ آپ کی تحریر کردہ بعض قطعات فنِ خطاطی میں آپ کی مہارت کی منہ بولتی تصویر ہیں جو اب بھی موجود ہیں، خصوصاً نسخ، نستعلیق اور شکستہ قلم تحریرات اس کا بین ثبوت ہیں۔ اس فن میں آپ کو مولوی محمد حسین صاحب ہفت قلم سے تلمذ حاصل تھا۔

فن آتش بازی و سابون سازی میں نہ صرف آپ نے کمال حاصل کیا تھا بلکہ آپ کا تحریر کردہ ایک رسالہ جو غیر مطبوعہ ہے آپ کے کمالِ فن پر شاہد ہے۔ اس فن میں آپ حضرت شمس الدین فیض صاحب سے اکتساب کیا۔

زاد آخرت (فقہ حنبلی پر پہلی اردو تصنیف)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضرت نے حکم باطنی پر حنبلی مذہب اختیار کر لیا تھا اور آپ کے ساتھ آپ کے تینوں برادران اور ان سب کے اکثر متوسلین نے بھی حنبلی مذہب کو اپنالیا تھا تو ضرورت اس بات کی تھی کہ فقہ حنبلی پر ایک ایسی کتاب ہو جو سلیس زبان اور شرح و بسط کے تقاضوں کو پورا کرتی ہو اور اس فقہ کے ماننے والوں کے لیے کامل رہبری کرتی ہو۔ چنانچہ حضرت کی تحریر کردہ کتاب 3 اجزا اور 11 ابوب پر مشتمل ہے۔ جزو اول میں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الجنائز کا احاطہ کیا گیا ہے۔ دوسری جلد کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم اور کتاب المناسک پر مشتمل ہے اور تیسری جلد میں جو طباعت کے مراحل میں ہے کتاب الجہاد، کتاب البیع، کتاب الحجر، کتاب النکاح اور کتاب الطلاق جیسے ابواب شامل ہیں۔ ہر باب کو علیحدہ علیحدہ موضوعات کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے اور حسبِ ضرورت مراجع کا ذکر کیا گیا ہے اور آیت قرآنی اور احادیث شریفہ کے حوالہ جات بھی ساتھ میں منسلک کیے گئے ہیں۔

افکارِ غیب (حضرت کی شاعری)

حضرت خواجہ محبوب اللہ کی شخصیت مجمع الکمالات تھی۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر اور نثر نگار بھی تھے۔ آپ کے نثری تخلیقات کا بعض کتب میں سرسری ذکر ملتا ہے اور جو کہ غیر مطبوعہ ہیں انہیں میں ایک رسالہ تصوف کے موضوع پر حضرت نے قلمبند فرمایا اور بعض متقدمین اولیائے کرام اور اپنے شیوخ سلسلہ کے تحریر کردہ رسالہ جات اور کتب جو کہ فارسی اور عربی زبان میں تخلیق کی گئی تھی ان کا آپ نے اردو ترجمہ بھی فرمایا ہے۔ مثلاً حضرت مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری شیخ العرب والعجم کی معرکتہ الآراء کتاب ثمراتِ مکیہ کا حضرت محبوب اللہ نے نہ صرف اردو میں ترجمہ فرمایا بلکہ حسبِ ضرورت تشریحات بشکل حاشیہ بھی تحریر فرمایا۔ واضح رہے کہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری قطب الہند میر شجاع الدین حسین کے استاد و پیر و مرشد ہیں اور فن حدیث میں بعض محدثین کے بھی استاد ہیں، جن میں قابل ذکر علامہ یوسف نبہانی جیسے امام الحدیث بھی ہیں۔ جن کی سند حدیث شاہ رفیع الدین سے جاملتی ہے) جن سے عالم عرب بالخصوص مصر اور شام میں علمِ حدیث کی ترویج و اشاعت ہوئی۔ اور شاہ رفیع الدین قبلہ جنوبی ہند کی وہ عظیم المرتبت ہستی ہے جن کے روحانی فیض سے آج ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند سے بھی لوگ حاضر آستانہ ہو کر فیضیاب ہوتے ہیں۔

آپ حضرت سیدنا خواجہ رحمت اللہ نائبِ رسول (رحمت آباد) کے مرید و خلیفہ تھے۔
حضرت محبوب اللہ کی شاعری میں شعری لوازمات جیسے تنوع، قادر الکلامی، آہنگی غزل، صنائع و بدائع، رفعتِ خیالی، فکری ندرت کے ساتھ ساتھ محاورہ اور ضرب الامثال کا استعمال بھی ملتا ہے۔ اور اصنافِ سخن کے اہم اجزا جیسے مسدس، مخمس، مثنوی، نظم، غزل، قطعات، رباعیات، مثلث، مستزاد قطعاتِ تاریخ اور متفرق اشعار پر آپ کا کلام محیط ہے۔ سلاست آپ کی شاعری کا طرۂ امتیاز اور عشقِ مجازی اور لغویات سے گریز آپ کے کلام کا خاصہ ہے۔ تصوف کے گنجلک مضامین کو آپ نے شعری جامہ پہنا کر بڑے آسان پیرائے میں بیان فرمایا ہے اور اکثر مقامات پر شریعت و طریقت کے حسین امتزاج میں آپ کے کلام میں حقیقت و معرفت کا خوب رنگ بھرا ہے۔ پورے کلام میں کہیں بھی مبالغہ آمیزی اور شرعی مزاج سے تخالف نہیں ملتا۔ بیشتر مقامات پر آپ کا کلام امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے نقیب کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت کے کلام کا ہر گوشہ افکارِ باطنی سے مزیّن اور انوارِ حقیقی سے منور ہے اور اس کی فیض رسانی کا یہ حال ہے کہ دائیں سے شریعت، بائیں سے طریقت کے چشمے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ یہی حقیقی صوفیا اور اہل اللہ کی پہچان ہے کہ یہ لوگ زبان و قلم سے رشد و ہدایت کے دریا بہاتے ہیں، جن کی تعریف میں حضرت جنید بغدادی کا ارشاد ہے کہ (ویمیتک بالحق ویحییک بہ۔) یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حضرت کی شاعری افراط و تفریط اور دنیاوی تفریح اور حسنِ دنیا کی نیرنگیوں کے بیان سے مبرہ و منزہ ہے جو کہ صوفی کی اہم صفت ہوتی ہے بقول حضرت عمر بن عثمان المکی متوفی 291ھ "أن یکون العبد في کل وقت مشغولاً بما ھوا أولیٰ بہ في الوقت۔"

آپ کی تعلیمات

رہے جہاں رب فرماتا ہے کہ میں بندہ کی سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، بصارت ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔
حضرت محبوب اللہ نے اپنے مشرباً قادری ہونے کا اعلان بھی فرمایا اور پیرانِ پیر سیدنا عبد القادر جیلانی غوث الاعظم کے ارشادات اور تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنے ہر مرید اور متوسل پر لازم قرار دیا تا کہ وہ بے ارادہ جینا سیکھ لے، چنانچہ فرمانِ غوث الاعظم ہے یعنی ایسا ہو جا جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں۔ حضرت کامل شطاری فرماتے ہیں یار کی مرضی کے تابع یار کا دم بھر کے دیکھ۔
آپ کی تعلیمات میں ایک عنصر پر بہت توجہ دی گئی وہ قلب کی صفائی ہے اور اس کی تطہیر و تزکیہ کے خصوصی اہتمام کی بات بار بار دہرائی گئی ہے۔ حدیث شریف ہے (قلب المؤمن عرش اللہ) جس کا منظوم ترجمہ استاد فصاحت جلیل نے یوں کیا:

جلیل اچھا ہے دل کو پاک رکھنا ہر کدورت سے — اسی گھر میں ظہورِ جلوۂ جانانہ ہوتا ہے

حضرت نے اس حدیث قدسی کو اپنی تعلیمات کا محور ٹھہرایا: "إِنَّ في جسد ابن آدم مضغة و في المضغة فوادٌ وفي الفواد قلب وفي القلب سر وفي السر خفي وفي الخفي إخفاء وفي الإخفاء أنا" یعنی آدم کی اولاد کے سینے میں ایک گوشت کا

لو تھڑا ہے جس میں اس کی جان ہے اور اس میں وہ کیفیت ہے جس کو قلب کہا گیا اور اس میں سر یعنی راز ہے پھر اس میں پوشیدہ حقائق ہیں اور ان میں دقائق ہیں اور ان پردوں کے پیچھے اللہ فرماتا ہے کہ میں رہتا ہوں، اسی لیے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قلب راعی ہے اور پورا جسم اس کی رعایا ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے (إن في جسد آدم مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب) (بخاری) اسی ارشاد کے تحت آپ نے ہمیشہ قلب کو یادِ الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہنے کی تاکید فرمائی اور اس پر مستقل ذکر الٰہی بصورتِ خفی جاری رکھنے کو فرمایا کہ اسی سے قلب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے اور قلب مشاہدات کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور ذاکر کو ہر وقت صحیح رہبری کے ذریعہ منزل تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے، اسی کو استخارۂ قلب کہتے ہیں اور یہ خاموش ذکر خفی وسری جس کو صوفیا نے پاس انفاس بھی کہا سالک کے راہِ سلوک میں بڑا مددگار ہوتا ہے۔ دل کو دیگر آلائشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے نگہداشت بڑی اہم ہوتی ہے چنانچہ حضرت محبوب اللہ نے فرمایا جھوٹ، غیبت، حسد، بیکار گفتگو دل کے نور کو ختم کر دیتے ہیں، اس سے ہر دم ہوشیار رہنا چاہے تاکہ قلب متاثر ہونے نہ پائے۔ اسی طرح لقمہ حرام سے احتراز کے متعلق تاکید فرمائی اور ارشاد فرمایا جو لقمہ پیٹ میں جاتا ہے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ حلال روزی باعثِ خیر ہے اور لقمۂ حرام باعثِ ظلمت اور موجب فساد ہے۔ ایک پیسے کے عوض کئی مقبول نمازیں برباد ہوتی ہیں۔

حضرت نے تکبر سے بچنے پر بہت زور دیا اور فرمایا تکبر سب سے بڑا گناہ ہے، اپنے کو اچھا سمجھنا حماقت ہے اس سے عمل برباد ہو جاتے ہیں، اور دکھاوا، ریاکاری کو شرکِ خفی بتاتے ہوئے آپ نے یہ تحریر فرمایا کہ اہلِ دنیا کی خوشنودی اور ان کے خیال سے کام نہ کرو کیوں کہ خالصتاً لوجہ اللہ اور فی شوق اللہ جو کام ہوتے ہیں وہیں مقبول ہوتے ہیں۔ پھر اچھی صحبت اختیار کرنے اور بری صحبتوں سے پرہیز کرنے پر آپ نے بڑا زور دیا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سارا خیر اچھوں کی صحبت میں رہنا اور سب طرح کا فساد اپنے جیسے غافلوں کی صحبت میں ہے اور یہ بھی فرمایا جو مرید بعد طلب کے اپنی قدیم صحبتوں کو نہ چھوڑے وہ بالکل فیض سے محروم ہے۔ توکل اور اللہ کی رضا جوئی کو آپ نے مردِ مؤمن کا خاصہ قرار دیا اور خدا رسیدگی کے لیے عاجزی، انکساری، تواضع کو لازمی قرار دیا اور تقویٰ کو مؤمن کی پہچان پر محمول فرمایا۔

احیائے سنت میں آپ کا کردار

حضرت خواجہ محبوب اللہ نے اپنے عمل اور تعلیم کے ذریعے اپنے حلقہ اثر، مریدین و متوسلین اور اہلِ خاندان میں جہاں جہاں ممکن ہو سکا سنتوں کو رائج کرنے اور ان کے نفوذ کو یقینی بنانے کی حتیٰ المقدور کوشش فرمائی اور قرآن کریم کی آیت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الأَقْرَبِيْنَ﴾ کی طاعت میں تبلیغ و ترویج سنت کا کام گھر سے شروع فرمایا چنانچہ سلام کے افشائے عام کے اہتمام اور راتوں کے قیام کو آپ نے اپنے اور اپنے خانوادہ پر لازم قرار دیا اور کسر نفس کے لیے عملاً آپ نے ایسے نمونے پیش فرمائے جن کی نظیر مشکل سے ملتی ہے۔

آپ محافل میں جو جگہ میسر آتی اسی کو اپنی نشست بنا لیتے اور اپنی آمد پر لوگوں کے تعظیماً کھڑے ہونے کو بھی ناپسند فرماتے اور ہر

ملاقات کے وقت دست بوسی اور قدم بوسی سے ناراض ہوجاتے اور فرماتے کہ مصافحہ ہاتھ میں ہاتھ ملانے کا نام ہے۔ ہاں! عالم، سید، ماں باپ، مرشد یا استاد ہو تو مضائقہ نہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب سے جو کوئی جھک کر سلام کرے اور ہر روز دست بوسی و قدم بوسی کو لازم سمجھے اور تعظیم کے لیے اُٹھے وہ میرا مخالف ہے۔

اہل قرابت، اہلِ محلہ، اہلِ سلسلہ اور ضرورت مندوں کی ہمیشہ خبر گیری فرماتے اور جہاں ضروری ہوتا ان کی مالی اور اخلاقی مدد فرماتے۔ مروجہ قبور جو پختہ اور بلند ہوا کرتے تھے آپ نے ان کی مخالفت فرمائی اور سب سے پہلے یہ عمل اپنے گھر سے شروع کیا، چنانچہ والدین کے مزارات کی اونچائی کو اس قدر کم کیا کہ مزار کی شناخت ہوسکے۔ اسی طرح نفس مزار پر روشنی کے خلاف بھی آپ نے اپنے خاندان اور اہلِ سلسلہ کو پابند فرمایا۔ لباس آپ کا انتہائی سادہ ہوتا اور اکثر چوبغلہ زیب تن فرماتے اور پاؤں میں اکثر کبھی نعلین کبھی کھڑاویں ہوتے۔ رہن سہن اور اکل و شرب میں سنتِ نبوی کی اتباع فرمانا اور غربا و مساکین کی دستگیری کرنا اور ان کی ہم نشینی کو پسند فرمانا آپ کا خاصہ تھا۔

بے جا تکلفاتِ زمانہ اور مروجہ رسوم جو تقاریب کا لازمی جز بن گئے تھے ان سے حتیٰ المقدور اجتناب فرماتے اور اپنے حلقہ عصر میں اس سے گریز کرنے کی تلقین فرماتے۔ شادی، بیاہ اور دیگر تقاریب میں بے جا رسومات کو ناپسند فرماتے اور عملاً اس سے دوری اختیار فرماتے۔

حضرت کی اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین صاحبزادوں سے نوازا اور یہ تینوں ہی حیدرآباد کے ممتاز اولیائے کرام میں شمار کیے جاتے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حافظ شاہ خلف اکبر حضرت سید محمد عثمان حسینی فائق علیہ الرحمہ

آپ حضرت خواجہ محبوب اللہ کے بڑے صاحبزادہ اور آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور عربی و فارسی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ جید قاری و حافظِ قرآن تھے۔ چنانچہ اپنے آخر ایام حیات میں آپ نے ہجرت کرکے مدینۃ النبی کو اپنا ٹھکانہ بنالیا تھا۔ قیام مدینہ منورہ میں آپ کے علم، فضل و تقویٰ کا وہاں کافی شہرہ ہوا اور اسی زمانے میں حضرت علامہ فاضل بریلی احمد رضا خان علیہ الرحمہ مدینہ شریف میں حاضر ہوئے تھے، چنانچہ ان کی معرکۃ الآراء کتاب ''الدولۃ المکیۃ'' کی تکمیل پر انہوں نے حضرت عثمان میاں قبلہ سے تقریظ لکھنے کی خواہش کی جس پر حضرت نے 7 صفحات پر مشتمل تقریظ بزبانِ عربی تحریر فرمائی جس کو حضرت احمد رضا خان صاحب نے شاملِ کتاب فرمایا۔ قیام مدینہ منورہ کے دوران حضرت عثمان میاں صاحب قبلہ نے چند مہینوں کے قلیل مدت میں حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی۔ چونکہ اہلِ مدینہ آپ کے علم و تقویٰ سے بہت متاثر تھے تو مسجد نبوی میں آپ کو نماز تراویح میں مکمل قرآن سنانے کی پیشکش کی۔ کسی غیر مدنی کو یہ اعزاز نہیں بخشا جاتا تھا مگر اس عاشقِ رسولؐ کے حصے میں یہ شرف آیا

اور آپ کا بحیثیت کلید بردار مواجہہ اقدس انتخاب بھی کیا گیا چنانچہ آپ اپنے قیام میں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔
عربی، فارسی زبان میں آپ کے کچھ رشحات قلم موجود ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ فائق تخلص بھی فرماتے تھے۔ غزل، قصیدہ، مسدس، رباعی، ان تمام اصناف سخن میں آپ کا کلام موجود ہے۔ عربی، اردو اور فارسی ان تینوں زبانوں میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی ہے۔ آپ کے کلام کا بیشتر حصہ نعتوں پر مشتمل ہے اور بہت ہی سنگلاخ زمینوں میں آپ نے شعر کہے ہیں۔ سلاست آپ کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ کا مطبوعہ کلام بنام ''اذکارِ غیب'' دستیاب ہے۔
آپ کے وعظ کے محافل میں دور دراز سے لوگ شریک ہوتے تھے، علمی نکات اور شیریں بیانی آپ کے مواعظ کے جزوِلاینفک تھے۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر سے میز ان مواعظ کا سامعین پر ایسا اثر ہوتا کہ حب اللہ اور حب رسول اللہ سے نہ صرف سامعین کی آنکھیں نم ناک ہوتیں بلکہ کتاب و سنت کے سانچے میں ان کی زندگیاں بھی ڈھل جاتیں۔
آپ سادہ لوح، منکسر المزاج، نرم خو، تواضع شعار طبیعت کے مالک تھے اور عزلت پسندی اور امرائے سلطنت سے دوری اور گوشہ نشینی آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ بادشاہ وقت آصف سادس نواب میر محبوب علی خان غفران مکان جو زمانۂ دراز سے حضرت کی ملاقات کے مشتاق تھے، حضرت سیدنا بابا شرف الدین سہروردی کے عرس کے موقع پر پہاڑی شریف کے دامن میں سرراہ آپ سے ملاقات کا موقع پاکر آپ سے نیاز حاصل کی۔ دعاؤں کی درخواست کی اور حضرت نے دعاؤں سے نوازا۔ پھر یہ خواہش کا اظہار کیا کہ مجھے حکم فرمائیے میں حکم کی تعمیل کروں گا۔ حضرت نے صرف اتنا فرمایا آئندہ مجھ سے ملاقات مت کیجئے۔ حضرت بحر العلوم نے کیا خوب فرمایا:

مگن ہے اپنی کملی میں گدائے شاہِ جیلانی — پلٹ کر بھی سلاطین جہاں کو دیکھتا کب ہے

اسی مضمون کو حضرت کے برادر حضرت سید محمد یحییٰ حسینی حاذق نے اس طرح کہا:

نظروں میں مرے حاذقؔ شاہوں کی حقیقت کیا — ہے در پر جبیں سائی خواجہ کے، زمانے سے

حضرت سید محمد یحییٰ حسینی رحمۃ اللہ علیہ المعروف یحییٰ پاشاہ

آپ حضرت خواجہ محبوب اللہ کے منجھلے صاحبزادہ تھے۔ اپنے برادر معظم کے بعد جانشین ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد کے پاس ہوئی پھر اپنے چھوٹے چچا حضرت سید عمر حسینی کے پاس باضابطہ اکتساب علم کیا۔ بعدہٗ دار العلوم سے مولوی اور مولوی عالم کے امتحانات میں کامیاب کیے۔ والد بزرگوار کی رحلت کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر مدینہ طیبہ کا شرف حاصل کیا۔ والدہ نے ہجرت کی نیت سے وہیں قیام فرمایا اور مدینۃ النبی ہی میں انتقال فرمایا۔ اس زمانے میں حضرت یحییٰ پاشاہ نے وہاں مدرسہ فخریہ میں جید مدنی علما سے مختلف دینی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ پھر وطن واپس ہونے کے بعد اپنے پھوپھی زاد بھائی بحر العلوم حضرت عبد القدیر صدیقی کے پاس تفسیر و حدیث اور اپنے حقیقی ماموں حضرت سید شاہ غلام غوث شطاری کے پاس فقہ اور کلام کے علوم کی تکمیل کی۔ تصوف و سلوک کا

تکملہ آپ نے اپنے برادرِ معظم حضرت سید محمد عثمان حسینی فائق کے پاس کیا جنہوں نے علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی میں بھی آپ کی بہت رہبری فرمائی۔ اس کے علاوہ علم تجوید آپ نے اپنے چچا حضرت سید عمر حسینی سے حاصل کی۔ ابتدا سے خوش نویسی کی طرف طبعی میلان تھا جو آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ لہذا نسخ و نستعلیق کی تعلیم باضابطہ حاصل کی۔ نسخ میں آپ کے برادر معظم حضرت عثمان حسینی سے آپ کو تلمذ حاصل تھا اور نستعلیق میں آپ نے مولوی ہاشم علی صاحب خوش نویس سے رجوع ہو کر مہارت حاصل کی۔ علوم دینیہ کے سوا شاعری اور فن سپہ گری میں بھی آپ کو خاصہ ملکہ تھا۔ چنانچہ ابتداً آپ نے اپنا کلام اپنے برادر معظم کو دکھایا، پھر بعد میں استاد فصاحت جنگ جلیل جو کہ آصف سادس اور آصف سابع کے استاد تھے ان کو کلام دکھانے لگے۔ پھر مستقلاً استاد ثاقب بدایونی کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ چنانچہ آپ کے کلام کا بیشتر حصہ انہیں کا دیکھا ہوا ہے۔ آپ کا مجموعہ کلام بنام ''انوارِ غیب'' طبع ہو چکا۔ جس میں رباعیات، غزل، ٹھمری، گیت اور مثنوی بھی موجود ہے۔ اردو کے سوا فارسی اور ہندی میں بھی آپ نے طبع آزمائی فرمائی ہے۔ آپ کا کلام حمد، نعت، اور منقبت پر مشتمل ہے۔

آپ کی نثری تخلیقات

نثری تخلیقات میں سب سے اہم آپ کی کتاب ''نور ہدایت'' ہے جس میں دو فرضی اشخاص حمید اور رشید کے درمیان مکالمہ کو آپ نے مختلف فیہ اور ما بہ النزاع موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے قرآن، حدیث، اقوال صحابہ و ائمہ کی روشنی میں معترضین کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا۔ اس کتاب میں جو موضوعات شامل کیے گئے ہیں حسبِ ذیل ہیں۔

(1) زیارتِ قبور	(2) احترام قبور
(3) سماعِ موتہ	(4) شہدا کی زندگی اور ان کے اقسام
(5) استعانت (6) عبادت	(7) اولیائے کرام کے مراتب
(8) اِیاک نعبد و اِیاک نستعین کی خصوصی تشریح	(9) عینیت و غیریت پر جامع بحث
(10) توکل	(11) سجدہ اور اس کے اقسام (12) ندا (13) استمداد
(14) علمِ غیب	(15) نذر و نیاز
(16) صدقہ کی تشریح	(17) تقبیل
(18) اقسام حدیث	(19) مختصر حالات محدثین۔

آپ نے مخصوص عنوانات پر مضامین بھی تحریر فرمائی جو مختلف رسائل و جرائد میں طبع ہوئے، جن میں قابل ذکر ''النور'' جو آپ کے برادرِ صغیر حضرت مولانا سید محمد باقر حسینی فقیر پاشاہ کی ادارت میں شائع ہوتا تھا اور ماہنامہ القدیر جو حضرت بحر العلوم کی سرپرستی میں شائع ہوا کرتا تھا۔ ان کے سوا اور بھی جرائد میں مضامین شائع ہوئے لیکن وہ ناپید ہیں۔

مضامین کے عنوانات عقائد و اعمال کی اصلاح کے نقیب ہوا کرتے تھے چنانچہ حب مصطفیٰ ﷺ پر بہت ہی بسیط اور ایمان افروز مضمون ہے اور کیفیت نفس پر تحریر شدہ مضمون میں نفس کے اقسام، ان سے متعلق بعض اولیائے کرام اور اسلاف کے واقعات ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ آپ کا مضمون "ضروریاتِ مرید" راہِ خدا میں سلوک کی منازل طے کرنے والوں کے لیے رہبر راہ بھی ہے اور عملی تصوف کا بیش بہا خزینہ بھی، اس میں آیت قرآنی کے سوا عربی اور فارسی اشعار بھی پیش کیے گئے ہیں۔ اسی طرح "دعا" مضمون میں آپ نے بندہ، خواہ وہ شاہ ہو یا گدا، ادنیٰ ہو کہ اعلیٰ، اس کی اپنے رب کے حضور احتیاج کو بڑے مؤثر انداز میں پیش فرمایا اور قرآن و حدیث سے دعا کے فضائل بیان فرمائے اور مؤمن کے ایمان و یقین کی کیفیات کو دلچسپ انداز میں ذکر فرمایا ہے۔

حضرت یحییٰ پاشاہ کے صاحبزادگان

حضرت یحییٰ پاشاہ کو اللہ تعالیٰ نے 4 صاحبزادگان عطا فرمائے تھے جو حسب ذیل ہیں:

خلف اکبر حضرت حافظ سید محی الدین حسینی چاند پاشاہ علیہ الرحمہ جن کی پیدائش یکم رمضان 1324ھ کو بوقت تراویح ہوئی۔ آپ نے 17 سال کی عمر میں مدرسہ حفاظ مکہ مسجد سے تکمیل حفظ قرآن کیا۔ پھر آپ نے حضرت سید سعود حسینی میاں محمد صاحب سے علم حاصل کیا جو رشتہ میں آپ کے خالو اور چچا بھی تھے اور جامعہ نظامیہ سے مولوی اور عالم کے امتحانات کامیاب ہوئے۔ حصول ملازمت کی وجہ سے آگے تعلیم جاری نہ رہ سکی، لیکن تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، تصوف کی تعلیم آپ نے حضرت مولانا سید محمد قطب الدین حسینی محمودی اور بحر العلوم حضرت مولانا عبد القدیر صدیقی سے حاصل کی۔ قرأت میں فنِ تجوید کے اساتذہ میں شمار کیے جاتے رہے۔ امام القراء حضرت میر روشن علی صاحب کے پاس سبعہ و عشرہ کی روایات سے قرآن ختم کیا۔ انہوں نے آپ کو معین القراء کا خطاب عطا کیا۔ ابتدائے عمر ہی سے ریاضت و عبادات، مجاہدات سے آپ کا شغف رہا۔ آپ ایک بہترین واعظ ہونے کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کے مایہ ناز معلم بھی تھے۔ چنانچہ تجوید، حدیث اور تصوف کے درس میں آپ کے پاس سینکڑوں طلبا و طالبات نے شرکت کر کے اس فن میں کمال حاصل کیا۔ راقم الحروف ڈاکٹر سید محمد محمود صفی اللہ و قارؔ نے بھی علم تجوید، حدیث، تفسیر اور تصوف اپنے اس مشفق اور بزرگ عمِ محترم سے اکتساب کیا۔ آپ کو فارسی، عربی، اردو تینوں زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ گلستانِ سعدی اور دیوانِ حافظ اکثر آپ کی زبان زد رہتے۔ آپ ایک بہترین شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ پختہ کار نثر نگار بھی تھے، چنانچہ اپنے جد حضرت خواجہ محبوب اللہ کی سوانح بنام گلدستہ تجلیات آپ ہی کی تصنیف لطیف ہے اور اپنے والد ماجد حضرت یحییٰ پاشاہ کی زندگی کو آپ نے بنام مظہر انوار مرتب کیا۔ ایک کتاب "بیعت و نسبت" کے نام سے بھی تالیف فرمائی۔

تقریباً نصف صدی تک آپ نے ذکر واذکار، درس و تدریس کی خدمات اپنے جد امجد اور والد گرامی کی خانقاہوں میں انجام دی۔ ہزاروں لوگ آپ کے فیض سے سیراب ہوئے۔ اس کے سوا حیدرآباد کی عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی جامعہ نظامیہ کے آپ رکن انتظامی بھی رہے اور مجلسِ علمائے دکن کے رکن کی حیثیت سے بھی آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔ امداد باہمی کے مقصد سے قائم کردہ

تنظیم ''انجمن معین الملت'' جس کے بانی مولانا ابوالفضل سید محمود صاحب سیشن جج تھے، اس کے تاحیات آپ صدر رہے۔ آپ کا حمد، نعت اور منقبت پر مشتمل مجموعہ کلام (گفتارِ غیب) کے نام سے چھپ کر عوام وخواص دونوں میں مقبول ہوا۔ آپ نے فقہ حنبلی پر مختصر رسالہ بنام مختصر فقہ حنبلی ترتیب دیا جو آپ کے جد حضرت خواجہ محبوب اللہ کے مفصل فقہی تصنیف زادِ آخرت کی تلخیص ہے۔

حضرت یحییٰ پاشاہ کے دوسرے صاحبزادہ حضرت حافظ سید محمد ابراہیم حسینی ولی پاشاہ کی ابتدائی تعلیم بھی اپنے والد ماجد حضرت یحییٰ پاشاہ کے پاس ہوئی پھر حضرت مولانا سید مسعود حسینی محمودی سے اکتساب علم کیا۔ بعدہٗ جامعہ نظامیہ سے مولوی فاضل کی تکمیل کی۔ مدرسہ حفاظ مکہ مسجد سے اپنے برادر کلاں حضرت سید محی الدین حسینی کے ساتھ حفظ کی تکمیل کی اور امام القراء حضرت میر روشن علی صاحب سے تجوید میں سبعہ و عشرہ روایات کے ساتھ قرآن مجید مکمل کیا۔ امام القراء نے آپ کو امین القراء کا لقب عطا کیا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق اور تصوف کی تعلیم بحر العلوم حضرت عبد القدیر صدیقی کے پاس مکمل کی۔ اپنے متوسلین کو قرآن و سنت کی تعلیم سے بہرہ ور کیا۔ رشد وہدایت کی ذمہ داری تاحیات نبھاتے رہے۔ فنِ تجوید، تصوف اور فقہ میں بہت سے لوگ آپ سے فیضیاب ہوئے۔ آپ بھی جامعہ نظامیہ اور مجلسِ علمائے دکن کے رکن رہے اور اسی طرح انجمن معین الملت کے بھی تاحیات رکن رہے۔ آپ مدرسہ حفاظ مکہ مسجد میں بحیثیت صدر مدرس آخر زمانۂ حیات تک خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ اپنی آبائی خانقاہ شریف میں وعظ بھی کیا کرتے تھے۔ شاعری سے شغف آپ کو میراث میں ملا تھا۔ واثقؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ کا حمد، نعت اور منقبت پر مشتمل مجموعہ کلام ''انوارِ مدینہ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ رباعیات اور منظوم قطعاتِ تاریخ کے فن میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ بحیثیت حافظِ قرآن آپ نے مسجد نور، قاضی پورہ میں کئی سال تراویح میں قرآنِ مجید سنایا ہے۔

حضرت یحییٰ پاشاہ کے تیسرے صاحبزادے حضرت حکیم سید محمد عثمان حسینی ذکیؔ علیہ الرحمہ المعروف بہ مرشد پاشاہ ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد کے پاس ہوئی۔ اس کے بعد جامعہ نظامیہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے فاضل کی سند حاصل کی۔ مزید برآں بحر العلوم حضرت عبد القدیر صدیقی، علامہ سید محمود صاحب سابق خطیب مکہ مسجد اور علامہ مفتی عبد الحمید صاحب سابق شیخ الجامعہ نظامیہ کے پاس زانوئے تلمذ طے کیا۔ اور امام القراء میر روشن علی صاحب سے فنِ تجوید میں اکتساب کیا اور سبعہ و عشرہ کی روایات کے ساتھ قرآن کی تکمیل کی۔ فنون سپہ گیری بحر العلوم حضرت عبد القدیر صدیقی اور حضرت مولانا سید قطب الدین حسینی محمودی سے سیکھے۔ آپ پنجہ کشی، گھڑ سواری اور نشانہ بازی میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ ایک بہترین تیراک بھی تھے اور تالاب میر عالم کا مکمل چکر لگاتے تھے۔ آپ نے نظامیہ طبی کالج سے طبیب مسند اور طبیب ماہر کی سندیں حاصل کی تھی اور فنِ طب میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ ابتداء میں ورنگل میں ناظم الاوقاف مقرر ہوئے لیکن پیر اور والد کے حکم پر اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور نظامیہ طبی کالج میں بحیثیت پروفیسر اور شفاخانہ یونانی میں سینئر ریسرچ آفسر کی حیثیت سے وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوشی حاصل کی۔ آپ وجع مفاصل، فالج، برص، گنج پن، سرطان اور امراض قلب کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ہزاروں مریض آپ کے علاج سے شفایاب ہوئے۔ چنانچہ فنِ طب کی ماہرین کی ایک جماعت جو روس سے آئی ہوئی تھی آپ کے کمالِ فن کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور یونانی طب پر اپنے ملک

واپس جا کر ایک کتاب شائع کی جس کے سرورق پر بحیثیت طبیب حاذق آپ کی تصویر چھاپی۔

1979ء سے 1989ء تک آپ معتمد صدر مجلس علمائے دکن کے عہدہ پر فائز رہے اور آپ نے مجلسِ علمائے دکن اور اس کے تحت کام کرنے والی رویت ہلال کمیٹی کو نہ صرف فعال اور کارگر دبنایا بلکہ اس کی خدمات کو بلندیوں تک پہنچایا اور پورے ملک میں اس تنظیم کے معاون اراکین منتخب کر کے اس کے میدانِ عمل کو وسعت دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومتِ وقت مسلمانوں کے اہم دینی و ملی مسائل میں اس تنظیم سے رہبری حاصل کرتی تھی اور اس کی سفارشات کو قبول کرتی تھی چنانچہ میلاد النبی کی عام تعطیل جو مرکزی حکومت کے ادارہ جات اور لیبر ہالی ڈے کی حیثیت سے سرکاری کیلنڈر میں شامل نہیں تھی، آپ ہی کی نمائندگی پر حکومت نے اس تعطیل کا اعلان کیا۔ آپ نے مجلس علمائے دکن کا ایک نمائندہ وفد جو حضرت مولانا سید محمد قادری علیہ الرحمہ، مولانا جلال الدین حسامی کامل اور جسٹس عبد الستار صاحب پر مشتمل تھا، ان کو اس وقت کے وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی کے پاس نمائندہ کے لیے روانہ فرمایا اور اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اس نمائندگی کو قبول کیا اور سرکاری سطح پر تمام مرکزی دفاتر اور ادارہ جات میں اس کو عام تعطیل اور لیبر ہالی ڈے قرار دیا۔ آپ نے دار القضاء بھی قائم فرمایا، جس میں ماہرین قانون اور علما پر مشتمل ایک علمی بنچ ہوا کرتا تھا جو مسلمانوں کے نجی، عائلی اور قانونی مسائل میں ان کی رہبری کرتا تھا اور ان کی سفارشات کو ریاستی ہائی کورٹ قبول کرتا تھا۔

غریبوں، مفلسوں اور فریادرسوں کی ہر وقت مدد کرنا اور فقرا اور معذورین کی خبر گیری کرنا یہ آپ کا روز کا معمول تھا۔ آپ نے مسجد حکیم میر وزیر علی میں تفسیر اور فقہ کے درس کا سلسلہ شروع کیا تھا جو لگ بھگ 7 سال جاری رہا پھر مسجد قادرالولد کوٹلہ عالیجاہ اور مسجد صغران قاضی پورہ میں تفسیر، حدیث اور فقہ کے درس کا سلسلہ جاری فرمایا۔ راقم الحروف ڈاکٹر سید محمد محمود صفی اللہ وقار نے ان مجالسِ دروس میں اپنے والدِ گرامی سے اکتساب کیا۔

آپ ایک پر گو شاعر تھے۔ حضرت کامل شطاری اور یاور علی خنجر سے آپ کو تلمذ حاصل تھا۔ آپ کا مجموعہ کلام بنام ''اظہار غیب'' جو حمد، نعت، منقبت اور غزلیات پر مشتمل ہے طبع ہو چکا ہے۔

حضرت یحییٰ پاشاہ کے چوتھے اور آخری صاحبزادے مجاہد الاسلام حضرت سید محمد قادری علیہ الرحمہ ابتدائی تعلیم والد بزرگوار کی نگرانی میں ہوئی مدرسہ دار العلوم سے میٹرک میں امتحان کامیاب ہوئے پھر منشی فاضل کی سند حاصل کی۔ آپ عربی، اردو اور فارسی زبان سے کماحقہٗ واقف تھے۔ ریاستی سیکریٹریٹ میں گزیٹیڈ آفسر کی حیثیت سے حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ سیکریٹریٹ میں مسجد کی تعمیر آپ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ تھی۔ بہت سے دینی، ملی اور اسلامی اداروں کی آپ نے سرپرستی فرمائی۔ سقوطِ حیدرآباد کے بعد مدارس سے اخلاقی و دینی تعلیم کو نصاب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ ایسے میں آپ نے انجمن قادری کے نام سے قائم کردہ تنظیم کی نہ صرف سرپرستی فرمائی بلکہ اس کا احیا فرمایا اور اس تنظیم کی وساطت سے صرف ریاست آندھرا پردیش ہی نہیں بلکہ کرناٹک اور مہاراشٹرا کے وہ علاقے جو دکن میں شامل تھے وہاں بھی دینی مدارس اور مساجد میں بنیادی دینی تعلیم نصاب کو رائج فرمایا اور ایک جامع نصاب کے تحت رسالۂ دینیات کے نام سے چار جلدوں پر مشتمل کتب شائع کروائیں جس کے تحت ہر سال امتحانات منعقد کیے جاتے تھے اور طلبا و

طالبات میں جذبۂ مسابقت کو بڑھاوا دینے کے لیے سند کے ساتھ قیمتی انعامات سے نوازا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کی ان کاوشوں نے شہر اور اضلاع میں دینی مدارس کا ایک جال سا بچھا دیا اور پڑوس کی ریاستوں سے بھی طلبا و طالبات شریک امتحان ہونے لگے۔ اور اس کام کو عوامی تحریک کی شکل دینے کے لیے ہر سال ایک عظیم الشان دینی تعلیمی ریلی کا انعقاد عمل میں لایا جانے لگا، جس میں ہزاروں فرزندان توحید شریک ہوتے اور پلے کارڈس، ٹیبلوس، تہذیبی اور ثقافتی ماڈلس کے ساتھ اس ریلی کو ایمان افروز اور روح پرور بناتے۔ اس ریلی کی قیادت نامور علما و مشائخ فرماتے جس میں ریاست کے وزیر اعلی، گورنر اور ریاستی و مرکزی وزرا شامل ہوا کرتے تھے۔ اس کے سوا انجمنِ قادریہ کے تحت حضرت مولانا سید محمد قادری علیہ الرحمہ نے ایک دینی تعلیمی ٹرسٹ بھی قائم فرمایا تھا جہاں اساتذۂ دینی تعلیم کی تربیت کے لیے سالانہ ورکشاپ بھی منعقد کیا جاتا تھا۔ آپ فطرتاً بڑے بے باک اور عوامی، ملی اور دینی مسائل کی نمائندگی کے لیے ہر وقت بہر طور تیار رہتے تھے۔ مذہبی اور ملی جلسوں میں آپ اپنے انفرادی انداز سے خطاب فرماتے اور سامعین کو متاثر کرتے تھے۔ 1978ء سے آپ کے انتقال تک آپ مجلسِ علما اور دارالقضاء کے رکن رہے۔ گو آپ مستقل شاعر تو نہیں تھے لیکن نعت، منقبت کی اصناف میں آپ نے گاہے بہ گاہے شعر کہے ہیں، برقؔ تخلص فرماتے تھے۔ کبھی کبھی دینی موضوعات پر مضامین بھی تحریر فرمائے ہیں۔

حضرت سید محمد باقر حسینیؔ طارق علیہ الرحمہ

آپ حضرت خواجہ محبوب اللہ کے تیسرے اور سب سے چھوٹے صاحبزادہ تھے۔ 11 / رمضان 1305ھ کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ فقیر پاشاہ حضرت سے معروف تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت برادر معظم حضرت سید محمد عثمان حسینی فائق کے زیر نگرانی ہوئی۔ والدۂ ماجدہ کے ساتھ سفر مدینہ طیبہ میں آپ نے مدرسۂ فخریہ میں شریک ہو کر وہاں کے علما سے تحصیل علم فرمایا۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ خانگی طور پر اپنے عم محترم حضرت شمس المفسرین سید محمد عمر حسینی خلیق علیہ الرحمہ اور آپ کے پھوپھی زاد بھائی اور خسر حضرت بحر العلوم عبد القدیر صدیقی سے تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، تصوف اور تاریخ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ یونانی طب میں بڑی مہارت رکھتے تھے اس کے علاوہ آیورویدک طریقۂ علاج سے بھی خوب واقف تھے۔ سینکڑوں مریض آپ سے رجوع ہو کر شفایاب ہوتے تھے۔ آسیبی معالجات میں آپ کمال رکھتے تھے۔ جو مریض کئی دروازوں پر دستک دے کر مایوس ہو جاتے وہ آپ کے درِ دولت سے شفایاب ہوتے۔ فنِ طب میں آپ کو حکیم ہری گوبند سے تلمذ حاصل تھا۔ حکومت وقت نے آپ کو افسر الاطبا کے خطاب کی پیشکش کی تھی لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ حضرت سید محمد باقر حسینی علیہ الرحمہ نے ایک علمی، دینی ماہنامہ "النور" کے نام سے جاری فرمایا تھا جو عوام اور خواص ہر دو طبقات میں بے حد مقبول تھا۔ اکابر علما، مشائخ اور صوفیا کے علمی، اخلاقی مضامین کے سوا حکما کے طبی مضامین اور نامور شعرا کا کلام اس میں شامل ہوا کرتے تھے۔ آپ نے اس رسالہ میں کئی علمی مضامین تحریر فرمائے جس کو علمی حلقوں میں بہت سراہا گیا۔ اس رسالہ کی مقبولیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بحر العلوم حضرت

محمد عبد القدیر صدیقی، مولانا اسد اللہ صدیقی سابق سیشن جج، حضرت فصاحت جنگ جلیل استاد نظام سادس و سابع، مولانا سید مناظر احسن گیلانی سابق پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی نے اس رسالہ کی تعریف و توصیف کی ہیں اور ان ذی علم حضرات نے اس رسالہ کی افادیت اور اس کے علمی مرتبہ اور اس کے مدیر حضرت مولانا سید محمد باقر حسینی کی شخصیت کے علم و کمال کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ، اس رسالہ کو دیگر رسالہ جات سے ممتاز قرار دیا اور اس کو علم و ادب کے باب میں ایک قیمتی اضافہ سے تعبیر کیا۔ آپ ایک اچھے نثر نگار بھی تھے اور بعض کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ جس میں قابل ذکر آپ کے جد حضرت سید محمد بادشاہ حسینی پاشاہ میاں صاحب کے عربی رسالہ عقائد شاہ کا اردو ترجمہ شامل ہے جو کہ حضرت سید محمد بادشاہ حسینی نے اپنے قیام مدینہ پر تحریر فرمایا تھا، جس میں مختلف فیہ اور ما بہ النزاع عقائد پر مختصر لیکن مدلل مضامین شامل ہیں، جن پر علمائے عرب، مفتیانِ حرمین شریفین اور خطبائے مساجد حرمین شریفین کی اثباتی رائے موجود ہیں اور ان کی دستخط مہر کے ساتھ ثبت کی گئی ہیں۔ آپ کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف ''معبر صادق'' کے نام سے اردو زبان میں موجود ہے جو خوابوں کی تعبیر پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں ایک بے نظیر کتاب ہے جس میں آپ نے قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ کے اقتباسات کو بھی شامل فرمایا اور رویۂ صادق اور رویہ کاذب کے فرق کو واضح فرمایا اور خوابوں کی سچائی کے لیے وقت، دن، تاریخ کی اہمیت کو اجاگر کیا اور اس سلسلے میں آپ نے حضرت سیدنا جعفر صادقؑ اور حضرت ابن سیرین اور امام کرمانی کی کتب سے استفادہ کر کے خوابوں کے گنجلک مسائل کو بڑی آسانی کے ساتھ حل فرمایا۔

حضرت باقر حسینی کو شاعری سے خاص شغف تھا۔ طارقؔ تخلص فرماتے تھے۔ استاذ ثاقب بدایونی سے تلمذ حاصل تھا۔ حمد، نعت، منقبت غزل یہ آپ کے کلام کے اجزا ہیں۔ آپ کا کلام فنِ شاعری کے اعتبار سے قادر الکلامی، تنوع، ضرب الامثال، تلمیحات اور سلاست کا ایک حسین مرقع ہے۔ عشقِ حقیقی کی چاشنی اور سوزِ غم کی سوزش اور حقیقت و معرفت کی سرنہانی آپ کے کلام کا خاصہ ہے۔ آپ کا کلام طبع ہو کر علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔

حضرت فقیر پاشاہ کے بڑے صاحبزادہ حضرت سید جعفر صادقؔ حسینی 3 شوال 1323ھ بروزِ جمعہ پیدا ہوئے۔ بچپن سے ذہین ہونے کے ساتھ مزاجاً تواضع پسند تھے۔ انکساری آپ کا امتیاز تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اس کے بعد معروف علما کے پاس درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ جن میں قابلِ ذکر بحر العلوم حضرت عبد القدیر صدیقی ہیں۔ فقیرانہ خو پائی تھی۔ تسلیم و رضا آپ کی جبلت میں تھی۔ عربی زبان نہایت عمدہ تھی اور عربی میں بے تکلف گفتگو کیا کرتے تھے۔ ایک اچھے طبیب ہونے کے علاوہ بہترین انشاپرداز، افسانہ نگار اور شاعر بھی تھے۔ آپ کا کلام حمد، نعت اور منقبت کے نگینوں سے مرصع ہے۔ افسانہ نگاری میں آپ کو کمال حاصل تھا اور آپ نے کئی افسانے تحریر فرمائے۔ جن میں انوکھی صدا، پراسرار جنگل، رہروانِ عدم، تصویر خواب، دولت کا فریب وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کے بعض مضامین رسالہ نور میں شائع ہوئے ہیں جن میں (وما أرسلنک إلا رحمۃ للعالمین) آیت مبارکہ کی تشریح پر ایک جامع مضمون ہے، اس کے سوا فیض صحبت، انسان سے حیوانات کا انس وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کا کلام زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوا لیکن اکثر محافل و مجالس میں بصد شوق پڑھا اور سنا جاتا ہے اور کلام کی دلنشینی اور اثر آفرینی سامعین پر ایک کیف سا

طاری کر دیتی ہے۔

حضرت فقیر پاشاہ کے چھوٹے صاحبزادہ حضرت سید عبد القادر حسینی حامدؔ پاشاہ صاحب علیہ الرحمہ ہیں۔ آپ اپنے برادر اکبر حضرت سید جعفر صادق حسینی کی رحلت کے بعد اپنے والد کے جانشین مقرر ہوئے اور اپنے آبائی منصب رشد و ہدایت اور محافل اور مجالس کا انصرام جاری رکھا۔ والد بزرگوار سے جو علم ورثے میں ملا تھا اسی کی بنیاد پر لوگوں کا معالجہ کرتے رہے۔ آپ نے بھی روحانی علاج معالجہ کے ذریعے حتیٰ المقدور عوام کو فیض پہنچانے کی کوشش کی۔ کبھی کبھی طبیعت کی موزونیت پر شعر کہا کرتے تھے اور محافلِ سخن اور مشاعروں کے پابند نہیں تھے۔ جو کلام آپ کا دستیاب ہوا ہے اس کا مجموعہ ''کنز العرفان'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ کلام میں سلاست اور تغزل کے سوا آپ کے جذبۂ عقیدت کا رنگ غالب ہے، نعت و منقبت کے اشعار آپ کی آہنگ کے ترجمان ہیں۔

* * * * *

خانوادۂ گُلسرم و کُر کُندہ شریف کی علمی، ادبی و سماجی خدمات

سید شاہ حسینی پیراں*

ہندوستان میں دین کے فروغ اور مذہبی افکار کی اشاعت میں صوفیائے کرام کا کردار نہایت اہم اور تاریخ ساز رہا ہے۔ خصوصاً دکن کی تاریخ اس بات کی روشن شہادت ہے کہ یہاں کے صوفیہ نے اسلام کی دعوت و تعلیمات کو عام کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ دکن کے اہم شہروں—حیدرآباد، گلبرگہ، بیدر، بیجاپور، اورنگ آباد، احمد نگر وغیرہ—میں صوفیانہ اثرات صدیوں سے نمایاں رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ اس خطے کی کئی بستیاں ترقی پا کر اضلاع میں تبدیل ہوئیں، جیسے یادگیر جو کبھی گلبرگہ کا تعلقہ تھا، آج ایک مستقل ضلع ہے۔

ضلع یادگیر، جو تاریخی طور پر دکن کا حصہ رہا ہے، بے شمار اولیائے کرام کے مزارات کا مرکز ہے جہاں سے آج بھی عوام و خواص فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔ یادگیر شہر سے تقریباً آٹھ کلو میٹر دور قدیم قصبہ گُلسرم واقع ہے—جسے غیر مسلم کنڑ زبان میں "گلسڑگی" کہتے ہیں۔ اس قصبے کی شہرت کا سب سے روشن پہلو حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی شیر سوار کا مزار مبارک ہے، جو ایک جلیل القدر ولی اور شہنشاہِ کرامات کے طور پر معروف ہیں۔ ملک کے مختلف حصوں سے عقیدت مند آج بھی ان کے آستانے پر حاضری دیتے ہیں۔ گلسرم شریف سے تقریباً 16 کلو میٹر کے فاصلہ پر ایک گاؤں 'کُرکُنْدَہْ' (Kurkunda) موجود ہے۔ اس قریہ میں نبیرۂ حضور غوث اعظم حضرت سید شاہ فتح اللہ قادری کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ جو بغداد سے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے یہاں تشریف لائے۔ یہ دونوں صوفیائے کاملین ہم عصر ہیں۔ حضرت سید جلال الدین حسینی شیر سوار سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسل مبارک سے ہیں تو حضرت سید فتح اللہ قادری حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی نسل مبارک سے ہیں۔

حضرت سید جلال الدین حسینی کی ہمشیرہ سیدہ بی بی چاند بزرگ رحمۃ اللہ علیہا کا نکاح حضرت سید شاہ فتح اللہ قادری سے ہوا۔ جب کہ حضرت سید جلال الدین حسینی نے نکاح نہیں فرمایا۔ اور جب اپنی بہن حضرت بی بی چاند بزرگ کو لڑکا تولد ہوا تو حضرت سید جلال الدین حسینی نے ان کو اپنا فرزندِ آغوشی بنایا اور اپنے ساتھ گلسرم لائے۔ حضرت سید جلال الدین حسینی نے اپنے خواہر زادہ (بھانجے) کا نام سید اسد اللہ حسینی رکھا، خود ہی پرورش اور تعلیم و تربیت فرمائی۔ ان کو اپنے ساتھ تبلیغ و اشاعت دین میں رکھا، سلوک کے منازل سے گزار کر اپنا خلیفہ و جانشین منتخب فرمایا۔ حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی کے وصال کے بعد آپ کے خواہر زادے (بھانجے) حضرت سید شاہ اسد اللہ الحسنی والحسینی کو مسندِ رشد وہدایت تفویض ہوئی۔ انہی کی اولاد سے خانوادۂ گُلسرم و کرکندہ شریف کا سلسلہ آگے بڑھا، جو آج تک برقرار ہے۔ یہ معظم خانوادہ سلسلۂ غوثِ اعظم سے تعلق سے رکھتا ہے۔

* ریسرچ اسکالر، سی پی ڈی یو ایم ٹی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد

حضرت سید اسد اللہ الحسنی والحسینی کو سلسلہ چشتیہ میں حضرت سید جلال الدین حسینی شیر سوار سے اور سلسلہ قادریہ میں اپنے والد گرامی حضرت سید شاہ فتح اللہ قادری سے نعمت خلافت واجازت حاصل تھی۔ گلسرم و کرکندہ شریف میں موجود دو عظیم بار گاہوں کے پہلے سجادہ نشین حضرت سید اسد اللہ الحسنی والحسینی ہی ہوئے۔ انہی کی نسل سے گذشتہ ساڑھے پانچ سو سال سے خانوادۂ گلسرم و کرکندہ شریف کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ اور کرکندہ شریف اور گلسرم شریف کے دونوں بار گاہوں کے ایک ہی سجادہ نشین ہیں۔

خانوادۂ گلسرم و کرکندہ شریف کے بزرگوں کے احوال و آثار پر مشتمل علمی ذخیرہ سقوطِ حیدرآباد کے سانحے میں بڑی حد تک تلف ہو گیا تھا۔ 2011ء میں جب راقم نے اس خانوادے کی تاریخ و خدمات پر تحقیق کا آغاز کیا تو تحریری ماخذ بہت محدود دستیاب تھے۔ البتہ چند قلمی بیاضات اور بعض بزرگوں کے پاس محفوظ روایات میسر آئیں۔ اس کے بعد گلسرم، کرکندہ، یادگیر، گوگی، سگر، گرمٹکال، رائچور، کولم پلی، کرنول اور محبوب نگر وغیرہ کا سفر کیا گیا اور مقامی اہلِ علم کے ساتھ ساتھ متعدد سجادگان سے بھی ملاقاتیں کی گئیں۔ ان ملاقاتوں سے اکابرینِ گلسرم و کرکندہ شریف کے حالات وروایات جمع کیے گئے، جنہیں بعد ازاں خانوادے کے بزرگوں کی خدمت میں پیش کیا گیا اور ان کے علم و تجربے کی بنیاد پر ان کی توثیق کی گئی۔ انہی مستند معلومات کی روشنی میں راقم کو "تذکرۂ اولیائے گلسرم شریف" مرتب کرنے کی توفیق ہوئی، اور تحقیق کا سلسلہ کتاب کی اشاعت کے بعد بھی جاری رہا۔ یہی سلسلۂ تحقیق اس مقالے کا بنیادی ماخذ ہے۔

اس مقالے میں حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی شیر سوار، حضرت سید شاہ فتح اللہ قادری (کرکندہ شریف)، اور حضرت سید شاہ اسد اللہ الحسنی والحسینی کی حیاتِ مبارکہ اور فروغِ اسلام میں اُن کی گراں قدر خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ موجودہ خانوادے کی دینی وسماجی خدمات بھی پیش کی گئی ہیں۔

حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی شیر سوار گلسرم شریف

سرکارِ مدینہ کا جلوہ ہیں جلال الدین　　　بہتا ہوا ایک فیض کا دریا ہیں جلال الدین

ڈاکٹر وحید انجم گلبرگہ

پیدائش اور ابتدائی حالات:

آپ کا نام سید جلال الدین حسینی ہے، آپ کی ولادت باسعادت 858ھ گوگی شریف میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت سید شاہ نور عالم حسینی ہیں۔ اور آپ کے دادا قطب الاقطاب حضرت سید شاہ چندا حسینی گوگی شریف ہیں۔ جن کا سلسلۂ نسب 23/ واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسین بن علی کرم اللہ وجہہ الکریم ورضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔ عوام میں آپ 'جلال ڈونگری' صاحب سے بھی معروف ہیں۔

حضرت جلال الدین حسینی کا سلسلۂ نسب:

آپ کا سلسلہ نسب 25 واسطوں سے امیر المومنین سیدنا علی ابن طالب رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔

سید شاہ جلال الدین حسینی (شیر سوار) بن سید شاہ نور عالم حسینی بن قطب دکن حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی المعروف بہ چندا حسینی بن سید علی بن سید خضر بن سید محمد بن سید احمد بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید حسین بن سید سراج الدین بن سید شرف الدین بن سید زین العابدین بن سید حسین بن سید محمد عبد اللہ بن سید محمد بن سید عبد العزیز بن سید یحییٰ بن سید حسین رضا بن سید حسن مجتبیٰ بن سید حسین اصغر بن سید علی اصغر بن سید زید مظلوم بن سید امام زین العابدین بن سید الشہدا امام حسین بن امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

"شیر سوار" کی وجہ تسمیہ:

حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی کی ایک منفرد شان یہ بھی تھی کہ آپ کی سواری کے لیے ہمیشہ شیر حاضر خدمت رہا کرتا تھا۔ آپ اس پر سواری فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ قریہ 'ڈور نہلی' کے جنگل سے گلسرم شریف تشریف لارہے تھے، اس وقت جنگل میں جتنے جانور تھے سارے حضرت کے سامنے باادب کھڑے ہوگئے۔ ان جانورں میں بہت سارے شیر بھی تھے۔ حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی نے ان میں سے ایک شیر کو اپنی انگشت مبارک سے اشارہ فرمایا تو وہ آپ کے قریب حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو اپنی سواری کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ کی صحبت کی برکت سے اس شیر میں حیوان مفترس (چیر پھاڑنے والا) والی صفت ختم ہوچکی تھی، جب بھی بھوک ہوتی وہ آپ کے پاؤں کا انگوٹھا چوس لیتا اور سیر اب ہو جاتا۔ اسی شیر سواری کی نسبت سے آپ کو شیر سوار کہتے ہیں۔[1]

بیعت وخلافت:

حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی کی ابتدائی تعلیم وتربیت آپ کے والد ماجد حضرت سید شاہ نور عالم حسینی (مدفون گوگی) نے فرمائی اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت سید شاہ نور عالم حسینی کے 6/ فرزندان تھے۔ اور سب کے سب درجۂ ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ ان سبھی کے مزارات دکن کے مختلف مقامات پر فیض کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی ان ہی میں سے ایک ہیں۔

حضرت سید شاہ نور عالم حسینی نے اپنے فرزند سعادت شعار و مرید خاص حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی کو ان کی جائے پیدائش سے کوچ کرنے کا حکم دیا، والد گرامی کے حکم پر آپ نے اپنے وطن کو چھوڑ کر رائچور کا قصد فرمایا۔ رائچور پہنچنے کے بعد اپنے عم محترم قطب رائچور حضرت سید شاہ شمس عالم حسینی سے ملاقات کی اور (موجودہ) بار گاہ رائچور کے روبرو پہاڑ پر قیام فرمایا۔ آج بھی اس پہاڑ پر حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی کا چلہ مبارک موجود ہے۔ اور یہ پہاڑ، ''جلال پہاڑ'' سے بھی جانا جاتا ہے۔ والد محترم کی تربیت کے بعد آپ کے حقیقی چچا محترم حضرت سید شاہ شمس عالم حسینی قطب رائچور نے آپ کی روحانی تربیت فرمائی اور ظاہری علوم کے لیے ایک

[1] تذکرہ اولیاء گلسرم شریف، از: سید شاہ حسینی پیراں، سن اشاعت: 2018ء بموقع 528واں عرس مبارک حضرت ممدوح، ناشر خانقاہ گلسرم شریف

استاد کو مقرر فرمایا۔ حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی نے اپنے چچا محترم اور استاد محترم سے مزید علوم ظاہری و باطنی کو حاصل کیا اور جب تک آپ کے علوم ظاہری کے استاد محترم بقید حیات رہے ان سے اکتساب علم کیا اور استاد محترم کے وصال کے بعد بھی کچھ عرصہ رائچور میں قیام فرمایا اور اپنے چچا محترم سے اکتساب فیضِ روحانی کرتے رہے۔ حضرت شیر سوار اکثر اوقات رائچور کے پہاڑ میں چلہ کشی فرمایا کرتے تھے۔

تعمیر خانقاہ:

آپ نے نہ صرف رائچور بلکہ متعدد پہاڑی مقامات پر ریاضت و چلہ کشی فرمائی بلکہ موضع ایار پلی (جو آج اٹّر پلی کے نام سے تعلقہ نارائن پیٹ، تلنگانہ میں واقع ہے) میں بھی کچھ مدت قیام فرمایا اور وہاں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ اس خانقاہ کی تعمیر کے ضمن میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ رائچور میں کمسن چرواہے بکریاں چرانے کے لیے پہاڑ کے دامن میں آتے تھے۔ حضرت سید جلال الدین حسینی ان بچوں کو خانقاہ کی تعمیر میں اپنے ساتھ شامل فرماتے تھے، اس طرح شام تک وہ بچے خانقاہ کی تعمیر میں حضرت کے ساتھ مشغول رہتے، شام کو آپ ان سب بچوں سے فرماتے کہ وہ مٹی کے ڈھیر بنائیں۔ جب بچے ڈھیر بناتے تو آپ ان سے فرماتے کہ وہ ڈھیر میں تلاش کریں۔ بچے تلاش کرتے تو ہر ایک کو بقدر محنت اس ڈھیر میں معاوضہ مل جاتا اور وہ سب خوشی خوشی اپنے گھر لوٹتے۔ جب اُنہیں ان کی یومیہ مزدوری حاصل ہونے لگی تو وہ بجائے بکریاں چَرانے کے، خانقاہ کی تعمیر کے شوق میں آنے لگے۔ حضرت سید جلال الدین حسینی شیر سوار نے ان بچوں کے ساتھ مل کر خانقاہ کی تعمیر مکمل فرمائی۔ خانقاہ کی تعمیر کے بعد حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی اسی خانقاہ میں مصروف یاد الٰہی رہنے لگے۔ آج بھی اس خانقاہ کے آثار باقی ہیں، موضوع ایر پلی میں، سطح زمین سے پہاڑ پر تعمیر شدہ خانقاہ تک پہنچنے کے لیے زینے (سیڑھیاں) بھی ہیں۔

کرامات اور وجہ ظہور کرامات:

حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی شیر سوار سے بہت زیادہ کرامات ظاہر ہوئیں، اسی لیے آپ کو "شہنشاہِ کرامات" کہا جاتا ہے۔ اتنی زیادہ کرامات ظاہر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ علاقہ دکن میں کئی جادوگروں نے اپنے جادو کے زور پر مخلوق خدا کو متاثر کیا تھا اور ان کو کفر وشرک کی طرف مائل کر رہے تھے۔ جس ماحول اور جس علاقہ میں حضرت سید جلال الدین حسینی تشریف لائے وہ تاریک ماحول تھا۔ لوگ ایمان کے نور سے محروم تھے۔ ان سب لوگوں کو کفر وشرک سے بچانے اور راہ ہدایت پر لانے کے لیے ایسے کرامات دکھانا ضروری تھا جس کو دیکھنے کے بعد لوگ قریب آئیں اور آپ کے پیغامِ وحدانیت کو سنیں اور اس کو دل وجان سے قبول کریں۔ چنانچہ حضرت سید جلال الدین حسینی کی لوگوں کو متاثر کرنے والی بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ شیر پر سواری فرماتے تھے۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر بے شمار کفار و مشرکین آپ کے قریب آئے پھر آپ نے ان تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اور کثیر تعداد میں لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ زمانے کی ضرورت کی وجہ سے آپ نے کثرت سے کرامات ظاہر فرمائیں ورنہ صوفیاء کرام کے نزدیک شریعت پر استقامت عین کرامت ہے۔

حضرت سیدنا جلال الدین حسینی کو باطل سے نبرد آزما ہونے کے لیے آپ کے والد گرامی حضرت سید شاہ نور عالم حسینی نے اور آپ کے حقیقی چچا قطب رائچور حضرت سید شاہ شمس عالم حسینی نے پہاڑوں پر چلہ کشی اور خوب عبادت وریاضت کے ذریعے تربیت کروائی۔ حضرت سید جلال الدین حسینی اکثر وبیشتر پہاڑوں میں قیام فرمایا کرتے تھے اسی لیے آپ کے نام کے ساتھ "کوہ نشین" بھی درج ملتا ہے۔

تجرد کا مسئلہ:

حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی شیر سوار نے نکاح نہیں فرمایا۔ اسی طرح اور بھی بعض اولیاءِ کرام نے نکاح نہیں فرمایا۔ جب اس طرح کی بات کسی بزرگ کی حیات میں سنی یا بتائی جاتی ہے تو ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ نکاح سنت ہے، اس کو کیوں ترک کر دیا گیا؟ اس کا جواب ہمیں ملفوظات ختم المشائخ حضرت سید زین الدین مولانا داؤد حسین شیرازی (متوفی 771ھ) مدفون خلد آباد میں ملتا ہے۔ جب تجرد کا مسئلہ آپ کے سامنے آیا تو آپ نے ایک حدیث شریف بیان فرمائی۔ "پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "خیارُ اُمتّي عُزّابھا وأشرار اُمتي عُزّابھا" ترجمہ: میری امت کے بہترین لوگ مجرد ہیں اور میری امت کے بدترین لوگ بھی مجرد ہیں۔ یعنی جو ریاضت اور مجاہدے سے اپنی محافظت کر سکے اور عبادت میں صبر کرے اس کا مجرد رہنا اچھا ہے اور جو صبر نہ کر سکے اور شہوت میں مبتلا رہے اس کا شادی کر لینا بہتر ہے۔[1]

مذکورہ بالا اقتباس سے شبہ نہیں رہتا ہے کہ حضرت جلال حسینی نے نکاح کیوں نہیں فرمایا۔ آپ نے ریاضت ومجاہدات سے اپنے نفس کو مغلوب کر لیا تھا، اس لیے آپ کے لیے مجرد رہنا بہتر تھا، تاکہ اکثر اوقات تبلیغ دین کے ذریعہ مخلوق خدا کی خدمت، ذکر الٰہی، مراقبہ ومشاہدہ میں مصروف رہیں۔

وصال:

21/ جمادی الاولیٰ 910ھ یہ آفتاب رشد وہدایت اپنی نورانی وعرفانی کرنوں سے ایک عالم کو منور کرتے ہوئے غروب ہوا۔ انوارِ جلالی کے مصنف کے مطابق آپ کا مادہ تاریخِ وصال "زیب خلد بریں" ہے جس کے عدد کو بحساب ابجد (916) بتایا ہے۔

خلیفہ وجانشین:

حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی شیر سوار کے وصال کے بعد آپ کے (خواہر زادہ) حضرت سید شاہ اسد اللہ الحسنی والحسینی آپ کی مسند رشد وہدایت پر فائز ہوئے اور آپ کے مشن کو آگے بڑھایا۔ اور مخلوق کی رشد وہدایت میں عمر گزار دی اور گلسرم شریف میں ہی وصال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک بھی حضرت سید جلال الدین حسینی شیر سوار کے پائین میں موجود ہے۔

---

[1] ہدایت القلوب: ملفوظات حضرت زین الدین شیرازی، تالیف: حضرت خواجہ میر حسن مؤلف دہلوی، ترجمہ وتلخیص: پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی، یونک پبلی کیشنز، اورنگ آباد، مہاراشٹر، سن اشاعت جنوری 2013ء صفحہ نمبر 113

حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی کاوصال مبارک موضع چنتن پلی میں ہوا۔ آپ کے وصال مبارک کی اطلاع آپ کے فرزند آغوشی، خواہر زادہ اور خلیفہ و جانشین حضرت سید شاہ اسد اللہ الحسنی والحسینی کو ملی۔ اطلاع پاتے ہی آپ اپنے مریدین ومعتقدین کے ساتھ چنتن پلی کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں دریا کا بہاؤ انتہائی تیز تھا، پانی تھپیڑے مار رہا تھا، اس دوران حضرت سید شاہ اسد اللہ حسنی حسینی نے دریا پر اپنا عصا مارا جس سے دریا کا پانی دو حصوں میں بٹ گیا اور خشک صاف ہموار راستہ دریا میں بن گیا۔ (واپسی پر بھی ایسا ہی معاملا ہوا) اور آپ اس راستے سے چنتن پلی پہنچے اور حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی کے جسد مبارک کو گلسرم شریف لایا۔ اور پہاڑی کے دامن میں حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی شیر سوار کی تدفین عمل میں آئی۔ حضرت سید جلال الدین حسینی شیر سوار کے وصال کے فوری بعد آپ کے جانشین سے (عصا کی) کرامات کا ظاہر ہونا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اب انہی سے حضرت کا روحانی فیض جاری رہے گا۔

عرس شریف:

حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی شیر سوار کا سالانہ عرس مبارک جمادی الاولیٰ کی، 21، 22، 32 تاریخوں میں بصد عقیدت واحترام منایا جاتا ہے۔ آپ کی بارگاہ ضلع یادگیر کے مغربی سمت بھیماندی کے قریب، تعلقہ وڈگیرہ، ضلع یادگیر میں منبع فیوض وبرکات ہے۔ آپ کے عرس شریف میں ہندوستان کے مختلف شہروں سے نہ صرف مسلمان بلکہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ موجودہ سجادہ نشین تقدس مآب حضرت سید شاہ چندا حسینی صاحب قبلہ ہیں۔ آپ ہی تمام مراسم عرس شریف انجام دیتے ہیں۔ جامع مسجد اندرون درگاہ شریف موضع گلسرم میں حسب ذیل نظم کندہ ہے، جس سے حضرت سید جلال الدین حسینی کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

بدر وان شاہ فریدوں اساس　　　که بینی ہزاران چو قیصر غلام

ترجمہ: آپ بدر کامل کی مانند اور فریدوں (ایران کا مشہور بادشاہ) جیسے عادل بادشاہ کی بنیاد ہیں تونے دیکھا کہ آپ کے سامنے ہزاروں قیصر جیسے بادشاہ غلام نظر آتے ہیں

سرِ سروراں شاہ عالی مقام　　　که خدمت کفندش بجاں خاص وعام

ترجمہ: آپ سرداروں کے سردار بلند مرتبہ بادشاہ ہیں　　　آپ کی خدمت میں خاص وعام سب جان ودل سے حاضر ہوتے ہیں

اثر باز نظم جہان بود است　　　از او بود ملک دکن رانظام

ترجمہ: دنیا کے نظام پر آپ کا فیضانِ اثر رہا ہے　　　ملک دکن کا نظام بھی آپ ہی کے سبب قائم ہے [1]

---

[1] ترجمہ از: سیدہ مستورہ بی بی، ایم اے، پی ایچ ڈی، فارسی عثمانیہ یونیورسٹی، استاذ شعبہ فارسی ویمنس یونیورسٹی کوٹھی، حیدرآباد تلنگانہ

حضرت سید شاہ فتح اللہ قادری کر کندہ شریف

نام و نسب: آپ کا نام سید فتح اللہ قادری ہے اور والد کا نام سید محمد قادری ہے۔ 21/ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا امام حسن بن سیدنا علی مرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

سلسلۂ نسب:

سید فتح اللہ قادری بن سید محمد قادری بن سید محی الدین قادری بن سید علاؤ الدین علی قادری بن سید شمس الدین محمد قادری بن سید شرف الدین قادری بن سید عماد الدین ابو صالح قادری بن سید تاج الدین عبد الرزاق قادری بن حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی میر اں محی الدین شیخ عبد القادر الجیلانی الحسنی والحسینی بن سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست بن سید عبد اللہ بن سید یحییٰ بن سید ابو عبد اللہ بن سید یحییٰ بن سید محمد بن سید داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبد اللہ بن سید موسیٰ اَلْجُون بن سید عبد اللہ محض بن سید امام حسن مثنیٰ بن سید امام حسن بن امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔[1]

نکاح اور آپ کی اولاد:

حضرت سید شاہ فتح اللہ قادری کا نکاح حضرت سید شاہ چند ا حسینی کی نبیری و حضرت نور عالم حسینی کی صاحبزادی حضرتہ سیدہ بی بی چاند بزرگ رحمۃ اللہ علیہا سے ہوا۔ حضرت سید شاہ فتح اللہ قادری و بی بی چاند بزرگ کے یہاں حضرت سید شاہ اسد اللہ الحسنی والحسینی تولد ہوئے۔

وصال و عرس شریف:

حضرت سید شاہ فتح اللہ قادری کی حیاتِ مبارکہ کے تفصیلی حالات دستیاب تاریخی مآخذ میں بہت کم ملتے ہیں، البتہ آپ کی تاریخِ وصال سے متعلق مختلف اقوال منقول ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا وصال **21 شوال 913ھ** کو ہوا، جبکہ *حدیقۃ الزہراء* (گلستانِ زہراء) کے مصنف نسابہ پیر سید علی عباس گیلانی نے آپ کی تاریخِ وصال **6 رجب 1020ھ** درج کی ہے۔ اگرچہ ان روایات میں اختلاف موجود ہے، تاہم آپ کا سالانہ عرس شریف روایتی طور پر **21، 22 اور 23 شوال المکرم** کو نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ موضع **کر کندہ شریف** میں منایا جاتا ہے، جس میں تمام مذاہب کے لوگ شرکت کرتے ہیں اور مجالسِ مواعظ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

آپ کا مزار مبارک موضع کر کندہ میں ایک وسیع چبوترا پر واقع ہے، جس پر خوبصورت گنبد قائم ہے اور بارگاہ سے متصل ایک مسجد بھی موجود ہے۔ آپ کی زوجۂ محترمہ **سیدہ بی بی چاند بزرگ**—بنت حضرت سید نور عالم حسینی، گوگی شریف—کا مزار بھی اسی چبوترا پر آپ کے پہلو میں واقع ہے۔

---

[1] شرف الانساب، مولف، حضرت سید غوث محی الدین رضوی قادری، شمس الاسلام مطبع حیدر آباد دکن سن 1330 ہجری، صفحہ 11

حضرت اسد اللہ حسینی

جیسا کہ اوپر گزرا کہ حضرت سید شاہ فتح اللہ قادری و بی بی چاند بزرگ کے یہاں حضرت سید شاہ اسد اللہ الحسنی والحسینی تولد ہوئے۔ پیدائش کے فوراً بعد آپ کے حقیقی ماموں، حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی شیر سوار نے آپ کو فرزندِ آغوشی بنالیا اور ابتدا ہی سے آپ کی تربیت و نگہداشت اپنی نگرانی میں فرمائی۔ روایت میں ہے کہ حضرت شیر سوار نے اپنے تصرف سے اپنی انگشتِ مبارک سے آپ کو سیراب فرمایا، اور اسی نسبت سے آپ کمسنی ہی میں اُن کے روحانی فیضان سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔ حضرت شیر سوار جب تبلیغِ دین کے سلسلے میں بیرونِ مقام تشریف لے جاتے تو آپ کو جھولے میں رکھ کر شیر کی نگرانی کے سپرد کر دیتے، جو اُن کی واپسی تک محافظت اور دیکھ بھال کرتا رہتا۔[1] جس مقام پر حضرت سید شاہ جلال حسینی نے اپنے فرزند آغوشی کے لیے جھولا بنایا تھا، وہ مقام آج بھی گلسرم شریف میں بارگاہ کے پائین میں موجود ہے۔

حضرت سید اسد اللہ الحسنی والحسینی کی حیاتِ مبارکہ کے تفصیلی حالات کتبِ تاریخ میں پوری طرح محفوظ نہیں، تاہم اتنا معلوم ہے کہ آپ کے چار فرزند تھے: فرزندِ اکبر حضرت سید جلال الدین عرف ولی اللہ الحسنی والحسینی، فرزندِ دوم حضرت سید محمد الحسنی والحسینی، فرزندِ سوم حضرت سید ولی اللہ الحسنی والحسینی (اصغر)، اور فرزندِ چہارم حضرت سید صدر الدین الحسنی والحسینی۔

حضرت سید شاہ اسد اللہ حسنی حسینی نے اپنے فرزند اکبر حضرت سید شاہ جلال الدین عرف سید شاہ ولی اللہ حسنی حسینی کو سلسلہ عالیہ چشتیہ و قادریہ میں نعمت خلافت واجازت عطا فرمائی اور جانشین بنایا۔ حضرت سید اسد اللہ الحسنی والحسینی کے وصال کے بعد حضرت سید شاہ ولی اللہ الحسنی والحسینی اکبر مسند جلالیہ پر فائز ہوئے، اور بارگاہ جلالیہ گلسرم وبارگاہ کرکندہ کے دوسرے سجادہ نشین منتخب ہوئے۔ اس طرح سلسلہ یہ سلسلہ بارگاہ جلالیہ گلسرم شریف، بارگاہ قادریہ کرکندہ شریف کی سجادہ نشینی نسل در نسل منتقل ہوتی آرہی ہے۔

حضرت سید شاہ اسد اللہ حسینی ثانی

حضرت سید شاہ ولی اللہ حسینی کے صاحبزادوں اور پوتوں کے بارے میں بھی تفصیلی معلومات دستیاب نہیں ہو سکیں، البتہ اُن کے پڑپوتے حضرت سید شاہ اسد اللہ حسینی کے حالاتِ زندگی معتبر روایات میں محفوظ ہیں۔ روایت کے مطابق انہوں نے تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کے مقصد سے موجودہ آندھرا پردیش کے اہم شہر کرنول کی طرف ہجرت فرمائی۔ وہاں آپ نے دینِ حق کی دعوت، اصلاحِ باطن، اور خدمتِ خلق کے اہم فرائض انجام دیے، جس کے نتیجے میں کرنول اور اطراف کے علاقوں میں ایک بڑی تعداد نے آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا۔ اسی بنا پر مقامی تاریخ میں آپ کو "بانیٔ اسلام کرنول" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اور آپ کا مزار آج بھی کرنول میں مرجعِ خلائق اور مرکزِ فیضان ہے۔ (لال مسجد کے مشائخ سے معروف ہے) آپ کی سن وفات 1039ھ ہے۔ اور بارگاہ کی چوکھٹ پر جو نام کی تختی آویزاں ہے اس میں بھی آپ کے نام کے ساتھ "بانیٔ اسلام کرنول" کندہ ہوا ہے۔ آپ کی نسل

---

[1] تذکرہ اولیاء گلسرم شریف صفحہ 31

مبارک سے کرنول کے اطراف علاقوں میں بہت سارے بلند پایہ اہل اللہ گذرے ہیں جنہوں نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا اور لوگوں تک توحید و رسالت کا پیغام پہنچاتے رہے۔

مولانا سید شاہ جمال الدین الحسنی والحسینی المعروف جھنڈے والے صاحب

موجودہ دور میں بھی خانوادۂ گُلسرم و کرنول کے متعدد اہلِ علم و سلوک بزرگ اپنے اسلاف کے مشکو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کرنول کے قریب قصبہ بیگن پلی میں اسی خانوادے کا ایک معروف خانوادہ آباد ہے جو "جھنڈے والے صاحب" کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی خانوادے کے ممتاز بزرگ حضرت علامہ مولانا سید شاہ جمال الدین الحسنی والحسینی ہیں، جو بلند پایہ عالم، صوفی اور مربّیِ سلوک تھے۔ آپ کی صحبت سے بڑی تعداد نے علمی و روحانی استفادہ کیا، اور علاقہ کرنول میں بدعقیدگی کے ازالے میں آپ کی خدمات نہایت نمایاں رہیں۔ آپ ہر سال حضور غوثِ اعظم کی نیاز شریف بڑے اہتمام سے منعقد کرتے اور جھنڈا نصب کرنے کی روایت کو اس خطے میں آپ نے رواج دیا، آپ اس حیلے سے لوگوں کو جمع کر کے ان کی اصلاح اور تربیت فرماتے۔ بیگن پلی میں آپ کی بارگاہ آج بھی "جھنڈے والے صاحب" کے نام سے معروف ہے۔ مولانا سید شاہ جمال الدین الحسنی والحسینی حضرت سید شاہ اسد اللہ حسینی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین، مسند نشین فضیلت مآب حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد ابدال الحسنی والحسینی القادری صاحب قبلہ طول اللہ عمرہ، فاضل یمن بھی کئی علوم وفنون کے ماہر ہیں، وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مخلوق خدا کی خدمت کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ ملک کے کئی مقامات پر آپ کے مدلل خطابات ہوتے ہیں۔ آپ صرف خطیب ذیشان ہی نہیں بلکہ تدریس، تصنیف وافتا کے منصب جلیلہ پر فائز ہیں اور اپنے بزرگوں کے تعلیمات کو احسن طریقے سے زمانے کے تقاضوں پر اُتر کر عام کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ آپ کی شخصیت ہمہ جہت ہے جس سے مخلوق خدا فیض پا رہی ہے۔ آپ اس خانقاہ کے فیضان کو روایتی انداز میں نہیں بلکہ حقیقی انداز میں عام کر رہے ہیں۔

افرادِ خانوادۂ گلسرم و کرکندہ شریف کے دینی، علمی، ادبی اور سماجی خدمات

دورِ قدیم میں خانوادۂ گلسرم کی علمی و روحانی وقعت کا اندازہ اس تاریخی روایت سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کرناٹک کے قصبہ شوراپور میں *راجہ وینکٹ اپانائک* (1858–1834) کے دورِ حکومت میں شدید قحط واقع ہوا۔ رعایا کی پریشانی کے پیشِ نظر راجہ نے مشیروں سے مشورہ کیا تو اسے بتایا گیا کہ گلسرم شریف میں حضرت سید جلال الدین حسینی شیر سوار کی بارگاہ مرجعِ فیض ہے اور وہاں کے مشائخ اہلِ دعا و برکت ہیں۔ راجہ مشیروں کے ساتھ گلسرم پہنچا، جہاں اس زمانے میں حضرت سید محمد حسینی سجادہ نشین تھے۔ راجہ کی درخواست پر حضرت نے بارگاہِ جلالیہ میں انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کی، جس کے فوراً بعد بارش شروع ہوگئی۔ اس واقعے نے نہ صرف راجہ بلکہ پورے خطّے میں اس خانوادے کی روحانی عظمت کو مزید نمایاں کیا۔

خانوادۂ گلسرم و کرکندہ شریف نے ہر دور میں علمی و روحانی شناخت کو برقرار رکھا ہے۔ یہاں ایسے اصحابِ علم مسلسل پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی علمی بصیرت سے دکن کے دیگر مشائخ اور اہلِ علم بھی استفادہ کرتے تھے۔ اس کا ایک معتبر ثبوت یہ ہے کہ گوگی شریف

کے 19 ویں سجادہ نشین حضرت سید شاہ محمد حسینی نے اپنی تصنیف "انواری جلالی" کے دیباچے میں اس خانوادے کی ایک عالم شخصیت کا بطورِ اعتراف علم یہ ذکر فرمایا: "مولوی سید قتال حسینی صاحب، مشائخ موضع گلسرم شریف نے بھی اپنے علم و آگہی سے دستگیری فرمائی۔"[1]

گلسرم و کرکندہ شریف کے خانوادے میں آج بھی متعدد علماء اور اہلِ خدمت موجود ہیں جو دینی، ملی اور سماجی میدانوں میں سرگرم ہیں۔ ایک صدی قبل بھی اس خانوادے میں علمی رجحان نمایاں تھا، اور انہی بزرگوں میں حضرت سید شاہ چندا حسینی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے، جو جامعہ نظامیہ کے ابتدائی دور کے اولین فضلا میں شامل تھے۔

فراغت کے بعد آپ گلسرم شریف واپس تشریف لائے اور تاحیات مسندِ سجادگی پر فائز رہ کر اہلِ گاؤں کی تعلیم وتربیت فرماتے رہے۔ دینی مسائل میں لوگ آپ ہی سے رجوع کرتے تھے۔ محرم الحرام میں آپ عظمتِ اہلِ بیت و صحابہ اور واقعاتِ کربلا بیان کرتے اور مشاجراتِ صحابہ پر بدگمانی سے سختی سے منع فرماتے تھے، جب کہ ربیع الاول میں سیرتِ نبوی ﷺ بیان فرماتے۔

آپ کے معمولات میں نمازِ فجر کے بعد قرآنِ مجید کی باقاعدہ تلاوت شامل تھی اور آپ دم و دعاؤں کے ذریعے اہلِ گاؤں کی دلجوئی فرماتے تھے۔ حضرت سید شاہ چندا حسینی نے اپنی پوری زندگی رشد وہدایت، تعلیم واصلاح اور خدمتِ خلق میں بسر کی۔[2]

اس خانوادہ کی ایک اور بزرگ شخصیت حضرت سید شاہ حسینی پیران نور اللہ مرقدہ ہے جو حضرت سید شاہ چندا حسینی کے حقیقی بھائی تھے اور اپنے زمانے میں ملی، سماجی اور سیاسی خدمات کے سبب پورے ضلع یادگیر میں ایک معزز اور بااثر شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ حلیم الطبع، سنجیدہ مزاج اور گہری بصیرت کے حامل ہونے کے باعث مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم برادری بھی آپ کے فیصلوں پر اعتماد کرتی تھی۔ آپ ہمیشہ عدل وانصاف سے فیصلہ فرماتے اور مظلوموں کی مدد کرنا آپ کا معمول تھا۔

آپ کی سیرت کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ کمزوروں کی جائیدادوں پر ہونے والے ناجائز قبضے آپ کی مداخلت سے ختم ہوتے اور آپ انہیں اُن کا حق دلواتے۔ سیاسی و سماجی معاملات میں آپ کی رائے فیصلہ کن سمجھی جاتی تھی۔ اثر ورسوخ اور رعب رکھنے کے باوجود آپ نرم خو، منکسر المزاج اور ظلم سے ہمیشہ دور رہے۔ ہفتے کے تمام دن اطراف واکناف کے قصبات میں جاکر لوگوں کے مسائل حل کرتے، اور جمعہ کے دن گلسرم شریف میں قیام کرکے نمازِ جمعہ اور زیارتِ مشائخ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

ارکانِ خانوادہ کے مطابق ماہِ رمضان، عیدین اور دیگر مواقع پر آپ گاؤں کے ضرورت مند افراد کی مالی مدد اپنے ذاتی وسائل سے کرتے تھے، تاکہ وہ مذہبی و سماجی خوشیوں میں شریک ہو سکیں۔ گاؤں کے بیشتر دفتری و شخصی معاملات بھی آپ کی رہنمائی میں انجام پاتے تھے۔ موضع گلسرم شریف میں ہندو مسلم ہم آہنگی کے فروغ میں آپ کا کردار نہایت نمایاں تھا، اس لیے مسلمان ہی نہیں بلکہ

---

[1] دیباچہ، انواری جلالی، ص 7

[2] خاکسار نے ان محافل میں شریک بعض معمر حضرات سے یہ روایات براہِ راست سن کر نقل کی ہیں۔

غیر مسلم بھی اپنے معاملات اور تنازعات کے حل کے لیے آپ سے رجوع کرتے تھے، اور آپ ہر جگہ صلح و خیر خواہی کی راہ اختیار کرتے تھے۔

شہر گلبرگہ میں خانوادۂ گلسرم و کرکندہ شریف کی تعلیمات کو عملی طور پر فروغ دینے والوں میں فضیلت مآب حضرت سید شاہ خلیل اللہ حسینی قبلہ مدظلہ العالی کا نام خاص طور پر نمایاں ہے۔ آپ نے گلسرم سے گلبرگہ شریف حکومتی ملازمت کے سلسلے میں سکونت اختیار کی، مگر ملازمت کے ساتھ ساتھ بزرگوں کے پیغام کی ترویج میں خلوصِ دل سے مصروف رہے اور ہمیشہ اپنا تعارف گلسرم و کرکندہ کی نسبت سے ہی فرمایا۔

علمی خانوادے میں پرورش اور بزرگوں کی صحبت نے آپ میں بچپن ہی سے دین سے محبت پیدا کی۔ پیشۂ تدریس کے ساتھ آپ امامت، خطابت، نعت خوانی اور نعت گوئی کے ذریعے دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ گلبرگہ کی نورانی مسجد، مدینہ مسجد محبوب نگر کالونی، مسجد عطار کمپاؤنڈ اور دیگر مساجد میں آپ نے طویل عرصے تک بلا معاوضہ جمعہ کی امامت و خطابت کے فرائض انجام دیے۔ مسجد حسینی خواجہ کالونی میں چاند کی 11 تاریخ کو ماہانہ محفلِ نعت کا سلسلہ آپ نے شروع کیا جو کم و بیش 15 سال سے جاری ہے۔ مسجد ہاجرہ گیسو دراز کالونی میں آپ کی زیرِ نگرانی ہفتہ واری اجتماع برسوں منعقد ہوتا رہا جس سے نوجوانوں میں دینی بیداری پیدا ہوئی۔

وظیفۂ حسنِ خدمت پر سبکدوشی کے بعد آپ نے گلسرم میں ماہانہ "یومِ جلال حسینی" کا آغاز کیا، جو تقریباً 12 سال جاری رہا۔ اس محفل میں آپ نہ صرف وعظ فرماتے بلکہ دیگر مشائخ و علماء کو بھی مدعو کرتے اور تمام شرکاء کی ضیافت اپنے ذاتی صرفے سے کرتے۔ اس سلسلے نے گاؤں میں دینی شعور اور صوفیانہ ماحول کو مضبوط کیا۔

حضرت قبلہ اپنے گاؤں کی اصلاح کے لیے ہمیشہ فکر مند رہتے ہیں۔ آپ کے خطابات میں عشقِ رسول ﷺ، عظمتِ اہلِ بیتؑ، مقامِ صحابہ اور اولیاء اللہ کی تعلیمات کو نہایت سادہ اور مؤثر انداز میں بیان کیا جاتا ہے، اور عوامی مزاج کے مطابق مناسب مزاح بھی شامل ہوتا ہے، جس سے لوگ نہایت محظوظ اور متاثر ہوتے ہیں۔ آج بھی جہاں جمعہ یا کسی دینی اجلاس میں مدعو کیے جاتے ہیں، آپ پوری تیاری کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں۔ ضلع یادگیر اور گلبرگہ میں متعدد دینی و ادبی اجلاس آپ کی سرپرستی میں منعقد ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت سید شاہ خلیل اللہ حسینی قبلہ بتاریخ 31 جنوری 2003ء صدر مدرس کی حیثیت سے وظیفۂ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ پیشۂ تدریس سے وابستگی کے باعث آپ کے شاگردوں کی بڑی تعداد گلبرگہ، یادگیر، شاہ پور اور سگر کے علاوہ دیگر مقامات میں موجود ہے، جن میں ادیب، شاعر، انجینئر، ڈاکٹر اور مختلف سرکاری محکموں کے اعلیٰ عہدیدار شامل ہیں۔ آپ کی تدریسی خدمات کے اعتراف میں ضلع گلبرگہ کی سطح پر آپ کو "بیسٹ ٹیچر ایوارڈ" سے نوازا گیا۔ نیز، مدینۃ الاولیاء خلد آباد شریف (ضلع اورنگ آباد، مہاراشٹر) میں حضرت زرزری زربخش کے عرس کے ضمن میں منعقدہ آل انڈیا علمی و ادبی سیمینار میں بھی آپ کی خدمات کے اعتراف میں سندِ سپاس پیش کی گئی۔

آپ کو شعر وشاعری سے بھی کافی لگاؤ ہے آپ کی کوئی تقریر ایسی نہیں ہوتی جس کا آغاز نعتیہ اشعار سے نہ ہوتا ہو، کبھی کبھی آپ بھی اشعار نظم فرماتے ہیں آپ نے نعت شریف کے علاوہ حضرت سید شاہ جلال الدین حسینی گلسرم شریف کی بارگاہ میں منظوم سلام لکھا ہے اور ایک منقبت حضرت خواجہ بندہ نواز بھی لکھی ہے۔ آپ خلیلؔ تخلص کے بطور استعمال فرماتے ہیں۔ نمونہ کلام:

نعت شریف

سرکار مجھ کو آپ کا جلوہ دکھایئے ۔۔۔ جلوہ دکھا کہ دل کی یہ حسرت مٹایئے
دل میں ہے میرے آرزو مدینہ میں دیکھ لوں ۔۔۔ مجھ کو بلا کے گنبدِ خضریٰ دکھایئے
کب سے تڑپ رہا ہوں میں دیدار کے لیے ۔۔۔ ایک بار آقا مجھ کو بھی روضہ دکھایئے
ذر ہے نہ ذریعہ ہے کوئی پہنچوں گا کس طرح ۔۔۔ نظرِ کرم سے یا نبی اس کو بلایئے
دنیا کی آفتوں سے پریشان ہے خلیلؔ ۔۔۔ آقا کرم ہو آپ کا اس کو بچایئے

سلام بحضور حضرت سید جلال الدین حسینی

جلال حسینی سلام تم پر ۔۔۔ خدا کے پیارے سلام تم پر
ہو شاہ چندا کے تم نبیرے ۔۔۔ جلال حسینی سلام تم پر
تمہارے در سے گیا نہ خالی ۔۔۔ سبھی نے دل کی مراد پالی
خلیلؔ در کا گدا تمہارے ۔۔۔ تم اس کے والی سلام تم پر

نذرانہ عقیدت بارگاہِ حضرت بندہ نواز

دل میں جگر میں بندہ نواز آپ ہی تو ہیں ۔۔۔ ہر سو دکن میں جلوہ نما آپ ہی تو ہیں
بے کس پڑے ہیں آپ کے در پر کئی فقیر ۔۔۔ ان بے کسوں پہ سایہ فگن آپ ہی تو ہیں
درِ پے خلیلؔ آیا ہے اب اس یقیں کے ساتھ ۔۔۔ ہوجائے اس پہ نظر کرم آپ ہی تو ہیں

حضرت سید شاہ خلیل اللہ حسینی قبلہ کی شخصیت اہل علم، اہلِ دل اور اہلِ خانقاہ کے درمیان نہایت مقبول و محبوب ہے۔ دکن کے بیشتر علاقوں۔۔۔سگر، گوگی، بیدر، رائچور، شاہ پور، بسواکلیان، یادگیر اور خصوصاً گلبرگہ۔۔۔کے نمائندہ مشائخ و سجادہ نشین حضرات سے آپ کے گہرے روحانی و علمی روابط قائم ہیں۔ گلبرگہ کی تمام اہم خانقاہیں خصوصاً بارگاہِ بندہ نواز، روضہ منورہ خرد، شیخ دکن شریف، تیغ

برہنہ شریف، عملی محلہ —ہر جگہ آپ کو خلوص، احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسی لیے مختلف خانقاہوں کے مشائخ نے آپ کی خدمات اور اوصاف کو سراہتے ہوئے قیمتی تاثرات تحریر فرمائے جن میں نمایاں نام حضرت سید شاہ نجم الہدی سرمست شاہ پور، حضرت ڈاکٹر شیخ شاہ محمد افضل الدین جنیدی شیخ دکن، حضرت سید شاہ مجیب الدین سرمست سگر شریف، حضرت سید شاہ اسماعیل حسینی گوگی شریف، حضرت سید شاہ اشرف رضا حسینی رائچور، مولانا حافظ و قاری غلام محمد اشرفی گلبرگہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد الحمید اکبر، امجد جاوید، اور ڈاکٹر غضنفر اقبال شامل ہیں۔ خاکسار نے حضرت قبلہ کی شخصیت اور دینی علمی ادبی خدمات پر ایک رسالہ ترتیب دیا۔ جو پانچ ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں آپ کی شخصیت واحوال بیان کیے گئے ہیں، دوسرے باب میں شہر گلبرگہ وضلع یادگیر کے معزز مشائخ کے قیمتی تاثرات قلمبند کیے گئے ہیں ۔ تیسرے باب میں علمائے کرام کے اور چوتھے باب میں ادبا اور دانشوران ملت کے تاثرات کو شامل کیا گیا ہے علاوہ ازیں شعرائے کرام کے منظوم خراج عقیدت پر ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو 2025ء میں "کرناٹک اردو اکیڈمی بنگلور" نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں کل 26 معزز شخصیات کے تاثرات جمع کیے گئے ہیں۔ [1]

اردو زبان وادب کے فروغ خانوادہ گلسرم وگرکندہ شریف میں حصہ:

خانوادۂ گلسرم و کرکندہ شریف کے ایک باوقار فرزند ڈاکٹر سید علیم اللہ حسینی گزشتہ دو دہائیوں سے شہر بیجاپور (کرناٹک) میں اردو زبان وادب کی ترویج وترقی میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بیجاپور کے معروف صحافی اور راجہ اُتسو ایوارڈ یافتہ جناب رفیع بھنڈاری آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"بیجاپور میں نہ صرف اردو زبان بلکہ اردو طبقہ کو پروان چڑھانے میں ڈاکٹر سید علیم اللہ حسینی کا اہم کردار رہا ہے۔"

ڈاکٹر سید علیم اللہ حسینی اس وقت بیجاپور کے قدیم و معزز تعلیمی ادارے انجمن ڈگری کالج میں صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ شہر میں اردو کے فروغ، ادبی محافل کے انعقاد اور علمی ذوق کی بیداری میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ نثر نگاری میں آپ کو امتیازی مقام حاصل ہے اور ملک کے ممتاز رسائل وجرائد میں آپ کی تخلیقات مسلسل شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قومی و بین الاقوامی سیمیناروں میں بھی آپ مقالہ نگار کی حیثیت سے شرکت کرتے ہیں۔

قومی زبان حیدرآباد، زرین شعاعیں، انٹرنیشنل جرنل "اردو اسکالر کی دنیا"، اردو آنگن ممبئی، ماہنامہ پیش رفت دہلی، روزنامہ منصف، اعتماد، راشٹریہ سہارا، سالار، انقلاب دکن، کے بی این ٹائمز اور دیگر اخبارات ورسائل میں آپ کے تحقیقی وتنقیدی مضامین باقاعدگی سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ نے گلبرگہ یونیورسٹی سے "کرناٹک میں اردو نظم نگاری "کے موضوع پر تحقیقی مقالہ پیش کیا، جس کی بنیاد پر آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ بحیثیت مصنف بھی آپ کی علمی خدمات قابل ذکر ہیں۔ آپ کی اہم تصانیف میں:

---

[1] دیکھیے: نور المشائخ: شخصیت دینی، علمی اورادبی خدمات، ناشر کرناٹک اردو اکیڈمی، سن اشاعت 2025ء

1۔ مرقعِ ادب (ادبی مضامین — 2012، کرناٹک اردو اکاڈمی)

2۔ ادب شناسی (تدریسی کتاب —یو.جی، 2019)

3۔ انوارِ ادب (تدریسی کتاب —یو.جی، 2020)

4۔ آئینۂ صحافت (تدریسی کتاب —یو.جی، 2020)

5۔ نقد و نظر (تحقیقی و تنقیدی مضامین — 2022)

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آر این ٹیچر پرائڈ اسوسیشن بنگلور نے آپ کو بہترین تدریسی خدمات پر "پرائڈ ایوارڈ 2019 " سے بھی نوازا۔
ڈاکٹر سید علیم اللہ حسینی کی قدر و منزلت کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ اردو دنیا کے اکابر اساتذہ و محققین جیسے: پروفیسر سید ارتضیٰ کریم سابق صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، پروفیسر مظفر علی شہ میری سابق وائس چانسلر، ڈاکٹر عبد الحق اردو یونیورسٹی، پروفیسر احمد محفوظ، صدر شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، اور پروفیسر محمد نسیم الدین فریس سابق صدر شعبۂ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد نے یکساں طور پر آپ کی تدریسی اہلیت، علمی سنجیدگی، تحریری مہارت اور خلوصِ عمل کی بھرپور ستائش کی ہے۔
ان صاحبانِ علم کے مطابق ڈاکٹر سید علیم اللہ حسینی نہ صرف ایک محنتی، باذوق اور باصلاحیت استاد ہیں بلکہ تحقیقی و تنقیدی شعور رکھنے والے سنجیدہ قلم کار بھی ہیں۔ ان کی نثر میں پختگی، زبان پر مکمل قدرت اور فکری گہرائی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے، جو انہیں معاصر نوجوان اہلِ قلم میں ممتاز بناتی ہے۔ بیجاپور اور اس کے اطراف میں اردو زبان کے فروغ، طلبہ کی علمی تربیت اور ادبی فضا کی آبیاری میں ان کی خدمات بلاشبہ قابلِ قدر اور نمایاں ہیں۔ [1]

الغرض گذشتہ پانچ سو سالوں سے خانوادۂ گلسرم و کرکندہ شریف کے صوفیائے کرام کا فیضان دکن کے مختلف علاقوں میں جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ اور صوفیائے کرام کے حقیقی مشن کو مزید آگے بڑھانے کی توفیق نصیب فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

*****

مصادر و مراجع

1۔ قلمی بیاضات بزرگانِ گلسرم و کرکندہ شریف، تعلقہ وڈگیرہ، ضلع یادگیر . غیر مطبوعہ مخطوطہ۔

2۔ حسینی، سید شاہ محمد۔ انوارِ جلالی . روضۂ جلالیہ، گوگی شریف، 1327ھ، ص39–42۔

3۔ حسینی، سید چندا۔ شمس الانساب . مرتب: سید چندا حسینی نور اللہ مرقدہ، آستانہ شمسیہ، رائچور۔ (سن اشاعت درج نہیں)۔

4۔ شجرۂ نسبی مشائخین گلسرم و لال مسجد . مخطوطہ قدیم بنام جد نامہ، 1310ھ۔

5۔ رضوی قادری، سید غوث محی الدین۔ شرف الانساب . شمس الاسلام مطبع، حیدرآباد دکن، 1330ھ، ص11۔

---

[1] دیکھیے: مرقع ادب، صفحہ 9، ناشر کرناٹک اردو اکیڈمی، بنگلور، 2019ء، تاثرات بر کتاب "نقد و نظر

6۔ شجرۂ نسبی، قدیم نوشتہ۔ حضرت سید شاہ احمد حسینی عرف فقیر صاحب، آستانہ شمسیہ، رائچور۔(غیر مطبوعہ مخطوطہ)۔
7۔ حسینی، سید شاہ چندا۔ مرآۃالحقیقت ۔ آستانہ شمسیہ، رائچور، ص25۔
8۔ پیراں، سید شاہ حسینی۔ تذکرۂ اولیاء خانوادۂ گلسرم و کرکندہ شریف(ضلع یادگیر ۔(خانقاہ گلسرم شریف،2018،ص20–28۔)
9۔ جامی، منیر احمد۔ تذکرۃ الصالحین(اولیائے کرناٹک) 2020 ۔ ص686–687۔
10۔ گیلانی، سید علی عباس۔ حدیقۃ الزہراء المعروف بہ گلستانِ زہراء سلام اللہ علیہا ۔ پاکستان، 2022۔
11۔ عشرت جہاں۔ "ڈاکٹر وحید انجم: شخصیت اور ادبی تحریریں." مقالۂ پی ایچ ڈی، 2024۔(غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ)
12۔ پیراں، سید شاہ حسینی۔ نور المشائخ: شخصیت، دینی، علمی اور ادبی خدمات ۔ کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور، 2025۔
13۔ حسینی، سید علیم اللہ۔ مرقعِ ادب ۔ کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور، 2012۔
14۔ حسینی، سید علیم اللہ۔ نقد و نظر 2022۔

خانوادہ حضرت برہنہ شمشیر: فروغِ اسلام و تصوف

سید شاہ احمد اللہ محمد محمد الحسینی جنید پاشاہ*

یہ خانقاہ صرف ایک جگہ نہیں، بلکہ عشقِ الٰہی اور معرفتِ محمدی ﷺ کا مرکز تھی، جہاں روحیں سکون پاتیں اور دل عشقِ خدا سے لبریز ہوتے۔ آپ کی تعلیمات، آپ کے کرامات، اور آپ کی سیرت کے انوار نے نہ صرف دلوں کو منور کیا بلکہ ہزارہا انسانوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کر کے سعادتِ دارین کے مستحق بنایا اور آپ کا آستانہ آج بھی قلوب کی تشنگی بجھانے، روحوں کو سیراب کرنے اور عشقِ الٰہی کی روشنی بکھیرنے کا سرچشمہ ہے۔ یہ وہ عظیم ہستی، قدوۃ السالکین، امام الزاہدین، جگر گوشہ خواجہ گیسو دراز حضرت سید شاہ بندگی مخدوم حسینی برہنہ شمشیر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکت ہے۔

آپ کا بچپن دراصل الولد سر لابیہ کی عملی تصویر تھا۔ چھوٹی عمر ہی سے آپ میں اوصافِ حمیدہ ظاہر ہو گئے تھے۔ آپ کے بچپن میں عام بچوں کی طرح کھیل کود اور لہو و لعب نہیں بلکہ پرہیزگاری، تقویٰ، ذوقِ عبادات اور طلبِ علم کے روشن آثار نمایاں تھے۔ آپ کے بچپن کے یہ نورانی پہلو ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخصوص عنایتیں اور روحانی بلندیاں عطا فرمایا تھا۔ ابتداء میں آپ کی تربیت آپ کے والدِ بزرگوار حضرت خواجہ سید شاہ اسد اللہ حسینی ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ آپ نے علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد، اپنے والدِ محترم ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت فرمائی۔ اس بیعت کے بعد، والدِ بزرگوار کی موجودگی میں آپ نے وعظ و نصیحت کے ذریعہ بندگانِ خدا کی تعلیم و تربیت کا آغاز کیا۔ آپ کے خطاب میں جمالِ محمدی ﷺ کی جھلک محسوس ہوتی تھی، یعنی آپ کی باتوں میں محبت، شفقت، نرمی اور دلوں کو نرم کرنے کی قوت موجود تھی۔

آپ نے والدِ بزرگوار حضرت خواجہ سید شاہ اسد اللہ حسینی ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد، سلسلہ قادریہ میں حضرت سید احمد قادری رحمت اللہ علیہ سے خلافت حاصل کی۔ آپ نے اپنے وجودِ مسعود سے نہ صرف سلسلہ چشتیہ بلکہ سلسلہ قادریہ کا فیضان بھی جاری فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے جد کریم حضور سیدنا خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اپنے اہل و عیال اور مریدین کی مختصر تعداد کے ساتھ سفر کا آغاز فرمایا، لیکن ویچرانی شریف پہنچنے تک اس قافلہ کی تعداد سینکڑوں میں تبدیل ہو گئی۔ یہ اضافہ نہ صرف آپ کی شخصیت اور فیضانِ قلب کی دلیل تھی بلکہ اس بات کی بھی علامت تھی کہ آپ کے ساتھ چلنے والے ہر فرد نے آپ کی تعلیمات، اور اخلاق سے فیض حاصل کیا ہے۔

* خلف دوم سجادہ نشین آستانہ عالیہ ویچرانی شریف۔ تلنگانہ

دعوتی سفر:

حضرت کا دعوتی سفر گلبرگہ شریف سے بیجاپور اور وہاں سے ویچرانی شریف تک ایک انقلابی صورت اختیار کیے ہوئے تھا۔ یہ صرف جغرافیائی سفر نہیں بلکہ روحانی اور دعوتی مشن کی روشنی کا سفر تھا۔ جس جس علاقے سے آپ گزرے، وہاں آپ کی شخصیت، کے فیضان نے اسلامی جھنڈے گاڑ دیے۔ آپ کے اس سفر نے جغرافیائی حدود کو عبور کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں دینِ حق کی روشنی پھیلا دی، اور ہر قدم پر ایمان و محبت اور خدمتِ خلق کے چراغ روشن فرما دیئے۔

عظیم کرامت کا ظہور:

اسی دوران سفر آپ کے دست مبارک سے وہ عظیم کرامت ظاہر ہوی کہ آج بھی اس کے آثار درگاہ شریف سے تقریباً تین کلومیٹر کی دوری پر موجود ہیں۔ نمازِ عصر کے وقت، جب مریدین وضو کے لیے پانی کی کمی پر فکرمند ہوئے، تو آپ نے اپنی شمشیر برہنہ سے چٹان پر ضرب لگائی۔ اسی ضرب سے چٹان شق ہوئی اور صاف و رواں پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ جب پانی کا چشمہ جاری ہوتا ہے، تو یہ نہ صرف مریدین کے جسمانی احتیاج کو پورا کرتا ہے بلکہ ان کے دلوں میں ایمان، سکون اور روحانی نور بھی بکھیرتا ہے۔

حضرت سیدنا بندگی مخدوم حسینی برہنہ شمشیر رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ اولیاء کرام محض خانقاہوں اور ذکر و اذکار تک محدود نہ تھے بلکہ وہ دین کے تحفظ اور باطل کے خلاف عملی اقدام کرنے والے مردانِ حق تھے۔ آپ کی بت شکنی، سنتِ انبیاء و اولیاء کی تجدید، اور لقب "برہنہ شمشیر" ہمیں نہ صرف اولیاء کی غیرتِ ایمانی کو یاد دلاتا ہے بلکہ ہماری غیرت ایمانی کے اضافے کا سبب ہو گا۔

ویچرانی شریف کی وجہ تسمیہ:

حضرت سیدنا بندگی مخدوم حسینی برہنہ شمشیر رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت و کرامت کی شہرت جب اطراف و اکناف میں پھیلی تو نہ صرف عوام بلکہ اہلِ اقتدار اور معزز گھرانوں تک آپ کی عظمت کا چرچا پہنچا۔ آپ کی خانقاہ فیوض و برکات کا ایسا مرکز بنی جہاں ہر مذہب و ملت کے لوگ سکونِ قلب اور روحانی فیض پانے کے لیے حاضر ہونے لگے۔ اُن دنوں جب اس علاقے کی رانی نے جب آپ کی کرامت اور روحانیت کا چرچا سنا تو خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے لیے حاضر ہوئی۔ وہ اپنے اہلِ خانہ سمیت آئی اور محض رسمی زیارت پر اکتفانہ کیا بلکہ کچھ عرصے تک آپ کی بارگاہ میں قیام کیا۔ تلگو زبان میں قیام کی جگہ کو "ویچا" کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ قیام ایک رانی کا تھا، اس لیے اس جگہ کو "ویچا + رانی" کہا گیا۔ وقت کے ساتھ یہی نام رائج ہو گیا اور یہ علاقہ "ویچرانی" کہلانے لگا۔ جب اس بستی کو حضرت برہنہ شمشیر رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت نصیب ہوئی اور آپ نے اسے اپنا مسکن بنایا تو اہلِ ایمان نے اسے عزت و تکریم کے ساتھ "ویچرانی شریف" کہنا شروع کیا۔ یہ مقام حضرت کے فیوض و برکات سے ایک روشن خانقاہی مرکز میں ڈھل گیا۔ رانی کے قیام اور حضرت کے فیضان کے نتیجے میں لوگوں میں اسلام کی روشنی عام ہوئی۔ آپ کی خانقاہ میں آنے والے لوگ، خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، آپ کی کرامات اور اخلاق سے متاثر ہوئے اور بہت سے افراد نے آپ کی صحبت سے توحید و معرفت کی دولت پائی۔

یوں ویچرانی شریف ایک ایسا روحانی گہوارہ بن گیا جہاں سے صوفیانہ تعلیمات اور اسلام کا پیغام عام ہوا۔ لہٰذا تا دمِ زیست حضرت سید برہنہ شمشیر رحمۃ اللہ علیہ نے وہیں خدمتِ دینِ متین انجام دی، اسی مقام کو اپنا مسکن بنایا اور آخر کار وہیں آپ کا وصال ہوا۔ آج بھی آپ کا فیضان جاری ہے اور آپ کا آستانہ ٔمبارک اہلِ عقیدت کے لیے مرکزِ سکون و فیض بنا ہوا ہے۔

آپ کے وصال کے بعد سلسلۂ خلافت وولایت آپ کی اولادِ اطہار کو منتقل ہوا۔ سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے، جو حضرت قادر شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہوئے، اپنے والدِ بزرگوار کے جانشین مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد کے مشن اور روحانی وراثت کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ آگے بڑھایا۔ حضرت قادر شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی خدمتِ دین، اشاعتِ اسلام اور تصوف کے فروغ میں وقف کر دی اور بحسن وخوبی اپنے والد بزرگوار کی جانشینی کا حق ادا کر دیا، حضرت قادر شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے فرزند حضرت سید شاہ فتح اللہ حسینی رحمۃ اللہ علیہ مسندِ سجادگی پر فائز ہوئے۔ آپ نے اپنے بزرگوں کی خانقاہی روایات کو زندہ رکھا، دین کی خدمت اور عوام کی اصلاح کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ آپ کے دور میں خانقاہ ویچرانی شریف مزید وسعت اختیار کر گئی۔

حضرت سید شاہ فتح اللہ حسینی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بھی ہر سجادہ نشین نے اپنے اپنے دور میں سلسلہ خدماتِ دینی و روحانی کو برقرار رکھا۔ صرف سجادہ نشین ہی نہیں بلکہ خانوادے کے دیگر بزرگوں نے بھی فروغِ اسلام اور ترویجِ تصوف میں عظیم خدمات انجام دیں یہ بزرگ نہ صرف ویچرانی شریف میں قیام پذیر رہے بلکہ دین متین کے پیغام کو عام کرنے کے لیے مختلف علاقوں کی طرف ہجرت بھی فرمائی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ سلسلہ قادریہ و چشتیہ کا فیضان اُس زمانے میں نہ صرف موجودہ تلنگانہ اور آندھراپردیش میں وجے واڑہ جیسے دور دراز علاقوں تک پھیلا بلکہ موجودہ تمل ناڈو تک بھی آپ کی اولاد نے ہجرت فرما کر تصوف و اسلام کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

خدمات مشائخ ویچرانی شریف:

اہم شخصیات جنہوں نے مختلف مقامات پر فروغِ دین کے لیے ہجرت فرمائی ان میں قابل ذکر مندرجہ ذیل بزرگانِ دین شامل ہیں۔

حضرت سید شاہ نور اللہ حسینی رحمۃ اللہ علیہ – قمرہ پور (ریاست نواب میر فتح علی خان، تمل ناڈو)، حضرت سید شاہ امین الدین حسینی رحمۃ اللہ علیہ – چیریال، حضرت سید شاہ حبیب اللہ حسینی رحمۃ اللہ علیہ – رامپور، حضرت سید شاہ علی لاڈلے حسنی رحمۃ اللہ علیہ – کوڈور، حضرت سید شاہ مخدوم اکبر حسینی رحمۃ اللہ علیہ – بچناپیٹ، حضرت سید شاہ قطب الدین حسینی رحمۃ اللہ علیہ – ارجن پٹلہ، حضرت سید شاہ اسد اللہ حسینی رحمۃ اللہ علیہ – عیدی بازار، حیدرآباد، ان کے علاوہ بھی خانوادہ کے بزرگوں نے اورنگ آباد تک ہجرت فرمائی، حتیٰ کہ پڑوسی ملک پاکستان تک بھی آپ کا فیضان آپ کی اولاد کی شکل میں پہنچا اور وہاں بھی دین حنیف و سلوک و تصوف کی خدمات کو عام کیا۔ ان کے علاوہ خانوادہ میں ایسے کئی اہل اللہ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے گھر بار اور آرام و آسائش کو چھوڑ کر دین متین کی خدمت اور سلسلہ عالیہ قادریہ و چشتیہ کی ترویج کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ انہی کی قربانیوں اور روحانی کاوشوں کی بدولت یہ سلسلہ مختلف علاقوں میں مضبوطی کے ساتھ قائم رہا۔ جن میں نمایاں شخصیات حضرت سید شاہ حضرت حسینی اُولیٰ علیہ الرحمہ، حضرت سید شاہ ستار

حسینی اُولیٰ علیہ الرحمہ، حضرت سید خواجہ معین الدین حسینی علیہ الرحمہ، حضرت سید شاہ محمد حسینی علیہ الرحمہ وغیرہ شامل ہیں جن کا مولد و مسکن بارگاہِ برہنہ شمشیر ہی رہا اور ویجاپور شریف کے اطراف و اکناف میں تبلیغ دین حنیف و سلسلہ عالیہ کے نشر و اشاعت کے لیے اسفار فرماتے رہے اور خلق کثیر کو داخل بیعت فرمایا اور اپنی تمام تر زندگی وہیں بسر فرمائی اور آج بھی ان حضرات کی مزارات وہیں پر موجود ہیں۔

خانوادۂ حضرت برہنہ شمشیر رحمۃ اللہ علیہ کے فیضانِ ولایت میں ایک ایسا دور بھی آیا جب روحانیت کی فضا میں ایک نئی صبحِ نور طلوع ہوئی۔ وہ مبارک لمحہ جب اس خانوادے میں ایک ایسی عظیم ہستی کی ولادت ہوئی جن کی زندگی نے اپنے اجدادِ کرام کی یادوں کو دوبارہ تازہ کر دیا۔ ان کی ولادت صرف ایک فرد کی آمد نہ تھی بلکہ یہ گویا فیضانِ ولایتِ برہنہ شمشیر کی تجدیدِ نو تھی، یہ وہی برگزیدہ ہستی ہیں جنھیں دنیا حضرت سید شاہ مخدوم حسینی قطب الارشاد رحمۃ اللہ علیہ کے نامِ نامی سے جانتی ہے۔ آپ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے محبوبوں کا دوہرا فیضان عطا فرمایا۔ ایک طرف آپ حضرت بندگی مخدوم حسینی برہنہ شمشیر رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین اور اُن کے نبیرہ تھے، اور دوسری طرف آپ حضرت خواجہ سید شاہ عبد اللہ حسینی المعروف خواجہ حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے بھی تھے آپ نے اپنے کردار، اخلاق، زہد و ورع اور فیوض و برکات سے اپنے اسلافِ کرام کی سیرتوں کو زندہ کر دیا۔ آپ کا وجود بزمِ تصوف میں گویا ایک نیا چراغ تھا جس کی روشنی نے سینکڑوں دلوں کو منور کر دیا۔

حضرت قطب الارشاد رحمۃُ اللہ علیہ نے نہ صرف روحانیت کے میدان میں خدمات انجام دیں بلکہ اخلاق و معرفت کے ذریعے انسانیت کے دلوں کو جوڑنے کا فریضہ بھی ادا کیا۔ آپ کی محفلیں ذکر و فکر، محبت و اخلاص، اور سلوک و طریقت کا گہوارہ تھیں۔ جو بھی آپ کے در پر آیا، خالی نہیں گیا۔

حضرت بحر العلوم علامہ عبد القدیر صدیقی رحمۃُ اللہ علیہ جو خود اپنے زمانے کے اکابر علم و عرفان میں شمار ہوتے ہیں، آپ سے پہلی ملاقات کے وقت فرمایا تھا کہ "جب حضرت مخدوم حسینی رحمۃُ اللہ علیہ تشریف لائے تو مجھے ایسا محسوس ہوا گویا خود سرکارِ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃُ اللہ علیہ تشریف لے آئے ہوں۔" یہ جملہ آپ کے روحانی مقام کا مظہر ہے۔ ایسا اس وقت ہی ممکن ہے جب ایک ولی میں اپنے سلسلے کے اکابر کا نور و فیضان اسی شان کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ حضرت مخدوم حسینی رحمۃُ اللہ علیہ کی شخصیت دراصل فیضانِ بندہ نواز اور فیضانِ برہنہ شمشیر کی حسین امتزاج تھی۔ آپ نے نہ صرف اپنے مریدین و خلفاء کی تربیت فرمائی بلکہ عوام الناس میں بھی اپنے خطابات کے ذریعہ اخلاقِ اسلامی، توکل، صبر، شکر اور محبتِ اہلِ بیت کا درس دیا۔ حضرت سید شاہ مخدوم حسینی قطب الارشاد رحمۃُ اللہ علیہ کی شخصیت دراصل ایک روحانی احیاء تھی۔ آپ کے والدِ بزرگوار حضرت سید شاہ محمد حسینی رحمۃ اللہِ علیہ (سجادہ نشین بارگاہ برہنہ شمشیر علیہ الرحمہ) کا وصال اُس وقت ہوا جب آپ ابھی طفولیت کے مرحلے میں تھے۔ تقدیرِ الٰہی نے بچپن ہی میں آپ کو اُس روحانی ذمہ داری کے لیے منتخب فرمایا جسے آپ کے اجدادِ کرام نسل در نسل نبھاتے آئے تھے۔ چنانچہ کم سنی میں ہی آپ مسندِ سجادگی پر فائز ہوئے اور تاحیات اپنے اس منصب کی پاسداری فرماتے رہے۔ آپ اپنے آباء و اجداد کی ظاہری و باطنی امانتوں کے نہ صرف وارث تھے

بلکہ اُن کے فیوض و انوار کے امین بھی تھے، جن کی جھلک آپ کے کردار، علم اور سلوک میں نمایاں تھی۔ آپ کے دورِ مسند نشینی میں درگاہِ عالیہ میں روحانیت اور ذکر و ارشاد کا سلسلہ عروج پر تھا۔ روزانہ مجالسِ وعظ و نصیحت اور حلقہٗ ذکر منعقد ہوتے، جن میں قرب و معرفتِ الٰہی کی کیفیات چھلکتی نظر آتیں۔ اور لنگرِ برہنہ شمشیر رحمۃُ اللہِ علیہ کا اہتمام بھی آپ کے آخری سانس تک بحمدِ اللہ جاری رہا، جہاں روزانہ بے شمار عقیدت مند فیضِ ظاہری و باطنی سے بہرہ مند ہوتے رہے۔

آپ کی زندگی خدمتِ دین و خلقِ خدا کے لیے وقف تھی آپ نے نہ صرف درگاہِ مقدسہ میں قیام فرما کر فیوض و برکات بانٹے، بلکہ مختلف علاقوں کے طویل اسفار فرما کر بھی دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے، لوگوں کے دلوں میں عشقِ الٰہی، محبتِ رسول ﷺ اور اولیاءِ کرام کی اتباع کی شمعیں روشن کر دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے عہدِ مبارک میں بے شمار افراد نے آپ کے دستِ حق پر بیعت کر کے راہِ طریقت و معرفت میں قدم رکھا اور آپ کے فیضان سے ہمیشہ کے لیے منور ہو گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے وصال سے قبل ہی، دور دراز علاقوں کے مریدین و عقیدت مند خود بخود درگاہِ شریف کی سمت روانہ ہونے لگے۔ بعد میں کئی افراد نے بیان کیا کہ انہوں نے خواب میں حضرت کو دیکھا، آپ نے فرمایا: "ہم جا رہے ہیں، ملاقات کے لیے آجاؤ۔" یوں کچھ ہی گھنٹوں میں اطراف و اکناف سے قافلے درگاہ شریف پہنچنے لگے، اور تدفین کے وقت تک علاقہ زائرین، مریدین، اور عقیدت مندوں سے بھر گیا۔ آپ کی نمازِ جنازہ بارگاہ برہنہ شمشیر علیہ الرحمہ میں ادا کی گئی، جس میں سینکڑوں افراد نے شرکت کی۔ اور آپ کی تدفین درگاہِ عالیہ برہنہ شمشیر رحمۃُ اللہِ علیہ کے احاطہ میں، خود حضرت کے پہلو میں عمل میں آئی۔

وصالِ حضرت سید شاہ مخدوم حسینی رحمۃُ اللہِ علیہ کے بعد، آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ نعیم الدین حسینی بندہ نوازی رحمۃُ اللہِ علیہ مسندِ سجادگی پر فائز ہوئے۔ اگرچہ اس وقت آپ کی عمر تقریباً پندرہ برس کے قریب تھی، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اپنے ان کے اجداد کے روحانی تصرفات سے آپ نے اپنے والدِ بزرگوار کے مشنِ ہدایت و ارشاد کو کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا۔ آپ نے درگاہِ شریف کی مسندِ فیضان کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس کے دائرۂ اثر کو دکن کے طول و عرض میں پھیلایا۔ کچھ عرصہ بعد آپ حیدرآباد میں قیام پذیر ہوئے، جہاں آپ نے وعظ و نصیحت، اور اصلاحِ امت کا کام جاری رکھا۔ آپ کے خطابات نہ صرف حیدرآباد بلکہ سارے جنوبی ہند، دکن اور برصغیر کے معروف آستانوں میں بڑے اہتمام سے سنے جاتے تھے حیدرآباد کی اکابر خانقاہوں کے علاوہ عرس شریف کے موقع پر بارگاہ سرکار بندہ نواز علیہ الرحمہ میں اور بارگاہ سرکار غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ میں آپ کے خطابات کا سلسلہ جاری رہا، آپ نے ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کا سفر فرمایا اور ہر مقام پر تصوف، شریعت اور طریقت کے پیغام کو عام کیا۔ فروغِ سلسلۂ چشتیہ میں آپ کی خدمات تاریخِ دکن کا ایک روشن باب ہیں۔ آج بھی ایسے کئی بزرگ، علماء اور عوام الناس موجود ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کی مجالسِ وعظ اور روحانی محافل کا مشاہدہ کیا۔

ایک عرصہ تک آپ شہر حیدرآباد کی عید گاہ مادنا پیٹ کے خطیب کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے پوری زندگی دعوت و ارشاد، اور وعظ و نصیحت کے کام میں بسر کی، اور اسی کو اپنا مشن بنایا۔ ادب و شاعری کے میدان میں بھی آپ کو ید طولی حاصل

تھا۔ آپ کے کلام میں حمدِ باری تعالیٰ، نعتِ رسولِ کریم ﷺ، مناقبِ خلفائے راشدین، اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان، حضور غوث الاعظم، حضور خواجہ غریب نواز، حضور بندہ نواز گیسو دراز اور بکثرت حضور برہنہ شمشیر رحمہمُ اللہِ اجمعین کے مناقب شامل ہیں۔ یوں آپ نے اپنی پوری زندگی دینِ مبین کی خدمت، اصلاحِ امت، اور فروغِ تصوف کے لیے وقف کر دی، اور اپنے والدِ گرامی کی روحانی وراثت کو نہایت شان و وقار کے ساتھ آگے بڑھایا اور 1987 میں وصال فرمایا۔

حضرت سید شاہ نعیم الدین حسینی بندہ نوازی رحمۃُ اللہِ علیہ کے وصال کے بعد، آپ کے برادرانِ معظم حضرت سید شاہ ابو الحسن حسینی رحمۃُ اللہِ علیہ، حضرت سید شاہ حبیب اللہ حسینی رحمۃُ اللہِ علیہ، اور حضرت سید شاہ ولی اللہ حسینی رحمۃُ اللہِ علیہ نے اپنے اپنے انداز میں سلسلۂ برہنہ شمشیر کی روحانی و اصلاحی خدمات کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ انہیں مزید وسعت اور استحکام عطا فرمایا۔ یہ جلیل القدر حضرات اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خدمات کے میدانوں میں سرگرم رہے۔ خصوصاً حضرت سید شاہ ابو الحسن حسینی رحمۃُ اللہِ علیہ اور حضرت سید شاہ حبیب اللہ حسینی رحمۃُ اللہِ علیہ نے حکمت و طب کے ذریعے بھی عوام الناس کی کثیر تعداد کی خدمت کی اور بیعت و ارشاد کے ذریعہ سلسلہ کے فیضان کو جاری رکھا۔

حضرت سید شاہ ولی اللہ حسینی محمد پاشا رحمۃُ اللہِ علیہ نے اپنی پوری زندگی میں الحمدللہ اپنے اجدادِ کرام سے والہانہ عقیدت اور اٹوٹ وابستگی کا ثبوت پیش فرمایا۔ آپ نے اپنے اسلاف کی روحانی وراثت کو نہایت اخلاص، محبت اور استقامت کے ساتھ سنبھالا، اور سلسلۂ برہنہ شمشیر رحمۃُ اللہِ علیہ کی خدمات کو نہایت بہتر اور منظم انداز میں انجام دیا۔

*****

مراجع و مصادر

1۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی مقدس نشانیاں ہندوستان میں۔ کالپی، اترپردیش
2۔ حضرت سید شاہ بندگی مخدوم حسینی برہنہ شمشیر کی حیات مبارک۔ قلمی نسخہ (محفوظ مکتبۂ خانقاہ شریف)
3۔ کشکولِ بغدادی، حضرت منجھلے بغدادی قبلہ۔
4۔ پیر کامل، حالات طیبہ امام العارفین غوث زمان، حضرت پیر سید عبد الرحمن بغدادی المعروف بڑے بغدادی صاحب، نواب محمد دستگیر خان قادری جاگیر دار، ناشر: رحمانیہ تصوف اکیڈمی، حیدرآباد۔ 1956

حضرت امام علی شاہ قادری کے خانوادے کی علمی وروحانی خدمات

ڈاکٹر سید حبیب امام قادری

وحافظ سید زین العابدین رضوان پاشاہ*

برِّصغیر پاک و ہند میں اسلامی تعلیمات کے فروغ، روحانی بیداری، اور اخلاقی اصلاح میں صوفیاء کرام کا کردار نہایت اہم اور نمایاں رہا ہے۔ مختلف سلاسلِ طریقت کے مشائخ نے عوام الناس کو دینِ اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرانے، ان کے عقائد و اعمال کو درست کرنے، اور روحانی تربیت فراہم کرنے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان ہی برگزیدہ ہستیوں میں قطبِ دکن حضرت سیدنا امام علی شاہ قادری اور ان کے خانوادے کا شمار ہوتا ہے، جنہوں نے دکن کے علاقے، بالخصوص بالاپور اور اس کے گرد و نواح میں علم و عرفان، تزکیہ وطہارت، اور خدمتِ خلق کے ذریعے ایک روحانی انقلاب برپا کیا۔

حضرت سیدنا امام علی شاہ قادری کا تعلق سلسلہ قادریہ سے ہے۔ آپ کی تعلیمات اور شخصیت نے نہ صرف انفرادی سطح پر دلوں کو روشن کیا بلکہ ایک پورے معاشرتی ڈھانچے پر مثبت اثرات مرتب کیے۔ آپ کے بعد آپ کے خانوادے نے بھی علمی وروحانی میراث کو نہ صرف سنبھالا بلکہ اسے مزید وسعت دی۔ دینی مدارس، خانقاہی نظام، اصلاحی مجالس اور سلوک و تصوف کی عملی تعلیم کے ذریعے یہ خانوادہ آج بھی عوام الناس کی دینی وروحانی پیاس بجھانے میں مصروفِ عمل ہے۔

حضرت امام علی شاہ قادری۔ سوانح وخدمات

حضرت سیدنا امام علی شاہ قادری کا نسبی سلسلہ راست حضرت غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ آپ غوثِ اعظم کے فرزند دلبند حضرت شیخ عبد الوہاب سیف الدین الجیلانی کی اولاد میں سے تھے، آپ کے اجداد دین کی تبلیغ و اشاعت کے مقصد سے بغداد شریف سے روانہ ہوئے اور ہرات، نیشاپور، خراسان جیسے علم و روحانیت کے مراکز سے گزرتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے۔ یہاں انہوں نے ملتان، لاہور، دہلی، اودھ، گجرات اور دکن جیسے علاقوں میں قیام فرمایا۔ آپ کے خاندان کے سب سے پہلے بزرگ جنہوں نے ہندوستان میں قدم رکھا، وہ حضرت سیدنا شیخ یحییٰ محمود قادری الجیلانی تھے۔ آپ کا نسب پانچ واسطوں سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی تک اور 17 واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک جا پہنچتا ہے۔ حضرت شیخ یحییٰ محمود قادری اپنے والد، حضرت سید عبد الطیف رشید الدین قادری خراسانی کے ہمراہ کم عمری میں ہی ہندوستان آئے اور شہر لاہور کو اپنا پہلا مستقر بنایا۔ بعد ازاں آپ اودھ تشریف لے گئے اور یہیں قیام فرمایا۔ 1 27ھ میں آپ نے 32 برس کی عمر میں وصال فرمایا اور آپ کا مزار فیض آباد، اودھ میں

* خانقاہ رحیمیہ الگیلانیہ درگاہ شریف بالاپور' حیدرآباد

واقع ہے۔ حضرت شیخ یحییٰ محمود قادری کے ایک ہی فرزند ہوئے، جن کا نام حضرت سید شاہ عبد الرحمن قادری تھا۔ آپ کا نکاح اپنی سگی خالہ زاد، حضرت سیدنا شیخ یحییٰ یوسف قادری کی صاحبزادی بی بی قطانہ سے ہوا، جو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔[1]

بی بی قطانہ کو "بڑی بوا" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں اور اپنے وقت کی "رابعہ عصر" تصور کی جاتی تھیں۔ ان کا نکاح اپنے چچازاد حضرت شیخ سید محمد عبد الرحمن سے ہوا، جو حضرت سید شیخ یحییٰ محمود قادری کے فرزند تھے۔ بی بی قطانہ کے بطن سے حضرت کمال الدین علامہ اور حضرت شیخ زین الدین تولد ہوئے۔ یوں حضرت کمال الدین علامہ، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے بھانجے اور بھتیجے دونوں ہوئے۔[2]

حضرت غلام سرور بن غلام محمد، مصنف خزینۃ الاصفیاء، آپ کے نسب کے متعلق تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت کمال الدین علامہ کی آٹھویں پشت میں حضرت سید شاہ غنی اللہ قادری چشتی دکن تشریف لائے اور ضلع ورنگل میں سکونت اختیار کی۔ ان کے بھائی، سید یعقوب شاہ ولی، جذب کی کیفیت میں انارم ضلع ورنگل کے ایک تالاب میں زندہ سما گئے تھے۔ حضرت سید شاہ غنی اللہ قادری کی پانچویں پشت میں حضرت سید امام علی شاہ قادری تولد ہوئے۔ اس طرح حضرت سید امام علی شاہ قادری کا سلسلہ نسب تیرہ واسطوں سے حضرت کمال الدین علامہ، اکیس واسطوں سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، اور تینتیس واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ یہ نسب نامہ نہ صرف علمی و روحانی شرافت کا مظہر ہے بلکہ سلسلہ قادریہ عالیہ کے تسلسل، استقامت اور تبلیغی جہتوں کی دلیل بھی ہے۔[3]

روحانی تربیت اور علمی تعلیم:

حضرت سیدنا امام علی شاہ قادری نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سید شیر علی شاہ قادری سے حاصل کی، اور بعد ازاں مولانا ضیاء اللہ کشمیری سے تفسیر اور مولانا نور الصادقین سیالکوٹی سے فقہ و حدیث کی تعلیم پائی۔ آپ نے خرقۂ خلافت اپنے والد ہی سے حاصل کیا اور اعلیٰ روحانی منازل طے کیں۔

سلسلہ قادریہ و چشتیہ کی عظمت:

آپ کا روحانی شجرہ حضرت شیخ کمال الدین علامہ تک پہنچتا ہے جو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے بھانجے اور خلیفہ اکبر تھے۔ ان سے آپ کو دوہری نسبت حاصل تھی۔ نسبی بھی اور روحانی بھی۔ حضرت چراغ دہلوی آپ سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اور آپ

---

1 جہاں، سیدہ عصمت: 23-25

2 اکرام، محمد: 44-45

3 فضل جمالی، بن حامد: 211-213

کو "مرتبہ بلند" کا حامل قرار دیتے تھے۔[1]

دکن میں تشریف آوری:

قطب دکن حضرت سیدنا امام علی شاہ قادری سے بکثرت فرق، عادات اور کرامات کا ظہور ہوتا رہا۔ آپ کی روحانی طاقت، باطنی فیض اور ولایت کا چرچا ہر خاص و عام میں تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ماموں، جو خود بڑے پایے کے ولی اللہ تھے، نے آپ کو ایک بار بطور آزمائش ایک خبیث چڑیل کے تعاقب میں بھیجا جو ان دنوں شہر میں خوف و ہراس پھیلا رہی تھی۔ آپ نے نہایت جلالی انداز میں ایک ہی وار میں اس خبیث چڑیل کا سر تن سے جدا کر دیا اور اس کا سر لا کر اپنے ماموں کی خدمت میں پیش کیا۔ اس غیر معمولی واقعہ پر آپ کے ماموں بے حد خوش ہوئے اور اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ سکینہ بی بی کو آپ کے عقد نکاح میں دے دیا۔[2]

آپ کے یہاں ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی، اور اسی دوران آپ کو حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے دکن (حیدرآباد) جانے کا حکم ہوا۔ چنانچہ آپ حیدرآباد تشریف لائے اور سب سے پہلے کسارٹہ (چوک) کی مسجد میں قدم رکھا۔ اسی مقام پر قطبِ وقت، حضرت سید یوسف اکبر سرمست آپ کے منتظر تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی فرمایا: "امام علی شاہ، آپ آ گئے، آپ ہی کا انتظار تھا۔

حضرت یوسف اکبر نے فرمایا: "چراغ بھی ہے، تیل بھی ہے، بتی بھی ہے، مجھے صرف روشن کرنے کا حکم ملا ہے"۔

یہ وقت نمازِ فجر کا تھا۔ نماز کے بعد حضرت یوسف اکبر سرمست نے حضرت امام علی شاہ سے نہاری اور کلچے کی خواہش ظاہر کی۔ اُس وقت آپ کے پاس صرف دو آنے تھے۔ آپ تباری محلہ تشریف لے گئے اور نہاری و کلچے کا انتظام کیا۔ حضرت یوسف اکبر سرمست نے نہاری میں کچھ انگلی ڈالی، دو نوالے کھائے، اور باقی امام علی شاہ کو عنایت کر دیے۔ اس وقت حضرت اکبر سرمست کے والد بھی موجود تھے۔ حضرت اکبر سرمست نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: "ابا جان! سرکار دو عالم ﷺ کا حکم تھا کہ دکن کی قطبیت حضرت سیدنا امام علی شاہ کے سپرد کی جائے۔ اب میرا کام تمام ہو چکا۔"

یہ کہہ کر آپ وہیں لیٹ گئے اور اسی لمحے آپ کی روح پرواز کر گئی۔ تدفین کے بعد حضرت امام علی شاہ قادری پرانی عید گاہ مادنا پیٹ تشریف لے گئے اور وہاں محوِ عبادت ہو گئے۔

کچھ عرصے بعد، ناغر جمعدار کے رشتہ داروں میں ایک لڑکی سخت بیمار پڑ گئی۔ ہر ممکن علاج کیا گیا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ایک دھوبی نے ناغر جمعدار کو بتایا کہ پرانی عید گاہ میں ایک بزرگ تشریف فرما ہیں، ان سے رجوع کیا جائے شاید شفا نصیب ہو۔ چنانچہ وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے ایک ٹھیکری (مٹی کا ٹکڑا) عنایت فرمائی اور ہدایت دی کہ جاتے ہوئے اسے کسی باولی (کنویں) میں ڈال دیں۔ جیسے ہی وہ لوگ ٹھیکری ڈال کر گھر واپس پہنچے، برسوں کی بیمار لڑکی بالکل تندرست ہو چکی

---

[1] فضل جمالی، بن حامد:210

[2] جہاں، سیدہ عصمت:30

تھی۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ سب آپ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ اس طرح آپ کی ولایت و کرامت کا چرچا دور دور تک پھیل گیا اور بے شمار لوگ آپ کے فیض یافتہ بنے۔[1]

بالاپور میں اقامت:

حضرت سیدنا سید امام علی شاہ قادری قدس سرہ العزیز کی روحانی عظمت، تقویٰ، زہد و ریاضت، اور کرامات نے عوام و خواص کے دلوں میں خاص مقام پیدا کر لیا تھا۔ آپ کے ذکر و شہرت نے شہر میں غیر معمولی وسعت اختیار کی تو آپ نے سکونتِ شہر ترک کر کے بالاپور کا رخ فرمایا۔ بالاپور، جو چارمینار سے تقریباً آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اس زمانے میں بادشاہ وقت نواب میر تہنیت علی خان بہادر افضل الدولہ (نظام خامس) کے برادر حقیقی نواب میر جہانگیر علی خان روشن الدولہ بہادر کا مقطعہ تھا۔ نواب روشن الدولہ آپ کے مریدِ خاص تھے۔ انہوں نے از راہِ عقیدت یہ زمین حضرت کو دفن کے لیے نذر کی تھی۔ چنانچہ حضرت امام علی شاہ قادری عید گاہ سے بالاپور کے ایک دڑّے میں تشریف لے گئے اور تاحیات وہاں گوشہ نشین ہو کر ذکر و فکر میں مشغول رہے۔

نواب روشن الدولہ چونکہ اکثر بالاپور آتے جاتے رہتے تھے، اس لیے آپ کی زیارت بھی کیا کرتے۔ حضرت کی روحانی جاذبیت اور باطنی کمالات سے متاثر ہو کر وہ مرید ہو گئے۔ ان پر حضرت کی خاص عنایت تھی۔ نواب افضل الدولہ بہادر کی دخترانِ گرامی، نجم النساء بیگم (زوجہ امام جنگ) اور منیر النساء بیگم (منسوب بہ ظفر جنگ)، دونوں آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ نواب میر محبوب علی خان بہادر (آصف جاہ ششم) ہر سال آپ کے عرس مبارک کے موقع پر نجم النساء بیگم کے گھر تشریف لا کر تبرک تناول فرمایا کرتے تھے۔[2]

نواب سر خورشید جاہ بہادر بھی آپ کے مرید تھے۔ آپ کی دعا سے ان کے یہاں فرزند تولد ہوا، جس کا نام "امام جنگ" رکھا گیا۔ یہی امام جنگ افضل الدولہ کی دختر نجم النساء کے عقد میں آئے۔ آصفیہ سلطنت کے پیشکار و دیوان، راجہ چندو لعل شاداں بھی حضرت کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔[3]

کرامات و کشف: آپ کی زندگی کرامات، کشف و الہام اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات سے بھرپور تھی۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا امام علی شاہ قادری تالاب پر وضو فرما رہے تھے کہ کچھ شاہی ملازمین بدحواسی کے عالم میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "ہم نواب افضل الدولہ بہادر کے کیمپ پہاڑی شریف میں کھانے لے جاتے ہیں، مگر جنات یا پریاں راستے میں کھانے کو غائب کر دیتی ہیں، اور بادشاہ خفا ہوتا ہے۔" حضرت نے ان میں سے ایک کو اپنا کھڑاواں دیا اور فرمایا: "لے جا، آج تیرا کھانا محفوظ رہے گا۔" ایسا ہی ہوا۔ راستے بھر

---

[1] ایضاً:31

[2] جہانگیر، محمد: قلمی نسخہ

[3] بہادر، آصف جاہ:421

کھٹ کھٹ کی آوازیں آتی رہیں، مگر کھانا سلامت رہا۔ بادشاہ نے وجہ دریافت کی تو واقعہ سن کر حیران رہ گیا۔ وہ خود حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، مگر آپ نے حسبِ معمول بے نیازی سے پیش آکر فرمایا: کدھر آیا نواب؟" آپ کا طرزِ مخاطب سب کے لیے یکساں اور بے تکلف تھا۔ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔

بادشاہ افضل الدولہ، واپس جا کر اپنے بھائی روشن الدولہ سے کہا: "تمہارے پیر و مرشد تو مجھے کچھ خاص ہی نظر آتے ہیں!" کچھ دن بعد روشن الدولہ نے اپنے بھائی کو دوبارہ حضرت کی خدمت میں لے کر حاضر کیا اور دعا کی درخواست کی۔ اس پر حضرت نے فرمایا: "تیری سلطنت ہماری دعاؤں سے ہے!"[1]

خاندان و خلفاء: آپ کے دو فرزند شیر علی شاہ قادری (حضرت سیدنا شیر علی شاہ قادری نوابی طرزِ زندگی گزارنے کے خواہاں تھے۔ آپ نے اپنے لیے اور اپنے اہلِ خاندان کے لیے خصوصی دعا فرمائی، جس کی برکت آج بھی ظاہر ہے۔ یہ خاندان آج حیدرآباد کے معروف و معزز تجار میں شمار ہوتا ہے، جن کا کاروبار کوئلے سے وابستہ ہے۔ دنیاوی مصروفیات کے باوجود یہ خاندان دین دار، عبادت گزار، اور اولیاء اللہ سے گہری عقیدت رکھنے والا ہے۔) اور حضرت سیدنا نجف علی شاہ قادری علم و عرفان کے پیکر تھے۔ ان کی تربیت میں آپ نے دنیاوی مال و متاع کو رد کرتے ہوئے فقیرانہ روش کو اپنایا۔ بعد ازاں، آپ کی اولاد میں تسلسل سے اولیاء اللہ پیدا ہوئے جنہوں نے دکن میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن رکھا۔

وصال و روحانی جانشینی: آپ نے 26 صفر 1285ھ کو وصال فرمایا۔ بعد از وصال آپ کی روحانی مسند پر حضرت سیدنا نجف علی شاہ قادری جلوہ افروز ہوئے، اور قادری سلسلہ کو فروغ دیا۔ آج بھی آپ کی خانقاہ، مزار مبارک اور روحانی سلسلہ فیض رسانی کا منبع ہے۔

زہد و قناعت: آپ صائم الدہر، قائم اللیل، اور ذاکرِ دائم تھے۔ اکثر آپ کی غذا ایک مٹھی لال مٹی ہوتی جسے پانی میں گھول کر صاف حصہ پی لیتے۔ افطار و سحر میں لال منی (کنویں) کا پانی آپ کی غذا ہوتا۔ کبھی کبھار ایک مٹھی چاول (کچے یا پکے) بھی تناول فرما لیتے۔ غیر ضروری گفتگو سے پرہیز فرماتے، صرف ضرورت کے وقت مختصر بات فرماتے، باقی وقت یادِ الٰہی اور ذکرِ خفی میں غرق رہتے۔[2]

خانوادۂ بالاپور۔ علمی و روحانی وراثت

خانوادۂ بالاپور حضرت سید امام علی شاہ قادری قدس سرہٗ العزیز کی روحانی و نسبی وراثت کا امین ہے۔ یہ وہ مقدس سلسلہ ہے جو نہ صرف سلاسلِ قادریہ کی عظیم روحانی روایت کا تسلسل ہے بلکہ دکن، بالخصوص حیدرآباد اور اطراف و اکناف میں اشاعتِ دین، اصلاحِ خلق، اور رشد و ہدایت کا روشن چراغ بھی ہے۔ آپ کی اولاد و سجادہ نشینان نے اس عظیم روحانی وراثت کو نہایت احسن انداز میں آگے بڑھایا۔ آپ کے صاحبزادگان، خلفاء، اور اہلِ بیت نے اس درگاہِ عالیہ کے دینی، روحانی اور اصلاحی کردار کو نسل در نسل

---

[1] جہاں، سیدہ عصمت: 32

[2] جہانگیر، محمد: قلمی نسخہ

جاری رکھا۔ نہ صرف اہلِ حیدرآباد بلکہ دکن کے طول و عرض سے طالبانِ حق آپ کے آستانے پر حاضری دیتے رہے۔

حضرت سیدنا نجف علی شاہ حسنی والحسنی قادری الجیلانی قدس سرہ العزیز

حضرت سیدنا نجف علی شاہ قادری کا شمار برصغیر پاک و ہند کے جلیل القدر اولیاء کرام میں ہوتا ہے جنہوں نے دکن کے علاقے میں روحانی تربیت و تزکیۂ نفس کا عظیم کام سرانجام دیا۔ آپ حضرت سید امام علی شاہ قادری اور حضرت سیدہ سکینہ بی بی کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ریاست حیدرآباد دکن کے معروف قصبہ بالاپور میں ہوئی۔[1]

تعلیم و تربیت: حضرت سیدنا نجف علی شاہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار، حضرت سید امام علی شاہ قادری کے زیر سایہ حاصل کی۔ سلوک و طریقت کے مدارج بھی انہی کی زیر تربیت طے کیے اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد آپ نے مسند خلافت سنبھالی اور دکن کے مختلف علاقوں میں روحانی فیض کا سلسلہ جاری کیا۔

سیرت و کردار: حضرت سیدنا نجف علی شاہ قادری ایک باصفا، باکمال اور مجاہد صوفی بزرگ تھے۔ دنیاوی شہرت اور جاہ و حشمت سے دور رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ گوشہ نشینی کو محبوب رکھتے اور ذکر و فکر میں ہر وقت مستغرق رہتے۔ آپ کی روحانی توجہ سے بے شمار افراد نے ظاہری و باطنی فیض پایا۔ دکن کے کم و بیش 16 اضلاع میں آپ کے مریدین اور متعلقین موجود تھے جن میں عامۃ الناس سے لے کر امراء، حکام، اور نوابین تک شامل تھے۔

عقیدت مندان : نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ ہفتم کی اہلیہ محترمہ، جو نواب روشن الدولہ کی پوتی تھیں، آپ کی مریدہ تھیں۔ اسی طرح پائیگاہ خاندان، مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت اور دیگر ریاستی امراء آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کے فرزند کی بیماری کے موقع پر آپ کا تعویذ ذریعۂ شفا بنا، جس کے بعد مہاراجہ نے بارہا آپ کی خدمت میں حاضری دی۔[2]

خدمت خلق و فیاضی: ریاستِ حیدرآباد دکن کی روحانی اور صوفی روایات میں "بالاپور صاحب کی گیارھویں" کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ گیارھویں شریف حضرت سیدنا نجف علی شاہ قادری کی نسبت سے ہر سال نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ منائی جاتی تھی، اور آج بھی اس کا فیض جاری ہے۔[3]

دسترخوانِ ولایت : گیارھویں شریف کے دن کی سب سے نمایاں خصوصیت وسیع و عریض دسترخوان تھا، جو صبح سے شام تک جاری رہتا۔ اس دسترخوان پر نہ کوئی تفریق تھی نہ امتیاز۔ امیر و غریب، شاہ و گدا، سب کے لیے ایک جیسا طعام پیش کیا جاتا۔ یہ صرف کھانے کا انتظام نہیں بلکہ سخاوت، مساوات، اور روحانی برکت کا مظہر تھا۔ ایک مرتبہ امام علی شاہ قادری کے عرس کے موقع پر جب

---

[1] جہانگیر، محمد: قلمی نسخہ

[2] جہاں، سیدہ عصمت: 40-41

[3] جہانگیر، محمد قلمی نسخہ

کھانے کی قلت محسوس ہوئی تو حضرت سیدنا نجف علی شاہ نے اپنا رومال دیگچے پر باندھنے کو کہا۔ بعد ازاں کھانے کی ایسی برکت ہوئی کہ تمام لوگ سیر ہو کر کھا گئے اور کھانا پھر بھی بچ رہا۔

نظامِ خلافت: حضرت سیدنا نجف علی شاہ قادری نے اپنے بڑے فرزند سید لطیف الدین شاہ قادری کو سجادگی عطا فرمائی تھی، مگر ان کی جلد وفات کے بعد آپ نے اپنے باقی چار فرزندوں کو خلافت سے نوازا، مگر کسی کو جانشین مقرر نہ کیا۔ وصیت کے مطابق ہر سال ان کے عرس کے موقع پر صندل کی کشتی اپنے اپنے گھروں سے لائی جاتی اور اگر اتفاق رہا تو سب کی کشتی ایک جگہ سے اٹھتی، ورنہ الگ الگ۔ یہ روایت آج بھی جاری ہے۔

وصال : حضرت نے 17 شوال 1355ھ مطابق 20 دسمبر 1936ء بروز اتوار وصال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک بالاپور شریف میں اپنے والد بزرگوار کے چبوترے کے دائیں جانب واقع ہے۔ ہر سال 17 شوال کو آپ کا سالانہ عرسِ مبارک تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے، جہاں عقیدت مند دور دور سے حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے ہیں۔[1]

اولاد

حضرت سیدنا نجف علی شاہ قادری کا نکاح سیدہ امین شاہ بی بی سے ہوا، جو سید شاہ زین العابدین حسنی کی دختر تھیں۔ اس عظیم روحانی جوڑے کو اللہ تعالیٰ نے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں عطا فرمائیں۔ حضرت کے فرزند اکبر سید شاہ لطیف الدین قادری تھے، جو والد محترم کی حیات ہی میں وفات پا گئے۔ دوسرے صاحبزادے سید شاہ ولی اللہ حسنی والحسینی القادری تھے، جن کا سالانہ عرس 20 شعبان کو منایا جاتا ہے۔ تیسرے فرزند سراج السالکین حضرت سید شاہ شیر الدین قادری تھے، جن کا عرس ہر سال 9 شعبان کو منایا جاتا ہے۔ چوتھے فرزند حضرت سید شاہ امام الدین قادری تھے، جن کی اولاد میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ پانچویں فرزند حضرت سید شاہ رحیم الدین حسینی والحسینی القادری ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے اپنے علم، عمل، تقویٰ، زہد، فقر، درویشی اور اعلیٰ اخلاقی صفات کے ذریعے ایک دور کو منور کیا۔ آپ نہ صرف ایک ولی کامل تھے بلکہ شریعت و طریقت کے جامع، انسان دوست، بردبار، متواضع، عارف باللہ، اور بلند کردار شخصیت کے حامل تھے۔

حضرت سیدنا نجف علی شاہ قادری کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ سیدہ احمد شاہ بی بی، جو ایک مجذوبہ تھیں؛ حضرت سیدہ شاہ بی بی، جنہیں ایک بیٹا صاحب جانی (نلگنڈہ) تولد ہوا؛ اور حضرت سیدہ محبوب شاہ بی بی، جن کی شادی سید صادق پیر قادری سے ہوئی، اور ان کے بطن سے ایک بیٹی، سیدہ رحیم النساء بیگم، زوجہ سید رحیم حسنی قادری تولد ہوئیں۔

خاندان کے دو روشن چراغ

---

[1] جہاں، سیدہ عصمت: 43

عارفِ حق حضرت سید شاہ فقیر محی الدین مشاہد اللہ

حضرت سید شاہ فقیر محی الدین مشاہد اللہ سادات صحیح النسب سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ سلسلہ قادریہ کے معروف بزرگ سراج السالکین حضرت سید شاہ شیر الدین قادری کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل مہارت اور علمی لیاقت رکھتے تھے۔ علما و صلحا کی صحبت سے خوب فیض یاب ہوئے، اور صاحبِ حال و قال، ایک باکمال درویش کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ آپ کا بیشتر وقت اپنے مریدین کی تعلیم و تربیت میں گزرتا۔ آپ نے جلیل القدر عالم دین بحر العلوم حضرت علامہ مولانا محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ کے حضور زانوئے ادب تہہ کیا، روایت ہے کہ جہاں بھی اپنے استادِ محترم کو دیکھتے، فوراً قدم بوسی کے لیے دوڑ پڑتے۔ تاہم، حسرتؔ کو یہ بات پسند نہیں تھی۔ چنانچہ اس معاملے کا ذکر انہوں نے اپنے ہم مکتب سراج السالکین حضرت سید شیر الدین قادری سے کیا، تو انہوں نے فرمایا: ”استاد اور شاگرد کا رشتہ ادب و احترام پر ہی قائم ہوتا ہے، اور شاگرد کو ہمیشہ مؤدب رہنا چاہیے۔“[1]

تعلیم و سفر: حضرت سید فقیر محی الدین نے کراچی کے مختلف خانقاہوں اور مدارس میں علمِ ظاہری و باطنی حاصل کیا۔ دورانِ تعلیم آپ نے بزرگ عبد اللہ شاہ غازی کے مزار پر چلہ کشی کی۔ ایک بار خواب میں دیکھا کہ حضرت عبد اللہ شاہ غازی اور حضرت سیدنا امام علی شاہ قادری آپ کا ہاتھ پکڑ کر حیدرآباد دکن لے جا رہے ہیں۔ یہ خواب تین رات متواتر دیکھا، جس کے بعد آپ حیدرآباد کا سفر اختیار کر لیا۔ حیدرآباد میں آپ نے کچھ مدت کے لیے سید علی چبوترہ میں قیام کیا۔ آپ کے دونوں عمِ محترم، حضرت سید شاہ امام الدین قادری اور حضرت سید شاہ رحیم الدین قادری نے خطوط کے ذریعے بالاپور منتقل ہونے کی تلقین کی اور فرمایا: ” آپ خاندان کے چراغ ہیں۔“[2]

خدمات و خانقاہی نظام: بالاپور میں آپ نے خانقاہ دارالاذکار والمواعظ کی بنیاد 1905 رکھی، جہاں نہ صرف ذکر و اذکار کا معمول تھا، بلکہ تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن کا نظام بھی قائم تھا۔ آپ عربی، فارسی اور اردو میں درس دیا کرتے اور مریدین و متوسلین کی تعلیم و روحانی تربیت میں ہمہ وقت مصروف رہتے۔[3]

حضرت فقیر محی الدین نہایت مؤثر اور دلنشین انداز میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی مجالسِ ذکر و نصیحت میں صرف علما یا مشائخ ہی نہیں، بلکہ عام لوگ بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتے۔ یہ روحانی محفلیں بعض اوقات پوری پوری رات جاری رہتیں اور بالآخر نمازِ تہجد کے بعد اختتام پذیر ہوتیں۔ آپ کی صحبت کا اثر صرف وقتی جذباتی کیفیت تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ لوگوں کی زندگیاں بدل جاتی تھیں۔ آپ کے کلام میں اثر، دل میں جذبہ، اور عمل میں اخلاص ہوتا تھا، یہی وجہ تھی کہ ہر طبقے کے لوگ آپ سے جڑتے چلے گئے۔

---

[1] امام قادری، ایس حبیب:7

[2] امام قادری، ایس حبیب:11

[3] امام قادری، ایس حبیب:14

خاندانی زندگی

آپ کی شادی حضرت سید شاہ لطیف الدین قادری کی صاحبزادی سیدہ چاند شاہ بی بی (زوجہ حافظ سید شاہ رفیع الدین قادری) سے ہوئی۔ ان سے آپ کی ایک دختر تھیں جن کا نام سیدہ خدیجہ شاہ بی بی تھا۔ اہلِ خاندان انہیں عقیدت و محبت سے "امّنی" کہہ کر پکارا کرتے۔ اولاد آپ کے تین صاحبزادگان تھے: فرزند اکبر محترم سید شاہ شیر الدین حسنی الحسینی قادری المعروف بڑے صاحب ایک باوقار تاجر' ان کے فرزندوں میں فرزند اکبر سید شاہ اعجاز محی الدین حسنی حسینی القادری خلیفہ وداماد حکیم سید شاہ نصرت ہاشمی قادری' سید غیاث محی الدین حسنی الحسینی القادری' سید افتخار محی الدین قادری' اور چار دختران شامل ہے۔' فرزند دوم محترم سید شاہ خسرو محی الدین قادری' سرکاری ملازم (محکمہ تعلیمات) (تین صاحبزادگان میں ڈاکٹر سید حبیب امام قادری لکچرر وصحافی' ایڈیٹر ماہنامہ "تاریخ دکن"' ڈاکٹر سید عزیز امام قادری سینئیر سائنٹس (گروپ لیڈر، نووارٹس فارما، ایکٹاوس' نئی دہلی)' قاضی سید محمد امام قادری خطیب مسجد انجمن خادم المسلمین کاچی گوڑہ ورکن متولی بالاپور درگاہ شرف' حکیم الحکماء حضرت الحاج سید شاہ نصرت ہاشمی حسنی الحسینی قادری موجودہ سجادہ نشین، درگاہ شریف بالاپور۔

حکیم الحکماء سید شاہ نصرت ہاشمی قادری، موجودہ سجادہ نشین درگاہ شریف بالاپور، ایک پیدائشی ولی کامل ہیں۔ آپ کا پیشہ طب ہے، اور آپ کے مریدین و معتقدین کی بڑی تعداد کریم نگر، ورنگل اور پداپلی جیسے علاقوں میں موجود ہے۔ آپ نہایت سخی اور فیاض طبیعت کے مالک ہیں؛ آپ کے دستر خوان پر ہمیشہ غریب، محتاج اور مستحق افراد بٹھائے جاتے ہیں، اور ان کی عزت و احترام کے ساتھ ضیافت کی جاتی ہے۔

آپ کے فرزند، سید عظمت ہاشمی قادری (جانشین ورکن متولی، درگاہ شریف رکن بالاپور) اور آپ کے بھتیجے، قاضی سید محمد امام قادری (رکن و متولی، درگاہ شریف بالاپور) درگاہ شریف کی خدمت، انتظام و انصرام اور صیانت میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کی مخلصانہ کاوشیں درگاہ کی روحانی و سماجی خدمات کو فروغ دے رہی ہیں۔

حکیم امت حضرت سید شاہ عارف اللہ حسنی والحسینی قادری:

حضرت سید شاہ عارف اللہ حسنی والحسینی قادری، حضرت سید رحیم الدین حسنی الحسینی قادری کے چوتھے فرزند، نہ صرف ایک نامور عالم دین بلکہ ایک کامل صوفی اور ہمدرد حکیم تھے جن کی زندگی اور خدمات ملت اسلامیہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب نہایت شریف اور پاکیزہ تھا، جو دونوں حسنی اور حسینی سادات کی برکتوں سے منور تھا۔ آپ کا پدری سلسلہ نسب پیرانِ پیر غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی سے جاملتا ہے جبکہ مادری سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور حضرت سیدنا علیؑ سے منسلک تھا۔ یہ اعلیٰ نسبی رتبہ آپ کی روحانی شخصیت کی گہرائی اور بلند مرتبے کا آئینہ دار تھا۔[1]

[1] جہاں' سیدہ عصمت: 63

ولادت اور ابتدائی تعلیم : آپ کی ولادت 4/ شعبان 1351ھ بمطابق 3/ دسمبر 1932ء کو بالا پور میں ہوئی، جہاں آپ نے ایک روحانی اور علمی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ والد گرامی کی نگرانی میں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر دور کے جید علماء سے فیض یاب ہو کر اپنی علمی اور روحانی تربیت مکمل کی۔ بچپن ہی سے آپ دین کی تبلیغ، ذکر و مراقبہ میں مشغول رہے اور نو سال کی عمر سے محلہ کے بچوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔[1]

خدمت خلق اور طبابت : علم کے حصول کے بعد آپ نے حکمت (طب) کو اپنا پیشہ بنایا اور تقریباً پچاس سال تک اپنے مطب کے ذریعے غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بلا معاوضہ علاج کیا۔ آپ کا مطب نہ صرف بالا پور بلکہ گولی پورہ اور بار کس میں بھی قائم رہا، جہاں آپ نے سینکڑوں لاعلاج مریضوں کو شفا بخشی۔ علاوہ ازیں، آپ نے روحانی بیماریوں اور جنات کی پریشانیوں میں مبتلا افراد کی بھی مدد کی، جنہیں آپ کی فیضانِ نظر سے کامیابی حاصل ہوتی۔

روحانی خدمات اور خانقاہی نظام : آپ نے "رحیمیہ الگیلانیہ" کے نام سے ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی، جو خانقاہ الگیلانیہ کا حصہ تھی اور مرجع خلائق شمار ہوتی تھی۔ یہاں ہر طبقہ فکر کے لوگ آتے اور اپنے مسائل کا حل پاتے تھے۔ ہر ماہ ہلالی کی 19 تاریخ کو یہاں حلقہ ذکرِ اللہ اور ختمِ قادری کی محفل منعقد ہوتی تھی۔ آپ کے وعظ و درس میں قرآن و حدیث کے ساتھ عربی و فارسی اشعار، صوفیاء کرام کے اقوال، اور عملی تصوف کے اصول شامل ہوتے تھے، جو سامعین کے دلوں اور ذہنوں پر گہرا اثر چھوڑتے تھے۔[2]

ارشادات و نصائح: حضرت قبلہ نے اپنی زندگی کے تجربات اور روحانی بصیرت کی روشنی میں اپنی اولاد اور مریدین کو قیمتی نصائح فرمائیں جن میں زندگی کے ہر لمحے کو ضائع نہ کرنے، علم کی جستجو جاری رکھنے، حوصلہ بلند رکھنے، دل کو بڑا رکھنے، ناکامیوں سے خوفزدہ نہ ہونے، عطا کرنے کی فضیلت، اعتدال پسندی، بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت، روزانہ محاسبہ اور اعمال پر توجہ جیسے اصول شامل ہیں۔ یہ ارشادات آج بھی روحانی راہ کے مسافروں کے لیے مشعل راہ ہیں۔

حضرت قبلہ ایک جامع العلوم عالم، فقیہ، محدث، مفسر، صوفی اور حکیم تھے۔ آپ کا نادر و نایاب کتب خانہ علم و حکمت کا خزانہ تھا جس میں مختلف علوم و فنون کی ہزاروں کتابیں موجود تھیں۔ آپ کی شخصیت حلم، بردباری، تواضع، انکساری اور کمالات روحانی کی اعلیٰ مثال تھی۔

انتقال اور یادگار :حضرت قبلہ نے 7/ ربیع الثانی 1439ھ کو اس دنیوی فانی سے پردہ فرمایا۔ ان کا مزار اقدس اپنے والد ماجد کے چبوترے کے نیچے واقع ہے جہاں ہر سال ان کا عرس بڑی عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔ آپ کے شاگرد، خلفاء، اولاد اور مریدین آج بھی آپ کے علمی و روحانی فیضان سے مستفید ہو رہے ہیں۔

---

[1] جہاں سیدہ عصمت:63

[2] جہاں سیدہ عصمت:65

خاندانی پس منظر اور اولاد : حضرت سید شاہ عارف اللہ حسنی والحسینی قادری کا نکاح ایک نہایت شریف، دینی اور روحانی خانوادے کی دختر، سیدہ ناہید سلطانہ بنت حضرت سید شاہ غوث محی الدین قادری(سابق متولی درگاہ شریف بالاپور) سے ہوا۔ سیدہ ناہید سلطانہ حسب و نسب ، تقویٰ و پرہیزگاری اور علم و ادب کی حامل خاتون تھیں۔ حضرت قبلہ کو اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے عطا فرمائے۔ آپ نے اولاد کی تعلیم و تربیت میں خاص دلجمعی سے کام لیا۔ ہر بچہ کو دینی، اخلاقی اور دنیاوی علوم میں مہارت دلوانے کا خاص اہتمام فرمایا۔ ان کی اعلیٰ تربیت کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف ان کی اولاد بلکہ دونوں بہوئیں اور تینوں داماد بھی تعلیم و اخلاق میں ممتاز اور باکردار ہیں۔ حضرت قبلہ نہایت رقیق القلب شخصیت کے مالک تھے۔ کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو بے چین ہو جاتے، جب تک وہ بچہ خاموش نہ ہو جاتا آپ کو قرار نہ آتا۔ یہ آپ کی مخلوق سے محبت، شفقت اور حقوق العباد کی ادائیگی میں اعلیٰ ظرفی کی روشن مثال ہے۔[1]

حضرت سید شاہ عارف اللہ حسنی والحسینی قادری کی اولاد اور خلفاء آج بھی آپ کی عظیم روحانی میراث کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی سیرت کا ہر پہلو شفقت، حلم، علم، اور روحانیت سے مزین ہے۔ ان کی زندگی کا پیغام آئندہ نسلوں کے لیے نہ صرف ایک راہ ہدایت ہے بلکہ ایک مکمل نظام حیات ہے جس کی بنیاد محبت، خدمت خلق اور بندگی رب پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت قبلہ کے درجات بلند فرمائے، ان کے فیوض و برکات کو تاقیامت جاری و ساری رکھے، اور ان کی اولاد کو اسی طرح خدمتِ دین و سلسلہ عالیہ قادریہ کے لیے استقامت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

خاندان بالاپور کی متفقہ رائے سے حضرت الحاج رضوان پاشاہ کو درگاہ قطب دکن حضرت سید امام علی شاہ قادری کی صیانت و خدمت کے عظیم منصب پر فائز کیا گیا۔ آپ نے صدر متولی کی حیثیت سے اس ذمہ داری کو نہایت خوش اسلوبی، تدبر اور اخلاص کے ساتھ نبھایا۔ آپ کی سرپرستی میں درگاہ شریف میں کئی نمایاں اصلاحی و تعمیراتی کام انجام دیے گئے، جن میں قابل ذکر ہیں: درگاہ شریف کے چبوترے کی تعمیر و تجدید، مسافروں، مریدین، معتقدین اور زائرین کے لیے آرام دہ ٹین شیڈ کا قیام، عرس و مجالس کے موقع پر اجتماعی لنگر کے لیے باقاعدہ جگہ کی فراہمی، وضوخانہ اور بیت الخلاء کی جدید سہولتوں کی فراہمی، حضرت سید نجف علی شاہ قادری کے مزار مبارک پر شامیانے کی تنصیب، درگاہ کے داخلی مقام پر خوبصورت اور پُروقار کمان کی تنصیب، وغیرہ۔

*****

کتابیات

1۔ جہاں، سیدہ عصمت جہاں، ''تذکرہ مشائخ بالاپور''۔ اکبر س پبلیشرس، حیدرآباد، 2013

2۔ حسین، محمد حسین، ''انوارالعارفین''۔ منشی نول کشور، لکھنو۔1876

3۔ بہادر، آصف جاہ بہادر، ''تاریخ خورشیدہ جاہی'' در مطبع ریاض ہنا، علی گڈھ، نامعلوم

[1] جہاں، سیدہ عصمت:68

4۔ فضل جمالی، حامد بن فضل اللہ جمالی، "سیر العارفین" لاہور، 1279
5۔ اکرام، محمد، "آب کوثر" مرکنٹائل پریس، لاہور، 1940
6۔ امام قادری، ایس حبیب امام قادری "مختصر سیرت مشاہد اللہ" اعجاز پریس، حیدرآباد، 1995
7۔ بستان الصالحین (مخطوطہ)، لائبریری، رحیمیہ بالاپور درگاہ شریف
8۔ جہانگیر، محمد جہانگیر (قلمی نسخہ)، دارالاذکار المواعظ، بالاپور درگاہ شریف
9۔ محمد جہانگیر، حال مقیم درگاہ برہنہ شاہ صاحب، حضرت سید شاہ امام علی شاہ قادری اور حضرت سید شاہ رحیم الدین قادری کے مریدِ خاص تھے۔ آپ نے خانوادہ حضرت سیدنا امام علی شاہ قادری کے تمام مشائخ عظام کے حالاتِ زندگی پر ایک جامع کتاب تحریر کی ہے، جس کا قلمی نسخہ راقمُ الحروف (ڈاکٹر سید حبیب امام قادری) کے پاس محفوظ ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں خاندان بالاپور کی مکمل تاریخ تحریر کی گئی ہے۔

خانوادۂ "مسجود البرق" کا تاریخی علمی و سماجی منظر نامہ

سید شاہ خلیل اللہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی اقبال بادشاہ*

دکن میں صوفیائے اسلام کی آمد کا پتہ چھٹی صدی ہجری یعنی بارہویں صدی عیسوی سے چلتا ہے۔ حاجی رومی 555 ہجری بیجاپور، پیر جمنا، پیر معبری کھنڈایت، پیر مقصود شیخ نصیر الدین نصر اللہ ولی، سید حسام الدین 680 ہجری، باباشرف الدین 687 ہجری، شیخ فرید الدین 739 ہجری، شیخ سعد زنجانی 740 ہجری، امیر حسن علی سجزی 768 ہجری، سید یوسف الحسینی راجا قتال، والد حضرت بندہ نواز 731 ہجری دکن میں آئے۔ دکن میں بہمنی سلطنت کے آغاز سے پہلے 748 ہجری 1347 عیسوی سے قبل دکن جنوبی ہند کے مختلف علاقوں میں مختلف سلسلوں کے صوفیائے اسلام دکن میں آچکے تھے۔[1]

پندرہویں صدی کے شروع اور سترہویں صدی کے اواخر میں اختتام پذیر ہونے والی دو سالہ تاریخ پر محیط گولکنڈہ کی تاریخ کا بادل ناخواستہ ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن گہری نظر سے دیکھا جائے تو سلطنت گولکنڈہ آندھرا پردیش کی بہت بڑی سلطنت تھی۔ اس کی وسیع تاریخ کے مدو جزر میں تمدن کی بڑی حقیقتیں پوشیدہ ہیں۔ اگرچہ بعض ممالک میں ہیروں کی سلطنت مشہور تھی لیکن مغربی سیاحوں کو اس کا درخشاں تمدن کھینچ لاتا تھا۔

گولکنڈہ صوفی خانوادوں سے حسن سلوک اور حسن مراسم تھے۔ محمد قلی قطب شاہ نہایت وسیع المشرب اور صوفی دوست بادشاہ تھا۔ حضرت خواجہ بندہ نواز و حضرت ابراہیم ملتانی، حضرت نوراللہ کرمانی کے خانوادوں سے اس کی عقیدت بہت قوی تھی۔ ان خانوادوں کے نام اس نے جو فرامین اور سندیں جاری کی ہیں وہ عقیدت اور احترام میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ ان فرامین اور اسناد پر ادب اور عقیدت کے اظہار کے طور پر اس نے شاہی مہر ثبت کرنے کے بجائے دستخط ثبت کیے ہیں۔[2]

دکن کی سرزمین اور صوفیائے دین کے اٹوٹ رشتہ کے ابتدائی تذکرہ کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ حضرت قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، امام الکاملین، سید السادات بندگی مخدوم حضرت سید شاہ محمد حسینی المعروف سیدنا خواجہ بندہ نواز گیسودراز قدس اللہ سرہ العزیز کی ذاتِ گرامی مثل ایک آفتاب کی ہے جس کی ضیاء پاشی سے ایک عالم منور ہوا۔ پہلے شمالی ہند بعد میں جنوبی ہند میں تبلیغ اشاعت دین کے ساتھ اصلاح باطن، صفائی قلب، طریقت اور معرفت کے سلسلے میں آپ نے وہ کارنامے انجام دیئے جو رہتی دنیا تک فراموش نہ ہو سکیں گے۔

---

* سجادہ نشین خانقاہ چشتیہ برقیہ-iqbalhussaini99@gmail.com

1 ۔صوفیائے گولکنڈہ، پروفیسر سلیمان صدیقی، ماہنامہ سب رس، صفحہ 18، ماہ جون 1972ء حیدرآباد

2 ۔ صوفیائے گولکنڈہ، پروفیسر سلیمان صدیقی، مرجع سابق، صفحہ 21۔

ہر گز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بہ عشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دو ام ما

خواجگانِ چشت محققین و مجتہدین کا درجہ رکھتے ہیں حضرت سیدنا خواجہ بندہ نواز کی توجہاتِ عالیہ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ منعطف رہیں، مقدمہ خاتمہ شریف میں سید عطا حسین مرحوم رقمطراز ہیں: ''اس سلسلہ میں مخدوم سید محمد حسینی گیسودراز ہی پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس جانب توجہ کی اور بڑی بڑی کتابیں اور چھوٹے چھوٹے رسائل بکثرت تصنیف کیے''۔ [1]

خانوادہ ''مسجود البرق'' اسی معظم صوفی باصفا، مخدوم حضرت خواجہ بندہ نواز کے خانوادہ گرامی سے نسبت و تعلق رکھتا ہے اور اس خانوادہ کے افراد ''البرقی'' کہلائے جاتے ہیں۔

البرقی کی شان تسمیہ

> روایت ہے کہ ایک مجلس میں حضرت سید شاہ قبول اللہ محمد محمد الحسینی فکر و ذکر میں مشغول تھے کہ اچانک بجلی تیزی کے ساتھ آئی اور حضرت ممدوح کے طواف و سجدہ کا شرف حاصل کرکے واپس ہوئی۔ آپ اور حاضرین مجلس کو رمق برابر ضرر نہیں پہنچا۔ اس وقت سے حضرت ممدوح ''مسجود البرق'' اور آپ کی اولاد اس نسبت سے ''البرقی'' کہلانے لگی۔ [2]

حقائق آگاہ معارف پناہ حضرت سید شاہ قبول اللہ محمد محمد الحسینی مسجود البرق، امام الصوفیہ دکن حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز سے تیرہویں پشت میں حضرت سید شاہ صاحب محمد محمد الحسینی عیان اللہ خواجہ معنوی کے فرزند ہیں۔ علم، عرفان، عبادت و ریاضت، کشف و کرامات اور واقعہ طواف و سجدۂ برق کی اطلاع کے بعد سلطان وقت نے اپنی ریاست اور رعایا کے لیے دعا کی درخواست کے ساتھ جاگیر قبول فرمانے کی استدعا کی۔ حضرت نے اسے منظور نہ فرمایا۔ اپنے آبا و اجداد کی علمی و سماجی وراثت کو باقی رکھتے ہوئے تصنیف و تالیف کے علاوہ قرآن مجید کی کتابت آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ تاریخ وصال 6 محرم الحرام 1192 ہجری ہے۔

حضرت سید شاہ قبول اللہ محمد محمد الحسینی مسجود البرق کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت سید شاہ معین الدین محمد محمد الحسینی المعروف صاحب حسینی جانشین و سجادہ نشین ہوئے۔ آپ علم صحیح، عمل صالح سے آراستہ، صاحب تصنیف و تالیف اور حامل کشف و کمالات صوری و معنوی تھے۔ بادشاہِ وقت نے حضرت سیدنا علی مرتضیٰ، اور حسنین کریمین کا واسطہ دے کر جاگیر و منصب، اراضیات و انعام، مقطعہ اور معاش کی نذر پیش کی، چنانچہ قطب شاہی، عالمگیری اور آصف جاہی دور کے شاہی فرامین و اسناد نہ صرف خاندانی دفتر میں محفوظ ہیں اور مصنف کتاب ''دکن کے روشن چراغ'' کے مملوکہ ہیں۔ حضرت صاحب حسینی 16 ذی قعدہ 1217 ہجری وصال

---

[1] ۔ مقدمہ خاتمہ شریف، سید عطا حسین مرحوم، بحوالہ کلماتِ مترجم، زادالموحدین، حضرت شاہ راجو حسینی، ترجمہ، مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی، ص6، ناشر، شاہ راجو اکیڈیمی حیدرآباد 2004ء۔

[2] ۔ دکن کے روشن چراغ، حسینی ساجد، سن اشاعت 2004ء، مطبوعہ شارپ پرنٹرس، حیدرآباد، آندھرا پردیش صفحہ 225۔

کر گئے۔

خانوادہ مسجود البرق کے دوسرے جانشین حضرت سید شاہ علی اکبر محمد محمد الحسینی البرقی ہوئے۔ علوم اسلامیہ، عقلیہ ونقلیہ اور تصنیف و تالیف کے اعتبار سے ممتاز تھے۔ آپ کے بعد فرزند اکبر حضرت سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی البرقی نے مسند جانشینی کو زینت بخشی، تصنیف وتالیف اور عوامی وسماجی خدمات کو اپنے آبائی طرز وانداز سے بحسن وخوبی انجام دیا۔

عارف باللہ سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی البرقی، اپنے والد معظم حضرت سید شاہ علی اکبر محمد محمد الحسینی البرقی کی خلافت عظمیٰ سے مشرف اور مسند رشد وہدایت پر متمکن ہوئے۔ سماجی خدمات کے تسلسل کو خانوادہ" "مسجود البرق" کی روایات کے مطابق انجام دیتے ہوئے تحقیق الکتب کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور فارسی واردو زبان میں کتابیں تیار وطبع فرمائیں۔ لیکن یہ امر صد افسوس کا باعث ہے کہ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کے وصال (1330 ہجری) کے معاًبعد چند اصحاب آپ کے مسودات، مخطوطات اور بعض تاریخی اہمیت کے دستاویزات کا گنج گراں مایہ اپنے ساتھ لیتے گئے اس طرح آنحضرت کا خانوادہ اہم علمی وتحقیقی سرمایہ سے محروم ہوگیا۔[1]

حضرت سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی البرقی کے برادرزادہ حضرت ابوالحسنات سید شاہ خواجہ محمد محمد الحسینی البرقی ولد حضرت سید شاہ من اللہ محمد محمد الحسینی البرقی نے حضرت علیہ الرحمہ کی چند کتابیں، شجرہ انساب و شجرہ طریقت اور دیگر ضروری وثائق و تحریرات حاصل کیے اور تحفظ فرمایا۔

تصنیفات وتالیف

حضرت سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی البرقی کی دستیاب مصنفہ ومولفہ کتب ورسائل میں زیادہ تر فارسی، عربی، اردو زبان میں، ہیں جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ تجلیات، 2۔ معراج النبیؐ، 3۔ معرفت السلوک، 4۔ مصباح العارفین، 5۔ کشف الاسرار، 6۔ نور محمدیؐ، 7۔ احد واحمدؐ، 8۔ مدارج یقین

9۔ مقامات، 10۔ چہار پیر اور چودہ خانوادے۔ ان کتابوں اور رسائل کی تحریر و تسوید 1282 ہجری تا 1330 ہجری کے دوران عمل میں آئی۔[2]

خانوادہ مسجود البرق کے سوانح نگاروں کے مطابق حضرت سید شاہ قبول اللہ محمد محمد الحسینی البرقی، حضرت سید شاہ علی اکبر محمد محمد الحسینی البرقی کے دوسرے فرزند تھے۔ ممتاز مشائخین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عوامی سماجی خدمات پر تاعمر کاربند رہے۔ 25 محرم الحرام 1334 ہجری 90 سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

---

[1] - تذکرہ مسجود البرق بحوالہ، دکن کے روشن چراغ، حسینی ساجدؔ، مرجع سابق، صفحہ: 227-228

[2] - تذکرہ خاندان مسجود البرق، بحوالہ دکن کے روشن چراغ، مرجع سابق، صفحہ، 230۔

حضرت سید شاہ من اللہ محمد محمد الحسینی، حضرت سید شاہ علی اکبر محمد محمد الحسینی البرقی کے تیسرے فرزند تھے۔ والد بزرگوار کے وصال کے بعد اپنے برادر معظم حضرت سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی البرقی سے فیض تربیت اور خلافت پائی۔ خانوادۂ مسجود البرق میں خانقاہی اور خاندانی نظام کو مستحکم کرنے والی شخصیات میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ طبی امداد اور بلالحاظ مذہب وملت خدمت خلق میں مصروف رہ کر خانوادہ کی نیک نامی کے پرچم کو بلند کیا۔ حضرت ممدوح نے 7 ذی الحجہ 1313 ہجری وصال فرمایا۔ آپ کے چار فرزند اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ 1۔ حضرت سید شاہ علی محمد محمد الحسینی البرقی (عالم شباب میں وصال فرمایا)۔ 2۔ حضرت سید شاہ صاحب محمد محمد الحسینی البرقی (بتاریخ 19، محرم الحرام 1384 ہجری کو وصال فرمایا)۔ آپ کے ایک فرزند مولوی سید شاہ ولی اللہ محمد محمد الحسینی البرقی اور تین دختر تھے۔

3۔ حضرت ابوالحسنات سید شاہ خواجہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی، حضرت سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی کے جانشین اور خاندان مسجود البرق کے سجادہ نشین تھے۔ حضرت ابوالحسنات سید شاہ خواجہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی کی ولادت 1297 ہجری میں ہوئی۔ آپ کے تذکرہ نگاروں کے مطابق آپ سے خاندان مسجود البرق کی ایک تاریخ وابستہ ہے۔ اسلامی تاریخ و سیرت موضوع پر مسلمانان عالم کے اعداد و شمار کی تفصیلات، جغرافیائی حدود، مختلف ممالک کے سیاسی، تہذیبی و تاریخی پس منظر کے ساتھ آپ کی گفتگو بصیرت افروز اور قابل دید ہوتی تھی۔ 72 سال کی عمر میں 10 ربیع الثانی 1371 ہجری روز جمعہ آپ نے وصال فرمایا۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی البرقی، سید شاہ من اللہ معین الدین محمد محمد الحسینی البرقی فیض، سید شاہ عبد اللہ محمد محمد الحسینی البرقی، سید شاہ احمد اللہ محمد محمد الحسینی البرقی ساجدؔ۔

حضرت سید شاہ احمد اللہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی المتخلص بہ ساجدؔ، 1930ء شہر حیدرآباد میں تولد ہوئے۔ ادارۂ حمیدیہ، آل سینٹس اسکول سے تعلیم کے بعد "ادارہ ادبیات اردو" سے وابستہ ہوگئے۔ علم و ادب کے فطری و خاندانی ذوق کی بنیاد پر 1950ء میں "سحر" کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار جاری کیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس کی اشاعت مسدود ہوگئی۔ 1953ء میں روزنامہ "رہنمائے وطن" جاری فرمایا جو یہ سب حضرت حسینی فیضؔ کی صحبت اور تربیت کا نتیجہ ہے۔ اپنے طرز نگارش، متانت، اصابت رائے جاندار اداریوں کی وجہ سے عوام و خواص میں مقبول ہوگیا لیکن یہ بھی مالی مشکلات کی نذر ہوگیا۔ موصوف "نظام گزٹ" سے وابستہ ہوگئے اور ایک بے باک صحافی کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کی۔[1]

4۔ حضرت سید شاہ مصطفی محمد محمد الحسینی چشتی البرقی 1306 ہجری میں تولد ہوئے۔ سوانح نگاروں کے مطابق خاندانی خصوصیات سے متصف، خلوت نشین اور کم سخن بزرگ خاندان تھے۔ آپ کو حضرت سید شاہ خواجہ محمد محمد الحسینی البرقی، سجادہ نشین سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ 56 سال کی عمر میں 1362 ہجری، عالم اخروی کوچ فرمایا۔ آپ کے دو فرزند مولوی سید شاہ سجاد محمد محمد الحسینی

[1] ۔دکن کے روشن چراغ، مرجع سابق، صفحہ، 239۔

البرقی، مولوی سید شاہ محمد محمد الحسینی البرقی تھے۔

حضرت حسینی فیضؔ

خانوادہ مسجود البرق "ہمہ خاندان آفتاب است" کی مثال ہے۔ ان ہی میں ایک شخصیت حضرت سید شاہ من اللہ معین الدین محمد محمد الحسینی البرقی کی تھی۔ ابوالفیض آپ کی کنیت اور تخلص فیضؔ تھا۔ آپ ہمہ جہت صفات اور جامع الکمالات تھے۔ ایک طرف خانقاہ کے مشائخ، مسند نشین تو دوسری طرف ملت کے رفیق، تیسری طرف بزم سخن کے شاعر، چوتھی طرف علمی انجمن کے ادیب، بے باک صحافی، حق و صداقت کے علمبر دار اور کئی کتابوں کے مصنف، مترجم اور علم وادب کی مستقل انجمن تھے آپ کے والد گرامی کا نام حضرت سید شاہ خواجہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی بندہ نوازی ہے۔ آپ کی ولادت شہر حیدرآباد دکن میں 21 شعبان 1335 ہجری ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب 39 واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسین تک اور 17 واسطوں سے حضرت سیدنا خواجہ بندہ نواز تک جاملتا ہے جو آپ کے جد اعلیٰ ہیں۔

حضرت فیضؔ کا ننھیال دکن کے قدیم مذہبی خانوادہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ کے نانا محترم، حضرت سید امیر الدین مرحوم منصب قضاۃ وخطابت پر فائز تھے۔ آپ کو بیعت و خلافت اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے حاصل تھی۔[1]

حضرت حسینی فیضؔ کا عقد سعید حضرت سید محمد مہدی بادشاہ حسنی والحسینی قادری چشتی البرقی زرین کلاہ کی بڑی صاحبزادی سے 21 ذی الحجہ 1360 ہجری کو ہوا۔ یہ انتساب گویا "قران السعدین" تھا۔ "ابتدائی تعلیم و تربیت کے مراحل اندرون خانہ ہی تکمیل پائے بعد میں آپ کی والدہ ماجدہ کے ماموں زاد بھائی حضرت عبدالرحمن سعید صدیقی اور حضرت مولانا محمد حمید الدین قمر فاروقی کی خصوصی رہنمائی حاصل رہی۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کیا۔ اور آنرز ان پرشین کی ڈگری حاصل کی۔"

حضرت حسینی فیضؔ نے عربی، اردو، فارسی کے علاوہ انگریزی زبان کی تعلیم بھی حاصل کی اور قانونی موشگافیوں سے واقفیت کے لیے لا ء کلاس حیدرآباد ہائی کورٹ میں داخلہ لے کر وکالت کی تعلیم بھی حاصل کی۔ حضرت حسینی فیضؔ آپ نے بنیادی طور پر جویائے علم و تحقیق تھے۔ آپ نے کلام اقبالؔ کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا اور علامہ اقبالؔ سے دو مرتبہ ملاقات بھی فرمائی۔ لاہور میں علامہ اقبال نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔ "خدا آپ جیسے مخلص وحساس نوجوان کو جزائے خیر عطا کرے، آپ کا مکتوب آپ کے جذبات ملی کا آئینہ دار ہے۔"

حکومت حیدرآباد میں آپ نے ملازمت اور وظیفہ پر سبکدوشی اختیار کی۔ حضرت حسینی فیض کا اصل میدان علم و ادب، تحقیق اور صحافت تھا جس میں آپ کے جوہر آبدار نمایاں ہوئے۔ حضرت حسینی فیض نے 1933ء میں مضمون نگاری کا آغاز کیا۔ ماہنامہ "ہونہار" دہلی، عالمگیر، لاہور، ہفت وار، اردو، بمبئی میں آپ کے مقالات و مضامین شائع ہونے لگے۔ رسالہ ایمان، دہلی میں بھی

[1]۔ دکن کے روشن چراغ، نفس مرجع، صفحہ:104۔

کثرت سے آپ کے مضامین نمایاں شائع کیے گئے۔ حیدرآباد دکن سے ایک موقر روزنامہ ''رہبر دکن'' کے نام سے شائع ہوتا تھا جس کے مدیر سید احمد محی الدین، حضرت حسینی فیض کے مضامین کو نہ صرف بے حد پسند فرماتے تھے بلکہ بہ اصرار طلب کرتے تھے۔

حضرت حسینی فیض نے صحافت میں اپنی خدمات کے نمایاں نقوش چھوڑے ہیں۔ اس دور کے معیاری زبان وبیان کے حامل رسائل و جرائد میں بہ حیثیت معاون و شریک مدیر رہے۔ ان میں قابل ذکر البلاغ، اتحاد، اردو، رسائل ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے رواں دواں قلم کی جولانیاں جن رسائل ومجلات کی طرف رہیں ان میں سحر، رہنمائے وطن، جریدہ، صیانت، حکمران، سفیر وطن، ہلال، اقدام نیز رہبر دکن، تعمیر دکن، صبح دکن، پیام وقت، میزان، نظام گزٹ، ملاپ، سیاسی محاذ، ہمدم شامل ہیں۔ ماہنامہ ''پاسبانِ حرم'' کے تو آپ مدیر اعلیٰ رہے۔

حضرتِ فیضؔ ''ادارہ عالمگیر تحریک قرآن مجید'' سے بھی وابستہ رہے اور اپنی علمی خدمات سے اس ادارہ کو مستفید کیا۔ مجلس اتحاد المسلمین کی توسیع واستحکام اور دستور اساسی کی تدوین کا فریضہ بھی انجام دیا۔ دکن کے مشہور مقرر اور سیاسی لیڈر جناب محمد بہادر خان المعروف نواب بہادر یار جنگ کے لیے نہایت موزوں و مناسب قومی خطاب ''قائد ملت'' کے محرک ومجوز آپ ہی ہیں۔ [1]

حضرت حسینی فیضؔ اتحاد ملت کے حامی تھے۔ 1941ء میں آپ نے اس نظریہ کی بھرپور تائید کی کہ برادرانِ ملت مردم شماری کے فارم میں صرف مسلمان اور اسلام لکھوانے پر اکتفا کریں۔ ''گفتگوئے مفاہمت'' کے ذریعے دستاویز اعتماد حاصل کرنے میں بھی آپ کی مساعی جمیلہ رہی۔ قائد ملت جناب بہادر یار جنگ نے حضرت حسینی فیض کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا ایک عوامی اجتماع میں یہ کہتے ہوئے اعتراف کیا تھا کہ

> ''مولوی سید معین الدین حسینی صاحب فیضؔ مایہ ناز رفیق کار ہیں، جس پر مجھے فخر ہے۔ ان کی تحریریں میرے جذبات وخیالات، میرے طرز فکر اور میرے طریق عمل کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ جب کوئی تحریر مطبوعہ یا ٹائپ شدہ صورت میں میرے سامنے آتے ہی تو پھر یہ معلوم کرنا دشوار ہوجاتا ہے کہ اس کا مسودہ میرا لکھا ہوا ہے یا مولوی فیضؔ صاحب کا۔'' [2]

حضرتِ فیضؔ کی غیر معمولی اور خداداد صلاحیتوں کا اعتراف ان کے معاصرین نے دل کھول کر کیا۔ حضرت حسینی فیضؔ کا، ملّی، قلمی، تحقیقی، ادبی اور صحافتی سفر نصف صدی سے زائد مدت پر محیط رہا۔ آپ کی بعض کتابیں موضوع کی گہرائی، گیرائی اور اسلوب نگارش کے لحاظ سے نہایت اہمیت اختیار کر گئیں۔ علماء و محققین نے ان کتابوں کو بصیرت افروز اور شہ پاروں سے یاد فرمایا۔ حضرت حسینی فیضؔ کی متنوع الموضوعات اور کثیر المواد تحقیقی وادبی کتب کا مختصر تعارف وجائزہ نذر قارئین ہے۔

---

[1] دکن کے روشن چراغ، صفحہ 112، مولفہ، حسینی ساجد، سن اشاعت 2004ء، شارپ پرنٹرس، چھتہ بازار، حیدرآباد دکن

[2] ۔ نفس مرجع، صفحہ:114۔

مملکت آصفیہ اور مسلمان

حضرت حسینی فیضؔ نے 1941ء میں "مملکت آصفیہ اور مسلمان" کے عنوان سے ڈیڑھ سو صفحات پر ایک معلومات آفرین کتاب تحریر کی جس کے 4 ابواب اور 21 ذیلی عنوان تھے۔ اس کتاب میں تاریخ، دستور، قانون، بین الاقوامی معاہدات اور عمل درآمد کی روشنی میں مملکت آصفیہ کے آئینی موقف کی وضاحت کی گئی۔ یہ کتاب قائد ملت نواب بہادر یار جنگ کے بقول، قدیم حیدرآباد کی دریافت کی مہم سر کی اور خود مصنف کے بقول "مشکل سے مسودہ محفوظ رہ سکا، میری دماغی کاوشوں کا ماتم کرنے کے لیے یہ مسودہ قومی زندگی کے ایک طویل دور کے اختتام پر توجہ خواں ہے"۔[1]

ریاست حیدرآباد

حضرت حسینی فیضؔ کی علمی، تحقیقی صلاحیتوں کا منہ بولتا شاہ کار یہ کتاب فل اسکیپ کے 300 صفحات پر مشتمل ہے۔ قومی بین الاقوامی قوانین پر سیر حاصل تبصرہ بھی شامل کتاب ہے۔

خلافتِ اسلامیہ

"خلافت اسلامیہ" نامی یہ کتاب دراصل حضرت حسینی فیضؔ کے ان مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو زیادہ تر روزنامہ "رہبر دکن"، روزنامہ "رہنمائے دکن" اور "البلاغ" ہفتہ وار میں شائع ہوتے رہے۔ یہ کتاب حسینی اکیڈیمی حیدرآباد کے زیر اہتمام محرم الحرام 1389 ہجری مطابق اپریل 1969ء تاج پریس حیدرآباد سے شائع ہوئی۔ راقم مقالہ سید شاہ خلیل اللہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی اقبال بادشاہ کے ہاں محفوظ ہے۔

تذکرہ خانوادۂ بندہ نواز (جلد اول۔ حصہ اول)

تذکرہ خانوادۂ بندہ نواز (جلد اول۔ حصہ اول)، حضرت سیدنا خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ العزیز کی اولاد و امجاد اور آل کے گھرانوں کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ راقم مقالہ ہذا کے پاس اس کتاب کا مخطوطہ موجود ہے جو 1394 ہجری مطابق 1974ء کا لکھا ہوا ہے۔ حضرت مصنف کے قلم سے لکھا ہوا یہ مقالہ غیر مطبوعہ ہے۔

تذکرہ خاندان مسجود البرق

تذکرہ خانوادۂ بندہ نواز گیسو دراز کے سلسلہ کتب کا ایک حصہ "تذکرہ خاندان مسجود البرق" (حسینی چشتی بندہ نوازی) گھرانوں کا تذکرہ ہے۔ حسینی اکیڈیمی حیدرآباد کے زیر اہتمام شائع ہوا۔

---

[1] نفس مرجع، صفحہ:115۔

جماعت بنو فاطمہ

یہ کتاب چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر امت محمدیؐ کے لیے ایک لمحہ فکر ہے۔ اس کتاب کا انتساب حضرت سیدناامام زین العابدین کے نام ہے۔

مولاناابوالحسن علی ندوی کے ایک بیان کا حصہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ جس میں مولاناموصوف نے تحریر کیا تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لازوال امامت اور ابدی دعوت سے نوازا۔ ان کی نسل کے لیے نبوت، ولایت، وپیشوائی و قیادت ہمیشہ کے لیے لکھ دی۔"[1]

طریق الموحدین (ترجمہ)

طریق الموحدین، حضرت سید شاہ راجو محمد محمد الحسینی کے ملفوظات ہیں جو فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ حضرت حسینی فیضؔ البرقی نے ان ملفوظات کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ "طریق الموحدین" کا موضوع توحید الٰہی ہے۔ اپنی طرز کا خاص رسالہ ہے۔ طریق الموحدین کے اردو ترجمہ کے متعلق، پروفیسر سید محمد جامعہ عثمانیہ کا یہ بیان نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

> "رسالہ سوال و جواب" کی طرح یہ رسالہ فارسی میں ہے۔ اس کو مولوی سید شاہ معین الدین محمد محمد الحسینی فیضؔ نے بہت صاف اور ستھری زبان میں منتقل فرمایاہے۔ آپ بندہ نوازی سلسلہ کی ایک شاخ برقیہ کے صاحبِ علم و فضل سجادہ نشین ہیں۔ مولوی عالم اور آنرز ان پرشین کے امتحانات کامیاب ہیں۔ آپ نے ایساشستہ ترجمہ کیاہے کہ ترجمہ کا حق ادا کردیاہے۔ اس ترجمہ کی بدولت کم استعداد لوگ بھی اس اہم رسالے سے مستفید ہوسکتے ہیں"۔[2]

رسالہ سوال وجواب (ترجمہ)

یہ کتاب حضرت سید شاہ راجو محمد محمد الحسینی چشتی بندہ نوازی کے ایک مرید باصفا کے سوالات اور آنحضرت کے جوابات پر مشتمل ہے۔ فارسی زبان میں تحریر کردہ اس کتاب کا ترجمہ حضرت حسینی فیضؔ البرقی نے نہایت بامحاورہ اور سلیس اردو زبان میں کیاہے۔ یہ سوال و جواب حضرت شاہ راجو حسینی کے ایک مرید محب مولاناابوالحسن ابن حسن نے جمع کیا تھا۔ اس کا موضوع تصوف ہے۔[3]

---

[1] روزنامہ رہنمائے دکن م10 ذی الحجہ 1393 ہجری بحوالہ کتاب، جماعت بنو فاطمہ، صفحہ 4 مولفہ حضرت حسینی فیضؔ، زیر اہتمام حسینی اکیڈیمی، سڈریکٹ پرنٹرس، چھتہ بازار، حیدرآباد، سن اشاعت 1400ہجری

[2] طریق الموحدین، مصنفہ، حضرت شاہ راجو حسینی، مترجم، مولوی سید شاہ معین الدین محمد محمد الحسینی صاحب فیض البرقی، ناشر، شاہ راجو اکیڈیمی، مصری گنج حیدرآباد، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس سنہ اشاعت 1975ء

[3] رسالہ سوال وجواب، از قلم، حضرت شاہ راجو حسینی، ترجمہ از قلم، حضرت حسینی فیض، ناشر شاہ راجو اکیڈیمی، مصری گنج حیدرآباد، سن اشاعت 1975ء

اسلامی مرکزیت

یہ کتاب حضرت حسینی فیضؒ کے قلم حقیقت رقم سے تحریر کردہ مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے جو روزنامہ رہنمائے دکن اور ''البلاغ'' ہفتہ وار اخبار میں شائع ہوتے تھے۔

نظامِ اسلام

حضرت حسینی فیضؒ نے ''نظامِ اسلام'' کے موضوع پر بھی ارکان اسلام اور روزمرہ مسائل پر کتاب تحریر فرمائی۔ جو حسینی اکیڈیمی حیدرآباد کے تحت اشاعت پذیر ہوئی۔

یادرفتگان

حضرت حسینی فیض کی اہم تصانیف میں ''یادرفتگان'' کو بھی خصوصیت اہمیت و قدر حاصل ہے۔ جس میں آپ نے بزرگانِ دین، زعمائے ملت کے متعلق اپنے زرین خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

مکاتیب حسینی فیضؒ یہ مکاتیب دراصل اہم قومی ملی مسائل پر اظہار خیال ومشاورت معقول و منقول سے مرصع ہیں۔

اسلامی احکام

اس کتاب میں دینی مذہبی، کردار و اعمال کا اسلامی احکام کی روشنی میں عام فہم انداز بیان میں تذکرہ کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو دعوتِ عمل دی گئی ہے۔

دستور خلافت اسلامیہ

''دستور خلافت اسلامیہ'' کی تدوین و ترتیب ظاہر ہے کہ ایک بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے تازہ مطالعہ اور یادداشتوں کی بنیاد پر عالم اسلام کی مرکزیت کے لیے ایک شاہ کار ''خلافت اسلامیہ کا دستور'' بھی مرتب و مدون فرمایا۔ جس کو حسینی اکیڈیمی باغ جہاں آراء، حیدرآباد نے زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ مکاتبِ فیض اسلامی احکام کے ذریعے مسلمانوں کو دعوتِ عمل، خلافت اسلامیہ عالمگیر قرآن تحریک، مجلس اتحاد المسلمین، مجلس سیرۃ و ذکر، دستور، مجلس تنظیم ملت، دستور، حسینی اکیڈیمی، کل ہند مجلس سیرۃ و زکوۃ جس کا نفاذ یکم محرم الحرام 1372ہجری سے عمل میں آیا۔

شعر وادب کی تاریخ کا نا قابل فراموش باب

حضرت فیضؒ ادیبانہ و مدبرانہ صلاحیتوں کے حامل ہونے کے علاوہ ایک ممتاز قادرالکلام شاعر تھے۔ انھوں نے اپنے اشعار سے عہد رفتہ کی داستان سنائی اور عظمت رفتہ کی یاددہانی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ شاعری کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی کی رائے بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

> ''شاعری وجدان اور ذوقی چیز ہوتی ہے۔ شاعری کا دوسرا نام قوت احساس ہے جب بھی یہی احساس الفاظ کا جامہ پہن لیتا ہے تو شعر کہلاتا ہے۔ جب انسان پر کوئی قومی، جذبہ طاری ہوتا ہے تو بے ساختہ انسان کی زبان

سے موزوں الفاظ نکلتے ہیں اسی کا نام شعر ہے۔ لوگ ان کی کتابیں پڑھتے رہیں گے اور ان کا نام عزت و احترام سے لیتے رہیں گے اور ان کو علم و ادب کے پاسبان کی حیثیت سے یاد کیا جاتا رہے گا"۔[1]

خانوادہ مسجود البرق کی یہ ہمہ رنگ ہمہ جہات، ہمہ صفات شخصیت درس گاہ، خانقاہ، صحافت، تحقیق گاہ، مجلس مشاورت، تنظیم سازی، اداروں کی اساس میں تقریباً اپنی ساری زندگی گزار دی۔ بالآخر 21 ذی الحجہ 1417 ہجری مطابق 29 اپریل 1997ء بعد نماز ظہر اپنے معبود حقیقی کی بندگی اور شافع محشر کی غلامی کا طوق ڈال کر جناب اقدس میں حاضر ہو گئے۔[2]

شجرہ انساب و طریقت

خانوادہ مسجود البرق دکن کا ایک تاریخ ساز کارنامہ شجرہ انساب طریقت کی تلاش و ترتیب، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ قادریہ کے شجرے اہل بیت اطہار، دوازدہ آئمہ، خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، چہار پیر چار خانوادہ، چہار د خانوادہ آئمہ، اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مختصر سوانح حیات مسلک طریقت اس تصنیف میں شریک شجرہ ہیں۔ اس کا اختتام حسب ذیل عبارت پر ہوتا ہے۔ جو حضرت سید محمد قبول بادشاہ قادری چشتی البرقی زرین کلاہ گوشہ نشین نے تحریر فرمائی ہے:

"امابعد، بموجب ہدایت و ارشادات واجب الانقیاد، سید السادات، بلند درجات، کاشف اسرار و رموز کائنات، اولاد امیر المومنین، ہادی دین متین، رہنمائے علم الیقین، جامع شریعت و طریقت، واصل حقیقت و معرفت، مرجع فیوض سبحانی، منبع علوم روحانی، مظہر ذاتِ ربانی، واقف سر یزدانی حضرت سید شاہ اسد اللہ واصل فاینما توالوافثم وجہ اللہ، محمد محمد الحسینی چشتی البرقی مد ظلہٗ العالی ایں شجرہ شجرہ طیبہ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء، بانصرام رسد، تحریر فی التاریخ بست و پنجم ماہ ذی الحجہ 1295 ہجری۔

خانوادہ مسجود البرق کے اسلاف نے اپنے بزرگوں کی روایات کی پاسداری کی۔ چنانچہ قبل ازیں مولوی سید شاہ احمد اللہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی ساجدؔ کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ آپ کے بارے میں پروفیسر مجید بیدار کے تاثرات کچھ اس طرح ہیں:

"حسینی ساجدؔ نے ایک ایسی کتاب مرتب کرنے پر توجہ دی ہے جو خدا رسیدہ انسانوں کی سوانح ہے اور جسے "دکن کے روشن چراغ" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے، حسینی ساجدؔ کو تصنیف و تالیف کا فن خاندان سے ورثہ میں ملا ہے۔ ان کی تحریر کی بوقلموئی ہر ایک کو متاثر کرتی ہے۔ لفظوں کی مناسب بندش اور تراکیب کے برجستہ اور برمحل استعمال کے ذریعے وہ اپنی نثر کو حد درجہ سلیس اور باقاعدہ بناتے ہیں۔ ان کا اسلوب عمومی نہیں بلکہ خواص کو متاثر کرنے والا ہے"۔[3]

---

[1] دکن کے روشن چراغ، صفحہ 130، مولفہ، حسینی ساجد، سن اشاعت 2004ء، شارپ پرنٹرس، چھتہ بازار، حیدرآباد دکن

[2] دکن کے روشن چراغ، صفحہ 138، مولفہ، حسینی ساجدؔ، سن اشاعت 2004ء، شارپ پرنٹرس، چھتہ بازار، حیدرآباد دکن

[3] دکن کے روشن چراغ، صفحہ 27، پیش لفظ، از قلم پروفیسر مجید بیدار، سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی، حسینی اکیڈیمی، حیدرآباد 2004ء

حضرت حسینی فیضؔ کے خلف اکبر حضرت سید شاہ علی اکبر محمد محمد الحسینی حسنی چشتی البرقی بندہ نوازی المتخلص بہ حسینی جاویدؔ 27 ربیع الاول 1362 ہجری حیدرآباد میں تولد ہوئے۔ دینی، مذہبی، عصری، ادبی ماحول میں ان کی ساخت و پرداخت ہوئی۔ ان کی صلاحیتوں کو ان کے والد ماجد نے ابھارا۔ شاعر، ادیب، صحافی ہونے کے علاوہ علم الابجد میں بھی مہارت کے حامل تھے۔

حسینی جاویدؔ کی صحافت کی ابتداء ''سحر'' پندرہ روزہ سے ہوئی ''رہنمائے وطن''اور ماہنامہ ''پاسبان حرم'' (مدیر اعلیٰ حضرت حسینی فیضؔ) سے منسلک ہوئے۔ والد کی سرپرستی، ام محترم کی رہنمائی میں ہفت روزہ اخبار ''حکمران'' کے اجراء کے سامان کیے۔ اپنے مفید تبصرے اور تنقید کے فن میں اپنی راہ خود بنائی۔ 1976ء میں اورنگ آباد سے شائع ہونے والے روزنامہ '' آج''سے وابستہ ہوگئے۔ اور معاون مدیر کی حیثیت سے اردو زبان و ادب اور شعر و سخن کے خدمت کے نقش بنائے۔ اسی دوران روزنامہ ''سیاست'' حیدآباد کے نامہ نگار بھی مقرر ہوئے۔ 1975ء میں ان کو صحافتی خدمات کے اعتراف کے سلسلے میں ریاستی ایوارڈ مل چکا تھا۔ بعد میں ان کی صحافتی خدمات کے اعتراف میں مہاراشٹر ا اسٹیٹ اردو اکیڈیمی نے بھی اعزاز و اکرام سے نوازا۔ ''مراٹھواڑہ وقف بلٹین'' کے سب ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات یادگار رہیں۔ کچھ عرصہ علالت سے صحت یابی کے بعد روزنامہ ''رہنمائے دکن''میں بھی خدمات انجام دی۔ کئی سماجی اداروں نے بھی ان کی ہمہ جہات خدمات سے استفادہ کیا۔

جناب حسینی جاویدؔ کی شاعری ان کی ذات کی نمود سے عیاں تھی۔ فن، شرافت نفس کی دستاویز ہوتا ہے اور شاعری شخصیت کا عکس ہوتی ہے۔ حسینی جاویدؔ کی شاعری ادبی شعور اور ذوق لطیف کی آئینہ دار ہے۔ علم جفر میں بھی وہ مرجع کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ فن طب میں بھی انھوں نے باقاعدہ ''ہومیوپیتھک'' کی تحصیل کے بعد ایم ایس سی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ وہ اپنی بذلہ سنجیوں سے محفل کو زعفران زار بنانے کا ہنر بھی جانتے تھے۔ انھوں نے ''وغیرہ وغیرہ'' کے عنوان سے طنز و مزاح کا مجموعہ مرتب کیا تھا۔ تحقیقی صلاحیتیں ایسی کہ کئی ایک کو مصنف بنادیا۔ ایک سال طویل علالت کے بعد 13 اپریل 1997ء دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔[1]

حضرت حسینی فیضؔ کے صاحبزادہ سید شاہ خلیل اللہ حسینی اقبال بھی اپنے خانوادہ کا نشان امتیاز، علم سینہ و علم سفینہ سے مزین، ملنساری و رواداری کے ساتھ روحانیت و صحافت شانہ بشانہ گرم سفر ہیں۔ اپنے اسلاف کی خوبیاں، اور کمالات کا مظہر اور سفینہ حیات کو تلاطم خیز موجوں سے بچانے کا ہنر اپنے اکابر سے پایا ہے۔ علم و ادب اور صحافت سے بے پناہ شغف نے اردو کے ذریعہ قوم، سماج اور انسانیت کی خدمت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ''دکن سماچار'' کے نام سے ہفت روزہ اخبار کا آغاز 2012ء میں کیا جس کا رجسٹریشن نمبر APURD/2012/43232 ہے۔ مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات جاری ہیں۔ جب کہ ''دکن سماچار'' کے معاون مدیر سید شاہ

[1] مقالہ، حسینی جاویدؔ، ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے'' از حسینی ساجدؔ، بحوالہ دکن کے روشن چراغ، صفحہ 252، شارپ پرنٹرس، چھتہ بازار حیدرآباد، سن طباعت 2004ء

معین الدین حسینی ہیں۔
”دکن سماچار“ نے 2012ء سے اب تک عام شماروں کے ساتھ کئی خاص شمارے بھی شائع کیے جن میں قابل ذکر، حضرت ابوالفیض سید شاہ خواجہ معین الدین من اللہ محمد محمد الحسینی البرقی فیضؔ، 594 سالہ عرس کے موقع پر تذکرہ حضرت سید شاہ قبول اللہ حسینی خواجہ گنج بخش، گلبرگہ شریف، عرس حضرت سید شاہ محمد مہدی بادشاہ حسنی الحسینی چشتی البرقی زریں کلاہ، خصوصی شمارہ، حضرت سید شاہ شیخین احمد شطاری کامل (شاعرو ارداتِ کاملؔ) علامہ نجم آفندی کے یوم وصال پر خصوصی شمارہ اور حضرت سید خسرو حسینی، سجادہ نشین درگاہ حضرت بندہ نواز کے وصال پر خصوصی اشاعت عمل میں آئی۔ تادم تحریر یعنی اکتوبر 2025ء یہ پابندی سے شائع ہورہا ہے اور اردو زبان وادب کے ساتھ نسلِ جدید کے سینوں میں اردو کے قدیم سرمایہ کو منتقل کرنے کی جستجو میں مصروف ہے۔
مقالہ کے اختتام پر یہ نکتہ قابل تحریر ہے کہ خانوادہ اور خانقاہ مسجود البرق سے فیض پانے والوں میں خانوادہ قادریہ زریں کلاہیہ کے بزرگ بھی شامل ہیں جن میں قابل ذکر جگر گوشہ غوث الثقلین حضرت سید شاہ محی الدین بادشاہ قادری چشتی البرقی زرین کلاہ جنھوں نے حضرت سید شاہ علی اکبر محمد محمد الحسینی چشتی البرقی سے جو آپ کے خسر محترم بھی تھے بیعت وخلافت حاصل کی تھی۔ اور آپ کے صاحبزادے حضرت سید شاہ قبول بادشاہ حسنی الحسینی القادری چشتی البرقی زریں کلاہ گوشہ نشین کو بھی سلسلہ عالیہ چشتیہ، بندہ نوازیہ و برقیہ میں بیعت وخلافت اپنے ماموں، پیرو مرشد عارف باللہ حضرت سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی سے حاصل کی تھی۔
خانوادۂ مسجود البرق، بندہ نوازیہ کی علمی، ادبی، روحانی اور عوامی خدمات کا یہ تقاضائے وقت اور صفحات کا اختصار ہے ورنہ ”سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے“

*****

کتابیات

1۔ تاریخ گولکنڈہ، پروفیسر عبدالمجید صدیقی، سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ، طبع دوم، اعجاز پرنٹنگ پریس، حیدرآباد دکن، سن اشاعت 1942ء
2۔ تذکرۂ خانوادہ بندہ نواز۔ جلد اول، حصہ اول، مصنفہ، حضرت مولانا سید شاہ معین الدین محمد محمد الحسینی فیضؔ چشتی البرقی مخطوطہ، مخزونہ، سید شاہ خلیل اللہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی اقبالؔ بادشاہ حیدرآباد تلنگانہ
3۔ جماعت بنو فاطمہ، از، حضرت سید شاہ معین الدین محمد محمد الحسینی فیضؔ بندہ نوازی، مدیر اعلیٰ پاسبان حرم پیش کردہ، ناشر، حسینی اکیڈیمی حیدرآباد، آندھرا پردیش۔
4۔ دستور ادارہ خلافت اسلامیہ، حضرت سید شاہ معین الدین محمد محمد الحسینی البرقی فیضؔ حسینی اکیڈیمی، تاج پریس حیدرآباد محرم الحرام 1389ہجری م اپریل 1969ء۔
5۔ رسالۂ چہار پیر خانوادہ، مصنف، حضرت سید شاہ اسد اللہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی، مخطوطہ، مخزونہ کتب خانہ سید شاہ خلیل اللہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی اقبالؔ بادشاہ حیدرآباد۔ تلنگانہ
6۔ رسالہ سوال وجواب، از حضرت سید شاہ راجو حسینی، اردو ترجمہ، حضرت حسینی فیضؔ، ناشر، شاہ راجو اکیڈیمی، مصری گنج حیدرآباد، سنہ

اشاعت 1975ء
7۔ ساجد حسینی، حسینی ساجدؔ، سید شاہ خواجہ احمد اللہ محمد محمد الحسینی چشتی البرقی ساجدؔ، دکن کے روشن چراغ، حیدرآباد، حسینی اکیڈیمی حیدرآباد 2004
8۔ سوانح مبارک مع اسنادات عالیہ، حضرت سید شاہ راجو محمد محمد الحسینی، مرتبہ، ملک زادہ ڈاکٹر محمد طیب انصاری، حضرت شاہ راجو اکیڈیمی، مصری گنج، حیدرآباد، طبع اول، ماہ مئی 2000ء
9۔ شجرہ طیبہ، مخطوطہ، از، حضرت حسینی فیض تحریر کردہ بست و پنجم ماہ ذی الحجہ 1295ھ، مخزونہ خانوادہ مسجود البرق بندہ نوازیہ، حیدرآباد
10۔ طریق الموحدین، ملفوظات حضرت سید شاہ راجو محمد محمد الحسینیؔ، اردو ترجمہ، حضرت مولانا سید شاہ معین الدین محمد محمد الحسینی فیضؔ بندہ نوازی، ناشر شاہ راجو اکیڈیمی، مصری گنج، حیدرآباد، فروری 1975ء، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس حیدرآباد
11۔ رسالہ صوفیائے گولکنڈہ، از پروفیسر محمد سلیمان صدیقی، ماہنامہ سب رس، جون 1972ء، حیدرآباد، دکن آندھرا پردیش۔
12۔ مقدمہ خاتمہ شریف، از، سید عطا حسین، بحوالہ، کلمات مترجم زاد الموحدین، مولانا سید شاہ اعظم علی صوفی قادری، ناشر، شاہ راجو اکیڈیمی مصری گنج، سن اشاعت 2004ء، حیدرآباد دکن

*****

خانوادۂ حضرت برہان الدین اولیاء کی روحانی و علمی خدمات

ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی*

قمر نگر مدینۃ الاولیاء کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کو 52 اولیا کا مٹھ بھی کہا جاتا ہے یہ سر زمین عارفین و کاملین کا مرکز رہی ہے۔ انہیں بزرگوں میں شیخ المشائخ حضرت سید خواجہ برہان الدین حسینی چشتی القادری نظامی قدس االلہ سرہ کا نام نامی بہت اہمیت کا حاصل ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا امام حسین سے جاملتا ہے۔ آپ کو خلافت اپنے والد ماجد حضرت خواجہ سید شمس الدین حسینی چشتی القادری سے حاصل ہے۔ آپ کے دادا حضرت سید میراں شاہ حسینی چشتی القادری پہلے بزرگ ہیں جو اپنے وطن معروف کدری کوٹاکل سے کرنول قدم رنجا فرمائے تھے۔ حضرت سید شاہ میراں شاہ حسینی بن سید باباشاہ حسینی بن سید شاہ ظہیر الدین حسینی گنج البحر بن سید بدرالدین حسینی بیجاپوری، ہیں، حضرت سید میراں شاہ حسینی چشتی کے فرزند حضرت سید شمس الدین حسینی چشتی القادری نظامی ولی کامل تھے۔ حضرت خواجہ شمس الدین حسینی کا نکاح "سیدہ بی بی صاحبہ بی" دختر حضرت سید شاہ حسین حسینی رضوی بن سید شاہ طاہر ثانی حسینی رضوی بن ابوالحسین سید احمد عرف بدرالدین حسینی رضوی بیگن پلی متوکلی بن سید شاہ طاہر حسینی رضوی البغدادی التوکلی کرنول سے طے ہوا، جو حضرت کے کرنول میں قیام کا سبب بنا۔ آپ کے دو فرزند تھے اور ایک دختر تھیں۔ جن کے نام علی الترتیب: سید خواجہ برہان الدین حسینی و سید معصوم پیر حسینی ادونی، سیدہ بی صاحبہ ہیں۔

شجرہ نسب

پیر و مرشد حضرت سید السادات خواجہ برہان الدین حسینی قدس سرہ بن سید السادات خواجہ شمس الدین حسینی ابن سید السادات میراں شاہ حسینی ابن سید بدرالدین حسینی ابن سید احمد اللہ حسینی ابن سید محمد حسینی ابن سید شاہ ولایت حسینی ابن سید شاہ علی حسینی ابن سید محمود حسینی ابن سید مصطفیٰ حسینی ابن سید محمد اکبر حسینی ابن سید رضا حسینی ابن سید جعفر حسینی ابن سید عبد اللہ حسینی ابن سید محمد حسینی بن سید اسماعیل الاعرج الحسینی الجعفری ابن سیدنا حضرت ابوعبد اللہ امام جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سیدنا امام محمد الباقر ابن سیدنا ابو محمد علی الاوسط المشہور بسیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سیدناسبط رسول الثقلین امام حسین علیہ السلام ابن سیدنا امیر المومنین اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ عنا۔

نسب مادری: حضرت خواجہ برہان الدین حسینی قدس سرہ ابن سیدہ بی قدس سرہا بنت حضرت سید شاہ حسین رضوی القادری ابن سید شاہ طاہر ثانی رضوی ابن سید بدرالدین احمد رضوی ابن سید شاہ طاہر بغدادی رضوی متوکل ابن سید حاجی سید شاہ حیدر بغدادی رضوی ابن حاجی الحرمین سید عبد اللہ رضوی ابن سید ہاشم رضوی ابن سید جعفر رضوی ابن سید عبد الکریم رضوی ابن سید عبد الوہاب رضوی ابن

---

* اسٹینٹ پروفیسر شعبہ اُردو، ڈاکٹر عبد الحق اُردو یونیورسٹی، کرنول

سید عبد الحلیم رضوی یمنی ابن سید حسین حسینی رضوی البغدادی ابن سید محمد صوفی رضوی ابن سید مرتضیٰ حسینی رضوی ابن سید ابراہیم رضوی بن سید اسماعیل حسینی رضوی ابن سید جعفر رضوی ابن سید ابو القاسم رضوی بن سید عبد اللہ حسینی رضوی ابن سید ابو الحسن رضوی ابن سید نا موسیٰ المراقع ابن سید نا امام محمد تقی بن سید نا امام علی موسیٰ الرضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سید نا امام موسیٰ الکاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سید نا امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ ابن سید نا امام محمد الباقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سید نا ابو محمد علی الاوسط المعروف سید نا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سید نا سبط رسول الثقلین امام حسین رضی اللہ عنہ ابن سید نا امیر المومنین اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت خواجہ برہان الدین اولیاء کو خرقہ خلافت طریقہ قادریہ وچشتیہ نظامیہ اپنے والد ماجد حضرت خواجہ شمس الدین حسینی قادری چشتی نظامی سے حاصل ہے۔ سید خواجہ برہان الدین حسینی صاحب کے ایک فرزند اور تین دختر تھے۔ حضرت خواجہ برہان الدین حسینی صاحب کے خلفاء بکثرت تھے: جن میں سید خواجہ امین الدین حسینی عرف معصوم پیر حسینی چستی القادری نظامی برادر خورد حضرت برہان اولیاء، جن کا مزار مقدس ادونی میں ہے، حضرت سید خواجہ شمس الدین حسینی عرف صاحب پیر حسینی قادری چشتی فرزند حضرت برہان الاولیاء، سید عنایت اللہ حسینی بخاری از سادات ہمناباد، حکیم خواجہ احمد اللہ شاہ حشتی، خواجہ اصغر حسینی بنیرہ خواجہ سید من اللہ حسینی مدفون پہاڑ پونکل قریب بڑے خان گڈور ضلع کرنول اور خواجہ اصغر حسینی کے نواسے خواجہ اکبر حسینی، وغیرہ۔

حضرت خواجہ برہان الدین اولیا عزلت نشینی کو بڑی ترجیح دیتے تھے اور بڑے متوکل بزرگ تھے بادشاہ وقت نے بارہا " جاگیر ویومیہ معاش " نذرانہ پیش کرتے رہے مگر حضرت نے اسے قبول کرنے سے انکار فرمایا نواب غلام رسول خان نے حضرت کو "یومیہ " مقرر فرمایا تھا تو حضرت نے اس کو بھی قبول نہیں فرمایا۔ انگریزی دور حکومت مین کمشنر تحقیقات انعامات وعطیات نے حضرت کی خدمت میں جمع شدہ رقم "یومیہ " روانہ کی اور جواب میں رسید طلب کی۔ حضرت کی خودداری نے اس کو گوارا نہیں فرمایا آپ نے یہ کہتے ہوئے رقم لوٹادی جو یومیہ دار، برہان الدین ہو گا اس کو یہ نام یہ رقم جمع کر دی جائے۔ یہ فقیر برہان الدین ہے۔ خود نواب صاحب کے حیات ان کے عہد حکومت میں "یومیہ " (جاگیر) کو قبول نہیں کیا تو انگریزی حکومت میں کسی طرح قبول کرینگے۔ کمشنر صاحب کے مزید اصرار پر بھی انکار فرماتے رہے جس سے وہ یومیہ مسدود ہو گیا۔ آپ کی کرامات زبان زد خاص وعام ہیں۔ آپ کی حق گوئی وبے طمعی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ نواب منور خان بہادر والی کرنول کے عہد حکومت میں کسی جرم کی سزا میں چار عرب کو ہاتھی کے پائوں میں باندھ کر ہاتھی کو شہر میں گشت کروایا گیا تھا اور یہ سرکاری اعلان وحکم مشتہر ہوا تھا کہ ہاتھی کو کوئی راستہ میں نہ روکے نہ اُن مجرمین کو پانی پلائے جو عدول فرمان شاہی کرے گا وہ مستحق سزاوار ہو گا۔ یا خارج البلد کر دیا جائے گا۔ اس سخت فرمان شاہی سے گھبرا کر کسی کو جرآت نہ ہوئی کہ وہ پیاسے مجرمین کو باوجود العطش العطش کہنے کے پانی پلاسکے لیکن جب ہاتھی حضرت برہان الدین حسینی کے آستانہ عالیہ پر گزرا تو آپ نے فیلبان سے فرمایا کہ ہاتھی کو کھڑا کر کے روک دے۔ فیلبان نے عرض کیا کہ حاکم کا حکم نہیں ہے کہ ہاتھی کو روکا جائے نہ ان مجرمین کو پانی پلایا جائے۔ پیر ومرشد ممدوح نے فرمایا کہ تیرے حاکم کا حکم نہ ہو تو کیا میرے حاکم احکم الحاکمین کا حکم یہ ہی

ہے؟ کہ پیاسوں کو پانی پلایا جائے ہاتھی کو روک دے میں پانی پلاؤں گا، آئندہ جو کچھ بھی ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ پس ہاتھی کو روک کر ان پیاسے مجرمین کو پانی پلایا اور "پائے گدا لنگ نیست ملک خدا تنگ نیست" کرنول شریف سے ہجرت کرنے پر مستعد ہوئے جب نواب صاحب رئیس کرنول کو حضرت ممدوح کے کرنول سے ہجرت کرنے کی کیفیت معلوم ہوئی تو فوراً حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس میرے حکم سے پیر و مرشد قبلہ مستثنیٰ ہیں جو کچھ حضرت نے عمل فرمایا بجا و درست ہے۔ حضرت قبلہ یہاں سے ہجرت کا قصد نہ فرما یئں۔ نواب صاحب کے اصرار پر پیر و مرشد ممدوح نے ہجرت کا قصد ترک کر کے کرنول ہی میں قیام فرمایا۔

آپ کے صاحبزادے سید شمس الدین حسینی چشتی القادری نظامی عرف صاحب پیر صاحب کی دو زوجہ تھیں۔ زوجہ اول حضرت بی بی صاحبہ بی آل حضرت محمد ملتانی باشاہ قادری بیدری، زوجہ ثانی سیدہ سلطان صاحبہ بی عرف صاحب بی بنت سید شاہ علی حسینی بخاری بن سید فرید بخاری بن سید بڑے بخاری بن سید عمر بخاری قدس سرہ، حضرت بی صاحبہ بی کے بطن سے تین فرزند اور ایک دختر تولد ہوئے۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں: 1) سید علی پیر حسینی، 2) سید فرید الدین حسینی، 3) سید بدرالدین حسینی، زوجہ دوم سیدہ سلطان صاحبہ عرف صاحب بی کے بطن سے سات (7) فرزند تولد ہوئے، 1) سید تاج الدین حسینی، (لاولد) 2) سید نور الدین حسینی (لاولد) 3) سید پاچہا پیر حسینی (لاولد) 4) سید نظام الدین حسینی، سجادہ نشین بارگاہ برہان الدین اولیا کا مزار حیدر آباد دکن بیرون لال دروازہ محلہ حمام باؤلی متصل پھول باغ راجہ رائے ریان میں ہے۔ آپ کے فرزند سید خواجہ کمال الدین حسینی سجادہ نشین بارگاہ برہان الدین حسینی (لاولد) 5) سید خواجہ پیر حسینی، 6) سید قادر محی الدین حسینی، 7) سید منیر الدین حسینی عرف حیات محی الدین حسینی۔

سید شاہ قادر محی الدین حسینی کے فرزند حضرت مفتی سید محمد مخدوم حسینی چشتی نظامی علیہ الرحمہ ریاست کرناٹک میں واقع بلہاری کے محلہ تالاب کٹہ میں 1298ھ میں پیدا ہوے آپ کی تاریخ ولادت رحمت خدا آمد ہے۔ 1298ھ [1]

آپ مدرسہ اسلامیہ کرنول (اسلامیہ عربی ڈگری کالج کرنول) سے چھوٹی عمر میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد دستار فضلیت سے مزین ہونے والے اولین 7 طلباء میں سے ہیں۔ پھر آپ نے مدرسہ نظامیہ حیدرآباد (جامعہ نظامیہ) سے بھی سند فضیلت حاصل کی۔ کرنول میں آپ کو رئیس المفسرین حضرت مولانا محمد عمر صاحب بانی اسلامیہ عربی کالج سے اور حیدرآباد میں شیخ اسلام حضرت مولانا محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ علیہ الرحمۃ سے خصوصی تلمذ حاصل رہا۔ بیعت و خلافت کی سعادت اپنے والد بزرگار سے حاصل ہوئی۔ جامعہ نظامیہ میں شیخ الفقہ و مفتی جامعہ کی حیثیت میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور عدالت العالیہ حیدرآباد میں مسند افتا کو رونق بخشی۔ آپ سے سینکڑوں طلبہ نے علمی استفادہ کیا اور ہزاروں معتقدین نے فیض صحبت پایا۔ مولوی عبد الرحمنٰ ابن راملو نے بزمان طالب علمی منشی فاضل کے دوران تدریس آپ کی تفہیم سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ نہیں معلوم کتنے افراد ہوں گے جو اس طرح متاثر ہو کر دولتِ ایمانی سے سرفراز ہوئے ہوں گے۔ آپ کا حافظہ بڑا مضبوط تھا۔ سینکڑوں آیاتِ قرآنی، احادیث نبوی، مثنوی مولانا رومی،

[1] مخدوم المخنوم، ص:9

دیوان شیرازی، اور سکندرنامہ کے ہزاروں اشعار آپ کو یاد تھے۔ اور آپ خود بھی اُردو فارسی اور عربی میں شعر کہتے۔ آپ متعدد کتب کے مؤلف و مصنف اور بلا کے خطیب تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی آپ کی ملاقات سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کے علم و فضل کی تعریف ماہنامہ معارف (اردو) میں اس طرح کی جس کے ابتدائی مترجمہ تین عربی جملے اس طرح ہیں۔ "لقیت من الشیخ المفتی سید مخدوم الحسینی شیخ الفقہ بجامعۃ النظامیۃ فوجدتہ جامع العلوم والفنون قلمانجد مثلہ فی الھند "(بحوالہ "الجامعۃ انظامیۃ و مساھما تھافی الادب العربی، للشیخ محمد عبدالغفور رحمت آبادی کامل انتظامیہ) آپ کی چند تصانیف یہ ہیں۔

1) کتابِ " برھان الدین" ، 1333 ھ شائع ہوئی جس کا قدیم نسخہ 150 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس نسخہ میں جملہ چار کتب طبع ہوئے ہیں اس میں بنیادی دو مباحث پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی۔ پہلی بحث تصوف و معرفت اور دوسری عقائد و معمولات، پہلی بحث 70 صفحہ تک پھیلی ہوئی ہے اور دوسری بحث کا آغاز حضرت مفتی صاحب نے باب چہام سے کیا اس میں کئی فصلیں باندھی گئیں۔

2) خادم و مخدام (تاریخی نام خیر الارشاد) 3) مخدوم الانساب، 4) مخدوم الاعجاز، 5) شرح گلشن راز، 6) کرامات محبوب سبحانی، 7) مجموعتہ الفتاوی (غیر مطبوعہ) 8) فضل اللہ الودود فی تحقیق مسکتہ وحدۃ الوجود۔

آپ کے اہم شاگردوں میں حضرت مولانا مفتی مخدوم بیگ، حضرت مولانا مفتی عبدالحمید، حضرت مولانا حکیم محمد حسین، حضرت مولانا حاجی منیر الدین، حضرت مولانا سید شاہ فرید باشاہ، حضرت مولانا سید پاشاہ حسینی، شیخ القراء میر روشن علی، حضرت بغدادی شاہ صاحب، حضرت سید شاہ قطب الدین حسینی صابری، حضرت مولانا سید رشید پاشاہ، اور حضرت صدر الشیوخ مولانا سید طاہر رضوی ہیں۔ آپ کا مزار خیابان مخدومی بہادر پور حیدرآباد میں واقع ہے۔ جس پر تاریخی کتبہ اس طرح کندہ ہے۔ آپ حسب نسب میں سادات یعنی حسنین کے نور عینی کہہ حبیب تاریخ رحلت بابا مفتی مخدوم حسینی 1364ھ۔

حضرت سید حیات محی الدین حسینی بن سید شمس الدین حسینی صاحب پیر صاحب کے تین فرزند اور دو دختر تھے۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں۔ سید محی الدین پیر حسینی، سید غوث محی الدین حسینی، سید عبدالرزاق پیر حسینی، حضرت سید شاہ محی الدین پیر حسینی عاصی کرنولی اس خانوادے کی اہم علمی و روحانی کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ آپ کی ولادت شہر کرنول 1880ء کو ہوئی۔ اور بچپن میں ہی یتیم ہوگئے۔ درس و تدرس کے معزز پیشے سے وابستہ رہے پر گو شاعر تھے۔ زیادہ تر کلام نعتوں اور منقبت پر مشتمل ہے۔ تصوف کا رنگ غالب ہے، آپ اپنے اجداد کی تعلیمات کا مکمل نمونہ تھے۔ کئی زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ ساری زندگی توکل ذاکر و شاکر رہ کر زندگی گزار دی۔ آپ کا کلام "گلشنِ شریعت" آپ کی حیات ہی میں زبور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آگئی تھی مگر افسوس اس کا ایک بھی نسخہ موجود نہیں ہیں۔ آپ کا کلام زیادہ تر غیر مطبوعہ تھا جو 2009ء کے سیلاب کی نذر ہو گیا مگر ڈاکٹر قیسی قمر نگری کی کتاب "کرنول میں اُردو شعر و ادب آزادی سے پہلے" میں اور ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی کی کتاب "رایلسیما کے منتخب اُردو شعراء" میں نمونہ کلام درج ہے۔ جس کے کچھ اشعار قارئین کے نظر کرتا ہوں۔

احمد کی محبت کو دل و جاں سے خریدو دنیا میں اگر گرم ہے بازار محبت

احمد پہ فدا ہوتے ہیں حوران و جناں سب — پھر آپ سے کو کو رہے انکار محبت
منہ سے تو محمد کی محبت کا ہے دعویٰ — پر دل میں نہیں ہوتا ہے اقرار محبت
خاموش رہو! روک لو اب اپنی زباں کو ! — بیدرد کے آگے نہ ہو اظہار محبت
احمد کی محبت کے نہیں ہم تو سزاوار — اصحاب محمد ہیں سزاوار محبت
عاصیؔ کی دعا تجھ سے ہے ہر آن خدایا! — شاداب ہمیشہ رہے گلزار محبت
نفس بد سے غافلو !بچتے رہو — ہے بڑا بد کار یہ موذی پلید[1]

محمد کی یہ محفل ہے اب آئے جس کا جی چاہیے — ہمیں وصف محمد آسنائے جس کا جی چاہیے
عزیز و با ادب بیٹھو درود بھیجو محمد پر — ہیں خوش قسمت نیکی جو کمائے جس کا جی چاہئے
تصدق نام حضرت پر کرو جان و جگر اپنا — یہ دل عشق محمد میں لگائے جس کا جی چاہیے
جدائی سے محمد کے ذفضل حق جہنم کو — اب رورواپنی آنکھوں سے بجھائے جس کا جی چاہیے
اطاعت کرکے احمد کی کرو اللہ کو راضی — سعادت دو جہاں کی اب کمائے جس کا جی چاہیے
عبادت کیجئے حق کی بُرے افعال سے بڑ کر — مکان فردوس میں اپنا بنا ئے جس کا جی چاہیے
خدا کے واسطے اپنے ہمیشہ بال بچوں کو — عذابِ نار دوزخ سے بچائے جس کا جی چاہیے
خودی جب تک رہی عاصیؔ خدا ہر گز نہیں ملتا — مٹا دیکر خودی حق کو وہ پائے جس کا جی چاہیے[2]

عبدالرزاق عابدؔ اس وقت آپ سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ جن کے کئی تصانیف، مجموعہ کلام آپ ہی تصحیح کیا کرتے تھے۔ سید محی الدین پیر حسینی کے تین صاحبزادے تھے۔ جن کے نام سید عنایت اللہ حسینی، سید نور الدین حسینی، سید شاہ عطاء اللہ حسینی چشتی القادری ،ان تین صاحبزادو کو1960ء میں آپ نے خلافت سے نوازا تھا۔ آپ کا انتقال14۔ اگست 1966ء میں ہوا۔

حضرت سید شاہ عطاء اللہ حسینی چشتی القادری صاحب اپنے والد بزرگ وار کے بعد جانشین ہوئے۔ آپ بھی اپنے اجداد کی طرز پر متوکل زندگی بسر کی، 1954ء سے 1987ء تک کرنول میڈیکل کالج میں ملازمت کے دور میں ہر عوام الناس کی خیر خواہی میں بلا مذہب وملت کے خدمتِ خلق میں مصروف رہتے تھے۔ اور بار گاہ برہان الدین اولیاء کی خدمات انجام دے۔ ایک مرتبہ عرس کے موقع پر فاتحہ خوانی کے بعد آپ کو حضرت برہان الدین اولیاء کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت آپ سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا۔ اور

[1] 'کرنول میں اُردو شعر وادب آزادی سے پہلے" صفحہ 135
[2] رایلسیما کے منتخب اُردو شعراء" صفحہ:12 اور 13۔

چند لمحوں میں نظروں سے اُجھل ہوگئے گویا سجادگی کی سند قبولیت تھی۔ 1985ء میں مسجد میر اں شاہ حسینی بہت مخدوس ہو چکی تھی۔ آپ نے از سر نو اس کی تعمیر فرمائی الحمد اللہ ان کی اولاد آج تک اس مسجد اور بار گاہوں کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے پانچ صاحبزارے، چار صاحبزادیاں ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ صاحب زادگان: سید احمد پاشاہ، سید خواجہ پاشاہ، سید محبوب پاشاہ، سید محی الدین پیر حسینی، سید سلطان معین الدین حسینی، صاحب زادیاں: سیدہ محی الدین بی بی، سیدہ قمر النساء بی بی، سیدہ مہر النساء بی بی، سیدہ نجم النساء بی بی۔

حضرت سید شاہ احمد پاشاہ حسینی چشتی القادری اس خانوادے کی اہم کڑی ہے اور سلسلہ کی تعلیمات اور فیوض سے عقیدت مندوں کو فیض یاب فرمارہے ہیں۔ آپ کے فرزند اکبر سید راغب پاشاہ حسینی قادری تکمیل حفظ کے بعد عصری علوم میں گلبر گہ سے ہی انجینیر میں اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔ گو یا دینی و دنیاوی دونوں علوم سے بہرہ ور ہیں۔ ان کو اپنے والد بزر گوار سے اپنے اجداد سے سلسلہ خلافت بھی حاصل ہے۔

خانوادے کے دیگر علمی شخصیات میں ڈاکٹر سید خواجہ پاشاہ حسینی چشتی القادری نظامیہ طبی کالج سے پروفیسر کی خدمات انجام دیکر وظیفہ حسن خدمت سے سبکدوش ہوئے آپ کے فرزند ڈاکٹر سید مزمل پاشاہ یم ڈی ڈاکٹر ہیں۔ دوسری شخصیت ڈاکٹر سید محبوب پاشاہ حسینی نے طب یونانی میں ڈگری حاصل کی۔ آپ ڈاکٹر عبد الحق یونانی میڈیکل کالج میں لکچرار اور پرنسپل کے عہدے کے ساتھ ساتھ اپنی خاندانی مسجد میں خطابت بھی فرماتے ہیں۔ ایک اور شخصیت ڈاکٹر سید محی الدین پیر حسینی، نے بی یو یم یس "جناٹیکور" میں میڈیکل آفسر کے عہد پر فائز ہیں۔

*****

کتابیات

1۔ حضرت مفتی سید مخدوم حسینی چشتی نظامی۔ کتابِ "برہان الدین"۔ 1333ھ (اس نسخہ میں جملہ چار کتب طبع ہوئے ہیں) ایک ضخیم کتاب جس کا نام "برہان الدین"

2۔ حضرت سید غوث محی الدین رضوی القادری "شرف الانساب" 1332ھ

3۔ ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی۔ "عرفان لطیف"۔ 1999ء 2016ء

4۔ مولانا مفتی محمد محبوب شریف نظامی "بیسویں صدی میں دکن کی علمی، دینی، اصلاحی و ادبی شخصیتیں" حصہ اول 2004ء

5۔ ڈاکٹر قیسی قمر نگری۔ "کرنول میں اُردو شعر و ادب" 2017ء

6۔ ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی "رائلسیما کے منتخب شعراء" 2017ء

خانوادۂ فریدیہ کی خدمات

محمد شجاع الدین فاروقی (شاہد فریدی)*

بابا فرید الدین سے پائیگاں خاندان کا تعلق:

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمہ کے فرزند حضرت بدر الدین سلیمان علیہ الرحمہ کی اولاد مبارک سے حضرت محمد ابوالخیر خان علیہ الرحمہ اس ریاست میں خاندان پائیگاہ کے بانی و مبانی رہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے۔ محمد ابوالخیر خان بن محمد بہاء الدین بن محمد فیروز بن ملک العلماء جلال الدین بہلول بن کمال الدین داود بن حسام الدین محمود دانشمند بن جلال الدین عبد الحق بن کریم الدین متوکل بن معین الدین معروف بن زین الدین موسیٰ بن مجد الدین مودود بن بدر الدین سلیمان بن حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہم الرحمہ۔

خانوادۂ فریدیہ کی دکن میں خدمات:

بر صغیر ہندوستان ہی میں ریاست حیدرآباد دکن مسلمانان ہند کا سب سے بڑا مرکز رہا ہے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جب حضرت آصف جاہ اول نے دکن کو فتح کیا اور دکن کی گورنری کو ترک کر کے ریاست حیدر آباد دکن کی باگ ڈور سنبھالی تو اس وقت سے یاست حیدر آباد دکن نے سلطنت آصفیہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ آصف جاہ اول نے جب مغلیہ دربار کے حکم سے دکن کی طرف کوچ کیا تو ان کے ساتھ دہلی سے جو اعلیٰ افسران کے ساتھ روانہ ہوئے ان میں ابو الخیر شامل بھی شریک تھے۔ انہوں نے اس مہم میں جو کارنامے انجام دیئے اور جو فتوحات حاصل کیں وہ تاریخ کے اوراق پر نقش ہیں۔ ابو الخیر خاں ہی وہ فرد ہیں جو ریاست میں خاندانِ پائیگاہ کے بانی مبانی ہوئے۔ اس طرح دکن میں آج سے تقریباً دو سو سال قبل سلطنت آصفیہ کی بنیادوں کے ساتھ ساتھ ہی خاندان پائیگاہ کی بنیادیں بھی استوار ہو گئیں۔

ابوالخیر خان کے فرزند نواب تیغ جنگ بہادر شمس الامراء اول نے ریاست کی خدمت میں بہادری کے جو جوہر دکھائے اس سے ریاست کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔ اور نہ صرف ریاست پر مرہٹوں کی یلغاروں کا خاتمہ ہو گیا بلکہ سلطنت آصفیہ کو ایک دائمی دشمن سے چھٹکارا بھی مل گیا اور اس طرح ریاست میں امن و امان کے بعد سلاطین آصفیہ نے ملک میں سیاسی، اقتصادی، معاشی اور علمی کاموں کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دی اور اپنے علمی کارناموں کی وجہ ہی سے نہ صرف حیدرآباد دکن بلکہ سارے ہندوستان میں شہرت پائی۔
ابوالخیر خان کے حیدر آباد دکن میں قدم جماتے ہی ریاست میں خاندان پائیگاہ اور امرائے پائیگاہ کی بنیادیں پڑ گئیں۔ امرائے پائیگاہ نے سربراہان سلطنت آصفیہ کے مددگار بلکہ دست راست کی حیثیت اختیار کر لی ۔ شمس الامراء اول نواب تیغ جنگ بہادر کے بعد ایک

---

* ممبر رکن میرتج کونسلنگ سنٹر، حکومت تلنگانہ، حیدرآباد

بڑی حد تک امرائے پائیگاہ کو فوجی خدمات کی عملی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مگر چونکہ پونا کی طرف سے (جو مرہٹوں کا گڑھ تھا) ریاست پر مرہٹوں کے حملے کا امکان باقی تھا، اور کبھی کبھی مرہٹے سردار اپنی فوجوں کے ساتھ ریاست کے حدود میں داخل ہو کر جبری ٹیکس چوتھ کی صورت میں حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، لہذا آصف جاہ ثانی نواب سکندر جاہ بہادر نے ان کی سرکوبی کے لیے ابو الخیر خاں کے فرزند تیغ جنگ بہادر ہی کو منتخب کیا جو اس وقت حیدر آباد اور پونا کی سرحد پر مرہٹوں کے مقابلے میں مشغول تھے۔ نواب سکندر جاہ بہادر کا یہ اقدام نہایت دور اندیشانہ تھا۔ سکندر جاہ بہادر بہ نفس نفیس اپنی فوج کے ساتھ پونا کی سرحد پر تشریف لے گئے اور نواب تیغ جنگ بہادر سے مرہٹوں کے حملے کا مستقل طور پر انسداد کرنے کے بارے میں مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ ریاست حیدر آباد اور پونا کی سرحد پر ایک مستقل فوجی اور دفاعی چوکی کا قیام عمل میں لایا جائے جو مرہٹوں کو ہر وقت ریاست پر حملہ کرنے سے روکتی رہے۔ چنانچہ برہان پور کو اس مقصد کے لیے منتخب کر کے اس کو ایک فوجی چھاؤنی کی شکل دے دی گئی اور تیغ جنگ بہادر کو برہان پور میں قائم کردہ دفاعی فوج کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔

شمس الامراء کی علمی خدمات:

شمس الامراء نواب محمد فخر الدین خان کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے، خاندان پائیگاہ ، آصف جاہی امراء ہر لحاظ سے ممتاز رہا ہے۔ جاگیرات ومناصب کے علاوہ شاہی خاندان کی لڑکیاں خاندان کے افراد سے بیاہی گئیں۔ اکثر افراد سپہ سالاری کے علاوہ وزارت کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ اور خطابات دیگر مراسم شاہی سے سرفراز ہوئے۔ چنانچہ اس خاندان کے کئی امراء کو شمس الامراء کا خطاب دیا گیا۔ امیر کبیر نواب محمد فخر الدین خان شمس الامراء ثانی 1195ھ میں پیدا ہوئے۔ اور 1279ھ میں انتقال ہوا۔ یہ سب سے پہلے امیر پائیگاہ ہیں جن کی علم دوستی، علم پروری اور اُردو نوازی آج تک مشہور ہے۔ وہ اپنے ذوق علم وفضل میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے اطراف علماء کا ایک گروہ جمع کر لیا تھا جو تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے۔ اس عہد کے ایک مشہور مصنف خواجہ غلام حسین خان المخاطب بہ خان زمان نے اپنی تاریخ "گلزار آصفیہ " میں ان کے علم وفضل اور علمی دلچسپیوں کے متعلق لکھا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"یہی وہ شمس الامراء ہیں جنہوں نے حکمت، ہندسہ، ریاضی وغیرہ میں سب سے پہلی دفعہ اُردو میں کتابیں لکھوائیں اور خود تصنیف کیں۔ چونکہ نواب موصوف کو علوم ریاضی وہیئت سے خاص شغف تھا۔ اس لیے زیادہ تر ان ہی علوم سے متعلق کتابیں فرانسیسی اور انگریزی زبانوں سے ترجمے کرا کے اپنے سنگی چھاپے خانے سے شائع کروایا۔ یہی نہیں، بلکہ ذاتی تحقیق اور تلاش کے لیے انہوں نے ایک رصد گاہ جہاں نما تعمیر کرائی تھی۔"

اس مقالہ کی تیاری کے سلسلے میں ہمیں حسب ذیل کتابوں کا پتہ چلا جو ان کی زیر پرستی لکھائی گئیں۔

(1) ترجمہ شرح چغمنی قلمی کتاب قریب 1250ھ (2) اصول علم حساب مطبوعہ 1252ھ (3) رسالہ مختصر جر ثقیل (4) رسالہ کسورات اعشاریہ مطبوعہ 1252ھ (5) علم جر ثقیل (دستہ شمسیہ جلد اول) مطبوعہ 1940ء (6) علم ہیئت (دستہ شمسیہ جلد دوم)

مطبوعہ 1940ء (7) علم آب (دستہ شمسیہ جلد سوم) مطبوعہ 1940ء(8) علم ہوا (دستہ شمسیہ جلد چہارم) مطبوعہ 1940ء(9) علم مناظر (دستہ شمسیہ جلد پنجم) مطبوعہ 1940ء(10) علم برق (دستہ شمسیہ جلد ششم) مطبوعہ 1940ء(11) رسالہ علم و اعمال کرنے کے بیان میں مطبوعہ 1256ھ۔ (12) منتخب البصر (دور نما) 1257ھ۔(13) کمسٹری کا مختصر رسالہ 1259ھ۔(13) رسالہ مفتاح الافلاک 1260ھ۔(15) رسالہ کیمسٹری 1261ھ۔(16) خلاصہ الادویہ 1262ھ۔(17) نافع الامراض 1362ھ۔ (18) ترکیب ادویہ 1362ھ۔(19) رسالہ حیوانات مطلق 1364ھ۔(20) مرقع تصویرات حیوانات 1366ھ۔

نواب فخر الدین خاں نے خود بھی کئی کتابیں لکھیں مگر ان کی اردو کتابوں کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ان ہی کی ہیں۔ اس لیے کہ دیباچہ میں بجائے اپنے کے صرف یہ لکھ دیا "مصنف اس کتاب کا یہ کہتا ہے"۔ البتہ فارسی کتابوں پہ اپنے نام کی صراحت کر دی ہے۔ مثلاً کتاب شمس الہندسہ، مطبوعہ 1261ھ کے دیباچہ میں لکھا ہے۔ "می گوید مولف ایں رسالہ محمد فخر الدین خان المخاطب بہ شمس الامراء..... کہ کتاب اقلیدس۔ اگرچہ حادی جمیع اصول ہندسیہ است از وقت براھین و تطویل و دلائلش مبتدی را بہرہ دانی "۔ مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ نواب صاحب خود بھی مصنف تھے اور فرانسیسی زبان پر کافی عبور رکھتے تھے۔ فارسی میں ایک سے زیادہ کتابیں لکھیں اور ضرور ہے کہ یہ اُردو کتابیں بھی ان ہی کے تصنیفات ہوں۔

اِن کے فرزند محمد رفیع الدین خان عمدۃ الملک شمس الامراء ثالث 1220ھ میں پیدا ہوئے۔ اور یہ 1294ھ میں انتقال کر گئے۔ ذوق علم و فضل اور شوق تصنیف و تالیف اپنے والدِ محترم سے ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ مطبع شمس الامراء میں جو کتابیں چھپیں وہ زیادہ تر ان ہی کی فرمائش اور دلچسپی کی وجہ سے لکھی گئی تھیں، بعض کتابوں میں صراحت کر دی گئی ہے کہ صاحبزادہ نواب محمد رفیع الدین خاں عمدۃ الملک بہادر کی فرمائش پر لکھی گئیں۔ شمس الامراء ثانی نے اپنی فارسی کتاب "شمس الہندسہ" میں اپنے فرزند کی نکالی ہوئی شکلوں کو بھی جگہ دی اور اس کے دیباچہ میں اس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں : "چند اشکال مستخرجہ بر خوردار محمد رفیع الدین خان در آخر مقالہائے متعلقہ آنہا بہ تفصیل مرقوم ساختہ "

انہوں نے زیادہ تر علم ہندسہ اور علم حساب پر اردو میں کتابیں لکھیں جن کی وجہ سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو گئے، اردو زبان میں اول اول سائنسی موضوعوں پر تصنیف و تالیف کرنے اور دوسروں سے لکھوانے کی وجہ سے عہدِ حاضر میں نواب رفیع الدین خان کی شخصیت کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ انہوں نے علوم و فنون کو اردو میں منتقل کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ان کی چند کتابوں کے نام جو ہمیں معلوم ہو سکے ہیں، درج ذیل ملاحظہ کی جا سکتا ہے۔

(1) رسالہ علم ہندسہ مطبوعہ 1251ھ (2) رفیع الحساب مطبوعہ 1252ھ۔(2) تکملہ رفع الحساب مطبوعہ 1254ھ (4) رفع البصر مطبوعہ 1287ھ۔(5) رفع الصنعت مطبوعہ 1269ھ۔(6) رفیع الترکیب مطبوعہ 1284ھ۔(7) تختہ گردان مطبوعہ 1292 ھ۔

ان مطبوعہ کتابوں کے علاوہ ان کی کئی قلمی کتابیں بھی ان کے خاندانی کتب خانہ میں موجود ہیں جو اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں

ہوئیں۔

نواب رفیع الدین خاں شمس الامراء ثالث:

نواب فخر الدین شمس الامراء ثانی کے انتقال کے بعد ان کے فرزند نواب محمد رفیع االدین خان بہادر ان کے جانشین ہوئے۔ وہ 11 شوال 1220ھ مطابق 3 جنوری 1806ء کو پیدا ہوئے تھے، اور خاندانی روایت کے مطابق اپنے والد ماجد کی نگرانی میں اعلی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے۔ سن 1245ھ میں نواب ناصر الدولہ بہادر نے انہیں نامور جنگ، عمدۃ الدولہ کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ 1247ھ میں بوجہ ناسازی طبع مچھلی بندر ہوتے ہوئے کلکتہ تشریف لے گئے۔ 1256ھ میں عمدۃ الملک کا خطاب پایا۔ جب امیر کبیر اول کا انتقال ہوا تو 25 ذی الحجہ 1279ھ کو امیر کبیر ثانی اور شمس الامراء ثالث کے خطابات سے مع لوازم اور مناصب کے سرفراز ہوئے۔ نواب افضل الدولہ بہادر کے انتقال کے بعد نواب میر محبوب علی خاں کی کمسنی کے زمانے میں انہیں نواب سر سالار جنگ اول کے ساتھ معاون ریجنٹ مقرر کیا گیا تھا۔

ایک مرتبہ سالار جنگ اول سے اختلاف کے بعد انہیں وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا لیکن رفیع الدین خاں نے اس منصب کو قبول کرنے سے معذرت کر دی اور سالار جنگ سے اختلاف کے باوجود ان کی قابلیت اور صلاحیت کا اعتراف فرمایا۔ اور انہی کو وزیر اعظم بنائے جانے پر اصرار کیا۔ اس واقعے سے ان کی سیرت کی بلندی، نیک نفسی، اخلاص قلبی اور ریاست حیدر آباد کے بہترین مفاد سے ان کی گہری دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کے اصرار پر سالار جنگ اول کو اس منصب پر فائز کیا گیا۔ یہ سیاست سے بالکل الگ رہے۔

نواب رفیع الدین خاں نے اپنے والد سے علمی ذوق ورثے میں پایا تھا تصنیف و تالیف کا انہیں بہت شوق تھا۔ بستان آصفیہ کے مؤلف نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کو بھی ریاضی اور دوسرے علوم میں بھی خاص دلچسپی تھی اور ان کی طبیعت فیاض واقع ہوئی تھی۔ فن تعمیر کا بھی شوق تھا۔ ان کے تمام بچوں نے صغر سنی میں انتقال کیا تھا اس لیے اپنے بھائی نواب محتشم الدولہ سلطان الدین کے بیٹوں کو اپنا جانشین بنایا۔ جو ان کے بعد جاگیرات اور مناصب کے مالک ہوئے۔ نواب صاحب کی بنائی ہوئی قاضی پورہ میں ایک مسجد اور اکثر عمارتیں موجود ہیں

شمس الامراء ثالث کو اللہ تعالیٰ نے علمی ذوق اور تصنیف و تالیف کے شوق کے ساتھ بصیرت و تدبیر کی اعلیٰ خوبیوں سے بھی نوازا تھا۔ ان کے اس کمال کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب پانچویں نظام افضل الدولہ کی وفات کا حادثہ پیش آیا تو ان کے جانشین نواب محبوب علی خاں بہت کمسن تھے۔ اس موقع پر ریاست کے تمام کاموں کی نگرانی کے لیے جن دو شخصیتوں کو ریاست کا ریجنٹ مقرر کیا گیا، ان میں نواب سر سالار جنگ بہادر کے ساتھ دوسری شخصیت نواب محمد رفیع الدین خاں بہادر عمدۃ الملک شمس الامراء ثالث کی تھی۔ حضرت شمس الامراء نے نہایت ہوشیاری اور ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیا۔ نواب رفیع الدین خاں 1291ھ میں بوجوہ حیدر آباد سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور اگرچہ چند سال کے بعد انہیں اپنے بعض عزیزوں

کے اصرار پر وطن لوٹنا پڑا لیکن اس کے بعد ان کی زندگی نے زیادہ دنوں تک وفا نہ کی اور ان کا انتقال ہو گیا۔ نواب حسن یار جنگ نے ان مرحوم کی ہجرت کی زندگی پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے: "نواب رفیع الدین خاں اعلیٰ اسلامی اور مذہبی خیالات کے حامل تھے۔ وہ چونکہ لاولاد بھی تھے لہذا 1291ھ میں انہوں نے حیدر آباد دکن سے ہجرت کی اور اپنے تقریباً ایک سو مصاحبوں، دوستوں اور ملازمین کے ساتھ مدینہ منورہ چلے گئے۔ نواب رفیع الدین خاں کے ساتھ جو امراء ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے ان میں نواب نصیر جنگ بھی گئے۔ انہوں نے بھی مدینہ منورہ میں ایک رباط بنوائی۔ چنانچہ اس وقت بھی یہ رباط ان کے خاندان کے قبضہ میں ہے۔ اس وقت ان کے پڑپوتے نواب وحید الدین خاں عرف ظہور نواب اسی رباط میں توسیع کرانے کے بعد اس میں قیام پذیر ہیں۔

مکہ معظمہ میں حج کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے متصل ایک بڑی زمین خرید لی جس میں اپنے قیام کے لیے ایک محل تعمیر کرایا اور اس کے اطراف کھجور اور میوے کا ایک باغ لگوایا جو باغ تواطیہ اور باغ شمسیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ محل اور باغ کے علاوہ نواب رفیع الدین خان نے حاجیوں کے قیام کے لیے ایک رباط بھی بنوائی تھی جو سن 1977ء تک موجود تھی۔

نواب رشید الدین خان شمس الامراء رابع:

نواب محمد رشید الدین خاں، نواب فخر الدین خاں شمس الامراء ثانی کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ وہ 22 رمضان المبارک 1230ھ مطابق 28 اگست 1915ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ خاندانی روایات کے مطابق اعلی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے، عربی، فارسی کی تحصیل کے علاوہ تلوار بازی اور شہ سواری میں کمال حاصل کیا۔ یہ بندوق کے بہترین نشانہ باز بھی تھے۔ ان کے بڑے بھائی نواب محمد رفیع الدین خاں کی چونکہ کوئی اولاد نہ تھی اس لیے ان کے انتقال کے بعد ان کی جگہ امیر پائیگاہ بنے۔ نواب رشید الدین خاں کا پہلا عقد نواب جرأت جنگ کی دختر سے 1243ھ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد 1245ھ میں بہادر جنگ اقتدار الدولہ کے خطاب سے مخاطب ہوئے تھے۔ 7 ذی القعدہ 1255ھ کو ان کی دوسری شادی نواب میر اکبر علی خان سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کی صاحبزادی حشمت النساء کے ساتھ ہوئی کہ اس کے اگلے سال انہوں نے اقتدار الملک کا خطاب پایا – 1280ھ کو وقار الامراء کے خطاب سے سرفراز کیے گئے۔ اس کے بعد نواب محمد رفیع الدین خاں بہادر کی وفات کے بعد 1294ھ کو انہیں شمس الدولہ شمس الملک، شمس الامراء رابع، امیر کبیر ثالث کے خطابات اور دیگر مناصب ولوازم سے نوازا گیا۔

نواب محمد رفیع الدین خاں کے انتقال کے وقت چونکہ نواب میر محبوب علی خاں سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے اور ریاست کا نظام ریجنسی کے سپرد تھا جس کے ایک رکن نواب رفیع الدین خان بھی تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی جگہ نواب محمد رشید الدین خان کو ریاست کا ریجنٹ مقرر کیا گیا چنانچہ وہ نواب میر محبوب علی خاں کے سن بلوغ تک پہنچ کر تخت نشین ہوئے اور مملکت کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے تک ریاست حیدرآباد کے ریجنٹ رہے اور ریاست کے انتظام کو چلاتے رہے۔ اس حیثیت سے انہوں نے 1294ھ سے 1299ھ تک خدمات انجام دیں۔ جب نواب میر محبوب علی خاں سریر آرائے حکومت ہوئے تو نواب رشید الدین خان ان کے مشیر خاص مقرر ہوئے۔ انہوں نے ریاست کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی بیخ کنی اور ریاست کی ترقی اور اس کے استحکام کے لیے اپنی

پوری زندگی صرف کر دی۔

"بستان آصفیہ "کے مؤلف آپ کی سیرت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں :"آپ نہایت نیک مزاج اور بہت بلند حوصلہ تھے۔ آپ کی سخاوت مشہور ہے علمی دلچسپی میں بھی آپ اپنے پیشروؤں سے پیچھے نہ تھے۔ چنانچہ انہیں کے حکم سے تاریخ رشید الدین ثانی مرتب ہوئی اور اس کی سینکڑوں جلدیں مفت تقسیم کی گئیں ۔نواب محمد رشید الدین خاں عربی اور فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے اپنے اسلاف کی علمی روایت کو آگے بڑھایا اور تصنیف و تالیف اور تدریس واشاعت علوم وفنون میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے مدرسہ شمسیہ کے نام سے حیدر آباد دکن کا دوسرا پبلک اسکول قائم کیا، جہاں عربی، فارسی اور دیگر علوم وفنون کے علاوہ ابتدائی انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ اسکول اب تک قائم ہے۔ انہوں نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عربی انگریزی اور فرانسیسی ادب اور علوم وفنون کی کتابوں کے اردو ترجمے کی تحریک کو مزید آگے بڑھایا اور ان کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔نواب محمد رشید الدین خاں 69 سال کی عمر میں 19 محرم 1299ھ مطابق 12 ڈسمبر 1881ء کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ نواب رشید الدین خاں کی اولاد میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں :

نواب محمد محی الدین خاں جو نواب سر خورشید جاہ کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ نواب محمد فضل الدین خاں جو اپنے خطاب نواب وقار الامراء سے مشہور ہوئے۔ نواب رشید الدین خاں کے انتقال کے بعد ان کے حصے کی جاگیرات پائیگاہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئیں۔ یہ دونوں جاگیریں خورشید جاہی پائیگاہ اور پائیگاہ وقار الامراء کے نام سے موسوم اور مشہور ہوئیں۔ خورشید جاہی پائیگاہ کے امیر نواب محمد محی الدین خان بہادر خورشید جاہ ہوئے جبکہ پائیگاہ وقار الامراء کے امیر نواب محمد فضل الدین خان وقار الامراء ہوئے۔

نواب سر خورشید جاہ:

نواب رشید الدین خاں کے بڑے بیٹے نواب محمد محی الدین خان تھے۔ بچپن میں انہیں شبلی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ محی الدین خان 15 ربیع الاول 1257ھ مطابق 15 مئی 1838ء بلدہ حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ چونکہ وہ اپنے والد کے پہلوٹھی کے بیٹے تھے اس لیے ان کی پیدائش پر بہت خوشیاں منائی گئیں ۔20 رجب 1261ھ کو رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی اور اور تعلیم کا آغاز ہوا۔ ان کے والد کو ان کی تعلیم تربیت کا بڑا خیال تھا چنانچہ شروع ہی سے آپ کی تعلیم اور شہسواری اور فنون سپہ گری کی تربیت کے لیے الگ الگ قابل اور ماہر اساتذہ کا انتظام کیا گیا۔ ان کے جد بزرگوار خواب رشید الدین خاں ان کی تعلیم و تربیت کی نگرانی بذات خود فرماتے تھے۔ نواب محی الدین خاں کی شادی نواب میر تہنیت علی خان فضل الدولہ بہادر اور آصف جاہ ثامن کی صاحبزادی شہزادی حسن النساء بیگم کے ساتھ 11 رذی الحجہ 1275ھ کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نظام سے انہیں بڑا تعلق خاطر تھا۔ اعلی حضرت بھی ان سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ ان کے والد کا انتقال ہوا تو اعلی حضرت نے انہیں تعزیتی جوڑا عنایت فرمایا اور ان کے آبائی خطابات شمس الاراء امیر کبیر ابوالخیر خان سے مفتخر فرمایا۔ اعلیٰ حضرت ان سے خاص خاص موقعوں پر خصوصیت کے ساتھ

مشورہ لیا کرتے تھے۔1300ھ میں انہیں سر آسمان جاہ بہادر کے ساتھ کونسل آف ریجنسی کا ممبر بنایا گیا 1381ھ میں انہیں کونسل آف سٹیٹ کا رکن مقرر کیا۔ وہ عرصہ تک اس عہدہ پر فائز رہے اس کے بعد 1315ھ میں جب اعلی حضرت نے مجلس امراء ترتیب دی تو اس میں ان کا انتخاب کیا گیا۔ کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر کی حیثیت سے انہوں نے بہترین خدمات انجام دیں خصوصا حیدر آباد گوادری ریلوے اسکیم سے دلچسپی لی اور اس کا پورا مجوزہ بجٹ پاس کرایا۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے گورنر جنرل نے آپ کی خدمات کا شاندار الفاظ میں اعتراف کیا۔

ریاست کے پیچیدہ مسائل میں آپ کی رائے بڑی صائب ہوتی تھی اور آپ کی تجویزیں اور مشورے بڑے کامیاب ہوتے تھے۔ یہ آپ ہی کا مشورہ تھا کہ نواب سر سالار جنگ دوم کو ریاست کا وزیر اعظم بنایا گیا تھا جن کی ذہانت اور بیدار مغزی سے ریاست اور اس کے عوام کو بڑا افائدہ پہنچا۔

نواب خورشید جاہ بہادر ایک مدبر ہونے کے ساتھ مورخ اور سیاح بھی تھے۔ انکی شخصیت علم و تحقیق کے میدان میں کام کرنے والوں کے لیے ایک رہنمائی تھی۔ وہ دنیا کے تاریخی اور مشہور مقامات کو دیکھنے کے بہت شائق تھے۔ ان کے اس ذوق وشوق نے انہیں تاریخ اور معلومات عامہ کا بہترین طالب علم بنا دیا تھا۔ آپ کے ایما پر لکھی جانے والی ہندوستان کی تاریخ جو آپ ہی کے نام نامی سے منسوب اور "**تاریخ خورشید جاہی**" کے نام سے موسوم ہے، تاریخ کی مشہور اور اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔

اس زمانے میں سفر کی مشکلات کے باوجود انہوں نے آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی سیاست اور سفر کے انتظامات کیے اور نزدیک و دور کے بہت سے مقامات مثلاً گجرات، وسطی ہند کے مقامات نیز کوئٹہ، سبی، چمن وغیرہ تک جا پہنچے۔ اس سے ان کے تاریخی ذوق اور سیاحت کے شوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نواب محی الدین خان نے پائیگاہ کی ترقی کے لیے بہت کوشش کی اور متعدد مفید اصلاحات جاری کیں۔ اس سلسلے میں مؤلف 'بستان آصفیہ' نے بڑی مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"آپ نے صاحب اقتدار ہونے پر پائیگاہ کا انتظام شروع کیا اور قریب قریب اسے بالکل خود مختار بنا دیا۔ اپنے پائیگاہ کا کاغذ ممہورا(اسٹامپ) خود اپنے پریس میں طبع فرماتے تھے۔ اس سے جو آمدنی ہوتی وہ اپنے خزانہ میں داخل فرماتے۔ منجملہ اور چیزوں کے انہوں نے اپنے علاقہ میں ڈاک کا انتظام بھی حسب دستور رکھا۔ قدیم سے دستور چلا آتا تھا کہ ہر جدید ملازم کی دوماہ کی تنخواہ پائیگاہ میں جمع رکھی جاتی اور تیسرے مہینے سے دی جاتی۔ گو وہ رقم بطور امانت رکھی جاتی تھی لیکن اس سے متوسلین کو بہت تکلیف ہوتی۔ انہوں نے اپنے صاجزادہ نواب شمس الملک بہادر کے مشورہ سے اس قاعدہ کو توڑ دیا۔ اور یہ مقرر فرمایا کہ ہر ملازم کو ماہ بماہ تنخواہ ملتی رہے۔اس قاعدہ پر 29ربیع الاول 1307ھ سے عملدرآمد شروع ہوا۔ اب سب کو ماہ بماہ تنخواہ پہنچتی ہے۔

آپ حیدرآباد اور اس کے تعلقات میں غلہ سے مدد کیا کرتے، شادی بیاہ، دعوت، ڈنر اور سیر و سیاحت میں وہ انتہا درجہ کے دریا دل تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی خود اپنے معاملات میں نہایت ہی کفایت شعاری فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو عمارتیں بنوانے کا خاص شوق تھا۔ چنانچہ حیدر آباد کے علاوہ آپ نے ہندوستان کے اکثر حصوں میں مسجدیں، سرائیں اور کنوئیں تیار کرائے اور خود اپنے لیے

14 محرم 1301ھ کو اپنے بھائی نواب اقبال الدولہ وقار الامرار بہادر کی نفیس کوٹھی مع حقِ ملکیت دو لاکھ روپیہ میں خرید لی۔ بعض عزیزوں کے انتقال نے آپ کی صحت میں نمایاں تغیر پیدا کر دیا۔ 6 صفر 1319ھ کو خورشید محل صاحبہ نے انتقال کیا۔ اس موت نے آپ کی زندگی کو بالکل تلخ کر دیا۔ یہاں تک کہ اس سے آپ کے عادات میں بھی بہت بڑا تغیر پیدا ہو گیا۔ نواب محی الدین خان کو مملکت آصفیہ اور انگریزی حکومت کی جانب سے حسنِ خدمات اور خیر خواہی کے صلے میں اور ان کی قدر افزائی کی غرض سے بہت سے خطابات، اعزازات اور انعام و اکرام دیئے گئے تھے۔

تیغ جنگ: آبائی خطاب تھا جو نواب ناصر الدولہ بہادر نے 1266ھ کو مرحمت فرمایا تھا۔ اس وقت محی الدین خاں کی عمر صرف نو سال کی تھی **خورشید الدولہ** : یہ خطاب اعلیٰ حضرت نواب افضل الدولہ بہادر نے اپنی سالگرہ کی خوشی میں یکم ربیع الاخر 1274ھ کو عنایت فرمایا تھا **خورشید الامراء** : یہ خطاب بھی اعلی حضرت نواب افضل الدولہ بہادر نے 27 شعبان 1276ھ کو دیا تھا۔ **خورشید جاہ** : یہ خطاب یکم شوال 1278ھ کو عید الفطر کے دربار میں عطا کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں ماہی ، مراتب۔ علم۔ نقارہ۔ نشان اسپ۔ زردوزی ۔ نشان فیل ۔ زردوزی عماری اور زردوزی مور چھل کے اعزازات سے بھی سرفرازی بخشی گئی تھی۔ شمس الامراء، امیر کبیر، ابو الخیر خاں - یہ تینوں خطابات انہیں ان کے والد کے انتقال کے بعد 11 ربیع الآخر 1299ھ کو عطا کیے گئے تھے ، **کے سی ۔ آئی ۔ ای** : یہ خطاب برطانوی حکومت کی جانب سے ملکہ وکٹوریہ کی سلور جوبلی، 1877ء کی تقریب کو ملا تھا۔ نواب خورشید جاہ بہادر نے ریاست کی ترقی کے کاموں میں بہت حصہ لیا ۔ حضرت نظام کے نہایت معتمد اور اپنی بیش قیمت خدمات کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔ نواب محبوب علی خاں کی خواہش تھی کہ انہیں ریاست کا وزیر اعظم بنایا جائے مگر برطانوی ریزیڈنٹ کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ نواب خورشید جاہ بہادر نے اپنی جاگیر کی ترقی اور عوام کی اصلاح کی طرف خاص توجہ دی۔ انہیں تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ انہوں نے اپنا زیادہ وقت تعمیرات کی مشغولیتوں میں صرف کیا۔ کئی تاریخی عمارتیں ان کی یادگار ہیں۔ ان میں سے حیدر آباد شہر کے مرکزی چوک میں ایک خوبصورت مسجد اور گھنٹہ گھر، جو حیدر آباد کا پہلا گھنٹہ گھر ہے، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے ایک مطبع بھی قائم کیا تھا جس میں بہت سی مفید کتابیں چھپوائیں۔ تاریخ خورشید جاہی کے نام سے ایک تاریخ ہند بھی لکھوا کر اپنے مطبع میں خاص اہتمام سے چھپوائی۔ انہیں اشاعت تعلیم کی تحریک سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ اس میں انہوں نے بیش از بیش حصہ لیا۔ تعلیمی اداروں کی سرپرستی کی اور بے شمار غریب و نادار ذہین طلبہ کو وظائف سے نوازا۔ انہوں نے بیرونِ ریاست کے علمی و تعلیمی اداروں کو بھی گراں قدر عطیات مرحمت فرمائے، بزرگانِ دین سے وہ بہت عقیدت رکھتے تھے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہوں کے ساتھ انہوں نے زائرین کے قیام و رہائش کے لیے کئی عمارتیں تعمیر کروائیں ۔ اجمیر شریف میں سماع خانہ ان ہی کا بنوایا ہوا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزارات پر چاندی کا کٹہرے اور دیگر منقشات ان ہی کے بنوائے ہوئے ہیں۔ بابا فرید کی درگاہ پر بھی چاندی کا کام کروایا۔ مدینہ منورہ میں حاجیوں کے قیام و آسائش کے لیے سرائے بنوائی۔ انہیں نادر قسم کے ہیرے جواہرات جمع کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔ وہ

ریاست حیدرآباد کے اعلی وانتظامی ادارے ریجنسی کونسل کے رکن بھی تھے۔ نواب خورشید جاہ کو قدرت نے دولت اور ایک دلکش شخصیت سے نوازا تھا۔ جوں جوں انکی عمر بڑھتی گئی ان کی شخصیت کا احترام لوگوں کے دلوں میں بیٹھتا گیا۔ وہ اپنے دور میں اہل علم اور اصحاب فضل و دانش کی سرپرستی کے لیے مشہور تھے۔ انہوں نے بہت سے علمی اور تعلیمی اداروں کی سرپرستی فرمائی۔ جمادی الاخر 1316ھ میں آپ کو ذیابیطس کا مرض لاحق ہو گیا تھا لیکن علاج معالجہ کے بعد اس مرضی سے انہیں نجات مل گئی تھی۔ تاہم چند سال کے بعد جب ان پر 1320ھ فالج کا حملہ ہوا تو اس سے آپ جانبر نہ ہو سکے اور اپنے مقبرے کے بیرونی حصہ میں دفن کیے گئے، آپ کی پائیگاہ جو آپ ہی کے نام سے خورشید جاہی پائیگاہ کہلاتی تھی، 1512 مربع میل کے رقبہ میں بارہ تعلقوں، ان کے سینکڑوں دیہات مقطعہ جات پر پھیلی ہوئی تھی۔ پائیگاہ کی آبادی 279822 نفوس پر مشتمل تھی اور جملہ تعلقات پائیگاہ و جاگیرات ذاتی وزر خریدی وغیرہ کی آمدنی ساڑھے چودہ لاکھ کے قریب تھی۔ ان کی دو بیویاں تھیں، دونوں سے ان کے ایک ایک صاحبزادے تھے۔ پہلی بیوی سے نواب محمد فیض الدین خاں امام جنگ خورشید الملک بہادر تھے۔ اور دوسری بیوی شہزادی حسن النساء بیگم کے بطن سے نواب محمد حفیظ الدین خان ظفر جنگ شمس الدولہ شمس الملک بہادر یادگار تھے۔

نواب خورشید الدولہ امام جنگ:

نواب سر خورشید جاہ بہادر کے بڑے بیٹے نواب کو فیض الدین نعمان بہادر امام جنگ چہارم تھے۔ وہ 6 صفر 1274ھ مطابق 26 ستمبر 1857ء میں پیدا ہوئے اور اپنے عالم و فاضل والد ماجد کی نگرانی میں تعلیم پائی۔ اردو اور فارسی زبانوں میں بڑے لائق و فائق تھے متعدد خطابات اعزازات سے ممتاز و مفتخر تھے۔ 1291ھ میں تقریب سال گرہ مبارک خطاب خانی و بہادری اور امام جنگ سے سرفراز کیئے گئے۔ 1301ھ میں عین حکمرانی کے روز خطاب خورشید الدولہ اصل و اضافہ منصب چار ہزاری و سہ ہزاری سوار و علم و نقارہ سے سرفرازی پائی۔ 1304ھ میں دربار نوروز میں خورشید الملک خطاب اصل و اضافہ منصب پنج ہزاری و چار ہزار سوار و علم و نقارہ و پالکی جھالر دار سے مخاطب ممتاز کیے گئے۔

نواب امام جنگ نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی کا تعلق ان کے اپنے خاندان سے تھا۔ یہ شادی 1294ھ سے قبل ہوئی تھی۔ دوسری شادی 1309ھ میں نواب میر تہنیت علی خان افضل الدولہ کی صاحبزادی اور نواب میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس کی ہمشیرہ شہزادی نجم النساء بیگم کے ساتھ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ہوئی تھی۔ نواب امام جنگ بہادر قدیم مشرقی وضع کے دلدادہ، سیاست کے جھنجٹوں سے الگ اور افکار دنیوی سے آزاد زندگی گزارتے تھے۔ انہیں تاریخی اہمیت کے مقامات میں گھومنے پھرنے اور سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ 1344ھ میں وفات کا حادثہ پیش آیا۔ آپ نہایت لائق ہو یا تجربہ کار، پابند وضع قدیم، صاحب فہم وذکا، ذی اخلاق و مروت نواب تھے۔

نواب خورشید جاہ بہادر کے فرزند امام جنگ خورشید الملک کے محل محترمہ حشمت بیگم صاحبہ کے فرزند نواب محمد منیر الدین خان بہادر رہے۔ آپ پابندِ صوم وصلاۃ اور جوانِ صالح رہے، آپ بلدیہ حیدرآباد کے رکن تھے، اس کے علاوہ متعدد رفاہی کاموں میں موصوف بڑی سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ حیدرآباد کی مرکزی نماز کمیٹی کے پہلے صدر کی حیثیت سے موصوف نے کام کیا اور اس وقت جب کہ

پولیس ایکشن کے بعد حیدرآباد میں میلاد النبی ﷺ کے جلسوں کا دو سال موقوف تھا، آپ ہی نے نمازِ کمیٹی کے زیر اہتمام اس کے پہلے جلسہ کے انعقاد میں بڑا اہم رول ادا کیا۔

اولیاءہند کے آستانوں کی خانوادۂ فریدی کی تعمیری خدمات:

اس خاندان کے ایک فرد فرید سر وقار الامراء بہادر کے حیدرآباد دکن میں سب سے بڑے محلات ہیں جن میں ڈیوڑھی بلدہ اقبال الدولہ، ڈیوڑھی ایوان بیگم پیٹ خاص ہیں۔ خانوادۂ فریدی اور پائیگاہ خاندان کو اولیائے کرام سے بڑی قلبی عقیدت رہی، ان بزرگانِ دین سے اپنی عقیدت کا اظہار مختلف ذرائع سے ظاہر ہوا کرتا ہے، جن میں بے شمار اللہ والوں کے آستانوں کی تعمیر وترمیم یا پھر زمین کو خرید کر وقف کرنا، یا اس کی تزئین و تجمیل شامل ہے۔ جن میں قابلِ ذکر خاندانِ پائیگاہ کی جانب سے مدینہ منورہ میں برقی روشنی کے اخراجات کی ادائیگی، نواب سر عاصمت جاہ بہادر نے سماع خانہ بارگاہِ غریب نواز علیہ الرحمہ اجمیر شریف کی تعمیر کروائی، نواب محمد رشید الدین خان شمس الامراء نے مدرسہ شمس الامراء، حسینی علم قائم کیا، نواب خورشید جاہ بہادر نے بارگاہِ جانشین حضرت خواجہ اجمیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور بارگاہِ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلی، حضرت حافظ خواجہ سید علی خیر آبادی، خیر آباد، اترپردیش، اس کے علاوہ شہر حیدرآباد میں بارگاہِ حضرت باباشرف الدین سہروردی پہاڑی شریف، حیدرآباد، بارگاہِ حضرت خواجہ سید حسن برہنہ شاہ، ریاست نگر حیدرآباد، بارگاہِ حضراتِ یوسفین شریفین ناملی حیدرآباد، درگاہِ حضرت سید مراد شاہ دھوتی مراد نگر حیدرآباد، حضرت اجالے شاہ قبلہ سعید آباد، حضرت سید معین الدین حسینی شاہ خاموش ناملی، حضرت مرزا سردار بیگ بھوئی گوڑہ، آغاپورہ کی بارگاہوں کی چوکھنڈیوں کی تعمیرات کروائی۔ اس کے علاوہ شہر حیدرآباد کے اطراف واکناف میں خوبصورت تزئین و تجمیل کے ساتھ 12 مساجد کی تعمیر کروائی۔ گنبدانِ پائیگاہ میں حضرت باب فرید الدین گنج شکر کے عرسِ مبارک کے علاوہ خاندان کے اکابرین کے اعراس کی تقاریب تسلسل کے ساتھ منعقد ہوا کرتی تھیں، یہ سلسلہ درمیان میں موقوف ہو گیا جس کا تذکرہ مرزا یار جنگ کی رپورٹ میں موجود ہے۔ لیکن راقم الحروف کے ذریعہ اس کام کا دوبارہ 2006ء میں احیاء کیا گیا بالخصوص ہر سال 5 محرم الحرام کو عرس شریف حضرت بابا فرید بصد ادب وعقیدت گنبدِ پائیگاہ میں منعقد ہوا کرتی ہے جس میں قصیدہ بردہ، محفل نعت شہ کونین ﷺ، رسم گنج بھرائی، پیشکشی غلاف وچادر گل بر مزار بانی پائیگاہ ہوتی ہے جس میں مقتدر علماء کرام ومشائخ عظام، اہل خانوادہ ومریدین و معتقدین شریک ہوا کرتے ہیں۔

*****

مراجع ومصادر

1۔ تاریخ خاندانِ پائیگاہ حیدرآباد دکن۔ مرتبہ: نواب حسن یار جنگ بہادر، ناشر: حسن منزل، کراچی، پاکستان۔ اشاعت: دوم: 1981ء

2۔ رشید الدین خانی وحاشیہ تاریخ خورشید جاہی۔ مولف: آصف جاہ بہادر۔

3۔ جدول الانساب۔ قلمی نسخہ

1. PICTORIAL HYDERABAD. Compiled and published by K. Krishnaswamy Mudraj, prited at The Chandrakanth Press, Hyderabad. 1929.

خانوادہ حضرت میراں سید شاہ ولی اللہ محمد قادری الجیلانی کی علمی، فلاحی اور سماجی خدمات

میراں سید شاہ نجم الدین قادری الجیلانی ثاقب پاشاہ
محمد عبد القادر قادری بدری*

آپ کا اسم گرامی میراں سید ولی اللہ محمد قادری الجیلانی، نسبا حسنی الحسینی، مسلکا حنفی، مشربا قادری، سکناو مدفنا حیدرآبادی ہیں اور آپ کی کنیت ابوالعرفان ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب 18 /ویں پشت مبارک میں سلطان الاولیاء، غوث اعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کا خانوادہ علوم شریعت اور طریقت کا گہوارہ تھا جہاں پر قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی نہ صرف صدائیں گونجتی تھیں بلکہ تزکیۂ نفس اور تربیت کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، صرف و نحو، منطق، فلسفہ، کلام، مناظرہ، جفر، توقیت، تاریخ، سیر، تذکرہ، ادب، لغت، فصاحت و بلاغت، معانی، عروض اور تحقیق تمام علوم عقلیہ ونقلیہ پر کامل دسترس حاصل تھی۔ عربی زبان وادب پر کامل مہارت کے ساتھ ساتھ فارسی، اردو اور دکنی زبانوں پر ملکہ حاصل تھا۔

آپ اپنے والد ماجد حضرت میراں سید شاہ حبیب اللہ محمد قادری الجیلانی سے اپنے آبائی سلاسل: سلسلۂ عالیہ قادریہ مجددیہ وچشتیہ وغیرہ میں مرید، خلیفہ و جانشین تھے۔ آپ چند سال رنگین مسجد، گلبرگہ میں سکونت پذیر رہے پھر حیدرآباد کو اپنا مسکن بنالیا۔ آپ صاحب تقویٰ وریاضت تھے اور اپنے والد ماجد حضرت میراں سید شاہ حبیب اللہ محمد قادری الجیلانی کی وفات کے بعد ان کے قائم مقام وجانشین ہوئے۔ آپ کے مریدین میں امرا وحکما بھی شامل تھے جن میں امیر صندل خان، نواب انورالدین خان صوبیدار کرناٹک، نواب انورالدین خان صوبیدار کرناٹک اور ان کے فرزند نواب محمد علی خان سراج الدولہ والاجاہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ نظام الملک آصف جاہ اول 1137ھ میں حیدرآباد آئے تو انہوں نے حضرت کی بڑی تعظیم وتکریم کی۔

آپ کے علم وفضل کی مشائخ وعلماء بڑی قدر ومنزلت کرتے تھے۔ آپ علم حقائق میں عالم وقت تھے اور متعدد کتب ورسائل تحریر کیے۔ آپ نے حضرت خواجہ محمود خوش دہاں چشتی قادری بیدری ثم بیجاپوری کی کتاب "معرفۃ السلوک" کا 1140ھ میں دکنی اردو نثر میں والد ماجد کے حکم سے ترجمہ بھی کیا جو عہد آصفی کی اردو نثر کی پہلی کتاب ہے۔ حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی صاحب تصنیف "مشکاۃ النبوۃ" نے تحریر کیا کہ آپ کے کمالات وخوارق عادات، حد تحریر سے باہر ہیں۔

آپ کی وفات بتاریخ: 29/ محرم الحرام 1157ھ مطابق 1744ء کو ہوئی، محلہ آصف نگر (صابر نگر کالونی)، حیدرآباد دکن میں بالائے چبوترہ مدفون ہوئے۔ عوام وخواص میں آپ "شہنشاہ ولایت" سے ملقب ہیں۔ امیر ہند نواب محمد علی خان سراج الدولہ والاجاہ نواب ارکاٹ (مدراس) نے حضرت کے مزار کا احاطہ سنگ سبز سے تعمیر کروایا۔ گڑھ آمبور کی جنگ 1162ھ م 1749ء میں نواب

* سجادہ نشین حضرت میراں سید شاہ ولی اللہ محمد قادری الجیلانی، حیدرآباد

انورالدین خان بہادر کی شہادت ہوئی اور آپ کی نعش مبارک کو آپ کی وصیت کے مطابق حیدرآباد لاکر حضرت کے پائین میں سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت میراں سید شاہ ولی اللہ محمد قادری الجیلانی نے اپنی لاولدی کے سبب اپنے برادر خرد حضرت میراں سید شاہ ظاہر الدین محمد قادری الجیلانی معروف بہ شاہ ظاہر (متوفیٰ18 / صفر المظفر 1210ھ، موسیٰ باؤلی، حیدرآباد، تلنگانہ، الہند) کو اپنا جانشین بنایا۔[1]

حضرت میراں سید شاہ ظاہر الدین محمد قادری الجیلانی معروف بہ شاہ ظاہر (متوفی1210ھ):

آپ مرد مجاہد، محقق وقت، صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ تمام شب یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور ممنوعات و منہیات کو دیکھتے تک نہ تھے۔ آپ اکثر طلباء کو درس علوم اور خط نسق اور خط شکستہ میں صلاح دیتے تھے۔ امیر ہند سراج الدولہ والاجاہ، جو حلقۂ ارادت میں داخل تھے، پاپیادہ نعلین ہاتھ میں لیے سواری کے ہمراہ چلتے تھے۔ نواب آصف جاہ اول مغفور (والی حیدرآباد) آپ کے خانوادے کی بوقت ملاقات بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ آپ کے مریدین خاص میں نواب انورالدین خان، بادشاہ ارکاٹ (تمل ناڈو) داخل تھے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے ہوئے: اول حضرت میراں سید شاہ قطب الدین محمد قادری معروف بہ شاہ قطبی، حضرت میراں سید شاہ سرور محمد قادری، حضرت میراں سید شاہ حاجی صاحب قادری، حضرت میراں سید شاہ ولی اللہ محمد ثانی قادری، حضرت میراں سید شاہ اشرف قادری اور حضرت میراں سید شاہ نورالدین قادری معروف بہ شاہ نور قادری۔ آپ کی حین حیات جب آپ کے فرزند اکبر حضرت میراں سید شاہ قطب الدین محمد قادری معروف بہ شاہ قطبی وصال کر گئے تو حضرت شاہ قطبی کے صاحبزادے حضرت میراں سید شاہ علی قادری الجیلانی نے باتفاق حضرت شاہ سرور مطالبۂ جانشینی کیا تو آپ نے باستفسار حضرت شاہ سرور فرمایا کہ شاہ علی اپنے والد شاہ قطبی کے خلیفہ ہوں گے اور میرے خلیفہ و جانشین شاہ ولی اللہ ثانی ہوں گے۔ دوسرے جلسے میں فرمایا کہ خلافت شاہ قطبی بہ شاہ علی دے دیا اور میرے بعد منصب سجادگی وامر خلافت پر شاہ سرور، پھر شاہ حاجی اور ان کے بعد شاہ ولی اللہ ثانی بیٹھیں گے۔ جب شاہ ظاہر الدین کی وفات ہوئی تو حضرت شاہ سرور مسند پر بیٹھے اور چھ (6) ماہ بعد خود بھی رحلت کیے اور حضرت شاہ حاجی سجادہ نشیں ہوئے اورانہوں نے بموجب ارشاد حضرت والد ماجد خود اور موافق اقرار خود نوشتہ مہری یہ وصیت فرمائی کی میرے بعد عمل سجادگی اور اپنے باپ کی خلافت و قائم مقامی پر میرے بھائی شاہ ولی اللہ ثانی صاحب بلاشرکت غیرے ہوں گے اور قمر الدین متبنیٰ و خادمان کو اس میں عمل و دخل نہیں ہے اور کوئی دعویٰ و تقاضا نہ ہے اور نہ ہوگا۔ شاہ ولی اللہ ثانی نے اپنے صاحبزادے سید شاہ ظاہر الدین محمد ثانی قادری سجادہ نشیں بنایا اور وہاں سے سجادگی ایک ہی پشت میں جاری ہے۔ چنانچہ سید شاہ ظاہر الدین محمد ثانی قادری کے بعد ان کے

---

[1]. مشکوۃ النبوۃ: ج 7، ص 88 تا89، سید شاہ غلام علی قادری لاابالوی موسوی حیدرآبادی، مترجمہ: ابولفضل سید محمود قادری (موظف سشن جج)، حیدرآباد، سن اشاعت 1982ء، وبہار گلستان غوثیت: صفحہ نمبر 5 تا 8 وتاریخ مشائخ سلسلۂ عالیہ قادریہ جیلانیہ حبیبیہ (مخطوطہ): مولانا میراں سید شاہ بدرالدین احمد قادری الجیلانی احمد پادشاہ جانشین جلالۃ العلم، مملوکہ: خانقاہ شریف قادریہ الجیلانیہ، شاہ گنج، حیدرآباد، وغیرہ)۔

صاحبزادے سجادہ شاہ حبیب اللہ محمد ثانی قادری، پھر ان کے صاحبزادے شاہ محمد پیر پادشاہ قادری ہوئے۔

شاہ محمد پیر پادشاہ قادری کے تین **فرزند** ہوئے: محمد ندیم اللہ، محمد ولی اللہ اور محمد حبیب اللہ شاہ محمد ندیم اللہ قادری فرید العصر حضرت علامہ میراں ابوسعید سید شاہ محمد ندیم اللہ قادری الجیلانی (معروف بہ فرید پادشاہ) بڑے ہی باخدا، خلیق، متواضع اور شہر حیدرآباد کی مشہور شخصیت تھے اور جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے فارغ التحصیل تھے۔ آپ ہائی اسکول دارالعلوم حیدرآباد میں برسوں تدریسی منصب پر فائز رہے اور آپ کے ہزارہا شاگرد اور مریدین و معتقدین مختلف ملکوں میں پھیل چکے ہیں۔ اپنے والد ماجد حضرت میراں سید شاہ محمد پیر پادشاہ قادری کی وفات کے بعد حضرت سید شاہ ندیم اللہ حسینی قادری چشتی اپنے والد کے جاں نشین و متولی خانقاہ۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی معروف بہ خواجہ پادشاہ، سابق سجادہ نشین آستانۂ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، گلبرگہ شریف، کرناٹک اور آصف جاہ ثامن نواب مکرم جاہ بہادر مرحوم اور شہر حیدرآباد کے مشہور و معروف علماء و مشائخ وغیرہ تھے۔ آپ کی وفات بتاریخ 2/ ربیع الاول 1404ھ کو ہوئی اور کشن باغ، حیدرآباد میں واقع درگاہ حضرت سید شاہ ندیم اللہ حسینی قادری چشتی میں اپنے والد ماجد کے مزار کے بائیں جانب (مغربی جانب) استراحت پذیر ہیں[1]۔

شاہ محمد ولی اللہ قادری

شمس العلماء حضرت علامہ میراں ابوالخیر سید شاہ محمد ولی اللہ قادری الجیلانی (معروف بہ حبیب پادشاہ) نے جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے کامل التفسیر فرما کر ایک عرصہ تک پادرائن پیٹ، گوشہ محل ہائی اسکول اور خیریت آباد ہائی اسکول، حیدرآباد میں تدریسی خدمات انجام دیا۔ آپ بھی اپنے وقت کے متبحر عالم دین اور بااثر پیر طریقت تھے۔ آپ کو اپنے والد ماجد سے درگاہ حضرت میراں سید شاہ حبیب اللہ محمد قادری اولیٰ (کاروان ساہو، حیدرآباد) و حضرت میراں سید شاہ ولی اللہ محمد قادری اولیٰ قدس سرھما (آصف نگر، حیدرآباد) کی جانشینی عطا ہوئی تھی جسے آپ نے اپنے بھتیجے بدر ملت حضرت علامہ میراں سید شاہ بدرالدین احمد قادری الجیلانی احمد پادشاہ کو عطا فرمایا۔

حضرت سید حبیب پادشاہ بڑے باخدا، ذاکر و شاغل اور متواضع تھے، آپ نے ایک کتاب بنام "آئینۂ قرآن" جو قرآن شریف کی عظمت اور اہمیت پر تحریر کی تھی، آج بھی جامعہ نظامیہ، حیدرآباد کے نصاب میں شامل ہے۔ بعدہٗ اپنے تین فرزندان کے ساتھ امریکہ میں مقیم ہوگئے اور وہیں پر خدمات فروغ سلسلۂ عالیہ قادریہ و چشتیہ میں اپنی زندگی بسر فرما کر امریکہ کے شہر نیو جرسی میں بتاریخ 17/ شعبان المعظم 1420ھ کو واصل بہ حق ہوئے اور شہر مذکورہ میں استراحت پذیر ہیں۔[2]

شاہ محمد حبیب اللہ قادری

جلالۃ العلم حضرت سید شاہ محمد حبیب اللہ قادری (معروف بہ رشید پادشاہ) نے اپنی پوری زندگی سے علم و عمل، اخلاق و کردار، غیرت

---

[1]. تاریخ مشائخ سلسلۂ عالیہ قادریہ جیلانیہ حبیبیہ (مخطوطہ)،

[2]. تاریخ مشائخ سلسلۂ عالیہ قادریہ جیلانیہ حبیبیہ (مخطوطہ) وغیرہ

وحمیت، رشد و ہدایت، تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب، حق پرستی، حق گوئی، حق بینی، اوراپنی دینی، ملی، علمی، عملی، روحانی، اصلاحی، فلاحی و رفاہی بے پناہ عظیم خدمات کے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں۔

آپ کی ولادت مبارک بتاریخ یکم / شعبان المعظم 1332 ہجری بمطابق 6 / 2 جون 1914ء بروز جمعرات حیدرآباد میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل فرمائی، والد ماجد کے بعدِ وصال آپ کے برادر اکبر حضرت سید فرید پادشاہ نے سرپرستی فرمائی اور آپ نے "جامعہ نظامیہ" سے علوم دینیہ و مروجہ میں تکمیل کے بعد دستار فضیلت حاصل فرمائی اور پھر امتیازی درجے میں کامل الحدیث (تخصص فی الحدیث) کی سند حاصل کی۔

آپ جامع معقولات و منقولات اور علوم ظاہری و باطنی کا سرچشمہ تھے۔ آپ کو تمام علوم عقلیہ و نقلیہ پر کامل دسترس حاصل تھی۔ عربی زبان وادب پر کامل مہارت کے ساتھ ساتھ اردو، فارسی، ہندی زبانوں پر ملکہ حاصل تھا ساتھ ہی فن خطابت کے بھی اعلیٰ شہسوار تھے۔ آپ سواداعظم اہلسنت وجماعت کے معتبر علماء کرام میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ آپ نے مسلسل تقریباً ساٹھ سال تک مختلف مقامات پر دروس تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد اہلسنت دیتے تھے۔ جامعہ نظامیہ میں بطور شیخ الجامعہ وامیر جامعہ نصابی درس میں حدیث کی امہات الکتب کے یادگار درس کے علاوہ ہفتے کے ساتوں دن مختلف مقامات پر درس دیا کرتے تھے۔

آپ کو اپنے والد ماجد حضرت میر اں سید شاہ محمد پیر پادشاہ قادری سے اپنے آبائی سلاسل میں بیعت، خلافت اور اجازت حاصل تھی۔ آپ علمی مقام، فقہی بصیرت اور تحقیقی صلاحیت کے باعث دکن و برصغیر کے ممتاز اہلِ علم میں شمار کیے جاتے تھے۔ عربی زبان وادب پر آپ کی گہری قدرت کا اعتراف برصغیر کے جید عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی کیا، جنہوں نے آپ کی عربی تحریرات کو فصیح و بلیغ عربی النسل علماء کے ہم پہلو قرار دیا۔ علمی مسائل میں معاصر علماء ومشائخ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ شہر حیدرآباد کی مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کی سربراہی میں آپ کے فیصلے عدالت اور حکومتی ادارے بھی قبول کرتے تھے۔ 1987ء میں ریاستِ کرناٹک کی شاہی جامع مسجد (رائچور) کے اہم قضیے میں آپ کے فراہم کردہ علمی و فقہی فیصلے کو ہائی کورٹ آف کرناٹک نے بھی حجت تسلیم کیا، جو آپ کی علمی قیادت کا نمایاں ثبوت ہے۔ آپ نے 1957ء تا 1976ء تقریباً بیس برس "دائرۃ المعارف العثمانیۃ" میں صدر مصحح کی حیثیت سے نمایاں تحقیقی خدمات انجام دیں۔ اس دوران کئی علمی و دینی مخطوطات کی تحقیق آپ کی نگرانی میں مکمل ہوئی، جن میں "کتاب الہند" از ابوریحان البیرونی (اولین ایڈیٹ شدہ مخطوطہ)، "کنز العمال" (جلد 12 و 13) از شیخ علی متقی برہانپوری، "مجمع بہار الانوار" از شیخ طاہر پٹنی، "مسند ابو عوانہ" کی جلد 4 و 5 شامل ہیں۔ 1976ء میں دائرۃ المعارف سے سبکدوشی کے بعد آپ جامعہ نظامیہ سے وابستہ ہوئے۔ 1978ء تا 1981ء "شیخ الجامعہ" اور 1981ء تا 1993ء "امیر الجامعہ" کی حیثیت سے آپ نے جامعہ میں علمی و انتظامی اصلاحات کی طویل سلسلہ وار خدمات انجام دیں۔ جامعہ نظامیہ کے انتظامی و علمی ڈھانچے میں آپ کی اصلاحات نے

[1]. بہار گلستان غوثیت، ص 12 تا 13، مولانا محمد عبد القادر قادری بدری، ناشر: خانقاہ شریف قادریہ الجیلانیہ، شاہ گنج، حیدرآباد، سن اشاعت 2021ء

ادارے کے دورِ اوّل کی روایت کو از سرِ نو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا۔[1]

آپ کو تصنیف و تالیف سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔ آپ کی تصانیف ورسائل میں سے تاحال 24 کتب ورسائل طبع ہو چکے ہیں[2] اور بے شمار مضامین روزنامہ ''سیاست'' و''رہنمائے دکن'' وغیرہ میں وقتاً فوقتاً طبع ہوئے۔ حقیقت محمدی ﷺ، عید میلادالنبی ﷺ، انسان کامل ﷺ، ہدایت الرشید للغوی المرید، رویت ہلال کی تحقیق اور عصری آلات سے استفادہ، مطلّقہ کی عدت و نفقہ اور سپریم کورٹ کا فیصلہ، آل محمد ﷺ کی شان و شوکت اور مال زکوۃ میں ان کا حصہ، ہندوستانی بینک انٹرسٹ، سورج گہن: اس کے اسباب و علل اور اغراض و مقاصد، تین طلاق دے دینے کے باوجود کیا ایک ہی طلاق واقع ہوگی، شرف نسب، النجم الثاقب، استعانت بالاولیاء، علم دین اور واقعۂ کربلا پر ایک محققانہ نظر، عقائد ابن تیمیہ اور اعمال یزید، ابن تیمیہ علماء محققین کی نظر میں، بدعقیدہ کی تقریر کا رد، قومی یک جہتی اور عصر جدید کے نئے فتنے، مدیر ''الرسالہ'' کا خواب اور اس کی تعبیر، بابری مسجد کے تعلق سے دیوبند اور جامعہ نظامیہ کے فتوے اور ان کی شرعی تحقیق، آپ کے قلمی نگارشات ہیں۔

آپ کی علمی جلالت اور اعلی اخلاق اقدار کی وجہ سے آپ کے معاصر اکابر علماء و مشائخ آپ سے محبت کرتے تھے جن میں علامہ سید شاہ آل مصطفی حسینی قادری برکاتی مارہروی، سرکار کلاں سید شاہ محمد مختار اشرفی الجیلانی کچھوچھوی، حضرت علامہ ابوالحسن زید فاروقی صاحب، مولانا سید سعید فاروقی صاحب وائس چانسلر قطر یونیورسٹی، ڈاکٹر سید حامد صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، مولانا حامد علی، پروفیسر ڈاکٹر بدرالدین حسام الدین، فضیلۃ الشیخ نوردالبرازی، ڈاکٹر عبدالسلام العبادی اور ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، دہلی یونیورسٹی قابل ذکر ہیں۔[3]

آپ تاحیات بے لوث خدمات و عظیم قربانیاں انجام دیتے اور بالآخر 88 سال کی عمر میں بوجہ علالت بتاریخ 18/ جمادی الثانی 1419ھ بمطابق 10/ اکتوبر 1998ء بروز ہفتہ صبح 8/ بجے ہزاروں عشاق اور مریدین، معتقدین و متوسلین کو داغ فراق دے کر دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی، اِنَّاۤ لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ آپ کی نماز جنازہ شہر حیدرآباد کی تاریخی مکہ مسجد میں آپ کے فرزند اکبر و جانشین حضرت بدر ملت نے پڑھائی اور آپ کے جنازے میں ہزاروں افراد شامل ہوئے اور آپ کی آخری آرام گاہ بارگاہ حضرت سیدنا سید شاہ موسیٰ قادری پرانا پل، حسینی علم، حیدرآباد میں موجود ہے جہاں ہر سال 18/ جمادی الثانی کو عظیم پیمانے پر عرس شریف منعقد ہوتا ہے۔[4]

آپ کے پسماندگان میں آٹھ فرزندان اور سات دختران ہیں۔ آپ کے فرزند اکبر سید شاہ بدرالدین احمد قادری آپ کے

---

1. ایضا، ص 14 تا 16

2. ایضا، ص 16 تا 17

3. جلالۃ العلم مرقع حیات، ص 136 تا 140

4. بہار گلستان غوثیت، ص 21

جانشیں ہوئے۔

سید شاہ بدرالدین احمد قادری الجیلانی احمد پادشاہ (متوفی 1 محرم 1437ھ / 15 اکتوبر 2015ء) سلسلۂ قادریہ جیلانیہ کے ممتاز عالم، شیخِ طریقت اور جید مذہبی رہنما تھے۔ آپ حضرت جلالۃ العلم کے فرزندِ اکبر، جانشین اور خاندانی سجادہ نشین تھے۔ آپ کی ولادت 21 صفر 1364ھ / 6 فروری 1947ء کو حیدرآباد میں علمی وروحانی خانوادۂ غوثیت میں ہوئی۔ جامعہ نظامیہ سے آپ نے 1974ء میں کامل الحدیث کی سند امتیازی درجے میں حاصل کی، اور 1970ء میں جامعہ عثمانیہ سے بی۔کام کی ڈگری مکمل کی۔ عربی، اردو، فارسی اور انگریزی کے ماہر، علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع اور ایک ممتاز خطیب ومحقق تھے۔

1975ء میں آپ نے اپنے عم محترم فریدالعصر سید شاہ ندیم اللہ قادری سے بیعت کی اور آبائی سلاسل میں خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔ 1984ء میں خاندان کے اکابر نے آپ کو قطب الاقطاب حضرت میراں سید شاہ حبیب اللہ قادری کے سلسلہ کا سجادہ نشین وجانشین مقرر کیا۔ والد گرامی کے فرمان پر 1996ء میں ہندوستان واپس آئے اور رسمی طور پر سلسلے کے جانشین قرار پائے۔

آپ نے تقریباً تین دہائیوں تک سعودی عرب میں دعوتِ دین، درسِ قرآن وحدیث اور سلسلۂ قادریہ کی تبلیغ میں خدمات انجام دیں۔ بعدِ عودتِ وطن، ہندوستان وبیرون ملک میں مساجد، مدارس، دینی تنظیمات اور ملی اداروں کی سرپرستی کی۔ "انجمن معتمر غلامان غوث"، "جمعیت مشائخ ہند"، "کل ہند سنی علماء بورڈ"، "امریکن اسلامک سوسائٹی" اور "جامعہ اسلامیہ حبیبیہ" جیسے ادارے آپ کی عظیم خدمات کے مظاہر ہیں۔

آپ کے زیر اثر ہزاروں علماء، فضلاء، دانشور اور مختلف شعبۂ زندگی سے وابستہ افراد تربیت یافتہ ہوئے۔ علمی وروحانی طور پر آپ مرجع العلماء، قدوۃ المشائخ اور عوام وخواص دونوں میں مقبول تھے۔ آپ نے ہندوستان، امریکہ، یورپ اور خلیجی ممالک میں دعوت واصلاح اور مسلک اہل سنت کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

آپ کی شخصیت اخلاقِ نبوی، تواضع، سادگی، سخاوت اور شفقت کا نمونہ تھی۔ تقریباً 28 سال بیماری کے باوجود آپ نے دین وملت کی خدمت میں کمی نہ آنے دی۔ آپ کے فرزندان وخلفاء آج بھی دنیا بھر میں علمی وروحانی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

*****

تذکرۂ مشائخ نقشبندِ حیدرآباد

ڈاکٹر سید شاہ خلیل اللہ اویس بخاری نقشبندی *

سلسلہ نقشبندیہ مختلف صدیوں میں مختلف ناموں سے موسوم رہا، سلسلہ نقشبندیہ کے جتنے بھی نام ہوں یا پھر اس کے جتنے بھی طرق ہیں وہ سب کے سب حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ بابرکت پر جاکر ختم ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ کو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک سے حضرت سیدنا بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کے دورِ مبارک تک صدیقیہ کہا گیا، اس کے بعد حضرت بایزید بسطامی سے حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی کے زمانے تک اسے طیفوریہ کہا گیا، اس کے بعد سے خواجہ خواجگاں حضر سید بہاء الدین نقشبندی علیہ الرحمہ تک خواجگانیہ اور حضرت بہاء الدین نقشبند سے نقشبندیہ کہلایا۔ اسی بناء پر امام سید بہاء الدین نقشبند کو اس سلسلہ کے امام کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بنیادی تعلیمات اور اس کا مدار اتباعِ سنت و عمل عزیمت و اجتناب از بدعت و رخصت پر ہے۔ اس میں تین اشغال معمول بہ ہیں۔ پہلا ذکر۔ دوسرا مراقبہ۔ تیسرا رابطہ شیخ۔ اور اس طریق کا ماحصل دوام حضور و آگاہی بحضرت ذات الہی، عقیدہ صحیحہ موافق اہل سنت والجماعت ہے۔ اس حالت کو اصطلاحِ صحابہ میں احسان اور تصوف میں شہود و مشاہدہ یادداشت و عین الیقین کہتے ہیں۔

تعلیمات سلسلہ میں اعتدال، و اتباع سنت کے باعث عالم اسلام میں علمائے کرام کی بڑی تعداد نے اسے قبول کیا اور ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی، بخارا و سمرقند کی سرحدوں سے نکل کر ماوراء النہر اور وہاں سے بانسو سے قازان، قفقاز، اناطولیہ، غیر منقسم ہندوستان اور سندھ سے مصر و شام اور ایران تک بہت جلد پھیل گیا۔

سلسلہ نقشبندیہ کے ہندوستان میں آمد سے متعلق اکثریت کی رائے یہی ہے کہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ (م:1012ھ) حضرت خواجگئ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ (1009ھ) کے حکم پر ہندوستان تشریف لائے۔ ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کا آغاز آپ ہی سے ہوا۔ بعض روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ آپ سے قبل سبط حضرت سیدنا عبید اللہ احرار (م: 908ھ) امیر سید عبد السلام ہندوستان تشریف لائے اور آپ کے فرزند گرامی قدر حضرت سید امیر ابو العلاء (990-1061ھ) سلسلہ نقشبندیہ ابو العلائیہ کے بانی و ناشر مانے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ سلسلہ چشتیہ و نقشبندیہ کے باہم مخلوط ہونے کے باعث یہ ابو العلائیہ سے موسوم ہو گیا۔

دورِ اکبری میں حضرت خواجہ رضی الدین محمد باقی باللہ کی ہندوستان آمد کے بعد سے طریقہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت کا آغاز ہوا، آپ کے بعد آپ کے خلفاء کرام خصوصاً حضرت امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی مجددی مجدد الف ثانی (م:1034ھ)

---

* جانشین حضرت ابو رجاء و ڈائرکٹر ابو الفداء اسلامک ریسرچ سنٹر و ابو رجاء ایجوکیشنل ٹرسٹ، حیدرآباد

سلسلہ نقشبندیہ حیدرآباد دکن میں آمد:

سلسلہ نقشبندیہ کے دکن میں آمد سے متعلق ذکر کرنے سے قبل یہ واضح کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ قدیم زمانہ میں دکن تین حصوں پر مشتمل رہا، اول موجودہ تلنگانہ ریاست، دوم کرناٹک اور سوم مرا ٹھواڑہ۔ اولیائے نقشبند نے ان تینوں علاقوں میں اپنے فیضان کو عام فرمایا جن میں اختصار کے ساتھ بزرگانِ دین کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔ اولاً جو نقشبندی بزرگ نے دکن کا رخ فرمایا وہ حضرت ہاشم کشمی علیہ الرحمہ رہے جنہیں حضرت امام مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے تربیت فرمانے کے بعد برہان پور روانہ فرمایا اور دکن کے اولین نقشبندی مجددی بزرگ ہیں جو 1108ھ میں برہان پور میں وصال فرمائے اور یہیں مدفون ہیں۔ دوسرے بزرگ حضرت سید شاہ عنایت اللہ بالاپوری نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ 1065ھ دکن تشریف لائے آپ کے بعد آپ کے خلفائے کرام اور اولاد و احفاد نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ تیسری مرکزی شخصیت جن کے قدوم مبارک سے دکن منور ہوا وہ حضرت بابا سعید پلنگ پوش علیہ الرحمہ (م: 1125ھ) ہیں جو اورنگ آباد کو اپنے مبارک فیضان سے مشرف فرمایا اور اسی طرح حضرت خیر الدین سورتی نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ (م: 1200ھ) پھر حضرت شاہ رفیع الدین قندہاری نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ (م: 1241ھ) اور آپ کے مرید و خلیفہ حضرت سید شجاع الدین حسین نقشبندی مجددی قادری علیہ الرحمہ (م: 1265ھ) نے مختلف ادوار و امصارِ دکن میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی تعلیمات و فیضان کو عام فرمایا۔ [1]

تیرہویں صدی ہجری کے نقشبندی عظیم صوفی، فلک الارشاد حضرت شاہ عبد اللہ المعروف غلام علی شاہ دہلوی نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ (1240ھ) نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی ترویج و اشاعت میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے جسے کوئی فراموش نہیں کر سکتا۔ آپ کو نقشبندِ ثانی سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے فیضِ پاک کے تصدق سلسلہ نقشبندیہ ہندوپاک کے علاوہ بخارا، روم، شام و مغربی ممالک میں پہنچا ہے۔ آپ کے خلیفہ اجل نقشبندِ دکن حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ نے آقائے دو عالم ﷺ کے حکم منامی کے بعد حیدرآباد دکن کی سمت تشریف لائے، یہ تقریباً 1242ھ میں شہر حیدرآباد سلسلہ عالیہ کی بنیاد و خانقاہ نقشبندیہ کا قیام عمل میں آیا۔

حضرت پروفیسر ابو الفداء محمد عبد الستار خان نقشبندی قدس سرہ "تذکرۂ حضرت محدثِ دکن" میں رقم طراز ہیں "حیدرآباد کی سرزمین وہ مبارک سرزمین ہے جس پر غوث، قطب، اولیاء، مجاذیب، مؤرخین، ادباء، فضلاء، محققین، مفسرین، فاتحین، کاملین، علماء، فقراء، صلحاء اور اہل اللہ نے عشقِ مصطفی ﷺ سے سرشار جذبۂ جہاد سے معمور، اربابِ علم دانش اور اصحابِ فکر و نظر وقتاً فوقتاً تشریف فرما ہو کر اہالیانِ حیدرآباد کو اپنے فیوض ظاہری و باطنی سے فیضیاب فرماتے رہے"[2]

حیدرآباد کی مردم خیز سرزمین نے تمام شعبۂ حیات میں بڑے بڑے نابغۂ روزگار پیدا کیے ہیں، جن میں اغواث و اقطاب، اولیاء و نقباء و

---

[1] سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی، گلزارِ نقشبند دکن، حصہ دوم۔ ص:6-15۔

[2] محمد عبد الستار خان نقشبندی، تذکرۂ حضرت محدثِ دکن" ص:564۔

مجاذیب، محققین، مفسرین، محدثین وفقہاء، علماء وادباء نے اپنے فیوضِ ظاہری وباطنی سے اس خطۂ مبارک کو منور کیا ہے۔

نقشبندِ دکن حضرت العلامہ سید شاہ سعد اللہ نقشبندی قادری علیہ الرحمہ (وفات 28/ جمادی الاولی 1270ھ):

حضرت نقشبندِ دکن علیہ الرحمہ کو سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر ومشاہیر اولیائے عظام وعارفین کاملین میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت صوبۂ سرحد کے موضع اچڑی پکلی، پنجاب، سرحد افغانستان سن 1199 ھ میں ہوئی۔ صغر سنی ہی سے آثار بزرگی ظاہر تھے۔ علوم ظاہری کی تعلیم اپنے وطن کے مدارس میں حاصل فرمائی اور پھر ان کی تکمیل اپنے پیر بھائی حضرت مولانا اخوند شیر محمد علیہ الرحمہ سے کی۔ آپ کے خالہ زاد برادر حضرت سید محمد عثمان علیہ الرحمہ بھی آپ کے ہمدرس تھے جو آپ کے پیر بھائی تھے اور بعد میں آپ کے خلیفہ وجانشین ہوئے۔

وقت کے اکابر علماء کرام ومشائخ عظام سے اکتسابِ فیض کیا۔ ہندوستان کے مشہور مجددی بزرگ قیوم طریقہ شمس الدین حبیب الزماں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ (1111 - 1195ھ) کے مریدِ خاص وتربیت یافتہ خلیفہ فلک الارشاد حضرت عبد اللہ المعروف غلام علی شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (1158 – 1240ھ) کی صحبت نے آپ کو کندن بنایا اور آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خرقۂ خلافت سے نوازا۔

آپ کے بچپن ہی سے چہرہ مبارک پر ولایت کے آثار نمایاں تھے، ایک دفعہ چند مسلح آدمیوں نے آپ پر حملہ کرکے بائیں قدمِ مبارک کو زخمی کر دیا تھا، علاج کے لیے آپ سفر کر رہے تھے کہ خواب دیکھا کہ دہلی میں ایک بزرگ ہیں اور آپ کو فرما رہے ہیں کہ بابا سعد اللہ تم کہاں جا رہے ہو، تمہارا علاج تو ہمارے پاس ہے۔ پھر جب حضرت سیدنا غلام علی شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو خواب میں نظر آئے تھے۔ آپ کی خدمت میں 12 سال ریاضت ومجاہدہ، اذکار واشغال سلوک کے مراتب طے کیے۔ کثرت ریاضت ومجاہدہ اختیار فرمایا اور درجۂ کمال کو پہنچے۔ پیر کامل نے آپ کو شاہ کا خطاب عطا فرمایا اور طریقہ نقشبندیہ مجددیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ میں اجازت بیعت وخلافت عطا فرمائی۔ جب تک دہلی میں رہے قطب الاقطاب، محبوب حق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ (1187 - 1235ھ) کے مزارِ مبارک پر روزانہ حاضری دیا کرتے۔

جب آپ مولانا سید عثمان کے ساتھ حج ومدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت کے لیے تشریف لے گئے، بعد ادائی حج، دیارِ حبیب پاک ﷺ میں پہنچے تو سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: "سعد اللہ تم ہند میں جاؤ، وہاں تم سے بہت بندگانِ خدا فیضاب ہوں گے۔

آپ براہِ مدراس وکرنول سفر مکمل کرتے ہوئے رئیس دکن نواب ناصر الدولہ آصف جاہ چہارم کے عہد میں سن 1247 ھ میں حیدرآباد تشریف لائے اور محلہ اردو شریف میں سکونت پذیر ہوئے۔ بالکل متوکل تھے، ہر وقت ذکر وفکر میں مصروف رہا کرتے، توکل واستغناء کا یہ عالم تھا کہ مہاراجہ چندولال شادان دیوان ریاست حیدرآباد اور دوسرے نوابوں وامیروں نے گزر بسر کے لیے تنخواہ اور یومیہ مقرر کرنا چاہا لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔ اس قدر توکل کے باوجود 100 مریدین ومعتقدین روزآنہ حضرت کے دستر

خوان پر ہم طعامی کا شرف حاصل کرتے تھے۔[1]

دور دور سے ہزاروں طالبان حق آتے اور فیضیاب ہوتے رہے۔ آپ اپنے پیر و مرشد حضرت پیر غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت سادہ طور پر کیا کرتے تھے۔ ساٹھ ستر من کی پخت، کئی قرآن شریف کے ختم اور تقسیم شیرنی یہی عرس تھا۔ اکثر علماء کو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ شاہ سعد اللہ سے بیعت کرو اور فیض حاصل کرو۔ کسی کی تکلیف سنتے تو خود بھی اس مصیبت زدہ کے ساتھ روتے۔ نماز فجر کے بعد مریدین کو اشراق تک توجہ دیتے، پھر اشراق کے بعد تازہ وضو کرکے چاشت تک توجہ دیتے۔ ناشتہ کے بعد روزآنہ (15) پارے تلاوت کرتے یا (3) پارے ضرور پڑھ لیا کرتے۔ عصر کی جماعت کے بعد مکتوبات امام ربانی آپ کے سامنے پڑھا جاتا تھا۔ بعد جماعت مغرب پھر مریدوں پر توجہ فرماتے۔ بعد عشاء حضور پیران پیر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ فرماتے۔ علماء وطالبین کو ذکر و فکر کی تعلیم دیتے تھے۔ آدھی رات سے بیدار ہو کر نماز تہجد، صلوٰۃ التسبیح، ذکر و اشغال میں مصروف ہو جاتے۔ کچھ دیر رات باقی رہتی، غسل فرما کر نماز فجر جماعت سے ادا کرتے۔ کسی کا ہدیہ قبول نہ فرماتے۔ خانقاہ شریف میں ہر وقت کم از کم 200 لوگ رہتے۔ سب کے کھانے کا اہتمام فرماتے۔ شریعت پر سختی سے عمل پیرا تھے۔[2]

حضرت نقشبند دکن کے خلفاء: گلزار نقشبند میں خلفاء کی تفصیلات حسب ذیل بیان کی گئی ہیں:

(1) حضرت سید شاہ محمد عثمان نقشبندی مجددی

آپ حضرت نقشبند دکن کے خلیفہ اخص و جانشین تھے۔ آپ نقشبند دکن کے خالہ زاد بھائی اور پیر بھائی تھے اور حضرت پیر غلام علی شاہ دہلوی کے مرید بھی تھے۔ آپ نقشبند دکن کی شب و روز خدمت میں رہتے اور سلوک بھی طے فرمایا۔ آپ سجادگی و جانشینی میں مخلوق خدا کی خوب رہنمائی فرمائی۔ آپ کا وصال 20/ ربیع الاول 1277ھ م 1857ء کو ہوا۔ آپ گنبد کے اندر بائیں جانب مدفن ہیں۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت بی بی سیدہ فاصلہ بیگم بھی آپ کی مزار حضرت کے گنبد کے اندر بائیں جانب آخر میں ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی سجادہ نشین و جانشین مقرر ہوئے۔ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت سید شاہ عمر نقشبندی مجددی خلیفہ و جانشین ہوئے۔ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت سید محمد حسین نقشبندی مجددی خلیفہ و جانشین ہوئے۔ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت سید شاہ عبدالمغنی نقشبندی مجددی المعروف بہ مقبول پاشاہ علیہ الرحمہ خلیفہ و حضرت نقشبند دکن کے پانچویں جانشین ہوئے۔ آپ پریشان حال بلیلات وشیاطین سے متاثرہ حضرات کی روحانی خدمت انجام دی۔ بے شمار لوگ فیضیاب ہوئے۔ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی صاحب مدظلہ العالی سجادۂ ششم و خلیفہ و جانشین مقرر ہوئے۔ آپ اپنے والد بزرگوار اور اسلاف کی طرح سلسلہ کی

---

[1] سید مراد علی طائع، تذکرۂ اولیائے حیدرآباد، ص: 119

[2] سید شاہ حسین شہید اللہ بشیر بخاری نقشبندی، قصر عارفاں، ص: 100-101

ترویج میں شبانہ روز مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فیض کو جاری وساری فرمائے۔ آمین

(2)حضرت میر اشرف علی دکنی علیہ الرحمہ (وفات 19/ذوالقعدہ 1298ھ م 1878ء)

آپ مولوی سید سلطان علی علیہ الرحمہ، استاذ نواب میر بادشاہ کے فرزند اور حضرت سید محمد عثمان نقشبندی کے داماد تھے، آپ کی والدہ محترمہ نواب رفیع الدولہ بہادر کی پھوپی تھیں، آپ مغلپورہ، حیدرآباد میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ آپ نقشبندِ دکن کے ارشد خلفائے کرام میں شامل رہے، جس وقت حضرت سید محمد عثمان کا وصال ہوا تو اس وقت آپ کے فرزند وسجادہ نشین نقشبند دکن کم سن تھے، اس لیے آپ نے عارضی طور پر جانشینی کے فرائض بھی انجام دیے۔ آپ ایک متبحر عالم دین، فقیر کامل، درویش باعمل رہے۔ آپ ہی کے دورِ مبارک میں حضرت زماں خان شہید (م:1292ھ) حیدرآباد دکن تشریف لائے۔ آپ اکثر اَوقات فاقہ فرمایا کرتے، یہ کبھی کبھی تین تین روز تک جاری رہتا، جب آپ فاقہ فرماتے تو آپ کے ساتھ آپ کی بلی بھی فاقہ کیا کرتی، جب اس بات کی اطلاع سالار جنگ اول کو پہنچی تو وہ روزانہ بریانی روانہ کرنے کا معمول بنایا اور پہلے دن روانہ کیا تو دوسرے دن آپ نے سالار جنگ کو اطلاع دی کہ فقیروں کو بریانی کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں تو وہی فقر وفاقہ میں لطف آتا ہے۔ آپ بعارضہ پیچش بتاریخ 19 ذی القعدہ 1298 اس دنیا سے رحلت فرمائے۔ آپ کی مزار مبارک حضرت نقشبند دکن کے بائیں پہلو میں ہے۔[1]

(3)حضرت میر حاجی میر عالم شاہ علیہ الرحمہ 1336ھ – 1910م

آپ 9 سال کی عمر مبارک سے حضرت نقشبندِ دکن کی خدمت میں رہے، درس وتدریس، لنگر خانے کے سارے انتظامات آپ ہی کے تفویض تھے، سن بلوغیت کو پہنچنے پر حضرت نے داخلِ بیعت فرمایا اور مراقبہ احدیت سے مراقبہ لاتعین تک منازل طے فرمائے، آپ پر حضرت کی خصوصی توجہات وعنایات رہا کرتی، اپنے پیرومرشد کے وصال کے بعد شہر حیدرآباد سے بیدر منتقل ہوگئے اور وہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا، پھر حیدرآباد دکن واپس تشریف لائے اور وصالِ مبارک تک یہیں قیام پذیر رہے۔ آپ بتاریخ 3 شوال المکرم 1336 بعمر 116 سال رحلت فرمائے۔ آپ کی مزار مبارک جہاں نما لانسر میں واقع ہے۔[2]

آپ کے فرزند اکبر حضرت محمد عبد القادر صوفی علیہ الرحمہ واعظِ مسجد چوک حیدرآباد دکن ہیں، آپ ہر جمعہ مسجد چوک میں وعظ کرتے، اس کے علاوہ شہر حیدرآباد کی مختلف مساجد میں بھی آپ کا وعظ ہوا کرتا اس بناء پر آپ کو 'سلطان الواعظین' کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا۔ آپ کی ولادت شہر بیدر 1280ھ م 1863ء کو ہوئی، آپ حضرت سید اسماعیل صوفی مجذوب کے مرید تھے۔ آپ نے محبوب نگر میں مدرسہ محمدیہ قائم فرمایا تھا۔ آپ کی تصانیف میں اسرار القرآنیہ، رسالہ سلوک، الدائق والحقائق، وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کا وصال 9 شوال 1937ء کو ہوا اور صوفی منزل واقع مصری گنج میں مزار پر انوار موجود ہے۔[3]

---

[1] بشیر احمد دلکش حیدرآبادی، حالاتِ نقشبند دکن؛ ص:124-127۔

[2] بشیر احمد دلکش حیدرآبادی، حالاتِ نقشبند دکن؛ ص:321-334، وسید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی گلزار اولیائے نقشبند، حصہ دوم، ص:74-76

[3] صوفی محمد اسمعیل قادری ملتانی، تاریخ صوفیہ کرام وسلاطین دکن سلطنتِ آصفجاہیہ، ج:2، ص:259-260

قطب دکن حضرت مسکین شاہ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کے والد کا نام حضرت مولانا محمد حفیظ رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ کی سکونت محلہ شکر گنج ہے اور آپ بھی والد بزرگوار کی طرح مسجد الماس علی آباد کے متولی تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت 1200ھ م1780م محلہ شکر گنج میں ہوئی۔، آپ کے چار بھائی بھی اہل کمال اور فخر خاندان رہے۔ آپ گھوڑ سواری، پیراکی، فنون سپاہ گری اور نشانہ اندازی میں کافی مہارت رکھا کرتے تھے۔ سن 1245ھ حضرت نقشبند دکن حیدرآباد تشریف لائے تو مسجد الماس میں دو سال تک قیام فرمایا اور اسی وقت آپ حضرت کے حلقہ بگوش ہوئے۔ حضرت نقشبند دکن فرمایا کرتے "اگر مسکین نہ ہوتا تو ہم حیدرآباد نہ آتے"۔[1] حضرت مسکین 12 سال تک پابندی سے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں مشغول رہے، آپ حنفی المذہب، نقشبندی مجددی المشرب تھے، آپ میں استقامتِ شریعت، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے والہانہ عشق و محبت، خلفائے راشدین سے موانست، اہل بیت و اولیائے کرام سے بے حد عقیدت تھی۔ یوں تو آپ کو سلسلہ نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ، میں خلافت و اجازت حاصل تھی مگر اکثر آپ نقشبندیہ و قادریہ میں داخلِ بیعت فرمایا کرتے۔۔ نظام الملک آصف جاہ جناب میر محبوب علی خاں بہادر نظام ششم بھی آپ کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔ آپ 14 ربیع النور 1314ھ م1894م اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے اور آپ کا مزارِ مبارک احاطہ مسجد الماس، علی آباد، حیدرآباد میں مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔[2]

آپ کی مشہور زمانہ تصنیف 'لذاتِ مسکین' جو کہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ: رسائل عقائد ضروریہ، مسائل ضروریہ، صورتِ نماز، تجوید الحروف، ہدایۃ القراء وخطب، دوسرا حصہ: رسائل المراقبات، رسالہ ارشادیہ، قرب محبوب، رسالہ سلوک، رمزِ محبوب، شانِ محبوب، جلوہ محبوب، طریق محبوب وغیرہ، جبکہ تیسرا حصہ رسائل خلافت نامہ جانشین، اجازت نامہ خلفاء، نصیحت خلفاء، تعلیم المریدین وغیرہ شامل ہیں۔[3]

آپ کے لاکھوں مریدین رہے۔ آپ نے جن کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا ان میں قابل ذکر، حضرت مولوی احمد خیر الدین، حضرت خواجہ محمد سلطان الدین صدیقی (کوٹ پلی)، حضرت داؤد شاہ (مدور)، حضرت محمود شاہ (ناندیڑ)، غلام محمد شاہ نقشبندی (مسجد الٰہی نقشبندیہ، پالم روڈ، کاماٹی پورہ)، حضرت خلیل الرحمن صاحب (برہان پور)، حضرت حافظ سید مظفر حسین (والد حضرت محدث دکن)، حضرت خواجہ حسن (بہمنی پورہ گلبرگہ شریف)، حضرت شیخ احمد (اوسہ عثمان آباد)، حضرت شاہ ابراہیم (بیدر)، حضرت خواجہ خضر صاحب (سجادہ نشین شاہ سعد اللہ)، حضرت مظہر احمد (حضرتِ مسکین کے داماد و خلیفہ)، حافظ خیر اللہ، حضرت سید غلام غوث قادری (بہادر پورہ)، حضرت منشی محمد قطب الدین، حضرت سید سرفراز علی، حضرت حاجی سردار خاں (افغانستان)، سید بہاء

---

[1] بشیر احمد دلکش حیدرآبادی، حالاتِ نقشبند دکن ص:151۔

[2] سید شاہ حسین شہید اللہ بشیر بخاری، قصر عارفاں ص:150-152

[3] سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی، گلزارِ نقشبند دکن، ص:75-76

الدین (نارائن کھیڑ)، حضرت ملک سعد اللہ، حضرت ابو طاہر عبد القادر، حضرت ضمیر الدین شاہ (پٹن چیرو) وغیرہ۔[1]

حضرت سید محمد پادشاہ بخاری نقشبندی مجددی قادری قدس سرہ' وفات: 9/ جمادی الاولیٰ 1328ھ حیدر آباد، شب جمعہ

آپ کے والد کا نام حضرت سید خواجہ احمد بخاری (قاضی) ہے۔ سالک مجذوب و مجذوب سالک باقی باللہ حضرت مولانا سید بادشاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نسب پاک حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت قدس سرہ' سے ملتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ بخارا شریف کے رہنے والے تھے مگر چند پشت سے آپ کے اجداد شہر کرنول میں رونق افروز رہے۔ اس لحاظ سے آپ کا مولد کرنول ہے۔[2]

آپ نے نسبت قادریہ عالیہ اپنے ہی خاندان میں حاصل کی اور طریقہ نقشبندیہ کا سلوک حضرت نقشبند دکن شاہ سعد اللہ سے طے فرمایا جن کا مزار مبارک دکن کے محلہ اردو شریف میں زیارت گاہ خلق ہے۔ عدالت عالیہ میں اپنے عہدہ جلیلہ کے کام سے فارغ ہوتے ہی فقیہ وقت حضرت حاجی مستان شاہ صاحب مجذوب کی حضوری میں گذارتے۔ گویا حضرت سعد اللہ شاہ صاحب پیر طریقت تھے تو حضرت مجذوب صاحب پیر صحبت۔

حضرت سیدنا محدث دکن فرماتے ہیں کہ "مجذوب صاحب نے اپنے وصال کے قریب آپ سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ آپ نے جلدی سے پانی لادیا۔ مجذوب صاحب نے تھوڑا سا پانی پی کر باقی اپنا پس خوردہ پانی آپ کو پینے کے لیے ارشاد فرمایا۔ آپ فوراً اس کو پی گئے۔ اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ گو تھوڑی دیر بعد ہوش آ گیا مگر دل دنیا و اہل دنیا سے پھر گیا تھا اور آپ خلوت و گوشہ نشینی کی طرف مائل ہو گئے۔ آپ کچھ دن اس کشمکش میں رہے، اور 1297 ہجری میں حضرت مجذوب صاحب پر نزع کا عالم ہے اور آپ حضرت مجذوب صاحب کی حضوری میں حاضر ہوئے۔ جب آپ عدالت کو جانے کے لیے اٹھے تو مجذوب صاحب نے فرمایا، بیٹھ۔ تھوڑی دیر کے بعد جب پھر آپ نے اٹھنا چاہا تو مجذوب صاحب نے فرمایا بیٹھ، پھر آپ بیٹھ گئے۔ جب تیسری مرتبہ آپ کے اٹھنے پر مجذوب صاحب نے فرمایا بیٹھ جا، تو آپ سب کو چھوڑ چھاڑ کر مجذوب صاحب ہی کے ہو رہے۔ جب مجذوب صاحب کا انتقال ہو گیا تو آپ مجذوب صاحب کی قبر کے پاس آخر دم تک بیٹھے رہے۔ آپ پر جذب کی کیفیت طاری تھی۔ نہ اہل و عیال کا کچھ خیال، نہ گھر کی خبر، نہ نوکری کی فکر، سیدنا محدث دکن نے فرماتے ہیں "سچ پوچھئے تو سدھ ہی کس میں تھی، ایک دل تھا وہ تو دلدار نے لے لیا۔ اب دل ہی کہاں سے لائیں جو اوروں کو دیں۔

سوائے پنج وقتہ نمازوں کے آپ کوئی کام ہی نہیں کر سکتے تھے۔ نہ پہننے کا ہوش تھا، نہ کھانے کا خیال، کسی نے پہنا دیا پہن لیا، کسی نے کھلا دیا کھالیا، پھر نواب تہنیت یار الدولہ نے خزانے صرف خاص سے خانقاہ بنوا دی جس میں آپ عرصہ دراز تک فروکش رہے۔ آپ کی اس سے بڑھ کر کیا کرامت چاہیے کہ تیس سال تک ایک ہی جگہ بیٹھے رہے۔ مجذوب صاحب کے مزار اقدس کو چھوڑ کر ایک لحظہ

---

[1] حضرت مسکین شاہ نقشبندی، لذات مسکین۔ ص36

[2] سید عبد اللہ شاہ نقشبندی محدثِ دکن، گلزار اولیاء۔ ص:76

کے لیے بھی نہ ہٹے۔ اس لیے آپ کو فنا فی اللہ کے ساتھ بقاباللہ کا بھی درجہ عنایت ہوا۔ دنیا اور اہل دنیا کو خیر باد کہہ کر رات دن یاد الٰہی میں مشغول رہے۔

اخلاق مبارک: تخلقوا باخلاق اللہ۔ متصف بصفات اللہ کا عملی نمونہ تھے توکل علی اللہ کا یہ حال تھا کہ ہر ایک نے یومیہ یا منصب مقرر کرنا چاہا لیکن آپ کا دنیا سے ٹوٹا ہوا اور پلٹا ہوا دل ہر گز قبول نہ فرمایا۔ خاص مریدین کے اصرار پر نذر و ہدایا قبول فرماتے وہ بھی بستر کے نیچے ڈال دیتے اور ضرورت مند اور سائل کو بند مٹھی کے طور پر دے دیتے تھے۔

اتباع سنت: آپ سنت پر استقامت کے ساتھ چلا کرتے۔ اتباع سنت ہی آپ کی مبارک زندگی کا کارنامہ تھا اور یہی اولیاء اللہ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ خود سنتوں پر چلتے ہیں اور اُمت محمدیہ کو سنتوں کی پابندی کی دعوت دیتے ہیں۔

ارشادات عالیہ: جو شخص نماز تہجد میں سورہ یٰس پڑھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کرے تو وہ دعا مقبول ہوتی ہے۔ قلب کی دوا پانچ چیزوں میں ہیں۔

(1) تدبر سے قرآن شریف پڑھنا۔ (2) پیٹ کو خالی رکھنا۔ (3) قیام لیل۔

(4) سحر کے وقت تضرع کرنا۔ (5) صالحین کی صحبت اور اُن کے ساتھ مجالست (ہم نشینی) کرنا۔

وصال: جمادی الاول 1328 ہجری کی دستویں تاریخ کی شب قاری صاحب یٰس شریف پڑھ رہے تھے کہ قیل ادخلی الجنۃ پر پہونچا کہ یہ فلک شریعت کا مہتاب، برج حقیقت کا آفتاب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور آپ کو حضرت حاجی مستان شاہ مجذوب کے پہلو میں رکھا گیا۔

محدث دکن حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری مجددی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: جمعہ 10/ ذوالحجہ 1292ھ وفات 18 ربیع الثانی 1386ھ م 27/ اگست 1964ء بروز جمعرات

آپ کا اسم مبارک سید عبداللہ، کنیت ابوالحسنات لقب محدث دکن۔

سلسلہ نسب: آپ نجیب الطرفین سادات حسینی ہیں اور چھیالیس واسطوں سے آپ کا نسب مبارک حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔ آپ کے جد اعلی حضرت سید علی مکہ معظمہ سے قصبہ نلدرگ ضلع عثمان آباد (مہاراشٹرا، انڈیا) سے، عادل شاہی دور میں شہر بیجاپور تشریف لائے۔ حضرت سید علی کی سیادت، علم اور فضیلت کے پیش نظر شاہی مسجد اندرون قلعہ نلدرگ کی تولیت اور امامت پیش کر کے فکر معاش سے بے نیاز رہنے کے لیے ایک وسیع اور زرخیز رقبہ اراضی بطور انعام نسلاً بعد نسل عطا فرمایا جس کو آپ نے دینی خدمات کے شوق میں قبول فرمایا۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین قصبہ نلدرگ، عثمان آباد، حیدرآباد دکن کے متوطن تھے۔ اپنے جد اعلی حضرت سید علی حضور اکرم ﷺ کے حکم منامی پر مکہ معظمہ سے سیاحت فرماتے ہوئے شہر بیجاپور تشریف لائے، بادشاہِ وقت عالی علی شاہ نے آپ کے تبحر علمی و روحانی شان و عظمت کے باعث آپ کو شاہی مسجد کی تولیت و امامت عطا فرمائی، اسی کے ساتھ مسجد کے تحت ایک وسیع اراضی بطور ہدیہ پیش کیا۔ حضرت سید مظفر حسین تغیر زمانی و مکانی کے باعث بچپن ہی

میں بغرض حصول علم نلدرگ سے بلدہ حیدرآباد تشریف لائے۔ علوم اسلامیہ تفسیر حدیث فقہ کے علاوہ علوم متداولہ میں بھی مہارت حاصل فرمائی اور طریقت میں نقشبندی طریقہ میں حیدرآباد کے معروف صوفی اور ولی کامل حضرت مسکین شاہ نقشبندی قدس سرہ' سے سلوک طے فرما کر خلافت حاصل فرمائی۔ آپ باخدا بزرگ حضر گل بادشاہ کے داماد تھے۔ آپ 1353ھ میں وصال فرمایا اور بارگاہِ حضرت شاہ راجو قتال حسینی بندہ نوازی واقع مصری گنج، حیدرآباد میں آرام فرمارہے ہیں۔

تسمیہ خوانی: آپ کی رسم تسمیہ خوانی اس دور کے ایک صاحب دل ولایتی عالم، عاشق سرور کونین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت سید عاقبت شاہ افغانی مدنی کی زبان مبارک سے انجام پائی۔ عالم رؤیا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنہیں مدینہ پاک کو بلوایا اور وہیں وفات پائی اور جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہوئے۔

اساتذہ کرام: خود والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین شاہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ شاہ محمد انوار اللہ خاں فاروقی فضیلت جنگ' بانی جامعہ نظامیہ (م: 1336ھ)، حضرت مولانا منصور علی خاں والد محترم نواب حکیم مقصود جنگ، حضرت مولانا عبدالرحمن سہارنپوری، حضرت مولانا حبیب الرحمن سہارنپوری، حضرت محب اللہ معروف بہ شاہ پیراں (م 1950)، مولانا محمد یس علیہ الرحمہ۔

تحصیل طریقت: حضرت محدث دکن نے بچپن ہی میں ابتداء اپنے والد بزرگوار کے پیرومرشد حضرت مسکین شاہ قدس سرہ' سے نقشبندی سلسلہ میں بیعت فرمائی۔ (جن کا ذکرِ خیر ابھی گذرا ہے) حضرت مسکین شاہ نقشبندی کے وصال کے بعد آپ حضرت پیر بخاری شاہ صاحب نقشبندی قادری مجددی علیہ الرحمہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور 14 سال تک فجر کی نماز پیر و مرشد کے ساتھ پڑھتے تھے۔

حضرت محدث دکن کو خلافت کی سرفرازی: حضرت محدث دکن نے خرقہ خلافت کے عطا ہونے کا واقعہ یوں ارشاد فرمایا کہ میں حسب عادت مسجد بخاری گلشن پہونچا۔ حضرت پیر و مرشد بخاری شاہ صاحب قدس سرہ' نے سند خلافت اور شاہیہ تیار رکھا اور فرمایا کہ ہم تم کو خرقۂ خلافت دیتے ہیں، سلسلہ جاری رہنا ہے۔ ہمارے طریقہ میں تشہیر اور شہرہ نہیں کہ رسم خلافت کی تکمیل جلسہ منعقد کرکے کی جائے۔[1]

زجاجۃ المصابیح: 1951ء میں جب زجاجۃ المصابیح (عزل) کی طباعت کا کام شروع ہوا تو فجر کے بعد مراقبہ ختم ہوتے ہی حضرت ابوالفداء پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں رحمۃ اللہ علیہ کاپی اور پروف ریڈنگ کے مقابلے کے لیے حاضر ہو جاتے اور زجاجۃ المصابیح کے دو دور حضرت محدث دکن کو سنانے کی سعادت حاصل کی اور تیسرا دور فقیہ اعظم حضرت مولانا ابوالوفاء افغانی رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا۔

---

[1] پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خان نقشبندی، تذکرہ محدث دکن۔ ص 89۔

نورالمصابیح: نماز مغرب کے بعد اوابین و نوافل کے بعد زجاجۃ المصابیح کے اردو ترجمہ نورالمصابیح کے ترجمہ کا کام شروع ہوتا جو شام کے کھانے تک چلتا۔ اس کے ابتدائی چار حصوں کا ترجمہ حضرت مولانا حاجی محمد منیرالدین صاحب، خطیب مکہ مسجد و شیخ الادب جامعہ نظامیہ نے کیا اور اس پر 'ف' کے فائدہ کے تحت حضرت ابوالفداء ڈاکٹر محمد عبدالستار خان نقشبندی نے اضافہ فرمایا اور پھر پانچویں حصے سے آٹھویں حصہ کا ترجمہ حضرت ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ نقشبندی علیہ الرحمہ کی نگرانی میں حضرت ابوالفداء ڈاکٹر محمد عبدالستار خان نقشبندی نے کیا۔

خطوط کے جوابات: علماء و مریدین کے خطوط کے جوابات کا کام شام کے کھانے کے بعد آپ خطوط کے جوابات کا املاء کرواتے۔ اس کام کو آپ کے فرزند اکبر جانشین محدث دکن حضرت ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ اور حضرت ابوالخیر سید رحمت اللہ شاہ انجام دیتے۔ اور عشاء کی نماز رات دیر گئے جماعت کے ساتھ ادا فرماتے اور صرف و نحو اور عربی زبان و ادب پڑھاتے پھر مشکوۃ شریف کا درس دیتے جس میں بڑے بڑے نامور علماء شریک رہتے۔

سفر حرمین شریفین: 1910ء کے دوران آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت حافظ سید مظفر حسین اور ارادت مندوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی۔ آپ کا یہ سفر پانی کے جہاز سے انجام پایا۔ آپ کھانوں میں بجائے عام پانی کے زم زم ڈال لیا کرتے۔ اور سادہ پانی کے بجائے زم زم نوش فرماتے۔

غار ثور کا واقعہ: غار ثور کے دہانہ سے تبرک حاصل کرنے کے لیے آپ نے اپنے کرتے کو اتار دیا تاکہ برہنہ بدن پر دہانہ کا یہ حصہ حضرت کے بدن سے مس ہو جائے اور برکت مل جائے۔

دلائل الخیرات اور حزب اعظم: حضرت محدثِ دکن مدینہ منورہ میں قیام کے دوران دلائل الخیرات اس وقت کے شیخ الدلائل حضرت سید محمد امین مدنی سے اجازت حاصل فرمائی اور رمضان کے اعتکاف کے دوران دلائل الخیرات کا ورد ہوتا تو قاری اور سامع کو اجازت مرحمت فرماتے تھے۔ مسجد نبوی میں مواجہ شریف میں جب مراقب رہتے تو گھنٹوں گذر جاتے۔

محدث دکن کا لقب: آپ نے فقہ حنفی پر مشتمل زجاجۃ المصابیح (احادیث نبوی کو جمع کیا)، تصنیف کی جس میں آپ نے فقہ حنفی پر ہونے والے اعتراضات کا احادیث شریفہ کے ذریعہ جواب دیا اور دلائل اور براہین سے ثابت کیا ہے کہ احناف کا ہر عمل قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اس معرکتہ الآرا کتاب کی تصنیف اور حدیث شریف کی عظیم الشان خدمت پر علمائے عرب و عجم نے آپ کو "محدث دکن" کا لقب دیا۔

حضرت ابوالفداء پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں نقشبندی قادری جنہوں نے حضرت محدث دکن کے شب و روز قریب سے دیکھے تھے وہ فرماتے ہیں: "بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حضرت محدث دکن قدس سرہ' کو شریعت اور طریقت دونوں کی دولت نصیب ہوئی، جس طرح آپ علوم ظاہری میں تبحر رکھتے تھے اسی طرح طریقت میں آپ اپنے زمانے کے رہبر اور امام تھے۔ شریعت غراء (روشن) محمدی کا مبارک دامن اپنے ہاتھوں سے تھامے ہوئے راہ سلوک اپنے شاندار انداز میں طے فرمائی کہ دیکھنے

والے حیران و ششدر رہ گئے۔ ایک طرف شریعت کے آئین و دستور کا حد درجہ ادب اور احترام ہے تو دوسری طرف طریقت میں بے انتہا احتیاط اور پاس ہے۔۔۔ بزم محدث دکن میں شریعت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اور معرفت کا پر کیف جام بھی پلایا جاتا ہے، سبحان اللہ! حضرت محدث دکن کی حیات طیبہ میں ظاہر اور باطن کا کتنا حسین امتزاج ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں بھی عظیم البرکت حضرت محدث دکن قدس سرہ' کی ذات پاک شمع محفل کی طرح جگمگاتی ہوئی نظر آرہی ہے لیکن کسی بھی روشنی کو دیکھنے کے لیے ظاہری روشنی کی نہیں، ایمان و یقین، محبت اور عقیدت کے نور کی ضرورت ہے"۔[1]

حلقہ ارادت: آپ مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز رہ کر وعظ و نصیحت، درس و تدریس، اپنی توجہات، ظاہری و باطنی کمالات کے ذریعہ ذکر اذکار و مراقبات کی تعلیم کے ذریعہ لاکھوں بندگان خدا کے مردہ دلوں کو زندہ کیا۔ مسجد علی آقا حسینی علم کو حضرت نے درسگاہ اور خانقاہ بنادیا اور لاکھوں اشخاص نے آپ کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ قادریہ میں بیعت اور اپنے گناہوں سے توبہ کرکے بڑے درجات حاصل کیے۔

خلفائے کرام: حضرت محدث دکن نے اپنے وصال سے دو سال قبل یعنی 1382ھ م 1962 میں حسب ذیل برادران طریقت کو فجر کی نماز کے بعد اپنے دولت خانہ پر حاضر ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اور سلاسل میں تقریب منعقد کرکے خرقۂ خلافت سرفراز کیا جاتا ہے لیکن ہمارے طریقہ میں ایسا اہتمام نہیں اور میرے پیر و مرشد (حضرت پیر سید محمد بادشاہ بخاری شاہ) نے بھی سند خلافت، شاپہ اور عمامہ بڑی سادگی کے ساتھ مرحمت فرمادیں اور یہ بھی فرمایا کہ میاں، سلسلہ طریقت جاری رہنا ہے۔ ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں :

(1) ہم شبیہ محدث دکن حضرت العلامہ پیر ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ رحمۃ اللہ علیہ (صاحبزادہ اکبر و جانشین حضرت محدث دکن)

(2) مولانا سید عبدالروف مسافر (خواہر زادہ و داماد) (3) حضرت مولانا ابوالخیر سید رحمت اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ (صاحبزادہ خورد)

(4) حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبدالستار خاں رحمۃ اللہ علیہ، سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ

(5) قاضی مولوی محمد عبدالوہاب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (ساکن نلدرگ)، عثمان آباد (مہاراشٹرا)

(6) مولوی محمد جعفر علی رحمۃ اللہ علیہ، ساکن بیدر (کرناٹک) (7) مولوی محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ، ساکن عثمان آباد (مہاراشٹرا)

(8) مولوی حافظ صدیق حسین رحمۃ اللہ علیہ، امام و خطیب توپ خانہ گوشہ محل

(9) جناب عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ' امام و خطیب مسجد شہامت جنگ موسیٰ باؤلی حیدرآباد

(10) جناب صاحبزادہ خواجہ لطف علی رحمۃ اللہ علیہ (ساکن کوکہ کی ٹٹی، حیدرآباد)

---

[1] پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خان نقشبندی، تذکرہ محدثِ دکن، ص197

(11) مولوی سید غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ اسمائے مبارکہ نہ صرف کتاب تذکرۂ محدثِ دکن، ص:14 اور مرقعِ حسنات، ص:27 (یہ کتاب حضرت محدثِ دکن قدس سرہ کے سانحۂ ارتحال پر آپ ہی کے داماد حضرت سید عبد الرؤف مسافر نقشبندی مجددی قادری علیہ الرحمہ نے ترتیب دیا تھا)

تصانیف و تالیف: آپ جہاں رہبر شریعت، پیر طریقت تھے وہیں با عمل جید عالم دین، محدث، فقیہ مفسر تھے اور اسی طرح آپ صاحب تصانیف و تالیف بھی تھے۔ ان میں چند مشہور کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

(1) زجاجۃ المصابیح (عربی زبان میں) (2) نور المصابیح (اردو ترجمہ زجاجۃ المصابیح)

اردو تصانیف: (1) تفسیر سورہ یوسف (2) سلوک مجددیہ

(3) علاج السالکین (4) کتاب المحبت

(5) مواعظ حسنہ (6) قیامت نامہ

(7) معراج نامہ (8) شہادت نامہ

(9) میلاد نامہ (10) فضائل نماز

(11) فضائل رمضان

(12) جام جم (شجرہ انساب عالم و نسب نامہ فخر عالم و خلاصۂ بنی آدم، باعث ایجاد عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

اولاد امجاد: حضرت محدث دکن قدس سرہ' کے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ کے صاحبزادے

(1) حضرت مولانا ابو البرکات سید خلیل اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری رحمۃ اللہ علیہ

(2) حضرت مولانا ابو الخیر سید رحمت اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری رحمۃ اللہ علیہ

(3) حضرت سید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (4) حضرت سید حبیب اللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو الفداء پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد الستار خان نقشبندی قادری مجددی

ولادت: ربیع الاول 1343ھ م 28/اکٹوبر 1924ء. وفات: 7/ذوالحجہ 1433ھ م 23/اکٹوبر 2012ء بروز منگل

آپ کی ولادت کو ایک علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کا تعلق افغانستان کے ایک علمی گھرانے داؤد زئی سے تھا۔ آپ کے جد اعلی حضرت بڑے خان آصف جاہی دور میں افغانستان سے قصبہ ء میسرم جو حیدرآباد سے تقریبا 20 کیلو میٹر دور ہے تشریف لائے۔ حضرت ابو الفدء' کی ابتدائی تعلیم میسرم کے مدرسہ میں ہوئی اس کے بعد دار العلوم حیدرآباد میں داخلہ لے کر ثانویہ کی تعلیم مکمل فرمائی بعد ازاں اعلی تعلیم کے لیے جامعہ عثمانیہ کا رخ کیا جہاں بی اے، ایم اے، اور پی ایچ ڈی کی اعلی ڈگریاں حاصل کیں۔ جامعہ عثمانیہ کے

قابل ذکر اساتذہ میں مولانا ابراہیم ادیب رضوی، مولانا ڈاکٹر عبدالحق ،مولانا سید نبی حیدرآبادی ، مولانا مناظر حسن گیلانی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا عثمان جعفری، رحمہم اللہ شامل ہیں۔ آپ نے پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان ''المحمدون من الشعراء'' پروفیسر محمد عبدالمعید خان کی زیر نگرانی تکمیل کیا۔جو دائرۃ المعارف سے 1966ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔

حضرت ممدوح بچپن ہی سے اولیاء، صالحین، مجاذیب اور پیران طریقت سے محبت رکھتے تھے چنانچہ آپ دس سال کی عمر ہی سے عارف باللہ ابوالحسنات محدث دکن حضرت عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری قدس سرہ کے دامن سے وابستہ ہوگئے اور حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ کی آخری سانس تک سفر وحضر میں سایہ کی طرح خدمت میں حاضر باش رہے بالآخر خلافت واجازت سے سرفراز کیے گئے۔حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ کی مایہ ناز تصنیف بعنوان ''زجاجۃ المصابیح'' کی اشاعت وطباعت از اول تا آخر شریک رہے اور اس کے ابتدائی چار حصوں کا ترجمہ و تشریح میں حضرت محدث دکن و مولانا منیر الدین شیخ الادب وخطیب مکہ مسجد کے ساتھ شامل رہے اور باقی چار حصوں کا ترجمہ و تشریح کیا جو نور المصابیح کے نام سے شائع کیا گیا۔ آپ نے فقیہ الاسلام عمدۃ الفقہاء حضرت ابوالوفاء افغانی علیہ الرحمہ سے خوب علمی و روحانی فیض حاصل کیا، حضرت کے درسِ زجاجۃ المصابیح میں تلاوتِ حدیث کی اجازت حضرت ابوالفداء کو حاصل رہا کرتی تھی۔

دیگر شیوخ طریقت واساتذہ میں قابل ذکر حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی ازہری، حضرت مولانا شاہ ابوسعید مجددی، مولانا حکیم محمد حسین امیر جامعہ نظامیہ، مولانا جمیل الدین احمد قادری، حضرت پیر قدرت اللہ شاہ قادری رحمہم اللہ شامل ہیں۔

آپ کی ملازمت کا آغاز 1949 میں گلبرگہ کے ایک کالج کی تدریسی خدمت سے ہوا بعد ازاں دائرۃ المعارف سے منسلک ہوئے اور باوقار عہدہ چیف ایڈیٹر پر فائز ہوئے۔ دائرہ میں آٹھ سالہ قیام کے دوران عالم اسلام کی مایہ ناز کتابیں کنزل العمال، مقدمہ جرح و تعدیل، طب الانواع، القانون المسعودی کی تصحیح وطباعت کی راست نگرانی فرمائی۔ دائرۃ المعارف سے آپ اپنی مادر علمیہ جامعہ عثمانیہ سے بحیثیت لکچرر منسلک ہوئے اور ریڈر پھر پروفیسر کے عہدہ پر ترقی فرمائی اور ملازمت کے آخری دور میں آپ صدر شعبہ عربی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ یونیورسٹی میں قیام کے دوران سینکڑوں طلبہ وطالبات آپ کے تبحر علمی سے مستفیض ہوئے اور آپ کی نگرانی میں نو(9) ایم فل اور آٹھ (8) پی ایچ ڈی اسکالرس نے ڈگریاں حاصل کی۔

علمی کارنامے: آپ کے مشہور تصانیف و تالیفات اور تحقیقی کام درج ذیل ہیں:

1. **المحمدون من الشعراء** (عربی) یہ آپ کے پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ عرب شعراء کرام جن کے نام محمد ہیں، ان کے احوال اور ان کے علمی کارناموں پر مشتمل ہے۔ اس کے مؤلف ابوالحسن علی بن یوسف القفطی (المتوفی: 646ھ=1348م) ہیں۔
2. الشعراء الثلاثہ فی دولۃ الآصفیۃ (عربی) یہ کتاب جس میں شہر حیدرآباد کے تین معروف شعراء حسان الھند السید غلام علی آزاد بلگرامی اورنگ آبادی (1116- 1200ھ)، علامہ وحید الدین عالی حیدرآبادی (1288 - 1344ھ)

وحضرت العلامہ سید ابراہیم اَدیب رضوی حیدرآبادی(1292 - 378ھ) کے حالات وشاعری پر مشتمل ہے۔

3. تذکرہ محدث دکن (اردو) یہ حضرت الشیخ سیدی محدث دکن علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات اور آپ کے معاصرین پر مشتمل مقبول زمانہ کتاب ہے۔ .4کتاب الحج والزیارہ، 5. نور المصابیح کے اردوتراجم (ابتدائی 8حصے)، وغیرہ شامل ہے جن میں بعض تصانیف کی اشاعت دوبارہ وسہ بارہ ہوئی۔ دلائل الخیرات کی تصحیح اور ترتیبِ جدید آپ کی زیر نگرانی آپ کے شاگردِ خاص حضرت العلامہ ابورجاء سید شاہ حسین شہید اللہ بشیر بخاری نقشبندی علیہ الرحمہ نے آسان انداز میں انجام دیا، جس کی وجہہ سے قارئین کو تلاوت میں بڑی سہولت ہوگئی ہے، جس کی ابوالفداء اسلامک ریسرچ سنٹر کی جانب سے 9ایڈیشن شائع ہوچکے ہے اور Android app کی شکل میں Play Store پر دستیاب ہے۔

مولانامموروح کو انگریزی، عربی، فارسی، اردو میں یکساں مہارت حاصل تھی۔ آپ کئی عربی، اردو اور انگریزی کتابوں کو اپنے وقیع مقدمات سے مزین فرمایاجن میں قابل ذکر "سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ" از شاہ ابوالحسن زید فاروقی ازہری پر طویل مقدمہ تحریر فرمایا۔ حضرت ممدوح کی علمی وتحقیقی خدمات کے اعترافات میں آپ کو1986ء میں صدر جمہوریہ نے باوقار سرٹیفیکیٹ آف آنر ان عربی عطا کیا۔

آپ کے اشہر خلفاء کرام میں حضرت مولانا ابورجاء سید شاہ حسین شہید اللہ بشیر نقشبندی (بانی ابوالفداء اسلامک ریسرچ سنٹر، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفی شریف نقشبندی (سابق ڈین جامعہ عثمانیہ وڈائرکٹر دائرۃ المعارف عثمانیہ)، حضرت مولانا مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی (نائب شیخ الجامعہ وصدر مفتی جامعہ نظامیہ)، حضرت مولانا مفتی صغیر احمد نقشبندی (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ) اور مولانا سید مرتضی علی افسر پاشاہ وغیرہ شامل ہیں۔ راقم السطور نے شعبہ عربی میں "پروفیسر عبدالستار خاں۔ حیات اور خدمات" پر عربی زبان میں مقالہ پیش کرکے جامعہ عثمانیہ سے ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔

وفات: امریکہ میں مختصر سی علالت اور آپریشن کے بعد یہ آفتاب ولایت اپنے مولیٰ سے ملنے کے لیے داعی اجل کو لبیبک کہا۔ 7/ ذوالحجہ 1433 ہجری مطابق 23/ اکٹوبر 2012ء بروز منگل بمقام شکاگو روح مبارک پرواز ہوگئی۔ مکہ مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد جنازہ آپ کے آبائی مقام میسرم لے جایا گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ، جلوس جنازہ، تدفین میں ہزاروں علماء کرام، مشائخ عظام، تلامذہ، مریدین ومعتقدین کی ایک کثیر تعداد شریک رہی۔

حضرت العلامہ ابورجاء سید شاہ حسین شہید اللہ بشیر بخاری نقشبندی قادری مجددی

ولادت: محرم الحرام 1373ھ م 18/ ستمبر 1953ء. وفات: 20/ ربیع الثانی 1441ھ م 18/ دسمبر 2019ء بروز چہار شنبہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے اکابرین جنہوں نے شہر حیدرآباد کو اپنے علمی، روحانی ونورانی فیضان سے مالامال فرمایا اور سلسلہ مبارکہ کو ذکر ومراقبہ کے ساتھ علمی وعملی وحقیقی احسان کی راہ پر لے جانے والی شخصیات میں حضرت العلامہ پیر طریقت ابورجاء سید شاہ

حسین شہید اللہ بشیر بخاری نقشبندی قادری مجددی علیہ الرحمہ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ کی خدمت، اشاعت و ترویج میں بڑااہم رول ادا کیااور نقشبندی سلسلہ کی تعلیمات و مراقبات کو آسان شکل میں مدون کرکے کئی کتب کی شکل میں آنے والی نسلوں کے لیے سرمایہ یکجا کر دیا، ساتھ ہی ساتھ کئی خلفاء واشہر مریدین کی عملی تربیت بھی فرماکر ان کو تیار کیا تاکہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بن جائے۔ حضرت کے مختصر حالات ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اسم مبارک: سید شاہ حسین شہید اللہ بشیر بخاری نقشبندی مجددی قادری، کنیت: ابور جاء، آپ نجیب الطرفین ساداتِ حسینی ہیں، آپ کی ولادت یوم عاشوراء1373ھ م18 / سپٹمبر 1953ء میں ہوئی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی، اپنے وقت کے اجلہ اساتذہ سے علوم ظاہری کی تکمیل کی، حضرت ابور جاء نے حضرت ابوالفداء سے علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنیہ کا بھی اکتساب کیا، یوں تو آپ کو بیعت وارادت ابوالبرکات پیر سید خلیل اللہ شاہ نقشبندی سے حاصل تھی۔ حضرت ابوالفداء نے آپ کو سنہ 1420ھ 0 200م میں سفر حج پر آنے کا حکم دیااور رباط حیدرآباد، مکہ مکرمہ میں علماء ومشائخ کی موجودگی میں اجازت وخلافت طریقہ قادریہ ونقشبندیہ عطافرمائی۔ آپ حضرت کے خلیفۂ اول اور حقیقی جانشین تھے۔ آپ حضرت ابوالوفاء افغانی علیہ الرحمہ کے درسِ حدیث میں شریک رہا کرتے اور سادات ہونے کی نسبت سے حضرت کے منظورِ نظر رہا کرتے، علاوہ ازیں آپ نے حضرت ابوالفداء کو دومرتبہ مکمل زجاجۃ المصابیح سنانے کی سعادت حاصل رہی۔

تصنیف و تالیف: گلزارِ سلام، آداب المساجد فی ضوء الاحادیث علی صاحبھا الصلاۃ والسلام، فیوض وبرکاتِ درود شریف، مکاتیب، مقامات ابوالخیرات (ابوالفداء)، آثارِ شریف (قرآن وحدیث کی روشنی میں)، شجرۂ مبارکہ سلسلہ عالیہ نقشبندی و تذکرۂ اولیاء، عشقِ رسول۔ علامات اور تقاضے، معمولاتِ ابوالفداء، قصیدہ بردۂ شریف، قصرِ عارفاں، اور دلائل الخیرات (6 ایڈیشن)، مقاماتِ عشرہ، تذکرۂ سیف، پانچ سالہ دینی تعلیمی نصاب، چہل حدیث بر عشق مصطفی ﷺ، عقیقہ کے مسائل کی ترتیب وتہذیب کے علاوہ ''تذکرۂ حضرت محدثِ دکن'' تیسرا اور چوتھا ایڈیشن، ''میرے شفیق اساتذہ''، ''دربارِ نبوت کی حاضری'' مؤلف حضرت سید مناظر احسن گیلانی، ''انوارِ نبوت کے نقوشِ تاباں'' (ترجمہ قبسات من نور النبوۃ للشیخ علامہ ابوالفتاح ابوغدہ)۔ ''تصوف اور طریقت''، اور ''تذکرۂ حضرت مردان'' وغیرہ کو اپنی خاص نگرانی میں یا اپنے صرفِ خاص سے شائع فرمایا۔

دلائل الخیرات کو عالمِ اسلام میں اس نہج پر طبع کی جاتی ہے کہ اس کے مقررہ ایام کے احزاب مختلف جگہوں پر مذکور ہیں، جس سے عام قاری کے لیے دشواری کا باعث بنتا ہے، ایک عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ ان تمام احزاب کو یکجا کرکے اس کی ترتیب جدید طرز پر کی جائے، تاکہ قارئین کے لیے آسانی کا باعث بنے۔ اللہ عزوجل نے یہ عظیم کام حضرت ابور جاء کے مقدر میں لکھا تھا، آپ نے پہلی بار دیدہ زیب ورق پر عمدہ طباعت کے ساتھ اس کو طبع فرمایا، اس کی خوبصورتی طباعت وعمدہ ترتیب نے عوام وخواص کو ایک کاگرودہ بنادیا اور کچھ ہی ماہ میں سارے نسخے ختم ہوچکے، اسی وجہ سے حضرت نے ایک کثیر سرمایہ سے اس کی پانچ مرتبہ اشاعت عمل آچکی ہے۔ اس مبارک کتاب کو Android & iOS Applications کے قالب میں بھی ڈھالا گیا جو کہ بہت ہی

کامیاب تجربہ رہا، اور یہ ہندوستان سے بننے والا پہلا منفرد Application ہے جس کا اجراء سرزمین حجاز جدہ شریف میں انجام پایا۔ اس کے ذریعہ دنیا بھر سے تقریباً زائد از 250,000 حضرات مستفید ہورہے ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کا سب سے زیادہ ڈاؤنلوڈ انڈونیشا میں ہوا، اور 35 سے زائد ممالک عرب و عجم میں مستعمل میں ہے۔ حضرت کے بعد اس کی چار مرتبہ اشاعت عمل میں آچکی ہے۔ اس کتاب کو پاکٹ سائز میں بھی شائع کیا گیا۔

علالت اور سفر آخرت: 20/ جمادی الثانی 1441ھ م 18/ ڈسمبر 2019 بروزِ چہار شنبہ صبح 9:15 بجے سورۂ یس اور یا نبی سلام علیک کی صداؤں میں مسکراتے ہوئے اپنے رفیقِ اعلی کی جانب کوچ فرمایا۔ آپ کی تدفین حسبِ وصیت آپ کی والدہ صاحبہ کے پہلو واقع احاطہ حضرت سید شاہ راجو قتال حسینی بندہ نوازی علیہ الرحمہ، مصری گنج، حیدرآباد میں عمل میں آئی۔

حضرت محمد یوسف اللہ شاہ نقشبندی قادری مجددی

ولادت: 4 شعبان 1346ھ م 28/ جنوری 1928ء. وفات: 27/ شوال المکرم 1424ھ م 22/ ڈسمبر 2003ء

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت 4 شعبان 1346ھ م 28/ جنوری 1928ء محلہ ملے پلی، حیدرآباد میں ایک علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت حسن محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک علمی وروحانی گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ اپنے پیر و مرشد محدثِ دکن عارف باللہ ابوالحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری قدس سرہ، اور آپ کے جانشین محدثِ دکن حضرت ابوالبرکات حضرت سید خلیل اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بافیض سے بدرجہ اتم فیض یاب ہوئے۔ بعد ازاں آپ کو نقشبندِ دکن حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجددی قادری کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ عبد الغنی مقبول بادشاہ نقشبندی مجددی قادری نے خلافت واجازت سے مرحمت فرمائی۔

آپ اطاعتِ خداوندی و اتباعِ رسول ﷺ کے عملی نمونہ تھے، آپ حق گوئی، بے باکی، خشیت الہی اور عشق رسول ﷺ جیسے اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔ جن کی زندگی اخلاص وللّٰہیت کی پیکر تھی، قوم وملت کا درد اپنے سینہ میں لیے ہوئے تھے، ان کی اصلاح اور تربیت آپ کا اولین مقصد حیات تھی۔ سادہ زندگی اور قناعت پسندی جن کا شیوہ تھی۔ ایسی عظیم شخصیت اپنے عظیم مشن کو جاری رکھنے کے لیے اپنے صاحبزادگان حضرت مولانا ڈاکٹر حسن محمد نقشبندی مجددی قادری (فرزندِ اکبر) کو خلافت و جانشینی اور حضرت مولانا حافظ علی محمد نقشبندی مجددی قادری (فرزند اصغر) کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ یہ دونوں حضرات اپنے والدِ بزرگوار کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آپ کے مشن کو چار چاند لگائے ہوئے ہیں۔

8 جنوری 1987ء کو آپ نے مدرسۂ حسنات العلوم کا قیام عمل میں لایا جہاں علومِ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ آپ کی شخصیت نے سرزمین ماریشس پر سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کا تعارف کروایا، تزکیہ نفس اور تصفیۂ قلب کے ہزاروں افراد کو معبود حقیقی سے جوڑ دیا اور وہیں طالبانِ طریقت نے آپ سے شرفِ بیعت حاصل کی۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے روشن کیے ہوئے چراغ سے اہلِ ماریشس کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی تعلیمات و فیضان کو عام کرنے کے لیے چار افراد کو منتخب فرمایا۔ یہ حضرات

سلوک کے مراحل طئے کرنے کے بعد حدیثِ احسان کے پیروکار تھے۔اسی لیے انہیں خلافت سے سرفراز فرمایا۔وہ خلفاء یہ ہیں۔
1۔ محترم علیم مداؤ نقشبندی مجددی قادری صاحب۔ 2.محترم آزاد پغانی نقشبندی مجددی قادری صاحب۔ 3.محترم انور امام بخش نقشبندی مجددی قادری صاحب۔ 4.محترم ذاکر محمود علی نقشبندی مجددی قادری صاحب۔

خلاصۃ البحث: اس مقالہ میں شہر حیدرآباد کے معروف بزرگانِ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ جو اس دارِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں ان کے مختصر علمی، روحانی، ادبی و سماجی خدمات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے، اس کے علاوہ حیدرآباد دکن کے مشائخ نقشبند کا سلسلہ پر ایک مکمل دفتر جمع کیا جاسکتا ہے۔گیارہویں صدی ہجری سے چودھویں صدی، ان چار سو سالہ تاریخ میں ان مشائخ کرام نے اپنی تمام تر زندگیوں کو تبلیغِ دین حنیف و تشہیر سلسلہ نقشبندیہ میں صرف کر دیا تھا، کبھی اپنی تصنیف و تالیف کے ذریعہ تو کبھی تزکیہ نفس و تالیف قلوب کے ذریعہ تو کبھی مراقبات و لطائف کے ذریعہ، تو کبھی اپنی خانقاہوں کو بندگانِ خدا کی خدمت کے ذریعہ بلاقید و جنس و عمر اپنے مولا سے ملایا ہے۔غافلوں کو عاشق مولیٰ بنادیا، ظلمات سے نکال کر نورانیت کی منزل کا مسافر بنادیا، نفس پرستی سے ہٹا کر جلوۂ یار کا چسکا لگایا، حجابات کو دفع کر کے لذتِ آشنائی سے آگاہ کیا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

*****

مراجع و مصادر

1۔ **لذاتِ مسکین،** حضرت مسکین شاہ نقشبندی، مطبع مفید دکن، حیدرآباد، 1894ء۔
2۔ گلزارِ اولیاء، ابوالحسنات حضرت سید عبداللہ شاہ نقشبندی محدثِ دکن، دکن ٹریڈرس، حیدرآباد، 2017ء۔
3۔ تذکرہ حضرت محدثِ دکن، حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خان نقشبندی، ابوالفداء اسلامک ریسرچ سنٹر، حیدرآباد، 2017ء۔
4۔ مرقعِ حسنات، سید عبدالرؤف مسافر نقشبندی، ناشر و تاریخ اشاعت: غیر موجود
5۔ گلزارِ نقشبندِ دکن، حصہ اول و حصہ دوم، سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی، دائرۃ المعارف النقشبندیہ المجددیہ، 2010ء۔
6۔ قصرِ عارفاں تذکرہء اولیائے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ و قادریہ، سید شاہ حسین شہید اللہ بشیر بخاری نقشبندی، ابوالفداء اسلامک ریسرچ سنٹر، شکر گنج، حیدرآباد، 2016۔
7۔ معمولاتِ ابوالفداء، سید شاہ حسین شہید اللہ بشیر بخاری نقشبندی، ابوالفداء اسلامک ریسرچ سنٹر، شکر گنج، حیدرآباد، 2013۔
8۔ حضرت پیر سید بخاری شاہ۔ حیات و تعلیمات، مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی مجددی قادری، ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، تاڑبن حیدرآباد، 2017ء۔
9۔ حالاتِ نقشبند دکن حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجددی اور ان کے خلفاء کے حالات، بشیر احمد دلکش حیدرآبادی، مینار بک ڈپو، حیدرآباد، 1978ء۔
10۔ تاریخ صوفیہ کرام و سلاطین دکن سلطنتِ آصفجاہیہ جلد دوم، صوفی محمد اسمعیل قادری ملتانی فردوسی چشتی صابری بندہ نوازی، اسٹوڈنٹ بک ہاوس، حیدرآباد۔2013۔
11۔ تذکرۂ اولیائے حیدرآباد، حصہ سوم، سید مراد علی طائع، مینار بک ڈپو، حیدرآباد، 1972ء۔

12۔ تاریخ گلزارِ آصفیہ، خواجہ غلام غوث خان، تخلیق کار پبلیشرز،2008۔

13۔ حیات ابورجاء، از راقم السطور، ابوالفداء اسلامک ریسر سنٹر، حیدرآباد،2019۔

14۔ حیاتِ شہید فی ذکر زمان خان شہید طبع ثانی ، از راقم السطور ،ابوالفداء اسلامک ریسر سنٹر ، حیدرآباد ، 2023۔

15۔ الاستاذ محمد عبد الستار خان النقشبندی - حیاۃ و أعمال ، رسالۃ الماجستیر العلیا فی الفلسفۃ، السید شاہ خلیل اللہ بشیر ، تحت إشراف الأستاذ محمد مصطفی شریف، 2009 بالجامعۃ العثمانیۃ , حیدرآباد.

16۔ Naqshbandi Teachings – Lataif & Muraqibat– Hazrat Syed Shah Hussain Shaheedullah Basheer Bukhari Naqshbandi, Abul Fida Islamic Research Centre, Hyderabad. 2018.

بسواکلیان کے اولیا: حضرت خواجہ شیر سوار اور افضل پیر

خواجہ ضیاء الحسن جاگیر دار چشتی نظامی شیر سواری*

دکن میں دین اسلام کی تبلیغ واشاعت اور لوگوں کی رشد وہدایت کے لیے بہت سارے اولیائے کاملین تشریف لائیں۔ انہیں میں ایک حضرت خواجہ سید تاج الدین شیر سوار المعروف بہ راجہ باگ سوار رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جن کی خانقاہ درگاہ شریف حضرت خواجہ شیر سوار سے مشہور ہے۔ حضرت خواجہ شیر سوار کے قدم مبارک سے دکن کے علاقہ بسواکلیان میں اسلام کے تبلیغ ہوئی اور بندگانِ خدا کو ہدایت میسر ہوئی۔

ولادت

حضرت خواجہ سید تاج الدین کی پیدائش 699ھ میں، سمنان مضافات خُراسان میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی حضرت سید احمد سمنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کا نسب مبارک 21/ واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: سید تاج الدین ابن سید احمد سمنانی ابن سید مختار اللہ ابن سید بہاء الدین ابن سید جلال الدین ابن سید داوٗد ابن سید جمال الدین ابن سید صالح نصر محی الدین ابن عبد الرزاق حسنی ابن غوث اعظم سید عبد القادر جیلانی۔۔۔

وجہ تسمیہ شیر سوار :

آپ رحمۃ اللہ علیہ شیر پر سواری فرماتے تھے اسی لیے آپ شیر سوار سے مشہور ہوئے اور ہندی میں آپ کو 'راجہ باگ سوار' کہا جاتا ہے۔

تعلیم وتربیت اور بیعت وخلافت:

حضرت نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم اور اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل فرمائی، حدیث، فقہ اور تفسیر کی تعلیم اساتذہ وقت سے حاصل کی۔ علم وتعلیم کے شوق نے آپ کو سیاحت پر آمادہ کیا، جہاں جہاں باکمال علماء کی شہرت سنتے پہنچ جاتے۔

ظاہری علوم کی تکمیل کرنے کے بعد روحانی علوم تصوّف ومعرفت کے جذبے سے ہندوستان کا سفر اختیار فرمایا۔ جس وقت آپ واردِ ہندوستان ہوئے دہلی میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کا موقع تھا۔ چشتی نظامی سلسلے کے بے شمار مریدین اور خلفاء تبلیغ تصوف میں مصروف تھے۔ محبوب الٰہی کی خانقاہ میں ہزاروں آدمی روحانی ومادی رزق سے مستفید ہورہے تھے۔ آپ بھی عرس مبارک کی مجلس میں شریک ہوئے اور تمام خلفائے محبوب الٰہی کو ذکر حق میں مشغول پایا۔ دہلی جو ظاہری دنیاوی حکومت کا مرکز تھا اسی طرح روحانیت کا بھی مرکز تھا۔ آپ نے اتنے روحانی مراکز اور خانقاہوں کو دیکھ کر استخارہ

* سجادہ نشین ومتولی بارگاہِ عالیہ حضرت خواجہ سید تاج الدین شیر سوار، المعروف راجہ باگ سوار بسواکلیان، ضلع بیدر، کرناٹک

فرمایا، چلہ کشی کی اور بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑا کر دعائیں مانگیں کہ اب مجھے اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے کس وجود کی طرف رجوع ہونا چاہیے۔ الغرض حضرت خواجہ شیر سوار کو چلہ کشی سے باطنی اشارہ ہوا، بشارت ہوئی کہ اس وقت حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل حضرت قطب الدین منور ہانسوی سے بیعت ہوں۔ اُدھر حضرت قطب الدین منور ہانسوی کو بھی کشف ہوا اور وہ بھی حضرت خواجہ شیر سوار کے منتظر تھے۔ حضرت قطب الدین منور ہانسوی خلوت نشین بزرگ تھے۔ بہت کم لوگوں کو ملاقات کا موقع دیتے تھے سوائے نماز جمعہ اور بزرگوں کی درگاہ کی زیارت کے کبھی باہر نہ آتے تھے۔ حضرت قطب الدین منوّر ہانسوی کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ نور الدین حضرت خواجہ شیر سوار کے استقبال کے لیے منتظر تھے۔ جیسے ہی دونوں کا سامنا ہوا دونوں نے اپنے اپنے کشف باطنی سے ایک دوسرے کو پہچان لیا، سلام و مصافحہ کے بعد حضرت نور الدین نے پوچھا آپ ہی سید تاج الدین ہیں اور دہلی سے آرہے ہیں؟ حضرت خواجہ شیر سوار نے کہا بندے کو تاج الدین کہتے ہیں اور دہلی سے ہی آرہا ہوں۔ حضرت خواجہ نور الدین نے فرمایا چلیے والدی و مرشدی حضرت خواجہ قطب الدین منور آپ کے منتظر ہیں۔ حضرت کو حیرت ہوئی اور اپنی قسمت پر ناز فرماتے ہوئے حضرت کی طرف بڑھے، پیر کے چہرے پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ جس نورانی چہرہ کو بشارت میں دیکھا وہی ہستی جلوہ فرما ہے۔ حضرت شیخ نے آپ کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت سے سرفراز فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں دین کی تاجداری بخشی۔ ایک مدت اپنی تربیت میں رکھ کر ذکر و اذکار، ریاضت و مجاہدہ کی منزلوں سے گزار کر شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے غامض نکات سے سرفراز فرمایا۔ جب پیر نے آپ کو تصوّف و عرفان میں کمال کو پہنچادیا یعنی ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت کی سیر مکمل ہوگئی اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ کے مرحلے طے ہوگئے تو شیخ نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور فرمایا کہ میں نے اپنی تربیت کا حق ادا کر دیا، گو کہ میں ایک خلوت نشین شخص ہوں لیکن تمہیں جلوت کے لیے تیار کیا ہے۔ ”سیروا في الأرض“ کے تحت زمین میں سیر و سیاحت کرو اور بندگان خدا کو خدا کا راستہ بتاؤ، جہاں تمہاری ضرورت ہوگی وہاں اللہ تعالیٰ تمہیں پہنچادے گا۔

دکن میں آمد:

حضرت سید تاج الدین خواجہ شیر سوار نے 760ھ میں پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین منوّر ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال فرمانے کے بعد چند سال نارنول (اسٹیٹ ہریانہ) میں قیام فرمایا پھر وہاں سے اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں دورہ فرماتے رہے۔ شمالی ہندوستان کے بعد آپ نے جنوبی ہندوستان کا رخ فرمایا۔ خاندیس، گجرات (آج کا مہاراشٹر)، کرناٹک اور آندھرا سے ہوتے ہوئے دکن تشریف لائے، اس وقت دکن میں بہمنی حکومت قائم تھی جس کا پایہ تخت گلبرگہ تھا۔ آپ رشد و ہدایت کے لیے سرزمین بسوا کلیان میں مقیم ہوگئے اور اس سرزمین کو بہشت ارضی بنادیا، وہاں آپ نے بے شمار اللہ کے بندوں کو راہ حق دکھائی، چنانچہ گنہگار نیکوکار بن گئے، بے دین، دین دار ہوگئے، ہر طرف کلمہ توحید کے نعرے بلند ہونے لگے، ذکر جہری و ذکر خفی کے مجالس سے رحمتوں کا سماں بندھ گیا۔ جس مقصد کے تحت آپ یہاں تشریف لائے اس کی تکمیل کے بعد اس سرزمین میں علالت کے باعث آپ وصال فرماگئے، یہیں پر تدفین عمل میں آئی، آج بھی آپ کے آستانے سے فیض جاری و ساری ہے۔

حلیہ مبارک، لباس وعادات شریفہ:

حضرت خواجہ شیر سوار متوسط قامت، چھریرا بدن مگر نحیف ولاغر، سانولا رنگ، سرمگیں ونورانی آنکھیں، فراخ سینہ، گھنی ریش مبارک، گردن تک لٹکتی زلفیں، رعب دار چہرہ، چوڑی پیشانی، کھڑی ناک نقشہ، سراپا ایسا کہ دیکھنے والا پہلی نظر میں مرعوب ہو جاتا تھا۔ ہمیشہ سفید لباس پہنتے، لمبا کرتا، چغہ زیب تن فرماتے، زیادہ تر لنگی پہنتے تھے، کبھی کبھی پاجامہ بھی استعمال فرماتے، چہار گوشہ ٹوپی (جس کو چار ترکی ٹوپی کہا جاتا ہے) کبھی سر پر عمامہ باندھتے۔ آپ کو ننگے سر کبھی نہیں دیکھا گیا۔ چشتیہ رنگ کی اوڑھنی جو احمریں ہوتی اوڑھتے، کبھی ٹوپی پر اُوڑھتے، کبھی عمامہ پر یا کبھی اسی کو بطور عمامہ استعمال فرماتے، طبیعت میں خاکساری وفقیری نمایاں تھی، بستر کے لیے بوریہ پر کمبل بچھاتے اور وہی تہجد کا مصلیٰ ہوتا۔ عمر کے آخری دور میں مریدین کے اصرار پر چارپائی پر آرام فرمانے لگے۔ خوراک نہایت قلیل سادہ ہوتا اور مریدین ومعتقدین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، نئے مہمان کو اپنے قریب بٹھاتے اور شکستہ دلوں کی تسکین، تھکے ہاروں کی تسلی وتشفی، دینی معاملات میں ہمت افزائی، فقراء ومساکین پر شفقت فرماتے، اولیائے کرام، مشائخ عظام، سلف صالحین کے حکایات سے سبق آموز گفتگو فرماتے، ہر کسی کو اس کی مناسبت سے دعا سکھاتے، کرامت کا ظہور من جانب اللہ ہوتا۔ ''تَخلقو بأخلاق اللہ'' کے کامل نمونہ تھے۔ چہرے مبارک سے تازگی ونورانیت جھلکتی تھی۔ آپ کے وصال کے بعد بہت سارے عقیدت مندوں نے خواب میں آپ کی زیارت کی اور ایسا حلیہ بیان کیا ہے۔

وصال مبارک وجانشینی:

حضرت خواجہ شیر سوار نے ایام علالت میں اپنے وصال مبارک سے پہلے حضرت نور الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا جانشین وخلیفہ منتخب فرمایا اور تمام مریدین ومعتقدین اور متعلقین کو تقویٰ وطہارتِ ظاہری وباطنی اور صدق وصفا کی وصیت فرما کر 21/ شوال المکرم 799ھ قبل از فجر جو نزول انوار کا وقت ہے وصال فرما گئے۔ حضرت نور الدین کبریٰ حضرت خواجہ شیر سوار کے ساتھ ہی دکن تشریف لائے تھے۔ آج تک آپ کی اولاد میں حضرت خواجہ شیر سوار کے سجادگی وتولیت جاری ہے اور حضرت نور الدین کبریٰ کے بعد پانچ مزارات احاطہ درگاہ شریف حضرت خواجہ شیر سوار میں انہیں کی اولاد مدفون ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

حضرت خواجہ شیر سوار اور حضرت برہان الدین کلیانی:

جس دن حضرت خواجہ سید تاج الدین شیر سوار کے جسد مبارک کو سپرد لحد کیا گیا اسی رات کلیانی کے قاضیٔ وقت نے حضرت نور الدین کبریٰ (خلیفہ وجانشین حضرت خواجہ شیر سوار) اور قلعہ کلیانی کے ذمہ داران نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے کہ میں برہان الدین ہوں، حضرت خواجہ سید تاج الدین شیر سوار کو میرے پائین میں دفن کیا گیا ہے، جس سے مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے مجھے یہاں سے نکال کر کسی ایسی جگہ پر دفن کیا جائے جہاں حضرت خواجہ شیر سوار کے آستانہ کے چراغ کی روشنی نظر آتی رہے۔ چونکہ متعدد حضرات کو ایک ہی خواب نظر آیا تھا اس لیے متفقہ طور پر طے کیا گیا کہ اس قبر کو تلاش کیا جائے، مزار کا کوئی نشان نہیں

تھا تلاش بسیار کے بعد حضرت برہان الدین کلیانی کی مزار کا پتہ چلا اور پھر آپ کی قبر مبارک کو کھولا گیا تو آپ کا جسد مبارک تر و تازہ تھا اور آپ نے اپنے دونوں پاؤں سمیٹ رکھا تھا تا کہ حضرت خواجہ شیر سوار کی جانب پیر نہ ہوں۔ اس وقت صدہا لوگوں نے اس بزرگ کی کرامت کو دیکھا جس سے بزرگان دین کی زندگی اور ان کی عظمت اور حیات دوام کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت برہان الدین کلیانی کے جسم پاک کو وہاں سے نکال کر محلہ گول چاوڑی کلیانی میں دفن کیا گیا جہاں سے حضرت خواجہ شیر سوار کی درگاہ آسانی سے نظر آتی ہے۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت برہان الدین اولیاء کلیانی کا وصال 755ھ میں حضرت خواجہ شیر سوار سے 44 سال قبل ہوا۔ حضرت برہان الدین کلیانی کا عرس مبارک رجب کی 21، تا 23 تاریخوں میں بصد عقیدت واحترام منایا جاتا ہے اور حضرت خواجہ شیر سوار کے مزار شریف کا غلاف آپ کی مزار پر چڑھا دیا جاتا ہے۔

کرامات حضرت خواجہ سید تاج الدین شیر سوار:

حضرت خواجہ شیر سوار کی مشہور کرامت شیر پر سواری فرمانا ہے۔ آج بھی آپ کی درگاہ میں رات کے وقت شیر کو دیکھا گیا ہے جس کے عینی شاہد اب بھی موجود ہیں حضرت کی شیر پر سواری منفرد نہیں بلکہ دیگر بزرگوں نے بھی شیر پر سواری فرمائی ہے۔

جب حضرت راجہ باگ سوار بسوا کلیان نے اپنے پیر و مرشد کے گاؤں ہانسی شریف جانے کا ارادہ کیا تو نارنول سے باہر دور تک پیدل سفر فرمایا۔ ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئے، جنگل کا شیر آپ کے سامنے آیا اور قدموں پر سر رکھ کر اس انداز سے کھڑا ہو گیا کہ آپ نے دیکھا کہ شیر سر ہلا کر آپ کی سواری بننا چاہتا ہے۔ اس وقت آپ کو اپنے پیر کا یہ فرمان یاد آیا کہ "ایک وقت آئے گا کہ تمہاری سواری کے لیے شیر خود آئے گا اور وہ وقت تب آئے گا جب تم نے اپنے نفس کو (اللہ کا) مطیع و فرمانبردار کیا ہو گا" چنانچہ آپ شیر پر سوار ہو کر ہانسی کا سفر اختیار فرمایا اور عالم بے خودی میں شیر کو باہر چھوڑے بغیر مرشد کی خدمت میں شیر پر سوار ہی پہنچ گئے۔ حضرت پیر شیخ قطب الدین منور ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا اور فرمایا: اے تاج الدین، شیر پر سوار ہو کر تو آئے ہو، لیکن شیر تو ایک جاندار ہے، اللہ والے اگر ایسے بے جان چبوترے (کٹہ) جو مٹی پتھر سے بنایا گیا ہے کو چلنے کا حکم دیں تو وہ بھی چلنے لگے گا۔ اتنا کہنا ہی تھا کہ وہ چبوترا جس پر حضرت قطب الدین منور بیٹھے تھے اپنی جگہ سے چلنے لگا۔ حضرت قطب الدین منور ہانسوی نے فرمایا: اے چبوترے رک جا، میں نے مثال کہی۔ فوراً چبوترا رک گیا۔

جادوگر کا قبول اسلام:

کلیانی میں ایک جادوگر تھا جو اپنے زور جادو و تماشے سے لوگوں کو پریشان کر رکھا تھا، اپنی جھولی کو جادو کے زور سے آبادی میں گشت کراتا تھا۔ لوگ ڈر کر اس کی جھولی میں اپنی نقدی ڈال دیتے تھے اور جو نہ ڈالتا اس کو جادو کے ذریعے پریشان کرتا تھا۔ لوگ اس پریشانی میں حضرت سے رجوع ہوئے۔ جادوگر کو معلوم ہو گیا کہ ایک فقیر کلیانی آئے ہیں اور لوگ ان کے پاس میری شکایت لے کر گئے ہیں۔ اس نے حضرت کی طرف بھی جادو کی جھولی بھیج دی۔ حضرت شیر سوار نے اس جھولی کو روک لیا اور فرمایا جن لوگوں نے اس

جھولی میں جو ڈالا ہے وہ نکال لو، جھولی وہیں پڑی رہی جادو گر غصہ میں حضرت پر جادو کا وار کرتا لیکن آپ پر اس کے جادو کا کوئی اثر نہ ہوتا بلکہ اس کا وار اسی پر واپس ہونے لگا، وہ بھاگتا ہوا آپ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں مان گیا کہ آپ مجھ سے زیادہ باکمال ہیں، میری جھولی مجھے دے دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم جادو گر نہیں ہیں بلکہ اللہ کے بندے اور رسول اللہ ﷺ کے امتی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے سلسلے کے فقیر ہیں پھر حضرت خواجہ شیر سوار نے اس کو تلقین فرمائی اور آپ کے نصیحت سے وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

آپ کے معمولات:

حضرت خواجہ شیر سوار کا نسبی تعلق خاندان قادریہ سے ہے لیکن آپ سلسلہ چشتیہ نظامیہ منوریہ میں بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے اور اسی سلسلے میں لوگوں کو بیعت فرماتے تھے اور اسی سلسلہ کے معمولات پر عمل پیرا رہے۔ مختصراً آپ کے شب و روز کے مشاغل کا خاکہ کچھ اس طرح ہے:

حضرت خواجہ شیر سوار دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں (نو) نمازیں پڑھتے تھے؛ پانچ فرض نمازوں کے علاوہ رات میں تہجد، بعد فجر مسبعات عشر کے بعد سورج طلوع ہونے پر نماز اشراق، اس کے بعد کھانا کھانے سے پہلے نماز چاشت اور نماز مغرب کے بعد صلوۃ اوابین ادا فرماتے، کبھی صلوۃ التسبیح اور صلوۃ کن فیکون پڑھتے، پانچوں فرض نمازیں جماعت سے پڑھتے جس کی امامت آپ خود فرماتے تھے۔ عمر کے آخری دور میں اپنے خلیفہ و جانشین حضرت نور الدین کبریٰ کو امامت کا اعزاز بخشا اور خود کبھی قیام یعنی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر اقتدا فرماتے۔ چاشت کی نماز پڑھ کر حاضرین و متعلقین کے ساتھ تناول طعام سے فارغ ہو کر عوام کو ملاقات کا شرف عطا فرماتے، قیلولہ فرماتے، بعد نماز ظہر چہل اسمائے باری تعالیٰ کا وظیفہ فرمانے کے بعد تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے جو بھی مرید ہوتا اس کو دو گانہ شکرانہ اور سلامتی ایمان کے لیے دوگانہ ادا کرنے کے لیے فرماتے، ہمیشہ باوضو رہنے کی تاکید فرماتے کیونکہ اللہ والوں کے نزدیک "الوضو سرّ من اسرار اللہ" یعنی وضو اللہ کے رازوں میں ایک راز ہے۔ نماز عصر اور مغرب کے درمیان کھانے پینے سے باز رہتے جو صوفیوں کا دستور ہے۔ نماز مغرب کے بعد عشائیہ تناول فرماتے، عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر تعلیم و تلقین فرماتے پھر سب کو رخصت فرما کر ذکر و مراقبے میں مشغول ہو جاتے، آدھی رات کے بعد جب نماز تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو حضرت نور الدین کبریٰ وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے، نماز تہجد کے بعد فجر کی ادائی تک مراقبہ فرماتے۔

عرس شریف:

دکن کے علاقے بسواکلیان، ضلع بیدر، کرناٹک میں آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ ہر سال شوال المکرم کی 21,22,23 تاریخوں میں حضرت خواجہ شیر سوار کا محفل صندل، چراغاں اور زیارت بصد عقیدت و احترام منعقد ہوتے ہیں۔ عرس شریف میں ہندو، مسلم کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ جوق در جوق حاضر ہو کر فیض پاتے ہیں۔ جیسے حضرت خواجہ شیر سوار رحمۃ اللہ

علیہ کا وجود مبارک مخلوق خدا کے لیے باعث راحت ورحمت تھا ویسے ہی آپ کا مزار مبارک باعث رحمت ہے اور آپ کے آستانے سے فیض جاری وساری ہے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن افضلؔ پیر:

آپ کی تعلیمات کو حضرت خواجہ ابوالحسن افضلؔ پیر نے خوب عام کیا۔ یہ ایک بہترین عالم، صوفی، شاعر، واعظ، مفسر اور سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ یہ سرزمین بسواکلیان میں حضرت افضلؔ پیر کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ بار گاہ حضرت سیدنا سید تاج الدین شیر سوار رحمۃ اللہ علیہ بسواکلیان کے سجادہ نشیں تھے جنہوں نے تزکیہ وتصفیہ کے ذریعہ اس مسندِ رشدوہدایت کا حق ادا کر دیا۔

حضرت افضل پیر حضرت نورالدین کبریٰ (جو حضرت خواجہ شیر سوار کے ساتھ ہی دکن تشریف لائے تھے) کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا پورانام خواجہ ابوالحسن جاگیر دار اور تخلص افضلؔ ہے، آپ کے ارادت مند آپ کو افضلؔ پیر سے ملقب کرتے ہوئے اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔

آپ کی پیدائش سن 1929ء کلیانی شریف ضلع بیدر میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی کا نام حضرت شیخ محمد جاگیر دار تھا۔ حضرت خواجہ ابوالحسن افضلؔ پیر کے آباواجداد کو درگاہ شریف حضرت سید تاج الدین راجہ باگ سوار رحمۃ اللہ علیہ کے تحت جاگیر اور انعامات سے سرفراز کیا گیا تھا اسی لیے آپ کو جاگیر دار کہا جاتا ہے۔ ابتدائی تعلیم بسواکلیان ہی میں ہوئی اور اس کے ساتھ قرآن وحدیث، صرف ونحو کے علاوہ علم تجوید وغیرہ دینی بنیادی علوم کو اپنے حقیقی ماموں جان حضرت مولانا سید شاہ کلیم اللہ چشتی کلیانوی سے حاصل کیا جو حافظ قرآن تھے۔ اپنے والد محترم سے آپ کو ارادت حاصل تھی۔ اپنے والد اور ماموں جان کے پاس آپ نے گلستاں بوستاں اور مثنوی مولانا روم کی تکمیل فرمائی۔ اپنے والد کے حکم پر منشی وفاضل کے امتحانات میں شرکت کی اور امتیازی درجہ سے کامیابی حاصل کی۔ پھر اس کے بعد تصوف کی عظیم کتابیں فصوص الحکم، کشف المحجوب، عوارف المعارف، کتاب اللمع وغیرہ سے خوب استفادہ فرمایا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد سن 1945ء میں آپ کے والد محترم (سجادہ نشین درگاہ حضرت شیر سوار بسواکلیان) نے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ والد محترم کے حین حیات آپ ان کی صحبت سے فیض پاتے رہے اور ان کے وصال کے بعد 1948ء سے مسند رشد وہدایت اور خدمت خلق میں پوری طرح مصروف ہوگئے اور مواعظ ونصائح کے ذریعے اشاعت دین وعلم دین اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیے۔

حضرت افضل پیر اپنے چند اصحاب کے ہمراہ سن 1980ء میں بسواکلیان سے دہلی بار گاہِ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا میں حاضری دی۔ وہاں مقام ''طاق بزرگ'' کی خاص مجلس میں ہندوستان بھر کے مختلف سجادہ نشین حضرات کی موجودگی میں حضرت پیر ضامن نظامی سید بخاری رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین بار گاہِ عالیہ محبوب الٰہی نے حضرت افضل پیر سے ارشاد فرمایا کہ خواجہ شاہ ابوالحسن

صاحب کچھ وعظ فرمایے، حضرت افضل پیر حکم کی تعمیل میں کلمہ طیبہ پر ایسانورانی وعرفان خطاب فرمایا کہ اس خطاب سے حضرت پیر ضامن نظامی سید بخاری جھوم اُٹھے اور اسی محفل میں اپنا عمامہ مبارک حضرت افضل پیر کے سر پر رکھا اور آپ کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ یقیناً حضور نظام الدین محبوب الٰہی کی خانقاہ سے نعمت خلافت کا ملنا بہت بڑی نعمت ہے اور اس سے حضرت افضل پیر کی علمی وروحانی شان ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت افضل پیر نے درگاہ شریف کے ذمہ داری سنبھالنے کے بعد پہلے سے زیادہ متحرک وفعال ہوگئے اور معتقدین ومریدین سلسلہ کی اصلاح کے لیے سرگرم ہوگئے۔ آپ نے لوگوں کو قرآن اور صاحب قرآن سے جوڑنے کے لیے روزآنہ بعد نماز مغرب پابندی سے درس قرآن کریم کا آغاز کیا جس میں آپ لوگوں کو ان کے فہم کے مطابق آسان انداز میں قرآن کا پیغام اس انداز میں پہنچاتے کہ وہ لوگ قرآن میں غور وفکر کرنے کے عادی ہوجائیں۔ تدبر قرآن پر آپ کی درج ذیل تحریر ملاحظہ فرمائیں:

> ”اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اس مسلمان پر جس کی زندگی ذکرِ خدا وذکر رسول میں بسر ہوتی ہے، ذکر الٰہی کے کئی طریقے ہیں جو لوگ اہلِ طریقت سے وابستہ سلسلہ ہیں ذکرِ جہری وذکر خفی سے سرشار رہتے ہیں عام طور پر مسلمان عبادات، فرائض وتلاوت قرآن کریم کی پابندی کرتے ہیں اور اس میں بھی بہت کم ہیں جو قرآن بہ تدبّر وتفکر پڑھتے ہوں گے۔ تلاوت قرآن کریم عبادت ہے۔“

حضرت قبلہ 1948ء سے 2009 تک مسند سجادگی وتولیت بارگاہِ حضرت راجہ باگ سوار رحمۃ اللہ پر فائز رہے اور تب ہی سے درگاہ شریف کی مسجد میں منصب امامت وخطابت پر فائز رہے آپ کے جمعہ کے خطاب سے استفادے کے لیے لوگ کثیر تعداد میں بسواکلیان کے علاوہ اطراف واکناف علاقے سے شرکت کرتے تھے۔ 50 سال تک مسجد میں روزانہ درس تفسیر کا اہتمام فرماتے رہے اور اپنے مریدین ومعتقدین کو علم شریعت سے آراستہ کرنے کے لیے تجوید کے قواعد، علم صرف، علم نحو، وغیرہ علوم کی مشق آپ بورڈ پر کروایا کرتے تھے۔

درس قرآن کے ساتھ ہی ہر جمعہ کو احاطہ درگاہ شریف حضرت شیر سوار رحمۃ اللہ علیہ میں نماز جمعہ سے قبل خطاب فرماتے تھے جس سے سینکڑوں لوگ استفادہ کرتے اور پھر جمعہ کے دن بعد نماز مغرب مجلس فیضانِ حضرت شیر سوار کا انعقاد عمل میں آتا۔ اسی طرح ہر ماہ چاند کی 21/ تاریخ کو ذکر اللہ (جہری) کی مجلس وفاتحہ حضرت شیر سوار منعقد ہوتی تھی۔ یہ معمولات بارگاہ میں آپ نے تاعمر جاری رکھا۔ ایک طرف قرآن وحدیث کا درس، پھر وعظ ونصیحت کی مجالس اور تذکرہٗ حضرت شیر سوار رحمۃ اللہ علیہ، گویا آپ نے یہ مشغلہ بنالیا تھا کہ زبان پر ہمیشہ اللہ ورسول یا اولیاء کا تذکرہ ہوتا رہے تاکہ زبان کو پاکیزگی بھی ملتی اور اس کی برکتوں سے لوگ فیضاب ہوتے رہیں۔

حضرت افضل پیر نے بسواکلیان کی آب وہوا کو درس قرآن ودرس حدیث سے معمور فرمایا اور کرناٹک کے مختلف علاقوں میں عظ ونصیحت کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ رفتہ رفتہ آپ کے وعظ ونصائح آندھرا ومہاراشٹر میں بھی ہونے لگے۔ آپ کی تعلیمات اور قرآن

کے پیغام کو پیش کرنے کا طریقہ اتنا موثر تھا کہ غیر مسلمین آپ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے مگر کبھی بھی حضرت نے اس بات کو فخر یہ انداز میں ظاہر نہیں فرمایا بلکہ عاجزی سے کہتے کہ اللہ کے بے شمار بندوں میں اللہ نے مجھ سے یہ خدمت لی اور اللہ کی بار گاہ میں شکر بجالاتے۔

آپ سن 1987ء میں تقریبا چالیس مریدین کے ہمراہ اجمیر شریف اور دہلی میں موجود بار گاہوں کی حاضری کے لیے سفر فرمایا اجمیر پہنچ کر آپ حضرت فضل المتین گدی نشین درگاہ اجمیر شریف کے گھر پر قیام کیے اور انہیں کی سرپرستی میں حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی بار گاہ کے احاطہ میں حضور غریب نواز کی بار گاہ کے روبرو کثیر مجموعے سے آپ نے تصرفات اور کراماتِ اولیاء وشان غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی عقیدت میں ڈوب کر بیان فرمایا۔ آپ کے ہمراہ مریدین کے مطابق تقریباً دو گھنٹے آپ کا خطاب ہوا آپ کے خطاب سے نہ صرف عوام محظوظ ہو رہی تھی بلکہ حضرت فضل المتین قبلہ نے والہانہ انداز میں مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور آپ کو مبارکباد پیش فرمائی۔

اسی طرح علمائے جامعہ نظامیہ میں بھی آپ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جب حضرت قبلہ شہر حیدرآباد تشریف لے جاتے اور محفل منعقد ہوتی تو اس محفل میں حضرت صدر الشیوخ حضرت علامہ مولانا طاہر رضوی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لاتے اور حضرت افضل پیر کے خطاب کو پسند فرماتے تھے۔

آپ کے معمولات اور مریدین کی تربیت:

حضرت افضل پیر کا دن تو درس وتدریس، وعظ ونصیحت، اور مخلوق خدا کی راحت رسانی میں گزرتا اور رات ذکر واذکار نوافل و تلاوت قرآنِ مجید میں بسر ہوتی۔ بزرگوں کی اوصافِ حمیدہ کے مطابق کم کھانا، کم سونا، کم بولنا آپ کی عادت میں شامل تھا۔ اسی طرح آپ سادہ مزاج اور سادگی پسند طبیعت کے حامل تھے اور آپ نے کبھی زرق برق لباس کو ترجیح نہیں دی، غرور وتکبر کا شائبہ تک آپ میں نہیں تھا، نہایت سادہ لباس اور سدری (واسکوٹ) اور سر پر عمامہ شریف ہوا کرتا۔ آپ فضول گوئی سے پرہیز فرماتے اور مریدین کو بھی اس کی تاکید فرماتے۔ آپ نے اپنے مریدین کی بھی شریعت کی روشنی میں بہترین تربیت فرمائی آپ مریدین کو روزانہ تلاوت قرآن کی تعلیم فرماتے ذکر واذکار کی مشق کرواتے اور پھر وقفہ وقفہ سے ان کی کیفیت بھی لیتے رہتے۔ اس کے علاوہ بھی آپ تنہائی میں ذکر واذکار مراقبہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت قبلہ کے معمولات پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسے لگتا ہے کہ آپ نے اللہ ورسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پیغام کو عام کرنے کے لیے اپنی ذات کو وقف کر دیا تھا۔ روزانہ بعد نماز فجر تلاوت قرآن مجید کیا کرتے تھے، اس کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے۔ دن کے اوقات میں درگاہ شریف کی خدمت اور زائرین سے ملاقات ہوتی اور ان کی پریشانیوں کو سنتے اور پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کے مسائل کا حل بھی بتادیتے۔ نماز ظہر درگاہ شریف کی مسجد میں ادا فرماتے بلکہ آپ ہی امامت فرماتے تھے۔ درگاہ شریف کی مسجد میں پنج وقتہ نمازوں کی آپ ہی امامت فرمایا کرتے تھے اور ہر نماز کے بعد مریدین ومعتقدین کی تربیت فرماتے اور انہیں عملی طور پر مشق کرواتے۔ روزانہ

درس قرآن، درس حدیث دیتے اور پھر بعد نماز عشاء درس قرآن کا خلاصہ پیش فرماتے تا کہ لوگ گھروں کو کلام اللہ کے پیغام کے ساتھ لوٹیں۔ لوگوں کے جانے کے بعد آپ گھر تشریف لاتے اور تناول طعام سے فارغ ہونے کے بعد کافی دیر تک مختلف تفاسیر وشروحات احادیث کے مطالعہ میں مصروف رہتے اور پھر نوافل کا اہتمام فرماتے،اور ذکر واذکار کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے اور پھر نماز تہجد کے لیے بیدار ہو جاتے، نماز تہجد کے بعد ذکر واذکار ومراقبہ میں مصروف رہتے، پھر آرام فرماتے اور پھر نماز فجر کے لیے بیدار ہو کر درگاہ شریف کی مسجد تشریف لے جاتے۔ درگاہ کی مسجد میں فجر سے پہلے بھی آپ ہی پہنچتے اور عشاء کے بعد سب سے آخر میں آپ ہی ہوتے۔ چونکہ احقر خواجہ ضیاء الحسن جاگیر نے حضرت والد گرامی وپیر ومرشد کے شب وروز کے معمولات کو دیکھا ہے اس لیے اس کو قلمبند کیا جارہا ہے۔ حضرت قبلہ مجھے ہمیشہ ساتھ رکھتے اور عمر کے آخری ایام میں کمزوری کی وجہ سے نماز کی امامت نہیں کرسکتے تو مجھے امامت کا حکم فرماتے، حضرت قبلہ کی موجودگی سے لے کر آج تک خاکسار درگاہ شریف کی مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری انجام دے رہا ہے۔ جس طرح میرے پیر ومرشد کا معمول تھا کہ آپ سفر پر ہوتے تو ہی درگاہ شریف کی مسجد میں کوئی دوسرے نماز پڑھاتے ورنہ بسوا کلیان میں موجود ہوتے ہوئے آپ نے کبھی مسجد ودرگاہ کی خدمت میں کوتاہی نہیں فرمائی اورالحمد للہ خاکسار بھی اسی طریقہ کار کو اپناتے ہوئے کاربند ہے۔

قرابت داروں سے حسن سلوک:

حضرت افضل پیر میں یہ خاص بات تھی کہ آپ معاشرے میں جس بہتر اخلاق کا مظاہرہ کرتے ویسے ہی بہترین اخلاق کے ساتھ اپنے رشتہ داروں سے ملتے اور ان کے دکھ درد میں شامل رہتے اور سب سے احسان کا معاملہ فرماتے۔ جو لوگ اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرتے ہیں وہ غیر معمولی شخصیت کے حامل ہوتے ہیں کیونکہ اپنے ماحول میں حسن سلوک کرنا یہ بڑے مجاہدے کا کام ہے۔ اس حوالے سے حضرت افضل پیر نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کو ہمیشہ روا رکھا ہے جس کی وجہ سے آج بھی ہر کوئی ان کی شفقتوں کو یاد کر کے اشک بار ہوتا ہے اور آپ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہے۔ ایسی زندگی ہی کامیاب زندگی کہلاتی ہے۔

ادبی خدمات:

آپ ایک باکمال شاعر ونثر نگار بھی تھے۔ اس کا اندازہ ہمیں ان کے مجموعہ کلام ''کلام افضل'' اور ''تذکرہ شیر سوار'' سے ہوتا ہے جس میں آپ کی شاعری اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ ساتھ ہی نثر کے حوالے سے بھی آپ بڑی شگفتگی کے ساتھ اپنی بات کو پیش کرتے ہیں۔ حضرت کی تصنیف سے اقتباس پیش ہے جس سے آپ کے نثر کی خوش اسلوبی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ ایک جگہ اولیاء کی شان وعظمت اس انداز میں بیان کرتے ہیں۔

> ''اولیاء اللہ مظہر صفات الٰہی، حامل نورِ محمد الرسول ﷺ ہوتے ہیں، ان کا وجود مسعود رسول اللہ ﷺ کا زندہ معجزہ ہوتا ہے، ان کو پہچاننا مشکل اس لیے ہوتا ہے کہ یہ ہم میں رہتے ہیں بظاہر ہم جیسے ہی نظر آتے ہیں

لیکن اللہ تعالیٰ سے ان کی جو نسبت ہے ہم اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں اَوْلِیَائِی تَحْتَ قَبَائِی لَایَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ یعنی میرے اولیاء میری قباء کے نیچے چھپے رہتے ہیں میرا غیر ان کو نہیں پہچانتا۔ یعنی میرے نور حامل ہی ان کو پہچانتا ہے"۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی　　　نیک بیں باشی اگر اہل ولی

(یعنی نورِ حق ولی کے اندر سے ظاہر ہوتا ہے اگر تو اہل دل نیک بیں ہے تو دیکھ سکے گا)

اسی مفہوم کو حضرت قبلہ نظم میں اس طرح پیش فرماتے ہیں:

اُٹھ جائے اگر پردۂ ایوانِ محمدؐ　　　آجائے نظر جلوۂ جانان محمدؐ
ہر روز نئے پھول ولایت کے ہیں کھلتے　　　رہتا ہے تر و تازہ گلستان محمدؐ
محمد کل بھی تھے اور آج بھی موجود ہیں افضلؔ　　　نظر کو پاک کرکے دیکھ لے جلوہ محمدؐ کا

تذکرہ حضرت شیر سوار کلیانی میں مزید آپ لکھتے ہیں:

"وہ شخص کسی ولی سے نسبت اُستوار کر کے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے یہاں نسبت شرط ہے مولانا (روم) فرماتے ہیں:

گر تو سنگ خارۂ مر مر شوی　　　گر بہ صاحب دل رسی گوہر شوی

یعنی اگر تو سنگِ خارہ کالا پتھر ہے تو مر مر ہو جائے گا اگر کسی صاحبِ دل کے پاس پہنچے گا تو پتھر سے گوہر ہو جائے گا۔"

آپ کو اردو، عربی، فارسی، ہندی، انگریزی، کنڑی، مراٹھی اور سنسکرت زبانوں سے واقفیت تھی۔ آپ نے ہندی میں بھی شاعری فرمائی ہے۔

کلام افضل سے کچھ اشعار پیش ہیں:

نبی کے عشق کی دولت فقط نسبت سے ملتی ہے　　　یہ دولت یہ فضیلت پیر کی صحبت سے ملتی ہے
نہ ذکر وفکر عقبیٰ نے فقط بالغیب ایماں سے　　　یہ دولت حاضرِ وموجود کی طاعت سے ملتی ہے
نہ سمجھا عقل والوں نے یہ تربت کیا معمہ ہے　　　ترابی ہوں مجھے نعمت اسی تربت سے ملتی ہے
کمالِ شوق اِظہار آخر اس منزل پہ جا پہنچا　　　جہاں بے صورتی آکر اسی صورت سے ملتی ہے
عبادت سے ریاضت سے لیاقت سے نہیں ملتی　　　نظر دیدار کی مخدوم کی خدمت سے ملتی ہے
دل روشن سے افضلؔ دیکھنا ہوگا محمدؐ کو　　　دلوں کو روشنی سرکارؐ کی الفت سے ملتی ہے

اتحاد بین المذاہب خطابات:

حضرت قبلہ اپنے وعظ ونصیحت میں ملک ہندوستان کے تمام مذاہب کے لوگوں کو امن وامان پیار ومحبت اور اتحاد واتفاق سے رہنے کا

درس دیا کرتے تھے اور ہمیشہ پوری انسانیت کے حق میں ہمدردی کے خواہاں تھے اور اس کے لیے دعا فرماتے تھے۔ شہر بسواکلیان میں ''سرودھرم سمیلن'' کے انعقاد پر آپ کو خصوصی طور پر مدعو کیا جاتا تھا۔

بسواکلیان میں عظیم الشان پیمانے پر اتحاد بین المذاہب کے ضمن میں مختلف مذاہب کے رہنماؤں اور پنڈت حضرات کو مدعو کیا گیا تھا اور مسلمانوں کی رہنمائی اور نمائندگی کے لیے حضرت افضل پیر کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ آپ تشریف لے گئے خطاب کے لیے پہلے آپ کو کہا گیا تو آپ نے ایسا مدلل و جامع خطاب کیا جس میں نہ صرف قرآن و حدیث کو آپ نے پیش کیا بلکہ مختلف مذاہب کی مذہبی کتابوں کی عبارتوں کو برجستہ آپ پڑھتے جاتے اور دین حق کی صداقت کو پیش کرتے جاتے۔ آپ کے خطاب کے بعد جس مذہبی رہنما نے خطاب کیا سب نے یہ بات کہی کہ حضرت افضل پیر قبلہ نے وہ ساری باتیں بیان کر دی ہیں جو ہم کہنا چاہتے تھے۔ حضرت قبلہ نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ غیر مسلم حضرات میں بھی مقبول ترین رہے ہیں غالباً آپ ایک واحد شخصیت تھے جن کو دیگر مذاہب کے لوگ خطاب کے لیے اپنی عبادت گاہوں میں بلاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت قبلہ کو بسواکلیان میں واقع بسویشور مندر میں خطاب کے لیے مدعو کیا گیا اس وقت بنگلور سے کچھ غیر مسلم اسکالرس بھی آئے تھے اس میں جب حضرت قبلہ کا خطاب ہوا تو آپ نے سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کی تشریح و تفسیر ایسے جامع انداز میں فرمائی کہ سب حیران رہ گئے اور پھر ساتھ میں دیگر مذاہب کی کتابوں سے اقتباسات پیش کیے تو ان اسکالرس میں ایک شخص اُٹھ کر کہنے لگے کہ ''جاگیردار صاحب نے جو باتیں بیان کی ہیں میں نے آج تک ہمارے مذہبی رہنماؤں سے ایسی باتیں نہیں سنیں، انہوں نے اپنے مذہب کے بارے میں بتایا ساتھ ہی ہماری کتابوں سے ایسی عبارتیں پیش کی جس کو آج تک ہمارے لوگوں نے نہیں پیش کیا''۔

بسواکلیان میں جلوس و جلسہ میلاد النبی ﷺ کی بنیاد:

حضرت افضل پیر نے 8/ جنوری 1982 میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جلوس میلاد النبی ﷺ کی بنیاد ڈالی جو الحمد للہ آج بھی جاری و ساری ہے۔ حضرت قبلہ نے جب اس جلوس کا آغاز فرمایا تھا اس وقت اس جلوس میں شریک ہونے والوں کی تعداد سینکڑوں میں تھی، الحمد للہ آج ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔ الحمد للہ آج بھی یہ جلوس اس حقیر کی سرپرستی میں بصد عقیدت و احترام منعقد ہوتا ہے، جلوس کے اختتام پر عظیم الشان پیمانے پر جلسہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم عمل میں لایا جاتا ہے جس میں مقامی علماء و مشائخ کے علاوہ دیگر اضلاع سے مقررین کو مدعو کیا جاتا ہے اور واعظین اہل سنت اپنے ایمان افروز خطابات سے عاشقان مصطفی ﷺ کے قلوب کو منور و مجلی فرماتے ہیں۔

ختم نبوت کے حوالے سے آپ کی خدمات:

حضرت قبلہ درس تفسیر، حدیث، فقہ کے علاوہ محافل نعت وغیرہ سے اہل ایمان کو جلا بخشتے رہے بالخصوص آپ نے ختم نبوت کے حوالے سے بھی گراں قدر خطابات فرمائے ہیں چنانچہ بسواکلیان میں ایک وسیع میدان واقع ہے جس کو ''فتح میدان'' کہتے ہیں۔

1995 میں اسی میدان میں اتحاد بین المذاہب کے عنوان سے تمام مذاہب کے لوگ جمع تھے اور عظیم الشان پیمانے پر پروگرام منعقد کیا گیا تھا، جس میں حضرت افضل پیر کو بطور مقرر خصوصی مدعو کیا گیا تھا۔ کم وبیش 10 / ہزار لوگوں کا مجمع تھا، اس عظیم مجمع میں آپ نے مدلل وجامع انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کو واضح فرمادیا، جو آپ کی جرأت وحرارات ایمانی کی واضح دلیل ہے۔

وصال وعرس شریف:

حضرت خواجہ ابو الحسن افضل پیر کا وصال مبارک 19 / شعبان المعظم کو ہوا اور آپ کو احاطہ درگاہ شریف حضرت راجہ باگ سوار رحمۃ اللہ علیہ میں سپرد لحد کیا گیا۔ الحمدللہ ہر سال حضرت قبلہ کا عرس شریف بصد عقیدت واحترام منعقد کیا جاتا ہے جس میں مختلف اضلاع کے مریدین ومعتقدین سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ شیر سواریہ بسواکلیان حاضر ہوتے ہیں اور عرس شریف کے مراسم کے بعد جلسہ عظمت اولیائے کرام کا انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے۔

*****

شمس آباد کے چند صوفیائے کرام

سید مظہر الدین حسینی قادری بخاری*

حضرت سید بابا شہاب الدین سہروردی عراقی رضی اللہ عنہ

شہنشاہ دکن، سلطان العارفین، قطب الاقطاب حضرت سید بابا شہاب الدین سہروردی عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت پانچویں صدی کے اختتام میں سنہ 588ھ م 1188ء بمقام عراق میں ہوئی، آپ کا سلسلہ نسب تیرہویں پشت میں حضرت امام الاولیاء سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ سے ملتا ہے، آپ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید و خلیفہ ہے، سلاطین خلجیہ کے زمانہ میں سلطان شمس الدین التمش کے دور حکومت میں 631ھ میں بمقام دہلی ہندوستان تشریف لائے، آپ کے ساتھ تقریبا70افراد تھے جن میں آپ کے دو حقیقی بھائی حضرت سید بابا شرف الدین سہروردی اور حضرت سید بابا موسی سہروردی تھے، اور حضرت بابا موسی سہروردی کے صاحبزادہ حضرت بابا فرید الدین سہروردی 711ھ م1310ء بھی آپ کے ہمراہ تھے جن سے آپ کے خاندان کا سلسلہ جاری ہوا، تین سال دہلی میں تبلیغ اسلام کے امور کو انجام دیا، سلطان شمس الدین التمش کے بعد ملکہ رضیہ سلطانہ تخت نشین ہوئی، اسی حکومت کے دوران دہلی سے دکن میں سنہ 640ھ میں تشریف لائے، پھر آپ اپنے بھائی کی رفاقت سے جدا ہو کر بمقام گار کی ٹیکری' شمس آباد پر رونق افروز ہوئے۔

آپ اوصاف حمیدہ کے پیکر' صاحب کشف و کرامت' جامع الفضل والکمال' مقبول الدعاولی تھے اہل اصنام آپ کی عادات واطوار کو دیکھ کر مانوس ہوتے رہے، آپ بڑے خوش اخلاق سادہ طبیعت مہمان نواز تھے، ہر امیر وغریب راجا ورعایا کی خیریت لیا کرتے تھے، خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، آپ کی یہ تعلیم تھی کہ ہم سب بنی آدم باہم برادر ہیں سلاسل کے دور ہونے سے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، سب انسان بھائی بھائی ہے انسان آپس میں یکجہتی کے ساتھ رہے ہمدردی کریں باہمی رنج وراحت میں شریک رہیں، آپ کے معتقدین کو یہ ہدایت ہوتی کہ کوئی بھی شخص ایک دوسرے کے خدا کو برا بھلا نہ کہے اسی وجہ سے آپ کی مجلس میں لوگ بلا فرق مذہب وملت حاضر ہوتے تھے جس کا اثر آج بھی جاری ہے کہ دکن کی سرزمین پر لوگ بلا فرق مذہب وملت یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہیں ہر خوشی وغم میں آج بھی ایک ددوسرے کے ساتھ شریک رہتے ہیں۔ آپ مقبول الدعاولی کامل تھے، لوگ اپنے ان بیماروں کو آپ کے پاس لاتے تھے جو علاج سے مایوس ہو چکے ہوتے، آپ بیماروں کے حق میں دعاودم کرتے تو بیمار تندرست ہو جاتے تھے، شفایابی اور دوعاؤں کے لیے لوگ کثیر تعداد میں آپ کی بارگاہ میں آنے لگے اورآپ کی برکتیں وتعلیمات سے روشنی فیضیاب ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ آپ کی ہدایت سے مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی مگر اہل اسلام راجاؤں اور قوم کے خوف سے ایمان کا

* سجادہ نشین ومتولی بارگاہ حضرت سید مطاہر الدین شاہ رحمہ اللہ، مسجد قطب شاہی بی بی پیٹہ نر کھوڑہ روڈ، شمس آباد

اظہار نہیں کیے پس کچھ عرصہ بعد جب موحدین کی تعداد حد سے تجاوز کر گئی تب حضرت کی خدمت میں کھل کر مسلمان ہونے پر فخر کا اظہار کیا، آپ کے اوصاف حمیدہ کو سن کر ایک بت خانہ کا پجاری آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور وحدانیت کی دلیل مانگا، آپ سے عرض کیا بتایئے خدا ایک ہے یا متعدد ہے؟ حضرت بابا شہاب الدین نے فرمایا"ایک ہے اور ایکتائی کو پسند فرماتا ہے" دیکھو اس کی فردیت پر نباتات واشجار مثلاً نیم، املی، پلاس' موجود ہیں جس کے پتے اگر شمار کیے جائیں تو طاق عدد اور فرد پائیں گے زواج وجفت نہ پائیں گے، وہ پجاری اور اس کے لوگ دوڑتے گئے اور ان پتوں کو لیکر آئے اوران کو شمار کیا ہر ایک کے آخر میں ایک ایک فرد نکلا وہ پجاری اور اس کے لوگ اس دلیل سے بہت خوش ہوئے اور اسی وقت آپ کے دست حق پر ایمان لایا، مقصد حیات کی تکمیل کے بعد 103 سال عمر شریف میں آپ 21 محرم الحرام 691ھ م 1291ء میں اس دنیا سے پردہ فرمایا، بانی پائیگاہ نواب شمس الامراء بہادر حضرت بابا صاحب کے بہت معتقد تھے اور انہوں نے اس مقام کی تزئین وتحسین کی، آپ کے دربار سے لوگ سے فیضیاب ہوتے رہے، پھر کچھ عرصہ بعد نواب بشیر الدولہ بہادر نے مزار کے شمال مغربی کی جانب مسجد اور مشرقی سمت پر 125 سیڑھیاں بنوائیں۔[1]

حضرت بابا سید فخر الدین المعروف میٹھے شاہ ولی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

قطب دکن حضرت بابا سید فخر الدین المعروف میٹھے شاہ ولی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بابا شرف الدین اور حضرت بابا شہاب الدین کے ہمراہ عراق سے ہند میں تشریف لائے اور تبلیغ دین کے لیے سر زمین دکن میں واقع جل پلی پہاڑی کے مقام کو پسند فرمایا، آپ کی ولادت مبارک عراق میں ہوئی، علم ومعرفت کو اپنی پیرو مرشد حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا اور اپنی پیر کی نگاہ کرم سے طریقت ومعرفت کے منازل طے کیا، حضرت بابا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ انتہائی شیریں زبان کے حامل تھے، ہر شخص سے نرم گفتگو کر کے پتھر دل کو بھی موم کر دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا لقب میٹھے شاہ ولی ہو گیا۔

آپ کے دربار میں ہمیشہ اکتساب فیض کے لیے عوام کا ہجوم رہا کرتا تھا اس کے علاوہ ضرورت مند، محتاجوں، بیماروں ہر خاص وعام آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ روحانی برکات سے فیضیاب ہونے کے لیے کئی مسافات کا سفر طے کر کے آپ کی بارگاہ میں تشریف لاتے جن میں غیر مسلم بھی ہوا کرتے تھے جو آپ کی سادگی، انسانیت نوازی، اورآپ کے اخلاق حمیدہ کے ذریعہ متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوتے تھے، آپ کے دست حق پر ہزاروں بندگان خدا نے کفر سے توبہ کی اور حق کی راہ حاصل کیا، جب کبھی آپ کو وعظ ونصیحت کرنا ہوتا تو اپنا عصا پتھر پر مارتے اس سے سارے علاقہ میں نوبت کی آواز گونجنے لگتی جس کے ساتھ ہی لوگ خاص وعام سب آپ کی بارگاہ میں تشریف لا کر اپنی جھولیوں کو روحانی فیوض وبرکات سے بھر لیا کرتے تھے، اور جس پتھر پر ٹھہر کر وعظ ونصیحت کرتے اس پر آپ کے مبارک قدموں کے نشان ثبت ہو جاتے تھے، حضرت بابا شرف الدین کے چند سال بعد ہی 21 / شعبان المعظم

[1] مختصر احوال علماء واولیاء حیدرآباد، تذکرہ اولیاء شمس آباد

تقریباً600ھ کے اختتام پر آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔[1]

حضرت سید مطاہر الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المشائخ، قطب الاقطاب، شیخ الثقلین عارف باللہ حضرت سید مطاہر الدین شاہ حسینی قادری چشتی بندہ نوازی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت بمقام بخارا شریف از بکستان سنہ 1234ھ بمطابق 1816ء میں ہوئی، آپ کا نسب 21ویں پشت میں سبعہ قادریہ سے ہوتے ہوئے حضور غوث اعظم سے ملتا ہے۔ حضرت سید مطاہر الدین شاہ نے اپنا بچپن بخارا شریف میں ہی گذارا، کم عمری میں ہی اپنے والد محترم سے علم دین حاصل کیا۔ 12 سال کی عمر شریف میں آپ کو شہنشاہ دکن حضرت بابا شرف الدین نے خواب میں دکن کی جانب تشریف لانے کا حکم فرمایا، پس آپ 12 سال پیدل طویل مدت سفر طے کر کے دکن پہنچ کر شہنشاہ دکن کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، پھر آپ کے حکم پر آپ کے برادر حقیقی حضرت سید بابا شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ شمس آباد کی بارگاہ میں حاضری دی جہاں یہ حکم ہوا کہ مسجد بی پیٹھ کے پاس جنات کا بادشاہ سلیمان اور اس کے ہمنوا اس جو انسانوں کو تکلیف و مصیبت پہنچا رہے ہیں پس ان کی ظلمت کو ختم کر دیا جائے، آپ اس مسجد میں پہنچ کر 40 دن چلہ کشی کی جس میں آپ "یا حق" کا ذکر کثرت سے کیا، اس دوران ہر دن آپ کو جنات طرح طرح کی تکالیف 'خوف' لالچ' نقصان وغیرہ کی تکالیف دینے لگے اور آپ کے چلہ کشی کی چالیس دن کی مدت پوری نہیں ہونے کی کافی کوشش کی لیکن آپ نے استقامت کا مظاہرہ کیا، آخر کار جنات کا بادشاہ سلیمان اپنی پوری طاقت استعمال کیا لیکن آپ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا، بالآخر وہ شکست کا سامنا کیا اور آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے تمام جنات کے ساتھ آپ کے دست حق پر توبہ کر کے دائرہ اسلام و حلقہ بیعت میں شامل ہو گیا، اس وقت سے آپ کا چرچا ہونے لگا یہاں تک کہ آپ کی خبر حکمرانوں کے دربار تک پہنچی، آصف جاہ سابع میر عثمان علی خان صاحب کی بیوی عظمۃ النساء بیگم یا اعظم النساء بیگم (دلہن پاشاہ بیگم) بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی۔ چرندے پرندے درندے کھانے کے وقت حصول تبرک کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اس وقت آپ اپنی روٹی کے چار ٹکڑے کرتے، تین ٹکڑے ان کو کھلاتے اور ایک ٹکڑا آپ کھایا کرتے تھے، غیر جاندار چیزیں جیسے شجر و حجر آپ کے ذکر الٰہی کی آواز پر جھوما کرتے تھے، آپ کی ریاضت و مجاہدہ کا عالم یہ تھا کہ دن رات کی عبادت کے علاوہ آپ اپنے حجرہ میں مسلسل چالیس (40) دن با مشقت اپنے جسم کو حرکت کیے بغیر ذکر الٰہی میں رہا کرتے تھے، 40دن بعد آپ کے بھتیجہ، داماد و خلیفہ حضرت سید برہان الدین شاہ اور دیگر مریدین آپ کو اس حجرہ سے مسجد میں لیکر آتے تھے، مسلسل 40 دن ایک ہی جگہ بیٹھے رہنے کی بناء پر آپ کا جسم مبارک سکڑ جاتا تھا اور پھر آپ کا جسم کھلنے کے لیے مزید 40 دن ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ مشرق کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ "یہاں سے مستقبل میں اڑن طشتری جائے گی" اللہ پاک نے آپ کے قول کو سچ کر دکھایا، آپ اس دنیا سے پردہ فرمانے کے 95 سال بعد انٹرنیشنل ایرپورٹ شمس آباد میں قائم ہوا۔ آپ اپنے وصال کی خبر اپنی حیات میں بتا چکے

---

[1] مختصر احوال علماء و اولیاء حیدرآباد، تذکرہ اولیاء شمس آباد

تھے،وصال یار کی رات پانی کا چراغ جلایا اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے،وصال مبارک کے وقت آپ کی عمر شریف 105 سال تھی،7 جمادی الاول 1339ھ م 12 جنوری 1921ء صبح فجر کا وقت ہو چکا تھا، اذان کی صدائیں آنے لگی تھیں،اسی وقت آپ نے کلمہ شہادت کی صداؤں میں لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے پردہ فرمالیا، اللہ تعالی آپ کے درجات کو بلند کرتا رہے اور ہم سب کو آپ کے زمرہ میں شامل رکھے۔[1]

حضرت سید برہان الدین شاہ

شیخ الاسلام ،عارف باللہ، سرگرہ چوک شمس آباد حضرت سید برہان الدین شاہ حسینی قادری چشتی بندہ نوازی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت بمقام مکہ راج پیٹھ چیگنٹہ میدک ڈسٹرکٹ میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم حضرت سید عبد النبی المعروف پیر محمد، حضرت سید مطاہر الدین شاہ برادر حقیقی ہے۔ آپ پیران پیر حضور غوث اعظم دستگیر کے 22ویں چشم وچراغ ہے، آپ علوم ظاہری وباطنی اپنے والد محترم حضرت پیر محمد اور چچا حضور حضرت سید مطاہر الدین شاہ سے حاصل کرکے درجہ کمال کو پہنچے اور بالخصوص چچا حضور حضرت سید مطاہر الدین شاہ کے زیر تربیت سلوک کے منازل طے کرکے اپنے چچا حضور کے خلیفہ وجانشین ہوئے۔ آپ کا عقد نکاح اپنے چچا حضور پیرومرشد حضرت سید مطاہر الدین شاہ کی دختر نیک اختر حضرت سیدہ محبوب النساء رحمۃ اللہ علیہا(متوفہ بتاریخ 19 / ربیع الثانی 1373ھ بمطابق 25 / دسمبر 1953ء) سے ہوا۔ آپ حضرت بابا سید شہاب الدین اور پیرومرشد حضرت سید مطاہر الدین شاہ کی بارگاہ میں پہنچ کر روحانی طور پر ان بزرگوں سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس کے علاوہ آپ علوم ظاہری کے مسائل میں حضرت ابو النصر جیلانی بغدادی صاحب (متوفی 19 نومبر 1983) سے علوم دینیہ اور اس کے ایک ایک مسئلہ پر گہرائی وگیرائی میں پہنچ کر مکمل ایک دن تک گفتگو فرماتے اور پھر ان سے دیگر مسائل کا استنباط کیا کرتے تھے، آپ نے بے شمار کتابیں تحریر فرمایا تھا۔ آپ کے اپنے گھر کا ایک حجرہ صرف آپ کی تحریر کردہ کتابوں سے بھر چکا تھا یہاں تک کہ اس حجرہ میں صرف عبادت کے لیے ایک مصلی کی جگہ باقی رہی۔ آپ کو تمام علوم اسلامیہ میں کامل مہارت اور درجہ کمال حاصل تھا، آپ مفسر،محدث،فقیہ، ادیب وشاعر وصوفی اور با کرامت ولی تھے، آپ کی ساری زندگی قرآن وحدیث اور شریعت پر استقامت کا عملی نمونہ تھی، آپ خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے، علم وعمل، حال وقال میں سب سے سبقت لیے ہوئے تھے ہمیشہ درس وتدریس اور افتاء کے کام میں مشغول رہا کرتے تھے، اس کے علاوہ آپ کے تمام علمی، عملی، مذہبی، ادبی، سیاسی، سماجی، دعوتی واصلاحی خدمات، رجحانات وفیصلے بلند افکار ونظریات پر مشتمل تھے، جو حضرات آپ کی ارادت میں داخل ہونے کے لیے آپ کی بارگاہ میں پہنچتے تو آپ ان کی حسب صلاحیت تعلیم وتربیت اور استقامت کی نصیحت فرمانے کے بعد ارادت میں داخل فرمایا کرتے تھے، حضرت برہان الدین شاہ عالم دین کے ہونے کے علاوہ اپنے وقت کے عارف کامل بھی تھے۔ آپ کا یہ محاورہ تکیہ کلام بہت مشہور ہے (کلال خانہ میں گھر بن: لنگوٹ اپنی گھٹ بند) یعنی اگر گھر مئے

[1] تذکرہ اولیاء شمس آباد

خانے حدود میں بھی ہو تو اس وقت بھی ہم اپنے احکامات دین پر قائم رہے، آپ بہت ہی متقی و پرہیز گار تھے، اور ہمیشہ توکل علی اللہ کا پیکر بنے رہا کرتے تھے، تین تین دن تک آپ بھوکا رہا کرتے تھے، آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ صرف نمک کی چائے پر اکتفا کرتے تھے اور کوئی مہمان آپ کے گھر آتا تو انہیں بھی نمک کی چائے سے ضیافت فرمایا کرتے تھے، آپ روحانی علاج و معالجہ کے کامل باثر شخصیت تھے، اثرات' نظر' جادو' وغیرہ کو آپ اپنی نظر کیمیاء سے دفع فرمادیتے تھے، ایک مرتبہ آپ کی بارگاہ میں ایک آسیب زدہ خاتون کو لایا گیا جیسے ہی وہ خاتون آپ کی بارگاہ میں پہنچی اس خاتون کے سر کے بال اچانک کھڑے ہو چکے تھے، پھر آپ اپنی روحانی طاقت سے اس جن کو اپنے قبضہ میں کیا، آخر وہ ناپاک جن آپ علیہ الرحمہ سے درخواست کرنے لگا کہ مجھے آزاد کردو میں دوبارہ نہیں آؤنگا، اس کے بار بار اصرار کرنے پر آپ نے وعدہ لیکر آزاد کردیا، اور وہ خاتون اپنی ساری زندگی صحت مند رہی، سنہ 1355ھ میں بارگاہ حضرت غریب نواز اجمیر شریف پہنچ کر زیارت سے مشرف ہو کر ڈھائی دن کا جھونپڑا مقام پر قیام کیا جہاں حضرت برہان الدین شاہ حضرت سید اعظم علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی، اور پھر حضرت سید اعظم علی شاہ چشتی رحمہ اللہ نے آپ کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل فرما کر تاج پوشی کی، اور اسی وقت یعنی 6 / رجب المرجب 1355ھ میں گواہ5 کے تحت سلسلہ چشتیہ میں سند خلافت سے سرفراز فرمایا، حضرت سید اعظم علی نے آپ کی بے انتہاء علمی صلاحیت کو دیکھ کر "سرگروہ چوک شمس آباد" کا لقب بھی عنایت فرمایا،، آپ اپنے وصال مبارک کی پیشن گوئی پہلے ہی فرما چکے تھے، یکم / جمادی الاول 1383ھ م18 / ستمبر 1963ء آپ اس دنیا سے پردہ فرمایا، حضرت سید مطاہر الدین شاہ کے دائیں پہلو میں بمقام بی بی پیٹھ نرکھوڑہ روڈ شمس آباد میں آپ کی مزار مرجع خلائق ہے۔[1]

حضرت سید صاحب پاشاہ

نور المشائخ عارف باللہ حضرت سید صاحب پاشاہ حسینی قادری چشتی بندہ نوازی ابوالعلائی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام حضرت سید مطاہر الدین المعروف حضرت سید صاحب پاشاہ ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے 23ویں نسل میں ہے، آپ حضرت برہان الدین شاہ کے صاحبزادہ ہے اور حضرت یوسف الدین شاہ کے والد محترم ہے، حضرت صاحب پاشاہ کا عقد نکاح سیدہ کبری النساء متوفہ 13 شعبان المعظم 1415ھ سے ہوا، آپ اپنے والد محترم حضرت سید برہان الدین شاہ سے علوم ظاہری و باطنی کو حاصل کیا اور پھر تمام سلوک کو مکمل کرکے خرقہ خلافت کو بھی اپنے والد محترم سے حاصل کیا، آپ کے حیات مبارکہ کے ابتدائی چند سال خوشحالی میں گذرے جس کے بعد ساری زندگی آزمائش و تکالیف سے بھری رہی، لیکن آپ اس مشکل وقت میں بھی اپنی ساری زندگی صبر و توکل کے دامن کو تھام رکھا تھا، آپ صاحب کشف تھے اپنے جد امجد حضرت سید مطاہر الدین شاہ کے تمام حالات کشف کے ذریعہ معلوم کیا، 8 سال تک آپ ہند کا دورہ کرتے ہوئے بزرگان دین کے فیضان بالخصوص حضرت مخدوم بابا سے سرفراز ہوئے، حضرت مخدوم بابا کا فیضان آپ پر یوں جاری ہوا کہ ایک مرتبہ آپ جب ممبئی پہنچ کر ایک جھونپڑی میں قیام کیا، آپ اپنی تھیلی جس میں اپنے جد امجد کے

---

[1] تذکرہ اولیاء شمس آباد

شجرات مقدسہ اور دیگر تبرکات موجود تھے اس تھیلی کو آپ نے اسی جھونپڑی میں رکھ دیا اور پھر حضرت مخدوم بابا کی بارگاہ میں پہنچ کر مزار مبارک کے قریب ہوئے اور ذکر الہی میں مشغول ہوگئے، تھوڑی دیر بعد آپ کو اطلاع ہوئی کے آپ کی قیام گاہ یعنی جھونپڑی خاک آلود ہوگئی آپ وہاں پہنچ کر اس خاک آلود منظر کو دیکھ کر بہت افسوس کا اظہار کیا اور پھر حضرت مخدوم بابا کی بارگاہ میں پہنچ کر غمگین حالت میں رات گذاری اسی رات خواب میں اس آگ کے منظر کو دیکھا کہ تمام جھونپڑی جل رہی ہے اسی دوران ایک بوڑھی خاتون آپ کی جھونپڑی میں پہنچ کر آپ کی تھیلی کو لیا اور اپنے پاس محفوظ کرلیا دوسرے دن آپ کے وہاں پہنچنے پر وہی بوڑھی خاتون آپ کو وہ تھیلی دے کر رخصت ہوگئی۔ آپ کی کرامات میں سے ایک کرامت یہ بھی ہے کہ آپ اپنے عصاء مبارک سے جہاں اشارہ کرتے وہاں زمین میں سے خزانہ نکال کر حاجت مند لوگوں کی امداد کیا کرتے تھے، اسی طرح اگر کوئی جادوگر یا شرپسند سے آپ کا سامنا ہوتا تو آپ اپنی نظر کیمیاء سے انہیں اپنے قدموں میں لاتے اور وہ اسی وقت آپ کی بارگاہ میں توبہ کیا کرتے تھے، حضرت صوفی حافظ محمد یوسف شاہ آپ کو سلسلہ ابوالعلائیہ کی خلافت سے سنہ 20/ جمادی الاول 8338ھ م 1963ء میں سرفراز فرمایا، 32 سال بحیثیت سجادہ نشین دوم بارگاہ جد امجد حضرت سید مطاہر الدین شاہ میں بے شمار خدمات کو انجام دیا، آپ اپنے صاحبزادہ جمال المشائخ عارف باللہ حضرت سید یوسف الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 17 رمضان المبارک 1442ھ م 30 اپریل 2021ء) کو دربار مطاہر پیا کا تیسرا جانشین مقرر فرمایا اور سنہ 19/ ربیع الاول 1415ھ م 1994ء بروز جمعہ اس دنیا سے وصال فرمایا۔

حضرت شاہ وجود قادری بغدادی / حضرت شاہ موجود قادری بغدادی

آپ حضرات تقریباً 750 سالہ قبل کے بزرگ ہیں، آپ حضرات کی ولادتِ باسعادت بغداد میں ہوئی، تقریباً 25 افراد پر مشتمل جماعت بغداد سے تبلیغ دین کے لیے شمس آباد کی سرزمین کو اپنے قدوم پاک سے منور کرکے بمقام نرکھوڑہ میں قیام کیا، آپ حضرات حضور غوث اعظم کی اولاد میں سے ہیں، آپ حضرات اپنے برادرِ حقیقی حضرت ابوالنصر سید وجیہہ الدین یحیٰی قادری بغدادی اور اُن کے صاحبزگان اور دیگر اقارب و مریدین و خادمین کے ہمراہ آٹھویں صدی ہجری کے ابتداء اور چودویں صدی عیسوی کے آواخر میں تیمور لنگ سلطنت کے دوران ملک دکن شمس آباد کی سرزمین میں نرکھوڑہ بستی کو اپنی جلوہ نمائی سے عزت بخشی، اور ایک عرصہ دراز تک مخلوق خدا کو ہدایت کی دولت سے سرفراز فرمایا، بالآخر کفر و ضلالت کے خلاف جنگ و جہاد کرتے ہوئے 12/ محرم الحرام کے دن آپ حضرات شہید ہوئے۔[1]

حضرت سید رمز علی شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

آپ تقریباً 200 سال قبل کے بزرگ ہے، آپ کی ولادت بغداد شریف میں ہوئی۔ آپ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی 22ویں

[1] جمع السلاسل، تواریخ الصوفیہ

پشت میں ہیں۔ آپ کو علم و معرفت اپنے گھرانہ سے حاصل ہوا، حق و صداقت کے پیکر تھے، عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے، غیبی اشارہ پر 35 سے 40 سال کی عمر کے درمیان سرزمین شمس آباد تشریف لائے، اور علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت کے لیے کوشش کی، آپ ہمیشہ کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے تھے ذکر کے دوران "الا اللہ" کی ضرب قلب پر لگاتے تھے، مولانا روم کی کتاب مثنوی شریف سے بہت دلچسپی رکھتے تھے، اور اسی کے ذریعہ عوام کو درس دیا کرتے تھے، لوگ اپنے بیماروں کو آپ کے پاس لاتے تھے جو علاج سے مایوس ہو چکے ہوتے تھے آپ بیماروں کے حق میں دعا و دم کرتے تو بیمار تندرست ہو جاتے تھے۔ آپ کا ادب واکرام صرف انسان ہی نہیں بلکہ جانور بھی کرتے تھے، والیان پائیگاہ آپ سے بہت عقیدت رکھتے اور آپ کی خدمت کیا کرتے تھے، بے شمار آپ کی کرامتیں ہیں جیسے ہیرے جواہرات کا حاجت مندوں کو عطا کرنا، لعاب دہن سے شفاء ہونا موغیرہ۔ آپ کا مزار مبارک کمارواڑی شمس آباد میں واقع ہے، مقصد حیات کی تکمیل کے بعد 19 / ربیع الاول کو آپ کا وصال ہوا، سنہ وفات تقریبا 1920ء کے درمیان ممکن ہے۔[1]

حضرت سید محمد حسین ہاشمی المعروف دیوان سیاں رحمۃ اللہ علیہ

حضرت دیوان سیاں رحمۃ اللہ علیہ تقریبا 200 سال قبل کے بزرگ ہیں، آپ کی ولادت بارہ مقام دہلی میں ہوئی، آپ کے والد محترم کا نام حضرت سید تلاوت حسین رحمۃ اللہ علیہ ہے، حضرت دیوان سیاں رحمۃ اللہ علیہ علوم اسلامیہ کے منبع اور سلسلہ چشتیہ کے فرد فرید تھے، ارادت واذن کے بعد آپ پر ہمیشہ مجذوبیت کے آثار ظاہر ہوتے تھے، دہلی سے شمس آباد کی سرزمین پر تشریف لائے اور مخلوق خدا کو راہ ہدایت کی دعوت دی، لوگ جوق در جوق آپ کی جانب مائل ہوتے گئے اور آپ کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئے یہاں تک کہ حصول تبرک کی خاطر جانور اور جنات بھی حاضر ہوتے تھے جنہیں آپ کھانا کا کچھ حصہ عطاء کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ سادگی کو پسند فرماتے تھے اور چونے کی کھیر بطور غذا استعمال کرتے تھے۔ آپ کی بے شمار کرامتوں میں پانی کا چراغ جلانا بھی شامل ہے، اسی طرح ذکر کے دوران آپ کے اعضاء جسم جدا ہوتے تھے، اور آپ ایک مقام سے غائب ہو کر دوسرے مقام پر حاضر ہوتے تھے، آپ ہمیشہ "اللہ" کا ذکر کرتے تھے اور ذکر کے دوران بے خود ہو کر کانٹوں والی جھاڑی پر لوٹا کرتے تھے۔ بتاریخ 16 ربیع الاول تقریبا 1930ء میں آپ کا وصال ہوا، آپ کی مزار مبارک صحن عید گاہ شمس آباد میں واقع ہے، بڑی عقیدت سے عرس شریف کا اہتمام ہوتا ہے، اور عوام الناس کے لیے آپ کی بارگاہ حصول فیضان کا ذریعہ ہے۔[2]

حضرت مخدوم شاہ محمد پیراں پاشاہ ملتانی قادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم شاہ محمد پیراں پاشاہ ملتانی قادری رحمۃ اللہ علیہ خاندان ملتانیہ سے تعلق رکھتے ہیں، آپ اپنے دوسرے فرزند حضرت

---

[1] تذکرہ اولیاء شمس آباد

[2] تذکرہ اولیاء شمس آباد

معصوم پاشاہ کے ہمراہ شمس آباد میں تشریف لائے اور عوام کے بے حد اصرار پر وہیں سکونت اختیار کی۔ آپ کو اپنے والد بزرگوار مرشد کریم حضرت الشیخ محمد عبد الرزاق اکمل پاشاہ ملتانی القادری قدس سرہ سجادہ درگاہ حضرت قطب الانام شیخ الشیوخ حضرت شاہ محمد ابراہیم المخدوم جی ملتانی القادری قدس سرہ سے بیعت وخلافت واجازت حاصل تھی، آپ بے مثل بزرگ تھے جسم مبارک پر ہمیشہ کمبل لپٹی رہتی تھی، جس سے چہرۂ مبارک دکھائی نہ دیتا تھا، اپنی کیفیت میں محو رہتے اور بہت کم گفتگو فرماتے، عوام سے ملاقات بھی بہت کم کرتے۔ آپ کے مریدین بہت کم تھے، آپ اپنے فرزند اکبر حضرت شاہ محمد قادر پاشاہ ملتانی القادری قدس سرہ کو مراتب علیا پر فائز کرکے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا اور اپنی جانشینی عطا کرکے مورخہ ،17 / ربیع الثانی 1305ھ کو اس جہان فانی سے پردہ فرمالیا۔

عارف باللہ، عاشق رسول اللہ، فائز من اللہ حضرت شاہ محمد قادر پاشاہ ملتانی القادری قدس سرہ اپنے والد محترم حضرت مخدو شاہ محمد پیراں پاشاہ ملتانی قادری سے قبل شمس آباد کی سرزمین کو عزت بخشی تھی، آپ اخلاق کریمہ کے پیکر تھے، عوام بلا لحاظ مذہب وملت آپ سے محبت کرتے تھے، آپ نہایت سادہ طبعیت شہرت سے نفرت، امراء وسلاطین سے اجتناب، غرباء ومساکین سے قربت ومحبت، بزرگوں کی روش پر رغبت، حضور سلطان الاولیاء کی نسبت پر فخر اور والہانہ عقیدت رکھتے تھے، سلاطین کے تحفہ، بیعت، اور مال ودولت سے بہت محتاط رہتے تھے، آپ کے درس وتدریس سے انسان کے علاوہ جنات بھی مستفیض ہوتے تھے، بزرگان دین کی سلسلہ ماہانہ فاتحہ، اور اعراس میں محفل سماع کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کی بے شمار کرامتیں ہیں جیسے انگلیوں سے شہد اور دودھ کا جاری ہونا، مختصر کھانے میں کثیر لوگوں کا شکم سیر ہونا، زخم کا آپ کے لعاب سے ٹھیک ہونا، محتاجوں کی تکلیف کو لمحہ بھر میں دور کرنا، خواب میں آکر درد والم کو دور کرنا، کم وقت میں طویل مسافت کا سفر کرنا، ریل گاڑی کا آپ تشریف لائے بغیر رک جانا، آپ کی تصویر لیتے وقت آلہ تصویر (کیمرہ) کا جل جانا اور یہ کہنا کہ جب تیرے جد کی تصویر نہیں تو ان کے غلام کی تصویر کیسے ہوسکتی ہے، وغیرہ۔ آپ لا ولد تھے، چنانچہ آپ نے اپنے برادر زادہ شاہ محمد پیر پاشاہ ملتانی کی تعلیم وتربیت فرماکر بیعت وخلافت اور جانشینی سے سرفراز فرمایا۔ وصال سے قبل بتاریخ 23 / رجب المرجب 1344ھ آپ تمام مریدین کو حاضر کرکے تلقین فرمائی کہ شریعت کا پابند رہے دامن غوث اعظم تھامے رہے اور تعلیمات قادریہ پر کاربند رہے وغیرہ، اس کے بعد رجوع الی اللہ ہوئے اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد فرمائی۔[1]

حضرت سید شاہ محی الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بہت قدیم دور قطب شاہی یا اس سے بھی قبل وقت کے عظیم بزرگ ہیں۔ آپ کو سلسلہ سہروردیہ سے نسبت حاصل ہے، کہا جاتا ہے کہ آپ ترکی سے شمس آباد کی سرزمین کو اپنے قدوم پاک سے فیضیاب کیا اور اپنی جلوہ نمائی سے اس خطہ کو بابرکت بنایا، آپ جامع

---

[1] الملتانی، تذکرہ اولیاء شمس آباد

کمالات کے پیکر تھے، ساری زندگی تبلیغ دین اور اصلاح خلق میں گذاردی، عوام آپ سے بے انتہاء محبت وعقیدت رکھتی تھی، کہا جاتا ہے آپ کو حضرت باباشرف الدین اور باباشہاب الدین سے نسبت حاصل ہے، اور اس وقت کافی دور سے بھی ان تین بزرگوں کے آستانہ بلا تکلف نظر آتے تھے، آپ کی کرامات میں سے یہ ایک کرامت ہے کہ آپ کو دست غیب حاصل تھا جس سے ہر حاجت مند کی جھولی بھر دیا کرتے تھے، آپ کی تاریخ وصال کا کوئی علم نہیں، ممکن ہے کہ تقریبا 400 سال قبل آپ کا وصال ہوا، آپ کا مزار مبارک گولہ پلی شمس آباد قدیم مسجد کے صحن میں مرجع خلائق ہے، آپ کے ساتھ آپ کی ہمشیرہ حضرت بی بی سیدہ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی مزار مبارک بھی واقع ہے۔[1]

حضرت فتح شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

آپ تقریبا دور قطب شاہی کے قدیم بزرگ ہیں، آپ کو فتح اللہ شاہ قادری بھی کہا جاتا ہے، سلسلہ قادریہ سے نسبت حاصل ہے، آپ جامع کمالات کے پیکر تھے، نفس پر عبادات کا بوجھ ڈال کر فتح حاصل کی، عوام آپ کا شیدائی تھی، آپ ہر انسان سے محبت وعقیدت کا اظہار فرماتے تھے، بے شمار لوگوں نے آپ سے علم وعرفان، ہدایت اور برکتیں حاصل کیا، تاریخ وصال کا کوئی علم نہیں، ممکن ہے کہ تقریبا300 سال قبل آپ کا وصال ہوا، آپ کا مزار مبارک گولہ پلی شمس آباد مسجد کے صحن میں واقع ہے۔[2]

حضرت جلیس فرید الدین بابار حمۃ اللہ علیہ وحضرت آغا فرید الدین بابار حمۃ اللہ علیہ

آپ حضرات دور قطب شاہی کے اختتام کے قدیم بزرگوں میں سے ہیں۔ اہل کمال میں فرد فرید اور بہت عظیم المرتبت بزرگ ہیں۔ آپ بحر شریعت وطریقت کے شناور تھے، حقائق ودقائق پر دسترس حاصل تھا، اپنے دور کے باکمال اور صاحب کشف بزرگوں میں تھے، آپ کے ساتھ آپ کے حقیقی بھائی بھی موجود تھے، مادر وطن سے سفر کرکے بمقام گگن پہاڑ پر جلوہ افروز ہوئے جہاں عبادت وریاضت کرکے اس مقام کو نور سے معمور کیا، آپ حضرات سے قبل ایک اور بزرگ حضرت غالب شاہ گگن پہاڑ پر پہنچ چکے تھے جن کا مرقد مبارک مسجد کے صحن میں واقع ہے۔ حضرت آغا فرید اور آپ کے بھائی حضرت جلیس فرید نے حضرت مسکین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے باطنی فیض پایا اور بمقام گگن پہاڑ پر آپ حضرات نے تبلیغ دین ومواعظ حسنہ سے عوام کے قلوب کو دین اسلام کی جانب مائل کیا۔ لوگ آپ کے وعظ ونصیحت سے متاثر ہوا کرتے تھے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے، آپ کے وعظ ونصیحت، فیوض وبرکات سے ایک عالم نے فیض پایا یہاں تک کہ لوگ آپ حضرات کے وصال کے بعد بھی فیض حاصل کرتے آرہے ہیں، آپ حضرات کے مزارات گگن پہاڑ پر واقع ہیں، تقریبا 200 سال آپ کا وصال 29 شعبان المعظم کو ہوا لیکن عرس شریف کا اہتمام

---

[1] مختصر احوال علماء واولیاء حیدرآباد، تذکرہ اولیاء شمس آباد

[2] ایضاً

24شعبان المعظم کو ہوتا ہے۔[1]

حضرت باباسید شاہ چراغ علی شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید شاہ چراغ علی بابا رحمۃ اللہ علیہ تقریبا دور قطب شاہی کے اختتام وقت کے بزرگوں میں ہیں، آپ صبر و تحمل، تسلیم ورضا، شفقت ومہربانی کے پیکر اور مخلوق خدا کی ہر وقت امداد فرمایا کرتے تھے، علوم شریعت وطریقت درجہ کمال حاصل تھا، آپ کی جلوہ نمائی ہر عام وخاص کے لیے باعث برکت تھی ہر کوئی آپ سے فیض پاتا تھا، آپ کو ذکر جہری بہت مرغوب تھا، رات کے وقت آپ ذکر الٰہی کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کی ذکر کی برکت سے سارے خطہ کو روشن کر دیا، اور عوام کے قلوب میں آپ کی محبت ڈال دیا، پس لوگ آپ کے در پر پہنچ کر فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے تھے، اور آپ کی عادات واطوار سے متائثر ہو کر دامن اسلام سے وابستہ ہوتے تھے، حضرت چراغ علی بابا رحمۃ اللہ علیہ مقصد حیات کی تکمیل کے بعد اس جہان فانی سے تقریبا 200سال قبل رحلت فرما گئے، آپ کا آستانہ چنہ گو لکنڈہ عوام اور علماء کے علاوہ اہل کمال اور صاحب حال کے لیے روشن مرکز ہے۔[2]

حضرت سید خواجہ محبوب شاہ قادری چشتی المعروف محبوب پیار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت محبوب پیا رحمۃ اللہ علیہ بہت قدیم بزرگ ہے سنہ 653ھ میں سرزمین شمس آباد کو اپنے مبارک قدوم پاک سے عزت بخشی، آپ کے فرزند کا اسم گرامی حضرت سید خواجہ ابراہیم چشتی قادری رحمۃ اللہ علیہ ہے، اور آپ کے پیرومرشد کا اسم گرامی حضرت خواجہ اختر پیا چشتی قادری رحمۃ اللہ علیہ ہے، آپ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم پر بمقام پداشاہ پور (شاہ پور کلاں) تشریف لاکر ظلمت کا سد باب کیا، اور تبلیغ دین و خلق خدمت میں ساری زندگی گذاردی، عاشقان غوث الوری پر حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی تعلیمات اور فیوض وبرکات کا چشمہ جاری کیا، اور تمام معتقدین کو اپنے فیضان سے مستفیض فرمایا۔ ایک مرتبہ اسی بستی میں مہلک مرض پھیل چکا تھا، لوگ اس مرض کی تکالیف سے گذر رہے تھے اور آپ کی بارگاہ میں معروضہ پیش کر رہے تھے، پس اسی اثناء میں آپ کا فیضان ایسا جاری ہوا کہ سارے لوگوں پر سے بیماری اچانک دفع ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ آج بھی مسلم اور غیر مسلم آپ سے بے انتہاء عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، آپ تقریبا400 سال قبل وصال فرما گئے، آپ کی جائے مدفن پداشاہ پور میں ہے۔ آپ کا وصال بتاریخ29 / ذوالقعدہ کو ہوا، لیکن 5 / ربیع الثانی کو عرس شریف کا اہتمام اور گیارہویں شریف کو فاتحہ خوانی عمل میں لائی جاتی ہے۔[3]

حضرت سید شاہ محمد ابراہیم قادری رحمۃ اللہ علیہ

قطب الاقطاب حضرت سید محمد ابراہیم شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ تقریبا300 سال قبل کے بزرگ ہیں، آپ کا سلسلہ نسب حضرت جلال

---

[1] تذکرہ اولیاء شمس آباد

[2] تذکرہ اولیاء شمس آباد

[3] تذکرہ اولیاء شمس آباد

الدین چندہ حسینی قطب گوگی سے ملتا ہے، آپ کے والد محترم کا اسم گرامی حضرت حمزہ حسینی ہے، آپ حضرات عوام الناس کی ہدایت کے لیے بمقام ملکارام شمس آباد تشریف لائے جہاں عوام آپ کے شیدائی ہو چکے تھے۔ تبلیغ اسلام، تعلیم وتربیت کو حسن اخلاق سے پیش کیا، آپ کی زبان پر ہمیشہ ذکر الہی جاری رہا کرتا تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ جو کوئی آپ سے گفتگو کرتا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کا ہو جاتا تھا، نیک اعمال میں عجلت اور منکرات سے نفرت کرتے تھے۔ آپ شریعت کے پابند اور طریقت پر استقامت سے متمکن تھے۔ آپ دن میں خدمت دین اور رات بھر مناجات الہی میں مصروف رہا کرتے تھے، پس اسی سلسلہ کو ساری زندگی جاری رکھا یہاں تک کہ 21 محرم الحرام تقریبا250 سال قبل آپ اس دنیا سے رحلت فرمایا، آپ کی جائے مدفن ملکارام میں ہے۔ آپ کے بغل میں آپ کے فرزند حضرت سید شاہ علی ابراہیم اور آپ کے ہمشیرہ مدفون ہیں۔[1]

حضرت سید جلال شاہ رحمۃ اللہ علیہ / حضرت سید رہبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرات سادات گھرانہ سے ہیں اور دور قطب شاہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ تمام علوم ظاہری وباطنی کسبی وہبی کمالات صوری ومعنوی کے اہل تھے، عارف کامل اور محقق وقت تھے، تبلیغ دین وخدمت خلق کی غرض سے حضرت بابا فخر الدین سہر وردی سے باطنی طور پر اکتساب فیض فرما کر اپنے جلوہ نمائی کو بمقام جل پلی میں رونق بخشی، عوام آپ کے شیدائی تھے ہر وقت آپ کے در پر ہجوم رہتا تھا، لوگ آپ حضرات سے استفادہ فرماتے تھے، فیوض وبرکات کو حاصل کرتے تھے، ہر کسی کو اخلاق حسنہ کے ذریعہ اپنا گرویدہ بنالیتے تھے، جو کوئی آپ حضرات سے ملتا پس وہ آپ ہی کا ہو جاتا تھا، تصرفات واختیارات کے ذریعہ ظلمت کو مٹا کر رشد وہدایت کا کام سرانجام دیا اور اک عالم کو اپنے فیض تلقین سے فیضیاب کیا، حضرت رہبر شاہ کا اصل نام سید علی شاہ ہے لیکن آپ حضرت رہبر شاہ کے نام سے معروف ہوئے، آپ کا وصال 12 / محرم الحرام کو ہوا، اور حضرت جلال شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 25 / رمضان المبارک کو ہوا، تقریبا دور قطب شاہی کے اختتام پر آپ حضرات وصال فرماگئے، آپ حضرات کی جائے مدفن بمقام جل پلی میں واقع ہے، مزارات پر قدیم گنبد موجود ہیں، آپ حضرات کو تلاوت کلام پاک بہت مرغوب تھی۔ وصال کے بعد حضرت رہبر شاہ کے مرقد مبارک کے قرب سے کئی سال تلاوت قرآن کی آواز سنائی دیتی تھی۔[2]

*****

---

[1] تذکرہ اولیاء شمس آباد

[2] ایضا

خلد آباد کے صوفیائے کرام کی علمی و سماجی خدمات

ڈاکٹر محمد عبد الرافع*

دکن اورنگ آباد میں خلد آباد واطراف کا علاقہ زمانہ قدیم سے روحانیت کا مرکز ہے۔ آج بھی دکن میں کئی خانقاہیں ایسی ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح خلد آباد سے رہا ہے۔ دکن میں خلد آباد اشاعت اسلام کا ایک عظیم مرکز ہے۔ جہاں سے تقریباً پورے دکن میں اسلام کی کرنیں پہنچیں۔ اس سرزمین پر سب سے پہلے سہروردی سلسلہ کے بزرگ حضرت سلطان شیخ جلال الدین گنج رواں سہروردی خرقانی رحمتہ اللہ علیہ نے مسند ارشاد بچھایا۔ آپ کے حالات وتعلیمات پروقت کے دبیز پردے پڑے ہیں۔ آپ کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔ ایک مختصر سوانح حیات سلطان میاں قادری صاحب نے تحریر کی تھی۔

حضرت شیخ شاہ جلال الدین گنج رواں سہروردی بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ کو جلال الدین خرقانی بھی کہتے ہیں۔ آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ ہے۔ حضرت جلال اکبر الدین گنج رواں کی دو خانقاہ تھی۔ جس میں دو مسجدیں ہے۔ جو سُلی بھنجن و خلد آباد میں واقع ہے۔ اورنگ زیب بادشاہ بننے سے قبل تین سال پہلے یہ مسجد بنائی گئی ہے۔ اورنگ زیب بادشاہ سن 1658ء سے 1707ء تک حکومت پر فائض تھے۔ جبکہ درگاہ کی مسجد سن 1655ء میں بنائی گئی۔ حضرت شاہ جلال الدین گنج رواں 27/ ذی القعد 644ھ میں اپنے مالک حقیقی کو جا ملے۔ خادمین درگاہ عرس کی تقریبات ہر سال 24/ ذی القعد سے 28/ ذی القعد تک شب بداواں مناتے ہیں۔

کرامات درخت کے پھل کی: ایک مخنث (خواجہ سرا) کا واقعہ ہے کہ کسی نواب کے ساتھ آیا تھا۔ اور آپ کے پھل کی مذاق اڑانا چاہا۔ مجاوروں کو کہا میں تو مخنث ہوں پھل کھا رہا ہوں۔ مجھے بھی اولاد ہونی چاہئے۔ یہ بات خدا کی قدرت کو ناگوار گزری اور سال بھر میں اُسے بچہ پیدا ہوا۔ آپ کے مزار آپ کے پائنتی میں مخنث اور بچہ کا مزار موجود ہے۔

دو مزاروں کا واقعہ: مجاور خاص کو یہ واقعہ درپیش آیا کہ حضرت شاہ جلال الدین گنج رواں کے محل (گنبد) سے خدمت کر کے باہر نکلے تو دو جنازے تازے نظر آئے اور ایک بھی فرد موجود نہ تھے۔ تعجب ہوا اور خلد آباد شہر میں اطلاع دے کر جب واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں وہاں جنازے کے بجائے جنازوں کے تازے مزار بنے ہیں۔ جیسے کوئی ابھی ابھی دفن کر کے گیا ہو۔ سب موجود خادمین حیرت زدہ ہو گئے۔ کسی صوفی نے کہا کہ مردانہ غیب تھے۔ ان مزاروں کو غیبی مزارات کہتے ہیں۔

درخت کی شاخ پلٹ جانا: حضرت شیخ شاہ جلال الدین گنج رواں کے گنبد کے دروازے کے سامنے والے درخت کی ایک شاخ بڑی ہو کر گنبد شریف سے ہوا کے جھونکوں سے ٹکرا رہی تھی اور اندیشہ ہو گیا تھا کہ گنبد کو نقصان پہونچے گا اس پر تمام خادمین نے میٹنگ کی اور

* ناندیڑ، مہاراشٹر

مشورے میں یہ طے پایا کہ درخت کی شاخ کو کاٹ دیا جائے۔ دوسرے روز جب مزدور درگاہ کو پہونچے تو دیکھا کہ درخت کی شاخ خود بخود پلٹ گئی ہے آج بھی وہ شاخ ویسے ہی پلٹی ہوئی موجود ہے۔

حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زربخش

آپ سن 675ھ میں ہریانہ کے ایک شہر ہانسی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب گیارہ واسطوں سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی سے ملتا ہے۔ حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زربخش چشتیہ سلسلہ کے مرید و خلیفہ ہیں آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی سے ارادت اور خلافت عطاء کی گئی۔ چشتیہ سلسلہ کے 21ویں خلیفہ ہیں۔ مگر بعض کتابوں میں آتا ہے کہ آپ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے مرید و خلیفہ تھے۔

لقب زرزری بخش: جب حضرت منتجب الدین کا مجاہدہ اور ریاضت اپنے عروج پر پہنچی تو حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے آپ کو خلافت سے سرفراز کیا اور آپ کو خلافت نامہ، ایک مصلہ، ایک عمامہ اور ایک خلعت عطاء کی۔ اور سات سو اولیاء کرام کے ہمراہ 692ھ میں دہلی سے خلد آباد کے لیے روانہ کیا۔ وقت روانگی پیر و مرشد سے آپ نے عرض کیا ان 700 اولیاء کرام کی کثیر جماعت کی کفالت کیسے کی جائے۔ پیر و مرشد سلطان المشائخ نے مراقبہ کرکے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ سب کے اخراجات بعد تہجد مل جایا کریں گے۔ بعد نماز تہجد سونے سے بھرا ہوا ایک ڈبہ غیب سے ملتا تھا۔ جو حضرت خواجہ منتجب الدین صبح میں فروخت کرکے فقراء اور اولیاء کرام پر خرچ کیا کرتے تھے اسی وجہ سے لقب زرزری زربخش مشہور اور عام ہوا۔

معارج الولایت اور روضہ اولیاء میں تحریر ہے کہ جب حضرت خواجہ منتجب الدین کی ریاضت اور مجاہدہ کمال کو پہنچا اور محبوبیت کا مرتبہ حاصل ہوا تو صبح و شام دو خلوت زریں (سونے کے سکّے) غیب سے ملتے تھے جن کو فقراء غرباء اور اولیاء کرام کی جماعت پر صرف کر دیا جاتا تھا اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اس میں سے خود پر کچھ بھی صرف نہیں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ زرزری زربخش کا لقب عام ہوا۔

7/ربیع الاوّل 709 ہجری کو آپ نے اس دارِ فانی سے پردہ کیا۔ آپ کی تدفین کے بعد آپ کے پیر بھائی حضرت خواجہ محمد صاحب نے اچانک چپ سادھ لیا۔ ان سے اپنے پیر بھائی کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ ہوا۔ انھوں نے رونا شروع کیا اور حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زربخش کے مزار پر گر پڑے اور ان کی روح اس دارِ فانی سے پرواز کر گئی۔ آپ کو اپنے دوست کے پہلو میں ہی تدفین کیا گیا دونوں بزرگ ایک ہی گنبد میں مدفون ہیں دونوں کے عرس بھی ساتھ ہی منائے جاتے ہیں۔ آپ کی گنبد مبارک کے مسجد کے قریب حضرت کی والدہ بی بی ہاجرہ اور ماموں صاحب خواجہ سراج الدین کے مزارات ہیں۔

اسد الاولیاء والعارفین حضرت خواجہ شیخ برہان الدین اولیاء غریب

آپ کا نام محمد ہے، شیخ محبوب الٰہی کی جانب سے عطا کردہ نام شیخ برہان الدین ہے۔ آپ کا لقب غریب اور خطاب اسد الاولیاء ہے، آپ 654ھ میں شہر ہانسی (ہریانہ) میں پیدا ہوئے، آپ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی کے کامل خلفاء میں سے ہے، آپ کا سلسلہ نسب گیارہ واسطوں سے امام عظیم ابو حنیفہ سے ملتا ہے۔ والدہ۔ ماجدہ کا نام بی بی ہاجرہ ہے۔ آپ کے تین بھائی

ہوئے: 1۔ حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زربخش۔2۔ حضرت ابوالفتح۔3۔ حضرت عزیز قتال (دونوں کی مزار شریف دولت آباد کے قلع میں چاند مینار کے قریب ہے۔ آپ کی تین بہنیں ہوئیں: 1۔بی بی خدیجہ۔2۔بی بی عائشہ۔3۔بی بی مریم۔4۔بی بی آمینہ۔ 5۔بی بی حمیدہ۔

ریاضت و مجاہدہ: حضرت خواجہ شیخ برہان الدین غریب نے بچپن ہی سے ریاضت و مجاہدہ کی توفیق پائی۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں: کہ میں چھ سات برس کا تھاجب سے خلوت و تنہائی میں جاکر کلمہ طیبہ کے ذکر کرتا تھا25 سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ اشراق اور چاشت کی نماز کے بعد تین پارے کلام مجید پڑھ کر بزرگوں کی مزار پر جاتا پھر جو کی روٹی لوبیا کا سالن تناول کرتا۔

حضرت برہان الدین غریب نے فرمایا کہ میں نے اپنے پیر سے بیعت کرنے کے پہلے خواب دیکھا کہ گویا میں ایک خندق میں گرپڑا ہوں اور کسی طرح باہر نہیں نکل سکتا ہوں حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نے مجھے ہاتھ دیا اور اس خندق سے باہر نکالا جب میں شیخ کی حلقہ غلامی میں داخل ہوا تو اس بشارت کو بھی عرض کیا فرمایا ہم نے تجھ کو اسی روز ہاتھ دے دیا تھا۔

رحلت: 11، صفر 738 ہجری، 84 سال کی عمر میں ہوئی۔

ملفوظات: حضرت رکن الدین عماد کاشانوے کی تصانیف میں رسالہ غریب ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ حضرت خواجہ برہان الدین غریب کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں وہی تعلیمات دی گئی ہے جو حضرت خواجہ غریب نے بزرگان چشت سے پائی تھی۔

تصانیف:

1۔ احسن الاقوال: اس میں حضرت برہان الدین غریب کے ارشادات و کلمات کو جمع کیے ہیں جس میں پیران طریقت کی ملاقات اور زیارت کے آداب اور مجالس اہل کے طریقہ، حسن عقائد و معاملات، مجالس سماع کے آداب وغیرہ کا ذکر ہے۔

2۔ خواجہ مجید الدین کاشانی کی تصنیفات سے غرائب الکرامات، بقیہ الغرائب دیوان عین الحیات میں حضرت خواجہ برہان الدین غریب کے خوراق عادات لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ نقائس الانفاس، شمائل الاتقیاء، زیادہ مشہور ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

خلافت: حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے اقبال خادم کو بلا کر کپڑوں کی گھڑی طلب فرمائی اس میں سے ایک دستار ایک پیراہن اور ایک مصلہ مولانا برہان الدین غریب کو خرقائے خلافت عطا کی۔

حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زربخش کی وفات کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی اور مسلمانوں کی رشد و ہدایت کی غرض سے حضرت خواجہ برہان الدین غریب کو دکن جانے کا حکم دیا۔ اور انھیں خرقہ ہائے خلافت و نعمت ہائے باطنی سے سرفراز فرمانے کے بعد پانچ نصیحتیں بھی کیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

1 (جو خرقہ خلافت تم کو امانتاً دیئے گئے ہیں جو مولانا داود حسین کو پہنچانا۔2) ولادہ کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنا اور اس کو رحمت حق تصور کرنا۔ 3) جمعہ کی نماز کبھی ترک نہ کرنا۔4) ہمیشہ مجرد رہنا۔5) میری پیرزادی صاحبہ (حضرت بی بی عائشہ) کی خدمت اور خبر گیری سے (جو دولت آباد میں ہیں) غافل نہ رہنا۔

عطاء خطاب: ایک روز دربار سلطان المشائخ میں حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی کی بزرگی کا ذکر ہو رہا تھا سلطان المشائخ نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی بایزید رکھتے ہیں۔ آپ کے مرید نے عرض کیا وہ کہاں ہیں۔ فرمایا جماعت خانے میں، خادم اقبال جلدی سے جماعت خانہ میں آتے اس وقت جماعت خانہ میں حضرت خواجہ برہان الدین غریب کے سوا کوئی شخص نہ تھا اقبال نے یہ ماجرہ سنایا۔

لقب غریب: جس زمانے میں حضرت خواجہ برہان الدین ہانسی سے دہلی تشریف لائے وہاں پل کے نزدیک ایک مسجد ہے کچھ عرصہ تک وہاں مقیم رہے اور مشغول بحق ہوئے، حق تعالیٰ نے آپ کے قدم مبارک کی برکت سے اس مکان کو روشن بنادیا اور بہت سی مخلوق آپ کی خدمت میں رجوع ہونے لگی ایک روز حسب معمول شیخ کی خدمت میں ہوئے اقبال خادم نے سلطان المشائخ کی خدمت عرض کیا کہ مولانا برہان الدین آئے ہیں سلطان المشائخ نے ارشاد فرمایا کہ تمام مخلوق ان کی آشنا ہو گی۔ ابھی غریب ہی ہیں۔

غریب است ابن محب حق بدنیاں حبیب اللہ فی الدنیا غریب

کرامت: تاریخ خورشید جاہی میں مذکور ہے کہ حضرت شیخ (غریب) کے وصال کے کئی سو برس بعد ایک مرتبہ شدید قحط پڑا کہ متوسلین درگاہ کی ہلاکت کی نوبت پہنچ گئی۔ سب نے روضہ میں عرض کیا۔ صبح کو روضہ مقدسہ کے روبرو پتھروں سے خالص چاندی کی چار پانچ تولہ سلاخیں برآمد ہوئیں جن کو قطع بیچ کر بیچ کر سبھی متوسلین درگاہ کی بسر اوقات کی گئی۔ جب تک قحط رہا یہی حال رہا۔

ختم المشائخ حضرت خواجہ سید زین الدین شیرازی:

حضرت خواجہ زین الدین داود بن حُسین شیرازی کی پیدائش 25/ ربیع الاوّل 701ھ یکشنبہ شہر شیراز (ایران) میں ہوئی۔ وفات 13/ صفر 771ھ مطابق 10/ ستمبر 1370ء ا۔ آپ کا روضہ خلد آباد (مہاراشٹر) میں ہے۔

خلیفہ و جانشینی: حضرت خواجہ برہان الدین شیرازی حضرت خواجہ برہان الدین غریب کے خلیفہ و جانشین ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ شہنشاہ اورنگ آباد عالمگیر (متوفی 28/ ذی قعدہ 1118ھ مطابق 2/ مارچ 1704ء اور ان کے فرزند شہزادہ محمد اعظم شاہ (وفات 18/ ربیع الاوّل 1119ھ مطابق 18/ جون 1707ء کو حضرت زین الدین شیرازی کے قدموں میں ہی دفن کیا گیا ہے۔

آپ کا اسم گرامی سید داود اور لقب "زین الدین" ہے آپ کو "حقانی" اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ محمد تغلق کے دورِ حکومت میں قاضی شریعت کے عہدہ پر فائز رہے۔ عام طور پر حضرت خواجہ زین الدین شیزاری بائیس خواجہ کے نام سے مشہور ہیں۔ بائیس خواجہ اس وجہ سے آپ کو کہا جاتا ہے کہ آپ کا سلسلۂ نسب و طریقت دونوں 22 وسیلوں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے جا ملتے ہیں۔ آپ علم و ادیب کی سرزمین شہر شیراز (ایران) کے مذہبی، علمی، ادبی اور تجارتی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کا شمار شہر شیراز کے علمی گھرانوں میں ہوتا تھا۔ نو عمری میں ہی شیراز سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مولانا نصیر الدین اور خواجہ شہاب الدین کے ہمراہ مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ مدینہ منوّرہ میں زیارت رسول اللہ ﷺ سے فیض یاب ہونے کے بعد آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دہلی تشریف لائے، دہلی میں قیام کے تھوڑی ہی مدت میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ دہلی کے جید علماء سے کسب علوم حاصل کیا

اور فضیلت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچے۔
سلطان محمد تغلق نے جب دولت آباد کو اپنا پایہ تخت مقرر کیا اور تمام باشندگان دہلی کو حکم دیا کہ وہ دولت آباد میں آباد ہو جائیں۔ 24/ سال کی عمر میں آپ اپنے استاد مولانا کمال الدین سامانہ کے ہمراہ 1327ء میں دولت آباد تشریف لائے۔ دولت آباد آمد کے بعد آپ کے خداداد علم اور لیاقت سے بڑے بڑے علماء حفاظ اور طلباء واشفادہ کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ آپ ہمیشہ دولت آباد کی مسجد میں تفاسیر قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کا وعظ، درس و تدریس علوم اور ریاضت میں مصروف رہا کرتے۔

بیعت: حضرت داود شیرازی کی عمر 35 سال تھی۔ پیر و مرشد حضرت شیخ برہان الدین غریب کے دست مبارک پر بیعت کیا۔ آپ اپنے مرشد برہان الدین غریب کی صحبت وبابرکت سے فیضیاب ہوئے تو ایک دن حضرت برہان الدین غریب نے فرمایا، داود صلاحیت پیدا کرنے کے لیے سلوک کی کتاب "مرصاد العباد" پڑھو۔ حضرت شیرازی کے مطابق مرصاد العباد ایک معمولی کتاب تھی۔ اور آپ نے اس کا مطالعہ کئی مرتبہ کیا تھا۔ مگر مرشد کے حکم سے پڑھنا شروع کیا تو مرشد برہان الدین غریب نے وہ نکات آپ کو بتلاتے کہ آپ کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ عرض تین مرتبہ شروع سے آخر تک مرصاد العباد کا مطالعہ کرنے کے بعد زین الدین شیرازی ہر مرتبہ کہتے تھے۔ "واللہ یہ وہ مرصاد نہیں جو میں نے پہلے پڑھی تھی۔ جب مرشد سے پڑھی تو کچھ رنگ ہی الگ تھا۔ غرض روز بروز سلوک و کشف و کرامات کھلتے گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت شیرازی کمالِ ریاضیت سے سلوک و معرفت کے تمام مراتب حاصل کیے۔

خلافت: خواجہ شیخ برہان الدین غریب نے سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے 18/ربیع الاوّل 737ھ کے دن ختم المشائخ حضرت مخدوم خواجہ سید زین الدین داود بن حُسین شیرازی کو خرقہ خلافت و طریقت عطا کیا۔ ساتھ ہی رسول مقبول ﷺ کا خرقہ فقرہ ارادت (پیراہن مبارک) عطا کیا۔ اور "زین الدین" کے لقب سے سرفراز کیا۔

ملفوظات: 1) پہلا ملفوظ 17/رجب 745ھ مطابق نومبر 1344ء کی مجلس میں ہونے والی گفتگو پر لکھا گیا۔ اس کو جامع ملفوظ کے طور پر (حضرت خواجہ میر حسن مؤلف دہلوی) نے لکھا۔ 2) ملفوظ حضرت برہان الدین غریب۔ ہدایت القلوب کے نام سے حضرت زین الدین شیرازی کے ملفوظات کو آپ کے مرید حضرت خواجہ حسن مؤلف دہلوی نے 1367ء میں جمع کیا۔ ہدایت القلوب کو صوفیہ خلد آباد کا آخری ملفوظاتی متن کہا جاسکتا ہے۔

حضرت خواجہ میر حسن مولف دہلوی ہدایت القوب کو تحریر کرنے سے قبل اپنے پرومرشد کی تین ملفوظاتی کتابیں مرتب کر چکے تھے۔ ان سے متعلق حضرت مولف حبة المحبة میں تحریر کر چکے ہیں کہ پہلی کتاب حضرت کے ارشادات مبارک پر مشتمل ہے اس کا نام "دلیل السالکین وهدایة العاشقین" ہے اس کتاب میں حضرت خواجہ زین الدین شیرازی کے خاندان عالی کے آداب وتہذیب اور روشن و طریقت کا بھی ذکر کیا ہے۔ دوسری جلد حبة القلوب من مقام المحبوب نام سے موسوم ہے اور یہ دونوں کتابیں حضرت خواجہ کی نظر مبارکہ سے گزر کر شرف مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ اب خواجہ کے حکم خاص پر 755ھ سے ان

کے فوائد کو تحریر کرنے کا آغاز کرتا ہوں اور جلد کا نام ''حبة المحبة و جنّة المودة '' رکھتا ہوں۔

حضرت خواجہ میر حسن مؤلف دہلوی نے ''ہدایت القلوب کے نام سے اپنے مرشد کے چھوٹے ملفوظاتی متن کو جمع کرنے کا اہم وبابرکت کام 24 سال پابندی کے ساتھ انجام دیا۔ مؤلف نے ہدایت القلوب میں جابجا اپنے پیر حضرت خواجہ زین الدین شیر ازی سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور ان کی حلقہ بگوشی اور غلامی پر ناز کیا ہے۔ ہدایت القلوب کو سلسلہ چشتیہ کے ملفوظاتی متن میں اہم مقام حاصل ہے اس کتاب میں امور شریعت، اسرار طریقت و حقیقت صوفیائے عظام کے احوال و اقوال، حضرت خواجہ سید زین الدین شیر ازی اور ان کے پیر و مرشد حضرت خواجہ شیخ برہان الدین غریب کی زندگی کے مختلف پہلو، چشتیہ بزرگان دین کا طریقہ، تبلیغ ارشاد و تلقین کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ خانقاہِ خلد آباد قبولیت یزلی قابلیت ازلی شہرت خداداد رکھتا ہے، نہ صرف وہ دکن بلکہ اقالیم نو دکن میں باتفاق شہرہ آفاق ہے اسی لیے کہ خطہ پاک میں بڑے بڑے صاحب وقار اولیاء نامدار، تاجدار، دین وہدایت کے منبع کشف و کرامت مخزنِ اسرار الٰہی معدنِ انوارِ ناتناہی آرام فرماہیں۔ انہی حضرات کے سبب بہت سے صاحبِ کمال شاہان الوالعزم وخوش خصال کا مجمع روح مدفن جسمانی ہے کسی نے سچ کہا ہے۔

چپّے چپّے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک　　　دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہر گز

یہاں کی زیارات و عجائبات دیکھنے کے شوق میں بہت دور دراز سے مشتاق و ہر مذہب و ملت کے سیاح چلے آتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہاں کی آمد و رفت کی سہولتِ راہ و سیاح و مسافرین کی آرام و آثار و قدیمہ کے قیام کے لیے ہماری رحم دل سرکار ابد قرار نے بڑی فیاضی و دریادلی سے کام لیا ہے۔ اس خطہ مقدس خلد آباد کی تصیلی حالات بیان کرنے کو ایک دفتر چاہیئے۔ لیکن حتیٰ الامکان یہاں کے تاریخی حالات و صحیح روایات بڑی کوشش و جافشانی سے عالم شیریں سخن محقق حضرات و اساتذہ نے خانقاہ خلد آباد کی تمام معلومات کو کتاب ''روضۃ الاقطات'' میں جمع کیا ہے۔ ان تمام خلفائے کرام کی کرامات، ملفوظات، خرق عادات کو دیکھ کر لاکھوں بے دین دولت ایمان سے فیضیاب ہوئے۔

''صوفیائے کرام ہمیشہ جوڑنے اور شفقت و محبت سے رہنے کا کام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ صوفیائے کرام سے اپنا رشتہ مضبوط کیا جائے۔ اُن سے سچی عقیدت و محبت رکھی جائے اور ان کی اخلاقی و اصلاحی تعیمات کو عام کیا جائے۔

*****

مصادر و مراجع

1۔ غرائب الکرامات۔ خواجہ برہان الدین غریب کے حالات ملفوظات۔ از: پروفیسر نثار الدین فاروقی
2۔ دکن کے اولین صوفی، شیخ جلال الدین گنج رواں، مرتب: شیخ ابو محمد قاضی خواجہ محمد، اشاعت 2023ء
3۔ ہدایت القلوب، تالیف خواجہ میر حسن مؤلف دہلوی۔ ترجمہ و تلخیص پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی، ترتیب و تدوین رفیع الدین رفیق خلد آباد

صوفیائے بیڑ کی علمی و سماجی خدمات

سید شعیب الدین قادری*

بیڑ، ہندوستان کے صوبے مہاراشٹر کا ایک قدیم اور مشہور شہر ہے، جو دریائے گوداوری کے کنارے آباد ہے۔ تاریخی مصادر کے مطابق، پانڈوؤں کے دور میں اسے درگاوتی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں، راجہ بکرماجیت کی بہن کے احترام میں اسے چمپاوتی نگر کے نام سے بھی موسوم کیا گیا۔ سلطان محمد تغلق نے 743 ہجری میں اس شہر کا نام قلعہ بیڑ رکھا، اور یہ نام آج بھی نہ صرف لوگوں کے درمیان رائج ہے بلکہ دستاویزات میں بھی محفوظ ہے۔

اگرچہ بیڑ کے قیام کی درست تاریخ معلوم نہیں، تاہم مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دنیا کی قدیم ترین آبادیوں میں شمار ہوتا ہے۔ بیڑ نہ صرف ہندوؤں کی عظیم عبادت گاہوں اور مقدس مقامات کے لیے معروف ہے بلکہ یہاں مسلمانوں کے بھی کئی روحانی رہنما بھی آرام فرما ہیں[1]، جو اس شہر کی مذہبی ہم آہنگی کا مظہر ہیں۔

بیڑ کے مشہور صوفیہ

تاریخی شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیڑ میں مسلمانوں کی موجودگی خلجی دور سے شروع ہوئی۔ ہر دور میں صوفیائے اکرام نے اس شہر کو اپنا مسکن بنایا اور یہاں اپنی علمی و روحانی خدمات انجام دیں۔ اس مقالے میں بیڑ کے صوفیہ کرام کی خدمات کو دو عظیم حصوں میں بیان کیا گیا ہے: سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ۔

سلسلہ قادریہ کے شیوخ و اولیا

1- حضرت رضی الدین مکی

حضرت رضی الدین مکی مکہ معظمہ کے معزز و عالی نسب سادات میں سے تھے اور خاندان قادریہ سے آپ کو بیعت و خلافت کی سعادت حاصل تھی۔ آپ نے علوم ظاہری و باطنی دونوں میں مہارت حاصل کی، جو علمائے دین و مشائخ مکہ کے فیوض سے منور ہوئی۔ آپ کی چاہت تھی کہ حضرت شاہ محمود صدیق مخدوم انصاری سے ملاقات کریں، چنانچہ آپ دکن تشریف لائے، مگر ظاہری ملاقات نصیب نہ ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے بیڑ کو ہی اپنا مستقل مسکن بنایا اور اپنی زندگی کے آخری ایام اسی خاک میں بسر کیے۔[2] آپ کی وفات 27

---

* مہاراشٹرا

[1] تاریخ فرشتہ مؤلف: محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ عبدالحی خواجہ ص:137، تاریخ بیڑ مؤلف: قاضی احمد محی الدین، ص 3

[2] تاریخ بیڑ ص 127

ربیع الاول 797 ہجری کو ہوئی۔ آپ کی روحانی عظمت کا مرکز بیڑ کے باہر واقع ہے اور مرجع خلائق ہے۔

2- حضرت شیخ سیدنا ابراہیم قادری

حضرت ابراہیم قادری، جو ہندوستان کے قصبہ بیڑ تشریف لائے، اپنی زندگی کے اکثر اوقات عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ خلوت کو اپنا اصل مرکز قرار دیتے اور کرامت کے اظہار کو کسی بھی صورت میں پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی وفات 13 صفر 960 ہجری میں ہوئی۔ آج بھی آپ کا روضہ بیڑ کے مومن پورہ علاقے میں زیارت عام و خاص کے لیے موجود ہے۔ مولف ریاض الابرار لکھتے ہیں: "موضع نیکنور بالا گھاٹ میں آپ کا چلہ مشہور ہے اور لوگوں نے وہاں آپ کے تبرکات لے جا کر محفوظ کیے تھے۔[1]"

آپ کا شجرہ نسب سید عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے، آپ کے روضے کے قریب موجود مسجد کے لیے معظم شاہ نے 14 محرم 1083 ہجری میں سید اسماعیل ولد نور محمد موذن کو پچاس بیگہ زمین عطا کی تھی۔ اس سے پہلے اس مسجد کے موذن اور روضہ منورہ کے خادم ملا غازی تھے، جن کے لیے حضرت ابراہیم کے اعتراف میں سولہ درخت آم مختص فرمائے تھے۔[2]

3- حضرت سید شاہ محمد نور بغدادی امریڑی

آپ سید بہاؤالدین بہاول شیر قلندر اعظم کی نسلِ پاک سے تھے۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں اپنے خاندان کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ دہلی اور دولت آباد میں قیام کے بعد آخر کار امریڑ آبسے۔ آپ کے پاس حضور ﷺ کے قدمِ مبارک کا نشان بھی تھا جو آج بھی اماپور میں فیضان بخش ہے۔

شجرہ نسب: حضرت سید شاہ محمد نور قادری ابن حضرت سید نور محمد پھرپور قادری ابن سید علی امیر المعروف بالا پیر قادری ابن سید مقم محکم الدین قادری ابن سید شاہ ابوالمعالی قادری ابن سید نور محمد قادری ابن سید بہاؤالدین قادری المعروف بہاول شیر قلندا اعظم قادری ابن سید میر تاج الدین محمود شرح شہید قادری ابن سید علاؤالدین المعروف زین العابدین قادری ابن سید حیدر مسیح الدین قادری ابن سید صدر الدین احمد قادری ابن سید ظہیر الدین احمد قادری ابن سید شمس الدین العارف قادری ابن سید عبداللہ المومن کا قادری ابن سید محمد ضوري المشتاق قادری ابن سید جمال الدین علی قادری ابن سید عماد الدین ابو صالح عبداللہ نصر قادری ابن سید تاج الدین ابو بکر عبدالرزاق کا قادری ابن حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔[3]

آپ کی نسل آپ کے دو صاحبزادوں کے ذریعے آگے چلی:

1. حضرت سید اسماعیل قادری — بیڑ میں مدفون

---

[1] ریاض الابرار، محمد ابراہیم، ص10

[2] تاریخ بیڑ ص128

[3] تذکرۃ قلندریہ، وقاص قلندر ص144، ریاض الابرار، ص56، تذکرہ مقیمی، سید شاہ محمد میاں بخش، ص34، کتاب درالعجائب، حضرت سید امداد علی شاہ صاحب ص:33

2. حضرت سید شاہ قاسم علی قادری —سائی گاؤں (امباجو گائی) میں مدفون

آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید اسماعیل قادری ہیں، جو اپنے والدِ گرامی کے قرب میں مدفون ہیں، جب کہ چھوٹے صاحبزادے حضرت سید شاہ قاسم علی قادری سائیگاؤں (آمبہ جوگائی) کی سرزمین میں آرام فرما ہیں۔

4-حضرت سید شاہ منور

حضرت سید شاہ منور کا تعلق برِصغیر کے علاقے پنجاب سے تھا۔ آپ کا زمانہ مبارک حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ زریں سے منسوب ہے۔ آپ خاندانِ قادریہ کے جلیل القدر بزرگ تھے اور اپنے والدِ ماجد حضرت سید نور قادری سے بیعت و خلافت حاصل فرمائی تھی۔ خلافت کا خلعتِ فاخرہ عطا ہونے کے بعد بھی آپ نے وقت کے اکابر صوفیائے کرام سے روحانی فیض و استفادہ جاری رکھا۔ آپ کو علمِ دست (عملِ تصرف) میں بھی مہارت حاصل تھی، اور اسی روحانی قوت کے باعث آپ کا در و آستانہ اہلِ حاجت کے لیے مرکزِ کرم بنا ہوا تھا۔

آپ کا باورچی خانہ شب و روز آباد رہتا تھا۔ سینکڑوں مسافر، فقرا، اور اہلِ بستی آپ کے دستر خوان سے فیضیاب ہوتے۔ خصوصاً ربیع الاول کے بارہ دنوں اور ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کے موقع پر آپ کے ہاں وسیع لنگر کا اہتمام ہوتا، انواع و اقسام کے پکوان سے دستر خوان بھرا رہتا، اور ہر آنے والا سیر و سیراب ہوتا۔ آپ نے 7 جمادی الثانی 1139 ہجری کو وصال فرمایا۔ آپ کا روضۂ مبارک آج بھی اہلِ دل کے لیے مرجعِ انوار و تجلیات ہے۔

5-حضرت مکرم علی شاہ

حضرت مکرم علی شاہ ایک عارفِ کامل، ذاکر و درویش بزرگ تھے۔ آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت و خلافت حاصل تھی۔ آپ کی روحانی عظمت و فیوض کے سبب بادشاہِ وقت ابوالمظفر جلال الدین شاہ عالم ثانی نے آپ کی خدمت و نسبتِ ولایت کے اعتراف میں روزانہ وظیفہ کے ساتھ سو بیگہ زمین عطا فرمائی۔ اس زمین میں سے نوّے (90) بیگہ پار گاؤں میں، اور دس (10) بیگہ آپ کے مرقدِ مطہر کے اطراف میں مرحمت کی گئی۔

ان دس بیگہ زمین میں ایک نہایت حسین و شاداب انارستان (انار کا باغ) موجود تھا، جس کی مثال اُس زمانے میں کہیں اور نہ ملتی تھی۔ اس باغ کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کا روضۂ مبارک قصبہ بیڑ کے مشرقی حصہ میں واقع ہے، جو جمعہ پیٹھ کے قریب تکیہ مکرم علی شاہ کے نام سے مشہور و معروف زیارت گاہ ہے، جہاں عقیدت مند آج بھی فیض و برکت حاصل کرتے ہیں۔

6-حضرت سید قادری باشاہ

حضرت سید قادری باشاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ برگزیدہ اولیائے کرام میں سے ایک بلند پایہ بزرگ اور سلسلۂ قادریہ کے جلیل القدر مشائخ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کا وجودِ مسعود اہلِ ایمان کے لیے باعثِ رحمت، منبعِ فیض و برکت اور منارۂ نور تھا۔ آپ کی ولادتِ با سعادت کے وقت ہی سے آپ کے اندر نورانیت کے آثار نمایاں تھے۔ چہرۂ انور سے معرفتِ الٰہی کی جھلکیاں عیاں تھیں اور دل میں

عشقِ الٰہی کی چنگاری روشن تھی۔ بچپن ہی سے عبادت و ریاضت میں غیر معمولی ذوق و شوق رکھتے تھے۔ راتوں کو قیام و سجدوں میں گزارتے، ذکرِ حق میں مشغول رہتے اور دن کے اوقات میں درس و نصیحت، ارشاد و رہنمائی اور خدمتِ خلق میں مصروف رہتے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ عوام و خواص کے ساتھ مسجد میں بیٹھ کر ان کے مسائل سنتے، ان کی حاجات پوری کرتے، اور جو کچھ مریدین بطورِ نذرانہ پیش کرتے، وہ بلا تفریق غربا و مساکین میں تقسیم فرما دیتے۔ جب آپ کو کامل پیر و مرشد کی تلاش ہوئی تو کسی نے حضرت سید عبدالرزاق قادری کا ذکر کیا۔ آپ فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عبدالرزاق قادری نے فرمایا:

"میں اس لائق نہیں کہ تمہیں تعلیم دوں، بہتر ہو گا کہ بیجاپور جاکر حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز یا حضرت امین الدین علی کی اولاد میں سے کسی سے فیض حاصل کرو۔"

حضرت سید قادری باشاہ نے عرض کیا: "مجھے کسی اور کے در کی طلب نہیں، میں تو آپ ہی کی غلامی کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

جب حضرت عبدالرزاق قادری نے آپ کا اخلاص اور صدقِ نیت دیکھا تو ارشاد فرمایا: "تمہاری خوراک کتنی ہے؟"

آپ نے عرض کیا: ایک جو کا کلچہ کافی ہے۔

فرمایا: بس ایک خشک کلچہ روزانہ تمہارا مقرر کیا جاتا ہے۔

آپ دن رات عبادت و مجاہدہ میں مصروف رہتے۔ اس کلچہ کا نصف خود تناول فرماتے اور نصف فقراء میں تقسیم کر دیتے۔ جب حضرت عبدالرزاق قادری کو معلوم ہوا کہ آپ نصف کھاتے اور نصف بانٹ دیتے ہیں تو فرمایا: "اب تمہیں آدھا کلچہ دیا جائے گا۔"

آپ نے اس آدھے کلچہ کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا—ایک حصہ خود کھاتے اور دوسرا فقرا کو عنایت فرماتے۔ یہ سلسلہ بارہ برس تک جاری رہا۔ اس مدت میں آپ نے مجاہدہ و ریاضت کے بے شمار مراتب طے کیے۔ اس کے بعد حضرت عبدالرزاق قادری نے دو برس تک آپ پر خاص تربیت اور باطنی اسرار و رموز کی تعلیم فرمائی۔ یوں آپ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل اور اسرارِ ولایت سے سرفراز ہوئے۔ آخر آپ درجہ کمال کو پہنچے۔ آصف جاہ کے آخر زمانہ تک حیات رہے۔ آپ کی وفات ماہ ربیع الثانی 1159 ہجری میں ہوئی۔[1]

7- حضرت سید بہاء الدین قادری

حضرت سید شاہ بہاء الدین قادری چکلہ اس امریڑ تعلقہ گیورائی ضلع بیڑ کے رہنے والے تھے آپ کا شجرہ نسب سید نور محمد بغدادی سے ہوتا ہوا غوث الاعظم تک پہنچتا ہے۔ آپ اپنے بھائی سید شاہ حسین قادری کے مرید و خلیفہ تھے آپ چکلہ آمبہ سے شہر بیڑ 1218 ہجری کو تشریف لائے اور تمام عمر خدمت دین میں گزار دی۔ 25 جمادی الثانی 1247 ہجری کو اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔

---

[1] اولیائے دکن مصنف محمد عبدالجبار خان صاحب ص:716

آپ کا روضہ بیڑ کے علاقہ بہالد ارپورہ میں زیارتِ خلائق ہے۔[1]

8-حضرت سید شاہ خیر الدین قادری

حضرت سید شاہ خیر الدین قادری ایک جلیل القدر بزرگ، عارف باللہ، متقی و پرہیز گار، صابر و شاکر اور صاحب اخلاقِ حمیدہ تھے۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت سید حفیظ الدین قادری اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ چکلہ آمبہ سے سنہ 1218ھ میں شہر بیڑ تشریف لائے۔

حضرت سید شاہ خیر الدین قادری کی ولادت 21 ربیع الثانی 1202ھ میں ہوئی۔ آپ کی طبیعت نہایت متین، مزاج حلیم اور سیرت نہایت پاکیزہ تھی۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، صبر و رضا اور اخلاص وللّٰہیت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپ کی صحبت میں آنے والے لوگ اللہ کی طرف رجوع کرتے اور روحانی سکون پاتے۔ بے شمار بندگانِ خدا نے آپ کے دستِ حق پر بیعت کی اور راہِ طریقت و معرفت اختیار کی۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور خصالِ حمیدہ نے آپ کو عوام و خواص میں مقبول بنا دیا تھا۔

آپ کا وصال 14 شوال 1300ھ، بروز جمعہ ہوا۔ آپ کا روضۂ مبارک جونا بازار بیڑ، میں واقع ہے جو آج بھی زیارت گاہِ خلائق ہے، جہاں اہلِ ایمان عقیدت و احترام سے حاضری دیتے ہیں۔

سلسلہ چشتیہ کے شیوخ و اولیا

1-حضرت خواجہ ابو الفیض المعروف شہنشاہ ولی شاہ کو چک

حضرت خواجہ ابو الفیض المعروف شاہ کو چک پنجاب کی مقدس سرزمین سے دکن میں رونق افروز ہوئے۔ آپ کی بیعت وارشاد کے حوالے سے مختلف روایات منقول ہیں جن میں سے تین روایتیں خصوصیت سے معروف ہیں:

(روایتِ اوّل): کتاب حقائق الاولیاء اور ملفوظ قاضی مہذب الدین میں مرقوم ہے کہ حضرت شاہ کو چک، حضرت قاضی الاولیا قاضی مہذب الدین کے مرید خاص تھے۔ آپ نے ایک طویل مدت تک قاضی صاحب کی خدمت میں رہ کر مجاہدات و ریاضتیں کیں۔ جب باطنی کمالات و نعمتِ ولایت سے مشرف ہوئے تو اپنے مرشد کے حکم کے مطابق شہر بیڑ تشریف لائے اور یہیں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے۔

(روایتِ دوم): حضرت برہان الدین اولیا کے شجرۂ طیبہ اور خواجہ زین الدین کے ملفوظات میں یہ بیان ملتا ہے کہ حضرت شاہ کو چک، حضرت سید زین الدین بن خواجہ حسین بن سید محمود شیرازی کے مرید تھے، اور اسی نسبت سے سلوک و طریقت کے منازل طے کیے۔

(روایتِ سوم): خواجہ موسیٰ اورنگ آبادی نے اپنی تصنیف سیرتِ محمدی میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت شاہ کو چک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شیخ برہان الدین بن محمد بن ناصر الہانسوی ثم الدولت آبادی کے مرید تھے۔ اور یہ بھی مذکور ہے کہ شیخ برہان الدین

---

[1] تاریخ بیڑ ص 135

رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے سلسلۂ طریقت سے وابستہ تھے۔
یوں مختلف روایات میں اگرچہ آپ کی نسبتِ بیعت کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے، مگر تمام روایتیں اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت خواجہ ابوالفیض المعروف شاہ کوچک اہلِ طریقت و حقیقت کے بلند پایہ بزرگ اور صاحبِ حال و کمال اولیائے کرام میں سے تھے، جنہوں نے دکن کی سرزمین پر فیضانِ روحانیت عام فرمایا۔
بیڑ کے مشرقی گھاٹیوں میں آپ نے ایک مختصر مگر پرنور حجرہ تعمیر فرمایا، جہاں تقریباً پینسٹھ برس تک حالتِ مراقبہ میں مشغول رہے۔ اگرچہ آپ خلوت نشینی کے عادی تھے، مگر آپ کے فیض و کرامت کے چرچے دور دور تک پھیل گئے تھے، اس لیے ہر وقت عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا تھا۔
حضرت شاہ کوچک نے 3 ربیع الاول 1220ھ (1805ء) میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک بیڑ کی مشرقی شاہراہ پر واقع ہے، جو آج بھی اہلِ عقیدت و محبت کے لیے مرجعِ خلائق ہے۔[1]

2- حضرت سید سلیمان

حضرت میر سلمان ایک عظیم المرتبت، صاحبِ کمال اور بلند پایہ بزرگ گزرے ہیں۔ آپ نے سلوک و طریقت کے ابتدائی مراحل کو کمال کی انتہا تک پہنچایا۔ حضرت بندہ نواز حسینی قدس سرہ العزیز سے آپ کا روحانی تعلق نہایت گہرا اور مضبوط تھا۔ آپ کا وصال 3 ذی الحجہ 816 ہجری میں ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک شہر بیڑ کے کاغذی دروازے کے مقابل واقع ہے، جو آج بھی زائرین و عقیدت مندوں کی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کی زوجہ محترمہ آپ کے مشرقی جانب مدفون ہیں، جبکہ آپ کے صاحبزادے سید محمد اپنے والدہ ماجدہ کے قدموں میں آرام فرما ہیں۔ امیر نواز جنگ بہادر نے آپ کے مزارِ اقدس پر نہایت خوبصورت گنبد و عمارت تعمیر کروائی، جو آپ کی عظمت و مقام کی ایک تابندہ نشانی ہے۔

3- حضرت سید شاہ بالا شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ بالا پیر برِّصغیر ہند کے نیک طینت، پرہیزگار اور باکمال بزرگ گزرے ہیں۔ آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے ارادت مند و مرید تھے۔ آپ کا مسکن شہر بیڑ سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر واقع تلے گاؤں تھا۔ آپ نہایت سادہ مزاج اور محنت کش بزرگ تھے، مزدوری کے ذریعے اپنی والدہ ماجدہ اور بھائی کی کفالت فرماتے، مگر دن بھر کی مشقت کے باوجود راتیں عبادت و ریاضت میں بسر کرتے تھے۔ آپ کی وفات بروز 16 رجب المرجب سنِ 817 ہجری میں واقع ہوئی۔ آپ کو اسی مقام پر سپردِ خاک کیا گیا، جہاں آپ کی روحِ مقدسہ نے بدنِ خاکی سے جدا ہو کر عالمِ بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ بعد کے زمانے میں آپ کی قبرِ مبارک کے پہلو

---

[1] حقائق الاولیاء ملفوظات قاضی مہذب الدین مؤلف انعامدار قطب الدین ص:25، سیرت محمد خواجہ موسیٰ اورنگ آبادی ص:82

میں موجود ایک قدیم و عظیم نیم کا درخت بڑھ کر بہت بڑا ہو گیا، جس کا تنا تقریباً بیس ہاتھ چوڑا تھا۔ اسی درخت کے پھیلاؤ کی وجہ سے مزارِ اقدس میں شق پیدا ہو گئی۔ چنانچہ سنہ 1309ھ میں جناب مولوی محمد قطب الدین صاحب قصبہ بیڑ نے از سرِ نو آپ کی قبرِ مبارک کی تعمیر و تزئین فرمائی اور سنگین چبوترہ تیار کروایا۔

4-حضرت خواجہ شمس الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ شمس الدین شہید قدس سرہ العزیز اُن برگزیدہ اولیائے کرام میں سے تھے جنہوں نے دنیاوی بادشاہت اور ظاہری جاہ و جلال کو الہامِ غیبی کے اشارے پر ترک کر دیا، اور باطنی و روحانی سلطنت کے وارث بن گئے۔ آپ کو اپنے اسلاف و بزرگانِ طریقت سے فیضانِ روحانی حاصل تھا۔ اسی باطنی رہنمائی کے تحت آپ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ قصبہ بیڑ تشریف لائے۔

حضرت نہایت شجاع، بلند ہمت اور صاحبِ عزیمت بزرگ تھے۔ آپ کا شمار دلیر اور فنِ حرب و ضرب کے ماہر مجاہدین میں ہوتا تھا۔ میدانِ کارزار میں آپ شیر و پلنگ کی مانند بے خوف و خطر دشمن پر ٹوٹ پڑتے۔ ایک معرکے میں آپ نے اپنی آب دار اور خون ریز شمشیر سے دشمن کے کئی سر قلم کیے اور حق و باطل کے اس معرکے میں خود بھی نہایت جانبازی کے ساتھ لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ آپ کی شہادت 14 رجب 848ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزارِ پُر انوار قصبہ بیڑ میں فصیلِ جنوبی کے قریب برج کے پہلو میں واقع ہے، جو آج بھی مرجعِ خلائق ہے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے اہلِ خانہ قصبہ آشٹی کی طرف منتقل ہو گئے۔

5-حضرت محمد سالار

حضرت محمد سالار قدس سرہ العزیز کا تعلق قلعہ پڑینڈہ کے ایک معزز و دینی گھرانے سے تھا۔ آپ حضرت شاہ نظام الدین ثانی اورنگ آبادی کے مرید و خلیفہ تھے۔ خلافت و اجازت حاصل ہونے کے بعد آپ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ قصبہ بیڑ میں تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار فرمائی۔ آپ کی زندگی عبادت و ریاضت، ذکر و اذکار اور تلاوتِ قرآن سے معمور تھی۔ آپ ہمیشہ قرآن کریم کی تلاوت، ذکرِ الٰہی اور صوم و صلوٰۃ میں مصروف رہتے۔ آپ کا معمول تھا کہ حلال روزی کماتے اور اپنے دستِ مبارک سے کسبِ معاش فرماتے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو نماز کی پابندی کی تلقین کرتے اور ان میں دینی شوق و جذبہ بیدار فرماتے۔ جو شخص باقاعدگی سے نماز ادا کرتا، آپ اس سے بے حد محبت فرماتے اور ارشاد کرتے کہ "دینی مراتب کسی خاص کے لیے نہیں، جو کوشش کرے وہ پاتا ہے" "من جدّ وجدَ" آپ کا وصال ماہِ ربیع الاول 8 تاریخ 1165ھ کو ہوا۔ آپ کا مزارِ اقدس قصبہ بیڑ ہی میں، کاغذی دروازے کے قریب، شارعِ عام کے شمالی جانب قلعہ کے برج کے نیچے واقع ہے، جو آج بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

6-حضرت سید محمد خطیب قدس سرہ العزیز

حضرت سید محمد خطیب قدس سرہ العزیز، عید گاہ و جامع مسجد بیڑ کے خطیب اور حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہ العزیز

کے نہایت جلیل القدر مرید و خلیفہ تھے۔ آپ نے اپنے علم، تقویٰ، عبادت اور زہد وورع سے ایک روشن روحانی ورثہ چھوڑا۔
آپ سید بہاء الدین صاحب مرحوم کے فرزندِ ارجمند تھے اور سلسلۂ طریقت میں حضرت شاہ نظام الدین ثانی اورنگ آبادی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ شریعتِ مطہرہ کے نہایت پابند اور باعمل بزرگ تھے۔ اگرچہ آپ کو سماع (قوالی) سے انس تھا، مگر آپ ہمیشہ حدیثِ نبوی ﷺ "السماع مباح لأهله" کے مطابق، ذکر و سماع کو صرف اہلِ دل کے لیے مباح سمجھتے تھے۔
آپ اکثر چلّہ کشی فرمایا کرتے اور خلوت و عبادت میں مشغول رہتے۔ دنیوی آرائش وزیبائش سے آپ کو کوئی رغبت نہ تھی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے: "انسان عبادت کے لیے پیدا ہوا ہے، نفسانی لذتوں کے لیے نہیں۔ غذا اتنی ہی ہونی چاہیے جو بدن کو عبادت کی طاقت دے، نہ کہ اتنی جو بہائم کی خصلت پیدا کرے۔"
آپ کے اقوال اور طرزِ حیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی توجہ ہمیشہ ذکرِ الٰہی، خدمتِ خلق اور تزکیۂ نفس کی طرف مرکوز تھی۔ ایک روز آپ فرح بخش باغ میں تشریف فرما تھے، جہاں قوالانِ ذاکرین کا ایک حلقہ حاضر تھا۔ آپ نے اپنے قوال سے فرمایا: "اب وقتِ مہار کا ہے، کچھ سناؤ۔" قوال نے تعمیلِ حکم میں رباب کے تاروں کو "مہار" کے پردوں پر کس کر راگ چھیڑا۔ یہ سخت گرمی کا موسم اور زوال کا وقت تھا، مگر جیسے ہی نغمہ بلند ہوا، آسمان پر بادل چھا گئے اور اتنی زبردست بارش ہوئی کہ اہلِ مجلس کے لیے اٹھنا دشوار ہو گیا۔ یہ منظر اس بات کا گواہ تھا کہ آپ کے ذکر و سماع میں روحانی تاثیر اور الٰہی فیضان شامل تھا۔ آپ کا وصال شعبان 1178ھ کو ہوا۔ عمرِ مبارک تقریباً اسی (80) سال تھی۔ آپ کا مزارِ اقدس قصبہ بیر میں چوکِ قدیم، شارعِ عام کے شمالی جانب واقع ہے، جو آج بھی اہلِ عقیدت کے لیے مرجعِ خلائق ہے۔

7- حضرت شاہ فتح رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ فتح قدس سرہ العزیز، عہدِ معمور خان جاگیر دار قصبہ بیڑ کے دور کے مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کا شمار اہلِ معرفت اور صاحبانِ باطن میں ہوتا ہے۔ بظاہر اگرچہ آپ ناخواندہ محسوس ہوتے تھے، مگر حقائقِ تصوف اور اسرارِ طریقت سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کا ایک شخص گوبند گوسائیں سے مسئلہ وحدت الوجود پر نہایت اہم مناظرہ ہوا۔ یہ ایک نازک علمی موضوع تھا، جس میں آپ نے اپنے موقف کو نہایت مدلل اور مضبوط دلائل کے ساتھ واضح فرمایا۔ آپ کے علمی استدلال اور روحانی بصیرت کے سامنے مخالف کی ایک نہ چلی، حتیٰ کہ وہ آپ کے دلائل کی تاب نہ لا سکا اور عاجز آکر وہاں سے فرار اختیار کر گیا۔ بعد ازاں آپ نے ایک مقام پر، جہاں آپ اکثر قیام فرمایا کرتے تھے، اپنا دائمی مصلّٰی مقرر کیا، اور وصال کے بعد وہیں سپردِ خاک ہوئے۔ آپ کے جوارِ رحمت میں سید شکری، اُن کے فرزند سید احمد، اور اُن کے فرزند سید معاذ مدفون ہیں۔ یہ تمام بزرگ حضرات طریقتِ چشتیہ کے پیروکار تھے۔ حضرت شاہ فتح کا مبارک مزار سید رضی الدین کے مزارِ اقدس کے قریب بندوسرا کے کنارے واقع ہے، جو عام طور پر تکیہ تاڑ کے نام سے مشہور ہے۔ کچھ عرصہ قبل یہاں کی مسجد اور بنگلہ نہایت خوبصورت و آراستہ تھے، اور اہلِ ذوق اس مقام کی

روحانی فضا اور قدرتی لطافت سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ تاہم افسوس کہ آج یہ تکیہ ویران حالت میں ہے، اور ندی کے کنارے کی قدیم عمارات وقت کے ہاتھوں منہدم ہو چکی ہیں۔

8- حضرت شاہ قائم وشاہ دائم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہما

یہ دونوں بزرگوار سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ آپ حضرات نے اکابرِ چشتیہ کی بابرکت صحبتوں سے فیوض و برکات حاصل کیے اور شریعت و طریقت کے اسرار و رموز میں کمال درجے کی بصیرت رکھتے تھے۔ مجاہدہ و ریاضت میں عمرِ عزیز بسر فرمائی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کبھی کسی ملامت کی پروانہ کی —خویش و بیگانہ کے ساتھ یکساں حق گوئی و اصلاح کا معاملہ رکھتے تھے۔ آپ دونوں کے مزارِ مبارک قصبہ کرارپور میں واقع ہیں۔

9- حضرت حاجی سید شاہ غلام حسین قدس سرہ العزیز

حضرت سید شاہ غلام حسین قدس سرہ العزیز کا سلسلہ نسب حضرت امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے کہ۔ صوبۂ خجستہ بنیاد اورنگ آباد کے باشندہ تھے اور حجِ بیت اللہ و زیارتِ حرمینِ شریفین کی سعادت حاصل کی تھی۔ آپ نے اپنے والدِ ماجد حضرت سید شاہ کمال اللہ قدس سرہ العزیز کے دستِ مبارک پر بیعت کی، اور اسی نسبت سے خاندانِ چشت میں گہرا رجحان پیدا کیا۔ آپ نہایت صاحبِ عمل، متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ قصبہ بیڑ میں آپ کی خدمات نمایاں رہیں، جہاں نواب بشیر نواز جنگ (باذر صوبۂ اورنگ آباد) کی پاگاہ کے صدر کی حیثیت سے فریضہ انجام دیتے رہے۔

وصال سے ایک دن قبل آپ نے اپنی قبر کی جگہ خود منتخب فرمائی۔ دوسرے روز، 24 شعبان سنہ 1308ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک حضرت شاہ کو چک ولی کے جوارِ رحمت میں واقع ہے جو آج زیارتگاہِ خاص و عام ہے۔

10- حضرت حاجی سید شاہ غلام حسین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید شاہ غلام حسین قدس سرہ العزیز کا سلسلہ نسب حضرت امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے کہ۔ صوبۂ خجستہ بنیاد اورنگ آباد کے باشندہ تھے اور حجِ بیت اللہ و زیارتِ حرمینِ شریفین کی سعادت حاصل کی تھی۔ آپ نے اپنے والدِ ماجد حضرت سید شاہ کمال اللہ قدس سرہ العزیز کے دستِ مبارک پر بیعت کی، اور اسی نسبت سے خاندانِ چشت میں گہرا رجحان پیدا کیا۔ آپ نہایت صاحبِ عمل، متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ قصبہ بیڑ میں آپ کی خدمات نمایاں رہیں، جہاں نواب بشیر نواز جنگ (باذر صوبۂ اورنگ آباد) کی پائے گاہ کے صدر کی حیثیت سے فریضہ انجام دیتے رہے۔ وصال سے ایک دن قبل آپ نے اپنی قبر کی جگہ خود منتخب فرمائی۔ دوسرے روز، 24 شعبان سنہ 1308ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک حضرت شاہ کو چک ولی کے جوارِ رحمت میں واقع ہے —جو آج بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

* * * * *

صوفیائے ٹیکمال کی علمی، سماجی وفلاحی خدمات

حافظ ابوالحسن سید شاہ اکبر علی صوفی محمد پاشاہ قادری*

موجودہ ریاست تلنگانہ کے ضلع میدک کا ایک چھوٹا سا قصبہ "ٹیکمال" کے اولیائے کرام اور وہاں موجود خانقاہی نظام کے باعث علمی وادبی اور سماجی خدمات پچھلے دو سو(200) سال سے راعی ورعایا عوام وخواص کے پاس معروف ومقبول اور مشہور ہے اسی ٹیکمال کی خانقاہ اور وہاں کے بزرگوں کی خدمات پر مشتمل مقالہ پیش خدمت ہے۔

سرزمین ٹیکمال میں مدفون معروف شخصیات میں سے ایک حضرت پیر شاہد اللہ فاروقی قادری چشتی المعروف بہ شاہد الاولیاء ہیں اور دوسرے آپ کے مرید وخلیفہ اعظم اور آپ کی درگاہ شریف کے سجادہ نشین اول حضرت سید صاحب حسینی قادری المعروف بہ صاحب الاولیاء ہیں۔ اول الذکر حضرت پیر شاہد اللہ قادری کا تعلق کرنول سے تھا ، وہاں سے وہ حیدرآباد منتقل ہوئے اور پھر ٹیکمال میں متوطن اپنے محبوب خلیفہ حضرت سید صاحب حسینی قادری کی خواہش پر ٹیکمال کو اپنی آخری آرام گاہ کے لیے پسند فرمایا جہاں پہلے ہی سے حضرت صاحب الاولیاء کے آباء واجداد (از اولاد حضور غوث اعظم محبوب سبحانی) آرام فرما ہیں۔

مقالہ ہذا کی ابتداء میں ان دونوں عظیم شخصیات کے حالات زندگی کو بالاختصار پیش کیا گیا ہے بعد ازاں ٹیکمال سے تعلق رکھنے والے اولاد حضرت صاحب حسینی کی علمی وسماجی خدمات پر بھی مواد دیکھا جاسکتا ہے۔

اولیائے ٹیکمال کی علمی سماجی وفلاحی خدمات:

شمالی ہند میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد انگریزوں کے تسلط کے باعث دلی کا اجڑنا سب کو معلوم ہے 1857ء میں ہوئے واقعہ غدر اور اس سے پیدا شدہ صورت حال نے شمالی ہند کے علاقوں میں اسلامی تہذیب وثقافت کو شدید طور پر نقصان پہنچایا لیکن جنوبی ہند کے علاقوں میں اس وقت موجود ریاست حیدرآباد دکن (نظام اسٹیٹ) کے نام سے 1724ء میں قائم شدہ آصفجاہی حکومت نے اپنے اختتام یعنی 1948ء تک تہذیب وثقافت اسلامی کو نقصان سے بچانے میں اہم رول ادا کیا۔ 1947ء میں ہندوستان انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہوا اور 1948ء میں پولیس ایکشن کے بعد حکومت آصفجاہی اختتام پذیر ہوئی اور آزاد ہندوستان کا اس علاقے پر قانون نافذ ہوا۔ نظام اسٹیٹ سے موسوم آصفجاہی حکومت میں حیدرآباد دکن کے ضلع میدک کا ایک چھوٹا سا قصبہ "ٹیکمال" ہے۔ اس میں واقع مزارات اولیائے کرام اور وہاں موجود خانقاہی نظام کے باعث علمی وادبی اور سماجی خدمات اور علمی وروحانی فیض رسانی معروف ہے۔

سرزمین ٹیکمال پر آرام فرما بزرگان دین میں سب سے زیادہ مشہور ومعروف دو بزرگوں میں سے ایک حضرت پیر شاہد اللہ فاروقی قادری چشتی المعروف بہ شاہد الاولیاء ہیں اور دوسرے آپ کے مرید وخلیفۂ اعظم اور آپ کی درگاہ شریف کے سجادہ نشین اول

* (کامل جامعہ نظامیہ)، ناظم سید الصوفیہ اکیڈمی

حضرت سید صاحب حسینی قادری المعروف بہ صاحب الاولیاء ہیں۔ اول الذکر حضرت پیر شاہد اللہ قادری کا تعلق کرنول سے تھا وہاں سے وہ حیدرآباد منتقل ہوئے اور پھر ٹیکمال کے متوطن اپنے محبوب خلیفہ حضرت سید صاحب حسینی قادری کی خواہش پر ٹیکمال کو اپنی آخری آرام گاہ کے لیے پسند فرمایا جہاں پہلے ہی سے حضرت صاحب الاولیاء کے آباءواجداد (از اولاد حضور غوث اعظم محبوب سبحانی) آرام فرما ہیں لیکن چونکہ حضرت صاحب حسینی کو اپنے والد سے اکتساب فیض کرنے کا موقع نہ مل پایا تو حضور غوث پاک کی طرف پیر کامل کی تلاش کے سلسلہ میں رجوع ہوئے جس پر حضرت شاہ محمد معروف شاہد اللہ قادری سے وابستہ ہونے کا حکم ملا جو اس وقت حیدرآباد دکن کے محلہ قاضی پورہ میں خواجہ خلیل کے مقبرہ کے قریب سکونت پذیر تھے۔ بعد ملاقات حضرت شاہد الاولیاء نے سلوک کی تکمیل کرواکر حضرت سید صاحب حسینی کو خلافت عطا فرمائی اور اس خلیفہ اعظم کی درخواست پر ٹیکمال میں آپ کا مرقد انور بنایا گیا۔ حضرت سید صاحب حسینی سادات واولاد حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی پیران پیر سے ہیں جبکہ آپ کے پیرومرشد حضرت شاہد الاولیاء شاہ محمد معروف شاہداللہ قادری چشتی فاروقی النسب ہیں حضرت بابافرید الدین گنج شکر سے ہوتا ہوا خلیفہ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم سے سلسلہ نسب جاملتا ہے۔

سب سے پہلے ان دونوں عظیم شخصیات کے حالات زندگی کو بالاختصار پیش کیا جاتا ہے ساتھ ساتھ خدمات علمی وسماجی پر بھی مواد سطور آئندہ میں پیش کیا جائے گا نیز اولاد حضرت سید صاحب حسینی میں پچھلے دو سو سال سے ہر دور میں علمی خدمات انجام دینے والے بزرگوں کی علمی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی جائے گی لیکن آغاز میں حضرت پیر شاہد اللہ فاروقی قادری چشتی کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

حضرت شاہ محمد معروف شاہد اللہ فاروقی قادری چشتی قدس سرہ:

آپ کا اسم مبارک حضرت شاہ محمد معروف شاہد اللہ فاروقی قادری چشتی قدس سرہ، الملقب بہ شاہد الاولیاء، معروف الاصفیاء۔ والد ماجد کا نام "حضرت محمد رضا فاروقی عرف رضا میاں" تھا اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی "خدیجہ بی بی" تھا۔ جد امجد پاک پٹن سے کرنول تشریف لائے۔ ایک شجرہ نسب جو حضرت شاہد اللہ قادری سے لیکر حضرت آدم علیہ السلام تک 1248ھ کا مرقومہ ہے حضرت سجادہ نشین ٹیکمال کے پاس محفوظ ہے۔

پیرومرشد: آپ کے پیرومرشد سلطان المحققین حضرت سید مخدوم محی الدین قادری عرف سید امیاں صاحب ہیں جو حضور پیران پیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے خانوادہ کے چشم وچراغ ہیں۔ جن کے ایک نواسے حضرت سید محمد بادشاہ بخاری کرنولی (المتوفی:10/جمادی الاول1328ھ روز جمعہ) ہے حیدرآباد دکن کے مشہور بزرگ ہیں مزار شریف سعید آباد میں واقع ہے۔

بچپن اور جوانی: بچپن اور جوانی کا زمانہ شہر کرنول میں گذرا جس میں آپ نے اپنے پیرومرشد کی صحبت وتربیت سے خوب استفادہ کیا۔[1]

خلافت: سلوک کی تکمیل کے بعد بتاریخ 11/ربیع الثانی 1201ھ کو سلسلہ قادریہ میں اور 26/رمضان المبارک 1201ھ روز جمعہ

[1] سب رس شمارہ جولائی 2005ء۔ رسالہ صوفی اعظم شمارہ جون 2013ء

شب قدر کو سلسلہ چشتیہ میں بعمر 26 سال آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز کیا گیا۔[1]

کرنول سے بلدہ حیدرآباد آمد: خرقہ خلافت حاصل ہونے کے چند سال بعد اپنے پیر و مرشد حضرت پیر سید محی الدین سید امیاں قبلہ کے حکم پر آپ بلدہ حیدرآباد تشریف لائے۔[2]

دنیا سے بے رغبتی اور دین سے محبت: آپ کی مجلس میں کوئی آتا اور دنیا کی باتیں کرتا تو آپ فرماتے بابا! اس سے کیا حاصل ہے؟"مناسب ذکر ہے توذات کبریا کا ہے" اور اگر دین سے متعلق کوئی سوال کرتا تو خوش ہو جاتے۔[3]

زوجہ اور اولاد: تذکر الشاہد اور تذکرہ پیران قادریہ میں آپ کی زوجہ مقدسہ کا اسم گرامی "حضرت امام بی بی صاحبہ" مرقوم ہے جن کا وصال حضرت شاہد الاولیاء کی حین حیات ہی ہو گیا تھا۔ آپ کے تین فرزندان اور ایک دختر ہیں۔(1) حضرت غلام محی الدین عرف مودو میاں صاحب۔(2) حضرت شیخ فرید شکر گنج عرف دادا میاں (3) حضرت محمد رضا عرف رضا میاں صاحب دختر کا نام اگر بی بی صاحبہ (جو حضرت شاہد اللہ قادری کی حیات ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں)

مدفن کے لیے ٹیکمال کا انتخاب: تیسری مرتبہ جب آپ ٹیکمال تشریف لائے تھے تب آپ کے خلیفۂ خاص حضرت سید صاحب حسینی قادری نے التجا کی کہ آپ ٹیکمال کو ہی اپنا نہ صرف آئیندہ کے لیے مسکن بنائیں بلکہ مدفن کے لیے بھی جگہ کا یہیں انتخاب فرمائیں تو فرمانے لگے "میں تو ایک گنہگار بندہ ہوں نہیں معلوم اس جگہ کی زمین مجھے قبول بھی کرے گی یا نہیں"۔مزید اصرار پر فرمایا"آج رات اس جگہ پر آرام کرکے دیکھوں گا اور اگر زمین قبول کرلے تو بہتر ہے" چنانچہ آدھی رات تک وہاں آرام فرمانے کے بعد حسبِ عادت بیدار ہو کر فرمائے "تمہاری حسن نیت کی وجہ سے یہاں کی زمین نے ہمیں قبول کرلیا۔اب حیدرآباد جاتا ہوں اور پھر جب تمہیں (خط) لکھوں گا تو تم وہاں آکر مجھے اپنے ساتھ بلدہ سے یہاں لالینا"۔[4]

تاریخ و یوم وصال کی پیشین گوئی: اپنے خلیفہ خاص حضرت سید صاحب حسینی قادری کے نام جمادی الثانی 1249ھ م 1834ء کی آخری تاریخوں میں پیر و مرشد کا ایک عنایت نامہ وصول ہوا جس میں یہ حکم تھا کہ "ہمیں مرض موت لاحق ہوا ہے اب ہماری زندگی کے صرف ایک ماہ ایک دن باقی رہ گئے ہیں لہذا جلد آؤ اور ہم کو اپنے ساتھ ٹیکمال لے جاؤ۔ چنانچہ آپ بلدہ گئے اور ماہ رجب میں آپ پیر و مرشد کو ٹیکمال لے آئے"۔[5]

وقت آخر دعا ببارگاہ رب: یا الٰہی تو واقف احوال ہے تجھ سے میرا حال پوشیدہ نہیں۔اے میرے رب تیری بارگاہ میں التجا لایا ہوں کیوں

---

[1] خلافت نامہ جات قادریہ و چشتیہ معطیہ حضرت سید امیاں قبلہ۔تذکر الشاہد:33

[2] تذکر الشاہد:37

[3] تذکر الشاہد:39

[4] مقدس ٹیکمال:55۔تذکر الشاہد:97،98

[5] مقدس ٹیکمال:55،56۔ شجر غوثیہ:25۔تذکر الشاہد:99،100،101،102

کہ تو غفار ہے۔میرے گناہوں پر نظر مت فرما اپنے فضل سے مجھ کو نواز۔حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے طفیل میں یارب العالمین میرا خاتمہ خیر پر فرما۔تجھے واسطہ حضرت خیر النساء کا خاتمہ خیر پر فرما۔اوریا الٰہی بنی فاطمہ کا طفیل خاتمہ ایمان پر فرما۔بس یہی آپ دعا کرتے جاتے اور خوب روتے جاتے۔[1] بالآخر 2 شعبان 1249ھ م 1834ء جبکہ ماحول عود وعنبر کی خوشبو سے معطر ہو گیا تھا ذکر کرتے ہوئے وصال حق فرمایا۔

صاحب الاولیاء حضرت سید صاحب حسینی قادری:

اسم گرامی: ولادت کے وقت حضرت صاحب الاولیاء کا نام نامی اسم گرامی ولادت کے وقت "سید عبد الغفار قادری" رکھا گیا تھا مگر اپنی عرفیت سے جانے جاتے ہیں جس کے باعث آپ کے اصل نام کا استعمال رفتہ رفتہ متروک ہو گیا حالاں کہ آپ غوث اعظم پیران پیر کی اولاد امجاد میں سے ہونے کے باعث حسنی سادات ہیں لیکن آپ کا نام سید صاحب حسینی پاشاہ قادری عرف سید صاحب حسینی قادری اور تخلص حسینیؔ کے کثرت استعمال کے سبب یہی مشہور ہو گیا۔ آپ کے القاب میں صاحب الاولیاء، قطب ٹیکمال، قطب الحق، شیخ الشیوخ، سید السادات وغیرہ ہیں۔

ولادت: جوگی پیٹھ سے تقریباً 25 کیلو میٹر پر واقع قصبہ "ٹیکمال" میں بروز پنجشنبہ بتاریخ 13/ ذی الحجہ 1219ھ م مارچ 1805ء ولی کامل حضرت سید عبد الغفار حسنی حسینی قادری المعروف بہ حضرت سید صاحب حسینیؔ قادری کی ولادت باسعادت ہوئی۔

والد بزرگوار: آپ والد ماجد کا نام حضرت سید عبد الرزاق قادری عرف بادشاہ صاحب (المتوفی:1238ھ م 1823ء) تھا جو کہ ایک عارف بے مثال، ولی کامل اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔حضرت سید صاحب حسینی قادری اپنے والد ماجد کے وصال سے قبل والد ماجد سے ہی علمی استفادہ کیا کرتے اور آپ سے ہی اذکار واشغال کے سلسلہ میں رجوع ہوا کرتے۔[2]

اجداد گرامی: حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم کے خانوادہ مبارک میں پانچویں پشت کے صاحبزادے حضرت سید ابراہیم قادری کی اولاد تبلیغ اسلام کی خاطر چودھویں صدی عیسوی میں اس وقت ہندوستان میں تشریف لائی جب کہ یہاں فیروز شاہ تغلق کا دور حکومت تھا اور انھوں نے پہلے پنجاب اور پھر الہ آباد (جس کو موجودہ دور میں اترپردیش کے علاقہ پریاگراج سے جانا جارہا ہے) کو اپنا وطن بنایا اسی لیے وہ اپنے نام کے ساتھ الہ آبادی لکھنے لگے اسی خاندان کے ایک بزرگ حضرت سید عبد الواحد قادری ولد حضرت سید جمال اللہ قادری الہ آبادی نے اٹھارویں صدی کے شروع میں 1113ھ م 1702ء کے قرب دکن کا رخ کیا اور ریاست حیدرآباد کے ضلع میدک میں واقع جوگی پیٹھ کو خدمت دین کے مشن کا مرکز بنایا جو حیدرآباد سے تقریباً (88) کیلو میٹر پر واقع ہے۔آپ کے فرزند حضرت سید شکر اللہ قادری اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد جوگی پیٹھ سے قصبہ ٹیکمال کو منتقل ہو گئے۔آپ کا 1158ھ م 1745ء

---

[1] تذکرۃ الشاہد: 103، 104

[2] اسرار حسینی: 7

میں وصال ہوا۔ حضرت سید شکر اللہ قادری اور آپ کے صاحبزادے حضرت سید عبدالواحد قادری ثانی (وصال 1214ھ م 1800ء)اور ان کے فرزند حضرت عبدالرزاق قادری (وصال 1238ھ م 1823ء) کے مزارہائے مبارک مقدس ٹیکمال میں واقع ''تکیہ درگاہ شریف'' کے نام سے مشہور ہیں۔''([1])

حضرت صاحب الاولیاء کو بچپن سے ہی علوم دینی اور مذہبی سرگرمیوں سے خصوصی لگاؤ تھا۔1233ھ م 1818ء میں صرف چودہ (14)سال کی عمر میں تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں تن تنہا ٹیکمال سے حیدرآباد تشریف لے گئے تاکہ حیدرآباد میں موجود علمائے عصر سے فیضان حاصل کریں لیکن اپنے والد ماجد کے اچانک وصال کی وجہ سے علوم باطنی اور سلسلہ بیعت و خلافت سے محروم ہوگئے۔ چنانچہ آپ نے اشتیاق سلوک میں ایک پیر کامل کی تلاش شروع کردی۔ ایک رات حضرت قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی غوث پاک کی بارگاہ میں بچشم نم حسرت سے معروضہ کیا۔اسی روز خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک بے حد نورانی چہرہ والے بزرگ ''یاغوث'' کا نعرہ لگاتے ہوئے ظاہر ہوئے اور فرمانے لگے '' میرے مکان واقع محلہ '' قاضی پورہ''متصل مقبرہ خواجہ خلیل حیدرآباد آؤ تاکہ تمہاارے جد حضرت غوث پاک کے حکم کے مطابق میرے پاس جو تمہاری امانت ہے تمہارے حوالے کردوں''اور خواب میں ہی اپنا اسم گرامی ''شاہ معروف قادری'' بتادیے![2]

بیعت: بتاریخ 24/ محرم الحرام 1241ھ م 1826ء کو حضرت پیر سیدا میاں صاحب قبلہ (حضرت شاہد اللہ قادری کے پیرومرشد)عرس کی تقریب میں حضرت بیعت سے مشرف فرمایا۔ ذکر کی تلقین اور مراقبہ و مجاہدہ کی تعلیم عطا فرمائی۔[3]

خرقہ خلافت بحکم محبوب سبحانی و محبوب الٰہی: اس کے چند ماہ بعد بتاریخ 25/ رمضان 1241ھ م 1826ء حضرت شاہد اللہ قادری خود اپنے ارادت مند حضرت سید صاحب حسینی قادری کی قیام گاہ پر علی الصبح اچانک تشریف لائے اور یہ خوشخبری حضرت صاحب حسینی کو سنانے لگے۔''لو اب تمہاری مراد برآگئی۔''تمہارے جد ''حضرت غوث پاک ''کا آج رات خواب میں دیدار نصیب ہوا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک وسیع مقام پر مسند آراستہ ہے جس پر حضور غوث اعظم جلوہ فرماہیں اور میں ہاتھ باندھے باادب کھڑا ہوں اور تم ہمارے پیچھے میری جانب دیکھ رہے ہو ارشاد غوث اعظم ہوا کہ صاحب حسینی خلافت کا مستحق ہے کیوں نہیں عطا کردیتے۔ میں نے عرض کیا آپ کے حکم عالی کا منتظر ہوں۔ حکم ہوا کہ آداب بجالاؤں جس کی تعمیل کی گئی۔ دوسری جانب میں نے نظر ڈالی تو ایک اور مسند پر حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رونق افراوز ہیں اور میری جانب محبت کی نظر سے ملاحظہ فرمارہے ہیں اور حکم دے رہے ہیں کہ ''خاندان چشتیہ کی خلافت صاحب حسینی کو دیدو''چنانچہحسب الحکم خلافت قادریہ و خلافت چشتیہ بتاریخ 27/ رمضان 1241ھ م 1826ء کو بلدہ حیدرآباد میں مشائخ و فقراء کی موجودگی میں حضرت سید صاحب حسینی قادری کو خلافت قادریہ و چشتیہ

---

[1] مقدس ٹیکمال: 23، 24۔ شجرہ غوثیہ وغیرہ کتب

[2] مقدس ٹیکمال: 37

[3] شجر غوثیہ: 22۔ مقدس ٹیکمال: 37۔38

دونوں سلسلوں میں خرقہ خلافت سے سرفراز کیا گیا جس کے بعد مزید کچھ دن پیرومرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد اجازت لے کر آپ اپنے وطن ٹیکمال واپس ہوئے۔[1]

علمی وسماجی خدمات:

مسجد وخانقاہ اور مدرسہ کی بنیاد: ٹیکمال تشریف لانے کے بعد آپ نے 1242ھ م 1827ء میں مسجد وخانقاہ اور مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔([2]) اور ان تینوں اسلامی مراکز کے نام "حسینیہ" پر رکھا۔یعنی مسجد حسینیہ، خانقاہ حسینیہ، مدرسہ حسینیہ۔

مدرسہ حسینیہ ٹیکمال: مدرسہ حسینیہ کی بنیاد 1242ھ م 1827ء میں ہوئی جس کا ذکر سطور بالا میں گذر چکا ہے۔یہ مدرسہ آپ کے اپنے ذاتی صرفہ کثیر سے ٹیکمال میں قیام پذیر ہوا جو آپ کا ایک عظیم کارنامہ تھا جہاں دینی ومذہبی تعلیم کے ایک معیاری نصاب کی تکمیل کے علاوہ عصری علوم جیسے ریاضی، ادبیات اور خصوصاً سرکاری زبان فارسی کی ٹھوس تعلیم کا بھی اہتمام کیا گیا تھا اور جہاں پر آشوب دور میں تک تمام طلباء کے قیام وطعام کا بھی معقول انتظام موجود تھا۔یہ مقامی مدرسہ ترقی کے زینے طے کرتے کرتے ریاست بھر میں اعلیٰ تعلیم کا ایک معیاری ادارہ بن گیا جہاں سے مسلمان ہی نہیں ہندو کائستھ، راجپوت اور برہمن وغیرہ سب اقوام فارغ التحصیل ہوتے تو حکومت کے محکموں اور سررشتہ جات میں اعلیٰ عہدوں پر ان کا انتخاب وتقرر کیا جاتا۔[3]

مدرسہ حسینیہ اور سالار جنگ کا خراج: مختار الملک نواب سالار جنگ مدار المہام اول مرحوم نے ایک بار جب ضلع بندی نظم ونسق کے لیے قابل لوگوں کے انتخاب کا حکم دیا تو ہر سررشتہ اور ہر صیغۂ ملازمت کے لیے ارباب حکومت نے مدرسۂ حسینیہ کے کئی ایک طلباء کا انتخاب کیا جس پر نواب صاحب نے خوشنودی اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت سید صاحب حسینی قادری کے نام اپنے ایک خط میں جو خراج تحسین پیش کیا تھا وہ عبارت خود فارسی ادب کے نمونے سے کم نہیں جو درج ذیل ہے۔

"دریں قحط الرجال، ایں قدر مردم باکمال، از یک قصبۂ ٹکمال بہم رسید موجب خوشنودی کمال است" یعنی "اس دور میں جبکہ لائق اور قابل لوگوں کی بڑی قلت ہے صرف ٹیکمال کے ایک موضع سے اس قدر قابل اور باکمال افراد فراہم کیے گئے ہیں تو یہ بڑی مسرت کا باعث ہے"۔اور اسی خط کے آخر میں درج شدہ عبارت کا اردو ترجمہ اس طرح ہے "حضرت قبلہ کا سایہ ملک اور حکومت کے لیے فخر اور احسان کا باعث ہے"۔[4]

کتب تصوف کا درس: جس مجلس میں تصوف کی کتابوں کا درس ہوتا تو اپنے پوترے حضرت حسینی بادشاہ قادری کو تصوف مثلاً مثنوی معنوی۔ حجلہ ابرار۔ ومخزنِ اسرار۔ گلشن راز۔ لوائح شریف۔ فتوح الغیب۔ فصوص۔ عوارف اور احیاء وغیرہ کی عبارت پڑھنے کی

---

[1] مقدس ٹیکمال:38۔ شجر غوثیہ:23

[2] مقدس ٹیکمال:147

[3] شاہد الوجود مع اردو ترجمہ:27، حیدرآباد، انڈیا۔

[4] مقدس ٹیکمال:119

عزت دی جاتی تھی۔دن میں مدرسہ کے درودیوار قرآن وحدیث کی صداؤں سے گونج اٹھتے اور رات کے وقت خانقاہ شریف اللہ ورسول کے ذکر سے منور ہو جاتی۔[1]

رفاہی خدمات: پنجوقتہ نماز باجماعت کے لیے ایک خوبصورت مسجد حسینیہ اور طالبان سلوک کی تربیت کے لیے خانقاہ تعمیر کی گئی۔مسجد کی باؤلی کے علاوہ ٹیکمال کے دیگر مقامات پر بھی آپ نے بلالحاظ مذہب وملت متعدد کنویں کھدوائے۔اپنے پیر ومرشد حضرت شاہد اللہ قادری قدس سرہ کے مزار اقدس پر خوشنما گنبد بھی آپ ہی نے بنوایا۔وسیع احاطہ درگاہ شریف ٹیکمال کی حفاظت کے لیے اطراف دیواریں تعمیر کی گئیں جن میں چار شاندار کمانیں بھی بنائی گئیں ان میں سے ایک بلند کمان ٹیکمال کے باالداخلہ پر تعمیر کرنے سے قصبہ کی شان دوبالا ہوگئی۔[2]حضرت سید صاحب حسینی قدس سرہ جہاں زہد وتقوی اور عبادت وریاضت میں یکتائے زمانہ تھے وہیں اپنے وطن ٹیکمال کے باشندوں کی بلا امتیاز فرقہ ومذہب ترقی کا دل میں سچا درد بھی رکھتے تھے چنانچہ قصبۂ ٹیکمال کی معاشی اور تعلیمی پستی کو دور کرنے اور اپنے ہم وطنوں کو خوش حال بنانے میں آپ کی شخصی دلچسپی اور خدمات ناقابل فراموش ہیں۔یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں آپ ایک عالم دین اور پیر طریقت کے علاوہ بے لوث مصلح قوم اور ملت کے سچے دردمند کی حیثیت سے بھییاد کیے جاتے ہیں۔جبھی تو وزیر اعلیٰ نواب سالار جنگ بہادر،نواب سلطان الدین،جمرۃ الملک اور عمدۃ الملک کے علاوہ لالہ بہادر راگھورام،دیسمکھ رام،شمبھو پرشاد اور وزیر اعظم چندولال تک آپ کے حلقہ عقیدت میں شامل تھے۔[3]

ازواج واولاد:حضرت سید صاحب حسینی کو دو محل سے جملہ چھ (6) صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہوئے۔

(*)فرزند وفات در شیر خوارگی،(1)۔حضرت سید احمد پاشاہ قادری فرزند اکبر وسجادہ نشین دوم بارگاہ ٹیکمال(المتوفی:4/ر جمادی الثانی1325ھ م1907ء)،(2)۔حضرت سید معروف پاشاہ قادری عرف مرشد پاشاہ فرزند دوم،(3)۔حضرت سید یٰسین پاشاہ قادری فرزند سوم (المتوفی:3/ر ربیع الاول 1333ھ م 1914ء) جو صوفیؔ باصفا حضرت صوفی اعظم المشائخ (مولف مقدس ٹیکمال)کے حقیقی نانا ہیں۔،(4)۔حضرت سید محی الدین پاشاہ قادری فرزند چہارم ،(5)۔حضرت سید قادر پاشاہ قادری فرزند پنجم (ناکتخدا اولاولد وفات)،(6)۔حضرت صاحبنی بی صاحبہ(زوجہ حضرت خواجہ محمد قیام الدین صدیقی بن حضرت غلام محمد صدیقی عرف مراد میاں)۔

وصال: بتاریخ26/ر محرم 1297ھ م 1880ء بروزجمعہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرکے واصل بحق ہوئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اس وقت آپ کی عمر شریف(78)سال تھی۔[4]

---

[1]شجر غوثیہ:47

[2]شاہد الوجود مع اردو ترجمہ:27،28،حیدرآباد،انڈیا۔

[3]شاہد الوجود مع اردو ترجمہ:27،26حیدرآباد،انڈیا۔

[4]مقدس ٹیکمال:50

تدفین: حضرت سید صاحب حسینی قادری کے جسم اطہر کو حضرت پیر شاہد اللہ قادری کے گنبد شریف کی مغرب میں قبلہ کی جانبو صال کے دوسرے دن یعنی ہفتہ کے روز صبح دس (10) بجے اسی مقام پر سپرد خاک کیا گیا جسے آپ نے پہلے ہی تیار فرمالیا تھا۔[1]

نواب سالار جنگ اول کی تعزیت: سر سالار جنگ مدار المہام نے حضرت سید صاحب حسینی قادری کے عرس شریف کے غلاف وغیرہ کا معمول سالانہ (425) چار سو پچیس روپیہ مقرر کیے اور آپ کے فرزند اکبر وسجادہ نشین حضرت سید احمد پاشاہ قادری کی خدمت میں ان الفاظ سے تعزیتی مراسلہ روانہ کیا۔

"شیخ نادرالوجودی از ملک دکن در گزشت" یعنی ملک دکن کے ایک ایسے پیر و مرشد گذر گئے جن کا وجود نادر تھا۔[2]

خانقاہ ٹیکمال کی علمی وادبی خدمات:

صاحب الاولیاء حضرت سید صاحب حسینی قادری نے علمی رفاہی فلاحی خدمات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کو بھی اختیار کیا۔ آپ کی تصنیفات میں آپ کے علم و فضل، تجربہ و تجزیہ اور شعور اصلاح و تعمیر قوم و ملت کا نور جھلکتا ہے۔ آپ نے اپنے قلم کی جولانیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جن علوم و فنون پر جواہر ریزے اور قلم پارے بکھیرے ان میں ادب، تصوف، سلوک، تاریخ، اخلاق، انسانیت اور مختلف علوم شامل ہیں جو قرآن و سنت اور اجماع امت کی آئینہ دار ہیں۔ آپ کی تصانیف میں ایک نثری اور دوسری منظوم شامل ہیں۔ تصانیف کے نام اور ان کا مختصر تعارف پیش نظر ہے۔

1) مثنوی "شاہد اذکار" جو آپ کے سوانح نگاروں کے مطابق شہباد کن سلطان القلم حضرت سید ناخواجہ بندہ نواز گلبرگہ شریف کی کتاب، خاتمہ کی منظوم شرح ہے۔ 2) "شاہد الوجود" جس کا دوسرا نام "حُجلۂ شاہدی" بھی ہے۔ "شاہد الوجود" حضرت صاحب حسینی قادری کی ایک معرکہ آراء اور عظیم فارسی تصنیف ہے۔ 1265 ہجری کی تصنیف جسے بارگاہِ نبوی ﷺ میں شرف قبولیت کی سند سے نوازا گیا۔ 3) "شواہد حسینی" جس میں اسلامی عقائد، مسائل صوفیہ طریقت کے خانوادوں کا ذکر اور عبادت و اذکار شامل ہیں۔ 4) "نکات شاہد" یہ کتاب در حقیقت ارشادات حضرت شاہد اللہ قادری کی شرح ہے اور اس میں مریدان باصفا کے سوالات و جوابات بھی موجود ہیں۔ 5) "فرہنگ حسینی" 1245 ہجری مطابق 1830 عیسوی حضرت سید صاحب حسینی قادر ینے اس تصنیف کی ترتیب کا آغاز فرمایا۔ یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں تھی۔ 1318 ہجری مطابق 1900 عیسوی حضرت سید حسینی پادشاہ قادر ینے اپنے والد گرامی قدر حضرت سید احمد پادشاہ قادری کی سرپرستی میں فرہنگ حسینی کو زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ فرہنگ حسینی میں فرہنگ کے بعد چند رقعات کلام اور مکتوبات کو بھی شامل کر دیا گیا تھا۔ جس میں ایک مکتوب شیخ الاسلام حضرت حافظ انوار اللہ فاروقی قادری چشتی کے رقعہ کے جواب میں صاحب الاولیاء قطب ٹیکمال حضرت سید صاحب حسینی قادری نے تحریر فرمایا تھا۔ فرہنگ حسینی سے متعلق ایک تفصیلی

---

[1] مقدس ٹیکمال: 51

[2] مقدس ٹیکمال: 52

مضمون ”انجمن ترقی اردو(ہند) علی گڑھ “کی جانب سے 1963ء کا مطبوعہ سہ ماہی رسالہ ”اردو ادب“شمارہ نمبر: 3 جس کے مدیر پروفیسر آل احمد سرورؔ ہیں جس میں جناب ایم۔اے۔حفیظ صاحب کا ”فرہنگ حسینی“ کے نام سے تحریر کردہ مضمون کل 38 صفحات(19 تا 56) پر شائع ہوا۔[1] 6) حضرت سید صاحب حسینی کی چھٹی تصنیف ”مکتوب حسینی“ ہے۔

حضرت سید احمد پاشاہ قادری:

”تزک محبوبیہ“ عہد آصف جاہی کی ایک انتہائی معتبر اور مستند تاریخی کتاب ہے جس کے مصنف غلام صمدانی خان گوہر ہیں۔ اس کتاب کی جلد دوم میں حضرت سید صاحب حسینی قادری کے فرزند اول حضرت سید احمد پاشاہ قادری کے حالات جامع و مانع انداز اور بڑی فصاحت و بلاغت سے تحریر کیے گئے جناب غلام صمدانی خان گوہر رقم طراز ہیں:

بلبل بوستان طریقت، قمری سروستان حقیقت، چہچہ زن گلشن توحید، کوکو گوچمن تفرید، حضرت سید احمد پاشاہ قادری دام فیضہٗیہ مقدس و معمر زاہد متقی صاحب جبروت بافیض و سخابزرگ جس کا نورانی چہرہ انوارات الٰہیہ سے منور و معمور نظر آتا ہے۔ بتاریخ 11/ماہ رمضان 1248ھ قصبہ ٹیکمال ضلع میدک میں پیدا ہوئے۔[2]

حضرت سید معروف بادشاہ قادری:

حضرت سید صاحب حسینی قادری کے دوسرے فرزند دلبند حضرت سید معروف حسینی مرشد پاشاہ قادری بھی صاحب تصنیف و تالیف بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی تصانیف آپ کے اعلیٰ فہم شعر و سخن، قادر الکلامی، سیرت نگاری کی آئینہ دار اور حسن تحریر کا قابل قدر، لائق مطالعہ اور دکن کی علمی و ادبی دنیا میں اضافہ ہیں۔ حضرت سید معروف حسینی مرشد پاشاہ قادری کی اب تک دستیاب تصانیف کے نام حسب ذیل ہیں:

(1) اسرار حسینی (2) کرامات حسینی (3) ملفوظات حسینی[3]

حضرت سید یٰسین بادشاہ قادری:

حضرت سید صاحب حسینی قادری کے تیسرے صاحبزادے عارف باللہ الحاج حضرت سید یٰسین بادشاہ قادری مدرسہِ حسینیہ کے فارغ التحصیل اور مدرسہ حسینیہ میں ہی معلم کے فرائض انجام دیے۔ آپ علم و فضل میں یکتا تھے۔ عربی و فارسی زبان و ادب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اکثر علماء فضلاء کی مجلسوں اور حلقوں میں شریک رہتے تھے بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد حضرت شاہ محمد انوار اللہ فاروقی کے اکثر مہمان رہتے تھے جن سے آپ کا قرابتی تعلق تھا۔ اور حضرت بانی جامعہ نظامیہ کے ہمراہ فریضۂ حج و زیارت نبویؐ بھی ادا فرمایا دَخَلَ

---

[1] سہ ماہی اردو ادب، علی گڑھ، مطبوعہ 1963ء، شمارہ: 3۔

[2] تزک محبوبیہ، جلد دوم، دفتر سوم صفحہ 50،49،

[3] مقدس ٹیکمال: 100

الجنّۃسید یٰسین 1322ف م 3ربیع الاول 1333ھ آپ کا سال وصال ہے۔[1] مولف مقدس ٹیکمال حضرت اعظم المشائخ علامہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری علیہ الرحمہ حضرت سید یٰسین بادشاہ قادری کے حقیقی نواسے ہیں۔

حضرت سید محی الدین بادشاہ قادری:

حضرت سید محی الدین بادشاہ قادری فرزند حضرت سید صاحب حسینی قادری مدرسہ حسینیہ ٹیکمال سے فارغ التحصیل تھے۔ آصف جاہ ششم نواب میر محبوب علی خان بہادر کے دور میں جب نواب سالار جنگ بہادر کو سرکاری مدرسین کے تقرر کی ضرورت پیش آئی تو چونکہ مدرسہ حسینیہ ٹیکمال اپنے لائق فرزندان کے لیے بہت شہرت رکھتا تھا اس لیے جب سالار جنگ کی درخواست حضرت سید صاحب حسینی قادریؒ کے پاس پہنچی تو حضرت اقدس نے دیگر خاندانی ارکان کے ساتھ اپنے فرزند حضرت سید محی الدین پاشاہ قادری کو بھی نامزد فرمایا چنانچہ ٹیکمال میں ہی سرکاری جائداد پر تقرر کیا گیا۔[2]

حضرت غلام جیلانی تسلیمؔ قادری گلشن آبادی (میدک):

حضرت سید صاحب حسینی قادری کے خانوادہ سے قرابت و رشتہ رکھنے والی علمی و ادبی شخصیتوں میں حضرت شاہ محمد غلام جیلانی قادری بھی ہیں۔ آپ حضرت پیرانی بی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا ہمشیرہ حضرت سید صاحب حسینی قادریؒ کے اکلوتے فرزند گرامی قدر ہیں۔ آپ کی ولادت مقدس ٹیکمال کے مصنف کے بموجب قمری مہینہ جمادی الثانی 1245 ہجری مطابق 1830 عیسوی میں ہوئی۔ حضرت صاحب حسینی قادری نے آپ کو تعلیم و تربیت اور خرقۂ خلافت سے بھی آراستہ و پیراستہ کیا۔ مشائخ میدک سے آپ کا تعلق تھا۔ نواب افضل الدولہ آصف جاہ پنجم نے 1273 ہجری مطابق 1857 عیسوی آپ کے نام مدد معاش مقرر کی تھی۔[3]

حضرت شاہ محمد غلام جیلانی تسلیمؔ نے 16 برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے اور 21 برس کی عمر میں مدرسہ حسینیہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ حضرت شاہ محمد غلام جیلانی تسلیم کا معمول تھا کہ نماز فجر، تلاوت قرآن مجید، وظائف اور اشراق کے بعد مدرسہ حسینیہ میں تشریف لاتے تھے درسِ قرآن ہوتا پھر فارسی کی تدریس کا سلسلہ زوالِ آفتاب تک جاری رہتا۔ ظہر پڑھ کر تدریس میں عصر تک مصروف رہتے۔ نماز عشاء کے بعد سے دو پہر رات تک پھر درس و تدریس میں مصروف رہتے۔ تدریس کا یہ سلسلہ مدرسہ حسینیہ میں بارہ برس تک جاری رہا۔[4]

حضرت سید صاحب حسینی قادری کی تربیت، صحبت بابرکت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے مروجہ علوم کے علاوہ فارسی زبان میں مہارت حاصل کرلی تھی۔ ''خانۂ خدائے پاک'' سے آپ نے ایک مسجد کا مادۂ تاریخ نکالا۔ حضرت شاہ غلام جیلانی قادری المتخلص بہ تسلیمؔ کو عربی،

---

[1] مقدس ٹیکمال: 101-104

[2] مقدس ٹیکمال: 105

[3] مقدس ٹیکمال: 109

[4] ترجمہ شاہد الوجود: 48-49۔ کراچی پاکستان

فارسی، اردو زبان کا نہایت شائستہ ذوق تھا۔ تینوں زبانوں میں تحریر و تقریر پر عبور حاصل تھا۔ اور ان تینوں زبانوں میں آپ نے اپنییادگار علمی و تحقیقی اور شعری تصانیف دکن کی ادبیات کو دی ہیں۔ آپ کے مریدین وعقدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا چنانچہ قطب محبوب نگر(تلنگانہ)حضرت سید مردان علی شاہ قادری حضرت تسلیمؒ ہی کے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کے سوانح نگاروں نے حسب ذیل کتابوں کو آپ سے منسوب کیا ہے۔

(1) ولولۂ تسلیمؒ۔ یہ فارسی ادبیات کی ایک نہایت عمدہ اور مفید کتاب ہے۔(2) "دیوانِ تسلیمؒ" یہ اردو، فارسی کلام پر ایک ضخیم دیوان ہے۔ دیوان تسلیم کو حضرت شاہ محمد غلام جیلانی کے قابل فخر فرزند جلیل حضرت شاہ محمد ولی اللہ قادری ادیبؒ نے 1334ہجری میں شائع فرمایا تھا۔(3) تذکرہ حسینی جو آپ کے شیخ محترم حضرت سید صاحب حسینی قادری کے احوال کو اپنے خاص انداز و اسلوب میں تحریر فرمایا ہے۔(4)"رقعات تسلیمؒ"(5) "حضورستان تسلیمؒ" علم تصوف کی اصطلاحات [1](6)"وصیت التسلیم" ہے جو 1337ہجری میں شائع ہوئی۔[2]

حضرت قاضی احمد عبد الصمد فاروقی قادری:

خانوادۂ ٹیکمال میں بارگاہ شاہدی کے سجادہ نشین دوم حضرت سید احمد پاشاہ قادری کی صاحبزادی زہرہ بی صاحبہ زوجہ کے صاحبزادے ہیں آپ کو بھی علوم و معارف کے خزانے قدرت نے عطا کیے تھے ترجمہ قرآن مجید اور تفسیر صوفیانہ سے بے حد لگاؤ تھا چنانچہ حضرت احمد عبد الصمد فاروقی کے قرآنی افادات سے باضابطہ ایک کتاب "فیوض القرآن" ہی تیار کر لی گئی جس کو ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی سابق رئیس الجامعہ اسلامیہ بہاول پور پاکستان نے مرتب اور شائع کیا۔

1) امواج خوبی(اردو ترجمہ):امواج خوبی حضرت خوب محمد چشتی کی کتاب کا حضرت احمد عبد الصمد فاروقی نے "امواج خوبی" کا اردو ترجمہ اس خوبی سے کیا کہ وہ خانوادہ ٹیکمال کے علمی کارناموں کا نشان اور ترجمان بن گیا۔2) جواہر العشاق (اردو ترجمہ) یہ کتاب سلطان القلم شہنشاہ دکن حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حسینی کے قلم سے سلطان الاولیاء حضرت سیدنا غوث الاعظم کے ارشادات فیض بنیاد کی شرح ہے اور علمی حلقوں میں مشہور و مقبول ہے۔ حضرت قاضی احمد عبد الصمد فاروقی نے بھی جواہر العشاق کا ترجمہ اردو زبان میں کر کے خانوادۂ ٹیکمال کی مہارت لسانی کا ایکیادگار نمونہ تاریخ دکن میں پیش کیا ہے۔[3] 3) مکتوبات حضرت شیخ عبد الحق محدث

---

[1] ترجمہ شاہد الوجود:54۔ کراچی پاکستان
خانوادہ ٹیکمال کی علمی وادبی خدمات از مولانا شاہ محمد فصیح الدین نظامی۔
[2] مقدس ٹیکمال:109۔
[3] ترجمہ شاہد الوجود: 42۔ کراچی پاکستان
خانوادہ ٹیکمال کی علمی وادبی خدمات از مولانا شاہ محمد فصیح الدین نظامی۔

دہلوی جلد اول اور جلد دوم کا بھی آپ نے اردو ترجمہ فرمایا۔5) بحر عشق، حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کی تصنیف لطیف ہے اس کتاب کا بھی حضرت احمد عبد الصمد فاروقی قادری چشتی نے نہایت شائستہ اور سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا۔

حضرت سید احمد قادری عرف بڑے حضرت:

حضرت سید احمد قادری عرف بڑے حضرت کو اعزاز حاصل ہوا تھا جنہوں نے تقریباً دس سال تک عرب ممالک میں اقوام متحدہ نے ان خدمات سے سبکدوشی حاصل کی اور ٹیکمال کی قدیم صورتحال کو بحال، دولت علم سے مالامال، خوش حال بنانے میں مصروف ہو گئے تھے حضرت علامہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری کے بقول محترم الحاج سید احمد صاحب قادری المعروف بڑے حضرت مد ظلہ العالی نے حیات نو ٹیکمال اسکیم کے تحت تعمیری سر گرمیوں کے ساتھ ساتھ خاندان کے تاریخی حالات کی ترتیب و اشاعت کا بھی بیڑہ اٹھایا اور اپنے آپ کو اس عظیم کام کے لیے وقف کر دیا۔ یہ موصوف کے عزم مصمم اور جہد مسلسل کا ہی نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بزرگان دین کے طفیل وہ کامیابی عطا فرمائی کہ کل کا خواب آج ایک روشن حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔([1])یہی نہیں حضرت سید احمد صاحب قادری نے بغداد شریف سے حیدرآباد واپس آنے کے بعد 1976ء میں جملہ افراد خاندان کا ایک اجلاس طلب کیا اور حضرت سید صاحب حسینی کے وصال سے ٹھیک ایک صدی بعد 1397 ھجری حیات نو اسکیم کام کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ تعمیری کام کے ساتھ ساتھ خانوادۂ ٹیکمال کے تاریخی واقعات اور خاندانی حالات کو بڑی کاوش و جستجو سے جمع کیا گیا اور بعد ترتیب اردو تا انگریزی اور تلنگی زبانوں میں اس کی اشاعت کے ذریعہ ایک عظیم کام کی تکمیل کی گئی جس کے بعد آئندہ کئی سال تک یہ تاریخی سرمایہ کتب کی شکل میں محفوظ ہو گیا۔[2] حضرت سید احمد قادری کی توجہ خاص سے تشکیل شدہ درگاہ سوسائٹی کی اہمیت اور وقعت حکومت کی نظر میں بھی اتنی بڑھ گئی کہ اس کی پہلی ہی نمائندگی پر حکومت کی جانب سے ٹیکمال میں ایک اردو میڈیم اسکول کا قیام عمل میں لایا گیا۔[3] دینی تعلیم کے علاوہ مدرسہ حسینیہ میں عصری تقاضوں کے عین مطابق تعلیمی و فنی شعبوں کا اضافہ جیسے کشیدہ کاری خیاطی کی تربیت کا بھی انتظام درگاہ سوسائٹی کی جانب کیا گیا۔ جدید مکانات مدرسہ کے لیے وقف کیے گئے۔ آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف بھی متوجہ ہو کر ایک نیا قلمی انقلاب بپا کیا۔ آپ کی حسب ذیل تصانیف و تالیفات منظر عام پر آئیں۔(1) شجرۂ غوثیہ ٹیکمال میں (اردو)۔(2) History of Tekmal Dargah (انگریزی)۔(3) A New lease of life to Tekmal (انگریزی)(4) کرامات و حالات پیر شاہد اللہ قادری و حضرت سید صاحب حسینی قادری (اردو)(5) کرامات وحالات کا تلگو ترجمہ۔

---

[1]مقدس ٹیکمال: 17

[2]مقدس ٹیکمال:128۔130

[3]مقدس ٹیکمال: 135

حضرت علامہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی اعظمؔ قادری:

خانوادۂ ٹیکمال کی علمی و ادبی خدمات کا ایک نشان امتیاز اعظم المشائخ حضرت مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری اعظمؔ ہیں۔ آپ نبیرۂ غوث الآفاق حضرت مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری محدث فی الدکن کے قابل فخر فرزند اور حضرت سید صاحب حسینی قادری سرحلقۂ مشائخ ٹیکمال کے صاحبزادہ حضرت سید یٰسین پاشاہ قادری کے نواسہ ہیں۔ دکن کے مشہور صوفی گھرانے کے فرد فرید علم وفضل کے پروردہ، عثمانیہ یونیورسٹی کے سائنس گرائجویٹ، شہرۂ آفاق جامعہ نظامیہ کے سند یافتہ، فیوض باطنی کی تنویر، عوارف ومعارف کی تصویر جمیع صوفی سلاسل میں اجازت وخلافت یافتہ قاضی شریعت، شیخِ طریقت، عصری علوم سے آراستہ شدنی علوم میں دستگاہ، امروز و فردا، جادۂ ہدیٰ کا حسن امتزاج، شیریں بیان واعظ، خیر خواہ ناصح، قادر الکلام شاعر، مثنوی کے ماہر، رسالۂ صوفی اعظم کے ایڈیٹر، جمعیۃ المشائخ کے رہبر اعلیٰ، رشحات و نگارشات کا بہارستان، مفسر قرآن، مترجم والا شان، علوم اسلامی کے جواہر پاروں سے مرصع ایک حسین مرقع کئی کتابوں کے مصنف، ومؤلف بھی ہیں۔ آپ کی تحقیقات و تالیفات آپ کے اعلیٰ ذوق کی ترجمان ہیں۔

(1) عمرہ وحج اور زیارت مدینہ
(2) تجلیات بغداد
(3) مقدس ٹیکمال
(4) زین حفاظ قرآن
(5) عظمت والدین
(6) عظمت اولیاء کرام
(7) فاتحہ اموات
(8) زیارتِ قبور
(9) سوانح مولانا معزالدین ترکی (کوہیر، تلنگانہ)
(10) حالات حضرت حسین شاہ ولی۔

اور جن کتابوں کے عربی/انگریزی/فارسی سے اردو ترجمہ کیا وہ یہ ہیں۔

(1) اوراد قادریہ
(2) سر الاسرار
(3) بشائر الخیرات
(4) ورد جلالہ جیلانی
(5) دعاء جیلانی
(6) مکتوبات غوث اعظم
(7) معین الاولیاء
(8) شاہد الوجود
(9) شاہد الاذکار
(10) مقالات فی موضوعات اسلامی
(11) دلائل الخیرات
(12) شمیم الانوار
(13) مثنوی مولانا روم ایک تجزیہ
(14) تجلیات مدینہ (شعری مجموعہ)
(15) اعظمیات (شعری مجموعہ)[1]

[1] خانوادہ ٹیکمال کی علمی وادبی خدمات از مولانا شاہ محمد فصیح الدین نظامی

حضرت سید شاہ احمد نور اللہ حسنی حسینی قادری:

حضرت سید شاہ احمد نور اللہ حسنی حسینی قادری مد ظلہ العالی متولی وسجادہ نشین ششم فرزند سجادہ نشین پنجم ہیں۔ آپ 1379ھ میں مسند سجادگی پر فائز ہوئے اور علمی رفاہی وفلاحی خدمات کا آغاز فرمایا۔ سال حال شعبان 1447ھ میں بحمدہ تعالیٰ 50 سال مکمل ہو جائیں گے۔ ٹیکمال کی تاریخ میں آپ کا دور سجادگی بھی بہت اہم ہے کیوں کہ آپ کے زمانہ سجادگی میں بہت سارے انقلابات ہوئے۔ آپ کو والد ماجد کے وصال کے بعد جن بزرگوں کی سرپرستی حاصل ہوئی ان میں میرے پیرو مرشد حضور سیدی ومرشدی وجدی اعظم المشائخ حضرت علامہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی اعظم حسنی حسینی قادری، حضرت سید شاہ محمد الحسینی چشتی المعروف بہ خواجہ پاشاہ صاحب سابق سجادہ نشین بارگاہ بزرگ گلبرگہ شریف، حضرت سید شاہ احمد قادری عرف بڑے حضرت اور حضرت سید شاہ ضیاء اللہ حسنی حسینی قادری المعروف بہ ظہیر پاشاہ ہیں۔ آپ ورثہ آبائی یعنی علم وعمل کا پیکر ہیں۔ عصری علوم میں سائنس گراجویٹ ہیں۔ آپ نے ٹیکمال اور اس کے اطراف واکناف میں اشاعت حق کے عظیم مقصد کے تحت کئی کام انجام دیے۔ جلسہ ہائے میلاد النبی وعظمت اولیاء رحمٰن کے منظم انداز میں انعقاد کے علاوہ مسجد حسینی میں درس قرآن مجید کا آغاز فرمایا۔ درگاہ سوسائٹی کے دستوری صدر، کل ہند جمعیۃ المشائخ نہ صرف صدر ہیں بلکہ علمی و ادبی سرگرمیوں کی سرپرستی فرماتے ہیں اس کے علاوہ کئی علمی و تحقیقی کتابیں بھی آپ شائع فرماتے ہیں۔ بارگاہ ٹیکمال میں بہت ساری تعمیراتی کام ہوئے جن کی ایک طویل فہرست ہے اسی طرح آپ ہی کے زمانہ سجادگی میں بہت علمی کام بھی ہوئے جس میں حضرت صاحب الاولیاء کی کتب شاہد الوجود، شاہد اذکار اور دیگر کتب مقدس ٹیکمال اور بعض انگریزی کتب وغیرہ کی طباعت عمل میں آئی۔ مکتبہ شاہدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا جس سے اردو تلگو کی مختلف کتب طباعت سے آراستہ ہوئیں۔

خانقاہ ٹیکمال کے حضرات برصغیر ہند و پاک کے علاوہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک امریکہ، کینیڈا، جرمنی، برطانیہ، ایران، مملکت سعودی عربیہ اور خلیجی ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف محکموں میں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں جیسے وزیر، کلکٹر، سیکریٹری، ناظم، صدر مہتمم، فوجی، کیپٹن، کرنل، ڈاکٹر، انجینئر، بنک مینیجر، طبیب، مددگار مصنف، تحصیلدار، پیشکار اور وکیل کی حیثیت سے خدمات ادا کیے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔[1] خانقاہ ٹیکمال کی تعلیمی سماجی روحانی فلاحی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا اور جس کی تاریخ آنے والی نسلوں کے لیے ایک سرچشمہ فیضان اور مشعلِ ہدایت ہے۔

*****

مصادر و مراجع

1۔ حسینی، حضرت سید صاحب حسینی بادشاہ قادری، فرہنگ حسینی، باراول، حیدرآباد دکن، مطبع ابوالعلائی، 1900ء۔

2۔ حسینی، حضرت سید صاحب حسینی قادری، شاہد الوجود، مترجم حضرت مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری، باراول، حیدرآباد دکن، صفة المصنفین، 1994ء۔

[1] خانوادہ ٹیکمال کی علمی وادبی خدمات از مولانا شاہ محمد فصیح الدین نظامی

3۔ معروف، حضرت سید معروف حسینی مرشد قادری، اسرار حسینی، باراول، حیدرآباد دکن، اختر دکن پریس افضل گنج، 1930ء۔
4۔ بڑے حضرت، سید احمد قادری، شجر غوثیہ ٹیکمال میں، باراول، حیدرآباد، قادری ولا بیگم پیٹھ، 1977ء۔
5۔ صوفی اعظمؔ، مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری، مقدس ٹیکمال، بار اول، حیدرآباد دکن، ٹیکمال درگاہ ڈیولپمنٹ سوسائٹی، رجسٹرڈ۔ انڈیا، 1985ء۔
6۔ مولانا سید مصطفی علی صوفی قادری، حضرت صاحب حسینی، ماہنامہ رسالہ صوفی اعظم، مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری، حیدرآباد دکن، سید الصوفیہ اکیڈمی، 2013ء، شمارہ: جون۔
7۔ خاکپا، منو لعل خاکپاؔ، تذکر الشاہد، مخطوطہ، Oriental Manuscripts Library (عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)، سن تحریر: 1271ھ، مخطوطہ نمبر: 775۔
8۔ منیر، قاضی منیر الدین فاروقی قادری، تذکرہ پیران قادریہ، مخطوطہ در کتب خانہ ٹیکمال حیدرآباد دکن۔
9۔ گوہر، غلام صمدانی خان، تزک محبوبیہ، باراول، حیدرآباد دکن، نظام المطابع، 1903ء، جلد دوم، دفتر سوم۔
10۔ ایم اے حفیظ، فرہنگ حسینی، سہ ماہی اردو ادب، پروفیسر آل احمد سرورؔ، علی گڑھ، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، 1963، شمارہ نمبر: 3۔
11۔ ملتانی، مولانا سید عطاء اللہ حسینی قادری، ترجمہ شاہد الوجود، باراول، کراچی پاکستان، المجلس القادری، 1986ء۔
12۔ نظامی، مولانا شاہ محمد فصیح الدین، خانوادۂ ٹیکمال کی علمی وادبی خدمات، مخزن صاحب حسینی ٹیکمالی، مولانا ڈاکٹر حافظ سید مرتضی علی صوفی حیدر قادری، زیر طبع در مکتبہ شاہدیہ۔
13۔ ڈاکٹر حبیب نثار، شاہ شاہد ٹیکمالی کے چکی نامے، ماہنامہ سب رس، مغنی تبسم، حیدرآباد دکن، ادارہ ادبیات اردو "ایوان اردو"، 2005ء، شمارہ: جولائی۔

اقطاب گچی محل بیجاپور و گومرسی کی علمی، ادبی و روحانی خدمات

پروفیسر عزیز اللہ شیرانی*

اللہ تعالیٰ نے اپنے دینِ حق کی ترویج و اشاعت کے لیے دنیا میں اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ خاتمُ النبیین، شفیعُ المذنبین حضرت محمد مصطفی ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کے بعد یہ فریضہ اولیائے کرام کے ذریعے آگے بڑھا، جنھوں نے اپنی تعلیمات، سیرت، اخلاق اور روحانی اثرات کے ذریعے دینِ اسلام کو عالمگیر روشنی عطا کی۔ انھی برگزیدہ ہستیوں میں حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی اولادِ امجاد میں سے حضرت سید یوسف الدین یوسف حاجی الحرمین کا شمار ہوتا ہے، جو بغدادِ مقدس سے ہندوستان تشریف لائے اور گلبرگہ کو اپنا مرکزِ اقامت و ارشاد بنایا۔ آپ نے یہاں پوری زندگی دینِ حق کی نشر و اشاعت، اصلاحِ معاشرہ اور تربیتِ خلقِ خدا میں صرف کر دی۔

شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت — ان چاروں مراتب میں آپ کو یکتائے روزگار کا مقام حاصل تھا۔ آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کا خاندان اپنے اسلاف کی روشن روایت پر قائم رہا۔ اس خانوادے نے دین کی خدمت، خلقِ خدا کی دستگیری، علمی و ادبی جہات میں گراں قدر تصانیف و تالیفات، اور نثر و نظم دونوں میدانوں میں اپنی علمی جہات سے ایک صالح انقلاب برپا کیا۔

ذیل میں اس عظیم خانوادے کی ممتاز علمی، ادبی اور روحانی خدمات کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(1) حضرت سید بدر الدین بدر عالم حبیب اللہ حسینی القادر (ت: 999ھ):

آپ کا اسم شریف سید بدر الدین حبیب اللہ اور لقب میر اں منجھن ہے۔ آپ اپنے والد سید عبد القادر یوسف ثانی قادری کے مرید و خلیفہ ہیں۔ علوم شریعت اور اسرار طریقت اپنے وقت کے معرف صوفی کامل حضرت سید شاہ محمد غوث گوالیاری سے گوالیار جاکر کافی عرصہ قیام کرکے حاصل کیا۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد مسند رشد و ہدایت پر متمکن ہو کر ہزار ہا خلق خدا کو فیضیاب فرمایا۔ کثرت کے ساتھ تشنگانِ علوم و عرفان آپ کی خدمت میں رہ کر بہرہ مند ہوتے اور اپنی اپنی منزل مقصود کو پاتے۔ علوم ظاہری کے خواہشمند عالم و فاضل و مفتی بنتے۔ علوم باطنی کے خواہشمند تصوف و طریقت کی تعلیم حاصل کرکے صاحب کرامت ہو کر خلق خدا خدمت و ہدایت پر مامور ہو جاتے۔ نقل ہے کہ جب کبھی آپ کسی مسلمانوں کے قبرستان سے گزرتے تو آہستہ آہستہ چلتے۔ اگر کسی قبر میں عذاب ہونا محسوس ہوتا تو تھوڑی دیر اس قبر کے بازو بیٹھ جاتے اور دعائے تخفیف عذاب پڑھتے اور تین مرتبہ استغفار اور یہ دعا پڑھتے "اللهم اغفرهٗ وارحمه واعف عنهٗ وادخلهٗ وأسكنه في الجنة "۔ اس کے بعد مسکراتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھتے

* مولانا آزاد یونیورسٹی۔ جودھپور، راجستھان

اور کبھی کبھی قبر کے پہلو میں بہت دیر تک بیٹھ جاتے اور استغفار کرتے رہتے یہاں تک کہ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا جیسے آپ خود قبر میں اترے ہوئے ہوں۔[1] آپ کا وصال 29/ربیع الثانی 999ھ کو بیدر میں ہوا۔ آپ کا روضۂ مبارک واصل گنج اور کالی مسجد کے نزدیک مرجعِ خلائق ہے۔ آپ کے تین فرزندان اور ایک دختر ہیں۔(1) میراں سید شاہ ابوالحسن قادری بیجاپوری (2) میراں سید شاہ مصطفیٰ قادری معشوق الٰہی (3) میراں سید شاہ فضل اللہ قادری الملقب بہ شاہ قاسم قادری۔

(2) حضرت سید ابوالحسن قادری خلف اکبر سید بدر الدین حبیب اللہ قادری (ت:1045):

آپ حضرت بدر الدین بدر عالم حبیب اللہ قادری کے فرزند اکبر ہیں۔ ابتدائی تعلیم وتربیت والد محترم کے پاس ہی ہوئی مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ کچھ عرصہ بیدر میں مقیم رہ کر اپنے برادر ثانی کے ہمراہ بیجاپور تشریف لائے اور عرصہ دراز تک خلق خدا کی رشد وہدایت میں مشغول رہے۔14/ربیع الثانی 1045 ہجری کو آپ کا وصال ہوا اور اپنے برادر ثانی سید شاہ مصطفیٰ قادری کے روضے میں مغربی جانب تدفین ہوئی۔ آپ کے پانچ فرزندان ہیں۔(1) سید عبدالقادر قادری (2) سید نعمت اللہ قادری (3) سید بدر الدین قادری (4) سید ابوالقاسم قادری (5) سید محمد میراں حسین قادری۔

(3) حضرت سید شاہ مصطفیٰ قادری خلف دوم حضرت سید بدر الدین حبیب اللہ قادریت (ت:1036):

آپ کا اسم گرامی سید مصطفیٰ قادری اور لقب معشوق الٰہی ہے۔ آپ حضرت سید بدر الدین بدر عالم میراں حبیب اللہ قادری کے فرزند دوم اور مرید وخلیفہ ہیں۔ آپ کی ولادت بیدر میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم وتربیت والد محترم ہی کے پاس ہوئی۔ علوم دینی ورموز باطنی میں کمال حاصل کیا۔ آپ کنڑ زبان کے بھی پنڈت تھے۔ کنڑی زبان میں ''آتم نے پرماتما'' اور ''آتم نے مہالنگ پربھو'' نامی دو کتب تصنیف فرمائے۔[2] برادر کلاں کے ہمراہ بیدر سے بیجاپور تشریف لالیے اور عرصہ دراز تک خلق خدا کو مستفید پہنچاتے رہے۔13/شعبان 1026ھ کو اپنے دونوں برادران کی موجودگی میں آپ کا انتقال ہوا۔ اعلی پور دروازہ کے باہر آپ کا روضہ مرجع خلائق ہے۔ آپ کو ایک فرزند سید عبدالقادر قادری تھے۔

(4) حضرت سید محمد فضل اللہ عرف شاہ قاسم قادری خلف ثالث حضرت سید بدر الدین حبیب اللہ قادری (ت:1032):

آپ کا اسم شریف سید محمد فضل اللہ عرفیت قاسم اور لقب قاسم اولیاء ہے۔ آپ حضرت سید بدر الدین بدر عالم میراں سید حبیب اللہ قادری کے تیسرے فرزند ہیں۔ شرف بیعت وخلافت اپنے برادر ثانی سید مصطفیٰ قادری سے ہے۔ اپنے برادر کے علاوہ شاہ دلاور قادری سندیلوی سے بھی باطنی فیض حاصل کیا ان کے علاوہ سید شاہ عبدالرزاق قادری برادر عمومی سے بھی مزید خلافتیں حاصل کی۔ بے شمار خلق خدا نے آپ سے فیض اٹھایا اور مستفید ہوگئے۔ آپ تاحیات مجرد رہے اور وصال سے ایک سال قبل اپنے دوسرے بھائی سید مصطفیٰ قادری کے فرزند سید عبدالقادر قادری کو اپنا خلیفہ وجانشین مقرر فرمایا۔27/محرم 1032 ہجری کو بیجاپور میں آپ کا انتقال ہوا۔ جید خان کی مسجد کے صحن میں گنبد کے اندر آپ کی تدفین ہوئی۔ آپ کا مزار شریف آج بھی عوام الناس کے لیے فیض رساں ہے۔

(5)حضرت سید عبد القادر قادری ابن سید شاہ مصطفیٰ قادری معشوق الٰہی(ت:1056):

آپ کی ولادت بیجاپور میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد، تایا محترم اور چچا محترم تینوں کے پاس ہوئی۔ عقد نکاح بی بی بینہ صاحبہ بنت شیخ اسمعیل محدث نبیرہ حضرت شیخ شمس الدین محمد ملتانی البیدری سے ہوا جن سے تین فرزندان ہوئے۔(1) سید شمس الدین قادری (2) سید اسمعیل قادری (3) سید محی الدین قادری۔ عرصہ دراز تک بندگان خدا کو علم و عرفان کی تعلیم سے آراستہ فرما تے رہے۔ آپ کا وصال 10/ ذی الحجہ 1056ھ عید الاضحیٰ کے دن ہوئی۔ قبر شریف روضہ حضرت معشوق الٰہی میں چبوترے پر والدہ کے پائیں میں ہے۔ آپ نے تاعمر خلق خدا کی خدمات کی اور بے شمار علوم وفنون کے پیاسوں کو سیر اب کرتے رہے۔[3]

(6)حضرت سید شمس الدین قادری خلف اکبر حضرت سید عبد القادر قادری(ت: 1128):

آپ کا اسم گرامی سید شمس الدین قادری ہے۔ آپ حضرت سید عبد القادر قادری کے خلف اکبر، مرید، خلیفہ و جانشین ہیں۔ آپ کی ولادت سنہ 1045 ہجری کے ایسے پُر فتن دور میں ہوئی جب بیجاپور میں سلطنت عادل شاہی کے وزرا آپسی سیاسی کشمکش اور چپ خلش میں مصروف تھے جبکہ سلطان محمد عادل شاہ برائے نام بادشاہ رہ گئے تھے اور سارا نظام سلطنت ظالم و جابر دولت خواص خان کے ہاتھ آگیا تھا جس نے عوام پر وہ ظلم کے پہاڑ توڑے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ دولت خواص خان نے نواب مصطفیٰ خان خاناں کو ناحق قید کرکے بلگام روانہ کر دیا تھا۔ ادھر تین سال سے بارش بھی نہ تھی۔ ایسے عالم میں جب آپ کی ولادت ہوئی تو یہ خبر ساری مملکت میں پھیل گئی۔ اُدھر سلطان محمد عادل شاہ کے حکم پر سدی ریحان رقعہ احسان کریم شر زہ محلدار اور حُسین محلدار نے دولت خواص خان کا قتل کرڈالا۔ ادھر آسمان پر ابر رحمت چھایا اور باران رحمت نازل ہوئی۔ اس طرح سہ بالا خوشیوں کی عوام میں ہلچل ہوئی۔[4]

آپ دس سال کی عمر تک والدین کے زیر پرورش رہے۔ عمر کا گیارھواں سال شروع ہونے کے بعد آپ کے والد محترم جو عرصہ سے علیل تھے اپنے شہزادے کو بلا کر داخل سلسلہ کیا پھر خلافت اور سجادہ نشینی سے عطا کی اور اسی سال والد محترم کا انتقال ہو گیا۔

والدہ محترمہ کی عدت کے دن شروع ہوئے اور جوں ہی عدت کے دن ختم ہوئے اُسی دن 27/ربیع الاول 1056ھ آپ بھی رحلت کر گئیں۔ اس طرح آپ لڑکپن کی عمر سے ہی اپنے دونوں بھائیوں کے ہمراہ فقر و توکل کی زندگی گزارتے تھے۔

آپ کی حیات مبارک میں توکل و فقر و غنا ہمیشہ آپ کے ہمراہ ہی رہے۔ بسا اوقات تین تین روز حالت روزہ میں گزر جاتے لیکن آپ کے چہرہ سے کبھی بھوک کے آثار نظر نہیں آتے۔[5] اہل دکن اور اطراف و اکناف کے لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے دین سے وابستہ ہو جاتے، کچھ تائب ہوتے، کچھ علوم و فنون سے بہرہ مند ہوتے تو کچھ طریقت و عرفان کے جام پیتے ہوئے اللہ کی معرفت کے دروازہ تک پہنچ جاتے۔

اورنگ زیب نے جب بیجاپور کا محاصرہ کیا تو علی عادل شاہ ثانی نے اپنے ایک خادم کے ذریعے آپ سے دعائے فتح و نصرت کی درخواست کی۔ آپ نے دعا فرمائی جو بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوئی اِدھر اورنگ زیب نے شاہ جہاں کی علالت کی خبر سن کر دہلی واپسی اختیار کر لی اس طرح بیجاپور مغلوں کی دسترس سے بالا رہا۔[6]

ایک مرتبہ آپ سندھنور میں درس و تدریس فرمارہے تھے کہ ایک پتھر لڑھک کر آپ کی پنڈلی پر گرا جس کی وجہ سے ایک زخم ہو گیا اور اس زخم نے آخری سانس تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آخر کار 6/جمادی الثانی 1128 ہجری یوم پنجشنبہ آپ کا وصال ہوا۔ سندھنور سے آپ کے جسم مبارک کو گومرسی لے جایا گیا۔ جلوس جنازہ میں سینکڑوں کی تعداد میں خلق خدا بادیدۂ پُرنم موجود تھی گومرسی میں آپ کی تدفین کی گئی۔ آپ کا مزار شریف آج بھی پُر فیض ہے۔ آپ بھی صاحب تصانیف گزرے ہیں چند کتابوں کے نام ذیل میں دیے جارہے ہیں۔

1-شمس الانفاس	2-معدن الابرار	3-جواہر وزواہر
4-کنز البطون (باطن کا خزانہ)	5-علم سلوک (دکنی۔ مثنوی)	6-شمس الحقائق (ملفوظات)
7- (رسالہ کسبان دکنی (منظوم۔ دکنی)	8 رسالہ من عرف (منظوم۔ دکنی)	9۔ رسالہ جیونامہ (منظوم۔ دکنی)
10- (رسالہ ارشادنامہ (منظوم۔ دکنی)	11- (رسالہ ازکار (منظوم۔ دکنی)	12 رسالہ گنج مخفی
13-رسالہ مرشدنامہ	14-رسالہ شاہدنامہ	15-رسالہ عناصر اربعہ
16-رسالہ وجودنامہ	17-محونامہ	

آپ کے پانچ فرزندان ہیں:

(1) سید عبدالقادر قادری (2) سید ابوتراب قادری

(3) سید عبداللطیف قادری (4) سید مرتضی قادری بیجاپوری (جانشین) (5) سید مصطفی قادری شہید۔

(7) سید شاہ مرتضٰی قادری خلف چہارم سید شمس الدین قادری (ت: 1175):

آپ حضرت سید شمس الدین قادری کے فرزند چہارم و جانشین اور بیجاپور و گومرسی کی بارگاہوں کے سجادہ نشین ہوئے۔ آپ بیجاپور میں پیدا ہوئے اور تعلیم بھی یہیں حاصل کی۔ دینی تعلیم مولانا محمد خلیل الرحمٰن صدیقی کے پاس ہوئی جو بعد میں آپ کے خسر ہوئے۔ روحانی اور تصوف کی تعلیم اپنے والد اور چچاؤں کے پاس ہوئی۔ پھر والد محترم نے بیعت سے سرفراز کیا اور خلافت عطا کی۔ اور والد نے اپنی تمام اولاد کو وصیت کی کہ ''اگر خوشنودی مقصود ہو تو شاہ مرتضٰی کی اطباع کرو اور امور سجادگی میں ان کے فرماں بردار ہو'' چنانچہ تمام بھائی تاحیات اپنے والد کی وصیت پر کاربند رہے۔[7]

سنہ 1128ھ میں والد کے انتقال کے بعد آپ مسند سجادگی پر متمکن ہوئے۔ آپ اکثر یاد الٰہی میں مشغول رہتے۔ کثرت سے قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے۔ نماز فجر کے وضو سے نماز ظہر ادا فرماتے پھر نماز ظہر کے بعد وضو فرماتے تو اسی وضو سے نماز عشاء ادا فرماتے۔ آپ کبھی بے وضو نہ رہتے۔ آپ کی بے شمار کرامات ہیں اور ہزارہا خلق خدا کو آپ نے فیوض و برکات سے مستفید فرمایا۔ 14/رجب 1175 ہجری کو آپ کا وصال ہوا اور بیجاپور میں تدفین ہوئی۔ آپ کے تین فرزندان اور تین دختران ہیں۔ (1) سید عبدالقادر قادری (2) سید محمود قادری (3) سید مصطفٰی محی الدین قادری (4) فاطمہ صاحبہ (5) جمیل صاحبہ (6) رابعہ صاحبہ۔

(8)حضرت سید محمود قادری خلف سوم حضرت سید مرتضیٰ قادری بیجاپوری(ت:1195):

آپ کا اسم شریف سید محمود قادری لقب قطب العاشقین اور خطاب شیر سوار ہے۔ آپ کی ولادت بیجاپور میں ہوئی۔ آپ سید مرتضیٰ قادری بیجاپوری کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ بیجاپور کے مقتدر اولیاء اللہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

حدیقۃ العارفین میں لکھا ہے "آپ بھی اس شہر بیجاپور کے زمرۂ اولیاء اللہ و صلحا کے مقتدر پیشوا تھے۔ شبانہ روز عبادت و ریاضت محبوب حقیقی میں گزارتے۔ اوراد و اذکار و اشغال و مراقبہ و مشاہدہ و مجاہدہ میں لگے رہتے۔ دنیا اور دنیاداروں سے نفرت فرماتے۔ والدین کی خدمت دل و جان سے کرتے۔ علوم ظاہری و باطنی کو اپنے ماموں حضرت حضرت شمس العلماء مولانا محمد اکرم الدین ابن صدر الصدور حضرت مولانا محمد خلیل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہما کی شاگردی میں حاصل کیا اور استاذ البلد سدی عبدالرحیم کے مدرسہ میں جاکر تحصیل علوم کیا اور دوسرے علماء و فضلائے ہم زمانہ کی صحبتوں میں بھی رہ کر برکات حاصل کیے۔[8]

آپ اپنے والد محترم سید شاہ مرتضی قادری بیجاپوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کو قدرت کی کاریگری اور نباتات سے بہت محبت تھی چنانچہ آپ نے اپنے اجداد کے مقبرہ کو ایک خوبصورت باغ میں تبدیل کر دیا جس میں نسیم، بڑ اور گل یاسمین وغیرہ کے ایسے درخت لگوائے جس کے صرف سایہ میں بیٹھ کر انسان کئی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

آپ خود صبح کی اولین ساعتوں میں بیدار ہوتے' نماز سے فارغ ہو کر اپنے اجداد کے مقبرہ کے خوبصورت ماحول میں بیٹھ کر جب قرآن حکیم کی تلاوت اپنے خوش لحن میں فرماتے تو لحن داودی کا گمان ہوتا اور اطراف درختوں پر پرند اور زمین پر چرند جمع ہو کر خاموشی سے تلاوت قرآن سماعت کرتے۔

جب کبھی آپ ادونی کے سفر پر تشریف لے جاتے توراستے میں گھنے جنگل سے گزرنا پڑتا۔ آپ اپنے مریدین کے ہمراہ بے خوف و بے باک ان جنگلوں سے گزرتے۔ دوران سفر کبھی آپ کے قافلے کا سامنا درندوں یا شیروں سے بھی ہو جاتا مگر یہ جانور آپ کے قریب آکر ایسے ٹھہر جاتے جیسے پالتو ہوں اور آپ ان کے سروں پر اپنا دست شفقت پھیرتے اور وہ سب چلے جاتے۔

ہمیشہ کی طرح ایک مرتبہ آپ ادونی کے سفر پر نکلے راستے میں ایک شیر آیا اور آپ اُس پر سوار ہو کر اپنا سفر طئے کیے راستے میں ہر قریہ میں آپ رُکتے اور وہ شیر آپ کی اس خاموش پڑا رہتا پھر دوبارہ سفر اسی شیر پر سوار ہو کر شروع فرماتے اسی منظر کو دیکھ کر عوام نے آپ کو "شیر سوار" کہنا شروع کیا۔[9]

آپ نے خلق خدا کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کے دین کی ترویج میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں رکھی بلکہ ساری زندگی بندگان خدا کی رہبری اور مشکل کشائی میں صرف فرمائی۔ سینکڑوں گم کردۂ راہ، راہ ہدایت پر گامزن ہوئے۔ لاتعداد کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کے دین کے پیروکار ہوئے۔

آپ اکثر سفر میں رہتے اور قریہ قریہ پہنچ کر ہدایت پہنچانے کا کام انجام دیتے۔ ایک مرتبہ دوران سفر ہی ماہ شوال سنہ 1195 ہجری میں قصبہ سندھنور میں مقیم تھے اسی دوران آپ کی طبیعت ناساز ہوئی یہاں تک علیل ہو گئے۔ علالت کو مد نظر رکھ کر آپ ایک ڈولی

میں سوار ہو کر شہر بیجاپور اپنے مکان پر پہنچے اور 24/ شوال 1195 ہجری روز شنبہ آپ کا وصال ہوا۔
اعلی پور دروازہ کے باہر اپنے جد اعلی حضرت سید مصطفیٰ قادری معشوق الٰہی کے روضہ میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ وصال کے وقت آپ کے عمر شریف ترسٹھ سال تھی۔
قطعہ تاریخ وصال صنعت صوری میں ملاحظہ کیجیے۔

بود	یک	صد	ہزار	نو	دو	پنج	سال	عمرش	رسید	تا	شصتاد
کان	عشرین	و	اربع	شوال			روح	وی	را	کزر	برب	افتاد

(9) سید محی الدین قادری (ثانی) خلف دوم حضرت سید محمود قادری (ادونی) بیجاپوری (ت:1247):
آپ کا اسم شریف سید محی الدین قادری ثانی ہے اور لقب شمس المحققین ہے۔ والد محترم کا نام حضرت سید محمود قادری ابن حضرت سید مرتضیٰ قادری بیجا پوری ہے۔ آپ اپنے والد کے دوسرے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت شب جمعہ 17/ صفر 1272ھ بیجاپور میں ہوئی۔ علوم شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت میں کمال رکھتے تھے۔ سلسلہ قادریہ میں آپ کو اپنے تایا محترم سید عبد القادر قادری ابن سید شاہ مرتضیٰ قادری سے خلافت و اجازت حاصل ہے۔ بعدہٗ اپنے والد سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا۔
علوم دینی و دنیوی میں اپنے والد کے حقیقی ماموں (یعنی نانا جان) مولانا محمد اکرم ابن صدر الصدور مولانا خلیل الرحمٰن سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا محمد اکرم کے علاوہ حضرت مولانا سید مصطفی بروم کی شاگردی میں رہ کر بعض مغلقات علوم غامضہ کا درس حاصل کیا آپ اپنا وقت اکثر عبادت و ریاضت میں گزارتے۔ فنا و فقر، تجرید، ترک دنیا اور مخالفت نفس وغیرہ کو ہمیشہ اپنا ہتھیار بنائے رکھا۔ تنہائی و گوشہ نشینی آپ کو بہت مرغوب تھی۔ تاحیات اپنے آباء واجداد کے نقشِ قدم پر چلتے رہے اور کبھی اطاعت کے دائرہ کے باہر اپنا قدم نہیں نکالا۔ اپنے تایا محترم اور والد محترم کے وصال کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے اور خلق خدا کی دستگیری و حاجت روائی میں مشغول رہے۔ آپ کی کرامات کے متعلق اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"سید محی الدین قادری ثالث ابن سید محمود قادری قدس اللہ سرھما کی ذات مستمیع صفات سے بے شمار خوارق عادات ظہور میں آئے۔ نقل ہے کہ آپ ہر روز صبح کی نماز کے قبل غسل فرماتے۔ خادم دو مٹکے پانی بھر کر رکھ دیتا آپ اُن پر تیز نگاہیں ڈالتے (یعنی گھور کر دیکھتے) جس کے ساتھ ہی پانی گرم ہو جاتا اور آپ غسل فرمالیتے"۔ نقل ہے کہ ایک بار ایک آدمی بطور امتحاناً کرامت کا طالب ہوا۔ آپ نے اس کو دو کڑاھیاں (کڑائیاں) لوہے کی لانے کو کہا اور اس کو جنگل میں رسول پور کی جگہ کڑاھیاں لیکر آنے کو کہا وہ شخص لایا تو آپ نے ایک ایک نقش لکھ کر اُن پر دو کڑاھیوں میں ڈال دیا۔ نقوش کے ڈالتے ہی کڑھیوں میں سے خالص سونا اُبلنے لگا یہاں تک کہ کڑاھیاں بھر کر (سونا) نیچے گرنے لگا اس کے بعد آپ نے جنات کو حکم دیا کہ وہ کڑاھیوں کو کسی دور باولی میں پھینک دے۔ شخص مذکور یہ کرشمہ دیکھ کر آپ کا دل و جان سے معتقد ہو گیا"۔[11]

آپ کی بے شمار کرامتیں ہیں جنہیں دیکھ کر جوق در جوق حیوان صفت، انسان بن کر تائب ہو گئے اور اللہ کے راستے کے سچے راہی بن گئے ان میں کئی مستقبل میں روحانیت کے اعلی درجوں پر فائز بھی ہوئے۔ آپ خلق خدا کی خدمت کے ساتھ ساتھ علم و ادب کی بھی خدمت کی۔ تصانیف و تالیفات کے اسما ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

1۔رسالہ صحیفۃ الہدی فی تاریخ آل مصطفیؐ	2-تاریخ حسنیہ قادریہ
3-تاریخ ھاشمیہ	4-تذکرہ اولاد حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری
5-تذکرہ اولاد حضرت میراں سید مصطفیٰ قادری	6-تذکرہ اولاد حضرت شیخ علم اللہ المحدث
7-تذکرہ اولاد حضرت سید اسد اللہ گجراتی	8-مجمع الانساب
9-رسالہ تشریح مسائل طبقات (در علم الفرائض)	10-رسالہ مجموع الطریق القادریہ
11-تاریخ سلاطین حیدرآباد دکن	12-تاریخ سلاطین عجم
13-تاریخ سلاطین بیجاپور	14-حدیقۃ الملوک
15-مطلوب المریدین	16-تاریخ حسینیہ امامیہ
17-تاریخ گیسو درازیہ	18-شجرہ شاخ جدیہ کلاں
19-شجرہ شاخ جدّیہ خورد	20-شرح مثنوی مولانا روم
21-شرح مثنوی بو علی شاہ قلندر	22-تاریخ نظام شاہی

آپ بہترین نثر نگار کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ آپ کی نثر کا درج ذیل اقتباس دیکھیے۔

"آپ کے کلام میں سخنان ارجمند و کلمات بلند پائے جاتے ہیں جسے آپ کے ہمعصر شعراء میں بہت کم ملتے ہیں۔ آپ کے کلام میں علم تصوف و عرفان ملے گا جس میں آپ کو بہت بڑا ملکہ حاصل تھا"۔[12]

آپ نے اپنے فیوض و برکات اور علوم و فنون سے ایک جہانِ بے نور کو منور و مجلیٰ فرمایا۔ علم و عرفان کی یہ شمع اپنی عمر کے سترّ (77) برس روشن رہی اور آخر کار بہ روز شنبہ بتاریخ 19/ جمادی الاولی 1247ھ کو اپنے خالق حقیقی سے وصال حاصل کر لیا۔

آپ کا مزار شریف اپنے جد اعلی حضرت میراں سید شاہ مصطفی قادری معشوق الہی کے روضہ میں اپنے والد ماجد کے پائیں میں تیسری صف میں جانب مغرب آخری ہے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کا نام بی بی کلثوم صاحبہ بنت محمد ابراہیم ابن مولانا محمد اسمعیل ابن مولانا عبدالقادر ابن مولانا قاضی ابراہیم زبیری ہے۔ آپ کو تین صاحبزادے تھے۔ (1) سید عبدالقادر قادری (2) سید محمود قادری (3) سید شمس الدین قادری (بچپن میں انتقال کر گئے) تھے۔

(10) سید عبدالقادر قادری عرف قادر پاشاہ خلف اکبر حضرت سید محی الدین قادری ثانی (ت:1294):

آپ کا اسم شریف سید عبدالقادر قادری اور عرفیت قادر پاشاہ ہے۔ آپ کی پیدائش 9/ جمادی الاولی 1215ھ بمقام درگاہ حضرت

ہاشم پیر (بادشاہ پور) میں ہوئی۔ آپ نے خرقہ خلافت و ارشاد، اوراد و اجازت، اذکار و اشغال اپنے والد محترم حضرت سید محی الدین قادری ثانی سے حاصل فرمایا۔ روحانی تعلیم و تربیت اپنے تایا محترم سید شاہ محمد قاسم قادری کی صحبت فیض رساں میں رہ کر حاصل کیے۔ آپ نے ظاہری علم و ادب اپنے ماموجان مولانا غلام مرتضیٰ عرف صاحب صاحب حضرت صاحب زبیری (مصنف بساطین السلاطین) کے مدرسہ میں رہ کر حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم والد محترم نے ہی دی۔ اپنے زمانہ میں آپ کا وجود ذی وجود نمونہ اسلاف و باقیات الصالحات تھا۔ آپ کی شبانہ روز زندگی کے متعلق یہ اقتباس دیکھیے۔

"آپ ریاضت شاقہ و عبادت خالصہ میں شب و روز مشغول رہتے۔ عالم با عمل و ولیٔ مکمل تھے۔ صبر و توکل، فقر و فاقہ آپ کا ورثہ تھا۔ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے تھے اور آپ ہمیشہ ایک ہی قسم کی غذا نوش فرماتے ہمیشہ متوکل رہتے۔ ہر روز کسی نہ کسی معتقد کے پاس سے خوان آتا آپ کا اور آپ کے متعلقین کا وہی قوت تھا۔ جاگیر انعامات وغیرہ کی آمدنی کو اپنے ذاتی اخراجات میں صرف نہیں کرتے بلکہ یتیموں، غریبوں یا اپاہجوں کے اخراجات میں خرچ کرتے اور بزرگوں کی فاتحہ کرتے اور اعراس کے موقعوں پر غرباء و مساکین وضعفاء میں کھانا و کپڑا تقسیم کرواتے اور خود کا گزر بسر توکل پر رکھتے۔[13]

آپ صاحب رویائے صادقہ تھے۔ اکثر آپ رسول پاک ﷺ کا دیدار عالم رؤیا اور عالم بیدار میں بھی فرمانے کا شرف حاصل کرتے اور مولائے کائنات حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بھی آپ حالت خواب و حالت بیداری میں دیدار سے مشرف ہو کر فیوض و برکات حاصل کیے اور دوسرے اولیاء اللہ کی ارواح مبارکہ سے بھی آپ مستفیض ہوتے رہے۔ علم و ادب کے میدان میں آپ نے بھی کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

1- اشارات البشارت۔ اس رسالے میں آپ نے اپنے خوابوں کی تفصیلات کو تحریر فرمایا ہے۔

2- ملاقات الارواح۔ اس کتاب میں آپ نے عالم بیداری میں اکابرین کی ارواح مبارکہ سے جو فیوض و برکات حاصل ہوئے انہیں تحریر فرمایا ہے۔

باقی کتب کے نام یا تفصیلات کافی تلاش و بسیار کے بعد بھی علم نہ ہو سکا امید ہے کہ مستقبل میں یہ علوم و فنون کے خزانے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے ہاتھ لگیں۔ آپ کے خوارق و عادات اور کرامات احاطۂ تحریر سے باہر ہیں ہم صرف ایک کرامت پر اکتفا کرتے ہیں۔ سالگندہ میں مقیم آپ کے ایک رشتہ دار سید نور اللہ قادری عرف سید صاحب سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ سالگندہ میں مقیم تھے اور خلق خدا کو راہ ہدایت دکھانے میں مشغول تھے یہاں ایک کنویں کا پانی نا قابل استعمال اور کھارا تھا جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ کنویں کے پاس آئے اور اس میں اپنا لعاب ڈالا جس کے بعد اس کنویں کا پانی بلکل میٹھا اور قابل استعمال ہو گیا۔[14]

آپ کا عقد نکاح حضرت بی بی صاحبہ بنت سید محمود بخاری عرف صاحبپیران جاگیر دار موضع کنواڑ مشائخ مرچ سے ہوا۔ آپ کو کثیر اولاد بشمول بیٹے و بیٹیاں ہوئیں مگر سب انتقال کرتے گئے اور دنیا میں قائم رہنے والوں میں صرف تین اولادیں ایک صاحبزادی اور دو

صاحبزادے ہیں۔

(1) سید اسد اللہ علی قادری

(2) سید عبد الرزاق جیلانی قادری

(3) صاحبزادی بادشہ صاحبہ

آپ کا وصال 17/رجب 1294 ہجری میں ہوا۔ اور تدفین گومرسی میں ہوئی۔ والد سید عبد القادر بادشاہ قادری اور صاحبزادہ سید عبد الرزاق جیلانی قادری کی ایک دوسرے کے سامنے انتقال کرنے کی تمنا کے متعلق اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"نقل ہے کہ ایک بار آپ کو بشارت ہوئی اور نظر آیا کہ آپ عالم بالا کی جانب تشریف لے گئے ہیں اور وہاں ایک شخص مل کر آپ کو بہشت بتلانے کی غرض سے لے گیا اور جنت کے تمام کواڑ کھول کر دکھلانے لگا کہ وہاں کے ہر در و دیوار خالص سونے کے تھے اور باغیچہ میں طرح طرح کے پھول اور درخت لگے ہوئے تھے اور ان کے پتے اور ڈالیاں ذبرجد اور مونگے کے تھے۔

نقل ہے کہ آپ کے پاؤں پر پھوڑا ہوا جس کی وجہ سے آپ کی موت واقع ہوئی۔ مرنے کے اول باپ اور بیٹے میں شرط پڑی تھی کہ میں اول مرجاتا ہوں بیٹے کہتے ہیں کہ میں مرنے والا ہوں دونوں ایک دوسرے کے روبرو مرنے کے خواہش مند تھے۔ خصوصاً قادر باشاہ قدس سرہٗ کو بیٹے کے روبرو مرنے کی بڑی تمنا و حسرت تھی مگر آپ کے فرزند سید عبد الرزاق قادری نے کشف باطن سے قادر باشاہ کو بتلادیا تھا کہ آپ نہیں میں آپ کے روبرو مرنے والا ہوں۔ قادر باشاہ صاحب کشف باطن کے دیکھنے کے بعد اپنے بیٹے کی حیات سے مایوس ہوگئے تھے الغرض سید عبد الرزاق قادری عرف جیلانی پاشاہ قدس سرہٗ 1297 ہجری میں اس عدم آباد دنیا سے کوچ کر گئے جنہیں اپنے جد امجد سید شاہ شمس الدین قادری کے روضہ میں مدفون کیا گیا"۔[15]

سید قادر پاشاہ قادری اپنے فرزند کے مرنے کے ساتویں دن 1294 ہجری میں اس دار ناپائیدار سے دارالابد کی جانب تشریف لے گئے۔ سید قادر پاشاہ قادری نے اپنے وصال سے ایک روز قبل اپنے کمسن پوتے سید محمود قادری عرف صمدانی پاشاہ ابن سید عبد الرزاق قادری جیلانی پاشاہ کو خرقہ خلافت و اجازت سے سرفراز فرمادیا۔

(11) حضرت سید محمود قادری عرف صمدانی پاشاہ خلف ثانی سید عبد الرزاق قادری عرف جیلانی پاشاہ فرزند دوم حضرت سید عبد القادر قادری عرف قادر پاشاہ (ت:1380):

آپ کا اسم شریف سید محمود قادری اور عرفیت صمدانی پاشاہ ہے۔ آپ کی پیدائش 10/رجب 1292ھ روز جمعرات بمقام سالنگدہ ہوئی۔ آپ کمسنی کی عمر میں ہی تھے کہ والد محترم سید عبد الرزاق قادری جیلانی پاشاہ کا دست شفقت اُٹھ گیا۔ دادا محترم سید عبد القادر قادری عرف قادر پاشاہ نے اپنے وصال سے ایک روز قبل خلافت عالیہ سے سرفراز فرما کر (والد کے انتقال کے) ساتویں روز وہ بھی اس

دار فانی سے دارالبقا کی جانب روانہ ہو گئے۔ تسمیہ خوانی کے روز والدہ محترمہ بھی اس دنیا سے چل بسیں۔ اب آپ کی سرپرستی کے لیے دو ضعیف پھوپیوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

دونوں پھوپیوں نے اپنا جی جان لگا کر آپ کو پروان چڑھایا۔ آپ کی تمام تعلیم و تربیت آپ کے نانا فخر النسابین حضرت سید حسن محی الدین قادری اور بڑے ماموں سید شاہ محمد قادری اور سید کریم اللہ قادری جاگیر دار سالگندہ اور آپ کے نانا کے دونوں بھائی سید تاج الدین قادری عرف گورے پیراں اور سید شاہ حسین قادری عرف صاحب جی صاحب مشائخ جنتکل خورد تعلقہ سالنگدہ کے پاس ہوئی۔ مذکورہ حضرات نے آپ کو تعلیم و تربیت میں کسی قسم کی کمی و کسر باقی نہ رکھی۔

بڑے ماموں سید کریم اللہ قادری جاگیر دار سالگندہ نے علوم ظاہری کے حصول کے لیے آپ کو ملا عبدالقیوم (ڈپٹی کمشنر سرکار عالی) کے مدرسہ میں شریک کروایا۔ آپ کی حیات کے متعلق ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

> ''ایام شباب سے لے کر آخر تک آپ کی زندگی بزرگانہ روش سے گزری۔ آپ اپنے آباء کرام اور اجداد ذوی الاحترام کی سیرت پر ثابت قدم رہ کر جمال ظاہری و کمال باطنی کو جمع کر کے شیوۂ ادب کہ الادب صورۃ العقل کہ وارد ہے خود کو عجب رنگ سے رنگ لیے آپ حلم وو قار میں بے مثل و بردباری میں یکتائے روزگار تھے بزرگوں کا ادب کرتے اور خوردوں (چھوٹوں) پر شفقت فرماتے۔ دوسرے لوگ آپ کی تعظیم و تکریم کرنے کے لیے جدوجہد کرتے مگر آپ ان سے پہلے ہی تواضع سے پیش آتے۔ آپ کی ذات والا صفات معدن برکات و خیرات مصدر برات و حسنات تھی۔ فقر و درویشی آپ کو ورثہ میں ملی تھی اخلاق کریمانہ و اوصاف بزرگانہ آپ کی ستودہ صفات سے تازگی حاصل کرتے تھے۔ حل مشکلات اور استمداد میں اپنی ذات کو وقف کر دیئے تھے اور ناداروں و اپاہجوں کی حاجت برآری میں اپنے اوقات کو غنیمت جانتے تھے''۔[16]

آپ کے خوارق و کمالات و کرامات کثرت کے ساتھ کتابوں میں درج ہیں یہاں باعث طوالت زیادہ تحریر کی گنجائش نہیں۔ یہ علوم و فنون کا منبع روز جمعرات 10/رجب المرجب سنہ 1380 ہجری مطابق 29/ڈسمبر 1960ء دار فنا سے دار بقا کی جانب روانہ ہو گیا۔ آپ کی تدفین اپنے جد سید قاسم قادری کے روضہ مبارک کے صحن میں ہوئی۔

(12) سید مرتضی قادری مرشد پاشاہ ابن سید محمود قادری عرف صمدانی پاشاہ:

آپ کی پیدائش 17/شعبان المعظم 1345ھ روز چہار شنبہ بمقام سالگندہ ہوئی۔ والدہ محترمہ بی بی حبیب النساء عرف جمو صاحبہ بنت حضرت سید شاہ نور اللہ قادری جاگیر دار سالگندہ ہیں۔ آپ کا بچپن ننھیال میں ہی گزرا اس لیے ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی آپ کو مدرسہ تحتانیہ سالگندہ میں شریک کروادیا گیا جماعت چہارم کامیاب کرنے کے بعد والد محترم نے آپ کو سالگندہ سے گچی محل بیجاپور بلالیا۔ بچپن سے لڑکپن کی عمر شروع ہوتے ہی والدہ محترمہ نے تصوف و سلوک کی تعلیم و تربیت کا آغاز کر دیا اور لڑکپن کی عمر کے ختم ہونے تک طرح طرح کی کڑی آزمائشوں اور چرخ کی چکی کے دونوں پاٹوں میں پستے رہے۔ جب ہر آزمائش و ہر قدم پر صاحبزادہ کو

کامیاب اور صبر واستقلال کے زیر سایہ پایہ توخوش ہو کر سلسلہ قادریہ جدیہ میں داخل کیا اور خرقہ خلافت، اورادو اذکار کی اجازت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد اصل روحانی تعلیمات کا آغاز ہوا جس کے لیے آپ کے والد نے اپنے حقیقی خالہ زاد بھائی اور آپ کی والدہ کے پھوپی زاد بھائی حضرت سید شاہ حُسین قادری عرف بادشاہ قادری سجادہ نشین درگاہ جنتکل خورد کو مقرر کیا۔

عالم شباب میں آپ کا عقد نکاح بی بی میمونہ عرف امن پاشاہ بنت حضرت شاہ محمد عیسی مدنی عرف مرشد پیراں صاحب جاگیر دار ہتر کیھال سے ہوا۔ جب کہ یہ رشتہ سید مرتضیٰ قادری کی پیدائش سے قبل ہی طئے کیا جا چکا تھا۔[17] آپ کے چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ہیں۔

1) امۃ الجلیل فاطمہ سلطان عرف نفیس پاشاہ زوجہ سید ابو سعید حسینی جنیدی اقبال ابن سید محمد حسنی جنیدی جیلانی پاشاہ۔
2) امۃ العظیم ھمایوں عرف مختار پاشاہ زوجہ سید محمد نبیرہ نبیرہ قادری عرف بڑے صاحب۔
3) امۃ الکریم متین پاشاہ زوجہ سید منور بخاری۔
4) فاطمہ سام عرف مخمور فاطمہ زوجہ اعجاز احمد صدیقی ابن سید مصطفیٰ صدیقی۔
5) سید شمس الدین محمد شاہ قاسم قادری عرف شمس العارفین سرکار پاشاہ۔
6) سید مصطفیٰ محمد محمد القادری عرف صمدانی غیاث پاشاہ۔
7) سید ابوالحسن محمد عیسیٰ مدنی زبیر عرف بدر عالم (دس سال کی عمر میں انتقال ہو گیا)۔

آپ بھی صاحب تصانیف کثیرہ بزرگ گزرے ہیں تاحال دریافت ہونے والی آپ کی تصانیف کے چند نام یہ ہیں۔

سلسلہ نمبر	نام کتاب	سلسلہ نمبر	نام کتاب	سلسلہ نمبر	نام کتاب
1	بیاضِ شعری	2	اوراد و وظایف	3	چار طریقوں کا بیان
4	نکاتُ الاسرار (ترجمہ وشرح)	5	میمونُ السلاسل	6	شجرہ قادریہ گیلانیہ
7	شجرہ چشتیہ بہشتیہ	8	مسائلِ فقہ (منظوم، دکنی)	9	ہندوستان کے مسلم حکمراں
10	تذکرہ مرتضوی	11	حیاتِ قاسم	12	تذکرہ ومناقب حضرت بدر عالم شہید
13	بیاضِ کلام	14	رسالہ تصوف دکنی	15	ارمغانِ عادل شاہی
16	سلاطینِ عادل شاہی	17	تذکرہ شیوخ ہتر کیھال وکوڑگی	18	تذکرہ اقطاب کرناٹک

19	شواہد الاولیائے بیجاپور	20	بیاض العارفین	21	تذکرہ اجداد و اولاد سید ہاشم پیر دستگیر
22	سیر الکاملین (تذکر				

مذکورہ تصانیف کے علاوہ اور بھی آپ کی کتابیں ہیں جن کی تلاش ابھی جاری ہے۔[18]

آپ کا وصال 13/ رجب 1421ھ م 19/ اکٹوبر 2000 کو ہوا اور تدفین گومرسی میں اپنے اجداد کے مقبرہ میں عمل میں آئی۔

(13) سید شمس الدین محمد شاہ قاسم قادری سرکار پاشاہ خلف اکبر سید مرتضیٰ قادری

عرف مرشد پاشاہ: آپ کا اسم شریف سید شمس الدین محمد شاہ قاسم قادری عرفیت شمس العارفین سرکار پاشاہ ہے۔ آپ کی ولادت 7/ رجب 1374ھ م یکم/ مارچ 1955ء بیجاپور میں ہوئی۔ انجمن ہائی اسکول میں دسویں کامیاب کرنے کے بعد انجمن جونیر کالج سے پی یو سی (انٹر میڈیٹ) کامیاب کیے۔ انجمن ڈگری کالج سے بی اے 1979ء میں کامیاب کیے بعدہٗ سیٹ شنکر لال لاہوٹی لا کالج گلبرگہ سے ایل ایل بی میں کامیابی حاصل کی۔ 1983ء سے سٹی سیول کورٹ گلبرگہ میں پراکٹس کا آغاز کیا۔

والد محترم نے آپ کو 26/ محرم الحرام 1391ھ م 23/ مارچ 1971ء کو خلافت عالیہ قادریہ سے سرفراز فرمایا بعدہٗ 26/ محرم الحرام 1419ھ م 23/ مئی 1998ء بروز شنبہ اپنا جانشین اور بیجاور و گومرسی کی بارگاہوں کا سجادہ نشین مقرر فرمادیا۔ والد محترم کے انتقال کے بعد فاتحہ چہلم میں بدست حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی المعروف خواجہ پاشاہ سجادہ نشین بارگاہ حضور بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ گلبرگہ آپ کی رسم مسند نشینی بتاریخ 27/ شعبان 1421ھ م 24/ نومبر 2000ء بروز جمعہ بعد نماز عصر بمقام خانقاہ گچی محل بیجا پور عمل میں آئی۔ 1998ء میں مسند سجادگی پر فائز ہونے کے بعد آپ نے وکالت سے دستبرداری حاصل کی اور مسند رشد و ہدایت کے فرائض کی انجام دہی کی جانب مکمل متوجہ ہوگئے۔

آپ ایک علمی شخصیت کے مالک ہیں، چونکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، قانون کی مہارت بھی رکھتے ہیں، اس کے علاوہ دیگر علوم متداولہ، عصری علوم سے متصف ہیں، ظاہری و باطنی علوم پر بھی دسترس حاصل ہے علم الانساب اور علم رجال میں بھی چابکدستی رکھتے ہیں اور کیوں نہ ہو، جس خاندانِ رسالتؐ سے خانوادۂ ولایت سے آپ کا تعلق ہے وہ علم کے شہر سے نسبت رکھتا ہے جہاں باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا سایہ سرپر ہے۔ علم و عرفاں کی سرپرستی کرنے والے عظیم گھرانے کی نسبت اور شمس العارفین کی ذاتی علمیت دو آتشہ ہے۔ آج بھی آپ کے گھر کی محرابوں میں چراغِ علم روشن ہے۔

آپ کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔

(1) سید عبدالقادر عرف طاہر

(2) سید اسمعیل قادری عرف اطہر

(3) سیدہ بی بی تابندہ فاطمہ زوجہ سید ابوالفیض حسینی نبیرۂ حضرت بندہ نواز۔

*****

حوالہ جات:

1۔ قادری، سید مرتضیٰ۔ تاریخ شمس دکن۔ حیدرآباد: کتب خانہ ہادی دکن وصفۃ التحقیق، 1977، ص88۔

2۔ ایضاً، ص92۔

3۔ ایضاً، ص94۔

4۔ ایضاً، ص99۔

5۔ ایضاً، ص103۔

6۔ ایضاً، ص107۔

7۔ ایضاً، ص129۔

8۔ قادری لاابالی سجاد پاشاہ، شیخ ڈاکٹر سید عبدالمہیمن۔ حدیقۃ العارفین۔ 1338ھ، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل، ص238۔

9۔ ایضاً، ص230۔

10۔ ایضاً، ص232۔

11۔ ایضاً، ص252۔

12۔ ایضاً، ص254۔

13۔ ایضاً، ص257۔

14۔ ایضاً، ص257۔

15۔ ایضاً، ص261۔

16۔ ایضاً، ص265۔

17۔ ایضاً، ص299۔

18۔ قادری لاابالی سجاد پاشاہ، ڈاکٹر سید عبدالمہیمن، مرتب۔ فہرست مخطوطات کتب خانہ گچی محل۔ 2008، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل۔

نانديڑ ضلع کے مراکز رشد وہدایت

محمد جواد قادری صوفیانی*

حضرت حاجی سیّاح سرور مخدوم سید سعید الدین رفاعی قدس سرہ العزیز (وصال: 16/رجب المرجب 736ھ)

حضرت سرور مخدوم بن سید ابراہیم نجم الدین حسینی سادات میں سے ہیں۔ آپ کا نسب نامہ والد کی جانب سے (6) واسطوں سے عراق کے مشہور صوفی سید احمد کبیر معشوق اللہ رفاعی سے اور (24) واسطوں سے سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ حضرت سید احمد کبیر معشوق اللہ رفاعی، حضرت محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی بہن کے فرزند ہیں۔ ان کے دو صاحبزادوں کی اولاد قندھار دکن میں متوطن ہے۔ ایک سید علی السکران جن کی چھٹی نسل میں حضرت سرور مخدوم تھے۔ اور دوسرے سید مہذب الدین جن کی نویں نسل میں سید ابراہیم سپہ سالار، محمد بن تغلق کی فوجوں کے ساتھ قندھار (دکن) آئے۔ اور سید ابراہیم سپہ سالار کے پڑپوتے حضرت سید شاہ شیخ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان قندھار (دکن) ہی میں پیدا ہوئے جن کا تذکرہ اگلے صفحات میں موجود ہے۔[1]

والدہ کی جانب سے نسب نامہ: حضرت سرور مخدوم کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہ بنت شیخ المشائخ حضرت فرید گنج شکر قدس اللہ سرہ ہیں۔ یعنی سرور مخدوم، حضرت فرید الدین گنج شکر کے نواسے ہیں۔ اور آپ کا مادری نسب نامہ (13) واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔[2][3]

حضرت بی بی فاطمہ بنت شیخ المشائخ حضرت فرید الدین گنج شکر کا نکاح حضرت مولانا سید بدرالدین اسحاق سے ہوا تھا۔[4][5]

سلسلۂ خلافت: حضرت حاجی سیاہ اپنے والد بزرگوار سید ابراہیم نجم الدین کے مُرید اور خلیفہ ہیں۔ اور یہ سلسلۂ طریقت (11) واسطوں سے سید احمد کبیر معشوق اللہ رفاعی تک پہنچتا ہے۔[6]

حضرت سرور مخدوم کے بزرگ عراق اور بصرہ کے رہنے والے تھے۔ اور ہندوستان آکر دہلی میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ آپ نے مختلف ممالک کی سیر کی۔ مکّہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی عرصہ تک قیام کیا۔ (اس لیے "سیّاح" اور "حاجی" کہلائے۔) پھر دہلی واپس تشریف لاکر حضرت نظام الدین اولیاء کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ اور علوم ظاہر کے علاوہ علوم باطن سے بھی بہرہ ور ہوتے رہے۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت محبوب الٰہی سے ان کی ظاہری حیات مبارکہ میں اور بعد وصال (دونوں موقعوں پر) اکتساب فیض کا واقعہ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی مرید وہ ہیں جو اپنے شیخ سے گہری نسبت اور وابستگی رکھتے ہیں۔

*معتمد تنظیم بزم قادریہ، نانديڑ

سفر دکن اور قندھار کو وطن بنانا: سن 725ھ میں حضرت نظام الدین اولیاء کا وصال ہوا۔ اور اس کے بعد ہی محمد تغلق نے دہلی خالی کر کے دولت آباد کو پایۂ تخت قرار دیا۔ اس وقت جن اولیاء نے دکن کی طرف رُخ کیا ان میں حاجی سیاح سرور کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دکن تشریف لانے کے بعد آپ نے قندھار شریف کو اپنی اقامت کے لیے پسند کیا۔ چنانچہ آپ نے تالاب کے مشرقی کنارہ پر قیام کیا اور آپ کے ساتھ تشریف لانے والے حضرت ابراہیم سپہ سالار نے تالاب کے مغربی کنارہ پر قیام کیا۔ قندھار شریف میں آمد کے دن سرور مخدوم کی کرامت کا ظہور: حضرت سرور مخدوم جمعرات کے دن قندھار شریف پہنچے۔ ایک بُڑھیا اپنی جھونپڑی کے باہر رو رہی تھی۔ آپ نے اس خاتون سے رونے کا سبب پوچھا۔ بُڑھیا نے عرض کیا: " یہاں کے قلعہ میں راجا رہتا ہے۔ اس کے پاس ایک جادوگر ہے۔ ہر گھر سے روز ایک آدمی منگوایا جاتا ہے۔ جادوگر اس آدمی کو قتل کر کے اس کے خون سے اپنا جادو جگاتا ہے۔ مجھے ایک ہی لڑکا ہے۔ جادوگر کے پاس قتل کے لیے آج میرے لڑکے کی باری ہے۔ اس لیے رو رہی ہوں۔"

سرکار سرور مخدوم نے کہا " تمھارے بیٹے کے بجائے جادوگر کے پاس میں جاؤں گا، تم مجھے کھانا کھلا دو۔" آپ کھانے سے فارغ ہونے تک جادوگر کا رتھ آ گیا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے۔ (آپ کی روحانی طاقت کی وجہ سے) گھوڑے ہانپنے لگے۔ جادوگر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ حضرت سرور مخدوم نے تلوار کے ایک ہی وار سے اسے ختم کر دیا۔ اس کے ساتھی جادوگر، جادو کے زور سے اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت حاجی سیاح نے جب یہ دیکھا تو سات مرتبہ اذان کہی۔ جس کے اثر سے گرے ہوئے جادوگر مر کر پتھر بن گئے۔ اس طرح حضرت سرور مخدوم نے ظالم جادوگروں پر فتح پائی۔ اور علاقہ کے لوگوں کو جادوگروں کے ظلم سے نجات دلائی۔ آج بھی سرور مخدوم کی درگاہ شریف میں جمعرات کے دن بعد مغرب ختم قرآن اور ہفتہ واری فاتحہ کے بعد سات اذانیں دینے کا معمول ہے۔(7)

حضرت حاجی سیاح کی پاکیزگی، انسانی ہمدردی، اخلاق اور کرامات نے عوام کو گرویدہ کر لیا۔ عوام کی ایک بڑی تعداد نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اور آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا گیا۔ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی آپ کی بزرگی کے قائل تھے۔ حضرت حاجی سیاح سرور کی علمی شان جو اِن کے مکتوبات سے ظاہر ہے، حضرت سرور مخدوم نے اپنے مریدین کی ہدایت کے لیے ان کے نام قیمتی مکتوبات لکھے ہیں۔ یہ نہایت ہی مدلل اور بلیغ فارسی میں ہیں۔ ان مکتوبات میں تصوف کے مسائل جیسے مراقبہ، کشف، زہد، سلوک، تزکیۂ نفس، بیعت کے اقسام، ذکر، شغل، ولایت، توبہ کی حقیقت، ایمان اور ایقان کا فرق، محبت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اقسام حجاب، اسرار عشق وغیرہ اس خوبی سے بیان کیے گئے ہیں کہ انکا مطالعہ علم تصوف کے مبتدی اور منتہی کے لیے یکساں فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ حضرت مخدوم نے اپنے ہر بیان کے ثبوت میں آیات قرآنی، احادیث کریمہ اور قدیم صوفیائے کرام کے عمدہ تحریرات بر موقع درج کیے ہیں۔ ان (35) مکتوبات کا اردو ترجمہ منشی محمد امیر حمزہ مرحوم نے شائع کیا تھا۔ جس کا تاریخی نام "مکاشفات سروری" (1318 - 1326 ھجری) ہے۔ بعد کے دور میں علی الدین سروری صاحب مرحوم نے ابتدائی (7) مکتوبات کا اردو ترجمہ بنام "مکتوبات سروری" کیا تھا۔ ان دونوں ترجموں کو 2000ء میں سید شاہ لطیف محی الدین حسینی، سجادہ نشین روضۂ بزرگ،

قندھار شریف نے ترتیب دے کر ناندیڑ سے شائع کروایا تھا۔ پھر ان ہی (7) مکتوبات کا سلیس ترجمہ تقریباً نصف صدی (50 سال) بعد ڈاکٹر محمد عارف الدین شاہ فاروقی مدظلہ العالی نے 1423ھ میں شائع کیا۔

مکتوب کا نمونہ: شرک خفی (دکھاوا) سے بچنا لازمی ہے: "اگر کسی بادشاہ کا کوئی وزیر بادشاہ کی اجازت سے کسی شخص کو حضوری (دربار) میں پیش کرے اور وہ شخص مخلصانہ خدمت ادا کرکے درجہ تقرب حاصل کرنے کے بعد طمع (لالچ) میں مبتلا اور خیانت کا مرتکب ہو تو بادشاہ اگرچہ وظائف (ماہانہ امداد) وغیرہ جاری رکھتا ہے۔ مگر اس شخص سے بددل ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ شخص خواہ کتنا ہی اخلاص سے کام لے، اپنا سابقہ درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اس مجازی واقعہ کو ہم حقیقت سے یوں منطبق کر سکتے ہیں کہ جو شخص کسی پیر (خلیفہ) مجاز کا مرید ہو اور بوجہ کمال اخلاص کے اغوائے شیطانی اور وساوس نفسانی سے بے فکر ہو کر درجۂ تقرب حاصل کرنے کے بعد اپنے میں غرور پیدا کرے تو وہ ایسا مردود ہو جاتا ہے کہ دونوں جہان کے عمل سے بھی اپنی اصلی حالت پر نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے غرور کو ارتدار طریقت یعنی شرک خفی کہتے ہیں۔ (مکتوب 32)۔[8][9]

دکن تشریف لانے اور قندھار شریف کو وطن بنانے کے دس سال بعد 16/رجب المرجب 736ھ کو حضرت مخدوم نے وصال فرمایا۔ "خلیل اللہ" سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ آپ کے فرزند نے جسم مبارک کو غسل دیا۔ مریدین و معتقدین کی جماعت کثیرہ کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آپ کی رہائش گاہ کے بالکل قریب ہی مدفن تیار کیا گیا۔ جس پر نہایت شاندار گنبد کی تعمیر ہوئی۔ روضہ آج تک مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت مخدوم کے دو فرزند تھے۔ جن میں پہلے فرزند زین الحق نے کم سنی میں انتقال فرمایا تھا۔ دوسرے فرزند شاہ عزالحق عزیز الدین کے تین صاحبزادے تھے۔ (1) زین الدین (2) سراج الدین (3) نجم الدین۔ پہلے فرزند نے لاولد انتقال کیا۔ دوسرے دو فرزندوں کی اولاد جاری رہی اور اب تک موجود ہے۔ حضرت مخدوم نے اپنے وصال سے پہلے اپنے چھوٹے پوتے شاہ نجم الدین کو پاس بلایا۔ ان کے سر پر عمامہ رکھا۔ اور تسبیح، مسواک، مصلّٰی اور عصا بھی عطا کیا۔ جس کی بنیاد پر ان کی اولاد میں سجادگی کا سلسلہ جاری ہوا اور منجھلے پوتے سید سراج الدین کی اولاد معاش و جاگیر پر قابض رہی اور سجادگی سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا۔ چھوٹے پوتے حضرت شاہ نجم الدین کی اولاد میں چھٹی پشت میں شیخ بڑے کو نرینہ اولاد نہ تھی۔ ان کی صاحبزادی منّی بی (ننھی بی) صاحبہ حضرت خواجہ بندہ نواز کی اولاد میں سید محمد بندگی شاہ سے بیاہی گئی تھیں۔ ان کی اولاد میں سجادگی منتقل ہوئی۔ اس خاندان میں بارہ پشتوں تک سجادگی کا سلسلہ جاری رہا۔[10] ماضی قریب میں سجادگان میں سید شاہ احمد اللہ حسینی کا وصال 26/جمادی الثانی 1340ھ کو ہوا۔ ان کے بعد ان کی ہمشیرہ محترمہ احمدی بیگم کے فرزند اکبر سید شاہ اسد اللہ حسینی سجادہ نشین ہوئے۔ انکا انتقال یکم مئی 1989ء (1410ھ) کو ہوا۔ ان کے صاحبزادے سید شاہ لطیف محی الدین حسینی، قادری، رفاعی سجادہ نشین ہوئے۔ یہ آبائی اعتبار سے سید شاہ نورالدین قمیص القادری کی اولاد سے ہیں۔ ان کے پانچ فرزند اور دو دختران میں سے بڑے فرزند سید شاہ (غازی) محی الدین قمیص القادری کا وصال 14/جون 2025ء (ذوالحجہ 1446ھ) کو ہوا۔ حضرت سید شاہ لطیف محی الدین حسینی قادری، رفاعی کے چار فرزندان (1) سید مرتضیٰ محی الدین

قمیص القادری رفاعی (2) سید محمد پاشاہ قمیص القادری' رفاعی (3) سید شاہ مخدوم محی الدین قمیص القادری (4) سید شاہ غوث محی الدین قمیص القادری رفاعی اور دو دختران (1) بدرالنساء بیگم (2) تبسم فاطمہ موجود ہیں۔[11]

حوالہ جات

1۔ صدیقی، محمد اکبر الدین۔ مشاہیر قندھارِ دکن۔ حیدرآباد: بے نام ناشر، ذوالحجہ 1355ھ، ص28۔

2۔ صدیقی، محمد اکبر الدین۔ مشاہیر قندھارِ دکن۔ حیدرآباد: بے نام ناشر، ذوالحجہ 1355ھ، ص29۔

3۔ قندھاری، شاہ محمد رفیع الدین۔ انوار القندھار) فارسی)، قلمی نسخہ، رجب 1213ھ، ص23۔

4۔ حمزہ، منشی محمد امیر۔ تاریخ قندھارِ دکن۔ حیدرآباد: مولوی محمد نادر علی برترؔ، 1321ھ، ص196۔

5۔ چشتی، ابو حمزہ مفتی ظفر جبار۔ حیاتِ گنج شکر۔ لاہور: اکبر بک سیلرز، 2012ء، ص591۔

6۔ حمزہ، منشی محمد امیر۔ تاریخ قندھارِ دکن۔ حیدرآباد: مولوی محمد نادر علی برترؔ، 1321ھ، ص195۔

7۔ رفاعی، سید شاہ لطیف محی الدین (سجادہ نشین روضۂ بزرگ، قندھار)۔ حالات و کراماتِ حضرت سرور مخدوم سید سعید الدین۔ ناندیڑ: محمد معین الدین پینٹر، اندازاً 2000ء، ص8-7

8۔ حمزہ، منشی محمد امیر (اشاعتِ مکرر)۔ مکاشفاتِ سروری) اردو ترجمہ مکتوبات سرورِ مخدوم (، ترتیب از سید شاہ لطیف محی الدین حسینی۔ ناندیڑ: محمد معین الدین پینٹر، اندازاً 2000ء، ص55۔

9۔ صدیقی، محمد اکبر الدین۔ مشاہیر قندھارِ دکن۔ حیدرآباد: بے نام ناشر، ذوالحجہ 1355ھ، ص30،33،34۔

10۔ صدیقی، محمد اکبر الدین۔ مشاہیر قندھارِ دکن۔ حیدرآباد: بے نام ناشر، ذوالحجہ 1355ھ، ص34،37۔

11۔ حسینی، سید شاہ لطیف محی الدین (سجادہ نشین)۔ مکاشفاتِ سروری) ترتیبِ مکرر)۔ ناندیڑ: محمد معین الدین پینٹر، اندازاً 2000ء، ص2۔

شہر ناندیڑ کی چند بارگاہوں اور خانقاہوں کی خدمات:

قطبِ ناندیڑ حضرت سید شاہ کامل داد علیہ الرحمہ (المعروف شہنشاہ ناندیڑ)

726ھ میں ایک بزرگ سید شاہ کامل داد نامی سیاحت کرتے ہوئے ناندیڑ تشریف لاکر مقامی راجہ کے باغ کے قریب ٹھہرے۔ حسب رواج راجہ نے انھیں اپنا مذہب اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اور انکار پر حدود سلطنت سے نکل جانے کا حکم دیا۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ جس کے سبب راجہ نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ آپ کے مریدوں اور معتقدین نے مذہب اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ دیکھ کر راجہ بہت زیادہ غضب ناک ہوا۔ اور سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کو تکلیفیں دینی شروع کیں۔ جس سے تنگ آکر آپ نے ایک مرید کے ذریعہ ان واقعات کی اطلاع دہلی کے بادشاہ سلطان غیاث الدین تغلق کو دی اور اُس سے امداد مانگی۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے 728ھ میں سید فخر الدین کے زیر سرکردگی ایک لشکر روانہ کیا۔ مخالفین نے چھ ہزار افراد کی فوج لاکر مقابلہ کیا۔ حق و باطل کی اس جنگ میں سید فخر الدین سپہ سالار کے بھتیجے اور اسلامی فوج کے سردار سید برہان الدین نے جام شہادت نوش کیا۔ سید فخر الدین نے یہ اطلاع پاکر مزید فوج روانہ کی۔ تین روز کی مسلسل جنگ کے بعد حضرت شاہ کامل داد کی دعا

کی برکت سے اس سرزمین پر پرچم اسلام لہرایا۔ فوجیوں کو اپنے سردار کا جسم مبارک (بغیر سر کے) ملا۔ انھوں نے جسم مبارک کی تدفین گوداوری ندی کی دوسری جانب کی۔ اس مقام پر ایک موضع وسرنی کے نام سے اب تک آباد ہے۔ پھر ناندیڑ کے قلعہ میں سید برہان الدین شہید کا سر نیزے پر لگا ہوا دستیاب ہوا۔ جس کو سپہ سالار سید فخر الدین نے اپنی فوجی چھاؤنی کے قریب دفن کروادیا۔ (یہ محلہ "پیر برہان نگر" کے نام سے آج بھی آباد ہے۔ اس طرح حضرت سید برہان الدین شہید کی دو مزاریں تقریباً (5) کلو میٹر کے فاصلہ پر مرجع خلائق ہیں۔)

چوتھے روز منوڈنڈیہ (جو مقامی راجہ کا اہم وزیر تھا) کی رہبری میں سید فخر الدین سپہ سالار نے حضرت سید شاہ کامل داد سے ملاقات کی۔ منوڈنڈیہ نے اسلام کے نور سے ہدایت پائی۔ جس کو "خان" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ (راجاؤں کے عہد میں "ڈنڈیہ" اُس کا مدار یعنی وزیر کو کہتے تھے جو چاوڑی یعنی آبادی کے اہم مقام پر حاضر رہ کر حکومت کے ہر کام کی تکمیل کرلیا کرتا تھا) ناندیڑ کے محلہ منڈھائی میں ایک خاندان ڈنڈیوں کے نام سے اب تک آباد ہے۔ اسی مقام پر ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے جو ''مسجد ڈنڈیان'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ سفید بافوں (کپڑا بُننے والوں) کی ایک جماعت نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ جن کو "مومن" کہا جاتا ہے۔ ناندیڑ میں آج بھی پانچ محلّے (مومن پورہ، کربلا، ہتائی، غنیم پورہ، نئی مسجد) ان اہل اسلام سے آباد ہیں۔

ناندیڑ میں پہلی اسلامی درس گاہ کا قیام: سن 726ھ میں تشریف لائے ہوئے حضرت سید کامل داد کی کوششوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے کہ 728ھ کے آس پاس اس سرزمین پر اسلام کی نشونما ہوئی۔ اور کثیر لوگ معبودان باطل کی پرستش کو چھوڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے لگے۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں کے اخلاق وکردار اور عادات واطوار کو دیکھ کر بہت سارے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ اور سید فخر الدین سپہ سالار نے لوگوں کو دین متین کی تعلیم وتربیت دینے اور قرب حق تعالیٰ ومعرفت کی راہ بتانے کے لیے باقاعدہ سید کلیم اللہ نامی ایک عالم دین کو منتخب فرمایا۔ اور اہل ایمان کی حفاظت کے لیے اژدھا خان نامی ایک سردار کو (100) سواروں کے ساتھ یہاں کا عامل مقرر کیا۔ عالم سید کلیم اللہ اور حاکم اژدھا خان نے اپنے نام سے ایک محلہ بھی آباد کیا۔ جو ''اژدھاپور'' سے تبدیل ہوکر ''اردھاپور'' کہلایا۔ (یہ مقام ناندیڑ کے قرب میں آج بھی موجود ہے۔) حضرت شاہ کامل داد نے ناندیڑ میں علوم اسلامیہ کی سب سے پہلی درس گاہ قائم کرکے اہلیان ناندیڑ کو یہ پیغام دیا کہ اہل اسلام کو علم دین کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ حضرت سید کامل داد کی ناندیڑ آمد سے پہلے یہ شہر ''نندی دَیر'' (بیل کی پرستش کرنے والوں کا بُت خانہ) کہلاتا تھا۔ آپ اور سید فخر الدین سپہ سالار نے اس شہر کا نام تبدیل کرکے ''نادَیُر'' (بُت خانہ نہیں) رکھا جو کثرت استعمال سے "ناندیڑ" ہوگیا۔ (1)

حضرت شاہ کامل داد کی شان ولایت: آپ ماں پیٹ سے (مادرزاد، پیدائشی) ولی تھے۔ شاہ کامل داد نام تھا۔ آپ افغانی تھے۔ شہر ناندیڑ میں سکونت پذیر تھے۔ آپ مجذوب باکمال تھے (جو بندہ عشقِ الٰہی میں ایسا غرق ہوجائے کہ اس کی عقل جاتی رہے اسے مجذوب کہتے ہیں۔ اس پر احکام شریعت کی تکلیف لاگو نہیں ہوتی۔ چنانچہ کبھی کبھار بظاہر خلاف شرع اُمور ان سے صادر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ٹیڑھی سیدھی ہر بات کو پسند کرتا ہے۔ ہمیں ان کے پوشیدہ حالات کا علم نہیں

ہوتا۔ اس لیے اس سلسلہ میں کوئی لب کشائی نہیں کرنی چاہیے۔)(2)،(3)

آپ ہمیشہ قندھار (دکن) میں روضۂ حاجی سیاح سرور مخدوم قدس سرہٗ پر تشریف لے جاتے۔ سید ابراہیم سجادہ نشین جو اُس مقام پر تھے اور ان کے نانا برہان اللہ شاہ تھے، اُن سے محبت رکھتے تھے۔ حضرت کامل داد کا مقبرہ ناندیڑ کے شہر میں مشہور ہے۔(4) شہنشاہ ناندیڑ حضرت سید کامل داد کے آستانہ پر ملت کے افراد کے علاوہ غیر مسلم برادران وطن کثرت سے حاضر ہوتے ہیں۔ یہ بار گاہ آسیب، جادو، ٹونا، جسمانی امراض سے شفاء کے لیے خاص طور پر مشہور ہے۔ یہاں پھول، شیرینی فروخت کرنے والوں میں غیر مسلم برادران وطن بھی شامل ہیں۔ ہمارے محبوب ملک ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کے مطابق قومی یکجہتی کی اعلیٰ تصویر حضرت سید کامل داد کے آستانہ پر دیکھنے کو ملتی ہے۔

حضرت سید شاہ علی حسینی چشتی علیہ الرحمہ:

حضرت سید شاہ علی حسینی چشتی کا آستانہ قدیم مونڈھا (جس کا نام پہلے حمایت گنج تھا) میں مدینہ مسجد (کچھیوں کی مسجد) سے متصل ہے۔ "حضرت سید شاہ علی کی گنبد" میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ مدفون ہیں۔ 1058ھ میں سید ناصر علی خان حکومت ناندیڑ پر (صوبہ دار کے طور پر) مامور تھے۔ اس کے بعد ان کے بھتیجے سید شاہ علی خاں (صوبہ دار کے طور پر) مامور کیے گئے۔ انھوں نے ایک باغ اور تالاب بنوایا۔ رعایا ان کے زمانے میں بہت خوش تھی۔ ان کو فرشتہ صفت کہا جاتا تھا۔ بعد وفات اپنے ہی باغ میں مدفون ہوئے۔ ناندیڑ میں "شاہ علی کی گنب" کے نام سے آپ کا مقبرہ موجود ہے جو سنگ بستہ (پتھروں سے بنایا ہوا) ہے۔ 1083ھ (1672ء) میں سید شاہ علی خاں کے وصال کے بعد نواب فتح جنگ خاں ناندیڑ کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔(5)

مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوا کہ اولیاءاللہ نے حکومتی ذمہ داریوں کے ذریعہ بھی خدمت خلق کر کے رعایا کو اسلامی تعلیمات کی خوبیوں کا عملی نمونہ بتلایا ہے۔ جس سے انسانی ہمدردی اور قومی یکجہتی فروغ پاتی ہے۔ اور لوگ دین اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ ان کے سالانہ عرس کی تقریب 29/ ذوالحجہ کو بعد مغرب منائی جاتی ہے۔ ان کے مقبرہ کے اطراف میں ان کی وسیع انعامی زمینات ہیں۔

حضرت سید شاہ علی حسینی چشتی کا شجرۂ نسب: (1) سید شاہ برہان الدین حسینی (2) سید شاہ علی مولانا حسینی (3) سید شاہ برہان حسینی (4) سید شاہ ناصر حسینی شہید (مقبرہ بسمت نگر میں ہے) (5) سید شاہ علی حسینی چشتی (مقبرہ قدیم مونڈھا، ناندیڑ میں ہے) حضرت سید شاہ علی حسینی کی اولاد: آپ کی اولاد کی تفصیل درج ذیل ہے۔ (5) سید شاہ علی حسینی چشتی سید شاہ امین الدین سید شاہ عبدالقادر حسینی (6) سید شاہ مخدوم حسینی سید شاہ مصطفیٰ حسین (7) سید شاہ قتال حسینی (8) سید شاہ ذوالفقار حسینی (9) سید شاہ اسمٰعیل حسینی (10) سید شاہ عثمان حسینی (11) سید مصطفیٰ حسینی سید مخدوم حسین (12) سید فخر خالد حسینی **تعمیر مدینہ مسجد:** سید شاہ عثمان حسینی مرحوم نے درگاہ حضرت سید شاہ علی حسینی سے متصل ایک قطعہ زمین مسجد کے لیے وقف کی تھی۔ اس قطعہ زمین پر 12/ خورداد 1343 فصلی (1352ھ) کو سید شاہ علی حسینی کی گنبد کے متصل منجانب کچھیان ناندیڑ ایک وسیع اور خوبصورت مسجد کی تعمیر کا کام اختتام کو پہنچا۔ یہ مسجد " مدینہ مسجد " کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس مسجد کا افتتاح حضرت حبیب احمد بن عیدروس

العیدروس نے فرمایا۔(6)

حضرت نواب فتح جنگ خاں غازی علیہ الرحمہ: سن 1083ھ (1672ء) میں سید شاہ علی خاں کے وصال کے بعد نواب فتح جنگ خاں ناندیڑ کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔ انھوں نے یہاں ایک باغ لگوایا۔ اور ایک محلہ بھی اپنے نام سے آباد کیا جو ابھی تک ان ہی کے نام سے موسوم ہے۔ بعض کتابوں میں نواب فتح جنگ خاں ابن زکریا خان برادر عثمان روہیلہ کی ترقی 1068ھ میں بتلائی گئی ہے۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ 1083ھ میں یہ ناندیڑ کے صوبہ دار تھے۔ ممکن ہے کہ اس سے قبل صوبہ دار ناندیڑ کے تحت ہی کسی عہدہ پر ترقی پائی ہو۔ محلہ گنج قدیم میں ایک باؤلی ان کے زمانہ کی تیار کردہ ہے۔ جس پر کتبہ 1057ھ کا کندہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عرصہ سے ناندیڑ میں مقیم تھے۔ باؤلی کے ساتھ ساتھ ایک مسجد بھی ہے۔ اور اس کے متصل ان کا مقبرہ بھی ہے۔ درگاہ حضرت شیخ فتح اللہ صاحب نوری (جو مخدوم سید میراں تّکھا شاہ ولی، بڑی درگاہ، گادی پورہ، ناندیڑ کے مرید اور پہلے خلیفہ تھے) پر جو کتبہ کندہ ہے، اس سے ظاہر ہے کہ حضرت شیخ فتح اللہ نوری کا مقبرہ و مسجد موقوعہ بڑی درگاہ، گادی پورہ، ناندیڑ کو محمد نصرت خان ابن نواب فتح جنگ خاں نے تعمیر کروایا ہے۔ حضرت (شیخ فتح اللہ نوری) کا سن وصال 1070ھ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نواب فتح جنگ خاں کو محمد نصرت خاں نامی کوئی لڑکا بھی تھا۔(7)

حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری علیہ الرحمہ (وصال 1127ھ)

حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری ابن سید شاہ محمود قادری ابن سید شاہ مصطفیٰ قادری ناندیڑ کے محلہ مشائخان (متصل محلہ سیدان) میں آرام فرماہیں۔ وہیں آپ کی بارگاہ سے متصل مسجد مشائخان، دارالمطالعہ اور قبرستان ہے۔ آپ کے جدّ اعلیٰ حضرت ابوالفتح شمس الدین محمد قادری ملتانی (المعروف ملتانی بادشاہ، بیدر شریف) ہیں۔ حضرت ملتانی بادشاہ (بیدر شریف) کی (7)ویں پشت میں ناندیڑ کے حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری ہیں جن کا وصال 1127ھ میں بسمت نگر (ضلع ہنگولی) میں ہوا تھا اور ان کی تدفین ناندیڑ کے محلہ مشائخان میں عمل میں آئی۔ آپ کے جدّ اعلیٰ حضرت ابوالفتح شمس الدین سید محمد قادری ملتانی (المعروف ملتانی بادشاہ) بیدر شریف میں تولد ہوئے۔ سلطان علاؤالدین بہمنی کے دور حکومت میں آپ کے والد سید ابراہیم ملتانی اور دادا حضرت سید فتح اللہ ملتانی، ملتان سے بیدر تشریف لائے تھے۔ منقول ہے کہ سید ابراہیم ملتانی نسب میں خود کو "ربیع الاسماعیلی" لکھا کرتے تھے۔(8)

حضرت ملتانی بادشاہ کو حضرت شیخ حسن جمیلی قادری نے بنگال سے تشریف لا کر سلسلۂ قادریہ میں مرید کیا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت بہاء الدین انصاری دولت آبادی نے حضرت سیدنا غوث اعظم کے حکم پر حضرت ملتانی بادشاہ کے لیے خرقۂ خلافت بھجوایا تھا۔ حضرت ملتانی بادشاہ کے دوسرے صاحبزادے کا اسم مبارک بھی حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری (م 13/ رمضان 985ھ) تھا جو پاتھری (ضلع پربھنی) میں آرام فرماہیں۔ ان کی نسل پاتھری، ناندیڑ، حیدرآباد وغیرہ میں پھیلی ہوئی ہے۔

مسجد مشائخان اور خانقاہ کی تعمیر: ناندیڑ کے حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری (م 1127ھ) کی اولاد میں حضرت سید شاہ عبدالحق حکومت نظام کے محکمہ امور مذہبی میں مفتی کے عہدہ پر فائز تھے۔ حضرت سید شاہ عبدالحق کے فرزند کا نام مبارک بھی حضرت سید شاہ اسمٰعیل

قادری (جاگیر دار موضع پیپری مہی پال) تھا۔ انہوں نے مسجد مشائخان اور خانقاہ کی تعمیر کا کام انجام دیا۔ ان کے دور میں یہ خانقاہ رشد و ہدایت کا اہم مرکز تھی۔

حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری ملتانی کا عرس 29/ ذوالحجہ کو بعد نماز ظہر منایا جاتا ہے۔

حضرت سید شمس الدین یتیم شاہ ولی قادری ملتانی مجذوب علیہ الرحمہ:

حضرت سید شمس الدین یتیم شاہ ولی کے والد ناندیڑ کی ایک بزرگ شخصیت شیخ المشائخ حضرت سید شاہ اکبر قادری ملتانی کے مرید خاص تھے۔ حضرت سید شاہ اکبر قادری ملتانی دراصل حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری کی اولاد میں (5) ویں پشت میں تھے۔ ان کا تذکرہ پچھلے صفحات میں گذر چکا۔ مرید خاص کو ایک عرصہ تک اولاد کی نعمت حاصل نہ تھی۔ انھوں نے اپنے مرشد گرامی حضرت سید شاہ اکبر قادری ملتانی سے درخواست کی کہ وہ اولاد کے لیے دُعا فرمائیں۔ اس کے علاوہ مرید خاص نے یہ بھی عرض کیا کہ اگر مجھے لڑکا تولد ہوا تو اسے میں اپنے پیر و مرشد کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا۔ چنانچہ پیر و مرشد کی دُعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور حضرت سید شمس الدین یتیم شاہ ولی قادری کی ولادت ہوئی۔ نومولود کے ہوش سنبھالتے ہی ان کے والد محترم نے اپنے فرزند کو حضرت سید شاہ اکبر قادری کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت یتیم شاہ ولی ملتانی مجرد رہے (نکاح نہیں فرمایا) اور تاحیات ظاہری اپنے پیر و مرشد اور ان کے خاندان کے ساتھ ہی گذر بسر فرمائی۔ حضرت یتیم شاہ ولی پر بہت جلد جذب کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اور انھوں نے اپنی تمام ظاہری زندگی اسی کیفیت جذب میں گزاری۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت سید اکبر قادری کی اہلیہ محترمہ (پیرانی ماں صاحبہ) کے علاوہ اگر کوئی اور کھانا پکا کر بھیجتا تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے پتہ چل جاتا اور آپ دوڑ ہی سے ہاتھ بتا کر کھانا واپس فرمادیتے۔

حضرت یتیم شاہ ولی کی دُعا سے امام محمد انواراللہ فاروقی کی ولادت: شیخ الاسلام امام محمد انواراللہ فاروقی کی والدہ مرحومہ نے اپنے صاحبزادہ کی ولادت سے پہلے کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ شادی کے بعد ایک عرصہ تک مجھے کوئی اولاد نہیں ہوئی تو میں نے حضرت سید شمس الدین یتیم شاہ ولی قادری نامی ایک مجذوب کی خدمت میں کچھ میوہ بھیج کر دریافت کروایا کہ آیا مجھے اولاد ہو گی یا نہیں۔ حضرت یتیم شاہ ولی نے کہلا بھیجا کہ " لڑکا ہو گا اور وہ عالم و فاضل ہو گا" اس کے بعد جب آثارِ حمل دکھائی دیے تو میں نے خواب میں حضرت سر دار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت کلام مجید فرماتے ہوئے دیکھا۔ اور مولانا محمد انواراللہ فاروقی 4/ ربیع الثانی 1264ھ بمقام ناندیڑ (مہاراشٹر) پیدا ہوئے۔ (9)

یہ حسین اتفاق ہے کہ شیخ الاسلام امام محمد انواراللہ فاروقی (جنھوں نے تقریباً 28/ سال کی عمر میں مدرسہ نظامیہ حیدرآباد کی بنیاد رکھی۔ اب یہ "جامعہ نظامیہ" کے نام سے عالم گیر شہرت یافتہ یونیورسٹی ہے) کی ولادت ایسے مجذوب بزرگ کی دُعا سے ہوئی، مجذوب کی ولادت بھی اپنے پیر و مرشد حضرت سید شاہ اکبر قادری کی دُعا سے ہوئی تھی۔

پیر و مرشد سے والہانہ محبت اور وصال: حضرت سید شمس الدین یتیم شاہ ولی قادری کو اپنے پیر و مرشد حضرت سید شاہ اکبر قادری ملتانی کی ذات مبارک، ان کے خاندان اور اس مقام سے خصوصی محبت تھی جہاں بیٹھ کر پیر و مرشد اپنے مریدوں کو رشد و ہدایت سے

سر فراز فرماتے اور قرب الٰہی کی منزلیں طئے کراتے تھے۔ بالآخر اسی جگہ پر حضرت یتیم شاہ ولی کا وصال ہوا۔ اور وہیں پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کا عرس 29/ ذوالحجہ کو بعد عصر منایا جاتا ہے۔

حضرت سید شاہ محی الدین قادری علیہ الرحمہ (وصال 14/ صفر المظفر 1222ھ)

شجرۂ نسب: حضرت سید شاہ غلام علی قادری ابن حضرت سید شاہ موسیٰ قادری (حیدر آباد دکن) نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "مشکواۃ النبوۃ" (جلد 8) میں حضرت سید شاہ محی الدین قادری ناندیڑی کا شجرۂ نسب یوں بیان فرمایا ہے کہ آپ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ آپ کے والد گرامی سید بڑے بن سید میر اں بن سید بڑے بن سید منجھے (سید شاہ منجھن قادری جن کا آستانہ محلہ ناؤگھاٹ میں مسجد شاہ منجھن سے متصل ہے) بن سید میر اں سے ہوتے ہوئے (24) واسطوں سے سید قطب الآفاق سید تاج الدین عبدالرزاق اور (25) واسطوں سے سیدنا غوث اعظم سے جاملتا ہے۔

سلسلۂ طریقت: حضرت سید شاہ محی الدین قادری کو نعمت خلافت قادریہ آپ کے والد ماجد حضرت سید بڑے سے حاصل ہوئی تھی۔ اور سلسلۂ چشتیہ میں آپ کے ماموں شاہ شریف اللہ سے بھی حاصل تھی جن کے توسّل سے یہ سلسلہ چند واسطوں بعد حضرت امین الدین علی اعلیٰ (بیجاپور)، کرناٹک) تک جا پہنچتا ہے۔

عبادت وریاضت: حضرت سید شاہ محی الدین قادری بہت زیادہ عبادت وریاضت کرنے والے، ساری رات عبادت اور وظائف میں گزارنے والے، اور ہر دن نفل روزہ رہنے والے تھے۔ آپ رات میں جو بھی تناول فرماتے، اسے پہلے کوٹ لیتے۔ یہ صدیقوں کا طعام کا طریقہ ہے۔

آپ تمام لوگوں سے شفقت، محبت اور نرم دلی اور بہترین اخلاق سے پیش آتے تھے۔ طبیعت میں بہت زیادہ تواضع وانکساری تھی۔ آپ سے کثیر کرامات ظاہر ہوتے تھے۔ جو آپ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک شان محبوبیت کی دلیل ہے۔

وصال اور مزار مبارک: آپ نے اپنے انتقال سے چند ماہ قبل کھانے پینے کی چیزوں کو ترک کر دیا تھا۔ اور صرف تھوڑے سے دودھ پر اکتفا فرماتے تھے۔ آپ کا وصال 14/ صفر المظفر 1222ھ کو ہوا۔ مزار مبارک ناندیڑ میں متصل گنج شاہ نور محمد چشتی کے روضہ (امد اللہ باغ، نزد ایم.جی ایم کالج، ناندیڑ) میں ہے جو شاہ شریف اللہ (حضرت سید شاہ محی الدین قادری ناندیڑی کے ماموں اور چشتیہ سلسلہ کے پیر ومرشد) کے پیر کے پیر تھے۔ آپ کا آستانہ فیضان کے لیے مشہور ومعروف ہے۔

اولاد امجاد: آپ کے تین ذی قدرت صاحبزادے تھے۔ سید غلام علی، سید درویش علی، اور سید امین الدین علی، ان میں سے دوسرے صاحبزادے نے والد محترم کے روبرو تمام مراتب کی تکمیل کرلی اور اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ (10)، (11)، (12)

حضرت شاہ حسین لکڑ مجذوب علیہ الرحمہ (وصال 1256ھ)

حضرت شاہ حسین لکڑ مجذوب کے والد ماجد سپاہ پیشہ مرد صالح تھے۔ کسب حلال (جلانے کی لکڑیاں فروخت کرکے) سے زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت شاہ حسین لکڑ دراصل شاہ عبد القادر عرف میاں صاحب کے مرید وخلیفہ تھے۔ حضرت میاں صاحب کے نسب

کا سلسلہ حضرت ملتانی بادشاہ بیدری سے جاملتا ہے۔ عاشورہ محرم کے دن علم کو ہاتھ میں تھام کر اُچھل رہے تھے۔ ایک بزرگ مقابل میں ہوئے اور علم پر ہاتھ مارا۔ آپ اسی وقت بے ہوش ہو کر زمین پر گرے۔ ایک ہفتہ کے بعد آپ کا زخم مندمل ہوا، تو آپ کا پچھلا حال نہ رہا۔ اور آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ اور کئی لوگ آپ کے مرید ہوگئے۔

کسب حلال اور خدمت خلق: اکثر اوقات آپ لکڑی کا گٹھا جنگل سے لاتے اور بازار میں فروخت کرتے۔ اس کسب حلال کا کرشمہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر دینی اور دنیاوی انعامات کی فراوانی کردی۔ آپ نے نوسو روپیہ کی تانبے کی بڑی دیگیں بنواکر رکھی تھیں۔ ان دیگوں میں سال میں دو تین مرتبہ اس قدر کھانا پکتا کہ آدھا ناندیڑ اسے تناول کرتا۔ اور دیگر مقام پر ایک دیگ رکھوائی تھی جس سے بقیہ آدھا ناندیڑ مستفید ہوتا۔

سماع اور وجد: آپ اکثر سماع سنتے اور ایسا وجد و حال فرماتے کہ تین یا چار گھنٹوں تک بے ہوش رہتے۔ اگر راستہ میں کوئی کمزور اپنے سر پر لکڑی کا گٹھا اُٹھائے ہوئے نظر آتا تو آپ اس کا گٹھا اپنے سر پر لے لیتے اور اس کے گھر تک پہنچا دیتے۔ اکثر فرماتے تھے کہ میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی درگاہ کے مطبخ کا باورچی ہوں۔ (یعنی یہ لنگر غوثیہ ہے جو تمھیں کھلا رہا ہوں۔)

جب کبھی حضرت سید شاہ موسیٰ قادری (حیدرآباد دکن)، نواب خان عالم خاں کی رسوخِ عقیدت (گہری عقیدت) کی بناء پر بسمت نگر جاتے تو ناندیڑ میں حضرت شاہ حسین لکڑ سے ملاقات فرماتے۔ حضرت شاہ حسین لکڑ، حضرت شاہ موسیٰ قادری کی بڑی خاطر تواضع فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر حضرت سید شاہ موسیٰ قادری سے پان کا اُگال لے کر تناول کیا اور چند شکریہ اور دُعائیہ کلمات فرمائے۔ حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کے دوسرے سفر ناندیڑ و بسمت نگر کے موقع پر ناندیڑ کے حاکم خواجہ مومن خاں کے نارواابرتاؤ کی وجہ سے حضرت سید شاہ موسیٰ قادری ناندیڑ میں رُکنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن حضرت شاہ حسین لکڑ کے اصرار پر چار روز ناندیڑ میں رُک گئے۔ روزانہ محفل سماع ہوتی رہی۔ پانچویں روز رُخصت کے وقت نصف میل تک ساتھ جاکر واپس ہوئے اور جو کچھ کپڑے وغیرہ بطور نذر لائے تھے، وہ حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کو پیش کیا۔

وصال اور آستانہ: حضرت شاہ حسین لکڑ کا وصال 1256ھ میں ہوا۔ جس ٹیلہ پر آپ اکثر رہا کرتے تھے (اسے ''مال ٹیکڑی'' کہا جاتا ہے) وہیں پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ وصال کے بعد بھی زائرین آپ سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ زائرین میں مسلمانوں کے علاوہ سکھوں کی بڑی تعداد ہوتی ہے۔ (13)، (14)، (15)، (16) ایک عرصہ تک ماہ شعبان المعظم میں آپ کا عرس عقیدت سے منایا جاتا تھا۔ اب یہ سلسلہ موقوف ہے۔

حضرت محمود شاہ نقشبندی علیہ الرحمہ (وصال 6،5/ شعبان المعظم 1317ھ)

اسم گرامی محمود خان بن کمال خان بن سلطان خان۔ پیر و مرشد نے آپ کا نام محمود شاہ رکھا۔ مذہباً اہل سنت و جماعت، قومیت پٹھان اور قبیلہ یوسف زئی سے آپ کا تعلق تھا۔ آپ کے نانا قاضی کریم الدین مرحوم مومن آباد (امباجوگائی) ضلع بیڑ کے متوطن تھے۔ ولادت: 17/ رجب المرجب 1249ھ یوم دوشنبہ بمقام ناندیڑ ہوئی۔ آپ نے محمد عالم پشوری، حضرت عبدالشکور بخاری نقشبندی، محمد

شریف خان، مولوی محمد تاش، مولوی محمد ذاکر سے علوم ظاہری اور باطنی کا اکتساب فرمایا ہے۔

بیعت: ابتداءً حضرت محمود شاہ نے حضرت عبدالشکور بخاری مدنی (جو روضۂ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے جاروب کش تھے۔ انھیں جنت کی کیاری کا مالک کہا جاتا تھا۔ چالیس برس مسجد نبوی شریف میں دلائل الخیرات کا درس دینے میں مشغول رہے) کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت محمود شاہ نے مدینہ منورہ میں ان کی صحبت میں دو سال قیام کیا اور مدارج سلوک طئے کیے۔ آپ نے (6) بار دلائل الخیرات شریف حضرت عبدالشکور بخاری مدنی سے پڑھ کر اجازت لی۔ اور قصیدہ بُردہ شریف کی اجازت بھی حاصل کی۔

حسب ہدایت مُرشد اوّل، حضرت محمود شاہ نے 1270ھ یا (1271ھ) میں حضرت مسکین شاہ ولی نقشبندی، حیدرآبادی کے دست مبارک پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور (40) سال تک اپنے مرشد کی غلامی، نعلین برداری اور خدمت میں حاضر رہ کر فیوض و برکاتِ روحانی حاصل کیں۔ حضرت پیر و مرشد قبلہ نے حضرت محمود شاہ کو 1280ھ میں خلافت عطا فرما کر جملہ خاندانوں میں بیعت کی اجازت عطا فرمائی۔ حضرت محمود شاہ طریقۂ نقشبندیہ و قادریہ ہی میں لوگوں کو بیعت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک ہے۔ (17)

حج وزیارت: حضرت محمود شاہ گیارہ حج کر کے زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ آپ کا پہلا حج (17) سال کی عمر میں ہوا۔ اور (11) واں حج (1304ھ) میں ہوا۔ آپ کے سفر حج وزیارت کا طریقہ یہ تھا کہ ناندیڑ سے بمبئی تک پاپیادہ (پیدل) سفر کرتے۔ اور بمبئی سے بحری جہاز پر سوار ہوتے جو بادبان (پردوں) کی مدد سے چلتے تھے۔ پھر جدّہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا سفر اونٹ اور خچر کی سواری پر ہوتا تھا۔ اپنی متوکل اور درویشانہ زندگی کے باوجود کئی حضرات کی اس سفر میں مدد فرماتے۔ ان اسفار میں آپ علمائے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوتے اور اُن سے اکتساب فیض فرماتے تھے۔ زیارت حرمین شریفین کا شوق ایسا تھا کہ ایک مرتبہ آپ پانی کا گھڑا لے کر دریائے گوداوری ندی ناندیڑ پانی لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ کسی شخص نے ندی (کے کنارے) پر آپ سے کہا کہ حضرت حج کا زمانہ آگیا، آپ تشریف نہیں لے گئے۔ آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ گھڑا ندی پر ہی چھوڑ دیا اور سیدھے حج وزیارت کے لیے چل دیئے۔ لوگوں نے آپ کے گھر پر آپ کی روانگی کی اطلاع دی۔ (18)

تصانیف و کتب خانہ: حضرت محمود شاہ نقشبندی کے کلام اور مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کس ذوق کے بزرگ تھے۔ علم تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف پر آپ کو کافی عبور حاصل تھا۔ چناں چہ اس کا ثبوت آپ کا کتب خانہ ہے جو ان چاروں علوم کے علاوہ اسلامی ادب و تواریخ پر مشتمل ہے۔ آپ نے فرمایا: ہمارے کاغذوں کا ایک ایک پرچہ بھی بڑے بڑے کام کا ہے۔ ان کو بھی حضرت یتیم شاہ مجذوب ناندیڑی کی چندھیاں سمجھنا۔ آپ کی تصانیف میں سے "رسائل لطیفۂ محمودی"، "چراغ محمود"، "روضۂ قصائد محمود" جو کافی عرصہ قبل شائع ہو چکے تھے اور اب کم یاب ہیں۔ اس کے علاوہ "دیوان محمود" کے کئی ہزار نسخے اسی زمانہ میں فروخت ہو چکے۔ آپ کے چھوٹے صاحبزادے محمد عبدالرشید خان (جن کا مزار مبارک بھوکر میں ہے) نے آپ کے کاغذات کو "یادگار محمود" کے نام سے جمع کیا۔ یہ قلمی نسخہ (5) جلدوں اور تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے پانچ حصوں " دیوان محمود"، "مثنوی محمود"،

”حالات محمود“، ”مکتوبات محمود“ اور ”تقریر محمود“ سے آپ کے تبحر علمی، شاعرانہ مہارت اور روحانی مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔(19)،(20)

حضرت محمود شاہ نے فرمایا: فقیر کو حالات و جذبات میں (40) برس گزرے۔ پیر و مرشد کی توجہ اور ذکر و شغل کی برکت سے الحمدللہ نماز کسی وقت کی قضا نہیں ہوئی۔(21)

اخلاق و کردار: آپ شب بیدار، تہجد گزار، عابد، پابند صوم و صلوٰۃ، تقریباً روزانہ نفل روزے رہنے والے، رات میں قیام فرمانے والے، اتباع سنت کے سخت پابند تھے۔ ریاضت ایسی کہ کئی سال نانِ جوار، پھوڑنی (ٹکڑا) بیگن کی تناول کر کے سلوک طئے فرمایا۔ آپ کے مزاج میں نہایت سادگی تھی۔ بچّے سے بھی ملنساری کی گفتگو فرماتے۔ غریبوں کو کھانا کھلاتے۔ مریدوں کی خود مالی امداد فرماتے۔ اخلاق ایسے تھے کہ ہر مرید یہی سمجھتا تھا کہ سب سے زیادہ محبت میرے ساتھ ہے۔(22)

صوفیانہ شاعری: حضرت محمود شاہ نقشبندی ایک قادرالکلام اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ مگر آپ کی شاعری کا عنوان گل و بلبل نہیں تھا بلکہ آپ شمع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے تھے۔ آپ کے کلام منظومات بزبان عربی، فارسی اور اردو میں موجود ہیں۔ آپ کے لکھے ہوئے نعتیہ کلام کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ان میں سے اکثر قصائد سفر حرمین شریفین کے دوران تیار ہوئے ہیں۔ اور وہاں کے علماء اور کامل لوگوں کو سنانے کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے ہر قصیدہ میں اپنے مرشد کو مخاطب فرمایا ہے۔ تبرکاً کچھ اشعار حسب ذیل ہیں۔

کیا ہی وسعت دی ہے حق نے دامنِ محبوب ﷺ کو جرم کُھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے

نہ کیوں پیروی ہم کریں ان کی یارو رضائے خدا ہے رضائے محمد ﷺ

روحانی مقام: حضرت محمود شاہ ولی بڑے بلند روحانی مقام پر فائز تھے۔ اس کا اندازہ حسب ذیل روایتوں سے ہوتا ہے۔

چھوٹے صاحبزادے حضرت محمد عبدالرشید خان مرحوم کی جانب سے مراقبوں کا ذکر سن کر حضرت محمود شاہ ارشاد فرمائے: میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ شریف میں بیٹھ کر لطیفۂ دِل سے حب صرفہ تک آموختہ پڑھا، یکایک روضۂ شریف میں سے انگشت مبارک کا اشارہ معلوم ہوا۔ اور میں مراقبوں کا آموختہ موقوف کیا۔ حضرت محمود شاہ ولی کے بارے میں ان کے پیر و مرشد حضرت مسکین شاہ نقشبندی حیدرآبادی نے فرمایا: محمود شاہ! ہم نے تم کو ہفت اقلیم (سات براعظم بمعنی ساری دُنیا) کی بادشاہت دی۔ کبھی فرمایا: یہ شخص رجال الغیب (نظر نہ آنے والی نیک مخلوق) ہے۔ ہر ایک کام میں پہلوان ہے۔ کبھی فرمایا: محمود شاہ مثل میری آنکھ کے ہیں۔ حضرت حبیب عیدروس بن حسین العیدروس نے فرمایا: محمود شاہ اس زمانہ کے سلمان فارسی ہیں۔ ہمارے اہل بیت سے ہیں۔ ان کا ہر بُنِ مو (بال کی نوک) عربی ہے۔ اگرچہ لسانی (بولی) عجمی ہے۔(23)

کشف و کرامات: حضرت محمود شاہ نقشبندی کی کرامات بہت ساری ہیں۔ انھیں احاطۂ تحریر میں لانا دُشوار ہے۔ آپ کے چھوٹے

صاحبزادے حضرت محمد عبدالرشید خان مرحوم نے "حیات محمود" نامی کتابچہ میں (30) کرامتوں کا ذکر کیا ہے۔ دو کرامتیں درج ذیل ہیں:

آپ کے دسویں سفر حج میں بحری جہاز طوفان میں آگیا تھا۔ آدھی رات کو کپتان نے دُعا کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے مسافروں کو مطمئن فرمایا کہ ہم دُعا کرتے ہیں۔ ان شاءاللہ تعالیٰ طوفان ٹل جائے گا۔ آپ نے ایک قصیدہ جہاز پر مسافرین کی پریشانی کی حالت میں تصنیف فرمایا۔ جس کا مطلع حسب ذیل ہے۔

خدا چاہے ملک عرب دیکھتے ہیں ان آنکھوں سے ہم بیتِ رب دیکھتے ہیں

آپ کے مُرید خاص نے جہاز پر قصیدہ پڑھا۔ ابھی قصیدہ ختم نہیں ہوا تھا کہ طوفان ٹل گیا۔ جہاز کا عیسائی کپتان آپ کے قدم بوس ہوا۔ جامع مسجد ناندیڑ میں نماز تراویح عرب حافظ شیخ سعید صاحب (آپ کے مرید خاص اور خلیفہ) کی امامت میں ہو رہی تھی۔ حافظ صاحب کو سانپ نے ڈس لیا۔ بعد ختم رکعت آپ کو معلوم ہوا۔ آپ نے اس مقام پر اپنا لعاب دہن لگادیا۔ نماز جاری رہی۔ اور زہر اسی وقت زائل ہو گیا۔(24)

وصال اور عرس مبارک: 5۔6/ شعبان 1317ھ (مزار کے پاس تختی پر 1318ھ لکھا ہے) کی درمیانی شب نماز فجر کے لیے بیدار ہونے پر بنگلہ سے نیچے گر پڑے۔ آیات قرآنی زبان سے جاری ہوئے۔' توکلنا، فتوکلنا' بار بار فرماتے ہوئے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور یہ نقشبندی آفتاب ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ آپ کی نماز جنازہ دریائے گوداوری کے کنارے میدان ناؤگھاٹ پر ادا کی گئی۔ اور حسب وصیت جامع مسجد ناندیڑ کے بازو شمال مغربی گوشہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ اور اس جگہ کا معاوضہ آپ کی وصیت کے مطابق مبلغ پچاس روپئے زمین کی بیوہ مالکہ کو ادا کر دیا گیا۔ مزار مبارک مرجع خلائق وزیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ ہر سال 5/ شعبان المعظم کو صندل مبارک پیش کیا جاتا ہے۔ 5۔6/ شعبان کی درمیانی شب میں علمائے کرام کے بیانات، نعتیہ مشاعرہ اور میلاد خوانی ہوتی ہے۔ دوسرے دن صبح میں ختم قرآن اور فاتحہ خوانی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت محمود شاہ نقشبندی کے فیضان سے مالامال فرمائے۔

*****

حوالہ جات

1۔ چغتائی، مرزا احمد علی بیگ۔ تاریخ ناندیڑ دکن۔ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد، 1960، ص 17–19۔

2۔ بیابانی، شاہ فاضل۔ مترجم: سید خواجہ احمد اللہ حسینی۔ پنج گنج، اوّل، انجمن محبانِ اولیاء، ورنگل، 1991، ص 166۔

3۔ (3) "Urdu Wikipedia." Wikipedia, https://ur.wikipedia.org. Accessed 13 Oct. 2025, 9:00 AM.

4۔ بیابانی، شاہ فاضل۔ مترجم: سید خواجہ احمد اللہ حسینی۔ پنج گنج، اوّل،، ص 166–167۔

5۔ چغتائی، مرزا احمد علی بیگ۔ تاریخ ناندیڑ دکن۔ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد، 1960، ص 36–37۔

6۔ تاریخ ناندیڑ دکن۔ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد، 1960، ص72۔

7۔ تاریخ ناندیڑ دکن۔ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد، 1960، ص37۔

8۔ کریم الدین، محمد۔ مخزن الکرامات (اردو ترجمہ: معدن الجواہر)، اوّل، مطبع رحمانی، چھتہ بازار، حیدرآباد، 1320ھ۔

9۔ مفتی محمد رکن الدین۔ مطلع الانور، بار سوّم، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، جمادی الاولیٰ 1435ھ، ص16۔

10۔ قادری، سید شاہ غلام علی۔ مترجم: سید وحید القادری عارف۔ مشکواۃ النبوۃ، جلد 8، معارفِ اسلامیہ ٹرسٹ، حیدرآباد، 1985، ص128–129۔

11۔ نقوی گلشن آبادی، مولانا سید امام الدین احمد۔ برکاتِ اولیاء، رفاعی مشن، ناسک (مہاراشٹر)، 1436ھ، ص301۔

12۔ صوفی ملکاپوری، محمد عبد الجبار خان۔ محبوب ذی المنن: تذکرۂ اولیائے دکن، ص749–750۔

13۔ محبوب ذی المنن: تذکرۂ اولیائے دکن،، ص285–287۔

14۔ قادری، سید شاہ غلام علی۔ مترجم: سید وحید القادری عارف۔، ص109–112۔

15۔ بیابانی، سید محمد فاضل۔ مترجم: سید احمد اللہ حسینی۔ پنج گنج،، ص151–153۔

16۔ نقوی گلشن آبادی، مولانا سید امام الدین احمد۔ برکاتِ اولیاء، رفاعی مشن، ناسک (مہاراشٹر)، 1436ھ، ص274۔

17۔ منصور خان وکیل، محمد۔ سوانح محمود، اعجاز مشین پریس، حیدرآباد، 1386ھ، ص9، 10، 13، 18۔

18۔ سوانح محمود، ص22–23۔

19۔ سوانح محمود، ص6، 14۔

20۔ عبد الرشید خان، محمد۔ حیاتِ محمود، حمایت دکن پریس، حیدرآباد، 1346ھ، ص11۔

21۔ حیاتِ محمود،، ص29۔

22۔ منصور خان وکیل، محمد۔ سوانح محمود، اص25۔

23۔ عبد الرشید خان، محمد۔ حیاتِ محمود،، ص13، 18، 21۔

24۔ منصور خان وکیل، محمد۔ سوانح محمود، ص24، 28۔

خواجہ دکن: چشتی علمی روایت کے امین و سرخیل

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی*

تصوف علم و عمل کا نام ہے۔ یہ ایسے دو بازو ہیں جن کے سہارے سالک راہ طریقت آسمان معرفت میں پرواز کرتا ہے۔ راہ سلوک میں قدم رکھنے کے لیے بھی صوفی کو ان دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن طرفہ تماشہ ہے کہ اسی تصوف پر بے علمی اور بے عملی دونوں کا الزام لگایا گیا ہے، اور اسے جاہلوں کا طریقہ بتایا گیا اور اس الزام کی تکرار اس قدر کثرت اور شدت سے ہوئی کہ بہتوں نے اسے حقیقت نفس الأمری مان لیا ہے۔ بیسویں صدی کے مادہ پرستانہ رجحانات نے ان الزامات کو مزید تقویت بخشی، لیکن اسی صدی کے ربع اخیر میں نہ صرف ظاہر پرستی اور تصوف بیزاری کے ایوان میں شکست وریخت کا عمل شروع ہوا، بلکہ تصوف کی طرف اہل علم کا التفات بھی بڑھا ہے۔ شدت پسندی سے آزردہ دنیا تصوف و روحانیت کو نعم البدل سمجھنے لگی ہے۔ معاصر امریکی مورخ و مفکر دانیال پائپز (Daniel Pipes) لکھتے ہیں کہ: "یہ خوشی کی بات ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ چیز رواج پا رہی ہے کہ شدت پسندی مسئلہ ہے اور معتدل اسلام یا بلفظ دیگر صوفی اسلام حل ہے"۔[1]

علم و عمل صوفی کے اجزائے ترکیبی کا حصہ ہیں کیونکہ کوئی جاہل اللہ کا دوست نہیں ہو سکتا ہے، جامع شریعت و طریقت امام شعرانی متوفی 973ھ فرماتے ہیں:

"اعلم رحمک اللہ، أن حقیقة الصوفی فقیه عمل بعلمه لا غیر" [2]

(جان لو۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ کہ صوفی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسا عالم وفقیہ ہے جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا ہو۔ اس کے سوا کچھ نہیں)

سرخیل گروہ صوفیہ امام جنید بغدادی متوفی 298ھ رحمہ اللہ واشگاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ:

"من لم یحفظ القرآن، ولم یکتب الحدیث، لا یقتدی به فی هذا الأمر لأن علمنا هذا مقید بالکتاب والسنة۔"[3]

(جس نے قرآن حفظ نہیں کیا اور علم حدیث کا اکتساب نہیں کیا، تصوف میں اس کی پیروی نہیں کی جائے گی، کیونکہ ہمارا علم تصوف کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے)

حضرت خواجہ مودود چشتی متوفی 527ھ علم کی اہمیت و ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: علم کے بغیر ایک زاہد و عبادت گزار آسانی سے شیطان کا مطیع و فرمانبردار ہو جاتا ہے۔[4] صوفیہ کرام کے نزدیک علم اور اس کے حصولیابی کی کس قدر اہمیت

---

*صدر شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔ یہ مقالہ چند سال قبل حضرت والا کے عرس کے سلسلے میں منعقد ایک سیمینار کے لیے لکھا گیا تھا، اور آن لائن پیش کیا گیا تھا۔ تیمنا اس مجموعے میں شامل کیا جا رہا ہے۔

ہے اس کا اندازہ مخدوم سید اشرف سمنانی متوفی 828ھ کے اس فرمان سے ہوتا ہے کہ:
"اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اس کی زندگی کے محض سات دن باقی ہیں تو اسے علم فقہ حاصل کرنا چاہیے۔"[5]
حضرت خواجہ دکن قدوۃ الأبرار الکاملین و أسوۃ الأخیار العارفین شہبازِ بلند پرواز سید محمد گیسو دراز متوفی 825ھ تصوف اور صوفیہ کے اسی مشربِ علمی کے حامل ونقیب تھے، اور علم و عمل کا ایسا جامع نمونہ تھے کہ بزم صوفیہ میں بھی اس کی مثال خال خال ہی ملتی ہے۔
آپ کی ذات بلند درجات وستودہ صفات وہبی و کسبی علوم، اور معارف اکتسابیہ و لدنیہ کا ایسا بحر رخار تھی جس میں سیادت ونجابت، علم وحکمت اور کرامت وولایت کی موجیں فلک پیمائی کرتی نظر آتی ہیں۔ اس حقیقت کو شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ نے بڑے ہی سادہ اور دلنشین الفاظ میں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات: "جامع است میان سیادت وعلم وولایت"[6]
سید اشرف سمنانی فرماتے ہیں: "آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے"[7]
نظام یمنی لطائف اشرفی میں لکھتے ہیں کہ: "حضرت قدوۃ الکبرا فرماتے ہیں کہ: جب ہم میر سید محمد گیسو دراز کی خدمت سے مشرف ہوئے تو حضرت سے اس قدر معارف و حقائق حاصل ہوئے کہ کسی اور شیخ سے حاصل نہیں ہوئے"[8]
یہ صرف ایک معاصر صوفی کا بیان نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے عالم بصیر کا اعتراف ہے جو خود علم و معرفت کا ایک منارۂ نور تھا جس کے درِ عرفان پر ملک العلماء شہاب الدین دولتابادی اور فقیہ أجل صفی الدین ردولوی جیسی شخصیات جبیں سائی کرتی نظر آتی ہیں۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کا یہ اعتراف بعد میں آنے والے صوفیہ وعلماء اور سوانح نگاروں کے لیے حوالے کی حیثیت اختیار کر گیا، چنانچہ خواجہ دکن کے متعدد سوانح نگاروں نے آپ کے اس اعتراف و اظہار کو نمایاں طور پر ذکر کیا ہے، انھیں میں سے ایک وجیہ الدین أشرف لکھنوی بھی ہیں، فرماتے ہیں کہ: "آں آیۂ رحمت ایزد متعال، آن سرمایۂ عظمت فقہ کمال، سلطان سید أشرف جہانگیر سمنانی خدمتش در گلبرگہ دریافتہ، وخیلی ثنائے سیادت وولایت آں حضرت نوشتہ۔"[9]
آپ کے تمام سوانح نگاروں نے تصنیف و تالیف کے حوالے سے مشائخ چشت میں آپ کی سبقت کا ذکر کیا ہے۔ لطائف اشرفی میں بھی آپ کی تصانیف کی کثرت کا ذکر کیا گیا ہے۔[10] نزہتہ الخواطر میں ہے کہ: "لہ مصنفات کثیرۃ" پھر کتابوں کی تقریباً وہی فہرست دی گئی ہے جس کا ذکر سامانی نے سیر محمدی میں کیا ہے[11]۔
شیخ محمد اکرام کا بیان ہے کہ: "شمالی ہندوستان کے مقبول سلسلوں (چشتیہ سہروردیہ) کے مشہور بزرگوں میں سب سے پہلے جس ہستی نے تصنیف و تالیف کی طرف پوری توجہ دی وہ حضرت سید گیسو دراز تھے"[12]
اگر شیخ محمد اکرام کے اس قول سے مشہور کی قید ہٹا بھی دی جائے تو بھی اس کے درست ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔
لیکن اس سے یہ تاثر نہیں لینا چاہئے کہ حضرت خواجہ دکن سے پہلے مشائخ چشت میں علم ظاہر کا رواج نہیں تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام مشائخ چشت اہل بہشت وعنبر سرشت علم ظاہر میں بھی اسی طرح راسخ القدم اور بلند مقام تھے جیسا کہ علم باطن میں تھے، ان کے ظاہری علم و فضل کے بیان کے لیے بھی دفتر کے دفتر ناکافی ہونگے۔ یہاں میں حضرت گیسو دراز کے صرف تین راست مشائخ کی

صرف عربی دانی کے صرف ایک ایک نمونے پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ عربی دانی کے ذکر کی دو وجہیں ہیں: پہلی تو یہ کہ خود مقالہ نگار عربی زبان کا ایک طالب علم ہے اور دوسری وجہ یہ کہ ان مشائخ کے عہد میں ہر سمت فارسی زبان کا دور دورہ تھا، عربی زبان و ادب علوم متداولہ کا حصہ نہیں تھے، خاص عربی ادب کی طرف توجہ کرنے والوں کی اور بھی کمی تھی لہٰذا ان حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ جن نفوس قدسیہ نے ایک متروک و مہجور اور غیر متداول علم میں یہ درک و تمکن حاصل کیا ہو، تو علوم معروفہ و مستعملہ اور متداولہ میں ان کا مقام مرتبہ کیا رہا ہو گا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ متوفی 664ھ کے عربی تحریر و تقریر کے جو نمونے ملتے ہیں وہ اس زبان پر آپ کی غیر معمولی قدرت کی نشاندہی کرتے ہیں، امیر خورد نے آپ کے اس عربی خلافت نامے کو نقل کیا ہے جو آپ نے اپنے محبوب مرید صاحب فیوض لامتناہی حضرت محبوب الٰہی کو تفویض فرمایا تھا، یہ خلافت نامہ بلند خیالی اور شیریں مقالی کا ایک سنگم اور عمدہ نمونہ ہے۔ سیر الاولیاء میں آپ کے عربی کلام کے کئی نمونے ملتے ہیں[13]، ایک حاجت مند نے سلطان بلبن کے نام اپنی عرضداشت پر آپ سے سفارش لکھنے کی درخواست کی تو آپ نے جو سفارشی کلمات تحریر فرمائے ان میں لسانی ارتقاء اور صوفی استغنا باہم شیر و شکر نظر آتے ہیں، آپ نے تحریر فرمایا:

"رفعتُ القضية إلى الله ثم إليك، فإن أعطيته شيئا فالمعطي هو الله
وأنت المشكور، وإن لم تعطه شيئا فالمانع هو الله وأنت المعذور." [14]

(میں نے اس مسئلے کو اللہ کی طرف بڑھا دیا ہے پھر تمھاری طرف، اگر تم اسے کچھ عطا کرتے ہو تو حقیقی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور تم مشکور ہو گے، اور اگر اسے کچھ نہیں دیتے تو حقیقی روکنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے اور تم معذور ہو گے۔)

اس عربی عبارت کے حسن فصاحت اور جمال بلاغت سے قطع نظر، اس میں پنہاں ایمان کی قوت، توکل کی رفعت اور استغناء کی سطوت سامع کو اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

صاحب فیوض لامتناہی حضرت نظام الدین محبوب الٰہی متوفی 725ھ عربی و اسلامی علوم میں بلند درج پر فائز تھے، معاصر علمائے کبار کی آپ سے غیر معمولی ارادت مندی کے محرکات میں روحانی فیوض برکات کے ساتھ ساتھ علوم ظاہری میں آپ کی قدرت و استعداد بھی شامل تھی۔ آپ کی خانقاہ معلی تزکیہ و تربیت اور علم و حکمت کا ایک سنگم تھی۔ امیر خورد نے اس خانقاہ عالم پناہ کے ایک عالم مدرس حضرت شیخ فخر الدین کا ایک قصہ بیان کیا ہے کہ وہ ایک دن خانقاہ شریف میں ہدایہ کا درس دے رہے تھے کہ اچانک وہاں شیخ کمال الدین سامانی پہنچ گئے جو غالباً حنفی نہیں تھے، ان کو دیکھتے ہی شیخ فخر الدین نے صاحب ہدایہ کے دلائل کو ترک کر کے براہ راست صحیحین کی احادیث سے استدلال کرنے لگے، جب کہ صحیحین ان کے سامنے موجود نہیں تھیں۔[15] علمی تاریخ میں فقہ و حدیث پر بیک وقت ایسی قدرت کی دوسری مثال کم از کم راقم السطور کے علم میں نہیں ہے۔

حضرت سے منقول عربی خطبے، عربی زبان دانی پر قدرت کے اعلیٰ نمونے ہیں، اپنے ایک خطبے میں فرماتے ہیں کہ:

"الحمد لِله الذي قصُرت عن رؤيته أبصار الناظرين، وعجزت عن نعته أوهام الواصلين، ابتدع بقدرته الخلق ابتداعا، واخترعهم على مشيئته اختراعا، وأنطق لسان الذاكرين بذكر لا إله إلا الله ... وخلق الجنة و النار للمؤمنين والكفار ليجزي الذين أساؤوا بما عملوا ويجزي الذين أحسنوا بالحسنى۔ فلوكانت الجنة نصيب العارفين بدونِ جماله ووصاله فوا ويلاه، ولوكانت النار نصيب المشتاقين مع جماله ووصاله فوا شوقاه!"

میں اپنی عقیدت مندیوں کو درمیان میں لائے بغیر اس خطبے کے بارے میں ایک معاصر مصری عالم وادیب ڈاکٹر عبد المقصود شلقامی کی رائے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس خطبے کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: "من الوا ضح أن سموء الأ فكار وإنافة الأسلوب فی هٰذه الخطبة يرسمان صورة مشرقة لهٰذا الشيخ وتمكنه من اللغة ومهارته فی البيان"[16]

(بلاشبہ اس خطبے کی بلند فکری اور خوش اسلوبی حضرت والا کی ایک نورانی صورت تشکیل کر رہی ہے، اور زبان پر ان کی قدرت اور بیان میں ان کی مہارت کو بیان کر رہی ہے۔)

خواجہ دکن کے مرشد گرامی حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی بھی عربی زبان کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اپنے استاد شمس الدین یحیٰ اودھی متوفی 747ھ کے بارے میں ان کا یہ سادہ وپرکار شعر عربی زبان اور عربی شعر گوئی میں ان کے ید طولی کی دلیل ہے۔ فرماتے ہیں:[17]

سألت العلم من أحياك حقا فقال العلم شمس الدين يحيى

یہ وہ علمی وراثت تھی جو حضرت خواجہ دکن مخدوم سید محمد گیسو دراز کو اپنے مرشد ان گرامی سے ملی تھی، آپ نہ صرف اس علمی وراثت کے امین تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس علم کی نشر و اشاعت کی توفیق سے بھی بہرہ ور کیا۔ یہ آپ کی انفرادیت ہے کہ تمام مشائخ چشت علم و حکمت کی دولت سے مالامال تھے لیکن تصنیف و تالیف کے ذریعے ان علوم کو خلق خدا تک پہنچانے میں اولیت کا سہرا آپ کے سر رہا۔ سلطان الہند سے چراغ دہلی تک چشتی مشائخ کو دعوت و تبلیغ، تزکیہ و تربیت اور سلسلہ چشتیہ کے اصول وضوابط کی وضع اور اس کی تطبیق کی کوششوں سے فرصت ہی نہیں ملی کہ وہ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرماتے۔ قسام ازل نے یہ توفیق بے نہایت اور فضل بے غایت کو آپ کے حصے میں رکھ دیا تھا۔

حضرت خواجہ دکن کی ذات بابرکات علم ظاہر و باطن کا سنگم تھی آپ کی ابتدائی تعلیم والد اور نانا کے ذریعے ہوئی، دیوگیر کے قیام کے دوران ہی آپ نے مصباح وقدوری اور متوسطات کی بیشتر کتابیں پڑھ لی تھیں۔

دہلی میں آنے کے بعد آپ کی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔ شمس الدین کیتھلی، تاج الدین بہادر اور قاضی عبد المقتدر کندی جیسے نابغۂ روزگار اساتذہ سے آپ نے دراسات علیا کی تکمیل کی، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ میں حدائق الانس کے حوالے سے شیخ عماد الدین

تبریزی کو بھی آپ کے اساتذہ میں شمار کیا گیا ہے[18]۔ عربی زبان میں آپ کی دلچسپی اور قدرت کا سبب شیخ عبد المقتدر کندی کی تعلیم و تربیت ہی کا اثر ہے وہ علوم عربیہ ادبیہ میں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں ان کا عربی قصیدہ لامیہ الہند ہندوستانی عربی کا سب سے خوبصورت شاہکار (Magnum Opus) مانا جاتا ہے۔ سید سلیمان ندوی کے مطابق وہ ہندوستان کے اکیلے شاعر ہیں جنھیں عربی شعراء کے مدمقابل رکھا جاسکتا ہے[19]۔ شیخ عبد المقتدر کندی کے دوشاگردوں کو اقلیم تصنیف و تالیف کی تاجداری حاصل ہے ملک الصوفیہ حضرت خواجہ دکن کو علم باطن میں اور ان کے دوسرے شاگرد ملک العلماء شہاب الدین دولتابادی کو علم ظاہر میں۔

حضرت چراغ دہلی آپ کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ صاحب سیر محمدی فرماتے ہیں کہ: "برائے تعلیم بحضرت قاضی عبد المقتدر می رفتند بفرمان حضرت شیخ اَغلب تعلیم می کردند۔"[20]

جب حضرت خواجہ دکن نے باطنی علوم و درجات کی طلب میں ظاہری تعلیم کے سلسلے کو موقوف کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ: بدایہ، بزدوی، رسالہ شمسیہ، کشاف اور مفتاح کو اچھی طرح پڑھ لو "مرا باتو کار سیت "[21] یعنی مجھے تم سے ایک کام لینا ہے۔ یعنی ایسا کام جس کے لیے ہر علم و فن کی کتابوں کو پڑھنا ضروری ہے، اگر ان اساتذۂ کبار سے ان کتابوں کو اچھی طرح پڑھ لوگے تو تصنیف و تالیف کا وہ کام سرانجام دوگے جو اس سلسلے کے اصول و قواعد کی تاسیس و تاصیل کی مشغولیت میں ہم لوگ نہیں کرسکے اور تمہارے ذریعے ہمارے سلسلے میں فتح باب تصنیف و تالیف ہوگا۔

حضرت سید محمد گیسو دراز کو ان کے شیخ نے جن کتابوں کو بالاستیعاب پڑھنے کا حکم دیا ان میں پہلی کتاب ہدایہ ہے جو برہان الدین مرغینانی متوفی 593 کی مشہور کتاب ہے اور فقہ حنفی کا بنیادی مصدر ہے۔ بزدوی سے غالباً مراد فخر الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بزدوی متوفی 481 ہیں ان کی کتاب اصول بزدوی ہے جو حنفی اصول فقہ کی اہم کتاب ہے۔ بزدوی کے نام سے ابوالیسر محمد بن محمد 493ھ بزدوی کی کتاب اصول الدین بھی ہے جو علم الکلام کی کتاب ہے۔ تیسری کتاب رسالہ شمسیہ سے مراد نجم الدین قزوینی متوفی 675 کی کتاب ہے، جو علم منطق کا ایک جامع متن ہے۔ اسی کی شرح قطبی داخل درس نظامی ہے۔ اگلی کتاب کشاف ہے جو زمخشری کی معروف تفسیر ہے جس میں قرآن کریم کے بلاغی اور لغوی پہلوئوں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے آخری کتاب مفتاح ہے جو غالباً سکاکی متوفی 626 کی کتاب مفتاح العلوم ہے۔ جس میں نحو صرف اور بلاغت وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔

کتابوں کی اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت چراغ دہلی اپنے جانشین کو تصنیف و تالیف کے لیے تیار کرنا چاہتے تھے، ان کے ذریعے مشائخ چشت کے سینہ بسینہ منتقل ہونے والے علوم کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرانا چاہتے تھے اور ان علوم کی نشر و اشاعت چاہتے تھے۔ غالباً یہی "مرا باتو کار یست" کی تفسیر ہے۔

سیر محمدی کے پانچویں باب[22] کو ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ خواجہ دکن نے اپنے شیخ کے تفویض کردہ کام کو بطرز حسن مکمل فرمایا، سیر محمدی کا یہ باب آپ کی تصنیفات کے بیان میں ہے جن میں تفسیر، حدیث، سیرت، فقہ، عقاید اور تصوف پر کتابیں ملتی ہیں۔ تصنیفات کی یہ کثرت اور اس کا تنوع محفل صوفیہ آپ کو ایک امتیازی مقام عطا کرتے ہیں۔

آپ کی تصنیفات کی تعداد آپ کے عمر کے حساب سے ایک سو پانچ بتائی جاتی ہے [23] نزہۃ الخواطر میں مہر جہاں تاب کے حوالے سے ان کی تعداد 125 ہے [24] اور سامانی نے سیر محمدی میں اکتیس کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں ہم انھیں کتابوں پر مختصر سی گفتگو کریں گے۔

1۔ تفسیر:

تفسیر میں آپ کی تین کتابیں ہے۔ سب سے زیادہ شہرت الملتقط کو ملی ہے یہ ایک اشاری اور صوفی تفسیر ہے، اور یہ صوفیہ کے مسلک و مشرب کی روشنی میں تصنیف کی گئی ہے۔ اس موضوع پر آپ سے پہلے قاضی محمد احمد شریحی تھانیسری گجراتی متوفی 684ھ کی ایک کتاب ملتی ہے جس کا نام ''کاشف الحقائق و قاموس الد قائق'' [25] ہے۔ لیکن جو تفصیل اور جیسا احاطہ الملتقط میں ہے اس کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ یہ تصنیف حضرت ڈاکٹر سید خسرو حسینی سجادہ نشین کی عنایتوں سے اور پروفیسر مصطفی شریف کی نگرانی میں دائرۃ المعارف عثمانیہ سے شائع ہو رہی ہے۔

علم تفسیر میں آپ کی دوسری تصنیف قرآن کریم کے پانچ پاروں کی تفسیر ہے جو کشاف کے منہج و طریقے پر کی گئی ہے، یہ تصنیف علوم عربیہ میں آپ کی قدرت کی دلیل ہے۔ تفسیر میں آپ کا تیسرا عمل کشاف پر آپ کے حواشی ہیں، بلا شبہہ کشاف جیسی بلند مرتبہ کتاب پر حواشی لکھنا آپ کے علمی مقام کی واضح دلیل ہے۔

2۔ علم حدیث:

''مشارق الأنوار النبویہ من صحاح الأخبار المصطفویۃ'' ، امام رضی الدین صفانی لاہور متوفی 650ھ کی فن حدیث میں ایک معرکۃ الآراء کتاب ہے، جس کے مقدمے میں مصنف نے دعوی کیا ہے کہ ''ہذا الکتاب حجۃ بینی و بین اللہ فی الصحۃ والرضا'' (یہ کتاب صحت و رضامندی میں میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجت ہے) یہ صحیح ترین احادیث کا مجموعہ ہے، جسے صحیحین سے انتخاب کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ دکن نے اس کی شرح فرمائی ہے۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ یہ شرح بھی تصوف و معرفت کی روشنی میں کی گئی ہے [26]

عوام الناس کے لیے آپ نے اس کتاب کا فارسی میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ علم حدیث میں آپ کا ایک رسالہ بھی ہے جو حدیث ''رأیت ربی فی أحسن صورۃ'' کی شرح میں ہے۔

3۔ علم عقیدہ:

اس فن میں آپ نے عقیدہ ماتریدیہ کی عظیم الشان کتاب ''العقیدہ الحافظیہ'' کی شرح فرمائی ہے۔ عقیدہ حافظیہ حافظ الدین عبداللہ النسفی متوفی 710ھ کی کتاب ہے، علامہ عبدالحیی حسنی لکھنوی کی الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند میں لکھا ہے کہ عقیدہ حافظیہ عقیدہ نسفیہ ہی ہے جس کے مصنف نجم الدین عمر النسفی متوفی 537ھ میں اور غالبا یہ ایک علمی تسامح ہے۔ مولانا عبدالجبار صوفی ملکاپوری نے اس کتاب کا نام '' شرح عقیدۂ حافظیہ بافضائل خلفائے راشدین لکھا ہے [27] ممکن ہے کہ یہ کوئی مستقل رسالہ ہو، لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس میں خلفائے راشدین کے فضائل اور ان سے متعلق مذہب مہذب اہل سنت و جماعت کے عقیدے کو بیان کیا گیا ہو، اور عقیدے کی اس کتاب میں اسے بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہو۔ آپ کی تصنیفات میں صحابۂ کرام اور ان کے فضائل اور بلند مقامی و درجات سامی

کا کثرت سے ذکر ملتا ہے، سرزمین دکن کے اس وقت کے دینی و فکری احوال کے پیش نظر اس اہتمام اور ترکیز کو سمجھا جاسکتا ہے۔ دائرۂ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:- ''آپ کی تصنیفات مدح و فضیلت صحابہ سے مملوء ہیں''۔ (28)

علم عقیدہ میں آپ کی دوسری عظیم الشان تصنیف شرح الفقہ الأکبر ہے سامانی کے مطابق آپ نے اس کتاب کی دو شرحیں فرمائی ہیں ایک عربی زبان میں اور دوسری فارسی زبان میں۔ بہت ممکن ہے کہ عربی شرح اہل علم کے لیے اور فارسی شرح عوام کے لیے تصنیف کی ہو، فقہ اکبر امام اعظم ابو حنیفہ متوفی 150 کی طرف منسوب ہے اور ماتریدی اصول عقیدہ کی بنیاد ہے۔ سامانی نے علم عقیدہ میں ایک اور مختصر کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا کوئی نام نہیں دیا ہے صرف ''عقیدہ چند ورق'' لکھا ہے۔

4۔ علم سیرت:

علم سیرت میں بھی آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے، مولانا عبد الجبار ملکاپوری نے محبوب ذوالمنن میں اس رسالے کا نام سیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے۔ (29)

5۔ علم تصوف:

یہ علم آپ کا خاص میدان تھا، اور آپ اپنے زمانے میں اس علم کے بڑے شہسواروں میں سے ایک تھے۔ اس فن میں آپ کی مشہور کتابوں میں حضرت شہاب الدین سہروردی متوفی 632ھ کی مشہور زمانہ کتاب 'عوارف المعارف' کی ایک شرح اور اس کا ترجمہ ہے۔ امام کلابازی متوفی 380ھ کی کتاب 'التعرف لمذاهب أهل التصوف' کی شرح بھی آپ نے فرمائی ہے، یہ کتاب تصوف کی قدیم ترین اور اصولی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ کی فصوص الحکم، ابو طالب مکی متوفی 386ھ کی قوت القلوب اور عبد الکریم قشیری متوفی 465ھ کی کتاب الرسالہ القشیریہ کی بھی شرح کی ہے رحمہم اللہ۔

آپ کی اہم شروحات کتب تصوف میں قاضی عین القضاہ ہمدانی متوفی 525 کی مشہور کتاب تمہیدات کی شرح بھی ہے۔ یہ کتاب تصوف کے انتہائی دقیق و رفیع مسائل سے عبارت ہے۔ اس فہرست سے صاف ظاہر ہے آپ نے اپنے زمانے تک کی اکثر کتب تصوف پر شروح و حواشی تحریر کیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تصوف کی یہی کتابیں ہر زمانے کی اہم کتابیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان شروحات میں علم و معرفت کا ایک سمندر موجزن رہا ہو گا۔ ان میں حضرت خواجہ دکن کے مختلف مسائل تصوف میں اپنے افکار و نظریات کا بیان رہا ہو گا۔ ان میں خواجگان چشت کے خیالات اور نقطہائے نظر کا ذکر رہا ہو گا۔ حضرت خواجہ دکن اور ان کے مشائخ کرام کے علوم و فتوحات بھی شامل رہے ہوں گے۔

تصوف میں آپ کی دوسری تصنیفات میں ایک کتاب 'حظائر القدس' ہے جو عشق نامہ کے نام سے بھی معروف ہے۔ اس موضوع پر آپ کے مستقل رسائل میں استقامۃ الشریعۃ بطریقۃ الحقیقۃ، اسمار الاسرار، حدائق الانس، رسالہ دربیان آداب سلوک اور رسالہ دربیان معرفت وغیرہ شامل ہیں۔

خواجہ دکن تمام علوم کی کی طرح ہی تصوف میں بھی تقلیدی کے بجائے تحقیقی مواقف رکھتے ہیں۔ صوفیائے چشت عموماً وحدت الوجودی نقطۂ نظر رکھتے ہیں لیکن خواجہ دکن کئی مقام پر ہمہ اوست کے بجائے ہمہ ازوست کی حمایت کرتے بظر آتے ہیں، چنانچہ اسمار الأسرار کے دسویں سمر میں فرماتے ہیں کہ:

"جمعے از قوم منہم محی الدین ابن والشیخ عمرانی گفتہ اند کہ ورائے ایں صور واشکال حتی العرش المجید وجودے نیست و اللہ تعالی را کالکلی الطبیعی گویند، محمد حسینی بسیار جافریاد کردہ است انہ وراء الوراء ایں ہمہ فیص اوست نہ اوست۔"(30)

جوامع الکلم کے بیان کے بغیر علم تصوف پر آپ کی کتابوں کی فہرست مکمل نہیں ہو سکتی ہے۔ جو اگرچہ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور آپ کی براہ راست تصنیف نہیں ہے لیکن آپ ہی کے افکار و نظریات اور اقوال و فرمودات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعے کو آپ کے فرزند گرامی قدر سید محمد اکبر حسینی نے مرتب کیاہے۔ اور یہ عمل آپ پر پیش بھی کیا گیا۔ اس کے مشتملات پر نہ صرف آپ نے اپنی موافقت کا اظہار، کیا بلکہ اپنی پسندیدگی کی سند بھی عطا فرمائی۔ جوامع الکلم نو مہینے کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو دوشنبہ 18/رجب 802ھ سے شروع ہو کر جمعرات 22/ربیع الثانی 803ھ تک کے عرصے پر محیط ہے، جو شیخ اکرام کے مطابق 15/مارچ 1400ء سے شروع ہو کر 10/دسمبر 1400ء پر ختم ہوتا ہے۔(31)

یہ ملفوظات معرف الٰہی کا خزینہ اور علم وحکمت کا گنجینہ ہونے کے ساتھ ساتھ معاصر تاریخی دستاویز بھی ہے، یہ حضرت گیسو دراز کے افکار و معمولات اور عقاید و نظریات کا آئینہ دار اور حضرت کی سیرت و سوانح کا ایک اہم اور موثوق مصدر ہے۔ اس "ملفوظات" کی علمیت اور ثقاہت کے پیش نظر اسے ہر دور میں صوفیہ کرام میں غیر معمولی اہمیت و مقبولیت حاصل رہی ہے اور یہ مقبولیت ہنوز برقرار ہے جس کا ایک اثر یہ ہے کہ اردو زبان میں اس کے متعدد ترجمے ہوئے ہیں۔ جیسے سید رحیم الدین بندہ نوازی کا اردو ترجمہ جو اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد سے 1974ء میں شائع ہوا، دوسرا ترجمہ معروف ترجمہ نگار پروفیسر معین الدین دارانی کا ہے جسے نفیس اکیڈمی کراچی نے 1980ء میں شائع کیاہے۔ تیسرا پیش نظر ترجمہ متعدد کتب تصوف کے ترجمہ نگار اور تصوف کے مشہور عالم و عامل کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری متوفی 1995ء کا ہے جسے محمد فیصل نے اردو بازار لاہور سے 2010ء میں شائع کیاہے۔

معراج العاشقین کے ذکر کے بغیر بھی آپ کی تصانیف کا تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتاہے۔ اس کتاب سے متعلق مختلف قیل و قال سے قطع نظر عموماً اسے آپ کی ذات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور اردو زبان کی پہلی نثری تصنیف کے طور پر اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ رسالہ تصوف و سلوک کے موضوع پر ہے۔ اس میں وجود اور اس کے مختلف اقسام سے بحث کی گئی ہے اور ایک سالک راہ طریقت کے لیے شیخ کی اہمیت و ضرورت کا بیان ہوا ہے۔ اسے ڈاکٹر خلیق انجم نے ایک مفصل مقدمے کے ساتھ دہلی سے شائع کیا ہے(32)، اس سے پہلے بابائے اردو مولوی عبدالحق کے زیر نگرانی اس کی اشاعت ہوئی تھی۔ معراج العاشقین ملک کی کئی یونیورسٹیوں میں اردو کے نصاب میں شامل ہے اور دوسرے کئی تعلیمی اداروں میں کلاسیکی اردو نثر کے نمونے کے طور پر داخل درس ہے۔

حضرت کی تصنیفات کے ضمن میں آپ کے عطا کردہ خلافت ناموں کا ذکر بھی بے حد ضروری ہے۔ یہ خلافت نامے آپ کی عربی دانی کا

عمدہ نمونہ ہیں، جو بے حد مرصع زبان میں تحریر ہوئے ہیں۔ یہ خلافت نامے سیر محمدی کے پندرہ صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سامانی نے ان کا ذکر باب پنجم میں کیا ہے جو باب آپ کی تصنیفات کے ذکر کے لیے مخصوص ہے۔ مولانا علاء الدین گوالیری کی سند خلافت کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"الحمد لِلّٰہ الذی تفرد بالوحد انیة الأزلیة، وتوحّد بالفردانیة الأبدیة۔ وأکمل بعنایته أبهة الدین القویم، وأظهر برعایته مشارع الصراط المستقیم۔وأسس قواعد الإرشاد بأولیائه، وأحکم مبانی الرشاد بأصفیائه۔ وخصَّ أهل الوداد بالفضل العظیم، وفتح عَلیهم بحظ جسیم۔ نحمده علی الوسع والإمکان، ونستعینه علی وجدان أسباب الرضوان۔ ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شریك له شهادة دَعَت صاحبها إلی جِنان الوجدان وحفظت قائلها عن نیران الفقدان۔۔۔۔" (33)

"انیس العشاق" کے نام سے آپ کا ایک فارسی شعری دیوان بھی ہے جسے آپ کے کسی مرید باصفا نے مرتب کیا ہے۔ اس دیوان میں 327 غزلیں، 9 رباعیاں اور 166 اشعار پر مشتمل ایک مثنوی شامل ہے۔ آپ کا یہ دیوان سید عطا حسین صاحب کی تصحیح کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

صوفیہ کے یہاں مکتوبات کو بری اہمیت حاصل ہے ان مکتوبات کا شمار اہم علمی مصادر میں ہوتا ہے۔ ان میں تزکیہ وتربیت کے معرکۃ الآراء مسائل کا ذکر ہوتا ہے، اور معرفت وسلوک کے مہمات کا بیان ہوتا ہے۔ حضرت کے یہ فارسی مکتوبات بھی علم ومعرفت کا ایک گنج گرانمایہ ہیں جن میں فکر ومعانی کے بے شمار لعل وگہر جمع ہیں۔ یہ مکتوبات بھی سید عطا حسین مرحوم نے جمع کیے ہیں۔

یہ آپ کی تصنیفات ہیں جن کی کثرت، وسعت اور تنوع آپ کے فضل وکمال اور آپ کے مقام بے مثل ولازوال پر شاہد عدل ہیں۔ علوم عقلیہ پر آپ نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی ہے کیونکہ وہ علوم مقصود بالذات نہیں ہوتے بالخصوص صوفیہ کے لیے جن کی نظر صرف مقصود پر ہوتی ہے، اور جن کے لیے وسائل زیادہ قابل اعتناء نہیں ہوتے ہیں۔ صوفیہ صرف وسیلے کے طور پر ان کا استعمال کرتے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ علوم شرعیہ میں آپ کی کتابوں میں جابجا عقلی استدلالات ملتے ہیں۔ واضح رہے کہ حضرت چراغ دہلی نے انھیں جن کتابوں کو بالاستیعاب پڑھنے کو فرمایا تھا ان میں منطق کی مشہور کتاب شمسیہ بھی شامل تھی لہٰذا فرشتہ یا کسی کا بھی یہ دعویٰ مسموع نہیں ہو سکتا کہ آپ علوم عقلیہ یا علوم ظاہری میں درک نہیں رکھتے تھے۔ جب منطق وغیرہ علوم عقلیہ کا بڑے علماء اور اکابر اساتذہ سے اکتساب ثابت ہے، تو محض اس بنیاد پر انھیں ان" علوم سے خالی" قرار دینا کہ ان میں ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے غیر معقول اور نامقبول ہے۔ (34)

صوفیہ کرام بالخصوص چشتی صوفیہ میں تصنیف وتالیف کی راہ میں آپ کی سبقت آپ کو ان نفوس قدسیہ میں ایک نمایاں مقام عطا کرتی ہے اور آپ کو اپنے اس امتیاز وتفرد کا پورا ادراک تھا چنانچہ 'اسمار الاسرار' کے دیباچے میں فرماتے ہیں کہ:

"ہر کس کہ دراں حضرت سلوک کرد بچیزے مخصوص شد ما بہ سخن مخصوص صیم۔ خدا ما را دولت بیان اسرار خویش داد۔" (35)

آپ کے علم وفضل کی شہرت ہر دور میں، ہر خطے میں اور ہر طبقے میں رہی ہے، لہٰذا شیخ اکرام کی بات قابل قبول نہیں ہے کہ:

"دکنی عوام میں آپ کی شہرت علمی کارناموں سے نہیں بلکہ خوارق اور روحانی تصرفات کی بنا پر ہے اور اس میں اتنا غلو کیا جاتا ہے کہ عقل وشریعت افسوس کرتی ہے۔" (36)

یہ خود ایک قابل افسوس دعویٰ ہے، علاوہ ازیں غلو کی بات تو بغیر کسی موقع ومناسبت کے کی گئی ہے جو مزید افسوس ناک ہے۔ دکن کے عوام وخواص دونوں میں آپ کی شہرت کا سبب آپ کا علمی مقام ومرتبہ بھی ہے اور آپ کے روحانی تصرفات بھی اور ان دونوں اسباب میں باہم کوئی تضاد ومنافات بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد شیخ اکرام نے فرشتہ سے مروی وہ قصہ نقل کیا ہے جسے کسی نے حضرت گیسودراز کی غیر معمولی مقبولیت اور عوام کی ان کے تئیں بے نظیر نیاز مندی کے پیش نظر وضع کیا ہے۔ اس مفروضے کا خلاصہ ہے کہ کسی نے ایک دکنی شخص سے پوچھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا حضرت گیسودراز تو اس نے جواب دیا کہ: رسول اللہ اگرچہ پیغمبر خدا ہیں لیکن ہمارے مخدوم سید محمد گیسودراز چیزے دیگر ہیں۔

اگرچہ فقہی طور پر اس عبارت کی تاویل ممکن ہے لیکن یہ بات قطعاً قابل قبول نہیں ہے کہ کوئی مسلمان کسی بھی غیر نبی ورسول کو کسی نبی ورسول پر فضیلت دیگا، بلکہ کوئی مسلمان اس قسم کا سوال کریگا یہ بھی میرے نزدیک قرین قیاس نہیں ہے۔ یہ محض ایک فرضی قصہ ہے جس کا محرک اگر قلت ادب نہیں ہے تو عوام میں آپکی بے مثال محبت وعقیدت ہے۔

تصنیف وتالیف کے باب میں سلسلہ چشتیہ میں تو آپ کو مطلقاً سبقت وتقدم حاصل ہی ہے لیکن اگر تصنیفات کا تنوع، ان کے موضوعات کی کثرت اور مختلف علوم وفنون کی شمولیت کا لحاظ کیا جائے تو آپ کو اس باب میں سبقت مطلقہ بھی حاصل تھی، کیونکہ دوسرے سلاسل میں آپ سے پہلے صاحب تصنیف صوفیہ ضرور گزرے ہیں لیکن ان کے یہاں موضوعات اور علوم وفنون کا یہ تنوع نظر نہیں آتا ہے۔ ایک مثال حضرت شمس الدین یحیٰ منیری متوفی 782ھ رحمہ اللہ کی ہے جو ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے لیکن راقم الحروف کے علم کے مطابق آپ کی تمام تصنیفات کا محور صرف علم تصوف تھا۔

آپ کی تصانیف کے علاوہ آپ کے علمی مقام ومرتبے پر دلالت کرنے والی کئی روایتیں کتابوں میں ملتی ہیں یہاں صرف ایک ایسی روایت پر اکتفا کرتا ہوں جسے سامانی نے ذکر کیا ہے اس خلاصہ ہے کہ:

کسی ملک زادے نے حضرت گیسودراز کے کسی رسالے میں یہ لکھا دیکھا کہ: مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی ہے۔ ملک زادے نے یہ مسئلہ قاضی عبد المقتدر سمیت دہلی کے کئی علما کے روبرو رکھا لیکن کوئی انھیں تشفی بخش جواب نہ دے سکا بعد ازیں دہلی میں اس کی ایسی شہرت ہوئی کہ کشاں کشاں یہ مسئلہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے کانوں تک پہنچ گیا اس نے ملک عماد الملک کو حکم دیا کہ علما کے ذریعے اس مسئلے کا تصیفہ کرائو چنانچہ عماد الملک نے دہلی کے ایک جید عالم مولانا سید علاء الدین کو حضرت سے گفت وشنید کے لیے بھیجا۔ مباحثے میں مولانا نے کہا کہ جب علمائے کرام معیت سے مراد معیت صفتی وعلمی مراد لیتے ہیں تو آپ کس بنیاد پر معیت ذاتی قرار دیتے ہیں۔ حضرت گیسودراز نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کی غیر نہیں ہیں اور اس سے

علاحدہ نہیں ہیں اور نہ اس سے جدا ہو سکتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی جو معیت از روئے صفت ہوئی وہ از روئے ذات بھی ہو گی۔ اور اپنے موقف کو حضرت والا نے اس قدر مفصل اور مدلل انداز میں مولانا کے سامنے رکھا کہ وہ مطمئن ہو گئے۔ اس سے علوم اسلامیہ بالخصوص علم توحید وکلام میں آپ کے ملکہ اور اقتدار کا پتہ چلتا ہے۔[37]

آپ کے علمی مقام ومنزلت کا ایک اور اشاریہ اصحاب علم وفضل وارباب دانش وبینش کی آپ سے عقیدت مندی بھی ہے۔

فإن الفضلَ يعرفه ذووه وما عرف الأديبَ سوى الأديبِ

خواہ آپ کا قیامِ دہلی ہو یا گلبر گہ ہو ہمہ وقت آپ اہل علم کا مرجع بنے رہے، یہ آپ کا علمی مقام ہی تھا جس مولانا حسین دہلوی اور مولانا نصیر الدین قاسم جیسے عبا قرہ علم ودانش کو آپ کے دامن کرم سے وابستہ کیا۔ یہ آپ کی فضیلت ہی تھی جس نے علاء الدین گوالیری جسے جید عالم کو آپ کے گیسو دراز کا اسیر اور آپ کے علم وحکمت کا تسخیر بنادیا، یہ آپ کی جلالت علمی ہی تھی جو سلطان علم وحکمت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کو روح آباد کیچھوچھہ سے آپ کے در دولت گلبر گہ تک کھینچ لائی تھی۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

*****

حواشی وحوالے:

1۔ The New York Sun. 23 نومبر 2004۔

2۔ شعرانی، عبد الوہاب۔ الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الأکابر . بیروت: دار احیاء التراث العربی، غیر مؤرخ، 2:471۔

3۔ سیوطی، جلال الدین۔ مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ . تحقیق مصطفی عبد القادر عطا۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1987، ص 89۔

4۔ لطائف اشرفی۔ مرتب نظام الدین یمنی، مترجم شمس بریلوی۔ کراچی: سہیل پریس، 1999، 1:14۔

5۔ لطائف اشرفی، 1:13۔

6۔ محدث دہلوی، عبد الحق۔ اخبار الاخیار . تدوین علیم اشرف خان۔ تہران: انجمن آثار مفاخر فرہنگی، 1383ھ ش، ص 263۔

7۔ لطائف اشرفی، 1:568۔

8۔ ایضاً، نفس صفحہ۔

9۔ لکھنوی، وجیہ الدین اشرف۔ بحر زخار . علی گڑھ: مرکز تحقیقات فارسی، اے ایم یو، 2011، 1:377۔

10۔ لطائف اشرفی، 1:568۔

11۔ حسنی، عبد الحی۔ الإعلام بمن فی الہند من الأعلام (نزھۃ الخواطر)۔ بیروت: دار ابن حزم، 1999، 3:277۔

12۔ اکرام، شیخ محمد۔ آبِ کوثر . تیسرا ایڈیشن۔ لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، 2006، ص 370۔

13۔ کرمانی، سید محمد بن مبارک۔ سیر الاولیاء . ترجمہ اعجاز الحق قدوسی۔ لاہور: مرکزی اردو بیورو، 1980، ص 168–171۔

14۔ سیر الاولیاء، ص 165۔

15۔ کرمانی، سید محمد بن مبارک۔ سیر الاولیاء . ترجمہ غلام احمد بریاں۔ لاہور: مشتاق بک کارنر، غیر مؤرخ، ص 380–381۔

16۔شلقامی،عبدالمقصود۔"النثر الفنی فی شبہ القارۃ الہندیۃ"۔مجلۃ الفیصل،ریاض،ستمبر 1983،ص78۔
17۔بروکلمان،کارل۔ تاریخ الآدب العربی .ترجمہ عبدالحلیم نجار۔ قاہرہ:عرب لیگ / ایسسکو، غیر مؤرخ،2:6۔
18۔اردو دائرۂ معارف اسلامیہ .لاہور:دانش گاہ پنجاب، غیر مؤرخ،19:586۔
19۔رسالہ معارف اعظم گڑھ، جلد39، شمارہ6، ص408۔
20۔سامانی،سید محمد علی۔ سیر محمدی .الہ آباد:یونانی دواخانہ پریس،1347ھ، ص13۔
21۔ایضاً، نفس صفحہ۔
22۔ایضاً، ص102–118۔
23۔اکرام، شیخ محمد۔ آبِ کوثر .ص370۔
24۔حسنی،عبدالحی۔ الإعلام بمن فی الہند من الأعلام،3:378۔
25۔ترابی، آلیف الدین۔ الاستاذ ابوالاعلیٰ المودودی ومنہجہ فی تفسیر القرآن الکریم)مقالہ ایم فل(۔ ام القری یونیورسٹی،1402ھ، ص312۔ نیز: قدوائی، سالم۔ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں .لاہور:ادارۂ معارف اسلامیہ،1993، ص21–24۔
26۔حسنی،عبدالحی۔ الإعلام بمن فی الہند من الأعلام،3:377۔
27۔ملکاپوری، مولانا عبدالجبار صوفی۔ محبوب ذوالمنن فی تذکرہ اولیائے دکن .حیدرآباد: حسن پریس،1332ھ،2:789۔
28۔اردو دائرۂ معارف اسلامیہ19:586 ,۔
29۔ملکاپوری، مولانا عبدالجبار صوفی۔ محبوب ذوالمنن،2:789۔
30۔ولی الدین،ڈاکٹر میر۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف اور سلوک .دہلی:ندوۃ المصنفین،1966، ص53۔
31۔اکرام، شیخ محمد۔ آبِ کوثر .ص368۔
32۔مکتبہ شاہراہ، اردو بازار، دہلی، غیر مؤرخ۔
33۔سامانی،سید محمد علی۔ سیر محمدی .ص108۔
34۔اکرام، شیخ محمد۔ آبِ کوثر .ص373۔
35۔اسمار الاسرار . تصحیح وتحشیہ سید عطا حسین۔ حیدرآباد: اعظم اسٹیم پریس / گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز، ص2۔
36۔اکرام، شیخ محمد۔ آبِ کوثر .ص372۔
37۔سامانی،سید محمد علی۔ سیر محمدی .ص58–59۔

حضرت لاڈلے مشائخ کی علمی و سماجی خدمات کا تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر طیب خرادی*

بر صغیر خصوصاً خطۂ دکن کی سرزمین صدیوں سے روحانی اور علمی فیوض کی آماجگاہ رہی ہے۔ یہاں کے صوفیائے کرام نے اسلام کی حقیقی روح کو عوام کے دلوں میں اتارا اور اس خطے کی سماجی و تہذیبی ساخت پر دیرپا اثرات چھوڑے۔ انہی میں ایک عظیم المرتبت بزرگ حضرت شیخ مخدوم علاء الدین انصاری ہیں جو "لاڈلے مشائخ" کے لقب سے مشہور ہوئے اور جنہیں بعد میں "قطب دکن" کہا گیا۔ حضرت قطبِ دکن شیخ مخدوم علاء الدین انصاری کے شیخِ محترم حضرت چراغ دہلوی کے نزدیک خانقاہ وہ مرکزِ تربیت ہے جہاں سالک ایک کامل مرشد کی نگرانی میں شریعت و طریقت کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی سنوارتا ہے۔ دکن میں بھی یہی خانقاہی روایت اُس وقت مضبوط ہوئی جب یہاں مسلمانوں کی آزاد حکومت اسمٰعیل مخ کی قیادت میں قائم ہوئی۔ گلبرگہ جب دکنی مسلمانوں کا قبلۂ اول قرار پایا تو سیاسی، معاشی اور سماجی سطح پر ایک نیا دور شروع ہوا اور مذہبی و خانقاہی تحریکوں نے نئی قوت حاصل کی۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "دکن میں جب مسلمانوں کی آزاد حکومت اسمٰعیل مخ کی سرکردگی میں قائم ہوئی اور جب گلبرگہ دکنی مسلمانوں کا قبلہ اول قرار پایا تو سیاسی، معاشی اور سماجی دنیا میں نیا انقلاب آیا۔ خصوصاً مذہبی تحریکوں نے نئی توانائی حاصل کی اور صوفیائے دکن حضرت شیخ سراج الدین جنیدی کو حسن گنگو بہمنی کے دور میں ایک خاص مرتبہ و مقام حاصل تھا۔ حضرت لاڈلے مشائخ اس وقت گلبرگہ تشریف لائے جب کہ حسن کا انتقال ہو چکا تھا اور محمد شاہ اول عنانِ حکومت سنبھالے ہوئے تھا۔"

اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے حالات زندگی قلم بند کرتے وقت جن باتوں کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ ہیں ان کی سماجی، معاشرتی اور مذہبی خدمات کہ جن کے لیے ان کی زندگیاں وقف تھیں۔ اسی نقطہ نظر سے اگر ہم جد امجد حضرت علاء الدین انصاری المعروف بہ لاڈلے مشائخ انصاری دہلوی ثم اَلَندی (Alandi) کے حالات زندگی پر غور کریں تو فکر و نظر کو نئی تاب و توانائی ملتی ہے، دل و دماغ کے تاریک گوشے حقیقت و صداقت کے نور سے دمک اٹھتے اور قلب انوار رحمت سے چمک اٹھتا ہے اور ساتھ ہی حضور لاڈلے مشائخ انصاری قدس سرہ العزیز کا نیا پیکر قرطاس قلب و ذہن پر ابھرتا ہے۔ حضرت قبلہ کی یہ تصویر کہیں زیادہ روشن، کہیں زیادہ جاذب نظر اور کہیں زیادہ قابل احترام ہے۔

*صدر شعبہ اردو، نیو کالج، چنئی، تامل ناڈو

حضرت قبلہ کی زندگی کا جو سب سے زیادہ روشن پہلو ہے وہ عبادت الٰہی اور خدمت خلق ہے۔ یہ باتیں اظہار کی محتاج نہیں لیکن ان کی رواداری خوش خلقی، حسن سلوک، مروت اور محبت ایسے اوصاف حمیدہ ہیں جن کی وجہ سے مسلم و غیر مسلم ہمیشہ ان کے گرویدہ رہے اور آج بھی آپ کی بارگاہ عوام الناس کی امیدوں اور مرادوں کا مرکز و محور ہے۔[1]"

حضرت قطب دکن کے آباء واجداد: حضرت قطب دکن، حضرت شیخ مخدوم علاء الدین انصاری المعروف لاڈلے مشائخ ایک علمی، روحانی اور شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباو اجداد نہ صرف علمی و روحانی مقام کے حامل تھے بلکہ ان کی نسل پاک صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور فارسی کے مشہور صوفی شاعر حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری سے بھی جڑتی ہے۔ ان کا نسب پاک خزجی قبیلے سے ہے، جو اپنی شرافت، روحانیت اور اسلامی خدمات کی وجہ سے معروف ہے۔

حضرت لاڈلے مشائخ کے والد گرامی کا اسم مبارک حضرت پیر مبارک فخر الدین المعروف کارواں انصاری ہے۔ آپ حضرت خواجہ برہان الدین غریب کے مرید و خلیفہ تھے اور آپ کے روحانی مقام کی عظمت اس بات سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا مزار مبارک اورنگ آباد، مہاراشٹرا کے علاقے خلد آباد میں واقع ہے، جو بزرگان دین کی روحانی سرزمین کے طور پر مشہور ہے۔ والدہ ماجدہ کا اسم مبارک حضرت بی بی رانی خرد ہے، جو حضرت سید شاہ کبیر اللہ حسینی کی دختر اور شہنشاہ دکن حضرت بندہ نواز کی حقیقی خالہ تھیں۔

حضرت مخدوم علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کی شان حضرت بندہ نواز کی والدہ کی نگاہ میں بھی بہت زیادہ تھی۔ ایک مشہور واقعہ کے مطابق، حضرت بندہ نواز کی والدہ نے فرمایا کہ اگر آپ شادی کے لیے راضی ہو جائیں تو میں دعا کروں گی، اور حضرت لاڈلے مشائخ کی شادی اسی رضامندی کے بعد واقع ہوئی۔

حضرت لاڈلے مشائخ کے خاندان کی تاریخ نہایت دلچسپ اور علمی و روحانی اعتبار سے اہم ہے۔ ان کے آباو اجداد عرب سے وادی سندھ تشریف لائے، کچھ عرصہ بعد دہلی منتقل ہوئے اور آخر کار محمد بن تغلق کے زمانے میں دہلی سے دکن تشریف لائے۔ اس خاندان کی فضیلت اور مقام کی وضاحت ایک حدیث مبارکہ سے بھی کی جاسکتی ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے فرمایا کہ انصار صحابہ میرے نزدیک بہت عزیز ہیں اور میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ یہ حدیث اس بات کا عکاس ہے کہ حضرت لاڈلے مشائخ کے خاندان کی روحانی و اخلاقی فضیلت میں کوئی شک نہیں۔

حضرت لاڈلے مشائخ انصاری کا خاندان نہ صرف علمی و روحانی اعتبار سے بلند مرتبہ تھا بلکہ ان کے نسب و تعلقات بھی بڑے معتبر اور بلند مقام کے حامل تھے۔ والدین دونوں ہی خاندان کی روحانی اور علمی عظمت کے نمایاں ستون تھے۔ والد گرامی حضرت پیر مبارک فخر الدین المعروف کارواں انصاری کی خدمات علمی و روحانی میدان میں بے مثال تھیں، جبکہ والدہ ماجدہ حضرت بی بی رانی خرد کی ناتی نسبتی تعلقات کی وجہ سے بھی خاندان کو اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا۔

---

[1] مقدمہ کتاب: قطب دکن، مرتبین: ملک زادہ کلیم الدین انصاری، ملک زادہ محمد طیب انصاری، ص 10،9

اس طرح حضرت شیخ مخدوم علاء الدین انصاری المعروف لاڈلے مشائخ کا خاندان ایک ایسا علمی، روحانی اور شریف خاندان ہے، جس کی نسل پاک صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری اور صوفی شاعر حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری تک پہنچتی ہے۔ خاندان کی فضیلت حضور ﷺ کی حدیث اور بزرگان دین کے عقائد سے واضح ہے اور ان کی علمی و روحانی خدمات آج بھی اہل علم اور صوفیا کے لیے مشعل راہ ہیں۔

ولادت و نسب: حضرت مخدوم علاء الدین انصاری کی ولادت 30 ربیع الثانی 720ھ کو "کیلو کھڑی" میں ہوئی۔ آپ کے والد حضرت فخر الدین انصاری اور والدہ حضرت بی بی رانی خرد نہایت متقی اور صالحہ خاتون تھیں۔ آپ کا تعلق خانوادۂ انصار سے تھا اور سلسلہ نسب جلیل القدر صحابی حضرت ابو ایوب انصاری سے جاملتا ہے۔ یہ نسبت آپ کے علمی و روحانی مقام کو مزید بلند کرتی ہے۔

وجہ تسمیہ "لاڈلے مشائخ": آپ کے عرفی لقب کی بنیاد ایک دلچسپ واقعے پر ہے۔ حضرت سید شاہ کبیر اللہ حسینی اپنے تمام نواسوں میں سب سے زیادہ محبت آپ سے فرماتے اور کہا کرتے: "علاء الدین ایک جید عالم اور قطب وقت ہوں گے۔" ایک روز آپ کو ساتھ لے کر حضرت مولانا حسن الدین نقشبندی کے مکان پر گئے جہاں حضرت قاضی علیم الدین نے محبت سے آپ کو گود میں اٹھالیا۔ اس پر مولانا حسن الدین نقشبندی نے فرمایا: "اے علاء الدین! تو مشائخین کا بڑا لاڈلہ ہے۔" یہی جملہ آپ کی پہچان بن گیا اور بعد میں آپ "لاڈلے مشائخ" کے نام سے مشہور ہوئے۔[1]

تعلیم و تربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم دولت آباد میں حاصل کی۔ کم سنی میں قرآن کریم حفظ کیا اور دکنی زبان میں مہارت حاصل کی۔ عربی، فارسی، منطق، فقہ، اصولِ حدیث اور تفسیر میں گہری بصیرت پیدا کی۔ اسی دوران حضرت سید محمد گیسو دراز آپ کے ہم سبق اور قریبی دوست رہے۔ یہ رفاقت آگے چل کر دکن میں تصوف کی عظیم روایت کی بنیاد بنی۔

حصولِ ارادت و خلافت: ابتدائی طور پر آپ کی توجہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف ہوئی، مگر ان کے وصال کے باعث بیعت ممکن نہ رہی۔ بعد ازاں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے دست پر بیعت کی۔ حضرت گیسو دراز پہلے ہی ان کے مرید ہو چکے تھے اور انہی کے توسط سے آپ بھی سلسلۂ چشتیہ میں داخل ہوئے۔ قلیل عرصے میں مرشد نے آپ کی روحانی صلاحیتوں کو دیکھ کر خلافت و اجازت عطا فرمائی۔

مراجعت دکن: وصالِ حضرت چراغ دہلوی (761ھ) کے بعد آپ نے دکن کی طرف مراجعت فرمائی۔ سفر میں اجمیر، مالوہ، دولت آباد اور قندھار میں قیام کیا۔ بالآخر گلبرگہ پہنچے جہاں بہمنی سلطان محمد شاہ نے پرتپاک استقبال کیا۔ یہ مراجعت دکن میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید کا آغاز ثابت ہوئی۔[2]

---

[1] اخبار الاخبار، خزینۃ الاصفیاء

[2] ملفوظات بندگی مخدوم

شیخ دکن سے ملاقات: گلبرگہ کے قریب حسن آباد میں حضرت شیخ سراج الدین جنیدی (شیخ دکن) مقیم تھے۔ آپ تین بار ملاقات کی کوشش کے بعد شرفِ زیارت سے مشرف ہوئے۔ شیخ دکن نے آپ کو اَلند جانے اور وہاں تبلیغِ دین کے لیے قیام کا حکم دیا۔ یہ حکم آپ کی زندگی کا سنگ میل ثابت ہوا۔

اقامت الند اور خانقاہ: حضرت لاڈلے مشائخ الند میں مقیم ہوئے اور تقریباً بائیس برس تک یہیں دین و تصوف کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کی خانقاہ "روضہ المشائخ" کے نام سے مشہور ہوئی جو علم، عرفان، ذکر و فکر اور خدمتِ خلق کا مرکز بنی۔ آپ کے خاندان کو الند میں "محلہ انصاریاں" کی صورت میں آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔

تعلیمات: آپ کے عہد میں دہریت اور مذہبی انحطاط کا اثر نمایاں تھا۔ حضرت لاڈلے مشائخ نے ایمان، توحید، اخلاق حسنہ اور خدمتِ خلق کو اپنی تعلیمات کا محور بنایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے: "میرا کام دلوں کو کاٹنا نہیں بلکہ سینا ہے۔" آپ کی خانقاہ نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں پر بھی اثر ڈالا۔ رواداری، محبت اور اخوت کے ذریعے آپ نے ایک ہم آہنگ معاشرہ تشکیل دیا۔

تصنیفات: حضرت لاڈلے مشائخ نے کئی علمی و روحانی تصانیف تحریر فرمائیں جن میں سے چند یہ ہیں:

1۔ حاشیہ بر عوارف المعارف — 2۔ تفسیر کشاف (پانچ پارے) — 3۔ شرح آداب المریدین

4۔ فلسفہ عشق — 5۔ رسالہ استقامت — 6۔ سیرت النبی ﷺ

7۔ شرح قصیدہ — 8۔ رسالہ ذکر "اللہ ہو" — 9۔ رسالہ آداب والدین کے ساتھ

10۔ خلافت نامہ — 11۔ شرح عربی و فارسی نحو — 12۔ رسالہ سماع[1]

وفات: حضرت لاڈلے مشائخ کا وصال بروز جمعہ الند میں ہوا۔ آپ کو وہیں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار آج بھی عقیدت و محبت کا مرکز ہے جہاں ہر مذہب و ملت کے لوگ فیض پاتے ہیں۔

قطب دکن حضرت کا تاریخی پس منظر اور سماجی خدمات: حضرت شیخ مخدوم علاء الدین انصاری المعروف لاڈلے مشائخ دکن کے عظیم صوفیا میں شمار ہوتے ہیں، جنہوں نے چشتیہ سلسلے کی روحانی روشنی کو دکن میں مستحکم کیا اور اسے سماجی و مذہبی اثر و رسوخ دینے والا مرکز بنایا۔ حضرت غریب نواز کے بعد جن بزرگان دین نے چشت کے چراغ کو روشن رکھا، ان میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر، حضرت علاء الدین صابر کلیر شریف، حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی شامل ہیں۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے وصال کے بعد خاندان چشت نے تمام تبرکات آپ کے ساتھ دفن کر دیے۔ حضرت سید محمد گیسو دراز نے ان تبرکات کے ساتھ دکن کا سفر کیا، اور راستے میں جو بھی ذرا سا سامان وصول کرتا، وہ ولی بن گیا۔ اس طرح روحانی فیضان دکن میں پہلے ہی شروع ہو چکا تھا، لیکن حضرت لاڈلے مشائخ کی آمد کے بعد اس میں نئی شدت اور وسعت پیدا ہوئی۔

---

[1] وصیت نامہ شیخ رشید الدین انصاری

دکن میں تاریخی پس منظر: ساتویں صدی ہجری میں علاء الدین خلجی کے حملوں کے بعد دکن میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، تاہم پہلے ہی ساحلی علاقوں میں اسلام کی تعلیمات پہنچ چکی تھیں۔ محمد بن تغلق کی تبدیلیِ پائے تخت کے بعد دکن ہندوستانی معاشرت، تہذیب اور سیاست کا اہم مرکز بن گیا۔

اس وقت سیاسی، اقتصادی اور سماجی دنیا میں انقلاب آیا۔ مسلمانوں نے دکن میں آزاد حکومت قائم کی اور گلبرگہ کو اپنا قبلہ اول قرار دیا۔ صوفیائے کرام نے دولت آباد اور خلد آباد میں مستقل بود و باش اختیار کیا۔ حضرت شیخ سراج الدین جنیدی اور دیگر صوفیا نے حسن گنگو بہمنی کے دور میں روحانی اور سماجی خدمات فراہم کیں۔ اسی پس منظر میں حضرت لاڈلے مشائخ دکن تشریف لائے اور یہاں کے عوام کے لیے روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاح کا نیا دور قائم کیا۔

روحانی فیضان اور خانقاہی خدمات: حضرت لاڈلے مشائخ کا سب سے نمایاں پہلو عبادت الٰہی اور خدمت خلق ہے۔ آپ کے اخلاق و کردار، حسن سلوک، مروت اور محبت نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے دل بھی جیت لیے۔

مولانا حضرت پیر ضامن نظامی کے مطابق، چشتیہ سلسلے کے بزرگ ہمیشہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان صلح وصفائی قائم رکھتے تھے اور کسی کی دل آزاری نہیں کرتے تھے۔ آپ کے ملفوظات میں فرمایا گیا۔ اقتباس

حضرت میر خورد نے فرمایا: "یہ درد کا گھر ہے سراپا درد ہو جا یا گھر سے نکل جا۔" خانقاہیں درد کا گھر ہوا کرتی ہیں۔ درد جو انسانیت سے عبارت ہے۔ کسی نے حضرت فرید الدین گنج شکر کو قینچی پیش کی۔ آپ نے فرمایا مجھے سوئی دو کیوں کہ میرا کام کاٹنا نہیں دلوں کو سینا ہے۔

مولانا حضرت پیر ضامن نظامی صاحب قبلہ نے لکھا ہے:

چشتیہ سلسلہ کے خواجگان متاخرین میں حضرت شاہ سلیمان تونسوی گزرے ہیں۔ چشتیہ سلسلہ کے بزرگان کا جو رویہ ہندوؤں کے ساتھ رہا ہے اس کا تذکرہ آپ کے ملفوظات "نافع السالکین" میں ملتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سلسلے کے بزرگوں کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ ہندو مسلمانوں میں صلح وصفائی رکھی جائے۔ کسی کی دل آزاری نہ کی جائے اور اس بیت پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے"۔

حافظا! گر وصل خواہی، صلح کن با خاص و عام　　　با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام

اس بیت کا اصل مقصد یہ ہے کہ ایک ہاتھ میں جام شریعت ہو تو دوسرے ہاتھ میں سندان عشق ہو۔ ہمارے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے تمام بزرگوں کا اسی اصول پر عمل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں سیاسی انقلابات پے درپے آنے کے باوجود اولیائے کرام کے آستانوں کا چراغ ہمیشہ روشن رہا اور غیر مسلموں کی حاضریاں کسی دور میں بھی نہ چھوٹیں۔ گویا اولیائے چشت کا طریق کیا تھا، آیت کریمہ کی تفسیر تھا: ﴿ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ﴾[1]

خانقاہیں حضرت لاڈلے مشائخ کے نزدیک "درد کے گھر" تھیں۔ حضرت فرید الدین گنج شکر نے فرمایا کہ دلوں کو سینا ہی اصل کام ہے۔

---

[1] مقدمہ قطب دکن: مرتبین: ملک زادہ کلیم الدین انصاری، ملک زادہ محمد طیب انصاری ص 7،8

حضرت لاڈلے مشائخ نے خانقاہی نظام کو عبادت، تصوف اور انسانی نفسیات کی باریکیوں کو سمجھ کر معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔
حضرت شیخ دکن اور بین المذہبی ہم آہنگی: چشتیہ سلسلہ ہمیشہ رواداری، بھائی چارہ اور انسانی اقدار کا علمبردار رہا۔ حضرت لاڈلے مشائخ نے قرآن کریم کی آیت ﴿ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ﴾ کی روشنی میں لوگوں کو عقل و نصیحت کے ذریعے دین کی طرف بلایا۔ آپ کا فلسفہ یہ تھا کہ حقیقی انقلاب قلب میں شروع ہوتا ہے اور اس سے معاشرت میں تبدیلی آتی ہے، نہ کہ جبر و زبردستی سے۔
گلبرگہ اور الند میں خدمات: گلبرگہ شریف سے مغرب کی جانب تعلقہ الند میں حضرت لاڈلے مشائخ کا روضہ اور خانقاہ تاریخی اور روحانی اہمیت کا حامل ہے۔ سات سو برس سے یہاں چراغ روشن ہے، جس کی روشنی نے اندھیرا دور کیا اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست دکھائی۔ محمد حکیم غلام حسن خاں کے مطابق:

"آب بھی مرا ازیں سرکار نظام بسر کار فیروز گڑھ میر ود پرگنہ الند مضاف ازیں سرکار است. در آنجا درگاہ ملک المشائخ حضرت علاؤدین لاڈلے انصاری قدس سرہ العزیز است" یہ زیارت گاہ آج بھی عوام الناس کے لیے روحانی فیضان اور امید کا مرکز ہے۔ اثرات اور تاریخی اہمیت: حضرت لاڈلے مشائخ کا دور ہندوستان کی تاریخ میں روحانی اور مادی اعتبار سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں انسانی اقدار کو عام کرنے کی کوششیں ہر اعتبار سے قابل تحسین ہیں۔"

مشہور انگریزی متشرق آرنلڈ نے لکھا:

"مذہبی رواداری کی فضا سب سے پہلے مشائخین چشت کے فیضان کا نتیجہ ہے، ورنہ ہندوستان جو نسلی تعصبات کی وجہ سے مختلف فرقوں میں بٹا ہوا تھا، اس قسم کی تعلیمات سے بالکل بے بہرہ تھا"

حضرت لاڈلے مشائخ کی شخصیت عبادت، خدمت خلق، محبت، صلح و صفائی اور انسانی تربیت کا عملی مظاہرہ ہے۔ ان کے فلسفہ اور تعلیمات آج بھی دکن میں روحانی اور سماجی زندگی کے لیے مشعل راہ ہیں، اور ان کے زیر سایہ لوگ آج بھی آسائش و راحت اور روحانی فیضان سے مستفید ہو رہے ہیں۔ قطب دکن حضرت شیخ مخدوم علاء الدین انصاری المعروف لاڈلے مشائخ کی علمی و سماجی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ملک زادہ کلیم الدین انصاری نے ایک کتاب تحریر کی ہے اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

"میں نے کتاب لکھنے کے سلسلہ میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ کتاب طرز جدید پر ہو اور زمانہ حال کا لحاظ کرتے ہوئے ہر ایک مضمون کو جداگانہ عنوان کے تحت بیان کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ناظرین کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ سنے ہوئے واقعات کی تاریخی چھان بین کی جہاں ان کا اصل ملتا گیا ان کو تحریر میں لانے کی کوشش کی۔ حضرت شیخ علاؤالدین انصاری اور آپ کے والد بزرگوار کے طریقہ مرید و خلافت و تعلیمات کا پورا پورا خاکہ کھینچنے کی کوشش کی اور ان کی تفصیلات کو میں نے مختلف فارسی و عربی تواریخ سے انتخاب کرکے ان کا ایک مجموعہ بنایا اور متفرق باتوں کا ایک شیرازہ باندھا۔ ہر ایک مضمون کو

شرح وبسط کے ساتھ لکھا اور خاص اپنی تحقیقات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی اور جن باتوں سے اخذ کیا ان کی نشاندہی کی، جن کتابوں سے مدد لی ان کی بھی نشاندہی کی اور جہاں کہیں ضروری سمجھا اصل عبارت کو نقل کر کے مطلب کے ساتھ واضح کیا تاکہ نکتہ چیں کو کسی قسم کے اعتراض کا موقع نہ ملے۔ اس کتاب میں ایک یہ خاص بات پائی جائے گی کہ میں نے کشف و کرامات پر ایسی کوئی بحث کرنا ضروری نہ سمجھا اور جہاں جو واقعہ حضرت کے شیخ کی زندگی سے خاص تعلق رکھتا ہے تو اس کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی چنانچہ میں نے خاص طور پر حالات زندگی، طریقت، ملفوظات، تعلیمات پر روشنی ڈالنے کی زیادہ تر کوشش کی اور اس میں چیزیں وہی ہیں جو ایک انسان کے لیے کار آمد ثابت ہو سکتی ہیں۔ اکثروں نے کشف و کرامات کے معاملہ میں اتنی زیادہ پہل کی ہے کہ مبالغہ آمیزی سے بھی کہیں گریز کرتے ہوئے نظر نہیں آتے جس کی وجہ سے اولیائے کرام کی اصل تصویریں ہماری نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی ہیں علاوہ اس کے میں نے کہیں بھی غیر مصدقہ روایتوں وقصوں کو بالکل جگہ نہیں دی جہاں تک ممکن ہو سکے مستند تواریخ کے حوالوں سے اصل واقعات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ہر ایک مورخ کے اتفاق واختلاف کو میں نے نہایت ہی صحیح اور تحقیقانہ پیرائے میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔"[1]

یہ اقتباس اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مصنف نے کتاب کی تالیف "قطب دکن" میں محض روایت یا مرّوجہ انداز پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تحقیقی و تنقیدی اسلوب کو اپنایا ہے۔ ہر مضمون کو الگ عنوان کے تحت بیان کیا، معتبر مآخذ سے استفادہ کیا اور اصل حوالوں کی نشاندہی کی تاکہ قارئین کے لیے فہم و ادراک میں آسانی پیدا ہو۔ کشف و کرامات کی غیر ضروری بحث سے اجتناب کرتے ہوئے حالاتِ زندگی، طریقت، ملفوظات اور تعلیمات پر زیادہ توجہ دی گئی ہے، جو قارئین کے لیے حقیقی معنوں میں کارآمد پہلو ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کا مقصد مبالغہ آمیزی سے ہٹ کر قطب دکن حضرت شیخ مخدوم علاء الدین انصاری المعروف لاڈلے مشائخ کی علمی و سماجی خدمات کو مستند تاریخ اور سیرت کے حقائق کو علمی و تحقیقی انداز میں سامنے لانا ہے۔

الغرض حضرت لاڈلے مشائخ نے دکن میں چشتیہ سلسلے کو روحانی، اخلاقی اور سماجی طور پر مضبوط بنایا۔ آپ کی زندگی عبادت، محبت، صلح وصفائی اور خدمت خلق کی روشن مثال ہے۔ ان کی تعلیمات آج بھی انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں اور دکن میں صوفیانہ تعلیمات کے فروغ کا مرکز ہیں۔ موجودہ مادہ پرست زندگی نے انسان کو مقصدیت سے دور کر دیا ہے۔ ایسے دور میں خانقاہیں انسان کو سکون، اللہ اور رسول ﷺ کی محبت، اور سماجی ہم آہنگی فراہم کرتی ہیں۔

*****

[1] پیش لفظ، ملک زادہ کلیم الدین انصاری، کتاب: قطب دکن، ص 20،21

حوالہ جات :

1۔اخبار الاخبار،ص123

2۔خزینۃ الاصفیا،ج1،ص381

3۔ملفوظات بندگی مخدوم،ص82

4۔روضۃ الانتصار(ملفوظات سادات برادران)

5۔روضۃ الغرائب

6۔وصیت نامہ شیخ رشید الدین انصاری

7۔تاریخ گلزار آصفیہ

8۔فوائد الفؤاد،ص103

9۔اخر المجالس،ص238

10۔سورۃالتوبہ:119

11۔ترمذی،384/4

12۔مولانا حضرت پیر ضامن نظامی،نافع السالکین،ملفوظات چشتیہ سلسلے کے بزرگ حضرات۔

13۔قرآن کریم،سورۃالبقرہ،آیت256:"لااکراہ فی الدین"۔

14۔محمد حکیم غلام حسن خاں،تاریخ دکن اور گلبرگہ،درگاہ ملک المشائخ۔

15۔آرنلڈ،متشرق،History of Religions in India,حوالہ بر مذہبی رواداری اور چشتیہ سلسلے۔

16۔:قطب دکن،مرتبین:ملک زادہ کلیم الدین انصاری،ملک زادہ محمد طیب انصاری،حیدرآباد،اعجاز پرنٹنگ پریس،1979ء

حضرت خواجہ بندہ نواز بحیثیت مجددِ روحانیات

پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر*

حضرت خواجہ بندہ نواز کا اسمِ گرامی سید محمد اور کنیت ابوالفتح تھی، انکا لقب صدر الدین الولی الاکبر اور الصادق تھا حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کی بارگاہ سے گیسو دراز کا لقب عطا ہوا تھا۔ آپ کی ولادت 4رجب 721ھ دہلی میں ہوئی۔ محمد تغلق کے حکم پر جب علماء ومشائخین دہلی سے دولت آباد کا رخ کیا تو حضرت خواجہ بندہ نواز بھی اپنے والدِ گرامی حضرت سید یوسف حسینی راجو قتال کے ساتھ دولت آباد پہنچے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم خلد آباد میں ہوئی، کم عمری ہی سے آپ پابندِ صلوۃ تھے سات سال کی عمر میں قُرآن مجید حفظ فرمالیا تھا، پندرہ سال کی عمر میں اپنے بڑے بھائی سید چندن حسینی کے ساتھ دہلی میں 16رجب 736 ھ کو حضرت چراغ دہلی سے شرفِ بیعت حاصل کی، اس کے بعد مجاہد ہو ریاضت، ذکر و مراقبہ اور دوسرے مشاغل میں مصروف رہے۔ پھر گھر کی سکونت ترک کر کے حظیرۂ شیر خان میں قیام فرمایا۔جہاں دس برس تک مشغولِ عبادت وریاضت رہے، وہیں سے حضرت مولانا عبدالمقتدر کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور ہر روز پابوسی کے لیے حضرت پیر نصیر الدین چراغ دہلی کی خدمتِ فیض درجت میں بھی حاضر ہوتے۔

تفسیر، حدیث اور فقہ کی ضروری کتابوں کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پیرومرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علمِ ظاہر کی تعلیم ترک کر دوں اور علمِ باطن کے حصول میں ہمہ تن مشغول ہو جاؤں۔ پیرو مرشد نے فرمایا 'ہدایہ'، 'بزدوی'، 'رسالہ شمسیہ'، 'کشاف'، 'مفتاح' ان کتابوں کو ٹھیک سے پڑھ لو تم سے ایک کام لینا ہے۔ پیر روشن ضمیر کے حکم کے مطابق مذکورہ کتابوں کی تعلیم کے بعد جب مکمل طور پر یکسو ہو کر علمِ باطن کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور مجاہدہ وریاضت کے بعد مکاشفات اور تجلیات پر فائز المرام ہوئے اور جب ان واقعات اور واردات کو پیرومرشد کی خدمت میں پیشکیا، تو حضرت پیر نصیر الدین چراغ دہلی نے یہ فرمایا کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے مجھ میں شوریدگی پیدا کر دی اور پہلے زمانے کے واقعات مجھے یاد دلا دیے۔ ایک مرتبہ پیرومرشد حظیرئہ شیر خان میں حضرت بندہ نواز کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے اور چند روپئے پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یہ میری طرف سے نذر ہے جو سید محمد کے لیے لایا ہوں۔ اس واقعہ کے بعد باکمال حضراتِ صوفیہ بیک زبان ہو کر فرمانے لگے کہ اس ہستی کو جوانی ہی میں پیرانِ واصل کا مقام اور مقتدایانِ کامل کا درجہ حاصل ہے۔ آپکی عمر بابرکت جب 36 برس کی ہوئی تو757ھ میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ 17/رمضان المبارک 757ھ کو حضرت چراغِ دہلی نے سفر آخرت اختیار فرمایا، اور تیسرے دن حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز اپنے پیرومرشد حضرت نصیر الدین چارغ دہلی کے سجادۂ ولایت پر رونق افروز ہوئے۔ اور 40 سال کی عمر میں حضرت سید احمد بن جمال الدین مغربی کی صاحبزادی حضرت بی بی رضا خاتون سے اپنی والدہ محترمہ کے حکم پر نکاح فرمایا جن سے دو

*صدر شعبۂ اردو خواجہ بندہ نواز یونیورسٹی، گلبرگہ، کرناٹک

صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ قیامِ دہلی کے دوران 44 برس تک آپ تشنگانِ علم و عرفان کی پیاس بجھاتے رہے۔
801ھ میں دہلی پر تیمور کے حملے کے وقت آپ نے اپنے افرادِ خاندان اور دیگر متوصلین کے ساتھ دہلی سے رختِ سفر باندھا۔ بہادر پور' گوالیار' بھاندیر' ایرچہ' چھترا' چندیری اور بڑودہ سے ہوتے ہوئے کھمبایت پہنچے۔ اور یہاں سے گجرات اور سلطان پور سے ہوتے ہوئے دولت آباد پہنچے جہاں اپنے والد بزرگوار کی زیارت فرمائی۔ جب آپ فتح آباد عرف دیوگیر پہنچے۔ عضد الملک جو اس علاقے کا حاکم تھا فیروز شاہ گلبرگہ کی طرف سے نذر لے کر حاضر ہوا اور گلبرگہ آنے کی درخواست پیش کی۔ حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ 803ھ کے اواخر میں جب گلبرگہ کے قریب تشریف لائے تب فیروز شاہ بہمنی' شہر کے باہر اپنے لشکر کے ساتھ شاہانہ استقبال کے لیے حاضر ہوا، اور حضرت بندہ نواز سے گلبرگہ ہی میں قیام فرمانے کی التجا کی۔ اس طرح دہلی سے گلبرگہ پہنچنے تک کوئی ڈھائی تین برس کا عرصہ لگا اور اس سفر کے دوران ہر ہر مقام پر علماء، مشائخ، عمائدین اور امراء نے بیعت کی۔ اور گلبرگہ میں 22 سال بندگانِ خدا کی رہبری فرماتے ہوئے 104 سال 4 ماہ 12 یوم کی عمر بابرکت پائی، اور 16/ ذیقعدہ 825ھ کو بروزِ چہار شنبہ نمازِ اشراق و چاشت کے درمیان واصل بحق ہوئے۔
" سیر محمدی" کے مصنف مولانا محمد علی سامانی نے مخدومِ دین ودنیا سے گیسو دراز کی تاریخ اخذ کی ہے۔ اور حضرت بندہ نواز کے مقام و مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمۃ کا مقام و مرتبہ تحریر و تقریر کے احاطے سے بلند ہے۔ جس قدر حالات و مقامات حضرت بایزید بسطامی، جنید بغدادی اور دیگر بزرگوں کے سنے گئے اور جو کچھ لوگوں نے لکھا ہے یہ سب حالات و مقامات حضرت بندہ نواز کے قول و فعل سے عیاں تھے۔ آپ کا طریقۂ سلوک بالکل پہلے والوں کی طرح تھا۔
حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ بھی آپ سے فیض حاصل کرنے کے بعد یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :" چوں بر شرفِ ملازمتِ حضرتِ میر سید محمد گیسو دراز مشرف شدیم آں مقدار حقائق و معارف کہ از خدمتِ وے بحصولِ پیوست از ہیچ مشائخ دیگر نبودہ۔"

تصانیف:

حضرت خواجہ بندہ نواز کو کثیر التصانیف ہونے کی وجہ سے "سطان القلم" بھی کہا جاتا ہے۔ آپ نے تفسیر، حدیث، اصول حدیث، رجال، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، بلاغت و معانی، تصوف و سلوک کے علاوہ شعر و ادب میں 105 بہ اختلافِ روایت 125 کتابیں یادگار چھوڑیہیں۔ مولانا محمد علی سامانینے " سیر محمدی" میں 31 تصانیف اور 5 خلافت ناموں کا ذکر کیا ہے۔ یہی وہ عظیم الشان کام تھا جس کے پیشِ نظر مرشد گرامی نے آپکو اولاً علوم ظاہری کی تکمیل کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ "مرا باتو کاریست" یعنی مجھے آپ سے کام لینا ہے۔ اور خود حضرت بندہ نواز نے تصنیف و تالیف کی اپنی خداداد صلاحیت کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

"ہر کس کہ دراں حضرت سلوک کرد بہ چیزے مخصوص شد، ما بہ سخنِ مخصوصم خدائے مارا دولتِبیانِ اسرارِ خویش داد، ہر چند کہ می خواہم کہ نظر من از سخنِ خویش ساقط شود نشد۔"

یعنی اللہ تعالیٰ ہر سالک کو کسی خاص چیز سے نوازتا ہے لیکن مجھے تو اللہ نے اپنے اسرار کی تشریح کے اظہار کی صلاحیتو قابلیت عطا فرمائی ہے۔ میں جتنا بھیاس سے بچنا چاہوں نہیں بچ سکتا۔ اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت بندہ نواز کو تصنیفو تالیف کے ذریعے بھی بندوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے انتظام کیا گیا تھا۔ اور جوہر شناس پیر نے شروع ہی سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ حضرت بندہ نواز تصنیفو تالیف کے ذریعے طالبینِ حقیقت کی اہم ترین خدمت انجام دے سکیں گے۔ چنانچہ مرشد روشن ضمیر کییہ توقعات پوری ہوئیں اور حضرت بندہ نواز نے مسلک تصوف و عشق کی تشریحو اشاعت کے لیے عربی، فارسی اور دکنی میں کئی رسالے اور کتابیں املا کر وائیں۔ ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں کئی رسالے آپ سے منسوب ہیں۔

آپ کیزیادہ تر تصانیف کا زمانہ 770ھ-825ھ کے درمیان کا ہے۔ قیامِ دہلی کے علاوہ، سفر اور گلبرگہ میں قیام کے دوران آپ نے کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آئندہ سطور میں آپ کی چند معرکۃ الآراء تصانیف کا مختصر تعارف نذرِ قارئین ہے۔

1۔ تفسیر الملتقط: یہ تفسیر عربی زبان میںہے جو آپ کی جلالتِ علمی پر شاہدِ عدل ہے۔ یہ تفسیر آپ کے قیام دہلی کے دوران تصوف و سلوک کے رنگ میں لکھی گئی تھی، اس میں آپ نے علومِ اسلامیہ کے تمام اصول و فروع پر محققانہ بحث فرمائی ہے۔ اور ہر آیت کے تحت علماء و مشائخ کے اقوال نقل کرنے کے بعد خود اپنا خیال بھی بیان فرمایا ہے، جس سے آپ کی علمی وسعت اور معلومات کی گہرائی کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر آیتکریمہ: "اِنَّ اللہ اشتریٰ مِنَ الْمُؤمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ"[1] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے نفس فرمایا ہے ان کے قلوب نہیں، کیونکہ نفس اور قلب میں بڑا فرق ہے ایک لطیف ہے اور دوسرا کثیف۔ قلب لطیف ہے اسکو ہر شخص خرید سکتا ہے؛ لیکن نفس جو کثیف ہے اسے خدا کے سوا کوئی نہیں خرید سکتا۔

اس تفسیر کے ابتدائی 18 پارے ناصریہ لائبریری لکھنؤ میں محفوظ ہیں۔[2]

2۔ تفسیر القرآن: علامہ جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف کی طرز پر آپ نے 5 پاروں کی تفسیر "تفسیر القرآن" کے نام سے لکھی اور کشاف پر عالمانہ حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔

3۔ شرح مشارق الانوار: علم حدیث میں امام رضی الدین حسن الصغانی کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح غالباً عربی زبان میں دہلیمیں فرمائی اور گلبرگہ میں اسکا فارسی ترجمہ فرمایا۔ ایک عام خیال تھا کہ اس زمانے میں ہندوستان میں علم حدیث بہت محدود تھا اور حدیث دانی کا دارو مدار صرف مشارق الانوار اور مصابیح پر تھا لیکن آپ کی تصانیف سے نہ صرف علم حدیث ہی میں بلکہ رجال اور

([1]) سورۂ توبہ: 111

([2]) مسرت کی بات یہ ہے کہ اس کی مکمل تفسیر 2 جلدوں میں سید نفیس الحسینی پاکستان نے حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ بارگاہ بندہ نواز علیہ الرحمہ گلبرگہ شریف کی خدمت میں پیش فرمائی ہیں جس کو حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ نے کتب خانۂ بندہ نواز میں محفوظ کروادیا تھا۔ الحمد للہ موجودہ سجادہ نشین حضرت ڈاکٹر سید شاہ محمد گیسو دراز خسرو حسینی صاحب قبلہ نے مکمل تفسیر الملتقط دس جلدوں میں نئی ترتیب و تزئین کے ساتھ شائع فرمارہے ہیں ایک جلد منظرِ عام پر آ چکی ہے۔

اصول حدیث میں بھی آپ کے وفور علم، وسعت مطالعہ اور طرزِ تحقیق کے بلند معیار کو دیکھ کر علمائے محققین کی عقلیں دنگ ہیں۔

4۔ شرح فقہ اکبر (عربی) 5۔ شرح فقہ اکبر (فارسی) گلبرگہ میں مکمل فرمائی۔

6۔ حظائر القدس: حضرت بندہ نواز کی تصانیف میں ” حظائر القدس“ جو عشق نامہ سے بھی معروف ہے نہایت اہم تصنیف ہے، جس میں آپ نے عشق الٰہی کے منازل اور حقیقت محمدی کے اسرار کو بیان فرمایا ہے۔ اس کتاب کو آپ نے سفر کے دوران کھمبایت میں تصنیف فرمایا، اس کتاب میں حضرت بندہ نواز نے ابنِ عربی کے نظریات پر ناقدانہ اور نہایت محققانہ بحث فرمائی ہے۔

7۔ شرح رسالہ قشیریہ: اس کو آپ نے گلبرگہ 807ھ میں مکمل فرمایا اس شرح میں آپ فرماتے ہیں کہ صوفیہ وہ ہیں جنہوں نے جزوی وکلی امور میں رسول اکرم ﷺ کی اتباع کی جن کے باطن مستغرق بحق تھے جو از ہمہ صاف تر اور پاک تر تھے۔

8۔ شرح فصوص الحکم: دہلی سے گلبرگہ کے سفر کے دوران آپ نے سلطان پور میں کچھ دن قیام فرمایا اور ابن عربی کی مشہور تصنیف ” فصوص الحکم“ کی نہایت محققانہ اور ناقدانہ اسلوب میں شرح فرمائی ہے، یہ 801ھ-803ھ کے درمیان لکھی گئی ہے جس کو آپ اپنے خاص مریدین کو پڑھایا کرتے تھے۔

9۔ شرح تمہیدات: تمہیدات در اصل قاضی عین القضاۃ ہمدانی کی تصنیف ہے، قاضی ہمدانی امام غزالی کے بھائی امام احمد غزالی کے مرید اور خواجہ مودود چشتی کے فیضیافتہ ہیں، اس کتاب میں انہوں نے اسرار الٰہیہ کی تشریح کی ہے جو صوفیاء کرام میں بہت معروف تھی جس کی شرح حضرت بندہ نواز نے فارسی میں بہ قیام دہلی فرمائی۔

10۔ معارف شرح عوارف: حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی معروف تصنیف عوارف المعارف جو صوفیہ کرام کی خانقاہوں میں مریدین کی تربیت کے لیے پڑھائی جاتی تھی، حضرت بندہ نواز نے اولاً عربی میں دہلی کے قیام کے دوران لکھی، اور دوسری شرح فارسی میں گلبرگہ 810ھ میں لکھی۔ آپ نے ” عوارف المعارف“ کے ضروری اقتباسات کی نہایت رفیع الشان شرح بنام ”معارف العوارف“ عربی زبان ہی میں تحریر فرمائی۔ جس کا اسلوب نہایت علمی ہوتے ہوئے بھی شفاف ترسیل و تفہیم کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جو برّ صغیر ہند و پاک میں عوارف کی سب سے پہلی شرح سمجھی جاتی ہے۔

حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ ” عوارف المعارف“ کے بعض اقوال اجمالی طور پر منتخب فرمالیتے ہیں، پھر شیخ کے قول کو شرح وبسط کے ساتھ پھیلا دیتے ہیں اور حقائق و معارف، نکات و لطائف اور متقدمین صوفیہ کے اقوال سے مدلل فرماتے ہیں، پھر اپنے قیمتی آراء اور نفیس بحثوں سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ کتاب کے ہر باب میں مشکل عبارتوں اور دُشوار نصوص کی تحلیل کرتے ہوئے عام فہم تشریح فرماتے ہیں، مثلاً ” عوارف المعارف“ میں منقول آیت: ”وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون “[1] کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”حضرت ابن عباس نے فرمایا ”لیعبدون“ کے معنیٰ یہاں ” لیعرفون“ کے ہیں، یعنی جن و انس کو اللہ نے اپنی

---

[1] سورۃ الذاریات:56

معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا خلقتِ بشریہ میں حکمت یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جائے؛ لیکن معرفت کا حصول ممکن نہیں ہے جب تک کہ اُن علوم کو حاصل نہ کیا جائے جن کا ذکر اس کتاب میں ہم نے کیا ہے۔ اور اُن علوم کی طلب تو عوام میں ہر مسلمان پر فرض ہے۔ پھر وہ لوگ خصوصیت کے ساتھ شب بیداری، مسلسل روزوں اور مجاہدات کے جام نوش کرتے جاتے ہیں اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جاتی ہے کہ وہ پہنچ گئے جہاں تک پہنچے اور پا لیے جو کچھ پا لیے۔"

11۔ حواشی قوت القلوب: ابو طالب مکی کی مشہور تصنیف قوت القلوب پر گلبرگہ ہی میں آپ نے حاشیہ لکھا اس کتاب کے مشمولات کے پیشِ نظر آپ نے اپنی خانقاہ میں بھی اس کی تعلیم جاری رکھی تھی۔

12۔ ترجمہ آداب المریدین: حضرت بندہ نواز نے عربی و فارسی میں اس کی جامع شرحیں لکھی ہیں۔ اسکا ترجمہ بھی آپ نے علٰحدہ طور پر 813ھ گلبرگہ میں بہ زبانِ فارسی کیا۔ مولانا سید عطا حسین کے بقول حضرت بندہ نواز چونکہ حکیم الامت تھے اور اپنے زمانے کے حالات اور رجحانات کے علاوہ کمزوریوں سے بھی خوب واقف تھے۔ آداب المریدین کے موضوع پر ایک مکمل اور مبسوط کتاب کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے مریدین کی تفہیم کے لیے اس کی شرح کی اور ترجمہ فرمایا۔

13۔ خاتمہ شریف: آداب المریدین کی آخری شرح لکھنے کے بعد 807ھ گلبرگہ میں خاتمہ کے نام سے ایک اور کتاب تصنیف فرمائی جو ضمیمہ اور تکملہ کے طور پر لکھی گئی۔ مولانا عطا حسین نے اس کتاب کو 1356ھ میں اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔

14۔ اسمار الاسرار: یہ حضرت بندہ نواز کی نہایت بلند پایہ تصنیف ہے اور قیام گلبرگہ کے دوران 811ھ میں املا کرائی گئی اس کتاب میں ذکر و شغل، مراقبہ، مکاشفہ، عشق، توحید اور معرفت کے نکات بقول شیخ عبد الحق محدث دہلوی "رمز و ایماء اور اشارات کی زبان میں بیان کیے گئے ہیں، جو حد درجہ محتاط حقائق آگاہ معارفِ دستگاہ اور نہایت پختہ کار کامل صوفیوں کے مطالعہ کی چیز ہے۔"

اس کتاب کے دیباچہ میں آپ نے لکھا ہے:

> " دل میں خیال آیا کہ ان اسمار کو اسمار الاسرار کہوں کہ وہ ان احرار کے کام آئے کہ اگر ان پر توجہ کریں معانی و مطالب کو اخذ کریں تو مقام ولایت اور مقام صمدیت کے احوال سے واقف ہو جائیں، اور مقام فناء الفناء کو جان لیں میں نے اس میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا جو کچھ مجھے لکھوایا گیا ہے وہی لکھا ہوں۔"

تاریخ حبیبی میں مرقوم ہے کہ حضرت بندہ نواز فرماتے ہیں یہ کتاب الہام ہے اس لیے تنزیل کے ڈھنگ پر مرتب کی گئی ہے جس کا مقصد معارف قرآن کی تفسیر و تاویل ہے۔ اسی وجہ سے 114 اسمار کی تعداد بھی حضرت بندہ نواز نے قرآنی سورتوں کے برابر رکھی ہے۔

حضرت بندہ نواز کی ہر تصنیف کا مرکزی موضوع "عشق" ہے جس پر انہوں نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ دردِ محبت کا حصول ہمہ وقت ان کے پیشِ نظر رہتا ہے یہی درد ہے جسکا حافظ شیرازی نے اپنے شعر میں اظہار کیا ہے:

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد   وگردم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

اسی درد کی تفسیر حضرت بندہ نواز کی تصانیف میں ملے گی یہی دردِ عشق، خدا تک پہنچاتا ہے۔ آپ کا مسلک سراسر مسلکِ عشق ہے[1]، اسمار الاسرار۔ سمر47 میں فرماتے ہیں:

"حاصلِ کلام اصل خلقت راسِ حکمت ہمی محبت و معرفت آمدہ۔ نشنیدۂ۔ گر عشق نہ بودے فلک نگر دیدے، گر عشق نہ بودے سبزہ نہ روئیدے، وگر عشق نہ بودے حیوان نہ زائدے، وگر عشق نہ بودے انسان بعہدِ بلاغت نہ رسیدے، گر عشق نہ بودے خدارا کسے نہ پرستیدے، وگر عشق نہ بودے جمال اللہ کسے نہ دیدے۔"[2]

(فَاَحببتُ ان اعرف سے حاصلِ کلام یہ ہے کہ خلقت کی اصل حکمت یہی محبت و معرفت ہے، کیا آپ نے نہیں سنا کہ اگر عشق نہ ہوتا تو زمین سورج کے گرد اور سیارے اپنے اپنے مدار پر نہ گھومتے، اگر عشق نہ ہوتا تو دریا نہ بہتے بارش نہ برستی انسان اپنے بلوغ کو نہ پہنچتا، عشق نہ ہوتا تو کوئی انسان خُدا کو نہ پوجتا، گر عشق نہ ہوتا تو اللہ کے جمال کو کوئی نہ دیکھتا۔)

ڈاکٹر میر ولیالدین[3] کے مطابق خواجگانِ چشت میںحضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمۃ نے عشق و محبت پر بہت کھل کر گفتگو کی ہے آپ "من عرف ربہٗ طالَ لسانہ" کے مصداق ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حاصل محبت "سوختن" (جلنا) کے سوا کچھ نہیں: ؎

حاصلِ عشقش سہ سُخن بیش نیست　　سوختم　و　سوختم　و　سوختم

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ محبت "گرفتاری" ہے

محمد　را　زِ　حالِ　اوچہ　پُرسی　　گرفتارم　گرفتارم　گرفتارم

تصوف کی معروف کتابوں میں "اسمار الاسرار" میں شامل علم روحانیات کے حقائق و معارف اور اعلیٰ معیاری اسلوب کے پیش نظر اسے یگانۂ روز گار کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔ اسکو تصوف کا ایک دستور، منشور اور کامل نصاب کے علاوہ اس کتاب کو روحانی نظریات اور عرفانی فکریات کا دائرۃ المعارف کہا جائے تو بے جانہ ہو گا، جس میں نہایت جامعیت کے ساتھ اسلامی تصوف کی روح کو سمو دیا گیاہے۔ اگر اس کی تشریحات و تفصیلات کی جانب اہلِ علم و عرفان کی توجہ فرمائی ہو جائے تو بلا شبہ یہ روحانیات کا ایک سمندر ثابت ہو گی اور عرفانیات کے اثاثے میں اضافے کا باعث تو ہو گی؛ لیکن اس کے باوجود یہ کہنا حق بہ جانب ہو گا کہ:

ع　　"سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے"

یہ کتاب مولانا سید عطا حسین کے مقدمے کے ساتھ حیدر آباد سے شائع ہوئی ہے۔

([1]) بحوالہ: خواجۂ بندہ نواز کا تصوف اور سلوک از: ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب، ص:40

([2]) اسمارُ الاسرار، اُردو ترجمہ، ص :266

([3]) دیکھیے: خواجۂ بندہ نواز کا تصوف اور سلوک، ڈاکٹر میر ولی الدین، ص:51-52

15۔ جواہر العشاق: حضرت غوث الاعظم کے مشہور رسالہ غوثیہ کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں نہایت بہتر شرح حضرت بندہ نواز کی ہے جسے آپ نے جواہر العشاق کے دل پذیر نام سے موسوم فرمایاہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتاہے کہ حضرت بندہ نواز نے حضرت غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کس قدر کمالِ عقیدت کاوالہانہ اظہار فرمایاہے۔

ان تصنیفات میں '' شرح الہاماتِ حضرت غوثِ اعظم'' بظاہر ایک مختصر سا رسالہ ہے مگر اپنے اندر ایک جہانِ معنٰی سموئے ہوئے ہے۔ یہ رسالہ چھوٹی چھوٹی مثالوں پر مشتمل ہے جن کی تعداد پینسٹھ ہے۔ یہ دراصل حضرت غوث الاعظم کے قلبِ اقدس پر وارد ہوئے الہامات ہیں۔ رسالے کا انداز مخاطبت کا ہے۔ بہت سے بزرگوں نے اپنی تصانیف میں اس سے اقتباس کیا ہے۔ مثلاً خواجہ حمید الدین ناگوری نے ''لوامع'' میں، علامہ رکن الدین عماد کاشانی نے ''شمائل الاتقیاء'' میں، حضرت سراج محمد گجراتی نے ''اورادِ قادریہ'' میں اور شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی نے اپنے مکتوبات میں اس رسالے کا ذکر کیاہے۔

'' جواہر العشاق'' کے دیباچہ نگار محمد انور قمر مجددی نقشبندی صفحہ 22 پر رقم طراز ہیں:

> '' عربی اور فارسی میں بہت سی شرحیں لکھی جاچکی ہیں ان میں سے سب سے عمدہ اور مقدم شرح حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی فرمودہ شرح ہے۔ جسے آپ نے ''جواہر العشاق'' کے معنی خیز نام سے موسوم فرمایا ہے۔ اس شرح کی لطافت کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ حضرت غوث الاعظم کے الہامات کی شرح کا حق حضرت خواجہ گیسو دراز علیہ الرحمہ ہی کو حاصل تھا۔ (روحانیات میں) سلوک وعرفان کے ہر گوشہ پر آپ نے روشنی ڈالی ہے۔ شرح کے دوران مختلف مقامات میں حضرت بندہ نواز نے اپنے مکاشفات کا بھی ذکر کیاہے۔''

16۔ مجموعہ یازدہ رسائل: گیارہ رسائل کے اس مجموعے میں حضرت بندہ نواز کے دس رسائل شامل ہیں۔ رسالہ ششم ''توحید خاص برائے توحیدِ خواص'' تسامحاً شامل ہواہے۔ 1۔ تفسیر سورہ فاتحہ 2۔ استقامت الشریعت بطریق الحقیقت 3۔ رؤیت باری تعالیٰ وکراماتِ اولیاء 4۔ حدائق الانس 5۔ وجود العاشقین 6۔ رسالہ منظوم دراذکار 7۔ رسالہ در مراقبہ 8۔ رسالہ اذکار چشتیہ 9۔ شرح بیت حضرت امیر خسرو دہلی 10۔ برہان العاشقین معروف بہ شکار نامہ۔

تیسرے رسالہ '' رؤیتِ باری تعالیٰ'' میں حضرت بندہ نواز مختلف حوالوں کے ذریعے دیدارِ الٰہی سے متعلق فرماتے ہیں:

> حضرتِ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے حارث تم نے کس طرح صبح کی؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں نے سچے مومن کی طرح صبح کی تو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سوچ لو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اے حارث تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ راتوں میں جاگا۔ دن میں روزہ رکھا، اب میں اپنے پروردگار کے تخت کو دیکھ رہاہوں۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' بہت خوب'' اسی پر ثابت رہو اسی کو لازم کرلو، تم نے یہ

بہت بہتر کام کیا، اسی کو کرتے رہو۔ اس سوال وجواب کے متعلق ہر مشائخ نے کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسکین حارث رضی اللہ عنہ سلوک میں ثابت قدم رہ اسی سلوک پر رہ اسی کو لازم کر لے تا آنکہ تو اپنے مقصود کو پہنچ جائے۔ محمد حسینی کا کہنا یہ ہے کہ حارث رضی اللہ عنہ نے ادب ملحوظ رکھا۔ ''دیکھ رہا ہوں اپنے رب کو'' نہ کہا لیکن ان کی مراد یہی تھی۔ لوگوں کی رسم وعادت یہی ہے اور وہ یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ تخت کے سامنے ایسا ہوا۔ یہ نہیں کہتے کہ بادشاہ کے سامنے ایسا ہوا لیکن ان کی مراد بادشاہ ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں، سواری آگئی ماہی مراتب آگئے اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتری کو پہنچ گئے۔ تم نے ادب رکھا، یوں ہی دیکھا کرو، ادب رکھا کرو اسی پر رہو، یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرو۔

شیخ ابو بکر کلابادی بہت مبالغے کے ساتھ رؤیت کا انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں نہ تو ظاہر سے رؤیت ہوتی ہے نہ باطن سے۔ یعنی نہ آنکھ سے نہ دل سے محمد حسینی (حضرت بندہ نواز) کہتا ہے کہ مَیں نے اُس گروہ کو دیکھا جو ایک لمحہ کے لیے بھی اُس کے دیکھنے سے محروم نہ تھے۔ لاحولہ ولا قوۃ میں کہاں جا پہنچا۔

سخن کوتاہ کُن گیسو درازا چو می دانی کہ محرم در جہاں نیست

(اے گیسو دراز گفتگو مختصر کر دو جب تم یہ جانتے ہو کہ دنیا میں کوئی رازدار نہیں۔)

اسی رسالے میں قرآنی متشابہات کی تشریح کرتے ہوئے حضور بندہ نواز فرماتے ہیں:

'' تم کلام اللہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ چکے ہو۔ مفسرین سے متشابہات کے متعلق سن چکے ہو کہ ان کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں، اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، خدا اور اس کے رسول میں یہ ایک راز ہے، علمائے ظاہر یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جو متشابہات ہیں وہ قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھلیں گے، یہ صحیح نہیں، یہ حقیقت نہیں، آپ پر سب کھلے ہوئے تھے، ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو ذات اقدس ہیں، میں اس کو بیان کر سکتا ہوں، لیکن کیا کیا جائے کہ پروردگار کے راز کا کھولنا کفر ہے۔ اس سے مطلع ہونے کے بعد اس کا کھل کر بیان کر دینا کفر ہو جاتا ہے، اس لیے منع کیا گیا۔''

گر صد ہزار قرن ہمہ خلق کائنات فکرت کنند در صفت عزت خدا

(اگر لاکھوں سال ساری مخلوق تیری صفت وعزتمیں (اے خدا) فکر کرے)

آخر بعجز معترف آیند اے الہ دانستہ شد کہ ہیچ نا دانستہ ایم ما

(آخرش عاجز آکر مان لیں گے کہ اے اللہ ہم یہ سمجھ گئے کہ ہم نے جو کچھ سمجھا وہ کچھ بھی نہ سمجھا۔)

کئی سال سے ہم یہ شعر پڑھا کرتے ہیں:

عجبے نیست کہ سر گشتہ شَود طالبِ دوست   عجب اینست کہ من واصل و سر گردانم

(یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دوست کا طالب پریشان رہے تعجب تو یہ ہے کہ میں ملا ہوا پریشان ہوں)

17۔ انیس العشاق: حضرت بندہ نواز فارسی کے ایک بلند پایہ شاعر تھے جب کبھی مضامین کی آمد ہوتییاغلبۂ حال کی وجہ سے صوفیانہ جذبات واردات کبھی کبھی غزل کی شکل میں بے اختیار زبان پر جاری ہو جاتے۔ آپ کے چھوٹے فرزند حضرت سید شاہ اصغر حسینی کے کہنے پر کسی مرید نے انیس العشاق کے نام سے ایک دیوان گلبر گہ میں ترتیب دیا، آپ کی غزلوں میں تخلص کا باضابطہ التزام نہیں ملتا۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک غزل کے مقطع میں آپ نے اپنے ناموں کو بایں طور جمع فرمایا ہے:

اے ابوالفتح محمد صدر الدین گیسو دراز   مختصر کن چند نائی قصہ خود گرد را

آپ حضرت شیخ احمد جام، حضرت شیخ سعدی حضرت امیر خسرو کے معتقد معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے امیر حسن علاء سنجری دہلوی کا یہ شعر پسند فرمایا:

دوشِ دیوانہچہ خوش می گفت   ہر کہ را عشق نیست ایمان نیست

اور آپ نے بھی اسی کی طرز پر ایک غزل کہی جس میں مصرعِ ثانی کو علیٰ حالہ قائم رکھا ہے جو" لا ایمان لمن لا محبۃ لہ" کا ترجمہ ہے:

عشق بر خط و خالِ مذہب و دین   ہر کہ را عشق نیست ایمان نیست

حضرت احمد جام کی مشہور غزل کا ایک شہرۂ آفاق شعر:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را   ہر زماں از غیب جانِ دیگرست

اسی کی طرز پر اور اسی بحر اور ردیف میں آپ کی بھی ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے:

مردِ معنیٰ از جہانِ دیگراست   گوہرِ لعلش زکانِ دیگر است

18۔ چکی نامہ: خواتین کی اصلاح کی خاطر حضرت بندہ نواز نے چکی کے گیت کے پیرائے میں اخلاقی تربیت اور تزکیہ نفس کی تعلیمات بیان فرمائی ہیں۔ ڈاکٹر نسیم الدین فریس کے بقول اردو کے اس اولین چکی نامہ میں عورتوں کو دنیوی زندگی، عقل و دانائی کے ساتھ گذارنے اور اپنے اخلاق سدھارنے کے لیے بدی کی قوت یعنی ابلیس کے ہتھکنڈوں سے باخبر رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً:

دیکھو واجب تن کی چکییسو چاتر ہوکے سکی   سوکن ابلیس کھینچ کھینچ تھکی گے ماں بسم اللہ ھو ھو اللہ

19۔ مکتوبات: اس مجموعے میں حضرت بندہ نواز کے 66 مکتوبات ہیں جن کو 852ھ میں ابو الفتح علائو الدین قریشی نے جمع کیا تھا۔ حضرت بندہ نواز نے مولانا قطب بدر کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ "خدا کییاد اور اس کے کام کے سوا جو کچھ ہے سب خرافات اور لہو و لعب ہی نہیں بلکہ ممنوع بھی ہے۔

حسنِ خاتمہ کے سلسلے میں ایک مکتوب میں اپ فرماتے ہیں:

" اہل تحقیق میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو تجلیاتِ قہر و جلال اور تجلیاتِ لطف و جمال میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں، تجلیِ جلالیہ ہے کہ بندہ مالکِ حقیقی کی عزت و عظمت، ہیبت و کبریائی کی آنچ میں تپتا رہے، تجلیاتِ قہر وہ ہیں جنہیں اگر صورت دی جائے تو مکروہاتِ شرعی، شیر و گرگ کی صورت میں نظر آئیں انھیں نعتِ قہر کہتے ہیں، تجلی جمال ان سب اشیاء میں پائی جاتی ہے جو ملیح و خوبصورت ہوں ناز و کرشمے، غنج و دلال ان کی رگ رگ میں ہوں اور تجلیاتِ لطف لقائے یار و ایصالِ راحت اور اثباتِ کرامت میں پر تو افگن ہوتی ہیں، لیکن در حقیقت قہر و جلال بھائی بھائی اور لطفو جمال بہنیں بہنیں ہیں۔ جلال جمال میں مندرج ہے، اور جمال جلال میں مندمج ہے، ایسے خدا پرست کا حُسن خاتمہ اس میں ہے کہ تجلی جمال پر سانس ٹوٹے۔ ان تجلیات کو اختیاری نہ سمجھنا۔"[1]

20۔ ملفوظات: آپ کے ارشادات اور آپ کی مبارک محفلوں کے حالات چار مختلف حضرات نے بطور ملفوظات مرتب فرمائے تھے۔ ان میں آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت سید اکبر حسینی نے دو ملفوظات مرتب کیے تھے ایک دہلی کا مرتبہ جو اب دستیاب نہیں، دوسرا دورانِ سفر آپ نے مرتب کیا تھا جو "جوامع الکلم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ حضرت بندہ نواز کے 137 نشستوں کے ارشادات کا مجموعہ ہے جو 18/رجب 802ھ سے شروع ہو کر 22/ربیع الثانی 803ھ پر ختم ہوتی ہے۔ اس ملفوظ کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ حضرت بندہ نواز کے سوانحی مواد میں اولین ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے، اور حضرت بندہ نواز کا تصدیق شدہ ہے کہ جس کو آپ نے ملاحظہ کیا اور فرمایا کہ گویا اپنی گفتگو کو خود میں ہی تحریر کر رہا ہوں۔ حضرت بندہ نواز کے اس ارشاد سے اس ملفوظ کی صحت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

بزرگوں نے صوتِ سرمدی کو سلطان الاذکار بتایا ہے، یہ در اصل اللہ تعالیٰ کا کسی مخلوق کو وجود میں لانے کے لیے لفظِ "کن" سے خطاب ہے جس کی گونج جاری و ساری ہے، جسے سرّ الٰہی بھی کہا گیا ہے۔ مولانائے روم اُس آواز کے ادراک کے لیے ایک نسخہ بتاتے ہیں شعر ملاحظہ ہو:

لب بند وگوش بندو چشم بند　　　گر نہ بینی سرّحق برما بخند

(یعنی زبان، کان اور آنکھوں کو بھی بند کر دو پھر غور کرو اگر اللہ کا راز تم کو نظر نہ آئے تو تم ہم پر ہنس دو)

اسی دولتِ سرمدی سے متعلق اصلاحی اسلوب میں بندہ نواز فرماتے ہیں:

" (اس راہ کے مسافر نے) کتنی بھوک و پیاس برداشت کی ہوگی اور صحراء میں تنہا رہ کر عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کیا ہوگا تب اس مرتبہ کو پہنچے ہوں گے۔ اس دولت سرمدی سے ہمکنار ہوتے ہوں گے۔ اور ان کو خلافت اور اجازت ملی ہوگی کہ اگر وہ شیخ بھی بغیر اس ریاضت اور مجاہدہ شیخ ہوتے ان کو بھی شیخ نہیں کہا

([1]) فوائدِ حضرت خواجہ بندہ نواز علیہا الرحمۃ، ص: 15

جاسکتا۔ صرف چند رکعت نفل، تہجد، اشراق اور چاشت کی نماز پڑھ لینے سے کوئی شیخ نہیں ہو جاتا بلکہ تاریکی میں چلا جاتا ہے۔"[1]

بیعت کی اہمیتو افادیت کے سلسلے میں نہایت حقیقت افروز باتیںیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" پہلا فائدہ ارادت کا دوزخ کے عذاب سے خلاصی ہے یعنی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھانے کے معنٰیہ ہیں کہ آج میں نے تجھ کو اپنے دامن میں باندھ لیا کل تو میرے حوالے ہے اور تیری جواب دہی میرے ذمہ ہے اور میں تیرا ضامن ہوں، ایسے عظیم کام میں آج کل لوگ ایسے دلیر ہو گئے ہیں کہ کہا نہیں جاسکتا اتنے بڑے کام کو سہل سمجھ لیے ہیں کل خود معلوم ہو جائے گا۔"[2]

اولیااللہ کی حیات بعد الممات اور ان کی اعانت کے سلسلے میں حضرت بندہ نواز اپنے والدِ ماجد کی روایت سے بیان فرماتے ہیں:

" خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک مرید اپنے شیخ کی دی ہوئی ٹوپی دریائے نربدہ میں دھو رہا تھا کہ وہ ڈوب گئی، وہ اسی جگہ بیٹھ گیا کہ میں تو یہیں مروں گا نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا، جب تک شیخ میری وہ ٹوپی مجھ کو نہ دیں گے۔ وہاں بیٹھے اس کو نیند آگئی، یکایک اس نے دیکھا کہ شیخ خود تشریف لائے اور انہوں نے وہی ٹوپی اس کے ہاتھ میں دے دیا اس کی آنکھ کھل گئی تو وہ غائب تھے۔ لیکن اس کی ٹوپی اس کے ہاتھ میں موجود تھی۔ حاضرین میں کسی نے پوچھا یعنی کیا حضرت خواجہ خود تشریف لے آئے تھے؟ حضرت بندہ نواز نے فرمایا کہ بزرگان دین مرتے کب ہیں وہ تو صرف ہم لوگوں کی نظر سے چھپ جاتے ہیں، اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔"[3]

حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ ابتدائی دنوں ہی سے حصولِ علم کے علاوہ زہد و تقویٰ اور روحانیات میں معروف تھے۔ جس کی شہادت خود حضرت کی والدۂ محترمہ نے اس طرح دی ہے جسے صاحب تبصرۃ الخوارقات صفحہ نمبر 25 پر بیان کرتے ہیں:

" ابتدا سے لے کر سات سال تک میں نے تمہیں قریب سے دیکھا ہے جو کچھ میں نے شیخ فرید الدین، شیخ نظام الدین اور شیخ نصیر الدین کے بارے میں سنا ہے وہ سب باتیں میں نے آپ میں دیکھی ہیں جس کسی نے آپ کو دیکھا اس نے ان مذکورہ بزرگوں کو دیکھا، اس کے بعد وہ پھر کبھی اپنے نہالچے پر نہ بیٹھیں، حضرت بندگی مخدوم کے آنے پر کبھی اپنے پلنگ پر نہ رہتیں، پلنگ چھوڑ کر آپ کے لیے اپنا نہالچہ بچھا دیتیں اور خود کسی گوشے میں ہو جاتیں۔"

([1])جوامع الکلم، ص :89

([2])جوامع الکلم، ص :19 ملخص

([3])جوامع الکلم، ص :239

مولاناشاہ محمد علی سامانی (مرید وخادم سیدنا بندہ نواز) رقم طراز ہیں:

" قطب ابدال نورالدین پائیزاد سید محمد صادق کہا کرتے تھے: آپ کی والدہ ماجدہ اور دیگر اعزہ واقارب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مخدوم وہ باتیں جو شیر خواری کے زمانہ میں آپ نے سنیں اور وہ حالات جو آپ نے اس زمانہ میں معاینہ کیے تھے ہم لوگوں سے بیان کرتے تھے۔ بچپن کے زمانے سے لے کر بیعت شیخ کے زمانے تک ایک شخص عالم غیب کا آپ کی خدمت میں ہمیشہ رہا کرتا تھا اگر آپ کا ارادہ بمقتضائے بشریت کسی نا مشروع شئے کے ارتکاب کا دل میں خطرہ گزرتا تو وہ عالم غیب کا شخص مانع ہوتا اور روکتا۔"[1]

حضرت سیدنا خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمۃ بلاشبہ مجدّد روحانی کہے جاسکتے ہیں اس حدیث کے مصداق: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقائے رحمت صلی اللہ علیہو سلم نے ارشاد فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا"[2]
(ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے سرے پر ایک شخص بھیجے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔)

حضرت مجدد الف ثانی کے بموجب مجدد کی سب سے بڑی علامت ونشانی یہ بیان کی گئی ہے کہ گزشتہ صدی میں اس کی پیدائش اور شہرت ہو چکی ہو اور وہ جس صدی کا مجدد ہے اُس صدی میں بقید حیات بھی رہے۔ وہ مرکز علوم وفنون سمجھا جاتا ہو۔ علمائے کرام کے نزدیک اس کے احیائے سنت، ازالۂ بدعت اور دیگر خدمات دینیہ کا خوب چرچا اور شہرت ہو۔ مجدد کے لیے بیان کردہ تمام علامات کے سو فیصد مصداق حضور سیدنا خواجۂ بندہ نواز علیہ الرحمہ ہیں 721ھ میں یعنی آٹھویں صدی کے آغاز میں آپ کی ولادت ہوئی اور اسی صدی میں معروف بھی ہوئے اور جس صدی کے مجدد ہوئے اس صدی میں یعنی نویں صدی ہجری 825ھ تک بقید حیات بھی رہے۔ اور کارناموں کے اعتبار سے اعلیٰ معیار کی مختلف علوم وفنون میں تصنیفات بھی یادگار چھوڑیں۔ مثلاً: علمِ تفسیر، علم حدیث، علمِ فقہ، علمِ تصوف، عبادات معاملات، کے علاوہ بے پناہ روحانی کیفیات سے متکیف تھے۔ جبھی تو وقت کے صوفیانِ باصفا جن میں حضرت مخدوم اشرف سمنانی علیہ الرحمہ سیاحی کرتے ہوئے حضور بندہ نواز کی خدمتِ فیض درجت میں حاضر ہو کر روحانی فیوض وبرکات حاصل کرتے ہوئے یہ فرماتے ہوں کہ سید محمد گیسو دراز بندہ نواز حقائق اور معارف کے ایسے شناور ہیں کہ ان جیسی روحانی کیفیات دوسرے مشائخ میں نہیں دیکھیں۔

فیروز شاہ جیسا بادشاہِ وقت حضور بندہ نواز علیہ الرحمۃ کو گلبرگہ شریف آنے کی دعوت دیتے ہوئے ان کی آمد پر نہایت تزک واحتشام کے ساتھ استقبال کرتا ہے۔ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی حضرت کی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا ہو۔ دہلی سے گلبرگہ کے سفر کے دوران علمائے کرام اور مشائخ عظام کا ایک ہجوم جمع رہتا ہو، حضور بندہ نواز علیہ الرحمۃ جوانی ہی میں پیری کی دولت سے سر

---

(1) سیر محمدی، اُردو ترجمہ، ص:47

(2) سنن ابی داوٗد حصہ چہارم، ص:109

فراز کیے گئے ہوں۔ حضرت کی عبادت وریاضت سے متاثر ہو کر خود مُرشِد گرامی پیر نصیر الدین چراغِ دہلی علیہ الرحمۃ نے نذر پیش کر دی ہو اور یہفرمایا ہو کہ برسوں کے بعد میری ستر سال کی اس عمر میں اس نوجوان نے میری روحانی کیفیات میں انقلاب برپا کر دیا ہو، پالکی میں جن کے گیسو اسیر ہوئے ہوں، اور بعد میں مرشِد گرامی کا یہ فرمان ہو کہ:

ہر کہ مرید سیدِ گیسو دراز شُد　　　واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شُد

کتاب "برہانِ مآثر" کے مؤلف نے حضرت بندہ نواز کو قدوۃِ اربابِ حال لکھا ہو سرّ دفترِ اصحابِ کمال اور قطبِ سپہرِ سیادت و معرفت کے علاوہ مرکزِ دائرۂ حقیقت و طریقت اور شہباز بلند پرواز لکھا ہو۔ "خزینۃ الاصفیاء" کے مصنف نے حضرت خواجہ گیسو دراز علیہ الرحمہ کو عظمائے اولیائے حق ہیں، کبرائے مشائخِ متقدمین اور پیر نصیر الدین چراغِ دہلی کے خلیفۂ راستین لکھا ہو۔ "مرآۃ الاسرار" میں آپ کے بلند مرتبے کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہو کہ:

"مقبولِ عالم وعالمیان گشت و عالمے از حسن معاملت وے فیض مند گردید و وسعتِ کمالاتش از شرق تا غرب رارسید"۔

"اخبار الاخیار" کے مصنف محقق عبد الحق محدثِ دہلوی نے حضرت خواجہ گیسو دراز کی شانِ روحانیت میں یہ فرمایا ہو کہ:

"بدیار دکن رفت و قبول عظیمیافت۔ اہلِ ایں دیار ہمہ منقاد و مطیع او گشتند۔ جامع است میانِ سیادت و علم و ولایت شانے رفیع ورتبۂ منیع وکلامِ عالی دارد۔ او را در میانِ مشائخِ چشت مشربے خاص و در بیانِ اسرارِ حقیقت طریقے مخصوص است۔"

حضرت بندہ نواز کی فقید المثال "الملتقط" کو ملاحظہ کرنے کے بعد جامعۃ الازہر کے نائب صدر فضیلۃ الشیخ ابراہیم صلاح الہد ہدنے یہ تحریر کیا ہو کہ:" ولم أجِدْ لهذاالكتابِ نظيراً في كُتبِ التفاسير۔" عمدۃ المحدثین علامہ محمد خواجہ شریف صاحب مد ظلہ النورانی نے یہ فرمایا ہو کہ "و كان في خزانة العلم المكنونةمنذ زمان و عليه سدوله ستته قرون، و عند ما كنّا نتكلمُ عنهٗ نحس لذة و حلاوةً ورائحةتجعل السامع معطراً " اور ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی سجادہ نشین بارگاہِ بندہ نواز نے یہ فرمایا ہو کہ:

"The Tafseer al – multaqat is unique in many ways"۔

حضرت بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ کو عارفوں کے سلطان اولیاء کے امام صدر الدین ولی الاکبر الصادق کہا گیا ہے، وہ یقیناً علومِ شریعت سے آگاہ بھی ہیں اور معارفِ حقیقت سے بہرور بھی ہیں، اسلامی دنیا کے عظیم مفسر بھی ہیں جلیل القدر محدث بھی ہیں، بے مثال فقیہ اور قابلِ رشک صوفی بھی ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعے جو نقوش مرتب کیے ہیں زمانہ آج تک ان سے فیضیاب ہو رہا ہے اور صبح قیامت تک علم و عرفان کے پیاسے حضور بندہ نواز علیہ الرحمۃ کے دریائے حقائق اور معارف سے سیر اب ہوتے رہیں گے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو　　　یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

آپ کی بیشتر کتابیں فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں ہیں اور چند قدیم اردو رسالے آپ سے منسوب ہیں۔ قیام گلبرگہ کے دوران آپ نے قدیم اردو میں تصنیف و تالیف کا آغاز فرما کر ایک صالح روایت قائم کی ہے۔ اس طرح تصوف و عرفان کے گہر بار مضامین نے رفتہ رفتہ اس نئی زبان کو مالا مال کر دیا ہے۔ آپ کا رجحان مختصر نویسی کی طرف تھا تا کہ اشتیاق باقی رہے۔ آج بھی حضرت سلطانِ دکن وسلطان القلم کا فیض جاری ہے ایسی ہی بابرکت ہستیوں سے متعلق حافظ شیرازی فرما گئے ہیں:

ہر گز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اپنے مقالے کا اختتام حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی کے ان اشعار سے کرتا ہوں:

اُس کو کیا خوفِ گرمیِ محشر　　جس کا گیسو دراز ہو جائے
آپ وہ راز ہیں جسے پا کر　　پانے والا بھی راز ہو جائے
وہ حقیقت بھی ہے جہاں آکر　　ہر حقیقت مجاز ہو جائے
یہ ہے اعجازِ بندگی اخترؔ　　بندہ، بندہ نواز ہو جائے

*****

مراجع و مصادر

1. The Life, Works and Teachings of Khwajah Bandahnwaz Gisudiraz, Dr. Syed Shah Khusro Hussaini, Sayyid Muhammad Gisudiraz Reasearch Academy Dargah Khaja Bandanawaz, Gulbarga, 2015
2. اخبار الاخیار، عبد الحق محدثِ دہلوی، اُردو ترجمہ: مولانا سبحان محمود و مولانا محمد فاضل، ادبی دنیا، مٹیا محل۔ دہلی، 1994ء
3. استعارہ (سہ ماہی ادبی رسالہ)، مضمون نگار: ایم۔ ذوالفقار علیر انا، پبلشر: محمد صلاح الدین پرویز، جولائی تا دسمبر، 2004ء
4. اسمار الاسرار، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، سید محمد بن یوسف حسینی، اُردو ترجمہ: سید یسصاحب، ایم۔ اے
5. بزمِ معراج العاشقین، روضہ منورہ خرد۔ گلبرگہ
6. تاریخِ حبیبی، عبد العزیز ابنِ شیر ملک بن محمد واعظی، ترجمہ: نواب معشوق یار جنگ، ادبی دنیا، دہلی، 2013ء
7. تبصرۃ الخوارقات (حصہ دوم)، سید من اللہ بن سید علی اللہ محمد حسینی
8. تفسیر الملتقط (عربی۔ جُز اول)، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، سید محمد بن یوسف حسینی، تدوین: پروفیسر محمد مصطفی شریف، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن، 2017ء۔
9. جوامع الکلم (ملفوظات حضرت بندہ نواز گیسو دراز، اُردو ترجمہ)، سید محمد اکبر حسینی، ادبی دنیا، دہلی، 2016ء
10. حضرت مجدد اور اُن کے ناقدین، ابو الحسن زید فاروقی، شاہ ابو الخیر اکاڈمی، 1977ء
11. خاتمہ۔ ترجمہ آداب المریدین، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، سید محمد بن یوسف حسینی، اُردو ترجمہ: مولانا سید یس علی نظامی، ادبی دنیا، مٹیا محل۔ دہلی، 2007ء

12. خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمۃ کا تصوف اور سلوک، ڈاکٹر میر ولی الدین، ندوۃ المصنفین، دہلی، 1966ء
13. رسالہ غوث الاعظم مع شرح موسومہ بہ ” جواہر العشاق “، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، سید محمد بن یوسف حسینی، ترجمہ: مولوی احمد حسین خان، ادبید نیا، مٹیا محل۔ دہلی، 2007ء
14. سید محمد گیسو دراز اکادمی۔ گلبرگہ، 1347ھ
15. سید محمد گیسو دراز اکادمی۔ گلبرگہ، 1981ء
16. سیر محمدی (اُردو ترجمہ)، حضرت مولانا شاہ محمد علی سامانی، ترجمہ: مولانا سید شاہ نذیر احمد قادری سکندر پوری
17. فوائد حضرت سیدنا خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمۃ، محمد معشوق حسین خاں سلطانی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس۔ نئی دہلی، 2015ء
18. لطائفِ اشرفی (حصہ دوم و سوم)، سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، ترتیب: نظام یمنی، اُردو ترجمہ: مولانا محمود عبد الستار، دانش بکڈپو۔ امبیڈکر نگر۔ یو۔ پی
19. مجلسِ صوفیہ، پروفیسر محمد معین الدین، قادری کتاب گھر، مٹیا محل۔ دہلی، 2004ء
20. معارف العوارف شرح عوارف المعارف (جُز اول)، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، سید محمد بن یوسف حسینی، تدوین: پروفیسر محمد مصطفی شریف، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن، 2014ء
21. یازدہ رسائل، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، سید محمد بن یوسف حسینی، ترجمہ: قاضی احمد عبد الصمد فاروقی قادری چشتی، ادبید نیا، مٹیا محل۔ دہلی، 2007ء

قدوۃ المشائخ حضرت سید شاہ محمد اکبر حسینی کی علمی وسماجی خدمات

ڈاکٹر محمد قمرالدین علیگ*

حضرت سید شاہ حسین عرف سید محمد اکبر حسینی المشہور شاہ بڑے میاں ابن قطب الاقطاب، صدرالدین ابوالفتح حضرت سید محمد حسینی گیسودراز بندہ نواز (721ھ۔825ھ) کی ذات مبارک شریعت وطریقت کا خزانہ تھی۔ اسرار ورموز اور کائنات کے تمام گوشے آپ پر عیاں تھے۔ آپ کو اولیائے کبار میں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ آپ کو علوم وفنون میں کامل دسترس تھی۔ آپ گوناگوں فضائل وکمالات، اوصاف ومحاسن کے جامع تھے۔ آپ کی فکر میں آفاقیت، گفتگو میں ادبی وجاہت، دینی منزلت، عملی جامعیت کے مختلف گوشے یکجا تھے۔ آپ صرف ایک روحانی شخصیت کے مالک نہیں تھے بلکہ علمی وادبی میدان میں بھی منفرد اوراعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ چوں کہ آپ فرد واحد نہیں بلکہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اسی لیے آپ جیسی عالمانہ وعارفانہ مبارک ہستی پر خامہ فرسائی کرنا خاکسار کے لیے آسان عمل نہیں ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت کے تعلق سے کسی تذکرہ نویس نے کچھ بھی تحریر نہیں کیا، لیکن تاریخی شواہد وقرائن کی روشنی میں کہاجاسکتاہے کہ آپ کی پیدائش تقریباً762ھ یا763ھ مطابق 61۔1360ء میں دہلی کے ایک معروف روحانی، علمی اور معاشرتی خاندان میں ہوئی تھی۔ آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح مادرزاد ولی اور محبوب ومحب پیدا ہوئے تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو ابدالوں کی ایک جماعت مبارکباد دینے کے لیے آئی اور بنی اسرائیل کے بیابان تیہ سے ایک درخت کا میوہ لائی جسے " درخت تجلی" کہتے ہیں۔ وہاں اس قسم کے چند گنتی کے درخت ہیں ان پر ہمیشہ تجلیات الٰہیہ وارد ہوتی ہیں۔ "تیہ" وہی بیابان ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی چالیس برس سرگرداں رہے۔ شجر تجلی کا میوہ پانی میں حل کرکے سب سے پہلے مخدوم زادہ بزرگ کو پلایا گیا۔[1]

تعلیم وتربیت: والد گرامی کے زیر سایہ تعلیم وتربیت کا آغاز ہوا، ابتداءً ناظرہ قرآن مجید اور مسائل دینیہ کی چند ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد قرآن مجید حفظ کیا، ابتدائے عمر سے ہی آپ کی رغبت تعلیم وتعلّم کی طرف تھی، ساتھ ہی تصوف وسلوک سے بھی خاصا شغف پیدا ہو گیا تھا۔ سید اکبر حسینی نے والد گرامی حضرت بندہ نواز سے کتب تفسیر، حدیث، فقہ وتصوف سبقاًسبقاً پڑھنے کے ساتھ ہی اس وقت کے اکابر علمائے کرام میں سب سے مشہور عالم دین حضرت مولانا قاضی عبدالمقتدر الکندی الشریحی (702ھ۔791ھ، یہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے بھی استاد رہے ہیں)، کے علاوہ مولانا خواجگی کالپوی نحوی (768ھ۔819ھ، آپ حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص تھے، مولانا معین الدین عمرانی (683ھ۔792ھ) کے شاگرد تھے اور حضرت

---

*لائبریرین، آل انڈیا سید محمد گیسودراز ریسرچ اکیڈمی، درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز، گلبرگہ شریف

[1] سیر محمدی۔ ص119، وتذکرہ مخدوم زادۂ بزرگ، ص8

قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد تھے) اور مولانا نصیر الدین قاسم عمرانی (یہ اپنے علم اور تقویٰ میں بہت مشہور تھے، آپ مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد رشید تھے، آخر عمر میں حضرت بندہ نواز سے بیعت کرلی تھی) اور مولانا محمد بغیرا کے حلقہ درس میں داخل کرائے گئے۔ وہ لوگ علوم ظاہر و باطن میں ممتاز اور بلند پایہ بزرگ تھے۔ اکبر حسینی ان کے پاس درسی کتب پڑھتے، کبھی مولانا کے مکان پر جاکر پڑھتے اور کبھی مولانا خود ہی خانقاہ دہلی پر تشریف لاکر پڑھاتے۔ بہت جلد آپ صرف و نحو، منطق و فلسفہ، بلاغت و معانی، ادب و شعر، فقہ و اصول فقہ، حدیث و اصول حدیث اور تفسیر و ترجمہ وغیرہم علوم و فنون میں درجۂ کمال بلکہ درجہ اجتہاد تک پہنچ گئے۔ [1]

فضائل و کرامات: سید اکبر حسینی نہایت ذہین و فطین تھے، نہایت کم سنی ہی سے آپ علمی و دینی مباحث، خصوصاً مسائلِ تصوف و سلوک پر مستقل تدبر اور غور و خوض فرمایا کرتے تھے۔ اآپ کو جب بھی کوئی علمی یا دینی مسئلہ پیش آتا تو پہلے خود غور و فکر کرکے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اگر اس سے دل کو اطمینان نہ ہوتا تو فوراً والدِ گرامی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی وضاحت طلب کرتے اور یوں اپنے علم میں مزید اضافہ فرماتے۔ اسی سلسلے کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ:

> "جب آپ کی عمر شریف صرف سات سال کی تھی، تو ایک روز والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہو کر قدمبوسی کے بعد عرض کیا کہ ابا حضور! میرے ذہن میں صوفیاء حضرات کے تعلق سے ایک اہم سوال ہے جو مجھے تذبذب و تفکر میں ڈال رکھا ہے۔ والد گرامی نے فرمایا کہ عزیز من تم سوال تو پیش کرو، سید اکبر حسینی نے عرض کیا کہ "حضرات صوفیاء کو بیشتر ہا یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم نے یہ دیکھا، ہم نے وہ دیکھا، پس آپ مجھے بھی وہ دکھلایئے جو صوفیا حضرات دیکھا کرتے ہیں، مجھے بھی اسے دیکھنے کی بڑی خواہش ہو رہی ہے"۔ [2]

حضرت بندہ نواز اپنے صاحبزادے کا سوال سنتے ہی فوراً سمجھ گئے کہ سید اکبر حسینی کا ذہنی و قلبی میلان تصوف و طریقت کی طرف ہو رہا ہے، انھیں تصوف و سلوک میں خاص تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ اگر ان کی صحیح رہنمائی کی گئی تو راہ سلوک کے سارے مراتب طے کرکے وہ اعلیٰ مراتب پر فائز ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی روز سے حضرت بندہ نواز نے اکبر حسینی کو دیگر علوم دینیہ کے ساتھ سیر و سلوک کی تعلیم بھی شروع کردی۔ اس خاص تعلیم و تعلّم سے سید اکبر حسینی نے خوب استفادہ فرمایا اور والد گرامی کی طرح اکبر حسینی بھی ایک عظیم عالم و فاضل اور صوفی کامل کی حیثیت سے علمی و روحانی دنیا میں معروف ہوئے۔

حضرت بندہ نواز کی تربیت خاص کی وجہ سے اکبر حسینی کو جب راہ کشف حاصل ہوئی تو اس بات کی خوشخبری حضرت بندہ نواز کی خدمت میں حاضر ہو کر دی۔ حضرت بندہ نواز نے جب ان کے سیر و سلوک کے مدارج اور بعض وارداتِ باطنی و کشوف کو ملاحظہ فرمایا

---

[1] تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ، ص3، و تذکرہ مخدوم زادہ بزرگ، ص8-9

[2] سیر گلبرگہ۔ ص78

توان پر نہایت شفقت فرمائی، اور اپنے فاضل و باصلاحیت فرزند کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

"میری اتنی عمر ہوگئی مگر اب تک میں نے محمد اکبر حسینی ساصوفی کسی کو نہیں پایا اور نہ کوئی مرید اپنے پیر سے بہتر ہوا۔ الا بجز دو شخصوں کے۔ ایک شیخ الاسلام شیخ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ جو اپنے پیر شیخ الاسلام شیخ معین الدین حسن سجزی اجمیری سے۔ دوسرے محمد اکبر میرے سے"۔[1]

اسی طرح دیگر مقام پر حضرت بندہ نواز اکبر حسینی کے مراتب عالیہ پر تبصرہ فرماتے ہیں:

"ایک دن سید کمال بھروچ و بعض خلفاء نے حضرت بندہ نواز سے پوچھا کہ یہ تو آپ کے فرزند ہیں پھر کیوں ان کی اس قدر تعظیم کی جاتی ہے۔ حضرت نے اس وقت ان لوگوں کو جواب دیا کہ میں سید محمد اکبر کی قبر کے آگے سر زمین پر رکھتا ہوں، اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ میرا فرزند ہونے سے محبت پدری کے جوش میں مجھ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے، نہیں بلکہ محمد اکبر مستحق اسی امر کے ہیں کہ ان کی ایسی ہی تعظیم کی جائے۔ اگر میں بغیر استحقاق ان کے اس قدر ان کی تعظیم و تکریم کروں تو فردائے قیامت میں تمام عرفا واہل اللہ میرے دامن گیر ہو جائیں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ محمد اکبر کا مرتبہ بہت بڑا ہے"۔[2]

اسی طرح حضرت بندہ نواز اپنی کتاب "حظائر القدس" میں سید اکبر حسینی کے مراتب عالیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اگر او مرا پس نبودے من ابریق کشی او می کردم، نیک نفسے، صاف دلے، پاک چشمے، کاملے، راشدے، مرشدے"۔[3]

یعنی " اگر سید محمد اکبر میرا لڑکا نہ ہوتا تو میں اس کے لیے لوٹے میں وضو کے لیے پانی بھرتا۔ وہ پاک نفس، صاف دل، پاکیزہ نظر اور کامل کے حامل ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے ہیں"۔

شادی خانہ آبادی: سید اکبر حسینی پوری یکسوئی کے ساتھ تصوف و سلوک میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ نکاح کا خیال بھی خاطر میں نہ آتا تھا۔ والدین کے اصرار پر آپ نے رضامندی کا اظہار فرمایا، چناں چہ دہلی میں آپ کا نکاح سلطان علاء الدین خلجی کے بھائی حاتم خان کے نواسے، ملک چھجو، کی صاحبزادی بی بی خونزا تنزیل سے انجام پایا۔ سید اکبر حسینی کو اللہ رب العزت نے ایک لڑکی بی بی رقیہ عطا فرمائی تھی (جن کا عقد سید شاہ کلمۃ اللہ حسینی عرف شاہ کمتو حسینی سے ہوا تھا جو حضرت خواجہ بندہ نواز کے نواسے اور آپ کی دختر سوم بی بی بتول کے فرزند تھے)۔ اور ایک لڑکا سید سفیر اللہ حسینی عطا کیے، سید شاہ سفیر اللہ حسینی کی شادی مخدوم زادۂ خرد سید شاہ محمد اصغر حسینی کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی۔[4]

---

[1] سیر محمدی، ص120

[2] سیر گلبرگہ، ص90-89

[3] حظائر القدس، ص186-185

[4] سیر گلبرگہ۔ ص91

روضہ منورہ بزرگ کی سجادگی وجانشینی کا سلسلہ آپ ہی کی اولاد امجاد سے الحمدللہ قائم ودائم ہے اوراس وقت قطب الاقطاب، شہباز دکن حضرت خواجہ گیسودراز بندہ نواز کے 24/ ویں پوتے تقدس مآب حضرت حافظ سید شاہ محمد علی الحسینی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ مسند سجادگی وجانشینی پر رونق افروز ہیں۔ آپ مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہونے کے بعد سلسلہ چشتیہ عالیہ کے جملہ امور دینیہ کے ساتھ خانقاہی نظام عمل کو پروان چڑھانے، قومی یکجہتی اور اس میں جدید تکنیکی لائحہ عمل کو لاگو کرنے میں ہمہ وقت کوشاں و مشغول نظر آرہے ہیں۔

عطائے خلافت: حضرت بندہ نواز نے اوائل عمر ہی میں اپنے فرزند کو سلسلۂ طریقت میں داخل کرلیا تھا اور ان کی باطنی تعلیم وتربیت بھی شروع کردی تھی۔ اکبر حسینی تمام عمر اپنے والد گرامی کی صحبت سے فیض یاب رہے۔ کبھی آپ سے نہ علیحدہ ہوئے اور نہ ہی کسی دوسرے مقام پر تشریف لے گئے۔ چنانچہ حضرت بندہ نواز جب دہلی کو 7 ربیع الثانی 801ھ مطابق 17/ دسمبر 1398ء میں خیرباد کہا تو آپ بھی ان کے ہمراہ سفر میں رہے اور 803ھ مطابق 1400ء میں گلبرگہ تشریف لائے۔ آپ اپنے والد گرامی کی جملہ علمی، تصنیفی اور تدوینی و تشریحی خدمات میں برابر کے شریک رہے۔ حضرت بندہ نواز کی طبیعت جب بھی کچھ لکھنے کی طرف مائل ہوتی تو اپنے بڑے صاحبزادے اکبر حسینی کو آواز دیتے، آپ فوراً ہی آواز پر لبیک کہتے ہوئے حاضر خدمت ہوتے اور والد گرامی کے حکم کو قبول فرماتے ہوئے کتاب تحریر کرنے میں مشغول ہوجایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ بات مشہور ہے کہ حضرت بندہ نواز اپنے ہاتھوں سے نہ کچھ لکھتے تھے اور نہ نظر ثانی فرمایا کرتے تھے، بلکہ بیشتر کتابیں اپنے بڑے فرزند کے ہاتھوں ہی املا کروائیں۔ خانقاہ گلبرگہ میں جب حضرت بندہ نواز کا فیضان معرفت عام ہوا تو روحانی پیاسے جوق درجوق آنے لگے اور سیراب ہونے لگے۔ سید اکبر حسینی بھی حضرت بندہ نواز کی خدمت خاص پر مامور تھے۔ آپ نے ذکر ومراقبہ اور حضرت مخدوم کی صحبت سے دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ حتی کہ تمام مریدین میں ممتاز وسرفراز ہوگئے۔ حضرت بندہ نواز اپنے فرزند ارجمند کی خدمات علمیہ اور تصوف وسلوک میں مراتب عالیہ پر فائز ہونے کے بعد 811ھ مطابق 1408ء کے اواخر میں خلافت سے سرفراز فرماکر سلسلہ بندہ نوازیہ وچشتیہ میں شامل فرمایا۔ خلافت عطا کرنے کے بعد حضرت بندہ نواز نے سید اکبر حسینی کو اپنا نہالچہ عطا فرمایا اور جماعت خانہ میں اپنے روبرو نہالچہ پر بٹھایا اور تمام مریدین ومعتقدین حضرات سے جو اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے ان حضرات سے ارشاد فرمایا کہ: "ان کو اسی طرح نذر پیش کرو جیسے میرے سامنے لاتے ہو"۔ [1]

وفات: حضرت اکبر حسینی والد بزرگوار سے خلافت ملنے اور سلسلہ چشتیہ میں شامل ہونے کے بعد بہت مسرور رہا کرتے تھے لیکن یہ سرور وشادمانی زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکی۔ چنانچہ حضرت بندہ نواز نے اپنے فرزند اکبر کی وفات کے تعلق سے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ:

---

[1] سیر محمدی، ص135

"مجھ سے محمد اکبر کہنے لگے کہ مجھ کو حظیرۂ قدس کی فراشی کا منصب عطاء کر رہے ہیں۔ حظیرۂ قدس عرش کے نیچے ایک مقام ہے، حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ بھی وہاں کے عہدہ دار ہیں اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر بھی وہاں ہیں، میں نے محمد اکبر سے کہا کہ ہر گز ہر گز قبول نہ کرنا۔ اگر تم نے قبول کر لیا تو مجھ کو خراب و برباد کر ڈالو گے، اس نے فوراً جواب دیا کہ میں قبول کرتا ہوں بلکہ قبول کر لیا۔ میں اسی دن سمجھ گیا کہ اب وہ دنیا میں زیادہ دن نہ رہیں گے"۔[1]

حضرت بندہ نواز کے اپنے فرزند سید اکبر حسینی کو اس منصب سے روکنے کی حکمت یہ تھی کہ "حظیرۂ قدس کی فراشی" قبول کرنا دراصل موت کی خبر کو قبول کرنے کے مترادف تھا۔ بالآخر وہی اندیشہ درست ثابت ہوا؛ اکبر حسینی نے یہ منصب قبول کیا تو تھوڑے ہی عرصے بعد وقتِ موعود آپہنچا، اور خلافت ملنے کے تقریباً سات ماہ بعد، عین شباب میں—صرف پچاس برس کی عمر میں—15 ربیع الثانی 812ھ (25 اگست 1409ء) کو بقضاءِ الٰہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حضرت بندہ نواز نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کو غسل دیا اور فرمایا کرتے تھے کہ:

"میں نے دو شخصوں کو غسل دیا ہے ایک اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کو ان کی وصیت کی اتباع میں اور دوسرے سید محمد اکبر کو"۔[2]

آپ کا مزار مبارک حضرت بندہ نواز علیہ الرحمہ کے مزار کے پائین میں علیحدہ گنبد میں ہے، اسی میں آپ کی والدہ ماجدہ بی بی رضا خاتون بھی مدفون ہیں۔

سید اکبر حسینی کی رحلت کے وقت حضرت بندہ نواز کی عمر تقریباً 88 سے 90 برس کے درمیان تھی۔ اس شدید ضعفِ پیری میں ایک ایسے باصلاحیت اور فرمانبردار فرزند کا اچانک دنیا سے رخصت ہو جانا آپ کے لیے نہایت صبر آزما تھا—وہ بیٹا جسے آپ نے نہ صرف علم و تربیت سے سنوارا تھا بلکہ خود فرمایا کرتے تھے: "اگر وہ میرا بیٹا نہ ہوتا تو میں اس کے لیے لوٹے میں پانی بھرتا۔" بیٹے کی وفات کا غم فطری طور پر آپ کے لیے نہایت گراں تھا، خصوصاً ایک ایسی ہستی کی جدائی جو ظاہری و باطنی کمالات میں یکتائے روزگار تھی۔ اسی لیے حضرت بندہ نواز بوجہ غم عرصے تک رنجیدہ رہے اور تسکینِ قلب کے لیے ہر چہار شنبہ ان کے مزار پر حاضر ہو کر فاتحہ و دعا کرتے، کچھ دیر مراقبہ فرماتے اور معتقدین میں تبرک تقسیم کرواتے۔ آپ اپنے فرزند کا عرس بھی ہر سال اہتمام کے ساتھ منایا کرتے تھے۔[3]

علمی خدمات: سید اکبر حسینی تصوف و سلوک کی راہ طے کرنے کے ساتھ ہی علمی و ملّی خدمات میں مصروف ہو گئے تھے۔ آپ والد گرامی

---

[1] سیر محمدی، ص122-121

[2] تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ، ص5، و سیر محمدی، ص-122

[3] تذکرہ اولیاء دکن، ص966

کی کتابوں کی املا کے ساتھ مطالعہ کتب میں اس طرح مستغرق ہوئے کہ خود تصنیف و تالیف کی طرف آپ کا رجحان ہوا اور پھر آپ نے بھی کئی اہم علمی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ جب والد گرامی کے ساتھ گلبرگہ تشریف لائے تو آپ نے یہاں محسوس کیا کہ سرزمین گلبرگہ اولیائے کرام وصلحائے عظام کا عظیم مرکز و منبع ہے، دور دراز علاقوں سے لوگ یہاں تشریف لاتے ہیں اور صوفیائے عظام کے خانقاہوں اوران کی تعلیمات وارشادات سے استفادہ کر کے واپس ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس شہر میں کوئی ایسا دینی ادارہ نہیں جہاں سے باضابطہ دین اسلام کی نشرواشاعت ہو سکے اور ساتھ ہی قوم وملت کے بچے تعلیم حاصل کر سکیں اور معاشرہ کو خوشنما وگلزار بنا سکیں۔ چنانچہ مذکورہ تمام وجوہات کی وجہ سے آپ کے ذہن ودماغ میں یہ بات موجزن ہوئی کہ کیوں نہ ایک ایسا دینی ادارہ قائم کیا جائے جس میں علم دین کی نشرواشاعت کے ساتھ ملت اسلامیہ کے نونہال علم دین حاصل کر سکیں چناں چہ آپ نے والد گرامی سے اس کا تذکرہ فرمایا کہ میں قوم وملت کی خدمت اور دین اسلام کی اشاعت کے لیے ایک دینی ادارہ قائم کرنا چاہتا ہوں، حضرت بندہ نواز اپنے فرزند ارجمند کے ارادہ سے بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں کہ اللہ رب العزت آپ کے عزائم کو تقویت بخشے۔

دارالعلوم دینیہ کی بنیاد: اکبر حسینی نے کم عمری کے باوجود جہاں متعدد علمی و تصنیفی خدمات انجام دیں، وہیں آپ کا ایک عظیم کارنامہ ''دارالعلوم دینیہ'' کی بنیاد رکھنا بھی ہے، کیونکہ ابتدائی عمر سے ہی آپ علم کے دلدادہ تھے، علم سے رغبت کی وجہ سے حضرت بندہ نواز نے آپ سے بہت سے علمی خدمات بھی لیے، اپنی کتابیں بھی املا کروائیں تاکہ آپ کا علمی شوق بھی بڑھے اور ساتھ ہی علم میں اضافہ بھی ہو۔ چنانچہ آپ نے والد گرامی کی اجازت وزیر سرپرستی میں ''دارالعلوم دینیہ'' کی بنیاد گلبرگہ شریف میں رکھی۔ صدق وخلوص نیت سے جب کسی ادارہ یا مکتب کی شروعات کی جاتی ہے تو وہ ادارہ بھی پھلدار وتناور ثابت ہوتا ہے۔ یہی کچھ ''دارالعلوم دینیہ'' کے ساتھ بھی ہوا کہ الحمدللہ یہ تناور شجر چھ سوسال سے زائد کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی اسی طرح اپنا فیض جاری وساری رکھے ہوئے ہے جس طرح سے سید اکبر حسینی کے زمانے میں جاری ہوا تھا۔ اوران شاء اللہ تاقیامت یہ فیض جاری رہے گا۔ بقول مولانا سید عبدالرشید صاحب، سابق صدرالمدرسین مدرسہ دارالعلوم دینیہ بندہ نوازیہ، اس مدرسہ میں اپنے وقت کے اکابرین اساتذہ کرام خدمت انجام دے چکے ہیں ان میں عمدۃ المحدثین حضرت شیخ خواجہ شریف صاحب نوراللہ مرقدہٗ (سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ، حیدرآباد) نے بحیثیت صدرالمدرسین چھ ماہ خدمت انجام دیے، ابھی بھی مختلف علوم وفنون کے ماہرین اساتذہ کرام ومفتیان عظام اس ادارہ میں خدمت انجام دینے پر مامور ہیں۔ جن کی خدمات لائق تحسین ہیں۔

اس مدرسہ میں طلبہ کے ساتھ طالبات کی تعلیم کا بھی معقول نظم وضبط ہے۔ اور میرے علم کے مطابق طالبات کے لیے کامل الفقہ، کامل الحدیث، کامل التفسیر وغیرہ تک کی تعلیم کا بھی اسی مدرسہ میں مکمل نظم ہے۔ یہ ادارہ ہندوستان کے مشہور اسلامی ادارہ ''جامعہ نظامیہ'' حیدرآباد سے منسلک ومنظور شدہ ہے۔ یہاں کے طلبہ عالمیت کے بعد فضیلت اور پھر کامل کی تعلیم کے لیے جامعہ نظامیہ کا رخ کرتے ہیں۔ فارغین میں بعض دین کی تدریس واشاعت میں مصروف ہیں اور بعض اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے مختلف سرکاری محکموں میں اہم ذمہ داریاں نبھارہے ہیں۔ مدرسے میں عصری علوم ـــ جیسے کمپیوٹر، انگریزی، حساب، خطاطی، سلائی اور جلد سازی ـــ کی تعلیم بھی

منظم طور پر دی جاتی ہے۔
کتب خانہ کی بنیاد: سید اکبر حسینی کو ابتدائے عمر ہی سے مطالعہ کا گہرا شوق تھا، اور وہ اکثر والدِ گرامی سے مختلف علمی و دینی مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ تاہم اُس دور کے گلبرگہ میں باقاعدہ مطالعے کے لیے کوئی مناسب جگہ موجود نہ تھی۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آپ کے ذہن میں ایک دارالمطالعہ قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا، جہاں آپ سمیت دیگر اہلِ علم یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کر سکیں۔ چنانچہ والد محترم کی اجازت سے مدرسہ دینیہ کے ساتھ ایک "کتب خانہ" کی بنیاد رکھی گئی، جس کا شمار ہندوستان کے قدیم موروثی کتاب خانوں ہوتا ہے۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ یہ کتب خانہ ریاستِ کرناٹک کے علمی حلقوں میں "کتب خانہ روضتین" کے نام سے معروف ہوا۔ اس کی ترقی میں بارگاہِ بندہ نواز کے سجادہ نشین اور خواجہ ایجوکیشن سوسائٹی (1958ء) کے بانی، حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی المعروف "خواجہ پاشاہ صاحب" نور اللہ مرقدہ، کا نمایاں کردار رہا۔ آپ سادگی، حق گوئی اور علمی جرأت کے لیے مشہور تھے اور تحقیق و مطالعہ کا ذوق آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ آپ کے دورِ سجادگی میں جہاں خواجہ ایجوکیشن سوسائٹی نے قابلِ قدر ترقی کی، وہیں کتب خانہ بھی نہایت تیزی سے فروغ پاتا چلا گیا۔ بالآخر روضۂ بزرگ اور روضۂ خرد کے باہمی مشورے سے اسے باضابطہ طور پر "کتب خانہ روضتین" کا نام دیا گیا۔
اسی دوران، حضرت بندہ نواز کے 579ویں عرس کے موقع پر منعقدہ ایک علمی نشست میں پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر (ڈائریکٹر، انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی) نے تجویز پیش کی کہ خواجہ صاحب کے نام سے جاری متعدد تعلیمی اداروں کے ساتھ ایک "کل ہند دارالمطالعہ" بھی قائم کیا جائے، جہاں صوفیہ ومشائخ کے ملفوظات، مکتوبات اور تصنیفات کو یکجا کر کے محققین کے لیے ایک مرکزی علمی مرکز فراہم کیا جا سکے۔ اس تجویز کو قدر کی نگاہ سے قبول کرتے ہوئے اس وقت کے سجادہ نشین، حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی صاحب قبلہ نے "آل انڈیا سید محمد گیسودراز ریسرچ اکیڈمی" کے قیام کا فیصلہ فرمایا۔
بالآخر 1409ھ /1989ء میں اس ادارے کی بنیاد احاطۂ درگاہ شریف میں رکھی گئی اور یہ جلد ہی ایک فعال علمی مرکز کی صورت اختیار کر گیا۔ بعد کے عرصے میں اس کی مستقل عمارت کی ضرورت کو حضرت کے جانشین، اکبر حضرت ڈاکٹر سید شاہ گیسودراز خسرو حسینی صاحب قبلہ نے پورا کیا، اور آج یہ ریسرچ اکیڈمی جدید و وسیع عمارت میں پوری شان کے ساتھ علمی خدمات انجام دے رہی ہے۔ یہاں تقریباً پانچ سو مخطوطات اور ہزاروں مطبوعات موجود ہیں، جن سے نہ صرف ملکی جامعات بلکہ امریکہ اور کینیڈا جیسے ممالک کے محققین بھی مستفید ہو رہے ہیں۔ علاوہ ازیں، نایاب اور بوسیدہ نسخوں کی حفاظت کے لیے ایک باقاعدہ شعبۂ تحفظِ کتب بھی قائم ہے، جہاں ماہرین بڑی محنت سے قدیم دستاویزات کو محفوظ کر رہے ہیں۔
سید اکبر حسینی نہ صرف ایک جید عالمِ دین اور صوفیِ کامل تھے بلکہ تصنیف و تالیف، ترجمہ و تدوین کے میدان میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ نے اس شعبے میں ایسے نمایاں علمی کارنامے انجام دیے جن سے اہلِ علم ہر دور میں فیض یاب ہوتے رہے ہیں، اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ باوجود اس کے کہ آپ کا بیشتر وقت اذکار و اشغالِ الٰہیہ میں بسر ہوتا تھا، پھر بھی آپ نے حضرت بندہ نواز کے نقش

قدم پر چلتے ہوئے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں متعدد اہم اور نادر کتابیں تصنیف فرمائیں، جو علمی و روحانی اعتبار سے نہایت قدر و منزلت رکھتی ہیں۔ ذیل آپ کی نمایاں تصانیف کا اجمالی تعارف دیا جارہاہے:

جوامع الکلم: سید اکبر حسینی کی تصانیف میں سب سے معروف اور اہم کتاب "جوامع الکلم "ہے، جو حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے صرف نو ماہ کے ملفوظات و ارشادات پر مشتمل ایک جامع مجموعہ ہے۔ اس میں سید اکبر حسینی نے دوشنبہ 18 رجب المرجب 802ھ سے پنجشنبہ 22 ربیع الثانی 803ھ تک کی **138 مجالس** کے ملفوظات مرتب کیے۔ اس کی ترتیب فوائد الفوائد کی طرز پر سال بہ سال، ماہ بہ ماہ اور یوم بہ یوم رکھی گئی ہے، جس میں متعدد دینی مسائل کے ساتھ حضرت بندہ نواز کی حیات کے کئی اہم پہلو بھی سامنے آتے ہیں۔ مرتب نے بیان کیا ہے کہ روزانہ لکھے گئے ملفوظات کو وہ حضرت بندہ نواز کی خدمت میں پیش کرتے تھے، اور آپ ضروری سمجھتے تو ان کی اصلاح بھی فرماتے۔ کئی مواقع پر آپ نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ: "سید اکبر ملفوظات اس طرح لکھ رہاہے گویا میں خود لکھ رہاہوں۔"

اس کتاب کے دو حصے ہیں: پہلا حصہ دہلی میں قیام کے دوران، اور دوسرا حصہ دکن کے سفر کے دوران گجرات میں قیام کے وقت مرتب کیا گیا۔ حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی قدس سرہٗ جوامع الکلم کی افادیت واہمیت پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ مجموعہ ملفوظات، تعلیمات بندہ نواز کا ایک بے نظیر خزانہ ہے، سینکڑوں مسائل اس میں زیر بحث آئے ہیں۔ اس کا مطالعہ انسان کی روحانی اور اخلاقی ارتقا کے لیے نہایت کارآمد اور مفید ہے''۔[1]

پروفیسر یوسف سرمست صاحب جوامع الکلم پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''جوامع الکلم بظاہر صرف چند صفحات پر محیط ہے۔ لیکن دین ودنیا کی کونسی ایسی بات ہے جس کا احاطہ اس میں نہیں ہوا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات سے لے کر خود حضرت بندہ نواز کی زندگی تک تاریخ کے ہزاروں صفحات کا عطر یہاں ملتا ہے۔ بے شمار آیات واحادیث کی تشریح وتوضیح ان صفحات میں سموئی گئی ہے۔ ان گنت ادق اور مشکل فقہی مسائل کو باتوں باتوں میں اس درجہ سہل، دل نشیں اور عام فہم انداز میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ بات بے حد پیچیدہ اور الجھی ہوئی تھیں۔ بزرگان دین کے اعمال اور اقوال کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ وہ ہماری بصیرت وبصارت کا سامان بن جاتے ہیں۔ تصوف اور سلوک کے صدہا مسائل کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ ان راستوں کو اختیار کرنے اور منزلوں تک پہنچنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے ، جگہ جگہ نتیجہ خیز نگاہیں ایسی ملتی ہیں جن سے دل ودماغ روشن ہو جاتے ہیں۔ اخلاق و آداب کی باتیں یوں نمایاں کی گئی ہیں کہ شائستگی اور تہذیب کے سینکڑوں سبق مل

---

[1] جوامع الکلم: مترجم: سید رحیم الدین حسینی، پیش لفظ

جاتے ہیں۔ برجستہ اور برموقع ایسے اشعار ملتے ہیں جس سے روح اہتزاز کرنے لگتی ہے"۔[1]

کتاب العقائد: آپ کی دوسری عظیم کتاب "کتاب العقائد" ہے، جو خالص عقائد اسلامیہ کے موضوع پر اہم و جامع کتاب ہے۔ یہ کتاب گلبرگہ میں 805ھ سے 810ھ کے مابین تالیف ہوئی۔ آپ نے اس کتاب کو سوال و جواب کے انداز پر تحریر کیا ہے۔ **اس** کتاب میں، چند ایک مقامات کے علاوہ، فلسفہ اور علمِ کلام کی دقیق بحثوں سے عمداً گریز کیا گیا ہے، اور دیگر مذاہب کے عقائد پر بھی بہت کم گفتگو ملتی ہے۔ تاہم اُس دور میں چونکہ علامہ زمخشری کی تفسیرِ کشاف برصغیر اور ماوراء النہر کے علمی حلقوں میں خاصی رائج تھی اور معتزلی افکار زیرِ بحث رہتے تھے، اس لیے سید اکبر حسینی نے ضرورت کے تحت اپنی کتاب میں جگہ جگہ باطل عقائد کا ردّ کیا ہے اور ان کے ابطال کو کتاب و سنت کی روشنی میں واضح فرمایا ہے۔

یہ کتاب "کتاب العقائد"، چار فصلوں پر منقسم ہے:

فصل اول: معرفت ذات باری تعالیٰ میں ہے، جس میں (28) سوال مع جواب ہیں۔

فصل دوم: صفات باری تعالیٰ میں ہے، جس میں (71) سوال مع جواب ہیں۔

فصل سوم: جو سب سے چھوٹی فصل ہے، یہ اسمائے باری تعالیٰ پر ہے، جس میں صرف (15) سوال مع جواب ہے۔

فصل چہارم: حقیقت ایمان اور احوال آخرت پر ہے، اس میں (49) سوالات مع جواب ہیں۔

عقائد اہل سنت والجماعت کی جملہ بنیادی کتب (مثلاً عقائد نسفی، عقائد عضدیہ، شرح مواقف، شرح مقاصد وغیرہ) چونکہ علمائے متکلمین کی لکھی ہوئی ہیں اس لیے ان میں مسائل تصوف و سلوک سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔ جب کہ کتاب العقائد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اکبر حسینی نے مسائل تصوف، پیری مریدی اور طریق وصول الی اللہ سے سیر حاصل بحث کی ہے اور نہایت پاکیزہ اور مخلصانہ طور پر مسائل کی وضاحت کی ہے۔[2]

اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں متکلمانہ طریقۂ استدلال کی بجائے عام فہم صوفیانہ طریقہ افہام و تفہیم اختیار کیا گیا ہے۔ یہ عقائد اہل سنت میں بے مثل مبسوط کتاب ہے۔ تمام مسائل ضروریہ دینیہ اس میں درج ہیں۔ اگر کوئی بھی شخص اس کتاب کا مطالعہ گہرائی سے کرے گا تو اسے کسی دوسری عقائد کی کتاب کے مطالعہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔

اس کتاب کے فصل دوم: معرفت صفات کے تحت اکبر حسینی نے سوال نمبر 61 کے تحت تصوف کے حوالہ سے یہ سوال قائم کیا کہ " کیا پیری مریدی دین میں اضافہ ہے، کیا اس میں کوئی راز اور فائدہ ہے"۔

سید اکبر حسینی نے سوال قائم کر کے خود اس کا جواب یوں پیش فرمایا کہ:

---

[1] رسالہ شہباز: 1989ء ص۔ 31

[2] کتاب العقائد، مقدمہ۔ ص20

"ہاں اس میں ایک عظیم فائدہ اور بڑا راز ہے۔ درجات قرب حق، منزلت معرفت رب، کشف مشاہدہ حقانی اور تجلیات ربانی اس کے بغیر میسر نہیں آسکتے اور نہ کسی کو معانی کا ذوق مل سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک ایسے مرد کامل کا دامن تھامنا ضروری ہے جو شیخ مقتدیٰ، متبع نبی مجتبیٰ، ظاہراً و باطناً، کلاً و جملۃً اور ساعت بساعت مشاہدہ مشہور جمال ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور حضرت علی اور اپنے شیخ سے اجازت یافتہ ہو۔ یہ چیز محض بیان شافی اور شرح کافی سے حل نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عامۃ الناس کی طرف مبعوث ہوئے۔ آپ کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ عوام و خواص دونوں کے لیے ہے اور طریقت صرف خواص کے لیے۔ "حقیقت" اسی طریقت کی میراث ہے۔ جو کوئی طریقت پر عامل ہوتا ہے وہ حقیقت تک پہنچتا ہے"۔[1]

اس سوال کے جواب پر اکبر حسینی نے طویل بحث فرمائی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت بندہ نواز بھی عقائد اہل سنت میں ایک رسالہ تصنیف کرنے کا ارادہ فرمایا، بلکہ بعض روایت کے مطابق لکھنا بھی شروع کر دیے تھے، مگر جب انھیں اس بات کا علم ہوا کہ ان کے فرزند ارجمند سید اکبر حسینی عقائد میں ایک رسالہ تالیف فرما رہے ہیں تو حضرت بندہ نواز عقائد اہل سنت پر لکھنے کا ارادہ ترک فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ سید اکبر حسینی کی کتاب ہی عوام و خواص کے لیے کافی ہو گی۔ چنانچہ جب کتاب مکمل ہو گئی تو اس کے بعد اسے حضرت بندہ نواز کی خدمت میں پیش کی گئی تو بعد مطالعہ یہ کتاب شرف قبولیت سے سرفراز ہوئی۔ اس کتاب کا فارسی متن سید عطاء حسین کی تصحیح کے ساتھ کتب خانہ روضتین، بارگاہ بندہ نواز، گلبرگہ سے 1366ھ میں شائع ہوا۔[2]

تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ: یہ آپ کی تیسری کتاب ہے جو حضرت بندہ نواز کی اجازت سے لکھی گئی اور اثنائے تحریر میں بارباران کے ملاحظہ میں پیش کی گئی چنانچہ سید اکبر حسینی نے متعدد مقامات پر اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہر علم اپنی مخصوص اصطلاحات رکھتا ہے، اور کسی علم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے اس کی اصطلاحات سے واقف ہونا ناگزیر ہے۔ علمِ تصوف بھی اپنے خاص اصطلاحی نظام کا حامل ہے، اور جب تک ان اصطلاحات کے معانی پوری طرح سمجھ میں نہ آجائیں، تصوف کی کسی بھی کتاب کا حقیقی مفہوم سمجھنا مشکل بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر سید اکبر حسینی نے اپنی کتاب "تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ" کی فصل نہم (ص124–125) میں چند اہم اصطلاحات کی مختصر مگر وضاحتی شرح پیش کی ہے۔ اگرچہ یہ اصطلاحات تعداد میں زیادہ نہیں، تاہم ان کا جاننا تصوف کی بنیادی متون کو سمجھنے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ ان اصلاحات کے مختصر بیان کے علاوہ تقریباً بقیہ تمام کتاب حضرت بندہ نواز کی بہترین اور نہایت ہی بلند پایہ اور نہایت دقیق اور

---

[1] کتاب العقائد: مترجم: ڈاکٹر محمد عارف الدین شاہ فاروقی، ص۔102۔101

[2] تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند، ص331

غامض تصنیف "اسمارالاسرار" کے نہایت غامض دقیق اور عسیر الفہم اسمار اور مضامین کی شرح ہے۔ جس کے تعلق سے بعض بزرگان دین نے یوں اظہار خیال فرمایا کہ:

"فن تصوف وسلوک ومعارف میں ہندوستان میں اس سے بہتر اور اعلیٰ ترین کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ مبتدی، متوسط اور منتہی سب کے لیے مفید ہے۔ کیونکہ اس میں ذکر ہے، شغل ہے، مراقبہ ہے، مراتب سلوک کا بیان ہے، عشق ہے، توحید ہے، حقائق ہے، معارف ہے غرض سب کچھ ہے"۔[1]

سید اکبر حسینی نے یہ شرح لکھنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ:

"کتاب اسمارالاسرار میں حضرت قطبی قدس سرہٗ نے چند واقعات بیان فرمائے ہیں جو ان فتوحات غیبی سے ہیں جو آپ پر منکشف ہوئے تھے، ان کے بیان کرنے میں بے شمار مصلحتیں ہیں۔ ان کے مجملہ ایک یہ کہ طالبان حق کو ان سے فائدہ پہنچے۔ لیکن طالبان کو ان مضامین کے سمجھنے میں بے حد اشکال بھی ہوتا ہے لہذا ان میں سے چند اسمار کی تشریح میں نے اپنے فہم کے مطابق کی ہے"۔ [2]

یعنی اکبر حسینی نے "اسمارالاسرار" کی مکمل شرح نہیں فرمائی ہے بلکہ اس میں صرف اسمار 49، 73، 78، 76، 81، 83، اور 114 کی شرح فرمائی ہے نیز اس کے علاوہ کتاب کے بعض متفرق دقیق اور غامض مضامین کی بھی شرح فرمائی ہے ساتھ ہی صوفیاء کے اصطلاحات بھی بیان کیے ہیں تاکہ طالبان حق بآسانی اس کتاب سے مستفید ہوسکیں۔

اس کتاب کو اکبر حسینی نے قارئین کی سہولتوں کی خاطر بارہ فصلوں پر منقسم کیا ہے۔ تاکہ قاری کو مطالعہ کے دوران کسی دشواری کا سامنانہ کرنا پڑے اور وہ بآسانی اس کتاب سے مستفید ہوسکے۔ وہ فصلیں اس طرح سے ہیں:

فصل اول: اس فصل میں بطور تمہید کے یہ اصول بیان کیا ہے کہ اولیاء کی باتیں غیر متعلق لوگوں کے روبرو بیان نہیں کرنی چاہیے۔ فصل دوم: اس فصل میں سمر 73 کی شرح ہے۔ فصل سوم: اس فصل میں سمر 49 کی شرح ہے۔ فصل چہارم: اس فصل میں سمر 81 کی شرح ہے۔ فصل پنجم: اس فصل میں سمر 78 کی شرح ہے۔ فصل ششم وہفتم میں اولیا کے شطحیات کا اور ان کلمات کا بیان ہے جو بعض اکابر کی زبان سے حالت سکر اور غلبۂ حال میں نکلے۔ فصل ہشتم: اس فصل میں سمر 83 کی شرح ہے۔ فصل نہم: اس فصل میں سمر 114 کی شرح ہے۔ فصل دہم: اس فصل میں سمر 76 کی شرح ہے۔ فصل یازدہم: اس فصل میں انسان کی حقیقت اور عالم صغیر اور کبیر کا بیان ہے۔ فصل دوازدہم: اس میں چند مختلف مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

شرح سوانح امام احمد غزالی: یہ "سوانح امام احمد غزالی" کی شرح ہے (جو عشق ومحبت الہی میں ایک مبسوط ور ہنما کتاب ہے) اس کتاب کو

---

[1] اسمارالاسرار، مترجم: محمد یسین، ص 11

[2] تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ: ص۔ 11

سید اکبر حسینی نے اپنے والد گرامی حضرت بندہ نواز سے سبقاً سبقاً پڑھی تھی، کتاب پڑھنے کے بعد اس سے اتنی انسیت و قلبی تعلق پیدا ہو گیا کہ اس کی شرح لکھنے کا ارادہ فرمالیا اور پھر والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی شرح لکھنے کی اجازت چاہی۔ والد گرامی نے اجازت تو دی لیکن ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ امام احمد غزالی (متوفی 520ھ) سے بھی اجازت حاصل کر لو، چنانچہ آپ نے معنوی طور پر ان سے اجازت حاصل کرنے کے بعد شرح لکھنی شروع کی اور اس کا نام "شرح سوانح امام احمد غزالی" رکھا۔ یہ شرح مختصر ہے اور نہایت ہی غامض ہے، اسرار الٰہی کے اظہار سے انھوں نے احتراز کیا ہے، اپنی ہر تحریر کو اثنائے تحریر میں اور تکمیل کے بعد والد گرامی کے ملاحظہ میں پیش کیا کرتے تھے تا کہ اصلاح کے ساتھ دعا بھی ملتی رہے۔ [1]

اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں " شرح تفسیر ملتقط" بھی ہے، اکبر حسینی نے حضرت بندہ نواز کی تصوفی رنگ میں معروف تفسیر "ملتقط" کی مختصر شرح لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا، بلکہ تفسیر کی ابتدا بھی کر دی تھی لیکن وقت موعود کی وجہ کر یہ کام پایہ تکمیل نہ پہنچ سکا اور آپ کا وصال ہو گیا۔

" **الرسالہ بإباحة السماع**" (بزبان عربی)، سماع کی اباحت پر مفید و منفرد کتاب ہے۔ اس کے علاوہ " مقامات صوفیاں" (بزبان عربی)، "تصریف مالکی"، "شرح رسالہ فارسی در علم صرف"، "رسالہ كلمة التوحيد"، اور " مسجد میں جو تا پہننے کی اباحت میں ایک رسالہ" وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

*****

کتابیات

1۔ حسینی: سید محمد (بندہ نواز): اسمارالاسرار، مترجم: سید یٰسین، سید محمد گیسو دراز تحقیقاتی اکادمی، گلبرگہ، 1981ء۔
2۔ حسینی: سید محمد (بندہ نواز): جوامع الکلم (فارسی): مرتبہ: سید محمد اکبر حسینی، حاشیہ: محمد حامد صدیقی، انتظامی پریس، عثمان گنج، حیدرآباد، 1356ھ
3۔ حسینی: سید محمد (بندہ نواز): جوامع الکلم: مرتبہ: سید محمد اکبر حسینی، مترجم: سید رحیم الدین حسینی بندہ نوازی، اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد، 1972ء۔
4۔ حسینی: سید محمد (بندہ نواز): حظائر القدس (فارسی)، انتظامی پریس، حیدرآباد۔
5۔ حسینی: سید محمد اکبر: تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ (فارسی)، کتب خانہ روضتین، گلبرگہ، 1365ھ۔
6۔ حسینی: سید محمد اکبر: کتاب العقائد، مترجم: ڈاکٹر محمد عارف الدین شاہ فاروقی، سید محمد گیسو دراز تحقیقاتی اکادمی، گلبرگہ، 1996ء۔
7۔ حسینی: سید من اللہ: تبصرۃ الخوارقات، مترجم: سید مبارز الدین رفعت، بزم معراج العاشقین، حیدرآباد۔
8۔ خان: محمد عبد الجبار: محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن، جلد دوم، مطبع رحمانی، حیدرآباد۔

[1] تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ، ص۔9

9۔ زیدی: سید عظمت اللہ حسینی: تذکرہ مخدوم زادۂ بزرگ، بزم معراج العاشقین، گلبرگہ۔
10۔ سامانی: شاہ محمد علی: سیر محمدی، یونانی دواخانہ پریس، الہ آباد، 1347ھ۔
11۔ سرمست: پروفیسر یوسف: جوامع الکلم۔ ایک تاریخی ماخذ، رسالہ شہباز، مطبوعہ کل ہند سید محمد گیسو دراز ریسرچ اکیڈمی، 1989ء، گلبرگہ۔
12۔ سلطان: محمد: سیر گلبرگہ، حصہ دوم، حیدرآباد، دکن، 1343ھ۔
13۔ مجددی: محمد اقبال: تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند، جلد اول، پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور، 2013ء۔

قطبِ دکن حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر ایک عظیم داعی و مصلح

سید محمد تنویر ہاشمی*

تاریخ شاہد عدل ہے دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کا عظیم فریضہ اولیائے کرام وصوفیائے عظام نے انتہائی اخلاص کے ساتھ انجام دیا ہے۔ عرب وعجم کے کبار صوفیائے کرام لاکھوں تاریک قلوب میں ایمان واسلام کی شمع کو روشن کرتے ہوئے ان کی بہترین تربیت احسن طریقہ سے فرمائی ہے۔ اللہ والوں کی خانقاہوں میں تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب کے ساتھ تعلیم و تعلم کا مضبوط نظام ساکنانِ راہ طریقت وطالبانِ علوم شریعت کو فیض یاب کرتا رہا ہے۔ دور متقدمین میں اکثر صوفی جید عالم دین ہوا کرتا تھااور اکثر عالم صوفی باصفا۔ حضرت رومی وغزالی، رازی وشیرازی یاخرقانی وبسطامی ہوں، یہ وہ قد آور شخصیات ہیں جنہوں نے دین اسلام کی لازوال خدمات انجام دی ہیں۔ پانچویں صدی ہجری کا اختتام اور چھٹی صدی ہجری کی ابتداء یہ وہ دور تھا کہ عالم اسلام بے شمار فکری فتنوں میں مبتلاء ہوگیا تھا۔ اہل خانقاہ و اہل مدارس کے درمیان دوریاں پیدا ہوگئی تھیں، عقائد واعمال متاثر ہوگئے تھے، فتوی بازی کا بازار بھی گرم تھا۔ سلاطین وامراء دنیاداری میں مست تھے۔ ایسے پر فتن دور میں غوث الثقلین حضرت سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی علمی وروحانی قوت وخدمات سے دین اسلام کو مضبوط و مستحکم فرمایااور اپنی خانقاہ سے ایسے تربیت یافتہ لعل و گوہر پیدا فرمائے جنہوں نے چہار دانگ عالم میں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اصلاح امت کی شاندار خدمات کی ایک تابناک تاریخ مرتب کی ہے۔(1)

بھارت میں آمد اسلام

وطن عزیز بھارت میں جنوبی ہند علاقۂ ملبار میں عہد نبوی میں ہی اسلام کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔(2) غیر منقسم شمالی ہند میں سلاطین اسلام کی آمد کے ساتھ صوفیائے کرام نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے بھارت کی سرمین کو شرف بخشا تھا۔ حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ، حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اسمائے گرامی بھارت میں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں قابل ذکر اور لائق تحسین ہیں۔ چونکہ بھارت قدیم سناتن دھرم کے ماننے والوں کا ملک رہاہے، یہاں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ قدرے دشوار تھی مگر صوفیائے کرام نے فراستِ مومنانہ اور حکمت عارفانہ بالخصوص اپنی شاندار تعلیمات، کردار و عمل کے ذریعہ پورے ملک میں دین اسلام کی روشنی کو پھیلایااور لاکھوں گم گشتہ راہ کو صراطِ مستقیم پر گامزن فرمایا۔

شمالی وجنوبی ہند کے ناگفتہ بہ حالات

شمالی ہند میں سلطنت اکبری اور جنوبی ہند میں عادل شاہوں کا عہد بڑی اہمیت کا حامل رہاہے۔ دنیاداری کے نشے وحصول اقتدار کے لالچ

---

* صدر جماعت اہل سنت کرناٹک، خانقاہ ہاشمی، بیجاپور

نے ان سلاطین کو گمراہی کے دلدل میں ڈال دیا تھا۔ شمالی ہند میں شہنشاہ اکبر کا خود ساختہ دین الٰہی اور جنوبی ہند میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کے گمراہ کن غیر اسلامی افعال وعادات نے ایک نئے فکری فتنے کے دروازے کو کھول دیا تھا۔ تاریخ کی معتبر کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کی وسیع وعریض سلطنت نام نہاد اسلامی ریاست بن گئی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی موسیقی کا بڑا دلدادہ تھا، فن موسیقی میں بڑی معلومات رکھتا تھا۔ اس نے باقاعدہ فن موسیقی میں ایک کتاب بعنوان کتاب نورس لکھی تھی جس کی ابتداء کفریہ وشرکیہ الفاظ سے کی گئی تھی۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی نے کفار ومشرکین کے کذاب معبودوں کی شان میں اشعار بھی قلم بند کیے تھے۔ سلطان ذاتی طور پر رقص وسرور، مصوری کو بے پناہ پسند کرتا تھااور کفریہ وشرکیہ محافل میں شریک بھی ہوتا تھا۔ (3)

عادل شاہی سلطنت کا فکری و عملی فساد

سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی سلطنت کے احوال مغل سفیر مرزا اسد بیگ یوں بیان کرتے ہیں کہ میرا قیام بیجاپور میں جہاں کیا گیا تھا اس کے اطراف واکناف کثیر تعداد میں بلند وبالا عمارتیں دعوت نظارہ دے رہی تھیں، ماحول بڑا پر سکون تھا۔ میری قیام گاہ کے شمالی سمت میں ایک بازار ہے جس کی مرکزی شاہراہ ایک سو فیٹ چوڑی اور جس کی لمبائی تقریباً چار میل ہے۔ بازار کی اس اہم شاہراہ کو انتہائی پاک وصاف رکھا جاتا ہے۔ ہر طرف نایاب اشیاء کا انبار لگا ہوا ہے۔ تاحد نظر قیمتی کپڑوں، جواہرات اور اسلحہ کی دوکانوں کا ایک طویل سلسلہ نظر آتا ہے، شراب کی دوکانیں ہر جگہ کھلی ہوئی ہیں۔ اس بازار کی صرف ایک گلی میں ایک ہزار سے زائد ان لوگوں کے حلقے نظر آئے جو نشہ کی حالت میں موج ومستی کر رہے تھے۔ نہ وہ کسی سے جھگڑ رہے تھے نہ ہی کسی بات پر تکرار ہو رہی تھی، وہ اپنی دھن میں مست تھے۔ شاید ہی ایک سیاح کو تمام دنیا میں بیجاپور جیسا کوئی دوسرا دار السرور نظر آئے گا۔

مغل سفیر مرزا اسد بیگ کا مشاہدہ اس سچائی کو بیان کر رہا ہے کہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی سلطنت میں ہر سو خوشحالی تھی۔ مالداروں اور اہل ثروت کی کثیر تعداد تھی۔ عیاشی، شراب نوشی، رقص وموسیقی وجسم فروشی عام تھی۔ بیجاپور کی صرف ایک گلی میں عیش ومستی کرتے ہوئے ہزاروں لوگ نظر آئے تو نہ جانے دوسری گلیوں کا عالم کیا ہوگا۔ ایک جانب پوری سلطنت میں خوش حالی دوسری جانب اعتقادی واخلاقی خرابی باعث تشویش نظر آتی ہے۔ ایک معروف تذکرہ "صحیفۂ اہل ہدا" کے مصنف کے مطابق سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی اپنے محل میں سرسوتی کی تصویر لگا رکھی تھی۔ کتاب نورس میں سوائے حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کے کسی صوفی بزرگ کا ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ (4)

عادل شاہی مملکت میں صوفیاء متنفر

صاحب بساطین وروضۃ الاولیاء ابراہیم زبیری رقم طراز ہیں کہ دوران قیام بیجاپور حضرت شاہ صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا کہ وہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی اور اس کے دربار کو غیر اسلامی عقائد ورسومات سے پاک کریں گے۔ یہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی حکومت کا ابتدائی دور تھا، سلطان اور اس کے وزراء وامراء پر غیر اسلامی رسومات وعادات کا رنگ صاف نظر آرہا تھا۔

حضرت شاہ صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی توبہ کرے اور غیر اسلامی عقائد واعمال سے رجوع کرے۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار پر اہل تشیع کا بھی کافی دبدبہ تھا۔ حضرت شاہ صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس قدر سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی اور اس کی مملکت کی بے راہ روی سے متنفر تھے کہ ایک دن جمعہ کے خطاب میں آپ نے یہ اعلان کیا کہ اب مملکت بیجاپور میں نماز پڑھنا تقریباناممکن ہوگیاہے۔ جب تک سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی شراب کی خرید وفروخت پر، طوائفوں اور اہل تشیع پر پابندی نہیں لگائے گا بیجاپور میں کسی قسم کی عبادت نہیں کی جاسکتی۔[5]

حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر کی بیجاپور آمد

حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دور عروج میں 1612ء میں بیجاپور تشریف لائے۔ فکری، اعتقادی اور بداعمالی کا فتنہ اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کو حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے مقام ومرتبہ کابخوبی علم ہوچکا تھا۔ گوا کے قید خانے میں حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء کوجب قید کیا گیا تھا اس وقت سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے خواب میں تین مرتبہ حضور اکرم تشریف لاکر حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کا حکم صادر فرمایا تھا۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے پیہم اصرار پر حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ بیجاپور تشریف لائے اور مستقل یہیں قیام پذیر رہے۔[6]

ہاشمی گھرانہ

حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت 984ھ میں ہوئی۔ نسباً آپ رحمۃ اللہ علیہ حسینی، عابدی، باقری، جعفری، کاظمی، رضوی اور تقوی سید ہیں۔ مراۃ الاحمدی کے مصنف نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگوں کو عریضی سادات میں لکھاہے اور آپ کے سلسلۂ نسب میں حضرت سیدناسید محمد عریض حسینی کانام نمایاں ہے۔ حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ قطب گجرات استاذ جن وبشر مجدد المأۃ العاشرۃ علامہ سیدناشاہ وجیہ الدین حسینی علوی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے اور نور نظر ہیں۔ حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے خالص مذہبی، روحانی وعلمی خاندان وماحول میں تربیت پائی ہے۔ احمد آباد گجرات علوم ومعارف کامرکز تھا۔ کثیر تعداد میں اولیاء وصوفیاء، علماء وعرفاء آباد تھے۔ کثرت مدارس وخانقاہوں کی وجہ سے احمد آباد گجرات کو شیراز کہاجاتا تھا۔ ایسے نورانی وروحانی ماحول میں حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماء سے اکتساب فیض فرماتے ہیں۔[7]

حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر کی اصلاحی خدمات

حضرت سیدناہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیجاپور آمد کے بعد سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی عظیم سلطنت واحوال حکومت کابڑی گہرائی سے جائزہ لیا۔ مذہبی، اخلاقی ومعاشرتی امور اور نظام مملکت کو بے راہ روی پر گامزن پایا، فکری واعتقادی فتنوں کی تہہ تک گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مصمم ارادہ کرلیا کہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی اور اس کی سلطنت کی اصلاح کی جائے۔ حضرت شاہ صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت سیدناوجیہ الدین حسینی علوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد وخلیفہ اور مدرسہ علویہ کے فارغ التحصیل تھے۔ آپ

نے بھی سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی اور اس کی مملکت کی اصلاح کی کوشش کی تھی مگر نتیجہ میں حضرت شاہ صبغۃ اللہ رحمت اللہ علیہ کو ان کے مکان میں نظر بند کر دیا گیا تھا اور انہیں کچھ عرصہ بعد حرمین شریفین کی زیارت کے لیے مملکت عادل شاہی سے روانہ کیا گیا۔ بیجاپور کے تشویش ناک حالات کی وجہ سے اکثر صوفیاء کرام سکوت اختیار کیے ہوئے تھے، ایسے خطرناک ماحول میں حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کا اعلاء کلمۃ الحق حسینی تحریک کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔[8]

خانقاہ ہاشمی کی بنیاد

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بزرگوں کے طریقہ کے مطابق بیجاپور میں ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ ہاشمی خانقاہ اپنی شان و شوکت و تمکنت کے ساتھ دینی خدمات کے نورانی سلسلے کو آگے بڑھاتی رہی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ ہاشمی کے دروازے امیر و غریب، ادنی و اعلی سب کے لیے ہمہ وقت کھلے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کا شہرہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ مخلوق خدا کا رجوع خانقاہ ہاشمی کی جانب ہونے لگا۔ پریشان حال لوگوں کو دعائوں سے نوازا جانے لگا۔ خدمت خلق، انسانیت نوازی، غریب پروری کے ساتھ بلا تفریق مذہب و ملت ہر آنے والے کو حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی محبتوں، شفقتوں اور دعائوں سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ قلیل مدت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا دائرہ اثر وسیع ہوتا چلا گیا۔ لوگوں کی مذہبی و اخلاقی تربیت سے حالات بہتر ہونے لگے۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی مخلصانہ خدمات اور حلقۂ اثر کی وسعت سے مزید متاثر ہو کر سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی اور سلطان محمد عادل شاہ نے اپنی حکومت کی بقاء و استحکام اور عوام الناس کی صلاح و فلاح اور اپنے ایمان و دین کو مضبوط کرنے اور آخرت میں کامیابی و فیروز بختی کے لیے حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ سے شرف ارادت حاصل کیے۔[9]

شدت نہیں، نرمی چاہیے

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے کمال درجہ کی حکمت و موعظت کے ذریعہ بتدریج شاہی دربار کی اصلاح کے کام کو انتہائی حسن و خوبی کے ساتھ آگے بڑھایا۔ طبعًا حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ منکسر المزاج، ملنسار اور نرمی سے کلام فرماتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق خدا سے آپ رحمۃ اللہ علیہ بے پناہ محبت و شفقت سے گفتگو فرماتے تھے۔ اکثر لوگوں کو بابا اور اے عزیز من کے دل نواز الفاظ سے مخاطب فرماتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی ادائوں کا یہ شاندار عملی انداز ہر آنے والے کو بے حد متاثر کر دیتا تھا۔ قرآن و سنت کی روشنی میں حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے پند و نصائح براہ راست بندگان خدا کے قلوب و اذہان کو متاثر کر دیتے تھے۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کا اصلاحی طریقہ نفسیات کے پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے بے جا شدت سے خالی ہوتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مخلصانہ کاوشوں اور دینی خدمات میں شدت کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ اسی خوبی کی برکتوں سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خطرناک جرائم میں مبتلا چوروں، قاتلوں، شرابیوں کی اصلاح فرمائی۔[10]

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر کا طریقۂ بیعت

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ بیعت وارادت کے روحانی نظام کو اپنے اسلاف اور بزرگوں کے طریقہ کے مطابق اور سلسلہ عالیہ قادریہ شطاریہ کی روشنی میں آگے بڑھایا۔ بوقت بیعت آپ رحمۃ اللہ علیہ مریدوں سے عہد لیتے تھے کہ وہ مکر وفریب، ظلم وستم اور جھوٹ سے پرہیز کریں گے۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ فرائض وواجبات کی پابندی خرافات وبدعات ومنکرات سے اجتناب کا عہد لے کر مریدوں کو داخل سلسلہ فرماتے تھے۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ میرے فیض سے کثیر تعداد میں لوگ مقبول بارگاہ خدا ہوگئے۔ (11)

سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی زندگی میں دینی انقلاب

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ جہتی پرکشش انتہائی مؤثر دعوت وتبلیغ کے مثبت اور ثمر آور اثرات عوام اور شاہی دربار پر مرتب ہونے لگے۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کو بدعقیدگی وبداعمالی کا شدید احساس ہوا اور اس میں فکری وعملی تبدیلی ظاہر ہونے لگی۔ صاحب بساطین رقم طراز ہیں کہ جب سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی اپنے مدفن کے لیے ایک مقبرہ تعمیر کیا تو سلطان نے مقبرہ کے باب الداخلہ پر قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کو سیاہ پتھر میں انتہائی نفیس اور خوبصورت رسم الخط میں کندہ کرایا: مَاکَانَ اِبْرَاھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَاکَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (سورہ آل عمران آیت 67)۔ ترجمہ: ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان تھے اور مشرک نہ تھے (کنز الایمان)۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی نے کل 47 سال حکومت کی۔ کتاب نورس، اعمال کفر وشرک والحاد اور سلطان کی بے راہ روی نے ابراہیم عادل شاہ ثانی کو جگت گرو بنادیا تھا۔ سلطان کے دور حکومت کے ابتدائی 27 سالوں میں حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ موجود نہیں تھے۔ عادل شاہی حکومت کفر وشرک والحاد وارتداد کی دہلیز تک پہنچ چکی تھی۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دور حکومت کے 20 سالوں میں حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی عالمانہ وعارفانہ شان وشوکت کے ساتھ ھاشمی خانقاہ میں دعوت وتبلیغ اور اصلاح امت کی عظیم خدمت میں مصروف رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات کی تاثیر یہ رہی کہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اپنے مقبرہ کے دروازے پر قرآن مجید کی آیت کریمہ کندہ کرکے اپنے ایمان وعقیدہ کا اظہار حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی وساطت سے کررہاہے۔ بلامبالغہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی میں یہ حیرت انگیز تبدیلی حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت واصلاح کا نتیجہ ہے۔ (12)

کتاب نورس سے دستورالعمل تک کا سفر

سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی وفات کے بعد اس عظیم سلطنت کے تخت پر سلطان محمد عادل شاہ فائز المرام ہوا۔ مرحوم سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی خوشحال مضبوط ومستحکم حکومت کو سلطان محمد عادل شاہ نے مزید عروج واستحکام بخشا۔ سلطان محمد عادل شاہ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی عقیدت وارادت ومحبت کے ساتھ دامن فیض سے وابستہ رہا۔ مرحوم سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دور کے آخری 20 سالوں میں شاہی دربار میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں وہ حضرت

سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں جاری رہیں۔ سلطان محمد عادل شاہ کی حکومت میں سب سے نمایاں اور انتہائی اہم تبدیلی یہ رہی کہ "دستور العمل" نامی ایک سرکاری دستاویز وجود میں آیا جس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد عادل شاہ کے دور حکومت میں عادل شاہی مملکت کو اسلامی و فلاحی مملکت بنانے کی جانب ایک مثبت و شاندار اور سنجیدہ پیش رفت کی گئی تھی۔ عالمی شہرت یافتہ مشہور مورخ پروفیسر رچرڈ ایٹن کا یہ بیان اسلامی انقلاب کا غماز ہے کہ اب عادل شاہی تخت پر ایک ایسا حکمراں جلوہ افروز تھا کہ جس کو یہ بخوبی احساس تھا کہ وہ ایک عام ہندوستانی حکمران نہیں بلکہ ایک اسلامی حکمراں ہے۔ بلا مبالغہ یہ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی مخلصانہ و مصلحانہ کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ کتاب نورس سے دستور العمل تک کی یہ تحریک منصہ شہود میں آئی۔(13)

سلطان محمد عادل شاہ کی مملکت میں دین اسلام مستحکم

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی داعیانہ و مصلحانہ کوششوں کے محیر العقول نتائج سلطان محمد عادل شاہ کی مملکت میں ظاہر ہونے لگے۔ بے شمار صوفیائے کرام کی آمد کا نورانی سلسلہ شروع ہو گیا۔ سلطان کے دربار کے انداز تبدیل ہونے لگے۔ ہر جانب اسلامی رنگ نظر آنے لگا۔ خرافات، بدعات و منکرات اور غیر اسلامی رسوم زوال پذیر ہو گئے۔ مال غنیمت کا ٪20 حصہ دین اسلام کی دعوت و تبلیغ، اشاعت و استحکام پر خرچ کیا جانے لگا۔ نظام قضاء و افتاء کو مضبوط بنانے کے لیے قاضیوں اور مفتیوں کا تقرر کیا گیا۔ سلطان محمد عادل شاہ کی وسیع ترین سلطنت میں دعوت دین و اصلاح معاشرہ کے لیے ہزاروں کی تعداد میں خطباء و واعظین کو مقرر کیا گیا۔ خوشحالی، امن و امان کے باعث بیجاپور اسلامی دنیا میں مشہور ہو گیا تھا اور مسلم دنیا کے بڑے شہروں میں شمار کیا جانے لگا۔ کثیر تعداد میں مسلمان دار الظفر بیجاپور میں آباد ہو گئے۔ مساجد، مدارس اور خانقاہوں کی تعمیرات بڑی تیزی کے ساتھ کی جاری رہیں۔ قابل غور یہ حقیقت ہے کہ اتنی بڑی اسلامی ریاست میں غیر مسلم محفوظ تھے، انہیں مکمل طور پر اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری آزادی حاصل تھی۔ صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں کثیر تعداد میں غیر مسلم بصد عقیدت واحترام حاضر ہوتے تھے اور سلطان کے دربار میں بھی اہم عہدوں پر فائز تھے۔(14)

جنوبی ہند میں اسلام کی اشاعت

ابراہیم زبیری تحریر کرتے ہیں کہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی اور سلطان محمد عادل شاہ دونوں حضرات حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی قوت، شان و عظمت سے بے پناہ متاثر تھے۔ سلطان محمد عادل شاہ جب کبھی کسی مشکل یا پریشانی میں مبتلاء ہوتا تو فوراً حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مشورہ کرتے ہوئے دعائوں کا طالب رہتا تھا۔ تھامس آرنلڈ اپنی تحقیقی کتاب میں لکھتا ہے کہ جنوبی ہند میں اسلام کی اشاعت حضرت سیدنا خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ ہوئی ہے۔ اور یہ بھی لکھتا ہے کہ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے شیخ تھے، آرنلڈ نے کتاب کے نویں باب میں ہندوستان میں اسلام کی اشاعت پر گفتگو کی کتاب کے صفحہ نمبر 1 یک سو پانچ پر لکھ ہے

کی: دھار واڑ ضلع میں حضرت ہاشم پیر کے ہاتھ پر ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا (طبع ثانی، لندن 1913، کانسٹبل اینڈ کمپنی)۔ روضۃ الاولیاء بیجاپور میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ سلطان محمد عادل شاہ حضرت سیدنا عبد الرزاق قادری رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے بدگمانی اور بدعقیدگی کا شکار تھا۔ حضرت سیدنا عبد الرزاق قادری رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی مقام وشانِ ولایت سے آگاہ نہیں تھا۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان محمد عادل شاہ کے آئینہ دل کے زنگ وغبار کو صاف کر کے حضرت سیدنا عبد الرزاق قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مقام ومرتبہ سے آگاہی عطا فرمائی۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ صوفیانہ انداز متوجہ کراتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہم عصر اولیاء وصوفیاء کے خیر خواہ، حامی وناصر اور مخلص دوست رہے ہیں۔ (15)

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر کی تعلیمات

کبار صوفیائے کرام کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدین ومتوسلین ومعتقدین کی ظاہری وباطنی تربیت کے لیے وعظ ونصیحت کے محافل آراستہ کرتے تھے۔ حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سیدنا معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سیدنا نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سیدنا بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اسماء مبارکہ قابل ذکر ہیں جن کے ملفوظات بندگان خدا کی زندگیوں میں حیرت انگیز تبدیلیاں رونما کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسلاف کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے وعظ ونصیحت کی محفل سجاتے تھے۔ کسی نہ کسی اہم موضوع پر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں درس دیا کرتے تھے۔ حاضرین مجلس میں سے کوئی وضاحت چاہتا تو احسن طریقہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ اس نکتہ کو سمجھا کر سائل کو مطمئن کرتے تھے۔ فارسی، گجری اور ہندی زبانوں کا رنگ اکثر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پند ونصائح میں نظر آتا ہے۔ حضرت سید شاہ نعیم اللہ حسینی نے گنج اسرار اور حضرت شاہ مراد رحمۃ اللہ علیہ نے مقصود المراد کے ناموں سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کو جمع فرمایا ہے جن میں تصوف وسلوک، تزکیہ وتصفیہ، اوراد واذکار واشغال کے علاوہ اکابر صوفیاء کے تذکرے موجود ہیں۔

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے مطالعہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مصلحانہ شان وعظمت معلوم ہوتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ پیر کامل اپنے مریدوں کے افعال واحوال سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے۔ مرشد اپنے مریدوں کے لیے ایک آئینہ کا کام کرتا ہے جس میں وہ انوار الٰہی کی تجلیات کو دیکھتے ہیں۔ مریدوں کو چاہئے کہ وہ اپنے پیر کو دل کی آنکھ سے دیکھے۔ مریدوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ابو جہل، ابو لہب اور عتبہ حضور اکرم ﷺ کو سر کی آنکھ سے دیکھا تھا، مگر حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اکرم ﷺ کو دل کی آنکھوں سے دیکھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ کافروں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے جملہ احوال پیر پر ظاہر کرے تاکہ ساعت بہ ساعت روز بروز اس کی ضرورت کے حساب سے تربیت ہو۔ مرید کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے دل میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات وخطرات سے پیر کو مطلع کرتا رہے۔ قرآن مجید میں بیان کیے جانے والے حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر

کرتے ہوئے حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے خوابوں سے پیر کو واقف کرائے اور جب تک اس کا پیر اسے مشورہ نہ دے اپنے خواب دوسروں پر ظاہر نہ کرے۔ مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے پیر کا تصور کرے۔ پیر کی حضوری میں باادب رہے اور خلوت میں اپنے پیر کا تصور کرے۔ پیر کے حکم میں مصلحت خداوندی ہوتی ہے۔ تمام پیران برحق اس بات پر متفق ہیں کہ پیر کامل اپنے مرید کی صلاحیت دیکھ کر اس کی تربیت کرتا ہے اور راہ سلوک کے منازل طے کراتا ہے۔ مثلاً کسی مرید سے کہا جاتا ہے کہ بازار میں بیٹھ جائے اور کسی دوسرے سے کہا جاتا ہے کہ تنہائی اختیار کرے۔(16)

صوفیائے کرام نے دنیا، ترک دنیا اور دنیاداری کے حوالے سے اپنے مریدوں کی اصلاح فرمائی ہے۔ ہر ایک صوفی بزرگ کا انداز تربیت جدا ہے۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں دنیا کے عنوان پر ارشادات ملتے ہیں۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر کچھ لوگوں کا تعلق دنیا سے ہوتا ہے مگر باطن میں وہ دنیا سے بیزار رہتے ہیں۔ کچھ لوگ ظاہر میں دنیا سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں مگر باطناًوہ دنیا پرست ہوتے ہیں، حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ریاکاری ہے۔ کچھ لوگ ظاہراًاور باطناً دنیا پرست ہوتے ہیں، حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب لوگ حرص کی مار میں آکر زائد از ضرورت مال جمع کرنا شروع کرتے ہیں۔ کچھ لوگ نہ تو ظاہر میں نہ تو باطن میں دنیا کے طلبگار ہوتے ہیں۔ جب لوگوں کے دلوں میں اخلاص گھر کر جاتا ہے تو ان کے دل دنیا سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نکتہ ارشاد فرماتے ہیں: بسم اللہ الرحمن الرحیم ---- اللّٰہم صلی علی محمد وبارک وسلم ---- دنیا کے لوگ کیڑے مکوڑے ---- شہد کھوے پہ دوڑاتے گھوڑے، ڈوبتے بہت نکلتے تھوڑے۔(17)

اوراد واذکارِ ہاشمی

بندگان خدا کی ظاہری و باطنی صلاح و فلاح کے لیے حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے اذکار کی اہمیت وافادیت اپنے ملفوظات میں بیان کرتے ہیں۔ سلسلۂ شطاریہ کے بزرگوں نے اسماء حسنیٰ کی تین اقسام بیان فرمائے ہیں۔ اسماء جلالی، اسماء جمالی اور اسماء مشترک۔ شطاری صوفیاء اپنے ارادت مندوں کی صلاحیتوں کے مطابق ذکر کی تلقین فرماتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اسم اعظم ہے، اگر اسم اعظم کا ذکر پورے خلوص کے ساتھ کیا جائے۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک ذاکر کو چاہئے کہ طہارت کامل کے ساتھ پاک وصاف جگہ پر قبلہ رخ بیٹھ جائے۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں زانوؤں پر رکھے اور پھر تکرار کے ساتھ لاالٰہ الا اللہ کا ذکر پوری توجہ کے ساتھ کرے۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ذکر ایک قینچی کی مانند ہے جس کی مداومت و تکرار ذاکر کے رشتہ کو غیر اللہ سے کاٹ دیتی ہے اور ذاکر کے وجود کو مذکور میں مفقود کر دیتی ہے۔(18)

غیر مسلم کیمیا گر مسلمان ہو گیا

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر کثیر تعداد میں کفار و مشرکین اسلام لے آئے۔ گوا کی بندرگاہ سے

بیجاپور میں ورود مسعود تک دوران سفر دعوت دین واصلاح امت کا تاریخ ساز سلسلہ جاری رہا۔ حضرت سید العلماء سید شاہ مصطفی حسینی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ قطب دکن میں سفر حرمین شریفین سے واپسی کے موقع پر ایک عجیب وغریب واقعہ کو بڑے دل نشیں انداز میں رقم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت سید نا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ زیارت حرمین شریفین سے فارغ ومناسک حج ادا کر کے مراجعت فرمائے۔ وطن بیجاپور جب لوٹ رہے تھے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو راستہ میں ایک گوسائیں پنڈت ملا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے عبا قبا جبہ و دستار طرز بزرگانہ وانداز فقیرانہ کو دیکھا تو بصدر سوخ وعقیدت قدم بوس ہو کر آپ رحمۃ اللہ علیہ سے یوں عرض کیا کہ گرومہاراج میں پرانا گوسائیں پنڈت ہوں، عمر ہو چکی ہے، قویٰ جواب دے چکے ہیں۔ اپنے آپ کو میں چراغ سحری سمجھتا ہوں۔ بچوں جوانوں کی زندگی کا جب بھروسہ نہیں تو اس بڑھے کا کیا ٹھکانہ؟ مہاتماجی میرے پاس ایک لاجواب ہنر ہے جس کی تلاش وحصول میں ایک زمانہ سرگرداں ہے مگر وہ لاکھوں میں کسی ایک شخص کے ہاتھ آتا ہے، جس کو وہ ہنر آتا ہے وہ بولتا نہیں۔ جو شخص وہ ہنر نہیں جانتا سب سے کہتا پھرتا ہے کہ میں جانتا ہوں۔ مہاراج وہ ہر دو جھوٹے ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے میں نے بھی آج تک کسی سے نہیں کہا ہے۔ اب مرنے کے دن قریب ہیں، آپ جیسی مقدس ہستی سے مجوب ومستور رکھوں اور اس ہنر کو اپنے ساتھ قبر میں لے جائوں تو محض جہالت ونادانی ہوگی۔ اس لیے مجھے آپ رحمۃ اللہ علیہ جیسی مورتی کا انتظار تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اتفاق سے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اچھا ہوا میری عمر کی یہ آخری گھڑیاں ہیں لہٰذا میں بخوشی آپ کو بتادیتا ہوں۔ اے رہبر بغور یہ ہنر ملاحظہ فرمایئے، یہ کہہ کر ایک درخت کا پتہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بتلا کر لایا اور اس کا عرق تانبا گرم کر کے ڈال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تانبا اعلیٰ درجہ کا سونا ہو گیا۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ مہاراج کیمیا اس کو کہتے ہیں۔ فقراء تو فقراء بڑے بڑے بادشاہ اس کی جستجو میں حیران وپریشان ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لاثانی دولت بغیر کدوکاوش وداد ودہش کے ہاتھ آگئی۔ اس کے جواب میں حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا بابا تو بڑا صاحب کمال اور سازندۂ زرومال ہے، تیرے ہنر کی داد دیتا ہوں، مگر میرے نزدیک تیرا یہ مال وکمال پرے مگس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ چونکہ میں فقیر آدمی ہوں، مجھے دولت دنیا کی ہوس نہیں ہے، میرے لیے میرا خدا بس ہے۔ اگر تجھ کو میری کیمیا گری دیکھنے کا شوق ہے تو اس سھل ترکیب کو دیکھ۔ یہ فرما کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس گوسائیں پنڈت کو ارشاد فرمایا کہ پتھر جمع کر۔ اس نے حسب الحکم تعمیل کی اور بہت سے پتھر ایک جگہ جمع کر کے اس کی انبار لگادی۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظر کیمیا اثر ان پتھروں پر ڈالی تو وہ سب پتھر سونا ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگھر تجھ کو سونے کی ضرورت ہے تو جتنا چاہے لے جا۔ بابا یہ میری کیمیا ہے، مجھ کو نہ سونے کی ضرورت ہے نہ پتے کی خواہش۔ سچ ہے جن کی نظر کیمیا اثر سے پتھر سونا ہوتے ہوں، جن کی صحبت سے کھوٹے کھرے، سیاہ سفید، جاہل فاضل اور امی قابل بنتے ہوں جن کی نگاہ میں سنگ خارہ جواہر پارہ مساوی ہوں تو ان کو سونے چاندی کی کیا ضرورت ہے۔ ان کے نعلین کی خاک تانبے کو سونا بنادیتی ہے۔ المختصر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اس کرامت کو جب گوسائیں پنڈت نے دیکھا تو دیوانہ ہو گیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر ہاتھ دے کر اقرار واثق کیا کہ میں آج کی تاریخ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا غلام بن کر رہوں گا، مجھے اب آپ مشرف بہ

اسلام کیجئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کلمہ طیب و شہادت پڑھا کر مسلمان کیا۔ اس کے بعد وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہو کر فرد یگانہ و معروف زمانہ ہو گیا۔ بلاشبہ جو خدمت دین علمائ، فضلاء و واعظین کی ایک بڑی جماعت نہیں کر سکتی وہ خدمت تنہا اللہ تعالیٰ کا محبوب ولی اپنی نگاہ ولایت سے کر گزرتا ہے۔ (19)

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر نے اپنی دس سالہ عمر سلطان کو عطا کی

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 72 سال کی عمر مبارک میں ہوا۔ 9 رمضان المبارک یوم الجمعہ 1056ھ مطابق 20 اکتوبر 1646ء کی تاریخ تھی۔ رسالہ ہاشمیہ میں بوقت وصال پیش آنے والے واقعات کی تفصیل درج کی گئی ہے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ پور کی مسجد میں رونق افروز تھے۔ بادشاہ وقت سلطان محمد عادل شاہ کا ایک خادم خاص آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کی علالت اور علاج میں ناکامی کی تفصیلات سنا کر طالب دعا ہوا۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رومال پر دعا پڑھ کر اس پر دم کر دیا اور فرمایا کہ جہاں درد ہو اس مقام پر باندھ دو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت پر عمل کیا گیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ دوسرے دن بادشاہ خود حاضر ہوا۔ اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ قبلہ رخ ہو کر اوراد و وظائف میں مشغول تھے۔ سید العلماء حضرت سید شاہ مصطفی حسینی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ قطب دکن میں یوں رقم طراز ہیں کہ بعد از فراغت وظائف واوراد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ بادشاہ انتہائی کرب کی حالت میں دست بستہ سرنگوں کھڑا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کی طرف ایک نگاہ کرم ڈالتے ہوئے فرمایا کہ بابا کیوں آئے ہو اور کیا چاہتے ہو؟ سلطان محمد عادل شاہ نے عرض کیا کہ اے قبلہ معظم! میرے اجداد اپنے پیچھے اپنی اپنی شاندار یادگاریں چھوڑی ہیں جو ساری دنیا کو ان کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔ میرے دل میں بھی یہ خیال آیا تھا کہ میں بھی ایک ایسی عمارت بنائوں جو اپنی نظیر آپ ہو۔ اس خیال سے ایک گنبد کی تعمیر شروع کیا ہوں جس کا نصف حصہ مکمل ہو چکا ہے اور ہنوز نصف حصہ باقی ہے۔ میرے آقا مجھے ایک مہلک مرض نے گھیر لیا ہے۔ مقامی حکماء واطباء کا علاج کرایا۔ اطراف واکناف کے نامی گرامی نباض وویدنے اپنے آزمودہ نسخے تجویز کیے مگر افاقہ نہیں ہوا۔ اپنے فن میں ماہر رمّال اور نجومیوں نے میرے نام کا زائچہ بنا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ عمر کا ستارہ گردش میں ہے۔ مصیبت کی یہ کالی کالی گھٹائیں کسی بندۂ خدا کی ضیاباری سے بھی دور نہیں ہو پائی ہیں۔ آخر کار اس حالت زار میں آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوا ہوں۔ قبلۂ من آپ رحمۃ اللہ علیہ میرے پیر و مرشد ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ سے مجھ کو شرف بیعت حاصل ہے، میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا خادم ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی بتلائیں کہ در مخدوم وباب الفیض کو چھوڑ کر کہاں جائوں۔ میرے مولا میرا یہ اعتقاد ہے کہ کوئے ہاشم دار الشفاء ہے۔ اگر میرے مرض کا علاج نہ ہوا تو گنبد کی تعمیر ادھوری رہ جائے گی اور دلی آرزو دل ہی میں رہ جائے گی۔ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ سلطان محمد عادل شاہ کی درد بھری کہانی خود اس کی زبانی سنی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بابا تیرے مرحوم باپ سلطان ابراھیم عادل شاہ ثانی کا مجھ پر اور میرے مریدوں پر احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں گوا کی جیل سے چھڑوایا تھا، اس احسان کا بدلہ ضروری ہے۔ فرمان الٰہی ہے: هَلْ جَزَاءُ الاحْسَانِ اِلَّا الاِحْسَانُ ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرا یہ مرض مرض الموت ہے، جام حیات لبریز ہو چکا ہے۔ تیری صرف تین دن کی حیات باقی

ہے۔ اب بجز جان بخشی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ مجھے ابھی اس دنیا میں دس سال رہنا ہے۔ میں اپنی باقی ماندہ عمر تجھے بخوشی دیتا ہوں اور تیری بیماری اور سہ روزہ زندگی قبول کرلیتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ ایک طرف بادشاہ تیزی سے صحت یاب ہونے لگا تو دوسری جانب حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی صحت بگڑنے لگی۔ اسی مرض میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا اور سلطان محمد عادل شاہ دس سال صحت یابی کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا[20]۔ اسی دوران سلطان محمد عادل شاہ نے حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی شاندار درگاہ مسجد اور باب الداخلہ اور گول گنبد تعمیر کیا۔

ایک تاریخی غلطی اور اصلاح

معروف مورخ ریچرڈ ٹین صوفیز آف بیجاپور کتاب میں مذکورہ بالا واقعہ کے بعد کے حالات تحریر کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے کہ 1646ء میں سلطان محمد عادل شاہ سخت بیمار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ شدید مفلوج ہو کر صاحب فراش ہو گیا اور حکومت و سلطنت کے سارے نظام کو سلطان کی زوجہ بڑی بی صاحبہ سنبھال لیتی ہیں۔ ریچرڈ ٹین کی یہ تحقیق تعصب، تنگ نظری، صوفیا دشمنی اور غیر ذمہ دارانہ ہے، نیز تاریخی حقائق سے دور معلوم ہوتی ہے۔ ریچرڈ ٹیٹن یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی عطا کردہ دس سال کسی کام کے نہ تھے۔

تاریخی شہر بیجاپور کے ایک معروف مورخ محقق ڈاکٹر عبد الغنی امارت والے اپنی تحقیقی کتاب History of Bijapur Subah میں تاریخی شواہد کی روشنی میں رقم طراز ہیں کہ 1646ء میں سلطان محمد عادل شاہ صحت یاب ہو کر نظام حکومت کو احسن طریقہ سے سنبھالتا ہے۔ 1647ء میں ویلور کو فتح کرتا ہے اور اسی سال حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ گلبرگہ شریف پہ زیارت کے لیے حاضر بھی ہوتا ہے، اس سفر میں دورۂ بیدر بھی شامل ہے۔ اور جنوری 1648ء میں سفر سے واپسی کے بعد بیگم حضرت سلطانہ بنت شاہ بنی الحسینی سے نکاح کرتا ہے اور 4 مئی 1649ء میں ایک فرزند کی ولادت بھی ہوتی ہے جس کی تفصیل محمد نامہ میں موجود ہے۔

ہسٹری آف بیجاپور صوبہ ---ڈاکٹر عبد الغنی امارت والے۔ [21]

صوفیز آف بیجاپور (Sufis of Bijapur) کا مؤلف Prof Richard M. Eaton ماضی قریب میں کرناٹکا کے دورے پر آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھی نے کہا کہ آپ بیجاپور کے قریب تک آئے ہوئے ہیں اور آپ نے ایک طویل مدت بیجاپور میں دوران تحقیق گزاری ہے، بہتر ہو گا کہ بیجاپور کا بھی سفر کرلیں۔ پروفیسر ایٹن نے اپنے دوست سے کہا کہ میں بیجاپور جانے سے گریز کرنا چاہتا ہوں کیونکہ وہاں ڈاکٹر عبد الغنی امارت والے سکونت پذیر ہیں اور انہوں نے حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید سلطان محمد عادل شاہ کی زندگی کے آخری دس سالوں کے حوالے سے میری تحقیق کو غلط ثابت کیا ہے۔ یہ تفصیل عند الملاقات ڈاکٹر عبد الغنی امارت والے نے بنفس نفیس مجھے بتائی ہے۔

خدمتِ دین کا صلہ

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی سلطان محمد عادل شاہ کے ساتھ شفقت بے پناہ محبت اور دعائوں سے نوازتے ہوئے اپنی

زندگی کے دس سال سلطان کو ودیعت کرنا یوں ہی نہیں تھا بلکہ حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی اور سلطان محمد عادل شاہ کی ان خدمات کا بہترین صلہ دینا چاہتے تھے جن کا تعلق دین اسلام کی احیاء و سربلندی و نشأۃ ثانیہ اور عادل شاہی مملکت سے غیر اسلامی رسوم، فتنۂ ارتداد، خرافات و بدعات و منکرات اور بدعقیدگی و بداعمالی کا سدباب رہا ہے۔ دفع مرض الموت و درازئ عمر کے لیے حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کے طریقہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا فرما دیتے مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی دعا فرمائی کہ اپنی دس سالہ حیات اپنے مرید کو عطا کردی۔ بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کو اپنی عمر دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے بابر کی دعا قبول فرمائی تھی(22)۔ ایک باپ بیٹے کو اپنی عمر عطا کرے تو کوئی تعجب نہیں مگر تاریخ اسلام میں حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی انفرادیت کے ساتھ سنہری حروف سے لکھا جائے گا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید کو اپنی دس سالہ حیات سے نوازا تھا۔

حضرت سیدنا ہاشم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی داعیانہ و مصلحانہ خدمات کا دائرہ بے پناہ وسیع ہے۔ یہ مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر نہیں پھیلا ہے بلکہ یہ دین حضور اکرم کی امت کے اولیاء و صوفیاء کے کردار و عمل اور ان کی بہترین تعلیمات کی برکتوں سے پھیلا ہے۔

*****

کتابیات

1۔ سیرت شیخ عبدالقادر جیلانی — الشیخ محمد بن عبدالرحمن حنبلی

2۔ تاریخ اسلامی ہند / دیگر تاریخی کتب — نیاز فتح پوری

3۔ روضۃ الاولیاء بیجاپور — ابراھیم زبیری / صحیفہ اہل ھدا: قاری سید محی الدین ابن محمود

4۔ صحیفۂ اہل ھدا — قاری سید محی الدین ابن محمود

5۔ بساطین السلاطین / روضۃ الاولیاء بیجاپور — ابراھیم زبیری

6۔ تذکرۃ الوجیہ — سید حسینی پیر علوی

7۔ تذکرۃ الوجیہ — سید حسینی پیر علوی / تاریخ صوفیائے گجرات۔ ظہور الحسن شارب

8۔ بساطین السلاطین / روضۃ الاولیاء بیجاپور — ابراھیم زبیری

9۔ حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ ایک مطالعہ — ڈاکٹر سید افضل پیرزادہ

10۔ حضرت ہاشم پیر اور سلسلہ شطاریہ ایک مطالعہ — ڈاکٹر سید افضل پیرزادہ

11۔ روضۃ الاولیاء بیجاپور — ابراھیم زبیری

12۔ بساطین السلاطین — ابراھیم زبیری

13۔ صوفیز آف بیجاپور — ریچرڈ ایٹن

14۔ صوفیز آف بیجاپور — ریچرڈ ایٹن

15۔	پریچنگ آف اسلام	تھامس آرنلڈ
16۔	ملفوظات گنج اسرار / ملفوظات مقصود المراد	شاہ نعیم اللہ حسینی / شاہ مراد
17۔	ملفوظات گنج اسرار / ملفوظات مقصود المراد	شاہ نعیم اللہ حسینی / شاہ مراد
18۔	ملفوظات گنج اسرار / ملفوظات مقصود المراد	شاہ نعیم اللہ حسینی / شاہ مراد
19۔	تذکرۂ قطب دکن	سید مصطفی حسینی
20۔	روضۃ الاولیاء بیجاپور / تذکرۂ قطب دکن / رسالہ ہاشمیہ	ابراہیم زبیری / سید مصطفی حسینی / کم ترین
21۔	ہسٹری آف بیجاپور صوبہ	ڈاکٹر عبدالغنی امارت والے
22۔	منتخب التواریخ حصہ سوم	

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین کی علمی خدمات

(خانقاہ شاہ خاموش کے فرد فرید)

ڈاکٹر سعید بن مخاشن *

سرزمین دکن کی علمی تاریخ میں خانقاہیں ہمیشہ مرکزِ رشد وہدایت اور سرچشمۂ فیض وبرکات رہی ہیں۔ انہی میں ایک درخشاں نام خانقاہِ شاہ خاموش ہے، جو حیدرآباد دکن کی علمی وروحانی فضا میں صدیوں سے سلسلہ عالیہ صابریہ کے ایک مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ خانقاہ وہ گہوارہ ہے جہاں لاکھوں بندگانِ خدا نہ صرف روحانی تربیت سے فیضیاب ہوئے بلکہ اپنی علمی وفکری تشنگی کو بھی بجھایا۔ علمی میدان میں بھی خانقاہ شاہ خاموش اپنی مثال آپ ہے۔ یہ نہ صرف روحانیت کا مرکز ہے بلکہ فکری وتحقیقی مباحث کا بھی ایک عظیم محور ہے۔ یہاں اہلِ علم اپنے دقیق اشکالات لے کر دور دراز سے حاضر ہوتے ہیں، اور اس خانقاہ کی علمی فضا میں انہیں ایسے اطمینان بخش جوابات ملتے ہیں جو عقل کو مسخر اور دل کو منور کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس خانقاہ کی شہرت سرحدوں کو پار کرتے ہوئے دوسرے ممالک تک پہنچی اور امریکہ، ہالینڈ، برطانیہ، جرمنی اور کینیڈا کی جامعات کے محققین واساتذہ نے بھی اس مرکزِ فیض کا رخ کیا۔ وہ یہاں سے حاصل شدہ علمی وروحانی روشنی کو اپنے علمی حلقوں تک منتقل کیا، اور یوں یہ خانقاہ عالمی سطح پر بھی ایک زندہ وتابندہ حقیقت کے طور پر پہچانی جاتی ہے۔ اسی خانقاہ کی ایک جلیل القدر ہستی حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری رحمہ اللہ ہے جنھوں نے اپنے علم وفضل، تقویٰ وبصیرت کے ذریعے ایسے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جو رہتی دنیا تک اہلِ حیدرآباد ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے مینارہ نور ہیں۔

ولادت

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری کی ولادت 7رمضان المبارک 1321ھ مطابق یکم اگسٹ 1914ء بروز ہوئی [1]

تعلیم

علوم شریعت وطریقت سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے دنیوی فنون میں بھی اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ ابتدائی تعلیم ’’دار العلوم‘‘ میں حاصل کی اور چوتھی جماعت تک اسی ادارہ سے فیض یاب ہوتے رہے۔ اس کے بعد ’’سٹی کالج‘‘ میں داخلہ لیا اور میٹرک کا امتحان مکمل کیا۔ علمی جستجو کی یہ پیاس آگے بڑھتے گئی اور آپ نے ’’عثمانیہ یونیورسٹی‘‘ میں داخلہ لیکر بی۔ اے کی ڈگری

* اسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

[1] سید شاہ علی اکبر نظام الدین: زاد سفر و دیوان، حیدرآباد، مطبعة ابوالوفاء الافغانی، 2003ء، ص149۔

حاصل کی، جہاں اسلامیات کے ساتھ ساتھ انگریزی ادب وفلسفہ بھی آپ کے نصاب کا حصہ رہے، اور پھر اعلی تعلیم کی طرف آپ نے توجہ کی اور ''ایم۔ اے''کی تعلیم مکمل کی جس میں آپ کا مضمون فن حدیث رہا۔([1])ایم اے کے دوران آپ نے ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا جس کا موضوع ''امام طحاوی بحیثیت محدث'' تھا۔

اساتذہ کرام

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری نے اپنی علمی تشنگی کو دور کرنے کے لیے اپنے عہد کے اکابر علماء اور مشاہیر کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے والد ماجد، حضرت سید شاہ محمد صابر حسینی سے فیض حاصل کیا جن کی تربیت نے آپ کے ذہن و قلب میں معرفتِ الٰہی کے چراغ روشن کیے۔ اس کے بعد سید احمد حسین امجد حیدرآبادی، حضرت اعجاز الحق صاحب، حضرت حافظ و قاری فضل علی صاحب، حضرت غیاث الدین صاحب، حضرت غلام مصطفی صاحب جیسے جلیل القدر علماء نے آپ کو زیور علم سے آراستہ کیا۔ مزید بر آں، بحر العلوم حضرت مولانا عبد القدیر صاحب صدیقی حسرت، حضرت مولانا سید ابراہیم ادیب رضوی، مولانا مناظر حسن گیلانی، مولانا مفتی سید مخدوم حسینی صاحب، مولانا محمد شاہ شطاری، مولانا سید نبی حیدرآبادی، پروفیسر سید محمد صاحب، مولانا قطب الدین فرنگی محلی اور مشہور مفسر ومترجم قرآن انگریزی ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب کی شاگردی نے آپ صاحب فضل و کمال بنادیا۔([2])

بیعت وخلافت

بیعت و خلافت کے باب میں حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری کی زندگی ایک روشن مینار کی مانند ہے۔ آپ نے اپنے جدِّ محترم حضرت سید محمد شاہ اصغر حسینی صابری کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

اسی طرح سرّ و باطن، خفی واخفی کے لطائف، تسلیم ورضا کے مقامات، توکل وغنا کے مدارج، غیب وشہود کے مکاشفات، علم الیقین سے حق الیقین کی منزل اور ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ حتی کہ ترکِ ترک تک کی منازل طے کیں۔ اعیان ثابتہ کے اسرار کو علمی درس کی صورت میں سمیٹا اور اپنے قلب و باطن کو معارفِ ربانی سے منور فرمایا۔ تمام سلوک کی تکمیل اور کمالِ ادراک کے بعد آپ کے والدِ ماجد حضرت محمد شاہ صابر حسینی صابری نے 24 محرم 1374ھ آپ کو نعمت خلافت سے سرفراز فرمایا اور با قاعدہ آپ کو اپنا جانشین نامزد فرمایا۔

بعد ازاں، جو بھی سالکِ راہِ حق آپ کے دستِ بیعت میں آتا، آپ اسے سلسلۂ عالیہ چشتیہ قادریہ صابریہ میں داخل کرتے، خصوصی

---

[1] مصدر سابق، ص 151۔

[2] مصدر سابق، ص 150، 152۔

توجہ فرماتے اور روحانی منازل کے سفر میں رہنمائی کرتے۔ یوں آپ کی خانقاہ، طالبانِ حق کے لیے ایک مرکزِ فیض اور سالکانِ طریقت کے لیے چراغِ راہ بن گئی۔

شخصیت:

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری ایک ہمہ جہت علمی و روحانی شخصیت کے مالک تھے۔ آپ تصوف و طریقت کے رموز و اسرار میں بالغ نظر اور معرفتِ الٰہی کے نکتہ شناس تھے۔ صرف باطنی علوم ہی نہیں بلکہ دنیاوی نظم و نسق میں بھی مہارت رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حالاتِ زمانہ کی پیچیدگیوں کو پہچان کر بہترین انداز میں انتظامی امور سرانجام دیتے۔

آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے حوالہ سے حضرت سید علی اکبر نظام الدین حفظہ اللہ رقمطراز ہیں: "مرشدی، مولائی، والدی قبلہ گاہی حضرت مولانا سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری صاحب قدس سرہ دکن کے مشائخ میں ایک اہم شخصیت ہونے کے علاوہ علماء سلف کی یادگار اور حیدرآبادی تہذیب و ثقافت کے سچے علمبردار تھے۔ آپ کی ذات اپنے میں ایک انجمن تھی، ایک جلوہ کے ہزار رنگ تھے۔ ایک طرف ایوان علم وادب کو زینت بخشی تو دوسری طرف تصوف، طریقت وخانقاہی تعلیمات ونظام کے فروغ واصلاح میں زبردست تاریخی رول ادا کیا، تیسری طرف حسن تدبیر وحسن انتظام کے ذریعہ اپنی قیادت وسیادت کا لوہا منوایا۔ چوتھی جانب درس وتدریس، تصنیف وتالیف کے ذریعہ اسلام اور سائنس، اور عصری ایجادات سے احکام اسلامی کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے دین حق کی صداقت کو واضح اور اجاگر کیا۔ چنانچہ اپنے پرائے، چھوٹے بڑے، امیر وغریب، اہل علم واہل فکر سب ہی اس عالم وصوفی کے نوائے سرمدی میں اپنے تسکین دل کے سامان تلاش کرلیتے تھے"۔([1])

تصوف

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری کا شمار ان اہلِ دل میں ہوتا ہے جن کی مجالس علم وعرفان کے سرچشمے تھیں۔ آپ کی محفل میں محققین و ریسرچ اسکالرز حاضر ہوتے، اپنے علمی و روحانی سوالات پیش کرتے اور اپنی تشنگی کا مداوا پاتے۔ آپ نہ صرف تصوف کی باریکیوں کو مدلل انداز میں واضح فرماتے بلکہ عملی مثالوں اور عارفانہ حکایات کے ذریعے قلوب کو مطمئن بھی کر دیتے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیضانِ علم وعرفان کا دائرہ صرف برصغیر تک محدود نہ رہا بلکہ بیرونِ ملک کے اہلِ علم بھی آپ سے استفادہ کے متمنی ہوتے۔ خصوصاً ہارورڈ یونیورسٹی کی مشہور پروفیسر **ڈاکٹر انا میری شمیل**، جو علومِ شرقیہ اور بالخصوص تصوف کی دلدادہ تھیں، اکثر حیدرآباد تشریف لاتیں۔ وہ گھنٹوں آپ کی خدمت میں بیٹھتیں، مسائلِ تصوف میں اپنے شکوک و شبہات پیش کرتیں اور آپ کے جواہر ریز جوابات سے اپنے دل ودماغ کو روشن کرتیں۔

---

[1] زادراہ، ص149۔

لنگر وضیافت کا اہتمام:

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلوان کا زائرین وسالکانِ راہ حق کے لیے بے حد شفقت و محبت سے پیش آنا تھا۔ آپ ہمیشہ یہ کوشاں رہتے کہ ہر طالبِ معرفت کو ہر ممکن سہولتیں فراہم ہوں۔ خاص طور پر **لنگر** کا انتظام آپ کی سخاوت اور بے لوث خدمت کا مظہر تھا۔ خانقاہ شاہ خاموش میں آنے والے سینکڑوں زائرین و مریدین، چاہے وہ دور دراز سے آئے ہوں یا قریبی قصبوں کے باشندے، آپ کی شفقت و فیض کی بدولت ضیافت سے فیضیاب ہوتے۔ لنگر نہ صرف جسمانی ضروریات پوری کرتا بلکہ روحانی اجتماع اور برادری کے جذبے کو بھی پروان چڑھاتا۔

پیرانِ عظام اور اولیاء کرام سے محبت ووابستگی

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو ان کی پیرانِ عظام اور اولیاء کرام سے بے پناہ محبت اور وابستگی تھا۔ آپ کی روحانی بصیرت اور قلبی لطافت نے انہیں ان بزرگان دین کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور فیض حاصل کرنے کی طرف مائل کیا۔

آپ بارہا ان عظیم فیض رساں آستانوں پر حاضری دیتے، اپنے دل و دماغ کو ان اولیاء کے اثر وبرکت سے منور کرتے۔ خاص طور پر آپ کی محبت، احترام اور وابستگی جن اولیاء کرام کے لیے نمایاں تھی ان میں: حضرت ھند الولی، عطائے رسول حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت احمد علاء الدین صابر کلیری، حضرت میراں بھیک، حضرت حافظ موسی مانک پوری، قطبِ عالم حضرت عبد القدوس گنگوہی، حضرت شاہ ولایت شمس الدین پانی پتی، حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء، حضرت شاہ ابو المعالی رحمہم اللہ ودیگر شامل ہیں۔([1])

درس وتدریس

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری کی علمی زندگی کا ایک نمایاں پہلو درس و تدریس تھا۔ آپ درگاہِ شریف میں نہ صرف روحانی رہنمائی فرماتے بلکہ علمی روشنی بھی پھیلاتے۔ "درگاہ شریف میں بعد نمازِ فجر اور بعد نماز عصر باقاعدہ درس کا اہتمام ہوا کرتا تھا جس میں تفسیر، حدیث اور تصوف کے درس کو خصوصیت حاصل تھی"۔([2])

خطاب وموعظت:

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری علمی وادبی محافل میں بھی ایک معتبر شخصیت کے حامل تھے اور اپنے خطاب کے ذریعہ

---

[1] خواجہ غلام حسین شاہ صابری: تذکرۃ العارفین، طبع سوم، راولپنڈی۔ پاکستان، مجلس اشاعت العلوم صابریہ، ص109۔

[2] مصدر سابق، ص108۔

علمی موضوعات پر سیر حاصل روشنی ڈالتے۔ آپ کے خطابات نہ صرف موضوع کی علمی اور ادبی باریکیوں سے مزین ہوتے بلکہ سامعین کے دلوں اور افکار پر گہرے اثرات مرتب کرتے۔ آپ کی گفتگو میں فصاحت و بلاغت، روحانیت اور معرفت کا حسین امتزاج ہوتا، جس سے حاضرین نہ صرف علم سے مستفید ہوتے بلکہ فکر و بصیرت بھی جلا پاتے۔ آپ نے کل ہند تعمیر ملت کی جانب سے منعقد ہونے والے سیمینارز اور سمپیوزیمز میں، خاص طور پر اقبالیات کو موضوع بناتے ہوئے خطاب فرمایا۔

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری دیگر ادیان و مذاہب میں اسلام کی حقانیت کو عصری اسلوب میں اس انداز سے پیش کیا کرتے تھے کہ ذہن کے ساتھ دل بھی تسلیم کرلیتا تھا۔ آپ کی اس خصوصی طرز استدلال نے کئی افراد کو اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کیا اور اس خداداد صلاحیت کے ذریعہ آپ کے دست مبارک پر سینکڑوں اصحاب نے اسلام قبول کیا۔([1])

نگارشات ومؤلفات

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری کی علمی شخصیت کا ایک اہم پہلو ان کی تحریری خدمات ہیں۔ آپ مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے، جن میں تفسیر، حدیث، تصوف، اسلامیات، سائنس، سیرتِ نبی ﷺ کو موضوع بنایا گیا۔

تفسیرِ قطبی بہ لحاظ موضوعات قرآنی:

حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری نے قرآنِ حکیم کی اس تفسیر و تشریح کو ایک منفرد اسلوب کے تحت ترتیب دیا ہے۔ آپ نے 240 (دو سو چالیس) موضوعات کے تحت قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح کو تقسیم کیا، جن میں کئی آیات ایسی ہیں جو مختلف موضوعات کے تحت شامل کی گئی ہیں۔ عنوانات قائم کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ یہ تمام کے تمام موضوعات قرآنی آیات ہی سے ماخوذ ہیں۔([2]) یہ تفسیر دو جلدوں اور 1339 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس تفسیر کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ قرآنی آیات اور اس کے معانی و مفہوم کو عصری سائنسی تحقیقات کے تقابلی جائزے کے ساتھ پیش فرمایا ہے اور دونوں میں مطابقت کو اجاگر کیا ہے۔ اس تفسیر کا آغاز حضرت قبلہ نے 1960ء کے اوائل میں کیا۔ اس منفرد تفسیر قرآن کے متعلق جس کو موضوعات اور عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے آپ فرمایا کرتے تھے: "میں نے چھبیس پاروں کے موضوعات کا احاطہ کرکے ان کو قلمبند کیا ہے"۔([3])

جس وقت ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب نے اپنے انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کا آغاز کیا تھا ان کے خاص حلقہ معاونین میں مولانا عبد الوہاب بخاری، مولانا ڈاکٹر سید یوسف الدین صاحب (صدر شعبہ اسلامیات، جامعہ عثمانیہ)، مولوی ہاشم علی اختر (آئی اے ایس)،

---

[1] تذکرۃ العارفین، ص110۔

[2] سید محمد شاہ قطب الدین حسینی: تفسیر قطبی، حیدرآباد، مطبعہ ابوالوفاء الافغانی، 2005ء، جلد1، ص9۔

[3] مصدر سابق، ص11۔

مولوی سید زین العابدین صاحب (ایچ سی ایس) سابق معتمد جامعہ نظامیہ کے ساتھ ساتھ حضرت قبلہ بھی شامل تھے۔

یوں تو حضرت قبلہ نے 1952ء سے درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا جس میں درس حدیث، درس تصوف کے علاوہ درس تفسیر زیادہ فوقیت کا حامل تھا۔ ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب نے حضرت قبلہ سے فرمایا کہ جب درس تفسیر کا سلسلہ چل رہا ہے تو تفسیر کو ایک جدید انداز اور عصری اسلوب میں قلمبند کرنا بہتر ہو گا۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ حضرت قبلہ علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ میں بھی کمال دستگاہ رکھتے تھی، خاص طور پر آپ کو اسلامی اور سائنسی علوم کے تقابلی مطالعہ اور دونوں میں تطبیق دینے میں ملکہ حاصل تھا([1])

قرآن کے مقاصد اور موضوعات کے حوالہ سے حضرت سلطان محیی الدین رقم طراز ہیں: "قرآن کے مقاصد ومضامین بے شمار ہیں، اس میں ایسے احکام، اصول اور قوانین ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان ہدایت یافتہ اور ترقی کرتے جاتا ہے۔ وہ اپنی زندگی اور معاشرہ کو منظم اور باقاعدہ بنالیتا ہے۔ نفوس کی اصلاح وتہذیب، فوز وفلاح کے لیے اس میں نصیحتیں، حکم وامثال بیان کیے گئے اور اوامر ونواہی بتائے گئے۔ عزم واستقامت کے لیے انبیاء کے قصوں کو بیان کیا گیا۔ سابقہ قوموں، جباروں اور ظالموں کا انجام بتایا گیا، جن لوگوں نے دعوت حق وہدایت سے انکار کیا وہ عذاب الہ ی میں مبتلا کیے گئے0 آداب معاشرت میں حقوق وفرائض عائد کیے گئے۔ خیر اختیار کرنے، شر سے بچنے کی ہدایت کی گئی۔ کائنات اور اس کے آثار ومظاہر قدرت میں غور وخوض کرنے کی تلقین کی گئی۔ دنیاوآخرت کی زندگی یاد دلائی گئی۔ شریعت کے احکام: اعتقادات، عبادات، معاملات، فطری خواہشات، شرارتیں اور آداب معاشرت پر مشتمل ہیں۔ قرآن کریم میں مختلف علوم وفنون اور بے حساب مضامین اور موضوعات جمع ہیں۔ اس کے اصول وضوابط، معاشرہ کے افراد کے لیے دنیوی سعادت اور دائمی نجات کے ضامن ہیں۔ یہ تمام خصوصیات وامتیازات دوسری کسی کتاب میں جمع نہیں ہیں جس قدر قرآن حکیم میں جمع ہیں"۔([2])

تفسیر قرطبی کے موضوعات کی اہمیت اور انفرادیت کی حوالہ سے حضرت محمد خواجہ شریف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس تفسیر میں گھر سے ایوان حکومت تک تمام اقدار سے متعلق 240 دو سو چالیس ایسے اہم عنوانات کا انتخاب کر کے جن میں دارین کی سعادت کی ضمانت ہے آیات کریمہ کو جمع کیا گیا ہے اور معنی خیز بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ حسب ضرورت اس کے ذیل میں نوٹ لکھ کر مضمون کی ایسے حکیمانہ اسلوب میں وضاحت کی گئی ہے، جس سے دور حاضر میں جدید انکشافات کی وجہ سے تجدد پسند ذہن کے اندر ابھرنے والے سوالات اور قصور فہم کی وجہ سے پیدا ہونے والے اشکالات خود بخود زائل ہو جاتے ہیں اور مضمون کی صداقت وضرورت اور اس کی اہمیت دلپذیر ہو جاتی ہے اور بندگان خدا کو ہدایت ملتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید میں جو بندوں کے لیے ہدایت ہے،

---

[1]مصدر سابق، ص9۔

[2]مصدر سابق، ص12۔

کائناتی حقائق اور سائنس سے متعلق معلومات بھی اسی مقصد ہدایت کے لیے ہیں"۔([1])

تفسیر سورۃ فاتحہ: اس رسالہ میں حضرت مولانا سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری علیہ الرحمۃ نے قرآنِ کریم کی پہلی سورت کے معانی و مفاہیم پر جامع روشنی ڈالی ہے۔ اس سورہ کی تفسیر میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ الوہیت، رحمانیت اور مالکیت کے ذریعے دیگر مذاہبِ عالم کا نہایت حکیمانہ اور مؤثر رد پیش کیا ہے۔ اسی ضمن میں اہلِ سنت و جماعت کے عقائدِ توسل و استعانت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے تعبد اور توسل کے فرق کو واضح کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ اصل گمراہی اور ضلالت کہاں سے پیدا ہوتی ہے۔ مزید بر آں آپ نے اپنی تفسیر میں صرف عقائد اور احکام ہی کو موضوع نہیں بنایا بلکہ موجودہ دور کے سائنسی ارتقاء کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے متقدمین اور متاخرین کے اقوال کو یکجا کر کے نہایت جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ حضور مفکر اسلام مفتی خلیل احمد دامت برکاتھم العالیہ اَمیر جامعہ، جامعہ نظامیہ حضرت مولانا سید قطب الدین حسینی اور تفسیر سورۃ فاتحہ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں: "حضرت مولانا سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری علیہ الرحمۃ حیدرآباد کے مشائخ کبار اور سجادہ نشین ہونے کے ساتھ ساتھ علوم متداولہ سے گہرا شغف رکھتے تھے خصوصاً قرآن مجید سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ آپ نے اپنے زمانے کے ممتاز علماء کرام سے علم حاصل کیا، اچھی صحبتیں پائیں۔ آپ کا علمی حلقہ بڑا وسیع تھا۔ ہمیشہ قرآن مجید اور اس کی تفسیر و تشریح سے متعلق گفتگو و بحث ہوا کرتی، اَحقر کو بھی جب کبھی ملاقات کا موقع ہوا اس وقت تفسیر سے متعلق زیادہ وقت موضوع بحث رہتا۔ آپ نے اَخلاقیات سے آیات کو علاحدہ جمع کیا اور اس کی تفسیر کے ساتھ مکمل کتاب مرتب کی۔ اسی طرح زیر نظر رسالہ تفسیر سورہ فاتحہ بھی آپ کی علمی کاوشوں کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ یوں تو سورہ فاتحہ کی ہر زبان میں بیشتر تفاسیر شائع ہوئی ہیں اتنی کثرت کے باوجود اس کی تفسیر کا سلسلہ تمام نہیں ہوا، یہی اس سورہ مبارکہ کی صداقت و کمال کی دلیل ہے۔

مولانا موصوف نے اپنی تفسیر میں عقائد احکام اور موجودہ زمانہ کے سائنسی ارتقاء کو پیش نظر رکھا ہے۔ نہایت سادے انداز میں اظہار خیال کیا ہے تاکہ قاری کو کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔ استدلال بھی دلنشین ہے، مخالف بھی پڑھے تو متاثر ہو جائے۔ متقدمین اور متاخرین کے اقوال کو یکجا جمع کیا جس سے پڑھنے والے کو ہر زمانہ کے انداز اور حالات کا صحیح تجزیہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس سورہ کی تفسیر کے تحت اہل سنت و جماعت کے عقائد توسل و استعانت سے بھی آپ نے بحث کی ہے۔ تعبد و توسل کے فرق کو واضح کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ نقطہ ضلالت کیا ہے۔ نیز آپ نے اللہ تعالی کے صفات الوہیت رحمن اور مالکیت کے ذریعہ دیگر مذاہب عالم کا ابطال بأحسن الوجوہ کیا ہے۔ اس کی اور خصوصیات خود قاری دوران مطالعہ محسوس کرے۔ یہ تفسیر حقائق پر مبنی ہے۔ اس کے مطالعہ سے علم میں اضافہ اور عقیدہ میں پختگی آئے گی"۔([2])

---

[1] مصدر سابق، ص 15۔

[2] سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری: تفسیر سورہ فاتحہ، حیدرآباد۔ انڈیا، اشاعت العلوم صابریہ، 2003ء، مقدمہ کتاب۔

بسم اللہ اور سورہ فاتحہ: حضرت مولانا سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری علیہ الرحمۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”آیت بسم اللہ الرحمن سورہ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ سورہ فاتحہ میں جن چار صفات الٰہی (1) رب (2) رحمن (3) رحیم (4) مالک کا ذکر ہے ان میں سے یہاں دو کا انتخاب کیا گیا ہے۔ وہاں ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، اور مالکیت کے چار امہات الصفات ہیں۔ یہاں ان میں سے دو صفات: رحمانیت ورحیمیت کا انتخاب ہوا ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ سامانوں کا مہیا کرنا اور جب ان سامانوں کو کام میں لایا جائے تو اس پر اجر کا مترتب ہونا یہی نظام عالم ہے۔ نظام جسمانی اور نظام روحانی کا قیام ان ہی دو صفات سے ہے۔ اسی لیے اللہ تعالی کے اسم اعظم "اللہ الرحمن الرحیم" قرار دیا گیا ہے۔ باقی نصف حصہ جو استعانت کے لیے رکھا گیا ہے۔ آیت بسم اللہ مسلمان کی زندگی میں عملی توحید کا سبق ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ”کل امر ذی بال لم یبدا فیہ بسم اللہ فھو اقطع او اجذم "یعنی ہر اچھا کام جو اللہ کے نام سے نہ شروع کیا جائے وہ دم بریدہ یعنی ناقص ہوتا ہے"۔([1])

مذکورہ بالا چار صفات الٰہی سے مذاہب عالم کے عقائد باطلہ کی تردید کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں: "اس سورت میں اس طرح جو چار صفات الٰہی بیان ہوئے ہیں یعنی (1) رب (2) رحمن (3) رحیم (4) مالک، اس کی رو سے کل مذاہب عالم کے عقائد باطلہ کی بھی تردید ہوتی ہے۔ صفت ربوبیت میں بت پرستی اور ہر قسم کے شرک کی تردید ہے۔ کیونکہ مستحق حمد وعبادت وہی ذات ہو سکتی ہے جو مربی ہو۔ صفت رحمانیت میں جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی بلا معاوضہ رحم کرتا ہے عیسائی عقیدہ کفارہ کی تردید ہے کیونکہ کفارے کے عقیدے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ چونکہ اللہ رحم بلا معاوضہ نہیں کر سکتا اس لیے اس کا معصوم بیٹا انسانوں کے گناہوں کا معاوضہ بنایا گیا ہے۔ صفت رحمیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے اعمال پر جو اللہ کے احکام کی فرمانبرداری میں ہوں بڑے بڑے اجر ملتے ہیں اس کے تحت ایسے عقائد کی تردید ہے جو انسان کے اعمال کے محدود ہونے کی وجہ سے ان کے اجر کو بھی محدود قرار دیتے ہیں اور جس وجہ نجات بھی عارضی دی جاتی ہے۔ جیسا کہ بدھ مذہب صفت مالکیت میں اللہ کا تعلق اپنے بندوں کے ساتھ ہے جیسا کہ مالک کا اس کی ملک کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ انصاف کرے، خواہ بخش دے۔ اور اس لیے عقیدہ تناسخ کا اس میں انسان کو بے شمار گوشوں سے گذرنا پڑتا ہے"۔([2])

الطحاوی الامام ومقامہ فی حدیث سید الانام ﷺ

یہ کتاب حضرت علامہ مولانا سید قطب الدین حسینی کا تحقیقی وعلمی مقالہ ہے، جو امام طحاوی رحمہ اللہ کی علمی عظمت، مرتبت اور خدماتِ جلیلہ سے متعلق ہے۔ اس کتاب میں حضرت طحاوی کی حیات، علمی زندگی اور ان کے نشیب وفراز پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب میں تاریخی مواد کو بغور جمع کیا گیا اور اس پر تبصرہ، تعلیق اور تحشی کے ساتھ وہ تمام تساؤلات بھی بیان کیے گئے جو امام طحاوی کی زندگی

---

[1] مصدر سابق ص5۔

[2] مصدر سابق ص14،15۔

وعلمی خدمات کے مطالعہ کے دوران ذہن میں ابھرتے ہیں۔ آپ نے تاریخی واقعات، سیاق وسباق اور ان کے حقیقی اَسباب وعلل کو نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا، تاکہ قاری کے تمام سوالات اور الجھنیں دور ہو جائیں۔ حضرت مولانا محمد خواجہ شریف سابق شیخ الحدیث رقمطراز ہیں: "صاحب کتاب علامہ قطب علیہ الرحمۃ نے اس مقالہ میں امام طحاوی امام المحدثین والفقہاء کی عظمت نشان علمی یکتائے روزگار عبقریِ شخصیت پر تحقیق کا حق ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ یہ کتاب ہر آئینہ لائق مطالعہ اور گرانقدر تالیف منیف ہے"۔([1]) یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں آپ کے حالات اور دوسرے حصہ میں آپ کے انجازات پر بحث کی گئی ہے۔ حضرت مولانا قطب الدین حسینی صابری اس بابت رقم طراز ہیں: "الطحاوی الامام ومقامہ فی حدیث سید الانام ﷺ" میرے مقالہ کا عنوان امام ابوجعفر احمد بن محمد بن مسلمۃ الازدی رحمۃ اللہ علیہ اور فن حدیث کے متعلق ان کے خصوصی مجاہدات و نظریات ہیں۔ میں نے اپنے مضمون کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا ہے۔ پہلے حصہ میں امام طحاوی کے کچھ شخصی حالات درج ہونگے اور دوسرے حصہ میں فن حدیث کے متعلق ان کے بعض خصوصی کارناموں کا تذکرہ کیا جائے گا"۔([2])

مؤلفات:

قرآن اور امی، تدوین و جمع قرآن، تعارف تصوف، تعدد ازدواج اوراسلام، فلسفہ شہادت علی المرتضی کرم اللہ وجھہ، وحدت انسانی، کے موضوع پر کیلی فونیا میں 1977ء میں منعقدہ ایک عالمی کانفرنس میں آپ کو مدعو کیا گیا تھا لیکن ناسازی مزاج کی بناء آپ شرکت کرنے سے قاصر رہے۔ انگریزی زبان میں تحریر کیا گیا یہ مقالہ آپ نے امریکہ کو روانہ کیا۔ '**The Unity of Mankind**' کے نام سے یہ مقالہ شائع ہو چکا ہے۔ اسلامی نظام وراثت،

تفہیم القرآن، اسلام اور حقوق زوجین، سائنس جدید اور اسلام، من کنت مولاہ فعلی مولاہ،

- حضور غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے حیات مبارکہ اور آپ کے اعمال مبارکہ پر آپ نے مقالہ سپرد قرطاس کیا ہے۔
- حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رحمہ اللہ کے حیات مبارکہ پر آپ نے نہایت معلوماتی مضمون تحریر فرمایا ہے۔
- روضہ گلبرگہ حضرت بندہ نواز قدس سرہ کے اعراس کے موقعوں پر آپ نے متعدد علمی مقالات تحریر فرمائے۔
- اسوہ حسنہ و سیرت طیبہ پر آپ نے متعدد مقالے تحریر فرمائے جو سیرتِ رسول ﷺ کے عملی اور اخلاقی پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہیں۔
- اخبارِ سیاست میں علمی مضامین: موجودہ مسائل اور اسلامی نقطہ نظر کے حوالے سے تحریریں، جو علمی و فکری بصیرت کا اظہار

---

[1] سید محمد شاہ قطب الدین:۔ الطحاوی الامام ومقامہ فی حدیث سید الانام ﷺ، حیدرآباد، مطبعۃ ابوالوفاء الافغانی، 2010ء، ص 6۔

[2] مصدر سابق، ص 7۔

کرتی ہیں۔

حضرت علامہ مولانا سید قطب الدین حسینی کے اردو اور انگریزی کتب اور رسالوں کے ذکر کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا عربی کلام بطور نمونہ پیش کیا جائے:([1])

حبيبي	إني	في	بحر	الخراب	ومنكشف	لك	حالي	الخراب
حبيبي	حالي	في	الأعمال	هذا	كان	طيب	نظر	في السراب
وفّقني		رحمة		للعالمين	إلى	عمل	صحيح	واكتساب

علمی اداروں سے وابستگی

شعبہ تحقیق جامعہ نظامیہ کا قیام: حضرت مولانا سید قطب الدین حسینی صابری نے اپنی علمی اور انتظامی صلاحیتوں کی بناء **جامعہ نظامیہ** سے طویل اور مستقل وابستگی قائم رکھی۔ مولانا کے یادگار کارناموں میں شعبہ تحقیق و تالیف کا قیام ہے جس کے وہ نگران رہے۔([2])اور آپ نے اس کی علمی اور تحقیقی سرگرمیوں کو اپنی رہنمائی اور بصیرت سے منور کیا۔ اس شعبے نے نہ صرف طلبہ واساتذہ کے لیے تحقیقی مواقع فراہم کیے بلکہ علمی معیارات کو بلند کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ نیز آپ ہی کی تحریک پر جامعہ نظامیہ کے دار الافتاء کو ہمہ وقتی بنایا گیا اور مستفتیوں کی سہولت کو پیش نظر رکھا گیا تاکہ عامۃ المسلمین کو اپنے عملی معاشرتی، وراثت، ترکہ، طلاق جیسے مسائل میں فی الفور رہنمائی ہو سکے اور انہیں باضابطہ فتوی حاصل کرنے کی سہولت رہے۔([3])

مجلس علمی دائرۃ المعارف العثمانیۃ: بحث و تحقیق کے عالمی شہرت یافتہ ادارہ دائرۃ المعارف العثمانیہ میں آپ بحیثیت ایک اہم اور فعال رکن مجلس علمی شامل رہے اور ادارہ کی ترقی میں ہر ممکنہ کوشش میں حصہ لیا۔

امیر جامعہ، جامعہ نظامیہ: بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول دانش گاہ جامعہ نظامیہ سے بھی آپ وابستہ رہے اور جامعہ کے اعلی اور کلیدی عہدہ "امیر جامعہ" پر 1972 سے 1982 تک فائز رہے اور جامعہ کے تعلیمی اور مالیاتی نظام کو استحکام بخشنے میں بھرپور سعی فرمائی۔

مجلس دار القضاء کا قیام: مسلمانوں کی شرعی اور قانونی رہنمائی کے لیے ایک ادارہ بنام مجلس دار القضاء قائم کیا گیا اور آپ بھی اس کے بانیوں میں سے ایک ہے۔ یہ ادارہ ہر وقت مسلمانوں کی رہبری کے لیے پیش پیش رہا بطور خاص شاہ بانو کیس کے موقعہ پر جس وقت مسلمانوں کے درمیان ملی قوانین کے حوالہ سے غلط فہمیوں کو عام کیا جارہا تھا، اس نازک دور میں اس ادارہ کی خدمات ناقابل

---

[1] زاد سفر و دیوان، ص149۔

[2] روزنامہ سیاست، 15 اکٹوبر 1982ء۔

[3] تذکرۃ العارفین، ص111۔

فراموش رہیں۔

پرنسپل لطیفیہ عربک کالج: مغل پورہ میں واقع اقلیتی اورینٹل کالج کی آپ نے بحیثیت پرنسپل خدمات انجام دی ہے۔

انجمن سجادگان ومتولیان کا قیام: سجادگان کے مسائل کو حل کرنے کے مقصد سے ادارہ کو قائم کیا گیا ہے اور حضرت علامہ مولانا سید قطب الدین حسینی کا شمار اس ادارہ کی بانیان میں ہوتا ہے۔

عبد الماجد دریابادی کے تاثرات

مشہور عالم اور اہلِ قلم، مولانا عبد الماجد دریابادی، حیدرآباد کے ایک دورے کے دوران مختلف علماء و مشائخ اور درس گاہوں و خانقاہوں کے سربراہوں سے ملاقات کے لیے آئے۔ اسی دوران انہوں نے خانقاہ شریف عقبِ مکہ مسجد میں حضورِ مبارک سے شرفِ نیاز حاصل کیا۔ اس موقع پر حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری کو بھی طلب فرمایا گیا، اور یوں وہ اس علمی نشست کے ایک اہم شریک کے طور پر شامل ہوئے۔

دورانِ گفتگو، مولانا عبد الماجد دریابادی حضرت قبلہ کی حاضر جوابی، علمی تبحر اور فصاحت سے بے حد متاثر ہوئے۔ چنانچہ واپسی پر مرتب کیے گئے اپنے سفرنامے میں انہوں نے حضرت سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری کی علمی قابلیت کا کھلے عام اعتراف کیا: "میں نے حضرت سید صابر حسینی صابری صاحب سے جب ملاقات کی اس وقت ان کے جواں سال صاحبزادے (مولانا قطب الدین حسینی صابری) سے بھی ملاقات ہوئی جو حدیث میں ایم اے ہیں اور ماشاء اللہ ان کا علم تازہ ہے"۔ مولانا آگے مزید تحریر کرتے ہیں کہ: "کاش اس طرح ہر خانقاہ میں ایک نوجوان اگر مذہبی تعلیم سے آراستہ ہو تو خانقاہوں کی حالت بدل جائے گی"۔ ([1])

آپ تاثرات دکن میں فرماتے ہیں: "مولوی شاہ قطب الدین الحسینی شہر کی مرجع عام درگاہ شاہ خاموش کے صاحب سجادہ ہیں۔ صاحب علم ہیں۔ دینیات میں علامہ گیلانی کے شاگرد رہے ہیں۔ اور سارے لوازم سجادگی کے باوجود عثمانیہ یونیورسٹی کے ایم اے ہیں، حالانکہ وضع و قطع ایسی بنا رکھی ہے کہ انگریزی کے حرف شناس ہونے کا بھی گمان نہیں گزرتا۔ انگریزی زبان پر اتنے قادر کہ بے تکلف اس میں لکھ لکھا بھی لیتے ہیں۔ چنانچہ کچھ ہی روز ہوئے کہ اسلامی تعدد ازدواج کی حمایت میں ایک رسالہ انگریزی میں شائع کر چکے ہیں اور صدق میں اس کا ذکر خیر بھی آچکا ہے۔ سلسلہ چشتیہ صابریہ ہے۔ اگر ان کے سے پڑھے لکھے اور خدمت دین کا ولولہ رکھنے والے ان کے طبقہ میں اور پیدا ہونے لگیں تو کہنا چاہئے کہ امت کے ایک خاصے بڑے حصہ کا بیڑا پار ہو جائے"۔ ([2])

---

[1] صدق جدید، 1938ء۔1340ھ۔

[2] عبد الماجد دریابادی: تاثرات دکن، کراچی، بہادر یار جنگ اکادمی، 1977ء، ص 57۔

وصال

رمضان المبارک 1402ھ حضرت قبلہ کی علالت کا آغاز ہوا، بالآخر 27 ذو القعدہ 1402ھ مطابق 16 سبٹمبر 1972 طویل علالت کے بعد شام 4 بجے آپ کا وصال ہوا۔ حضرت قبلہ کی نماز جنازہ 17 ستمبر 1982 بعد نماز جمعہ دکن کی تاریخی مکہ مسجد میں ادا کی گئی۔ جس میں ہزارہا افراد شریک تھے۔ نماز جنازہ کے بعد آپ کے جسد خاکی کو درگاہ شریف نامپلی لایا گیا اور قطب الاقطاب کے گنبد کے زیر سایہ پائنتی کی جانب تدفین عمل میں آئی۔([1])

* * * * *

حوالہ جات

1۔ خواجہ غلام حسین شاہ صابری، تذکرۃ العارفین، طبع سوم، راولپنڈی۔ پاکستان، مجلس اشاعت العلوم صابریہ، 2021ء۔

2۔ سید شاہ علی اکبر نظام الدین، زاد سفر و دیوان، حیدرآباد، مطبعۃ ابوالوفاء الافغانی، 2003ء۔

3۔ سید محمد شاہ قطب الدین حسینی صابری، تفسیر سورہ فاتحہ، حیدرآباد۔ انڈیا، اشاعت العلوم صابریہ، 2003ء۔

4۔ سید محمد شاہ قطب الدین، الطحاوی الامام ومقامہ فی حدیث سید الانام ﷺ، حیدرآباد، مطبعۃ ابوالوفاء الافغانی، 2010ء۔

5۔ سید محمد شاہ قطب الدین حسینی، تفسیر قرطبی، حیدرآباد، مطبعہ ابوالوفاء الافغانی، 2005ء۔

6۔ عبدالماجد دریابادی: تاثرات دکن، کراچی، بہادر یار جنگ اکادمی، 1977ء۔

7۔ روزنامہ سیاست، 15 اکٹوبر 1982ء۔

8۔ صدق جدید، 1938ء۔ 1340ھ۔

---

[1] تذکرۃ العارفین، ص 113۔

شاہ میراں جی شمس العشاق کی علمی، ادبی اور سماجی خدمات

ڈاکٹر محمود ریاض *

مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ دکن کے صوفیائے کرام اور ان کے منصب، مرتبے، کارکردگی اور مقصدِ ظہور پر جس طرح کا معیاری کام اردو حلقوں کی جانب سے ہونا چاہیئے تھا وہ تشنہ لبی کا شکار ہو کر رہ گیا۔ ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے ادیبوں اور محققوں نے صوفیائے کرام پر بالخصوص خطہّ دکن کے صوفیائے کرام پر جو کام کیا وہ غیر معیاری بھی نہ تھا۔ لیکن مولوی عبدالحق، محمود شیرانی، حامد حسن قادری، نصیر الدین ہاشمی، سیّد محی الدین قادری زور، ڈاکٹر گیان چند جین وغیرہ نے ارضِ دکن کے صوفیائے کرام کی زندگی کا صرف یک رخہ مطالعہ، یعنی اردو ادب پر صوفیائے کرام کی خدمات کا، یا پھر دکنی اردو کی ترقی میں ان کے کردار کو ہی پیش کیا۔ ان کی تبلیغی زندگی، روحانی سفر کی روداد، روحانیت کا سفر کرنے والوں کی رہنمائی، معاشرتی اور خانقاہی زندگی کے سماج پر پڑنے والے اثرات اور اس زندگی کو اوڑھنا بچھونا بنانے والوں کے شب وروز کے حالات کا تذکرہ، خانقاہوں سے جاریِ فرمانِ خداوندی کی باتیں، شریعتِ مطہرہ کا ذکر اور اس ذکر میں لپٹی درسِ اخوت ومحبت، رواداری، خدا خوفی، نفرتوں کو مٹانے اور قلوب کو حسد، جلن، کینہ، بغض وعناد کی نجاست سے پاک کرنے جیسی باتوں کا مژدہ زور وشور سے نہ ہمیں سنائی دیا اور نہ ہی اس کی چمک دمک ہی دیکھائی دی۔ مجالس، مولود، خانقاہی نظام زندگی، اس نظام کے نتیجے میں طالبوں کی زندگی کی تنظیم وترتیب، تعلیم و تعلّم، تربیت و تطہیر وغیرہ پر مفصّل اندازِ گفتگو بھی دیکھنے کو خال خال ملی۔

جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی اپنا تجارتی قافلہ لے کر ہندوستان میں داخل ہوئی، پھر متحدہ ہندوستان پر پورے طور پر قابض ہو گئی اور حکومتی انتظام وانصرام کے لیے یہاں کی زبان سیکھنی ان کی مجبوری بن گئی اور اسی مجبوری کے تحت فورٹ ولیم کالج کا قیام بھی عمل میں آیا جو ان کے خواب کی تعبیر کی صورت رونما ہوئی اور ادیبوں نے جس طرح اس کارنامے کو اردو کی ترقی سے جوڑا اور ترویج کا واویلا مچایا اور طوق غلامی میں بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس اردو نوازی کو ہندوستانیوں نے فالِ نیک جانا اور خوب خوب پروپگنڈہ کیا، ٹھیک اسی طرح اس سے قبل جب ہمارے صوفیائے کرام نے ہندی، ہندوی، دکنی اور علاقائی زبانوں کا سہارا لے کر رشد وہدایات کی باتیں کیں تو ادیبوں اور محققوں نے اسی تواتر کے ساتھ اردو کی ترقی وترویج کا راگ الاپا، اس ہنگامہ آرائی سے خانقاہوں کی خدمات اور اس کے نتیجے میں سماجی زندگی میں آنے والے برگ وبار پر پردہ پڑتا چلا گیا اور ادیبوں کا سارا زور ان کی ادبی خدمات کا محاسبہ کرنے اور بڑی شد ومد سے ان کی اردو نوازی کو ثابت کرنے میں لگ گئی۔ حالانکہ صوفیائے کرام رشد وہدایت کی عظیم دولت اور واضح مقاصد لے کر ہندوستان کا یا تو رخ کیے تھے، یا گدی نشین وخلیفہ نشین ہوئے تھے۔ داستانِ صوفیائے کرام مظہرِ عشق سے عبارت ہے۔ ان کا عشق

* اسوسیٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، ہری موہن گھوش کالج۔ کلکتہ

سچا، طیب اور پاک جذبوں کا عشق ہے۔ ان کے یہاں عشق ہادی بھی اور خود اپنا رہبر بھی، طالب بھی ہے اور مطلوب بھی، آگ بھی ہے اور خاک بھی، چنگاری بھی ہے اور جوالا مکھی بھی اور آتش فشاں کیفیت کا اظہار بھی ہے۔ یہی کیفیت جب عشق کی حدت سے تپنے لگتی ہے تو استغراق کی صورت میں بھی نمایاں ہوتی ہے اور مزدوروں، کسانوں، غریبوں، فاقہ کشوں، سادہ لوح انسانوں، شرفاؤں اور طبقہ اشرافیہ کی بے چین طبیعت کے لیے قرار کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ولی دکنی نے کیا خوب کہا کہ:

شغل بہتر ہے عشق بازی کا   کیا حقیقی و کیا مجازی کا

یہی وجہ ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیاء اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی خانقاہیں عام و خاص کے لیے ہر وقت کھلی رہتیں اور لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ سلطان محمد بن تغلق جسے تاریخ جتنا بھی نہ عاقبت اندیش بادشاہ کہہ لے اور اس کے فیصلے مذہبِ سیاست کے لیے غیر خوش آئند بات ہی کیوں نہ ہو کر رہ جائے لیکن ہندوستان میں اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے فالِ نیک ہی ثابت ہوا۔ جس کے اثرات ہمیں دکن میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ کریں۔

> ''سلطان محمد بن تغلق 725-720ھ /1320ء-1325ء نے دہلی کے علما و مشائخ کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں جاکر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیں اور وہیں بس جائیں۔ اس سلسلے میں جن مشائخ نے دکن کا رخ کیا ان میں شیخ برہان الدین غریب بھی شامل ہیں۔ وہ دکن کے معروف قصبہ دیوگیر میں جاکر بس گئے وہاں ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ یہ پہلے چشتی بزرگ تھے جنہوں نے سرزمینِ دکن پر قدم رکھا تھا۔ ان کے دم قدم سے اس سلسلہ کو دکن میں بہت فروغ ہوا۔'' (1)

پھر جب محمد بن تغلق نے دہلی سے دولت آباد کا قصد کیا تو ان کے ساتھ عوام، خواص، ہنر مند، علمائے حق و فضلا اور بزرگانِ دین نے بھی دکن کا رخ اختیار کر کے سرزمین دکن کو شمال سے گہرے تہذیبی رشتے کے طور پر بحال کیا۔ اس طرح چشتیہ سلسلے کے بزرگوں کا ہندوستان کے دور دراز کے گاؤں اور قصبوں تک پہنچنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان ہی میں سے ایک واقعہ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے شاگرد اور خلیفہ سید محمد حسینی المعروف بہ حضرت بندہ نواز، گیسو دراز، شہباز بلند پرواز کا بھی ہے۔ گیسو دراز کے والد سیّد محمد یوسف حسینی المعروف بہ راجو قتال بھی جو کہ خود ایک متقی اور خدا ترس انسان تھے، محمد بن تغلق کے اِذن پر اپنے اہل و عیال کے ساتھ دکن کا رخ اختیار کیے۔ لکھا ہے کہ:

> ''وہ اپنے والدین کے ہمراہ بحکمِ محمد بن تغلق (752-725ھ) 1325ء-1351ء دکن کے لیے روانہ ہوئے اور دولت آباد میں قیام کیا۔'' ص326 (2)

ایک اور واقعہ کچھ یوں رقم ہوا ملتا ہے کہ:

> ''آپ بڑودہ سے دولت آباد گئے یہاں کا گورنر حاضر خدمت ہوا اور سلطانِ فیروز شاہ بہمنی کی جانب سے نذر پیش کی اور درخواست کی کہ گلبرگہ تشریف لے چلیں جو بہمنی حکومت کا دارالسلطنت تھا۔ بادشاہ

نے اپنے تمام امرا اور خدم و حشم کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا اور گزارش کی آپ اسی شہر کو اپنے مستقر ہونے کا شرف عطا کریں جسے حضرت نے منظور فرمالیا اور نواح گلبرگہ کے موضع چنچولی میں اترے شہر گلبرگہ کے اکابر، اشراف پیشہ، غربا و مساکین ہزاروں کی تعداد میں آپ کی قدم بوسی کے لیے آنے لگے بڑے امرا اور اکابر تو آکر حضرت کے قدموں پر گر جاتے تھے۔" ص56(3)

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف جہاں بادشاہِ وقت علما و مشائخ کو تبلیغ دین کے لیے ملک کے گوشے گوشے میں پھیل جانے کا مشورہ دیتے ہیں وہیں دوسری طرف ایسے بہت سے اللہ کے ولیوں اور بزرگوں کو خواب میں نبی ﷺ کی جانب سے خدمتِ خلق کی بشارت بھی ملتی رہی ہے۔ کچھ اسی طرح کی بشارت لے کر اور خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہو کر جب دکن کے مشہور صوفی بزرگ شاہ میراں جی شمس العشاق کی ہندوستان وارد ہونے کا تذکرہ ہمارے سامنے آتا ہے تو خدمت دین اور خدمت خلق ہی ان کے سفر کی روداد ٹھہرتی ہے۔ محمد ہاشم علی نے مشکوۃ النبوۃ، تذکرۃ القادری، تذکرۂ اولیائے دکن اور حدیقۂ رحمانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"شیخ الحرم کے خواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ایک عَلم سلح خانہ سے ہمارے میراں جی کو دو اور آپ کو بھی فرمایا کہ شیخ الحرم سے یہ عَلم لیکر دکن جاؤ۔ تمھارے مقسوم میں نعمت ہے اور جس جگہ یہ عَلم گڑ جاوے، وہ تمھاری سکونت کی جائے ہے۔ اور دفن بھی اسی جگہ رہو گے۔ علی الصبح آپ شیخ الحرم سے عَلم لیکر راہی دکن ہوئے۔" ص16 (4)

ایک جگہ یوں رقم ملتا ہے کہ:

" ان کی عمر چونتیس پینتیس برس کی تھی جب وہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ یہیں روضۂ رسول پر حاضری کے دوران ایک بار ان کو حکم نامہ ملا کہ اب تم ہندوستان کا رخ کرو۔ عرض کیا کہ ہندوستان کی زبانوں سے نا آشنا ہوں۔ حکم ہوا کہ تم جاؤ زبانیں خود بہ خود آجائیں گی۔ تم ہندوستان پہنچ کر شاہ کمال الدین بیابانی کی خدمت میں حاضری دو۔" ص41(5)

اقتباس کے الفاظ بالکل صاف طور پر بیان کر رہے ہیں کہ میراں جی یہاں زبان سیکھنے اور زبان سیکھ کر ہندوستانی زبان کی خدمت کرنے نہیں آئے تھے اور نہ ہی روضۂ رسول پر حاضری کے دوران ہندوستان کا رخ اختیار کرنے کا کوئی بھی اشارہ ہمیں اس طرف سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ نیز یہاں آکر کسی زبان دان کی جبہ سائی میں بھی نہ لگے اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ادیبوں نے زبردستی ان کی خدمتِ دین و تبلیغ پر نگاہ مرکوز کرنے کے بجائے دکنی اردو کی خدمات پر روشنائی سکھادی، جب کہ اقتباس کا مطالعہ پہلی نگاہ میں ہی کسی ملنگ کے ہندستان میں آنے کا مژدہ سنا رہی ہے، جو ظاہری زبان و بیان سے پرے دل کی زبان میں تاثیر کی بشارت لے کر آرہی ہے، جو تصوف کے دریا میں حضرتِ شاہ کمال الدین بیابانی کے ہاتھوں بیعت کر کے غوطہ لگانے کے لیے ملکِ حجاز سے ہندوستان قصد کر رہی ہے اور دکن کے آسمان پر حضرتِ گیسو دراز کے بعد بزرگی کا تاج پہن کر نمودار ہونے والی ہے اور جن کے

بعد بھی گیسوئے آبدار کی مانند ان کے فرزندِ رشید برہان الدین جانم اور پوتے امین الدین اعلیٰ جیسی شخصیتیں بھی سالکانِ راہ حق کے قافلہ کا سالار بننے والے ہیں۔ نیز یہ کہ روضۂ رسول پر حاضری کے موقع پر میراں جی شمس العشاق کا خواب دیکھنا اور ہندوستان کی طرف رخ کرنے کی بشارت کوئی معمولی بشارت بھی نہ تھی۔ یہ تو اس چبوترے کی ہونے والی توسیع تھی جسے صفا کہتے ہیں۔ عربی میں صفا سائبان کو کہتے ہیں جو سایہ دیتی ہے یا سائے کا کام کرتی ہے۔ ہمدردی کی دریا بہاتی ہے اور محبت کے چراغ روشن کرتی ہے۔ چبوترہ صفا کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ جہاں بیٹھ کر درس و تدریس کا کام بھی ہوتا رہا اور تربیت، تعلیم و تعلّم، ترتیبِ زندگی و تنظیمِ زندگی کی خم کاکل بھی سنواری گئی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دکن میں شیخ برہان الدین جانم اور حضرت گیسو دراز کی آمد سے خانقاہ کا تصور عام ہوا اور خانقاہیں مخلوق کی روحانی صحت کا ذریعہ بنیں۔

میراں جی شمس العشاق کی زندگی پر تفصیلی روشنی پڑ سکے اس کے لیے ہمیں تاجدارِ دکن حضرت بندہ نواز گیسو دراز، دل نواز و شہباز بلند نواز کے ذکر سے، اور خانقاہی روایت قائم ہونے سے لے کر عوام الناس کا خانقاہوں سے رشتہ جوڑنے تک سے باتوں کی شروعات کرنی ہوگی کیوں کہ گیسو دراز اور میراں جی شمس العشاق ایک ہی عہد کے بزرگ ہیں یعنی بہمنی عہد۔ خصوصی طور پر فیروز شاہ بہمنی (1397ء-1422ء) سے لے کر محمود شاہ بہمنی تک (1482ء-1518ء) اور پھر بہمنی سلطنت کے دو تین سلطانوں کا عہد جس میں یہ سانس لے رہے تھے۔ اس پر طرۂ یہ کہ بہمنی سلطانوں نے جس طرح شاہِ بطحہ کے وارثین کی قدردانی کی اس سے خانقاہوں کی عظمت دوبالا ہوئی۔ جب گیسو دراز اپنے شفیق والد کے ہمراہ محمد بن تغلق کے زمانے میں دہلی سے دولت آباد آئے اور پھر دولت آباد سے گلبرگہ کا رخ کیا تو فیروز شاہ بہمنی نے جس طرح قدر و منزلت بخشی اور احترام کی نگاہوں سے دیکھا اس عقیدت کی جھلک ہم دیکھ چکے ہیں۔ دونوں بزرگانِ دین کی سن پیدائش اور سن وفات کی تمام تر تاریخوں کے متنازع فیہ اور نزاعی ہونے کے باوجود ہجری سال کا فرق یعنی 80 سے 90 سال اور عیسوی سال کا فرق 70 سے 80 سال ہی نکلتا ہے۔ اور یہ ماہ و سال اس بہمنی سلطنت کی پائیدار حکومت (1350ء-1490ء) یا پھر (1350ء-1526ء) کے آگے اور بہمنی سلطنت کا شیرازہ بکھرنے کے بعد پانچ خود مختار سلطنتوں کے قیام عمل میں آنے اور تہذیبی سطح پر برگ و بار آنے تک کے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔ دونوں بزرگوں کی خانقاہی خدمات اپنے ساتھ بہمنی عہد اور عادل شاہی عہد کی تہذیبی نشان قائم کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہوتی ہے جنہیں سمجھ کر ہی ہم میراں جی شمس العشاق پر قلم اٹھا سکتے ہیں، خاص طور پر جب ان کی خانقاہی زندگی کے ثمرات پر پردے پڑے ہوں اور صرف ان کی ادبی خدمات کا ہی بول بالا ہو۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں تصوف کی وادی کی بھی سیر کرنی ہوگی اور پھر بعد کو اس عہد کی سیاسی اتھل پتھل پر بھی نظریں جمائے رکھنی ہوگی تاکہ میراں جی شمس العشاق کی خانقاہی اور سماجی زندگی کے ساتھ ان کی ادبی و علمی زندگی پر بھی بھرپور روشنی پڑ سکے۔ یہی نہیں بلکہ جس طرح دلی کے تسلط سے آزاد ہو کر ابھی بہمنی سلطنت کا قیام ہونا باقی تھا پھر سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی سے پہلے دلی سلطنت کے عہد میں بزرگانِ دین کی خاطر و مدارت اور ان کے دور حکومت میں اخلاقی قدروں کی بحالی سے لے کر صوفیائے کرام کی بے خوف و خطر زندگی تک اور بے باک طرز تخاطب اور پہلے سے قائم خانقاہیت سے روشنی مستعار لے کر بھی میراں جی کی خانقاہ کی

شمع روشن کرنی ہو گی۔اس بیچ صوفیائے کرام کی ارادت کے تعلق سے شمال میں چل رہی سرگرمیوں اور پھر شمال سے دکن منتقل ہوتی سلطانوں کے رویوں پر بھی نگاہ رکھنی ہو گی تب ہی ہم بہتر انداز میں میراں جی کی شخصیت پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔

ملک حجاز میں میراں جی کی حیثیت ایک زائرین کی ہوتی ہے۔خواب میں قائد ہونے کی بشارت اور بیابانی کے تصرف میں متقیوں اور سالکین کی صحبت میں رہنے سے ان کی شخصیت میں جو نئی چمک عطا ہونے والی ہوتی ہے، یہ صحبت انہیں تصوف کے دریا میں غوطے لگواتی ہے اور پھر خرقۂ خلافت سے سرفراز کراتی ہے۔تصوف صرف ایک دنیا نہیں بلکہ ایک ماحول ہے جہاں متقی بن کر متقیوں کے ساتھ شب وروز گزاری جاتی ہیں۔جہاں صبر وشکر کی گھونٹ پلائی جاتی ہیں اور ذکر و فکر کی دنیا آباد کی جاتی ہیں۔تصوف کی اس وادی میں بزرگانِ عظام واولیائے کرام کی بعثت سے سرزمین ہند کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ یہاں انسان دوستی کے پھول بھی کھلے اور امراضِ قلبیہ کا روحانی علاج بھی ہوا۔ جس طرح کالے بادلوں سے آسمان کی سفیدی ماند پڑتی ہے ٹھیک اسی طرح دلوں پر جب نحوست کی گھٹا چھاجائے، آرسی زنگ آلود ہو جائے اور دل کا آئینہ گرد وغبار سے اٹ جائے تو تجلیات کی راہ میں روکاوٹیں ہوتی ہیں۔ سینے کا غبار سب سے بڑا غبار ہے جس کی صفائی کے لیے ذکر الٰہی کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں اور بیمار دل کا وظیفہ بس ذکر الٰہی ہی قرار پاتا ہے بقول ولی دکنی:

یاد کرنا ہر گھڑی اس یار کا　　　　ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا

ایسے وظیفوں کے اہتمام کرنے والے بزرگانِ دین، بزرگانِ عظام، ولی اللہ، پیر و مرشد، صالحین، پیر طریقت اور محبوبِ سبحانی ہی ہیں جنہیں میں بدرِ منیر کہتا ہوں کیوں کہ یہ سب محبتوں کے تاج محل ہیں۔صفا کا وہ چبوترہ جس کی توسیع کا ذکر میں نے کیا وہ دراصل خانقاہیں ہیں۔ خانقاہیں خوشبوؤں کی ایک ایسی دکان ہے جہاں ہر طرح کی خوشبوئیں وظیفوں کی شکل میں لپٹی ہوئی ملیں گی۔ پروفیسر منظور الحسن فرماتے ہیں کہ:

> ”خانقاہ۔۔۔۔۔۔ ایک ایسا مقدس آستانہ ہے جہاں زمین کی خاک میں آسمان کا نور اترتا ہے۔ یہ صرف اینٹ اور گارے کی عمارت نہیں بلکہ دلوں کی تربیت گاہ، روحوں کی تطہیر کا مرکز اور کردار سازی کی آغوش ہے۔ یہاں نہ خطبوں کی گھن گرج ہے، نہ منبروں کی چمک، صرف خاموشی ہے۔۔۔۔۔۔۔ مگر ایسی خاموشی جس میں دل بولتے ہیں، آنکھیں سیکھتی ہیں اور روحیں سجدہ ریز ہوتی ہیں۔“ص64(6)

خانقاہیں اعمالِ ظاہریہ اور اعمالِ باطنیہ کی تربیت کی جگہیں ہیں۔ اعمالِ ظاہرہ کو جن چیزوں سے تقویت ملتی ہیں وہ ہے اعمالِ باطنیہ اور اعمالِ باطنیہ کو جن چیزوں سے کمک پہنچتی ہیں وہ طریقت ہے۔ تصوف ان ہی ظاہری اور باطنی عبادات کا تراشہ یا اصطلاح یا دریا ہے جس کی غواصی میں ہاتھ لگنے والے نگینے ایک طرف اعمالِ ظاہری یعنی نماز، زکوۃ، حج، صدقات، خیرات اور عطیات کی صورت میں رونما ہوتے ہیں تو دوسری طرف شخصیت کی تعمیر کی باطنی صورتیں نفوس کے تزکیے اور اخلاق کے تصفیے سے حاصل ہوتی ہیں۔ یہیں ہمیں نفس کی تربیت کے لیے نفسِ امارہ، راضیہ، مرضیہ اور مطمئنہ کا سبق بھی ملتا ہے۔ صفاتِ مذمومہ سے پاک اور صفاتِ حمیدہ سے

متصف ہونے کا درس خانقاہوں میں بیٹھنے والے انہیں گدڑی کے لالوں سے ملتی ہیں جن سے خلق کی بے چینی دور ہوتی ہیں اور خدا ترسی کی کھیتی لہلہا اٹھتی ہیں۔ صوفیائے کرام نے دین کی اشاعت و تبلیغ کے لیے انہی راستوں کا انتخاب کیا جو نبی کا تھا، صحابہ کا تھا، تابعین اور تبع تابعین کا تھا۔ تصوف شریعت مطہرہ کو جان کر نبی اور صحابہ کے طریقوں پر چلنے کا نام ہے۔ یہ نہ دھوکے پر مبنی کوئی نظریہ ہے، نہ ہی بن باسی فلسفہ اور نہ بے تمہید کی صحرا نوردی۔ گیسو دراز اور شمس العشاق نے بھی شادیاں کیں اور ان کی بھی اولادیں ہوئیں۔ جو انمول زندگی ہمیں ملی ہیں تصوف اس زندگی میں نکھار لانے کا کام کرتا ہے، عاجزی، انکساری، بردباری، امن و آشتی کی بیج بوتا ہے اور لالچ، دکھاوا، جھوٹ، ریاکاری، فریب کاری، ہوس، ظلم اور زیادتی کی بیخ کنی کرتا ہے۔ امن، بھائی چارگی، اتحاد و اتفاق اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا ہموار کرتا ہے۔ بھٹکے ہوئے راہی کو راہیں دکھاتا ہے، ذکر واذکار کا ماحول بناتا ہے۔ رب سے رغبتی اور راضی بالرضا ہونے کا شوق جگاتا ہے۔ اسی جذبہ شوق کو مہمیز کرنے کے لیے خانقاہیں تعمیر کی گئیں اور تربیتی نصاب ترتیب دیے گئے اور شیخ و مرشد صاحبان نے امراض باطنیہ کا علاج ذکر واذکار کی صورت میں مرحمت فرمایا۔

> ”خانقاہ کا مقصود صرف تزکیہ نہیں بلکہ بندگی کے آداب سکھانا اور تسلیم و رضا کا وہ راستہ دکھانا بھی ہے جہاں سالک اپنے رب کے رنگ میں رنگا جائے۔ جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور اسلامی سلطنتیں بڑھتی گئیں، تب خانقاہیں ایک علیحدہ روحانی نظام کے طور پر ابھریں اور دلوں کو سنوارنے اور روحوں کو جگانے کا مرکز بنتی گئیں۔“ ص65(7)

اس طرح خانقاہوں میں انسان کی تربیت کا خاص خیال رکھا گیا۔ خدا کی محبت میں سرشار ہونے کے ہر وہ طریقے اپنائے گئے جس سے دل محبوب حقیقی کی طرف مائل ہو۔ شمال سے دکن تک خانقاہی نظامِ زندگی کی ترتیب ایک سی ٹھہری۔ دلی میں حضرت نظام الدین اولیا کے عزیز شاگرد شیخ حضرت برہان الدین غریب وجد کی محفلوں میں شامل ہوتے اور پھر خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد جب رشد وہدایت کے لیے دکن کا رخ اختیار کیا تو یہاں بھی محفلِ سماع منعقد ہوتی رہیں۔

> ”صاحب ذوق و شوق وہ حد عاشق سماع خلیفہ حضرت سلطان المشائخ کے تھے۔“ ص153(8)

> ”دیوگیری میں آپ کی کرامات کا چرچا تھا۔ محفل سماع منعقد کرتے۔ وجد کی کیفیت ہوتی۔“ ص154(9)

محفلِ سماع کے ضمن میں گیسو دراز نے بھی اس طرح کے خانقاہی تجربے کیے۔ جب گلبرگہ کے مقام پر آپ کو مستقر ہونے کا شرف حاصل ہوا تو:

> ”آپ کی آمد سے دکن کی صوفیانہ روایت کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ گیسو دراز کے عہد کا دکن صوفیوں کے عجز اور دل گدازی کی تربیتی منازل سے گزر رہا تھا۔ دل گدازی کی منزلوں میں اس عہد کے دکن نے سماع کی مجالس کا بھی تجزیہ کیا۔ حضرت گیسو دراز کے نزدیک سماع یکسوئی کا تجربہ ہے جو دل کو ذاتِ واحد کے مرکز پر مرکوز کر دیتا ہے۔ ان کے نزدیک سماع محبوب حقیقی تک پہنچنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ

ہے۔"ص76(10)

سیاسی اتھل پتھل کے اس دور میں خانقاہیں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتی جارہی تھیں اور سلطنتیں کہرام کی زد میں تھیں۔ دلی میں محمد بن تغلق کی آن بان اور شان کی حکومتی انداز سے عوام ہراساں تھے تو اُدھر دکن میں امیر صدہ بغاوت پر آمادہ تھے اور یہ سب کچھ اس کی سیاسی نہ عاقبت اندیشی کی وجہ سے تھی کیوں کہ شمال میں بیٹھ کر دکن تک آسانی کے ساتھ پاؤں پھیلانا اس کے لیے اتنا آسان بھی نہ تھا۔ آخر کار تغلق کی دور بین نگاہوں نے وہ سب کچھ نہ دیکھ سکا جس کے لیے اس نے دکن کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ نتیجتاً بہمنی سلطنت کا قیام کچھ اس طرح عمل میں آیا۔

" امیر صدہ کی بغاوت سے دکن میں نئی حکومت سازی کی کوششیں تیز ہونے لگی امرا حسن کی قیادت میں امیر ان صدہ متحد ہونے لگے اور پھر ان ہی میں سے ایک جری بہادر نوجوان کی قیادت (علاء الدین حسن بہمنی) میں پہلی خود مختار سلطنت 1359ء شمال میں دریائے تاپتی کے کنارے تک اور جنوب میں دریائے کرشنا سے نیچے دریائے تنگ بھدرا تک مشرق میں گوداوری تک اور مغرب میں دابول اور گوا تک اس کی وسعت تھی۔"ص72 (11)

شمال سے جنوب سماجی اور سیاسی بے اطمینانی کے اس دور میں بھی نہ خانقاہوں کی اہمیت کم ہوئی اور نہ ہی صوفیائے کرام کی عظمت پر کوئی آنچ آئی بلکہ سلطنت کے برعکس، خانقاہی دربار میں بھید بھاؤ، چھوٹا بڑا اونچ نیچ کے مٹتے فرق کو دیکھ کر خانقاہوں سے لوگوں کا رشتہ بڑھتا ہی چلا گیا اور صوفیائے کرام کی محبت دل میں عقیدت کی جگہ لیتی چلی گئیں۔ عوام کی بے پناہ عقیدت و محبت دیکھ وقت کے فرماں رواؤں کے دل بھی مرعوب ہوئے۔ لہذا دلی سے دکن تک دونوں ہی جگہ گڈری کے ان لالوں کو سلاطینِ شمال و دکن نے آنکھوں پر بٹھایا۔ دربار تک اثر ورسوخ کی ایک وجہ توکلّ بخدا، خوفِ خدا اور بے نیازی تھی، دوسری طرف خودی کی حفاظت اور خود کی شناخت تو تیسری وجہ خود بادشاہوں کی بزرگوں سے عقیدت تھی۔ سبھی بزرگ اولیائے کرام نے سلاطینِ شمال و دکن کی ناجائز مربیانہ سرپرستی کی دال گلنے نہ دی بلکہ سرکاری ظلم کے خلاف آوازیں بلند کیں۔ کسی مسئلے پر اپنی بے لاگ گفتگو کو اپنے لیے وطیرہ جانا اور ناموافق حالات میں بھی اپنی بے خوفی کا اظہار کیا۔ نتیجتہً درباری معاملات میں دخل اندازی کو بزرگوں کے لیے روا رکھا گیا اور سلطنت کے کسی معاملات میں ان کی رسائی عظمت کی چیز سمجھی جانے لگی۔ چند اقتباسات ملاحظہ کریں:

"سلطان تغلق کے زمانے تک سہروردی سلسلے کے بزرگوں کو قصر سلطانی میں اتنا رسوخ حاصل تھا کہ وہ نہ صرف حاجت کی عرضیاں لے کر بادشاہ کو پیش کرتے تھے بلکہ حضرت رکن الدین ملتانی نے اپنا رسوخ استعمال کر کے محمد تغلق کے ہاتھوں ملتان کو قتل عام سے بچالیا تھا۔"ص6(12)

دوسرا واقعہ:

"بہمنی دور میں حضرت گیسو دراز کی بہت قدر و منزلت کی گئی۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی سے اس کے بیٹے کی

جانشینی کے مسئلہ پر حضرت گیسو دراز کا اختلاف ضرور ہوا تھا۔ مگر ان کے وقار میں کوئی فرق نہیں آیا۔“ص75(13)

تیسرا واقعہ:

”شیخ زین الدین دکن کے جلیل القدر صوفی تھے۔ سلطان محمد شاہ بہمنی کے دور میں جب بہرام خان مازندرانی نے بغاوت کیا اور وہ ناکام ہوا تو شیخ کی خدمت میں حاضری دی۔ آپ نے اسے دولت آباد چھوڑ کر گجرات جانے کا مشورہ دیا اور وہ مازندرانی فرار ہو گیا۔ اس واقعہ سے سلطان محمد شاہ بہمنی کو دکھ ہوا۔ اس نے شیخ کو حکم بھیجا کہ دربار سلطنت میں حاضری دیں یا مرے ہاتھ پر بیعت کریں۔ شیخ نے بغیر خوف وخطر جواب بھیجا کہ میں شراب نوش سلطان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتا۔ سلطان نے حکم دیا کہ فی الفور شہر سے نکل جائیں شیخ زین الدین نے اپنا مصلیٰ کندھے پر ڈالا اور اپنے پیر ومرشد برہان الدین غریب کے مزار پر جاکر اپنا عصا زمین میں گاڑا اور مصلیٰ بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا اب مجھے اس جگہ سے کوئی نہیں اٹھا سکتا ہے۔ بادشاہ تک شیخ زین کا پیغام پہنچا اور بہ قول فرشتہ وہ حضرت کا جلال دیکھ کر شرمندہ ہوا اور یہ مصرعہ ارسال کیا من زاں توام تو زاں من باش۔“ ص75(14)

دلی کے سلطان محمد بن تغلق کا دربار ہو کہ بہمنی سلاطین کا عہد صوفیائے کرام نے ہر جگہ اپنی وضع داری سے کام لیا۔ ایک ایسے دور میں جب کہ سیاسی طوفان مچا ہو اور لوگ سکون وعافیت کی تلاش میں بزرگوں سے اپنا ذہنی وقلبی رشتہ استوار کر رہے ہوں۔ خاص طور پر جب سلطنت کی تہذیبی موت واقع ہو رہی ہو تو عوام اور سلطنت کے درمیان ربط باہمی کی خاطر سلطنت کو تہذیبی سطح پر بحال کرنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے میں امن وامان، بھائی چارگی کی خاطر حکومت اور عوام کے درمیان ہم آہنگی برقرار رکھنے کی کوششیں بھی ہوتی ہیں اور ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو دونوں کے بیچ اپنا مناسب اور اعلیٰ مقام رکھتا ہو۔ چنانچہ ایسے موقعوں کے لیے بزرگ صوفیائے کرام کا احترام اور خاص موقعوں پر صوفیائے کرام کی عزت اور ان کے بلند مرتبت ہونے کا اعتراف سلاطین بہمنیہ کا وطیرہ بن گیا۔ بہمنی سلاطین کی صوفیائے کرام سے گہری وابستگی ملاحظہ کریں:

”بہمنی سلطنت کی تہذیبی تشکیل میں صوفیانہ روایات کا ایک موثر کردار بھی نظر آتا ہے۔ خود بہمنی سلاطین صوفیا سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ علاءالدین حسن بہمنی، حضرت نظام الدین اولیا کا بڑا عقیدت مند تھا۔ دلی سے دکن کا صوبہ دار بنا کر بھیجا جارہا تھا تو اس وقت اسے دکن کی بادشاہت کی بشارت سلطان المشائخ سے ملی تھی۔ اور یہ بھی اتفاق ہے کہ جب دکن میں اسے بادشاہت ملی تو دولت آباد کی مسجد قطب شاہی میں اس کی تاج پوشی، رسم دکن کے بزرگ صوفی شیخ سراج الدین جنیدی کے ہاتھوں سر انجام پائی تھی۔ حسن بہمنی کے انتقال کے بعد سے سلطان کی بادشاہت کی رسم کے موقع پر آپ نے معمولی قسم کا کپڑا طلب کیا اور

اس کپڑے ہی سے نئے سلطان کے لیے، عمامہ اور پٹکا بنایا اور بعد ازاں بہمنی سلسلے کے نئے سلاطین کی تخت نشینی کے موقع پر شیخ جنیدی کی بنائی ہوئی پوشاک کا پہننا ایک رسم بن گیا تھا اور اسے باعث خیر وبرکت سمجھا جاتا تھا۔" ص75-76(15)

حضرت شیخ برہان الدین غریب سے لے کر بندہ نواز گیسو دراز تک اور دلی کے سلطان علاء الدین خلجی کا دکن پر حملے سے لے کر سلطان محمد بن تغلق کا دلی سے دولت آباد منتقل ہونے تک اور سلطنت بہمنیہ کے قیام تک اور پھر بہمنی سلطنت کا شیرازہ بکھرنے کے بعد اور دکن میں خود مختار سلطنتوں کے قیام تک کے ان تمام ادوار میں خانقاہ، خانقاہی نظام، ولیوں، صوفیوں اور بزرگانِ عظام کی اہمیت، عقیدت ومحبت، احترام اور قدر دانی میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا۔ جس سے دکن کی تہذیبی ورثہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی اور آج بھی ہندوستان کے دوسرے شہروں، قصبوں اور علاقوں کے مقابلے میں دکن تہذیبی روایات کی پاسدار بنی ہوئی ہے۔ اسی تہذیبی روایت کے ساتھ دکن، گیسو دراز کے بعد بھی پھلتی پھولتی رہی اور اسی روایات کا امین بن کر حضرت میراں جی شمس العشاق بھی شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا پیالہ لے کر دکن پہنچے۔ اقتباس ملاحظہ کریں :

"پندرھویں صدی کا یہ دور تھا جب دکن میں خواجہ گیسو دراز اور دوسرے صوفیا کے مقابر اور خانقاہوں سے ہو حق، کی صدائیں حسب معمول بلند ہو رہی تھیں اور قدیم اردو کے روپ میں قلب کو گداز کر دینے والی سماع کی محفلیں عوام وخواص کے دلوں کو گرما رہی تھیں مگر سیاسی طور پر دکنی تاریخ کا وہ دور شروع ہو چکا تھا جب بہمنی سلطنت عروج کا دور ختم کر کے زاول کی طرف جا رہی تھی۔ اسی زمانے میں شمس العشاق دکن میں پہنچ کر اپنی صوفیانہ سرگرمیوں مصروف ہو چکے تھے۔" ص92(16)

ایک جگہ اور لکھا ملتا ہے کہ:

" صوفیا کی وہ تحریک جسے دکن میں حضرت گیسو دراز کے دور میں عروج حاصل ہوا تھا۔ شمس العشاق کے عہد میں بھی اسلوب حیات بنی ہوئی تھی۔ ص93(17)

لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی کتاب تاریخ زبانِ اردو، میں بھی میرانجی کو گجرات کی ادبی روایت کو آگے بڑھانے والے کے ہی روپ میں دیکھا، زبانِ ہندوی اور گجری زبان کے ساتھ ذخیرۂ الفاظ میں عربی و فارسی الفاظ کی تعداد اور تشبیہات پر ان کی خاص نظر رہی۔ زبان وبیان جو شاعری کے لیے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس نقطۂ نگاہ سے بھی ان کی تخلیقات کو زیادہ تر دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور تصوف برائے موضوعِ شاعری بھی ان کی نگاہوں کا مرکز رہا۔ لیکن موضوعاتِ تصوف کے حوالے سے میرانجی کے کلام میں جو خانقاہی نظام کی جھلک دکھائی دے رہی ہے اسے بھی صرف تصوف کی چاشنی کے طور پر لیا اور اس کا ذکر بھی شعر وشاعری کا پیٹ بھرنے کے لیے ہی کیا ہے۔ انہوں نے اس سے موضوعات تصوف کا عرق مثلاً عرفان، روح، مراقبہ، رضا، موت، عقل و عشق، شریعت وطریقت وغیرہ کو تو ضرور کشید کیا مگر ان ساری چیزوں کو خانقاہی نظامِ زندگی کے آئینے میں نہ ہی دیکھنے کی کوشش کی اور نہ ہی

سلطنت کی تہذیبی تشکیل میں موثر کردار کے روپ میں ہی دیکھا، جب کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:

''میرانجی کے زمانۂ حیات ہی میں بہمنی سلطنت انتشار و افتراق کا شکار ہو چکی تھی، سیاسی استحکام ختم ہو چکا تھا اور طبقاتی کشمکش نے نفرت کا ایسا بیج بو دیا تھا کہ معاشرتی و قومی یک جہتی پارہ پارہ ہو چکی تھی مرکز انتہائی کمزور ہو کر بے دم ہو گیا تھااور مختلف صوبوں کے حکام قریب قریب آزاد ہو چکے تھے۔ میرانجی کی زندگی ہی میں بیجاپور میں عادل شاہی سلطنت 1490ء وجود میں آچکی تھی کمزور، دم توڑتی ہوتی اور نام کی سلطنت پر محمود بہمنی (1482ء-1518ء) حکمران تھا۔ انھی کے زمانے میں بیدر آزاد ہو کر برید شاہی 1487ء کا پائے تخت بن چکا تھا۔ برار میں عماد شاہی 1487ء اور احمد نگر میں نظام شاہی 1490ء قائم ہو چکی تھی۔ قطب شاہی سلطنت کا قیام 1512ء بھی چند سال کی بات تھی۔'' ص168-167(18)

ظاہر ہے کہ جب سلطنت انتشار وافتراق کا شکار ہو اور طبقاتی کشمکش کی کھیتی لہلہارہی ہو اور معاشرتی یک جہتی پارہ پارہ ہو تو یہ روایت رہی ہے کہ وقت کا صوفی ہی اس گرتی اور مٹتی تہذیب کو سنبھالا دینے کے لیے آگے آتا ہے۔ مرشد ہی بے چین و بے اطمیان قلب کا سہارا بنتا ہے۔ جیسا کہ ہم بہمنی سلطنت کی تہذیبی تشکیل میں گیسو دراز اور شیخ جنیدی کا موثر کردار دیکھ چکے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ امید تھی کہ ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی کتاب تاریخ زبانِ اردو میں، میراں جی شمش العشاق کے دورِ انتشار و افتراق میں بھی ایسا ہی کوئی دور رس نقطہ بیان کرتے۔ لیکن ایسا ہو نہ سکا۔ میراں جی شمس العشاق سلطان محمود شاہ بہمنی (متوفی سنہ 1518ء) اور بیجاپور کے بادشاہ یوسف عادل شاہی (1489ء-1511ء) کے عہد میں بقیدِ حیات تھے۔ اور جب کہ وہ بھی حضرت گیسو دراز کے روحانی فیوض و برکات کی ہی ایک کڑی ہیں۔ اور چوں کہ چشتیہ سلسلے کے بزرگوں نے عوام الناس کے ساتھ اپنے مریدوں کی رہنمائی کے لیے تصنیف و تالیف سے کام لیا اور جس طرح حاجت مندوں، درد مندوں، مزدوروں اور پسماندہ طبقات سے گہرے تعلق قائم کیے، اس لیے میراں جی شمس العشاق کا تخلیقی سرمایہ بھی اسی چشتیہ روایات کی ایک کڑی کے روپ میں دیکھا جانا چاہیے۔ بہر حال درج بالا ان سارے اقتباسات سے اتنی روشنی تو ضرور ملتی ہے کہ شمس العشاق کے عہد میں بھی مسلک صوفیا زندگی کی حرارت بن کر عوام کے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے اور صوفیائے کرام بھی بدستور رشد وہدایت کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور اس کام کا ذکر بہت سے ذاکرین نے ان کی چار طویل و مختصر نظموں کے نام گنا کر کیے ہیں۔ جنھیں ہم خوش نامہ، خوش نغز، شہادت التحقیق یا شہادت الحقیقت اور مغز مرغوب کے نام سے جانتے ہیں۔ میراں جی کی تخلیقات سے استفادہ میں نے مولوی عبد الحق، ڈاکٹر جمیل جالبی اور پروفیسر محمد ہاشم صاحبان کی کتاب سے کیا ہے۔ ہمیں میراں جی شمس العشاق کو صاحبِ ذوق و صاحبِ علم کہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ وہ اوران کے خاندان کے سبھی افراد صاحبِ علم و صاحبِ ذوق پیدا ہوئے۔ لیکن بزرگی کا جو مقام پایا وہ ادیبوں سے زیادہ صوفیوں میں جگہ بناتا ہے۔ اگرچہ شمس العشاق کی جائے پیدائش، سن پیدائش اور سن وفات ایک نزاعی مسئلہ بن کر رہ گیا ہے، کسی نے ان کی پیدائش دلی، بیجاپور اور مکہ معظمہ قرار دیا تو کسی نے 837-810ھ کا وقت، پیدائش کے لیے تعین کیا، تو کوئی سن وفات 910-902ھ یا پھر بمطابق 1496ء قرار دیا۔ اس نزاعی

مسئلے کا بیان محمد ہاشم علی نے اپنی مرتبہ کتاب مغزمرغوب، کے مقدمے میں کیا ہے۔ شمس العشاق کے کئی نام ہیں مثلاً میاں جی، میراں خاں عرف میرانجی، امیر الدین میرانجی، اسمنا امیر الدین، میرانجی، شاہ میرانجی، شمس العشاق اور شمس العاشقین وغیرہ جسے محمد ہاشم علی نے کئی تذکروں کے حوالوں سے بھی رقم کیا ہے لیکن جو بات میراں جی شمس العشاق کی بزرگی کے متعلق مختلف تذکروں سے نکل کر آتی ہے وہ یہ ہے کہ:

1)شاہ میرانجی کی ہستی حقیقت میں اپنے عہد کی بڑی برگزیدہ ہستی تھی،

2)میرانجی شمس العشاق کا شمار بلاشبہ دکن کے ممتاز صوفیوں میں ہوتا ہے،

3)شاہ میرانجی شمس العشاق بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں،

4)میرانجی شمس العشاق بیجاپور کے اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں(مقدمہ ص9،10،12،13) (19)

یہ بات کتنی ولولہ خیز ہے کہ شاہ میرانجی شمس العشاق کے عہد میں بھی صوفی تحریک اسلوب حیات بنی ہوئی تھی۔ جہاں خانقاہ کا تصور عام تھا اور محفل سماع روحانیت کا سفر طے کرنے کے لیے منعقد بھی کی جاتی تھیں اورَورع پر کار بند ہونے کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ صوفیانہ اصطلاح میں وَرع اسے کہتے ہیں جو نفس کو نیکی کی طرف مائل کرتا ہے۔ بری باتوں سے روکتا ہے۔ تقویٰ کے راستے پر چلنے والوں کے دل میں خدا کا خوف پیدا کرتا ہے۔ میراں جی اپنے رسالہ مغزمرغوب کے باب چہارم در بیان نفس ہائے چھار، میں نفس کی جو چار قسمیں (امّارہ، لوّامہ، مطمئنہ اور ملہمہ) بیان کی ہیں وہ وَرع کے ہی ذیل میں آتا ہے، وہ نفس کو اپنے اختیار میں کرنے کا درس دیتے ہوئے عاجزی کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں:

اماره گھر شیطانی ہور منزل بھی ناسوت لوامہ خوشنودبلاپر دیکھے ہت بہت
مطمئنہ کن قرار بھاوے ملہمہ جِپاؔ راؤ ست گر پر ساد ہیں تو دیکھے اس کا چاؤ

عام پر طور پر نفس کی چار قسمیں بیان کی جاتی ہیں نفس امارہ، جو برائی کی ترغیب دیتا ہے نافرمانی اور عہد شکنی کرتا ہے۔ یہ اصل میں شیطان ہے بلکہ شیطانی وسوسہ ہے۔ یہ نفس منزل سے دور کر دینے والا ہے۔ نفس لوّامہ جو گناہ کم یا زیادہ کرنے پر بھی اور نیکی کی مقدار کم ہونے پر بھی لعنت و ملامت کرتا ہے۔ عام طور پر لوگ جسے ضمیر کی آواز کہتے ہیں وہ دراصل یہی نفس ہوتا ہے۔ اس کے غالب ہونے سے انسان نیکی کے کام میں سبقت لے جاتا ہے۔ اس کا ٹھیک الٹا نفس امارہ ہے اگر یہ غالب ہو جائے تو انسان فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی نفس کو مارنے کا حکم قرآن میں ہے اور شیخ ابراہیم ذوق نے بھی کیا خوب کہا کہ :

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا نہنگ واژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا (ذوق)

نفس مطمئنہ جو ہر حال میں نیکی پر بھی قائم رہتا ہے اور مطمئن بھی رہتا ہے۔ لیکن ایک نفس ملہمہ ہے جو تربیت پا کر نیکی کے ہر محاذ پر خود کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ تزکیۂ نفس کے لیے ضروری ہے، جو آلائشوں سے پاک کرتا ہے، ظاہری عبادات سے باطنی عبادات کے سفر میں معاون و مددگار ہوتا ہے۔ اس نفس کے ساتھ سفر کرنے والا تزکیہ کے مراحل و مدارج سے خود کو گزارتا ہے۔

صبر و شکر کی منزل سے گزرتا ہے، قناعت کا بچھونا بناتا ہے،صفات مذمومہ سے پاک کر کے خود کو صفات محمودہ سے متصف کرتا ہے۔یہ سفر اپنے اندر داخلی نور پیدا کرنے کا ہے۔اسی سفر میں اسے معرفت کا پیالہ عطا ہوتا ہے۔ معرفت کے مسافروں کے لیے میراں جی شمس العشاق نے چار راستے بتائے ہیں اور اسے مغز مرغوب کے باب پنجم راہ ہائے چہار ،میں ان چار راستوں کو شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے ذکر پر محمول کیا ہے۔ اور کیا خوب لکھا ہے کہ (ست کرِپا ہوئے تو بھلا، نئیں تو دو نا روگ)یعنی اگر ان کی مہربانی ہوئے تو اچھا، نہیں تو دو گنا نقصان۔ میراں جی شمس العشاق جو سالک بھی ہیں، رہبر بھی ہیں، اولیاء اللہ بھی، صوفی بھی اور عبادت گزار بھی، لیکن عبادت و ریاضت کی اس دہلیز پر پہنچ کر بھی وہ عاجزی و انکساری کا درس دیتے ہیں۔عبادت و ریاضت کے بعد اگر محبوب حقیقی کی مہربانی ہوئی تو ہی بھلا ورنہ دوگنا تکلیف۔معرفت کی شراب پینے والے متوالوں کا یہی وہ مرحلۂ شوق ہے جہاں انسان کبر و رعونت سے پاک ہو کر عاجزی وانکساری کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔یہی عاجزی وانکساری ہے جو انسان کو دکھاوا اور ریاکاری سے بچاتی ہے اور دل میں خوفِ خدا پیدا کرتی ہے۔ نظم خوش نامہ، جو ایک پیاری سی، موہنی سی لڑکی کے گرد اپنا ہالہ بناتی ہے اور خوف خدا کا جوت جگاتی ہوئی محبوبِ خدا کے رنگ میں رنگ جانے میں خوشی محسوس کرتی ہے وہ سب کچھ میراں جی شمس العشاق کے دور کی خانقاہی نظامِ زندگی کی عکاسی کرتی ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

اب نہ چھپوں، اب نا ڈروں، ڈروں تو کہاں تک ڈروں
ہمیں غریب نپا لیے تیرے آستھی آسا دھروں
ماتا جی بالک تھی رو سے جانا نہیں کدھر
آپ جس مارگ لا سے میراں میں تو جاؤں تدھر

کہے یہ سب حکم خدا کا جے تم کہیں یوں
ہم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھارے تیوں
نا ہم اچھیں سوکھ سنسارا ناہم اچھیں چاؤ
ہم تو راون لوڑیں اس سے جے ہے راون راؤ

خوشی اپنے پیر و مرشد سے کہہ رہی کہ عبادت کے معاملے میں مجھے غریب مت چھوڑنا، تجھ پر یقین کر کے ہی میں امید باندھی ہوں کہ تو میری رہنمائی کرے گا۔ نیکی کی راہ پکڑنے والوں پر جو سوالیہ نشان اٹھائے جاتے ہیں اس کا تشفی بخش جواب بھی دے رہی ہے کہ اس کو تو بس ایک اللہ کی عبادت میں ہی مزا ملتا ہے۔اس کا من اگر کہیں بھاتا ہے تو بس ایک اللہ کی محبت میں۔اس کو نہ اچھی سکھ سنسار اور نہ ہی پیار و محبت چاہیے۔خوشی کی زبان سے ان باتوں کا کہلوانا اس بات کی گواہی ہے کہ وہ اپنے معاشرے کے لیے ایک نمائندہ کردار کے روپ میں سامنے آئی ہے۔خوشی زندگی، سماج، نیکی کی راہ پر چلنے والوں، بلکہ اللہ کی محبت میں سرشاری کا مزہ لینے والے سبھوں کا

نمائندہ بھی ہے اور استعارہ بھی ہے۔ وہ سماج جو انتشار وافتراق میں گھری ہوئی ہے۔ جس کو قلبی سکون اور اطمینان کی ضرورت ہے۔ اس طرح خانقاہ کی معاشرتی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ گویا اس نظم میں خوشی کی زبانی ہم کو بھاوے یک اللہ، یا حکم خداوندی جیسے الفاظ یا ہم اللہ کی محبت میں خوش ہیں جیسی باتیں کہلوا کر وحدانیت کی جو تعلیم دی ہے اس سے تبلیغ اسلام کا بھی واضح اشارہ ملتا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ تقریباً سبھی مقتدر ادیبوں بشمول مولوی عبد الحق اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے میراں جی شمس العشاق کی تخلیقات میں تصوف، معرفت، تعلیم و تلقین، بے پروائی، بے نیازی، نمازوضو، دنیا، تسبیح، مراقبہ، عرفان، فنا،بقا، شریعت، طریقت، حقیقت، الفت، توبہ، استغفار، گناہ وثواب کا تذکرہ توضرور کیا لیکن ان تمام باتوں کی تان جب اس طرح ٹوٹی کہ *شاہ میرانجی کا خاندان بھی عجیب بابرکت تھا، ان کے بیٹے اور پوتے اور پڑ پوتے بھی بڑے شاعر گزرے ہیں اور ان کے کلام کا ذخیرہ بہت ضخیم ہے* (مولوی عبدالحق) تو لگتا ہے کہ ان بزرگانِ عظام کو ادبی شہسوار کے طور پر ہی دیکھا گیا۔ دراصل میراں جی شمس العشاق اس انتشار وافتراق کے دور میں خانقاہی نظام تعلیم و تربیت کے معاملے میں اپنے پڑ دادا پیر (گیسو دراز) کا نمائندہ بن کر سامنے آتے ہیں اور چشتیہ سلسلے کی اس روایت کے بھی امین بن کر نمودار ہوتے ہیں جن کا کام رشد وہدایت کے ساتھ تصنیف و تالیف بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عوام الناس کو بھی اور سالکانِ راہِ حق کے قافلہ سالاروں کو بھی نیکی کے کاموں میں دکھاوا اور ریاکاری سے بچنے کے ساتھ عاجزی وانکساری، خوف خدا، ہر حال میں خوش اور خدا کی مرضی میں ہی اپنی مرضی کی تلاش اور وحدانیت کا درس دیتے ہیں۔ بعض جگہ براہِ راست گفتگو کرتے ہیں تو بعض موقعوں پر تمثیلی پیرایہ اپناتے ہیں۔ اردوئے قدیم، میں شمس اللہ قادری نے میراں جی کے چھوٹے بڑے رسالوں شرح مرغوب القلوب، جل ترنگ اور گل باس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تصوف کے موضوع پر انہوں نے چھوٹے بڑے کئی رسالے لکھے ہیں۔ ان رسالوں میں تصوف کے رموز تمثیلی پیرایۂ بیان میں ادا ہوئے ہیں (ص108) جیسا کہ میں نے کہا کہ مجھے میراں جی شمس العشاق کے صاحبِ علم ہونے پر کوئی حرف نہیں۔ صاحبِ علم وصاحبِ ذوق نہ ہوتے تو شیخ الحرم سے عَلم لے کر ہندوستان نہیں لوٹتے۔ ان کے رسالے ہوں کہ ان کی نظمیں عرفان وہدایت کی قندیلیں ہیں جو دکن کی خانقاہ میں ایک صوفی کا حکم نامہ، فرمان، پیغام اور درس بن کر روشن تھیں، اور جس کی روشنی سے خلقِ خدا کو روشنی ملتی تھیں۔ میراں جی کی خانقاہی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ہمیں ان باتوں سے کوئی علاقہ نہیں کہ علاء الدین بہمنی سے پہلے دکن کے گجرات میں کون سی زبان بولی جاتی تھی اور علاء الدین کے دکن آنے کے بعد یہاں کی زبان پر کیا اثرات پڑے اور گجرات کی ادبی روایت صوفیائے کرام کے ہاتھوں کس ادبی شان وشوکت سے بیجاپور پہنچی۔ یہ کام ماہر السنہ کا ہے۔ میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ تصوف کی بنیادی نظامِ فکر کی بس ایک سی زبان ہوتی ہے اور یہ فکر دل کی زبان سے ادا ہوتی ہے۔ میراں جی نے نظم شہادت التحقیق میں بہت خوب لکھا ہے کہ۔

ہیں عربی بول کیرے اور فارسی بہتیرے
یہ ہندی بولوں سب اس ارتوں کے سبب
یہ بھاکا بھلسو بولی پن اس کا بھاوت کھولی

یو گُر مکہ پند پایا تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے اس بیان کرے پیاسے
وے عربی بول نہ جانے نہ فارسی پچھانے
یہ ان کو بچن ہیت سنت بوجھیں ریت

میر اں جی شمس العشاق کا زمانہ انتشار و افتراق کا ہے۔ کہیں سلطنت کا شیر ازہ بکھر رہا ہے تو کہیں ایک سلطنت دوسری میں ضم ہو رہی ہے۔ اکثر و بیشتر اس طرح کا ماحول خون خرابے کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ جہاں عزت و تحریم کی جگہ توہین، بے حرمتی اور کردار کشی اپنی جگہ بناتی ہے۔ معاشرے میں اداسی اور ناامیدی کی فضا ہموار ہوتی ہے اور بے ثباتیٔ دنیا کا احساس عود کر آنے لگتی ہے۔ رعایا کی عزتِ نفس کا خیال رکھنے والے بادشاہوں سے جب امیدیں ٹوٹتی ہیں تو مخلوق کو اپنی حقیقی بادشاہ کی یاد آتی ہے۔ نظم خوش نامہ، میں میر اں جی وہ سب کچھ خوشی کی زبان سے ادا کراتے ہیں جو خدا کی قدرت پر یقین کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ کی قدرت پورے کائنات پر ہے، وہ روزی دینے والا، چاند سورج ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ مارنے والا بھی وہی، جِلانے والا بھی وہی۔ انسان اگر ان سب باتوں پر یقین اور توکل کر لیتا ہے تو انتشار و افتراق کے اس دور میں امن وامان کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، اخلاقی تربیت کے ساتھ صحت مند معاشرے کی تشکیل میں بھی معاون ہوتی ہیں اور اس طرح خانقاہی نظام کی معاشرتی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہیں۔ مذکورہ نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

1) توں قادر کر سب جگ سب کوں روزی دیوے توں سبھوں کا دانا بینا سب جگ تجکوں سیوے
تو قدرت رکھتا ہے، سب کو روزی دیتا ہے، تو سبھوں کی دیکھ بھال کرنے والا ہے، ساری دنیا تیری عبادت کرتی ہے۔

2) عرش کرسی لوح قلم دوزخ بہشت نپایا آسمان سورچندر تارے سب پر حکم چلایا
عرش، کرسی، لوح و قلم، دوزخ، جنت کو بھی تم نے ہی بنایا اور آسمان، سورج، چاند، تارے سبھی پر تو اپنا حکم بھی چلاتا ہے۔

3) تج بن کوئی نہ مار جوائے، تج بن کوئی نہ آس پوراوے عالم اوپر بابا بہنا، کرے حکم سوں جیسا بھاوے
تو ہی مارنے والا، تو ہی امید بر لانے والا، تو جیسا چاہتا ہے دنیا پر اپنا حکم چلاتا ہے۔

4) میں اس کارن بہت ڈروں ڈر کر جاؤں کہاں جہاں جہاں میں چھپن لوڑوں تو نہی تہاں تہاں
میں اس وجہ سے تجھ سے ڈرتی ہوں کہ ڈر کر جاؤں گی بھی تو کہاں، جہاں جہاں میں خود کو چھپانے جاؤں، وہاں وہاں تو ہے۔

یہ نظریہ وحدت الوجود کا ہے، مسلک صوفیا کا یہ ایک اہم نظریہ ہے کہ اللہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، ذرّے ذرّے میں اس کا جلوہ نمایاں ہے۔ اللہ سے چھپنے چھپانے کا جہاں تک معاملہ ہے وہ ہماری موجودہ شاعری کا بھی موضوع رہا ہے۔ غالب نے بھی کہا کہ:

زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر یا وہ جگہ بتا جہاں خدا نہیں

اس شعر کا لب لباب بھی بس وہی ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ یہاں بھی نظریہ وحدت الوجود ہی بیان ہو رہا ہے۔ ان مباحث کی

روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چشتیہ سلسلے کی وہ روایت جو شمال سے ہوتے ہوئے دکن پہنچ کر برہان الدین غریب، شیخ زین الدین اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے ہاتھوں نے جس طرح اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں، تزکیہ نفس میں، افراد معاشرہ کی روحانی اور اخلاقی تربیت میں، افراتفری کے ماحول میں امن وامان اور رواداری قائم کرنے میں، توحیدِ خالص کے پرچار میں، ذات پات، اونچ پنچ کے فرق کو مٹانے میں، معاشرتی اقدار کو فروغ دینے میں اور اصلاح معاشرہ کے کام میں خانقاہ کی عظمت و قار کو اسلامی عقائد و نظریات کی روشنی میں بحال کیا ہے اس امانت کو آگے بڑھانے میں حضرت میراں جی شمس لعشاق نے بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے اوران کی گراں قدر تخلیقات کی روشنی سے اسی طرح خانقاہ کی شمع فروزاں ہوئی ہیں۔

*****

حواشی وحوالے:

1۔ محمد اقبال مجددی، تذکرہ علماومشائخ پاکستان وہند، محقق، لاہور، جلد اول ،چودھری غلام رسول، میاں جواد رسول، میاں شہزاد رسول، 2003، 347/1

2۔ ایضاً

3۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی، صوفیائے کرام اور قومی یکجہتی، مرتب، حیدرآباد، ادارہ روزنامہ سیاست، اپریل 93، 1997/1

4۔ محمد ہاشم علی، میراں جی شمس العشاق کے دو رسالے، مرتب، حیدرآباد، اردو اکاڈمی سلطان پورہ 1966، 122/1

5۔ نامعلوم، گجری دکنی اور بہمنی دور، نامعلوم، ٹیلی گرام چینل القلم 56-145

6۔ منہاج۔انفو، عالمی ماہنامہ منہاج القرآن (علمی و تحقیقی جرائد) پروفیسر منظور الحسن، خانقاہی نظام اور منہاج القرآن کا تجدیدی کردار، شمارہ جولائی 2025/ استفادہ 16 اگست 2025 وقت 21:45 پی ایم

7۔ ایضاً

8۔ مرزا محمد اختر دہلوی، تذکرہ اولیائے برصغیر پاک وہند، محقق، حصہ اول تا سوم، لاہور، ملک اینڈ کمپنی لاہور 602/1

9۔ ایضاً

10۔ نامعلوم، گجری دکنی اور بہمنی دور، نامعلوم، ٹیلی گرام چینل القلم 56- 145

11۔ ایضاً

12۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی، صوفیائے کرام اور قومی یکجہتی، مرتب، حیدرآباد، ادارہ روزنامہ سیاست، اپریل 1999

13۔ نامعلوم، گجری دکنی اور بہمنی دور، نامعلوم، ٹیلی گرام چینل القلم 56 -145

14۔ ایضاً

15۔ ایضاً

16۔ ایضاً

17۔ ایضاً

18۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، تحقیق، جلد اول، لاہور، احمد ندیم قاسمی، طبع چہارم 775، 1995/1

19۔ محمد ہاشم علی، میراں جی شمس العشاق کے دو رسالے، مرتب، حیدرآباد، اردو اکاڈمی سلطان پورہ 1966، 122/1

تذکرۂ حضرت ابو الفیض سید من اللہ محمد محمد الحسینی بندہ نوازی

سید شاہ معین الدین حسینی المعروف بہ حسین چشتی*

حیدرآباد دکن کی سرزمین اس حیثیت سے بڑی مردم خیز رہی ہے کہ اس کو حضرت شہبازِ دکن، خواجہ محمد محمد الحسینی بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمہ کے خاندان میں سے ایک سے بڑھ کر ایک لعل و گوہر پیدا ہوتے رہے، ان جنہوں نے نہ صرف دکن کی سرزمین کو اپنے نور و عرفان سے روشناس کیا بلکہ اقطاع عالم خصوصاً ہندوستان کی سرزمین کو علمی و روحانی فیوض و برکات سے سیراب کیا۔ انہی ذواتِ قدسیہ میں سرکار حضرت خواجہ ابوالفیض از علیہ الرحمہ کی شخصیت ہے جو ایک ہمہ جہتی، تاریخ ساز، بافیض، سرکار بندہ نواز کی امین، شریعت و طریقت کی کوہ وقار، کردار میں حضرت خواجہ بندہ نواز کی تصویر، علم و عرفان میں مولائے کائنات حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کی تنویر، آیت من آیت اللہ، معجزۃ من معجزات الرسول اللہ ﷺ تھی، جس کی روحانیت تجلیات سے پورا علاقہ دکن منور و مجلی ہوا۔

بیدر کی تاریخی حیثیت:

عہد قدیم میں شہر بیدر دکنی راجاؤں اور مہاراجاؤں کا دار السلطنت تھا۔ بیدر بعثت حضور اکرم ﷺ سے قبل ہی آباد ہو چکا تھا۔ بیدر دراصل کنڑی زبان میں 'نے' بانس کی لکڑی کو کہتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح یہاں بانس کا جنگل تھا، ہندو راجاؤں نے بانس کٹوا کر شہر کی بنیاد ڈالیں، اس لیے اس شہر کو بیدر کہا جاتا ہے۔ مورخ محمد قاسم "تاریخ فرشتہ" میں لکھتے ہیں کہ ہند کے ایک راجا کا نام بیدر تھا اس نے اپنے نام سے اس کو آباد کیا اور اس کا نام بیدر رکھا۔ راجا بھیم سین جو دکن کے راجاؤں میں عدل وانصاف، شجاعت و تفاوت میں سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا بیدری کا فرماں روا تھا۔ (تاریخ فرشتہ، ج ص:378)

بیدر میں بہار اسلام کی آمد سے اب تک ہزاروں جامع کمالات اور عزم واستقامت کے پیکر وداعیان اسلام تشریف لائے۔ جنہوں نے تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفوس کے گرانقدر خدمات انجام دیے۔ حضور اکرم ﷺ کے سچے نائبین: قطب الاقطاب شیخ فتح اللہ ملتانی، قطب الاقطاب شیخ ابراہیم ملتانی، شمس العارفین شیخ شمس الدین ملتانی، ملک المشائخ میر نور اللہ سراج الاولیاء شاہ زین الدین گنج نشین، سلطان المشائخ سید شاہ خلیل اللہ چشتی کرمانی بت شکن، ملک الوزراء خواجہ محمود گاواں، حضرت شیخ نور سمنانی، حضرت سید السادات محمد حنیف، نبیرہ غوث اعظم حضرت بدر الدین بدر عالم حبیب اللہ قادری اور قطب الاقطاب حضرت خواجہ ابوالفیض کی دعوت و صحبت اور تعلیم و تربیت کے اثر سے ہزاروں لوگ اسلام کے دامن سے وابستہ ہوئے اور ان گنت خلق خدا نفس کے تسلط، خواہشات کی

---

* جانشین سجادہ نشین بارگاہِ حضرت خواجہ بیدر ابوالفیض قدس سرہ

اسیری اور انسانوں کی غلامی سے آزاد ہو کر عبادت و اطاعت دعوت الی اللہ اور راہ حق کی طرف متوجہ ہوئے۔ مندرجہ بالا تمام نفوس قدسیہ کا تعلق و سکونت اسی سرزمین مقدس سے ہے، ان کے فیوض و برکات آج بھی جاری و ساری ہیں۔

تذکرہ حضرت سرکار خواجہ ابوالفیض:

حضرت خواجہ ابوالفیض سادات زیدی حسینی ہیں آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: سید من اللہ حسینی خواجہ ابوالفیض بن سید اصغر حسینی بن سید محمد حسینی بندہ نواز بن سید یوسف حسینی راجد مقال بن سید شاہ علی بن سید محمد بن سید یوسف سید حسین بن سید محمد بن سید علی بن سید مرد بن سید دانود بن سید زیدیان سید ابوالحسن چندی بن سید حسین بن سید ابی عبد اللہ بن سید محمد بن سید محمد بن سید کی ابن سید حسین بن سید زید الشہید مین سید امام زین العابدین بن سید امام حسین بن امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

قطب الاقطاب حضرت مخدوم سید محمد گیسو دراز بندہ نواز کے فرزند خورد، اعظم المشائخ حضرت سید محمد یوسف اصغر حسینی عرف میاں لہرو کے چھٹے فرزند حضرت محبوب من اللہ خواجہ سید شاہ ابوالفیض قدس سرہ ہیں، جب حضرت مخدوم بندہ نواز کو اطلاع ملی کہ سید اصغر حسینی کے ہاں صاحبزادے کی ولادت ہوئی تو آپ بہ نفس نفیس تشریف لائے اور نومولود کے دونوں کانوں میں بسم اللہ اکبر اور أَشْہَدُ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰه کی تلقین فرمائی اور غیبی اشارہ پر "میاں من اللہ امین الدین" نام پسند فرمایا، ربیع الاول شریف سن 811ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ حضور بندہ نواز کو حضرت خواجہ ابوالفیض سے بے حد محبت تھی۔ جب کبھی حضرت بندہ نواز کے حضور سرکار ابوالفضل پیش کیے جاتے تو کان میں ھو، ھو، ال اللہ کی تلقین فرماتے۔ جیسے جیسے آپ کا شعور بیدار ہوتا گیا ویسے ویسے عشق الٰہی کا شوق بھی بڑھتا گیا۔ ابھی آپ چھ سال کی عمر کو بھی نہ پہنچے تھے کہ دادا کی عظمت و شرافت سے آشنا ہو چکے تھے۔ دادا حضور کے حجرہ عبادت کے قریب آتے، دروازہ سے پشت لگا کر بیٹھتے اور ھو، ھو، اللہُ کے ذکر میں دادا حضرت کی اتباع فرماتے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جب حضرت بندہ نواز اپنے کمرے سے باہر تشریف لائے تو من اللہ کو ھو ھو اللہُ کے ذکر میں مشغول پایا۔ اس وقت آپ نے سرکار ابوالفیض کو 'محبوب الی اللہ' جیسے القاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ بچہ اچھی صلاحیتوں کا حامل نظر آ رہا ہے۔ ابھی سے جمال الٰہی میں خود کو مستغفرق رکھتا ہے یقیناً ایک دن یہ اپنے والد کی طرح منتہائے کمال کو پہنچے گا۔ چنانچہ اس تاریخ سے صاحبزادے میاں من اللہ محبوب الی اللہ کے الفاظ سے پکارے جانے لگے یہی سنہرے الفاظ آئندہ کے لیے لقب بن گئے اور ابوالفیض آپ کی کنیت ٹھری۔ سلاطین بہمنیہ حضرت کے بہت معتقد تھے، جو تحریر منجانب سلاطین حضرت کی خدمت میں پیش ہوتی حضرت کے نام کے ساتھ یہ القابات لکھے جاتے تھے۔

مقدس مطہر و منور، سیادت و نجابت، دستگاہ ہدایت، مرتضی و مقتضاء، افتخار یسین، قطب اولیاء خواجہ امین الدین، بندگی ابوالفیض اشرف العباد، محبوب اللہ، حضرت من اللہ محمد محمد الحسینی۔[1]

---

[1] مجلہ نظامیہ 1363ھ بحوالہ تذکرہ ابوالفیض، ص:37

حضرت ابوالفیض کی ابتدائی تعلیم و تربیت بعد بزرگوار حضرت خواجہ گیسودراز بندہ نواز کی زیر سرپرستی میں ہوئی، حضرت ابولفیض جب عمر کی پانچویں منزل میں پہنچے تو جد محترم نے بنفس بنفس بسم اللہ خوانی کرائی چھ سال کی عمر تک قرآن روانی پڑھتے تھے نو سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ بندہ نواز نے اپنے اس ہونہار پوتے کو علم طریقت سے قبل علم شریعت سے آراستہ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ حضرت نے قابل اساتذہ کو مامور فرمایا جن سے فارسی ادب، عربی ادب، حدیث تفسیر، فقہ، اصول فقہ اور معقولات کا آپ نے درس لیا۔ 12 سال کی عمر میں نحو وصرف اور معقولات میں آپ کو اس درجہ قوت و مہارت ہوگئی کہ اس زمانے کے بڑے بڑے نحوی و صرفی منطقی، جنہوں نے ان علوم میں نہایت شہرت حاصل کی تھی وہ آپ سے صرفی نحوی منطقی مسائل میں گفتگو کرتے ہوئے جھجکتے تھے، صَرف و نحو اور معقولات سے فراغت کے بعد حدیث وفقہ اور اصول فقہ اور تفسیر کی طرف آپ نے اپنی توجہ مبذول فرمائی۔ ان علوم متداولہ کو متعدد مشائخ سے حاصل کیا، خاص طور سے فقہ و حدیث کی اہم کتب کی تعلیم آپ نے اپنے والد ماجد حضرت اعظم المشائخ سید اصغر حسینی سے حاصل کی اور 17 سال کی عمر تک ان علوم متداولہ کی تکمیل کر کے ارباب علم و فضل کی صف میں شامل ہو گئے۔

اخلاق و تصوف اور طریقت کی تحصیل کے لیے آپ کو کہیں اور جانے کی ضرورت نہ تھی، کیوں کہ منبع علم و عرفان، آسمان رشد و ہدایت اور سرچشمہ فیضان کرم حضرت مخدوم گیسودراز بندہ نواز بہ نفس نفیس موجود تھے، جن کی سرپرستی میں آپ پرورش پارہے تھے۔ بندہ نواز نے اپنے اس باصلاحیت نبیرے کو اپنے فیضان کرم کے دریا سے کتنا سیراب کیا ہوگا اس کا صحیح علم تو دینے اور لینے والے کو ہو سکتا ہے۔

ابھی آپ اپنے جد عالی مرتبت سے علوم باطنی میں اکتساب فیض کر ہی رہے تھے کہ اچانک حضرت بندہ نواز اس دار فانی سے کوچ کر گئے جس کا آپ کو قلبی صدمہ ہوا، آپ کو رنجیدہ و حزیں دیکھ کر والد ماجد نے تسلی دی کہ سلوک کے وہ اسرار و رموز جو تم پر ابھی تک منکشف نہ ہو سکے ہیں اور وہ مراحل و منازل جن کی سیر کے تم طلبگار ہو، انشاء اللہ میں خود ان بلند درجات کے روحانی سفر میں تمہار امربی و معلم رہوں گا۔ چنانچہ والد ماجد اعظم المشائخ نے علم طریقت کی بھی تکمیل کرائی۔ والد ماجد کے حیات ہی میں آپ شریعت و طریقت کے ایسے بدر منیر بن کر چمکے کہ ایک عالم آپ کے نور سے منور ہوا۔

حضرت خواجہ ابوالفیض خود فرماتے ہیں کہ حسب معمول ایک روز والد ماجد کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا، اس دن ساتھ میں کوئی کتاب نہ تھی، حاضری کا وقت وہی تھا جس میں روزانہ بلاناغہ اسباق تصوف کے لیے حاضر ہوا کرتا تھا۔ والد ماجد کی نظر مجھ پر پڑی، پہلے زیر لب مسکرائے پھر گویا ہوئے بابا من اللہ! آج تم وہ نہیں جو اس سے پہلے تھے۔ (یعنی آج تم ایک نئی شان میں نظر آرہے ہو) آؤ اس فقیر کا ہاتھ تھام لو۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں جس ارادہ سے حاضر خدمت ہوا تھا اس کی خبر کسی کو نہ تھی، یہ بات تو میرے دل میں تھی، اس لیے مجھے قدرے حیرت ہوئی، اباجان مجھے متحیر دیکھ کر بولے: مولی تعالیٰ فقیر صادق پر کچھ مخفی نہیں رکھتا ہے۔ بلکہ بہت سے اسرار درویش صادق پر کھول دیتا ہے۔ انشاء اللہ عنقریب تم سے بھی حجابات اُٹھ جائیں گے۔ میں نے عرض کیا: حضور! آج یہ خادم اس ارادہ سے حاضر ہوا تھا کہ آپ کی غلامی میں داخل ہو جائے۔ اعظم المشائخ نے فرمایا: پھر تاخیر کس بات کی، اٹھو چلو، جد عالی مرتبت کی بارگاہ

میں حاضری دو اور ان کے حضورِ درویشانہ زندگی گزارنے کی بیعت لو۔ چنانچہ حضرت خواجہ بیدر اپنے والد ماجد اعظم المشائخ سے حضرت خواجہ گیسو دراز بندہ نواز قدس سرہ کے آستانہ عالیہ پر بیعت ہوئے۔ بیعت کے بعد جذب و شوق پیدا ہوا، حجابات زائل ہونے لگے، حقائق قلب و نظر آنے لگے۔[1]

حضرت ابو الفیض نے چند دنوں بعد ہی عرض کیا کہ حکم ہو تو تعلیم ختم کر دوں اور اوراد وظائف، و اشغال باطنی میں یہ اوقات صَرف کروں۔ حضرت شیخ کامل نے فرمایا کہ تعلیم ختم کروانا درویشوں کا کام نہیں ہے، البتہ اب تم کو امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کے بعض اہم مقامات کا درس مجھ سے لینا ہے، حضرت اعظم المشائخ نے بیعت کے بعد حضرت ابو الفیض کو خصوصی عنایت و کیفیت کے ساتھ درس دینا شروع کر دیا۔ ابھی چند ماہ گزرے تھے کہ والد ماجد اعظم المشائخ نے 21 محرم 828 ھ میں جان جاں آفریں کے سپرد کیے گئے۔

درس و تدریس: والد ماجد کے مرض وصال کے ایام میں جب آپ کو محسوس ہوا کہ والد ماجد صاحب قبلہ اب بہت زیادہ عرصہ ہمارے درمیان نہ رہیں گے تو آپ نے والد ماجد کے حضور مستقبل کے عزائم کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے بعد میرا یہ ارادہ ہے کہ بقیہ زندگی عبادت و ریاضت میں گزاروں۔ دنیاوی مشاغل اور درس و تدریس سے بھی خود کو دور رکھوں۔ اس پر والد بزرگوار نے حکم دیا کہ درس و تدریس کا سلسلہ جاری اور برقرار رکھو۔ عبادت و ریاضت میں بھی تسلسل کو برقرار رکھو۔ ابھی آپ کو اور بہت کچھ ملنا ہے اور وہ سب کچھ آپ کو آپ کے برادر بزرگ سید شاہ ید اللہ عرف قبول اللہ کے ہاتھوں سے ملنا مقدر ہے مگر اس سے پہلے درس کا سلسلہ جاری کرو خلق خدا کی رہنمائی کرو اور شریعت کو پھیلاؤ۔ حضرت اعظم المشائخ کی ہدایت و نصیحت کے مطابق حضرت کی وفات کے بعد حضرت کے پہلے عرس چہلم کے موقع سے یکم ربیع الاول 828ھ کو مستقل طور پر مسند درس و ارشاد پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے اس پہلے درس میں طلباء، علما، اصفیا، امرا و مشائخ اور ہزاروں نفوس قدسیہ شریک تھے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف 18 سال کی تھی اس درس میں قضاۃ اور دوسرے کئی سربراہ آور دو علم حاضر تھے۔ تمام حاضرین بے حد متاثر اور نوجوان عالم کے علم، حاضر دماغی اور جرات و فصاحت کے معترف تھے۔

آپ علوم دینیہ کی تعلیم کا خاص اہتمام فرمایا کرتے اور اپنے ارادت مندوں کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے کہ دین کی تعلیم رسول اللہ ﷺ کی پیاری سنت ہے

بیدر میں حضرت خواجہ ابو الفیض کی تشریف آوری:

تذکرہ نگاروں کے مطابق سلطان احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی 5 شوال المکرم 825ھ کو ہوئی۔ کچھ زیادہ ایام نہ گزرے تھے کہ حضرت

---

[1] مجلہ نظامیہ 1363ھ، تذکرۂ ابو الفیض، ص:38-39، وجہاں نما علی شاہ چشتی علوی، تلخیص از تاریخ محمدیہ۔ شجر دوم:141-143

بندہ نواز جن کی دعا سے بہمنیوں کو تختِ شاہی حاصل ہوئی تھی۔16 ذیقعدہ 825ھ کو راہی ملک عدم ہوئے اور حضرت مخدوم گیسو دراز کے مسند ارشاد پر آپ کے فرزند اعظم المشائخ حضرت سید اصغر حسینی عرف "میاں لہرا" رونق افروز ہوئے۔ سلطان احمد شاہ بہمنی کسی لمحے حضرت مخدوم گیسو دراز کے احسانات و توجہات سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ حضرت سید اصغر حسینی اپنی نا قابل بیان محاسن و مناقب کے ساتھ حضرت مخدوم کے نور نظر ہیں، اور نور نظر فرزند سے محبت و عقیدت ان کے والد سے محبت وعقیدت ہے۔ ان اسباب کے پیش نظر سلطان احمد شاہ بہمنی نے حضرت اعظم المشائخ سید اصغر حسینی کی عقیدت و محبت میں کوئی کسر باقی نہ رکھا۔ مسلسل حضرت کی خدمت میں حاضر ہو تا اپنی عقیدت کا ثبوت دیتا، حضرت سے دعاؤں کی درخواست کرتا۔ حضرت دعاؤں سے نوازنے کے ساتھ رعایا کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت فرماتے۔

احمد شاہ یعنی ایک دفعہ سیر وشکار کرتے ہوئے بیدر آپہنچا یہ علاقہ اسے بہت پسند آیا اور اس نے بیدر کو پایہ تخت قرار دیا اس کے بعد مسلسل حضرت اعظم المشائخ سے درخواست کرتا رہا کہ حضور! بیدر آپ کے قیام کا مشتاق ہے اور آپ کا یہ خادم چشم براہ ہے۔ لیکن حضرت نے قبول نہ فرمایا یہاں تک کہ 828 میں انتقال فرماگئے۔ آپ کے بعد مسند ارشاد پر آپ کے فرزند اور حضرت مخدوم بندہ نواز کے نبیرہ حضرت سید شاہ ید اللہ حسینی متمکن ہوئے، سلطان کو حضرت بندہ نواز سے ایسی محبت تھی کہ حضرت کی اولاد سے مسلسل قرب و محبت کا مشتاق رہا۔ بادشاہ وقت نے حضرت مخدوم کے جانشین حضرت شاہ ید اللہ کی بارگاہ میں بھی عرضی لگائی مگر حضرت شاہ ید اللہ نے بھی قبول نہ فرمایا۔ 838ھ میں سلطان احمد شاہ کا انتقال ہو گیا اور سلطان علاؤالدین بیدار کا حکمراں بنا۔ سلطان علاؤالدین نے بھی اپنے باپ کی روایت کے مطابق خانوادہ حضرت مخدوم سے اپنی عقیدت و محبت کو برقرار رکھا، اور حضرت شاہ ید اللہ سے بیدر تشریف لانے کا اصرار کرتا رہا۔ باپ بیٹے کی مسلسل درخواست پر حضرت شاہ ید اللہ صرف چند دنوں کے لیے بیدر تشریف فرما ہوئے اور جب سلطان وقت علاؤالدین کی طرف سے مستقل قیام کی خواہش ظاہر کی گئی تو آپ نے دادا حضرت کے آستانہ سے دور رہنے کو پسند نہ کیا۔

بادشاہ کے اصرار پر حضرت شاہ ید اللہ نے حضرت خواجہ ابوالفیض جو مخدوم بندہ نواز کے پروردہ اور عکس مخدوم بندہ نواز تھے، کو بیدر روانہ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ان کی رہنمائی میں بادشاہ وقت کی نیک آرزو بر آئے اور اطراف واکناف بیدر میں بسنے والی مخلوقات حضرت خواجہ ابوالفیض کے ہاتھوں بندہ نواز سرکار کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتی رہے۔ حضرت خواجہ ابوالفیض گلبرگہ سے ملکھیڑ، سیڑم، چنچولی کے راستے بیدر تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ اہل عیال کے علاوہ فقرا، خدام، باورچی، قصاب اور باغبان شریک سفر تھے جن کی اولاد آج بھی بیدر میں آباد ہیں۔

جب سلطان علاؤالدین بہمنی کو اطلاع ملی کہ اصرار بسیار کے بعد خادم کی درخواست قبول ہوئی اور حضرت خواجہ ابوالفیض بیدر تشریف فرما ہو رہے ہیں تو سلطان نے ایک طرف پورے شہر بیدر واکناف بیدر میں اعلان کرنے کا حکم جاری کیا کہ حضرت خواجہ ابوالفیض بیدر تشریف لا رہے ہیں۔ ان کی تشریف آوری اہلیان بیدار کے لیے سراپا رحمت اور بیش قدر نعمت ہے، لہذا ان کی آمد کے

موقع پر حکومت کی طرف سے جشن عام کا اعلان کیا جاتا ہے، اس اعلان کا فائدہ یہ ہوا کہ بیدر واکناف بیدر کے ہزارہا نفوس آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی آپ کی عظمت وشرافت کے معترف بن چکے تھے، اور سینکڑوں تشنگانِ علم ومعرفت آپ کے قدموں تلے بقیہ زندگی گزارنے کا عہد کر چکے تھے۔

دوسری طرف سلطان نے اپنے شہزادگان ودیگر عمائد سلطنت اور ارکان حکومت کو بیدر کی آبادی سے باہر نکل کر حضرت کے استقبال کا حکم جاری کیا۔ سلطان کے دونوں حکم کی تعمیل ہوئی اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ بیرون شہر انبوہ کثیر حضرت خواجہ ابوالفیض کے استقبال کے لیے چشم براہ ہے جو اھلا وسھلا مرحبا کے نغمے سے حضرت کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ حضرت اس پر تپاک استقبال سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے اور فرمایا: الحمد للہ! اہل بیدر میں جذبہ ودیوانگی موجود ہے۔ فضل خدا شامل حال رہا تو یہ فقیر ان پروانوں کو دیوانہ بنانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھے گا۔

جب آپ استقبالیہ جماعت کے ساتھ اندرون شہر داخل ہوئے تو وہاں سلطان وقت علاؤ الدین بہمنی ادنی خادم کی حیثیت سے ہزارہا عوام وخواص کے ساتھ منتظر تھا۔ سلطان اس پہلی ملاقات کو ایک سلطنت کی فتح تصور کر رہا تھا۔ اس خوشی میں ایک جشن عام منعقد کیا جس میں آپ کی تشریف آوری پر اس نے کہا: آج میرے سر پر جس تاج حکومت کو آپ دیکھ رہے ہیں اور مجھے جو بھی نعمت ودولت، عزت وشہرت حاصل ہے یہ سب کچھ حضرت خواجہ ابوالفیض کے داداجان حضرت مخدوم گیسو دراز کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ ان کی توجہات وعنایات کا صدقہ ہے، بھلا ان احسانات کو میں کیسے فراموش کر سکتا ہوں، حضرت مخدوم گیسو دراز اور ان کے نور نظر کی بندہ نوازیوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ کل بھی ان کی بندہ نوازیاں میرے خاندان کے ساتھ تھیں، آج بھی جاری ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ کے لیے جاری رہے گی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ حضرت کی رہنمائی میں بہمنی سلطنت کو ضرور عروج ملے گا۔ ہمارے اس ملک کے باشندے دنیا کے قابل رشک باشندے ہوں گے۔[1]

حضرت خواجہ ابوالفیض کا بیعت لینے کا طریقہ: جب کوئی شخص حضرت ابوالفیض کی خدمت میں مقصد ارادت لے کر آتا تو آپ اسے معصیت وغفلت سے توبہ کراتے اور اس میں کسی طرح کی تاخیر قطع روا نہ رکھتے کہ کہیں توفیق توبہ اس سے چھن نہ جائے۔ پھر اسے غسل یا وضو کر کے خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیتے، اب جب دوبارہ حاضر بارگاہ ہوتا تو اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے اور ارشاد فرماتے پہلے ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھو۔ اس کے بعد فرماتے تم نے بیعت کی اس ناتواں کے ہاتھ پر اس کے شیخ اور شیخ الشیخ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے ہاتھ پر اور حضرت کے تمام مشائخ کے ہاتھ پر اور حضرت رسول مقبول محمد مصطفی ﷺ کے مبارک ہاتھ پر اور اللہ تبارک وتعالی سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ، پاؤ، زبان، شرمگاہ اور آنکھوں کی حفاظت کرو گے۔ اس عہد و

[1] مولانا عبد القادر بیدری تذکرہ اکابرین بیدر، ص: 67

پیماں کے بعد حضرت الحمد للہ فرماتے ہوئے اپنا پیا ہوا پیالہ پلاتے قینچی اپنے دست مبارک میں پکڑتے، تکبیر فرماتے اور داہنی طرف سے تھوڑے سے بال کان کے قریب کے کاٹ لیتے پھر اسی طرح بائیں طرف کے چند بال کاٹتے پھر تکبیر فرماتے ہوئے سر پر ٹوپی پہنا دیتے، اس کے بعد ارادت مند شکرانے کی دو رکعت نماز ادا کرتا اور سر پر دستار یا عمامہ باندھ کر واپس آتا اور حضرت کی قدم بوسی کرتا پھر حضرت مرید سے فرماتے:

"نماز رسول اللہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے کبھی قضا نہ کرنا، ہمیشہ نماز باجماعت ادا کریں بعد نماز مغرب چھ رکعتیں اوابین کی تین سلام سے پڑھنا کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنا، اس کے بعد دو رکعت حفظ الایمان کے لیے پڑھنا اس کی ہر ایک رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ سورۂ اخلاص سات مرتبہ اور معوذ تین ایک ایک بار پڑھنا۔ سلام کے بعد سر بسجود ہو کر تین مرتبہ یا حی یا قیوم ثبتنی علی الایمان کہنا۔"

یہ تلقین و ارشادات عام تھیں۔ ہر ایک مرید کو آپ مندرجہ ذیل بالا امور کی پابندی کا حکم دیتے یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایک بیعت کرنے والا اس عہد و پیمان پر کماحقہ قائم رہتا تھا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بیعت کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد اس عہد کا لاج رکھتی اور ہزاروں بندگان خدا کے لیے یہ بیعت انقلاب حال کا ذریعہ بن جاتی۔

آپ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات دیکھنے سے لوگوں کے دلوں سے دنیا کی حرص و محبت گھٹ جایا کرتی، لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہوگئی، اور اد و نوافل کا اہتمام ہونے لگا، بزرگوں کی حکایات و واقعات اور ان کے کشف و کرامات سنانے کی مجلسیں قائم ہونے لگیں، اکابر مشائخ کے تذکرے و سوانح سے شغف پیدا ہو گیا، نمازیوں کی کثرت سے مساجد میں نئی زندگی پیدا ہوگئی، مریدین چاشت، اشراق، اوابین اور تہجد کے پابند بن گئے، نئے مرید قدیم مریدین کا احترام استاد کی مانند کرنے لگے، علم دین سیکھنے سکھانے اور حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا۔ مختصر یہ کہ بیدر کا چپہ چپہ آپ کے فیوض و برکات سے سرسبز و شاداب اور ہر طرف اسلام کی بہار نظر آنے لگی۔ خود سلطان علاؤالدین اپنے اہل خانہ کے ساتھ حضرت خواجہ کا معتقد ہو گیا۔ حضرت کے حکم کے مطابق سلطان نے حتی المقدور سدّ مفاسد کیا، کبائر اور منکرات و ممنوعات پر سخت پابندی عائد کی۔

آپ پنج وقتہ نماز باجماعت ادا فرماتے، صبح کی نماز کے بعد قرآن کی تفسیر بیان فرماتے، نماز اشراق کے بعد جو کچھ حاضر ہوتا اسے تناول فرماتے اور اس کے بعد نماز ظہر تک درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ اگر اس اثنا میں کوئی حاجت مند کسی دوسری ضرورت کے ساتھ حاضر ہوتا تو آپ اس کی حاجت بر آری بھی فرماتے۔ ظہر کی نماز کے بعد بالا خانہ کے قیام گاہ پر تشریف لاتے تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے، بعد نماز عصر صحن خانقاہ میں رونق افروز ہوتے، جس میں امراء غرباء علماء، صوفیاء اور شہری و دیہاتی ہر قسم کے لوگ آپ کے ارشادات سماعت کرنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ نماز مغرب سے عشا تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا اور عشا کے بعد مریدین، معتقدین، طالبان علم اور مہمانوں کے ساتھ رات کو کھانا تناول فرماتے پھر تھوڑی دیر مطالعہ فرماتے گاہے مگاہے عشائیہ کے بعد سماع سماعت فرماتے پچھلی شب بیدار ہوتے اور عبادت میں مشغول رہتے جس کا سلسلہ نماز فجر تک جاری رہتا تھا۔

شیخ کامل حضرت سید شاہ ید اللہ عرف قبول اللہ حسینی قدس سرہ کی نصیحت کی مطابق آپ کا لنگر خانہ ہر وقت جاری رہتا تھا، دونوں وقت خوان نعمت سجتا، جس میں انواعِ قسم کے کھانے چنے جاتے، اکثر ایک ایک وقت میں کئی سو امیر و غریب شہری و دیہاتی، یتیم و مسکین، علماء و طلباء، اور صوفیہ ایک ساتھ بیٹھ کر انواع و اقسام کی نعمتوں سے فیض یاب ہوتے، یہ شاہی دستر خوان اپنی مثال آپ تھا، اس دستر خوان پر سینکڑوں ناداروں کو ایسے کھانے دستیاب ہوتے جو پہلے کھانے کو نہ ملے تھے، بڑے بڑوں کو اس دستر خوان پر شرکت کی آرزو ہوتی، آپ کا یہ دستر خوان سینکڑوں نفوس کی پرورش کا ذریعہ تھا۔

حضرت خواجہ ابوالفیض کے اوصاف و کمالات کا صحیح ترین تعارف وہ ہے جو جد امجد حضرت مخدوم گیسو دراز بندہ نواز قدس سرہ نے ان کے بچپن کے زمانے میں ''محبوب الی اللہ'' کے لقب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ بچہ اچھی صلاحیتوں کا حامل نظر آرہا ہے۔ یقیناً ایک نہ ایک دن یہ اپنے باپ کی منتہائے کمال کو پہنچے گا[1]۔

عبادت و ریاضت کے بعد محبوب ترین مصروفیت خلق خدا کی خدمت تھی جو کہ خواجگانِ چشت کا ہر دور میں طرۂ امتیاز رہا، ہمیشہ خدمت خلق کی فکر دامن گیر رہتی تھی جو کوئی ضرورت مند حاضر بارگاہ ہوتا حتی المقدور اس کی حاجت روائی فرماتے۔ مریض کی بیمار پرسی کرتے اور اس کے لیے دعائے صحت فرماتے۔ خلق خدا کے تنازعات و اختلافات دور کر کے انہیں شیر و شکر بنانے میں قلبی سکون محسوس کرتے۔ کوئی فسق و فجور میں گرفتار ہو جاتا تو اس کی اصلاح کرتے، اس کے اخلاق سنوارنے کی سعی فرماتے اور اپنی نگاہ سے اس کے دل کی دنیا پلٹ دیتے، کوئی سرکاری عہدہ دار زیادتی کرتا تو اسے اپنے اثر و رسوخ سے زیادتی کرنے سے باز رکھتے۔ سلطان ہمایوں شاہ بہمنی نے اپنے عہد میں عوام الناس پر ظلم و زیادتی کی تو آپ یہ مظالم ضبط نہ کر سکے۔ اور ہمایوں کو بڑے سخت لب و لہجہ میں ظلم سے باز آنے کی تاکید کی۔

حضرت مخدوم بندہ نواز کی طرح آپ کو بھی سماع بہت مرغوب تھا، ہر نوچندی جمعرات کو خانقاہ معلی میں سماع کی محفل کراتے کبھی کبھی کسی دوسرے درویش کی محفل سماع میں بھی تشریف لے جاتے اور کبھی عشاء کی نماز کے بعد آرام گاہ میں شاعر کو بلوا کر سماع سنتے تھے۔ بسا اوقات اثنائے سماع بے ہوشی طاری ہو جاتی اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے مگر بارہا ایسا بھی ہوتا کہ ہوش آتے ہی اسی شعر کے بار دیگر پڑھنے کی فرمائش کرتے اور سن کر پھر بے ہوش ہو جاتے۔

شریعت کی پابندی آپ کو ورثے میں ملی تھی آپ کا پورا خاندان نسلاً بعد نسل ہمیشہ پابند شرع رہا ہے، آپ کے دادا جان حضرت مخدوم گیسو دراز بندہ نواز قدس سرہ شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ آج سینکروں سال بیت جانے کے باوجود ہندوستان کا ہر خاص و عام بہ دل و جان آپ کو پابندی شریعت کا ماہر شہسوار اور حاذق استاد تسلیم کرتا ہے۔ ایسے پابند شرع کے آغوش میں پورے چودہ سال آپ

---

[1] حضرت سید شاہ کلیم اللہ حسینی، شوامل الجمل فی شمائل المکمل۔ ملفوظاتِ ابولفیض من اللہ۔ فارسی قلمی نسخہ۔ مخطوطہ پر 23 اور 34 دونوں نمبرات لکھے ہوئے ہیں جبکہ مخطوطہ کا رقم الصفحہ 58 ہے۔ تذکرۂ ابوالفیض، ص:37

کی تربیت ہوئی۔[1]

تاریخ شاہد ہے کہ بہمنی سلطنت کے حکمراں خانوادہ حضرت گیسو دراز بندہ نواز علیہ الرحمۃ کے عقیدت مند تھے مشکل حالات اور پیچیدہ معاملات میں یہ حکمراں حضرت خواجہ گیسودراز اور ان نیک سیرت باصلاحیت اولاد کی بارگاہ میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوتے رہے اور ان کی دعاؤں کی برکتوں سے بہمنی سلطنت پھلتی پھولتی رہی حتی کہ سلطنت بہمنیہ اڑیسہ تک دراز ہوگئی۔ جب کبھی سلاطین بہمنی کو دشواری پیش آئی تو وہ ان نفوسِ قدسیہ کی جانب آس لگائے ہوئے دیکھا کرتے، جب اس خاندان میں حصول حکمرانی کے لیے کشمکش کا دور شروع ہوا، مملکت کا باہوش طبقہ "ہمایوں شاہ" (جو سلطان مرحوم کا بڑا بیٹا تھا) کو تخت سلطنت پر بٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے برخلاف خود غرض و مفاد پرستوں کا ایسا طبقہ بھی تھا جس کے مفادات ہمایوں شاہ کی تخت نشینی سے وابستہ تھے اس کشمکش میں موافقین کی حمایت سے ہمایوں نے اپنی تخت نشینی کا اعلان کیا مگر اندرون خانہ باہمی اختلافات کے اثرات سلطنت پر ایسے پڑے کہ سلطنت کی پوری مشنری درہم برہم ہوگئی۔ اور ہمایوں شاہ نے نظم و نسق سدھارنے اور اپنی حکومت قائم رکھنے کے لیے ہر اس ظلم و تشدد کو روا سمجھا جس کی اس نے اور کی ساتھیوں نے ضرورت محسوس کی، اس کے ظلم و تشدد کا یہ عالم تھا کہ معمولی جرم کی سزا اس کے نزدیک قتل تھا، اس ظلم و تشدد کے دور میں اس سلطنت کا ہر شخص حیران و پریشان تھا، پوری سلطنت افراتفری کا شکار تھا۔ جان ومال اور عزت وناموس کے خوف سے امن پسند شہری دوسرے مقامات کی طرف منتقل ہوتے گئے۔ گرانی سر چڑھ کر بولنے لگی، عام لوگوں کو دانے دانے کے لالے پڑ گئے، ایسے پر آشوب زمانے میں قوم وملت کے کچھ درد مند حضرات حضرت خواجہ بیدر کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرضی پیش کیے کہ اس ملک کے باشندے تباہی کے دہانے پر کھڑے ہیں جسے آپ بھی دیکھ رہے ہیں، ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ بادشاہ کو توجہ دلائیں جس سے ملک میں امن وامان قائم ہو جائے، حضرت خواجہ بیدر نے ہمدردانِ قوم وملت کا عریضہ قبول فرمایا اور بادشاہ کو امن وامان بحال کرنے کی طرف متوجہ فرمایا مگر بادشاہ کی طرف سے حضرت کی ہدایت وارشاد کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا تو آپ نے آخری خط کے ذریعہ اسے متنبہ فرمایا کہ: اے سلطان! تم اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو کہ تمہارے دادا سلطان احمد شاہ کو کس طرح دکن کی سلطنت ملی اور کیوں ملی، سنو! سلطان فیروز شاہ جو تمہارے دادا احمد شاہ کا بڑا بھائی ہے اس نے اپنی مملکت میں ظلم وستم کے بعض ناقابل برداشت طریقوں کو جائز قرار دیا۔ میرے جد محترم قطب الاقطاب حضرت مخدوم گیسو دراز بندہ نواز قدس سرہ نے اسے منع فرمایا مگر وہ اپنی عادت سے باز نہ آیا اور معاحضرت مخدوم کے ساتھ جس ناروا طریقہ کو اس نے اختیار کیا اس سے تم بھی واقف ہو، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے اپنی حیات میں احمد شاہ کے حق میں سلطنت چھوڑنی پڑی۔

اے سلطان! واضح رہے کہ میں، ایک فقیر، اس سلطنت میں پائی جانے والی جس افراتفری اور بے امنی سے دوچار ہوں، اس نے مجھے سخت رنجیدہ کر رکھا ہے۔ مجھے بود وباش کی کوئی خواہش نہیں، مگر تمہارے مسلسل اصرار پر مجھے گلبرگہ سے بیدار آنا پڑا۔ میں تمہیں

[1] شوامل الجمل در شمائل الکمل، شاہ کلیم اللہ حسینی

خبر دار کرتا ہوں کہ اپنا ناروا سلوک فوراً بند کرو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔ ورنہ سن لو! تمہارا انجام بھی فیروز شاہ سے مختلف نہ ہوگا۔

اب بھی وقت ہے، مظالم سے توبہ کرو۔ تمہاری اور تمہاری مملکت کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم بادشاہِ وقت ہو کر انصاف کو قائم رکھو، ورنہ خدائے لایزال کی طرف سے آخری فیصلہ ہو کر رہے گا۔ تم رہو یا نہ رہو، لیکن تمہارے اعمال و حرکات کی وجہ سے تمہارے خاندان میں اختلافات پیدا ہوتے رہیں گے اور یہی اختلاف تمہارے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوں گے۔

ہمایوں نے حضرت خواجہ ابو الفضل کی ان ہدایات کا کوئی اثر نہ لیا، نتیجتاً وہ اپنی ہی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا۔ تاریخ میں ہمایوں ایک ظالم بادشاہ کی حیثیت سے مشہور ہوا اور اس کے مرنے کے بعد بھی سلطنت میں کمزوری کے اسباب پیدا ہوتے رہے۔[1]

ارشادات حضرت خواجہ ابو الفیض قدس سرہ

شریعت کی پابندی لازم جان لے۔ تارک سنت کا کوئی مقام نہیں۔ لسان صدق اور قلب صادق چاہئے۔ جو تجھ سے ڈرتا ہے اسے ہر وقت اندیشہ کر۔ دشمن تجھ سے خواہ خوش بھی ہو بے خوف مت رہ۔ اہل دولت کے پاس بیٹھتے تو دین کو نہ بھول۔ اندرونی حالت کو بیرونی حالت سے اچھا رہنا چاہئے۔ دروغ نما دوستی ترک کر۔ ہنر ذلت سے سیکھ۔ وقت کا کوئی بدل نہیں۔ وہ چیز فروخت نہ کرو جو خریدی نہ جاتی ہو۔

حضرت ابو الفیض کا وصال:

وصال سے چند روز پہلے کا وقعہ ہے کہ آل اولاد اور متعلقین کے مجمع میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا فانی ہے باقی صرف اللہ کی ذات ہے، جسے کبھی موت نہیں ہے۔ اس دنیا میں ہم سب کی عمر متعین ہے لہذا ہم سے جس کی بھی عمر پوری ہو جاتی ہے اس دنیا کو الوداع کہتا ہے مجھے بھی اس دار فانی سے جانا ہے۔ میری آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ میری روانگی کے موقعہ پر صبر و تحمل کا دامن تھامے رہنا، حد شرع سے آگے نہ بڑھنا اور رنج والم کو قریب نہ پھٹکنے دینا۔ نیز میری یہ بھی خواہش ہے کہ جد محترم حضرت مخدوم گیسو دراز قدس سرہ کی طرح میرے بچے بھی مجھے نہلائے دھلائے اور میری جسد خاکی کو سپرد خاک کریں۔ حضرت کے ان افراد کو ایک ہفتہ نہیں گزرا تھا کہ 2 ربیع الاول 879 بروز جمعرات مطابق: 26 جولائی 1474 فجر کی نماز باجماعت ادا کر کے آپ اوراد وظائف میں مشغول تھے کہ اچانک تکبیر کی صدا بلند ہوئی اور آپ کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے سعادت مند صاحبزادوں نے آپ کو غسل دیا اور حضرت سید کلیم اللہ حسینی نے جمیع برادران کے اتفاق سے نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ کے جنازہ میں بادشاہ وقت سلطان محمد شاہ بہمنی، وزرائے سلطنت، علما و مشائخ اور صوفیا و فقرا بلکہ پورا شہر بیدر جمع تھا۔ آپ کا سن

---

[1] حالات بیدر، عبد الوہاب عندلیب ص: 82۔

وصال ''امجد خواجہ بیدر'' اور ''عطر تر'' سے بر آمد ہوتا ہے۔ سلطان علاء الدین نے ایک خوبصورت مقبرہ تعمیر کروایا، اس کے اطراف ایک مستحکم چار دیواری ہے جس کا طول 279 فیٹ اور عرض 243 فیٹ ہے۔ گنبد تک مقبرہ کی بلندی 80 فٹ ہے۔ اندرون جانب کمانوں کی ترتیب دلکش ہے اور گچھ میں عمدہ نقش و نگار کیے گئے ہیں۔ [1]

ازواج واولاد:

حضرت خواجہ بیدر کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بی بی خدیجہ صاحبہ جو اہل قرابت سے تھیں اور دوسری بی بی نعمت صاحبہ جو خواجہ محمود گاواں بہمنیہ سلطنت کی صاحبزادی تھیں۔ بی بی خدیجہ صاحبہ کے بطن سے چھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔

ا۔ حضرت سید شاہ احمد اللہ حسینی غالب کرامات۔ 2۔ حضرت سید شاہ کلیم اللہ حسینی غالب کرامات۔ 3۔ حضرت سید شاہ گدائی حسینی۔ 4۔ حضرت سید شاہ محمد حسینی عرفی کالے حسینی۔ 5۔ حضرت سید شاہ کرامت اللہ حسینی۔ 6۔ حضرت سید شاہ صبغت اللہ حسینی۔ 7۔ بی بی کلثوم۔ 8۔ بی بی پارسا۔ 9۔ بی بی تسبیح۔

جبکہ بی بی نعمت صاحبہ کے بطن سے صرف ایک صاحبزادہ تولد ہوئے۔ حضرت سید شاہ ثمیر اللہ حسینی، جن کے فرزند سید شاہ زین العابدین حسینی لاولد فوت ہوئے۔

*****

مراجع ومصادر

1۔ تذکرۂ ابوالفیض، حضرت سید من اللہ محمد محمد الحسینی قدس سرہ، مولف سید شاہ متین اللہ حسینی صادق حسینی، 2024ء۔

2۔ تاریخ فرشتہ، مورخ محمد قاسم فرشتہ، المیزان ناشران و تاجران کتب لاهور، 2008ء

3۔ شوامل الجمل در شمائل اکمل، ملفوظات حضرت خواجہ ابوالفیض۔ حضرت سید شاہ کلیم اللہ حسینی۔ مخطوطہ: علاء الدین جنیدی گلکشن، گلبرگہ - Institue of Islamic Studies – 57546-Mc Gill University. M663s

4۔ حالاتِ بیدر، مولانا محمد عبد الوہاب عندلیب، مطبع اعظم معاون ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد۔ تاریخ غیر موجود

5۔ بیدر آج تک: عبد الصمد بہارتی۔ کرناٹک اردو اکیڈمی، بنگلور، 2009

6۔ حضرت خواجہ ابوالفیض، مجلہ جامعہ نظامیہ، 1363ھ

7۔ کیفیت خاندانِ محمدیہ، المعروف تاریخ محمدی، جہاں نما علی شاہ چشتی علوی، مطبع عزیز، حیدرآباد، 1901

[1] عبد الصمد بہارتی، بیدر آج تک: ص: 75-76۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی علمی، ادبی اور روحانی خدمات

ڈاکٹر سید شاہ سمیع اللہ حسینی*

حضرت بندہ نواز کا اسم گرامی سید محمد بن یوسف حسینی تھا۔ آپ کے القاب ابو الفتح، صدر الدین، بندہ نواز، اور گیسو دراز تھے۔ آپ حسینی سادات کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور آپ کا سلسلہ نسب تاریخی طور پر حضرت امام حسینؑ کے ذریعے حضرت علی مرتضیٰ سے جاملتا ہے۔ آپ کے والد حضرت سید یوسف حسینی ایک جید عالم دین اور صوفی بزرگ تھے۔ آپ کا خاندان دہلی کے علمی وروحانی حلقوں میں نہایت معزز تھا، اور آپ کی ولادت سے قبل ہی آپ کے خاندان نے تصوف وعلم کے میدان میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا۔

ولادت وابتدائی تعلیم وتربیت وخلافت:

حضرت کی ولادت 4 رجب 721ھ (1321ء) کو دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد، حضرت سید یوسف حسینی چشتی، خود ایک عظیم عالم اور صاحبِ کشف بزرگ تھے۔ 1327ء میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کے علما کو دکن منتقل کیا، چنانچہ آپ کا خاندان بھی دولت آباد (مہاراشٹرا) منتقل ہو گیا۔ کم عمری میں آپ نے قرآن حفظ کیا اور دہلی واپسی پر، علوم ظاہری وباطنی (حدیث، فقہ، نحو، تفسیر، منطق، فلسفہ، کلام، اور ادب) میں مہارت حاصل کی۔ 19 سال کی عمر تک آپ نے ان علوم میں مہارت حاصل کر لیا۔ آپ نے اپنے والد اور دیگر مشائخ سے تربیت پائی اور دہلی کے علمی حلقوں میں اپنی صلاحیتوں کالوہا منوایا۔

آپ نے سلسلۂ چشتیہ کے جلیل القدر بزرگ حضرت خواجہ سید نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے دستِ حق پر بیعت کی اور ان ہی سے خلافت واجازت حاصل کی۔ وفات سے قبل حضرت چراغ دہلوی نے اپنے خلفاء کی فہرست مرتب کرنے کا حکم دیا۔ جب اس فہرست میں آپ کا نام موجود نہ تھا تو انہوں نے متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: "کیا تم نے سید محمد کا نام نہیں لکھا؟ خلافت کا بار ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتا۔" چنانچہ آپ کو خلافتِ کاملہ عطا فرمائی گئی اور اس کے ساتھ یہ روحانی امانت آپ کے سپرد کی گئی۔ حضرت بندہ نواز نے نہ صرف سلسلۂ چشتیہ کی روایات کو محفوظ رکھا بلکہ انہیں دکن کی سرزمین میں ایک نئی روحانی جہت عطا کی۔ آپ کی خانقاہی تربیت، محبت وشفقت پر مبنی دعوت اور عملی سلوک نے ہزاروں طالبانِ حق کو ہدایت کے راستے سے جوڑا اور دکن میں ایک وسیع روحانی تحریک کو جنم دیا۔[1]

---

* سجادہ نشیں ومتولی آستانہ حضرت سید شاہ ملک حسینی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ راج پیٹ

[1] حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی. تاریخ مشائخ چشتی. مطبع نظامیہ, ص150-100 (1890)

لقب "گیسو دراز" کا پس منظر:

ایک مرتبہ حضرت چراغ دہلوی کی پالکی اٹھاتے وقت آپ کے لمبے بال پالکی میں الجھ گئے، مگر آپ ادباً خاموش رہے۔ شیخ نے خوش ہو کر فارسی میں فرمایا:

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد　　　واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

تب سے آپ "گیسو دراز" کہلائے۔ یہ لقب آپ کی عاجزی، ادب، اور شیخ سے محبت کی علامت بن گیا۔ آپ کے بالوں کی لمبائی صرف ایک ظاہری وجہ تھی، جب کہ اس لقب کے پیچھے آپ کی روحانی گہرائی اور عشقِ الٰہی کی عظمت کارفرما تھی۔[1]

دکن کی طرف ہجرت اور دعوت و روحانیت کا سفر:

1398ء میں تیمور کے دہلی پر حملے اور سیاسی کشیدگی کے باعث حضرت بندہ نواز نے دکن کا رخ کیا۔ آپ نے گوالیار، چاندیری، دولت آباد، اور بالآخر گلبرگہ میں قیام فرمایا۔ بہمنی سلطنت کے بانی سلطان فیروز شاہ بہمنی نے آپ کا شاہانہ استقبال کیا اور دربار میں بلند مقام عطا کیا۔ 22 سال تک گلبرگہ میں قیام کے دوران آپ نے لاکھوں دلوں کو فیض پہنچایا اور گلبرگہ کو روحانیت کا عظیم مرکز بنایا۔ آپ کی خانقاہ نہ صرف روحانی تربیت کا مرکز تھی بلکہ علم و ادب اور سماجی ہم آہنگی کا گہوارہ بھی بنی۔ آپ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے دکن کے عوام کو اسلامی اقدار سے روشناس کرایا اور چشتیہ سلسلے کو ایک نئی بلندی عطا کی۔[2]

ادبی و علمی خدمات:

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ایک عظیم صوفی، مفسر، محدث، فقیہ، شاعر، اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ آپ نے عربی، فارسی، اور دکنی اردو میں 100 سے زائد کتابیں تحریر کیں، جن میں چند مشہور کتب حسب ذیل ہیں:

تفسیرِ قرآن مجید (اردو میں اولین تفسیر)، شرحِ عوارف المعارف، معراج العاشقین (دکنی میں سیرتِ نبویؐ)، شکار نامہ (دکنی نثر کا پہلا نمونہ)، شرحِ فصوص الحکم، مرشد نامہ، شرحِ مشکوٰۃ، رسالۂ توحید، طریقۂ سلوک، مکتوبات و ملفوظات، شرحِ تمہیدات (امام عین القضاۃ کی کتاب پر)، شرحِ کشاف، شرحِ مشارق، شرحِ آداب المریدین، رسالہ در تصوف، در ذکر، در عشق حقیقی

حضرت بندہ نواز کی علمی میراث نہایت وقیع اور متنوع ہے۔ آپ کی تصانیف میں "الملتقط" قابلِ ذکر ہے، جو قرآنِ مجید کی تفسیر ہے اور اسے فنِ سلوک و تصوف کے اصولوں کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے تفسیرِ کشاف کے انداز پر پانچ اجزاء پر مشتمل ایک مستقل تفسیر تحریر کی اور اسی تفسیر پر حواشی بھی تحریر فرمائے۔ اسی طرح "مشارق الانوار" کی شرح سلوکی انداز میں

---

[1] حضرت خواجہ بندہ نواز، مرآۃ العاشقین، نول کشور پریس، لکھنؤ، ص15 (1880)

[2] ایضاً ص50-60

تحریر کی اور اس کا فارسی ترجمہ بھی پیش کیا۔ "عوارف المعارف" پر آپ نے جو شرح لکھی، وہ "معارف" کے نام سے مشہور ہے، اور آپ نے اس کا ترجمہ بھی فرمایا۔ اسی طرح "تعریف"، "فصوص الحکم" اور "آداب المریدین" پر مستقل شروح رقم کیں، جو عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں دستیاب ہیں۔ علاوہ ازیں، آپ نے "تمہیداتِ عینِ قضاہ" کی بھی شرح تحریر کی، جو فنِ معرفت اور سلوک کی باریکیوں کو واضح کرتی ہے۔[1] آپ نے ابن عربی، امام قشیری، امام غزالی، اور شہاب الدین سہروردی کی کتب پر تفصیلی شروحات تحریر کیں، جو صوفیانہ فکر کو عوام تک پہنچانے میں کلیدی کردار رکھتی ہیں۔2

آپ کا سب سے اہم کارنامہ دکنی اردو میں دینی تصانیف کا آغاز تھا، خصوصاً معراج العاشقین نے سیرتِ نبویؐ کو عوامی زبان میں عام کیا۔ آپ کی تحریروں نے نہ صرف دینی تعلیمات کو فروغ دیا بلکہ دکنی اردو کی ادبی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ یہ علمی ذخیرہ آج بھی محققین وسالکین کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

دکنی اردو ادب پر اثرات:

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے نہ صرف روحانیت اور تعلیمات کے ذریعے دکن کے فکری منظر نامے کو متاثر کیا بلکہ اردو زبان وادب کو ایک نئی جہت بھی عطا کی۔ آپ کی تصنیف معراج العاشقین دکنی اردو نثر کا اولین نمونہ شمار کی جاتی ہے، جس نے عام فہم زبان میں پیچیدہ صوفیانہ افکار کو پیش کر کے علم کو عوام الناس تک پہنچایا۔ اس اسلوب نے اردو کو محض اظہار کا ذریعہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے ایک علمی وروحانی زبان کے طور پر بنیاد فراہم کی۔ حضرت کے ذریعے اردو ادب میں صوفیانہ فکر اور عوامی زبان کا حسین امتزاج پیدا ہوا، جو آگے چل کر دکنی اردو کی شعری ونثری روایت کی تشکیل کا سبب بنا۔ اسی لیے آپ کو اردو زبان کے اولین محسنین میں شمار کیا جاتا ہے[3]۔

ادبی خدمت: معراج العاشقین کی تصنیف

جب حضرت گیسو دراز اپنے مریدوں کو درس دیتے تو اکثر دیکھتے کہ وہ عربی اور فارسی کی پیچیدہ صوفی اصطلاحات کو سمجھنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔ آپ نے صوفی تعلیمات کو آسان بنانے کے لیے معراج العاشقین دکنی اردو میں تصنیف کی، جو زبان کی ابتدائی نثری کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ ایک عالم نے اس کی سادہ اسلوب پر اعتراض کیا تو حضرت نے فرمایا: ’’خدا تک پہنچنے کا راستہ ہر ایک کے لیے صاف ہونا چاہیے، نہ کہ صرف اہلِ علم کے لیے۔‘‘ یہ کتاب دکنی اردو ادب کی بنیاد ثابت ہوئی اور حضرت کو ایک ادبی رہنما کے

---

[1] علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی. روضۃ الاولیاء (مہاراشٹر اکے خلد آباد کے مشہور دینی بزرگوں کی مصدقہ حیثیت). ادارہ نشر واشاعت رام پور (اتر پردیش)، ص39، (1996)

[2] حضرت خواجہ بندہ نواز، شرحِ رسالہ قشیریہ، مطبع نظامیہ، حیدرآباد، باب دوم، ص42، (1905)

[3] ڈاکٹر محمد سلیمان صدیقی، چشتی سلسلہ اور حضرت خواجہ بندہ نواز، مرکز تحقیقات اردو، ص120-130, (1998)

طور پر ممتاز کیا۔

آپ کی تحریروں نے نہ صرف اردو زبان کی ترویج کی بلکہ اسے ایک ادبی زبان کے طور پر بھی مستحکم کیا۔[1]

بین الاقوامی اسکالرز کی آرا:

- این میری شمل (جرمنی) نے آپ کو صوفی شعری روایت کا ستون اور "قلم کا سلطان" قرار دیا ہے۔ وہ تحریر کرتی ہیں کہ: "شریعت ہی اصل الٰہی راز ہے، کیونکہ حقیقت کے الفاظ ہندو جوگیوں سے بھی سننے کو ملتے ہیں، لیکن شریعت کی زبان صرف اہلِ ایمان کے پاس ہے۔"[2]
- جوزف ڈبلیو میری (امریکہ) نے آپ کو دکن میں سلسلہ چشتیہ کے بانیوں میں سے قرار دیا ہے اور وہ معراج العاشقین کو اردو نثر کی بنیاد مانتے ہیں۔[3]
- رچرڈ ایٹن (امریکہ) لکھتے ہیں کہ: "گیسو دراز نے دکن کو روحانی مرکز بنایا اور مسلم ریاستوں کو وحدت واستحکام بخشا۔ آپ کا مزار دکن کا سب سے بڑا اسلامی مرکز ہے۔"[4]

تصوف وسلوک: جامع نظریہ روحانیت:

حضرت بندہ نواز نے شریعت وطریقت کو اعتدال اور حکمت کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔ آپ کے نزدیک تصوف شریعت کا باطن اور محبتِ الٰہی کا عملی سفر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ: "تصوف نہ فقیری ہے، نہ درویشی، بلکہ وہ بندگی کا عمدہ روپ ہے جو قرآن وسنت سے جدا نہیں ہو سکتا۔" آپ کا روحانی نظریہ وحدت الوجود کے قریبی مفہوم میں تھا، مگر اس میں اسلامی اصولوں کی پابندی نمایاں تھی، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث 2937 میں فتنوں سے حفاظت کی تاکید ہے۔ آپ نے اپنی تعلیمات میں زور دیا کہ تصوف کا اصل مقصد اللہ سے قربت اور خلقِ خدا کی خدمت ہے۔[5]

روحانی اثرات:

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی روحانی قوت کا ایک انوکھا مظہر سلطان فیروز شاہ بہمنی کے دور میں دیکھنے کو ملا، جب آپ کے وحدت

---

[1] این ماری شمل، اسلام اِن دی انڈین سب کانٹینینٹ، برل، جرمن (1980)

[2] این ماری شمل، مِسٹیکل ڈائمینشنز آف اسلام، یونیورسٹی آف نارتھ کیرولائنا پریس (1975)

[3] جوزف ڈبلیو میری، قرونِ وسطیٰ کی اسلامی تہذیب: ایک انسائیکلوپیڈیا، راؤٹلیج (2006)

[4] رچرڈ ایم ایٹن، دکن کی سماجی تاریخ، کیمبرج یونیورسٹی پریس، ص 146-145 (2005)

[5] حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی. تاریخ مشائخ چشتی. مطبع نظامیہ، ص150-100 (1890)؛ حضرت خواجہ بندہ نواز. شرحِ رسالہ قشیریہ. مطبع نظامیہ، حیدرآباد، باب 2، ص42، (1905)

الشہود (وحدتِ گواہی) کے عقیدے پر دربار میں شکوک پیدا ہوئے۔ سلطان نے ایک معزز عالم کو بھیجا تا کہ آپ کی تعلیمات کی تحقیق کی جائے۔ جب وہ محقق آپ کی مجلس میں پہنچے تو اللہ کی خاص رحمت سے متاثر ہوئے اور نہ یہ کہ صرف آپ کے عقائد کی صداقت تسلیم کی بلکہ خود آپ کے مرید بن گئے۔ یہ واقعہ آپ کی علمی گہرائی اور روحانی جاذبیت کی زندہ تصویر ہے، جو بتاتا ہے کہ حضرت کی بات سطحی نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ دل کی گہرائیوں تک پہنچتی تھی۔ یہ امتحان نہ صرف آپ کی خلافتِ کاملہ کی توثیق کرتا ہے بلکہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ تصوف کا اصل جوہر شریعت کی روشنی میں باطنی معرفت کا امتزاج ہے، جو مخالفین کو بھی دوست بنالیتا ہے۔ [1]

اسی طرح ایک بہمنی درباری، جو محلاتی تنازع میں اپنے کردار پر نادم اور بے چین تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے نصیحت فرمائی کہ روزانہ ایک محتاج گھرانے کو کھانا کھلائے اور ساتھ ساتھ سورہ اخلاص کی تلاوت کیا کرے تا کہ دل صاف ہو۔ چند ہفتوں میں درباری نے اطمینانِ قلب محسوس کیا اور اپنے ساتھیوں سے صلح کرلی۔ اس نے اپنی تبدیلی کا سہرا حضرت کی روحانی رہنمائی کو دیا۔[2] یہ واقعہ حضرت کے بہمنی دربار پر اثرات کو ظاہر کرتا ہے۔

بین المذاہب رواداری اور سماجی ہم آہنگی:

حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی شخصیت وسعتِ قلب، رواداری اور اخلاص کا عملی نمونہ تھی۔ تذکرۂ اولیائے دکن کے مطابق ہندوؤں اور دیگر برادریوں کے افراد بھی آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوتے اور روحانی تسکین حاصل کرتے تھے۔ یہ خانقاہ محض مسلمانوں کا مرکز نہ تھی بلکہ ہر اس شخص کے لیے کھلی تھی جو سچے دل سے حق کی تلاش میں آتا۔ یہی طرزِ عمل بین المذاہب ہم آہنگی اور انسانی اخوت کی روشن مثال تھا۔

آپ نے اسلامی تعلیمات کو فلسفیانہ پیچیدگی کے بجائے سادہ اور قابلِ فہم زبان میں بیان کیا۔ عوامی محاوروں، مقامی تشبیہوں اور روزمرہ مثالوں کے ذریعے آپ نے عشقِ الٰہی اور اخلاقی تربیت کا پیغام عام کیا۔ لاکھوں دل اسی نرم خو دعوت کے نتیجے میں اللہ کی طرف مائل ہوئے۔ آپ کا یہ طرز دعوت صحیح بخاری کی حدیث (6131) کے اس مفہوم کی یاد دلاتا ہے کہ گنہگار کو سختی کے بجائے نرمی اور حکمت کے ساتھ سمجھایا جائے۔

حضرت بندہ نواز کی تعلیمات کا ایک نمایاں پہلو معاشرتی انصاف اور محروم طبقات کی فلاح وبہبود ہے۔ آپ نے محض وعظ ونصیحت تک خود کو محدود نہ رکھا بلکہ عملی طور پر معاشی توازن کے قیام کی کوشش کی۔ آپ نے زکوٰۃ وصدقات کو فرض کی ادائیگی سے بڑھ کر اجتماعی ذمہ داری کے طور پر پیش کیا اور اپنی خانقاہ کو ایک ایسے رفاہی مرکز میں بدل دیا جہاں غریبوں، مسافروں اور محتاجوں کے لیے کھانا، علاج، رہائش اور مالی مدد کا انتظام بلا امتیاز مذہب وملت کیا جاتا تھا۔

---

[1] رچرڈ ایم ایٹن، دکن کی سماجی تاریخ، کیمبرج یونیورسٹی پریس، ص 146-145 (2005)

[2] ڈاکٹر عبد اللہ. رسائل بندہ نواز، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، ص200-50، (1995)

آپ کے ملفوظات میں امیر طبقے کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جملہ ملتا ہے:

"تمہارے خزانوں میں جو کچھ ہے، وہ محنت کش اور محتاج کا حق ہے، اسے ان تک پہنچاؤ۔"

یہ فکر جدید اصطلاح میں دولت کی منصفانہ تقسیم (Equitable Distribution of Wealth) کے اصول کے مترادف ہے۔ آپ کی اس روحانی معاشی بصیرت نے بہمنی سلاطین کو بھی متاثر کیا، جس کے نتیجے میں سلطان احمد شاہ ولی نے حکومت کی سطح پر فلاحی فنڈز قائم کیے۔

یہ پہلو ثابت کرتا ہے کہ صوفیا کے نزدیک روحانیت صرف عبادت و مجاہدہ کا نام نہیں تھی، بلکہ معاشرتی اصلاح، معاشی حقوق کی بازیابی اور انسانی وقار کی بحالی بھی اس کا ایک بنیادی حصہ تھی۔ آج کے دور میں جب دولت چند ہاتھوں میں سمٹ رہی ہے، حضرت بندہ نواز کا یہ نظریہ نہایت عصری معنویت رکھتا ہے اور سماجی عدل کے لیے ایک قابلِ عمل روحانی ماڈل فراہم کرتا ہے۔[1]

بین المذاہب ہم آہنگی (بطور عملی مثال):

حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی خانقاہ روحانی سکون اور انسانی التفات کا وہ مرکز تھی جہاں نہ صرف مسلمان بلکہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی رہنمائی کے لیے آتے تھے۔ انہیں میں ایک ہندو تاجر بھی شامل تھا جو آپ کی تعلیماتِ عشقِ الٰہی اور وسعتِ قلبی سے بے حد متاثر ہوا کرتا تھا۔ وہ اکثر خانقاہ حاضر ہو کر خاموشی سے مجالسِ ذکر میں بیٹھتا اور قلبی اطمینان محسوس کرتا۔

ایک روز وہ تاجر اضطراب کی حالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"مجھے خوف ہے کہ میرا غیر مسلم ہونا مجھے خدا کی رحمت سے محروم نہ کر دے۔"

حضرت گیسو دراز نے نہایت شفقت اور نرمی سے ارشاد فرمایا:

"جو دل خلوص کے ساتھ خدا کو تلاش کرتا ہے، اس پر اُس کی رحمت ضرور سایہ کرتی ہے، چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔"

اس کے بعد آپ نے اسے ایک تسبیح عطا فرمائی اور نہایت سادہ ذکر سکھایا تاکہ وہ دل کی حاضری کے ساتھ اللہ کو یاد کرے۔ اسی واقعے کے اثر سے وہ تاجر آپ کے قریب آتا گیا اور بالآخر آپ کی بیعت سے مشرف ہوا۔ بعد ازاں وہ جہاں بھی جاتا، حضرت بندہ نواز کی کشادہ دلی، رواداری اور آفاقی محبت کو مثال کے طور پر بیان کرتا۔

یہ واقعہ نہ صرف حضرت بندہ نواز کی شفقتِ عامہ اور روحانی جاذبیت کو نمایاں کرتا ہے بلکہ اس حقیقت کی بھی گواہی دیتا ہے کہ ان کے یہاں انسانیت مذہبی امتیازات سے بالاتر تھی، اور روحانیت کا دروازہ ہر اُس دل کے لیے کھلا تھا جو اخلاص کے ساتھ حق کی تلاش میں ہو۔

---

[1] تذکرہ اولیائے دکن، ص105؛ درگاہ گیسو دراز کے تاریخی احوال (1910)

علم وروحانیت کا امتزاج:

حضرت خواجہ بندہ نواز کی شخصیت علم وروحانیت کے ایک نادر امتزاج کی آئینہ دار تھی۔ آپ صرف ایک صوفی بزرگ نہیں بلکہ ایک عظیم محقق، مفسر اور صاحبِ کشف و بصیرت عالم تھے۔ آپ نے ظاہر و باطن کے علوم کو یکجا کیا اور تصوف کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایک جامع روحانی نظام پیش کیا۔ آپ کی تصانیف میں تفسیرِ قرآن اور فقہی مباحث سے لے کر عرفانی نکات اور باطنی اسرار تک کی گہرائی ملتی ہے، جو ظاہر کرتی ہے کہ آپ کی روحانی پرواز علمی استدلال سے جدا نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خانقاہ محض ذکر و فکر کا مرکز نہیں بلکہ ایک علمی و فکری درسگاہ بھی تھی، جہاں عقل و دل دونوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ آپ کی روحانی تعلیمات نے دلوں کو سکون دیا اور آپ کی علمی بصیرت نے دماغوں کو منور کیا۔ آپ ایک ایسے صوفی تھے جنہوں نے معرفت کو علم کی بنیاد پر اور علم کو معرفت کی روشنی میں پیش کیا، جو آج بھی محققین اور سالکین کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

آپ کے شاگردوں، خلفا (جیسے حضرت خواجہ جلال، حضرت جمال الدین مغربی اور حضرت سید تاج الدین حسینی)، اور علمی کام نے دکن کے صوفیانہ مزاج کو بدل دیا۔ آپ کی وجہ سے گلبرگہ کو "دکن کا بغداد" کہا گیا۔ عثمانیہ عہد اور نظام کے دور میں آپ کی تعلیمات نصاب کا حصہ رہیں۔ آپ کی خانقاہ سے نکلنے والے صوفیانہ افکار نے دکن کے سماجی، ثقافتی، اور روحانی ڈھانچے کو مستحکم کیا۔ آپ کے مریدین نے نہ صرف دکن بلکہ پورے برصغیر میں چشتیہ سلسلے کو پھیلایا[1]۔ حضرت کی یہ تعلیمات آج کے دور میں بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ حقیقی روحانیت علم اور عقل کی روشنی کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

بہمنی حکمرانوں سے تعلق

سلطان فیروز شاہ بہمنی اور احمد شاہ ولی آپ سے فیض یاب ہوئے۔ فیروز شاہ نے اپنے بیٹے کو اپنی جگہ مقرر کیا جو شرابی اور عیاش تھا، جس سے حضرت ناخوش ہوئے اور پیشین گوئی کی کہ ان کا بھائی احمد علی شاہ بہمنی اگلا سلطان بنیں گے، جس کی وجہ سے سلطان فیروز شاہ نے حضرت سے دوری اختیار کی۔ آپ کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی، اور احمد شاہ ولی نے حکمرانی سنبھالی، آپ سے بیعت کی، اور گلبرگہ میں آپ کا شاندار مزار تعمیر کروایا۔ یہ تعلق نہ صرف روحانی بلکہ سیاسی استحکام کا باعث بھی بنا۔[2]

وصال اور روضۂ اقدس اور روحانی اثرات:

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا وصال 16 ذوالقعدہ 825ھ / 1422ء کو گلبرگہ میں ہوا۔ اُس وقت آپ کی عمر سو برس سے زائد،

---

[1] ڈاکٹر سید محمد نذیر حسین۔ حضرت بندہ نواز کی علمی و ادبی خدمات۔ انجمن ترقی اردو، دہلی, ص-50 (1985)

[2] شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ تاریخ مشائخ چشتی۔ مطبع نظامیہ، ص120 (1890)؛ ڈاکٹر محمد سلیمان صدیقی، چشتی سلسلہ اور حضرت خواجہ بندہ نواز، مرکز تحقیقات اردو، لاھور، ص50, (1998) مولانا ظہور الحسن۔ تذکرۂ اولیائے دکن۔ حیدرآباد، ص(1925) 85 وڈاکٹر ایم اے قدوائی۔ حضرت بندہ نواز: ایک تحقیقی مطالعہ۔ دہلی، ص 200-1، (1990)

یعنی تقریباً 101 برس تھی۔ وفات کے بعد آپ کی تدفین گلبرگہ ہی میں کی گئی، جہاں سلطان احمد شاہ ولی بہمنی نے عقیدت و احترام کے ساتھ آپ کا مزار تعمیر کروایا۔ یہ مزار نہ صرف بہمنی فنِ تعمیر کی ایک شاندار مثال ہے بلکہ دکن کی روحانی اور تہذیبی تاریخ کا بھی ایک درخشاں نشان سمجھا جاتا ہے۔

گلبرگہ کا یہ مرقد آج جنوبی ہند کا سب سے بڑا روحانی و علمی مرکز تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں ہر سال لاکھوں زائرین، خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، حاضر ہوتے ہیں اور روحانی سکون و برکت حاصل کرتے ہیں۔ عرسِ مبارک کے موقع پر یہ مرکز ایک عظیم روحانی اجتماع گاہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جہاں زبان، نسل اور مذہب کی تمام حدیں مٹ جاتی ہیں اور صرف عشق و عقیدت کا رنگ باقی رہتا ہے۔

مزار کی معماری کی لطافت، گنبدوں کا توازن، خطاطی کی نزاکت اور صحن کی روحانی فضا دکن کی مشترکہ تہذیب (Composite Culture) کی جیتی جاگتی علامت ہے۔ اس طرح حضرت بندہ نواز کا مزار نہ صرف ایک خانقاہی مرکز ہے بلکہ روحانیت، فنِ تعمیر، اور تہذیبی ہم آہنگی کا ایک زندہ استعارہ بھی ہے۔[1]

خاندانی روحانی ورثہ اور حضرت ستی ماں بی کا روحانی کردار:

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا خانوادہ خود ایک مستقل روحانی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس خاندان کی روحانی وراثت میں حضرت بی بی فاطمہ عرف ستی خاتون رحمۃ اللہ علیہا جو ستی ماں بی سے مشہور ہیں کا کردار خصوصاً نمایاں ہے۔ وہ نہ صرف حضرت بندہ نواز کی صاحبزادی تھیں بلکہ چشتیہ سلسلے کی نسوانی روحانی روایت کی ایک روشن مثال بھی ہیں۔ انہوں نے خواتین کی روحانی تربیت اور اصلاحِ باطن کے لیے الگ مجالس قائم کیں اور اپنے والد کے مشن کو نہایت وقار کے ساتھ آگے بڑھایا۔

گلبرگہ میں واقع ان کا مزار آج بھی زائرین کے لیے فیضانِ روحانی کا مرکز ہے، جہاں خصوصاً بچوں کی زبان کی کمزوری، تتلاہٹ اور روحانی عوارض کے علاج کے لیے حاضری دی جاتی ہے۔ یہاں آنے والوں کو تبرک کے طور پر "شکر" دی جاتی ہے، جسے شفا اور رحمت کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ خاندانی تسلسل واضح کرتا ہے کہ حضرت بندہ نواز کی خانقاہ صرف مردوں کے لیے ہی روحانی مرکز نہیں تھی بلکہ یہاں خواتین کی روحانی شرکت اور سماجی ہم آہنگی کو بھی بھرپور فروغ ملا۔ یوں حضرت ستی ماں بی کا کردار چشتیہ سلسلے کی آفاقیت اور روحانی شمولیت (Spiritual Inclusiveness) کا مجسم اظہار ہے، جو بین المذاہب اور بین الاصناف ہم آہنگی کے اس خانقاہی ورثے کو مزید وسعت دیتا ہے۔

*****

---

[1] شیخ عبد الحق محدث دہلوی. تاریخ مشائخ چشتی. مطبع نظامیہ, ص 120 (1890) و ڈاکٹر ایم اے قدوائی. حضرت بندہ نواز: ایک تحقیقی مطالعہ. دہلی، ص120،(1990)

مراجع ومصادر

1۔ حضرت خواجہ بندہ نواز. مرآۃ العاشقین. نول کشور پریس، لکھنؤ،(1880)

2۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی. تاریخ مشائخ چشتی. مطبع نظامیہ (1890)

3۔ حضرت خواجہ بندہ نواز. شرحِ رسالہ قشیریہ. مطبع نظامیہ، حیدرآباد، باب(1905)

4۔ قاضی افضل. تذکرہ اولیائے دکن. مطبع جامعہ نظامیہ، حیدرآباد (1910)

5۔ مولانا ظہورالحسن. تذکرۂ اولیائے دکن. حیدرآباد،(1925)

6۔ ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی، حضرت سید محمد الحسینی گیسودراز: تصوف پر، ادارہ ادبیات، دہلی،(1985)

7۔ ڈاکٹر سید محمد نذیر حسین. حضرت بندہ نواز کی علمی و ادبی خدمات. انجمن ترقی اردو، دہلی (1985)

8۔ ڈاکٹر ایم اے قدوائی. حضرت بندہ نواز: ایک تحقیقی مطالعہ. دہلی،(1990)

9۔ ڈاکٹر عبداللہ. رسائل بندہ نواز، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد،(1995)

10۔ علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی. روضۃ الاولیاء (مہاراشٹر اکے خلد آباد کے مشہور دینی بزرگوں کی مصدقہ حیثیت). ادارہ نشر و اشاعت رام پور (اترپردیش)،(1996)

11۔ ڈاکٹر محمد سلیمان صدیقی، چشتی سلسلہ اور حضرت خواجہ بندہ نواز، مرکز تحقیقات اردو، لاہور(1998)

12۔ مولانا سمیع الدین حسینی. ادب و روحانیت در چشتی مشائخ. بندہ نوازی ریسرچ، گلبرگہ(2000)

13۔ سید جعفر حسین ہمزوی، گیسودراز: عالمی مفکرین کی محبت بھری تعریفی تحریروں کا مجموعہ۔(2024)

14۔ این ماری شمل، مِسٹیکل ڈائمینشنز آف اسلام، یونیورسٹی آف نارتھ کیرولائنا پریس(1975)

15۔ این ماری شمل، اسلام اِن دی انڈین سب کانٹیننٹ، برل(1980)،

16۔ رچرڈ ایم ایٹن، دکن کی سماجی تاریخ، کیمبرج یونیورسٹی پریس(2005)

17۔ جوزف ڈبلیو میری قرونِ وسطیٰ کی اسلامی تہذیب: ایک انسائیکلوپیڈیا، راؤٹلیج(2006)

حضرت خواجہ بندہ نواز کی شاعری: ایک تعارف

ڈاکٹر رئیسہ نسرین*

حضرت بندہ نواز گیسو دراز چشتیہ سلسلے کے جلیل القدر صوفی اور ممتاز عالم و فاضل تھے۔ آپ ایک اعلیٰ درجے کے مصنف و مؤلف بھی تھے اور آپ کی کتابیں زیادہ تر عربی اور فارسی میں تحریر کی گئی ہیں، تاہم آپ نے دکنی اردو میں بھی قابلِ ذکر کام کیا۔ دینی تعلیمات، اخلاقیات اور تصوف کے مسائل پر لکھی گئیں آپ کی نظم و نثر کو نہایت شوق اور عقیدت کے ساتھ پڑھی جاتی رہی ہیں۔

صوفیائے کرام ہمیشہ تصنیف، تالیف اور شاعری کے ذریعے اسلام کی تبلیغ، سماجی اصلاح، اور اسلامی عقائد و تعلیمات کی تشریح کرتے رہے ہیں۔ حضرت بندہ نواز نے بھی یہی فریضہ نہایت جامع، مستند اور مؤثر طریقے سے انجام دیا، جس کی بدولت بہت سے دینی راز اور روحانی معارف عوام کی سمجھ میں آئے۔ آپ کی نثری تحریروں میں متعدد کتابیں، رسائل اور مجلے شامل ہیں، جو علمی اور روحانی اعتبار سے اعلیٰ معیار کی ہیں اور پڑھنے کے بعد دل و دماغ کو روشن کرتی ہیں۔

نظم کے شعبے میں حضرت بندہ نواز کا کام محدود ہے۔ اگرچہ کہ آپ شاعر تھے، لیکن آپ کا زیادہ رجحان نثر اور تصانیف کی طرف رہا۔ عربی اور فارسی میں ان کا کلام کافی دستیاب ہے، لیکن دکنی اردو میں محفوظ اشعار بہت کم ہیں۔ موجودہ محققین اور راقمہ نے مختلف رسائل اور کتب سے ان کے فارسی اشعار اردو ترجمہ یا حوالہ کے طور پر جمع کیے، تاہم انہیں مکمل طور پر سمجھنا آسان نہیں تھا۔

اخلاقیات، دینیات، انسانیت اور وحدانیت کے موضوعات سے بھرپور ان کے اشعار پر تفصیلی مضمون لکھنے کی خواہش تھی، لیکن اچانک کتاب ''گلزار ادب'' (از محترمہ اسماء بیگم، شعبہ فارسی، نظام کالج، حیدرآباد) ہاتھ لگی۔ محترمہ اسماء نے یہ کتاب بڑی محنت اور خلوص کے ساتھ مرتب کی ہے اور تحقیق میں انصاف کیا ہے۔ اس کتاب میں ''حضرت بندہ نواز کی فارسی شاعری'' کے عنوان سے ایک مضمون شامل ہے، جس نے آپ کے شاعری کے پہلو پر روشنی ڈالی اور معلومات میں اضافہ کیا۔ اس کے کچھ اقتباسات ملاحظہ کریں:

> ''حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی فارسی شاعری میں غزلیں، رباعیات اور دیگر اشعار شامل ہیں جو مختلف تصانیف اور ملفوظات میں موجود ہیں۔ ان کے ملفوظات ''جوامع الکلم'' میں تقریباً 36 غزلیں درج ہیں، جو آپ کے دیوان ''انیس العشاق'' میں بھی شامل ہیں۔ دیوان کے دیباچے میں ذکر ہے کہ جب آپ کے فرزند حضرت سید اکبر حسینی قدس سرہ یہ ملفوظات قلمبند کر رہے تھے، تو حضرت بندہ نواز جب بھی کوئی غزل کہتے، اسے یا تو اسی روز یا ایک دو روز کے بعد اپنے فرزند کو دے دیتے، اور وہ اسے ملفوظات میں شامل کر لیتے۔ اس طرح یہ تمام غزلیں دیوان میں محفوظ ہو گئیں۔

* لیکچرر بی بی رضا ڈگری کالج، گلبرگہ

اس دیوان کی ترتیب حضرت بندہ نواز کے ایک ممتاز اور برگزیدہ مرید نے کی، تاہم انہوں نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی دیوان کی ترتیب یا تکمیل کی کوئی تاریخ ذکر کی گئی ہے۔ بعد ازاں مولوی حافظ سید عطا حسین صاحب نے دیوان کی تصحیح کی، اور 1360ھ میں کتب خانہ روضتین گلبرگہ سے اس کی اشاعت وطباعت عمل میں آئی۔

حضرت مخدوم کو شاعری سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی، اور وہ خود بھی اس بات کا اظہار فرماتے ہیں۔ "اسماءالاسرار" کے دیباچے میں آپ نے شعر گوئی کو اپنا ثانوی شغف قرار دیا ہے، جب کہ اصل توجہ ہمیشہ دینی، روحانی اور تصوف کے امور پر تھی۔ چنانچہ اسماء الاسرار کے دیباچہ میں مذکور ہے:

> "اما بعد چند گہے بلکہ زیادت از مہی برنحی کہ الم تا پاک رانگیجی باشد و بمرضی کہ موت راغرضی بود مبتلا و گرفتار بودم تقدیر آسمانی و خواست ربانی صحتی رانبام ماشبتے کرد دماغ لطیف و سبک شدان سنگی بہاد ہوار فت بخاصیت طبعیت میل بر غزلے و شعری شد گفتم لا حول ولا قوۃ الا باللہ چہ کار من است و الشعراء تبعهیم الغائون لغت کار من شد۔ بضرورت فکر مائل بہ سمر شد در خاطر افتاد اگر سمر شد گویم بارے اسماء الاسرار"

ترجمہ: بعد ازاں کچھ عرصہ بلکہ زائد از مہینہ میں بیماری میں پریشان و مبتلا رہا۔ حتیٰ کہ وہ بیماری گویا میری موت کی خواہاں تھی اس میں مبتلا و گھیرا ہوا رہا تھا۔ مقدر اور اللہ کی مرضی سے میرے نام صحت یابی لکھ دی گئی اور میرا دماغ تر و تازہ ہو گیا۔ ہر قسم کی پریشانی سے نجات مل گئی فطری طور پر غزل اور شعر گوئی کی طرف رجحان ہوا تو میں نے اس پر لاحول پڑھا۔ میرا یہ کام نہیں ہے اس لیے کہ شعر الغوبات کی متابعت کرتے ہیں البتہ میرا کام نعت گوئی ہے۔ لیکن ضرورت کے پیش نظر میری توجہ "سمر" لکھنے کی طرف مائل ہوئی چنانچہ دل میں یہ خیال پدیا ہوا کہ میں سمر کہوں چنانچہ یہ اسماءالاسرار پیش ہے۔"

محترمہ اسماء بیگم آگے لکھتی ہیں۔

> "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعر گوئی سے آپ کو زیادہ دلچسپی نہیں تھی اور اس کی جانب زیادہ توجہ نہیں فرماتے تھے۔ غلبہ حال سے مجبور ہو جاتے تو بمقتضائے "خاص طبیعت" غزل کہہ دیتے اس لیے انھوں نے اپنی غزلوں کے جمع کیے جانے کا بھی خیال نہیں کیا آپ کی بہت سی ایسی رباعیاں، غزلیں اور اشعار جو آپ کی تصانیف میں پائے جاتے ہیں جو اس دیوان میں شامل نہیں ہیں۔"

حضرت بندہ نواز کی شاعری صوفیانہ رنگ کی شاعری تھی۔ دین اور ایمان کی روشنی سے لبریز حضرت کی شاعری اس زمانے میں بھی قابل توجہ رہی اور آج بھی اس کی ضرورت اور اہمیت ہے۔ آپ نے کوئی ایک تخلص اختیار نہیں کیا۔ کبھی "محمد" کبھی ابوالفتح، گیسودراز، شہباز اور کبھی پورا نام اپنے مقطعوں میں استعمال کیا کرتے تھے۔

ایک مقطع ملاحظہ کریں۔

"اے ابوالفتح محمد صدر دین گیسودراز" مختصر کن چند نالی قعہ خود گردا

راقمہ حضرت بندہ نواز کے قلم مبارک سے نکلے شعری کلمات بطور نمونہ پیش کرنا چاہے گی جو فارسی زبان میں ہیں، ملاحظہ کریں۔

فارسی رباعیات بندہ نواز گیسودراز

در کوئے خرابات مغانرا بوبرم
من ہرچہ نم میرا روا ہست ولیک
در مجلس طامات جواں رابہ برم
شیخیت محمد بلے من تذ و برم

بے شمع رُخ اگر نہ سوزم چہ کنم
چوں عکس دی و محصر در چستم آبد
صد پارہ دل شدہ نہ دوزم چہ کنم
اے مردم اگر نہ می فروزم چہ کنم

ازورو فراق اگر نہ نالم چہ کنم
می گوئی با توام نہ ام ہرگز دور
شب و روز اگر نہ درخیالم چہ کنم
درعین حضور بے و صالم چہ کنم

فرقت نصیب گم نہ اٹھائیں تو کیا کریں
کہتے ہو تم قریب ہو آنکھوں میں دل میں ہو
بزم خیال و دل سجائیں تو کیا کریں
پھر دولت و صال نہ پائیں تو کیا کریں

دل درپے دلبرے نہ پوید چہ کند
دل آئینہ عکسے بت دروشد پیدا
از درد فراق جاں نہ جوید کند
دل خود راعین بت نہ گوید چہ کند

دنیا شد او قیصر و خاقاں را
تیج فرشتہ راشنا انسان را
دوزخ بدرا بہشت مرنیکاں را
جاناں مارا و جان ما جاناں را

پانی میں نمک ڈال بساں دیکھنا اسے
یوں گھولے خود اپنی خدا ساتھ مصطفی
جب گھل گیا تو نمک بولنا کسے
جب گھل گئی خودی تو خدا بولنا کسے

آئو ساجن یوں میں لڑے، آئو ساجن یوں میں لڑے
چتا ٹھائو نا میں لڑے، کیا کروں صاحب کیا کروں سائلی جی
آئو میاکرے، پیار کرے، اپنی ہاں پیار کرے اپنی جانی
بن سوں دیا آپیو دے دیا آومیر
ہم داتیوں آوے، ساجن یوں میں لڑے
او بندہ نا، ہاں ہاں رے ہا!!!
محمد کی ہاں ہاں رے یا محمد کے رے ہاں ہاں رے والی
پیورے، ساجن یوں میں لڑے

جھکوں موئے سوں کچھ اپڑیا ہے خدا کوں اپڑنے کی استعداد ہو رہے

بکری جو میں میں کرے، گلے چھری پھر وائے	مینا جو میں نا کہے ، سب کے من کو بھائے
مسلمان ہونا نھی بات نہیں	مسلمان ہونا ہے لاکھوں میں کوئی
دردیدہ بجائے خواب آبست مرا	زیرا کہ بدید نش شتابت مرا
گویند بہ خسپ نابہ خواہش بنی	اے بنجیر ان چہ جالے خوابست مرا
عیاں راز خاز باشد مفرش	عیار نہ پائے ازیں راہ بکش
تادر نہ زنی بہر چہ داری آتش	ہر گز نہ شود حقیقت عیش تو خوش
دل در تگ وپونہ شد نکو شدکہ نہ شد	جزبز تو فرونہ شد نکو شد
گفتی کہ بر نجم از نکو شد کارت	دیدی کہ نکو شد و نکوش کہ نہ شد

*****

خاندان حضرت سید باباشاہ حسین احسن آبادی کی علمی وروحانی خدمات

ام الفضل حمیراءفاطمہ *

دکن میں خواجہ سید حاجی شریف حسین المعروف حاجی دوام الدین مکی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اپنی طویل خدمات کی وجہ سے نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ آپ آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ کا تعلق مکہ شریف سے بھی ہے اور ہندوستان سے بھی۔ آپ کی جنم بھومی حجاز یعنی سر زمین بطحاء ہے اور ہندوستان آپ کی کرم بھومی ہے۔پہلے آپ مکہ مکرمہ سے دہلی تشریف لائے، پھر دہلی سے جنوبی ہند کی جانب کوچ فرمایا۔ آپ کی ذات گرامی وہ تناور درخت ہے جس کی سرسبز شاخیں اور اس کے پھول دکن کی فضاؤں کو صدیوں سے مہکارہے ہیں۔" سوپشت سے ہے پیشہ ٔ آباسپہ گری" کے مصداق لشکروں کی رہنمائی کرنے کے علاوہ آپ نے جس طرح بندگانِ عام کی دستگیری فرمائی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

آج آپ کے خانوادے کا نام بہت عزت واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے، آپ کے فرزند حضرت میراں جی شمس العشاقؒ کا نام کون نہیں جانتا؟ علم وادب کے ہر راستے کا سنگ میل یہ ایک نام ہے، دکنی ادب اور اردو ادب پر آپ کے عظیم احسانات ہیں، اس کے علاوہ حضرت برہان الدین جانم اور حضرت امین الدین علی اعلی بھی آپ ہی کی اولادامجاد میں سے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک عظیم خاندان ہے۔

حضرت خواجہ سید حاجی شریف حسینی المعروف حاجی دوام الدین مکی

آپ کا نام خواجہ سید حاجی شریف حسینی ہے، عرفیت دوام الدین مکی اور لقب دولت خان ہے۔علاقہ تکوڑہ میں آپ کا مزار واقع ہے۔ آپ سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے دور میں مکہ معظمہ سے دہلی آئے اور نائب سپہ سالاری کے عہدہ پر آپ کا تقرر ہوا۔" جنوبی ہند یعنی دکن کی فتوحات میں آپ کا نام دوسرے نمبر پر آتا ہے، جب کہ پہلا نام ملک کافور ہزار دیناری کا آتا ہے"۔[(1)]

قاسم علی فرشتہ نے تاریخ فرشتہ میں سلطان علاء الدین خلجی کے حالات کے دوران دکن کی فتوحات کے موقع پر آپ کا ذکر اس طرح کیا ہے:-فارسی سے اردو ترجمہ-

"جب دکن کے علاقوں کی جانب سے تین سال تک باج وخراج (ٹکس) وصول نہیں ہوا توان علاقوں کی فتح کے لیے ملک نایب کافور ہزار دیناری کو فتح بلاد جنوب جسے ہندوستان کی اصطلاح میں دکن کہتے ہیں، مامور کیا گیا، جب مہم کے لیے روانگی کاوقت قریب آیا تو بڑے امراء نے کسی کو نائب امیر بنانے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ نائب سپہ سالار حکومت خلجی کا فرمانبردار ہو، بہادر ہو، نڈر ہو، مضبوط ارادوں کا حامل ہو اور حالات اور مواقع کی مناسبت سے صحیح فیصلہ لینے والا ہو!۔

---

* کامل الحدیث جامعہ نظامیہ۔ایم اے جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد

اس تجویز کے پیش ہونے کے بعد اکثر امراءووزراء نے خواجہ حاجی شریف کے نام کو پیش کیا اور تمام وزراء نے قبول بھی کیا، کیونکہ وہ ایک مرد مجاہد، سلیم النفس، حلیم الطبع نیک شخصیت تھے۔ اب حضرت حاجی شریف کو نائب سپہ سالار کے عہدہ پر فائز کیا گیا اور امیر سپہ سالار کے ہمراہ دکن کی مہم کے لیے روانہ کر دیا"۔ (2)

نسخہ جہاں آرا میں ملتا ہے کہ یہ ایک لاکھ سواروں کی فوج تھی جو سنہ 706ھ میں ہمراہ (ملک نائب) سپہ سالار اور خواجہ حاجی شریف نائب سپہ سالار کی نگرانی میں روانہ کی گئی۔ (3)

آپ شریف النفس، حلیم الطبع، تقوی وطہارت میں بھی بے مثال تھے، آپ کے اخلاق وکردار سے علاء الدین خلجی کے علاوہ دیگر امراءووزراء کی ایک کثیر تعداد بھی متاثر تھی۔ آپ اپنے جاننے اور پہچاننے والوں میں اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور فرائض وسنن کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ کی بہادری اور جواں مردی سے بھی سب واقف تھے، اسی بنا پر آپ کو نائب سپہ سالار بنایا گیا اور آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کیا۔ (4)

تاریخ فرشتہ میں ہی سلطان غیاث الدین تغلق کے حالات میں حضرت حاجی شریف کا ذکر اس طرح آتا ہے اور یہ تذکرہ ورنگل کی فتح کے ذیل میں ہے، جو سلطان غیاث الدین کے بیٹے الف خان کی نگرانی میں ہوئی تھی۔

دیورامع زنان وفرزندان اسیر کردہ بافیلان وخزانہ تلنگ ہمراہ ملک بیدار المعروف بقدر خان وخواجہ حاجی نائب عرض ممالک بافتح نامہ دہلی روانہ گردانید ودر دہلی وتغلق آباد آئین وشاد بہا کردند"۔ (5)

حضرت حاجی شریف کا اصل وطن مکہ معظمہ تھا۔ جس روز فیروز شاہ خلجی حاجی مولا کو ہاتھی کے پیروں تلے روند کر ہلاک کیا اُسی دن آپ وارد دہلی ہوئے۔ پیشے سے سپاہی تھے، ملک کافور ہزار دیناری کے توسط سے علاء الدین خلجی کے پاس پیش ہوئے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے آپ کی سیادت اور چہرہ پر بزرگی کو ملاحظہ کرکے سپاہی کے بجائے فوج کے اعلی عہدہ پر فائز کیا۔

حضرت حاجی شریف نے سلطان غیاث الدین تغلق کے انتقال کے بعد ترک دنیا کو اختیار کیا اور بارگاہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی میں پہنچے۔ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور سلوک کے منازل طے کرنے کے بعد حضور محبوب الٰہی نے خلافت سے سرفراز کیا۔ بعدہٗ سلطان محمد تغلق نے دکن پر اقتدار سنبھالنے کے لیے آپ کو لشکر کے ساتھ بیجاپور کی طرف روانہ کر دیا۔ بیجاپور کے قریب تکوٹہ نامی علاقہ میں آپ نے فوجی چھاونی قائم کی اور روحانی تربیت کا آغاز کر دیا۔ فوج کے علاوہ علاقہ کے دوسرے لوگ بھی جوق درجوق آپ کی خدمت میں آنے اور تربیت حاصل کرنے لگے۔ اہلِ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی آپ سے متاثر ہو کر آپ کے دست حق پرست پر حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ اس طرح کثیر خلق خدا نے آپ سے فیض حاصل کیا۔

آپ کے ہمراہ راجہ رام دیو کا لڑکا ہرپل دیو بھی تھا جو آپ کے دست مبارک پر داخل اسلام ہوا تھا اور ورنگل کا راجہ لدر دیو بھی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا تھا اور یہ دونوں اکثر آپ کے ہمراہ خدمت کے لیے رہتے تھے۔ علاقہ کشلی اور منگلولی میں رہنے والی جاٹ قوم

کے نو مسلم افراد بغرض ڈکیتی آپ کے مکان میں داخل ہوئے اور حالتِ سجدہ میں آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کا روضہ تکوٹہ علاقہ میں مرجعِ خلائق ہے اور مذکورہ دونوں راجاؤں کی قبریں بھی آپ ہی کے احاطہ میں ہیں۔

آپ کے چار صاحبزادے ہوئے:

1۔ سید صدر الدین حسینی
2۔ سید مراتب حسینی
3۔ نام نامعلوم الملقب تیغ جنگ
4۔ حضرت سید نامیر اں جی شمس العشاق۔

میر اں جی شمس العشاق:

حضرت میر اں جی شمس العشاق اس خانوادے کی سب سے مشہور اور معظم ہستی ہیں، آپ سنہ 922 ہجری میں پیدا ہوئے۔ تاریخ وماہ ولادت کا علم نہ ہو سکا، آپ کا تعلق اس دور سے ہے جب اردو زبان اپنے ابتدائی مراحل میں تھی، دکنی اردو کے اولین شعراء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے بے شمار مثنویاں لکھیں، جن میں تصوف اور عرفان کے مضامین باندھے ہیں۔ عشق ومستی میں ڈوبا ہوا آپ کا زیادہ تر کلام حمد ونعت پر مشتمل ہے۔

آپ کی شاعری آپ کی قادر الکلامی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اپنے ہم عصروں کے بالمقابل آپ کی زبان زیادہ صاف ستھری ہے، آپ کی مثنویوں میں سب سے مقبول مثنوی "شہادت التحقیق" ہے۔ اس مثنوی کی ابتدا حمد یہ اشعار سے ہوتی ہے، اس کے بعد نعتیہ اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مثنوی "دربیان شکایت روزگار" بھی ہے۔ ان مثنویوں میں حالات کی عکاسی بھی نظر آتی ہے اور معاشرے کی ناہمواریوں کا ذکر ملتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ان مثنویوں کا آہنگ بہت انوکھا اور منفرد ہے، زبان ویسے تو قدیم دکنی ہے مگر لب و لہجے کی شستگی کے باعث کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اردو کی قدیم شاعری کو سجانے سنوارنے والوں میں حضرت میر اں جی شمس العشاق کا نام سر فہرست ہے۔ جب کوئی لسانیات کا محقق قدیم دکنی اور قدیم اردو کی بات کرتا ہے وہاں میر اں جی شمس العشاق کا ذکر ضرور آتا ہے۔

آپ دو واسطوں سے خواجۂ دکن حضرت بندہ نواز کے خلیفہ تھے۔ اور دکن میں سلسلۂ چشتیہ کے معروف ومقبول بزرگ اور خانقاہی نظام کے سرخیل ہیں۔

آپ کا وصال 25/ شوال سنہ 994ھ کو بیجاپور میں ہوا۔[5]

آپ کے تین صاحبزادے ہیں: حضرت سید برہان الدین جانم حسینی، حضرت سید عبداللہ عرف باشاہ، حضرت سید شیخ فرید۔[6]

حضرت سید برہان الدین جانم حسینی:

حضرت سید برہان الدین جانم حضرت میراں جی شمس العشاق کے بڑے صاحبزادے اور آپ کے جانشین تھے، آپ بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ اور بیجاپور میں ہی سنہ 1007 ہجری مطابق 1599 عیسوی میں وفات پائی۔

علوم ظاہری وعلوم باطنی میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ سولھویں صدی عیسوی کے شعراء کی فہرست میں آپ کا نام سرفہرست ہے اور دکنی اردو کے حوالے سے بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ویسے تو آپ نے نثر بھی لکھی ہے مگر شاعری سے آپ کو زیادہ رغبت تھی، آپ نے دکنی زبان میں ان گنت تصانیف رقم کیں جو منظوم صوفیانہ کلام پر مشتمل ہیں۔ آپ کے منظوم فن پاروں میں تصوف اور سلوک کا ذکر زیادہ ہے۔ اولیا اللہ کی تعلیمات کو آپ نے اپنے شاعرانہ انداز میں عوام الناس تک پہنچانے کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔

آپ کی کتابوں میں ”وصیت الہادی“، ”سک سہیلا“، اور ”منفعت الایمان“ بہت مقبول ہیں۔ دیگر کتابوں میں ”نکتہ واحد“ کے علاوہ ”رموز الوصلین“، ”بشارت الذکر“، ”جنت البقا“ اور ”ارشاد نامہ“ وغیرہ شامل ہیں۔ ایک مجموعہ ”حقیقت“ کے عنوان سے اور ایک کتاب ”ہشت مسائل“ کے عنوان سے موسوم ہے، جس کا تذکرہ مولوی عبد الحق نے کیا ہے اور اس کتاب کا ایک مخطوطہ آغا حیدر حسن کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ان کتابوں میں خدائے وحدہ لاشریک کی عظیم ہستی کی حمد وثنا اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر بہترین بصیرت افروز گفتگو ملتی ہے۔ (7)

آپ نے اپنے خانوادے کے علمی تسلسل کو آگے بڑھانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ کے بعد یہ ذمہ داریاں آپ کے جانشین اور بعد آنے والوں نے سنبھالی۔ آپ کے چار فرزندان تھے: حضرت سید امین الدین علی اعلیٰ، حضرت سید میراں حسینی حضرت سید صاحب حسینی، حضرت سید عبد العزیز حسینی۔

حضرت امین الدین علی اعلیٰ شیر خدا:

حضرت امین الدین علی اعلیٰ کی پیدائش 23/ رمضان المبارک 1007 ہجری کو ہوئی۔ آپ کی ولادت سے دو تین ماہ قبل آپ کے والد کا انتقال ہوا۔ ڈاکٹر حسینی شاہد نے یہ تحقیق پیش کی ہے۔ ویسے آپ کا دور دکنی زبان وادب کے عروج کا اور اردو کی ابتدائی ارتقا کا دور کہا جاسکتا ہے۔ جس میں آپ کا اور آپ کے والدِ گرامی اور دادا کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ اپنے اب وجد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حضرت امین الدین اعلیٰ نے راہِ تصوف میں جو مشعلیں روشن کی ہیں ان کی روشنی آج بھی تاریک ذہنوں کو نور بخش رہی ہے۔ اور یہ روشنی بیجاپور سے نکل کر پورے دکن میں اور پوری دنیا میں پھیل گئی۔

آپ اپنے وقت کے ممتاز صوفی شاعر وادیب ہیں، علم وفضل میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ کی عظیم الشان ہستی ایک سنگ میل کے مماثل ہے جس سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ سیاسی، سماجی، ادبی، علمی اور تہذیبی سطح پر آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت امین الدین علی اعلی کے تین صاحبزادے ہیں: سید نا میراں حسینی، سید حضرت صاحب حسینی، حضرت سید باباشاہ حسینی۔

حضرت سید باباشاہ حسینی:

آپ کی ولادت بیجاپور میں ہوئی۔ ابتدائی علوم و فنون اپنے والد محترم ہی کے پاس حاصل کیے۔ اپنے اجداد اور والد محترم کی تصانیف سے استفادہ کر کے نثر نگاری اور شاعری میں کمال پیدا کیا۔ ریختہ اردو میں آپ کا بہت کام تھا؛ مگر افسوس کہ آپ کی تحریریں زمانہ کی لاپرواہی کی نذر ہو گئیں۔ والد محترم کے وصال کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے۔ ترکِ دنیا اور تعلق باللہ کے راستے پر گامزن ہوئے۔ خلقِ خدا کی کثیر تعداد آپ کے دست حق پرست پر توبہ کرنے لگی۔ اہل علم و فن کا آپ کے دربار میں کثیر مجمع ہوتا تھا، علم و ادب کی محفلیں منعقد ہونا بہت عام بات تھی۔ دور دراز کا سفر طے کر کے لوگ ان محفلوں میں شرکت کی غرض سے آتے اور اپنی تشنگی دور کرتے۔ آپ کا وصال بیجاپور میں ہوا اور اپنے اجداد کے مقبرہ میں سُپرد خاک کیا گیا۔

آپ کی ایک دختر اور سات فرزندان ہیں۔ صاحبزادی کا نام چاند بی ولی صاحبہ ہے اور فرزندان: حضرت سید برہان الدین حسینی، حضرت سید بدیع حسینی، حضرت سید حضرت حسینی، حضرت سید میراں جی حسینی، حضرت سید مخدوم حسینی، حضرت سید علی پیر حسینی۔(9)

سید علی پیر حسینی:

آپ کی پیدائش بیجاپور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم ہی کے زیر سایہ ہوئی۔ اپنے اجداد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے علوم ظاہری و علوم باطنی کے گوہر آبدار بنے۔ اور بے شمار تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ آپ کی تحریری خدمات کے متعلق کچھ علم نہ ہو سکا۔ آپ کا وصال بیجاپور میں ہوا اور تدفین روضہ حضرت امین الدین علی اعلی میں ہوئی۔ سنہ وصال کا علم نہ ہو سکا۔

آپ کی تین اولادیں ہیں: حضرت سید برہان الدین جانم حسینی ثانی،، حضرت سید امین علی حسینی، حضرت سید پیر پاشاہ حسینی۔(10)

حضرت سید برہان الدین جانم حسینی ثانی:

آپ کی پیدائش بیجاپور میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم و تربیت والد محترم ہی کے پاس ہوئی۔ علوم روحانی کے مراتب طے کرنے کے بعد آپ کا عقد نکاح ہوا، اور ایک صاحبزادہ سید باباشاہ حسین عرف حسینی پاشاہ پیدا ہوئے۔ سید برہان الدین جانم ثانی یکتائے دہر و مشہور زمانہ تھے، جہاں علومِ باطنی میں مہارت تھی، وہیں علوم ظاہری میں بھی کمال حاصل تھا۔ دکنی اور اردو' ہر دو' زبان وادب پر آپ کو ملکہ حاصل تھا۔

سید برہان الدین جانم ثانی کا وصال آپ کے والد محترم کی حیات میں ہی ہو گیا تھا؛ چنانچہ آپ کے تیسرے بھائی سید پیر پاشاہ حسینی سجادہ نشین درگاہ حضرت امین الدین علی اعلی ہوئے۔ پیر پاشاہ حسینی کے لاولد ہونے کے سبب انہوں نے سید برہان الدین جانم ثانی کے اکلوتے صاحبزادہ حضرت سید باباشاہ حسینی کو اپنا فرزند آغوشی بنالیا اور علومِ ظاہری و باطنی سے آراستہ و پیراستہ کر کے اجازت وخلافت

اور اپنے اجداد کی مسند سجاد گی عطا کی۔ آپ کے ایک ہی صاحبزادہ حضرت سید باباشاہ حسین عرف حسینی پاشاہ احسن آبادی ہیں۔[11]

حضرت سید باباشاہ حُسین عرف حسینی پاشاہ:

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم ہی کے پاس ہوئی۔ عالم شباب میں آپ بیجاپور سے احسن آباد یعنی گلبرگہ کے زیریں تعلقہ ''کھن'' آئے، اور وہاں پر خلق خدا کی رہنمائی اور تربیت کا کام شروع کیا۔ بے انتہا پریشان حال لوگ آپ کے پاس آتے اور خوش و خرم ہو کر واپس جاتے۔ دوسرے مذاہب کے بے شمار لوگ آپ سے متاثر ہو کر شرک و کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آئے۔

آپ کا انتقال ''کھن'' میں ہوا۔ سنہ وصال معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کا مزار محلہ کھن میں مسجد حسینی (کھن کی مسجد) کے صحن میں موجود ہے۔

آپ کی کل پانچ اولادیں ہیں:

1۔ حضرت سید امین الدین حسینی ثانی۔ آپ کو حضرت میراں جی شمس العشاق، حضرت برہان الدین جانم اور حضرت امین الدین علی اعلی شیر خدا کی بارگاہوں کا سجادہ نشین مقرر کر کے بیجاپور روانہ کیا گیا۔
2۔ حضرت سید ابو سعید علی اللہ حسینی عرف علی پیراں المتخلص مجاہدؔ۔ آپ کو کھن میں اپنے والد کا جانشین و سجادہ نشین مقرر کیا گیا۔
3۔ حضرت سید عطااللہ حسینی (4) حضرت سیدہ فاطمہ صاحبہ (5) حضرت سیدہ رابعہ صاحبہ۔(12)

حضرت سید ابو سعید علی اللہ حسینی عرف علی پیراں مجاہدؔ:

آپ کی پیدائش گلبرگہ میں ہی ہوئی، سنہ پیدائش معلوم نہ ہو سکا۔ ابتدائی تعلیم اور روحانی تربیت والد محترم ہی کے پاس ہوئی۔ عنفوانِ شباب سے ہی آپ کو شعر و شاعری سے گہرا شغف تھا۔ نعت و منقبت کے علاوہ صوفیانہ غزلیات آپ کی شاعری کا اہم جز رہے ہیں۔ مجاہدؔ تخلص تھا۔ کلام میں اپنے تخلص مجاہدؔ کا بڑی مہارت سے ذو معنی استعمال فرماتے۔ جہاں علمی وادبی دنیا میں آپ کا کلام قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، وہیں دوسری طرف عوام الناس میں بھی آپ کے کلام کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ آپ نے ہزاروں کی تعداد میں خلقِ خدا کی دستگیری فرمائی۔

آپ کا انتقال محلہ کھن میں ہوا۔ سنہ وصال معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کا روضہ مقابل روضہ شیخ گلبرگہ میں فیض بارِ ہر خاص و عام ہے۔

آپ کی کل چار اولادیں ہیں: حضرت سید محمد حسینی عرف رسوآشاہ، حضرت سید علی پیر حسینی، حضرت سیدہ فقیر صاحبہ بی، حضرت سید چنداحُسینی عرف علی پیر۔

حضرت سید چندا حسینی عرف علی پیر:

آپ کی ولادت بھی گلبرگہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد محترم اور نانا محترم کے زیرِ عاطفت ہوئی۔ آپ کی والدہ حضرت شیخ سراج الدین جنیدی کی اولاد سے تھیں۔ اس لیے جنیدی سلسلہ کا رنگ بھی آپ میں نظر آتا ہے۔ تقوی اور پرہیز گاری میں یکتائے زمانہ تھے۔ خاندانی نور و رعب آپ کے چہرہ سے عیاں تھا۔ علوم و فنون کے ایسے بحرِ بے کراں تھے، جس سے تشنگانِ علوم و فنون خوب خوب سیر اب ہوتے۔ اپنے عہد کے بے شمار لوگوں کو آپ نے دینِ حق کی دعوت دی اور وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ لا علاج امراض کے مریض آپ کی خدمت میں امید کی کرن لے کر آتے اور شفایاب ہو جاتے۔

آپ کا وصال گلبرگہ میں ہوا اور تدفین اپنے آباء واجداد ہی کے مقبرہ واقع کھن پور میں ہوئی۔

آپ کے تین فرزندان ہیں: حضرت سید محمد علاء الدین حسینی جنیدی ،، حضرت سید نبی حسینی جنیدی عرف غلام رسول، حضرت سید منجھلے حسینی جنیدی۔

حضرت سید نبی حسینی جنیدی عرف غلام رسول:

آپ کی ولادت گلبرگہ میں ہوئی اور تعلیم و تربیت والد محترم کے علاوہ نانا جان حضرت شیخ حسین جنیدی کے پاس ہوئی۔ سلسلہ جنیدیہ کی تعلیمات کا آپ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ جنیدی کی نسبت کا اضافہ کیا۔

آپ نہایت حلیم الطبع و کریم النفس تھے، خلق خدا کو ہدایت کے راستے کی تعلیم دینے میں اپنی زندگی صرف کی۔ آپ کا وصال بھی گلبرگہ میں ہی ہوا اور تدفین اپنے آباء وجداد کے مقبرہ واقع محلہ کھن میں ہوئی۔ آپ درگاہ حضرت سید بابا شاہ حسین المعروف حسینی پاشاہ اور درگاہ حضرت شیخ ابو سعید جنیدی کے سجادہ نشین تھے۔ آپ کے ایک صاحبزادے سید محمد حسن سراج الدین حسینی جنیدی تھے۔

سید حسن سراج الدین حسینی جنیدی:

آپ کی پیدائش بھی گلبرگہ میں ہی ہوئی، تعلیم و تربیت اپنے ددھیال و ننھیال سے ملی جلی حاصل ہوئی۔ یکتائے دہر اور وحید زمانہ تھے، بڑی بافیض شخصیت کے حامل تھے، لوگ جوق در جوق آپ کے پاس آتے اور مستفید و مستفیض ہوتے۔

آپ کا وصال گلبرگہ میں ہوا اور تدفین آبائی روضہ واقع کھن میں ہوئی۔

آپ کی تین اولادیں ہیں: حضرب سید ابراھیم حسینی جنیدی، حضرت سید جنید حسینی جنیدی (لاولد)، حضرت سید سردار حسینی جنیدی۔

حضرت سید ابراہیم حسینی جنیدی:

آپ کی ولادت گلبرگہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور نانا محترم کے پاس ہوئی، آپ نے بھی اپنے اجداد کے مشن کو جاری رکھتے

ہوئے دینِ خداوندی کی ترویج میں اپنی حیات کو صرف فرمایا۔ لاتعداد مخلوقِ خدا دین میں داخل ہوئی اور راہِ ہدایت تک پہنچی۔
آپ کا وصال گلبر گہ میں ہوا اور تدفین اپنے پڑ دادا کے والد حضرت سید ابو سعید حسینی کے پہلو میں ہوئی۔ روضہ مبارک کھن میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے ایک ہی صاحبزادہ حضرت سید محمد منجھلے حسینی جنیدی تھے۔

حضرت سید منجھلے حسینی جنیدی:

آپ کی پیدائش بھی گلبر گہ میں ہوئی ابتدائی وروحانی تعلیم وتربیت والد محترم سے ہوئی اور نانا محترم سے بھی فیض یافتہ تھے۔ سلسلہ جنیدیہ کے رنگ کا آپ پر گہرا اثر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت خوبصورت آواز عطا فرمائی تھی۔ جب اپنے مخصوص لحن اور آواز میں قرآن حکیم کی تلاوت یا نعت پاک پڑھتے تو لحن داودی کا گمان ہوتا۔ سُننے والوں پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھیں نم ہو جاتیں۔ خلقِ خدا پر گہرا اثر ہوتا اور گناہ گار توبہ کے دروازہ پر پہنچ جاتا۔ شرک وکفر کے راستے پر چلنے والے اپنا اپنا راستہ بدل کر آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لے آتے اور توحید ورسالت کے راستے کے راہی ہو جاتے۔
آپ نے دو عقد کیے اور دونوں ازواج آپ کے ننھیال یعنی جنیدی سلسلہ کی ہیں۔
پہلی زوجہ محبوب بی بنت غلام احمد محی الدین جنیدی ہیں، جن سے ایک صاحبزادہ حضرت سید محمد حسینی جنیدی عرف جیلانی پاشاہ، اور صاحبزادی حضرت سیدہ بیگم بی جو قاضی نظام الدین افضل پوری سے منسوب ہوئیں۔
دوسری زوجہ جنیدی بی بنت غلام محمد جنیدی ہیں، جن سے چار صاحبزادے ہوئے :حضرت سید غلام محمد حسینی جنیدی عرف چاند پاشاہ، حضرت سید طاہر الدین حسینی جنیدی عرف صاحب پاشاہ، حضرت سید سراج الدین حسینی جنیدی عرف بغداد پاشاہ، حضرت سید ابوالقاسم حسینی جنیدی عرف مقبول پاشاہ تھے۔
آپ کا وصال گلبر گہ میں ہوا اور تدفین اپنے اجداد کا مقبرہ واقع کھن میں ہوئی۔

حضرت سید محمد حسینی جنیدی عرف جیلانی پاشاہ:

آپ کی ولادت گلبر گہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وتربیت والد محترم اور نانا جان کے پاس ہوئی۔ بچپن ہی سے اچھے اخلاق وعادات کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے۔ بڑوں سے محبت اور چھوٹوں پر شفقت آپ کا وطیرہ تھا۔ غریبوں کی مدد میں یکتائے زمانہ تھے۔ علوم روحانی وباطنی میں کمال دسترس رکھتے تھے اور ساتھ ہی علوم ظاہری سے بھی واقف تھے، خصوصاً صلح وتصفیہ کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ نزاعی کیفیت والی گتھیوں کو لمحوں میں اور ہنستے ہنستے سلجھا دیتے۔ ان ہی غیر معمولی صلاحیتوں کی بناء پر آپ کو ضلعی عدالت (ڈسٹرکٹ کورٹ) گلبر گہ میں اعلیٰ عہدہ پر فائز کیا گیا۔
والد محترم کے وصال کے بعد ان کے جانشین اور درگاہ حضرت سید حسینی پاشاہ وحضرت سید ابو سعید جنیدی کے سجادہ نشین ہوئے۔

آپ کے دو فرزندان اور تین صاحبزادیاں تھیں:

1۔ حضرت سید ابو سعید حسینی جنیدی عرف اقبال پاشاہ

2۔ حضرت سید شفیع احمد حُسینی جنیدی

3۔ حضرت سیدہ بدر النساء زوجہ مرتضیٰ قادری صدیقی

4۔ حضرت سیدہ امۃ الرؤف عرف تسنیم شہزادی زوجہ سید عزیز پاشاہ

5۔ حضرت سیدہ کوثر نعیم عرف محبوب شہزادی زوجہ سید محمد پاشاہ بخاری کڑپہ۔

آپ کا وصال مبارک 16/ر رمضان المبارک 1391ھ م 6/ نومبر 1971ء کو ہوا، اور تدفین آپ کے جد حضرت ابو سعید حسینی کے پائین میں ہوئی۔

حضرت سید ابو سعید حسینی جنیدی عرف اقبال پاشاہ:

آپ کی پیدائش گلبرگہ میں ہوئی۔ ابتدائی وروحانی تعلیم والد محترم کے پاس ہوئی، پھر آپ نے عصری تعلیم میں دسویں جماعت کامیاب ہونے کے بعد پونا گورنمنٹ کالج سے بی اے کامیاب کیا۔ اپنے اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلق خدا کی خدمت میں مصروف رہے۔ آپ سادہ دل، پریشان حال لوگوں کی مدد کرنے والے، خصوصاً نوجوانوں اور نونہالوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ دیتے اور لواحقین کو بھی توجہ دلاتے رہتے بلکہ زور دیتے رہتے، جس کے سبب تعلیم سے دور افراد علم کے قریب آئے اور علوم سے آراستہ وپیراستہ ہوئے۔ خلقِ خدا کا جم غفیر آپ کے دست حق پرست پر توبہ کرتا، اور دینِ اسلام کی زلف کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسیر ہو جاتا۔

آپ کا عقد نکاح سیدہ فاطمہ سلطان صاحبہ عرف نفیس فاطمہ بنت حضرت سید مرتضی قادری سجادہ نشین اقطاب چگی محل وگومرسی سے ہوا جو حضرت سید ابوالحسن قادری بیجاپوری کی اولاد سے ہیں۔

آپ کی کل تین اولادیں ہیں۔ دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ:

(1) حضرت سیدہ اختر الایمان عرف صبیحہ صاحبہ

(2) حضرت سیدہ صاحبزادی بی عرف ثمینہ پروین زوجہ سید جمیل احمد صدیقی جاگیردار ہَتَّرکیھال بیجاپور

(3) ڈاکٹر سید محمد عبد القادر حسینی جنیدی۔

والد محترم کے انتقال کے بعد اپنے خسر محترم حضرت سید مرتضیٰ قادری سے بھی سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کی۔ آپ کا وصال 22/ر ربیع الثانی 1411ھ م 11/ نومبر 1990ء کو گلبرگہ میں ہوا اور اپنے اجداد کے پائین واقع کھن شریف میں تدفین عمل میں آئی۔

ڈاکٹر سید محمد عبد القادر حسینی جنیدی قادری فرحان:

آپ کی پیدائش گھٹا پربھا، بلگام ڈسٹرکٹ میں 27/ستمبر 1973ء کو ہوئی۔ والد محترم سے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی، پھر سینٹ جوزف کنوینٹ اسکول میں دسویں جماعت تک تعلیم حاصل کی، اور انٹر میڈیٹ سینٹ جوزف جونئر کالج سے کیا، پھر الامین کالج بیجاپور سے ڈنٹل سرجن (BDS) کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹری کے ذریعے خلقِ خدا کی خدمت کے ساتھ ساتھ اپنی نگرانی میں ایک مدرسہ بھی چلارہے ہیں، جس میں کئی طلباء علوم دینیہ سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

آپ کی زوجہ ڈاکٹر سیدہ بی بی زہراء عرف اسماء جبین بنت سید منور حسینی بخاری ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادہ: سید ابوسعید حسینی جنیدی عرف وقاص ہیں۔

گزشتہ سات صدیوں سے یہ خانوادہ علم و معرفت اور حکمت ودانائی کے موتی لٹارہا ہے۔ وہ سفر جو مکہ معظمہ سے شروع ہوا تھا اس سفر نے آہستہ آہستہ ہندوستان کے شمال و جنوب کو اپنے حصار میں لے لیا اور گزرتے وقت کے ساتھ نسل در نسل علم و ادب کی وادیوں میں نئے نئے گل کھلتے رہے۔

حضرت میراں جی شمس العشاق سے لے کر اب تک یعنی ڈاکٹر سید محمد عبد القادر حسینی جنیدی تک یہ کارواں رواں دواں ہے۔ خلق خدا کو فیض پہنچانے کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ زمانہ بدل گیا، زمانے کے تقاضے بدل گئے؛ لیکن صوفیا کی تعلیمات وہی ہیں، انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنے والی اور کانٹے لے کر پھول بانٹنے والی تعلیمات کا تسلسل صدیوں میں کبھی نہیں رکا۔ بندوں کو خدا سے جوڑنے اور تاریک ذہنوں کو روشن کرنے کا کام آج بھی جاری ہے اور -اِن شاء اللہ- تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ ہمیں امید ہے کہ اس خانوادے کے موجودہ سجادہ نشین اور ان کی آنے والی نسلیں اپنے آباء واجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی طرح روشنی کے اس قافلے کو آگے لے کر چلیں گے اور تشنگان علوم اس درس گاہ سے اسی طرح فیضیاب ہوتے رہیں گے۔

*****

حوالہ جات و کتابیات

1۔ دکن میں صوفیاء کی آمد، سید مرتضیٰ قادری، 1985ء، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور، ص:12

2۔ تاریخ فرشتہ، قاسم علی فرشتہ، 1406ھ، مخطوطہ، جامعہ عثمانیہ سرکارعالی حیدرآباد، ص:203

3۔ جہاں آرا، قاضی احمد عبد الغفاری، 1932ء، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور، ص:206

4۔ تاریخ فرشتہ، قاسم علی فرشتہ، 1932ء، مخطوطہ، جامعہ عثمانیہ سرکارعالی حیدرآباد، ص:208

5۔ ایضا، ص:234

6۔ میراں جی شمس العشاق، محمد ہاشم علی، 1974ء، مطبوعہ، حضرت ہادی دکن لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ حیدرآباد، ص:33

7۔ محبوب ذوالمنن، محمد عبد الجبار خان ملکاپوری، 1333ھ، مطبوعہ، حضرت ہادی دکن لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ حیدرآباد، 2/206

8۔ سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے، ڈاکٹر حسینی شاہد، 1973ء، مطبوعہ، حضرت ہادی دکن لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ

حیدرآباد، ص:120

9۔ مجموع الانساب، سید محی الدین قادری، 1401ھ، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور، ص:215

10۔ ایضاً، ص:215

11۔ ایضاً، ص:215

12۔ ایضاً، ص:215

13۔ بیاض سید مرتضیٰ قادری، سید مرتضیٰ قادری، 1940ء، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور

14۔ بیاض سید قاسم قادری، سید قاسم قادری سرکار پاشاہ، 1980ء، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور

15۔ شجرہ جنیدیہ، سید ابوسعید حسینی اقبال پاشاہ، 1390ھ، مخطوطہ، درگاہ کھن شریف۔ گلبرگہ

16۔ مخزن الانساب، سید حسن محی الدین قادری، بارہویں صدی، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور

17۔ مخزن الاعراس، سید حسن محی الدین قادری، بارہویں صدی، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور

18۔ حدیقۃ العارفین، سید مرتضیٰ قادری، 1382ھ، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور

19۔ حدیقۃ العارفین (اردو)، مترجم ڈاکٹر سید عبدالمہیمن قادری لااُبالی، 1447ھ، مطبوعہ، مطبع دارالہدی

20۔ میمون السلاسل، سید مرتضیٰ قادری، 1976ء، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور

21۔ جواہر اولیاء، سید مرتضیٰ قادری، 1410ھ، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور

22۔ تذکرہ شیوخ (ہترکیھال) سید مرتضیٰ قادری، 1394ھ، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور

23۔ تذکرہ اقطاب کرناٹک، سید مرتضیٰ قادری، 1382ھ، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور

24۔ شاہ امین الدین کے اجداد، سید مرتضیٰ قادری، 1952ء، مخطوطہ، کتب خانہ گچی محل بیجاپور

شاہ امین الدین علی اعلیٰ کی علمی وادبی خدمات: ایک جائزہ

محبوب بی*

سرزمین بیجاپور کے علمی و صوفی خانوادوں میں میراں جی شمس العشاق کا خانوادہ اہمیت کا حامل ہے، جس نے تقریباً ڈھائی تین سو سال تک اہل دکن کے دلوں پر راج کیا۔ اس خانودے کے روحانی کمالات مذہبی خدمات، باطنی تصرفات نے سماج میں انقلاب برپا کر دیا۔ دکنی تہذیب کو زندگی پابندگی اور پائندگی بخشی۔ دکنی تہذیب پر اس خانوادے کا بڑا احسان ہے۔ میراں جی نے عوام کی عام بول چال، دکنی زبان کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اس کی روایت کو "شاہ امین الدین علی اعلیٰ" نے آگے بڑھایا۔ خصوصاً شاہ امین الدین کی شخصیت کی وجہ سے اس روایت کو جس قدر مقبولیت حاصل ہوئی اس کی دوسری مثال نہیں ہے۔ ان کے خلفاء اور سلسلے کے بزرگوں کی خانقاہیں آندھرا پردیش، کرناٹک اور تمل ناڈو کے دور دراز علاقوں تک قائم ہوئی تھیں۔ ان کے مریدوں کی تعداد لاکھ بتائی جاتی ہے۔ حضرت امین الدین علی اعلیٰ کے خلفاء اور سجادگان ہی نہیں بلکہ ان خانوادے کے ہر ذی علم مرید نے بھی زبان دکنی میں تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے۔ حضرت امین الدین اعلیٰ کی یہ بے پناہ مقبولیت ان کے ادبی خدمات کے ساتھ ساتھ ان کا وہ نظام تصوف ہے جس کو پانچ عناصر اور پچیس گُن کا تصوف کہتے ہیں۔ ان کی حیثیت نہ صرف نثر نگار، شاعر، ایک ادیب اور صوفی بزرگ ہی کی نہیں بلکہ ایک ادارے اور تحریک کی ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے عہد کو بلکہ آنے والی نسلوں کو متاثر کیا۔ خود بھی لکھتے اور لکھنے والوں کا گروہ بھی تیار کیا جو ان کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی برسوں تک دکنی زبان وادب کی آبیاری کرتا رہا۔

نسب اور خاندان:

اخبار الانوار، مشکاۃ النبوۃ، تذکرۃ القادری، حدیقۂ رحمانی، محبوب ذی المنن، تذکرۃ الانساب کے بموجب حضرت امین الدین اعلیٰ صحیح النسب سید تھے۔ ان کے والد سید شاہ برہان الدین جانم اور دادا میراں جی شمس العشاق دونوں صاحب علم وعرفان بزرگ تھے۔

شاہ امین الدین علی اعلیٰ کی ولادت ان کے والد کے انتقال کے بعد 1582 میں ہوئی۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔ بچپن ہی سے علم اور زہد و تقویٰ سے غیر معمولی شغف تھا۔ ان کے والد کے انتقال کی وجہ سے اپنے والد سے کسب علم نہ کر سکے۔ مگر برہان الدین جانم نے اپنے مشہور خلیفہ محمد خوش دہان کو ہدایت دی تھی کہ حضرت امین الدین اعلیٰ کے تعلیم و تربیت کا انتظام ہو۔ انھوں نے اپنے مرشد کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے امین الدین علی اعلیٰ کو علوم ظاہری و باطنی سے مستفید کیا۔

امین الدین اعلیٰ نے قادریہ اور اس کے بعد چشتیہ سلسلے میں بیعت حاصل کی تھی۔ امین الدین اعلیٰ بیک وقت ایک شاعر، نثر نگار، ادیب اور ایک صوفی بزرگ تھے۔ آپ کے مختلف نام وارد ہوئے ہیں، جیسے: امین الدین اعلیٰ، امین الدین علی، امین الدین علی اعلیٰ۔ امین اور

---

* ریسرچ اسکالر شعبہ اُردو وفارسی، کرناٹک یونیورسٹی، دھارواڑ

اعلیٰ بطور تخلص استعمال کرتے تھے، آپ شیر خدا کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ان کی اولاد، خلفاء اور مریدوں نے بھی اپنے کلام میں ان کو مختلف ناموں سے مخاطب کیا ہے۔[1]

ان کی بیوی کا نام خونزہ رانی (خونجارانی) تھا جنہیں احتراماً خونجارانی ماں صاحبہ کہتے ہیں۔ حضرت کے صاحبزادے بابا حسینی تھے۔ مشہور ہے کہ آپ ہر وقت جذب و سرمستی کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اکثر لوگوں کو ملنا جلنا کم پسند فرماتے تھے۔ ہفتوں بلکہ مہینوں اپنے حجرے سے باہر نہیں نکلتے تھے، اور مشہور ہے کہ آپ کے حجرے کے سامنے مٹکوں میں پانی بھرا رہتا آپ کے حجرے سے برآمد ہوتے ہی اس پانی پر نظر ڈالتے تھے جو کھولنے لگتا تھا۔ اس کے بعد اہل محفل کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اس لیے کہ آپ کی نظر میں وہ جلال ہوتا عوام اس کی تاب نہ لاسکتے تھے۔

وفات:(1675)

خاندانی روایت یہ ہے کہ تالاب پر نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھر واپس نہیں لوٹے بلکہ تالاب کے قریب اس مقام پر اقامت گزیں ہوگئے جو ناگ جھری کہلاتا ہے اور اب جہاں ایک چوکھنڈی بنی ہوئی ہے۔ یہیں حضرت کا انتقال 1675 میں ہوا، اسی چوکھنڈی میں انہیں سونپا گیا اور چار ماہ بعد نعش مبارک کو گنبد میں دفن کیا گیا۔ چار مہینے پہلے یعنی 24 جمادی الاول کو چوکھنڈی میں صندل چڑھایا جاتا ہے۔ حدیقۂ رحمانی سے اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ درگاہ شریف میں صندل 23 رمضان المبارک کو اور عرس 24 رمضان المبارک کو ہوا کرتا ہے۔

خانوادۂ امینیہ کا تصوف:

حضرت امین الدین کے نظام فکر میں پانچ عناصر آب، آتش، خاک و باد کے علاوہ خالی یا ہوا، کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ امین کا تصوف پانچ عناصر پچیس گُن کہلاتا ہے۔ شاہ برہان الدین جانم واجب الوجود کو روش عام کے مطابق چار عناصر خاک، آب، آتش اور باد سے مرکب بتاتے ہیں لیکن حضرت امین خالی کو بھی عنصر تسلیم کرتے ہیں اور انسانی جسم کو چار کے بجائے پانچ عناصر یعنی خاک، آب، آتش، باد اور خالی سے مرکب قرار دیتے ہیں۔

عنصر	گُن				
	1	2	3	4	5
خاک	ہڈ	ہیڈا	رگاں	چمڑا	بال
آب	مغز	جلاب	خوے	اراخت	اب منی
آتش	بھوک	پیاس	سستی	نیند	ہضم

[1] - شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے، ڈاکٹر حسینی شاہد، صفحہ: 42 تا 44۔

باد	ہلنا	چلنا	سوچنا	کانپنا	جمائی
خالی	شہوت	مہر	بخیلی	غصہ	دہشت

اس تفصیل سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ برہان الدین جانم چار عناصر ہی کا ذکر کرتے تھے۔ البتہ حضرت امین نے خالی کا اضافہ کر کے ان کی تعداد پانچ بتائی ہے۔ ان کے خانوادے نے اس کو اتنا مقبول بنایا کہ تصوف کے دکنی رسائل کے سرمائے کا بڑا حصہ انہیں کی تشریح و تعبیر سے بھرا پڑا ہے۔

منظومات:

1۔ جواہر الاسرار:

شاہ امین الدین علی اعلیٰ کے ذوق تصنیف و تالیف کا ذکر تو قدیم تذکروں میں بھی ملتا ہے لیکن ان کی بعض منظومات کا تعارف سب سے پہلے حکیم شمس اللہ قادری نے اردوئے قدیم کے ذریعہ کرایا، وہ کہتے ہیں: " آپ پر شب و روز محویت و استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی اور جب کبھی اس کیفیت میں غلبہ ہوتا تو آپ نظم میں عرفان کے حقائق و اسرار ارشاد فرماتے تھے۔ آپ کے مریدوں نے ان ارشادات کو جمع کیا ہے اور اس کا نام "جواہر الاسرار" رکھا ہے "۔

2۔ رموز السالکین:

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اردو نثر کا آغاز اور ارتقاء میں لکھا ہے۔ اس نظم کو پروفیسر سروری، ڈاکٹر زورؔ اور حکیم شمس اللہ قادری سب نے شاہ امین الدین اعلیٰ کی تصنیف مانا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ اس نظم کا آغاز ذیل کے اشعار سے ہوتا ہے۔

اللہ پاک منزہ ذات اس سوں صفاتاں قائم سات
علم ارادت قدرت بار سنتا دیکھتا بولن ہار
ہے صفت یہ جان حیات اس کو ناہیں کد ممات
ایسی صفاتاں سوں ہے ذات جو نکے چند نے چند سنگات[1]

حضرت شاہ امین الدین کی اس مثنوی کا پتہ سب سے پہلے مولوی عبد الحق نے اور اپنے مضمون حضرت شاہ امین الدین اعلیٰ میں اس کو متعارف کروایا ہے۔ حضرت امین کی یہ طویل مثنوی ہے جس میں انہوں نے تصوف کے بعض مسائل مشاہدین اور مراقبے کے تمام مدارج اور ان کی کیفیات کو عام صوفیاء کے انداز میں بیان کیا ہے اور اپنے خانوادے ہی کی تعلیمات کو اس کے اپنے اصلی رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس نظم کے ابتدائی حصہ میں حضرت امین نے پہلے امہاۃ الصفات کا ذکر کرتے ہوئے ذات اور صفات کے ربط کو چاند اور چاندنی کے ربط سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

---

[1]۔ شمس اللہ قادری اردوئے قدیم، بار اول؛ صفحہ:77 ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، اردو نثر کا آغاز وارتقاء صفحہ:187

ایسیاں صفتاں سوہے ذات جوں کے چند ناچاند سنگات

اس کے بعد مختصر طور پر وجود کے مراتب احدیت، وحدت اور واحدیت کا ذکر کرتے ہیں اس کے علاوہ حضرت امین نے وحدت اور کثرت کے مسئلے کو سمجھانے کے لیے اوراس مسئلے کی وضاحت کے لیے انہوں نے عکس اور آئینے کے ربط سے بڑی بلیغ اور لطیف تشبیہ دی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جس طرح عکس نہ آئینے سے خارج ہے اور نہ آئینے میں داخل وشامل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نہ اس کائنات سے خارج ہے۔ نہ اس کائنات میں مقید ہے۔ یعنی وہ نہ عین کائنات ہے اور نہ غیر کائنات ہے۔

ناجگ بھیتر باہر بوج آرسی میں کامکھ ہے توج

مزید حضرت امین کہتے ہیں کہ نور درحقیقت نور مطلق ہی ہے جو ہر طرح کے قید سے پاک ہے۔ روح بینا اور دل دانا ہے یعنی روح مشاہدہ کرتی ہے اور دل سمجھتا ہے۔ دل کے بعد نفس ہے۔ یہ چاروں چار ظہورات ہیں۔ نفس، حواس خمسہ کا محل ہے۔ لیکن یہ حواس خمسہ ان ظہورات سے خارج، پانچ اعضاء پانچ حواس کے محل ہیں۔ سالک کو چاہئے کہ اپنے نفس پر غور کرے اور اپنے منشاء یعنی نور کی نشانی پانے کی کوشش کرے۔ سالک کو جاننا چاہئے کہ اس کا نور، نور مطلق کا پرتو ہے۔

نور وہی ہے مطلق نور قید مقید تے ہے دور
نور مشاہدہ ہے جمال بوجھے نور کا بھی کمال
دانا دل روح بینا پاک ان دونو کیرا ایسا سالک
دل دیکھ پہلا سہج سماد جسے وہ خطرے اپجے آد

پھر حضرت امین اس مثنوی میں تخلیق کائنات کی تشریح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شرع کا راستہ ظاہر کا راستہ ہے اور تصوف باطن کی تلاش کا نام ہے۔ شرح کی بوج علمی اور سمی بوج ہے اور تصوف کی بوج عینی بوج ہے۔ سنی سنائی پر جو یقین کیا جاتا ہے وہ علم الیقین ہے اور مشاہدے کے بعد جو یقین پیدا ہوتا ہے وہ عین الیقین ہے۔ یقین کی تیسری منزل حق الیقین ہے۔ یہ منزل اپنے نفس میں تجلّیٔ حق کے مشاہدے سے حاصل ہوتی ہے ۔

یقین کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت امین مدارج سے یقین کو آگ اور دھویں کی مثال سے سمجھاتے ہیں۔ ایک یقین تو یہ ہے کہ دور سے دھواں دیکھ کر یقین کیا کہ آگ ہے۔ یہ علم الیقین ہے۔ یقین کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آگ اور دھویں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دونوں میں تمیز کیا یہ عین الیقین ہے۔ اس درجے میں بھی آگ کی قربت کا تجربہ نہیں ہے۔ یقین کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ آگ کا ایسا مشاہدہ کرے کہ خود آگ میں مل کر آگ ہو جائے یہ حق الیقین ہے ۔

ایک یقین کرے بود جوں کے آتش کیرا دود
دور تھے دیکھ کر جان اگن ناچل آکر دیکھیا جن

دوجے یقین اوسط آؤ آگ دھویں کا دیکھے بھاؤ
سمجھا دو اور آتش نار دونوں بوج کیا قرار
ولے بوجھ نہیں امر قربت کا اس نابین ڈر
یقین تسری ایسی دیک آتش کے دار مل کر ایک

جو آگ میں جل کر آگ بن جاتا ہے اس کے یقین کو حضرت امین ''یقین پر یقین'' کہتے ہیں اور اس یقین پر یقین کے لیے جس مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے وہی ''مشاہدہ'' حقیقی ہے ۔

اور یقین پر ہے یقین آئے سو ہی مشاہدہ بولیا جائے

اس مثال میں آگ سے مراد حق ہے اور جو اس آگ میں جل کر آگ بن جاتا ہے وہ بھی حق ہو جاتا ہے۔ اس مثنوی میں حضرت امین نے تصوف کے وہ تمام اسرار پوری قدرت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت امین کی زبان شاہ برہان الدین جانم کی زبان سے زیادہ سلیس اور قابل فہم ہے ۔ لیکن انہوں نے جو نظمیں اپنی والد کی اتباع میں کہی ہیں ان میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ رموز السالکین اسی قسم کی ایک نظم ہے[1] ۔

3۔ ناریزہ:

حضرت امین کی یہ ایک مختصر نظم ہے جو مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی ہے ۔ بمطابق مصنف سید شاہ امین الدین اعلیٰ حیات اور کارنامے ڈاکٹر حسینی شاہد، اس کے نسخے ان کتب خانوں میں محفوظ و دستیاب ہیں ۔ کتب خانہ نواب سالار جنگ، حیدرآباد، کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد، کتب خانہ درگاہ حضرت امین الدین علی اعلیٰ، بیجاپور، کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، کتب خانہ سید شاہ برہان الدین صاحب، بیجاپور

ناریزہ کو کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے ۔ مثلاً نان ریزہ، ریزۂ نان، ناریزہ اس روٹی کے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جو فقراء تبرک کے طور پر معتقدین میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ وہ چند جو فقراء اور مشائخ اپنے دستر خوان سے کسی کو عنایت کرتے ناریزہ کہلانے لگی اور آگے چل کر اس کے معنی میں تبدیلی رونما ہوئی۔ تبرک کو ناریزہ کہا جانے لگا۔ اس مختصر نظم میں حضرت شاہ امین الدین اعلیٰ نے پنج تن کا مخصوص اور مرغوب تصوف بیان کیا ہے ۔

پہلے تین شعروں میں خدائے تعالیٰ کی ذات مطلق پھر نور محمدی اور نور محمدی سے کائنات کے ظہور کا ذکر نزول کے انداز میں کرنے کے بعد وہ خاکی تن اور اس کے اوپر کے متنوں کا ذکر عروج کے انداز میں کرتے ہیں ۔

کہ ایک یہ خاکی تن ہور دوجا ممکن من

[1]۔شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے، از: ڈاکٹر حسینی شاہد۔

اس خاکی تن کے ٹھار — ہے ممکن برتن ہار
ہور جیتے خطرے بار — ہے سب ممکن کا بستار
جے اتنا بوجن ہار — سو دل ہے گیان بچار
دل بوجن ہارا دانا — جسے دل پر ہے بھی بینا
سو اعلا علوی جان — سوروح القدس مان[1]

4۔ وجودیہ:

اس مثنوی کا پتہ حکیم شمس اللہ قادری نے لگایا تھا اور پھر بعد میں مولوی عبد الحق نے اپنے مضمون حضرت امین الدین اعلیٰ میں کیا ہے۔ مثنوی وجودیہ جس میں روح اور وحدت الوجود اور دیگر مسائل کا ذریعہ ہے ۔

5۔ محب نامہ:

مولوی عبد الحق اس نظم کے بارے میں لکھا ہے: کتاب محب نامہ (محبت نامہ) یہ نظم قصیدے کے طرز میں ہے۔ مگر عاشقانہ رنگ میں ہے۔ نظم کے ابتدائی اشعار میں حضرت امین نے محبوب کا سراپا بیان کیا ہے۔ مصنف سید شاہ امین الدین اعلیٰ حیات اور کارنامے ڈاکٹر حسینی شاہدر قمطراز ہیں۔ موضوع کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے اس مختصر سی نظم کا بار بار مطالعہ کرنا پڑا۔ شاعر محبوب کے ہر عضو کی تعریف کرتے ہوئے جب ناگفتنی مقامات تک پہنچتا ہے تو یا تو تشبیہات اور استعارات کے پردے ڈال دیتا ہے یا اس حصہ کو ہی اڑا دیتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ نظم کئی اعتبار سے دلچسپ ہے۔ حضرت امین بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ رسول اکرم کے حسن مبارک کی توصیف کرتے ہیں۔ پھر اس منزل سے بھی آگے بڑھ کر حسن ازل کی تشبیہ حسن کے گن گانے لگتے ہیں۔ اس پوری نظم کا آہنگ بتاتا ہے کہ حضرت امین نے مجاز سے حقیقی کی طرف رجوع کرنے کے کسی دلچسپ تجربے سے متاثر ہو کر یہ نظم کہی ہے۔[2]

مدح شاہ برہان الدین جانمؒ:

حضرت امین نے یہ نظم اپنے والد شاہ برہان الدین جانمؒ کی مدح میں کہی ہے۔ حضرت امین نے اس قصیدے میں اپنے والد کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے کمالات، روحانی فیوض، باطنی فیوض ان کے حال و مقام اوصاف حمیدہ کی تعریف بیان کی ہے ۔

اکمل ولایت تج عطا ثابت ثبوت نافی خطا — جز عین حق دیگر نہ تھا برہان بن میراں اپر
علم لدن مقدور تج نکتے خفی مکشوف تج — اشکال مشکل حل تج برہان بن میراں اپر
واصل محقق پیر توں اعمی بصر دستگیر توں — فرزند میراں میر توں برہان بن میراں اپر

---

[1]۔ شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے، ڈاکٹر حسینی شاہد اللہ، صفحہ:265

[2]۔ مولوی عبد الحق، حضرت امین الدین، رسالہ اردو، بابت جنوری 1938 صفحہ:3؛ و فہمیدہ بیگم حضرت شاہ امین کا کلام سب رس، دسمبر 1971۔

اوصاف حمیدہ حال ومقام وکمالاتِ روحانی کا ذکر کرنے کے بعد اپنے والد برہان الدین جانمؔ کے حوالے سے کہتے ہیں ان کی معرفت کی سرمستی کا وہی اندازہ کر سکتا ہے جس کو اس سرمستی سے فیضان پہنچا ہے۔

صوفی توں ہے سرمست کام مخمور مئے میثاق جام   چاکھے سو جانے طعم وفام برہان بن میراں اپر

خیالِ ریختہ:

حضرت امین کا ایک ریختہ کے متعلق مولوی عبد الحق اپنے مضمون رسالہ ٔاردو بابت 1928 جنوری میں اس ریختہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ایک بات نئی ان کے کلام میں یہ پائی جاتی ہے کہ بخلاف اپنے والد کے انہوں نے ریختے بھی کہے ہیں۔ایک غزل تو بالکل اس زبان میں ہے جسے ابتداء میں ریختہ کہتے تھے۔یعنی آدھا مصرعہ فارسی اور آدھا مصرعہ ہندی۔''

حضرت امین کے اس ریختہ کے ہر مصرعہ کے ابتدائی دور کن فارسی میں اور دور کن دکنی میں ہیں۔

ضمیرم زار کاں دل یار مجہ سوں بات کرتا نہیں   بہ بینم راہ اے شہنشاہ اک تل آو کے جاتا نہیں

سہیلا در مدح درگاہ پیر دستگیر:

شادی بیاہ اور دوسری تقریبوں میں جو گیت گائے جاتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔پہلی قسم کو شاہانا اور دوسری قسم کو ''سہیلا'' کہتے ہیں ۔شاہانا وہ گیت ہیں جو شادی کے دن کے لیے اور عروسی کے بارے میں ہوتے ہیں۔ سہیلا وہ گیت ہے جو مانجھے، چوتھی، جمعگی اور دوسری خوشی کی تقریبوں میں گایا جاتا ہے۔ان میں مبارکبادی، نیک تمنائیں اور دعائیں ہوتی ہیں۔سہیلا خوشی کا گیت ہے اس لیے اس میں فراق یا غم کا کوئی ذکر نہیں ہوتا گویا یہ محبت یا وصال کا گیت ہے۔حضرت امین کا سہیلا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کو حضرت امین نے اپنے والد بزرگوار حضرت جانمؔ کی درگاہ کی تعریف میں لکھا ہے ۔

ارض و سما بچ روضہ روشن   بلا نظیر ہے عالی مکاں

برق بادل در تاریک رین   نور کوکب ہو جلوہ جوش

جانمؔ کا روضہ ٔروشن اپنی آپ مثال ہے۔اندھیری رات میں اس کی چمک دمک ایسی ہے جیسے بادلوں میں بجلی یا تاریکی میں چمکتا ہوا استارہ۔

حقیقت:

حقیقت اس گیت کو کہتے ہیں جو مختلف راگ راگنیوں میں لکھا جاتا ہے اور جس میں تصوف اور عرفان کے مضامین باندھے جاتے ہیں۔ یہ گیت سماع کی محفلوں میں گائے جاتے ہیں ۔شاہ برہان الدین جانمؔ کی پیروی میں حضرت امین الدین اعلیٰ نے بھی طبع آزمائی کی ہے۔مثال:

یہ گیت تین مصرعوں کے تین بندوں پر مشتمل ہے۔ہر بند کے تین مصرعے ہم قافیہ ہیں اور ہر بند میں قافیہ مختلف ہے۔

دیکھو شاہ بہروب صورت جمال   نرمل روپ معشوق، ذات کمال

وصلوں خود فراموش لذتوں وصال

اس کے علاوہ شاہ امین الدین اعلیٰ نے کئی غزلیں لکھی اور بعض تذکروں میں ان کے چکی ناموں کا بھی ذکر ملتا ہے۔اس کے علاوہ امین الدین اعلیٰ کے رسالہ ٔ قربیہ (مثنوی) کا ذکر بھی ملتا ہے ۔ڈاکٹر زور نے لکھا ہے کہ اس مثنوی میں وحدت الوجودی فلسفہ کے وضاحت کی گئی ہے ۔مصنف شاہ امین الدین اعلیٰ حیات اور کارنامے میں رقمطراز ہیں:"اس رسالے میں حضرت امین نے بکثرت اصطلاحیں استعمال کی ہیں بلکہ کہنا چاہے کہ انہوں نے یہ رسالہ اصطلاحت کی زبان میں لکھا ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تصوف کے مسائل کو ایک نئی زبان میں بیان کیا گیا ہے ۔"

امین الدین اعلیٰ کی نثری خدمات:

صوفیائے دکن میں امین الدین اعلیٰ کی شخصیت نہ صرف تصوف وبزرگی کے اعتبار سے بلکہ علمی اعتبار سے بھی امتیازی شان رکھتی ہے۔شاہ امین الدین اعلیٰ اور ان کے مریدوں نے نہ صرف نظم بلکہ نثر کی ترقی میں بھی نمایاں حصہ لیا ہے۔انہوں نے ایک ایسی زبان جس کو گھر بھاکا کہلاتی تھی۔رشدوہدایت کا موثر حصہ بن گئی۔رفتہ رفتہ اس زبان میں فکر کے اظہار کی اچھی صلاحیت پیدا ہوتی گئی۔ امین الدین اعلیٰ نے نثر میں کئی رسالے لکھے جن میں قابل ذکر ہیں۔"گنج مخفی" رسالہ وجودیہ "گفتار امین الدین" "ظاہر وباطن" "عشق نامہ" "شرح کلمہ طیب" اور "کلمۃ الاسرار" میں انہوں نے اپنی تعلیمات کا نچوڑ پیش کیا ہے ۔

گنج مخفی:

میں وجود کے مراتب اور تنزلات کی مفصل شرح کی گئی ہے۔حضرت امین کا یہ نہایت ہی مختصر لیکن جامعہ اور مکمل نثری رسالہ ہے جس کا تعارف کراتے ہوئے مولوی عبدالحق نے لکھا ہے:شاہ صاحب نے بعض رسالے نثر میں بھی لکھے ہیں۔ایک چھوٹا رسالہ گفتار حضرت شاہ امین کے نام سے ہے جس میں تصوف کے بعض مسائل اور بعض اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔ایک دوسرا رسالہ گنج مخفی ہے اس میں شاہد ومشہود کی بحث ہے نمونے کے لیے چند سطریں نقل کی جاتی ہیں۔

"اللہ تعالیٰ گنج مخفی کو عیاں کرنا چاہا تو اول اس میں سوں یک نظر نکلی سو اس سے امین دیکھ ہوا، امین شاہد کہتے ہیں: یو دونوں رات کے دو طور ہیں، ذات اپس کو دیکھا اسے نظر کہتے ہیں۔دیکھ کر گواہی دیا تو اسے شاہد کہتے ہیں۔یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں۔"[1]

حضرت امین کا یہ دیڑھ دو صفحات کا یہ مختصر رسالہ مضامین کی ترتیب بیان کے ربط زبان کی سادگی اور اظہار کی قوت کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔زبان کی قدامت کے باوجود کہیں اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ایک ایسے دور میں جب کہ زبان ابھی تشکیلی دور سے گزر رہی تھی اتنی اصطلاحات کو آسان کرکے عوام کے لیے قابل قبول کرنا آسان نہیں تھا۔

1۔ مولوی عبدالحق رسالہ اردو بابت ماہ جنوری 1938، ص:8

وجودیہ:

میں مصنف نے اپنے مخصوص تصوف یعنی پانچ عناصر پچیس گُن سے بحث کی ہے۔ حضرت امین کا تو یہ محبوب ترین موضوع ہے وجود کے مسئلے پر انہوں نے کم وبیش اپنی تمام تحریروں میں ذکر کیا ہے۔اس موضوع پر حضرت امین کے دو رسالے ملتے ہیں ایک نظم میں اور دوسرا نثر میں۔ دونوں کا نام ''وجودیہ'' ہے ۔ حضرت امین کے رسالے گنج مخفی اور رسالہ وجودیہ کی تعلیمات کو ان کے سلسلے کے بزرگوں نے بار بار دہرایا ہے۔ چونکہ یہ تعلیمات حضرت امین کے نظام تصوف میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

گفتار شاہ امین:

میں ذاتِ باری تعالیٰ اور نور محمدی سے متعلق تشریحات موجود ہیں۔ جگہ جگہ استدلال اور معقول توضیحات سے عبارت کو مدلل بنانے اور زور بیان پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عناصر کی خصوصیت ان کے گھر وجود کے جوہروں اور دریاؤں کے بیان میں مصنف کا شاعرانہ تخیل بروئے کار آیا ہے ۔

ظاہر وباطن:

کی عبارتیں روانی اور دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس رسالے میں حضرت امین نے مختلف اوامر، اذکار، مراتب اور اصطلاحات کے باطنی معنی بیان کیے ہیں۔ انہوں نے جہاں اپنے والد اور دادا کی تعلیمات پر بنیادی مسائل میں اضافے کیے ہیں۔ وہیں ضمنی مسائل کی تشریح میں اپنے ذوق ووجدان سے نئے اور نادر معنی پیدا کیے ہیں۔ تصوف کے عام رسائل کی طرح اس رسالہ کی ہیئت بھی سوال وجواب کی ہے ۔

عشق نامہ:

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اردو نثر کا آغاز وارتقاء میں اس کا ذکر کیا ہے وہ لکھتی ہیں: ''یہ رسالہ چھ رسالے کے ایک مجموعہ کے ساتھ کتب خانہ امین الدین اعلیٰ کے کتب خانہ درگاہ امین الدین اعلیٰ میں دستیاب ہوا۔ لوح پر رسالہ امین الدین اعلیٰ درج ہے ۔ عشق نامہ کی ابتداء درود شریف سے ہوتی ہے اور آگے چل کر عشق کے رموز بیان کیے گئے ہیں ۔''

کلمۃ الاسرار:

شاہ امین کے رسالے کلمۃ الاسرار میں دوسرے رسالوں کے مقابل زیادہ ادبیت موجود ہے ۔ ریہ رسالہ شاہ امین کا سب سے طویل کارنامہ ہے۔ مراتب وجود کو سمجھانے کے لیے انہوں نے تمثیلی اسلوب کو اپنایا ہے اور ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن میں تشبیہ، اور استعارے کا پیرایہ دلکشی پیدا کر دیتا ہے۔ اس رسالہ میں کلمہ طیبہ کی تشریح وتعبیر بڑے انوکھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ تشریح کے سلسلے میں کلمہ کے ہر جز کو نہایت ہی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کرتے ہوئے نور محمدی پر جی کھول کر لکھا گیا ہے۔

مثال: ”عجب دریاے بیچوں کا کہڑاہے، لانہایت یواوسے انکھیاں سے عرفان کی تمیں اے عارفاں دیکھونہ اوس کا نہاؤ کچھ دستا بہو گہرااو دریاالہ کا ہے جسے حد ہور نہایت نئیں سولا اللہ کا موتی اوسے دریامیں دھونڈو۔اوس موتی میں عجائب جوت سوت نور محمد ہے۔ تجلی نور کی اوسکوں اب رسول کر بوجو۔ ایتا کلمہ کے معنی کوں ذراچت لائے کہ سنو۔ رحیمی برسوں پوچھیا ہے۔اوسکوں دل اوپر لیکھو۔لا اللہ الا اللہ محمد الرسول اللہ باطن تھاسو ظاہر او محمد رسول بن کر آیاباہر“۔

اس کے علاوہ شاہ امین الدین اعلیٰ نے چھوٹے بڑے کئی رسائل سپرد قلم کیے ہیں جس میں شرح کلمہ طیبہ، بیان کرتے ہیں۔ سجدیاں کا (مختصر رسالہ) ارشادات (فرمان) عرفان العشاق وغیرہ نثری رسالے ہیں جن سے وہ تصوف اور تصوف سے جڑے مسائل پر بحث کرتے اور اشاعت اسلام کے لیے یہ رسالے کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ برہان الدین جانمؔ کی زبان پر دیسی الفاظ کا غلبہ تھا لیکن شاہ امین کی تحریریں عربی اور فارسی سے اثر پذیری کی غماز ہیں اپنے رسائل میں وہ دکنی نثر کے درمیان فارسی جملے لکھتے ہیں اوران کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد کی قائم کی ہوئی روایت کو آگے بڑھایاجو آگے چل کر دکنی ادب کو اس کا کافی فائدہ ہوا جس سے دکنی زبان کے ذخیرے میں اضافہ ہوا۔

*****

کتابیات

1۔ خانقاہی نظام، مولانانوراحمد خان فریدی،1987، قصر الادب رائٹرز کالونی ملتان

2۔ سید شاہ امین الدین علی اعلی، ڈاکٹر حسینی شاہد، 1973، انجمن ترقی اردو، آندھراپردیش

3۔ خانقاہی نظام کے پانچ ستو نمیر طیب علی،2016، کرماں والابوک شاپ

4۔ دکنی نثر کا انتخاب، ڈاکٹر سیدہ جعفر، 1983، قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان

5۔ دکن میں اردوشاعری ولیؔ سے پہلے، ڈاکٹر محمد جمال شریف، 2004، ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد

حضرت سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری: خانقاہی نظام کی وراثت

ڈاکٹر غضنفر اقبال سہروردی*

دکن کے اولیائے اسلام میں حضرت سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری علیہ الرحمہ بلند ترین مقام کے حامل ولی کامل ہیں۔ آپ نے گم گشتۂ راہ بندگان خدا کو راہ حق دکھانے میں اپنی عمر عزیز بسر کی تھی۔ آپ علم و فضل، تقویٰ، پرہیزگاری اور خدمت خلق کے حوالے سے اپنے عہد میں بھی اور بعد کے ادوار میں بھی بے حد محبوب خلائق اور مقبول خاص و عام صاحب دل بزرگ تھے۔ آپ کی حیات اور دینی خدمات آنے والی نسلوں کے لیے ایک سرچشمۂ فیضان اور مشعلِ ہدایت ہیں۔

احوال و آثار:

حضرت سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری کا سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے حضرت غوث اعظم شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی (1166ھ-1077ھ) سے جاملتا ہے۔ آپ کے والد گرامی قدر حضرت سید شاہ حسین قادری اپنے عہد کے ایک ولی کامل تھے۔ حضرت سید شاہ حسین قادری حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے، وہیں آپ کا وصال ہوا۔ جنت المعلیٰ میں آرام فرماہیں۔ 885ہجری، بغداد میں حضرت سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرت سید حیدر ولی اللہ قادری کی دنیا میں آمد کی پیش گوئی ایک راہب نے ان الفاظ میں کی تھی: "میں نے اپنے علم سے یہ معلوم کیا ہے کہ ایک آدمی جو اس قد و قامت اور اس شکل و صورت، روشن دل، حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اولاد سے ہوگا، جس کا نام حیدر ولی اللہ ہوگا۔"[1] حضرت سید حیدر ولی اللہ قادری علیہ الرحمہ کی ذاتِ گرامی فنافی اللہ تھی اور آپ کا وجود فنافی الرسولؐ تھا۔ آپ کی ذات اقدس، کائنات اہل دل کے لیے ماہ کامل کی مثال تھی۔ آپ کا ظاہر و باطن شریعت، طریقت و روحانیت کے انوار سے منور تھا۔ آپ مکارم اخلاق کی پاسداری کے باعث خلائق میں ممتاز ترین تھے۔ آپ کا سراپا اس طرح سے بیان ہوا ہے:

> "شیخ اسیر و آزاد، شیخ ابراہیم آزاد جو کہ آسمانِ معرفت کے خورشید تھے ایک روز صبح نماز کے بعد شاہ حیدر ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ شاہ حضرت اوراد و اذکار میں مصروف تھے اچانک آفتاب طلوع ہوا۔ اس کی شعاعیں شاہ حضرت کے جسم مبارک پر پڑ رہی تھیں۔ شیخ نے شاہ حضرت کے چہرۂ مبارک کو دیکھا تو آپ کے چہرہ کو ایک طبق سورج کے مانند پایا۔ آپ کے رخِ انور کی طرف تیزی سے دیکھ نہیں سکے۔ جس طرح آفتاب کو عین نصف النہار کے وقت دیکھنا ممکن نہیں، آپ کی آنکھیں خیرہ، بے

* اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، شری راجیو گاندھی ڈگری کالج، بسواکلیان، ضلع بیدر، کرناٹک

1- خوارق حیدریہ، سال نامہ اللطیف ویلور، 1397ہجری: ص125

نورو پُر آب ہو گئیں۔"[1]

حضرت حیدر ولی اللہ کا رجحانِ تصوف سلسلۂ قادریہ کی جانب ہے آپ نے سلسلۂ قادریہ کی نشرو اشاعت اس انداز سے کی کہ دکن کے کونے کونے میں اس کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ خاندانی روایت کے مطابق آپ نے دکن کے عوام الناس کو حق پرستی اور حق جوئی کا راستہ دکھایا۔ اللہ کے بندوں کو اللہ کی معرفت سے نوازنے کی کوشش کی۔ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشقِ الٰہی کی حرارت پیدا فرمائی۔ لاتعداد بندگان خدا' آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور طالبان حق کا ایک بڑا طبقہ سلسلہ قادریہ عالیہ میں داخل ہوا۔

آپ نے بغداد سے بیجاپور مراجعت فرمائی۔ بعد ازاں 'نیلنگہ' ضلع لاتور (مہاراشٹرا) کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کیا۔ نیلنگہ میں دین اسلام کی جو روشنی نظر آتی ہے وہ بلاشبہ حضرت حیدر ولی اللہ کے فیضان اور آپ ہی کی بے تکان جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ نہ صرف نیلنگہ بلکہ علاقہ دکن میں آپ کی مقبولیت کا اثر' تاریخ کے روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ہدایات و عرفان اور کمالات و برکات کا ایک خزانہ تھے۔ اخلاقِ کریمانہ اور فضائل عالمانہ سے متصف تھے۔ عاجزی' انکساری کا درس اور شفقت و محبت کا پیغام آپ کی تعلیمات کا اہم حصہ ہے۔

اپنے زمانے کے اہل علم و فضل نے آپ کی عظیم شخصیت کو اپنے قلم سے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ آپ کی حیات' علمی' دینی' اصلاحی خدمات اور آپ کے کمالات ظاہری و باطنی کا احاطہ کیا ہے۔ "خوارق حیدریہ[2]" میں' حضرت حیدر ولی اللہ کی حیات بابرکات، تعلیمات، خوارق عادات اور کرامات کریمہ کے باب میں کئی دل افروز واقعات مذکور ہیں۔ ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

ایک روز شاہ حضرت کی مجلس میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ: "اسلاف سے اس طرح سنا گیا ہے کہ صحیح النسب سادات کے گوشت و پوست پر آگ اثر نہیں کر سکتی بلکہ ان کے بال کا رنگ بھی متغیر نہیں ہوتا۔" اس شخص کے بیان کے بعد آپ نے یوں فرمایا: "اے حاضران مجلس جو بات اُس آدمی نے کہی ہے' در حقیقت سچ ہے۔ نیز ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ہم سادات صحیح النسب ہیں اور ہمارا گوشت و پوست بھی طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم جسیم کا ایک حصہ ہے۔ پس آج ہم چاہتے ہیں کہ یہ آزمائیں۔ پھر آپ نے اپنی داڑھی سے چند بال جدا کر کے مشتعل آگ پر ڈال دیا۔ تو اسی وقت آگ سرد ہو گئی۔[3]

حضرت حیدر ولی اللہ علیہ الرحمہ نے نیلنگہ میں اقامت فرمائی۔ عوام الناس کے درمیان رہ کر آپ نے اپنی عملی زندگی سے بے عمل و گمراہ لوگوں کی علمی و روحانی تربیت فرمائی۔ آپ نے اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ عبادت حق تعالیٰ میں خود کو مصروف رکھا۔ مخلوقِ خدا

---

[1]- خوارق حیدریہ' سال نامہ اللطیف ویلور' 1397 ہجری: ص58

[2]- دارالعلوم لطیفیہ' ویلور (تامل ناڈو) کے ایک فاضل استاذ مولوی پی۔ محمد ابو بکر ملباری لطیفی صاحب نے "خوارق حیدریہ" کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ کیا تھا جو دارالعلوم لطیفیہ کے ترجمان' سال نامہ' 'اللطیف'' میں 1349 ہجری تا 1413 ہجری تک کئی اقساط میں اشاعت پذیر ہوا۔

[3]- خوارق حیدریہ' سال نامہ اللطیف ویلور' 1397 ہجری: ص86

کے دلوں میں آپ کی محبت کا چراغ روشن رہا۔ طالبان حق کا ایک گروہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہتا اور فیض یاب ہوتا تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو بڑی لمبی عمر سے نوازا۔ 1033 ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ نیلنگہ ضلع لاتور آپ کی ابدی قیام گاہ قرار پائی۔ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کا آستانہ مخلوق خدا کے لیے فیض رسانی کا مرکز ہے۔ آپ کے مزار اقدس پر بلالحاظ مذہب و ملت عوام الناس حاضر ہو کر بڑا کیف و سرور اور قلبی سکون محسوس کرتے ہیں۔ نہ صرف عرس مبارک کے موقع پر بلکہ عام دنوں میں بھی آپ کے آستانہ اقدس پر ہر طرف خیر خواہی اور عقیدت مندی کا ماحول اور خدمت خلق کا جذبہ رواں دواں دکھائی دیتا ہے۔ بہ قول منیر احمد جامیؔ:

فراست معرفت' زورِ تصرف' حق شناسائی — علم بردار ہیں ادراک کے حیدر ولی اللہ
وہ اللہ کے مقرب' رازِ دارِ کار قدرت ہیں — مرید خاص غوث پاک کے حیدر ولی اللہ

خانقاہی فیوض:

حضرت سید شاہ حید رولی اللہ قادری نے دین حنیف کی آبیاری اور ترویج میں اپنی ساری زندگی بسر کی۔ عوام الناس کی بھلائی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ آپ نے تاحیات طالبان حق کی روحانی تربیت میں جد وجہد کی' ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی محبت کو فروزاں کیا۔ آپ نے مسلمانوں اور عامۃ الناس کی اخلاقی اصلاح کی اور احیائے دین کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ تصوف آپ کی عملی زندگی سے عبارت تھا۔ آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ کی دینی' اخلاقی اور اصلاحی تعلیمات سے لاکھوں انسانوں کے مردہ دلوں کو حیاتِ جاودانی عطا کی۔ آپ کی قائم کردہ خانقاہ مبارکہ بھی اسی سلسلے کی ایک زرّیں مثال ہے۔

حضرت سید شاہ حید رولی اللہ قادری علیہ الرحمہ نے خاندانی روایت کے مطابق روحانی اقدار کے تحفظ کے لیے تبلیغ اور تعلیم کی ضرورت کو محسوس کیا۔ روحانی تربیت اور اصلاح کے سلسلے میں سرگرم عمل ہو گئے۔ خانقاہ تعمیر کروائی اور طالبان حق کی تعلیم اور روحانی تربیت کا باقاعدہ انتظام فرمایا۔ خانقاہ حیدریہ کے متعلق "خوارق حیدریہ" میں اس طرح لکھا ہے:

"آپ نے خانقاہ کی بنیاد رکھنے کے لیے اپنے معتقدوں اور خادموں کو حکم دیا کہ ہر ایک مستعد ہو کر اس نجاست کے ڈھیر کو بہادیں اور اس غلاظت کی بدبو سے کوئی شخص بھی اپنے دل میں کسی قسم کی کراہت نہ لائیں اور اس تودہ کو اس طرح ہٹادیں کہ سطح زمین نمودار ہو جائے اور کچھ بھی نشیب و فراز نہ رہنے پائے اور اس تودۂ نجاست کو صحنِ گلشن میں بدل دیا جائے۔"[1]

حضرت سید شاہ حید رولی اللہ قادری' نیلنگہ میں خانقاہی نظام تعلیم کے روح ورواں تھے۔ آپ نے تصوف کو عملی سطح پر پھیلانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ روحانی پیغام کی ترویج و اشاعت کی۔ آپ نے اپنی خانقاہ سے محبت اور یگانگت کا پیغام عام کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ کی خانقاہ سے روحانی فیض حاصل کرنے والوں میں ہر عقیدے اور ہر مذہب کے لوگ شامل رہے ہیں۔ آپ اپنے عہد میں

1- ایضاً: ص157

دینِ اسلام کے عظیم داعی تھے۔ آپ نے پورے انہماک اور دل جوئی سے خانقاہی نظام تعلیم کو رواج دیا تھا۔ آپ کی خانقاہ میں پابندی سے درس و تدریس کا سلسلہ ہوا کرتا تھا جس سے ہزاروں بندگانِ خدا مستفید ہوتے اور صبر و توکل' قناعت و ریاضت کا درس حاصل کرتے اور اصلاح باطن کی راہ پر گامزن ہوتے تھے۔ آپ نے خانقاہ میں درس و تدریس کا جو سلسلہ شروع کیا اس کی ایک خاص بات خود آپ کا خطاب ہوا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا:

"اے عزیز! دنیا ایک دار فانی ہے اور آخرت سرائے جاودانی ہے۔ دنیا ایک رنج و مصیبت کا مقام ہے اور آخرت عزت و حرمت کی منزل ہے۔ اگر دنیا کو کوئی شرف و عزت ہوتی تو آخرت کو مقام بقا قرار نہیں دیا جاتا' نیز مردان خدا و سالکانِ راہ اس اسبابِ بے بقا کو پاؤں سے ٹھوکر نہیں مارتے' لہٰذا مردِ عاقل و عارف کامل وہی ہے جو دل کو اس پُر وحشت منزل سے ہٹالیتا ہے اور اُس کی خوشی و مصیبت و فرحت و آلام اور اُس کی خوش نمائی پر فریفتہ نہیں ہوتا ہے۔ اس دار فانی سے پوری طرح قطع تعلقات کر لیتا ہے اور بلند ہمتی سے اس کے رنج والم سے تنگ دل نہیں ہوتا۔ اور موت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے دل کو اس کے فانی لذات سے دور رکھتا ہے اور آخرت کے گھر کو آباد و معمور رکھتا ہے۔"[1]

حضرت حید رولی اللہ کی تعلیمات نے روحانی دنیا میں ایک بلند معیار قائم کیا تھا۔ آپ کی خانقاہ سے بلا امتیاز نسل و ملّت' کئی افراد نے تربیت پائی جن میں کئی مشاہیر کے نام بھی شامل ہیں۔ ملّا غواصیؔ کا نام اردو ادب کی تاریخ میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ قطب شاہی سلطنت کے ساتویں حکمراں عبد اللہ قطب شاہ(1672ء- 1614ء) کے مقرب خاص اوراُردوئے قدیم کے ممتاز شاعر' ملک الشعراء ملّا غواصیؔ بھی آپ کے خلیفہ اور آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ غواصی اپنے روشن ضمیر مرشد گرامی کی خانقاہ میں حاضر ہو کر فیوض و برکاتِ باطنی سے فیض یاب ہوتے تھے۔ پروفیسر غلام عمر خان(2011 - 1923) 'غواصی کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عہدِ وسطی کے بعض نامور شاعروں کی طرح غواصی کی زندگی کے تفصیلی حالات بھی ابھی تک پردۂ تاریکی میں ہیں۔ اس کا نام' سنہ پیدائش 'تعلیم و تربیت 'خانگی زندگی 'سنہ وفات 'مدفن بالخصوص زندگی کے آخری زمانے کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ قطب شاہی تاریخوں میں کچھ اچٹتے ہوئے اشارے' خود شاعر کے کلام کی داخلی شہادتیں 'بعد کے شعرا اور تذکرہ نگاروں کے وہ اشعار یا مختصر جملے جن میں غواصی کے کمالِ فن کا اعتراف کیا گیا ہے۔ یہی اس کے حالات کا ماخذ ہیں۔"[2]

---

[1]- ایضاً: ص125

[2]- میناست و نتی 'ملّا غواصی 'مرتبہ 'غلام عمر خاں

یوں تو ملّا غواصی کے حالات زندگی کے کئی اہم پہلو ہنوز تحقیق طلب ہیں مگر جدید تحقیق کے مطابق 'ملّا غواصی' اپنے پیر و مرشد کے قدموں میں آرام فرماہیں۔ ملا غواصی نے عمر کا زیادہ تر حصہ علومِ ظاہری و باطنی کے حصول میں گزارا۔ میناست ونتی (1614) سیف الملوک وبدیع الجمال (1624) اور طوطی نامہ (1639) غواصی کی یہ مثنویات ایک زندہ جاوید شاہ کار کا درجہ رکھتی ہیں۔ غواصی نے اپنے مرشد گرامی قدر کا ذکرِ جمیل نہایت احسن انداز میں کیا ہے۔

غواصی نے اپنے پیر و مرشد کی شان میں جو اشعار کہے ہیں وہ ہمارے قدیم ادبی نمونوں میں ایک بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ اپنے مرشد محترم کی شان میں کہے گئے' غواصی کے یہ اشعار اس کی عقیدت و محبت کے گواہ ہیں۔ دکن کے مشہور محقق جناب اسلم مرزا نے' قدیم اردو یعنی دکنی زبان میں کہے گئے غواصی کے ان اشعار کو' سیدھی سادی نثر میں پیش کیا ہے:

اے پیر دستگیر جو حیدر ترا ہے نانو   منج کوں کہاں وو جیب جو ہے تیول تجے سرانو

(اے پیر دستگیر! حیدر جو تیرا نام ہے۔ میرے پاس وہ زبان کہاں ہے کہ میں تیری ویسی تعریف کروں)

سارے موحداں میں سزاوار ہے منجے   جو تج کہوں خدا و محمدؐ کہ تج بلاؤں

(تمام موحدوں میں میرے لیے تولائق ہے۔ کہ تجھے خدا و محمدؐ کہہ کر میں پکاروں)

منگتا ہوں چھانو ہو کے تیرے پانو تل اچھوں   روزی کدھاں وو دیس ہووے گا جو تج کوں پانو

(میں چاہتا ہوں کہ تیرے پاؤں کے نیچے چھاؤں بن کر رہوں۔ (کیوں کہ) میرے ایسے نصیب کہاں کہ تجھ کو پاسکوں)

مشتاق بھوت دن تے ہوں دکھلا تر اجمال   جو آنکھ کھول خوب نظر بھر تجھے نجھانو

(میں بہت دن سے مشتاق ہوں اپنا جمال دکھا۔ تاکہ میں آنکھیں کھول کر تجھے غور سے دیکھوں نہار تا رہوں)

شکر خدا جو منج غواصیؔ کے سیس پر   چھتر کے سار عین ترے لطف کا ہے چھانو

(خدا کا شکر ہے کہ مجھ غواصی کے سر پر بالکل چتر کی طرح ترے لطف و کرم کی چھاؤں ہے)

سلسلۂ قادریہ کی نسبت پر غواصی نے فخر و مسرت کا اظہار کیا ہے:

پر سند قادری ہوں غواصیؔ   یا بھلا یا برا جکچھ ہوں میں

(غواصی! میں برا یا بھلا جو کچھ بھی ہوں' ہر طرح قادری ہوں)

دکن میں حضرت سید شاہ ولی اللہ قادری علیہ الرحمہ کی شخصیت اور حیات' روحانی تربیت' روحانی کاوشات اور خانقاہی نظام کے فروغ کا ایک ناقابل فراموش نقش ہے۔ آپ کے خانقاہی فیوض کو شاذؔ رمزی نے شعری زبان عطا کی ہے:

نظام خانقاہی کا بڑا پرنور منظر ہے   یہ صوفی ہیں' دکن کی شان ہیں حید ر ولی اللہ

تصوف میں یہاں کا سلسلہ غوث الوریٰ سے ہے   ولایت پر سدا قربان ہیں حیدر ولی اللہ

حضرت سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری کی ساری حیات' رشد و ہدایت' اصلاح و اشاعت دین سے عبارت تھی۔ آپ کی اولاد و احفاد میں

اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت عطا فرمائی۔ یہ خاندان دکن میں خوب خوب پھلا پھولا۔ دکن کے مختلف شہروں میں شریعت و طریقت کے چراغ روشن فرمائے اور خلق خدا کے تاریک دلوں کو منور فرمایا۔ عہدِ موجود میں بھی عقیدت مندان حیدری محبت و عقیدت سے سرشار ہو کر نیاز مندی کے پھول پیش کرتے ہیں۔ آستانہ اقدس سے آج بھی روحانی فیوض حاصل کرتے ہیں۔ عام دنوں کے علاوہ عرس مبارک کی بابرکت تقاریب میں شریک ہو کر اپنے دامنوں کو گوہر مراد و مقصود سے بھر لیتے ہیں۔ آستانہ مبارک پر نہایت ہی عاجزی و انکساری کے ساتھ مسلمانان عالم' ملک و ملت کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

*****

حضرت سید شاہ اسحاق ثناء اللہ قادری البغدادی یکے از سبعہ قادریہ

سید شاہ محبوب قادری نظامی الاسحاقی *

حیدرآباد سے تقریباً دو سو کلومیٹر دور ریاست آندھرا پردیش کا ایک مقام کرنول ہے اس کا قدیم نام قمر نگر تھا موجودہ نام کرنول ہے اس شہر کو اللہ نے ہرا بھرا بنایا ہے اس کے اطراف و اکناف بڑی زرخیز زمین سبز لہلہاتی ہری کھیتیاں ہیں اور اس شہر کے بالکل قریب یا دوسرے الفاظ میں یوں کہوں کہ اس شہر میں ہندوستان کی مشہور نہر تنگابدرا بہتی ہے جس کی وجہ سے پانی کی کوئی کمی نہیں رہتی اور پانی استعارہ ہے حیات کا جیسا کہ انگریزی کا مہاورہ ہے water is the driver of nature اس اعتبار سے بھی کرنول شہر بہت خاص ہے اس کے علاوہ اس کی تاریخی عمارات کی بنا اس کو تاریخی حیثیت بھی حاصل ہے فنون لطیفہ کا ایک بہترین مرکز ہے، بطور خاص بڑی گنبد کے نام سے مشہور عمارت کافی اہمیت رکھتی ہے اس کے علاوہ بہت ساری قدیم خانقاہی عمارتیں اسکو تاریخی حیثیت دلاتے ہیں، خانقاہی نظام کی کثرت کی بنا پر کرنول کو باون اولیا کا مٹھ بھی کہا جاتا ہے۔

کرنول میں علم کو عام کرنے کے لیے بہت ساری قانقاہوں نے بے لوث خدمات انجام دیے جن میں قابل ذکر یہ ہیں قطب الاقطاب حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری لاابالی رحمتہ اللہ علیہ، قطب الاقطاب حضرت سید شاہ کریم اللہ شاہ قادری رحمتہ اللہ علیہ، قطب الاقطاب حضرت سید شاہ آخر شاہ مولی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت سید شاہ خالق لنگ جگت گرو اور قطب الاقطاب حضرت سید شاہ اسحاق ثناء اللہ قادری الحموی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ میں سے بطور خاص آخر الذکر صوفی رہبر شریعت، مخزن طریقت، معدن حقیقت، شہزادہ حضور غوث الصمدانی، نور نظر حسن المثنی حیدر ثانی، جگر پارہ علی لاثانی، آل محمد نورانی، سیدنا، مرشدنا، جدنا، حضور سید شاہ اسحاق ثناء اللہ قادری الجیلانی، الحموی، البغدادی، یک از سبعہ قادریہ المعروف سید شاہ میاہ صاحب قادری رحمتہ اللہ علیہ روضہ درگاہ کرنول۔

آپ کی شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں کہ آپ کے نام نسب و حسب کو بتاوں، آپ کی شخصیت اظہر من الشمس ہے، آپ کے بارے میں کچھ لکھنا، یا بولنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سورج کو چراغ دکھانا، میری مثال اس بوڑھی خاتون کی طرح جو مصر کے بازار میں حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے نکلی تھی، بس اتنا ہی ہے کہ میرا بھی میرے پیر و مرشد و جد امجد کے مدح سراؤں میں نام ہو جائے، میاں صاحب قادری کے بارے میں کیا بتاؤں کہ کس درجہ اللہ سے قریب تھے، انکی شب و روز کیسی گزرتی تھی، ان کے عادت و اخلاق کیسے تھے ان کے معاملات کیسے تھے، ایک دوسرے سے ان کا کیا برتاؤ تھا، بس اتنا بتادوں کہ حضرت امام قشیری ولی کی تعریف میں کہا تھا کہ ولی فاعل بطور مبالغہ فعیل کا وزن ہے۔ یعنی وہ شخص جو اللہ سبحانہ و تعالی کی عبادات و اطاعت کو اپنا ذمہ لیتا ہے، اسی لیے اس کی عبادت میں تسلسل ہوتا ہے۔ یہ خاصیت میرے پیر و مرشد میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، کہ آپ نے اپنا سارا وقت شب و روز مسلسل

---

* استاد جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن

اس اللہ سبحانہ وتعالی کی عبادت وریاضت میں لگا دی، ان کو اس فانی دنیا اور یہاں کے لالچی لوگوں سے کسی بھی قسم کی کوئی خواہش یا لگاؤ ذراہ بھی نہ تھا،اور نہ ہی انہوں نے اپنی پاک حیات کو اس مردار دنیا کے حاصل کرنے میں خرچ کی۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے و ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی اللہ سبحانہ و تعالی نے ارشاد فرمایا میں نے جن وانس کو صرف عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے، حضرت ممدوح کی حتی الامکان یہی کوشش رہی ہے کہ ان کی زندگی کا اکثر بیشتر وقت صرف مالک حقیقی کی عبادت اور اس کے سامنے سر بسجود کرکے گزارے ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہے۔

ان سب باتوں کو مبالغہ جان کر یا پھر ایک مرید کا اپنے مرشد سے اعتقاد مان کر یا پھر ایک نبیرہ کا اپنے جد کی لایعنی تعریف سمجھ کر انگشت نمائی سے قبل ایک مرتبہ محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن یعنی محبوب التواریخ مطالعہ کرلیں جتنے شک وشبہات تھے وہ سب یقین میں تبدیل ہو جائے گے، پھر میری تحریر مبالغہ نہ ہو کر حقیقت کی آئینہ دار ہو جائے گی صاحب تذکرہ اولیائے دکن حضرت محمد عبد الجبار خان صاحب تحریر کرتے ہیں کہ "ذکر و شغل میں پچاس سال تک رہے پھر ہندو دکن سے بغداد گئے وہاں شادی کے چند روز گزار کر دکن میں آئے موضع کنگن پور علاقہ کرنول میں فروکش ہوئے"۔

ولی کے معنی دوست کے ہیں اس کی جمع اولیاء آتی ہے اصطلاح تصوف میں اللہ سبحانہ وتعالی کے ایسے نیک بندے جو اپنی حیات و ممات اللہ کی مرضی کے مطابق بنادیے ہیں مراد ہیں اور جب کوئی بندہ اس درجہ کو پہونچ جاتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالی ایسے نیک بندوں کے لیے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرماتا ہے کہ الآ ان اولیاء اللہ لآ خوف علیھم ولا ھم یحزنون رسالہ قشیریہ میں صاحب قشیریہ حضرت ابو القاسم عبد الکریم ھوازن قشیری رحمتہ اللہ علیہ متوفی 564ھ فرماتے ہیں ولی کے دو معنی ہیں ان میں سے ایک فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی وہ شخص جس کے کاموں کا اللہ تعالی ولی ہے ارشاد خداوندی ہے "وھو یتولی الصالحین" اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے، پس وہ اس کو ایک لحظہ کے لیے بھی اس کے نفس کے سپرد نہیں کرتا بلکہ حق تعالی اس کی نگرانی کرتا ہے، دوسرا معنی فاعل سے بطور مبالغہ فعیل کا وزن ہے یعنی وہ شخص جو اللہ سبحانہ وتعالی کی عبادت اور اطاعت کو اپنے ذمہ لیتا ہے اس لیے اس کی عبادت میں تسلسل ہوتا ہے درمیان میں کوئی نافرمانی حائل نہیں ہوتی۔[1]

صاحب قشیری مزید ولی کے اوصاف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ولی ہونے کے لیے دونوں وصف ضروری ہیں اور اس پر اللہ سبحانہ وتعالی کے حقوق کو مکمل طور پر ادا کرنا ضروری ہے اور اللہ سبحانہ وتعالی خوشی اور غم دونوں حالتوں میں اس کی حفاظت کرتا ہے ولی کے لیے گناہوں سے محفوظ ہونا شرط ہے جس طرح نبی کے لیے معصوم ہونا شرط ہے پس جس شخص پر شریعت کی رو سے اعتراض پایا جاتا ہو اسے شیطان نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

ولی کی علامات کے بارے میں صاحب قشیری فرماتے ہیں کہ ولی کی تین علامات ہیں:

---

[1] رسالہ قشیری، ابولقاسم الکریم ھوازن قشیری، ص564

(1) 'شغلہ باللہ' اللہ سبحانہ وتعالی کے ساتھ مشغولیت

(2) 'فرارہ الی اللہ' اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف بھاگنا

(3) ھمہ الی اللہ اللہ سبحانہ وتعالی کی فکر۔ [1]

صاحب قشیری ولی کے منازل سے متعلق فرماتے ہیں حضرت خرازرحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب اللہ سبحانہ و تعالی اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو دوست بنانا چاہتا ہے تو اس کے لیے اپنے ذکر کے دروازے دکھول دیتاہے، جب وہ ذکر سے لذت حاصل کرلیتاہے تو اس پر قرب کا دروزہ کھول دیتاہے پھر اسے اپنے انس کی مجالس کی طرف اٹھا لیتاہے پھر اسے توحید کی کرسی پر بٹھا دیتا ہے، پھر اس سے پردوں کو اٹھادیتا ہے اور اسے فردانیت کے گھر میں داخل کردیتاہے اور اس کے لیے جلال اور عظمت کو کھول دیتاہے، جب اس کی نگاہ جالال وعظمت پر پڑتی ہے تو اس کی خواہشات ختم ہو جاتی ہیں، اب بندہ اپاہج اور فانی ہو جاتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالی کے حفظ وامان میں ہو جاتا ہے اور یوں اپنے نفس کے دعووں سے بیزار ہو جاتاہے۔ [2]

آپ علیہ الرحمہ میں مذکورہ بالا اولیاء اللہ کے جو صفات اور عادات اور جو تعریف کی گئی ہے الحمدللہ وہ ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں چاہے عبادات سے متعلق ہو کہ صالحین کی صحبت ہو، آپ علیہ الرحمہ کی عبادت کے متعلق آپ نے اوپر پڑھاتھا کہ بارہ سال کی عمر سے پچاس سال کی طویل عمر صرف اللہ کی عبادت، ریاضت، مراقبہ، مشاہدہ، میں صرف کیا، اس میں نافرمانی کی کوئی گنجائش نہیں باقی رہتی، شغل باللہ، فرار الی اللہ، فکر الی اللہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جب یہ ساری خوبیاں آپ علیہ الرحمہ میں پائی جاتی ہیں تو بقول صاحب قشیری آپ علیہ الرحمہ کو اللہ نے ولی بنالیا، پھر قرب کادروازہ بھی کھول دیا، پھر انس کی مجالس میں بٹھادیا، پھر آپ کو توحید کی کرسی پر بھی بٹھادیا، پھر آپ علیہ الرحمہ پر سے پردوں کو اٹھادیا، پھر آپ علیہ الرحمہ کو فردانیت کے گھر میں داخل کرادیا، اب آپ علیہ الرحمہ منزل فنا میں ہیں، اللہ کے حفظ وہ امان میں ہیں ان پر نفس کا کوئی زور نہیں وہ اب خدا کے ہوگئے اب ان کا ہر کام خدا کے لیے اور خدا کی مرضی سے ہوتاہے اور کیوں ناہو جن کے اجداد میں سلطان الاولیا، امام الاتقیا اور امام الانبیا ہو تو اس کا اثر ہونالازمی جزہے۔

(زیر نظر شجرہ مبارکہ محبوب ذوالمنن تارخ اولیاء دکن میں ہے)

حضرت سید شاہ اسحاق ثناء اللہ قادری کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے اسحاق (1) بن ابوالفتاح قادری (2) بن سید محمد (3) بن سید محی الدین (4) بن سید احمد (5) بن سید قاسم (6) بن سید نور الدین (7) بن سید علاوالدین (8) بن سید شمس الدین (9) بن یوسف (10) بن ظہیر الدین (11) بن سید احمد (12) بن عماد الدین ابی صالح نصر (13) بن سید شاہ عبدالرزاق قادری (14) بن سلطان المشائخ، سردار اولیاء حضرت سید شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانی (15) بن سید ابو صالح موسی جنگی دوست (16)، بن سید ابو عبداللہ

[1] رسالہ قشیری، ابولقاسم الکریم ھوازن قشیری، ص564

[2] رسالہ قشیری، ابولقاسم الکریم ھوازن قشیری، ص564

جیلی(17) بن سید عمر یحی زاہد(18)بن سید محمد (19) بن سید داود (20) بن سید موسی ثانی(21) بن سید عبد اللہ ثانی (22) بن سید موسی الجون(23)بن سید عبد اللہ محض(24) بن امام حسن المثنی(25) بن امام حسن رضی اللہ عنہ(26) بن فاتح خیر امام الا تقیا و الاصفیاء علی کرام اللہ جہہ الکریم رشد اپنے والد بزرگ وار حضرت سید شاہ ابو الفتاح قادری الجیلانی البغدادی کے دست حق پر ست پر 12 سال کی عمر میں سلسلہ قادریہ میں ارادت حاصل کی بعد ازاں پچاس سال تک بڑی سخت محنت و ریاضت و مراقبہ مشاہدہ میں خود کو ہمہ تن مصروف رکھا۔ جس کے بارے میں تذکرہ اولیائے دکن میں مذکور ہے ''آپ بارہ برس کی عمر میں والد ماجد سے طریقہ قادریہ میں مرید ہوئے اور گوشہ نشینی اختیار کی ذکر و شغل میں پچاس سال کی عمر تک رہے۔"[1]

افاقہ ہوا تو پھر دکن سے بغداد تشریف لے گئے بغد ازاں والد محترم کے حکم پر سنت انبیاء و سنت رسول اللہ ﷺ کے تحت نکاح فرمائے بعد نکاح حضرت قبلہ معہ زوجہ محترمہ دکن کی طرف رخ کیا۔ تذکرہ اولیائے دکن میں ہے کہ ''پھر ہندو دکن سے بغداد گئے وہاں شادی کی چند روز گزار کر دکن میں آئے۔"[2]

دکن کا علاقہ پھرتے پھرتے کنگن پور یعنی کرنول جاپہونچے اس وقت کرنول میں راجہ گوپال کی حکومت تھی آپ علیہ الرحمہ کی سیرت کردار اور عمدہ اخلاق کی وجہ سے بہت متاثر ہوا ان میں بطور خاص ملک عبد الوہاب کرنولی مسلمان تھا حد درجہ متاثر ہوا اور آپ علیہ الرحمہ سے بار بار اصرار پر آپ علیہ الرحمہ کرنول میں ہی قیام پزیر ہوئے ورنہ آپ علیہ الرحمہ کا ارادہ اور منشا کہی اور جانے کا تھا جیسا کہ تذکرہ اولیاء دکن میں ہے کہ "موضع کنگن پور علاقہ کرنول میں فروکش ہوئے آپ کے اصرار سے وہاں سکونت پزیر ہوئے۔"[3]

شاید خدا بزرگ و برتر کی بھی یہی مرضی ہو چونکہ اللہ والے ہر چیز میں رضائے الہی چاہتے ہیں ملک عبد الوہاب کے اصرار کو آپ نے رضائے الہی تصور کیا اور کنگن پور کو اپنا ابدی مسکن بنالیا کرنول میں قیام پزیری کے بعد آپ نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اسلام کا کام آغاز کیا مسلمانوں کو اللہ کی رحمانیت کے پر اثر حکایتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک احادیث اپنی زبان صادق سے لوگوں میں سناتے جاتے جنت کی خواہش بڑھاتے جاتے اور پھر اللہ کی قھاریت کی صفت سے عوام و خواص کو بری باتوں سے رکتے اور جہنم کی حولناک عذاب سے ڈراتے۔

اس سے بھی بڑھ کر آپ کی حیات آپ کے شب و روز اسلام کی چلتی پھرتی ایک مثال بن گئے تھے، آپ کی گفتار آپ کے بلند و خوش اخلاق سے لوگ آپ کے قریب آنے لگے آپ کی نصیحتیں بغور سنے لگے، اس طرح میرے پیر و مرشد میاں صاحب قادری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی فانی حیات کو اسلام ابدی پر قربان کر دی جس کے بارے میں تذکرہ اولیائے دکن میں مذکور ہے کہ ''آپ خوش اخلاق

---

[1] محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن، مورخ جناب عبد الستار خان صاحب، ص89

[2] محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن، مورخ جناب عبد الستار خان صاحب، ص89

[3] محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن، مورخ جناب عبد الستار خان صاحب، ص89

ومتدین وپرہیز گار تھے، اکثر خاص وعام آپ کی ہدایت اوارشاد سے مستفید ہوتے تھے۔[1]

اولیاء اللہ بڑے قناعت پسند ہوتے ہیں وہ کسی سے اپنی حاجت کا ذکر نہیں کرتے وہ ہمیشہ خدا کے ہر فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرتے دیتے ہیں انہیں خوش حالی اور تنگ دستی سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ ہمیشہ خود کو ذکر الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں، یہ صفت میاں صاحب قادری میں کچھ زیادہ ہی تھی جو میسر آیا کھالیا اور نہ ہوا تو ذکر الٰہی میں مستغرق ہوگئے لیکن کسی سے اپنا حال نہیں بتاتے۔ بہت زیادہ قناعت پسند تھے جس کے بارے میں تذکرہ اولیائے دکن میں ہے کہ "آپ متوکل و قانع تھے کسی سے سائل نہیں ہوتے تھے جو کچھ میسر ہوتا تھا اس پر راضی وشاکر رہتے تھے۔" آخیر عمر تک آپ کا یہی شواہ رہا پوری زندگی ذکر الٰہی وخدمت خلق میں بسر کرتے ہوئے گزاردی۔ آخیر کار واعظ ونصیحت، ایثار و قربانی کا، بلند اخلاق کا، ذکر واذکار کا یہ مجسم اپنی پاک تعلیمات وارشادات سے اس دنیا کو روشن ومنور کرتے ہوئے غرہ رمضان 911 ہجری کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے (اناللہ وانا الیہ راجعون) کرنول شہر میں تنگابدراندی کے کنارے آپ کا مزار مرجع خلائق ہے بلا کسی تمیز کے ہر مذہب وملت کے لوگ آپ کے روضہ پر بڑی ہی اپنائیت وعقیدت کے ساتھ حاضری دیتے ہیں، آج بھی میرے جد امجد کا فیضان جاری وساری ہے۔ ان کی آل آج بھی آندھرا پردیش، کرناٹک، تلنگانہ کے علاوہ دیگر ریاستوں میں خدمت خلق میں مصروف عمل ہیں۔

اس خانقاہ سے علمی، ادبی، اصلاحی خدمات انجام دیے جارہے ہیں اس خانقاہ سے علماء اور صوفیا وقتاً فوقتاً عوام کی اصلاح کے لیے اپنے خدامات کو للہ انجام دیتے آئے ہیں اس خانقاہ سے وابستہ شہزادگان، خلافہ اور مریدین دکن کے مختلف علاقوں میں خدمت خلق میں مصروف عمل ہیں جنہیں شہرت طلبی وعزت گاہی سے کوئی سروکار نہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی گنگاوتی کرناٹک میں مرجع خلائق ہے تقریباً دوسو سال سے خاموش خدمت خلق میں مصروف ہے اس بارگاہ کا نام حضرت سید شاہ حیدر باشاہ قادری الجیلانی الاسحاقی خانقاہ حیدری گنگاوتی سے موسوم ہے۔ حضرت سید شاہ حیدر بادشاہ قادری کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے کہ حضرت سید شاہ حیدر بادشاہ قادری الجیلانی الاسحاقی ابن حضرت سید شاہ عمر دراز قادری الجیلانی الاسحاقی ابن حضرت سید شاہ حسن قادری الجیلانی الاسحاقی ابن حضرت سید شاہ عزیز اللہ قادری الجیلانی الاسحاقی المعروف بہ متولے صاحب ابن حضرت سید شاہ فقیر بادشاہ قادری الجیلانی الاسحاقی ابن حضرت سید شاہ جمال اللہ قادری الجیلانی الاسحاقی ابن حضرت سید شاہ تاج محمد قادری الجیلانی الاسحاقی ابن قطب الاقطاب حضرت سید شاہ اسحاق ثنااللہ قادری الجیلانی البغدادی الحموی ثم الکرنولی۔

حضرت سید شاہ غوث قادری الجیلانی الاسحاقی نبیرہ حضرت حیدر باشاہ قادری الجیلانی الاسحاقی خانقاہ حیدری کا ایک چرغ ہے انہوں نے بھی گنگاوتی میں عوام کے رشد وہدایت کے لیے بے لوث خدامات انجام دیے شہرت اور رتبہ کا دور سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ ہمیشہ للہ بے لوث خدمت کیے اور ان کی نسل آج بھی گنگاوتی میں خاموش شہرت اور اشتہار بازی سے دور رہے کر اپنی بساط کے مطابق

[1] محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن، مورخ جناب عبد الستار خان صاحب، ص89

خدمت خلق میں مصروف ہے۔ اسی خانقاہ کی ایک اور قابل ذکر شخصیت حضرت سید شاہ خلیل اللہ قادری الجیلانی الاسحاقی علیہ الرحمہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور کڑی حیدرآباد دکن میں حضرت سید شاہ محی الدین پیر قادری الجیلانی الاسحاقی واقع فیل خانہ حیدرباد کے علاوہ مختلف علاقوں میں خدمت خلاق میں مصروف عمل ہیں۔

خانقاہ عالیہ قادریہ اسحاقیہ اپنے خدامات ناصرف خانقاہی نظام تک محدود رکھاہے بلکہ شعر وادب میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیتے ہوئے طرحی ومنقبتی، نعتیہ مشاعرے حضرت سید شاہ تاج محمد قادری الجیلانی الاسحاقی سجادہ نشین ومتولی بار گاہ ہذا کی نگرانی وسرپرستی میں منعقد کیا کرتے تھے بعد ازاں یہ زمداری حضرت سید شاہ جمال اللہ قادری الجیلانی الاسحاقی سجادہ نشین ومتولی بحسن وخوبی انجام دتے آرہے ہیں۔ علاوہ ازیں عوام کی اصلاح کے لیے ہفتہ واری اجتماع، درس قرآن کے ساتھ ساتھ عوام کی فلاح وبہبود کے لیے بہت سارے کام کرتے آرہے ہیں اس کے علاوہ نوجوان نسل کا وقت کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے مختلف قسم کے کھیلوں کا انعقاد کرتے ہیں تاکہ اسپورٹ سے دلچسپی رکھے والے طلبہ وشوقین کی راہ ہموار کریں۔ اللہ تعالی سے دعا گوہیں کہ اللہ ہماری خانقاہ کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین طه و یسین۔

*****

حضرت سید شاہ احمد آل نظیر حسینی تریمی یمنی: حیات، علمی اور سماجی خدمات

ڈاکٹر سید محمد نظیر حسینی*

دکن کا قدیم اور مردم خیز علاقہ بیجاپور بزرگانِ دینِ اسلام کا اہم مرکز رہا ہے۔ اسی سرزمین کے ولی کامل اور تقویٰ شعار بزرگ قطب الاقطاب حضرت پیر سید شاہ احمد نظیر حسینی تریمی یمنی المعروف حضرت خواجہ منّاولی صاحب (وفات:1059ھ) کلبگی کی حیات، علمی اور سماجی خدمات زرین حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ آپ نے اسلام کی حفاظت و مدافعت، دین کی تبلیغ اور بالخصوص حدیث نبویؐ کی تعلیم و اشاعت کا اہم کارنامہ انجام دیا۔ آپ یمن کے مشہور شہر حضر موت سے نقل مکانی کر کے بھارت کی سیاحت کے لیے عادل شاہی سلطنت کے ساتویں حکمراں سلطان محمد عادل شاہ کے عہد میں بیجاپور آئے اور مستقل یہیں اقامت پذیر ہوئے۔ آپ اکابر سادات عرب اور اس سرزمین کے مقتدر بزرگوں سے ہیں۔ اس سلسلے میں منیر احمد جامی لکھتے ہیں:

> ''سرزمینِ عرب کے مقتدر بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کا آبائی وطن حضر موت ہے۔ سلطان محمد عادل شاہ کے زمانے میں آپ ممالک عرب و عجم کی سیر و سیاحت کے بعد بیجاپور آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ جامع الکمالات طریقہ سالکین میں کامل اپنے زمانے کے بزرگوں اور مشائخین سے فیوض و برکات حاصل کیے۔''1؎

حضرت عبد الرحمن سقاف نے حضرت سید احمد نظیر تریمی کا سلسلہ نسب یوں مرقوم کیا ہے:

> ''حضرت سید احمد نظیر تریمی بن سید علی بن سید محمد ملقب بہ نظیر بن عبد اللہ بن سید عبد اللہ بن سید عمر اسنہجیہ بن سید عبد الرحمن بن سید احمد بن سید علوی بن سید احمد بن سید عبد الرحمن بن سید علوی بن سید محمد صاحب مربوط ابن سید علی خالع قم ابن سید علوی ابن سید محمد ابن سید علوی ابن عبید اللہ ابن سید احمد ابن عیسیٰ ابن سید علی العریض ابن سیدنا امام جعفر الصادق رضی تعالیٰ عنہ۔''2؎

حضرت سید احمد نظیر تریمی نے اپنے والد گرامی حضرت سید علی ابن سید محمد تریمی کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی تھی۔ آپ کے والد محترم ایک صاحبِ علم اور صاحبِ ذوق بزرگ تھے۔ حضرت سید احمد نظیر تریمی نے اپنے وقت کے جلیل القدر بزرگ حضرت پیر شاہ ہاشم حسینی علوی کی مصاحبت اور ہم نشینی میں اپنی عمرِ عزیز کا ایک بڑا حصہ بسر کیا۔

مشہور محقق مولوی محمد عبد الجبار خان رقمطراز ہیں:

> ''آپ نے ممالکِ عرب و عجم میں سیر و سیاحت کی تھی۔ بلاد و امصار کے مشائخ و شیوخ کی صحبت سے

* سجادہ نشین بارگاہ حضرت پیر سید شاہ احمد آل نظیر حسینی تریمی یمنی علیہ الرحمہ، کلبگی، ضلع باگل کوٹ، آثار محل۔ جے بی گارڈن، بیجاپور کرناٹک

فیض یاب ہوئے تھے۔ آپ شاہ ہاشم علوی کے معاصرین۔ دونوں میں باہم محبت و اتحاد کا رابطہ تھا۔"3؎

آپ نے متعدد علوم و فنون سیکھے اور پڑھے۔ علومِ ظاہری کی شاید کوئی شاخ ایسی ہو جس سے آپ کا تعلق نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے نہ صرف علومِ باطنی میں لوگوں کو فیض پہنچایا بلکہ علومِ ظاہری کی بھی بڑے پیانے پر تفہیم واشاعت کی اور بالخصوص قرآن و حدیث، فقہ اور فلسفہ آپ کی ذاتِ گرامی کا حصہ بن گیا تھا۔ آپ کو ان علوم پر دست گاہ اور کامل تبحر تھا اسی لیے آپ کا نام علمائے ظواہر کی فہرست میں درخشاں نظر آتا ہے۔ آپ کے وجودِ مسعود سے بیجاپور اسلام کی روشنی سے معمور ہوا۔ بہت سے بھٹکے ہوئے انسان راہِ راست پر آئے آپ نے مسلمانوں کو شرک وبدعات سے نکالنے کی بھی بڑی جدوجہد کی۔ بیجاپور اور اس کے قریبی مقامات پر اپنے خلفاومریدین کو مامور فرمایا کہ وہ وہاں دینِ اسلام کی اچھی نمائندگی اور صحیح ترجمانی کریں گویا آپ نے اپنے عہد میں اصلاح و تجدید کا جو فریضہ انجام دیا ہے اسے کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

آپ 23 ذی الحجہ 1059 ہجری میں واصل بہ حق ہوئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ بیجاپور سے قریب گلبلگی نامی قریہ میں ہے۔ آپ کا مرقد انور مرجع خلائق ہے۔ آپ نے زندگی بھر معاشرے میں محبت، بھائی چارگی اور ہم آہنگی کا پیغام دیا ہے۔ آپ نے پوری زندگی انسانیت اور اتحاد کے فروغ کے لیے وقف کر دی تھی۔ اسی لیے دور حاضر میں بھی آپ کی بارگاہ میں اپنے وبیگانے، دوست و دشمن، ہندو اور مسلمان سبھی نیاز مند حاضر ہوتے ہیں۔ اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ بہ قول علامہ اقبال

جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے   نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے

علمی وسماجی خدمات:

حضرت سید احمد نظیر یمنی کی علمی و سماجی خدمات تاریخِ دکن کا ایک درخشاں باب ہے۔ آپ نے عوام الناس میں محبت اور بھائی چارہ عام کرنے اور قومی یک جہتی کو فروغ دینے کے سلسلے میں اہم رول ادا کیا۔ ان کے یہاں کوئی قومی عصبیت نہیں تھی۔ وہ مندر و مسجد اور دیر و حرم کی تفریق نہیں کرتے۔ آپ تمام بندگانِ خدا سے یکساں محبت کرتے تھے اور ہر جگہ آپ کو خدا کا ہی جلوہ نظر آتا تھا۔ آپ کو جو عظمت و بزرگی جو اعزاز و اکرام اور جو افتخار و سربلندی حاصل ہوئی تھی وہ آپ کی اللہ تعالی سے غایت درجہ محبت کا ثمرہ تھی۔ چونکہ آپ نے نفسانی خواہشات اور جسمانی تقاضوں سے مکمل بے اعتنائی اختیار کر کے اپنے آپ کو سراسر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا، اس لیے آپ کی شخصیت میں خالص درویشانہ رجحان نمایاں تھا۔ دنیاوی علائق سے بے نیازی اور ترکِ تعلّق آپ کی سیرت کا بنیادی وصف تھا۔ اسی حالتِ اخلاص اور روحانی ارتقاء کے نتیجے میں آپ نے اپنے دور کے لوگوں کی تزکیۂ نفس، فکری تطہیر اور طہارتِ خیال کے میدان میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ آپ نے دلوں کی بھٹکی ہوئی آرزوؤں کو بھی اور نظر کی آوارگی پر بھی پہرے بٹھائے۔ معاشرے کے رستے ہوئے ناسور پر نشتر زنی بھی کی اور جراحت بھی، دل پہ مرہم بھی رکھا۔ آپ نے قلب و نظر کی اصلاح بھی کی اور ذہن و شعور میں انقلاب بھی برپا کیا۔

حضرت سید احمد نظیر یمنی نے اپنی بھرپور توانائیوں کے ساتھ گم گردگانِ راہ کو راہِ راست پر لانے کی مہم سر کی اور آپ کی تمام کوشش عوام الناس کی اصلاح و تربیت پر صرف ہوئیں۔ آپ نے تمام تر توجہ تزکیۂ نفس اور تصفیہ باطن کی طرف مرکوز کی تھی۔ آپ نے نفس کی شر انگیز اور فساد آمادہ قوتوں کو قابو میں لانے کی مہم سر کی تھی۔ جن لوگوں نے حضرت سید احمد نظیر کی علمی اور سماجی سرگرمیوں کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہے وہ اس امر کی شہادت دیں گے کہ آپ نے معاشرے کی اصلاح و تربیت، شخصیت کی تعمیر و تہذیب اور کردار کی تزئین و آرائش کے لیے کمال درجہ صرف کی ہے۔ آپ معاشرے کی اصلاح کا کام اللہ تعالی کی عطا کردہ قوت سے لیتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ جس طرف بھی نگاہ ڈال دیتے وہاں خوش حالی نظر آتی تھی اور ذہن و شعور میں انقلاب برپا ہوتا تھا۔ حضرت سید احمد نظیر ہمیشہ قوم کی اصلاح کے لیے زیادہ تر اپنی نگاہوں سے کام لیتے تھے۔ آپ جسے بھی ایک نظر دیکھ لیتے تھے وہ بے خود و سرشار ہو جاتا تھا۔ جس پر بھی ایک نگاہ ڈال دی اس پر ایک کیفیت برس بڑی ایک عالم طاری ہو گیا۔ آپ اللہ تعالی کی صفت جلال و جمال کے مظہر تھے۔ آپ میں تصرف و اختیار اور قوت و توانائی کی کار فرمائیاں اللہ تعالیٰ ہی کی تجلیوں کے مظاہر ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ قلب و نظر کی اصلاح کے لیے ولیِ کامل کی ایک نظر ہی کافی ہوتی ہے۔

حضرت سید احمد نظیر نے عوام کے ساتھ ایک مضبوط اور زندہ رشتہ قائم کیا تھا، جو آج بھی پوری قوت کے ساتھ برقرار ہے۔ آپ کی درگاہ پر عوامی ثقافت کے جو مظاہر دکھائی دیتے ہیں وہ اس بات کی علامت ہیں کہ ان روحانی مراسم نے ہماری صوفیانہ تہذیب کو نہ صرف رنگ و آہنگ عطا کیا بلکہ اسے ایک ہمہ گیر اور زندہ معاشرتی تحریک بنا دیا۔ دکن کے گوشے گوشے سے لاکھوں عقیدت مند آپ کی بارگاہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، یہاں تک کہ ایک معمولی گاؤں بھی ایامِ عرس میں ایک بڑے شہر کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ اولیائے کرام کی اسی روحانی وراثت کے تعلق سے مولانا ڈاکٹر حافظ سید بدیع الدین صابری رقم طراز ہیں:

> "آج ہندوستان میں کروڑہا مسلمان نظر آتے ہیں یہ سلاطین ہند کی قوت اور تلوار کے طفیل نہیں بلکہ صوفیہ و درویشوں کی حق پرستی اور تعلیمات اور ان کی باطنی تصرفات کا صدقہ ہے اور ان اولیاء اللہ کی تبلیغ اسلام کی مرہون منت ہے۔ جو اپنے دلوں میں توحید کی شان لے کر آئے اور جن کے جاہ و جلال اور حق و صداقت کی ہیبت کے آگے سرکش انسانوں کی گردنیں جھک گئیں، کفرستان اور ہند کے ظلمت کدہ میں اسلام کی روشنی پھیل گئی۔"4

تصوف ایک ایسی راہ ہے جو بندے کو اللہ تعالی تک پہنچاتی ہے۔ وہ ایک ایسی نعمت ہے جس میں کبھی فنائیت نہیں ہے۔ تصوف نفس کی اصلاح کرتی ہے اور قلب کو صفائی بخشتی ہے۔ اسی لیے حضرت سید احمد نظیر نے حضرموت کو چھوڑ کر وطن سے بے وطن ہو کر دشوار گزار راستوں کی مصیبتوں کو جھیلتے ہوئے دکن کے اہم شہر بیجاپور پہنچے تھے۔ آپ نے اعمال کی درستگی کی تعلیم اور محبت و آشتی کا درس دیا۔ اسی وجہ سے مخلوقِ خدا جوق در جوق آپ کے پاس چلے آتے تھے۔ عوام الناس میں آپ نے اخلاق حسنہ اور محبت و بھائی چارگی کے سبق کو عام کیا۔ اپنی تعلیمات سے آپ نے علمِ تصوف کو اخلاق کی درستگی، محبت و بھائی چارگی کا پیغام، ظاہر و باطن کی اصلاح، امن و

آشتی کا سبق اور مضطرب اور بے چین دلوں کا قرار وسکوں قرار دیا تھا۔ ظاہر ہے حضرت سید احمد نظیر کا فرمایا ہوا مستند تھا۔ علم تصوف بے چین اور مضطرب دلوں کے لیے سکون کا سامان، درد کا درماں اور غم کا مداوا ہے اور کون ایسا انسان ہے جو اس حقیقت کا معترف نہیں اسی لیے تصوف عہدِ حاضر میں زندہ، پائندہ اور تابندہ ہے۔

حضرت سید احمد نظیر نے اپنی تعلیمات کی بنیاد قرآن مجید اور سنت رسول اللہؐ پر رکھی تھی۔ آپ کی خانقاہ مرجع خاص وعام تھی۔ معتبر روایات کے مطابق خانقاہ میں عقیدت مندوں کا ہجوم ہوتا تھا کیوں کہ حضرت سید احمد نظیر کی تعلیمات میں بڑی کشش اور لفظوں میں بڑی تاثیر تھی۔ آپ کی خانقاہ میں غم کے مارے اور مصیبت زدہ عوام الناس اپنے مسائل و تکالیف لے کر پہنچتے تھے۔ حضرت سید احمد نظیر نہایت صبر وسکون سے ان کی تکالیف سن کر اس کا مداوا کرنے کی سعی فرماتے۔ عوام الناس میں ایک سکون کی کیفیت پائی جاتی تھی۔ یہ روحانی عمل آپ کے بیجاپور دکن میں قدوم میمنت سے شروع ہوا تھا۔ آپ اور آپ کے پاک طینت خلف اور مریدوں نے اپنے اپنے گوشوں میں بیٹھ کر بلالحاظ مذہب وملت عوام الناس کو روحانیت و انسانیت کا درس دیا۔ مساوات، اجتماعی عدل کا سبق پڑھایا۔ ممتاز اولیائے عظام حضرت عبداللہ العیدروس، اور حضرت سید ابوبکر بافقیہ آپ کی خانقاہ کے احاطہ میں آرام فرماہیں۔

خانقاہ کو ہم روحانی تربیت گاہ اس لیے ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس مقام پر وہ تمام حجابات دور ہوتے ہیں جو انسانی قلب و ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی کی راہِ طلب میں یوں تو کئی حجابات اور منزلیں ہیں ان کا جاننا ہر کس و ناکس کے بس کا کام نہیں۔ خانقاہ اسلام کا مترادف نہیں بلکہ اسلام کا ایک ادارہ ضرور ہے۔ دکن کی تاریخ میں خانقاہ اور پیران خانقاہ نے نہایت مثبت اور دیرپا کردار ادا کیا ہے۔ حضرت سید احمد نظیر کی حیاتِ مبارک پر نظر ڈالی جائے تو دیارِ دکن میں آپ کی روحانی و عرفانی شخصیت کی کرشمہ آرائی نظر آتی ہے۔

آپ کی خانقاہ میں شریعت کا احترام اور شریعت پر عمل پیرا ہونے کا اہتمام ملتا ہے۔ ہر قسم کے رسوم ورواج کی طرح خانقاہ بھی جاذب توجہ اور عوامی دلچسپی کا سامان رکھتی تھی۔ یہ سب فرد واحد حضرت سید احمد نظیر کے روحانی کمالات تھے۔ بہ قول اقبال

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

حضرت سید احمد نظیر حسینی کا ذکرِ جمیل حضرت محمد ابراہیم صاحب بیجاپوری کی کتاب ''روضۃ الاولیائے بیجاپور'' اور مولانا سید امام الدین احمد نقوی گلشن آبادی کی کتاب ''تذکرۃ الانساب'' میں کیا گیا ہے۔

راقم الحروف نے عہدِ حاضر میں بھی حضرت سید احمد نظیر کی تعلیمات کو عام کرتے ہوئے خانقاہی نظامِ تعلیم کی توسیع و اشاعت احسن انداز سے کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ راقم الحروف کا سلسلۂ نسب اس طرح سے حضرت سید احمد نظیر حسینی سے جاملتا ہے:

''حضرت سید محسن نظیر حسینی بن حضرت سید دستگیر نظیر حسینی بن سید محسن نظیر حسینی بن سید حسین سید نظیر حسینی بن حضرت سید محسن نظیر حسینی بن سید علوی نظیر حسینی بن حضرت سید طاہر نظیر حسینی بن حضرت سید احمد نظیر حسینی بن حضرت سید محمد نظیر حسینی بن حضرت سید طاہر نظیر حسینی بن حضرت سید احمد نظیر حسینی بن حضرت سید عبداللہ نظیر حسینی بن قطب الاقطاب حضرت پیر سید شاہ احمد نظیر حسینی تریمی یمنی المعروف

حضرت خواجہ منّا ولی صاحب۔" 5ے

*****

حوالہ جات:

1۔ کتاب تذکرۃ الصالحین (اولیائے کرناٹک) مصنف منیر احمد جامی۔ ص231

2۔ کتاب حدیقۂ رحمانی۔ مصنف عبدالرحمن سقاف۔ ص499

3۔ محبوبِ ذی المنن تذکرۂ اولیائے دکن محبوب التواریخ۔ مصنف مولوی ابوتراب محمد عبدالجبار خان۔ ص59

4۔ مضمون ہندوستان میں تبلیغ دین اور صوفیاء کرام۔ مولانا ڈاکٹر حافظ سید بدیع الدین صابری، کونین پونا۔

5۔ ستمبر تا اکتوبر 2013۔ ص14

6۔ دفتر سلسلۃ النسب الشریف جکارتہ انڈونیشیا۔ ص10

شاہ غلام حسین ایلچپوری کی سیرت اور شعری پند و نصائح

ڈاکٹر محمد آصف*

برار تقریباً ساڑے پانچ سو برس تک دکن سے منسلک رہا ہے۔ دکن کے زیر اثر ہی یہاں پر اردو پھلتی پھولتی رہی ہے۔ برار کے علاقے کے ہر شعبہ پر جہاں دکن کا اثر رہا ہے وہیں یہاں کی زبان و ادب بھی دکنی ادب سے متاثر رہے ہیں۔ یہاں کے صوفیائے کرام نے اسی زبان میں لوگوں کی اصلاح اور درس و تدریس کے لیے کتابیں لکھیں۔ جن صوفیائے کرام نے یہاں پر خانقاہیں قائم کیں۔ تزکیہ نفس کا کام انجام دیا ان میں ایک اہم اور نمایاں نام شاہ غلام حسین ایلچپوری کا ہیں۔

غلام حسین چشتی ایلچپوری علاقہ برار کے مشہور و معروف صاحب دیوان صوفی شاعر گذرے ہیں۔ غلام حسین کے آباء و اجداد کا وطن جائس (اتر پردیش) تھا۔ والد ماجد غلام حسن جوانی ہی میں برار چلے آئے تھے، یہیں غلام حسین پیدا ہوئے۔ حضرت امجد حسین خطیب ایلچ پوری نے تاریخ امجدی میں آپ کو "مشائخ لاثانی اور اہل کشف و کرامات" بتایا ہے۔(1)

آپ کے والد سید غلام حسن صاحب (المتوفی 1146ھ و 1733ء) کے انتقال کے وقت آپ کی عمر تیرہ 13 سال کی تھی۔ بنابریں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ کا سن پیدائش 1133ھ 1721ء) ہے۔ آپ حسنی حسینی سید تھے۔ والد محترم اللہ کے ولی اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ شاہ سید غلام حسین بچپن میں اپنے والد کے ساتھ ساتھ رہتے۔ پانچ سال کی عمر سے کبھی آپ کی نماز قضاء نہیں ہوئی۔ والد محترم کے انتقال کے بعد بھی آپ عبادت میں مشغول رہے۔ عبادت گذاری کے احساس کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنبیہ ہوئی۔ لوگ حسد کی وجہ سے آپ کے بد گو ہو گئے۔ شاہ صاحب فوراً اپنی اصلاح کے لیے تیار ہو گئے اور بزرگی کے احساس اور مئے پندار کے نشے کو ختم کیا۔ حضرت شاہ غلام حسین ایلچپوری نے حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے مرید و خلیفہ شاہ اسمٰعیل صاحب سے بیعت کی خود ایک شعر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں:

تم ہو پیر ان کے یا نظام الدین　　　پیر میرے ہیں شاہ اسمٰعیل (2)

آپ کو اپنے پیر سے بے حد عقیدت تھی۔ "حضرت شاہ غلام حسین صاحب یکتائے زمانہ اولیائے کامل میں یگانۂ آفاق شہر ایلچ پور کے باعث رونق ہوئے ہیں۔ حافظ بے نظیر، شیخ لاثانی، خطاط خوش قلم، صاحب تصرف، اہل کشف و کرامات، ریاضت کرنے والے، صاحب زہد و تقویٰ اور تارک الدنیا تھے۔ شعر حقانی، صوفیانہ اور عارفانہ صنعت میں خوب کہتے تھے۔ فارسی اور اردو میں دیوان لکھے ہیں۔"(3)

آپ نے ایک تہہ خانہ (بھنوارہ) تعمیر کروایا تھا جس کا راستہ روضہ شاہ اسمٰعیل کے اندر مشرقی جنوبی کونے میں تھا۔ اسی تہہ خانے میں

* اسسٹنٹ پروفیسر اردو گورنمنٹ ودربھ انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اینڈ ہیومنیٹیز، امراوتی، مہاراشٹرا

انتقال کے بعد آپ کو دفن کیا گیا(4) حضرت شاہ سید غلام حسین چشتی نے چشتیہ سلسلے کی روایت پر عمل کرتے ہوئے فقیری کو اپنا شعار بنایا ہوا تھا۔ اور حدیث پاک الفقر فخری پر پابندی سے عمل کرتے تھے۔(5) آپ کو اپنے پیر سے بے عقیدت مندی تھی۔ شاید ہی کوئی نظم یا غزل ایسی ہو جس میں پیر کی تعریف نہ کی ہو یا ان کی طرف اشارہ نہ کیا ہو وہ احمد میں احد کا اور مرشد میں احمد کا جلوہ دیکھتے ہیں۔

حسین اب شاہ اسمٰعیل میں دیکھ دسے جھٹ پٹ انا احمد بلا میم(6)

حضرت شاہ سید غلام حسین ایلچ پوری کو چشتیہ، قادریہ اور نقشبندیہ تینوں ہی سلسلوں میں بیعت کی اجازت اور خلافت بھی ملی ہوئی تھی۔ گو وہ اپنے آپ کو چشتیہ سلسلے سے منسوب کرتے تھے۔(7)

شاہ صاحب کی وفات 1210ھ (1795ء) ماہ ربیع الثانی میں ہوئی۔ اپنی خانقاہ کے جس حجرے میں ریاضت و عبادت کرتے تھے، اسی میں مدفون ہیں۔ (8)

تصنیفات:

دیوان اردو: شاہ صاحب کے اردو دیوان میں مدح، غزل، مخمس، ترجیع بند اور مثنوی کی شکل میں منظومات شامل ہیں۔ تمام تر کلام حمد و نعت کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت شاہ دولھار حمٰن غازی، خواجہ معین الدین چشتی، شاہ اسمٰعیل اور شاہ بدر الدین کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے۔ دکنی اردو کا یہ دیوان لسانیات کے طالب علموں کے لیے بڑا پرکشش ہے۔(9) (

دیوان فارسی: یہ دیوان اب مفقود ہے۔ اتنا مسلم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنا فارسی دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ چنانچہ صاحب تاریخ امجدی بصراحت خبر دیتے ہیں "در فارسی و اردو دیوان نوشتہ اند"(10)

قال حال: یہ کتاب 1190ھ (1767ء) کے بعد کی تصنیف ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے اپنے حالات اور اپنے پیر شاہ اسمٰعیل صاحب اور دیگر اولیاء کے حالات بیان کیے ہیں۔ کتاب کی زبان فارسی ہے۔(11)

الہامات: اس رسالہ میں شاہ صاحب نے اذکار و اشغال کا ذکر کیا ہے اور ان کے فضائل و فوائد بیان کیے ہیں یہ کتاب انھوں نے فارسی میں لکھی ہے۔(12)

جہاد الرحمٰن: یہ شاہ صاحب کی فارسی تصنیف ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے شاہ عبدالرحمٰن عرف دولھار حمٰن غازی شہید کے حالات بیان کیے ہیں۔(13)

رحیما: یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے حضرت شاہ صاحب نے حضرت شیخ سعدی شیرازی کی معروف تصنیف کریما کی تقلید میں لکھی ہے(14)

مکتوبات: مکتوبات کا قلمی نسخہ خطیبیہ لائبریری جامع مسجد اچلپور میں موجود ہے۔ تین سو اسی 380 صفحات پر مشتمل یہ مخطوطہ پندرہ

سطری مسطر پر خط نستعلیق میں لکھا ہے۔ اس مین 90 خطوط شامل ہیں۔ مکاتب کا یہ مجموعہ 1190ھ (1772ء) میں حضرت شاہ صاحب نے خود مرتب کیا تھا۔(15) صوفیانہ ادب میں یہ خطوط خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

شاہ غلام حسین ایلچپوری صاحب تصنیف بزرگ گزرے ہیں۔انھوں نے ایلچپور میں خانقاہ میں سکونت اختیار کر رکھی تھی اور وہیں لوگوں کی تعلیم و تربیت فرمایا کرتے تھے۔وعظ و نصیحت کے لیے آپ نے شاعری کا طریقہ بھی اختیار کیا تھا۔ برار کے صوفیانہ ادب میں ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ غلام حسین چشتی ایلچپوری سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر سید نعیم الدین رقمطراز ہیں ”برار قدیم زمانے سے تصوف اور شعر و سخن کا گہوارہ رہا ہے۔بالخصوص بارہویں صدی ہجری بمطابق اٹھارویں صدی عیسوی میں شیخ غلام مصطفےٰ انسان، وفا ایلچپوری، مولوی مہدوی ایلچپوری اور رسا بالاپوری جیسے شعراء اپنی ادبی خدمات کی بنا پر آج بھی مورخ زبان وادب کے لیے لائق توجہ ہیں۔ان سب میں کیا بلحاظ کمیت کیا بلحاظ کیفیت شاہ غلام حسین چشتی ایلچپوری کو گل سر سبد کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔“ (16)

سلسلہ چشت کے اکابرین لوگوں کی اصلاح اور روحانی تعلیم و تربیت کے جس طریقہ کار اور اصول و ضوابط کو روئے کار لاتے ہیں اس میں لوگوں کو اللہ کے قریب کرنا، عشق الٰہی کے جذبے کو پروان چڑھانا، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع کو لوگوں کے دلوں میں فروزاں کرنا مقدم ہوتا ہے۔اس کے بعد مشائخ چشت الخلق عیال اللہ (مخلوق اللہ کی عیال ہے) کے تحت انسانیت کا درس دیتے ہیں۔انھوں نے مساوات، بھائی چارہ کو فروغ دینے کی مسلسل جد وجہد کی ہیں۔اہل چشت نے لوگوں میں صبر، شکر، توکل، قناعت، استغنا، ریاضت، مجاہدہ، حق گوئی اور بے باکی جیسے صفات کو لوگوں کے سامنے عملاً پیش کیا ہیں اور ان پر کاربند رہنے کی ہمہ وقت تلقین کی ہیں۔اس مقصد کے لیے انھوں نے خانقاہوں کا سہارا لیا اور یہاں لوگوں کی علمی، اخلاقی اور روحانی تربیت فرماتے رہے۔

شاہ غلام حسین ایلچپوری نے بھی اسی طریقہ کا اپنایا اور عمر بھر یہی کام انجام دیتے رہے ہیں۔ان کے افکار و خیالات آج بھی بڑی اہمیت کے حامل ہے۔ شاہ صاحب کے افکار و خیالات ہمیں ان کے اردو دیوان میں ملتے ہیں۔ جس کے ذریعے انھوں نے عشق الٰہی۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، انسانی برداری کی فلاح و بہبود، تزکیہ نفس، رذیل اعمال سے اپنے آپ کو بچانے کی تلقین کی ہیں۔ان کے کلام میں پیش کیے گئے ان افکار و خیالات سے آج بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

وہ لوگوں کو راضی برضا رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

رضائے حق پر راضی رہ اولجھنا ہور سولجھنا کیا اگر الجھاو و سولجھا و ہے تو پھر اے دل اولجھنا کیا (ص 103)

بہتر تو رہے بلا بہ صابر بہتر تو رہے برضا راضی

ریاکاری اور خود نمائی اور خود پسندی سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔یہ ایسی خصلتیں جو انسان کی شخصیت کو داغدار کرتی ہیں۔

فقیری من کے اندر ہے تو باہر تن کوں سجنا کیا خدا حاصل نہ ہووے اس خرقہ و دستار شملے سوں (ص 103)

خودنمائی کا چاک کر جامہ تن پو الفی سیا سیا سو سیا (ص 106)

خود پسندی سوں خودنما مت ہو خود نما سوں خدا نما ہونا (ص 117)

خود پرستی نکر ، خدا سوں ڈر خود پرستاں کے سر بلا ہونا (ص 118)

اس دانہ دام میں نہ اترے پرواز ہما رہے تو بہتر

کیا حرص ہما کوں استخواں کا نت محو ہوا رہے تو بہتر

آزاد ہو قید دوجہاں سوں درویش گدا رہے تو بہتر

دنیا کے فریب سوں نکل کر فقرا کنے آرہے تو بہتر (ص 128

پاوں اس راہ میں سمجھ کر رکھ خود پسندی کوں اختیار نہ کر (ص 130)

آج ہم سانس لے رہے ہیں سو یہ ہمارے لیے باعث نعمت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس سے فائدہ اٹھالے ورنہ بعد میں سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آنے والا۔

سمجھنے کا یہی ہے وقت دم کا کچھ بھروسا نئیں ہوئے پیچھے جو کوئی سمجھے تو پھر اس کا سمجھنا کیا(ص104)

حرص وہوس انسانیت کے لیے نقصاندہ اور ناپسندیدہ عمل ہے۔

ہوا و حرص سوں دنیا کی دل کے گھر کوں خالی کر زن و فرزند اور گھر بار دنیا بوجھ تجنا کیا (ص 104)

ہما کوں جا کہو میری طرف سوں اتنا بھی حرص کیا ہے استخواں کا (ص 110)

دنیا کی محبت انسان کو فکر آخرت سے روک دیتی ہے اور نفسانی خواہشات کا غلام بنا دیتی ہے۔

چاہ دنیا سوں مت بھرے پانی اس رہٹ کے گھڑے کوں بھر کر جا(ص104)

لوگوں کے ساتھ برتاو کرتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اخلاقی اعتبار سے کس مقام پر ہے۔ اور پھر بجائے اس کے ہمیں خالق الخلق پر نظر رکھنا چاہیے۔

بے خلق سات خلق نکر خالق الخلق پر نظر کر جا (ص 104)

دوست و عزیزوں میں تقاضائے بشریت اختلاف کا عمل ناگزیر ہے۔ لہٰذا ایسے وقت میں ہمیں دشمنوں کے ساتھ بیٹھ کر دوست کی برائی نہیں کرنی چاہیے۔ دوست آخر دوست ہے، درگزر سے کام لینا دوستی کا تقاضا ہوتا ہے۔

دشمناں سوں نہ کہہ غلام حسین دوست نے کیا کیا سو کیا (ص 106)

بلکہ دوستوں اور خیر خواہوں کے ساتھ وفا شعاری اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں۔

جو دعا گو ہت تمھارا نہ کرو اس سوں دغا　　جو وفادار ہے اس کوں نہ جفا دکھلانا (ص 109)

بندہ جب نیک کام کرتا ہے اور نیک کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے تو ایسا وقت میں لوگوں کی جانب سے ذلیل کیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں اس پر صبر کرنا چاہیے اور یہ خواری دراصل عزت ہے۔

عزت کے ہے برابر خواری خدا کی رہ میں　　یا خوب ہوکے رہنا یا خوار ہوکے رہنا (ص 106)

غرور، تکبر اور بغض و کینہ سے اپنے آپ کو بچانا اور شرک کی آگ سے محفوظ رہنا ہمارے لیے بے حد ضروری ہے۔ شاہ صاحب اس آگاہ کرتے ہیں۔ اور صفائے قلب کی تعلیم دیتے ہیں۔ خاص طور پر مومنوں سے خطاب کرتے ہیں اور زور دے کر اس رذالت سے خود کو پاک کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

سیس سوں بوجھ غروری کا بھی ڈالو تو بھلا　　شرک اور بغض کوں نزدیک سوں ٹالو تو بھلا

موموناں حرص و ہوا چھوڑ صفا میں آتق　　کبرو کیتے کوں اپس دل سوں نکالو تو بھلا (ص 113)

ایک دوسرے کے ساتھ محبت واتفاق سے رہنے کا درس بھی دیتے ہیں اور نفاق سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اے عزیزاں باتفاق رہو　　خوب ہے دل میں بے نفاق رہو(ص 151)

مار موذی کی جلد چال نہ چل　　مور کی خوب چال ہے ذرہ (ص 155)

بلاوجہ کھانے کی مذمت کرتے ہیں۔

کھا کے من بھر نہ تن کرو فربہ　　فقر کی لاغری سوں قاق رہو (ص 151)

کھانا پینا زیادتی ہے حرام　　مت بہت کھا حلال ہے ذرہ (ص 155)

اخلاق کی تربیت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ کوئی اگر بد ہے تو اس سے بدگمان مت ہو۔

نیک کوں نیک بولتے ہیں سب　　بد کے حق میں بھی بد گماں نکرو (ص 152)

شیریں کلام و نرم گفتار کی عادت بنانے پر زور دیتے ہیں۔

مکھ سوں میٹھا بچن کہو تو بھلا　　تلخ کہہ کر بری زباں نکرو (ص 152)

دنیا و دنیاوی معاملات، اچھے اور برے اخلاق، عادات و اطوار کی طرف اشارہ کرنے بعد بندے سے کہتے ہیں عنقریب تو یہاں رخصت ہونے والا ہے۔ تیرے قافلہ چلنے کو تیار ہے اور افسوس تو ابھی تک سویا ہوا ہے۔

اے مسافر راہ پر سویا ہے توں　　کارواں آ ن کے چلا بیدار ہو (ص 150)

سلسلہ چشت کے بزرگوں نے ہمیشہ انسانی برادری کی ہمدردی، اخوت و بھائی چارہ، امن و مساوات کی تعلیم دیں ہیں۔ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دینے کی سعی بلیغ بھی ان مقصد رہا ہے۔ شاہ غلام حسین ایلچپوری نے بھی اپنے فکر و عمل ذریعے اس کی کوشش کی ہیں۔ ان دیوان میں متعدد اشعار اس قبیل کے ملتے ہیں۔

کفر و اسلام کا توں بھید سمجھ کون مسلم ہے کون ہے کفار
دل سوں اپنے دوئی نکال کر دیکھ ایک رشتہ ہے سبحہ و زنار (ص 132)
کوئی جپتا ہے رام، کوئی رحیم کوئی کعبہ گیا ہے، کوئی ہردوار
کس کی پوجا ہے دیکھ دیول میں کس کوں سجدہ ہے دیکھ مسجد ٹھار
شرع کی راہ میں جو ہوا ثابت ہے رو سے رہنما نماز و نیاز (ص 132)
دوئی دل سوں نکالا کفر اور اسلام کی جس نے حقیقت اس کی جا تسبیح اور زنار سوں بولو (ص 154)

ہندو مسلم دونوں میں ہم آہنگی کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے لیے فلسفہ وحدت الوجود کا سہارا لیتے ہیں۔

مومن میں وو، مسلم میں وو، زاہد میں وو، عابد میں وو ہندو میں کیا، ملحد میں کیا، مرتد میں کیا، ترسا میں کیا
کعبے میں وو، روضے میں وو، زمزم میں وو، کوثر میں وو کاسی میں کیا، تیرتھ میں کیا، گنگا میں کیا، جمنا میں کیا
مسجد میں وو، قبلے میں وو، محراب اور منبر میں وو دیول میں کیا، دیووں میں کیا، پتھر میں کیا، پوجا میں کیا

(ص107و108)

اپنی شخصیت کو بہترین خصوصیات کا آئینہ دار بنا کر رذالت سے پاک کر کے اپنے تعلق کو اللہ سے جوڑنے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ و سلم کو اپنانے کی تحریک دیتے ہیں۔ پیروی رسول کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

شہر دل کا یاد سوں آباد کر اسم جسم آباد الہ آباد کر
لشکر اپنے سات کا آسودہ رکھ دل رعیت کا کرم سوں شاد کر
کر فقیری راہ مولیٰ کی حسین قید سوں دنیا کی دل آزاد کر

(ص129)

یہ عنصر سب سے مقدم ہے۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و اتباع شریعت ہر حال میں لازم ہے۔

شاہ غلام حسین ایلچپوری کی مذکورہ تعلیمات جو ہم اجمالا دیکھ آئے ہیں۔ ان بیش بہا موتیوں سے شاہ صاحب کا کلام لبریز ہے۔ ان کے دیوان میں جگہ بہ جگہ یہ گوہر دل و نگاہ کو خیرہ کر رہے ہیں۔ وہ انسان کو مادیت سے نکال کر روحانیت کی طرف لے جاتے ہیں۔ رذائل سے نکال کر اشراف کا جامہ پہناتے ہیں۔ انسان دوستی، اخوت و بھائی چارہ کی تلقین کرتے ہیں۔ سماجی و معاشرتی تعلقات کی تزئین

کرتے ہیں۔ آج کے دور میں جب کہ انسان خود سے بیگانہ ہو چلا ہے، یہ کلام اس کے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کی روشنی میں آپسی اختلافات کو مٹا کر سماجی ہم آہنگی پیدا کی جا سکتی ہے۔ خود انسان اپنی ذات میں غور و فکر کے آمادہ ہو سکتا ہے۔ کج روی، بے راہ روی اور آپسی نفاق سے دوری کے لیے شاہ صاحب کی تعلیمات ہماری راہنمائی کر سکتی ہے۔ شاہ صاحب کے افکار و خیالات کی معنویت آج کے دور میں دوبالا ہو جاتی ہے۔

*****

مصادر و مراجع

1۔ڈاکٹر سید نعیم الدین، حضرت شاہ غلام حسین چشتی ایلچپوری، مشمولہ، 2891ء، تذکرہ مشاہیر برار، انجمن یادر فتگاں، عثمانیہ مسجد امراوتی مہاراشٹر ا۔ ص 94

2۔ڈاکٹر سید عبدالرحیم، مرتب، 8991ء، دیوان شاہ غلام حسین ایلچپوری، ناشر مدحت الاختر وارث پورہ کامٹی۔، ص52

3۔ایضاً ، ص62، بحوالہ تاریخ امجدی

4۔ایضاً ، ص72

5۔ایضاً ، ص82

6۔ایضاً ، ص92

7۔ایضاً ، ص92

8۔ ڈاکٹر سید نعیم الدین، حضرت شاہ غلام حسین چشتی ایلچپوری، مشمولہ، 2891ء، تذکرہ مشاہیر برار، انجمن یادر فتگاں، عثمانیہ مسجد امراوتی مہاراشٹر ا۔ ص 94

9۔ڈاکٹر سید عبدالرحیم، مرتب، 8991ء، دیوان شاہ غلام حسین ایلچپوری، ناشر مدحت الاختر وارث پورہ کامٹی۔ ص93

10۔ایضاً ، ص93 بحوالہ تاریخ امجدی فارسی ص226

11۔ایضاً ، ص93

12۔ایضاً ، ص93

13۔ایضاً ، ص93

14۔ایضاً ، ص04

15۔ایضاً ، ص04

16۔ڈاکٹر سید نعیم الدین، حضرت شاہ غلام حسین چشتی ایلچپوری، مشمولہ، 2891ء، تذکرہ مشاہیر برار، انجمن یادر فتگاں، ع، امراوتی مہاراشٹر ا۔ ص94

17۔ڈاکٹر سید عبدالرحیم، مرتب، 1998ء، دیوان شاہ غلام حسین ایلچپوری، ناشر مدحت الاختر وارث پورہ کامٹی۔ تمام اشعار سی سے ماخوذ ہیں۔

نقشبندِ دکن حضرت سید سعد اللہ نقشبندی کی روحانی خدمات

ڈاکٹر حافظ شیخ احمد محی الدین رفیع نقشبندی *

انسانی تاریخ میں متعدد ایسے نفوسِ قدسیہ کا ظہور ہوا جن کی حیات کا ہر پہلو جدوجہد، عبادت وریاضت اور تحریک و عمل کا آئینہ دار رہا۔ ان ہستیوں کے دل معرفتِ الٰہی اور عشقِ مصطفوی کے انوار سے منور تھے، جن کی ضیاء پاشیوں سے دوسروں کے دل بھی روشن ہو گئے۔ ان ہی پاک نفوس میں ایک جلیل القدر شخصیت حضرت سید سعد اللہ شاہ نقشبندی مجددی المعروف نقشبندِ دکن رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جنھوں نے سرزمینِ دکن کو روحانیت و معرفت کے انوار سے معمور کر دیا۔ آپ کا وجود ایک فکری نظام اور روحانی تحریک کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے اپنے علم، عمل اور سلوک کے ذریعے مریدین و متعلقین کے قلوب میں عشقِ الٰہی اور اتباعِ نبوی ﷺ کی شمع روشن فرمائی۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ دکن میں تصوف کی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں حضرت کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کی علمی، روحانی اور سماجی خدمات کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

نام ونسب وولادت: آپ کا نام " سعد اللہ " ہے، اور آپ کا سلسلۂ نسب جناب سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ تاریخی روایات کے مطابق آپ کی ولادت بارہویں صدی ہجری اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں 1199ھ مطابق 1770ء میں ہوئی، مقامِ پیدائش قصبہ اچڑی ملک پکلی (پنجاب) ہے، جو سرحد افغانستان پر واقع ہے۔ [1]

آپ کی والدہ محترمہ کو کسی اللہ والے نے آپ کی ولادت کی خوشخبری دی تھی، اور کہا تھا کہ " سعد اللہ " نام رکھو۔ وہ دنیا میں سعادت مند اور صاحبِ کمال ہو گا۔ اسی لیے آپ کا نام سعد اللہ رکھا گیا۔ [2]

گلزار اولیاء میں حضرت محدث دکن سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی نے لکھا ہے:

> " آپ کے پیدا ہونے کے پہلے ہی ایک بزرگ نے آپ کے والدین کو خوش خبری دی تھی کہ تم کو ایک فرزند پیدا ہو گا اور وہ درویشِ کامل ہو گا، مگر ایک پاؤں سے معذور ہو گا۔ " [3]

تعلیم وتربیت: آپ کا گھرانہ علم و عمل اور تقویٰ وطہارت کا آئینہ دار تھا، ابتدائی تربیت والدِ ماجد کے زیرِ سایہ ہوئی، جنھوں نے بچپن

---

* حیدرآباد، تلنگانہ

(1) ابوالحسنات، سید عبد اللہ شاہ نقشبندی، گلزار اولیاء، حیدر آباد، دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرس، 2017ء، ص:74

(2) مولوی بشیر احمد دلکش حیدرآبادی، حالات نقشبند دکن، حیدر آباد، تلنگانہ، مینار بک ڈپو، ص:22

(3) ابوالحسنات، سید عبد اللہ شاہ نقشبندی، گلزار اولیاء، مصدر سابق، ص:74۔

مولانا سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی قادری، گلزار نقشبند دکن، حیدرآباد، تلنگانہ، 2008ء، ا/ 38

ہی میں آپ کے دل میں ذکرِ الٰہی اور محبتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نقوش ثبت کر دیے، حضرت سید عثمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے خالہ زاد بھائی تھے آپ کے ساتھ شریک تعلیم تھے، یوں آپ کی تربیت ایک نہایت علمی وروحانی ماحول میں ہوئی۔
بچپن ہی سے آپ کی طبیعت فقر ودرویشی کی طرف مائل تھی، اور قربِ الٰہی کے طالب تھے، چہرے پر وقار، آنکھوں میں نور، گفتگو میں ٹھہراؤ تھا۔ آپ کے اساتذہ بیان کرتے ہیں کہ وہ شاگردوں میں ایسے نمایاں تھے جیسے ماہِ تمام نجوم میں۔ جب آپ کی ظاہری تعلیم مکمل ہوئی تو کسی نامعلوم اللہ والے نے آپ سے کہا کہ ظاہری تعلیم تو ہو چکی، اب باطنی تعلیم حاصل کی جاتی تو بہتر ہوتا[1]، اسی وجہ سے آپ نے دہلی کا رخ کیا جہاں حضرت سید شاہ عبد اللہ المعروف غلام علی شاہ نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو حقیقتِ نقشبندیہ کا جام پلایا۔
یوں تو دہلی میں آپ نے پہلے مختلف علوم تفسیر وحدیث، فقہ واصول اور منطق وفلسفہ وغیرہ جیسے علومِ ظاہری کی تحصیل فرمائی، مگر یہ تمام علوم گویا مقدمۂ عرفان تھے، دل کے نہاں خانوں میں ایک ایسی جستجو جاگی جو صرف " ذکرِ حقیقی " سے پوری ہو سکتی تھی۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے آپ کو ایک ایسی خانقاہ تک پہنچایا، جہاں آپ نے ظاہری علوم کو انوارِ باطنی سے ہم آغوش ہوتے دیکھا۔ جب آپ دہلی پہنچے تو اس وقت حضرت سید غلام علی شاہ نقشبندی مجددی دہلوی (متوفی 1240ھ) کا فیضان پورے ہند میں پھیل رہا تھا، اور اُن کی خانقاہ " چشمۂ عرفان " کہلاتی تھی، جہاں طالبانِ حق اپنی پیاس بجھانے آتے تھے۔
بیعت وخلافت: حضرت شاہ سعدُ اللہ رحمۃ اللہ علیہ جب پہلی بار حضرت غلام علی شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے، تو گویا دل پر نور کی بارش ہونے لگی۔ حضرت دہلوی نے اُن کی پیشانی کو دیکھا تو مسکرائے، چند ملاقاتوں کے بعد آپ کو شرف بیعت سے مشرف فرمایا اور بیعت کے وقت حضرت دہلوی نے فرمایا:

" اے سعدُ اللہ! تم دکن کے سعد (نیک) بنو گے، اور تمہاری نسبتِ نقشبندیہ وہاں کی زمین کو زرخیز کر دے گی۔"[2]

آپ داخلِ سلسہ ہوتے ہی اپنے پیر کے منظورِ نظر بن گئے اور مسلسل بارہ برس ریاضت ومجاہدہ اور ذکر واشغال اور مراقبات میں مشغول رہے، اور روحانی مدارج طے کر کے مرتبۂ قطبیت سے سرفراز ہوئے۔ دہلی میں قیام کے دوران آپ کا معمول تھا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے اور کسب فیض کرتے۔[3]
آپ نے اپنے پیر ومرشد کی کامل اتباع فرمائی، اپنی ساری زندگی اتباع سنت میں گزاری، آپ نہایت درجہ استقامتِ شریعت وقیامِ سنت کے پابند تھے۔ جس وقت حضرت غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ریاضت ومجاہدہ کے معیارِ مقررہ پر آپ پورے اتر گئے تو

([1]) مولانا سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی قادری، گلزار نقشبند دکن، حیدرآباد، تلنگانہ، 2008ء، 1/ 39
([2]) تذکرۃ العلماء والصلحاء، 1/ 43؛ ومراۃ العارفین، مخطوط دہلی
([3]) ابو الحسنات، سید عبد اللہ شاہ نقشبندی، مصدر سابق، ص:75

آپ کو "شاہ" کے خطاب سے مزین فرمایا اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ، مجددیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ و کبرویہ میں بیعت و خلافت عطا فرمائی۔[1]

آپ چاروں سلاسلِ تصوف: قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی میں مرید کیا کرتے تھے، لیکن طریقۂ سلوک بالعموم نقشبندی مجددی کے اصول پر تھا؛ اس لیے نقشبندی مشہور تھے۔

سفر حرمین شریفین واذنِ نبوی ﷺ: جب حضرت سید غلام علی شاہ دہلوی نے سن 1240ھ مطابق 1824ء میں انتقال فرمایا، تو حضرتِ شاہ سعدُاللہ نقشبندی کے دل میں ایک طوفان برپا ہوا۔ مرشدِ کامل کی جدائی نے روح میں حرارت پیدا کی، اور عشقِ نبوی ﷺ نے انہیں "سفر حرمین شریفین" پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے خالہ زاد بھائی اور روحانی رفیق، حضرت سید محمد عثمان نقشبندی مجددی کو ہمراہ لیا، اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کا قصد فرمایا۔

حجاز مقدس پہنچ کر مکہ مکرمہ میں حجِ بیت اللہ کے فرائض انجام دیے، اور اس کے بعد وہاں سے مدینہ منورہ کا قصد کیا، جب آپ بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچے، تو آقائے کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سعد اللہ! ہندوستان چلے جاؤ۔ تم سے وہاں بہت سے لوگ فیض یاب ہوں گے۔"[2]

حیدرآباد میں ورود واقامت اور خانقاہ کا قیام: بارگاہَ نبوی ﷺ سے الہامی ہدایت و حکم کے تحت آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، اور بحرِ ہند کے راستے مدراس، کرنول ہوتے ہوئے 1335ھ کے اوائل میں، نظام دکن میر عثمان علی خان کی تخت نشینی کے زمانے میں حیدرآباد تشریف لائے۔ ابتداءً امسجد الماس اندرون دروازہ علی آباد سے آپ نے رشد وہدایت کا سلسلہ کیا، یہ مسجد صرف جائے عبادت نہیں تھی بلکہ ایک خانقاہ اور درسگاہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ نے یہاں اہلِ اللہ کو اذکار واشغال اور ریاضات ومجاہدات سکھائے اور یہ سلسلہ دو سال تک جاری رہا۔ پھر اس کے بعد آپ نے مغلپورہ میں محمد جیون خان قلعہ دار کے باغ میں تقریباً دو سال قیام فرمایا، اس عرصہ میں آپ نے محلہ اردو شریف میں نواب جان کے باغ کا ایک بڑا حصہ خریدا، جس میں مولوی عبد الرحیم صاحب جاگیردار نے ایک چھوٹی سی مسجد کی تعمیر شروع کردی تھی، جب مسجد کی بنیاد بھر دی گئی تو آپ 27 رمضان المبارک 1249ھ مطابق 1829ء کو اس باغ میں تشریف لائے، یہیں آپ نے مسجد کی تعمیر مکمل فرمائی، اور مکان بنوایا، اور سالکین کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک خانقاہ قائم فرمائی، یہی خانقاہ بعد میں خانقاہِ مجددیہ حیدرآباد کے نام سے مشہور ہوئی۔[3]

آپ کی خانقاہ طالبانِ حق کے لیے روحانی مرکز اور سالکانِ راہ طریقت کے لیے انوار و معارف کا سرچشمہ تھی، جہاں بندگانِ خدا کی روحانی تعلیم وتربیت کا مکمل نظم تھا، جس سے طالبان حق کی عرفانی وروحانی تشنگی مٹتی تھی۔ اس خانقاہ میں اذکار ووظائف کے حلقے،

([1]) مولانا سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی قادری، گلزار نقشبند دکن، حیدرآباد، تلنگانہ، 2008ء، 1 / 44

([2]) ابو الحسنات، سید عبد اللہ شاہ نقشبندی، گلزار اولیاء، مصدر سابق، ص:76

([3]) ابو الحسنات، سید عبد اللہ شاہ نقشبندی، گلزار اولیاء، مصدر سابق، ص:76

قرآن وحدیث کی تعلیم، سلوک ومراقبہ کا تمام نظام قائم تھا، اور حضرت خود روزانہ 15 پارے قرآن مجید تلاوت فرماتے، نمازِ پنجگانہ جماعت کے ساتھ ادا کرتے، اور حلقۂ فیضان میں طلباء ومریدین کو روحانی تعلیم عطا فرماتے تھے۔ آپ کی خانقاہ میں بیک وقت ڈیڑھ سو سے زیادہ طالبانِ علوم وسالکانِ راہ طریقت وظیفہ کے ساتھ زیر تعلیم رہتے تھے۔[(1)]

وصال: علم ومعرفت کا یہ آفتاب ہزاروں دلوں کو نورانی بناکر 28/ جمادی الاولیٰ 1270ھ مطابق 1854ء بروز دوشنبہ کو حیدرآباد میں اس دنیا کے افق سے ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ محلہ اردو شریف متصل دیوڑھی ماما جمیلہ روبر مسجد آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار پر انوار مٹی کا ہے، جو آج بھی دیکھنے والوں کو اتباعِ سنت کی یاد دلاتا ہے، اگرچہ بعد میں نواب افضل الدولہ بہادر مغفرت مکاں شاہ دکن نے اپنی عقیدت مندی کے اظہار میں گنبد بھی بنوادیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ عالیشان گنبد حضرت کے مرید وخلیفہ مولوی محمد حسین مرحوم نے (جو نظام دکن نواب افضل الدولہ آصفجاہ پنجم کے استاذ تھے) اپنے ذاتی صرفہ سے تعمیر کروایا۔[(2)]

خانقاہ کا ماحول اور طرز عمل: خانقاہ میں آپ کے پاس ہندوستان، بخارا، قندھار اور کابل سمیت دور دراز علاقوں سے علماء، مشائخ اور طالبانِ حق کا ہجوم رہتا۔ اور حاضرین کی مستقل تعداد تقریباً ڈیڑھ دو سو رہا کرتی تھی، جن کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام آپ خود فرماتے تھے۔ کبھی کبھی ارادت مندوں کی تعداد اتنی بڑھ جاتی کہ آنے والوں کے لیے باغ میں ناریل کے درختوں کے نیچے عارضی قیام گاہیں بنانی پڑتی تھیں۔ آپ کا معمول تھا کہ صبح اور عصر کے وقت مریدین کو توجہ اور تعلیم روحانی سے فیض یاب فرماتے تھے۔ آپ کے مریدین ومعتقدین کی تعداد ہزاروں میں تھی۔

آپ اتباعِ سنت کا بے حد اہتمام فرماتے تھے، آپ کے اقوال، افعال اور عبادات میں سنتِ رسول ﷺ کی مکمل پابندی نظر آتی تھی۔ طبیعت میں بے نیازی تھی اور دنیا اور اہلِ دنیا سے نہایت درجہ گریز فرماتے تھے، توکل کا یہ عالم تھا کہ خانقاہ کے کثیر مصارف کے باوجود کہیں سے بھی ایک پیسہ مقرر نہ تھا، معتقد امراء اور جاگیر دار بالخصوص مولوی محمد عبد الرحیم صاحب جاگیر دار جو آپ کے خلیفہ بھی تھے، اکثر خدمتِ عالیہ میں معروضہ پیش کرتے مگر کبھی قابلِ قبول نہ ہوتا۔ ایک بار شمس الامراء نواب امیر کبیر نے خود حاضر ہوکر پانچ سو روپیہ نذرانہ پیش کیا، آپ نے ان کی عقیدت کا لحاظ کرتے ہوئے وہ نذرانہ لے تو لیا لیکن اسی وقت پوری رقم مستحقین میں تقسیم فرمادی۔

آپ نے کسی بادشاہ یا جاگیر دار کی نذر کردہ مالی امداد کبھی قبول نہیں کی، چاہے وہ آصفجاہ چہارم نظام دکن نواب ناصر الدولہ ہی کیوں نہ رہے ہوں، چنانچہ نواب طالب الدولہ جو کوتوال وقت تھے، ایک روز انہوں نے نواب ناصر الدولہ کی منظوری لے کر جاگیرات کی سند رقمی جو تقریباً بارہ ہزار روپے تھی، آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کی۔ تو آپ نے ان کی عقیدت مندی کی تعریف فرمائی اور فرمایا

---

(1) دیکھیے: مولوی بشیر احمد دلکش حیدرآبادی، حالات نقشبند دکن، مصدر سابق، ص: 27 تا 28

(2) مولوی سید مراد علی طالع، تذکرہ اولیائے حیدرآباد، عہد وسطی سلاطین آصفجاہی، حیدر آباد، تلنگانہ، مینار بک ڈپو، 1272ء، 3/ 120

کہ ہم فقیروں کو ایسی معاش نہیں چاہیے، تم نے حسن اعتقاد سے جو خیر خواہی کی ہے اس کا تم کو اجر ملے گا۔ جب نواب طالب الدولہ نے قبول کرنے کے لیے اصرار کیا اور عرض کی کہ جناب ناصر الدولہ نظام دکن کی خدمت میں گزارش پیش کر کے یہ سند حاصل کی گئی ہے، اگر آپ اس کو قبول نہ فرمائیں گے تو میں معتوب کیا جاؤں گا۔ پھر بھی آپ نے انکار فرمایا۔ اس انکار پر جب طالب الدولہ رنجیدہ ہوگئے تو آپ نے بکمال مروت تفہیم فرمائی اور کہا کہ:

"تم لوگ بادشاہ کے دروازہ پر حاضر رہتے ہیں اور بادشاہ تم کو حوائج سے بے فکر کرتا ہے، ہم فقیر لوگ خدائے عزوجل کے دروازہ پر حاضر رہتے ہیں، اُس کی درگاہ عظیم الشان ہے، وہ رحیم وکریم ہماری تمام ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔ فقیر کو نہ چاہیے کہ ایسے دروازہ عالی شان سے تمام امورِ مایحتاج کی تکمیل کے باوجود روگردانی کر کے ایک بندہ کی معاش کی طرف رُخ کرے۔ فقیر کی زندگی کا اصول یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے عطا کردہ رزق پر توکل ہو، نہ کہ مالِ دنیا کی منتظر رہیں۔"[1]

آپ کے اسی توکل کے وجہ سے خانقاہ میں ہر وقت کم سے کم ڈیڑھ سو آدمی رہنے کے باوجود اس کے مصارف میں کبھی کمی نہ آئی۔ حضرت نقشبندِ دکن اور ان کی خانقاہ کی سرگرمیاں صرف روحانیت، سلوک اور تعلیم وتربیت تک محدود نہیں تھیں بلکہ آپ نے سماجی واصلاحی مسائل پر بھی توجہ دی، غرباء ومساکین کی مدد، ناچاروں اور مظلوموں کی دادرسی، اور نوجوانوں کی کردار سازی ان کے مشن کا حصہ تھی، چنانچہ خانقاہ میں روزانہ سینکڑوں مساکین اور مسافروں کو کھانا کھلایا جاتا، ان کے لباس ورہائش کا بندوبست کیا جاتا، اور بلا تفریق مذہب وملت ہر ایک کے ساتھ مساوی سلوک کیا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی خانقاہ میں مسلمانوں کی طرح غیر مسلم بھی کسبِ فیض کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

امرا کی تربیت: ریاست وسلطنت کا دوام صرف شمشیر وسپاہ سے نہیں، بلکہ عدل وانصاف اور مساوات سے وابستہ ہوتا ہے۔ جب امراء وسلاطین علمائے ربانیین اور مشائخ کاملین کی تربیت وصحبت اختیار کرتے ہیں تو اُن کے باطن میں نورِ بصیرت اور عدل وانصاف کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے حکمران اپنی رعایا کے لیے سایۂ رحمت بن جاتے ہیں، اُن کی سلطنتیں امن وسکون کا گہوارہ اور عدالت ومساوات کا مظہر بن جاتی ہیں۔ دکن کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ یہاں کے سلاطین نے ہمیشہ اولیائے کرام و مشائخ عظام کی صحبت کو باعثِ فخر سمجھا اور ان سے وابستگی کو سرمایۂ افتخار جانا، یہی وجہ ہے کہ اُن کے اخلاق وسیرت پر مشائخ کی تربیت کا اثر نمایاں نظر آتا ہے، خاص طور سے سلاطینِ آصفیہ نے اپنے وقت کے نقشبندیہ مشائخ سے اکتسابِ فیض کیا۔

ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع نے حضرتِ سعد اللہ شاہ نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ کے خلیفۂ اجل، افضل العلماء حضرت مولانا محمد

---

(1) مولوی بشیر احمد دلکش حیدرآبادی، حالات نقشبند دکن، مصدر سابق، ص:75 تا 76۔
مولانا سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی قادری، گلزار نقشبند دکن، مصدر سابق، 1 / 57

حسین قبلہ نقشبندی مجددی کو شہزادہ ولی عہد نواب افضل الدولہ کا معلم مقرر فرمایا۔ صاحبِ تزکِ محبوبیہ لکھتے ہیں کہ اِس تربیتِ روحانی و علمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرتِ مغفرت مکان افضل الدولہ بہادر شجاعت، سخاوت، اخلاق، ترحم اور عقائد کی پاکیزگی میں اپنے اسلاف کے فخر بنے۔ حضرتِ مغفرت مکان ناصر الدولہ بہادر خود بھی نقشبندِ دکن کی بارگاہ میں اپنے امراء و وزراء کو بھیجتے، دعاؤں اور توجہاتِ خاصہ کے طالب رہتے۔

آگے چل کر افضل الدولہ بہادر اور پھر نواب میر محبوب علی خان بہادر، حضرت نقشبندِ دکن کے خلیفہ حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہ کے مرید ہوئے۔ اسی طرح دکن کی مایہ ناز علمی و روحانی شخصیت حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی (بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمۃ) حضرت مسکین شاہ صاحب کے خلیفہ حضرت احمد خیر الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی محفل وعظ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔[1]

خلفاء: حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی علیہ الرحمۃ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، انہوں نے آپ کے فیضانِ صحبت سے فیض یاب ہو کر دکن میں روحانیت، تعلیم، اصلاحِ باطن اور سماجی فلاح کے میدانوں میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی کوششوں سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی تعلیمات عوام تک پہنچیں، سلوک و تربیت اور خانقاہی نظام کو تقویت ملی، اور ذکر و فکر، توکل و تقویٰ کی روش کو عام کیا۔ جہاں بھی گئے وہاں حلقاتِ ذکر، درسِ تصوف، اور روحانی اصلاح کی محافل قائم کیں۔ حضرت کے بعض خلفاء خود جید عالمِ دین اور ماہر مدرس اور خوش کلام واعظ و خطیب بھی تھے۔ انہوں نے مدارس میں طلبہ کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ مساجد اور خانقاہوں میں عوام کی باطنی اصلاح کا کام بھی جاری رکھا، جس سے علم و تصوف کا حسین امتزاج سامنے آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے دکن میں دیگر صوفی سلاسل کے علماء و مشائخ سے تعلقات استوار رکھا، جس سے دکن میں باہمی اخذ و افادہ کا خوشگوار ماحول بنا، اور اتحاد و یگانگت کا پیغام پھیلا اور باہمی احترام کی فضا پیدا ہوئی۔

آپ کے **خلفاء** کی فہرست طویل ہے، ان میں سے چند مشاہیر کے نام حسبِ ذیل ہیں:

1۔ حضرت سید محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ، 2۔ حضرت میر اشرف علی دکنی رحمۃ اللہ علیہ، 3۔ حضرت حکیم میر آصف علی علیہ الرحمہ، 4۔ حضرت سید کریم اللہ قادری علیہ الرحمہ، 5۔ حضرت حافظ محمد عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ، 6۔ حضرت سید کریم اللہ قادری علیہ الرحمہ، 7۔ حضرت خواجہ عبد القادر علیہ الرحمہ، 8۔ حضرت حاجی حافظ خواجہ عبد الوہاب علیہ الرحمہ، 9۔ حضرت حاجی حافظ عبد القوی علیہ الرحمہ، 10۔ حضرت حافظ محمد فضل اللہ علیہ الرحمہ، 11۔ حضرت حافظ محمد فضل علی رحمۃ اللہ علیہ، 12۔ حضرت حافظ حاجی محمد حسن علی رحمۃ اللہ علیہ، 13۔ حضرت مولانا نیاز محمد صاحب علیہ الرحمۃ، 14۔ حضرت سید شاہ سعید الدین حسین علیہ الرحمۃ، 15۔ حضرت مولانا محمد حسین علیہ الرحمہ، 16۔ حضرت مولانا محمد نعیم نقشبندی (عرف حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہ) علیہ الرحمہ، 17۔ حضرت مولانا سید محمد پادشاہ (عرف حضرت پیر بخاری شاہ صاحب) قبلہ علیہ الرحمہ، 18۔ حضرت حبیب عیدروس بن حسین

---

(1) ماخوذ از: مولانا سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی قادری، گلزار نقشبند دکن، مصدر سابق، 1/252 تا 253

العید روس قبلہ علیہ الرحمہ، 19۔ حضرت محمد شاہ درانی علیہ الرحمہ، 20۔ حضرت عظیم اللہ اخوند زادہ علیہ الرحمہ 21۔ حضرت سید شاہ علیہ الرحمہ، 22۔ حضرت خورشید احمد علیہ الرحمہ، 23۔ حضرت سدیس اخوند زادہ علیہ الرحمہ، 24۔ حضرت جمیل شاہ علیہ الرحمہ، 25۔ حضرت سید احمد مدنی علیہ الرحمہ، 26۔ حضرت محب اللہ علیہ الرحمہ، 27۔ حضرت محمد حسین علیہ الرحمہ، 28۔ حضرت گل محمد علیہ الرحمہ، 29۔ حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ، 30 ۔ حضرت محمد عبد اللہ علیہ الرحمہ، 31۔ حضرت اشرف نواز علیہ الرحمہ، 32۔ حضرت شیر علی اخوند زادہ علیہ الرحمہ، 33۔ حضرت رحمت اللہ اخوند زادہ علیہ الرحمہ، 34۔ حضرت قاضی ابو محمد شجاع الدین فاروقی قبلہ علیہ الرحمہ

ان کے علاوہ حضرت سید شاہ سعد اللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے اور بھی بہت سے خلفاء ہیں جنہوں نے سلسلہ نقشبندیہ کا فیضان عام کرنے میں آپ کا ساتھ دیا۔ اس طرح آپ اور آپ کے خلفاء نے حیدرآباد دکن کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا مرکز بنا دیا، جہاں سے ان کی مسلسل جدوجہد اور تعلیم وتربیت نے نہ صرف حیدرآباد بلکہ پورے خطے میں شریعت وطریقت کے فیوض وبرکات کو عام کیا۔ بلا شبہ آپ "نقشبندِ دکن" تھے۔

* * * * *

کتابیات

1۔ گلزار اولیاء، ابوالحسنات، سید عبداللہ شاہ نقشبندی، حیدرآباد، تلنگانہ، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرس، 2017ء

2۔ حالات نقشبند دکن، مرتبہ مولوی بشیر احمد دلکش حیدرآبادی، حیدرآباد، تلنگانہ، مینار بک ڈپو

3۔ گلزار نقشبند دکن، مرتبہ مولانا سید شاہ محمد خضر نقشبندی مجددی قادری، حیدرآباد، تلنگانہ

4۔ تذکرہ اولیاء حیدرآباد، عہد وسطی سلاطین آصفجاہی، مرتبہ سید مراد علی طائع، حیدرآباد، تلنگانہ، مینار بک ڈپو، 1272ء

5۔ گلزار آصفیہ، مرتبہ خواجہ غلام حسین خاں

6۔ لذات مسکین، مرتبہ حضرت مسکین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

7۔ تذکرۃ الاولیاء: مرتبہ محمد عبدالقیوم واصل صاحب

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کلیمی چشتی اورنگ آبادی: احیاءِ دین، اصلاحِ معاشرہ اور خدمتِ خلق

سید محبوب العارفین فخری نظامی چشتی*

چشتیہ سلسلے کے اکابرین میں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اورنگ آبادی کے اسمِ گرامی کا شمار صفِ اول میں ہوتا ہے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی کے عزیز ترین مرید و تاج الخلفاء ہیں آپ تکمیل ہدایت ودکن کی قطبیت عطا ہونے پر اپنے پیرومرشد کے حکم پر دکن تشریف لے آئے اور شہر اورنگ آباد کو اپنا وطن قرار دیا۔ آپ نے نظامیہ سلسلہ کی ایک شاندار خانقاہ قائم کی اور اپنے فیضانِ روحانی ورشدو ہدایت کی روشنی سے طالبانِ حق کی آنکھوں کو روشن کیا، لوگوں کے سینوں کو نورِ عرفان سے بھر دیا۔ اہلِ طلب حق کے سینوں اور دلوں کو شہر حلب کے آئینوں کی طرح صاف وشفّاف کیا۔ ششت جہات کو اپنے نور سے بھر دیا۔ آپ کی رشد وہدایت کے شور نے خوابیدہ (سوئے ہوئے) دلوں کو بیدار کر دیا اور اُن میں جان ڈال دی اور عوام الناس کو خدا کے نام کی پہچان کروائی۔ آپ کے سبب بندگانِ خدا دولتِ عرفانِ الٰہی سے سیراب ہونے لگے، یہ سلسلہ تادمِ آخر جاری وساری رہا، نتیجتاً آپ کے کم وبیش تین لاکھ مریدین اور تقریباً تین سو کے قریب کامل خلفاء ہوئے جو درجۂ ولایت پر فائز تھے۔

تاریخ اور تذکروں کے حوالہ جات سے جہاں تک انکشافِ ہوا اس لحاظ سے آپ کا سالِ ولادت 1060 ہجری ہے۔ آپ لکھنؤ کے قریب قصبہ کاکوری میں رونق افروز عالم ہوئے اور بحکم مَنْ سَعَدَ سَعَدَ فِيْ بَطَنِ أُمِّهٖ، رحم مادر سے سعادتِ ازلی اور ولایتِ لم یزلی ہمراہ لائے۔ والدہ ماجدہ کی گود سے نکل کر آغوشِ پدر میں تعلیم وتربیت پائی، جن ایام میں جب کہ آپ کاکوری کی درسگاہ میں علوم و فنون حاصل فرمارہے تھے ٹھیک ان ہی ایام میں مدینہ منورہ کی خانقاہِ عالم میں آپ کی تربیتِ باطن کے لیے انتظامات عمل میں آرہے تھے۔ یعنی خواجۂ خواجگانِ عالم رہنمائے بنی آدم رسولِ مکرم ﷺ کے روضۂ پاک میں شیخ الشیوخ العالم قطبُ المدینہ حضرت شیخ یحییٰ مدنی اپنے خلیفۂ اعظم شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کو آپ کی تربیتِ باطن کے لیے ہدایت و تاکید فرمارہے تھے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس وقت حضرت شیخ الشیوخ العالم نے شیخ کلیم اللہ کو حرمِ مدینہ میں نعمتِ خلافت عطا فرمائی اور وداع کا وقت آیا تو فرمایا کہ ہمارے سلسلے کے وارثِ نعمت کا نام نظام الدین ہے جو تمہارے پاس تحصیلِ علم کے لیے آئے گا اور بیعت کے وقت یہ زبان پر لائے گا:

سپردم بتو مایۂ خویش را تودانی حسابِ کم وبیش را

جب وہ یہ شعر پڑھیں گے ان کی طلب صادق ہوگی اور اُن پر توجہ دینا لازم ہو جائے گا کیونکہ وہ ہماری نسبت کے مالک ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی نے اپنے پیرومرشد شیخ یحییٰ مدنی کے ارشاد کے مطابق آپ کو کچھ ماہ اپنے ساتھ رکھ کر

* نائب سجادہ نشین بارگاہِ عالیہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کلیمی چشتی اورنگ آبادی

شرف بیعت وخلافت سے مشرف فرما کر جمیع سلاسلِ طریقت کی اجازت کے ساتھ تمام ظاہری باطنی روحانی نعمتیں عطا کر دیں اور علاقۂ دکن کی قطبیت حوالے کر کے دکن جانے کا حکم فرمایا۔

روانگی دکن: دکن راوانگی کے وقت آپ نے قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے دربار میں حاضری دی اور سلطانُ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کی زیارت کی اس کے بعد پیرِ دستگیر کے حضور خاک بوس ہو کر دکن کے لیے رخصت ہو کر لشکر شاہی کے ہمراہ دکن تشریف لے آئے۔ برہانپور، شولاپور اور بیجاپور میں مختصر قیام کے بعد شہر اورنگ آباد دکن میں مستقل قیام فرمایا اور اسی کو اپنا وطن قرار دیا، یہاں آپ نے چشتیہ نظامیہ سلسلے کی شاندار خانقاہ قائم کی اور اعلاء کلمۃ اللہ میں مصروف رہ کر اپنی جان ومال کو اس میں صرف کر دیا۔

دکن رخصتی کے بعد آتش فرقت نے خلیفہ (حضرت نظام الدین اولیاء) اور مرشد (حضرت شیخ کلیم اللہ) دونوں کو بے قرار کر رکھا تھا، حضرت نظام الدین اولیاء اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ کلیم اللہ کے ارشادات سے استفادہ کی محرومی کو شدت سے محسوس کر رہے تھے، فراق و دوری کی اس شدت میں کمی اس طرح آئی کہ طرفین کی جانب سے خطوط کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ یہ خطوط نہ صرف آدھی ملاقات ثابت ہوئے بلکہ اِن سے رشد و ہدایت میں رہنمائی بھی حاصل ہوئی۔ اِن خطوط کو حضرت قاسم علی نے "مکتوباتِ کلیمی" کے نام سے شائع کروایا۔

مرشد کی نظر میں آپ کا مقام: شیخ الاسلام حضرت شاہ نظام الدین اولیاء اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی کے قائم مقام تھے۔ حضرت مولانا محمد فخر الدین محب النبی فخر جہاں دہلوی کے خلیفہ مولانا ضیاء الدین شاہِ ولایت جےپوری "مرآۃ ضیائی" میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کلیم اللہ نے شیخ الاسلام حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی شان میں فرمایا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے چراغ سے مشعل روشن کی ہے" یعنی چراغ سے خود کو اور مشعل سے حضرت نظام الدین اولیاء کو قرار دیتے تھے اور اپنے دوسرے مریدوں سے فرماتے کہ نظام الدین اولیاء کے ساتھیوں سے ہرگز مقابلہ نہ کرنا ہاں! اور جب سے حضرت نظام الدین اولیاء کو خلافت عطا فرمائی خود شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی نے بیعت کرنا چھوڑ دیا تھا، اگر کوئی بیعت کے ارادہ سے آتا تو اس سے یہی فرماتے کہ جس مطلب سے کہ میں نے یہ جال پھیلایا تھا شاہ باز اس جال میں پھنس گیا اب میں کس لیے مرید کروں۔

حضرت نظام الدین اولیاء کے مقام و مرتبہ کا اندازہ مکتوباتِ کلیمی میں درج القابات سے لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً آپ لکھتے ہیں کہ:

1) عارف عالم عاشق ماند ذات شاہد صفات عمدہ اصحاب وجد و جود آسودہ ارباب عین شہود شیخ الاسلام والمسلمین شیخ نظام الدین متع العارفین۔[1]

---

[1] مکتوب ہشتادم اسی واں خط۔80

2) کعبہ ارباب ارادت قبلہ اصحاب سعادت آستان ہدایت مقتدائے عرفان درویش نظام الدین مقتدائے اہل عشق باد۔[1]

3) شیخ الاسلام والمسلمین نظام الملۃ والشرح والحق والدّین ادام اللہ فیضانہ علی العلمین[2]

4) زبدۃ العاشقین وعمدۃ الواصلین نظام الاسلام والمسلمین ادام اللہ برکاتہ وضاعف اللہ درجاتہ وکثر اللہ تجریدہ وافر تفریدہ۔[3]

5) شاہ نظام الملۃ والدین والاسلام والمسلمین زین اللہ تعالیٰ بوجود شریف سلک الفقراء الیٰ یوم الدین۔[4]

"مکتوباتِ کلیمی" میں حضرت شیخ کلیم اللہ نے آپ کی تعریف و توصیف میں جو کلمات لکھے ہیں وہ درجہ ذیل ہیں:

1) میرے اندر کا درویش اور میرے اندر کے چھپے ہوئے عارف کو یہ سخن فہمی بہت پسند آئی، حقیقت میں یہ بے تکلفی جو اس گناہگار کو ان خاص بزرگانِ دین اور عارفانِ کامل کی ہیں وہ دوسرے عزیزوں سے نہیں ہے آپ کے ساتھ جو میری بے تکلفی ہے وہ کسی اور کے ساتھ نہیں ہے اور یہ سب آپ کے لیے مخصوص ہے جس کا خدا گواہ ہے اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔

2) مجھے آپ سے بہت زیادہ خلوص ہے، آپ مجھے نامہربان کیوں سمجھتے ہیں اگر میں آپ پر مہربان نہ رہوں تو دنیا میں کون میری آنکھوں کا نور ہے جس پر مہربانی کروں۔

3) اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے گوہر پہچاننے والے کو گوہر عطا کیا۔

4) اللہ رب العالمین کا شکر ہے کہ آپ رنج و بے قراری کی منزلیں طے کر چکے ہیں۔

5) آپ کی ہر سانس ایک حج ہے، مریدوں کے باطن کی صفائی کی طرف توجہ کیجیے اس لیے کہ 'سلوک پہاڑ جنگل اور میدان ناپنے کا نام نہیں ہے بلکہ انسان کو خدائی صفات سے آراستہ کرنے کا نام ہے'۔

مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کلیم اللہ کو آپ سے بے انتہا محبت تھی اور آپ کی نظر میں حضرت نظام الدین اولیاء کے مقام اور بزرگی و مرتبہ کی بلندی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ کی تبلیغی جدوجہد: حضرت شیخ کلیم اللہ کی ہدایت پر شاہ نظام الدین اولیاء نے دکن آکر تبلیغ و احیاء دین کے کام کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا، چنانچہ انھوں نے یہاں پہنچ کر مرشد کے حکم کے مطابق اپنی جان و مال کو اِسی کام میں صرف کر دیا پیر و مرشد شیخ کلیم اللہ دہلی میں بیٹھ کر آپ کو ہدایت دیتے اور آپ اُن ہدایات کو عملی جامہ پہناتے۔ شیخ صاحب اپنے مرید کی اس فرمانبرداری سے باغ باغ ہو جاتے۔ ایک خط میں آپ لکھتے ہیں کہ "تم پر اللہ کی رحمت ہو کہ تم پر ہر چیز روشن ہونے کے باوجود تم بغیر اجازت قدم نہیں اُٹھاتے ہو۔ جس کو بھی دولتِ روحانی و عرفانی حاصل ہوئی اِسی ادب کی وجہ سے ہوئی۔ جب آپ دکن کے لیے لشکر شاہی کے ساتھ

---

[1] مکتوب ہشتاد و نہم خط۔89

[2] مکتوب چہارم چوتھا خط۔4

[3] مکتوب چہل و چہارم چوالیسواں خط۔44

[4] مکتوب صد و پنجم ایکسو پانچواں خط۔105

روانہ ہوئے تو دورانِ سفر لشکریوں میں بھی تبلیغ واصلاح کا کام کیا آپ کی یہ کوششیں بڑی حد تک رنگ لائیں اور لشکری لوگ آپ کے گرویدہ ہوگئے۔اِسی تبلیغ واِصلاح اور رشد وہدایت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے کم وبیش تین لاکھ مرید اور تین سو کامل خلفاء ہوئے جو ولایت کے درجہ پر فائز تھے۔ حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی روایت کے مطابق آپ کے تقریباً دس لاکھ مریدین تھے۔حضرت شیخ کلیم اللہ آپ کی تبلیغی جدوجہد، رشد وہدایت وخدمت خلق سے بہت خوش اور مطمئن تھے۔

مریدین کی تعلیم وتربیت: مناقب فخریہ "میں لکھاہے کہ مریدوں کی اصلاح وتربیت کے سلسلے میں آپ کے بنیادی اُصول شیخ کلیم اللہ کی تعلیمات وہدایت پر مبنی تھے، ان ہی کی روشنی میں آپ نے اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت کا سارا نظام بنا رکھا تھا آپ کی مجلسِ مبارک میں اگر کوئی محوِ گفتگو ہوتا تو آپ کو بہت تکلیف ہوتی، اسی لیے آپ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ مریدوں میں سے کوئی کتاب پڑھتا رہے تاکہ حاضرین مجلس باتیں نہ کریں بلکہ بزرگوں کے احوال سن کر اُن سے استفادہ حاصل کریں نیز جو لوگ محو ذکرواذکار ہوتے اُنھیں یہ تاکید تھی کہ وہ یادِ الٰہی کا سلسلہ اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیں۔اور مریدین کو ہمیشہ شغل باطنی کی تاکید فرماتے تھے، آپ فرمایا کرتے کہ تخلیق انسانی کا مقصد عبادت کے سوا کچھ نہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہےوَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ(الذاریات:56) کہ ہم نے جن وانسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا پس سب پر لازم ہے کہ اِس کام میں پوری پوری کوشش کریں۔

"احسن الشمائل" میں لکھاہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی مجلس میں کیمیاء گروں اور اکسیر کا ذکر ہوا، حضرت قبلہ نے فرمایا کہ بہت سے لوگ ہمیں کیمیاء گر سمجھتے ہیں، آپ نے اپنا چہرۂ مبارک اپنے ایک مرید کی طرف کرکے فرمایا کہ یہ بھی اکسیر کے لیے آئے تھے کئی دن ہمارے ساتھ رہے، معلوم ہوا کہ انھیں بھی کیمیاء کی تلاش ہے، ہم نے اُن سے کہا کہ چند روز خدا کی یاد میں مصروف رہو کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی کیمیاء نہیں۔ جب انھوں نے ہمارے کہے پر عمل کیا تو ان کے دل سے کیمیاء کی خواہش جاتی رہی اس کے بعد ہم نے ان کو قرآن شریف پڑھنے کی ترغیب دی، اللہ کے فضل سے انھوں نے قرآن شریف شروع سے آخر تک پڑھا اور اُسی وقت ان کے دل سے کیمیاء کا سوال بالکل جاتا رہا وہ سب کچھ چھوڑ کر خدا کی یاد میں مشغول ہوگئے۔ ہر چیز میں ایک خوبی ہوتی ہے اور اللہ کی یاد میں یہ خوبی ہے کہ وہ اللہ کے سوا دیگر تمام چیزوں کی خواہشات کو دل سے نکال دیتی ہے اور اللہ کی محبت کی آتش کو بھڑکاتی ہے، لیکن اگر ذکر کے ساتھ مرشدِ کامل جُڑا ہوا ہو(صحبت ہو)تو یہ ممکن ہے ورنہ لالچ اور حرص سے چھٹکارہ پانا مشکل ہے۔

آپ کو بحث ومباحثہ سے سخت نفرت تھی اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو جواب دینے کے بجائے کسی کتاب کا حوالہ دے کر اسی کے مطالعہ کی ہدایت فرمادیتے، کھانا کبھی تنہا نہیں کھاتے اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا تو مخلصوں کے گھروں پر کھانا بھجوانے کے بعد تناول فرماتے تھے۔بے شک فقیر کبھی تنہا نہیں کھاتا۔اور بطورِ خاص یہ طریقہ سلسلۂ چشت کا وطیرہ رہاہے اور لنگر خانے ہر دور میں جاری وساری رہے ہیں۔

اخلاق: آپ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔لوگوں کی دلگیری کو اپنا فرضِ اوّلین تصور کرتے تھے، ہر شخص سے خواہ وہ آشنا ہو یا بے گانہ ایک

طریقہ سے ملتے تھے۔ ہر شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے، لکھا ہے کہ ہر شخص کے لیے سر و قد کھڑے ہو جاتے اور اُس کی تعظیم بجالاتے، حد یہ ہے کہ چار سال کے بچے کے ساتھ بھی وہی طریقہ اختیار کرتے جو ستر سال کے بوڑھے یا اکابر و فضلاء کے لیے کرتے، ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے اگر کچھ نہ ہوتا تو عطر ہی عنایت فرما دیتے تھے۔

آپ لوگوں سے نذرانے وغیرہ چاہے وہ مریدوں کی طرف سے یا غیر لوگوں کی طرف سے ہوں ہر گز قبول نہیں کرتے تھے لیکن جب سے آپ کے پیر و مرشد شیخ کلیم اللہ نے یہ لکھ بھیجا کہ آپ خلوص اور عقیدت سے پیش کی ہوئی نذریں قبول کر لیا کریں اور پھر کسی ضرورت مند محتاج کو دے دیں اس لیے کہ محتاجوں کا کام نکالنا بہتر اور قابلِ ترجیح ہے۔ اس کے بعد سے آپ نے نذرانے قبول فرمانے لگے، چنانچہ جمعہ کے دن جو مجلسِ سماع کے لیے مقرر تھا جو بھی نذرانے آتے تھے وہ محتاجوں کو دے دیئے جاتے تھے اگر کوئی کھانا پھل میوے یا مٹھائی وغیرہ بھیجتا یا اپنے ہمراہ لے کر آتا تو اسی وقت آپ حاضرین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ یہاں ہمیں آپ کی خدمتِ خلق و مخلوق کی حاجت روائی کا کتنا عمدہ نمونۂ عمل نظر آتا ہے۔

شاہ سلیمان تونسوی اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ شاہ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کے دس دروازے تھے ہر ایک پر کاتب بیٹھا رہتا تھا، حاجت مند آتا اور اپنی حاجت لکھ کر دے دیتا جس پر آپ کی مہر لگا دی جاتی، حاجت مند یہ پرچی حکومت کے جس بھی امیر کے پاس لے جاتا وہ اس کی حاجت براری کو اپنے لیے سعادتِ دارین سمجھتا۔ خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے رہتے۔ خواجہ کامگار خان فرماتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ کے اس نظم کو دیکھ کر خواجہ حافظ شیرازی کا یہ شعر یاد آتا:

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو گیر و دار و حاجب و دربان درین درگاہ نیست

(ترجمہ: جو چاہے اس کو کہو آجا، جو چاہے اس کو کہہ دو جا، اس دربار میں گیر و دار اور ڈیوڑھی بان اور دربان نہیں ہے۔)

دلگیری کو آپ نے اپنا مقصدِ حیات بنا لیا تھا، کسی شخص کو رنجیدہ کرنا یا اُس کے جذبات کو ٹھیس لگانا انھیں نہیں آتا تھا۔ "احسن الشمائل" میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت نظام الدین اولیاء کی محفل میں مسلمانوں کی بدگوئی اور کو لعن وطعن کا تذکرہ آیا جو اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے، حضرت صاحب نے فرمایا کہ اللہ کی مخلوق کو برا کہنا اور اُن پر لعنت بھیجنا بری بات ہے۔

اکثر مریض اور تنگ آباد ہر صبح آپ کی خدمت عالی میں حاضر ہوتے تھے جس پر چند روز دم فرما دیتے اس کو صحت ہوتی اور جو شکایت ضعفِ بصر لاتا اپنا لعابِ دہن اُس کی آنکھوں میں لگا دیتے اس کی آنکھیں روشن ہو جاتی۔ یہاں یہ بات بڑی غور طلب ہے کہ آپ کی ذاتِ بابرکات سے کیسی کیسی بیماریوں سے مخلوقِ خدا شفایاب ہوتی اور راحت کی زندگی گزارتی۔ اس سے بھی ہمیں آپ کی خدمتِ خلق کا پتہ چلتا ہے۔

کرامات: اظہارِ کرامات آپ کے طریقہ کے خلاف تھا، ہمیشہ اپنے حال کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش میں رہتے: کل اناء یترشح بما فیه (برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی اس سے ٹپکتا ہے) اس لحاظ سے کبھی کبھی کوئی کرامت بغیر خواہش کے ظاہر ہو جاتی تھی۔ خرقِ عادت احاطۂ تحریر سے زیادہ ہے۔

بارش کا واقعہ: آپ کے شولا پور قیام کے دوران ایک سال بارش بالکل نہیں ہوئی قحط کے آثار نمودار ہوئے وہاں کے حاکم نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بارش کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ کی توجہ سے اسی وقت بارش ہونے لگی حیوانات سیر اب اور نباتات شاداب ہو گئے۔

خاندانِ آصفیہ پر آپ کے اثرات: امیر قمرالدین علی خان دکن میں ایک طاقتور حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور وہ اس سلسلے میں فقراء کی دعائیں بھی چاہتے تھے، اس لیے وہ حضرت نظام الدین اولیاء کے پیر و مرشد شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدعا بیان کیا اور کہا کہ حضرت دہلی اور اس کے مضافات میں جو انتشار اور بدامنی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حالات ابھی اور زیادہ خراب ہوں گے، میں چاہتا ہوں کہ مغلیہ سلطنت کی بوسیدہ دیواروں کے مقابل دکن میں ایک مضبوط حصار کھڑا کر دیا جائے جہاں ہندوستان کے مسلمانوں کو پناہ مل جائے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ وہاں ایک اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ شیخ صاحب نے پوچھا" پھر یہ حکومت کس طرح قائم کی جاسکتی ہے قمرالدین علی خان نے جواب دیا میں نے انسانوں کی فوج تیار کر لی ہے، آپ کی پاس دعاؤں کا لشکر لینے کے لیے آیا ہوں اگر آپ کی دعائیں اور میری فوج مل کر دکن پر حملہ آور ہونگے تو میری فتح یقینی ہو جائے گی، شیخ سوچ میں پڑ گئے وہ سنجیدگی سے سوچنے لگے، قمرالدین علی خان کو شبہ ہوا کہ شاید انھیں ٹال دیا جائے گا، فوراً شیخ کلیم اللہ کے دونوں ہاتھ فرطِ عقیدت سے پکڑ لیے اور عرض کیا، حضرت میں جو کچھ چاہتا ہوں اس میں مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود مقصود ہے، امید ہے کہ آپ اس عاجز کو مایوس نہیں کریں گے۔ شیخ کلیم اللہ نے فرمایا کہ یہ کام میری دعا پر موقوف نہیں میری قطبیت دہلی کی ہے ملک دکن کی قطبیت تو نظام الدین کے حوالے کی جاچکی ہے وہی کچھ کر سکتے ہیں۔ قمرالدین علی خان نے کہا وہ بھی آپ ہی کی سفارش پر کچھ کریں گے میں تو آپ کے پاس سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا کچھ نہ کچھ لے کر ہی جاؤں گا شیخ صاحب نے فرمایا میں نظام الدین سے تمہاری سفارش کر دوں گا کام وہی کریں گے، قمرالدین علی خان نے جواب دیا آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔ شیخ صاحب نے اپنے ایک مرید کو حکم دیا کہ ایک ٹھیکری لاؤ، شیخ صاحب کو ٹھیکری لاکر دی گئی، آپ نے اُس پر سیاہ روشنائی سے لکھ دیا" نظام الدین دنیا کا کتا آتا ہے تم اپنے دستر خوان سے کچھ ڈالدو"۔ میر قمرالدین علی خاں اپنی فوج اور سفارش کے ساتھ اورنگ آباد دکن پہنچے۔ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضری دی نظام الدین اولیاء نے پوچھا کہو کیسے آنا ہوا؟ قمرالدین علی خان نے کہا میں شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کی سفارشی ٹھیکری لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، اور وہ ٹھیکری آپ کی طرف بڑھادی۔ حضرت نظام الدین اولیائ نے ٹھیکری کو چوم کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور خوشی سے پوچھا تو تم میرے پیر و مرشد کے پاس سے آرہے ہو! پھر آپ نے پوچھا اب اپنا مطلب بیان کرو۔ انھوں نے کہا حضرت ہندوستان میں افراتفری مچی ہوئی ہے، مغلیہ سلطنت روبہ زوال ہے میں چاہتا ہوں کہ دکن میں ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم کروں، فوج میرے پاس ہے دعاؤں کی ضرورت ہے جو آپ سے ملیں گیں، شیخ کلیم اللہ نے یہ کام آپ کے سپرد قرار دیا ہے، نظر کرم کا امیدوار ہوں بس اس لیے حاضری دی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ پہلے کھانا کھالو اس کے بعد اس معاملہ میں گفتگو کریں گے۔ حضرت نے کھانے کا انتظام کروایا۔ دستر خوان سے سات روٹیاں

لے کر اس پر ایک ہڈی رکھ دی اور قمر الدین کے آگے رکھتے ہوئے فرمایا شروع کرو۔ قمر الدین علی خان نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ہاتھ روک لیا، حضرت نے ان کو دیکھا اور کہا اور کھالو، انھوں نے حکم کی تعمیل میں ساتویں روٹی اٹھائی اور آدھی سے زیادہ کھا کر ہاتھ روک لیے اور معذرت چاہی، حضرت نظام الدین اولیاء نے اُن کو بغور دیکھا اور فرمایا بس! اتنی ہی گنجائش تھی؟ پھر آپ نے فرمایا تمہاری سلطنت ساتویں پشت میں ختم ہو جائے گی چنانچہ واقعتاً آصف جاہ اوّل کی حکومت ساتویں پشت میں میر عثمان علی خان کے دورِ میں ستمبر 1948ء میں ختم ہو گئی۔

آصفیہ خاندان کی ایک اور شخصیت غازی الدین خان جو نظام الملک آصف جاہ اوّل کے نبیرہ (پوتے) اور مولانا محمد فخر الدین محب النبی کے خلیفہ تھے، جنھوں نے اپنے پیر و مرشد شاہ مولانا محمد فخر الدین کے ملفوظات و حالات "فخر الطالبین" تالیف کی ہے۔ اس کے علاوہ ایک مثنوی بہ عنوان "فخریۃ النظام" بہ زبانِ فارسی لکھی جس میں حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے حالات درج جس میں غازی الدین خان نے حضرت نظام الدین اولیاء کی تعریف و توصیف کے ساتھ اپنے دادا نظام الملک آصف جاہ اوّل کی بیعت کا بھی ذکر کیا ہے۔

نظم اقلیم سخن در رخصت قبلۂ الکاملین نظام الملۃ والدین بسر زمین دکن و تمکن بر مسند ارشاد و ہدایت و تربیت خلائق و بیعت خدیو دکن آصفجاہ نظام الملک جد راقم عفی اللہ عنہ۔

آں وقایع نگار ملک ولا — میکند قصہ را چنیں املا
کہ چو بگذشت خواجہ را بسرور — روزگارے ہنر مگاہ حضور
شد مرحض بسر زمین دکن — تا کند چشم طالبان روشن
رو بآں پاک مرد ز یوم آورد — بدکن دولت قد قم آورد
عالمے را بفیضِ عشق رساند — یک جہاں را سوئے ہدایت خواند
سینہ مارا نمود صفحہ نور — گردد برا نہائے دل معمور
شش جہت را گرفت انعامش — شد ز گردوں بلند تر نامش
داد بر جملہ جلوۂ انوار — تافت چوں آفتاب بر گل و خار
صاف شد سینہ ہائے اہلِ طلب — شد زمین دکن غلط بحلب
شورا ہدای آن ہدی آثار — کرد دلہائے خفتہ را بے دار
ساخت آں رہنمائے کوئے ہدا — خلق را آشنائے نام خدا
کارِ اسلام و دین گرفت — امر شرع مبین رواج گرفت
شورِ عشقش درید پردہ شک — کامہا یافت آگہی ز نمک
بہ نفسہا ز سوز ریشہ دادند — بجگر با نہا نالہ نشاند
کرد بیعت باو خدیو دکن — ہمچو با صدق دل پپورش من
آں شہنشاہ را نحیف نظام — خانہ زاد است و پائینا و غلام
دل بفکرش نہ مرد کبرائیست — بحر را کے بکوزہ گنجائیست

خرق عادات شد برون ز شمار	کہ از و آمدہ است بررخ کار
گر شود از شعاع مہر اقلام	نہ فلک کاغذ از پئے از فام
وتہی تا ابدار سد برقم	از بپائش ہنوز گردد کم
باد جاری ہمیشہ سلسلہ اش	کہ نہ بیند فاضلہ اش
کارین سروران مملکت مردان	جسم را کردہ اندر پئے جان
خواجہ را در اوائل احوال	بود معمول تا بچندین سال
شغل ہدا وے حد یہ اساس	مدت مشق آن قریب دو پاس
کردی ایں شغل صعب در صحرا	از تہجد گرفتہ تا بصبحے
چوں قوی ضرب میزدی در ریگ	تا بزانو فرو شدی در ریگ
اکتفایش نبودہ است برین	زین نمط داشت در عمل چندین
بود از ین ہاکہ گرمی جانش	داشت جسم لطیف سوزانش
جامہا را بآب تر کردی	وز پیے دفع حر ببر کردی
آمدی زاں تن ملایم و نرم	صوت آب بروئے تا بہ کرم

ترجمہ:

ترتیب گفتار کی دنیا کی دعوت کے اپنے کام کے ماہر قوموں اور دین کے رہبر (نظام الدین اولیاؒ کا سرزمین دکن میں تشریف لانا اور مسند ارشاد و ہدایت اور تربیت خلائق اور بیعت (عوام کو راہِ حق دکھانا) کا کام شروع کرنا اور آصف جاہ نظام الملک (راقم کے دادا) کی رشد اور اخلاقی تربیت و بیعت کے بارے میں۔

اس بلند مرتبہ ملک کا قصہ واقعہ نگار اس طرح سے لکھتا ہے کہ جب مالک (حضرت نظام الدین اولیا) کا ایک زمانہ (عرصہ) اطمینان و آرام کے ساتھ حضور شیخ کلیم اللہ کی خدمت میں گذر گیا۔ وہ رخصت ہوئے سرزمین دکن کی طرف اور سرزمینِ دکن میں آپ کا ٹھکانہ نکل آیا یہاں آپ نے قدم رنجائی فرمائی تاکہ طالبانِ حق کی آنکھوں کو روشن کریں، آپ نے ایک عالم (زمانہ) کو عشقِ خدا سے فیض یاب کیا اور دنیا کو رشد ہدایت کا راستہ دکھایا۔ آپ نے لوگوں کے سینوں اور دلوں کو نور سے بھر دیا۔ چھ سمتوں کو اپنے انعام (انوارِ فیض) سے بھر دیا اور زمین سے آسمان تک آپ کا نام بلند ہو گیا۔ تمام لوگوں پر انوار کے جلوے بکھیر دیئے جس طرح سورج اپنا نور پھولوں اور کانٹوں کو یکساں طور پر دیتا ہے۔ اہلِ طلب کے سینوں کو صاف ستھرا کیا اور سرزمینِ دکن کی گندگی کو شہر حلب کے آئینہ کی طرح صاف و شفاّف کیا۔ اس ہدایت کرنے والے (نظام الدین اولیا) کی ہدایت کے شور نے سوئے ہوئے دلوں کو بیدار کر دیا اور ان میں جان ڈالدی ہدایت کی راہ دکھانے والے اس رہنما نے عوام الناس کو خدا کے نام کی پہچان کروائی اور بندگانِ خدا اللہ کا نام لینے لگے۔ اسلام اور دین کے کام کا رواج پڑ گیا اور کے حکم کا عام رواج ہو گیا۔ آپ کے عشق کے شور

نے اللہ اور بندے کے درمیان کے حجاب کے پردے کو چاک کر دیا۔ آپ کی ریاضت وعبادت کی وجہ سے لوگوں کو لذت آنے لگی جس طرح کہ کھانے میں نمک کی لذت ہوتی ہے۔ آپ نے لوگوں کے نفس میں سوز کی جڑیں پھیلا دین اور ان کے دلوں میں درد کا پودا لگایا۔ دکن کے بادشاہ (نظام الملک آصف جاہ اول) نے آپ سے سچے دل کے ساتھ بیعت کی جو اس راقم کے دادا ہیں۔ وہ شہنشاہ جو روحانی طور پر کمزور تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور غلامی میں داخل ہوا۔ نظام الملک آصف جاہ اول کا دل فکر سے بری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی سے بھر گیا جیسے کہ سمندر کو کوزہ میں بھر دیا ہو آپ کی خرق عادات سے ہر کام میں کرامتیں ظاہر ہونے لگیں۔

اگر آسمان کو کاغذ اور شعاعوں کو قلم بنا دیا جائے

تب بھی آپ کی تعریف لکھنا ممکن نہیں۔ تا قیامت بھی لکھا جائے تو آپ کا بیان پھر بھی کم ہو گا۔ آپ سے جو سلسلۂ تعلیم جاری ہوا اس سے کوئی عالم و فاضل پھر کسی زمانے میں نہ پائے گا اگرچہ کہ دلوں کو فیض پہنچانے والے ہوں گے، لیکن آپ کی طرح دلوں کو صاف و منور کرنے والے نہیں رہیں گے آپ نے ریاضت و اطاعت میں مشقت و محنت اور جد وجہد میں کوئی کسر نہیں رکھی اور آپ سے کوئی غلطی بھی سرزد نہیں ہوئی۔ آپ نے اپنے جسم کو اس جستجو میں داؤ پر لگا دیا تھا۔ نظام الدین نے شروع شروع کچھ سالوں تک ریاضت وعبادت کا یہی معمول بنائے رکھا۔ آپ تہہ دل سے اللہ کی یاد میں لگے رہے اور اسے اپنا سرمایہ سمجھا بہت دنوں تک عشقِ الٰہی میں مشغول رہے اور یہ مشکل کام آپنے صحرا میں بھی انجام دیا۔ یہ سلسلہ تہجد سے صبح تک جاری رہتا ذکر میں آپ اتنی قوی ضرب، لگاتے کہ ایک ہی ضرب میں دل پر ذکر کا اثر ہو جاتا۔ اور آپ کے دونوں زانوں ریت میں دھنس جاتے۔ آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اسی طرح کے عمل کو جاری رکھا۔ اس عمل سے جسمِ لطیف میں گرمی اور حرارت بڑھ جاتی اور جسم جلتا رہتا۔ آپ اپنے لباس کو پانی سے تر کر کے گرمی کو رد کرتے جس کی جس کی وجہ سے آپ کا جسم نرم اور ملائم چشمہ کے پانی کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔

آصف جاہی خاندان میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب حضرت نظام الدین اولیاء کا عرس ہوتا تو خانقاہ کی طرف سے حکمراں نواب کو جو تبرک بھیجے جاتے اُن میں سات روٹیاں اور اُن پر ایک ہڈی رکھی ہوتی، یہ دونوں چیزین آپ کی خانقاہ میں آتا تو اس کے سر پر زرد رنگ کا کپڑا بندھا ہوتا۔

*****

مآخذ:

حضرت نظام الدین اولیاء اورنگ آبادی (حالات و تعلیمات) و مکتوباتِ کلیمی (اردو ترجمہ)، سید معین الدین (محمد میاں) فخری نظامی چشتی سجّادہ نشین درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء اورنگ آباد، ناشر: ایڈوکیٹ سید محبوب العارفین فخری نظامی چشتی نائب سجّادہ نشین درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء اورنگ آباد: نومبر 2008، ذیقعدہ 1449ھ

شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی دکن کا مینارۂ نور

(سوانحی خاکہ، علمی خدمات، اصلاحی کارنامے، صوفیانہ شان)

محمد شمس الدین صدیقی*

الحمدلله رب العالمین، والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله سیدالمرسلین و علیٰ آله و اصحابه الطیبین الطاهرین اجمعین، امّا بعد!

اس مختصر مقالہ میں شیخ الاسلام محمد انوار اللہ فاروقی کی وسیع خدمات میں سے چند کا جائزہ چار عنوانات کے تحت لیا گیا ہے۔

الف: امام محمد انوار اللہ فاروقی کی پاکیزہ حیات کا اجمالی خاکہ:

جامع شریعت و طریقت، عارف باللہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد انوار اللہ فاروقی نوراللہ مرقدہ، المخاطب بہ خان بہادر نواب فضیلت جنگ، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں 39 ویں پشت میں تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ شہاب الدین علی جن کا لقب فرخ شاہ کابلی تھا، وہ کابل کے بڑے امراء میں سے تھے جو ہندوستان آکر آباد ہوئے۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر اور حضرت امام ربانی مجد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ان ہی کی اولاد میں ہوئے ہیں۔ دکن کو فتح کرنے کے بعد اورنگ زیب عالمگیر نے قندہار دکن (ضلع ناندیڑ) میں قاضی تاج الدین کو قاضی یعنی ناظم عدالت کے عہدہ کے لیے منتخب فرمایا۔ اس لیے وہ قندہار دکن میں آبسے۔ حضرت قاضی تاج الدین، شیخ الاسلام امام محمد انوراللہ فاروقی کی چھٹی پشت میں دادا ہوتے ہیں۔ یعنی قضاءت کا منصب شیخ الاسلام کے خاندان میں موروثی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام 4/ربیع الثانی 1264ھ بمقام ناندیڑ (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے اور گیارہ سال کی عمر میں حفظ کلام پاک سے فراغت حاصل کر کے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا قاضی شجاع الدین قندھاری سے پائی۔ علوم دینیہ کی اعلیٰ تعلیم آپ نے مولانا فیاض الدین اورنگ آبادی، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، مولانا عبد الحی فرنگی محلی اور شیخ عبد اللہ یمنی سے حاصل کی۔ امام انوار اللہ فاروقی نے سلوک کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی اور تمام سلاسل میں بیعت کر کے خلافت حاصل کی۔ (1)،(2)

امام محمد انوار اللہ فاروقی کے رفقاء کی تحریک پر " مدرسہ نظامیہ " کا سنگ بنیاد بہ عمر 28/سال، 19/ذی الحجہ 1292ھ کو رکھا گیا۔ بہ عمر 30 سال، 1294ھ میں پہلے سفر حرمین شریفین کے موقع پر شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے تمام سلاسل میں مکرّر بیعت کر کے منازل سلوک کی تکمیل کی۔ پیر و مرشد نے بلا طلب خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور دکن کے مریدوں کو تکمیل سلوک و حل مشکلات میں امام انوار اللہ فاروقی سے مدد لینے کی ہدایت فرمائی۔ بہ عمر 31 سال 1295ھ میں حضرت غفران مکان نواب میر

*خادم التدریس مدرسہ اسلامیہ عیدروسیہ، ناندیڑ

محبوب علی خان بہادر آصف جاہ سادس (چھٹے نظام) کی تعلیم کے لیے مقرر کئے گئے۔ تعلیم کا یہ سلسلہ چھ (6) سال تک جاری رہا اور بہ عمر 37 سال 1301ھ میں میر محبوب علی خان مرحوم کی تخت نشینی پر موقوف ہوا۔ (3)

حضرت شیخ الاسلام بہ عمر 37 سال 1301ھ میں دوسری مرتبہ حج وزیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ بہ عمر 41 سال 1305ھ میں آپ کی اہلیہ محترمہ نے حیدرآباد دکن میں وصال فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے پھر کوئی عقد نہیں کیا اور تمام عمر عالم تجرد ہی میں بسر فرمائی۔ اسی سال یعنی 1305ھ میں بارادۂ ہجرت آپ نے حجاز مقدس کا سفر فرمایا اور تین سال تک مسلسل مدینہ منورہ میں حرم پاک سے متصل علاقہ میں مقیم رہے۔ آپ نے قیام مدینہ منورہ کے دوران کتاب " انوار احمدی " کی تصنیف کی جس کا ہر لفظ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا دیتا ہے۔ آپ نے وہاں کے کتب خانوں سے بھرپور استفادہ کیا اور اس زمانہ میں ہزاروں روپئے ذاتی صرف کرکے بعض نادر و نایاب کتابوں کی قلمی نقلیں تیار کرائیں۔ چنانچہ ان نوادرات میں احادیث شریفہ کی چار اہم کتابیں قابل ذکر ہیں۔

(1) کنزالعمال (مولفہ علامہ علی المتقی الہندی، م 975ھ، 70/ سے زائد کتب کا مجموعہ، 46624 حدیثیں شامل، 9/ جلدوں میں حدیث کی نہایت صحیح و جامع کتاب، اس وقت عرب دنیا میں 16/ جلدوں میں شائع ہو رہی ہے۔)، (2) جامع مسانید امام اعظم للخوارزمی (3) الجوھر النقی علیٰ سنن البیھقی (4) احادیث قدسیہ، ان کتابوں کو امام انواراللہ فاروقی کے قائم کردہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ نے طبع کیا۔ (4)، (5)

امام انواراللہ فاروقی کو بہ عمر 44 سال 1308ھ میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے دکن واپس جانے کا حکم صادر ہوا۔ انھوں نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بشارت کی تعبیر لی۔ شیخ نے فرمایا کہ حکم کی تعمیل کرو، ہرگز تردّد نہ کرنا۔ کون مسلمان اس آستانہ کو بطیب خاطر (خوشی سے) چھوڑتا ہے، مگر ایمان کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سر تسلیم خم کردو، خواہ تمہاری آرزوؤں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہجرت کرنے والا یہ مہاجر، عشق رسول ہی میں حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر واپس دکن پہنچ گیا۔ (6)

اسی سال یعنی 1308ھ میں مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد ہی میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس (چھٹے نظام) نے شیخ الاسلام کو اپنے فرزند میر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ سابع (ساتویں نظام) کی تعلیم کے لیے مقرر فرمایا۔ اس شاگردی کا سلسلہ تاریخ تخت نشینی 7/ رمضان المبارک 1329ھ (تقریباً 21/ سال) تک جاری رہا۔ امام انواراللہ فاروقی نے بہ عمر 50/ سال 1314ھ میں بغداد شریف، بصرہ، کاظمین، کربلائے معلی، نجف اشرف کی زیارت فرمائی۔ واپس آنے کے بعد ہندوستان کی مشہور زیارت گاہوں پر بھی حاضر ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی پوری توجہ علمی مشغلۂ تدریس اور تالیف و تصنیف کی جانب مبذول کر دی۔ پھر بہ عمر 65 سال 1329ھ میں ساتویں نظام اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان نے " ناظم امور مذہبی " اور " صدرالصدور صوبہ جات دکن " کے عہدہ ہائے جلیلہ کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا۔ اس کے بعد بہ عمر 67 سال 1331ھ میں " وزیر امور مذہبی " کے جلیل القدر عہدہ پر مقرر

فرمایا، جس پر آپ آخر دم تک فائز رہے۔ بعدہٗ بہ عمر 68/ سال 1332ھ میں دونوں شہزادگان نواب اعظم جاں بہادر اور نواب معظم جاہ بہادر کی تعلیم آپ کے تفویض فرمائی گئی، جس کا سلسلہ 1335ھ میں آپ کی علالت تک (تقریباً 3/ سال) جاری رہا۔ (7)

1335ھ میں حیدرآباد میں طاعون پھیلا تو ساتویں نظام میر عثمان علی خان مرحوم کے حکم پر آپ ورنگل تشریف لے گئے۔ لیکن ماہ ربیع الاوّل میں حیدرآباد کے جلسہ میلاد النبی ﷺ میں شرکت کے لیے بے چین ہوئے اور حضور نظام سے اجازت لے کر حیدرآباد تشریف لائے اور 12/ ربیع الاوّل کو مکہ مسجد کے جلسۂ میلاد میں شرکت فرمائی۔ اوائل 1336ھ میں مرض سرطان (کینسر) میں مبتلا ہوئے۔ 30/ جمادی الاولیٰ 1336ھ روز پنجشنبہ پانچ بجے طویل عمل جراحی (آپریشن) کیا گیا۔ اس کے بعد آپ کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہوا، پھر بے ہوش ہوگئے اور بعد مغرب اِدھر ہلال جمادی الثانی 1336ھ اُفق پر نمودار ہوا، اُدھر یہ آفتاب علم و کمال اہل دُنیا کی نظروں سے غائب ہوکر (بہ عمر 72 سال) رفیق اعلیٰ سے جاملا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ دوسرے دن مکہ مسجد حیدرآباد میں بعد نمازِ جمعہ، نماز جنازہ ادا کی گئی اور حسب ارشاد ساتویں نظام مدرسہ نظامیہ میں (جمعہ کے روز) بعد مغرب اس سرمایۂ سعادت کو سپرد خاک کیا گیا۔ گویا تمام عمر جس (مدرسہ نظامیہ) سے محبت تھی، بعد فنا بھی آپ نے اس سے جدا ہونا پسند نہیں کیا۔

شیخ الاسلام کا حقیقی ترکہ کہا جائے تو اُن کا کتب خانہ تھا۔ جو کئی ہزار بیش قیمت اور نایاب کتابوں پر مشتمل اور مولانا کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھا، اور جس پر آپ نے (اپنے زمانے کے) ہزاروں روپئے صرف فرمائے تھے۔ آخر آپ نے اس محبوب شئے کو بھی دوسرے محبوب ترکہ یعنی مدرسہ نظامیہ کے نام وقف فرمادیا۔ (8)

ب: حضرت فضیلت جنگ کی علمی خدمات:

حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی ایک جامع الکمالات شخصیت کے مالک تھے۔ وہ انتہائی کثیر المطالعہ، بلند پایہ عاشق رسول، صوفی باصفا ہونے کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کے پھیلانے، مریدین کے تزکیۂ نفس اور اصلاح معاشرہ کو بڑی ترجیح دیتے تھے۔ وہ وقت واحد میں مفسر بھی تھے اور مفکر بھی، مفتی بھی تھے اور محدث بھی، معلم اسباق بھی تھے اور مربیٔ اخلاق بھی، مصنف بھی تھے اور مؤلف بھی، خطیب بھی تھے، شاعر اور فصیح و بلیغ ادیب بھی۔ ان کی علمی خدمات کے وسیع دائرہ کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ (9)

(1) مدرسہ نظامیہ کا قیام:

مولانا محمد انوار اللہ فاروقی نے مذہب حقہ کی حفاظت جیسے خالص دینی مقاصد کی تکمیل کے لیے دیرپا اثرات حاصل کرنے کی نیت سے 19/ ذی الحجہ 1292ھ کو مدرسہ نظامیہ قائم فرمایا۔ ابتدا میں یہ مدرسہ شیخ الاسلام کے شاگرد مولوی مظفر الدین معلی کے مکان واقع افضل گنج میں قائم ہوا۔ دارالاقامہ کے انتظام کے بعد جگہ ناکافی ہوئی تو قیام کے دس سال بعد 1302ھ میں مولوی امیر الدین یونیری کے مکان بمقام چنپہ دروازہ منتقل ہوا۔ اس کے بعد چند سال بعد فیروز جنگ مرحوم کے وسیع مکان اور مولوی رفیع الدین مرحوم کے

مکان میں منتقل ہوا۔ پھر قیام کے (27) سال بعد چھٹے نظام میر محبوب علی خان مرحوم نے 1319ھ میں محلہ شاہ گنج کا ایک وسیع مکان، مدرسہ کے لیے عطا کیا، مگر چند سال بعد توسیع کے پیش نظر شبلی گنج میں ایک مکان عنایت ہوا۔ یہاں موجودہ جامعہ نظامیہ کی عمارتیں ہیں۔

جامعہ نظامیہ کا نصاب درس نظامی چار مرحلوں پر مشتمل ہے۔ جس کی تکمیل کے لیے (17) سال درکار ہیں۔ تحقیق کا شعبہ الگ ہے۔ جس کے لیے (3) سال کی معیاد مقرر ہے۔

اس جامعہ میں اہل خدمات شرعیہ کے تحت قرأت (تجوید)، امامت، خطابت، نائب قضأت، مُلّا، موٴذنی وغیرہ کے امتحانات میں ملک کی مختلف ریاستوں سے دور دراز کے (30) سے زیادہ اضلاع و تعلقہ جات کے امتحانی مراکز سے بھی (1500) سے زائد طلبہ شریک ہوتے ہیں۔ اس نصاب کی تکمیل کے بعد اپنے اپنے مقامات پر دینی خدمات انجام دیتے ہیں۔ جامعہ نظامیہ میں علیحدہ شعبۂ تحفیظ قرآن کریم قائم ہے۔ اس شعبہ اور ملحقہ مدارس سے ہر سال اوسطاً (300) سے زیادہ حفاظ کرام تکمیل حفظ کی سند پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر سال تقریباً (50) سے زیادہ طلبہ تخصّص کی سند کامل پاتے ہیں۔ جامعہ نظامیہ میں ایک عظیم لائبریری بھی قائم ہے جو (25000) سے زائد عربی، فارسی، اردو کی دینی، علمی اور ادبی کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ قلمی نسخوں اور نادر مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ یہاں موجود ہے۔ جس سے اہل علم استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ جامعہ نظامیہ میں شیخ الاسلام نے 1328ھ میں عوام الناس کی مذہبی رہنمائی کے لیے دارالافتاء کا قیام فرمایا۔ اس دارالافتاء سے اب تک ہزاروں مسائل کے جوابات دیے جا چکے ہیں جو عوام وخواص دونوں کی نگاہ میں باوقعت مانے جاتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر مسائل کے جوابات کی سہولت بھی مہیا ہے۔ اس طرح ملک و قوم کی خدمات کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

بارگاہ نبوت میں جامعہ نظامیہ کی مقبولیت کا اندازہ اس خواب سے کیا جاتا ہے کہ 22/ ذی الحجہ 1321ھ جامعہ کے جلسۂ تقسیم اسناد کی شب حضرت مولانا شرف الدین رودولوی نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، اور اسناد جامعہ کو اپنی دستخط خاص سے مزین و منور فرمانے کے لیے طلب فرما رہے ہیں۔ چنانچہ منتظم مدرسہ سندیں لے کر حاضر ہوئے۔ یہ بشارت تمام نظامیہ کے حقیقی وابستگان کے لیے ہے کہ ان کی سعی بارگاہِ رحمۃ اللعالمین میں شرف قبولیت پا گئی۔

کُلّیۃ البنات جامعہ نظامیہ:

1417ھ میں جامعہ نظامیہ کے 125/ سالہ یادگار جشن تأسیس کے افتتاحی اجلاس میں ایک سالہ طویل جشن کے دس نکاتی اغراض و مقاصد میں دختران اسلام کے لیے کلیۃ البنات (Girls College) کا قیام بھی شامل تھا۔ ارباب جامعہ نظامیہ نے قاضی پورہ کی عمارت میں اس غیر اقامتی ادارہ کو قائم کیا۔ آج اس کُلّیہ میں سالانہ تقریباً (400) طالبات اعلیٰ دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو رہی ہیں۔ تقریباً (20) ماہر معلمات ان طالبات کی صلاحیتوں کو نکھار رہی ہیں۔ عمر رسیدہ شیوخ جامعہ نظامیہ بھی اِن طالبات کو اپنے درس و

فیضان سے نوازتے ہیں۔ امتیازی طالبات کو تقریباً (5) گولڈ میڈل عطا کئے جاتے ہیں۔ سالانہ (15) تا (20) طالبات تخصص یعنی "کامل" کی سند حاصل کر رہی ہیں۔ شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ کے علمی فیضان سے یہ کُلّیہ دختران اسلام کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کی منفرد درسگاہ بن کر اُبھری ہے۔ جس کی مثال پورے ملک ہندوستان میں شاذ و نادر ہی مل سکے گی۔

الحاصل حضرت شیخ الاسلام نے اپنی علمی و روحانی شخصیت کے ذریعہ ایسی فضاء ہموار کی کہ جس کے ذریعہ کئی اہل قلم، فقیہ، محدث، مفسر، معلم، صوفی، شاعر، ادیب، حکمراں، سیاست داں، قانون داں وغیرہ کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی جن کی آواز دنیا کے گوشہ گوشہ میں سنی جارہی ہے۔ جامعہ کی یہ خدمات دراصل مولانا انوار اللہ کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف ہے۔(10)

(2) قیام دیگر مدارس واجراء امداد برائے تعلیمی امور:

شیخ الاسلام نے مدرسہ نظامیہ کے علاوہ حیدرآباد میں مدرسہ دینیہ مسجد چوک، مدرسہ دینیہ مسجد میاں مشک مرحوم، مدرسہ دینیہ افضل گنج، مدرسہ حفاظ مکہ مسجد کا قیام فرمایا۔ اس کے علاوہ مدرسہ معینہ عثمانیہ اجمیر شریف، مدرسہ صوفیہ محمد آباد بیدر شریف، مدرسہ حفاظ خلد آباد شریف کا بھی قیام فرمایا۔ مزید برآں آپ نے کئی مدرسوں کے لیے حکومت نظام سے امداد جاری کروائی۔ جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

مدرسہ کولہاپور، انجمن ہدایت الاسلام اورنگ آباد، مدرسہ برار (علاقہ ودربھ، مہاراشٹر)، مدرسہ بدایوں، مدرسہ سبحانیہ الہ آباد، مدرسہ فتح پوری دہلی، مدرسہ میواڑ اودے پور، اضافہ امداد، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، اس کے علاوہ درج ذیل علمائے کرام کے لیے بھی امداد جاری کرائی۔

مختلف صنعتوں سے کتابت کئے ہوئے قرآن مجید کی طباعت کے لیے مولوی عبد اللطیف خان صاحب بھوپالی مرحوم کو یکمشت امداد و ماہانہ تاحیات وظیفہ، مرہٹی زبان میں ترجمہ کئے ہوئے کلام پاک کی چھپوائی کے لیے حکیم یعقوب خان صاحب مرحوم ساکن ممبئ کو یکمشت امداد اور ماہانہ تاحیات وظیفہ، تفسیر روح الایمان کی طباعت کے لیے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم پنجابی کو امداد، نظام حیدرآباد کے دارالافتاء کو مٹنے سے بچانے کے لیے مفتی اعظم علی شایق کے وصال کے بعد ان کے کمسن صاحبزادوں کی تعلیم کا انتظام اور ماہانہ امداد، خطیب صاحب جامع مسجد دہلی کو ماہانہ امداد۔(11)

(3) دائرۃ المعارف النظامیہ کا قیام:

امام محمد انوار اللہ فاروقی نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران بعض نایاب کتابیں اپنے ذاتی ہزاروں روپے خرچ کر کے نقل کروائی تھیں۔ 1308ھ میں وہاں سے واپسی کے بعد آپ نے ملا محمد عبد القیوم مرحوم اور نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی مرحوم کے تعاون سے مطبع "دائرۃ المعارف النظامیہ" کے نام سے قائم فرمایا۔ کچھ دنوں بعد نظام سرکار سے معقول امداد ملی تو مولانا نے اس کے انتظامات ایک انجمن کے تفویض فرمادیئے۔ دائرہ کی سب سے پہلی مطبوعہ کتاب شیخ علاء الدین علی متقی برہان پوری ہندی کی تالیف "

کنزالعمال" (9) جلدوں میں شائع ہوئی جو حدیث نبویہ کا بہترین مجموعہ ہے۔ 1979ء کی ایک رپورٹ کے مطابق (270) سے زائد نادر قدیم عربی مخطوطات دائرۃ المعارف النظامیہ سے شائع ہوئے۔ اب اس ادارہ کا نام "دائرۃ المعارف العثمانیہ" ہے۔ اس دائرہ کی وجہ سے بیرون ہند میں بھی حیدرآباد کی نہایت قدر و منزلت ہوئی۔

ڈاکٹر ضیاء الدین اے دیسائی اپنی انگریزی کتاب "Centres of Islamic Learning in India" میں جو تبصرہ کیا ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

> "بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ "دائرۃ المعارف" ہندوستان میں اپنی نوعیت کا وہ واحد ادارہ ہے، جس نے اپنی تاریخی و یادگار مطبوعات کے ذریعے اسلامی اور مشرقی علوم کے عالمی ماہرین کے سامنے بیش قیمت اور طبع زاد (اختراعی، اپنی نوعیت کا جدید) مواد پیش کیا۔ اس ادارے نے نہ صرف انسانیت کی عظیم خدمت انجام دی بلکہ ہم مذاق اقوام کے مابین ثقافتی وحدت کو بھی فروغ دیا۔ اس طرح ہندوستان کو اسلامی اور سائنسی مضامین پر عربی ادب کی مطبوعات پیش کرنے والے اہم ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشے میں ایک اہم مقام عطا کیا۔ چنانچہ مصر کے نامور فاضل علامہ سید رشید رضا مدیر "المنار" اس ادارے کے کارناموں سے بے حد متاثر ہوئے۔ بقول علامہ "عالم اسلام ہندوستان کا مرہون منت ہے کہ اس نے دائرۃ المعارف کے ذریعہ اسلامی موضوعات پر نادر اور معیاری مطبوعات پیش کیں، جن میں حدیث اور سیرت کے کام کو خصوصیت حاصل ہے۔"

مولانا انوار اللہ نے آخر وقت تک رکن اعزازی کی حیثیت سے اس ادارے سے اپنی گہری وابستگی کا ثبوت دیا ہے۔ (12)

(4) کتب خانہ آصفیہ کا قیام:

حضرت فضیلت جنگ محمد انوار اللہ فاروقی کو اطلاع ملی کہ "محیط سرخی" (جو فقہ حنفی کی ایک مشہور کتاب ہے) کا ایک نادر قلمی نسخہ 1196ھ میں حکیم محمد جعفر خان صاحب کے پاس تھا، وہاں سے ہوتے ہوتے قاضی دلاور علی صاحب تک پہنچا، پھر بعد کے دور میں تلف ہو گیا۔ شیخ الاسلام کو اس نادر کتاب کے تلف ہونے کا بے حد صدمہ ہوا اور ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر حیدرآباد میں ایک ایسا کتب خانہ قائم کیا جائے جس میں ایسی نایاب کتابیں فراہم کی جائیں تو قدیم علمی ذخائر تلف ہونے سے محفوظ ہو جائیں گے۔ مولانا محمد انوار اللہ فاروقی نے اس کا ذکر مُلّا عبدالقیوم صاحب مرحوم سے کیا۔ مُلّا صاحب مرحوم نے اس کا تذکرہ نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی مرحوم سے کیا۔ انھوں نے نظام حکومت میں قیام کتب خانہ کی تحریک فرمائی جو منظور ہوئی۔ اس طرح 1308ھ میں کتب خانہ آصفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ گویا اس علمی خزانہ کی بنیاد بھی مولانا ہی کے خیال اور تحریک سے پڑی اور تکمیل دوسروں کی مدد سے ہوئی۔ حیدرآباد دکن کا یہ معیاری کتب خانہ جس کی مثال پورے برصغیر میں کم ہی ملتی ہے، اس کتب خانہ کا نام زوال حیدرآباد کے بعد 1960ء

میں ''اسٹیٹ سنٹرل لائبریری'' رکھا گیا۔ 1308ھ کا سال حیدرآباد کی تاریخ میں یادگار رہے گا کہ ایسا عظیم الشان کتب خانہ قائم ہوا جہاں عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، جرمنی، فرنچ زبانوں میں دولاکھ سے زیادہ علمی و ادبی کتب موجود ہیں۔ ان میں سے سترہ ہزار سے زیادہ مخطوطات شامل ہیں۔ مخطوطات کا ذخیرہ زیادہ تر عربی، فارسی، اردو اور دکنی میں ہے۔(13)

(5) انجمن (مجلس) اشاعت العلوم کا قیام:

شیخ الاسلام نے اپنی بعض تصنیفات کو اپنے ذاتی صرفہ سے طبع کروایا۔ اکثر کتابیں دوبارہ، سہ بارہ طبع ہوئیں۔ تصانیف کی اس قبولیت نے مولانا محمد انواراللہ فاروقی کی فکروں میں اضافہ کر دیا۔ تصانیف خود طبع کرواتے اور اصل لاگت پر (بلا منافع) فروخت کرتے، بلکہ اکثر ضرورت مند لوگوں کو مفت یا کم قیمت پر عنایت فرماتے۔ اس لیے مولانا کے پاس کبھی روپیہ جمع نہیں رہتا۔ بعض وقت کتابوں کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہو جاتی جو مولانا کو بے چین رکھتی۔ آخر میں خدائے قدوس نے اس رُکاوٹ کو دوڑ فرمایا اور 1330ھ میں ساتویں نظام میر عثمان علی خان مرحوم کے فرمان کے مطابق مولانا کے نام پانچ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ جاری ہوا، جس کے لیے حکم تھا کہ علوم دینیہ کی اشاعت کے کام میں لایا جائے۔

امام محمد انواراللہ فاروقی نے اس وظیفہ کو اپنی ذات کے لیے سمجھنے کے بدلے اس سے ایک انجمن بنام '' انجمن اشاعت العلوم'' قائم فرمائی۔ اس مجلس کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ اہل علم کی مفید قوم وملک تصنیفات جو سرمایہ کی کمی کی وجہ سے چھپوا نہ سکتے ہوں، یہ انجمن ایسی تصنیفات کو طبع کروا کے اس کی اشاعت عمل میں لائے۔ مولانا اپنی زندگی تک اس کے میر مجلس رہے۔ آپ نے خلوص کے ساتھ انجمن کی نہایت بیش قیمت خدمات انجام دیں اور کئی کتابیں شائع کروائیں۔(14)

مولانا محمد انواراللہ کے زمانہ میں اردو زبان عام طور سے رواج پا گئی تھی، اور مولانا کو عوام کی اصلاح کے لیے، عوام سے قریب ہونے کا ذریعہ یہی ایک زبان تھی۔ اس لیے مولانا نے خود عربی، فارسی کے علاوہ زبان اردو میں کئی کتابیں لکھیں، اردو میں شعر بھی کہے اور اُردو زبان میں لکھی ہوئی کتابیں زیادہ شائع کروائیں۔(15)

مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ نے تفسیرِ حدیث، فقہ، کلام، تصوف، فلسفۂ اسلام، تاریخ و سیرت، اخلاق و فضائل، معجزات و کرامات، استعانت، ردّوہابیت، ردّ قادیانیت، زیارت قبور، علم غیب، طبقات اولیاء، میلاد مبارک، رؤیت الٰہی، وحی، عشق و محبت، سماع موتیٰ، ندا، جواز قیام، وسیلہ، معراج مبارک وغیرہ جیسے اہم مسائل پر شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمہ و دیگر علمائے اعلام کی مدلل و عمدہ تصانیف شائع کی ہیں۔ ان کتب کا مطالعہ ایمان ویقین اور عمل میں پختگی کا باعث ہے۔ 2017ء تک کم از کم (87) کتابیں شائع کی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

(6) تصانیف وتالیفات:

حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی نے مختلف موضوعات پر کئی کتابیں اردو، فارسی و عربی میں لکھی ہیں۔ ان کی نثر میں بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ذیل میں مولانا انوار اللہ کی نثری تصانیف کی فہرست موضوع اور سنہ اشاعت کے اعتبار سے دی جاتی ہے۔

1۔الکلام المرفوع فیما تیعلق بالحدیث الموضوع، اردو، فنِ حدیث اور اُصول حدیث، 1308ھ

2۔انوار احمدی، اردو، میلاد و فضائل درود، آدابِ، 1323ھ (منظوم (62) مسدسات شامل کتاب ہیں) رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

3۔افادۃ الافہام فی ازالۃ الاوہام (اوّل و دوّم)، اردو، ردِّ قادیانیت، 1322ھ

4۔انوار الحق، اردو، ردِّ قادیانیت، 1322ھ

5۔کتاب العقل، اردو، علم کلام و فلسفہ (عقل کی ماہیئت پر)، 1323ھ

6۔حقیقۃ الفقہ (اوّل و دوّم)، اردو، فقہ، تدوین فقہ، فضیلت حضرت امام اعظم 1327ھ

7۔مقاصد الاسلام (گیارہ حصّے)، اردو، تمدن اسلام، حدیث، تاریخ، سیر، تصوف وغیرہ

8۔رسالہ انوار اللہ الودود فی مسئلۃ وحدت الوجود، اردو، تصوف۔

9۔رسالہ مسئلۃ الربا، اردو، بنک انٹرسٹ، 1341ھ

10۔رسالہ خلق افعال، اردو، اللہ ہی فاعل حقیقی۔

11۔انوار التمجید فی ادلۃ التوحید، فارسی، علم کی فضیلت اور توحید، 1341ھ

12۔انتخاب صحاح ستہ (قلمی)، عربی، تزکیۂ نفس کے تحت احادیث،۔

13۔انتخاب فتوحات مکیّہ (قلمی)، عربی، تصوف۔

یہ دونوں قلمی نسخے جامعہ نظامیہ کے کتب خانے، شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہیں۔(ڈاکٹر کے محمد عبد الحمید اکبر، " حضرت مولانا محمد انوار اللہ فاروقی، شخصیت، علمی و ادبی کارنامے"، حیدرآباد، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، جنوری 2000ء، صفحہ 190، 191)

اس کے علاوہ چند کتابوں کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

14۔مفاتیح الاعلام، اردو، ردِّ قادیانیت۔

15۔رسالہ " العج للحج "(رسالہ انوار اللہ)، اردو، فریضۂ حج کی ترغیب۔

16۔رسالہ چہل حدیث، اردو، علم کے فضائل میں احادیث۔

17۔رسالہ بُشری الکرام، اردو، میلاد پاک کی محققانہ بحث،۔

18۔کتاب التوحید، اردو، نفس توحید کے مسائل۔

19۔شمیم الانوار (منظوم)، فارسی، (35) کلام توحید، نعتیہ غزلیں، تصوف، اردو (10) کلام۔

20۔ خدا کی قدرت (منظوم رسالہ)، اردو، انبیائے عظام اور اولیائے کرام سے مدد مانگنا۔
21۔ کلام انورؔ (قلمی، منظوم)، فارسی کلام توحید، نعتیہ غزلیں، تصوف ۔اردو (2) کلام
نوٹ: مولانا محمد انوار اللہ کے بعض رسالوں کو "مقاصد الاسلام" میں شامل کر لیا گیا ہے۔(17)

ج: شیخ الاسلام کے اصلاحی کارنامے:

سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی گمراہی اور تباہی پر رحم کھا کر اللہ پاک نے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے مولانا محمد انوار اللہ کو (مدینہ منورہ سے دکن واپس) بھیجا۔ آپ نے اصلاح مسلمانان کا کام بڑی خوبی سے انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شفیق مصلح کی ہدایات پر چلنے کی ہمیں توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

دکن کو جہالت کے غار سے نکالنے اور معاشرہ کی اصلاح کرنے کا کام اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی کے لیے مقدر کر دیا تھا۔ آپ نے اپنے شاگرد بادشاہ وقت (چھٹے اور ساتویں نظام حیدرآباد) کا ذہن علم دوستی، علم پروری اور اصلاحات کی طرف موڑ کر بڑے علمی اور اصلاحی کام کئے۔ جس کی وجہ سے ریاست حیدرآباد کو پورے برصغیر میں ایک نمایاں مقام حاصل ہو گیا۔ ساتویں نظام میر عثمان علی خان مرحوم کے عہد میں جتنے علمی، اصلاحی، تعمیری کام ہوئے، ان سب میں بالواسطہ حضرت شیخ الاسلام کا ہاتھ ضرور شامل رہا۔(18)

شیخ الاسلام کے اصلاحی کارناموں کی طویل فہرست میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے۔

(1) "انجمن اصلاح مسلمانان" کا قیام:

حضرت شیخ الاسلام نے عامۃ المسلمین کی عادات و اطوار اور اخلاق و کردار کی اصلاح کے لیے "انجمن اصلاحِ مسلمانان" کا قیام عمل میں لایا۔ حیدرآباد کے علاوہ دیگر اضلاع و دیہاتوں میں مسلمانوں کی اصلاح کے لیے چند واعظین بھی مقرر فرمائے گئے جن کو حکومت کی جانب سے مشاہرہ (خدمت کا ماہانہ معاوضہ) ملا کرتا تھا۔ معاشی اعتبار سے کمزور مسلمانوں میں دینیات کی کتابیں مفت تقسیم کرنے کے لیے آپ نے سالانہ دو ہزار روپیہ کی رقم حکومت سے منظور کرائی۔ اس کے علاوہ آپ نے سید خاندان کی یتیم لڑکیوں کا نکاح کروایا۔

(2) رؤیت ہلال کمیٹی کی تشکیل:

بانی علیہ الرحمہ نے "رؤیت ہلال کمیٹی" تشکیل فرمائی۔ اس کمیٹی میں آپ نے علماء و مشائخ اور ماہرین فلکیات کو شامل فرمایا اور بنفس نفیس خود بھی اس کی نگرانی فرمایا کرتے رہے۔ رؤیت ہلال کمیٹی کی خدمات کا یہ سلسلہ الحمدللہ آج بھی حیدرآباد دکن میں برقرار ہے۔

(3) " انجمن تحفظ اوراق متبرکہ " کی تشکیل:

اوراق متبرکہ کے ادب، عظمت اور تقدس کا لحاظ کرتے ہوئے اور ملت کو بے حرمتی کے وبال سے بچانے کے لیے امام محمد انواراللہ فاروقی نے " انجمن تحفظ اوراق متبرکہ " نامی مجلس تشکیل دی۔ اس مجلس کو آپ نے دینی کتب، اسلامی صفحات اور بالخصوص کلامِ الٰہی کے اوراق کے تحفظ کی ذمہ داری سونپی تھی۔(19)

(4) نکاح کے سیاہ ناموں کی ترتیب اور نظام قضأت کو منظم بنانا:

حضرت فضیلت جنگ نے نکاح نامے مرتب کرائے، جن میں ایجاب و قبول، شہادت، مقدار مہر اور تاریخ نکاح کا اندراج لازم قرار دیا۔ ورنہ اس سے قبل یہ سارے معاملات زبانی ہوتے تھے اور نزاع یا طلاق کی صورت میں پیچیدہ ہو جاتے تھے۔(20)

آپ نے دفتر قضأت کو مناسب طور پر ترتیب دیا، قاضی صاحبان کے لیے اصول و ضوابط جاری فرمائے، اور قاضی صاحبان کو سرکاری ملازمین کی سہولتیں دلوائیں، نکاح کے سیاہ ناموں کی شکل، جو اِن دنوں دکن میں ہم دیکھ رہے ہیں، وہ حضرت شیخ الاسلام ہی کا کارنامہ ہے۔ حضرت شیخ الاسلام نے نظامِ قضأت کو غیر معمولی منظم، منقح اور شفاف بنایا۔ اس نظام کی شفافیت کے لیے آپ نے یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ نکاح کے سیاہ ناموں کی پانچ کاپیاں بنائی جائیں۔ ان میں سے ایک کاپی عاقد کو اور دوسری عاقدہ کو دی جائے۔ اس کے علاوہ مزید تین کاپیاں حکومتی سطح پر تین علیحدہ مقامات میں محفوظ کی جائیں۔ ابتداء میں اصل دفتر قضأت میں، ایک کاپی محکمۂ صدارت میں اور دوسری کاپی مقامی عدالت میں محفوظ کی جاتی تھیں۔ حضرت بانی جامعہ نظامیہ کے اس نظام قضأت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا دوام بخشا کہ اب حضور نظام کی حکومت باقی نہ رہی لیکن مولانا محمد انواراللہ کا نظام قضأت آج بھی اپنی روح کے ساتھ موجود ہے۔ عاقد اور عاقدہ کے علاوہ مزید تین کاپیاں اصل دفتر قضأت میں، ایک کاپی دفتر اسٹیٹ وقف بورڈ میں اور دوسری کاپی دفتر اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ کی جاتی ہے۔ اس نظام قضأت کی مثال پورے ملک ہندوستان میں شاذ و نادر ہی مل سکے گی۔

(5) اہل خدمات شرعیہ کی تعلیم:

زمانہ قدیم سے مؤذن، امام، خطیب، مُلّا (جانور ذبح کرنے والے حضرات) اور دیگر اہل خدمات شرعیہ (جیسے نائب قاضی) کے تقرر وراثۃً ہوتے تھے۔ اُمیدواروں کی اہلیت کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ جس کی وجہ سے فرائض کی انجام دہی میں خرابی کا قوی اندیشہ تھا۔ قاضی صاحبان سے عدالتی اختیارات حکومت کی جانب سے لے لیے گئے تھے۔ نکاح (طلاق، خلع) جیسے بعض اُمور ان سے متعلق تھے۔ ان اُمور میں بعض قاضی صاحبان نااہلیت کے باعث لغزشیں کرتے تھے۔ اس لیے آپ نے ان سب کے لیے (نصاب اور) امتحانات مقرر فرمائے اور یہ شرط لگادی کہ جب تک مدرسہ نظامیہ میں مقررہ نصاب کے مطابق امتحان کامیاب نہ کرلیں، اس وقت تک ان کے فرائض کی انجام دہی روک دی جائے۔ اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی انتظام فرمایا کہ اہل خدماتِ شرعیہ کے لڑکے مدرسہ نظامیہ میں تعلیم پائیں۔ ان میں سے جن کی آمدنی معقول تھی، وہ لڑکوں کے مصارف خود برداشت کریں اور جو لوگ مالی اعتبار سے کمزور ہوں ان

کی امداد حکومت کرے۔ اس کے علاوہ مدرسہ نظامیہ میں ان کے رہنے، سہنے، کھانے، لباس، کتب درسی وغیرہ سب کا انتظام کیا جاتا رہا۔ ''مُلّا'' کے نصاب اور امتحان کی وجہ سے مسلخوں کی بد نظمی دوٗر ہوئی، مسائل ذبح سے واقف لوگ ذبح کا فریضہ انجام دینے لگے اور مسلمانوں کو حرام کھانے سے بچالیا گیا۔(21)

(6) تصنیف و تالیف کے ذریعہ عقائد و نظریات کی اصلاح:

صحیح عقیدۂ توحید: بانی علیہ الرحمہ کے دور میں خالق کائنات کی ذات قدسی صفات سے متعلق بے جا تأویلات کی جارہی تھیں۔ ان میں تاویلات سے اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا انکار ہورہا تھا۔ اس عنوان پر لکھی جانے والی کتاب'' الکلام'' کی آپ نے کتاب'' مقاصد الاسلام'' کے حصہ سوم میں بروقت تردید فرمادی۔

عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ: عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمادیا۔ اب کوئی نئے نبی یا رسول آنے والے نہیں۔ کذاب و دجال مرزا غلام احمد قادیانی نے عقیدۂ ختم نبوت پر عوام کو سخت گمراہ کیا اور دھیرے دھیرے خود نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اس عنوان پر لکھی جانے والی بدعقیدگی کے زہر سے بھری کتب'' ازالۃ الاوہام'' اور '' تائید الحق'' کے رد میں حق کے انوار سے منور '' افادۃ الافہام'' (دو حصے) اور '' انوار الحق'' جیسی معرکۃ الآرا کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جس سے اس فتنہ کا انسداد ہوا، اور اہل اسلام کے نظریات کا تحفظ بھی ہو گیا۔

شانِ رسالت ﷺ میں بے ادبی سے بچنا: گمراہ فرقوں کی جانب سے حمایت توحید اور دفع شرک وبدعت کے زعم (گمان) میں شانِ رسالت ﷺ میں بے ادبی کی فکر کو ہوا دی جارہی تھی۔ آپ نے فی الفور اس کی طرف توجہ فرمائی اور اپنی تحریرات کے ذریعہ اُس فتنہ کا سدباب کیا۔ بالخصوص مدینہ منورہ میں لکھی گئی آپ کی کتاب '' انوار احمدی'' اور ''مقاصد الاسلام'' کے گیارہویں حصہ سے قرآن وحدیث کی روشنی میں مقام نبوت کی عظمت کو آشکار فرمایا۔ کتاب '' انوار احمدی'' کی اہمیت اور افادیت بتلانے کے لیے مولانا محمد انوار اللہ کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تقریظ کے یہ الفاظ کافی ہیں:

> '' اس کتاب کے ہر ہر مسئلہ کی تحقیق محققانہ حقانی میں تائید ربّانی پائی گئی کہ اس (کتاب) کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق کی کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے۔''

فقہ حنفی حدیث پاک کے عین مطابق ہے: جب فقہ کے چاروں اماموں کی تقلید کو گمراہی سے تعبیر کیا جارہا تھا اور فقہ حنفی کو حدیث شریف کے خلاف بتایا جارہا تھا تو آپ نے فقہ اور تقلید کی اہمیت اور افادیت پر '' حقیقۃ الفقہ'' نامی ایک تحقیقی کتاب دو جلدوں میں تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں آپ نے ثابت کیا کہ فقہ حنفی حدیث پاک کے عین مطابق ہے۔ اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے شکوک کے آپ نے ایسے (مدلل) جوابات لکھے ہیں کہ پڑھ کر دل مطمئن ہو جاتا ہے اور روحانی آسودگی نصیب ہوتی ہے۔

انبیائے کرام کے معجزات برحق ہیں: انبیائے کرام کے معجزات کا انکار اور اس میں غلط تاویلات پر مشتمل ایک رسالہ ''التحریر'' شائع

ہوا۔ حضرت شیخ الاسلام نے عقلی و نقلی اور منطقی و فلسفی ہر زاویہ سے کتاب ’’ مقاصد الاسلام‘‘ کے حصہ دوّم اور نہم میں معجزات کی حقانیت کو ثابت کیا۔

روافض کے عقائد و نظریات باطل ہیں: بانی جامعہ نظامیہ نے کتاب ’’ مقاصد الاسلام‘‘ حصہ پنجم و ششم میں قرآن و حدیث کی روشنی میں فرقۂ روافض کے باطل عقائد و نظریات کا ردِّ بلیغ فرمایا ہے۔ آپ نے بتلایا کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت کا فتنہ ایسا خطرناک تھا جس سے مزید فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ نیز فریقین (سنی و شیعہ) کی کتابوں سے ثابت ہے کہ اس فتنہ کا بانی مبانی ابن سبا تھا، جس کے یہودی ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، اور اس فتنہ کی ابتداء مسئلہ وصی اور خلافت بلا فصل (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے) سے ہوئی۔ مولانا کہتے ہیں کہ ہم (اہل سنت و جماعت) صحابہ کرام اور اہل بیت عظام دونوں کی فضیلت میں حدیثیں قبول کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔

(7) درگاہ کے انتظام کی اصلاح:

بہت سی درگاہیں ایسی تھیں جن کی انتظامی حالت خراب تھی۔ ان درگاہوں کی آمدنی انتظامات پر خرچ نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ حکومت سے جو جاگیریں عطا ہوئی تھیں، وہ قرضوں میں بطور ضمانت رکھی گئی تھیں۔ مولانا محمد انوار اللہ نے ان سب کی اصلاح فرمائی اور قرضوں کی ادائیگی کا معقول انتظام فرمایا۔

قدیم زمانہ میں یہ دستور تھا کہ عرسوں کے موقع پر طوائفین کے مجرے اولیائے کرام کی مزارات پر ہوا کرتے تھے۔ جس سے مختلف قسم کے لغویات ہوتے تھے، اور یہ یقینی طور پر اولیاء اللہ کی ناراضگی کا سبب بھی تھے۔ مولانا محمد انوار اللہ نے ناظم امور مذہبی کی حیثیت سے تحریک پیش کرنے پر بادشاہ وقت میر عثمان علی خان مرحوم نے اوائل ماہ ربیع الثانی 1335ھ میں فرمان جاری کیا: ’’ درگاہ میں عرسوں کے موقع پر طوائف کا ناچ گانا قطعاً موقوف کیا جائے۔‘‘

پہلے بعض درگاہوں میں عرس کے ساتھ مینا بازار (زنانہ بازار) کا بھی انتظام کیا جاتا تھا۔ ان سے پیدا ہونے والی خرابیوں کی روک تھام کے لیے آپ نے مینا بازار ہی بند کروادیے تاکہ فساد کی بناء ہی نہ رہے اور فساد نہ ہونے پائے۔ چنانچہ شاہی فرمان 5/ربیع الاوّل 1335ھ کو جاری ہوا کہ عرسوں میں مینا بازار نہ قائم کئے جائیں۔

(8) سجادگان والاشان کی تربیت:

شیخ الاسلام درگاہوں کے انتظام میں اصلاحی کوششوں کے ساتھ ساتھ اولیائے کرام کے جانشینوں کو بھی زیورِ علم و عرفان سے آراستہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا قطب معین الدین انصاری لکھتے ہیں:

> ’’ مفتی، قاضی، محتسب اور سجادہ نشین کے گھر سے کم از کم ایک لڑکا مدرسہ نظامیہ میں شریک ہوجائے۔
> مولانا نے درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمہ گلبرگہ شریف کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ محمد محمد

الحسینی اور روضۂ شیخ (دکن) کے سجادہ نشین تاج پاشاہ مرحوم کو صدارت العالیہ کی زیر نگرانی تعلیم علوم ظاہری سے بہرہ ور کیا۔ تاج پاشاہ مرحوم سجادہ نشین روضۂ شیخ (دکن) کو مدرسہ نظامیہ کے دارالاقامہ خاص میں رکھ کر تعلیم دلوائی۔"

جبکہ حضرت سجادہ نشین روضۂ بزرگ گلبرگہ کے لیے حیدرآباد اسٹیشن روڈ پر علیحدہ مکان میں تعلیم کا انتظام فرمایا۔(22)،(23)

(9) شیوخِ طریقت کی اصلاح:

امام محمد انوار اللہ فاروقی نے پیران طریقت کی تعلیم اور اصلاح کے لیے رسالۂ نصاب سجادگان تیار کرنے کا حکم علامہ سید شاہ ابوالقاسم، صدرالمدرسین جامعہ نظامیہ کو فرمایا۔ انھوں نے (105) سوالات مع جوابات متعلقہ امتحان سجادگی پر مشتمل رسالہ بنام " ہدایات الشیوخ" تیار کیا۔ اس کی اشاعت 1337ھ میں عمل میں آئی۔ اس رسالہ میں شیوخ طریقت کے لیے کثیر عنوانات پر ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ان عنوانات میں سے چند حسب ذیل ہیں۔ اسلام، ایمان، احسان، شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت، بیعت کی اہمیت، تصوف، سلوک، فقیر، صوفی، شیخ، سجادگی کی حقیقت اور اس کے فرائض، سالک اور مجذوب، اولیاء اللہ کے درجات جیسے قطب، غوث، ابدال، افراد، نجباء، نقباء، اوتاد، مشاہدہ، مراقبہ، فکر اور ذکر، یقین کے مراتب، الحاد، زندقہ وغیرہ۔ اس رسالہ کے ذریعہ اور امتحان سجادگی کے ذریعہ پیران طریقت کو صحیح علم سے آراستہ کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں مریدین کی صحیح تربیت ہوئی اور ان میں سے کچھ لوگ آئندہ نسل کی باطنی صفائی، راہ سلوک کے منازل طئے کرنے اور کرانے کے لیے خلیفہ اور بہتر رہنما بن سکے۔(24)

(10) مساجد و بارگاہوں کی تعمیر و اعانت:

بانی جامعہ نظامیہ نے کئی مساجد اور اولیاء اللہ کے آستانوں کی تعمیر و مرمت، خانقانوں، نقارخانوں اور رفاہ عام کے کاموں کے لیے امداد جاری کروائی۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

امداد برائے تعمیر مسجد بصرہ، امداد برائے تعمیر مسجد آسٹریلیا (چالیس ہزار روپیہ)، مسجدوں میں نل لگوانا اور برقی اور روشنی کا انتظام کرنا، اورنگ آباد کی عید گاہ کے لیے فرش (سیلو پتھر لگوانا) اور شامیانہ کا انتظام، مٹھوارہ کی مسجد کی تعمیر (جہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کچھ اختلاف تھا، اس کو اپنے تدبیر سے دوٗر کرکے مسجد کی تعمیر کروائی)، مخدوم پورہ گلبرگہ شریف کی مسجد میں جماعت اہل سنت و اہل حدیث کا اختلاف تھا، آپ نے نہایت دانائی سے آپس میں صلح کرواکے مسجد بنوادی۔ تعمیر نقارخانہ اجمیر شریف، تعمیر شاہ راہ قندھار دکن، جن مساجد میں مصلّے (جانمازیں) نہ ہو یا بوسیدہ ہوگئے ہوں، جانمازوں کی خریدی کے لیے دو ہزار روپیہ سالانہ منجانب حکومت منظور کروائے۔

جھالرہ اجمیر شریف کی درگاہ سے متصل باؤلی (کنواں) کی صفائی جس کی وجہ سے اجمیر شریف کی آبادی کو پانی کا بہت آرام ہوگیا، تعمیر سرائے متصل درگاہ حضرت سید سعید الدین عرف حاجی سیاہ سرور مخدوم علیہ الرحمہ واقع قندھار شریف دکن، مساجد کے ماہانہ اخراجات کے لیے سالانہ دو ہزار چار سو روپے منظور کروائے، حج و زیارت کے پہلے سے تین سو لوگ سرکاری خرچ پر جاتے تھے۔ آپ

نے مزید دو سولوگوں کا اضافہ کروایا اور سالانہ دس ہزار روپئے اس مصرف کے لیے منظور کروائے، متبرک راتوں میں سڑکوں پر تمام رات روشنی کا انتظام کروایا تاکہ مجالس وعظ وغیرہ سے لوٹنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔(25)

(11) مختلف مقامات کا معائنہ اور اصلاحات:

شیخ الاسلام سلطنت کے ایک معزز مذہبی وزیر اور شیخ الاسلام کے منصب جلیل پر متمکن تھے۔ لہٰذا آپ دکن کے مختلف مقامات پر سرکاری دورے بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے مذہبی اُمور کا بخوبی معائنہ کرتے، دینی خدمات کا جائزہ لیتے، ان میں ضروری اصلاحات فرماتے، اور ان سے متعلق حکام کو ضروری ہدایات دیتے تھے۔ 1322ھ میں " روضۂ بزرگ حضرت بندہ نواز" کی خدمات آپ کو تفویض کی گئیں تو آپ نے حضرات سجادگان کی تعلیم کا خصوصی اہتمام فرمایا، بارگاہ کی تعمیر و ترمیم اور دیگر کئی رفاہی اُمور انجام دیے۔ گلبرگہ شریف میں " مدرسہ دینیہ" کی بنیاد ڈالی، شفاخانہ کا قیام عمل میں لایا اور اس کا مکمل انتظام فرمایا۔

1325ھ میں آپ نے اورنگ آباد اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں کا دورہ فرمایا تھا۔ اس دورہ میں آپ نے (94) مقامات کا معائنہ کیا، جس میں (28) مساجد، (7) مدارس، (29) بارگاہیں اور اس کے علاوہ دیگر دفاتر، عیدگاہ، قبرستان، موقوفہ مکانات اور سرائے وغیرہ شامل تھے۔(26)

(12) متفرق معاشرتی اصلاحات:

نصاب غسّالان: مسلمانوں کی تجہیز و تکفین احکام شریعت کے عین مطابق ہو سکے، اس مقصد سے آپ نے " نصاب غسّالان" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کروائی اور اس کو تقسیم کروایا۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک امتحان مقرر فرمایا اور حکم دے دیا کہ کوئی پیشہ ور غسّال جب تک اس امتحان میں کامیاب نہ ہو، میت کے غسل اور تجہیز و تکفین کی خدمت انجام نہ دے۔

قبرستانوں کی حصار بندی: مسلمانوں کی قبریں کھلی جگہوں میں تھیں۔ جس کی وجہ سے جانور وغیرہ کی نجاست اور لوگوں کی آمد و رفت سے ان کی بے حرمتی ہوتی تھی۔ آپ نے محصور فرما کر (باؤنڈری وال بنوا کر) اس بے حرمتی سے بچالیا۔

غیر آباد مسجدوں کی بے حرمتی سے حفاظت: ریاست حیدرآباد میں آبادی سے باہر بہت سی ویران مسجدیں ایسی تھیں جن کی بے حرمتی کی جاتی تھی۔ آپ نے ان مساجد کو بند کروادیا تاکہ خانہ ہائے خدا، مقامات خرافات بننے سے بچ جائیں۔

ناپ تول کے پیمانوں کی تنقیح: ریاست حیدرآباد میں ناپ تول کے پیمانے اور اوزان صحیح نہ تھے۔ آپ نے تمام باٹ اور پیمانوں کی تنقیح فرما کر صحیح پیمانے رائج کر دیے۔ اس طرح کلام پاک میں کم تولنے اور کم ناپنے سے متعلق جو سخت وعیدیں آئی ہیں، ان وعیدوں کے وبال سے حکومت ریاست حیدرآباد کے عوام کی حفاظت فرمائی۔

شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کے استعمال کی ممانعت: بانی جامعہ نظامیہ چاہتے تھے کہ ام الخبائث شراب اور دیگر نشہ آور چیزیں استعمال کرنے والے مسلمانوں پر حد (شرعی سزا) لگائی جائے یا کم از کم کوئی حکومتی سزا مقرر کی جائے۔ نشہ آور چیزوں کے متبرکہ دنوں میں استعمال پر روک لگانے کی آپ نے بھرپور کوشش کی۔

طوائفوں کے سربازار بیٹھنے کی ممانعت: آباد شاہراہوں اور پُررونق بازاروں میں رہنے والی، مساجد کے قریب چکلہ بنانے والی، طوائفوں کے لیے آپ نے حکم نافذ فرمایا کہ آئندہ سے کوئی کسی عام سڑک پر اور آبادی والے علاقوں میں نہ رہا کرے۔

مخنث اور مُرلی بننے کی ممانعت: پست اقوام میں ایک رسم ہے کہ کم عمر لڑکیوں کو کسی دیوتا کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں، اور اس سے کوئی شادی نہیں کرتا جو مُرلی کہلاتی ہے۔ اب مُرلی کا اختیار ہے کہ جس مرد سے چاہے تعلق پیدا کرے، کوئی روک ٹوک نہیں۔ مخنث وہ مرد ہیں جو علامت تذکیر کو قطع کر کے عورتوں میں ملنے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں طبقے معاشرہ کے لیے بے حد مضر ہیں۔ مولانا نے حکم صادر کیا کہ آئندہ سے مُرلیاں اور مخنث نہ بنا کریں۔

رمضان شریف میں ہوٹلوں پر پردے ڈالنے کا حکم: احترام رمضان مبارک کی خاطر آپ نے ہوٹلوں پر پردے ڈلوائے اور علانیہ کھانے پینے کی ممنوع قرار دیا۔

سرکاری مدارس میں دینی تعلیم کا نظم: امام محمد انواراللہ فاروقی نے ایک تحریک پیش فرمائی تھی کہ تمام سرکاری مدارس میں ایک معلم مقرر کیا جائے جس کے ذمہ صرف دینیات کی تعلیم ہو، اور اس کے لیے بجٹ میں سالانہ ایک لاکھ روپئے منظور کئے جائیں۔ مگر افسوس ہے کہ آپ کے وصال کی وجہ سے یہ تحریک یوں ہی رہ گئی۔(27)

د: بانی جامعہ نظامیہ کی صوفیانہ شان:

تعلیم سلوک: یہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ امام محمد انواراللہ فاروقی نے سلوک کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد قاضی ابو محمد شجاع الدین سے پائی اور تمام سلاسل میں بیعت کر کے خلافت حاصل کی۔ پھر بہ عمر (30) سال 1294ھ میں پہلے سفر حرمین شریفین کے موقع پر شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے تمام سلاسل میں مکرر بیعت کر کے منازل سلوک کی تکمیل کی۔ پیر و مرشد نے بلا طلب خرقۂ خلافت عطا فرمایا، اور دکن کے مریدوں کو تکمیل سلوک و حل مشکلات میں حضرت شیخ الاسلام سے مدد لینے کی ہدایت فرمائی۔

پابندیٔ شریعت: آپ کی زندگی ملت بیضاء کے بالکل مطابق تھی۔ کھانے پینے، سونے بیٹھنے، چلنے پھرنے، غرض ہر چھوٹی سے چھوٹی بات میں اس کا خیال رکھتے کہ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہونے پائے۔ پابندیٔ نماز کا یہ عالم تھا کہ آپ کے خاص شاگرد مفتی محمد رکن الدین (27) سال مولانا انواراللہ کی خدمت میں رہے لیکن کبھی کوئی نماز قضاء ہوتے نہیں دیکھی۔ مرض الموت میں آپ تیمم کر کے لیٹے لیٹے ہی نماز ادا فرماتے۔ حتیٰ کہ دورۂ غشی میں جو نمازیں قضا ہو جاتیں وہ بھی ادا فرماتے۔ وصال سے دو تین گھنٹہ پہلے جبکہ آپ کی سانس مشکل سے چلنے کی وجہ سے دوٗر تک آواز سنائی دیتی تھی، اور سانس کی تکلیف کی شدت کی وجہ سے آپ زبان کو حرکت نہیں دے سکتے تھے، اس موقعہ پر مفتی محمد رکن الدین نے دیکھا کہ آپ صرف آنکھوں کے اشارہ سے نماز ادا فرما رہے ہیں۔ مولانا انواراللہ ہمیشہ فرض نماز باجماعت پورا لباس پہن کر اس قدر خشوع و خضوع سے ادا فرماتے تھے کہ دیکھنے والا متاثر ہو جاتا تھا۔ فرائض کے علاوہ تہجد اور صلوٰۃ الاوابین کے پابند تھے، کیونکہ آپ کا زیادہ وقت تالیف و تصنیف میں گزرتا تھا۔

چونکہ نماز دوسرے مشاغل سے روکتی ہے اور روزہ میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ علمی مشاغل میں حرج پیدا کرے، اس لیے آپ روزے کثرت سے رکھتے تھے۔ فرض اور سنت روزوں کے علاوہ نفل روزوں کو بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ متبرک ایام کے روزے، ایام بیض (ہر ہلالی مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں) کے سوائے ہر پیر اور جمعرات کو بھی روزہ رکھتے تھے۔ آخر میں جب یہ بھی کافی معلوم نہ ہوا تو صوم داودی علیہ السلام (ایک دن روزہ رکھنا اور دوسرے دن نہ رکھنا) شروع فرمایا۔ ایسا روزہ طبیعت پر بے حد گراں گزرتا ہے۔

آپ کبھی زکوٰۃ کے لیے صاحب نصاب نہیں ہوئے۔ جو کچھ آمدنی ہوتی اُسے علمی کاموں اور غریبوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ اُس آمدنی پر ایک سال تو کیا ایک مہینہ بمشکل گزرتا تھا۔ آپ نے تین حج فرمائے اور تیسرے حج کے موقع پر تین سال تک مدینہ منورہ میں قیام کے دوران وہاں کے علمی ذخائر ہندوستان منتقل فرمائے۔ جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔

ریاضت و مجاہدہ: علم تصوف (قلب کی صفائی) کی اہمیت و افادیت میں حضرت علی ہجویری نے حضرت ابوالحسن نوری کا قول نقل فرمایا ہے: تصوف علم اور رسوم (صرف ذکر و اذکار) کا نام نہیں بلکہ اخلاق کا نام ہے۔ یعنی علوم شریعت حاصل کرنا، ذکر و اذکار کے ذریعہ نفس کا مجاہدہ کرنا اور مخلوق خدا کی خدمت کے لیے اخلاق حسنہ اپنانا اور بُرے اخلاق سے پاک ہونا یہ ساری باتیں "صوفی" کے لیے لازمی ہیں۔ اس لیے صوفیاء کا عمل "جہادِ اکبر" ہے۔ حضرت شیخ الاسلام جامع الکمالات تھے، متبحر عالم بھی اور مثالی صوفی بھی۔ آپ نے برسوں شب بیداری میں گزار دی۔ کبھی اس طرح بسر کرتے کہ رات و دن میں کچھ دیر سوتے اور پھر بیدار ہو جاتے۔ سخت بچھونے پر سوتے، سادہ غذا کھاتے، یہی وجہ ہے کہ آپ پیکر اخلاق نبوی تھے۔

روحانی فیض: حضرت فضیلت جنگ کو اپنے والد ماجد اور حضرت الحافظ الحاج مولانا امداد اللہ مہاجر مکی سے تمام سلاسل میں خلافت حاصل تھی۔ مگر آپ نے خود کسی کو اپنے سے بیعت کرنے (مرید بننے) کے لیے نہیں فرمایا۔ اگر کوئی شخص خود درخواست کرتا تو فرماتے "میں اس قابل نہیں ہوں، کسی اور (قابل بزرگ) سے بیعت کر لو تو بہتر ہو گا۔" اس کے بعد بھی اگر کوئی اصرار کرتا تو شریک سلسلہ فرما لیتے۔ آپ عموماً سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت لیتے تھے۔ اگر طالب کی خواہش کسی دوسرے سلسلہ میں شریک ہونے کی ہوتی تو آپ اس کی مرضی کے مطابق اسی سلسلے میں شریک فرماتے تھے۔ طالب کی درخواست پر اُس سلسلہ کے اذکار بھی تلقین فرماتے تھے۔ اگر کسی کو حصول معارف و حقائق کا شوق ہوتا تو اس کو "فتوحات مکیّہ" کے درس میں شریک ہونے کی ہدایت فرماتے۔

عام طور پر عالم حضرات کو ہدایت فرماتے کہ اوراد و اذکار کے بجائے ہمیشہ علوم دینیہ سیکھنے، سکھانے اور ان کی اشاعت میں کوشاں رہیں کیوں کہ اس کے برابر کوئی عبادت باعث تقرب الٰہی نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کا معمول مبارک رہا ہے کہ اوراد و وظائف میں جتنی مصروفیت رہتی، اس سے زیادہ وقت مطالعہ، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، اصلاحی و رفاہی کاموں، فیصلۂ مقدمات وغیرہ میں گزارتے کیونکہ اوراد و وظائف کا فائدہ صرف ذاکر کو ملتا ہے جبکہ تعلیم، تدریس، اصلاحی و رفاہی کاموں کا فائدہ معلم کے ساتھ ساتھ مخلوق کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ ذکر و اذکار سے باطن روشن ہوتا ہے اور انسان کو اپنے مدارج معلوم ہوتے ہیں۔

جس سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں تکبر نہ آجائے۔ آپ کے مطابق فرض عبادتوں کی ادائیگی کے بعد افضل عبادت علم دین کا حاصل کرنااور اس کی اشاعت ہے۔ اگر کوئی شخص اس میں مصروف ہو تو اس کے مدارج روز افزوں ترقی کرتے ہیں گو اس کو اس کا علم نہ ہو اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور قربت حاصل ہو جاتی ہے۔

" فتوحات مکّیہ " کا درس: بانی جامعہ نظامیہ نے ایک طرف علماء حق کی جماعت تیار کرنے کا بیڑا اُٹھایا، تو دوسری طرف اپنے مریدین و متوسلین اور مشائخ طریقت کے لیے فیض رسانی کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اس کے علاوہ کئی اصلاحی کارنامے اور رفاہی کام انجام دیے۔ آپ روزانہ بعد مغرب فتوحات مکّیہ کا درس دیتے جو رات تقریباً(12) بجے ختم ہو تا تھا۔ اس درس میں عام اہل علم شریک نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ جس طرح اس کتاب کو سمجھانے کے لیے ایک بلند پایہ صوفیٔ باصفا کی ضرورت ہے، اسی طرح درس لینے والوں میں باطنی صلاحیت اور روحانی لیاقت بھی لازم ہے۔ اس لیے اس درس میں مولانا انوار اللہ کے مخصوص شاگرد، بعض خلفاء و مریدین و مشائخ ہی شرکت کیا کرتے اور آپ علم باطن کے لعل و گوہر لٹاتے تھے۔

تصوف کے موضوع پر بانی علیہ الرحمہ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(1) انتخاب صحاح ستہ (قلمی)، بزبان عربی، تزکیہ نفس کے تحت احادیث کا انتخاب

(2) انتخاب فتوحات مکّیہ (قلمی)، بزبان عربی، تصوف کے موضوع پر

(3) رسالہ انوار اللہ الودود فی مسئلہ وحدت الوجود، بزبان اردو

تصوف کے موضوع پر اس کے علاوہ آپ کے حکم پر علامہ سید شاہ ابوالقاسم نے نصاب سجادگان کے لیے رسالہ بنام" ہدایات الشیوخ" تیار کیا۔ جس کے مشمولات کا ذکر پچھلے صفحات میں ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، بار سوم؛ حیدرآباد: مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، جمادی الاولیٰ، 1435ھ، 13، 16، 18۔

2۔ پروفیسر ڈاکٹر سید عطاء اللہ حسینی، "شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی کی سماجی، معاشرتی، اصلاحی خدمات" مرقع انوار (شاہ محمد فصیح الدین نظامی)، حیدرآباد: مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، ربیع الاوّل، 1429ھ 233۔

3۔ مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، بار سوم؛ حیدرآباد: مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، جمادی الاولیٰ، 1435ھ 19 تا 23

4۔ ایضاً، ۔25، 24

5۔ مفتی ڈاکٹر سید ضیاء الدین نقشبندی، شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ، حیات، عقائد اور تعلیمات، طبع دوّم، حیدرآباد: ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر جمادی الاولیٰ 1436ھ 37۔

6۔ پروفیسر ڈاکٹر سید عطاء اللہ حسینی، "شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی کی سماجی، معاشرتی، اصلاحی خدمات" مرقع انوار (شاہ محمد فصیح الدین نظامی)، حیدرآباد: مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، ربیع الاوّل، 1429ھ 233۔

7۔ مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، بار سوم؛ حیدرآباد: مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، جمادی الاولیٰ، 1435ھ 27 تا 29۔

8۔ ایضاً، 30 تا 32، 38۔

9۔ مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی، ''شیخ الاسلام امام محمد انواراللہ فاروقی کی تجدیدی خدمات'' مرقع انوار (شاہ محمد فصیح الدین نظامی)، حیدرآباد: مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، ربیع الاوّل، 1429ھ 224۔

10۔ ڈاکٹر کے محمد عبدالحمید اکبر، ''حضرت مولانا محمد انواراللہ فاروقی شخصیت، علمی و ادبی کارنامے''، حیدرآباد: ایضاً، جنوری 2000ء، 30 تا 37۔

11۔ مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، بار سوّم؛ حیدرآباد: ایضاً، جمادی الاولیٰ، 1435ھ 53، 54۔

12۔ ڈاکٹر کے محمد عبدالحمید اکبر، ''حضرت مولانا محمد انواراللہ فاروقی شخصیت، علمی و ادبی کارنامے'' مرجع سابق، 39 تا 42۔

13۔ نفس مرجع، 38، 39۔

14۔ مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، مرجع سابق، 66، 65۔

15۔ ڈاکٹر کے محمد عبدالحمید اکبر، ''حضرت مولانا محمد انواراللہ فاروقی شخصیت، علمی و ادبی کارنامے'' مرجع سابق، 44۔

16۔ نفس مصدر، 191، 190۔

17۔ مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، مرجع سابق، 69 تا 73۔

18۔ پروفیسر ڈاکٹر سید عطاء اللہ حسینی، ''شیخ الاسلام امام محمد انواراللہ فاروقی کی سماجی، معاشرتی، اصلاحی خدمات'' مرقع انوار (شاہ محمد فصیح الدین نظامی) مرجع سابق: 233

19۔ مفتی ڈاکٹر سید ضیاء الدین نقشبندی، شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ، حیات، عقائد اور تعلیمات، مرجع سابق، 372 تا 374

20۔ پروفیسر ڈاکٹر سید عطاء اللہ حسینی، ''شیخ الاسلام امام محمد انواراللہ فاروقی کی سماجی، معاشرتی، اصلاحی خدمات'' مرقع انوار، مرجع سابق، 237۔

21۔ مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، 60، 59۔

22۔ مفتی ڈاکٹر سید ضیاء الدین نقشبندی، شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ، حیات، عقائد اور تعلیمات، 357 تا 359۔

23۔ ڈاکٹر کے محمد عبدالحمید اکبر، ''حضرت مولانا محمد انواراللہ فاروقی شخصیت، علمی و ادبی کارنامے'' 193، 229، 227۔

24۔ علامہ سید شاہ ابوالقاسم، ہدایات الشیوخ، گلبرگہ: سید محمد حسینی گیسو دراز ریسرچ اکیڈمی، خلاصہ کتاب۔

25۔ مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، 56، 55۔

26۔ مفتی ڈاکٹر سید ضیاء الدین نقشبندی، شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ، حیات، عقائد اور تعلیمات، مرجع سابق، 374، 375۔

27۔ مفتی محمد رکن الدین، مطلع الانوار، مرجع سابق، 55 تا 63۔

خواجہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی چشتی نظامی کی علمی وسماجی خدمات

سعدیہ فاطمہ باسط علی خان*

دکن کی بافیض شخصیتوں میں ایک درویشِ کامل اور روحانی پیشوا شیخ المشائخ خواجہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی چشتی نظامی ہیں، جن کی حیاتِ مبارکہ اور خدماتِ جلیلہ دکن کی تاریخ میں سنہری حروف سے رقم ہیں۔ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی چشتی نظامی 1071ھ بمطابق 1660ء میں قصبہ نگراؤں (کاکوری) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب شیخ شہاب الدین سہروردی کے واسطے سے ابو بکر صدیق تک پہنچتا ہے، [1]، حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی مصدر جو دیزدانی ہیں، حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں نے سلسلہ حدیث میں اپنے آپ کو صدیقی لکھا ہے۔ [2] آپ متاخرین مشائخ چشت میں بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے اور جنوبی ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کے سلسلے میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا، آپ کا شمار اپنے وقت کے عظیم وجید علمائے کرام میں ہوتا ہے۔

آپ کا گھرانا علمی وروحانی گھرانا تھا، اس لیے آپ کی تعلیم وتربیت اپنے وطن ہی میں ہوئی اس کے بعد دہلی کے اہل کمال کی شہرت سن کر آپ بقصد انصرام بقیہ تحصیل علوم کے لیے آپ دہلی تشریف لائے جو اس وقت بھی برصغیر پاک وہند کا پایۂ تخت تھا۔ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی چشتی حصول علم کے لیے دہلی پہنچے تو آپ نے حضرت شیخ جہاں آبادی رحمتہ اللہ علیہ کا شہرہ فضل وکمال سن کر دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کی خدمت فیض میں حاضر ہو کر ان سے فیوض وبرکات حاصل کریں۔

مناقب فخریہ کے مولف لکھتے ہیں کہ پہلے دن شیخ اورنگ آبادی حضرت شاہ کلیم اللہ کی خدمت میں حاضری کے لیے گئے تو مجلس سماع برپا تھی، حضرت پر حالت وجد طاری تھی اغیار کے لیے یہ دروازہ بند تھا شیخ اورنگ آبادی بھی حضرت کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے آپ نے دستک دی، حضرت نے اندر سے کسی خادم کو حکم دیا دیکھو کون ہے، مرید نے دروازے سے دیکھ کر واپس آکر عرض کیا حضور کوئی اجنبی آدمی ہے، اپنا نام نظام الدین بتاتا ہے، فقیرانہ لباس ہے اور عامیانہ چہرہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے اندر لے آؤ، حاضرین مجلس نے عرض کی حضور اس بیگانے شخص کے آنے سے مجلس سماع کا لطف جاتا رہے گا، اس جیسے حالات میں جب صوفیا ایک خاص مجلس میں محو وجد ورقص ہوں بے گانے لوگوں کا آنا مجلس کو مکدر کر دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص بے گانہ نہیں لگتا، اس سے اپنائیت کی خوشبو آرہی ہے، اسے اندر لے آؤ، حضور نے آپ کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ [3]

آپ کو اندر لایا گیا حضور نے اپنے پاس بٹھا کر احوال پوچھا تو اسی دن سے نظام الدین کو مجلس خاص کا جلیس اور سماع ووجد کا انیس بنالیا، وہ صبح وشام آپ کی مجلس میں رہنے لگے، کبھی کبھی کتابیں بھی پڑھ لیتے مگر زیادہ تر سلوک چشتیہ کی منازل طے کرتے نظر آتے، حضرت شیخ نظام الدین ابتدائے کار میں حضرت حکیم اللہ کے مریدوں میں ذوق وشوق آہ وزاری، سکر وشورش وجد وبے قراری کی

*معلمہ، مدینۃ العلوم تحتانیہ نسوان منڈھائی، ناندیڑ، مہاراشٹر

کیفیات دیکھتے تو بڑے حیران ہوتے اور دل میں کہتے کہ ان لوگوں کو کس چیز نے اس طرح بنا رکھا ہے کون سی چیز انہیں مدہوش وہ بے خود بنا دیتی ہے؟

ایک روز حضرت حکیم اللہ کی خدمت میں مدینہ پاک سے ایک ایسا شخص آیا جو حضرت یحیٰ مدنی جو آپ کے پیر و مرشد تھے کا مرید تھا، اس کی نگاہیں حضرت کے چہرے پر پڑی ہی تھیں کہ وہ بے خود اور بے ہوش ہو گیا، حضرت نظام الدین یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور حاضرین سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے آپ کو اس کی تفصیل اور مضمرات سے آگاہ کیا تو آپ کے دل میں بھی اس راستے پر چلنے کا شوق موجزن ہوا۔[4] اس دن سے آپ کے افکار و خیالات میں تبدیلی پیدا ہونے لگی، جس کا لازمی نتیجہ اطوار، ارادت، اور آئین خدمت گزاری تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت شاہ حکیم الدین مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو نظام الدین اورنگ آبادی اٹھے اور آپ کے جوتے لے کر دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے اور آپ کے پاؤں کے سامنے رکھ دیے۔ آپ نے نہایت محبت کی نگاہ سے آپ کو دیکھا اور فرمایا کہ نظام الدین ہمارے پاس علوم ظاہری حاصل کرنے آئے ہو یا باطنی، نظام الدین نے کچھ کہنے کے بجائے سعدی شیرازی کا یہ شعر پڑھا:

سپردم تبو مایہ خویش را   تو دانی حایم کم و بیش را [5]

(میں نے اپنا سب کچھ آپ کے سپرد کر دیا ہے آپ ہمارے کم و بیش کے حالات کو جانتے ہیں)

چونکہ حضرت شیخ یحیٰ مدنی قدس سرہ نے حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو مدینہ پاک میں ارشاد فرمایا تھا کہ تمہارے سلسلے میں ایک شخص نظام الدین داخل ہو گا اور اسے بڑا فروغ دے گا اور یہ شعر پڑھے گا۔ حضرت کلیم اللہ نے شعر سنتے ہی اپنے پیر کا فرمان سامنے رکھا اور اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور دوسرے روز بیعت کر لیا اور شب و روز روحانی تربیت فرمائی۔ شیخ نے تکمیل علم پر آپ کو خرقہ خلافت سے نوازا اور دکن کی ولایت آپ کے سپرد کی اور اورنگ آباد میں جا کر مستقل سکونت اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ مرشد کے حکم کے مطابق آپ اورنگ آباد چلے آئے۔ وہاں آپ کو بڑی مقبولیت ملی اور آپ کے پاس جوق در جوق طالبان حق پہنچنا شروع ہو گئے اور بے پناہ مخلوق آپ کے حلقہ ادارت میں داخل ہوئی۔ نواب نظام الملک آصف جاہ جو نواب غازی الدین مصنف فخریہ کے دادا تھے، سب سے پہلے آپ کے مرید ہوئے، اور انھوں نے "مہر المساکین،، کے نام سے کتاب لکھی اس میں شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کے تفصیلی حالات قلم بند کیا۔

آپ کے مزاج میں سادگی و تواضع تھی چنانچہ آپ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے، ہر آنے والے کی کھڑے ہو کر تعظیم کرتے تھے۔ پوشاک آپ کی معمولی ہوتی تھی، قیمتی کپڑا زیب تن نہیں فرماتے تھے، اکثر کپڑوں میں پیوند لگے ہوتے تھے، خوراک بہت کم تھی، معمولی غذا پر اکتفاء کرتے تھے، ہر شخص کی جہاں تک ممکن ہو حاجت پوری کرتے تھے، چلتے وقت ہر شخص کو کچھ نہ کچھ دیتے تھے، جمعہ کے علاوہ جو نذرانہ آتا وہ آپ محتاجوں کو دے دیتے تھے۔

تعلیمات:

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی علم و فضل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ ابتدا میں اکثر کتب کے مطالعے میں مصروف رہتے تھے لیکن جب آپ نے اورنگ آباد میں مستقل قیام فرمایا تو زیادہ وقت عبادت اور ذکر و فکر میں گذارنے لگے۔ بحث و مباحثہ کو آپ نفرت کی حد تک ناپسند کرتے تھے اور اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو خود جواب دینے کے بجائے کسی کتاب کا حوالہ دے اسے مطالعہ کرنے کی ہدایت فرماتے۔

آپ کی تصنیف کردہ کتاب "نظام القلوب" اذکار و اشغالِ صوفیہ اور سلوکِ روحانی کے اصول و آداب پر مشتمل ایک نہایت وقیع تصنیف ہے[6] حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی نے فرمایا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی کے دس دروازے تھے، ہر دروازے پر دو منشی بیٹھے رہتے تھے جو حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ نیز فرمایا کہ خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی کی دو مہریں تھیں، ایک مہر پر یہ سجع مبارک کندہ تھا: "ذکر مولی از ہمہ اولی"[7] اور دوسری پر یہ سجع تھا "اے نظام در اعانت دلہا بکوش دین رابہ دنیا مفروش"[8] اے نظام مخلوق کے دلوں کو تسکین پہنچانے کی کوشش کر، دنیا کے بدلے دین مت بیچنا۔

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی فرماتے ہیں کہ:

اے عزیز! کمال عشق چاہیے تاکہ اس مقام پر پہنچے کیونکہ یہ مقام عاشقوں کا ہے کہ بغیر کمال عشق کے ہرگز حاصل نہ ہو گا۔ آپ کے چند مشہور اقوال حسب ذیل ہیں:

- جو فائدہ میں نے ذکر مہر میں دیکھا ہے کسی چیز میں نہیں پایا۔
- ذکر، خلو معدہ کے وقت کرنا چاہیئے خصوصاً مبتدی کو اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔
- ذکر یعنی پاس انفاس سے کسی وقت غافل نہ رہنا چاہیئے، تاکہ غیر کا، دل میں شائبہ نہ گزرے۔
- آپ پاس انفاس کی بہت تاکید فرماتے تھے، آپ فرماتے ہیں کہ سوتے وقت سو مرتبہ تہلیل پڑھے اور اپنے اہل شجرہ کی ارواح پاک کو فاتحہ کا تحفہ پیش کرنا چاہیے۔

کشف و کرامت:

ایک روز آپ کی خانقاہ میں عرس ہو رہا تھا، قوال عربی کے اشعار گا رہے تھے، اتنے میں ایک اجنبی شخص آیا اور آکر پاس بیٹھ گیا، اس نے ایک شعر پر بحث و مباحثہ کرنا شروع کیا۔ دو ایک جواب دے کر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ یہ وقت بحث کا نہیں ہے سماع سننے کا ہے، جب آپ نے اس کا نام دریافت فرمایا تو اس شخص نے اپنا نام عبد الغنی بتایا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ فقیروں سے جھوٹ بولنا اچھی بات نہیں دوبارہ اس نے اپنا نام عبد اللہ بتایا، تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ شخص چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص پھر آیا آپ نے اس سے فرمایا کہ پچھلی مرتبہ جب وہ آیا تو سماع ہو رہا تھا اور اس وجہ سے اس کی تسلی و تشفی نہ ہو سکی، اب جو کچھ اس کے شک و شبہات ہوں بیان

کریں، اس شخص نے عرض کیا کہ تسلی تو اسی دن ہو گئی تھی اور اب تو معافی مانگنے کے لیے آیا ہوں، آپ مسکرا دیئے اور فرمایا کہ نہ تو تمہارا نام عبداللہ ہے اور نہ عبدالغنی پھر آپ نے اس کا اصلی نام اور اس کی جائے رہائش اور اس کی تعلیم کے متعلق جو فرمایا تو وہ شخص شرمندہ اور حیران ہوا اور آپ کا معتقد و منقاد ہوا۔ نواب نظام الملک آصف جاہ کو دکن پہنچے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ مباذر خان نے بغاوت کر دی اور شکر کھیڑہ پر فوج لے کر مقابلے کے واسطے گیا۔ نواب آصف جاہ آپ کے پاس آئے اور دعا کے طالب ہوئے، آپ نے نواب آصف جاہ کو مژدہ فتح و کامرانی سنایا، لیکن نواب آصف جاہ کی تسکین نہیں ہوئی، انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر کوئی علامت بتائیں تو اطمینان و تشفی ہو۔ آپ نے کچھ دیر مراقبہ کیا اور فرمایا کل صبح بروز پنجشنبہ ان کے ڈیروں پر صندل کا نشان ظاہر ہو گا۔ یہ اشارہ ان کے لیے کافی ہے کہ یہ فتح کی علامت ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور نواب آصف جاہ فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔

آپ کے ایک مرید سعید بیگ ایک جوگن پر شیفتہ و فریفتہ ہو گئے اور آپ کے پاس آنا جانا بھی کم کر دیا، کئی روز کے بعد جو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے غیر حاضری کی وجہ دریافت فرمائی۔ سعید بیگ نے سارا حال گوش گزار کیا کہ:

"حضور! ہنگام دستگیری وقت عنایت ست"

حضرت کے مریدوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی بہانے سے آپ کو وہاں سے وہاں لے جائیں جہاں جوگن مقیم ہیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ وہ جوگن آپ کے سامنے پیش کی گئی، آپ نے وہاں سے واپس آکر سعید بیگ کو دوسرے دن اس جوگن کے پاس جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ مقصد حاصل ہو گا، سعید بیگ دوسرے روز حسب الحکم اس جوگن کے پاس گئے۔ جوگن ان کے نزدیک آئی اور ان سے کہا کہ وہ حضرت کی خانقاہ جانا چاہتی ہے۔ سعید بیگ اس کو اپنے ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ جوگن آپ سے بیعت ہوئی اور اس کی خواہش کے مطابق اس کا نکاح سعید بیگ سے کر دیا۔

خلفاء:

آپ کے کئی باکمال خلفا تھے، جن سے آگے سلسلہ ارادت چلا اور ہزاروں لوگ فیض یاب ہوئے، ان میں چند مشہور خلفا حسب ذیل ہیں:

(1) خواجہ فخر جہاں دہلوی جو آپ کے صاحبزادے اور جانشین تھے
(2) خواجہ مگار خاں
(3) سید شاہ شریف
(4) شاہ عشق اللہ
(5) شاہ محمد علی خواجہ نورالدین
(6) غلام قادر خاں
(7) محمد یار بیگ
(8) محمد جعفر
(9) شیر محمد
(10) کرم علی شاہ

اولاد:

آپ کی اہلیہ محترمہ کا تعلق سید بندہ نواز گیسو دراز کے خاندان سے تھا، آپ کی اولاد میں پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی جو یہ ہیں: محمد اسمٰعیل، غلام معین الدین، غلام بہاالدین، غلام کلیم اللہ، مولانا فخر الدین فخر جہاں[9]

وفات:

آپ اورنگ آباد میں تشریف لانے کے بعد ذکر و فکر و مراقبہ میں مشغول رہے اور حکم مرشد کے مطابق زندگی بھر وہیں رہ کر مخلوق خدا کی خدمت اور رشد وہدایت کا کام انجام دیتے رہے۔ آپ اپنے مرشد کے وصال کے صرف چھ ماہ بعد بیاسی (82) برس کی عمر میں 12 ذیقعدہ 1142ھ کو اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔[10] بے شمار مریدین کے ہجوم میں آپ کو اورنگ آباد میں ہی سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کا مزار اورنگ آباد دکن میں مرجع خاص وعام ہے۔ محبین نے آپ کے مزار اقدس پر عالی شان گنبد بنا دیا اور قریب ہی ایک مسجد تعمیر کر دی، اب بھی لوگ آپ کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کی سیرتِ طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کی اصل کامیابی خلقِ خدا کی خدمت اور خالقِ حقیقی کی عبادت میں پوشیدہ ہے۔ آپ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے واضح فرمایا کہ کسی انسان کے دل کو ٹھیس پہنچانا سب سے بڑی خطا ہے، کیونکہ دل وہ مقام ہے جہاں ذکرِ الٰہی بستا ہے۔ انسان کی تخلیق کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے، اور بندہ جب فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل واذکار کے ذریعے قربِ خداوندی حاصل کرتا ہے تو اس کا قلب منور اور زندگی با مقصد ہو جاتی ہے۔ آپ اخلاقی تربیت میں ہمیشہ عزتِ انسانیت، احترام بزرگاں اور محبتِ صغار پر زور دیتے تھے۔ آپ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ تھا کہ معاشرے کے وہ افراد جو اپنی مجبوریوں کا اظہار نہیں کرتے لیکن ضرورت مند ہیں، انہیں تلاش کر کے مدد کرنا حقیقی انسانیت اور روحانیت کی علامت ہے۔ یہی طرزِ عمل انسان کو قربِ الٰہی، سماجی عظمت اور اخروی سعادت سے ہمکنار کرتا ہے۔

*****

حوالہ جات:

1۔ مناقب المحبوبین ص122 حاجی نجم الدین سلیمانی چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد
2۔ تکملہ سیر الاولیاء فارسی 94
3۔ مناقب فخریہ فارسی ص4
4۔ مناقب فخریہ (فارسی) صفحہ 4
5۔ مناقب فخریہ (فارسی) ص4
6۔ نظام القلوب، مولانا نظام الدین اورنگ آبادی چشتی مطبع مجتبائی دہلی،
7۔ تکملہ سیر الاولیاء (فارسی) ص96
8۔ تکملہ سیر الاولیاء (فارسی) ص106
9۔ سوانح حیات حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی چشتی، مکتبہ سلیمانیہ چشتیہ تونسہ شریف
10۔ مخزن چشت ص331 خواجہ امام بخش مہاروی چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد
11۔ https://Sialsharif.org/goldenchain.html

آزاد بلگرامی: دکن کا ایک عظیم عربی صوفی شاعر

ڈاکٹر سید محمد عمر فاروق محمد موسی*

دکن میں مسلمانوں کی آمد سے ہی یہ سرزمین علومِ اسلامی، تصوف اور عربی ادب کا زرخیز مرکز رہی ہے، جہاں مختلف علاقوں سے آئے ہوئے علما و صوفیہ نے دکن کی علمی و ادبی روایات کو نئی نئی جہتوں سے روشناس کیا۔ انہی ممتاز اہلِ علم میں ایک درخشندہ نام حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی کا ہے، جو اپنے علمی مقام اور ادبی تفنن کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ ان کی شخصیت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک متبحر عالم، وسیع النظر مؤرخ و سوانح نگار، قادرالکلام عربی شاعر اور بالغ نظر مؤلف تھے۔ آزاد بلگرامی نے عربی زبان کو نہ صرف تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا بلکہ اسے اپنے روحانی جذبات اور تفنن طبع کے اظہار کا وسیلہ بھی بنایا۔ عرب اور عربی ماحول سے دور ہندوستان کی عجمی فضا میں پرورش پانے کے باوجود ان کی عربی شاعری و نثر میں ایسی پختگی اور شستگی پائی جاتی ہے کہ عرب دنیا کے اہلِ نظر نے بھی انہیں "شاعرِ ہند" اور 'ادیب الشرق" جیسے خطابات سے نوازا۔ ان کی تصانیف، تذکرے اور شعری دیوان صوفیانہ فکر، اخلاقی تربیت اور ادبی نزاکتوں کا حسین امتزاج ہیں۔

غلام علی آزاد بلگرامی "نسباً حسینی، اصلاً واسطی، مولداً و منشأً بلگرامی، مذہباً حنفی، طریقۃً چشتی" ہیں اور اسی طرح انہوں نے سبحۃ المرجان، مآثر الکرام اور خزانۂ عامرہ وغیرہ اپنی کتابوں میں اپنا تعارف پیش کیا ہے۔ ان کی ولادت یکشنبہ 25/ صفر 1116ھ کو مرکز علم و فضل 'بلگرام' میں ہوئی، اور وہیں انھوں نے اپنے بچپن اور عنفوان شباب کی منزلیں طے کیں۔ انہوں نے حرمین شریفین میں شیخ حیات محمد سندی مدنی متوفی 1163ھ سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کا درس لیا اور ان کی اجازت پائی۔ اور شیخ عبد الوہاب طنطاوی شافعی مصری متوفی 1157ھ نزیل مکہ مکرمہ سے بھی حدیث شریف میں اکتساب فیض کیا۔ 1137ھ میں میر سید لطف اللہ چشتی بلگرامی رحمہ اللہ کے ہاتھوں پر سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں بیعت ہوئے اور شیخ کی جانب سے سلسلے کی اجازت و خلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔

آزاد بلگرامی بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں دکن پہنچے اور اورنگ آباد میں بابا شاہ مسافر کی خانقاہ میں مقیم ہوئے۔ 1159ھ میں نواب ناصر جنگ سے ان کی ملاقات نے ایک دیرپا تعلق کی بنیاد رکھی، جس میں ناصر جنگ کی علم نوازی اور آزاد کی بے نیازی نمایاں تھی۔ آزاد نے ان کے ساتھ دکن کے متعدد شہروں کا سفر کیا اور 1165ھ تا 1168ھ حیدرآباد میں قیام کے بعد واپس اورنگ آباد آ گئے، جہاں زندگی کے بقیہ ایام تصنیف، تدریس اور خدمتِ خلق میں گزارے۔ 1195ھ میں انہوں نے دنیاوی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر خلد آباد میں اپنی آخری آرام گاہ منتخب کر کے اسے "عاقبت خانہ" کے نام سے موسوم کیا، اور ایک خصوصی مجلس میں علما و احباب سے معذرت خواہانہ رخصت چاہی۔ پانچ برس بعد 24/ ذیقعدہ 1200ھ / 15 / ستمبر 1785ء کو ان کا انتقال ہوا۔ اللہ ان پر

---

*اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) عربی، فاصلاتی و آن لائن نظام تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

رحمت نازل فرمائے۔

آزاد بلگرامی کو زہد وتصوف کا مزاج خاندانی وراثت میں ملا تھا، اور وہ اس روایت کے حقیقی امین ونمائندہ تھے۔ چشتی سلسلے سے تعلق محض نسبت تک محدود نہ تھا بلکہ ان کے اخلاق، مزاج اور طرزِ حیات میں چشتیانہ سادگی، استغناء اور بلند ہمتی نمایاں تھی۔ وہ دنیاوی مناصب اور ظاہری جاہ وحشمت سے ہمیشہ بے نیاز رہے، حالانکہ ایسے مواقع ان کے لیے فراواں تھے۔ نواب ناصر جنگ سے قریبی تعلقات کے باوجود انہوں نے کبھی اس ربط کو دنیوی فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ احباب کے اصرار کے باوجود ان کی استغنائے اختیاری میں کوئی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ چنانچہ سبحۃ المرجان میں اپنے اسی طرزِ فکر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ:

> ”بہتوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں کوئی شاہی منصب اختیار کروں، اور دنیا کے لبریز جاموں کو نوش کروں، لیکن میں نے اپنے دامن کو دنیوی گردوغبار سے کبھی آلودہ ہونے نہیں دیا، اور کبھی جادۂ استقامت کو چھوڑ کر اس دنیائے پرفریب کے جال میں نہیں پھنسا۔ اپنے احباب سے میں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ اس دنیا کی مثال دریائے طالوت کی طرح ہے جس کا ایک چلو تو حلال ہے لیکن اس سے زیادہ حرام ہے۔“

آزاد بلگرامی نے عمر بھر خدمتِ خلق کو اپنا مشن بنائے رکھا اور اصحابِ اختیار سے اپنے تعلقات کو ہمیشہ ضرورت مندوں کی مدد کے لیے استعمال کیا، جس سے سلسلۂ چشتیہ کے ابتدائی بزرگوں کی روایت جھلکتی ہے۔ ان کے علم وفضل سے متعدد اہلِ علم نے استفادہ کیا، جن میں میر عبد القادر مہربان اورنگ آبادی، لچھمی نرائن شفیق صاحب گل رعنا، عبد الوھاب افتخار دولت آبادی (مصنف تذکرۂ بے نظیر) اور ضیاء الدین پروانہ نمایاں ہیں۔

آپ کا قلم سیال تھا اور عربی وفارسی دونوں زبانوں میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی فارسی تصنیفات نظم ونثر دونوں میں ہیں جو یہ ہیں: مآثر الکرام، خزانۂ عامرہ، سرو آزاد، روضۃ الاولیاء، سند السعادات في حسن خاتمۃ السادات، غزلان الہند، ید بیضاء، شجرۂ طیبہ، انیس المحققین، تذکرہ صوبہ داران اودھ، دیوان آزاد، بیاض آزاد، قصائد آزاد، مثنوی تتمہ امواج خیال، مثنوی سراپائے معشوق وغیرہ۔

فارسی کی طرح عربی زبان میں بھی نثر ونظم دونوں میں آپ کی قلمی نگارشات منصہ شہود پر رونما ہوتی تھیں۔ آپ کی عربی تصانیف یہ ہیں: سبحة المرجان في آثار هندوستان، ضوء الدراري شرح صحيح البخاري، تسلية الفؤاد في قصائد آزاد، شفاء العليل، الأمثلة المترشحة من القريحة، نصاب القصيدة في التغزل، اور تعليق على مرآة الجمال لنفسه۔

عربی شاعری مولانا آزاد بلگرامی کا اصل میدانِ اظہار تھا۔ عربی زبان میں ان کے ایک یا دو نہیں بلکہ دس مکمل دواوین موجود ہیں، جو ان کی غیر معمولی فکری قوت، لسانی مہارت اور عربی زبان وادب پر گہری نظر کا ثبوت ہیں۔ ان میں سے صرف چار دواوین طبع شدہ ہیں۔ پہلا اور تیسرا دیوان حیدرآباد کے مطبع کنز العلوم سے شائع ہوئے، جب کہ دوسرا دیوان اسی شہر کے مطبع لوح محفوظ سے طبع ہوا؛ البتہ ان میں سے کسی بھی دیوان پر تاریخ طباعت درج نہیں ہے۔ ان کے دواوین کے اسالیب اور ترتیب بھی خاصی متنوّع ہے۔ چنانچہ ان کا چوتھا دیوان فارسی طرز پر مُردَّف (قوافیِ مردّفہ) ہے، جب کہ پانچواں دیوان مستزاد کی ہیئت پر مشتمل ہے۔ چھٹا دیوان

1192–1193ھ کے دوران کہے گئے قصائد پر مشتمل ہے اور ساتواں دیوان بھی اسی نوعیت کے قصائد پر مشتمل ہے جو 1193–1194ھ کے زمانے میں نظم کیے گئے۔ ان ساتوں دواوین کو خود آزاد نے ایک مجموعے کی صورت میں یکجا کر کے "السبعة السيارة" کا عنوان دیا تھا۔ یہ مجموعہ آج بھی قلمی صورت میں ندوة العلماء لکھنؤ کی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں (رجسٹر نمبر 1444) کے تحت محفوظ ہے۔ آزاد کا آٹھواں دیوان بھی قلمی شکل میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے سبحان اللہ کلیکشن میں موجود ہے۔ نواں دیوان مطبوعہ ہے اور شاعر کے تجویز کردہ نام "تحفة الثقلين" سے 1294ھ میں مطبع نور الانوار (آرہ) سے شائع ہوا۔ دسواں دیوان بھی علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ آزاد نے اپنے نعتیہ قصائد کو الگ جمع کر کے "أرجُ الصَّبا في مدحِ المصطفیٰ" کے نام سے ایک مستقل مجموعہ بھی ترتیب دیا ہے، جس میں کلاسیکی عربی شعری اسلوب کی جھلک واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

ان متعدد دواوین کے علاوہ مولانا آزاد بلگرامی کا ایک نہایت دل کش اور منفرد فن پارہ "مِرآةُ الجَمال" بھی ہے، جو 105 اشعار پر مشتمل ایک حسین نونیہ قصیدہ ہے۔ اس قصیدے میں شاعر نے محبوب کے حسن و جمال کو سر سے قدم تک اس ترتیب اور نزاکت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ہر عضو کی تصویر چار مصرعوں کے پیکر میں سمٹ کر ایک نئے آہنگ اور نئی تابناکی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے لفظوں سے نہیں بلکہ نور کے لہجے سے تصویریں بنائی ہیں؛ اور یہی ندرتِ اظہار اس قصیدے کو عربی شاعری میں ایک یگانہ شاہکار کا درجہ دیتی ہے، جس کی نظیر کلاسیکی یا متأخرین میں مشکل ہی سے ملتی ہے۔ "مِرآةُ الجَمال" میں آزاد محض غزل سرا نہیں بلکہ ایک صاحبِ ذوق صوفی کی حیثیت سے جمال کے باطن تک رسائی رکھتے ہیں۔ محبوب کے حسن کا بیان یہاں معمولی تشبیہوں کا محتاج نہیں؛ ہر عضو کے ذکر میں معنوی لطافت، صوفیانہ رمز اور فنی پختگی کی وہ چاشنی ہے جو آزاد کے منفرد اسلوب کا خاصہ ہے۔ خصوصاً ابرو، چشم اور گیسوؤں کی تصویر کشی میں زبان کی موسیقیت اور خیال کی رعنائی پوری طرح جلوہ دکھاتی ہے۔ مثلاً محبوب کے ابرو، آنکھوں اور گیسوؤں کے بارے میں ترتیب وار کہتے ہیں کہ:

أبصر حواجبها و أدرك كنهها — غصنان منحنيان وسط البان
أوكافران يشاوران ليوقعا — آمالنا في موقع الحرمان
طرفا الحبيبة ماكران تعارضا — و تغافلا عن رؤية الجيران
أو نرجسان على غصين واحد — و هما بماء مسكر نضران
آضفيرتان على بياض خدودها — أو في كتاب الحسن سلسلتان
أو ليلة العيدين أقبلتا معا — أو من قصائدهم معلقتان

آزاد کو خود بھی اپنی اس اختراع کے انوکھے پن کا خوب ادراک واحساس تھا، کہتے ہیں:

ما إن سمعنا مثلها عن شاعر آزاد للطرز المنشّط بان

اس قصیدے کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری بانکی پور (پٹنہ) میں ہے (نمبر:2641)۔

غلام علی آزاد بلگرامی کے ادبی افق کی وسعت اور فکری گہرائی کا ایک شاندار مظہر اُن کی طویل عربی نظم "مظهر البركات" ہے۔ یہ منظوم مثنوی تقریباً3500 اشعار پر مشتمل ہے۔ "مظهر البركات" فنی لحاظ سے نازک خیالی اور شیریں مقالی کا حسین امتزاج ہے؛ اس میں بیان کی سادگی اور معنوی لطافت ایک عجیب ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ آزاد نے اپنی روایتِ بیان میں قوتِ خیال کو فرشِ سخن پر ایسے بکھیرا ہے کہ عام سطور بھی کمالِ ذوق وفکر کی عکاس بن کر ابھرتی ہیں۔ زبان میں سادگی ہے مگر خیال میں وسعت؛ لفظ کم مگر اثر گہرا، یہی نظم کا بنیادی حسن ہے۔ اس مثنوی کو کل سات دفاتر میں تقسیم کیا گیا ہے، اور ہر دفتر کا آغاز حمدِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے، جو نظم کے روحانی مزاج اور صوفیانہ رنگ کی ابتدا اقرار پاتا ہے۔ مجموعی طور پر اس کا مرکزی موضوع صوفیانہ حکایات، اخلاقی داستانیں اور تربیتی نکات ہیں؛ قصّے اور حکایات کا انداز ایسا ہے کہ وہ دل کو نہ صرف متاثر کرتے ہیں بلکہ اخلاقی ترغیب اور روحانی فیوض کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ بیانیہ کے اندر جہاں صوفیانہ حالاتِ دل، عارفانہ تجربات اور تزکیۂ نفس کی حکایتیں پیش کی گئی ہیں، وہیں روزمرہ اخلاق و آداب کی عملی مثالیں اور تربیتی قصّے بھی جگہ پاتے ہیں؛ یوں یہ مثنوی محض ادبی شاہکار نہیں بلکہ ہدایتِ نفس اور معاشرتی رہنمائی کا بھی ایک بڑا ماخذ بن جاتی ہے۔ ہر دفتر میں داستانوں کے رنگ بدلتے ہیں مگر نظم کا کلی مزاج ہمیشہ مخلص، متواضع اور روشنی بخش رہتا ہے۔

فنی قدر و قیمت کے ساتھ ساتھ اس نظم کی طباعت و اشاعت بھی قابلِ ذکر ہے: "مظهر البركات" مطبعہ عزیزیہ، حیدرآباد سے 1979ء میں شائع ہو چکی ہے، جس نے اس وسیع و عریض کلام کو اہلِ نظر اور محققین کے نزدیک قابلِ رسائی بنایا۔ نیز، نقادوں کے مشاہدات کے مطابق مولانا آزاد کے تمام عربی اشعار کی مجموعی تعداد تقریباً17000 بیت کے قریب ہے (ڈاکٹر شلقامی کا تخمینہ)، جو اُن کی مطلقاً ادبی اور شعری فراخی کا واضح اشارہ ہے۔

"مظهر البركات" نہ صرف آزاد بلگرامی کے شاعرانہ تفنن کا اعلیٰ نمونہ ہے بلکہ دکن اور برصغیر کی صوفیانہ ادبی روایت میں ایک باعثِ فخر اضافہ بھی سمجھا جاتا ہے، ایک ایسی مثنوی جو قاری کو جمالیاتی لطف کے ساتھ ساتھ اخلاق وروحانیت کی تعلیم بھی دیتی ہے۔

بلگرامی مثنوی مظهر البركات کے دفتر اول میں فرماتے ہیں:

بارک الله فیک یا آزاد قد أرحت السماع بالإنشاد
قد تجلی سناک بالهند أين شمع سواک بالهند
أنت سيف مهند لله و للمعانی مجدد و الله

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزاد کو اپنی شاعرانہ عظمت اور ہندوستان میں اپنی انفرادیت کا پورا ادراک وشعور تھا، چنانچہ کبھی کبھی وہ خود کو عظمائے مداحین رسول ﷺ کی صف میں شمار کرتے ہیں جیسا کہ حسب ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

أثنى عليک فحول فاق ألسُنُهم کلامهم في مقام المدح یاصول
ورب ذي كبرٍ يعلوه ذي صغر لا يبلغُ الخالَ في الإعجاب ثؤلول

آزاد بلگرامی کا یہ دعویٰ محض شاعرانہ تعلّی نہیں، نہ ہی جذبات کی رو میں بہہ کر کہی گئی کوئی مبالغہ آمیز بات ہے؛ حقیقت یہ ہے کہ کئی مقامات پر وہ اپنے اسلاف اور اکابر شعرا سے بھی بلند نظر آتے ہیں۔ خصوصاً روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکر، جو دنیا کی ہر زبان میں نعتیہ شاعری کا دل و جان ہے۔ اس باب میں آزاد نے ایک ایسا رنگ پیدا کیا ہے جو انہیں بزم شعراء میں ممتاز کرتا ہے۔ عربی ہو، فارسی یا اردو نعت گو شعرا میں شاذ ہی کوئی ہوگا جس نے سبز گنبد، سنہری جالیوں، اور اس بارگاہِ اقدس کے جلال و جمال کو اپنے اشعار کی زینت نہ بنایا ہو۔ مگر آزاد جب روضۂ انور کے وصف میں سخن کہتے ہیں تو ان کے اشعار میں صرف عقیدت کی آگہی نہیں بلکہ ان کی داخلی کیفیت، وجدانی لطافت، اور ان کا روحانی جذبہ نمایاں ہوتا ہے جو انہیں دوسرے شعراء بالکل منفرد بنا دیتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ بارگاہِ مصطفوی کی صرف مدحت نہیں کرتے، بلکہ دل کے ایسے چراغ جلاتے ہیں جن کی روشنی ان کے کلام کو ایک ایسی نورانی تابندگی عطا کرتی ہے جو کم نصیبوں کے حصے میں نہیں آتی۔ وہ فرماتے ہیں:

روحي الفداء لروضة قدسية مملوء ة بلطافة و صفاء
بلغ المغارب و المشارق ضوئها ترنو إليها الشمس كالهرباء
ما أحسن القبر الذي في حجره خير البرية سيد البطحاء
طوبى لطيبة حيث ضم ضريحها جسما تنسم فوق سبع سماء
ولها شبابيك بأحسن صنعة صادت قلوبا من أهيل ولاء

مدینۂ طیبہ، وہ محبت آفرین اور سکون بخش شہر، جو اپنے ذرے ذرے میں نور و رحمت کی کرنیں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ وہ مقدس زمین ہے جس کے ہر گوشے میں دل ایک غیر محسوس سکون، حفاظت اور قربتِ مصطفوی ﷺ کا مزہ پاتا ہے۔ ہوا میں گھلی ہوئی سکینت کی خوشبو، تھکے دلوں کو قرار بخشتی ہے، اور خاموشی بھی گویا تسبیح کرتی محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے وصفِ مدینہ، عاشقانِ رسول ﷺ کے دلوں کی دھڑکن بن کر ان کی شاعری میں اتر جاتا ہے۔ یہی دھڑکن ہمیں آزاد بلگرامی کے ان اشعار میں بھی سنائی دیتی ہے:

سوح المدينة ما أجل ترابها تجد البصائر فيه فعل الأثمد
و غبارها المحسوس فوق هوائها كحل اليقين لمقلة المتردد
نصب لمَن ضل الطريق بسوحها عَلم الهدى من إصبع المتشهد
أشجارها قامت على ساق الهدى وطلالها مأوى الرجال السُجد
أملاک أطباق السماء طيورها وصفيرها ذكر الإله السرمد

مدینۂ طیبہ کی فضا، گویا ہر سانس میں روحانی روشنی کی محفل سجا دیتی ہے۔ یہاں کی ہر گلی، ہر کوچہ، اور ہر دیوار یہ یاد دلاتے ہیں کہ یہ شہر حبیب ہے، اور عاشق کا دل عشقِ مصطفوی ﷺ سے لبریز ہو جایا کرتا ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں دل سکون و اطمینان کے ساتھ محوِ

جمالِ مصطفوی ﷺ ہو جاتے ہیں، اور ہر نظر ایک غیر محسوس نور کے دریچے سے محبت کی روشنی جذب کرتی ہے۔ یہاں کی فضائیں، خاموشی اور سکینت کی خوشبو سے معطر ہیں، اور گویا ہر گوشہ، ہر پتھر، ہر درخت، ایمان و عشق کی روشنی کو چھپائے ہوئے ہے۔ اس روحانی ماحول میں، مدینہ کے آسمان سے نازل ہوتی برکات اور زمین پر بکھری رحمتیں، دلوں کو ایک غیر معمولی تقدس اور احترام کی حالت میں لے آتی ہیں، جہاں ہر فرد، چاہے وہ انسان ہو یا فرشتہ، عاجزی اور خشوع کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ یہی وہ منظر ہے جسے آزاد بلگرامی نے اپنے اشعار میں اس دلنشین صورت میں پیش کیا ہے:

سكن الملائك في حوائط بيته	مثل الحمائم في كوى الجدران
وقفوا كما تقف الشموع بسوحه	ودموعهم في غاية الهملان
جلسوا على بسط الوقار تأدبا	نسى الجناح طريقة الطيران

ان اشعار میں شاعر نے فرشتوں کی تین ذہنی و خیالی تصویروں کو نہایت نفاست اور لطافت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ پہلی تصویر، کبوتروں کی ہے، جو مکمل سکون اور اطمینان کی حالت میں دیوار کے چھوٹے روشندانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، گویا فضا میں کسی اضطراب یا ہلچل کا نام و نشان نہیں۔ دوسری تصویر، شمعوں کی ہے، جن سے حرارت کے سبب موتیوں کی مانند شفاف قطرے لگاتار گرتے ہیں، اور یہ منظر ایک روشن اور معطر ماحول پیدا کرتا ہے، جیسے ہر قطرہ نور اور رحمت کا پیغام لیے ہوئے ہو۔ تیسری تصویر میں فرشتوں کی جماعت ہے، جو خشوع و خضوع کی ایسی حالت میں بیٹھی ہے کہ ان کے پر، جو عموماً پرواز کی علامت ہیں، پرواز کرنا بالکل بھول گئے ہوں، گویا مکمل خود فراموشی اور خود سپردگی کے عالم میں ہیں۔ ان تمام تصویروں کے ذریعے شاعر نے ایک ایسا روحانی منظر تخلیق کیا ہے، جو قاری کے دل میں سکون، ادب اور عشقِ مصطفوی کا احساس پیدا کرتا ہے۔

فنی خصوصیات

آزاد بلگرامی کی عربی صوفی شاعری اپنی فنی ساخت، فکری وسعت اور روحانی لطافت کے اعتبار سے برِصغیر کی ادبی روایت میں ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے کلام میں عرفانِ باطن، جمالیاتی احساس اور صوفیانہ وارداتیں اس فنکارانہ انداز میں گندھی ہوئی ہیں کہ شعر محض الفاظ کا مجموعہ نہیں رہتا بلکہ ایک باطنی تجربے کی زندہ تصویر بن جاتا ہے۔ ان کی شاعری کی اولین خصوصیت روحانی مشاہدے کی تصویر کشی ہے؛ وہ نور، ہوا، روشنی، پرندوں، شمعوں اور پاکیزہ مناظر کے ایسے منقّش پیکر تراشتے ہیں جن میں حسی جمال اور باطنی سرور بیک وقت جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ ان کی تخلیق کردہ فضا میں محسوسات بھی نور کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور معانی بھی وجد و مستی کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں روضۂ اقدس ہو یا مدینہ کی گلیاں، یا انسانوں کا گروہ ہو یا فرشتوں کا جمِ غفیر ہر منظر ایک روحانی ارتعاش کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

ان کی صوفیانہ شاعری میں لفظی موسیقیت اور داخلی آہنگ بھی نمایاں ہے۔ ان کی زبان نہ پیچیدہ ہے، نہ پر تکلف، نہ مبالغہ آمیز؛ وہ سادہ عربی کو اس لطافت کے ساتھ برتتے ہیں کہ لفظ خود بخود نغمہ بن جاتا ہے۔ مصرعوں میں صوتی ہم آہنگی، قوافی میں پختگی، اور بحور

کے انتخاب میں توازن ان کے اعلی شعری ذوق اور فنی مہارت کو ظاہر کرتے ہیں۔"مظهر البركات" جیسے طویل منظوم مجموعے میں تین ہزار پانچ سو اشعار کے باوجود روانی کی مسلسل یکسانی، فضا کی ہمہ گیریت، اور عروضی توازن بتاتا ہے کہ شاعر نے فنِ شعر کو محض برتا نہیں ہے بلکہ اسے اس پر مکمل دسترس حاصل ہے۔

اسی طرح معنوی عمق اور عرفانی رمز نگاری بھی ان کی شاعری کا ایک نمایاں وصف ہے۔ان کے اشعار میں تشبیہات عام نہیں ہوتیں؛ ہر تشبیہ ایک روحانی اشارہ ہے، ہر استعارہ ایک باطنی دروازہ۔ وہ حسن کو صرف جسمانی صورت تک محدود نہیں رکھتے؛ بلکہ اس کے اندر چھپی ہوئی حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری کو محسوس ہوتا ہے گویا شاعر ہر ظاہری منظر کے پیچھے کسی حقیقت کا پردہ اٹھا رہا ہے۔

ان کی صوفیانہ شاعری کی ایک خصوصیت فنِ بیان میں تفنن اور ندرتِ خیال ہے۔ وہ روایتی مضامین کو بھی ایک نئے زاویے سے پیش کرتے ہیں۔ مدینہ کی خاک کو سرمہ، ہوا کو یقین کا کُحل، اور در و دیوار کو علمِ ہدایت کے مناروں میں بدل دینا، یہ محض شاعرانہ استعارات نہیں بلکہ وہ داخلی تجربات ہیں جنہیں آزاد نے فنی جمال کے ساتھ شعری پیکر دیا ہے۔ ان کے اشعار میں موضوعات کی تکرار نہیں بلکہ تجدید ہے۔ان کی شاعرانہ خود آگہی اور مقامِ فن کا شعور، اپنے اسلوب کی انفرادیت سے واقفیت اور اپنے مقامِ شاعری کا تیقّن غرور نہیں بلکہ فنی اعتماد کی خوشبو ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ شاعر کو لفظ اور معنی دونوں کو برتنے کی یکساں مہارت ہے۔ ان کے اشعار میں جب وہ اپنی عظمتِ سخن کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو یہ دعویٰ محض تعلی نہیں بلکہ ان کی شاعری کی روشن مثالوں سے ثابت شدہ حقیقت ہے۔

اسی طرح ان کی عربی زبان پر غیر معمولی قدرت اور کلاسیکی شعری ادب پر گہری نظر کی وجہ سے ان کی شاعری میں نحوی ساخت، لغوی وسعت، بیان کی شستگی، اور اسلوب کی فصاحت اس درجہ پختہ نظر آتی ہے کہ عرب ادبا نے بھی ان کی عربیت کا اعتراف کیا۔ عربی زبان میں دس دواوین کی موجودگی، متعدد شعری اصناف میں آزادنہ تخلیق، اور مثنوی، قصائد، نعت، غزل اور رمزیہ شاعری پر یکساں قدرت ان کی فنی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ان کی عظمت فن کا ایک زمانہ معترف ہے، چنانچہ عبدالحی حسنی لکھنوی تحریر کرتے ہیں:"وله في التغزل طور خاص يعرف أصحاب الفن، ومنحه الله قدرة على النظم بحيث ينظم قصيدة كاملة في يوم واحد بل في بعضه على كيفية يراها الناظرون، وكل ما يتوجه تحضر المعاني لديه صفا صفا ويتمثل بين لديه فوجاً فوجاً۔" اسی طرح آپ کی عربی نعت گوئی کو فقیر محمد جہلمی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:"إن آزاد قد أوجد في مدحه للنبي صلى الله عليه وسلم معاني كثيرة نادرة لم يوفق مثلها لأحد من الشعراء المفلقين، وأبدع في قصائده المدحية مخالص لم يبلغ مداها فرد من الفصحاء المستشدقين۔" استاد شلقامی نے بلگرامی کا معاصر شعرا سے مقارنہ کرتے ہوئے انھیں اپنے معاصرین میں سب سے بہتر و برتر قرار دیا ہے، وہ رقم طراز ہیں:" إذا قارنا شعر آزاد بغيره من معاصريه ـ العصر التركي- وجدنا أنه القمة لايكاد شاعر من معاصريه أن يسمو إليه۔" انہوں نے آزاد بلگرامی کو عظیم و پیشرو قرار

دیتے ہوئے بارودی سے تشبیہ دی ہے ، چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں: "لقد كان شاعرنا آزاد فحلا رائدا من طراز البارودي۔" انہوں نے عصر ترکی کے دوسرے شعرا کی بہ نسبت آزاد کی کم شہرت کے پسِ منظر میں ایک نہایت مبنی بر حقیقت اور فکر انگیز توجیہ پیش کی ہے کہ آزاد ایک ایسی سرزمین اور ایسے ماحول میں منصۂ شہود پر آئے جو علمی و فکری اعتبار سے اُن کے استقبال کے لیے پوری طرح آمادہ نہ تھا۔ وہ اپنے عہد سے آگے کے شاعر تھے، مگر زمانہ ابھی اُن کے قد و قامت کے ادراک تک نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ ان کی عظمت، ان کی فکری رفعت اور ان کے فن کی تابندگی اسی لیے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہی کہ ماحول خود اس معیار کی روشنی کو جذب کرنے کی استعداد نہیں رکھتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آزاد بلگرامی کا وجود ایک ایسے چراغ کی مانند تھا جسے ایسی فضا نصیب ہوئی جہاں روشنی کے شائق کم تھے اور بصیرت کی آنکھیں ابھی پوری طرح بیدار نہ ہوئی تھیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جو ان کی کم شناسی کی سب سے گہری اور سچی وجہ بن کر سامنے آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آزاد بلگرامی کی عربی صوفی شاعری ایسی شاعری ہے جس میں روحانی تجربہ، فنکارانہ گہرائی، عشق کی سوزناکی، اور زبان کی لطافت بیک وقت جمع ہیں۔ یہی وہ خصوصیات ہیں جو ان کی شاعری کو نہ صرف دکن اور برصغیر کی عربی صوفی روایت بلکہ عربی ادبی اثاثے میں بھی ایک مستقل اور درخشاں مقام عطا کرتی ہیں۔

*****

کتابیات

1۔ سبحۃ المرجان في آثار هندوستان، ممبائی: ناشر مرزا محمد شیرازی، 1303ھ، و سبحۃ المرجان، تحقیق: ڈاکٹر فضل الرحمان ندوی سیوانی، علی گڑھ: ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، 1976ء

2۔ مآثر الکرام، ترجمہ و تعلیق: محمد خالد فاخری، کراچی: دائرۃ المصنفین، 1983ء

3۔ دواوین آزاد، آزاد لائبریری، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

4۔ عبد الحي حسني، الإعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام، رائے بریلی دار عرفات، 1991ء

5۔ مقالات شبلی نعمانی، جلد پنجم، بار دوم؛ اعظم گڑھ: مطبع المعارف، 1955ء

6۔ عبد المقصود شلقامی، 'حسان الہند غلام علی آزاد' مجلہ الأزہر، مجلد: 48، قاہرہ: نومبر، ودسمبر، 1976ء

خانقاہی نظام کے استحکام اور تصوف کے فروغ میں شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی کا کردار

ڈاکٹر حافظ سید احمد غوری نقشبندی *

حضرت شیخ الاسلام عارف باللہ امام محمد انوار اللہ فاروقی (1264ھ-1336ھ) وہ صاحب عزیمت ہستی ہے جنہوں نے درسگاہ اور خانقاہ دونوں محاذ پر بے مثال خدمات انجام دیں، اور اپنے دور کے کامیاب ترین مدرس، محقق، مربی اور پیشوائے شریعت و مقتدائے طریقت کے طور پر شہرت پائی۔ آپ کی شخصیت اُن نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے ہے جنہوں نے اپنے علم و فضل، روحانی کمالات اور ہمہ گیر خدمات کے ذریعے امتِ مسلمہ کی فکری و اخلاقی تاریخ پر سنہرے نقوش چھوڑے۔ تصوف کے فروغ اور باطن کی تطہیر کے لیے آپ کی کوششیں تاریخِ روحانیت کا ایک درخشاں باب ہیں۔ آپ نے تصوف کی حقیقی روح کو بیان کرنے، اس کے اصول و مبادی کو واضح کرنے، اور اسلاف کی روحانی امانت کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کی خانقاہی خدمات کا درج ذیل زمروں کے تحت مطالعہ کیا جاسکتا ہے:(1)خانقاہ کا قیام،،(2)شاہان وقت کی تعلیم و تربیت کا نظم(3)خانقاہوں کی امداد،(4)تصانیف کے ذریعہ تصوف کا فروغ،(5)سجادگان ومشائخ حضرات کے لیے نصاب کا نظم اور امتحان کا لزوم(6)تصوف پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات اور متصوفین کے افکار باطلہ کا رد بلیغ،(7) قرآنی آیات کی عارفانہ تفسیر،(8)احادیث کریمہ کی عارفانہ تشریح،(9)منظوم صوفیانہ کلام،(10) آپ کے قائم کردہ اداروں سے مختلف زبانوں (عربی، فارسی، اردو، انگریزی) میں کتب تصوف کی اشاعت،(11) تصوف پر فتاوی کی اجرائی،(12)تصوف پر علمی نوادر و مخطوطات کے ذخیرہ کا تحفظ۔

شاہان وقت کی تعلیم و تربیت کا نظم: حضرت شیخ الاسلام نہ صرف عوام الناس اور علماء ومشائخ کے استاذ رہے بلکہ آپ شاہان وقت کے بھی مربی و اتالیق رہے اور نہاتی ہی عمدگی کے ساتھ آپ نے شاہان وقت میر محبوب علی خان اور اعلی حضرت میر عثمان علی خان بہادر کی تربیت فرمائی۔ اعلی حضرت اکیس سال زیر تعلیم رہے۔ مؤرخین کے نزدیک ان کی شخصیت میں جو عدل، دیانت، فیاضی اور انتظامی بصیرت نمایاں ہے وہ بڑی حد تک حضرت شیخ الاسلام کی علمی، روحانی اور اخلاقی تربیت کا ثمر ہے۔ آصفِ جاہ سابع کی حکمرانی کو جس وسعتِ عمل، رفاہِ عامہ کے منصوبوں اور دکن میں اسلامی تہذیبی و عمرانی ترقی کے ہمہ جہت مظاہر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کے پس منظر میں حضرت شیخ الاسلام کے تربیتی اثرات کو اہمیت کے ساتھ تسلیم کیا جاتا ہے۔[1]

درس فتوحات مکیہ: حضرت شیخ الاسلام بعد نماز مغرب تا نصف شب شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فتوحات مکیہ" کا عارفانہ درس دیا کرتے، جس میں اہل دل، علمائے ربانیین اور صوفیہ کرام شریک ہوا کرتے۔

---

* نائب شیخ المعقولات جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

[1] مطلع الانوار، مفتی محمد رکن الدین ، ناشر: مجلس اشاعت العلوم، حیدرآباد، سنہ اشاعت:1436ھ-2015م، ص:52

مریدین اور خدام کی تربیت

حضرت شیخ الاسلام کی زندگی کتاب وسنت کی جیتی جاگتی تصویر تھی، آپ کے عمدہ برتاؤ اور صحبت بافیض کا یہ اثر تھا کہ طلبہ اور مریدین ہی نہیں بلکہ خدام بھی دین دار اور پابند صوم وصلوۃ ہوگئے۔ سرکاری اور خانگی ملازمین سب کے ساتھ آپ کا برتاؤ نہایت شریفانہ رہتا تھا، نہ کبھی کسی کو ایسی بات کہتے نہ کسی سے ایسا سلوک کرتے جس سے وہ ناخوش ہو، آپ کے اس حسن سلوک کی وجہ سے خاندگی ملازمین کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ جو ایک دفعہ ملازم ہو جاتا وہ پھر تادم آخر آپ کی خدمت سے دور نہ ہوتا تھا۔[1]

ہدایات شیوخ: نصاب سجادگان

خانقاہی نظام کے استحکام اور اس کی علمی وروحانی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے سلسلہ میں حضرت شیخ الاسلام نے جو عظیم خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ نے سجادگان کی صحیح تعلیم وتربیت واہلیت کے لیے باقاعدہ امتحانی نظام قائم کیا اور ایک جامع نصاب مرتب فرمایا جس کی تکمیل 27/ صفر المظفر 1336ھ م 10/ بہمن 1327ف کو ہوئی۔ اس نصاب کو حضرت کے حکم سے حضرت کے فاضل شاگرد علامہ سید شاہ محمد ابو القاسم شطاری، صدر المدرّسین جامعہ نظامیہ نے نہایت حسنِ ترتیب کے ساتھ مدون کیا۔ اس کا تاریخی نام "ہدایاتِ شیوخ" (1337ھ) ہے۔[2] یہ کتاب 103 صفحات پر مشتمل ہے جس میں مشروط امتحان سجادگی تصوف کے 105 بنیادی مباحث سوال وجواب کی صورت میں جمع کیے گئے ہیں۔[3] یہ تصوف کی بنیادی حقیقتوں سے لے کر دقیق ترین روحانی مباحث تک کے لیے مرتب اور محقق رہنمائی فراہم کرنے والی کتاب اور سالکینِ سلوک کے لیے ایک معتبر ومستند نصاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

خانقاہوں اور مشائخ کے لیے وظائف وامداد

حضرت شیخ الاِسلام نے مدارس وعلمی اداروں اور اہل قلم، خانقاہوں اور مشائخ کے لیے وظائف جاری فرمائے اس کی ایک طویل فہرست ہے، چنانچہ متولی صاحب اجمیر شریف کے نام تین سو ماہانہ، ایک ہزار نقد رخصتانہ، شیخ حمزہ خادم روضہ اطہر مدینہ منورہ ماہانہ تین سو روپئے، قیام مدرسہ معینہ عثمانیہ اجمیر شریف بہ اجرائی امداد ایک ہزار ماہانہ، قیام مدرسہ صوفیہ محمد آباد، بیدر، منتظم صاحب نقار خانہ اجمیر شریف ماہانہ (75)، حضرت محمد شاہ صاحب خمیسی کو حضرت رکن الدین تولہ گلبرگہ شریف کی درگاہ کا متولی مقرر کرکے

---

1 مطلع الانوار: ص:42

[2] یہ کتاب متعدد بار الگ الگ اداروں سے شائع ہوئی ہے، چنانچہ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ کے علاوہ "سید محمد حسینی گیسودراز ریسرچ اکیڈمی، گلبرگہ، کرناٹک سے نیز 1425ھ-2004ء میں خانقاہ کمالیہ، جہاں نما حیدرآباد سے شائع ہوئی۔

[3] ہدایات شیوخ۔ حضرت سید شاہ محمد ابو القاسم شطاری علیہ الرحمہ۔ ناشر: سید محمد حسینی گیسودراز ریسرچ اکیڈمی، گلبرگہ، کرناٹک۔ ص:103

وظیفہ جاری فرمایا۔علاوہ ازیں تعمیر نقار خانہ اجمیر شریف، جھالرہ اجمیر شریف کی صفائی کا انتظام[1]، حضرت سید سعید الدین عرف حاجی سیاح سرور مخدوم قندھار شریف، درگاہ شریف سے متصل سرائے کی تعمیر کروائی۔ بہت سی درگاہیں ایسی تھیں جن کی حالت خراب تھی، ان کی آمدنی ان پر خرچ نہیں کی جاتی بلکہ سرکار سے جو جاگیریں وغیرہ عطا ہوئی تھیں وہ قرضوں میں مکفول ہوگئی تھیں، حضرت شیخ الاِسلام نے ان سب کی اصلاح فرمائی اور ادائے گئے قرضہ جات کا معقول انتظام فرمایا۔ مسلمانوں کے مقابر غیر محصور تھے، جس کی وجہ سے جانور وغیرہ کی نجاست اور لوگوں کی آمد ورفت سے ان کی بے حرمتی ہوتی تھی، آپ نے چہار دیواری کے ذریعے انہیں بچالیا۔ ان کے علاوہ ملک کے تقریباچار سو(400)علماء ومشائخین کو خزانہ شاہی سے ماہانہ وظیفہ جاری فرمایا۔[2]اس کے علاوہ وظیفہ یافتگان میں ایک طویل فہرست ان حضرات کی تھی جو حرمین شریفین میں قیام پذیر تھے۔

تصوف میں حضرتِ شیخ الاسلام کی علمی میراث

حضرتِ شیخ الاسلام کی تصانیف لطیفہ علومِ اسلامیہ، حکمتِ ایمانیہ اور اسرارِ تصوف کا عظیم ذخیرہ ہیں۔ ان کی تصنیفی خدمات اپنے وسعتِ مطالب، گہرائی اور گیرائی، معارف وعوارف کے لحاظ سے اسلامی علمی ورثے کا مستقل باب ہیں۔

تصوف واحسان کے حوالہ سے حضرت شیخ الاِسلام کی تصانیف کا اجمالی خاکہ:

- انتخابات الفتوحات المكية:تصوف کا بیش بہا خزانہ۔ تصوف سے متعلق 479 احادیث وآثار: حضرت شیخ الاِسلام رات کے وقت صوفیائے کرام ،مشائخ عظام کو فتوحات مکیہ کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ نے انتخابات الفتوحات المکیہ کے عنوان سے تصوف واحسان کا حسین مرقع تیار فرمایا۔ یہ عربی زبان کا مخطوطہ ہے، جو جامعہ نظامیہ کے کتب خانہ کے قسم المخطوطات میں (19) نمبر کے تحت محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ 163 صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ پر (21) سطریں اور ہر سطر میں (20) تا(22) کلمات ہیں۔ آپ نے اس میں (26) عنوانات قائم فرمائے اور ہر عنوان کے تحت احادیث وآثاراور اقوال بزرگان نقل فرمائے۔[3]
- منتخبة من كتب الصحاح: حضرت شیخ الاِسلام قدس سرہ نے صحاح ستہ کی منتخبہ احادیث شریفہ کو جمع کرکے اس پر فقیہانہ، عالمانہ اور عارفہ نکات وفوائد رقم فرمائے ہیں۔ آپ نے اہل سنت وجماعت کے عقائد ومعمولات، فقہی نکات اور تصوف کے امور کو احادیث شریفہ کی روشنی میں ثابت کیاہے۔ آپ کی یہ قلمی یادگار مخطوطہ کی شکل میں جامعہ نظامیہ کے کتب خانہ میں محفوظ

---

[1] "جھالرہ" درگاہ شریف حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے متصل ایک باؤلی ہے، جس سے تمام آبادی سیراب ہوتی تھی، سوتے بند ہوجانے سے قلت آب کی تکلیف ہوگئی تھی، آپ نے بہ مصارف سرکاری صاف کروادیا، جس کی وجہ سے اجمیر شریف کی آبادی کو پانی کا بہت آرام ہوگیا۔ مطلع الانوار، ص:56

[2] مطلع الانوار، ص:54۔55

[3]۔ (مقدمة الباحث۔ أطروحة الدكتوراه۔ للشيخ سيد محمد معين الدين الجيلاني، قدمها لنيل شهادة الدكتوراه في اللغة العربية بالجامعة العثمانية،ص:42)

ہے۔[1] آپ نے صحاح ستہ کی منتخب احادیث شریفہ پر (478) فوائد بیان کیے اور تراجم قائم کیے۔[2]

افکار تصوف پر حضرت شیخ الاسلام کی کتابیں:

حضرت شیخ الاسلام کی تمام تالیفات علم و حکمت، عرفان و بصیرت اور حقائقِ تصوف سے لبریز ہیں۔ مقاصد الاسلام کے مختلف حصوں میں آپ نے تصوف کے اصول، عرفان کے مدارج، روحانی منازل، باطنی تربیت اور انسانی روح کے سفر الی اللہ کو نہایت مدلل، متوازن اور عارفانہ انداز میں پیش فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے مقاصد الإسلام کے حصہ سوم میں معرفتِ الٰہی اور حقیقتِ انسان، حصہ پنجم میں تصوف کی تعریف، حقیقت اور بنیاد، حصہ ششم میں ولایت، امامتِ باطنی اور تزکیۂ نفس، حصہ ہفتم میں عرفان، احوالِ روحانی اور سلوک کی انتہائی منازل کو بیان کیا ہے۔ آپ نے مقاصد الإسلام کے حصہ چہارم میں مناسکِ حج کو صرف ظاہری عبادات کی حد تک نہیں سمجھایا؛ بلکہ ان کے پس پردہ پوشیدہ حقائقِ باطنی، اسرارِ الٰہی اور روحانی کیفیات کو نہایت لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ مناسکِ حج کا ہر رکن ایک باطنی معنی، ایک روحانی کیفیت اور ایک عرفانی درس کا حامل ہے، جو سالک کو معرفتِ الٰہی کی بلندیوں تک پہنچانے کا وسیلہ بنتا ہے۔

اسی طرح آپ نے ''انوار اللہ الودود فی مسئلۃ وحدۃ الوجود'' میں عقل و نقل سے وحدۃ الوجود کو ثابت کیا ہے۔ اور ''رسالہ خلق افعال'' میں خلق افعال پر بحث کرتے ہوئے فرقہ معتزلہ اور قدریہ کے اعتراضات کے جوابات فلسفیانہ طریقہ پر دیے ہیں۔

آپ نے ''انوار التمجید فی ادلۃ التوحید'' میں اصلاح قلب کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ یہ کتاب ایک سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب آپ نے عربی اور فارسی زبان میں تحریر فرمائی، اس میں آپ نے (21) مرکزی عنوانات کے تحت دو سو ستاسی (287) احادیث و آثار کو جمع فرمایا، اور ان کی ایمان افروز تشریح فرمائی اور احادیث مبارکہ سے قیمتی نکات سپرد قرطاس کیے اور ان احادیث کا فارسی میں ترجمہ فرمایا۔ یہ کتاب سنہ 1341ھ میں پہلی مرتبہ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ سے طبع ہوئی تھی۔ آپ نے اس کتاب میں ایمان، روحانیت اور اصلاح قلب سے متعلق علم کے ایسے دریچے کھولے ہیں جن سے قلب و روح منور ہو جائے، عقل کو صحیح سمت ملے اور ایمان میں تازگی پیدا ہو جائے اور دل میں عظمت مصطفی ﷺ کا چراغ روشن ہو جائے۔

آپ نے ''خدا کی قدرت'' نامی مختصر منظوم رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ انبیائے عظام اور اولیائے کرام سے استمداد کر سکتے ہیں، اور اسی طرح آپ کے منظوم عارفانہ کلام ''شمیم الانوار'' کی ہر سطر سے صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے۔ ''تحفۃ السالکین'' میں آپ نے سالکین کی

---

[1] اس مخطوطہ پر تحقیق کرتے ہوئے مولانا سید محمد ناصر الدین جیلانی صاحب نے (1431ھ-2010م) میں "دراسة نقدية لرسالة منتخبة من كتب الصحاح" مولانا پروفیسر عبد المجید نظامی صاحب سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ کے اشراف میں پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش کیا۔ نیز اسی مخطوطہ پر الگ جہت سے صحیح بخاری کی احادیث پر مولانا محمد شبیر احمد صاحب شیخ التفسیر نے جامعہ نظامیہ سے پی ایچ ڈی کیا ہے۔

[2] دراسات نقدية لرسالة " منتخبة من كتب الصحاح" لشيخ الإسلام محمد أنوار الله الفاروقي رحمه الله،قدمها الدكتور سيد محمد ناصر الدين الجيلاني لنيل شهادة الدكتوراه، بالجامعة العثمانية،ص:1 -399

تربیت کے لیے صوفیہ کے طرق، طریقت کی حقیقت اور سلوک کے مراحل بیان فرمائے ہیں اور اس میں خاص طور پر آپ نے سلوک چشتیہ کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔[1]

آپ نے تصوف و احسان کے میدان میں جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، ان میں ایک نہایت روشن اور نمایاں باب قرآنی آیات کی عارفانہ تفسیر بھی ہے۔ آپ کی متعدد تصانیف میں جگہ جگہ قرآنِ کریم کی آیات کی باطنی، روحانی اور عارفانہ توضیحات نظر آتی ہیں، جو آپ کے ذوقِ عرفان اور ادراکِ حقیقت کی عمیق ترین جھلک پیش کرتی ہیں۔ چنانچہ آیتِ کریمہ: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ[2] کی عارفانہ تفسیر آپ کی معروف تصنیف مقاصد الاِسلام میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، جہاں آپ نے "یقین" کے مراتب، عبودیت کی حقیقت اور سالک کے روحانی سفر کے اشارات نہایت لطیف پیرائے میں بیان کیے ہیں۔[3]

اسی طرح سورۂ فیل کی عارفانہ اور عاشقانہ تفسیر، بالخصوص "ألم تر[4]" میں آپ نے واقعۂ فیل کے پس منظر سے عشقِ الٰہی، نور مصطفی ﷺ کی عظمت اور اس کے ادراک وغیرہ کو بیان فرمایا ہے۔[5] مزید بر آں سورۂ ناس کی تفسیر بھی آپ نے روحانی و عارفانہ اسلوب میں پیش فرمائی ہے، اور "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ "[6] میں "قل" کی تفسیر کرتے ہوئے صرفی قاعدہ سے وجود باری تعالی پر نفیس استدلال فرمایا۔[7] اسی طرح "بسم الله الرحمن الرحيم" کی تشریح اور اس کے برکات قلم بند فرمائے۔[8]

قرآن مجید کی عارفانہ تفسیر کی طرح ہی احادیثِ نبویہ کی عارفانہ تشریح بھی آپ کی تصانیف میں جگہ جگہ نور بصیرت کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ آپ کی نگاہِ عارفانہ نے احادیث کے الفاظ میں پوشیدہ لطائف، اسرارِ احسان اور مقاماتِ قرب کے اشارات کو نہایت حکمت اور دقیق فہم کے ساتھ واضح کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے حدیث شریف" اعْبُدْ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ"[9] کی عارفانہ تشریح فرمائی ہے۔[10] اسی

---

[1] تحفة السالكين: هذه رسالة ، كتبها شيخ الإسلام للسالكين في طرق الصوفية ، و بحث فيها عن حقيقة الطريقة و السلوك فيها، وبالأخص لأهل الطريقة الجشتية۔ (مقدمة الباحث۔ أطروحة الدكتوراه۔ للشيخ سيد محمد معين الدين الجيلاني، قدمها لنيل شهادة الدكتوراه في اللغة العربية بالجامعة العثمانية،ص:23)

[2] سورة الحجر،آيت نمبر:99

[3] ملاحظہ ہو: مقاصد الاسلام، حصہ پنجم، ص:34۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

[4] سورة الفيل،آيت نمبر:1

[5] ملاحظہ ہو: مقاصد الاسلام، حصہ یازدہم، ص:38۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

[6] سورة الناس،آيت نمبر:1

[7] مقاصد الاسلام، حصہ ہشتم، ص:1-5۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

[8] مقاصد الاسلام، حصہ چہارم، ص:140۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

[9] مسند الإمام أحمد، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241هـ)، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنهما۔ج:9،ص:251حديث نمبر:5881

[10] مقاصد الاسلام، حصہ پنجم، ص:32۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

طرح حدیثِ مبارک: "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ"[1] کی بلند پایہ عرفانی توضیح فرمائی، جس میں آپ نے ولایتِ علوی، مولی کے معانی، محبتِ اہلِ بیت اور روحانی امامت کے لطائف کو عارفانہ شان کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔[2]

یہ چند نمونے صرف بطورِ مثال ذکر کیے گئے ہیں، ورنہ اگر حضرت شیخ الِاسلام کی تمام تصانیف کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو ہر گوشہ آپ کی روحانی بصیرت، عارفانہ ذوق، علمی تبحر پر شاہد وناطق تشریحات موجود ہیں۔

تصنیف و تالیف کے ساتھ نشر واشاعت میں آپ کی خدمات قابل ذکر ہے، چنانچہ آپ نے سن 1330ھ میں علوم دینیہ کی اشاعت کی غرض سے ایک ادارہ "مجلس اشاعت العلوم" قائم فرمایا، جہاں سے مختلف زبانوں میں قدیم ونادر تحقیقی کتب کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کے قائم کردہ اس ادارہ سے 15 سے زائد تصوف کی کتب کی اشاعت عمل میں لائی گئی ہے۔

اسی طرح آپ کی تحریک پر (1300ھ) میں قائم ہونے والا عالمی تحقیق ادارہ "دائرۃ المعارف العثمانیہ" سے جملہ 33 کتب تصوف کی اشاعت عمل میں آئی۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: الاربعین فی التصوف۔ امام ابو عبد الرحمن محمد بن حسین ازدی (متوفی:412ھ)، رسائل ابن العربی۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (متوفی:638ھ) یہ 29 کتب ورسائل کا مجموعہ ہے۔[3]

اسی طرح جامعہ نظامیہ کے کتب خانہ، شعبہ مخطوطات میں تصوف واحسان پر تقریبا 111 نادر وقیمتی مخطوطات ہیں، جن میں اکثر حضرت شیخ الاسلام کی زیر ملک تھی، آپ نے انہیں اپنے محبوب کتب خانہ کو عطا کر دیا۔ تصوف کے مخطوطات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیش بہا ذخیرہ چودہ ہزار چھ سو، سولہ (14،616) صفحات پر مشتمل ہے۔[4]

*****

---

[1] سنن الترمذی. محمد بن عیسی بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى. أبواب المناقب،باب مناقب علی بن أبی طالب، حديث نمبر:4078۔ج:13،ص:318

[2] مقاصد الاسلام، حصہ پنجم، ص:77۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

[3] الفهرس الوصفي لمطبوعات دائرة المعارف العثمانية۔ طبع: دائرة المعارف العثمانية، ۔التصوف وما يتعلق به،ص:118-122

[4] فہرست مخطوطات کتب خانہ جامعہ نظامیہ، قلمی۔ ص:24-25

حضرت مسکین شاہ نقشبندی کی روحانی وسماجی خدمات

سید محمد بہاء الدین زبیر *

سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی نمایاں خانقاہوں میں سے ایک وہ خانقاہ ہے جو دکن کے معروف صوفی بزرگ اور مجددی سلسلے کے ممتاز شیخ حضرت مسکین شاہ نقشبندی مجددی (1210ھ-1314ھ) سے منسوب ہے۔ یہ خانقاہ اپنے تاریخی تسلسل، روحانی فعالیت اور علمی خدمات کے اعتبار سے دکن کی خانقاہی روایت میں ایک مستقل اور معتبر مقام رکھتی ہے۔ اس مرکز سے وابستہ علمی و روحانی ماحول نے مختلف ادوار میں سالکانِ طریقت، طالبانِ شریعت اور عوام الناس کی فکری و اخلاقی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ یہاں انجام دی جانے والی خانقاہی سرگرمیوں کے ذریعے افراد کو شریعتِ مطہرہ کی پابندی، سلوک و معرفت کی تربیت اور سیرتِ نبوی ﷺ کے عملی تقاضوں سے روشناس کرایا گیا، جس کے نتیجے میں یہ خانقاہ دکن میں نقشبندی تعلیمات کی ایک نمایاں علامت کے طور پر ابھری۔

اس مقالے میں پہلے مرحلے میں حضرت مسکین شاہ نقشبندی کا خاندانی پس منظر اور سوانح حیات کا بنیادی خاکہ پیش کیا جائے گا، بعد ازاں آپ کی تعلیمی، روحانی اور سماجی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

خاندانی پس منظر اور ابتدائی حالات

حضرت مسکین شاہ صاحب کا اسمِ گرامی محمد نعیم بن محمد حفیظ بن شیخ عبد الرحیم رحمہم اللہ ہے۔ آپ ایک دینی و روحانی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے والدِ ماجد حضرت محمد حفیظ نہایت باعمل، متقی اور صاحب علم شخصیت تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں چار صالح فرزند عطا فرمائے:

(1) حضرت مولانا محمد سعید صاحب رحمہ اللہ — (2) حضرت حافظ محمد عظیم صاحب

(3) حضرت محمد نعیم المعروف بہ حضرت مسکین شاہ صاحب — (4) حضرت محمد عزیز صاحب

حضرت محمد حفیظ نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ احمد نگر (صوبہ اورنگ آباد) میں بسر کیا، جہاں آپ نے علمی و روحانی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں آپ حیدرآباد دکن تشریف لائے، جو اس دور میں علم و معرفت کا مرکز تھا، اور یہیں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ بالآخر 15 محرم الحرام 1248ھ کو تقریباً 80 برس کی عمر میں آپ نے دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی، آپ کا مزار مبارک محلہ شکر گنج میں مسجد صفدر نواز جنگ مرحوم کے متصل قبرستان میں واقع ہے۔

نسبی شرف وسلسلۂ صدیقیت:

ضرت مسکین شاہ نقشبندی مجددی قادری ان برگزیدہ شخصیات میں سے ہیں جن کا سلسلۂ نسب خلیفۂ اوّل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق

---

* کامل الفقہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین المعروف بہ تسکین شاہ ثانی ـــ جو حضرت مسکین شاہ کی چوتھی نسل میں سے ہیں اور موجودہ سجادہ نشین صاحب قبلہ کے والدِ محترم ہیں ـــ نے بیان کیا ہے:

"حضرت مسکین شاہ قدس سرہ العزیز کا سلسلہ نسب تیئیس (23) مستقل طرق سے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے"[1]

ولادت و تعلیم و تربیت

حضرت مسکین شاہ صاحب کی ولادت باسعادت 1210ھ میں محلہ شکر گنج، حیدرآباد دکن میں ہوئی، آپ نے آغازِ جوانی ہی میں اپنے والدِ ماجد سے علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل کی، اس کے ساتھ فنونِ سپہ گری میں بھی کامل مہارت حاصل کی، اس کے علاوہ گھوڑ سواری اور پیراکی سیکھی، گھنٹوں پانی میں کھڑے رہتے، کبھی کروٹ لیٹ کر اور کبھی بیٹھ کر پانی میں اپنے آپ کو روکنے کا ملکہ حاصل تھا، علم و عمل میں پختگی کے بعد آپ نے 1245ھ میں حضرت شاہ سعد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز (خلیفۂ حضرت عبد اللہ شاہ المعروف بہ غلام علی شاہ صاحب نقشبندی مجددی) کے دستِ حق پرست پر بیعت کی[2]۔

بیعت و ارشاد کے بعد آپ نے حجازِ مقدس کا سفر فرمایا، جہاں زیارتِ حرمینِ شریفین سے مشرف ہوئے، وہاں سے حسبِ ارشادِ نبوی ﷺ آپ نے مدراس، کرنول ہوتے ہوئے حیدرآباد مراجعت فرمائی۔

مدراس و حیدرآباد میں قیام

ابتدائی طور پر آپ نے مسجد الماس (دروازہ علی آباد، حیدرآباد) میں دو سال تک قیام فرمایا، اس عرصے میں آپ کو مسجد کی تولیت بھی حاصل رہی، یہی وہ زمانہ تھا جب آپ نے اپنے شیخ و مرشد حضرت شاہ سعد اللہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں کمالِ اخلاص اور اعتقاد کے ساتھ وقت گزارا، مرشدِ کامل نے بھی آپ کی روحانی ترقی اور خلوص کو دیکھ کر بے حد خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجددی ان عظیم مشائخ میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے دکن میں سلسلۂ نقشبندیہ کی روحانی تعلیمات کو وسعت دی اور لاکھوں طالبانِ حق کو معرفتِ الٰہی اور علومِ کتاب و سنت سے بہرہ مند کیا۔ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے فیوض و برکات کو آپ نے اپنی خانقاہ کے ذریعے عام فرمایا، اور ہر علمی و روحانی میدان میں دور دور سے آنے والے افراد آپ کے علم و فیضان سے مستفید ہوتے رہے۔ اعیانِ سلطنت اور وقت کے متعدد امراء بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے اور آپ کی علمی بصیرت سے رہنمائی حاصل کرتے رہے۔ آپ کی خانقاہ سے ایسی ممتاز شخصیات نے تربیت پائی جنہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں کتاب و سنت کا نور عام کیا، اور آج تک اس خانقاہ کا روحانی فیضان جاری ہے۔

---

[1] ذاتی گفتگو موجودہ سجادہ نشین صاحب

[2] حالات نقشبند دکن، صفحہ 136،

اسی فیضانِ روحانی کے زیر سایہ حضرت مسکین شاہ نقشبندی کی تربیت و تکمیلِ سلوک بھی اسی خانقاہ میں ہوئی۔ مرشد کے حکم پر آپ مدراس تشریف لے گئے، جہاں تقریباً سات برس قیام فرمایا۔ اس دوران آپ نے علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کے ساتھ اصلاحِ قلوب، رشد و ہدایت اور روحانی تربیت کے فیوض عام کیے، جس کے نتیجے میں کثیر تعداد میں لوگ آپ کے اخلاق، سیرت اور روحانیت سے متاثر ہو کر حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔ بعد ازاں 1252ھ میں آپ دوبارہ حیدرآباد تشریف لائے اور اپنے مرشد کی خانقاہ (بازار گھانسی) میں حاضری دی۔ یہاں آپ نے پیر و مرشد کی خدمت، صحبت اور تربیت کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کے ایام ان کی معیت میں بسر کیے۔

عطائے خلافت

حضرت مسکین شاہ نقشبندی مجددی قادری کو آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی نے نہایت کمال توجہ، تربیتِ خاص، اور روحانی نگاہ کے ساتھ ایسے سرفراز فرمایا کہ آپ نے بفضل الٰہی تمام مدارجِ سلوک طے کیا، و نیز آپ نے بکمالِ ریاضت اور صدقِ دل کے ساتھ اذکار، اشغال، اور مراقبات میں مشغول ہو کر طریقت کے تمام مراتب طے فرمائے[1]، اسی فیضانِ توجہ و مجاہدات کے نتیجے میں آپ کو خلافت کی نعمت سے نوازا گیا، اور اسرارِ باطن کی دولت سے مشرف فرمایا گیا[2]۔

حضرت شاہ سعد اللہ صاحب نے آپ کو طالبانِ حق سے بیعت لینے اور ان کی روحانی تربیت فرمانے کی اجازت مرحمت فرمائی، آپ کا معمول تھا کہ خانقاہ شریف میں روزانہ مجلس میں اپنے مرشدِ گرامی کے ارشاد پر لوگوں پر توجہ خاص کے ذریعے روحانی علاج فرماتے، اور ساتھ ہی اپنے مرشد کو نمازِ تہجد کے موقع پر وضو کرانا آپ ہی کے ذمہ ہوتا، مرشد گرامی اپنے مریدین کو تعلیمِ اذکار و مراقبات کے لیے آپ کے حلقہ میں بھیجتے، حضرت نقشبندِ دکن اکثر فرمایا کرتے:

"مسکین شاہ کی نسبت سب پر غالب ہے، اور ان کی توجہ میں بڑی قوی تاثیر ہے۔"

اسی روحانی قوت کا اثر تھا کہ حضرت شاہ سعد اللہ صاحب اکثر بیماروں کو علاج و شفا کے لیے آپ کے پاس بھیجتے، اور بفضل الٰہی وہ فوراً صحت یاب ہو جاتے، حضرت مسکین شاہ 1270ھ تک اپنے شیخ کامل کی خدمت و صحبت میں رہے حسب الارشاد مفوضہ خدمت ارشاد و تلقین انجام دیئے۔ آپ کی توجہ، تربیت، اور تصرف باطنی کا فیض اس قدر عام ہوا کہ لاکھوں مرد و خواتین نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی، اور اپنی زندگیوں کو صلاح و تقویٰ کی راہ پر گامزن کیا۔

بادشاہانِ آصفیہ کی عقیدت مندی

حضرت قبلہ کے فیضان و کمالات کا چرچا جب دربار آصفیہ تک پہنچا، تو بادشاہ وقت، جناب افضل الدولہ بہادر، نظامِ پنجم، حضرت سے

---

[1] گلزار اولیاء، صفحہ 59

[2] حالات نقشبند دکن، صفحہ 137،

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بحسنِ اعتقاد بیعت ہوئے۔ اس کے بعد 9 رجب المرجب 1313ھ بروز جمعرات آصف جاہ جناب میر محبوب علی خاں بہادر نظامِ ششم نے بھی حضرت کے دستِ مبارک پر بیعت کی سعادت حاصل کی، یہ روحانی منظر "مخبر دکن، مدراس" میں تفصیل سے شائع ہوا، اخبار کے مطابق حضور نظام بذاتِ خود حضرت مسکین شاہ صاحب کے مکان پر حاضر ہوئے، آدھا گھنٹہ خلوت میں رہے، اور بیعت کے بعد ایک سو پچیس اشرفیاں نذر کے طور پر پیش کیں، اسی موقع پر حضور نظام نے حضرت کے حضور میں اشعار کی صورت میں اپنا نذرانۂ عقیدت پیش کیا:

مرشد میرے جناب ہیں مسکین شاہ ولی — لاکھوں میں انتخاب مسکین شاہ ولی
دین مبین کو رونق و تعظیم جو دیئے — واللہ وہ جناب ہیں مسکین شاہ ولی
نور محمدی میں فنا خود کو کر دیئے — کیا فرد لا جواب ہیں مسکین شاہ و لی
میں قطرہ ہوں سحاب ہیں وہ ذات مستطاب — میں ذرہ آفتاب ہیں مسکین شاہ ولی
آصف کو راستہ یہی بخشش کا مل گیا — خضرِ رَہِ صواب ہیں مسکین شاہ ولی

صاحبزادہ کی جانشینی:

حضرت مسکین شاہ نقشبندی مجددی نے اپنے آخری ایام میں سلسلہ کی امانت اور روحانی ذمہ داری اپنے لائق وفائق جانشین فرزندِ ارجمند حضرت صاحبزادہ غلام محمد المعروف بہ حضرت تسکین شاہ صاحب کے سپرد فرمائی، آپ نے نہ صرف زبانی طور پر بلکہ تحریری طور پر بھی اس امر کی تصدیق فرمائی، چنانچہ ایک مکتوب شریف بعنوان "امرِ شیخ" میں صاف الفاظ میں اپنے تمام مریدین، خلفا اور متعلقین کو حکم فرمایا کہ:

> "میرے بعد میرے فرزند عزیز غلام محمد المعروف بہ تسکین شاہ میری جگہ پر متصرف وجانشین ہونگے تم سب ان کی اطاعت و فرماں برداری کو لازم جانو، اور ان کی بیعت میں رہو، یہی میری خوشنودی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔"[1]

خلفاء ومجازینِ طریقت:

حضرت مسکین شاہ نقشبندی مجددی قادری کے روحانی فیوض وبرکات کا دائرہ نہایت وسیع تھا آپ نے جس حکمت، تربیت اور تزکیۂ باطن کے طریقے کو عام فرمایا، وہ دراصل آپ کے خلفا و مجازین کے ذریعے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلا، موصولہ معتبر روایات اور خانقاہی تذکروں کے مطابق انیس (19) خلفا کے اسمائے گرامی معلوم ہو سکے ہیں۔ ان خلفا میں دکن کی ایک نابغۂ روزگار وجلیل القدر ہستی حضرت سید مظفر حسین صاحب قبلہ (والد گرامی حضرت محدثِ دکن سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ)

---

[1] مختصر سوانح حیات (لذات مسکین) صفحہ 34

کا نام نمایاں ہے۔ آپ نے حضرت مسکین شاہ سے روحانی تربیت و خلافت حاصل کر کے علم و عرفان، ذکر و تصوف، اور اصلاح قلوب کی روشنی کو دکن کے علمی و روحانی افق پر پھیلایا۔ ان کے علاوہ آپ کے مشہور خلفاء کے نام درج ذیل ہیں۔

(1) حضرت مولوی احمد خیر الدین صاحب، (2) حضرت خواجہ محمد سلطان الدین صاحب صدیقی (کوکٹ پلی) (3) حضرت داؤد شاہ صاحب (مدور) (4) حضرت محمود شاہ صاحب (ناندیڑ) (5) حضرت غلام محمد شاہ صاحب (مسجد الہی کاماٹی پورہ) (6) حضرت خلیل الرحمن صاحب (برہان پور) (7) حضرت ضمیر الدین شاہ صاحب (پٹن چیرو) (8) حضرت خواجہ حسن صاحب (یمنی پورہ گلبرگہ) (9) حضرت شیخ احمد صاحب (اوسہ، عثمان آباد)

(10) حضرت شاہ ابراہیم صاحب (بیدر) حضرت خواجہ خضر صاحب (سجادہ حضرت شاہ سعد اللہ صاحب قبلہ) (11) حضرت حافظ خیر اللہ صاحب، (12) حضرت حافظ سید غلام غوث قادری صاحب (بہادر پورہ) (13) حضرت منشی محمد قطب الدین صاحب، (14) حضرت سید فراز علی صاحب (15) حضرت حاجی سردار خان صاحب (سرافزاء، افغانستان) حضرت سید بہاء الدین صاحب (نارائن کھیڑ) حضرت ملک سعد اللہ صاحب (17) حضرت ابو طاہر عبد القادر صاحب (18) حضرت مظہر احمد صاحب

آخری ایام: وصال سے ایک سال قبل نقاہت وضعف زیادہ ہو گیا تھا ایسی حالت میں بھی نماز، فرائض و سنن و نوافل و تہجد بحالت قیام و قعود ادا کرتے تھے، اس میں کچھ فرق نہ ہوا اور دوام ذکر اور اشغال و مراقبات و تعلیم مریدین برابر جاری تھے۔ 1314ھ میں ماہ ربیع الاول کے آغاز سے بارہ روز تک حسب سابق مجلس وعظ اور میلاد شریف منعقد ہوتی رہی، لیکن اس سال مرض کے شدید بڑھ جانے کی وجہ سے مجلس مبارک میں شریک نہ ہو سکے۔

وفات: بتاریخ 14 ربیع الاول بروز منگل، جو یومِ وصال حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت شیخ بابا فرید گنج شکر، اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا بھی ہے واصل بحق ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ بوقت وصال عمر شریف 112 سال تھی۔

نماز جنازہ میں بادشاہ وقت[1] کی شرکت: حضرت قبلہ کی خدمت بابرکت میں حضور بندگان عالی اور ارکان دولت اکثر حاضر رہا کرتے تھے اور بروز وصال بھی مکہ مسجد میں بوقت نماز جنازہ اور فاتحہ سیوم میں مع ارکان دولت شریک رہے، نماز جنازہ میں ہزار ہا اہل اسلام اپنی کمال سعادت سمجھ کر شریک ہوئے، ازدحام کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ چارمینار سے دروازہ علی آباد تک پیر رکھنے کی جگہ نہ تھی، [2]نمازہ جنازہ کی امامت آپ کے صاحبزادے حضرت تسکین شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمائی۔

حضرت کا خانقاہی نظام

آپ کی خانقاہ نہ صرف ذکر و ارشاد کا مرکز تھی بلکہ تزکیۂ نفس، تربیتِ باطن، اور اصلاحِ امت کا عظیم ادارہ بھی تھی، آپ کے فیوض و برکات

---

[1] مختصر سوانح حیات لذات مسکین (بقلم حضرت تسکین شاہ ثانی)

[2] حالات نقشبند دکن، صفحہ، 151

نے ہزاروں طالبانِ حق کے دلوں کو بدل دیا، اور آج بھی آپ کا فیض علی آباد (شاہ علی بنڈہ، حیدرآباد) سے پوری دنیا میں جاری وساری ہے۔
خانقاہی نظام کی بنیاد اور روحانی فیضان: حضرت مسکین شاہ کی خانقاہ کا نظام محض ظاہری اجتماع کا مرکز ہی نہیں تھا، بلکہ ایک روحانی تربیت گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں ہر آنے والا اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کے لیے حاضر ہوتا، اور حضرت اپنی باطنی توجہ سے قلوب کو منور فرماتے، آپ کے خلیفۂ خاص حضرت غلام محمد شاہ رکن نقشبندی اپنی کتاب (خلوت در انجمن) میں ایک روحانی مجلس کا نقشہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"ہمارے حضرت کے مکان میں بروز چہار شنبہ بعد نماز عصر، مولوی احمد خیر الدین صاحب تشریف لائے، حضرت نے اُنہیں تخت پر بٹھایا، عود کی خوشبو سے فضا معطر تھی، اور محفل میں ایسے اہلِ دل موجود تھے کہ اکثر آنکھیں بند کیے فیض میں غرق تھے۔ حضرت کی برکت سے سامعین پر کیفیتِ وجد طاری ہو جاتی، یہاں تک کہ لباس و دستار کا ہوش نہ رہتا، محفل کی آہ وزاری اور نعرۂ عشق کی صدائیں بازار تک پہنچتیں، اور راستہ چلنے والے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اُس جذب و فیض کی لہر میں بہہ کر محفل میں شامل ہو جاتے" یہ منظر محض ایک صوفیانہ محفل کا نہیں بلکہ باطنی انقلاب کی جھلک تھی، جہاں ذکر الٰہی کے ساتھ دلوں کا تزکیہ مقصود ہوتا، حضرت کی مجالس میں فیضانِ محبتِ رسول ﷺ اور تربیتِ اخلاق کی فضا ہمیشہ قائم رہتی تھی۔

محافلِ ذکر و نعت اور عشقِ نبوی ﷺ کا رنگ: حضرت مسکین شاہ کے معمولات میں نعت رسول ﷺ اور ذکرِ الٰہی کا ایک مرکزی مقام تھا، ہر محفل کے اختتام پر آپ چند منتخب اشعار پڑھتے جن سے دل عشقِ رسول ﷺ میں تڑپ اٹھتے، بالخصوص معراج النبی ﷺ کے ذکر کے وقت حضرت سعدی کا یہ مشہور قصیدہ آپ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا:

بَلَغَ العُلٰی بکماله کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِهِ
حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِهِ صَلُّوا عَلَیْهِ وَ آلِه ﷺ

ان اشعار کو پڑھنے کے بعد محفل میں ایسی روحانی کیفیت پیدا ہوتی کہ سامعین عشقِ نبوی ﷺ میں بے خود ہو جاتے، کبھی آپ ہندی اشعار کے ذریعے بھی دلوں کو نرم فرماتے، جیسا کہ کبھی یہ شعر بھی فرماتے۔

اچھی کہانی رات کہی زلف یار کی ہووے دراز عمر دلِ بے قرار[1] کی

تربیتِ مریدین اور خدمتِ خلق کا نظام:

حضرت کے خانقاہی نظام میں تربیتِ باطن کے ساتھ ساتھ خدمتِ خلق بھی بنیادی رکن تھا، آپ کے ہاں لنگرِ عام ہمیشہ جاری رہتا،

---

[1] خلوت در انجمن (خلیفۂ حضرت مسکین شاہ صاحب)

مریدین اور زائرین کے لیے قیام وطعام اور خدمت کا بہترین انتظام ہوتا، جس سے عوام وخواص بلالحاظ مذہب وملت مستفید ہوتے۔

حضرت کے وصال کے بعد نیاز کے لیے صرف خاص سے رقم کا رک جانا:

جس وقت حضرت کا وصال ہوا آپ کے صاحبزادے حضرت تسکین شاہ مسند سجادگی پر بیٹھے تو بدستور یہی سلسلہ نیاز کا جاری رہا، لیکن کشن پرساد جو اس وقت وزارت کے عہدہ پر تھے انھوں نے یہ رقم کو روک دیا، اس کے باوجود بھی حضرت اپنے ذاتی صرفہ سے اس سال اسی انداز سے نیاز کا اہتمام کرکے عوام وخواص کے لیے کھانے کا انتظام کیا، بعد میں حسب سہولت جیسا بھی میسر ہو حضرت کے شہزادگان ہر سال اس کا اہتمام کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور یہ روایت آج بھی علی آباد کی خانقاہ میں زندہ ہے، حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی کے عرس کے موقع پر خانقاہ مسکینیہ میں اس کا اہتمام ہو رہا ہے، بعد فجر قرآن خوانی، چادر گل، اور لنگر کا اہتمام ہوتا ہے جس میں کافی تعداد میں لوگ شریک رہ کر مستفید ہوتے ہیں، یہ اہتمام نیاز تو خاص حضرت کے مرشد گرامی کے عرس کے موقع پر ہوتا، ویسے تو روزانہ حضرت مسکین شاہ اپنے پیر و مرشد کی خانقاہ میں لنگر عام کا اہتمام فرماتے، اور جس وقت مالی حالات بہت تنگ ہو چکے تھے اور اس کے اہتمام کے لیے کافی مشکلات آنے لگیں، باورچی آکر بار بار کھانے اور دیگر ضروریات کے نہ ہونے کی شکایت کرتا، تو حضرت اس وقت گھانسی بازار میں تقریبا ایک سو بیس 120 مکانات جو آپ کی ملکیت میں تھے اس کو ایک ایک کرکے فروخت کرتے اور اس رقم کو لنگر کے لیے خرچ فرماتے، یہ عمل حضرت کی فیاضی اور خانقاہی نظام کی عظمت اور وسعت کو بتانے کے لیے کافی ہے۔

حضرت مسکین شاہ صاحب کے روحانی فیوض وبرکات کا تسلسل

حضرت مسکین شاہ نقشبندی مجددی قادری کے وصال کے بعد بھی آپ کی خانقاہ مرکزِ روحانیت، تزکیۂ نفس، تعلیمِ باطن، اور خدمتِ خلق کے طور پر آج تک قائم و دائم ہے، آپ کا خانقاہی نظام، جو ظاہری و باطنی تربیت کا حسین امتزاج تھا، آج بھی امت کے لیے منبعِ ہدایت اور سرچشمۂ فیض بنا ہوا ہے۔

حضرت کے خلیفہ و جانشین حضرت غلام محمد المعروف بہ تسکین شاہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار کے مشن کو نہایت اخلاص و استقامت سے آگے بڑھایا، آپ کے بعد حضرت غلام مرتضی المعروف بہ تحسین شاہ صاحب نے اسی روحانی نظام کو مزید وسعت دی، اور پھر آپ کے جانشین حضرت غلام حامد المعروف بہ یسین شاہ صاحب نے تزکیہ و تعلیم کے اس فیضان کو عام کیا، ان کے بعد حضرت خواجہ بہاء الدین المعروف بہ تسکین شاہ ثانی نے اس مشنِ فیض رسانی کو مزید استحکام عطا کیا، اور آج ان کے جانشین، حضرت غلام مرتضیٰ صدیقی المعروف بہ تحسین شاہ ثانی نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ مسند سجادگی پر بیٹھ کر اسی مشن کو بھرپور اخلاص و محبت کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہیں، اور آپ کے صاحبزادے مولانا محمد مجتبی صدیقی صاحب حفظہ اللہ کو نامزد جانشین کے طور پر مقرر فرمایا گیا ہے، تاکہ یہ روحانی فیض نسل در نسل اسی تسلسل کے ساتھ جاری و ساری رہے۔

تصانیف

حضرت مسکین شاہ علیہ الرحمۃ کی تصانیف کے حوالہ سے آپ کے پوتے حضرت تسکین شاہ ثانی رقمطراز ہے[1]، کہ آپ کی جمیع تصانیف فوائد فیوضات شریعت اور طریقت سے مالامال ہیں،(1) لذات مسکین فارسی (2) عقائد ضروریہ (اردو) جو آپ کے پیرومرشد نقشبند دکن حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی علیہ الرحمۃ کے عہد مبارک میں تصنیف ہوئی تھی۔اس کتاب کی مقبولیت عوام وخواص میں اس قدر زیادہ ہوگئی کہ خود پیرومرشد قبلہ اور اکابر علماء نے اس کو نہ صرف پسند فرمایابلکہ ہر خوردوکلاں کی ضرورت اور ہر گھر کی زینت قرار دیا۔

لذات مسکین کے ذریعے حضرت کے ارشادات تعلیمات اور عقائد کا مختصر انداز میں ذکر کیا جائے گا، جو تین حصوں پر مشتمل ہے،(پہلا حصہ)عقائد پر مشتمل ہے(دوسرا حصہ) مراقبات ،معمولات اذکار اور لطائف پر مشتمل ہے(تیسرا حصہ) مکتوبات اور ہدایات برائے مریدین وخلفا۔

لذات مسکین کے پہلے حصہ سے چند اقتباسات

حضرت مسکین شاہ نقشبندی نے اپنے ملفوظات میں عقائدِ اسلامیہ کی وضاحت نہایت واضح اور دل نشین انداز میں فرمائی ہے۔ذیل میں آپ کے کلمات زرین کا ایک اقتباس پیش کیاجارہاہے جس میں ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی صفاتِ کاملہ کانہایت جامع بیان موجود ہے:

"اس بات پر ایمان لاؤ اور یقین سے جانو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں، اللہ تعالیٰ قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ آپ اپنی ذات سے موجود ہے، واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود واجب اور لازم ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقی اور قدیم ہیں، مثلاً حیات، علم، قدرت، ارادہ، سماعت، بصارت، کلام اور تکوین۔اللہ تعالیٰ "حی، یعنی زندہ ہے بغیر جسم و جان کے علیم ہے بغیر وہم وخیال کے۔" قدیر ہے یعنی سب چیز پر قادر ہے، مرید ہے یعنی ارادہ کرنے والا۔تمام کام اس کے ارادہ سے ہوئے اور ہوتے ہیں، سمیع یعنی سننے والا ہے بغیر کانوں کے، بصیر، یعنی دیکھنے والا ہے بغیر آنکھوں کے، کوئی چیز اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں، متکلم یعنی باتیں کرنے والا ہے بغیر زبان کے، متکون یعنی پیدا کرنے والا ہے تمام ممکنات کا، مذکورہ صفات کو صفات کاملہ بھی کہتے ہیں، جاننا چاہئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کا پیدا کرنے والا ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی پیدا کرنے والا ہے تمام کام نیک ہوں یا بد، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں، لیکن وہ نیکی سے راضی ہوتا ہے اور بدی سے ناراض، اگرچہ دونوں کام حق سبحانہ کے ارادہ سے ہی ہیں، اس نے افعال کو پیدا کرنے کے باوجود بندوں کو کاموں کا اختیار عطا فرمایاہے، درمیان میں کسب ہے، بندہ

[1] مختصر سوانح حیات لذات مسکین (بقلم حضرت تسکین شاہ ثانی)

مختار ہے نیکی کرے یا بدی، اس اختیار کی وجہ سے نیکی پر ثواب اور بدی پر عذاب کرتا ہے۔"[1]

حضرت مسکین شاہ نقشبندی نے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے سلسلے میں نہایت واضح اور محتاط رہنمائی فرمائی، آپ نے اُن اقوال وافعال کی تفصیل بیان فرمائی جن سے مسلمان کا ایمان زائل ہو سکتا ہے، ذیل میں آپ کی تحریر سے اقتباس پیش ہے جو ایمان کے تقاضوں اور کفر کے اسباب پر روشنی ڈالتا ہے:

"وہ اقوال وافعال جن کی وجہ سے بندہ کافر ہو جاتا ہے:

مسلمان بندہ بعض کاموں اور باتوں سے کافر ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان سے بچائے اور اپنی حفاظت میں رکھے۔ اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، پیغمبر ﷺ کی اہانت کرنا یہاں تک کہ آپ کی چادر مبارک کو میلی کہنا، موئے مبارک کو اہانت سے بال کہنا، یا کسی ایک پیغمبر سے پھر جانا اللہ کے فرشتوں سے عداوت رکھنا، اللہ کی کتابوں کا انکار کرنا، قیامت کے دن کو باور نہ کرنا، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ سے ایمان کے بارے میں جو باتیں پہنچی ہیں، ان کو یقینی نہ جاننا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کے خوف سے بے فکر ہونا، کلمہ کفر، اعتقاد سے یا بغیر اعتقاد سے کہنا، کاہن (نجومی) کی غیب کی بتلائی ہوئی باتوں پر یقین کرنا، گناہ صغیرہ یا کبیرہ کو ہلکا جاننا، جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ان سے اس کی تعریف کرنا نیز اس کے نام کی ہنسی اڑانا اور اس کے امر ونہی کا مذاق اڑانا، اللہ کے وعدوں اور وعیدوں کا منکر ہونا، غیب کی باتیں کرنا کہ علم غیب سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے نبی کو وحی سے اور ولی کو الہام سے علم غیب عنایت فرماتا ہے، اس کے سوا دوسرے کو لازم نہیں کہ غیب کی باتیں کہے۔، شریعت نے جسے حلال کہا ہے اسے حرام جاننا اور حرام کو حلال جاننا، کسی چیز کے بارے میں آرزو کرنا کہ کاش حلال ہوتی، جس پر کفر ثابت ہو اس پر ہنسنا یا کسی کو کافر ٹھہرانے میں ساتھ دینا، بغیر طہارت کے نماز پڑھنا، قبلہ سے عمداً منہ پھیر کر نماز پڑھنا، حرام کام کو بسم اللہ سے شروع کرنا، شریعت کی توہین کرنا، اس کے علاوہ کفر ثابت ہونے کی اور بہت سی باتیں ہیں جن کو یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے[2]۔

حضرت نے محبتِ الٰہی کے حصول اور شیخ کامل کی ضرورت کو نہایت حسین انداز میں واضح فرمایا ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

"شیخ کامل کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیے، اور بیعت کے لیے کس شیخ کا انتخاب کریں؟

---

[1] لذات مسکین اردو ترجمہ، حصہ اول، صفحہ 38

[2] لذات مسکین اردو ترجمہ، حصہ اول، صفحہ 53

معلوم ہونا چاہئے کہ محبت الٰہی شیخ کامل کی نعلین برداری کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، شیخ کامل کی علامت یہ ہے کہ وہ بال برابر بھی خلاف شرع نہ کرے، نہ ظاہراً نہ باطناً۔ اس کی صحبت سے دنیا کا غم دل سے ڈھل جائے اور توجہ الی اللہ پیدا ہو۔ وہ خود بھی راستہ کا جاننے والا اور دوسروں کو راستہ بتانے والا ہو، مقامات سلوک پیر کامل سے طے کیا ہوا ہو۔ ایسے شیخ کی غلامی اختیار کر کے آخر عمر تک ان کے قدموں کے سایہ میں رہے[1]۔

اس کے علاوہ حضرت نے پہلے حصہ میں فقہی مسائل کو بھی بڑے جامع انداز میں تحریر فرمایاہے، مضمون کی طوالت کی بناء پر اس کو ترک کیا جارہاہے۔ اسی طرح حضرت نے تیسرے حصے میں مریدین اور خلفا کے لیے ہدایات اور قیمتی نصیحتیں فرمائیں[2]، ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

اے صوفیان عالی مقام: اور اے محبان خیر الانام: آپ کے سر پر جو بار خلافت اور تاج اجازت رکھا گیا ہے خدائے کریم کی عجب نعمت ہے، مقام ارشاد و تکمیل انبیاء کے مقامات اور مراتب میں سے ہے، جس کسی کو ان کی امت میں سے باتباع و وراثت اس دولت عظمی سے نوازنا چاہتے ہیں، نوازتے ہیں، یہ تاج بخشی ہمارے پیروں سے ہم تک پہنچی ہے، سروری اور سرمدی ہے، اور فخر دنیوی ہے بمصداق حدیث شریف (اَلْفَقْرُ فَخْرِي[3]) لیکن اس تاج کا محکوم عظیم لشکر رکھتا ہے، لازم ہے کہ اس تاج کا رکھنے والا، ان افواج کا محب ہو: فوج اول زہد، فوج دوم تقوی، فوج سوم، ورع، فوج چہارم، ریاضت، فوج پنجم، صبر، فوج ششم، قناعت، فوج، ہفتم توکل، فوج ہشتم، رضا، فوج نہم، تسلیم، یہ فوج جس علاقہ پر سے بھی گزرتی ہے وہ علاقے اس کے فرمانبردار ہو جاتے ہیں، اور سر نیاز قدموں پر رکھتے ہیں حتی کہ اہل قبور بھی۔ الْحَمْدُ لِله علی نَعْمَائِهِ وَإِحْسَانِهِ .اے صوفیان صاف اور اے صاحبانِ ذی اوصاف: خلافت کا یہ بار گراں جو آپ کے سر پر رکھا گیا ہے کچھ معمولی نہیں ہے، ایسانہ ہو کہ شیطانی فریب اور نفسانی مکر آپ کی عبائے تعظیم کو قباحت ابدی میں ڈال دے۔ اے صوفی: اگر پیر دائرہ عزیمت سے قدم باہر نکالے تو یقینی امر ہے کہ مرید دائرہ مباح سے نکل جاتا ہے، اور مرید کا حال پیر کے لیے وبال بن جاتا ہے، ایک شخص جو ابتداء میں نان شبینہ کا محتاج تھا اور بعد میں بفضل الٰہی تخت شاہی پر بیٹھا اس سے اس کے دوست نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ کہا کہ پہلے زمانہ میں صرف اپنی جان کی فکر رہتی تھی، اور اب جہاں کی تشویش میں مبتلا ہوں، اس سے سمجھو کہ شیخ بنا ایک سرسری اور چل چلاؤ کا کام نہیں

---

[1] لذات مسکین

[2] لذات مسکین اردو ترجمہ، حصۂ سوم، صفحہ، 193

[3] بحار الانوار، ج69، صفحہ30

تصرف نفس: نفس اور شیطان کا تصرف حد سے بڑا ہوا رہتا ہے: یہ ہمیشہ قابو پانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ گردن پر سوار ہو کر دوزخ کے گڑھے میں ڈال دیتے ہیں، لہذا شیوخ پر لازم ہے کہ ہر وقت اور ہر آن ان سے ڈرے اور سہمے ہوئے رہیں، اور ارواح پیرانِ پیر کبار سے امداد کے طالب رہیں، الٰہی ان صوفیوں کو تیری پناہ میں دیتا ہوں[1]۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِه سَيِّدِنَا مُحَمَّد وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ أَجْمَعِينْ

*****

مصادر و مراجع:

1۔ مسکین شاہ، حضرت۔ لذّاتِ مسکین ۔ترجمہ: ڈاکٹر شاہ محمد عارف الدین فاروقی۔ طبع دوم، 1436ھ۔

2۔ دلکش، حیدرآباد۔ حالاتِ نقشبندِ دکن ۔ سن طباعت 1963ء۔

3۔ رکن نقشبندی مجددی قادری، حضرت غلام محمد شاہ۔ خلوت در انجمن ۔ طبع دوم، 2016ء۔

4۔ محدثِ دکن، سید عبد اللہ شاہ نقشبندی۔ گلزارِ اولیا 1980 ۔ء۔

5۔ مجلسی، علامہ شیخ محمد باقر۔ بحار الانوار ۔ دار احیاء التراث العربی۔

[1] لذات مسکین، جلد سوم صفحہ 193،

سید شاہ راجو قتال کی حیات و خدمات

سید غازی الدین*

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انسانوں کی اصلاح کے لیے رہبر بھیجے، دین پر چلنے اور اسلامی تعلیمات دینے کے لیے پیغمبروں کے بعد متعدد ولیوں اور بزرگوں نے بھی محنت کی ہے، ہر علاقے میں اپنے طرز پر لوگوں نے کام کیا ہے۔ ایسے ہی دکن کی سرزمین پر بہت سے ولی اللہ گذرے ہیں جنھوں نے سماجی اور ثقافتی میدان میں برائیوں کے خلاف محنت کی ہے، جن میں ایک اہم نام حضرت سید شاہ راجو قتال کا ہے، دکن میں تصوف کی خاموش لیکن مستند شخصیات میں حضرت سید شاہ راجو قتال الحسینی عظیم الشان روحانی مقام رکھتے ہیں۔

حضرت سید شاہ راجو قتال رحمۃ اللہ علیہ دکن کے جلیل القدر صوفی بزرگ اور سلسلۂ چشتیہ کے روشن چراغ تھے۔ وہ اپنے قلبی اور روحانی نظم و ضبط کے لیے قتال کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ مصری گنج حیدرآباد میں ایک عظیم الشان درگا میں آرام فرماہیں۔ آپ ایک ایسے ولی تھے جن کے خاموش نظم و ضبط نے پورے عہد کے روحانی مزاج پر اثر ڈالا، آپ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی اولاد سے تھے اور آپ چشتیہ اور سہروردیہ دونوں سلسلوں کے مجمع البحرین تھے۔ آپ کی روحانی گہرائی، سادہ طرز زندگی اور نفس پر عبور نے آپ کو قتال کا منفرد خطاب دلوایا جو دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں بلکہ اپنی انا کو مارنے کے سبب تھا۔ آپ حکمرانوں اور سالکوں دونوں کے مرجع تھے۔

آپ کی ولادت 1002ھ میں بیجاپور میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ ءنسب حضرت سید شاہ اکبر حسینی قدس سرہ کے ذریعے آٹھویں پشت میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ سے جاملتا ہے۔ اپ موجودہ کرناٹک کے علاقے بیجاپور میں علماء اور صوفیہ کے ایک انتہائی معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا پورانام حضرت سید شاہ راجو محمد الحسینی قتال تھا۔ آپ کے والد حضرت سید شاہ محفوظ اللہ حسینی تھے اور بعض ذرائع کے مطابق اپ کے دادا حضرت سید شاہ اسد اللہ حسینی تھے، اس خاندان کا سلسلہ نسب حضرت امام حسین ابن امام علی سے ملتا ہے اور آپ کے حضرت خواجہ الحسینی بندے نواز گیسو دراز گلبرگوی سے قریبی روحانی تعلقات تھے۔ بچپن ہی سے آپ اپنے چچا اور روحانی شیخ حضرت سید اکبر محمد الحسینی رحمت اللہ علیہ کے زیر سایہ رہے جو گہری علمی اور صوفیانہ بصیرت کے مالک تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد حضرت سید شاہ سفیر اللہ حسینی قدس سرہ کے زیر سایہ حاصل کی۔ حضرت شاہ راجو قتال نے ظاہری اور باطنی علوم دونوں میں تربیت پائی۔ آپ نے قران حفظ کیا، حدیث کی تعلیم حاصل کی اور اپنے چچا کی نگرانی میں تفصیل فقہ اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ اس دوہری تربیت نے انہیں اسلامی علوم وفنون اور سخت باطنی نظم و ضبط دونوں میں پختہ بنادیا جو کہ کسی بھی سالک کے لیے ایک بنیادی ضرورت ہے، آپ کی بیعت نے آپ کو چشتیہ اور سہروردیہ سلسلے سے جوڑ دیا جو حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء چشتی اور حضرت خواجہ الحسینی بندے نواز گیسو دراز گلبرگوی سے گزرتا ہے۔ بالا آخر آپ نے اپنے چچا کے ہاتھوں پر بیعت کی اور خلیفہ

(روحانی جانشین) کے طور پر مقرر ہونے تک انہی کی قربت و صحبت میں رہے۔ بعد ازاں، اپنے عم محترم حضرت سید شاہ اکبر حسینی قدس سرہ کے زیر تربیت رہے، جنہوں نے آپ کو بیعت و خلافت سے سر فراز فرمایا۔[1]

بیجاپور میں روحانی تربیت مکمل کرنے کے بعد حضرت راجو قتال اپنے چچا کے ساتھ حیدرآباد ہجرت کر گئے۔ وہاں آپ قطب شاہی دارالحکومت کے روحانی حلقوں کا ایک لازمی حصہ بن گئے۔ آپ کی ساکھ اور خلوص نے حکمران اشرافیہ سمیت بہت سے سالکوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ آپ ایک کے بعد دیگر دو قطب شاہی حکمرانوں سلطان عبد اللہ قطب شاہ اور ان کے بیٹے ابو الحسن قطب شاہ کے روحانی رہنما بنے۔ دربار میں قابل احترام ہونے کے باوجود حضرت شاہ راجو قتال دنیاوی معاملات سے دور رہے اور باطنی اصلاح اور روحانی معمولات پر توجہ دیتے رہے۔ آپ نے عوامی تبلیغ پر باطنی نظم وضبط خاموشی اور ذکر خدا کو ترجیح دی۔

حضرت شاہ راجو قتال کی تعلیمات کا مرکزی محور زہد مجاہدہ اور مکمل ضبط نفس تھا۔ آپ کے شاگرد آپ کو انا کے ساتھ آپ کی شدید جنگ کے لیے جانتے تھے اس لیے آپ کو قتال کا لقب دیا گیا جس کا مطلب ہے نفس کا قاتل، آپ ہمیشہ ذکر و مراقبہ میں مشغول رہتے اور قلب و باطن کے آسودگی کے لیے سماں کی حوصلہ افزائی کی آپ کے ساتھ منسلک سب سے مشہور روحانی واقعات میں سے ایک سماع کا اجتماع ہے جہاں آپ جلتے ہوئے کوئلوں پر بغیر کسی نقصان کے چلتے رہے اور اس لمحے کو آپ کی روحانی پاکیزگی اور ضبط نفس کی علامت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے آپ نے فارسی میں متعدد تصانیف کی جن میں تحفۃ النصائح دیوان راجہ مثنوی راجہ اور سہاگن نامہ، جو کہ ایک صوفیانہ تمثیل ہے جو دکن کے خانقاہوں میں رائج ہے۔

حضرت شاہ راجو قتال رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ حیدرآباد دکن میں رشد و ہدایت کا مرکز بنی، آپ کی تعلیمات سے عوام و خواص، امیر و غریب، ہر طبقہ مستفید ہوا۔ آپ کی خانقاہ میں مختلف مسالک اور مذاہب کے لوگ روحانی فیض حاصل کرنے آتے تھے۔ آپ نے تصوف کے ذریعے معاشرتی اصلاح اور روحانی تربیت کا فریضہ انجام دیا۔

حضرت شاہ راجو قتال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ کو سماجی اصلاح کا مرکز بنایا۔ آپ نے تعلیم، روحانیت، اور اخلاقی تربیت کے ذریعے معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لائیں۔ آپ کی تعلیمات نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو بھی متاثر کیا۔ آپ کو نہ صرف آپ کی تحریروں سے یاد کیا جاتا ہے بلکہ سیر محمدی، روضتہ الاولیاء، تزک محبوبیہ اور ارمغان سلطانی جیسی تحریروں سے بھی یاد کیا جاتا ہے آپ کے منقبت اور قصص آج بھی پوری دنیا کی اجتماعات میں سنائے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ راجو قتال رحمۃ اللہ کے والد حضرت سید شاہ سفیر اللہ حسینی قدس سرہ تھے، جو خود بھی ایک جید عالم اور صوفی بزرگ تھے۔ دکن کے بزرگ حضرت شاہ راجو قتال رحمۃ اللہ علیہ ایک معروف ولی اللہ، عالم با عمل، اور اصلاحی و سماجی تحریک کے بانی تھے جنہوں نے دکن میں نہ صرف دین کی تبلیغ کی بلکہ معاشرتی برائیوں کے خلاف بھی زبردست جدوجہد کے ذیل میں ان کی سماجی و اصلاحی خدمات پر ایک مختصر مگر جامع تلخیص پیش ہے۔

حضرت شاہ راجو قتال نے قادری سلسلے کی تعلیمات کو دکن میں فروغ دیا۔ انہوں نے بیجاپور میں ایک خانقاہ قائم کی جہاں سے انہوں نے

روحانی تعلیمات کا آغاز کیا۔ ان کی خانقاہ میں طلباء اور مریدین کی کثیر تعداد آتی تھی جو ان سے روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔ ان کی تعلیمات میں توحید، اخلاص، اور نفس کی پاکیزگی پر زور دیا جاتا تھا۔

حضرت شاہ راجو قتال نے نہ صرف روحانی بلکہ سماجی اصلاحات میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے تعلیم کے فروغ کے لیے مدارس قائم کیے جہاں دینی اور دنیاوی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ انہوں نے عوام کو اخلاقی تربیت دی اور معاشرتی برائیوں کے خلاف آواز بلند کی۔ ان کی تعلیمات نے دکن کے معاشرے میں مثبت تبدیلیاں پیدا کیں۔

حضرت شاہ راجو قتال نے کئی علمی کتابیں تصنیف کیں جن میں تصوف، اخلاقیات اور فقہ کے موضوعات شامل ہیں۔ ان کی تصانیف نے دکن میں علمی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی تعلیمات آج بھی مختلف مدارس اور خانقاہوں میں دی جاتی ہیں۔

جب آپ اپنے عم محترم حضرت سید شاہ اکبر حسینی کے ساتھ بلدہ حیدرآباد تشریف لائے، عم محترم نے برادرزادہ کو بھی بعد تعلیم و تربیت، جب اس میں کامل پایا تو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا اور بعد وصال عم محترم حضرت شاہ راجو مسند سجادگی پر فائز ہوئے اور شد وہدایت فرمانے لگے۔ حضرت کی تعلیمات اور خانقاہ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق ہزاروں کی تعداد میں جمع ہونے لگے۔ عامی وہ عالم امیر و غریب ہر عقیدہ اور ہر مسلک کے لوگ حضرت کے ارشادات عالیہ سے مستفید ہونے لگے۔ اسی اثناء میں ابوالحسن نامی ایک نوجوان حضرت کی خدمت میں آکر خانقاہ میں رہنے لگا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ابوالحسن ایک وقت خانقاہ سے نکل رہا تھا اور عبداللہ شاہ خانقاہ میں حاضری کے لیے داخل ہو رہا تھا اس وقت حضرت خانقاہ میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت نے اس منظر کو دیکھ کر فرمایا ایک بادشاہ جا رہا ہے اور ایک بادشاہ آ رہا ہے لیکن حضرت کا ارشاد عالیہ بہت جلد حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ ہوا یوں کہ عبداللہ قطب شاہ کی سب سے چھوٹی لڑکی کی شادی جو پہلے سے طے شدہ تھی عین وقت پر کسی وجہ سے ٹوٹ گئی بادشاہ بہت پریشان ہوا اور حضرت سے رجوع ہوا حضرت نے ارشاد فرمایا ابوالحسن کو بادشاہ کے پاس لے جاؤ اور اس کا عقد بادشاہ کی لڑکی سے کر دو۔ حضرت ارشاد کی تعمیل ہوئی چنانچہ یہی ابوالحسن جو خانقاہ کا جاروب کش تھا بعد میں ابوالحسن تانہ شاہ کے نام سے قطب شاہی تخت پر بادشاہ کی حیثیت سے فائز ہوا۔ اس طرح حضرت کا فرمان حقیقت بن کر پورا ہوا حضرت شاہ راجو علوم دینی اور دنیاوی پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، چنانچہ خانقاہ میں پابندی سے درس و تدریس کا سلسلہ ہوا کرتا تھا جس سے ہزارہا بندگان خدا مستفید ہو کر صبر و توکل قناعت و ریاضت اصلاح باطن پر گامزن ہوتے تھے، حضرت سید شاہ راجو محمد، محمد الحسینی ,, زادالموحدین،، میں جو آپ کے خطاب کا مجموعہ ہے ارشاد فرماتے ہیں، نماز جماعت سے پڑھنا سنت موکدہ ہے جو کوئی 40 سال تک ایک فرض نماز بھی جماعت کے بغیر نہ پڑھے صوفیاء کرام میں ایک خاص مقام رکھتا ہے اور باطنی طور پر جماعت سے نماز پڑھنے سے مراد قلب روح سر اور خفی کو ایک ساتھ جمع کرتا ہے۔ جب یہ سب ایک ساتھ جمع رہیں تب نماز باجماعت درست ہوتی ہے تقریبا 50 سال تک درس و تدریس اور ارشادات عالیہ کے ذریعے مخلوق خدا کی رہبری اور رہنمائی فرمائے۔

شاہ راجو قتال رحمۃ اللہ علیہ دکن کے ان بزرگ اولیاء میں سے تھے جنہوں نے نہ صرف روحانیت کے میدان میں خدمات انجام دیں بلکہ

معاشرتی اور سماجی سطح پر بھی اصلاحات کا جھنڈا بلند کیا۔ وہ ایک مجاہد، اصلاح پسند، صوفی، درویش، اور فقر و زہد کے پیکر تھے۔
شاہ راجو قتال نے دکن کے علاقے میں جب دیکھا کہ:

- سماجی ناانصافیاں بڑھ رہی ہیں، ذات پات اور اونچ نیچ کا نظام معاشرتی زہر بن چکا ہے
- مذہبی تعصب اور جہالت کا دور دورہ ہے
- عورتوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں تو انہوں نے ایک سماجی، روحانی اور اصلاحی تحریک کا آغاز کیا۔ یہ تحریک دین اسلام کے اخلاقی اصولوں، تصوف، اور عملی خدمت پر مبنی تھی
- ہندو مت کے طبقاتی نظام کے اثرات عوامی ذہنوں پر غالب تھے۔ شاہ راجو قتال نے فرمایا
- "انسان کا اصل معیار اس کے کردار و نیت سے ہے، نہ کہ اس کی پیدائش سے۔"
- انہوں نے تمام مذاہب کے غریب، پسماندہ اور کمزور طبقات میں اتحاد اور خودداری کا پیغام پھیلایا۔

تعلیم و تربیت کا فروغ

انہوں نے خانقاہی نظام کے تحت تعلیم و اخلاق کی تحریک چلائی، جہاں مذہبی و دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ لوگوں کو صفائی مساوات، حسنِ سلوک، عبادات، خودداری کی تعلیم دی جاتی تھی۔

تصوف کے ذریعے اصلاح

شاہ راجو قتال کا طریقہ کار سخت گیر نہیں تھا بلکہ صوفیانہ محبت اور نرمی پر مبنی تھا۔ وہ روحانی مجالس، ذکر، خدمتِ خلق، اور سماجی میل جول کے ذریعے دلوں میں تبدیلی لاتے تھے۔

خواتین کی حالت بہتر بنانے کی کوشش

انہوں نے عورتوں کو باوقار مقام دلانے پر زور دیا۔ جہیز، کم عمری کی شادی، اور پردے کے غلط تصورات کی مخالفت کی اور کہا کہ: "عورت ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کے روپ میں اللہ کی امانت ہے۔ اسے تعلیم، عزت اور تحفظ دینا ہمارا فرض ہے۔"

بین المذاہب رواداری

ان کی مجلسوں میں مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم افراد بھی آتے تھے۔ وہ انسانیت، اخلاق اور روحانیت کی بنیاد پر اتحاد و اخوت کا درس دیتے تھے۔

تحریک کے اثرات

آپ کی علمی و سماجی اصلاحات کے کئی نتیجے سامنے آئے، جن میں: عوامی بیداری، دکن میں صوفیاء کی تحریک کو نئی توانائی، خانقاہی نظام کی توسیع، انسانیت کا پیغام عام ہونا، طبقاتی نظام میں کمزوری آنا وغیرہ ہیں۔

اقوالِ زرّیں (منسوب)

"اگر تم خود کو بہتر بناؤ گے، تو دنیا بہتر ہو جائے گی"، "محبت ایسی ہو کہ دشمن بھی دوست ہو جائے"، "علم کے بغیر عبادت، اور اخلاق کے بغیر علم بیکار ہے"

ظاہری اور باطنی تعلیم

آپ نے ظاہری تعلیم اور باطنی (روحانی، عرفانی امور) دونوں طرح کی تعلیم حاصل کی۔ ظاہری تعلیم میں قرآن حفظ کرنا، احادیث کا مطالعہ، قرآن کی تلاوت اور تشریحات شامل تھیں۔ آپ نے تقریباً نصف صدی تک مریدین اور طلباء کو مذہبی، اخلاقی اور روحانی تعلیم دی۔ آپ خانقاہ میں باقاعدہ درس و تدریس کیا کرتے تھے جہاں: تفسیرِ قرآن، اسرار و رموزِ قرآنی آیات کی تشریح، اصولِ تصوف اور معرفتِ الٰہی کا درس ہوتا تھا۔

طلباء کی تیاری، بیعت اور رہبری

ایسے طلبہ جو مرید بننا چاہتے تھے، وہ آپ کی بیعت کرتے تھے اور آپ انہیں رہنمائی فراہم کرتے تھے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے قریب ہوں۔ آپ نے تعلیم کے ذریعے لوگوں کے اخلاق اور قلب کی صفائی پر بھی زور دیا، تنقیدی سوچ، تعصب سے اجتناب اور محبت و شفقت کے اصول سکھائے۔

علمی و روحانی مکاتب کا اجتماع اور متنوع شرکاء

آپ کے دربار میں نہ صرف اہلِ تصوف بلکہ عام لوگ، امیر و غریب، علما و فقہا، و مرید شامل ہوتے تھے۔ مختلف مکاتب فکر کے لوگ بھی سیکھتے تھے۔ آپ کے نظام تربیت میں تربیتی نشستیں، عقائد، عبادات کی اہمیت، طہارتِ نفس اور مراقبے کی مشقیں شامل تھیں۔

اثر و نفوذ

آپ کی تعلیمی سرگرمیاں اور رہبری کچھ ایسے حکمرانوں اور اشراف میں بھی اثر انداز ہوئی مثلاً: سُلطان قطب شاہ (Golconda) آپ کے مرید تھے اور آپ کے مشورے سے سرکاری معاملات میں بھی رہنمائی لی جاتی تھی۔ تعلیم کا یہ سلسلہ نہ صرف ان کے زمانے بلکہ بعد کے زمانے تک جاری رہا۔ شاہ راجو قتال کا وصال دکن ہی میں ہوا، اور ان کا مزار آج بھی زائرین کے لیے مرکزِ روحانیت ہے۔ ان کی خانقاہ و درگاہ پر ہر سال عرس کا انعقاد ہوتا ہے جہاں ہندو، مسلمان سب شریک ہوتے ہیں، شاہ راجو قتال کا چار روزہ سالانہ عرس اسلامی کیلنڈر کی 13 سے 16 صفر تک منایا جاتا ہے جس میں ہزاروں عقیدت مند شرکت کرتے ہیں یہ درگاہ فی الحال تلنگانہ اسٹیٹ وقف بورڈ کے زیر انتظام ہیں اور یہاں روزانہ روحانی سرگرمیاں انجام دی جاتی ہیں،

شاہ راجو قتال رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف ایک ولی اللہ تھے بلکہ وہ دکن کی سرزمین پر ایک اصلاحی، فکری، اور انقلابی تحریک کے بانی بھی تھے۔ ان کی تعلیمات آج بھی سماجی ہم آہنگی، انسانی عظمت، اور اخلاقی بہتری کا پیغام دیتا ہیں۔

بدعات و خرافات کے خلاف جہاد

حضرت شاہ راجو قتال نے اس وقت کی معاشرتی بدعات جیسے قبروں کی پوجا، جھوٹے پیر، غیر اسلامی رسومات اور فضول خرچی کے خلاف علانیہ آواز اٹھائی، ان کی مجلسوں میں قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح دین کی تعلیم دی جاتی۔

اخلاق و کردار کی تربیت

ان کا زور کردار سازی پر تھا، وہ کہتے "ظاہر کو سنوارنے سے پہلے باطن کو پاک کرو۔" ان کی خانقاہ میں آنے والے ہر فرد کی روحانی تربیت ہوتی، انفرادی و اجتماعی اخلاق کی درستگی پر زور دیا جاتا۔ انہوں نے ذات پات، اونچ نیچ اور جاگیرداری نظام کے خلاف تعلیم دی، ان کا پیغام تھا، "سب انسان برابر ہیں، اللہ کے ہاں برتری تقویٰ سے ہے۔"

امن، رواداری اور صلحِ کل کا پیغام

انہوں نے فرقہ واریت سے دور رہ کر تمام مذاہب کے لوگوں کو حسنِ سلوک، بھائی چارے اور انسانیت کا درس دیا، ان کے مریدوں میں مختلف طبقات و مذاہب کے لوگ شامل تھے، شاہ راجو قتال کے مریدین میں غریب و امیر، متوسط لوگ، علما و عوام سبھی شامل تھے، وہ اپنی خانقاہ میں ہر آنے والے کا احترام کرتے تھے، چاہے وہ سادہ آدمی ہو یا معزز شخصیت۔ ان کے اخلاقِ عالیہ کی وجہ سے مریدین انہیں بہت مانتے تھے

- آپ نے فارسی اور مقامی زبانوں میں تحفۃ النصائح تصنیف کی جو نصیحت و رہبری کا لائحہ عمل ہے۔
- آپ نے شاعری بھی کرتے تھے، مجموعہ اشعار موجود ہے، جس میں منقبت، نصیحت اور عرفان کے موضوعات ہیں۔

درگاہ عالیہ

آپ کی درگاہ (مزار) مصری گنج، حیدرآباد میں واقع ہے، جس کی تعمیر، گنبد اور ستون قابلِ توجہ تعمیراتی خوبی رکھتے ہیں۔ درگاہ کا گنبد بہت عالیشان ہے، ستون تقریباً 25 فٹ اونچے ہیں، اور تعمیراتی اور تزئینی کام قدرے اب بھی جاری یا مرمّت شدہ حالت میں ہے۔ ہر سال آپ کا عُرس منایا جاتا ہے، جس میں لوگ دور و نزدیک سے عقیدت و احترام کے ساتھ شرکت کرتے ہیں تاکہ روحانی فیض حاصل کرسکیں۔

آپ نے مریدین میں تعصب، تنگ نظری، حسد اور دنیاوی گرائیاں کم کرنے کی تعلیم دی، تاکہ دلوں میں محبت، تواضع، اور نفس کی پاکیزگی قائم ہوسکے۔ عبادات، روزمرہ مستحب اور سنت نما اعمال پر زور دیا، مثلاً نماز کی پابندی، رات کی نمازِ تہجد، قرآنی تلاوت اور ذکر گناہوں سے اجتناب کرنے کے مسائل۔ گولکنڈہ سلطنت کے حکمرانوں، خاص طور پر سلطان عبد اللہ قطب شاہ نے آپ کو عزت بخشی، اور درگاہ کے انتظام اور مرمت کے لیے عطاءات کا اہتمام کیا گیا۔ عوام کے مالی و روحانی فلاح و بہبود کا خیال رکھا گیا، یعنی درگاہ میں فقیر و مسکینوں کی مدد، سوال و جواب کے دائرے، مشکل حالات میں رہنمائی وغیرہ فراہم کی گئی۔

حضرت راجو قتال کی علمی و اصلاحی تحریک نے دکن میں ایک ایسی اسلامی و اصلاحی فضا قائم کی جو بعد میں کئی خانقاہوں اور مشائخ کے لیے مشعلِ راہ بنی، ان کے خلفاء اور مریدین نے ان کے پیغام کو پھیلایا،

حضرت شاہ راجو قتال کی شخصیت صرف ایک صوفی یا عالم کی نہیں بلکہ ایک سماجی انقلابی کی تھی، جنہوں نے دین و دنیا کو ایک ساتھ جوڑنے کی کامیاب کوشش کی۔ ان کی اصلاحی تحریک آج بھی ایک مثالی نمونہ ہے جو ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم دین کو صرف عبادات تک محدود نہ رکھیں بلکہ اس کی روح کو معاشرے میں نافذ کریں،

حضرت شاہ راجو قتال رحمۃ اللہ علیہ نے 16 ویں صدی کے اواخر میں اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ آپ کا مزار حیدرآباد دکن میں واقع ہے، جو آج بھی زائرین کے لیے روحانی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ابوالحسن تاناشاہ نے فرطِ عقیدت سے حضرت کے مزار مبارک پر ایک عالیشان گنبد مبارک تعمیر کروایا جو فن تعمیر کا ایک نادر شاہکار ہے جس کی اونچائی 165 فٹ ہے اور 115 پلرز پر مشتمل ہیں، حضرت سید شاہ ندیم اللہ حسینی کی زیر نگرانی حضرت سید شاہ راجو محمد محمد الحسینی کے عرس تقاریب 13، 14، 15، 16 صفر المظفر کو عظیم الشان پیمانے پر منعقد ہوتی ہے جس میں معتقدین و مریدین، ریاست و بیرون ریاست سے بلا مذہب و ملت ہزاروں کی تعداد میں شرکت کر کے فیض حاصل کرتے ہیں حضرت کا فیضان آج بھی جاری و ساری ہے، مزار کے لکڑی کے تختے، مکتب کے روشن قواعدِ لکھائی، اور فنِ خطاطی (نستعلیق تحریر) کی جھلک درگاہ کی تزئین و آرائش میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ ریاست تلنگانہ نے آثارِ قدیمہ اور میوزیم ڈیپارٹمنٹ کے ذریعے مزار کی مرمت اور بحالی کا کام شروع کیا ہے تاکہ تاریخی و ثقافتی حیثیت محفوظ رہے۔ عوامی اور سرکاری شراکت داری سے ثقافتی مقام کو نمایاں کرنے کے کام ہوئے ہیں، جیسے "Landmarks of the Deccan" سیریز میں یہ مزار شامل ہے۔

*****

مراجع و مصادر

1. "Hazrat Syed Shah Raju Qattal Hussaini: The Hidden Qutb" – New Age Islam

2. "Hazrat Shah Raju Qattal" – Islamic Heritage

3. "Sufism in Marathwada" – Thesis

4. "Dargah of Shah Raju" – Wikipedia

علامہ ابراہیم ادیب اور تصوف

حافظ سید واحد علی قادری*

دکن کی خانقاہی شخصیتوں میں ایک نابغۂ روزگار ہستی علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، آپ عظیم محدث ومفسر، ادیب وشاعر ہونے کے ساتھ ساتھ دکن کے ایسے صوفی بزرگ رہے ہیں جنھوں نے علم تصوف میں اہم موضوعات پر کتب ورسائل تحریر فرمائے، عربی واردو، دونوں زبانوں میں آپ کی تصنیفات دنیائے علم میں روشنی بکھیر رہی ہیں، دکن کے کئی ایک کبار مشائخ وعلما آپ کے شاگرد رہے، علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے نور کی حقیقت اور مختلف عوالم میں اس کے اعتبارات بیان کیے، نظریۂ وحدۃ الوجود اور نظریۂ وحدۃ الشہود کی گہرائی سے تفہیم کی، عوالمِ لاہوت وجبروت، ملکوت وناسوت کے مابین فرق وربط بیان فرمایا، مراتب حق تعالیٰ؛ احدیت، وحدت، واحدیت کو سمجھایا، اعیان ثابتہ، حقائق اسمائے الہیہ، صفات الہیہ، مرتبۂ قید، مرتبۂ لاقید، غیوب سبعہ، خلافت الہیہ، تنزیہ وتشبیہ، فنا وبقا جیسے دقیق مضامین پر سیر حاصل گفتگو فرمائی، آپ نے استغفار کے چار مدارج اور چھ صورتیں بیان فرمائیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی انوکھی توجیہ کی، اور بتلایا کہ نور محمدی تمام تر توجہات کا قبلۂ جامع اور خالق ومخلوق کے درمیان واسطۂ خالصہ وبرزخ کبریٰ ہے۔

علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت 1295ھ میں سید علی گوڑہ حیدرآباد میں ہوئی 2/شوال المکرم 1377ھ میں آپ کا وصال ہوا۔[1] علامہ نے ابتدائی تعلیم میسرم[2] میں اپنے والد گرامی سے حاصل کی، درس نظامی کی تکمیل کے لیے جامعہ نظامیہ میں شریک ہوئے، آپ نے چودھویں صدی ہجری کی پہلی دوسری دہائی میں جامعہ نظامیہ کے اکابر علما سے اخذ واستفادہ کیا اور شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ نظامیہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے، اس طرح آپ نے درس نظامی کی تکمیل کی اور عصری وشرعی علوم میں مہارت حاصل کی۔

علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ ادیب بے مثال، شاعر باکمال ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مفسر، جلیل القدر محدث رہے، ان ظاہری علوم کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محاسن اخلاق کا خوگر، باطنی کمالات کا مظہر، ولی باکرامت اور صوفی باصفا بنایا، حیدرآباد دکن کے کئی ایک کبار مشائخ ومقتدر علما آپ کے شاگرد رہے،[3] مختلف خانقاہوں سے وابستہ اس وقت کے پیرزادگان نے آپ سے شرف تلمذ

---

* شیخ الفقہ، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

[1] علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، رسائل ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، ناشر غیر مذکور، مقدمہ: الف، د۔ علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، امانت الہیہ، سید علی گوڑہ حیدرآباد دکن، ناشر: مولانا سید طاہر رضوی قادری، 1996ء، حرف اول: ی۔

[2] رنگاریڈی ڈسٹرکٹ میں ایک گاؤں ہے، جسے آج مہیشورم کہا جاتا ہے۔

[3] تاویل امانت الہیہ، حرف اول: ز، ح۔

حاصل کیا، آپ نہ صرف اپنی تحریرات میں تصوف کے مضامین زیر بحث لائے بلکہ تصوف کو کئی ایک تصانیف کا موضوع بنایا۔
موجودہ دور میں بطور خاص نوجوانوں کو دکن کے بزرگوں کی خدمات اور ان کے افکار و نظریات جاننے کی ضرورت ہے، نوجوانوں کو بزرگوں کی کتابوں کا خلاصہ ولب لباب نیز ان کی نورانی تحریروں کے اقتباسات کا مطالعہ کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں اہل قلم ان کے اس طرح معاون و مددگار بن سکتے ہیں کہ دکن کے بزرگوں کے صوفیانہ افکار آسان زبان اور دلکش اسلوب میں پیش کریں، تاکہ لوگ بطور خاص نوجوان صوفیانہ افکار اختیار کرتے ہوئے اپنے اخلاق کی اصلاح کریں، اپنے کردار میں سدھار لائیں اور شریعت مطہرہ کی پابندی کرنے کے ساتھ طریقت کی راہ پر چلیں۔
بیعت وارشاد: دکن کی خانقاہوں میں ایک عظیم خانقاہ "خانقاہ جمالیہ قادری باغ" عنبرپیٹ حیدرآباد ہے، جہاں شیخ الشیوخ حضرت سید شاہ جمال الدین حسنی حسینی رحمۃ اللہ علیہ [1] متلاشیان حق کی رہنمائی اور سالکان راہ طریقت کی ہدایت کا عظیم کام سرانجام دیتے رہے، آپ کے دست حق پرست پر سید الادبا شمس العارفین علامہ سید ابراہیم ادیب حسینی رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کی، اور خرقہ خلافت زیب تن کیا، اور اپنے مریدین کی اصلاح وتربیت فرمائی، علامہ نے جس طرح اپنے خلفاومریدین کی تعلیم وتربیت، تخلیہ وتزکیہ کرتے ہوئے صوفیانہ افکار کی تبلیغ وترویج کی اسی طرح اپنی کتب ورسائل کے ذریعہ بھی ان پاکیزہ افکار کی اشاعت وترسیل فرمائی، آپ کی ان تصانیف میں کچھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آچکی ہیں؛ لیکن اکثر تصانیف ہنوز بشکل مخطوطہ پردۂ خفا میں ہیں۔
آپ کی جو تصانیف خالص مضامینِ تصوف پر مشتمل ہیں وہ عربی زبان میں معالم النور قلمی ' اردو زبان میں ملاحظات کلمۃ التوحید فی سلوک اہل التجرید والتفرید قلمی ' حقیقت غیب قلمی ' شجرۃ النور قلمی ' نظام الوجود فی وحدۃ الوجود قلمی ' کلمۂ توحید قلمی ' عرفان عوالم ' مطلق الوجود ' رسالت ونبوت ' مطالع النور وغیرہ ہیں، آخر الذکر چار کی طباعت "رسائل ابراہیمیہ" کے نام سے عمل میں آچکی ہے، اس کے علاوہ دیگر تصانیف تفسیر ' ادب ' فلسفہ ودیگر علوم سے متعلق ہیں، ان میں بھی صوفیانہ رنگ جھلکتا اور افکار تصوف کی خوشبو مہکتی ہے۔
اسلوب نگارش:
علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے عمیق معانی سمجھانے اور اس کی گتھیاں سلجھانے کے لیے جاذب ودل نشیں انداز اختیار فرمایا، چونکہ تصوف کے یہ مضامین ومباحث خالص علمی ہیں جس کے لیے آپ نے اصطلاحاتِ تصوف کا بھرپور استعمال فرمایا، اس لیے عبارت کی روانی کے باوجود مضامین سمجھنے کے لیے اصطلاحات سے واقفیت ضروری ہوتی ہے، صوفیانہ افکار کے بیان میں آپ کا اسلوبِ نگارش قاری کو مضمون کی گہرائی اور معنی کی گیرائی تک پہنچاتا ہے۔

---

[1] آپ گجراتی الاصل ہیں، سلسلۂ بیعت وخلافت سترہ واسطوں سے حضرت سید شاہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ سے ملتا ہے، 11 جمادی الثانی 1327ھ تاریخ وصال ہے، آپ کا آستانہ قادری باغ عنبرپیٹ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔
تاویل امانت الہیہ، حرف اول: ح۔

آپ نے صوفیانہ افکار کے سلسلہ میں عموماً شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا اور بسا اوقات دیگر اکابر کے بھی اقوال نقل فرمائے، علاوہ ازیں اپنے ذوق ووجدان اور کشف کا بھی ذکر فرمایا، چنانچہ رسالۂ مطلق الوجود کے مخطوطہ کے سرورق پر بدست خود یوں ثبت فرمایا ہے:

"از مُلهَمات خادم الفقراء والعلماء سید ابراہیم شاہ قادری حیدرآبادی"۔[1]

علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الاحزاب کی آیت﴿ إِنَّا عَرَضۡنَا ٱلۡأَمَانَةَ﴾ میں امانت کی تفسیر 'خلافت الٰہیہ' سے کی آپ نے مقامِ احسان کو مقامِ ایقان سے اعلیٰ قرار دیا ہے اور مقامِ ایقان کو منزلِ احسان کا پہلا زینہ گردانا ہے[2]، آپ نے صاحبِ وجود کے حیات کے علاوہ دیگر چھ صفات کا ذکر فرمایا، صفات کا ان کے مابین ربط اور ان کی مناسبتیں ذکر کیں کہ قدرت' کلام کے مناسب ہے، کلام' ارادہ کے مناسب ہے، ارادہ' سمع کے مناسب ہے، اور سمع' بصر کے اور بصر' علم کے مناسب ہے۔[3]

استغفار کی چھ صورتیں:

استغفار کا معنی مغفرت طلب کرنا ہے جب کہ مغفرت کا معنی ڈھانکنا اور چھپانا ہے، عرب کا محاورہ ہے: غفرتُ الخزانۃَ فی التراب یعنی میں نے خزانہ کو مٹی میں چھپایا۔ بندہ جب استغفار کرتا ہے تو اُسے غور کرنا چاہئے کہ وہ کس چیز کے چھپانے کی طلب میں ہے اور اللہ تعالی سے اپنی کونسی شئ ڈھانپنے کا سوال کررہا ہے، استغفار کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے استغفار کی چھ صورتیں بیان فرمائی ہیں، چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

> "**پہلی صورت** یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہری گناہوں کو حق تعالی کے ظاہرِ ستر رحمت میں' جو اس کی ظاہری شانِ غفور ہے' چھپا دے۔ اور **دوسری صورت** یہ ہے کہ وہ اپنے باطنی گناہوں کو حق تعالی کے باطنِ ستر رحمت میں' جو اس کی باطنی شانِ غفور ہے' چھپادے کہ اس کے عین سے' جو کچھ ظاہری و باطنی گناہوں کا صدور ہوا ہے' اُن کو وہ حق تعالی کے ظاہری و باطنی ستر رحمت میں چھپادے اور ظاہر ہے کہ حق تعالی غَیور ہے کہ جو شئ اس میں مستور و مغفور کردی جائے اُس پر کسی دوسرے کو مطلع نہیں ہونے دیتا۔ **تیسری صورت** یہ ہے کہ وہ خود کے افعال کو حق تعالی کے افعال میں چھپادے۔ **چوتھی صورت** یہ ہے کہ وہ خود کے صفات کو حق تعالی کے صفات میں چھپادے۔ **پانچویں صورت** یہ ہے کہ وہ خود کی ذات کو حق تعالی کی ذات میں چھپادے۔ **چھٹی صورت** یہ ہے کہ وہ خود کے وجود کو حق تعالی کے وجود میں ایسا چھپادے کہ نہ خود کو اس پر اطلاع ہو' نہ کسی اور کو کہ اگر وہ خود کو ڈھونڈے تو حق تعالی ہی کو پائے۔ جب سالک اَستَغفِرُ اللہ کہے تو اس کو چاہئے کہ استغفار

---

[1] علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، مطلق الوجود قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر 1041، فن کا نمبر 27، سرورق

[2] رسائل ابراہیمیہ، مطالع النور، 73

[3] رسائل ابراہیمیہ، مطالع النور، 75

کے ان معانی کا لحاظ رکھے۔"[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کا مطلب:

استغفار کی صورتیں بیان کرنے کے بعد آپ استغفار کی مزید توضیح و تشریح کرتے ہوئے ایسا لطیف نکتہ بیان کرتے ہیں جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کرنے کی ایک انوکھی توجیہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ آپ نے لکھا:

"پس سالک کو چاہئے کہ وہ حق تعالی کے وجود میں اپنے وجود کو مستور کر دینے کی سعی کرتا جائے اور استغفار کی تعلیم سے اصلی مقصود یہی ہے کہ سالک حق تعالی کے وجود میں ایسا فانی ہو جائے کہ حق تعالی ہی کے وجود سے باقی رہے، جب سالک فانی فی اللہ و باقی باللہ ہو جاتا ہے تو۔۔اس کا استغفار بتقابلِ اعیانِ وجود اس کے وجود خاص ہی کی نسبت نہیں ہوتا بلکہ اُس کے وجودِ عام کی نسبت بھی ہوتا ہے، اس کا سریان اعیانِ وجود میں' جو اس کے وجودِ عام کے تعیّنات ہیں' ہونے کے لحاظ سے وہ اعیانِ وجود کے گناہوں کو بجذب و کشش استغفار سلب کرتا جاتا ہے اور حضرت رسول جامع' سید المرسلین' خاتم النبیین عین الاعیان محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا استغفار امت مرحومہ کے لیے غالباً اسی قبیل سے ہے۔"[2]

استغفار کے چار مدارج:

قرب الٰہی میں بندوں کے احوال و مدارج مختلف و متفاوت ہونے کی وجہ ان کے استغفار کے مدارج بدل جاتے ہیں، لہذا ایک بندہ کے لیے جو عمل نیکی کے درجہ میں ہوتا ہے وہی عمل قرب الٰہی میں اس سے بلند رتبہ رکھنے والے بندہ کے لیے گناہ ہو جاتا ہے، بزرگوں کا قول مشہور ہے: حسنات الأبرار سیئات المقرّبین۔ یعنی نیک بندوں کی نیکیاں مقربین کے گناہوں کے درجہ میں ہوتی ہیں۔[3]

اس سلسلہ میں علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے شجرۃ النور میں استغفار کے چار مدارج بیان کرتے ہوئے عام مکلفین کا استغفار،

---

[1] علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، ملاحظات كلمةالتوحيد فی سلوک أهل التجريد والتفريد قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر 1178، فن کا نمبر 37، ص:66

[2] ملاحظات كلمةالتوحيد فی سلوک أهل التجريد والتفريد ص:67

[3] یہ قول ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ابو سعید خراز کی جانب ان الفاظ کے ساتھ منسوب کیا ہے: ذنوب المقربين حسنات الأبرار۔ اور ابو العباس قرطبی نے مفہم شرح صحیح مسلم میں حضرت جنید بغدادی کی جانب ان الفاظ کے ساتھ منسوب ذکر کیا ہے: حسنات الأبرار سيئات المقربين۔
ابن عساكر، ابو القاسم علي بن حسن ابن هبة الله شافعي، تاريخ دمشق، تحقيق: محب الدين ابو سعيد عمر بن غرامة العمروى، بار اول، بيروت لبنان، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، 1415هـ - 1995 م، حرف الالف، جلد5، ص137۔ ابو العباس القرطبي، أبو العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي، المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، تحقيق: محيي الدين ديب ميستو -احمد محمد السيد - يوسف علي بديوي - محمود ابراهيم بزال، بار اول، دار ابن كثير، دمشق، 1417 هـ - 1996 م، كتاب الايمان، باب ما خُصَّ به نبينا محمد ﷺ من الشفاعة العامة لأهل المحشر، حدیث نمبر:146

خاص مکلفین کا استغفار، خاص الخاص اور اخص الخواص کا استغفار بیان فرمایا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"عام اعیان مکلفین کا استغفار جرائم سے اور خاص مکلفین کا استغفار ان کے افعال اُن کی جانب منسوب کرنے میں حق تعالی کے افعال سے محجوب ہونے کی وجہ ہوا کرتا ہے اور خاص الخاص کا استغفار اُن کے صفات کو اُن کی جانب منسوب کرنے میں حق تعالی کے صفات سے محجوب ہونے کی وجہ ہوا کرتا ہے اور اخص الخواص کا استغفار اُن کے حقائق کو جس شان پر وہ ثبوت ازلی پائے ہیں' اپنی جانب منسوب کرنے میں حق تعالی اور اس کے شیونات وجود سے محجوب ہونے کی وجہ ہوا کرتا ہے، اعیان انبیاء و اولیاء و مومنین وغیرہ مکلفین اُن کے اعیان ثابتہ کے احوال و آثار کے لحاظ سے مختلف مدارج پر ہونے سے اُن کے استغفار کے احوال بھی مختلف مدارج پر ہوتے ہیں جن احوال کے ظہور میں ولی مقرب استغفار نہیں کرتا نبی ان کے ظہور سے استغفار کرتا ہے۔"[1]

وحدۃ الشہود:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالی واجب الوجود ہے اور ساری کائنات ممکن الوجود ہے، واجب تبارک و تعالی عدم اور اس کے آثار وعلامات سے پاک اور منزہ ہے، ممکن کے لیے وجود و عدم برابر و یکساں ہیں، اللہ تعالی کا وجود حقیقی ازلی وابدی ہے اور بندہ کا وجود حادث عارضی و مجازی ہے، بندہ ذات وصفات الہیہ کا عکس اور اس کے کمالات و خوبیوں کا پرتو اور مظہر ہے، صوفیہ کرام نے اس کی مثال آئینہ اور سایہ سے دی ہے، آئینہ میں نظر آنے والا شی کا عکس عینِ شئ نہیں اور دونوں کا تقابل و موازنہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح شئ اور اس کا سایہ ایک نہیں اور نہ سایہ شئ کے برابر ہو سکتا ہے، سالک اپنے مشاہدہ میں ایک وجود پاتا ہے تو وحدۃ الشہود کا قائل ہوتا ہے، علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے نظریہ وحدۃ الشہود کا تعارف کرتے ہوئے رسالہ مطلق الوجود کے آغاز میں تحریر فرمایا:

"جب سالک عوالم لطیفہ کی جانب گذرتا ہے تو نورِ وجود کا' اُس کے شہود میں غلبہ ہونے سے ایک ہی وجود' جو نور فائض ہے' اُس کی نظر شہودی میں مشہود ہوتا ہے لیکن اُس کی نظر عقلی میں بمقابلہ ذات واجب' ذات ممکن کا اعتبار باقی رہتا ہے وہ اس کشف و شہود میں ایک ذات قدیم اور ایک ذات حادث کا قائل رہتا ہے اور حادث کی ذات کو قدیم کی ذات کا مظہر مانتا ہے، یہ اہل شہود کا مسلک ہے، فقہا بھی اس سے ایک حد تک متفق ہیں، یہ مقام ایک وجود' دو ذات کے اعتبار کا ہے، اس کو اصطلاحِ عرفا میں 'وحدۃ الشہود' کہتے ہیں۔"[2]

وحدۃ الوجود:

وحدۃ الوجود کے قائلین کا یہ ماننا ہے کہ وجود حقیقی چونکہ ذات واجب کے لیے ہے، لہذا ذات واجب کے وجود کے مقابلہ میں ممکن کے

---

[1] علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، شجرۃ النور قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر 1176، فن کا نمبر 35، ص:122

[2] رسائل ابراہیمیہ، مطلق الوجود، 26،25

وجود کا اعتبار نہیں، وجود ایک ہی ہے، جو ساری کائنات پر چھایا ہوا ہے جیسے کئی چیزوں پر ایک چادر اڑھادی جائے، علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے نظریۂ وحدۃ الوجود کا تعارف کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"جب سالک بجذب و کشش مرتبۂ ذات اس مقام سے عروج کرتا ہے تو بغلبۂ نور ذات اُس کے علم و شہود میں دوذات کا اعتبار باقی نہیں رہتا، اُس کی عقل یہاں ایک وجود ایک ذات کا فتوی دیتی ہے کہ جو وجود ہے وہی ذات ہے، اُس کا کوئی غیر نہیں۔۔اس کو اصطلاحِ عرفامیں 'وحدۃ الوجود' کہتے ہیں۔"[1]

اگر محض عقلی دلائل کی بنیاد پر گفتگو کی جائے اور شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے تو ایک طرف الحاد وزندقہ ہے تو دوسری طرف شرک ہے، سلامتی کی راہ یہ ہے کہ کامل تحقق کے بغیر کوئی قطعی بات کہنے سے احتیاط کیا جائے، علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے نظریۂ وحدۃ الشہود اور نظریۂ وحدۃ الوجود پر مفصل تجزیاتی بحث فرمائی، طرفین کے اعتراضات وجوابات ذکر فرمائے، اور ان نظریات کو امر وجدانی سے تعبیر کیا، آخر میں آپ نے نظریۂ وحدۃ الوجود کی جانب رجحان یوں ظاہر فرمایا:

"واجب بالذات میں اُس کے اسماوصفات کی کثرت کے اعتبارات اور ممکن بالذات میں اُس کے تعیّنات کی کثرت کے اعتبارات ہیں، لیکن ممکن بالذات کے تعیّنات واجب بالذات کے اسماوصفات کے مظاہر ہونا' وجود من حیث ھوھو کی بدولت ہے کہ وہی واجب میں واجب اور ممکن میں ممکن اور ہر ایک کا بغیر اعتبارِ غیریتِ سابقہ ولاحقہ عین ومنزہ ہے، یہی اصل 'وحدۃ الوجود' ہے کہ تمامی کثرت وغیریت کے اعتبارات وتمامی عینیت کے وجوہات کا جامع اور عین ومنزہ ہے، اس کی اس شان کی جانب هُوَ ٱلْأَوَّلُ وَٱلْأٓخِرُ وَٱلظَّاهِرُ وَٱلْبَاطِنُ[2] سے قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے۔"[3]

انسان ابلیس سے اعلیٰ کیسے؟

اللہ تعالی نے جب آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، ارشاد الٰہی ہے:﴿ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ ٱسْجُدُواْ لِأٓدَمَ فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ إِبْلِيسَ ﴾. ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو، تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔[4]

سجدہ کرنے سے انکار پر ابلیس کی دلیل یہ تھی کہ میں آگ سے بنایا گیا ہوں اور انسان مٹی سے بنایا گیا ہے، لہذا میں انسان سے افضل ہوں، لیکن ابلیس کا استدلال کیسے غلط ہے اور مٹی آگ سے اور انسان ابلیس سے کیونکر اعلیٰ ہے؟ اس بابت علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ

[1] رسائل ابراہیمیہ، مطلق الوجود، 26

[2] الحدید:3

[3] رسائل ابراہیمیہ، مطلق الوجود، 34

[4] البقرۃ:34

اللہ علیہ نے فرمایا:

"(ابلیس نے) آتش کی ارتفاعی شان بظاہر مٹی سے اعلیٰ ہونے کے لحاظ سے اپنے بہتر ہونے پر استدلال کیا اور یہ نہ سمجھا کہ آتش کی شان میں اضطراب اور مٹی کی شان میں سکون و اطمینان ہے، جو ساکن و مطمئن ہو وہ در باطن مضطرب سے اعلیٰ ہے۔۔ اگر اس کو اس امر کا انکشاف ہوتا کہ آدم کا۔۔ دائرۂ عین ثابت اسم اعظم حق تعالی کا مظہر اتم واکمل ہے تو اس کی نظر آدم کے ظاہر وجود خاکی پر مقصور نہ ہوتی اور نہ وہ آدم کے لیے سجدہ کرنے سے باز رہتا۔"[1]

قبلۂ جامع وبرزخِ کبریٰ:

آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سجدہ کے سلسلہ میں علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں سجدہ کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت عبادت کی، دوسری حیثیت تعظیم کی۔ اس سجدہ میں اللہ تعالی کی عبادت اور نور محمدی کی تعظیم مقصود ہے، جو تمام تر توجہات کا قبلۂ جامع اور خالق ومخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہے۔ چنانچہ شجرۃ النور میں تحریر فرمایا:

اس میں اللہ تعالی اصالۃً مسجود لہ ومعبود اور تبعاً اُس کا مظہر مسجود لہ ہوتا ہے کہ ایک ہی سجدہ میں اللہ تعالی کی عبادت اور اُس کے مظہر اقتدارات کی تعظیم ہوتی ہے، عبادت کی حیثیت سے جو سجدہ اللہ تعالی کے لیے کیا جاتا ہے اس میں اُس کے کسی مظہر کو' خواہ وہ اعلیٰ مرتبہ کا ہضرور ہے، ونیز جس قدر امور اعیانِ کائنات میں حق تعالی کی جانب سے نافذ ہوتے ہیں وہ سب اُسی مظہر جامع کے واسطہ سے نافذ ہوتے ہیں، یہ مظہر جامع توجہاتِ حق تعالی اور توجہاتِ خلق کا قبلۂ جامع وبرزخِ کبریٰ ہے۔ یہ واسطۂ خالصہ وقبلۂ جامع نور محمدی کی شان ہے۔"[2]

سجدۂ تعظیم منسوخ ہونے کی وجہ:

امم سابقہ کے لیے ان کی شریعت میں سجدۂ تعظیم جائز مشروع تھا، چنانچہ حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین اور بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا تھا، جس کا ذکر سورۂ یوسف میں آیا ہے،[3] یہ سجدۂ عبادت نہ تھا بلکہ سجدۂ تعظیم تھا جو ان کی شریعت میں جائز تھا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سجدۂ تعظیم سے منع فرمایا، حدیث پاک ہے: لَا يَصْلُحُ لِبَشَرٍ أَنْ يَسْجُدَ لِبَشَرٍ۔ ترجمہ: کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔[4] علامہ ابراہیم ادیب نے اس ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب تک دورۂ نبوت کا اختتام نہیں ہوا تھا اس وقت تک غیر اللہ کو' جو مظہر

---

[1] علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، شجرۃ النور قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر1176، فن کا نمبر35، ص:92،91

[2] شجرۃ النور قلمی، ص:94

[3] یوسف:100

[4] امام احمد، امام احمد بن حنبل، مسند احمد، تحقیق: شعیب الأرنؤوط، بار اول، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، 1421ھ - 2001م، 20/65، حدیث نمبر:12614

اقتدارات الہیہ ہے' سجدہ کرنے کا امتناع نہ تھا؛ کیونکہ جو مظہر اقتدارات ہو اس کا نبی ہونا ممتنع نہ تھا، جب دورۂ نبوت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر' جن کی نبوت و رسالت جمیع انبیاء و مرسلین کی نبوت و رسالت کی جامع ہے' تکمیل پاچکا تو کسی مظہر اقتدارات کا' بھی آپ کے دورۂ ختم نبوت کے بعد نبی ہونے کا احتمال نہ رہا۔"[1]

ختم نبوت اور احکام رسالت کی تکمیل:

انبیا و مرسلین درجۂ نبوت و رسالت میں نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں اور مراتب و مدارج میں ان حضرات قدسیہ کے درمیان تفاضل پایا جاتا ہے، ہمارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں، آپ کی شریعت کے بعد کسی شریعت کی ضرورت نہیں، کلمۂ توحید کے ملاحظات بیان کرنے کے دوران علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت حسین پیرایہ میں افضلیتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم و شان ختم نبوت بیان فرمائی، آپ لکھتے ہیں:

"ہر ایک قوم میں ایک رسول یا ہر ایک زمانہ میں بقدر ضرورت ایک رسول کا' کہ جو اپنی قوم میں یا اپنے زمانہ میں دوسرے اعیانِ وجود کا بالمعنی جامع ہو' ظہور ہوتا گیا اور اس سے قوانینِ اصلاحِ ظاہر و باطن وجود' اعیانِ وجود کے لیے مرتّب ہوتے گئے اور جب دوائرِ وجود کی تکمیل کا وقت آیا تو رسول جامع کا' جو جمیع رسولوں کا جامع و منزّہ ہے' ظہور ہوا، اور رسالت کے احکام کی تکمیل ہو گئی کہ جس کے بعد پھر کوئی ضرورت' تجدیدِ احکام کی نہیں رہی؛ کیونکہ جس قدر دوائرِ وجود اور ان کے اعیان کے احکام ہیں وہ سب اسی رسول جامع میں' جو عین الاعیان ہے' ثابت ہیں۔۔ رسالت جو' ہر قوم و ہر زمانہ میں خاص خاص ہوا کرتی تھی اور اس کے قبول کرنے پر قوم مامور ہوا کرتی تھی وہ اس کے جامع ظہور کے بعد مرتفع ہو گئی کہ جامع کے ظہور کے بعد غیر جامع کا ظہور بحیثیت رسالتِ تشریع بے سود ہے۔"[2]

جمادات کی تسبیح

ہر شے اللہ تعالی کا ذکر کرتی ہے اور اس کی تسبیح کرتی رہتی ہے، جیسا کہ ارشاد الہی ہے: ﴿وَإِنْ مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ ترجمہ: کوئی چیز نہیں ہے مگر وہ اس کے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔[3] اگر بندہ ریاضت و مجاہدہ یا صحبت صالحین یا محض فضل الہی سے روحانی طور پر ترقی کرتا جائے تو وہ اشیا کی تسبیح سن سکتا ہے، چنانچہ آپ مذکورہ بالا آیت کریمہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

[1] شجرۃ النور قلمی، ص:96

[2] ملاحظات كلمة التوحيد فى سلوك أهل التجريد والتفريد قلمی، ص:62،61

[3] بنی اسرائیل:44

"یہ خطاب عدمِ تفقہ کی نسبت عالم دنیا و عالم مثال کے اعیان کے لیے ہے کہ ان کی سمع ان کی تسبیح کا ادراک نہیں کرتی ۔۔ اگر عالم دنیا و عالم مثال کے اعیانِ مکلفین کی سماعت بارتفاع حجابات ' جماد کی روحانیت اور اس کی تسبیح تک پہونچے تو وہ اس کی تسبیح کی سماعت کرسکتے ہیں ۔۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں کا تسبیح کرنا اور صحابہ کرام کا اس کی سماعت کرنا صحبت مبارکہ کے اثر سے ہوا ہے، صحبت مبارکہ کے اثر سے ان کی سماعت بارتفاع حجابات ان کی تسبیح تک پہونچ کر اس کا ادراک کی ہے، صحبت مبارکہ کے اثر نے ان کی سماعت کھول دیا۔"[1]

ضلالت کے معانی:

سورۃ الفرقان میں کفار و مشرکین کے سلسلہ میں آیت کریمہ ہے: ﴿إِنۡ هُمۡ إِلَّا كَٱلۡأَنۡعَٰمِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾ علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر[2] کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"اللہ تعالی کے فرمان میں لفظ 'اضل' سے یہ بات ثابت کی گئی کہ جانوروں کو عالم مثال اسفل کے بعض امور اور نفوس مفارقات اموات کے احوال سے ایک حد تک خبر ہوتی ہے، وہ اس لحاظ سے ایک نوع کے کشف میں ہیں؛ لیکن جن انسانوں پر اس امر کا انکشاف نہیں اور نہ وہ ایمان لائے' وہ جانوروں سے بھی بدتر و اسفل ہیں، اگر ایمان لاتے تو وہ جانوروں سے افضل ہوتے، ایمان کے مقابلہ میں کشف بلا ایمان غیر معتبر ہے۔"[3]

آپ نے ضلال وضلالت کے دس معانی بیان کیے، ہدایت کی ضد، کھو جانا، ضائع ہونا، مر کر مٹی ہو جانا، خفی ہونا، غائب ہونا، بھول جانا، حیرت میں واقع ہونا، باطل ہونا، اور دسواں کسی کی محبت میں کھو جانا۔ دسواں معنی ذکر کرنے کے بعد دو آیتیں وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ اور تَٱللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَٰلِكَ ٱلۡقَدِيمِ بطور مثال ذکر کیں اور دسویں معنی کے لیے ان دونوں آیتوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا: "یہ فنا فی اللہ ہے اور لفظ هَدَىٰ بقا باللہ ہے، بقا باللہ بقدر فنا فی اللہ ہوا کرتی ہے۔"[4]

اس کے بعد آپ نے 'ضلال' کے بیان کردہ ابتدائی نو معانی میں سے ہر معنی کے مطابق آیت کی تفسیر و توجیہ فرمائی، بعض حضرات نے اللہ تعالی کی محبت میں گم اولیائے مقربین کو اس آیت سے مراد لیا کہ وہ بھی عشق حقیقی میں کھوئے ہوئے ہوتے ہیں، علامہ ابراہیم

---

1 رسائل ابراہیمیہ، مطالع النور، 70،71

2 سورۃ الفرقان کی اس آیت کی تفسیر تاویل امانت الہیہ کے مخطوطہ (کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر 1040، فن کا نمبر 26) کے مشتملات میں سے ہے جو چار صفحات پر مشتمل ہے، اس کا کچھ حصہ تفسیر سورۂ تین کے ساتھ سنہ 2006ء میں طبع ہوا۔

3 مشتملات تاویل امانت الہیہ قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر 1040، فن کا نمبر 26، تفسیر آیت إِنۡ هُمۡ إِلَّا كَٱلۡأَنۡعَٰمِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّ: 1،2

4 مشتملات تاویل امانت الہیہ قلمی، تفسیر آیت إِنۡ هُمۡ إِلَّا كَٱلۡأَنۡعَٰمِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّ: 2

ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر کو غلط قرار دیا اور لکھا:

"اگر آیت کریمہ میں إن هم إلا أضلّ ہوتا اور کالانعام کا ذکر نہ کیا جاتا تو من وجہ اس میں جو کمالِ فنافی اللہ میں ہیں وہ داخل ہوسکتے؛ لیکن یہ فنافی اللہ ولایتِ حق تعالی نہیں ہے بلکہ زینۂ ولایت ہے اس کے بعد جو درجہ اُن کو بقاباللہ کا حاصل ہوتا ہے وہ ولایت ہے جس میں وہ خود کے اور حق تعالی کے عارف ہوتے ہیں اور قربِ حق تعالی میں حق تعالی کے کمالاتِ اسماوصفات کا اجمالاً و تفصیلاً مشاہدہ کرتے ہیں۔۔ اگر قرآن مجید کے آیات میں اس قسم کے تاویلات کو معارف الہیہ کہا جائے تو جس قدر آیات کفار ومشرکین کی شان میں وارد ہوئے ہیں ان سب سے اُن کا عالی مرتبت ہونا ثابت ہو گا۔"[1]

قطبِ عالم عالین سے افضل ہے

آپ نے آیت مبارکہ وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيٓ ءَادَمَ کی تفسیر کرتے ہوئے یہ تفصیلی طور پر بیان کیا کہ 'عالین' جنس ملائکہ سے نہیں ہوتے، وہ ملائکۂ مقربین سے بلند رتبہ ہوتے ہیں، وہ اس قدر قرب حق میں ہوتے ہیں کہ حق تعالی کے سوا نہیں جانتے، اس لیے اُنہیں 'عالین' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، بعد ازاں بنی آدم اور فرشتوں کے مابین تفاضل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمام بنی آدم جنات، حیوانات اور دیگر مخلوقات سے افضل ہیں، عام اہل ایمان ارضی فرشتوں سے افضل ہیں، صالحین وابرار آسمانی فرشتوں سے افضل ہیں اور انبیاو صدیقین مقرّب فرشتوں سے افضل ہیں، پھر قطب عالم کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"وأما من كان منهم في كل عالم من عوالم الخلق قطبًا لذلك العالم على قدر ما يقتضيه ذلك العالم من حيث عُلوّه فيه وتجرده فذلك أشرف من العَالين وأفضلُهم، والأنبياءُ والأولياءُ المقربون يَنَالُون هذه المرتبة العَلِيّة من حيث ولايتهم من الله، فما ظَنُّك إذًا بسيد الأنبياء والمرسلين الذي خلق الله سَائِرَ الأكوان وأعيانَها من نوره-"

ترجمہ: عوالم خلق میں سے ہر عالم میں علو و تجرد کے اقتضاءات کے مطابق جو اس عالم کا قطب ہو گا 'وہ عالین سے بھی اشرف وافضل ہو گا، حضرات انبیا کرام اور اولیائے مقربین اللہ تعالی کے قرب میں اپنی ولایت کی حیثیت سے یہ بلند مرتبۂ قطبیت پاتے ہیں، تو پھر نبیوں اور رسولوں کے سردار کی کیا عظیم شان ہو گی جن کے نور مبارک سے اللہ تعالی نے سارے اکوان واعیان پیدا فرمائے۔[2]

نعلین اتارنے کا حکم اور باطنی معنی

سورۂ تین کی تفسیر میں طور سینین کے تحت آپ نے ذکر فرمایا کہ اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام کو نعلین اتارنے کا حکم

---

[1] مشتملات تاویل امانت الہیہ قلمی، تفسیر آیت إِنۡ هُمۡ إِلَّا كَٱلۡأَنۡعَٰمِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّ: 3

[2] علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، الملخص من شرح الشواهد قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر1198، فن کا نمبر11، ص:28

فرمایا، اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے آپ نے یوں تحریر فرمایا:

"موسی علیہ السلام کے جوتے چونکہ غیر مدبوغ (دباغت کے ذریعہ پاک نہ کیے گئے) چمڑے سے بنائے گئے تھے اس لیے مقدس زمین میں اُن کو جوتے اتار کر قدم رکھنے کا حکم ہوا اور در باطن جوتوں کے جوڑے سے 'دنیا وآخرت' مراد ہے، جب کوئی اللہ تعالی کے قرب میں باریاب ہو، اس کو چاہیے کہ کوئی حاجت دنیا یا آخرت کی سوائے اللہ تعالی کے دیدار اور اس کے قرب میں رہنے کے' اپنے ساتھ نہ لائے یعنی اور اس کے پیش نظر سوائے اللہ تعالی کے اور کچھ نہ ہو، اس لیے اللہ تعالی کنایۃً اُن کو جوتے اتارنے کا حکم دے کر فرمایا۔"[1]

عرفان و شہود کی نسبت خاص

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدۂ حق کا جو مقام حاصل ہے وہ تمام انبیا کرام کے درمیان آپ کا امتیازی وصف ہے، جیسا کہ حدیث پاک ہے:

"لِيْ مع اللهِ وقتٌ لا يسعني فيه مَلَكٌ مقربٌ ولا نبيٌ مرسلٌ"۔ ترجمہ: میرا اللہ تعالی کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے کہ جس میں کوئی مقرب فرشتہ شریک ہے نہ نبی مرسل۔[2]

علامہ ابراہیم ادیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

'اعیان انبیاء وائمہ واولیاء سے کوئی بلاواسطہ آپ کے نور مبارک کے 'حق تعالی کی ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا، آپ کا جو مقام حق تعالی کی ولایت میں ہے اُسی کے زیر اثر یہ سب حق تعالی کے قرب وولایت سے بہرہ مند ہوتے ہیں، آپ کے فرمان مبارک (لِيْ مع اللهِ وقتٌ لا يسعني فيه مَلَكٌ مقربٌ ولا نبيٌ مرسلٌ) سے ظاہر ہے کہ آپ کو جو خاص نسبت حق تعالی کے عرفان و شہود میں ہے اُس میں کوئی ملک مقرب و نبی مرسل آپ کا شریک نہیں، آپ کی یہ شان آپ کے عین الاعیان کے ثبوت کے لحاظ سے ثابت ازلی ہے اور آپ کے وجود خاص کے ظہور کے لحاظ سے حادث زمانی ودائم ابدی ہے۔'[3]

*****

مصادر و مراجع

مطبوعات

1۔ ابن عساکر، ابو القاسم علي بن حسن ابن ھبۃ اللہ شافعی، تاریخ دمشق، تحقیق: محب الدین ابو سعید عمر بن غرامۃ العمروی، بار اول، بیروت لبنان،

---

[1] علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، تفسیر سورۃ التین، بار اول، حیدرآباد دکن، علامہ ابراہیم ادیب اکیڈمی، 2006ء، 7

[2] مناوی، زین الدین محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علي المناوي، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، بار اول، مصر، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، 1356ھ، 4/6، حرف الراء، حدیث نمبر: 4377

[3] شجرۃ النور قلمی، ص:136

دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع،1415ھ- 1995م
2۔ ابو العباس القرطبی، أبو العباس أحمد بن عمر بن إبراهیم القرطبی، المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم، تحقیق: محیي الدین دیب میستو-احمد محمد السید-یوسف علي بدیوي- محمود ابراهیم بزال، بار اول، دار ابن کثیر، دمشق،1417ھ- 1996م
3۔ امام احمد، امام احمد بن حنبل، مسند احمد، تحقیق: شعیب الأرنؤوط، بار اول، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ،1421ھ- 2001م
4۔ علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، تاویل امانت الہیہ، سید علی گوڑہ حیدرآباد دکن، ناشر: مولانا سید طاہر رضوی قادری،1996ء
5۔ علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، تفسیر سورۃ التین، بار اول، حیدرآباد دکن، علامہ ابراہیم ادیب اکیڈمی،2006ء
6۔ علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، رسائل ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، ناشر غیر مذکور
7۔ مناوی، زین الدین محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علي مناوي، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، بار اول، مصر، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، 1356ھ

مخطوطات

1. علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، شجرۃ النور قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر 1176، فن کا نمبر 35
2. علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، مشتملات تاویل امانت الہیہ قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر 1040، فن کا نمبر 26، تفسیر آیت إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ
3. علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، مطلق الوجود قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر 1041، فن کا نمبر 27
4. علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، ملاحظات کلمۃ التوحید فی سلوک أهل التجرید والتفرید قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر 1178، فن کا نمبر 37
5. علامہ ابراہیم ادیب، سید ابراہیم ادیب رضوی، الملخص من شرح الشواهد قلمی، کتب خانہ جامعہ نظامیہ، مخطوطات، صدر نمبر 1198، فن کا نمبر 11

حضرت حبیب علی شاہ کی دینی، علمی وخانقاہی خدمات

ڈاکٹر سید محمد محی الدین حبیبی*

آپ کا اسمِ گرامی حبیب یار خاں تھا، اور سلسلۂ نسب وحسب دونوں جہتوں سے ایسی رفعت پر فائز تھا کہ جس میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت وطہارت اور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طریقت وروحانیت دونوں جمع تھیں، آپ کا سلسلہ حضرت شاہ عبدالغفور نقشبندی قادری چینکی سمرقندی تک صرف چوتھی پشت میں جا ملتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالغفور کا سلسلۂ نسب، خلافتِ راشدہ کے علمبردار، یارِ غارِ مصطفی ﷺ، خلیفۂ اول حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک تیئیس واسطوں سے پہنچتا ہے۔ اسی طرح بیعت و خلافت کا روحانی سلسلہ حضور غوثِ اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک اکیس کڑیوں کے ذریعے متصل ہے۔ یوں آپ کے اسلاف ایک ہی وقت میں صدیقی، نقشبندی اور قادری نسبتوں کے حامل قرار پاتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالغفور کی مزار احمد آباد (گجرات) میں، حضرت شاہ عالم محبوب عالم کے گنبد کے چبوترے کے پاس مرجعِ خاص وعام ہے۔

حضرت شاہ عبدالغفور کے دو فرزند تھے: 1) حضرت حکیم محمد عبدالقادر، مخاطب بہ قادر یار خاں محی الدولہ اوّل، 2) حضرت حکیم محمد جعفر، مخاطب بہ جعفر یار خاں محی الدولہ ثانی

1) قادر یار خاں محی الدولہ اوّل:

یہی وہ ذاتِ گرامی ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے اشارۂ عینی کے موافق، والد کی اجازت سے دکن کا قصد فرمایا اور اورنگ آباد میں قیام فرمایا۔ صوبہ دارِ وقت عبداللہ خاں کی صاحبزادی، محترمہ جمیلہ بیگم سے عقدِ مسنون کیا، اور دو صاحبزادے ہوئے: 1- حضرت محمد علی، مخاطب بہ قادر یار خاں ثانی، 2- حضرت محمد حسن، مخاطب بہ قادر نواز خاں۔

نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے انہیں حکیم الحکماء محی الدولہ اوّل اور صدر الصدور کے منصب پر ممتاز فرمایا، اور مع مواضعاتِ چلکور، متر کا پلی، گورم چرو اور گندم گوڑہ کی جاگیریں عطا کیں۔

آپ کا وصال 1188ھ میں ہوا اور مزار مبارک اورنگ آباد کے نواب پورہ میں، جعفری دروازہ کے باہر، ایک قدیم املی کے درخت کے سائے تلے مرجعِ خلائق ہے۔

2) جعفر یار خاں محی الدولہ ثانی:

قادر یار خاں کے وصال کے بعد ان کے برادرِ صغیر حضرت حکیم محمد جعفر کو گجرات سے طلب کیا گیا اور انہیں صدر الصدور کا منصب، اور نواب جعفر یار خاں محی الدولہ ثانی کا خطاب عطا ہوا۔ آپ شاہی معالج بھی تھے۔ آپ کا وصال 1212ھ میں ہوا۔

---

*سینئر اسسٹنٹ ڈائرکٹر، حکومت تلنگانہ

عزت یار خاں، شہیدِ ولایت

آپ ہی کے فرزندِ ارجمند حضرت عزت یار خاں کو "حکیم الحکماء محی الدولہ ثالث" اور "صدر الصدور" کے منصب پر فائز کیا گیا۔ حضرت عزت یار خاں کو علومِ ظاہری و باطنی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ خصوصاً علمِ حدیث میں آپ نے علمائے حرمین شریفین سے خوب استفادہ کیا۔ ماہِ ربیع الاول اور ربیع الثانی میں آپ کے مواعظ سے اہلِ شہر کے دل و دماغ منوّر ہوتے تھے۔ حضرت مولانا شاہ شجاع الدین صاحب قبلہ نے بھی آپ سے فیض پایا۔ آپ شیخ جی حالی قدس سرہ کے مرید و متعلق تھے۔ رشتۂ ازدواج اپنے حقیقی چچازاد ہمشیرہ، دخترِ قادر یار خاں اوّل سے قائم ہوا، جو قادر یار خاں خانی اور قادر نواز خاں دونوں کی حقیقی بہن تھیں۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ انہی سلسلوں کے ذریعے حضرت محبوب اللہ شاہ اور بحر العلم حضرت مولانا عبد القدیر صدیقی حسرت کے نسبی رشتے بھی اس خاندان تک پہنچتے ہیں۔ حضرت عزت یار خاں کو 1237ھ میں شہید کیا گیا؛ آپ کی مزار دریچہ بود علی شاہ میں آج بھی اہلِ دل کا قبلۂ نیاز ہے۔

نواب احمد یار خاں، فضل و کرم کا مینار:

حضرت عزت یار خاں کے بڑے فرزند نواب احمد یار خاں کو "حکیم الحکماء محی الدولہ رابع" کے منصب پر سرفراز کیا گیا۔ آپ نہ صرف حافظِ قرآن تھے بلکہ علومِ متداولہ میں خاص دسترس رکھتے تھے۔

علمِ طب آپ کا موروثی سرمایہ تھا، مگر جو بات آپ کو امتیاز بخشتی تھی وہ آپ کی خوش خلقی، خوش فہمی، اور اہلِ اللہ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ باوجود امیری و رُتبہ داری کے، آپ کی طبیعت میں فقر دوستی نمایاں تھی۔ آپ کو قطبِ زماں، شیخ الاسلام حضرت حافظ محمد علی شاہ خیر آبادی سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

تعلیم و تربیت، علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل:

قدرتِ الٰہی نے حضرتِ حبیب علی شاہ کے لیے جس روحانی نظامِ تربیت کا انتظام فرمایا تھا، اُس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ ابتدائے عمر ہی سے قرآنِ کریم کا شغف ایسا راسخ تھا کہ آپ نے سب سے پہلے حفظِ کلامِ مجید کی سعادت حاصل کی، اور یوں نورِ الٰہی کو اپنے سینے میں اتار لیا۔ اس کے بعد معقول و منقول، اصول و فروعِ حدیث، تفسیر، فقہ اور عربی و فارسی کی ممتاز کتب آپ نے اس دور کے جید اساتذہ سے پڑھیں۔ خصوصاً حضرت حافظ علی شاہ خیر آبادی سے مثنوی مولانا روم کا درس لیا۔

آپ نے نہ صرف درس و تدریس میں کمال پایا بلکہ خود مثنوی کا باقاعدہ درس دینے لگے۔ اس درس میں علماء، فضلاء اور اہلِ دل کثرت سے شریک ہوتے اور آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے اسرارِ طریقت کی تشریح پاتے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے علمِ حدیث، فقہ، سلوک، تفسیر ابنِ کثیر، کشف المحجوب، دلائل العارفین، مدارج النبوۃ، احیاء العلوم، فصوص الحکم، غنیۃ الطالبین اور دیگر مروجہ علوم میں ایسی مہارت پیدا کی کہ اپنے وقت کے کامل اور سلجھے ہوئے علمی و روحانی مزاج کے حامل بزرگ شمار کیے گئے۔ طریقت و معرفت کے اسرار کو عام کرنے کے لیے آپ نے شاعری کو بھی ذریعۂ اظہار بنایا۔ آپ کا دیوانِ حبیب، جو تین جلدوں پر مشتمل ہے، عارفانہ افکار، رموزِ سلوک اور وارداتِ قلبی کا ایک روشن خزینہ ہے۔

خدمتِ خلق، بمبئی میں محبت اور ہم آہنگی کا مینار:

حضرت نے اپنے پیر و مرشد کی حیاتِ مبارکہ میں زیادہ وقت اُن کی خدمت، مجاہدۂ نفس، تصفیۂ قلب اور سلوک کی منازل طے کرنے میں گزارا۔ جب روحانی تربیت پایۂ تکمیل کو پہنچی تو حضرت حافظ علی شاہ خیر آبادی نے آپ کو ان الفاظ کے ساتھ مامور فرمایا:

"ہم تمہیں اقلیمِ بمبئی بھیجتے ہیں؛ وہاں نئی بستی بسنے والی ہے۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا، اُنہیں اللہ کا راستہ دکھانا، مختلف مذاہب اور فرقوں میں محبت، یگانگت اور ہم آہنگی پیدا کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

حضرت حبیب علی شاہ نے اپنے شیخ کے اس حکم کی ایسی تعمیل کی کہ وفات تک بمبئی ہی میں قیام فرمایا۔ وہاں آپ نے محبت، اخوت، امن اور روحانی طہارت کی جو فضا قائم کی، وہ بعد کے کئی سالوں تک شہر کی شناخت بنی رہی۔ اعراس و مخصوص مواقع پر ہی کبھی کبھار حیدرآباد تشریف لاتے تھے۔

تصانیف، علمی و روحانی وراثت:

حضرت حبیب علی شاہ کی تصانیف بیس کے قریب ہیں۔ جن میں سے نمایاں یہ ہیں:

دیوانِ حبیب (تین جلدیں)، حبیب الارشاد، حبیب الاوراد، حبیب المریدین، حبیب العارفین، حبیب الانفاس، حبیب البرزخ / البرزخ حبیب، حبیب الطالبین، حبیب النواس فی رد الخناس، یہ کتب نہ صرف تصوف بلکہ اخلاق، سلوک، اصلاحِ نفس اور معرفت کے میدان میں گراں قدر سرمایہ ہیں۔

وصال

آپ کا وصال 6 / ذی الحجہ 1322ھ کو بمبئی میں ہوا۔

آپ کے جسمِ اطہر کو خانقاہِ حبیبیہ، ڈاکیا روڈ (جگاؤں)، بمبئی سے بذریعہ ٹرین حیدرآباد لایا گیا، اور عین عید الاضحی کے دن ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپردِ خاک کیا گیا۔

سجادہ نشینی حضرت مخدوم حافظ علی شاہ:

حضرت مخدوم حافظ علی شاہ کی جانشینی کا واقعہ تاریخِ تصوف کا وہ دل آویز باب ہے جس میں روحانیت کا وقار اور خانقاہی نظام کی سنتیں پوری شان کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ حضرت اپنے مکان واقع کوچہ نسیم (مچھلی کمان) میں اپنے شیخ حضرت حافظ محمد علی شاہ خیر آبادی کا عرس ہر سال عقیدت و احترام سے منایا کرتے تھے۔ ایک بار محفلِ سماع اپنے عروج پر تھی، حاضرین وجد و سرور میں ڈوبے ہوئے تھے، اور ایک قوال "ایک تو نہ پھرے موسے اے میرے پیارے" کا مصرع بار بار دہرا رہا تھا۔

اسی لمحے حضرت پر غیر معمولی کیفیتِ وجد طاری ہوئی، اور اس عالمِ روحانی شدت میں اپنے فرزندِ دوم نواب کریم یار خان کو قریب بلایا، دنیادارانہ لباس اتار کر قوال کو دے دیا، اپنا جبہ و دستار پہنایا اور سجادہ نشین مقرر کرتے ہوئے "مخدوم حافظ علی شاہ" کا خطاب عطا فرمایا۔ ایک نگاہِ کرم نے ان کے باطن میں ایسی انقلاب انگیزی پیدا کی کہ وہ جلد ہی مرجعِ خاص و عام اور ہادیِ گمراہاں بن گئے۔

اس کے بعد سولہ برس تک حضرت نے اپنے اس فرزند کو پل بھر کے لیے بھی خود سے جدا نہ ہونے دیا اور ظاہری و باطنی علوم کا وہ سرمایہ عطا کیا جو بعد کے دور میں ان کے لیے چراغِ راہ بن گیا۔ چنانچہ 1323ھ میں حضرتِ قبلہ کے وصال کے بعد انہوں نے آخر تک فرائضِ سجادگی، تہذیبِ مریدین، اور تعلیم و تربیت کو جاری رکھا۔
1344ھ ذوالحجہ کا چاند دیکھتے ہی فرمایا: "یہ ہمارے حضور قبلہ کی خدمت کا آخری سال ہے" اور پھر 15 ذوالحجہ کو مختصر علالت کے بعد اپنے والد کے پہلو میں آرام فرما ہوئے۔

خلفائے حضرت خواجہ حبیب علی شاہ قدس سرہ:

حضرت خواجہ حبیب کے خلفاء وہ روشن چراغ ہیں جنہوں نے عالمگیر سطح پر سلسلۂ حبیبیہ کی ضیاء پھیلا دی۔ ان میں: حضرت قطب وکن حافظ علی شاہ، حضرت ہدایت علی شاہ، صوفی غلام محمد (جنوبی، (فریقہ)، صوفی محمد ابراہیم (اجمیر)، شاہ محمد زبیر (خراسان)، مولانا عبدالصمد (سبزوار، ایران)، مولانا حاجی عبداللہ (ملکِ شام)، مولانا عبدالرؤف (پشاور)، شاہ محمد مرتضیٰ (آستانہ حبیبیہ)، مولانا غلام علی شاہ (ارگل شریف) اور کئی دیگر مشائخ شامل ہیں جنہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں سلسلہ حبیبیہ کی روحانی شمع روشن رکھی۔

2) سجادہ نشینی حضرت خواجہ حبیب علی شاہ ثانی–سجادہ نشین دوم

حضرت مخدوم حافظ علی شاہ نے وصال سے ایک سال پہلے ہی اپنے فرزند محمد یار خان کو خانوادۂ حبیبیہ کے بزرگوں کی زیارتوں سے مشرف کیا، اور محفلِ سماع میں انہیں روحانی اشارے کی بنا پر سجادہ نشین مقرر کیا۔ "خواجہ حبیب علی شاہ ثانی" وہ بزرگ ہیں جنہیں والد اور والدہ دونوں جانب سے روحانی فیوض کا خزانہ ورثہ میں ملا۔ یہ درویش صفت شخصیت سماج و خانقاہ دونوں کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوئے۔ اپنے دور میں سالانہ عرس، ماہانہ فاتحہ اور ذکر و شغل کی ایسی پابندی کی کہ انہیں دیکھ کر سالکین کے دلوں میں تقویٰ کی حرارت تازہ ہو جاتی۔ اپنے پاس آنے والا رزق تقسیم کر دینے کے بعد ہی ان کے چہرے پر سکون کے آثار نمودار ہوتے۔ یہی درویشی ان کی پہچان تھی۔ آپ کا وصال 16 جمادی الثانی 1380ھ کو ہوا اور حبیبیہ تاریخ میں ایک سنہری باب رقم ہوا۔

3) سجادہ نشین حضرت حافظ پاشاہ حبیبی–سجادہ نشین سوم

حضرت ثانی حبیب نے اپنے فرزند اکبر حافظ یار خان کو 1956ء میں محفلِ سماع ہی میں حضرت سید عنایت حسن علی خان (سجادہ نشین بارگاہِ غریب نواز) کے دستِ مبارک سے دستار بندی کروا کر جانشین مقرر کیا۔ یوں خانوادۂ حبیبیہ کی تیسری نسل نے بھی اسی روحانی عظمت کے ساتھ مسندِ سجادگی سنبھالی۔ حافظ پاشاہ نہایت رقیق القلب، منکسر المزاج، اور سوزِ سماع کے صاحب تھے۔ آپ کے دور میں سلسلہ مزید وسعت اختیار کر گیا، ممبئی، حیدرآباد اور جنوبی افریقہ کے درمیان مضبوط رابطے قائم ہوئے، اور خانقاہی خدمات نے نئی روحانی جہتیں اختیار کیں۔ آپ نے وصال سے ایک سال قبل اپنے فرزند جواد پاشاہ کو صندل کی کشتی سر پر رکھ کر اعلان کر دیا

کہ:"میرے بعد یہی حبیب علی شاہ ثالث ہوں گے۔" چنانچہ 13 ربیع الثانی 1410ھ کو رسمِ سجاد گی انجام پائی۔

4) حضرت حبیب علی شاہ ثالث-سجادہ نشین چھارم

یہ موجودہ سجادہ نشین ہیں جنہوں نے اپنے داداثانی حبیب اور والد حافظ پاشاہ کے مشن کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اسے نئی بلندیوں سے ہمکنار کیا۔ گنبد شریف کی تزئینِ نو، سماع خانہ کی تعمیر، مسجد حبیب علی شاہ کی وسعت، اور متعدد انتظامی و روحانی خدمات ان کے دور کی امتیازی نشانیاں ہیں۔

حضرت خواجہ حبیب کی قدیم تصانیف کی جدید اشاعت

جو سلسلہ حبیبیہ کی تاریخ کو نئی زندگی عطا کرنے کے مترادف ہے۔ "حبیب الاوراد"، "حبیب الفواد" اور دیوانِ حبیب کی نئی طباعت اسی دور کی روشن یادگاریں ہیں۔ جواد پاشاہ حقیقت میں فیضانِ حبیب کے امین اور خاندان کی روحانی عظمت کے ترجمان بن کر ابھرے۔

تصوف، شریعت و طریقت کا حسین امتزاج:

حضرت حبیب علی شاہ کے نزدیک تصوف کوئی مجرد نظریہ نہیں بلکہ احکامِ الٰہی، اسوۂ رسول ﷺ، صحابہ کرام، اور ائمہ مجتہدین کی عملی پیروی کا دوسرا نام ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ: "تصوف، سلوک کا وہ راستہ ہے جس پر چل کر بندہ صرف عبادت نہیں کرتا بلکہ معرفتِ الٰہی کی جلابخش روشنی سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے۔" اس لیے آپ کی خانقاہ کا ماحول ایک طرف فقہی و شرعی مسائل کا مرکز تھا تو دوسری طرف معرفتِ الٰہی کے انوار و تجلیات سے معمور تھا۔ ذکر و اذکار، درس و وعظ، اور اصلاحِ باطن کے حلقات ہر وقت جاری رہتے۔

سلوک، سالک کا زادِ راہ:

سلوک کے بارے میں حضرت نے نہایت جامع تعریف بیان فرمائی:

سلوک: عبادتِ بدنی، سیر: قلب کا پاک و مصفّا ہونا، طیر: روح کا اللہ کی محبت میں پرواز کرنا

یہ تینوں منازل آپ کی تربیت میں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں۔ آپ کے نزدیک سالک کا سفر جسمانی مشقت سے شروع ہو کر قلب کی طہارت اور پھر روح کی محبتِ الٰہی میں بلند پرواز تک جا پہنچتا ہے۔ اقبال نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سالک سے کہا:

آدم کا ضمیر اس کی حقیقت پر ہے شاید
مشکل نہیں اے سالکِ رہ علم و فقری

عشق، سالک کی جان، تصوف کی روح: حضرت کا فرمان ہے: "طالبِ صادق کے لیے دو چیزیں لازمی ہیں: عشق اور ادب" جب عشق دل میں اتر جائے تو سالک کی کیفیت بدل جاتی ہے۔

مستی، فنا کا ظہور: آپ نے فرمایا: "مستی دو قسم کی ہے: مستیِ حق اور مستیِ گمراہی" مستیِ حق وہ ہے جب بندہ تجلیاتِ الٰہی میں اس طرح فنا

ہو جائے کہ خودی کا شعور بھی باقی نہ رہے۔یہی مستی منصور کے انا الحق کی بنیاد تھی۔آپ اس مستی کو فقر کی معراج قرار دیتے تھے۔
مجذوبیت، صفاتِ الٰہی میں استغراق: حضرت نے مجذوب اور سالک کا فرق یوں بیان فرمایا: مجذوب صفاتِ الٰہی میں کھو جاتا ہے۔سالک صفات سے گزر کر ذات میں فنا ہوتا ہے، مگر ہوش کے ساتھ مجذوب کی حرکات اس کے دل کی حرکات ہوتی ہیں، اسی لیے اس کی کیفیت عام لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتی۔
فنا، تصوف کی اعلیٰ ترین معراج: حضرت قطب کن شاہ رکن الدین کے قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: فنا کی تین منازل ہیں: 1) فنا فی الشیخ 2) فنا فی الرسول 3) فنا فی اللہ، اور فرمایا: "جب تک فانی کی فنا نہ ہو، باقی کی بقا تک رسائی ممکن نہیں"
ذکر، قلب کی صفائی اور روح کا ارتقا: حضرت کے نزدیک ذکر کی چار اقسام ہیں:
1) ذکرِ ناسوتی: لا الہ الا اللہ 2) ذکرِ ملکوتی: الا اللہ 3) ذکرِ جبروتی: اسمِ ذات 4) ذکرِ لاھوتی: ھو
آپ فرماتے تھے کہ ذکر وہ قوت ہے جو قلب کو صیقل کرتی ہے اور روح کو معراج عطا کرتی ہے۔
اقبال نے بھی اسے کچھ یوں لکھا ہے :

مقامِ فکر ہے پیمائشِ زماں و مکاں — مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

فقر، نبی ﷺ کی سنت اور تصوف کی بنیاد: حضرت نے فرمایا: "الفقیر محتاجٌ الی ربه، لا الی نفسه" فقر وہ ہے جو سالک کو اللہ کا محتاج بنادے، اپنے نفس کا نہیں۔اسی لیے آپ اکثر فرماتے: "الفقر فخری" حضور ﷺ کا فرمان ہے اور تصوف کی اساس بھی یہی فقر ہے۔" اقبال نے اسی کو یوں بیان کیا:

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ — فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ

عکسِ جمال، کائنات آئینہ خانۂ الٰہی: آپ کی تعلیمات کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ: مخلوقات میں جو حسن ہے وہ حقیقت میں حق تعالیٰ کے جمال کا عکس ہے۔کائنات کی ہر جلوہ گری اسی عکسِ الٰہی کا ظہور ہے۔آپ کے اشعار میں اس مضمون کی بے شمار جھلکیاں ملتی ہیں۔
نصائح اربعہ، اصلاحِ باطن کے بنیادی اصول: آپ نے طالبِ حق کے لیے چار لازمی چیزیں بیان فرمائیں: 1) قلتِ طعام، 2) قلتِ کلام 3) قلتِ منام 4) قلتِ صحبہ، آپ فرماتے تھے: "کوئی ولی ایسا نہیں گزرا جس نے ان چار اصولوں کو ترک کیا ہو"
اشارات و لطائف کا دریا: آپ کے کلام میں اشاراتِ قرآن کے جابجا نمونے ملتے ہیں:

وہ کس ناز سے ہر آن بیٹھے ہیں — کل یوم هو في شان بیٹھے ہیں
"الست بربکم" سن کے سکھیاں — "قالوا بلی" کی بنسی بجائی
"نحن اقرب" کہہ کے سیحني — و کل شيء محیط سنائی
وهو معكم اینما کنتم — ایسے گرو کی چیری کھائی

ان اشعار میں حضرت حبیب شاہ نے اپنے ربّ کے حضورِ ازلی سے لے کر انسانی زندگی کے ہر لمحے میں جاری و ساری ربّانی معیت تک، قرآن کی متعدد عظیم حقائق کو نہایت لطیف استعاروں اور عاشقانہ زبان میں بیان فرمایا ہے۔ "وہ کس ناز سے ہر آن بیٹھے ہیں، كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ بیٹھے ہیں۔

یہ مصرع اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر لمحہ نئی شان اور مسلسل تجلیات کے ساتھ کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ حضرت حبیب شاہ اس آیت "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" کے عرفانی اسرار کو یوں کھولتے ہیں کہ اللہ کی ربوبیت جامد نہیں، بلکہ لحظہ بہ لحظہ اس کے فیوض نئی صورتوں میں جلوہ گر ہوتے رہتے ہیں، اور ولیِ کامل ان تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔

"الست بربکم سن کے سکھیاں، قالوا بلیٰ کی بنسی بجائی"

یہ اشارہ عالمِ اَلست کی طرف ہے جہاں انسان کی روح نے ربّ کے سوال أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ کے جواب میں عہد و محبت کے ساتھ قالوا بلیٰ کہا تھا۔ حضرت حبیب شاہ اس عہدِ الست کو ایک "بنسی" یعنی وجدانی اور روحانی نغمے سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا ہر ولی کے دل میں اس ابدی عہد کی صدا آج بھی گونجتی رہتی ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ حضرت کے دل و دماغ میں قرآن کا یہ ازلی پیغام ہر لمحہ متحرک اور زندہ تھا۔ "نحن أقربُ إليه من حبل الوريد کہہ کے سيحنى و كل شيء محيط سنائی"

یہاں دو عظیم قرآنی حقائق کا جمع کیا ہے: نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ، اللہ انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا، اس کی قدرت اور علم پوری کائنات کو محیط ہے۔ حضرت حبیب کے وجدانی شعور میں یہ دونوں آیات نورانی تجلیات کی صورت بس گئیں تھیں، جس کے نتیجے میں ان کی نگاہ ہر چیز میں اللہ کی قربت، احاطہ اور ربانی جلوہ دیکھتی تھی۔

"وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ، ایسے گرو کی چیری کہائی"

یہاں شیخِ کامل کی روحانی تعلیم کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ جس شیخ نے قرآن کے اس مقامِ قربِ الٰہی کا ذوق چکھ لیا ہو، اس کی صحبت روح کو پاک اور دل کو زندہ کر دیتی ہے۔ حضرت حبیب شاہ ایسے ہی گرو اور مرشد تھے جن کی "چیری" یعنی تربیت و فیض سے سالک کے دل میں معیتِ الٰہی کا یقین جاگزیں ہو جاتا ہے۔

*****

علامہ سید ابراہیم ادیب کے علمی و تحقیقی کارنامے

حافظ محمد حنیف قادری*

بارہویں صدی کے آغاز میں شہر حیدرآباد فرخندہ بنیاد کو عارف کامل حضرت سید حسن رضوی نجفی رحمہ اللہ نے اپنے قدوم بابرکت سے زینت دی، جن کی اصل اورولادت نجف اشرف سے ہونے کے علاوہ خمیر اور طینت رضویت سے تیار شدہ تھا' سلسلہ نسب امام العارفین حضرت سیدنا امام علی رضابن سیدنا امام موسی کاظم بن سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم سے ملتا ہے۔ حضرت سید حسن نجفی رحمہ اللہ کی اولاد امجاد میں پشت در پشت باصفا افراد کی ولادت ہوتی رہی' آپ کی ساتویں پشت میں 1295ھ بمقام میسرم' تعلقہ ابراہیم پٹنم' حیدرآباد میں ولادت ہوئی نام سید ابراہیم تجویز کیا گیا۔

ابتدائی تعلیم

حضرت سید الادباء علامہ ادیب رحمہ اللہ کے آباء واجداد اہل علم و اصحاب فہم تھے خصوصاً آپ کے والد گرامی سید عباس رضوی رحمہ اللہ نہ صرف علم و آگہی اور شعور و ادراک سے آراستہ تھے حضرت ادیب رحمہ اللہ نے اپنی تعلیم کا آغاز والد گرامی کے پاس کیا اور ابتدائی تعلیم کا اختتام بھی آپ کی نگرانی میں ہوا۔ مبادی علوم میں مہارت تامہ کے بعد حضرت ادیب کو شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی رحمہ اللہ کی شاگردی و نگرانی میں دیا گیا تاکہ مزید علوم عالیہ و دینیہ میں ید طولی حاصل ہو۔ اس وقت شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ رحمہ اللہ علم و عرفان کا آفتاب و مہتاب بن کر چمک رہے تھے اور اپنی ضیاء سے اک عالم کو منور کر رہے تھے' آپ کی شعاعوں کی چمک دیکھ کر اقطاع عالم سے تشنگان علم کشاں کشاں چلے آرہے تھے' حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے حضرت سید الادباء پر خاص توجہ فرمائی اور علوم آلیہ و عالیہ' ظاہر و باطن میں یکتائے روزگار بنایا' چنانچہ آپ میں اس درجہ قابلیت سماگئی کہ حضرت شیخ الاسلام کی خاص محافل و دروس میں آپ صف اول کے طلبہ میں رہتے اور عبارت خوانی کا فریضہ انجام دیتے، اور علماء عرب سے خط و کتابت کے لیے شیخ الاسلام نے اپنے اسی شاگرد رشید کو منتخب فرمایا تھا' علمی استعداد و قابلیت کے ساتھ حسن کتابت کی وجہ سے آپ کو حضرت شیخ الاسلام نے خطوط نویسی کے لیے منتخب فرمایا، اور اپنی تصانیف کا مبیضہ بھی حضرت سید الادباء سے تیار کرواتے' اس بات کا شاہد شیخ الاسلام کا مخطوطہ "المنتخبات من الصحاح" ہے جو حضرت سید الادباء کی خوشنما تحریر و خوشخطی سے زیب قرطاس کیا گیا ہے۔

جامعہ نظامیہ میں حضرت سید الادباء نے ان نفوس قدسیہ حضرت علامہ محمد عبد الکریم افغانی رحمہ اللہ۔ مفتی اعظم حضرت علامہ محمد رکن الدین رحمہ اللہ' مفتی اوّل دار الافتاء جامعہ نظامیہ و خلیفہ شیخ الاسلام۔ رئیس المحدثین حضرت علامہ محمد یعقوب چشتی صابری رحمہ اللہ' شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ و خلیفہ شیخ الاسلام اور دیگر اساتذہ کرام سے حصول علم کیا' ان کے علاوہ حضرت علامہ مولانا عبد الرحمن

---

* کامل الفقہ جامعہ نظامیہ

سہارنپوری رحمہ اللہ سے خاص کر علم حدیث میں اخذ واستفادہ کیا، حضرت علامہ مولانا محدث زمن محمد عبد الرحمن انصاری سہارنپوری رحمہ اللہ سے صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث پڑھی اور ان کی سند لی اس وقت آپ کی عمر شریف 26 سال تھی' درس حدیث کا یہ سلسلہ حضرت ادیب رحمہ اللہ نے جاری رکھا' چنانچہ اپنے شاگرد حضرت شیخ الحدیث علامہ حکیم محمد حسین رحمہ اللہ اور اپنے صاحبزادہ حضرت رئیس المفسرین علامہ سید شاہ طاہر رضوی قادری رحمہ اللہ صدر الشیوخ کو صحاح و سنن کا درس دیا اور سند حدیث سے نوازا۔

حضرت صدر الشیوخ رحمہ اللہ کے واسطہ سے حضرت سید الادباء کا فیضان علوم حدیث نہ صرف دیار ہند بلکہ ملک عرب میں بھی جاری ہوا' حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس شہر مدینہ کی جلیل القدر علمی و روحانی شخصیت حضرت علامہ السید یوسف ہاشم رفاعی کو حضرت صدر الشیوخ کے واسطہ سے صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث کی سند حاصل ہے جیسا کہ علامہ رفاعی صاحب نے اپنی کتب میں اس کی صراحت کی ہے۔

حضرت سید الادباء رحمہ اللہ کے ساتھ ایک برجستہ واقعہ پیش آیا' جامعہ عثمانیہ میں اساتذہ کے تقررات کا مرحلہ آیا تو انٹریو مقرر کیا گیا' اس کے صدر پروفیسر المی لطیفی کو آٹھ زبانوں پر بڑا درک اور عبور حاصل تھا۔

جب حضرت علامہ ادیب رحمہ اللہ کی باری آئی تو آپ سے پروفیسر المی لطیفی نے کہا: میز پر رکھا ہوا روزنامہ سے کسی پیراگراف کی عربی بنایئے' اس طلب کے فورا بعد حضرت ادیب نے جواب میں کہا نظم میں بناؤں یا نثر میں؟ نظم میں ترجمہ کا مطالبہ ہوا تو آپ نے قلیل وقت میں اس کا عربی میں ترجمہ کیا' یہ دیکھ کر آٹھ زبانوں کے ماہر پروفیسر کو اپنی نشست سے اٹھنا پڑا' اعتراف قابلیت کے طور پر انہوں نے حضرت ادیب سے کہا بے شک آپ ادیب اور شاعر ہیں۔[1] اور حرمین شریفین میں منعقد ہونے والے علمی مجالس کے اساتذہ و معلمین نے آپ سے آپ کی کتاب لامیۃ الدکن پڑھی اور اس کی سند لی جیسا کہ "امانت الٰہیہ" کے مقدمہ میں ہے: مولانا کی ادبی مہارت کا اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حرم شریف کے قیام کے دوران میں مکّہ معظمہ کے ادیب محمد امین الکتبی نے آپ سے آپ کے قصیدہ "لامیۃ الدکن" کی سند لی۔[2]

جیسا کہ حضرت صدر الشیوخ علامہ سید شاہ طاہر رضوی قادری رحمہ اللہ کے اہتمام سے مطبوعہ کتاب "حقیقت غیب" حضرت سید الادباء کی سیرت میں مرقوم ہے' آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کے عربی پروفیسر نے آپ سے ملاقات کے بعد آپ کے عربی ادب سے متأثر ہو کر عربی و انگریزی میں مہارت کی سند پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ جیسا عربی ادیب میں نے ہندوستان بھر میں نہیں پایا' آپ عربی کے بہترین انشاء پرداز' خطیب اور فی البدیہ شاعر ہونے کے علاوہ عارف باللہ اور صاحب کشف بزرگ تھے[3]۔

عربی زبان وادب کے میدان نثر میں آپ کو جو کمال حاصل ہے اس فضل و کمال کا انعکاس بلکہ وہی کمال' آپ کی شاعری و نظم نویسی میں

---

[1] مقدمہ حقیقت غیب، ص:23، مؤلفہ حضرت علامہ سید ابراہیم ادیب رحمہ اللہ

[2] مقدمہ امانت الٰہیہ، ص:ھ، مولفہ علامہ سید ابراہیم ادیب رضوی

[3] مقدمہ حقیقت غیب، ص:23

بھی پایا جاتا ہے، آپ کی شعری صلاحیت اور شاعری کی توصیف میں حضرت علامہ عبد الستار خان دامت برکاتہ اس طرح رقم طراز ہیں: مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمہ کو فن عروض میں ایسی غیر معمولی مہارت تھی کہ ادھر کوئی شعر پڑھا جائے آپ فوراً اس شعر کی بحر فرمادیتے اس کا تجربہ اس عاجز کو اس وقت ہوا جب کہ اس عاجز نے اپنی ڈاکٹریٹ کا مقالہ سنانا شروع کیا یہ مقالہ " المحمدون من الشعراء " (محمد نامی شعراء کا تذکرہ اور ان کا کلام) جو بیشتر اشعار پر مشتمل ہے اس عاجز نے یہ سعادت حاصل کی کہ پورا مقالہ حضرۃ الاستاذ مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمہ کو سنایا اِدھر یہ عاجز شعر پڑھتا اُدھر حضرت اس شعر کی بحر ارشاد فرماتے۔[1]

حضرت ادیب کی شاعری: خصائص و امتیازات

- آپ کی شاعری میں غالب عناصر یہ پائے جاتے ہیں:، حمد باری تعالیٰ عجائب قدرت کا اظہار دربار الٰہی میں شکرانہ التجائیں احسان ومنت کے تذکرے۔
- حضور اکرم سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت، مدح سرائی فضائل وکمالات کا ذکر مناقب ومحامد نبویہ شان نورانیت کے جلوے توسل واستغاثہ کا جواز۔
- شان صحابہ کرام دربار نبوی میں صحابہ کے آداب صحابہ کا انفاق فی سبیل اللہ۔ اہل بیت کرام کی محبت فضائل ومناقب اہل بیت مولائے کائنات امام المتقین ہیں۔ حضرت پیران پیر غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کی مدح وتوصیف۔ سید الادباء کے پیر بے نظیر مرشد حقانی شیخ لاثانی حضرت سید جمال الدین قادری جیلانی رحمہ اللہ کی شان میں اشعار تحریر فرمائے۔ شاہ وقت سلطان آصفجاہ سابع میر عثمان علی خان صاحب کی تعریف میں۔

اشعار کی تعداد

لامیۃ الدکن مطبوعہ کے علاوہ غیر مطبوعہ آپ کے اشعار ہزاروں تعداد میں موجود ہیں جن میں قصیدۂ دالیہ کے (110) اشعار اور ایک قلمی دیوان جس میں 1200 اشعار ہیں حضرت ادیب نے اپنے شیخ کامل کی مدح میں متعدد اشعار تحریر فرمائے۔ چند اشعار یہاں بطور نمونہ پیش ہیں حضور اکرم سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں چند اشعار یہ ہیں:

وراحته مريحة كل روح بروح لم يمازجه العناء
ففى الشفتين منه وراحتيه شفا المرضى وراحتهم فِشاء
حبيبى سيدى من فى سوادى لسودده الرسيم الارتساء
اغثنى عن نبال الدهر نعشى فوادى من صوائبها الغشاء
اتيتك من طيب مستطبا بطيب شفاك لى منه الكفاء

[1] مولانا عبد الستار خان علیہ الرحمۃ، تذکرۂ حضرت محدث دکن، ص:585-586

ترحم سیدی عبدا لهیفا   یطول به من الدهر الجفاء
هو الشمس الذی قدضاء منه   جمیع الخلق وهی له هباء
شفیع الخلق یوم الفصل طرا   لدی الرحمن اذ قام الجزاء[1]

اہل بیت کرام کی شان کیاہے اور ان سے محبت رکھنے سے دو جہاں کی کامیابی ملتی ہے اور ان حضرات سے دفع بلاء ہوتی ہے اس عقیدہ کا اظہار کرتے فرماتے ہیں:

فهذی خمسة اطفی جحیم   الوباء بهم اذا اجتحم الوباء
بجاه محمد وبآله من عظیم   الجاه عندهم لقاء
هم السفین لخلق الله ان رکبوا   شدید البحر والامواج تضطرب[2]

حضور پیران پیر سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کی توصیف میں یوں مدح سرا ہیں:

لا سیما منهم غوث الانام و غیث   المجدبین ومن غرت له رتب
هو الامام و قطب الواصلین ومن   دانت له العجم فی الآفاق والعرب
بحر المعارف لا تحصی جواهرهٔ   من دونه الحجی غوص و مکتسب
الجن والانس من فیضان راحته   تهتز من طرب زالت به الکرب
والبلدة الدکن الغراء لمصیّبه   تسموا الی فلک العلیا و تقترب[3]

پھر حضرت ادیب رحمہ اللہ نے شیخ طریقت واصل الی اللہ عارف باللہ حضرت سید جمال الدین قادری جیلانی جگر گوشۂ پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کا وصف یوں بیان فرماتے ہیں۔

وتزدهی بجمال الدین فاخرة   اذکان مرقاه نحو الغوث ینتسب
حلت بو طأته فی ظهر مجد بها   من خضرة ماراها الدهر تنقلب
هزت مناکبها من فرحة غشیت   کادت تزول لها من بینها الهضب
تفجرت وربت فیها لمقدمه   للخلق صافیة الانهار و العشب
کم من اناس بها فاقوا الافاضل اذ   عذب المعافر من انهارها شربوا
هی اللتی کان فی بغداد موردها   قدما و فی الهند یوما سیبها سرب
فضلا علیها جمال الدین یبهجها   من فضل جودک دام الصیب السکب
یاسیدا حاز من اجداده شرفا   ارثا ومافی محیّا مجده تدب
شرفتنا وبلادا نحن نسکنها   یامن مکارمه فی دمره شهب

---

1 حضرت علامہ سید ابراہیم
ادیب علیہ الرحمۃ، قلمی دیوان

2 حضرت علامہ سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ، قلمی دیوان

3 حضرت علامہ سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ، قلمی دیوان

حکومة الدکن الغراء منک علی نور مبین و فضل لیس یحتجب[1]

حضرت سید الادباء رحمہ اللہ نے اپنے اشعار میں عقیدۂ توحید کو سمجھاتے ہوئے یقین و توکل کا درس دیا اور حق تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق وہ اسرار و اشگاف فرمائے جن کے بیان سے توحید کی حقیقی لذت کا ذوق حاصل ہوتا ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے قلوب سرشار و لبریز ہوتے ہیں' سرکار کے مقامات عالیہ و قرب الٰہی کی منازل سے آشنائی ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے اشعار میں عظمت صحابہ وحب اہل بیت و بیعت کی اہمیت و ضرورت' تعظیم اولیاء جیسے اسلامی اہم ترین عناوین پر روشنی ڈالی اور ان مضامین کو اشعار کے سانچے میں بے مثال انداز میں ڈھالا۔

لامیۃ الدکن

یہ کتاب دراصل عربی اشعار کا دیوان و مجموعہ ہے شنفری کی '' لامیۃ العرب'' نے میدان ادب میں تہلکہ مچادیا تھا' یہ کتاب اپنے طرز و انداز میں لاجواب کتاب سمجھی جانے لگی' حضرت ادیب رحمہ اللہ نے طبع آزمائی فرماکر بتادیا کہ اس قسم کا عجوبہ صرف اہل عرب کا خاصہ نہیں' ادب عربی میں مہارت کاملہ اور بھرپور صلاحیت رکھنے والے حضرات عجم میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس طرح کا تعجب خیز کارنامہ اہل عجم سے بھی ممکن ہے' چنانچہ آپ نے خالص دینی مضامین کو ''لامیۃ العرب'' کے اسلوب میں بنام لامیۃ الدکن لکھا' اس کتاب کو جب اہل عرب نے دیکھا اور سنا تو اس کو خوب سراہا اور اس کی آپ سے سند بھی حاصل کی۔

تاویل امانت الٰہیہ

یہ کتاب لفظ امانت کی تفسیر ہے جو سورۂ احزاب کی آیت ' انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض' میں مذکور ہے اس کتاب کا لب لباب رئیس العلماء والمفسرین حضرت صدر الشیوخ علامہ سید شاہ طاہر رضوی قادری رحمہ اللہ نے اس طرح ذکر فرمایا ہے: اہل علم پر مخفی نہیں کہ آیت قرآنی 'انا عرضنا الامانۃ' میں مراد امانت کے تعین میں عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اختلاف چلا آرہا ہے' جلیل القدر مفسر صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو '' طاعت '' قرار دیا اور مجاہد رحمہ اللہ' ضحاک رحمہ اللہ' حسن بصری رحمہ اللہ' مقاتل بن حیان رحمہ اللہ ، جیسے تابعین نے الفرائض کہا' حضرت قتادۃ رحمہ اللہ کی رائے میں الدین والفرائض والحدود ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: الامانة فی الصلوة والامانة فی الصوم والامانة فی الوضوء والامانة فی الحدیث۔ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: هی التکالیف' امام ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هی المعرفة والمحاولة الخاصة۔ ان تمام اقوال کو جمع کرکے کوئی متفق علیہ بات نکالنا مشکل ہے' فرائض اور حدود اور معرفت اور تکالیف اس وجہ سے امانت قرار نہیں دیے جاسکتے کہ ان کا تعلق صرف اہل ایمان سے ہے جب کہ آیت قرآنی میں عموم ہے اور اس کے حامل کو الانسان کہا گیا ہے۔

پیش نظر رسالہ میں اہل تصوف کے نہج پر مرادِ امانت کو متعین کرنے کے لیے آیت کے ہر ہر جملے یعنی آسمان و زمین و پہاڑوں پر عرض امانت پھر ان کا انکار اور اشفاق اور انسان کا اس کو حمل کرکے ظلوم و جہول کہلانا وغیرہ وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جس کے نتیجہ میں '' خلافت '' امانت الٰہیہ قرار پاتی ہے ہمارے علم کے مطابق مصنف علیہ الرحمہ اس نتیجہ میں منفرد ہیں۔ رسالہ کے مباحث

کے فہم کا انحصار دوائر وجود سے کما حقہ واقفیت پر ہے' اس موضوع پر حضرت مصنف رحمہ اللہ کے دو رسالے "مطلق الوجود" اور "عرفان عوالم" موجود ہیں' ان کا مطالعہ اس رسالہ کے فہم میں مدد و معاون ہو گا۔[1]

تفسیر سورۂ والتین

یہ کتاب آپ نے ربیع الاول 1364ھ میں تحریر فرمائی' پہلے آپ نے یہ رسالہ عربی زبان میں لکھا پھر عوام کے افادہ کی خاطر اسی کو اردو زبان میں منتقل فرمایا عربی کتاب حضرت ادیب رحمہ اللہ کی حین حیات طبع ہوئی اور اردو کتاب کی طباعت حضرت مولانا سید محمود رضوی ارشد دامت برکاتہ جانشین حضرت صدر الشیوخ کی نگرانی میں 1427ھ م 2006ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

تفسیر سورۂ قریش

اس رسالہ کے آغاز میں حضرت ادیب رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ آپ سے آپ کے کوئی مخلص نے سورۂ قریش کی تفسیر کی گزارش کی تو آپ نے ان کی گزارش رد نہ فرمائی اور اس رسالہ میں زیادہ تر" لایلف،، پر بحث کی گئی ہے اور اس لفظ کے متعلّق کو واضح کیا گیا ہے۔

الملخص من شرح الشواھد

سید الادباء حضرت علامہ سید ابراہیم شاہ ادیب قدس سرہٗ نے "الملخص من شرح الشواھد" میں فرماتے ہیں: تفسیر کشاف میں علامہ زمخشری نے آیات قرآنیہ کی تفسیر و توضیح میں بطور استشھاد عربی اشعار لکھے۔ میں نے ان اشعار کی لغوی و ادبی تشریح تفصیل سے کی۔ ایک مقام پر سورۂ آل عمران کی آیت شریفہ "فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ" ہے۔ زمخشری نے اس آیت کے متعلق یہ کہا کہ شہر مکہ آیات بینات بہت سی نشانیاں ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو نشانیاں بیان فرمایا(1)مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ (2)وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا یعنی جو حرم میں آجائے وہ امن و سلامتی میں آگیا۔ آیات جمع ہونے کی وجہ سے کم از کم تین نشانیوں کا بیان ہونا چاہئے، دو کے ذکر پر اکتفا اس لیے کیا گیا کہ نشانیاں بہت ہیں، سب کا ذکر تفصیل کر جائے گا۔ اس تشریح کے بعد زمخشری نے بطور استشھاد جریر کا ایک شعر لکھا:

كانت حنيفة اثلاثا فثلثهم — من العبيد وثلث من مواليها

اس کے بعد مزید توضیح میں یہ حدیث پاک لکھی "حبب الی من دنیاکم ثلث الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ" اس میں تیسرا جملہ وجعلت کو زمخشری نے معطوف نہیں بلکہ مستانفہ (نیا جملہ) قرار دیا۔

حضرت سید الادباء علیہ الرحمۃ نے زمخشری کے اس موقف کو خطا قرار دیتے ہوئے فرمایا: واستشهاده على قوله تعالىٰ فيه آيات بينات الخ بهذا البيت و بقوله صلى الله عليه وسلم حبب الى من دنياكم ثلث الخ مما يدل على قلة معرفته بالله و آياته و قدا خطأ هو من تبعه فى ذلك فى فهم معنى هذا الحديث و

---

[1] حضرت علامہ سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ، تاویل امانت الٰہیہ، ص: 1، ب

انی قد سفرت عن وجه الصواب و اثبتُّ ان قرة العین فی الصلاۃ قد تکون فی امور الدنیا وما دعانی الی ذلک الادنیٰ قد وجدت کثیرا من العلماء۔ یحتجون الی قول الزمخشری ویصوبون رأیه بید انهم یعلمون انه قد قدح فی اعراض العلماء الربانیین فی عدۃ مواضع فی التنزیل بها لی ینبغی لمثله۔[1]

مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ زمخشری نے حدیث شریف میں وجعلت قرۃ عین فی الصلاۃ کو اس سے پہلے والے جملہ پر عطف نہ کرکے خطا کی اور اس کا جو مفہوم سمجھا اس میں یہ واضح ہوتا ہے کہ زمخشری کو نہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں معلومات ہیں نہ اس کی نشانیوں کا پتہ ہے، میں نے اس کی اس خطا پر گفتگو اس لیے کیا کہ بہت سے علماء کو میں نے دیکھا زمخشری سے متاثر ہیں اور اس کی تحقیق کو دلیل مانتے ہیں جب کہ اس نے علماء ربانیین پر طنز کیا اور ان کی عزت اچھالنے کی کوشش کی۔

پھر زمخشری نے اس حدیث کی تشریح میں جو نشان نبوی کے خلاف تحریر کی اس کی گرفت اس طرح فرمائی: واستشهاده علی ذکر اثنین وترک الثالث بقوله صلی اللہ علیه وسلم حبب الی من دنیاکم ثلث غیر صحیح و قول الزمخشری انه لما ذکر الاولین فکر فی نفسه الخ مما لا ینبغی ان یقال فی النبی صلی اللہ علیه وسلم لانه لیس ممن یبتدأ بالکلام ثم یمسک عن بعض ما یرید بعد التفکر ولم یکن نطفه الا بالوحی جلیا کان او خفیا۔[2]

حدیث پاک سے زمخشری کا یہ استشہاد کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کے ذکر پر توقف فرماکر تیسری محبوب شی کا ذکر ترک فرمایا، یہ قول صحیح نہیں، پھر زمخشری نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس میں تفکر و تدبر فرمایا کہ تیسری شیٔ کیا بتاؤں الخ، یہ کلام ایسا نہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف اس کی نسبت کی جائے کیونکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ایسی شان نہیں کہ آپ فرماتے ہوئے رُک جائیں یا غور و تدبر فرماکر آگے گفتگو فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الٰہی ہوتا ہے وحی جلی یا خفی۔

خلاصہ شرح مائۃ عامل

حضرت ادیب رحمہ اللہ نے اکثر تصانیف و کتب کے آغاز میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ کتاب میں نے خصوصا میرے فرزند سید طاہر او رعموما طالبین علم کے لیے لکھا ہے' یہ رسالہ بھی خصوصا حضرت صدر الشیوخ رحمہ اللہ کے لیے تحریر کیا گیا ہے جب کہ آپ جماعت ششم میں زیر تعلیم تھے' حضرت ادیب نے شرح مائۃ عامل کا خلاصہ عوامل لفظیہ تک تکمیل فرمایا تھا' معنوی عوامل آپ نے نہیں لکھا پھر یہ کتاب 2002ھ میں طبع ہوئی۔ اور اس کتاب کا سرورق حضرت صدر الشیوخ رحمہ اللہ نے بقلم خود تحریر فرمایا۔

عرفان عوالم: اس رسالہ میں عالم لاھوت وجبروت' ملکوت و ناسوت کی نشاندہی کی گئی ہے' اعیان ثابتہ و حقائق اسماء و صفات الٰہیہ کی تشریح کی گئی ہے۔

مطلق الوجود: وجود کے متعلق صوفیہ کے پاس اختلاف ہے قادری و چشتی سلسلہ کے بزرگان دین وحدت الوجود کے قائل ہیں اور یہ

---

[1] حضرت علامہ سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ، مقدمۃ، الملخص من شرح الشواہد

(2) حضرت علامہ سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ، الملخص من شرح الشواہد، ص:104، قلمی

اصطلاح حضرت شیخ ابن عربی رحمہ اللہ کی ایجاد ہے اور سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ حضراتِ اولیاء کے پاس وحدت شھود کی جلوہ گری ہے' اس اصطلاح کی ایجاد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے پاس ہوئی۔ حضرت سید الادباء رحمہ اللہ نے رسالۂ مطلق الوجود میں ان دو اصطلاحات و مقامات کی تفہیم فرمائی اور وحدت وجود و شھود کے متعلق فرمایا کہ یہ سالکین مشاہدین سے ہمہ اوست مانا جائے تو زندقہ و الحاد ہے۔ یہ رسالہ آپ نے 25 ماہ صفر 1329ھ میں لکھا۔

نبوت و رسالت: یہ رسالہ ماہ رجب 1370ھ میں تحریر کیا گیا اس میں حضرت ادیب رحمہ اللہ نے نبوت و رسالت کا شرعی و لغوی فرق بیان فرمایا اور نبی و رسول کا منصب و مقام اور ان میں افضل کون ہیں اس کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

مطالع النور: اس رسالہ میں حقیقت نور اور اس کے تجلیات سے بحث کی گئی ہے' اور حق تعالیٰ کے صفات ذاتی کے ذکر سے جو تجلیات کا ورود ہوتا اور کیفیات پیدا ہوتی ہیں ان پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ رسالہ 1328ھ میں تکمیل پایا۔ تفسیر سورۂ والتین اردو کے سوا باقی سب مذکورہ کتب حضرت سیدی صدر الشیوخ رحمہ اللہ نے طبع کروائی اور طباعت و اشاعت کا اہتمام فرمایا۔

حاضرات متعارفہ: عالم دنیا' عالم مثال' عالم ارواح میں ایکدوسرے کے مقابل جو گفتگو ہوتی ہے اس کا مختصر بیان اس رسالہ میں ذکر کیا گیا ہے' ایک شخص بعید مسافت کے باوجود دوسرے شخص کو دیکھ سکتا اور اس کی آواز سن سکتا ہے' اس امر کو مختلف وجوہ سے ثابت کیا گیا ہے۔

حروف مقطعات: اس رسالہ میں 28 حروف اور 28 اسماء الٰہی اور ان کے منازل کا بیان ہے اور 14 حروف مقطعات کے ان معانی کا ذکر ہے جو اہل بصیرت پر منکشف ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک اسم بدیع کے متعلق حضرت سید الادباء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " البدیع " اس اسم سے اللہ تعالیٰ نئی شئی کی ایجاد کی جانب متوجہ ہو ابغیر مادہ سابقہ کے' عقل اول کی ایجاد اسی اسم الٰہی سے ہوئی اس کو عقل اول و عقل کل و نور محمدی و قلم اعلی بھی کہتے ہیں۔

نظام الوجود فی وحدۃ الوجود

اس کتاب میں حضرت ادیب رحمہ اللہ نے ابتداء میں مسئلہ وحدت الوجود کی تفہیم میں مستعمل ہونے والے الفاظ تصوف کی مختصر تشریح فرمائی ہے' اس مسئلہ میں آپ نے جو تفصیلی بحث فرمائی اور اس میں بہت سے مسائل کے گویا آپ موجد ہیں اس کو الہام کہا جائے یا انکشاف چاہے جو بھی نام دیا جائے' حضرت ادیب رحمہ اللہ نے ان سے متعلق فرمایا کہ شریعت و طریقت' معرفت و حقیقت کا یہ بیان دراصل آپ کے پیر کامل و مرشد برحق کا فیضان ہے چنانچہ فرماتے ہیں: حضرت جلال و جمال سے جو مبدأ فیاض ہے اس خادم الفقراء کے عین ثابت پر شریعت و طریقت و معرفت و حقیقت کے نسبت جس بیان کا فیضان ہو رہا ہے وہ خادم الفقراء کے عین ثابت کے قلم بیان سے اپنا آپ ترجمان ہے۔[1]

ملاحظات کلمۃ التوحید: اس کتاب کا مکمل نام "ملاحظات کلمۃ التوحید فی سلوک اھل التجرید و التفرید" ہے ذکر و مراقبہ میں مصروف

---

[1] حضرت علامہ سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ، نظام الوجود قلمی، ص:3

رہنے والے' ذکر کے درمیان جن احوال سے گزرتے ہیں اس کتاب میں ان کی کیفیات کا ذکر ہے' اور ایسے احوال میں ذاکر کو کن امور سے اجتناب کرنا لازم ہوتا ہے' اس کا بیان ہے، ان امور کو ملحوظ رکھنے سے ذاکر کفر و شرک سے پاک و صاف رہتا ہے۔

تذکرہ مشائخ چشت: تعلیمات اولیاء' ارشادات اصفیاء' مباحث تصوف کو حضرت ادیب رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف میں جمع فرما کر ان کی حقیقت سے واقف کروایا' ساتھ ہی ساتھ اولیاء کرام کی حیات طیبہ اور مقامات و کرامات پر مشتمل اک کتاب تصنیف فرمائی' جو سلسلہٴ چشتیہ کے مشائخ کی سیرت پر مشتمل ہے۔

تقدیم بر کتاب "الازمنۃ والامکنۃ"

حضرت سید الادباء رحمہ اللہ کی تصانیف' علم و روحانیت سے لبریز مختلف عناوین میں پائی جاتی ہیں' آپ نے پیام اسلام و تصوف کی اشاعت کے لیے تین زبانوں کو اختیار فرمایا: عربی' فارسی' اردو۔ تصانیف کے علاوہ آپ نے دینی کتب پر اپنے حواشی اور تقاریظ و تقدیم بھی چھوڑے ہیں۔

چنانچہ زماں و مکاں کی تاریخ پر مشتمل اک کتاب " الازمنة والأمكنة " مؤلفہ قدوۃ العلماء حضرت علی مرزوقی اصبھانی رحمہ اللہ پر پانچ صفحات تقریظ تحریر فرمائی جس کا آغاز ان کلمات سے فرمایا: الحمد لله مكور الليل والنهار و مقدر الشهور والاعصار موسم الايام بما يواظب عليها من اختلاف تصاريف الادوار-----والصلاة والسلام على علة الكائنات و خلاصة الموجودات نقطة دائرة الظهور و مركز احاطة الدهور، روح الاعيان و سر القدر المحرك لد وائر الاكوان راتق فتق الدهر و فاتق رتق الكفر ولله درمن قال فيه۔

له همم لا منتهى لكبارها وهمته الصغرى اجل من الدهر

حضرت ادیب رحمہ اللہ نے تقریظ کتاب کے موضوع اور عنوان کے مناسب الفاظ اور جملوں میں معانی کے سمندر سمو دیے' کتاب میں تاریخ کے احوال بیان ہوئے' زمین اور اقطاع زمین کے سلاطین اور باشندوں کی بود و باش وغیرہ سے متعلق کیفیات ذکر کیے گئے ہیں۔ تقریظ میں حضرت نے تخلیق کائنات' لیل و نہار کے آنے جانے کا ذکر فرمایا کتاب میں جس عنوان سے بحث کی گئی ہے' آپ نے تقریظ میں مختصراً اسی عنوان کا تذکرہ فرما کر حق تعالیٰ کی تعریف کی۔ صاحب ' کشف الظنون' نے کتاب الازمنۃ والامکنۃ کی نسبت "قطرب نحوی" کی طرف کی اور ان کو اس کتاب کا مؤلف قرار دیا' حضرت سید الادباء نے اپنی اس تقدیم میں فرمایا کہ قطرب نحوی کو "الازمنة والامكنة ،، کا مؤلف قرار دینا صاحب "کشف الظنون،، کا تسامح ہے۔

یہ کتاب ابو علی مرزوقی اصبھانی رحمہ اللہ کی ہے کیونکہ اس کتاب کے آخر میں مصنف نے اختتام تصنیف کا سنہ 453ھ اور جابجا علامہ مرزوقی نے قطرب نحوی کے حوالے ذکر کیا ہے' تکمیل کتاب کے سن اور قطرب نحوی کے سن وصال میں بڑا فرق اور طویل زمانہ ہے' علامہ قطرب نحوی کا سن وصال 206ھ ہے' ان شواہد کی بنیاد پر صاحب کشف الظنون کا یہ بتانا تسامح ہے کہ اس کتاب کے مؤلف قطرب نحوی ہیں۔

حضرت سید الادباء رحمہ اللہ کی عبارت اس طرح ہے: ولقد تسامح صاحب كشف الظنون فى نسبة كتاب الازمنة الى قطرب النحوى حيث قال كتاب الازمنة لابى على محمد بن المشتهر المعروف بقطرب النحوى المتوفى سنة ست مأتين۔[1]

حضرت سید الادباء کے مذکورہ تبصرہ و تفصیلی کلام نے محققین کو تحقیق کی راہ بتائی کہ کسی کتاب پر تقریظ کس طرح لکھنی چاہئے' اس میں کیا امور ملحوظ رکھنے ہیں اور تقریظ میں کن جوانب و گوشوں پر گفتگو کی جائے' کتاب جس مضمون پر شامل ہے اس کے ' مالہ وماعلیھا' پر بحث و تمحیص کے علاوہ مولف کی زندگی پر کچھ اس کا خلاصہ پیش کیا جائے' اور کتاب کی اشاعت میں حصہ لینے والے ادارہ' اور افراد و ذمہ داران کی کاوشوں اور ان کے اسماء بھی ظاہر کیے جائیں حضرت کی اس تقریظ کے مطالعہ سے تحقیق اور مضمون نویسی کے گوشے واشگاف ہوتے ہیں' تحریر و کتابت کے اصول و ضوابط معلوم ہوتے ہیں۔

بیعت و خلافت

حضرت سید الادباء رحمہ اللہ نے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی طرف توجہ فرمائی' آپ کا حظ وافر اور باطنی فیض پیران پیر سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کے در سے وابستہ تھا چنانچہ آپ کا قلب صنوبری کشاں کشاں حضرت سید شاہ جمال الدین قادری چشتی صابری رحمہ اللہ کی طرف مائل ہوا' پیر طریقت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد شیخ طریقت نے آپ کو متعدد سلاسل میں خلافت عطا فرمائی۔ قدوۃ الواصلین صاحب جمال و جلال حضرت سید شاہ جمال الدین قادری جیلانی رحمہ اللہ گجرات کے باشندے تھے' شہر حیدرآباد تشریف لاکر حضرت عبد القدوس گنگوہی رحمہ اللہ کا فیضان سلسلۂ قادریہ کی خوب اشاعت فرمائی۔ سلسلۂ چشتیہ صابریہ قدوسیہ کی اشاعت ملک دکن میں اولاً حضرت شاہ خموش رحمہ اللہ کے ذریعہ ہوئی پھر نصف صدی بعد حضرت شیخ الاسلام عارف باللہ امام محمد انوار اللہ فاروقی رحمہ اللہ کی شخصیت اس سلسلہ کی اشاعت کے لیے 'من اللہ' منتخب ہوئی عین اسی زمانہ میں سلسلۂ قادریہ قدوسیہ کا فیضان ملک دکن میں حضرت سید شاہ جمال الدین قادری قدوسی رحمہ اللہ سے جاری رہا۔ الحمد للہ یہ فیضان آج تک جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضرت عبد القدوس گنگوہی رحمہ اللہ صاحب کمال' علم طریقت و باطنی احوال میں یگانۂ زمانہ شخصیت ہیں 23/ جمادی الاخری 944 ھ میں آپ کا وصال ہوا' آپ کو تقریباً 12 سلاسل میں بیعت و خلافت حاصل ہے' سلسلۂ قادریہ کا باب فیض اک عرصہ بعد آپ نے حضرت قطب عالم سید شاہ عبد الرزاق قادری چشتی رحمہ اللہ پر کھولا اور حضرت قطب عالم کے توسط سے حضرت سید شاہ جمال الدین قادری رحمہ اللہ پر اس رحمت کی بارش ہوتی رہی یہاں سے یہ سلسلہ قادریہ سے منسوب ہوا۔ سید الادباء شمس العارفین حضرت علامہ سید شاہ ابراہیم ادیب رحمہ اللہ کو اپنے شیخ طریقت سے کئی ایک سلاسل میں بیعت و خلافت حاصل ہے لیکن قادری نسبت کا آپ پر غلبہ وارد ہے' چنانچہ آپ نے بقلم خود کتاب ''ارشاد الطالبین،، مولفہ قطب عالم حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحمہ اللہ نقل فرما کر

[1] کتاب الازمنة والامکنة، ص:396، تقریظ کتاب الازمنة

اس کے آخر میں اپنی نسبت قادریہ کا اظہار فرمایا۔

وایں فقیر حقیر سید ابراہیم شاہ قادری اس نسخۂ مبارک رابتاریخ 30/ جمادی الثانی روز جمعہ 1339ھ نقل کردہ حسب وصیت حضرت مصنف رحمہ اللہ نزد خود محفوظ داشتہ است' فقیر حقیر خاکپائے درویشاں سید ابراہیم شاہ قادری کہ نسبت قادریہ عالیہ بریں فقیر غالب شدہ لہٰذا خود را قادری می نویسد' و نیز حضرت شیخ ایں فقیر نیز ایں نسبت قادریہ عالیہ را غلبہ دادہ است و نیز شیخ الشیخ ایں فقیر ایں جہتے نسبت قادریہ عالیہ را بغلبہ پیوستہ بود و ہر دو شیخ ایں فقیر یعنی شیخ و شیخ الشیخ نیز از اولاد حضرت سلطان الاولیاء قطب الاقطاب وجود کہ قدم مبارک آں بر گردن ہر ولی است بودند و عجب نیست کہ ایں جہت ایں سلسلہ عالیہ قادریہ در رگ و ریشہ جان آں حضرات کرام پیوستہ شد وایں فقیر ہم تابع ایں حال است۔[1]

{سید الادباء حضرت سید ابراہیم ادیب رضوی علیہ الرحمہ کی تعریف و توصیف میں ان کے شیخ و مرشد کے کلمات طیبات}

میں سید محمد جمال الدین نقیب سادات اشراف بغدادی کہتا ہوں اور جو کچھ میں نے دیکھا و سنا اُس بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ سید ابراہیم بن سید عباس رضوی ادیب شیریں بیاں شاعرِ فصاحت لسان، وضاحت میں ایسے لاجواب کہ آپ کی فصاحت و شیریں بیانی میں کوئی ثانی نہیں، ایسے ادیب کہ جن کی فطرت نے ادب عربی کے دودھ سے پرورش پائی اور دیگر علوم میں پہاڑوں کی بلندیوں پر پہنچے ہوئے ہیں۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ ہندوستان کے مشرق سے ان کے جیسا سورج طلوع ہوا ہو جس نے تاریکی مٹا کر دن کو نمایاں کیا۔ حق یہ ہے کہ ہندوستان کو ان سے بلندی ملی۔ بخدا! میں نے ان سے عربی میں گفتگو کی اور گہرائی علم جو جانچا تو اس ملک میں ان کے جیسی مہارت والا پایا اور نہ قابلیت میں ان کے قدم بقدم چلنے والا دیکھا۔ سحر بیانی کے تمام فنون پر دسترس انہی کا حق ہے، "اللہ کی عطا سے ان کی یہ صلاحیت ہے" بہترین نثر میں خطبہ دینے والے، ماہر ادیب، بے مثال شاعر ہیں۔ سن 1329ھ نبوی میں مدرسہ نظامیہ (جامعہ نظامیہ) میں جب آیا تو میرا استقبال کرتے ہوئے بر سرعام مسجّع بے مثال خطبہ اور اپنے وہ اشعار سنائے جو دل کو مسرور، آنکھوں کو نور دے اور عقلوں کو حیرت میں ڈال دے، ماہر زمانہ حضرات کو متعجب بنادے۔ وہ تقریباً پچھتر (75) اشعار تھے جن میں نبی کریم علیہ وآلہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے اہل بیت اور میرے جد کریم غوث اعظم، مظہر اتم، فرد اکرم کی مدح و توصیف کی گئی، ضمناً میری تعریف کی گئی۔

اس قصیدہ کا ہر شعر درجہ کمال کے زینوں پر چڑھا اور بلاغت و بزرگی کے عرش تک پہنچا ہوا ہے۔ جب میں شہر بغداد پہنچا تو خالص عرب شعراء نے ان کی تعریف کی اور انہیں لکھ لینے کی خواہش ظاہر کی، ان اشعار کی شیرینی اور مٹھاس محسوس کی۔ حتی کہ طابع عمران نے مجھ سے وہ قصیدہ طلب کیا اور اصرار کیا کہ موصوف مذکور سید صاحب کے تمام قصائد میں لیکر انہیں دیدوں، وہ طبع کروانا چاہتے ہیں۔ کیسی خوش بختی ہے اس موصوف کی جن کی جائے ولادت ہندوستان ہے اور ان کا کلام بتارہا ہے گویا وہ عرب کے پہاڑ سے اترا ہے

[1] ارشاد الطالبین قلمی' مولفہ حضرت جلال الدین تھانیسری' بقلم: حضرت سید الادباء رحمہ اللہ، ص:12-13

اور آسمان اداب کے مطلع شمس سے حسین شاہکار نکال ہے۔
پھر اس کے بعد دکن دوبارہ آنے کا میرا اتفاق ہوا، قلب شہر میں ان سے (حضرت علامہ ادیب علیہ الرحمہ) ملاقات ہوئی وہ حیرت میں پڑ گئے، اثناء گفتگو میں نے طابع عمران کی خواہش ذکر کی اور بتایا کہ شہر بغداد میں آپ کی بلاغت وعلم کی شہرت کا پھریرا اڑ رہا ہے۔
انہوں نے (حضرت ادیب) نے مجھ سے گذارش کی کہ میں یہ سب واقعات واحوال انہیں لکھ کر دوں تا کہ ان کے پاس سند رہ جائے۔
تو میں نے حسب وقت جو کچھ یاد آیا لکھ دیا، موصوف کے مقام کے اعتبار سے نہیں وہ تو بلند ہے، آغاز وانتہا میں تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔
کاتب الحروف

سید محمد جمال الدین صاحب نقیب زادہ نقیب سادات اشراف بغدادی

مخاطب بہ جلالۃ السلطان بسید بلاد خامس کان اللہ لہ آمین

شیخ طریقت حضرت سید جمال الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

سید الادباء علامہ سید ابراہیم ادیب رضوی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر اور شیخ طریقت صاحب جمال و جلال، حضرت سید جمال الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ ظاہری وباطنی علوم میں بڑا کمال رکھتے تھے، عربی ادب وزبان آپ کے علمی آنگن میں چلتی پھرتی تھی، زبان وگفتار اور لباس وغیرہ میں اس درجہ سادگی رکھتے تھے کہ لوگ آپ کو ایک عام آدمی کی طرح جانتے تھے لیکن دربار نبوی میں اس درجہ قرب رکھتے تھے کہ بارہا بیداری میں خرد جمال نبوی کے دیدار سے مشرف ہوتے اور اپنے خلفاء کو اس نعمت سے سرفراز کرواتے، اور علوم عربی وادب میں سلاست سے گفتگو فرماتے، آپ کی سیرت کے بعض گوشوں سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ حضرت جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ جامعہ نظامیہ کو ایک خاص مجلس میں تشریف لایے تھے۔ سن 1369ھ میں جب آپ جامعہ نظامیہ میں تشریف لائے تھے آپ کے خلیفہ حضرت سید ابراہیم ادیب رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تہنیت میں عربی قصیدہ بھی سنایا یہ وہی دور تھا جس میں حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے ممکن ہے۔
یہ سب تفصیل اس خاص مکتوب سے ملتی ہے جو حضرت سید جمال الدین قادری علیہ الرحمہ نے اپنے خلیفہ خاص حضرت سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمہ کی تعریف وتوصیف میں تحریر فرمائی، وہ مکتوب کیا ہے عربی ادب وزبان پر قدرت کی منہ بولتی تصویر ہے،
حضرت سید الادباء رحمہ اللہ کے وارث حقیقی ونائب علمی وروحانی سیدی صدر الشیوخ کی زبان پر اسرار کے ساتھ ساتھ حضرت ادیب کی روحانی ومعارفی مقام کی شناسائی آپ کی تصانیف سے واضح اور ظاہر ہے۔ آپ نے ادبی وعلمی مضامین پر جہاں قلم کی جولانی دکھائی وہیں تصوف ومعرفت کے اہم ترین دقیق مسائل ومباحث پر تفہیم کے وہ جوہر دکھائے کہ متقدمین صوفیۃ کا منشاو مقصد عیاں وظاہر ہو گیا اور متأخرین عارفین کے معارف کا خلاصہ ولب لباب اپنی تصانیف میں جمع کر دیا۔
حضرت سید الادباء رحمہ اللہ کے علوم ومعارف سے چند علمی شہ پارے حضرت سیدی صدر الشیوخ رحمہ اللہ کے حوالے سے یہاں ذکر

کیے جارہے ہیں: تفہیم قرآن کے لیے 4 صفات ضروری ہیں قرآن کی ہر آیت کا ظاہر اور باطن ہے اور ہر چیز کا دل ہے اور سورۂ یٰس قرآن کا دل ہے۔

اس جیسے فصیح و بلیغ کلام کے معنی و مفہوم و اسرار کو سمجھنے کے لیے چار صفات سے متصف ہونا ضروری ہے' جید عالم' پکا سنی' ماہر ادیب' اعلیٰ صوفی حضرت شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا محمد انوار اللہ فاروقی قدس سرہٗ کے بہت سے شاگرد ہوئے جو اپنی حیثیت و کمال میں فائق تھے ان ہی شاگردوں میں حضرت علامہ سید ابراہیم رضوی قادری ادیب' فن ادب میں خصوصاً اور دیگر فنون میں عموماً کمال و مہارت رکھتے تھے۔ فی البدیہ عربی شاعر' انشاء پرداز اور گھنٹوں عربی میں تقریر کرنے والے' کئی تصانیف کے مؤلف و مصنف' حضرت ادیب کے چند ملفوظات پیش کیے جاتے ہیں۔

بسم اللہ کا ترجمہ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں الخ۔ اللہ کا وہ کیا نام ہے جس سے شروع کیا جاتا ہے بتائے؟ اللہ کا نام کیا ہے؟ حضرت ادیب نے فرمایا: اللہ کا نام حقیقت وجود من حیث ھو ھو ہے' بسم اللہ میں ھمزہ لکھا نہیں جاتا: اقرأ باسم ربک میں ہمزہ لکھا جاتا ہے' بسم اللہ میں ہمزہ پوشیدہ ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات کی طرف اشارہ ہے اور اقرأ باسم ربک میں ہمزہ ظاہر ہے' حق تعالیٰ کی صفات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ صفات سے ظاہر اور ذات سے پوشیدہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت' ازل سے ہے کنت نبیا وآدم بین الماء والطین [1] میں نبی تھا جبکہ آدم آب و گل میں تھے ''کنت'' میں ''کون''، وجود یعنی بالفعل ہونے کو بتارہا ہے۔ نبوت کو بالفعل مانا جائے تو نبوت کس پر تھی؟ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جن تھے اور جن بھی شریعت پر مکلّف ہیں: جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: یامعشر الجن والانس اَلم یاتکم رسل منکم الخ (آیت) لہٰذا جن میں جو بھی نبی ہوئے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیضانِ نبوت سے فیض پا کر پیغمبری کا کام انجام دیتے تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جنات میں پیغمبری کا سلسلہ بند ہوگیا کیوں کہ انسان افضل اور حق تعالیٰ کا خلیفہ ہے' اس لیے انسانوں میں جو بھی پیغمبر ہوئے وہ جنات اور انسان دونوں کے لیے ہوئے۔

الفاظ و معنی میں جہت جامعہ جس طرح لفظ قرآن نہایت فصیح و بلیغ ہے اسی طرح اس کے معنی بھی نہایت فصیح و بلیغ ہوں گے' بلاغت کے لیے مناسب مطابقت یعنی جہت جامعہ ہونا ضروری ہے جیسے لفظ 'جمل' اونٹ کے معنی اور کشتی کے موٹے رسّے کے معنی میں آتا ہے' جہاں جو معنی مناسب ہوں لیے جانا بلاغت ہے اور نامناسب معنی جس میں جہتِ جامعہ نہ ہو بلاغت کے خلاف ہے۔ جہت جامعہ کی ایک مثال:

قرآن کی آیت: ﴿حتی یلج الجمل فی سم الخیاط﴾ (الأعراف:40) میں اکثر مفسرین اونٹ کا ترجمہ کیے ہیں جو جہت جامعہ کے خلاف ہے' سوئی کے ناکہ کو اس چیز سے مناسبت ہے جو پروئی جاتی ہو جیسے پتلا تاگہ پرویا جاسکتا ہے مگر کشتی کا موٹا رسّہ پرویا نہیں جاتا لہٰذا

---

[1] الخصائص الکبریٰ، ج:1، ص: 4

اونٹ سے ترجمہ کرنے میں علماء کرام کو سہو ہوا۔

ربوبیت خداوندی، رحمت مصطفوی دونوں لامحدود ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شان ہیں، ایک ظاہری ایک باطنی، شانِ ظاہری بہ اعتبارِ تعین و تشخص کے محدود ہے اور شانِ باطنی لامحدود ہے، جہاں جہاں خدا کی ربوبیت وہاں وہاں حضور ﷺ کی رحمت، نہ ربوبیت کی حد ہے نہ رحمت کی حد ہے۔

جیسا کہ: ﴿ورحمتي وسعت كل شىء﴾ (الأعراف: 156) میری رحمت (حضور اکرم ﷺ) ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے، حق تعالیٰ اصل ہیں اور حضور اکرم ﷺ عکس اور پَرتَو ہیں جہاں جہاں شخص کا وجود ہے وہاں وہاں پَرتَو کا اعتبار ہے، فرق اتنا ہے شخص یعنی حق تعالیٰ خالق اور عکس اور پَرتَو یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں۔ حضرت ادیب نے اس بارے میں ایک مثال دی، اگر ایک محدود دائرہ ہو تو مرکز بیچ کا نقطہ ہو گا، دیگر نقطے مرکز نہیں، اگر نظر عقلی سے ایک لامحدود دائرہ فرض کر لو تو اس کا مرکز بتاؤ، پھر حضرت نے فرمایا جہاں بھی نقطہ لگاؤ وہی مرکز ہو گا جس سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ باطنی لامحدود ہونے کا اعتبار کرتے ہوئے حضور ﷺ ہر جگہ موجود ہیں۔

*****

حضرت سید محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہی خدمات

پروفیسر ڈاکٹر قاضی سید شاہ عبد اللطیف حسینی بخاری القادری*

شہر بیجاپور ہندوستان کا تاریخی شہر ہونے کے ساتھ ساتھ اہل اللہ کا مرکز بھی رہا ہے۔ نہایت بلند پایہ صوفیانِ طریقت کے آستانے اس شہر میں مرجع خلائق ہیں۔ روضۃ الاولیاء بیجاپور، واقعات مملکت بیجاپور، محبوب ذوالمنن تاریخ اولیاء دکن وغیرہ تاریخی کتب میں حضرت سید محمد بخاری المعروف بہ پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ "صاحب علی باغ" بیجاپور کا تذکرہ موجود ہے۔ الحمد للہ حضرت پیر جلال بخاری کا خانوادہ نہ صرف بیجاپور بلکہ کیرور، قاضی بدی ہال، باگلکوٹ، میرج، بیلگام، کونور، ہبلی، دھارواڑ، پونہ، گوا کے علاوہ کئی شہروں میں موجود ہے اور کئی ایک مقامات پر امامت، خطابت وقضائت کے سلسلہ قادریہ بخاریہ کی ترویج واشاعت میں مصروف ہے۔ شہر بیجاپور کے عظیم وصوفی حضرت سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر لکھنے والے مورخین نے بھی حضرت پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد نے اپنی کتاب "سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے" ناشر انجمن ترقی اُردو آندھرپردیش" کے صفحہ نمبر 79 کے حاشیہ میں روضۃ الاولیاء، محبوب ذی المنن کے حوالے سے اس طرح کیا ہے۔

> "سید محمد بخاری، بیجاپور کے نامور مشائخ میں سے تھے۔ اجداد کا وطن بخارا تھا جو پہلے گجرات اور پھر بیجاپور چلے آئے۔ آپ جامع کمالات صوری ومعنوی تھے اور شرع کا بڑا پاس رکھتے تھے۔ شہر کے اکثر امراء آپ کے معتقد تھے۔ بادشاہ وقت بھی آپ کی بڑی قدر ومنزلت کرتے تھے 1097 ہجری میں انتقال کیا اور علی باغ میں دفن ہوئے۔"

سنیت کے فروغ میں حضرت پیر جلال بخاری کے خدمات:

سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی (1626–1580ء) کے دور حکومت میں حضرت پیر جلال بخاری، بخارا سے بیجاپور تشریف لائے۔ حضرت سید محمد، پیر جلال بخاری کا شہر بیجاپور تشریف لانا سلطان وقت اور عوام کے لیے نیک فال ثابت ہوا۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کو ایک صحیح العقیدہ صوفی کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی امداد کے لیے حضرت سید محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بیجاپور بھیجا۔ حضرت سے ملاقات کے بعد بادشاہ آپ کا عقیدت مند ہو گیا۔ آپ کی صحبت بافیض سے استفادہ کرتے ہوئے اس نے علاقہ بھر میں عقائد حقہ کی ترویج وفروغ کا کام انجام دیا۔ الحاج قاضی سید شاہ محمد فضل اللہ حسینی قادری البخاری نور اللہ مرقدہ نے اپنی کتاب "مرآۃ المریدین" میں ابراہیم عال شاہ اور ہمارے جدامجد کی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> "حضرت سید محمد بخاری عرف پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ علی باغ بیجاپور، سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے

* پروفیسر، الامین میڈیکل کالج بیجاپور، سجادہ نشین ومتولی بارگاہِ حضرت پیر جلال بخاری بیجاپور، پروفیسر الامین میڈیکل کالج، بیجاپور

دور حکومت میں بیجاپور تشریف لائے۔۔۔ چوں کہ حضرت سید محمد بخاری بھی سنی عقیدہ رکھنے والے بزرگ تھے اس لیے بادشاہ اور اس کی والدہ حضرت سے ملاقات کرکے ملک بھر میں سنیت پھیلانے کی استدعا کی۔ آپ سلطان اور اس کی والدہ کے عقیدہ سے مسرور ہوکر ہمہ وقت سنیت کی تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔۔۔اس صورت حال کے پیش نظر سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی نے مسجد اور خانقاہ (کی تعمیر) کا حکم صادر فرمایا۔ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی تو آپ کو (حضرت پیر جلال بخاری) امام اور خطیب کے منصب پر فائز کیا گیا (اور مسجد کا نام بھی آپ کی مناسبت سے) بخاری مسجد رکھا گیا۔[1]

واقعات مملکت بیجاپور مصنف بشیر الدین احمد دہلوی صفحہ نمبر 109 پر "بخاری مسجد" کا ذکر کیا جس کو ستی فاطمہ ابراہیم عال شاہ ثانی کی والدہ نے تعمیر کروایا تھا صاحب کتاب نے مسجد بخاری کی متعلق لکھا ہے: "ممکن ہے کہ بخارہ کے کوئی بزرگ ہوں (یہ مسجد) ان کی یاد گار میں بنائی گئی ہو"۔ اسی کتاب کے صفحہ نمبر 122 پر لکھا ہے کہ "سید السادات حضرت سید محمد بخاری قدس سرہٗ العزیز صاحبِ علی باغ (جو اس وقت کے اکابرین میں سے تھے اور صاحب کشف و عرفان اور جامع شریعت و طریقت تھے اور بادشاہ وقت کے نزدیک نہایت عزت واحترام سے دیکھے جاتے تھے) ابراہیم علی عادل شاہ ثانی کے زمانے میں بخارہ سے تشریف لانے والے معروف بزرگ، حضرت پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے اور آپ ہی سے بادشاہ وقت اور ان کے والدہ عقیدت رکھتی تھی اور آپ ہی کے لیے مسجد مدرسہ اور باؤلی کا انتظام فرمایا تھا۔ جس کو دیگر مورخین نے بھی لکھا ہے۔

حضرت پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ نہایت باشرع تھے آپ شریعت کے احکام کو مقدم رکھتے تھے اور عالم استغراق و محویت میں اگر کوئی نماز و سنت کو ترک کرتا تو آپ سخت ناراض ہوتے۔ صاحبِ مملکت بیجاپور نے شہر بیجاپور کے معروف بزرگ حضرت امین الدین علی اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان شریعت و طریقت کو لے کر جو مباحث ہوئے ہیں اس کا ذکر بھی کیا ہے اور (اس وقت حضرت امین الدین علی اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ طویل عمر کے تھے اور حضرت پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ عالم شباب میں تھے) حضرت پیر جلال بخاری اس بات پر زور دیتے تھے کہ سالک (صوفی) ہر حالت میں فرائض و سنن سے غافل نہ ہو، عالم محویت میں عبادت کے حوالے سے حضرت پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا تھا واقعات مملکت بیجاپور کے صفحہ نمبر 122,123 میں اس طرح ملتا ہے اقتباس ملاحظہ ہو:

"بزرگان دین اور ائمہ ظاہرین باوجود اس قدر شہود واستغفراق و محویت ایک لمحہ بھی ان سے سنت تک نہ چھوٹتی تھی، تمہارا (عالم) محویت میں نماز ترک کرنا اہل طریقت کے حال کے نامناسب اور آداب شریعت کے شایاں نہیں۔ چاہیے کہ پہلے ارکان واحکام شرع ادا کرکے سلوک و طریقت کے راستے پر مضبوطی سے

---

[1] مرآۃ المریدین، صفحہ 31-30، مولف کتاب: الحاج قاضی سید شاہ محمد فضل اللہ حسینی قادری البخاری بیجاپور، ایم۔اے، بی ایڈ، سن اشاعت، 2008ء

قدم رکھو"۔

حضرت پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ شریعت کے نہایت پابند تھے اور آپ کے نزدیک عالم محویت میں بھی کوئی فرض وسنت چھوڑنا، سخت ناپسند عمل تھا۔

حضرت سید محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب:

آپ کا سلسلہ نسب 32 واسطوں سے امیر المومنین حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔ سید محمد بخاری عرف پیر جلال بخاری صاحبِ علی باغ بیجاپور بن سید محمد بیابانی محمود عالم حسینی البخاری بن سید حسین بخاری بن سید محمد مخدوم بخاری بن سید جلال الدین بن سید محمد غوث بن سید محمود عالم بن سید داؤد بن سید جعفر بن سید جمال الدین بن سید عبد الوھاب ماہِ عالم بن سید رکن الدین عرف نظام الدین بن سید شرف الدین بن سید محمود ناصر الدین بن قطب الاقطاب سید السادات آلِ اطہر، آل طٰہٰ ویٰسین حضرت سید حسین مخدوم جہانیانِ جہاں گشت بخاری رحمۃ اللہ علیہ بن سید احمد کبیر الحق بخاری بن سید جلال الدین جلال اعظم سرخ بخاری بن سید علی المؤید بن سید جعفر ثالث، بن سید محمد بن سید ناصر الدین محمود بن سید احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی سعید بن ملک الملوک الہادی بن حضرت جعفر ثانی بن امام المومنین امام علی نقی بن امام المومنین امام محمد تقی الجواد بن امام المومنین امام سلطان علی الرضا ابو الحسن شاہ خراساں بن امام المومنین امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ بن امام المومنین امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ بن امام المومنین امام محمد باقر رضی اللہ عنہ بن امام المومنین امام علی اصغر زین العابدین رضی اللہ عنہ بن امام المومنین امام حسین شہید دشت کربلا رضی اللہ عنہ بن امام الاولیاء حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما۔[1]

پیران طریقت ثبوت وعلامتِ بیعت طور پر مرید کو کاغذی ثبوت بھی دیتے ہیں جس میں سابقہ پیروں کے اسماء گرامی درج ہوتے ہیں۔ اس سلسلے کے مریدین وخلفاء کو بھی اسی طرح کا شجرہ دیا جاتا ہے جس کو ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھنے کی اور اس کو مناجات میں شامل رکھنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

حضرت پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ خلافت درج ہے۔

الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید شاہ محمد مخدوم عالم عرف پیر جلال بخاری القادری رحمۃ اللہ علیہ صاحب علی باغ بیجاپور، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید شاہ محمد بیابانی محمود عالم حسینی بخاری القادری قدس سرہ العزیز ، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید حسین بخاری قدس سر العزیز، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید مخدوم بادشاہ بخاری القادری قدس سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید محمد بخاری القادری قدس سرہ العزیز ، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید جلال الدین بخاری القادری قدس سرہ العزیز ، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید محمد غوث بخاری القادری قدس سرہٗ العزیز، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا

[1] ماخوذ از: قدیم شجرہ نسب مخطوطہ

حضرت سید محمود عالم بخاری القادری قدس سرہ العزیز ، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید جعفر ثانی بخاری القادری قدس سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت سید جمال الدین بخاری القادری قدس سرہٗ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت سید عبد الوہاب ماہِ عالم بخاری القادری قدس سرہٗ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت سید رکن الدین عرف نظام الدین مقبول عالم بخاری قادری قدس سرہٗ العزیز، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید شرف الدین بخاری القادری قدس سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید شیخ الاسلام حضرت سید ناصر الدین محمود نوشہ بخاری القادری قدس سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید جلال الدین حسین مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری سہروری القادری قدس سر العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت سید احمد کبیر الحق بخاری القادری قدس سرہٗ العزیز، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت سید جلال الدین جلال اعظم حیدر منیر شاہ میر سرخ بخاری سہروری القادری قدس سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروری القادری قد س سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین محمد عمر سہروری القادری قدس سرہ العزیز ، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا سردار الاولیاء غوث الصمدانی قطب الربانی سلطان العارفین حضرت سید شیخ محی الدین القادر جیلانی الحسنی والحسینی قدس سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت شیخ الشیوخ قاضی ابوسعید مبارک مخزومی قدس سرہٗ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت شیخ ابوالحسن علی القرشی الہنکاری قدس سر العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت شیخ ابوالفرح یوسف طرطوسی قدس سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت خواجہ ابوالفضل عبدالواحد بن زید تمیمی قدس سر العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت خواجہ ابوبکر عبداللہ شبلی قدس سر العزیز، الٰہی بحرمت سیدنا ومرشدنا حضرت خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت خواجہ ابوالحسن سری سقطی قدس سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت خواجہ معروف کرخی قدس سرہ العزیز، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ ، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ ، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت امام حسین شہید دشت کربلا رضی اللہ عنہ، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب امام الاولیاء حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، الٰہی بحرمت سیدناومرشدنا حضرت رسالت مآب حضور سلطان الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم

حضرت سید محمد بخاری کو اپنے جد اعلیٰ حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ چشتیہ میں حضرت پیر نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ومرشد ہیں سے نعمت خلافت واجازت حاصل ہے۔ حضرت مخدوم جہانیان جہاگشت حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے پیر بھائی ہیں۔ مولوی سخاوت مرزا صاحب نے "تذکرہ حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیان جہاگشت بخاری' میں صفحہ نمبر 30 پر اس کا تذکرکیا ہے اور دیگر کتب سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ ونیز سلسلہ عالیہ قادریہ، سہروردیہ، بخاریہ وچشتیہ چاروں سلاسل میں حضرت سید محمد بخاری المعروف پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ

علیہ کو نعمتِ خلافت واجازت حاصل ہے جو آج بھی اس خانوادے میں جاری وساری ہے۔

خانوادہ حضرت پیر جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات وخدمات:

الحمدللہ ہر زمانے میں اس خانوادے میں دینی وعصری علوم کے ماہرین ہوئے ہیں اور الحمدللہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ غفران مآب حضرت سید شاہ احمد حسینی نور اللہ مرقدہٗ پیش رو سجادہ نشین بار گاہ حضرت پیر جلال بخاری نے نہ صرف شہر بیجاپور بلکہ ضلع بیجاپور کے مختلف قصبات میں سلسلہ عالیہ قادریہ بخاریہ کو عام کیا اور سلسلے سے جڑنے والے تمام مریدین ومعتقدین کی تعلیم وتربیت، تزکیہ وتصفیہ فرماتے رہے۔ ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے "بخاری مسجد" میں کئی سال تک امامت وخطاب کے فرائض انجام دیئے۔ نہ صرف بیجاپور بلکہ میرے والد گرامی مرتبت نور اللہ مرقدہ نے بیجاپور کے قصبات میں بھی صوفیاء کرام کی تعلیمات کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ 1962-63ء میں "اُکلی" جو بیجاپور کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے وہاں آپ نے ایک عید گاہ تعمیر کروایا، آپ خود بھی مزدوروں کے ساتھ تعمیری کام مدد کرتے تھے۔

اسی طرح قصبہ 'جالی ہال' میں بھی کوئی مسجد نہ تھی تو انھوں نے وہاں ایک مسجد تعمیر کروائی۔ اس خانوادے میں ہمیشہ سے یہ سلسلہ رہا ہے کہ اس کے اسلاف صرف مرید کر کے چھوڑ نہیں دیتے بلکہ ہمیشہ ان کی تربیت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت الحاج سید شاہ محمد فضل اللہ حسینی قادری البخاری نے "مرآۃ المریدین" کے نام سے ایک رسالہ ترتیب دیا جو دراصل ہمارے سلسلہ کے تعلیمات کا بہترین مجموعہ ہے، جس میں بیعت کی حقیقت، بیعت کی ابتداء، مقاصدِ بیعت، پیری ومریدی کی اہمیت، مریدی کے لیے ضروری اوصاف، مسائل طریقت، آدابِ مرشد، خرقہ خلافت، شرائط خرقہ پوشی، درویشی وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر قیمتی نصائح مستند کتابوں کے حوالوں سے مرتب فرمایا ہے۔ اس رسالے کے ابتداء میں، مفتی خلیل احمد صاحب قبلہ شیخ الجامعہ نظامیہ حیدرآباد، اور کئی علما کے قیمتی تاثرات موجود ہیں۔ اسی کتاب میں سے کچھ اہم باتوں کو اس مضمون میں شامل کیا جارہا ہے۔ پیری ومریدی کی اہمیت اشعار کی صورت میں:

مریدی چیست، توبہ از گناہاں ۔۔۔ شدن تقصیر ہارا عذر خواہاں
مریدی عقد توبہ بستن آمد ۔۔۔ زاخلاق ذمیمہ رستن آمد
چو دیں، بے توبہ، درنقصان وشین ست ۔۔۔ مریدی، عین نص وفرض عین ست
مریدی، بیعت از عہدِ رسول ست ۔۔۔ نہ بدعت ہائے جہاں فضول ست
نخست آورد بیعت، چار یارش ۔۔۔ وزاں پس، جملہ اصحاب کبارش
زنان، ہم بیعت کردندشت از دل ۔۔۔ کہ شد نص فبا یعہن نازل
وزآں جاتا بعہد ماں رسیدہ ۔۔۔ دراطراف جہاں، ہر جا رسیدہ
وجود بش آمد از آغاز وانجام ۔۔۔ شدہ فرضیتش بر خاص و بر عام

شد استغفار و توبہ فرض ایں راہ کہ ہر کس راست توبہ از جریمہ[1]

یعنی مریدی ایک ایسے عہد وپیمان کا معاملہ ہے جن کے ذریعہ ایک مرید اپنے گناہوں سے توبہ اور اپنی کوتاہیوں کی عذر خواہی اور بری باتوں سے چھٹکارہ حاصل کرنا ہے۔ لہذا بیعت کرنا ہر شخص پر لازم وضروری ہے کیونکہ بیعت کرنا حضرت محمد مصطفی ﷺ کے زمانہ مبارک ہی سے ثابت ہے نہ کہ کسی کی تراشی ہوئی باتیں۔ مریدی تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک عہد وپیمان ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت بیعت ہے۔ تمام صحابہ کے ساتھ ساتھ صحابیات بھی مشرف ہوتی ہیں یہ حقیقت آیت (بایعھن الخ) سے ثابت ہے۔ حضور ﷺ سے سب سے پہلے چار اصحاب نے بیعت کی اس کے بعد آپ کے کبار اصحاب نے اور عورتوں نے بھی حضور سے بیعت کی۔ اس وقت سے آج تک دنیا کے گوشہ گوشہ میں سلسلہ ہر خاص وعام شخص پر گناہوں سے توبہ کرنا لازم وفرض ہونا ثابت ہے۔[2]

"مرآۃ المریدین" کتاب کو گویا سلسلہ قادریہ بخاریہ جلالیہ سے بطریق ارادت یا بطریق خلافت منسلک ہونے والوں کے لیے ترتیب دیا گیا ہے۔ جس کو قرآن واحادیث صحیحہ کے علاوہ 38 صوفیاء کاملین کے کتابوں سے ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں عوارف المعارف، نفحات الانس (اردو)، غنیۃ الطالبین، بزم صوفیہ (مصنفہ: صباح الدین عبد الرحمن)، لطائف اشرفی (حصہ سوم)، احیاء العلوم، فتوحات مکیہ، سبعہ سنابل، کتاب 'حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ' (مصنفہ: مولوی سخاوت مرزا صاحب)، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیاء دکن، خزینۃ الاصفیاء، واقعات مملکت بیجا پور (مصنفہ: بشیر الدین احمد دہلی ڈپٹی کلکٹر ضلع رائچور)، تاریخ فرشتہ وغیرہ کتب سے استفادہ کرتے ہوئے ترتیب دیا گیا ہے۔

قاضی سید شاہ محمد فضل اللہ حسینی قادری البخاری نے ایک اور کتاب 'سلسلہ چشتیہ کے پنجتن اور ان کی تعلیمات' کو بھی ترتیب دیا ہے جس میں خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت پیر نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے اور ان تمام بزرگوں کی تعلیمات کا مختصر مجموعہ ہے۔ جو 2004ء میں شائع کی گئی ہے۔

'مرآۃ المریدین' سے ذیل میں مرید ومرشد کے لیے ضروری شرائط وہدایت پیش ہیں۔ مرشد کے لیے بعض ضروری شرائط:

> "پیر کا عالم با عمل ہونا ضروری ہے اور شریعت کا پکا پابند بھی، جملہ عبادات، فرائض، واجبات سنن ونوافل اور مستحبات پر عمل کرنے والا ہو۔ پیر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وضو کرنے سے پہلے مسواک کیا کرے اور وضو کے بعد پیر اگر داڑھی رکھتا ہے تو داڑھی میں کنگھی کرے۔ پیر پنج وقتہ نمازیں اذاں واقامت وجماعت کے ساتھ ادا کیا کرے اور تعدیل ارکان کا پورا پورا خیال رکھے۔"[3]

---

[1] مرآۃ المریدین، مرتب الحاج قاضی سید شاہ محمد فضل اللہ حسینی قادری البخاری، صفحہ 68,69

[2] مرآۃ المریدین، مصدر سابق، صفحہ 70

[3] ایضا صفحہ 75

علم طریقت کیا ہے اور صاحبِ طریقت کو کیسا ہونا چاہیے اس سے متعلق رسالہ 'مرآۃالمریدین' کے صفحہ نمبر 87 میں ہے کہ:

"ایک مرشد کو علمِ مکاشفہ کے ساتھ ساتھ علمِ معاملہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ علم دل کی کیفیات سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی صبر، شکر، خوف، رجا، رضا، زہد، تقویٰ، توکل، سخاوت، معرفت الی اللہ، حسن معاملہ، اللہ کے متعلق حسنِ ظن، خوش خلقی، حسن معاشرت، صدق اور اخلاص وغیرہ۔ ان تمام احوال و کیفیات و نتائج و ثمرات کا جاننا ضروری ہے۔ اگر کوئی کیفیت کمزور پڑ گئی ہو تو اسے تقویت دینے اور اگر کوئی کیفیت ختم ہو گئی ہو تو اسے از سر نو پیدا کرنے کے طریقوں کا علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ کچھ کیفیات دل کو ناپسندیدہ ہوتی ہیں جیسے، مفلسی کا خوف، تقدیر سے ناراضگی، کینہ پروری، حسد، بغض، نفاق، حب جاہ، حب دنیا، طویل عمر کی خواہش، تکبر، ریاکاری، غصہ، شیخی، دشمنی، لالچ، بخل، حرص، فقط فقراء کی تعظیم علماء کی توہین، فخر، مفاخرت، حق بات سے انکار، لایعنی چیزوں میں مشغولیت، زیادہ بولنے کی عادت، لوگوں سے قطع کلام کرنا۔۔۔۔۔ ان تمام مذمومہ صفات کو دور کرنے کے علم سے واقف ہونا پیر طریقت کے لیے از بس ضروری ہے"[1]۔

مذکورہ بالا تمام باتیں سلوک و تصوف کے اعلیٰ تعلیمات سے تعلق رکھتی ہیں۔ الحمد للہ ماضی قریب تک اس خانوادے میں ایسے باوصف لوگ موجود رہے جنہوں نے ان تمام تعلیمات پر عمل کیا اور اس کو قریہ قریہ عام کرنے میں مصروف رہے۔ انھیں میں سے ایک ذات حضرت قبلہ حضرت سید شاہ عبد الحمید حسینی قادری البخاری کی ہے، جو مریدین کی رشد و ہدایت کے لیے دور دراز مقامات کا دورہ کیا کرتے تھے۔ جن میں گولیڈ گوڈ، لکمیشور، ہبلی، دھارواڑ، جگلور، ڈاؤن گیرا، بلگام، پونہ قابل ذکر ہیں۔ ان مقامات پر حضرت قبلہ کے مریدین و معتقدین کی کثیر تعداد موجود ہے اور ان مریدین کی نسلیں آج بھی اس سلسلے سے جڑی ہیں۔

اس خانوادے میں یہ سلسلہ چلا ہے کہ پہلے مرشد تمام اُصولوں پر عمل پیرا ہو اور پھر مریدین کی رشد و ہدایت کا کام انجام دے۔ مرشد کے لیے ضروری ہدایات کے بعد مرید کی تربیت کے لیے ضروری اُصول و ضوابط اسی رسالہ میں تحریر کر دیئے گئے ہیں، تاکہ آئندہ بھی اس پر عمل ہوتا رہے۔ چنانچہ مریدین کے لیے جو ہدایات لکھی گئیں ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

اول: مرید کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ توبۃ النصوح کرتا رہے اور زبان سے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر اپنے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے توبہ کرے۔ دوم: مرید کے لیے ضروری ہے کہ ہمیشہ زُہد و تقویٰ کے راستے پر گامزن رہے اور دنیا کی شان و شوکت اور دولت کی حرص و ہوس دل سے نکال دے۔ سوم: مرید کو چاہیے کہ وہ تمام عمر تجرید کا خیال رکھے اور خواہشات نفسانی کو دل سے دور کرے۔ چہارم: مرید اپنے عقیدہ میں اللہ پاک کو یکتا جانے، اپنا عقیدہ درست رکھ کر اس کے ناموں اور صفات پر ایمان و عقیدہ رکھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ پنجم: مرید کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہمیشہ حرام سے اجتناب کرے اور

[1] مصدر سابق: صفحہ 87,77 بحوالہ احیاء العلوم

اکل حلال حاصل کرنے کی کوشش کرے، ساتھ ساتھ اسے اس بات کا بھی خیال رہے کہ حرام ذرائع سے حاصل کردہ غذا کا ایک دانہ بھی شکم میں ہو تو اس کی دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ ششم: مرید کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں صبر کا دامن تھامے رہے، کیونکہ قرآن پاک میں آیا ہے (اِنَّ اللّٰہَ معَ الصّٰبِرِیْنَ) یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ہفتم: مرید کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے مرشد کی ایماء پر اس کی رہبری میں مجاہدہ و مراقبہ کرتا رہے کیونکہ بغیر مجاہدہ کے مشاہدہ حق حاصل ہونا مشکل ہے۔ اس لیے ہمہ وقتی ریاضت بے حد ضروری ہے۔ ہشتم: مرید کا دل کمزور نہ ہو اس میں شجاعت، دلیری اور حوصلہ وہمت کا مادہ بدرجہ اتم موجود ہو۔ ان اوصاف سے وہ بآسانی شیطانی وساوس پر قابو پا سکتا ہے۔ نہم: مرید جود وسخا کا مالک ہو، اس کی طبیعت میں ایثار وقربانی کا جذبہ ہمیشہ جاگزیں رہے۔ بذل وایثار ہی اس کی شان بڑھا سکتے ہیں۔ دہم: مرید کے لیے ضروری ہے کہ ہر حالت میں حق وصداقت کا دامن اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے اور ہر معاملے میں عدل وانصاف کا احساس اس کے دل میں جاگزیں رہے وغیرہ۔[1]

الغرض طالب صادق کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اوصاف حمیدہ کو اپنے آپ میں پیدا کرے اور پیر بھی وقتاً فوقتاً مرید کو ان شرائط پر کھرا اُترنے کی تاکید کرتا رہے اور اس کسوٹی پر مرید کو پرکھتا رہے۔

حضرت سید محمد بخاری کا عرس شریف اور سماجی خدمت:

حضرت سید محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس شریف ہر سال صفر المظفر کی 7,6,5 تاریخوں میں مراسم صندل، چراغاں اور زیارت بصد عقیدت واحترام انجام دیئے جاتے ہیں۔ جس میں نہ صرف مسلمان بلکہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی شریک رہتے ہیں۔ عرس شریف کے موقع پر محفل ذکر ونعت شریف، مواعظ حسنہ کے علاوہ عوام کے لیے "فری ہیلتھ کیمپ" رکھا جاتا ہے جس سے کثیر تعداد میں لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ عرس شریف کو بامقصد اور عوام کے لیے مفید بنایا جائے۔

* * * * *

حوالہ جات

1۔ سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے، ڈاکٹر حسینی شاہد، ناشر: انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش

2۔ واقعات مملکت بیجاپور 2331ء، مصنف بشیر الدین احمد دہلوی اول تعلقہ دار (کلکٹر) ضلع رائچور، طبع اول 5191ء

3۔ تذکرہ حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیان جہاں گشت قدس سرہٗ، از: جناب مولوی سخاوت مرزا صاحب، بی اے ایل ایل بی (عثمانیہ)، شائع کردہ انسٹیٹیوٹ آف انڈومڈل ایسٹ کلچرل اسٹڈیز حیدرآباد، سنہ 1962ء۔

4۔ مرآۃ الاسرار، مولف: حضرت شیخ عبد الرحمن چشتی قدس سرہٗ، تحقیق وترجمہ، مولانا الحاج کپتان واحد بخش وسیال چشتی صابری، ناشر مکتبہ جام نور 224/ مٹیا محل جامع مسجد دہلی۔

5۔ مرآۃ المریدین، مرتب الحاج قاضی سید شاہ محمد فضل اللہ حسینی قادری البخاری۔

[1] رسالہ مرآۃ المریدین، باب دوم، صفحہ 94-91

بحر العلوم حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ کی علمی وروحانی خدمات

محمد عبد القیوم صدیقی قادری*

حضرت علامہ مولانا مولوی محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ قدس سرہ العزیزی حیدر آباد دکن کی عبقری جامع الصفات علمی و روحانی کمالات سے بھرپور تاریخ ساز ہمہ گیر عظیم البرکت ہستی ہیں۔ دُنیائے اسلام میں بے مثال شخصیتوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں آپ عالم دین، دانشور، پروفیسر اور معلم ہونے کے علاوہ مفسر، محدث، فقیہ، صوفی باصفاء، اور تمام علوم و فنون کے ماہر ویکتائے روز گار شخصیت ہیں۔ اس لیے حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ رحمۃ اللہ علیہ کو علمائے کرام مشائخ عظام دانشورانِ قوم بحر العلوم، اُستاذ العلماء کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ علماء ومشائخ، اہل خرد، واہل دل ہر ایک نے آپ سے استفادہ کیا۔ گمراہوں نے ہدایت پائی عالموں نے علمی درجات میں دسترس حاصل کی، مشائخ نے تصوف کے نکات سیکھے راز الٰہی سے واقف ہوئے دانشوران ملت، لیڈرس اور قومی رہنماؤں نے آپ سے نسخہ کیمیا پایا، غرض آپ کی جس نے بھی صحبت حاصل کی اپنے گوہر مقصود کو پالیا کیونکہ آپ کا دروازہ ہر ایک کے لیے کھلا تھا اور ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے آپ کے فیضان سے مالا مال ہوتے رہے۔ حضور بحر العلوم جیسی ہستیاں صدیوں بعد منصہ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ حضرات جنھوں نے بحر العلوم کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا اور آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔

حضرت، بحر العلوم کا اسم گرامی محمد عبد القدیر آپ کی کنیت ابو العباس آپ کا تخلص حسرتؔ آپ کے القاب شمس المفسرین، خادم القرآن، استاذ العلماء، بحر العلوم، وغیرہ ہیں آپ کو قدیر پیا اور حسرت پیا بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی پیدائش 27/ رجب المرجب 1288ھ مطابق 12/ اکٹوبر 1871ء بروز جمعہ قاضی پورہ شریف حیدر آباد دکن میں ہوئی۔

آپ کے والد ماجد حضرت محمد عبد القادر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ عالم و فاضل صوفی وولی تھے، حضور بحر العلوم کے جد اعلیٰ حضرت مولانا حکیم شاہ عبد القادر چینکی صدر الصدور حکیم الحکماء نواب محی الدولہ قادر یار خاں بہادر رحمۃ اللہ علیہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مقدس پر احمد آباد گجرات سے اورنگ آباد دکن تشریف لائے، حضور بحر العلوم کا سلسلہ نسب اٹھائیس (28) واسطوں سے یارِ غار رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ اوّل امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا سلسلہ بائیس (22) واسطوں سے سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔ اس طرح حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے دادا اور حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے نانا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک مشہور و معروف واقعہ قلم طراز کرنا برمحل ہوگا کہ جس وقت حضور، بحر العلوم حج وزیارت کے لیے تشریف لے گئے

---

* نبیرہ بحر العلوم حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ، حیدرآباد

مدینہ منورہ میں جب آپ کی حاضری ہوئی اور اہل مدینہ کو معلوم ہوا کہ حیدر آباد دکن کی ممتاز علمی و روحانی شخصیت مولانا محمد عبد القدیر صاحب مدینہ طیبہ میں حاضر ہیں اور وہ صدیقی ہیں۔ مولانا ضیاء الدین قادری جو امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ ہیں پاکستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں قیام فرماتھے حضرت مولانا ضیاء الدین قادری رحمتہ اللہ علیہ کو یہ شبہ ہوا کہ بعض غیر سید بھی سید بن جاتے ہیں یہ صدیقی صاحب نہ معلوم کیسے صدیقی ہیں۔ یہ خطرہ آنا تھا مولانا ضیاء الدین قادری نے خواب دیکھا کہ حضور بحر العلوم قدس سرہ العزیز باب السلام کے پاس کھڑے ہیں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحر العلوم کا ہاتھ پکڑ کر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دربار میں پیش کرتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کرتے ہیں یار سول اللہ یہ میرا بیٹا ہے قدیر پیا سر جھکا دیتے ہیں اور سید الکونین صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنا دست مبارک آپ کی پشت پر رکھ دیتے ہیں۔ اس خواب کو دیکھ کر مولانا ضیاء الدین قادری حضرت بحر العلوم سے ملنے بے قرار ہو گئے، صبح بحر العلوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا عرض کیا کہ آپ کی عظمت و بزرگی کا مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کے متعلق خطرہ آیا تو صدیقی ہونے کی تصدیق کروادی، آپ کے طفیل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور بحر العلوم کا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ سلم سے کس قدر روحانی و جسمانی گہرا تعلق ہے اور کیسی خاص نسبت ہے۔ شبہ آیا تو شبہ کا ازالہ فرما دیا۔ مولانا ضیاء الدین قادری کے دل کو مطمئن کر دیا۔ خطرہ و شبہ پر یہ انعام ہے اب سمجھ جایئے جو لوگ بلا شبہ قدیر پیا سرکار سے محبت رکھتے ہیں عقیدت کا دم بھرتے ہیں اُن پر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کیسی کیسی کرم نوازیاں ہوتی ہوں گی۔

حضور بحر العلوم رحمتہ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حضرت محمد عبد القادر صدیقی رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کی،، پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات کی تکمیل کی عربی میں مولوی فاضل اور فارسی میں منشی فاضل درجہ اوّل سے کامیاب کیا ہندوستان بھر میں اوّل آکر طلائی تمغہ حاصل کیا۔ حضرت بحر العلوم نے جید نامور علماء و اساتذہ سے تکمیل درس نظامیہ، حدیث، قراءت، علم الکلام، فقہ، تصوف، فن شاعری، فن سپہ گری، فن طب، سائنس، خوشنویسی، خطاطی میں مہارت حاصل فرمائی۔ حضور بحر العلوم عربی زبان و ادب، فارسی، اُردو، ہندی زبانوں پر بھرپور قدرت رکھتے تھے اور ان تمام زبانوں میں شاعری بھی فرماتے۔ انگریزی زبان بھی آپ نے سیکھی تھی۔

آپ کے پیر و مرشد حضرت سید محمد صدیق خواجہ محبوب اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو آپ کے ماموں بھی ہوتے ہیں سولہ (16) سال کی عمر میں آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا آپ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محبوب اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے اور بڑی تعظیم کیا کرتے تھے، آپ کے پیر و مرشد آپ کو مولوی کہہ کر پکارا کرتے تھے، حضور بحر العلوم کو قادری چشتی نقشبندی تمام سلاسل میں بیعت و خلافت حاصل تھی۔ روحانیت میں آپ کا ایک خاص مقام ہے آپ صاحب صدق و صفا عارف باللہ کشف و کرامات والے عظیم المرتبت بزرگ ہیں، حضور بحر العلوم مدرسہ دار العلوم حیدرآباد میں استاد مقرر ہوئے اور پھر عثمانیہ یونیورسٹی کے

پروفیسر اور صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی ہوئے۔ آپ مختلف ریسرچ کمیٹیوں میں شریک رہتے، دائرۃ المعارف میں بھی آپ موجود تھے جب کمیٹی برائے نصاب تعلیم دینیات قائم ہوئی اس کمیٹی کے ممبر بھی رہے اپنے مشوروں اور تحریرات سے اسکو مستحکم کیا۔ مدرسہ نظامیہ کے ناظم اعزازی بھی رہے اور اس کو جامعہ نظامیہ بنانے میں آپ نے بڑی دلچسپی لی اور اس کی انتظامی کمیٹی کے کئی سال تک اعزازی رکن رہے۔

حضور بحر العلوم کی شان علمی اور معلمانہ انداز درس دینے کے طریقے کے بارے میں مولوی نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں " اساتذہ میں اکثر ایسے تھے جو خاص خاص شعبوں میں مہارت رکھتے تھے۔ اس لیے وہ اپنے مخصوص فنون کی تعلیم دیا کرتے تھے مگر مولانا عبد القدیر حسرتؔ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ہر فن مولا کی حیثیت رکھتے تھے آپ تفسیر وحدیث کی تعلیم دیتے تو اس کے ساتھ ساتھ فقہ اور اصول فقہ کا بھی درس دیتے تھے منطق، فلسفہ اور کلام پڑھاتے تو شعر و ادب بھی آپ سے متعلق ہوتا غرض تمام اساتذہ میں مولانا صدیقی علیہ الرحمہ کی ذات والا صفات ہی ایسی تھی جو جماعت ہائے فاضل و کامل کے تمام شعبوں میں درس دیا کرتے تھے۔ آپ کی تعلیم کا طریقہ بھی نرالہ تھالڑکوں کو رعب و دبدبہ سے نہیں بلکہ بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ پڑھاتے، دار العلوم کے بعض اساتذہ ایسے بھی تھے جو غیر اوقات مدرسہ میں اپنے شاگردوں کو مفت تعلیم دیا کرتے تھے ان میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔

حضور بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ گھر پر بھی تشنگان علم کو سیراب کرتے مشکل سے مشکل مسائل آسان انداز میں حل فرماتے وظیفہ کے بعد بھی آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ بر قرار رکھا، جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر لکچررس آپ کے حلقۂ درس میں شریک رہتے آپ کے علمی سمندر سے مشائخ، علماء دانشوران قوم، مفکرین ملت نے آبدار موتی حاصل کیے اسلیے آپ کو استاذ العلماء کہا جاتا ہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی رحمۃ اللہ علیہ معتمد صدر علمائے دکن تحریر فرماتے ہیں کہ" ہم عصر علمائے کرام حضرت اقدس کے سامنے جب حاضر ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی دریائے علم کے یہ ابتدائی شناور ہیں۔ حضور بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کی تبحر علمی کا لوہانہ صرف حیدر آباد دکن کے لوگوں نے مانا بلکہ دُنیا کے گوشے گوشے میں آپ کی علمیت کو تسلیم کیا گیا، حضرت مولانا الیاس برنی رحمۃ اللہ علیہ صدر شعبہ معاشیات جامعہ عثمانیہ اپنے سفر نامہ حج میں حضور بحر العلوم کی شان علمی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں" جب ہم دمشق پہنچے تو بہت سوں نے ہم سے کہا کہ علامہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ سے ضرور ملیں جو اتنے بڑے باا ثر پیر اور عالم تھے کہ فرانسیسی گورنر تک ان سے ملاقات کرنے کے لیے آتے تھے ہم جاکر حضرت علامہ بدرالدین سے ملے اور اپنے رفیق خاص علامہ عبد القدیر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ملوایا حضرت علامہ بدر الدین علیہ الرحمہ ان کی علمیت سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ باہر چل کر اپنے مریدوں میں اعلان کر دیا کہ دمشق میں علم کا آفتاب طلوع ہوا ہے اپنی تصنیف و تالیف کے متعلق مشورے کر لو ورنہ ناقدری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اچھے بندوں کو دمشق نہیں بھیجے گا۔ دمشق کے صوفی و عالم بزرگ نے قدیر پیا سے نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ آپ کی علمی و روحانی شان کا بر محل اظہار فرما دیا اور آپ کو علم کا سورج قرار دیا اور اپنے شاگردوں کو بھی استفادہ حاصل کرنے پر متوجہ کیا۔ معلوم ہوا کہ اپنے تو اپنے ہیں عقیدت مندوں کا پوچھنا کیا ہے جو لوگ غیر ہیں لیکن اہل حق و اہل بصیرت ہیں انھوں نے بھی قدیر پیا کو

استاذ العلماء اور بحر العلوم تسلیم کیا ہے۔
بیشک حضور بحر العلوم محمد عبد القدیر صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کا عرفان اہل دل اور اہل علم ہی جانتے ہیں۔ قرآنِ پاک کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے والے حضور بحر العلوم کے خاص شاگرد وڈاکٹر سید عبد الطیف پروفیسر انگریزی جامعہ عثمانیہ نے بحر العلوم کے علم وفضل اور تعلیم و تفہیم کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے علم وفضل کے متعلق صرف اتنا کہوں گا کہ زندگی نے مجھے بہت سارے مواقع عطا کیے ہیں کہ میں اپنے زمانے کے فاضل ترین شخصیتوں سے ملا اور ان کے علم وفضل اور ان کی قدر وقیمت کا اندازہ کر سکا لیکن کسی پس و پیش کے بغیر میں کہوں گا کہ کسی موضوع پر بھی بحث کے دوران مجھے وہ خوشی حاصل ہوتی تھی جو کسی اور کی صحبت میں مَیں نے ایسی خوشی کبھی نہیں محسوس کی ان کی شخصیت ایسی جامع واقع ہوئی تھی کہ وہ سخت سے سخت توہم پرست کو بھی اس کے جذبات مجروح کیے بغیر حقائق سے روشناس کر دیتے، ساتھ ہی جدید طرز کے مفکرین و محققین کو بھی کسی مسئلہ میں اپنے خاص انداز میں تفہیم سے مطمئن فرما دیتے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ صدر شعبۂ اُردو عثمانیہ یونیورسٹی حضور بحر العلوم کی صحبت سے استفادہ اُٹھایا تو لکھا حضرت مولانا عبد القدیر صدیقی حسرتؔ ان بزرگان دین میں سے تھے جو صدیوں بعد ہی کسی ملک میں پیدا ہوتے ہیں وہ کوئی پیشہ ور صوفی نہ تھے اور نہ موجودہ عہد کے بعض نام نہاد صوفیوں کی طرح کسبِ معاش و ثروت کی خاطر تصوف و عرفان کی طرف مائل ہوتے تھے وہ اصل میں ایک جید عالم بلکہ بحر العلوم اور علوم دینیات کے استاذ الاساتذہ تھے۔ مولوی قاضی عبد الصمد صاحب فاروقی جو خود بھی ایک بلند پایہ عالم اور ممتاز صوفی تھے اپنے احباب کی محفلوں میں فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ کے بعد دکن میں حضرت عبد القدیر صدیقی کے برابر کوئی ظاہر و باطن کا اس قدر جامع کمالات بزرگ نہیں گزرا۔
حضور بحر العلوم حضرت عبد القدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمہ کی صحبت میں حاضر ہونے والے آپ کو دیکھنے والے آپ سے علم کی گتھیاں سلجھانے والے مشائخ و علماء دانشوروں، معلموں اور مدبروں کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور بحر العلوم تمام اہل علم کا مرجع تھے آپ کے پاس اہل شریعت بھی حاضر رہتے اور اہل طریقت بھی رجوع ہوتے، حضور بحر العلوم اور دیگر علماء ماہرین تعلیم اور دانشوران قوم میں یہ بھی فرق نظر آتا ہے کہ دیگر علماء ماہرین تعلیم اور اسکالرس نے علم تعلیم، مذہبی طریقوں اور دعوت و اصلاح کی طرف عوام کی توجہ مبذول کروائی لیکن ایمان و عقیدت سے دور کر دیا، حضور بحر العلوم کا یہ احسان ہے کہ آپ نے تعلیم و علم کے ساتھ ساتھ مذہب کی روح سے آشنا کیا ایمان پر قائم رہنے کا سلیقہ عطا کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ سلم کی محبت و تعظیم صحابہ کرام کی فضیلت و تکریم اہل بیت اطہار سے محبت اولیاء اللہ اور علمائے حق کی نسبت و احترام کا درس بھی عنایت فرمایا۔ معاشرہ کی خرابیوں کو دور کرنے پر توجہ فرمائی صلاح و فلاح کے اطوار سکھائے شریعت و طریقت کے انداز بتلائے روح کو پاک کیا دل کو روشن کیا دماغ کو اُجالے دیے اور جسم کو ستھرا کیا۔ حضور بحر العلوم ائمہ اربعہ کی تقلید کے قائل تھے۔ خود بھی مقلد تھے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے تھے راسخ العقیدہ سنی تھے اہل سنت و جماعت کے عقائد کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ حضور بحر العلوم اولاد کو دینی و اسلامی تعلیم نہ دینے کو اولاد کشی فرماتے ہیں آپ نے فرمایا صاحبو آپ سمجھتے ہوں گے بتوں پر بھینٹ چڑھا دینا لڑکیوں کو زندہ درگور

کر دیناہی اولاد کشی ہے نہیں دینی تعلیم نہ دینااپنی اولاد کو یہ بھی اولاد کشی ہے جس کو دینی تعلیم نہیں دی گئی وہ مردہ ہے اسلامی تہذیب سے واقف نہ ہونا یہ بھی موت کی ایک صورت ہے۔ حضور بحر العلوم نے اپنی ساری زندگی دینی تعلیم اور علم کی اشاعت میں لگادی یو نیورسٹی کے علاوہ بھی آپ نے اپنے دولت کدہ پر درس و تدریس کا سلسلہ قائم فرمایا تفسیر، تصوف مختلف علمی عنوانات پر گفتگو فرمایا کرتے یہاں تک کہ عورتوں کے لیے بھی درس کا اہتمام فرمایا عورتوں کے دینی شعور کو بیدار کیاان کو علم سے آراستہ کیاخانہ داری کے اصول سکھائے۔

حضور بحر العلوم کے بے شمار شاگر د بے حساب مریدین تھے ہر ایک کو اس کے حسب حال تربیت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی صحبت سے خاندان کے خاندان مستفید ہوئے۔ آپ کے مریدوں اور شاگردوں میں امیر غریب عالم اَن پڑھ ہر طبقہ کے اشخاص شامل تھے ان کو خدااور سول کے احکامات کا پابند بناتے شریعت وطریقت کے اسباق پڑھاتے آپ کی فیضِ نظر سے کئی غیر مسلم ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگئے آپ کا دروازہ ہر غم کے مارے کے لیے کھلا رہتالوگ نہ صرف آپ سے علم حاصل کرتے بلکہ اپنی زندگی کے مسائل کا حل بھی پاتے کوئی نوکری کی دُعا کرانے آتا کوئی شادی کی کوئی اولاد کی آسیب زوہ آتے شیطان بھرے آتے آپ ہر ایک کا علاج فرماتے۔ ہر کوئی اپنی مراد پاتا معاشی پریشانیاں خوشحالی میں بدل جاتی بے اولاد صاحبِ اولاد ہو جاتے، آسیب زدہ شیطان وجن کی چکر والے تکلیفوں سے نجات پاتے۔ غیر مسلم بھی آتے تو ان کا بھی علاج کرتے ایک مرتبہ ایک آسیب زدہ برہمن عورت اپنے شوہر کے ساتھ آئی جو بالکل مایوس ہو چکی تھی بحر العلوم نے اس کو درست کر دیااور وہ خوش ہو کر چلی گئی۔

آپ کے تصرفات روحانی اور کرامتوں کا بے انتہا سلسلہ ہے ہر ایک کا احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولاناسید محمد بادشاحسین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں دوران درس ایک شخص نے پریشانی کے عالم میں اطلاع دی کہ اصغری بیگم نامی ایک چھوٹی بچی دوسری منزل سے گر گئی ہے اس کی بیوہ ماں آپ کو یاد کر رہی ہے۔ بحر العلوم نے مسکراکر ارشاد فرمایا بابا سبق میں فرق نہ آنے پائے اس بچی کو کچھ نہیں ہوا سلسلہ سبق جاری ہے دس منٹ کے بعد بچی لائی گئی اور یقیناً صحیح وسلامت تھی اس کو کچھ نہیں ہوا تھا۔

بحر العلوم کے مرید و خلیفہ صوبہ دار حبیب محمد رحمتہ اللہ علیہ کو پولیس ایکشن کے بعد ہائی کورٹ سے سزائے موت سنائی گئی۔ صوبہ دار صاحب کی بیوی حاضر ہوئیں اور معروضہ کیا آپ نے اطمینان دلایا کہ ان شاء اللہ کچھ نہیں ہو گا۔ میرے حبیب کو! چنانچہ صوبہ دار حبیب محمد رحمتہ اللہ علیہ بری ہوگئے۔ بحر العلوم اپنی روحانی تصرفات اور علمی استعداد سے ہزار ہالوگوں کی زندگی سنوار دی بھٹکوں کو راستہ دکھایابدوں کو نیک بنایانیکوں کو اللہ والا بنا دیاحضرت کی ذات برکتوں اور رحمتوں کا منبع تھی انسانوں کے لیے اللہ کی غیر مترقبہ نعمت عظمیٰ تھی اس لیے تو شہزادۂ غوث الثقلین حضرت پیر نجم الدین گیلانی قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے بحر العلوم کی عظمت کے بارے میں فرمایا" آپ کا وجود عالم کے لیے خیر وبرکت ہے آپ کا نقصان قوم کا نقصان ہے اسلام میں آپ کو مرکزیت حاصل ہے آپ کی بزرگی مسلم ہے آپ میرے جد کی جگہ ہیں آپ اپنے نواسوں میں شریک فرمالیں تومیرے لیے موجب سعادت ہے"۔

حضور بحر العلوم کے پاس مشائخ، علماء، امراء اور روساءاپنے اپنے مسائل حل کرانے کے لیے حاضر ہوتے بادشاہ وقت نواب میر عثمان

علی خاں بھی آپ کا احترام کرتے آپ کی رائے کو احسن اور فیصلہ کن تسلیم کرتے آپ سے مختلف مسائل میں مشورہ کرتے لیکن حضور بحر العلوم بادشاہ وقت کے سامنے میں بھی حق گوئی سے گریز نہیں کرتے تھے۔ بحر العلوم کی بے باکی اور حق گوئی کا یہ واقعہ ہے کہ سعودی عرب کی حکومت نے اعلیٰ حضرت نواب عثمان علی خان کو چند طغرے مخمل پر زر کے کام سے کاڑھے ہوئے تحفہ بھیجے بادشاہ کے حکم سے مکہ مسجد میں لگائے گئے ایک کتبہ پر سعودی بادشاہ ابن سعود کا نام بھی تھا بحر العلوم نے جب ان طغروں کو دیکھا تو جس طغرے پر ابن سعود کا نام تھا آپ نے اعتراض کیا مہتمم مکہ مسجد کو بلوا کر کہا آئندہ جمعہ تک یہ نام کا کتبہ نہیں رہے گا انھوں نے کہا کہ اعلیٰ حضرت نے لگویا ہے۔ بحر العلوم نے فرمایا اُن کو کیا پڑی ہے جو مساجد میں من مانی کریں دین کے کاموں میں دخل دیں جب یہ بات نواب میر عثمان علی خان کو معلوم ہوئی انھوں نے حکم دیا کہ فوراً اس نام کو کتبے سے صاف کر دیا جائے چنانچہ حضور بحر العلوم کی حق گوئی اسلامی حمیت کا مکہ مسجد میں آج بھی وہ طغرا گواہ ہے۔ بحر العلوم کا وصال 7ر شوال المکرم 1381ھ مطابق 24مارچ1962ء ہوا نماز جنازہ مکہ مسجد میں ادا کی گئی اور تدفین صدیق گلشن بہادر پورہ میں عمل میں آئی آپ کی مزار پرُ انوار سے ہزار ہا عوام فیض پا رہے ہیں روحانی و جسمانی بیمار شفایاب ہو رہے ہیں بحر العلوم کے اہم تصانیف تفسیر صدیقی، الدین، حکمت اسلامیہ، شرح فصوص الحکم، المعارف، مسئلہ عدم نسخ قرآن، نظام العمل فقراء اور کلیاتِ حسرت وغیرہ۔ آپ کے صاحبزادے مرید و خلیفہ حضرت مولانا محمد عبد الرحیم صدیقی حسرتؔ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین و سجادہ ہوئے ان کے بعد حضرت ابوتراب علی صدیقی خاکیؔ رحمۃ اللہ علیہ جانشین دوم ہوئے حضرت ابو القاسم محمد بادشاہ صدیقی مسلمؔ رحمۃ اللہ علیہ جانشین سوم اور حضرت حسین شجاع الدین صدیقی عزتؔ رحمۃ اللہ علیہ جانشین چہارم ہوئے۔ ان کے بعد بحر العلوم کے چھوٹے فرزند مرید و خلیفہ حضرت محمد غوث محی الدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ جانشین پنجم ہوئے۔ اس وقت حضرت مولانا حافظ محمد عبد الرزاق صدیقی آرزوؔ قادری مد ظلہ العالیٰ نبیرہ مرید و خلیفہ حضور بحر العلوم سجادہ و جانشین ششم ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ حضرت کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور صحت و تندرستی کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم رکھے فیضان بحر العلوم آپ کی ذات مبارک سے جاری و ساری رہے آمین۔

*****

ملفوظاتِ خواجہ بندہ نواز 'جوامع الکلم': ایک مطالعہ

ڈاکٹر صابر علی سیوانی*

برِّصغیر میں جن صوفیۂ کرام نے اشاعتِ دین، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یکجہتی کے فروغ میں اہم حصہ داری نبھائی، ان میں ایک نام خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمتہ اللہ علیہ کا بھی ہے جنھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دہلی میں گزارا لیکن اپنی عمر کے آخری پچیس سال گلبرگہ کی سرزمین پر دعوت و تبلیغ میں بسر کیا۔ انھیں دکن کے بزرگ اور کثیر التصانیف بزرگ کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی۔ خواجہ صاحب کا نام سید محمد حسینی، کنّیت ابوالفتح اور القاب صدرالدین، ولی الاکبر الصّادق ہیں۔ لیکن عوام و خواص میں وہ خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کو ولی المشائخ کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ خواجہ بندہ نواز کے والدِ ماجد کا نام سید یوسف حسینی تھا جو عرب راجا اور سید راجو قتال کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ فارسی زبان کے مایہ ناز شاعر تھے اور راجا تخلص کرتے تھے۔

سیر محمدی، تذکرۂ اولیائے دکن اور مشکوٰۃ نبوت کے مصنفین کے مطابق بندہ نواز کی پیدائش 4/رجب المرجب 721ھ مطابق 31/ جولائی 1312ء کو دہلی میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت آپ کے والد گرامی کے زیر سرپرستی ہوئی، آپ سات سال کی عمر میں حافظِ قرآن ہوگئے۔ 1327ء میں جب سلطان محمد تغلق نے دولت آباد (دکن) کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا، تو تمام باشندگانِ دہلی کو دولت آباد جانے کا حکم صادر کیا۔ سلطان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بندہ نواز کے والد گرامی سید یوسف حسینی چشتی مع اہل خانہ 1327ء میں دہلی سے روانہ ہو کر دولت آباد پہنچے۔ دولت آباد میں سید یوسف حسینی کا 13/ جولائی 1330ء کو انتقال ہو گیا۔ آپ کے انتقال کے چند سال بعد 1335ء میں بندہ نواز اپنی والدہ بی بی رانی کے ہمراہ دہلی چلے گئے۔ دہلی واپس جانے کی وجہ دولت آباد کے صوبہ دار سید ابراہیم (خواجہ بندہ نواز کے ماموں) اور بی بی رانی کے درمیان رنجش بتائی جاتی ہے۔ دہلی میں متعدد علما سے آپ نے علوم و فیوض حاصل کیے اور خصوصاً حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے باطنی علوم کا درس لیا۔ کہا جاتا ہے کہ 16 سال کی عمر میں آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہوگئے۔ نصیر الدین چراغ دہلی نے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل بندہ نواز کو خلافت عطا فرما کر اپنا جانشین مقرر کیا۔ 1398ء میں جب امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا تو آپ مع اہل و عیال دکن روانہ ہوگئے اور 1400ء میں گلبرگہ پہنچے۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی کو آپ کی آمد کا علم ہوا تو وہ فیروز آباد سے گلبرگہ آیا۔ تمام ارکان دولت اور شاہزادوں کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مستقل طور پر یہیں قیام کریں۔ چناں چہ خواجہ بندہ نواز نے فیروز شاہ بہمنی کی خواہش پر گلبرگہ کو ہی مستقل مستقر بنایا۔ حضرت سے بادشاہ کی عقیدت کو دیکھتے ہوئے سیکڑوں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح گلبرگہ میں سلسلۂ چشتیہ کی ایک عظیم خانقاہ وجود میں آئی۔ "105 سال کی عمر میں 2/ نومبر 1421ء کو گلبرگہ میں ہی خواجہ

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، سی یو سی ایس، مانو، حیدرآباد

بندہ نواز کا انتقال ہوا اور وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی"۔[1] بزرگانِ دین کا عقیدت مند سلطان احمد شاہ احمد شاہ بہمنی نے آپ کے مزار مبارک پر ایک عالی شان گنبد تعمیر کرایا جو آج بھی گلبرگہ شریف میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

خلیق احمد نظامی نے تحریر کیا ہے کہ جب حضرت خواجہ بندہ نواز دکن کی سرزمین پر تشریف لائے تو:

"سلطان فیروز شاہ بہمنی نے علما و مشائخ اور لشکر شاہی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ حضرت گیسو دراز نے گلبرگہ میں چشتیہ سلسلہ کی ایک عظیم الشان خانقاہ قائم کی۔ ان کے خلفا کی تعداد بہت کثیر تھی۔ جن میں شاہ ید اللہ، شیخ علاء الدین گوالیاری، شیخ ابوالفتح قریشی، سید صدرالدین اودھی، شیخ فرید الدین بغدادی، شیخ محمد اکبر حسینی، سید یوسف حسینی، شیخ زادہ شہاب الدین، قاضی محمد سلیمان وغیرہم خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان خلفا نے سلسلہ کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ خود حضرت گیسودراز نے اپنی تصانیف کے ذریعے تصوف کے خیالات کو عوام و خواص تک پہنچادیا۔ دکن میں چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام شیخ برہان الدین غریب اور حضرت سید محمد گیسو دراز اور ان کے خلفا نے انجام دیا۔ ان کی خانقاہیں جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی اصلاح و تربیت کا مرکز تھیں اور شاہ و گدا سب وہاں جمع ہوتے تھے"۔[2]

حیدرآباد کے اولین محقق، ماہر مسکوکات اور مؤرخ حکیم سید شمس اللہ قادری نے اپنی کتاب 'اردوئے قدیم' میں خواجہ بندہ نواز کی علمی شخصیت اور ان کی تصانیف کے متعلق درج ذیل تفصیلات پیش کی ہیں:

"خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے اعاظم خلفاء سے تھے۔ آپ 815ء میں سلطان فیرز شاہ بہمنی کے زمانہ میں دہلی سے گلبرگہ تشریف لائے اور سلطان احمد شاہ کی تخت نشینی کے ایک ماہ بعد 16 / ذی القعدہ کو انتقال فرمایا۔ علم تصوف میں آپ کی 30 سے زیادہ تصنیفات ہیں۔ آپ نے مُلتقط کے نام سے کلام اللہ کی ایک تفسیر لکھی ہے اور سلوک کے مسائل اس میں بیان کیے ہیں۔ علامہ زمخشری کی کتاب الکشاف پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ شیخ محمد بن اسحاق الکلاباذی المتوفی 380 کی کتاب التعرّف، شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی 632ھ کی کتاب العوارف، شیخ عبدالکریم القشیری المتوفی 465ھ کا الرسالۃ القُشیریہ شیخ محی الدین ابن عربی المتوفی 638ھ کی کتاب الفصوص، تصوف کی اعلیٰ ترین تصنیفات ہیں۔ خواجہ صاحب نے ان پر دونوں زبانوں میں شرحیں لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کی تصنیفات سے کتاب الاسمار ایک نہایت مشہور کتاب ہے۔ اس میں تصوف کے اسرار و حقایق تحریر ہیں"۔[3]

---

1. اردو شاعری ولی سے پہلے، ڈاکٹر محمد جمال شریف صفحہ 58
2. تاریخ مشائخِ چشت، جلدِ اول، پرفیسر خلیق احمد نظامی، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، پاکستان، 2013، ص260-261
3. اردوئے قدیم، حکیم سید شمس اللہ قادری، تاج پریس، حیدرآباد، 1925، ص43-44

شمس اللہ قادری نے اپنی اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ خواجہ بندہ نواز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو تصوف اور حدیث وسلوک کا درس دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی علم کلام اور علم فقہ کی بھی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جو لوگ عربی اور فارسی سے ناواقف تھے انہیں سمجھانے کے لیے دکنی زبان کا بھی استعمال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ایسے ہی افراد کے لیے دکنی زبان میں چھوٹے چھوٹے متعدد رسائل تحریر کیے۔ حکیم صاحب کے مطابق منجملہ ان کی تصنیفات میں معراج العاشقین اور ہدایت نامہ زیادہ مشہور ہیں اور عشق نامہ میں ان کا کئی جگہ تذکرہ آیا ہے۔

اردو کے تذکروں میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے ملفوظات کے چار مجموعوں کا ذکر ملتا ہے۔ میر محمد علی سامانی کی کتاب 'سیر محمدی' میں لکھا ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد اکبر حسینی نے دو مجموعے مرتب کیے تھے۔ ایک دہلی اور اور دوسرا گجرات کے سفر کے دوران۔ اخبار الاخیار میں مذکور ہے کہ:

"خدمت میر راملفوظات است مسمیٰ بہ 'جوامع الکلم' کہ بعضی از مریدان او کہ نیز محمد نام دارد، جمع کردہ"۔[1]

مخدوم گیسو دراز کے ملفوظات کا مجموعہ 'جوامع الکلم' نے بڑی مقبولیت حاصل کی، حیدرآباد سے 'جوامع الکلم' کا جو نسخہ شائع ہوا، اس میں حافظ محمد حامد صدیقی نے مرتب کا نام حضرت گیسو دراز کے بڑے صاحبزادے سید حسین المعروف بہ سید محمد حسینی لکھا ہے۔ 'جوامع الکلم' کے متعلق خود خواجہ صاحب نے یہ عبارت تحریر فرمائی ہے کہ:

"کارِ ایں ملفوظ بجائے است، از جہتِ تحقیق و تدقیق گویا کہ گفتارِ خود را خود می نویسم و ملفوظِ خود را خود جمع می کنم"۔[2]

'جوامع الکلم' میں 18/رجب 802ھ مطابق 15/مارچ 1400ء سے 22/ربیع الثانی 803ھ مطابق 10/دسمبر 1400ء تک کی مجلسیں قلم بند کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا فارسی متن کے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی کے مطابق خواجہ صاحب کے ملفوظات جوامع الکلم سے پہلے کتاب 'انوار المجالس' میں جمع کیے گئے تھے۔ چناں چہ فاروقی صاحب اپنی کتاب 'نقدِ ملفوظات' میں لکھتے ہیں:

"حضرت گیسو دراز کے ملفوظات 'جوامع الکلم' سے پہلے علاء الدین گوالیری نے کتاب 'انوار المجالس' میں جمع کیے تھے اور جس سنہ کی مجلسوں پر "انوار المجالس" کا اختتام ہوا ہے، اس کے بعد ہی "جوامع الکلم" شروع ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر "انوار المجالس" ہمیں مل جائے تو ہم حضرت گیسو دراز کی ان مجلسوں میں پہنچ سکتے ہیں، جو تیمور کے حملے سے پہلے دہلی میں منعقد ہو رہی تھیں اور جن میں سید اشرف جہانگیر سمنانی بھی کسب فیض کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ اور مسائل تصوف کی تشریح طلب کرتے تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے

1. دیباچہ اسمار الاسرار، ص 133
2. جوامع الکلم، مرتب سید محمد اکبر حسینی، ادبی دنیا، دہلی، 1990، ص 6

جب دکن کے علاقہ کوکن میں مخدوم علی مہائمی، گجرات میں شیخ احمد کھٹو، پنجاب میں جہانیاں جہاں گشت، بہار میں شرف الدین احمد یحییٰ منیری، بنگال میں شیخ علاء الحق اور مشرقی یوپی میں سید اشرف جہانگیر سمنانی تصوف کی شمعیں روشن کیے ہوئے تھے"۔[1]

سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز نے (13/جولائی 1321 یکم نومبر 1422) اسی عہد میں رشد وہدایت، تفسیر، حدیث اور سلوک کے درس و تدریس اور ماتحتوں کے ساتھ عدل و انصاف کے قیام پر زور دیا۔ اس حوالے سے آپ کے ملفوظات، محفل سماع میں گائے جانے والے سہیلے، چکّی نامے اور غزلیں بھی دستیاب ہیں۔ خواجہ بندہ نواز کے صاحب زادے محمد اکبر حسینی کی علم و ادب سے وابستگی نے اردو زبان و ادب کو پروان چڑھایا۔ اس کے خد و خال متعین کرنے اور اس کی نوک پلک درست کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بندہ نواز کے صاحب زادے محمد اکبر حسینی نے ہی بندہ نواز کے ملفوظات جمع کیے اور انھیں مرتب کرکے اس کا نام 'جوامع الکلم' رکھا۔ 'جوامع الکلم' کا اردو ترجمہ پروفیسر معین الدین دردائی نے کیا۔

'جوامع الکلم' میں دوسرے بزرگانِ دین اور صوفیہ کے تذکرے کے علاوہ ذرا تفصیل سے دو اشخاص کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں ایک مخنّث (خواجہ سرا) تھا جس کا نام خواجہ راحت تھا اور ایک گمنام درویش جو ایک مسجد کے پیچھے مکان کی چھت پر لیٹے رہتے تھے اور صرف ایک پرانے چیتھڑے سے اپنی برہنگی ڈھانپے رہتے تھے۔ ان دونوں حکایتوں میں صوفی کی روحانی قوت کا مکتبی ملّا کے انتہائی ناقص علم او رروحانیت کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔

خواجہ راحت کی حکایت 'جوامع الکلم' میں صفحہ نمبر 408 پر موجود ہے۔ پہلی حکایت مولانا بدرالدین سمرقندی کے متعلق ہے۔ لوگ ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور ایک بار جب دہلی میں خشک سالی ہوئی تو لوگوں نے ان سے جاکر کہا کہ کل بارش کے لیے باجماعت نمازِ استسقا ہوگی اور آپ اس کی امامت کریں تو عنایت ہوگی۔ مولانا کو یہ درخواست قبول کرنی پڑی لیکن وہ بڑی پریشانی میں پڑ گئے کیوں کہ انھیں خوف تھا کہ نماز کی وجہ سے بارش ہوگی نہیں۔ جوں جوں وقت قریب آتا گیا، ان کی پریشانی بڑھتی گئی اور وہ اب کوئی بھی راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار تھے۔ اسی وقت ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ کو ایسے شخص کے پاس لے جاسکتا ہوں جو اگر چاہے تو بارش ہوسکتی ہے۔ اپنی شہرت کی حفاظت کی خاطر مولانا تیار ہوگئے کہ شام کو اندھیرا ہونے کے بعد ملاقات کے لیے جائیں گے۔ شام کو انھیں ایک خواجہ سرا کے دروازے پر لے جایا گیا جس کا نام خواجہ راحت تھا۔ ظاہر ہے جب خواجہ سرا نے مولانا کو اپنے دروازے پر ایک سوالی کی حیثیت سے دیکھا تو اسے حیرت ہوئی۔ جب اس سے بتایا گیا کہ مولانا کے تشریف لانے کا کیا مقصد ہے تو اس نے وضو کے لیے پانی اور جائے نماز منگائی۔ نماز ادا کرکے اس نے مولانا سے کہا آپ کل نمازِ استسقا پڑھایئے۔ اس کے بعد اس نے اپنے لباس کے کونے سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا پھاڑا اور مولانا سے کہا کہ اگر نماز کا کوئی اثر نہ ہو تو یہ کپڑا جو میں آپ کو دے رہا ہوں، اسے

[1]. نقد ملفوظات، پروفیسر نثار احمد فاروقی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی، 1989، ص 204-205

نچوڑیئے گا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے گا کہ خواجہ راحت کے لباس کی لاج رکھ لے جو وہ تیرے نام اور تیری خاطر ہی پہنتا رہا ہے۔ مولانا نے بڑے احترام سے اس کپڑے کے ٹکڑے کو اپنی پگڑی میں رکھ لیا اور رخصت ہو گئے۔

دوسرے دن انھوں نے جماعت کے ساتھ نمازِ استسقا پڑھائی لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ تب انھوں نے راحت کے دیے ہوئے کپڑے کو نچوڑا اور وہی کہا جو ان سے کہا گیا تھا۔ انھوں نے جیسے ہی دعا کی، بادل آنا شروع ہو گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ یہ حکایت بیان کرنے کے بعد شیخ گیسو دراز نے حاضرین سے دریافت کیا، اب آپ کیا کہیں گے؟ راحت کس قسم کا 'خواجہ سرا' تھا؟ وہ اللہ کے مقربین میں سے تھا۔ ہمیں ظاہری چیزوں پر نہیں جانا چاہیے۔

دوسری حکایت دہلی کے ایک درزی کی ہے، جو مولانا برہان الدین بلخی کے مدرسے میں داخل ہو گیا تھا۔ ایک دن جب طالب علم آپس میں کسی سوال پر بحث کر رہے تھے تو اس نے بڑی معصومیت سے ایک درویش کا جملہ دہرایا جس کی خدمت میں وہ حاضری دیا کرتا تھا۔ اس کی فوراً فہمائش کی گئی، کیوں کہ دانش مندوں کا طریقہ ہے کہ وہ صوفیوں سے کہتے ہیں "پہلے مسلمان بنو پھر (عالمانہ مباحث میں شرکت کے لیے) اپنی سند پیش کرو۔ تم جاہل ہو، مذہب سے دور ہو، ملحد ہو، وغیر وغیرہ"۔ درزی درویش کے پاس پہنچا اور جس معصومیت سے اس نے دانش مندوں کے درمیان وہ جملہ دہرایا تھا، اسی طرح درویش کو بتا دیا کہ بحث کے درمیان کیا ہوا تھا۔ درویش کو بہت غصہ آیا۔ اس نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور کہا۔ ہم نے مولانا کی کتاب بند کر دی۔ دوسرے دن جب مولانا پڑھانے آئے تو انھیں احساس ہوا کہ وہ سارا پڑھا پڑھایا بھول چکے ہیں۔ اس دن تو انھوں نے اس پریشانی سے نکلنے کے لیے اپنی ذہانت کو استعمال کیا لیکن اب یہ سوچ کر وہ خوف زدہ ہو رہے تھے کہ میری شہرت اور پیشہ دونوں کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ بالآخر درزی کو اندازہ ہو گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ وہ درویش کے پاس پہنچا، مولانا کی طرف سے معافی کا خواستگار ہوا اور انھیں درویش کی خدمت میں حاضر کرنے کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت مل گئی تو وہ مولانا کے پاس پہنچا اور تجویز پیش کی کہ آپ کا علم اس طرح واپس لایا جا سکتا ہے۔

مولانا درویش کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آمادہ ہو گئے اور درزی کے مشورے پر انھوں نے کاغذ کا ایک پُرزہ اپنی آستین میں رکھ لیا۔ تب درزی انھیں ایک مسجد کے پیچھے ایک چھت پر لے گیا جہاں درویش لیٹا رہتا تھا۔ جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو درزی نے مولانا کی طرف سے گڑگڑا کر معافی مانگی اور ان کی وکالت کی۔ درویش نے لیٹے لیٹے مولانا پر درشتی سے نگاہ ڈالی، ان کی بد دماغی پر لعن طعن کی اور کہا حاجت رفع کرنے کے لیے جس طرح نماز پڑھی جاتی ہے، اس طرح جا کر نماز ادا کرو۔ لیکن اس طرح بھی مولانا کا علم واپس نہ آیا اور درویش نے ان سے اعتراف کرا لیا تھا کہ وہ بالکل جاہل ہیں۔ تب درویش نے مولانا سے کہا جو کاغذ تم لائے ہو مجھے دو۔ اس نے اپنے جسم سے کچھ مٹی لی اور کاغذ کے پُرزے پر اسے مل دیا۔ مولانا کا علم واپس آ گیا۔ یہ حکایت بیان کرنے کے بعد شیخ گیسو دراز نے فرمایا کہ جو راستے بے قاعدہ نظر آتے ہیں لیکن اصل میں ایسے ہیں نہیں، ان کا شمار ممکن نہیں۔ یہ دونوں واقعات محمد مجیب نے بھی اپنی کتاب 'ہندوستانی مسلمان' میں جوامع الکلم کے حوالے سے بیان کیے ہیں۔

صوفیائے کرام کا مطمحِ نظر اتنا وسیع تھا کہ وہ پوری نیک نیتی اور خلوص سے یہ تسلیم کرتے تھے کہ خدا تک پہنچنے کے بہت سے راستے

ہوسکتے ہیں۔ ہر شخص کے ساتھ اللہ کے راز، اس کے اسرار، اس کے رشتے الگ الگ ہوتے ہیں۔ جب قدامت پسند صوفی شریعت کی پابندی پر اسرار کرتے تھے تو دراصل وہ روحانی زندگی میں نظم و ضبط اور نظام پر زور دیتے تھے۔ یہاں خدا تک پہنچنے کے بہت سے راستے بتائے گئے ہیں۔ ایسا نہیں کہ ظاہری طور پر جو شخص بدکردار اور بداطوار نظر آرہا ہے، وہ باطنی طور پر بھی ویسا ہی ہو۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یعنی ہر شخص کے ساتھ اللہ کے راز اور اس کے رشتے الگ ہوتے ہیں۔ اس کی دلیل کے طور پر 'جوامع الکلم' میں موجود ایک واقعے کا خلاصہ یہاں پیش ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رازہائے سربستہ صرف وہی جانتا ہے اور کوئی نہیں۔ 'جوامع الکلم' میں موجود ایک واقعہ کے مطابق شیخ گیسو دراز نے ایک تارک الدنیا شخص کا واقعہ نقل کیا ہے کہ خواب میں اسے اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ جس شہر میں تم رہتے ہو، وہاں جلد ہی آگ لگائی جانے والی ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو بچاؤ اور فلاں طوائف کے گھر میں جا کر پناہ لو۔ وہ بزرگ اس طوائف کے گھر پہنچے اور وہاں پناہ لی۔ حالاں کہ طوائف نے انھیں بتا دیا کہ میں یہ غیر اخلاقی زندگی گزارتی ہوں اور میرے یہاں بہت آوارہ اور بدنام قسم کے لوگ آتے ہیں۔ شہر آگ سے تباہ ہوگیا لیکن طوائف کا گھر بچ گیا۔ بزرگ کو پتا چلا کہ طوائف پر رحم کی نگاہ اس لیے ہوئی کہ اس نے ایک بار ارادۃً کتّے کو کھانا کھلایا اور گھر میں رکھ لیا تھا، جب کہ ہر شخص نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ گنہگار شخص کا کون سا عمل یا کون سی ادا اللہ کو پسند آجائے اور اس کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو جائے، اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا ہے۔ ایسے متعدد واقعات 'جوامع الکلم' میں پڑھنے کو ملتے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان ظاہری طور پر بھلے ہی بُرا دکھائی دیتا ہے لیکن باطنی طور پر وہ اللہ والا ہوتا ہے۔ خدا کی نظر میں اس کی عبادت قابل قبول ہوتی ہے، جو تنہائی میں کرتا ہے اور جس کے بارے میں کسی کو علم تک نہیں ہوتا ہے۔

مشائخ کے یہاں ملفوظات کی بہت اہمیت رہی ہے اس لیے کہ یہ ان کی تعلیمات اور تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ رہا ہے۔ مریدین، معتقدین اور طالبین کے درمیان مخصوص اوقات میں ان کے سوالات کے جوابات دے کر ان کے شکوک اور الجھنوں کو دور کرنے، اپنی تعلیمات کو پھیلانے اور تبلیغ و اشاعت دین کا یہ بہت ہی کامیاب طریقہ تھا۔ مشائخِ چشت اور مشائخِ فردوسیہ نے اس سے بڑے بڑے کام لیے ہیں۔ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی کے ملفوظات 'معدن المعانی'، خوان پُر نعمت، راحتُ القلوب، مخ المعانی، مونسُ المریدین، گنج لایغنی، فوائد الغیبی، مغزالمعانی، تحفۂ غیبی نے برِّصغیر کے مسلمانوں میں اسلامی روح پھونک دی تھی۔ مشائخ چشت میں بھی تقریباً ہر شیخ نے اپنے ملفوظات چھوڑے ہیں۔ جوامع الکلم بھی اسی طرح حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا ایک معتبر اور اہم ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اس کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس کو آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت محمد اکبر حسینی نے مرتب کیا ہے جو نہ صرف مشائخ چشت میں ایک بلند مرتبہ رکھتے ہیں بلکہ اپنے والد بزرگوار کے بہت محبوب فرزند بھی تھے اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے بارہا اپنے ان فرزند پر فخر کرتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا ہے۔ ان ملفوظات کو مرتب کر کے کئی بار حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے سامنے پیش کر کے تصحیح بھی کرائی ہے۔ اس لیے اس کی صحت اور معتبر ہونے کے بارے میں کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا۔

جوامع الکلم کی خصوصیت، اہمیت اور افادیت کے متعلق چودھری محمد اقبال سلیم گاھندری نے 'جوامع الکلم' کے پیش لفظ میں درج ذیل باتیں تحریر کی ہیں جس سے اس مجموعے کی اہمیت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

"اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر شرعی مسائل کو قصوں اور حکایات کے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ہی قرآن مجید اور بہت سی احادیث کی تفسیر و تشریح بھی کی گئی ہے۔ یہ دل چسپ بھی ہے اور مفید و اہم بھی۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تھی اور اس سے بہت کم لوگ مستفید ہوسکتے تھے، اس لیے میرا ادارہ جس کا مقصد ہی بزرگان دین کے حالات زندگی اور تعلیمات و ملفوظات کو عوام کے سامنے پیش کرنا ہے، اس کو سلیس، رواں اور عام فہم اردو میں ترجمہ کراکر شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے"۔[1]

پروفیسر محمد اسلم نے ملفوظاتی ادب کے آغاز کے حوالے سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابتدا میں تصوف کی تعلیمات کی فروغ واشاعت میں ملفوظات نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ چناں چہ وہ ملفوظ نویسی کی اہمیت و معنویت کے متعلق رقمطراز ہیں:

"امیر حسن علاء سنجری نے تصوف میں ایک نئی صنف ایجاد کی اور ملفوظ نویسی کی داغ بیل ڈالی اور یہ فن تصوف کی نشر و اشاعت کا ایک موثر ذریعہ بن گیا۔ امیر حسن کے اس تجربے نے اہلِ قلم کو اس طرف متوجہ کیا اور اُوچھ شریف سے لے کر بہار شریف تک ملفوظات کی ترتیب و تدوین کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ امیر حسن کے ایک برادرِ طریقت علی بن محمود جاندار نے سلطان المشائخ کے ملفوظات 'دُررِ نظامی' کے عنوان سے قلمبند کیے۔ حمید قلندر نے حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے ملفوظات 'خیر المجالس' کے نام سے مرتب کیے۔ حضرت بندہ نواز گیسودراز کے فرزند ارجمند سید محمد اکبر حسینی نے ان کے ارشادات 'جوامع الکلم' کے عنوان سے اور محمد علی سامانی نے 'سیر محمدی' کے نام سے جمع کیے۔ حضرت برہان الدین غریب کی مجالس میں ہونے والی گفتگو کو عماد کاشانی نے 'نفائس الانفاس' کے عنوان سے اور حمّاد کاشانی نے 'احسن الاقوال' کے عنوان سے ترتیب دیا"۔[2]

اس طرح سے ملفوظاتی ادب کو فروغ حاصل ہوا اور متعدد صوفیۂ کرام کے ملفوظات جمع کیے گئے۔ ان ملفوظات کی اشاعت عمل میں آئی، جو ہمارے لیے رشد و ہدایت کے بلند مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے درست لکھا ہے کہ "ملفوظات لٹریچر ہندوستان کی تہذیبی و فکری تاریخ کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔ اس سے نہ صرف صوفیۂ کرام کی زندگی اور ان کے افکار و نظریات پر روشنی

---

1. پیش لفظ، جوامع الکلم، مرتبّہ سید محمد اکبر حسینی، مترجم، پروفیسر معین الدین دردائی، ادبی دنیا، دہلی، 1990، ص22

2. ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت، پروفیسر محمد اسلم، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور، 1995، ص9-10

پڑتی ہے بلکہ اس دور کی ذہنی فضا، معاشی حالات، ادبی تحریکات اور سماجی رُجحانات کا بھی اندازہ ہوتا ہے“۔

ملفوظات کی اہمیت اور ان کی معنویت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ چشتی بزرگوں نے اپنے ملفوظات میں بہت سے مسائل کا حل بتایا، متعدد واقعات بیان کر کے اصلاحِ معاشرہ کا کام کیا، بہت سی حکایتوں کے ذریعہ قناعت، بُردباری اور صبر وضبط کا درس دیا اور سیکڑوں سچے قصے بیان کر کے لوگوں کو دینِ اسلام کی جانب راغب کیا۔ ان ملفوظات میں وعظ ونصیحت اور زندگی کے شب وروز گزارنے کے طریقے بیان کیے گئے ہیں کہ اگر کوئی مومن کچھ بھی نہ پڑھے، صرف ان بزرگانِ دین کے ملفوظات کا مطالعہ کر کے اسے اپنی زندگی میں اُتار لے تو وہ ایک کامیاب انسان بن سکتا ہے۔ ’جوامع الکلم‘ کی اہمیت اور اس کی معنویت کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر محمد اسلم نے لکھا ہے:

”جوامع الکلم چشتی بزرگوں کے متعلق معلومات کی ایک کان ہے اور ہماری ناقص رائے میں اگر کوئی شخص چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے حالات لکھتے وقت اس کتاب سے استفادہ نہیں کرتا وہ محض جھک مارتا ہے۔ اس کتاب میں خواجہ معین الدین اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، حضرت نظام الدین اولیا، حضرت نصیر الدین چراغ دہلی، اور ان کے خلفا اور مریدوں کے حالات اس کثرت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ ان بزرگوں کا کوئی سوانح نگار اس کتاب سے بے نیاز نہیں رہ سکتا“۔[1]

خواجہ بندہ نواز نے ’جوامع الکلم‘ میں جہاں بہت سی کارآمد اور مفید باتوں کا ذکر کیا ہے اور متعدد صوفیہ اور اولیاء اللہ کے متعلق سبق آموز واقعات بیان کیے ہیں، وہیں انھوں نے اپنے عقیدۂ مذہبی کا بھی واضح طور پر بیان کیا ہے۔ بندہ نواز کا عقیدہ تھا کہ صحابۂ کرام میں حضرت ابو بکر سب سے افضل تھے اور ان کے بعد حضرت عمر کا مقام ہے اور ان کے بعد حضرت عثمان کا درجہ ہے اور ان کے بعد حضرت علی کا مرتبہ ہے۔ اور یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ بندہ نواز کے فرزند سید محمد اکبر حسینی ’جوامع الکلم‘ میں لکھتے ہیں کہ حضرت گیسودراز اختلافاتِ صحابہ پر گفتگو کرنے سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے۔ اس حوالے سے بندہ نواز فرماتے ہیں کہ:

”صحابۂ کرام کی افضلیت پر گفتگو درست نہیں۔ حضرت بندگیِ مخدوم نے فرمایا کہ مسائلِ کلامیہ میں صحابۂ کرام کی افضلیت سے متعلق میں کبھی بحث شروع نہیں کرتا۔ اس لیے کہ ان کی شان میں بد تہذیبی کا امکان ہے۔ پھر اس کمترین اور اپنے گھر والوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر کسی وقت میں نے بہت اصرار اور لوگوں کے شدید قسم دلانے پر اس طرح کی بات بھی کی ہے، تو وہی کی ہے، جو میرے عقیدے پر مبنی ہے۔ یعنی صحابۂ کرام میں افضل حضرت ابو بکر ہیں پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ علما کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مسلمان کے لیے موت بہتر ہے یا حیات۔

[1]. ایضاً، ص116

بعض نے زندگی کو بہتر بتایا ہے اور بعض نے موت کو۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں زندگی بہتر تھی اور اس کے بعد موت بہتر ہے''۔[1]

جوامع الکلم سے ماخوذ چند ملفوظات جو مختلف واقعات پر مشتمل ہیں، یہاں نقل کیے جارہے ہیں۔ ان میں تنبورہ بجانے والے کا واقعہ، منشی کا ذکر، پیشہ کے احوال، حضرت بایزید بسطامی کے قرض داران کا قصہ، نغمہ و سرود کی ابتدا کا ذکر، شکر گنج کی وجہ تسمیہ کی وضاحت اور لفظ اَنَا الحق کی صراحت کے متعلق دل چسپ باتیں اور نصیحتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ حضرت ابو سعید ابوالخیر کے زمانے میں ایک تنبورہ بجانے والا تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس کی کوئی قدر نہیں کرتا تھا۔ اس کا دل چسپ واقعہ درج ذیل ہے:

''عصر کی نماز کے بعد قوالوں کے ساتھ بے وفائی کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت ابو سعید ابوالخیر کے زمانے میں ایک تنبورہ بجانے والا قوال تھا جب وہ بوڑھا ہوا تو اس کے گھر والوں نے اسے نکال دیا کہ بھیک مانگ کر اوقات گزاری کر۔ قصبہ مہنہ سے باہر ایک قبرستان تھا۔ وہ تنبورا لے کر اس جگہ چلا گیا۔ اللہ کی طرف دھیان لگا کر اس نے تنبورا بجانا شروع کیا اور عجز و انکساری سے عرض کیا کہ خداوندا! سالہا سال تک تیرے بندوں کے سامنے میں نے تنبورہ بجایا ہے۔ آج جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو کوئی بھی میرا قدردان نہیں۔ آج تو ہی مجھے خرید لے اور میری قدر کر۔ میں تیرے سامنے تنبورا بجاتا ہوں اور پھر وہ تنبورے پر ایک رباعی گانے لگا:

مقبول تو خیر مقبلِ جاوید نہ شد
وز لطفِ تو ہیچ بندہ نومید نہ شد
عونت بہ کدام ذرہ پیوست دمے
کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نہ شد

اسی طرح وہ رات بھر بجاتا رہا۔ صبح ہونے لگی تو تنبورا کو سرہانے رکھ کر سو گیا۔ اور اسی جگہ پڑا رہا۔ دوسرے دن صبح کو ایک آدمی حضرت ابو سعید کے پاس ہزار اشرفی لایا۔ خواجہ حسن مؤدب نے چاہا کہ اس کو اٹھائیں اور خانقاہ کے مصارف میں لائیں۔ شیخ ابو سعید نے اسے روک دیا اور فرمایا ابھی چھوڑ دو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ فلاں قبرستان میں ایک تنبورہ بجانے والا تنبورہ سر کے نیچے رکھ کر سویا ہوا ہے۔ وہاں یہ لے کر جاؤ اور اسے دے دو اور کہو کہ اللہ نے تیرا تنبورہ بجانا قبول کر لیا ہے۔ اور تیرے لیے یہ مال بھیجا ہے اور جب

[1]. جوامع الکلم، مرتب سید محمد اکبر حسینی، ادبی دنیا، دہلی، 1990، ص79-80

کبھی تجھ کو ضرورت ہو اس کے بندے ابو سعید سے مانگ لے تجھ کو پہنچادے گا"۔[1]

اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر اللہ پر انسان کا کامل بھروسہ ہو، تو وہ اس کی ہر حاجت پوری کرتا ہے۔ انسان دل سے خدا کو پکارے تو بھلے ہی وہ کسی پیشہ سے تعلق رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی ضرور سنتا ہے اور اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ یہاں ایک منشی کا قصہ بیان کیا جارہا ہے۔ یہ قصہ بھی نہایت عبرت آموز ہے:

"اس کے بعد ایک منشی کاتب قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا تم کہاں سے آئے ہو۔ انھوں نے کہا دہلی سے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا یہاں تمہارا ذریعۂ معاش کیا ہے۔ انھوں نے کہا کتابت کرتا ہوں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا میرے حقیقی نانا بھی منشی تھے۔ اس لیے تم بُرا نہ ماننا، فقہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ وہ اپنی لڑکی اسفل السافلین کے حوالہ کردے گا تو وہ لڑکی محاسب کو دے دے۔ دن رات حساب کتاب میں سر کھپانے کے لیے اسفل ہی آدمی کی ضرورت ہے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ خداوند قدوس نے جب نفس کو پیدا کیا تو اس سے پوچھا مَنْ أَنْتَ؟ یعنی تو کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا أَنا أَنا وَأَنْتَ أَنتَ۔ یعنی میں میں ہوں اور تُو تُو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دوزخ میں بھیج دیا۔ ستّر ہزار سال تک جلانے کے بعد پھر پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو پھر وہی جواب ملا۔ پھر دوزخ میں ڈال دیا اور ستر ہزار سال تک وہ اسی میں جلتا رہا۔ اس کو نکالنے کے بعد پھر پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک کی مار ماری۔ تب وہ عاجز ہو گیا۔ کافی بھوکا رکھنے کے بعد اللہ نے اس سے پوچھا کہ بتا اب تُو کون ہے؟ تو اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا، کہ خداوندا! میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا مالک اور خدا ہے۔ میں بھوکا ہوں کچھ کھانے کے لیے عطا فرما کہ پیٹ کی آگ بجھاؤں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا یہ بھوک بھی عجیب بلا ہے۔ دنیا میں جتنی بلائیں اور مصیبتیں ہیں ان کو برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن بھوک میں بڑی بے بسی ہوتی ہے"۔[2]

اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منشی کا کام اچھا نہیں ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ دن رات صرف حساب کتاب میں مصروف رہتا ہے۔ اس کے بعد اس واقعے میں ایک اور بات کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ بھوک جیسی بُری بلا کچھ نہیں ہوتی ہے۔ انسان جب بھوکا ہوتا ہے تو اس وقت اسے صرف پیٹ کی بھوک مٹانے کی فکر ہوتی ہے اور وہ نہایت بے بس اور مجبور ہوتا ہے۔ اس وقت اسے کچھ بھی کھانے کو مل جائے، جہاں سے مل جائے، جتنا مل جائے بس وہ بھوک مٹانے کی فکر میں ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اسے حرام و حلال کی بھی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ بھوک مٹانے کے لیے وہ اپنے ضمیر کا سودا کرنے کے لیے بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک اور منشی کا ذکر ہے، جس میں

---

[1]. ایضاً، ص240-241

[2]. ایضاً، ص284

بتایا گیاہے کہ کوئی بھی پیشہ اللہ تک پہنچنے میں سدِّراہ نہیں ہوتا ہے۔ وہ قصہ یوں ہے:

''پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو چیز حلال ہے، اللہ کی طرف سے اس کا استعمال منع نہیں ہے اور نہ وہ سلوک کے خلاف ہے۔ شیخ الاسلام حضرت شیخ نظام الدین کے زمانے میں خواجہ ضیاء الدین نام کے ایک منشی تھے، جو ملک عماد الملک کے وکیل تھے۔ ان کو حضرت شیخ نظام الدین سے بیعت حاصل تھی۔ جب مغلوں سے جنگ چھڑی اور علاء الدین کو خود میدان جنگ میں جاکر فوج کی قیادت سنبھالنی پڑی تو اس نے حضرت نظام الدین سے کہلا بھیجا کہ ایسا عظیم خطرہ درپیش ہے۔ تمام صوفیوں کو جمع کرکے مسلمانوں کی فتح کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ سب لوگ دعا گوئی میں مشغول ہوگئے۔ یکایک ایک صوفی حضرت شیخ نظام الدین کے بالا خانہ کے اوپر حجرۂ خاص میں حاضر ہوکر بولا کہ میں نے ایک جوان کو مسلمانوں کے لشکر میں گھوڑے پر سوار دیکھا ہے۔ مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ لشکر میں نے اس جوان کے سپرد کیا اور اس جوان کی برکت سے میں نے سب کو فتح دی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر اس جوان کو تم دیکھو تو پہچان لوگے۔ اس صوفی نے کہا جی ہاں پہچان لوں گا۔ اسی وقت میاں ضیاء الدین مسلمانوں کی فتح یابی کی خبر دینے کے لیے تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ نے اس صوفی سے پوچھا۔ دیکھو تو وہ یہی جوان ہے۔ صوفی نے کہا۔ جی ہاں۔ یہی ہیں۔ جب میاں ضیاء الدین حضرت شیخ کو فتح کی خبر دے چکے تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ میاں ضیاء الدین اگرچہ ایک منشی ہیں لیکن یہ پیشہ اللہ تک پہنچنے میں سدِّراہ نہیں ہے۔ یہ گزراوقات کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ دراصل انسان کو خدا کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور اپنے دل کو پاک صاف رکھنا چاہیے پھر جو کام چاہے کرو اور اپنی روزی حاصل کرو تم کو کوئی نقصان نہ ہوگا''۔[1]

حضرت بایزید بسطامی کے قرض داران نے بایزید کے انتقال کے بعد ان کے جنازے کو پکڑ لیا تھا۔ لیکن اس کی سبیل کیسے پیدا ہوئی کہ ان قرض داروں نے ان کے جنازے کو چھوڑ دیا۔ اس واقعے میں بندہ نواز نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے کہ جو شخص اللہ کا ہو جاتا ہے تو ہر امتحان و آزمائش کے وقت اس کی غیبی مدد ہوتی ہے اور پھر اسے کسی طرح کا غم نہیں ہوتا۔ یہاں فارسی کا ایک شعر بھی اس کے آخر میں لکھا ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تو اللہ کا اگر ہو گیا تو اگر پوری دنیا دریا ہو تب بھی تیرے قدم پر سر کے بال برابر بھی پانی اثر انداز نہ ہوگا:

> ''حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ ابویزید بسطامی پر ہزار دینار قرض ہو گیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد قرض داروں نے ان کے جنازہ کو پکڑ لیا کہ جب ہم لوگوں کا قرض ادا نہ ہوگا نہ ہم لوگ نماز جنازہ پڑھنے دیں گے، نہ دفن ہونے دیں گے۔ یکایک صحرا سے ایک شُتر سوار اعرابی نمودار ہوا۔ ایک ہزار دینار کی تھیلی وہ سامنے رکھے ہوئے تھے۔ وہاں پر پہنچتے ہی اس نے تھیلی کھولی اور دینار گن کر قرض داروں کو دے دیا۔ اور پھر صحرا کی طرف جدھر سے آیا تھا، اسی طرف چلا گیا۔ یہ قصہ کہہ کر حضرت مخدوم نے فرمایا بس خدا کے ہو جاؤ پھر

1. ایضاً، ص288-289

کسی قسم کی فکر تمہارے سامنے نہیں آئے گی:

تو خدا را شو گر خود ہمہ عالم در یاست　　　　　　به خدا گر سرِ سُوئے قدمت تو گر دد"[1]

نغمہ اور سرود کی ابتدا کے حوالے سے بندہ نواز کے درج ذیل ارشاداتِ عالیہ ہیں۔ اس واقعے میں یہ بتایا گیا ہے کہ مولانا علاء الدین، مولانا صدرالدین اور خواجہ بندہ نواز ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں ایک چنگ نواز نے اپنے فن کا مظاہرہ کرنا شروع کیا تو اس کا ایسا اثر ہوا کہ ایک بچہ یوسف نامی یہ آواز سن کر بے ہوش ہو گیا۔ بندہ نواز کہتے ہیں کہ اتنا اچھا چنگ نواز میں نے نہیں دیکھا۔ یہاں خواجہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عراقی نَے کی ایجاد کسی مردہ کے پیٹ پھٹنے کے بعد اس میں ہوا کی ضرب سے پیدا ہونے والی آواز سے ہوئی۔ اس واقعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ بندہ نواز کو نغمہ و سرود سے بے حد دلچسپی تھی:

> "ظہر کی نماز کے بعد نغمہ و سرود کی ابتدا اور ماخذ پر بات نکل گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ فلک کی حرکت سے نکلا ہے۔ حکما اس جگہ گئے، سَیر کی، دیکھا اور سنا، پھر آکر اس کو نکالا اور اس کے لیے اصول مرتب کیے۔ طرح طرح کے مزامیر اور ساز ایجاد کیے۔ یونانی حکمانے رباب ایجاد کیا کہ جس کے سننے سے نیند اور غفلت طاری ہو جائے اور پھر اسی کو دوسری طرح سے بجایا جائے تو ہنسی آئے، رونا آئے اور موت آجائے۔ غرض اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں رباب سے کام لیں۔ ابراہیم نام کا ایک چنگ بجانے والا دہلی میں تھا۔ وہ بیمار ہوا تو دوا لینے کے لیے مولانا صدرالدین کے پاس آیا۔ اپنے ساتھ اپنا رباب بھی لایا۔ میں، مولانا علاء الدین اور مولانا صدرالدین ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اس نے رباب کو گوشمالی دیا اور پھر خوب خوب فن کا مظاہرہ کیا۔ یوں تو اس فن کے استاد بہت سے ہیں لیکن اس کی بات کسی میں نہیں پائی جاتی ۔ مولانا صدرالدین کا ایک بچہ یوسف نام کا، اس مجلس میں تھا۔ اس طرح چنگ کا اثر ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ اس کو مجلس سے باہر لے گئے۔ جب تک ہم وہاں پر مجلس میں رہے، اس وقت تک اس کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ویسا چنگ بجانے والا میں نے کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عراقی نَے مردہ کی آنت سے بنایا ہے۔ کوئی مردہ پڑا ہوا تھا اس کی آنت پھول کر پھٹ گئی تھی۔ ہوا کی ضرب سے اس میں سے آواز نکلنے لگی۔ اس کو دیکھ کر لوگوں نے عراقی نے ایجاد کر لیا"۔[2]

حضرت خواجہ فرید الدین کا اسم گرامی مسعود، لقب فرید الدین تھا، لیکن عام طور پر وہ گنج شکر کے لقب سے مشہور تھے۔ جس طرح خواجہ بندہ نواز، گیسو دراز کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ کے طور پر مختلف واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ سَیر الاقطاب، کے

---

1. ایضاً، ص299

2. ایضاً، ص321

مصنف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ خواجہ فرید الدین نے متواتر روزے رکھے تھے۔ ایک دن افطار میں کوئی چیز کھانے کو نہ ملی تو بھوک کی حالت میں رات کو سنگ ریزے منہ میں رکھ لیے۔ یہ سنگ ریزے شکر ہوگئے۔ جب یہ خبر آپ کے پیر و مرشد خواجہ بختیار کاکی کو پہنچی توانھوں نے فرمایا"فرید گنج شکر ہے"۔(سیر الاقطاب صفحہ 165، بزم صوفیہ، 2014، ص157) سید صباح الدین عبد الرحمن نے اپنی کتاب 'بزمِ صوفیہ' مطبوعہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ میں شکر گنج کی ایک دوسری وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ ایک بار فرید الدین نے سات دن تک متواتر روزہ رکھے۔ ایک دن افطار کے وقت اپنے حجرے دروازہ سے خواجہ بختیار کاکی کے پاس جارہے تھے کہ ایک جگہ کیچڑ میں پاؤں پھسل گیا اور آپ زمین پر گر پڑے، کچھ کیچڑ منہ میں چلی گئی مگر اللہ کی قدرت سے کیچڑ شکر بن گئی۔ مرشد کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا، اگر مٹی تمہارے منہ میں شکر بن گئی تو خداوند تعالیٰ تمہارے سارے وجود کو شکر بنادے گا اور تم ہمیشہ شیریں رہوگے۔ اسی کے بعد سے گنج شکر مشہور ہوگئے"۔[1]

خواجہ بندہ نواز نے شکر گنج کی وجہ تسمیہ کے ضمن میں درج ذیل قصہ نقل کیا ہے، جو مذکورہ واقعے سے ملتا جلتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ بندہ نواز نے جو واقعہ بیان کیاہے اس میں منہ میں مٹی چلے جانے کا ذکر موجود ہے اور بزمِ صوفیہ میں منہ میں کیچڑ چلے جانے کا تذکرہ کیا گیا ہے:

"حضرت مخدوم نے حضرت شیخ فرید الدین کا ایک اور واقعہ بیان کیا کہ دوسری مرتبہ پھر انھوں نے فاقہ کیا۔ کئی روز تک ان کو کچھ بھی کھانے پینے کو نہ ملا تھا اسی حالت میں وہ حضرت شیخ قطب الدین کی قدم بوسی کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں نقاہت اور ضعف کے باعث گر پڑے اور دہنِ مبارک میں مٹی آگئی۔ وہ مٹی منہ میں جاکر شکر ہوگئی۔ جب وہ وہاں سے اُٹھ کر حضرت شیخ قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ قطب الدین نے فرمایا کہ بابا فرید! تم شکر خوار ہوگئے۔ چنانچہ آج تک شیخ فرید الدین کے مقبرہ پر ہر شنبہ کو ان کے وارثوں کے لیے شکر کا انبار لگ جاتا ہے۔ اور ان کے خلیفہ اور سجادہ نشین کے لیے جو بھی فتوح لاتا ہے، چاہے ہزاروں روپیہ لائے لیکن ساتھ میں ایک مٹھی شکر لانا ضروری ہے"۔[2]

منصور الحلّاج کو اَناالحق (میں حق ہوں، میں خدا ہوں) کہنے پر پھانسی دے دی گئی تھی۔ کیوں کہ ان کے عہد کے علما نے اس کا غلط مفہوم اخذ کر لیا تھا کہ منصور خود کو اللہ کہہ رہے ہیں، جو اسلام کے خلاف ہے۔ منصور نے یہ لفظ اللہ کی محبت میں ڈوب جانے اور فنافی

---

1. بزمِ صوفیہ، ص157
2. ایضاً، ص412

اللہ ہونے کے بعد کہا تھا، جہاں انھیں ہر طرف صرف اللہ ہی اللہ دکھائی دے رہا تھا۔ اور ایسے عالم میں ان کی زبان سے انا الحق نکل گیا۔ یہ ان کی فنا فی اللہ کی منزل تھی، جسے لوگ سمجھ نہیں پائے اور انھیں پھانسی دے دی گئی۔ خواجہ بندہ نواز نے انا الحق کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اس کے بعد لوگوں نے انا الحق کے معنی پوچھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا اس جملہ کے معنی لوگوں نے غلط سمجھے ہیں۔ اس کو لوگ خلاف شرع کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ منصور از خود رفتہ ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھے اور خود اللہ نے ان کے مظہر میں انا الحق پکارا۔ جس طرح درخت کے مظہر میں موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کہا تھا اِنِّی اللّٰہ لا اِلٰہ اِلاّ اَنَا۔ اسی طرح حسین منصور کے مظہر میں اس نے انا الحق کی آواز نکالی۔ لوگوں نے اس کو سُن کر خلافِ شرع سمجھا اور جمع ہو کر ان کو قتل کر دیا۔ حالانکہ ان کا کوئی جرم اور قصور نہ تھا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کلمات قدسی کو بیان فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مظہر نبی میں کلماتِ قدسی کو بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح بعض وقت غلبہ میں مشائخ سے بھی اسی طرح کے کلمات زبان سے نکل گئے ہیں"۔[1]

خواجہ بندہ نواز کے ملفوظات 'جوامع الکلم' میں ہزاروں وعظ و نصیحت کے واقعات وقصے موجود ہیں، جو انھوں نے اپنے مریدین، معتقدین اور صالحین کے سامنے پیش کیے۔ یہ تمام ارشادات ملفوظات کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ یہ ملفوظات ہماری زندگی کے لیے دُرِ بے بہا سے کم حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں بندہ نواز کے ملفوظات نسخہ کیمیا کا درجہ رکھتے ہیں۔

صوفیہ کے چند اہم ملفوظات:

1.	دلیل العارفین	خواجہ معین الدین چشتی
2.	فوائد الفواد، سیر العارفین	شیخ نظام الدین اولیا
3.	راحۃ القلوب	خواجہ فرید الدین گنج شکر
4.	فوائد السّالکین	خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
5.	خیرُ المجالس	شیخ نصیر الدین چراغ دہلی
6.	جوامِعُ الکَلِم	خواجہ بندہ نواز گیسو دراز
7.	احسن الاقوال، نفائس الانفاس	شیخ برہان الدین غریب
8.	خیابانِ پُر نعمت، معدن المعانی	شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

---

[1]. ایضاً، ص521

9.	تحفۃُ السّعد	شیخ اسد خیر آبادی
10.	ملفوظاتِ شاہ مینا لکھنوی	شیخ مقصود شاہ مینا لکھنوی
11.	لطائفِ قدوسی	شیخ عبد القدوس گنگوہی
12.	تحفۃ المجالس	شیخ احمد کھٹو گنج بخش
13.	ملفوظاتِ شیخ وحید الدین گجراتی	شیخ وحید الدین
14.	ملفوظات شیخ عبد الرزاق ہانسوی	شیخ عبد الرزاق ہانسوی
15.	مجلسِ کلیمی	شیخ شاہ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی
16.	احسن الشمائل	خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی
17.	ملفوظات شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
18.	دُرّ المعارف	شاہ غلام علی دہلوی
19.	مناقبِ حسن، فوائح العرفان	سید حسن رسول نما
20.	ملفوظاتِ شاہ رکن الدین ستاری	شاہ رکن الدین ستاری

*****

حضرت خواجہ بندہ نواز کی تصنیف یازدہ رسائل : ایک تاثراتی مطالعہ

ڈاکٹر اطہر معز*

حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمۃ (1321ء۔1422ء) سلسلہ چشتیہ کے مشہور عالم، مفسر اور صاحب تصانیف بزرگ گزرے ہیں اور ہندوستانی صوفیا میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ کثرتِ تالیف کی وجہ سے آپ کو سلطان القلم بھی کہا جاتا ہے۔ آپ نے دہلی سے دکن ہجرت کے بعد گلبرگہ کو اپنا مرکز بنایا اور روحانی، علمی اور عملی سرگرمیوں کے ذریعے بندگانِ خدا کو ان کے خالق سے قریب کیا، اور سرزمینِ دکن کو احسان و تصوف اور علم و اخلاق کی روشنی سے منور و تابناک بنادیا۔

آپ نے باختلاف روایات تقریبا 105 کتابیں تحریر فرمائیں، جن میں سے ایک اہم کتاب "یازدہ رسائل" ہے جس میں جملہ گیارہ رسائل ہیں۔ یہ رسائل روحانی موضوعات پر ہیں، جن میں حضرت بندہ نواز نے سورہ فاتحہ کی صوفیانہ تفسیر و تشریح، شریعت میں حقیقت کی راہ پر استقامت، رویتِ باری تعالیٰ، عقل و عشق، فلسفہ و وجدان ارو دیگر مضامین کو قرآن سنت کی روشنی میں یکجا فرمایا ہے۔ اس میں شامل رسالہ ششم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت کی طرف غلطی سے منسوب کیا گیا ہے واللہ اعلم۔ ان رسائل میں حضور خواجہ بندہ نواز نے تصوف کے نظریاتی و عملی پہلوؤں پر نہایت مدلل گفتگو فرمائی ہے۔ عشق، معرفت، فنا و بقا، رویتِ الٰہی، اور انسان کامل جیسے ادق مفاہیم کی نہایت عالمانہ و عارفانہ تشریح و تفسیر فرمائی ہے۔ اسلوب رمزیانہ ہے جس میں استعاراتی کہکشاں نے ایسی ٹھنڈی روشنی بکھیری ہے جو دل میں اتر جاتی ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف "یازدہ رسائل" میں سے ہر رسالہ اسرار و معارف اور محبتِ الٰہی کا خزینہ ہے۔ اس کتاب کا پہلا رسالہ سورہ فاتحہ کی صوفیانہ تفسیر ہے، اور اس کا آغاز بسم اللہ سے کیا گیا ہے۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر بے شمار مفسرین نے لکھی ہے؛ لیکن ایک صوفی کی تفسیر حقیقت میں ذہن و دل کے کئی بند دریچے بیک وقت کھول دیتی ہے اس کا احساس اس تفسیر کو پڑھنے کے بعد ہوا۔ ہر آیت کی تفسیر میں نہایت عالمانہ و صوفیانہ بحث ہے جس کو پڑھ کر روحانی بالیدگی کا احساس ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمہ نے دوسرے رسالے "اسقامۃ فی الشریعۃ بطریق الحقیقت" میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ صفات الوہیت کے ساتھ ہے اور اسی سبب اس کا نام اللہ ہوا۔ اللہ جل شانہ کی صفات کو عین ذات کہنے والوں یا اضافی صفت سمجھنے والوں پر حضور بندہ نواز نے افسوس ظاہر کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اضافی کہنے والوں کے لیے صفتِ حیات اور صفتِ علم کی نفی کو ثابت کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ ٹال مٹول سے کام لے کر محض باتیں بناتے بغلیں جھانکتے نظر آتے ہیں۔ مندرج ہے کہ امہاتِ صفات کو کسی نے نو، کسی نے سات، اور کسی نے چار کہا ہے۔ اس طرح ہم اللہ کی کسی صورت یا شبیہہ کی تمثیل پیش نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ خالق

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، خواجہ بندہ نواز یونیورسٹی، گلبرگہ شریف

ہے اور وہ خود ہی صورتیں بنایا کرتا ہے، اور جو صورتیں ہمیں نظر آتی ہیں وہ ایسی صورتیں ہیں جیسی کہ ہم دیکھتے ہیں؛ لیکن حضرت خواجہ بندہ نواز کے مطابق جو ہم دیکھتے ہیں وہ اصل نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے، اور جو اور ہے وہی اصل ہے، اور جو اصل ہے وہ پردے میں ہے۔ قاضی عین القضاۃ ہمدانی کے ایک اقتباس کے حوالے سے حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ''بعض کہتے ہیں کہ قاضی عین القضاۃ ہمدانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لمس (چھونا)، شم (سونگھنا)، ذوق (چکھنا، ذائقہ) کا اس میں ہونا ثابت کیا ہے۔ اس بارہ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کی مراد یہ ہے کہ جب میٹھا کھاتے اور اس کو چباتے ہیں، منھ میں گھولتے پھراتے اور نگل جاتے ہیں تو وہ حلاوت جو حلق میں محسوس ہوتی ہے وہی اس کو بھی ہوتی ہے مگر بغیر آلات کے۔۔۔الخ''(7)

حضرت گیسو دراز آگے تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے پاک و منزہ ہے۔ کھانے پینے اور دیگر احساسات جنھیں ہم محسوس کرتے ہیں وہ احساسات اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی ہمیں ودیعت کردہ ہیں، اور ان احساسات و محسوسات کا دائرہ بہت ہی محدود ہے یعنی ہماری ذات تک یا کچھ دوری تک یا کسی محدود حد تک، چنانچہ محدود صلاحیتوں کی بنیاد پر ان لامحدود صلاحیتوں کا ادراک کرنا کم از کم انسان کے بس کی بات نہیں۔ سائنس میں ایٹم کا تذکرہ تو غالباً 19 ویں صدی میں آیا ہوگا ذرا حضور سیدی خواجہ بندہ نواز کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں جس میں انھوں نے کس خوبی سے ایٹم کی تشریح کی ہے:

> ''جب تم یہ جان گئے، سمجھ چکے تو اس کو یہی سمجھ لو کہ لمس، ذوق، شم، ظاہری حواس اجزائے انسانی سے متعلق و منسوب ہیں۔ اللہ جل شانہ، جُز کے ساتھ ضرور ہے اگر وہ کسی جز کے ساتھ نہ ہو تو وہ ''جز''، جز ہی نہیں۔ میٹھی، کڑوی، بدمزہ جس کا احساس بلحاظ حس ہر انسان کرتا ہے وہ ہرگز نہ کر سکے گا، کیوں کہ سب کی حیات، سب کا قیام اللہ تعالیٰ سبحانہ، ہی سے ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ تم ان اجزاء کا تجزیہ کرتے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ ایک ایسا حصہ رہ جائے جو قابل تقسیم قابل تجزیہ نہ ہو۔ اس سے تم اس نتیجے پر پہنچ جاؤگے کہ وہ جز لایتجزیٰ ہی ہے جو لذت پائی ہوئی، سونگھی ہوئی، چھوئی ہوئی، چکھی ہوئی چیز کا احساس کرتا ہے اس لیے یہ اسی سے ہے، اس سے یہ ثابت ہوگیا''۔(8)

اجزاء کے تجزیے کے مسلسل عمل سے جو جز نا قابل تجزیہ ہو کر رہ جائے اس کو ہی ایٹم کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت بندہ نواز نے انتہائی خوبی کے ساتھ اس بات کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ محسوس کرنے کی صلاحیت جز میں نہیں بلکہ کل میں ہی ہے جس سے یہ اجزاء وجود میں آئے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے اللہ کی صفات حی، متحرک اور واجدی کو بطور مثال سامنے رکھا ہے۔

صفات عالم اور جنت و دوزخ کے متعلق انتہائی لطیف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مومن مطیع لطف سے نسبت رکھتا ہے اور مشرک بدبخت قہر سے نسبت رکھتا ہے۔ جنت کو انھوں نے صفت لطف سے تعبیر کیا ہے اور دوزخ کو صفت قہر سے نسبت دی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جس کی جو نسبت ہوتی ہے وہ اسی طرف جاتا ہے، نہ جائے تو لے جایا جاتا ہے۔ ذرا غور فرمایئے اس جملے پر کہ ''نہ

جائے تولے جایا جاتا ہے''یعنی جب نسبت ٹھہر جاتی ہے تو پھر اعمال بھی اسی کی مناسب صفت کے مطابق ہوں گے اور ان ہی اعمال کے ہونے کی غرض سے جس کی جو نسبت ہوتی ہے اس کو اسی جانب کشاں کشاں لے جایا جاتا ہے۔ مشرکین کو آگ میں راحت ملنے کے باب میں بندگی مخدوم علیہ الرحمہ نے مزید فرمایا کہ مشرک صرف آگ سے ہی نہیں بناہوا ہے۔ اسی سبب اس کو دوزخ میں راحت نہیں ملتی۔ جیسا کہ چند فلسفہ زدہ معترضین یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جب شرک کو آگ سے بنایا گیا تو دوزخی کو دوزخ میں وہی راحت ملنی چاہیے جو آگ کیڑے کو آگ میں اور مچھلی کو پانی میں ملتی ہے۔ آپ نے اس قسم کے سوالات کو ہٹ دھرمی بگٹ باتوں سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ایسا قیاس پیغمبروں کی تبلیغ، ان کے اقوال اور تعلیم کے برعکس ہے۔ کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کا کام لوگوں کو خدا کی طرف بلانا تھا اور اس کی وحدانیت کا پیغام لوگوں تک پہنچانا تھا، سو انھوں نے اپنا کام مکمل کیا اور کسی کے سامنے وہ جھکے نہیں اور نہ ہی انھیں کسی کا کوئی خوف رہا، نہ کوئی لالچ یا طمع انھیں ورغلا سکی۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے دوزخ کے شدید ترین اور دردناک عذاب سے اپنی اپنی قوموں کو ڈرایا۔ چنانچہ مشرک کو آگ جلائے گی اور اس کو اس میں دردناک عذاب ہوگا یہ طے ہے۔ اس لیے کہ انسان صرف آگ سے نہیں بناہوا ہے بلکہ اس میں دیگر لوازمات بھی شامل کیے گئے ہیں۔ محتویاتِ تخلیق آدم صرف آگ ہی نہیں ہے، اس میں مٹی پانی اور ہوا بھی شامل ہے۔ چنانچہ آگ ایک جزہے کل نہیں جب کہ انسان کی تعمیر میں دوسرے اجزاء بھی شامل رکھے گئے ہیں۔ چنانچہ یہ بات برحق ہے کہ دوزخ ہے، بعد از موت حیات برحق ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ظلم وستم کی نسبت نہیں کی جاسکتی یہ اس کے اختیار اور ارادے پر منحصر ہوتا ہے، وہ جب چاہتا ہے اسے اختیار کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کا ارادہ فرماتا ہے۔

سلوک کے متعلق حضور خواجہ بندہ نواز نے علم وعرفان کے جو موتی بکھیرے ہیں انھیں چننے کے لیے بھی بڑے دل وجگر کی ضرورت ہے۔ عالَمِ ناسوت، عالمِ ملکوت، عالم لاہوت اور عالمِ جبروت کی ایسی مختصر اور جامع علمی تشریح جو آپ نے فرمائی ہے شاید ہی کسی اور نے کی ہوگی، ملاحظہ کیجیے یہ اقتباس:

''سنو! ملک یعنی ناسوت (عالم اجسام)، ملکوت (عالم فرشگتان۔ روح)، لاہوت یعنی عالم الٰہی (غیب الغیب)، جبروت (مجموعہ ناسوت، ملکوت ولاہوت)۔''(9)

آپ کے جادواں قلم سے جو بھی الفاظ نکلے ہیں وہ سیدھے دلوں میں ترازو ہوگئے ہیں اور ان کی اثر پذیری آج تک قائم ہے ان شاء اللہ قیامت تک قائم ودائم رہے گی۔ عالم اجسام جو ہمیں نظر آتا ہے محسوس ہوتا ہے اور جس میں ہم جیتے بستے ہیں اور ملکوت یعنی عالم شہود کا باطن ہے اور اس عالم شہود کا قیام روح الروح سے ہے، اسی طرح اس کا خلاصہ انھوں نے لاہوت کو قرار دیا ہے جس سے عالم ملکوت قائم ہے اور اس خلاصے کے خلاصہ کو جبروت قرار دیا ہے۔ سبحان اللہ!

حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری کج فہمی کو دور فرمانے کے لیے اس بات کو ایک مثال کے ذریعے بتایا ہے کہ اخروٹ کا خول عالم ناسوت ہے، اخروٹ کا مغز عالم ملکوت ہے اور اخروٹ کے مغز کا جو مغز ہوتا ہے وہ عالم لاہوت ہے، اور ان تمام کو ایک

دوسرے کے ساتھ اعتبار دیا جائے تو اس کو جبروت کہا جائے گا۔ کیا کہنے! علم کے کیسے کیسے دریا بہا دیے ہیں بلکہ دُرِ بے بہاء دیے ہیں۔ فیض قدسی کے باب میں فرمایا ہے کہ یہ کافی قدیم ہے۔ اس کو اس تعلق سے تعبیر کیا گیا ہے جو کسی بادشاہ کو کسی شہر سے یا کسی عاشق کو معشوق سے ہوتا ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ جس تعلق سے حضرت بندگی مخدوم نے تعبیر فرمایا ہے وہ تعلق ایسا نہیں ہے جیسے اجسام کی نزدیکی کا آپس میں ہوا کرتا ہے۔ کوئی شخص اپنے مقام کے اعتبار سے منسوب کیا جاتا ہے اگر چہ وہ اس مقام سے کافی دور ہوا کرتا ہے لیکن پھر بھی اسے اس مقام سے منسوب کر دیا جاتا ہے، یعنی یہ تعلق اور دوری ایسی بھی نہیں ہوا کرتی جیسی کہ کسی غریب الوطن کی ہوا کرتی ہے۔ یہاں ذات قدیمی کا فرق واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ دور ہو کر بھی دور نہیں ہے، جدا ہو کر بھی جدا نہیں ہے، قریب ہو کر نہ ملا ہوا ہے اور نہ دور ہے اور نہ ہی الگ ہے۔ یعنی ذات قدیم کا فیض، جسمانی نزدیکی اور قربت یا دوری جیسے معاملات سے، پاک ہے اور یکسر جدا ہے۔ وہ ہماری جان سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے، اور ہمارے اتنا قریب رہ کر بھی وہ ہم سے دور ہے، اور دور رہ کر بھی ہم سے بے حد قریب ہے۔ یعنی وہ ایسے خاص حجاب میں ہے جسے تُتُق عزت کبریائی کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر عزت کبریائی تُتُق میں پوشیدہ نہ ہو تو اس کی تجلی سے سب کچھ راکھ ہو جائے گا۔ چنانچہ بے چارا طور جو کسی کے عشق کی بنا پر خاک ہو گیا اور جب وہ خاک ہو کر سرمہ بنا، تو اس کو وہ عزت و مرتبہ و دوام حاصل ہوا جو شاید اسے کبھی نہ حاصل ہو پاتا۔ اب یہی طور اہلِ علم و اہلِ عشق کی چشمِ بصیرت کا سرمہ بنا ہوا ہے۔

حقیقت کی راہ میں شریعت پر استقامت سے رہنا سالک کے لیے آسان کام نہیں ہے۔ یہ ایک مشکل ترین راہ ہے اور جو اس حقیقت کو پا لیتے ہیں وہ سلوک کی ان منازل میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں جو ظاہری آنکھ سے اوجھل ہوا کرتے ہیں۔ راہ سلوک وہ راستہ ہے جو حقیقت کی جانب لے جاتا ہے اور حقیقت حق ہے، اور حق وہ ہے جس کی ذات پاک نیند، اونگھ، بھوک و پیاس جیسے ظاہری اوصاف سے اور معلوم باطنی اوصاف سے پاک و منزہ ہے۔ وہ ذات مبارک جو ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے اور ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ چنانچہ سالک کے لیے پہلی شرط ننانوے ناموں کی صفات کے پیدا ہونے کی ہے اور اس کے باوجود بھی سالک کامل نہیں ہو سکتا۔ یعنی سالک ننانوے ناموں اور صفات سے متصف تو ہو گیا مگر وہ ان صفات کی تجلیات سے واقف نہیں، اور وہ ہو بھی نہیں سکتا؛ کیوں کہ ان صفات کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی، ان صورتوں کی کوئی حد ہے اور نہ ہی ان کا کوئی حساب ہوتا ہے۔ تجلیات کا ظہور اگر سالک پر ایک دن میں بے شمار ہو تو وہ اس کو نعمت و اصلی تصور کرے۔ سالک جب چاہے ان تجلیات کے ذریعے اس کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس پر جو انکشافات ہوتے ہیں اور جن عالموں کا وہ شاہد ہوتا ہے اس کا تجربہ اسی کو ہوتا ہے، اور وہ اس لذت میں ڈوب جاتا ہے اور اس سے باہر نکلنے کا نہ تو اس کے ذہن میں تصور آ سکتا ہے اور نہ ہی وہ اس کا خواہاں ہوتا ہے۔ سالک کی یہ خواہش بھی مالک کی مرضی و منشاء پر منحصر ہوتی ہے چنانچہ جب وہ چاہے وہی اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

رسالہ سوم رویتِ باری تعالیٰ کے باب میں علم و عرفان کے موتی بکھیرتے ہوئے سلطان القلم حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نور ہے اور فرمان رسول ﷺ کے مطابق یہ نور دل میں روشن ہوتا ہے۔ حضرت ابو القاسم قشیری کے حوالے

سے تحریر فرمایا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ سبحانہ کا نور ،نورِ لوائح ہے علوم کے روشن ہونے سے، پھر نور لوامع ہے بیان فہم سے، پھر نور طوالع ہے یقین کے ساتھ زیادہ ہونے سے، پھر نور صمدیت ہے جہاں نہ نزدیکی ہے، نہ دوری، نہ کم ہونا ہے، نہ پانا، نہ ملنا ہے، نہ جدا ہونا؛ بلکہ وہی وہ اللہ ایک ہی ایک ہے ضابطہ ہے"۔(10)

چنانچہ حضور ﷺ کو معراج کی شب ہونے والی رویت کے تذکرے میں فرمایا کہ معترضین رویت کے نہ ہونے کی دلیل دیتے ہیں جب کہ رویت کے ہونے کی بھی دلیل ہے چنانچہ انھوں نے ان دونوں دلیلوں کا علمی تجزیہ کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو رویت ہوئی۔ ملاحظہ کیجیے یہ علمی مدلل بحث:

"۔۔۔اکثر فقہا جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کو رویت نہیں ہوئی وہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی بنا پر ہے کہ" من قال ان محمد قد رای ربہ لیلۃ المعراج فقد کذب علیٰ رسول اللہ" (جس نے یہ کہا کہ محمد نے اپنے رب کو معراج کی رات میں دیکھا اس نے رسول اللہ ﷺ پر افترا کیا(جھوٹ کا طومار باندھا بہتان باندھا) کہتے اور سند لیتے ہیں۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول خدا ﷺ سے پوچھا کہ: "ھل رأیت ربک لیلۃ المعراج، قال لا" (کیا آپ نے اپنے رب کو معراج کی رات میں دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ نہیں) یہی بات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کی تو آپ نے ہاں فرمایا۔ دونوں باتوں میں توفیق یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن عورت تھیں اگر آپ ان سے "ہاں" کہہ دیتے تو وہ تشبہ و تجسم (جسم ہونے کے) قضیہ میں جا پڑتیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے مصلحتاً فرمایا کہ "نہیں"، حضرت ابو بکر صدیق بڑی عمر کے اور عارف تھے۔ خدا کی ذات و صفات کو بخوبی جانتے اس کو پہچانتے تھے، اسی لیے آپ نے ﷺ ان سے "ہاں" فرمایا۔ کچھ لوگ شاید یہ کہیں کہ ان دو باتوں میں جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہرگز جھوٹ نہیں ہے بلکہ جو کچھ فرمایا سچ فرمایا۔ ہر ایک کے عرفان کے مطابق اس سے کہا گیا۔ آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے "نہیں" جو کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ رویت تو ہوئی، دیکھنا تو ہوا۔ دیکھنے میں تو آیا، لیکن ادراک یعنی اس کی یافت نہیں ہوئی۔ جیسا کہ پانا تھا نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں "لاتُدرِکہ الاَبصار" (نہیں پاسکتی اس کو آنکھیں) آیا ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو "ہاں" فرمایا وہ اس لیے فرمایا کہ آپ عارف تھے وہم تشبہ و تجسم میں پڑنے کی کوئی صورت نہ تھی ادراک کو بخوبی جانتے تھے کہ وہی اپنا مدرک آپ ہے۔"(11)

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے نوکِ خامہ سے نکلے یہ لولو و مرجان اتنے بیش قیمتی ہیں کہ ان کو چننے کے لیے بھی بڑی دانائی اور وسیع ترین علم و حکمت کا ہونا ضروری ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ یازدہ رسائل محض ایک کتاب اور رسائل کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ علم و عمل کا ایک ایسا بحر بے کراں ہے جس کا ایک ایک لفظ کسی سمندر سے زیادہ گہرا معلوم ہوتا ہے۔ بس غواصی کی صفت ہونی چاہیے۔ اگر

ڈوب بھی گیا تو کوئی بات نہیں فائدے میں ہی رہے گا۔ ہم نے صرف ایک رسالے پر سرسری نظر ڈالنے پر اکتفا کیا ہے اور اس بات کا ہمیں اعتراف کرنے میں کسی قسم کا کوئی تامل نہیں ہے کہ اس کتاب کے باقی رسائل ہماری نظر اور علمی صلاحیت سے بالاتر ہیں، اور اپنی اس کم مائیگی کا ہمیں برملا اعتراف ہے۔

حضور بندگی مخدوم حضرت گیسودراز بندہ نواز علیہ الرحمۃ علم و معرفت کا ایک بحر بے کراں ہیں، آپ کی تصنیفات اس پر شاہد ہیں۔ بلا شبہ آپ کی کتابیں ایک سالک اور معرفت الٰہی کے طالب کے لیے سرچشمۂ نور و ہدایت ہیں۔

*****

حوالہ جات

1۔ روح تصوف، افادات مخدوم العالم حضرت خواجہ بندہ نواز، مترجم شبیر حسن چشتی نظامی، آستانہ بک ڈپو، دہلی، سنہ اشاعت نامعلوم، ص 181 ایضاً، ص 109

2۔ تاج العروس، جلد 13، سنہ اشاعت نامعلوم، ص 323

3۔ مناہل القرآن، طہٰ عیسیٰ، بابی الحلبی، جلد 2، سنہ اشاعت نامعلوم، ص 56

4۔ عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردی، مطبع المعہد الحسینی، قاہرہ، سنہ اشاعت نامعلوم، ص 79

5۔ شیخ عبد القادر جیلانی، سر الاسرار، مترجم ظفر اقبال کلیار، زاویہ سی دربار مارکٹ لاہور، 2000ء، ص 148

6۔ یازدہ رسائل، حضرت سید محمد حسینی گیسودراز، مترجم: قاضی احمد عبد الصمد فاروقی، ادبی دنیا، دہلی، 2007ء، ص 65

7۔ ایضاً، ص 71

8۔ ایضاً، 2007، ص 74

9۔ ایضاً، ص 116

10۔ ایضاً، ص 114 تا 115

حبۃ المحبۃ: تصوف و سلوک کا ایک نایاب مجموعہ

ڈاکٹر سیدہ مستورہ بی بی*

''حبۃ المحبۃ'' آٹھویں صدی ہجری میں دکن کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ زین الدین داؤد حسین شیرازی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جسے ان کے ایک مرید میر حسن مؤلف نے جمع کیا ہے، پیشِ نظر مضمون میں اس مجموعۂ ملفوظات کے مشمولات اور مضامین کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے، جس سے قارئین کرام اس مجموعے کی علمی و تاریخی اہمیت سے آگاہ ہو سکیں اور صوفی لٹریچر میں اس کی قدر و قیمت اور مقام و مرتبہ کا تعین کر سکیں، ساتھ ہی بطورِ نمونہ اس مجموعہ سے چند اقتباسات شامل کیے گئے ہیں تاکہ تصوف و سلوک کے اس نایاب مجموعے کے جواہر پاروں سے قارئین بھی اپنا دامن بھر سکیں۔ مقالے میں سب سے پہلے صاحبِ ملفوظات حضرت شیخ زین الدین شیرازی کا ایک نہایت مختصر تعارف ہے۔ اس کے بعد حبۃ المحبۃ کا مختصر تعارف، مشمولات کا خلاصہ اور اقتباسات کی روشنی میں ان کی تعلیمات کا تجزیہ شامل ہے۔

کلیدی الفاظ: زین الدین شیرازی، ملفوظات، حبۃ المحبۃ، تصوف، سلوک

حضرت زین الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (701ھ / 1301ء - 771ھ / 1369ء) کا مختصر تعارف:

حضرت شیخ زین الدین داود حسین شیرازی، جنہیں زین الدین دولت آبادی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، چشتی سلسلے کے جلیل القدر صوفی بزرگ تھے۔ آپ کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری کا ہے۔ آپ کی زندگی کے حالات آپ کی دینی وروحانی تعلیمات، اور ملفوظات کے تفصیلی احوال ہمیں بنیادی طور پر غلام علی آزاد بلگرامی کی کتاب ''روضۃ الاولیاء'' میں ملتے ہیں۔ ان کے ہم عصر صوفی شعرا اور بزرگوں جیسے رکن الدین عماد کاشانی، حماد الدین کاشانی اور مجد الدین کاشانی نے بھی اپنے اپنے مجموعۂ ملفوظات میں شیخ زین الدین شیرازی کا ذکر کیا ہے۔

آپ نے رسمی تعلیم میں فقہ، حدیث، تفسیر، فارسی و عربی ادب جیسے علوم حاصل کیے، اور زندگی بھر طالبانِ علوم نبویہ اور سالکانِ راہِ طریقت کی تعلیم و تربیت میں گزارنے کے باوجو تصنیف کے ذریعے اپنی جلالتِ علمی کے اظہار سے گریز کیا۔ انہوں نے مشائخ چشتیہ کی روایت کے مطابق تحریر کے بجائے زبانی تعلیم و تربیت کو ترجیح دی۔ ان کی مجالس میں کہی گئی باتوں کو ان کے مرید خاص میر حسن نے دلیل السالکین، ہدایت القلوب، اور حبۃ المحبۃ کے عنوان سے ترتیب دیا ہے۔

حضرت شیخ زین الدین داؤد حسین شیرازی آٹھویں صدی ہجری میں شیراز سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے۔ جب حضرت برہان

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی، ویرانار ی چکلی علمہ خواتین یونیورسٹی، کوٹھی، حیدرآباد (سابقہ عثمانیہ یونیورسٹی کالج فارویمن کوٹھی، حیدرآباد) تلنگانہ، انڈیا

الدین غریب ہانسوی (متوفی 738ھ / 1337ء)، خلیفہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی سے سلطان محمد تغلق کے نئے دارالحکومت دولت آباد منتقل ہوئے، تو بہت سے علما وصوفیا بھی اُن کے ہمراہ دکن آئے۔ ان میں شیراز وکاشان سے تعلق رکھنے والے ایرانی اہلِ علم بھی شامل تھے۔ انہی میں حضرت زین الدین شیرازی بھی تھے، جو دولت آباد میں حضرت برہان الدین غریب کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور ان کے بعد دکن میں ان کے جانشین بنے، اور اس خطے میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تعلیمات کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

غلام علی آزاد بلگرامی اپ کے تعارف میں کہتے ہیں کہ شیخ زین الدین داود بن خواجہ حسین بن سید محمود شیرازی قدس اللہ اسرارہم، شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین اور نہایت جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے ہیں، اس گروہ کے اکابر میں ان کا شمار ہوتا ہے، وہ کرامات ظاہری اور کھلی نشانیوں کے مالک تھے، علوم ظاہری وباطنی کا مجمع البحرین سنگم تھے۔(1)

اُن کی ولادت باسعادت 771ھ کے قریب شیراز میں ہوئی، اور صغر سنی میں ہی والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں اور والدِ بزرگوار نے اپنی آغوشِ شفقت میں پرورش کی، نوعمری ہی میں زیارتِ حرمین کی عظیم سعادت سے سرفراز ہوئے۔ چونکہ پردۂ تقدیر میں اُن کے لیے فتحِ باب حضرت شیخ برہان الدین غریب قدس سرہ کی کلیدِ توجہ پر موقوف تھا، اس لیے انھوں نے دیارِ عرب سے ہندوستان کا رخ کیا، پہلے دارالخلافہ دہلی میں وارد ہوئے، اور بہت تھوڑی مدت میں کلام اللہ کو یاد کر لیا، پھر دہلی کے جید علماء خصوصاً مولانا کمال الدین سامانہ سے کسبِ علوم کیا اور فضیلت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچے۔(2)

جس وقت سلطان محمد نے دہلی والوں کو دولت آباد کی جانب روانہ کیا، مولانا کمال الدین سامانہ اور شیخ زین الدین بھی دولت آباد منتقل ہوگئے، اُس وقت تک شیخ زین الدین علماء کی طرز پر زندگی گزار رہے تھے، چنانچہ علماء کے لباس میں رہتے تھے، اور سارا وقت علومِ ظاہری کا درس دینے اور عبادت میں بسر کرتے تھے، اور بڑے متقی وپرہیزگار تھے، اور مشائخ صوفیہ سے قطعاً کنارہ کش رہتے تھے، اُس وقت دکن میں حضرت شیخ برہان الدین غریب کا دور دورہ تھا، اور اُن کی سماع کی محفلوں کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ شیخ زین الدین رحمہ اللہ اس کی خبریں سن سن کر استغفار کیا کرتے تھے، اور اُس پر طنز وتنقید کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ چند مشکل سوالات بغرضِ امتحان شیخ برہان الدین کی خدمت میں لکھ کر بھیجے اور جب اُن کے تسلی بخش جواب مل گئے، تو آپ ان کے معتقد ہوگئے۔(3)

736ھ میں نفائس الانفاس کے مؤلف مولانا رکن الدین عماد کاشانی کے ساتھ شیخ برہان الدین غریب کی خدمت میں آئے اور آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، شیخ نے بیعت لیتے ہوئے فرمایا:

"بیٹے، مرید اچھے بنانا، جب حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حسام کو شرفِ ارادت بخشا تھا، تو ان سے یہ فرمایا تھا کہ مرید کی تکمیل میں کوشش کرنا، تکثیر تعداد بڑھانے کی فکر نہ کرنا"۔(4)

ریاضت اور روحانی تربیت:

شیخ زین الدین نے خدمتِ شیخ میں 'مرصاد العباد' بھی پڑھی، اور بہت سخت ریاضتیں کیں (5)۔ وحیدہ نسیم "شاہانِ بے تاج" میں

حضرت زین الدین شیر ازی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"حضرت زین الدین سے بیعت کے بعد حضرت برہان الدین غریب نے فرمایا کہ جاؤ مرصاد العباد پڑھو۔ حضرت خواجہ زین الدین مرصاد پڑھ چکے تھے لیکن پیرو مرشد کے حکم کی تعمیل میں دوبارہ مرصاد پڑھی اور فرمایا کہ واللہ! یہ وہ مرصاد نہیں جو میں نے پہلے پڑھی تھی۔ فرمایا: پھر ایک بار پڑھو، اور تیسری بار پڑھنے کے بعد پھر حضرت زین الدین شیر ازی نے فرمایا: واللہ! یہ وہ مرصاد العباد نہیں ہے جو میں نے پہلے پڑھی۔ اس کا مطلب علم کی لذت و حلاوت ہے، جتنی بار سیکھو، ایک نیا کیف ہے، نیا سرور ہے، اور یہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب پڑھنے والا صدقِ دل اور صدقِ طلب سے پڑھے۔" (6)

راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ کیف و سرور صرف صدقِ دل و طلب ہی سے حاصل نہیں ہوا بلکہ اس میں مرشدِ کامل کی توجہ و عنایتِ خاص بھی شامل حال تھی۔ مرشد کے روحانی فیضان سے وہی کتاب، جو پہلے مطالعہ میں آچکی تھی، نئے نئے اسرار و معارف کے دریچے وا کرنے لگی، اور سالک اس مقامِ حیرت تک جا پہنچا جہاں ہر بار ایک نئی معنویت آشکار ہونے لگتی ہے۔

حضرت برہان الدین غریب کے انتقال کے بعد آپ ان کے سجادہ نشین ہوئے اور اپنی پوری زندگی بندگانِ خدا کی خدمت، ان کی اصلاح وارشاد میں صرف کر دی، اور دولت آباد کو چشتی تعلیمات سے منور کر دیا۔ آپ نے جس دور میں زندگی گزاری وہ دور فتنوں اور سلاطین کی من مانیوں سے بھرا ہوا تھا، اور آپ نے سماجی اور سیاسی حالات کی اصلاح کے لیے کام کیا، اس وقت کے سلاطین کو نصیحتیں کیں۔ اور مذہبی تعلیمات کے علاوہ عدل و انصاف اور سماجی مساوات کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔(7)

آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ طالبانِ علوم اور سالکینِ طریقت کی رہنمائی اور تعلیم و تربیت میں صرف ہوتا، اس وجہ سے آپ کو باقاعدہ تصنیف و تالیف کا وقت نہیں ملتا تھا، یہی سبب ہے کہ علم و عرفان کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود ہمیں آپ کی کوئی قلمی تصنیف نہیں ملتی ہے، البتہ آپ کے ملفوظات کے متعدد مجموعے ملتے ہیں، جن میں حبۃ المحبۃ، جنۃ المودۃ اور ہدایت القلوب، صوفی ادب میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ کی تعلیمات رواداری، شریعت کی پابندی اور عملی تصوف کا خوبصورت نمونہ ہیں۔ ان میں عملی زندگی کے معاملات، تجارت، اور دنیاوی مشاغل کو ترک کرنے کی ممانعت نہیں؛ بلکہ ان تمام مشاغل میں اخلاص اور حق پرستی کا عنصر شامل رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ آپ کے نزدیک اسلام صرف ظاہری وضع قطع میں نہیں بلکہ معاملات اور اخلاق میں ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کی باتوں میں ایک طرف علمی گہرائی ہے تو دوسری طرف صوفیانہ تواضع بھی ہے۔ جس طرح آپ کی سادہ زندگی تصوف کی نمائندگی کرتی ہے اسی طرح آپ کی تعلیمات بھی احسان و تصوف کی ترجمان ہیں اور آج بھی تصوف کی روح کو سمجھنے میں مددگار ہیں۔

ذیل میں ہم حبۃ المحبۃ کے مشمولات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں جس سے آپ کے صوفیانہ افکار اور اس مجموعے کے مضامین اور ان کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

حبۃ المحبۃ کے مشمولات:

"حبۃ المحبۃ وجنۃ المودۃ" شیخ زین الدین داود شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو ان کے ایک مرید حضرت میر حسن مؤلف نے جمع کیا ہے، اس میں حضرت شیخ زین الدین شیرازی کی روحانی مجالس میں ان کی زبان مبارک سے نکلنے والے فرمودات کا تذکرہ ہے، ان روحانی مجالس کو جامع نے نمبروار 'فوائدِ ملاقات' کے عنوان سے معنون کیا ہے، جو پچیس ملاقاتوں پر مشتمل ہیں۔ یہ مجالس صوفیانہ تربیت، تزکیۂ نفس، اور سلوکِ وطریقت کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ ہر مجلس میں ایک منفرد باطنی نکتہ زیرِ بحث آیا ہے جو سالک کو راہِ حق پر گامزن کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ مجالس نہ صرف معرفتِ الٰہی کا درس دیتی ہیں بلکہ انسانی زندگی کے عملی پہلوؤں: اخلاق، سلوک، سخاوت، توبہ، اور محبت وغیرہ کی اہمیت کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔

شیخ زین الدین شیرازی کی تعلیمات کا مرکزی موضوع محبت، توکل، اخلاص، اور اتباعِ رسول ﷺ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ بغیر نبی پاک ﷺ کی پیروی اور شیخ کی ولایت کے راہِ طریقت کو طے کرنا ممکن نہیں۔ آپ سادگی، تقویٰ، اور خلوصِ نیت کو دین داری کا اصل جوہر مانتے تھے۔

ذیل میں ہم حبۃ المحبۃ کے مشمولات کو اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

پہلی ملاقات میں نفس کی تحقیر، تقویٰ کی فضیلت، اور اپنے باطن کے ساتھ درست معاملے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور سالک کو تلقین کی گئی ہے کہ مخلوق کی نظر میں بڑا بننے کے بجائے اپنے نفس کو حقیر جانے تاکہ نفس کے دھوکے اور اس کے شر سے خود کو محفوظ رکھ سکے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ انسان جب تک اپنے نفس پر قابو نہیں پاسکتا تب تک وہ تقویٰ کی حقیقی روح کو حاصل نہیں کر سکتا۔

دوسری ملاقات میں درویشوں کی خدمت اور ان کی صحبت کی برکات بیان کی گئی ہیں۔ ان کی استقامت، تسلیم اور رضا کو سراہا گیا ہے جو شریعت کی کامل پیروی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تسلیم ورضا کے مقام کا حصول درویشوں کی صحبت اور ان کے راستے پر گامزن ہو کر ہی ممکن ہے۔

تیسری ملاقات میں پیر کے مقام ومرتبہ اور مرید کی حسنِ عقیدت کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی محبت کی اہمیت اور حقیقی محبوب کی پہچان بیان کی گئی ہے، اور محب اور محبوب کے درمیان قلبی تعلق کو سلوک کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

چوتھی ملاقات میں درویشوں کے جوش وولولے، ان کی وجدانی کیفیت، احسان، انفاق، اور خلق پر نظر کے بجائے حق پر توجہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ ساتھ ہی توبہ کا ذکر بھی شامل ہے، اور توبہ کو روحانی انقلاب کا آغاز بتایا گیا ہے۔

پانچویں ملاقات میں تقویٰ، فقر، دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور مال ودولت کی کمی پر صبر کا جذبہ پیدا کرنے پر زور دیا گیا ہے، اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ حقیقی خیر اسی میں ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرے دوسروں کے لیے وہی پسند کرے، اور اسے اخلاق کی بلندی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

چھٹی ملاقات میں کسی کو حقیر نہ جاننے کی تلقین ہے، کیونکہ ممکن ہے اللہ کے نزدیک وہ عزت والا ہو۔ اور انفاق واحسان کی فضیلت پر

روشنی ڈالی گئی ہے، اور نیک لوگوں کی صحبت کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ اس مجلس میں خدا ترسی اور نیک لوگوں کی صحبت کو سالک کے لیے ضروری اور بنیادی قرار دیا گیا ہے۔

ساتویں ملاقات میں پیر کے ساتھ وابستگی، اور اس کی حمایت کو روحانی ترقی کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ مریدِ صادق ہر حال میں اپنے پیر سے رجوع کرتا ہے۔ پیر کی موجودگی سے برکت ملتی ہے۔ اس مجلس میں علم، طب، مجاہدہ اور عنایت جیسے موضوعات پر بھی صوفیانہ سیاق میں گفتگو کی گئی ہے۔

آٹھویں ملاقات میں نفس اور دنیاوی جاہ و شہرت سے نکل کر مردانِ حق کے مقام کو پانے کی ترغیب، اور ان کی راہ پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ صوفی ہر حال میں حق کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ آزمائشوں میں سر نہ جھکانے کا سبق بھی اس مجلس میں شامل ہے۔

نویں ملاقات میں درویشوں کے کمالات کو سمجھنے کے لیے خود درویش ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ترکِ حرص و ہوا، اور نکاح کے فوائد کا ذکر ہے۔

دسویں ملاقات میں سخاوت کی فضیلت، دوسروں سے بدگمانی نہ کرنے اور بھلائی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ سالک کو استقامت کے ساتھ اپنے حال پر قائم اور ثابت قدم رہنے کا بیان ہے۔

گیارہویں ملاقات میں دینی فکر کو زندگی کی اولین ترجیح بنانے کی تلقین کی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کی فکر کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اور اس کے لیے قناعت، عزلت، اور اخلاص کے ساتھ یکسوئی پیدا کرنے کا پیغام دیا گیا ہے۔

بارہویں ملاقات میں بری صحبت سے پرہیز، اوراد کی پابندی، استقامت، اور فقیرِ صابر اور غنیِ شاکر کا مقام و مرتبہ اور توبہ و تقویٰ کے ساتھ مجاہدہ کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ ساتھ ہی علمائے حق کی پہچان اور منکرین کے انکار کا ذکر ہے، اور ان کی تنقید پر صبر کی تلقین ہے۔

تیرہویں ملاقات میں موت کی یاد کے ذریعے عاجزی پیدا کرنے اور بندوں کو حقیر نہ سمجھنے کا ذکر ہے۔ ذکرِ الٰہی اور احکامِ خداوندی کی عظمت اس مجلس کا موضوع ہیں، اور اللہ کے حکم محکم کو قبول کرنے کو روحانی سکون کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

چودہویں ملاقات میں اہلِ حق کی عزت اور دنیا کی طلب سے اجتناب کا درس دیا گیا ہے۔ انصاف اور ادب کی اہمیت پر گفتگو کی گئی ہے، اور اسے روحانی ارتقا کے لیے ضروری بتایا گیا ہے۔

پندرہویں ملاقات میں نیک لوگوں کے معاملات اور جوانمردی اور درویشوں کی روحانی بصیرت کا ذکر ہے۔ توکل اور کرمِ خدا پر بھروسے کو ایمان کی علامت بتایا گیا ہے۔ اور مخلوق سے بے نیازی اور ضمیر کی صفائی کی تعلیم دی گئی ہے۔

سولہویں ملاقات میں خاموشی کی فضیلت، نفع بخش اور مفید گفتگو، اور عبادت میں استغراق کی تلقین ہے۔ اور مخلص دوست کی نصیحت کو سننے اور دل سے اسے قبول کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

سترہویں ملاقات میں ادب، تعظیم، حقوق کی ادائیگی، قناعت، کم خوری، نذر کا ذکر ہے، اور عالمِ کون کی خرابی پر غور کرنے کا مشورہ

ہے۔اور اولیاء کی حیات ووفات، عشق ومحبت کے موضوعات اس مجلس میں شامل ہیں۔

اٹھارہویں ملاقات میں سچائی، وعدے کی پاسداری، راست گوئی، ایثار واخلاص اور اپنے لیے جو چاہو دوسروں کے لیے بھی وہی چاہنے کا درس دیا گیا ہے۔

انیسویں ملاقات میں اقبال وادبار کا باطنی راز، سخاوت اور بلند ہمتی کا بیان ہے، اور روحانی استقامت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ اقبال جہاں بھی جاتے ہیں برکت لے کر جاتے ہیں، اور اہلِ سعادت ہر حال میں فیض یاب ہوتے ہیں، جبکہ بدبخت جہاں بھی جائیں نقصان وخسارہ ان کے ہم رکاب ہوتے ہیں۔

بیسویں ملاقات میں کسی بھی چیز کو حقیر نہ جاننے اور کمتری کی نگاہ سے نہ دیکھنے کا درس ہے۔ اولیاء کی کرامات، تجرید وتفرید، جوانی کی قدر اور دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ہے۔

اکیسویں ملاقات میں اہم معاملات میں خدا کی کفایت، خدا سے دوستی کی ترغیب ہے، اور شیطان کے حملے اور اس کی چالوں سے بچنے کی تاکید ہے، اور مشروع وغیر مشروع حیلے وتدابیر کا بیان ہے۔اور دن رات کی مشغولیات اور معمولات کا ذکر ہے۔

بائیسویں ملاقات میں اخلاص، ریا سے پاک عمل کی فضیلت، اور باعلم صوفی کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ مشائخ کی عطائیں، مجاہدہ، ذکرِ الٰہی، مہمان نوازی، اور اہلِ صفا کی صفات پر گفتگو کی گئی ہے۔

تیئیسویں ملاقات میں جسمانی صحت، دل کا سکون، حسن عمل، تواضع، اور اخلاقِ نبوی کی تعلیم دی گئی ہے۔اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی کمال کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

چوبیسویں ملاقات میں نیک لوگوں کی دعا سے مشکلات کے حل اور مراد بر آوری کا ذکر ہے، ان کے بارے میں حسنِ ظن رکھنے، اور بدگمانی سے بچنے اور مومنوں کی تکفیر سے اجتناب کا پیغام ہے، اور ہر حال میں توبہ، محبت، اور مودت کا ذکر ہے۔

پچیسویں ملاقات اور آخری مجلس میں حضرت زین الدین شیرازی کی زندگی کے آخری لمحات اوران کے وصال اور ان کی تجہیز وتدفین کا تذکرہ ہے۔

حبۃ المحبۃ کے مشمولات کے مندرجہ بالا اجمالی بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ مجموعہ نہ صرف تصوف وسلوک کے مباحث پر مشتمل ہے، بلکہ مرید وسالک کی تربیت اور رہنمائی کا ایک بیش قیمت روحانی خزینہ بھی ہے۔ اس کے مطالعے سے فکر وفہم اور علم ودانش کے ایسے در وا ہوتے ہیں جو قاری کے ذہن ودل پر بڑا گہرا اور نہایت مثبت اثر چھوڑتے ہیں، اور اس کے اندر قربِ خداوندی کی طلب، محبتِ رسول ﷺ کی چاہت کے جذبات پیدا کرتے ہیں، اور سیرت رسول ﷺ کو اپنا کر ایک بہتر انسان اور مخلص بندہ بننے کی تحریک پیدا کرتے ہیں۔

حضرت شیخ زین الدین شیرازی کے یہ ملفوظات نہ صرف سلوک ووصول میں ان کے اعلی مقام ومرتبہ کا پتہ دیتے ہیں؛ بلکہ دورانِ گفتگو علمی نکات ان کی علمی گہرائی وگیرائی اور برمحل عربی وفارسی اشعار، حکایتیں اور واقعات، تاریخ ووقائع پر آپ کی گہری نظر اور

عربی وفارسی زبان وادب میں آپ کی مہارت کا بھی بین ثبوت ہیں۔ چنانچہ اس مجموعے میں جا بجا متعدد قرآنی آیات کی دقیق تفسیر وتوضیح اور احادیث کی علمی تشریح ملتی ہے، نیز عربی وفارسی کے حکیمانہ اقوال واشعار سے یہ مجموعہ بھرا ہوا ہے۔اور صوفیائے کرام بالخصوص صوفیائے چشت کی تعلیمات اور ان کی توضیح وتشریح پر مشتمل ایک علمی وروحانی گلدستہ ہے۔ جس میں درج اقتباسات اور حکایات تصوف کے طالب علم اور سالکین راہِ طریقت کے لیے مشعل راہ ہیں۔

اب ہم حضرت شیخ زین الدین شیرازی کے بعض ملفوظات کو بطورِ نمونہ پیش کریں گے جس سے قاری کو آپ کی جلالتِ علمی اور آپ کے مقامِ عرفان کی ایک جھلک مل سکے۔

عرفانی ماٰخذ اور ملفوظات میں فارسی ادب کے اثرات:

شیخ زین الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں شیخ سعدی، حافظ شیرازی، نظامی گنجوی، سنائی اور فرید الدین عطار کے اشعار و افکار کا اثر نمایاں ہے، جو اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ وہ ان بلند پایہ شعراء کی عارفانہ اور صوفیانہ کتابوں سے گہرا شغف رکھتے تھے، اور ان کے نتائج فکر سے اچھی طرح آگاہ تھے، جو آپ کے اعلیٰ شعری ذوق اور علم وادب سے دلچسپی کا غماز ہے۔ آپ کے ملفوظات نہ صرف آپ کی عارفانہ بصیرت کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ آپ کی فکری اور روحانی سمت کا بھی تعین کرتے ہیں جو صوفیائے چشت کے نظریات ہی کی ترجمان ہے۔

ملفوظات میں عربی اشعار کی تشریح

آپ کے ملفوظات میں ہمیں عربی اشعار کی توضیح وتشریح ملتی ہے جو عربی زبان وادب پر آپ کی گرفت کی غمازی کرتی ہے، مثال کے طور پر ہم ذیل میں روضۃ الاولیاء سے امیر حسین کی ایک روایت نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

”ایک رات بندۂ کمینہ نے دریافت کیا کہ اس شعر کا کیا مطلب ہے:

کفی حَزَناً بالهائمِ الصبِّ أن يَرى منازلَ مَن يهوى معطَّلةً قَفْرا[8]

(یعنی عاشقِ دل گرفتہ کے لیے بس یہی غم کافی ہے کہ وہ اپنے محبوب کے مکانوں کو خالی اور ویران دیکھے۔)

فرمایا: مشائخ اس لیے بیٹھے ہیں کہ مریدوں کے باطن کو ذکرِ حق سے معمور کریں۔ بلکہ اس کے مصداق کہ ”مَا وَسِعَنِي لَا سَمَائِي وَلَا أَرْضِي، وَلَكِنْ وَسِعَنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ“ (9)

فرمایا: جب کسی کا باطن حق سے معمور ہو جائے تو ”هو المراد“، اور اگر (نعوذ باللہ) وہ خالی رہے تو کوئی مصیبت یا غم اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔(10)

ایک اور موقع پر امیر حسین کہتے ہیں:

”ایک شخص نے پوچھا ان دو شعروں کا کیا مطلب ہے؟

يَا عَاذِلَ العَاشِقِيْنَ دَعْ فِئَةً أَضَلَّها اللّٰهُ كَيْفَ تُرْشِدُها

وَفِيْ فُؤادِ المُحِبِّ نَارُ هَوٰی اَحَرُّ نَارِ الجَحِيمِ اَبْرَدُهَا

("اے عاشقوں کو ملامت کرنے والے! اُس گروہ کو چھوڑ دے، جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہے، تو اُسے کیسے ہدایت دے سکتا ہے؟ محب (عاشق) کے دل میں محبت کی جو آگ لگی ہے، وہ اتنی تیز ہے کہ دوزخ کی آگ بھی اس کے مقابلے میں ٹھنڈی ہے۔")

غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ یہ دونوں شعر عرب کے مشہور شاعر ابوالطیب المتنبی کے ہیں۔(11)

یہاں شاعر اس شخص کو مخاطب کر رہا ہے جو عشق کرنے والوں پر لعن وطعن کرتا ہے یا انھیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ یہ لوگ (عاشقین) اپنے عشق میں ایسے محو ہو چکے ہیں کہ گویا اللہ ہی نے ان پر عام ہدایت کے دروازے بند کر دیے ہیں، کیونکہ وہ عشقِ حقیقی کی راہ پر چل نکلے ہیں، جو عام عقل سے ماوراء ہے۔

دوسرے شعر میں شاعر عشق کی شدت اور اذیت کو بیان کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک سچے عاشق کے دل میں جو محبت کی آگ سلگتی ہے، وہ اتنی شدید ہے کہ جہنم کی آگ بھی اس کے مقابلے میں سرد معلوم ہوتی ہے۔ یہ صوفیانہ عشق کی معراج ہے، جہاں محبوب (اللہ) کی طلب میں عاشق ہر درد کو سہنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ شیخ نے فرمایا:

"آتش دوزخ، آتشِ عشق کی برابری کیا کر سکتی ہے؟... دوزخ کہے گی:" جُز يَا مُؤمِن! فَاِنَ نُوْرَكَ أَطْفَأَ نَارِي "یعنی اے مومن! گزر جا، تیرے نور نے میری آگ بجھادی ہے۔ تو مومنین وہاں سے گزر جائیں گے، اور آگ کافروں کو لپیٹ لے گی۔(12)

حرص وہوا کے نقصانات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ راہِ سلوک کے سالک کے لیے حرص وہوا حجابِ حق ہے، جو دل کو نورِ یقین سے محروم کر دیتا ہے۔ اور اس سلسلے میں ایک حکایت بیان فرمائی:

> "جو لوگ دنیا کی ہوس میں حرص وہوا کا راستہ ناپتے ہیں، اُن کی مثال رہٹ کے بیل کی سی ہے۔۔۔ وہ سمجھتے ہیں کہ راستہ طے کر رہے ہیں، جب اچانک پٹی کھولی جاتی ہے تو وہ خود کو پہلی منزل پر ہی دیکھتے ہیں۔"

"قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا، الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا" (سورہ کہف:103-104) (13)

ترجمہ: آپ فرمادو کیا میں تمھیں اُن لوگوں کے بارے میں بتاؤں جو اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جن کی کوششیں دنیوی زندگی میں اکارت گئیں مگر وہ سمجھتے رہے کہ وہ کوئی اچھا کام کر رہے ہیں۔(14)

عمل بے ریا کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے حضرت شیخ شیرازی نے عمل کے اندر اخلاص پر ایک حکایت بیان فرمائی:

> "ایک درویش تھا جو سورہ طٰہٰ کی تلاوت کر رہا تھا، چور آ گیا تو درویش نے بلند آواز سے آیت پڑھی... خواب میں میزانِ عمل میں وہ آیت الگ کر دی گئی... فرشتوں نے کہا: یہ آیت تُو نے خدا کے لیے نہیں، چور کو سنانے کے لیے پڑھی تھی۔"

پھر حضرت شیخ نے فرمایا: "عمل جتنا پوشیدہ ہو بہتر ہے" (15)

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے ملفوظات آج بھی طالبانِ حق کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ کے ملفوظات کی نثر کا انداز پر اثر اور حکمت و معرفت سے لبریز ہے۔ آپ کی تعلیمات میں ہمیں اخلاص، قربِ الٰہی کی طلب، اور دنیا سے بے نیازی کا گہرا درس ملتا ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ روضۃ الاولیاء، غلام علی آزاد بلگرامی، ترجمہ و تصحیح: نثار احمد فاروقی، مطبع: لبرٹی آرٹ پریس، پٹوڈی ہاؤس، دہلی، صفحہ 42

2۔ ایضاً صفحہ 42

3۔ ایضاً صفحہ 42

4۔ ایضاً صفحہ 42

5۔ ایضاً صفحہ 42

6۔ پروفیسر وحیدہ نسیم، شاہان بے تاج، کراچی: مکتبہ آصفیہ، آر. آئی پرنٹرز، بار اول؛1988ء، ص124۔

7۔ سلاطین وقت پر آپ کے اثرات کو غلام علی آزاد بلگرامی نے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

8۔ دیکھیے: روضۃ الاولیاء، غلام علی آزاد بلگرامی، مرجع سابق، صفحہ 44-46

9۔ طبری نے یہ شعر یزید بن عبد الملک کے تذکرے میں نقل کیا ہے اور بہت سی قدیم کتابوں میں یہ شعر منقول ہے، لیکن ڈاکٹر محمد المختار نے اس شعر کی نسبت تیرہویں صدی ہجری کے شنقیط سے تعلق رکھنے والے شاعر سید محمد الجلالی بن أحمد بن المختار السباعی کی طرف منسوب کیا ہے۔

10۔ دیکھیے: أبو جعفر، محمد بن جریر الطبري، تاریخ الطبري (تاریخ الرسل والملوک)، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، بیروت: دار التراث، بار دوم؛ 1387ھ/1967ء، 7/24؛ وڈاکٹر محمد المختار ولد اباہ، الشعر والشعراء فی موریتانیا، رباط: دار الامان، بار دوم؛1424ھ/2003ء، ص280۔

11۔ یہ حدیث ثابت نہیں ہے حالا کہ کتب زہد و تصوف میں بارہا اس کا تذکرہ آیا ہے، مثال کے طور پر دیکھیے: محمد بن عبد الباقی الزرقانی، تحقیق: محمد الصباغ، بیروت: المکتب الإسلامی، بار سوم؛1403ھ، 916۔

12۔ روضۃ الاولیاء، غلام علی آزاد بلگرامی، مرجع سابق، صفحہ 49

13۔ ایضاً، صفحہ 50

14۔ ایضاً، صفحہ 50

15۔ ایضاً، صفحہ 50

16۔ ایضاً، صفحہ 50

17۔ حبۃ المحبۃ، ملفوظات حضرت شیخ زین الدین شیرازی، جمع کردہ: میر حسن مؤلف، اردو ترجمہ: ڈاکٹر برکت اللہ انصاری، اورنگ آباد: یونک پبلی کیشنز، ص 135

"کلمۃ الحقائق" از برہان الدین جانم کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر محمد نہال افروز*

تلخیص

"کلمۃ الحقائق" کا شمار دکنی نثر کے اولین اور اہم ترین نمونوں میں ہوتا ہے۔ اس رسالے کے مصنف برہان الدین جانمؔ ہیں، جو ایک صوفی بزرگ، جید عالم، عمدہ شاعر اور بلند پایہ نثر نگار تھے۔ یہ رسالہ نہ صرف دکنی نثر کی قدیم ترین مثالوں میں شامل ہے بلکہ اپنے موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔

کلمۃ الحقائق میں برہان الدین جانمؔ نے تصوف و عرفان کے نہایت نازک، دقیق اور پیچیدہ مسائل کو عوام کی سمجھ میں آنے والی زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اس رسالے کو سوال و جواب کی شکل میں مرتب کیا ہے، جو ایک مؤثر علمی انداز ہے۔ اس طرزِ تحریر سے قاری کو نہ صرف مسئلے کی نوعیت کا علم ہوتا ہے بلکہ اس کا مفصل اور مدلل جواب بھی ملتا ہے۔ یہ انداز اس زمانے میں علمی اور صوفیانہ تعلیمات کو عام فہم بنانے کے لیے اختیار کیا جاتا تھا۔

اس رسالے میں برہان الدین جانمؔ نے ان سوالات کو موضوع بنایا ہے، جو عام طور پر انسانی ذہن میں مذہب، خدا، رسالت، انسان کی فطرت، صفاتِ الٰہی، روحانیت اور متصوفانہ افکار کے حوالے سے ابھرتے ہیں۔ مثلاً خدا کی ذات کیا ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ انسان اور خدا کے درمیان کیا تعلق ہے؟ روح کا مقام کیا ہے؟ اور عرفان کی اصل حقیقت کیا ہے؟ ان تمام سوالات کے جوابات جانمؔ نے صوفیانہ استدلال کے ساتھ دیے ہیں۔

برہان الدین جانمؔ نے زبان کے لحاظ سے کلمۃ الحقائق کو "گجری" قرار دیا ہے، جو اس وقت دکن میں مروج تھی۔ اس زبان کو دکنی اردو کی ابتدائی شکل کہی جاسکتی ہے۔ اس زبان کے علاوہ اس تصنیف میں سنسکرت، فارسی اور دیگر مقامی زبان کے الفاظ بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ جانمؔ کو عربی، فارسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی مقامی زبانوں پر بھی خاصہ عبور تھا ہے۔

کلیدی الفاظ: دکنی نثر، صوفیانہ تعلیمات، میراں جی شمس العشاق، برہان الدین جانم، کلمۃ الحقائق، ارشاد نامہ، مقصود ابتدائی، ہشت مسائل، سوال و جواب، تصوف و طریقت، علم اور معرفت، قدرت، اللہ، محمدؐ، پیر و مرشد۔

"کلمۃ الحقائق" دبستانِ بیجاپور کے ممتاز صوفی بزرگ برہان الدین جانمؔ کی معروف اور اہم تصنیف ہے۔ جانمؔ کا تعلق ایک علمی و روحانی خانوادے سے تھا۔ ان کے والد میراں جی شمس العشاقؔ ایک جلیل القدر صوفی بزرگ تھے، جنہوں نے تصوف کے متعدد دقیق مسائل

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

پر گہرا کام کیا اور روحانی تربیت کا وسیع نظام قائم کیا۔ برہان الدین جانمؒ نے اپنے والد کی علمی و روحانی میراث کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اسے مزید وسعت اور گہرائی عطا کی۔

دکنی ادب کے اکثر شعرا و ادبا کی طرح برہان الدین جانمؒ کی حیات بھی تحقیق کے باب میں پردۂ خفا میں ڈھکی ہوئی ہے۔ ہمارے سامنے جو شواہد آتے ہیں وہ زیادہ تر اشاراتی ہیں، نہ کہ تفصیلی۔ یہی سبب ہے کہ ان کی زندگی کے مختلف گوشے محققین کے لیے اب تک سوالیہ نشان بنے ہوئے ہیں۔ تاہم دستیاب مواد سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ میراں جی شمس العشاق کی تین اولادوں میں سب سے بڑے فرزند برہان الدین جانمؒ تھے، جب کہ ان کے دو چھوٹے بھائیوں کے نام عطاء اللہ حسینی اور فرید ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے قابلِ اعتماد ماخذ بیجاپور کے کتب خانۂ درگاہ شریف میں محفوظ بابا شاہ حسینی کا قلمی وصیت نامہ ہے، جس میں اس نسبت کو صراحت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

"از میراں جی شمس العشاق سہ فرزند بودند، فرزند کلاں برہان الدین جانم صاحب، دویم عطاء اللہ حسینی صاحب وسیوم فرید صاحب۔"[1]

برہان الدین جانم کی سنہ ولادت کے متعلق صحیح تاریخ کا صحیح علم نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر حسینی شاہد کے مطابق کسی تذکرے میں جانمؒ کی تاریخ پیدائش درج نہیں ہے، البتہ ڈاکٹر محی الدین زورؔ نے قیاساً 950 ہجری کو برہان الدین جانم کی پیدائش کا سال قرار دیا ہے۔ برہان الدین جانم کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد ہی کی نگرانی میں پروان چڑھی۔ ابھی وہ پندرہ برس ہی کے تھے کہ دل میں شوقِ الٰہی کی ایسی آگ بھڑکی کہ والد کے دستِ حق پر بیعت کرلی۔ والد ہی کے حکم سے راہِ حق کی تلاش میں سفر اختیار کیا۔ تین برس تک ریاضت و مجاہدہ کی کٹھن راہوں پر چلتے رہے؛ کبھی شہر کی گلیوں میں تو کبھی ویرانوں کی خاموش فضا میں، مرشدوں اور مردانِ کامل سے فیض پاتے، سختیوں کو سہتے اور باطن کو جلا بخشتے رہے۔ آخر کار جب واپس لوٹے تو والد نے اپنے تمام روحانی فیوض و برکات ان کے سپرد کر دیے، خلافت عطا کی اور انہیں اپنا سچا جانشین قرار دیا۔ برہان الدین کی پیدائش کی طرح ان کی وفات میں بھی اختلاف ہے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد نے ان کی وفات کا سال 1007 ہجری بتایا ہے۔

برہان الدین جانمؒ کی علمی اور فکری زندگی کا بنیادی محور تصوف اور عرفانِ خداوندی ہے۔ ان کے یہاں تصوف محض نظریاتی یا مابعد الطبیعاتی تصور نہیں بلکہ ایک عملی حقیقت کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے عہد کے فکری و روحانی مسائل کو نہ صرف شعوری طور پر دریافت کیا بلکہ ان کے حل کے لیے اپنے قلم کو ایک مؤثر وسیلہ بنایا۔ ان کی تحریروں میں بندے اور خالق کے تعلق کو گوناگوں پہلوؤں سے واضح کرنے کی کوشش ملتی ہے، جو ان کے روحانی ذوق اور عرفانی بصیرت کی دلیل ہے۔

برہان الدین جانمؒ کی علمی میراث میں متعدد تصانیف شامل ہیں، جو آج بھی صوفیانہ ادب کا قیمتی سرمایہ سمجھی جاتی ہیں۔ ان کے نام سے

---

[1] بحوالہ: ڈاکٹر حسینی شاہد، سید شاہ امین الدین اعلیٰ: حیات اور کارنامے، انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش، حیدرآباد، 1973، ص100

دکن کی کئی تصانیف موسوم کی جاتی ہیں، لیکن ان کے شواہد نہیں ملتے۔ البتہ "کلمۃ الحقائق"، "ارشاد نامہ"، "مقصود ابتدائی" اور "ہشت مسائل" کو محققین نے بالاتفاق برہان الدین جانم کی تصانیف تسلیم کیا ہے۔ یہ تمام تصانیف نہ صرف ان کی روحانی فکر کی غمازی کرتی ہیں بلکہ اسلوبی سطح پر بھی ایک انفرادیت رکھتی ہیں۔

"کلمۃ الحقائق" میں انہوں نے حقیقت اور مجاز کے مابین تعلق کو فلسفیانہ اور صوفیانہ انداز میں واضح کیا ہے۔ یہ تصنیف دراصل ایک فکری مکالمہ ہے جس میں ظاہر سے باطن تک کے سفر کو استدلالی اور تجرباتی بنیادوں پر سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

"ارشاد نامہ" ایک نصیحت آموز اور تربیتی تصنیف ہے، جو مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ اس میں ان کے اخلاقی اور روحانی افکار واضح ہوتے ہیں۔ یہ مثنوی مریدین کے لیے نہ صرف اصولِ حیات کا درجہ رکھتی ہے بلکہ عملی صوفیانہ طرزِ زندگی کی بھی نمائندگی کرتی ہے۔

"مقصود ابتدائی" میں ایمان کے تصور کو صوفیانہ تناظر میں پیش کیا گیا ہے، جہاں ایمان کو محض اعتقادی پہلو تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اسے انسانی شخصیت اور روحانی ارتقا کا محرک قرار دیا گیا ہے۔

"ہشت مسائل" صوفیانہ مباحث کو سوال و جواب کی صورت میں پیش کرتی ہے، جس سے مشکل اور دقیق مسائل کو عام قاری کے لیے قابلِ فہم بنایا گیا ہے۔ یہ ان کی تعلیمی اور اشاعتی حکمتِ عملی کی نمائندہ تصنیف ہے۔

ان کی تمام تصانیف کا مطالعہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ جانمؒ کی تحریریں محض نظریاتی یا فلسفیانہ موشگافیوں تک محدود نہیں، بلکہ ان میں روحانی تجربات اور عملی تربیت کا گہرا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ ان کا اسلوب سادہ، رواں اور بلیغ ہے جس میں لسانی جدت اور معنوی گہرائی ایک ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف کو آج بھی تصوف کی علمی و فکری روایت کا ایک معتبر حوالہ سمجھا جاتا ہے۔

برہان الدین جانمؒ کی علمی زندگی کا مطالعہ اس وقت زیادہ معنی خیز ہو جاتا ہے جب ان کی اہم ترین تصنیف "کلمۃ الحقائق" کو سامنے رکھا جائے۔ یہ کتاب ان کی فکری بصیرت، روحانی تجربے اور عرفانی شعور کا آئینہ دار ہے۔ جانمؒ نے اس تصنیف میں حقیقت اور مجاز، ظاہر اور باطن، علم اور معرفت کے باہمی تعلق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کا بنیادی موقف یہ ہے کہ حقیقت تک رسائی محض عقلی استدلال یا رسمی علم سے ممکن نہیں بلکہ یہ ایک ایسا باطنی سفر ہے جو مجاہدۂ نفس، ذکر و فکر اور مرشد کی رہنمائی کے بغیر ادھورا رہتا ہے۔

"کلمۃ الحقائق" کے سنہ تصنیف کے بارے میں حتمی معلومات دستیاب نہیں ہیں، تاہم اس کے زمانۂ تصنیف کا ایک تحقیقی سراغ برہان الدین جانمؒ کی دوسری تصنیف "ارشاد نامہ" سے ملتا ہے۔ ارشاد نامہ ایک مثنوی ہے جس کا سنہ تصنیف 990 ہجری (مطابق 1582 عیسوی) پایا جاتا ہے۔ چونکہ "کلمۃ الحقائق" میں ارشاد نامہ کے اشعار درج کیے گئے ہیں، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "کلمۃ الحقائق" ارشاد نامہ کے بعد لکھی گئی ہے۔ لہٰذا قرین قیاس یہی ہے کہ "کلمۃ الحقائق" 990ھ / 1582ء کے بعد کی تصنیف ہے۔

کلمۃ الحقائق کے مرتب محمد اکبر الدین صدیقی کے مطابق کلمۃ الحقائق کے حسب ذیل قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں:

1۔ مولوی عبد الحق صاحب کا نسخہ مکتوبہ 1068ھ جس کی نقل خانہ خانقاہ عنایت الٰہی میں موجود تھا۔

2۔ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد ایک نسخہ

3۔ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد ایک نسخہ

4۔ کتب کانہ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد ایک نسخہ

5۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو، علی گڑھ ایک نسخہ

6۔ ایک نسخہ مولوی سید محمد مورخ بیدری کے پاس بھی تھا۔

اس میں بلحاظ تاریخِ کتابت (1068ھ) سب سے قدیم نسخہ مولوی عبدالحق کا ہے اور اس کے بعد ادارہ ادبیات اردو کے کتب خانہ کا نسخہ بھی بہ لحاظ تحریر و کاغذ وغیرہ بہت قدیم ہے۔ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد میں موجود نسخہ میں حسب ذیل ترقیمہ شامل ہے:

''خاتمہ: تمت تماشد بتاریخ بست و نہم ماہ ذالحجہ روز دوشنبہ بوقت یک پہر چار گھڑی درگاہ میراں صاحب نوشتہ شد ایں کتاب کلمتہ الحقائق بہ سرکار حضرت صاحب است ہر کسے دعویٰ کنہ گنہ گار شرع باشد۔''

اس طرح اس مخطوطے کی کتابت دوشنبہ 29/ ذلحجہ کو یک پہر چار گھڑی پر ختم ہوئی، لیکن سنہ موجود نہیں ہے۔ عام طور پر قدیم دکنی کے بیشتر تصانیف اور رسائل کے قلمی نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن کلمتہ الحقائق کے جتنے بھی مخطوطے دریافت ہوئے ہیں ان میں کوئی اہم اختلاف دیکھنے کو نہیں ملتا۔ یہ اس رسالے کی بڑی خوبی ہے۔

"کلمتہ الحقائق" برہان الدین جانم کی ایک ایسی تصنیف ہے، جسے دکنی نثر کے اولین اور اہم ترین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف اپنے دور کی فکری و دینی ضرورتوں کی عکاس ہے بلکہ لسانی ارتقا کا ایک سنگِ میل بھی ہے۔ اس کا مطالعہ ہمیں دکنی زبان کے ابتدائی خدوخال، صوفیانہ فکر کے زاویے اور اس دور کے علمی مباحث کی جھلک دکھاتا ہے۔ اس سے جانم کی فکری پختگی اور تصوف پر ان کی عمیق گرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ان کے فکری ارتقا کی علامت ہے، جس میں صوفیانہ مباحث اور تصوف و طریقت کے مسائل کو سوال و جواب کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ محمد اکبر الدین صدیقی "کلمتہ الحقائق" کی وجہ تصنیف کے بارے میں برہان الدین جانم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت جانم کتاب کی تصنیف کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ اکثر مرید آپ سے خدا کے بارے میں مختلف سوالات کرتے ہیں کہ وہ قدیم القدیم کیوں، ذات و صفات، ابتدا و انتہا، باقی و فانی، قدیم و جدید اور بے ہمہ و باہمہ سے کیا مراد ہے۔''[1]

"کلمتہ الحقائق" کی سب سے پہلی اور نمایاں خصوصیت اس کی زبان ہے۔ مصنف نے اپنی تصنیف کی زبان کو "گجری" قرار دیا ہے، جو اس وقت کے دکن میں رائج ایک بول چال کی زبان تھی۔ تاہم اس کتاب کی زبان صرف گجری تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک مرکب اور تہذیبی امتزاج کی مظہر زبان ہے، جس میں دکنی اردو، عربی، فارسی، سنسکرت، مراٹھی اور ہندی زبان کے کئی واضح عناصر ملتے

[1] برہان الدین جانم، کلمتہ الحقائق، مرتبہ: اکبر الدین صدیقی، حیدرآباد، 1961، ص16

ہیں۔ اس رسالے کے زبان و اسلوب کے لیے ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"اللہ کرے سو ہوئے کہ قادر توانا توئی کہ او قدیم القدیم اس قدیم کا بھی کر نہار سہج سہج سو تیر اٹھار۔ و ہیچ ہوا بھی توج تھے بار۔ جدھاں کچھ نہ تھا بھی تھا تہیں دو جا شریک کوئی نہیں۔ ایسا حال سمجنا خدا تھے خدا کوں، جس پر کرم خدا کا ہوے سب۔ یو زبان گجری (زبان) نام ایں کتاب کلمۃ الحقائق خلاصۂ بیان و تجلی عیاں روشن شود انشا اللہ تعالیٰ کہ خدائے تعالیٰ قدیم القدیم کیوں تھا۔ ذات وصفات و کل مخلوقات ابتدا و انتہا، باقی و فانی، قدیم و جدید، باہمہ و بے ہمہ، بدیں سبب سوال و جواب روشن کر دیکھلایا ہے۔ انشا اللہ تعالیٰ کہ خدائے تعالیٰ عالم الغیب و الشہادۃ خدائے تعالیٰ کی نظر ادراک کر نہاری ہے۔ جملہ مخلوقات پر، کہ وہاں ہماری نظر نہیں انپڑ نہاری ہے ذات قدیمی پر۔ اگر کوئی اوس کے قدیمی بوجھے تو شریک کھڑا رھیا۔ اس سبب فرمایا کہ قال اللہ تعالیٰ "لَا تُدْرِکُهُ الأَ بْصَارُ وَهُوَیُدْرِکُ الأَبْصَارَ وَهُوَا اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ"۔ ایسا کسی کا مجال ہوے گا کہ پچھان ذات کا کرے گا۔ کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:" تَفَکَّرُوْا فِيْ صِفَاتِ اللّٰهِ وَلَا تَفَکَّرُوْا فِي ذَاتِ اللّٰهِ۔ "ولیکن جیسے خدا الوڑے اسے راہ دیوے اپس میں کہ "یَهْدِيْ مَنْ یَّشَاءُ" امید دیکھلایا و مدد کیا کہ قولہ تعالیٰ:"والَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیَناَ لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا"۔ توجہد کشش کرے خدا میں خدا تھے کہ قال علی کرم اللہ وجہہ کہ عَرَفْتُ رَبِّي برَبّي۔"[1]

کلمۃ الحقائق کی ابتدا انہیں کلمات سے ہوتی ہے۔ اس اقتباس سے ایک طرف اس رسالے کے موضوع کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کی زبان سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔ مصنف نے اس کی زبان کو گجری ضرور کہا ہے، لیکن اس میں عربی، فارسی کے علاوہ دیگر کئی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ مثال کے طور پر ٹھار اور بار سنسکرت زبان کے الفاظ ہیں۔ دوجا مراٹھی اور ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اسی طرح جدھاں، سمجنا، کوں، اوس وغیرہ دکنی اردو کے الفاظ ہیں۔ اس کے علاوہ سہج سہج، وہیچ، توج، انپڑنہاری، بوجھے، کھڑا رھیا، پچھان وغیرہ عوامی لب ولہجہ کا پتہ دیتے ہیں۔ اسی طرح پورے رسالے میں مختلف زبانوں کے الفاظ اور لب ولہجہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ جیسے اپن، ہمنا لفظ گجراتی زبان کے الفاظ ہیں، جو آج بھی دکن کی بول چال میں رائج ہے۔ رسالے میں شامل الفاظ اچھینگا، ایلاڑ اور پیلاڑ بھی گجراتی ہیں، جو مہاراشٹرا کے علاقے میں اردو بولنے والا طبقہ آج بھی استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح کلمۃ الحقائق میں سنسکرت اور ہندی کے الفاظ جیسے آکار، نرنکار، ہکار، شُن، بھو تاکار، ایندرین وغیرہ الفاظ کثرت سے شامل ہیں۔

کلمۃ الحقائق کا یہ لسانی اختلاط اس بات کا مظہر ہے کہ دکن ایک کثیر لسانی اور کثیر تہذیبی خطہ تھا، جہاں مختلف زبانیں اور ثقافتیں ایک دوسرے کے ساتھ رچی بسی ہوئی تھیں۔ اس رسالے میں دینی، صوفیانہ اور فلسفیانہ اصطلاحات کے لیے عربی اور فارسی الفاظ کا بھرپور

---

[1] برہان الدین جانم، کلمۃ الحقائق، مرتبہ: اکبر الدین صدیقی، حیدرآباد، 1961، ص 21-22

استعمال کیا گیا ہے۔ ہندستانی مذہبی و فلسفیانہ روایت سے وابستہ سنسکرت کے الفاظ بڑی تعداد میں موجود ہیں، جو کہیں پر تت سم کی صورت میں ہیں تو کہیں پر تت بھو کی شکل میں۔ اس میں شامل محاوراتی اور عوامی انداز دکنی اردو کی ابتدائی شکلوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ مراٹھی اور ہندی زبان کے اثرات بھی گہرے ہیں، جس کی وجہ سے کلمۃ الحقائق کا مطالعہ دقت طلب ہے۔ کلمۃ الحقائق کی زبان کے تعلق سے پروفیسر محمد نسیم الدین فریس لکھتے ہیں:

> "کلمۃ الحقائق کی زبان پر گجراتی، مرہٹی اور ہندی کے واضح اثرات پائے جاتے ہیں۔ کلمۃ الحقائق کے مطالعہ سے، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے سامنے اردو نثر کا کوئی نمونہ نہیں ہے۔ اسے اردو جملے بنانے میں دقت ہو رہی ہے۔ اس لیے وہ اردو لکھتے لکھتے فارسی لکھنے لگتا ہے۔ کبھی ایک جملہ اردو اور دوسرا جملہ فارسی تو کبھی آدھا جملہ اردو اور آدھا فارسی۔ رسالے کے آخری چند صفحات تو پوری طرح فارسی میں ہیں۔ مجموعی طور پر کلمۃ الحقائق کی نثر اکھڑی اکھڑی اور ناہموار ہے۔"[1]

"کلمۃ الحقائق" میں اردو زبان کی طفولیت کے نقوش بخوبی دکھائی دیتے ہیں اور یہی وہ اہم پہلو ہے جس کے باعث یہ کتاب اردو کے ابتدائی نثری نقوش میں شامل کی جاتی ہے۔ محققین کی رائے بھی یہی ہے کہ اس کتاب کی زبان دکنی اردو کی ابتدائی صورتوں کی عکاس ہے، جس میں مقامی بولیوں، عربی وفارسی کی علمی زبان اور سنسکرت زبان کے اثرات کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

"کلمۃ الحقائق" کی دوسری بڑی انفرادیت اس کا موضوع ہے، جو مکمل طور پر تصوف اور عرفانِ الٰہی پر مرکوز ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہر دور میں دلوں کو متاثر اور روحانی تشنگی کو سیراب کرتا رہا ہے۔ برہان الدین جانم کا بنیادی مقصد مذہب اسلام کے روحانی پہلوؤں کو عام فہم انداز میں پیش کرنا ہے۔ صوفیائے کرام کا طریقہ کار بھی یہی رہا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ سے قریب کریں، ان کے دلوں میں محبتِ الٰہی، اطاعتِ رسولؐ اور معرفتِ حق کا جذبہ پیدا کریں۔ "کلمۃ الحقائق" اسی صوفیانہ روایت کی ایک نادر مثال ہے۔

یہ رسالہ سوال وجواب کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ ممکنہ طور پر اس زمانے میں بعض لوگ ایسے سوالات رکھتے تھے جن سے اسلامی عقائد یا تصوف کے نظریات مشکوک یا مشتبہ محسوس ہوتے تھے۔ برہان الدین جانم نے ان سوالات کے جوابات علمی اور عارفانہ انداز میں دیے تاکہ صحیح بات کو دلیل، منطق اور روحانی تجربے کی روشنی میں پیش کیا جا سکے۔ "کلمۃ الحقائق" میں جو اہم مسائل زیرِ بحث آئے ہیں ان میں توحید اور صفاتِ الٰہی، اللہ کی احدیت و ابدیت، اس کی قدرت و اختیار، اس کا غیب و شہود پر محیط علم، اللہ کی معرفت کے طریقے اور اس تک رسائی کی راہیں شامل ہیں۔ اس تعلق سے یہ اقتباس دیکھیے:

سوال: کہ خدائے تعالیٰ اول تھے اول کیوں ہے؟

جواب: قدیم تھے قدیم اول تھے اول اپیں تھا۔

---

[1] پروفیسر محمد نسیم الدین فریس، دکنی ادب، ایم اردو، مانو، حیدر آباد، 2023، ص266

سوال: کہ کیوں تھا و کہاں تھا؟

جواب: بے چوں و بے چگونہ تھا و چون و چرا نہ باید گفتن ولیکن ہستی باقی لاشک ولاشبہ۔

سوال: او کہاں تھا کہیں تو تعلقات جا گا سوں دھر تا تھا بھی؟

جواب: تیرے بھی وقت سوں تعلق دھر تا ہے تو اس ہر شے کا آفرید گار وہچ جان اور اس جا گا کا سب کا آفرید گار وہی پچھان، اس تھے اول، و اول کا بھی اول و آخر، قدیم و جدید، سب اس تھے بے زبان ہوتا۔ اس تھے بول میں آیا کہ اول تھے اول ہے جملہ مخلوقات تھے لا مکان ہے۔ کہ چنانچہ خواجہ روم اور خواجہ شبلی پر سید " قال ماالتوحید؟ قال من اَجاب عن التوحید فَھُوَ مُشْرِکٌ ولم یَعرِفُ ذلک فَھُوَ کافرٌ۔ وسائل عنہ فھو جاھلٌ"۔

سوال: پس سمج نہیں کیوں قرار دینا و تحقیق کوں کیوں انپڑنا کہ کچھ نہیں پس کیوں؟

جواب: اے عارف تو مخلوق ہے۔ تیرا تعلق و رہنا یک جا گا سوں تعلق دھر تا ہے کہ توں بندۂ عاجز بے قدرت و خدائے تعالیٰ کوں یہ آرزو مندی نہیں کہ توں بے قدرت، و خدائے تعالیٰ باقدرت اپس سوں اپے تھا۔[1]

مصنف نے خدا کی ذات و صفات، ابتدا و انتہا، باقی و فانی، قدیم و جدید اور بے ہمہ و باہمہ کے بعد قدرت کیا ہے؟ اور قدرت و خدا کے فرق کو بھی سوال جواب کے انداز میں وضاحت کی ہے۔

سوال: قدرت کیا؟

جواب: خدا اپنا کہ من خداوندیم، "انی اَنااللہ" جس فرمایا آن منی بر ہمہ منی باشد۔

سوال: در قدرت و خدا فرق چہ باشد؟

جواب: کہ قدرت تعلق با فعل دارد۔ کہ اپنے فعل پر نمودار شاہد باشد واللہ تعالیٰ از منی خود و اپنے فعل تھے منزہ و در پنہاں گنج باشد حدیث قدسی کہ کنتُ کَنْزاً مَخْفِیاً فأحبْبَت،اَن اُعْرفَ۔[2]

اس رسالے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت پر ایک گہری اور مدلل بحث کی گئی ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی کریمؐ کے نور کو پیدا کیا اور پھر کائنات کو اسی نور سے خلق کی۔ اس نظریے سے جُڑے تصورات یہ ہیں کہ اللہ خود نور ہے نبیؐ کا "نور من نور اللہ" ہونا انسانوں کے جسم میں موجود روحانی نور اور اسی نور کی بنیاد پر انسان کو بقیہ مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ مباحث نہایت دقیق، عارفانہ اور فلسفیانہ انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"جہاں نور محمدؐ کیا شاد ہے۔ پس آں ہوائے صفارا آئینہ ساخت و مشاہدہ خود بخود دید۔ چوں ذات اللہ شاہد

---

[1] برہان الدین جانم، کلمۃ الحقائق، مرتبہ: اکبر الدین صدیقی، حیدر آباد، 1961، ص 23،22

[2] برہان الدین جانم، کلمۃ الحقائق، مرتبہ: اکبر الدین صدیقی، حیدر آباد، 1961، ص 23،24

است وہم ثانی شاہد، نور محمد در آئینہ صفا کی امر ارادت تھا کی، کن فیکون وجان اے عارف! نہ کاف و نون کون جاگا اس میں۔ اس پنے میں اظہار نور در صفا ہوا ولیکن در کلمہؑ کن فیکوں معذور ہے۔ پس وپر تو ذات کا سو نور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم قدرت سوں چینت کر شاہد کیا محمدؐ کے نور کوں۔ پس از شاہد نور ہمہ نور را آفرید۔ کہ انس و جن وملک وہمہ عالم شد وآن ہچوں چراغ از چراغ افروخت وآں نور راروح القدس گویند۔ برائے آں محمدؐ نور راابو الارواح گویند۔"[1]

اس رسالے کے اختتامی حصے میں مصنف نے تصوف کے چند بنیادی اصول وطریقِ سلوک کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ان میں مراقبہ ومشاہدہ شامل ہے جس کے ذریعے سالک دل ودماغ کو یکسو بنا کر روحانی ارتقا حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح ذکرِ جلی وذکرِ خفی کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے اسما کا ورد زبان سے بھی کیا جاتا ہے اور خاموشی کے ساتھ بھی۔ مزید برآں اسمائے الٰہی کے اذکار اور ان کے روحانی فوائد کو بیان کیا گیا ہے تاکہ سالک اپنے باطن کو منور کر سکے۔ مصنف نے قلب کی صفائی ولطافت کو بھی لازمی قرار دیا ہے، جس کے بغیر روحانی منازل کی طرف پیش رفت ممکن نہیں۔ آخر میں مرشدِ کامل کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، کیونکہ سلوک ومعرفت کی راہوں میں رہنمائی کے لیے ایک کامل مرشد کا ہونا ناگزیر ہے۔ یہ تمام باتیں صوفیانہ تربیت اور روحانی سلوک کی بنیاد ہیں، جنہیں برہان الدین جانم نے بڑی حکمت سے پیش کیا ہے۔

سوال: ذکر کون؟ اور مراقبہ ومشاہدہ کیوں؟

جواب: ذکر جلی، اما ذکر جز نام اللہ اور یاد نہیں کہ نام اللہ ذاتی وبعض نام صفاتی۔ اللہ نام محیط است در ہزار نام کہ نام خدا بر خودیٔ خود بعضی نامہا بر صفات نمود۔ چنانکہ قادر، توانا تو نگر کہ سبحان وسلطان، رحیم وکریم، جبار، ستار، غفار۔ این نام بر ہر یک صفت تعلق دھرتا ہے۔ نام اللہ محیط است کہ سبحان اللہ، سلطان اللہ۔ جز اس اور فضل نہیں۔[2]

سوال: مراقبہ چیست ومشاہدہ چیست؟

جواب: مراقبہ یہ ہے کہ نفس کون تفرقہ نہ کرے یکجا جمع کند ومشاہدہ آں است کہ نفس رادر ذکر مشغول کند۔ ہمیشہ خدا تھے۔ بعدہٗ در ذکر از کرم حق تعالیٰ یک حال رارسید آن کہ منزل ناسوت است۔

سوال: منزل ناسوت راحال طریق کیا؟

جواب: آں کہ در سوزِ ذکر مست شود ودر ظاہر طبیعت ہچوں دیوانہ ومجذوب، ایں منزل اور است، انشا اللہ تعالیٰ۔ بعدہٗ چوں ایں حال حضم شود وراہ طریقت رابر سد این جا مقام دل است وراہ طریقت تعلق بروجود روحانی یعنی ممکن الوجود۔[3]

---

[1] ایضاً 27،28

[2] ایضاً، ص 91،92

[3] ایضاً، ص 94

"کلمۃ الحقائق" کی زبان قدیم ہے اور آج کی بہ نسبت مشکل بھی ہے، جس کی وجہ سے آج کا عام قاری یا طالب علم اس سے براہِ راست استفادہ نہیں کر پاتا، تاہم اس کی موضوعاتی اہمیت آج بھی قائم ہے بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ موجودہ دور میں روحانیت کی تلاش شدت اختیار کر چکی ہے۔ تصوف کے اصل اصول اور اس کی تطہیر نفس کی تعلیمات از سرِ نو دریافت کی جا رہی ہیں۔ یہ رسالہ ان موضوعات پر قدیم بنیادوں پر مبنی، مگر ہمیشہ تازہ رہنے والے جوابات فراہم کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ "کلمۃ الحقائق" ایک علمی، فکری، لسانی اور روحانی دستاویز ہے، جو برہان الدین جانمؔ کی گہری بصیرت، لسانی مہارت اور روحانی تجربے کی مظہر ہے۔ اس میں صوفیانہ افکار کو عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اس میں زبان کی وہ ابتدائی صورت دکھائی دیتی ہے جس سے آگے چل کر اردو نثر کی بنیاد پڑی۔ یہی وہ دو پہلو ہیں، یعنی لسانی انفرادیت اور موضوعاتی گہرائی، جو اس کتاب کو اپنے عہد کی دیگر تصانیف سے ممتاز اور منفرد بناتے ہیں۔

*****

آئینِ حزب اللہ: تصوف و سلوک کا ایک جامع دستور

سیدہ مسرورہ بی بی*

آئین حزب اللہ حضرت سید اسماعیل ذبیح اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف لطیف ہے۔ جو سالکین راہِ طریقت کے لیے ایک مکمل رہنما اور گائیڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اس کتاب اور صاحبِ کتاب کا ایک اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے مؤلف حضرت سید اسماعیل ذبیح اللہ شاہ ہیں، آپ کا نام سید اسمعیل اور عرف ذبیح اللہ شاہ تھا، آپ نجیب الطرفین حسنی حسینی سادات میں سے ہیں۔ آپ کے والد کا نام حضرت سید بابا رحمت اللہ عاشق تھا۔ سلسلۂ نسب پچیس واسطوں سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، جبکہ سلسلۂ طریقت محض سات واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے۔

آپ 22/رجب المرجب 1274ھ[1] کو دکن کے ایک ایک چھوٹے سے گاؤں پچوند پرگنہ بھینسہ میں پیدا ہوئے، جو اس وقت ضلع ناندیڑ (مہاراشٹر) میں تھا، اور اب عادل آباد (تلنگانہ) میں ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی نسبت سے آپ کا نام سید جعفر رکھا گیا۔ شیر خوارگی کی عمر میں ہی حضرت کو چیچک کی بیماری لاحق ہو گئی تھی تو آپ کے دادا نے صحت یابی پر چند اونٹوں کی قربانی کی نذر مانی۔ چنانچہ جب صحت یاب ہوئے تو نذر پوری کی گئی اور حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی نسبت سے آپ کا نام اسماعیل اور عرفیت ذبیح اللہ رکھی گئی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا حضرت سید امام علی شاہ حسنی اور والدِ بزرگوار حضرت سید رحمت اللہ شاہ عاشق حسنی قدس سرہما سے حاصل کی، والدِ گرامی نے محض گیارہ سال کی عمر میں ہی آپ کو اپنی خاندانی نعمتوں سے سرفراز کر کے سلسلہ چشتیہ و قادریہ کی اجازت عنایت فرمائی، اور ابھی آپ محض 13 سال کے تھے کہ والدِ گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد کے انتقال کے بعد دادا حضرت سید امام علی شاہ حسنی کی زیرِ نگرانی آپ کی تعلیم و تربیت ہوتی رہی، لیکن تکمیل سے پہلے دادا حضرت کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، جس کے بعد آپ دادا حضرت کے نظام العمل پر کاربند رہ کر علومِ ظاہر کی تحصیل کے ساتھ ساتھ ریاضتِ باطن اور مجاہدۂ نفس میں مشغول رہے۔[2]

اس کے بعد شیخ الاسلام حضرت امام محمد انوار اللہ فاروقی قدس اللہ سرہ بانی جامعہ نظامیہ حیدر آباد دکن کے سامنے زانوے ادب تہ کر

---

* ایم۔فل، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

([1]) سوانح مبارک سلطان العارفین حضرت الشیخ سید اسماعیل عرف ذبیح اللہ، ترتیب: صوفی محمد عثمان، زیر نگرانی: صوفی سید عبد القادر، کراچی: بزم ذبیح اللہ، تاریخ اشاعت ندارد، ص 3

([2]) سوانح مبارک سلطان العارفین حضرت الشیخ سید اسماعیل عرف ذبیح اللہ، ص 4-6

کے علومِ ظاہری کی تکمیل کی، اورآپ تہجد کی علمی مجلس درس فتوح الغیب میں شامل رہتے تھے۔

علومِ ظاہری کے حصول سے فراغت کے بعد غلبۂ طلبِ حق میں چھ سات بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر ریاضت و کسبِ اشغال میں مشغول رہے، اور اخیر میں والدِ گرامی کی طرف سے بشارتِ منامی پاکر حضرت سید افتخار علی شاہ وطن صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے زیر تربیت مراحلِ سلوک طے کیے، اور مسلسل 9 ماہ شبانہ روز ریاضت و مجاہدات شاقہ کے بعد خصوصی عنایات سے سرفراز ہوئے، اور شیخ نے خلافت سے نواز کر مامور بخدمت فرمایا۔ آپ خود رقم طراز ہیں کہ:

''بوقت خاص اس خاکسار کو بتاریخ 6/رجب المرجب 1322ھ خلعتِ خلافت، خرقہ، عمامہ، کلاہ، تسبیح و مصلی وحمائل شریف و دلائل الخیرات مہر سند اجازت بمعہ نفذ(للعہ) سرفراز فرمایا کہ تو جا تبلیغ و اشاعت کر- حسب الارشاد تبلیغ و اشاعت، ارشاد و ہدایت میں ناچیز مصروف رہا۔،،(1)

حضرت سید محمد افتخار علی شاہ وطنؒ رحمۃ اللہ علیہ 1249-1324ھ

آپ کے پیر و مرشد حضرت سید محمد افتخار علی شاہ وطنؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک متبحر عالم، نہایت متقی وپرہیز گار وعابد شب زندہ دار بزرگ تھے، جو زیادہ تر وقت عبادت وریاضت، ذکر واشغال اور مریدین ومعتقدین کی تعلیم وتربیت میں صرف کیا کرتے تھے۔ آپ کے ساتویں جد بزرگوار حضرت سید محمد عرب المدنی مدینہ منورہ سے عبد اللہ قطب شاہ والی گولکنڈہ کے عہد میں دکن تشریف لائے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ حضرت وطن 9/رمضان المبارک 1249ھ بروز دوشنبہ بوقت افطار قلعہ محمد نگر(گولکنڈہ) میں پیدا ہوئے، والد بزرگوار کا اسم گرامی حضرت میر کاظم علی حسینی المدنی تھا، آپ کا سلسلۂ نسب 30 واسطوں سے حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے جاملتا ہے۔ حضرت وطنؒ صرف سات برس کے تھے کہ والدِ ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور تعلیم وتربیت آپ کی والدہ حضرت پیاری بیگم بنت میر مخدوم علی کے زیر نگرانی ہوئی۔

حضرت وطن کو سیر وسیاحت کا بڑا شوق تھا، تقریباً چالیس بیالیس برس تک مجاہدات، عبادات اور راہِ سلوک کی مختلف منازل طے کرنے میں مصروف رہے، اسی دوران پاپیادہ حج بیت اللہ وزیارت روضۃ النبی ﷺ سے سرفراز ہوئے، ہندوستان کی واپسی پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز کی بارگاہ میں تین سال چلہ کشی کی، اور آپ ہی کی ایماء پر حیدرآباد واپس آکر حضرت اکبر علی شاہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور اجازت وخلافت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت وطن کو سلسلۂ صابریہ میں حضرت محبوب علی شاہ الہ آبادی سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی۔ اس کے بعد بقیہ زندگی سالکین کی رہنمائی اور مریدین ومعتقدین کی اصلاح وتربیت میں صرف فرمائی۔ آپ کی وفات 9/رمضان المبارک 1324ھ کو گھانسی بازار میں ہوئی اور تدفین چشتی چمن رازدار خاں پیٹھ

(1) آئین حزب اللہ، سید اسماعیل ذبیح اللہ، کراچی: مکتبہ صوفیاء، القادر پرنٹنگ پریس، 1410ھ- 1989ء، ص19

(منگل ہاٹ، حیدر آباد) میں ہوئی جہاں آپ کا آستانہ مرجعِ خلائق ہے۔[1]

آپ ایک بالغ نظر عالم اور صاحبِ دل صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحبِ طرز ادیب و قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ نعتوں اور صوفیانہ وعارفانہ کلام پر مشتمل آپ کے دو دیوان: دیوان وطن اور سفر در وطن بھی شائع ہو کر منظرِ عام پر آچکے ہیں، جو اہل دل کی آنکھوں کا سرمہ اور ان کے لیے معرفت ورموز کا خزانہ ہیں۔ بطورِ نمونہ چند اشعار نذرِ قارئین ہیں:

وہ ہے کونسا دل، نہیں جس میں تو ہے   وہ ہے کونسا گل، نہیں جس میں بو ہے

سراپا ہے میرا ھو اللہ سے مملو   نظر ھو ہے، دل ھو ہے جان ھو ہی ھو ہے

کدھر سر جھکاؤں سو فرماؤ قبلہ   تمہارا تو جلوہ عیاں چار سو ہے

وطن حشر میں کس کو دیکھوں میں جاکر   مرا یار ہر پل میرے روبرو ہے[2]

مدرسہ صوفیہ کا قیام

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ شاہ صاحب قبلہ نے علومِ ظاہری وباطنی کی تکمیل اور چوبیس 24 سالہ ریاضت، مجاہدہ ومشقت کے بعد 1331 ہجری میں اپنے آبائی وطن چچوند میں مدرسہ صوفیہ کی بنیاد رکھی، جو اس خطے میں تصوف وسلوک کی عملی تربیت کے لیے قائم کیا گیا اپنی نوعیت کا منفرد اور پہلا ادارہ تھا۔ جہاں طالبینِ حق کے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام حضرت ذبیح اللہ شاہ کے ذاتی خرچ سے ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

> ”فقیر حقیر سراپا تقصیر خاکپائے اہل اللہ سید شاہ اسمٰعیل عرف ذبیح اللہ عفی عنہ نے اپنی چوبیس سالہ سیاحتِ عالم جلی وخفی کے بعد 1331ھ اس راہ میں ایک مدرسہ جامعِ علومِ لدنی بمقام خانقاہ قریہ چچوند پرگنہ بھینسہ ضلع ناندیڑ افتتاح کیا۔“[3]

بعد میں آپ نے اس مدرسے کو قریہ چچوند سے قندھار دکن منتقل فرمایا۔ یہ ایک بہت منظم مدرسہ تھا، جہاں صدہا طالبانِ حق زیرِ تربیت رہتے، اور مراحلِ سلوک کی تکمیل کے بعد خلعتِ خلافت اور نعمتوں سے سرفراز ہوتے۔ ہندوستان بھر کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے مریدین وسالکینِ راہِ طریقت کے لیے مدرسہ صوفیہ کے سات امتحانی مراکز مقرر تھے۔ اجمیر شریف میں بموقع عرسِ شریف حضور غریب نواز۔ بیجاپور کرناٹک بموقع عرس شریف حضرت خواجہ امین الدین اعلی شیر خدا بیجاپوری قدس سرہ، خلد آباد شریف بموقع میلاد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم، حیدر آباد دکن چشتی چمن میں بموقع جشن بموقع معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، گلبرگہ

---

(1) ڈاکٹر عقیل ہاشمی، مضمون روزنامہ سیاست، 2/ فروری 2017

(2) شرح دیوان وطن، مفتی علی عمران، بار اول؛ کراچی، ناشر: صوفی سید عبد القادر عرف قدرت اللہ شاہ، 2024ء، ص286، کلام نمبر 91

(3) آئین حزب اللہ، سید اسماعیل ذبیح اللہ، ص 20

شریف دکن بموقع عرس شریف حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ گیسو دراز قدس سرہ، اور دہلی میں بموقع عرس شریف حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدس سرہ کے علاوہ صدر مرکز مدرسہ صوفیہ قندھار شریف دکن میں ہمیشہ ریاضت و مجاہدہ میں مصروف طالبانِ حق اور مراحل کی تکمیل کرنے والے امتحانات بھی دیتے تھے۔

تقسیمِ ہند کے بعد آپ کے ایک خلیفہ صوفی سید عبد القادر صاحب پاکستان میں علاقہ سندھ شہر کراچی کے دور افتادہ غیر آباد مقام اولڈ کلفٹن میں ایک مسجد تعمیر کروائی اور اپنے پیر و مرشد کی مدینہ مسجد قندھار دکن کے نام پر مدینہ مسجد نام رکھا اور وہاں مدرسہ صوفیہ کے نصاب کے مطابق اور اپنے مرشد کی ہدایات کی روشنی میں مریدین و طالبین راہ حق کی تربیت میں مشغول رہے۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ شاہ 16/ محرم الحرام 1390 ھ کو اپنی قیام گاہ دودھ باولی میں دوسرے جلسہ خلافت کے موقع پر محفلِ سماع کے اختتام کے بعد ارشاد فرمایا کہ مجھے "فاستقم کما أُمِرتَ" کی آواز آرہی ہے، یہ سن کر سب فرزندان آبدیدہ ہوگئے، آپ نے جلال میں فرمایا: روتے کیوں ہو، رونے کی کیا بات ہے؟ اس کے چھ ماہ بعد 13 / رجب المرجب 1390ھ مطابق 25/ ستمبر 1970ء بروز جمعہ ایک ماہ کی علالت کے بعد، نماز چاشت اشارہ سے ادا کرتے ہوئے سجدہ میں اپنے رب کی بارگاہ میں "واسجد واقترب" کا پیکر بن گئے۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُون ، اس وقت وہاں میرے والد گرامی پروفیسر سید محمد تنویر الدین خدا نمائی، اور میری دادی محترمہ اور آپ کی ایک ضعیف مریدہ قاسم بی صاحبہ موجود تھے۔

آپ کے وصال سے ایک دو روز پہلے شہر میں طوفانی بارش سے افضل ساگر کا نالہ ٹوٹنے کی وجہ سے شہر کا کافی حصہ زیرِ آب آگیا تھا۔ ایک عجیب افراتفری تھی۔ آپ کی آخری آرام گاہ کے لیے جہاں کہیں زمین کھودی جاتی پانی نکلتا تھا۔ آخر کار حضرت وطن قدس سرہ کے جانشین حضرت مولانا سید ولی اللہ حسینی افتخاری قدس سرہ نے کہلوا بھیجا کہ اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے شاہ صاحب کو چشتی چمن لایئے، وہ اپنے پیر و مرشد کے سچے عاشق تھے، سوائے چشتی چمن کے انہیں کہیں نہیں لے جایا جاسکتا، اور جگہ کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی، لیکن میں شاہ صاحب کو دیتا ہوں۔ اور دوسرے دن 24 / رجب المرجب 1390ھ قبل نماز عصر آپ کے جسد خاکی کو اپنے مربی شیخ طریقت کے پائین جنوبی جانب سپرد لحد کیا گیا، تو یہ رمز کھلا کہ آپ اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ قریب الوطن کیوں لکھا کرتے تھے۔

آپ کی وفات حسرت آیات پر مولانا سید معز الدین قادری ملتانی علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ: "اَلا إنّ اَولیَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِم وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ " مادہ تاریخ سن وفات 1390ھ نکالی، اور مندرجہ ذیل اشعار میں تاریخ کہی:

قطعہ تاریخ وصال عارف زمن

1970ء

سوز عشقت چوں فنا کردہ دل سوزان تن
1970ء

شد نہاں تاب ذبیح اللہِ ما نورِ دکن
1970ء

بہر در سال وصال آن ولی گفتم معز | پیر محرم آن ذبیح اللہ گم شد در وطن
1370ھ | 1370ھ

آپ کی شخصیت علمی رسوخ، سلوکی تجربہ، روحانی مشاہدات کی جامع تھی اور آپ کو عوام وخواص کے درمیان یکساں محبت واحترام حاصل تھا، اوران سب کے باوجود آپ نے نہایت زاہدانہ زندگی بسر کی، اور آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی، لیکن شخصیت سے وقار جھلکتا تھا۔ آپ کی غذا نہایت لطیف اور بہت کم ہوتی تھی۔ آپ نہایت متقی وپرہیز گار تھے، پاکیزہ غذا کے اہتمام کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی کسی نے سہواً بھی بغیر وضو کھانا پکا کر کھلا دیا تو فوراً آپ کو قے ہو جایا کرتی تھی، اس سے آپ کے کمال تقوی وپرہیز گاری اور زہد وورع کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح خدمتِ خلق بھی آپ کا شیوہ تھا اور آپ نے قندھار میں جہاں غیر مسلموں میں چھوت چھات کی وجہ سے ان کے سماج کے دبے کچلے لوگ جن کو اشرافیہ طبقے کے کنویں سے پانی بھرنے کی اجازت نہ تھی، ان تک پانی پہنچانے کے لیے ایک بڑی باؤلی بنوائی جس سے سارے گاؤں کو پانی فراہم کیا جاتا تھا۔ اس باولی کو آپ نے حضرت سید حاجی سیاہ سرور مخدوم رفاعی علیہ الرحمۃ کے نام سے موسوم کیا۔

خلفاء:

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ شاہ صاحب کے بے شمار مریدوں میں کل 22 حضرات کو آپ نے خلافت عطا فرمائی، جن میں آپ کے سات فرزندان بھی شامل ہیں، جن میں تین کا وصال ہو چکا ہے، آپ کے چند ممتاز خلفاء کے نام حسبِ ذیل ہیں:

1۔ سید شمس الدین خدانمانی افتخاری علیہ الرحمۃ بڑے فرزند و جانشین۔
2۔ صوفی ابراہیم عبداللہ خدانمائی افتخاری علیہ الرحمۃ تعلقہ مومن آباد امباجوگی ضلع بیڑ، مہاراشٹر
3۔ جناب خواجہ غلام معین الدین صاحب وصفی افتخاری جو ایک صوفی شاعر بھی تھے، بودھن ضلع نظام آباد سے تعلق تھا۔
4۔ صوفی شاہ محمد احمد افتخاری علیہ الرحمۃ
5۔ صوفی ڈاکٹر شاہ عبد المنان افتخاری علیہ الرحمۃ جو پیشہ مسیحائی (طب) سے وابستہ تھے انھوں نے گردہ ملامتیہ کی طرح اپنی حقیقت سے اپنے بیوی بچوں کے اور عوام سب کو بے خبر رکھا تھا۔
6۔ صوفی شاہ محمد عثمان افتخاری علیہ الرحمۃ موضع دیونی بزرگ ضلع عثمان آباد، مہاراشٹر
7۔ صوفی سید عبدالقادر علیہ الرحمۃ کراچی پاکستان
8۔ پروفیسر سید محمد تنویر الدین خدانمائی، سابق صدر شعبۂ فارسی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد، وڈائریکٹر مدرسہ صوفیہ، قندھار

آئینِ حزب اللہ

''آئینِ حزبُ اللہ'' حضرت سید اسمعیل عرف ذبیح اللہ قدس سرہ العزیز کی ایک غیر معمولی، منظم اور تربیتی تصنیف ہے، جو سالکینِ

طریقت کے لیے ایک مکمل روحانی دستور (Spiritual Constitution) کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب صرف ملفوظات یا روایتی تصوف پر مبنی نہیں، بلکہ سلوک کی تربیت، روحانی نظم، اجازت، تفویض اور مدارجِ سلوک کو نہایت منظم انداز میں پیش کرتی ہے۔

اس کتاب کا مقصد ایک ایسا ضابطۂ حیات پیش کرنا ہے جو اسلامی تعلیمات اور اولیاءِ کاملین کی سنتوں پر مبنی ہو، اور جس کے ذریعے ایک سالک وواصل بندے کی شخصیت تعمیر ہو سکے۔ مصنف نے اس کتاب کو تصوف، تربیت، اخلاق، دعوت اور جماعتی نظم و ضبط کے اصولوں کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔

کتاب کے اہم مباحث:

اس کتاب میں شامل مندرجہ ذیل مباحث اس کی جامعیت اور افادیت کو نمایاں کرتے ہیں:

- **ابتدائی و تمہیدی مباحث:** اس حصے میں کتاب کے بارے میں قارئین کے لیے بنیادی ہدایات، اور مقصدِ تالیف کی وضاحت شامل ہے، جو آئین کے لیے نظری تمہید فراہم کرتا ہے۔
- **تنظیمی وادارتی مباحث:** اس حصے میں افتتاحِ مدرسہ صوفیہ، اس کی غرض وغایت، سلسلے کا ادارتی ڈھانچہ، طریقۂ دعوت اور اس کے بنیادی مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ یوں کتاب محض روحانی تعلیم نہیں، بلکہ تنظیمی نظم کی بنیاد بھی فراہم کرتی ہے۔
- **نظریاتی وسلوکی مباحث:** یہ حصہ روحانی سفر کے باطنی مراحل، سالک کے احوال، اور سلسلۂ طریقت کی نسبتوں کا جامع بیان ہے، جو سالک کے روحانی وعرفانی سفر کا خاکہ پیش کرتا ہے۔
- **مدارجِ سلوک:** یہ حصہ آئینِ حزبُ اللہ کا مرکزی اور بنیادی حصہ ہے۔ اس میں سالک کے قیام، طعام اور منام کے آداب، سلف کے متفقہ احوال، اجتہادِ سلفِ چشت، حقیقتِ حبیب اللہ، عطائے سلف، نصابِ بعد الاجتہاد، اصولِ سابقہ و حالیہ، کا نہایت منظم بیان ہے۔
- **اخلاقی و عملی دستورِ سلوک:** یہ حصہ آئین کا سب سے موثر اور سالک کے لیے براہِ راست تربیتی باب ہے، جس میں درج ذیل نو ابواب ہیں:

باب اوّل	:	شرائطِ شرکت
باب دوم	:	آداب
باب سوم	:	اخلاق
باب چہارم	:	کسب و دیانت
باب پنجم	:	عبادت
باب ششم	:	اطاعت
باب ہفتم	:	توکل

باب ہشتم : ضوابطِ تفویض

باب نہم : تسلیم

یہ ابواب آئینِ حزبُ اللہ کو ایک مکمل، قابلِ عمل روحانی دستور العمل بنادیتے ہیں۔

- **اختتامی مباحث:** کتاب کے آخری حصے میں تنظیمی تربیت، امتحانی نظام، اور خدمات کے ضوابط بیان کیے گئے ہیں، جو کتاب کو محض دستاویز نہیں بلکہ مکمل نظام بنادیتے ہیں۔ یہ دراصل سالکِ طریقت کی مکمل عملی روحانی تربیت کا نصاب ہے۔

آئینِ حزبُ اللہ دراصل مدرسہ صوفیہ کا بنیادی دستور ہے، جو بانیِ مدرسہ صوفیہ حضرت سید اسمٰعیل ذبیح اللہ شاہ قدس سرہ کے عملی سلوک، نظامِ تربیت اور سلسلۂ خدانمائی کے منہج کی دستوری صورت ہے۔ یہ کتاب سراپا قواعد، ضوابط، تنظیمی اصول، آدابِ سلوک، اور خانقاہی نظام کو منضبط کرنے کے لیے مرتب کی گئی تھی۔ اس میں سلوک کے عملی مراحل کی تفصیلات نہیں ملتیں، کیونکہ حضرت مؤسس ان مراحل کی تربیت براہِ راست اور عملی طریقے سے عطا فرمایا کرتے تھے۔ وقت کے ساتھ جب تربیت یافتہ مریدین، خلفاء اور فرزندانِ سلسلہ ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہونے لگے تو یہ شدید ضرورت محسوس کی گئی کہ وہ عملی اور وجدانی طریقِ سلوک جو حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ شاہ نے قائم کیا تھا، خطرۂ ضیاع سے محفوظ کر لیا جائے۔ یہی ضرورت آگے چل کر ''ہفت مراحلِ سلوک'' کی تصنیف کا محرک بنی۔ جسے میرے والد گرامی پروفیسر سید محمد تنویر الدین خدانمائی نے ترتیب دیا ہے، مؤلف کے برادر اکبر حضرت سید شمس الدین حسن خدانمائی علیہ الرحمۃ کی تقریظ سے اقتباس پیش ہے تاکہ اس کی اہمیت واضح ہو:

> ''ہر دور اور ہر زمانے کی ضروریات اور مطالبات مختلف و متنوع ہوتی ہیں... حضرت والد صاحب قبلہ مرشدی وسیدی ومولائی سید اسمٰعیل ذبیح اللہ شاہ صاحب قدس سرہ العزیز بہت حساس، متقی اور بڑے ریاضت کرنے والے تھے... بندے کو وصال الی الحق کے لیے وجدان کی بھی ضرورت ہے، اور وجدان کو اصول و قواعد وضابطہ سے بھی ملبوس کرتا ہے۔ اس لیے تجدید بھی کی اور راہِ ورد کو منزل سے قریب کرنے کے لیے اجتہاد بھی کیا... دیگر اولیاء اللہ خصوصاً حضرت جمال الدین ہانسوی، میراں جی شمس العشاق، سید محمود بہ لُطفِ معبود اور خواجہ امین الدین اعلیٰ شیر خدا کے سلوک وتجربات کو پیشِ نظر رکھ کر چودہ کسب اور سات مراحلِ سلوک اور مدّت کا تعین کیا... زیرِ نظر کتاب ''ہفت مراحل سلوک'' میں اس اجتہاد اور نصاب کو عام فہم انداز میں لکھا گیا ہے جس کی فی زمانہ بہت شدید ضرورت تھی۔"

المختصر آئینِ حزبُ اللہ محض تصوف یا اخلاق کا درس نہیں دیتی بلکہ سالک کے لیے ایک مکمل نظام تربیت پیش کرتی ہے۔ آج کے پراگندہ دور میں، جب نظریاتی گمراہی اور اخلاقی انحطاط عام ہو چکا ہے، ایسی کتابیں اصلاحِ باطن اور فکری رہنمائی کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ہیں۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کئی جید علماء ومشائخ نے اس پر تقریظات لکھیں، واقعہ یہ ہے کہ کتاب کی تالیف کے بعد حضرت مؤلف نے اس کو ملک بھر میں مختلف علماء ومشائخ کے سامنے پیش کیا، اوران سے کتاب کے بارے

میں ان کی رائے دریافت کی، جس پر انہوں نے اس پر تقاریظ لکھیں، جن میں کتاب کے پیغام، نفع رسانی، اور روحانی اثرات کو سراہا۔ ان میں سے بعض نامور شخصیات نے اس کتاب کو وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیا۔

کتاب پر تقاریظ لکھنے والے مشاہیر میں حضرت شاہ محمد نعیم عطا صاحب قبلہ محدث سلونی و سجادہ نشین خانقاہ کریمی اشرفی، سلون، رائے بریلی، حضرت نواب سید آل رسول علی خان، دیوان سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز، اجمیر شریف، سید نثار احمد متولی درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز، اجمیر شریف، سید قادر پاشاہ صاحب مشائخ رزاقی قادری، پٹن ضلع اورنگ آباد، حضرت میر احمد علی صاحب حسینی المدنی، خلیفہ حضرت وطن علیہ الرحمۃ حیدرآبادی، حضرت احمد حسین صاحب روضہ شریف گلبرگہ شریف، مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، حضرت مولانا حکیم محمد حسین صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن، مفتی محمد عبدالرحیم، سابق مفتی صدارت العالیہ و شیخ التفسیر جامعہ نظامیہ حیدرآباد، مفتی عبدالحمید سابق شیخ العقائد و ناظم جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن شامل ہیں۔

طوالت کے پیشِ نظر ان تمام تقاریظ سے صرفِ نظر کرکے صرف مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی علیہ الرحمۃ کے تاثرات پر اس مضمون کا اختتام کیا جاتا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ:

> "میں نے اس نظامِ عمل کو بغور تمام و کمال اول سے آخر تک پڑھا۔ میرے دوست جناب مولانا سید شاہ محمد اسماعیل ذبیح اللہ نظامی نے اپنی خداداد ذہانت سے اس تجویز نامۂ تصوف کو مرتب فرمایا ہے۔ تجویز نامہ کیا ہے خود اس میں معرفت کی تجلیات کے اشارے ہیں۔" [1]

* * * * *

مراجع و مآخذ

1۔ آئین حزب اللہ، سید اسماعیل ذبیح اللہ، کراچی: مکتبہ صوفیاء، القادر پرنٹنگ پریس، 1989ء

2۔ سوانح مبارک سلطان العارفین حضرت الشیخ سید اسماعیل عرف ذبیح اللہ، ترتیب: صوفی محمد عثمان، زیر نگرانی: صوفی سید عبد القادر، کراچی: بزم ذبیح اللہ، تاریخ اشاعت ندارد۔

3۔ ہفت مراحل سلوک، سید محمد تنویر الدین خدانمائی، بار اول؛ حیدرآباد: الانصار پبلکیشنز، 1434ھ-2013ء

4۔ شرح دیوان وطن، مفتی علی عمران، بار اول؛ کراچی، ناشر: صوفی سید عبد القادر عرف قدرت اللہ شاہ، 2024ء

5۔ ذاتی مشاہدہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد تنویر الدین خدانمائی

[1] آئین حزب اللہ، سید اسماعیل ذبیح اللہ، ص 27

ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی کے نعتیہ مجموعہ "ورفعنا لك ذكرك" کا تجزیاتی مطالعہ

سلمان عبد الصمد*

خانوادۂ بندہ نواز میں ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی علیہ الرحمۃ اپنی علمیت، زبان دانی اور بالغ نظری کی بنیاد پر ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ایک طرف ان کی تصانیف فکر و نظر کے لحاظ سے قابلِ قدر ہوتی ہیں، دوسری طرف ان کا ادیبانہ اسلوب اور عارفانہ مزاج قابلِ تقلید ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عشقِ رسول میں ان کی وارفتگی و شیفتگی درجہ کمال کو پہنچتی ہے۔ ان کے نعتیہ مجموعہ " ورفعنا لک ذکرک" کو اسی ضمن میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

بلاشبہ مداحِ رسول ﷺ میں مولانا الطاف حسین کا نام نمایاں ہے۔ انھوں نے اپنے تنقیدی منشور میں غزل، قصائد، مثنوی اور دیگر ادبی مباحث واصناف (خصوصاً چار) کو زیرِ بحث لایا؛ مگر انھوں نے اپنی اس کتاب "مقدمہ شعر وشاعری" میں نعت شریف کی شعریات ولوازمات کا کوئی عنوان نہیں باندھا، حالاں کہ اس کتاب کی اشاعت سے تقریباً پچیس برس قبل ان کا پہلا نعتیہ قصیدہ 1864-65 میں ہی منظر عام پر آچکا تھا۔[1] محمد حسین آزاد نے "آب حیات" کی دوسری طباعت میں نئے شاعر مومن خان مومن کو شامل کیا، اور دیگر شعرا کے تعارف میں اپنے اسلوب پر بھی کام کیا؛ مگر شاید الطاف حسین حالی کو اپنی علمیت پر اعتماد تھا کہ انھوں نے اپنی اس کتاب (مقدمہ) میں ترمیم واضافہ نہیں کیا، یہاں تک کہ انھوں نے اس کتاب کے ساتھ کوئی ضمیمہ بھی نہیں لگایا۔[1] جب کہ کلیم الدین احمد نے اپنی کتاب "اردو تنقید پر ایک نظر" میں تین ضمیمے شائع کیے۔ میرا ناقص خیال ہے کہ آج مولانا الطاف حسین حالی ہوتے تو سید شاہ خسرو حسینی کے وقیع مضمون " فن نعت ونعت گوئی" کو مقدمہ شعر وشاعری کا ضمیمہ بناتے! کیوں کہ اس مضمون میں جہاں نعت کی معنیات، شعریات، نعتیہ تاریخ اور فنِ نعت کے متعدد پہلو نمایاں ہیں، وہیں اس میں تنقیدی شان موجود ہے۔ اس طویل مضمون میں جس دقتِ نظری، عالمانہ شان اور ادبی متانت سے نعتیہ مباحث کو ابھارا گیا، وہ ادب میں شاذ شاذ ہے۔ اپنے علمی وثوق اور تہ داری کی بنیاد پر یہ مضمون مقدمہ شعر وشاعری کا ضمیمہ بننے کا حق ضرور رکھتا ہے۔ مقدمے کا ضمیمہ بنانے پر کسی صاحبِ علم کو اعتراض ہو تو ہم کم از کم اس مضمون کو " مقدمہ نعت وثناخوانی" کہہ سکتے ہیں۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، خواجہ بندہ نواز یونیورسٹی، گلبرگہ شریف

([1]) ضمیمہ نہ لگانے کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انھوں نے باضابطہ کوئی کتاب نہیں لکھی تھی بلکہ اپنے دیوان کا مقدمہ تیار کیا تھا۔ اس تناظر میں ضمیمے کا مسئلہ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں؛ مگر ترمیم واضافے کا پہلو ضرور ابھارا جاسکتا ہے کہ جب الطاف حسین حالی صاحب کو نعت سے اتنی قربت تھی تو انھیں اپنے تنقیدی منشور میں اس کی شعریات پر گفتگو کرنی چاہیے تھی۔ کیونکہ اگر وہ نعت کے مسائل ومباحث کو اپنی کتاب میں جگہ دیتے ہیں تو آج نعت کو بھی ادبی مقام ضرور ملتا، جس طرح مرثیہ پر ان کے کلام کی وجہ سے اسے حاصل ہے، حالاں کہ مرثیہ بھی مذہبی اعتقادات سے متعلق ہے۔

نعتیہ مباحث کے ضمن میں نعت کی صنفی حیثیت کا معاملہ بھی زیرِ بحث آتا ہے۔ کیوں کہ بہت سے ادبی دانش وروں نے نعت کو" صنف" تسلیم کیا اور نہ ہی" ہیئت"۔ ظاہر ہے نعت کو صنف یا ہیئت کے زمرے میں نہیں رکھا جارہا ہے تو اسے بطور فن تسلیم کیسے تسلیم کیا جائے گا؟" فنِ نعت" کی طرف رخ کرنے سے قبل صنف اور ہیئت کے متعلق بحث لازمی ہے:

" مروجہ اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے صنف اور ہیئت ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، صنف کا تعلق کسی فن پارے کے مواد اور موضوع سے ہے جب کہ ہیئت کسی تخلیق کے ظاہری ڈھانچے اور صورت کا نام ہے۔"(2)

مذکورہ اصطلاحی تشریح و تفریق سے اندازہ ہوتا ہے کہ نعت دراصل ایک صنف شاعری ہے۔ کیوں کہ اس کا مواد اور موضوع شہنشاہِ بطحا ﷺ کے متعلقات، ابعاد، اشارات، فرمودات، منشات اور ارادیات سے علاقہ رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے نعت ایک صنف شاعری ٹھہرتی ہے۔ حالاں کہ ناقدینِ ادب آج بھی نعت کو کلی طور پر ایک صنف تسلیم کرنے سے کتراتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کسی بھی ادب پارے کو اس وقت صنف تسلیم کیا جاتا ہے، جب اس کا سرمایہ وافر مقدار میں موجود ہو۔ دیگر زبانوں سے قطع نظر عربی، فارسی اور اردو میں نعتیہ سرمایہ ہی نہیں، نعتیہ خزینہ موجود ہے۔ اس لحاظ سے بھی نعت بحیثیتِ صنف اپنا مقام متعین کرتی ہے؛ لیکن اسے آج بھی" موضوعِ شعر" کے ضمن میں دیکھا جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس نثر کو بھی نعت کہا ہے جس میں حضور ﷺ کا ذکر ہے۔ اس حساب سے سرمایۂ نعت اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ سرمایہ درجہ ثقہ تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے جو سرمایہ منظوم ہوتا ہے وہ سینہ بہ سینہ زیادہ دنوں تک محفوظ رہتا ہے۔ نعت کا سرمایہ منظوم بھی ہے اور منثور بھی۔ ابوریحان بیرونی نے "کتاب الہند" میں منظوم سرمایہ کی قدر و قیمت پر اچھی بحث کی ہے۔(3) اس لیے وافر سرمایہ بھی نعت کی عظمت کو مزید مؤثر کرتا ہے۔

اب رہی بات ہیئت کی تو عشقِ رسول کے لیے نظم، قصیدہ، مثنوی، رباعی، مسدس یا مخمس وغیرہ کوئی خاص ہیئت مختص نہیں ہے۔ اس لحاظ سے نعت کو فقط ہیئتی زمرے میں قید نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہاں غزل بھی بطور مثال پیش نظر ہے کیوں کہ غزل جب تک عورتوں سے بات کے لیے خاص تھی تو اسے صنف کے دائرے میں رکھا جاتا تھا۔ اب غزل کے ضمن میں ہیئت وصنف دونوں کو زیرِ بحث لایا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ وارفتگی، شیفتگی اور لطافت سے غزل کا ازلی رشتہ ہے، اس لحاظ سے غزل صنفی دائرہ میں قید رہتی ہے۔ پھر ہیئت کے اعتبار سے غزل کا ایک ڈھانچہ بھی موجود ہے۔ رہا نعت شریف کا مسئلہ تو کسی بھی ادبی ہیئت سے اس کا رشتہ استوار کیا جاسکتا ہے؛ یعنی رباعیات، مخمسات، مثنویات اور قصائد میں نعتیہ اشعار پیش کیے جاسکتے ہیں۔ موضوعاتی اعتبار سے دیکھیں تو نعت کو" صنف نعت" کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے جب نعت کا مسئلہ ہیئت وصنف کے درمیان معلق ہے تو ایسے میں کوئی نعت کے فن یعنی" فن نعت" کا مطالبہ کرے تو ان کی بات واقعی قابلِ ذکر ہوگی۔ ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

" ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ قسمِ نعت کو فنِ شعر کی ایک صنف کے بجائے فنونِ ادب کے ایک فن کی حیثیت سے

قبول کریں اور مماثل فنِ شعر کا مقام دیں۔ اسی لیے ہم نے نعت کو فنِ نعت کہا، نہ کہ صنفِ شعر۔"[4]

یہ بات تو اپنی جگہ محقق ہے کہ مرثیہ کا جو ادبی مقام ہے، ناقدینِ ادب وہ مقام بھی نعت کو دینے کے لیے تیار نہیں، حالاں کہ دیگر ادبی اصناف میں طبع آزمائی کرتے وقت شعرا کو بہت سی آزادیاں حاصل ہوتی ہیں۔ گویا ان کی نگاہ میں فن کاری بحیثیتِ معراج ہوتی ہے؛ مگر نعت گو شعرا کے نزدیک جہاں فن کاری کا معاملہ ہوتا ہے وہیں عقائد، وحدانیت وبشریت، تاریخ وتعلیم اور ذاتِ خدا وذاتِ رسول ﷺ کا مسئلہ بھی در پیش ہوتا ہے۔ گویا ایک نعت گو فقط فن شاعری کے لوازم سے آگاہ نہیں ہوتا بلکہ نعتیہ اشعار کی تشکیل میں بہت سے مضامین کو نظر کے سامنے رکھتا ہے۔ گویا عام شاعری سے کہیں زیادہ نعت میں فن کاری، بیدار مغزی، دقت نظری اور احتیاطِ فکری کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ انصاف کا تقاضا تو نہیں کہ فنِ شاعری کی دیگر شاخوں کو صنفی اور ہیئتی مقام نصیب ہو اور نعت کو فقط "موضوعِ شاعری" تک ہی محدود رکھا جائے گا۔ ڈاکٹر ریاض لکھتے ہیں:

"نعت کا موضوع کسی ایک صنف، ہیئت یا خاص شعری انداز سے مخصوص نہیں۔ نعت کی فضا میں آکر ہر صنف اور ہیئت اور شعر وشاعری کے مختلف اسالیب نعت آشنا ہو گئے ہیں۔ نعت کے موضوع نے اپنے اظہار کے لیے ہر صنفِ سخن کی خوبیوں اور خصوصیات سے فائدہ اٹھایا ہے، بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ نعت گو شعرا نے شاعری کی مروجہ اصناف، مستعمل ہیئتوں اور متنوع اسالیب کو حضور ﷺ کے ذکر واذکار اور توصیف ومدح سے مشرف کر کے اسے نعت کی صنف کے وسیع تر دائرے میں شامل کر لیا ہے۔" [5]

بلاشبہ ڈاکٹر ریاض مجید نے نعت کی وسعت اور گہرائی کا اعتراف کیا ہے۔ انھوں نے اس کے ابعاد وانسلاکات کو زیرِ بحث لایا ہے؛ مگر گہرائی کے ساتھ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مضمون میں بھی نعت بحیثیت "موضوعِ شعری" ابھر کر آ رہی ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اپنے اس مضمون میں متعدد مقامات پر نعت کو شعری موضوع کے تناظر میں دیکھا ہے۔ وہ جب نعت کو وسعت کے ساتھ دیکھتے ہیں تو اس وقت کسی حد تک ہیئت وصنف کا پہلو ضرور ابھرتا ہے؛ مگر انھوں نے بھی نعت کو فن کے تناظر میں نہیں دیکھا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی لکھتے ہیں:

"نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم وسیع موضوع ہے۔"[6]

سید شاہ خسرو حسینی رحمتہ اللہ علیہ نے نعتیہ شاعری کو "فن نعت" تسلیم کرنے کا جو مطالبہ کیا وہ قابلِ قدر ہے۔ کیوں کہ نعت میں فن کاری کے علاوہ دیگر عوامل کا بھی گہرا اثر ہوتا ہے۔ نعت کے متعلقات پر راقم نے سرسری ہی سہی، متعدد مضامین سے استفادہ کیا اور کئی کتابیں پڑھیں؛ مگر کسی نے نعت کو "فن" سے جوڑ کر گفتگو نہیں کی ہے۔ اس لیے سید شاہ خسرو حسینی کا مضمون "فن نعت ونعت گوئی" اپنے آپ میں منفرد ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ مضمون نہ صرف لفظِ نعت سے بحث کرتا ہے بلکہ نعتیہ روح اور فنی مشق ومزاولت کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اب یہاں فنون لطیفہ کی شاخوں کی طرف اشارہ ضروری ہے: "فنونِ لطیفہ کی پانچ شاخیں ہیں: فنِ تعمیر، فنِ مجسمہ، فنِ مصوری، فنِ موسیقی اور فنِ شاعری یا ادب۔"[7]

پروفیسر اطہر پرویز نے ہیگل کے نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا کہ جس فن میں مادی وسائل کا استعمال کم اور فن کاری زیادہ ہو، وہ فن زیادہ قابلِ قدر ہوتا ہے۔ بتدریج مذکورہ پانچوں فنون کے تجزیے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ شاعری (ادب) زیادہ قابلِ قدر فن ہے۔ کیوں کہ اس میں مادی وسائل کا استعمال کم ہوتا ہے اور فن کاری زیادہ ہوتی ہے۔ اب اگر ہم یہاں یہ کہیں کہ چونکہ فنِ شاعری کی دیگر اصناف کے مقابلے نعتیہ شاعری میں فن کاری، احتیاط، عقیدت، وارفتگی، شیفتگی، خلوص اور فنائیت کے جذبات زیادہ ہوتے ہیں، اس لیے نعت کو فنون میں شامل کیا جائے تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہونی چاہیے۔ تقدس مآب سید شاہ خسرو حسینی نے نعت کو صنف سے آگے بڑھا کر فن تک پہنچانے کا مطالبہ کیا ہے جو قرین از فہم ہے۔

بلاشبہ نعت کو ہیئت کے زمرے میں قید کرنے سے نعت کا دائرہ محدود ہوگا، اور نعت گو شعرا کی ادبی جاں فشانی کا حق ادا نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد نے لکھا ہے:

> " ممکن ہے کہ کچھ اربابِ نقد و نظر کے نزدیک یہ بات محض تکلف یا عقیدت ہو؛ مگر میرا خیال یہ ہے کہ مختلف اصنافِ سخن میں نعت گوئی سے زیادہ مشکل کوئی اور صنفِ سخن نہیں ہے۔"(8)

پروفیسر ملک زادہ منظور کی بات سے کلی اتفاق کیا جاسکتا ہے بلکہ اس میں یہ اضافہ کیا جانا لازمی ہے کہ نعت جب تمام اصنافِ سخن میں مشکل اور مہتم بالشان ہے تو اس کا درجہ " صنف " سے بالاتر ہونا چاہیے، یعنی اسے فن تسلیم کیا جانا چاہیے!

ادب سے جڑے ہوئے تقریباً تمام افراد لفظ " فنون لطیفہ " کا استعمال کرتے ہیں مگر وہ اس کے مالہ وماعلیہ سے اکثر ناواقف ہوتے ہیں، یہاں تک کہ فنونِ لطیفہ کی قسموں سے بھی۔ ایک وہ دور تھا جب ایک ادیب فنونِ لطیفہ کی دیگر شاخوں پر اپنی رائے رکھتا تھا مگر آج کے ادیب فنونِ لطیفہ کے ایک فن ادب و شاعری سے بھی کماحقہ واقف نہیں ہوتے۔ پریم چند فکشن کے آدمی تھے مگر انھوں نے جو سوا درجن تنقیدی مضامین لکھے، ان میں سے بیش تر کا تعلق فکشن سے نہیں تھا، اور ان میں انھوں نے دیگر فنونِ لطیفہ سے رشتہ استوار کیا۔ فنونِ لطیفہ کی دیگر شاخوں پر بحث کی۔ حضرت سید شاہ خسرو حسینی نے جس جمعیتِ طبع سے آرٹ یا فن کی بحث کی ہے، وہ قابلِ ذکر و تحسین ہے۔ کیوں کہ انھوں نے نہ صرف فن یا آرٹ کی بخیہ گری کی بلکہ اس کے دیگر متعلقات پر بھی نظر ڈالی ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اطہر پرویز نے اپنی کتاب " ادب کا مطالعہ " میں فنون لطیفہ کی دیگر شاخوں کا بہت خوب تذکرہ کیا ہے؛ مگر وہ بھی فن کی ایسی تشریح و تعبیر نہیں کرسکے جیسی سید خسرو حسینی نے کی ہے۔

ممتاز نقاد شمس الرحمن فاروقی نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب " شعر شور انگیز " میں گہرائی سے میر کا مطالعہ کیا ہے۔ کلامِ میر کا معنی متعین کرنے میں انھوں نے لغات سے خاصی مدد لی ہے۔ انھوں نے تقریباً ساڑھے تین درجن لغات سے استفادہ کیا اور ان لغات کے نام کی فہرست بھی " شعر شور انگیز " کی جلد چہارم کی تمہید میں شامل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: لغت سے استفادہ کرنے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ اجنبی الفاظ و محاورات کے معنی ڈھونڈے جائیں۔ لغت کے کامیاب استفادے کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم ایسے الفاظ اور فقروں کو جبلی طور پر پہنچان لے جن کے مفہوم یا محل استعمال، یا جن سے متعلق دوسرے الفاظ و محاورات کے بارے میں رہنمائی مل

سکتی ہو۔[9] پیشِ نظر کتاب ''ورفعنا لک ذکرک'' کے پہلے حصے میں سید شاہ خسرو حسینی نے نعت، فن اور دیگر الفاظ کے معنی متعین کرنے میں لغات کا جس طرح سہارا لیا، اس سے یقیناً مضمون وقیع ہو گیا ہے اور متعلقہ الفاظ کی معنویت میں کشش پیدا ہو گئی ہے۔ فاروقی صاحب نے لغت سے استفادے کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ مضمون اس کی عملی تفسیر بن جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ لغوی معنی سے تنقید کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا؛ لیکن لغت سے معنی متعین کرنے میں مدد ملتی ہے، اور تنقید میں ایک نئی شان پیدا ہو جاتی ہے جس کا التزام نامور محقق و ناقد رشید حسن خان بھی کیا کرتے تھے۔

مضمون '' فن نعت اور نعت گوئی'' کی ایک انفرادیت یہ ہے کہ اس میں تحقیقی، تقابلی، عددی اور موازناتی مزاج پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سید شاہ خسرو حسینی نے لکھا کہ قرآن میں لفظ شعر ایک، شاعر چار اور شعرا کا لفظ ایک دفعہ آیا ہے۔ احایث نبوی اور شمائل نبوی میں یہ لفظ تقریباً پچاس مرتبہ مختلف مقامات پر استعمال کیا گیا ہے، (اور مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے)۔ اس کے علاوہ انھوں نے یہ واضح کیا کہ لفظِ نعت عربی و فارسی میں عموم کی حیثیت رکھتا ہے، گویا ان دونوں زبانوں میں نعت سے تعریف و توصیف کے دیگر پہلو بھی مراد لیے جاتے ہیں؛ مگر اردو میں لفظِ نعت کا استعمال کرتے ہی ہمارا ذہن فی الفور نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

جب شاعری کا موضوع زیر بحث ہوتا ہے تو عام طور سے ''وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ''[1] کا حوالہ دیا جاتا ہے، کہ راہ سے بھٹکے ہوئے لوگ شعرا کا اتباع کرتے ہیں؛ مگر پیشِ نظر مضمون میں قولِ رسول: ''اِنّ مِن الشّعرِ لَحِکمۃ''[2] اور آیتِ قرآن ''اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ''[3] کے سیاق و سباق کو سامنے رکھتے ہوئے سیدی خسرو حسینی نے شاعری کا مقام متعین کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔ان دونوں گروہوں کی صفتیں یہ بیان کی گئیں کہ کفار شعری وادیوں میں بھٹکتے سر ٹکراتے پھرتے ہیں اور جن کے فعل و قول میں کوئی مناسبت نہیں۔ دوسرے گروہ کی صفت یہ ہے کہ انھوں نے ایمان لایا مسلمان ہوئے، جو ایک نیک عمل ہے اور اللہ کا بکثرت ذکر کرتے ہیں اور ظلم کا بدلہ لیتے ہیں، ان آیتوں کے ذریعہ جاہلی شعرا کی نالش ہے اور اسلامی شعرا کی تعریف کہ انھوں نے اسلام کی تائید میں جاہلی شعرا اور ان کے کلماتِ کفر کی ہجو کی۔''[10]

مصادرِ شریعت سے شاعری کی ایسی سالم مزاجی کا بیان ناقدین کے یہاں نظر نہیں آتا ہے۔ یہ استدلالی پہلو خوب ہے۔ قرآن کریم میں جاہلی دور کی شاعری کے عمومی تناظر میں شاعری کو راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کا شیوہ کہا گیا ہے۔ احادیثِ نبویہ قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح ہیں۔ اس لیے قرآن کی کسی بھی آیت سے معنی اخذ کرنے کے لیے ملتی جلتی دیگر آیتوں اور احادیث کو پیشِ نظر رکھنا

---

(1) سورۃ الشعراء:224

(2) صحیح ابن ماجہ، حدیث:3755

(3) سورۃ الشعراء:225

لازمی ہے۔ کیوں کہ قرآن میں احکام کا بیان تدریجی طور پر ہوا ہے۔ اس لیے تدریجی مراحل کو ذہن میں رکھے بغیر قرآن کی تفہیم آسان نہیں۔ مطالعہ کے اس طریقہ کار سے کسی بھی مسئلہ کا حل آسانی سے نکالا جاسکتا ہے، جس طرح سید ی خسرو حسینی نے شاعری کے پس منظر میں قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ کو سامنے رکھ کر ایک متوازن نظریہ پیش کیا۔

مضمون پڑھنے کے درمیان یہ بات بار بار ذہن میں آتی ہے کہ ہم واقعی کوئی مضمون پڑھ رہے ہیں۔ کیوں کہ پورے مضمون میں سلیک(slack) یعنی ڈھیلا پن یا غیر ضروری مباحث نہیں ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی نے اپنی کتاب ''افسانے کی حمایت'' میں افسانے کو شاعری کے مقابلے میں کم تر کہا تو اس کی ایک وجہ سلیک بھی بتائی ہے۔ جس کا عالمانہ جواب عابد سہیل نے اپنی کتاب ''فکشن کی تنقید'' میں دیا ہے۔[11] ایک اعتبار سے پیشِ نظر مضمون بھی فاروقی صاحب کا جواب ہے، کیوں کہ یہ نثر سلیک سے پاک ہے۔ فاروقی نے بنیادی طور پر سلیک کے تناظر میں افسانوی ادب یا بیانیہ پر اعتراض کیا۔ مضمون بھی بیانیہ کی ایک صنف ہے جس میں سید شاہ خسرو حسینی نے فن کاری دکھائی ہے۔ یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ فاضل مضمون نگار کے کسی جملے سے علمی نمائش نظر نہیں آتی۔ مضمون میں گٹھاؤ اور کساؤ اس حد تک ہے کہ مضمون کا لغوی معنی و مفہوم بھی مستند ہو جاتا ہے۔ عموماً افسانوں میں ناقدوں کو ارتکاز کی تلاش ہوتی ہے، حالاں کہ لفظ'' افسانہ'' میں ارتباط وانضمام کی ویسی کیفیت نہیں ہوتی، جیسی کیفیت لفظ ''مضمون'' میں شامل ہے۔ کیوں کہ لفظ ''ضم'' یا ''انضمام'' خود اس بات کا متقاضی ہے کہ مضمون میں ارتباط کا احساس رچا بسا ہو۔ پیشِ نظر مضمون میں جو اندازِ پیش کش ہے وہ واقعی ''رقمِ مضمون'' کی شعریات متعین کرتا ہے کہ مضمون میں بھی تخلیقی ارتکاز ہونا چاہیے۔ تخلیقی ارتکاز دراصل شعریاتِ مضمون کا ایک اہم جز ہے۔

یہاں ایک اور مسئلے کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے کہ اردو کے پہلے نعت گو شاعر کون ہیں؟ عربی میں پہلے نعت گو شاعر کی حیثیت سے مشہور جاہلی شاعر اعشی میمون بن قیس کا نام آتا ہے، جبکہ فخر الدین اسعد گرگانی کو فارسی کا پہلا نعت گو شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اردو کے حوالے سے سید خسرو حسینی لکھتے ہیں:

> ''اردو کے پہلے نعت گو شاعر کے مسئلے پر بھی اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ ملا داؤد جو شمالی ہند کے رائے بریلی کے رہنے والے تھے ان کی مثنوی چندائن میں شامل نعت جس کو انھوں نے 781ہجری / 1379 میں لکھی تھی پہلی نعت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ نہ صرف اردو کے پہلے شاعر تھے بلکہ پہلے نعت گو بھی۔''[12]

سید شاہ خسرو حسینی نے ''ایک رائے'' کے ذریعے چندائن کے مصنف کو اردو کا اولین نعت گو شاعر تسلیم کیا۔ جب کہ ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

> ''دکنی نظم ونثر کا آغاز عام طور پر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ سے کیا جاتا ہے اوران کے مختلف رسائل میں اردو ادب کے ابتدائی نمونے تلاش کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ بعد کی تحقیق نے ان رسائل سے خواجہ

گیسو دراز کی نسبت کو مشکوک قرار دیا ہے، تاہم ان سے منسوب اشعار میں نعت کا ایک نمونہ ملتا ہے۔ مولوی عبد الحق نے اپنی تصنیف ''اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام'' (اور نصیر الدین ہاشمی نے ''دکن میں اردو'') میں خواجہ گیسو دراز کی شاعری کے ذیل کے اشعار کا ذکر کیا ہے:

اے محمد ہجلو جم جم جلوہ تیرا ذات تجلی ہویگی سیس سپور نہ سیہرا

واحد اپنی آپ تہما اپیں آپ نجھایا پڑکٹہ جلوے کارنے الف میم ہو آیا ''[13]

ڈاکٹر ریاض مجید نے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے اشعار نقل کرنے کے بعد کوئی محاکمہ نہیں کیا کہ وہ کن کو اردو کا پہلا نعت گو تسلیم کرتے ہیں؛ مگر انھوں نے حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی روایت کو مشکوک ماننے کے ساتھ مولوی عبد الحق اور نصیر الدین ہاشمی کا حوالہ دیا کہ ان دونوں نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔[14] گویا جس طرح سید شاہ خسرو حسینی نے چندائن کے مصنف کو پہلا نعت گو شاعر قرار دیا، اسی طرح دوسرے مورخین وناقدین حضرت بندہ نواز گیسو دراز کو پہلے نعت گو تسلیم کرتے ہیں۔ کوئی بعید نہیں کہ حضرت سید شاہ خسرو حسینی نے دانستہ اپنے گھرانے سے اردو نعت گوئی کا سلسلہ نہیں جوڑا، تاکہ جانبداری یا عُجب اور تعلی کا کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے۔ راقم نے مولوی عبد الحق اور نصیر الدین ہاشمی دونوں کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ نصیر الدین ہاشمی کی کتاب میں مذکورہ اشعار موجود ہیں؛ مگر مولوی عبد الحق کی کتاب میں یہ اشعار نہیں ہیں۔ البتہ مولوی عبد الحق کے یہاں یہ دوسرے اشعار موجود ہیں:

او معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا
اور نورنبی رسول کا میرے جیو میں بھایا
اپسمیں اپیں دیکھاونے کیسی آرسی لایا[15]

گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نعتیہ تناظر کے جو (دو طرح کے) اشعار ڈاکٹر ریاض مجید کی کتاب ''اردو میں نعت گوئی'' میں ملتے ہیں ان میں سے ایک طرح کے اشعار مولوی عبد الحق کے یہاں موجود ہیں، اور دوسری قسم کے اشعار نصیر الدین ہاشمی کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ڈاکٹر ریاض مجید نے مذکورہ دونوں کتابوں سے الگ الگ اشعار نقل کیے ہیں۔ البتہ مولوی عبد الحق کے یہاں یہ مصرعہ کچھ یوں ہے: ''او معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا''، جب کہ یہ مصرعہ ڈاکٹر ریاض مجید کے یہاں اس طرح ہے: ''اور معشوق بے مثال ہے نور نبی پایا''۔ شاید اس اختلاف کی بنیاد پر سید خسرو حسینی نے حضرت بندہ نواز گیسو دراز کو اردو کا پہلا نعت گو تسلیم نہ کیا ہو، یہ ان کا کمالِ احتیاط ہو سکتا ہے۔ پروفیسر محمد عبد الحمید اکبر نے اپنے ایک مضمون ''گلبرگہ میں نعت گوئی'' میں بھی کئی حوالوں سے حضرت بندہ نواز کو ہی اردو کا پہلا نعت گو شاعر قرار دیا ہے۔

مضمون ''فن نعت اور نعت گوئی'' کے تجزیے کے بعد اس میں شامل تین درجن کلام پر ایک سرسری نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ جس طرح دیوان کے طفیل الطاف حسین حالی نے ''مقدمہ'' تیار کیا، اسی طرح شاید سید خسرو نے حسینی نے اپنے نعتیہ کلام کے صدقے ایک لازوال مضمون حیطۂ تحریر میں لایا جسے مقدمے کا ضمیمہ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ سید شاہ خسرو حسینی کے کلام کے مطالعے سے

چند باتیں بہت واضح طور پر سامنے آتی ہیں: اول، یہ کہ وہ کئی زبانوں میں دستگاہ رکھتے ہیں۔ فارسی، عربی اور اردو میں شاعری کرتے ہیں۔ دوم، عالم وارفتگی میں بھی وہ شعری صنعتوں کا فنی مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے کلام میں جہاں تلمیحاتی نظام قابل قدر ہے، وہیں تلمیعات کا دلکش پہلو بھی نظر آتا ہے۔ تلمیحات کے استعمالات میں علمیت اور تاریخی پہلو ظاہر ہوتا ہے، کیوں کہ وہی شاعر تلمیحات سے کام لیتا ہے جس کا مطالعہ وسیع ہو اور تاریخی حقائق پر اس کی نظر ہو، جب کہ نظام تلمیعات میں فن کاری کا معاملہ اہم ہوتا ہے۔ ایک فن کار اظہارِ جذبات کے لیے متعدد شاعرانہ ہیئت وصنعت استعمال میں لاتا ہے۔ بلاشبہ سید شاہ خسرو حسینی نے حُبِّ نبی ﷺ کے اظہار میں فن کاری کو بھی بروئے کار لایا۔ اس لیے ان کی علمیت اور زبان دانی دونوں ہمیں متوجہ کرتے ہیں۔ ذیل کے نعتیہ اشعار میں تلمیحات وتلمیعات کی جلوہ سامانیاں ملاحظہ فرمائیں:

محمد کا جہاں ہے اور محمد کا زمانہ ہے	یہ سب صدقہ ہے ان کا، لامکاں جن کاٹھکانہ ہے
وہی طٰہٰ، وہی یٰسٓ، وہی کامل محمد ہے	ذرا ناداں سمجھ لوح وقلم تو اک بہانہ ہے
محمد کی رضا ہے ’کن‘ ‘، تجلی ذات کی ’’فیکوں‘‘	کہ یہ حکمِ الٰہی جس میں رمز عارفانہ ہے
سفر معراج کا، براّق پر، قربت، وصل، قوسین	دوئی ہے یہ وہاں کب؟ بس ادائے دلبرانہ ہے
محمد دل، محمد جاں، محمدروح انساں ہے	’’نفخت فيه من روحى‘‘ کا مصداق شہانہ ہے

ان پانچ اشعار کی تشریح کے لیے بہت سے علوم سے بہرہ ور ہونا لازمی ہے۔ کیوں کہ جہاں ان میں ایک طرف نبی اکرم ﷺ مدح سرائی میں قرآنی آیات اور احادیث شریفہ کی تلمیحات ہیں، وہیں دوسری طرف صوفیانہ اصطاحات اورر مزیانہ زبان میں علم کلام وتصوف کے دقیق مسائل ومباحث کی طرف اشارے بھی ہیں۔ تخلیقِ لوح وقلم کی جانب اشارے ہیں۔ معراج کی چشمِ زدنی کا بیان ہے۔ قرآن کی متعدد آیات کی تفسیر ہے۔ اس لیے مجھے یہ نعت کئی اعتبار سے پسند ہے۔ اس نعت کو پیش کرنے کے بعد نعت کے فن، صنف اور ہیئت کے بہت مسائل پر بحث کی جاسکتی ہے۔ اس میں فنی ارتکاز بھی ہے۔ تاریخی اڑان بھی ہے۔ عقیدت کا سلام بھی ہے۔ گویا اتنے پہلووں کی شمولیت کے بعد نعت کو فن کے طور پر تسلیم کرنے یا کرانے کی آرزو عبث نہیں۔ نعتیہ مثال کے بعد حمد سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تجلی تیری ہر سو میں	زمیں تو، آسمان تو ہے
کہیں تو گنجِ مخفی ہے	تو ذوقِ عارفاں تو ہے
یہاں فانی عدم سب کچھ	وجودِ جاوداں تو ہے
ہو ابراہیم یا موسیٰ	شریکِ امتحان تو ہے
ہے دست حاتم الطائی	مگر پیچھے نہاں تو ہے

ہے جتنا دور، اتنا ہی قریب و درمیاں تو ہے

ان حمدیہ اشعار میں وہی عالمانہ خصوصیات موجود ہیں جو اوپر کے نعتیہ اشعار میں ہیں۔ چھوٹی بحر کی یہ حمد تاریخی تلمیحات اور قرآنی واقعات سے لبریز ہے۔ تاریخیت وارضیت کے باوجود اس میں خشکی کا احساس نہیں ہے، بلکہ فنی دل کشی بار بار غور وفکر پر مائل کرتی ہے۔

بلاشبہ حضرت سید شاہ خسرو حسینی کے کلام سے شاعرانہ فن کاری واضح ہوتی ہے۔انھوں نے فقط وارفتگی اور شیفتگی پر تکیہ نہیں کیا، بلکہ فنی مظاہرے کے لیے قرآنی علوم، احادیث، تاریخ، کلام، مذاہب، تصوف اور شعریاتِ شاعری کا سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری محض شاعری نہیں،ان کی عقیدت محض عقیدت نہیں،ان کے الفاظ نرے الفاظ نہیں بلکہ ان میں عالمانہ اور عابدانہ مشق ومزاولت کا تڑکا لگا ہوا ہے۔

حضرت سید شاہ خسرو حسینی کی کتاب " ورفعنا لک ذکرک" عالمانہ شعار، محققانہ روش، دقیق تجزیے، فنی وصنفی معاملات، اعداد ولغات، دلائل وبراہین اور انضمام واثقال کے لحاظ سے جامع تصنیف ہے۔ اپنی جملہ خصوصیات کی بنیاد پر اس کتاب کا مقدمہ، مقدمہ شعر وشاعری کا ضمیمہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ کہنا تو شاید غیر مناسب بات ہے کہ الطاف حسین حالی نے اپنی کتاب "مجالس النسا" کا نام اسی طرح رکھ دیا جیسا کہ اس زمانے میں دیگر کتابوں کے نام رکھنے کا رواج تھا۔ اگر وہ اس کتاب کا نام بہ نظر جدت کچھ اور رکھتے، تو اس کا مقام شاید بلند ہوتا، یا اسے اہم ترین ناول تسلیم کیا جاتا، جب کہ آج اسے فقط عورتوں کے معاملات پر مبنی ایک کتاب تسلیم کر لیا گیا ہے، حالاں کہ اس میں حقوقِ نسواں اور تانیثیت کے ایسے گوشے گوشے نظر آتے ہیں جن کی بنیاد پر اسے "اردو میں تانیثیت کا اولین منشور" کا نام دے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح حالی نے نعت کے معاملات کو غیر دانستہ ہی سہی مقدمے میں نظر انداز کر دیا۔ آل احمد سرور نے مقدمہ شعر وشاعری کو اردو تنقید کا پہلا منشور کہا تھا۔ ظاہر ہے پہلے منشور میں جن مسائل واصناف کی شمولیت ہوئی، انھیں اول دن سے ہی قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ پھر معاملہ یہ بھی ہے کہ قصائد کے ضمن میں نعتیہ انسلاکات کی بحث بہ آسانی کی جاسکتی ہے، کیوں کہ قصائد کا معاملہ جہاں غزل سے جڑتا ہے، وہیں تشبیب وشبیب اور نفسِ قصیدہ سے بھی نعت کا پہلو تعلق رکھتا ہے، اس کے باوجود حالی کا نعت کے متعلقات پر واضح انداز میں نہ لکھنا ایک مجتہدانہ غلطی ضرور نظر آتی ہے۔ "ورفعنا لک ذکرک" کے دوسرے باب میں تقریباً تین درجن نعتیہ کلام شامل ہیں، جن میں عشق وشوریدگی، جذباتِ قلبی، عشق کی وارفتگی، فن کی بلندی، لفظی مہارت، سلاست وروانی، شمائل نبوی، تلمیحات قرآنی، تلمیعات کی ضوفشانی، روش سلطانی اور عقیدتِ خسرویانی بدرجہ اتم موجود ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ تقی عابدی، حالی کی نعتیہ شاعری (مرتب) بک کارنر جہلم پاکستان، 2020، ص 73۔

2۔ حوالہ: وکی؛پیڈیا، ہیئت پرستی (فلسفہ) مرتبہ: محمد احمد، اردو لائبریری ڈاٹ او آر جی، پاکستان۔
3۔ ابوریحان بیرونی، کتاب الہند، ترجمہ: سید اصغر علی، انجمن ترقی اردو ہند دہلی، 1941ء، ص15۔
4۔ سید شاہ خسرو حسینی، ورفعنالک ذکرک، گیسو دراز اکیڈمی، گلبرگہ شریف، 2002ء، ص29۔
5۔ ڈاکٹر ریاض، نعت (لغوی مفہوم)، مشمولہ: نقوش رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو لاہور، 1984ء، ص41۔
6۔ ڈاکٹر ریاض مجید، اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی پاکستان، 1990ء، ص19۔
7۔ اطہر پرویز، ادب کا مطالعہ، اردو گھر علی گڑھ، 1996ء، ص26۔
8۔ ملک زادہ منظور، نعت پاک کی اہمیت، بحوالہ ورفعنالک ذکرک، گیسو دراز اکیڈمی، گلبرگہ شریف، 2002ء، ص31۔
9۔ شمس الرحمن فاروقی، شعر شور انگیز (جلد چہارم)، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، 2008ء، ص54۔
10۔ سید شاہ خسرو حسینی، ورفعنالک ذکر، گیسو دراز اکیڈمی، گلبرگہ شریف، 2002ء، ص22۔
11۔ عابد سہیل، فکشن کی تنقید: چند مباحث، پاریکھ آفسیٹ پریس لکھنو، 2000ء، ص29۔
12۔ سید شاہ خسرو حسینی، ورفعنالک ذکر، گیسو دراز اکیڈمی، گلبرگہ شریف، 2002ء، ص48۔
13۔ ڈاکٹر ریاض مجید، اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی پاکستان، 1990ء، ص168۔
14۔ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، این سی پی یو ایل دہلی، 2022ء، ص54۔
15۔ مولوی عبدالحق، اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام، انجمن ترقی اردو پاکستان، 1986ء، ص23۔

درگاہ حضرات یوسفین اور روضہ منورہ خرد: ایک تاریخی جائزہ

سید رؤف قادری*

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

میری جستجو عنوان "حضرات یوسفین اور روضہ منورہ خرد" کے تعلق سے تقریباً سنہ 2015 میں شروع ہوئی، غالباً وہ جون کا مہینہ تھا کہ اچانک اخباروں میں اور اس وقت کے نومولود سوشل میڈیا میں یہ بات گشت کرنے لگی کہ حضرت سید حسن شبیر حسینی صاحب قبلہ، سجادہ نشین روضہ منورہ خرد، گلبرگہ کو بارگاہ حضرات یوسفین حیدرآباد کی خدمات پر فائز کیا گیا ہے اور تولیت آپ کے سپرد کی گئی ہے۔ سینکڑوں افراد کی طرح میں بھی اس بات کو لے کر متجسس تھا کہ ایسے کیسے حضرت صاحب قبلہ کو حضرات یوسفین کی خدمات پر فائز کیا جاسکتا ہے؟ حضرت سجادہ صاحب قبلہ کا یہاں سے کیا رشتہ ہے؟ اسی تجسس و تحقیق میں تھا کہ چند عرصے کے بعد جب میں حضرت قبلہ کی خدمت میں گلہائے عقیدت و محبت پیش کرنے کی غرض سے حاضر ہوا، تو قدمبوسی و گلپوشی کے بعد میں نے حضرات یوسفین کی تولیت کی تاریخی حقیقت کی دریافتگی شروع کی، تب حضرت قبلہ اور نظام بابا نے مجھے جو علمی و تاریخی معلومات فراہم کرائے اور ایک عظیم تاریخی دستاویزات کو میرے سامنے پیش فرمایا وہ حیران کن تھے، ان تمام دستاویزات کی زیارت بھی کروائی، وہ تمام دستاویزات بے حد قیمتی اور تحقیق کے لیے بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

راقم السطور کی درخواست پر ان تاریخی دستاویزات کی نقول بھی عنایت فرمائی گئیں، جو اس مقالہ کی تدوین اور اسے آپ کے سامنے پیش کرنے میں غیر معمولی طور پر معاون ثابت ہوئیں۔ اس تحقیق میں جن مآخذ و مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے، ان میں بعض کی تاریخِ تدوین کم و بیش ساٹھ سال پرانی ہے جبکہ بعض کی تالیف کو تین صدیاں گزر چکی ہیں۔ جس طرح اس مقالے کا عنوان اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد اہمیت رکھتا ہے، اسی طرح یہاں پیش کیے گئے یہ حوالے بھی نہایت نادر، معتبر اور کمیاب دستاویزات پر مشتمل ہیں۔

جس طرح حضرت خواجہ بندہ نواز دکن کے اکابر صوفیہ میں ایک منفرد شناخت اور بلند مرتبہ رکھتے ہیں، اسی طرح اُن کا عظیم خانوادہ بھی فضلِ الٰہی سے گزشتہ چھ صدیوں سے نہ صرف دکن بلکہ برِّصغیر کے متعدد خطوں اور بیرونِ ملک تک اپنی روحانی، علمی اور سماجی خدمات کے ذریعے ہر دور میں نمایاں مقام حاصل کرتا آیا ہے۔ مختلف مذاہب کے لوگ اس خانوادے کی روحانی عظمت اور انسان دوستی سے متاثر ہوتے آئے ہیں، جس کے نتیجے میں سلسلۂ چشتیہ بندہ نوازیہ کے بزرگ نہ صرف ملکِ ہندوستان بلکہ بیرونِ ممالک میں بھی موجود ہیں اور اپنی علمی و سماجی خدمات بہ حسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

* صدر آل انڈیا اردو منچ، سابقہ ممبر اردو اکیڈمی، کرناٹک، گلبرگہ شریف

میرا مقالہ مندرجہ ذیل پانچ عظیم شخصیات پر مبنی ہے:

1۔ حضرات یوسفین بالخصوص حضرت سید یوسف صاحب

2۔ سید فتح محمد حسینی

3۔ سید یداللہ بن فتح محمد حسینی

4۔ زہرہ سلطان صاحبہ بنت سید یوسف

5۔ بادشاہ عالمگیر اورنگزیب۔

1-حضرات یوسفین یعنی حضرت سید یوسف صاحب جو اہل مصر سے تھے و سید شریف صاحب جو اہل کنعان سے تھے قدس سرھمایہ دونوں حضرات بہادر شاہ بن عالمگیر بادشاہ کی فوج میں بطور گھوڑ سوار ملازم تھے۔ دونوں حقیقی بھائی نہ تھے مگر حقیقی بھائیوں سے زیادہ آپسی محبت تھی، دونوں سید کلیم اللہ سے بیعت تھے، آپ دونوں بزرگ ہر ایک اعلیٰ و ادنیٰ سے نیک سلوک کرتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ محبت و ہمدردی کا حق ادا فرماتے تھے۔ اکثر مریضانِ دل اور گرفتارانِ مشکل آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ دوا اور دعا سے تندرستی و آسانی پاتے تھے۔ جس وقت بہادر شاہ کا لشکر حیدرآباد پہنچا دونوں بزرگوں نے نوکری کا تعلق ترک کیا۔ شہر کے باہر جہاں مزار ہے وہاں متوکلانہ سکونت اختیار کی اور قناعت و ریاضت کی باگ ڈور ہاتھ میں لی۔ مشہور ہے کہ حضرت یوسف صاحب قطبیت کا مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ سے بہت سے خارقِ عادات ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ کا تقویٰ اس مرتبہ پر تھا کہ آپ کی سواری کا گھوڑا دانہ چارہ جس میں حرمت کا شبہ ہو نہیں کھاتا تھا۔ اور کسی کی ملکی مزروعہ میں بھی نہیں چرتا تھا۔ جس وقت بہادر شاہ 1020ھ میں کام بخش سے مقابلہ کے لیے ہند سے حیدرآباد دکن روانہ ہوئے اس وقت یہ دونوں بزرگ بھی بادشاہی لشکر کے ہمراہ ہوئے۔ راستہ میں ایک جگہ خیمہ زن ہوئے، اسی رات شدت کی بارش ہوئی اور اس قدر تند و تیز ہوا چلی کہ لشکر کے بڑے بڑے خیمے گر گئے اور چراغ بجھ گئے مگر ان دونوں حضرات کا چھوٹا سا خیمہ قائم رہا اور چراغ بھی جلتا رہا اور دونوں تلاوت قرآن شریف اور خدائے رحمان کی عبادت میں مشغول رہے۔ بارش و ہوا کی شدت سے محفوظ رہے۔ اہل لشکر نے جب آپ کی یہ حالت دیکھی تو سب آپ کی بزرگی و کرامت کے قائل ہوئے اور دنوں بزرگوں سے اعتقاد نیک رکھنے لگے۔ [1]

صاحبِ "مخازنُ الأعراس" کے مطابق یوسف صاحب کا انتقال 17 ذیقعدہ کو ہوا ہے، جب کہ محبوب ذی المنن میں ان کی وفات کی تاریخ 5 ذی الحجہ 1121ھ درج ہے، اور ان کا عرس شریف 6 ذی الحجہ کو منایا جاتا ہے۔ ان کے انتقال کے وقت شریف صاحب موجود نہ تھے، تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے اور انتقال کی خبر پر فرمایا: ''یہ شرط رفاقت نہیں ہے کہ ایک بھائی اس دنیا سے چلا جائے اور دوسرا یہاں رہے''۔ پس غسل کیا، کفن پہنا اور اپنے حجرہ میں لیٹ گئے اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اپنے بھائی کے پہلو میں

---

[1] محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن، ۲۵-۱۲۴، تاریخ گلزار آصفیہ

نوٹ: محبوب ذوالمنن میں شاہ عالم ثانی اور کام بخش کی جنگ کا سنہ 1020ھ درج ہے، حالاں کہ معتبر تاریخی روایات کے مطابق یہ واقعہ 1119ھ / 1707ء میں پیش آیا۔

مدفون ہوئے۔ مقام مدفن بیرون شہر (اب شہر میں ہے) موضع نام پلی میں ہے۔

آپ کی حیات مبارکہ کے تعلق سے تلاش بسیار کے بعد بھی بہت کچھ نہ مل سکا صرف اتنا معلوم ہو سکا جیسا کہ خورشید جاہی میں لکھا ہے کہ آپ سلطان محمد قطب شاہ کے استاد تھے۔ سپاہ گیری کی تعلیم دیتے تھے۔ صوفی کامل تھے۔ اور صاحب خرق عادات بھی تھے۔ آپ کی وفات کے متعلق صاحب خورشید جاہی کا ایک قول 1028ھ کا بھی ہے جس کے بارے میں صاحب محبوب ذی المنن لکھتے ہیں:

"میں نے جو تاریخ قطب شاہیہ کو دیکھا او سمیں نہ کسی اور تاریخ قطب شاہیہ میں ذکر ہے نہ تعلیم کا تذکرہ ہے، شاید ناقل کو نام میں سہو واقع ہوا ہے۔"[1]

2- حضرت فتح محمد حسینی جو حضرت خواجہ بندہ نواز کے آٹھویں پشت کے پوتے ہیں۔ آپ کے متعلق یہ تحریر ہے کہ آپ شہر دہلی جاکر شاہ جہاں بادشاہ کی ملازمت اختیار کر کے دہلی میں ہی قیام پذیر ہوگئے تھے۔ مگر آپ کے اہل وعیال موضع ریور میں ہی رہتے تھے۔ آپ کی خدمت بادشاہ مذکور کے پلنگ کے نزدیک تھی۔ ایک روز بادشاہ مذکور کو خواب ہوا کہ آپ اور حضرت بندگی مخدوم خواجہ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز روبرو ہیں اور خواجہ صاحب ممدوح بادشاہ مذکور سے فرمارہے ہیں کہ:"اے بادشاہ تجھے ہمارا خیال نہیں"، یہ سنتے ہی بادشاہ خواب سے بیدار ہو کر اُس نے وزیروں کو حکم دیا کہ ہماری ریاست میں کوئی بزرگ خواجہ بندہ نواز کی اولاد سے تشریف لائے ہیں کیا؟ حسب الحکم بادشاہ کے وزیر نے ریاست میں دریافت کرائے مگر پتہ نہ چلا۔ بادشاہ خواب سے فراموش ہو گیا، پھر چند روز بعد وہی خواب ہوا اور خواجہ صاحب ممدوح وہی لفظ فرمائے۔ بادشاہ پھر خواب سے بیدار ہو کر وزیروں کو حکم دیا کہ دریافت کرایا جائے کہ کوئی صاحب ہماری ریاست میں اولاد خواجہ صاحب ممدوح کے ضرور ہیں۔ مذکورہ جملہ واقعات سید فتح محمد حسینی کو ظاہر ہو رہے تھے مگر خاموش تھے کچھ نہ فرماتے تھے۔ وزیروں نے دوسری بار بھی ریاست کی تنقیح کئے مگر پتہ نہ چلا، دریافت سے عاجز ہوئے۔ پھر تیسری بار بادشاہ کو خواب ہوا، بادشاہ خواب سے بیدار ہوتے ہی وزیروں کو حکم دیا کہ کل جمیعت میرے روبرو حاضر کیا جائے میں خود دریافت کروں گا۔ وزیروں نے عرض کیا کہ جہاں پناہ! آپ کیونکر دریافت کر سکیں گے؟ بادشاہ نے فرمایا کہ: میں حضرت کے روبرو جس صاحب کو دیکھتا ہوں اور حضرت ان کا ہاتھ پکڑ کر میرے سے فرماتے ہیں میں ان کی شکل کو خوب جانتا ہوں اُسی پر دریافت کرلیتا ہوں۔ حسب الحکم بادشاہ کے تمام جمیعت حاضر خدمت ہوئی، بادشاہ نے خود ایک طرف سے دریافت شروع کیا۔ تمام جمیعت کی تفتیش ہوگئی مگر صاحب موصوف کا پتہ نہ چلا۔ حکم ہوا کہ ہمارے پلنگ کے نگہبانوں کو بحوالہ ہر چوکی کے حاضر کیا جائے۔ تمام صاحبین آے، آخر میں جناب سید فتح محمد حسینی صاحب تشریف لائے اور سلام کو جاتے وقت ہاتھ پیچھے کر کے تلوار اپنے خدمتی لڑکے کو دینے کا ارادہ کیے وہ چونکہ موقع پر موجود نہ تھا، تلوار اُدھر ٹھہری رہی آپ ویسا ہی بادشاہ کے نزدیک پہنچ کر سلام پیش کیے۔ بادشاہ فوراً اٹھ کر تعظم کیا اور کرامتِ تلوار کی دیکھا، شکل بھی پہچان لیا اور نہایت انکساری سے آپ کا نام دریافت کیا۔ باوجودیکہ آپ بہت کچھ پوشیدہ رکھنا چاہتے

[1] محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن، 27-123

تھے مگر بادشاہ کے اصرار پر حالات اصلی کا اظہار کرنا پڑا۔ بادشاہ نے بعد تصدیق نسب کہ آپ سے عرض کیا کہ میری ایک دختر آغوشی خاندان سادات سے ہے جن کا نام زہرہ سلطان صاحبہ ہے وہ دختر حقیقی سید یوسف صاحب (حاشیہ میں لکھا ہے - آپ کی درگاہ متصل اسٹیشن حیدرآباد دکن موسوم بہ درگاہ یوسف صاحب شریف صاحب مشہور ہے) کی ہیں۔ شادی کر دیتا ہوں اور آپ کو خدمتِ سجادگی پر روانہ کرتا ہوں، قبول کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں تو ضعیف ہو گیا ہوں اگر ایسا ہی منشا ہے تو میرے فرزند متصل موضع ریور میں رہتے ہیں، اُن کو طلب کر کے شادی کرا دیجئے۔ بادشاہ سید شاہ ید اللہ حسینی صاحب بن فتح محمد حسینی صاحب کو بلوا کر ہمراہ بی بی زہرہ سلطان صاحبہ شادی کرا دیے۔

ایک فرمان جو تاریخی حیثیت کا حامل ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں:

> "بذریعہ فرمان، مورخہ چہارم شہر صفر1076ھ مجریہ بادشاہ بیجاپور فرمان سنہ 1065 F بابت سجادگی شاہ ابراہیم ندیم اللہ حسینی منسوخ ہو کر بحالی جاگیرات بنام سید شاہ ید اللہ حسینی ممدوح ہوئیں۔ اور آپ خدمت سجادگی روضہ منورہ پر روانہ کیے گئے۔ سید شاہ ندیم اللہ حسینی بن شاہ حبیب اللہ حسینی جانشین تھے۔ اپنے برادر عموی یعنی شاہ حضرت حسینی کی ترغیب و تائید سے، جو روضہ بزرگ میں شریک تولیت تھے، آپ کا قبضہ ہونے نہ دی؟۔ مگر فرمان مورخہ ماہ ربیع الاول1076ھ جاری ہو کر شاہ ندیم اللہ حسینی ممدوح کو علیحدہ کر کے جاگیرات و درگاہ روضہ و حویلی و تبرکات و باغ و بازار پر قبضہ سید شاہ ید اللہ ممدوح کا کرا دیا گیا۔ شاہ حضرت نے حسد سے اعراس وغیرہ میں مزاحم ہونے لگے اور روضہ بزرگ میں بعض اعراس کے وقت خدمت کے لیے داخل ہونے نہ دیتے تھے، پھر شکایت پیش ہونے پر مکرر فرمان مورخہ 11 جمادی الاول1078ھ قلعہ دار و کارپردازان گلبرگہ شریف کے نام سختی کے ساتھ بدیں مضمون جاری ہوا کہ موافق قدیم ہر علاقہ اگر شاہ حضرت خلاف عمل مزاحم ہوں توں گوشمالی (سزا کے طور پر کان مروڑنا) کر کے ہٹا دیا جائے۔ اس فرمان کے صدور سے شاہ حضرت خارج ہونے سے باز آئے، اور ندیم اللہ حسینی کو ہٹا کر کل تبرکات کا قبضہ کروا دیا گیا اور ندیم اللہ حسینی کو مدد معاش ملی"۔[1]

مذکورہ واقعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ حضرت سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی صاحب کا نکاح سیدہ زہرہ سلطان صاحبہ سے کس طرح عمل میں آیا۔ تاہم میرے لیے یہ سوال قابلِ تحقیق رہا کہ آخر کس بنیاد پر سید یوسف صاحب کی دختر شاہی خاندان کی دخترِ آغوشی قرار پائی۔ اس سلسلے میں جب میں نے تاریخی مآخذ کا باریک بینی سے مطالعہ کیا تو حضرت سید ید اللہ حسینی المعروف نظام بابا نے نہایت اہم تاریخی پہلو کی طرف توجہ دلائی۔

---

[1] کیفیات خاندانِ محمد المعروف تاریخ محمدی ص77-78

ان کے بیان کے مطابق جب تاج محل کی تعمیر ہوئی تو اس کی معماری اور نقاشی، یعنی Engineering and Architecture ، استاد احمد لاہوری (مشہور بہ احمد معمار) نے انجام دی۔ یہ وہی بزرگ ہیں جو حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کے دادا تھے۔ غالب گمان ہے کہ انہی کے اثر و رسوخ کے نتیجے میں جب حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی سفر حج سے واپسی پر سرزمین ہند تشریف لائے تو حضرت سید یوسف صاحب اور حضرت سید شریف صاحب—جو بالترتیب مصر اور کنعان کے جلیل القدر سادات میں شمار ہوتے تھے—اپنے پیر و مرشد کے ہمراہ ہندوستان پہنچے۔

تاریخی روایات اور عمومی فہم کی روشنی میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ ان دونوں بزرگانِ دین نے مغلیہ فوج میں شمولیت اختیار کی۔ اس دور کے رواج کے مطابق جن ساداتِ کرام کو شاہی فوج میں شامل کیا جاتا تھا، ان کی اولاد شاہی آغوش میں پروان چڑھتی تھی اور اُنہیں بادشاہ کی متبنٰی اولاد کا درجہ حاصل ہوتا تھا۔ یہی وہ پس منظر ہے جس نے سیدہ زہرہ سلطان صاحبہ کے شاہی پرورش پانے اور بعد ازاں حضرت سید یداللہ بن فتح محمد حسینی صاحب سے ان کے نکاح کی بنیاد فراہم کی۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سید یوسف صاحب جب بعد ادائیگی حج بیت اللہ سرزمین ہند پر تشریف آوری ہمراہ اپنے پیر و مرشد شیخ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی (جن کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کو ولایت بہت کم عمری میں عطا ہوئی جس کے بعد آپ نے سفر حج کا ارادہ کیا اور وہیں حضرت یحیی مدنی کہ مرید و خلیفہ ہوئے) کے تشریف لائے، اپنے پیر و مرشد کی سفارش سے مغلیہ فوج میں داخل ہوئے۔ اور بعد میں جب مغلیہ فوج نے دکن کا رخ کیا تو آپ فوج کے ہمراہ دکن تشریف لائے۔ [1]

چونکہ مذکورہ تفصیلات *تاریخِ محمدی*) گلبرگہ) میں درج ہیں، جس کے مصنف جہاں نما علی شاہ چشتی علوی عباسی—خانوادۂ روضۂ منورہِ خرد کے معتبر خلیفہ—ہیں، اس لیے حضرت سید فتح محمد حسینی اور حضرت سید یداللہ بن فتح محمد حسینی کی احوالِ سوانح کو مزید تحقیق و استناد کے ساتھ سمجھنے کے لیے میں نے سخی مستعد خان کی نہایت معتبر تصنیف *مآثرِ عالمگیری* کا مطالعہ کیا۔ اس کتاب سے یہ امر مزید واضح ہوتا ہے کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کو ان دونوں بزرگوں سے گہری عقیدت اور خاص تعلق حاصل تھا۔ سخی مستعد خان کی کتاب مآثر عالمگیری کے جائزے سے قبل میں آپ حضرات کی توجہ اس جانب لے جانا اور یاد دلانا چاہتا ہوں کہ سنہ 1065ف یعنی A.D 1655 میں سید ندیم اللہ حسینی سجادہ نشین روضہ منورہ خرد بہ فرمان بادشاہ بیجاپور مقرر ہوئے، 1076ف یعنی A.D 1666 میں سید ندیم اللہ حسینی کی سجادگی منسوخ کرتے ہوئے سید یداللہ بن فتح محمد حسینی کو سجادہ نشین مقرر فرمایا گیا۔ بعد ازاں 1078ف یعنی A.D 1668 کو سید ندیم اللہ حسینی مکمل طور پر برطرف کر دیے گئے۔

سخی مستعد خان اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ:

> I shall finish the account of this matter by narrating an event which was the preface to Emperor success. Before this, when the capture of Samba (Sambha Ji S/o Shivaji) never came on the tongue of the people and was regarded as an

---

[1] Wikipedia- Sheikh Kaleemullah ShahJahanabadi & Ustad Ahmed Lahori.

impossibility, Syed Fateh Mohammed one of the sons of Mir Syed Mohammad Gesudaraz, who after spending his long life in the military profession had taken to retirement in his home at Ahsanabad Gulbarga, and whose son Syed Yadulla (whose forehead indicated his asceticism and goodness and fitness to be the successor of a saint) had been appointed successor at the saint's own tomb by the Emperor on account of his devotion to the saints of olden times and kindness to the members of this family, and who had been granted the Sairghul (rent free land) of some fertile villages beside lavish inams, came to the camp, interviewed the Emperor who loved hermits, and narrated, " I have often sat in prayer face to face with the illuminated Tomb, with a view to{fore} seeing the end of the infidals career. One night I dream that I was travelling in order to visit holy places and was passing over a hill difficult to traverse. A party was setting up poles. They asked me 'where are you going?' I made my wish known. They said "A hog has established himself in this Hill for a long time past. You too, should exert yourself with us to catch him" After Dawn it struck me that I should soon come to the army and take part in this holy war till the completion of the affair of The Wicked infidel ". The Emperor was greatly delighted to hear these words and show respect to and conferred favours on the Syed. In less than 10 days the wish of the people was gratified, the very day that the news of Sambha's capture reached Emperor he summoned the Syed and after giving him good wishes and pecuniary aid permitted him to depart By the way of showing gratitude for this wonderful victory, 10000 rupees were sent to the blessed Tomb for the poor and the attendants.[1]

یہ واقعہ AD 1689 کا ہے یعنی سید ید اللہ حسینی کے مسند سجادگی کے تقریباً 21 سال بعد کا۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ جب سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی کو سجادگی پر فائز کر دہلی سے گلبرگہ روانہ کیا گیا تو آپ کے پاس کسی سلسلے کی خلافت نہیں تھی اور مندرجہ بالا تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سید ندیم اللہ حسینی جن کے پاس خلافت تھی انہوں نے بھی آپ کو خلافت دینے سے انکار کر دیا تھا، لہذا سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی نے اس وقت خواجہ ناصح الدین خادم الفقرا علی الثانی شاہ کلیم اللہ من اللہ حسینیؒ سجادہ نشین صاحب خواجہ ابوالفیض بیدر (جو حضرت خواجہ بندہ نواز کے چھوٹے پوتے اور خواجہ گنج بخش کے چھوٹے بھائی اور خلیفہ ہیں) ان سے مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی، آج بھی موجودہ سجادہ نشین صاحب روضہ منورہ خرد، گلبرگہ جو ارادت مندوں کو شجرہ عنایت فرماتے ہیں اس میں یہ ذکر موجود ہے، اس واقعے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ تاریخ محمدی میں لکھا ہوا واقعہ کہ سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی کو مغلیہ بادشاہ کے فرمان کے بموجب سجادگی پر فائز کیا گیا تھا اور آپ نے سنبھاجی کے خلاف جنگ میں حصہ لے کر نہ صرف بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کی روحانی پیشگوئی فرمائی بلکہ بادشاہ کو بھی احساس تھا کہ یہ جیت حضرت سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی کی دعاؤں کا اور قافلے میں شامل ہونے کا نتیجہ ہے جس کے لیے بادشاہ نے آپ کو اُسی دن طلب فرمایا جس دن سنبھاجی پکڑا گیا اور

[1] Maasir i Alamgiri: Page 196-197

نظر و عطیات پیش فرمائیں۔

اس ضمن میں میرے مطالعے میں ایک اور کتاب "تذکرہ شاہ محمد غوث" جو 1965 میں شائع ہوئی اور جس میں صفحہ نمبر 181 پر کتاب "تذکرہ غوثیہ" جو تقریباً 150 سال قبل یعنی 1884 کی شائع کردہ ہے اس میں بھی حضرت فتح محمد حسینی اور سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت شاہ محمد غوث اپنی کتاب ''تذکر غوثیہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''میر سید ید اللہ نامی ایک بزرگ جن کا وطن شاہ جہان آباد ہے، میرے دوست تھے۔ نوکری اور سپاہ گری کرتے تھے۔ شاہ عالم بہادر شاہ ابن عالمگیر کے ساتھ پشاور میں آئے۔ علم تصوف اور حقائق و معارف کے بیان میں ماہر کامل تھے، چنانچہ فُصوص الحکم و فتوحات مکیہ اور تصوف کی بعض دیگر کتابیں انہیں ازبر تھیں۔ ایک اور بزرگ شیخ محمد اعظم درویش، ساکن دکن بھی فوجی ملازمت کے سلسلے میں ان کے ساتھ پشاور آئے ہوئے تھے یہ دونوں یعنی سید ید اللہ اور شیخ محمد اعظم مل کر فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہ تصوف کی کتابوں سے عشق رکھتے تھے۔ مجھے ان دوستوں سے ملاقات کا موقع ملا مگر ان دوستوں میں عمل اور حال کے مطالعے کچھ معلوم نہیں ہوا۔ ممکن ہے مجھے معلوم نہ ہو سکا ہو اور ان میں موجود ہو۔ ہاں حقائق و معارف کے مقدمات کے بیان اور تصوف کی کتابوں میں تو یہ بے نظیر تھے۔ میں بھی ان دونوں (ہمراہ) "فصوص" کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو ان عزیزوں کے پاس بیان کرتے اور شافی جواب پاتے''۔

یہ شاہ ید اللہ حسینی جو حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی اولاد میں سے تھے۔ والد کا نام شاہ فتح محمد تھا۔ شجرۂ نسب یہ ہے:

''حضرت شاہ ید اللہ حسینی ابن شاہ فتح محمد ابن شاہ ید اللہ ابن سید مخدوم حسینی ابن شاہ حسن ریوری ابن شاہ محمد اصغر عرف شاہ ننھے ابن شاہ ید اللہ ثانی ابن شاہ محمد اصغر عرف احمد حسینی ابن شاہ ید اللہ حسینی ابن شاہ یوسف عرف محمد اصغر حسینی ابن خواجہ دکن خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز''۔

آپ کے والد ماجد حضرت شاہ فتح محمد حسینی ریور ضلع گلبرگہ (دکن) کہ باشندے تھے۔ وہاں سے دہلی آئے اور شاہ جہاں کی فوج میں ملازمت اختیار کرلی، آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ دہلی میں گزرا، یہیں حضرت شاہ ید اللہ پیدا ہوئے، سن بلوغیت کو پہنچنے کہ بعد عالمگیری لشکر میں شامل ہو گئے۔ شاہ عالم بہادر شاہ ابن عالمگیر اورنگزیب کے ساتھ پشاور بھی گئے اور وہیں حضرت شاہ محمد غوث سے ملاقات ہوئی۔ حضرت شاہ ید اللہ حسینی کے والدِ ماجد شاہ فتح محمد حسینی جب بڑھاپے کو پہنچے تو شاہی ملازمت ترک کر کے اپنے آبائی وطن گلبرگہ شریف تشریف لے گئے اور بقیہ زندگی عزلت نشینی میں گزار دی۔ حضرت سید شاہ ید اللہ بھی اپنے والد گرامی کے ساتھ گلبرگہ تشریف لے گئے۔

جمادی الاول سنہ 1100 ہجری میں عالمگیر نے سنبھاجی کی سرکوبی کے لیے فوج کشی کی۔ اسی موقع پر 21 جمادی الاول کو گلبرگہ کے مضافات میں کوراگاؤں کے مقام پر حضرت سید شاہ فتح محمد حسینی اور سلطان عالمگیر کی ملاقات ہوئی۔ حضرت شاہ فتح محمد حسینی نے باوجود

کبر سنی اور ترک دنیا کے اس جہاد میں بنفس نفیس حصہ لیا۔ ان کی دعاؤں اور روحانی تصرف سے عالمگیری فوج ایک ہی ہفتے میں سنبھاجی پر غالب آگئی اور 29 جمادی الاول سنہ 1100 ہجری کو سنبھاجی مع اپنے رفیق کلب کلس کے تہ تیغ کر دیا گیا۔ اس فتح کی خوشی میں سلطان اورنگزیب عالمگیر نے شاہ فتح محمد حسینی کو شاہانہ اعزاز سے نوازا۔ انعام و عطیات پیش کیے۔ 10 ہزار روپے کی رقم اس غرض سے عطا فرمائی کہ روضہ گلبرگہ کی مجاوروں اور مساکین میں تقسیم کر دی جائے۔ اس کے بعد حضرت اورنگ زیب عالمگیر نے جو خود ایک مرد درویش، خدا رسیدہ بزرگ اور فقیر شناس تھے، حضرت سید ید اللہ جن کا 'بُشری' ان کی باطنی کیفیات کی غمازی کر رہا تھا جس سے روحانیت کے آثار ہویدا تھے۔ انہیں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا سجادہ نشین مقرر فرمایا(جو کہ روضہ منورہ خرد کے متعلق ہو گا)علاوہ عظیم انعام واکرام سے بھی نوازااور کئی مواضعات کی آمدنی معافی کے طور پر عنایت کی۔

حضرت شاہ ید اللہ نے دو شادیاں کی، پہلی شادی شاہجہاں نے حضرت سید یوسف کی دختر زہرہ سلطان سے کروائی۔ یہ حضرت سید یوسف بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ ان کا مزار حیدرآباد دکن کے مقام نام پلی میں واقع ہے اور "درگاہ یوسفین" کے نام سے مشہور ہے۔ اس خاتون کے بطن سے آپ کے دو فرزند پیدا ہوئے اول شاہ یوسف عرف جانی بادشاہ، دوم سید عبد اللہ حسینی۔ حرم ثانی کے بطن سے دو فرزند پیدا ہوئے۔ اول سید محمد حسینی، دوم سید ابو الحسن۔ درگاہ یوسفین کی خدمات بھی قابل تحسین ہیں، جہاں ہزاروں لوگ عقیدت و محبت سے حاضر ہوتے ہیں اور اپنے اپنے مقاصد مکمل ہونے کے بعد مکان کو واپس ہوتے ہیں۔

مزید پیام شاہجہاپوری صفحہ نمبر 184 پر رقم کرتے ہیں کہ: آپ کی یعنی سید ید اللہ کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ آپ کی قبر روضہ مبارک خرد گلبرگہ میں ہے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند اکبر شاہ یوسف عرف جانی بادشاہ آپ کے جانشین ہوئے۔ آپ کا شجرہ طریقت یہ ہے:

> " حضرت سید شاہ ید اللہ حسینی خلیفہ شاہ کلیم اللہ بیدری کے ہوئے وہ خلیفہ خواجہ امین الدین حیدر ثانی ابو الحسن علی بیدری کے وہ خلیفہ خواجہ شاہ علی بن محمد کے وہ خلیفہ خواجہ سید محمد عرف شاہ کلاں کے وہ خلیفہ شاہ امین الدین ابو الحسن بیدری کے وہ خلیفہ شاہ محمد بن احمد کے وہ خلیفہ شاہ علی قطب ثانی بیدری کے وہ خلیفہ شاہ ناصح الدین فصیح اللہ کے وہ خلیفہ شاہ ناصر الدین کے وہ خلیفہ شاہ کلیم اللہ کے (میری تحقیق کے مطابق شاہ کلیم اللہ کے بعد دو نام خواجہ ابو الفیض اور خواجہ گنج بخش کسی وجہ سے تحریر میں نہیں آسکے جبکہ اس کے بغیر خواجہ بندہ نواز تک نہیں پہنچا جاسکتا)وہ خلیفہ خواجہ دکن خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی گیسو دراز کے "۔[1]

مقالہ تحریر کرتے وقت مجھے حضرت سجادہ نشین صاحب روضہ منورہ خرد، گلبرگہ کے کتب خانے میں ایک اہم فرمان دیکھنے کا موقع ملا جو

[1] تذکرہ شاہ محمد غوث، ص 181-184

شاہ عالم بادشاہ کا عطا کردہ ہے۔ اس فرمان کی تاریخ 1119ف یعنی 1709یا 1710 A.D ہے۔

اس فرمانِ مبارک کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ شاہ عالم بہادر بن بادشاہ عالمگیر کا جاری کردہ ہے، اور اسے براہِ راست سیدہ زہرہ سلطان صاحبہ کے نام پر صادر کیا گیا تھا۔ فرمان کی چند سطور کے مطالعے سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ بادشاہ شاہ عالم غازی نے موضع *بھاگواڑی* —جو اس زمانے میں تعلقہ چیتاپور کا حصہ تھا—سیدہ زہرہ سلطان بنتِ سید یوسف، زوجۂ مرحوم سید ید اللہ حسینی، کو بطور *مددِ معاش* عطا فرمایا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ یہ فرمان حضرت سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی کے وصال کے بعد سیدہ زہرہ سلطان صاحبہ کے نام صادر ہوا۔

دوسری اہم بات اس فرمان میں یہ ملتی ہے کہ حضرت زہرہ سلطان صاحبہ کو اس فرمان مبارک میں متبنی سے بھی خطاب کیا گیا ہے، جس کے معنی آپ سابقہ بادشاہ کی دخترِ آغوشی تھیں۔

یہ گاؤں آج بھی گلبرگہ کے قریب چیتاپور تعلقہ میں پایا جاتا ہے اور یہ گاؤں روضہ منورہ خرد کے سجادہ نشین کے جاگیرات میں شامل ہیں۔ مجھے سید ید اللہ حسینی صاحب فرزند سجادہ نشین صاحب روضہ منور خرد نے یہ بھی روشن کیا کہ جاگیرات حضرت زہرہ سلطان صاحبہ سے لے کر آج تک موجودہ سجادہ نشین صاحب کے نام پر بحال ہے اور جاگیر کموٹیشن ایکٹ JAGIR COMMUTATION ACT نافذ ہونے کے بعد یہ جاگیرات حکومت میں ضم ضرور ہو گئی لیکن حکومت آج بھی موجودہ سجادہ نشین صاحب کو ہر سہ ماہ ان جاگیرات کا معاوضہ جاری کرتی ہے اور موجودہ سجادہ نشین سید حسن شبیر حسینی صاحب قبلہ سنہ 2009 سے آپ کے والد صاحب کے وصال کے بعد حکومت سے بطور "جاگیر دار بھاگواڑی" یہ رقومات وصول کر رہے ہیں، ان سے قبل یہ معاوضات آپ کے والد غفران مآب سید شاہ قبول اللہ محمد محمد حسینی صاحب کے نام وصول ہوتے تھے۔

مزید یہ معلوم ہوا کہ سیدہ زہرہ سلطان صاحبہ کے بعد ان کے فرزند حضرت سید یوسف حسینی، معروف بہ جانی بادشاہ صاحب، ان جاگیرات کے حق دار اور متولی قرار پائے۔ بعد ازاں یہ املاک نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ موجودہ سجادہ نشین کے پردادا سید شاہ حسین محمد محمد الحسینی کے نام جب منتخب جاری ہوا تو انہوں نے ان تمام جاگیرات کو روضۂ منورہ خرد کے منصبِ سجادگی پر فائز ہونے والے ہر آنے والے سجادہ نشین کے لیے وقف مخصوص کر دیا۔ اسی وجہ سے روضہ منورہ خرد کے منتخب میں جو کہ سجادہ نشین صاحب کی موقوفہ جائیدادوں کا ذکر ہے، ان میں بطور جاگیر ڈنڈوتی و بھاگواڑی دونوں گاؤں شامل ہیں، جو تقریباً چار سو سال قبل بادشاہ شاہ عالم بن عالمگیر نے حضرت زہرہ سلطان صاحبہ کو عطا فرمایا تھا۔ اس سے صاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ سجادہ نشین روضہ منورہ خرد وارث زہرہ سلطان صاحبہ ہیں، جو بنت سید یوسف چشتی رحمت اللہ علیہ ہیں۔ اور آپ کا مزار حیدرآباد دکن میں بمقام نام پلی ہے۔

اب اس مقالہ کو مزید معتبر اور مستند بنانے کے لیے ایک ایسے ماخذ کا ذکر ضروری ہے جسے حضرت صاحبِ سجادہ کے دادا محترم—سجادہ نمبر 26، حضرت سید شاہ لاڈلے حسینی—نے خود اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا ہے۔ یہ تحریر سلور جبلی مبارک حضور نظام عثمان علی خاں بہادر کے موقع پر اخبار "شیراز" کے لیے لکھی گئی تھی، جس میں روضۂ منورہِ خرد کے متعدد حالات و روایات بھی شامل تھے۔

بعد ازاں حضرت کے فرزند نے اسی مضمون کو مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع کیا، جو آج ایک نہایت اہم تاریخی و خانوادگی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

کتاب کے دوسرے صفحے پر حضرتِ مصنف نے نہایت واضح انداز میں لکھا ہے کہ اس مضمون —یعنی اس کتاب— کو تحریر کرتے وقت خاص احتیاط برتی گئی ہے؛ کسی بھی کیفیت کے بیان میں غیر مستند ماخذ سے پرہیز کیا گیا ہے اور صرف معتبر اور قابلِ اعتماد کتابوں ہی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر قارئین کے علم و استفادہ کے لیے ان مستند کتابوں کے مصنفین کے نام بھی درج کر دیے گئے ہیں۔ حضرت ممدوح اپنے جد سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی کے متعلق جو لکھا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ حضرت سید ندیم اللہ حسینی کے بعد، حسبِ فرمانِ سکندر عادل شاہ مجریہ 1076ھ —جو دراصل شاہجہاں بادشاہ دہلی کے حکم پر مبنی تھا— حضرت شاہ ید اللہ حسینی مسندِ سجادگی پر فائز ہوئے۔ ان کی سجادگی کا پس منظر، بادشاہ شاہجہاں کے خواب اور حضرت فتح محمد حسینی کی شناخت کا جو واقعہ ہے، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا اضافہ مناسب ہے کہ اسی واقعے کے نتیجے میں شہنشاہ نے حضرت زہرہ سلطان بیگم (دخترِ سید یوسف صاحب نامپلی) کا نکاح حضرت سید ید اللہ حسینی سے کرایا اور انہیں روضۂ منورۂ خرد کی سجادگی کے لیے گلبرگہ روانہ کیا گیا۔[1]

حضرت سید شاہ ید اللہ بن فتح محمد حسینی کے متعلق تحریر ہے کہ آپ بموجب تجویز شاہ جہاں بادشاہ بعد معزولی سید شاہ ندیم اللہ حسینی نبیرہ شاہ ید اللہ حسینی چہارمی جانشین سجادگی ہوئے۔ آپ کو زہرہ سلطان صاحبہ کے بطن سے دو فرزند تھے ایک سید یوسف حسینی عرف جانی پاشاہ، دوم سید عبد اللہ حسینی اور محل دوم سے دو فرزند تھے ایک محمد حسینی دوسرے ابوالحسن۔[2]

سید یوسف حسینی عرف جانی بادشاہ کے متعلق تحریر ہے کہ آپ سجادہ نمبر 14 ہیں، آپ کو بیعت و خلافت والد سے تھی۔ آپ بعد والد کے جانشین سجادگی ہوئے۔ آپ کی سجادگی عالمگیر بادشاہ کے زمانے میں ہوئی۔ سند بھی عطیہ بادشاہ ممدوح آپ کے نام کی موجود ہے۔ آپ کی شادی ہمراہ شہزادی بی بنت شاہ حسین کلاں، تولیت نمبر (11) روضہ بزرگ یعنی اس وقت کے سجادہ نشین صاحب روضہ منورہ بزرگ سے ہوئی۔[3]

میری یہ تحقیق، دو اہم باتوں کی بھی واضح اشارہ کرتی ہے کہ حضرت سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی اپنے فرزند کا نام اپنے خسر محترم یعنی حضرت زہرہ سلطان صاحبہ کے والد سید یوسف صاحب سے موسوم رکھا تھا۔ جسے عام الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نانا کا نام نواسے کو ملا۔ دوسری میری تحقیق یہ کہ جہاں سجادہ نشین صاحب روضہ منورہ خرد حضرت سید یوسف صاحب کے نواسے سید شاہ یوسف عرف جانی بادشاہ کی اولاد سے ہیں وہیں موجودہ سجادہ نشین روضہ بزرگ حضرت سید یوسف صاحب کی اولاد سے ہیں۔ اور نواسے ہوتے ہیں۔ اور یہ میں اس وجہ سے کہہ رہا ہوں کہ سید یوسف حسینی عرف جانی بادشاہ کی بڑی دختر مخدوم بی صاحبہ کی شادی سید شاہ بڑے حسینی بن

[1] مختصر حالات خانوادہ روضہ منورہ خرد ص 27-28

[2] تاریخ محمدی، ص79

[3] تاریخ محمدی، ص79

سید شاہ اسد اللہ حسینی (کشتی) بن شاہ حسین کلاں (سجادہ نشین روضہ بزرگ) سے ہوئی۔[1]

یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اس مقالے کی تکمیل کے لیے میں نے نہ صرف تاریخی مآخذ اور مستند کتب سے استفادہ کیا، بلکہ قانونی حیثیت رکھنے والی دستاویزات کے حوالے پیش کرنے کی سعادت بھی حاصل کی۔ تحقیق کے دوران کتب خانۂ سجادہ نشین روضۂ منورۂ خرد میں میری نظر دکن لاء رپورٹ (Deccan Law Report) کی ایک جلد پر پڑی (جلد 16، سنہ 1335ف / 1925ء)، جس میں ایک اہم قانونی مقدمے کی تفصیلات درج تھیں۔ یہ مقدمہ ابو الفتح سید شاہ لاڈلے محمد محمد حسینی بنام سید شاہ ندیم اللہ حسینی کے نام سے صفحہ 489 پر شائع ہوا ہے۔

اس مقدمے کے پس منظر میں تفصیلات حاصل کرنے کے لیے جب میں نے حضرت سید ید اللہ حسینی صاحب نظام بابا سے معلومات دریافت کیں تو آپ نے وضاحت فرمائی کہ یہ مقدمہ دراصل حضرت سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی کی وراثت اور سجادگی کے حق کے سلسلے میں دائر کیا گیا تھا۔ اس میں فریقین کے دو اہم دعوے تھے:

1۔ سید شاہ لاڈلے حسینی سجادہ نشین، از بطن حضرت زہرہ سلطان

2۔ سید شاہ ندیم اللہ حسینی کلاں سجادہ، از بطن بادشاہ بی بی صاحبہ زوجۂ اول حضرت سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی مدعی (1)۔

مزید بر آں، صفحہ 492 کے بعد اس مقدمے کے ساتھ ایک شجرۂ نسب بھی شائع کیا گیا ہے، اور اس کے فوراً بعد فیصلے کا مکمل متن درج ہے، جو کل 24 صفحات پر مشتمل ہے۔ فریقین کے تمام دعووں، دلائل اور دستاویزی شہادتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تین رکنی عدالتِ عالیہ حکومتِ نظامیہ نے اپنے فیصلہ میں سید شاہ ندیم اللہ حسینی کا دعویٰ خارج کر دیا اور سجادگی، تولیت اور متعلقہ جاگیریں سید شاہ لادلے حسینی کے نام بر قرار رکھیں۔

اس قانونی فیصلے کو اس مقالے میں شامل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں مندرج شجرہ نسب نہ صرف مستند اور عدالت کے اقرار سے ثابت ہے بلکہ یہ حقیقت بھی واضح کرتا ہے کہ حضرت سید ید اللہ بن فتح محمد حسینی کی شادی حضرت زہرہ سلطان بنت سید یوسف صاحب سے ہوئی تھی اور اسی نکاح کے شاہی فرمان کا حوالہ بھی اس فیصلے میں موجود ہے۔ اس طرح یہ قانونی دستاویز ہمارے موضوع کے اہم تاریخی و نسبی حقائق کی ایک مضبوط شہادت فراہم کرتی ہے۔

بالآخر تحقیق کے سلسلے میں پیش کردہ ایک آخری دستاویز پر مختصر تبصرے کے ساتھ گفتگو کو سمیٹنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب سید لاڈلے حسینی صاحب کے نام جاگیریں بحال ہو گئیں تو یہ جاگیر دار ڈنڈوتی اور بھاگواڑی کے بن گئے، یہ دو گاؤں چیتاپور تعلقہ میں آج بھی موجود ہیں۔ ان کے بعد ان کی وراثت ان کے فرزند اکبر سید شاہ قبول اللہ حسینی عرف شبیر پاشاہ صاحب کے نام منتقل ہوئی اور انہی کے عہدے سجادگی کے دوران حکومت ہند کا قیام عمل میں آیا۔ بعد ازاں حکومت نے تمام جاگیرات کو ایک ایکٹ کے تحت ختم کر دیا

[1] تاریخ محمدی، ص80

لیکن سید شاہ قبول اللہ حسینی نے یہ دعویٰ داخل کیا کہ یہ جاگیرات سجادہ نشین کی ذاتی نہیں بلکہ بادشاہ وقت سے عطا کردہ جاگیرات ہیں جن کے معاوضوں سے درگاہ شریف کے اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہٰذا حکومت نے یہ فیصلہ لیا کہ ان جاگیرات کی کل اراضی وہ حاصل کرنے کے معاوضے میں درگاہ شریف کو ہر تین ماہ ایک متعینہ رقم ادا کرے گی اور اس کا باضابطہ ایک پینشن آرڈر بنادیا گیا۔ سید شاہ قبول اللہ حسینی عرف شبیر پاشاہ صاحب تاحیات ان معاوضوں کو وصول کرتے اور حسب حکم حکومت کرناٹک اس کے دو تہائی حصے درگاہ شریف میں صرف کرتے اور ایک تہائی حصہ اپنے اخراجات کے لیے رکھتے۔

سید شاہ قبول اللہ حسینی صاحب کے انتقال کے بعد، ان کے فرزندِ اکبر اور موجودہ سجادہ نشین سید شاہ حسن شبیر محمد محمد الحسینی کے نام حکومتِ کرناٹک نے ان جاگیرات کا وثیقۂ پینشن آرڈر جاری کیا۔ اسی حکم نامے کے تحت آج بھی سجادہ نشین صاحب کو ہر تین ماہ میں 4891روپے بطور معاوضہ موصول ہوتے ہیں، جن میں سے دو تہائی حصہ قدیم روایت کے مطابق درگاہِ شریف کے مصارف پر خرچ کیا جاتا ہے اور ایک تہائی حصہ ان کی ذاتی ملکیت شمار ہوتا ہے۔

یہ وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ یہ معاوضہ دراصل اُن ہی جاگیرات کا ہے جو شاہ عالم بادشاہ، عالمگیر اورنگزیب نے حضرت زہرہ سلطان بنت سید یوسف صاحب، المعروف صاحبِ درگاہ یوسفین کو بطور مددِ معاش عطا فرمائی تھیں۔ لہٰذا آج بھی ان جاگیرات کا معاوضہ جس شخص کے نام جاری ہے، وہی سلسلۂ حضراتِ یوسفین کا حقیقی وارث تسلیم کیا جائے گا۔

* * * * * *

کتابیات:

1۔ خواجہ غلام غوث خان۔ تاریخ گلزار آصفیہ۔ مترجم: محمد قمرالدین صابری، تخلیق کار پبلشرز، دہلی، 2008ء۔

2۔ پیام شاہ جہاں پوری۔ تذکرہ شاہ محمد غوث۔ ملک دین محمد اینڈ سنز، اشاعت منزل، بل روڈ، لاہور، 1965ء۔

3۔ پنڈت سرینواس راؤ شرما، مدیر۔ دکن لار پورٹ۔ برقی مشین پریس، 1335ف۔

4۔ شاہ عالم بادشاہ۔ فرمان شاہ عالم، 1119ھ۔ (غیر مطبوعہ تاریخی دستاویز۔)

5۔ جہاں نما علی شاہ۔ کیفیت خاندان محمد المعروف تاریخ محمدی۔ مطبع دکن عزیز، حیدرآباد، 1318ھ۔

6۔ سخی مستعد خان۔ مآثرِ عالمگیری۔ مترجم: سر جادوناتھ سرکار، ایشیاٹک سوسائٹی، کولکتہ، 1947ء۔

7۔ محمد عبدالجبار خان۔ محبوب ذوالمنن: تذکرہ اولیائے دکن۔ جلد اول، اسٹوڈنٹس بک ہاؤس، حیدرآباد۔

8۔ سید شاہ لاڈلے محمد محمد الحسینی۔ مختصر حالاتِ خانوادۂ روضۂ منورۂ خرد۔ ادارۂ خانقاہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز، گلبرگہ شریف، 1358ھ۔

خانقاہی نظام کا روحانی و سماجی تربیت میں کردار: ایک تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر محمد شمس الدین*

خانقاہیں صدیوں سے روحانی و اخلاقی تربیت، دینی تبلیغ اور خدمتِ خلق کا مرکز رہی ہیں۔ صوفیاء نے محبت، رواداری، برداشت اور انسانیت کا وہ پیغام دیا جس نے کروڑوں دلوں کو بدل دیا، اسلامی تہذیب و ثقافت میں خانقاہ ایک ایسا روحانی و تربیتی ادارہ ہے جس کا بنیادی مقصد باطن کی اصلاح، اخلاقی تربیت اور روحانی تزکیہ ہے۔ اگرچہ خانقاہ بظاہر ایک مخصوص عمارت یا آستانہ ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں یہ اُس باطنی نظام کا مرکز ہے جسے تاریخِ اسلامی میں ''تصوف'' یا''سلوک'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور خانقاہ کو "مدرسۂ اخلاق"، "مرکزِ تزکیہ" اور "درسگاہِ سلوک" کی حیثیت حاصل رہی ہے، خانقاہ میں شور و خطابت کے بجائے سکوت، تفکر اور روحانی یکسوئی کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔ صوفیانہ تعلیمات کے مطابق مرشد کی صحبت اور خانقاہ کا ماحول سالک کے باطن میں ایسی کیفیات پیدا کرتا ہے جو محض رسمی علم سے حاصل نہیں ہوتیں۔ صوفیاء نے ہمیشہ ''قال'' (الفاظ) سے زیادہ''حال'' (عملی کیفیت) کو ترجیح دی ہے، خانقاہ کا نظام "شیخ و مرید" کے باہمی تعلق پر قائم ہوتا ہے۔ مرشد کی نظر، تربیت، صحبت اور مشاہدہ سالک کے دل سے روحانی رکاوٹیں دور کرنے کا وسیلہ بنتا ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اسے ''تصفیۂ قلب'' اور تزکیۂ نفس کہا جاتا ہے، خانقاہیں ہمیشہ ظاہری علوم کی تکمیل کے طور پر باطنی مشاہدہ کو اہمیت دیتی رہیں ہیں۔ اسی لیے انہیں نہ صرف عبادت گاہ کہا جاسکتا ہے نہ مدرسہ، بلکہ یہ ایک جامع روحانی مرکز ہے، جہاں ذکر، مراقبہ، خلوت، صحبتِ شیخ اور تربیتِ باطن جیسے علوم سکھائے جاتے ہیں، جدید دور میں مادیت پرستی، ذہنی بے سکونی، اخلاقی انحطاط اور سماجی انتشار کے پس منظر میں خانقاہی نظام کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ خانقاہیں آج بھی انسانیت کو روحانی توازن، اخلاقی تربیت، خدمتِ خلق اور بین المذاہب ہم آہنگی فراہم کرنے والے اہم ادارے ہیں۔

خانقاہ کی ابتداء:

خانقاہی نظام کی جڑیں عہدِ نبوی ﷺ اور غارِ حرا کی تنہائی و مراقبہ سے جا کر ملتی ہیں۔ تزکیۂ باطن اور روحانی ریاضتوں کا سلسلہ خلفائے راشدین کے دور سے ہی واضح طور پر ملتا ہے، تابعین و تبع تابعین کے دور میں روحانی مجالس باقاعدہ شکل اختیار کرنے لگیں، اور پھر عباسی عہد میں خانقاہیں ایک منظم ادارے کے طور پر سامنے آئیں۔ تیسری صدی ہجری کے بعد خانقاہوں نے اسلامی معاشرت میں نمایاں ادارہ جاتی حیثیت اختیار کرلیں، اسلامی سلطنتوں کے پھیلاؤ کے ساتھ خانقاہوں نے علمی، اخلاقی اور روحانی تربیت کے مراکز کی حیثیت اختیار کرلیں۔ صدیوں تک ان خانقاہوں نے معاشرے میں اعتدال، محبت، تحمل، سچائی اور باطنی طہارت کی قدروں کو مضبوط کیا۔ سیاست اور معیشت کے ہنگاموں سے دور، یہ مراکز خالصتاً روحانی تربیت کے لیے وقف تھے، جہاں ہر آنے والے کو اللہ سے تعلق

* اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

کو مضبوط کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔

خانقاہی نظام کی خدمات اور اثرات:

خانقاہی نظام اسلامی تہذیب و تمدن کا وہ عہد ساز اور دیرپا ادارہ ہے جس نے صدیوں تک روحانی، سماجی، علمی اور تہذیبی زندگی کے مختلف میدانوں میں گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس نے فردِ واحد کی شخصیت سازی سے لے کر اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل تک وہ اصول فراہم کیے جن کے نتیجے میں ایک متوازن، ہم آہنگ، بااخلاق اور خدمت گزار معاشرہ وجود میں آیا۔ خانقاہیں محض عبادت و ریاضت کے مراکز نہیں تھیں، بلکہ انسانی فلاح، اخلاقی تطہیر، علمی احیاء اور تہذیبی تحفظ کی عظیم درسگاہیں بھی تھیں۔ ذیل میں خانقاہی نظام کی بنیادی اور مستقِل خدمات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

روحانی تربیت:

روحانی تربیت خانقاہی نظام کا بنیادی اور مرکزی مقصد تھا۔ خانقاہیں تزکیۂ نفس، اصلاحِ باطن اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کی مضبوطی کے مراکز تھیں۔ یہاں آنے والے سالک کو مجاہدہ، مراقبہ، ذکر و فکر، خلوت و جلوت اور صحبتِ شیخ کے ذریعے ایک ہمہ جہتی تربیت دی جاتی تھی۔ صوفیائے کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ انسانی اخلاق کی اصلاح تب تک ممکن نہیں جب تک باطن کو پاک نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خانقاہیں روحانی تزکیے کے مستند ادارے سمجھے جاتے تھے جہاں ایک نگاہِ مرشد سالک کے دل کی دنیا بدل دیتی تھی۔[1]،

سماجی نظام کی تشکیل:

خانقاہیں صرف عبادت اور روحانیت کے مراکز نہیں تھیں، بلکہ انہوں نے معاشرتی سطح پر اخوت، مساوات، رواداری، خیر خواہی اور خدمتِ خلق جیسے اصولوں کو رواج دیا۔ خانقاہ کا دروازہ ہمیشہ ہر انسان کے لیے کھلا رہتا—چاہے وہ کسی بھی مذہب، نسل، ذات یا طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ یہاں رنگ، نسل اور زبان کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں تھی۔ لنگر، مسافر خانے، غریبوں کی مدد، بیماروں کی تیمارداری اور عوامی خدمت خانقاہی نظام کے وہ پہلو تھے جنہوں نے اسلامی معاشرت کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ برصغیر میں ہندو مسلم یکجہتی کی متعدد روایات اسی خانقاہی نظام کی بدولت پروان چڑھیں۔[2]،

علم و حکمت کا فروغ

اگرچہ خانقاہیں بنیادی طور پر روحانی مراکز تھیں لیکن صدیوں تک انہوں نے علم و حکمت کی ترویج میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ بہت سے صوفیاء عظیم مفسر، محدث، فقیہ اور ادیب تھے۔ ان خانقاہوں میں قرآنِ کریم کی تعلیم، حدیث کی تدریس، فقہ و کلام کی شرح، اور روحانی علوم کی تربیت دی جاتی تھی۔ مشہور روحانی سلاسل — قادریہ، چشتیہ نقشبندیہ اور سہروردیہ — اپنے ساتھ ہمہ جہتی علمی روایت

---

[1] ابن عربی، محی الدین۔ *الفتوحات المکیۃ*،، دار صادر بیروت: 2: 269-271

[2] قشیری، عبد الکریم، *الرسالۃ القشیریۃ*، قاہرہ: دار المعارف، 78۔

بھی رکھتے تھے۔ خانقاہی مکتبِ فکر نے علمی مناظرے سے زیادہ اخلاقی تربیت اور حکمتِ قرآنی پر زور دیا، جس نے دین کی تعلیم میں نرمی، شفقت اور حکمت کو فروغ دیا۔[1]۔

اسلامی تہذیب کی ترویج

برصغیر میں اسلام کا سب سے مؤثر، پُرامن، اخلاقی اور روحانی پیغام خانقاہی نظام کے ذریعے ہی عام ہوا۔ صوفیا کی دعوت و تبلیغ میں سختی کے بجائے محبت، خدمت اور حسنِ اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ انہوں نے مقامی زبانوں میں گفتگو کی، عوام کی ضروریات کو سمجھا، اور ان کی خدمت کو تبلیغ کا ذریعہ بنایا۔ ان کی خانقاہیں نہ صرف روحانی مراکز تھیں بلکہ تہذیبی میل جول، اخلاقی تربیت اور انسانی خدمت کے جامع ادارے تھے۔ ان کی انہی خدمات کے نتیجے میں اسلام برادران وطن کے دلوں میں اترا اور ایک عظیم تہذیبی انقلاب رونما ہوا۔[2]

عصر حاضر میں تصوف کی اہمیت:

تصوف وہ روحانی و اخلاقی نظام ہے جو انسانی باطن کی تطہیر اور اخلاق کی تعمیر کا مکمل منہج فراہم کرتا ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک انسان کی حقیقی فلاح اسی وقت ممکن ہے جب اس کے دل میں محبت، خیر خواہی، ایثار، رواداری اور باہمی احترام کے جذبات راسخ ہوں۔ تاریخ اسلامی اس امر کی گواہ ہے کہ جب تک معاشرے تصوف کی تعلیمات سے وابستہ رہے، دنیا امن، سکون، حسنِ معاشرت اور اخلاقی تطہیر کا مرکز بنی رہی۔ صوفیانہ تعلیمات نے انسان کو باطنی اصلاح کے ذریعے بیرونی ماحول میں اعتدال، ہم آہنگی اور معاشرتی توازن پیدا کرنے کا شعور دیا۔[3] لیکن جب انسان نے اس روحانی نظام سے بے رخی اختیار کی تو حرص و لالچ، خود غرضی، مادہ پرستی، بے رحمی اور اخلاقی انحطاط نے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس زوال پذیری کے نتیجے میں خاندانی نظام کمزور ہو گیا، اور باپ بیٹے، ساس بہو، بھائی بھائی اور استاد شاگرد جیسے مقدس رشتے بھی احترام و محبت کی بجائے کشمکش، بے اعتنائی اور تناؤ کا شکار ہو گئے۔ معاشرے میں لوٹ کھسوٹ، دھوکے بازی، سرمایہ پرستی اور استحصال عام ہوا۔ سودی نظام نے انسان کو حرصِ زر کے چنگل میں اسیر کر دیا، اور معاشرتی سطح پر مذہبی منافرت، فرقہ واریت، نسلی و سماجی عناد اور تشدد نے شدت اختیار کر لی۔ ان حالات میں تصوف کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، کیونکہ یہ نظام انسان کے اندر سے بغض، کینہ، حسد، نفاق، ریاکاری، حرص اور لالچ جیسے روحانی امراض کا علاج فراہم کرتا ہے۔ تصوف انسان کو صداقت، خلوص، عفو و درگزر، ہمدردی، ایثار، صلہ رحمی، تحمل، بردباری اور رواداری جیسے

---

[1]۔ غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: علامہ فیض احمد، دہلی: مکتبہ رضویہ، 1999م 1: 65۔

[2] غزالی، احیاء علوم الدین، 3: 13–17

[3] ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد احمد قادری لاہور: مکتبہ شمس و قمر، 2012م 128۔۔

اوصاف سے مزین کرتا ہے۔ یہی صفات معاشرتی امن اور باہمی احترام کی بنیاد ہیں۔[1] تصوف عبادت میں حضورِ قلب، خشوع، خضوع اور تقویٰ پیدا کرتا ہے، اور انسان کو ظاہر و باطن دونوں سطحوں پر اللہ کے قرب کے سفر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اگر تصوف کی تعلیمات کو عصرِ حاضر کے فکری و سماجی تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے نئی نسل تک پہنچایا جائے، تو نہ صرف ان کے فہمِ دین میں وسعت پیدا ہوگی بلکہ عالمی سطح پر ایک پر امن، متوازن اور صالح معاشرے کی تشکیل بھی ممکن ہو سکے گی[2]۔

تعلیماتِ تصوف:

تصوف اسلامی تہذیب و فکر کا وہ باطنی اور روحانی گوشہ ہے جو عہد نبویؐ ہی سے اخلاقِ حسنہ، تزکیۂ نفس، اصلاحِ باطن، ذکر و مراقبہ اور قربِ الٰہی کے حصول کی عملی صورت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ قرآنِ کریم میں تزکیہ، تقویٰ، اخلاص، خشیتِ الٰہی، صبر، شکر اور احسان جیسے جو باطنی کیفیات بیان کی گئی ہیں، صوفیاء نے انہی قرآنی و نبوی اصولوں کی روشنی میں ایک باقاعدہ تربیتی نظام تشکیل دیا، جسے بعد میں تعلیماتِ تصوف کے نام سے پہچانا جانے لگا۔ تصوف کا ظہور کسی خارجی تہذیب یا فلسفے کا نتیجہ نہیں بلکہ اسلام کی داخلی روحانی ضرورت کے طور پر سامنے آیا۔ صحابہ و تابعین کے زہد، عبادت، شب بیداری، سخاوت اور دنیا سے بے رغبتی کی جو روایت آغازِ اسلام میں پائی جاتی تھی، صوفیاء نے اسی کو منظم شکل میں آگے بڑھایا۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کی بنیادی تعلیمات براہِ راست قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں اور ان کا مقصد انسان کے ظاہر و باطن دونوں کی جامع اصلاح ہے۔ تعلیماتِ تصوف کے پس منظر میں یہ پہلو نمایاں اہمیت رکھتے ہیں:

تزکیۂ نفس:

تصوف کا بنیادی مقصد انسان کے باطن کو پاک کرنا، قلب و روح کو اللہ کی معرفت کے قابل بنانا اور اخلاقِ حسنہ سے مزین کرنا ہے۔ اسی لیے اہلِ تصوف کے نزدیک تزکیۂ نفس روحانی تربیت کا بنیادی ستون ہے۔ قرآن کریم نے بھی تزکیہ کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد قرار دیتے ہوئے فرمایا "يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَاب"[3]، اس سے واضح ہوتا ہے کہ باطنی اصلاح کے بغیر انسان نہ حقیقی بندگی اختیار کر سکتا ہے اور نہ روحانی ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ علمائے تصوف کے نزدیک نفس کی تہذیب و تربیت وہ بنیاد ہے جس پر روحانی ترقی کی تمام منازل قائم ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ نفس کی اصلاح کے بغیر عبادت میں خلوص پیدا نہیں ہوتا اور نہ اعمال میں روح باقی رہتی ہے، اصل کامیابی نفس کے رذائل کو ختم کرنے اور اخلاقِ فاضلہ کو اپنانے میں ہے۔[4] صوفیاء کے نزدیک مجاہدہ اور محاسبہ تزکیہ کے بنیادی ذرائع ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب کا قول صوفیاء کے طریقِ تربیت کا محور بن چکا ہے "**حاسِبُوا أَنفُسَكُم قَبلَ**

---

[1] ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، 131۔

[2] عبد القادر عیسی، حقائق عن التصوف، سوریہ: الطبعہ السادسہ عشر 1993م، 31-36۔

[3] البقرہ: 129

[4] غزالی، احیاء علوم الدین، 3: 42۔

أن تُحاسَبُوا"۔ تم خود اپنے آپ کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مطابق مسلسل محاسبہ انسان کے اندر وہ نور پیدا کرتا ہے جو اسے گناہوں سے بچاتا اور خیر کی طرف مائل کرتا ہے۔[1]

تزکیۂ قلب:

تصوف کی روحانی تعلیمات میں **تزکیۂ قلب** کو مرکزی مقام حاصل ہے، کیونکہ صوفیاء کے نزدیک دل انسانی اخلاق، نیت اور روحانی کیفیتوں کا حقیقی مرکز ہے۔ اسی بنا پر اہلِ طریقت نے ہمیشہ یہ بات واضح کی ہے کہ تزکیۂ نفس اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک دل کو پاکیزہ اور منور نہ کر لیا جائے۔ دل کی اصلاح کے بغیر نہ سلوک کی منازل طے ہوتی ہیں اور نہ معرفتِ الٰہی کی جھلک انسان کے باطن میں ظاہر ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دل کی اہمیت کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا ہے "ألا وإن في الجسد مضغة، إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت فسد الجسد كله، ألا وهي القلب" *سن لو! جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے؛* اگر وہ درست ہو جائے تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے، اور اگر وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے؛ خبردار! وہ دل ہے[2]۔ یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ انسان کے اعمال، خیالات اور کردار کی خرابی و درستی کا اصل محور قلب ہے۔ اسی بنا پر اہلِ تصوف "اصلاحِ قلب" کو سلوک کے بنیادی فرائض میں شمار کرتے ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک تزکیۂ قلب کی اصل بنیاد یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو برے خیالات، حسد، کینہ، تکبر، ریا اور نفسانی آلودگیوں سے پاک کرے، اور اپنے باطن میں نیک خیالات، خیر خواہی، اخلاص اور محبتِ الٰہی پیدا کرے۔ اس کے لیے صوفیاء دو بنیادی طریقے بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، اس کی قدرت، کائنات کے نظام اور آیاتِ الٰہی پر غور کرنا، جس سے دل میں نور اور معرفت پیدا ہوتی ہے، مسلسل ذکر اور قلبی توجہ کے ذریعے دل کو غفلت اور دنیا کی کدورتوں سے پاک کرنا۔ امام غزالی کے مطابق دل کی صفائی کے بغیر عبادت میں اثر، نیکی میں اخلاص اور اعمال میں روح نہیں رہتی، اس لیے تصوف میں اصلاحِ قلب کو اصل جڑ اور بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔[3]

صبر و رضا:

تصوف کی روحانی منازل میں *صبر و رضا* کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ صوفیاء کے نزدیک صبر وہ بنیادی قوت ہے جو سالک کو حوادثِ زمانہ، نفسانی خواہشات اور روحانی ابتلاء میں ثابت قدم رکھتی ہے، جبکہ رضا اس کیفیت کا نام ہے جس میں انسان نہ صرف اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو قبول کرتا ہے بلکہ دل و جان سے اس پر خوش بھی رہتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کی عظیم فضیلت

---

[1] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، بیروت: دار احیاء العلوم 1: 112۔

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، بیروت: دار ابن کثیر، 2002م کتاب الإیمان، حدیث 52۔

[3] امام غزالی، *احیاء علوم الدین*، 3: 58–60۔

بیان فرمائی ہے "**إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِين**" [1] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صبر اہلِ ایمان کا مضبوط سہارا ہے۔ اہلِ طریقت کے مطابق مقامِ رضا، صبر کا اعلیٰ اور کامل درجہ ہے۔ کیونکہ صبر میں ضبطِ نفس ہے مگر رضا میں قلبی خوشی اور اطمینان شامل ہوتا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری نے رضا کی نہایت جامع تعریف بیان فرمائی ہے "الرِّضَا فَرَحُ الْقَلْبِ بِمَجَارِي الْقَضَاءِ" یعنی تقدیرِ الٰہی کے تمام فیصلوں پر دل کا خوش رہنا ہی رضا ہے۔ [2] یہ تعریف اس بات کو واضح کرتی ہے کہ راضی برضا بندہ اپنی قدرت اور خواہش سے زیادہ کسی شے کی تمنا نہیں کرتا، بلکہ اسی پر مطمئن رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پسند کر دیا ہو۔ اہلِ تصوف کے یہاں مقامِ رضا کا درجہ یہ ہے کہ وہ مصیبت و رنج میں بھی روحانی لذت محسوس کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک ہر ابتلاء قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ "جس قدر مصائب میں اضافہ ہوتا ہے، اسی قدر سالک کی روحانی برداشت اور قوت میں اضافہ ہوتا ہے، اور اسے باطنی سرور محسوس ہوتا ہے" [3]۔

خانقاہوں کا کردار قدیم زمانے میں:

بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کے ملفوظات کے مطالعے سے یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ عہدِ قدیم میں خانقاہیں نہ صرف عبادت گاہیں تھیں بلکہ انسانی کردار سازی کی عظیم تربیت گاہیں بھی تھیں۔ خانقاہوں میں آنے والوں کو حسنِ سلوک، رواداری، ایثار، قربانی، باہمی محبت، پڑوسیوں کے حقوق، والدین کی عظمت، خطاؤں سے درگزر، برائی سے اجتناب اور نیکی سے رغبت جیسے اخلاقی اصولوں کی عملی تربیت دی جاتی تھی۔ اہلِ تصوف، پیغمبروں کے واقعات، اولیاء اللہ کی زندگی، صوفیاء کے صبر و استقامت اور عبادت و ریاضت کے خصائص اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے اثرات انسانی شخصیت پر دور رس اور پائیدار ثابت ہوتے ہیں۔ ان تمام سرگرمیوں کا مقصد انسان کو اصلاحِ نفس اور تزکیۂ باطن کے ذریعے ایک صالح، مخلص، متقی اور خداترس انسان بنانا تھا۔ [4] صوفیاء کرام نے اُن طبقات کی اصلاح کی جو تہذیب، اخلاق اور دینی تعلیمات سے کوسوں دور تھے، اور ایسے افراد کو براہِ راست مسجدوں میں لانے کے بجائے محبت بھری فضا رکھنے والی خانقاہوں میں تربیت دی، تاکہ سب سے پہلے ان کی انسان سازی ہو سکے۔ اسی وجہ سے جہاں جہاں خانقاہی نظام پہنچا، وہاں کے ہزاروں لوگ اسلام کی اخلاقی خوبیوں سے متاثر ہو کر اس کے دائرے میں داخل ہوئے اور آگے چل کر بڑے صوفی اور بزرگ دین کی حیثیت اختیار کر گئے۔ [5]

خانقاہی نظام نے اپنے تربیتی مشن کے ذریعے صدیوں تک حیرت انگیز اور مثبت اثرات مرتب کیے۔ ایک طویل عرصہ تک یہ نظام

---

[1] البقرہ:153

[2] ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2006 م، 9: 341.

[3] سلمی، أبو عبد الرحمن، طبقات الصوفیۃ، دار المعارف النعمانیہ، لاہور 2012 م، 151.

[4] غزالی، إحیاء علوم الدین، 3: 119-120۔

[5] ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، 536- 537۔

اخلاص، تقویٰ، خوفِ خدا، اطاعتِ شرعی اور خدمتِ خلق کے اعلیٰ معیار پر قائم رہا۔ تاہم جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، معاشرتی تبدیلیوں نے اس نظام پر بھی اثر ڈالا۔ بعض گروہوں کے شطحیات، غیر شرعی رسومات، مجاز پرستی، دنیا طلبی اور شریعت و طریقت کے درمیان خود ساختہ تفریق نے اس نظام کی اصل روح کو نقصان پہنچایا جس کے باعث اس کی خالص روحانیت اور اصلاحی تاثیر پہلے جیسی نہ رہی۔ معروف اسکالر مولانا سید اسید الحق قادری نے کیا ہی خوب لکھا ہے "اس تلخ حقیقت کا بہر حال اعتراف کرنا چاہیے کہ خانقاہی نظام کو جن دعوتی اور اصلاحی مقاصد کے لیے ہمارے اسلاف نے متعارف کرایا تھا ان مقاصد اور اہداف سے ہم بہت دور جا پڑے ہیں، اس نظام کی اصل روح ختم ہو گئی ہے اب صرف ایک رسم رہ گئی ہے جس کو نسل در نسلِ نبھایا جا رہا ہے، افسوس کہ جن خانقاہوں سے بھی "انا الحق" کا نعرۂ مستانہ سنائی دیا کرتا تھا وہاں سے حق کی تجلیات رخصت ہوئیں اب صرف 'انا' باقی رہ گئی ہے" [1]

سماجی اور روحانی تربیت میں دکن کی خانقاہوں کا کردار:

تصوف و سلوک جو دراصل روحانی تربیت اور باطنی اصلاح کا مقدس نظام ہے، عصرِ حاضر میں افسوس ناک طور پر محض چند رسمی و ظاہری مظاہر تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے متعدد شعبوں میں ایسی خامیاں پیدا ہو چکی ہیں جنہوں نے اس کے اصل مقاصد اور اخلاقی اثرات کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ موجودہ صورتحال انتہائی تکلیف دہ ہے؛ اصلاح و تزکیہ کی مسند پر بیٹھنے والے بہت سے افراد شریعت سے بے اعتنائی، علم و عمل سے غفلت اور دنیا داری کے حرص میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ فرائض و واجبات میں کوتاہی اور منکراتِ شرعیہ کی طرف میلان عام ہوتا جا رہا ہے۔ قدیم خانقاہی نظام، جو روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاح کا مرکز تھا، اب اکثر مقامات پر "درگاہیت" کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ تصوف، جس کا مقصد دلوں کو اللہ کی طرف جھکانا تھا، آج کئی جگہ تجارت بن چکا ہے۔

حضرت ابو الفتح سید محمد الحسینی المعروف خواجہ بندہ نواز گیسو دراز 803ھ میں اپنے مریدین و متعلقین کے ساتھ گلبرگہ تشریف لائے۔ اس دور کی بہمنی سلطنت کے سلاطین و امراء آپ سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ روایت ہے کہ سلطان احمد شاہ بہمنی کو آپ کی دعا کی برکت سے سلطنت عطا ہوئی، اور بعد ازاں وہ آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے عہد میں احکامِ شریعت کی ترویج و اشاعت میں سرگرم رہا۔ صاحبِ *گلزارِ ابرار* نے آپ کی خانقاہی خدمات کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا سلطان احمد شاہ آپ کی بے حد تعظیم کرتا تھا، اور متعدد مواضعات و باغات آپ کی خانقاہ کے نام وقف کیے گئے تھے، چنانچہ مسافر و مقیم، تونگر و درویش ملا کر تقریباً ہزار افراد روزانہ آپ کے دستر خوان سے استفادہ کرتے تھے۔ حضرت عین الدین گنج العلم 773ھ میں بیجاپور تشریف لائے اور تقریباً بائیس برس تک درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ سے بڑے بڑے اولیاء و صلحاء نے شرفِ تلمذ حاصل کیا، اور آپ نے عربی، فارسی و روحانیات میں تصانیف کا عظیم ذخیرہ چھوڑا۔

حضرت شاہ حبیب اللہ کرمانی (المتوفی 864ھ) بہمنی سلاطین نے آپ کی خدمت میں جو جاگیرات اور زمینات نذر کیے تھے، آپ نے

---

[1] اسید الحق قادری،، تحقیق و تفہیم، ادارۂ فکر اسلامی، دہلی: 2014م، 253۔

بیڑ میں ایک عظیم خانقاہ تعمیر فرمائی تھی، جس میں دور دراز علاقوں سے لوگ آتے تھے اور یہاں قیام فرماتے، اور خانقاہ میں لنگر کا اہتمام ہوتا تھا جس میں بلا تفریق مذہب وملت غرباء وفقراء صبح وشام سیر ہوتے تھے، اور جہاں انہیں جسمانی غذا کے ساتھ روحانی غذا بھی ملتی تھی۔[1]

حضرت سید شاہ عبد الطیف قادری لاابالی آپ جوانی کی عمر میں بغداد شریف سے راجہ گوپال کے زمانے میں کرنول کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا، آپ صاحب کرامات بزرگ تھے، کہا جاتا ہے کہ سانپ کاٹنے کے سبب راجہ گوپال کی لڑکی مر گئی تھی، آپ کی کرامت سے دوبارہ زندہ ہوئی، راجہ گوپال اس کرامت کو دیکھ کر اپنی رعایا کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوا۔[2] آپ کی خانقاہ میں جو بھی آتا چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو آپ اس کی ضرور مدد فرماتے، آپ کے اخلاق وکردار کو دیکھ کر کئی لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت نظام الدین مقبول الٰہی (1142ھ) اپنے پیر ومرشد کی اجازت سے اورنگ آباد کو زینت بخشی، اور سلسلہ نظامیہ کی شاندار خانقاہ قائم کی، آپ کے مریدین کی بڑی تعداد تھی، ڈاکٹر خلیق احمد نظامی نے لکھا کہ آپ کی خانقاہ کے دس دروازے تھے، ہر دروازے پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا، اور جو حاجت مند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا اور اس پر آپ کی مہر لگا دی جاتی تھی، حاجت مند وہ پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا وہ اس کی حاجت برداری کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا تھا۔[3] آپ کی تعلیم وتربیت کا اثر یہ ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد اورنگ آباد کی مسجدیں چھوٹی چھوٹی خانقاہوں کی شکل میں تبدیل ہو گئیں تھیں، جہاں طلبہ کے لیے کھانے کے ساتھ رہائشی کا انتظام تھا۔

حضرت سید شاہ رفیع الدین احمد قادری (1019ھ) بغداد سے اپنے ہمراہ ساٹھ مریدین کو لے کر حیدرآباد دکن تشریف لائے اور شیخ پیٹ گولکنڈہ کو اپنا جائے مسکن بنایا، سلطان عبد اللہ شاہ مذہب امامیہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے آپ سے ملنا نہیں چاہتا تھا، لیکن جب آپ کی عظمت وشہرت کا ڈنکا سنا تو بادشاہ اپنی لنگڑی اور نابینا لڑکی کا معروضہ لے کر آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا، اور لڑکی آپ کا دم کیا ہوا پانی پی کر صحیح وسالم ہو گئی، بادشاہ آپ کا معتقد ہو گیا، آپ کے صاحبزادے عبد الرزاق سے اس کا نکاح ہوا، آپ کے فیضان قادریت سے کئی لوگ راہ ہدایت پر آ گئے۔[4]

حضرت میر شجاع الدین حسین (المتوفی 1265ھ) آپ نے چارمینار کے قریب جامع مسجد شجاعیہ کو علم شریعت وطریقت کا مرکز بنایا تھا، آپ نے مسجد کے مشرقی حصے میں ایک خانقاہ کی تعمیر فرمائی، جہاں مریدین کی تربیت اور قیام وطعام کا نظم تھا، اور ہر دن دو سو لوگ

---

[1] محمد عبد الجبار، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن، حیدرآباد: اسٹوڈنس بک ہاؤس، 1: 305۔

[2] عبد الجبار، محبوب ذی المنن، 1: 572۔

[3] خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، لاہور: مشتاق بک کارنر 428۔

[4] سید غلام علی شاہ، مشکوۃ النبوت، حیدرآباد: اعجاز پرنٹنگ پریس 1982م 6: 131۔

اس لنگر سے دو وقت سیر ہوتے تھے ، آپ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر بے شمار غیر مسلم آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کیے، چنانچہ غلام رسول صاحب جن کا پہلا نام راجہ سنبھو پرشاد تھا اپنے متعلقین کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے، ان کے علاوہ غلام مرتضی جن کا پہلا نام متیا تھا جو راجہ چندولال کے فوج کے کمانڈر تھے، آپ کے دست اقدس پر تین سو سپاہیوں کے ساتھ اسلام قبول کیے، اور صاحب حسین جن کا پہلا نام صاحبو تھا، جو فوج کے افسر تھے اپنے دو سو آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کیے [1]

عصر حاضر میں خانقاہی نظام اور تصوف

بیعت وارادت:

اہل اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنا سنت اور مستحب عمل ہے، لیکن محض بیعت کرلینا اور اوامر و نواہی کی پابندی ترک کردینا قطعاً صحیح نہیں۔ اصلاحِ باطن کے لیے بیعت اگرچہ مسنون ہے، مگر فرائض، واجبات اور سنن پر عمل کرنا دین کی اصل بنیاد ہے۔ بیعت کا مقصد محض ایک رسم ادا کرنا نہیں، بلکہ دین پر استقامت اور ترکِ معاصی کا مضبوط عہد ہے۔ بیعت دراصل اللہ کے کسی نیک بندے کے ہاتھ پر سچی توبہ کرکے آئندہ نافرمانیوں سے بچنے اور طاعات پر قائم رہنے کے پختہ وعدے کا نام ہے۔[2] بیعت کے بعد مرید کی اصلاح و تربیت شیخ کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے۔ شیخ کا کام صرف دستِ بیعت تھام لینا نہیں، بلکہ مرید کے اعمال کا جائزہ لینا، اس کی کوتاہیوں پر تنبیہ کرنا اور اس کے ظاہر و باطن کی اصلاح کرنا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی معروف کتاب " القول الجمیل" میں شیخ کے فرائض کو ذکر کیا کہ شیخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مرید کے عقائد درست کرے، اس کے ذہن میں توحید کا صحیح تصور راسخ کرے، نبوت کے بارے میں درست اعتقاد قائم کرائے، گناہوں کی اقسام سے آگاہ کرے، کبائر و صغائر سے بچنے کی تاکید کرے، پھر ارکانِ اسلام کی پابندی کی ہدایت کرے اور معاشی ضروریات سے آگاہ کرے[3]۔ مشائخِ طریقت کا معمول رہا ہے کہ بیعت کے بعد مریدین کو لازمی نصیحتیں فرماتے، جن پر عمل ان کے لیے نہایت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ خصوصاً مشائخِ چشت اپنے مریدین کو چار بنیادی نصیحتیں کیا کرتے تھے: نماز باجماعت کی پابندی، جمعہ ترک نہ کرنا، ایامِ بیض کے روزے رکھنا، اور اللہ و رسول ﷺ کی ممنوعات سے مکمل اجتناب کرنا۔ یہ نصیحتیں محض رسمی نہیں ہوتیں بلکہ اصولِ حیات کی حیثیت رکھتی تھیں۔[4]

لیکن اگر عصرِ حاضر کے پیری مریدی کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ بیعت ایک رسمی عمل بن کر رہ گئی ہے۔ جن مقاصد کے لیے ہمارے اسلاف نے بیعت و ارادت کا نظام قائم کیا تھا، آج وہ تقریباً فراموش ہو چکے ہیں۔ بیشتر مشائخ کو نہ اپنے مریدین کی اصلاح کی فکر

---

[1] قاضی امیر اللہ مناقب شجاعیہ، حیدرآباد انجمن خادمین شجاعیہ، 132-136۔

[2] محدث دکن، سید عبد اللہ شاہ نقشبندی، مواعظ حسنہ، حیدرآباد: دکن ٹریڈرس 2006م، 1: 74-75۔

[3] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، *القول الجمیل*، کراچی: ایجوکیشنل پریس، 1974م، 36۔

[4] محدث دکن، سید عبد اللہ شاہ نقشبندی، مواعظ حسنہ، حیدرآباد: دکن ٹریڈرس 2006م، 1: 74-75۔

ہے اور نہ ہی خانقاہی نظام میں اس کے لیے کوئی مضبوط انتظام موجود ہے۔ بیعت کے بعد نہ شیخ کو اپنے مرید کے حال کا علم ہوتا ہے اور نہ مرید اپنے شیخ کی حقیقی رہنمائی سے فائدہ اٹھا پاتا ہے۔ پہلے لوگ اپنی اصلاح، صحبتِ مشائخ اور قربِ الٰہی کی نیت سے بیعت کرتے تھے، مگر آج اکثر افراد محض دنیاوی حاجات کی تکمیل اور دعاؤں کے حصول کے لیے بیعت کرتے ہیں، جبکہ حسنِ عمل اور مجاہدۂ نفس کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ماضی کے روشن خانقاہی نمونے کو زندہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بیعت وارادت کو دوبارہ بامقصد بنایا جائے۔ شیخ اپنے منصبی فرائض پوری ذمہ داری سے ادا کرے اور مرید اپنے شیخ کامل کی اطاعت، ہدایات اور روحانی تربیت پر خود کو پابند کرے۔ حقیقی پیری مریدی اسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب دونوں اپنے اپنے دائرۂ عمل پر مضبوطی سے قائم رہیں۔[1]

مجالسِ ذکر و مراقبہ:

قدیم خانقاہی نظام میں ارادت مندوں کے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے لیے مجالسِ ذکر و مراقبہ کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا۔ مریدین، متوسلین اور خلفاء پورے ذوق و شوق کے ساتھ ان محافل میں شریک ہوتے اور روحانی بالیدگی حاصل کرتے تھے۔ ان مجالس میں خلفاء اور مریدین کو مخصوص اوراد و وظائف، اذکار کے طریقے اور مراقبات کی عملی تربیت دی جاتی تھی، جنہیں وہ اپنے شب و روز کے معمولات کا لازمی حصہ بناتے تھے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک ذکر و اذکار، اوراد و وظائف، چلہ کشی اور مراقبات ترقیِ مراتب/اور کمالاتِ روحانیہ کے اہم ذرائع شمار ہوتے تھے، اسی لیے طالبانِ معرفت پورے شوق، محنت، ریاضت اور یکسوئی کے ساتھ ان میں حصہ لیتے تھے۔[2]

عصرِ حاضر کی خانقاہوں میں یہ روحانی سلسلہ تقریباً مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ اکثر مقامات پر مجالسِ ذکر و مراقبہ، چلہ کشی اور تربیتی نشستیں ختم ہو چکی ہیں۔ مریدین اخلاقی و روحانی کمزوریوں کا شکار ہیں؛ نہ انہیں اپنے سلسلے کے مخصوص معمولات کا علم ہے اور نہ اوراد و وظائف کی پابندی کا شعور۔ صورتِ حال یہ ہے کہ باطن کی اصلاح تو دور، ظاہر کو سنوارنا بھی دشوار دکھائی دیتا ہے۔ آج کی خانقاہوں میں ضروری ہے کہ دوبارہ مجالسِ ذکر و مراقبہ کا اہتمام بحال کیا جائے، تاکہ مریدین و عقیدت مند روحانی غذا حاصل کر سکیں، اپنے قلوب و اذہان کو پاکیزہ بنا سکیں اور نفس کی غلامی سے نجات پا سکیں۔ ایسی تربیتی محافل نہ صرف انفرادی سلوک کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہیں بلکہ پورے معاشرے میں خیر، اصلاح اور روحانیت کی لہر بھی پیدا کرتی ہیں۔[3]

خدمتِ خلق:

تصوف کے بنیادی مقاصد میں "خدمتِ خلق" کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخِ تصوف اس حقیقت کی گواہ ہے کہ بغداد سے لے

---

[1] سید اشرف جہانگیر سمنانی، لطائف اشرفی، ترجمہ: شمس بریلوی، پاکستان: 253۔

[2] الفاسی، احمد زروق، قواعد التصوف مطبعۃ مصر 1318ھ، 75۔

[3] اسید الحق قادری،، تحقیق و تفہیم، ادارہ فکر اسلامی، دہلی: 2014م، 252-253۔

کر اجمیر تک قدیم خانقاہیں نہ صرف روحانی تربیت کے مراکز تھیں بلکہ خلقِ خدا کی ضروریات پوری کرنے کی عملی درسگاہیں بھی تھیں۔ صوفیائے کرام کے خانقاہ میں جو نذور، ہدایا اور فتوحات آتی تھیں، انہیں جمع نہیں کیا جاتا تھا بلکہ مساکین، مسافروں، طالب علموں اور ضرورت مندوں پر خرچ کر دیا جاتا تھا۔ قدیم خانقاہیں عوامی فلاح و بہبود کا مستقل مرکز ہوا کرتی تھیں۔ خانقاہیں بیک وقت روحانی تربیت، رفاہِ عامہ اور سماجی خیر خواہی کا مرکز تھیں۔ مسافروں کے لیے سرائے، عبادت کے لیے مساجد، غریبوں کے لیے لنگر اور طلبہ و علماء کے لیے وظائف——یہ سب خدمات سلسلہ وار انجام دی جاتی تھیں۔ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہیں معاشرتی اور معاشی لحاظ سے کمزور افراد کی کفالت کے بڑے مراکز تھیں۔

معاصر دور میں اکثر خانقاہیں خدمتِ خلق کے اس روشن، عملی اور وسعت گیر تصور سے دور نظر آتی ہیں۔ نذرانوں اور عطیات کو عوامی فلاح کی بجائے ذاتی آسائشوں پر خرچ کرنا ایک عمومی رویہ بنتا جا رہا ہے۔ بہت سی خانقاہوں میں لنگر کا باقاعدہ نظام موجود نہیں، مسکین و محتاج افراد کو بنیادی سہولتیں میسر نہیں، غریب زائرین کے لیے قیام و طعام کا کوئی مناسب انتظام نہیں، خانقاہیں مالدار مریدوں کے لیے گیسٹ ہاؤس بن گئی ہیں، فلاحی منصوبوں اور غرباء کے علاج، تعلیم و کفالت کی طرف توجہ کم ہے، یہ صورتِ حال تصوف کی بنیادی روح کے منافی ہے۔ خانقاہوں کا اصل منصب خلقِ خدا کی دلجوئی، ان کے دکھوں کا مداوا اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل تھا، جو آج بہت حد تک کمزور ہو چکا ہے۔ عہدِ حاضر میں قدیم خانقاہی روایت کو زندہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر دنیا بھر میں موجود خانقاہیں اپنے اصل مقصد یعنی خدمتِ خلق کو اختیار کر لیں تو معاشرے میں خیر خواہی اور صلہ رحمی بڑھے گی، ضرورت مند افراد کو پناہ گاہیں میسر آئیں گی، دینی دعوت کے لیے خوشگوار ماحول پیدا ہو گا، سماجی ہم آہنگی میں اضافہ ہو گا، تصوف صرف باطنی اصلاح کا نام نہیں بلکہ "خلقِ خدا کی بے لوث خدمت" اس کا بنیادی ستون ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ ابن عربی، محی الدین، الفتوحات المکیۃ، بیروت: دار صادر
2۔ قشیری، عبد الکریم، الرسالۃ القشیریۃ، قاہرہ: دار المعارف
3۔ احیاء علوم الدین، ترجمہ: علامہ فیض احمد، دہلی: مکتبہ رضویہ، 1999م
4۔ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد احمد قادری لاہور: مکتبہ شمس و قمر، 2012م
5۔ عبد القادر عیسی، حقائق عن التصوف، سوریہ: الطبعہ السادسہ عشر 1993م
6۔ الفاسی، احمد زروق، قواعد التصوف مطبعۃ مصر 1318ھ
7۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، بیروت: دار احیاء العلوم۔
8۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار ابن کثیر، 2002م

9۔ ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، بیروت: دار الکتب العلمیۃ
10۔ سلمی، أبو عبد الرحمن، طبقات الصوفیۃ، لاہور: دار المعارف النعمانیہ 2012 م
11۔ اسید الحق قادری،، تحقیق و تفہیم، دہلی: ادارہ فکر اسلامی، 2014م
12۔ محدث دکن، سید عبد اللہ شاہ نقشبندی،، مواعظ حسنہ، حیدرآباد: دکن ٹریڈرس 2006م
13۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، *القول الجمیل*،۔، کراچی: ایجوکیشنل پریس، 1974م۔
14۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی، لطائف اشرفی، ترجمہ: شمس بریلوی، پاکستان
15۔ شیخ فرید الدین عطار، *تذکرۃ الاولیاء*، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ
16۔ خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، لاہور: مشتاق بک کارنر
17۔ سید غلام علی شاہ، مشکوۃ النبوت، حیدرآباد: اعجاز پرنٹنگ پریس 1982م
18۔ قاضی امیر اللہ مناقب شجاعیہ، حیدرآباد انجمن خادمین شجاعیہ
19۔ محمد عبد الجبار، محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن، حیدرآباد: اسٹوڈنس بک ہاؤس

عہدِ وسطیٰ کے آندھرا میں صوفی اداروں کی ثقافتی، سماجی اور علمی خدمات

ڈاکٹر جرار احمد و محمد عاصم *

زیر نظر تحقیقی مقالہ عہدِ وسطیٰ کے آندھرا پردیش میں صوفی تحریک اور اس سے وابستہ اداروں (خانقاہوں، درگاہوں اور مساجد) کے کثیر جہتی کردار کا احاطہ کرتا ہے۔ تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ مقالہ واضح کرتا ہے کہ صوفی ادارے محض روحانی تربیت گاہیں نہیں تھیں، بلکہ یہ اس عہد کے اہم تعلیمی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی مراکز کی حیثیت رکھتے تھے۔ مقالے میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ کس طرح خانقاہوں نے مدارس کے طور پر کام کرتے ہوئے علم و ادب، بالخصوص دکنی اردو اور مقامی زبانوں کے فروغ میں حصہ لیا۔ مزید برآں، یہ تحقیق سیاسی میدان میں صوفیاء کے اثر و رسوخ، حکمرانوں کے ساتھ ان کے تعلقات، اور ریاستی استحکام میں ان کے کردار کو اجاگر کرتی ہے۔ سماجی اور معاشی تناظر میں، مقالہ ان اداروں کی جانب سے کیے گئے فلاحی کاموں جیسے لنگر خانوں کا انتظام، دولت کی منصفانہ تقسیم اور تجارتی سرگرمیوں کے فروغ پر روشنی ڈالتا ہے۔ آخر میں، یہ مقالہ ثابت کرتا ہے کہ تصوف نے فنونِ لطیفہ، موسیقی اور فنِ تعمیر کی سرپرستی کے ذریعے ایک ایسی مشترکہ تہذیب (Syncretic Culture) اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی بنیاد رکھی جس کے اثرات آج بھی آندھرا کے سماج میں محسوس کی جاسکتی ہیں۔

کلیدی الفاظ : تصوف، عہدِ وسطیٰ کا آندھرا، خانقاہیں اور درگاہیں، قطب شاہی دور، دکنی ثقافت، سماجی بہبود، تعلیمی مراکز، مشترکہ تہذیب، دکنی اردو، فن اور فنِ تعمیر۔

تعارف

عہدِ وسطیٰ کے آندھرا کے سماج کی ثقافتی ترقی میں تصوف نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ صوفی خانقاہیں علم و حکمت اور ثقافتی تبدیلی کے مراکز بن گئیں۔ ان کی مذہبی مجالس نے ذہنی اور روحانی ترقی میں مدد فراہم کی۔ تصوف نے ثقافت کے مختلف پہلوؤں جیسے کہ فن اور فن تعمیر، ادب اور موسیقی وغیرہ کو متاثر کیا۔ صوفی بزرگوں نے خانقاہوں اور مساجد کی تعمیر کے ذریعے خطے کے فن اور فن تعمیر کے فروغ میں حصہ لیا۔ تصوف کے سرپرستوں نے درگاہیں تعمیر کیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آندھرا میں اسلام کی ایک زندہ روایت بن گئیں۔

علمی و ادبی خدمات

تصوف کا اثر صرف مذہبی ہم آہنگی تک محدود نہیں تھا بلکہ اس نے تیلگو زبان اور ادب کو بھی متاثر کیا۔ صوفی مذہبی ادارے یعنی

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ تعلیم و تربیت، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اسسٹنٹ پروفیسر، سی ڈی او ای، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

خانقاہیں اور درگاہیں، عہد وسطیٰ کے دوران ایک اہم کردار ادا کرتی رہیں کیونکہ ان کا اثر آندھرا کے علاقے میں اسلامی تصوف کی مجموعی ترقی پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ان اداروں کے فکری، تعلیمی، سماجی و اقتصادی اور مذہبی و ثقافتی اثرات قابل ذکر ہیں۔ اس دور کے صوفی مذہبی ادارے فکری سرگرمیوں کے عظیم مراکز تھے اور انہوں نے ہم عصر معاشرے کی فکری زندگی کو کافی حد تک مالا مال کیا۔ جب ریاست کی طرف سے رعایا کو تعلیم دینے کے لیے کوئی باقاعدہ تعلیمی ادارے نہیں چلائے جاتے تھے، تو یہ مذہبی ادارے ہی تھے جنھوں نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے ذریعے اس ضرورت کو کچھ حد تک پورا کیا۔ علم کے فروغ کی یہ خدمت انہوں نے تعلیمی اداروں اور علماء کی سرپرستی کے ذریعے انجام دی جو ان کے ادارے کا حصہ تھے۔ تیلگو ملک میں اس دور کے مسلم مذہبی ادارے فکری سرگرمیوں کے عظیم مراکز اور علم کے فروغ کا ذریعہ تھے۔ انہوں نے علم پھیلانے میں، خاص طور پر مسلمانوں کے درمیان، ایک اہم کردار ادا کیا۔ اس دور کی زیادہ تر مساجد کے ساتھ اسکول (مکتب یا مدرسہ) منسلک ہوتے تھے جن کی دیکھ بھال کے لیے اوقاف قائم کیے گئے تھے۔ "تذکرۃ الملوک" میں درج ہے کہ ابراہیم قطب شاہ نے اپنی سلطنت کے ہر شہر اور گاؤں میں مساجد تعمیر کیں۔ اس نے ان تمام مساجد میں ملا یا اساتذہ مقرر کیے اور تمام مسلم بچوں کے لیے ان مسجد کے اسکولوں میں جانا لازمی قرار دیا۔ [1] محمد قلی قطب شاہ کی جانب سے 1597ء میں تعمیر کی گئی جامع مسجد (حیدرآباد میں چارمینار کے شمال مشرق میں) میں بھی ایک اسکول موجود تھا۔

"ماہنامہ" کے مطابق، یہ اسکول ہندو اور مسلمان دونوں کی ضروریات پوری کرتا تھا؛ اور حکومت اس میں پڑھانے والے اساتذہ کی تنخواہیں ادا کرتی تھی۔ ان مسجد کے اسکولوں میں اساتذہ اور طلباء کے لیے رہائش اور کھانے کی سہولیات فراہم کی جاتی تھیں۔ ایچ کے شیروانی (H.K. Sherwani) 1605ء میں تعمیر کی گئی حیدرآباد کی سید آباد مسجد کا ذکر کرتے ہوئے اسی طرح کی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں: "ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر وہ مسجد جو کسی بھی حیثیت کی حامل تھی، اس کے ساتھ ایک اسکول منسلک ہوتا تھا، اور مسجد کے چاروں طرف کے کمرے ایک قسم کے بورڈنگ اسکول کے طور پر کام کرتے تھے جہاں اساتذہ اور طلباء اکٹھے رہتے تھے۔ [2] "

ان اسکولوں میں طلباء کو غالباً ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ چونکہ مسلمانوں کے علم کی تمام شاخوں میں دینیات سب سے اہم تھی، اس لیے ان میں اس پر خصوصی توجہ دی جاتی ہوگی۔ اسی طرح، بہمنی دور میں دکن کے صوفی بزرگوں کی خانقاہیں اور قطب شاہی دور میں آندھرا دیس کی خانقاہیں علم کے عظیم مراکز تھیں۔ ان کے سربراہ (سجادہ نشین) اور مریدین عربی، فارسی، اردو اور یہاں تک کہ مقامی زبانوں میں بھی بڑے عالم اور مصنف تھے۔ سید محمد حسین گیسو دراز، جنھوں نے فیروز شاہ بہمنی کے دور میں گلبرگہ میں اپنی خانقاہ قائم کی، ایک بہت بڑے عالم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تصوف، مذہب اور اخلاقیات کے موضوعات پر کئی زبانوں میں سو سے زیادہ کتابیں مرتب کیں۔ وہ سنسکرت زبان سے بھی واقف تھے۔ [3]

شمالی ہندوستان کے ساتھ ساتھ جنوب میں اردو زبان یا دکنی (فارسی اور ہندوستانی زبانوں کا امتزاج) کا جنم اور ارتقاء بنیادی طور پر اس

دور کے صوفی بزرگوں کی کوششوں کا مرہون منت تھا۔ مقامی لوگوں کے ساتھ رابطے کے آسان ذریعے میں اپنے عقائد پھیلانے کی ان کی کوششوں نے اس زبان کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ دکن کے صوفیوں کی خدمات کے بارے میں لکھتے ہوئے کے اے نظامی (K.A. Nizami)مشاہدہ کرتے ہیں: "عام آدمی کے ساتھ براہ راست رابطہ قائم کرنے اور اس کی زندگی کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہونے کے صوفیوں کے اشتیاق نے رابطے کے ایک نئے میڈیم کی نشوونما کی جسے پروٹو-اردو (ابتدائی اردو) کہا جاتا ہے۔ "[4] آندھرا دیس کی خانقاہوں میں تیلگو اور سنسکرت جیسی مقامی زبانوں کا مطالعہ کیا جاتا تھا، یہ بات 'سرنگار منجری' نامی کتاب سے معلوم ہوتی ہے۔ تیلگو اور سنسکرت میں اس کام کی تصنیف اکبر شاہ سے منسوب ہے، جو ابوالحسن تاناشاہ کے دور میں حیدرآباد میں ایک صوفی خانقاہ کے سربراہ سید شاہ راجو ثانی کے بیٹے تھے۔ یہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ خانقاہوں کے زاہدوں نے مقامی لوگوں کی زبان سیکھنے کی کوشش کی تاکہ ان کے ساتھ صوفی فلسفے کے اسرار و رموز پر گفتگو کر سکیں۔[5]

اس دور کی خانقاہیں تعلیم کی اشاعت کے اہم مراکز تھیں اور ان میں سے بہت سی خانقاہوں کے ساتھ اسکول اور کالج منسلک تھے، جہاں (مذہبی اور دنیاوی مضامین میں) تعلیم دی جاتی تھی۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، گلبرگہ کے گیسو دراز نے اپنی خانقاہ کے ساتھ ایک مدرسہ منسلک کر رکھا تھا۔ اس ادارے میں دکن کے مختلف حصوں سے آنے والے طلباء کو اسلامی تعلیم کی مختلف شاخوں میں ہدایت دی جاتی تھی۔ [6]جن مضامین پر پیر (گیسو دراز) اور ان کے چیف مریدین لیکچر دیتے تھے ان میں تفسیر، حدیث، سلوک، کلام، فقہ اور پیر کی اپنی لکھی ہوئی تصوف کی مختلف کتابوں کی شرحیں شامل تھیں۔[7]

اس دور کے مذہبی اداروں میں کامیابی کے ساتھ علم کی ایک اہم شاخ جو کاشت کی گئی اور جسے عوامی اور شاہی استعمال میں لایا گیا، وہ زائچہ (Horoscope) کا علم تھا۔ وجے نگر سلطنت میں پینو گونڈا کے بابا یادرگاہ کو لوگوں اور بادشاہوں کی طرف سے فراخ دلی سے سرپرستی دینے کی ایک بڑی وجہ اس ادارے کے مکینوں کی طرف سے کی گئی کامیاب پیشین گوئیاں تھیں۔ وجے نگر کے بادشاہوں جیسے ویرا نرسمہا، سداشیو ارائے اور وینکٹ ثانی کی طرف سے بڑی تعداد میں دیہات اور زمینوں کا عطیہ اس ادارے میں زائچہ کے مطالعہ کی حوصلہ افزائی کے لیے تھا۔[8]

سیاسی زندگی میں کردار

مسلم مذہبی اداروں نے عصری مسلم معاشرے کی سیاسی زندگی میں بھی اسی طرح کا کردار ادا کیا۔ مثال کے طور پر، مسجد، بنیادی طور پر مذہبی اور روحانی سرگرمیوں کا مرکز ہونے کے علاوہ، مسلم سلطنتوں میں بہت سے اہم افعال سے بھی وابستہ تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں کچھ حکمرانوں کی تاج پوشی کی تقریب ادا کی جاتی تھی۔ بہمنی سلطنت کے بانی علاؤالدین حسن بہمن شاہ کی تاج پوشی دولت آباد میں واقع قطب الدین مبارک شاہ خلجی کی مسجد میں کی گئی تھی۔ [9]تمام اہم اعلانات مسجد میں کیے جاتے تھے۔ یہ حقیقت کہ مرکزی مسجد کے منبر سے حکمران کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، مسلم معاشرے کی سیاسی زندگی میں اس کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔[10] یہاں تک کہ 17 ویں صدی میں، جب اورنگزیب نے مغل وائسرائے کے طور پر بیدر کو فتح کیا، تو وہ شہنشاہ شاہ جہاں کے نام کا خطبہ پڑھوانے

کے لیے اس جگہ کی مرکزی مسجد کی طرف جلدی گیا۔ یہ نئے فتح شدہ علاقے میں مؤخر الذکر کی خود مختاری کے اعلان کے طور پر کیا گیا تھا۔ تاج پوشی کی ادائیگی اور خود مختاری کا اعلان بلاشبہ سیاسی عمل کے لیے مذہبی منظوری حاصل کرنے کے لیے تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ، اس نے حکمرانوں کو ان اداروں سے وابستہ مذہبی رہنماؤں اور عام عوام میں ان کے پیروکاروں کی اخلاقی حمایت حاصل کرنے کے قابل بھی بنایا۔

اسی طرح، اس دور کی خانقاہوں کے عہدیداروں نے عصری سیاست میں فعال حصہ لیا اور معاشرے کی سیاسی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ ان مذہبی اداروں کے مکین صوفی بزرگوں کی ابتدائی روایت، خاص طور پر شمالی ہندوستان میں، ریاستی سیاست میں ان کی شرکت کے خلاف تھی۔ وہ اس خوف سے شاہی دربار سے دور رہتے تھے کہ اس سے ان کی آزادی متاثر ہوگی۔ درحقیقت، وہ ان کا دورہ کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ لیکن بعد کے دور کے اولیاء، خاص طور پر دکن اور تیلگو ملک میں، اس روایت سے ہٹ گئے اور اپنے اداروں کے لیے ریاست کی سرپرستی قبول کر لی۔ انہوں نے حکمرانوں کے ساتھ اپنا تعاون اور خیر سگالی بڑھائی۔ یہ خیر سگالی ابتدائی بہمنی سلاطین کو نئی قائم شدہ بادشاہت میں اپنی سیاسی طاقت کو مستحکم کرنے میں مدد دینے میں بہت آگے تک گئی۔ وہ سلاطین کے روحانی پیشوا بن گئے اور ان کی تاج پوشی کی۔ بہمنی سلطنت کے بانی علاؤالدین بہمن شاہ کی تاج پوشی سلطان کے پیشوا شیخ سراج الدین جنیدی نے کی تھی۔[11]

سلاطین اپنی سیاسی طاقت کے لیے ان اولیاء کی وفاداری کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اپنے کاموں کے لیے ان کی اخلاقی حمایت حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح آندھرا دیس میں قطب شاہی دور کی خانقاہوں کے اولیاء نے بھی ملک کی سیاسی زندگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حسین شاہ ولی، جو گیسو دراز گلبرگہ کی نسل سے تھے، ابراہیم قطب شاہ کے داماد بنے اور تعمیرات عامہ کے سپرنٹنڈنٹ اور 10,000 فوج کے کمانڈر کے عہدے پر فائز ہوئے۔[12] لیکن یہ بات دلچسپ ہے کہ شاہ راجو اول، جو حسین شاہ ولی کے بھائی تھے، ان اہم افراد میں سے ایک تھے جو محمد قلی قطب شاہ کو تخت سے ہٹانے کے مقصد سے کی گئی ایک ناکام سازش میں ملوث تھے۔[13]

گولکنڈہ سلطنت کے آخری حکمران ابوالحسن تاناشاہ کی تخت نشینی سے منسلک واقعہ بھی ملک کی سیاسی زندگی پر مذہبی اداروں کے اثر و رسوخ کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ حکمران، عبداللہ قطب شاہ کی بیٹی سے اپنی شادی اور تخت نشینی سے پہلے، ایک زاہد تھا اور حیدرآباد میں واقع شاہ راجو ثانی کی خانقاہ کا باقاعدہ رکن تھا۔[14] اس خانقاہ کے سربراہ کا روحانی اثر و رسوخ اور طاقت اس کے مرید، ابوالحسن تاناشاہ کو قطب شاہی تخت حاصل کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوئی۔ عام عوام اور امراء پر اس پیر کے اثر اور گرفت نے یقینی طور پر اس حکمران کو اپنی حکمرانی کے ابتدائی دور میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں مدد کی۔

قومی یکجہتی اور سماجی بہبود

مسلم اولیا کی خانقاہوں اور درگاہوں نے اپنے ہمہ گیر اثر و رسوخ کے ذریعے قومی یکجہتی میں بھی مدد کی۔ انہوں نے مختلف سماجی

حالات، مذاہب اور نسلوں کے لوگوں کو اکٹھا ہونے کے قابل بنایا۔ انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ بعض اوقات ہندوؤں کو بھی اپنے دائرے میں کھینچا۔ گلبرگہ کے سید محمد گیسو دراز کی خانقاہ میں ہندو یوگی بھی آتے تھے جن کے ساتھ اس کے پیر مذہب پر بحث کرتے تھے۔ ایک جگہ ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "انسانی بیج بالکل ایک ہی ہے، انبیاء اولیا ایک ہی بیج سے ہیں، اسی طرح کافر، منافق، چور وغیرہ بھی۔ [15] " یہ ان دنوں کے مذہبی اور نسلی تعصب کے دور میں کچھ اولیاء کے وسیع اور آزادانہ نقطہ نظر کو ظاہر کرتا ہے جو بنی نوع انسان کی وحدت کو سمجھتے تھے۔ اسی طرح پینو گونڈا کی بابایا درگاہ کے پیروکار مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں میں تھے اور اسے دونوں کی سرپرستی حاصل تھی۔[16]

اس دور کے مذہبی ادارے عظیم سماجی بہبود اور رفاہی تنظیمیں تھیں۔ کئی بار، وہ معاشرے کے امیر اور متقی ارکان کے صدقات کو نافذ کرنے کے لیے ایجنٹ کے طور پر بھی کام کرتے تھے۔ صدقہ، جو کہ ایک جامع نوعیت کا حامل ہے، عطیہ دہندگان کی استطاعت اور سہولت کے مطابق مختلف طریقوں سے ظاہر کیا جاتا تھا۔ صدقہ کی معمول کی شکل یہ تھی کہ گاؤں، زمینیں، اناج، رقم اور جائیداد کی دیگر اشیاء مذہبی اور تعلیمی اداروں کو برقرار رکھنے اور ضرورت مندوں کو مفت پناہ، خوراک اور پانی فراہم کرنے کے لیے دی جائیں۔ بلاشبہ، یہ صدقات انفرادی عطیہ دہندگان خود عوامی اداروں سے آزاد ہو کر بھی کر سکتے تھے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ مذہبی ذہن رکھنے والوں نے مذہبی اداروں کے ذریعے صدقہ کیا، جن میں انہیں اپنے نیک کاموں کو جاری رکھنے کے لیے عظیم اور تسلیم شدہ ایجنٹ ملے۔ یہ غالباً ان اداروں کے ساتھ منسلک تقدس کی وجہ سے تھا اور اس وجہ سے بھی کہ یہ وہ مقامات تھے جہاں مختلف برادریوں اور علاقوں کے لوگ باقاعدگی سے اور تہوار کے دنوں میں آتے تھے۔

انہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ ان کے صدقات، اگر ان مذہبی اداروں کے ذریعے کیے جائیں، تو وہ لوگوں کے مختلف طبقات کی ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں جس سے انہیں زیادہ مذہبی ثواب حاصل ہو سکتا ہے۔ اس طرح، مذہبی اداروں نے لوگوں کے رفاہی جذبے کو ایک راستہ فراہم کیا اور انہیں اپنی خیرات معاشرے کے ضرورت مند ارکان تک پہنچانے کے قابل بنایا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں زیادہ تر صدقات مذہبی اداروں کے ذریعے کیے گئے۔ اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور کے مذہبی اداروں نے ایک طرح سے معاشرے کے معاشی سوشلزم میں اپنا حصہ ڈالا۔ معاشرے کے امیر اور دولت مند ارکان کے مذہبی جذبات اور خیراتی جبلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، انہوں نے انہیں معاشرے کی عمومی بہبود کے لیے اپنی آمدنی سے دل کھول کر حصہ ڈالنے کی ترغیب دی۔ اس طرح، انہوں نے چند افراد کی جانب سے دولت کو اپنے ہاتھوں میں جمع کرنے اور ارتکاز کرنے کے عمومی رجحان کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے امیر اور غریب کے درمیان خلیج کو کم کیا اور معاشرے میں معاشی عدم توازن کو بالواسطہ طور پر ہموار کیا۔

اس دور کے مسلم مذہبی ادارے -مسجد، خانقاہ اور درگاہ- سماجی بہبود کی عظیم ایجنسیاں تھیں اور مختلف قسم کے صدقات کا انتظام کرتی تھیں۔ درحقیقت، زکوٰۃ، اسلام کے پانچ بنیادی اصولوں میں سے ایک جو پیغمبر اسلام نے پیش کیا، مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے دی گئی چیزوں میں سے مخلوق (بنی نوع انسان) کی مدد کر کے خدا کا شکر ادا کریں۔ فطری طور پر اسلام کے مذہبی اداروں نے

ساتھی انسانوں کے ساتھ خیرات اور بھلائی پر کافی زور دیا ہے۔ یہ معاشرے کے غریب اور ضرورت مند ارکان کو ریلیف دینے میں بہت آگے تک گیا۔

آندھرا دیس میں اس دور کے دوران مساجد کے ذریعے کیے جانے والے مختلف صدقات کا ذکر کتبوں اور غیر ملکیوں کے بیانات میں ملتا ہے۔ ان میں سے بہت سے اداروں نے کاروان سرائے یا سرائے برقرار رکھی تھیں، جو ہندو 'ستر ا' کی ہم پلہ تھیں، جو مسافروں اور بھکاریوں کے لیے چولٹری (مسافر خانہ) اور کھانے کے گھروں کے طور پر کام کرتی تھیں۔ فرانسیسی سیاح ٹریورنیئر (Travernier) ، جس نے 1638-39ء میں حیدرآباد کا دورہ کیا، بیان کرتا ہے کہ قطب شاہی دور کی مساجد مسافروں کے لیے انتظار گاہوں یا سرائے کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھیں۔ علی آباد (حیدرآباد) کی مسجد جو ایک ملک الماس نے 1615ء میں تعمیر کی تھی، کے ساتھ ایک سرائے منسلک تھی جس میں 83 کمرے تھے، جو غالباً مسافروں کے لیے تھے۔ ان سرایوں میں مسافروں کے لیے بورڈنگ اور رہائش کی سہولیات غالباً مساجد کی طرف سے مفت یا برائے نام چارجز پر فراہم کی جاتی تھیں۔

فرانسیسی سیاح تھیونوٹ (Thevenot) ، جس نے 17ویں صدی کے وسط (1667ء) میں حیدرآباد کا دورہ کیا، حیدرآباد کی ایک مسجد سے منسلک نعمت اللہ کاروان سرائے کے بارے میں لکھتے ہوئے، جہاں اس نے اور اس کی پارٹی نے قیام کیا تھا، بیان کرتا ہے کہ اس نے اس سرائے میں 2 روپے ماہانہ پر دو چھوٹے کمرے کرائے پر لیے۔ مسجد سے منسلک لنگر خانوں کے ذریعے عوامی کھانا کھلانا (لنگر)، اس دور میں کی جانے والی اہم خیرات میں سے ایک معلوم ہوتا ہے۔ محمد قطب شاہ کے وزیر اور میر جملہ، ملک امین الملک خان، جنہوں نے جامع مسجد (نزد چارمینار، حیدرآباد) کی تعمیر کی نگرانی کی، کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دو مالی اوقاف قائم کیے۔ ان میں سے ایک 80,000 روپے سالانہ کا وقف مذکورہ مسجد میں مقدس لوگوں کو کھانا کھلانے کے لیے تھا۔ قطب شاہی دور میں مکہ مسجد (جو حیدرآباد میں چارمینار کے شمال میں واقع ہے اور 1617-1669ء کے درمیان تعمیر کی گئی) میں روزانہ 36 من کھانا پکایا جاتا اور غریبوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ سالانہ کچھ مقدس دنوں پر مسجد میں غریبوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا خیرات کی ایک اور خصوصیت ہے۔ 1657ء کا ایک کتبہ، جو صالحہ بیگم کی مسجد (حیدرآباد شہر) سے ہے، عطیہ دہندہ صالحہ بیگم سیدہ کی طرف سے اس مسجد میں سالانہ دعوت کے لیے کیے گئے انتظام کو ریکارڈ کرتا ہے۔ اسی طرح، حیدرآباد شہر سے 1674ء کا ایک فارسی کتبہ محرم کے مہینے میں میاں مشک کی مسجد یا اسی جگہ کے لنگر خانے میں غریبوں کو کھانا کھلانے کے انتظام کو ریکارڈ کرتا ہے۔ یہ اس مسجد سے منسلک آبدار خانہ کا بھی حوالہ دیتا ہے جہاں اسی مہینے میں ٹھنڈے مشروبات تقسیم کیے جاتے تھے۔

قطب شاہی دور کی کچھ مساجد میں حمام (غسل خانے) منسلک تھے جو عوامی استعمال کے لیے تھے۔ سلطان قلی کے دور میں گولکنڈہ قلعہ کی جامع مسجد میں ایک حمام تھا جہاں اس میں نہانے کے لیے آنے والوں کو لنگیاں یا بہترین قسم کے پرنٹ شدہ تولیے پیش کیے جاتے تھے۔ یہاں پانی اور حجاموں کے ذریعہ مفت بال کاٹنے کی سہولت بھی فراہم کی جاتی تھی جنہیں ریاست کی طرف سے ادائیگی کی جاتی تھی۔ 1597ء میں چارمینار کے قریب تعمیر کی گئی جامع مسجد میں نماز کے لیے آنے والے لوگوں کے لیے بھی اسی طرح کے انتظامات

کیے گئے تھے۔ اوپر ذکر کیا گیا 1674ء کا فارسی کتبہ، حیدرآباد سے، 15 ہن (کرنسی) کے انتظام کا حوالہ دیتا ہے جو مالش کرنے والوں کے معاوضے اور مسجد میں غسل اور نہانے کی چادروں کی دیکھ بھال کے لیے مختص کیے گئے تھے۔

اس دور کی خانقاہوں کے مکینوں کا ایک بنیادی اصول، روحانی اور فکری سرگرمیوں کے علاوہ، ساتھی انسانوں کو راحت دینا اور ضرورت مندوں اور غریبوں کی مدد کرنا تھا۔ ان میں سے بہت سے اولیاء نجی جائیداد رکھنے کو حقیر سمجھتے تھے اور جو بھی تحائف ان کے پاس آتے وہ ضرورت مندوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ جب سلطان محمد بن تغلق نے دولت آباد کے برہان الدین غریب کو 3,000 ٹنکے کا تحفہ بھیجا، تو کہا جاتا ہے کہ اس ولی نے اپنی خانقاہ سے بیس ٹنکے مزید شامل کیے اور پوری رقم فوراً غریبوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ خانقاہیں بھی غریب مسافروں اور بھکاریوں کی ضروریات کو مفت رہائش اور کھانے کی سہولیات فراہم کر کے پورا کرتی نظر آتی ہیں۔

معاشی اثرات

تیلگو ملک میں اس دور کے صوفی مذہبی ادارے بھی معاشی سرگرمیوں کے عظیم مراکز تھے۔ عصری معاشرے کی معاشی زندگی پر ان کے اثر و رسوخ کو خدمات، روزگار، سامان کی پیداوار، سرمایہ کاری اور منافع کے لحاظ سے ماپا جانا چاہیے جس نے معاشرے کی دولت اور فلاح و بہبود میں کافی اضافہ کیا۔ مذہبی اداروں میں خدمات کی انجام دہی اور زائرین کی ضرورت کے لیے مختلف اشیاء کی کھپت نے اس علاقے میں تجارت اور کامرس کی ترقی کو بہت زیادہ تحریک دی جہاں وہ واقع تھے۔ بہت سے گاؤں اور قصبے جہاں مزارات واقع تھے، تجارت کے اہم مراکز بھی تھے جو نہ صرف مزارات اور ان کے زائرین بلکہ پڑوسی دیہات کے لوگوں کی ضروریات بھی پوری کرتے تھے۔

صوفی مزارات پر عام دنوں کے ساتھ ساتھ تہوار کے دنوں میں فروخت ہونے والی مختلف تجارتی اشیاء اور یہاں تک کہ ان کی طرف جانے والی سڑکوں پر ٹول اور دیگر ڈیوٹیوں کے نفاذ، اور ریاست کی طرف سے ان کی مکمل یا جزوی چھوٹ کے حوالے ان مقامات پر ہونے والی تیز تجارتی سرگرمیوں کی بھرپور گواہی دیتے ہیں۔ صوفی درگاہوں کا عرس جو ان کے سالانہ تہواروں کے موقع پر منعقد ہوتا تھا، اور جو عام طور پر ہزاروں زائرین کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا، تجارت اور کامرس کو اسی طرح کا فروغ دیتا تھا۔ زائرین کے علاوہ، تاجروں کی ایک بڑی تعداد بھی ان سالانہ میلوں میں شرکت کرتی تھی جہاں روزمرہ استعمال کی تمام اقسام کی اشیاء کے ساتھ ساتھ نوادرات بھی فروخت کے لیے موجود ہوتے تھے۔

زائرین کے راستوں یعنی اہم زیارت گاہوں کی طرف جانے والی سڑکوں پر بھی تجارت اور کاروبار کو فروغ حاصل ہوا۔ ان راستوں پر واقع دیہات اور قصبے بھی بعض اوقات تجارت کے اہم مراکز بن جاتے تھے۔ گلبرگہ - گولکنڈہ، بیجاپور - گولکنڈہ، گولکنڈہ - مچھلی پٹنم، گولکنڈہ - ایلورو، گولکنڈہ - کڑپہ کو ملانے والے راستوں نے وارنگل، راچکنڈہ، پینوکنڈہ، عالم پور، کرنول، سدھاوٹم اور بہت سے دیگر

صوفی زیارت گاہوں کے ظہور کو دیکھا۔ یہ نہ صرف عظمت کے صوفیانہ مراکز تھے، بلکہ قرون وسطی کے دکن میں ثقافت کے پھیلنے والے مقامات اور نمایاں تجارتی مراکز بھی تھے۔

فنون لطیفہ اور ادب

آندھرا دیس میں اس دور کے صوفی مذہبی ادارے اہم ثقافتی مراکز تھے جن کے گرد عصری معاشرے کی ثقافتی زندگی گھومتی تھی۔ مذہبی اداروں کی طرف سے کی جانے والی سب سے اہم خدمات میں سے ایک فنون کی سرپرستی ہے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں فن مذہب کی خادمہ ہے۔ یہ تیلگو ملک میں مذہبی اداروں کے بارے میں بڑی حد تک سچ ہے۔ مجسمہ سازی، مصوری، موسیقی، رقص اور ڈرامہ کو فروغ دیا گیا اور ان اداروں نے مذہبی مقاصد کے لیے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا۔ انہوں نے فنکاروں اور کاریگروں کو روزی روٹی فراہم کر کے ان فنون کی کاشت میں مدد کی جو ان میں ماہر تھے۔ ریاستی سرپرستی کے بعد، یہ مذہبی ادارے ہی تھے جنہوں نے ملک میں ان روایتی فنون کی ترقی اور تحفظ میں بہت زیادہ حصہ ڈالا۔

اسلام سے تعلق رکھنے والی موجودہ یادگاریں اور خاص طور پر مساجد کو اس دور کے فنون کی گیلریوں یا ذخیرہ خانوں کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس عظیم سطح کی تصدیق کرتے ہیں جس تک اس دور کا فن مذہبی اداروں کی سرپرستی میں پہنچا۔ حیدرآباد میں واقع قطب شاہی دور کی مساجد میں فن تعمیر اور نقش و نگار کے علاوہ خطاطی کے کئی انداز جیسے نستعلیق، نسخ، کوفی، طغریٰ اور ثلث میں خوبصورتی سے لکھے گئے کتبے موجود ہیں۔ فن خطاطی کا فروغ فن کے میدان میں مسلم مذہبی اداروں کا ایک اہم حصہ ہے۔ تصوف نے موسیقی کو بھی متاثر کیا۔ اس نے قرون وسطی کے آندھرا میں موسیقی کی ایک نئی قسم متعارف کرائی جو صوفی موسیقی یا صوفیانہ موسیقی کے نام سے مشہور ہوئی۔ صوفی موسیقی دل اور روح پر اپنی مضبوط اپیل کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی ہے۔ جس طرح بھگتی سنتوں نے ہمیشہ نچلی ذات کے ہندوؤں کو اپنی طرف متوجہ کیا، اسی طرح صوفی سنتوں نے آندھرا کے غریب عوام کو اپیل کی۔ صوفیوں کی عقیدتی موسیقی صوفی شعراء کے کلام سے متاثر تھی۔ قوالی اور کافی صوفی موسیقی کی دو مشہور اصناف ہیں جو قطب شاہیوں کے دوران آندھرا میں مقبول ہوئیں۔ قوالی صوفیوں کی ایک پرجوش اور روحانی موسیقی کی کارکردگی ہے جس کا مقصد سامعین کو مذہبی وجد کی حالت تک لے جانا ہے - خدا کے ساتھ روحانی اتحاد کی طرف - کافی انداز کو کلاسیکی سمجھا جاتا ہے، اور یہ عام طور پر معروف مصنفین کے شاعرانہ اشعار سے اخذ کیا جاتا ہے۔ اگرچہ کافی اپنی پیشکش کے جوش میں قوالی سے ملتی جلتی ہے، لیکن دونوں شکلیں عمل درآمد میں مختلف ہیں۔ جبکہ قوالی ایک بڑے طائفے (ensemble) پر مشتمل ہو سکتی ہے، کافی موسیقی عام طور پر چند موسیقی کے آلات اور ایک گلوکار پر مشتمل ہوتی ہے۔

اسی طرح سماع، ایک قسم کی صوفی رسم، جو موسیقی اور رقص کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، موسیقی کی ایک اور قسم ہے جسے تصوف نے متعارف کرایا۔ ان شکلوں میں قوالی قرون وسطی کے آندھرا میں قطب شاہیوں کے تحت زیادہ مقبول ہوئی۔ صوفی سنتوں کی

طرف سے اس دور میں آندھرا کے علاقے میں متعارف کرائے گئے موسیقی کے آلات میں ڈھول، نگارہ اور شہنائی شامل تھے جو صوفیانہ محبت اور الٰہی وجد کو بیدار کرنے کے لیے موسیقی کے ایک حصے کے طور پر استعمال ہوتے تھے، جو تصوف کا بنیادی تجربہ ہے۔ صوفیوں کے آزادانہ رویے نے آندھرا میں ایک خوشگوار ماحول پیدا کیا اور ان کی خانقاہیں ثقافتی امتزاج اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا مرکز بن گئیں۔

صوفی شاعری بھی آندھرا میں کافی مقبول ہوئی اور ممتاز صوفی سنتوں کے اشعار نے تیلگو لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ آندھرا دیس کی خانقاہوں میں تیلگو اور سنسکرت جیسی مقامی زبانوں کا مطالعہ کیا جاتا تھا، یہ بات 'سرنگار منجری' نامی تیلگو کتاب سے معلوم ہوتی ہے۔ تیلگو اور سنسکرت میں اس کام کی تصنیف اکبر شاہ سے منسوب ہے، جو حیدرآباد میں ایک صوفی خانقاہ کے سربراہ سید شاہ راجو ثانی کے بیٹے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب آخری قطب شاہی بادشاہ ابوالحسن تاناشاہ کے دور میں لکھی گئی تھی۔ اس طرح صوفی شاعری نے بہت تعمیری کردار ادا کیا۔

صوفی خانقاہوں میں مدرسے اور کتاب خانے (لائبریریاں) بھی ہوتے تھے۔ تمام سرکردہ صوفیوں کے پاس آندھرا کی مختلف ولایتوں میں اپنی لائبریریاں تھیں۔ آندھرا کے صوفیوں نے تصوف کے بنیادی فکر، صوفیاء کے ملفوظات، شاعری کے ساتھ ساتھ خطے کے صوفیوں کے سوانحی حالات پر بھی کام قلمبند کیا۔ آج سالار جنگ میوزیم، عثمانیہ یونیورسٹی کی لائبریری، آصفیہ لائبریری آرکائیوز وغیرہ میں مخطوطات کا ذخیرہ عام طور پر دکن اور خاص طور پر آندھرا کے صوفیوں کی لگن کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے آندھرا کے ادب کو مالامال کیا۔

صوفیا کی طرف سے متعارف کرایا گیا دوسرا ادارہ آندھرا میں 'عزاداری' تھا جس نے مختلف مذاہب، فرقوں اور ذاتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے میں بہت تعمیری کردار ادا کیا۔ خانقاہوں اور عاشور خانوں کی نوعیت اور کردار ایک ہی تھا کیونکہ دونوں کی بنیاد صوفیوں نے رکھی تھی۔ ایچ کے شیروانی لکھتے ہیں، "محرم سے جڑی کہانیاں، ہندو لوک داستانوں کا حصہ بن گئیں اور انہیں تیلگو اشعار میں ڈھالا گیا۔" ان میں سے زیادہ تر گیت نہ صرف محرم کے دوران بلکہ سال بھر تیلگو لوگ گاتے ہیں اور یہ ہر علاقے میں مختلف ہوتے ہیں۔ محرم میں ان مرثیوں کی تلاوت جس میں سب شریک ہو سکتے ہیں، دیہی علاقوں کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ دکنی بولی میں قدیم ترین جانا جانے والا مرثیہ، جس میں متعدد تیلگو الفاظ ہیں، برہان الدین جانم (وفات 1598ء) نے لکھا تھا، جو قادریہ-چشتیہ سلسلے سے تعلق رکھنے والے مشہور بیجاپوری صوفی شاہ میراں شمس العشاق (وفات 1562ء) کے بیٹے تھے۔ باپ اور بیٹے دونوں ہی ممتاز صوفی مصنف اور شاعر تھے۔ انہوں نے فارسی اور اردو میں صوفی رسائل اور نظمیں لکھیں۔ جانم کے مرثیے امام حسین کی شہادت کے لیے دلی غم کے ذریعے الٰہی محبت کے اظہار کی عکاسی کرتے ہیں۔ گولکنڈہ کے شاہ قلی خان شاہی کے مرثیوں نے دہلی اور دیگر ہندوستانی شہروں میں اردو شکلوں میں دلچسپی پیدا کی اور شمالی ہندوستان میں فن کو فروغ دینے میں مدد کی۔ ان مرثیوں نے کسی بھی مذہب، فرقے یا ذات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے میں مدد کی۔ جنوبی ہندوستان کے صوفی سلسلوں

نے دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے سنیاسیوں سے مقامی روایات کو اپنایا۔ بین المذاہب مکالمے منعقد کیے گئے۔
ادب اور نظموں کی ترقی ہوئی۔ انہوں نے خدا کی تلاش میں 'فنا' کی اہمیت پر زور دیا اور وحدت الوجود کو حتمی سچائی مانتے تھے۔ نیز صوفیوں نے سیاست اور علاقائی مذہب میں فعال کردار ادا کیا۔ تصوف نے نہ صرف ثقافت اور معاشرے کو متاثر کیا ہے بلکہ ادب کو بھی متاثر کیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ تصوف کی تحریک نے اپنے خیالات اور عقائد کی تبلیغ کے لیے شاعری کا استعمال کیا۔ انہوں نے معاشرے کے غموں اور دکھوں کو دور کرنے اور عام لوگوں کی اصلاح کے لیے اسے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا۔
تصوف نے تیلگو ادب پر مستقل اثر ڈالا، اور اس کے نتائج اب تک مصنفین اور شعراء کے اقوال اور افکار میں دیکھے جا سکتے ہیں۔
تصوف اور مابعد الطبیعات نے ثقافت کے ادبی اور وجدانی مظاہر پیدا کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے جس کے نتیجے میں اس سلسلے میں تصوف کے عظیم کام سامنے آئے۔
ایسے افکار کا درخت عظیم شعراء کی کچھ شاعری کی وجہ سے پھل لایا۔ تصوف نے بالکل شروع میں شاعرانہ اسلوب کے موضوعات اور مواد میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس نے نظریاتی اور عملی تعلیمات کے مطابق مواد اور ہیئت (container) دونوں سے فائدہ اٹھایا۔ عارفانہ افکار کے تعارف کے ذریعے غزل، نثر اور رباعی مکمل طور پر بدل گئی۔ اس نے شہوانی محبت کو بھی الٰہی محبت میں بدل دیا۔ نثر کو عرفان اور اخلاقیات کی تعلیم دینے کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ رباعی کو عارضی جذبات اور درد کے اظہار کے سانچے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ ایک طرف تصوف اور صوفی خیالات کی بدولت علاقائی زبان میں نئے الفاظ متعارف ہوئے اور دوسری طرف ایک نئی نکھری ہوئی زبان ابھری۔ تاہم، اس کی کچھ حدود ہیں یعنی صوفیوں کی اس طرح اظہار کرنے میں ناکامی کہ جسے قارئین کی ایک وسیع اقسام سمجھ سکیں اور عارفانہ خیالات کے اظہار کے لیے بامعنی الفاظ کی کمی۔ چونکہ خیالات کی صوفیانہ ٹرین روحانیت کے ذریعے سچائی اور خدا کو سمجھنے پر مبنی ہے، نہ کہ الفاظ پر، اس لیے شاعری اس کا اہم ذریعہ ہے۔ شعر کی ایک خصوصیت جس نے اسے عارفانہ خیالات کے اظہار کے لیے موزوں بنایا وہ یہ تھی کہ صوفیوں نے اسے استعاروں اور علامتوں کے فریم ورک کے اندر منقطع منطقی معانی کے اظہار کے لیے استعمال کیا، جو بدلے میں انہیں اپنے کھلے اور سخت ارادوں کو چھپانے میں مدد کرتے ہیں۔
صوفی شاعری نے استعاروں کو کھلے بازوؤں سے قبول کیا اور علامتوں کی ایک مکمل فہرست تیار کی، جو مافوق الفطرت استعاروں میں تبدیل ہو گئی، جیسے اتحاد کی علامت کے طور پر چہرے پر تل، کثرت کی علامت کے طور پر بالوں کی لٹ اور کشش کی علامت کے طور پر شراب۔ استعاراتی زبان کا استعمال بذات خود شاعری کو کامیابی نہیں دلاتا بلکہ شاعر کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ شاعر استعاروں کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ درحقیقت فارسی شاعری پر تصوف کا غلبہ شاعری کو اس کے اصل معنی سے محروم کر دیتا ہے۔ صوفی غزل کی شاعری استعاروں کے غلط استعمال کی وجہ سے ابہام کا شکار ہے۔ شاعری میں استعاروں کے اس استعمال نے تیلگو ادب کو بھی متاثر کیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ تصوف کی طاقت اور ان کی طرف سے استعمال کیے گئے تمثیلوں اور استعاروں کی طاقت نے موضوعاتی طور پر تیلگو غزل کی شاعری کو متاثر کیا۔

عہد وسطیٰ میں آندھرا کی تاریخ اور ثقافت تصوف کے ساتھ گھل مل گئی ہے اور اس کی مذہبی، اخلاقی اور عملی تعلیمات سے متاثر ہوئی ہے۔ ابتدائی مراحل میں، تصوف سخت اور خشک تھا جو بعد میں، مختلف خیالات کو جگہ دینے سے، کسی نہ کسی طرح نرم پڑ گیا۔ تیلگو ادب پر اس کے مثبت اثرات کے طور پر، ہم مختلف فرقوں کے درمیان مذہبی جذبات کی اصلاح، ذات پات کے غلبے والے معاشرے کی مخالفت اور علاقائی زبان کو علامات، استعاروں، تمثیلوں اور نئے تاثرات کے ساتھ متاثر کرنے کا حوالہ دے سکتے ہیں۔ عقلیت پسندی کے انکار کا ظہور، عقلی علوم کا زوال، انٹروورژن (باطن بینی)، حقیقی دنیا کی شدید ناپسندیدگی اور خدا پر ضرورت سے زیادہ انحصار، اس کے منفی اثرات میں شامل تھے۔ مذکورہ اثرات درحقیقت سماجی اور اقتصادی تبدیلیوں کے نتائج تھے۔ یہ تبدیلیاں اس وقت کے دوران خطے میں مسلم حکمرانوں کی مداخلت سے پیدا ہوئیں۔

خلاصہ

مجموعی طور پر، تصوف کے اثرات کو لوگوں کی قرون وسطی کی زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے، جس نے ان کے افکار اور فطرت کو گہرا متاثر کیا ہے۔ اس نے بلاشبہ آداب اور رویوں سے بھی زیادہ ذہنیت اور تخیل کو متاثر کیا ہے۔ اس نے بہت سے پیروکاروں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے، جو روبوٹک دنیا سے بیزار ہو کر اپنے دماغ کو آزاد کرنے اور اسے صوفیانہ اور صوفی خیالات میں غرق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح، آندھرا میں صوفی ثقافتی سالمیت اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے سفیر بن گئے۔ انہوں نے علاقائی ادب، فلسفہ اور مذہبی نظریات کے لیے بے پناہ کردار ادا کیا اور اسلام کو آندھرا میں کافی مقبول بنایا۔ انہوں نے فن اور فن تعمیر کو بھی متاثر کیا اور آندھرا میں مشترکہ ثقافت (syncretic culture) کی راہ ہموار کی۔

*****

کتابیات

1. Ferishta, Mahomed Kasim. *History of the Rise of the Mahomedan Power in India*. Translated by John Briggs. Vol. 3. Calcutta: R. Cambray & Co., 1909. [pp. 340-480]
2. Eaton, Richard M. *Sufis of Bijapur, 1300-1700: Social Roles of Sufis in Medieval India*. Princeton: Princeton University Press, 1978. [pp. 135-138, 157-160]
3. Sherwani, Haroon Khan. *History of the Qutb Shahi Dynasty*. New Delhi: Munshiram Manoharlal Publishers, 1974. [pp. 345, 360, 410]
4. Siddiqi, Abdul Majeed. *History of Golcunda*. Hyderabad: Literary Publications, 1956. [p. 62]
5. Azmi, Rahat. *Allama Ibn-e-Khatoon*. Hyderabad: Bab-ul-Ilm Society, 1992. [p. 98, 102]
6. Zore, S.M.Q. *Dakhani Adab ki Tareekh*. Karachi: Urdu Academy Sindh, 1960. [p. 112, 120]
7. Malkapur, Muhammad. *Tazkira-e-Auliya-e-Deccan*. Hyderabad: Matba-e-Ibrahimia, 1913.

[p. 45]

8. Hashim Ali, Mohammad. *Meeran Ji Shams-ul-Ushshaq*. Hyderabad: Shalimar Publications, 1974. [p. 89]

9. Janam, Burhanuddin. *Irshad Nama*. Manuscript available at Salar Jung Museum Library, Hyderabad.

10. Jameel Jalibi. *Tareekh-e-Adab-e-Urdu*, Vol 1. Delhi: Educational Publishing House, 1989. [p. 205]

11. Astrabadi, Mir Momin. *Risala-e-Miqdariyah*. Manuscript, Salar Jung Museum Library (Cat No. 13), Hyderabad. [p. 75]

12. Bilgrami, Syed Ali Asghar. *Landmarks of the Deccan*. Hyderabad: Government Central Press, 1927. [p. 55]

حوالہ جات

[1] Quoted from H.K.Sherwani, *History of the Qutb Shahi Dynasty,* Munshiram Manoharlal Publishers, New Delhi, 1974, p.368.

[2] Ibid., pp. 316-17.

[3] Mohammed Suleman Siddiqui, 'Syed Muhammad Al-Hussain Gesu Daraz (1321-1422)' in *Islamic Culture*, Hyderabad, Vol. VIII, July 1978, pp. 175-76.

[4] K.A. Nizami, 'Sufi Movement in Deccan', in H.K.Sherwani and P.M. Joshi *History of Medieval Deccan*, Vol.II, Publication Bureau, Govt. of Andhra Pradesh, Hyderabad, 1973, p.175.

[5] H.K.Sherwani, *History of the Qutb Shahi Dynasty,* Munshiram Manoharlal Publishers, New Delhi, 1974, p. 605.

[6] Mohammed Suleman Siddiqui, 'Origin and Development of the Chisti order in the Deccan, 1300-1538 A.D.' in *Islamic Culture*, Hyderabad, Vol. VI, 1977, July, pp.215-16.

[7] Ibid.

[8] *Andhra Sahitya Parishat Patrika*, 1921, pp.93-112.

[9] Mohammed Suleman Siddiqui, 'Social Role of the Sufis Saints in the Deccan during the Bahmani period', *Itihas*, Andhra Pradesh State Archives & Research Institute, Hyderabad, Vol. IV, 1976, p. 86.

[10] Ibid., p.86.

[11] Abdul Jabbar Khan Malkapuri, *Mahbub-i-dhil-manam Tadhkira Auliya-i-Dakkan*, Vol.I, pp.272, 73.

[12] H.K.Sherwani, *History of the Qutb Shahi Dynasty,* Munshiram Manoharlal Publishers, New Delhi, 1974, p.293.

[13] Ibid., pp.601-602.

[14] Mohammed Suleman Siddiqui, 'Origin and Development of the Chisti order in the Deccan, 1300-1538 A.D.' in *Islamic Culture*, Hyderabad, Vol. VI, 1977, July, p.218.

[15] Mohammed Suleman Siddiqui, 'Social Role of the Sufis Saints in the Deccan during the Bahmani period', *Itihas*, Andhra Pradesh State Archives & Research Institute, Hyderabad, Vol. IV, 1976, p.96.

[16] *Annual Report on South Indian Epigraphy*, Archaeological Survey of India, New Delhi, 1911, pp.87-90.

Mohd Aasim, Assistant Professor, CDOE, MANUU aasimraza88@gmail.com 8287898494

Dr. Jarrar Ahamad, Assistant Professor, Dept. of Education & Training, MANUU, jarrar@manuu.edu.in 9618783492

گنگا جمنی تہذیب کی تشکیل میں دکن کی خانقاہوں کا کردار

عبد الملک نظامی*

جب مسلمان ہندوستان آئے تو یہاں کی زمین، معاشرت، زبان اور طور طریقے اُن کے لیے بالکل اجنبی تھے، اور خود وہ بھی اہلِ ہند کی نظر میں نئے اور نامانوس تھے۔ مگر بزرگانِ دین نے اپنی خانقاہوں کے دروازے سب کے لیے کھلے رکھے۔ ان کی وسعتِ قلبی اور حسنِ اخلاق کے باعث ابتدا کی جھجک بتدریج کم ہوئی اور دونوں جانب تعلقات پروان چڑھنے لگے۔ اسی میل جول نے ایک ایسی مشترکہ فضا قائم کی جس نے آگے چل کر گنگا جمنی تہذیب کی شکل اختیار کی۔ اس تہذیبی امتزاج میں شامل افراد کو مجموعی طور پر تین طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ایک وہ لوگ تھے جو ہر قیمت پر الگ رہنا چاہتے تھے (اور آج تک الگ ہیں)۔ دوسرے وہ تھے جو محض حدِ جائز کے اندر ہی میل جول کے لیے آمادہ تھے تاکہ اپنا اپنا تشخص برقرار رکھ سکیں۔ اور تیسرے وہ لوگ تھے جو بے تکلّفی سے گھل مل جانا چاہتے تھے اور جانتے تھے کہ اصل لطف تو ساتھ بیٹھنے اور باہم رہنے ہی میں ہے۔ گنگا جمنی تہذیب کے حقیقی بنیاد گزار دراصل اسی تیسرے طبقے کے لوگ تھے، اور ان کے لیے راہ ہموار کرنے والے اور ان کی سرپرستی کرنے والے صوفیائے کرام تھے — خصوصاً چشتی سلسلے کے بزرگ جو دکن میں آباد ہوئے۔ انہوں نے اپنی خانقاہوں کے ذریعے اس گنگا جمنی تہذیب کو پروان چڑھایا۔

آج ملک میں ہر طرف گنگا جمنی تہذیب کے فروغ کے لیے بہت سی کوششیں جاری ہیں۔ جبکہ معاملہ کچھ اس کی طرح ہوگیا کہ بقول حضرت اکبر آلہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ

فلسفی کو فلسفہ میں خدا ملتا نہیں　　　ڈور کو سلجھا رہا ھے اور سرا ملتا نہیں

ہر مذہب کے ماننے والے مختلف حوالوں کی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اُن کا مذہب عدم رواداری اور تشدد کے خلاف ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ان دعوؤں کے باوجود تشدد ماضی میں بھی موجود تھا اور آج بھی ہر طرف نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ اور اس کا حقیقی علاج کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کا علاج صوفیائے کرام کی تعلیمات اور ان کے داعیانہ طرزِ زندگی میں پوشیدہ ہے۔

حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے اس کا علاج بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: "شکایت کے وقت بات اس طرح کرنی چاہیے کہ گردن کی رگ نہ اُبھرے یعنی غصہ اور تعصب کا اثر پیدا نہ ہو۔" تحمل اور بردباری کے بارے میں فرمایا کہ "جو بھی جفا کر سہہ لیتا ہے۔ وہ سب سے اچھا ہے۔ (غصہ کو) پی جانا چاہیے اور بدلے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔" یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے :

---

* ناندیڑ، مہاراشٹر

جو ہمارا دوست نہ بنے اللہ اس کا دوست رہے   اور جو ہمیں تکلیف پہنچائے اس کو خوب راحت ملے

اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

جو بھی دشمنی سے ہمارے راستے میں کانٹا رکھے   اس کی زندگی کے چمن کا ہر پھول بے کانٹے کھلا رہے

پھر فرمایا کہ اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی (جواب میں) کانٹا رکھو تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ ان کلمات کے درمیان فرمایا کہ عوام میں یہ دستور ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھائی اور بُروں کے ساتھ بُرائی، لیکن درویشوں میں یہ طریقہ ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھے اور بُروں کے ساتھ بھی اچھے۔" (فوائد الفواد جلد 2، مجلس 35، ص 479)

حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "کسی کا بُرا چاہنا تو بُری بات ہے ہی لیکن کسی کے بارے میں بُرا سوچنا بھی بُرا ہے۔" ہمارے بزرگوں کی یہ بھی تعلیم ہے کہ "کوئی تمہارے ساتھ نفس سے پیش آئے تو تم اس کا جواب قلب سے دو۔" کیونکہ نفس، بدلہ لینا، شرارت، غصہ، تعصب وغیرہ اعمال سیاہ کی رغبت دلاتا ہے۔ جبکہ قلب، رحم عفو و درگزر، سوز و گداز، نیکی و پاکبازی، پرہیز گاری وغیرہ نیک اعمال کی رغبت دلاتا ہے۔ اگر کسی نے نفس کا جواب نفس سے دیا تو اس کا انجام فساد ہوتا ہے۔ نفس کا جواب قلب سے دینے کے باوجود اگر کوئی ظلم و زیادتی جاری رکھے تو بھی ہوگا کہ اس کے ظلم و زیادتی کی شدت میں کمی واقع ہوگی۔ ظالم اپنے عمل پر نادم ہو کر خیر کی طرف راغب ہوگا۔ بزرگان دین کا یہ عمل قرآن مجید کے اس حکم کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ "نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرو، گناہ اور ظلم و زیادتی پر تعاون مت کرو۔" اس آیت کریمہ میں لفظ "بر" آیا ہے، جس کے معنی نیکی کے ہیں۔ صرف مسلم کے ساتھ ہی صلہ رحمی کرنا نیکی نہیں ہے بلکہ غیر مسلم کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنا اور احسان کرنا، مدد کرنا اور ان کے مصیبت میں کام آنا یہ بھی نیکی ہے۔

ہمارے خانقاہ نشین بزرگوں نے خدمتِ خلق کو نیکی کا سب سے مؤثر ذریعہ بنایا۔ قرآن و حدیث میں خدمتِ خلق کی بے شمار فضیلتیں بیان ہوئی ہیں۔ بزرگانِ چشت کی سب سے بڑی کرامت یہی تھی کہ انہوں نے خدمتِ خلق کے راستے مخلوق کو خالق سے جوڑا۔ حضرت محبوبِ الٰہی فرمایا کرتے تھے " :اللہ تک پہنچنے کا آسان راستہ دلوں کو راحت پہنچانا ہے۔" ہمارے بزرگوں نے اپنے انہی اعمال کے ذریعے قرآنِ مجید کے اس فرمان پر عمل کیا: سارے انسان ایک ہی امت تھے، بعد میں انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے۔" (سورۂ یونس، آیت 19 (اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی تائید فرماتے ہوئے کہا: ساری مخلوق ایک طرح سے اللہ کا کنبہ ہے۔" یہی بات ہندوؤں کی مقدس کتاب میں" واسو دیو کُٹم بکم "،یعنی سارا جہان ایک خاندان ہے کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری نے اسی حقیقت کو اپنی تعلیمات کی بنیاد بناتے ہوئے فرمایا: "اللہ کا دوست وہی ہو سکتا ہے جس میں سورج جیسی شفقت، دریا جیسی سخاوت اور زمین جیسی تواضع ہو۔" سکھوں کی مقدس کتاب گرو گرنتھ صاحب میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنجِ شکر کی بانیاں موجود ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: اے فرید! خلقت کا پیدا کرنے والا خلقت میں ہے اور خلقت اپنے خالق میں بسی ہوئی ہے۔ جب خالق کے سوا کوئی موجود ہی نہیں تو پھر کسی کو بُرا کیوں کہا جائے؟"

حضرت مرزا غالب نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا:

اصل شُہود و شاہد و مشہود ایک ہے　　حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

بقول حضرت خواجہ میر درد

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو　　ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھیں کروبیاں

قرآن وحدیث اور صوفیانِ عظام اور سنتوں کی مذکورہ بالا تشریحات کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انسان دوستی ہی مذہب کی اصل روح ہے اور گنگا جمنی تہذیب کی بنیاد ہے۔

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کے روحانی اشارے پر خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہندوستان تشریف لائے۔ ہندوستان کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کی ایک روایت بھی منقول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ: "ہندوستان کی جانب سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔"

علامہ اقبال نے اسی نسبت کو اپنے اور اپنے وطن کے تعارف میں کچھ یوں بیان کیا:

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے　　میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یوں ہندوستان میں گنگا جمنی تہذیب کے بانی و معمار حضرت خواجۂ خواجگان معین الدین چشتی اجمیری ہوئے۔

میرے پیر و مرشد حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخرِ دہلی ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

> "برصغیرِ ہندوستان میں صوفیوں کے چار سلسلے زیادہ معروف ہیں: چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ۔ لیکن ان کی اصل تعداد چار سے زیادہ ہے اور ان سب کی نمائندگی اس وسیع اور تاریخی خطے میں صدیوں سے موجود رہی ہے۔ بنیادی سلسلوں اور خانوادوں میں چار پیروں اور چودہ خانوادوں کے نام لیے جاتے ہیں، جبکہ ذیلی و ضمنی شاخیں بے شمار ہیں۔ اہلِ تصوف کا کہنا ہے کہ تصوف، دینِ اسلام سے الگ کوئی شے نہیں۔ اور اگر کسی مقام پر کوئی بات اسلام کے خلاف نظر آئے تو اسے معتبر نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح تمام سلسلے، بلا تفریق، در حقیقت ایک ہی روحانی سرچشمے سے وابستہ ہیں۔"

مگر جڑ اور بنیاد ایک ہونے کے باوجود ہر سلسلے کی اپنی الگ شناخت اور پہچان بھی برقرار ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے رسمی تعلیم رکھنے والے اساتذہ اور طبابت میں ماہر حکیم یا ڈاکٹر — اگرچہ ان کی ڈگریاں اور علمی اسناد ایک جیسی ہوتی ہیں — لیکن جب وہ عملی طور پر پڑھانے یا علاج کرنے کے میدان میں آتے ہیں تو اپنے اپنے مخصوص طریقہ کار کے باعث انفرادی شان اور جداگانہ مقبولیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح سلسلۂ عالیہ چشتیہ بھی اپنی جگہ ایک منفرد اور نمایاں شان رکھتا ہے۔

چشتیہ سلسلے کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس کے عظیم نمائندے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے سرکار، دربار، سلطنت یا فوج کے کسی جھمیلے میں پڑے بغیر ہندوستان کے دو بڑے تہذیبی اور انسانی دھاروں کو ٹکراؤ اور مقابلہ آرائی سے بچا کر ایسی

راہِ محبت پر گامزن کیا جس کی تصویر خود ہندوستان کے دو مقدس دریاؤں کے سنگم میں نظر آتی ہے۔ چشتیہ سلسلے کی برکت سے اجنبی، اجنبی نہ رہے؛ باہر والے اندر والوں کے قریب آئے اور اندر والے باہر والوں سے مانوس ہونے لگے۔ ابتدا میں یہ میل ملاپ جھجک جھجک کر ہوا، مگر پھر قلوب ایک دوسرے کی طرف کھلتے چلے گئے۔

حضرت خواجہ صاحب نے ضابطوں اور شرائط کے ساتھ ہی سہی، مگر سماع اور موسیقی کے ذریعے اجنبیوں کو بات سننا، سمجھنا اور کہنا سکھایا۔ ہندوستان چونکہ سنگیت کا رسیا تھا، اس لیے دونوں طرف کے دلوں میں موسیقی کے سُروں نے رس گھول دیا۔ ایک کی بات دوسرے کی سمجھ میں آنے لگی۔ یوں *آدان پردان* کا دروازہ کھلا، لین دین اور میل جول کی فضا بنی۔ لنگر میں ایسی دل نوازی ہوئی کہ سب مل کر وہی کھاتے جو سب کے لیے مشترک ہوتا —بغیر کسی اعتراض کے۔ یہ تعلیم دراصل نبی کریم ﷺ کی ہی تعلیم تھی، اور اسی لیے ہر دل میں گھر کرتی گئی۔ چشتی درگاہوں اور خانقاہوں میں اپنے اور پرائے سب برابر حاضر ہونے لگے۔

سچی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ بالکل قدرتی تھا، کیونکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کو بطورِ خاص ہندوستان کی خدمت سپرد کی گئی تھی۔ اور ہندوستان چشتیوں کی چھاؤں میں اسی طرح آکر بیٹھ گیا جیسے کوئی مسافر تپتی دھوپ میں گھنے سایہ دار درخت کو ڈھونڈتا ہوا پناہ پالے۔

دکن کی درگاہیں، آستانے اور خانقاہیں بھی اسی گنگا جمنی تہذیب کی علمبردار رہی ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفی نہ فتویٰ دیتے ہیں، نہ کوئی شاہی فرمان جاری کرتے ہیں؛ ان کے پاس نہ فوج ہوتی ہے نہ ہتھیار؛ نہ وہ آج کل کی طرح کوئی منظم تحریک چلاتے ہیں، نہ مریدوں اور خلفاء کو لے کر گشت لگاتے ہیں؛ نہ وہ بدکاروں کو سختی سے کہتے ہیں کہ بدکاری چھوڑ دو، نہ جواریوں اور شرابیوں کو جبر سے روکتے ہیں۔ بلکہ وہ تو محض یہ کہتے ہیں:

نہ قاضیم نہ محدث نہ محتسب نہ فقیہ　　　　مراچہ کار کہ منع شراب خوارہ کنم

نہ تو میں قاضی ہوں نہ محدث نہ پولیس والا نہ فقیہ، مجھے کیا کہ کوئی شراب پیئے، جوا کھیلے یا دیگر لغو کام کرے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان فقیروں کے پاس بیٹھنے سے انسان سارے غلط کام چھوڑ دیا ہے۔" سب صوفیوں سنتوں، فقیروں، نبیوں اور رسولوں کا طریقہ کار ایک تھا۔ وہ اپنے معجزات، کرامات، چمتکاروں کو اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اللہ یا ایشور ہی کی طرف منسوب کرتے تھے۔ تمام مخلوق کو اللہ کی مخلوق سمجھتے تھے۔ اللہ کی محبت کی وجہ سے ہی اللہ کی تمام مخلوق سے محبت رکھتے تھے۔ صوفی حضرات ہر خطاکار کو شرمندہ کرنے کے بجائے اس کی دلجوئی کرتے ہیں اور اس کی خطا ظاہر ہو جانے پر اس کے لیے معافی طلب کرنے کے باوجود اس کی معافی اللہ سے طلب کرتے ہیں اور براہ راست اور اپنے وسیلے سے اس بندے کو اللہ سے ملا دیتے ہیں۔ یہی گنگا جمنی تہذیب کی روح ہے۔

بعض لوگ —جو بقول حضرت علامہ اقبال "فی سبیل اللہ "فساد برپا کرتے ہیں —درحقیقت دین کے حقیقی مزاج سے نابلد ہوتے ہیں۔ نیتوں کا حال تو صرف اللہ جانتا ہے، مگر نتائج کے تناظر میں علامہ اقبال کی یہ تنقید نہایت دقیق اور حقیقت پر مبنی محسوس ہوتی ہے۔ بزرگانِ دین کی واضح تعلیمات کے باوجود بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ : قرآن وحدیث میں جن اولیاء اللہ کا ذکر آیا ہے، کیا

آج کے زمانے میں جو لوگ خود کو صوفی، پیر، سجادہ نشین، خادم یا بزرگ ظاہر کرتے ہیں، وہ واقعی اس معیار پر پورے اُترتے ہیں؟ اس کا جواب دراصل مشہور مثل میں پوشیدہ ہے " : جیسی روح ویسے فرشتے"۔ یہی بات معترض کی ہر دلیل کو مؤثر طریقے سے پاسخ دیتی ہے۔ پھر بھی ہمیں اس اعتقاد کو مضبوطی سے تھامنا ہوگا کہ قیامت تک نیک لوگ دنیا میں موجود رہیں گے، اور انہی کی برکت سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ یہی ایمان کی بنیاد ہے۔ نیکی کے طلبگار وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر بات اور ہر عمل میں روشنی تلاش کرتے ہیں اور اسی روشنی کی رہنمائی میں اپنی زندگی کو سنواریں۔

,پروفیسر ایٹن کے الفاظ میں "جس طرح مقناطیس غیر مرئی قوت کے ذریعہ لوہے کے ذرات کو اپنی جانب کھینچتا ہے اس طرح صاحب مزار کی روحانی قوت کے سبب عقیدت مندان ان کی جانب کھینچے کھینچے چلے آتے ہیں۔" حاضری سے قبل جہاں مسلمان وضو کرتے ہیں وہیں ہندو بھائی غسل کر کے صاف ستھرے لباس میں حاضر ہوتے ہیں۔ اکثر مقامات پر درگاہ کے احاطہ میں غسل کر کے گیلے کپڑوں کے ساتھ زیارت کرتے ہیں۔ بعض مسلمانوں کی سی ٹوپیاں پہنتے ہیں۔ ہندوان بزرگان دین کو الما پر بھویا جگت گرو کا بھی مرتبہ دیتے ہیں۔ اپنے رسم ورواج کی بنیاد پر ناریل پھوڑتے ہیں۔ سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

گنگا-جمنی تہذیب کی ایک عظیم مثال ہندستان کے اطراف و اکناف میں قائم مزاراتِ اولیا کی صورت میں نظر آتی ہے، جو ایک دوسرے کو جاننے، پہچاننے، سمجھنے اور ساتھ رہنے کے ایسے مواقع فراہم کرتے ہیں کہ کہیں اور یہ تجربہ شاید ممکن نہ ہو۔ اس دیس، اس برصغیر کا ہر کونہ اپنی جگہ منفرد ہے: بولیاں الگ، رسم ورواج الگ، کھان پین جدا، لباس مختلف، مگر اس کثرت کو وحدت دینے کا سہرا عرس جیسے مذہبی اجتماعات کے سر جاتا ہے۔ انہی کے ذریعہ ہمیں یہ سمجھنے کا موقع ملتا ہے کہ ہمارے ہم وطن بھائیوں کے عقائد اور رسم ورواج کیا ہیں، کون سی باتیں باہم مشترک ہیں، کن اچھی باتوں کا آپس میں تبادلہ ممکن ہے، اور کون سی چیزیں ایسی ہیں جنھیں ترک کرنا چاہیے۔ یہی وہ مقام ہیں جہاں انسانوں نے عملی طور پر "جیو اور جینے دو" کے فلسفے کو اپنایا۔

عرس کے موقعوں پر بازار اور میلے بھی منعقد ہوتے ہیں، جو معاشی اور تجارتی اعتبار سے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ آج کل درگاہیں "عملیات" کے مراکز کے طور پر بھی جانی جاتی ہیں۔ ایسے افراد جن پر ارواحِ خبیثہ کے اثرات ہوتے ہیں، عرس کے موقعوں پر درگاہ شریف لائے جاتے ہیں اور الحمد للہ بزرگانِ دین کے فیضان اور وسیلے سے وہ ان اثرات سے پاک ہو جاتے ہیں۔

علاقے دکن میں آرام فرما حضرت گیسو دراز بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ جسے عالمگیر بادشاہ نے "کعبہ دکن" سے یاد فرمایا، اسی گنگا جمنی تہذیب کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دکن کے یہ آستانے ہر دور میں گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار رہے ہیں۔

ہماری ریاست مہاراشٹر کی مثالی شخصیت، شیواجی مہاراج، کے متعلق انگریز مورخوں نے اکثر انہیں اسلام اور مسلمانوں کا دشمن بنا کر پیش کیا، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ شیواجی کے دادا مالوجی کو طویل عرصے تک اولاد نہ ہوئی تو وہ احمد نگر قلعے کے باہر حضرت شاہ شرف جی کے مزار پر جا کر دعا کے طلبگار ہوئے، اور خدا کے فضل سے دو سال میں انہیں دو بیٹے ہوئے، جنہیں مالوجی نے شاہ جی اور شرف جی کے نام سے نوازا۔ شیواجی خود شاہ جی کے بیٹے تھے اور کیلی میں آباد حضرت بابا یاقوت کے سخت معتقد تھے۔ انہوں نے بابا

یاقوت کے لیے 653 ایکڑ زمین بطور جاگیر عطا کی اور وہاں ایک خانقاہ تعمیر کروائی، اور ہر وقت اُن سے مرادیں مانگا کرتے تھے۔ اسی طرح، وہ دیگر مسلم سنتوں، مثلاً مونی بواپر بھی خاص اعتقاد رکھتے تھے۔

پربھنی شہر میں حضرت تراب الحق رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ مرجع خلائق ہے، جسے ہندو عقیدت مند "تورت پیر" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہاں سال کے بارہ مہینے زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ لاکھوں ہندو، مسلمان اور دیگر قوموں کے لوگ زیارت کرتے اور مرادیں پاتے ہیں۔ اس درگاہ کے متولی ہندو خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور صدیوں سے اسی خدمت کو جاری رکھتے ہیں۔ روایت ہے کہ برسوں قبل حضرت تراب الحق یہاں تشریف لائے، تو کسی نے ان کا مہمان نہیں بنایا، لیکن ایک ہندو کسان نے اپنے کھیت میں روٹی پیش کی اور خدمت انجام دی۔ حضرت نے وصال سے قبل فرمایا کہ یہ خاندان میرے بعد اس درگاہ کا خادم ہوگا، اور آج تک یہ سلسلہ برقرار ہے۔ ہر سال فروری میں عرس منایا جاتا ہے، جس میں ضلع کلکٹر سر پر صندل کی خوان لے کر سجادہ درگاہ سے نکلتے ہیں، اور تقریباً ایک ماہ تک درگاہ کے اطراف میلے اور تجارتی سرگرمیاں جاری رہتی ہیں، جہاں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔

اسی طرح ضلع ناندیڑ کے تعلقہ قندھار میں حضرت مخدوم سیاح کی درگاہ ہے، جو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ یہاں بھی ہر سال عرس مبارک کے موقع پر ضلع کو سرکاری تعطیل کا اعلان کیا جاتا ہے، اور گنگا جمنی تہذیب کا عینی شاہد وہاں کے مناظر ہیں۔

دیہو، ضلع پونہ میں حضرت بابا انگد شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا مزار ہے، جس کے خادمین دو ہندو خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب وارکری طبقہ کے لوگ تکارام مہاراج کی پالکی لے کر پنڈھرپور روانہ ہوتے ہیں، تو وہ اس درگاہ پر حاضری دیتے اور اپنی راہنمائی طلب کرتے ہیں۔ درگاہ میں سنتوں کی بانیاں (ابھنگ) یا صوفیانہ کلام گایا جاتا ہے، آرتی کی جاتی ہے اور پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ بابن راؤ کاشد نامی تاجر نے تین لاکھ روپے خرچ کر کے درگاہ میں مسافر خانہ تعمیر کروایا تاکہ وارکری فرقے کے لوگ قیام میں سہولت حاصل کریں۔ خادم شری بابن مسوداگے (عمر 76) روزانہ درگاہ کی صفائی کرتے ہیں، پھول چڑھاتے ہیں، چادر بدلتے ہیں اور فاتحہ اپنی مادری زبان میں پڑھتے ہیں۔ اسی طرح شری رام چندرور گھاڑے (عمر 72) نے بتایا کہ یہ خدمت ان کے دادا سے منتقل ہوئی ہے۔

شیواجی مورے صاحب کے مطابق، حضرت بابا شاہ اور سنت تکارام مہاراج گہرے دوست تھے، اور ان کی دوستی کو عقیدت مند صدیوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ پونہ یونیورسٹی کے شعبہ تکارام کے چیئرمین شری سدانند مورے کے مطابق، حضرت بابا سترہویں صدی کے مشہور صوفی تھے، اور سنت تکارام نے روحانی باتیں مقامی زبان میں عام فہم انداز میں بیان کیں۔ اسی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ وارکری فرقے کے لاکھوں لوگ پنڈھرپور جاتے وقت ایک رات ان کی درگاہ میں قیام کرتے ہیں۔

دکن اور مہاراشٹر میں ایسے بے شمار مزارات موجود ہیں، جیسے ناندیڑ کے حضرت پیر برہان شہید رحمتہ اللہ علیہ، ناگپور کے حضرت بابا تاج الدین رحمتہ اللہ علیہ، عثمان آباد کے شمس الدین غازی رحمتہ اللہ علیہ، خلد آباد شریف کے حضرت زرزری بخش دلہا، حضرت برہان الدین غریب، اورنگ آباد کے حضرت نظام الدین اورنگ آبادی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ۔ مہاراشٹر کا کوئی موضع، تعلقہ یا ضلع ایسا

نہیں جہاں بزرگان دین کے قدم نہ پہنچے ہوں۔

یہ بزرگان دین مہاراشٹر کی تہذیب و ثقافت کے معیار کو بلند کرنے میں اہم کردار ادا کرتے آئے ہیں۔ آج بھی ان کی آخری آرام گاہیں قوم و ملت کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں، جہاں اسلام کے امن و شانتی کا پیغام عام کیا جاتا ہے۔ ان مزارات کو "شعائر اللہ" کہا جاتا ہے، جہاں کثرت میں وحدت کا جلوہ دیکھا جا سکتا ہے۔ صدیوں سے یہ زیارت گاہیں قومی یکجہتی اور گنگا جمنی تہذیب کا مرکز رہی ہیں۔ اپنے ملک ہندوستان اور ریاست مہاراشٹر میں قومی یکجہتی اور گنگا جمنی تہذیب کو فروغ دینا ہر شہری کا فریضہ ہے۔ یہ آستانے آج بھی انسان دوستی کی زندہ مثال ہیں، اور جیسا کہ حضرت مرزا غالب نے فرمایا:

وفاداری بہ شرط استواری اصل ایمان ہے　　　مرے بت خانے میں تو، کعبے میں گاڑو برہمن کو

*****

دکن اور مغربی ہندوستان میں خانقاہوں کی خدمات اور چیلنجز

محبوب رضا، منصور ہدوی*

دکن اور مغربی بھارت کی خانقاہیں، خصوصاً حیدرآباد، گلبرگہ، بیڈر، اورنگ آباد اور گجرات کے مختلف علاقوں میں، قرونِ وسطیٰ سے لے کر جدید ابتدائی دور تک روحانی رہنمائی، علمی تعلیمی اور سماجی فلاح و بہبود کے اہم مراکز کے طور پر معروف رہی ہیں۔ یہ ادارے نہ صرف سماجی اصلاح اور بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کرتے تھے، بلکہ ثقافتی امتزاج اور معاشرتی یکجہتی کی تعمیر میں بھی معاون ثابت ہوئے۔ خانقاہوں نے ذات پات اور طبقاتی رکاوٹیں دور کرنے، پسماندہ اور محتاج طبقات کی مدد فراہم کرنے، اور لنگر و روحانی اجتماعات جیسے اقدامات کے ذریعے شمولیتی اور ہم آہنگ معاشرے کی تشکیل میں گہرا اثر چھوڑا۔

تاہم، اپنی عظیم خدمات کے باوجود، خانقاہیں مختلف چیلنجز اور مسائل کا سامنا کرتی رہی ہیں۔ سیاسی عدم استحکام، سرپرستی میں تبدیلیاں، سخت گیر مذہبی رجحانات اور فرقہ وارانہ اختلافات، ان کی شمولیتی اور روحانی سرگرمیوں کے لیے خطرہ بنی۔ مزید سماجی مزاحمت، محدود وسائل، مقامی رسومات اور سخت گیر دینی تعلیمات کے درمیان توازن قائم کرنے کی مشکلات بھی ان کی کارکردگی میں رکاوٹ کا سبب رہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ صنفی حدود، بیرونی تنازعات اور اصلاحی تحریکوں کا عروج خانقاہوں کے روایتی کردار اور اثر و رسوخ کو مزید متاثر کرتا رہا۔

یہ مقالہ خانقاہوں کے معاشرتی اور روحانی کردار، بردبار کمیونٹیز کی تعمیر میں ان کے اثرات، اور پیش آنے والی رکاوٹوں کا جامع جائزہ پیش کرے گا۔ مختلف علاقوں اور معروف صوفیاء کی مثالوں کے ذریعے یہ مطالعہ یہ واضح کرے گا کہ خانقاہیں کس طرح آج بھی سماجی ہم آہنگی، کثرت پسندی اور بین المذاہب مکالمے کو فروغ دینے میں اپنی دیرپا اہمیت برقرار رکھتی ہیں۔

دکن اور مغربی ہندوستان میں خانقاہوں کی خدمات اور چیلنجز:

ہندوستان کی تاریخ کو خانقاہوں اور صوفیا کی تاریخ سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دکن اور مغربی بھارت کی خانقاہیں—خاص طور پر حیدرآباد، گلبرگہ، بیڈر، اورنگ آباد اور گجرات کے علاقوں میں—تاریخی طور پر روحانی، تعلیمی، سماجی اور ثقافتی مرکز کے طور پر کام کرتی رہی ہیں۔ یہ ادارے، جو چشتی، قادری، شطاری اور نقشبندی سلسلوں سے وابستہ صوفیاء نے قائم کیے، صرف روحانی عبادت گاہیں نہیں تھیں بلکہ معاشرتی ترقی اور اصلاح کے مراکز بھی تھیں۔

خانقاہوں کی تاریخ اور کردار:

لفظ خانقاہ کا مطلب ہے صوفی کی رہائش گاہ یا مرکز۔ اسلامی معاشرت میں یہ وہ مقام تھا جہاں صوفیا اپنے مریدین کی تربیت کرتے، دینی

* دار الہدی اسلامک یونیورسٹی، کرناٹک سنٹر، انچارج صدر شعبہ، دار الہدی اسلامک یونیورسٹی، کیرالا

تعلیمات پھیلانے کے ساتھ ساتھ مسافروں اور ضرورت مندوں کو کھانا اور پناہ فراہم کرتے۔ ہندوستان میں خانقاہیں جلد ہی تزکیہ نفس، تعلیم، ثقافت اور سماجی خدمت کے مراکز میں تبدیل ہو گئیں۔

صوفیائے کرام کے ہند میں آنے کا اولین مقصد یہی تھا کہ اسلامی تعلیمات کو پوری دنیا میں عام کر دیا جائے اور اسلام کا بول بالا مشرق تا مغرب اور شمال تا جنوب تک ہو جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اُس زمانے کی خانہ جنگیاں، ہلاکو خان اور دیگر غیر مسلم دشمنوں کے حملوں نے بھی صوفیائے کرام کو ہند کی طرف رخ کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

دکن اور مغربی ہند میں صوفی سلسلے

دکن اور مغربی ہند میں کئی صوفی سلسلے (طریقتیں) اپنے مخصوص مزاج اور خصوصیات کے ساتھ قائم ہوئے۔ ان میں سب سے پہلا اور سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والا سلسلہ چشتیہ تھا۔ ہندوستان میں اس کی بنیاد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے رکھی، جنھوں نے اجمیر کو خانقاہی مرکز بنایا۔ ان کے بعد یہ سلسلہ گجرات، مہاراشٹر اور دکن تک پھیلا۔ دکن میں اس کی اشاعت حضرت برہان الدین غریب (دولت آباد) اور حضرت بندہ نواز گیسو دراز (گلبرگہ) کے ذریعے ہوئی، جنھوں نے اپنی خانقاہوں کو روحانی، تعلیمی اور سماجی خدمت کے مراکز بنایا۔

دکن خصوصاً حیدر آباد میں قادری سلسلہ نے نمایاں مقام حاصل کیا۔ اس سلسلے کی بنیاد شیخ عبد القادر جیلانی نے رکھی، لیکن حیدر آباد میں اس کی اشاعت حضرت سید شاہ رجب قادری اور بعد میں حضرت سید محمد بادشاہ قادری جیسے بزرگوں نے کی۔ قطب شاہی حکمرانوں نے بھی قادری مشائخ کی سرپرستی کی جس سے یہ سلسلہ حیدر آباد کا سب سے نمایاں صوفی سلسلہ بن گیا۔

اسی طرح دکن میں شطاری سلسلہ بھی مقبول ہوا۔ اس سلسلے کی بنیاد حضرت عبد اللہ شطاری نے رکھی تھی، اور یہ سلسلہ صوفیانہ مجاہدات اور خاص روحانی ریاضتوں کے لیے مشہور تھا۔ اسی طرح مغربی ہند، خصوصاً گجرات اور احمد آباد میں سہروردیہ سلسلہ بھی موجود تھا۔ اس کی بنیاد بغداد کے شیخ شہاب الدین سہروردی نے رکھی تھی۔ مغربی ہند، خصوصاً گجرات اور احمد آباد میں سہروردیہ سلسلہ بھی موجود تھا۔ اس کی بنیاد بغداد کے شیخ شہاب الدین سہروردی نے رکھی تھی۔ یوں دکن اور مغربی ہند میں صوفی سلسلوں کی یہ تنوع (چشتیہ، قادریہ، شطاریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ) اس بات کی علامت ہے کہ یہاں تصوف نے ہر طبقے کے لیے الگ الگ راستے فراہم کیے۔ عوام میں سب سے زیادہ مقبولیت چشتیہ اور قادریہ سلسلوں کو ملی کیونکہ ان کا پیغام محبت، مساوات اور خدمت خلق پر مبنی تھا، جبکہ علمی اور فقہی میدان میں سہروردیہ اور روحانی ریاضتوں میں شطاریہ سلسلہ نے بھی اپنا اثر ڈالا۔

اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں خانقاہوں کے فروغ کے کئی اسباب بھی تھے۔ سب سے پہلے مذہبی و روحانی پہلو ہے، جہاں صوفیا نے محبت، عقیدت اورا روحانیت کا پیغام پورے ہندوستان میں، خاص طور پر دکن اور مغربی ہندوستان میں عام کیا اور مقامی زبانوں جیسے دکنی، مرہٹی اور گجراتی میں وعظ و نصیحت کر کے عوام کے دل جیتے۔ سماجی میدان میں خانقاہوں نے لنگر کے ذریعے مساوات کو فروغ دیا اور ذات پات سے بٹے ہوئے سماج میں بھائی چارے کی فضا قائم کی۔ تعلیمی اور ثقافتی سطح پر خانقاہیں قرآن، حدیث، فقہ اور شاعری

کے مراکز بنیں، جبکہ گلبرگہ اور بیدر کی خانقاہوں نے دکنی اردو ادب کو پروان چڑھایا، جس کی نمایاں مثال بندہ نواز گیسو دراز کی تصانیف ہیں۔

سیاسی پہلو بھی خانقاہوں کے استحکام میں اہم رہا۔ بہمنی اور قطب شاہی حکمرانوں نے صوفیا کی سرپرستی کی تاکہ وہ اپنی سیاسی حیثیت کو مضبوط کر سکیں۔ مثال کے طور پر گلبرگہ کے بندہ نواز گیسو دراز کو بہمنی سلاطین نے بے پناہ عزت دی۔ اسی طرح تجارتی اور سیاسی اسباب بھی خانقاہوں کے پھیلاؤ میں مددگار ثابت ہوئے۔ عرب تاجروں کے ساتھ کئی صوفیا گجرات کی بندرگاہوں کے راستے ہندوستان آئے جبکہ منگول حملوں اور دہلی کی بدامنی نے بھی صوفیا کو دکن کی طرف منتقل ہونے پر مجبور کیا۔ بعض صوفیا نے ہندوستانی خواتین سے شادیاں کیں اور یوں ان کی نسلوں نے خانقاہی نظام کو تسلسل دیا۔ یہ خاندان مقامی سماج کا حصہ بن گئے اور بعد میں انہی خاندانوں نے علم و ادب اور سجادہ نشینی کے ذریعے اسلام کی جڑوں کو مزید ہندوستان میں مضبوط کیا۔

اوقاف اور جاگیروں (Waqf / Land Grants) کا بھی خانقاہوں کے فروغ اور پھیلاؤ میں اہم کردار رہا ہے۔ بہت سے حکمرانوں، امراء اور متمول تاجروں نے خانقاہوں کو زمین اور جائیدادیں وقف کیں جس کی بدولت ان خانقاہوں کو ایک مستقل معاشی بنیاد میسر آئی۔ اس مالی استحکام نے خانقاہوں کو یہ سہولت دی کہ وہ بلا تعطل لنگر چلا سکیں، مدارس قائم کریں اور مسافروں کے لیے پناہ گاہیں فراہم کریں۔ دکن میں بہمنی اور قطب شاہی سلاطین اور مغرب ہند میں گجرات کے سلاطین نے مختلف مزارات اور خانقاہوں کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں، جس سے یہ ادارے کئی صدیوں تک مضبوطی سے قائم رہے۔ ساتھ ہی ساتھ خانقاہوں کی زیارت، انکی مقامی سرپرستی، مقامی ثقافت سے ہم آہنگی، سجادہ نشینی اور وراثتی نظام نے خانقاہوں کے فروغ اور پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا۔

مزید عوامل میں صوفیا کی مسلسل سفر و ہجرت (سفر طلب) شامل ہے، جس نے نئی بستیوں میں خانقاہوں کے قیام کو ممکن بنایا۔ کرامات اور روحانی کشش نے عوامی عقیدت کو بڑھایا، جیسا کہ حضرت گیسو دراز کی شہرت سے ظاہر ہوتا ہے۔ سیاسی بحران نے بھی جنوبی ہند کو ایک متبادل پناہ گاہ بنا دیا جہاں صوفیا کو زیادہ آزادی ملی۔ بین المذاہب مکالمہ ایک اور نمایاں پہلو تھا، جس میں صوفیا نے یوگیوں اور بھکتی سنتوں سے مکالمہ کیا اور بین المذاہب احترام کو فروغ دیا۔ شہری توسیع اور نئی راجدھانیوں مثلاً گلبرگہ، بیدر، حیدرآباد اور احمد آباد کی بنیاد نے خانقاہوں کے قیام کو نئے مواقع دیے۔ خواتین کا کردار بھی لائق ذکر ہے، جو خانقاہوں کے انتظام اور سخاوت میں شریک رہیں۔ خطے کی معاشی خوشحالی، خاص طور پر گجرات اور دکن کی تجارتی اہمیت نے بھی خانقاہوں کو وسائل اور حمایت فراہم کی۔

ان عوامل کے ساتھ ساتھ مختلف صوفی سلسلوں کا کردار بھی اہم ہے۔ چشتیہ سلسلہ حضرت معین الدین چشتی اور ان کے خلفا کے ذریعے اجمیر، گجرات اور دہلی سے ہوتے ہوئے دکن پہنچا۔ حضرت برہان الدین غریب اور حضرت گیسو دراز جیسے مشائخ نے اسے جنوبی ہند میں مضبوط کیا۔ قادریہ سلسلہ حضرت عبدالقادر جیلانی کے نام سے منسوب ہے، جسے دکن میں شاہ مینا قادری اور دیگر مشائخ نے متعارف کروایا، بالخصوص حیدرآباد میں قطب شاہی دور میں یہ سلسلہ نمایاں ہوا۔ سہروردیہ سلسلہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے واسطے

سے گجرات اور دہلی کے راستے دکن میں پہنچا۔ شطاریہ سلسلہ احمد عبد الحق شطاری کے ذریعے ہندوستان آیا اور گجرات و دکن میں پھیلا۔ ان تمام سلسلوں کی خانقاہیں دکن اور مغربی ہند میں روحانی، سماجی اور ثقافتی مراکز کے طور پر ابھریں۔

صوفی خانقاہوں اور درگاہوں میں بین المذاہب عقیدہ اور عقیدت:

ہندوستان کی صوفی خانقاہیں اور درگاہیں تاریخی طور پر نہ صرف روحانی تعلیم اور عبادت کے مراکز رہی ہیں بلکہ یہ بین المذاہب ہم آہنگی کے مراکز بھی رہی ہیں۔ ان کی کشش صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہی بلکہ ہندو، سکھ اور دیگر مذاہب کے لوگ بھی ان کی طرف مائل رہے، کیونکہ وہ صوفی اولیاء کی کرامات اور کرشمہ روحانی پر ایمان رکھتے تھے۔

تاریخ میں صوفی مزارات میں ہر مذہب کے لوگ آتے رہے اور صوفی اولیاء کی کرامات اور کرشمہ روحانی پر یقین رکھتے تھے۔ ایک مشہور قصہ اورنگ آباد کا ہے، سترہویں صدی کے آخر میں۔ ایک ہندو تاجر رگھوناتھ راؤ کاروباری ناکامیوں کا شکار تھا۔ اس نے حضرت زرزری زر بخش کی درگاہ کے بارے میں سن کر وہاں جانے اور دعا کرنے کا فیصلہ کیا۔ مقامی روایات کے مطابق، چادر چڑھانے اور کمیونٹی لنگر میں حصہ لینے کے بعد اس کا کاروبار ترقی کرنے لگا اور وہ شہر میں معتبر شخصیت بن گیا۔ رگھوناتھ راؤ نے ہر سال درگاہ کا دورہ جاری رکھا اور خانقاہ کی دیکھ بھال کے لیے فیاضانہ عطیات دیے۔

اسی طرح آج بھی صوفی مزارات مختلف مذہبی پس منظر میں زائرین کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اجمر شریف، راجستھان ایک اہم مثال ہے: ہندو زائرین جھلڑا پر دھاگے باندھ کر دعا کرتے ہیں، یقین رکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ان کی دعائیں سنتے ہیں۔ بانجھ جوڑے اکثر بیان کرتے ہیں کہ درگاہ کے بعد انہیں اولاد ہوئی۔ اسی طرح گلبرگہ میں حضرت گیسو دراز کی درگاہ اور لکشمیشور میں دودنانا کی درگاہ ہندو زائرین سے بھری رہتی ہے جو کاروبار یا خاندانی مسائل کے حل کے لیے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح، حضرت زرزری زر بخش کی درگاہ، اورنگ آباد میں غیر مسلم صحت، کامیابی اور خوشحالی کے لیے دعا کرتے ہیں۔

غیر مسلم زائرین کی صوفی مزارات کی زیارت صوفی روحانیت کی جامع، عالمگیر اور دیرپا اثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ تاریخی حکمرانوں اور مقامی مریدین سے لے کر عصری مشہور شخصیات اور عام زائرین تک، صوفی خانقاہیں ہمیشہ بین المذاہب احترام اور ہم آہنگی کی علامت رہی ہیں۔ یہ مقدس جگہیں عقیدت، امید اور ثقافتی انضمام کی روشنی ہیں، جہاں مذہبی پس منظر سے قطع نظر ایمان اور احترام فروغ پاتا ہے۔ صوفی اولیاء کی برکت، کرامات اور کرشمہ روحانی کے ذریعے خانقاہیں اور درگاہیں روحانی اتحاد اور انسانی یکجہتی کا ورثہ محفوظ رکھتی ہیں، یہ تمام باتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ حقیقی عقیدت تقسیمات سے بالاتر ہے جسے کبھی بھی مذہب کی بنیاد پر الگ نہیں کیا جاسکتا۔

دکن اور مغربی بھارت میں خانقاہوں کی خدمات اور ان کے اثرات

دکن اور مغربی بھارت کی خانقاہیں صرف روحانی مراکز نہیں تھیں، بلکہ یہ تعلیمی، ثقافتی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی مراکز بھی تھیں۔ یہ ادارے صوفیاء کی رہنمائی میں قائم ہوئے، جو نہ صرف عبادت اور ذکر کے لیے وقف تھے بلکہ معاشرتی خدمت، تعلیم، موسیقی، شاعری، اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ میں بھی فعال کردار ادا کرتے تھے۔ خانقاہیں دیہاتی اور شہری معاشرت پر اثر ڈالتی، اخلاقی

اصول اور رہنمائی فراہم کرتی اور ایک مربوط سماجی نظام قائم کرتی تھیں۔

روحانی اور مذہبی خدمات:

خانقاہوں کا بنیادی مقصد روحانی تربیت اور اخلاقی رہنمائی فراہم کرنا تھا۔ صوفیاء اپنے مریدوں کو ذکر، مراقبہ، اور توکل کی تعلیم دیتے، ساتھ ہی انکساری، محبت اور نیک عمل کے اصول بھی سکھاتے۔ یہ بزرگ نہ صرف عوام بلکہ حکمرانوں پر بھی اثر انداز ہوتے اور انہیں انصاف اور دیانتداری کے ساتھ حکمرانی کرنے کی ترغیب دیتے جس کی آج تک کی زندہ و جاوید مثال اجمیر میں واقع خوجہ معین الدین چشتی کی خانقاہ ہے جو مریدوں کو روحانی تربیت فراہم کرتی اور ساتھ ہی معاشرتی اخلاقیات، رواداری، اور غریبوں کی خدمت کو فروغ دیتی، جس سے ایک جامع روحانی اور اخلاقی ثقافت قائم ہوئی۔

سماجی فلاح و بہبود

خانقاہیں سماجی خدمات میں بھی فعال تھیں، جیسے لنگر (کھانے کی مفت خدمت)، پناہ گاہیں اور معاشرتی سہولیات۔ یہ ادارے محتاج، بیواؤں، مسافروں اور یتیموں کے لیے کھلے تھے، خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں غربت اور سماجی درجہ بندی شدید تھی۔ بعض خانقاہیں روایتی علاج اور روحانی رہنمائی بھی فراہم کرتی تھیں، جس سے کمیونٹی کی مکمل نگہداشت ہوتی تھی۔ مثلاً شاہ عبد اللہ شطاری کی خانقاہ جو گجرات میں روزانہ لنگر کے ساتھ ساتھ روحانی مشورہ اور خیرات کی خدمات فراہم کرتی تھی، جس سے سماجی ہم آہنگی اور فلاح عامہ میں اضافہ ہوا۔

تعلیمی اور علمی خدمات

خانقاہیں تعلیمی مراکز کے طور پر کام کرتی تھیں، جہاں قرآن، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، فارسی اور مقامی زبانیں پڑھائی جاتیں۔ یہ اسلامی علوم کے ساتھ عوامی تعلیم اور خواندگی کو بھی فروغ دیتی تھیں۔ صوفیاء نے فنون، شاعری، اور مخطوطات کے علم کو بھی ترقی دی، جس سے علمی اور ادبی مراکز قائم ہوئے۔ جیسے زین الدین شیرازی کی خانقاہ جو دولت آباد میں طلبہ کو علمِ دین و فلسفہ میں تربیت دیتی اور فارسی و مراٹھی میں تحریری کاموں کی ترویج کرتی، جس سے علمی و روحانی تعلیم دونوں میں اضافہ ہوا۔

ثقافتی اور لسانی خدمات

خانقاہیں ثقافتی ہم آہنگی کی حامی تھیں، صوفیاء کرام نے اسلامی روایات کو مقامی رسم و رواج کے ساتھ ملا کر نیا ثقافتی ماحول قائم کیا۔ جہاں قوالی، سماع، شاعری، تہوار، اور مقامی ادب کو فروغ دیا گیا، جس سے مذہبی اور فنکارانہ اظہار کے نئے انداز پیدا ہوئے۔ خانقاہوں کی عمارتیں اکثر اسلامی و ہندی فن تعمیر کا امتزاج دکھاتی تھیں،

سیاسی اور سفارتی خدمات

صوفیاء براہِ راست حکومت میں دخل اندازی نہیں کرتے تھے، لیکن سیاسی اخلاقیات اور تنازعات کے حل میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ ان کی رہنمائی حکمرانوں کو انصاف، اعتدال، اور دیانتداری کی طرف راغب کرتی اور ان کی اخلاقی اتھارٹی حکمرانوں کو

مشروعیت دیتی۔ خانقاہیں اکثر مذہبی اور سماجی ثالثی کے مراکز کے طور پر کام کرتی تھیں۔ جیسے گجرات میں واقع احمد ختو کی خانقاہ جو اس زمانے میں گجرات کے سلاطین کو اخلاقی رہنمائی دیتی اور اختلافات کے حل میں مدد فراہم کرتی، جس سے سیاسی استحکام مضبوط ہوتا۔

اقتصادی خدمات

خانقاہیں مقامی معیشت پر بالواسطہ اثر ڈالتی تھیں۔ وقف کی زمینیں اور عطیات لنگر، مدارس اور پناہ گاہوں کو برقرار رکھتے تھے، ساتھ ہی کسان، کاریگر، اور ہنر مندوں کو ملازمت ملتی۔ زیارت کے لیے آنے والے زائرین نے تجارت کو فروغ دیا اور تاجروں نے برکت کے لیے مالی تعاون کیا۔ خانقاہیں پائیدار اور سماجی ذمہ دار اقتصادی نظام قائم کرتی تھیں۔ مثلاً پیر مرشد چٹن شاہ کی خانقاہ جو اورنگ آباد میں زائرین کی آمد سے مقامی مارکیٹ اور ہنر کو فروغ ملا، جس سے روحانیت اور معاشرتی ترقی دونوں میں اضافہ ہوا۔

بین المذاہب ہم آہنگی اور سماجی انضمام

خانقاہیں تمام مذاہب اور سماجی طبقات کے لیے کھلی تھیں، جس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم ہوئی۔ صوفیاء کرام ہندو، جین، بھکتی پیشوا، اور یوگیوں کے ساتھ روحانی مکالمہ کرتے اور آپس میں مشترکہ روحانی فضاء قائم کرتے۔ لنگر، تہوار، عرس اور مشورہ کمیونٹی کو متحد کرنے میں مددگار ثابت ہوتے۔ مثال کے طور پر گجرات میں واقع سید برہان الدین غریب کی خانقاہ جو ہندوؤں کو بھی خوش آمدید کہتی ہے اور آپس میں روحانی مکالمہ اور باہمی احترام کو فروغ بھی دیتی ہے۔

نفسیاتی اور جذباتی حمایت

جسمانی فلاح کے علاوہ، خانقاہیں ذہنی و قلبی سکون کے مراکز بھی تھیں۔ لوگ جو غم، خاندانی تنازعات، غربت یا سماجی مظالم کا سامنا کر رہے تھے، وہ صوفیاء کی رہنمائی حاصل کرنے آتے، جو روحانی مشورہ، دعائیں اور عملی رہنمائی فراہم کرتے تھے۔ اس جذباتی حمایت نے کمیونٹی کو امید، اندرونی طاقت اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت دی۔ صوفیاء کرام کے ہمدردانہ رویہ نے اکثر افراد کو مایوسی سے باہر نکال کر نئے اعتماد کے ساتھ معاشرے میں دوبارہ خوش حالی کے ساتھ جینے کا موقع فراہم کیا جس کی زندہ و جاوید مثال آج بھی گلبرگہ ویں واقع بندہ نواز گیسو دراز کی خانقاہ ہے۔

مقامی دستکاری اور معیشت کا فروغ

خانقاہیں غیر مستقیم طور پر مقامی معیشت کو بھی فروغ دیتی تھیں کیونکہ زائرین، طلبہ اور مہمانوں کی آمد سے ہنر مندوں، کاریگروں، بُنے والوں، خوش نویسوں، اور معماروں کی مانگ بڑھ جاتی۔ اور ساتھ ہی ساتھ خانقاہیں عمارتوں اور مزارات کے لیے کمیشن بھی دیتی، جس کی وجہ سے فنِ تعمیر میں جدت اور مقامی آرٹ کی ترقی ہوتی۔ اس کی جیتی جاگتی مثال گلبرگہ میں واقع گیسو داراز کی خانقاہ ہے، جہاں مقامی کاریگروں کو بُناوٹ، مخطوطات کی نقل اور تزئین میں ترغیب دی گئی، جبکہ مزارات کی تعمیر نے ہندو-اسلامی فن تعمیراتی انداز کو فروغ دیا۔ اسی طرح، خواجہ معین الدین چشتی کی خانقاہ، اجمیر میں، مقامی ہنر کی حمایت کرتی اور زیوراتی اشیاء یا موسیقی کی تقریبات کے ذریعے کاریگروں کی روزی بڑھاتی۔ جس کی وجہ سے ان کی عام اور سادہ زندگی میں اور بھی زیادہ خوشحالی آئی۔

تنازعہ حل اور سماجی انصاف

صوفیاء کرام کے زمانے میں خانقاہیں اکثر غیر جانبدار اور قابل احترام ثالثی مراکز کے طور پر کام کرتی تھیں، جہاں افراد، خاندانوں، کمیونٹی یا حکمرانوں کے درمیان تنازعات کو بغیر تعصب کے حل کیا جاتا تھا۔ صوفیاء کی اخلاقی اتھارٹی اور روحانی ربط انہیں معتبر ثالث بناتا۔ انصاف اور عدل کے فروغ سے خانقاہیں سماجی انتشار کو روکتی اور حکمرانی اور تجارتی کاروبار میں اخلاقی رویے کو مضبوط کرتی تھیں۔

زرعی اور دیہی ترقی

خانقاہوں کے ان تمام خدمات کے ساتھ ساتھ بہت سی خانقاہیں وقف کی زمینوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں، جو عام طور پر خیرات، لنگر اور تعلیمی سرگرمیوں کے کام آتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ مقامی کسانوں کو ملازمت فراہم کر کے، خانقاہیں دیہی ترقی کے مراکز بن جاتیں۔ صوفیاء کرام عوام اور کسانوں کو منصفانہ زراعت، مساوی تقسیم اور پائیدار زمین کے استعمال کے اصول سکھاتے، اور اپنے ہر کام میں عدل و انصاف کی ترغیب دیتے اور ساتھ ہے ساتھ شہروں اور دیہات کی زندگی کے درمیان تعلق بھی قائم کرتے جو اک سماج کو خود کفیل بننے میں اک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جس کی مقبول مثال گجرات میں واقع امام سرخج کی خانقاہ ہے جو اپنے ارد گرد کی زمینوں کو کمیونٹی کچن کو برقرار رکھنے اور مقامی کسانوں کو روزگار دینے کے لیے استعمال کرتی تھی۔ اسی طرح، اورنگ آباد اور بیدر کی بعض خانقاہیں آبپاشی اور زراعت میں مدد فراہم کرتی تھیں، جس سے روحانی مراکز دیہی زندگی کو بھی مستحکم کرتی تھی۔

حاصل یہ کہ دکن اور مغربی بھارت کی خانقاہیں جامع ادارے تھیں جو روحانیت، سماجی خدمت، تعلیم، ثقافت، معیشت، اور بین المذاہب ہم آہنگی کو آپس میں جوڑتی تھیں۔ انہوں نے روحانی رہنمائی، سماجی فلاح، علمی تربیت، اخلاقی قیادت، ثقافتی فروغ، اور اقتصادی مدد فراہم کی، اور ایک دیرپا میراث قائم کی۔ خانقاہیں صرف عبادت کے مراکز نہیں بلکہ زندہ ادارے تھیں، جنہوں نے کمیونٹی کی زندگی کو بدل دیا، اخلاقی اور ہم آہنگ معاشرہ قائم کیا جس کی روایات آج بھی زندہ و جاوید ہے اور ان کی خدمات کو کبھی بھی فراموش بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دکن اور مغربی ہند میں خانقاہوں اور صوفی روایتوں کو درپیش عصری مسائل

ہندوستان کی خانقاہیں اور صوفی روایتیں، بالخصوص دکن اور مغرب ہند کی خانقاہیں، صدیوں سے محبت، اخوت، خدمت اور روحانیت کی زندہ مثال رہی ہیں۔ ان اداروں نے ٹوٹے دلوں کو سہارا دیا، غربا و مساکین کو پناہ دی اور ہندو مسلم اتحاد و یکجہتی کو فروغ دیا۔ لیکن موجودہ دور میں یہ ادارے کئی ایسے عصری مسائل اور چیلنجز سے دوچار ہیں جو ان کی افادیت اور اثر انگیزی کو کمزور کر رہے ہیں۔

ان میں بعض مسائل اندرونی ہیں، جیسے کہ نسب کا غلط استعمال اور ناقص انتظام، جبکہ کچھ مسائل بیرونی ہیں، جیسے وہابی و سلفی تنقید اور سیاسی مخالفت۔ ان چیلنجز کے دفاع کے لیے ہمیں ان عظیم سنی علماء خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کی تحریر اور فتاوں سے رہنمائی لینی ہو گی،، جنہوں نے صوفیانہ اعمال پر ہونے والے اعتراضات کا مدلل علمی جواب دیا۔

صوفی نسب کا غلط استعمال

سب سے پہلا مسئلہ صوفی نسب کے غلط استعمال کا ہے۔ بہت سے لوگ بڑے مشائخ جیسے حضرت بندہ نواز گیسو دراز یا حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اپنے اس نسبت کو روحانی ذمہ داری کے بجائے دولت، شہرت اور اندھی عقیدت حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔

یوں ایک مقدس وراثت آہستہ آہستہ کاروبار بن جاتی ہے، جس سے عوام کا اعتماد مجروح ہوتا ہے جس کی وجہ سے عوام کا اولیاء اللہ سے اعتماد و اعتقاد بھی دھیرے دھیرے کم ہونے لگتا ہے اور اصل روحانی جانشینی گویا اندھے کنویں میں دھکیل دی جاتی ہے۔

چادر پیش کرنے کی رسم کا تجارتی رنگ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے چادر پیش کرنے کی حقیقت کو کچھ یوں بیان فرمایا کہ چادر چڑھانے سے مراد دراصل یہ ہے کہ لوگ یہ جان لے کہ اولیاء اللہ کا رتبہ ہم سے بلند ہے تو جب تک قبر پر چڑھی ایک چادر بوسیدہ نہ ہو جائے تب تک قبر پر دوسری چادر نہ چڑھائی جائے۔ خواہ چادر پیش کرنا دراصل محبت اور عقیدت کی ایک علامت تھی۔ لیکن آج یہ رسم اکثر فنڈ اکٹھا کرنے کا ذریعہ بن گئی ہے۔ لاکھوں روپے جمع ہوتے ہیں، مگر وہ اکثر نہ غریبوں کے لنگر پر خرچ ہوتے ہیں نہ تعلیمی کاموں پر، بلکہ بعض اوقات ذاتی جیبوں میں چلے جاتے ہیں۔ اس تجارتی روش نے اس مبارک رسم کی پاکیزگی کو نہ صرف مجروح کیا بلکہ خانقاہوں کی نیک نامی کو نقصان بھی پہنچایا۔

اوقاف کی بد انتظامی

خانقاہوں اور درگاہوں کی خدمت کے لیے ہمیشہ سے اوقاف کی زمینیں اور عطیات وقف کیے جاتے تھے تاکہ تعلیم، فلاح اور دینی خدمت جاری رہے۔ مگر آج کل اکثر اوقاف بد انتظامی اور کرپشن کا شکار ہیں۔ اس بد دیانتی سے نہ صرف ادارے کمزور ہوتے ہیں بلکہ عوام کا اعتماد بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی سب سے بہترین مثال ہندوستان کے اوقاف پر موجودہ حالات ہیں۔ حالانکہ اس معاملے میں ہندُوستان کی سیاست مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ سے زیادتی کرتی آئی ہے۔ مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ احتیاطاً اوقاف، خانقاہوں، درگاہوں، مزارات کے ساتھ ساتھ مساجد اور مدارس کے کاغذات سنبھال کر رکھیں، تاکہ آنے والے دنوں میں ہم مسلمانوں کے ساتھ مزید مظالم اور تشدد نہ ہوں۔

نااہل وراثتی قیادت

قدیم زمانے میں روحانی جانشینی سخت تربیت کے بعد ملتی تھی۔ مگر آج اکثر خانقاہوں میں قیادت وراثتی طور پر منتقل ہو جاتی ہے، چاہے اولاد میں صلاحیت ہو یا نہ ہو۔ اس نااہل قیادت کی وجہ سے خانقاہیں اپنا اصل مقصد کھو دیتی ہیں اور خانقاہ کی تقدس کے بجائے صرف اور صرف عمارتیں باقی رہ جاتی ہیں۔

سلفی اور وہابی تنقید

بیرونی دباؤ میں سب سے سخت چیلنج وہابی اور سلفی تحریکوں کی تنقید ہے۔ یہ لوگ زیارتِ قبور، مزار پر دعا، چادر پیش کرنے اور عرس

منانے کو بدعت یا شرک قرار دیتے ہوئے سنّیوں کو بدنام کرتے ہیں، اور یوں عوام کو صوفیت سے بد ظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
اسی لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نے ان اعتراضات کا علمی رد کیا اور بتایا کہ
زیارتِ قبور سنت ہے۔ اولیا کے وسیلے سے دعا کرنا جائز ہے۔ قبر یا مزار کے پاس ادب و احترام دکھانا عبادت نہیں بلکہ ادب ہے۔ یوں ان کے دلائل سے وہابی و سلفی اعتراضات کی بنیادیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔

مریدوں کی ناقص تربیت

قدیم خانقاہوں میں مریدین کی سخت روحانی تربیت ہوتی تھی۔ ذکر، ادب، خدمت اور اخلاق کا عملی مشاہدہ ہوتا تھا۔ مگر آج اکثر بیعت صرف ظاہری نسبت بن کر رہ گئی ہے۔ روحانی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے خانقاہیں حقیقی معنوں میں عارفین و صالحین تیار کرنے کے بجائے صرف ظاہری عقیدت مند اور عقیدت مندی پیدا کر رہی ہیں۔

کرامتوں پر حد سے زیادہ انحصار

ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ عوام خانقاہوں کو صرف کرامتوں اور دنیاوی فائدوں کے لیے دیکھنے لگے ہیں۔ حالانکہ اولیا کرامت کو کبھی بھی اپنا مقصد نہیں بلکہ اللہ کی عطا مانتے تھے۔ جب خانقاہیں محض مسائل حل کرنے کے مراکز بن جائیں اور وہاں ذکر و اخلاق کی تعلیم پیچھے رہ جائے تو ان کا اصل مشن ضائع ہو جاتا ہے۔

تعلیم و مطالعہ کی کمی

عرس اور اجتماعات میں لاکھوں کا ہجوم آتا ہے، مگر تعلیمی و علمی سرگرمیاں ماند پڑ گئی ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ حضرت نظام الدین اولیا یا حضرت زین الدین شیرازی کی خانقاہ، خواجہ معین الدین چشتی یا بیجاپور میں واقع عادل شاہ کے خانقاہی مراکز بڑے علمی مراکز تھے۔ آج اکثر خانقاہوں میں لائبریریاں خاموش ہیں۔ صرف صرف مزارات اور خانقاہوں کے رسومات باقی رہ گئیں اور تعلیم غائب ہو گئیں اور وہاں کی اصلی دینی و دنیوی تعلیمات غائب سی ہو گئی ہیں۔

سیاسی استحصال

سیاسی استحصال کی ایک بڑی شکل یہ ہے کہ سیاستدان خانقاہوں اور درگاہوں پر محض اپنی موجودگی درج کراتے ہیں تاکہ عوامی ہمدردی حاصل کریں۔ عرس کے موقع پر وہ چادر پیش کرتے ہیں، چندہ دینے یا سہولیات کا اعلان کرتے ہیں، مگر انتخابات کے بعد سب وعدے بھلا دیے جاتے ہیں۔ خانقاہوں کو ترقیاتی منصوبوں اور فنڈز سے محروم رکھا جاتا ہے، جس سے یہ ادارے کمزور ہوتے ہیں۔ اس عمل نے خانقاہوں کی غیر جانبدار روحانی حیثیت کو نقصان پہنچایا ہے۔ عوام بھی رفتہ رفتہ ان مراکز کو سیاسی اکھاڑا سمجھنے لگے ہیں۔ یوں یہ مقدس مقامات سماجی خدمت کے بجائے ووٹ بینک کی سیاست کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بین المذاہب ہم آہنگی کا نقصان

تاریخی طور پر خانقاہیں وہ جگہیں تھیں جہاں ہندو، مسلمان اور دوسرے مذاہب کے لوگ بلا تفریق آتے تھے۔ اور لنگر میں سب

ساتھ کھاتے اور دعائیں کرتے تھے۔ مگر آج سیاست کی بنیاد پر ہندوستان میں بڑھتی ہوئی فرقہ واریت نے خانقاہوں پر غیر مسلموں کی آمد کو کم کر دیا ہے۔ اس طرح خانقاہیں اپنے سب سے بڑے کارنامے یعنی بین المذاہب اتحاد کو دھیرے دھیرے اندر ہی اندر کھو رہی ہے۔

صوفی سلسلوں کے درمیان اختلافات

اگرچہ تصوف کی بنیاد وحدتِ ایمان اور محبتِ الٰہی پر ہے، لیکن مختلف سلاسلِ تصوف (چشتی، قادری، شطاری، نقشبندی وغیرہ) کے درمیان مقابلہ اور اختلافات کے بعض اوقات اس روح کو کمزور کر دیتے ہیں۔ مریدین، چندوں اور شہرت کے لیے مسابقت اور خانقاہوں میں فرقہ واریت پیدا کرتی ہے۔ بعض شہروں میں ایک خانقاہ کے ماننے والوں کو دوسری خانقاہ میں جانے سے روکا جاتا ہے، جو کہ تصوف کے اس پیغامِ وحدت کے برعکس ہے جس کی بنیاد محبت اور اخوت پر ہے۔ نتیجہ یہ کہ عوام میں بھی خانقاہوں اور مزارات کو لے کر الجھن اور بد اعتمادی پیدا ہو رہی ہے۔

کتب خانوں اور علمی مراکز کا زوال

تاریخی طور پر خانقاہیں علمی مراکز ہوا کرتی تھیں۔ یہاں قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر، تصوف، فارسی اور اردو ادب کے بے شمار مخطوطے محفوظ رہتے تھے۔ حضرت زین الدین شیرازی (دولت آباد) اور حضرت بندہ نواز (گلبرگہ) کی خانقاہیں کبھی بڑے علمی مراکز تھیں۔ مگر آج ان بیش قیمت مخطوطوں کی دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب وہ تمام مخطوطے دھیرے دھیرے ضائع ہو رہے ہیں۔ نہ تو مناسب تحفظ ہے، نہ ڈیجیٹلائزیشن۔ اور نتیجہ یہ کہ خانقاہوں کا علمی کردار ختم ہوتا جا رہا ہے۔

مالداروں کو غیر معمولی اہمیت

خانقاہوں کا اصل مقصد غریبوں اور پسماندہ طبقات کی خدمت تھا، لیکن اب کئی جگہ خانقاہوں اور مزاروں میں دولت مندوں کو خاص اہمیت اور فوقیت دی جا رہی۔ ان کو خصوصی رسائی، سہولتیں اور عزت ملتی ہے جبکہ غریبوں کو پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ رجحان تصوف کی اس برابری اور مساوات کی روح کے خلاف ہے جس میں امیر و غریب سب ایک تھے

موسیقی اور قوالی پر تنقید

وہابی اور سلفی علما قوالی اور سماع کو بدعت اور غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ موسیقی حرام ہے اور اس لیے قوالی کی محفلیں دین سے انحراف ہیں۔ جب کہ انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ قوالی میں صرف ڈھول اور طبلے جیسی چیزیں حرام ہیں۔ اگر اس کی جگہ دف بجا کر قوالی پڑھی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ مدینہ کے انصاریوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال ہجرت کے بعد مدینہ میں اسی طرح کیا تھا۔ اور اسی طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے سنّی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر قوالی شریعت کی حدود میں ہو، اس کے اشعار جائز ہوں، نیت روحانی ہو اور آداب کا خیال رکھا جائے، تو یہ جائز اور باعثِ فیض ہے۔ صدیوں سے قوالی لوگوں کے دل نرم کرنے اور اللہ کی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ رہی ہے اور اس سلسلے کو شریعت کی حدود میں یوں

ہی جاری بھی رکھا جائے۔

عرس کی تقریبات کا غلط استعمال

عرس دراصل وہ دن ہے جب ایک ولی اللہ اپنے رب سے وصال کرتا ہے۔ یہ دن یادِ الٰہی اور روحانی فیض کا دن ہے۔ مگر آج اکثر عرس ایک میلے میں بدل گئے ہیں جہاں دینی یاد سے زیادہ تجارتی سرگرمیاں، دکانیں اور تماشے ہوتے ہیں۔ اس تجارتی رنگ نے عرس کی روحانی اہمیت کو کمزور کر دیا ہے۔

نگرانی اور حکومتی کنٹرول

آج کل بڑی مذہبی تقریبات میں حکومت کی جانب سے سخت نگرانی کی جاتی ہے۔ اجازت نامے، سیکورٹی چیک اور بیوروکریٹک رکاوٹیں اس ماحول کو روحانی سکون سے زیادہ خوفزدہ کر دیتی ہیں۔ اگرچہ تحفظ ضروری ہے، مگر یہ سخت کنٹرول خانقاہوں کے کھلے اور دوستانہ ماحول کو محدود کر دیتا ہے۔

ڈیجیٹل دنیا سے دوری

ڈیجیٹل دور میں بھی اکثر خانقاہیں آن لائن موجود نہیں۔ نہ ویب سائٹس ہیں، نہ یوٹیوب چینلز، نہ تصوف یا علومِ قرآن کی آن لائن کلاسیں۔ نوجوان نسل زیادہ تر آن لائن رہتی ہے، لیکن خانقاہوں کی یہ غفلت انہیں دور کر رہی ہے۔ اگر خانقاہوں کی مینجنگ کمیٹی اسے تجارتی رویش سے الگ کر کے آن لائن کلاسز شروع کریں۔ ڈیجیٹل سرگرمیاں مہیا کرائیں، مخطوطے شائع کریں، خطبات نشر کریں، تو وہ عالمی سطح پر خانقاہوں کے اصلی پیغام کو پھیلا سکتے ہیں۔

عوامی اعتماد میں کمی

مالی بدانتظامی، چندے کا غلط استعمال اور رسومات کی تجارت نے عوامی اعتماد کو مجروح کیا ہے۔ جو جگہیں کبھی سراسر فیض کا ذریعہ سمجھی جاتی تھیں، آج ان پر سوال اٹھائے جا رہے ہیں۔ اگر شفافیت اور اصلاح نہ کی گئی تو عوام کا اعتماد مزید کم ہو جائے گا۔ اور یوں خانقاہ دھیرے دھیرے ایک کھنڈر میں تبدیل ہو جائے گی۔

گلوبلائزیشن اور ثقافتی کمزوری

عالمی کلچر، صارفیت اور مغربی طرزِ زندگی نے نوجوانوں کو خانقاہوں سے دور کر دیا ہے۔ آج کی نسل کو موسیقی، پاپ کلچر اور فیشن زیادہ پرکشش لگتے ہیں بنسبت ذکر و مراقبہ یا قوالی کی محفلوں کے۔ سادگی، عاجزی اور روحانیت کی اقدار آہستہ آہستہ پیچھے جا رہی ہیں۔ اگر خانقاہیں اس نئے دور میں تخلیقی طریقے سے نوجوانوں سے رابطہ نہ رکھیں تو وہ آنے والے دنوں میں ایک غیر متعلقہ خانقاہ بن کر رہ جائے گی۔

بلڈوزر پالیسی اور خانقاہوں کا انہدام

بلڈوزر پالیسی اور مسلم اداروں کے انہدام کا مسئلہ ہندوستانی معاشرے میں ایک نہایت تشویش ناک حقیقت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

"غیر قانونی تعمیرات "اور" تجاوزات "کے نام پر حالیہ برسوں میں کئی مساجد، مدارس، مزارات اور خانقاہیں بلڈوزروں کی زد میں آئی ہیں۔ یہ عمل صرف عمارتوں کے گرنے تک محدود نہیں بلکہ صدیوں پرانے روحانی مراکز اور ہندو مسلم مشترکہ ورثے کو مٹانے کا بھی خطرہ پیدا کرتا ہے۔ ماضی میں بھی ایسے واقعات دیکھے گئے ہیں، جیسا کہ برطانوی دور میں احمد آباد میں حضرت شیخ وجیہہ الدین علوی کے مزار کے اطراف تعمیرات کو توڑا گیا اور ممبئی میں حضرت مخدوم علی ماہمی کے مزار کے اطراف تجاوزات کے نام پر عمارتیں گرادی گئیں۔

موجودہ دور میں یہ رجحان مزید شدت اختیار کر گیا ہے۔ اتر پردیش کے رام پور میں جامع مسجد اور اطرافی مکانات کو توڑ دیا گیا، جبکہ سنبھل میں حضرت شاہ ولایت کی درگاہ کو بلڈوزر سے بچانے کے لیے پیچھے منتقل کیا گیا۔ اتراکھنڈ کے ہلدوانی میں حضرت پیر شاہ غازی کے مزار کو اچانک بلڈوز کیا گیا جس پر عوامی احتجاج میں چار افراد جاں بحق ہوئے۔ اسی طرح الہ آباد کی تاریخی شاہی مسجد کو سڑک چوڑی کرنے کے نام پر گرایا گیا۔ یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ بلڈوزر ایکشن محض انتظامی کارروائی نہیں بلکہ امن و ہم آہنگی کے لیے بھی بڑا خطرہ بن چکا ہے۔

راجستھان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ، اجمر شریف، کے اطراف تجاوزات ہٹانے کے نام پر بارہا کارروائیاں ہوئیں، جن سے مقامی زائرین اور دکاندار متاثر ہوئے۔ مستقبل میں خطرہ اس بات کا ہے کہ متھورا کی شاہی عید گاہ مسجد، کاشی کی گیان واپی مسجد اور دہلی کی قطب شاہی مسجد جیسے اہم مذہبی مقامات بھی سیاسی دباؤ اور تنازعات کے نتیجے میں بلڈوزر پالیسی کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ اس سے نہ صرف مسلمانوں کا مذہبی و روحانی ورثہ مٹنے کا خدشہ ہے بلکہ وہ مشترکہ تہذیبی سرمایہ بھی ضائع ہو جائے گا جو صدیوں سے ہندو مسلم اتحاد کی علامت رہا ہے۔

اعداد و شمار کے مطابق صرف اتر پردیش میں تین برسوں کے دوران تقریباً 150 مساجد و مدارس پر بلڈوزر کارروائیاں کی گئیں، جبکہ مدھیہ پردیش، گجرات اور مہاراشٹر میں بھی کئی خانقاہوں اور مزارات کو خطرات لاحق ہیں۔ گجرات میں حضرت پیر محمد شاہ کے مزار کے اطراف اور مہاراشٹر میں چھوٹی درگاہوں کو تجاوزات کے نام پر توڑا گیا۔ یہ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ بلڈوزر پالیسی وقتی نہیں بلکہ ایک مستقل سیاسی ہتھیار بنتی جا رہی ہے جس نے مسلمانوں کے مذہبی اور ثقافتی ورثے کے تحفظ کو سب سے بڑا چیلنج بنا دیا ہے۔

خانقاہوں اور صوفی مزارات کے موجودہ چیلنجز کا مؤثر ردعمل اور حل و تدابیر

خانقاہیں اور صوفی مزارات صدیوں سے روحانیت، سماجی خدمت، تعلیم، اور بین المذہبی ہم آہنگی کے مراکز رہے ہیں۔ موجودہ دور کے چیلنجز، جیسے میراث اور روحانی قیادت کی غلط تقسیم، مالی بدانتظامی، فرقہ وارانہ کشمکش، شہری ترقی، اور سیاسی دباؤ، ان اداروں کی اصل اہمیت کو متاثر کر رہے ہیں۔ ان مسائل کے حل کے لیے ضروری ہے کہ سجادہ نشین اور خاندانی وارثت کو صرف میراث کی بنیاد پر نہیں بلکہ روحانی تربیت، علم، اور اخلاقی کردار کی بنیاد پر منتخب کیا جائے۔ ساتھ ہی، چادر کی آفرنگز اور دیگر عطیات کا شفاف حساب کتاب برقرار رکھا جائے اور رقم کو صرف سماجی خدمات، لنگر، تعلیم اور مزارات کی مرمت میں استعمال کیا جائے تا کہ عوام کا

اعتماد بحال ہو۔

خانقاہیں دوبارہ علمی اور تعلیمی مراکز کے طور پر فعال ہونی چاہئیں، جہاں قرآن و حدیث، فقہ، فارسی اور مقامی زبانوں کی تعلیم کے ساتھ صوفی اخلاقی تربیت بھی دی جائے۔ ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کے ذریعے نوجوانوں اور عالمی شائقین تک رسائی ممکن بنائی جاسکتی ہے، جس سے خانقاہیں عصر حاضر کے تقاضوں سے جڑی رہیں۔ خواتین اور نوجوانوں کی شمولیت کو فروغ دینا بھی لازمی ہے تاکہ خانقاہیں ہر طبقے کے لیے کھلی رہیں اور سماجی ہم آہنگی برقرار رہے۔ بین المذہبی احترام کو یقینی بنانے کے لیے مشترکہ اجتماعات، لنگر اور ثقافتی تقریبات منعقد کی جائیں تاکہ مسلمانوں اور غیر مسلم کمیونٹیز کے درمیان اتحاد مضبوط ہو۔

شہری ترقی اور بلڈوزر پالیٹکس کے خطرات سے بچاؤ کے لیے خانقاہوں اور مزارات کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائے اور انہیں تاریخی اور ثقافتی ورثے کے طور پر محفوظ زون میں شامل کیا جائے۔ مقامی کمیونٹی کو قانونی آگاہی اور سماجی اتحاد کے ذریعے ان خطرات سے محفوظ رکھا جائے تاکہ مزارات کی قدیم تاریخی اہمیت برقرار رہے۔ ساتھ ہی خانقاہیں تنازعات کے حل، مالی و سماجی مساوات، اور اخلاقی تربیت میں فعال کردار ادا کریں اور دیہی و شہری کمیونٹی پروجیکٹس کے ذریعے سماجی ترقی میں حصہ ڈالیں۔

آخر میں، خانقاہیں عصر حاضر کے مطابق روحانی تعلیم اور خدمات فراہم کریں، مگر اپنی روایتی روحانیت کو قربان نہ کریں۔ ماحولیات، تعلیم، غربت، اور سماجی فلاح کے مسائل میں خانقاہیں فعال کردار ادا کر کے نہ صرف اپنی تاریخی وراثت اور ثقافتی کردار کو محفوظ رکھ سکتی ہیں بلکہ انہیں دوبارہ روحانی، سماجی اور بین المذہبی مراکز کے طور پر مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔ شفاف انتظام، علمی بحالی، خواتین و نوجوانوں کی شمولیت، بین المذہبی ہم آہنگی، فنون کی حفاظت، جدید ٹیکنالوجی کا استعمال، سیاسی آزادی اور بلڈوزر پالیٹکس سے تحفظ — یہ تمام اقدامات خانقاہوں کو دوبارہ ان کے اصل مقام پر لے آئیں گے اور انہیں مستقبل کی نسلوں کے لیے زندہ وفعال رکھیں گے۔

اختتامیہ

ہندوستان کی خانقاہوں، مزارات، مساجد اور مدارس کی تاریخ، بالخصوص دکن اور مغربی ہند میں، ایک طویل اور روشن روایت کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ محض عبادت گاہیں نہ تھیں بلکہ رہنمائی، مہمان نوازی، تعلیم اور بین المذاہب ہم آہنگی کے ایسے مراکز تھے جنہوں نے صدیوں تک معاشرے کو سنوارا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت بندہ نواز گیسو دراز گلبرگہ، حضرت زار زری زر بخش اور دیگر صوفیائے کرام نے اپنے اخلاص، محبت اور خدمت کے ذریعے نسلوں کو روشنی بخشی۔ ان خانقاہوں نے بھوکوں کو کھانا دیا، مریضوں کے دلوں کو تسلی دی، علم کے پیاسوں کو سیراب کیا اور ناامیدوں کو امید بخشی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندو، سکھ اور دیگر مذاہب کے ماننے والے بھی اِن خانقاہوں سے فیض یاب ہوتے رہے۔

مگر موجودہ دور میں یہ ادارے سخت مشکلات سے دوچار ہیں۔ اندرونی طور پر بدعنوانی، تجارت پسندی، نسلی قیادت کا غلط استعمال اور کتب خانوں و علمی ورثے کی زبوں حالی نے ان کی بنیادوں کو کمزور کیا ہے۔ بیرونی سطح پر اصلاحی تنقیدیں زیارت، عرس اور قوالی جیسی روایتوں کو نشانہ بنا رہی ہیں، جبکہ سیاستدان خانقاہوں کو ووٹ بینک کی سیاست کا حصہ بنا کر ان کی غیر جانبداری کو مجروح کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ " بلڈوزر پالیسی " کے نام پر قدیم مساجد اور مزارات کے انہدام نے ان کے وجود کو براہِ راست خطرے میں ڈال دیا ہے۔ یہ خطرات محض عمارتوں تک محدود نہیں بلکہ ہمارے صدیوں پرانے روحانی حافظے اور تہذیبی تشخص کو مٹانے کی کوشش ہیں۔

مستقبل کی راہ صرف تجدید، اصلاح اور استقامت میں مضمر ہے۔ انتظامی شفافیت قائم کرنا، علمی و روحانی تعلیم کو دوبارہ زندہ کرنا، نوجوان نسل تک ڈیجیٹل ذرائع سے رسائی پیدا کرنا اور سچی روحانیت کو اجاگر کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی جیسے عظیم علما کی ہدایات کو رہنما بنا کر اہلِ سنت کو اپنے دینی ورثے کا دفاع کرنا ہوگا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ صوفیہ کا وہی بین المذاہب ہم آہنگی کا جذبہ زندہ رکھا جائے جو خانقاہوں کی اصل روح ہے۔ یہی اخلاص، اتحاد اور حکمت ہمیں اس روحانی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کی طاقت عطا کرے گا۔

اللہ رب العزت ہماری خانقاہوں، درگاہوں، مدارس اور مساجد کی حفاظت فرمائے۔ ہمیں اخلاص و بصیرت عطا کرے تاکہ ہم اس ورثے کو زندہ رکھ سکیں اور محبت، خدمت اور ذکرِ الٰہی کی روشنی کو دنیا میں عام کر سکیں۔ آمین۔

*****

مصادر و مراجع

1۔ تاریخِ اسلام، معین الدین ندوی، جلد اول

2۔ تصوف اور بھکتی کی اہم اصطلاحات، شمیم طارق

3۔ مستشرقین کے مطالعہ "دکن میں اشاعتِ اسلام" کا جائزہ، *ماہنامہ الشریعہ*

4۔ تذکرہ اولیاءِ دکن دو جلد، عبد الجبار ملک پوری حیدرآباد 1912 جلد اول ص 337

5۔ سخاوت مرزا، سید شاہ کمال الدین رسالہ اردو اپریل 1939 بحوالہ ایٹن 1993

6۔ ایضاً صفحہ ص 193، Essay on Islam and India

7۔ ایضاً صفحہ ص 193، Essay on Islam and India

8۔ صفحہ 194 کتاب: Essays on Islam and Indian History

9] Richard M. Eaton, *Sufis of Bijapur, 1300–1700: Social Roles of Sufis in Medieval India* (Princeton University Press, 1978).

10] Carl W. Ernst, *Eternal Garden: Mysticism, History, and Politics at a South Asian Sufi Center* (SUNY Press, 1992).

11] K.A. Nizami, *The Life and Times of Shaikh Nizamuddin Auliya* (Idarah-i Adabiyat-i Delli, 1961).

12] S.A.A. Rizvi, *A History of Sufism in India, Vol. I–II* (Munshiram Manoharlal, 1978–1983).

رزاقی خانقاہ کے تاریخی مشاعرے

سردار سلیم*

حیدرآباد میں مشاعروں کا آغاز قطب شاہی عہد میں ہوا۔ سچ پوچھئے تو جنوبی ہند کے اس زرخیز خطۂ زمین کی ادبی حیثیت ساری دنیا میں سب سے جداگانہ ہے۔ آصف جاہی دور میں یہاں اردو سرکاری زبان کا درجہ حاصل کر چکی تھی، اس سے پہلے دکنی زبانی کا بول بالا تھا۔ روز اول سے ہی حیدرآباد علم و ادب کی آماجگاہ رہا ہے۔ فارسی، اردو اور دکنی زبان کی سوندھی خوشبو سے حیدرآباد کی ادبی فضا ہمیشہ معمور رہی۔

درحقیقت یہ صدیوں کا سفر ہے، بالخصوص بانئ شہر قلیؔ قطب شاہ سے لے کر آصف جاہ سابع سلطان العلوم نواب میر عثمان علی خان بہادر تک حیدرآباد شعر و ادب کا بہت بڑا مرکز رہا اور آج بھی ہے۔

حیدرآباد میں مشاعروں کی شاندار روایت کا سہرا یہاں کے بادشاہوں، امراء، وزراء عمائدین سلطنت اور عوام الناس کے سر جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ عوام و خواص سبھی نے ادبی روایات کو استحکام بخشنے میں اپنا اپنا کردار خوبی سے نبھایا اور حیدرآباد کو ادب کا ایک مضبوط اور باوقار مرکز میں تبدیل کر دیا۔

ملا وجہیؔ، غواصیؔ جیسے نابغہ شاعروں کے بشمول دبستان دہلی کے سب سے بڑے استاد شاعر داغؔ دہلوی، ان کے دادا استاد حضرت شاہ نصیرؔ دہلوی، جگت گرو حضرت شمس الدین فیضؔ، راجا گردھاری پرشاد باقیؔ، مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کے بشمول سینکڑوں نام لیے جاسکتے ہیں جنہوں نے حیدرآباد کی ادبی محفلوں کو چار چاند لگائے۔

ابتدائی دور کے اہم شعراء میں ابراھیم قطب شاہ، قلیؔ قطب شاہ، خاتون شاعرات میں مہہ لقا بائی چنداؔ، تہنیت النساء بیگم، مغلیہ دور اور آصف جاہی دور کے شعراء میں بھی بہت سے اہم نام شامل ہیں۔ البتہ مغلیہ دور کی کوئی تفصیل موجود نہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اردو ادب کا ارتقا خانقاہوں کے ذریعے ہوا۔ اور صوفیائے کرام نے نثر و نظم کے ذریعے اردو زبان کے خدوخال نکھارے، اس کے بعد شاہی سرپرستی میں شعر و ادب کا ارتقا ہوا۔

آصف جاہی دور میں داغؔ۔کے علاوہ امیرؔ مینائی، فانی بدایونی، فصاحت جنگ جلیلؔ اور ایسے ان گنت اساتذہ سخن حیدرآباد کی شہرت سُن کر یہاں آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے، ان اساتذہ کے آجانے سے جیسے حیدرآباد کی ادبی دنیا میں بہار آگئی۔ دکن کی سرزمیں پر پیدا ہونے والے بڑے شعراء میں فیضؔ، امجدؔ، صفیؔ، اوجؔ، وجدؔ، مخدومؔ، جامیؔ، شاذؔ اور بے شمار شعراء موجود ہیں جن پر حیدرآباد کی ادبی تاریخ فخر کرتی ہے۔

---

* حیدرآباد

خورشید احمد جامیؔ کو مشاعروں سے کچھ خاص رغبت نہیں تھی حالانکہ وہ دکن میں جدیدیت کے امام کہلائے۔ ایک انہیں چھوڑ کر باقی شعراء مشاعروں کی جان سمجھے جاتے تھے۔ حیدرآباد دکن کی سرزمین پر جہاں ایک طرف غزلیہ مشاعروں کی دھوم تھی وہیں دوسری طرف صوفیائے کرم کے آستانوں پر تقدیسی شاعری کا علم لہراتا تھا۔ یہاں جامعہ نظامیہ جیسی عظیم اسلامی یونیورسٹی کے وجود سے بھی علم و ادب کا بول بالا ہوا۔ مؤرخ جامعہ نظامیہ مولانا شاہ محمد فصیح الدین نظامی صاحب نے تحقیقی دقیق سے شعرائے جامعہ نظامیہ کی فہرست مرتب کی ہے جن میں بانئ جامعہ شیخ الاسلام حضرت محمد انوار اللہ فاروقی کے علاوہ حضرت شاہ خاموشؔ، مولانا مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ، مولانا مفتی سید شاہ مخدوم حسینی، مولانا محمد مظفر الدین معلیؔ، حضرت مفتی میر اشرف علی اشرف، حضرت ابوالشفا بہبود علی صفیؔ (صفی اورنگ آبادی) حضرت سید احمد حسن امجدؔ حیدرآبادی، حضرت سید عبدالرزاق قادری فقیرؔ۔ حضرت سید شاہ طاہر قادری عطاؔ لااُبالی، سید یحیٰی عالم قادری الموسوی سرداؔر، اغا محمد حسن محوؔ، آغا داود صحوؔ، حضرت شیخ عبدالقادر قیصرؔ، حضرت سید محمد بادشاہ حسینی لئیقؔ، حضرت صوفی انور علی انور (عمر کوٹی) انورؔ، حضرت سید شاہ سیف شرفی سیفؔ، حضرت سید اعظم علی صوفیؔ، حضرت اعظم علی شایقؔ، حضرت عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ، حضرت صوفی سجاد علی اصفیؔ، حضرت سید مظہرؔ علی مظہر، حضرت الطاف حسین جعفری الطافؔ، حضرت غلام علی حاویؔ، حضرت سید عثمان علی حسینی ذکیؔ، حضرت محمد فخر الدین رازی، حضرت محمد اسماعیل شریف ازلؔ، حضرت سید علیم احمد مدنی علیمؔ، حضرت قاضی حامد علی تنویرؔ ڈاکٹر اسد انصاری اسدؔ، جناب احمد بیتابؔ، جناب عبدالحمید خان خیالیؔ، جناب محمد حسین خلیقؔ، جناب تراب علی جمیلؔ، حضرت روحیؔ قادری، غلام قادر صدیقی سالکؔ، سید یحیٰی حسینی قدرؔ عریضی، صابرؔ زیر کی اور بہت سارے نام شامل ہیں۔

اس کے علاوہ خانقاہوں سے جڑے ہوئے اور بھی لاتعداد نام ہیں۔ حیدرآباد کے خانقاہی مشاعروں میں حضرت شمس الدین فیضؔ کے مشاعروں کی اپنی شاندار تاریخ ہے۔ ایسے ہی حیدرآباد کی کئی مشہور خانقاہوں میں طرحی و غیر طرحی مشاعروں کے انعقاد کا سلسلہ برسہابرس سے چلا آرہا ہے یہاں اپنے وقت کے مشہور شعرائے کرام شرکت کرکے اپنا کلام سنانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ایسی ہی ایک خانقاہ "درگاہ حضرت وتد دکن سید شاہ عبداللہ شاہ قادری لااُبالی الجیلانی المعروف حضرت پتھر والے صاحب" کے نام سے جانی جاتی ہے جس کا ایک نام "رزاقی خانقاہ" بھی ہے جو فخر الاولیاء حضرت سید شاہ عبدالرزاق قادرری لااُبالی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے موسوم ہے۔ حیدرآباد کے قدیم علاقے مستعد پورہ کاروان میں واقع اس قدیم درگاہ میں لگ بھگ ڈیڑھ سو سال قبل مشاعروں کا آغاز ہوا۔ حضرت سید عبدالرزاق قادری رحمۃ اللہ علیہ فقیرؔ تخلص فرماتے تھے، آپ کو فاخر فقیرؔ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، آپ سید الابدال حضرت سید شاہ عبداللطیف لاابالی (کرنول) کی اولاد امجاد سے ہیں اور حیدرآباد کے صوفی شعراء میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں، آپ کے بعض شعری فن پارے آج بھی لوگوں کے نوک زبان ہیں، قصیدہ پڑھنے والے، قوال حضرات اور خوش گلو ثناخواں حضرات اکثر مذہبی محافل میں آپ کا کلام پڑھ کر سننے والوں کو مسحور کر دیتے ہیں، میں نے خود بھی سنا اور پڑھا ہے حضرت فقیرؔ کے کلام میں ایک روحانی جاذبیت ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے، آپ نہ صرف شاعر تھے بلکہ شاعر نواز بھی تھے، خانقاہ میں مشاعروں کی داغ

بیل ڈالنے کا سہرا آپ کے پیر و مرشد و تایا محترم و تد دکن سید عبد اللہ شاہ قادری لا اُبالی قدس اللہ سرہٗ (پتھر والے صاحب دوم) کے سر جاتا ہے۔

رزاقی خانقاہ یعنی بار گاہ حضرت پتھر والے صاحب کا پہلا مشاعرہ 12/ جمادی الثانی 1288 ہجری مطابق 15/ اگسٹ 1872ء کو منعقد ہوا تھا۔2

یہ مشاعرہ حضرت و تد دکن قبلہ نے اپنے دادا حضرت مجذوب المجاذیب سید شاہ محی الدین پاشاہ قادری لا ابالی الجیلانی قدس سرہ المعروف حضرت پتھر والے صاحب (اول) کے پہلے سالانہ عرس شریف کے موقع پر منعقد کیا تھا۔ یہاں اس بات کی وضاحت کر دوں تو بے جا نہ ہو گا کہ حضرت مجذوب المجاذیب ادونی سے حیدرآباد ہجرت فرمانے کے بعد علاقہ کاروان میں لب سڑک قطب شاہی مسجد (مسجد کا تاریخی نام "خانہ قادر" 961ھ ہے) کے زیریں حجرے میں قیام فرمایا۔ اسی حجرہ سے متصل پہاڑ کی چٹان پر آپ پندرہ دن جذب کی حالت میں بالکل ساکت بیٹھے رہتے اور پندرہ دل سلوک کی حالت میں عام انسانوں کی طرح رہتے آپ کی عمر شریف 110 سال ہوئی اور ساری حیات یہی معمول رہا اسی لیے عوام الناس کی جانب سے "پتھر والے صاحب" نام سے مشہور ہوئے۔3

فارسی اور اردو کے مصاریع طرح پر مشتمل یہ ایک نعتیہ و منقبتی کل ہند مشاعرہ تھا جس میں مقامی اور بیرونی شعراء نے حصہ لیا تھا، وہ دن ہے اور آج کا دن اس خانقاہ میں بلاناغہ ہر سال پابندی کے ساتھ کل ہند طرحی نعتیہ و منقبتی مشاعرہ منعقد ہوتا ہے جس میں طرح کے اکثر دو یا تین مصرعے جاری کیے جاتے کبھی کبھی ایک ہی مصرع پر بھی مشاعرہ ہوا۔ دو تین طرحی مصرعوں میں ایک اردو نعت کا مصرع، ایک فارسی نعت کا مصرع اور ایک منقبت کا مصرع دیا جاتا بسا اوقات فارسی یا اردو میں غزل کا مصرع بھی دیا گیا۔ دستیاب مواد میں رزاقی خانقاہ کے پہلے مشاعرے کی تاریخ 1288 لکھی ہے اور کہیں 1289 لکھی ہے، تاہم اس کے بعد کے مشاعروں کی تاریخ 90، 91، 92 اس طرح لکھی ہے، لہذا گمان اغلب ہے کہ یہ تاریخ 1289 ہی ہو گی۔

جملہ 38 مشاعروں تک کی تواریخ اسی طرح دستیاب ہوئی ہیں، اس کے بعد 39 مشاعرے سے مکمل تفصیلات دستیاب ہوئی ہیں۔

اس مشاعرے کی صدارت حضرت و تد دکن سید عبد اللہ شاہ قادری لا اُبالی فرماتے تھے آپ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین حضرت سید عبد الرزاق قادری فقیرؔ رحمتہ اللہ علیہ فرمانے لگے۔ یہ سلسلہ 45 سال تک چلا۔ 39 واں مشاعرہ 12/ جمادی الاولی 1327 ہجری مطابق 2/ جون 1909ء بروز چہار شنبہ منعقد ہوا۔ جس کی طرح اول یہ ہے کہ "عبد اللہ شاہ خضر صفت بحر و بریں ہیں" (قافیہ بحر و بر) یہ منقبت کا مصرع ہے جو اردو میں ہے۔

طرح دوم بھی اردو میں ہے یہ غزل کا مصرع ہے "داغ بن بن کے لہو دامن قاتل میں رہا" (قافیہ قاتل) طرح سوم فارسی ہے۔ اور یہ نعتیہ مصرع ہے۔ "جز از حضرت او جز عطائی باشد" (قافیہ، عطا)4

اسی طرح جب تک آپ حیات رہے طرحی مشاعروں کا یہ سلسلہ اسی نہج پر قائم رہا اور آپ نے ایسی مضبوط بناء ڈالی کہ ڈیڑھ سو سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی مشاعروں کا تسلسل اسی نہج پر قائم و دائم ہے۔

چند طرحی مصرعوں کی مختصر تفصیل اور سنین ملاحظہ کیجئے۔

40واں مشاعرہ 21/ جمادی الاولی 1328ھ م 31/ مئی 1915ء سہ شنبہ

فارسی نعتیہ طرح محمد خاتم پیغبر انست

اردو منقبتی طرح۔ عرس ہے یہ شاہ عبد اللہ کا

اردو غزل کی طرح۔ تصویر ہے سینے میں کلیجہ نہیں رکھتے

صدارت حضرت فخر اولیاء سید عبد لرزاق قادری لا اُبالی فقیرؔ 5

41واں مشاعرہ 26/ جمادی الاولیٰ 1329ھ م 26/ مئی 1911ء بروز جمعہ

فارسی غزل کی طرح۔ رنگ پریدۂ رخ من شد گواہ من

اردو منقبتی طرح۔ میری آنکھوں میں نظر میں شاہ عبد اللہ ہیں

اردو غزل کی طرح۔ برنگ شمع جلے جب تک انجمن میں رہے

صدارت حضرت سید عبد لرزاق قادری لا اُبالی فقیرؔ 6

42واں مشاعرہ 12/ جمادی الاولیٰ 1330ھ م یکم/ مئی 1912ء بروز چہار شنبہ

اردو نعتیہ طرح۔ راستہ کوئی مدینے کا دکھانے ہم کو

اردو منقبتی طرح۔ وارث غوث الوریٰ ہیں شاہ عبد اللہ پیر

اردو غزل کی طرح۔ بند گی خوب ہوئی آج مرے نالوں کی

صدارت حضرت سید عبد الرزاق قادری لا اُبالی فقیرؔ 7

45واں مشاعرہ 12/ جمادی الاولی 1333ھ م 29/ مارچ 1915ء بروز دوشنبہ

فارسی منقبتی طرح۔ واقف اسرار پنہاں سید عبد اللہ شاہ

اردو منقبتی طرح۔ واقف اسرار پنہاں سید عبد اللہ شاہ

نوٹ: ایک ہی طرح پر دونوں زبانوں میں کلام لکھنے کی سہولت دی گئی۔

صدارت: حضرت سید عبد الرزاق قادری لا اُبالی الجیلانی 8

47واں مشاعرہ 2/ جمادی الثانی 1335ھ م 26/ مارچ 1917ء بروز دوشنبہ

فارسی نعتیہ طرح۔ من شیفتہ ام حسرت دیدار تو دارم

اردو منقبتی طرح۔ شاہ عبد اللہ ولی خلق میں یکتا دیکھے

صدارت۔ ابو الحیاء حضرت سید شاہ طاہر قادری عطاؔ لا اُبالی الجیلانی 9

48واں مشاعرہ 2/ جمادی الثانی 1336ھ م 15/ فبروری 1918ء بروز جمعہ

فارسی غزل کی طرح۔ بیابیا کہ خیال تو ہمنشیں دارم

اردو منقبتی طرح۔ مزار شاہ عبداللہ پر رحمت خدا کی ہے

اردو غزل کی طرح۔ ترا کوچہ ہے ظالم یا زیارت گاہ عالم ہے

صدارت حضرت سید شاہ عبدالرزاق لا اُبالی الجیلانی

حضرت سید عبدالرزاق قادری فقیرؔ کے ساتھ ساتھ آپ کے برادر خورد ابوالحیاء حضرت سید شاہ طاہر قادری عطاؔ لا اُبالی الجیلانی نے بھی کچھ مشاعروں کی صدارت کی اور گلدستے طبع کیے۔

حضرت عطاؔ کی سرکردگی اور صدارت میں منعقد ہونے والا مشاعرہ اس خانقاہ کا چھیالیسواں 46واں مشاعرہ تھا جو 24/ جمادی الاول 1334 ہجری مطابق 29/ مارچ 1916 عیسوی بروز چہار شنبہ انعقاد پذیر ہوا۔ اس مشاعرے کے لیے دیے جانے والے طرحی مصرعوں میں طرح اول اردو نعت / غزل کے لیے کچھ اس طرح تھی

"خوش ہو رہے ہیں دولت دیدار پا کے ہم" (قافیہ ' پا)

طرح دوم، اردو، غزل جیسے مقبول دعاؤں کو ہو تاثیر سے ربط، (قافیہ تاثیر)

طرح سوم اردو منقبتی "عبداللہ شاہ درد نہاں کی دوا ہو تم" (قافیہ، دوا)

طرح چہارم۔ فارسی نعت / غزل "تو انی ہست خلاق جہاں محو جمال تو" (قافیہ جمال) 11؎

اس مشاعرہ کے مہمان خصوصی حضرت ابوالشفا بہبود علی صفی اورنگ آبادی تھے۔

حضرت عطاؔ نے اس طرح چار مصرعے جاری کیے۔ اندازہ کیجئے کہ اس دور کے شعراء میں اور سامعین میں مشاعروں کی کیسی لگن تھی۔ ایک ساتھ چار چار طرحی مصرعوں پر مشاعرہ منعقد کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ مگر خدا لگتی بات تو یہ ہے کہ موجودہ سجادہ نشین کی ڈاکٹر سید عبدالمھیمن قادری لا اُبالی سجادؔ پاشاہ کی صدارت و نگرانی میں آج بھی یہ للک قائم ہے اور رزاقی خانقاہ کے سامعین شام سے لے کر صبح فجر تک جوش و خروش کے ساتھ مشاعرہ سنتے ہیں۔ نہ شاعر تھکتے ہیں نہ مسند پہ بیٹھنے والے تھکتے ہیں نہ سامعین بیزار ہوتے ہیں، اس کا تجربہ مجھے ان مشاعروں میں شرکت کر کے ہوا۔

بہر حال یہ سلسلہ کئی دہائیوں تک یوں ہی چلا۔ پھر ان مشاعروں کی زمام جانشین حضرت فقیرؔ حجتہ العلماء والمشائخ ھادی دکن حضرت الحاج حکیم و ڈاکٹر سید محی الدین قادری ہادیؔ لا اُبالی الجیلانی سجادہ نشین (ثالث) بارگاہ حضرت پتھر والے صاحب بانی و صدر بزم نادی الہادی نے سنبھالی، آپ ہادیؔ تخلص فرماتے تھے، بیسویں صدی کے آخری دور اور اکیسویں صدی کی پہلی دہائی تک مسندِ مشاعرہ پر آپ رونق افروز رہے۔ آپ کی صدارت میں منعقد ہونے والے پہلے مشاعرے کا نمبر 93واں تھا۔

یعنی خانقاہ رزاقی کا مشاعرہ اپنا ایک صدی کا سفر مکمل کر رہا تھا۔ حضرت ہادیٔ دکن اپنے وقت کے بہترین ادیب، خطیب، طبیب اور

شاعر تھے، تحقیق اور انشا پردازی میں آپ کو کمال حاصل تھا، سینکڑوں کتابیں نثر و نظم میں آپ نے لکھیں اور اپنے خانوادے کا نام روشن کیا۔

حضرت ھادی دکن کی حیات میں ہونے والے مشاعروں میں سے چند مشاعروں کی تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

125واں مشاعرہ بتاریخ 13/ جمادی الاولی 1413ھ م 9/ نومبر 1992ء بروز دوشنبہ

اردو نعتیہ طرح۔ڈال دیجے کرم کی نظر مصطفیٰ

اردو منقبتی طرح۔ مزار پیر محی الدین پر رحمت خدا کی ہے

یہ مشاعرہ بضمن 125 سالہ عرس مبارک مجذوب المجاذیب حضرت سید شاہ محی الدین بادشاہ قادری لااُبالی منعقد ہوا۔

زیر صدارت۔ حضرت ہادی دکن ڈاکٹر سید محی الدین قادری ہادیؔ لااُبالی اور

مہمان خصوصی حضرت خواجہ شوق تھے۔ 12؎

129واں مشاعرہ بتاریخ 9/ جمادی الاولی 1417ھ م 24/ سپٹمبر 1996ء بروز سہ شنبہ

اردو نعتیہ طرح۔ نہیں کوئی بشر بے شک محمدؐ کے مقابل میں

اردو منقبتی طرح۔ عبداللہ شاہ وارث خیر البشر ہیں آپ

زیر صدارت ڈاکٹر سید محی الدین قادری ہادی لااُبالی الجیلانی

مہمان خصوصی۔ محترم داود نصیب۔ محترم خواجہ حسن شریف شوقؔ۔ڈاکٹر علی احمد جلیلیؔ وسید خورشید حُسین جنیدی۔ 13؎

یہ مشاعرہ، بانی مشاعرہ حضرت وتد دکن سید شاہ عبداللہ شاہ قادری لااُبالی الجیلانی قدس سرہٗ کے صد سالہ عرس مبارک کے موقع پر منعقد ہوا۔

131واں مشاعرہ بتاریخ 10 جمادی الاولی 1419ھ م 2/ سپٹمبر 1998ء بروز چہار شنبہ

اردو نعتیہ طرح۔ تصور میں ہمارے گنبد خضریٰ نہ ہو کیونکر

صدارت حضرت ھادی دکن ڈاکٹر سید محی الدین قادری ہادیؔ لااُبالی

مہمان خصوصی۔ سید خورشید حسین جنیدی ورحمٰن جامیؔ۔ 14؎

135واں مشاعرہ بتاریخ 12/ جمادی الاولی 1423ھ م 26/ جولائی 2005ء بروز جمعہ cts

اردو نعتیہ ۔۔۔۔۔(یہ مصرع حاصل نہ ہوسکا)

اردو منقبتی طرح۔ آپ ہیں میرا سہارا شہ عبدالرزاق

صدارت۔ حضرت ہادی دکن ڈاکٹر سید محی الدین قادری ہادی لااُبالی

مہمانان خصوصی۔ محترم خواجہ شوق

یہ مشاعرہ بضمن پچاس واں عرس مبارک حضرت فخر اولیاء سید عبد الرزاق قادری لا اُبالی الجیلانی منعقد ہوا۔15؎
بالکل آپ ہی کے نقش قدم پر آپ کے خلف اکبر موجودہ سجادہ نشین مولانا ڈاکٹر سید عبد المھیمن قادری لا اُبالی الجیلانی سجاد پاشاہ سجادہ نشین رابع بار گاہ حضرت پتھر والے صاحب، صدر بزم نادی الہادی و ڈائرکٹر ہادیؔ دکن لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹیٹوٹ نے ان مشاعروں کو عصری صورت گری کے ساتھ نئی زندگی عطا کرنے والے تازہ کار ذہن کے مالک ہیں۔ سجاد پاشاہ نہ صرف لائبریری سائنس کے ماہر آثار قدیمہ کی حفاظت کے ماہر، ایک مدبر، محقق، نقاد، انشا پرداز، واعظ، مخطوطہ شناس اور خطیب ہیں بلکہ ایک صاحب طرز شاعر ہونے کے ساتھ تاریخ گوئی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ آپ نے فن تاریخ گوئی میں 450 صنعتوں کو ایجاد کیا ہے اور اس فن کو مکمل منظم بھی کیا۔ علم جمل پر آپ کو دستگاہ حاصل ہے۔ اپنے آبا و اجداد کے چھوڑے ہوئے عظیم الشان علمی سرمائے کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے علم و ادب کی خدمت میں جٹے ہوئے ہیں، سینکڑوں قدیم مخطوطات کو انہوں نے نوادرات کی طرح جمع کر کے رکھا ہے اور آئے دن مختلف موضوعات پر تحقیقی کام کرتے رہتے ہیں۔ سجاد پاشاہ کو بے شمار قومی و بین الاقوامی اعزازات سے نوازا جا چکا ہے جن میں کئی ممالک کے علمی اداروں اور جامعات کے ایوارڈس شامل ہیں۔
اپنے آبا و اجداد کے جلائے ہوئے چراغ کو پوری آب و تاب کے ساتھ روشن رکھتے ہوئے انہوں نے اس علمی و ادبی کارواں کو مزید آگے بڑھایا اور کم عمری سے ہی شعر و ادب کی بنیادوں کے ساتھ خود کو جوڑ لیا۔
رزاقی خانقاہ کا پہلا مشاعرہ جو ان کی صدارت میں منعقد ہوا وہ 139 واں مشاعرہ تھا۔ 12/جمادی الاول 1427ھ مطابق 9/جون 2002ء بروز جمعہ یہ خوبصورت محفل سجی اور آج تک سج رہی ہے، وہی رونق اور وہی دھوم دھام ہے۔ تین مصرعے دیے جاتے ہیں، ملک کی مختلف ریاستوں سے شعراء کو ملا کر اسی تا نوے بلکہ کبھی کبھی 100 سے زائد شعراء تک اس محفل میں شریک رہتے ہیں۔ شروعات سے اب تک ان تاریخ ساز مشاعروں کے گلدستے بھی شائع ہوتے رہے ہیں، ہر سال کے کلام کا ایک خوبصورت گلدستہ زیور طباعت سے آراستہ ہوتا ہے۔
قدیم گلدستے تو اب دستاویز کی شکل اختیار کر چکے ہیں جن میں بڑے بڑے شعراء کے نام شامل ہیں۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے، ان مشاعروں میں شریک ہونے والے شعراء میں داغ دہلوی، امجدؔ حیدرآبادی، صفیؔ اورنگ آبادی، اوجؔ یعقوبی، علی احمد جلیلیؔ، خواجہ شوقؔ، نظیر علی عدیلؔ، شمس الدین تاباںؔ، خورشیدؔ جنیدی، حضرت شائقؔ حیدرآبادی، حضرت حسرتؔ صدیقی، حضرت بادشاہ حسینی لئیقؔ، حضرت سیفؔ حموی، حضرت کاملؔ شطاری، حضرت معزؔ ملتانی، حضرت سیفؔ الدین شرفی، حضرت رفیع الدین شرفی، رحمٰن جامیؔ، غلام علی حاویؔ، صلاح الدین نیرؔ، داؤد نصیبؔ، محمد بن حسین نقیبؔ، حضرت اعظمؔ علی صوفی، صلاح الدین نیرؔ، حضرت سید غوث محی الدین اعظمؔ قادری الموسوی، ابراھیم علی حامیؔ۔ راحتؔ عزمی، کامل حیدرآبادی، زاہدؔ قادری، عابدؔ قادری، اظہرؔ قادری، نصیر الدین بسملؔ ابو العلائی، خواجہ ذاکرؔ گودڑ شاہ، عبد القادر خان خسروؔ، محمودؔ شرفی، سید صادق محی الدین فہیمؔ، حافظ شمس زماںؔ، ڈاکٹر منیر الزماں نیرؔ، یوسف نظرؔ، رؤفؔ رحیم، ڈاکٹر علیؔ الدین احمد والا جاہی، سید دلاور علی حزیںؔ، حسن امیر قادری، زعیمؔ ذومرہ، گوتم سروپ، خالد

صدیقی، نصیر بیابانی خود راقم الحروف سردار سلیم اور دیگر بے شمار نام ہیں۔ قدیم اور عصر حاضر کے شعراء میں اور بہت سے نام ایسے ہیں جو ان مشاعروں میں اپنا کلام سنانے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ سجاد پاشاہ اختراعی ذہن کے مالک ہین ہمیشہ کچھ نہ کچھ نیا کام کرتے ہیں، 1427 سے 1438 تک انہوں نے جو مشاعرے منعقد کیے ان میں لگاتار سو سال پرانے طرحی مصرعے جاری کیے، مثلاً 1327 کے مشاعرہ کا مصرع 1427 کے مشاعرے کے لیے جاری کیا اور اسی طرح مسلسل بارہ سال تک ایک صدی سے دوسری صدی کا سنگم کراتے رہے جن کا نام "صدی مشاعرے" رکھا گیا۔

ڈیڑھ سو سالہ عرس کے موقع پر ڈیڑھ سو شاعروں کا مشاعرہ منعقد کیا جس میں قریب و دُور سے 150 شعراء نے شرکت کی اوراپنا طرحی کلام سنایا، یہ مشاعرہ پورے چوبیس گھنٹے چلا۔

اسی طرح ایک مشاعرہ جو سوا سو سالہ عرس کے موقع پر منعقد ہوا تھا اس کے لیے ایک سو پچیس شعراء کو مدعو کیا گیا اور ہر شاعر سے ایک سو پچیس شعر کہلوائے گئے، بعد میں ہزار ہا اشعار پر مشتمل اس مشاعرے کا گلدستہ "مخضب ز شعراء" کے تاریخی عنوان سے شائع کیا گیا جو شعراء کے تعارف کے ساتھ رنگیں دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، کوئی کمزور آدمی اپنے دونوں ہاتھوں سے اس گلدستے کو اٹھا بھی نہیں سکتا، یہ گلدستہ شاعری کے اعتبار سے جتنا بھاری ہے اپنے حجم اور وزن کے اعتبار سے بھی اتنا ہی بھاری ہے۔

ڈاکٹر سید عبد المہیمن قادری لااُبالی سجادؔ پاشاہ کی صدارت میں منعقد ہونے والے چند مشاعروں کی تفصیلات ملاحظہ کیجیے۔

140 واں مشاعرہ بتاریخ 12/ جمادی الاولی 1428ھ م 30/ مئی 2007ء بروز چہار شنبہ

صدارت۔ ڈاکٹر سید عبد المہیمن قادری لااُبالی سجادؔ پاشاہ

مہمان خصوصی۔ قاضی سید اعظم علی صوفی قادری اور راقم الحروف سردار سلیمؔ

یہ پہلا صدی مشاعرہ تھا یعنی 1328 ہجری کے مشاعرہ کے مصرعوں کو 1428ھ میں دہرایا گیا۔

150 واں مشاعرہ 12/ جمادی الاولی 1438ھ م 10/ فبروری 2017ء بروز جمعہ جو صبح 9 بجے شروع ہوا اور 24 گھنٹے جاری رہا۔ یہ مشاعرہ بضمن ڈیڑھ سو سالہ عرس مبارک حضرت مجذوب المجاذیب (پتھر والے صاحب اول) منعقد ہوا جس میں 150 شعراء کلام پیش کیے۔

اردو نعتیہ طرح۔ ڈال دیجے کرم کی نظر مصطفیٰؐ (حضرت ہی کے 125 ویں عرس کے موقع پر دی گئی طرح دہرائی گئی)

اردو منقبتی طرح۔ عرس ہے یہ ڈیڑھ سو سالہ محی الدین کا

مہمان خصوصی۔ سید ہاشم عارف پاشاہ قادری۔ سید اعظم علی صوفی قادری اور یہ راقم سردار سلیم

155 واں مشاعرہ 12/ جمادی الاولی 1443ھ م 17/ دسمبر 2021ء بروز جمعہ صبح 9 بجے سے 24/ جمادی الاولی 1443ھ م 29/ دسمبر 2021ء بروز چہار شنبہ تک۔ 13 شب و روز یعنی 24 گھنٹے مشاعرہ ہوتا رہا صرف ہر نماز کے لیے 15 منٹ کا وقفہ دیا گیا۔ اس تاریخ ساز مشاعرہ میں 125 شعراء 125 اشعار پر مشتمل نعت شریف اور 11 تا 25

اشعار پر مشتمل منقبت پیش کیے۔ گلدستہ کی تفصیل ما قبل صفحات پر دیکھئے۔

فارسی نعتیہ طرح ۔ ترحم یا رسول اللہ ترحم اردو نعتیہ طرح ۔ دل ہوا تم پر فدا یا مصطفیٰ

اردو منقبتی طرح اول۔ عرس آیا ہے سوا سو سالہ عبد اللہ کا

اردو منقبتی طرح دوم۔ ایکسو پچیس واں ہے عرس عبد اللہ کا

مہمانان خصوصی۔ پروفیسر عقیل ہاشمی۔ حلیم صابر (کلکتہ)۔ اسلم ماجدؔ جبلپوری۔ ڈاکٹر واحدؔ نظیر (دہلی) سید عبد الوہاب جامیؔ (آندھرا پردیش) اور یہ راقم سردار سلیمؔ

157 واں مشاعرہ بتاریخ 25/ جمادی الاولی 1445ھ م 10/ ستمبر 2023ء بروز یکشنبہ

فارسی نعتیہ طرح۔ غلام غلامان آل محمد

اردو نعتیہ طرح۔ لیٰس وطہٰ جن کے لقب ہیں وہ فخر آدم تشریف لائے

اردو منقبتی طرح۔ آپ اولاد علیؓ مرتضیٰ عبد اللہ شاہ

مہمانان خصوصی۔ سردار سلیم۔ حلیم صاحب (کلکتہ)

الغرض عصر حاضر کے صوفی شعراء اور ادباء میں ڈاکٹر سید عبد المہیمن قادری لاابالی المعروف سجاد پاشاہ اپنے غیر معمولی سروکار کی بنا پر اپنی ایک منفرد پہچان رکھتے ہیں، علم و ادب ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، خصوصاً طبقہ مشائخ کے جواں سال شہزادوں کو جامعہ نظامیہ کے عالم کورس کی روزانہ کلاس بھی لیتے ہیں اور یہ سلسلہ 2010 سے تا حال جاری ہے۔ صرف حیدرآباد ہی نہیں بلکہ پورے ملک کے علمی و ادبی حلقوں میں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انہوں نے خانقاہ رزاقی کی بنیادوں کو اپنی محنت سے مزید استحکام بخشا ہے۔ اور آج بھی اعراس کے موقع پر اسی تزک و احتشام کے ساتھ محافل منعقد کرتے ہیں اور طرحی مشاعروں کو انعقاد عمل میں لاتے ہیں جن میں ہندوستان کے کونے کونے سے شعراء کرام شرکت کے لیے آتے ہیں۔

*****

مصادر و مراجع

1۔ محی الدین قادری ہادی، ڈاکٹر سید۔ عطائے عطا۔ 2001ء، مطبع دار الہدی۔

2۔ محی الدین قادری ہادی، ڈاکٹر سید۔ عطائے عطا۔ 2001ء، مطبع دار الہدی۔

3۔ عبد المہیمن قادری، ڈاکٹر سید۔ مکمل تفصیلات سالانہ مشاعرے (قلمی)۔ 2004ء، مطبع دار الہدی۔

4۔ محی الدین قادری ہادی، ڈاکٹر سید۔ تذکرہ اجدادِ ہادی۔ 1992ء، مکتبۂ ہادی دکن وصفۃ التحقیق۔

5۔ پرورش علی بخشی، محمد۔ گلدستۂ قادریہ۔ 1327ھ، شمس الاسلام پریس، حیدرآباد۔

6۔ قادر محی الدین سلیم، ابو الحسن سید۔ گلدستۂ محامدِ اولیاء۔ 1328ھ، اعظم پریس، حیدرآباد۔

7۔ قادر محی الدین سلیم، ابو الحسن سید۔ بزمِ قادریہ۔ 1329ھ، حسن پریس، حیدرآباد۔

8۔ پرورش علی بخشی، محمد۔ بزمِ قادریہ۔1330ھ، مطبع رحمانی، حیدرآباد۔
9۔ عبدالرزاق قادری فقیرؔ، سید۔ گلشنِ نعت۔ 1333ھ، مطبع دارالہدی۔
10۔ فیاض حیدرآبادی، ابوالفیض۔ گلدستۂ قادریہ۔1335ھ، شمس الاسلام پریس، حیدرآباد۔
11۔ فیاض حیدرآبادی، ابوالفیض۔ گلدستۂ قادریہ۔1336ھ، شمس الاسلام پریس، حیدرآباد۔
12۔ طاہر قادری عطاؔ، سید شاذ۔ گلدستۂ قادریہ۔1334ھ، شمس المطابع، حیدرآباد۔
13۔ محی الدین قادری ہادی، ڈاکٹر سید۔ گلدستۂ نعت ومنقبت۔ 1993ء، مطبع دارالہدی، حیدرآباد۔
14۔ محی الدین قادری ہادی، ڈاکٹر سید۔ مجلۂ قادریہ۔1996ء، مطبع دارالہدی، حیدرآباد۔
15۔ محی الدین قادری ہادی، ڈاکٹر سید۔ رجسٹر روداد عرسِ مبارک (مخطوطہ)۔1998ء، مکتبۂ ہادی دکن وصفۃ التحقیق۔
16۔ محی الدین قادری ہادی، ڈاکٹر سید۔ رجسٹر روداد عرسِ مبارک (مخطوطہ)۔1999ء، مکتبۂ ہادی دکن وصفۃ التحقیق۔

موجودہ سماجی منظر نامے میں خانقاہوں کی معنویت

ڈاکٹر اسد اللہ *

آج کی اس مادہ پرست اور پُر فتن زندگی نے انسان کو لا مقصدیت کی طرف تیزی سے لے دھکیل دیا ہے۔ س کے نتیجے میں وہ نہ دنیا کا رہتا ہے اور نہ آخرت کا بن پاتا ہے۔ اس مقالے میں یہ بات عرض کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ کیسے کوئی فرد اپنی زندگی میں آج بھی اصحاب صفہ کی طرح قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہوئے خانقاہی نظام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کس طرح اپنی زندگی کو نہ صرف اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی رضا والی زندگی بدل سکتا ہے، بلکہ وہ اپنے خاندان والوں اور سماج والوں کے لیے بھی سکون و راحت کی زندگی مہیا کر سکتا ہے۔

موجودہ سماجی منظر نامے میں خانقاہوں کی معنویت ختم نہیں ہوئی، بلکہ اس نے مختلف نئی شکل اختیار کی ہیں۔ خانقاہ اب بھی روحانی تشنگی بجھانے ،اور اخلاقی اقدار کو پروان چڑھانے کے اہم مرکز ہیں۔ عصری چیلنجز کا ادراک کرتے ہوئے اور جدید تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے تعلیمی اصلاح، نوجوانوں کی شمولیت اور جدید سماجی مسائل پر فعال کردار ادا کر کے ہی خانقاہیں اپنی تاریخی اہمیت کو بر قرار رکھ سکتی ہیں اور موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لیے معنویت اور رہنمائی کا سرچشمہ بن سکتی ہیں۔ در حقیقت اس پُر فتن زندگی و مادیت کے اس دور میں خانقاہوں کی رواداری، انسان دوست اور روحانی تعلیمات کی اشد ضرورت ہے۔

لفظ خانقاہ اور اس کا ارتقا:

مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی سے متصل پیچھے کی جانب تھوڑا سا چبوترا بنا دیا گیا تھا جس کو صفہ کہا جاتا تھا۔ جہاں پر صحابہ کرام کی ایک جماعت جمع ہوتی تھی جو رات دن کتاب و حکمت کی تعلیم حاصل کرنے ، تزکیہ نفس اور دینی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر رہتے تھے ،اصحابِ صفہ میں حضرت ابوہریرہ ، حضرت ابوالدرداء، حضرت سلمان فارسی، حضرت بلال وغیرہ سرفہرست ہیں، ان حضرات کو نہ تجارت سے کوئی مطلب تھا، نہ زراعت سے کوئی سروکار، یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ ﷺ کے دیدار پر انوار کے لیے ، کانوں کو آپ کے کلمات قدسیہ کے سننے کے لیے اور جسم کو آپ کی صحبت و معیت کے لیے وقف کر چکے تھے۔ اصحابِ صفہ اپنا وقت قرآن مجید سیکھنے، احادیث نبویہ سننے اور ذکر واذکار میں صرف کرتے یا ان خدمات کی انجام دہی میں اپنا وقت لگاتے جن کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ دیا کرتے تھے ،دوسرے قبائل تک اسلام کی دعوت پہنچانا،

* لائبریرین، مظہر العلوم کالج، آمبور، تمل ناڈو

نو مسلم جماعتوں کو قرآن مجید اور اسلام کی تعلیم دینا اور تقاضوں کے پیش نظر جنگی مہمات میں شرکت ان حضرات کی مشغولی تھی، گویا صفہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم گاہ، تربیت گاہ، خانقاہ اور اضیاف اسلام کا مہمان خانہ تھا۔ اصحابِ صفہ دعوتی و تبلیغی اسفار، سرایا میں شرکت، وطن واپسی، نکاح، گھر کا انتظام اور وفات وغیرہ کی وجہ سے کبھی کم ہو جاتے اور کبھی بڑھ جاتے۔[1]

جوں جوں زمانہ گذرتا گیا تعلیم و تزکیہ کا انداز بدلتا گیا، صفہ سے خانقاہ تک سفر کے بارے میں مختصراً تفصیل اس طرح ہے جیسا کہ حضرت چراغ دہلوی[2] نے فرمایا کہ "خانقاہ" کے لفظی معنی ہیں عبادت گاہ، یا دارالعمل۔ جب کہ مقامی اعتبار سے مختلف نام دیے گئے ہیں جیسا کہ عربی دنیا میں صوفیہ کے محلِ سکونت کو "زاویہ" کہا جاتا ہے۔ عراق میں "رباط"۔ درویشوں کی قیام گاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ "تکیہ"، جو عارضی ٹھکانہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا جہاں پر قلندر، مجذوب وغیرہ رہتے تھے۔ مغربی ایشیاء میں "جماعت خانہ" کہا جاتا ہے، جہاں کثیر لوگ، کسی جگہ پر کر تعلیم و تربیت پاتے تھے۔

خانقاہ کی اہمیت:

اصل میں خانقاہ ایک طرح کا روحانی مرکز ہوتا ہے جہاں لوگوں کو روحانی رہنمائی، نفسیاتی مدد اور تعلیم فراہم کرتے ہیں۔ یہ مقام عام طور پر ہر مذہب و ملت، ذات اور طبقے کے لوگوں کے لیے کھلا ہوتا ہے۔ خانقاہ میں لنگر خانہ ہوتا تھا اور بنیادی تعلیم کی سہولیات بھی فراہم دی جاتی تھیں جو معاشرتی مساوات اور اخوت کی مثالیں تھیں۔ خانقاہیں نہ صرف روحانی عبادت کے مراکز بلکہ ثقافتی اور سماجی میل جول کی جگہیں بھی ہوتی تھیں، جہاں مختلف زبانوں اور مذاہب کے لوگ جمع ہوتے تھے۔

خانقاہ میں ایک فرد یعنی مرید اپنے مرشد سے بیعت لے کر اس کی نگرانی میں رہ کر شریعت و طریقت کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی کو سنوارتا ہے، جس سے وہ فرد عام آدمی نہیں رہتا بلکہ اہل اللہ بن جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس فرد کی زندگی پُر امن، خوشحال اللہ و رسول اللہ ﷺ کی اتباع والی زندگی بن جاتی ہے۔

تصوف کی تعلیمات:

تصوف کی اصل تعلیم نفس کی پاکیزگی ہے۔ تاکہ نفس کی بڑی خصلتوں جیسے غرور، حسد، جہل اور تکبر وغیرہ سے بچنے کی کوشش کرنا اور اچھے اخلاق کو اپنانا ہے۔ جب ہم تزکیہ نفس یا اصلاحِ نفس کی بات کرتے ہیں تو اس نفس سے اصطلاح میں مراد ایک ایسی غیر مادی شے ہے جس میں خیر اور شر کی قابلیت موجود ہے۔ ہر قوت کی طرح اس کا استعمال اسے خیر یا شر بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں : ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ

[1] فتح الباری، حلیہ الاولیاء ص349

دَسَّاهَا﴾ ترجمہ: "اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا، پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیز گاری دل میں ڈالی۔ بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا"۔ اسی لیے تصوف کا بنیادی مقصد انسان کی زندگی میں روحانی پاکیزگی حاصل کرنا اور اللہ کے قرب کا حاصل کرنا ہے۔ صوفیہ اکرام عام لوگوں کے دلوں میں محبت، سخاوت، صبر، رضا، فقر و تمنا اور بھائی چارے کی تعلیم دیتے ہیں۔

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی نسبت سے چلا، سلسلہ قادریہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی نسبت سے چلا، سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی کی نسبت سے چلا اور سلسلہ سہروردیہ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی کی نسبت سے چلا ہے۔ ان جیسے بڑے مشائخ نے ہم آہنگی، امن اور رواداری کے پیغام کو عام کیا۔ چشتی صوفیوں کی خانقاہیں خاص طور پر سخاوت اور مہمان نوازی کے لیے معروف تھیں اور ان کی تعلیمات نے مذہبی تفریق کو کم کر کے لوگوں میں یکجہتی کو فروغ دیا۔[1]

فرد کی اصلاح کی ضرورت کیوں؟

"اصلاح معاشرہ میں تصوف کا کردار" کے عنوان سے محمد رضوان صاحب لکھتے ہیں کہ جب ہم معاشرے کی اصلاح کی بات کرتے ہیں تو اس کے لیے سب سے پہلے فرد کی اصلاح نہایت ہی ضروری ہوتی ہے، جب تک فرد کی اصلاح نہیں کی جاتی معاشرہ کبھی بھی اصلاح یافتہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اقوام کی تقدیر افراد کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ فرد اپنی حیثیت میں اپنے اندر ایک کائنات رکھتا ہے بعض اوقات فردِ واحد کا معیار بہت ساری افرادی قوت سے بڑھ کر سامنے آجاتا ہے۔ خانقاہ کی تعلیم سے اپنی اصلاح کے بعد ایسے لوگ حسد، تکبر، بغض، کینہ بالخصوص اپنی انانیت مٹا چکے ہوتے ہیں انہیں اپنی ذات سے ہٹ کر خلق خدا سے محبت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ دوسروں کے لیے پُر خلوص ہو کر خدا داد صلاحیتوں سے مخلوق خدا کی بلا امتیاز بھلائی چاہتے ہیں، ایسا فرد نہ صرف زبان و دِل سے یکتا بلکہ نڈر و بے باک بھی ہوتا ہے، اس پر کسی غیر کا خوف طاری نہیں ہوتا۔ اسی کو علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق ۔۔۔ یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

انسان کا دل ہی ایک ایسی مرکز روحانی ہے، اگر یہ روحانی طور پر صحیح و سالم ہو جاتا ہے تو انسان کا جسم اور اس کا سارہ معاشرہ بھی صحیح و سالم ہو جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا **إن في الجسد مضغة فإذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب**[2] ترجمہ: "تمہارے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہے تو پورا جسم صحیح ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے خبر دار وہ دل ہے"۔

صوفیائے کرام کا یہ طریق رہا ہے کہ انہوں نے قرآن و سُنّت کی روشنی میں فرد کی اصلاح و تربیت کے لیے دل کو پاک و صاف کرنے پر

---

[1] https://ur.wikipedia.org/wiki/ہندوستان_میں_تصوف

[2] بخاری شریف: كتاب الايمان، باب فضل من استبراء لدينه :1/28

توجہ دی اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ برُا فعل بُرا ہے پر، بُرا خیال اس سے کہیں زیادہ بُرا ہے، کیوں کہ جسم کی جنابت پانی سے صاف کی جاسکتی ہے لیکن دل کی جنابت 'جہاں سے بُرا خیال جنم لیتا ہے' دور کرنے کے لیے یہ پانی کافی نہیں ہے۔جب تک ہم اپنے تخیل کو پاکیزہ نہیں کریں گے، کامیاب نہیں ہوسکتے۔[1]

خانقاہ سے تربیت پانے کا جواز:

بعض لوگ کروانِ خانقاہ کو شخصیت پرستی سمجھتے ہیں اور خانقاہ سے تربیت پانے کے سلسلے میں سوال کرتے ہیں کہ یہ بات قرآن و حدیث سے کہاں ثابت ہے۔ اس کا جواب قرآنِ کریم کے اس آیت کریمہ سے ملتا ہے﴿ **يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَكُونُواْ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ** [2]﴾۔ترجمہ:۔"اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔اسی طرح ایک سالک اپنے مرشد (صادق) کی صحبت حاصل کرکے اپنی زندگی کو سنوار لیتا ہے۔صادیقین کی صحبت کا پھل اور مرتبہ اگر کسی کو معلوم ہو جاتا تو دنیا کی ہر خوشی کو چھوڑنے پر راضی ہو جاتے ہیں کہ اسی سلسلے میں یہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ ترمذی شریف میں صحابی رسول حضرت فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب صفہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ **لَوْ تَعْلَمُونَ مَا لَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ لَأَحْبَبْتُمْ أَنْ تَزْدَادُوا فَاقَةً وَحَاجَةً**[3] ترجمہ:"اگر تم لوگوں کو اللہ کے نزدیک اپنا مرتبہ معلوم ہو جائے تو تم اس سے کہیں زیادہ فقر و فاقہ اور حاجت کو پسند کرتے"۔مولانا جلال الدین رومی کی ملاقات جب شمس تبریز سے ہوئی تو انکی کایا ہی پلٹ گئی۔مولانا رومی فرماتے ہیں کہ خود پہلے مولوی تھا، شمس کی صحبت سے مولائے روم بن گیا۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزے نہ شد

موجودہ سماجی زندگی میں خانقاہی تعلیم و تلقین کی ضرورت:

موجودہ سماجی دور کی حالتوں سے نمٹنے کے لیے نئی نئی علوم وفنون سے مسائل کو دور کرنے کی کوشش ہمیشہ سے ہوتی رہی ہے مگر اس کا کوئی حل نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا، بلکہ ہر دور کا مشاہدہ ہے کہ اس کے لیے قرآن وحدیث کی پیروی ہی کارگر ثابت ہوتی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ قرآن کریم، قیامت تک کے لیے رہنما اصول برقرار رہیں گے، جس کی ضمانت خود اللہ تعالیٰ لیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ [4]﴾ ترجمہ:"بیشک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔لہٰذا قرآن کریم صرف عقائد وعبادات تک محدود نہیں بلکہ معاشرت، معیشت، اخلاقیات، قانون اور روزمرہ

---

[1] https://www.mirrat.com/article/30/155

[2] سورہ التوبة:119

[3] الترمذي:384 /4

[4] سورة الحجر: 9

زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس کی تعلیمات ہر دور اور ہر معاشرے کے لیے یکساں طور پر قابل عمل ہیں۔ موجودہ سماجی دور کی حالتوں سے نمٹنے کے لیے پیر و مرشدِ کامل۔ بیعت کے بعد سالک کو قرآن و حدیث کی روشنی میں تعلیم و تقلین کرتے ہیں۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، نو، یا آٹھ، یا سات صحابہ کرام، آپ ﷺ نے فرمایانے ارشاد فرمایا کہ "تم رسول اللہ ﷺ سے بیعت نہیں کرتے؟" ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس حکم پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ ﷺ؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو"۔ اور ایک بات آہستہ سے فرمائی، وہ یہ کہ "لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو"۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی ہے کہ اتفاقاً چابک گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھا کر دی دے۔[1]

مذکورہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بیعت ایک معاہدہ ہے جو، التزامِ احکام و اہتمام اعمالِ ظاہری و باطنی کا جس کو ان کے عرف میں بیعتِ طریقت کہتے ہیں۔ خانقاہ میں حضرات مرشدین نے اس بیعت کا معمول رکھا ہے۔ اس طرح کا معاہدہ موجودہ سماجی دور میں اشد ضرورت کا ہے جس سے مرید ایک معاہدے کے تحت اپنے زندگی کے عقائد، معاملات، عبادات اور معاشرات میں پیر و مرشد کی رہنمائی سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرات پیر و مرشد صرف 'قال' سے کام نہیں لیتے بلکہ 'حال' سے عمل کر کے مرید کی تعلیم کرتے ہیں۔ اس طرح مرید کی روحانی بیداری اور اندرونی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تصوف میں سماجی تبدیلی کے لیے فرد کی داخلی اور روحانی بیداری کو لازمی سمجھا جاتا ہے۔ جب فرد کا دل اور ذہن تبدیل ہوتے ہیں تو معاشرے میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ صوفیانہ تعلیمات لوگوں کو خود شناسی، نفی ذات اور اللہ تعالیٰ سے قربت کی ترغیب دیتی ہیں تاکہ وہ بہتر انسان بن سکیں اور معاشرے کی خدمت کریں۔

موجودہ سماجی دور کی برائیاں اور خانقاہ:

موجودہ سماجی دور میں برائیاں اتنی پھیل گئی ہیں کہ مختلف اطوار کے سیمنار، کانفرس، میٹنگ وغیرہ کے ذریعے لوگوں کو ان برائیوں سے دور رہنے اور اس حفاظت حاصل کرنے کی تدبیر بتائی گئیں۔ مگر پھر یہ برائیاں جوں کی توں ہیں بلکہ بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ بعض اوقات اور بھی غضبناک برائیاں اخباروں کے ذریعے سے سامنے آتی رہتی ہیں، جس کو دیکھ کر ہر انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ برائی کرتے وقت اس کو گناہ سمجھنے کا استحضار نہیں کرتے جو بعد میں مزید خطرناک صورت اختیار کرلیتی ہے۔ یہاں گناہ سے مراد صرف کبیرہ و صغیرہ گناہ ہی نہیں، بلکہ ظاہری و باطنی گناہ بھی ہے، ایسے گناہوں اور ان کے خطرات کو اللہ تعالیٰ کی دی ہو فراست کے ذریعے سے پیر و مرشد ہی پہچان سکتے ہیں۔ اور مرید کو ایسی گناہ سے بچنے کی عملی تدبیر بتاتے ہیں۔ ورنہ تو گناہ کرتے کرتے انسان

---

[1] مسلم شریف: الزکاۃ، کراھۃ المسالۃ للناس ۔ رقم 1043

کے دل میں سیاہ دھبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے دل کی صفائی، یعنی تزکیہ نفس کا کام ہی بہترین انداز میں پیر و مرشد انجام دے سکتے ہیں، جس کا ذکر اس حدیث سے معلوم ہو تا ہے۔

حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک دھبہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر جب وہ باز آتا ہے اور توبہ واستغفار کرلیتا ہے تو اس کا قلب صاف ہو جاتا ہے اور اگر دوبارہ پھر گناہ کرتا ہے تو اس دھبہ میں اضافہ ہو تا ہے، یہاں تک کہ اس کے قلب کو محیط ہو جاتا ہے اور یہ وہی زنگ ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اللہ جل جلالہ و جل شانہ فرماتے ہیں۔ ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ [1]﴾ ترجمہ:۔ "یوں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمالِ بد کا رنگ چڑھ گیا ہے"۔[2]

ان موجودہ سماجی دور میں برائیاں کے خاتمے کے طور پر صوفیہ کرام پہلے توبہ و استغفار کرواتے ہیں اور دوبارہ ایسی برائیاں نہ کرنے کا معاہدہ کرتے ہیں۔ جس سے مرید کو دوبارہ ایسی معصیت کرتے ہوئے عار محسوس ہوتی ہے، اللہ ورسول اور پھر مرشد کے خوف کی وجہ حتی الامکان ایسی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ حضراتِ صوفیہ کرام اپنے کلام میں فرماتے ہیں کہ ذکر وطاعت سے قلب نورانی ہو جاتا ہے اور غفلت و معصیت سے قلب ظلمانی ہو جاتا ہے، اس حدیث میں اسی نور و ظلمت کا ذکر ہے کہ غفلت و معصیت کی وجہ سے ظلمات بڑھ جاتی ہے مگر معصیت کے چھوڑے بغیر اور توبہ و استغفار کئے بغیر پریشانی و ظلمات اور بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اور ذکر و طاعت کرنے کی وجہ انوار بڑھتی ہے اور زندگی پُر سکون بن جاتی ہے۔ اور اللہ رسول بھی ایسے بندوں سے راضی ہو جاتے ہیں۔

موجودہ سماجی منظر میں خانقاہ کی اہمیت:

موجودہ سماجی دور میں افراتفری مختلف انداز میں موجود ہیں جیسا کہ سوشیل میڈیا کا فساد اور اس کی وجہ سے غلط معلومات کی کثرت اور ڈیجیٹل دنیا کا تیزی سے پھیلاؤ اور پھر مصنوعی ذہانت اور جدید ٹیکنالوجی میں تیزی سے تبدیلیاں اور تیز رفتار زندگی کے دباؤ، نوکری یا کاروبار اور ذاتی زندگی میں توازن برقرار رکھنے کے چیلنجز اور اس کے ساتھ ساتھ معاشی عدم مساواتی، مہنگائی اور معاشی بحران کے اثرات نے انسان میں ایک بے چینی پیدا کر رکھی ہے۔ لیکن انسانی تاریخ ہمیشہ سے تبدیلیوں اور چیلنجز سے گزرتی رہی ہے۔ ہر دور کی مشکلات کو اہل شریعت و طریقت کی تعلیمات نے ہی آسان کر کے انسان کی زندگی میں سکون بخشا اور اہل ایمان کو زمانہ کی غلامی سے نکال کر، 'عبد اللہ' بن کے زندگی گذارنے کا سلیقہ سیکھایا ہے۔

حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "نہیں مجتمع ہوا کوئی مجمع کسی گھر میں اللہ کے گھروں میں سے کہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوں اور باہم اس کو پڑھتے پڑھاتے ہوں، مگر نازل ہوتی ہے ان پر کیفیت تسکین قلب کی اور ڈھانپ

1المطففین: 14

[2]ترمذی شریف : تفسیر القرآن، سورۃ ویل للمطففین ، رقم : 3334

لیتی ہے ان کو رحمت اور گھیر لیتے ہیں۔ ان کو ملائکہ اور ذکر فرماتے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ ان (ارواح و ملائکہ) میں جو کہ اللہ کے پاس ہیں"۔[1]

موجودہ سماجی دور کی افراتفری سے راحت حاصل کرنے کے لیے مرشد، اپنے مریدوں کو تعلیم و تلقین کے ذریعے برائیوں سے دور رہنے کا عملی طریقہ بتانے کے لیے مریدوں کو خانقاہ میں جمع فرماتے ہیں اور ان کو مختلف ذکر و مراقبہ کی تلقین کرتے ہیں۔ کیونکہ ذکر اللہ ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے دل کو سکون ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ [2] ﴾ ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہیں سنو! اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

خانقاہ، دباؤ بھری زندگی میں پناہ گاہ:

موجودہ دور کا انسان ایک ایسی دوڑ میں شامل ہے جہاں نہ تو منزل نظر آتی ہے اور نہ ہی رکنے کا موقع ملتا ہے۔ خود اپنی خوشی کے لیے نہیں، بلکہ دوسروں کو اپنی "کامیابی" دکھانے کے لیے کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس سے ایک ایسا دباؤ پیدا ہوتا ہے جہاں انسان اپنی اصل ضروریات اور خواہشات میں فرق کرنا بھول جاتا ہے۔ اور وہ دوسروں کی جھوٹی شان والی زندگی کو اپنی زندگی سے موزانہ کرتے ہوئے اپنے پاس موجود سرمایہ و سہولت وغیرہ کو "کافی" نہیں سمجھتا ہے، جب کہ وہ "وافی" ہوتا ہے جس سے وہ سکون والی زندگی گزار سکتا ہے۔ یہ دائمی دوڑ اسے نفسیاتی طور پر تھکا کر رکھ دیتی ہے، جس کے نتیجے میں ذہنی دباؤ اور اضطراب کی حالت میں ہمیشہ بے قرار رہتا ہے۔ اور بے لطف زندگی سے ہمیشہ ذہنی دباؤ، اضطراب اور ڈپریشن میں رہتا ہے۔ بلکہ ہر وقت بے چینی، بے اعتدالی کی وجہ سے خود اس کی نجی اور خاندانی زندگی راحت سے دور ہو جاتی ہے۔

اس حالت میں تصوف کی تعلیمات ایک روحانی دوا کا کام کرتا ہے جو انسان کو اپنے خالق کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے اور اندرونی چین پانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ خانقاہ میں مرشد ایسے مضطرب شخص کو اپنے زیر نگرانی پناہ دے کر اس کو وعظ و نَصائح اور تلقین کے ذریعے اس کی اصلاح کرتا ہے اور پھر مختلف اذکار کو اپنانے کا حکم دیتا ہے، مراقبہ اختیار کرنے کو کہتا ہے۔ جس سے انسان کو سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنی زندگی سے لطف حاصل کرتا ہے۔ اس طرح خانقاہ کی تعلیم کی وجہ سے ذہنی دباؤ، اضطراب اور ڈپریشن سے نجات حاصل کرتا ہے۔

جدید مواصلات، میڈیا اور خانقاہی روایت:

نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد جدید تعلیم، عالمی ثقافت اور سوشل میڈیا سے زیادہ متاثر ہے جب کہ سوشل میڈیا پر اسلام دشمن کے گروہ فعال ہیں اور خصوصا نوجوانوں کو گمراہ کرنے کی ہر طرح سے کوشش کرتے رہتے ہیں اور اکثر نوجوان اس سے متاثر بھی ہیں۔ نوجوان

---

[1] ابوداود شریف : الصلاة ، الوتر ، ثواب قراءة القرآن، رقم : 1455

[2] سورہ الرعد : 28

سوشل میڈیا کا استعمال بہت زیادہ کرتے ہیں اور اسی میں اپنا اکثر وقت گزارتا ہے۔

اس صورت حال میں اہل خانقاہ روایتی ملاقات کے علاوہ، سوشل میڈیا پر نوجوان سے رابطہ کرنا ضروری ہو گیا ہے کیونکہ آج کا نوجوان اپنی بے جا مصروفیات کی وجہ سے، روایتی روحانی مراکز سے تعلقات کمزور کرر کھا ہے۔ آن لائن اصلاحی مجلس اور آن لائن بیان کے ذریعے نوجوانوں کو تعلیم دیتے ہیں اور ان سے رابطہ کے لیے ابتدا مخصوص اوقات میں آن لائن اجتماعی دعا کا انتظام کیا جاتا ہے، جس میں دور دراز کے لوگ شامل ہوتے ہیں اور آن لائن دعائیہ مجلس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح آن لائن اجتماعی ذکر کا انتظام بھی کرتے ہیں، جس سے لوگ روحانی تسکین اٹھاتے ہیں۔ جب نوجوان اپنی بے چینی کی زندگی میں دل کو سکون دینے والی نصیحتیں وغیرہ سنتا ہے اور اس کا دل خود اس کو خانقاہ پر براہ راست حاضر ہونے اور خانقاہ سے مزید فائدہ اٹھانے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔

خانقاہ اور سماجی خدمت:

تصوف کی تعلیمات، صرف روحانی تعلیم ہی نہیں بلکہ اس میں انسانیت کی فلاح و بہبود اصل ہے، اس کے لیے غریبوں، فقیروں، مظلوموں اور محروم طبقات کی خدمت کرنا ہے۔، مثلاً غریبوں کو کھانا کھلانا جیسے لنگر خانے کا جگہ جگہ انتظام کرنا، اسی طرح سے حاجت مندوں کو مالی مدد پہنچانا اور قرض الحسنہ فراہم کرنا تاکہ وہ لوگ سماجی دور کے سود جیسے وبا سے محفوظ ہو سکے۔ عطیات و خیرات کرنا اور یتیم خانہ، مدارس اور ہسپتالوں کا قیام کرنا یا ڈسپنسریز قائم کرنا جہاں پر مفت ادویات کی فراہمی کرتے ہیں۔ اور اس طرح سماج میں محبت اور بھائی چارہ کو فروغ ملتا ہے اور سماجی مسائل کو حل کرنے میں مدد ہوتی ہے۔ ساتھ ساتھ یہ تصوف کی روحانی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کا بہترین طریقہ بھی ہے۔

جدید معاشروں میں تصوف کے تعلیم کو تعلیمی نصاب، ورکشاپس اور سیمینارز کے ذریعے فروغ دینا چاہئے تاکہ نوجوان نسل میں بھائی چارے، رواداری اور روایات کی قدر کی فہم بیدار ہو جائے۔ اس لیے بہت سی خانقاہیں دینی تعلیم کے لیے مکتب اور مدرسہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور ان کے علاوہ جدید تعلیمی ادارے، اسکول، کالج، یونیورسٹی قائم کئے ہوئے ہیں جو دینی و دنیاوی تعلیم کا امتزاج پیش کرتے ہیں۔ بہت سے اہل خانقاہ رسمی و غیر رسمی تعلیم کا انتظام کئے ہیں جہاں پر غریب بچوں کو مفت تعلیم، ہنر سکھانے کے مراکز اور بالغوں کی تعلیم کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ تصوف کی یہ تربیت انسان کو نہ صرف اللہ کے قریب کرنے کا ذریعہ بنتی ہے بلکہ اسے معاشرتی زندگی میں امن و محبت، برداشت، اور اخوت کے ساتھ جینے کا حوصلہ بھی دیتی ہے، جو جدید زندگی کے چیلنجز کا مؤثر حل ہے۔[1]

---

[1] https://journals.asianindexing.com/article.php?id=1682060029336_522 (تاریخ استفادہ 25 آگست 2025، وقت pm 5:30)

بعض خانقاہ میں فکری و عملی بے اعتدالی:

پیر و مرشد خانقاہ میں شریعت و طریقت پر عملی طریقہ بتاتے ہیں اور اس پر عمل کرواتے ہیں کیونکہ بغیر عمل کے پھل نہیں ملتا مگر بعض رسم پرست صوفیہ اس پر نازاں ہوتے ہیں کہ ہم کو فلاں بزرگ کی نسبت ہیں لہذا عمل کی پراوہ نہیں کرتے اور اچھے برے اخلاق کی تمیز نہ کرتے ہوئے ظاہر داری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ خود اپنا نقصان کرتے ہیں، اور عام لوگ ان جیسے صوفیوں کو دیکھ کر خانقاہ سے دوری اختیار کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے اسباب پر ایک شخص کر کرہ نامی مر گیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "وہ دوزخ میں ہے" لوگ اس کے اعمال دیکھنے چلے کہ دیکھیں اس میں کونسی بات دوزخی ہونے کی ہے۔ سو (گناہ کا سبب) ایک کملی ملی جس کو اس نے (مالِ غنیمت سے) چرا لیا تھا۔[1]

سُلطان العارفین حضرت سلطان باھو نہ صرف نوجوانوں کو نفس کی سرکشی اور سنگینی سے آگاہ کرتے ہیں بلکہ اسے قابو کر کے دوست کیسے بنایا جا سکتا ہے اس کا پورا فریم ورک بھی دیتے ہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں کو تعلیمات صوفیاء سے روشناس کرایا جائے جس کے باعث وہ نفس کی اصلاح کر کے قرب الٰہی حاصل کر سکیں۔ تصوف کی اصولی تعلیمات، سماجی مسائل جیسے کہ عدم مساوات، تعصب، نفرت اور تشدد کے خاتمے، سماجی یکجہتی اور انسانی فلاح کے لیے مؤثر اور کارگر ہیں۔ وہ اخلاقی اور روحانی تبدیلی کے ذریعہ عوام میں امن، بھائی چارے، اور محبت کو فروغ دیتی ہیں، جس سے سماجی ترقی اور ہم آہنگی کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔[2]

تصوف کی تعلیمات قرآن و حدیث سے ماخذ ہے جس کو پیر و مرشد اپنے تجربات سے عملی طریقہ سے حسب حالِ مرید تعلیم و تلقین کرتے ہیں اور پھر اس پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہو کر مرید کی بہتر سے بہتر انداز میں تربیت کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مرید کی زندگی، اخلاقی زندگی بن جاتی ہے۔ جس سے بہت سے برائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور بہت سے سماجی مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ایک ایک فرد کی اصلاح پورے سماج کی اصلاح کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آج کے موجودہ سماجی منظر نامے میں خانقاہوں کی اہمیت ہے، اور اس کی معنویت آج بھی قائم ہے۔

---

[1] بخاری شرف : الجهاد القليل من الغلول ، رقم : 3074

[2] https://ipindexing.com/journal-article-file/45034/mysticism-and-social-action-a-study-of-sufisms-impact-on-community-development

خانقاہ وخاندان قادریہ صوفیہ کی علمی، سماجی وصحافتی خدمات

ڈاکٹر حافظ سید شاہ مرتضیٰ علی صوفی حیدرؔ پاشاہ قادری*

سرزمین ہند کے جنوبی حصہ سے تعلق رکھنے والا "علاقۂ دکن" تاریخ میں سیاسی، سماجی، معاشرتی اور مذہبی حیثیت سے بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے، خصوصیت کے ساتھ یہاں کی خانقاہوں نے مخلوق خدا کے درمیان محبت، مروت وبھائی چارگی، انسانیت اور خدمت خلق کے جذبات کو پروان چڑھانے، علم وعرفان کے حصول واشاعت کے ساتھ ساتھ بلالحاظ مذہب وملت اخلاق وکردار کے اعلیٰ اقدار کے فروغ دینے اور انہیں قائم وبرقرار رکھنے میں جو اہم حصہ ادا کیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔

دکن کی انہیں خانقاہوں میں سے ایک عظیم خانقاہ صوفیہ اور اس سے مربوط خاندان قادریہ صوفیہ کو محور مان کر مقالہ ہذا کو پیش کیا جارہا ہے جس کی عظیم خدمات ساڑھے چھ سو سال پر محیط ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر طویل مدت کی تاریخ اور اس کی تفصیلات کو ایک مقالہ میں سمیٹنا ممکن نہیں اس لیے ابتدائی تاریخ کو اجمالاً اور ماضی قریب کی تقریبا200 سالہ خدمات کی تاریخ کو قدرے مفصلاً قلمبند کیا جاتا ہے۔

عہد ماضی اور دور حاضر میں اس خانوادہ کی علمی وعملی سماجی اور روحانی خدمات کے علاوہ عوام وخواص میں جن فیض بخش آستانوں سے پہچان رہی ہے۔ ان میں قابل ذکر یہ ہیں:

(i) درگاہ شریف حضرت سید جہانگیر پیراں (المتوفی: تقریباً 803ھ م 1401ء) جو شہر حیدرآباد سے مغربی جانب بنگلور ہائی وے پر تقریبا 40 کلومیٹر دور موضع ینمل نروہ (Enmulanara) نزد شادنگر (Shandnagar) میں واقع ہے۔

(ii) درگاہ شریف حضرت سید وجود صوفی قادری بغدادی وحضرت سید موجود صوفی قادری بغدادی جو شہر حیدرآباد سے مغربی جانب تقریبا 25 کلومیٹر کے فاصلہ پر پرگنہ نرکھوڑہ (Narkhuda) نزد شمس آباد (Shamshabad) میں واقع ہے۔

(iii) درگاہ شریف حضرت صوفی اعظم قطب دکن (المتوفی: 1349ھ م 1930ء) جو شہر حیدرآباد کے قدیم محلہ حسینی علم سے قریب دریچہ بواہیر (بھنورے کی کھڑکی) اور نو آباد بستی عثمان باغ کے درمیان گنبد شریف میں واقع ہے۔

(iv) درگاہ شریف حضرت سید الصوفیہ مفتی صوفی صفیؔ (المتوفی: 1368ھ م 1949ء) جو درگاہ شریف حضرت صوفی اعظم قطب دکن کے عقبی حصہ میں علاحدہ چہار دیواری بنام "روضہ صوفیہ" میں واقع ہے۔

(v) درگاہ شریف حضرت صوفی اعظم المشائخ (المتوفی: 1441ھ م 2020ء) جو شہر حیدرآباد کے جنوبی سمت سلطان العارفین حضرت بابا شرف الدین سہروردی کی بارگاہ کی طرف جانے والے راستہ پر نو آباد علاقہ شاہین نگر کی مسجد وخانقاہ ایوان صوفی اعظم کے احاطہ میں جدید تعمیر شدہ گنبد کے اندر واقع ہے۔

*معتمد سید الصوفیہ اکیڈمی وپرنسپل ایس ایم وی کالج حیدرآباد

ہر دور میں اس خانوادے کی کوئی نہ کوئی عظیم شخصیت اپنے تبحر علمی و فیضان روحانی سے مخلوق خدا کو فیضیاب کرتی رہی ہے اس سلسلۃ الذہب کا حضور شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے نسبی تعلق رہا ہے چنانچہ آپ کی اولاد میں سے اس خاندان قادریہ صوفیہ کے جن بزرگوں نے بغداد سے علاقۂ دکن کی طرف سب سے پہلے رُخ کیا ان کے بارے میں سطور ذیل بہت اہم ہیں:

بغداد سے علاقہ دکن آمد:

بغداد سے حضور پیران پیر کی آٹھویں پشت کے نبیرہ حضرت سید ابوالنصر وجیہ الدین یحیٰ صوفی قادری بغدادی اپنے دونوں برادران (حضرت سید وجود صوفی قادری بغدادی و حضرت سید شاہ موجود صوفی قادری بغدادی) اور تین فرزندان (حضرت سید ابوالمحمود عصام الدین ذکی صوفی قادری بغدادی، حضرت سید جہانگیر الدین صوفی قادری بغدادی و حضرت سید برہان الدین صوفی قادری بغدادی) و دیگر اقارب و مریدین اور خادمین کے ہمراہ آٹھویں صدی ہجری میں جبکہ ہندستان تیمور لنگ کے زیر نگیں تھا، ملکِ دکن کے پرگنہ نرکھوڑہ میں وارد ہوئے اور کفر و ضلالت کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے صرف آپ کے نبیرہ حضرت سید ابوالحسن فخر الدین امیر علی زاہد صوفی قادری بقید حیات رہے جن سے نسل جاری ہے۔(1)

تاریخی پس منظر :

علاقہ تلنگانہ پر پہلے تو کاکتیہ خاندان کی حکومت تھی جس کے ایک راجہ پرتاب رودرانے 1309ء میں سلطان علاء الدین خلجی (المتوفی 1316ء) کی اطاعت قبول کرلی تھی(2)۔ جب دکن میں ان بزرگوں کی آمد ہوئی اس وقت تک یہاں اہل ایمان کے قدم مضبوطی کے ساتھ جمے نہیں تھے، اوراس وقت خواجہ دکن حضرت بندہ نواز گیسو دراز (المتوفی 825ھ م 1422ء) سرزمین گلبرگہ شریف سے ولایت کی کرنیں بکھیر رہے تھے جو 1345ء میں قائم شدہ بہمنی حکمرانوں کا دور کہلاتا ہے۔

شجرۂ نسب:

حضرت سید ابو النصر وجیہ الدین یحیٰ صوفی قادری بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ نسب یہ ہے۔ حضرت ابوالنصر سید وجیہ الدین یحیٰ صوفی قادری البغدادی بن حضرت ابوتراب سید امیر الدین حسین صالح قادری بغدادی بن حضرت ابوالمحاسن سید بدر الدین ہاشم قادری بغدادی بن حضرت ابو محمد سید جمال الدین موسیٰ قادری بغدادی بن حضرت ابو جعفر سید عبد القادر الکبیر قادری بغدادی بن حضرت ابوالنصر سید شمس الدین محمد قادری بغدادی بن قاضی القضاۃ حضرت ابو صالح سید عماد الدین نصر احمد قادری بغدادی بن حضرت حافظ ابو بکر سید تاج الدین عبد الرزاق حنبلی قادری بغدادی بن حضرت غوث اعظم میراں محی الدین سید شیخ عبد القادر حسنی حسینی جعفری جیلانی قدس سرہ۔(3)

اس مقالے میں خانقاہ کی خدمات کو تاریخی اعتبار سے چار 4 مراحل میں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1. قبل از قیام قطب شاہی سلطنت
2. قطب شاہی دور میں
3. آصف جاہی سلطنت کے دور میں
4. آزاد ہندوستان میں

مرحلہ اول قبل از قیام قطب شاہی سلطنت:

اس دور میں بغداد شریف سے بزرگوں کی آمد ہوئی جس کی تفصیل اوپر گذری اسی دور سے درگاہ حضرت جہانگیر پیراں کا قومی یکجہتی میں بڑا اہم رول رہا۔ حضرت سید جہانگیر الدین صوفی قادری بغدادی عرف جہانگیر پیراں اپنے ایک برادر حضرت سید برہان الدین صوفی قادری بغدادی برہان الدین اولیاء کے ساتھ موضع یلمن نروہ شادنگر میں آرام فرماہیں، جو "جہانگیر پیراں" کے نام سے مشہور ہیں جہاں پر بلالحاظ مذہب وملت عقیدت مندوں کا ہجوم رہتاہے تاہم جمعرات' جمعہ اور اتوار کو زائرین کثیر تعداد میں ہوتے ہیں، اور جنوری میں تلسنکرات کے قریب سالانہ عرس مبارک کے موقع پر دُور دراز سے زائرین کابلالحاظ مذہب وملت' عقیدہ وفکر ایک تانتابندھارہتاہے۔

دوسری طرف آپ کے بھائی حضرت ابوالمحمود سید عصام الدین زکی صوفی قادری بغدادی عصام الدین اولیاء' اپنے والد حضرت سید ابوالنصر وجیہ الدین یحییٰ صوفی قادری بغدادی اپنے دونوں چچا حضرت سید وجود صوفی قادری بغدادی'حضرت سید موجود صوفی قادری بغدادی کے ساتھ پرگنہ نرکھوڑہ(قریب شمس آباد) میں لب سڑک واقع گنج شہیداں میں آرام فرماہیں۔(حضرت وجود صوفی وحضرت موجود صوفی کے مزارات جو سابق میں چوکھنڈی کے درمیان واقع تھے 2023ء میں جدید تعمیر شدہ گنبد شریف میں زیارت گاہ خاص وعام ہیں۔) قبل وبعد شہادت ان بزرگوں سے منسوب کشف وکرامات کے بے شمار واقعات زبان زد خاص وعام ہیں۔ پچھلے تقریباساڑھے چھ سو سال سے ان حضرات کے مزارات پر ہر مذہب وعقیدہ کے لوگوں کی عقیدت کے ساتھ حاضری قومی یکجہتی کاایک بے مثال نمونہ بھی پیش کرتی ہے۔ نرکھوڑہ میں ہر سال 12 محرم الحرام کو عرس شریف منعقد ہوتاہے۔(4)

اس خاندان کے اکثر بزرگوں کی شہادت کے بعد صرف ایک شخصیت سے نسل برقرار رہی اور وہ حضور غوث پاک کی دسویں پشت کے نبیرہ حضرت ابوالحسن سید شاہ فخر الدین امیر علی صوفی زاہد قادری ہیں، جو 9ویں صدی ہجری کے عظیم بزرگ ہیں اپنے والد ماجد سے علوم ظاہری وباطنی کا حصول فرمایا اور خلافت واجازت پائی اور روحانیت کے میدان کے شہسوار ثابت ہوئے۔ آپ کا صاحب دلائل الخیرات حضرت شیخ ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الجزولی(المتوفی 870ھ) سے ملاقات کرنااور بالمشافہ دلائل الخیرات کی اجازت بھی حاصل کرناخاندان کے قلمی تذکروں میں مرقوم ہے۔ چنانچہ اب تک اس زمانہ سے خاندان میں اجازت دینے کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ آپ کا مزار جو نرکھوڑہ ہی میں واقع ہے جس پر ایک پرانوار عالیشان گنبد زمانہ قدیم سے آج تک موجود ہے، جو فن تعمیر کا ایک حسین شاہ کار ہے۔ آپ کے ایک صاحبزادے حضرت حاجی ابوالعلاء سید شاہ شمس الدین حسن صوفی قادری جو صاحب علوم شریعت وطریقت تھے۔وہ حج وزیارت مدینہ کے لیے حاضر ہوئے تھے تو وہیں وصال حق فرمایااور مدینہ منورہ میں ہی مدفون ہیں۔اس سفر میں آپ کے دو فرزندان بھی آپ کے ہمراہ تھی جن میں سے صرف ایک صاحبزادہ سے اولاد کا سلسلہ جاری ہوا۔(5)

مرحلہ دوم عہد قطب شاہی(1518ء م924ھ تا1687ء م1098ھ):

بہمنی سلطنت کے ناظم تلنگانہ کی حیثیت سے دور سلطان محمود بہمنی میں سلطان قلی نامی شخص نے خدمات انجام دیں۔ سلطان محمود بہمنی کے انتقال کے بعد مرکزی بہمنی حکومت سے انحراف کرکے وہی سلطان قلی خود مختار بن گیا، یوں خاندان قطب شاہیہ کا دور شروع ہوا۔(6)

اس دور میں خاندان صوفیہ کے جن بزرگوں نے اپنی علمی وسماجی خدمات کے نقوش ثبت کیے ان میں حضرت الحافظ حاجی ابوالخیر سید شاہ محمد جلال الدین عارف صوفی قادری کی ولادت باسعادت قیام سلطنت قطب شاہی گولکنڈہ سے قبل یعنی بزمانہ سلطنت بہمنیہ 865ھ میں ہوئی۔ حضرت جلال الدین عارف نے حفظ قرآن کریم کی تکمیل فرمائی علم وفضل میں یکتائے روزگار اور صاحب کشف کرامات تھے۔ سفر حج میں اپنے والد ماجد کے ساتھ تھے اور ان ہی سے سلسلہ قادریہ نسبیہ میں خرقہ خلافت پایا اور فیضان علمی و روحانی سے ایک عالم کو سیراب کیا۔ آپ کا اپنے معاصرین میں جن افراد سے رابطہ رہا ان میں حضرت حافظ امام جلال الدین سیوطی (المتوفی:911ھ) وحضرت شیخ الاسلام زین الدین زکریا بن محمد الانصاری (المتوفی:926ھ) اور حضرت علامہ سید عبدالوہاب شاہ بخاری (المتوفی:932ھ) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آپ نے طویل عمر پائی اور بندگان خدا کو خوب سیراب کیا اور نمود و نمائش سے بالکل کنارہ کش رہے اور بالآخر 970ھ بعمر (105) سال اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ آپ کے سامنے ہی قطب شاہی سلطنت قائم ہوئی تھی۔

925ھ میں آپ کے فرزند واحد حضرت حاجی ابو محمد سید شاہ علم الدین ملک عبداللہ نقی صوفی قادری تولد ہوئے جو اپنے والد ماجد کے خلیفہ وجانشین کے طور پر (80) سال مخلوق خدا کو فیضیاب کرنے کے بعد 1009ھ میں انتقال فرمایا۔ ان کے فرزند حضرت سید شاہ ابوالنصر محی الدین ملک احمد صوفی قادری کی 965ھ میں ولادت ہوئی اور 1060ھ میں بعمر 95 سال وفات ہوئی۔ پھر آپ کے فرزند حضرت سید شاہ ابوالحسنات نورالدین منصور جمال اللہ صوفی قادری 1030ھ میں تولد ہوئے اور 1093ھ میں بعمر (63) سال وفات پائے (یہ حضرت سید شاہ راجو قتال حسینی کے داماد بھی تھے)۔(7) اور ان کے فرزند حضرت ابوالتسلیم سید شاہ رضا صوفی درویش قادری بعہد سلطان عبداللہ قطب شاہ (المتوفی 1083ھ) سنہ 1066ھ تولد ہوئے ۔ آپ بیعت و خلافت جدیہ رکھتے تھے۔ پرگنہ جعفر آباد عرف نرکھوڑہ ویلمن نروہ میں موجود آباء واجداد کے مزارات جن میں درگاہ حضرت سید جہانگیر پیراں بھی شامل ہیں کے آپ ہی سجادہ نشین رہے۔ حضرت خواجہ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز بلند پرواز گلبرگہ شریف کے نبیرہ اور سلطنت گولکنڈہ کے آخری فرماں روا ابوالحسن تاناشاہ کے پیرومرشد حضرت سید شاہ راجو حسینی (المتوفی:1093ھ، مزار پر عالی شان گنبد شریف مصری گنج، بیرون فتح دروازہ، حیدرآباد) کے حقیقی نواسے ہیں۔

حضرت شاہ رضا صوفی کی بارگاہ میں اورنگ زیب عالمگیر کی حاضری:

آپ اپنے زمانے کے ایک مشہور شیخ طریقت اور صوفی حقیقت تھے۔ علم و فضل ظاہری کے ساتھ قطبیت و فردیت کی شہرت وشوکت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ، اس کے بعد ابوالحسن تاناشاہ کی گو کہ آپ کے سامنے قطب شاہی سلطنت عروج سے زوال پذیر ہوئی اور پھر اورنگ زیب عالمگیر جیسے بادشاہ کا دور بھی آپ کے سامنے گذرا، نیز نظام علی خان آصف جاہ اول کا دور بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ لیکن آپ تمام عمر بادشاہوں سے بالکل کنارہ کش رہے، سلاطین وحکام عصر اور شاہان ووزرائے دہر بھی آپ کے نہایت معتقد تھے۔ انھوں نے چاہا کہ آپ مال وجاہ دنیوی سے کچھ قبول کریں لیکن آپ نے ہمیشہ انکار کیا۔

قلعہ محمد نگر فرخندہ بنیاد حیدرآباد کو فتح کرنے کے بعد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ جب حضرت اقدس کی عظمت وجبروت اور اوصاف حمیدہ کی بادشاہ جہاں پناہ کو اطلاع ہوئی تو آپ کی زیارت کا مشتاق ہوا اور آپ کے در عالی پر حاضر ہوا اور حضرت کو اپنے فرمان کے ذریعہ جاگیریں پیش

کی جس کے فرامین شاہی آج بھی خاندان صوفیہ میں محفوظ ہیں۔
چونکہ آپ کی والدہ محترمہ سیدہ خدیجہ عرف سلطان بی بی صاحبہ حضرت سید شاہ یوسف محمد محمد الحسینی عرف سید شاہ راجو قتال حسینی (مرشد تاناشاہ) کی صاحبزادی تھیں، آپ کے نانا حضرت راجو قتال حسینی نے آپ کو خلافت واجازت بھی عطا فرمائی تھی گو کہ خاندانی طور پر حضرت سید شاہ رضا صوفی درویش کے پاس نسبی 'مخرمی نسبت قادریہ' نسبت چشتیہ وسہروردیہ وشاذلیہ وغیرہ اجداد گرامی سے چلی آرہی تھی تاہم نانا جان سے سلسلہ چشتیہ میں ایک اور طریق سے خلافت واجازت پاکر آپ نور علی نور ہوگئے تھے۔ حضرت شاہ رضا کا وصال 26/ رمضان المبارک 1152ھ میں ہوا۔ اور کاروان کے آگے املاپور کے مقام پر تدفین عمل میں آئی۔(8)

مرحلہ سوم عہد آصف جاہی (1724ء م1136ھ تا1948ء م1367ھ):

عہد قطب شاہی 1687ء سے لے کر 1948ء تک کے دور میں اس خاندانِ صوفیہ کے جن بزرگوں نے علمی وسماجی خدمات انجام دیں، ان میں حضرت سید شاہ رضا صوفی کے فرزند اکبر حضرت ابوالبرکات سید شاہ اکبر صوفی درویش قادری جانشین ہوئے، جو علوم ظاہر وعلوم باطن کا حسین امتزاج تھے۔ جس وقت عالمگیر اورنگ زیب نے حضرت سید شاہ رضا صوفی درویش قادری کو 1099ھ میں راج پلی کی سند پیش کی تھی تو اس میں عالمگیر نے حضرت شاہ رضا کے فرزند ارجمند یعنی حضرت سید اکبر کا نام بھی شامل کردیا تھا، اس وقت حضرت سید اکبر صوفی تقریباً دس (10) سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ حضرت سید شاہ اکبر صوفی درویش قادری ایک عالم کو فیضیاب کرنے کے بعد 22/ ربیع الثانی 1165ھ میں بعمر (75) سال واصل بحق ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند وجانشین حضرت ابو القاسم حافظ سید حیدر شاہ علی صوفی قادری عرف قاسم پیراں ہوئے۔ آپ کی ولادت آصف جاہ اول نواب میر قمر الدین علی خاں (متوفی 1161ھ) کے عہد میں سنہ 1140ھ میں ہوئی۔ آپ حافظ قرآن، علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر اور تعلیمات اولیاء اللہ کے جامع تھے۔ آپ کو اپنے والد ماجد سے تمام سلاسل طریقت میں خلافت و اجازت حاصل تھی، اپنے والد ماجد کے بعد آپ ہی کے نام آباء واجداد یعنی بزرگان خاندان قادریہ صوفیہ کی تولیت وسجادگی ونیز صدر خطابت بحال ہوئی۔ خاندانی فیوض وبرکات کا سرچشمہ بن کر آپ نے خلق کثیر کو فیضیاب کیا۔ آپ کے اپنے معاصر مشہور عالم دین حضرت قطب الدین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے بھی مراسم وروابط تھے، چنانچہ مختلف کتب کی سند حضرت محدث دہلوی کے ذریعے بھی آپ تک پہنچی ہے۔ آپ کا وصال آصف جاہ سوم نواب سکندر جاہ بہادر کے عہد میں 24/ ربیع الاول 1221ھ کو ہوا، محلہ املاپور کارواں ساہوکاراں حیدرآباد میں ''روضہ رضویہ صوفیہ'' میں آپ کی تدفین ہوئی۔(9)

آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت حافظ حکیم ابوالفیض سید شاہ سبحان علی صوفی درویش حسنی حسینی قادری کو خلافت واجازت خاندانی سے سرفراز کیا تھا، جن سے خانوادۂ صوفیہ کا سلسلہ اولاد جاری ہے۔ حضرت سبحان صوفی کی ولادت 1187ھ میں ہوئی۔ آپ قرآن کے حافظ اور متبحر عالم اور شب بیدار زاہد تھے۔ آپ کے علم وفضل کی دھوم تھی چنانچہ آپ انعامدار وخطیب پرگنہ نرکھوڑہ ہونے کے علاوہ شاہی خاندان وامراء وسلاطین کے استاذ وپیر تربیت بھی تھے۔ (80) برس کی عمر میں 13/ ذی الحجہ 1283ھ آپ کا وصال ہوا۔ اور ''روضہ رضویہ صوفیہ'' محلہ املاپور، کارواں ساہوکاراں میں تدفین عمل میں آئی۔(10)

امام العارفین حضرت صوفی معز:

آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت حکیم ابوالاعظم سید شاہ سجاد علی صوفی معزؔ درویش حسنی حسینی قادری مسندِ سجاد گی پر متمکن ہوئے، آپ کی ولادت 4/ربیع الاول 1234ھ روز دوشنبہ بمقام حیدرآباد میں ہوئی۔اپنے نانا حضرت سید شاہ محمد حسینی قادری شطاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 17/جمادی الاولی 1245ھ، اور والد گرامی اور مولوی حسن علی صاحب اور دوسرے مستند علماء سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل فرمائی۔ آپ کی تصنیف کردہ جن کتابوں کا ذکر قلمی تذکروں میں ملتاہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

1. شرح کبریت احمر الشیخ اکبر (اردو)
2. اسرار العاشقین (فارسی)
3. شرح مثنوی شریف منظوم ومنثور (فارسی)
4. مجموعہ بیانات قدیم (عربی)
5. معین الواعظین (اردو)
6. کنوز الواعظین (عربی)
7. مخزن التذکرہ (عربی)
8. مفید الواعظین (اردو)
9. ہدایۃ المومنین (عربی)
10. بیان ستہ عشر (عربی)
11. دیوان اردو بیاضات دیوان کامل معہ قصاید (اردو)
12. نتیجہ فکر منظوم "طب" (فارسی) ہیں

آپ کو اپنے والد ماجد سے بیعت وخلافت حاصل تھی اور اپنے ماموں والدہ کے (برادر عم زاد) حضرت سید حبیب اللہ حسینی قادری دادے پیراں (متوفی 1304ھ) سے خلافت پائی۔ آپ مخلوق خدا کو راحت پہنچانے اوران کی ضروریات کی تکمیل کے لیے نواب صاحبان کے پاس کثرت سے سفارشیں کیا کرتے، اور آپ سے اس سلسلہ میں ہر ایک سفارش کرواتا، کیوں کہ نوابان وامرا آپ کی سفارش کو قبول کرتے تھے، آپ کی وجہ سے صدہا افراد کو ملازمت ملی۔ 73 سال کی عمر میں 26 جمادی الثانیہ 1307ھ بروز دوشنبہ بحالتِ ذکر آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار محلہ حسینی علم کے قریب دریچہ بواہیر میں مرجع خلائق ہے۔(16)

آپ کا حافظہ ایسا قوی تھا کہ ایک دفعہ جو کتاب آپ کی نظر سے گزر جاتی وہ ازبر ہو جاتی، آپ نے مشکوۃ ودیگر کتب پر حواشی لکھے۔ معزؔ تخلص کے ساتھ شعر گوئی بھی کرتے تھے، چنانچہ عربی، فارسی اوراردو میں آپ کے شعری نمونے ملتے ہیں۔ آپ اپنے خاص مریدوں کو مثنوی مولانا روم کا درس دیا کرتے تھے، فن طب میں ماہر تھے اور لاکھوں لوگوں کو اس سے فیضیاب کیا۔ دیوڑھی خورشید جاہ میں وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے۔ توکل وقناعت آپ کے اوصاف میں نمایاں تھے، مجاہدۂ نفس کے ساتھ صلہ رحمی کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔(11)

امام الصوفیہ حضرت صوفی اعظم قطب دکن:

حضرت صوفی معز نے اپنے فرزند دلبند حضرت حکیم ابوالعابد سید شاہ اعظم علی صوفی اعظم درویش حسنی حسینی قادری المعروف بہ حضرت صوفی اعظم قطب دکن کو بطور جانشین چھوڑا۔ جو 27/رمضان المبارک 1279ھ بروز یکشنبہ اپنے آبائی مکان روبرو کبوتر خانہ قدیم بلدہ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ مادۂ تاریخ ولادت "امام صوفی اعظم" =1279ھ ہے۔

آپ خاندان صوفیہ کے روضہ جات واقع بلدہ وپرگنہ نرکھوڑہ کے متولی وسجادہ نشین، نیز اراضی نرکھوڑہ عطیہ شہنشاہ عالمگیر کے انعامدار وصدر خطیب اور موضع سالار گوڑہ تعلقہ میڑچل کے مقطعہ دار بھی تھے۔ اسی کے ساتھ آپ حضرت سید شاہ جہانگیر الدین اور حضرت سید برہان

الدین صوفی قادری بغدادی کے مزارات مبارکہ موضع یلمن نروہ نزد شاد نگر میں واقع آستانہ ''درگاہ حضرت جہانگیر پیراں'' کے متولی وسجادہ نشین بھی تھے۔ حضرت جہانگیر پیراں کی سجادگی بعد میں تنازعات کا شکار ہوگئی تو وہاں کے امور وقف بورڈ کی نگرانی میں انجام پانے لگے۔

حضرت صوفی اعظم نے اپنے دادا حضرت سید شاہ سبحان علی صوفی درویش اوراپنے والد ماجد قدس سرہما کے علاوہ وقت کے مشہور علماء وفضلاء سے اکتسابِ فیض کیا، اور جملہ علومِ ظاہرہ وباطنہ کی تکمیل کی اور سند سے سرفراز ہوئے۔ آپ کو فن خطابت میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ایسے شیریں زباں واعظ تھے کہ گھنٹوں وعظ فرماتے پھر بھی محفل ہمہ تن گوش بنی رہتی، جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے تو آواز کے درد اور سوز وگداز سے سامعین پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی۔ دورانِ وعظ مثنوی مولانا روم کے اشعار کو خاص طرز میں پڑھا کرتے تو محفل میں سماں بندھ جاتا۔ انتہائی دقیق نکاتِ تصوف کونہایت ہی سلیس انداز میں بیان فرمادیتے۔

آپ اپنے عصر کے مشاہیر شیوخِ علم ودرس اور اصحابِ طریقت وعرفان میں ممتاز تھے اور ان مخصوص اصحابِ کمال میں سے تھے۔ مولانا روم کی مثنوی اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ کے رموز واسرار کی تشریح آسان اور عام فہم انداز میں کرتے تھے آپ کی محفلِ وعظ وتلقین میں سامعین اور اہلِ وجد وحال کا بکثرت ہجوم رہتا تھا۔ امراء ونوابین آپ کے وعظ وارشاد کے گرویدہ اور دلدادہ تھے۔ علمائے حرمین شریفین نے آپ کی جلالت علمی کو تسلیم کیا۔ آپ کی تصانیف، تصوف ومعارف میں بے نظیر اور قرآن وحدیث سے مدلل ہیں۔ آپ کے شاگردوں اور مریدوں میں ایسے اربابِ کمال واصحاب حال ہوئے جن کا شمار اپنے عہد کے ممتاز بزرگوں میں ہوتا ہے۔ آپ نواب میر محبوب علی خان بہادر آصف جاہ سادس اور نواب محمد محی الدین خان بہادر تیغ جنگ سرخورشید جاہ شمس الامراء خامس امیر کبیر رابع مرحوم کے محلات اور نواب محمد رحیم الدین بہادر صاحبزادگان نواب ظفر جنگ شمس الملک وغیرہ امراء کے پیر طریقت تھے، اور بمبئی، دہلی، اجمیر، حرمین شریفین میں آپ کے ہزاروں مریدین وطالبین تھے۔

فن خطاطی میں بھی آپ کو بڑا کمال حاصل تھا، آپ کا خط نستعلیق بڑا دل آویز تھا۔ کسر خطی میں بھی ماہر تھے۔ اس کے علاوہ آپ طبیب حاذق بھی تھے اور ہزاروں مریض آپ کی دواؤں سے شفایاب ہوئے۔ فن طب میں طاعون پر ''الماعون فی الطاعون'' کے نام سے دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی، جس کی جلد اول شرعی احکام اور اس مرض کی مکمل تاریخ وتفصیل وادعیہ واوراد برائے دفع امراض مختلفہ پر مشتمل ہے، جب کہ دوسری جلد میں فن طب کے مباحث ومسائل ہیں۔ آپ کی تصانیف میں: 1. تفسیر صوفی اعظم (غیر مطبوعہ)، 2. البدر فی لیلۃ القدر (سورۃ القدر کی تفسیر، کچھ حصہ مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم 1344ھ و1345ھ)، 3. وسائل الصوفی شرح شمائل النبی للترمذی (کچھ حصہ رسالہ مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم 1344ھ و1345ھ)، 4. سلام بحضور خیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام (مثنوی، مطبوعہ)، 5. اسرار الصیام (فقہی نقطہ نظر کے ساتھ ساتھ صوفیانہ نکات، کچھ حصہ رسالہ مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم 1344ھ و1345ھ)، 6. البرزخ (مشتمل بر تفصیلات بعد از وفات، کچھ حصہ رسالہ مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم 1359ھ)، 7. الصور (مطبوعہ، مشتمل بر تفصیلات وقوع قیامت)، 8. مثانی الصوفی علی مثنوی الرومی (کچھ حصہ رسالہ مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم 1356ھ تا 1360ھ)، 9. نصوص الاعظم شرح فصوص الحکم (غیر مطبوعہ)، 10. القول الانزہ فی مناقب سید الشہداء الحمزۃ (جس کا شائع شدہ

جدید ایڈیشن "تابندہ سیرت امیر حمزہ" کے نام سے بازار میں دستیاب ہے۔)،11. الحق الناطق فی مناقب سیدناامام جعفر الصادق (مطبوعہ، جدید ایڈیشن زیر طبع)،12. النور فی انا اللہ المنصور (غیر مطبوعہ)،13 . فتاوی حضرت صوفی اعظم (غیر مطبوعہ)،14. فتوی التحذیر عن التکفیر المعروف بہ یادگار یادگیر (غیر مطبوعہ)، 15. استعاذہ(تفسیر تعوذ، غیر مطبوعہ)،16. تذکرہ جنت (غیر مطبوعہ)،17. اذکار واشغال قادریہ وچشتیہ (غیر مطبوعہ)،18. مواعظ صوفی اعظم (غیر مطبوعہ) وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر کئی چھوٹے بڑے رسائل بھی آپ کے قلم سے وجود میں آئے، جن میں زیادہ تر تو انقلابات زمانہ کی نذر ہو کر مفقود ہو گئے اور جو باقی رہ گئے تشنہ طباعت ہیں۔

صاحب تصنیف ہونے کے علاوہ آپ عربی فارسی اردو کے ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ عربی و فارسی کے علاحدہ علاحدہ دو قلمی دیوان زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکے اور اسی طرح غیر مطبوعہ اردو کلام میں "محامد پیغمبر" بھی ہے جو کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوبا ہوا شاہکار ہے۔ البتہ آپ کے عارفانہ وصوفیانہ اردو کلام کو آپ ہی کے فرزند اکبر و سجادہ نشین سید الصوفیہ حضرت مفتی ابو الخیر سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری نے ترتیب دے کر "خلاصہ حقیقت" کے تاریخی نام سے 1344ھ میں شائع فرمایا جس کا (103) سالہ قدیم اصل نسخہ آپ کی اولاد کے پاس و نیز مختلف مقامات پر کئی کتب خانوں میں آج بھی محفوظ ہے۔ مذکورہ کتاب کو اور اس کے علاوہ خانوادۂ صوفی اعظم کی دیگر قدیم و جدید مطبوعہ کتابوں کو www.soofiazam.com ویب سائٹ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت صوفی اعظم قطب دکن قدس سرہ کے چار صاحبزادے بقید حیات رہے جن کا ذیل میں تذکرہ ہے۔ جن کے منجملہ صرف دو صاحبزادگان یعنی فرزند اکبر و فرزند اصغر سے سلسلہ اولاد جاری ہے فرزند دوم و سوم کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہے۔

1323 ہجری میں جب حضرت صوفی اعظم قطب دکن قدس سرہ بعزم حج و زیارت حرمین شریفین روانہ ہوئے تو اس وقت آپ کے ہمراہ آپ کے صرف تین ہی صاحبزادے یعنی (1) حضرت مفتی ابو الخیر سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری (المتوفی 16/ربیع الاول 1368ھ م 1949ء) (2) حضرت مولانا ابوالفیض سید شاہ سجاد علی صوفی صافیؔ درویش پاشاہ قادری اور (3) حضرت مولانا ابو البرکات حکیم سید شاہ قادر علی صوفی صفاؔ قادری (المتوفی 1388ھ) سفر حج میں موجود تھے۔ مدینہ منورہ میں طویل قیام اور اس دوران دو بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد 1326 ہجری کے اوائل میں آپ اپنے تینوں صاحبزادوں کے ساتھ حیدرآباد واپس آئے۔ شرف حج و زیارت کے بعد 1328 ہجری میں آپ کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت مولانا ابوالحسنات سید شاہ شجاع الدین علی صوفی اصفی قادری عرف مدنی بادشاہ (المتوفی:1415ھ م 1995ء) کی ولادت ہوئی۔ حضرت صوفی اعظم قطب دکن کے فرزند اکبر اور ان کی اولاد کی تفصیلات صفحات آئندہ میں مرقوم ہیں البتہ فرزند چہارم حضرت مولانا سید شجاع الدین علی صوفی قادری کے فرزند کلاں کا نام بھی مولانا سید شاہ اعظم علی صوفی قادری یم کام یل یل بی (المتوفی:2001ء) تھا جو اپنے والد محترم کی حین حیات وبعد وفات خدمت دین میں تقاریر وخطابات کے ذریعہ نمایاں خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کے بعد موجودہ دور میں ان کے فرزند مولانا سید شاہ ظہیر الدین علی صوفی قادری خدمت قوم وملت میں مصروف کار ہیں۔

1347 ہجری میں طاعون کی وبا کے دوران حضرت صوفی اعظم کی صحت دن بدن گرتی گئی بتاریخ 25/رجب 1349 ہجری پہلے اشارے سے ہی نماز فجر ادا فرمائی اور پھر سلام پھیرتے ہی ذکر کے ساتھ روح مبارک اعلیٰ علیین کی جانب پرواز کر گئی۔ نماز جنازہ آپ کے فرزند اکبر و سجادہ نشین حضرت مفتی ابوالخیر سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری نے دوپہر کے وقت پڑھائی۔ جس کے بعد آپ کے آبائی قبرستان واقع دریچہ بواہیر میں آپ کے والد ماجد و مرشد حضرت صوفی معز کے مزار کے پہلو میں مشرقی جانب قبل از عصر آپ کو سپرد لحد کیا گیا۔ مادۂ تاریخ وصال "ہادی اسلام صوفی اعظم" = 1349ھ ہے۔ حضرت صوفی اعظم کے بعد مسند سجادگی پر آپ کے فرزند اکبر حضرت مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ حسنی حسینی قادری متمکن ہوئے اور علمی دنیا میں بڑے کام کیے اس کے علاوہ آپ کے تینوں برادران صوفی صافیؔ، صوفی صفاؔ اور صوفی اصفیؔ بھی وعظ و نصیحت کے ذریعہ مخلوق کی رشد و ہدایت میں اپنی آخری سانس تک مصروف رہے، تاہم علمی و تصنیفی و تالیفی اور صحافتی میدان میں آپ کے جانشین حضرت مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری نے نمایاں خدمات انجام دیں۔(12)

سید الصوفیہ حضرت مفتی صوفی صفیؔ:

اس عہد آصف جاہی کے آخری حصہ میں گراں قدر علمی خدمات انجام دینے والے حضرت مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری تصوف کدہ محلہ کبوتر خانہ قدیم حیدرآباد میں 10/رمضان المبارک 1312 ہجری کو بروز چہارشنبہ بعد ظہر آپ نے آنکھ کھولی۔ مادۂ تاریخ ولادت "چراغ حق (1312)" ہجری ہے۔

علوم مختلفہ اور سلوک کی تکمیل و نیز تصوف کی تعلیم حقائق و معارف کی تحصیل اپنے پدر بزرگوار حضرت صوفی اعظم قطب دکن قدس سرہ سے کی۔ نیز (1323ھ) میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ سفر حجاز مقدس اور دو سالہ قیام حرمین شریفین کے دوران اکابر علماء و مشائخ حرمین شریفین خصوصاً شیخ عبداللہ المنصوری مفتی مکہ، شیخ الخطباء احمد مکی، شیخ عودہ نابلسی، شیخ سعید القعقاعی اور شیخ العرب سید احمد برزنجی سے جملہ ظاہری و باطنی علوم میں خوب استفادہ کیا۔ 1326 ہجری میں دکن واپس ہوے تو حیدرآباد میں حضرت بحر العلوم حبیب الرحمن بیدلؔ سہارنپوری کی زیر نگرانی فقہ میں تخصص کے ساتھ جامعہ نظامیہ سے فارغ التحصیل ہوئے، نیز بانی جامعہ نظامیہ شیخ الاسلام حضرت انواراللہ فاروقی سے فیض تلمذ حاصل کیا جو اپنے مخصوص حلقہ تصوف کے درس میں آپ کو اپنی سیدھی جانب بٹھاتے اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب "فتوحاتِ مکیہ" کا متن آپ سے پڑھواتے اور خود حضرت فضیلت جنگ اسکے اسرار و نکات کی عارفانہ تشریح فرمایا کرتے تھے۔

آپ ایک فصیح و بلیغ خطیب و واعظ، بلند پایہ ادیب، تاریخ گو شاعر اور بالغ نظر مصنف و مولف و نیز فن خوش خطی کے ماہر تھے جو آپ کو خاندانی طور پر ورثہ میں ملا تھا۔ وعظ و ارشاد والے گھرانے سے تعلق کی بنیاد پر زبان و قلم سے اپنی ساری توانائیاں خدمت دین و ملت، اور بندگان خدا کو خدا اور رسولِ خدا کی محبت و اطاعت سے جوڑنے میں صرف کر دیں۔ افتاء میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ دارالافتاء صوفیہ واقع تصوف منزل قریب ہائیکورٹ کے آپ بانی و مبانی تھے۔ جس کے مفتی کی حیثیت سے سینکڑوں فتوے صادر کرتے ہوے آخر وقت تک دین و ملت کی خدمت فرماتے رہے۔ آپ ہی کی بناء کردہ صدر مجلس صفہ صوفیہ کے تحت آپ نے ایک دارالتصنیف صوفیہ قائم کیا اور اپنے وصال تک عربی، فارسی اور اردو میں کوئی (214) کتب و رسائل شائع فرمائے۔ جس میں حضرت صوفی اعظم قطب دکن کا عرفانی کلام

بزبان اردو "خلاصہ حقیقت" کے تاریخی نام سے 1344ء میں طبع کروایا۔ حضرت سید الصوفیہ کی تصنیفات میں:

1. خزائن الاخبار فی التفسیر بالاحادیث والآثار عرف تفسیر صوفی (کچھ حصہ مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم 1356ھ تا 1360ھ)
2. کنز پیغمبری المعروف بہ اربعین (مطبوعہ)
3. مرشد القاری شرح صحیح البخاری (مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم، شرح ابتدائی دو حدیثیں 1356ھ تا 1360ھ)
4. فتاوی صوفیہ (کتاب الطہارہ مطبوعہ در رسال صوفی اعظم 1352ھ تا 1360ھ)
5. اصول الہدایہ (غیر مطبوعہ)
6. تحفۃ الصوفیہ (مطبوعہ، فتوی متعلق زکوۃ)
7. طعام ولیمہ (مطبوعہ)
8. کشف النقاب عن حکم الحجاب (مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم 1356ھ)
9. مقدمۃ العلم (غیر مطبوعہ)
10. قرۃ العین فی سیرۃ الحسین (مطبوعہ)
11. مطیب الانفاس فی سیرۃ العباس (مطبوعہ)
12. قواعد صفویہ شرح عقائد الصوفیہ (کچھ حصہ مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم 1356ھ تا 1360ھ)
13. تربیت الصوفیہ (کچھ حصہ مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم 1352ھ تا 1360ھ)
14. اسرار تصوف (غیر مطبوعہ)
15. جواہر صوفیہ عرف سلوک قادریہ (غیر مطبوعہ)
16. اصطلاحات صوفیہ عرف ارشادات صوفی اعظم (غیر مطبوعہ)
17. اوامر صوفی اعظم عرف سلوک قادریہ (غیر مطبوعہ)
18. نصوص صوفی اعظم عرف مسائل صوفیہ (غیر مطبوعہ)
19. عصیدۃ الصوفیہ اردو ترجمہ قصیدۃ الغوثیہ (مطبوعہ)
20. قوالی کی سیر (غیر مطبوعہ)
21. رسالہ قدم بوسی (غیر مطبوعہ)
22. اعظم التواریخ (مطبوعہ در رسالہ صوفی اعظم، 1356ھ تا 1360ھ)
23. احکام لیلۃ البراءت (مطبوعہ)
24. فوائد صفیہ اردو ترجمہ عقائد نسفیہ (مطبوعہ)

25. صوفیوں کی جان اردو ترجمہ متن تکمیل الایمان (مطبوعہ)

26. مخزن اسرار صوفیہ ' ترجمہ مفتاح الحقائق (غیر مطبوعہ)

27. دکن کے دوولی (مطبوعہ، سیرت حضرات یوسفین')

28. سوانح بابا (مطبوعہ، حالات حضرت باباشرف الدین سہروردی) '

29. ہدیہ صوفیہ اردو ترجمہ تحفہ مرسلہ (غیر مطبوعہ)

30. الفوائح الصفویہ ترجمہ متممہ الآجرومیہ (غیر مطبوعہ)

وغیرہ کے علاوہ دکن کے متعدد اولیاء اللہ کے حالات و سوانح شامل ہیں جو بے حد مقبول عام ہوئے۔ جن کے منجملہ اکثر تصانیف اسی دار التصنیف صوفیہ سے طبع ہوئیں۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے چنانچہ عربی' فارسی اور اردو زبانوں میں محامد' نعوت اور مناقب اور بطور خاص فن تاریخ گوئی کے اعلیٰ نمونوں پر مشتمل آپ کا گراں مایہ منتشر کلام تشنہ طباعت ہے۔ اردو، فارسی اور عربی کلام میں صفیؔ یا صوفیؔ یا صوفی صفیؔ تخلص فرماتے تھے۔ امام عالی مقام سید الشہداء سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے حضور بزبان عربی آپ کا عرض کردہ ایک سلام

سیدُ الشہداء سلام علیک سبط خیر الوریٰ سلام علیک

کافی مقبول و مشہور ہے۔ آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے آصف جاہ سابع نے اپنے شاہی فرمان کے ذریعہ آپ کو امیر پائیگاہ خورشید جاہی نواب حمایت نواز جنگ کا استاد مقرر فرمایا تھا۔

پچیس سالہ صحافتی خدمات:

تقریباً پچیس سال تک صحافت کے میدان میں بھی آپ نے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں، چنانچہ دینی ماہناموں ''خواتین'' اور ''رسالہ صوفی اعظم'' کے آپ بانی مالک اور مدیر اعلیٰ تھے۔ ''رسالہ صوفی اعظم'' کا پہلا شمارہ حضرت صوفی اعظم قطب دکن کی زیر سرپرستی یوں تو 1343ھ میں ہی منظر عام پر آیا اور آپ کے وصال کے بعد بھی ایک رجسٹرڈ رسالہ کی حیثیت سے پابندی کے ساتھ شائع ہونے لگا اور جس کی اشاعت کا سلسلہ حضرت سید الصوفیہ کے وصال کے تک یعنی قریب پچیس سال تک بلا وقفہ جاری رہا۔ اس رسالہ کو ریاست حیدرآباد دکن کے چودہ اضلاع کے علاوہ شمالی ہند میں بھی بڑی مقبولیت حاصل رہی۔

حضرت صوفی اعظم قطب دکن کے فرزند اکبر و سجادہ نشین کی حیثیت سے اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی معطیہ نقدی معاش و خاندانی سجادگی اور صدر خطابت پر گنہ نرکھوڑہ آپ کے نام ہی جاری ہوئی۔ ہر ماہ ہلالی کی 25/ تاریخ کو تصوف منزل نزد ہائی کورٹ میں بہ پابندی مجلس وعظ و حلقہ ذکر جہری، ماہ محرم کی عظیم مجلس شہادت، ماہ ربیع الاول میں بارہ روزہ محافل میلاد النبی، ربیع الآخر میں گیارہ روزہ مجالس غوثیہ و نیز شب معراج، شب برات و شب قدر کے مواقع پر مکہ مسجد اور تصوف منزل میں منعقدہ محافل کے علاوہ شہر کے دیگر مقامات و مختلف اضلاع دکن و ریاست ہائے بیرونی میں بحیثیت واعظ و خطیب آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اختتام سلطنت آصفیہ کے واعظ سرکار عالی اور معتمد مجلس واعظین دکن کے اعزازی عہدہ پر بھی فائز رہے۔ مسجد محلہ کمیلہ قدیم گھانسی بازار میں ہفتہ واری درس تفسیر کا بھی اہتمام فرماتے۔ آپ

کے مواعظ میں شائقین دور دور سے آکر علمی نکات اور معلومات سے نہ صرف محظوظ و فیضیاب ہوتے بلکہ اپنے اندر صالح انقلاب محسوس کرتے۔ دوران وعظ مثنوی مولانا روم کے اشعار مخصوص ترنم میں جب آپ سناتے تو ایک سماں بندھ جاتا۔ تصوف منزل پر ہفتہ واری درس فقہ اور حلقۂ درس میں شرکت کرنے والوں میں عالم اسلام کی معروف شخصیت ڈاکٹر حمید اللہ (فرانس) بھی ہیں جو اپنی تکمیل مولوی کامل کے دوران تصوف منزل حاضر ہوتے اور دوران درس جب موصوف نہایت دقیق نکات چھیڑ دیتے تو حضرت سید الصوفیہ کی عالمانہ و محققانہ تشریحات سے سارے شرکائے درس مستفیض ہوا کرتے۔

افضل العلماء:

1353 ہجری میں مدراس سیرت کمیٹی کے زیر اہتمام مدراس(چینائی) میں سمندر کے کنارے ایک عظیم الشان تاریخی جلسہ میلاد النبی ﷺ زیر صدارت پرنس آف آرکاٹ سر غلام محمد علی خاں منعقد ہوا تو اس جلسہ سے خطاب کرنے کے لیے حضرت سید الصوفیہ کو خاص طور پر حیدرآباد سے مدعو کیا گیا تھا۔ آپ کا بصیرت افروز خطاب ختم ہوتے ہی طالبان حق کی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ تقریباً ڈھائی ہزار نفوس نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور علمائے مدراس نے آپ کی خدمت میں ”افضل العلماء“ کا اعزازی خطاب پیش کیا۔

علمائے عرب نے بھی آپ سے استفادہ کیا،1365ھ م1946ء میں اپنے تیسرے حج کے موقع پر حرم کعبۃ اللہ میں آپ کے حلقہ درس حدیث و تصوف میں عرب کے علماء بھی شریک رہتے تھے جن میں علامہ سید محمود علی اسماعیل المرغنی المصری اسکالر جامعہ ازہر نے تصوف کے لطیف موضوعات پر کئی دن تک مسلسل حضرت سید الصوفیہ سے عربی زبان میں بحث کرنے کے بعد بالآخر آپ کی پیشانی کو چوم لیا اور حضرت سید الصوفیہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے اور خرقہ خلافت سے بھی نوازے گئے۔ جس کے فوراً بعد آپ کی شان میں موصوف نے فی البدیہہ ایک عربی قصیدہ لکھ کر پیش کیا جو فصاحت و بلاغت اور قرآنی تلمیحات کا نایاب مرقع ہے۔ 1443ھ م2022ء میں بحرین سے مطبوعہ ایک کتاب بنام "الاجازات الہندیه وتراجم علمائها" مولفہ عمر بن محمد سراج حبیب اللہ کی جلد: ثانی، ص: 779 پر شیخ سلیمان بن عبدالرحمٰن الصنیع مکی (المتوفی: 1389ھ) کو عطا کردہ آپ کی تحریری سند کی تصویر شائع ہوئی ہے۔

دوران سفر آپ کے ہمراہ بحری جہاز میں حیدرآباد کے ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس، فرانس) ڈاکٹر ولی الدین وغیرہ بھی تھے۔ احرام باندھنے سے متعلق میقات کے مسئلہ پر بمقام یلملم و نیز دیگر مسائل مناسک حج پر آپ کے اختیار کردہ موقف سے متاثر ہو کر نہ صرف آپ کی قابلیت کا اعتراف کیا بلکہ ڈاکٹر حمید اللہ و دیگر نے دوران سفر حج آپ سے استفادہ بھی کیا۔ اس سفر کے دوران مختلف ممالک سے آئے ہوئے فضلاء عرب جب آپ کے تبحر علمی سے واقف و مستفید ہوئے تو آپ کو سید الصوفیہ اور محدث فی الدکن کے القاب سے یاد کرنے لگے۔

بحیثیت شیخ الدلائل فی الدکن:

اپنے والد ماجد کے ساتھ آپ نے اپنے قیام مدینہ منورہ کے دوران 1324ھ میں شیخ الدلائل وقت محمد امین بن سید احمد رضوان سے ”دلائل الخیرات“ کی خصوصی اجازت حاصل فرمائی اور دکن میں خود ”شیخ الدلائل“ رہے کیونکہ آپ کی بارہویں پشت کے جد امجد حضرت سید ابو الحسن فخر الدین امیر علی صوفی زاہد قادری قدس سرہ کو خود مصنف دلائل الخیرات حضرت شیخ عبداللہ بن سلیمان جزولی قدس سرہ (المتوفی

870ھ) سے ملاقات کرنے اور بالمشافہ اجازت لینے کا شرف حاصل تھا اس طرح حضرت سید الصوفیہ کو اپنے پدر بزرگوار سے دلائل الخیرات کی خاندانی اجازت بھی حاصل تھی۔ 1366ھ میں اپنے تیسرے حج کے موقع پر شیخ الدلائل حضرت ابوالحسن سید احمد بن سید محمد مدنی سے بھی دلائل الخیرات کی اجازت کا باہم تبادلہ فرمایا۔ حضرت سید الصوفیہ کئی طریقوں کے ذریعہ دلائل الخیرات کی اجازت رکھنے کی وجہ سے شیخ الدلائل فی الدکن کی حیثیت سے معروف تھے اور شائقینِ دلائل الخیرات وعاشقین مصطفی ﷺ کو اجازت دیا کرتے تھے۔

ٹیکمال سے تعلق مصاہرت اور آپ کی اولاد: حضرت سید الصوفیہ کا عقد بتاریخ 24/ربیع الثانی 1328 ہجری عارف باللہ حضرت الحاج سید شاہ یٰسین پاشاہ قادری (المتوفی 1333ھ) مشائخ ٹیکمال کی صاحبزادی سے انجام پایا جنکا نسبی سلسلہ (30) واسطوں سے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ سسرالی بزرگانِ دین کا مبارک آستانہ قصبۂ ٹیکمال ضلع میدک میں واقع ہے۔ آپ کے جملہ چار صاحبزادے (1) حضرت ابوالمحمود سید محمد علی صوفی سید بادشاہ قادری (جو سید الصوفیہ کے حین حیات بعمر 18 سال 1347ھ میں فوت ہوگئے) (2) حضرت ابوالتسلیم سید شاہ رضا علی صوفی معزبادشاہ قادری (المتوفی 1412ھ م 1992ء) (3) حضرت ابوالاعظم قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی اعظم دوم عرف مرشد پیر واعظم پیر قادری (المتوفی: 1441ھ م 2020ء) جن کی تفصیلات سطور آئندہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں (4) حضرت سید شاہ سجاد علی صوفی اعلیٰ بادشاہ قادری (المتوفی 1424ھ م 2003ء) اور تین صاحبزادیاں ہویں جو کم عمری میں لاولد فوت ہوگئیں۔

وصال وتدفین: الغرض اقلیم شریعت وطریقت کا یہ تاجدار جس کے شب وروز عشق رسول میں ڈوبے ہوئے تھے ہزاروں تلامذہ اور بے شمار مریدین وطالبین کو عرفان وآگہی کی دولت بانٹنے کے بعد بتاریخ 15/ربیع المنور 1368 ہجری بروز شنبہ بوقت عشاء ذکر جہری کرتے ہوئے آخر میں کلمہ شہادت کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ چہرہ سے سینے تک پھیرتے ہوئے واصل بحق ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مجمع کثیر میں نماز جنازہ آپ کے فرزند اعظم حضرت قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی اعظم قادری (حضرت اعظم المشائخ) نے پڑھائی اور دوسرے دن آپ کے آبائی مقبرہ واقع دریچہ بواہیر کے عقبی حصہ میں جسد خاکی کو سپرد لحد کیا گیا۔ آپ کے ہجری مادۂ تاریخ وصال کا استخراج حضرت اعظم المشائخ علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک قرآنی آیت "ان المتقین فی جنات و عیون" (حجر۔45) سے برآمد کرتے ہوئے اپنے ایک تاریخی فارسی شعر میں سید الصوفیہ کے سن ولادت، عمر شریف اور سن رحلت کو اس طرح جمع کردیا ہے:

چراغِ حق" سنِ پیدائش و "اہل ہدیٰ" عمرش | سنِ رحلت از "اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ تا عُیُوْن" آیت

1312ھ | 1368ھ

تلامذہ: آپ کے خرمن فیض سے مستفید ہونے والے بے شمار اصحاب میں آپ کے صاحبزادگان کے علاوہ حضرت مولانا سید احمد عبدالقادر حسینی سجادہ نشین پنجم ٹیکمال، حضرت حسین شجاع الدین صدیقی عزتؔ فرزند وجانشین حضرت بحر العلوم محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ، شیخ القراء حضرت شیخ سالم العمودی صوفیانی، مولانا ابوالعرفان شاہ وزیر الدین صوفی، مولانا حکیم مسیح الدین صوفی، ڈاکٹر تجمل علی خاں، ڈاکٹر حمید اللہ اور محمد خیر الدین صاحب ایڈوکیٹ قابل ذکر ہیں۔ (13)

مرحلہ چہارم آزادی کے بعد:

1947ء میں ہندوستان آزاد ہوا اور 1949ء میں حضرت سید الصوفیہ کے وصال اور پولس ایکشن کے ناقابل بیان حالات کے باوجود بھی خاندان صوفیہ کی خدمات کا سلسہ جاری رہا چنانچہ آپ کے بعد آپ کے فرزند دوم معروف بہ اعظم المشائخ نے زائد از نصف صدی خدمات انجام دیں۔

حضرت اعظم المشائخ:

حضرت علامہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی اعظمؔ القادری بتاریخ 16 / ربیع الاول 1350ھ م جولائی 1931ء بروز یکشنبہ بمقام تصوف کدہ واقع کبوتر خانہ قدیم بلدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد تولد ہوئے۔ ہجری مادۂ تاریخ ولادت: "صوفی اعظم حبیب سبحانی" = 1350ھ ہے۔

حضرت سید الصوفیہ اپنے صاحبزادہ (حضرت اعظم المشائخ) کے نام کی وجہ تسمیہ اپنی ڈائری میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> "میرے والد و مرشد حضرت صوفی اعظم قطب دکن قدس سرہ رجب 1349ھ میں اپنے وصال کے چند دن بعد رویا میں جلوہ گر ہوے اور یہ بشارت دی کہ فکر و غم مت کرو۔ عنقریب حق تعالیٰ تمھیں اپنے اسلاف کی خصوصیات کا حامل ایک ایسا فرزند عطا فرمائے گا جس سے ہمارا خاندانی فیضان جاری رہے گا۔ پیدا ہونے پر اس (نومولود) کا نام میرے ہی نام (سید اعظم علی صوفی) پر رکھو"۔

چنانچہ آپ کا اسم گرامی حسب ہدایت و بشارت' دادا ہی کا نام یعنی سید اعظم علی صوفی کنیت ابوالاعظم' عرفیت "مرشد پیر" رکھا گیا۔ لیکن عرف عام میں اعظم المشائخ "قاضی صاحب قبلہ" "خطیب اہلسنت" علمی حلقوں میں "مصباح المفسرین اور مریدین و متوسلین میں "صوفی اعظم ثانی' اعظم پیر قبلہ اور حضرت صوفی اعظم المشائخ قبلہ " کے مقبول القاب کے ساتھ جانے پہچانے جاتے تھے۔ یہ آپ کے والد بزرگوار حضرت سید الصوفیہ کی دور اندیشی اور زمانہ شناسی ہی تھی کہ اپنے فرزندوں کی ایک طرف گھر کے روحانی و علمی ماحول میں دینی تعلیم و تربیت سے مزین فرمایا اور دوسری طرف عصری تعلیم کے حصول پر بھی زور دیا جس کا نتیجہ ہے کہ علوم اسلامی میں جامعہ نظامیہ اور عصری علوم میں جامعہ عثمانیہ سے آراستہ و پیراستہ حضرت قبلہ اپنے اندر "قدیم صالح اور جدید نافع" کی بہترین مثال تھے۔

سینہ بہ سینہ علوم کی منتقلی: حضرت قبلہ اپنے والد محترم حضرت سید الصوفیہ کے منجھلے فرزند ہیں۔ وصال سے چند منٹ قبل حضرت سید الصوفیہ نے اپنے اس منجھلے صاحبزادے کو نہایت قوت کے ساتھ سینے سے چمٹالیا اس وقت جسم کے ایک ایک بال سے اللہ کا ذکر سنائی دے رہا تھا اسی لمحہ ادھر حضرت سید الصوفیہ نے اپنی جان جان آفرین کے حوالے فرمادی اِدھر حضرت قبلہ اپنے والد بزگوار حضرت سید الصوفیہ کے سینے سے ملنے والے خصوصی انوار و تجلیات کی وجہ سے مدہوش ہوگئے۔

آپ نے سات برس کی عمر ہی میں ناظرہ و قرآن مکمل کر لیا اور بہت جلد قاری عشرہ حضرت قاری شیخ سالم عمودی صوفیانی کو مکمل قرآن مع تجوید سنانے کے بعد کم عمری ہی میں جامعہ نظامیہ کے امتحانات تجوید' امامت و خطابت اور قضاءت میں امتیازی درجہ سے کامیابی حاصل کی۔ عربی ادب اور صرف و نحو کی تعلیم مولانا محفوظ شریف اور جامعہ ازہر مصر کے فارغ مولانا صالح ازہری سے حاصل کی منشی فاضل کے

علاوہ ''مدرسۂ صوفیہ'' ملحقہ جامعہ نظامیہ سے دیگر علماء و دانشوران کے ساتھ دنیا بھر کے مشہور و معیاری نصاب یعنی ''درس نظامی'' کی تکمیل کے بعد اپنے والد ماجد سے تفسیر' حدیث و اصول حدیث' فقہ و اصول فقہ' تصوف' کلام' منطق' ادب' معانی اور فلسفہ وغیرہ جملہ علوم عربیہ کی تحصیل کی اور سند سے نوازے گئے۔ حدیث کا دوبارہ دور کیا' تفسیر میں خصوصی درک اور فتویٰ نویسی میں خاص تربیت حاصل کی۔ تو دوسری جانب عصری علوم کے سلسلہ میں سٹی کالج اور پھر عثمانیہ یونیورسٹی سے بی ایس سی کی تکمیل کی۔

مشرقی و عصری علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ آپ کو انگریزی' اردو' عربی اور فارسی پر مکمل عبور تھا اور ان میں تحریر و تقریر و نیز ان زبانوں کے درمیان باہم ترجمہ پر کامل دسترس حاصل تھی۔ سلوک تصوف اور مراقبات و مجاہدات طریقت اوراذکار و اشغال کے جملہ مراحل طے کرلینے کے بعد اپنے والد ماجد ہی کے دست اقدس سے قادریہ مخرمیہ' قادریہ نسبیہ' چشتیہ' سہروردیہ' نقشبندیہ اور اویسیہ وغیرہ جملہ سلسلوں میں بمقام تصوف منزل نزد ہائی کورٹ حضرت صوفی اعظم قطب دکن کے سولھویں عرس شریف کے موقع پر بتاریخ 26/رجب المرجب 1365ھ مجمع خاص وعام میں سند و دستار فضیلت اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوے۔

ازواج واولاد: حضرت قبلہ کا عقد بتاریخ 11/ذیقعدہ 1375ھ مطابق 21/جون 1956ء حضرت سید شاہ محمود بادشاہ قادری سجادہ نشین درگاہ شریف ٹیکمال کی نبسی اور طبیب حاذق حضرت حکیم خواجہ محمد اعظم اللہ صدیقی کی صاحبزادی سے انجام پایا۔ اوراولاد میں آپ کو بفضلہ تعالیٰ ایک صاحبزادی اور پانچ صاحبزادے ہوئے۔ پہلے صاحبزادے الحاج قاری سید شاہ احمد علی صوفی پیر بادشاہ قادری بی۔ای میکانیکل انجینیر جو آپ کی درگاہ کے سجادہ نشین ہیں، دوسرے صاحبزادے الحاج سید شاہ محمد علی صوفی درویش بادشاہ قادری بی۔ای سیول انجینیر (2020ء وفات)، تیسرے فرزند الحاج قاری قاضی سید شاہ مصطفی علی صوفی سعید بادشاہ قادری ایم۔اے' اے ڈی ایم اے۔ چوتھے فرزند ڈاکٹر حافظ و قاری الحاج سید شاہ مرتضی علی صوفی حیدر بادشاہ قادری کامل الحدیث' جامعہ نظامیہ اور عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم اے (عربی) پی ایچ ڈی ہیں۔ پانچویں فرزند قاری سید شاہ مجتبیٰ علی صوفی شبیر بادشاہ قادری ایم سی اے۔

اشاعت دین حق کے لیے جدوجہد: اپنے والد محترم کے سایہ سے محرومی کے باعث گریجویشن کے بعد حالات' کسب معاش کے متقاضی ہوگئے ریلوے سرویس کمیشن کے امتحانات میں امتیازی کامیابی حاصل کرنے کے بعد مرکزی حکومت کے محکمہ ریلوے شعبہ آپریٹنگ سے وابستگی اختیار کرلی اور ملازمت کے ساتھ ساتھ دین وملت کی اشاعت میں حتی المقدور حصہ ادا کیا۔ ملازمت کے دوران اپنی بہترین کارکردگی کے ذریعے متعدد اعزازات' توصیفی صداقت نامے' تمغے حاصل کیے 1990ء میں وظیفۂ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے بعد تکمیل ملازمت 1990ء کے بعد سے مسلسل اپنے شب و روز کو دینی' علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے لیے مکمل طور پر وقف کردیا۔ دوران ملازمت اپنے خانگی و سرکاری دوروں میں مختلف مقامات جیسے قاضی پیٹھ' رائچور' بیدر' واڑی' گلبرگہ' نظام آباد' پورنا' اور پربھنی واورنگ آباد وغیرہ میں قیام کرکے سیرت ومیلاد اور عظمت اولیاء کے بے شمار جلسوں کو اردو وانگریزی ہر دو زبانوں میں مخاطب کیا۔

علمی کارنامے:

صحافتی خدمات:1970ء کے دہے سے شہر کے مشہور اردو اخبارات سیاست' منصف' رہنمائے دکن کے علاوہ ملک کے ممتاز اخبارات و رسائل قومی آواز' تہذیب الاخلاق علی گڈھ' راشٹریہ سہارا دہلی وغیرہ میں قاضی صاحب کے ادبی دینی وعلمی مختلف موضوعات پر بے شمار مضامین اور تحقیقی مقالات اکثر شائع ہوتے رہے اور علمی حلقوں میں پسند کیے جاتے رہے۔ انگریزی جرائد' اخبارات ورسائل میں حضرت قبلہ کے علمی مضامین اور تحقیقی مقالات شائع ہوا کرتے۔ علاوہ ازیں بحیثیت صحافی 21 سالہ خدمات میں ماہنامہ رسالہ صوفی اعظم کے مسلسل(20)سال کی مدت میں شائع شدہ تقریبا(250) شمارے آپ کی یادگار ہیں دراصل حضرت قبلہ کے والد محترم حضرت سید الصوفیہ مفتی سید شاہ احمد علی صوفی قادری نے اپنے والد بزرگوار کے نام نامی پر 1343ھ میں ایک دینی علمی واصلاحی ماہنامہ رسالہ صوفی اعظم کی بناء ڈالی تھی جو پچیس سال تک مسلسل شائع ہوتا رہا جس کے اس وقت بھی حضرت اعظم المشائخ معاون مدیر تھے انقلابات زمانہ کے باعث اس کی اشاعت مسدود ہوگئی تھی جس کی تقریباً60 سال بعد دوبارہ اشاعت کا 2001ء م 1422ھ میں نئی آب وتاب کے ساتھ آپ ہی نے آغاز فرمایا تھا۔ جس میں آپ نے اپنے فرزند سوم وچہارم کو بھی بطور خادم ومعاون اور نگران امور طباعت واشاعت خدمت کا موقع عنایت فرمایا چنانچہ یہ رسالہ حضرت کے وصال 2020ء تک بلاناغہ بہ پابندی ہر ماہ جاری ہوتا رہا۔

دروس تفسیر قرآن: اعظم المشائخ حضرت قبلہ کے ماہانہ اور ہفتہ واری دروس تفسیر قرآن اور مواعظ حسنہ کو بڑی مقبولیت حاصل تھی جو شہر کے مختلف مساجد ومراکز میں پابندی کے ساتھ منعقد ہوتے رہے چنانچہ سابق میں مسجد کمیلہ یاقوت پورہ' مسجد عثمانیہ فیل خانہ بیگم بازار میں مسلسل تقریبا(4) سال اور مسجد محی الدین النساء ملک پیٹ میں بھی کئی سال منعقدہ حضرت قبلہ کے ہفتہ واری درس تفسیر سے عوام وخواص سب ہی نے استفادہ کیا بعد میں ناسازی مزاج کی بناء پر اس سلسلہ کو خطابت جامع مسجد بی۔ ایچ۔ ای۔ یل راچندرا پورم تک (جو مسلسل تیس (30) برس رہی) اور جامع مسجد صحیفہ اعظم پورہ حیدرآباد میں ہر اتوار کو بعد ظہر سلسلہ وار درس تفسیر قرآن تک محدود کردیا گیا تھا جو زائد از بیس برس جاری رہا ایک قرآن مجید کی تکمیل کے بعد دوسرا دور 9 پاروں تک چلا)' نیز مراد نگر میں ماہانہ درس قرآن خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں دور دور سے کثیر تعداد میں اہل ذوق اصحاب شریک ہوکر استفادہ کیا کرتے اور جن میں زیادہ تر اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان' ڈاکٹرز' انجینیرز اور دانشور شامل ہوا کرتے۔ آپ کی دلپذیر اور سائنٹفک مثالوں کے ذریعہ تفہیم نے مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ کئی غیر مسلموں کو تک نہ صرف متاثر کیا بلکہ انہیں دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے پر مجبور کردیا۔ جس کی ایک مثال مسجد محی الدین النساء ملک پیٹ میں منعقدہ شب معراج کے موقع پر کمپیوٹر انجینیر کے قبول اسلام کا واقعہ کافی مشہور ہے۔ حضرت کی زیر نگرانی چھ برس تک میلاد پاک کا جشن بنام UNIQUE MEELAD CONFERENCE بالکل منفرد انداز میں منایا جاتا رہا جس میں آیات قرآنی کا ترجمہ' نعت شریف' خطابات اور آخر میں سلام سب انگریزی زبان میں ہوا کرتا۔ جس سے انگریزی داں نوجوان مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ غیر مسلم حضرات کو بھی اسلام اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغامِ امن وانسانیت' اخوت ورحمت سننے کا موقع نصیب ہوتا رہا۔ جس میں سامعین کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں خطاب کرنے والے نئے نئے اسپیکرس بھی حصہ لیا کرتے۔

تصنیفی و تالیفی خدمات: آپ بیک وقت قاضی وہادی شریعت بھی تھے پیر طریقت بھی‘ مقرر بھی تھے مفسر بھی‘ ادیب بھی تھے خطیب بھی‘ عربی فارسی انگریزی اردو زبان و ادب کے مترجم ماہر بھی تھے تو سخنور و شاعر بھی‘ مصنف بھی تھے مولف بھی۔ چنانچہ تقریبا(50) سے زائد آپ کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1. دلائل الخیرات عربی سے اردو ترجمہ (مطبوعہ)
2. اوراد قادریہ (حصہ اول،دوم وسوم، عربی سے اردو ترجمہ، مطبوعہ)
3. سر الاسرار (عربی سے اردو ترجمہ، مطبوعہ)
4. بشائر الخیرات (عربی سے اردو ترجمہ، مطبوعہ)
5. ورد جلالہ جیلانی، دعا جیلانی (عربی سے اردو ترجمہ، مطبوعہ)
6. مکتوبات غوث اعظم (فارسی سیا ردو ترجمہ، مطبوعہ)
7. معین الاولیاء (فارسی سے اردو ترجمہ، مطبوعہ)
8. عمرہ وحج اور زیارت مدینہ (مطبوعہ)
9. Hajj & Umrah (مطبوعہ)
10. تجلیات بغداد (مطبوعہ)
11. مقدس ٹیکمال (مطبوعہ)
12. زین حفاظ قرآن (مطبوعہ)

13. (عظمت والدین) اسی اردو کتاب عظمت والدین کا انگریزی ترجمہ The Dignity Of Parents بھی شائع ہو چکا ہے جو امریکہ کینیڈا اور دیگر یوروپی ممالک میں بے حد مقبول ہوا۔ و نیز گجراتی زبان میں بھی جس کا ترجمہ کروا کر سرزمین گجرات میں تقسیم کروایا گیا۔

14. مقالات فی موضوعات اسلامی: ویسٹ انڈیز کے ممتاز ڈاکٹر (طبیب) ابراھیم کاظم کی اسلام کے مختلف موضوعات پر سائنسی نقطہ نظر سے تحقیقی تحریروں پر مشتمل انگریزی کتاب Essays on Islamic Topics کا بامحاورہ اور سلیس اردو ترجمہ حضرت اعظم المشائخ نے کیا۔ جو پاکستان میں طبع ہو کر نہایت مقبول ہوا۔

15. عظمت اولیاء کرام (مطبوعہ)
16. زیارت قبور (مطبوعہ)
17. فاتحہ اموات (مطبوعہ)
18. سوانح مولانا معز کوہیری (مطبوعہ)
19. حالات حضرت حسین شاہ ولی (مطبوعہ)
20. مبارک دن مقدس راتیں (مطبوعہ)
21. زاد الموحدین فارسی سے اردو ترجمہ حصہ اول (مطبوعہ)
22. زاد الموحدین فارسی سے اردو ترجمہ حصہ دوم (مطبوعہ)
23. شاہد الوجود فارسی سے اردو ترجمہ (مطبوعہ)
24. شاہد اذکار فارسی سے اردو ترجمہ و تشریح (مطبوعہ)
25. شمیم الانوار (مطبوعہ، حضرت حافظ محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ علیہ الرحمہ بانی جامعہ نظامیہ کے فارسی اشعار پر مشتمل کتاب)
26. زکوٰۃ پر تحفۃ الصوفیہ کا انگریزی ترجمہ موسوم بہ Zakat (مطبوعہ)
27. Introduction of Islam (مطبوعہ)
28. گنجینۂ درود شریف عربی سے اردو ترجمہ حصہ اول (مطبوعہ)
29. گنجینۂ درود شریف عربی سے اردو ترجمہ حصہ دوم (مطبوعہ)
30. اعظم البرکات عربی سے اردو ترجمہ (مطبوعہ)
31. رفیقہ مصطفی (سوانح ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری، مطبوعہ)
32. عقد اللالی فارسی سے اردو ترجمہ (مطبوعہ)
33. انیس العشاق فارسی سے اردو ترجمہ (فارسی دیوان حضرت بندہ نواز غیر مطبوعہ) مع تراجم وغیرہ نامی دیگر تالیفات و تراجم کو بے حد

مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کے متعدد ایڈیشن بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی کتابوں پر تبصرہ اور مختلف موضوعات پر شائع ہونے والی کتابوں میں تقاریظ و مقدمات تحریر کرنے کے لیے بھی حضرت اعظم المشائخ کو اکثر زحمت دی جاتی رہی۔

دینی محافل و سمینارس میں بحیثیت محقق و مقرر شرکت: سیرت و میلاد کی محافل اور کانفرنسوں سے خطاب کرنے کے لیے ملک بھر کی متعدد تنظیموں کی جانب سے اور اسلامیات و قرآنیات اور تصوف پر توسیعی لکچرز دینے کے لیے کالجوں اور تعلیمی اداروں کی جانب سے نیز موضوعاتی سمینارز میں تحقیقی مقالات پڑھنے کے لیے ملک و بیرون ملک سے آپ کو مدعو کیا جاتا تھا۔

بمقام لاس اینجلس امریکہ میں منعقدہ "International Islamic Unity Conference" میں مقالہ سنانے کے لیے امریکی تنظیم "Al Sunnah Foundation of America" کی جانب سے حضرت کو مدعو کیا گیا تھا۔ جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے ایک سو پچیس سالہ جشن کے بین الاقوامی سمینار میں صوفی کانفرنس کے آل انڈیا سمینار میں سالار جنگ میوزیم میں کل ہند سمینار میں عرس شریف حضرت بندہ نواز کے موقع پر کل ہند سمینار میں صد سالہ عرس شریف حضرت سردار بیگ کے موقع پر کل ہند سمینار میں دارالعلوم نعمانیہ کے فقہی سمینار میں مولانا آزاد ریسرچ کاؤنسل کی جانب سے منعقدہ سمینار میں شاہ راجو اکیڈیمی' کامل اکیڈمی' انجمن قادریہ' زاویہ قادریہ ٹرسٹ' انجمن ثقافت اسلامی گلبرگہ وغیرہ جن کو ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے علماء کرام اور دانشوروں نے خوب سراہااور علمی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیامیں بھی آپ نے مختلف موضوعات پر اپنے مقالے سنائے جن میں سے اکثر ان کی جانب سے شائع بھی کیے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ سال تمام عموماً اعراس کے موقع پر فیضان اولیاء کے عنوان سے منعقد ہونے والے جلسوں میں اور خصوصاً محرم میں یاد حسین رضی اللہ عنہ' ربیع الاول میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم' ربیع الآخر میں فیضان غوث اعظم' مقدس راتوں شب معراج' شب برات' شب قدر و نیز رمضان مبارک میں مختلف موضوعات اور بالخصوص عشرہ آخر میں طاق راتوں کے دوروان اور ماہ ذی الحجہ یاد ابراہیم خلیل اللہ کے جلسوں میں خطاب کے لیے مدعو کیا جاتا۔ حج' رویت ہلال اور عرس حضرت خواجہ غریب نواز کے مواقع پر ETV کی بین الاقوامی نشریات وtv4کی جانب سے Live Telecast کے دوران کئی بیرونی ممالک سے وصول شدہ SMS کے ذریعہ دینی استفسارات کے برموقع جوابات دینے کے لیے بھی آپ کو مدعو کیا جاتا۔

حج سمینارز کا اہتمام: پچھلے پچیس سالوں سے بہ پابندی ہر سال ریاست و بیرون ریاست میں حج سمینارز کا انعقاد اور اس سلسلہ میں (ماڈلس اور نقشہ جات کے ذریعہ) عازمین حج اور معتمرین کی زبانی' عملی رہبری و رہنمائی کے ضمن میں حضرت اعظم المشائخ اپنی ایک منفرد شناخت رکھتے تھے۔ حیدرآباد و سکندرآباد کے علاوہ اجمیر شریف' ناندیڑ' بلھاری' رائچور' نظام آباد' محبوب نگر' بیدر وغیرہ میں آپ کو حج سمینارز میں خطاب کیلیے مدعو کیا جاتا ہے نہ صرف منعقدہ سمینارز میں بلکہ چوبیس گھنٹے فون پر موسم حج میں عازمین حج کے شکوک و شبہات اور مختلف فقہی و انتظامی سوالات کے برموقع تشفی بخش جوابات دینے میں حضرت قبلہ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت کی طرف سے آپ کو نہ صرف حج کمیٹی کا رکن نامزد کیا گیا تھا بلکہ حکومتی سطح پر ہر سال ایک حج سمینار حضرت قبلہ کی سرپرستی میں منعقد ہوتا ہے نیز ہر سال خادم الحجاج کے تقرر کے موقع پر بحیثیت جج آپ کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔

شعر وشاعری و تاریخ گوئی: تخلص اعظمؔ اور کبھی صوفی اعظم سے آپ طبع آزمائی فرماتے۔ دکن کے بزرگ اور کہنہ مشق شعراء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کی نگرانی و صدارت میں اکثر نعتیہ مشاعرے منعقد ہوا کرتے۔ بزرگان دین کے اعراس کے موقعوں پر منعقدہ نعتیہ منقبتی مشاعروں میں آپ کا کلام شوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام کے دو مجموعے موسومہ "تجلیات مدینہ" و "اعظمیات" طبع ہو کر کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ فن تاریخ گوئی میں تو حضرت کو خداداد کمال حاصل تھا آپ کو گویا اپنے اسلاف سے یہ فن ورثہ میں ملا تھا۔ اپنے عہد کے ممتاز و منفرد تاریخ گو شاعر تھے آپ کی تاریخ گوئی کے نمونے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں موجود ہیں اور کئی عمارتوں کی زینت بھی بنے ہوئے ہیں۔

فن خطاطی وخوش خطی: میں بھی آپ کو خاصا دخل تھا اور یہ فن بھی آپ کے اسلاف کی امتیازی شناخت ہے۔ ویسے آپ کی عام تحریر خود اس قدر خوبصورت اور دیدہ زیب ہوتی جیسے کہ الفاظ کی شکل میں موتیوں کی لڑی ہے۔ اس فن میں ہمہ خاندان آفتاب ہے۔

سرپرستی: ان خصوصیتوں اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طبقہ مشائخ کی ایک نمائندہ تنظیم کل ہند جمعیۃ المشائخ نے آپ کو صدارت کی ذمہ داریاں سونپی چنانچہ 1997ء سے تادم آخر 2020ء سات میقاتوں تک آپ ہی کو بار بار صدر منتخب کیا جاتا رہا۔ اور جب سے آپ نے اس عہدہ کو زینت بخشی ہے تب ہی سے وہ تنظیم جو صرف کاغذی اور برائے نام تھی اس میں آپ نے اس تنظیم کو نئی جان ڈالتے ہوئے بے حد فعال بنا دیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ نے علوم دینیہ کی اشاعت کی غرض سے اپنے والد گرامی حضرت سید الصوفیہ سے موسوم سید الصوفیہ اکیڈمی کا قیام بھی فرمایا اور مختلف دینی، علمی و ادبی تنظیموں مثلاً صفہ صوفیہ، مکتبۂ صوفیہ کے سرپرست، نیز صفۃ المصنفین کے صدر نشین اور ٹیکمال درگاہ سوسائٹی کے نائب صدر تھے ساتھ ہی ساتھ کئی مدرسوں اور دیگر تنظیموں کے مشیر امور مذہبی رہے۔

وصال: جنوری 2020ء م جمادی الاولی 1441ھ میں عمرہ وزیارت روضۂ اطہر کے لیے حجاز مقدس میں آپ کی حاضری اس دربار کی آخری حاضر ثابت ہوئی چنانچہ واپسی کے تقریباً پانچ ماہ بعد مختصر سی علالت نے آپ کو ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا اس طرح عبقری صفات کی حامل صوفی باصفا عالم باعمل شخصیت نے جس کی صبح و شام محبت خدا و عشق رسول میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے بے شمار تلامذہ، سیکڑوں خلفاء، ہزاروں مریدین و طالبین اور معتقدین اور لاکھوں محبین کو علم و عرفان کی دولت بانٹنے کے بعد بتاریخ 4/ ذیقعدہ 1441ھ شب جمعہ ذکر جہری کرتے ہوئے کلام پاک سنتے اور مسکراتے ہوئے بعمر (91) سال آپ نے وصال حق فرمایا اور آپ کی روح قفس عنصری سے نکل کر اعلی علیین کی طرف روانہ ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون ہجری مادۂ تاریخ وفات کا استخراج آپ کے فرزند چہارم ڈاکٹر حیدر پاشاہ نے: آہ باحق وصال صوفی اعظم = 1441ھ سے کیا ہے۔ نماز جنازہ آپ کے بڑے فرزند و جانشین مولانا قاضی سید شاہ احمد علی صوفی ثانی پیر پاشاہ قادری صاحب نے پڑھائی اور فرزند چہارم ڈاکٹر حافظ و قاری سید شاہ مرتضیٰ علی صوفی حیدرؔ پاشاہ قادری نے دعا کی علماء و مشائخ مریدین و معتقدین کے مجمع کثیر میں بمقام خانقاہ و مسجد ایوان صوفی اعظم شاہین نگر بادیدۂ نم آپ کے جسد خاکی کو سپرد لحد کیا گیا۔ اس موقع پر آپ کے سارے فرزندان و نبیرگان و خلفاء بشمول مولانا سید شاہ محمد علی صوفی درویش پاشاہ قادری، مولانا قاضی سید شاہ مصطفی علی صوفی سعید پاشاہ قادری صاحب و مولانا سید شاہ مجتبیٰ علی صوفی شبیر پاشاہ قادری صاحب موجود تھے۔

حضرت باباشرف الدین شہروردی کی پہاڑی کے راستہ میں شاہین نگر حیدرآباد میں آپ نے ایک مسجد وخانقاہ 2000ء میں بنائی جس کا نام ایوان صوفی اعظم رکھااور بعدہ بعمر(91)سال 1441ھ م2020ء میں آپ کے وصال کے بعد وہیں پر آپ کی مرقد انور زیارت گاہ خاص وعام ہے جہاں سے آپ کے جانشین اور دیگر صاحبزادگان ونبیرگان آپ کے فیضان علمی وروحانی کو پھیلانے میں مصروف ہیں۔(14)

آپ کی ادبی خدمات پر آپ کے حین حیات ہی ممتاز جہاں صاحبہ نے مقالہ برائے ایم فل عثمانیہ یونیورسٹی 2008ء میں تحریر کیا۔

یہ تھاماضی میں خاندان قادریہ صوفیہ وخانقاہ صوفیہ کی علمی وسماجی خدمات کا ایک مختصر خاکہ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سالہاسال سے اس خانوادہ اور خانقاہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین متین کی خدمت کا موقع نصیب فرمایا اور خلوص ومحبت،اخلاق ومروت اور خدمت خلق وانسانیت کے جذبہ کے تحت اس خاندان قادریہ صوفیہ کے افراد کو عشق رسول مقبول کی دولت کے ساتھ تعلیمات اولیاء کو پھیلانے کا شرف عطا فرمایا۔دور حاضر میں بھی اس خاندان کے افراد خانقاہ ایوان صوفی اعظم سے اپنے بزرگوں کی روش پر چلتے ہوئے خانقاہی نظام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔علمی عملی سماجی،روحانی اور تصنیفی وتالیفی خدمات کا جاری ہے۔

*****

حوالہ جات:

(1) (i) قاضی صوفی اعظم،قاضی سید اعظم علی صوفی قادری،مقدس ٹیکمال،بار اول،حیدرآباد دکن: ٹیکمال درگاہ ڈیولپمنٹ سوسائیٹی،1985ء،ص:28،29

(ii) مفتی صوفی صفی،مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری،تذکرہ صوفیہ،قلمی،سن تحریر:1360ھ تا1368ھ کے درمیان۔

(iii) صوفی محمد اسمعیل قادری،تاریخ صوفیہ کرام وسلاطین دکن (سلطنت قطب شاہیہ)،بار اول،حیدرآباد دکن:اسٹوڈنٹ بک ھاوس،2013ء،جلد:اول،ص26،25،24۔

(iv) سید مظہر الدین حسینی قادری،تذکرہ اولیائے شمس آباد،بار اول،حیدرآباد دکن،خانقاہ حضرت مظاہر الدین شاہ، 2018ء،ص:114،113،112۔

(2) ڈاکٹر شرفی،ڈاکٹر سید حمید الدین شرفی،تاریخ حیدرآباد،بار اول،حیدرآباد دکن،ادارہ روزنامہ سیاست،1994ء،ص:05

(3) (i) قاضی صوفی اعظم قاضی سید اعظم علی صوفی قادری،مقدس ٹیکمال،حیدرآباد دکن،ٹیکمال درگاہ ڈیولپمنٹ سوسائیٹی،1985ء،ص:.29

(ii) مفتی صوفی صفی،مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری،طبقات الصوفیہ،قلمی،سن تحریر:1363ھ تا1368ھ کے درمیان۔

(iii) صوفی محمد اسمعیل قادری،تاریخ صوفیہ کرام وسلاطین دکن (سلطنت قطب شاہیہ)،بار اول،حیدرآباد دکن:اسٹوڈنٹ بک ھاوس،2013ء،جلد اول،ص26،25،24۔

(iv) سید مظہر الدین حسینی قادری،تذکرہ اولیائے شمس آباد،بار اول،حیدرآباد دکن،خانقاہ حضرت مظاہر الدین شاہ، 2018ء،ص:114،113،112۔

(4) (i) www.soofiazam.com،ڈاکٹر حافظ سید شاہ مرتضی علی صوفی قادری،جہانگیر پیراں کا فیضاں ہے جاری،
https://soofiazam.com/library/articles/jahangeer-peeran-r-a-ka-faizaan-hai-jaari/

(ii) مفتی صوفی صفی،مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری،تذکرہ صوفیہ،قلمی،سن تحریر:1360ھ تا1368ھ کے درمیان۔

(iii) صوفی محمد اسمعیل قادری،تاریخ صوفیہ کرام وسلاطین دکن (سلطنت قطب شاہیہ)،بار اول،حیدرآباد دکن:اسٹوڈنٹ بک ھاوس،2013ء،جلد اول،ص26،25،24۔

(iv) سید مظہر الدین حسینی قادری، تذکرہ اولیائے شمس آباد، بار اول، حیدرآباد دکن، خانقاہ حضرت مطاہر الدین شاہ، 2018ء، ص:114،113،112۔

(5) مفتی صوفی صفی، مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری، جمع السلاسل، قلمی، سن تحریر:1339ھ۔

(6) ڈاکٹر شرفی، ڈاکٹر سید حمید الدین شرفی، تاریخ حیدرآباد، بار اول، حیدرآباد دکن، ادارہ روزنامہ سیاست،1994ء، صفحہ:06

(7) مفتی صوفی صفی، مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری، طبقات الصوفیہ، قلمی، سن تحریر:1363ھ تا1368ھ کے درمیان۔

(8) مفتی صوفی صفی، مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری، تذکرہ صوفیہ، قلمی، سن تحریر:1360ھ تا1368ھ کے درمیان۔

(9) مفتی صوفی صفی، مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری، طبقات الصوفیہ، قلمی، سن تحریر:1363ھ تا1368ھ کے درمیان۔

(10) مفتی صوفی صفی، مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری، رسالہ صوفی اعظم، حیدرآباد دکن،1359ھ، جلد:10، شمارہ:12، ص:5۔

(11) (i)مفتی صوفی صفی،، مفتی سید شاہ احمد علی صوفی صفیؔ قادری، مختصر سوانح عمری حضرت صوفی معز، قلمی، سن تحریر:1340ھ۔

(ii)حاجی سید شاہ ابوالبرکات قادر علی صوفی الصفا القادری، اعزاز معز، بابت 1339ھ گلدستہ عرس حضرت صوفی معز، حیدرآباد دکن، مطبع شوکت المطابع،1340ھ، ص:15۔

(12) (i)ماخوذ از ماہنامہ رسالہ صوفی اعظم،حضرت صوفی اعظم قطب دکن قدس سرہ،باراول،حیدرآباددکن،سیدالصوفیہ اکیڈمی،جون2013ء،ص:36،35،34۔

(ii) صوفی محمد اسمعیل قادری،تاریخ صوفیہ کرام وسلاطین دکن (سلطنت آصفجاہیہ)،بار اول،حیدرآباد دکن:اسٹوڈنٹ بک ھاوس،2013ء،جلد:دوم،ص:473،472۔

(iii) ڈاکٹر حافظ سید شاہ مرتضی علی صوفی قادری، تذکرہ قطب دکن حضرت صوفی اعظم،www.soofiazam.com

https://soofiazam.com/library/articles/tazkera-qutb-e-deccan-hazrat-soofi-azam-r-a/

(iv) ممتاز جہاں، قاضی سید اعظم علی صوفی حیات اور کارنامے، تحقیقی مقالہ پیش کردہ برائے ایم۔فل(اردو)2008ء عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد(اے پی)،ص:10،9،8،7۔

(v) سید محی الدین قادری ہادی، مختصر احوالِ علماءواولیائے حیدرآباد، بار دوم، حیدرآباد دکن:1990ء، ص:132،131۔

(13) (i)قاضی صوفی اعظم، قاضی سید اعظم علی صوفی قادری،مقدس ٹیکمال،بار اول،حیدرآباد دکن: ٹیکمال درگاہ ڈیولپمنٹ سوسائیٹی،1985ء،ص:110-116۔

(ii) ماخوذ از ماہنامہ رسالہ صوفی اعظم، سید الصوفیہ عالم بے بہا صوفی باصفا، ڈاکٹر حافظ سید مرتضی علی صوفی قادری، باراول، حیدرآباد دکن، سید الصوفیہ اکیڈمی، اکٹوبر و نومبر2019ء، ص:31-40۔

(iii) ماخوذ از ماہنامہ رسالہ صوفی اعظم،افسوس ڈاکٹر حمیداللہ بھی مرحوم ہوگئے،چیف ایڈیٹر، باراول،حیدرآباددکن،سیدالصوفیہ اکیڈمی،فبروری 2003ء،ص:4،3۔

(iv) محمد فصیح الدین نظامی،اردو شعر وادب کے فروغ میں فرزند ان جامعہ نظامیہ کا حصہ،بار اول،حیدرآباد دکن: مجلس اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ،2001ء،ص:91-97۔

(v) شاہ محمد فصیح الدین نظامی، مرقع انوار، بار اول، حیدرآباد دکن: مجلس اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ، 2008ء، ص:498-500۔

(vi) شاہ محمد فصیح الدین نظامی، تاریخ جامعہ نظامیہ (حصہ اول)، بار اول، حیدرآباد دکن: الانصار فاؤنڈیشن حیدرآباد، 2022ء، ص:226-228۔

(vii) شاہ محمد فصیح الدین نظامی، تاریخ جامعہ نظامیہ (حصہ دوم)، بار اول، حیدرآباد دکن: الانصار فاؤنڈیشن حیدرآباد، 2022ء، ص:167-170۔

(viii) ممتاز جہاں، قاضی سید اعظم علی صوفی حیات اور کارنامے، تحقیقی مقالہ پیش کردہ برائے ایم۔فل (اردو) 2008ء عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (اے پی)، ص:11-16

(ix) صوفی محمد اسمٰعیل قادری، تاریخ صوفیہ کرام وسلاطین دکن (سلطنت آصفجاہیہ)، بار اول، حیدرآباد دکن: اسٹوڈنٹ بک ھاوس، 2013ء، جلد: دوم، ص:474-478۔

(x) حافظ شیخ احمد محی الدین، مساہمۃ حیدرآباد فی تطویر اللغۃ العربی فی القرن العشرین،

تحقیقی مقالہ پیش کردہ برائے پی ایچ ڈی (عربی) 1995ء عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (اے پی)، ص:252 تا 261۔

(xi) ڈاکٹر عاصم ریشماں، مشائخ حیدرآباد کی اردو خدمات "آزادی کے بعد" 1947ء، حیدرآباد دکن: صابر ایجوکیشنل اینڈ ویلفئیر سوسائٹی، ص:66،65۔

(xii) ڈاکٹر محمد عظمت اللہ خان قادری احساسؔ، دبستان جامعہ نظامیہ، بار اول، حیدرآباد دکن، ڈاکٹر محمد عظمت اللہ خان قادری احساس، 2018ء، ص:77-85۔

(xiii) ڈاکٹر محمد سہیل احمد ندوی، جامعہ نظامیہ کے علماء و محققین اور شعراء کی علمی وادبی خدمات، حیدرآباد دکن، ھدی پبلی کیشنز، 2015، ص:185-191۔

(xiv) عمر بن محمد سراج حبیب اللہ، "الاجازات الہندیہ وتراجم علمائھا"، بار اول، بحرین، 2022ء، جلد: ثانی، ص:779۔

(xv) www.soofiazam.com، ڈاکٹر حافظ سید شاہ مرتضی علی صوفی قادری، سید الصوفیہ کا ہے یہ تذکرہ۔

https://soofiazam.com/library/articles/syed-us-soofiya-r-a-ka-hai-tazkera/

(14) (i) قاضی سید مصطفی علی صوفی سعید قادری وڈاکٹر حافظ سید مرتضی علی صوفی حیدر قادری، ہدیہ اعظم المشائخ، بار اول، حیدرآباد دکن، مسلم ریلیجیس افیرس کمیٹی BHEL، 2017،

(ii) ممتاز جہاں، قاضی سید اعظم علی صوفی حیات اور کارنامے، تحقیقی مقالہ پیش کردہ برائے ایم۔فل (اردو) 2008ء عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (اے پی)

(iii) ماخوذ از ماہنامہ رسالہ صوفی اعظم، حضرت اعظم المشائخ نمبر، باراول، حیدرآباد دکن، سید الصوفیہ اکیڈمی، جون 2022۔

(iv) ڈاکٹر حافظ محمد صابر پاشاہ قادری، دکن کی علمی وادبی شخصیات، حیدرآباد دکن: صابر ایجوکیشنل اینڈ ویلفئیر سوسائٹی،

(v) ڈاکٹر عاصم ریشماں، مشائخ حیدرآباد کی اردو خدمات "آزادی کے بعد" 1947ء، حیدرآباد دکن: صابر ایجوکیشنل اینڈ ویلفئیر سوسائٹی، ص:162-171۔

خانقاہِ حضرت شیخ جی حالی کی دینی، علمی وروحانی خدمات

صوفی شاہ محمد مظفر علی چشتی ابوالعلائی *

سلسلۂ ابوالعلائیہ: سلسلۂ ابوالعلائیہ دراصل دو سلاسل طریقت کے فیضان کا مجموعہ ہے۔ یہ سلسلہ نقشبندیہ کی پہلی کڑی ہے، یوں تو ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کی دو شاخیں بہت معروف ہوئی ہیں۔ ایک مجددیہ اور دوسری ابوالعلائیہ۔ دوسری کڑی سلسلۂ چشتیہ ہے۔ جس میں سیدنا خواجہ اجمیری معین الدین سنجری قدس سرہ نے جدِ سلسلہ سیدنا امیر ابوالعلاء کو براہِ راست فیضانِ اویسی سے سرفراز فرمایا، ان دونوں نسبتوں کے مجموعہ کا نام "سلسلۂ ابوالعلائیہ" ہے۔[1]

حضرت سید امیر ابو العُلاء احراری نقشبندی چشتی قدس سرہ:

حضرت امیر ابو العُلاء احراری نقشبندی چشتی قدس سرہ گیارہویں صدی ہجری کے مشہور زمانہ بزرگ ہیں۔ آپ کا اسم گرامی سید امیر ابوالعلاء، تخلص: انسان، عرف سیدنا اور غیر مسلموں میں عرف ابولالہ سے معروف ہیں۔ 990ھ میں عہدِ جلال الدین محمد اکبر شہنشاہِ ہندوستان میں آپ کی ولادتِ باسعادت قصبۂ نریلہ، دہلی میں ہوئی۔ آپ کے آبا و اجداد امرائے سمرقند سے تھے۔ آپ کا سلسلہ پدری بواسطہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور مادری سلسلہ نسب بواسطہ سیدنا امام حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

آپ کے جدِ امجد حضرت سیدنا امیر عبد السلام علیہ الرحمہ سمرقند کے احوال کی تبدیلی کے باعث ہجرت فرماتے ہوئے لاہور سے ہوتے ہوئے نریلا، دہلی تشریف لائے اور اسی کو اپنا جائے سکونت اختیار فرمایا۔ آپ کے فرزند دلبند حضرت امیر ابوالوفاء علیہ الرحمہ کے دولتِ کدہ پر نجیب الطرفین، مرج البحرین حضرت سیدنا امیر ابوالعلاء کی آمد ہوئی۔ یہاں سے آپ کا خانوادہ فتحپور سیکری تشریف لے گیا جو اس وقت مغلیہ دور کے بادشاہ جلال الدی اکبر کا دور رہا، دورانِ حج وزیارتِ مدینہ منورہ آپ کے جد امجد حضرت عبد السلام کا وصال مبارک ہو گیا اور آپ کچھ عرصہ بعد آپ کے والدِ ماجد بھی فتحپور سیکری میں اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے، آپ کے جسدِ مبارک کو دہلی منتقل کیا گیا اور مدرسہ لعل دروازہ، دہلی میں سپرد خاک کیا گیا۔

---

*سجادہ نشین خانقاہِ ابوالعلائیہ، حیدرآباد

نوٹ: یہ مضمون صرف پی ڈی ایف سافٹ کاپی کا حصہ ہے۔ بعض وجوہات کی بناپر یہ مضمون مطبوعہ کتاب میں شامل نہ ہو سکا، ان شاء اللہ تعالی آئندہ ایڈیشن اس کو شامل اشاعت کیا جائے گا۔

[1] ارعوان ابوالعلاء ص:7، نجاتِ قاسم: ص:49

آپ پر بچپن میں یتیمی طاری ہوئی اور آپ کے نانا حضرت خواجہ فیضی نے آپ کی پرورش کی، آپ کے نانا حضرت خواجہ فیضی المعروف بہ فیضی بن خواجہ ابوالفیض بن خواجہ محمد عبد اللہ بن غوث الابرار حضرت سیدنا خواجہ عبید اللہ احراری علیہم الرحمہ ہیں۔ حضرت خواجہ فیضیؔ سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ حضرت عبید اللہ احرار کی چوتھی پشت میں پوتے ہیں۔ آپ صوبہ بردوان میں حاکم مان سنگھ کی طرف سے نظامت کے عُہدے پر فائز تھے، خواجہ فیضی آپ کو اپنے ہمراہ بردوان لے گئے آپ کی تعلیم وتربیت نانا کی نگرانی میں ہوئی، آپ کے نانا نہ صرف ایک مُغل عہدے دار تھے بلکہ اپنے بلند مرتبہ آباواجداد کے علوم وفنون سے بھی آراستہ وپیراستہ تھے انھیں کی صحبت میں آپ تیزی کے ساتھ کمال معرفت تک پہنچے۔ اپنے نانا کے ذریعہ فن سپہ گری اور تیر اندازی میں بے مثال ثابت ہوئے، معاملہ فہمی، راست گوئی، خوش تدبیری، اِستقلال، شُجاعت اور جواں مردی کا بہت جلد اعلیٰ نمونہ بن گئے۔ آپ کے نانا کی شہادت کے بعد آپ صوبہ بردوان کے منصب سہ ہزاری ذات وسہ ہزاری سوار دربارشاہی سے تقرری ہوئی۔[1]

ملازمت و گوشہ نشینی: جس زمانے میں حضرت سیدنا ناظم صوبہ تھے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ تین بزرگ رونق افروز ہیں اور ارشاد فرمارہے ہیں کہ اے سید ابوالعلاء کیا وضع تم نے اختیار کیا ہوا ہے؟ تم کو ہماری طرح کا وضع قطع اختیار کرنا ہے۔ ایک بزرگ نے اپنے دستِ مبارک سے آپ کے سر کے بال تراش دیئے، دوسرے بزرگ نے قمیص پہنادی، تیسرے نے سر پر عمامہ رکھ دیا۔ جونہی آپ بیدار ہوئے ایک خاص کیفیت آپ کے قلب پر طاری رہی۔ پھر آپ اپنے خواب کے موافق اپنے سر کی اصلاح بنوائی اور ایک قمیص سلوا کر پہن لیا۔ جب اس کی تعبیر معلوم کی گئی تو بتلایا گیا کہ ایک سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ اور دونوں شہزادے حضراتِ حسنین علیہما السلام تھے۔ اس خواب کے بعد آپ نے ملازمت ترک کرکے ہر دوان سے آگرہ کا قصد فرمایا۔[2]

حضرت سید ابوالعلاء کو حضرت امیر عبد اللہ قدس سرہ نے خرقۂ خلافت واجازت اور شجرۂ طریقت عنایت فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ باباکام وہی ہے جو تم کرتے ہو یعنی جو نعمات تم کو خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے عطا فرمایا ہے۔ خاتمہ کام کا اسی پر ہے اور سماع کی بھی تم کو اجازت ہے لیکن بشرطِ فرصت اشغال واذکار سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا بھی شغل رکھنا۔ حضرت امیر عبد اللہ نے بوقت وصال سوال کرنے پر فرمایا کہ میرے فرزندوں میں سے کوئی اس کے لیے موزوں نہیں لہٰذا میرے مطمح نظر سید ابوالعلا ہیں۔[3]

آپ مسندِ خلافت ورشد وہدایت پر جلوہ افروز ہوتے ہی کل اشغال واذکار، اوراد ووظائف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ، چشتیہ اویسیہ کو ایک جگہ جمع فرما کر ونیز تمام طریقہ توجہ عینی وقلبی وروحی وسری کو مخلوط ومربوط فرما کر سالکین راہ طریقت کے لیے آسان سے آسان اور جلد منازل طے ہونے والی کا راہ ایجاد فرمایا۔ اسی طرح حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے تمام طریقوں کے طریقۂ اذکار سے مختلف ذکر خفی وقلبی کو جاری

---

[1] ارعوان ابوالعلاء ص:2، وتذکرۃ الاولیاء ابوالعلائیہ۔ ص:7۔

[2] ارعوان ابوالعلاء ص:3-4۔

[3] تذکرۃ الاولیاء ابوالعلائیہ۔ ص:11-12۔

فرمایا۔ حضرت سید ابو العلاء سے منسوب یہ سلسلہ کا نام ابولعلائیہ کہلایا۔ آپ اکثر حضرات کو سلسلہ نقشبندیہ میں داخل بیعت فرماتے اور شجرہ عالیہ نقشبندیہ عنایت فرمایا کرتے مگر جو کوئی آپ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کا متمنی ہوتا تو اس کو شجرہ چشتیہ بہشتیہ عطا فرمایا کرتے اور شجرہ میں حضرت خواجگان خواجہ معین الدین سنجری اجمیری کے بعد اپنا نام گرامی درج فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ حیات اللہ منعمی ابو العلائی نے حجت العارفین میں اس کا حوالہ ذکر کیا ہے اور حاجی سید عطا حسینی القمری نے بھی اپنی کتاب نسبت العاشقین میں بھی اس بات کا تذکرہ فرمایا ہے۔[1]

حضرت سید ابو العلاء 47 سال تک مسند رشد و ہدایت پر متمکن رہے اور 71 سال کی عمر مبارک میں 9 صفر المظفر 1061ھ م 1651ء اس دارِ فانی سے بعد نمازِ فجر کوچ فرما گئے۔ آپ کی آخری آرامگاہ آپ کے ذاتی باغ واقع آگرہ، ہندوستان میں رہی، بعد ازاں یہ باغ حضرت ممدوح کی بارگاہ میں تبدیل ہوگیا۔ آپ کا عرس شریف ہر سال 8-9 صفر المظفر بڑے اہتمام کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ لاکھوں معتقدین و متوسلین ہندوستان و بیرونِ ہند کے زائرین بڑی عقیدت سے شرکت کرتے ہیں۔ آپ کے وصالِ مبارک کی تاریخ آپ کے پوتے حضرت امیر نور اللہ نے بڑی خوب نکالی ہے:

درسنِ الف و واحد و ستین   شد مقامش مقام علیین

1061ء

یافت تاریخ او دلِ غمناک   رفت قطبِ زماں بہ عالم پاک

آپ کے کے خلفاء کی تعداد بہت ہے، جو آپ کے بعد سلسلہ ابو العلائیہ کا فیض جاری رہا اور انہی خلفائے کرام کے باعث یہ مبارک سلسلہ اقطاع عالم میں پھیلا۔ جیسا کہ ہمارے بزرگانِ دین روحانی و دینی فیوض اپنے ظاہری و باطنی وجود سے عوام الناس کو بخشا کرتے مگر ان حضرات کے ظاہری زندگی کے بعد فیض کو جاری رکھنے کے لیے تصانیف و تالیفات کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول کیا کرتے، ایسے ہی حضرت سید ابو العلاء کی کئی تصانیف کتب سیر میں ملا کرتی ہیں جن میں قابلِ ذکر 1۔ رسالہ توحید 2. مکتوبات 3. دیوان 4. ارشادات وغیرہ شامل ہیں۔ یہ مبارک سلسلہ مبارک ہستیوں اور بزرگانِ دین سے ہوتا ہوا مخدوم المشائخ قدوۃ العلماء حضرت برہان الدین خدا نما خالص پوری علیہ الرحمہ کی وساطت سے حضرت شاہ عزت اللہ المعروف بہ میاں قبلہ ابو العلائی نقشبندی قادری چشتی نظامی علیہ الرحمہ تک پہنچا۔

حضرت شاہ عزت اللہ: آپ ہندوستان کے شہر دیپر سوام۔ راجستھان میں تولد ہوئے، آپ کی ولادت کے بعد آپ کے والد ماجد حضرت عزیز اللہ کے ساتھ بگڑ منتقل ہوئے، آپ نے مختلف بزرگوں سے ذکر و شغل کی تعلیمات حاصل فرمائی اور فخر و فاقہ سے تزکیہ نفس اختیار فرمایا۔ پھر آپ حضرت برہان الدین خدا نما قدس سرہ سے منسلک ہو کر اپنے طریقہ سلوک کو مکمل فرمایا، استغراقِ احوال کا یہ حال ہوتا کہ مسلسل 8-10 دنوں تک بغیر آب و خورد رہا کرتے مگر ایسے استغراق کی کیفیت میں بھی خادمین کو حکم دیا گیا تھا کہ اوقاتِ نماز پر ارکان ادا کر دیا

[1] تذکرۃ الاولیاء ابو العلائیہ۔ ص: 11-12۔

کریں اور خدام ایسا ہی کیا کرتے۔

حضرت میاں قبلہ بتاریخ 17 صفر المظفر 1209 اس دارِ فانی سے دارالبقا کی سمت کوچ فرمایا اور اپنے وصال سے قبل آپ نے ابو العلائی نعمت حضرت شاہ محمد قاسم عرف شیخ جی حالی علیہ الرحمہ کو سپرد فرمایا اور ارشاد فرمایا: "جاؤ، میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا پھر دکن کی جانب جاکر فیضانِ ابو العلائی جاری رکھنے کا حکم دیا۔"[1]

اپنے پیر و مرشد کے حکم پر حضرت شیخ جی حالی قدس سرہ نے بہ تعمیل حکم اپنے پیر و مرشد کی فاتحہ سیوم کے بعد حیدرآباد دکن کی جانب رختِ سفر باندھا اور یہاں تشریف لائے اور سلسلۂ ابو العلائیہ کی بنیاد رکھی جہاں لاکھوں بندگانِ خدا نے آپ سے اکتساب فیض فرمایا۔

حضرت پیر شاہ محمد شاہ قاسم شیخ جی حالی قدس سرہ:

اسم مبارک: محمد قاسم۔ عرفیت: شیخ جی۔ لقب: حالی۔ سنہ ولادت: 1175ھ۔ والد ماجد: حضرت غلام محمد۔ جو حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری کی اولاد میں سے تھے اور قصبہ فتحپور ضلع شیخاواٹی ریاست راجستھان میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے لیے نظام الملک آصف جاہ اول کے نام یہ فرمان 11 رمضان المبارک 1157ھ صادر ہوا جس کی عبارت یہ ہے:

"شرف نفاذ یافت کہ غلام محمد ولد محمد کبیر شیخ زادہ انصاری کو منصب چہار صدی ذات سر فراز باشد" اس سے ظاہر ہوتا کہ حضرت کے بزرگوں کی دربارِ شہنشاہی میں بھی قدر و منزلت تھی۔ حضرت شیخ جی حالی قدس سرہ کی جب عمر شریف 14 سال کی ہوئی تو حضرت کے والدِ ماجد نے آپ کو اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عزت اللہ کی خدمت فیض میں پیش کیا اور عرض کیا کہ اس بندہ زادہ کو بھی اپنی غلامی میں شامل فرمایئے۔ آپ اپنے پیر و مرشد کی صحبت و خدمت میں رہ کر مدارجِ سلوک طئے فرمائے اور میاں صاحب کی خصوصی تربیت نے آپ کو بہت جلد کندن بنا دیا۔

ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب نے حضرت شیخ جی کو حکم دیا کہ وہ مسجد کو صاف ستھرا کرے، حسب حکم آپ نے مکمل صفائی کرنے کے بعد دیکھا کہ ایک بزرگ جن کے چہرۂ مبارک سے انوار و تجلیات نمایاں تھے، پیشانی سے انوارِ الٰہی کا ظہور ہو رہا تھا۔ جب وہ تشریف لائے تو حضرت میاں نے ان کا استقبال کیا اور مصافحہ و معانقہ کے بعد دونوں ایک دوسرے کے روبرو تشریف فرما کر ہو کر راز و نیاز کی گفتگو فرمانے لگے۔ اس وقت حضرت شیخ جی حالی دور کھڑے ہوئے تھے۔ پیر و مرشد نے بلایا اور اس بزرگ سے ملاقات کروائی۔ وہ دراصل حضرت سیدنا خضر علیہ السلام تھے۔

عادات و اخلاق: آپ ہمیشہ اپنے ہمسایوں کی خبر گیری فرمایا کرتے، آپ اپنی ہمشیرہ کو فرماتے کہ کوئی شخص بھوکا نہ رہے۔ جو بھوکا نظر آتا تو اس کو اشیاءمایحتاج پہنچایا کرو، آپ خود بھوکے رہا کرتے مگر بندگانِ خدا کو سیر اب فرمایا کرتے۔

---

[1] ارعوان ابو العلاء ص:2، و تذکرۃ الاولیاء ابو العلائیہ۔ ص:57۔

ویسے تو صوفیاء کرام نے اپنی زندگیاں خدمت خلق کے لیے وقف کی تھیں۔ کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو دل پریشان ہو جاتا۔ بھوکوں کا خیال آتا تو لقمے حلق میں اٹکنے لگتے۔ ملفوظات مشائخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ خدمت خلق کو ان بزرگوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ بنالیا تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ جہاں تک ہو سکے، دلوں کو راحت پہنچاؤ، کیونکہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا محل ہے" اور فرمایا کہ قیامت کے بازار میں کوئی اسباب اتنا مروج اور قیمتی نہ ہوگا، جتنا دلوں کا راحت پہنچانا۔"

سلسلہ چشتیہ میں اطعام (کھانا کھلانے) کی فضیلت سب سے زیادہ ہے۔ مشائخ نے ہر آنے جانے والے کے لیے لنگر عام رکھا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ درویش کی شان ہی اطعام ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا "یہ ہمارے خانوادے کی خصوصیت میں سے ہے" حضرت بابا صاحب کی خدمت میں کوئی شخص اپنی مصیبت بیان کر کے دعا کرانے یا تعویذ لینے آتا تھا تو آپ اصرار کرتے تھے کہ پہلے کچھ کھالو۔ حضرت محبوب الٰہی کا بھی اس پر عمل رہا۔ آپ نے متعدد بار اپنی مجلسوں میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ '':من زار حیا ولم یذق منه شیئا فکانما زار میتا''ترجمہ: جس نے کسی زندہ شخص سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ نہ چکھا تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی۔

آپ تجرد پسند تھے، نکاح نہیں فرمایا تھا، روز و شب عبادتِ رب میں مصروف رہا کرتے، ہر کس و ناکس کے ساتھ خوش خلق و مدارات سے پیش آیا کرتے، کسی کی دل شکنی کو پسند نہیں فرماتے، سرِ مبارک پر سنتِ مصطفی ﷺ کی اتباع میں عمامہ رہا کرتا،۔ اکثر معزز امرائے بلدہ آپ کے مرید و خادم رہے، جب کبھی کسی سے گفتگو فرماتے تو نظریں نیچے رکھا کرتے، عادات واطوار میں آپ اپنے اسلاف کا عملی نمونہ تھے۔

آپ کی محافلِ سماع میں عوام تو عوام خواص و علماء بھی شرکت فرماتے اور ان پر بھی وجد و حال طاری ہو جایا کرتا بعض حضرات جن میں مولوی قطب الدین دہلوی، مولوی محمود عالم و قاری ارکان، عزت یار خان وغیرہم نے اعتراض کیا اور ارادہ کیا کہ حضرت میاں صاحب کے عرس کے موقع پر یہ حضرات خانقاہ کا رخ کیا تاکہ سماع و وجد و حال پر مناظرہ ہو۔ یہ جب خانقاہ واقع اردو شریف لائے جیسے ہی حضرت حالی سے چار آنکھیں ہوئیں سب پر وجد و حال کی کیفت طاری ہوئی۔ بجز قدم چومنے اور اپنی غلطی پر نادم ہونے کے اور کچھ نہ کہا۔ سوال وجواب و مباحثہ کی نوبت ہی نہ آئی۔ ان میں کے اکثر حضرات نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت فرمائی۔[1]

ایک مرتبہ آپ کے مریدین بیٹھے ہوئے آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور یہ آرزو کر رہے تھے کہ عالمِ رؤیا میں سرورِ کائنات ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوں تو کتنا اچھا ہوگا۔ جب یہ بات حضرت نے سنی تو ارشاد فرمایا ہمارے طریقہ کے لوگ تو ہر روز اس شاہِ جن وانس کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس ارشاد مبارک کی برکت سے اسی رات ان تمام مریدین نے عالم رؤیا میں دیدارِ سرورِ کائنات ﷺ کا شرف حاصل کیا۔

---

[1] ارعوان ابو العلاء ص: 71۔

جانشینی: حضرت تجرد پسند تھے، آپ نے نکاح نہ فرمایا تھا اسی لیے آپ نے اپنی ہمشیرہ حضرت رحیمہ بی بی کے فرزند سید عمر علی شاہ ابن حضرت سید ناصر علی علیہما الرحمہ کو اپنی آغوش میں لیا اور اپنا وارث اور جانشین بنایا۔ اپنے دستِ مبارک سے لکھی ہوئی سند میں آپ نے اپنی تمام جائیداد بھی اپنے جانشین کے حق میں عنایت فرمائی ہے۔

وصال: سلسلۂ ابو العلائیہ کا یہ چشم و چراغ بتاریخ 29 ربیع الثانی 1238 مطابق 23 جنوری 1823 ترسٹھ سال کی عمر مبارک میں اس دارِ فانی سے کوچ فرما گیا۔ آپ اپنی ذاتی ملکیت وزمین پر ہمیشہ کے لیے آرام فرما ہیں جہاں حضرت کی مزارِ مبارک آج بھی مرجعِ خلائق ہے۔ وہ چبوترہ اور مکان خود حضرت ہی کا زرخرید ہے۔

حضرت شیخ جی حالی علیہ الرحمہ کے بعد حضرت سید عمر علی شاہ ابو العلائی نقشبندی نظامی چشتی قادری قدس سرہ العزیز دکن کی اس عظیم خانقاہ کے جانشین مقرر رہوئے، جن کی تربیت خود شیخ جی حالی نے فرمائی تھی۔ اپنے پیر و مرشد کے وصال کے بعد جب آپ طالبانِ حق کی تعلیم و تربیت کی مجلس میں خطاب فرماتے تو لوگ یہ محسوس کرتے کہ انہیں وہی فیوض حاصل ہو رہے ہیں جو انہیں حضرت شیخ کی مجلس میں حاصل ہوا کرتے۔ آپ نے بزرگانِ دین کی تعلیمات اور اقوال کو ایک جگہ جمع فرمایا اور خود بھی چند رسالے علم تصوف و اذکار و اشغال پر تصنیف فرمائے۔ حضرت کی متذکرہ کتابیں خود آپ کے دستِ مبارک کی لکھی ہوئی وہ خانقاہ میں محفوظ ہیں۔[1]

اپنے وصال سے قبل حضرت عمر نے (17 صفر المظفر 1292ھ) میں آپ نے اپنے ہمشیرہ زادہ و داماد کلاں حضرت سید فرزند علی شاہ علیہ الرحمہ کو اپنا جانشین و درگاہِ حضرت شیخ جی حالی قدس سرہ کا سجادہ نشین و متولی مقرر فرمایا۔ اس کے بعد اس عظیم خانقاہ کے جانشین و متولی حضرت سید نا شاہ محمد کریم الدین حسین ابو العلائی نقشبندی چشتی نظامی قدس سرہ مقرر ہوئے اور آپ نے اس عظیم ذمہ داری کو بحسن و خوبی انجام دی۔

حضرت صوفی شاہ محمد صابر علی ابو العلائی نقشبندی چشتی نظامی قادری:

حضرت سید کریم الدین کے بعد آپ کے بھتیجے حضرت صوفی شاہ محمد صابر علی ابو العلائی نقشبندی چشتی نظامی قادری علیہ الرحمہ کے حصہ میں یہ ذمہ داری آئی۔ آپ کی رسم جانشینی 16 جمادی الاولی 1360ھ انجام پائی اس وقت حسب رواجِ خاندانِ حضرت شیخ جی حالی کا خرقہ و کلاہِ مبارک پہنائی گئی اور عمامہ باندھا گیا۔ حضرت شاہ صابر کو شاعری سے بڑا شغف رہا، ہمیشہ اپنا اسم مبارک بطور تخلص استعمال فرمایا کرتے، صبر و شکر، عجز و انکساری میں آپ اسم با مسمی رہے، ذکر و شغل، پابند صوم و صلاۃ میں اپنی مثال آپ تھے، مریدین و متوسلین کی تربیت و روحانی فیوض کو عام کرنے کے لیے ہمہ تن گوش رہا کرتے۔ آپ سات سال کی عمر میں قرآن شریف کی تکمیل کی، دارالعلوم اور جامعہ نظامیہ میں عرصے تک زیر تعلیم رہے۔ امتحانات منشی فاضل اور علی گڑھ سے میٹرک کا امتحان کامیاب کیا تھا۔ آپ نے اپنے خلف اکبر صوفی شاہ محمد مظفر

---

[1] ارعوان ابو العلاء ص:92۔

علی عرف قادر پاشاہ کو 1 جمادی الاول 1396ھ بروزِ عرسِ حضرت شیخ جی حالی علمائے کرام ومشائخ عظام کی موجودگی میں اپنا جانشین نامزد فرمادیا۔ اور آپ خانقاہِ حضرت شیخ جی حالی قدس سرہ کے علمی سماجی اور دینی، روحانی خدمات بخوبی انجام دے رہے ہیں۔

خانقاہِ شیخ جی حالی کی ادبی و قومی یکجہتی خدمات: بندگانِ خدا کی روحانی و باطنی تربیت وتزکیہ نفس کے لیے خانقاہ کی جانب سے ہر جمعرات مختلف مقامات پر خصوصی درود شریف و ذکر کی محافل منعقد ہوا کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ خانقاہ کی جانب سے ہندوستان کی یکجہتی، رواداری اور خیر سگالی اور امن وامان کے فروغ کے لیے حضرت سیدنا امیر خسرو کی جانب سے قائم کردہ بست پنچمی کو فروغ دینے کی سمت ایک اہم قدم اٹھایا گیا۔ دراصل بسنت پنچمی منانے کا رواج امیر خسرو جو حضرت محبوب الٰہی کے مرید عزیز تھے، انہوں نے سب سے پہلے دہلی میں اس کا آغاز فرمایا، جب تک آپ بقید حیات رہے یہ تہوار جاری رہا، آپ کے وصال کے بعد ہندوؤں کا بسنت کا تہوار چشتی سلسلے کے صوفیوں کے خاص طبقے کی طرف سے ہر سال دہلی میں امیر خسرو اور ان کے مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کی بارگاہوں میں منایا جاتا ہے۔ اس کے بعد چشتی خانقاہوں اور بارگاہوں میں خصوصیت کے ساتھ اہتمام ہونے لگا۔

بارگاہِ حضرت شاہ محمد قاسم المعروف حضرت شیخ جی حالی واقع اردو شریف کے سجادہ نشین حضرت مظفر علی صوفی چشتی نے اس تہوار کے ذریعہ اخوت انسانی کی بنیاد پر گنگا جمنی تہذیب کو فروغ دینے کے لیے 2015 سے اس تہوار کا اپنی خانقاہ پر اہتمام کر رہے ہیں۔

*****

مراجع ومصادر

1۔ حیاتِ قاسمی حضرت شیخ جی حالی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ۔ مصنفہ: محمد قدرت اللہ خان جاگیردار۔ اشاعت: دوم: 1443ھ م 2021ء۔ ناشر: کل ہند مرکزی مجلس چشتیہ حیدرآباد۔

2۔ ارغوانِ ابوالعلاء۔ مولف: غلام محبوب شاہ ابوالعلائی۔ باہتمام بزم سلطان التارکین، درگاہ اردو شریف، حیدرآباد۔ مطبوعہ ڈیلکس آفسیٹ پرنٹرس، آصف نگر، حیدرآباد۔ ربیع الآخر 1399م مارچ 1979ء

3۔ تذکرۃ الاولیائے ابوالعلائیہ۔ باب اول، باب دوم۔ مرتبہ: صاحبزادہ میر کاظم علی خاں آغا۔ ناشر: رفیق مشین پریس، حیدرآباد۔ سن اشاعت: 1952

4۔ نجاتِ قاسم۔ مصنف: شاہ قاسم داناپوری۔ اشاعت: سوم۔ ناشر: خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ، داناپور۔ سن اشاعت: 2016

5۔ جشن خسرو ساونویر بموقع دوسری سالانہ جشن صوفی۔ (ڈائرکٹر، نوبل سائنس سرویس سوسائیٹی، حیدرآباد)۔ سن اشاعت: 2014

خانوادہ سید افتخار علی شاہ وطن (چشتی چمن) کی دینی علمی وروحانی خدمات

سید محمد مرتضیٰ نقشبندی افتخاری*

یہ مقالہ حضرت سید افتخار علی شاہ وطن قدس سرہ وخانقاہِ چشتی چمن کی دینی، علمی، روحانی اور فلاحی خدمات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرتا ہے۔ اس میں حضرت شاہ وطن علیہ الرحمہ کے احوال وکوائف کے ساتھ ساتھ آپ کے علمی وادبی نوادرات کا بیانیہ وتجزیاتی مطالعہ ہے، اور خانقاہِ چشتی چمن کی روحانی وادبی خدمات کا سرسری جائزہ بھی ہے۔

قاصر ہے فہم وفکر جو تفہیم ذات میں ۔۔۔ ہم دیکھتے ہیں آپ کو ہر اک صفات میں
بے نشاں وہ آپ ہے جو بے نشاں تم کو کہے ۔۔۔ دیکھتے رہتے ہیں ہر شے میں تمہاری شان ہم

معرفتِ الٰہی وقربِ خداوندی قدوس تک رسائی اور اللہ عزوجل کے فیوض کے حاصل ہونے کے دو طرق اور راہیں ہیں۔ ایک کا نام شریعت ہے اور دوسرے کو طریقت کہا جاتا ہے، بندۂ مولی، اپنے رب وحدہ لاشریک کا قرب پانے کے لیے دونوں ہی طرق بہت ضروری ہیں، ایک کا تعلق ظاہر کے تصفیہ سے ہے تو دوسرے کا باطن کے تزکیہ سے۔ جب تک بندہ اپنے نفس کی اصلاح اور تزکیہ نہیں کرتا وہ قربِ مولی تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی حقیقی فلاح سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ اللہ عزوجل قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ”قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰھَا۔ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰھَا“ (سورۃ الشمس: 9-10) بے شک وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور وہ شخص ناکام ونامراد ہوا جس نے اسے آلودہ کیا۔ تزکیہ نفس وتطہیر قلوب کے لیے اللہ عزوجل نے سب سے پہلے آقا کریم ﷺ کی ذات مبارک کو مرکز ومحور بنایا ہے۔ آپ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ظاہر وباطن کو ایسا مجلی ومصفی فرمایا کہ وہ خود دوسروں کے لیے مینارۂ ہدایت بن گئے۔

خود نہ تھے جو راہ پہ اوروں کے ہادی بن گئے ۔۔۔ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

مشہور محقق خلیق احمد نظامی رقم طراز ہیں: ”چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل تو ابو شیخ اسحاق شامی نے ڈالی تھی لیکن اس کو پروان چڑھانے اور پھیلانے کا کام خواجہ معین الدین سنجری نے انجام دیا“۔[1]

ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی فتوحات تو خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہی شروع ہو چکی تھیں، لیکن ہندوستان کی روحانی فتح کے لیے اللہ عزوجل نے سلسلہ چشتیہ کا انتخاب فرمایا، چنانچہ چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رخ کرنے کا غیبی اشارہ ہوا، سب

---

*نبیرۂ حضرت وطن، چشتی چمن، منگل ہاٹ، حیدرآباد

نوٹ: یہ مضمون صرف پی ڈی ایف سافٹ کاپی کا حصہ ہے۔ بعض وجوہات کی بنا پر یہ مضمون مطبوعہ کتاب میں شامل نہ ہو سکا، ان شاء اللہ تعالی آئندہ ایڈیشن اس کو شامل اشاعت کیا جائے گا۔

[1] تاریخ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی، دہلی: ندوۃ المصنفین، بار دوم؛1405ھ-1985ء، ص142

سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کا رخ کیا وہ "خواجہ ابو محمد چشتی" رہے، جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کے فتوحات کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا علی میاں ندوی لکھا ہے کہ:

"جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام واستقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کے لیے مقدر تھی خواجہ ابو محمد چشتی کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور اسلامی مرکز رشد وہدایت کا قیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سنجری کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔"[1]

سرزمین حیدرآباد علمی وروحانی طور پر بڑی زرخیز رہی ہے جس میں علماء، مفسرین، محدثین، اصحاب علم وادب اور بڑے جلیل القدر صوفیاء پیدا ہوئے، جنہوں نے اہلیانِ حیدرآباد کو ظاہراً وباطناً فیضاب وروشن کیا ہے۔ حیدرآباد کے سلاطینِ وقت چونکہ اہلِ علم وصالحین کے قدردان تھے اور اہل علم واہل دل حضرات کو سرزمین دکن تشریف لانے کی دعوت دیا کرتے تھے اور ان کی حتی المقدور خدمت کیا کرتے، اسی بناء پر حیدرآباد دکن ایک علمی وروحانی گہوارہ بن گیا۔ سرزمینِ حیدرآباد کی انہی ذواتِ قدسیہ میں سے ایک معروف نام عارف باللہ حضرت سید محمد افتخار علی شاہ وطنؔ قدس سرہ العزیز کا ہے۔ جو اپنے تبحر علمی، عبادت وریاضت، ذکر وشغل، تصنیف وتالیف کے لیے مشہور ہیں۔

آپ کے ساتویں جدِ امجد حضرت سید محمد عرب حسینی مدنی، مدینہ پاک سے عبد اللہ قطب شاہ دکن کے دور میں دکن کی طرف تشریف لائے اور یہیں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کی شخصیت، سیادت ونجابت اور زہد وتقوی اور حسنِ سیرت وکردار سے بادشاہ وقت بھی آپ کا معتقد بن گیا، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حسین ساگر کے جنوب مشرق میں سات گاؤں بطورِ جاگیر نذر کیے، اس وجہ سے آج تک آپ کی اولاد منصب دار کہلاتی ہے۔

حضرت سید محمد افتخار علی شاہ وطنؔ قدس سرہ:

آپ کا نام سید محمد افتخار علی شاہ، لقب غریب الوطن اور تخلص وطن تھا۔ آپ کی ولادت 9 رمضان المبارک 1249ھ بروزِ دوشنبہ بہ وقت افطار شہر حیدرآباد کے محلہ قلعہ محمد نگر میں ہوئی۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت میر کاظم علی مدنی علیہ الرحمہ ہیں جن کا سلسۂ نسب 30 واسطوں سے حضرت سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد میر کاظم علی شاہ مدنی اور والدہ محترمہ حضرت پیاری بیگم بنت میر مخدوم علی مخدوم بیگ خان بہادر کی نگرانی میں ہوئی، جب آپ کی عمر 7 سال تھی تو والدِ گرامی کا انتقال ہو گیا اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری والدہ ماجدہ کے ذمہ رہی جس میں آپ نے کوئی کوتاہی نہ کی۔ معاشی مشکلات کے باعث آپ نے اپنے گھریلو سامان تک کو فروخت کر دیا، مگر اپنے نورِ نظر کی تعلیم وتربیت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

---

[1] تاریخِ دعوت وعزیمت، سید ابو الحسن علی حسنی ندوی، لکھنو: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، 1427ھ-2006ء، ص 24

آپ کے اساتذہ کرام کی زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں، البتہ کتاب 'سید محمد افتخار علی شاہ وطن۔ حیات و کارنامے' ص: 151 میں یہ آیا ہے کہ:

> "مختلف اساتذہ اور باکمالوں سے تعلیم حاصل کی۔ یوں قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ تصوف کا درس حضرت ہلاد الدین سے لیا، جو اپنے وقت کے جید عالموں میں سے تھے، اس کے بعد میر فتح علی قادری خلیفہ حضرت سید بہار علی شاہ سے مستفیض ہوئے۔ حضرت میر فتح علی شاہ آپ کے حقیقی ماموں تھے، دورانِ تعلیم مثنوی مولانا روم کے علاوہ دیگر تصوف کی کتابیں بھی آپ کے زیرِ مطالعہ رہیں، ان ہی دنوں میں استاد کل میر شمس الدین فیض سے عروض وشاعری میں اکتساب کیا اور یہی ربط و تعلق وطن کے مزاجِ شاعری پر اثر انداز ہوتا ہے۔"

علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت شاہ وطن تقریباً 42 سالوں تک سیر و سیاحت، مجاہدات و ریاضات و سلوک کی منازل طے کرنے میں مشغول رہے، اسی دورانِ آستانۂ خواجہ غریب نواز میں قریب تین سال مقیم رہے، اس سے پہلے ایک حج بھی فرمایا تھا، حضرت شاہ وطن نے تقریباً 42 برس تک سیر و سیاحت، مجاہدہ و سلوک کے مختلف مقامات پر ریاضت شاقہ فرماتے رہے، اجمیر شریف سے دکن واپسی کے بعد اپنی والدہ ماجدہ اور خالہ صاحبہ کے اصرار پر 42 سال کی عمر میں عقد نکاح فرمایا، آپ کی زوجہ محترمہ کا نام حضرتہ سیدہ چاند بی بی صاحبہ تھا، آپ کے بطن سے ایک لڑکا ہوا جن کا نام اپنے پیر و مرشد کے نام پر سید اکبر علی شاہ رکھا، لیکن یہ کمسنی میں ہی فوت ہوگئے۔ اس کے بعد ایک اور فرزند تولد ہوئے جن کا نام خواجہ سید معین اللہ حسینی رکھا گیا، ابھی یہ شیر خوار تھے کہ بی بی چاند صاحبہ کا وصال ہوگیا۔ حضرت شاہ وطن کا دوسرا نکاح بی بی چاند صاحبہ کی ہمشیرہ امام النساء سے ہوا، ان سے ایک صاحبزادہ حضرت سید فرید اللہ حسینی اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔ آپ کی یہ بی بی حضرت کے وصال کے بعد 26 سال تک بقید حیات رہیں۔ آپ نے ایک اور نکاح بی بی باور بیگم سے کیا۔ آپ سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئیں مگر کچھ دنوں بعد وہ وصال کر گئیں۔ چوتھا نکاح بی بی کریم النساء بیگم سے کیا ان سے آپ کے دو فرزندان حضرت سید فرید عالم حسینی اور حضرت سید ظہور عالم حسینی اور دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

بیعت و خلافت: جس وقت آپ اجمیر شریف میں حضور سیدنا خواجہ غریب نواز قدس سرہ میں قیام پذیر تھے، اس وقت خواجۂ اجمیری خواب میں دکن واپس ہونے کا حکم دیا، جس کے بعد آپ دکن واپس آئے اور حضرت اکبر علی شاہ قدس سرہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور اس طرح سلسلہ عالیہ چشتیہ سے منسلک ہوگئے۔ غلام معین الدین یوسفی مرتب کلیاتِ وطن ص:10 پر رقم طراز ہیں کہ:

> "آپ کے پیر و مرشد کو سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شاہ شجاع الحق حقانی سے اور سلسلہ قادریہ میں حضرت سید شاہ نور الابصار غریب عالم قادری سے خرقۂ خلافت حاصل تھا، لیکن حضرت کا مسلک چشتیہ ہی رہا۔"

حضرت اکبر علی شاہ نے آپ کو خرقہ خلافت پہنایا اور رشد و ہدایت کے عظیم کام پر مامور فرمایا۔ حضرت شاہ وطن کو خاندانِ صابریہ میں بھی حضرت محبوب علی شاہ الہ آبادی سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔

جب 1272ھ میں آپ کے پیر و مرشد حضرت اکبر علی شاہ کا انتقال ہوا، تو حضرت شاہ وطن بہت ملول و رنجیدہ ہوئے اور اسی غم والم کے عالم میں آپ گھر سے روانہ ہوئے اور حضرت سید شاہ میراں جی حسینی کے گنبد، مستعد پورہ میں معتکف ہوئے۔ اس اعتکاف کے دوران آپ کو

خواجہ دکن حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی بارگاہ میں حاضری کا اشارہ ملا۔ حسب ایماء آپ گلبرگہ تشریف لائے یہاں بھی چلہ کشی کی، خواجۂ دکن نے آپ کی پشت پناہی فرمائی اور فرمایا تاجب تک تم خواجہ اعظم حضرت معین الدین چشتی کی بارگاہ سے فیض یاب نہ ہوگے نعمتِ کامل کا حصول ناممکن ہے، چنانچہ آپ یہاں سے پاپیادہ اجمیر تشریف لے گئے۔

حضرت شاہ وطن جس وقت گلبرگہ سے اجمیر شریف کے لیے روانہ ہورہے تھے اس وقت کئی فقرا و درویش حضرات آپ کے ہمراہ ہوگئے اور جب یہ قافلہ مارواڑ کے قریب پہنچا سخت گرمی پڑ رہی تھی، جس کی وجہ سے سخت پانی کی تشنگی محسوس ہورہی تھی اور اس حدت و تکلیف سے کئی لوگ جاں بہ لب ہوگئے تھے، ایسے میں آپ پانی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، راستے میں دیکھا کہ ایک بزرگ ڈول اور رسی لیے ہوئے آپ کی طرف بڑھ رہے ہیں، ملاقات پر آپ نے ان بزرگ سے کنویں سے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے کنویں کا پتہ دیا۔ جب حضرت شاہ وطن نے آپ کا نام دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا: میں خضر بیابانی ہوں، حالتِ کفر میں جیپال جوگی تھا اور مسلمان ہونے کے بعد مجھے عبد اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[1]

جب حضرت شاہ وطن کنویں سے پانی حاصل کر کے حضرت خضر کی تلاش کی تو وہ لاپتہ ہوچکے تھے اور پھر وہاں سے بارگاہِ غریب نواز میں پہنچے اور وہیں قیام فرمایا۔ کم و بیش چھ ماہ کے قیام اور ریاضتِ شاقہ کے بعد بھی قلبی سکون حاصل نہ ہوسکا، ایک دن بارگاہ میں خادم نے آپ کو ایک اسم مبارک پڑھنے کی تلقین کی اور آپ اس پر کاربند ہوگئے۔ انہیں دنوں ایک روز بارگاہِ غریب نواز میں محفلِ سماع میں ایک شعر جو بار بار پڑھا جارہا تھا:

تابکے در ناباشی ہم چوں زاغا و زغن   در شریعت باش بالغ ہمچوں مردانِ کہن

اس شعر نے حضرت شاہ وطن کی قلبی کیفیت کو تبدیل کردیا اور اسی عالم میں آپ سے حافظ بانکے سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مصطلحات تصوف پر گفتگو کی اور آپ نے اس کلام کی تفہیم شروع کردی اور بہت دیر تک گفتگو جاری رہی، اسی رات خواجہ غریب نواز کو عالمِ رویا میں دیکھا کہ آپ کا دربار سجا ہوا ہے اور غریب نواز مسند صدارت پر جلوہ فرما ہیں۔ اتنے میں عرض بیگی نے آپ سے حضرت شاہ وطن کی حاضری کی اطلاع دی اور ارشاد ہوا: ''اس غریب الوطن کو ہمارے پاس لاؤ، اس دن سے آپ کا لقب (غریب الوطن) معروف ہوگیا۔'' حضور سیدنا غریب نواز نے آپ کو گلے سے لگایا اور اپنا عمامہ مبارک آپ کے سر پر رکھا اور ارشاد فرمایا: ''غریب الوطن ہم نے تم کو صاحبِ ولایت دکن کیا۔ جاؤ اور مخلوق کی ہدایت کرو۔''[2]

حضرت شاہ وطن اہلِ بیت سے والہانہ محبت فرمایا کرتے، چنانچہ درسِ مثنوی اور سماع کے علاوہ، ایام عاشوراء میں آپ اپنے یہاں مجالس کا

---

[1] تاریخ صوفیہ و سلاطین دکن۔ سلطنت قطب شاہیہ، (جلد دوم)، صوفی محمد اسماعیل قادری ملتانی فردوسی چشتی صابری بندہ نوازی، اسٹوڈنٹ بک ہاوس، چار مینار، حیدرآباد، 2012ء، ص:320

[2] صوفیہ کرام و سلاطین دکن، ص:321

اہتمام فرمایا کرتے، حضرت سیدنا غوث الاعظم اور حضرت غریب نواز سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔ آپ کے دیوان میں ان دونوں بزرگ ہستیوں کی کئی منقبتیں ملتی ہیں۔

تابکے در ناباشی ہم چوں زاغا و زغن — در شریعت باش بالغ ہمچوں مردانِ کہن

ہے پیشِ نظر تارنگہ کوئے محمد — ہے آنکھ کے پردے میں نہاں روئے محمد

ہر شانِ بشر میں ہے نہاں نورِ مجسم — اوصاف جو حق کے ہیں وہ خوئے محمد

سینہ جو تصور سے بھرا رہتا ہے ہر دم — آتی ہے پسینے سے مجھے بوئے محمد

قبلے کی طرف سر کو جھکاتا ہوں وطنؔ میں — آنکھیں پھیر جاتی ہیں میری سوئے محمد

آپ اپنے وقت کے صوفی باصفا تھے، مرزا داغ دہلوی کی حیدرآباد دکن میں آمد کے بعد دکنی شعراء کے انداز میں لکھنوی انداز کی جھلک نظر آنے لگی۔ قدیم دکنی طرزِ انشاء وکلام قریب قریب متروک ہو چکا تھا، ایسے ماحول میں جن شعراء وادبانے دکنی زبان واسلوب کو باقی رکھا ان میں سر فہرست حضرت شاہ وطن ہیں۔ انہوں نے اپنے مواعظ کے لیے بھی وہی زبان اختیار کی جو دکن کی مروجہ زبان تھی اور نظم ونثر دونوں میں مریدین کو نصیحت اور ان کی تعلیم وتربیت کے لیے اس زبان کا سہارا لیا، درس وتدریس کا معاملہ بھی عجیب تھا۔ آپ کے دروس میں مثنوی مولانائے روم کا خاص اہتمام ہوتا، دورانِ درس آپ اس کے اشعار کی نہایت سادہ اور عام فہم زبان میں توضیح وتشریح فرمایا کرتے۔

آپ شریعت کی حکمتوں سے آگاہ اور طریقت کے اسرار سے باخبر تھے، دکن کے منصبِ ولایت پر مامور تھے لیکن اپنی بلند حوصلگی اور اعلی ظرفی سے کبھی اس کا اظہار نہیں فرمایا، رعب ودبدبہ کا یہ حال تھا کہ آپ کی محفل جس میں مختلف طبقات کے لوگ اور عمائدینِ شہر شریک ہوتے، علماء وفضلاء وتک لب کشائی کی جسارت نہیں کرتے، اور نہ ہی اس قسم کی جرأت کی کوششیں کیں جاتیں، حاضرین محفل نہایت سکون کے ساتھ آپ کے ارشاداتِ عالیہ کے منتظر رہتے۔

خلفاء: آپ کے خلفاء کی درست تعداد کا علم تلاشِ بسیار کے بعد بھی نہیں ہو سکا، البتہ چند خلفاء تذکرہ اور ان کے نام ملتے ہیں، یہ تذکرہ کلیاتِ وطن یا پھر میر احمد علی صاحب جنہوں نے سفر در وطن کے تعارف میں حضرت کے حالات قلم بند کیے ہیں ان میں موجود ہے۔ ان خلفائے کرام نے خدمتِ خلق واور مریدین ومعتقدین کی تعلیم وتربیت کے ذریعہ ترویجِ سلسلہ چشتیہ افتخاریہ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان میں سے چند کے نام حسبِ ذیل ہیں:

1۔ مولانا سید اسماعیل المعروف بہ ذبیح اللہ شاہ، مصنف کتاب ''آئین حزب اللہ''، 2۔ مولانا شیر علی المعروف حق نما شاہ المعروف بہ حق نما، 3۔ مولانا شیخ عبد القادر چشتی مہاجر مدینہ ثانی غوث کے لقب سے مشہور تھے، 4۔ مولانا شیخ امام کلیانوی سخنور، 5۔ مولانا نور الحق المعروف بہ قاتلِ ساحران، 6۔ مولانا محمد انور الخاطب نور الانوار حقیقت نما شاہ، 7۔ مولوی مصباح السلام، 8۔ مولوی میر سلامت علی خان مولف 'حقائق ومعارف القدریہ، 9۔ مولانا غلام احمد وافی شاہ، 10۔ مولوی حکیم عبد اللہ خان قرب، 11۔ مولوی قدرت علی بیگ قدرت، 12۔

مولوی پیر شاہ اولیا، 13۔زبدۃ الواصلین مولانا محمد شریف المعروف خواجہ اشرف علی شاہ چشتی افتخاری، 14۔عمدۃ السالکین مولانا محمد نصر اللہ قریشی المخاطب وطن نماشاہ چشتی افتخاری، 15۔زبدۃ العارفیہ مولانا حکیم عبد الوہاب المعروف بہ ظہور نماشاہ چشتی افتخاری۔

وفات حسرتِ آیات: حضرت شاہ وطن کی وفات 9 رمضان المبار 1324ھ بروز یکشنبہ وقت افطار بہ عمر 75 بمقام گھانسی بازار، حیدرآباد میں ہوئی۔ اس وقت آپ نے اپنے صاحبزادوں کو نصیحت فرمائی کہ ہم تو روانہ ہوتے ہیں اپنے معالج آپ بنو، خبر ادر راہِ سلوک میں لغزش نہ آنے پائے۔ آخر وقت موعود آہی پہنچا اور حضرت نے اس جہان ناپائیدار کو خدا حافظ کہا۔[1]

سفر در وطن: حضرت شاہ وطن کو شعر و ادب سے دلچسپی تھی، جہاں آپ بہ حیثیت شاعر اپنے دور کے صوفی شعراء میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے وہیں آپ ایک صاحب طرزِ انشاء پرداز بھی تھے۔ آپ کی نثر نگاری میں اس دور کی نثر نگاری کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے جیسے عبارات کا مسجع و مقفی ہونا، آپ نے کئی ایک تصانیف وکتب لکھے ہیں جن میں رسالہ سفر در وطن، یہ اہلِ تصوف کے لیے اسرار و معارف کا ایک حسین گلدستہ ہے جس میں تصوف کا عنوان لیے ہوئے تمثیل نگاری ہے۔ یہ کتاب اسمائے الٰہیہ کی تجلیات اور روحِ عالم امکان پر اس کے گوناگوں اثراتِ ظہور جیسے دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1292ھ میں شائع ہوئی پھر 2016ء میں حضرت سید پیر شبیر نقشبندی افتخاری صاحب کی خصوصی توجہ سے دوبارہ شائع ہوئی۔

صبح سفر: یہ کتاب کئی حکایتوں پر مشتمل ہے۔ ان حکایتوں میں حضرت نے اپنے علوم ومعارف، تجربات ومشاہدات کا نچوڑ پیش کیا ہے، اور 38 تجلیوں پر مشتمل یہ کتاب جہانِ تصوف کی ایک مایہ ناز اور اپنی طرزِ نگارش کے اعتبار سے منفرد کتاب ہے۔ جس میں حال و قال، شریعت و طریقت، ہجر و قرب، مراقبات ومشاہدات کے اصول واحوال کا تذکرہ ملتا ہے۔

ارشاداتِ وطن: اس کتاب میں ارشادت، پند ونصائح حضرت شاہ وطن علیہ الرحمہ شامل ہیں۔ اس میں تعلق ظاہر و باطن، عالم ظل آنحضرت ﷺ، فنا فی الافعال و الصفات، سر ذکرِ جلی، در بیانِ اسرارِ نماز، غیب ہویت، زکاتِ شریعت و زکات طریقت، مسئلہ وحدت الوجود، معراجِ انسانی، معنی خلیفۃ اللہ، تمثیل در بیانِ رویتِ حق، معنی انا الحق، سر شہادتِ امام حسین، معنی توکل، غرضِ تخلیق آدم، سبب ضعف الاسلام وغیرہ شامل ہیں َیہ کتاب سب سے پہلے 1323ھ میں شائع ہوئی، phr 2016ءمیں دوبارہ شائع کیا گیا۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف میں ہدیہ موحدین، اشغالِ وطن، مکتوبات وملفوظات وطن، صبح وطن وغیرہ شامل ہیں۔

آپ کی تصانیف اور کلام کا بغائر مطالعہ کیا جائے تو یہ چند عنوانات یقیناً مشترکہ طور پر ملیں گے یا ان میں ایک طرح کی یکسانیت و مماثلت پائی جائے گی مثلاً وجودِ باری تعالیٰ، تخلیق کائنات، بشر وجود وعدم، قدیم وحادث، عالم مثال، حقیقتِ روح وجسد، حیات انسانی کی حقیقت، مسئلہ خیر وشر، مسئلہ جبر وقدر، فنا وبقا، حقوق اللہ وحقوق العباد کا جابجا تذکرہ، وجود شہود، عشق ومحبت، اخلاقی مسائل وپند ونصائح وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت شاہ وطن علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند حضرت سید معین اللہ حسینی افتخاری المدنی علیہ الرحمہ نے تبلیغ دین حنیف کی

[1] سید محمد افتخار علی شاہ وطن۔حیات اور کارنامے، ص:178

خدمت کے لیے خود کو وقف فرمادیا اور اپنے آبا و اجداد کی روحانی و علمی فیضان و تعلیمات کو آگے بڑھایا۔ حضرت کا خاندان نسل در نسل تصوف کی اعلیٰ قدروں یعنی حسن اخلاق، رواداری، امن، محبت اور انسانیت کی خدمت کی ترجمانی کر تا رہا ہے۔ آج بھی، ان کی روحانی رہنمائی اور خدمات، تصوف و صوفیائے کرام کی تعلیمات اور پیغام کو دنیا بھر میں عام کرنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

حضرت پیر چشتی سید محمد ولی اللہ حسینی افتخاری المدنی:

حضرت وطن کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت پیر چشتی سید محمد ولی اللہ حسینی افتخاری المدنی (رحمۃ اللہ علیہ)، جو "شیخ الہند" کے لقب سے مشہور تھے، نے اس مشن کو سنبھالا۔ حضرت پیر چشتی نہ صرف ہندوستان کے معروف صوفی بزرگ تھے بلکہ ایک بین الاقوامی امن و آشتی کے علمبردار بھی تھے۔

آپ کی ولادت 7 ربیع الاول 1316ھ کو ہوئی اور عشق رسول اکرم ﷺ اور اہل اللہ سے محبت کی دولت ورثے میں ملی تھی، آپ کا بچپن و شباب دینی و دنیاوی علوم کے حصول میں مشغول رہا، ابھی آپ عنفوانِ شباب کی منزل میں قدم ہی رکھا تھا کہ آپ کے والدِ ماجد حضرت سید معین اللہ حسینی اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے اور کم عمری میں ہی آپ کو اس عظیم روحانی ذمہ داری کا بار سنبھالنا پڑا، جس سے آپ نہایت خوش اسلوبی سے عہدہ بر آ ہوئے۔ آپ نے اپنی ذاتی و عملی زندگی میں اسوۂ حبیب کریم ﷺ کو پیش نظر رکھا، اور اشاعتِ دین اسلام اور پیام روحانی کے فرض کو ادا کرتے ہوئے امتِ مسلمہ کو امت واحدہ بنانے میں اپنی توانائیاں صرف فرمائیں۔ آپ نے اسلام کے مختلف مسالک و مکاتب کے مابین آپسی محبت، امن و امان اور پیار کو فروغ دینے اور مضبوط کرنے میں سرگرم کردار ادا کیا۔

کل ہند انجمن پیشوایان مذاہب کے بانی و صدر کی حیثیت سے تمام مذاہب ہندو مسلم، سکھ عیسائی، پارسی، جین و آریہ سماج کے درمیان امن و بھائی چارگی کے پیام کو عام کرتے ہوئے بلا تفریق مذہب و ملت انسانیت کی بقا اور تحفظ کے نیک مقاصد کے ساتھ قوم کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ امتِ واحدہ کے مقصد حصول کے لیے ملت اسلامیہ کی قیادت فرمائی۔ حضرت پیر چشتی کی فراستِ ایمانی اس وقت دیکھنے میں آئی جب سرزمین دکن میں سلطنتِ آصفیہ کے آخری فرماں روان میر عثمان علی خان کی حکومت تھی اس وقت حضرت نے مردِ مجاہد کی طرح بادشاہِ وقت کو متنبہ کیا کہ سلطنت کی خوشحالی و ترقی اسی وقت ممکن ہے جب رعایا پیار و محبت اور یکجہتی کے ساتھ رہے۔ آپ کے آراء و مشوروں پر نظام وقت عمل کرتے رہے، کیونکہ آپ اعتدال پسندی اور میانہ روی سے قیادت خود فرما بھی رہے تھے اور اسی کی تلقین دوسروں کو بھی کر رہے تھے۔ سقوطِ حیدرآباد کے بعد جب دکن کے مسلمان خوف و ہراس کے ماحول میں زندگی گذار رہے تھے اور پولیس ایکشن کے مظالم سے پریشان تھے، ایسے ماحول میں مختلف مذاہب کے رہنماؤں کے ساتھ جنرل چودھری سے ملاقات کی اور امن و انصاف کے تقاضوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انہیں ظلم و بربریت سے باز آنے کی تلقین کی جس کے مثبت نتائج بر آمد ہوئے اور ماحول میں بتدریج بہتری کے آثار نمایاں ہوئے۔ اس بے باکانہ قیادت کے چرچے دہلی کے ایوانوں میں بھی ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ نے پاکستان ہجرت کرنے والے لوگوں کو بھی سمجھا بجھا کر وہاں ہجرت کرنے سے روکا۔ پاکستان کے حق میں رائے ہموار کرنے کی غرض سے محمد علی جناح نے جب حیدرآباد

دکن کا دورہ کیا تو حضرت پیر چشتی سے ملاقات کی تو آپ نے دوٹوک انداز میں دو قومی نظریہ کو مسترد کر دیا۔
آپ 71 سال کی عمر میں 4 فبروری 1971ء 7 ذی الحجہ 1390ھ اتباعِ سنت مصطفی کریم ﷺ میں گذار کر اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا۔

حضرت پیر سید شبیر نقشبندی افتخاری وارث سرکار حضرت شاہ وطن:

حضرت پیر سید شبیر نقشبندی افتخاری کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ 1950 میں خانوادہ چشتی چمن میں پیدا ہوئے اور کم عمری ہی سے خود کو خدمتِ قرآن کریم و خدمت خلق کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا، اور محض 10 سال کی عمر میں تھے کہ ایک تنظیم بنام 'جماعتِ نونہالانِ اسلام' کی تشکیل کی اور قرآن حکیم پر سمینارس و سیرت النبی ﷺ پر جلسوں کا اہتمام فرمایا۔ جب 18 برس کی عمر کو پہنچے تو نونہالانِ اسلام کو نوجوانانِ اسلام میں تبدیل کر دیا اور 1974ء میں رہنمائے ملت کے نام سے ایک اخبار کا آغاز فرمایا اور 1985 میں کل ہند انجمن پیشوایان مذاہب کے صدر منتخب ہوئے، اس کے بعد آپ نے انسانیت کو ایک امن و روحانیت سے جوڑنے کے لیے قرآنی و روحانی مہم کا آغاز فرمایا جو گذشتہ 32 سالوں سے جاری و ساری ہے۔ اس کے علاوہ خانقاہ شریف سے روزنامہ الوطن بھی شائع ہوتا ہے۔1980 میں شریمتی اندرا گاندھی نے دہلی میں مرکزی کابینہ کی منظوری کے بعد قومی سطح پر ایکتا بھون کے دفتر کی منظوری دی، یہ دفتر عقب دفتر وزیر اعظم، ساوتھ بلاک سے متصل قائم کیا گیا، وزیر اعظم کی خواہش تھی کہ پیر شبیر نقشبندی سرگرم سیاست میں حصہ لیں، مگر موصوف نے انکار کیا مگر اربابِ حکومت سے اپنے تعلقات کو استوار رکھا تاکہ ان کے ذریعہ کے خدمتِ خلق جاری رکھ سکیں۔ گذشتہ 45 سالوں سے ایکتا بھون، عقب دفتر وزیر اعظم، ساوتھ بلاک میں امتِ مسلمہ کی خدمت اور خانقاہی طرزِ خدمات کا جاری رکھا ہوا ہے۔ اسی کو علامہ اقبال نے کہا تھا:

جُدا ہو دِیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

خانقاہِ چشتی چمن کی دینی و علمی و روحانی خدمات:

درگاہ حضرت شاہ وطن چشتی چمن تحفظ و ترقی کمیٹی رجسٹر حکومت تلنگانہ کے زیرِ اہتمام مفت دینی تعلیمی ایک ماہی کیمپ برائے طلباء وطالبات کا مرکزی خانقاہ افتخاریہ روبرو جامع مسجد سرکار وطن چشتی چمن میں انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے، تاکہ نئی نسل دین اسلام اور اس کی بنیادی تعلیمات سے بہرور ہو سکے۔ اس کی سرپرستی حضرت پیر سید شبیر نقشبندی افتخاری نبیرۂ حضرت وطن اور نگرانی مولانا پیر سید کاشف اللہ حسینی افتخاری گدی نشین خانقاہ افتخاریہ فرمایا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ فن قرأت اور تجوید کی تربیت کے لیے بھی ایک ماہی کیمپ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تعلیم بالغان کے عنوان سے خانقاہِ افتخاریہ چشتی چمن میں ضروری مسائل دینی کے تعلق سے خصوصی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔
حضرت پیر شبیر نقشبندی قبلہ کے برادرِ اصغر مولانا پیر سید سہروردی حسینی افتخاری المدنی، صوفی مشن فاؤنڈیشن آف کینیڈا کے بانی اور چیئرمین ہیں، جو دیارِ غرب میں لاشیانِ حق کی رہنمائی اور فلاحِ انسانیت کے لیے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی قیادت میں یہ فاؤنڈیشن

صوفی ازم کی بنیادی قدروں کو فروغ دیتی ہے، جن میں روحانی بیداری، ہمدردی، اور مختلف برادریوں کے درمیان اتحاد شامل ہیں۔ ان کی خدمات نے افراد اور معاشرے پر گہرا اثر ڈالا ہے، جو اندرونی سکون اور دوسروں کی خدمت کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔

خانقاہِ چشتی چمن نے انسانوں کو انسانوں سے جوڑنے اور دلوں سے دلوں کو جوڑ کر خالقِ حقیقی تک پہنچانے کے اپنے جدِ کریم حضرت شاہ وطن علیہ الرحمہ کے مشن کو ان کے ہی بتائے ہوئے اصولوں کی بنیادوں پر آج بھی سفر جاری و ساری ہے۔

*****

مراجع ومصادر:

1۔ حضرت سید افتخار علی شاہ وطن۔ حیات وکارنامے، ڈاکٹر عقیل ہاشمی، الوطن پبلیکیشن، بنجارہ ہلز، حیدرآباد، طبع دوم؛2009ء

2۔ چراغِ چشتیاں، کلامِ حضرت پیر چشتی سید ولی اللہ حسینی افتخاری، ترتیب واشاعت: پیر سید شبیر نقشبندی افتخاری۔2016ء

3۔ سفر در وطن، سید محمد افتخار علی شاہ مدنی چشتی قادری، الوطن پبلیکیشن، بنجارہ ہلز، حیدرآباد، 2016ء

4۔ تاریخ صوفیہ وسلاطین دکن۔ سلطنت قطب شاہیہ، (جلد دوم)، صوفی محمد اسماعیل قادری ملتانی فردوسی چشتی صابری بندہ نوازی، اسٹوڈنٹ بک ہاوس، چارمینار، حیدرآباد، 2012ء

5۔ روزنامہ الوطن، حیدرآباد

6۔ ارشاداتِ وطن، سید محمد افتخار علی شاہ مدنی چشتی قادری، ترتیب واشاعت: ڈاکٹر سید محمد مرتضیٰ نقشبندی افتخاری، الوطن پبلیکیشن، بنجارہ ہلز، حیدرآباد، 2016ء

7۔ بستانِ تصوف، دیوان وطن، سید محمد افتخار علی شاہ مدنی چشتی قادری، ترتیب: ڈاکٹر سید محمد مرتضیٰ نقشبندی افتخاری، الوطن پبلیشرز، بنجارہ ہلز، حیدرآباد، 2016ء

8۔ تاریخ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی، دہلی: ندوۃ المصنفین، بار دوم؛1405ھ-1985ء

9۔ تاریخِ دعوت وعزیمت، سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، لکھنؤ: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، 1427ھ-2006ء

حضرت سید محمد پادشاہ بخاری: حیات اور سماجی اصلاحات و خدمات

ڈاکٹر شیخ محمود محی الدین وکیع*

نسب وولادت: حضرت سید محمد پادشاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ایک معزز سادات خاندان سے تھا، جو علم و فضل اور روحانیت میں ممتاز مقام رکھتا تھا، آپ کا سلسلہ نسب براہِ راست حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ سے ملتاہے، جو ایک عظیم عالم، ولی اور شیخ تھے، شیخ رکن الدین ابو الفتح قریشی کے مرید اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے [1]، جن کی ولادت باسعادت 14 شعبان المعظم 707ھ اور وصال اقدس 10 ذی الحجہ 775ھ میں ہوا [2]، اس خاندان کے اسلاف کا وطنِ اصلی بخاریٰ شریف تھا، جہاں سے یہ بزرگ دکن کی طرف منتقل ہوئے اور کرنول میں سکونت اختیار کی [3]، اسی نسبت سے آپ کو "بخاری" کہاجاتاہے۔

آپ کی ولادت 12 ویں صدی ہجری میں کرنول میں ہوئی، بچپن ہی سے علم و تقویٰ کی علامات ظاہر تھیں، آپ نے اپنے ایام طفولت میں علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کی جس میں آپ نے مقامی علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور تفسیر، حدیث، فقہ اور منطق میں مہارت حاصل کی۔

تعلیم و مناصب: آپ کی علمی استعداد وفہمِ فقہ میں خاص مہارت معروف تھی، اسی علمی کمال کے سبب آپ کو ریاست حیدرآباد دکن میں عدالتی خدمت پر فائز کیا گیا، آپ ایک ممتاز قاضی اور عدل ودیانت کے پیکر سمجھے جاتے تھے، باوجود اس کے کہ آپ ایک اعلیٰ منصب پر فائز تھے [4]، آپ کی طبیعت دنیاوی تشخص سے بیگانہ اور زاہدانہ رجحان کی حامل تھی، عدلیہ کے فرائض انجام دیتے ہوئے آپ کے باطن میں ہمہ وقت ذکر الٰہی کی کیفیت غالب رہتی تھی، آپ کی حالت یہ تھی کہ دنیوی فرائض انجام دیتے ہوئے بھی دل کو اللہ سے غافل نہ ہونے دیتے، بلکہ اسی کی یادویافت میں منہمک رہتے۔

سلوک وتربیت: اہل اللہ وصالحین اپنی حیات میں تربیت وسلوک کے لیے کسی شیخِ کامل، مربی ورہنما اور ظاہر وباطن کی اصلاح کرنے والے خاصانِ خدا کی بارگاہ میں رجوع ہوتے ہیں، اسی منہج کو اختیار کرتے ہوئے حضرت سید محمد پادشاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی روحانی فیض

---

* مدیر دار الحدیث، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

نوٹ: یہ مضمون صرف پی ڈی ایف سافٹ کاپی کا حصہ ہے۔ بعض وجوہات کی بناپر یہ مضمون مطبوعہ کتاب میں شامل نہ ہو سکا، ان شاءاللہ تعالیٰ آئندہ ایڈیشن اس کو شاملِ اشاعت کیاجائے گا۔

[1] محدث دہلوی، ابو المجد شیخ عبد الحق، اخبار الاخیار، اردو بازار لاہور: اکبر بک سیلرز، 2004، 307۔

[2] پروفیسر محمد ایوب قادری، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، اشاعت دوم، پاکستان چوک کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، اکست 1975، 181-63۔

[3] محدث دکن، ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری، گلزار اولیاء، مغلپورہ حیدرآباد: دکن ٹریڈرس، جنوری 2017، 82۔

[4] محدث دکن، ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری، گلزار اولیاء، مغلپورہ حیدرآباد: دکن ٹریڈرس، جنوری 2017، 82۔

اپنے خاندانی طریقہ قادریہ سے حاصل کیا، بعد ازاں طریقہ نقشبندیہ کی بیعت و اجازت حضرت شاہ سعد اللہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، جن کا مزار محلہ اردو، حیدرآباد میں واقع ہے، حضرت شاہ سعد اللہ صاحب رحمہ اللہ نے آپ کی باطنی تربیت بڑی محبت و شفقت سے فرمائی، آپ نے اپنے اس مرید صادق کے سلوکِ طریقہ نقشبندیہ کے مراحل کو بتدریج تکمیل فرمایا اور قلب و نظر، ظاہر و باطن کی صفائی کی تلقین فرمایا اور مرتبہ کمال تک پہونچایا، اسی دوران آپ کو حضرت حاجی مستان شاہ مجذوب رحمہ اللہ کی صحبت نصیب ہوئی، جو اپنے وقت کے کامل مجذوب اور فنافی اللہ بزرگ تھے، انہی کی صحبت نے آپ کے قلب میں جذب و استغراق کی کیفیات پیدا کیں، یہاں تک کہ آپ پر حالتِ جذب غالب آگئی، جس کا اظہار حضرت مجذوب صاحب کے وصال مبارک کے موقع پر ہوا، چنانچہ محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: 1297ھ ہے، حاجی مستان شاہ صاحب مجذوب پر نزع کا عالم ہے اور آپ حسب عادت مجذوب صاحب کی حضوری میں حاضر ہوئے ہیں، جب سرکاری کام یاد آگیا تو آپ نے اٹھنے کا ارادہ فرمایا، مجذوب صاحب نے کہا: بیٹھ جا، آپ بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد جب پھر آپ نے اٹھنا چاہا تو مجذوب صاحب نے فرمایا: بیٹھ، پھر آپ بیٹھ گئے، ایسا ہی جب تیسری مرتبہ آپ کے اٹھنے پر مجذوب صاحب نے بیٹھ جا فرمایا، تو آپ سب کو چھوڑ چھاڑ کر مجذوب صاحب ہی کے ہو رہے، مجذوب صاحب کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے ان کو کفنا کر اجالے شاہ صاحب قدس سرہ کی درگاہ کے قریب دفنا دیا، آپ مجذوب صاحب کی قبر کے پاس آخر دم تک بیٹھے رہے، آپ پر کیفیت جذب کی طاری تھی، نہ اہل و عیال کا کچھ خیال تھا، نہ گھر کی خبر تھی، نہ نوکری کی فکر۔[1]

ترکِ دنیا اور گوشہ نشینی: حضرت بخاری شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا اور اس کے مشاغل کو ترک فرمایا اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار فرمائی، آپ ابتداء میں ایک عظیم عدالتی منصب پر فائز تھے، جس کی وجہ سے آپ لوگوں کے احوال اور مکر و فریب پر مطلع ہوتے، ان کے درمیان رہتے، ان کے معاملات کو حل فرماتے لیکن یکایک آپکی حالت میں ایک عجیب قسم کی تبدیلی رونما ہوگئی، کیونکہ اس کے پیچھے ایک واقعہ کا فرما ہے، وہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت حاجی مستان شاہ مجذوبؒ نے آپ سے پانی طلب کیا، جب آپ نے ادباوہ پانی پیش کیا تو انہوں نے اپنا پس خوردہ آپ کو پلایا، اسی لمحہ سے آپ پر جذب واستغراق کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ دنیا کی تمام رغبتیں ماند پڑ گئیں، اس کے بعد آپ نے سرکاری منصب ترک کر دیا، اور مجذوب صاحب کی خانقاہ میں مستقل قیام اختیار کیا، یہی گوشہ آپ کے لیے مرکزِ روحانیت بن گیا، نواب تراب علی خان سالار جنگ مدار المہام بہادر نے خانقاہ تعمیر کروائی جس میں آپ عرصہ دراز تک گوشہ نشین رہے اور نواب لائق علی خان سالار جنگ ثانی مدار المہام نے آپ کے لیے حجرہ، مسجد بنوائی، آپ نے دنیاوی زینت سے ہمیشہ بے نیازی اختیار کی، طویل مدت تک آپ اسی مقام پر گوشہ نشین رہے، جہاں آپ ذکر، مراقبہ اور تعلیمِ طریقت میں مصروف تھے، آپ کی دنیا اور سلاطین کی طرف عدم التفات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جلیل القدر عہدوں پر فائز شخصیات کے معتقد ہونے کے باوجود، آپ نے دنیوی حاجات وضروریات کے سلسلہ میں کبھی ان سے کسی قسم کی معاونت ومدد حاصل نہیں کی، اس سلسلہ میں عبد الرؤف مسافر نقشبندی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

---

[1] محدث دکن، ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری، گلزار اولیاء، مغلپورہ حیدرآباد: دکن ٹریڈرس، جنوری 2017ء، 84۔

چنانچہ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سید محمد پادشاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق راقم الحروف نے خود حضرت قبلہ (محدث دکن) سے سنا ہے، وہ واقعہ یوں ہے کہ بادشاہ وقت حضرت بخاری شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا بے حد معتقد اور ملاقات کا متمنی تھا، ایک دفعہ مجلس مبارک میں حاضر ہوا، اور جہاں جگہ ملی بیٹھ گیا، بادشاہ وقت کی بڑی آرزو تھی کہ حضرت ممدوح کچھ فرمائیں اور وہ اس کی تعمیل کر کے سعادت دارین حاصل کرے، جب بادشاہ کو حضرت قبلہ نے شرف تکلم بخشا تو بادشاہ وقت سے فرمایا کہ: بابا! کیا تم ہماری ایک خواہش پوری کرو گے؟ بادشاہ جو مدت دراز سے حضرت کا عقیدت مند اور آپ کی خدمت کرنے کا آرزو مند تھا، اس موقع کو غنیمت سمجھا، بہت خوش ہوا، اور عرض کیا: جو حکم ہو، بندہ اس کو پورا کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہے، بادشاہ کو بہت حیرت ہوئی جب حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: بابا! ہماری خواہش تم سے صرف یہی ہے کہ آئندہ سے ہمارے یہاں نہ آنا۔[1]

وعظ و نصیحت: خانقاہیں اور آستانے در اصل اولیاء کرام کے وہ روحانی مراکز ہیں جہاں سے ایمان، تقوی، اخلاق، محبت اور معرفتِ الٰہی کی روشنی پھیلتی ہے، ان کے مقاصد صرف ذکر و مراقبہ تک محدود نہیں، بلکہ اصلاحِ باطن، تزکیہ نفس، اور خدمتِ خلق کے جامع نظام پر مشتمل ہیں، خانقاہیں در اصل ذکر و فکر کے مراکز تھیں، جہاں مریدین کو ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہنے کی تربیت دی جاتی، خانقاہیں علمی مراکز بھی تھیں، اولیاء کرام نے قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، اور اخلاقیات کی تعلیمات کو عام کیا، خانقاہیں اولیاء کرام کی روحانی درسگاہیں تھیں، جن کے مقاصد میں تزکیہ نفس، ذکر و فکر، علم و عمل، محبت و خدمت، اور اخلاق و انسانیت کی تکمیل شامل تھی، آپ کی خانقاہ سعید آباد، حیدرآباد میں آپ کے آستانہ کے قرب میں واقع ہے، آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں وہیں پر بے شمار مریدین کی اصلاح و تربیت فرمائی، انہیں قرب حق کے مراحل سے گزارا، لذتِ عبادت، حلاوتِ ریاضت اور کثرتِ ذکر کی اہمیت و فضیلت سے روشناس کروایا، بلدہ حیدرآباد میں آپ کے بے شمار مرید تھے[2]، اور آپ نے ان کی اخلاقی، روحانی اور باطنی تربیت فرمائی اور انہیں مرتبہ کمال تک پہونچایا، آپ کی خانقاہ میں طالبان حق، ذکر و سلوک، مراقبہ و تزکیہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور فیوض و برکات کی نعمتوں سے مالامال ہوتے ہیں، اور یہ ایک اہم ترین حقیقت ہے کہ آپ کی تعلیمات و ارشادات، قرآن و سنت کے نور سے منور تھیں، اس میں قرآن و حدیث کے خلاف کوئی مواد یا کلام نہیں ہے، بلکہ انہیں کی روشنی میں بلندی درجات اور قرب مولٰی کی لذتوں سے سرشار ہونے کی تاکید و تلقین ہے، آپ کے ارشادات کا خلاصہ چند نکات میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

1۔ اتباع سنت: "سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو، اور اہل دنیا سے ہمیشہ بچتے رہو"[3]

---

[1] عبد الرؤوف مسافر نقشبندی، مقدمہ موعظ حسنہ، اشاعت دوم، مغلپورہ حیدرآباد: دکن ٹریڈرس، 2006، 14۔

[2] عبد الرؤوف مسافر نقشبندی، مقدمہ موعظ حسنہ، اشاعت دوم، مغلپورہ حیدرآباد: دکن ٹریڈرس، 2006، 15۔

[3] محدث دکن، ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری، گلزار اولیاء، مغلپورہ حیدرآباد: دکن ٹریڈرس، جنوری 2017، 91۔

2۔ ذکر و مراقبہ: "دوام ذکر اور صحبتِ شیخ سے نسبت کا حاصل ہونا لازمی ہے"[1]

۳۔ استغناء و زہد: "صحبتِ اغنیاء مبتدی کے لیے سم قاتل اور سد ذوالقرنین ہے"[2]

4۔ صحبتِ شیخ: "درجہ کمال کو وہ شخص پہنچے گا جس کو شیخ کامل ملے، اور شیخ کامل کے قریب ایک حجرہ ہو اور وہ اس میں رات دن ذکر و شغل میں غرق رہے، اور بے ضرورت حجرہ سے باہر نہ نکلے"[3]

زہد و فقر: حضرت بخاری شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمر دنیوی آسائشوں سے کنارہ کشی اختیار کی، نوابانِ دکن نے آپ کو بارہا وظائف و عطیات کی پیشکش کی مگر آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، اکثر ایسا ہوا ہے کہ یومیہ وغیرہ کی سند خدمتِ اقدس میں پیش کی گئی، مگر آپ نے فرمایا: یہ شاید کسی اور بخاری کے لیے ہو، مجھے اس کی ضرورت نہیں[4]، اگر کوئی نذرانہ لایا جاتا تو آپ اسے بستر کے نیچے رکھتے اور خفیہ طور پر محتاجوں میں تقسیم کر دیتے، آپ کا طرزِ زندگی نہایت سادہ، مختصر غذا، اور لباس معمولی ہوتا، یہی زہد و استغناء آپ کے مریدین کے لیے عملی درس تھا۔

وصیت و وفات: وفات سے قبل آپ نے وصیت فرمائی کہ آپ کی نمازِ جنازہ مسجد میں ادا نہ کی جائے، کیونکہ یہ عمل سنت کے خلاف ہے، اور آپ اتباع سنت کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں خلافِ سنت عمل اختیار نہیں فرمایا، قانونِ شریعت کی پاسداری خود بھی کی اور اس کی تلقین بھی فرمائی، آپ کا وصال 10 جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ شبِ جمعہ وقتِ تہجد ہوا، نمازِ جنازہ اجالے شاہ صاحب کی درگاہ کے میدان میں ادا کی گئی، آپ کی مزار مبارک حاجی مستان شاہ مجذوبؒ کے پہلو میں واقع ہے، آپ کے مزار پر آج بھی فیوض و برکات کا سلسلہ جاری ہے۔

حضرت پیر بخاری شاہ قدس سرہ اور سماجی خدمات:

سماجی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس میں جہاں معاشرہ اور سوسائٹی کو بنیادی ضروریات کی فراہمی اور اس کے افراد کی طبی و غذائی حوائج کی تکمیل ہے، وہیں تعلیم و تربیت، اخلاق و کردار سازی، اور ظاہری و باطنی اصلاح بھی شامل ہے، کیونکہ ایک معاشرہ، افراد کے وجود سے تکمیل پاتا ہے، اور افراد معاشرہ کو بہتر اور درست بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اسی لیے ضروری ہے کہ افراد و اشخاص کی طرف خاصی توجہ مبذول کی جائے، اسی غرض کے پیش نظر حضرت پیر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کی دینی تربیت اور اخلاقی عروج و ترقی اور ان کے ظاہر و باطن کو روشن و منور کرنے میں اپنی محنت اور توجہ مبذول فرمائی، جس کی بناء پر بے شمار افراد نے آپ سے تعلق و ارادت کے باعث

---

[1] محدث دکن، ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجد دی قادری، گلزار اولیاء، مغلپورہ حیدر آباد: دکن ٹریڈرس، جنوری 2017، 93۔

[2] محدث دکن، ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجد دی قادری، گلزار اولیاء، مغلپورہ حیدر آباد: دکن ٹریڈرس، جنوری 2017، 91۔

[3] محدث دکن، ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجد دی قادری، گلزار اولیاء، مغلپورہ حیدر آباد: دکن ٹریڈرس، جنوری 2017، 91۔

[4] محدث دکن، ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجد دی قادری، گلزار اولیاء، مغلپورہ حیدر آباد: دکن ٹریڈرس، جنوری 2017، 84۔

ترقی وکمال حاصل کیا۔

اطعام طعام اور خلق خدا کی حاجت براری:

آپ کی حیات مبارکہ میں یہ گوشہ ظاہر وباہر ہے، آپ نے فقراء کی امداد فرمائی، گو آپ دنیااور اس کی زیب وزینت سے دور، قناعت وصبر کے پیکر تھے، لیکن اس کے باوجود لوگوں کی حوئج وضروریات کی تکمیل، ان کے مالی مسائل میں امداد ومعاونت فرماتے، چنانچہ جو بھی آپ کے پاس رقم بطور ہدیہ پیش کی جاتی، پہلے تو قبول کرنے میں تامل فرماتے لیکن بعد اصرار اس کو قبول فرماتے اور فقراء ومساکین میں تقسیم فرماتے، آپ کی خانقاہ میں مختلف مواقع پر لنگر کا اہتمام ہوتا، عرس شریف ہو یاماہ ربیع الاول یاماہ رمضان یادیگر ایام آج بھی آپ کی خانقاہ میں طعام کا اہتمام ہوتااور کثیر خلق خدا جہاں روحانی غذا سے بہرہ مند ہوتے وہیں جسمانی غذا سے بھی لطف اندوز ہوتے۔

اقوال ونصائح:

آپ ایک عظیم عالم، فقہ وقضاء کے ماہر اور قرآن وسنت کے علوم کے محافظ تھے، اسی بناء پر آپ کے اقوال ونصائح نہایت قیمتی، قرآن وسنت کے بحر ذخار میں غوطہ زنی کرکے آپ نے ایسے درنایاب، قیمتی جواہر کو خلق خدا کے سامنے پیش کیا، جس کی اہمیت وافادیت ہر دور میں محسوس کی جاتی ہے، آپ کی تعلیمات اور ارشاداتِ گرامی سراسر قرآن وسنت کے سرچشمہ ہدایت سے ماخوذ ومستفاد ہیں، آپ نے اپنے زمانے کے تقاضوں، لوگوں کی کیفیتوں اور معاشرتی احوال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، قرآن وسنت کے حسین تعلیمات کو نہایت حکیمانہ انداز میں ایک درست اور متوازن منہج پر پیش فرمایا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے اقوال ونصائح روحانیت کی دنیا میں انسان کے لیے بلندی وکمال کی راہیں ہموار کرتے ہیں، اور سالکِ راہِ حق کے لیے چراغِ راہ بن جاتے ہیں۔

آپ کے اقوال جو روحانیت کی راہوں کے لیے رہنماہیں، ان میں سے چند سپرد قرطاس کیے جارہے ہیں:

1۔ "اگر کسی معاملہ میں کوشش کی گئی اور نتیجہ خلاف مرضی نکلاتو اس کے لیے ہر گز رنج نہ کیا جائے، بلکہ بہت آہ وزاری کے ساتھ اپنی اس کوشش پر کثرت سے استغفار پڑھے۔"

2۔ "صالحین کی صحبت اور ان کی مجالست وہمنشینی سے قلب کی اصلاح ہوتی ہے۔"

3۔ "قلب کی صلاح کی دوا: پیٹ کو خالی رکھنا، سحر کے وقت تضرع کرنا، اور صالحین کی صحبت"

اثرات وخدمات:

حضرت سید محمد بادشاہ بخاری رحمہ اللہ کے خلفاء ومریدین نے پورے دکن میں سلسلہ نقشبندیہ وقادریہ کو پھیلایا، آپ کے فیوض سے متعدد خانقاہیں وجود میں آئیں، آپ کے ایک مرید صادق اور خلیفہ محدثِ دکن ابوالحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی وقادری رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ آج بھی شریعت وطریقت کے علوم کی آبیاری کر رہاہے، جو نقشبندی چمن کے نام سے موسوم ہے، آپ کے فیض سے ایک عالم

فیضیاب و مستفید ہے، آسمانِ علم عرفان میں یہ ستارہ ایسا چمکا کہ اس کی روشنی چپہ چپہ میں پھیلی، آپ کی تعلیمات و ارشادات آج بھی اہلِ تصوف کے لیے مشعلِ راہ ہیں، آپ کا آستانہ اور خانقاہ آج بھی سعید آباد میں ذکر و مراقبہ کا مرکز ہے، جہاں ہر سال آپ کا عرس عقیدت و محبت سے منایا جاتا ہے۔

حضرت سید محمد بادشاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ برصغیر کے صوفی ورثہ کا ایک روشن باب ہے، آپ کی شخصیت علم و عرفان، شریعت و طریقت، اور زہد و استغناء کا حسین امتزاج تھی، آپ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ سے انسان کو ظاہری عبادات سے ساتھ باطنی تطہیر کی دعوت دی، آپ کے کردار سے واضح ہوتا ہے کہ حقیقی تصوف، شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے نفس کی اصلاح اور رضائے الٰہی کا نام ہے، دکن کی روحانی تاریخ میں آپ کا نام ہمیشہ درخشاں رہے گا۔

*****

مآخذ و مراجع:

1۔ محدث دہلوی، ابو المجد شیخ عبد الحق، اخبار الاخیار، اردو بازار لاہور: اکبر بک سیلرز، 2004ء

2۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، اشاعت دوم، پاکستان چوک کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، اکست 1975ء

3۔ محدث دکن، ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری، گلزار اولیاء، مغلپورہ حیدرآباد: دکن ٹریڈرس، جنوری 2017ء

4۔ عبد الرؤوف مسافر نقشبندی، مقدمہ موعظ حسنہ، اشاعت دوم، مغلپورہ حیدرآباد: دکن ٹریڈرس، 2006ء۔

5۔ محدث دکن، ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری، گلزار اولیاء، مغلپورہ حیدرآباد: دکن ٹریڈرس، جنوری 2007ء

محدثِ دکن حضرت سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری کی علمی، روحانی اور سماجی خدمات

سید مصباح الدین*

حضرت محدث دکن نسبا ایک جلیل القدر سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا شجرہ نسب سیدۂ کائنات حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور مولائے کائنات حضرت سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ تعالی عنہ کے واسطہ سے آقائے نامدار حضرت سیدنا احمد مجتبی محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اس نسبت ہی نے آپ کے خانوادے کو دینیو جاہت، علمی جلال اور روحانی رفعت عطا کی۔ آپ کا خاندان سلسلہ نقشبندیہ کے ساتھ گہری وابستگی رکھتا تھا۔ یہ سلسلہ اپنی مضبوط شریعت پسندی، ذکرِ قلبی اور تزکیۂ نفس کے اصولوں کی بدولت پورے برصغیر میں مقبول رہا۔ محدث دکن نے اپنے آباواجداد کی اسی روایت کو آگے بڑھایا۔

حضرت ابوالحسنات محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب چوالیس (44) واسطوں سے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔[1]

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے جد اعلی یعنی آپ کے پانچویں دادا حضرت سید علی رحمۃ اللہ علیہ (جو 1558ء تا 1580ء کے درمیان) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارۂ مبارکہ پر مدینہ منورہ سے ہجرت کیے، اور سیر وسیاحت کرتے ہوئے، علم وروحانیت کا فیض تقسیم کرتے کرتے، ہندوستان کے شہر بیجاپور تشریف لائے، اور وہ زمانہ عادل شاہی سلطنت کا تھا، بادشاہ وقت، علی عادل شاہ اول نے آپ کے تقدس وعظمت، علمی جلالت اور تقوی وطہارت سے بے حد متاثر ہوا، اور شاہی جامع مسجد اندرون قلعہ ٔنلدرگ کی تولیت اور امامت آپ کے حوالہ کی، اور ایک کشادہ زرخیز زمین بطور انعام آپ کی خدمت میں نذر کی۔[2]

---

*کامل الفقہ واستاذ جامعہ نظامیہ حیدرآباد

نوٹ: یہ مضمون صرف پی ڈی ایف سافٹ کاپی کا حصہ ہے۔ بعض وجوہات کی بنا پر یہ مضمون مطبوعہ کتاب میں شامل نہ ہوسکا، ان شاءاللہ تعالی آئندہ ایڈیشن اس کو شامل اشاعت کیا جائے گا۔

(1) ابوالحامد محمد احمد اللہ احمد قدیری، ماہنامہ القدیر، محدث دکن نمبر، جلد: 14، شمارہ: 5، حیدرآباد، مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس، جمادی الاولی 1384ھ، م/اکتوبر 1964ء، ص: 38-40

ڈاکٹر مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی، المیزات البلاغیہ فی احادیث زجاجۃ المصابیح، طبع اول، حیدرآباد، ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، 2024ء، جلد اول، صفحہ: 23-25۔

(2) ابوالحامد محمد احمد اللہ احمد قدیری، ماہنامہ القدیر، محدث دکن نمبر، جلد: 14، شمارہ: 5، حیدرآباد، مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس، جمادی الاولی 1384ھ، م/اکتوبر 1964ء، ص: 38-40

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار کا نام نامی حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ ہے، اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت سیدہ خدیجہ رحمۃ اللہ علیہا عرف پاشاہ بیگم صاحبہ ہے جو حضرت گل بادشاہ رحمۃ اللہ علیہکی اکلوتی صاحبزادی ہیں۔ حضرت محدث دکن کے والد بزرگوار عہد طفولیت میں علم دین حاصل کرنے کے لیے اپنے آبائی وطن قصبۂ نلدرگ ضلع عثمان آباد دکن سے حکومت آصفیہ کے زمانہ میں حیدرآباد تشریف لائے، اپنے وقت کے نامور علماء سے تحصیلِ علوم کیا، تمام علوم وفنون میں کامل مہارت حاصل کی، اور اپنے زمانہ کے مشہور علماء میں شمار ہوئے۔ اُسی زمانہ میں آپ نے نقشبند دکن، حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجددی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ، نقشبند زمن عارف باللہ، حضرت مولانا محمد نعیم صدیقی المعروف بہ مسکین شاہ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے، اور حضرت نے بلاطلب آپ کو نعمتِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت کے والد بزرگوار، دفتر معتمدی حکومت آصفیہ کے عہدۂ جلیلۂ پر فائز ہوئے ،اِس خدمت جلیلہ کے ساتھ ساتھ رشد وہدایت، تعلیم وتربیت اور علمی مشاغل کو بھی جاری رکھے ہوئے تھے، اور آپ کو جامعہ نظامیہ کے امتحانات میں بطور ممتحن مدعو کیاجاتا تھا۔ آپ کا وصال مبارک شعبان المعظم، تیرہ سوترپن (1353) ہجری میں ہوا۔ [1]

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے ناناجان، ایک باخدا بزرگ، حضرت گل بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ تھے؛ جو حضرت سید شاہ عبد الوہاب قادری رحمۃ اللہ علیہ سید علی گوڑہ حیدرآباد کی اولاد میں سے ہیں۔ [2]

ولادت باسعادت اور ابتدائی حالات

حضرت محدث دکن کے خواہر زادہ و داماداور آپ کے اولین سیرت نگار، حضرت مولانا سید عبد الرؤف مسآفر نقشبندی مجددی قادری مرتب مواعظ حسنہ رقمطراز ہیں:" آپ کی والدہ محترمہ فرماتی تھیں کہ زمانۂ حمل سے قبل ہی مجھے فرزند صالح کی بشارتیں مل رہی تھیں"۔ [3]

حضرت مولاناسید عبد الرؤف مسآفر، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ: 9

(1) حضرت مولاناسید عبد الرؤف مسآفر، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ: 9-10

پروفیسر ڈاکٹر ابو الفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسر ا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ وقاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 38

(2) حضرت مولاناسید عبد الرؤف مسآفر، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ: 9-10

(3) حضرت مولاناسید عبد الرؤف مسآفر، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ: 10

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ ان بشارتوں کے مصداق بن کر تولّد ہوئے ؛ چنانچہ دس (10)ذی الحجہ ، بارہ سو بیانوے (1292)ہجری، مطابق چھ (6)جنوری، اٹھارہ سو چھیتر (1876)عیسوی، بروز جمعہ ، صبح پانچ بجے، حیدرآباد دکن میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی،مادّۂ تاریخ ولادت "بلند مرتبہ ابوالحسنات "ہے۔[1]

نام،کنیت اور لقب: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ چودھویں صدی ہجری کے عظیم محدث اور صوفی بزرگ ہیں، آپ کا نام مبارک سید عبداللہ شاہ، کنیت ابوالحسنات، لقب محدث دکن ہے۔[2] حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نجیب الطرفین حسینی سید ہیں، حضرت کا سلسلۂ نسب والد بزرگوار کی جانب سے حضرت سیدنا امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ سے ہوتا ہوا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، اِس طرح چوالیس واسطوں سے حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، آپ کے خاندان کے تمام حضرات اپنے اپنے زمانہمیں علم وروحانیت اور زہد وتقوی کے تاجدار رہے ہیں،اور آپ کا بچپن باخدا اور بزرگ ہستیوں کے ماحول میں گزرا۔

تعلیم: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے اور آپ کے علاوہ ایک اور استاذ (جن نام کتب سیر میں موجود نہیں ہے)سے حاصل فرمائی جس میں قرآن مجید وتجوید کے علاوہ عربی وفارسی کی ابتدائی کتب، فقہ، نحو، صرف منطق وغیرہ شامل ہے۔[3]

مملکت آصفیہ کے عہد میں ریاست حیدرآباد دکن اہل علم واہل فضل سے بھرا ہوا تھا، یہ ریاست حیدرآباد کا وہ مبارک دور تھا جس میں حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں اور تحصیل علم کے لیے کمرہمت باندھی،اس دور میں اہل علم اور اصحاب فضل کی کثیر تعداد موجود تھی اور علماء اپنی جگہ مسند علم وفن بچھائے ہوئے تھے ، اور خالصۃً لوجہ اللہ علوم کے دریا بہارہے تھے ، پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خان رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ لکھتے ہیں: "ہم نے سنا ہے کہ حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر فن کے کامل ترین استاذ کی خدمت میں اپنے اس نور نظر کو پہنچاتے اور اپنی طرف سے اس عالم کی خدمت میں نذرانہ بھی پیش کرتے حالانہ اس زمانہ میں ایسے کام للہ اور فی

---

(1)حضرت مولاناسید عبدالرؤف مسآفر، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ:10

حسان دکن خواجہ عبدالعلی صدیقی، حیات حسنہ، حیدرآباد، سرہند اکیڈمی، 1391ھ-1971ء، صفحہ:8

ڈاکٹر مفتی سید ضیاءالدین نقشبندی، المیزات البلاغیہ فی احادیث زجاجۃ المصابیح، طبع اول، حیدرآباد، ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، 2024ء، جلد اول، صفحہ:26

(2)حسان دکن خواجہ عبدالعلی صدیقی، حیات حسنہ، حیدرآباد، سرہند اکیڈمی، 1391ھ-1971ء، صفحہ:8

(3)حضرت مولاناسید عبدالرؤف مسآفر نقشبندی مجددی قادریؒ، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ:12

اللہ انجام دئے جاتے تھے"۔[1]

آپ نے درس نظامی کی تکمیل اس زمانہ کے مشہور علماء، فقہا اور مفسرین سے فرمائی؛جو اپنے وقت کے امام علم و فن تھے، خصوصاً حدیثشریف کے میدان میں آپ نے سخت محنت کی اور سند و اجازت بھی حاصل کی۔یہی وجہ ہے کہ بعد میں آپ "محدث دکن" کے لقب سے شہرت پاتے ہیں۔ آپ کے اساتذۂ کرام میں: شیخ الاسلام، عارف باللہ، حضرت امام محمد انوار اللہ فاروقی بانیٔ جامعہ نظامیہ رحمۃ اللہ علیہ۔ محدثِ عظیم حضرت مولانا حکیم عبد الرحمن سہارن پوری ثم حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن بیدل سہارن پوری ثم حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا منصور علی خاں رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد نواب حکیم مقصود جنگ بہادر)، حضرت مولانا محب اللہ عرف شاہ پیراں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یسین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔[2]

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے تمام علوم وفنون میں کامل مہارت حاصل کی، آپ کے ہم زمانہ علماء اور خود آپ کے اساتذہ آپ کی علمی قابلیت کی تعریف و توصیف کیا کرتے تھے۔

باطنی وروحانی علوم وتربیت: علوم ظاہری حاصل کرنے کے بعد آپ نے علوم باطنی وروحانی کی طرف توجہ کی اور نقشبندی سلسلہ کے دو مشہور بزرگ اولاً قطب دکن، نقشبند زمن، عارف باللہ، حضرت مولانا محمد نعیم صدیقی المعروف بہ مسکین شاہ نقشبندی مجددی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر زمانۂ طالب علمی میں بیعت کیے، پھر درس نظامی کی تکمیل کے بعد قطب دوراں، عارف باللہ، حضرت مولانا پیر سید محمد بادشاہ بخاری نقشبندی مجددی قادریالمعروف بہ پیر بخاری شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، جن کا سلسلۂ نسب حضرت مخدوم جہاں نیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری قدس سرہ سے جاملتا ہے، حضرت پیر بخاری شاہ قدس سرہ ظاہری وباطنی علوم کے تبحر عالم اور بعہد مملکت آصفیہ عالت عالیہ میں منصف (جج) کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے ۔حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ بیس سال تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں مسلسل حاضر ہوتے رہے اور روحانی منازل طے

---

(1) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسر اایڈیشن، حیدرآباد، مولاناحافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری2009ء، صفحہ:92-93

پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسر اایڈیشن، حیدرآباد، مولاناحافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ:39، 93-94، 120

(2) حضرت مولانا سید عبد الرؤف مسآفر نقشبندی مجددی قادریؒ، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ:12

پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسر اایڈیشن، حیدرآباد، مولاناحافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ:39، 93-94، 120

کرتے ہوئے اُس مقام بلند پر پہنچے کہ شیخ کامل نے آپ کو منصب رشد وہدایت کے قابل پاکر خِلعتِ خلافت سے نوازا۔[1] آپ اپنے پیرو مرشد کا بے حد ادب کرتے تھے، آپ نے پیرو مرشد کے وصال مبارک کے بعد پیری مریدی کا سلسلہ شروع فرمایا، آپ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ اور قادریہ میں مرید کیا کرتے تھے، آپ کے کئی لاکھ مرید ہیں۔ آپ کے مجالس وعظ میں مخلوق کی کثیر تعداد رہتی، آپ کے وابستگانِ سلسلہ میں عوام کے علاوہ حفاظ، علماء، فقہاء، شیوخِ حدیث ومفتیانِ جامعہ نظامیہ، اربابِ سلطنت، اعیانِ حکومت، دانشورانِ قوم وملت اور صاحبانِ صَنعت وحرِفَت کی خاصی تعداد شامل ہے۔

علمی خدمات: برصغیر میں علمِ حدیث کی اشاعت کا آغاز ابتدائی صدیوں ہی میں ہو چکا تھا۔ علما اور مشائخ نے یہاں حدیث کی تدریس کو رواج دیا۔ دکن میں جب صوفیاء اور علما کی آمد ورفت بڑھی تو تفسیر وحدیث کے حلقے قائم ہوئے۔ اسی فضا میں حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث کی خدمت کی اور ''محدث دکن'' کا لقب پایا۔

درس وتدریس: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ علوم دینیہ کی تدریس میں صرف کیا۔ آپ کو سرکاری ملازمت اور شاہانہ ملاقات کے کئی مواقع حاصل ہوئے؛ لیکن آپ نے شاہانہ رسوخ کے بالمقابل عوام کی خدمت کو ترجیح دی۔ آپ ہمیشہ اللہ تعالی کی عبادت، طلبہ کی تدریس اور مخلوق کی تربیت میں مشغول رہے اور رشد وہدایت کا سلسلہ تاحیات جاری رہا۔ آپنے آخری زمانۂ طالب علمی ہی سے بلا معاوضہ درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا، آپ کے اطراف طالبان علم ظاہری کا تانتا بندھا رہتا تھا، آپ کے دروس میں مقامی اور دور دراز کے طلبہ شریک ہوتے، تفسیر قرآن، حدیث شریف میں صحاح ستہ کے علاوہ مشکوۃ المصابیح اور دیگر کتبِ حدیثاور فقہ اسلامی کا درس ہوتا، اسی طرح آپ عربی زبان وادب کی کتابیں جن میں صرف ونحو اور شرح جامی کے مضامین بڑی تحقیق اور عمدگی سے سمجھاتے، اور مشکل سے مشکل کتابوں کو ایسا پڑھاتے اور سمجھاتے کہ سمجھدار طالب علم یہ کہنے پر مجبور ہوجاتے کہ اگر مصنف کتاب بھی آجائیں تو ایسا ہی سمجھائیں گے جیسا کہ آپ سمجھارہے ہیں۔ آپ کے حلقۂ درس میں نہ صرف ظاہری علوم پر توجہ دی جاتی بلکہ سنتِ نبوی کے عملی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا جاتا۔ آپ نے حدیث شریف کو محض نصابی مضمون نہیں سمجھا بلکہ عملی زندگی میں سنت کو نافذ کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا۔

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ معمر وکاروباری اشخاص کی سہولت کی خاطر بارہ (12) بجے رات تک حدیث شریف وفقہ اسلامی اور دیگر علوم دینی کا درس دیا کرتے تھے اور علوم کے دریا بہاتے۔ آپ نے ان حضرات کو صرف ونحو اور عربی زبان وادب کی

---

(1) حضرت مولاناسید عبد الرؤف مسآفر نقشبندی مجددی قادریؒ، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ: 14-16
پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسرا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ وقاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 39، 115، 120، 128

کتابیں پڑھائی، پھر مشکوۃ المصابیح کا درس شروع ہوا اور الحمدللہ پوری کتاب درساً درساً ختم ہوئی۔[1]

تلامذہ اور علمی اثرات: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے بے شمار تلامذہ و شاگرد برصغیر کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور انہوں نے اپنے اپنے مقامات پر حدیث کی تدریس و اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ تلامذہ علمی اعتبار سے بھی آپ کے وارث سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعے دکن میں علمِ حدیث کی مضبوط بنیاد قائم ہوئی۔ آپ کے شاگردوں نے آپ کے اسلوبِ تدریس اور زہد و تقویٰ کی روایت کو آگے بڑھایا۔

جیسا کہ مرتب مواعظ حسنہ لکھتے ہیں: آپ کے شاگردوں کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور فیضان بھی کچھ ایسا رہا کہ ہر شاگرد نے کسی نہ کسی فن میں کمال حاصل کر کے کامیاب زندگی کی اہلیت پیدا کرلی۔ اکثر و بیشتر سرکاری اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے اور بعضوں نے تو یہاں تک ترقی کی کہ بادشاہ وقت کی پیشی میں عرصہ تک کام کرتے اور مقرب بنے رہے۔[2]

تصنیفات و مکتوبات: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ ایک عالمگیر شخصیت ہے، آپ نے تقریر و تدریس کے ساتھ ساتھ تحریری صلاحیتوں کو بھی استعمال کرتے ہوئے دین کی بے لوث خدمت انجام دی، آپ کی تصنیفات و تالیفات، مکتوبات اور ملفوظات علمی سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تصنیفات و مکتوبات میں علمی مباحث، حدیثی استدلال اور فقہی مسائل کے جوابات ملتے ہیں۔ ملفوظات میں روحانی و اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ علمی نکات بھی درج ہیں۔ آپ کی تصانیف و حواشی کے تذکرے سیرت نگاروں نے کیے ہیں، جو آپ کی علمی بصیرت کا ثبوت ہیں۔

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ کا اہم شاہکار، شاندار کارنامہ زجاجۃ المصابیحکی تصنیف و تالیف ہے، جس کو حضرت قبلہ نے چالیس (40) سال (1317-1358ھ)[3] کے طویل عرصہ میں، نہایت عرق ریزی و جانفشانی سے تکمیل فرمایا، زجاجۃ المصابیح پانچ جلدوں، 92 کتابوں اور 723 ابواب اور تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اور اس میں احادیث شریفہ کے مختلف ذَخَائِر سے استفادہ کیا گیا ہے، جن میں صِحَاحِ سِتَّہ کے علاوہ دیگر کُتبِ حدیث شریف بھی شامل ہیں، جیسے: مُسنَدِ امام اعظم،

---

(1) حضرت مولانا سید عبد الرؤف مسآفر نقشبندی مجددی قادریؒ، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ: 13

پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسرا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 165

(2) حضرت مولانا سید عبد الرؤف مسآفر نقشبندی مجددی قادریؒ، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ: 13

(3) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسرا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 259

مُوَطّا امامِ مالک، مُوَطّا امام محمد، مُسنَدِ امام احمد وغیرہ۔

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات نہایت عظیم ہیں، خاص طور پر آپ کی کتاب زجاجۃ المصابیح کو فقہ حنفی کی حمایت اور احادیث کی جامعیت کے لحاظ سے بہت اہم سمجھا جاتا ہے، چنانچہ زجاجۃ المصابیح کی تصنیف و تالیف پر علماء عرب و عجم میں ہر مکتبہ فکر کے علماء و فضلاء، ادباء و فصحاء، قائدین و رہنما نے اپنے اپنے قلبی احساسات و تاثرات کا اظہار کیا، اور اس عظیم خدمت پر حضرت کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کیا، اس مقالہ میں ان تمام تاثرات کا احاطہ طوالت کے باعث ممکن نہیں ہے، صرف ان دو تاثرات سے ہی زجاجۃ المصابیح کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد الستار خان رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ لکھتے ہیں:

مرادآباد یوپی انڈیا کے ایک عظیم قائد جناب افتخار فریدی صاحب کہا کرتے تھے کہ حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف جلیل زجاجۃ المصابیح کی (اصل اہمیت و) افادیت اس زمانہ عام ہو گی جب کہ حضرت (امام) مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گا۔ اس لیے کہ یہ بات تحقیق سے چابت ہے کہ حضرت (امام) مہدی علیہ السلام اپنے کشف سے فروعات میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو اختیار فرمائیں گے۔

پروفیسر صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: "ہندوستان کے ایک فاضل دین (بھی) یوں کہا کرتے تھے کہ اس کتاب کی (اصل) اہمیت کا اندازہ حضرت (امام) مہدی علیہ السلام کے زمانے میں ہو گا؛ اس لیے کہ (حضرت) امام مہدی (علیہ السلام) اپنے اجتہاد سے جس مسلک پر چلیں گے وہ حنفی مسلک کے مطابق ہو گا۔"[(1)]

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف علوم و فنون میں اور بھی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے عقائد میں "معراج نامہ" تفسیر میں یوسف نامہ؛ گلدستۂ طریقت یعنی "تفسیر سورۂ یوسف علیہ السلام" حدیث شریف و فقہ اسلامی میں "نور المصابیح ترجمۂ زجاجۃ المصابیح" فقہ وافتاء میں "منتخب فتاوی ابو الحسنات محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ" تذکرہ و سیر میں "میلاد نامہ"، "شہادت نامہ" اور "گلزارِ اولیاء" تزکیۂ نفس، تصفیہ قلب، تجلیۂ روح اور سلوک میں "علاج السالکین"، "کتاب المحبت" اور "سلوک نقشبندیہ مجددیہ"، اخلاقات و تعلیمات میں "قیامت نامہ"، "فضائل نماز" اور "فضائل رمضان"، تصوف میں ایک رسالہ بنام "تصوف کی بہار"، وعظ و خطابت میں ایک رسالہ بنام "وعظ" علم الانساب میں ایک چارٹ بنام "جام جم یعنی شجرۂ انساب عالم و نسب نامۂ فخر عالم، وخلاصۂ بنی آدم علیہ السلام، و باعث ایجاد آدم، حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم" مکتوبات میں "مواعظ حسنہ" دو جلدیں۔ دور

---

(1) پروفیسر ڈاکٹر ابو الفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسرا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 141، 213

دراز رہنے والے مسلمانان؛ جن میں علماء وفضلاء اور مریدین ومتقدین، متوسلین ومحبین شامل ہیں ان کے استفسارات کے جوابات میں جو خطوط حضرت محدث دکن نے لکھے ہیں مواعظ حسنہ کی دو جلدیں ان کا مجموعہ ہے۔ مواعظ حسنہ کے علاوہ حضرت قبلہ کے مکتوبات اور بھی کتابوں میں موجود ہیں، جیسا کہ آپ ہی کی ایک کتاب "گلزار اولیاء" میں ایک مکتوب ہے، اور آپ کے شہزادۂ اصغر ابوالخیر حضرت سید رحمت اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "حیات حسنات" میں آپ کے دو مکتوبات کو ذکر فرمایا ہیں۔

حضرت کے ملفوظات کو کئی خلفاء ومریدین نے جمع کر کے شائع کیا؛ جن میں "مواعظ حسنہ جلد دوم" کے اختتام پر کچھ ملفوظات ہیں ،کتاب "تذکرۂ محدث دکن" اور کتاب "حیات حسنہ" میں بھی حضرت قبلہ کے ملفوظات طبع ہوئے ہیں۔ اد ووظائف میں ایک کتابچہ بنام "شجرۂ نقشبندیہ و قادریہ، ختم خواجگان و ختم قادریہ، درود نقشبندیہ و درود غوثیہ ومناجات" موجود ہے۔

اور خطبات ومواعظ میں سے کتاب "فضائل رمضان" میں تین وعظ، "کتاب المحبت" میں ایک اور کتاب "مواعظ حسنہ جلد اول میں ایک وعظ موجود ہے۔ حضرت قبلہ بلالحاظ مذہب وملّت انسانی دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی میں بنی نوعِ انسان کی جس طرح خدمت فرمائی ہے وہ آپ ہی کا خاصّہ تھا۔

آپ کی تصنیفات و تالیفات اپنے موضوعات و عنوانات کے لحاظ سے سند کا درجہ رکھتی ہیں؛ جو قرآن وحدیث، اقوالِ صحابہ و اہل بیت اور حکایات صالحین سے بھری ہوئی ہیں، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے علمی خدمت انجام دینے والے، وارثانِ محراب ومنبر آج بھی اِن کتابوں سے اپنے خطابات وبیانات کو تیار کر کے امت مسلمہ کی رہبری کر رہے ہیں۔

حدیث دانی وحدیث فہمی کا اسلوب: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت کا سب سے نمایاں پہلو حدیثدانی وحدیث فہمی کا اسلوب ہے۔ آپ حدیث کو محض سند و متن تک محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کے عملی اور اخلاقی پہلوؤں پر زور دیتے۔ آپ کے نزدیک حدیث کا مقصد محض علمی نکتہ دانی نہیں بلکہ اصلاحِ نفس اور معاشرتی تطہیر بھی تھا۔ یہی اسلوب آپ کو اپنے معاصرین سے ممتاز کرتا ہے اور آپ کو ''محدث دکن'' کا منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ نمونہ کے طور پر شرح حدیث کے اسلوب کی ایک مثال پیش کی جارہی ہے: "الدنیا جیفة ، وطلابها كلاب " حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا مردار ہے اور اُس کے طالب کتّے ہیں۔ اِس حدیث شریف کی تشریح میں حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مردار خور تو کوّا بھی ہے اور کتّا بھی، پھر دنیا کے طالب کی مثال کتّے سے کیوں دی گئی ہے؟ حضرت (افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہایت بلیغ مثال ارشاد فرمائی ہے۔

پہلا عیب: اس لیے کہ کتّا جب کسی مردار کو دیکھتا ہے؛ خواہ وہ مردار کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، تنہاخوری کا ارادہ کرتا ہے، کسی دوسرے

کتّے کو قریب تک آنے نہیں دیتا' اتفاقا دوسرا کتّا ادھر آبھی جائے تووہ بھونک بھونک کراس کوا پنے پاس سے بھگادیتاہے، دنیادار میں بھی یہی وصف ہے کہ کسی دوسرے کواپنی دنیامیں شریک ہونے نہیں دیتا۔ برخلاف اِس کے 'کوّا جب مردار پائے گاغُل مچاکر دوسرے کووں کو بھی بلائے گا'اِس لیے کوّادنیادار کی پوری مثال نہیں ہے۔

دوسرا عیب کتّے میں یہ ہے کہ ظالم اپنے مردہ بھائی کا گوشت بھی کھاجاتاہے،کوّا 'ہرگز دوسرے کوے کا گوشت نہیں کھاتا۔ دنیادار بھی مثل کتّے کے ہے کہ ایک کودوسرا کھاجاتاہے۔

تیسرا عیب کتّے میں یہ ہے کہ ایک کتّا دوسرے کتّے کے مرنے سے عبرت نہیں لیتا۔برخلاف اِس کے ایک کوّادوسرے کومردہ دیکھ کربے حدرنج کرتاہے، غل مچاتاہے، جہاں مردہ کوّالٹکادیاجائے وہاں اُس نَواح کے سارے کوّے جمع ہوجاتے ہیں،ایک کوّے کی موت سے اُس کی ساری قوم کوعبرت ہوتی ہے،کتّااس کے برخلاف ہے،اس کوذراسی بھی عبرت نہیں ہوتی ،کتّے کی طرح دنیاداروں کی بھی یہی حالت ہے کہ وہ کسی کی موت سے عبرت نہیں لیتے'ایک دنیادار مرتاہے دوسرااس کامال لینے کی خوشی میں پھولانہیں سماتا۔

چوتھا عیب کتّے میں یہ ہے کہ رات کو بھی مردار کے پاس سے نہیں ہٹتا، رات دن مردار ہی کے پاس پڑارہتاہے، بخلاف اِس کے کوّا رات کومردار کے پاس سے ہٹ جاتاہے، دنیادار بھی مردار کے پاس پڑارہتاہے' ہروقت اسی کا ذکر'اسی کی فکر'اسی کا حساب وکتاب سامنے رہتاہے۔

پانچواں عیب کتّے میں یہ ہے کہ مردار جانور کا گوشت کھاکر ہڈیاں تک چباجاتاہے،کوّا صرف ملائم گوشت پرہی اکتفاکرتاہے، ہڈیاں نہیں کھاتا،دنیادار بھی کتّے کی طرح گوشت بھی کھاجاتاہے، پھرہڈیاں بھی چباجاتاہے۔مثلا:سودخوار 'دنیادار ساری جائدادلے کربھی کھانے پکانے کے برتن کپڑے وغیرہ تک قُرق کروالیتاہے،سب کچھ کھاجاتاہے، بے چارے مقروض کی ہڈی تک باقی نہیں رکھتا۔گوکوّااور کتّادونوں مردار خور ہیں؛ مگر دنیادار کی مثال کتّے پر صادق آتی ہے۔ (1)

دکن کے علمی ماحول کی تشکیل میں کردار: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے دکن کی علمی فضاکو تقویت دی: مدارس ومکاتب کو نئی زندگی بخشی۔عوام وخواص کو علمِ حدیث سے قریب کیا۔تصوف کے ساتھ علمِ حدیث کا حسین امتزاج پیش کیا۔ آپ کے استحضارعلم،وطرزِ تفہیم سے متاثرہوکرناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ بلدہ حیدرآبادنے حضرت کاتقررکسی فن کے شیخ کی خدمت پرکرکے آپ کوبذریعہ تاربرقی اطلاع دی جب کہ آپ موضع ساتے پھل جاگیر تعلقہ مومن آباد (مہاراشٹرا) میں اپنی چھوٹی ہمشیر کے

---

(1)حضرت مولاناسیدعبدالرؤف مسافرنقشبندی مجددی قادریؒ،مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریدرس،2006ء، جلداول،صفحہ:151-152

یہاں کسی تقریب میں تشریف لے گئے تھے۔ آپ کا دنیا سے متنفر و متوکل دل؛ جس کو آزادی کے ساتھ جمال یار میں محو رہنے کا چسکا لگا ہوا تھا، اس قید و بند کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ آپ نے ناظم صاحب کا شکریہ اداء کرتے ہوئے جواب دیا کہ اس وقت تک میں نے للہ تعلیم دی ہے اور مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ مدّت العمر اسی طرح خلق اللہ کی خدمت کرتا رہوں گا۔

آپ کے ایک شاگرد جو عہدۂ جلیلہ پر فائز اور بادشاہ وقت کے مصاحب تھے، بادشاہ وقت سے آپ کی بہت تعریف و توصیف فرمائی جس کی تائید دیگر مصاحبین نے بھیکی، اس پر بادشاہ وقت نے اشتیاق ملاقات ظاہر فرمایا، جب ان شاگرد رشید نے حضرت قبلہ کی خدمت میں اس خیال سے کہ آپ کی خوشنودی حاصل ہو یہ تفصیلات سنائیں تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بابا! فقیروں کو بادشاہوں سے کیا سروکار، اگر آپ میری خوشنودی چاہتے ہو تو آئندہ وہاں کبھی میرا تذکرہ نہ کرنا، یہ سن کر وہ شاگرد بے حد متاثر ہوئے، اور اس سلسلہ کو وہیں ختم کردیا، بادشاہ وقت سے ملاقات کا موقعہ نہ آسکا۔[1]

روحانی وخانقاہی خدمات: دکن کی سرزمین صوفیا اور اولیائے کرام کی سرزمین کہلائی جاتی ہے۔ یہاں تصوف کے مختلف سلاسل مثلاً: نقشبندیہ و قادریہ، چشتیہ وسہروردیہ وغیرہ نے گہرا اثر ڈالا۔ علم تصوف نے جہاں عوام کی اخلاقی وروحانی تربیت کی، وہیں معاشرتی امن وسکون کے قیام میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اسی روحانی ماحول میں حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ علمی وروحانی مرکز کی حیثیت اختیار کرگئی۔

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ فقیہ صوفی تھے، جیسا کہ پروفیسر نثار احمد فاروقی، عربی پروفیسر دہلی یونیورسٹی جو بوقت تحریر "سان فرانسسکو" امریکہ میں مقیم تھے، لکھتے ہیں:

> حضرت مولانا سید عبد اللہ شاہ علیہ الرحمہ فقیہ صوفی تھے، اور حضرت خواجہ گیسودراز علیہ الرحمہ نے جوامع الکلم میں فرمایا ہے کہ "فقیہ صوفی" کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے یعنی بہت کمیاب ہوتا ہے۔[2]

سلسلہ نقشبندیہ سے وابستگی

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے کہ حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہسلسلہ نقشبندیہ مجددیہ و قادریہ کے دو عظیم مشائخ؛ اولا نقشبند زمن، قطب دکن حضرت مسکین شاہ صاحب، ثانیا قطب دوراں، عارف باللہ حضرت پیر بخاری شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما سے بیعت تھے اور حضرت پیر بخاری شاہ صاحب کی جانب سے خلافت واجازت سے بھی سرفراز ہوئے تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ

---

(1) حضرت مولانا سید عبد الرؤف مسآفر نقشبندی مجددی قادریؒ، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ: 13-14

(2) پروفیسر ڈاکٹر ابو الفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسرا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 48

کا امتیاز یہ ہے کہ یہ شریعت و سنت پر کامل پابندی اور "ذکرِ قلبی" کو اہمیت دیتا ہے۔ حضرت محدث دکن نے اسی روایت کو آگے بڑھایا اور اپنے مریدین کی تربیت میں سنت کی اتباع کو اولین اصول بنایا۔ گویا "تصوف شریعت کے بغیر ایک کھوکھلا ڈھانچہ ہے۔" حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف و طریقت کے مقصود و منتہی سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں، جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد الستار خان رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ لکھتے ہیں:

> حضرت محدث دکن قدس سرہ العزیز سے ایک عالم باعمل نے دریافت کیا: حضرت! طریقت کا مقصود و منتہی کیا ہے؟ (حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے) ارشاد فرمایا: اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

خانقاہی نظام: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ نہ صرف ذکر و اذکار کا مرکز تھی بلکہ وہاں عامۃ المسلمین کو اخلاقی و دینی تعلیم دی جاتی۔ طلبہ و علما کو علمی اور روحانی فیض ملتا۔ خانقاہ میں غربا و مساکین کی خبر گیری بھی ہوتی۔ مختلف شہروں سے لوگ فیض کے متلاشی ہو کر حاضر ہوتے اور اپنی اصلاح و تربیت پاتے۔ خانقاہ کا یہ نظام ایک ایسا مرکزِ فیض تھا جہاں علم، عمل اور روحانیت یکجا تھے۔

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد صرف عبادت گاہ ہی نہ تھی؛ بلکہ یہ درسگاہ و خانقاہ بھی تھی، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، اور رشد و ہدایت کا سلسلہ حضرت یہیں سے جاری رکھے ہوئے تھے، جیسا کہ ماہنامہ القدیر محدث دکن نمبر کے مدیر ابوالحامد محمد احمد اللہ احمد قدیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھتے ہیں: ساٹھ سال سے آپ نے مسجد واقع حسینی علم میں نماز پنجگانہ، درس و تدریس، رشد و ہدایت، اور تالیف و تصنیف کا سلسلہ جاری رکھا، اور یوں بھی یہ مسجد خدا کے فضل سے روحانی فیض کا ایک زبردست مرکز بن چکی ہے۔[2]

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد الستار خان رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ لکھتے ہیں: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے اس تجدیدی کارنامے اور مسجد علی آقا حسینی علم (حیدرآباد دکن) جو مسجد کے ساتھ ساتھ ایک خانقاہ بھی ہوگئی تھی؛ جہاں تلاوت

---

(1) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسرا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 136

(2) ابوالحامد محمد احمد اللہ احمد قدیری، ماہنامہ القدیر، محدث دکن نمبر، جلد: 14، شمارہ: 5، حیدرآباد، مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس، جمادی الاولی 1384ھ، م / اکتوبر 1964ء، صفحہ: 13

کلام پاک اور ذکر الٰہی کی محفلیں، اور حدیث شریف کے مبارک کام کی مجلسیں سرگرم ہوا کرتی تھیں۔[1]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: حضرت محدث دکن قدس سرہ نے۔۔۔ مسجد علی آقا حسینی علم کو طالبین راہ سلوک کے لیے مرکز اور گوشہ مسجد کو خانقاہ اور درس حدیث شریف کے لیے مدرسہ بنایا۔[2]

مریدین وسالکین کی تربیت: آپ نے اپنے مریدین کو صرف ذکر واذکار تک محدود نہ رکھا بلکہ ان کی عملی زندگی سنوارنے پر بھی زور دیا: عقائد کی اصلاح پر خاص توجہ دی۔ نماز، روزہ اور دیگر ارکانِ اسلام کی پابندی کروائی۔ اخلاقِ حسنہ جیسے سچائی، امانتداری اور اخلاق واخلاص وغیرہ کو زندگی کا حصہ بنانے کی تلقین فرمائی۔ اہلِ خانقاہ کو دنیا سے فرار نہیں بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی تعلیم دی۔

جیسا کہ آپ کے سیرت نگار لکھتے ہیں: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہونے کے بعد، مرید ہونے والے معصیت وبدکاری سے توبہ کرلیتے تھے، نمازیں باجماعت ادا کرنے لگتے تھے، اور اوراد ونوافل میں مشغول ہو جاتے تھے۔[3]

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ بعد نماز فجر اپنی نشست پر تشریف لاتے اور ارادتمندوں اور مریدین کے حلقہ میں تقریبا ڈیڑ گھنٹہ ذکر اور مراقبہ فرماتے ہوئے حاضرین ومریدین کو توجہ دیا کرتے۔۔۔ حلقۂ ذکر کے اختتام پر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے ، تلاوت تجوید کے ساتھ بآواز بلند، ٹھہر ٹھہر کر، ایک ایک حرف کی ادائیگی پورے اطمنان کے ساتھ ہوا کرتی، اور آپ کو قراءت قرآن سے لطف اندوزی کا عالم یہ تھا کہ بیانوے (92) سال کی عمر میں بھی آپ تراویح کے موقع پر بھی ایک یا دو مرتبہ قرآن ضرور سنتے تھے اور اپنے مریدین کو بھی اس کی تاکید وترغیب فرماتے تھے۔[4]

---

(1) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسر اایڈیشن، حیدرآباد، مولاناحافظ وقاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری2009ء، صفحہ:213

(2) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسر اایڈیشن، حیدرآباد، مولاناحافظ وقاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری2009ء، صفحہ:289

(3) سید رحمت اللہ نقشبندی وقادری، حیات حسنات، حیدرآباد، مکتبۂ نقشبندیہ، حسینی علم بارہ گلی، 1394ھ، صفحہ:6

ابوالحامد محمد احمد اللہ احمد قدیری، ماہنامہ القدیر، محدث دکن نمبر، جلد:14، شمارہ:5، حیدرآباد، مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس، جمادی الاولی1384ھ، م/اکتوبر1964ء، صفحہ:13

(4) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسر اایڈیشن، حیدرآباد، مولاناحافظ وقاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری2009ء، صفحہ:154تا157

ابوالحامد محمد احمد اللہ احمد قدیری، ماہنامہ القدیر، محدث دکن نمبر، جلد:14، شمارہ:5، حیدرآباد، مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس، جمادی الاولی1384ھ، م/اکتوبر1964ء، صفحہ:13

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ یکساں مفید ہوئے، اہل حکومت سے لے کر اہل حرفہ تک، عہدہ داروں سے لے کر عام افراد تک، لوگوں کی عام زندگیوں میں تبدیلیاں آئیں، اخلاق وعادات اور اشغال و اوقات پر اُس کا خاص اثر پڑا، اور آپ کے مریدین میں دینداری، خدا طلبی، عشق الٰہی، معاملات کی صفائی، راست گفتاری اور دیانتداری کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔[1]

روحانی فیوض وبرکات: حضرت محدث دکن کی روحانی مجلسوں میں خاص کیفیت پائی جاتی تھی: ذکر و مراقبہ سے دلوں میں سکون اور اللہ تعالی کی محبت پیدا ہوتی۔ آپ کی دعا سے بیمار شفا پاتے اور پریشان حال سکون پاتے۔ آپ کی صحبت نے بے شمار لوگوں کو گناہوں سے توبہ اور عمل صالح کی طرف مائل کیا۔

تصوف اور علم کا امتزاج: حضرت محدث دکن کا ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ آپ نے تصوف کو علمِ حدیث کے ساتھ مربوط کیا۔ آپ کی خانقاہ میں روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ دروسِ حدیث بھی ہوتے۔ آپ نے واضح کیا کہ تصوف کا اصل سرچشمہ قرآن وسنت ہیں۔ اس امتزاج نے آپ کی خانقاہ کو ایک ہمہ گیر دینی مرکز بنا دیا۔

سماجی واصلاحی خدمات: اس باب میں حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق عوامی اصلاح، معاشرتی رہنمائی اور سماجی خدمات پر گفتگو ہو گی۔

معاشرتی حالات: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ایسے حالات سے گزرا جب: عوامی زندگی میں جہالت اور بدعات کا غلبہ تھا۔ دینی شعور کمزور ہو رہا تھا۔ فرقہ وارانہ جھگڑے اور سماجی ناہمواریاں بڑھ رہی تھیں۔ غربت و افلاس نے عوام کو مشکلات میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ان حالات میں حضرت محدث دکن نے ایک رہبر اور مصلح کی حیثیت سے کردار ادا کیا۔

عوامی اصلاح: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ و نصیحت میں عوام کو قرآن و سنت کی طرف متوجہ کیا۔ شرک، بدعات اور خرافات سے اجتناب کی تعلیم دی۔ نماز، روزہ اور اخلاقی دیانت کو سماجی زندگی کی بنیاد قرار دیا۔ عام لوگوں کو آسان زبان میں دین سمجھایا تاکہ وہ عمل میں پختگی اختیار کریں۔ جیسا کہ حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ شہادت نامہ میں سیدۂ کائنات حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے عقد نکاح کا ذکر فرما کر خواتین کو درد بھرے انداز اور نصیحت آموز لہجہ لکھتے ہیں:

"ہلدی، مہندی، بی پری کرنے والو! دنیا بھر کے رسومات ادا کر کے ایمان برباد کرنے والو! دو جہاں کے

---

(1) سید رحمت اللہ نقشبندی و قادری، حیات حسنات، حیدرآباد، مکتبۂ نقشبندیہ، حسینی علم بارہ گلی، 1394ھ، صفحہ: 6

ابو المحامد محمد احمد اللہ احمد قدیری، ماہنامہ القدیر، محدث دکن نمبر، جلد: 14، شمارہ: 5، حیدرآباد، مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس، جمادی الاولی 1384ھ، م/ اکتوبر 1964ء، صفحہ: 13

بادشاہزادی کی شادیہورہی ہے، دلہن کے سر پر کئی پیوند کی چادر ہے، دلہن کو دیکھ کر رونا آتا تھا، دلہن کے جہیز کی تفصیل یہ ہے کہ کھجور کی چھال چمڑے کے تکیوں میں بھری ہوئی تھی اس کو کسی نے اٹھالیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عہ کے سر پر ایک چکی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک بوریا، اور ایک مسواک تھا، ایک لکڑی کا کٹورا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کھڑاویں پہنے دولہا کے گھر آئیں"۔[1]

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی صباحی نشت فجر کی نماز کے بعد تقریباً ڈھائی تین گھنٹہ ہوا کرتی تھی۔ اس دوران اگر کوئی حاجتمند کسی وظیفہ یا تعویذ کی درخواست کرتا تو آپ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ سائل کی اس درخواست کو منظور فرماتے۔۔۔ حضرت محدث دکن کی خدمت میں خواتین کثیر تعداد میں حاضر ہوتیں اور اپنے مسائل عرض کرتیں اور حضرت علیہ الرحمہ خواتین کے حالات سن کر مشورے دیتے، وظائف بتاتے اور درخواست پر تعویذ بھی عنایت فرماتے۔[2]

حضرت محدث دکن قدس سرہ کے فیض اور توجہ سے سینکڑوں، ہزاروں عورتیں بے حد نیک اور پارسا بن گئیں آپ عورتوں کو نماز روزہ کے مسائل بتاتے، اذکار اور وظائف بھی سکھاتے عورتوں کے خاص مسائل سے ان کو واقف کرتے، خانگی ذمہ داریاں، خاوند کے حقوق اور خاندان میں صلہ رحمی کے احکام تفصیل سے ان کو بتاتے اور ان پر کاربند رہنے کی سخت تاکید کرتے، پردے کا حکم تاکیدی طور پر دیتے اگر کوئی عورت حکم شرعی کے مطابق لباس پہنے ہوئے نہ ہوتی تو اسے آپ متنبہ فرماتے، آج کل عورتوں کا لباس کرتے کی بجائے خصوصا بلاؤز ہو گیا ہے اس پر آپ نے سخت نکیر فرمائی اور وعظ میں فرمایا کہ: ہماری بہنوں نے کرتے چھوڑ کر ہندوؤں کی چولیوں کو اپنا عام لباس بنا لیا ہے۔۔۔ حضرت محدث دکن کے ارشاد اور فرمان میں عامل اور کاربند ہو کر بعض عورتیں تو اپنے شوہروں سے زیادہ پرہیز گا، اور صالحہبن گئیں، اس طرح مردوں اور عورتوں کو ہزاروں کی تعداد میں آپ نے احکام شرعیہ کا پابند اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو بنا دیا، آج تک وہ لوگ الحمد للہ اور ان کے گھر ہمارے حضرت کی

---

(1) محدث دکن ابوالحسنات حضرت سید عبداللہ شاہ نقشبندیمجددی قادری، شہادت نامہ، حیدرآباد، مکتبۂ نقشبندیہ، حسینی علم بارہ گلی، صفحہ: ۷ا
ابوالحامد محمد احمد اللہ احمد قدیری، ماہنامہ القدیر، محدث دکن نمبر، جلد:14، شمارہ:5، حیدرآباد، مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس، جمادی الاولی1384ھ، م/اکتوبر1964ء، صفحہ:13

(2) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسر ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ وقاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری2009ء، صفحہ:159-160

توجہ سے پکے مسلمان اور اچھے دیندار بنے ہوئے ہیں۔[1]

اخلاقی تربیت: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے جھوٹ، غیبت، سود خوری اور دیگر سماجی برائیوں کے خلاف مسلسل جدوجہد کی۔ دیانت و امانت کو معاشرتی تعلقات کا مرکز قرار دیا۔ صلح جوئی اور اخوت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی۔ آپ کے نزدیک سماج کی اصل بنیاد عدل و انصاف اور مساوات انسانی و اخلاقِ حسنہ تھے۔

غرباء و مساکین کی خدمت اور مہمان نوازی: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں غرباء اور حاجت مندوں کے لیے باقاعدہ انتظام ہوتا: مسافروں کو کھانا اور پناہ دی جاتی۔ محتاجوں کی مالی مدد کی جاتی۔ خانقاہ عوامی خدمت کا مرکز تھی، جہاں ہر طبقہ کے لوگ اپنی ضروریات کے لیے رجوع کرتے۔ حضرت محدث دکن کا جود وسخا فضل خداوندی کا ایک کرشمہ تھا؛ جس کی مثال بڑی مشکل سے ملتی ہے، آپ دینی اور روحانی نعمتوں کی عطاکے ساتھ مال ومتاع دنیوی سے بھی نوازتے رہتے تھے۔[2]

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ کے شہزادگان بھی بڑے سخی اور جواد تھے۔ پریشان حال اصحاب کی خاص طور پر خبر گیری فرماتے تھے اور نقد و جنس کی تمام ضرورتیں ان کے لیے فراہم کرتے تھے اور اس طرح سے کہ عام طور پر دوسروں کو خبر بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔۔۔ ایک مسجد کے امام صاحب نے مکان لیے ایکچھوٹی سی زمین خریدی اور اس کے لیے علی الفور (اس زمانہ کے) آٹھ سو روپیہ کی ضرورت تھی۔ یہ صاحب حضرت قبلہ کے جانشین حضرت مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی درپیش مشکل سنائی۔ ان موصوف نے بتایا کہ حضرت نے جوں ہییہ بات سنی فوراً اٹھے اور اپنے خلوت کدہ سے پوری رقم لاکر ان صاحب کے حوالہ کر دی۔ اس کو کہتے ہیں اس طرح دو کہ دائیں ہاتھ سے دے رہے ہوں تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔[3]

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کا دستر خوان وسیع تھا، دن رات مہمان آتے اور جاتے رہتے تھے، کبھی کسی کو بغیر کھانا کھلائے

---

(1) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسرا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 297-298

(2) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسرا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 293

(3) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسرا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 344-345

واپس جانے نہیں دیا۔ آپ کی اپنی خوراک نہایت سادہ اور مختصر ہوتی تھی؛ مگر مہمانوں کے لیے لذیز کھانے تیار کرواتے تھے۔[1]

طلبہ وعلماء کی رہنمائی وامداد: حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ صرف عوام تک محدود نہ تھے بلکہ علما و طلبہ کے لیے بھی رہنمائی کا مرکز تھے: علما کو اپنی خطابت اور تدریس میں اعتدال برتنے کی ہدایت دیتے۔ طلبہ کو اخلاقی تربیت کے ساتھ عملی زندگی میں سماجی کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتے۔ یوں آپ کی اصلاح صرف فرد تک محدود نہ رہی بلکہ پورے معاشرے تک پھیل گئی۔

حضرت محدث دکن کے اخلاق حسنہ سے متعلق بہت سی باتیں قابل ذکر ہیں، آپ نرم طبیعت تھے، نہ کسی کی مذمت فرماتے اور نہ کسی کا عیب بیان فرماتے، کوئی بھی کچھ مانگتا فوراً عطا فرما دیتے، اکثر نادار طلباء حاضر خدمت ہوتے اور مدرسہ کی فیس اور امتحانات کی فیس کی ضرورت عرض کرتے، فوراً عنایت فرما دیا کرتے۔[2]

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے شہزادگان و نبیرگان کے سماجی خدمات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے نقشبندی چمن میں علماء و مشائخ، متعلقین و مریدین کو تدفین کے لیے بلا معاوضہ قبر کی جگہ عنایت فرمائی۔

اس کے علاوہ نبیرۂ محدث دکن ابوالخیرات حضرت مولانا سید انواراللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دادا جان حضرت ابوالحسنات محدث دکن اور والد بزرگوں حضرت ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہما کے وصال مبارک کے بعد بھی ان بزرگوں کے رفاہی و سماجی خدمات کو جاری رکھتے ہوئے مخلوق خدا کے استفادہ کے لیے نقشبندی چمن مصری گنج حیدرآباد تلنگانہ میں کئی پروجکٹس شروع فرمائے ہیں جن میں

حضرت ابوالحسنات ایجوکیشنل سوسائٹی، محدث دکن ہائی اسکول (انگلش میڈیم)، کمپیوٹر سنٹر، محترمہ آمنہ بیگم پبلک کلینک ہومیوپیتھک چارٹیبل کلینک، ڈائگناسٹک سنٹر، ٹیلرنگ سنٹر، اور دائرۃ المعارف الحسنات وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت محدث دکن رحمہ اللہ علیہ کے سماجی وروحانی خدمات اور آپ کے معمولات شریفہ سے متعلق آپ کے ایک سیرت نگار لکھتے ہیں: "حضرت کے اوقات معین و صبر آزما ہیں، آپ کے حسب صراحت ذیل معمولات کی پابندی حیرت انگیز ہے: بعد نماز فجر مریدوں کو توجہ دی جاتی ہے، اس سے فارغ ہوتے ہی بلالحاظ مذہب وملت اہل غرض جن میں ہر طبقہ کے مرد، عورت، بچے، جوان اور بوڑھے سب ہیشامل ہیں، آپ کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔

---

(1) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسر ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 294

(2) پروفیسر ڈاکٹر ابوالفداء محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسر ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء، صفحہ: 275

کوئی مرد اپنی بیوی سے نالاں ہے تو کوئی عورت اپنے شوہر کی شاکی۔ ماں کو بیٹے کا ملال ہے تو بہو کو ساس سے شکایت۔ کوئی دکھ درد میں مبتلا ہے تو کوئی آسیب زدہ اور اکثر تو بے روزگاری سے پریشان۔ حضرت ہیں کہ سب کی سنتے اور دلجوئی فرماتے اور اوراد و وظائف یا تعویذ وغیرہ سے جیسی بھی صورت ہوتی ہے ان کی مدد فرماتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ (9) بجے تک جاری رہتا ہے۔

نماز اشراق اداء فرما کر گھر تشریف لاتے ہیں، رفع ضروریات کے بعد ہنوز ناشتہ تناول فرمانے نہیں پاتے کہ مستورات کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جن میں بعض بیعت ہونے اور اکثر تو اپنی دکھ بھری داستان سنانے آتی ہیں، یہ سلسلہ کوئی دو (2) بجے تک جاری رہتا ہے۔

اس کے بعد بھی ظہر کے لیے مسجد تشریف لے جاتے ہیں، بعد ادائی نماز مریدوں سے سلوک کے متعلق کیفیت سماعت فرما کر رشد وہدایت میں مشغول رہتے ہیں۔ الغرض حضرات کو ان کے حسب حال ہدایات یا سفارشی رقعات عنایت فرماتے ہیں، اس کے بعد موقع ہو تو مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یا خطبات غوث اعظم رضی اللہ عنہ سماعت فرماتے ہیں۔

نماز عصر کے بعد سے مغرب تک مراقب رہتے ہیں، بعد نماز مغرب مکان تشریف لا کر شب کا کھانا تناول فرماتے اور مریدیوں کے خطوط کے جوابات لکھواتے ہیں۔ دور دراز کے معتقدین جو حاضر خدمت ہونے سے مجبور ہیں ان کو بذریعہ خطوط ہی مرید فرمایا جا کر القائے نسبت وذکر وشغل کی تعلیم دی جاتی ہے۔

پھر دس بجے شب نماز عشاء کے لیے مسجد تشریف لے جا کر (12) بجے شب کے قریب مکان لوٹتے ہیں۔ تین گھنٹے خدا جانے کیسے گزرتے ہیں کہ تہجد کے لیے بیدار ہو کر نماز فجر تک یاد الٰہی میں مشغول اور مسجد روانہ ہونے سے قبل اتباع سنت میں قلیل وقفہ کے لیے بستر پر لیٹ جاتے ہیں، اور پھر بدستور مندرجہ بالا مصروفیات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے[1]

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے سماجی خدمات مسلماور غیر مسلمہر دوطبقہ کے ساتھ تھے، آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی آپ کے سماجی خدمات، آپ کے احسانات اور سلوک، آپ کی شفقت اور مہربانیوں کو یاد کر کے مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی روتے ہوئے آپ کو خراج تحسین پیش کرنے لگے، جیسا کہ مرقوم ہے:

> وہ منظر انتہائی رقت انگیز تھا، جب کہ حضرت محدث دکن کے دامن فیض سے متمتع ہونے والے ان کے ایک ایک احسان کو یاد کر کے زار و قطار رو رہے تھے، کئی ایک غیر مسلم حضرت کے سلوک، ان کی شفقت

---

(1) حضرت مولانا سید عبد الرؤف مسافرؔ نقشبندی مجددی قادریؒ، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریڈرس، 2006ء، جلد اول، صفحہ: 26

اور مہربانیوں کا تذکرہ کرکے اپنے ساتھ گریہ وزاری میں دوسروں کو شریک کررہے تھے۔[1]

سماجی خدمات کا اثر: حضرت محدث دکن رحمہ اللہ علیہ کی اصلاحی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ: عوامی زندگی میں دینی شعور بیدار ہوا۔ برائیوں میں کمی اور نیکیوں میں اضافہ ہوا۔ خانقاہ ایک ایسا سماجی و دینی مرکز بنی جس نے معاشرے کو جوڑا۔ آپ کی شخصیت نے مذہبی قیادت اور سماجی اصلاح کا حسین امتزاج پیش کیا۔

وصال مبارک: حضرت محدث دکن رحمہ اللہ علیہ کو وصال مبارک سے پہلے، رمضان شریف میں شدت کا بخار آگیا، (اس وقت آپ کی عمر شریف اکانوے (91) برس تھی)، مصلیانِ مسجد نے بہت کچھ عرض کیا کہ حضور! بیٹھ کر تراویح و تہجد ادا فرمائیں تو مناسب ہے، ناگوارئ خاطر کے ساتھ ارشاد ہوا، بابا! میں دنیوی کاروبار کے لیے ضعیف اور بوڑھا ہوں؛ لیکن آخرت کے کاموں کے لیے ابھی تندرست و توانا اور جوان ہوں، اور حسب عادت کھڑے ہو کر ہی تراویح و تہجد ادا کرتے رہے، سوائے "تَشْفِيْعُ الْوِتْرْ" کے، نوافل تک بھی آپ کبھی بیٹھ کر ادا نہ فرمائے۔

وصال مبارک سے پہلے طبیعت ناساز ہونے کے زمانہ میں حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے خدمت گزار جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے خود ہی فرمایا: "جَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتْ" میں عالمِ سکرات میں ہوں، میرے عزیز واقارب؛ جو اِس وقت مجھ سے دور ہیں؛ اُنھیں بلا لیا جائے۔ یہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ حضرت اپنے سکرات کی اطلاع خود دے رہے ہیں؛ چنانچہ حضرت لیٹے ہوئے شہادت کی انگلی اٹھاتے رہے اور "لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمدُ، يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" کا ورد جاری رکھا، آپ پر محویت واستغراق کی کیفیت طاری ہو گئی، آپ اشارہ سے نماز ادا فرماتے، اور پھر بدستور محویت واستغراق کی کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی۔ حضرت کا شغل صرف محویت واستغراق کے ساتھ یادِ الٰہی رہا۔

یٰسین شریف کی تلاوت کی جارہی تھی، جب قاری "قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةْ" پر پہنچا تو حضرت کی سیدھی آنکھ مبارک سے آنسو کا ایک قطرہ رخسارِ مبارک پر ڈھلکا، اور ہر دو آنکھ مبارک کے اطراف ایک ایسا نورانی حلقہ ظاہر ہوا جیسا کہ اندھیری رات میں کئی جگنو گول شکل میں اکٹھا ہوئے ہوں، لب مبارک ہلے اور یہ آواز سنائی دی "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ، وَاَلْحِقْنِيْ بِا لرَّفِيْقِ الْأَ عْلٰى" (الٰہی میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلی سے ملادے)۔

(1) ابوالحامد محمد احمد اللہ احمد قدیری، ماہنامہ القدیر، محدث دکن نمبر، جلد: 14، شمارہ: 5، حیدرآباد، مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس، جمادی الاولی 1384ھ، م / اکتوبر 1964ء، صفحہ: 17

یہ علم و عرفان اور ولایت کا آفتاب بیانوے (92) سال تک اپنی نورانی کرنوں سے ایک عالم کو منور کر رہا تھا؛ اللہ تعالی کے فیصلہ کے مطابق دنیا میں قیام کی مدت مکمل کر کے، بتاریخ 18 ربیع الثانی، 1384 ہجری، مطابق 27 اگست، 1964 عیسوی، بروز جمعرات، صبح آٹھ بجکر اکیس منٹ پر اپنی جانِ عزیز، جانِ آفریں کے حوالے فرما کر اپنے خالق حقیقی سے جاملا اور مادّی آنکھوں سے روپوش ہو گیا؛ لیکن اپنے شہزادگان، نبیرگان اور فیضیافتگان کو اس قدر روشن و منور کر گیا کہ اُن کی نورانیت سے خلق خدا آج بھی رشد و ہدایت کی روشنی پا رہی ہے ،اِس طرح روپوش ہو کر بھی حضرت کا روحانی فیضان جاری و ساری ہے، اور اللہ کے کرم سے ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا۔[1]

* * * * *

مصادر و مراجع:

1۔ ابو الحامد محمد احمد اللہ احمد قدیری، ماہنامہ القدیر، محدث دکن نمبر، جلد: 14، شمارہ: ۵، حیدرآباد، مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس، جمادی الاولی 1384ھ، م / اکتوبر 1964ء۔

2۔ حضرت مولانا سید عبد الرؤف مسآفر، مرقع حسنات، حیدرآباد، مکتبۂ نقشبندیہ، حسینی علم بارہ گلی، 1391ھ۔

3۔ حسان دکن خواجہ عبد العلی صدیقی، حیات حسنہ، حیدرآباد، سرہند اکیڈمی، 1391ھ-1971ء۔

4۔ سید رحمت اللہ نقشبندی و قادری، حیات حسنات، حیدرآباد، مکتبۂ نقشبندیہ، حسینی علم بارہ گلی، 1394ھ۔

5۔ حضرت مولانا سید عبد الرؤف مسآفر، مواعظ حسنہ، طبع دوم، حیدرآباد، دکن ٹریدرس، 2006ء، جلد اول۔

6۔ پروفیسر ڈاکٹر ابو الفداء محمد عبد الستار خان، سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، تذکرۂ محدث دکن، تیسرا ایڈیشن، حیدرآباد، مولانا حافظ و قاری سید خلیل اللہ بشیر بخاری 2009ء۔

7۔ ڈاکٹر مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی، المیزات البلاغیہ فی احادیث زجاجۃ المصابیح، طبع اول، حیدرآباد، ابو الحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، 2024ء، جلد اول۔

---

[35] حضرت مولانا سید عبد الرؤف مسآفر، مرقع حسنات، حیدرآباد، مکتبۂ نقشبندیہ، حسینی علم بارہ گلی، 1391ھ، صفحہ: 20

निष्कर्षतः

भारत देश गंगा-जमुनी तहज़ीब का मिसाल है। इस देश में विविधता में एकता दिखाई देती है। खानकहों के माध्यम से जो दीन से गुमराह हुए लोगों को जोडकर सही मार्ग पर लाना इनका मुख्य उद्देश्य रहा है। इसके साथ ही साथ हमें शैक्षिक संस्थानों की स्थापना करने कि आवश्यकता है। इन खानकाहों में स्कूल, कलाशालाएँ और व्यावसायिक प्रशिक्षण संस्थान स्थापित करने से स्थानीय युवाओं को शिक्षा के मार्ग मिल सकते हैं। वर्त्तमान की पढाई में बहुत से बदलाव आ चुके हैं, हमें इन बदलावों के अनुसार अपने शिक्षा केन्द्रों में कौशल विकास केन्द्रों को खोलना अत्यंत आवश्यक है। इस शिक्षा नीति से उन्हें रोज़गार के अवसर मिल सकते हैं। इसके साथ आर्थिक विकास, सामाजिक विकास, सामुदायिक विकास आदि। इन कार्यक्रमों को लागू करने से खानकाह की तरक्की में मदद मिल सकती है और स्थानीय समुदाय के जीवन में सुधार लाया जा सकता है।

सन्दर्भ ग्रंथ सूचि:

1- बहलुक – हज़रत बशीर अहमद दरखस हैदराबादी नक्शबंदी कादरी
2- भक्ति-सूफ़ी परम्पराएँ - राष्ट्रीय शैक्षिक अनुसंधान और प्रशिक्षण परिषद
3- 40 वां उर्स शरीफ - हज़रत आरिफ़ बिल्लाह अल-हज खारी सय्यद शाह महमूद आलम हुसैनी
4- साक्षात्कार

1983 को हुआ और उन्हें पहाड़ी शरीफ़ में दफ़न किया गया। वे जामिया निज़ामिया के एक महान पुत्र हैं। उन्होंने जीवन भर पवित्र शरीयत का पालन करने का तरीका सिखाया और निज़ाम अबा के मैदान में एक मदरसा चलाया जहाँ उन्होंने कुरान के सभी विज्ञानों की शिक्षा दी, विशेष रूप से तिलावत और शिष्टाचार की शिक्षा अपने शिष्यों को दी। उनके कई ख़लीफ़ा और हज़ारों शिष्य और अनुयायी थे। उनकि दक्कनी साहित्य की वैज्ञानिक और साहित्यिक पूँजी पर एक सरसरी नज़र डालें, तो पता चलता है कि वे दक्कनी भाषा और साहित्य को बहुत प्रभावित किया - हज़रत सय्यद शाह महमूद आलम हुसैनी की यह अपार लोकप्रियता उनकी साहित्यिक सेवाओं के साथ-साथ सूफ़ीवाद की उनकी प्रणाली के कारण है जो पाँच तत्वों और पच्चीस गुणों में विभाजित है। कहा जाता है - उनका दर्जा न केवल एक गद्य लेखक, कवि, लेखक और सूफी संत का है, बल्कि एक संस्था और आंदोलन का भी है। उन्होंने न केवल अपने युग को, बल्कि आने वाली पीढ़ियों को भी प्रभावित किया।

अल-हज अब्दुल क़दर साहब का जन्म 1936 में हुआ। वे बहुत बड़े विद्वान, ज्ञानी कहे गए हैं। वे अपने खानकाओं में मुर्शादी लाइन का ज़िक्र व अज़कार, तालीम, फतेहा खानी, महिना वारी ख्वाल्ली का नज़्म किया जा रहा है। यह सब अमल अज भी हो रहे हैं। हज़्रत का देहांत सितम्बर 1925 में हुआ। इस खानकहां में प्रति वर्ष 14 रबी उल अवल को उर्स मनाया जाता है।

सय्यद अहमद खादरी साहब का खानकान बोधन शहर में स्थित है। यहाँ पर ज़िक्र व ताज्बियत का पालन अच्छे से किया जा रहा है। अब यह खानकान हज़रत सय्यद ताहेर पाशा के निगरानी में वहल रहा है।

हज़रत सय्यद शाह अमानुल्लाह बाबा का खानकाह में बहुत से लोग ज़िक्र, तालीम आदि में निमग्न रहते थे। इस खान काह कि ज़िम्मेदारी अब उनका पुत्र सय्यद यौसुफोद्दीन साहब चला रहे हैं।

खादर साहब कादरी चिश्ती इफ्तेकारी, सय्यद अहमद खादरी साहब बोधन, हज़रत सय्यद शाह अमानुल्ला बाबा कोत्ताबादी बांसवाडा के परिवार भी महत्वपूर्ण है, जिसने लगभग ढाई से तीन सौ वर्षों तक दक्खन के लोगों के दिलों पर राज किया। इस परिवार की आध्यात्मिक उत्कृष्टता, धार्मिक सेवाओं और गूढ़ साधनाओं ने समाज में क्रांति ला दी। उन्होंने दक्खन सभ्यता को जीवन और निरंतरता प्रदान की। इस परिवार ने दक्खन सभ्यता की महान सेवा की है।

सय्यद मुहम्मद आलम मिनी क़ल्स सलिक, महमूद अहक, आरिफ़ बिल्लाह शीर्षक, उनका नाम हज़रत सैयद शाह अमा अल्लाह मिनी कुद्स सुर्रा है। जन्मतिथि: 1330 हिजरी तदनुसार 1911। उन्होंने अपनी प्रारंभिक शिक्षा अपनी माँ हजरत आरिफ उल हक सैयद बहावल शाह सेती से प्राप्त की। फिर उन्होंने शिक्षा के लिए जामिया निज़ामिया में प्रवेश लिया। 1342 हिजरी में, हज़रत मौलवी सैयद अयूब साहिब नबीरा अलवी जामिया निज़ामिया के फ़ारी विभाग के छात्र बने। उन्होंने 1936 में जामिया निज़ामिया से स्नातक की उपाधि प्राप्त की। उन्होंने 1937 में लाहौर से प्राच्य अध्ययन में डिग्री प्राप्त की। उनका वंश उनके दादा, हज़रत सैयद शाह इन अल्लाह मैनीस से जुड़ा है, और विशेष रूप से उन्हें हज़रत सैयदना बदीउद्दीन ज़ंद और शाह मदार के वंश से ख़िलाफ़त प्राप्त है, और सबरिया चिश्ती के वंश में, उन्हें हज़रत सूफ़ी अब्दुल समद चिश्ती साबरी मज़हरी से ख़िलाफ़त प्राप्त है। उन्हें दो बेटे और दो बेटियाँ हैं। उनका सबसे बड़ा बेटा हज़रत मौलवी कारी सैयद शाह मसूद आम मसीन मदनी तबक़ाती कादरी हैं उन्होंने मदरसा तानिया सानी और फ़ौकानिया में 17 साल तक शिक्षा दी और सज्द उस्मानी बुदमान में लंबे समय तक इमामत की और मस्जिद स्टेशन निज़ामाबाद में 23 साल तक इमामत की। उनका निधन 5 जमादि थानी 1403 हिजरी, 20 मार्च

बारहवीं शती के आसपास इस्लामी दुनिया में सूफ़ी सिलसिलों का गठन होने लगा। सिलसिला का शाब्दिक अर्थ है – जंज़ीर जो शेख और मुरीद के बीच एक निरंतर रिश्ते की द्योतक है, जिसकी पहली अटूट कड़ी पैगम्बर मोहम्मद से जुड़ी है। इस कड़ी के द्वारा आध्यात्मिक शक्ति और आशीर्वाद मुरीदों तक पहुँचता था। दीक्षा के विशिष्ट अनुष्ठान विकसित किये गए, जिसमें दीक्षित को निष्ठा का वचन देना होता था और सिर मुंडाकर थोगडी लगे वस्त्र धारण करने पड़ते थे। पीर की मृत्यु के बाद उसकी दरगाह उसके मुरीदों के लिए भक्ति का प्रमुख स्थल बन जाती थी। इस तरह पीर की दरगाह पर ज़ियारत के लिए जाने की, खासतौर से उनकी बरसी के अवसर पर परिपाटी निकली। इस परिपाटी को 'उर्स' कहा जाता है। लोगों का मानना था कि मृत्यु के बाद पीर इश्वर से एकीभूत हो जाते हैं और इस तरह पहले के बजाय उनके अधिक क़रीब हो जाते हैं। सामान्य लोग आध्यात्मिक और एहिक कामनाओं की पूर्ति के लिए उनका आशीर्वाद लेने जाते थे। इस तरह शेख का वली के रूप में आदर करने की परिपाटी शुरू हुई। सूफ़ी वंश के लोग स्थापित करने के कारण उनके नाम पर पड़े। उदाहरणतः कादरी सिलसिला शेख अब्दुल कादिर जिलानी के नाम पड़ा। कुछ अन्य सिलसिलों का नामकरण उनके जन्मस्थान पर हुआ। जैसे – चिश्ती नाम मध्य अफगानिस्तान के चिश्ती शहर से लिया गया।

निज़ामाबाद जिले के ख़ानक़ाहें का उद्भव और विकास:

निज़ामाबाद की धरती का ऐतिहासिक महत्व बहुत अधिक है - यहाँ न केवल राजाओं ने शासन किया, बल्कि दरवेशों और सूफ़ियों ने भी इस धरती को समृद्ध बनाया। यदि इन सूफ़ियों की वैज्ञानिक सेवाओं की कहानी दर्ज की जाए, तो मठों के इतिहास में एक ऐसा अध्याय रचा जाएगा जो सम्राटों के पूरे इतिहास को पीछे छोड़ देगा। निज़ामाबाद जिले के परिवारों में **मोहम्मद पीर चिश्ती**, **हज़रत आरिफ़ बिल्लाह अल-हज खारी सय्यद शाह महमूद आलम हुसैनी, अल-हज अब्दुल**

निज़ामाबाद ज़िले के ख़ानक़ाहों का उद्भव और विकास

डॉ. सय्यद ताहेर
प्राध्यापक, हिन्दी विभाग,
तेलंगाना विश्वविद्यालय, डीचपल्ली,निज़ामाबाद

सूफ़ीवाद का अर्थ:

सूफ़ीवाद के लिए इस्लामी ग्रंथों में 'तसव्वुफ़' शब्द का इस्तेमाल होता है। विद्वानों और इतिहासकारों के अनुसार यह शब्द 'सूफ' से निकला है जिसका अर्थ ऊन है। यह शब्द उस खुरदुरे ऊनी कपड़े की ओर इशारा करता है जिसे सूफ़ी पहनते थे। कुछ विद्वान इस शब्द की व्युत्पत्ति 'सफा' से मानते हैं, जिसका अर्थ है साफ़। यह संभव है कि सूफी शब्द 'सफा' से निकला हो, जो पैगम्बर की मस्जिद के बाहर एक चबूतरा था, वहाँ अनुयायियों की मंडली धर्म के बारे में जानने के लिए इकट्ठी होती थी।

ख़ानक़ाह और सिलसिला:

दक्कन क्षेत्र अपनी संस्कृति, सभ्यता और ऐतिहासिक विरासत के लिए प्रसिद्ध है। यह क्षेत्र भारत में आध्यात्मिक और शैक्षणिक प्रयासों के लिए महत्वपूर्ण केंद्र रहा है। इस क्षेत्र की ख़ानक़ाहें व्यापक संपर्क के साथसाथ अपनी गहरी जड़ों के आधार - परशैक्षणिक, वैचारिक, सांस्कृतिक और सामाजिक परिदृश्य को आकार देने में सक्रिय रही हैं। ग्यारवीं शती तक आते-आते सूफ़िवाद एक पूर्ण विकसित आन्दोलन था, जिसका सूफ़ी और कुरान से जुड़ा अपना साहित्य था। संस्थागत दृष्टि से सूफ़ी अपने को एक संगठित समुदाय के रूप में स्थापित किए। ख़ानक़ाह का नियंत्रण शेख, पीर अथवा मुर्शिद के हाथ में होता था। वे अनुयायियों की भर्ती करते थे और अपने वारिस की नियुक्ति भी करते थे। वे आध्यात्मिक व्यवहार के नियम निर्धारित करने के साथसाथ आपसी रिश्तों की सीमाएँ भी तय करते थे।-

12. Hussaini, Dr. S. S. K. (2015). *The Life, Works And Teachings Of Khaja Bandanawaz Gisudiraz (Rev. Ed.)*. Sayyid Muhammad Gisudiraz Research Academy.
13. Karamustafa, A. T. (2007). *Sufism: The Formative Period*. Edinburgh University Press. Https://Doi.Org/10.1515/9780748628971
14. Kinra, R. (2015). Writing Self, Writing Empire. In *Writing Self, Writing Empire*. University Of California Press. Https://Doi.Org/10.1525/Luminos.3
15. Mratkhuzina, G. F., Bobkov, D. V., Khabibullina, A. M., & Ahmad, I. G. (2019). Sufism: Spiritual And Cultural Traditions In India. *Journal Of History Culture And Art Research*, *8*(3), 434. Https://Doi.Org/10.7596/Taksad.V8i3.2258
16. Mursalat, M. (2023). Spiritual Piety And Social Pity: Study Of Sufism Thought Bawa Muhaiyadden As A Contemporary Sufi. *Jurnal Kawakib*, *4*(1), 28–40. Https://Doi.Org/10.24036/Kwkib.V4i1.113
17. Parciack, R. (2021). No Offence: Communal Vulnerability, Law And Versatility In A Vernacular Indo-Islamic Context. *South Asia: Journal Of South Asian Studies*, *44*(3), 538–553. Https://Doi.Org/10.1080/00856401.2021.1932021
18. Qazi, A. P., & Kumar, Dr. A. (2019). Mysticism And Sufi Order In The Deccan. *Aayushi International Interdisciplinary Research Journal*, *06*(05).
19. Rahman, P., & Mehnaz, S. (2024). Advent Of Sufism In Khuldabad. *International Journal For Multidisciplinary Research*, *06*(01). Https://Doi.Org/10.2139/Ssrn.5054029
20. Rajjak, Dr. S. M. (2017). Spiritual Coexistence In Marathi Literature Of Sufis In Deccan History. *International Research Journal Of Management Sociology & Humanity*, *8*(11).
21. Samseer, R. H., & Beegom, R. K. B. (2019). Religious Syncretism Among Indian Muslims And Its Manifestation In Dargah Practices: Case Studies Of Three Dargahs In Kerala. *Religions Of South Asia*, *13*(1), 76–98. Https://Doi.Org/10.1558/Rosa.19250
22. Sardar, M. (2007). *Golconda Through Time: A Mirror Of The Evolving Deccan* [Doctor Of Philosophy]. New York University.
23. Shah, M. (2024). *The Harmonious Tapestry: The Influence Of Sufi Thought On South Asian Literary And Aesthetic Traditions* (Ssrn Scholarly Paper No. 5008425). Social Science Research Network. Https://Doi.Org/10.2139/Ssrn.5008425
24. Shahedi, N. (2023). Sufi Shrines, Diffusion Of Knowledge, And Ligitimisation Of Political Culture. In V. Ramakrishna (Ed.), *Proceedings Of The Forty Fifth Session Ysr Kadapa - 2023: Vol. Xlv* (P. 139). A.P. History Congress.
25. Siddiqi, M. S. (2023). *The Bahmanī Ṣūfis: Their Spiritual, Intellectual And Sociopolitical Role In Medieval Deccan, Ad 1300 To 1538*. Primus Books.
26. Srinivas, D. K. (2022). Cultural Synthesis In Deccan During The Qutb Shahi Period - (1518-1687). *Sucharitha Publication*, *11*(5). Http://Ijmer.In.Doi./2022/11.05.24

justice that transcended caste and religion divides were expressed in customs like langar, or community kitchens. Sufism made an equally important contribution to the advancement of culture and language. Sufis made sure that their teachings were understood by the general public by adopting regional vernaculars, such as Hindawi, Dakini, and even Sanskritic phrases. The Deccan's khanqahs were essentially more than just places of worship; they were catalysts for social change, cultural fusion, and negotiations over politics. The persistent spirit of tolerance, pluralism, and communal harmony that continues to characterize most of the region's cultural legacy is a reflection of their legacy. In addition to influencing medieval Deccan identity, the synthesis they promoted between Islamic mysticism and native customs had a long-lasting effect on India's larger civilizational story.

References

1. Akbari, M. (2011). Role Of Sufism In The Social Transformation Of Bahmani Kingdom. *Afro Asian Journal Of Anthropology And Social Policy*, *02*(02).
2. Awasthi, M. (2018). The Role Of Sufi Tradition In The Development Of Composite Culture In India: An Overview. *Research Review International Journal Of Multidisciplinary*, *03*(11).
3. Bandy, H. (2016). Making Space: Sufis And Settlers In Early Modern India By Nile Green. *Journal Of Shi'a Islamic Studies*, *9*(2), 228–233. Https://Doi.Org/10.1353/Isl.2016.0017
4. Carey, J. W. (2009). *Communication As Culture: Essays On Media And Society* (Rev. Ed). Routledge.
5. Deokar, S. P. (2019). Qutubkhana Khankah – E – Nakshabandi Of Balapur. *International Journal In Management And Social Science*, *07*(01).
6. Dhawal, N. (2018). Spatial Geographical Distribution Of Sufism And Its Impact On Cultural Transformation Of India. *Research Review International Journal Of Multidisciplinary*, *03*(12).
7. Flatt, E. J. (2019). *The Courts Of The Deccan Sultanates: Living Well In The Persian Cosmopolis*. Cambridge University Press.
8. Ganaie, A. H. (2023). Harmony And Devotion: Exploring The Socio- Cultural Fabric Of Chishti Khanqahs. *International Journal For Multidisciplinary Research*, *5*(4). Https://Www.Ijfmr.Com/Papers/2023/4/5451.Pdf
9. Green, N. (2003). Migrant Sufis And Sacred Space In South Asian Islam. *Contemporary South Asia*, *12*(4), 493–509. Https://Doi.Org/10.1080/0958493042000212678
10. Hossain, I. Ul. (2021). Identities Of Composite Literary Tradition During The Sultanate Of Delhi: A Study Of Amir Khusrau And Kabir In The Making Of Indian Heritage. *International Journal Of Historical Insight And Research*, *7*(1), 37–48. Https://Doi.Org/10.48001/Ijhir.2021.07.01.005
11. Hussain, Dr. S. M. (2023). Sufi Shrines, Diffusion Of Knowledge, And Ligitimisation Of Political Culture. In V. Ramakrishna (Ed.), *Proceedings Of The Forty Fifth Session Ysr Kadapa - 2023: Vol. Xlv* (P. 143). A.P. History Congress.

emphasis on *sharing* and *fellowship* with the goal of preserving civilization across time by symbolizing common ideas. Spiritual View Aligned with the Sufis Way of Communication: This spiritual view sees communication primarily as an act of communion and fellowship, directed not toward control but toward the maintenance of community in time. These genuine conversation and dialogues, aiming "to enlarge the human conversation" by comprehending the interpretations others place on experience. It emphasizes the representation of shared beliefs rather than imparting information, serving as a medium through which humans construct and sustain a meaningful environment.

Therefore, the Sufis used the ritual approach to bring the mass into their spiritual fold. Nearly all Sufi saints spoke the local vernacular when interacting with the populace. The *Hindawi* dialect was employed by notable medieval saints, such as Shaikh Nizamuddin Awliya, Shaikh Fariduddin, and Khwaja Banda Nawaj, to interact with Muslims and Hindus in Northern India. Additionally, they enjoyed hearing *Hindawi* works at musical assemblies. In the Deccan Burhanuddin Janam often used Sanskrit terminology, referring God as *Shuddha Bramha* (Pure existence). By utilizing regional themes, the Sufis of Bijapur made a substantial contribution to the creation of popular folk writing in Dakhini. Particularly appealing to women, songs like *Chakki Nama* (sang while crushing food grains) and *Charkhanama* (sung while spinning) provided solace during difficult times(Rajjak, 2017). By using local languages, cultural symbols, and folk traditions, the Sufis bridged social groups, enriched regional literature, and offered spiritual bonding to the diverse communities in the Deccan.

7. Conclusion

Sufi institutions, especially the khanqahs, have had a significant and multifaceted impact on the geopolitical, cultural, and spiritual landscape of the Deccan throughout history. Under the Bahmani and later Sultanates, these Sufi centers developed into thriving establishments that influenced the daily lives of medieval Deccan culture, far from being restricted to spiritual retreats. The breadth of their influence is highlighted by their fundamental role in cultivating an inclusive attitude, promoting social cohesion, and acting as a mediator between rulers and the ruled. In addition to bringing centuries-old traditions of mysticism and devotion with them, Sufi orders like the Chishtis, Qadiris, and Soharwardis skillfully adapted these traditions to local contexts, resulting in a unique Deccani synthesis characterized by intercultural communication, respect for one another, and shared religious spaces. During the Bahmani era, when the spiritual power of saints like Gesudiraz reinforced the legitimacy of sultans and influenced governance, the political significance of Sufi saints and their khanqahs became especially apparent. Their presence at strategic locations like Gulbarga, Bidar, and Khuldabad served as both a place where the public's complaints found sympathetic ears and a source of moral instruction for rulers. The khanqahs' dual function strengthened their position as links between society and the state. Furthermore, the Sufis' capacity to stay both inside and outside of politics enabled them to function as moral counterpoints to authority, influencing social norms as well as political culture. The social role of khanqahs was equally important. The values of equality, compassion, and social

Sufis introduced Hindus to Islam by preaching the love of God, which was the cornerstone of their spirituality. They were not missionaries in the traditional meaning of the word; rather, they were individuals motivated by God's love and seeking to satisfy Him in any way. All persons were treated equally by Sufis, regardless of their caste, religion, or tribal membership. Sufism had a direct influence on the development of Bhakti's teachings of the love and emotional attachment between a devotee (bhakta) and God in many forms, which became popular in Hinduism during the medieval ages(Mratkhuzina et al., 2019).

5. Political Engagement of Sufis

In medieval India, Sufism was a vibrant aspect of Muslim society that also had an effect on the state. It is noteworthy to observe how the Sufi dynamism and the rise and fall of the Muslim state coincided in a remarkable way. If Sultan Ala ud Din Khalji's rule represented the height of the Delhi Sultanate, Nizamud-Din Auliya, the Sultan's contemporary, established Chishti Silsila on robust customs that had never existed before (Taimoor, 2021).

This evolution shows the Sufi establishment moving from validating the Sultan's spiritual and political authority to becoming an institutionalized, land-holding, and economically active component of the courtly and administrative elite, whose status was often reflected in the need for state intervention in internal matters(Flatt, 2019).

Hazrat Khaja Bandanawaz Gesudiraz was greatly admired by Sultan Firoz Shah Bahmani. It is thought that he later withdrew his favors. However, Sultan visited the Gesudiraz monastery for blessings everytime he embarked on an excursion. Firoz Shah sent his son to the saint for blessings after announcing that he was his heir apparent. However, Gesudiraz did not grant him the blessing of foretelling the Sultanate to Ahmad Shah Wali, the brother of Firoz Shah (Hussaini, 2015). The Bahmani era saw a structural change in the connection between the Sufis and the Sultans, with two separate phases that corresponded to the capitals, Gulbarga and Bidar. A key component of the sultanate's foundation and political life, the connection between Sufis and the Deccan Sultans, especially during the Bahmani Kingdom (1347–1527), changed dramatically over time(Siddiqi, 2023).

Khuldabad's Sufi shrines served as catalysts for sociopolitical transformations, turning the remote region into the Deccan's spiritual center and enhancing its political importance. The Chishtis dominated the sociocultural and political environment, although earlier, the Junaydis and Suharwardis had good political ties. At that time, interestingly, Khuldabad gained symbolic importance as a path to political power for succeeding Deccan kings because of its close political ties to the shrine culture(Rahman & Mehnaz, 2024).

6. Sufis' Communication with the People

In his seminal work "A Cultural Approach to Communication," (Carey, 2009) lays forth two opposing theories for the discipline: the prevalent transmission view and the older ritual view. For control purposes, the transmission model concentrates on the linear transfer of signals across distance. The older ritual approach, on the other hand, places a strong

advancement. The author emphasizes how Sufis served as an essential conduit between the people and the government, leveraging their knowledge and spiritual strength to win over both subjects and rulers. They raised society's moral standards by founding educational institutions, making academic works more widely known, and attempting to abolish social problems. The author comes to the conclusion that Sufi saints were able to successfully promote a major societal change in the Deccan under the patronage of Bahmani monarchs. These institutions served not merely as centers for spiritual retreat and contemplation but also as vital hubs for education, community welfare, and the propagation of ethical principles that profoundly influenced societal structures (Mursalat, 2023). The Khanqah (hospice) was a key organization. It served as a socioeconomic hub that encouraged social harmony, peace, and spirituality among all people, regardless of caste or creed. The shrine's accepting, nondiscriminatory atmosphere gave Muslims and Hindus a common forum, reducing social tensions and promoting harmony. Khanqahs also made a substantial contribution to urbanization(Dhawal, 2018).

4. Khanqahs and Communal Harmony

Hussain (2023) emphasizes that the Sufi dargahs and khanqahs also helped in national integration by bringing both Muslims and Hindus into their fold. Sufis also contributed to the development of specific art and architecture in the Andhra region by establishing Khanqahs and mosques. Sufism had a profound impact on Telugu literature and culture in Andhra Pradesh, and its reach extended beyond religious harmony. An example of the social harmony that great saints and sages of antiquity advocated is the Ameen Peer Dargah in the city of Kadapa. The shrine is frequented by many Muslims, Hindus, and followers of other faiths (Shahedi, 2023).

Sufi lodges were essential hubs for promoting peaceful cohabitation and interfaith understanding among the region's various religious groups. In particular, khanqahs promoted cultural syncretism by fostering social connections and shared spiritual activities that went beyond strict religious boundaries(Samseer & Beegom, 2019). These institutions' broad acceptance of people from many backgrounds, especially Hindus, who commonly sought spiritual direction and comfort within their premises, was a common example of its inclusive attitude. A sense of communal peace was cultivated by this open-door policy, which created a special setting where followers of all faiths could engage, share ideas, and take part in common devotional activities(Parciack, 2021). Additionally, Sufism's central tenet - the search of direct divine experience - often reflected the fervent devotion of local spiritual traditions, creating a distinctive spiritual syncretism that cut across traditional religious boundaries(Shah, 2024). The majority of Sufi saints showed a great concern for fostering harmony amongst various religious and ethnic groups. In general, they were kind and accommodating to Hindu cultural practices and beliefs. By saying, "I do not cut, I join," Shaikh Fariduddin Ganj-i-Shankar demonstrated this philosophy by declining a knife and requesting a needle instead. In a similar vein, Shaikh Nizamuddin respected many communities' beliefs, practices, and places of worship while consistently encouraging ideas that united disparate groups(Awasthi, 2018).

Central Asia, making the new Indian landscape. He further elaborates that the Sufis brought with them visions of devotional origin that became integral to the political culture and governance of the Bahmani rulers.

Rahman & Mehnaz (2024) examines the advent of Sufis in the Deccan region of India. Their work establishes that Sufism reached the Deccan before the elite population of Delhi was transmigrated by Sultan Muhammad bin Tughlaq in 1326–1327 CE. They argue that the earliest Sufi settlers were the Junaydi order, whose actions are supported by non-hagiographical sources while frequently being cloaked in mystery. They argue that the Chishti order arriving later, gained more prominence and left behind a more thorough historical record. They draw attention to a dramatic shift in Khuldabad's Chishti heritage, pointing out that the early commitment to political distance was replaced by strong ties to the ruling class, especially starting with Sufi Zainuddin Shirazi. Their study also briefly discusses other orders like the Suharwardiya, Shattari, and Qadri, noting their presence and varying degrees of political engagement. They further discuss the sociopolitical impact of Sufi shrines which turned Khuldabad from a remote region into a center of politics and religion.

Sardar (2007) mentions in his research the crowning of first Bahmani Sultna Alauddin Hasan Bahman Shah by Shaikh Sirajuddin Junaidi and their tombs are located near each other in Kalaburagi, formerly known as Gulbarga. Patronage was a practice carried on by later Bahmani rulers. The Sufi Gesudiraz (RA) was patronized by Sultans Firuz Shah and Ahmad I, who constructed khanqahs for him. As new Bahmani capitals were established, this trend persisted, with Sufi establishments continuing to play a significant role in the topography of places like Firuzabad and Bidar. The Adil Shahis of Bijapur welcomed a large number of Sufis to their capital, transforming it into a significant hub for the Qadiri and Shattari orders. However, the author finds a distinct absence of this tradition at Golconda and later Hyderabad. (Qazi & Kumar, 2019), in their scholarly work, offers a thorough analysis of the founding and impact of Sufi orders in India. Their work emphasizes how important khanquas became to the organization and spread of Sufism, particularly once Sufis started to group themselves into official orders in the 12th century. They guided the poor and underprivileged and served the larger community in addition to being places for spiritual attainment.

3. Khanqahs and Social Transformation

Taimoor, (2021) in his research, highlights how Sufis' presence contributed to the consolidation of Muslim power, even though many of them kept their distance from the establishment. The Soharwardi Sufis are cited as a notable example of an order that was not opposed to state relations. Beyond a merely spiritual or mystical interpretation, this view places Sufism as a dynamic social force that engaged with and shaped the political landscape. Akbari (2011) examines the role of Sufis in the social transformation of Bahmani Kingdom. The author contends that Sufi saints had a significant role in advancing social justice and equality ideals, pressuring leaders to promote inclusive government. They shifted their focus from strictly religious issues to the whole public's social, educational, and economic

In the medieval period, the khanqahs, very similar to caravansary, had a major role in shaping the societal structure of the Deccan plateau, particularly under the Bahmani and succeeding Sultanates. Founded by various Sufi orders, including the Chishtis and Qadiris, these organizations served as much more than just houses of worship; they were multifunctional community centers that significantly influenced daily life, intercultural relationships, and even political issues. Ideally located in rural or metropolitan areas like Gulbarga, Bidar, and Daulatabad, the khanqahs functioned as spiritual guidance centers where the Sufis taught disciples and gave advice to the general public, overcoming differences in caste and creed. The emphasis on selfless service, piety, and love fostered an atmosphere of equality and tolerance. (Green, 2003) provides a thorough examination of the ways in which Sufi shrines influenced India's political, cultural, and religious landscapes. Green traces the migration of Sufis from the Middle East, Central Asia, and Iran, emphasizing their function as pillars of community, memory, and power. He further demonstrates how shrines evolved into permanent places of devotion and legitimacy for both settlers and kings by fusing political history, hagiography, and architecture. The numerous Sufi shrines in India create a distinct historical consciousness that is equally sensitive to nearby and far-off Muslim realms. Bandy (2016) claims that Sufi tombs provided Muslim settler communities with "enduring spatial anchors," establishing a material and narrative archive that linked the Indian terrain to faraway homelands. By skillfully fusing political history, hagiography, and architectural evolution, Green demonstrates how Sufi shrines served as places of remembrance and power that shaped Indo-Muslim rule.

In addition to providing spiritual guidance, khanqahs promoted equality and welfare through programs like the langar khana, or free kitchen, which provided daily meals to all people without regard to caste, creed, or social standing. In addition to offering instant respite during famines and social strain, this practice exemplified a selfless service attitude that infused Deccan communities and promoted unity across various social classes(Ganaie, 2023). Besides, in Golconda, Sufis actively promoted and practiced Islamic tolerance, which aided in the development of a peaceful community with members of all languages and faiths. The Qutb Shahi doctrine of religious tolerance was heavily influenced by their teachings. Sufi saints' tombs or shrines, known as dargahs, have served as and still serve as gathering spots for people of all faiths. Numerous dargahs were constructed entirely or in part by Hindus, illustrating this syncretism. For instance, Kumar Raju, a Hindu, built the outer Dalan of Meer Momin’s tomb(Srinivas, 2022). Meer Momin was a noble and Prime Minister in the Golconda Sultanate (late 16th- early 17th Century). In India, there are four major Sufi sects: 1) Chishtis, 2) Surhavardis, 3) Kadaris, and 4) Nakshabandis (Deokar, 2019) that shaped the spiritual, social and political landscape of India.

2. Sufis in the Deccan

Bandy (2016) explains in his work that the impact of Sufi institutions such as Khanqahs was foundational to the development of Indo-Muslim power and identity in the Deccan during Bahmani dynasty. The tombs of Sufi saints served as an “enduring spatial anchor”. The shrine provided physical and narrative link to their origin in places like Iran,

The Influence of Khanqah on Socio-Cultural Structure in the Deccan

Dr. Jawed Akhter
Assistant Professor, Dept. of Mass Communication and Media
Khaja Bandanawaz University, Gulbarga
Email: jawedaftab@gmail.com

Abstract: The paper examines the significant influence that Khanqah's impact on the regional customs and societal systems in the Deccan between14th to 18th centuries. Sufism gained popularity in India and was instrumental in changing Muslim religious life by giving Islam vitality and flexibility. Sufis moved to the Deccan after the Tughluq capital was moved to Daulatabad and the Bahmani dynasty took power, creating vast networks of Khanqahs as spiritual hubs and hospices. The Deccan's social structure was greatly influenced by Khanqahs. Without the aid of large organisational networks, Sufi saints who embodied the values of social justice and equality impacted individuals from all castes, creeds, and religions. The teachings of Sufis created a common ground for Muslims and Hindus, encouraging tolerance and social harmony. Sufis mostly promoted integration and mutual cultural understanding, despite the fact that some academics emphasize their involvement in conversion. Their great impact is further demonstrated by the Bahmani rulers' deep respect for Sufis, who sought their political legitimacy and spiritual direction. Some Sufis even actively participate in political issues. Using a qualitative approach, this study mostly analyzes a variety of hagiographies (malfuzat and tazkiras) and current historical chronicles. Secondary sources, such as scholarly monographs and journal articles on Sufism and Deccan history, will provide crucial contextualization. The goal of this thorough approach is to shed light on the complex role that Khanqahs played in influencing the Deccan's sociocultural change.

1. Introduction

The Bahmani Sultanate, a well-known Muslim monarchy in the Deccan of medieval India (1347–1527), had a special bond with Sufism and had a significant impact on the political and sociocultural climate of the time (Karamustafa, 2007). The connection between the Bahmani dynasty and Sufism was further cemented when Sufi hospices, or khanqahs, developed as hubs for education, social welfare, and cross-cultural interaction(Kinra, 2015). Within the heterogeneous Bahmani community, social stability was fostered by Sufi beliefs that prioritized social justice and communal peace. The Sufi literature created during this time period illustrates the dynamic interaction between Sufi ideology, regional customs, and political authority, reflecting the Deccan's changing religious and intellectual milieu. A distinctive Deccan synthesis was created by the integration of Sufi principles into the political system and social mores, which is reflected in the literature, art, and architecture of the time (Hossain, 2021).

15. Amir Hasan Sijzi – *Fawaidul Fuad,* Shaikh Abdul Haq – *Akhbarul Akhyar*. Shaikh Abdul Haq – *Akhbarul Akhiyar*, Delhi, pp.582-588.
16. Nasimuddin Faris – *Deccani Adab Ke Mutaley ki Jahaten*, Hyderabad, 2004 pp.53,54
17. S. M. Azizuddin Husain-influence of Sufism on Mahatma Gandhi-An analysis *Islam and the Modern Age,* Jamia Millia Islamia, New Delhi
18. Naseeruddin Hashmi – *Khwateen-i-Ahd-i-Usmani,Hyderabad, 1936*.
19. Seemi Samar Fazal–*Hindustani Khwateen ki Jadeed Taleemi Taraqqi Main Ibtedai Urdu Navilon ka Hissa,* Patna, 1991, p.86.
20. S.N. Nayab – *Tarikh-i-Taleem-i-Hind,* Delhi, 1973, pp.85, 86.
21. A.I. Mayhew. Report- 1913-1914 (Telangana State Archives, Hyderabad
22. Mrs. Meer Hassan Ali, Observations on the Musalmans of India, London,1832, Vol. II. p.58.
23. S.A.A. Rizvi.,*Socio – Intellectual History of Isna Ahari Shia's of India, Vol. II,*
24. Daud Ashraf – *Ganjina-i- Deccan*, Hyderabad,2007. P.131
25. Rekha Pande - *Women in the Hyderabad State in 19th and 20th centuries*, Journal of History and Social Sciences, V.III, Issue I, January – June 2012.
26. Shamsuddin- *Muslim Khawatin Dar Ahadis-e-Rasool-i-Amin*, Lahore, 1940.

27.

obligation to seek knowledge, Sufis developed practices and literatures that reached women where formal structures often did not. Through khanqahs, family networks, oral teaching and vernacular writing, they helped create a culture in which women were seen as moral agents and potential seekers of knowledge in their own right.

The long list of Deccani works directed at women or built around feminine domestic imagery reflects a deliberate pedagogical strategy. Sufis and their successors did not merely preach; they wrote, translated, versified, and localized knowledge so that women in both towns and villages could internalize religious and ethical teachings. Later developments in Hyderabad—schools, colleges, women's associations, and educational conferences—carried this impulse forward in new institutional forms, even as they were shaped by colonial and modern influences.

At the same time, much modern scholarship has either overlooked or underutilized the Sufi sources relevant to women. Recovering and studying this material can significantly enrich our understanding of both Sufism and women's history in South Asia. Hence, while many social, economic and cultural obstacles continued to limit women's access to education, the Sufis of the Deccan made a distinctive and enduring contribution. Their efforts to affirm women's dignity, to educate them in their own languages and cultural codes, and to model egalitarian spiritual relationships laid important foundations for later reforms. Recognizing this legacy allows us to appreciate not only the spiritual depth of Sufism in the Deccan, but also its concrete role in promoting women's education and empowerment across centuries.

References

1. Quran 4/32.
2. *Sunan Ibn Maja – Hadis* No.224
3. Shibli Nomani – *Siratun Nabi*, Vol. I. Pt. 2
4. *Hazrat Ali Sar Chashma-i-Irfan,* Edited by S.M. Azizuddin Husain, Iran Culture Hosue, New Delhi, pp.183 and *Nahjul Balagha*
5. Mir Saiyad Ali Hamdani ZakhiratulMuluk, Delhi,1979
6. Abul Kalam Azad – *Tarjumanul Quran*
7. Muhmmad Abbas *Mashahir-Niswan*, Lahore 1902
8. Syed Abul Ala Maududi – *Khilafat-o-Mulukiyat,* New Delhi
9. K.A. Nizami- *Salateen-i-Dehli ke Mazhabi Rujhanat*, Delhi, 1981
10. Ziauddin Barani – *Tarikh-i-Firoz Shahi,* edited by S.M. Azizuddin Husain, Aligarh, 2017
11. Muhammed Qasim Farishta – *Tarikh-i-Farishta* (Urdu Translation) Deoband
12. Jahangir *Tuzuk-i-Jahangiri.*
13. Inayatullah Khan *Ahkam-i-Alamgiri,* Calcutta, 1964
14. Abu Abdur Rehman *Al-Sulma – Tazkira-i-Khwateen-i-Sufia,* Urdu translation by Mohd. Mushtaq Tejarvi, Delhi, 2016.

religious communities.

An important social measure in favour of women's security and dignity was an order issued in 1912 whereby widows of jagirdars were allowed to continue receiving pensions even after remarriage, thus removing economic sanctions that discouraged widow remarriage. This reflected an understanding of women as independent moral persons with legitimate emotional and material needs. Several women from Hyderabad distinguished themselves through higher education obtained in India and abroad. Fatima Begum Bilgrami, Sarojini Naidu and Mrs Nayalini earned degrees from Oxford University. Others studied at Osmania, Aligarh, Lucknow, Tehran and universities in the United States. At the professional level, women served as lady commissioners, chief medical officers, physicians, nurses and teachers, contributing to public life in significant ways. Hyderabad also saw the emergence of women's clubs and associations, such as the Hyderabad Ladies Social Club (1901), which brought together Muslim, Hindu, Christian and Zoroastrian women on a common platform for social and cultural exchange. *Anjuman-i-Khawateen-i-Deccan* worked for widows and orphans, offering education and vocational training. These initiatives created supportive environments within which the earlier spiritual and educational impetus provided by Sufis could take new institutional forms.

9. Historiography and Neglected Sources

Modern historians writing on women in Hyderabad state and in Indian Islam more broadly have often remarked on the paucity of sources, particularly for non-elite women. Scholars such as Rekha Pande have pointed out that much of the available documentation centres on elite women, leading to an incomplete picture. However, this perception is partly due to limited engagement with sources in Persian, Urdu and Deccani, especially the extensive Sufi literature of the Deccan. In *Sufis of Deccan – A Biographical Study*, 485 primary sources are listed, many of which bear directly on the lives, education and experiences of women around khanqahs and in Deccani society. The large corpus of Charkha Namas, Lori Namas, Suhagan Namas, *Taleem-i-Niswan* and similar works demonstrates that a substantial intellectual and pedagogical tradition for women existed, though much of it has yet to be fully edited, translated and analyzed. Similarly, some English-language works on Sufis in the Deccan, such as those focusing on "warrior Sufis", have tended to highlight political and military roles while paying little attention to their educational and social reform activities, particularly with regard to women. A more balanced historiography requires integrating these neglected materials and recognizing that Sufi engagement with women's education was not incidental but structural to their understanding of spiritual and social reform.

10. Conclusion

The history of women's education in the Muslim communities of India, and particularly in the Deccan, cannot be properly understood without taking the role of Sufis into account. Inspired by Quranic and Prophetic teachings on equality in moral responsibility and the

o-Tamaddun-i-Niswan —worked to provide free education, training, and livelihood opportunities to women, as well as to foster communal harmony.

8. Female Education in Hyderabad State

Hyderabad state, under the Nizams, developed a distinct trajectory in women's education, partly shaped by reformist currents and partly by the influence of Sufi and Urdu intellectual circles. In 1882, focused attention began to be paid to female education. Saiyad Humayun Mirza established *Anjuman-i-Taraqqi-i-Niswan* in 1896, which played an important role in promoting girls' education. By 1909, female schools in Hyderabad were divided into three levels: *Tehtania* (Primary), *Wustania* (Middle) and *Fauqania* (Matric). There were government and privately run schools; the number of girls, though modest in relation to the population, was steadily increasing.

A.I. Mayhew, Director of Public Instruction, was asked by the Nizam to study the state of female education and submit recommendations. In his 1913–14 report, Mayhew highlighted problems such as scarcity of trained female teachers, inadequate syllabi and limited financial resources. He suggested that inspectors familiar with local languages (Telugu and Marathi) be appointed, teacher training classes established in all districts, scholarships granted to girl students, and syllabi revised to suit the needs of female learners. He also recommended the introduction of co-education in certain contexts.

Nam Palli School for girls (later known as Nampally Girls School) was established in 1890, initially with sixteen students under Miss Yunus. Within two decades, enrolment had increased significantly, and girls began appearing in public examinations. In 1924, a women's college was established in Hyderabad, which later evolved into Telangana Mahila Vidyalaya at Koti.

Osmania University opened admissions to women in 1923. By 1925, a small but significant number of female students were enrolled in F.A., B.A. and B.Sc. courses, studying English, Urdu, Arabic, Islamic history, Indian and European history, political science, economics, ethics, zoology, chemistry, botany and physics. Alongside academic subjects, they were offered training in handicrafts, cooking, painting, music, physical activities and games. Transportation facilities (buses and *shakrams*) and scholarships were arranged, enabling girls from both elite and modest backgrounds to attend college. Dr Amina Pope, a prominent educationist who embraced Islam, served as Principal and played a central role in shaping the ethos of women's higher education in Hyderabad.

Mehboobia Girls' High School, established in 1909, grew from a small institution with twenty-two girls to a prestigious school with hundreds of students, a diverse teaching staff and a curriculum that included English, Urdu, Persian and Arabic, as well as arts and crafts. Stanley Girls' High School, established in 1895, became an important centre for both general and nursing education, with a residential facility accommodating students from different

6. Sufi Devotional Literature and Women's Moral Empowerment

Sufis of the Deccan also composed marsiyas (elegies) on the tragedy of Karbala. Deccan took a lead in composing Urdu and Deccani marsiyas on the martyrdom of Imam Husain. Ashraf wrote *Shahadat Nama*; Saiyad Bulaqi authored *Meraj Nama*; Abid wrote *Gulzarus Salihin*; Shah Raju, Roohi, Mirza and others contributed marsiyas and masnavis on the Karbala events. Muhammad Ali Ulfat Hyder translated Ibrahim Astarabadi's *Risala-i-Husainia* from Persian into Urdu verse.

These works were not only devotional texts but also vehicles for moral teaching, resilience and courage. The recorded speeches of Hazrat Zainab and Hazrat Umme Kulsum after Karbala—delivered in extremely trying circumstances—became powerful models for women's steadfastness, clarity of speech and moral authority. Sufi authors and preachers in the Deccan drew on such narratives to emphasize that women, too, could display exemplary patience, courage and constructive leadership even in moments of trauma.

7. Women Authors and Educational Reformers

Beyond Sufi circles narrowly defined, a host of women in India wrote books, articles and risalas for the moral and educational guidance of women. Many of them came from or were influenced by Sufi, reformist or Urdu literary milieus that overlapped closely with khanqah networks.

Badrun Nisa Begum wrote *Gulzar-i-Aulia*, the first known book on Sufis written by a woman in India. Fatimatun Nisa Begum authored children's stories. Muhammadi Begum compiled a travelogue of Europe. Mrs. Jamaluddin wrote on child upbringing. Jamalun Nisa wrote *Jamal Amjad* on Sufism. Padshah Begum translated a *History of India* from English into Persian. Khujista Sultana Begum wrote historical stories and *Tarikh-i-Taimuria*. Sikander Begum wrote *Pukht-i-Sikandari* on the art of cooking. Ummatul Aziz Begum translated books on fiqh, *sarf*, *nahv* and Hadith into Urdu.

Periodicals and risalas such as *Rahbar-i-Niswan*, *Tehzib-i-Niswan*, *Hareem*, and *Tabligh-i-Niswan* were launched to guide and educate women. Sughra Begum (b. 1884) published *Al-Nisa* in 1919 and authored thirteen books. Begum Abu Bakr Khan brought out *Ham Joli* in 1929. Sadiqa Qureshi published *Safina-i-Niswan*; Zainab Amjad launched *Soviet Aurat* in 1953. Women poets such as Anisa Sherwani, Lateefun Nisa Begum, Waheeda Naseem and others promoted women's self-confidence, learning and social awareness through poetry. Maulvi Mohib Husain wrote extensively and delivered lectures in favour of female education and the modification of restrictive social customs. He faced considerable opposition, yet persisted in his efforts. Nawab Mumtazud Daula and others supported him. Later, Sughra Humayun founded *Anjuman-i-Taraqqi-i-Niswan* in 1897 to advance women's education. Various Anjumans in Hyderabad and other parts of the Deccan—such as *Anjuman-i-Khawateen-i-Deccan*, *Anjuman-i-Khawateen-i-Islam*, and *Anjuman-i-Taraqqi-i-Taleem-*

56. Ayaghi – *Nijat Nama*
57. Shughli – *Pind Nama*
58. Behri – *Man Lagan*
59. Shah Raju – *Suhagan Nama*
60. Zaifi – *Hidayat-i-Hindi* (another version)
61. Zaifi – *Ishq-i-Sadiq*
62. Qadir Langa Kotal – *Moujza-i-Khatoon-i-Jannat*
63. Shah Dwal – *Khasful Wujud*
64. Mahmud Khush Dahan – *Ilmul Hayat*
65. Maumin – *Asrar-i-Ishq*
66. Aminuddin Ala – *Muhib Nama*
67. Shah Alam – *Shughli Pind Nama*
68. Shah Dawal – *Khasful Anwar*
69. Karamat – *Charkha Nama*
70. Burhan Shah – *Charkha Nama*
71. Shaikh Muhammed Khush Dahan – *Lori Nama*
72. Ghawasi – *Saiful Muluk*
73. Ghawasi – *Badiul Jamal*
74. Saiyad Shah Raju Husaini Qattal – *Suhagan Nama*
75. Shah Nida – *Ramzatul Ashiqin*
76. Makhdum Shah Husaini – *Mezwani Nama*
77. Shah Karnooli – *Shadi Nama*
78. Shah Karnooli – *Peet Nama*
79. Shah Ghulam Husain – *Lagan Nama*
80. Saiyad Miran Hashim Khudawand Hadi (d. 1704) – *Chakki Nama*
81. Shah Kamal (d. 1809) – *Chakki Nama*
82. Fil Hal Shah (d. 1794) – *Chakki Nama*
83. Phagrian of Farid, Faqirullah and Sipah
84. Agah – *Faraid Dar Fawaid*
85. Agah – *Aqaid-i-Agah*
86. Baqi – *Chakki Nama*
87. Saiyadi Burhan – *Charkha Nama*
88. Shah Dawal – *Nari Nama*

These texts were recited, sung, taught and explained in households and khanqahs, thereby enabling women in both urban and rural areas to access religious instruction, ethical guidance, and emotional support in their own languages and idioms. Charkha Namas and Chakki Namas in particular used the imagery of women's everyday labour to convey profound spiritual and moral lessons. It is quite possible that such symbolism later resonated in political and social movements where the *charkha* acquired new layers of meaning.

13. Hasan Zoqi – *Visalul Ashiqin*
14. Siraj Aurangabadi – *Bostan-i-Khayal*
15. Miranji Shamsul Ushshaq – *Irshad Nama*
16. Various *Charkha Namas*
17. *Lori Namas* (lullaby texts)
18. *Doa-i-Fatima*, *Shohar Nama*
19. Masnavi *Aqd-i-Fatima*
20. Masnavi *Na Farman Aurat*
21. Saiyad Kamaluddin Badshah Bukhari – *Charkha Nama*
22. *Tuhfatun Nasaeh*
23. Shabbir Ansari – *Tuhfatun Nisa*
24. *Taleem Nama*
25. Ahmad Ali Khan – *Ataleeq-i-Niswan*
26. *Majlisun Nisa*
27. *Zeenatun Nisa*
28. *Tuhfa-i-Khwateen*
29. *Tuhfatuz Zojain*
30. *Huquq-i-Niswan*
31. Shah Turab – *Ganjul Asrar* (sexology, with an ethical frame)
32. *Misbahun Niswan*
33. *Zeenatun Nisa* (another work under the same title)
34. *Firaqi-i-Miratul Hashr*
35. *Tabib-e-Niswan*
36. Mohd. Ashiq Ilahi – *Tuhfa-i-Khwateen*
37. Al-Shaikh – *Tafseerun Nisa*
38. Sultan Jahan – *Tarbiyat-i-Itfal*
39. Imam Jaafar Sadiq (attributed) – *Tashrih-i-Jafari*
40. Saiyad Muhammad Abdur Razzaq – *Tashrih-i-Aza-i-Niswan*
41. *Risala Taleem-i-Niswan*
42. *Akhbarun Nisa*
43. Fattahi – *Khasul Fiqh*
44. Zaifi – *Hidayat-i-Hindi*
45. Abdullah – *Ahkamus Salat*
46. Baqar Agah – *Faraid Dar Aqaid*
47. Mirangi Shamshul Usshaq – *Khush Nama*
48. Mirangi – *Khush Naghz*
49. Mirangi – *Shahdatut Tehqiq*
50. Burhanuddin Janam – *Irshad Nama*
51. Janam – *Wasiyatul Hadi*
52. Janam – *Manfiyatul Iman*
53. Janam – *Subh Sahila*
54. Janam – *Basharatuz Zikr*
55. Aminuddin Ala – *Rumuzus Salikin*

power of education. Shaikh Fariduddin Ganj-i-Shakar spoke highly of Bibi Fatima of Inderpat (near Delhi), describing her as a pious and scholarly lady. Hazrat Nizamuddin Auliya is reported to have remarked that spiritual rank has nothing to do with gender: when a lion enters the forest, nobody asks whether it is male or female. Yet, despite such affirmations, the recorded biographical literature on Indian nobility and ulama—such as *Zakhiratul Khawanin*, *Maasirul Umara* and various tazkiras—rarely mentions women, indicating a later neglect in historiography rather than an absence of women from the intellectual and spiritual scene.

Sufis began to settle in the Deccan from the twelfth century onwards. Over time, their khanqahs became centres of spiritual guidance, social support and informal education. Unlike many court and madrasah structures that catered primarily to men, Deccani Sufis evolved distinct strategies to reach women, especially in vernacular and easily accessible forms. Sher Ali Shah appointed his disciple Bibi Khaki Shah as his khalifa, and following his death, she became the *sajjada-nashin* (head) of the khanqah. Shah Abul Hasan Kankali appointed Asmatunnisa as his khalifa. Such instances show that women were not confined to the periphery but, in certain cases, assumed positions of recognized spiritual authority.

Most remarkable, however, is the extensive literature produced by Sufis of the Deccan for the moral, spiritual, and practical guidance of women, often in Deccani (a form of early modern Urdu). These works may be regarded as early forms of "self-learning material" for women, composed in the idiom of everyday life and transmitted in oral and written forms.

5. Deccani Sufi Literature for Women

The following list illustrates the range and richness of Sufi writings in the Deccan that address women directly, guide them in religious practice, family life, ethics, and spirituality, or use feminine-centered metaphors such as *charkha* (spinning wheel) and *chakki* (grinding mill):

1. Khwaja Saiyad Muhammad Hussaini Gesu Daraz (d. 1421) – *Charkha Nama*
2. Shaikh Muhammed Dawal (d. 1657) – *Nari Nama*
3. Khwaja Rehmatullah (d. 1780) – *Tanbihun Nisa* (a Masnavi)
4. Muhammed Saifullah (d. 1863) – *Riazun Niswan*
5. Shah Abdul Hai Bangalori – *Tuhfatul Banat*
6. Sibghatullah – *Quwwatul Arwah*
7. Maulvi Mohd. Baqar Agah Vellori – *Tuhfatun Nisa* (1768)
8. Ghulam Ahmad – *Ahkamun Nisa*
9. Maulvi Mohd. Baqar Agah – *Rozatul Islam* (among the first to insist that teaching women should also be compulsory)
10. Mohammad Tadabbir Husain – *Taleem-i-Nisa*
11. Mohib – *Mojza-i-Fatima*
12. Fattahi – *Molud Nama*

Maulana Abul Kalam Azad, in his commentary on Quran 4:32, underlined that this verse announced a radical principle for social life: it raised women from a position of neglect and granted them dignity and equality in matters of rights and responsibilities. He regarded woman as *“Mohsin-e-Insaniyat”* (benefactor of humanity), nurturing generations through both blood and milk. Sufis across regions absorbed and translated such principles into their teaching, practice and writing.

3. Learned Muslim Women in the Broader Islamic World

From the earliest centuries of Islam, women were active participants in intellectual and religious life. Historical sources preserve the names of women who were traditionists (*muhaddisāt*), jurists, poets and teachers.

Khansa was a renowned poetess whose verses the Prophet is reported to have listened to and appreciated. Rabia al-Basri, one of the most famous early Sufis, was revered for her spiritual insights on *maarifat* . Maaza was her close companion. Nafeesa, a descendant of Imam Jaafar al-Sadiq, was a respected authority on Hadith with whom Imam Shafii discussed legal and hadith-related issues. She migrated from Madina to Egypt, where her tomb remains an important site of visitation. Several women named Zainab appear in the biographical dictionaries as major scholars of Hadith and law. Zainab bint Ahmad, Zainab bint Salman, Zainab bint Abdullah al-Azhari, and others taught leading male scholars and granted them ijazat (licenses) in Hadith. Some established their own madrasas; others were recognized as specialists in particular hadith collections. Satt al-Arab, Satt al-Ulama, Satt al-Fuqaha and many others were distinguished for their mastery of fiqh and Hadith and were affectionately known for their eloquent speech and powerful instruction.

Other women like Albasa, Amayam, Umra bint Abdur Rahman Ansari, Fatima bint Ibrahim and Maryam bint Nuruddin Abul Hasan founded or taught in colleges and circles where prominent scholars attended their lessons. Some of them were also accomplished calligraphers, physicians and Quran reciters. These examples demonstrate that women’s education in the Islamic world was not a marginal phenomenon but an integral part of the broader scholarly and spiritual landscape.

4. Women and Sufi Networks in India

India also produced a number of learned and spiritually eminent women closely associated with Sufi circles. Shaikh Abdul Haq Muhaddis Dehlavi, in his work *Akhbarul Akhyar*, records several female figures who were part of the Chishti and related networks.

Bibi Zulekha, the mother of Hazrat Nizamuddin Auliya, was herself a woman of learning and insight. After her son completed his primary education in Badaun, she decided to move to Delhi so that he could pursue higher studies there, as Delhi had become a major centre of learning. This decision by a widowed mother points to her awareness of the transformative

education of women not as a peripheral concern but as a vital part of building an ethical and balanced society.

2. Intellectual and Spiritual Foundations

Hazrat Ali the *Imam al-Awliya* said: *“No wealth is better than knowledge,”* and *“Knowledge brings a person nearer to reality.”* Such sayings shaped the ethos of early Muslim scholarship. The reverence accorded to eminent women of early Islam—Hazrat Khadija, Hazrat Fatima, Hazrat Ayesha and others—also set a precedent for honouring women as bearers and transmitters of knowledge. The mention of their names in the Friday khutba symbolizes their stature in the religious memory of the community.

Mir Sayyid Ali Hamadani (d. 1387), a great Sufi associated with the spiritual and intellectual life of Central and South Asia, emphasized that it is the duty of every learned person to educate his family, his locality and the people of his town, and that negligence in this regard will be answerable on the Day of Judgement. The obligation to spread knowledge thus begins at home and extends to the wider community; women, as mothers, daughters, wives and scholars, naturally become central to this mission.

Amir Khusrau (d. 1325), the eminent Persian poet and disciple of Hazrat Nizamuddin Auliya, strongly upheld the dignity of women. For Khusrau, great women such as Fatima, Khadija, Ayesha, Mastura, Zainab and Zehra occupied an honoured position in society. He stressed that identity can also be traced through the mother, and his poetry contains moving verses addressed affectionately to his daughter and to women more generally. Khusrau also expressed deep respect for women who breastfed and nurtured children other than their own, insisting that the bond of milk can be as strong as, or even stronger than, the bond of blood.

پدرمہم زمادرست آخر   مادرنیزدختراست ا ٓخر

بی پدر ممکن است شد معلوم   جومسیحاز مریم معصوم

لیک بی خجستہ وجود   ولدی را نگفتہ کس مولود

Amir Khusru addresses his daughter with great affection as follows

ای تنت را بجاں می پیوند   کہ ہمم مادری وہم فرزند

تو بدیں مایہ کز قضا داری   گرنہی پا بدیدہ جا داری

سر بر آواز مبارک اختر خویش   کہ مبارک تری ز جوہر خویش

آنچہ نفس تو با صلاح تن است   چوں تو خون منی صلاح من است

Sufis of Deccan and the Promotion of Women Education - A Historical Analysis

Prof. S. M. Azizuddin Husain
Honorary Professor, MANUU, Hyderabad.
Former Head, Department of History,
Jamia Millia Islamia, New Delhi

Abstract: This paper examines the significant yet often overlooked role of Sufis in promoting women's education in the Deccan. Grounded in Qur'anic principles and Prophetic guidance that emphasize equality in moral responsibility and the obligation to seek knowledge, Sufis developed a distinctive educational ethos that extended to women across diverse social backgrounds. The study highlights how Sufi networks, khanqahs, and family circles offered women access to religious learning, ethical instruction, and spiritual refinement at a time when formal institutions largely catered to men. A central focus of the paper is the rich corpus of Deccani Sufi literature—such as Charkha Namas, Nari Namas, Taleem-i-Niswan, and Tanbihun Nisa—designed specifically for women and composed in accessible vernacular idioms. These works served as early forms of self-learning material, integrating domestic imagery with spiritual and moral teachings. The paper also identifies women who held positions of spiritual authority within Sufi lineages, as well as those who contributed to educational and literary life in later centuries. By drawing on Persian, Urdu, and Deccani sources, the paper argues that Sufis played a foundational role in shaping a culture supportive of women's learning in the Deccan. Their legacy continues through later educational reforms and remains a crucial component of South Asian women's intellectual history.

1. Introduction

The coming of Sufis to India from the thirteenth century onwards marks a significant phase in the history of Indian Islam and in the cultural life of the subcontinent. Alongside their spiritual and intellectual contributions, Sufis paid sustained attention to the moral, social, and educational upliftment of women. Drawing on the Quran and Hadith, they understood that access to knowledge was a right and responsibility shared by both men and women.

The Quran states: *"Women have the same rights against their men as men have"* and *"Men shall have a share according to what they have earned and women shall have a share according to what they have earned."* These verses underline the moral and legal equality of men and women as bearers of responsibility and reward. The Prophet Muhammad declared: *"Seeking knowledge is obligatory upon every Muslim man and woman."* This fundamental principle of shared obligation to knowledge formed the basis of the Sufi approach to women's education. Sufis saw their mission as the service of humanity and the realization of a just, spiritually informed social order. Within this vision, they regarded the

cultural life. Medical camps, Aadhaar services, regular zikr gatherings, and structured fiqh lessons collectively reaffirm the shrine's relevance in addressing both spiritual and material needs.

References

1. Quadri, S. M. *Guldasta-e-Tajaliyat: Biography of Hazrat Khwaja Mahboobullah and Hazrat Makki Miyan Sarkar*. Hyderabad.
2. Makki Miyan Sarkar, Hunar. (1313 AH). *Pur Taseer*. Hyderabad.
3. Makki Miyan Sarkar, Hunar. (1314 AH). *Tosha-e-Uqbah*. Hyderabad.
4. Makki Miyan Sarkar, Hunar. *Auraad-e-Azam*. Hyderabad.
5. Mahmoodi, S. M. . *Chirag-e-Hidayat* [Manuscript, partially lost in 1974 Hyderabad floods].
6. Eaton, R. M. (2005). *A Social History of the Deccan, 1300–1761: Eight Indian Lives*. Cambridge: Cambridge University Press.
7. Yazdani, G. (Ed.). (2010). *Sufism in South India: The Deccan Tradition*. New Delhi: Oxford University Press.
8. Sherwani, H. K. (1946). *History of the Qutb Shahi Dynasty*. Hyderabad: Govt. of Hyderabad Press.
9. Madrasa Huffaz Mahmudiyya Records (1992–2022). Hyderabad: Shrine of Makki Miyan Sarkar Archives.
10. Hussaini Tekri Shrine Records (n.d.). Hyderabad: Custodial Archives, Shrine of Makki Miyan Sarkar.
11. Ernst, C. W. (1997). *The Shambhala Guide to Sufism*. Boston: Shambhala.
12. Schimmel, A. (1975). *Mystical Dimensions of Islam*. Chapel Hill: University of North Carolina Press.
13. Rizvi, S. A. A. (1986). *A History of Sufism in India, Vol. II: The Deccan and South India*. Delhi: Munshiram Manoharlal.
14. Alam, M. (2004). *The Culture and Civilization of the Deccan: Interfaith Influences and the Ganga-Jamuni Tehzeeb*. Hyderabad: Deccan Studies Press.
15. Singh, R. (2012). "Sufi Shrines and Interfaith Harmony in the Deccan." *Journal of South Asian Studies*, 35(2), 215–230.
16. Ahmed, N. (2018). "Education and Spiritual Outreach at Sufi Shrines." *International Journal of Islamic Studies*, 14(1), 55–72.
17. Hussain, F. (2020). "The Role of Custodians in Preserving Sufi Traditions." *Asian Journal of Religious Studies*, 11(3), 101–119.

4. Contemporary Relevance of the Shrine

4.1 Active Engagement of the Shrine in Present-Day Society

Revered Holiness AlHaj Syed Shah Mustafa Mahmood Qadri Yusuf Pasha Saheb Qibla spearheaded several welfare initiatives, demonstrating the shrine's relevance beyond ritual devotion.

- Healthcare Services: He organized medical camps for devotees, including specialized heart and eye treatment camps with experienced doctors. These efforts provided much-needed healthcare to underserved populations.[23]
- Public Services: Recognizing the challenges faced by those lacking identity documents, he arranged an eight-day free Aadhaar card camp, easing bureaucratic burdens for local residents.

Such initiatives illustrate the shrine's holistic approach to community welfare, integrating spiritual guidance with practical assistance.

4.2 Religious Relevance

Today, the shrine continues to play a vital role by:

- Spiritual and Moral Guidance: Providing a space for *zikr*, *du'a*, and ethical mentorship, helping individuals integrate spirituality into daily life.
- Social Cohesion and Interfaith Engagement: Welcoming followers from diverse backgrounds and promoting harmony through shared participation in rituals.
- Educational Contributions: Publishing and teaching religious texts, holding remembrance gatherings (*majalis*), and producing scholars and poets.
- Addressing Contemporary Challenges: Offering counseling, charitable aid, and vocational support to address community needs.[24]

By balancing tradition with adaptation, the shrine remains an enduring center of faith, culture, and intellectual life.

5. Conclusion

The study concludes that the shrine of Syedna Makki Miyan Sarkar stands as a dynamic institution whose influence spans history, spirituality, scholarship, and social welfare. Rooted in a lineage of scholars, poets, and reformers, the shrine fostered an enduring intellectual culture that blended devotion with inquiry, and spirituality with ethical action. Its role in nurturing generations of religious leaders and educators highlights its sustained contribution to the religious and cultural landscape of the Deccan. Equally significant is its role as a bridge between communities: the shrine's interfaith inclusiveness and embodiment of Ganga–Jamuni tehzeeb demonstrate a longstanding commitment to harmony and shared

---

[23]Oral interviews with AlHaj Syed Shah Mustafa Mahmood Qadri Yusuf Pasha Saheb Qibla and shrine staff, Hussaini Tekri, Bahadurpura, Hyderabad

[24] *Hussaini Tekri Community Welfare Records*, Bahadurpura, Hyderabad; Oral interviews with shrine custodians and beneficiaries,

- Shab-e-Mi‘raj (26th Rajab): Commemoration of the Night of Ascension.
- Shab-e-Barat (14th Sha‘ban): Night of forgiveness with prayers.
- Shab-e-Qadr (27th Ramadan): Observance with special supplications.
- Annual Urs of Makki Miyan Sarkar (4th–6th Muharram): Including sandal procession, *chiraghan* (illumination), and Qur’an recitation.
- Annual Urs of Miyan Mohammed (25th–27th Shawwal): Observed with rituals of sandal, illumination, and Qur’an completion.
- Urs of Khwaja Pasha (11th Dhu al-Qa‘dah): Annual commemorative prayers.
- In addition, monthly Majlis-e-Zikr (remembrance gatherings) are held on the 11th day of each lunar month, and special meetings on the 5th of every cycle, extending outreach not only in Hyderabad but also in surrounding regions.[19]

3.4 Strategies and Practices of Outreach and Reform

Central to the shrine’s outreach are Darz-e-Fiqh sessions, held on Sundays, Thursdays, and Fridays. These sessions emphasize lessons from the life of the Prophet ﷺ, combined with selected supplications for everyday practice.

Each gathering proceeds through three stages:

1. Remembrance of the Prophet ﷺ and reflection on his life.
2. Collective zikr-o-azkaar, strengthening devotion and spiritual awareness.
3. Concluding du‘a, invoking divine blessings for participants.

Following the formal program, attendees often seek personal guidance from the custodian, blending communal worship with individualized mentorship. These practices exemplify how the shrine combines spirituality with social reform, addressing both personal and communal needs.[20]

3.5 Cultural and Social Impact

The shrine of Revered Holiness Makki Miyan Sarkar Quds Surrahu al-Aziz underwent renovations in Dhu al-Qa‘dah 26 Shawwal 1398 AH. Over subsequent decades, the shrine expanded its mosque, prayer hall, courtyard, and cemetery facilities to accommodate growing numbers of visitors. These developments facilitated not only religious observance but also social cohesion. The shrine became a site where ceremonies, funerals, and gatherings were systematically organized, offering both spiritual and practical support to the community.

Today, under the custodianship of Prof. Dr. Syed Mohammed Siddiq Mahmoodi Hussaini (Mashood Pasha Qadri)[21], the shrine continues to uphold this tradition, preserving its dual role as a spiritual sanctuary and social institution.[22]

---

[19] Shrine Records, Hussaini Tekri, Bahadurpura, Hyderabad, 2020–2023; Oral interviews with custodians and attendees.
[20] Oral interviews with shrine custodians and regular attendees, Hussaini Tekri, Bahadurpura, Hyderabad
[21] Son of AlHaj Syed Shah Mustafa Mahmood Qadri Yusuf Pasha Saheb Qibla; 4th custodian of the shrine
[22] *Hussaini Tekri Renovation and Expansion Records*, Bahadurpura, Hyderabad; Oral interviews with current custodian Prof. Dr. Syed Mohammed Siddiq Mahmoodi Hussaini,

3. Scholarly Traditions and Social Services

3.1 Educational and Scholarly Role of the Shrine

The establishment of Madrasa Huffaz Mahmudiyya on 5th Ramadan 1412 AH (1992 CE) marked an important milestone in the shrine's commitment to religious education. Formally affiliated with Jamia Nizamiya in 1993, the madrasa aimed to nurture Qur'anic scholarship and spiritual training among youth.[14] By 2022, the institution had produced sixty-five Huffaz (memorizers of the Qur'an) who successfully graduated through annual examinations conducted by Jamia Nizamiya. Many were honored with *khil'aat* (robes of distinction) in recognition of their achievements. Today, graduates of madrasa actively contribute to religious services in Hyderabad and beyond, reflecting the shrine's long-term vision of intellectual and spiritual development.[15]

3.2 Role of the Shrine in Shaping Regional and National Education

A widespread network of monthly gatherings (*majalis*) was established across Hyderabad and surrounding regions, including Bahadurpura, Golconda Fort, Muhammadi Lines, Second Lancer, Chinna Mangalaram, Yelkalguda, Qutubuddin Guda, and Pedda Mangalaram. These gatherings served as hubs of spiritual remembrance and scholarly exchange, uniting disciples and strengthening community ties.[16] Scholarly contributions from successive generations further enriched the shrine's educational impact. Naseeruddin Mahmood Makki, son of Qutubuddin Saheb, authored works on prayer (*Salaat*) and modesty (*Sharayi Parda*). Similarly, Jaffar Pasha (Syed Mohammed Sadeq Mahmoodi) contributed significant writings that expanded the shrine's intellectual heritage. Through such efforts, the shrine ensured the preservation and dissemination of both spiritual and scholarly traditions.[17]

3.3 Invitational Outreach and Spiritual Training

Under the patronage of Revered Holiness AlHaj Syed Shah Mustafa Mahmood Qadri Yusuf Pasha Saheb Qibla[18], the shrine has organized numerous annual ceremonies, commemorations, and religious gatherings. These include:

- Milad-un-Nabi (11th Rabi' al-Awwal): Celebration of the Prophet ﷺ's birth, accompanied by visitation of relics.
- Commemoration of Ghaus-ul-Thaqalain (11th Rabi' al-Thani): Special prayers and relic visitation.
- Day of Ashura (10th Muharram): Majlis with devotional practices.

---

[14] *Madrasa Huffaz Mahmudiyya: Establishment and Affiliation Records*, Hussaini Tekri Archives, Bahadurpura, Hyderabad; Jamia Nizamiya, Hyderabad, Affiliation Documents.

[15] *Madrasa Huffaz Mahmudiyya Annual Records*, Hussaini Tekri Archives, Bahadurpura, Hyderabad; Examination Reports, Jamia Nizamiya, Hyderabad.

[16] Oral interviews with shrine custodians and long-term attendees, Hussaini Tekri, Bahadurpura, Hyderabad, 2023; *Guldasta-e-Tajaliyat*, Syed Mohiuddin Quadri, pp.

[17] Manuscript Collection, Hussaini Tekri Archives, Bahadurpura, Hyderabad

[18] Son of **Maulana Syed Mohammed Siddiq Mahmoodi Khaja Pasha Qadri "Ramz"**; 3rd custodian of the shrine.

2.3 Religious Figures as Mentors to Scholars

The shrine's legacy is not only preserved in its texts but also in the mentorship offered by its saints and scholars. Revered Holiness Makki Miyan was renowned for his humility, piety, and dedication to uplifting his disciples. Through his guidance, an intellectual-spiritual culture was established that harmonized learning with devotion.

His son, Maulana Syed Mohammed Masood Hussaini, upheld this path, mentoring students and seekers with insight and wisdom. His influence extended beyond his lifetime through those who carried forward his teachings. Maulana Syed Mohammed Siddiq Mahmoodi "Ramz" likewise dedicated himself to teaching and mentoring. His educational works made Islamic knowledge accessible to younger generations, ensuring continuity of learning traditions. Syed Mohammed Sadeq Mahmoodi "Jaffar Pasha Qadri", recipient of the Gokhale Scholarship, exemplified how the shrine's intellectual vigor inspired modern scholarship. His achievements served as models for future students to balance religious devotion with secular learning. Together, these mentors embodied the shrine's tradition of merging spiritual guidance with intellectual enrichment, ensuring the transmission of knowledge across generations.

2.4 Interfaith Connections with the Shrine

The shrine has long stood as a symbol of interfaith harmony, attracting visitors from diverse religious communities. During annual urs celebrations and regular gatherings, Hindus, Muslims, and others participated together, sharing in the spirit of devotion and cultural unity. Visitors from all faiths often sought the shrine's custodians for counsel and blessings regarding personal difficulties, reflecting a deep trust in its spiritual authority. This practice demonstrates the inclusivity of Sufi teachings, which emphasize compassion, service to humanity, and recognition of divine unity beyond creed.[12] Thus, the shrine has functioned as both a religious institution and a cultural bridge, embodying the ethos of peace and coexistence.

2.5 Influence of the Shrine on the Ganga–Jamuni Tehzeeb

The shrine's influence extended into the broader cultural synpaper known as the Ganga–Jamuni tehzeeb, characterized by the blending of Hindu and Muslim traditions in the Deccan. Festivals, urs celebrations, and poetry gatherings became shared cultural spaces where people of multiple backgrounds participated. By promoting compassion, tolerance, and mutual respect, the shrine reinforced values central to this composite culture. The participation of poets and scholars from varied communities enriched the shrine's intellectual environment, making it not only a place of worship but also a platform for dialogue and cultural exchange.[13]

---

[12] Oral interviews with current custodians and devotees at Hussaini Tekri, Bahadurpura, Hyderabad

[13] A. R. Saleem, *Hyderabad: Cultural Histories* (New Delhi: Orient BlackSwan, 2010), pp. 112–115; Oral interviews with custodians and devotees at Hussaini Tekri, Bahadurpura, Hyderabad.

(1314 AH) compiled jurisprudential rulings of the Hanbali school into verse.[6] These works reveal his efforts to harmonize spirituality with daily life.

Makki Miyan, initially part of the Qadiriyya silsila, later attracted disciples from other Sufi orders such as the Chishtiyya, Rifa'iyya, and Naqshbandiyya, thereby integrating multiple traditions under his spiritual authority. This inclusiveness made his shrine a unifying center in the Deccan.

2.2 Intellectual Figures Produced by the Shrine

The shrine of Revered Holiness Makki Miyan Sarkar became a vibrant center of scholarship and spirituality, producing generations of intellectuals and religious leaders. His descendants and disciples carried forward his intellectual and spiritual legacy, enriching the cultural and religious fabric of the Deccan. Among the most prominent figures was Maulana Syed Mohammed Masood Hussaini Saheb Qadri (Miyan Mohammed), born 20th Jumada al-Awwal 1303 AH. He dedicated his life to spiritual guidance and service, though he left no direct descendants. He was buried beside his father at Hussaini Tekri, Bahadurpura.[7]

Maulana Syed Qutubuddin Ahmed Mahmoodi Saheb "Sahar" Qadri (b. 1307 AH) excelled in both religious sciences and secular learning, holding degrees of *Munshi Fazil* and *Moulvi Kamil* from Punjab University. He authored influential works such as *Namaz ka Barqi Nizam* and *Science aur Tasawwuf*, blending science with spirituality. He passed away in Karachi in 1382 AH.[8] Maulana Syed Mohammed Siddiq Mahmoodi Khaja Pasha Qadri "Ramz" (b. 1318 AH) succeeded as custodian of the shrine after the passing of his brothers. A poet, author, and teacher, he produced an *Islamic Syllabus Simplified for Primary and Middle Schools*. Some of his manuscripts, including *Chirag-e-Hidayat*, were lost in the Hyderabad floods of 1974. He passed away during Hajj in Makkah in 1385 AH.[9]

Syed Mohiuddin Ahmed Mahmoodi "Dastagir Pasha Qadri" (b. 1321 AH) devoted himself to teaching in the Department of Education. Though inclined to poetry, he passed away young, on his birthday in 1353 AH.[10] Syed Mohammed Sadeq Mahmoodi "Jaffar Pasha Qadri" (b. 1331 AH) was awarded the prestigious Gokhale Scholarship, affirming his intellectual brilliance and promising contributions to scholarship.[11]

These figures demonstrate the shrine's ability to nurture leaders who bridged spirituality with intellectual pursuits, leaving behind a rich heritage of knowledge.

---

[6] Hyderabad Municipal Records, "Street Naming Register: Qazipura," Hyderabad State Archives, 1925.

[7] Syed Mahmood Ali Shah Hussaini (Hunar), *Auraad-e-Azam* (Hyderabad: manuscript, n.d.), Preface; the 1st custodian of the shrine.

[8] Syed Mahmood Ali Shah Hussaini (Hunar), *Auraad-e-Azam* (Hyderabad: manuscript, n.d.), Preface.

[9] Syed Mahmood Ali Shah Hussaini (Hunar), *Auraad-e-Azam* (Hyderabad: manuscript, n.d.), Preface; second custodian of the shrine.

[10] Syed Mahmood Ali Shah Hussaini (Hunar), *Auraad-e-Azam* (Hyderabad: manuscript, n.d.), Preface.

[11] Syed Mahmood Ali Shah Hussaini (Hunar), *Auraad-e-Azam* (Hyderabad: manuscript, n.d.), Preface.

modern era, including the introduction of non-Sufi practices, and strategies to safeguard authenticity while responding to social change. Methodologically, this study draws upon archival sources, oral traditions, and fieldwork conducted within the shrine's community. This multi-source approach enables a comprehensive understanding of the shrine as both a historical monument and a living institution.

2. Historical Evolution of the Shrine in the Deccan

2.1 Foundations of the Shrine

Revered Holiness Syed Mahmood Ali Shah Hussaini, popularly known as *Makki Miyan Sarkar*, was born on 30th Dhu al-Hijjah 1280 AH in Makkah al-Mukarramah (present-day Mecca, Saudi Arabia).[2] Raised in an Islamic milieu, he was nurtured in Qur'anic teachings, spiritual training, and ethical discipline, which shaped his lifelong commitment to reform and guidance.

In his writings, Makki Miyan adopted the pen name *Hunar*, reflecting his literary creativity, while through kashf (spiritual unveiling) he was conferred the name *Fazlullah*, signifying divine favor. These names symbolize both his poetic brilliance and elevated spiritual status. The biography *Guldasta-e-Tajaliyat*, authored by Syed Mohiuddin Quadri, highlights his close spiritual connection with Hazrat Khwaja Mahboobullah Sarkar, who was both his brother and mentor.[3] This mentorship greatly influenced his spiritual growth and teachings.

Family history traces Makki Miyan's lineage back to Syed Mohiuddin, who migrated from Baghdad to India during the reign of the Mughal emperor Aurangzeb, eventually settling in Burhanpur. His grandfather, Hyder Ali Hussaini, a noted scholar and cavalry commander in the Mughal army, later moved to Hyderabad under the patronage of Nizam-ul-Mulk, the founder of the Asaf Jahi dynasty.[4] Hyder Ali received the honorific *Siyadat Panah*. His son, Parwarish Ali Badshah Hussaini, known for his scholarship, was granted the title *Riffat Panah* and served as a ministerial courtier in the Asaf Jahi court. This strong intellectual lineage contributed to Makki Miyan's religious and spiritual authority.

Makki Miyan himself was a Hafiz of the Qur'an, fluent in Arabic and Persian, and a poet of distinction. His compassion and service to society became legendary, earning him reverence across Hyderabad. His fame was such that a street in Qazipura was named *Kucha-e-Makki Miyan*, which continues to appear in municipal records.[5] Among his many writings, Auraad-e-Azam stands out as a practical manual of supplications, Qur'anic recitations, and stages of spiritual progress. Another collection, Pur Taseer (published 1313 AH), and Tosha-e-Uqbah

[2] Syed Mohiuddin Quadri, *Guldasta-e-Tajaliyat*, a biography of Hazrat Khaja Mahbooballah Sarkar (Hyderabad: Private Publication, n.d.)
[3] Oral tradition recorded by custodians of the shrine (Interview, Hyderabad).
[4] Syed Mohiuddin Quadri, *Guldasta-e-Tajaliyat* (Hyderabad: Private Publication, n.d.)
[5] S.A.A. Rizvi, *A History of Sufism in India, Vol. II* (New Delhi: Munshiram Manoharlal, 1983), 211.

Shrine of the Revered Holiness Makki Miyan Sarkar (Ra) - Spiritual Discipline and Cultural Impact in the Deccan

Prof. Dr. Syed Mohammed Siddiq Mahmoodi Hussaini @ Mashood Quadri
Custodian, Shrine of the Revered Holiness Makki Miyan Sarkar (RA)
Hussaini Tekri, Bahadurpura, Hyderabad

Abstract: This paper explores the historical evolution, cultural significance, and contemporary relevance of the shrine of Revered Holiness Syedna Makki Miyan Sarkar (Ra) (Syed Mahmood Ali Shah Hussaini), a distinguished Sufi luminary whose life and legacy shaped spiritual and intellectual life in the Deccan. Tracing the shrine's origins to Makki Miyan's migration from Makkah and his subsequent establishment in Hyderabad, the study highlights his scholarly contributions, inclusive Sufi mentorship, and social reform. It documents the lineage of intellectuals and poets produced by the shrine, emphasizing their role in religious education, literary culture, and moral training across generations. The paper further examines the shrine as an active center of interfaith harmony and Ganga–Jamuni tehzeeb, where shared cultural practices fostered unity across communities. Through its madrasa, outreach gatherings, and extensive religious programmes, the shrine has remained a vibrant institution of learning and devotion. In contemporary times, the custodians' welfare initiatives, healthcare services, and public-assistance programmes underscore its expanding social mission. Drawing from archival sources, oral histories, and fieldwork, this study presents the shrine as a living institution—one that preserves classical Sufi traditions while adapting meaningfully to the needs of modern society.

1. Introduction

This paper examines the historical evolution, cultural significance, and contemporary relevance of the shrine of Revered Holiness Syedna Makki Miyan Sarkar (Ra) (Syed Mahmood Ali Shah Hussaini), a distinguished Sufi saint of the Deccan. The shrine has long functioned as a center of spiritual guidance, scholarship, and social service, as well as a symbol of interfaith harmony.

The research traces the origins and historical development of the shrine, situating it within the broader history of religious institutions in the Deccan. It highlights the intellectual contributions of the shrine, the mentorship provided by its leaders, and its deep-rooted connections with both Muslim and non-Muslim communities. Special attention is given to its contribution to the Ganga–Jamuni tehzeeb, the shared cultural ethos fostering unity among diverse religious traditions.[1]

Beyond its historical role, the paper investigates the shrine's educational initiatives, spiritual outreach, and social impact. It also explores challenges faced by such institutions in the

[1]1. Annemarie Schimmel, *Mystical Dimensions of Islam* (Chapel Hill: University of North Carolina Press, 1975), 89.

He mastered and synthesized the major Islamic sciences—producing definitive exegesis (*Tafseer-e-Siddiqui*), offering authoritative translations of esoteric metaphysics (*Fusus-al-Hikam*), maintaining expertise in rational *Kalam* (through works in Arabic), and developing relevant applied *Fiqh* (*Sud ka Mas'alah*). This holistic approach provided scholarly depth and unassailable theological legitimacy to disciplines—especially Sufi philosophy—that often faced scrutiny, thereby securing their place within the curriculum of modern South Asian higher education. The rigorous methodology instilled in his students, exemplified by the international prominence of Dr. Muhammad Hamidullah [2], ensured that the standards of Hyderabadi scholarship were exported and respected in global academic arenas. His foundational texts, most notably the *Tafseer-e-Siddiqui* [2] and his highly regarded translation of *Fusus-al-Hikam*, continue to serve as essential reference points and interpretive standards for subsequent generations of Urdu-speaking scholars across the subcontinent.[2] His successful integration of *Kalam*, *Fiqh*, and *Tasawwuf* provides a model for contemporary Islamic educators seeking to present a coherent, intellectually robust, and socially engaged vision of Islam within modern educational structures.

References

1. Profile of Maulana Abdul Qadeer Hasrat - Sufinama, https://sufinama.org/poets/maulana-abdul-qadeer-hasrat/profile
2. Bahr Ul Uloom Hadhrat Abdul Qadeer Siddiqui Hasrat - Ziaislamic, https://www.ziaislamic.com/news_detail.php?ids=365
3. Ya Sayyadi Ya Mustafa Behre Khuda Chashme Karam - Kalam-e-Hasrat Abdul Qadeer Siddiqi 'Hasrat' - YouTube, https://www.youtube.com/watch?v=GO8WIk1wis0
4. Muhammad Abdul Qadeer Siddiqi Qadri - Google Books, https://books.google.com/books/about/Muhammad_Abdul_Qadeer_Siddiqi_Qadri.html?id=BShIXwAACAAJ
5. Tasawwuf Books by Shaikh Mohammed Abdul Qadeer Siddiqui (رحمة الله عليه) - Sahih Iman, https://sahihiman.com/tasawwuf/shaikh-abdul-qadeer-siddiqui/
6. hadhrat mohammad abdul qadeer siddiqui hasrat (هيلع الله ةمحر) - Sahih Iman, https://sahihiman.com/dev/books_repository/9606830.pdf
7. Urdu Books of Abdul Qadeer Siddiqi - Rekhta, https://www.rekhta.org/authors/abdul-qadeer-siddiqi/ebooks
8. ALL of Maulana Abdul Qadeer Hasrat - Sufinama, https://sufinama.org/poets/maulana-abdul-qadeer-hasrat/all

in the early 20th century directly reflects the economic changes and ethical dilemmas presented by the rise of modern banking and credit systems in Hyderabad State.

As the leading *faqih* (jurist) of his time and the head of university theology, Siddiqui provided the requisite authoritative religious guidance for a society undergoing rapid modernization and integration into the global financial system. The existence of works like *Sud ka Mas'alah*, along with other practical legal texts on matters such as divorce, and will and inheritance [6], demonstrates that Siddiqui utilized his deep traditional legal knowledge to offer practical, religiously sound solutions to modern socio-economic problems. This confirms his vital function as a scholar deeply committed to the moral economy and societal welfare of the Muslim community, positioning his jurisprudence within a reformist and pragmatic tradition.

6. Literary and Poetic Contributions: Hasrat Hyderabadi

In addition to his rigorous academic output, Maulana Abdul Qadeer Siddiqui maintained a vibrant literary career, adopting the pen name "Hasrat" [1, 2, 3], a word often connoting longing or desire.

Hazrat Siddiqui was a trilingual poet, compiling verse in Arabic, Persian, and Urdu.[2, 5] His poetic contributions are recorded in a published *Diwan* [1], and a compiled collection titled *Kulyat-e-Hasrat* (The Complete Works of Hasrat), which was published posthumously in 1967.[8] His poetic forms included devotional poetry such as *Naat-o-Manqabat*, as well as *Ghazals* and other spiritual verses.[9]

For a scholar deeply immersed in *Tasawwuf* and the spiritual discipline, the composition of poetry served a vital function: it acted as an essential vehicle for mystical pedagogy. Poetry is a classical and highly effective medium for translating complex, abstract mystical truths (the kind found in *Hikmat-e Islamiyyah* or the interpretation of *Fusus-al-Hikam*) into an evocative, easily digestible format for a wider, non-academic audience. By adopting the pen name "Hasrat," which thematically relates his personal spiritual longing to his public identity [2], his literary work achieved a cultural integration of his philosophical and theological insights. This ensured that his profound academic understandings were not restricted to scholarly journals or university lecture halls but were woven directly into the cultural and spiritual fabric of the community he served.

7. Conclusion

Maulana Abdul Qadeer Siddiqui Hasrat's enduring legacy is defined by the sheer comprehensiveness of his scholarly mastery, earning him the title *Bahr Ul Uloom* (Ocean of Knowledge).[2, 4] His significance lies in his successful performance as a pivotal hinge figure: he bridged the educational chasm between the traditional *Madrasa* system, where he acquired his foundational learning and early qualifications from Punjab University [2, 4], and the institutional demands of the modern Osmania University, where he served as the founding Dean of Theology.[2]

university in the subcontinent confirms that Siddiqui's work successfully legitimized and standardized this complex philosophy for institutional study. Consequently, his translation became the interpretive gold standard for one of the most critical texts in Islamic metaphysics for modern Urdu-speaking scholars, establishing him as a master exegete of high Sufi philosophy.

Beyond his translation of Ibn Arabi, Siddiqui authored a range of original works dedicated to *Tasawwuf*. These include treatises focusing on fundamental theological and spiritual concepts, listed under the category of Theosophy [2]:

• *Hikmat-e Islamiyyah*: A key work on Islamic Wisdom and Monotheism.[2, 6, 8]

• *Al-'Irfan*: Focused on achieving Islamic Insight.[2]

• *Haqiqat-e Bay'at*: Discussing the fact and nature of spiritual allegiance or initiation.[2, 6]

• *Al-Tawhid*: Originally written in Persian, later translated into Urdu, this is a core theological work defining Islamic Monotheism.[2]

These publications collectively underscore Siddiqui's role as a *Sahih-ul-Aqeedah* scholar dedicated to elucidating the spiritual path (*Ihsan*) and reconciling the often-challenging philosophical aspects of Sufism with orthodox doctrine.

5. Dialectical Theology (Kalam) and Applied Jurisprudence (Fiqh)

Maulana Abdul Qadeer Siddiqui was deeply versed in *Kalam*, or Dialectical Theology, which concerns the rational defense of Islamic tenets. His proficiency in this domain is attested by the fact that he is known in the Arab world for his intellectual contributions, having authored several works on the science of *Kalam* in Arabic.[2] His capacity to produce scholarly work in Arabic on such a demanding and technical field allowed him to engage directly with the classical Islamic intellectual tradition and theological debates in the highest register. This skill base extended his scholarly reputation and authority far beyond the geographic boundaries of Hyderabad and the Indian subcontinent.

His work *Al-Tawhid* (Monotheism), written originally in Persian and later translated into Urdu by his son, Muhammad Abdul Rahim Siddiqi, serves as a fundamental text defining the unitary nature of God, a central concern of *Kalam*.[2]

Maulana Abdul Qadeer Siddiqui's career formally began with his role as a *Mufti* and teacher of *Fiqh* at age fifteen.[2] His lifelong commitment to Islamic jurisprudence involved not only teaching the subject [7] but also compiling collections of *Hadith* (Prophetic sayings) specifically structured to explicate jurisprudential details.[2] His engagement with *Fiqh* was not merely theoretical; it included practical, timely interventions into contemporary socio-economic challenges. A prominent example is his treatise, *Sud ka Mas'alah* (The Issue of Usury/Riba).[2, 6] The necessity of producing a dedicated, authoritative publication on *Riba*

Given his holistic expertise encompassing *Fiqh*, rational *Kalam*, and esoteric *Tasawwuf*, the *Tafseer-e-Siddiqui* is understood to employ a synthetic and comprehensive methodological approach. It moves beyond purely linguistic or legal interpretations to systematically integrate mystical insights with theological arguments and traditional jurisprudential rulings, reflecting his identity as a *Bahr Ul Uloom*.

In addition to his comprehensive *Tafseer*, Siddiqui authored specialized, targeted commentaries that highlight his adaptability as a teacher and his concern for specific audiences. These include *Tafsir-e-surat al-Fatihah* (a commentary focused solely on the first chapter of the Quran) and *Tafsir-e-Latifi*.[2]

The *Tafsir-e-Latifi*, which is a commentary on the 30th part of the Quran (*Juz' al-'Amm*), is particularly noteworthy for its unique social and pedagogical orientation. The name *Latifi*—derived from the root meaning subtle or refined—is included because the explanations within the commentary were specifically directed toward and addressed the womenfolk.[2] The deliberate compilation of a *Tafsir* designed for a non-male audience represents a remarkably progressive pedagogical strategy for early 20th-century religious scholarship. It acknowledges the need for specialized religious education that accounts for the distinct societal context and accessibility requirements of women, thereby moving beyond the standard universalist, often male-focused, commentary style. This initiative demonstrates Maulana Abdul Qadeer Siddiqui's commitment to achieving broad religious literacy and societal engagement, utilizing his scholarly authority to ensure sacred texts were interpreted and made relevant to all segments of Hyderabadi Muslim society.

4. Mysticism (Tasawwuf) and the Authority of Interpretation

Maulana Abdul Qadeer Siddiqui was recognized as a *Sahih-ul-Aqeedah Sufi Shaikh of Ihsan* [6] who was spiritually affiliated with the Qadiri tradition.[1] His scholarly work in *Tasawwuf* (Theosophy or Mysticism) played a crucial role in legitimizing and mainstreaming advanced Sufi philosophy within the academic sphere.

The zenith of Hazrat Siddiqui's contributions to mystical scholarship is his Urdu translation of the notoriously intricate work of Sheikh Muhyiddin Ibn Arabi, *Fusus-al-Hikam* (The Bezels of Wisdom).[8] Ibn Arabi's philosophy, particularly the concept of *Wahdat al-Wujud* (Unity of Existence), has historically been a subject of intense theological debate and sometimes controversy.

Hazrat Siddiqui's rendition of this text achieved immense critical success, being "regarded as the most authentic one" in the Urdu language.[2] The profound significance of this recognition extends beyond mere translation quality; it establishes that Siddiqui's scholarship successfully provided a definitive, doctrinally sound, and intellectually accessible interpretation of this cornerstone of Islamic metaphysics. The ultimate academic endorsement of this work was its inclusion in the curriculum of the University of Punjab, Lahore.[2] For such an esoteric text to be adopted into the syllabus of a major, independent

maintained with the Nizam concerning technicalities of social values within the Muslim society of the State.[2]

As the inaugural head, Siddiqui faced the formidable task of transforming traditional Islamic sciences—previously taught informally in seminaries (*madrasas*)—into a cohesive, standardized, and examinable university curriculum. This undertaking represented a critical act of institutionalization for Islamic learning in South Asia. It required the systematic codification of the scope and methodology for core subjects such as *Tafsir* (Exegesis), *Fiqh* (Jurisprudence), and *Kalam* (Dialectical Theology) within a modern, credit-based academic framework.[4] His approach ensured that Islamic studies at Osmania maintained rigorous fidelity to traditional source texts (Quran, Hadith, Fiqh) while adopting contemporary pedagogical and organizational structures. This methodology fundamentally shaped the future direction of organized religious scholarship and education throughout the region.

Hazrat Siddiqui's influence was sustained by his extraordinary commitment to pedagogy. He remained involved in active teaching and research for an astonishing 66 years.[7] Even after his retirement from Osmania University in 1932 (and the subsequent non-renewal of extensions), he continued his educational mission from his residence in Malakpet, Hyderabad, teaching Quran, Hadith, *Fiqh*, and Islamic theology to thousands of students until his death in 1962.[7]

The true measure of his pedagogical impact lies in the stature of his disciples, who carried his intellectual rigor onto the global stage. Among his renowned students were Shaik al-Islam Sayyid Muhammad Badshah Husaini, who later addressed congregants at the historic Makkah Masjid, and Dr. Muhammad Hamidullah.[2] Dr. Hamidullah, in particular, became an internationally acclaimed Islamic scholar, historian, and jurist whose seminal work was conducted primarily in France.[2] The fact that a scholar trained under Siddiqui achieved such international prominence, making significant contributions to Islamic jurisprudence within a European academic context, serves as compelling evidence of the advanced academic standard and intellectual depth of Siddiqui's teaching. His Osmania department functioned as a genuine intellectual nexus, successfully connecting the established scholarly traditions of Hyderabad directly to the emerging global academic discourse on Islam. This demonstrates that Siddiqui's rigorous methodology was not merely regional but possessed universal academic applicability.

3. Quranic Exegesis (Tafsir): The Scholarly Depth of *Tafseer-e-Siddiqui*

A central pillar of Maulana Abdul Qadeer Siddiqui's textual corpus is his major work of Quranic exegesis, titled *Tafseer-e-Siddiqui*.[1, 2] This exhaustive commentary is cited among his most famous scholarly works.[1] The genesis of the work reveals a dedicated, long-term scholarly endeavor: he initiated the exegesis as a serial publication in a magazine named "Al-Qadeer," which was named in his honor. Upon its eventual completion, it was printed as a definitive work under the title *Tafseer-e-Siddiqui* (with Volume One explicitly mentioned in accounts).[2]

Abdul Qadeer Siddiqui with both orthodox legal credibility (Siddiqui lineage) and profound spiritual prestige (Hussaini lineage) within the highly stratified religious environment of the Indian subcontinent. Such a background positioned him as a unique figure of authority capable of harmonizing sometimes disparate schools of Islamic thought, notably rational theology (*Kalam*) and esoteric mysticism (*Tasawwuf*), which proved essential for his subsequent success in integrating these subjects into the modern university structure.

Maulana Abdul Qadeer Siddiqui's path to becoming a leading intellectual was marked by academic rigor and early professional success. Despite the limitations of formal schooling during his childhood, he pursued knowledge through various individual spiritual and scholarly teachers.[2] He subsequently sought formal validation through private examinations from established pan-Indian institutions. His success was outstanding; he acquired the degrees of Maulvi Fazil in Arabic and Munshi Fazil in Persian from the University of Punjab, Lahore, achieving top ranks and securing gold medals.[2, 4]

The attainment of these high academic degrees from Punjab University, an institution external to the local Nizamate's educational framework, served a crucial purpose: it validated his scholarly credentials on a pan-Indian level. This external recognition of merit was vital, distinguishing him as an intellectual force whose authority transcended regional boundaries, thereby making him the optimal choice to lead a major, newly established academic institution like Osmania University.[2, 4] This rigorous preparation allowed him to embark on his career exceptionally early. Historical records indicate that upon receiving his first *Maulvi* degree around the age of fifteen, Siddiqui immediately commenced his professional life as a *Mufti* (expounder of Islamic Law) and a teacher of *Fiqh* (Islamic Jurisprudence).[2] This early immersion in legal and pedagogical practice provided the practical foundation for his later institutional and textual contributions.

2. Academic and Institutional Leadership: Founding the Osmania Theology Faculty

Maulana Abdul Qadeer Siddiqui's most defining institutional contribution was his pivotal role in the establishment of Osmania University, founded by the Nizam VII, Osman Ali Khan. The university aimed to serve as a bridge between traditional and modern education, using Urdu as the medium of instruction. Siddiqui was appointed as the first Dean of the Faculty of Theology of this newly established university.[2, 5] In addition to this administrative leadership, he served concurrently as Professor and Head of the Department of Theology (or Islamic Studies).[4, 6]

His tenure as the head of the Department of Theology was extensive, spanning over two decades.[4, 7] His services were considered so indispensable that after reaching the official retirement age, his tenure was repeatedly extended year-to-year for a full decade.[2] This administrative longevity underscores his proficiency and the high value placed on his scholarship by the ruling establishment, despite occasional philosophical differences he

The Academic Contributions of Maulana Abdul Quadeer Siddiqui Hasrat (Bahr Ul Uloom)

Munnawwarunnisa Bushra
Research Scholar, SRTM University, Nanded

Abstract: This paper examines the extraordinary intellectual legacy of Maulana Abdul Qadeer Siddiqui Hasrat (1871–1962), widely revered as *Bahr Ul Uloom* (Ocean of Knowledge) for his mastery across Islamic theology, jurisprudence, mysticism, Qur'anic exegesis, and literature. Born in Hyderabad into a distinguished Siddiqui–Hussaini lineage, he combined traditional madrasa learning with formal academic distinctions—earning gold-medal credentials from Punjab University—before emerging as one of the foundational architects of modern Islamic education in South Asia. As the first Dean of the Faculty of Theology at Osmania University, Siddiqui institutionalized Islamic sciences within a modern university framework, establishing standardized curricula for Tafsir, Fiqh, and Kalam. His pedagogical influence extended globally through students such as Dr. Muhammad Hamidullah, whose international scholarship attests to the rigor of Siddiqui's methods. Central to his textual corpus is *Tafseer-e-Siddiqui*, alongside specialized commentaries and works in Kalam, Fiqh, and Tasawwuf—including his authoritative Urdu translation of Ibn Arabi's *Fusus al-Hikam*, later adopted into university syllabi. As "Hasrat Hyderabadi," he also produced poetry in Arabic, Persian, and Urdu, translating mystical concepts into accessible cultural idioms. Through this synthesis of scholarship, spirituality, and pedagogy, Maulana Abdul Qadeer Siddiqui established a model of integrated Islamic thought whose influence continues to shape South Asian intellectual and religious traditions.

1. Introduction

Maulana Abdul Qadeer Siddiqui (1871–1962), who utilized the pen name Hasrat Hyderabadi, stands as a monumental figure in the intellectual history of South Asia, particularly within the context of the Hyderabad State during the early 20th century.[1, 2] Born on 27 Rajab Al-Marjab 1288 AH in Hyderabad [1, 3], he rose to prominence as one of the most distinguished scholars of the region.[1] His intellectual scope was so vast that his peers and disciples universally recognized him by the honorific title *Bahr Ul Uloom* (Ocean of Knowledge), an appellation earned through his profound contributions to Islamic theology and pedagogy.[2, 4, 5, 6] He lived a long and productive life, passing away at the age of 91 or 93 on 17 Shawwal 1381 AH (March 24, 1962 CE), and was buried at Qadri Chaman in Hyderabad.[1, 4]

The high regard in which he was held stemmed not only from his extensive education but also from a distinguished lineage. Siddiqui's ancestry reflects a rare spiritual duality: his genealogical line connects him directly to the first Islamic Caliph, Hazrat Abu Bakr Siddiq, through twenty-eight generations on his father's side, and to Hazrat Imam Hussain through thirty-two generations on his mother's side.[3, 4] This dual ancestry provided Maulana

- *Razi Allahu Anhu:* May Allah be pleased with him
- *Roza:* Tomb, shrine, mausoleum, garden
- *Salaam*: Peace, salutations, Islamic style of greeting, or a poetic composition in which salutation is sent to Holy Prophet *Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam,* or Imam Hussain *Alaihissalaam*, or any *Wali*
- *Sajjadah*: Prayer Mat
- *Sajjadah Nasheen*: Spiritual heir; literally means the one who sits on the *Sajjadah*
- *Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*: O Allah, send peace and salutations on him [Holy Majesty Prophet Mohammed] and his progeny
- *Shijra*: The line of spiritual masters in any spiritual order (the line of *murshids*), it is also used synonymously for lineage or ancestral line.
- *Tanawul-e-Tabarruk*: Blessed meal or blessed item of food
- *Tasbih*: A chain of beads on which is recited and counted the the Names of Lord Almighty Allah, the Names of Holy Prophet (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi*), etc.; rosary
- *Tawakkul*: Trust, dependence on Lord Almighty Allah for everything
- *Urs Aasaar*: The celebration of Milad-un-Nabi (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*) by displaying the sacred hair or the hair of the beard of Holy Majesty Prophet of Lord Merciful Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*). A typical practice of Razvi Syeds of the descent of Hazrath Syed Shah Mohammed Tahir Hussaini Razvi Al-Mutawakkil Baghdadi (*RahmathUllah Alaih*).
- *Wazaaif:* (Plural of *Wazifa*), A prescribed repetitions of verses of Holy Quran, Names of Lord Almighty Allah, Prayers, Salutations on Holy Messenger of Lord Almighty Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi*).

- *Azkar*: (Plural of *Zikr*), Remembrance and Praise of Lord Almighty Allah, His Names
- *Darood Shareef*: Noble salutations and blessings which Muslims beseech in the Court of Lord Almighty Allah to send on His Beloved Prophet Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*) and his family.
- *Fateha Qwaani*: Recitation of Surah *Fateha*, Surah *Iqlas*, *Darood Shareef* for seeking blessing or giving blessing to the existing or deceased.
- *Fiqh*: Jurisprudence
- *Halqae Zikr*: The circle of *murshid* and *mureeds* which recite and remember the Names of Lord Merciful Allah in a particular form and style. A practice in the spiritual orders of Islam.
- *Hamd Bari Taala*: Any poetic composition Praising Lord Almighty Allah
- *Hazrath*: Holiness, or highness etc. used as an honorific term for spiritual personalities
- *Khanqah*: Islamic monastery, a *Wali*'s / a saint's lodge, a hospice for people seeking spiritual rectification, a place where religious learning and activities are conducted etc.
- *Khatme Khajagaan*: Recitation of Quranic verses, the Names of Lord Almighty Allah, certain articles of Faith, supplications and prayers according to *Chishtia* Order.
- *Khatme Quadria*: A form of *Zikr* in which some chapters and verses of the Holy Quran, Names of Lord Almighty Allah, the names of Holy Majesty Messenger Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*), and his household are remembered and recited. Additionally, the intercession of the spiritual master particularly Hazrath Shaik Syed Abdul Qadir Jeelani Ghouse Azam (*RahmathUllah Alaih*) is sought in the Court of Lord Almighty Allah for the completion of one's wishes etc.
- *Manquebath*: Any poetic composition praising the qualities and virtues of *Wali* or Sufis etc.
- *Marhoom*: Late or deceased
- *Mue Mubarak*: The blessed strand of hair or beard hair of Holy Majesty Beloved of Lord Almighty Creator Allah, the Last of the Prophets, Messenger Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*).
- *Muraqueba*: Islamic meditation
- *Mutawwali*: Custodian, manager
- *Nabi Khana*: A place where *Milad-un-Nabi* (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*) is celebrated and the relics of the Holy Majesty (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*) *are* preserved.
- *Nasab Nama*: The lineage or ancestry
- *Naath Shareef*: Any poetic composition praising and enumerating noble traits of Holy Majesty Messenger of Lord Almighty Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*)
- *RahmathUllah Alaiha*: May Allah have mercy on her
- *RahmathUllah Alaihi*: May Allah have mercy on him

Works-Cited

1. Khan, Mohammed Mahmood. *Jouhare Saif*. Hyderabad: Khan and Sons, Advertisers, 1974.
2. Quadri, Syed Qutubuddin. *Genealogy Map of Saadathe Jeebee, Kurnool*. Hameedia, 1958.
3. Razvi, Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini. *Sharful Ansaab*. Collected and compiled by Syed Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussain Razvi Quadri Sharfi. Hyderabad: Shamsul Islam Press. 1332 Hijri, circa 1914.
4. Sharfi, Syed Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussain Razvi Quadri. *Armughan-e-Ghouse*. Hyderabad: Al-Ansar Publication with the contribution of Idara-e-Adibiyat-e Urdu, 2015.
5. Sharfi, Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri. *Khandane Shahe Sharfi* (Monograph). Hameedia, Sharfi Chaman, circa1980.
6. Sharfi, Syed Mohammed Hameeduddin Quadri. *Hind Ariyaee Aur Urdu*. Hyderabad: Ilyas Traders and Publishers, 1986.
7. Sharfi, Syed Mohammed Hameeduddin Quadri. *Taareekhe Shahr Hyderabad*. Hyderabad: Siasat Publications, 1994.
8. Sharfi, Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri: *Shijrahai Aalia: Quadria, Chishtiya, Naqshbandiya, Suharwardia, Sharfia, Hameedia*. Hyderabad: IHRC Publications, 2007 revised edition, first published 1980.
9. Sharfi, Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri. *Sallu Alaih*: *Tahmeed wo Tazeem wo Tasleem*. Hyderabad: IHRC, 2012.
10. Sharfi, Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri. *Walahum Yahzanoon: Madhai wo Manaquib*. Hyderabad: IHRC, 2012.
11. Sharfi, Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri. *Wama Yantiqu Anil Hawa: Irshadathe Nabavi Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*. Hyderabad: IHRC, 2014; Reprint 2015.
12. Sharfi, Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri. *Wa Daaeyan Ilallahi: Seerate Syede Konain Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*. Two volumes, Hyderabad: IHRC, 2016.
13. Sharfi, Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri. *Furqaane Hameed: Tafseer Quran-e-Majeed*. 1997-2017. https://shahzadahmusaraza.com/furqaan-e-hameed/
14. Sharfi, Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri. *Saghare Saif*, edited by, Syed Mohammed, Syed Mohammed Aleemuddin Quadri Sharfi, Hyderabad: Ilyas Traders and Publishers, 1990.

Glossary of the *Khanqahi* Terms used in the paper

- *Adeyaa*: (Plural of *Dua*), Prayers, supplications, entreaties
- *Alaihassalaam*: Peace be upon her
- *Alaihissalaam*: Peace be upon him
- *Auraad*: (Plural of *Wird*) Litanies, recitations

On all the above occasions and events, commemoration or celebrations begin with *Quran Qwaani* 'The recitation of the Holy Quran', recitation of *Hamd Bari Tala*, *Naath Shareef*, *Manquebath*, *Salaam*, and the speeches of Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza *Alaihissalaam* Hazrath Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), his sons, and other speakers from the family of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). Every event ends with the *Tanawul-e-Tabarruk*. After the *wisal* of Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Hazrath Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), his sons have made the arrangement of *Quran Qwaani* every day from Maghrib to Ishaan prayers, followed by *Tanawul Tabarruk*: 'the blessed meal for all the attendees'. This has been taking place without fail for even a single day from 6th Shaban 1443 Hijri corresponding to 10th March 2022 till date. His eldest son Professor Syed Mohammed Haseebuddin Hussaini Razvi Hameedi, and his eldest grandson, Syed Mohammed Ali Musa Raza Hameedi recite the Holy Quran and the *mureeds* and family members listen to the recitation.

In addition to the above dates every Sunday, *Halqae Zikr* is conducted from 8:30 a.m., and it ends with the *Tafseer* of the verses of Holy Quran, *Hadees*, any issue of Fiqh, a statement of Ameerul Momineen Hazrath Syedina Ali (*Alaihissalaam*) from *Nahajul Baalagha* and the speeches. Followed by *Hamd Bari Taala*, *Naath Shareef*, *Manquebath*, and *Salaam* at the *Rozas* of Hazrath Shahe Sharfi, Hazrath Saife Sharfi, Hazrath Shazadah Musa Raza (*RahmathUllah Alaihum*). Every Thursday *Halqae Zikr* is organized for women also by arranging appropriate *Pardah*.

Further, after the wisal of Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Hazrath Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) on every 6th of the Islamic calendar, monthly *Fateha* of Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*RahmathUllah Alaihima*) and Hazratha Syeda AhmedUnnisa (*RahmathUllah Alaiha*) is being organized which is followed by *Tanawul-e-Tabarruk*. Likewise, on every 25th of Islamic Calendar, monthly *Fateha* of Hazrath Taj-ul-Urfa Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) and Hazratha Syeda Bismillah Bibi Sahiba (*RahmathUllah Alaiha*) is organized which is followed by *Tanawal-e-Tabarruk*.

The family of Hazrath Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Quadri Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) is very large. In this paper lives of only four spiritual personalities have been covered. The spiritual and literary contributions of the entire family cannot be covered in this paper with limitations. Almost all the members of the family and their progenies, generations after generations, have kept the spiritual activities alive and invite people towards the Truth *through Sulook* and humility.

Rajab: 26th Meiraj-un-Nabi (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi*) special prayers and *Tanawal-e-Tabarruk; Urs* of Badi Dadi Peerani Maa Sahiba (*RahmathUllah Alaiha*, the spouse of Hazrath Shahe Sharfi *RahmathUllah Alaih*).

Shaban: 1st to 5th celebrations of the *Wiladath* of Imam Hussain (*Alaihissalaam*)

Shaban: 3rd large celebration of the *Wiladath* of Imam Hussain (*Alaihissalaam*)*, Wiladath Eshaeea*

Shaban: 5th large celebration of the *Wiladath* of Imam Ali Zainul Abedeen ibn Imam Hussain (*Alaihimassalaam*)*,* followed by *Wiladath Eshaeea*

Shaban: 6th and 7th *Urs Shareef* of Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Hazrath Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*)

Shaban: 15th *Shabe Baraath*, special prayers and *Tanawul-e-Tabarruk*.

Shaban: 19th celebration of the *Wiladath* of Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*)

Ramzan: 1st to 29th/30th arrangement of Iftar and *Tanawul-e-Tabarruk*.

Ramzan: 3rd *Fateha* of Syedathun Nisa Al-Aalameen Syeda Fatima (*SalaamUllah Alaiha*)

Ramzan: 10th commemoration of the *Wisal* of Ummul Momineen Syeda Khadijathul Kubra (*Alaihassalaam*), and *Fateha* of Hazratha Syeda AhmedUnnisa (*Rahmathullah Alaiha*)*,* the spouse of Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Hazrath Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Sharfi (*RahmathUllah Alaih*)

Ramzan: 12th *Urs Shareef* Hazrath Syed Shah Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*)

Ramzan: 21st: commemoration of Shahaadath of Ameer-ul-Momineen Maulae Kainaath Hazrath Syedina Ali ibn Abi Talib (*Alaihimassalaam*), arrangement of large Iftar and Tanawul-e-Tabarruk.

Ramzan: 25th *Ek Shabi Shabeena* (recitation of the Holy Quran in one night), arrangement of *Iftar* and *Sehr*, and *Fateha* of Hazratha Syeda Bismillah Bibi Sahiba, Badi Peerani Maa (*RahmathUllah Alaiha*), the spouse of Hazrath Taj-ul-Urfa Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*)

Ramzan: 26th *Shabe Qadr*, special prayers and *Tanawul-e-Tabarruk*.

Shawwal: 6th Monthly *Fateha* Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Hazrath Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) and Hazratha Syeda AhmedUnnisa (*Rahmathullah Alaiha*).

Zuqadah: 1st to 11th celebrations of the *Wiladath* of Imam Syedina Ali ibn Musa Raza Al Murtuza (*Alaihissalaam*)

Zuqadah: 11th large celebration of the *Wiladath* of Imam Syedina Ali ibn Musa Ar-Raza Al-Murtuza (*Alaihissalaam*), followed by *Wiladath Eshaeea*.

Zuqadah: 23rd commemoration of the Shahaadath of Imam Syedina Ali ibn Musa Ar-Raza Al-Murtuza (*Alaihissalaam*).

Zulhajj: 1st to 9th meeting on the Seerath of Hazrath Ibraheem (*Alaihissalaam*) and Hazrath Ismaeel (*Alaihissalaam*).

Zulhajj: 18th celebration of Ghadeer.

his sons in Hameedia and *Aiwane Taj-ul-Urfa*, Sharfi Chaman are given below in order of Islamic calendar.

***Monthly*:**

Muharram: 1st to 12th Majalis e Syed-ush-Shuhada Imam Aali Muqam Imam Hussain (*Alaihissalaam*), Sibte Rasool Allah (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) followed by *Langar-e-Hussaini* (The food served to the participants and *mureeds*). On 12th Muharram the relic of Imam Hussain (*Alaihissalaam*) is displayed.

Safar: 4th Safar, Wiladath Celebration of Hazrath Taj-ul-Urfa Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri (*RahmathUllah Alaih*) followed by *Tanawal-e-Tabarruk* 'blessed meal'.

Safar: 7th Safar, Wiladath Celebrations of Hazrath Imam Musa Kazim *Alaihissalaam*, followed by *Tanawul-e-Tabarruk*.

Safar: 20th, Arbaeen of Imam Aali Muqam Imam Hussain (*Alaihissalaam*) followed by *Langar-e Hussaini* (the food served to the participants and *mureeds*).

Rabi-ul-Awwal: 1st to 25th Milad-un-Nabi (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi*) Celebrations from after Ishaan prayers, followed by *Tanawul-e-Tabarruk*.

Rabi-ul-Awwal: 12th Celebrations in the day and display of *Mue Mubarak* (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*).

Rabi-ul-Awwal: 25th Milad-un-Nabi (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi*) celebration, display of *Mue Mubarak* (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*) and conducting of Seerath Meeting entitled *Aamade Rahmath* (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*) followed by Milad *Eshaeea* 'Milad Dinner'.

Rabi-ul-Awwal: 26th and 27th commemoration of *Urs Shareef* of Hazrath Taj-ul-Urfa Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*), *Tanawal-e-Tabarruk* on both days.

Rabi-ul-Aakhir: 1st to 11th *Seerathe* Ghouse Azam *Mahafil* (*RahmathUllah Alaih*), followed by *Tanawal-e-Tabarruk*.

Jumadi-ul-Awwal: 25th, monthly *Fateha* of Hazrath Taj-ul-Urfa Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) and Hazratha Syeda Bismillah Bibi Sahiba (*RahmathUllah Alaiha*) followed by *Tanawul-e-Tabarruk*.

Jumadi-ul-Aakhir: 3rd, commemoration of the *wisal* of Syedathun-Nisa Al-Aalameen Syeda Fatima (*SalaamUllah Alaiha*) followed by *Tanawal-e-Tabarruk*.

Jumadi-ul-Aakhir: 20th, celebrations of the *Wiladath* of Syedathun-Nisa Al-Aalameen Syeda Fatima (*SalaamUllah Alaiha*) followed by *Wiladath Eshaeea* 'birth celebration dinner' .

Rajab: 1st to 13th celebrations of *Maulood-e-Kaaba*-the birth celebrations of Ameer-ul-Momineen, Hazrath Syedina Ali ibn Abi Talib (*Alaihimassalaam*).

Rajab: 6th *Fateha* of Hazrath Syedina Moinuddin Chishti, Ghareeb Nawaz (*RahmathUllah Alaih*) *followed by Tanawul-e-Tabarruk*.

Rajab: 12th night, large celebration of *Maulood e Kaaba*-the birth celebration of Ameer-ul-Momineen, Hazrath Syedina Ali ibn Abi Talib (*Alaihimassalaam*), display of his *Mue Mubarak*, followed by *Wiladath Eshaeea*.

time, 20) Surah Alm Nashrah 11 times, 21) Surah Iza Jaa 11 times, 22) Surah Ikhlaas 41 times, 23) Surah Fateha two times, 24) Darood Shareef 21 times 25) يا رافع الدرجات *Ya Rafe ad Darajaath* 41 times, 26) يا مسبب الاسباب *Ya Musabebal Asbaab* 41 times, 27) يا كافي المهمات *Ya Kafi al Muhimmaath* 28) يا مجيب الداوات *Ya Mujeeb ad Dawaath* 41 times, 29) Darood Shareef 21 times and then *Dua* supplication.

3) *Halqae Zikre Jahri*
The *Zikr Jahri* is to be done while sitting and in loud voice. It is as follows: Three times بسم الله الرحمن الرحيم ; three times لا حول و لا قوة الا بالله العلي العظيم ; one time لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد يحيى و يميت بيده الخير و هو على كل شيءٍ قدير ; three times استغفر الله ربى من كل ذنب و اتب اليه ; one time لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد يحيى و يميت بيده الخير وهو على كل شيءٍ قدير ; three times حسبى الله نعم الوكيل نعم المولى و نعم النصير ; one time لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد يحيى و يميت بيده الخير وهو على كل شيءٍ قدير . Then by standing and closing the eyes, 41 times لا اله الا الله , must be recited (The لا must be said by pulling the breath from the naval to the throat, 'اله' must be said by taking the breath from throat to the brain, and الا الله must be said by (striking) taking the breath to the heart.); one time لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد يحيى و يميت بيده الخير وهو على كل شيءٍ قدير ; 41 times الاالله ; one time لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد يحيى و يميت بيده الخير وهو على كل شيءٍ قدير ; 41 times الله ; one time لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد يحيى و يميت بيده الخير وهو على كل شيءٍ قدير . Then by sitting down and opening the eyes recite three time يا عزيز يا غفار يا كريم ياستار ; one time لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد يحيى و يميت بيده الخير وهو على كل شيءٍ قدير ; three times يا مصطفى محمد يا مرتضى على حاجت روا محمد مشكلكشاه على المدد يا حضرت سيد شيخ عبدالقادر جيلانى شيئً الله ; one time لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد يحيى و يميت بيده الخير وهو على كل شيءٍ قدير ; three times and one time لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد يحيى و يميت بيده الخير وهو على كل شيءٍ قدير then Dua 'supplications'.

4) *Muraqeba* and *Mukashafa*
Every Sunday after *Halqae Zikr*, which was conducted from 8 a.m. to 10 a.m. Shazadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Hazrath Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) used to conduct *Muraqueba* and *Mukashafa*. In which the *mureeds* were asked to remove every thought, every desire and every wish from the heart and just think of Lord Almighty Allah. All the attendees of the *Zikr* stand in rows holding and clasping one another's hands, and the *Peeromurshid* would go around all and put his hand on everybody's clasped hands. It would begin with the recitation of *Kalima* and end with *Darood*. Then he would supplicate in the Court of Lord Merciful Allah with the intercession of Holy Majesty (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) and his *Ahelebaith* (*Alaihimussalaam*).

Almanac of the Spiritual Meetings in Hameedia, Sharfi Chaman
Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah* Alaih) continued all the spiritual practices, trainings and traditions that his father, grandfather and great grandfather had initiated in Hyderabad. These were passed down to him from generations to generations directly. The religious and spiritual meetings and functions that he used to conduct and are continued by

Syed Mohammed Raziuddin Hussaini Razvi Quadri Hameedi in 2013; in addition, he gave *Khilafath* to his eldest grandson, Syed Mohammed Ali Musa Raza Hussaini Razvi Hameedi, son of Professor Syed Mohammed Haseebuddin Hussaini Razvi Quadri Hameedi in 2013 in Madinah Munawwara.

In 1999-2000 Hazrath Dr. Hameeduddin Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) constructed a two-floor hall called *Hameedia* at the entrance to the Bargah of his great grandfather Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). Earlier it was an open area. This had provided room for conducting religious meeting and functions for all *Ahle Silsila*. And then in 2004, he constructed another hall at the second floor on his residence in Sharfi Chaman. He named it *Aiwane Taj-ul-Urfa*. Since 2004 he started conducting first session of IHRC lectures in this hall.

Milad Mahal, Aliyyun Bagh

Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had also bought a piece of land in IzraChittampalli, Mominpet, some 90 kilometers from Sharfi Chaman, Hyderabad. He laid the foundation of *Milad Mahal* there in 2009, as was the practice of his ancestors. There is sprawling garden in that land which he called *Aliiyun Bagh* (Garden of Alis (A)). During Rabi-ul-Awwal, he celebrated *Milad-un-Nabi* (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*) in Milad Mahal and Aliyun Bagh regularly from 2010 onwards till his *wisal*.

The Spiritual Activities in Hameedia, Sharfi Chaman Khanqah

Auraad wo Wazaif wo Adeiya wo Azkar

Hazrath Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) who was renowned as Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*), and who was the great grandson of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmthUllah Alaih*) propagated *Sharafia Hameedia Silsila,* and had prescribed the following *Auraad wo Wazaif wo Adeiya wo Azkar* for the ones who sought his *Baeth*, and became his *mureed*. These are as follows:

1) *Recitation of Asma-ul Husna and Asma-e-Rasool Allah (Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam).*

2) *The Khatme Quadria*, which carries the following in *Sharfi-Hameedi* order: 1) Recitation of *Bismillah ar Rahmaan ar Raheem* 121 times, 2) Darood Shareef 121 times, 3) *Kalmae Tayyiba* 121 times, 4) Darood Shareef 21 times 5) Kalmae Tamjeed 41 times, 6) Darood Shareef 21 times, 7) يا باقي انت الله هوالباقي *Ya Baqi Ant Allah Huwal Baqi* 41 times, 8) يا قاضى الحاجات *Ya Qazi al Hajaath* 41 times, 9) يا دافع البلإيات *Ya Dafe al Blaeyaath* 41 times, 10) يا شافى الامراض *Ya Shafe al Amraaz* 41 times, 11) يا حل المشكلات *Ya Hallal Mushkilaath* 41 times, 12) Darood Shareef 21 times, 13) Surah Fateha one time, 14) Darood Shareef 21 times, 15) Kalmae Tamjeed 41 times, 16) *Ya Hazrath Syed Shaik Abdul Qadir Jeelani SheinIllah* 11 times, 17) Darood Shareef 21 times, 18) يا باقي انت الله هوالباقي 41 times, 19) Surah Yaseen one

Hameedi would deliver lectures on the Biography of Holy Majesty Prophet of Lord Merciful Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*), under IHRC English lecture series. He had delivered more than 1200 continuous weekly lectures. Two large meetings were conducted every year in Masjid Mahboob Shahi. These are organised for the celebration of *Milad-un-Nabi* (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) in the first or second Sunday of Rabi-ul-Awwal, and for the commemoration of *Shaadath* (Martyrdom) of Imam Hussain Ibne Imam Ali (*Alaihimussalaam*) on 10th Muharram every year. The weekly lecture series is still continuing and his eldest son Dr Syed Mohammed Haseebuddin Hameedi has been delivering lectures in Urdu as well. Till date 1654 weekly lectures have been organized. Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had also started from 2004, IHRC lecture series after *Halqae Zikr*, every Sunday at Aiwane Taj-ul-Urfa, Hameedia, Sharfi Chaman from 9:15 to 10:15 a.m. This session is still going on.

Dr Hameeduddin Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) IHRC lecture series in 1991 commenced with the topic *Tauheed*, then a lecture series on the life and works of all the Messengers and Prophets of Lord Merciful Allah, mentioned in the Holy Quran, and then the life of the Last Messenger of Lord Merciful Allah, Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*). He also delivered lectures on Holy Majesty's (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) *Ajdaad* (*Alaihimussalaam*) 'ancestors', and his *Ahlebaith* (*Alaihimussalaam*), that is, Ummul Momineen Hazratha Syeda Khadija (*Alaihassalaam*), Hazrath Maulae Kainaath Syedina Ali ibn Abi Talib (*Alaihissalaam*), the Lady of Jannath, the daughter of the Messenger of Allah (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) Syeda Fatima Zahra (*Alaihassalaam*), Imam Hasan Mujtaba (*Alaihissalaam*) and Syed-ush-Shuda Imam Hussain (*Alaihissalaam*). In IHRC meetings he started also a new series of lectures called *Ek Muhajir, Ek Ansaari* (One Migrant and One Helper), wherein he covered the lives of more than 800 companions of the Last Messenger of Lord Merciful Allah, Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*). He also delivered lectures on the *Aimma* of *Ahlebaith* (*Alaihimussalaam*). He also started a lecture series on the *Aulia Allah* and *Sufia Ikram*; another series was on Islamic History and the history of Muslim rulers around the world. The report of his lectures were covered by all the renowned newspapers of Hyderabad, like, Siasat, Rahnumae Deccan, Munsif, Etemaad, and so on. He had established a division of publication in IHRC, and published most of his research work under IHRC publication series.

Hameedia: A Space for Conducting Spiritual Gatherings in Sharfi Chaman

Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was a very renowned spiritual master and guide as well. He expanded the *Sharfi Silsila* by calling it *Sharfia Hameedia*. Thousands of people had taken *Baeth* on his hands. He gave *Khilafath* to all his sons and a grandson in Madinah Munawwarah. His eldest son Professor Syed Mohammed Haseebuddin Hussaini Razvi Quadri Hameedi was bestowed with *Khilafath* in 2000, his second son Mufti Syed Mohammed Saifuddin Sani Hussaini Razvi Quadri Hameedi in 2006, and the third son Dr

The reflection of Ahmed's beauty (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi*) is the master of Karbala (A)/Millions of salutations on your form and height)
Badesha Saifi ab bhi mere Hussain (Alaihissalaam)
Sahibe taj wo masnad pe lakhon salaam
(Saifi, Hussain (*Alaihissalaam*) is king, still today/Millions of salutations on the master of crown and throne) (*Walahum Yahzanoon,* 35)

Khitabath 'Oratory'

Shazadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Hazrath Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah* Alaih) was known for his oratory prowess. He was a renowned eloquent religious speaker who delivered lectures and speeches on *Seerath* (Character and Conduct) *Azmath* (eminence and prominence), and *Ishq* and *Mohabbath* (Love) of Holy Majesty Prophet of Lord Merciful Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*); Ahlebaith (*Alaihimussalaam*); Imam Aali Muqam Imam Hussain (*Alaihissalaam*), the events of martyrdom in Karbala; Sahaba; Aulia Allah; and Islamic History for 58 years, from 1964 to 2022 before he just breathed his last. He delivered his speeches all over India. He started his speeches with the Friday sermons in Masjid Sharfi Chaman in 1964 in the supervision of his father and master Hazrath *Taj-ul-Urfa* Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). From 1988, he started delivering speeches before Friday prayer in Masjid Mahboob Shahi Malakunta Moazzam Jahi Market, Hyderabad and continued up to 2022; and then from 1991 he would also visit Hussaini Masjid, Banjara Hills, and deliver speech before Friday prayer which continued from 1991 to 2021. Therefore, he used to visit two Masjids before Friday prayers and deliver speeches there. He had also delivered 106 extension lectures continuously for more than two years in Jama Masjid Afzal Gunj from 1998-1990 before Zuhr prayers. He would deliver sermons in blessed nights like, *Shabe Meiraaj*, *Shabe Baraath* and *Shabe Qadr* in different Masjids of Hyderabad and around. He started from 1997, a lecture series called *Taj-ul-Urfa* extension lectures during the month of Ramzan, which he continued till 2020. He would speak in different Masjids of Hyderabad, before Zuhr and Asr prayers for all twenty-nine/thirty days. His speeches would cover the themes of Ramzan, fasting, charity '*Zakath*', generosity, piety, Holy Quran, *Shabe Qadr* and so on.

Foundation of Islamic History Research Council, India (IHRC)

Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Hazrath Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) founded Islamic History Research Council, India (IHRC) in 1991 and made Hameedia, Sharfi Chaman its Centre. Through IHRC, he carried out research in Islamic History and Islamic Sciences. His sons Dr Syed Mohammed Haseebuddin Hameedi, Mufti Syed Mohammed Saifuddin Hakem Hameedi, and Dr Syed Mohammed Raziuddin Hassan Hameedi assisted him in his research activities in IHRC. Through this platform, he conducted weekly lectures in Masjid Mahboob Shahi, Malakunta Moazzam Jahi Market, Hyderabad every Sunday from 11 a.m. to 1 p.m. He conducted 1466 weekly lectures in 31 years, from 1991 to March 2022 up until his *Wisal*. Along with him his eldest son Dr Syed Mohammed Haseebuddin Hussaini Razvi Quadri

(The troubles hide their faces, on your name /Whenever they hear O Ali O Ali (A))
Saifi japta raha kaam bante rahe
Har ghadi har jaga ya Ali ya Ali (A)
(Saifi recites your name, and the works get accomplished/Every moment, everywhere O Ali O Ali (A)) (*Walahum Yahzanoon,* 25)

Manquebath on Syeda Fatima, the Lady of Jannath (SalaamUllah Alaiha)
Fazle Rabbul Ula Syeda Fatima (Alaihassalaam)
Aap par hei sada Syeda Fatima (Alaihassalaam)
(The Favour of the Most High Lord, Syeda Fatima (*Alaihassalaam*)/ Is upon you forever Syeda Fatima (*Alaihassalaam*))
Paakiyoun ko bada naaz hei aap par
Tayyaba Tahirah Syeda Fatima (Alaihassalaam)
(The purities are very proud of you/The pure, the chaste Syeda Fatima (*Alaihassalaam*))
Aap se paee hain sab nisae jahan
Yeh shaoore haya Syeda Fatima (Alaihassalaam)
(From you acquired all the women of the world/This consciousness of modesty Syeda Fatima (*Alaihassalaam*))
Who saqawath ke haq ke liye aapne
Ghar ka ghar de diya Syeda Fatima (Alaihassalaam)
(The generosity that for the sake of Truth/You have given the entire house Syeda Fatima (*Alaihassalaam*))
Hei nasab mein gharaon mein dilaon mein sada
Aap hi se ziya Syeda Fatima (Alaihassalaam)
(In the lineage, homes, and hearts/The light is from you Syeda Fatima (*Alaihassalaam*)) (*Walahum Yahzanoon,* 77)

Salaam on Syed-ush-Shuda Imam Hussain (Alaihissalaam)
Raakibe doshe Ahmed (S) pe lakhon salaam
Bhejo Aale Mohammed (S) pe lakho salaam
(Millions of salutations upon the shoulder-rider of Ahmed (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi*)/Send millions of salutations on the Progeny of Mohammed (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi*)
Isteqamath pe jin ki falak dang hai
Sabr ki aakhri had pe lakhon salaam
(The heaven is astonished on whose fortitude/Millions of salutations on the ultimate boundry of patience)
Muftakhir jin pe hai sari insaniyath
Un pe unke ab wo jad pe lakhon salaam
(The entire humanity is proud of whom/Millions of salutations on him, his father (*Alaihissalaam*) and grandfathers (*Alaihimussalaam*))
Partawe husne Ahmed (S) Shahe Karbala (A)
Aap ke qaamath wo qad pe lakhon salaam

(The entire world desires to sacrifice itself upon you/What is the life of Saifi O Master (S)) (*Sallu Alaihi*, 60)

Naath Shareef
Koi Apni haqeet se yahan aakar gurezan hei
Chupane khud ko pardah meem ka he shakl insaan hei
(Somebody from his own reality has come and stayed here/ To hide himself, he has a covering of *Meem*, face and form like a human)
Woh sajdah noor ko tha ya ke tha mitti ke putle ko
Samajh nei wale samjhe beqabar ab tak ke ghaltan hei
(That prostration was to the light or to a model of clay/Those with intellectual capacity, understood, the uninformed remained erroneous till date)
Wahan pura jasad tha aag mein tab aag thandi thi
Yahan kapde ki dhajji ko bhi chone aag larzan hei
(There was the complete body in the fire, then the fire became cool/Here the fire shakes to touch even a piece of cloth)
Wahan ek baar ka Jalwah kisi ke irtequa ki had
Yahan Qosain se kam faasla hei Aql hairaan hei
(There was just one time of Manifestation there, and there was a limit to somebody's rise/Here the distance is shorter than between two bows (or eyebrows), intelligence is astonished)
Wahan par aurtein theen aurtaon nei ungliyaan kateen
Yahan sar katane ko hujoome hoshmandan hei
(There were women there, women cut their fingers/Here fully conscious crowd of men are around, who are ready to have their heads slit)
Mere Sarkar (S) ki nisbath se peena kam hei mera
Meri masti mei Saifi isliye johar numayan hei
(I drink through my connections with my Master (S)/That's why there is virtue apparent in my intoxication Saifi) (*Sallu Alaihi*, 123)

Manquebath on Ameer-ul-Momineen Syedina Ali (Alaihissalaam)
Fazle Rabbul Ula ya Ali ya Ali (A)
Aap par hogaya ya Ali ya Ali (A)
(The Favour of the Most High Lord, O Ali O Ali/Has been bestowed upon you O Ali O Ali (A))
Lutf Khairul Wara (S) ya Ali ya Ali (A)
Hei naseeb aapka ya Ali ya Ali (A)
(The indulgence of the 'Best in Creation' (s) O Ali O Ali (A)/Is your destiny O Ali O Ali (A))
Aap ko dekhna ek ebadath hei khud
Yeh Nabi (S) nei kaha ya Ali ya Ali (A)
(Seeing you in itself is worship/The Prophet (S) has said this O Ali O Ali A))
Mushkilein munh chupati hain, naam aap ka
Jab bhi sun lein zara ya Ali ya Ali (A)

Laenge kahaan hum tum sa bayan La Ilaha Illallah
(Listening to the Praises and Glorification, all the Prophets said to the Beloved (S)/Where shall we bring the eloquence to Praise like you, there is none worthy of worship save Allah)
Haq Hamd ka hoga kese ada, taqath he Sana ki kis me bhala
Apni si koshish me hain Zuban La Ilaha Illallah
(How shall the right of Praise be fulfilled? Who has the power to Praise? /In our efforts is our tongue, there is none worthy of worship save Allah)
Tasbihe Rab har saans me ho, aur Zikr Rab har aan karo
Farmate the Saifi Saif-e-Zaman La Ilaha Illallah
(Lord must be praised in every breath, and the remembrance of the Lord must be done at every moment/This is what Saifi, the Saif-e-Zaman used to instruct) (*Sallu Alaihi*, 15).

Hamd Bari Taala
Ilm ki Ibteda hei Bismillah
Hikmate be baha hei Bismillah
(The inception of knowledge is ‘In the Name of Allah’/The infinite wisdom is ‘In the Name of Allah’)
Mustafa (S) ki ata hei Bismillah
Rahmaton ki rida hei Bismillah
(The gift of Mustafa (S) is ‘In the Name of Allah’/The sheet of Mercy is ‘In the Name of Allah’)
Lafz Iqra hei tabnaak bhot
Noore ghaare Hira hei Bismillah
(The word ‘recite’ is very radiant/The light of cave Hira is ‘In the Name of Allah’)
Ham ne dekha hei kamiyaab huwa
Jo bhi padhta raha hei Bismillah
(We have seen him successful/Whoever read ‘In the Name of Allah’) (*Sallu Alaihi*, 17)

Naath Shareef
Aap hei wajhe kun fakan Sahib (S)
Aap se hei zaman makan Sahib (S)
(You are the reason of ‘be and it was’ O Master (S)/The time and space are due to you O Master (S))
Aap hei dosra kahan Sahib (S)
Abd aur Rab ke darmiyan sahib (S)
(You alone are there, there is no other/Between servant and the Lord, O Master (S))
Ashiyan par likha he aap ka naam
Aur muhafiz hei bijliyan Sahib (S)
(On the house is written your name/And the lightnings protect it O Master (s))
He muhafiz nisae ummath ki
Bibi Zahra (A) ki baliyaan Sahib
(The protector of the women of the Nation/ Are the earrings of Bibi Zahra (A) O Master (S))
Aap par he nisaar sara jahan
Ek Safi ki kya hei jaan Sahib

Musalmaan/Momin which has seven sub-topics, *Neki/Gunah* which have three sub-topics, *Riyakaari* which has three sub-topics, *Silah Rahmi* which has seven sub-topics, *Aapasi Mohabbath* which has four sub-topics, *Aqlaaq* which has ten sub-topics, *Kalaam* which has five sub-topics, *Muaasherath* which has seven sub-topics, and *Rozi* which has six sub-topics. Each *Hadees* in every subtopic is paraphrased, interpreted, and discussed either with the Quranic verses, or with other *Ahadees* or with both. (*Wama Yantiqu Anil Hawa*, i-vii).

Hazrath Dr. Hameeduddin Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had prescribed the reading of this work 'a hadees a day' daily to all his *mureeds*, which most of them recite at some appointed time in a day with all the members of their family. The *Dars* of *Wama Yantiqu Anil Hawa* is delivered by his son Syed Mohammed Haseebuddin Hameedi every week along with Tafseer *Furqaane Hameed* in Sunday *Majlis* at Aiwane Taj-ul-Urfa, Hameedia, Sharfi Chaman.

***Wa Daeyan IlalLah*: *Seerathe Syede Koinain* (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi*)**

Hazrath Dr. Hameeduddin Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) also compiled a biography of Holy Majesty Prophet of Lord Merciful Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) and titled it with the verse of the Holy Quran: *Wa Daeyan Illallah* '*And a caller towards Allah*' (*Surah Ahzaab*: 46). This work has two volumes: the first volume covers the topics from the sacred ancestry of Holy Majesty Prophet of Lord Merciful Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*) to the Conquest of Makkah; and the second volume presents the events from Hunain to Ghadeer-e-Khum, and the seeming departure of Holy Majesty Prophet of Lord Merciful Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*) from this world. It also presents the short profiles of the members of household of Holy Majesty (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*), and his sublime character and immaculate conduct.

Kalaam: Poetic Works

Hazrath Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was also a poet like his father and ancestors. He used *Saifi* as his poetic name in his poems. He published two poetic collections: one on *Naath* entitled *Salllu Alaih* and other on *Manquebath* called *Walahum Yahzanoon*. Some samples of his poetry are as follows:

Hamd Bari Taala
Allah Taala he Subhaan La Ilaha Illallah
Kalima he yehi shayane shaan La Ilaha Illallah
(Allah, the Most High is Pure, there is none worthy of worship save Allah/This statement is befitting His prominence, there is none worthy of worship save Allah)
Awwal bhi Wahi, Aaqir bhi Wahi, Zahir bhi Wahi, Batin bhi Wahi
Maujood Wahi Sannae Jahan La Ilaha Illallah
(He is the First, He is the Last, He is the Manifest, He is the Hidden/He is the Existing, the Creator of Universe, there is none worthy of worship save Allah)
Aqsa me Hamd wo Sana sun kar Mahboob (S) *se bole sare Nabi*

one on linguistics with the title, *Hind Ariyae Aur Urdu* and the other on the history of Hyderabad called *Taareeqe Shahr Hyderabad*.

Hazrath Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) married the daughter of Hazrath Syed Shah Mohammed Tahir Hasani Quadri Laubali (*RahmathUllah Alaih*), Hazratha Syeda Ahmedunnisa (*RahmathUllah Alaiha*). He had three sons and fve daughters from her. The names of the sons are: 1) Dr Syed Mohammed Haseebuddin Hussaini Razvi Quadri Hameedi, 2) Mufti Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Hameedi and 3) Dr Syed Mohammed Raziuddin Hussaini Razvi Quadri Hameedi.

The Religious Work

Furqaane Hameed: The Exegesis of the Holy Quran

Shazadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had written more than 2000 articles and had them published in different journals, weeklies, dailies, magazines on different religious subjects. In 1997, he was approached by the Daily Siasat, Hyderabad to write and edit the religious page that they were launching. He accepted the request and wrote for the paper from 1997 to 2010. He used to write for the columns of *Tafseer*, *Hadees (Hadith)*, *Fiqh*, *Seerath-un-Nabi* (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*) Ahlebaith (*Alaihimussalaam*), *Tasawwuf*, History of Islam, History of Muslims, and a general column called *Noore Imroz* 'today's light'.

The *Tafseer* of the Holy Quran called *Furqaane Hameed* was published in the Siasat, from 1997 to 2010. Fifteen *Parahs* 'sections' of this *Tafseer* was published in the Siasat. *Furqaane Hameed* was a compilation of famous *Tafaseer* and Hazrath Dr. Hameeduddin Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) own explanation and summary. Later, he completed *Furqaane Hameed* in 2017; and at present the entire *Tafseer* in manuscript is published on the website *Shahzadah Musa Raza* which carries his religious and literary works in digitized form.

Wama Yantiqu Anil Hawa: A Collection of Hadiths and their Interpretation

Hazrath Dr. Hameeduddin Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had the honour of collecting and paraphrasing the *Ahaadees* of Holy Majesty Prophet of Lord Merciful Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*). He titled this work with a verse of Holy Quran: *Wama Yantiqu Anil Hawa*, 'And he does not speak anything of his own desire' (*Surah Najm*: 3). The introduction to the work carries a profound article titled, '*Ilme Hadees, Tareekh wo Tadween- Sahth wo Etebaar*'. *Hadees* are compiled and presented under the topics of *Azmate Habeeb Kibriya* (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) which carries eighteen sub-topics, *Quran Hakeem* which has four sub-topics, *Namaz* which has eleven sub-topics, *Roza* which has six sub-topics, *Hajj/Umrah/Qurbani* which have seven sub-topics, *Infaaq/Zakath/Sadqua* which have eight subtopics, *Zikr/Dua/Isteghfaar* which have thirteen sub-topics, *Qabar/Jannath/Dozaq* which have four sub-topics, *Eemaan/Islam* which has thirteen sub-topics, *Ilm* which has three sub-topics,

Shukr Haq hogae Sarkar (S) se nisbath ham ko
Par utar aaenge daman ka sahara lekar
(Thank the True Lord, we got connected to Holy Majesty (S)/Taking his support, we shall cross over (the hurdles in the Last Day) (*Saghare Saif*, 73)

4) Shahzadah Imam Ali Musa Raza Dr. Hameeduddin Sharfi (*RahmathUllah Alaih*)

Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Hazrath Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was the direct 37th descendant of Imam Aali Maqaam Imam Hussain (*Alaihissalaam*) and 32nd descendant of Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*). He was born to Hazrath Taj-ul-Urfa Syed Shah Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) and Syeda Bismillah Bibi Sahiba Badi Peerani Maa (*RahmathUllah Alaiha*) on Thursday 19th Shaban 1368 *Hijri*. Amongst the children of Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), he stood out in terms of both religious and worldly education and contribution. He learnt Islamic sciences first from his father Hazrath Taj-ul-Urfa Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) and then when he grew up, his tutors were Hazrath Allama Mufti Abdul Hameed Sahib (*RahmathUllah Alaih*), and Hazrath Allama Alhaaj Mohammed Muniruddin Sahib (*RahmathUllah Alaih*); later he had also learnt *Tafseer*, *Hadees*, and *Fiqh* from Hazrath Syed HabeebUllah Quadri Rasheed Pasha Sahib (*RahmathUllah Alaih*), former Ameer, Jamia Nizamia, Hyderabad. Since he was from the spiritually knowledgeable and educated family and was raised in *Khanqahi* milieu, he remained connected with *Tasawwuf* deeply. His father Hazrath Taj-ul-Urfa Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had trained him in the path of *Sulook* and taught him the *Adaab*-e-*Tariqath* ‘decorum of Islamic spiritual orders’, and had him carried out the *Baatini Tazkiyah* ‘purification of heart’. Once he found him able, Hazrath Taj-ul-Urfa (*RahmathUllah Alaih*) first took the *Baeth* from him and then bestowed upon him *Khilafath*.

With respect to the contemporary and worldly education, Shahzadah Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) did his schooling from Government schools, and did his BA and MA from Osmania University, and PhD in Urdu literature from Gulbarga University. His PhD thesis was entitled *Urdu Zaban wo Adab ki Tarweej wo Ishaath main Roznama Siasat Hyderabad ka Hissa* ‘*The Contribution of the Siasat Daily for the Propagation of the Urdu Language and Literature*’. The thesis was spread over three thousand pages and considered as one of the lengthiest in Urdu. He was awarded doctorate in 1991. He was probably the first one who had done PhD amongst the saintly families of Hyderabad.

Hazrath Dr. Hameeduddin Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) joined College of Languages (Evening), Hyderabad as lecturer in 1984, and retried therefrom in 2012. He served as the Chairman Board of Studies, in Urdu Oriental College as well. He had several articles published on literature in Urdu, and literary personalities. He published two literary works:

Naath Shareef
Jalwa dikha ke Tu ne jo lachaar kardiya
Mujhko mareeze Ishq sa bemaar kardiya
(By manifesting, you rendered me helpless/Like a love-sick, [you] made me invalid)
Nazre huzoor Jaan o Dil zaar kardiya
Dono hawale Aap ke Sarkar (S) kardiya
(I have presented the very life and heart/I have handed over both to you Holy Majesty (S))
Kya ho zabane Saif se Shukre Kibriya
Is ko ghulame Syede Abrar (S) kardiya
(What can the tongue of Saif thank the Lord Most High? / He has made him servant of The Leader of the pious (S)) (*Saghare Saif*, 30)

Salaam on Imam Hussain ibn Imam Ali (Alaihimussalaam)
Yeh Saach hei jis tarah hona ho matam ho nahi sakta
Ghame Shabbeer (A) se badh kar koi gham ho nahi sakta
(It is true the way mourning should be conducted, it cannot be done/No grief can be greater than the grief of Shabbeer (A))
Shaheede Karbala (A) ka jitna matam kijiye kam hei
Kai sadiyaan guzar kar bhi yeh gham kam ho nahi sakta
(No matter how much the mourning for the Martyr of Karbala (A) is done, it is still less/After passing away of many centuries still this grief cannot be reduced)
Hussain (A) Ibn Ali (A) se dil mein keena jo bashr rakhhe
Qasm Allah ke woh shad o khurram ho nahi sakta
(Whichever man has a grudge against Hussain (A) the son of Ali (A)/ By Allah! He cannot be happy and joyous ever)
Rahe Haq me lutaya karwaan ka karwaan apna
Zamane bhar mei tum sa fakhre Adam ho nahi sakta
In the Way of Truth, you sacrificed the complete caravan/In the entire time-period (world), no one can be ‘proud of Adam’ (humanity) like you)
Sadaqath ki tajalli Saif reh jaati hei alam mein
Yeh woh Noore Haq hei jo madham ho nahi sakta
(The light of Truth remains in the world Saif/This is that Light of Truth, which can never dim) (*Saghare Saif*, 42)

Manquebath Ghouse Paak (RahmathUllah Alaih)
Rangatein kitni chadheen rang tumhara lekar
Kiya se kya ho gae ham ek sahara lekar
(How many hues have risen taking your hue/From what to what have we become taking your one support)
Tujh ko Qassame Azal se mili nemath aesi
Fakhr karta hei jahan tera utara lekar
(You got such gift from the Eternal Distributer/That the world feels proud to take your alms)

would recite his poems in the *Tarahi Mushaeras* 'themed poetic gatherings' conducted in Sharfi Chaman at the occasions of *Milad-un-Nabi* (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi*), Majalis of Syed-ush-Shuhada Imam Hussain (*Alaihissalaam*)*, Urs Shareef, Mahafil Seerate* Ghouse Azam (*RahmathUllah Alaih*) and so on. He would also participate when invited at the *Tarahi Mushaira* of different *Khanqahs* in Hyderabad. He would specifically conduct a *Musalema* (poetic gathering in praise of Imam Hussain (*Alaihissalaam*), and about the events of Karbala). Hazrath Taj-ul-Urfa Saife Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) a collection of his poetry called *Saghare Saif* (*RahmathUllah Alaih*) was posthumously published. Some of his poetic samples are as follows:

Hamd Bari Taala
Beshak wo beshubh hai sab ehtemaam Tera
Hai shukr farz hum par har subh sham Tera
(Indeed and undoubtedly everything is organized by You/It is obligatory on us to thank You, every morning and evening)
Khatra nazr me sab ki, darya nazr me sab ki
Kab aye fehm me ye sirre tamam Tera
(Drop is in everybody's sight, river is in everybody's sight/When will come in [one's] intelligence, this complete mystery?]
Ham sab pe rahm farma behre Rasoole Akram (S)
Jo Pashwae Aalam Khairul Anam (S) Tera
(Have mercy on us because of the Gracious Messenger (S)/Who is the leader of the world and Your best of creations (S)) (*Saghare Saif*, 23)

Kaun o makan ke Wali who lamakaan he Tera
Wehm o guman se baher Naam o Nishaan Tera
(O Guardian of space and time, 'beyond space and time' is Your's/Beyond conjecture and imagination is Your Name and Mark) (*Saghare Saif*, 24)

Naath Shareef
Hasil Nabi (S) ko mere jo Wasle Khuda huwa
Pura gunahgaron ka sub muddua huwa
(When my Prophet (S) met God/The sinners' every request or desire (for forgiveness) is accepted)
Kab dil se mere door huwi ulfate Rasool(S)
Kab asstane Sheh (S) se mera sar juda huwa
(When from my heart the love of the Messenger(S) is distanced? /When was my head separated from the court of the Holy Majesty (S)?)
Kya Saif karseke Shehe (S) Lolaak ki Sanaa
Wasfe Nabi (S) me jabke hei Quran likha huwa
(What praise can Saif do of the Master of the purpose of all creations (S)/When in praise the entire Quran has been written) (*Saghare Saif*, 31)

Alaih) and 3) Hazrath Syed Mohammed Abdul Hafeez Hussaini Razvi Quadri Sharfi known as Madani Sahib (*RahmathUllah Alaih*).
Hazrath Syed Mohammed Tajuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had two sons and three daughters. His two sons were: Hazrath Syed Mohammed Hamed Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) and Hazrath Syed Mohammed Jafar Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). They all dedicated their lives to guiding people according to *Shariath* and *Tariqath*.

Khidmathe Khalq
Hazrath Tuj-ul-Urfa Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had become very famous as the spiritual master particularly of Quadri *Silsila*. People would visit him to seek his blessings. The crowd at his residence became unmanageable. He started spending much of his time in Sharfi Chaman. He organized *Halqae* Zikr there. From 1342 to 1368 Hijri, for twenty-six years, he conducted all the *Mahafil* and *Majalis* in *Milad Khana* attached to Masjid-e-Buland, Koka Tatti, Hussaini Alam, Hyderabad. In 1383 Hijri, he constructed a residence in Sharfi Chaman and shifted there with his entire family; leaving the house in Koka Tatti, Kucha Surat Murat, for his brothers' families and his eldest son. In Sharfi Chaman, Hazrath Taj-ul-Urfa Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) would organize all the *Mahafils* and *Majalis*. He would organize *Halqae Zikr* for men on Sundays and for women on Thursdays. This spiritual practice has been going on in Sharfi Chaman down to this day.

Spiritual Aura
Hazrath Taj-ul-Urfa Syed Shah Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) fame as *Peer-Kamil* 'complete spiritual guide' and *Murshid-e-benazeer* 'unmatchable spiritual master' spread far and wide; people from all over India visited him and sought his blessings, and became his *mureeds*; a minimum estimate of his *mureeds* could be around one lakh. He had given *Khilafath* to all his sons. He was being addressed by eminent personalities as *Taj-ul-Urfa*, 'the crown of spiritual learned men.'

Kalaam: Poetic Works
Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), the grandfather and father of Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) were poets. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had Mansoor as his *Taqallus* 'poetic name'. However, his *Kalaam* 'works of poetry' were lost in Musi flood of 1908. But Hazrath Ghouse Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) work has been published, the samples of which are quoted above. Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was not only a scholar, *tabeeb*, spiritual master but also a very established poet. His poetic genre was *Hamd Bari Taala, Naath Shareef, Salaam and Manquebath*. The themes of his poetry are the love and fear of Lord Almighty Allah, the love of Holy Majesty (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*), the Commander of the Faithful, Maulae Kainaath Hazrath Ali (*Alaihissalaam*), the Ahlebaith (*Alaihimussalaam*), Imam Hussain (*Alaihissalaam*), the events of Karbala, *Aulia Allah,* specially Hazrath Syed Shaik Abdul Qadir Jeelani, Ghouse Azam (*RahmathUllah Alaih*). He

together. Once, he saw his father in dream and conveyed the condition of his heart. His father and *peeromurshid* said, '*Murshid* Quadri (he was addressed by his father this way)! The expectation of salary, might not divert your focus from the True Lord Sustainer! To serve the creations (people) why should you be in fetters of employment?' The statement of *Murshid* hit him like an arrow. Next day Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) submitted his resignation. He worked in *Dawakhana* for four years up until 1348 Hijri circa 1929 CE. He decided to serve people independently. Thereafter, he devoted his entire time to the expansion of the activities in *Khanqah* and of the *Silsila*. He would spend his day time from morning till evening, giving *Dars*, providing spiritual guidance, conducting *Mahafils* and *Majalis* and in the evening, he would treat some patients without charging any fees.

The Progenies

Hazrath Syed Shah Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) married twice. His first marriage was with the daughter of Hazrath Maulana Syed Shamsuddin Hussaini Sahib of Narainpet. He had two daughters, and a son--Hazrath Syed Shah Mohammed Aleemuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), who was also a poet and a renowned Sufi. After the demise of this spouse in 1348 Hijri circa1929 CE, on the insistence of his mother Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) married again in 1350 Hijri circa1931 CE, with Hazratha Syeda Muneerunnisa, the eldest daughter of Hazrath Syed NoorUllah Hussaini (*RahmathUllah Alaihi*, from the family of the Syeds of Adoni). She was also called Syeda Bismillah Bibi Sahiba (*RahmathUllah Alaiha*). From her, Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had sixteen children, nine sons and seven daughters; of which four sons and six daughters survived. The names of his four sons are 1) Hazrath Syed Mohammed Jameeluddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), 2) Hazrath Dr Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), 3) Hazrath Syed Mohammed Rafiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi, and 4) Hazrath Syed Mohammed Hakeem Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi. All of them are poets and 'spiritual guides', they carried the mission of their father and ancestors forward.

The Siblings

Hazrath Syed Shah Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had two more sons who survived him. These were 1) Hazrath Syed Mohammed Shamsuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), and 2) Hazrath Syed Mohammed Tajuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). Since they were very young at the time of Hazrath Ghouse Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) *wisal*, Hazrath Syed Shah Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), the eldest son, took care of them and involved them in all *Khanqahi* activities. Hazrath Syed Mohammed Shamsuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), had three sons, 1) Hazrath Hakeem Syed Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) who was a renowned Hakeem, 2) Hazrath Syed Mohammed Ahmed Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah*

the night and gave *Nazr* to Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) in accordance with the custom. (*Jouhare Saif*, 7).

Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had *Khilafath* in all the four major *Tariquath* schools, that is, Quadri, Chishtiya, Naqshbandiya, and Suharwardia. He devoted much of his time in serving his father and *peeromurshid*, despite the educational occupations, he attended *Dars*, and all *Mahafils* and *Majalis* and participated in *Milad Khana* activities; he would accompany his father in his travels to all those towns and villages where Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was invited by his *mureeds*. When Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) passed away and met his Creator Lord Almighty Allah in 1342 Hijri, circa1924 CE Hazrath Syed Shah Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) led the funeral prayer and buried him towards the southern side at the foot, few paces away from Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) at Sharfi Chaman, Hyderabad.

Sajjadah Nasheeni

Hazrath Syed Shah Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) became the *Sajjadah Nasheen* of his grandfather and Sharfi Chaman Dargah. When his father Hazrath Syed Shah Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) passed away he was survived by his sister, spouse, three sons and a daughter. The other children had died in infancy or childhood. Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) left a large extended family. Since Hazrath Saifuddin Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was the eldest son, naturally the entire responsibility came upon his shoulders to take care of the family and *Khanqah* and all the servants and *mureeds* who were attached.

Hazrath Syed Shah Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) continued the tradition and practices of his ancestors and made significant spiritual contribution in solidifying *Khanqah* system. He expanded the *Sharfi Silsila*, purchased lands around the Dargah of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), expanded the *Khanqah*, and constructed a Masjid. Since, he was a Tabeeb also and had his *Matab* 'clinic'. One of his father's *mureed*, late Maulvi Hakeem Sarfaraz Hussain Sahib seeing the crowd in the *Matab*, insisted that Hazrath Saifuddin Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) joined the *Dawakhana Sarkare Aali*. Therefore, he was appointed as *Tabeeb Madadgar Muhtamim* 'Assistant Superintendent Physician/Medical Officer', at Dawakhana Sarkare Aali (Government Hospital), Sultan Shahi 1, in 1344 Hijri circa 1925 CE. Since the *Matab* timings used to be from 8 a.m. to 12 noon, it did not disturb the *Khanqahi* activities of Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). However, his treatment and the way people got cured became so famous that the *Matab* could not accommodate the number of patients visiting it, hence it was shifted to a big building, and he was made the *Muhtamim Dawakhana* 'Superintendent of the Hospital' within two years. Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) did not let the service to interfere his commitment to his religious and *Khanqahi* duties. But whenever felt any uneasiness, he would prostrate and cry in the Court of Lord Almighty Allah hours

Masjid, Hyderabad. During the same period, he joined the evening classes of *Tibbiya* 'Medicine', in Kulyae Tibbiyya Sarkar-e-Aali, Hyderabad. He completed four year course on *Ilm-Tib* 'Medical Science', and passed in first class the *Tabeeb-e-Kamil* examination. Additionally, he passed a *Tib* course from Shillong.

Sulook and Tasawwuf

Hazrath Syed Shah Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) trained his son Hazrath Syed Shah Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) in *Sulook* and *Tasawwuf* in his own supervision. He covered all the levels and paths of *Sulook*. He acquired from his father, the *Ilm-Seena* (knowledge of the chest). He observed and acquired the knowledge about the 'Purpose of the Creation of the Universe', the customs and practices of the Sufia, the objective of Sufi's life, the purification of the heart, the niceties and secret subtleties of love, the reality of the creed of love, and the knowledge of the different ways in which *Zikr* could be performed. After the acquisition of both Islamic sciences and Islamic mystic knowledge, Hazrath Syed Shah Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) devoted himself to practicing them in real life.

Baeth and Khilafath

When Hazrath Syed Shah Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was nine years old, in around 1910 CE after two years of Musi flood in Hyderabad, Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) travelled to Kurnool and Gadwal, along with his family. One day after offering Zuhr prayers in Masjid Gulzaar which was constructed by Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) took his son Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) to the back of the Masjid, where there was a big well. He asked his son, 'Saifuddin do you know swimming?' Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) replied in negative. Then Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) said, 'If I order you to jump in the well knowing fully that you do not know how to swim, what will you do?' Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) said, 'You please order'. Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) asked him to jump, and Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) without hesitating for a single moment jumped in the well. All the *mureeds,* who were there, were stunned, and then Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) himself jumped into the well and took his son out of it. Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) asked him if he was not afraid, Hazrath Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) replied, 'Yes I was, but your command is the command of Messenger of Allah *Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*, and the Command of Lord Almighty Allah. You are my *rabbe sagheer* 'small lord/benefactor', how could I not obey you? If I am not obedient to you how could I ever be obedient to the Messenger of Allah (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi*) and Lord Almighty Allah?' The incident moved Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) so much that he arranged for a feast in Gratitude to Lord Merciful Allah and on the same day in the evening he decided to take *Baeth* from his son and bestow *Khilafath* on him. All the people of Gadwal were invited, the Raja of Samasthan Gadwal also came and sat in the open area opposite to Masjid Gulzaar till late in

Sharfuddin Quadri Razzaqui hei sardar mera
Mera walid bhi woh shaikh bhi ustaad bhi hei
(My leader is Sharfuddin Quadri Razzaqui/He is my father, my guide and my teacher as well)

Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) also wrote *Manzoom Shijrae Quadria* (versified *Shijra*) of *Sharfi Silsila*, which is recited at the *Khatam* and *Ziyarath* day of *Urs* of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*).
At the time of *wisal* of his father and *peeromurshid* Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), he composed a *Salaam* on him. A stanza is given below:

Assalaam ae Shahe Sharfuddin Peer
Asslaam ae bekasoun ke dastageer
(Salutation on you O Shahe Sharfuddin Guide/Salutation on you O helper of the helpless)
Dil pe chaee hasrath wo gham ki ghata
Chal base duniya se jab peere huda
(On heart is a cloud of remorse and grief/When the spiritual guide departed from the world)
Akhri Ya Rab safr kesa huwa
Ranj wo gham mein karke sab ko mubtela
(Last journey, O Lord! How it happened/Leaving everybody in pain and grief)
Tha ajab hangamae mahshar bapa
Jab wisale Shahe Sharfuddin huwa
(There was a commotion of Last day/When the demise of Shahe Sharfi happened)

Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) wrote *Hamds* 'Praise and Glory to Lord Almighty Allah' as well. His poetry demonstrated the unconditional love for Holy Majesty Prophet of Lord Merciful Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi*). His *manquebaths* carried Sufi ideas of the indispensability of *murshid* in one's life for guidance.

3) Hazrath Taj-ul-Urfa Saife Sharfi (*RahmathUllah Alaih*)

Hazrath Taj-ul-Urfa Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) was the direct 36th descendant of Imam Aali Maqaam Imam Hussain (*Alaihissalaam*) and 31st descendant of Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*). He was the eldest son and successor of Hazrath Syed Shah Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). He was renowned as *Taj-ul-Urfa* 'the crown of the knowledgeable'. He was born in Hyderabad on 4th Safar 1319 Hijri corresponding to May 1901. In the very infancy itself some incidents took place which pointed towards his *Wilayath*. He learnt Holy Quran, *Hadees*, *Fiqh*, Arabic and Persian from his father. His father admitted him in Madrasa-e-Nizamia, wherein he completed *Dars Nizami* and graduated as Fazil. His colleagues in *Dars* and Maulvi Fazil happened to be Hazrath Allama Mufti Mohammed Abdul Hameed Sahib (*RahmathUllah Alaih*), Hazrath Allama Hakeem Mohammed Hussain Sahib (*RahmathUllah Alaih*) and Hazrath Allama Mohammed Muniruddin Sahib (*RahmathUllah Alaih*) who was also the *Khateeb* of Makkah

Magfirath ke liye to bandoun ke
Hei waseela bada Daroode Shareef
(For the forgiveness of the servants/A great recommendation is Daroode Shareef)
Zikr Haq La Ilaha Illallah
Zikr Khairul Wara Daroode Shareef
(Remembrance of Truth is 'There is none worthy of worship but Allah' /Remembrance of 'Best of Creations (S)' is Daroode Shareef)

Naath Shareef
Roz Achcha hei din achcha hei, hei sa'at achchi
Ya Nabi (S) aap nazr aaei to khismath achchi
(The day is good, the date is good, the moment is good/O Prophet (S) if you are sighted, then the fate is good)
Badke shahane jahan se ghulamane Nabi (S)
Weise sardaroun se in logoun ki khidmath achchi
(The servants of the Prophet (S) are greater than the emperors of the world/Serving these people is better than such chiefs)
Shabe Meiraj kahe Hooroun ne Subhaan Allah
Is se achchi nahi dekhi koi surat achchi
On the Night of Meiraj, 'the splendid Companions of Paradise' said, 'Subhaan Allah'/[We] Did not see any face better than this face [of Prophet (S)])
Bhool jaenge nahi Ghouse, bulaenge zaroor
Yaad Aaqa (S) ko hei, teri nahi ujlath achchi
(Won't forget Ghouse, [He] will definitely call/ The Master (S) remembers, your haste is not good)

Naath Shareef
Lo khabar Shahe Arab (S) Hind mei nashaad bhi hei
Aatishe hijr se sozaan bhi hei barbad bhi hei
(Take care O 'Emperor of Arabia' (S) there are unfortunate in India/Because of the fire of separation, they are burnt and destroyed as well)
Kon laega khabar aaj Madinah se hamein
Sarfarazi hei teri aur teri yaad bhi hei
(Who will bring the news to us from Madinah today? /Distinction is for you, and you are remembered as well)
Tere andaaze nazr ke hon tasadduq har baar
Ya Nabi (S) dekho idhar yeh dile nashaad bhi hei
(May I sacrifice every time on your style of looking/O Prophet (S) look at here, there is this unfortunate heart)
Ya Ali (A) aap ko khurbath hei Nabi (S) se kya kya
Quwwathe bazo, bradar bhi hei aur damaad bhi hei
(O Ali (A), what proximities you have with the Prophet (S)/ You are his strength, brother, and son in law as well)

as his father and *murshid* Hazrath Shahe Sharfi (*RhamathUllah Alaih*) did. People from far and wide used to visit the *Milad Khana* to listen to him.

Hazrath Syed Shah Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) got married to the second daughter of Hazrath Syed Khaja Peer Hussaini (*RahmathUllah Alaih*) who was a Jaferi Syed, and whose *Mazar* is situated outside Lal Darwaza, Khaja Chaman, Hyderabad. Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had ten children - nine sons and one daughter. Three sons passed away while infants. The names of other seven who survived were: 1) Hazrath Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), 2) Hazratha Syeda Peer Bi Sahiba (*RahmathUllah Alaiha*), 3) Hazrath Syed Mohammed Razvi Quadri (*RahmathUllah Alaih,* childless), 4) Hazrath Syed Mohammed Shamsuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), 5) Hazrath Syed Mohammed Murtuza Hussaini Razvi Quadri (*RahmathUllah Alaih*, childless), 6) Hazrath Syed Mohammed Jamaluddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*, childless), 7) Hazrath Syed Mohammed Tajuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). His daughter Hazratha Syeda Peer Bi Sahiba (*RahmathUllah Alaiha*) was married to Maulvi Syed Sadruddin Hussaini, the brother of Hazrath Maulana Mufti Syed Maqdoom Hussaini Sahib (*RahmathUllah Alaih*). She had a daughter who passed away in infancy. Hazrath Syed Shah Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) gave Khilafath to all his children in the four *Tariquath* Orders. He did not give *Khilafath* to any other person than his children.
Hazrath Syed Shah Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) passed away on 12th Ramzan in 1342 Hijri, April 1924 CE after a prolong illness.

Kalaam: Poetic Works
Hazrath Syed Shah Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had left a large number of religious poems which were later collected and published in an anthology entitled *Armughan-e-Ghouse*. This anthology has *Hamd* 'Praise for Lord Almighty Allah in poetic form', *Naath* 'Praise for the Prophet of Lord Almighty Allah (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi*)', *Manquebath* 'Praise for Maula Ali (*Alaihissalaam*), and Ahlebaith (*Alaihumussalaam*) and Aulia Allah', and *Salaam* 'Praise and salutations on Prophet (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi*)'. His *Kalaam* mirrors his unconditional love for Lord Almighty Allah, His Beloved Messenger Holy Majesty Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) and *Ahlebaith Athaar* (*Alaihimussalaam*).
Some samples of his *Kalaam* are quoted below in Roman script but with English Translation:

Naath Shareef
Nazr Khairul Wara Daroode Shareef
Aashiqoun ki sada Daroode Shareef
(Gift of the 'Best of Creations' (S) Darood Shareef/The cry of lovers is Daroode Shareef)
Mahl Jannath mei paye moti ka woh
Shouq se jo padha Daroode Shareef
(He would get the palace of pearls in Paradise/Who recites with interest Daroode Shareef)

Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) constructed in Gadwal a Masjid*, Khanqah* and Sarai 'caravanserai', after moving from Gudur to Gadwal. The Masjid was named as Gulzaar Masjid. His stay in Gadwal earned him a reputation of Mashaik-e-Gadwal as well.
After shifting to Hyderabad, Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) had a Masjid reconstructed first, whose details had been mentioned above known as Masjid Buland. He also had a *Milad Khana* built wherein he used to teach, guide and conduct *Majalis* 'spiritual meetings' and *Milad* programmes. However, after purchasing a land in Hyderabad near Pannipurah, Karwan, where his spouse and daughter were buried, and he chose it as his final resting place, he laid the foundation of Masjid and *Khanqah* there. His son Hazrath Syed Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi *RahmathUllah Alaihi* and grandson Hazrath Taj-ul-Urfa Hazrath Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah* Alaih) had constructed a beautiful Masjid to the west of Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaihi*) *Mazar*, and *Khanqah* and *langar khana* to its east. Later Hazrath Taj-ul-Urfa's son Hazrath Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had the Masjid reconstructed and beautified the place with constructions like *Hameedia*, a big square hall at the south entrance of Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaihi*) *Roza*. Wherein, all *Milad Mahafils* and *Majalis* are conducted. He also had the Roza of Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) renovated and beautified with glass and mirror work all around the roof and walls.

2) Hazrath Syed Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*)

Hazrath Syed Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) was the direct 35th descendant of Imam Aali Maqaam Imam Hussain (*Alaihissalaam*) and 30th descendant of Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*). He was born to Hazrath Syed Mohammed Sharfuddin Hussain Razvi Quadri Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) in 1278 Hijri circa 1861 CE in Gudur, Kurnool. He was the fourth son and successor of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). He had his initial education in Gadwal under the supervision of his father. After learning the Holy Quran, he pursued Islamic sciences from his father only. He shifted with his father from Gadwal to Hyderabad in 1290 Hijri. His father after equipping him with all the Islamic sciences, like Tafseer, Hadees, and Fiqh, bestowed on him *Khilafath*. He would always accompany his father in *Milad Khana*, and served his father continuously. After Hazrath Shahe Sharfi's (*RhamathUllah Alaih*) departure from this world, he sat on his *Sajjadah* and held the *Mahafil* and *Majalis* in the same manner. However, he always used to be in grief because of the separation with his father and *murshid*. At the *Wisal* of his father he wrote an elegy in the form of *Salaam* which has been recited ever since at the *Urs* of Hazrath Shahe Sharfi (*RhamathUllah Alaih*). He would also give *Dars* 'sermons and discourses' in the style of his father. His topics used to be *Tafseer, Hadees* and traditions of Holy Majesty (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) and *Tasawwuf*. He would convey such subtle points of *Maarif* that people would get completely illuminated. He used to carry out almost the same activities

three had passed away childless during his life time and only the youngest son Hazrath Syed Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) survived; he became Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) *Khalifa* and *Sajjadah Nasheen* and continued the Sharfi order of *Tariqath*.

Wisal

Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) became ill and on 15th Rajab 1317 Hijri circa November 1899 CE, this slave of Lord Merciful Allah, servant of Holy Majesty Prophet of Lord Merciful Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*), the heir in Deccan of Imam Hussain (*Alaihissalaam*) and Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihimassalaam*), the perfect *Murshid*, and *Wali Allah*, passed away. He was buried in the piece of land that he bought in Pannipurah for his and his family's burial and as final resting abode, known as Sharfi Chaman, in Hyderabad. *Inna Lillahi wa Inna Ilaihi Rajeoon*.

Publications

Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had written several books, but most of these were lost in 1908's Musi flood in Hyderabad as a result of which, his son Hazrath Syed Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) always had that regret that the library and the works of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) could not be saved. But few of his works survived, famous of which is *Sharful Ansaab* in which he had traced and written the linage of some 96 Syed families, and it is considered one of the most authentic books of lineage of Syeds in Deccan. It was finished in 1315 Hijri 1897CE, but was published in 1332 Hijri circa 1914 CE by his son Hazrath Ghouse Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). It was published from Shamsul Islam Press, Hyderabad. Another work of Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaihi*) survived the flood. It is a manuscript, which was about the *Adaab of Baeth, Auraad and Wazaif* and *Shijra* of four famous *Tariquath orders*.

Masjids, Nabi Khanas, and Khanqahs at Gudur, Gadwal and Hyderabad

Hazrath Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Quadri Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) established three *Khanqahs* across the Deccan. His ancestral home in Kurnool known as *Baith-ul-Mutawakkileen* was built by his father Hazrath Syed Mohammed Meeran Hussaini Razvi Quadri (*RahmathUllah Alaih*), which served as residence and *Khanqah*. However, his father had also had a place in Gudur known as *Nabi Khana* 'The House of the Prophet (S)', Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) moved to Gudur to live there, away from Kurnool's bustling hectic life. There he constructed a Masjid and *Khanqah* also. The *Urs Aasaar* (The celebration of *Milad-un-Nabi* and displaying of the relics of Holy Majesty Prophet of Lord Almighty Allah Mohammed Mustafa *Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) used to be done here, as it was named *Nabi Khana*. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) after moving to Gudur carried out all spiritual activities in *Nabi Khana* and *Khanqah*. There he started *langar* also 'a kitchen and a dining space allocated in *Khanqah* for feeding all who visit the *Murshid*, irrespective of religion, caste or class'.

three daughters of marriageable age at home. Hazrath Shahe Sharfi *(RahmathUllah Alaih)* gave that elephant to him so that he could sell it and fulfil the responsibilities of marrying his daughters.

Ethics and Morals

The life of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) mirrors and manifests the life of Holy Majesty Prophet of Lord Almighty Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*). He followed Holy Majesty Prophet of Lord Almighty Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) in word and spirit. His traits were gentleness and kindness, patience and perseverance, self-effacement and humility, softness and kindness, forgiveness and magnanimity. Hiding people's weaknesses and flaws was his special quality. Consoling and pleasing the servants of Lord Almighty Allah was his main habit and activity. He used to speak less, but whenever spoke, his words carried weight, depth and wisdom.

The Appearance

Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) close companion Maulvi Khan Mohammed Khan *marhoom*, the manager, *Bazaaraath,* Sarkar-e-Asafia, described him in the words: 'Our Shaik Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was of medium height and delicate. The chest was broad and there was dense hair on head, which became little white in his old age. The beard was long and little spread. The complexion was wheat-like, and forehead was broad. The eyes were big and black, and always appeared keen. The eyebrows were thin and separated. The voice was low but heart-entering. The nose was straight and mouth was wide. There was great hospitality in the behavior and attitude was the sweetest.

The Progenies

Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had thirteen children: nine daughters and four sons. Of these, five daughters and three sons passed away during his lifetime. The sons were 1) Hazrath Syed Mohammed Azeemuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) (childless), buried in Kurnool; 2) Hazrath Syed Mohammed Ahmed Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) (childless) buried in the courtyard of *Nabi Khana,* Gudur; 3) Hazrath Syed Mohammed Meeran Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) (childless) buried in Kurnool; and 4) Hazrath Syed Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*)*,* who became the successor and *Sajjadah Nasheen* and from whom continued the progeny of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). He is resting at Sharfi Chaman. Amongst the nine daughters, four survived and they were married off to distinguished Syeds of Kurnool. Two of these daughters are resting next to their mother Hazrath Badi Dadi Peerani Maa Sahiba (*RahmathUllah Alaiha*) in Sharfi Chaman.

Bestowing of Khilafath

Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had given *Khilafath* 'bestowal of permission by *a Murshid* to a person to spiritually guide others in a *Tariqath* order' to all his sons, but as

but for the sake of the poor of the *Ummah* 'nation', the Master (Holy Majesty Prophet of Lord Almighty Allah Mohammed Mustafa *Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) endured pain and suffering all through his life. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) would always act according to Holy Majesty's (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*) command and custom. He would keep himself away from innovators in religion, and the ones who act against Islamic principles and orders. Every day he would listen to *Naath-e-Shareef* 'verses and poems in praise of Prophet of Lord Almighty Allah Mohammed Mustafa *Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*'. He would specially keep fast on every Monday, and 11th and 12th of every month and the entire month of Rabi-ul-Awwal. He would organize the *Urs Aasaar* in a very grand manner.

Tawakkul: Trust in Lord Almighty Allah

Tawakkul was the distinction of the family of Holy Majesty Prophet of Lord Almighty Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*), and Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) ancestor Hazrath Syed Shah Mohammed Taher Hussaini Razvi Baghdadi (*RahmathUllah Alaih*), was called '*Al Mutawakkil*'. It became part of his name. Patience and pleasure of Lord Almighty Allah, and acceptance of his own state, and contentment were the manifest virtues of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) and his family.

The Practice of Giving Everything Away in the Way of Lord Merciful Allah on Youm Ashura

Perhaps one practice which Hazrath Shah Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) maintained throughout his life was giving away all his belongings, household articles, money and everything on the Day of Martyrdom of Imam Hussain Ibne Maula Ali (*Alaihimassalaam*). He would ask all the members of his family to gather in one room leaving all their articles and precious things, where they were, and let the door of his house remained open till everything was gone. He would say: 'When our Master's (Imam Hussain *Alaihissalaam*) family were looted this day in Karbala, how could we keep anything with us.'

Generosity

Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) spent the entire life in a *Durweshana Isteghna* 'very contented, and not caring or needing anything' style. He would keep fast and not eat anything, but whatever he had, he would give it to the poor, wretched, and the needy. The *Nazr*, money or anything that people presented, he would distribute it among the poor. There used to be somebody or other always seeking some help from him and he would not disappoint them.

Once one elephant was being taken around for selling. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) asked one of his *mureeds* 'to turn the *Muslla* corner 'prayer mat' and whatever money is there take that and purchase the elephant'. Hence it was done, the elephant was bought. He sent the elephant to the mansion in Mustaidpura of his *mureed* Maulvi Asad Ullah Khan, the Shahi watch maker. It was taken care of there. After a few days, a man came to Hazrath Shahe Sharfi *(RahmathUllah Alaih)* and mentioned the difficulties he was facing, as he had

the time people come to take the *Baeth* and become Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) *mureed*. This would continue till Maghrib. Since Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) used to fast often, he would do *Iftar* 'break-fast' Then after the offering of Maghrib prayer the *Dastarqwaan* 'A cloth spread on floor on which the food is served' would be set in *Milad Khana*, he would have food with all the visitors together. If he was not fasting the *Dastarqwaan* would be set in the morning after *Chashth*. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) would eat very little quantity of food, mostly roti and some curry. But in the *Dastarqwaan* some item of sweet was always served. He would have little rice sometimes.

People would visit Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) for different reasons, some would seek blessings and prayers, some would come to seek *Baeth*, some for some worldly need and so on. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) would give audience to all. Usually, from Maghrib to Ishan also in *Milad Khana* Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) would meet people, give guidance to them and deliver sermons. His speeches always carried sublime and pithy points. Sometimes, he would make a subtle humor also. Mostly Ishan was offered late, after that Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) would go to his house and sleep early.

During his stay of 27 years in Hyderabad, this used to be his daily routine. He would offer Friday prayers in Makkah Masjid. He would keep his eyes on every person who was associated with him, whether it was a family member or *mureed*. He would never admonish anybody angrily or would use harsh tone.

The Attire

Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) would wear very simple clothes. He used to wear always a white spotless cotton kurta over which he would wear a waistcoat, and a white pajama. A shawl used to wrap around the pajama as *Tahmad* 'cloth worn around the waist'; but for *Urs* and Friday prayers he would wear a cloak over his clothes.

Taqwa: Fear and Conciousness of Lord Almighty Allah and Love of His Beloved Messenger (Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam)

From childhood Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) was filled and occupied with the Divine love. The pleasure of Lord Almighty Merciful Allah was always before him; sometimes he would shake with the fear of Lord; often cries unendingly out of fear and consciousness of the Lord. The thought of the grave and the end kept him restless; he remained occupied always under the Divine Awe and Exaltedness. In nights due to crying, his beard would soak in tears. He never remained all through his life for a moment unmindful of the Grace of Lord Merciful Allah.

The entire life of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) was filled with the love of Holy Majesty Prophet of Lord Almighty Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*). Whenever his name was mentioned, Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) would cry. He used to say the Universe was created for him alone,

Hijri circa 1893 CE. This place became her final resting abode. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) started regularly visiting and conducting *Fateha Qwaani* in Sharfi Chaman.

The Spritual Routines

During the stay in Gadwal and Hyderabad, Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) would visit Gudur every year for *Urs Aasar*. In the first week of Rabi-ul-Awwal he would visit Gudur, and after the *Urs*, would stay for a week or ten days in Kurnool and then would return to Hyderabad before 29th Rabi-ul-Awwal. Initially, Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) used to attend the *Urs* of his ancestors, but in the later years started commemorating *Urs* in Hyderabad itself.

Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was regular to the *Salatul Lail* or *Tahajjud* 'night prayers' from his childhood itself and this continued all through his life. He would wake up in the middle of the night and after performing *Tahajjud*, would recite Holy Quran and then occupy himself with *Zikr* 'recitation of the Name of Lord Almighty Allah' and *Muraqeba*, 'Islamic meditation'. He used to keep fast most of the days except for *Makrooh* 'unrecommended' days. After *Sehri* 'meal before Fajr prayer time', he would visit Masjid, and attached to the courtyard of Masjid there was a big hall, which was called *Milad Khana*; on its eastern side was his *Hujrae Khaas* 'special room'. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) used to sit during rainy and winter seasons from after Fajr prayer to late in the night. Without permission nobody could enter this *Hujra*. He would sit there from morning to Zuhr prayer and then from Asr to Maghrib. He had four people who always attended and served him, they were: Janab Hussain Khan Sahib, Janab Jamedaar Sahib, Janab Momin Ali Sahib, and Janab Mohammed Abdullah Sahib. They would maintain and take care of *Milad Khana* and *Hujrae Khaas*.

After Fajr prayer Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) would recite one *Parah* 'section/part' of the Holy Quran, and then involve himself with *Zikr* and *Muraqeba*. After the *Ishraq* prayers 'A prayer, the time of which commences after sunrise, usually 20 minutes after', Janab Hussain Khan Sahib would keep the pen box, books and papers in front of him. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) would read letters and reply to them, or would write some article, or read some work. After that *Milad Khana* used to be set and people start visiting him: the scholars, students, the seekers of truth, *mureeds*, poor and needy, those who desire to take *Baeth* 'pledge' and so on. First Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) would deliver some sermon and discourse, which include *Tafseer*, *Hadees*, some *Fiqh* issue, and some topic of *Tasawwuf*. Then he would meet each visitor individually and listen to their purpose of visit which could be from seeking guidance and blessings to seeking of supplications. He would listen to all and pray for all. After that whatever was available for eating was served to the visitors. After that he would go to his *Hujrae Khaas* and would do some *Qeelolah* 'siesta'. After waking up, he would recite a *Parah* of the Holy Quran and then offer Zuhr prayer in *Jamat* 'in congregation'. Then he would go to his house, attend to the needs of his household, and instruct them if anything was to be done. Afterward, he would visit the Masjid for Asr prayer, and after the prayer he would sit in *Milad Khana*. This was

Hyderabad insisted that Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) stayed in Hyderabad as they did not have any elders in the family, and the children needed some guardianship. Therefore, Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) stayed back for some time in Hyderabad. He visited Gudur for *Urs Aasar*, then went to Kurnool and from there went to Gadwal again and brought his family to Hyderabad. Naturally, his *mureeds* and the people in Gadwal became depressed and sorrowful on Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaihi*) decision to move to Hyderabad. Initially, he stayed in Nampally, but on the insistence of Maulvi Ghulam Hussain Sahib *marhoom*, the custodian of Masjid Buland Koka Tatti, arrived at a large house opposite to the Masjid. The *mureeds* in Hyderabad were reasonably very joyous upon learning that Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah* Alaih) had shifted to Hyderabad. In few days the reputation of Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) piety, *Tawakkul*, generosity and knowledge spread far and wide and the residence would have large number of visitors all around the day.

The Reconstruction of Masjid-e-Buland

One wealthy widow gave a *Nazr* 'gift' of one thousand *Ashrafi* to Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). He called Maulvi Ghulam Hussain Sahib *marhoom*, and gave the entire money to him and asked him to build the Masjid anew. Therefore, within few months in place of a dilapidated and weak structure, a Masjid on elevated platform was constructed, hence the name *Masjid-e-Buland*. (Tall or High Masjid). To maintain the Masjid, the income was raised by constructing few houses and rooms to be given on rent. The Masjid became also famous as the Masjid of Kurnool Wale Shah Sahib.

The Foundation of Sharfi Chaman Khanqah

Nawab Mir Asad Ali Khan *marhoom* was a *mureed* of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). He was a wealthy man of Kulsum Pura and had a place near Karwan in Hyderabad. He used to stay in his Jagir in Pannipurah. Once he invited Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) to his place. While returning Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) desired to offer Asr prayer at some open place. Nawab Sahib sent his servants and instructed them to arrange cloth sheets and prayer mats on a particular place nearby Pannipurah. This was the area of Sulaiman Jah, which used to hold a vegetable market later, on the back side of which in the west was this place. In between, there were some houses and huts of *kumhaars* 'the pottery makers'; all around, there were cactus thickets.

After completing the Asr prayer Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) said, 'I find a strange connection and inclination towards this place.' He said to Nawab Sahib to sell the land to him where he offered Asr prayer, with his willing pleasure. He wanted to present it without taking any money. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) said, 'This place I chose for my rest, I do not want to sleep eternally in other's property.' After sometime he bought a piece of land here. In 1301 Hijri circa 1884 CE, a daughter of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) passed away. She was buried in this place. This place started to be referred to as Sharfi Chaman. The spouse of Hazrath Shahe Sharfi *RahmathUllah Alaihi*, known as Syeda Badi Dadi Peerani Maa Sahiba (*RahmathUllah Alaiha*) passed away in 1310

The Maharaja of Samasthan Gadwal did all he could to fix a grant for Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), which he kept refusing. Finally, he agreed to 11 aana of grant daily which would come to 19 rupees a month; this grant started from 1284 *Hijri* circa 1867 CE. Later there was some increase in it. After the revolution of Hyderabad and the induction of Hyderabad in Indian Union, this daily grant was turned into political pension which Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) successors received till 1394 Hijri, circa 1974 CE, then it was stopped.

The Construction of Masjid Gulzaar and Khanqah

In Gadwal, a large number of people had become *mureeds* and followers of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). Near his residence, he bought a piece of land and constructed a Masjid and named it Masjid-e-Gulzaar. A boundry wall was constructed around the Masjid and a big well was also dug. Next to the Masjid, Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) constructed a *Khanqah*. This was the second *Khanqah* he constructed, the first one was in Gudur which he left after the incident of water providing to the man who was punished by the British. Along with the *Khanqah* he constructed five rooms as *Sarai* 'traveler's house'. After the construction of *Khanqah* all the *Mahafils* and *Majalis* were organized there. The *Khanqah* was always filled with servants and *mureeds*. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) used to meet people after *Chashth* prayer 'prayer offered after sunrise, mid-morning', he would address the seekers of knowledge, and bless the seekers of supplications and so on. This would continue till noon. Then, the *Majlis* used to be held from Asr to Maghrib prayers. Every Thursday and every Monday night *Khatme Quadria* and *Khatme Khajagaan* would be held, followed by *Halqae Zikr* 'Circle of Remembrance'. Then, food used to be served to all the attendees. Both Gulzaar Masjid and *Khanqah* are still there in Gadwal. Some *mureeds* of the successors of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) still have the custody of the Masjid. However, the *Khanqah* and *Sarai* are in ruins.

Arrival in Hyderabad

During the stay in Gadwal a large number of people from Hyderabad used to visit Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) to seek his blessings and prayers. Most of them had given *Baeth* to him. The number of *mureeds* in Hyderabad had increased. Additionally, his grandfather Hazrath Syed Mohammed Mohammed Hussaini Razvi Syeda Miyan Sahib's (*RahmathUllah Alaihi*) brother Hazrath Syed Mohammed Sharfuddin Ula Hussaini Razvi Bade Miyan Sahib (*RahmathUllah Alaihi*) had shifted to Hyderabad some 75 years ago. He had a large following there. His resting place was Hyderbagh, Ramnasthpura, Hyderabad. His family was also committed to *Tariqath* and *Sulook* and known for their piety. They used to reside in Gosha Mahal, Hyderabad. They had contacts with Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*), and they kept inviting him to Hyderabad. On the insistence of his *mureeds* and the family of Bade Miya Sahib (*RahmathUllah Alaih*), he would visit Hyderabad once a while. But would not stay long as the people of Gadwal would not imagine parting with him long. In 1290 Hijri, 1873 CE Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) visited Hyderabad upon learning the demise of Bade Miya Sahib's grandson, Hazrath Syed Abdullah Razvi Hussaini Badsha Sahib (*RahmathUllah Alaihi*). The family members in

little uneasy, and chose a place far from the populated area. He shifted with his family there in a plain house. Here also people did not leave him and there were always supplication-seeking visitors. However, Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) never refused audience to anybody.

The Devotion of the Maharaja of Gadwal

The Maharaja of Samasthan Gadwal was Ram Bhopal Reddy. He was the vassal of Hyderabad State. He used to have lots of devotion for saints and Sufis. After learning about Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), he requested him to come to his palace. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) refused saying, 'What interests do *Faqirs* 'ascetics' have with the rich and their palaces? We are the well-wishers of the servants of the Lord; supplication and prayer is our interest and job. We shall keep supplicating for the ruler and the ruled in the Court of Lord Almighty Allah.' Every Friday the Maharaja would send a large amount of money as *Nazr* which Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) accepted and distributed amongst all those needy who visited his house. The Maharaja had a daughter who was ill for a long time. The Maharaja had her treated in several ways but she was not cured of her illness. This kept him very sorrowful. After the arrival of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), he thought of seeking his blessings and request him to pray for his daughter's cure. Therefore, one day without informing anybody he took his daughter and straight away went to the house of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), and explained to him her condition. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) asked for some water and recited some verses of the Holy Quran on it and gave it to the Maharaja, and instructed him that she should drink it several times a day. The Maharaja would send for water every day and within few days the Rajkumari 'princess' started recovering; and by the Grace and Favour of Lord Almighty Allah within forty days she completely recovered from her illness.

The Gift of 100 Acres of Land and the Daily Grant

The recovery of the Rajkumari increased Maharaja's love immensely for Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). He wanted to give such a gift to Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) that he and his generations to come after, should benefit from it. Therefore, he ran a battle horse on a plain land in Gadwal, and when the horse disappeared from the sight, up to that point the Maharaja had the land measured which came to about 100 acres, and presented it as gift to Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). He gave a certificate document to Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*). Not to hurt Maharaja's heart he took that and addressed, 'On the back of Sharfuddin, there is a dried pumpkin, and he is swimming without any care, this wealth of the world and this property is like making a hole in the pumpkin, and if there were a hole in pumpkin, he would drown. Why interfere in my state of *Faqiri* and *Durweshi* 'asceticism and spiritual independence'?' By stating this he returned the documents to the Maharaja. None dared said anything to Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*).

During the stay in Gudur Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaihi*) mother got ill and she was brought to Kurnool for treatment, however, she passed away in 1277 Hijri and was buried next to her husband Hazrath Murshid Zaman Syed Mohammed Miraan Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) in Budhwarpet, Kurnool.

The Disagreement with the British Administrators

In 1255 Hijri, circa 1839 CE, the Nawab of Kurnool Janab Rasool Khan Sahib was removed, and British took over the town. It was managed under the Governor of Madras Presidency. The representative of the Governor of Madras was the Administrator of Kurnool. The British had established a cantonment in Kurnool as well. The people were very disturbed and discontented with the British administration; for small mistakes severe punishment were given. In 1280 Hijri circa 1863 CE an incident took place which made Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) quit Gudur and Kurnool. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) used to come to Kurnool from Gudur every Friday. Once Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was performing ablution for the Friday congregational prayers, he heard some commotion, upon enquiry he was told that a man for a small mistake was rendered a punishment of being taken around the town by being tied with fetters to the leg of an elephant; and it was instructed that he should not be given water to drink. The man being dragged by the elephant was severely bruised, and was shaking with great pain. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) took the water in the pitcher, went out and asked the elephant-keeper to stop the elephant, the aura and awe of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) was such, that he could not say no, and stopped the elephant. The government officers, elephant-keeper, and all were stunned witnessing the event. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) untied the man from the legs of the elephant and served him water from his own hands; and then went back to the Masjid. By the end of the Friday prayer the news reached police cantonment. The Administrator of Kurnool, learning about the popularity of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) and his influence and aura, thought it wise not to act in haste, but decided to take revenge in course of time in a severe and grievous manner. Then, people after the prayers informed Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) that in police cantonment discussion was going on as to how to take revenge from him. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) said: 'The Land of Lord Almighty Allah is not narrow for Sharfuddin; before any mischief of the English, this *Faqir* 'humble ascetic' would leave the English region.' Hence he left Kurnool then and there itself. The administrators of the town felt helpless to do anything.

The Arrival and Stay in Gadwal

Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) sent few of his *mureeds* to Gudur, so that they could bring his members of the family to Gadwal; and he himself reached Gadwal in the night. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) had a large following and *mureeds* in Gadwal. He stayed in the house of Sadr Ameen Kotwali. All the members of Ameen Sahib were the *mureeds* of Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*). The following day all the members of Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) family reached Gadwal. During his stay in Gadwal, he was crowded with seekers of his blessing and supplications. He felt

Hussaini Razvi *(RahmathUllah Alaih)* resided. Guests had begun arriving a week before the wedding and remained for almost a month after it. The entire town of Kurnool became the host, with people opening the doors of their homes to accommodate the visitors. The bride brought a substantial dowry, including at least two kilograms of gold jewellery. However, on the very night of the wedding, recognising the piety, generosity, and kindness of her husband, she requested her mother-in-law to distribute all her gold and jewellery to the poor people who had come to attend the marriage. Her large-heartedness reflected the generosity of her husband. This gesture came as no surprise to her mother-in-law; rather, it filled her with happiness that this Syeda had adorned the honour of their family by dedicating everything to Lord Almighty Allah. With her permission, the bride donated whatever she had brought from her home in the way of the Lord. Tradition states that when Hazrath Shahe Sharfi entered his room on the night of the wedding, he found his bride engaged in prayers. His first question to her was about the Holy Quran. He asked if she was a Hafiz of the Quran. She replied in the negative but added, "Insha Allah, I will learn it by heart very soon." True to her word, she memorised the entire Holy Quran within six months. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) was *Najeeb-ut-Tarfain* 'from both sides' Syed. That is, from his father's side and from his mother's side he was Syed. In addition to this, his own piety, knowledge, life of complete dependence on the Lord, independence from seeking any patronage from the rich and wealthy, needlessness, contentment and being a *Mustejab-ud-Dua* 'the one whose supplications are answered', made him very popular not only in Kurnool but in the entire regions of Royal Seema, Andhra, Telangana and the neighboring states. His house *Bait-ul-Mutawakkileen* had visitors irrespective of religion, cast and creed. He would meet all and guide them towards righteousness and Truth. His kitchen was always occupied with some preparation or other. Since the *Bait-ul-Mutawakkileen* was not big enough to accommodate large number of visitors who would come from different towns and villages, they were either asked to stay at Masjid *Jeebee* (GB) or Lal Masjid in Kurnool. The servants of Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) used to take care of them.

The Stay in Gudur

Bait-ul-Mutawakkileen was very comfortable; it was located in Teen Dukan Kucha Masoom Peer Peta Kurnool. However, it was not big enough to accommodate visitors who kept visiting ceaselessly because of Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaihi*) popularity as the 'one whose prayers are answered'. People would encircle him wherever he went. Because of this he decided to stay outside the town settlements. He had a *Nabi Khana* constructed in Gudur. In which was kept the *Mue Mubarak* 'the blessed hair or beard hair of Holy Majesty Beloved of Lord Almighty Creator, the Last of the Prophets, Messenger Mohammed Mustafa *Sallallahu Alaihi Wa Aalehi Wa Sallam*'. He had also constructed a house for living and meeting people. Here he was able to commit himself to Lord Almighty Allah and spent most of his time in prayers. He was able to meet the people as well in an ample way. He had from his ancestors, pieces of land in Unchaal, Pyalkurti, and surrounding villages, wherein agriculture and farming used to be done. He would visit these places every week as well. The agricultural produce was used for the *langar khana* 'a dining place' to feed poor and the needy people.

Prophet Mohammed Mustafa (Sallallahu Alaihi Wa Aalehi). In the presence of Syeds, Mashaikh, Islamic scholars, and his mureeds, he first took baith (the pledge) from him in the spiritual orders of Qadriya, Chishtiya, Naqshbandiya, and Suharwardiya. He then bestowed the khilafath (the initiation and designation of a person as fit to be a spiritual guide), and conferred upon him the Khirkha-e-Khilafath and Amama-e-Tariqath (the robe of khilafath and the turban of the spiritual order), along with the hereditary staff of the family, the tasbih (prayer beads) of the elders, and the sacred relics. On this blessed occasion, Hazrat Syed Mohammed Miraan Hussaini Razvi *(Rahmatullah Alaih)* appointed his son, Hazrat Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Shah e Sharfi *(Rahmatullah Alaih),* as his *Sajjadah Nasheen* (spiritual successor). He seated him upon the sajjadah (prayer mat) of their ancestors, and by declaring him his heir, he further honoured him by placing him on the throne of the *Nabi Khana*. Then Hazrath Syed Mohammed Miraan Hussaini Razvi (RahmathUllah Alaih) supplicated in the Court of Lord Merciful Allah, with the intercession of Holy Majesty Messenger Mohammed Mustafa (Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam), for the acceptance of Syed Sharfuddin in His way. Thereafter, according to the tradition of Ahle Tariqath 'the followers of Islamic spiritual order', all the guests were served food. (Khandane-Shahe Sharfi, Monograph by Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Sharfi)
Hazrath Syed Mohammed Miraan Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) passed away and met his Creator Lord Almighty Allah in Zulhajja 1272 Hijri corresponding to August 1856 CE. He had a large following in and around Kurnool. The funeral prayers were offered in Masjid *Jeebee* (GB), at the mausoleum of his ancestor Hazrath Syed Shah Tahir Hussaini Razvi Al-Mutawakkil Bughdadi (*RahmathUllah Alaihi*) and then he was buried near his father Hazrath Syed Mohammed Mohammed Hussaini Razvi Syedan Miya Sahib's (*RahmathUllah Alaih*) place of rest in Masjid Ek Khana, Budhwarpet, Kurnool.

Though Hazrath Syed Mohammed Miraan Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) had already appointed his son his successor and heir but as was the tradition the ritual of *Sajjadanashini* of Hazrath Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Quadri (*RahmathUllah Alaih*) was confirmed in the *Fateha Seyyum*. In his house known as *Bait-ul-Mutawakkileen*, a big feast had been arranged for all the people. After that whatever *Nazr* (the money or presents that *mureeds* give as gifts) Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) received, he distributed that among all his *mureeds,* poor and the needy.

The Wedding

Hazrath Syed Mohammed Miraan Hussaini Razvi *(RahmathUllah Alaih)* had arranged an alliance for his son within one of the Syed families of Kurnool, but before the marriage could be solemnized *the father* passed away. Hazrath Shahe Sharfi's mother continued to urge him to marry, but as he was deeply occupied with prayers and the responsibilities of the Khanqha, the matter kept getting postponed. However, one year after the passing of his father, he finally consented to the marriage. Hazrath Syed Shah Shamsuddin Hussaini Jafari's (RahmathUllah Alaih) eldest daughter came into Hazrath Shahe Sharfi's nikah, and the wedding ceremony was attended by the people of Kurnool, the neighbouring towns, and all the places where the family members and mureeds of Hazrath Syed Mohammed Miraan

(Rahmatullah Alaih), and his grandson, Hazrat Syed Shah Mohammed Miraan Hussaini Razvi *(Rahmatullah Alaih)*, are both resting in Budhwarpet, Kurnool. In this Razvi Syed lineage, six generations lived in and around Kurnool.

It was Hazrat Syed Shah Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Quadri (Rahmatullah Alaih), popularly known as Hazrat Shahe Sharfi (Rahmatullah Alaih), the son of Hazrat Syed Shah Mohammed Miraan Hussaini Razvi (Rahmatullah Alaih), who migrated to Hyderabad and established the khanqah known as Sharfi Chaman. This paper attempts to shed light on the spiritual practices and contributions of Hazrat Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Shah e Sharfi (Rahmatullah Alaih) and his progeny.

1) Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*)

Hazrath Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Quadri Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) was the 34th direct descendant of Imam Aali Maqaam Imam Hussain (*Alaihissalaam*) and 29th descendant of Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*). He was born in Kurnool on 9th *Rabi-ul-Aakhir* in 1249 *Hijri* corresponding to Monday 8th August 1833. His father Hazrath Syed Mohammed Miraan Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) was known for his knowledge, piety and spiritual status. He was a celebrated *Murshid* 'the sprtitual guide'. The people of Kurnool sought his guidance and direction in their Islamic and worldly affairs. His *Khanqah* and house-*Baitul Mutawakkileen*, was in Teen Dukan Kucha Masoom Peer Peta, Kurnool. He had a large number of *Mureeds* 'spiritual seekers'. Hazrath Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) mother was the daughter of Hazrath Syed Bade Miya Sahib Bukhari (*RahmathUllah Alaihi*) who was in the progeny of Hazrath Maqdoom Jahanian Jahan Gashth (*RahmathUllah Alaih*). Hazrath Syed Mohammed Miraan Hussaini Razvi *RahmathUllah Alaih* had thirteen sons from the daughter of Hazrath Bade Sahib Bukhari (*Rahmath Ullah Alaih*), out of which twelve sons passed away at a very young age. Only Hazrath Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) survived. Naturally this made him the centre of his parents' attention. Hazrath Syed Mohammed Miraan Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) did not leave any stone unturned in teaching and training his son in all Islamic Sciences. First Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) memorized the entire Holy Quran, then he acquired *Tafseer* 'exegesis', *Hadees* 'The sayings, statements and traditions of Holy Majesty Prophet of Lord Almighty Allah Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*)' *Fiqh* 'Islamic Jurisprudence', and *Sulook* 'Islamic spiritual path'. Hazrath Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*) went through all those trails which a *Salik* 'the one who walks the spiritual path' was required to undertake. His father had taught him the style of completion of such trails.

Baeth wo Khilafath

When Hazrat Syed Mohammed Miraan Hussaini Razvi (Rahmatullah Alaih) found his son perfect in both the Zaheri and Bateeni (exoteric and esoteric) sciences, he formally honoured him on 12th Rabi-ul-Awwal 1269 Hijri, during the blessed occasion of Milad-un-Nabi (Sallallahu Alaihi Wa Aalehi). The ceremony took place at his ancestral home *Nabi Khana* (lit translation: the Prophet's house), at the time of displaying the sacred relic of the Holy

Hazrath Imam Syed Mohammed Ahmed Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) f/o Hazrath Imam Syed Mohammed UbaidUllah Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) f/o Hazrath Syed Mohammed Musa Musna Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) f/o Hazrath Syed Mohammed Jafar Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) f/o Hazrath Syed Mohammed Abul Hasan Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) f/o Hazrath Syed Mohammed Abdullah Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) f/o Hazrath Syed Mohammed Abul Qasim Hussaini Razvi (*RahmathUllah* Alaih) f/o Hazrath Syed Mohammed Jafar Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) f/o Hazrath Syed Mohammed Ismaeel Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) f/o Hazrath Syed Mohammed Ibraheem Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) f/o Hazrath Syed Mohammed Murtuza Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) f/o Hazrath Syed Mohammed Sufi Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*). (*Sharful Ansaab*; *Shijrae Aalia Hameedia*).

Hazrath Syed Mohammed Hussain Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) son of Hazrath Syed Mohammed Sufi Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) was the one who left Qom and settled in Baghdad; and it was he who first embraced *Quadria Tariqath* order and through him the *Quadria* order entered this House of Hussaini Razvi Syeds. His son Hazrat Syed Mohammed Abdul Haleem, also known as Abdur Raheem Hussaini Razvi (Rahmatullah Alaih), migrated to Yemen. His son Hazrat Syed Mohammed Abdul Wahhab Hussaini Razvi (Rahmatullah Alaih) later returned to Baghdad. In his lineage, Hazrat Syed Mohammed Jafar Hussaini Razvi *(RahmatUllah Alaih)*, father of Hazrat Syed Mohammed Hashim Hussaini Razvi *(Rahmatullah Alaih)*, father of Hazrat Syed Mohammed Abdullah Haji Al Harmain Hussaini Razvi (Rahmatullah Alaih), father of Hazrat Syed Mohammed Haji Haider Hussaini Razvi *(Rahmatullah Alaih)*, all continued to reside in Baghdad. The son of Hazrath Syed Mohammed Haji Haider Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*), Hazrath Syed Shah Mohammed Taher Hussaini Razvi Al-Mutawakkil Baghdadi (*RahmathUllah Alaih*) immigrated to India and established his *Khanqah* at Qamar Nagar (Kurnool). He guided people towards truth, piety and the consciousness of Lord Merciful Allah. He had a large spiritual following in Kurnool. When he passed away, his son Hazrath Syed Mohammed Abul Hussain Ahmed also known as Badruddin Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*) went to a nearby town called Banganapalle and made it his resting place. He was known in Banganapalle as Syed Sahib. He had two sons: the eldest one was Hazrath Syed Mohammed Shah Hussain Sani Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*), and the second one was Hazrath Syed Mohammed Shah Taher Sani Hussaini Razvi (*RahmathUllah Alaih*). Both of them returned to Kurnool after their father's wisal (demise). Hazrat Syed Mohammed Shah Hussain Sani Hussaini Razvi *(Rahmatullah Alaih)* was laid to rest at Maa Sahiba Masjid on the bank of the Tungabhadra tributary in Kurnool, while Hazrat Syed Mohammed Shah Taher Sani Hussaini Razvi *(Rahmatullah Alaih)* was laid to rest beside his grandfather Hazrat Syed Shah Mohammed Taher Hussaini Razvi Al Mutawakkil Baghdadi *(Rahmatullah Alaih)*. The son of Hazrat Syed Mohammed Shah Hussain Sani Hussaini Razvi *(Rahmatullah Alaih)*, Hazrat Syed Mohammed Qutubuddin Hussaini Razvi *(Rahmatullah Alaih)*, is also resting at the foot of his father in the Maa Sahiba Masjid settlement. His son, Hazrat Syed Mohammed Mohammed Hussaini Razvi, popularly known as Syedan Miya Sahib

Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*). Maulae Kainaath Imam Ali (*Alaihissalaam*) was the first *Momin* to have received *Wilayath* 'the state and status of being *Wali*' in this final *Ummah;* and after him all those in his line, that is Imam Hasan (*Alaihissalaam*), Imam Hussain (*Alaihissalaam*), and Imam Hussain's (*Alaihissalaam*) son and descendants: Imam Ali Zainul Abedeen (*Alaihissalaam*), Imam Mohammed Baquir (*Alaihissalaam*), Imam Jafar Sadiq (*Alaihissalaam*), Imam Musa Kazim (*Alaihissalaam*), Imam Ali Ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*), Imam Mohammed Taqi (*Alaihissalaam*), Imam Ali Naqi (*Alaihissalaam*), Imam Hasan Askari (*Alaihissalaam*), and the awaited one Imam Mohammed Mahdi (*Alaihissalaam*). Additionally, most of the siblings of these Imams and their progeny also had the honour of being *Aulia Allah*. In Imam Hasan's (*Alaihissalaam*) progeny, the famous *Wali* that set the *Quadria* order was Hazrath Syedina Shaikh Abdul Qadir Jeelani Ghouse Azam (*RahmathUllah Alaih*).

Some of the followers of these Imams and their contemporaries have also been considered *Aulia Allah*. The most manifest example of a *Wali* is the *darbaan* 'gate-keeper' of Imam Ali Ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*), that is, *Hazrath* Maroof Karkhi (*RahmathUllah Alaih*). The Sufi and *Tariquath* order *Quadria* of Hazrath Syedina Shaik Abdul Qadir Jeelani (*RahmathUllah Alaihi*) traces its origin in him before it connects to Imam Ali Ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*)--the eighth Imam of *Ahle Baith* (*Alaihimussalaam*).

The Progeny of Hazrath Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) in Deccan

Amongst the progeny of Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) some had graced India to invite people to the folds of Islam and Truth. One particular line from Hazrath *Imamzadeh* Musa Al-Mubarqa (*Razi Allahu Anhu*)--the grandson of Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) and the son of Imam Mohammed Taqi (*Alaihissalaam*)--came to Deccan, India. He was Hazrath Syed Shah Mohammed Tahir Hussaini Razvi Al Mutawakkil Baghdadi *RahmathUllah Alaih.* He came to Kurnool (known as Qamar Nagar then) via Calicut, Kerala in the early decades of 11th century *Hijri*, and established a *Khanqah* (Islamic monastery or spiritual hospice). His mausoleum is located in Masjid *Jeebee* (GB) in Chowk, Kurnool. He followed the *Imamia* and the Sufi Order *Quadria* and grounded his teachings according to the *Quadria* principles. He became so popular that he was referred to as *Naib-e Rasool* 'The Deputy of the Messenger of Allah (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi*).'

Hazrath Imam Musa Al-Mubarqa (*Razi Allahu Anhu*) had made Qom, Iran his resting place. His descendants remained in Qom for several centuries. His son Hazrath Shahzadah Syed Mohammed Ahmed Hussaini Razvi (*Razi Allahu Anhu*) is buried next to him in the grand mausoleum in Qom. A number of his sons and grandsons are buried in the same complex in a section called *Chahal Akhtaraan*. The progeny of Hazrath Musa Al Mubarqa (*Razi Allahu Anhu*) are known as *Razvi* (or Rizvi) Syeds. Among his descent there were twelve generations that stayed in either Qom or the sacred Mashhad. The descent line of Hazrath Imam Musa Al Mubarqa (*Razi Allahu Anhu)* which culminates in Hazrath Syed Tahir Hussaini Razvi Al Mutawakkil Baghdadi (*RahmathUllah Alaih*) is as follows: Hazrath Imam Syed Mohammed Musa Al Mubarqa Hussaini Razvi (*Razi Allahu Anhu*) father of (f/o)

The True and Real Guardian and Helper is Lord Almighty Allah alone. His special servants are His representatives, they are also literally guardian and helper as Lord Almighty Allah says:
But rather, your Guardian is Allah, and His Rasool, and those who are faithful, those who are establishing the Salath and are giving the Zakath while they are performing Ruku (*Al Maidah:55*).
Though the occasion of the revelation of the verse 55 of *Al Maidah* specifically points towards the acts of worship and generosity of the Commander of the faithful Maulae Kainaath Hazrath Ali (*KaramUllahu Wajhahu, Alaihissalaam*), yet the *momineen* here refers to all the *Aimma-e-Ahlebaith* (*Alaihimussalaam*), that is, the progeny of Maulae Kainaath Hazrath Syedina Ali Ibne Abi Talib (*KaramUllahu Wajhahu*) and according to some scholars all *Aulia*.
The love of Lord Almighty Allah, His beloved Messenger Holy Majesty Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi*) and befriending the faithful righteous servants of Lord Almighty Allah, are the conventions of the blessed. Love of the righteous servants of the Lord is the love of the Lord Himself.

The other aspect of the meaning of *Wali* is associated with the special servants. Their grace and grandeur and the receiving of blessing and bestowals from Lord Almighty Allah are mentioned in the Holy Quran: *Indeed! The friends of Allah, shall have no fear on them, nor shall they grieve. Those who are faithful and are conscious of Him. For them is the glad tiding in the life of the world and in the Hereafter. There is no replacement for the Words of Allah. That is the mighty achievement.* (*Yunus*: *62-64*)

Here, the power and contentment of *Aulia* have been mentioned. The weak and frail suffer from fear and anxiety; Lord Almighty Allah has made His beloved servants so powerful and mighty, that they do not fear anybody save Him. They are given power over all elements. And in this way they are freed from 'sorrow' or 'grief' as well. The one who suffers losses feel sorrowful and sad. The *Aulia* do not have the apprehension to lose anything or receive any harm in present or future because of the Grace from Lord Almighty Allah; therefore, there is no question of their becoming sorrowful ever. They are blessed with the contentment of the heart.

The condition to have the love of Lord Almighty Allah and to receive His proximity is *Eemaan* and *Yaqeen* 'Faith and Conviction' and the righteousness and piety. Those who possess these, Holy Quran gives glad tidings to them in *Surah Yunus* verse 64 as mentioned above.
These pious and conscious servants of Allah, whom we call *Aulia Allah* have been part of the nations of all Prophets and Messengers from Hazrath Adam (*Alaihissalaam*) to the Seal of Prophethood Holy Majesty Messenger of Lord Merciful Allah, Mohammed Mustafa (*Sallallahu Alaihi wa Aalehi wa Sallam*). Since there cannot be any guidance down to the Day of Judgement except the guidance of Islam, so, *Aulia Allah* in the strict sense of the term exist only in the *Ummah* of Holy Majesty Prophet of Lord Almighty Allah Mohammed

The Spiritual Practices and Contribution of the Razvi Syeds of Sharfi Chaman, Hyderabad

Prof. Syed Mohammed Haseebuddin Quadri
Professor, Department of English
MANUU

Abstract
This paper presents the contribution of the Razvi Syeds of Sharfi Chaman, Hyderabad in the dissemination of 'Islamic Spiritual' practices through *Khanqahi* system. *Hazrath* Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Quadri known as Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) a descendant of Syedina Imam Ali ibn Musa Raza (*Alaihisalaam*), came to Hyderabad and established a *Khanqah* in 1290 *Hijri*. His progeny in Hyderabad expanded his spiritual mission by guiding people on spiritual path. Hazrath Shahe Sharfi's (*RahmathUllah Alaih*) had large number of righteous descendants, but in this paper only the spiritual and literary contribution of four *Murshids* 'spiritual masters' of four generations and their spiritual contribution have been described and discussed, namely, 1) Hazrath Syed Mohammed Sharfuddin Hussaini Razvi Quadri known as Shahe Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), his son 2) Hazrath Syed Mohammed Ghouse Mohiuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*), his grandson and successor 3) Hazrath Taj-ul-Urfa Syed Mohammed Saifuddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaih*) and his great grandson 4) Shahzadah Ali ibn Musa Raza (*Alaihissalaam*) Hazrath Dr. Syed Mohammed Hameeduddin Hussaini Razvi Quadri Sharfi (*RahmathUllah Alaihi*). The paper has used many Islamic and Sufi terms which are explained in quotation marks next to the terms. Additionally, at the end of the paper a glossary is given. All such terms, according to English convention, are given in Italics.

Wali and Aulia Allah
The word *Wali* is used in a very wide sense in the Holy Quran. In Arabic *Wali* means: the one who loves, friend, helper, companion, obedient, manager, heir, the obedient to Allah, and guardian. Its plural is *Aulia*. Lord Almighty Allah has mentioned *Aulia* in two different ways: on one hand, He called Himself as Guardian, Friend and Helper, and on the other He bestowed the honour of calling *Aulia* those who love Him, who are obedient to Him, who are His friends, who are the managers of natural system on earth and who are the inheritors of earth. These two aspects of the statements of the Lord help us understand and guide us realize the rank and grandeur of *Aulia*.
Allah is the Guardian of the faithful (*Al Baqara*: 257).
It is a glad tiding to all faithful that their Guardian, Protector, and the Real Helper is the Creator of the Universe--Lord Almighty Allah, as He is the One Who *extracts them from the darkness into the Light* (*Al Baqara*: 257).
Surely, my Guardian is Allah Who revealed the Book, and He takes care of the righteous (*Al Aaraaf*: 196).

people of all walks of life. Till the police-action of 1948, the legacy of this *Khanqah* was more or less carried forward; later on, the care-takers were failed to discharge properly, the spiritual duties of this *Khanqah* for academic and social contributions.

References

1. Kilokri – It was historical place, as imperical-township and Sufi-hamlet, it was known by various names such as Kilokhadi/Kilugharhi/Kailukhri etc, it was establishment and built by Muizzuddin Kaiqabad around 1286 A.D.
2. Qutub-e-Dakan: Tazkir-e-Qutub-e-Dakan Hazrat Shaikh Makhdoom Alauddin Ansari al-maroof ladle Masha'ikh by Mohammd Kaleemuddin Ansari & Mohammed Tayyab Ansari, p.23
3. a) Eternal Garden-Mysticism, History and Politics at a South Asian Centre by Carl W. Ernst, p.134, 196, 320
b) Ahsan-ul-Aqwal pp.33,42,146
c) Ghara'ib-ul-Karamat pp.65-70
He was called as Malik Mubarak due to his court service, later become popular as Peer Mubarak as he emerged as a famous Sufi.
4. The Early Persian of India (A.H.421-670) by Iqbal Husain, pp.14-161
5. Qutub-e-Dakan p.24
6. Nuzhat-ul-Khwatir, Vol. II p.77 (Urdu Translation, p.554-555); Akhbhar-ul-Akhyar, p.144; Muslim Education and Learning Under the Delhi Sultans (1206-1398) by Aneesa Iqbal Sabir (Ph.D Thesis, Muslim Aligarh University, 2008) p.87,278; Fuqaha-i-Hind Vol. I, pp.243-43
7. Muslim Education and Learning Under the Delhi Sultans (1206-1398) by Aneesa Iqbal Sabir (PhD Thesis, Muslim Aligarh University, 2008) p.28
8. Qutub-e-Dakan p.25
9. Ibid p.25,31
10. Sair-i-Muhammadi p.10-11
11. Relations of the Sufis with Rulers of Deccan (14th-17th Century) by Fatima Maryam (Ph.D Thesis, Aligarh Muslim University, 2012) p.137
12. Qutub-e-Dakan p.71-83
13. Monthly Magazine 'Manadi' Vol. 71, Issue 12, p.1

5. Literary Works

Most of the *Chishti Sufis* of 13th and 14th centuries, unlike their spiritual predecessors, started writing books especially on *Qur'anic* commentaries, Prophetic traditions, jurispendence, *Sufism* etc. Ladle Masha'ikh Ansari was a great Scholar and a prolific writer but unfortunately, none of his works have survived and his work are extinct now.

Rasheeduddin Ansari, grandfather of authors of "*Qutub-i-Dakan*" in his hand-written note, had mentioned the mere titles of 12 books of Ladle Mashaikh Ansari which were penned in Persian language, those are as below:

1. *Hashiya-i-Awarif-ul-Marif (commentary on Shaikh Shahabuddin Soharwardi's Awarif-ul-Marif)*
2. *Tafseer-e-Qur'an Pak (25 Paren)*
3. *Sharah-i-Aadab-ul-Murideen*
4. *Falsafa-i-Ishq*
5. *Risala-i-Istaqamat*
6. *Sirat-un-Nabi*
7. *Sharah-i-Qasidah*
8. *Risala-i-Zikr-ul-Allah Hu*
9. *Risala-i-Aadab wa Sulook*
10. *Sharah-i-Arabi o Parsi Nahu*
11. *Risala-i-Sama*
12. *Khilafat-Namah Hazrat Khambar Ansari wa Hazrat Sohrab Ansari o Sadat Biradaran o Shaikh Umar Khambayati o Digar Khulfa*

Rasheeduddin Ansari had stated that due to some dispute and jealousy of some people of the Dargah, they set ablaze the Dargah library where above mentioned books written by the *Sufi* and other important books were kept; those all were burnt down. Kareemuddin Ansari, grandfather of Rasheeduddin Ansari was present in the library, who was burnt alive. The remaining books were looted and destroyed along with the destruction of the dome and damage to minarets of the *Dargah* in the riots of 1948.[12]

Prof. Nisar Ahmad Faruqi Faridi had remarked that the book of discourses of grandson of Khwaja Banda Nawaz, Abdul Faiz Minallah, penned by his son Kaleemullah, titled "*Shawamil-ul-Jumal Dar Shamayil-ul-Kumal*" whose only one copy was available, which was with the *Khanqah* of Aland.[13] It indicates the richness of *Khanqah* of Ladle Masha'ikh Ansari and collection of its library.

6. Conclusion

The *Khanqah* of Ladle Masha'ikh Ansari at Aland in *Deccan*, has played a monumental and dynamic role in preaching and propagating true essence of *Islam* and *Sufism*, more visibly the key principles of the *Chishti* order, contributing to academic and social needs of the

Hazrat Khwaja Banda Nawaz as his spiritual trainer in lieu of the master; he learnt and underwent spiritual training by Khwaja Banda Nawaz.[10]

3. Migration to the Deccan

It is reported that spiritual master of Ladle Masha'ikh Ansari, Nasiruddin Chiragh-i-Dehlvi had instructed him to migrate to *Deccan*; after the demise of his master (demise 757 A.H.), he migrated to Deccan in 761 A.H./1360 A.D. via Ajmer, Chhatra, Chanderi, Baroda (presently Vadodara), Khambayat, Malwa, Daulatabad, Qandar, Osa, Osmanbad, Solpaur, Gulbarga (presently Kalaburagi) and finally settled down at Aland. Having settled down at Aland, he got constructed a *Khanqah* and a *masjid* under his supervision.

4. Khanqah of Ladle Masha'ikh Ansari as a Centre of Learning and Spirituality

The *Khanqah* of Ladle Masha'ikh Ansari was established, arranged and managed on the line and system of *Khanqahs* of Nizamuddin Auliya and Nasiruddin Chiragh-i-Dehlvi. In the *Khanqah* of Ladle Mashaikh Ansari, there was elaborated arrangement of learning and teaching of all disciples, provided for forum for discussion and debate for them, lodging and boarding for all disciples and visitors, the community kitchen (*langar*) was there to serve the all visitors. After *Namaz-e-Fajr*, he used to give opportunity to the king, princes, courtiers, military and civil officers to meet him and seek guidance; this continued even after the performing *Namaz-e-Ishraq* and till noon commences. After it, he used to attend various kinds of patients and supplicate for them for cure. Later, he used to meet *Ulama* (Scholars), *Sufis Darveshes*, seekers of spirituality and eventually *Nazmaz-e-Zohr* in congregation was performed. Then after, he used to take a very short duration of nap (*Qailoola*); post napping, he used to attend the necessities and problems of people, try to help them and solve their problems. Post *Namaz-e-Asr*, he used to conduct discussion and debate with his disciples, special focus was given to learning and teaching. He usually used to spend his time after *Isha* till *Fajr* in *Zikr-o-Azkar* (Remembrance of Allah), recitation holy *Qur'an* etc. He used to avoid meeting the king, princes, courtiers and officials on Thursdays and Fridays; on these days, initiation (*Baith*) was conducted, and the chosen people were bestowed upon with *Khilafat* (spiritual successorship). *Khanqahs* of Sufis in Deccan including his *Khanqah*, attracted people from all and different spectra of the human society – villagers and townsfolk, men and women, scholars and illiterates, rich and poor, Muslims and non-Muslims, courtiers and commoners. Ladle Masha'ikh Ansari was an erudite scholar and well-versed in a range of religious and secular subject; as a linguist, with an extensive knowledge of Arabic, Persian, Hindawi, *Deccani* languages, he could convene with all sorts of people. These *Chishti Khanqahs* had two aspects; on related to providing its inmates an atmosphere for concentration on their spiritual life; and the other to interaction with inmates through sharing of responsibilities and with common people interacting with scholars, soldiers, *yogis*, peasants and all sort of people.[11]

in Delhi he had studied under a number of noted teachers such as Maulana Moinuddin Imrani, Syed Sharfuddin Kaithali, Qazi Abdul Muqatadir Thanseri Shuraihi Kindi, Syed Abdul Muqtadir Shirazi alias Maulana Qadr and others. The brief account of his teachers is given below:

1. Shaikh Bajan:- Shaikh Bajan was a renowned teacher, who established an Islamic seminary (*Madrasa*) in Daulatabad. This madrasa was very famous and a leading school of *Qur'anic* science. When family of Ladle Masha'ikh migrated to Daulatabad, following the shifting of capital, he was admitted at this *Madrasa*, where he learnt *Qur'anic* science and completed memorization of *Qur'an* at the age of 8 years and also he learnt *Deccani* language there. It is reported that Hazrat Khwaja Banda Nawaz was also studying there.[5]

2. Maulana Moinuddin Imrani:- Maulana Moinuddin Imrani was a profound scholar of the 13th century and was deeply respected in the Academic circles of Delhi. Shaikh Abdul Haqq calls him an outstanding scholar and teacher of Delhi city. He penned commentaries on *Kanz, Husami, Miftah-Ul-Llum, Al-Mamar* etc. Muhammad bin Tughlaq sent him to Shiraz to invite Qazi Azd to India and request him to dedicate his *Matan Muwafiq* to him but when Qazi Azd met Maulana Moinuddin Imrani, he refused to come saying." What is the need for me when there are already such great intellectuals in India". Shiakh Alauddin Alandi (i.e..Ladle Mashaikh Ansari) studied all the prevalent subjects of the course from Shaikh Moinuddin Imrani but turned towards Nasiruddin Chiragh-i-Dehlvi for the study of mystical science.[6]

3. Qazi Abdul Muqtadir:- Qazi Abdul Muqtadir Thanseri Shuraihi Kindi was a *Khalifa* of Nasiruddin Chiragh-i-Dehlvi, a great teacher and author of Delhi during that time. His compilations were popular for elegance of style and eloquence. He taught '*Shamasiya*' and had attained knowledge of both internal (*ulum-i-batini*) and attained (*ulum-i-zahiri*) sciences. He was a distinguished scholar and poet of *Arabic*. He wrote the '*Qasidat-al-Lamiyyah*' composed in imitation of *Lamiyyat-ul-Ajam* which was admired in the literary circles. Ladle Masha'ikh had studied under him.[7]

4. Syed Sharfuddin Kaithali: Syed Sharfuddin Kaithali was a great scholar and teacher of his time of Delhi city, most of the learned young persons of Delhi were his pupils. Hazrat ladle Masha'ikh had studied under him, even Khwaja Banda-Nawaz was also his pupil.[8]

5. Qazi Syed Abdul Muqtadir Shirazi alias Malana Qadr:- Qazi Syed Abdul Muqtadir Shirazi alias Maulana Qadr was a noted scholar and teacher. He had 6 brothers, all of them were great scholars, most of them had migrated from Delhi to Deccan and are buried there. Ladle Masha'ikh had studied under him, learnt a range of subject from him. He was buried at Taj-Sultanpur Village, nearby Gulbarga (Kalaburagi).[9]

After completion of all external sciences (*ulum-i-zahiri*); he became initiated as a spiritual disciple (*Murid*) of Nasiruddin Chiragh-i-Dehlvi and later spiritual successorship (*Khilafat*) was bestowed upon him by later. At the instruction of his master, he chose

2. Biographical Sketch of Hazrat Ladle Masha'ikh Ansari

Shaikh Alauddin Ansari was born on 30th Rabbi-us-Sani 722 A.H. (1322 A.D.) at Kilokri [1], a satellite suburb in Delhi city during the period of Sultan Ghiyasuddin Tughlaq. After the death of Ghiyasuddin Tughalq, his eldest son Muhammad bin Tughlaq became the Sultan of Delhi, deciding to shift his capital from Delhi to Daulatabad in present day Maharashtra. In 1327 A.D., he ordered people of Delhi especially *Sufi* families and scholars to migrate to Daulatabad. Ladle Masha'ikh's family also migrated probably between 727-729 A.H. (1327-1329 A.D.)[2]. Having resided for a few years there, his family shifted back to Delhi in around 1335 A.D., when the capital in Daulatabad was cancelled by the sultan.

Hazrat Ladle Masha'ikh's father Hazrat *Peer* Mubarak Fakhruddin Ansari alias Kare-e-Rawan was a famous *Sufi, Darvesh*, scholar and courtier, who was employed in the royal service of Muhammad bin Tughlaq as a revenue officer and noble, later promoted as '*Mustawfi-i-Mamlik* (Auditor-General). He was a *Murid* and *Khalifa* of Nizamuddin Auliya's *Khalifa* Burhanuddin Gharib. He was one among the four principal *Khalifas* of Burhanuddin Gharib. Carl W. Ernst describes, "his career demonstrates that the line between court life and *Sufism* could be very hard to define. He and Ruknuddin Kashani both attended upon Burhanuddin Gharib before they become initiated, and after visiting most of the *Sufis* of Delhi he decided that only Burhanudin Gharib could be his master. He then became initiated as a *Sufi*, but he remained in service at court at the order Burhanudin Gharib, though he wanted to quit his position and become a dervish. Carl W. Erst further remarks as Burhanudin Gharib said of him, "he is both a man of affairs (*Kasib*) and a *dervish*".[3] It could be said simply that he was a *Darbari* (courtier) and a *Darvesh (Sufi)* at the same time. The name of mother of Ladle Masha'ikh is Syeda Bibi Rani Khusro alias Bibi Rani Khurd, who was a daughter of *Sufi* and Scholar Syed Kabeerullah Hussaini. Ladle Masha'ikh Ansari was the eldest among their four sons; other three sons were Hazrat Munawwar Ansari, Hazrat Nizamudin Ansari and Hazrat Anwar Ansari respectively.

Hazrat Ladle Masha'ikh's grandfather Hazrat Tajuddin Ansari popularly known as Taj Reza, was a royal-secretary (*Dabir-ul-Mulk*) and court-poet, employed in the court of Sultan Shamsuddin Iltutmish and his successor sultan Ruknuddin Feroz. He was the first Persian-poet of Indian-origin, who was born and brought up in India.[4]

Hazrat Ladle Masha'ikh's great grandfather Hazrat Shamsuddin Ansari popularly known as 'Shams-ul-Mulk' or 'Maulana Shamsuddin', was a great scholar and teacher of Delhi of his era. Nizamuddin Auliya in his teenage years, studied under him. He was bestowed upon with the tittle *'Shams-ul-Muluk'* and appointed as *'Mustawfi-i-Mamlik'* by Sultan Ghiyasuddin Balban.

2.1 Academic Life and Teachers of Ladle Mashaikh Ansari

Ladle Masha'ikh had studied at home under his father and maternal grandfather when he was a child. He was admitted at *Madrasa* (Seminary) of Shaikh Bajan in Daulatabad, and

Academic Life of Ladle Masha'ikh Ansari, His Khanqah as a Learning Centre and its Legacy

Jafar Khasim Ansari
Assistant Director, District Industries Centre
Dept. of Industries & Commerce, Kalaburagi.

Abstract:- Ladle Masha'ikh Ansari was a noted *Sufi* of *Silsila-e-Chistiya* of 14th century who was born and brought in Delhi, migrated to Deccan twice-first time during his childhood and second time, during last phase of his life. He has studied under a number of renowned teachers and scholars of his time; he had studied Qur'anic sciences, Islamic jurispendence of *Hanafi* school of thought, Prophetic traditions, Arabic language and grammar, theology, logic, philosophy, Sufism etc. He had been taught by the scholars of higher caliber. He was a very learned personality, most of the old books in which his descriptions were mentioned, called him by the name 'Maulana Alauddin Ansari/Alandi'; the title '*Maulana*' prefixed to his name which indicates that he was the most learned personality and a scholar of higher rank.

1.Introduction

Sufis of *Silsila-e-Chishtiya* were academically great scholars, learned personalities and motivators of their times especially in 13th and 14th century in Indian sub-continent. *Khanqahs* of these *Sufis* of *Chishti* order were not only centers of esoteric sciences, mystical and spiritual learning and training, but also centers of learning and studying exoteric sciences. Ladle Masha'ikh Ansari had given importance to both *Ulum-e-Zahiri* (exoteric sciences) and *Ulum-e-Batini* (esoteric sciences); he himself had acquired the both sciences equally and he had ensured that his *Murids* and *Khalifas* had also acquired exoteric as well as esoteric sciences. aThe *'Khanqah'*, a Persian term denotes that it is a place often associated with *Sufism* (*Tasawwuf*), which serves as a gathering place for *Sufi* brotherhoods, a spiritual retreat and a place of character reformation. A *Khanqah* is purely an Islamic institution, principally reserved for *Sufis/Darveshes* to meet, reside, study, assemble and pray together as a cohesive group in the presence of a *Sufi* matser; who serves as a teacher, educators, trainer and leader of the group.

Hazrat Shaikh Alauddin Ansari who popularly known as 'Ladle Masha'ikh' was a spiritual disciple (*Murid*) and spiritual successor (*Khalifa*) of Naseeruddin Chiragh-i-Dehlvi (demise 757 A.H./1356 A.D.), who believed to be migrated to Deccan at the instruction of his master in 761A.H./1360A.D., after the demise of later and settled down permanently at Aland and established his *Khanqah* there and propagated teaching of Islam and *Chishti* order for about 22 years. His *Khanqah* at Aland was functioning on the line of *Khanqahs* of Nizamuddin Auliya and Nasiruddin Chiragh-i-Dehlvi. Presently, Aland is a taluka (block) head-quarters in Gulbarga (Kalaburagi) district in of Karnataka state.

Across the figures studied—Shaikh Mustafa Junaydi, Sayed Shah Abul Hassan Qadri, Sayed Abul Hassan Sani, Shah Miranji Shams-ul-Ushshaq, Shah Burhanuddin Janam, Khwajah Aminuddin Ali A'ala, Shah Hashimpir and his circle, Shaikh Mahmud Khush Dahan and Sayed Zain Abdullah al-Muqbil—we see a consistent effort to preserve lineages, systematise doctrine and communicate mystical insights through both scholarly prose and accessible vernacular forms. Genealogical scrolls, maktūbāt, malfuzat such as *Maqsud al-Murad* and *Ganj-e-Asrar*, and Dakhni poetic works like *Irshad Nama*, *Sukh Anjan* and *Ma'arifat al-Suluk* reveal the khanqah as an atelier of texts, where "heart-knowledge" was carefully converted into "book-knowledge" without losing its inner depth.

Taken together, these lives and writings demonstrate that Bijapur's khanqahs played a formative role in shaping the religious, intellectual and literary culture of the Deccan. They trained thousands of disciples, stabilised ethical and devotional norms, enriched Dakhni and Persian mystical literature, and preserved memories of earlier Sufi traditions now lost in their original form. Further research on their manuscripts, marginalia and oral legacies promises to deepen our understanding of how Deccani Sufism, through these *literati penmen Sufis*, bridged the worlds of scholarship, spirituality and everyday communal life.

‘*Raiyat Al-Haque*’, ‘*Kashf-ul-Haqaiq*’, ‘*Ma’arifat Al-Suluk*’ and ‘*Miftah Al-Noor*’. His book ‘*Ma’arifat Al-Suluk*’ is very popular, in this work he has been described as the summary work of all Chishti teachings of Bijapur and a book upon which scores of later treaties were based. Shaikh Mahmud presented the system in tabular form of spiritual exercise ‘*zikr*’ accompanied each stage, as did also a certain abode ‘*manzil*’ within which the traveller existed, and a certain degree ‘*martaba*’ of Allah’s manifestation upon which his concentration was fixed. The Chishti path according to Shaikh Mahmud is as follows:

Ra’ah	***Zikr***	***Manzil***	***Martaba***
Shariat	*Zikr-e-Jali*	*Nasut*	*Nafs*
Tariqat	*Zikr-e-Qalbi*	*Malakut*	*Dil*
Haqiqat	*Zikr-e-Ruhi*	*Jabarut*	*Ruh*
Ma’arifat	*Zikr-e-Sirri*	*Lahut*	*Noor*
Tauhid	*Zikr-e-Khafi*	*Maqam-e-Qurb*	*Za’at*

Shaikh Mahmud Khush Dahan was died in the year 1026 A.H./1616-17 A.D. he was buried on a raised platform near the mosque of Shah Miranji Shams-ul-Ushshaq’s tomb at Shahpur hillock. He had only one son Shaikh Mustafa, who was also a poet of the time.

3.12 Sayed Zain Abdullah Al-Muqbil

Sayed Zain Abdullah Al-Muqbil was a Hadhrami Sufi native of Hadhramouth, Yemen. He migrated to Bijapur during the rule of Adil Shahis. He was one of the prominent sufis of Bijapur and an eminent scholar, he have a big collection of nine hundred books in his personal library, among the nine hundred books he own authored three hundred books on various subjects of Sufism and Islamic studies[55]. Sayed Zain died on 25th *rabbi al-awwal* 1131 A.H./1718 A.D. he was buried on a raised platform near the tomb of Shah Hamza Hussaini at Bijapur[56].

4. Conclusion

The survey of Bijapur’s *literati penmen Sufis* shows that the khanqah in the Deccan was not merely a place of retreat and devotion, but a disciplined intellectual institution where spiritual practice, teaching, and writing were deeply intertwined. From the early Junaydi presence of Shaikh Aynuddin Ganj al-Ilm—author of over a hundred works across tafsir, ḥadīth, fiqh, kalām, grammar and history—to the later Chishti and Qadri masters, Bijapur emerged as a key node in wider Sufi networks linking Delhi, Gujarat, Bidar, Burhanpur, Mecca and Hadhramaut. Patronage from figures such as Mahmud Gawan and the Adil Shahi rulers further underlines the recognition of the khanqahs as parallel centres of learning alongside madrasas.

[55] Malkapuri, Abdul Jabbar, *Tazkira Auliya-e-Deccan*, Students Book House, Hyderabad, p.797

[56] Zubairi, Ibrahim, *Rauzat-ul-Auliya-i-Bijapur*, MSS, Persian, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad, p.177

hands of his uncle Shah Ataullah Hussaini[49]. Shah Aminuddin was raised and taught on Shahpur hillock. Little is known of his activities during the first half of the 17th century, though it is certain that he had no contact with courts of reigning Sultans of Bijapur. One biographical account states only that early in his life he submerged himself in reclusive meditation for twelve years[50]. Another record says he spent his childhood brooding in his father's shrine until finally, one moonlit night, he emerged from his reflections to declare to some devotees that union with Allah was possible only through '*be-khudi*' insensible rapture[51].

The concept of Shah Aminuddin about the mosque, in some of his teachings, he says that "some great people say that prayers to Allah consist of constructing a mosque and praying in it. They would pray day and night to Allah in the house of Allah. But the first mosque is the whole creation; the body is the *mehrab*, and the heart is the spiritual light which, when filled and illuminated, prepares a man to offer prayers"[52]. Khwajah Aminuddin was also a eminent scholar and writer similar to his father and grandfather, he wrote many books and *risalas* on mysticism and theology, which are available in the various libraries of Deccan. He died on 24th *jamadi al-awwal* 1086 A.H./1675 A.D. his body was kept inside the *chaukhandi* (four-walls) situated near water reservoir. Later, on 24th *ramzan* after four months his body brought to the hillock and buried inside the dome[53]. Inside the dome, there are four graves one of Khwajah Aminuddin himself, his wife Khunja Rani Ma'a Sahiba, his son Baba Shah Hussaini and his wife Chand Ma'a Sahiba.

3.11 Shaikh Mahmud Khush Dahan

Khwajah Mahmud Khush Dahan was the son of Shaikh Dawood Quraishi. He was born at Bidar, he was a '*hamshira zadah*' (sister's son) nephew of Shah Abul Hassan Qadri and grandson (daughter's son) of Sayed Badruddin Badr-e-Alam Habibullah Qadri of Bidar. He studied early education under his (*na'ana*) grandfather, and became his disciple. He received khilafat from his maternal uncle Shah Abul Hassan Qadri. Shaikh Mahmud was brought up with deep roots in the Qadri *silsila*. He left Bidar for Bijapur, probably following Shah Abul Hassan, but soon thereafter abandoned the spiritual direction of his Qadri *Pir*.

Shaikh Mahmud attracted Chishti Sufism as taught at Shahpur hillock, he fell under the spiritual influence of Shah Burhanuddin Janam and was enrolled in the Chishti order as one of Shah Burhanuddin's most trusted followers[54]. A man of extraordinary learning and liberal outlook, Shaikh Mahmud in fact became his *Pir's* chief heir as profounder of Chishti doctrine at Shahpur hillock. Shaikh Mahmud was a proficient writer, he authored many books and pamphlets, his famous works are; '*Isharat Al-Ma'ani*', '*Khulasat Al-Irshad*',

---

[49] Shahid, Hussaini, *Sayed Shah Ameenuddin Ali A'ala Hayat Aur Karname*, Anjuman Taraqqi Urdu, Hyderabad, Andhra Pradesh, 1973, p.121

[50] Bidari, Qadir Khan, (MS) (Persian), *Tazkirat-ul-Qadriya*, Asafiya Library, Hyderabad, p.68

[51] Zubairi, Ibrahim, *Rauzat-ul-Auliya-i-Bijapur*, MSS, Persian, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad, p.173

[52] Aminuddin, Khwajah, (MS), *Risala-e-Tasawwuf*, Salar Jung Museum Library, p.212

[53] Saqqaf, Abdul Rehman, (MS), *Hadiqa-e-Rehmani*, (Photo copy), private collection, p.458

[54] Zubairi, Ibrahim, *Rauzat-ul-Auliya-i-Bijapur*, MSS, Persian, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad, p.177

the age of his father's death. He learned mystical knowledge under the guidance of his father. He was an illustrious son of illustrious father. He travelled three years into the various places of Deccan, to learn mysticism. When he returned to Bijapur Shah Miranji deputed to his son Shah Burhanuddin as his *janasheen* and *khalifa*.

Shah Burhanuddin Janam was an eminent scholar and proficient writer. His works in literature particularly in Sufi literature are as important as are the works of his father. He had also to his credit a number of booklets and pamphlets in prose. '*Irshad Nama*' is his famous work in poetry. Catechism is the style of his work and the subject matter is religious philosophy of the Chishti silsila. Two of his books '*Hujjat-ul-Baqa*' and '*Kalimat-ul-Haqaiq*' are popular. Their style is also the same and the matter is also sufistic teachings. The other works of Shah Burhanuddin are '*Wasiyat-ul-Hadi*', '*Sukh Sohela*', '*Muftah-ul-Iman*', '*Nuqta-e-Wahid*', '*Nasim-ul-Kalam*', '*Bashrat-ul-Zikr*, and '*Panj Ganj*'[43].

Shah Burhanuddin has written a number of disticies which are found in many of his books. This shows that he was profilic writer. His language is more refined and progressive. One of his disciples Shah Dawal as written a booklet called '*Kashf-ul-Wajud*'. The two prose works of Shah Burhanuddin are '*Irshad Nama*' and '*Kalimat-ul-Haqaiq*', both highly technical expositions of Chishti Sufism, the first of these, the '*Irshad Nama*' was composed in 1582-83 A.D. in a highly Sanskritized form of Dakhni. Sometime later Shah Burhanuddin wrote another work, the '*Kalimat-ul-Haqaiq*', which recapitulated the earlier work in content but differed vastly in language, as it lapsed frequently into Persian[44].

Shah Burhanuddin Janam was died in the year 1007 A.H./1598 A.D. '*azizan chishtiya janam*' was his death chronogram in *abjadi* system[45]. He was buried beside the sarcophagus of his father inside the dome at Shahpur hillock.

3.10 Sayed Shah Khwajah Aminuddin Ali A'ala

Khwajah Aminuddin Ali A'ala was the only son of Shah Burhanuddin Janam. He was born on 23rd *ramzan*, 1007 A.H./1598 A.D. after the death of his father. One day Shah Burhanuddin called his few *khulfa* Sayed Mahmud Khush Dahan, Sayed Ali Ganj Gohar, Asique Sayed Dawal etc. And he asked to Sayed Ali Ganj Gohar that "I am giving 'Amin' in your custody, when the baby boy will be born gave him, whatever you received from me"[46].

Due to his father's death before his birth Shah Aminuddin couldn't received the spiritual knowledge from his father. He studied the knowledge of esoteric and exoteric under the guidance of the deputies of his father. He learned the spiritual knowledge under Sayed Ali Ganj Gohar[47].

According to hagiographical record his spiritual mentor was Khwajah Shaikh Mahmud Khush Dahan. But he had worn the familiar '*khirqa-e-khilafat*' cloak[48] from the

---

43 Chishti, Abdul Aziz Rajput, *Sufis of Deccan And Their Shrines*, Deccan Studies and Historical Research Bijapur, Bijapur, 2021, p.197

44 Eaton, Richard Maxwell, *Sufis of Bijapur*, Munshiram Manoharlal Publishers Pvt. Ltd, Delhi, 1996, p.142

45 *Op.cit. Sufis of Deccan and Their Shrines*, p.197

46 *Ibid*, p.118

47 Shahid, Hussaini, *Sayed Shah Ameenuddin Ali A'ala Hayat Aur Karname*, Anjuman Taraqqi Urdu, Hyderabad, Andhra Pradesh, 1973, p.120

48 *Khirqa*, 'cloak' usually patched garment representing renunciation of worldly value, the patched frock worn by Sufis, often passed from a spiritual master to a *khalifa* to symbolize latter's legitimate succession

Shah Kamaluddin Biyabani was one of the deputies (*khalifa*) of Sayed Jamaluddin Magharabi[37]. After migrating to Bijapur towards the end of the fifteenth century, Shah Miranji met Shah Kamaluddin Biyabani on the hillock outside Bijapur, who had just arrived from Medina about the same time, instructed him in the secrets of the Chishti *silsila*, and passed to him the Chishti *khilafat*[38]. Then '*Shajarat-ul-Atqiya*' records, Shah Kamaluddin Biyabani wandered into the forests and disappeared while Shah Miranji remained to illuminate Shahpur hillock or Munawwarpur, city of light[39]. In this way the Chishti successor ship was passed from Gulbarga to Bijapur just before the emergence of that city as the Adil Shahi capital. Shah Miranji married Rabiya Ma'a Sahiba, who belonged to the Chaghatai clan. He had two sons Shah Burhanuddin Janam and Shah Ataullah Hussaini. But the '*Wasiyat Nama*' of Baba Shah Hussaini and in other documents there is a mention of three sons, they were Burhanuddin Saheb, Ataullah Hussaini Saheb and Farid Saheb[40].

Shah Miranji was a prominent member of the chain of deputies of Sayed Muhammad Hussaini Gesudiraz and was himself the founder of the chain of Chishti Sufis in Bijapur and the whole Deccan. The Chishti School is a separate and one of the prominent schools od Sufism and several from the progeny and disciples of Shah Miranji have been renowned exponents and practioners of this school. He had made himself available to all on all occasion and under all circumstances. Shah Miranji had written many books and pamphlets (*risalas*). The following are very well known; '*Khush Nama*', '*Khush Naghz*', '*Shahdat-ul-Haqeeqat*', '*Sharah Marghub Al-Qulub*', '*Maghz-e-Marghub*' and '*Chahar Shahadat*', '*Gulbas*' and '*Jal Tarang*' are also said to have been written by him.

Shah Miranji wrote a *masnawi* entitled '*Khush Nama*' which is based on a life of a girl called Khush or Khushnudi or Khushbi, she was a innocent and pious girl, always kept herself busy in meditation, and also in serving to her mentor. She died at the early age of seventeen years at Shahpur hillock. She was buried inside the tomb of her mentor[41].

Above mentioned Khushbi Ma'a Sahiba was the sister of Rabiya Ma'a Sahiba, wife of Shah Miranji[42]. Shah Miranji died on 25th Shawwal Wednesday 981 A.H./1572 A.D.. he was buried under the dome at Shahpur hillock, his tomb called as '*Rauza-e-Khurd*'. There are four graves inside the dome, were of Shah Miranji himself, his wife Rabiya Ma'a Sahiba, her sister Khushbi Ma'a Sahiba and his son Shah Burhanuddin Janam.

3.9 Sayed Shah Burhanuddin Janam

Shah Burhanuddin was the elder son and successor of Shah Miranji Shams-ul-Ushshaq. He was born in the year 961 A.H./1553 A.D. at Bijapur. He was twenty years old at

---

[37] Sayed Jamaluddin Biyabani was an *khalifa* of Sayed Muhammad Hussaini Bandanawaz.

[38] Zubairi, Ibrahim, *Rauzat-ul-Auliya-i-Bijapur*, MSS, Persian, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad, p.171

[39] Bijapuri, Shah Muazzam, *Shajarat-ul-Atqiya*, (MS), Salar Jung Museum, Hyderabad, p.22

[40] Hussaini Shahid referred a manuscript, which gives the names of Sha Miranji's sons. Manuscript he found at Dargah Library, See '*Sayed Shah Ameenuddin Ali A'ala Hayat Aur Karname*', Anjuman Taraqqi Urdu, Hyderabad, Andhra Pradesh, 1973, p.100

[41] Hussaini Shahid says, he found a paper entitled "*Yadasht-e-Kubur*" at Dargah Library, which gives the details of graves, in which who were buried and where in the tomb complex.

[42] Shahid, Hussaini, *Sayed Shah Ameenuddin Ali A'ala Hayat Aur Karname*, Anjuman Taraqqi Urdu, Hyderabad, Andhra Pradesh, 1973, p.82

labour)"[32]. It also appears from *Ganj-e-Asrar* that Shah Nayeemullah practiced poetry. He has composed several verses in the praise of Hashimpir.

This *malfuz* of Hashimpir is not arranged in a chronological order. The contents are also not categorised properly[33]. This however, is not the weakness of *Ganj-e-Asrar* only, many other *malfuzat* of Sufi Masters are arranged in the same way, None the less, *Ganj-e-Asrar* remains a distinct source of primary information for the reason that its compiler, Shah Nayeemullah, spent his entire life in the company of Hashimpir, Shah Burhanuddin Hussaini-I and Shah Murtuza Hussaini-II. The following few topics of *Ganj-e-Asrar* were mentioned here; The beginning of mystic path, Debts were condoned, Pilgrimage to Mecca and Medina, Public kitchen of Shah Burhanuddin, Description of *Noor*, Narration pertaining to Ima'ad Hussaini and his son Nasrullah Hussiani, Events relating to Hashimpir's birth, etc.

In addition to the above mentioned few topics, as in case of *Maqsud Al-Murad* there are several *nukat* in *Ganj-e-Asrar* too. Some of these are common to both the *malfuzat* and some of them are found in one *malfuz* only. Combined together there are hundred *nukat*. *Kahamasi* are not found in *Ganj-e-Asrar*. Following is few *nukat* and contents thereof; On charity, On essence, On the Unity of Allah, On *ba'it*, In praise of Sayeduna Abdul Qadir Gilani, On being addressed by the Holy Prophet, In praise of Khwajah Bandanawaz, Prayer for rains, In praise of Ibrahim bin Adham, On Divine Love, On soul, In praise of Almighty Allah, etc.

3.8 Shah Miranji Shams-ul-Ushshaq

According to '*Khud Nawist wa Nasl-Nama*' autobiography and genealogy, is a short Persian manuscript purporting to be written in Shah Miranji's own hand[34]. In this manuscript it is stated that Shah Miranji was born in his ancestral house at Mecca. Their ancestral house was situated beside the house of Abubakr bin Kahafa in the street of Quraish at Mecca. His original name was Amiruddin alias Miranji. He was the son of Sayed Haji Sharif Dawamuddin Hussaini Makki and his mother, who was belonged to the Chaghatai clan.

According to the narrative poetry '*Shajarat-ul-Atqiya*' of Shah Muazzam Bijapuri, Shah Miranji as a young man travelled from Mecca to Medina and remained there for twelve years studying and meditating at the Holy Prophet's shrine. While there, he is said to have had a dream in which the Holy Prophet Muhammad (PBUH) appeared before him and instructed him to go to India, where near Bijapur he would find a 'Munawwarpur' or 'Shahpur' city of light and there meet a certain Shah Kamaluddin Biyabani[35]. Further it also recorded that in this dream Shah Miranji asked to the Prophet that he did not know any of languages of India, to which the Prophet replied that this was no problem and that he would learn them in due course[36].

---

[32] *Ganj-e-Asrar*, (MS), p.2

[33] This is also applicable to *Maqsud Al-Murad*. The compilers of *malfuzat* were not trained historians. They were not very much particular about the cross-checking of dates, places, etc. Because their objective was greatly different from historians.

[34] Shams-ul-Ushshaq, Shah Miranji, *Khud Nawist wa Nasl-Nama*, (MS) (Persian), Idara Adbiyat-e-Urdu, Hyderabad, p.2

[35] Bijapuri, Shah Muazzam, *Shajarat-ul-Atqiya*, (MS), Salar Jung Museum, Hyderabad, p.19

[36] Chishti, Abdul Aziz Rajput, *Sufis of Deccan And Their Shrines*, Deccan Studies and Historical Research Bijapur, Bijapur, 2021, p.195

to thirty. In *Maqsud Al-Murad*, there are forty-nine *nukat*. In addition to the *nukat*, there are *jigari* and *khamasi*, short poems of five verses. For example, one *khamasi* is quoted here;

Ai sahib-e-qwudi
Dar qaid ha namudi
Ba qaid dil budi
Be qaid kun z budi
Alvi Hashmi shahudi

In fact, Hashimpir is recalling here one of the famous sayings of Ba-yazid Bistami; "I stood with the pious and I didn't find any progress with them. I stood with the warriors in the cause and I didn't find a single step of progress with them. Then I stood, 'O Allah, what is the way to You?' and Allah Said, 'Leave yourself and come". Some of the *nukat* noted here, which found in the *Maqsud Al-Murad* is as follows; On Being Addressed by the Prophet, On world, On preserving stale food, On charity, On the essence, On detachment, Subterfuge, hypocrisy, On loss, On spiritual engagement, On the obedience of the Prophet, On seeking union, etc.

3.7 Shah Nayeemullah Hussaini

The compiler of Ganj-e-Asrar: (The Treasure of Secrets[30]) was Shah Nayeemullah Hussaini bin Shah Muhammad alias Khadim Muhammad bin Sayed Nasrullah bin Sayed Ismail. He was one of the well known deputies of Hashimpir and also a member of the close group. It appears to us that two factors played an important role in inducing Shah Nayeemullah to compile the *malfuz*. First, right from his childhood, Nayeemullah has inclination towards *faqiri* (life of a dervish). He preferred the life of a dervish. Secondly, he had the benefit of enjoying a long company of Hashimpir and his two immediate successors. At the end of his *malfuz*, Shah Nayeemullah has appended a brief biography of Shah Burhanuddin Hussaini[31].

In the beginning itself, Shah Nayeemullah makes it clear that the *malfuz* is compiled for the benefit of the seekers of Divine Truth. He writes; "It is for the benefit of the seekers of the Divine Truth that I have tried to compile a few *irshadat* (sayings), *nukat* (subtle points), *mukashifat* (revelations), *m'aniyat* (sublime realities) which Hashimpir uttered (sometime) in prose and (sometime) in poetry in the context of Unity of Allah and His Veiled Secrets. After the Holy Quran and the traditions of the Holy Prophet, the sayings of (*Auliya*) the 'friends of Allah', are most dependable and trustworthy. This is for the reason that their sayings originate from *am'al* (action) and *ha'l* (ecstasy) not from *hifz* (memorisation) and *qa'l* (loquaciousness); there are *a'yan* (clear) and not *paicheeda* (complicated), these are in *isharat* (signs, insinuations) and not in *basharat* (visionary), these are from *ulum* (knowledge) and not from *rusum* (customs); these are from *shahud* (witness, evidences) and not from *wajud* (discovering); these are from *asrar* (secrets) and not from *takrar* (disagreement); these are from *ilm-i-laduni* (inspired knowledge) and not from *ilm-e-kasbi* (acquired knowledge); these are from *jazb* (obsession) and not from *mahnat* (casual

[30] *Ganj-e-Asrar* Compiled in the year 1651-52. The present author has a digital photo copy of manuscript.
[31] *Ganj-e-Asrar*, (MS), p.189

very often seen Shah Murad in the company of Shah Abdur Razzaq Qadri[23]. Hashimpir asked Shah Murad to note; "whatever benefit he is getting from Hashimpir, in fact, it is from Shah Abdur Razzaq Qadri[24]. Hashimpir expired in 1056 A.H./1646 A.D., five years after the demise of Shah Abdur Razzaq Qadri. In this way, we can say that under the guidance of Hashimpir, Shah Murad spent five years of his life, from 1051 A.H./1641 A.D. to 1056 A.H./1646 A.D. Shah Murad made use of this opportunity, in compiling the sayings and pronouncements of Hashimpir. He entitled the compilation as "*Maqsud Al-Murad*" (object of the purpose)[25]. He writes that the followers of Hashimpir pressed him to take up this task for the reason that he always used to be in the company of Hashimpir[26].

While compiling '*Maqsud Al-Murad*' Shah Murad adopted a scientific methodology. He used to attend regularly the discourse assemblies (*mazlis*) conducted by Hashimpir and used to carefully note down the sayings and pronunciations of Hashimpir. Once the draft was ready, he used to refer it back to Hashimpir, who, after a reading, used to make necessary corrections, where required. Only then a final draft was prepared. Much earlier to Shah Murad, Sayed Muhammad Akbar Hussaini, eldest son of Sayed Muhammad Hussaini Gesudiraz Bandanawaz, has adopted the same style while compiling the *malfuzat* of his father entitled '*Jawami Al-Kalim*'[27]. Shah Murad is careful enough to remark that "of his own, he never added or ever deleted any word from what was told by Hashimpir"[28]. Thus, it can be argued here that there is no margin of error between what is heard and what is compiled. This methodology of Shah Murad lends much desired authenticity to the compilation popularly known as '*Maqsud Al-Murad*'.

The topics in *Maqsud Al-Murad* are vast and varied, a few important are as follows; World, Self-purification, *Abdur Dinar wa Abdur Dirham*, Initial training of Hashimpir, *jagir* of Burhanuddin Hussaini, slave of self, self the worst enemy, Hashimpir's early mystic path, etc. The following names appear in this *malfuz*, to whom Hashimpir referred in his discourses. Shah Ali Jiv, Shaikh Alim Allah, Shah Nizam[29], Nawab Khan-e-Khana, Maaz bin Jabal, Imam-e-Azam Abu Hanifa, Imam Shafi, Ba-yazid Bistami, Shah Burhanuddin, Shah Wajihuddin, Shah Abdullah Hussaini, Fariduddin Attar, Muhammad Ghouse Gawaliari, Soban Souri, Ibrahim bin Adham Balki, Shah Yadullah Hussaini, Sayed Ahmed Kabir Al-Rifai, Shaikh Abdul Qadir Gilani, Bu-Ali Shah Qalandar, Sayed Muhammad Hussaini Gesudiraz, Shaikh Nasiruddin Chiragh Delli, Abdullah Ansari, Qazan Chishti, etc.

Maqsud Al-Murad also contains *nukat* (subtle talks) which Hashimpir pronounced in Gujarati, Persian and *Hindwi* languages either at the beginning, middle or at the end of a particular topic. These are in poetic form, the number of verses ranging from just one verse

---

[23] Malkapuri, Abdul Jabbar, *Tazkira Auliya-e-Deccan*, Students Book House, Hyderabd, Reprint, 2001, p.738

[24] Murad, Shah, *Maqsud Al-Murad*, (MS), p.115, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad

[25] Moulvi Abdul Haq has referred to this particular *malfuz* of Hashimpir in his treatise on '*Urdu ki Ibtedayi Nash wa Numa Mein Sufiya-e-Kiram ka Kam'*, Anjuman Taraqqi-e-Urdu Hind, Aligarh, p.32-37. He has quoted several verses from this *malfuz*

[26] Murad, Shah, *Maqsud Al-Murad*, (MS), p.2, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad

[27] Hussaini, Sayed Muhammad Akbar, *Jawami Al-Kalim*, (Urdu Translation), Adbi Duniya, Delhi, 2000

[28] Murad, Shah, *Maqsud Al-Murad*, (MS), p.3, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad

[29] He was a contemporary of Hashimpir whose shrine is very close to present day Office of Superintendent of Police, Bijapur, called as "Shaikh Nizamuddin Narnoli".

began his mystic journey at the age of sixteen under a strict personal supervision of his father Shah Burhanuddin. Later on he became highly ascetic. Hashimpir migrated Burhanpur along with his father, Shah Burhanuddin, who spent remaining years of his life in Burhanpur only. The mystic journey continued for nine years, two years at Ahmedabad and seven years at Burhanpur[18].

Sensing that the end was near, Burhanuddin Hussaini asked Hashimpir to go to Ahmedabad once again and to report to Shah Abdullah Hussainibin Shah Wajihuddin Hussaini for advanced mystical training[19]. Burhanuddin Hussaini died on 7th *zi-qada* 1009 A.H. / 1600 A.D. at Burhanpur[20], Hashimpir was at that time, twenty five years old. After performing necessary rituals, Hashimpir left for Ahmedabad. Following the last will of his father, Hashimpir joined the *khanqah* of Shah Wajihuddin once again in the year 1009 A.H. / 1601 A.D. He submitted himself before Sayed Abdullah Hussaini who was managing both the *madarasa* as well as the *khanqah*[21]. Expressing shock and grief over the death of his uncle Burhanuddin Hussaini, Abdullah Hussaini offered his profound commiseration to Hashimpir. At the same time, he welcomed Hashimpir to his *khanqah*.

Hashimpir arrived at Bijapur in the second decade of 17th century, although it is difficult to determine the exact date of his arrival. Ibrahim Zubairi writes in his book entitled "*Rauzat-ul-Auliya-e-Bijapur*" the both Sultans Ibrahim Adil Shah-II and his son Muhammad Adil Shah had a great deal of belief in Hashimpir's spiritual powers. He also writes that whenever Sultan Muhammad faced any difficult situation, he used to immediately approach Hashimpir to seek suitable counsel. Hashimpir, after a brief illness of three-four days, he expired on Friday 9th *Ramzan-ul-Mubarak* 1056 A.H. / 1646 A.D. at the age of 72. He favoured a '*marg-e-iradi*'. This is an exceptional type of death, where the death is desired. Ordinarily, human beings die of *marg-e-tabaee*. The tomb of Hashimpir is situated near Gol Gumbad popularly known as '*dargah-e-hashimpir*'.

3.6 Shah Murad bin Shah Jamal

The compiler of Maqsud Al-Murad (Object of the Purpose) was Shah Murad bin Shah Jamal. Not much is known about the early life of Shah Murad. While young, he became an ardent disciple of Shah Abdur Razzaq Qadri, a prominent Sufi of Qadri order at Bijapur. The malfuz and hagiographic literature inform us that there was a close relationship between Shah Hashimpir and Shah Abdur Razzaq Qadri[22]. Shah Murad had watched this intimate relationship from a close angle and he had the benefit of enjoying the company of these two Sufi Masters.

Shah Abdur Razzaq Qadri passed away in the year 1051 A.H. / 1641 A.D. After the demise of his mentor, Shah Murad thought it better to come under the guidance of Shah Hashimpir. Hashimpir too had no hesitation in allowing him to join his close group. He had

[18] Hussaini, Shah Nayeem Allah, *Ganj-e-Asrar*, (MS), p.3, Salar Jung Museum, Hyderabad, Qadri, Sayed Mohiuddin, *Tohfa-az-Kamtarin*, (MS), p. 86, Private Collection

[19] Murad, Shah, *Maqsud Al-Murad*, (MS), p.106, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad

[20] Hussaini, Shah Nayeem Allah, *Ganj-e-Asrar*, (MS), p.60, Salar Jung Museum, Hyderabad

[21] Murad, Shah, *Maqsud Al-Murad*, (MS), p.21, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad

[22] Zubairi, Ibrahim, *Rauzat-ul-Auliya-i-Bijapur*, MSS, Persian, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad, p.92

Qadri. He also received knowledge from his maternal uncle Sayed Ismail bin Sayed Miran Hussain. Abul Hassan Sani always kept busy himself in guiding and teaching to his disciples. He was a contemporary of Aurangzeb Alamgir, and it is said that Prince Kambaksh was his devotee.

Sayed Abul Hassan Sani was also known as "*Tajdar-e-Jamiya Al-Salasil*". In the year 1099 A.H. / 1687 A.D. he built a *khanqah*, which the date in abjadi becomes as "*khanqah-e-qadriya ba-dand aba'ad*", situated behind Gachi Mahal opposite to the tomb of Shah Qasim Qadri which is now laid in ruins. Sayed Abul Hassan Sani was a proud product of the '*Khanqah-e-Qadriya*', he trained thousands of students from his established *khanqah*. They were trained in the best tradition of esoteric disciplines. After completion of their study, they settled at different places of the Deccan plateau. For the maintenance of the *khanqah* reigning Sultan granted five villages. From Bijapur he moved to the village Kankal, which is one of his *jagir*, sixty kms, away to the south of Bijapur. After reaching Kankal, he built another *khanqah* and a well, the architectural style of the well is similar to the well of Chand Bawdi at Bijapur, but very small in size.

Sayed Abul Hassan Sani was an eminent scholar, jurist and a poet besides being a mystic of great eminence. The following works are ascribed to him.

1. *Makhzan Al-Salasil-e-Hassaniya*: (Arabic) collection of 191 spiritual genealogies. This book is ascribed to Sayed Abul Hassan Sani written in Arabic language in which he has been given 191 spiritual genealogies of khalifa, imams and sufis till the early seventeenth century[15]. This book is the present author translated into Urdu, which is recently published.
2. *Bayaz-e-Abul Hassan Sani*: This book is in Persian and Arabic language.
3. *Maktubat-e-Abul Hassan Sani*: (Arabic and Persian) includes three letters from the Sufi to Mughal authorities in Bijapur, dated 1707-08 A.D.

3.5 Sayed Shah Hashim Hussaini

Shah Hashimpir was born in the year 984 A.H. / 1575-76 A.D. he was the only son of Sayed Burhanuddin Hussaini. "*Hashim*" means a person who breaks bread into broth. It was surname of surname of the great grandfather of our Holy Prophet. Every time a famine struck Mecca, Hashim used to break bread into broth so as to feed the poor and starving. It appears in a Persian verse as under "*chashm-e-rehmat ba kusha wa sui m'an andaz nazr; ai Quraishi laqabi, Hashmi wa Mutallabi*"[16].

At an early age, Hashimpir was admitted to *Madarasa-e-A'aliya Alaviya*. His father Burhanuddin, took special interest in his education because, at the time of his birth, Burhanuddin had noted certain signs of distinction in his only son. Hashimpir sat before his uncle Shah Wajihuddin Hussaini in *Madarasa-e-A'aliya Alaviya*. Being the only son of Burhanuddin, Hashimpir received a special attention of his uncle. Shah Wajihuddin Hussaini, however, died when Hashimpir was only fourteen years old[17]. Shah Hashimpir

[15] Qadri, Sayed Shah Abul Hassan Sani, (MS) *Makhzan Al-Salasil Hassaniya*, Private Collection

[16] Peerzade, Sayed Afzal Peerzade, *Sufis and Sufism: A Study of Hashimpeer of Bijapur*, Idara Adbiyat-i-Delli, Delhi, 2014, p.85

[17] Zubairi, Ibrahim, *Rauzat-ul-Auliya-i-Bijapur*, MSS, Persian, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad, p.94

And everyone beholds them
But the devil can come disguised as a cat
And can deceive us at any moment

"*Hum se is waqt ke peeran*
Nayeb Iblees ke peeran
Jahil na'adan basey peeran
Chaal unke po mein hairaan
Jaan maani ka khelein khel
Pani ka kar rakha hai tail
Ya ho jyotish gad bad ke
Pal mein gadh ri ho hey ladke"

Trans: *Pirs* of today, compared with us
Are the deputies of the devil
Those ignorant people who are without a pir
Are surprised at seeing them
They are involved with various kinds of magic, like jugglers
They change water to oil
They indulge in giving out prophecy
Within a moment they change into a boy, or disappear

"*Ke ye Ga'arudi ho rakh bol*
Aib ke ba'atan deve khol
Gar-o-wari ho sa'anp nachaye
Bhang pila kar aankh macha yein
Aankh mu muche jo das kara yein
Ma'abud unka waho ho jaaye"[14]

Trans: They are jugglers
And will tell us faulty information
They are snake charmers
And they use bhang for intoxication
As soon as they shut their eyes
Whatever they see they mistake for God"

Shah Abul Hassan Qadri died on 24th *Rabbi-us-Sani* 1045 A.H. / 1635 A.D. his tomb situated towards east outside the city wall of Bijapur, on the way to the village Ukkli.

3.4 Sayed Shah Abul Hassan Sani

Sayed Abul Hassan Sani was popularly known as Gore Hassan Kankali, he was elder son of Sayed Abdul Kadar Qadri and grandson of Shah Abul Hassan Qadri. He was born in the year 1040 A.H. / 1630 A.D. at Bijapur, who resembled his grandfather in personality and character. He was the disciple of his Uncle Shah Nematullah Qadri bin Shah Abul Hassan

[14] Qadri, Sayed Shah Abul Hassan, (MS.), *Sukh Anjan* or *Aankh Mein Choni*, Idara Adbiyat-e-Urdu, Hyderabad

forced him to leave Bidar. Accompanied by his family and followers, Abul Hassan arrived at Bijapur during the reign of Ibrahim Adil Shah-II.

Shah Abul Hassan Qadri was graciously received by the reigning sovereign and the court grandee's. He lived in the company of Pir Muhammad Lutfullah bin Shaikh Musa, Shaikh Fariduddin and Shaikh Kamaluddin. The account of Abul Hassan Qadri in the '*Sahifat-i-Ahl-i-Huda*' though shrouded in an aura of the Sufi's powerful '*karamat*' miracles reveals a great deal of information about the Sufi's relations with the Sultan Ibrahim Adil Shah-II and Yogi[13].

Sayed Abul Hassan Qadri's fame also rests as a poet, who contributed a lat to the Deccan folk poetry '*Sukh Anjan*' or '*Ankh Mein Chani*' is a collection of his poems. It contains anecdotes of Shaikh Abdul Kadar Gilani, verses of Moulana Rumi, Quotations from Shaikh Burhanuddin Gharib, Imam Al-Ghazali, Sharfuddin Yahya Maneri and Bayazid Bustami. The idioms and dialects used by the Sufi are more than the three hundred years old, but the linguistic beauty of Shah Abul Hassan's verse is remarkable. Following the style of Deccan poets, he makes the plural of each noun '*ism*' by adding '*alif*' and '*noon*' where the subject fall is femine, the object is also femine. The noun of absolute past is used with the addition of '*ya*'. In objects '*maful*' instead of '*ku*' he uses '*kun*' and instead of '*sai*', '*sen*' in pronouns '*zamir*' he uses for himself the term '*ap*', '*apin*' for '*tu*' '*tum*' '*tujh*', '*kan*' is used for '*kahan*', '*nain*' for '*nahin*', '*kin*' for '*kahin*', '*har*' for '*aur*' positive '*chai*' is used as a result of Marathi influence *Pahelis* also formed a past or Abul Hassan's poetry.

In his work '*Sukh Anjan*' Shah Abul Hassan Qadri warned of the dangerous tendencies of 'intoxicated' Sufis he wrote:

"*Bahot peeran mein Iblees se*
Unke haat mein haat mat de
Gar tu unko de-way haat
Aakhir pachtaye ha-hayat"

Trans: There are many *pirs* who are like devils
Whom you should not follow
If you follow them
You would eventually regret it.

"*Pichle raatan jaage do*
Ganey bajaye naachein su
Jhakath un mein agla hai
Her dil un par pagla hai
Billi ho aa-ve ya shaitan
Agwah dene do-haraan"

Trans: They are awakened at the end of the night
To sing, play music, and dance
In this way their faces are very bright

[13] Qadri, Sayed Mohiuddin, (Trans.) Siddiqi, Muhammad Akbaruddin, *Sahifat-e-Ahl-e-Huda*, Silsila Matbuat Hyderabad Urdu Academy, Hyderabad, p.28

Gnostics, '*tal-ul-auliya al-mukashshifin*' leader of the inspired saints, '*shaikh-al-shayukh*' master of Sufi masters.

Shaikh Mustafa Junaydi had the title of '*khadim al-auliya wa al-mashayikh faqir-e-haqir*' poorest and lowliest servant of the saints and sufi masters. He received '*tarbiyat*' sufi training, '*irshad*' spiritual direction and '*talqin*' instruction in meditation under Shah Sibghatullah Hussaini. But Shaikh Mustafa was the disciple of his father who gave him permission to initiate others in Sufism.

Shaikh Mustafa Junaydi says that "I met Sayed Shah Qasim Auliya Qadri and also met many of the sincere '*auliyas*' saints and '*mazjubs*' holy men of God". He wrote "I met Sayed Shah Hashim Hussaini Gujarati". Further, he says that "during my old days, I spent time in the company of Moulana Habibullah Sibghatullahi Shafi Quraishi, I heard from him some spiritual advices and instructions. He was learned scholar, endowed with wisdom and intelligence[12].

Shaikh Mustafa Junaydi compiled two genealogical tables. The first scroll is entitled 'The Family Lineage' (*Shajara-e-Ansab Aba-i-ikiram-i-khud*). The second scroll is the spiritual lineage of Shaikh Mustafa, entitled 'Lineage of Initiation and Succession of our spiritual Mentors' (*Shajara-e-iradat wa Ijazat peshwayan-e-khud*). Both contain extracts from '*Atwar-ul-Abrar*' and other sources. *Atwar* is a fourteenth century text, now apparently extinct. An important biographical dictionary, it furnishes details regarding the Junaydi Sufis of North India and the Deccan that do not exist in other sources. It is apparent from the scrolls that Shaikh Mustafa had before him a copy or original of *Atwar-ul-Abrar*. Accordingly, the scrolls provide us with access to this critical but now unavailable manuscript.

Shaikh Mustafa Junaydi died in the year 1068 A.H. / 1657 A.D. and was buried near the shrine of Shaikh Aynuddin Ganj Al-Ilm.

3.3 Sayed Shah Abul Hassan Qadri

Shah Abul Hassan Qadri was the elder son of Sayed Badruddin Badr-e-Alam Habibullah Qadri, he was born at Bidar. He studied under his father and became his disciple and *khalifa*. Shah Abul Hassan Qadri was a eminent Sufi of Qadri order who endeavoured for the rejuvenation and reform of Islamic mysticism in Bijapur during the 17th century his grandfather Abdul Kadar Yusuf-e-Sani migrated from Baghdad along with his whole family, had settled in Bidar. He was succeeded by his son Badruddin, who was married to Bibi Amna, the daughter of Shaikh Ibrahim Makhdumji Multani and the granddaughter of Shaikh Muhammad Shamsuddin Multani of Bidar.

Sayed Badruddin established his *khanqah* in Bidar and trained his eldest son Abul Hassan to assume the spiritual leadership after his death, Abul Hassan proved a worthy son and contributed to the advancement of the *silsila* of his ancestors. He was an eminent scholar, pious but every orthodox in matters faith and religious practices. Soon he was able to attract a large number of disciples from far off places, and occupied himself in spiritually guiding them. However local conflicts and tensions disrupted his missionary activities and

[12] Junaydi, Shaikh Mustafa, *Shajara-e-Ansab Aba-i-Ikram-e-khud*, (MS), private collection

with the title of '*Ganj-al-Ilm*' the treasure of knowledge. Sheikh Aynuddin Ganj-al-Ilm came in contact with Sayed Alauddin Jaweri probably at Delhi. After his initiation into the Junaydi order he engaged himself vigorously in the acquisition of knowledge. For about ten years, he learned the Holy Quran, Calligraphy and Arabic syntax under Shaikh Minhajuddin Tamimi Al-Ansari at Kantur and also took lessons from Imam Ismail and his son, Imam Ibrahim at Kasa east of Delhi. He studied Law, principles of law and Arabic grammar under Imam Iftikharuddin Kojhi at Hairol amd *Miftah* and *Khashshaf* (a commentary of the Holy Quran) under his *Pir*[9].

He is the title head of the Sufi masters '*Sayed-ul-Shayukh*' and spiritual guide of the age '*Murshid-ul-Zaman*' and Sufi Master of the world '*Shaikh-ul-Alam*'. He performed miracles and some of his actions were beyond the order of nature '*Khariq-e-Adat*'. He also had a chance to meet Sufis and jurists of high eminence like Shamsuddin Lamghani, Shaikh Shihabuddin Muhammad, Shaikh Momin Hairoli, Shaikh Shihabuddin Muhammad Sherwani (a traveller), Sayed Zahiruddin Nandbhani, Imam Najamuddin Muhammad Marqi and Khwajah Zainuddin Khurasani. He travelled widely and visited places like Gujarat, Rajoor, Hairol, Daulatabad and Sagar. First he settled at Sagar in 737 A.H. / 1336 A.D. for 35 years then he came to Bijapur in 773 A.H. / 1371 A.D.

After 24 years, he died on 28th *Jamadi Al-Akhar* 795 A.H. / 1392 A.D. and was buried opposite to the Anjuman College at Bijapur, later the Bahmani *wazir* Khwajah Imaduddin Mahmud Gawan ordered a dome to be raised over the mortal remains of the Sufi. Khwajah Mahmud Gawan, who was himself an intellectual and promoter of learning during the second half of the Bahmani period must have respected the members of Shaikh Aynuddin's family and encouraged them towards the synthesis of knowledge and asceticism[10].

He was an intellectual Sufi of India and the only Junaydi Sufi to have to have written one hundred thirty two books in various subjects like '*Quranic commentary*' art of Quranic recitation '*Qarih*', '*Hadith*', '*Kalam*', '*Ilm-al-Usul*', '*Fiqah*', '*Suluk*', *Nahw*', '*Sarf*', '*Lughat*', '*Nasab*', '*Hikmat*', and '*Tarikh*'[11].

3.2 Shaikh Mustafa Junaydi

Shaikh Mustafa Junaydi was the son of Shaikh Ali Junaydi, known as '*shaikh-ul-muhaqiqin*' leader of the scholars, an '*umadat-ul-mutakhirin*' eminent saint of the later era. '*sufi al-kamil*' the perfect sufi, '*al-wali al-wasil*' the saint who has reached God, '*janashin*'is the successor, '*sahib-e-sajjada*' and custodian of the shrine of Shaikh Aynuddin Ganj Al-Ilm. He also known as '*hujjat-al-mashayikh*' the icon of Sufi masters, '*qudwat-ul-auliya*' the model of saints, '*safwat-al-asfiya*' the purest of the pure, '*al-jami al-manqul wa al-ma'aqul*' the possessor of rational and religious sciences, '*al-hawilil-furu wa al-usul*' the master of fundamentals and the subsidiaries, '*sahib al-tariqa wa al-haqiqa*' master of the mystic path and ultimate reality, '*jami al-shariat al-nabiwiyya al-mustafawiyya*' supporter of the law of prophet Muhammad (SAW), '*fakhr-ul-ulema wa al-arifin*' the icon of scholars and

---

[9] *Ibid*

[10] Siddiqi, Muhammad Suleman, *The Junaydi Sufis of Deccan*, Primus Books, Delhi, 2014, p.51

[11] Devare, T.N., *A Short History of Persian Literature at the Bahmanis, the Adil Shahis and the Qutub Shahis Courts-Deccan*, Manohar, Delhi, 2018, p.32

Nizamuddin Auliya reprimanded him and asked him to bear afflictions associated with the worldly life. Also, most of the Sufi Masters did not encourage celibacy. The Sufi literature bears a testimony to the fact that many Sufi Masters had more than one wife. They had families and led a life perfectly normal life.

By establishing *khanqah*s, the Sufi Masters perfected moral footing their followers (murids) in particular and others in general. They molded them into the models of love, affection, virtue, modesty and simplicity. They demanded strict discipline, respect for the time and a tight daily schedule of prayers, recitation, *zikr*, etc. The Sufis held that the lost prayers can be made good by offering them at some other time, the time lost cannot be regained. The Sufi Masters were equally attentive to the spiritual demands of commoners. They repeatedly advised them to obey Allah and His Prophet (PBUH), to offer congregational prayers on time, not to miss Friday prayers, to fast on the days of bright nights and to refrain themselves from the activities not permitted by the Almighty and His Prophet. The Masters used to repeat this advise time and again. Since the commoners had to spend much of their time in earning livelihood, they spent only a few moments in the company of Sufi Masters. The Sufi Masters utilized the available opportunity to deliver their message in such an appealing way that, while departing from the Sufi Masters, the commoners used to develop a strong desire of returning to the *khanqah* once again to listen to their beautiful words.

3. Literati Penmen Sufis of Bijapur

The emergence of Bijapur as a thriving centre of mystical scholarship owes much to the early Sufi presence that preceded formal Muslim rule in the region. With figures like Haji Rumi—regarded as one of the earliest Sufis to settle in Bijapur—and the later presence of descendants of Shaikh Fariduddin Ganj-i-Shakar and visitors such as Sayyid Muhammad Husaini Gesudiraz, the city developed into a fertile ground for spiritual and intellectual activity. As khanqahs multiplied and Sufi deputies established structured systems of teaching, Bijapur gradually became home to a distinguished group of *literati penmen Sufis* whose writings, vernacular expressions, and mystical interpretations enriched the academic and cultural life of the Deccan.

3.1 Shaikh Aynuddin Ganj Al-Ilm

He was the son of Shaikh Sharfuddin Muhammad Muttaqi, was born early in the morning of Wednesday 19th *Rabbi-ul-Awwal* in 706 A.H. / 1306 A.D. He met Shaikh Shihabuddin Muhammad Adhami in 715 A.H. / 1315 A.D. at Jalur, when he was only nine years old[8]. By then, he had memorized the Holy Quran, and received spiritual guidance '*Nasaih*' from Shaikh Hussain Momin Hairoli in the town of Hairol. He received similar guidance from Shaikh Shihabuddin. He was a favourite student, disciple and successor of Sayed Alauddin Ali Jaweri. He also spent time with Shamsuddin Lamghani and recived blessings from Minhajuddin Tamimi Al-Ansari. He had full command over both the religious and mystical sciences. He wrote a number of books in different subjects. That's why he was popularized

[8] Zubairi, Ibrahim, *Rauzat-ul-Auliya-i-Bijapur*, MSS, Persian, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad, p.44

effect that he was a disciple of Khwajah Nizamuddin Auliya[2]. Irrespective of the discipleship, it can be claimed that Haji Rumi was one of the earliest Sufis to settle at Bijapur, at least three hundred years before the establishment of regular Muslim rule over the Deccan plateau and at least five hundred years before the founding of Adil Shah Sultanate.

According to a local tradition one of the sons of Shaikh Fariduddin Ganj-i-Shakar by name Khwajah Nasiruddin Nasrullah is buried in Bijapur[3]. It is also held that Sayed Muhammad Hussaini Gesudiraz visited Bijapur to pay respect to Shaikh Nasiruddin[4]. There are two small, yet identical, tombs in the north-east vicinity of Sikander masjid at bijuapur. It is said that the one on the west is that of Khwajah Nasiruddin Nasrullah Wali and the other on the east is that of Shah Nayeemullah Hussaini Qadri, a prominent *khalifa* of Shah Hashimpir.

2. Khanqah or Monastery or Hospice

The Sufis were great visionaries. They played their missions in a systematic way with an eye on the future requirements. For example, first they appointed deputies (*khalifa*) at the regional and local levels. Their deputies were the people of high integrity combining in them a force of character and appealing personality. Secondly, they constructed *khanqah*s at several places. These were the places of mystical learning and training. Thirdly, the *khanqah*s and their own syllabi to follow, it was not greatly different from the *madarsa* syllabi, yet distinct in the sense that emphasis was on the reformation of self from within. Fourthly, discourses (*malfuzat*) were held on regular basis wherein they consistently reminded people to improve their morals. Out of this discourses, a new form of literature, known as the *malfuz* literature developed[5]. Sayed Muhammad Akbar Hussaini, eldest son of Sayed Muhammad Hussaini Gesudiraz, has brilliantly pointed out benefits of reading the *malfuzat*[6].

Ordinarily, the mystic journey begins with *bayait* pact between the candidate *salik*, seeker and the Sufi Master (*murshid*). Through this pact, the rule of Almighty Allah is imposed on the ego centred lower self' of a *salik*. The moving idea behind this entire exercise is that when individuals are reformed at the personal level the society would be reformed at the collective level[7]. Sufis never denounced the world, as it is erroneously assumed by some critics. Their concept of the world is entirely different from the commonly perceived notion. They believed in maintaining a balance between the life of this world and an orientation to the hereafter. They exhorted their followers to desist an excessive attachment to worldly pleasure. No Sufi Master ever asked his deputies to reject the world. When Shaikh Nasiruddin Chiragh Delli wanted to retire to secluded life in jungles, his Master Hazrat

---

[2] *Ibid*

[3] Nizami, Khaliq Ahmed, *The Life and Times of Shaikh Fariduddin Ganj-i-Shakkar*, Department of History, Muslim University, Aligarh, 1955, p.67

[4] Zubairi, Ibrahim, *Rauzat-ul-Auliya-i-Bijapur*, MSS, Persian, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad, p.22

[5] Peerzade, Dr. Sayed Afzal, *Sufis and Sufism: A Study of Hashimpeer of Bijapur*, Idara Adbiyat-i-Delli, Delhi, 2014, p.13

[6] Hussaini, Muhammad Akbar, Ed. & Trans, Captain Wahid Baksh Siyal Chishti Sabri, *Sharah Jawami-ul-Kalim*, Al-Faisal Nashran, Lahore, 2010, p.62

[7] Rajput, Abdul Aziz Chishti, *Sufis of Deccan and Their Shrines*, Deccan Studies and Historical Research, Bijapur, 2021, p.4

Literati Penman Sufis from the Khanqahs of Bijapur

Abdul Aziz Rajput
Sufi Scholar & Historian, Bijapur
shahabdulazizrajput@gmail.com

Abstract: A vibrant intellectual and literary world of the *literati penman Sufis* flourished in the khanqahs of Bijapur from the 14th to the 18th centuries. Beginning with the early Junaydi presence of Shaikh Aynuddin Ganj al-Ilm—whose encyclopaedic mastery is reflected in his 132 works across Qur'anic exegesis, Hadith, Fiqh, Kalam, grammar, genealogy, and history—this paper traces how Bijapur evolved into a major centre of mystical scholarship in the Deccan. Through successive generations, Sufi masters such as Shaikh Mustafa Junaydi, Sayed Shah Abul Hassan Qadri, Sayed Abul Hassan Sani, Shah Hashimpir, Shah Murad, Shah Nayeemullah Hussaini, Shah Miranji Shams-ul-Ushshaq, Shah Burhanuddin Janam, Khwajah Aminuddin Ali A'ala, Shaikh Mahmud Khush Dahan and Sayed Zain Abdullah al-Muqbil shaped a distinct intellectual culture where spiritual discipline, literary creativity, and scholarly production were intertwined. The paper examines how Bijapuri khanqahs functioned as structured institutions of learning, producing a range of textual genres—genealogical scrolls, malfuzat, maktūbāt, masnavis, vernacular treatises, and didactic poetry—that preserved and disseminated Sufi metaphysics, ethical teachings, Chishti and Qadri doctrines, and regional cultural sensibilities. Works such as *Maqsud al-Murad*, *Ganj-e-Asrar*, *Irshad Nama*, *Kalimat-ul-Haqaiq*, *Sukh Anjan*, and *Ma'arifat al-Suluk* illustrate how Bijapuri Sufis used both Persian and highly Sanskritised Dakhni to communicate complex mystical ideas to diverse audiences. By highlighting the intellectual networks linking Bijapur to Delhi, Gujarat, Bidar, Burhanpur, Mecca and Hadhramaut, the study demonstrates that these literati Sufis were not only spiritual guides but also historians, philologists, poets, archivists, and system-builders. Their legacy reveals the khanqah as a dynamic atelier of ideas that profoundly shaped the religious, literary, and cultural landscape of the medieval Deccan.

1. Introduction

With the establishment of the Bahmani sultanate, the Sufi movement in the Deccan gained a new momentum as the Chishti, the Junaidi and the Qadri Sufis settled and worked at Gulbarga and Bidar. Later, the Shuttaris, the Rifai's and the Naqshbandis operated at Bijapur, Golconda and Aurangabad during the post-Bahmani period. The Sufis of these orders played an important role in the spiritual, intellectual, socio-political and cultural lives of the Medieval Deccan. The historical records and hagiographic literature throw limited light on the arrival of Sufis in the city of Bijapur. Haji Rumi is normally held as the first Sufi to arrive at Bijapur. It is also claimed that he was a disciple of Khwajah Usman Harooni and a contemporary of Khwajah Moinuddin Chishti of Ajmer[1]. There is another narration to the

[1] Zubairi, Ibrahim, *Rauzat-ul-Auliya-i-Bijapur*, MSS, Persian, Oriental Manuscript Library and Research Centre, Hyderabad, p.20

University, he embodied the highest ideals of knowledge ('ilm), remembrance (dhikr), and moral excellence (akhlaq). His years of solitude in the Deccan, followed by his public mission in Chennai, reveal a saint whose humility, wisdom, and sincerity touched countless hearts. Through his sermons, teachings, and personal conduct, he reminded believers that true spirituality is not withdrawal from worldly responsibilities but engaging in life with integrity, discipline, and compassion.

In an age marked by uncertainty and distraction, the teachings of Syed Hasan Baghdadi (RA) offer enduring guidance. His emphasis on sincerity, trust in Allah, adherence to the Sunnah, patience, ethical speech, and commitment to family and society provides a moral compass for modern seekers. His life reminds us that spiritual elevation is possible for anyone who combines knowledge with humility, devotion with character, and worship with service. As generations continue to visit his Dargah and draw inspiration from his teachings, the luminous legacy of Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA) remains a source of peace, wisdom, and spiritual renewal for all who seek the path of divine love. In sum, the Dargah of Syed Hasan Baghdadi (RA) stands as a living institution of learning, remembrance, and cultural continuity. It bridges the intellectual and spiritual heritage of classical Sufism with the evolving contexts of modern society, sustaining its role as a center of moral education and collective identity for the community and beyond.

References

1. Al Quran Al Karim
2. Hyath-e-Qalandari, H.Habibullah Shah., 1973.
3. Tareekh-e-Auliya-e-Tamilnadu, Dr.Javeda Habeeb., 2017.
4. https://dargah-e-hasan.blogspot.com/2025/10/the-hindu-downtown-reports-79th-annual.html
5. https://www.facebook.com/share/p/1B2RNvcYni/
6. https://www.thehindu.com/features/friday-review/music/A-holy-congregation/article14950872.ece

3. The Annual Urs of Syed Hasan Baghdadi (RA)

The Annual Urs[1] of Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA), held on the 6th night of Rabi‘ al-Aakhir, is the most significant event of the year. The Urs commemorates the saint's return to his Lord and celebrates his enduring influence on generations of believers.

The night-long gathering includes Zikr, recitation of the Qur'an, Hamd, Naat, and Qasaaid in Arabic, Urdu, Persian, English and Tamil. The Qasidah Burdah of Imam al-Busiri and Qasidah Ghausiyah of Shaykh Abdul Qadir Jilani (RA) are recited with heartfelt devotion.[2] The event begins with Zikr, then Salam and Fatiha, followed by a night of prayer and remembrance, where visitors experience tranquility and spiritual renewal.

The spiritual power of this Zikr has touched not only local devotees but also visitors from around the world. Among them was Lee Weissman, a Jewish American teacher who came to India in the 1990s for his research on South Asian Studies. During his stay, he became acquainted with the Dargah of Syed Hasan Baghdadi (RA) in Chennai and attended the Urs celebrations. In one of his reflective blog posts, he wrote[3]:

"I wish I could share the feelings I have when I see this post. I remember very clearly my first zikr during the Urs. It felt like the room was full of angels, the spirituality was so thick there was no room for the foolishness of the world. "

Such testimonies reveal the universal appeal of the Dargah's atmosphere, a place where spiritual energy transcends religion, culture, and language, drawing every sincere heart toward the remembrance of the Divine.

4. Urs of the Saint's Father and Spiritual Teacher

The Dargah also observes the Urs of two other blessed personalities in this spiritual chain:

- Syed Muhammad Salih Madani (RA), the saint's teacher, on the 21st of Rajab, and
- Syed Muhammad Rasheed Baghdadi (RA), the saint's father, on the 21st of Sha‘ban.

Both occasions are marked with Zikr, Qur'anic recitation, and Mehfil-e-Qasaaid. Through these gatherings, the Dargah not only honours its lineage but also continues to remind people of the enduring value of spiritual mentorship, family, and remembrance.

9. Conlcusion

The life of Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA) stands as a shining example of how scholarship, spirituality, and compassionate service can come together to elevate entire communities. From the sacred plains of Baghdad to the vibrant cultural tapestry of South India, his journey reflects a rare harmony between deep Islamic learning and inner spiritual refinement. Trained by distinguished Sufi masters and shaped by his studies at Al-Azhar

---

[1]https://www.thehindu.com/features/friday-review/music/A-holy-congregation/article14950872.ece
[2] https://dargah-e-hasan.blogspot.com/2025/10/the-hindu-downtown-reports-79th-annual.html
[3] https://www.facebook.com/share/p/1B2RNvcYni/

7. Contemporary Contributions

The Dargah continues its literary and devotional tradition in the present day. Recently, a collection of Na'at, Manqabat, and Hamd written in Roman Urdu has been compiled and published by the current Sajjada Nashin, reflecting the living continuity of poetic devotion at the shrine. These verses written by various renowned poets express love for Allah and His Messenger ﷺ in accessible language for modern readers, keeping the legacy of heartfelt devotion alive.

In addition, an English biography of Syed Hasan Baghdadi (RA) is currently under preparation and will be published soon. This work aims to present his life and teachings to an international audience, bridging linguistic and cultural boundaries, and highlighting the enduring relevance of his message in today's world.

8. Religious and Cultural Life at the Dargah

Beyond its academic and literary legacy, the Dargah of Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA) remains a living center of devotion and community engagement. Its gatherings continue to inspire love for Allah and His Messenger ﷺ, promote peace among people, and strengthen spiritual bonds across generations. The Dargah's activities throughout the Islamic year serve as both acts of worship and expressions of culture, blending sacred remembrance with artistic and social unity.

1. Celebration of Mawlid-un-Nabi ﷺ

Each year, during the blessed month of Rabi' al-Awwal, the Dargah celebrates the Mawlid-un-Nabi ﷺ with deep devotion and joy. For twelve nights, the courtyard resonates with the recitation of Na'ats and Qasaaid in praise of the Prophet Muhammad ﷺ. Scholars, poets, and devotees come together to express their love and gratitude for the Messenger of Mercy.

These gatherings remind people of the Prophet's noble character and teachings, encouraging them to bring those values into their daily lives.

2. Qasaaid Recitations in Honour of Shaykh Abdul Qadir Jilani (RA)

In the month of Rabi' al-Aakhir, the Dargah observes eleven nights of Qasaaid recitations in honour of Shaykh Abdul Qadir Jilani (RA), the great ancestor of Syed Hasan Baghdadi (RA). These nights, known as Giyarhween Shareef, are filled with devotional poetry and remembrance of Allah, expressing love and respect for the Ghaus-ul-Azam. The recitation of timeless works such as Qasidah Ghausiyah and Manqabat-e-Ghausiyya brings spiritual light to the participants and reminds them of the saintly lineage that connects the Dargah to the blessed city of Baghdad.

teaching, he trained his followers to be careful with their words and loyal in their relationships.

5. Academic and Literary Contributions of the Dargah

The Dargah of Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA) is not only a centre of spiritual enlightenment but also a repository of rich academic and literary heritage. From the time of Syed Hasan Baghdadi (RA) and his noble ancestors, knowledge (‘ilm) and remembrance (dhikr) have remained central to its mission. The Dargah continues to uphold this dual legacy combining spiritual practice with scholarly excellence which has shaped generations of seekers, students, and lovers of knowledge.

6. Zikr and Spiritual Practices

One of the distinctive features of the Dargah is its emphasis on Zikr (Remembrance of Allah). The sessions of Zikr conducted here are rooted in the traditional Qadiri method — rhythmic, sincere, and full of divine awe (*khushu*‘). These gatherings nurture the soul and strengthen the heart’s connection with Allah, following the Qur’anic command

> *“Verily, in the remembrance of Allah do hearts find rest.”* (Surah Ar-Ra‘d 13:28)

The Dargah’s practice of Zikr traces back to the teachings of Hazrath Syed Muhammad Rasheed Baghdadi (RA), the father of Syed Hasan Baghdadi (RA), who wrote a spiritual treatise titled *Ratibah Rasheediyah* abridged later to *Zikr-e-Rasheediya*h. This teaching continues to resonate through the Qadiri gatherings at the Dargah, where seekers experience tranquility, spiritual presence, and unity of hearts.

Apart from his spiritual writings, Syed Hasan Baghdadi's father Syed Muhammad Rasheed Baghdadi (RA) was also an accomplished scholar and preacher. Among his major contributions is a rare Arabic collection of Friday sermons titled *“Al-Khutbatul ‘Uthmāniyah wal Jawharatul Islāmiyyah.”* This work consists of over fifty Arabic khutbahs, arranged according to the Islamic months. Each sermon reflects a perfect blend of Qur’anic eloquence, prophetic wisdom, and guidance - a testimony to the high level of scholarship in the Baghdadi family. The topics range from moral reform, unity of the Ummah, repentance, and the importance of prayer, to reflections on Islamic festivals and social ethics. This collection stands among the few known compilations of Arabic sermons produced in South India during that period. It reflects the deep commitment of these scholars to preserving the Arabic oratorical tradition and their effort to assist non-Arab imams and preachers in delivering Khutbas in eloquent Arabic. Hyath-e-Qalandari: The Biography of Syed Hasan Baghdadi (RA) - The most authentic biographical source on the life of Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA) is the book titled “Hyath -e-Qalandari”, authored by his successor Hakim Abdul Hameed Sahib's son, Prof. Habibullah Shah, the former Sajjada Nashin of the Dargah. This invaluable work not only chronicles the saint’s life and travels but also provides deep insights into his spiritual teachings, character, and influence. Through “Hyath-e-Qalandari,” Prof. Habibullah Shah ensured that the light of Syed Hasan Baghdadi’s (RA) message would continue to illuminate hearts and minds.

surrender their affairs to Allah while working sincerely, developing calmness and inner strength even during hardship. The impact of this teaching is still seen among those who visit the Dargah. Many testify that remembrance of this principle helped them overcome fear, anxiety, and uncertainty. The Dargah thus remains a place where people strengthen their faith and learn to depend more on divine will than on material resources.

"One who has love of Allah in their heart never leaves the Sunnah of Prophet Muhammad ﷺ."

For Syed Hasan Baghdadi (RA), love for Allah was incomplete without love for His Messenger ﷺ. He often said that the way to express love for Allah is to follow the Sunnah i.e. the actions, manners, and teachings of the Prophet ﷺ.

Qur'an (Surah Aal Imran 3:31):
"Say, [O Muhammad ﷺ], 'If you love Allah, then follow me; Allah will love you and forgive your sins.'"

This teaching gave his disciples a balanced view of Sufism that spirituality and Shari'ah are not separate, but connected. Many followers of the Dargah continue this understanding today: they observe prayers, maintain good manners, and act with honesty, seeing these as signs of their love for Allah and His Messenger ﷺ.

"Taking care of your family members is also worship of Allah."

Syed Hasan Baghdadi (RA) reminded his followers that service to family is not merely a duty but a form of 'ibadah. He saw family care as an extension of compassion, a reflection of divine mercy in human relationships. By fulfilling responsibilities with love and patience, a believer worships Allah through daily life. This teaching softened the hearts of many. Instead of seeking piety only in rituals, he taught that real spirituality begins at home. Followers of the Dargah often mention that this message has improved their family life in teaching them that serving parents, spouses, and children with kindness is among the highest forms of worship.

"Sabr (patience) is as important for faith as the head is for the body."

The noble saint placed great emphasis on sabr i.e. patience and endurance. Just as the body cannot survive without the head, faith cannot remain alive without patience. For him, patience was not passive waiting, but active trust in Allah's plan, even in times of loss or pain. His own life was a living example of this teaching, years of spiritual solitude, travel, and hardship did not weaken his resolve. Those connected to his Dargah still draw strength from this principle. Visitors often say that being in the Dargah brings them peace and helps them face life's trials with a calm heart and hopeful faith.

"Once you say good about someone, never say bad about them later."

This saying reflects Hazrath's understanding of akhlaq (character). He taught that a believer's speech should always be truthful, consistent, and free from hypocrisy. To praise someone today and slander them tomorrow shows a heart lacking sincerity. Through this

In 1939, by divine direction, he travelled south to Madras (now Chennai). His arrival marked a new chapter in his spiritual mission. The city's people — scholars, merchants, students, and the poor alike — were drawn to his presence. His humility, compassion, and vast knowledge made him a source of peace and guidance for everyone who met him. He sometimes led the Friday prayers and delivered Arabic sermons (khutbahs) at the Masjid-e-Mamoor, a historic mosque built by Nawab Walajah of Arcot. His sermons were known for their beauty, sincerity, and depth. Listeners said that his recitation of the Qur'an had a special sweetness, and his words reminded them of the early saints and scholars. It is said that he mastered several styles of Qur'anic recitation (*qirā'āt*), and his talks always connected everyday life with Qur'anic wisdom and the teachings of the Prophet Muhammad ﷺ.

Through his presence, the spiritual life of Chennai began to blossom. His followers included people of learning, seekers of truth, and ordinary men and women who found in him a model of humility and love. Many of them later became respected scholars and teachers themselves, carrying forward his mission of spreading knowledge, compassion, and moral values.

4. Teachings and Message

Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA) lived by the core values of the Qur'an and the teachings of Prophet Muhammad ﷺ — humility, honesty, service to humanity, and love for all. He always emphasized that true knowledge must lead to good manners, compassion, and sincerity. His life showed that a scholar's worth is not only measured by his knowledge, but also by his character.

Through both his words and his example, he taught people to live responsibly — as good neighbours, honest workers, and compassionate believers. For him, spirituality was not about withdrawing from the world but about serving Allah through one's actions in it.

One of his well-known sayings was:

"If you do not win in this dunya, how will you win in the aakhirah?"

Through this message, he reminded believers that a true *mumin* should strive for success in every aspect of life i.e. spiritual, moral, and worldly, because Islam encourages excellence (*ihsan*) in all actions. The teachings of Hazrath Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA) continue to guide seekers who visit his Dargah and follow his path. His words were simple but deeply rooted in Qur'anic wisdom and the Sunnah of Prophet Muhammad ﷺ. Each saying reflects an aspect of spiritual discipline and practical living, showing how a believer should relate to Allah, to the Prophet ﷺ, and to people around them. Following are some of his sayings that have been documented:

"Beware! A seeker should never expect or seek help from anyone other than Allah."

This teaching reminds followers of *tawakkul* i.e. complete trust in Allah. Syed Hasan Baghdadi (RA) emphasised that true spiritual growth begins when one relies only on Allah for support, sustenance, and guidance. In a world of constant dependence on people and worldly means, this principle re-centres the heart toward the Creator. His disciples learnt to

seekers have benefitted from its emphasis on Qur'anic recitation, Sufi etiquette, ethical refinement, and community engagement. Its traditions—including Zikr, devotional gatherings, academic contributions, and multilingual literary practices—reflect the synthesis of spirituality and learning that defined the life of Syed Hasan Baghdadi (RA). Together, these aspects make the Dargah not only a place of devotion but also a reservoir of South India's Sufi intellectual history.

2. Early Life and Education

Born in 1896 AD in Baghdad, in a noble family that traced its lineage to Hazrath Shaikh Abdul Qadir Jeelani (RA), Hazrat Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri belonged to the Qadiri Sufi Order — a path known for its focus on love of Allah, remembrance (*dhikr*), and service to creation. From a young age, he showed signs of spiritual purity and intelligence.

When he was still a child, a well-known Sufi master, Hazrath Syed Muhammad Salih Maulana, visited Hyderabad Deccan and recognized the divine light in the young Hasan. He took him under his care and brought him to Ceylon (Sri Lanka) for spiritual training. For almost eight years, Syed Hasan Baghdadi (RA) lived a life of simplicity, prayer, and constant Qur'anic recitation under his Shaikh's guidance. He memorized large portions of the Qur'an and trained himself in patience, humility, and self-control.

Following his teacher's instructions, he travelled to Cairo, Egypt, and joined Al-Azhar University, one of the oldest and most respected centres of Islamic learning. There, he studied various Islamic sciences — Tafsir (Qur'anic interpretation), Hadith, Arabic language, and Fiqh (Islamic law). His sharp mind, gentle manners, and deep devotion impressed his teachers and fellow students. After completing his studies with distinction, he was also given the honour to teach for a short time at Al-Azhar. His years in Cairo gave him a strong foundation in Islamic scholarship and also broadened his understanding of the Muslim world. Yet, his heart remained attached to the path of Sufism and remembrance of Allah. This rare balance between deep learning and spiritual experience made him both a scholar and a saint, someone whose knowledge was filled with light and whose heart was filled with mercy.

3. Life in the Deccan

After completing his studies, Syed Hasan Baghdadi (RA) returned to the Deccan region around 1918 AD and stayed for some time in Hyderabad. He joined Osmania University as an Arabic Professor, but soon began to long for solitude and spiritual retreat, so he moved to Baba Sharfuddin Hills, a peaceful area on the outskirts of the city. In a small cave on the hill, he lived for nearly nine years in prayer and meditation, far from worldly distractions. During this time, people began to hear about his piety and miraculous way of life. Visitors would climb the hill just to see him or ask for his prayers. They started calling him "Pahadiwale Baba", meaning *the Saint of the Hill*.

From Baghdad to the Deccan: The Spiritual and Academic Impact of Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA)

Dr. Habib Mohamed Tahir Bijli
Assistant Professor, P.G. & Research Dept. of Arabic
The New College, Chennai
tahirbijli@gmail.com

Abstract: This paper examines the life, teachings, and enduring legacy of Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA), a distinguished scholar and Sufi saint whose journey from Baghdad to South India shaped the spiritual and intellectual landscape of the region. Tracing his early training under eminent masters, his advanced studies at Al-Azhar University, and his years of solitude and meditation in the Deccan, the study highlights how his scholarship, humility, and devotion inspired generations of seekers. Upon his arrival in Chennai, Syed Hasan Baghdadi (RA) became a source of guidance and moral refinement, attracting followers through his eloquent sermons, exemplary character, and deep commitment to Qur'anic teachings and the Sunnah. The paper further explores the Dargah established in his memory as a centre of learning, spirituality, and cultural preservation. Its ongoing traditions—Qadiri Zikr, Mawlid gatherings, Urs commemorations, and Qasaaid recitations—reflect a living heritage that blends devotion with intellectual depth. The academic contributions of the saint's lineage, including Arabic khutbah collections, spiritual treatises, and contemporary literary works, underscore the Dargah's role in sustaining Islamic scholarship in South India. Ultimately, this study shows how the Dargah continues to embody the saint's message of remembrance, ethical living, and service to humanity, remaining an enduring beacon of peace and spiritual enrichment.

1. Introduction

The life and legacy of Syed Hasan Moulana Baghdadi Qadiri (RA) represent a rare blend of scholarship, spiritual depth, and quiet devotion that left a lasting imprint on South India. His journey—from the sacred soils of Baghdad to the vibrant cultural landscape of Deccan and then to Chennai—transformed every place he touched into a centre of learning, remembrance, and harmony. His life was marked by humility, contemplative retreat, and unwavering devotion to Allah and His Messenger ﷺ. Whether teaching at Osmania University, meditating in the solitude of Baba Sharfuddin Hills, or guiding seekers in Chennai, he became known for his gentle character, graceful speech, and luminous spirituality. His teachings emphasised sincerity, remembrance, moral excellence, and service to humanity—values that continue to inspire scholars, disciples, and ordinary believers long after his time.

Today, his final resting place continues to welcome seekers from all walks of life, nurturing faith, moral refinement, and communal unity. Beyond its spiritual significance, the Dargah stands as a living institution of cultural continuity and scholarly heritage. Generations of

Chand, Tara,	*Influence of Islam on Indian Culture*, Allahabad, the Indian Press Allahabad, n.d.
Eaton, R. M.	*Ṣufis of Bijapur*, Delhi, 19
Ernst, Carl. W,	*Eternal Garden: Mysticism, History and Politics at a Sought Asian Ṣufi Centre*, New York, 1992.
Gibb, H. A. R. and J.H. Kramers,	*Shorter Encyclopaedia of Islam*, New York, Cornell University Press, 1953.
Goel, A.K., Rekhan Pande, Ravulapati, Zareena Parveen,	*Telangana Land and People from 1323-1724 CE*, Hyderabad, Dr MCR Human Resource Development Institute, 2023.
Hujwerī, ʻAlī bin ʻUthmān,	*Kashf al-maḥjūb* Tr. by R.A. Nicholson, Lahore, 1976.
Ḥusaynī, S.S. Khusro,	*Sayyid Muḥammad al-Husaynī Gīsūdirāz: On Ṣufism*, Delhi, 1983.
Lokhandwalla, S. T.,	"Indian Islam, Composite Culture and National Integration" in *Composite Culture of India and National Integration*, ed., by Rasheeduddin Khan, Shimla, Indian Institute of Advanced Studies, 1987.
Nizami, K.A.,	"Sufi Movements in the Deccan" in *History of Medieval Deccan (1295-1724)*, edt., by H.K. Sherwani and P.M. Joshi, Hyderabad, The Government of Andhra Pradesh, 1973.
Nizāmī, Khalīq Aḥmad,	*Some Aspects of Religion and Politics in India During 13th Century*, Bombay, 1961.
Sharif, M.M.,	*A History of Muslim Philosophy*, vol. i., London, Pakistan Philosophical Congress, 1966.
Sherwani, H.K.,	*Bahmanis of the Deccan*, Hyderabad, Krishnavas International Printers, 1953.
Ṣiddīqī Muḥammad Sulemān,	*Religion and Politics in Medieval Deccan*, Delhi, Idarah-i Adabiyat-i Urdu, 2023.
Ṣiddīqī Muḥammad Sulemān,	*The Bahmani Sufis*, Delhi, Idarah-i Adabiyat-i Delli, 1989.
Ṣiddīqī, Muḥammad Suleman,	*The Junaydī Ṣūfis of the Deccan*, Delhi, Primus Books, 2014.
Yasser, Pahary Sheik Mohammad,	*Sufism: Origin, Development and Emergence of Sufi Orders*, n.d.
Yazdani, G.,	*The Early History of the Deccan*, (edt), London, Oxford University Press, 1960.

Multānī, Ṣūfī Muḥammad Ismā'īl Qādirī, *Tārīkh-i Ṣūfiyā-i kirām wo salāṭīn-i Deccan salṭanat-i Āṣafiyyah*, Hyderabad, Student Book House, 2013.

Multānī, Syed 'Aṭāullāh al-Ḥussainī al-Qādirī, *Ṣeḥn-i waḥdat*, Hyderabad, Markaz Silsilah-i 'Āliyyah Qādiriyyah Multāniyyah, 2021.

Munshī, Muḥammad Qādir Khān, *Tawārikh-i qādirī*, Hyd, 1309 H.

____________________________, *Tazkirat al-Qādirī.*

Nizāmi, Khaliq Aḥmad *Tārīkh-i mashā'ikh-i chisht*, Delhi, 1953.

Nizāmī, Maulānā Faṣīḥ al-Dīn, *Muraqqa'-i anwār*, Hyderabad, Majlis isha'at al-'ulum, Jamia Nizamia, 2008.

Nizāmī, Mirzā Chishtī Ṣāberī, *Tazkirah-i Ḥazrat Multānī Bādeshāh*, Hyderabad, Lu Lu Printers and Publishers, 2022.

Qādirī, Aḥmad Idrīs, *Ḥayāt-i Bandānawāz*, Karachi, 1965.

Qādir, Shaykh 'Abdul, *Makhzan al-karāmāt*, Urdu tr. by Muḥammad Karīm al-Dīn, Hyderabad, Matba' Rahmani, n.d.

Qādirī, Syed Shāh Ghulām 'Alī Shāh, *Mishkāt al-nubuwwah*, Urdu tr. by Syed Abul Fazl Maḥmūd Qādirī, Hyderabad, 1982.

Qushayrī, 'Allāmah Imām Abul Qāsim 'Abdul Karīm, *Al-Risālat al-qushairiyyah*, Urdu tr. by Shāh Muḥammad Chistī, Lahore, Idarah-i Paigham al-Quran,2007.

Rawnaq 'Alī , *Rawzat al-aqṭāb*, Aurangabad, 1362 H.

Sāmānī, Shāh Muḥammad 'Alī , *Siyar-i Muḥammadī*, ed. by S.A. Nazīr Aḥmad Qādir, Sikandar Pūrī), Hyd, 1969.

Shikoh, Dara, *Sakīnat al-awliyā*, Urdu tr. by Prof. Maqbūl Bayg Badakhshanī, Lahore, Packages Limited Lahore, 1971.

Ṣiddīqī Muḥammad Sulemān, *Deccan ke Junaydī Ṣūfiyā-i kirām*¸ Delhi, Idarah-i Adabiyat-i Delli, 2021.

Sirhindī, Shaykh Aḥmad, *Maktūbāt-i Imām-i Rabbānī*, Urdu tr by Maulānā Muḥammad Sa'īd Aḥmad Naqshbandī, Karachi, Madinah Publishing Company, 1970.

Sulamī, 'Abdur Raḥmān, *Ṭabaqāt al-Ṣūfiyyah*, Urdu tr. by Shāh Muḥammad Chistī, Delhi, 'Iteqad Publishing House, 2014.

Sulṭān, Muḥammad, *Ā'in-i Bidar*, Gulbarga, n.d.

Ṭāle', Murād 'Alī, *Tazkirah-i awliyā-i Hyderabad*, Hyderabad, Minar Book Depot, 1975.

English Books

Abul Fazl, Allamah, *Ā'īn-i Akbarī*, English tr. by Jarreett, H.S., 1894, vol. iii, Calcutta, Asiatic Society of Bengal, 1949.

Bilgrāmī, Fātimā Zehra, *History of the Qādirī Order in India, (During 16th & 18th Century)*, Delhi, 2005.

Aḥmad bin Muḥammad al-Arzaqī	*Akhbār Makkah wa ma jā'a fihā min al-āthār*

Persian Books

Shikoh, Dara, *Safinat al-awliyā*,	Madrasah-i Agra, Munshi Nawal Kishore, 1853.
Ṭabāṭabā'ī, Syed 'Alī,	*Burhān-i Ma'āthir*, ed., by Ghulām Yazādnī, Hyderabad, 1936.

Urdu books

Aḥmad, Bashīr al-Dīn,	*Wāqi'āt-i mamlikat-i Bijapur*, Agra, 1915.
	Tārīkh-i Bijanagar.
Aṭṭār, Shaykh Farīd al-Dīn,	*Tazkirat al-awliyā*, Lahore, al-Faruq Foundation, 1997.
Farishtah, Muḥammad Qāsim,	*Tārīkh-i Farishtah*, Urdu tr. by 'Abdul Ḥayy Khwājah, Lahore, al-Mizan, 2008.
Hujwerī, Shaykh Abul-Ḥasan 'Alī,	*Kashf al-Maḥjūb*, Urdu tr. by Miān Ṭufayl Muḥammad, Lahore, Nawid Hafiz Press, 2013.
Hujwerī, Shaykh Abul-Ḥasan 'Alī,	*Kashf al-maḥjūb*, Urdu tr. by Syed Muḥammad Aḥmad Qādirī, Lahore, Ziya al-Quran Publications, 2002.
Ibrāhīm, Muḥammad,	*Rawzat al-awliyā'-i Bijapur*, Raichūr, 1314 A.H.
Karīm al-Dīn, Muḥammad,	*Makhzan al-karāmāt*, Hyd, 1320 A.H.
Khān, A.H,	*Ḥazrat Khwājah Bandānawāz kā nizām-i taṣawwuf wa sulūk*, Hyd, 1966.
Mājid, 'Abdul,	*Taṣawwuf-i Islām*, Azamgarh, Dār al-muṣannifīn, n.d.
Makhdūm Jī, Ḥazrat Shāh Syed Ibrāhīm Qādirī,	*Risālah-i sulūk*, Urdu tr. by 'Ārif al-Dīn Fārūqī, Hyderabad, Idarah-i isha'at-i 'ulum-i Qādiriyyah Multāniyyah, 2011.
Makhdūm Jī, Ḥazrat Shāh Syed Ibrāhīm Qādirī,	*Maqāṣid al-Qādirīyah*, Urdu tr. By Muḥammad Mājid 'Alī Qādirī al-Multānī, Hyderabad, Wābastagān-i Silsilah-i 'Āliyyah Qādiriyyah Multāniyyah, 2019.
Malkāpūrī, 'Abdul Jabbār,	*Maḥbūb-i zul-minan Tazkirah-i awliyā-i Deccan*, Hyderabad, Maṭba' Raḥmānī, n.d.
Moḥī al-Dīn, Muḥammad,	*Tārīkh-i Khurshīd Jāhī*, Hyderabad, 1286 A.H.
Multānī, Ḥazrat Shāh Syed Ismā'īl al-Qādirī,	*Asrār-i ism-i zāt*, Urdu tr. by 'Ārif al-Dīn Fārūqī, Hyderabad, Idarah-i isha'at-i 'ulum-i Qādiriyyah Multāniyyah, 1996.
Multānī, Ḥazrat Shāh Syed 'Abdur Raḥīm Ḥussainī Qādirī,	*Pandnāmah*, Hyderabad, Maulānā Faṣīḥ al-Dīn Nizāmī, 2008.
Multānī, Ḥazrat Shāh Syed Ismā'īl al-Qādirī,	Nūr al-ḥaqīqat, ed. by Shāh Syed 'Aṭāullāh Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī, Karachi, Gardezi Publisher, 1981.
Multānī, Ḥazrat Shāh Syed Ismā'īl al-Qādirī,	*Asrār-i ism-i zāt*, Urdu tr. by Dr. 'Ārif al-Dīn Fārūqī, Hyderabad, Idrarah-i isha'at al-'ulum-i qadiryyah multaniyyah, 1996.

spiritual level, the Qādirī Multānī Order contributed to the cultivation of humility, God-consciousness, and social responsibility. By modelling detachment from wealth, insisting on sincerity in devotion, and stressing the priority of reforming one's own self before criticising others, these saints offered an alternative to both worldly materialism and empty ritualism. Their poetry and oral teachings continue to inspire devotees, keeping alive a vision of Islām in which knowledge, love, justice, and service are inseparably linked.

In the contemporary context—marked by increasing materialism, fragmentation, and spiritual restlessness—the example of the Qādirī Multānī mashā'ikh of the Deccan remains highly relevant. Guided by the principles in verses 36 and 37 of *Sūrah al-Nūr* (the light) and verse 8 of *Sūrah al-Muzzammil* (the one covering himself), they encourage the abandonment of personal desires and the purification of both outward and inward selves from impurities of belief and action. Their teachings emphasise the importance of ongoing inner purification, self-cultivation, and remembrance, urging wayfarers of the spiritual path to embody the character of the Noble Prophet (PBUH). Furthermore, they instil a strong sense of responsibility toward fellow human beings, inspiring individuals to fulfil their obligations meaningfully, ultimately enabling each person to become a source of mercy in society and to attain divine closeness.

References

Arabic books

Athīr, 'Izz al-Dīn ibn al-Athīr, *Usud al-ghābah fī ma'rifat al-ṣaḥābah*, Beirut, Dar al-kutub al-'ilmiyyah, 2011.

Haythamī, Nur al-Dīn, *Kashf al-astār 'an zawāi'd al-bazzār*, Beirut, Muasisat al-risalah, 1979.

Haythamī, Nūr al-Dīn, *Majma' al-zawā'id wa manba' al-fawā'id*, Beirut, Dar al-Minhaj, 2014.

Jawzī, Sibṭ ibn al-Jawzī, *Mirāt al-zamān fī tawārīkh al-a'yān*, Damascus, Dār al-risālah al-'ālamiyyah, 2013.

Kalābāzī, Abū Bakr Muḥammad bin Isḥāq, *Baḥr al-fawā'id al-mashūr bi ma'ānī al-akhbār*, Beirut, Dar al-kutub al-'ilmiyyah, 1999.

Qurṭubī, Imām 'Abdullāh Muḥammad, *Tafsīr-i Qurṭubī*, Beirut, Muasisat al-risalah, 2006.

Sirāj, Shaykh Abū Muḥammad Ja'far, *Ma'āṣir' al-ushshāq*, UK., Hindawi Foundation CIC, 2017.

Ṭabarānī, Abul Qāsim Sulemān, *Al-Mu'jam al-kabīr*, Egypt, Maktabah Ibn Taymiyyah, n.d.

Yūsuf, 'Alī ibn Yūsuf, *Bahjat al-asrār wa ma'din al-anwār fī manāqib al-bāz al-ashab*, Rabat, Moroccan Organization for Education, Culture and Science, 2013.

Warangal. It is unique in South India, the sole educational institution offering arts and science courses in Urdu from the foundational to the degree level.

In addition to the aforementioned Ṣūfīs of the Qādirī Multānī Order of Imampura Shareef, several other prominent figures significantly contributed to the spread of Ṣūfism in the Deccan region. These include Ḥazrat Abul 'Irfān Shāh Syed Aḥmad 'Ārif Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) (1298-1330/1881-1912), Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī, also known as Ṣāḥibān Pāshāh (RA) (1310-1385/1893-1965), Ḥazrat Abul Qāsim Shāh Syed 'Abdul Wahāb Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī alias Ḥazrat Wahāb Pāshāh Ṣāḥib (RA) (1326-1415/1908-1995), Prof. Ḥazrat Shāh Syed 'Aṭāullāh Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) (1350-1441/1931-2020), and Ḥazrat Abul 'Ārif Shāh Syed Shafīullāh Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī, also known as Ḥazrat 'Arif Pāshāh Ṣāḥib (RA) (1359-1441/1940-2020).

5. Conclusion

The history of the Qādirī Multānī Order of the Deccan illustrates how a disciplined Ṣūfī lineage can shape the religious, intellectual, and social life of a region over several centuries. Emerging within the broader evolution of Ṣūfism—from the early ascetics to the organised mystical orders of the thirteenth century onwards—the Qādirī Multānī branch in the Deccan combined deep attachment to sharī'ah with an emphasis on inner purification, ethical refinement, and service to creation. From the time of the Bahmanī Sultans, through the Quṭb Shāhī and Āṣaf Jāhī periods, this order consistently provided spiritual guidance, moral critique, and social stability in moments of transition and change.

The lives of leading figures such as Ḥazrat Shaykh Muḥammad Shams al-Dīn Multānī (RA), Ḥazrat Shaykh Shāh Ibrāhīm Makhdūm Jī Qādirī Multānī (RA), Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) Muḥaqqiq, and Ḥazrat Shāh Syed 'Abdur Raḥīm Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) reveal several common features. They maintained a principled distance from royal patronage while at the same time guiding rulers and elites; they refused to convert their spiritual authority into material advantage; and they insisted that true wilāyah is inseparable from strict adherence to the sunnah of the Noble Prophet (PBUH). Their khānqāhs functioned as spaces of instruction, worship, mediation, and charity—places where the poor found support, students found teachers, and seekers found a path of disciplined remembrance and self-critique.

Intellectually, the Qādirī Multānī saints contributed to the literary and scholarly life of the Deccan through works such as *Ma'ārif al-'ulūm*, *Maqāṣid al-Qādirīyyah*, *Risālah-i sulūk*, *Dalīl al-najāt* and *Pandnāmah*. These texts engage with tafsīr, ḥadīth, fiqh, spiritual psychology, and ethics, offering a synthesis of classical Ṣūfī teachings with the concrete needs of Deccani society. Their legacy is also institutional: the revival of the Imampura Shareef khānqāh and the establishment of Islamia College, Warangal, demonstrate how spiritual capital was translated into enduring educational initiatives, especially through the medium of Urdu, thereby widening access to higher learning for ordinary people. At the socio-

respect, refusing to accept his followers' financial support, thereby embodying the *sunnah* of the Noble Prophet (PBUH).

Following his father's passing, he embodied guidance and respect, skillfully balancing *sharī'ah* and *ṭarīqah*. His character harmoniously combined sobriety and intoxication, embodying the concept of 'مَرَجَ البَحرَين, or the blending of two seas.' He frequently counselled his disciples to consistently remember Allāh, which draws them nearer to the Beloved and offers genuine salvation.

A fervent poet, he adopted the pen name *Khādim*, composing Ṣūfī verses that reflect his mystical insights and the profound relationship between the Creator and creation. The manuscript, comprising 35 stanzas by Ḥazrat Khādim (RA), was published by Maulānā Shāh Muḥammad Faṣīḥ al-Dīn Nizāmi, the former Librarian of Jamia Nizamia Library. This publication was undertaken at the request of Maulānā Professor (Dr.) Abul-Ḥasanāt Shāh Syed 'Aṭāullāh Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA). It is titled *pandnāmah*, which translates to 'Book of Wisdom' or 'Scroll of Moral Maxims and Advice.'

Among the saint's distinguished successors are: (i) the esteemed Ḥazrat Abul 'Irfān Shāh Syed Aḥmad 'Ārif Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA), fondly known as Miān Qiblah Ṣāḥib (RA); (ii) his nephew, Abul Khair Ḥazrat Shāh Syed Ḥabībullāh Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī, referred to as Syed Ṣāḥib (RA); (iii) Ḥazrat Shāh Syed Muḥammad Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī, affectionately known as Ḥājī Ṣāḥib (RA), who established Islamia College in Warangal; and (iv) Ḥazrat Shāh Syed Muḥammad Ṣābir Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA).

Following Ḥazrat Shāh Syed Muḥammad Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī's (RA) elevation to the caliphate, Ḥazrat Khādim entrusted him with a significant mission: to journey to the historic city of Warangal in the Telangana region. His purpose was to spread the teachings of Islam and kindle the flames of knowledge and mysticism in the hearts of those seeking the truth. Guided by his spiritual master, he established himself in the Mathwada area of Warangal, home to numerous monasteries and a community that revered Narsu. Ḥazrat Shāh Syed Muḥammad Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) devoted himself to illuminating the principles of Islam and promoting Ṣūfism in this region. He also constructed a mosque, well-known by his name, the Masjid Ḥazrat Ḥājī Ṣāḥib, located in Sherpura.

In a personal meeting, the late Dr Muḥammad 'Azīz Aḥmad 'Ursī, a distinguished academic and literary figure from Warangal, and the former principal of Islamia College, Warangal, shared valuable insights about the college's founder. He recounted that the Desmukh Wadi Raj of Warangal, motivated by the missionary efforts and the Ṣūfī character of Ḥazrat Shāh Syed Muḥammad Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA), generously donated a parcel of land. This significant contribution facilitated the establishment of the college in 1307 H/1890 AD, to enrich the lives of ordinary people by providing them with access to higher education, using Urdu as the medium of instruction.

The movement that ultimately resulted in the establishment of Pak Royal B College, Pothana College, and Kakatiya Degree College began at this institution. The first president was Nawab Jeevan Yar Jung Bahadur, while the esteemed Na't Khwān and former MLA, Mirzā Shukūr Baig Advocate, served as secretary. Originally developed into a Junior College in 1389 H/1969 AD, this institution flourished and is now recognised as Islamia College

خدا ہونا تو آنزدیک میرے

کرامت دیکھ جابازی گروں میں

کرامت ہے یہی تحقیقِ محرم

شریعت پر رہوں دیں پرور رہوں میں

On the recommendation of Maulānā Ḥāfiz Imām Shāh Muḥammad Anwārullāh Fārūqī Khān Bahādur Fazīlat Jang (1265-1335 H/1848-1917 AD), the esteemed founder of Jamia Nizamia, Ḥazrat Shāh Syed Muḥammad Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (d. 1338 H/1920 AD), affectionately known as Ḥājī Ṣāḥib and the founder of Islamia College in Warangal, pledged his allegiance to Pīr Quṭb al-Mashā'ikh, Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī, thus becoming a member of the Qādirī Multānī order.[40] Ḥazrat's significant contributions, particularly his work *Dalīl al-najāt*, which he wrote in Persian in 1262 H/1846 AD, gained considerable acclaim but, regrettably, have since become lost to time. This loss underscores the importance of preserving and cherishing the valuable works of our scholars, invoking a sense of regret and the need for preservation among the audience.[41] In addition to his scholarly pursuits, he was also a poet, adopting the pen name *Muḥaqqiq*. In Ṣūfī terminology, a *Muḥaqqiq* refers to someone who has attained divine knowledge through rigorous inquiry.

4.4 Ḥazrat Shāh Syed 'Abdur Raḥīm Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) (1262-1326 H/1845-1908 AD)

Ḥazrat Shāh Syed 'Abdur Raḥīm Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī, Khādim (RA), the son of Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA), is esteemed as a master of *sharī'ah*, a luminary of enlightenment, a champion of the *sunnah*, a guardian against innovation (*bid'ah*), and a collector of both rational thought and steadfast truths. Also called Ḥazrat Khādim, Ḥazrat Shāh Syed 'Abdur Raḥīm Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) was born in 1262 AH/1845 CE in Imampura Shareef.

He embodies a wealth of practical knowledge, possesses a deep understanding, serves as a dignified spiritual mentor, and is firmly grounded in his knowledge of Allāh, the Most Gracious.After completing his primary education, he pursued the study of tafsīr, ḥadīth, jurisprudence, and doctrines under the tutelage of his father and uncle, Ḥazrat Shāh Syed 'Alī Ḥussainī al-Qādirī Al-Multānī (RA). Renowned for his profound knowledge and expertise in traditional and unconventional sciences, he pledged allegiance to his father. His life was characterised by a steadfast commitment to divine principles and the teachings of the Prophet (PBUH). He placed a high value on seriousness, modesty, dignity, and self-

[40] Maulānā Fasih al-Dīn Nizāmi, *Muraqqa'-i anwār*, p. 508.

[41] Murād 'Alī Ṭāle', *Tazkirah-i awliyā-i Hyderabad*, vol. iv, p. 4. See also Ṣūfī Muḥammad Ismā'īl Qādirī Multānī, *Tārīkh-i Ṣūfīyā-i kirām wo salāṭīn-i Deccan salṭanat-i Āṣafiyyah*, vol. ii, p. 412.

Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA), frequently reflects on the kindness of his spiritual mentor.

رشدِ محرمؔ نے جب نکتہ نمائی کی ہے

لعل وگہر پھر تو نکلیں یہ گھر سے میرے

Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) embarked on a profound spiritual journey that led him from Muhammadpur Arcot to Hyderabad during the reign of Nawab Nāṣir al-Daulah Bahādur Āṣaf Jāh IV, also known as Mīr Farkhundah ʻAlī Khān, the fourth Nizām of Hyderabad (1209-1274/1794-1857). Seeking refuge beneath a tree near the old bridge in Imampura Shareef, alongside the Mūsā River, he began to experience the transformative power of spiritual blessings, which over time, had a significant impact on his life and teachings.[37] At the behest of Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA), Nawāb Mīr Parvarish ʻAlī Khān commissioned the construction of the Jamia Masjid Imampura Shareef. The date of its construction has been inferred from the couplets composed by the Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA), inscribed on the mosque arch.[38]

کر حق پرورش علی خان ام
کرد مسجد بنا چوچہ رفتہ
سال تاریخ بے سر بدعت
گفت ہاتف خانہ خدا گفتہ

His residence, *Multānīyyah Manzil*, was the foundation for his teachings. Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) emphasised the necessity for his students to adhere strictly to *sharīʻah*, granting the privilege of learning about Ṣūfīsm and embarking on a journey of inner purification only to those who met these standards. His lectures on mysticism were held during the winter, following the *tahajjud* prayer. They were accessible only to those whose lives were fully aligned with knowledge and action, individuals capable of confronting their souls and recognising the discrepancies between their words and deeds.[39]

During the time designated for *tahajjud*, Ṣūfī teachings drew those eager for knowledge to Ḥazrat's lectures. One attendee approached the gathering and expressed, "I am in search of a perfect spiritual master." In response, Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) asked, "What criteria do you use to identify a perfect spiritual mentor?" The individual replied, "A miracle!" Ḥazrat smiled and explained, "In truth, a perfect spiritual mentor is one whose actions and conduct align with the *sharīʻah*." After a brief pause, he continued in a firm tone...

---

[37] Murād ʻAlī Ṭāleʻ, *Tazkirah-i awliyā-i Hyderabad*, vol. iv, p. 3.
[38] Murād ʻAlī Ṭāleʻ, *Tazkirah-i awliyā-i Hyderabad*, vol. iv, p. 4.
[39] Murād ʻAlī Ṭāleʻ, *Tazkirah-i awliyā-i Hyderabad*, vol. iv, p. 4.

individuals seek Ṣūfī prayers for their personal benefit, my prayers are always dedicated to the well-being of the entire Muslim Ummah, which includes you."[32]

As a prolific writer, he concentrated on Ṣūfism and ethics while submitting his works to his father for review in Gulbarga.[33] While many of his writings have been lost, two notable works remain: *Maqāṣid al-Qādirīyyah* and *Risālah-i sulūk*. The former, a significant ethical treatise composed of seven sections, is preserved in the Oriental Manuscript Library in Hyderabad and translated into Urdu by Maulvī Janāb Muḥammad Mājid ʻAlī al-Qādirī al-Multānī (RA). This book addresses a variety of topics, including the nature and definition of the disciple, intention, piety, asceticism, meditation, remembrance, the spirit, disbelief, essence, sincerity, prayer, an interpretation of Surah al-Ikhlas, the supplications of Ḥazrat Khwājah ʻAbdullāh Anṣārī (RA), the verse of healing, and the benefits derived from the attributes of the Almighty. The *khānqāh* of the Qādirī Multānī Order in Imampura Shareef is well-known for its deep mysticism and humble teachings. Ḥazrat Shāh Sayyid Pīr Ḥussainī Qādirī Multānī Muḥaqqiq (RA) was pivotal in revitalising this *khānqāh*, transforming it into an essential hub for Ṣūfism. Under the leadership of the Multānī family, descendants of Ḥazrat Pīr Ḥussainī (RA), this centre emphasises profound reverence for Allāh, His Beloved Prophet Muḥammad (PBUH) and spiritual self-sufficiency. It stands as a beacon for seekers of reform, and we are dedicated to documenting the stories and teachings of its esteemed shaykhs to strengthen faith and seek Allāh's pleasure.

4.3 Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) Muḥaqqiq (1239-1305 H/1823-1887 AD)

Ḥazrat Shāh Syed Pir Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) was born there to Ḥazrat Shaykh al-Mashaikh, Shāh Syed ʻAbdur Raḥīm Ḥussainī al-Qādirī (RA).[34] His spiritual significance was evident from an early age, and his maternal lineage can be traced back to Ḥazrat Syed Abul Ḥasan (Thānī) Qādirī, a grandson of Maʻshūq-i Rabbānī (RA), the *Urs* Jagir of Warangal.

His elder maternal uncle, Ḥazrat Shāh Syed Aḥmad al-Qādirī al-Multānī, known as Nuktah Numā Maḥram (RA), is connected to the lineage of Abu al-Fatḥ Ḥazrat Makhdūm Muḥammad Multānī Pāshāh Qādirī Bidarī (RA). He shaped Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) into a prominent mystic figure by imparting knowledge in Tafsīr, Ḥadīth, Fiqh, and Ṣūfism.[35] Ḥazrat Shāh Syed Pir Ḥussainī received both allegiance and caliphate from him.[36] He is recognised among the *muḥaddithīn* and *Muḥaddathīn*, who are divinely bestowed with the ability to grasp the meanings and mysteries of the Holy Qur'ān through inspiration from Allāh Almighty. Pīr Quṭb al-Mashā'ikh, Ḥazrat Shāh Syed Pīr

[32] Syed Ghulām ʻAlī Shāh, *Mishkāt al-nubuwwah*, Mishkāt-23, vol. iv, pp. 53-54. See also H.K. Sherwani, *Bahmanis of the Deccan*, pp. 91-92; Muḥammad Suleman Ṣiddīqī, *Deccan ke Junaydī Ṣūfīyā-i kirām*, p. 293.

[33] Muḥammad Suleman Ṣiddīqī, *Deccan ke Junaydī Ṣūfīyā-i kirām*, p. 294. See also Ḥazrat Shāh Syed Ibrāhīm Makhdūm Jī Qādirī, Urdu tr. by ʻĀrif al-Dīn Fārūqī, *Risālah-i sulūk*, p. 8.

[34] Murād ʻAlī Ṭāleʻ, *Tazkirah-i awliyā-i Hyderabad*, vol. iv, p. 3. See also Ṣūfī Muḥammad Ismāʻīl Qādirī Multānī, *Tārīkh-i Ṣūfīyā-i kirām wo salāṭīn-i Deccan salṭanat-i Āṣafiyyah*, vol. ii, p. 411.

[35] Murād ʻAlī Ṭāleʻ, *Tazkirah-i awliyā-i Hyderabad*, vol. iv, p. 3.

[36] Ṣūfī Muḥammad Ismāʻīl Qādirī Multānī, *Tārīkh-i Ṣūfīyā-i kirām wo salāṭīn-i Deccan salṭanat-i Āṣafiyyah*, vol. ii, p. 411.

Ḥazrat Multānī Bādeshāh declined to accept royal gifts for himself or his family, embodying the prophetic saying: "Say I do not ask you for a reward for it."[27] Despite experiencing poverty, he generously distributed any gifts he received to the less fortunate and urged his disciples to steer clear of royal offerings.[28] Alongside his four sons,[29] i.e., Ḥazrat Shaykh Ibrāhīm alias Ḥazrat Makhdūm Jī Qādirī (RA), Ḥazrat Shaykh Ismā'īl Quṭb Jalīl Qādirī (d. 985/1578) (RA), Ḥazrat Shaykh Isḥāq Qādirī (d. 945/1539) (RA), and Ḥazrat Shaykh Badr al-Dīn Qādirī (d. 981/1573) (RA), he welcomed hundreds of individuals from various backgrounds into the Qādirī Order. His efforts significantly alleviated the turmoil in the Deccan region, illuminating it with the teachings of Islam and strengthening the foundations of Islamic civilisation. His remarkable character continues to earn admiration today, with many non-Muslims paying their respects at his court.

4.2 Ḥazrat Shaykh Shāh Ibrāhīm Makhdūm Jī Qādirī Multānī (RA) (862-972 H/1458-1564 AD)

Ḥazrat Multānī Bādeshāh's family, particularly his son, Ḥazrat Shaykh Shāh Ibrāhīm Makhdūm Jī (d. 970/1564) (RA), is well-recognised in the Deccan.[30] Ḥazrat Shaykh Shāh Ibrāhīm Makhdūm Jī Qādirī Multānī (RA) was renowned for his devotion and remarkable courage. He believed that proper purification of the soul and heart could only be attained by those who detach themselves from worldly possessions and pleasures, focusing solely on Allāh. His intellectual insight and inner purity profoundly impacted devotees in Bidar. Throughout his life, he committed to the moral and spiritual upliftment of individuals grappling with societal challenges.[31]

Ibrāhīm Quṭb Shāh (924-988 H/1518-1580 AD) sought permission for a visit but was firmly denied, a decision rooted in his father's teachings. Ḥazrat Shaykh Shāh Muḥammad Shams al-Dīn al-Qādirī al-Multānī (RA) exemplified this principle by refusing sustenance sent by rulers, even when his children faced hunger. The success of monasteries depended on adherence to such ideals. A true dervish is recognised by the wealthy and kings as the epitome of existence.

A notable example of faith can be observed in the interaction between Ḥazrat Shaykh Shāh Ibrāhīm Makhdūm Jī Qādirī Multānī (RA) and Sulṭān Ibrāhīm Quṭb Shāh. When Ḥazrat Shaykh declined to meet with the Sulṭān, the Sulṭān requested Ḥazrat Shaykh's sandals as a token of his esteem. In response, Ḥazrat Shaykh remarked, "While many worldly

---

[27] For further details, see Shu'rā:109, 127, 145, 164, 180.

[28] Shaykh 'Abdul Qādir *Makhzan al-karāmāt*, Urdu tr. by Muḥammad Karīm al-Dīn, pp. 106, 156, 157, 177.

[29] Despite having five sons, one of them, Ḥazrat Shaykh Fakhr al-Dīn (RA), unfortunately, passed away at the tender age of three. For more details, see Mirzā Chishtī Ṣāberī Nizāmī, *Tazkirah-i Ḥazrat Multānī Bādeshāh*, p. 66. See also Shah Syed Ismā'īl al-Qādirī al-Multānī, Urdu tr. by Dr Muḥammad 'Arif al-Dīn Fārūqī, *Asrār-i ism-i zāt*, p.7.

[30] Ghulām 'Alī Qādirī has recorded his date of demise as 972/1564—Mishkāt-3, vol. iv, p. 52. See also 'Abdul Jabbār Malkāpūrī, *Tazkirah-i awliyā-i Deccan*, vol. ii, pp. 842-844; Shaykh 'Abdul Qādir *Makhzan al-karāmāt*, Urdu tr. by Muḥammad Karīm al-Dīn, pp. 138-141, 295-296; Muḥammad Suleman Ṣiddīqī, *Deccan ke Junaydī Ṣūfīyā-i kirām*, p. 321.

[31] Shaykh 'Abdul Qādir *Makhzan al-karāmāt*, Urdu tr. by Muḥammad Karīm al-Dīn, pp. 138-141. See also Muḥammad Suleman Ṣiddīqī, *Deccan ke Junaydī Ṣūfīyā-i kirām*, p. 292.

definitions. This treatise was dedicated to Sulṭān ‘Alā al-Dīn Aḥmad Shāh II (840-863 H/1430-1485 AD), who, impressed by his knowledge, granted him fourteen villages, leading him to settle permanently in Bidar.[22] Queen Makhdūmah Jahān Nargis Begum[23] Appointed Ḥazrat Shaykh Ibrāhīm Multānī to educate Sulṭān Nizām Shāh III (r. 865-867 H/1461-1463 AD) and Muḥammad Shāh III (r. 867-887 H/1463-1482 AD). When Muḥammad Shāh III (857-887 H/1453-1482 AD) ascended to the throne, he designated Ḥazrat Shaykh Ibrāhīm Multānī as *Qāzi al-quzāt*.

Following the passing of Hazrat Sayyidunā Shaykh Ibrāhīm, his son, Ḥazrat Shaykh Muḥammad Shams al-Dīn Multānī significantly contributed to promoting and disseminating knowledge. He was born in Muhammadabad, the largest city in the Deccan, during the reign of Sulṭān ‘Alā al-Dīn Humāyūn Shāh Bahmanī (r. 862-865 H/1458-1461 AD). His mother, Ḥazrat Fāṭimah (RA), was a descendant of the renowned Indian saint Ḥazrat Makhdūm Jahāniyān-i Jahān Gasht (708-786 H/1308-1384 AD) (RA). He exemplified qualities such as knowledge, wisdom, sincerity, and compassion. Throughout his life, he became well-versed in Islamic law (*sharī‘at*), spiritual practice (*ṭarīqat*), truth (*ḥaqīqat*), and divine knowledge (*ma‘rifat*).

Some scholars of external sciences have expressed scepticism regarding certain aspects of Ḥazrat Sayyid Muḥammad al-Ḥussainī Gīsūdirāz’s work, *Asmār al-asrār*. In response, Ḥazrat Multānī Bādeshāh (RA) composed a comprehensive note that addresses these doubts, convincingly demonstrating that every line of *Asmār al-asrār* aligns perfectly with *sharī‘ah*.[24] Ḥazrat Multānī Bādeshāh (RA) consistently showcased his teaching prowess with unwavering energy while enhancing the significance of external sciences. At other times, he illustrated the value and practicality of internal sciences, embodying the essence of poverty and asceticism.

In the book *Ma‘dan al-jawāhir*, it is recorded that Ḥazrat Shaykh Ḥasan al-Qādirī (R.A.)[25] Arrived in Bidar from Bengal with a large entourage. He took residence at the mosque of *Waqār-al-mulk Ashraf*. He instructed his companions to respectfully bring Ḥazrat Multānī Bādeshāh (R.A.) to him. Upon receiving the summons, Ḥazrat Multānī Bādeshāh (R.A.) promptly arrived. Ḥazrat Shaykh Ḥasan greeted him warmly, extending a handshake and inviting him to take a seat. He then shared that he had dreamt of Ḥazrat Shaykh ‘Abdul Qādirī Jīlānī (R.A.), who had instructed him to seek out Shaykh Muḥammad (Ḥazrat Multānī Bādeshāh R.A.) in Bidar, to make him a follower of his Order.[26]

---

[22] ‘Abdul Jabbār Malkāpūrī, *Tazkirah-i awliyā-i Deccan*, vol. i, p. 554. See also H.K. Sherwani, *Bahmanis of the Deccan*, p. 229; Syed Ghulām ‘Alī Shāh, *Mishkāt al-nubuwwah*, Mishkāt-23, vol. iv, pp. 39-40; Shaykh ‘Abdul Qādir *Makhzan al-karāmāt*, Urdu tr. by Muḥammad Karīm al-Dīn, pp. 259-260, 263, 269; Muḥammad Suleman Ṣiddīqī, *Deccan ke Junaydī Ṣūfīyā-i kirām*, p. 289.

[23] She was the real power behind the Bahmanī throne between 1458 and 1473. For more details about her, see A.K. Goel, ReKhān Pande, Ravulapati, Zareena Parveen, *Telangana Land and People from 1323-1724 CE*, vol. ii, pp. 52-59.

[24] Shaykh ‘Abdul Qādir *Makhzan al-karāmāt*, Urdu tr. by Muḥammad Karīm al-Dīn, pp. 118-119.

[25] The name of the saint mentioned above is written as Ḥazrat Shaykh Ḥasan Jabīlī in the book *Āīn-i Bidar*, Ḥazrat Shaykh Ḥasan Khān Bengalī in the book *Maḥbūb-i zul-minan tazkirah-i awliyā-i Deccan*, and Ḥazrat Shaykh Ḥasan Jamīlī al-Qādirī in the book *Guldastah-i ḥayāt*.

[26] Muḥammad Suleman Ṣiddīqī, *Deccan ke Junaydī Ṣūfīyā-i kirām*, p. 291.

Some scholars suggest that the Qādirī Order was established in India by Ḥazrat Aḥmad Baghdādī (RA) and Ḥazrat Muḥammad Baghdādī (RA). However, it can be said that the systematic introduction of the Qādirī Order in both North and South India was effectively carried out by Ḥazrat Bandagī Muḥammad Ghawth (RA) and Ḥazrat Shaykh Ibrāhīm Multānī bin Ḥazrat Shaykh Fatḥullāh (d. 842/1438), respectively.[18]

4. The Qadiri Multani Order of the Deccan

Sultan Aḥmad Shāh Walī Bahmanī (773-840/1371-1436), the successor to Tāj al-Dīn Fīrūz Shāh Bahmanī (773-825/1371-1422), moved the capital of the Bahmanī Empire from Gulbarga to Bidar in 827/1424 for a variety of personal and political reasons. He restructured the administrative and religious systems and welcomed administrators and Ṣūfī scholars from Iran, Najaf, Baghdad, Mahan, and Multān.[19] During the reign of Sulṭān 'Alā al-Dīn Aḥmad Shāh II (d. 863/1458), who succeeded Aḥmad Shāh Walī Bahmanī, Ḥazrat Shaykh Fatḥullāh (RA) and his son, Ḥazrat Shaykh Ibrāhīm Multānī (RA) (d. 868/1463), arrived in Bidar to spread the Qādirī Order.[20] Among the diverse array of spiritual traditions and orders, one that stands out with remarkable distinction is the Qādirī Multānī. This order is renowned for its unique mysticism and deep devotion, guiding its followers on a transformative journey toward spiritual awakening and unity.

4.1 Ḥazrat Shaykh Muḥammad Shams al-Dīn Multānī (RA) (62-935H /1457-1528 AD)

The history of the Muslim community's reform and outreach efforts highlights the significant contributions of dedicated religious leaders in Bidar. These Ṣūfī figures emphasise that actual elevation arises from connecting with Allāh Almighty, rather than pursuing material gain.[21] Crucially, these leaders have never pursued status or self-promotion, urging their followers to adopt the same mindset. A fundamental principle of Ṣūfīsm is cultivating relationships with all individuals, irrespective of their religion or background, purely for pleasing Allāh. This philosophy seeks to guide individuals toward personal growth, enlightenment, and success in this life and the hereafter.

Ḥazrat Shaykh Muḥammad Shams al-Dīn Multānī also known as Multānī Bādeshāh (RA) is a revered figure in Ṣūfīsm, recognised for his scholarship and leadership within the Qādirī order. He is esteemed as the spiritual pole (*Quṭb al-aqṭāb*) and the Sun of lovers (*Shams al-'ushshāq*). His father, Sayyidunā Shaykh Ibrāhīm (d. 874 H/1470 AD) (RA), was an eminent scholar who arrived in the city of Bidar in 840 H/1437 AD, accompanied by his father, Ḥazrat Sayyidunā Shaykh Fatḥullāh (d. 842 H/1439 AD) (RA). After his father's death, Sayyidunā Shaykh Ibrāhīm (RA) returned to Multān. Before his departure, he composed *Ma'ārif al-'ulūm*, a significant work outlining fourteen sciences and their

[18] Muḥammad Sulemān Ṣiddīqi, *The Bahmani Sufis*, pp. 70-72.

[19] For more details, see Muḥammad Qāsim Farishtah, *Tārīkh-i Farishtah*, Urdu tr. by 'Abdul Ḥayy Khwājah, vol. ii, p. 324, Syed 'Alī Ṭabāṭabā'ī, *Burhān-i Ma'āthir*, edt., by Ghulām Yazādnī, p. 54, H.K. Sherwani, *Bahmanis of the Deccan*, pp. 194-195.

[20] For more details, see Shaykh 'Abdul Qādir *Makhzan al-karāmāt*, Urdu tr. by Muḥammad Karīm al-Dīn, p. 258. See also, Muḥammad Moḥī al-Dīn, *Tārīkh-i Khurshīd Jāhī*, page 210.

[21] For more details, see Ibrāhīm:4. See also al-Isrā:15.

The third period of Ṣūfīsm extends from the 9th to the 12th centuries CE. During this time, philosophical discussions emerged within Ṣūfī thought, addressing various topics and debates surrounding philosophy, Ṣūfīsm, and divine wisdom. Key Ṣūfī figures from this time include Ḥazrat Ma'rūf Karkhī (133-199/750-815) (RA), Ḥazrat Bishr Ḥāfī (150-227/767841), Ḥazrat Sarī Saqatī (155-243/772-857) (RA), Ḥazrat Ḥārith Muhāsibī (165-243/781-857), Ḥazrat Zul-Nūn Miṣrī, Ḥazrat Bāyazīd Bistāmī (136-261/754-875) (RA), Ḥazrat Sahl bin 'Abdullāh Tustarī (203-283/818-896) (RA), Ḥazrat Junayd al-Baghdādī, Ḥazrat Ḥussain bin Manṣūr Hallāj (RA), Ḥazrat Shiblī (RA), Ḥazrat Imām Ghazālī (RA), and Ḥazrat Shaykh Shihāb al-Dīn Suhrawardī (549-587/1154-1191) (RA).[12]

The fourth and final period of Ṣūfīsm commenced in the thirteenth century, marked by the rise of various Ṣūfī orders. Ḥazrat Shāh Walīullāh Muḥaddith-i Dehlvī (1115-1176 H/1703-1762 AD) identified fourteen Ṣūfī families, including nine categorised as *naw qādir* and five as *panch chisht*, which led to the proliferation of numerous branches throughout the Indian subcontinent.[13]

3. The Arrival of the Qādirī Order in India

Numerous mystical orders originated outside of India but flourished within the region, thanks to favourable local conditions, visionary leaders advocating for reform, and the backing of supportive rulers. Among these, the Qādirī Order, established by Ḥazrat Shaykh 'Abdul Qādir Jīlānī (471-561 H/1078-1166 AD) (RA), was brought to India in the fifteenth century, emphasising the revitalisation of Islam. [14]

The Qādirī Order is also referenced in the book *A'īn-i Akbarī* by Abu al-Fazl (d. 1010/1602), written during Emperor Akbar's reign (d. 1014/1605).[15] Between the sixteenth and eighteenth centuries, the Qādirī Order had a profound impact on the religious life of the Indian populace, as evidenced in the writings of Dara Shikoh (1024-1069/1615-1659), particularly in his works *Sakīnat al-awliyā* and *Safīnat al-awliyā*.[16] Prominent centres of this order included Multān, Sindh; Delhi; Agra; Bayana; Bengal; Ujjain; Kashi; Jaunpur; Burhanpur; Konkan; Gujarat; Ahmednagar; Daulatabad; Khuldabad, Gulbarga; Bijapur; Golconda; Raichur; Kashmir; Bidar; and Hyderabad. The identity of the founder of the Qādirī Order in India remains uncertain owing to a lack of reliable historical records, which has resulted in varying scholarly interpretations.[17]

[12] *Sufism: Origin, Development and Emergence of Sufi Orders*, pp. 12-13.

[13] Tara Chand, *Influence of Islam on Indian Culture*, p. 67.

[14] For more details, see H. A. R. Gibb and J.H. Kramers, *Shorter Encyclopaedia of Islam*, pp. 74, 202-204, 'Alī ibn Yūsuf, *Bahjat al-asrār wa ma'din al-anwār fī manāqib al-bāz al-ashab*, p. 88, Sibṭ ibn al-Jawzī, *Mirāt al-zamān fī tawārīkh al-a'yān*, vol. vii, pp. 264-265, vol. ix, p. 664.

[15] For more details, see 'Allāmah Abul Fazl, *Ā'īn-i Akbarī*, vol. iii, pp. 357-358.

[16] For more details, see Dara Shikoh, *Safīnat al-awliyā*, pp. 47-122. See also Dara Shikoh, Urdu tr. by Prof. Maqbul Baig, *Sakīnat al-awliyā*, pp. 19-21 and 23-29; Tara Chand, *Influence of Islam on Indian Culture*, p. 51.

[17] For more details, see Shaykh 'Abdul Qādir *Makhzan al-karāmāt*, Urdu tr. by Muḥammad Karīm al-Dīn, pp. 3, 4, 11, 21-29, 31-35, 'Abdul Jabbār Malkāpūrī, *Tazkirah-i awliyā-i Deccan*, vol. i, p. 421. It should be noted that *Makhzan al-karāmāt* is actually an Urdu translation of the Persian work *Ma'dan al-jawāhir* by Shaykh 'Abdul Qādir, grandson of Ḥazrat Shams al-Dīn Multānī (RA), which was written in 1271/1854.

overlooking worldly concerns. Ḥazrat Ibrāhīm bin Adham (125-191 H/743-807 AD) (RA), a disciple of Ḥazrat Khizr (AS), further emphasises that a true Ṣūfī is indifferent to worldly possessions, dedicating himself entirely to the service of Allāh.[7] Ḥazrat Shaykh Aḥmad Sirhindī, revered as Mujaddid-i Alf-i Thānī (972-1033 H/1564-1624 AD) (RA), underscores that the essence of Ṣūfīsm lies in cultivating sincere devotion within Islamic practices.[8]

The arrival of the Multānī family in Bidar during the fifteenth century coincided with a significant turning point in Deccan history. The Bahmanī court, seeking to strengthen its religious and administrative foundations, invited scholars, judges, and spiritual authorities from major centres of learning such as Baghdad, Najaf, Hamadan, Isfahan, and Multān. This intellectual migration enriched the Deccan's scholastic culture and facilitated the emergence of vibrant Sufi networks. Within this milieu, the Qādirī Multānī Order established itself as a disciplined spiritual lineage capable of addressing both personal moral reform and broader communal concerns.

2. The Origins and Development of Mystical Orders

Researchers classify the history of Ṣūfīsm into four distinct periods, starting with the time of the Noble Prophet Muḥammad (PBUH) and his Companions. It is noted in early Arabic texts that the term 'Ṣūfī' was used to describe devoted individuals even before the advent of Islam. However, none of the Prophet's Companions were referred to as Ṣūfīs. Shaykh Abū Naṣr Sarrāj Ṭūsī, in his work *Kitāb al-luma'*, explains that during this period, the title of Companion (RA) was considered the highest honour, rendering the designation of Ṣūfī unnecessary.[9] The esteemed author of *Kashf al-maḥjūb*, Syed 'Alī Hujwerī (d. 469 H/1077 AD), revered in the Islamic world as Dātā Ganj Bakhsh, observes that although the term 'Ṣūfī' was not in use during the era of the Companions and the early righteous predecessors, the essence of Ṣūfīsm was clearly understood by all.[10]

The second period of Ṣūfīsm, from 661 AD to 685 AD, emphasised themes of repentance and forgiveness, significantly shaped by the tragedy of *Karbalā*, which profoundly impacted the hearts of Muslims. During this time, many devout individuals opted for a life of seclusion, drawing followers and dedicating themselves to the spiritual refinement of ordinary people. This era witnessed the emergence of a monastic order within Muslim society, featuring prominent figures such as Ḥazrat Ḥasan Baṣrī (d. 110 H/728 AD) (RA), Ḥazrat Abū Hāshim Kūfī (d. 150 H/767 AD) (RA), Ḥazrat Rābi'ah Baṣrī (99-185 H/717-801 AD) (RA), Ḥazrat Fuzayl bin Ayāz (108-187 H/726-803 AD) (RA), Ḥazrat Ibrāhīm bin Adham (RA), and Ḥazrat Shaqīq Balkhī (d. 194 H/810 AD) (RA).[11]

---

[7] For definitions of Ṣūfīsm, see Shaykh Abū Muḥammad Ja'far Sirāj, *Ma'āṣir' al-ushshāq*, vol. ii, p. 13. See also Shaykh Abul-Ḥasan 'Alī Hujwerī, *Kashf al-maḥjūb*, Urdu tr. by Syed Muḥammad Aḥmad Qādirī, p.23; Shaykh Farīd al-Dīn 'Aṭṭār, *Tazkirat al-awliyā*, p. 28; 'Abdur Raḥmān Sulamī, *Ṭabaqāt al-Ṣūfīyyah*, Urdu tr. by Shāh Muḥammad Chistī, p. 27; 'Allāmah Imām Abul Qāsim 'Abdul Karīm Qushayrī, *Al-Risālat al-qushairiyyah*, Urdu tr. by Shāh Muḥammad Chistī, p. 20.

[8] Shaykh Aḥmad Sirhindī, *Maktūbāt-i Imām-i Rabbānī*, Urdu tr by Maulānā Muḥammad Sa'īd Aḥmad Naqshbandī, maktūb-36, pp. 112.

[9] 'Abdul Mājid, *Taṣawwuf-i Islām*, p. 291.

[10] Shaykh Abul-Ḥasan 'Alī Hujwerī, *Kashf al-Maḥjūb*, Urdu tr. by Miān Tufail Muḥammad, p. 211. See also *Pahary Sheikh Mohammad Yasser, Sufism: Origin, Development and Emergence of Sufi Orders*, pp. 9-11.

[11] Tara Chand, *Influence of Islam on Indian Culture*, pp. 67-68.

kingdom, illustrating their integration into the region's socio-cultural and political fabric.[2] This aspect of Ṣūfism's influence on the Deccan region highlights its inclusivity and the universality of its teachings.[3]

Derived from the Sanskrit word *Dakṣiṇa*, meaning 'south,' the Deccan region is a rich cultural melting pot with a deep historical and cultural significance. It encompasses the states of Andhra Pradesh, Telangana, Karnataka, Kerala, Tamil Nadu, and Maharashtra, with classical references such as the Dakshinapatha.[4] Historically, the Deccan region has been a melting pot of various empires, including the Bahmanī and 'Ādil Shāhī, and has nurtured Ṣūfī orders like Junayd, Chishtī, Qādirī, and Shaṭṭārī. The Deccans' cultural diversity is not just remarkable, it is a key aspect of their historical and cultural heritage. A dialect of Urdu known as Deccani emerged as the court language of the Deccan Sultanate during the 16th century, playing an essential role in the evolution of Urdu. This rich cultural diversity is a fascinating aspect of the Deccan that invites further exploration.

In ancient times, India was divided into two distinct regions. The Brahmin geographers of this land referred to one part as Uttar Khand and the other as Deccan Khand. This division is not merely conceptual; it is both real and natural. The Vindhyachal mountain range and the Narmada river, formerly known as Narbada and anglicised to Nerbudda, along with the Mahanadi river, create a clear separation of India into these two natural parts. The Vindhyachal mountain range extends predominantly eastward, offering breathtaking views and diverse flora and fauna. The Narmada River originates from the Amarkantak Lake, flowing parallel to the mountains before ending in the Gulf of Khambhat, also known as the Gulf of Cambay, which is situated on the Arabian Sea coast of India. The Mahanadi River also begins at the same lake, initially flowing south and then east before reaching the sea near Jagannath. These three significant natural boundaries distinctly separate the Deccan region from northern India. Unlike the flat and level terrain found in many areas, the Deccan region is characterised by a varied topography, with elevations and depressions due to hills. This results in what is referred to in English as the Deccan Plateau, an uneven landscape that distinguishes this part of the country and adds to its natural beauty.[5]

Ṣūfism, which embodies the essence of Islam, emphasises the importance of inner purification and devotion. Key figures in the development of Ṣūfism include Ḥazrat Zul-Nūn al-Miṣrī (180-245 H/796-859 AD) (RA), Ḥazrat Junaid al-Baghdādī (215-297 H/830-910 AD) (RA), and Ḥazrat Shiblī (247-334 H/861-946 AD) (RA). The Holy Qur'ān underscores the practice of poverty among Ṣūfīs to enhance meditation, with the ultimate goal of achieving piety as a guiding principle.[6] Ḥazrat Imām Ghazālī (450-504 H/1058-1111 AD) (RA) identifies three fundamental tendencies within Ṣūfism: (i) sincerity in actions and deeds; (ii) individuality, with a singular focus on Allāh; and (iii) a preference for the Hereafter, wherein the seeker remains absorbed in thoughts of the Afterlife, often

---

[2] K.A. Nizami, "Sufi Movements in the Deccan" in *History of Medieval Deccan (1295-1724)*, ed. by H.K. Sherwani and P.M. Joshi, vol. ii, p. 175.

[3] Muhammad Suleman Siddiqi, *Religion and Politics in Medieval Deccan*, p. 217.

[4] For more details, see *The Early History of the Deccan*, edited by G. Yazdani, p. 3.

[5] Nawāb Akhtar Yār Jang Bahādur Akhtar Minā'ī and Nawāb Faṣāḥat Jang Bahādur Jalīl, *Tarīkh-i Deccan*, pp. 3-5.

[6] For more details, see al-Baqarah:197.

The Intellectual and Socio-Spiritual Contribution of the Qādirī Multānī Order of the Deccan

Prof. S.S. Waheedulla Hussaini al-Qadiri al-Multani
HoD, Islamic Studies and Arabic
Henry Martyn Institute
waheedmultani@gmail.com

Abstract: During the Middle Ages, Sufis significantly transformed Muslim religious life by countering the materialism that arose from political power and economic wealth. Their mystical thought revitalised the spiritual essence of Islam, addressing issues of racial prejudice and economic disparity. This approach endowed Islam with adaptability, enabling it to flourish across diverse cultures and fostering a narrative of unity and understanding amid divisions. Ṣūfism thus emerged as a beacon of hope and spiritual renewal for the faithful. The Qādirī Ṣūfī order, which originated in Baghdad with Hazrat Shaykh Abdul Qadir Jilani, made its way to the Deccan in the 15th century, establishing Bijapur as a central hub and extending its influence to cities such as Warangal and Hyderabad. Known for its sober spirituality and strong adherence to *sharīʿah*, the Qādirī Multānī Order shaped the intellectual, ethical, and socio-religious landscape of Bidar, Hyderabad, Warangal, and surrounding regions. The Qādirī Multānī Ṣūfī engaged actively with local politics and society, with prominent figures such as Ḥazrat Shaykh Muḥammad Shams al-Dīn al-Qādirī al-Multānī (RA), Ḥazrat Shaykh Shāh Ibrāhīm Makhdūm Jī Qādirī Multānī (RA), Ḥazrat Shāh Syed Pīr Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA) Muḥaqqiq, Ḥazrat Shāh Syed ʿAbdur Raḥīm Ḥussainī al-Qādirī al-Multānī (RA). This paper examines the abovementioned major personalities of this branch, their educational and literary contributions, and the socio-spiritual impact of their *khānqāhs*. Through their disciplined inner practice, moral guidance, and community leadership, the Qādirī Multānī saints left a lasting imprint on Deccan society.

1. Introduction

The Deccan plateau has long served as a fertile ground for the flourishing of diverse mystical traditions. The emergence of Ṣūfism played a significant role in fostering communal harmony, as Ṣūfī saints profoundly influenced the social and cultural landscape of the region during medieval times. Their teachings and practices blurred the lines between religions, allowing for shared followings without necessitating conversions. This aspect of Ṣūfism's influence on Indian society is a testament to its role in promoting unity and understanding.[1] Ṣūfis and their monasteries profoundly impacted the Deccan's socio-cultural and mystical framework, emphasising human universality and bridging sectarian divides. Their involvement was crucial in the moral and political spheres during the early Bahmanī

[1] S. T. Lokhandwalla, "Indian Islam, Composite Culture and National Integration" in *Composite Culture of India and National Integration*, ed. by Rasheeduddin Khan, p.121.

flowed naturally into civic service, and remembrance of God merged seamlessly with remembrance of humanity.

Through his engineering of the Hussain Sagar Lake, the saint manifested the Sufi ideal of service to creation. The lake's waters, still vital to Hyderabad centuries later, stand as both physical sustenance and spiritual metaphor—where the water gathers, wisdom flows. This symbolic union of the material and the mystical situates Hussain Shah Wali within a broader lineage of Sufis who viewed the world not as a site of withdrawal but as a field for compassionate engagement.

The continued vitality of his dargah at Shaikpet reaffirms the ethos he lived by. It remains not a monument to the past but a living institution that nurtures humility, inclusivity, and interfaith fellowship.

In a world increasingly shaped by materialism, ecological strain, and fractured social bonds, Hussain Shah Wali's example offers a timeless reminder: spirituality is incomplete without service, and knowledge without compassion is barren. His legacy continues to guide Hyderabad's conscience—encouraging civic responsibility, interfaith amity, and reverence for nature as divine trust. In the confluence of his lake and his teachings, one encounters a vision profoundly relevant to the modern world: that wisdom, like water, must flow freely, sustain life, and reflect the light of the Creator in every drop.

5. References

1. Eaton, Richard M. *Sufis of Bijapur, 1300–1700: Social Roles of Sufis in Medieval India*. New Delhi: Munshiram Manoharlal Publishers, 1996.
2. Sherwani, Haroon Khan. *History of the Qutb Shahi Dynasty*. New Delhi: Munshiram Manoharlal Publishers, 1974.
3. Rizvi, Saiyid Athar Abbas. *A History of Sufism in India*. Vol. II. Munshiram Manoharlal, 1983.
4. Sultan, Mohammed. *Armaghaan-e-Sulṭani*. 1902.
5. Eaton, Richard M. *A Social History of the Deccan, 1300–1761: Eight Indian Lives*. Cambridge University Press, 2005.
6. Khan, Mohammed Ali. *Sawaneh Hayat Hazrat Khwaja Hussain Shah Wali*
7. Ali, Mufti Syed Shah Ahmed. *Haalaat-e-Hazrat Husain Shah Wali*. Syed us Sufia Academy, 1999.
8. Khan, Mohammed Abdul Jabbar. *Mabhoob Zil-minan Tazkira-e-Auliya-e-Dakan: Maboobul Tawarikh*, Volume 3. Hyderabad: Matba Rahmani Publishers, 1914

The final years of Hazrat Hussain Shah Wali are remembered with reverence in regional narratives, though precise historical details remain scarce. He is said to have spent these years in Shaikpet, a locality on the southwestern edge of the Golconda domain, where he continued to offer guidance and engage in devotional practice. His presence in Shaikpet allowed him to remain close to both the imperial capital and the communities that had long relied upon his counsel.

Hazrat Hussain Shah Wali is believed to have passed away in the seventeenth century, though the exact year of his death remains disputed in regional sources. Upon his passing, his followers and members of the imperial household are said to have gathered to honor him, reflecting the breadth of his influence across social and political boundaries. His burial at Shaikpet marked the beginning of a sacred geography that would grow in prominence over the centuries.[6-7] The construction of the saint's dargah is also often attributed to Sultan Abdullah Qutb Shah. Although modest in architectural form, the dargah that arose around his tomb became a locus of devotion, healing, and communal gathering—a site where spiritual memory and social life intertwined. Over time, the neighborhood surrounding the shrine came to be known as "Dargah Hussain Shah Wali," now commonly shortened simply to "Dargah" for ease of reference—a testament to the extent to which the saint's presence has shaped the identity of the locality itself.

The rituals that developed around the shrine—*urs* celebrations, *langar*, *majalis* of remembrance, and daily visitation—mirror the functions traditionally associated with a khanqah. Through these practices, the site transformed into a space of shared belonging, where people from diverse backgrounds sought solace, blessing, and moral direction. Over time, the Shaikpet dargah became not only a place of spiritual retreat but also a living archive of the saint's ongoing influence on the cultural and emotional life of Hyderabad.

Local oral traditions highlight numerous accounts of healing, fulfillment of vows, and personal transformation associated with the shrine, further strengthening the bond between the community and the saint's memory. These narratives, while devotional in tone, testify to the enduring relevance of Hazrat Hussain Shah Wali's teachings, which emphasized compassion, humility, and service to all creation.

The continued vitality of the Shaikpet shrine underscores how the life of Hazrat Hussain Shah Wali transcended the temporal bounds of his lifetime. His burial place became a living legacy, a space where his teachings are experienced not as distant history but as an active force shaping communal ethics and spiritual imagination.

4. Conclusion

The life and legacy of Hazrat Hussain Shah Wali exemplify the Deccan's unique synthesis of faith, service, and social harmony. His story demonstrates how spirituality, when embodied in daily action, can transcend institutional and temporal boundaries. Without founding a formal khanqah, he transformed his very life into one—a living khanqah in which devotion

at court was not peripheral or ceremonial; it shaped the moral environment of governance and influenced the temperament and training of the ruling family.[6]

Contemporary and later narratives describe a courtly milieu in which the saint's counsel was sought on matters ranging from interpersonal disputes to broader questions of justice, piety, and public welfare. His advice embodied a philosophy of coexistence, compassion, and moral restraint—ideals particularly significant in the culturally diverse, multi-religious world of the Deccan. Through his guidance, these values informed the everyday decision-making of the imperial court, contributing to a political ethos notable for its tolerance and ethical sensibility.

His proximity to the Sultan also brought him into regular contact with the princes and senior members of the royal household. These interactions were far from ceremonial; they formed part of the moral and intellectual formation of the next generation of Qutb Shahi rulers. Chronicles describe him offering instruction on *tahzeeb-ul-akhlaaq* (ethical refinement), humility, and the responsibilities of leadership. His teachings emphasized patience, generosity, and sincerity—virtues that later found expression in the administrative policies, charitable initiatives, and architectural patronage of the Qutb Shahi dynasty.

Beyond advising on personal ethics and governance, Hazrat Hussain Shah Wali played a role in mediating grievances, settling disputes, and offering spiritual reassurance during moments of crisis. His reputation for fairness and discernment drew both nobles and commoners to seek his counsel, making him an accessible intermediary between the ruler and the ruled. This mediatory role strengthened the bond between court and community, further embedding the saint's influence within the empire's social and political fabric.

The respect he received—through titles, duties, and familial ties—illustrates a model of political-spiritual partnership characteristic of Deccan Sufism. Unlike hierarchical or transactional patronage structures, the relationship between Hazrat Hussain Shah Wali and the Qutb Shahi court rested on mutual trust, moral authority, and a shared commitment to public welfare. His influence thus extended far beyond religious instruction; it permeated the ethical orientation and decision-making processes of the state.

The role of Hazrat Hussain Shah Wali in the royal court underscores how the Deccan understood the purpose of saintly presence in governance—not as an instrument of political power, but as a source of balance, moral clarity, and compassionate leadership. His guidance helped shape a ruling ethos that combined administrative pragmatism with spiritual depth, marking him as one of the most significant Sufi figures in the political and cultural imagination of the Golconda kingdom.

3.6 Passing, Burial, and the Formation of a Living Legacy

Historical accounts describe him as a skilled archer, an accomplished marksman, and a disciplined military leader—qualities highly prized in the sixteenth-century Deccan. He is remembered as an exceptionally intelligent and perceptive figure, capable of assessing complex situations swiftly and offering practical, balanced solutions.[8] His frequently recorded appointment as commander of ten thousand troops placed him within the kingdom's military and administrative structure, enabling him to advise on matters of security, frontier diplomacy, and the labor management required for hydraulic and civic projects.

As the Sultan's confidante and spiritual guide, Hazrat Hussain Shah Wali was closely connected with the princes and members of the royal household. Historical narratives recount that, in his capacity as commander, he occasionally accompanied the princes on their travels, providing both protection and counsel.[6] These interactions strengthened his influence within the imperial family and allowed his ethical teachings to shape the character, discipline, and training of future rulers.

Alongside his roles in governance and military affairs, he remained deeply committed to the well-being of ordinary people. Local traditions portray him as actively involved in:

- supervising the construction and upkeep of lakes, tanks, and stepwells
- advising communities on water conservation and sustainable usage
- organising *langar* (communal meals) during times of scarcity
- offering discreet financial assistance to artisans, labourers, widows, and travellers
- mediating disputes with empathy, fairness, and moral insight

These accounts collectively portray a saint who moved seamlessly between the imperial court, the village square, and the construction site—embodying a model of service that transcended social and political boundaries. His life demonstrates the Chishti–Hussaini understanding that spiritual authority must be rooted in humility, ethical conduct, and tangible benefit to society. Hazrat Hussain Shah Wali's diverse public works—hydraulic, administrative, martial, and moral—created a network of living *khidmat* that reshaped the region's physical and ethical landscape. He emerges not only as a saint and royal advisor but also as a custodian of public welfare whose devotion, discipline, and leadership remain integral to the Deccan's spiritual and civic heritage.

3.5 Spiritual Guidance and the Imperial Court

Hazrat Hussain Shah Wali's relationship with the Qutb Shahi court reflects a model of saint–ruler interaction that was central to the political and spiritual culture of the Deccan. As *murshid* to Sultan Ibrahim Qutb Shah and a trusted confidante of the imperial household, he occupied a position that blended intimacy, reverence, and ethical counsel. His presence

underscores the saint's recognition as both an environmental custodian and a visionary builder.

Today, Hussain Sagar remains one of Hyderabad's most recognizable landmarks. Its continued presence—despite centuries of urban expansion—attests to the saint's foresight, the ecological imagination of the Qutb Shahi era, and the enduring legacy of a Sufi who reshaped the Deccan landscape through devotion, technical skill, and care.

3.3 Scholar, Teacher, and Keeper of Knowledge

Hazrat Hussain Shah Wali was known not only for his engineering skill but also for his deep commitment to spiritual learning and ethical refinement. Descended from the illustrious lineage of Hazrat Khwaja Banda Nawaz Gesu Daraz, he inherited a scholarly and devotional tradition grounded in Qur'anic study, Sufi metaphysics, *adab* (ethics), and Persian literary culture. Local biographies (*tazkirahs*) portray him as a humble yet perceptive spiritual guide whose gatherings attracted seekers, poets, artisans, and state officials alike[7].

Although none of his own writings have survived, later historians and hagiographers preserve portions of his teachings. These accounts emphasize his counsel on humility, moderation, and moral responsibility—particularly for those in positions of power. He taught reverence for nature, with special attention to water as a sign of divine mercy. Central themes in his instruction included the cultivation of good character (*khuluq*), steadfast patience (*sabr*), and the remembrance of God (*zikr*) as paths to inner peace.

His teaching style reflected the inclusive ethos of the Chishti tradition. Narratives describe him presiding over *majaalis* in which participants engaged in *zikr*, received ethical advice, reflected on Qur'anic verses, and discussed principles of right conduct. These gatherings were open to both nobles and common people, highlighting the accessibility and warmth that characterized his approach to spiritual mentorship.

Living in the multilingual world of the Qutb Shahi era—where Persian, Dakkani, and Arabic circulated freely—he served as a bridge between classical Sufi knowledge and the lived realities of everyday life in the Deccan. Through his example and instruction, he helped shape a culture rooted in harmony, moral refinement, and compassionate civic engagement.

3.4 Public Welfare and Social Service

The life of Hazrat Hussain Shah Wali in Golconda exemplified the Sufi conviction that service to creation is simultaneously a spiritual duty and an expression of divine love. His contributions extended far beyond engineering and scholarship, reaching into the social, administrative, and military spheres in ways that reveal the depth of his commitment to public welfare and ethical governance.

with a letter of authorization. The Sultan received the saint with deep reverence and took *bayt* at his hands, thus accepting him as his spiritual guide. Numerous regional and hagiographical accounts record that Sultan Ibrahim Qutb Shah appointed him commander of ten thousand troops and also gave his daughter, Khairyat Unnisa Begum, in marriage to the saint, thus making him a member of the imperial household.[7]

3.2 Architect of the Hussain Sagar Lake

Hazrat Hussain Shah Wali's most enduring contribution to Hyderabad's physical and ecological landscape is the construction of Hussain Sagar Lake, completed in 1562 under the patronage of Sultan Ibrahim Qutb Shah. Conceived during a period of rapid urban expansion and recurring water scarcity, the reservoir represented a transformative intervention, supplying water primarily to the garrisons and settlements surrounding Golconda.

Constructing the lake required clearing rocky terrain, erecting an embankment across a natural valley, and devising a sustainable system to channel monsoon runoff into the basin. Although no original architectural plans survive, scholars note that the lake's design reflects a sophisticated understanding of the region's topography, hydrology, and seasonal water flows. Such expertise was rare among court advisors, suggesting that Hazrat Hussain Shah Wali combined spiritual authority with remarkable technical ability. The lake's original purpose was strictly functional—a dependable water source for a growing military and urban population—long before it acquired its later status as one of Hyderabad's iconic landmarks.

According to local traditions, the Sultan initially intended to name the reservoir *Ibrahim Sagar*. However, construction workers habitually referred to it as "Hussain Shah's Lake" whenever asked about their site of work. Despite the Sultan's efforts to popularize the name *Ibrahim Sagar*, the designation "Hussain Sagar" persisted in public usage[7]. The term *saghar*—meaning "bowl" in Persian—gradually evolved in local parlance into *sagar*, the Hindi and Deccani word for "sea." The construction project also offered crucial livelihood relief to laborers, providing employment and sustenance during difficult periods. This aligns with the ethos of *khidmat-e-khalq* (service to creation) that underpinned the saint's approach to public works.

Following the completion of Hussain Sagar, Sultan Ibrahim Qutb Shah commissioned another large tank outside Hyderabad, naming it *Ibrahim Sagar*—a gesture that extended the hydraulic vision initiated by Hussain Shah Wali and the Sultan. This later reservoir survives today in the municipality of Ibrahimpatnam.

Regional *tazkirahs* and local histories further record the Sultan entrusting Hazrat Hussain Shah Wali with planning or supervising numerous other lakes and tanks across the Golconda domain. Some oral traditions claim these works number nearly one hundred, while others describe them more broadly as part of an extensive hydraulic network stabilizing the region's water supply. While precise numbers remain unverified, the persistence of these associations

3. The Life of Hazrat Hussain Shah Wali

Hazrat Hussain Shah Wali's spiritual identity in the Deccan is rooted in a distinguished *Hussaini Sayyid* lineage traced to Imam Husain ibn Ali, the grandson of the Prophet Muhammad (peace be upon him). This genealogical connection—preserved consistently across *tazkirahs*, regional manuscripts, and oral traditions—conferred upon him a recognized spiritual authority long before his arrival in Golconda. His *kunniyat* was Abu Abdullah, and his *laqab* was Naseeruddin, titles that reflect both his ancestral affiliation and his devotional ethos.

He was born in Bidar, in present-day Karnataka—then a renowned center of Chishti, Shuttari, and Qadri spiritual activity. His birth in this cosmopolitan Sufi environment helps explain the intellectual breadth, devotional refinement, and integrative outlook that later marked his presence in the Qutb Shahi realm.

Nearly all historical accounts and hagiographical narratives preserve his *shijra* with notable consistency. According to these sources, his lineage from Imam Husain runs through the celebrated Chishti master Hazrat Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz (d. 1422) of Gulbarga. The most commonly recorded genealogical chain is as follows[7]:

- Hazrat Imam Husain ibn Ali (Razi Allah)
  ...
  ...
- Hazrat Khwaja Banda Nawaz Gesu Daraz
- Hazrat Syed Mohammed Akbar Hussaini
- Hazrat Shah Safiullah I
- Hazrat Syed Asadullah
- Hazrat Shah Safiullah II (also known as Shah Safeerullah)
- Hazrat Syed Hussain Shah Wali (Abu Abdullah Naseeruddin)

This lineage situates him firmly within a venerable Chishti–Hussaini tradition, linking him both to the Prophet's (PBUH) household and to one of South India's most revered Sufi masters. It also locates him within a spiritual inheritance known for uniting devotion (*ibadat*), service (*khidmat*), and learning (*taleem*)—qualities that would become defining features of his later life in Golconda.

3.1 Arrival in Golconda

Most accounts agree that Hazrat Hussain Shah Wali arrived in Golconda during the reign of Sultan Ibrahim Qutb Shah. One prominent narrative records that the sultan—who was seriously ill at the time—wrote to the Sajjadah Nasheen of the dargah of Hazrat Khwaja Bandah Nawaz in Gulbarga, requesting his or his son's presence so that he might formally perform *bayt* (initiation pledge) and enter into discipleship[6]. In response, Sajjadah Hazrat Shah Safiullah II deputed his son, Hazrat Syed Hussain Shah Wali, and sent him to Golconda

Scholarship on Sufism in the Deccan reveals a landscape in which spiritual authority, cultural expression, and social welfare intersected fluidly. Historians have shown that from the fourteenth to the seventeenth centuries, Sufi orders in the region—most notably the Chishti, Qadri, Shuttari, and Suhrawardi—developed distinctive modes of engagement shaped by the ecology, politics, and devotional culture of the plateau.[1–2] Their practices emphasized the integration of inner discipline with outward service, making Sufism a formative force in the social, cultural, and environmental life of the Deccan.

Within this scholarly landscape, Hazrat Hussain Shah Wali appears not as an isolated figure but as part of a broader tradition in which saints mediated between the spiritual and civic realms. The relationship between Sufis and Deccan rulers was characterized by a pattern of "mutual legitimacy,"[1] through which kings drew on saintly charisma to strengthen moral authority, while saints relied on royal patronage to undertake public works and community welfare. The prominence of pious counsellors within the Qutb Shahi court places Hussain Shah Wali within a larger pattern of collaboration between temporal authority and spiritual leadership.[5]

Urdu *tazkirahs* and hagiographical narratives add another layer to the historical record. These texts portray the saint as both guide and benefactor, emphasizing qualities such as humility, compassion, and a profound commitment to public welfare.[6] The contrast between archival documentation and devotional narrative exemplifies what scholars describe as "hagiographical layering"—the tendency of Sufi memory to transform lived history into ethical and spiritual exemplars.[5] This phenomenon, far from being unique to the Deccan, is characteristic of Sufi historiography across South Asia, where biography often merges with symbolism to highlight a saint's moral and mystical stature rather than chronological precision. In the case of Hussain Shah Wali, this means that while specific dates and details may resist strict historical reconstruction, recurring themes across sources—service, generosity, stewardship of water, and moral counsel—provide a coherent portrait of his spiritual identity. Modern heritage studies and field observations further illuminate the continuing significance of Hussain Shah Wali in Hyderabad's urban and cultural memory. His work with water management is still important to modern ecological discussions, and his dargah is a lively place where people can come together. Local gazetteers, oral histories, digital directories, and on-site observations indicate that the shrine remains a space of prayer, healing, and interfaith engagement. Together, these materials reveal that the saint's legacy persists not only in written accounts but also in the community's living practices.

These historical, textual, and oral sources together give us the basis for understanding Hazrat Hussain Shah Wali as a person whose life cannot be limited to a straight line of events. Instead, his legacy survives through a composite memory—one in which documentation, devotion, and daily practice converge. This layered memory serves as the foundation for understanding his life and work as a "living khanqah," which continues to influence the moral and cultural landscape of the Deccan.

hydraulic works served as ecological lifelines for the kingdom and remain enduring symbols of his technical ingenuity and devotion to the public good. For him, water was not simply a resource but a manifestation of divine mercy; each lake was, in this sense, an act of worship that fused material function with spiritual intention.

Yet historical texts and oral traditions do not associate Sultan Ibrahim's son and successor, Sultan Mohammed Quli Qutb Shah (reign: 1580–1612), with Hazrat Hussain Shah Wali, nor do they link the saint with Ibrahim's grandson, Sultan Mohammed Qutb Shah (reign: 1612–1626). By contrast, Abdullah Qutb Shah—the seventh ruler—appears more frequently in later narratives as a disciple of the saint, though this claim remains contested. While some traditions extend the saint's lifespan beyond a century, it is historically implausible that he could have served as *murshid* to the fourth Qutb Shahi sultan, then vanished from the accounts of the fifth and sixth rulers, only to reappear as a military commander and spiritual guide under the seventh. Other sources suggest that the saint retired from public life during the later years of Sultan Ibrahim's reign and adopted a more ascetic lifestyle. Such discrepancies illustrate the hagiographical layering characteristic of Sufi narrative traditions and drive home the importance of cautious interpretation when reconciling spiritual memory with historical chronology.

Despite these chronological inconsistencies, the saint's humility and wisdom evidently left a deep impression on the Golconda rulers, several of whom, according to historical accounts, regarded him as a spiritual guide.[3] Sultan Ibrahim Qutb Shah—and, in some later sources, Sultan Abdullah Qutb Shah—revered the saint, sought his counsel, and treated him as a guide in both governance and faith. Their reverence exemplifies the Deccan's distinctive fusion of temporal authority and spiritual devotion, or universal harmony, which became a hallmark of the Qutb Shahi ethos.[4]

Unlike the organized khanqahs that existed elsewhere, Hazrat Hussain Shah Wali did not establish a formal institution with fixed boundaries or an inherited order. Instead, his life itself functioned as a khanqah. Wherever he travelled, disciples and seekers gathered; wherever he resided, the ambience of a spiritual retreat emerged naturally. His conduct—marked by humility, openness, and inclusivity—invited devotion not through command but through presence. His khanqah was not confined to walls; it moved with him, breathed with him, and continues to resonate in the lives of those he touched.

This paper traces his legacy as a model of spirituality, craftsmanship, and public ethics that continues to shape Hyderabad. Drawing upon historical sources, oral traditions, and symbolic interpretations of water, the study demonstrates how his contributions reaffirm the Sufi conviction that *where the water gathers, wisdom flows*. Before turning to the details of his life and legacy, it is essential to examine the textual, historical, and devotional sources through which Hazrat Hussain Shah Wali has been remembered.

2. Texts, Traditions, and Historical Memory

Where the Water Gathers, Wisdom Flows: Hazrat Hussain Shah Wali's Life and Legacy as a Living Khanqah in the Deccan

Ismat Fathima
Assistant Professor
Centre for Distance and Online Education, MANUU

Abstract

The Deccan plateau has long been a fertile ground for the growth of Sufi thought, where spiritual practice intertwined seamlessly with local culture, ecology, and everyday life. Among its most enduring legacies stands Hazrat Hussain Shah Wali, the sixteenth-century saint, engineer, and mystic whose imprint on Hyderabad's sacred and physical landscape remains visible in both stone and spirit. Revered for constructing the Hussain Sagar Lake under the patronage of Sultan Ibrahim Qutb Shah, Hussain Shah Wali embodies a rare synthesis of devotion, technical ingenuity, and civic responsibility. Historical accounts indicate that the Sultan—and by extension, the Qutb Shahi royal household—held him in exceptional esteem, often seeking his guidance on matters of faith, statecraft, and communal welfare. His close association with the Golconda court transformed the royal sphere into an extended circle of discipleship, where spiritual counsel and political responsibility coexisted harmoniously. This fusion of saintly presence and royal patronage reflects an ethic of *sulh-e-kul*—a "peace with all" that allowed power and piety to flow together in service of God and community. This paper examines the life and legacy of Hazrat Hussain Shah Wali as a "living khanqah" in the Deccan, exploring how his synthesis of spirituality, craftsmanship, environmental stewardship, and social ethics continues to shape the cultural memory and urban life of contemporary Hyderabad.

1. Introduction

The history of Sufism in the Deccan is not merely a record of saints and shrines; it is a chronicle of how spiritual ideals were lived, shared, and woven into the region's social and ecological fabric. From the fourteenth century onwards, the plateau became home to diverse Sufi orders—Chishti, Qadri, Shuttari, and Suhrawardi—whose teachings harmonized Islamic spirituality with local idioms of devotion and service.[1] Within this sacred geography, Hazrat Hussain Shah Wali emerges as a figure who transcends conventional categories of mystic, engineer, and statesman. His life exemplifies the Sufi integration of faith, craftsmanship, and public welfare.

Serving at the court of Sultan Ibrahim Qutb Shah, Hazrat Hussain Shah Wali is credited not only with designing and supervising the construction of the Hussain Sagar Lake but also with planning several other lakes and tanks commissioned across the Golconda realm.[2] These

References

1. The Hindu Bureau, article *"620th Urs of Dargah Sharif to Begin on May 24,"* The Hindu, May 22, 2024.
2. Wikipedia contributors. (2025, August 21). *Syed Shah Khusro Hussaini*. Wikipedia. https://en.wikipedia.org/wiki/Syed_Shah_Khusro_Hussaini
3. The Hindu Bureau. (2024, November 7). *Sajjada Nasheen of Hazrath Khaja Bande Nawaz Dargah Dr Syed Shah Khusro Hussaini passes away*. The Hindu. https://www.thehindu.com/news/national/karnataka/sajjada-nasheen-of-hazrath-khaja-bande-nawaz-dargah-dr-syed-shah-khusro-hussaini-passes-away/article68839887.ece
4. https://www.kbn.university/former-chancellor
5. Arab News. (2024, November 8). Renowned Indian scholar, philanthropist Dr. Syed Shah Khusro Hussaini dies aged 80. *Arab News*. https://www.arabnews.com/node/2578437/world
6. Author. (2024, November 9). *Dr. Syed Shah Khusro Hussaini*. Star of Mysore. https://starofmysore.com/dr-syed-shah-khusro-hussaini/
7. https://www.kbn.university/chancellor
8. https://in.linkedin.com/in/syed-muhammad-ali-al-hussaini-1a1b2983
9. The Hindu Bureau. (2025, March 21). *Syed MuhammadAli Al-Hussaini is new chairpersons of State Waqf Board in Karnataka*. The Hindu. https://www.thehindu.com/news/national/karnataka/syed-muhammad-ali-al-hussaini-is-new-chairpersons-of-state-waqf-board-in-karnataka/article69354784.ece
10. NewsMeter. (2025, April 16). *NewsMeter*. https://newsmeter.in/do-you-know/jehla-mubarak-procession-a-timeless-celebration-of-faith-and-unity-at-khwaja-bandanawazs-dargah-in-gulbarga-747000
11. Tnn. (2025, May 14). 621st Urs of Khwaja Banda Nawaz under way in Kalaburagi. *The Times of India*. https://timesofindia.indiatimes.com/city/hubballi/621st-urs-of-khwaja-banda-nawaz-under-way-in-kalaburagi/articleshow/121169278.cms
12. Para, P. B. (2025, May 23). *Kalaburagi cherishes the enduring legacy of Banda Nawaz*. The Hindu.
13. https://www.thehindu.com/news/national/karnataka/kalaburagi-cherishes-the-enduring-legacy-of-banda-nawaz/article69605080.ece

health awareness, educational content, and social messages across urban and rural areas of Gulbarga, effectively bridging the gap between academia and the local community. Dr. Hussaini also inaugurated a Department of Translation Studies, which not only promoted linguistic and cultural exchange but also generated employment opportunities for students in emerging fields of multilingual communication.

Another notable achievement of his was the establishment of the Khaja Banda Nawaz Institute of Medical Sciences, which fulfilled the long-cherished dream of his father to create a medical institution under the Khaja Education Society. Dr. Hussaini's relentless efforts transformed this vision into reality, ensuring the provision of quality medical education and healthcare services in the region.

In response to growing societal needs, Dr. Hussaini introduced a Certificate Course in Geriatric Care aimed at addressing the challenges of an ageing population and promoting social responsibility among students. Additionally, he envisioned the establishment of a Genetic Research Laboratory under the Department of Medical Sciences to facilitate advanced research in cancer genetics and related biomedical fields.

4. Conclusion

The Dargah of Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz has always been more than a sacred shrine — it is a living centre of faith, learning, and service. For centuries, it has played a vital role in promoting peace, unity, and cultural harmony in the Deccan region. Its inclusive traditions, such as the Urs celebrations, qawwali gatherings, and community meals (langar), continue to bring people of all faiths together, reflecting the true spirit of Sufism — love, compassion, and service to humanity.

Under the dynamic leadership of Hazrat Dr. Sayed Shah Khusro Hussaini, the Dargah's mission expanded from spiritual guidance to educational and social reform. His remarkable contributions through the Khaja Education Society and the establishment of Khwaja Banda Nawaz University transformed Gulbarga into a major centre of modern and moral education. He successfully blended traditional Sufi values with contemporary education, proving that spirituality and modern knowledge can go hand in hand.

Today, his son, Dr. Sayed Muhammad Ali al-Hussaini, continues this noble legacy with vision and dedication. His leadership aims to strengthen institutions, modernize education, and uphold the Dargah's age-old message of harmony and human welfare.

In essence, the Dargah of Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz stands as a timeless example of how faith, knowledge, and compassion can together shape society. Its spiritual, socio-cultural, and educational contributions remind us that Sufism is not only about devotion to God but also about serving humanity with love and wisdom.

the Indian Postal Department issued a commemorative postal stamp in honor of both Dr. Hussaini and his father, acknowledging their immense services to society.

3.4 Educational Initiatives and Institutional Development

Dr. Sayed Shah Khusro Hussaini devoted his life to the promotion of education, social reform, and moral upliftment of society. Deeply inspired by his father's vision, he sought to integrate spiritual values with modern education, thereby continuing the Dargah's long-standing tradition of service to humanity through learning and enlightenment.

The Khaja Education Society (KES) was originally established in 1958 and formally registered in 1966 under the *Mysore Societies Registration Act of 1960*. The primary aim of this society was to fulfill the educational aspirations of the Muslim Ummah and other socially and economically disadvantaged sections of society. Today, under the enduring influence of Dr. Hussaini's leadership, the Society manages more than 24 institutions in Gulbarga, encompassing primary, secondary, and higher education, and serving students from diverse religious and cultural backgrounds. As the President of the Khaja Education Society (KES), he worked tirelessly to expand its institutions and raise their academic standards. Under his dynamic leadership, the Society grew into a renowned educational network in the Deccan region, encompassing schools, colleges, and professional institutions that catered to students from diverse backgrounds. His initiatives particularly focused on providing accessible education for the weaker and marginalized sections of society, emphasizing both academic excellence and ethical formation.

One of his most remarkable achievements was the establishment of Khwaja Banda Nawaz (KBN) University, which was envisioned as a center of higher learning rooted in spiritual and moral values, on 18 August 2018, under Act No. 18 of the Karnataka Legislative Assembly. On 27 August 2018, the Managing Committee of the Khaja Education Society appointed Dr. Syed Shah Khusro Hussaini as the first Chancellor of the university. The University represents the synthesis of traditional Sufi heritage and contemporary education, offering programs in the sciences, humanities, and professional studies. Dr. Khusro Hussaini believed that education should not merely be a means of livelihood but a pathway to moral refinement, social harmony, and intellectual awakening. Through his vision and leadership, the Dargah of Khwaja Banda Nawaz evolved beyond a spiritual institution into a multifaceted center of learning, culture, and community welfare. His educational reforms strengthened the legacy of Sufism as a force for social progress and interfaith understanding.

As Chancellor of Khwaja Banda Nawaz University, Dr. Hussaini undertook significant initiatives to modernize curricula, improve infrastructure, and enhance academic standards across all institutions affiliated with the Society. His reforms integrated modern technology and innovative pedagogy with the ethical and spiritual foundations of traditional education, making learning more holistic and relevant to contemporary needs.

Among his notable initiatives was the establishment of an FM Radio Station within the university campus. This community radio became a crucial platform for disseminating

The guiding theme of his intellectual and institutional efforts was Tasawwuf and Ishq-e-Rasool. His poetry served as a bridge between traditional Sufi teachings and poetic expression, enriching both literature and spirituality. Moreover, Dr. Hussaini organized numerous national seminars and conferences to connect modern technology with Sufi traditions, aiming to make Sufi heritage more accessible and relevant to the younger generation. In his spiritual life, he preserved, managed, and wisely utilized the inherited legacy of his forefathers for the benefit and enlightenment of the public, leaving behind a timeless example of knowledge, devotion, and service.

3.2 Sajjada Nashini

Dr. Sayed Shah Khusro Hussaini was a distinguished scholar, visionary educationist, and social activist, who also served as the Vice President of the All-India Muslim Personal Law Board. Following his father's demise in 2007, Dr. Khusro Hussaini assumed multiple key responsibilities — as the Sajjada Nashin and Caretaker of the Dargah, and as the President of the Khaja Education Society (KES).

Throughout his lifetime, Dr. Khusro Hussaini played a pioneering and exemplary role in promoting Islamic education, Sufi teachings, and interfaith understanding. His lifelong dedication to spiritual leadership and educational development left a deep and lasting impact on the region. He worked tirelessly to expand the network of educational institutions under the Khaja Education Society, thereby bridging the traditional Sufi heritage of the Dargah with modern academic initiatives. Dr. Hussaini's vision culminated in the establishment and progress of Khwaja Banda Nawaz (KBN) University, which today stands as a testament to his commitment to higher education and community upliftment. His life was a model of devotion — combining spiritual guidance with social reform and intellectual advancement.

3.3 Research, Academic Contributions, and Honors

Dr. Sayed Shah Khusro Hussaini was a renowned author, poet, and scholar, whose writings primarily focused on Sufi themes and Islamic teachings. He presented numerous research papers and scholarly articles in both national and international journals, and actively participated in various seminars and academic conferences, where he delivered lectures and presented his research findings.

His major works and publications include *"Sayyed Muhammad al-Hussaini Gesudaraz and Sirajan Munira in Sufism"*, as well as his poetical collections titled *"Muhammad (Sallallahu Alaihi Wasallam) wa Raf'ana Laka Dhikrak"* and *"Band Sama."*

Dr. Hussaini's invaluable contributions to Sufi literature and Islamic knowledge have been widely acclaimed by scholars, institutions, and admirers across the world. He was the recipient of several national and international honors in recognition of his scholarly and humanitarian achievements. In 2017, he was awarded the Karnataka Rajyotsava Award for his outstanding contributions to the field of education. In 2018, the Sir Syed Awareness Forum conferred upon him the "Mohsin-e-Millat Award." Furthermore, in February 2019,

music (Qawwali), literature, and art, maintaining its status as a vibrant cultural hub of the Deccan. He encouraged the preservation of the Dargah's vast manuscript collection and promoted research on Deccani Sufism, thereby inspiring scholars and students to engage with the region's intellectual heritage.

3.1 Early Life and Education

Dr. Sayed Shah Khusro Hussaini was the 23rd descendant of Sayed Muhammad Hussaini Gesudaraz, popularly known as Khwaja Banda Nawaz. He was born on 10 September 1945 in the city of Hyderabad and was nurtured in a rich cultural and educational environment. In his spiritual and intellectual upbringing, his father, Padma Shri Hazrath Sayed Shah Muhammad al-Hussaini, along with other distinguished personalities, played a vital role. From a young age, Dr. Khusro Hussaini deeply understood the teachings of Sufism and the service to humanity as fundamental principles rooted in Islamic values, and he remained devoted to these ideals throughout his life.

The educational initiatives of his father, especially for the upliftment of the weaker sections of society, had a profound influence on him. Having grown up within the Sufi traditions and the centuries-old legacy of the Dargah, he developed a deep love for its history, heritage, and enduring spiritual mission.

Dr. Sayed Shah Khusro Hussaini received his primary education at *St. George's Grammar School*, where he first came to appreciate the value of Western knowledge and modern education. His intellectual curiosity led him to travel widely — visiting various institutions, universities, and countries in pursuit of learning. In 1965, he graduated from Osmania University, Hyderabad, and went on to complete his Master's degree (M.A.) from the same university in 1967. Later, he pursued double post-graduation in *Islamic Studies* and *Tasawwuf (Sufism)* at McGill University, Canada. Following this, he earned a Ph.D. in Tasawwuf from Belford University, USA.

In 2008, Gulbarga University conferred upon him an Honorary Doctor of Letters (D.Litt.) in recognition of his outstanding contributions to education, scholarship, and social welfare. Dr. Hussaini was a polymath, Sufi, poet, and visionary leader whose educational journey was marked by an enduring passion for study and research. From a young age, he developed a deep interest in the library of the Dargah, where he explored numerous works on Deccan history, Islamic philosophy, and Sufi thought. At the early age of 15, he served as the editor of "Shahbaz", a publication managed under the supervision of his father. He also served as a member of the editorial board of the reputed journal "Islamic Culture", contributing to its intellectual and literary growth. His writings often reflected the Deccani style and cultural flavor, and his research revealed a profound understanding of the historical and spiritual significance of Gulbarga and Bidar. From a Sufi perspective, his literary works aimed to promote harmony among the diverse spiritual traditions of the Indian subcontinent.

Alongside his leadership of various educational and developmental institutions, Dr. Khusro Hussaini maintained a deep and passionate engagement with Tasawwuf and Sufi philosophy.

Cultural performances such as qawwali, na'at, and manqabat recitations transform the Urs into a festival of art and spirituality. Local musicians, storytellers, and artists contribute to the festivities, ensuring the continuity of traditional art forms in the face of modernity. The architectural splendor of the Dargah complex, with its Indo-Saracenic and Bahmani influences, further reflects the synthesis of cultural and aesthetic traditions that define the Deccan's historical identity. Through these artistic and spiritual practices, the Urs sustains not only the devotional spirit of the Sufi order but also the broader cultural fabric of the region.

Aligned with the Sufi ethos of service and compassion, the Urs celebration emphasizes social welfare and moral education. The practices of *nazar* and *nyaaz*—charitable offerings of food, clothing, and money—provide relief to the poor and needy, fostering a collective sense of social responsibility. The *langar* (community kitchen) serves thousands of pilgrims, embodying equality and generosity as living values.

The Urs also serves as an educational platform. Religious scholars and Sufi practitioners deliver lectures on spirituality, ethics, and social conduct, inspiring attendees to embody humility, discipline, and charity in everyday life. These moral teachings transform the Urs into a spiritual classroom that transcends ritual worship. Economically, the festival invigorates local development. The influx of pilgrims stimulates trade and tourism, benefiting small vendors, artisans, and transport operators. Temporary markets and lodging facilities generate seasonal employment, while the growing recognition of Gulbarga as a spiritual destination contributes to cultural tourism and regional prosperity.

3. Dr. Sayed Shah Khusro Hussaini

The Dargah of Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz has long served as a symbol of spiritual unity, cultural synthesis, and communal harmony in the Deccan region. Under the leadership of Dr. Sayed Shah Khusro Hussaini, this legacy was not only preserved but also revitalized to meet the needs of the contemporary era. He believed that spirituality and social responsibility were inseparable, and he worked relentlessly to uphold both dimensions in the functioning of the Dargah. Dr. Khusro Hussaini played a pivotal role in strengthening interfaith understanding and promoting the Sufi ideals of peace, tolerance, and compassion. Through religious gatherings, seminars, and commemorative events such as the annual Urs celebrations, he emphasized the inclusive message of Sufism that transcends sectarian boundaries. People from diverse religious and cultural backgrounds continued to visit the Dargah, reflecting its enduring appeal as a space of harmony and shared spiritual heritage.

He also initiated several community welfare activities under the Dargah's patronage — including programs for poverty alleviation, healthcare support, and women's education. These initiatives embodied the Sufi principle of *khidmat-e-khalq* (service to humanity), which Dr. Khusro Hussaini regarded as a core element of faith. His leadership thus connected the spiritual teachings of Khwaja Banda Nawaz with the practical needs of modern society, ensuring that the Dargah remained both a sanctuary for devotion and a center of social transformation. Culturally, the Dargah under his guidance continued to nurture Sufi

intellectual and cultural preservation comparable to other historic centres like Ajmer Sharif Dargah. Moreover, social rituals such as the langar (community meal) and sama (spiritual musical gatherings) continue to uphold traditions of collective participation, social equality, and shared identity, reinforcing the Dargah's role as a cultural meeting ground.

2.2 Social Welfare and Community Services

The Dargah of Khwaja Banda Nawaz has long been associated with charitable and community welfare activities. The langar, or free meal service, exemplifies the Sufi ideal of serving humanity without discrimination, providing nourishment to visitors and locals alike. The complex also offers lodging and resting facilities for pilgrims, making it accessible to devotees from all economic backgrounds and thereby promoting spiritual egalitarianism. Beyond its spiritual significance, the Dargah contributes actively to the local economy. The annual Urs and related gatherings stimulate commerce, tourism, and employment for small traders, vendors, and artisans. Thus, the Dargah not only nurtures faith but also acts as a catalyst for local economic and social development, providing a vital space for community interaction and cultural continuity.

2.3 The Urs Celebration of Hazrat Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz

The Urs celebration of Hazrat Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz in Gulbarga stands as a symbol of India's composite cultural heritage. Comparable in significance to the Urs of Khwaja Muinuddin Chishti of Ajmer, it is not merely a religious observance but a living institution of social unity, cultural expression, and ethical teaching. The event plays a transformative role in promoting interfaith harmony, preserving Sufi traditions, and fostering social welfare and economic vitality.

At its core, the Urs embodies the Sufi vision of universal brotherhood and peaceful coexistence. Devotees from diverse religious, social, and economic backgrounds—Muslims, Hindus, and followers of other faiths—converge upon the Dargah, creating a vibrant atmosphere of inclusivity and mutual respect. The rituals of the Urs—such as the sandal procession, collective prayers, qawwali performances, and community meals (langar)—encourage social cohesion and strengthen intercommunal bonds. These acts of shared devotion transcend sectarian boundaries, emphasizing love, compassion, and service to humanity as the essence of faith.

Furthermore, the Urs functions as a site of interfaith dialogue, where regional customs, languages, and artistic traditions interact harmoniously. Through these exchanges, the celebration reinforces India's pluralistic ethos and the Sufi ideal of unity in diversity. The Urs of Khwaja Banda Nawaz plays a vital role in preserving and transmitting the intellectual and artistic legacy of Indian Sufism. The event revives the mystical ideals of inner purification, divine love, and spiritual devotion central to Sufi philosophy. Scholars, poets, and mystics gather to share discourses and recitations that keep alive the teachings of Hazrat Banda Nawaz and the rich literary traditions of Persian, Urdu, and Dakhni languages.

The socio-cultural contributions of the Dargah may be broadly understood across three interrelated dimensions: spiritual and interfaith harmony, cultural heritage and identity, and social welfare and community development. Rituals and practices such as the *Urs* of Hazrat Khwaja Banda Nawaz, the *jhela* ceremony, *sama'* (qawwali and other devotional performances), and the *langar* (community meal) bring together Muslims, Hindus, and people of other faiths in a shared atmosphere of reverence and festivity.

In the modern period, these traditional roles have been significantly deepened and reinterpreted under the leadership of the late Hazrat Dr. Sayed Shah Khusro Hussaini and, more recently, his son and successor, Dr. Sayed Muhammad Ali al-Hussaini. Viewing spirituality and social responsibility as inseparable, Dr. Khusro Hussaini extended the Dargah's mission into the domains of education, health, and community welfare through the Khaja Education Society and the establishment of Khwaja Banda Nawaz University. His initiatives in Islamic studies, Sufi scholarship, modern professional education, and social outreach exemplify how a historic Sufi centre can respond creatively to contemporary challenges while remaining faithful to its spiritual roots. The present Sajjada Nashin and Chancellor continues this legacy by consolidating institutions, modernising infrastructure, and envisioning the Dargah–University complex as a hub of holistic development.

2. Socio-cultural Contributions

The socio-cultural contributions of the Dargah of Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz extend far beyond its role as a sacred shrine. Rooted in the inclusive ethos of Chishti Sufism, the Dargah has long served as a shared social space where spiritual devotion, communal harmony, artistic expression, and public welfare converge. Through its rituals, festivals, architectural heritage, and charitable practices, the Dargah has shaped the cultural identity of Gulbarga and the wider Deccan region. This section explores how its enduring traditions—ranging from interfaith gatherings and community meals to the preservation of music, literature, and education—continue to foster unity, cultural continuity, and social well-being across diverse communities.

The Dargah embodies the principle of syncretism—a blending of religious and cultural traditions. For example, the sandal paste used in Dargah rituals is traditionally brought from a gate associated with a nearby Hindu temple, and at times, floral offerings are exchanged between the temple and the Dargah. These shared devotional practices serve as bridges of peace and mutual respect between communities, illustrating the inclusive ethos of Sufism.

2.1 Cultural Heritage, Arts, and Identity

Architecturally, the Dargah complex is a masterpiece that represents the fusion of Indo-Saracenic, Bahmani, Persian, and Turkish artistic influences, particularly visible in its domes, arches, and intricate wall paintings. It reflects the material culture and artistic refinement of the Deccan Sultanates. The Dargah also serves as a repository of knowledge and heritage, preserving rare manuscripts, religious texts, and writings of Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz and his spiritual successors. This makes it a living institution of

Socio-Cultural and Educational Contributions of the Dargah of Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz

Ashraful Faruki Hudawi
Darul Huda Islamic University, Karnataka

Abstract: The Dargah of Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz, located in Gulbarga (Kalaburagi) in the Deccan region of India, is one of the prominent khanqahs in contemporary Deccan. This revered dargah has served the region for centuries in various social, cultural and educational fields, yet it remains broadly under-researched in modern Indian academic discourse. Raising awareness through the academic study about this dargah is therefore essential particularly among the people of the Deccan. Thus, this paper explores the socio-cultural and educational contributions of the Dargah in the contemporary context. It focuses on two key aspects: first, the role of the dargah of Khwaja Banda Nawaz in promoting syncretism, communal harmony and religious coexistence in the region, led by the descendants of Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz including current Sajjad Nashin of the Dargah (Sayed Muhammad Ali al-Hussaini). Second, it examines the dargah's educational impact, particularly the initiatives of the late Sayed Shah Khusro Hussaini, whose visionary leadership led to the further development of the Khaja Education Society and the foundation of Khwaja Banda Nawaz (KBN) University. In addition, the paper aims to provide insights into the broader legacy of Sufism in India through its khanqahs. The study will be conducted from a variety of contemporary sources through the qualitative method of data collection. Overall, this paper seeks to highlight the dargah's ongoing influence and strengthen public awareness through a meaningful academic study.

1. Introduction

The Dargah of Khwaja Banda Nawaz Gesudaraz, located in Gulbarga (Kalaburagi), stands as a significant centre of spiritual, cultural, and social interaction in South India. For centuries, it has served not only as a sacred space for spiritual devotion but also as a hub of interfaith harmony, cultural preservation, and social welfare. Its enduring influence extends beyond religious boundaries, shaping the socio-cultural landscape of the Deccan region. Various practices and rituals such as the Jhela Ceremony, Urs Celebration, and Sufi cultural and traditional programs exemplify the socio-cultural contributions of the Dargah. The occasional *langar* (community meal) distributions at the Dargah site provide strong evidence of its social and cultural service, reflecting the institution's commitment to community welfare and strengthening the bond among people. The Dargah is renowned for fostering communal unity and spiritual inclusivity, attracting devotees from diverse faiths, including Hindus, Muslims, and people of other religions, who visit especially during major festivals such as the annual Urs-e-Shareef. This event, which commemorates the death anniversary of Hazrat Khwaja Banda Nawaz, features rituals such as sandal processions, scholarly discourses, and qawwali performances, drawing thousands of devotees from across districts and neighboring states.

foundations for a tradition that combined rigorous spiritual discipline with a deep concern for the religious and social needs of the people. Through their khanqahs, the early Chishti Sufis of Daulatabad, Gulbarga and later Bijapur and Golconda helped shape a distinctive religious culture based on piety, humility, brotherhood and critical distance from political power and material patronage.

One of the most significant academic contributions of these khanqahs was the development and continuation of the malfuzat tradition and related Sufi writings. The discourses of masters such as Burhan al-Din Gharib, Zayn al-Din Shirazi and, above all, Sayyid Muhammad Husaini Gisudiraz were carefully recorded and compiled in works that dealt with Qur'anic exegesis, hadith, law, ethics, mysticism, adab, sama', spiritual states and stations. In Gisudiraz's rich corpus—including texts like Asmar al-asrar, Hazair al-quds, Khātimah, Maktubat and Tafsir-i Multaqat—the esoteric "heart-knowledge" of the Chishti tradition was systematically articulated as "book-knowledge" without abandoning its inner depth. These writings not only preserved the teachings of earlier Sufis but also engaged critically with major figures of Islamic thought, thus integrating the wider intellectual heritage of the Muslim world into the Deccani context.

Equally important was the Chishti contribution to vernacular and regional religious literature in Dakhni and even Telugu, through figures such as Miranji Shams al-Ushshaq, Burhan al-Din Janam, Amin al-Din Ala, Mahmud Khush Dahan, Shah Raju Qattal Hussaini and Sayyid Shah Kalimullah Hussaini. By expressing mystical ideas through folk forms like lori namah and chakki namah, and by addressing rural communities and women in their own languages, these Sufis ensured that complex spiritual concepts became accessible to ordinary people. Taken together, the textual, pedagogical and vernacular contributions of the Chishti khanqahs of the Deccan underline their central role as academic, spiritual and cultural institutions. Further study of their manuscripts, oral traditions and institutional histories promises to deepen our understanding of how Deccani Sufism helped shape the intellectual and social landscape of the region.

Mahmud Khush Dahan (d.1617), a *Khalifah* of Burhan al-Din Janam, were the ones who contributed immensely to Sufi literature, both in Persian and *Dakhni* languages. They were the ones who carried forward the traditions of early Chishti Sufis of Daulatabad and Gulbarga.[105]

Miranji Shamsh al-Ushaq is regarded as the first Sufi of the Deccan who used the vernacular *Dakhni* language to express his mystic thought. It is available in his two lyrical poems *Khush-nama* and *Khush-Naghz*. Miranji Sham al-Ushaq was the author of about a dozen works, mostly in *Dakhni* language. We find his mystic thought in *Basharat al-zikr*, *Wasiyat al-hadi*, *Irshad Nama* and *Kalimat al-haqaiq*, all in *Dakhni* prose. He wrote another version of *Kalimat al-Haqaiq* on the request of his disciples using Persian and some Sanskrit terms to convey his mystic thought.

Shaikh Mahmud Khush Dahan, initially a Qadiri Sufi, became the disciple, *Khalifah* and successor (*janashin*) of Burhan al-Din Janam. Shaikh Mahmud was a scholar of high merit. His work entitled *Marifat al-suluk* explains the four stages through which a mystic passes i.e., *shariat*, *tariqat*, *haqiqat*, *ma'rifat* and the *zikr*, which a *salik* has to perform at each stage; and the *manzil* that a *salik* has to pass through to achieve the highest state (*martaba*). As mentioned earlier, we also come across a great deal of folk poetry written by the Sufis of Bijapur in Dakhini language,[106] through which they were able to reach the rural folk specially the women who sang these mystic verses while using hand mills (*chakkis*).

At Golkonda during the Qutb Sahi period, we come across a number of Chishti and Qadri Sufis. Prominent among the Chishti Sufis were two direct descendants of Gisudiraz, namely Hussain Shah Wali of Shaykhpet and Shah Raju Qattal Hussaini of Misriganj. Shah Raju was a pious person and excelled in piety and scholarship. He authored books in Persian and *Dakhni* languages. His work entitled *Risalah-i tariq al-muwahhidun* deals with the concept of the oneness of God (*tawhid*). Another text, a poem, entitled *Kimiya-i zat*, deals with the role of a spiritual mentor and the concept of love (*ishq*). He also authored a *risalah* under the title *sawal wo jawab*. His son Sayyid Shah Kalimullah Hussaini, also known as Akbar Shah, was a poet, a scholar and linguist. He wrote *Sringaramanjari* in Telugu language using the Sanskrit idioms. It is a love story that describes love, the lover and the beloved.[107]

6. Conclusion

The history of the Chishti khanqahs of the Deccan shows that these institutions were far more than centres of personal devotion; they were dynamic spaces of learning, literary activity and intellectual transmission. From the arrival of the disciples and khulafa of Shaykh Nizam al-Din Awliya at Daulatabad and Khuldabad, the Chishti presence in the Deccan laid firm

---

[105] R.M. Eaton, *Sufis of Bijapur, 1300-1700*, Delhi , 1996 . pp.135-176.

[106] Mohammed Ibrahim Zubairi, *Rauzat al-Auliya i-Bijupur,* Raichur*,* 1314, H, pp.70-85. See also Abdul Jabbar Malkapuri, *Mahbub al-Zilminan Tazkiriyah i-Auliya i-Deccan*, Vol.I & II,Hyderabad 1913 and 1914. Ali Musawi al-Qadiri, *Mishkat i-Nubawwat*. Muhi al-Din Qadiri, *Sahifat i-Ahl i-Huda,* Hyderabad 1966. The manuscript of *Shikar Nama* and *Chakki Nama* are available in Salar Jung Library, Hyderabad.

[107] Akbar Shah, *Srngramanjari*, edt., by Dr. V. Raghavan, Hyderabad-1951, pp.vii-x. *Sufis of Qutb-Shahi Golkonda*: *Two Descendants of Gisudiraz, Deccan Studies,* Vol. VII, no.2, July-December, 2009. See also Part III of this work.

A meal that's enough for one should be sufficient for two. If he is a man with family, he should earn accordingly, as the noble Prophet had said:[96]

اللهم ارزقنى كفاياً

Allāh provides me food that will suffice for all of us.

According to Shīrāzī, those who have renounced the world are of two types, the healthy (*qawī*) and the weak (*za'īf*). The weak are those who remain patient until their energy saps and at which point they seek the help of those who have renounced the world for the sake of God. They do not expect help from anyone else. The healthy are those who do not even seek the help of God and even if God bestows something at the initial stage in the realm of Ṣūfism, a *sālik* shall not accept it; similarly a middle (*mutawassiṭ*) person must also restrain but a perfect person (*kāmil*) may accept it, though only when he is confident that it is the order of God.[97] Shīrāzī said, "A *sālik* can attain the stage of *kāmil*, only when he eats, sleeps and speaks less, and patiently bears the wrath of the people." He further says, "In worldly affairs (*duniyā*), a *sālik* shall look upon the one who is weaker than him and in matters of religion (*dīn*), he shall look towards the one who is better than him."[98] He explains that if a person earns two hundred *tānkās*, he must imitate a person who earns hundred *tānkās* and must give away the remaining hundred *tānkās* in charity, in order to seek a better life both in this world and in the hereafter.[99] Shīrāzī also said, "one who gives up gratification, gets involved in greed, the devil (*shaytān*) would turn him into a round stone (*sang-i falākhīn*) that can be rolled in any direction."[100] Shīrāzī explains the same by citing the example of two breads, "bread made with oil has two layers and will be baked fully, whereas non-oily bread (*nān)* does not have two layers and cannot be fully baked."[101] Shīrāzī further says, "those who aspire for the world are like a bull which works hard throughout the day without realizing the goal. The seekers of the world are in a similar state of negligence (*gaflat*) and when suddenly they come to their senses, realize that they are at the same place from where they had started."[102] Someone asked him, "what if a *sālik* becomes a *murīd* of a fake *pīr*, can he seek another *pīr*?" Shīrāzī replied that it would be binding upon him to seek a new *pīr*, because if by mistake one performs *namāz* in a direction other than *qibla,* he has to reperform the *namāz* in the right direction."[103] According to Shīrāzī, advice (*naṣīḥat*) is of three types, *naṣīḥat*, *fazīḥat* and *khusūmat*. If the advice is given in absence of others, it is *naṣīḥat*; if it is given in front of others it is a disgrace (*fazīḥat*); and if it is given openly, it is rivalry (*khusūmat*).[104]

During the Adil Shahi period at Bijapur, we come across Sufis of Chishti, the Qadiri and the Shattari orders. Among the Sufis of the Chishti Order, Shah Miranji Shamsh al-Ushaq (d.1499), his sons Burhan al-Din Janam (d.1597), Amin al-din Ala' (d.1675) and

---

[96] *Rawzat al-aqṭāb*, p. 193.
[97] *Rawzat al-aqṭāb,* pp.192-193, refers to *Hidāyat al-qulūb*.
[98] *Rawzat al-awliyā*, p.36, See also, *Rawzat al-aqṭāb*, p.193.
[99] *Rawzat al-awliyā*, p.36.
[100] *Rawzat al-awliyā*, p.37.
[101] *Rawzat al-awliyā*, p.37.
[102] *Rawzat al-awliyā*, p.35, see also, *Rawzat al-aqṭāb*, pp.193-194.
[103] *Rawzat al-awliyā*, p.35, see also, *Rawzat al-aqṭāb*, p.194.
[104] *Rawzat al-awliyā*, p.35, *Rawzat al-aqṭāb*, p.193.

is forbidden, in which there is no longing for God and all is for the created."[88] This explains that the *sālik* has no other purpose in *meḥfil-i samā'* except to concentrate upon God.

K.A. Nizāmi writes that, "Burhān al-Dīn's disciples worked zealously to extend the influence of the *silsilah*. Sayyid Zayn al-Dīn Dāwūd Shīrāzī, the five Kāshānī brothers, Farīd al-Dīn Adīb and other who had accompanied Burhān al-Dīn Gharīb to Daulatabad played a significance part in popularizing the Chishtī principles in the Deccan."[89] Ghulām 'Alī Āzād Bilgirāmī quotes *Bāqiyāt al-gharā'ib* and informs us that Shaykh Ḥammād al-Dīn (d.761/1359), a disciple of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb, admitted more than one thousand disciples into the Chishtī fold.[90]

5. Sayyid Zayn al-Dīn Dāwūd Shīrāzī and his views

Sayyid Zayn al-Dīn Dāwūd Shīrāzī[91] (701-771/1302-1369), a *khalīfah* of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb, was one among the early Bahmanī Ṣūfīs. He lived through the times of 'Alā' al-Dīn Ḥasan Bahman Shāh and his successor Muḥammad Shāh I.

Shīrāzī was of the view that Ṣūfism is an interior experience and has a complex relationship with Islamic law. He insisted upon the observance of *sharī'ah* and said that abandoning it is the worst crime for a Muslim. He also said, "The path of our master is the path of the heart."[92] Ernst refers to *Hidāyat al-qulūb* and writes, "The normal requirements of Islamic law (*farā'iz*) and the noble prophetic example (*sunnah)*, in his view, establish regulations of purity as a trial designed to release humanity from the evil results of their free will. The acts of supererogatory worship (*nawāfil)* performed by the Ṣūfīs have the further goal of restraining the carnal soul (*nafs*) from forbidden speech and acts."[93]

The *malfūzat* of Sayyid Zayn al-Dīn Shīrāzī, under the title *Hidāyat al-qulūb wa 'ināyat allām al-ghuyūb,*[94] were compiled by one his disciples, Mīr Ḥasan, between 745-769 / 1344-1367, on the lines of *Fawā'id al-fu'ād*. Mīr Ḥasan writes that the sayings of his Shaykh would help people find salvation from external and internal dissipation.[95] Shīrāzī describes that the seekers (*ṭālib*) are of two types. The first are the seekers of the world and the second are those who have renounced the world. A *ṭālib* must seek only that which is required for him, and do so lawfully. If a bachelor, he must eat with a needy person (*muḥtāj*) , because the noble Prophet Muḥammad said:

طعام الواحد يكفى اثنين

---

[88] Shaykh Rukn al-Dīn Dabīr Kāshānī, *Shamā'il al-atqiyā'*, edt. by Sayyid 'Aṭā Ḥusayn, entitled Sadār Yār Jung, pp. 356-357, 1347 H, See also *Eternal Garden*, p. 149.

[89] *Rawzat al-awliyā*, p.6.

[90] *Rawzat al-awliyā*, p.6.

[91] He was son of al-Ḥusayn bin Maḥmūd bin Muḥammad Shīrāzī and was born in Shīrāz. From his childhood he was inclined towards studies. He later traveled to Mecca and Madina to perform Haj. He came to India and sat at the feet of Shaykh Kamāl al-Dīn Samānāwī/Sāmāna. He learnt the Koran by heart and acquired the knowledge of *fiqh*, *uṣūl al-fiqh* and Arabic grammar. He migrated to Daulatabad along with his master Kamāl al-Dīn Samānāwī and settled there, remained busy in the dissemination of knowledge. *Nuzhat al-khawāṭir*, vol. ii, p. 40.

[92] *Eternal Garden,* pp.136.

[93] *Eternal Garden*, p.136.

[94] A copy of this work is available in Oriental Manuscript Library at Hyderabad. See also *Eternal Garden*, pp. 80-81 and 305, n. 343.

[95] *Eternal Garden*, p. 80. See also, *History of the Medieval Deccan,* vol. ii, p. 181.

found in his *khānqāh* were added to the royal gift and the entire amount was distributed in charity.[82]

The early Chishtīs also strongly believed in the concept of *Waḥdat al-wujūd*; he used *samā'* as a medium to reach Reality and did not believe in hereditary succession; refused to accept *jāgīrs*, *in'ām* lands, gifts, cash grants and advised his disciples to desist from the company of the rulers, nobles and rich classes of the society which he regarded as an impediment in realizing the Reality, principles that were discarded by later descendants of the Chishtīs of the Deccan.

4. Teachings of Burhān al-Dīn Gharīb

Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb strongly believed in the principle of constant religious activity. His teachings, mentioned in his *malfūzāt*, entitled *Aḥsan al-aqwāl*, emphasize the importance and significance of trust in God, patience, charity, prayers, fasting, seclusion, truthfulness, ethical values, good actions and the maintenance of excellent manners (*ādāb*).[83] Ernst writes, "Burhān al-Dīn Gharīb's followers regarded him as the 'world-axis' (*quṭb-i 'ālam*), the supreme figure in the Ṣūfī hierarchy. Bilgirāmī refers to him as *Ṣāḥib-i wilāyat*.[84] His reputation became widespread in the Deccan during his lifetime."[85]

The ideology of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb can be gleaned from his sayings: "A *dervish* must remain patient, and if he cannot, he should pretend to be." "If a *pīr* cannot contemplate the fate of a disciple, then he must not extend his hand for initiation (*bay'at*)." "A *faqīr* neither extends his hand before God out of modesty (*hayā*), nor before any human being out of ego (*khuddārī*)." "A *darvesh* should not be the custodian of a deposit on trust nor should he sign any document as a witness."[86] "This world is like a shadow – when we walk towards the shadow, it moves ahead of us and when we turn away from the shadow, it follows us." Similarly, "when we shun the world, it follows us and when we desire the pleasures of this world, it turns away from you." said, Burhān al-Dīn Gharīb. Regarding hospitality, he said, "When a traveler visits, he must be served with two types of hot water -- one for serving a hot soup and the other for washing his hands." On friendship, the Shaykh would often quote Mawlānā Wajīh al-Dīn Kalakhrī's saying, "If you are looking for an errorless friend, you will be left alone."[87]

At Khuldabad, he explained abstract passages from the Ṣūfī manuals of the medieval period with great ease to those who thronged around him. He was a lover of *samā'*. Explaining the significance of *samā'*, Burhān al-Dīn Gharīb writes that it is of four types. "First was lawful, wherein the listener longs for God and not for the created; the second is permitted, in which the listener mostly longs for God and little for the created; the third is disapproved in which there is a great longing for the created and little for God; and the fourth

---

[82] *Rawzat al-awliyā*, p.30.

[83] Ernst in his *Eternal Garden* refers to Hamid al-Dīn Kāshānī's *Aḥsan al-aqwāl*. A copy of its manuscript is available in Osmania University Library, M.S. no. 478. See also *Eternal Garden*, pp. 73.

[84] *Rawzat al-awliyā*, p. 4.

[85] *Eternal Garden*, p. 123.

[86] Bilgrami, *Rawzat al-awliyā*,Delhi, 1996, pp.22-25. Urdu tr. by Nisar Aḥmad Farooqui.

[87] *Rawzat al-awliyā*, pp.22-25.

attributes of God.[74] This *Risālah* contains thirty-six types of contemplations. Hazrat Shaykh Gīsūdirāz explains these to help the *sālik* in gaining proximity to Reality. Some of the meditations which are explained by Hazrat Shaykh Gīsūdirāz are *murāqibah-i qalbī*, *ma'iyat*, *iḥaṭat*, *af'āl*, *ṣifāt*, *wujūdī*, *surādiq*, *jamāl*, *amānat*, *huyat*, *a'inah*, *haybat*, etc.[75]

Tafsīr-i Multaqaṭ

Hazrat Shaykh Gīsūdirāz compiled this commentary in Arabic on the Koran while he was at Delhi. According to Samani, it is a mystical commentary, which Hazrat Shaykh Gīsūdirāz taught to his disciples.[76] Manuscripts of this *tafsīr* are found in Naṣīriyah library at Lucknow and also in India Office, London, now shifted to the British Museum.[77] According to Khusro Ḥusaynī, it is an unique commentary in many ways. It is a commentary of the selected verses of the Koran, which is full of the traditions of the Noble Prophet and quotations from Ṣūfīs. Khusro further writes that Hazrat Shaykh Gīsūdirāz, "explains each verse (*āyah*) under three heads (a) *ḥaqā'iq*, (b) *laṭā'if*, (c) *multaqaṭ*. Under the head *ḥaqā'iq*, Hazrat Shaykh Gīsūdirāz explains the verse by quoting *Tafsīr al- ḥaqā'iq* of Sullami, under *laṭā'if* he explains the same verses according to Qushayri's *laṭā'if al-ishārāt* and under *multaqaṭ* he comments with deeper meaning."[78]

The eldest son of Hazrat Shaykh Gisudiraz, Sayyid Akbar Hussain (d.812/1412) who died during his lifetime also left behind a few Sufi tracts, the most important ones being *Sharah i-Tafsir i-Multaqit; Sharh-i Maliki,* dealing with *Ilm i-sarf; Risala i-Ibahat i-sama'; Kalimat al-Haqaiq;* and *Risla i-aqaid.*[79]

The early Chishtī Ṣūfīs of Daulatabad adhered to the basic principles laid down by their Chishtī masters of north India.[80] The early Chishtī Ṣūfīs of Daulatabad preached the principles of piety, love, equality and brotherhood to attract Muslims and also non-Muslims to their fold. They avoided the company of the Sultans and the nobles; and refused to accept cash grants and *jāgīrs*.[81] It is reported that when Sultan Muḥammad bin Tughluq sent 3,000 *tānkās* (silver coins) through Malik Nā'ib Barbek (the future Fīroz Shāh), to Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb, the Shaykh immediately asked his personal attendant Kākā Sa'd Baksh to bring whatever was available in the *khānqāh*. Twenty *tānkās*

---

[74] Gīsūdirāz writes that in Arabic, *murāqibah* means to move towards the beloved riding on the back of the camel. In the field of Ṣūfīsm, it means bowing down one's head before the beloved and absorbing the beloved into one's own eyes. Gīsūdirāz, *Risālah-i murāqibah*, p. 114. Dr. Mir Vali al-Dīn writes that "the word *murāqibah* is derived from the word *riqab*, which means watchman, a guard, and also a person who awaits. In the technical sense it means reasoning, reflection and idealization". Mir Valiuddin, *Khwaja Banda-i Nawaz and his contribution to Sufism,* Hyderabad, n.d., p. 118. See also *Khwāja Bandanawāz kā Taṣawwuf wo Sulūk*, Delhi 1966, p. 197.

[75] *Majmū'ah-i Yāzdah Rasā'il*, pp. 114-120.

[76] *Siyar-i Muḥammadī*, pp. 95 and 114. See also *Tārīkh-i Ḥabībī*, pp. 64 and 68.

[77] *Gīsūdirāz on Ṣūfīsm*, p. 20 see also p. 39, n.138 and 139.

[78] Gisudiraz, *Al-taqarīz wa al-muqaddamāt 'alā tafsīr al-multaqaṭ*, p. 59.

[79] *Siyar i-Mohammadi,* p.123, see also *Tarikh i-Habibi*, p.59. *Tabsirat al-Khwariqat*, p.116.

[80] However, later after the demise of Shaykh Zayn al-Dīn Shīrāzī, the *mutawwalī* of his shrine approached the court with *barakāt* to fetch more ration and grants for the celebration of the *'ārās* of the saint. Carl W. Ernst writes that the instructions of Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā, i.e., no refusing, no asking, no saving, had been forgotten. *Eternal Garden*, pp. 203-204.

[81] *Rawzat al-awliyā*, p.13.

Gīsūdirāz in Delhi. Sayyid al-Sādāt Sayyid Muḥammad Ḥanīf of Bidar was the disciple and *khalīfah* of Mas'ūd Bek.[67]

Risālah dar-Maslah-i Ruyat-i Bārī Ta'ālā wa Karāmāt-i Awliyā

In this small treatise Hazrat Shaykh Gīsūdirāz has discussed a number of issues, of which the first issue is regarding the Beatific Vision of God (*Ruyat-i Bārī Ta'ālā*). This treatise was written to explain whether the Beatific Vision of God is possible with the physical eyes in this world? Most of the *'ulamā* have refuted it but the Ṣūfīs are of the view that one can see God in a dream. The other issues which have been discussed are the precedence of the prophets and messengers over the angels, the *karāmāt-i awliyā* and about the ambiguous (*mutashābihāt*) verses of the Koran.[68]

Wujūd al-'Āshiqīn al-ma'rūf Risālah-i 'Ishqiyyah

This brief treatise is on the concept of love, its reality and grades. In fact this is the abridged version of his work, *Ḥazā'ir al-quds*. [69]

Risālah-i Manzūm dar Azkār[70]

Remembrances (*azkār*) are an important aspect in the journey of a *sālik*. This booklet contains those remembrances of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz which are imparted to senior students who have reached the highest stage in Ṣūfīsm. Most of it is for this reason Hazrat Shaykh Gīsūdirāz has written this small treatise in a very ambigious manner rather in a mysterious way and cites a number of Koranic verses and the prophetic traditions to lay great importance upon the the remembrance of God all the time. The Koran says,

يا ايها الذين اٰمنوا اذكروا الله ذكراً كثيراً و سبحوه بكرةً و اصيلا

> "Believers, remember Allāh frequently; praise Him morning and evening."[71]

A person asked Hazrat Shaykh Gīsūdirāz to suggest an easier way for remembrance. Hazrat Shaykh Gīsūdirāz replied that the noble prophet had said, "'Let not your tongue cease to be moist with the remembrance of Allāh" لا يزال لسانك رطباً من ذكر الله.[72] Abū Sa'īd narrates that the noble Prophet said; "Remember God to such an extent that the people call you mad

"أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللهِ حَتَّى يَقُولُوا: مَجْنُون73".

Risālah-i dar Murāqibah

Murāqibah means to meditate upon the presence of the beloved. In fact it means total application of one's own consciousness upon the complete comprehension of the essence and

---

[67] The *Bahnani Sufis* , See chapter 3.

[68] Gisudiraz, *Majmū'ah-i Yāzdah Rasā'il*,edt., by Syed Ata Hussain, Hyderabad, 1367, pp. 6-7.

[69] *Majmū'ah-i Yāzdah Rasā'il*, pp. 10-11.

[70] Sayyid 'Aṭā Ḥusayn informs us that he came across a *Risālah* which contained *azkār* of Sayyid Muḥammad Ḥusaynī Gīsūdirāz with a person who was associated with *Rawzah-i khurd*. He did not find a second copy of the same *Risālah* anywhere else. Therefore, without comparing it with any other copy of this *Risālah* he edited and published it. *Majmū'ah-i Yāzdah Rasā'il*, pp. 11-12.

[71] The Koran, 33:41-42. See also 91:7-10.

[72] Muḥammad bin Esā Tirmīzī, *Jāmi' Tirmīzī*, ḥadīth no. 3372.

[73] Aḥmad bin Ḥanbal, *Musnad*, vol. 18, p. 195.

solitude, how to stay awake in nights, and many other aspects of the *khānqāh* life. *Ādāb al-murīdīn* was taught in all Chishtī *khānqāhs* in India including the *khānqāh* of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz.

Even after writing four commentaries on this work, Hazrat Shaykh Gīsūdirāz felt the need of a comprehensive book. He, therefore, compiled *khātimah*, which contains guidance on *ādāb-i samā'*, ecstasy in *samā'*, the etiquettes of *samā'* such as how it should be held at night under lights; use of perfumes; the exclusion of the *gumrāh*; *munkīrīn-i samā'*; prosaic jurists; members of royalty; women; the prohibition of *mazāmīr* and dance.[60]

Maktūbāt

Maktūbāt[61] is a collection of sixty-six letters of Sayyid Muḥammad al-Ḥusaynī Hazrat Shaykh Gīsūdirāz compiled by Maulānā Rukn al-Dīn Abul Fatḥ, a *khalīfah* of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz. Maulānā Rukn al-Dīn came to Gulbarga twice, once during the life-time of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz and second time after his demise. During his second visit, he also visited Bidar, from where he went to Hijaz to perform pilgrimage and on his return collected the letters of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz written to his disciples, *khulafā*, nobles and to the Bahmanī Sultan Fīroz Shāh. It also includes two letters written to him and nine to his father.[62]

In one letter addressed to Fīroz Shāh, Hazrat Shaykh Gīsūdirāz[63] extends blessings to him and to the princes. Pray for their welfare, prosperity of the country and protection from the evil eyes.[64] Another letter is addressed to Masud Bek,[65] a famous Chishtī Ṣūfī who was the *khalīfah* of Shaykh Rukn al-Dīn bin Shaykh Shihāb al-Dīn both of whom were the *khulafā* of Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā of Delhi. Masud Bek was a contemporary of Sultan

This collection also contains seven letters written by his elder son Sayyid Shāh Akbar Ḥusaynī and four to his younger son Sayyid Shāh Asghar Ḥusaynī. The other letters in this collection are addressed to his disciples and *khulafā*. Fīroz Tughluq and Hazrat Shaykh Gīsūdirāz in Delhi. Sayyid al-Sādāt Sayyid Muḥammad Ḥanīf of Bidar was the disciple and *khalīfah* of Mas'ūd Bek.[66]

---

[60] Gisudiraz, *Khātimah*, edt., by S.A. Hussain,Hyderabad, 1356 H, pp.22-194.

[61] A copy of the collection of his 61 letters written in 1215/1800 is available in Oriental Mansucript Library, Hyderabad, See MSS No.1630, *taṣawwuf* in Persian. A second copy of his letters was found in Raichur by Sayyid 'Aṭā Ḥusayn. He copied it and preserved it in *Kutub khānah-i rawzatayn*. Gīsūdirāz, *Maktūbāt,*Hyderbad , 1362 H. Letter No. 19, p. 86,Syed Ali Tabatabai, *Burhān i-Mathir*, edt. Ghulam Yazdani, Hyderabad, 1936, p. 45. Jhon Briggs, *History of the Rise*,Mohammadan Power in India, London, 1829. vol.ii, p. 338.

[62] Gīsūdirāz, *Maktūbāt*, see introduction by Sayyid 'Aṭā Ḥusayn, p. 2 and the opening note in Persian by Maulānā Rukn al-Dīn, pp.2-3.

[63] *Maktūbāt*, letter No.39, p.86.

[64] *Maktūbāt*, letter No.51, p.97-96.

[65] *Maktūbāt*, letter No.66, p.125-135.

[66] The *Bahnani Sufis* , See chapter 3.

his ideas, while at many other instances he just alludes to some."[52] Hazrat Shaykh Gīsūdirāz was reluctant to teach this work of his, although he did teach it to a selected few[53] but avoided to explain the fourteen letters (*muqaṭṭ'āt*) in the Koran which he discusses in chapter twenty five and seventy six. Sayyid 'Aṭā Ḥusayn is of the view that there is no other work in India which surpasses *Asmār al-asrār* because its exposition is within the grasp of a beginner, an average person and also, of course, learned scholars.[54] The aim of writing this work was to disclose the secrets of Ṣūfīsm upon the *sālik*. A reading of this work reveals the intense overwhelming involvement of his passion to uncover the gnosis, that is why it reading has features of attraction, assimilation, and color.

Ḥazā'ir al-quds: Also known as *'Ishq nāmah*, it focuses on the concept of mystic love. This is another masterpiece of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz, compiled during the journey from Delhi to Daulatabad at Khambayat in 803/1401. He compared this work with *Sawāniḥ fī al-'Ishq* of Aḥmad al-Ghazālī.[55] There are very few Chishtī Ṣūfīs in India prior to Hazrat Shaykh Gīsūdirāz who have written a treatise on the concept of love. *Ḥazā'ir al-quds* is innovative because Hazrat Shaykh Gīsūdirāz makes use of the literal meaning of the three letter '*ayn*', '*shīn*' '*qāf*' of the term *'ishq* and deduces the real gnosis (*ma'rifah*) of the concept of love. He also explains the attributes of love, the lover and the beloved. It appears that Hazrat Shaykh Gīsūdirāz dictated this in a state of spiritual intoxication. As a result, it is difficult at times to discern his meaning or follow some of his sentences, which is why he himself writes at one point: "If you fail to grasp the meaning, consider this writing as meaningless words (*ḥizyān*).[56] He further writes,

"کلمۂ چند ذوق آمیز و نکاتے چند شوق انگیز در مراتب و درجات عشق اگرچہ این بیان از حد تقریر و تحریر بیرون است، از انچہ لمعۂ از عالم بیچون و چگون است، املاء کرد57"،

"Some of my sayings which relate to *zawq* and *shawq*, are from the different stages of love, which are unexplainable, some of which I have dictated, relate to this world."

Khātimah

Khātimah is a supplement to *ādāb al-murīdīn* of Shaykh Abū Najīb Abul Qāhir Suhrawardī, which is why it is called *Khātimah-i ādāb al-murīdīn*. This work was compiled by Hazrat Shaykh Gīsūdirāz in Gulbarga in 807/1404.[58] This book deals with the practical aspects of Ṣūfīsm, especially the aspects of *khānqāh* life and it is a useful manual for *sālik*.[59] Elaborate rules were laid down for the residents of the *khānqāh*, such as how to talk to the shaykh, how to develop the imagination of the *pīr* (*taṣawwur-i pīr*), how to earn the lawful livelihood (*akl-i ḥalāl*), how to dress, when to sleep, how to sustain hunger, thirst, and

[52] *Gisudraz on Ṣūfīsm*, p.21.
[53] *Ḥazrat khwāja banda nawāz kā nizām-i taṣawwuf wo sulūk*, p.24.
[54] Gīsūdirāz, *Asmār al-asār*, Urdu tr. By Mawlvī Sayyid Yāsīn,Gulberga,1981, p.11.
[55] *Tārīkh-i Ḥabībī*, p.65, See also *Gīsūdirāz on Ṣūfīsm*, p.23.
[56] *Ḥazrat khwāja banda nawāz kā nizām-i taṣawwuf wo sulūk*, pp.28-30. See also Gisudiraz, *Wujūd al-;Āshiqīn*, p. 91.
[57] *Ḥazrat khwāja banda nawāz kā nizām-i taṣawwuf wo wulūk*,p. 30.
[58] Gīsūdirāz, *Khātimah*, p.113, para-194. See also, *Tārīkh-i Ḥabībī*, p.67.
[59] K.A. Nizami, *Some Aspects of Religion and Politics, in Medieval India*, Bombay, 1960, p. 61 n.2.

therefore, essential for the *sālik* to listen attentively to his *pīr* and should not follow the dictate of his self.

'Abdul Haq says:

"حقائق و معارف بزبان رمز و ایما والفاظ و اشارات بیان کرده[47]"

"The Realities and the gnosis are conveyed through a language of signs (*'alāmāt*) indications (*ishārāt*) and words (*alfāz*)."

Hazrat Shaykh Gīsūdirāz writes that the special characteristic of *Asmār al-asār* is the interpretation of the abstract passages. He further writes:

"چند سخنے کہ این جا بہ تحقیق تنمیق یافت در اسمار ما آن قدر کہ نظاره کنی خارج از ین نیابی، مگر چند سطرے کہ باز گونہ نبشتہ ام و چند حرفے متہجیاتے کہ متشابہات است، آن خاصۂ ما است[48]"

"Certain things which I have dictated in *asmār* after research in the realm of *zawq* and *shawq*, are not to be found elsewhere. My unique contribution is that I have written the explanation of certain ambiguous alphabets (*muqaṭṭ'āt*)."

In fact, this work is his masterpiece (*nudrat*).[49] *Asmār al-asār* has one hundred and fourteen *samars*, according to the number of chapters in the Koran. Each *samar* deals with mystical interpretation of either a Koranic verse or a tradition. This work covers almost all aspects of *taṣawwuf*, like unity of Being (*Waḥdat al-wujūd*), love (*'ishq*), contemplation (*zikr*), practices (*ashgāl*), meditation (*murāqibah*) spiritual path (*sulūk*), Unity (*tawḥīd*), realities (*ḥaqā'iq*) and gnosis (*ma'rifat*) and many other aspects. According to Khusro Husaini, the book also deals with the following topics, "commentary on the first Surah, i.e., *Surah-i fātiḥah* of the Koran; meditation (*murāqibah*); spirit (*rūḥ*); colours (*rang*); subtle substances (*laṭā'if*); Prophethood (*nubuwat*); sainthood (*wilāyat*); audition of music (*samā'*); poverty (*faqr*); slumber (*nawm*); endurance (*ṣabr*); life and death (*ḥayāt* and *maut*); mystical letters of the Koran (*muqaṭṭ'āt*); and the subject which run throughout the entire *asmār* is the idea of mystical love (*'ishq* or *muḥabbah*)."[50] In fact, the one hundred and fourteen (114) chapters cover the stages (*maqāmāt*) of the journey of a *sālik* towards Reality (*ḥaq*) on the lines of Arabic literary works *Badī' al-zamān* and *Maqāmāt-i Ḥarīrī*.[51]

Khusro writes, "It may be said that *asmār* pre-supposes knowledge of Ibn al-'Arabī's doctrines, and, no doubt, Hazrat Shaykh Gīsūdirāz himself compiled the work with Ibn al-'Arabī in mind. We find innumerable places where he openly criticizes Shaykh al-Akbar and

---

[47] *Asmār al-asār*, Urdu tr. by Sayyid Yasin, p. 10 refers to Shaykh 'Abdul Ḥaq. See also Muslim Aḥmad Nizāmī, *Anwār al-ṣūfiyyah*, p. 246.

[48] *Asmār al-asār*, Urdu tr. by Sayyid Yasin, p. 11. See also Aḥmad Ḥusayn Khān, *Ḥazrat khwāja banda nawāz kā nizām-i taṣawwuf wo sulūk*, p.25. refers to *Asmār al-asār*, p. 9.

[49] A.H. Khan, *Ḥazrat khwāja banda nawāz kā nizām-i taṣawwuf wo sulūk*,Hyderabad, 1966, p.24.

[50] *Gīsūdirāz on Ṣūfīsm*, pp. 21-22. See also Khusraw Ḥusaynī, art, *Asmār al-asār*. *Siyar-i Muḥammadī*, p. 115. *Tārīkh-i Ḥabībī*, p. 65. *Aṭwār al-abrār* as in *Shajarah-i irādat*, fol. 12. *Akhbār*, pp. 236-247. Copies of manuscripts are available in *kutubkhanah-i rawzaytayn* at Gulbarga; in Oriental Manuscript Library at Hyderabad and references of this work are available in *Catalogue of Persian Manuscripts in the library of India Office*.

[51] *Ḥazrat khwāja banda nawāz kā nizām-i taṣawwuf wo sulūk*, p.24.

757/1356), that, too, on the insistence of his *murids*. He was in Delhi till 801/1398, which means a stay of forty-four years after the demise of his master. Of his one hundred and five books, works which directly reflect his mystical thought are more than ten. He also wrote a number of commentaries on medieval classics, which deals with mysticism.[43]

The works of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz which depicts his mystic views are:

1. *Asmār al-asār*[44]
2. *Ḥazā'ir al-quds*
3. *Khātimah*
4. *Jawāmi' al-kalim*
5. *Risālah dar-Mas'alah-i ruyat-i bārī ta'ālā wa karāmāt-i awliyā*
6. *Wujūd al-'āshiqīn al-ma'rūf risālah-i 'ishqiyyah*
7. *Risālah-i manzūm dar azkār*
8. *Risālah-i dar murāqibah*

9. *Risālah-i manzūm dar azkār*
10. *Risālah-i dar murāqibah*
11. *Tafsīr-i multaqaṭ*
12. *Asmār al-asār*

Hazrat Shaykh Gīsūdirāz writes that of all his works he was proud of *Asmār al-asār* which he says is an inspired work. Right at the outset, he writes:

و اصحاب این قدر بدانند کہ از خود چیزی نہ نبشتہ ایم، ہرچہ مارا املا کردند ما بر مستملی خویش ہماں چیز را بلا زیادت و نقصان حکایت کردیم۔ ''وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی'' نعت محمد رسول اللہ است، پرکہ اتباع او کند و اہتمامش در سنت او بود و رفتن ہر طریقۂ او باشد شمۂ از جوامع الکلم و لمعۂ از گفتار او کہ ''نور الھدی'' است و بیان ''سر القرب والدنی'' است نصیبہ گیرد، فلتصغ الی قالتنا ولا تتبع الھوٰی[45]

My colleagues know that I have not written anything by myself. I have written only that which was dictated to me through *ilhām* as the Quran was revealed to the Noble Prophet "He does not speak out of his own fancy. This is no other than an inspired revelation"[46] The one who adheres to his sayings, practices and the footsteps would achieve his goal. It is

[43] He wrote commentaries on the works of Muḥī al-Dīn Ibn al-'Arabī, Al-Ghazālī, Imām Qushayrī, Abū Najīb Suhrawardī, Shihāb al-Dīn Suhrawardī, 'Ayn al-Quzāt al-Hamadānī and Abū Ṭālib al-Makkī.

[44] This work has one hundred and fourteen chapters, as in case of the Koran, each chapter deals with mystical interpretations of the Koranic verses or the Prophetic traditions. This is an important work of Gīsūdirāz as it reflects his mystical visions. Edited by Sayyid 'Ata Ḥusayn, it was published in 1931 in Hyderabad. Copies of manuscripts are available in the *kutubkhanah-i rawzaytayn* at Gulbarga, and in Oriental Manuscript Library, Osmania University and Salar Jung libraries at Hyderabad.

[45] *Asmār al-asār*, p. 10.

[46] The Koran, 53:3.

30th Rajab, 843 A.H. There are in all twenty-two such discourses which deal with concepts of love, the attributes of God and mystical issues.

Shawāmil al-jumal dar shamā'il al-kumal

The oral sayings of Sayyid Shāh Amīn al-Dīn Abul Fayz Minallāh Ḥusaynī (811-879/1408-1474) under the title *Shawāmil al-jumal dar shamā'il al-kumal* were compiled by his eldest son, Sayyid Shāh Naṣīr al-Dīn Abul Ḥasan Kalimullāh (d.892/1486).[37] This work contains one hundred and fifty-five *majālis* commencing from 20th Zil Hijj 874 A.H. and ending on 25th Jamādi al-Awwal 878 A.H. It discusses issues like control over *nafs*, *ḥalāl wo ḥarām*, kindness towards the needy, the poor and the destitute, contentment, repentance, prayers, meditation and musical audience.

3. Works which reflect his mystic thought

At the time of his settlement at Gulbarga, Hazrat Shaykh Gīsūdirāz was in his eighties and had already compiled a number of works. Most of his time at Delhi and in the journey southward to Deccan was spent in dictating important treatises. His works, which according to a tradition, total one hundred and five, can be broadly classified as those compiled at Delhi, between Delhi and Gulbarga, and at Gulbarga.[38] The exact date of his arrival at Gulbarga is not known, as different authors have given different dates. However, indications are that he reached the Bahmanī capital at the end of 803/1400 or the early 804/1401, having left Delhi in 801/1398.[39] Of his one hundred and five works, the number of titles mentioned in *Siyar-i Muḥammadī*, *Tārīkh-i Ḥabībī*, and the extracts of *Atwar al-abrar* are thirty-six, forty-seven and forty-six, respectively.[40] However, we find the titles of other works as well in other libraries.[41]

The works of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz reflect his insight into *tafsīr*, *ḥadīth*, *fiqh* and Ṣūfīsm. They also indicate the inspiration he received from the works of Abul al-Qāsim al-Junayd, 'Ayn al-Quzāt Hamadānī, al-Ghazālī, Abū Ṭālib al-Makkī, Najm al-Dīn al-Kubrā, 'Alī al-Hujwerī and Muḥī al-Dīn al-'Arabī.[42] According to Wā'izī, Hazrat Shaykh Gīsūdirāz was reluctant to compile books. He, however, decided to write after the demise of his master (d.

---

[37] From the preceeding pages it is clear that between 1300 and 1347 the Chishtī saints did not write any book except *Tuḥfat al- naṣāi'ḥ*, a small treatise written by Shāh Rājū, father of Gīsūdirāz to educate his son. Shāh Rājū also left behind a poetic collection called *Mathnawī-i rājā*. Sayyid Kalīmullāh Ḥusaynī translated *Tuḥfat al- naṣāi'ḥ* into Urdu and it was published in 1373 A.H. in Hyderabad. I have a copy of this Urdu version in my personal collection. *Siyar-i Muḥammadī*, p. 9. See also Abdul Aziz Waizi, *Tārīkh-i Ḥabībī*, Urdu tr. By Mashuq Yar Jung, Hyderabad, 1368, H, p. 9.

[38] According to Minallāh, he was the author of one hundred and twenty-five works. Sayyid Shah Minallah, *Tabṣirat al-khwāriqāt*,Hyderabad, 1358 H. pp. 39, 102. For titles of his works compiled at Delhi, between Delhi and Gulbarga and at Gulbarga, see appendix A.

[39] For different dates given by different scholars, see the Bahmani Sufis, chapter 3.

[40] For the list of his works, see *Tārīkh-i Ḥabībī*, pp. 64-67; *Siyar-i Muḥammadī*, pp. 102-103; *Gīsūdirāz: on Ṣūfīsm*, pp. 19-25; *Aṭwār al-abrār* as in *Shajarah-i irādat*, fol.12. See also Mohammed Suleman Siddiqi, *The Junaydi Ṣūfīs of the Deccan*, Delhi, 2014, part v. Minallāh, the author of *Tabṣirat al-khwāriqāt*, only mentions the number of books written by Gīsūdirāz as one hundred and twenty five.

[41] It is reported that libraries such as Salarjung Library, Oriental Manual Library (formerly Asafiyah Library), Osmania University Library, Hyderabad. Tadjik manuscripts of the Institute of the People of Asia, USSR, Academy of Science. In *Yāzdah rasā'il*, we come across a few more titles not mentioned by his biographers. The authenticity of these titles is, however, doubtful.

[42] *Siyar-i Muḥammadī*, pp. 54 and 131. See also *Gīsūdirāz on Ṣūfīsm*, p. 16.

malfūzat compiled by Khwāja Burhān al-Dīn Kāshānī and Khwāja Jamāl al-Dīn Kāshānī.[31] Majd al-Dīn Kāshānī later also authored *Bāqiyāt al-karāmāt*, [32] which is also extinct.

Hidāyat al-qulūb wa 'Ināyat al-'allām al-ghuyūb, the *malfūz* of Shaykh Zayn al-Dīn Dāwūd Shīrāzī

Apart from these *malfūzat* of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb, we also come across the oral sayings of Shaykh Zayn al-Dīn Dāwūd Shīrāzī, under the title *Hidāyat al-qulūb wa 'Ināyat al-'allām al-ghuyūb*,[33] compiled by Mīr Ḥasan, a *khalīfah* of Shīrāzī, written between 745-769/1344-1367. Compiled on the lines of *Fawā'id al-fu'ād*, it deals with such concepts as disciplining the soul, excellence of prayers, fasting, charity, seclusion, moral deeds, truthfulness, avoiding unlawful acts and enduring poverty and hunger.[34] Apart from this pre-Bahmanī *malfūz* literature, we also come across three more *malfūzāt* during the Bahmanī period entitled *Jawāmi' al-kalim*, *Muḥabbatnāmah* and *Shawāmil al-jumal dar shamā'il al-kumal*.

Jawāmi' al-kalim

The biographers of Hazrat Shaykh Gisūdirāz mention four *malfūz* of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz, two were compiled by his eldest son Shaykh Sayyid Akbar Ḥusaynī -- the first was compiled in Delhi and the second in Gujarat while enroute to the Deccan. The third was compiled by one of his disciples, Qāzī Ilm al-Dīn Bahrūchī. Of the fourth compiler nothing is known.

The *malfūz* compiled by Akbar Ḥusaynī, entitled *Jawāmi' al-kalim*,[35] begins on 1st of Rajab 802/27th Feb 1400 and ends in 22nd Rabī' al-Thānī 803 10th Dec 1400. Akbar Ḥusaynī had read the entire work before Hazrat Shaykh Gīsūdirāz who approved it. It contains information on different aspects of Islam and depicts the views of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz on various aspects of Ṣūfism, like *ādāb-i muridīn*, *baya't*, *taubah*, *ḥuzūr-i qalb*, *samā' bil mazāmīr*, *aḥwāl-i ahl-i samā'*, *ruyat-i bārī-i ta'ālā*, discourses with the Hindu Jogis and socio-religious events of his time.[36]

Muḥabbat nāmah

Muḥabbat nāmah is the collection of the oral sayings of Sayyid Shāh Yadullāh Ḥusaynī, the grandson of Hazrat Shaykh Gīsūdirāz compiled by his *khalīfah* and son-in-law, Sayyid Maḥmūd bin Sayyid Fazlullāh Ḥusaynī. After having compiled the work Sayyid Maḥmūd recited the entire work before his father-in-law, who named it as *Muḥabbat nāmah-i ilāhī wo asrār nāmah-i khudā'ī* and said whoever reads this book will be able to achieve the love of God and gnosis. The discourse begin on 3rd Rajab, 843 A.H. and end on

---

[31] *Shamā'il al-atqiyā*, pp. 2-3. See also *Eternal Garden*, pp. 73-74.

[32] *Eternal Garden*, pp. 75-76. In his introduction to the work, *Khayr al-majālis*, its editor K.A. Nizami writes, that Majd al-Dīn Kāshānī's work were entitled *Gharā'ib al-karāmāt* and *Bāqiyāt al-gharā'ib*. Ḥāmid Khalandar, *Khayr al-majālis*, edt., K.A. Nizami, p.2.

[33] A copy of this work is available in Oriental Manuscript Library at Hyderabad. See also *Eternal Garden*, pp. 80-81 and 305, n. 343.

[34] *Eternal Garden*, p. 73.

[35] Mohammed Ali Samani , *Siyar-i Muḥammadī*, Hyderabad, 1969.pp.7 and 131.

[36] Sayyid Akbar Ḥusaynī, *Jawāmi' al-kalim*, Urdu tr. by Moinuddin Dardai, Delhi 1990, p.22. See also Syed Shah Khusro Hussaini, *Gīsūdirāz on Ṣūfīsm*, Delhi, 1983 p. 25.

comparison and function only as appendices."[23] Rukn al-Dīn has appended a list of no less than two hundred and fifty classical works on religion and Ṣūfism to this book.

Shamā'il al-atqiyā[24] contains four chapters. "The first deals with the practices (*af'āl*) of the Ṣūfīs; the second discuses the state (*aḥwāl*) who have attained the stage of *ḥaqīqat*; the third contains the praise (*ḥamd*) of Allah and *na't* in honor of the Noble Prophet; and the last deals with realities (*ḥaqā'iq*) of Ṣūfism. It also deals with the stations (*maqāmāt*) through which a Ṣūfī passes. It begins with innumerable praises of God and the attributes and virtues... so on, ستائش بے عد مانند شیم و شمائل .. الخ."[25]

Aḥsan al-aqwāl

The third *malfūzat* text of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb was compiled by Ḥammād al-Dīn Kāshānī (d.761/1359-60), brother of Rukn al-Dīn Kāshānī, under the title *Aḥsan al-aqwāl*.[26] This work is divided into twenty-nine chapters, each called a saying (*qawl*). It covers all aspects of Ṣūfī practices, such as manner (*ādāb*); initiation (*bay'at*); trust between the master and the disciple (*pīr-murīd*); virtues of obeying the master; disciplining the soul; the excellence of good actions; morals; fasting; truthfulness; prayers; love and avoiding unlawful acts and deeds. It explains trust in God and the virtues of patience; enduring; poverty and hunger. It further explains the excellence of seclusion, harmony, charity, prayers, *samā'*, and other aspects, intrinsic to the life of a Ṣūfī.[27] It discusses other ascetic practices as well. Sayyid 'Aṭā Ḥusayn writes that apart from *Aḥsan al-aqwāl*, Ḥammād al-Dīn Kāshānī was also the compiler of *Ḥuṣūl al-wuṣūl* and *Asrār-i ṭarīqat*, the *malfūzat* of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb.[28]

Gharā'ib al-karāmāt A fourth *malfūz* of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb was compiled by Majd al-Dīn Kāshānī, brother of Rukn al-Dīn Kāshānī, entitled *Gharā'ib al-karāmāt*.[29] It is a narrative biography with *karāmāt* and *mukāshifāt* of the Shaykh.[30]

'Aṭā Ḥusayn writes that apart from the above mentioned *malfūzāt*, Rukn al-Dīn also compiled four more *malfūzāt*, entitled *Azkār al-mazkūr*, *Tafsīr-rumūz*, *Rumūz al-wālihīn*, and *Risālah-i gharīb* which are extinct. He further writes that he was unable to locate the

[23] *Eternal Garden*, p. 76.

[24] Rukn al-Dīn Kāshānī, *Shamā'il al-atqiyā'*, edt. by Sayyid 'Aṭā Ḥusayn, has a preface by Ḥabīb al-Raḥmān Sherwani entitled Sadār Yār Jung. The copy which I have, was published under the supervision of Mawlvī Ḥakīm Ghulām Murtuzā, Director of Ishā't al-'ulūm, Hyderabad, Ashraf Press, Ḥawelī Khadīm in 1347 H. This work of Rukn al-Dīn was also translated into Dakhni language about three hundred years ago. Multiple copies of this work are available. *Shamā'il al-atqiyā*, Introduction, p.3. This work is in Persian and in four parts, the first part has fifty-two *bayans* (lessons) and the second, third and fourth parts have thirty-two, four and three *bayans* respectively. This work has a preface by Sadar Yar Jung, who was known as Mr. Habib al-Rahman Sherwānī.

[25] *Nuzhat al-khawāṭir*, vol. ii, pp. 41-42. See also *Eternal Garden*, p. 76 refers to *Shamā'il al-atqiyā'*, p. 360.

[26] K.A. Nizāmi, A Note on *Aḥsan al-aqwāl*, *A Journal of Pakistan Historical Society*, 3, 1995, pp. 40-44. A copy of *Aḥsan al-aqwāl* is in Osmania University library, MSS. No. 478 and 479. Urdu tr. by Baig Farheen Banu Khuladabadi.

[27] *Eternal Garden*, pp. 71-77.

[28] Rukn al-Din Kashani, *Shamā'il al-atqiyā*, edt., by Syed Ata Hussain, Hyderabad, 1347 H. p. 3.

[29] *Eternal Garden*, pp. 74-75 and 302, 303, n.316. A copy of this work is available in Salar Jung Museum Library, Hyderabad, MS No. 876, Persian. See also *Islamic Culture*, vol. xvi, 1943, p. 451.

[30] *Eternal Garden*, pp. 74-75.

number of commentaries on the medieval Ṣūfī classics were written. It is a known fact that the tradition of collecting the oral sayings of Ṣūfī shaykhs commenced during the times of the Chishtī saints of north India. We come across a number of *malfūẓāt*, the most authentic being *Fawā'id al-fu'ād* and *Khayr al-majālis* of Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā and Shaykh Naṣīr al-Dīn Chiragh Dehlawī respectively.[19] This tradition was carried forward by the disciples of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb and Shaykh Zayn al-Dīn Shīrāzī in the Deccan during the first half of the fourteenth century. They deal with ethical, spiritual and religious stories, performance of religious duties with an emphasis on Ṣūfī rituals and their interpretations. It also discusses the manners (*ādāb*) of Ṣūfī assemblies; practices of the Ṣūfī masters and their customs of obeying the master; excellence of good actions and high morals; excellence of fasting and truthfulness; trust in God; patience and the enduring of poverty and hunger; the virtues of seclusion; charity and prayers.[20]

Nafā'is al-anfās wa laṭā'if al-alfāz

The first *malfūz* of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb was compiled by Shaykh Rukn al-Dīn Dabir Kāshānī, entitled *Nafā'is al-anfās wa laṭā'if al-alfāz*.[21] It is a record of forty-eight sessions between Muḥarram 732/ October 1331 and 4th Safar 738/1st September 1337. According to Carl W. Ernst, "As in case of Ḥasan Dihlawī, Rukn al-Dīn Kāshānī was intent on accurately communicating the teachings of his master. *Nafā'is al-anfās* contains discussions, questions directed at Burhān al-Dīn Gharīb, stories both personal and legendary, and the explanation and performance of religious duties with an emphasis on Ṣūfī rituals and their interpretations."[22]

Shamā'il al-atqiyā wa dalā'il al-anqiyā

The second *malfūz* text of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb, entitled *Shamā'il al-atqiyā wa dalā'il al-anqiyā*, was also compiled by Rukn al-Dīn Dabīr Kāshānī. It is an important work as it deals with the literary aspect of Ṣūfī thoughts and practices. It deals with Ṣūfī rituals, the state and the stations through which a Ṣūfī passes. Ernst writes, "the subjects that Rukn al-Dīn included in *Shamā'il al-atqiyā* address a select audience of educated Ṣūfīs. The two principal sections are, first, a discussion in fifty-two chapters of Islamic rituals and the interior stations (*maqāmāt*) of Ṣūfīsm. Second is an analysis of mystical states (*aḥwāl*). The third and the fourth section of this work are on theology and anthropology, are miniscule in

two books written by him fifty years prior to Gisudiraz. *Atwar al-abrar*, as in *Shajrah-i Iradat*, fol. 9-10 and *The Junaydi Sufis of the Deccan*, Chapter III & IV.

[19] *Fawā'id al-fu'ād* was compiled by Amīr Ḥasan 'Alā Sijzī (d. 736 or 738 / 1335-1337), it is the first authentic recorded version of the oral discourses of the Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā. Amīr Ḥasan 'Alā Sijzī, *Fawā'id al-fu'ād*, Eng tr. by Ziā al-Ḥasan Farūqī and Urdu tr. by Khwāja Ḥasan Thānī Nizāmī. *Khayr al-majālis* was compiled by Ḥāmid Khalandar, a *khalīfah* of Shaykh Naṣīr al-Dīn Chirāgh Dehlawī.

[20] *Eternal Garden*, p. 73.

[21] *Eternal Garden*, pp. 71-72 and 302- n. 305.

[22] *Eternal Garden*, pp. 71-72.

Qāzī Sharf al-Dīn Fīrozkuhī,[10] Shaykh Fakhr al-Dīn Zarrādī (d. 748/1347) and Shihāb al-Dīn (*haqgo*). Some of the disciples and *khulafā* who accompanied Burhān al-Dīn Gharīb were: Pīr Mubārak Kārwān[11] (d.734/1333), Khwāja Ḥasan, Khwāja 'Umar (d. 750/1349), Kamāl al-Dīn Sāmānawī/Sāmāna,[12] Naṣīr al-Dīn Paon Pek,[13] Shaykh Rukn al-Dīn Kāshānī,[14] Khwāja Majd al-Dīn Kāshānī, Khwāja Ḥammād al-Dīn Kāshānī, Khwāja Burhān al-Dīn Kāshānī[15] and many others. Nizami writes that all the above-mentioned disciples were brought up in the tradition of their master and played an important role in planting the Chishtī order on firm footing in Daulatabad.[16] Among the other prominent *khulafā* of Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā who accompanied Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb to Daulatabad was Amir Ḥasan Ala Sijzi,[17] (d.736/1135 or 738/1337) author of *Fawā'id al-fu'ād*, the *malfūzāt* of Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā. He was held in high esteem by Amīr Khusrū because of his knowledge and piety.

The scope of Sufi literature produced during this period is vast -- it covers religious, speculative, meta-physical and spiritual aspects. This literature can be broadly classified into oral discourses (*malfūzāt*), letters (*maktūbāt*), treatises in the field of Sufism (*taṣawwuf*), commentaries (*shurūḥ*), genealogical tables (*shajarat*) with notes, and poetic collections. The range of subjects they deal with include exegesis (*tafsīr*), tradition (*ḥadīth*), law (*fiqh*), Sufism (*taṣawwuf*), scholastic theology (*kalām*), the science of principles (*'Ilm -al-uṣūI*), diction (*lughat*), genealogy (*nasab*), Arabic grammar (*ṣarf wo naḥw*), history (*tārīkh*) and medicine (*ṭib*). Mir Valiuddin, while discussing the works produced by Shaykh Hazrat Sayyid Mohammed Hussani Gīsūdirāz, writes, "He was the first Chishtī Sufi who divulged the mysteries of the Chishtī Order in writing. Before him the saints regarded these mysteries as 'heart knowledge' (*'Ilm i-sīnā*) and did not wish to make them 'book knowledge' (*'Ilm i-safinah*),"[18]

2. *Malfūz* Literature

During pre-Bahmanī Deccan, we come across only the *malfūz* literature produced on the lines of *Fawā'id al-fu'ād* but during the Bahmanī times, a number of Ṣūfī texts and a large

---

[10] Qāzī Fīrūzkohī used to recite the poems of Amīr Ḥasan 'Alā Sijzī, along with Mīr Khurd, the author of *Siyar al-awliyā*. He died at Deogir. *Eternal Garden,* pp. 86-87 & 115. Ernst refers to *Siyar al-awliyā*, pp. 262-285. See also *Rawzat al-aqṭāb*, pp. 66-68.

[11] *Rawzat al-aqṭāb*, pp. 110-112. *Wāqi'āt,* p. 26. *Aurangabad Gazetter,* 1884, p. 398.

[12] *Rawzat al-awliyā*, p.26, *Rawzat al-aqṭāb*, pp. 110-112. *Wāqi'āt*, p. 213. Maulānā 'Abdul Ḥay mentions him as Maulānā Kamāl al-Dīn al-Samānawī, *Nuzhat al-khawāṭir*, vol. ii, p.115.

[13] *Eternal Garden*, p. 134.

[14] For his works, see chapter 6. Shaykh Rukn al-Dīn Kāshānī had four brothers who were all scholars and authors of high merit. All were the disciples of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb. Shaykh Rukn al-Dīn was a student of Sayyid Zayn al-Dīn Dāwūd Shīrāzī, before the latter became the *murīd* of Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb.

[15] It is unfortunate that even the titles of his works are not available. However, Sayyid 'Aṭā' Ḥusayn states that he had read *Nafā'is al-anfās*, *Shamā'il al-atqiyā'*, *Aḥsan al-aqwāl*, *Gharā'ib al-karāmāt* and *Baqiyat al'Gharā'ib.* Shaykh Rukn al-Dīn, *Shamā'il al-atqiyā'*, Introduction.

[16] *History of the Medieval Deccan*, vol. ii, p. 179.

[17] For a short sketch, see *Siyar al-awliyā*, Ziauddin Barnī, *Tārīkh -i Fīroz Shāhī*, pp. 359-360, *Anwār al-ṣūfiyyah* Urdu tr. of *Akhbār al-akhyār*,Delhi, n.d. pp. 188-191. See also Ghulam Ali Qadiri *Mishkāt al-Nubuwwah, urdu tr.by Mahmud Qadiri , Hyderabad , 1982-85*. K.A. Nizāmi, *Tārīkh -i Mashāikh-i chisht*,Delhi, 1953, pp. 337, 338, 364, 365, 404, 442 and 445. *Rawzat al-awliyā*, pp. 209-215.

[18] Mir Valiuddin, Khawja Band-i Nawaz and His Contribution to Ṣūfīsm**,** preface v. It is now an outdated statement because Ayn al-Din Mohammad Alais Gang al-Ilm, in his *Atwar al-abrar*, a biographical dictionary, enlists one hundred and thirty-

ordered them to proceed to Malwa and Deogir respectively. They did, and ended up enjoying great popularity among the people there.[1] Mīr Khurd further informs us, "the people of the area of Devagiri and Tilang were all believers in him (Khwāja Azīz al-Dīn) and were virtually his slaves."[2] Another disciple of Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā was Shaykh Mūsā who came and settled at Deogir to meet the needs of the people on the advice of Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā.[3]

Shaykh Muntajib al-Dīn Zar Zarī Zar Baksh (675-709/1276-1309)[4] and Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb (654-739/1256-1338)[5], the disciple and *khalifah* Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā came from Delhi in two batches with their own disciples and the disciples and *khulafā* of their master in seven hundred palanquins each with some well-to-do people. Their arrival is commemorated by the *Masjid-i chahārdih ṣad awliyā*, the mosque of fourteen hundred saints.[6] It is also reported that Bībī 'Āishah, the *pīrzādī* of Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā, daughter of Shaykh Farīd al-Dīn Ganj-i Shakar, had already reached Daulatabad, probably in the first caravan of seven hundred Sufis led by Muntajib al-Dīn Zar Zarī Zar Baksh, because Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā had instructed Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb to take full care of her.[7] Mir Khurd's youngest uncle, Shams al-Dīn Sayyid Khāmūsh (d.732/1332), a friend of Burhān al-Dīn, and another disciple of Nizām al-Dīn Awliyā, Qāzī Sharf al-Dīn Fīrozkuhī, died at Deogir. Apart from the above mentioned disciples, another Sufi who was forced by Muḥammad bin Tughluq to travel to Daulatabad was Shihāb al-Dīn, the 'truth teller' (*haqgo*).[8]

Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb (654-739/1256-1338), a senior most *khalīfah* of Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā, migrated to Khuldabad on the instructions of his master and made it his permanent abode. Those who accompanied Shaykh Burhān al-Dīn Gharīb to Daulatabad were: Shaykh Kamāl Khujandī, Shaykh Jām, Shamsh al-Dīn Sayyid Khāmūsh (d. 732/1332),[9]

---

[1] Mir Khurd, *Siyar al-awliyā*,Delhi,1302 H, p. 198.

[2] H.K. Sherwani and P.M. Joshi, edts., *The History of the Medieval Deccan*, vol. ii ,Hyderabad 1973 -74, p. 178 refers to *Siyar al-awliyā*, p. 195.

[3] For a brief reference on Shaykh Mūsā Deogīrī, see Muḥammad Jamāl Qiwām, *Qiwām al-'aqā'id*, *hikāyat* no. 25, MS in Osmania University Library, Urdu tr. by Nisar Aḥmad Faroqui.Delhi, 1994. p. 48. See also *Eternal Garden*, p. 114.

[4] For a short biographical sketch, see Abdul Haq, *Akhbār al-akhyār fī Asrār al-abrār*, Delhi, n.d. Abdul Hayy, *Nuzhat al-khawāṭir*, Hyderabad, 1981. Sabzwari, Khaksar *Sawāniḥ*, Persian MS, Osmania University,1780. Raonaq Ali, *Rawzat al-aqṭāb*. Aurangabad, 1362 H.

[5] For a short biographical sketch, see *Siyar al-awliyā*, Amir Ala Sijzi, *Fawā'id al-fuād*, *Rawzat al-awliyā*, *Akhbār al-akhyār*, *Nuzhat al-khawāṭir*, *Sawāniḥ* and Carl.W. Ernst, *Eternal Garden, New York,1992* . Kākā Sad Baksh was was his personal attendant and after his demise became the first *khādim/mutawallī* of his shrine. See *Sawāniḥ*, MS., fols. 3, 6, 7, 8. *Rawzat al-aqṭāb*. p. 91. *Eternal Garden*, pp. 113-114.

[6] *Sawāniḥ*, MS., fol. 3. See also *Rawzat al-awliyā*, p. 14,; *Rawzat al-aqṭāb*, pp. 90-91, 118-123; Bashir al-Din Ahmad, *Wāqi'ā-i mamlikat Bijapur, Agra,*1915 . part-II, p. 202, *Aurangabad Gazetteer*, 1884, p. 398. Discussing the number of seven hundred or fourteen hundred, Carl W. Ernst, writes, "The number of seven hundred (or its double, fourteen hundred) is probably significant as a round multiple of the sacred number 7, rather than as a statistical count of the migration of Sufis". See *Eternal Garden*, p. 102. Sabzwārī, only mentions *ek hazār chāhar ṣad awliyā* or 1,400 saints, to Deccan. He further writes that around the shrine of Burhān al-Dīn Gharīb lived 1,200 *mujāwirs* and *khadimān* during his lifetime.

[7] *Rawzat al-aqṭāb*, pp. 120 and 225 to 234.

[8] For detail see Mohammed Suleman Siddiqi,*The Bahmani Sufis* , Delhi 2023 , chapter 8.

[9] Youngest uncle of Mir Khurd, *Eternal Garden,* p. 115.

The Contribution of the Chishti Monasteries (*Khanqahs*) of the Deccan in the Academic Field

Prof. Mohd. Suleman Siddiqi
Former Head and Chairman, Dept of Islamic Studies and Vice Chancellor of Osmania University, Hyderabad

Abstract: Daulatabad was the first Muslim urban center in Deccan. It has the distinction of becoming the first Chishti Sufi center on the Deccan plateau. It also has the distinction of being debated and discussed in the *khanqah* of Shaykh Nizam al-Din Awliya Aurangabadi. Mir Khurd, the author of *Siyar al-awliya* informs us that Shaykhzadah Kamal al-Din and Shaykhzadah Aziz al-Din, the two young disciples of the Shaykh were deputed to Malwa and Deogir respectively. They enjoying great popularity among the people there. The North Indian tradition of compiling the oral sayings (*malfuzat*) was continued in Deccan. We come across the *malfuz* literature of Shaykh Burhan al-Din Ghari, Shaykh Zayn al-Din Shirazi, Shaykh Gisudiraz and many others from Gulbarga, Bidar and Bijapur. The Deccan also has the distinction of converting the esoteric knowledge (*'ilm-i sinah*) into exoteric knowledge (*'ilm-i safinah*). We have from the pen of Hazrat Shaykh Sayyid Muhammad Husaini Gisudiraz hundred and five books, more than thirty of which are available. We also have a lot of mystic literature in the Dakhni language from the pen of Chishti Sufis like, Amin al-Din 'Ala, Burhan al-Din Janam and many others in the forms of *lori namah*, *chakki namah* and *irshad namah*. Miranji Shams al-ushshaq was the first Deccani Sufi who used the vernacular Dakhni language to express his mystic thoughts among rural folk. Hazrat Syed Akbar Husaini was also known as Akbar Shah compiled in Telugu using the Sanskrit idioms a book entitled *Sringaramanjari*. This tradition of Daulatabad, Gulbarga, Bidar was carried forward by the Chihsti Sufis to Bijapur and Golconda. Apart from the Chishti order the Sufis of Junaydi, Qadiri, Shattari and Naqshbandi order contributed immensely in the field of Sufism. Their *khanqahs* played an important role in religious, spiritual and social life of the Deccan. This paper explores the academic contribution of these Chishti saints in the Deccan region.

1. Introduction

The History of Sufis and Sufi *khanqahs* in the Deccan can be traced to back to the early 12th century but there is no contemporary authentic material available about these Sufis and their monasteries. This material which is available is hagiographical (*tazkirah*) in nature which cannot be relied upon. We come across authentic information when Shaykh Nizam al- Din Awliya started deputing his *khulafa* and disciples to Daulatabad, the second capital of Tughluq empire which was shifted in 727 H/1327 AD.

Mīr Khurd informs us that long before Muḥammad bin Tughluq shifted his capital to Daulatabad, Shaykh Nizām al-Dīn Awliyā gave one *jalālī* (a silver coin) each to two of his young disciples, Shaykhzādah Kamāl al-Dīn and Shaykhzādah Khwāja Azīz al-Dīn and

21. Sahih Muslim, Chapter Al-Zikr, 4:2061; Sahih Bukhari, Chapter Al-Tauheed, 6:2694; Sunan Tirmizi, Chapter Al-Da'awaat, 5:581.
22. Sunan Tirmizi, 4:583.
23. 4:2106.
24. Sunan Tirmizi, 5:532.
25. Sahih Muslim, Katab Al-Iman, 1:144.
26. Sahih Bukhari, Chapter "Kaif Kaana Bad'a Al-Wahi, 1:4.
27. Sahih Muslim, 4:2075.
28. Sunan Tirmizi by Shaddaad bin Aws, 4:638.
29. Bayhaqi, Shu'ab al-Iman, 1st ed., Beirut: Dar Al-Kotob Al-Ilmiyah, 1410 AH, 2:5.
30. Sahih Bukhari, Chapter Al-Adab, 5:2261; Sahih Muslim, Chapter Al-Birr wa al-Silah, 4:2013.
31. Sunan Al-Nasai, 6:25.
32. Sahih Muslim, 4:1986.
33. 2:729.
34. Sunan Tirmizi, Chapter Sifaat Al-Qiyamah, 4:634; Sunan Ibn Majah, Chapter Al-Zuhd, 2:1409.
35. Sunan Ibn Majah, Chapter Al-Zuhd, 2:1410.
36. Sahih Muslim, Chapter Al-Zikr, 4:2098.
37. Sahih Bukhari, Chapter Al-Riqaaq, 5:2358.
38. Sunan Tirmizi, Chapter Al-Zuhd, 4:560.
39. Sunan Tirmizi, Chapter Al-Zuhd, by Ibn Mas'ood, 4:588.
40. Al-Ahaadith Al-Mokhtaarah, Abu Muhammad Abd Al-Wahed Al-Maqdisi (d. 643 AH), 1st ed., Makkah Mukarramah: Maktabah al- Nahdhat Al-Hadithah, 9:181.
41. Sunan Tirmizi, Chapter Al-Zuhd, by Abu Hurairah (May Allah be pleased with Him), 4:451.
42. Sunan Tirmizi, Chapter Al-Zuhd, by Sa'ad bin Abi Waqqas (May Allah be pleased with him), 4:455.
43. Sahih Bukhari, Chapter Al-Tibb, 5:2163; Sahih Muslim, Chapter Al- Salaam, 4:1740.
44. Sunan Tirmizi, Chapter Al-Zuhd, by Omer bin Khattab (May Allah be pleased with him), 4:573.
45. Abu Abdullah Muhammad Neshapuri (d. 405 AH), Al -Mustadrak Ala Saheehain, 1st ed., Beirut: Dar Al-Kotob Al-Ilmiyah, 1990, 4:354.
46. Al-Risala al-Qushayriyya, Abu al-Qasim al-Qushayri, Cairo: Mustafa al-Babi al-Halabi, 1330 AH, page 76.
47. Sunan Tirmizi, by Anas bin Malik, 4:668.
48. Musnad Ahmad, by Nu'amaan bin Basheer, 4:278
49. Sahih Muslim, Chapter Sifaat al-Munafiqeen, 4:2172; Sahih Bukhari, 5:2375; Sunan Tirmizi, 2:268.
50. Sunan Abu Dawood, by Abdullah bin Ghannam, 3:318
51. Al-Munqiz min Al-Dhalaal, Egypt: Sabeeh and Sons, 1371 AH, 132.

3. Sharh Ar-Risaalah Al-Qushairiyyah, Egypt: Mustafa al-Babi al-Halabi, n.d., page 7.
4. Al-Intesaar litareeq As-Sufiyyah, Egypt: Dar Al-Taleef, n.d., page 6.
5. Sahih Muslim, 1:37; Sahih Al-Bukhari, 1:27, 4:1793; Sunan Tirmizi, Abu Isa Muhammad bin Isa (d. 279 AH), Beirut: Dar Ihya al-Turath al-Arabi, n.d., (Edited by Aḥmad Muḥammad Shākir), 5:6; Sunan Ibn Mājah, Muḥammad ibn Yazīd al-Rabʿī al-Qazwīnī (d. 275 AH), Beirut: Dar al-Fikr, d.n.,1:24, 1:25; Sunan al-Nasai, Abu Abdur Rahman Ahmed bin Shuaib (d. 303 AH), 2nd ed.; Halb: Maktab Al-Matbuʿaat Al-Islamiyah, 1986 CE (Edited by Abd al-Fattah Abu Ghuddah) 8:102; Sahih Ibn HIbban, Muḥammad ibn Hibbān al-Bustī (d. 354 AH), 2nd ed., Beirut: Muassasah al Risalah, 1993 CE, 1:375; Sahih Ibn Khuzaymah, Muhammad bin Is'haq (d. 311 AH), Beirut : Al-Maktab Al-Islami, 1970 CE, 4:5; By Ibn Abi Shaybah, Abu Bakr Abdullah bin Muhammad (d. 235 AH), 1st ed., Riyadh: Maktaba Al-Rasheed, 1409 AH, 6:157; Musnad Ahmed bin Hanbal Shaybani (d. 241 AH), Egypt: Muassasah Qurtubah, n.d., 1:51, 1:319, 2:426, 4:129, 161; Musnad Al-Bazzaar, Abu Bakr Ahmed bin Umar (d. 292 AH), Beirut: Muassasah Uloom Al Quran, 1409 AH, 9:419; Al-Sunan Al-Sughra Lil-Bayhaqi, Abu Bakr Ahmed Bin Husain (d. 458 AH), Madinah Munawwarah, Maktaba Al-Daar, 1989 CE, 1:24; Mawārid al-Ẓam'ān ilá Zawā'id Ibn Ḥibbān, Ali bin Abu Bakr (d. 807 AH), Beirut: Dar Al-Kotob Al-Ilmiyah, n.d., 1:35; Majma al-Zawa'id wa Manba al-Fawa'id, Nur al-Din 'Ali ibn Abi Bakr al-Haythami (d. 807 AH), Cairo : Dar al-Rayyaan lit-torath, 1407 AH, 1:38; Musnad al-Imam Abi Hanifah, Abu Nu'aym Al-Asbahani, 1st ed., Riyadh: Maktaba al-Kawthar, 1415 AH, 1:152.
6. Musnad Abi Haneefa, 1:152.
7. Sunan Al Kubra An-Nasaai, 1st ed., Beirut: Dar Al-Kotob Al-Ilmiyah, 1991 CE, 3:446; Musnad al-Tayalisi, Abu Dawood al-Tayalisi, 1:5.
8. Sharah Al-Nawawi, Abu Zakariya Yahya bin Sharf (d. 676 AH), 3rd ed., Beirut: Dar Ihya al-Turath al-Arabi, 1392 AH, 1:157.
9. Sharah An-Nawawi, 1:158.
10. Fath Al-Baari, Beirut: Dar Al-Ma'arifah, 1379 AH, (Edited by Muḥammad Fu'ād ʿAbd al-Baqī), 1:120.
11. Sahih Bukhari, Chapter Al-Zabaaeh, 5:2104; Sahih Muslim, Chapter Al-Birr Wa al-Silah, 4:2026, by Abu Musa Al-Ash'ari.
12. Sunan Tirmizi, Chapter of Zuhd, 4:589; Sunan Abi Daood, Abu Dawud Sulayman ibn al-Ash'ath as-Sijistani, (d. 275 AH), Chapter Al-Adab, Beirut, Dar Al-Fikr, n.d., (Edited by Muhammed Muhiuddin Abdul Hameed), 4:259.
13. Sahih Bukhari, Chapter of Iman, 1:15.
14. Tafseer Al-Qurtubi, 2nd ed., Cairo: Dar Ash-Shu'ab, 1372 AH, 13:364.
15. Beirut: Dar Al-Kotob Al-Ilmiyah, 1993 CE (Edited by Abd Al-Salam Abd Al-Shaafi), 4:326.
16. Tafseer Al-Kabeer, 1st ed. Beirut: Dar Al-Kotob Al-Ilmiyah, 25:83.
17. Rooh Al-Ma'aani, Beirut: Dar Ihya al-Turath al-Arabi, n.d, 21:16.
18. 4:165.
19. Sahih Ibn Hibban, 10:484.
20. Sahih Bukhari, Chapter Al-Da'awaat by Abu Musa Al-Ash'ari, 5:2353.

called thankfulness (to Allah). Sufism has derived these three types of gratitude from the Quran and Prophetic traditions itself.

A. **Thankfulness through words:** Allah says: "وأمّا بِنِعمةِ ربِّك فَحَدِّث" (Ad-Duha, v. 11) meaning, "Mention the blessings of Your lord" and the holy Prophet ﷺ said: "التحدُّثُ بِنِعمةِ اللهِ شكر"48 meaning "mentioning the blessings is in fact thanking (Allah) for attaining them."

B. **Thankfulness through body:** Allah says: "اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا" (Saba:13) meaning "O children of Dawood! Perform your deeds as a token of gratitude."

Sayyida Ayesha (May Allah be pleased with her) narrates: "Sayyiduna Rasoolullah ﷺ used to perform worships and stand in the court of Allah for such long time that his ﷺ sacred foot used to develop swelling. One day I asked him ﷺ: O Messenger of Allah ﷺ! Why do you do all these (stand for such long hours in prayers)? You are the forgiven." He ﷺ replied: "أفلا أكونُ عبدًا شَكورًا؟"49

Meaning: "Shouldn't I be a thankful servant (to Allah)?"

C. **Thankfulness through heart:** The thankfulness by the heart means that the blessings from the creator shouldn't keep the blessed (servant) away or ignorant from the creator. Allah says: "وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ الله" (Al-Nahl:53)

Translation: "All that blessings that you possess are all from Allah." Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said:

"اللَّهُم مَا أَصْبَحَ بِي مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لا شَرِيكَ لَك"50

Translation: "O Allah! The blessings that either I or anyone else from your creation received is, without the contribution of anyone else, from You."

This brief, swift and precise reading brings us to a conclusion that Sufis, in all of their thinking and activities are the followers of the Quran and the Prophetic traditions. The practical methodologies and different levels in Sufism are sourced from the teachings of the greatest the greatest Master Sayyiduna Rasoolullah ﷺ, in fact, the only group of Muslims which is highly close in following the orders of the Quran and Prophetic traditions is that of the Sufis (may Allah be pleased with them all). Imam Ghazali said:

"إنّ الصّوفيّةَ هم السّالِكُونَ لِطريقِ اللهِ تعالى خاصّةً، وأنّ سيرتَهم أحسنُ السِّيَرِ، وطريقَهم أصوبُ الطُّرُقِ، وأخلاقَهم أزكى الأخلاقِ ... فإنّ جميعَ حركاتِهم وسكناتِهم، في ظاهرِهم وباطنِهم، مقتبسةٌ مِن (نورِ) مِشكاةِ النُّبوّةِ؛ وليس وَراءَ نورِ النُّبوّةِ على وجهِ الأرضِ نورٌ يُستضاءُ به." 51

Translation: "Indeed, the fact is that Sufis are the real followers of the commands of Allah. Their character & behaviour is the best and their path is the most accurate one, because, all of their apparent and hidden movements are derived from the light of the Prophetic lantern (Prophetic traditions and teachings) and there is no other lantern than the Prophetic lantern which is worthy of receiving the light (of wisdom) from.

References

1. Sahih Al-Bukhari, 3rd ed., Beirut: Daar Ibne Kathir, 1987 CE, 1:28 and Sahih Muslim, Beirut: Daar ul IHayaa Al-Toraath Al-Arabi, n.d., (Edited by Muḥammad Fu'ād ʿAbd al-Baqī), n.d. 3:1219.
2. Sahih Muslim, by Abu Hurairah (May Allah be pleased with him), 4:1986.

Translation: "Become contented for whatever is written by your lord in your fate and you'll become the richest."
According to the Prophetic teachings, happiness and prosperity lies in being pleased contented with Allah. Sayyiduna Rasoolullah said: "مِن سَعادةِ ابنِ آدمَ رضاه بِما قَضَى اللهُ لَه"42
Translation: The prosperity of the son of Adam (a.s.) lies in being contented in the fate which Allah has written for him.
Let it be clarified that the meaning of contentment is the absence of objection and not the abandonment of applying efforts. When the disease of plague broke out during the caliphate of Sayyiduna Umar (rz) in Syria, He (rz) ordered the Islamic army to stop its march towards the region, to which Hazrat Abu Ubaidah (rz) said: "أ فرارًا من قدرِ الله" meaning "Are you moving away from the decree of Allah?" Sayyiduna Umar (rz) replied: "O Abu Ubaidah! Had only someone else said this statement." Then he said: "نحنُ نَفِرُّ مِن قدرِ اللهِ إلى قدرِه" meaning "We are in fact, running from fate (of plague) towards the fate itself (by trying to keep the army safe from it).43

11. **Trust [in Allah] (توکل):** Trust in Allah is another integral and virtuous level on the way towards Allah. And why shouldn't it be when the Most Merciful has Himself set it as a condition of faith: "و على اللهِ فَتوكَّلوا إنْ كُنْتم مُؤمنين" (Al-Maidah, v. 23)

Translation: "If you are faithful, then put your trust only in Allah."
Allah the exalted loves those who trust Him (Aale Imran, v. 159) and He Himself has taken the task of supporting those who trust Him (Al-Talaq, v. 23).
Our beloved Prophet Muhammad ﷺ said:
"لو أنَّكم كنتُم توَكلونَ علَى اللهِ حقَّ توَكلِه لرزقتُم كما يرزقُ الطَّيرُ تغدو خماصًا وتروحُ بطانًا"44
Translation: "If you trusted in Allah as He has the right to be trusted, then he would have given you provision for sustenance as he gives it to the birds, which set out empty stomach early morning (in search of food) and return in the evening by filling it."
Imam Hakim says that this hadith is authentic as per Imam Bukhari and Imam Muslim, although he himself did not classify it.45
Let this concept be clear that in the eyes of Sufis, the meaning of trusting Allah doesn't mean to simply sit and expect something to happen by itself. Because striving, working and struggling isn't a contradiction to trusting. Rather, quitting to struggle isn't called 'توکّل' (trust), it is called 'تواکل' (smug), which is a nefarious quality in itself. The concept of trust in the eyes of Sufis is to rely on all that Allah has for them and not to hope anything from those aspects which are controlled by people. If someone in the name of Sufism, has adopted smug instead of trust, then Sufism is deemed to be acquitted of the charge against it.
Imam Qushairi says: "التوكُّلُ مَحلُّه القلبُ، والحركةُ بالظّاهرِ لا تُنافي التّوكُّلَ بالقلب"46
Translation: "The location of trust is heart. It means trust is a matter and affair pertaining to heart and the movements and efforts made by the visible organs are not contrary to the trust."
Undoubtedly, this concept of putting trust in Allah is derived from the Prophetic words: "اعقِلْها وتوكَّل"47
Translation: "Tie the camel first and then trust in Allah."

12. **Thankfulness (شکر):** Loving the creator from the bottom of the heart, obeying His words with the body (practically) and praising Him through words is collectively

The age of dominance of materialism has made few people to think the Sufi ideology of considering the world as inferior to be Un-Islamic. They've tried to link this ideology with Christian monasticism and the pagan ideology of contemplation. But in reality, all these efforts are proofs of their ignorance from the Quran and the Prophetic traditions.
Innumerable verses of the holy Quran mention the inferiority and lower importance of this world. At many places in the Quran declares the wealth of this world as scam, corruption & diversion. The references are: Surah Al-Rum, v. 60; Surah Al-Ankaboot, v. 64; Surah Al-Kahf, v. 47 etc.
On the other hand, the teachings and life incidents of Sayyiduna Rasoolullah ﷺ shows us the aspect of condemning this world which forms theoretical and practical system for the Sufis to follow asceticism.
At times, Sayyiduna Rasoolullah ﷺ used to say to his ﷺ companions (May Allah be pleased with them all): "فاتّقوا الدُّنيا"[36] meaning "fear this world" or at times, He ﷺ used to advise Sayyiduna Ibn Umr (rz) to live life in a way as if he was a traveller in this world (living life with limited means and avoiding spendthrifts and being lavish) with these words:

"كُنْ في الدُّنيا كأنّك غريبٌ أو عابرُ سبيل"[37]

Sometimes, the worthlessness of this world was told by him ﷺ in these words:

"لو كانتِ الدُنيا تَعدِلُ عندَ اللهِ جَناحَ بعوضةٍ ما سَقى كافرًا مِنها شرْبةَ ماء"[38]

Translation: "Had the worth of this world, in the eyes of Allah, would have been equivalent to the wing of the mosquito, a disbeliever wouldn't have had access to even a single sip of water."
When Sayyiduna Rasoolullah ﷺ used to lie down on the mat to take reset, it used to leave impressions on His ﷺ sacred body. The companions (May Allah be pleased with them all) used to ask: "O Messenger of Allah ﷺ! Why don't You put a mattress over the mat?" He ﷺ used to reply: "ما لي وما للدُّنيا، ما أنا في الدُّنيا إلَّا كراكبٍ استَظلَّ تحتَ شجرةٍ ثمَّ راحَ وترَكَها"[39]
Translation: "What have I got to do with this world? I'm but as a traveller in this world who stops beneath a sheltered tree and then moves on further (in resuming his travel)."

10. **Contentment (رضا):** The state of being satisfied and at comfort during the times of bad luck is called contentment. This level is higher in rank even than the level of patience. Sayyiduna Rasoolullah ﷺ has indicated many of its excellences and virtues. This is the biggest gift by Allah to his servant (worshipper). Allah says:
    "وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ اَكْبَر" (Al-Taubah, v. 72)

Translation: The pleasure of the owner of the heavens (Allah) is higher than the heaven itself. And to seek the pleasure of Allah, one has to be contented despite the grave difficulties posed to him.
Allah speaks about the Sahaba: "رضي الله عنه ورضوا عنه" (Al-Bayyinah, v. 8) meaning: "May Allah be pleased with them and they are pleased with Him."
The best display of contentment was by Sayyiduna Rasoolullah ﷺ. When the people of Taif pelted stones at him ﷺ and made him ﷺ bleed, He ﷺ prayed with very intense emotions of humility with these words: "إنْ لم تكنْ ساخِطًا عليّ فلا أُبالي"[40]
Translation: O my lord! If you aren't unhappy with me, then I do not care (how I've been treated and injured)."
Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said: "وارْضَ بما قسمَ اللهُ لك تكُنْ أغنى النّاس"[41]

Translation: Indeed, truthfulness leads towards goodness and goodness leads towards heaven.

6. **Sincerity (اخلاص):** Sincerity is the secrecy of deed performed by a believer which is known only by Allah and the believer and no one else. The concept of sincerity in Sufism is also derived from the Quran and Prophetic Traditions. Allah says: "قُلْ إنّي أُمِرتُ أنْ أَعْبُدَ اللهَ مُخلِصا له الدّين" (Al-Zumar, V. 11)

Translation: Say I've been ordered to worship Allah with sincerity by solely being His'.
Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said: "إنّ اللهَ لايقبلُ مِن العملِ إلا ما كانَ له خالِصا" 31 meaning "Allah accepts only those deeds which are meant to be performed only for Him (with sincerity)."
One of the most famous hadith which is narrated by Sayyiduna Abu Hurairah (rz) is recorded in Sahih Muslim: "إنّ اللهَ لاينظُرُ إلى أجسامِكم ولا إلى صُورِكُم ولكنْ يَنظُرُ إلى قُلوبِكم" 32
Translation: "Allah the exalted neither watches your bodies nor your faces, but He watches your hearts (intentions)."
Sincerity is the essence of a deed. Just like the body cannot survive without its spirit, likewise, none of the deed is acceptable without sincerity.

7. **Patience (صبر):** Not to complain about the ordeals but only to Allah is called patience. Patience is a test which purifies a Sufi. The Holy Quran has mentioned the virtues of patience at many occasions. At some point, Allah the exalted orders to seek help out of patience and on other occasion, He mentions His companionship with those who are patient (Al-Baqarah, v. 153). At times, He orders to give glad tidings to those who are patient (Al-Baqara, v. 156) and on a different occasion, He expresses His love with those who practice patience (Aale Imran, v. 145). At times He promises to reward the patients tremendously (Az-Zumar, v. 9) and on the other hand, He certifies the patients to be truthful and pious (Al-Baqarah, v. 176).

It is narrated by Sayyiduna Abu Saeed Khudri (rz), Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said:
"ما أُعْطِيَ أحدٌ عَطَاءً خَيْرًا وأوسعَ مِنَ الصَّبْر" 33
Translation: "None has been granted a broader and greater gift than patience."

8. **Devotion (ورع):** Devotion means to fear from being involved in forbidden deeds. This is a quality without which a worshipper cannot become pious. Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said:
"لا يَبْلُغُ العبدُ أنْ يكونَ من المتقينَ حتى يَدَعَ ما لا بَأسَ بِهِ، حَذَرًا مِمَّا به بَأس" 34
Translation: A worshipper cannot be counted among the pious until he abandons the non-critical deeds with the fear of them involving him into critical (sinful) deeds. For a Sufi, there cannot be any other certification and for the aspect of devotion itself, there cannot be any other status assigned to it as Sayyiduna Rasoolullah ﷺ declared it (devotion) to be the apex status in worship. He ﷺ said to Sayyiduna Abu Hurairah (rz): "يا أبا هريره كُنْ وَرِعًا تَكُنْ أَعْبَدَ الناس" 35

Translation: "O Abu Hurairah! Adopt devotion to gain the highest stature in worship."
The effect of these educatory advises from Sayyiduna Rasoolullah ﷺ has fetched devotion a great status and importance in the (written) works and deeds of the Sufis.

9. **Asceticism (زہد):** Emptying the heart from the desires and love of the world and establishing the love and awareness of Allah in it is called Asceticism. Asceticism also means to deem the world as unimportant or inferior.

Therefore the Sufis continuously perform self-rectification and do not wait until they are held accountable (by Allah), so as to avoid embarrassment on the day of judgement. This is true wisdom. Rasoolullah ﷺ said: "الكيِّسُ مَن دانَ نفسَه، و عَمِلَ لِما بعدَ الموت"28 meaning "Wise and intelligent is the one who do a thorough self-reconciliation and perform deeds for (getting benefits in) the hereafter.

3. **Fear of Allah (خوف):** The psychological uneasiness caused due to the threat of something unwanted happening in future is called fear. Fear has a very high status in Sufism because this is the proof of a person having awareness of Allah. Allah says: "إنّما يَخْشَي اللهَ مِن عبادِه العُلماء" (Al-Fatir, verse 28), meaning: "Indeed those who fear Allah among all of His worshippers are the scholars."

Fear of Allah is the sign of faith (Iman) as it is being told by Allah in the Holy Quran: " وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِين" (Aal e Imran, verse 175) meaning: "If you have faith in you, (then) fear me"

The status of god fearing people is so high that they are gifted with two heavens by Allah. One is in their lives on earth, having the knowledge of Allah and the other is the forever dwelling in the heaven, in the life after death. Allah says: "وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَان" (Ar-Rahman, verse 46), meaning: "Those who fear to stand in the court of Allah, for them lies two heavens"

4. **Hope from Allah (رجاء)**: Hope from Allah comes in succession to the fear of Allah. It is said that the faith is the blend of fear and hope. Allah says: " قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيم" (Az-Zumar, verse 53)

Translation: "Say O my servants who have transgressed (by sinning)! Do not despair from the mercy of Allah. Indeed Allah forgives all sins. It is He who is the most forgiving, ever merciful.

One should always hope positive outcomes from Allah because He Himself says: " وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْء" (Al-A'raf, verse 155)

Translation: "And My mercy encompasses everything".

Imam Bayhaqi narrates through Sayyiduna Saeed bin Musayyib (May Allah be pleased with him) who said: "When Umar bin Khattab (May Allah be pleased with him) was ill, Sayyiduna Rasoolullah ﷺ visited him and enquired: "O Umar! How are you doing?" Sayyiduna Umar (rz) replied: "I hope (for my well-being) and fear (Allah) too; to which, Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said: " مَا اجْتَمَعَ الرَّجَاءُ وَالْخَوْفُ فِي قَلْبِ مُؤْمِنٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ الرَّجَاءَ وَآمَنَهُ الْخَوْف" 29

Translation: "Whenever hope and fear (of/from Allah) are gathered in the heart of a believer, Allah fulfils his hope and grant him security from fear.

5. **Truthfulness (صدق):** Truthfulness is an integral level and a high ranked status in the due course of travel towards (the closeness of) Allah. Unlike the common people, the scope of truthfulness for Sufis, is not just restricted to the verbal aspects, but also covers the truthfulness of their inner-self and deeds. The concept of truthfulness is derived from the Quran and the Prophetic traditions itself. The truthful people (صديقين) are ranked right after the Messengers of Allah (انبياء) (in Surah Al-Nisa, V. 69) and the believers and ordered to be in the company of the truthful. (in Surah Al-Taubah, V. 119).

The scholars have narrated that Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said:

"إنَّ الصِّدقَ يَهدي إلى البِرِّ وإنَّ البِرَّ يَهدي إلى الجنَّة" 30

This Prophetic tradition which has been acclaimed by Imam Tirmizi (rz) and who said it to be authentic, is not just an extraordinary proof for attending spiritual gatherings, but also encourages to attend them. Similarly, other forms of remembrance of Allah be they be silent or vocal, linguistic or thoughtful, with a movement or in comfort, individual or in group, all types of remembrance performed by the Sufis is an extract from the Prophetic traditions.

5. **Solitude:** There is a great importance of solitude in Sufism. Apparently, people wrongly call it as an innovation by the Sufis but on the contrary, they adhere to solitude so that they can be in the state of obedience and accomplishment of the orders of Allah. Allah Almighty says in the Quran: "وَاذْكُرْ اسمَ ربِّك وتَبتَّلْ إلَيْهِ تَبتيلا" (Al-Muzzammil, verse 8).

Translation: Do mention the name of your lord and become solely His' by separating yourself from others.

Although Allah speaks to Sayyiduna Rasoolullah ﷺ in this verse, but the order of solitude lying in it is common for all, because the rule is that if Allah gives any command to Sayyiduna Rasoolullah ﷺ which is not specifically meant for Him ﷺ, then in such a case, the implication of such command will be on the entire Muslim community.

Apart from being in compliance with the orders of Allah, the solitude maintained by the Sufis complies with the Prophetic traditions too. It is narrated by Sayyiduna Jaabir (May Allah be pleased with Him) that Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said: "جَاوَرْتُ بِحِراءَ شَهْرًا" 25 which means "I spent one month in solitude in the cave of Hira.

Sayyida Ayesha (rz) said that the commencement of Quranic revelations on Sayyiduna Rasoolullah ﷺ happened while he was asleep. Whatever dream was shown to Rasoolullah ﷺ it used to be explicit, as if He ﷺ is watching everything in the daylight clearly. She (rz) further states: "ثُمّ حُبِّبَ إلَيْهِ الخَلاءُ ويَخلُو بغارِ حِراءَ، فَيَتَحَنَّثُ فيه -وهو التّعبُّدُ- اللَّيالِيَ ذواتِ العَدد"26

Translation: "Then solitude was made dear to Him ﷺ, and He ﷺ used to worship in solitude for many days and nights consecutively in the cave of Hira."

6. Stances and Stages

1. **Repentance (توبة):** In the perspective of Islamic Law (Shariah), the act of returning from the state of being condemned to the state of being commended is called repentance. Allah says: "**يا أيُّها الذين آمنُوا تُوبُوا إلى اللهِ توبةً نَصُوحًا**" (At-Tahreem, verse 8)

Translation: "O you who believe! Repent truthfully and sincerely in front of Allah"

One can find the mentioning of repentance and (seeking) forgiveness at numerous times in the Holy Quran. This is the first stage for any traveller who sets out in the way of Allah to seek His pleasure therefore there is a great importance of repentance in Sufism as forthcoming stages in the way of Allah depends upon how well the repentance has been performed. Therefore Sufis heed to repentance and consider this stage as the conqueror of the science of pathway (towards Allah). The greatest guide for humanity, Sayyiduna Rasoolullah ﷺ Himself said: "يا أيُّها النّاسُ تُوبُوا إلى الله، فإنّي أتوبُ في اليومِ إليه مائةَ مرّة" 27 Translation: "O people! Seek repentance from Allah. I too repent to Allah for hundred times every day.

2. **Self-reconciliation (محاسبه):** To reckon and monitor the self is called self-reconciliation. Allah says: "**ثُمَّ لَتُسألُنّ يومئذٍ عَن النّعيم**" translated "Then on the day (of judgement) you shall surely be asked about the blessings (that were given to you)."

b. Reminding (تذكير): Allah the exalted says: "وذَكِّر فإنّ الذِّكرى تَنْفعُ المؤمنين" (Az-Zaariyaat, V 55)

Translation: And You ﷺ remind (them), for, reminding benefits the believers.
At various occasions, the Messenger of Allah ﷺ also emphasized on the importance of reminding (people to turn towards Allah) and has created its interest in people. Allah says in the famous sanctified narration (حديث قدسي) which is titled with the words "أنا عندَ ظنِّ عَبديْ بي" (translated: I will deal with my worshipper exactly as per his thinking about me):

"وإنْ ذَكَرَنِيْ في مَلأٍ ذكرتُهُ في ملأٍ خيرٍ مِنْه"

Translation: If any of my worshipper mentions me in a gathering, I will mention him in a better gathering than the one he was into.
It is to be noted that to mention and remember Allah in a gathering, to speak to people about Allah and to let them remember Allah collectively falls under the same category of reminding (تذكير).

c. Spiritual dialogue (مذاكره): The act of asking queries to the people who remember Allah is called spiritual dialogue (مذاكره). The 59th verse of Surah Al-Furqan which says "فَاسْألُوا أهلَ الذِّكرِ إنْ كُنتُم لا تَعلَمون" meaning "if you do not know, ask those who know", and the saying of Sayyiduna Muhamad ﷺ "المُستشار مُؤتمن"21 meaning the one who takes advises remains secured; comes within in the scope of a dialogue of this kind. The spiritual dialogue is nothing other than traveller towards Allah seeking advice from his spiritual leader.

Imam Muslim bin Hajjaj Nishapuri (D. 261 H) narrates in his Sahih with the authority of Sayyiduna Hanzalah (rz) wherein He said: "I met Abu Bakr Siddiq (rz) who enquired to me: 'How are you Hanzalah?' I responded: 'Hanzalah has become a hypocrite.' He enquired: 'What do you mean to say?' I said: 'When we all gather in front of Rasoolullah ﷺ who reminds us (تذكير) of the heaven and the hell, I feel as if we are watching it with our own eyes, but when we leave His ﷺ gathering, we get involved with our family and other worldly matters and forget most of the things which were discussed with Rasoolullah ﷺ." They both went to Sayyiduna Rasoolullah ﷺ who replied: "By the one in whose hands lies my life! If you continuously remain in the state which you do while being with Me, the angels will look out for you to have a handshake with you, but O Hanzalah (rz), it is a matter of time. (Sayiduna Rasoolullah ﷺ said this thrice) 23

Alhamdulillah, in this Prophetic tradition lie proofs for remembrance, reminding and spiritual dialogue. The way in which Sayyiduna Hanzalah (rz) kept forward his views in front of Sayyiduna Rasoolullah ﷺ and the way in which He ﷺ responded to it (this conversation) is called a spiritual dialogue (مذاكره).

d. Spiritual Gatherings (حلقه ذكر): Holding spiritual gatherings is one of the important tasks among the routine of the Sufis. Its origin is from the teachings of Sayyiduna Rasoolullah ﷺ. It is narrated by Sayiduna Anas (rz) that Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said: "إذا مَرَرتُمْ بِرياضِ الجنّةِ فَارْتَعُوا"، قالوا: وما رِياضُ الجنّة؟ قال: حِلَقُ الذِّكْر"

Translation: 'When you pass by the gardens of the heavens, take utmost advantage of them.' He ﷺ was asked: 'O Messenger of Allah ﷺ, what are the gardens of heavens?' He ﷺ said: 'Spiritual gatherings (where Allah is remembered and mentioned).

other interpreters of the Holy Quran say that this verse was revealed before the struggle (with arms) was made obligatory. 14
Shaykh Abu Muhammad Abdul Haq Ibn Atiyya Andalusi (D. 546 H) states in his book of tafseer named: 'Al-Muharrar al-Wajiz fi Tafsir al-Kitāb al-'Aziz': "One must struggle against the self in the obedience of Allah, doing which is the greatest struggle (اکبر جہاد)." 15
Imam Fakhruddin Raazi (D. 606 H) says: "Whosoever struggled against the self, whilst obedience and worship, (it means that) Allah has directed him to the ways leading towards the heaven." 16
Allama Shahabuddin Mahmood Aalusi Baghdadi (D. 1270 H) writes: "Ibn Ata says that this verse means that (Allah says) whosoever struggled against the self to attain my pleasure, We will definitely lead them to that position".17
Our beloved Prophet Sayyiduna Muhammad ﷺ has not just declared the struggle against the self to be the superior most among three types of struggle but has also encouraged His ﷺ followers to practice it. He ﷺ said: "The real striving is to struggle against the self in the way of Allah." In his book "Kitab Fazaail Al-Jihad", Imam Tirmizi has made a tribute to this hadith and has declared it to be authentic. 18

4. **Remembrance of Allah (ذکر):** The word Zikr has been used in the Quran in many senses. At times, it has been used for referring the Quran "نحنُ نزّلنا الذِّكرَ إنّا" Al Hzjr, verse 9) and on other occasion, it has been used for denoting the Friday prayers " الله ذِكرِ إلى فَاسْعَوْا" (Al-Jum'ah, verse 9). In some instances, this word has also been used to refer knowledge "فَاسْأَلُو أهلَ الذِّكْر" (Al-Nahl, verse 43) but in most of the cases, it has been used with a meaning which has been prevalently used by the Sufis, that is, for denoting glorification, praise, might & eulogy of Allah and also for indicating and use of peace and salutations etc. Allah says: "يا أيُّها الذين آمنُوا أذْكُرُوا الله ذِكْرًا كثيرًا وسبِّحُوهُ بُكْرةً وأصيلًا " (Al-Ahzaab, verse 41, 42)

Translation: O you who believe! Remember Allah in abundance, and glorify Him day in and day out.
Apart from this verse, there are innumerable verses which mention the importance, high status and benefits of performing remembrance of Allah. Examples are Surah Al-Baqarah, verse 152, 114; Surah Aale Imran, verses 41, 191; Surah Al-Ahzaab, verse 35, Surah Ar-Ra'ad, verse 28; Surah Al-Noor, verse 36,37; Surah Al-Munafiqoon, verse 9; Surah Al-Ahzaab, verse 35 etc.
If we have a look at the customs narrations and traditions of Sayyiduna Muhammad ﷺ, we will find the mentioning of remembrance (**ذکر**), reminding (**تذکیر**), spiritual dialogue (**مذاکرہ**) and the proof of spiritual gatherings for the remembrance of Allah (**حلقہ ذکر**):

a. Remembrance (**ذکر**): The greatest reminiscent of Allah, Sayyiduna Muhammad ﷺ said: "**مثلُ الذي يَذكُرُ ربَّه والذي لا يَذكُرُ ربَّه مثلُ الحيِّ و الميّت**" 19

Translation: The example of those who remember their lord and those who don't is that of a living and a dead (respectively).
This means that the person who remembers is alive in the real sense and the person who doesn't remember his Lord is dead. This is the reason why the remembrance of Allah is deemed to be the food for the soul, without which it doesn't remain alive.

kept hidden Allah, his matter is entrusted to Allah; He will pardon if He wills so if not, He will punish him." Then based on these terms, we all aliened to Him ﷺ.13

3. **Struggle (مجاہدہ):** Similar to Arabic term Jihad, Mujahdah is also the verbal form and is derived from the root words جاھد / یجاھد. However, the word مجاہدہ is commonly used for struggle against egoistic aspect of the self and جہاد, has contemporarily become specific to refer the physical struggle against the apparent enemy with the usage of arms. However, both of these words, with actual linguistic meanings are often used in place of each other. There are three types of struggle. (i) Struggle against the apparent enemy, (ii) Struggle against (the insinuation of) Satan & (iii) Struggle against the (unlawful temptations and ego of the) self. The Islamic legality (شرعیہ) seeks all three types of struggles from its follower; however, the third aspect of struggle against the self is to some extent superior to the other two, because only those who are successful in their struggle against their self can actually fulfil the right of struggling against the apparent enemy force. That is why the struggle against the self is said to be the greatest of all struggles (اکبر جہاد). In current scenario, the explicit embarrassment which the Muslim Ummah faces in front of the world because of the so called Jihad being carried out by un-purified souls doesn't need any introduction. If we have a look at the statistics of these so called strugglers (mujahids), in the past 20 to 25 years, the number of Muslims killed by them is thousands of times greater than that of non-Muslims. Millions of Muslims have been victimised by these "insane strugglers" in Algeria alone. The irony is, the crime of these victims was that they used to follow the scholars (تقلید) and ideologically they used to support Sufism.

The concept of struggle against the self is also originated from the Quran and the Prophetic traditions. Imam Raghib Isfahani writes that the Quranic verse (translated) "And struggle in the way of Allah as it has been ordered" (Al-Hajj : 78). There is another verse wherein Allah says (translated) "And struggle in the way of Allah through your wealth and your lives. (At-Taubah : 41). Both these verses include and cover all the three concepts of struggles against the enemy, the Satan and the self.

It is apparent that when there are three types of struggle, then all of these three aspects of struggle are applicable wherever the word Jihad is mentioned in the Holy Quran and the Prophetic traditions. But it should be borne in mind that if there lies a command, either in the Quran of in the Prophetic traditions, which limits the orderly concept to any one type of struggle, then in such a case, that shall be deemed and confined to only that one concept of struggle. For example, if there is a command for struggle in a particular Quranic verse before specific mentioning of fight and struggle with arms, then it means this command pertains to the struggle against the self. As it is mentioned in the Quran: "Whoever struggled to seek our (Allah's) pleasure, We (Allah) will certainly show him our pathways. (Al-'Ankaboot, verse 69).

This verse was revealed in Makkah Mukarramah while struggle through arms was obligated in Madinah Munawwarah. Therefore, it is understood that the command for struggle in this verse means to struggle against either the self or against the Satan. This concept is also supported by the interpreters of Quran. Imam Qurtabi (D. 671 H) says: "Imam Al-Saddi and

5. Practical Methodologies

1. **Companionship (صحبت):** The first step for the travellers (in the way to attain closeness of Allah) is to attain companionship of the righteous people. Allah says in the Holy Quran: "O those who believed! Fear Allah and be among those who are righteous." (At-Taubah: 119)

The need and importance of attaining companionship is also stated in Surah Al-Ahzaab, verse 23; Surah Al-Kahaf, verses 28, 66 & 67; Surah Luqman, verse 15, Surah Al-Furqan, verses 27, 28, 29, & 59 and Surah Az-Zakhruf, verse 67.

Our beloved Prophet ﷺ has furnished a very delightful example while declaring the inevitable effects of companionship by saying: "The example of a good and a bad companion is like the one who possess musk with himself and a person working on the bellows near the blacksmith respectively. The one who bears musk will either gift it to you or you will purchase it from him, only resulting in getting fragrance from him. The one at the bellows will either burn your clothing or you will get a stinking smell from him (from the bellows that he operates).11

In other words, the effect of companionship is inevitable. Therefore, one will definitely gain from the companionship of good people, be it be in abundance or scarce; similarly, one will definitely loose from being in company with bad people, be it be in abundance or scarce. In fact, in another narration, our beloved Prophet ﷺ has clearly mentioned that people follow the religion and belief of their friends. Hence, Imam Tirmizi (D. 279 H) and Imam Abu Dawood (D. 275 H) narrate from Sayyiduna Abu Hurairah (May Allah be pleased with him) that Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said: "Every person belongs to the path of his (or her) friend, therefore, everyone among you must consider who they are getting into friendship with.12

2. **Allegiance (بیعت):** An Ascetic (Sufi) in the initial part of his travel towards Allah holds his master's hand in his own and pledges: adhering to good deeds and abstention from sins. This pledge is called allegiance (بیعت). There is a great importance of allegiance in Sufism. The need, purpose & methods of allegiance are all derived from the Quran and the Prophetic traditions (Sunnah).

The Holy Quran says: "Those who are getting in allegiance with You are indeed allying with Allah. Allah's hand is on their hands, so whosoever breaks the allegiance will be liable for the same; and whosoever fulfils the promise with Allah, He will soon reward them immensely. (Al-Fath, v. 10)

There have been many events of obtaining allegiance and gaining of pledges in the Prophetic life, like allegiance of men, allegiance of women, allegiance of a singular person, allegiance of a congregation etc., even the allegiance of children is found in the authentic Prophetic traditions.

Imam Bukhari (Alaih Ar-Rahmah)][D. 256 H] narrates through Ubadah bin Saamit (May Allah be pleased with Him) that Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said: "Make an allegiance with me with the conditions that you will not ascribe anything (worthy of worship) with Allah, will not indulge into theft, will not indulge in unlawful sexual relationships, will not kill your children, will not slander and defame anybody and will not disobey from performing good deeds. Whosoever amongst you fulfils the promise, it is upon Allah to reward him/her; and whosoever commits anything among these and received punishment in this life, the same will become its compensation. And whosoever commits anything among these and has been

out of humility and submission, cannot stop or abandon any religious obligations which are mandated by his lord.
The importance and comprehensiveness of this hadith can be known through the following statement given by Qazi Ayaz (ra) which is also transmitted by Imam Nawawi: “This sacred hadith is covers all the visible and hidden aspects of the deeds like the pillars of faith, deeds of the body, sincerity and safety from the disasters of (bad) deeds. These aspects form as a base of the knowledge of Sharia and all of the knowledge are its branches. I’ve written a book on the said three pillars of faith (Islam, Iman & Ihsan) by the title: **‘الإنسان يلزم فيما الحسان المقاصد’** because there is no aspect from the obligatory (wajib), prophetic traditions (sunan), recommended (mustahib), prohibited (mamnu) & adverse deeds (makrooh) which is beyond the scope of these three pillars.
Imam Ibn Hajr Asqalani (ra) {D. 852 AH.} declares Ihsan, as mentioned in Hadith e Jibraeel, to be the key pillar of faith and an original source of Sufism and states: “The part of the hadith ‘أَنْ تعْبُدَ الله كأنّك تَراه’ is one of the greatest principles among all and one of the most important rules of all the rules meant for Muslims. This principle is the most trusted among the friends of Allah, a goal for the travellers of Tareeqat, a treasure for the knowers of Allah & a methodology of the righteous. These are one of those concise words which have been given (by Allah) to Rasoolullahﷺ.
Like Imam Nawawi and Imam Asqalani (May Allah shower blessing on the both), the consensus of all the righteous scholars is that Ihsan, as mentioned in the Hadith e Jibraeel, is itself Sufism and that the status of Ihsan can only be gained by following the teachings of Sufism. Because as the pillars of faith: Islam has been interpreted by Fiqh, Iman has been interpreted by theology, in the same way, the third pillar of faith, Ihsan is interpreted, explained & elucidated by Sufism. And, the sources of all these three pillars of faith are: the sacred, praised and blessed personality of Sayyiduna Rasoolullah ﷺ; the book that was revealed on Him ﷺ (The Holy Quran), His ﷺ life examples and traditions (Seerah and Sunan) & His ﷺ teachings and directions.
In the following paragraphs, we are sharing few important and practical modes of Sufism in addition to presenting proofs from the Quran and Prophetic Traditions, the various ranks & levels found in the pathways which lead towards Allah. This is to make sure that the so called “intellectualism” wouldn’t dare to have a word against Sufism, who either slander it as Non-Arabism or declare it as a derivative from Christianity, Buddhism or Hinduism. Please note this is a limited & brief overview within which it is neither possible to cover the entire subject of Sufism nor is there a feasibility of mentioning all the levels and circumstances related to the science of Sufism. Here, we just want to submit an evidence that as the Holy Quran and Prophetic sayings and traditions (Ahaadith) are the source and origin of Ihsan, ultimately, so is the case related to all of its integral branches, stages, conditions and pathways (teachings) leading towards (the closeness of) Allah. Therefore, this article adheres to highly impeccable reasoning from the Quran and Sunnah rather than making logical proofs, rational judgements, narrations of historical, jurisprudential, theological, exegetical narrations or the word of any Sufi scholar as its standards of base and judgement; so that, on one hand, it can form a standard for the followers of Sufism and on the other hand, it can act as an advice and learning to its opponents.

Him, (you need to be certain that) He is watching you'. He asked: 'Tell me about the day of judgement'. He was told: 'The one who is being questioned isn't more knowledgeable than the one who is questioning'. The visitor asked: 'So tell me about its signs'. Rasoolullah ﷺ replied: '(The signs of hour are) that the slave girl will give birth to her mistress, and you will see people with bare foot, naked body; those relying on others & shepherds will start living in palaces'. Sayyiduna Umar bin Al-Khattab (rz) says: 'The visitor then left the gathering post which I remained silent for a while until Rasoolullah ﷺ asked me: 'O Umar! Do you know who the questioner was'? I said: 'Allah and His Messenger knows the best'. He ﷺ said: 'It was Jibraeel (Alaihissalam) who had come to teach you all your religion."

This hadith is also reported by Abdullah bin Abbas, Abu Hurairah, Amarah bin Qaqa'a and Anas (May Allah be pleased with them all). Additionally, in most of the narrations, the word 'أن تعبد الله' is found, however, in few narrations, the words 'أن تَعمَل لله' (translated: perform the deeds for Allah in such a way...) and 'أن تَخْشى الله' (translated: fear Allah in such a way...) is also recorded.

The profound scholars of hadith have explained various mystic and spiritual aspects pertaining to this hadith. Regardless of all these aspects, the point which is worth sharing here is that Allah the exalted has referred an utmost honourable statement by the sacred utterance of His Beloved ﷺ to clarify the and showcase pillars of faith. The apex level of honour to it has also been showcased by sending Jibraeel (as) in the form of a questioner so that the status and importance of the subjects mentioned in this sacred hadith can be made clear. As we had a glance, Sayyiduna Jibraeel (as) asked three questions in this hadith. What is Islam? What is Iman? What is Ihsan? Rasoolullah ﷺ replied to the questions and also said: "It was Jibraeel (as) who had come to teach you all your faith." In this way, it is apparent that Islam, Iman and Ihsan are three pillars of the religion as taught by Prophet Muhammad ﷺ and certainly, it remains incomplete even if one among them is negated. Therefore, refusal of any one of these pillars will be considered as a refusal of the entire faith.

4. Ihsan and Sufism

What it was termed as Ihsan in the Hadith of Jibraeel (as) was then named as Sufism. Sayyiduna Rasoolullah ﷺ said: "Obey Allah in such a way as if you are watching Him and if you cannot see Him, consider that He is watching you." The first stage is called witnessing (مشاهده) which is of higher status, the apex destination in Sufism and the utmost wish of the travellers in Tareeqat. The second stage called self-surveillance (مراقبه) wherein the worshipper worships with a view of continuously being monitored by Allah. This constant thinking of self-surveillance always helps in maintaining purified intentions in a person (اخلاص). So, Sufism is based on these two stages and is a synonym of travelling (in the way of Allah) {سلوك} and accessing (the observance of Allah) {وصول}. A sufi, as the follower of Sufism is generally called, is either a traveller (سالك) or an accessory (واصل).

The interpreter of Sahih Muslim, Imam Nawawi (D. 676 AH), says: The Messenger of Allah said: "Ihsan is to worship Allah in a way as if you are seeing Him and if you do not see Him, consider that He is seeing you." These are very noteworthy and concise words that has been granted to Sayyiduna Rasoolullah ﷺ (and to us through Him ﷺ). These words are special because if we analyse, if someone keeps on seeing the beauty and dignity of Allah, the person,

Fiqh & Usool was present in the said times nor was it needed. If they mean Sufism, then undoubtedly, it was present in the earlier Islamic centuries. Rasoolullah ﷺ, the greatest guide Himself ﷺ, used to rectify (the lives of) His ﷺ companions and used to train them in the aspect of "Jihad al-Akbar."

Shaykh Muhammad Siddiq Muhaddith Ghumari (ra) says: "As far as the laying of the foundation for Sufism goes, know that its foundation is laid by the heavenly revelation just like it laid the foundation of every aspect of Islam. Undoubtedly, Sufism is the very aspect which has been referred (in the Ahadith) as Ihsan. Ihsan is one of the three pillars of Islam which has been described by Rasoolullah ﷺ one after the other and stated them to be the matter of faith when He ﷺ said: "He was Jibraeel (Peace be upon him) who had come to teach you your faith." These three pillars are Islam, Iman and Ihsan. Islam teaches: Obedience and Worship of Allah, Iman denotes: Illumination and Creed while Ihsan denotes: state of being in constant meditation and self-surveillance.

3. The Hadith of Jibraeel

The hadith which Shaykh Ghumari referred in the above text and the one which he declared to be the foundation of Sufism is commonly termed as Hadith of Jibraeel. This hadith is an important source of origin to not just Sufism, but also the same to the sacred Islamic Shariah. This is a very famous and authentic hadith. Innumerable compilers of authentic hadiths, prophetic traditions, Islamic historians & writers have narrated it in their works and compilations.

Since Hadith of Jibraeel is a fundamental source to the followers of Sufism and, according to Imam Ibn Hajar Asqalani (ra), is a (preset) goal for the seeker of divine pleasure (بغية السالكين), a treasure for the mystics (كنز العارفين) & essence of the most loyal (worshippers) to Allah (عمدة الصديقين), therefore, it is being stated slightly greater in detail.

Imam Muslim (ra) narrates through Sayyiduna Umar Farooq (rz) in Sahih Muslim: "One day we were present in the court of Rasoolullah ﷺ when a person came to us whose clothes were immensely white while his hairs were very dark. Neither there were any impressions of travel (tiredness on his face & gestures and dust on his clothes), nor anyone amongst us was familiar to him. He sat in front of the Holy Prophet ﷺ in such a way that his knees touched the knees of the Prophet ﷺ. He rested his hands on his thighs and enquired: 'O Muhammad ﷺ, tell me about Islam (define Islam)'. Rasoolullah ﷺ said: 'Islam means that you testify that there is none worthy of worship except Allah and that (Prophet) Muhammad ﷺ is His messenger; and you establish Prayers, pay Zakat, fast during the month of Ramadan and perform Haj if you can afford'. The visitor, whom we didn't know, said: 'You have told the truth'. The narrator of the hadith, Sayyiduna Umar (rz) said: 'We were very surprised by the visitor who had questioned and had also verified the answer by himself'. Then he asked: 'Tell me about Iman'. Rasoolullah ﷺ replied: 'It means to believe in (the existence) of angels, in the books (which were revealed prior to Quran), on all of the Messengers, on the last day (of judgement), on good and bad destiny and on being brought back to life after death'. The visitor replied: 'You have told the truth'. The he asked: 'Tell me about Ihsan'. He was told: 'Ihsan means that you worship Allah in a way as if you are watching Him. If you cannot see

of Allah. The holy Messenger ﷺ said: “Neither does Allah look at your physique nor your face, but He looks at your heart.” (2)

Therefore, purity in deeds and salvation in the hereafter is purely based on the rectification of heart. This depicts the extraordinary importance of the heart and the commands related to it. Additionally, one of the reasons that the rules related to the heart are so important is that the defects of the heart happen to be very secretive and hidden and its identification is challenging. Rather, at times, we misjudge the defect of the heart as its skill and its error as perfection. For instance, neither anyone feels a broken leg to be good for one’s health nor does he make a mistake in interpreting the occurrence of fever or head ache. But there are such people in abundance, who misinterpret ego as self-respect, flattering as respect for others, backbiting as truth telling, insult as humility, cowardice as cautious, oppression as bravery and miserly as economical.

All the defects of the heart, including the whispers of Satan (وساوس) can be eliminated by rectifying the heart and fixing right the manners; through which, all the orders related to the heart can be fulfilled completely. Allah says in the Holy Quran (translated): “Successful is the (person) who purified his heart.” (Surah Ash-Shams: V 9).

Sufism is, in fact, the very name of purification of heart and manners, upon which a person can build his internal and external personality, so that he remains in access to everlasting pleasure and satisfaction. Qazi Zakaria Ansari (D. 929 Hijri) defines Sufism as (translated): “Sufism is such knowledge through which purification of heart, rectification of manners & conditions for building inner and outer personality is known from, in order to attain an everlasting happiness.” (3)

In short, the performance of a deed is dependent upon the heart, which is in fact, the place of stay of our Almighty. Furthermore, the optimization & success of heart depends upon its purification, while the rules and means of attaining purification will be known through Sufism. Therefore, out of this very clear and definite introduction, we can conclude that the need and importance of Sufism is beyond any doubt & suspicion.

2. Origin of Sufism

Just like any other aspects in the religion of Islam, the origin of the teachings of Sufism and Tazkiah (purification or rectification of heart) is the personality of our beloved Prophet Muhammad ﷺ Himself. Rather, the Holy Quran states that Tazkiah itself is the purpose of the coming of the Noble Prophet ﷺ in this world: “Indeed Allah the exalted has done a great favour to the faithful believers by sending a Messenger to them amongst themselves who recites His (divine) revelations to them, purifies them and teaches them knowledge and wisdom of the book (of the Quran).” (Al-Quran, 3:164)

Similarly, the specifications and rules of Sufism are also extracted from the Quran and Sunnah. Those who do not differentiate between Sufism and the knowledge of Sufism are often found to be in grave misunderstanding. They enquire as to why weren’t the teachings of Sufism present in the era when the Companions (May Allah be pleased with them all) of Rasoolullah ﷺ walked on this earth? Well, if they mean the whereabouts of the knowledge of Sufism, then indeed, neither was it present in the earlier (Islamic) centuries nor was it necessary then. Rather, none among the knowledge of Quran (Tafseer), Hadith, Tauheed,

Tasawwuf: Origin, Sources, Methods & Stages

Prof. Syed Aleem Ashraf Jaisi
Professor & Head, Dept. of Arabic, MANUU, Hyderabad

Translated into English by Abdul Aleem, The Qur'an Foundation

Abstract: This paper examines the need and centrality of *Tasawwuf* as the dimension of Islam devoted to purification of the heart and refinement of character. Beginning with the Quranic and Prophetic division of religious obligations into outward actions and inward states, it argues that the validity and spiritual acceptance of external deeds ultimately depend on the soundness of the heart. The paper presents *Ihsan* as the inner core of religion and identifies Tasawwuf as its systematic science and lived practice. The study clarifies that Tasawwuf is rooted in the Quran and Sunnah and was embodied in the life, training and spiritual discipline that the Prophet ﷺ imparted to his Companions, even if its technical vocabulary and formal manuals emerged later. It then outlines key Sufi methodologies such as companionship, allegiance, spiritual struggle, remembrance , solitude, and principal spiritual stations like repentance, self-reckoning, fear, hope, sincerity, patience, trust and gratitude. Engaging classical authorities including Qushayri, Nawawi, Ibn Hajar and Ghazali, the paper concludes that Tasawwuf offers a disciplined path for interiorizing the Sharia, protecting the heart from subtle spiritual diseases, and cultivating a continuous, conscious presence with Allah.

1. The need and importance of Tasawwuf (Sufism)

The Islamic Sharia has given two types of orders to humanity for its rectification and success in this life and the one in the hereafter. The first type of order deals with the body, while the other deals with the spirit / heart. Subsequently, the orders pertaining to the body and the spirit are again classified into two: Commands and Prohibitions.
The commands related to the body are: Offering Salah, paying zakat, observing fast during the month of Ramadan, performing Hajj etc.; and the prohibitions being: theft, adultery, imbibing alcohol etc. Similarly, the commands for the spirit are: to believe in Allah, all of His angels, all of His Messengers, the divinely revealed books, in the day of resurrection etc. while truthfulness, trust on Allah, contentment is also in the list. Finally, the prohibitions for the spirit are disbelief, hypocrisy, hatred, egotism & jealousy.
In order to attain success and salvation, it is important to rectify both the body and the spirit and to adhere to the commands and prohibitions as taught by the Sharia. But the orders for the spirit, whether it be commands or prohibitions, are very significant because it is these aspects upon which the health (purity) and acceptance of one's deeds depend upon.
Our beloved, the final messenger of Allah ﷺ said: "Indeed there is a piece of flesh in the body. If it stays sound, so does the entire body. If it is spoilt, so becomes the entire body. Beware, that piece of flesh is the heart." (1) This is the very organ in the body which is the living place

Editor's Note

The Deccan region occupies a distinctive place in India's civilizational history owing to its long-standing traditions of cultural plurality, linguistic richness, and social harmony. Central to this legacy are the Sufi saints and the khanqahs established by them, which played a decisive role in shaping the intellectual, moral, and social character of the region. These institutions were not merely spiritual centres; they functioned as vibrant hubs of learning, moral refinement, literary and cultural expression, community welfare, and interfaith harmony, together nurturing what later came to be recognized as Deccani culture.

The spread of Islam in the Deccan occurred largely through the compassionate efforts of Sufi saints, making the rise of khanqahs a natural and historically significant development. From the early presence of Arab traders and Sufi missionaries to the generous patronage of Deccan Muslim rulers, khanqahs evolved into multifaceted institutions serving diverse segments of society. Despite their undeniable significance, the need for systematic, research-oriented scholarship on Deccani khanqahs has long been felt. This realization led to the organization of a national seminar and the subsequent compilation of its proceedings, aimed at examining the khanqah tradition through rigorous historical and analytical perspectives rather than relying solely on devotional narratives.

The present volume is rooted in the academic vision of Professor Syed Alim Ashraf Jaisi, whose aspiration to document and critically evaluate the contributions of the Deccan's khanqahs inspired both the seminar and this publication. Although it was initially expected that only a small number of English papers would be submitted, the response far exceeded expectations, resulting in the inclusion of thirteen English papers. These contributions cover a wide spectrum from introductory reflections on taṣawwuf to detailed studies on the academic and social roles of major Sufi orders and lineages such as the Chishti, Qadri, Multani-Qadri, and Razvi Syeds, as well as focused examinations of individual Sufi figures.

I am grateful to the University administration for entrusting me with this responsibility, and I acknowledge with sincere appreciation the support extended by the members of The Qur'an Foundation, Hyderabad. The successful compilation of these papers was made possible through the dedicated work of the editorial team, with particular recognition due to Ms. Ismat Fathima for her meticulous review and logical sequencing of the English papers. This volume stands as a collective academic endeavour and reflects sustained scholarly engagement with the study of the khanqah tradition in the Deccan.

Prof. Mohammed Abdul Sami Siddiqui

Contents

The Qur'an Foundation

and the Organizing Committee of the seminar
express their sincere gratitude to
Azhar Baig Sahab, Mahmood Ali Sahab,
and all other contributors.
May Allah reward them abundantly.

Dedicated to

Hazrat Sayyid Muhammad Husayni Khaja Bandanawaz Gesudaraz (Rahmatullah Alyhi)

Organizing Committee

Prof. Syed Alim Ashraf Jaisi (MANUU)	Maulana Syed Aale Mustafa Musawi (Hyderabad)
Prof. Mohd Abdul Sami Siddiqui (MANUU)	Maulana Syed Tanveer Hashmi (Bijapur)
Prof. Nikhath Jahan (MANUU)	Maulana Syed Kalimullah Hussaini (Hyderabad)
Dr. Jarrar Ahamad (MANUU)	Mr. Syed Munawar (TQF)
Dr. Afroz Zaheer (MANUU)	Dr. Syed Ali Luqman Hussaini (TQF)
Dr. Md. Zubair Ahmad (MANUU)	Mr. Mohammed Samiuddin Owais (TQF)
Mr. Syed Samiullah Hussain (MANUU)	Mr. Akbar Ahmed Khan (TQF)
Mr. Muhammed Mujahaid (Rizwan) (TQF)	Mr. Omer Shaik (TQF)
Mr. Wahed Ali Khan (TQF)	Mr. Syed Basheeruddin (TQF)

Editorial Board

Title	:	Khanqahs of the Deccan and their Academic and Social Contributions
Editors	:	Prof. Syed Alim Ashraf Jaisi & Prof. Mohammed Abdul Sami Siddiqui
First Edition	:	December 2025
Copies	:	500
Pages	:	192
Price	:	₹1250/-
Published By	:	Prof. Syed Alim Ashraf Jaisi
Printed By	:	Abul Wafa Afghani Printing Press, Hyderabad

ISBN : 978-93-559388-93

Khanqahs of the Deccan and their Academic and Social Contributions

A collection of research papers of the

Two-Day National Seminar

held on 8- 9 December 2025

at

Maulana Azad National Urdu University

Hyderabad

Edited by

Prof. Syed Alim Ashraf Jaisi
Head, Department of Arabic
and Dean, Students Welfare, MANUU
&
Prof. Mohammed Abdul Sami Siddiqui
Director, CPDUMT, MANUU

Khanqahs of the Deccan

& THEIR ACADEMIC AND SOCIAL CONTRIBUTIONS

Editors
Prof. Syed Alim Ashraf Jaisi
Prof. Mohammed Abdul Sami Siddiqui

The Qur'an Foundation, Hyderabad